جدید ایڈیشن

قرآن کریم کے معانی ومطالب سے واقف کرانے کیلئے
بامحاورہ اور لفظی ترجمہ کے ساتھ آسان تعلیمی

درسِ قرآن

پارہ ۱۶ تا ۲۰

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلام پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے' اور اگر عمل کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعتِ نفل پڑھنے سے افضل ہے

تسہیل شدہ ترجمہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات

مولانا محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر ملخص از تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن و دیگر تفاسیر

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

اگر آپ روزانہ
پندرہ منٹ "درسِ قرآن"
سے ایک درس پڑھیں تو ان شاء اللہ
آپ اس کے معانی ومطالب کو سمجھنے
میں کامیاب ہوجائیں گے

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا

اُن بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق

فَلَا تُصَاحِبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّي عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ

کچھ پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بیشک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا

اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ

تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا سو انہوں نے اُن کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا اتنے میں اُن کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو اُن بزرگ نے اس کو سیدھا کر دیا۔

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ

موسیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت ہی لے لیتے۔ اُن بزرگ نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے میں ان چیزوں کی

بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

قَالَ اس نے کہا	أَلَمْ کیا نہیں	أَقُلْ میں نے کہا	لَكَ تجھ سے	إِنَّكَ بیشک تو	لَنْ تَسْتَطِيعَ ہرگز نہ کر سکے گا	مَعِيَ میرے ساتھ	صَبْرًا صبر
قَالَ إِنْ اس (موسیٰ) نے کہا اگر	سَأَلْتُكَ میں تم سے پوچھوں	عَنْ شَيْءٍ کسی چیز سے	بَعْدَهَا اسکے بعد	فَلَا تُصَاحِبْنِي تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا			
إِذَا أَتَيَا جب وہ دونوں آئے حَتَّىٰ یہاں تک کہ فَانْطَلَقَا پھر وہ دونوں چلے عُذْرًا عذر مِنْ لَّدُنِّي میری طرف سے قَدْ بَلَغْتَ البتہ تم پہنچ گئے							
أَهْلَ قَرْيَةٍ ایک گاؤں والوں کے پاس	اسْتَطْعَمَا دونوں نے کھانا مانگا	أَهْلَهَا اس کے باشندے	فَأَبَوْا أَنْ تو انہوں نے انکار کر دیا کہ				
يُضَيِّفُوهُمَا وہ انکی ضیافت کریں	فَوَجَدَا پھر انہوں نے پائی (دیکھی)	فِيهَا جِدَارًا اسمیں (وہاں) ایک دیوار	يُرِيدُ وہ چاہتی تھی				
أَنْ يَنْقَضَّ کہ وہ گر پڑے	فَأَقَامَهُ تو اس نے اسے سیدھا کر دیا	قَالَ اس نے کہا	لَوْ شِئْتَ اگر تم چاہتے	لَتَّخَذْتَ لے لیتے	عَلَيْهِ اس پر		
أَجْرًا اجرت	قَالَ اس نے کہا	هَٰذَا یہ	فِرَاقُ جدائی	بَيْنِي میرے درمیان	وَبَيْنِكَ اور تمہارے درمیان	سَأُنَبِّئُكَ اب تمہیں بتائے دیتا ہوں	
	بِتَأْوِيلِ تعبیر	مَا جو	لَمْ تَسْتَطِعْ تم نہ کر سکے	عَلَيْهِ اس پر	صَبْرًا صبر		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنے اور عیب دار کر دینے کا واقعہ بیان ہوا تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے معذرت فرمائی کہ مجھ سے بھول سے غلطی ہوگئی معاف کیجئے اور چونکہ اول ہی مرتبہ کا اعتراض تھا اور خضر علیہ السلام بھی واقف تھے کہ بھول سے ایسا ہوا ہے اس لئے خضر علیہ السلام نے درگذر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں سفر جاری رہا۔ لکھا ہے کہ کشتی نے ابھی تھوڑی ہی مسافت آگے کو طے کی تھی کہ ملک روم کے بادشاہ کی ایک بندرگاہ آ گئی۔ یہ ظالم بادشاہ یہاں سے گزرنے والی کشتیوں کو جبراً پکڑ کر چھین لیتا تھا جس سے کشتی کے مالک اور مسافر ناگہاں مصیبت میں مبتلا ہو کر پریشان ہوتے تھے بندرگاہ پر کشتی پہنچتے ہی بادشاہ

کے ملازم اور سپاہی آ چڑھے کہ مسافروں کو اُتار دیں اور کشتی پر قبضہ کرلیں۔لیکن ٹوٹی ہوئی دیکھ کر اور بیکار سمجھ کر چھوڑ گئے۔خضر علیہ السلام نے ملاح سے کہہ دیا کہ ہم نے تمہاری کشتی اسی ظالم کے ہاتھ سے بچانے کے لئے توڑ کر عیب دار کر دی تھی اب ہم اس کو درست کردیں گے۔کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کا بہت شکر ادا کیا اور بڑی دعائیں دیں کہ آپ نے بڑی مصیبت اور نقصان سے بچایا وہاں سے تھوڑی دور آگے چلنے کے بعد خضر علیہ السلام نے اُسی تختہ کو اپنی جگہ پر لگا کر درست کر دیا اور اہل کشتی دعائیں دیتے ہوئے اور خضر علیہ السلام کی جدائی پر افسوس کرتے ہوئے چھوڑ کر ان سے رخصت ہوگئے،کشتی سے اترنے کے بعد دو واقعات ان آیات زیر تفسیر میں بیان فرمائے گئے ہیں۔یہ حضرات کشتی سے اترنے کے بعد پیادہ چلتے ہوئے ایک بستی کے قریب پہنچے وہاں ایک جگہ چند لڑکے کھیل رہے تھے۔خضر علیہ السلام نے ان میں سے ایک خوبصورت ہنستے کھیلتے ہوئے نوعمر نابالغ لڑکے کو پکڑ کر بلا تامل زمین پر لٹا دیا اور چاقو سے ذبح کرکے سر کو گردن سے جدا کرکے ڈال دیا۔موسیٰ علیہ السلام میں شان نبوت اور نہی عن المنکر کا ظہور اور غلبہ تھا وہ اس واقعہ کو دیکھ کر جو بظاہر کشتی کے واقعہ سے بھی سخت ظلم تھا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔فوراً گھبرا کر حضرت خضر علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ نے یہ کیا ظلم کیا۔بلاقصور ایک ایسی جان کا خون کردیا جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔یہ تو آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔اس وعدہ خلافی کو دیکھ کر خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ سے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ آپ سے میرے ہمراہ رہ کر خاموش نہ رہا جائے گا۔موسیٰ علیہ السلام کو اس مرتبہ وعدہ یاد تھا لیکن فرض منصبی ادا کرنے کا جو جوش اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں رکھا تھا اس نے مجبور کردیا اور خاموش نہ رہ سکے اس لئے اب کی دفعہ بھولنے کا عذر

اور معافی کی درخواست نہیں کی بلکہ فرمایا کہ خیر اب تو غلطی ہوگئی۔آپ پچھلی مرتبہ درگذر کر چکے ہیں کہ آئندہ معذور سمجھنے اور درگذر کرنے کی گنجائش نہیں۔آئندہ اس قسم کا اعتراض کروں تو آپ اپنے سے مجھ کو جدا کردیں۔ایک حدیث میں جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کا قصہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا خوب ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی قدر اور صبر کرتے تاکہ ان دونوں کے پر حکمت حالات قرآن مجید میں ہم کو اس زیادہ سنائے جاتے لیکن بار بار خلاف وعدہ ہو جانے اور عذر کرنے سے اُن کو شرم آ گئی اس لئے جدائی کو تجویز کرلیا۔بہر حال حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو قبول کیا اور اب بھی اپنی ہمراہی میں رکھا۔خضر علیہ السلام کے ہمراہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع چلے جارہے تھے۔دو پہر کا وقت ہوگیا سب کو کھانے کی ضرورت ہوئی تو ایک بستی میں پہنچے جس کے رہنے والے اکثر خوشحال تھے۔بہت مجمعوں میں گئے جہاں لوگ جمع تھے اور ظاہر کیا کہ ہم مسافر ہیں کھانا کھلاؤ۔مگر وہاں کے باشندے کچھ ایسے بخیل تھے کہ خیال ہی نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے کھانے پینے اور ہر قسم کے سامان غیب سے مہیا کرسکتا تھا۔لیکن اہل بستی کی حالت کا امتحان اور بخل کا اظہار منظور تھا۔سب جگہ پھر پھرا کر واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک نہایت پرانی اور اونچی دیوار کو دیکھا جو بالکل گرنے کے قریب تھی اور اس قدر جھک گئی تھی کہ لوگ اس کے پاس کو بہت ڈرتے ڈرتے راستہ چلتے تھے۔خضر علیہ السلام نے دیوار کے پاس کھڑے ہو کر ایک ہاتھ دیوار کے اس طرف رکھا اور ایک دوسری طرف اور دیوار پر ہاتھ پھیر کر برابر کرکے سیدھا کردیا جس سے وہ دیوار سیدھی مضبوط ہو کر کھڑی ہوگئی۔اگرچہ یہ کوئی ناجائز یا ممنوع کام نہ تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس

لئے ناگوار ہوا کہ اس بستی والوں نے بہت ہی سنگدلی اور بے مروتی سے ان حضرات کو کھانا تک نہیں کھلایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس گاؤں کے باشندوں سے ہم نے کھانا مانگا تو ان بے مروت لوگوں نے کھانا نہ دیا۔ نہ کچھ مروت سے پیش آئے۔ پھر بھلا آپ نے بلا کسی کے کہنے سننے کے اس دیوار کو کیوں مفت درست کر دیا۔ اس پر کچھ اجرت ٹھہرا لینی تھی۔ چونکہ یہ تیسرا اعتراض تھا اور موسیٰ علیہ السلام خود ہی فرما چکے تھے کہ آئندہ اگر کوئی اعتراض کروں تو جدا کر دیا جاؤں اسلئے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اب ہمارے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام وعدہ اور شرط کی پابندی سے کچھ عذر نہ فرما سکے۔ علیحدہ ہوتے وقت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ جو واقعات پیش آئے ہیں ان کے علم اور حقیقت سے مطلع فرماتے جائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ بہتر ہے جن باتوں کو آپ ناگوار سمجھ کر صبر نہ کر سکے ان کی حکمت سن لیجئے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ان کاموں میں جو راز و اسرار تھے اور جو انہوں نے بامر خداوندی کئے تھے ان کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس پر یہ قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کا ختم ہوتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ اور ان مذکورہ واقعات میں جو اشکال پیدا ہو سکتا ہے اس کو بھی انشاء اللہ قصہ کے خاتمہ پر آئندہ درس میں بیان کیا جائے گا۔

الحمدللہ کہ آج پندرہویں پارہ سبحٰن الذی کا بیان ختم ہو کر سولہواں پارہ قال الم شروع ہو گیا اس طرح قران پاک کے نصف اول کا بیان حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے پورا ہو گیا۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں اپنی مرضیات پر ظاہر میں اور باطن میں قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جو معاملہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ فرمائیں اس میں اپنی رحمت و حکمت کا یقین ہم کو نصیب فرمائیں۔

یا اللہ بیشک آپ کے سب کام پُر حکمت ہوتے ہیں۔ خواہ ہماری سمجھ میں وہ حکمت آئے یا نہ آئے یا اللہ! ہم کو ہر حال میں اپنی ذات عالی کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اور اپنی حکمت سے ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما۔

یا اللہ! ہم کو آپ نے شریعت مطہرہ کے ظاہری و باطنی احکام کا جو مکلّف فرمایا ہے ہم کو ہر حال میں اس کی پابندی نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! آپ رحیم و کریم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں۔ اس لئے ہمیں جو ناگوار واقعات پیش آئیں ان میں......ہم آپ کی رحیمی و کریمی کے ساتھ حکمت کا بھی یقین رکھیں۔

یا اللہ! ہم ایمان کے ضعیف اور کمزور ہیں کسی ابتلا اور امتحان کی سہار نہیں رکھتے اس لئے ہر حال میں آپ کے کرم و رحم فضل و احسان ہی کے ملتجی ہیں۔ ہمیں ہر حال میں صراط مستقیم پر اپنی مرضیات کے ساتھ قائم رکھئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم

وہ جو کشتی تھی سو چند آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور (وجہ اسکی یہ تھی کہ) ان لوگوں سے آگے کی طرف

مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَن يُرْهِقَهُمَا

ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔ اور رہا وہ لڑکا سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے۔

طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ

پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو اور (ماں باپ کیساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔

فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ

اور رہی دیوار سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا

رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ

کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

أَمْرِي ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

لیجئے یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔

أَمَّا رہی	السَّفِينَةُ کشتی	فَكَانَتْ سو وہ تھی	لِمَسَٰكِينَ غریب لوگوں کی	يَعْمَلُونَ وہ کام کرتے تھے	فِي الْبَحْرِ دریا میں	فَأَرَدتُّ سو میں نے چاہا	أَنْ کہ	
أَعِيبَهَا میں اسے عیب دار کردوں	وَكَانَ اور تھا	وَرَاءَهُم انکے آگے	مَّلِكٌ ایک بادشاہ	يَأْخُذُ وہ پکڑ لیتا	كُلَّ سَفِينَةٍ ہر کشتی	غَصْبًا زبردستی	وَ اور	
أَمَّا رہا	الْغُلَامُ لڑکا	فَكَانَ تو تھے	أَبَوَاهُ اسکے ماں باپ	مُؤْمِنَيْنِ دونوں مومن	فَخَشِينَا سو ہمیں اندیشہ ہوا	أَن يُرْهِقَهُمَا کہ انہیں پھنسادے	طُغْيَانًا سرکشی میں	
وَكُفْرًا اور کفر میں	فَأَرَدْنَا پس ہم نے ارادہ کیا	أَن يُبْدِلَ کہ بدلہ دے	لَهُمَا ان دونوں کو	رَبُّهُمَا ان کا رب	خَيْرًا بہتر	مِّنْهُ اس سے	زَكَاةً پاکیزگی	
وَأَقْرَبَ اور زیادہ قریب	رُحْمًا شفقت	وَأَمَّا اور رہی	الْجِدَارُ دیوار	فَكَانَ سو وہ تھی	لِغُلَامَيْنِ دو بچوں کی	يَتِيمَيْنِ دو یتیم	فِي الْمَدِينَةِ شہر میں۔کے	
وَكَانَ اور تھا	تَحْتَهُ اسکے نیچے	كَنزٌ خزانہ	لَّهُمَا ان دونوں کیلئے	وَكَانَ اور تھا	أَبُوهُمَا ان کا باپ	صَالِحًا نیک	فَأَرَادَ سو چاہا	رَبُّكَ تمہارا رب
أَن يَبْلُغَا کہ وہ پہنچیں	أَشُدَّهُمَا اپنی جوانی	وَيَسْتَخْرِجَا اور وہ دونوں نکالیں	كَنزَهُمَا اپنا خزانہ	رَحْمَةً مہربانی	مِّن رَّبِّكَ سے تمہارا رب			
وَمَا فَعَلْتُهُ اور یہ میں نے نہیں کیا	عَنْ سے	أَمْرِي اپنا حکم (مرضی)	ذَٰلِكَ یہ	تَأْوِيلُ تعبیر (حقیقت)	مَا جو	لَمْ تَسْطِع تم نہ کرسکے	عَلَيْهِ اس پر	صَبْرًا صبر

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں تین واقعات کا ذکر ہوا تھا جن کو حضرت خضر علیہ السلام کے کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر تعجب کا اظہار فرمایا تھا۔ ایک تو حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑ کر ناکارہ اور عیب دار بنا دینا۔ دوسرے ایک لڑکے کو قتل کر دینا اور تیسرے

ایک گرنے والی دیوار کو بغیر کہے سنے اور بغیر کسی اجرت کے سیدھا کردینا۔ تیسرے واقعہ کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام میں جدائی کا وقت آ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں باتوں کی حقیقت اور ان کی حکمت کو ظاہر فرمایا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ جس کشتی میں آپ سوار تھے اس کے مالک نہایت مفلس اور غریب لوگ تھے۔ آٹھ دس آدمیوں کی معاش اور روزی کا ذریعہ یہی کشتی تھی۔ راستہ میں ایسے بادشاہ کی سلطنت میں گزرنا تھا جو تمام کشتیوں کو ظلماً چھین کر ضبط کرلیتا تھا لیکن بیکار اور ٹوٹی پھوٹی کشتیوں کو نہ لیتا تھا۔ چونکہ یہ باتیں خدا تعالیٰ نے مجھ کو منکشف کرادی تھیں اس لئے پہلے سے میں نے کشتی کو توڑ دیا۔ اس تدبیر سے ان مسکینوں کی کشتی ظالم کے ہاتھ سے بچ گئی اور پھر آسانی سے درست ہوگئی۔ چنانچہ یہ باتیں آپ بچشم خود دیکھ چکے ہیں۔ دوسرے وہ لڑکا جس کو آپ نے بظاہر بے قصور مومن سمجھ کر اس کے قتل کو بہت ہی بڑا گناہ سمجھا تھا اس کی اصل طبیعت اور خلقت ہی میں مادۂ کفر کا غلبہ رکھ دیا گیا تھا وہ اگر زندہ رہ کر بالغ ہوتا تو کافر ہی ہوتا اور ایسے افعال کا مرتکب ہوتا جن سے خود گمراہ ہونے کے علاوہ اپنے مومن والدین کو بھی اپنا شریک کر کے آخر کافر بنا کر چھوڑتا خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کے والدین کا ایمان بھی سلامت رہے اور اس لڑکے کی عوض میں اس سے بہت بہتر اولاد ان کو عطا کردے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو اس بیٹے سے بہت زیادہ اطاعت کے ساتھ ان کی خدمت و دلداری کر کے دل ٹھنڈا کرے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مطلع کر کے مجھ کو اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ تیسرے اس بخیل بستی والوں کی دیوار جن کی بے مروتی کے مقابلہ میں اس کا مفت درست کردینا آپ کو ناپسند ہوا وہ دو یتیم بچوں کے مکان کی دیوار تھی جن کے دین دار اور مومن باپ نے حلال روزی اور پیشہ سے نہایت مشقت سے کچھ مال جمع کر کے بچوں کے لئے دیوار کے نیچے دفن کردیا تھا۔ اگر اسی وقت ان کی صغر سنی میں دیوار گر کر مال ظاہر ہوجاتا تو ان کے عزیز و اقارب سب خرد برد کر جاتے۔ ان قابل رحم یتیموں کو کچھ بھی نہ ملتا۔ خدا تعالیٰ نے بچوں کے حال پر رحم فرما کر یہ چاہا کہ ہمارے سچے ایماندار بندے کی گاڑھی کمائی ضائع نہ ہو اور یہ یتیم بچے جوان ہو کر خود ہی اس کو نکالیں۔ لہٰذا دیوار کو درست اور مستحکم کرنے کے لئے مجھ کو مامور فرمایا۔ ان باتوں کو سننے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے رخصت ہوگئے۔ خضر علیہ السلام دریا کی طرف چلے گئے اور موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر واپس آ گئے اور بدستور اپنی نبوت و رسالت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے اور آپ کی زندگی ہی میں حضرت یوشع کو بھی خدا تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی جب موسیٰ علیہ السلام نے ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی تو حضرت یوشع علیہ السلام نے ان کے قائم مقام ہو کر ہدایت خلق اللہ میں تمام عمر گزار دی جو انبیاء کا فرض منصبی اور اصلی کام ہے۔

اس قصہ سے متعلق اور بھی بہت سے مسائل و تنبیہات علمائے محققین نے لکھے ہیں جو بوجہ طوالت کے اس مختصر درس میں عرض نہیں کئے جاسکتے۔ الغرض یہ قصہ تو یہاں ختم ہوا۔ اب آگے ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے۔ یہ بھی ان تین سوالوں میں سے ایک تھا جو مشرکین مکہ نے یہود کے مشورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحاناً کئے تھے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں بھی وہ ایمان و یقین نصیب فرمائیں کہ جو صورت حال بھی ہم کو پیش آئے ہم اس کو اپنے لئے رحمت اور خداوند قدوس کی حکمت پر یقین کر کے راضی برضا رہیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ہم نے اُن کو روئے زمین پر حکومت دی تھی

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝۸۴ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

اور ہم نے اُن کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔چنانچہ وہ ایک راہ پر ہو لئے۔یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب اُن کو ایک سیاہ رنگ کے

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ

پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی ہم نے (الہاماً) یہ کہا اے ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں

وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ

نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ذوالقرنین نے عرض کیا (کہ اول دعوت ایمان ہی کروں گا) لیکن جو ظالم رہے گا سو اُس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی

فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ

کے پاس پہنچایا جاوے گا پھر وہ اس کو (دوزخ کی) سخت سزا دے گا۔اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کیلئے بدلے میں بھلائی ملے گی

لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝۸۸

اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ اور آپ سے پوچھتے ہیں	عَنْ سے (بابت)	ذِي الْقَرْنَيْنِ ذوالقرنین	قُلْ فرمادیں	سَاَتْلُوْا ابھی پڑھتا ہوں	عَلَيْكُمْ تم پر۔سامنے			
مِنْهُ اس سے۔کا	ذِكْرًا کچھ حال	اِنَّا مَكَّنَّا بیشک ہم نے قدرت دی	لَهٗ اس کو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دیا	مِنْ سے	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	
سَبَبًا سامان	فَاَتْبَعَ سو وہ پیچھے پڑا	سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰٓي یہاں تک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	مَغْرِبَ غروب ہونے کا مقام	الشَّمْسِ سورج		
وَجَدَهَا اس نے پایا	تَغْرُبُ ڈوب رہا ہے	فِيْ میں	عَيْنٍ چشمہ ندی	حَمِئَةٍ دلدل	وَّوَجَدَ اور اس نے پایا	عِنْدَهَا اس کے نزدیک	قَوْمًا ایک قوم قُلْنَا ہم نے کہا	
يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اے ذوالقرنین	اِمَّآ یا۔چاہے	اَنْ یہ کہ	تُعَذِّبَ تو سزا دے	وَاِمَّآ اور یا۔چاہے	اَنْ یہ کہ	تَتَّخِذَ تو اختیار کرے فِيْهِمْ ان میں۔سے		
حُسْنًا کوئی بھلائی	قَالَ اس نے کہا	اَمَّا اچھا	مَنْ ظَلَمَ جس نے ظلم کیا	فَسَوْفَ تو جلد	نُعَذِّبُهٗ ہم اسے سزا دیں گے	ثُمَّ پھر	يُرَدُّ وہ لوٹایا جائے گا	
اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب کی طرف	فَيُعَذِّبُهٗ تو وہ اسے عذاب دیگا	عَذَابًا عذاب	نُّكْرًا بڑا۔سخت	وَاَمَّا اور اچھا	مَنْ جو	اٰمَنَ ایمان لایا	وَعَمِلَ اور اس نے عمل کیا	
صَالِحًا نیک	فَلَهٗ تو اس کے لئے	جَزَاۗءَ بدلہ	الْحُسْنٰى بھلائی	وَسَنَقُوْلُ اور عنقریب	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ متعلق	اَمْرِنَا اپنا کام	يُسْرًا آسانی

تفسیر وتشریح:۔اس سورۂ کہف کے سبب نزول کے سلسلہ میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات بطور امتحان کے کئے تھے۔ایک روح کے متعلق۔دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق۔دو سوالوں کا جواب تو گذشتہ آیات میں گزر چکا یعنی روح اور اصحاب کہف کے متعلق۔

یہاں سے ذوالقرنین کے احوال کی تفصیل ہے۔قرآن پاک کوئی قصہ کہانیوں یا داستانوں اور افسانوں کی کتاب تو ہے نہیں۔ اسلئے حکایات وقصص کو مکمل تفصیل کے ساتھ کہیں۔ بیان نہیں کیا گیا البتہ جس قدر حصہ وعظ وہدایت اور اصلاح خلق سے تعلق رکھتا ہے اور جو بات عبرت آفریں اور نصیحت آگیں ہوتی ہے اسکو حسب موقع بیان فرمایا گیا ہے۔ یہود ذوالقرنین کا نام اور بعض احوال جانتے تھے ان کو ذوالقرنین کے قصہ سے کچھ واقفیت تھی خواہ ان کی مذہبی کتابوں میں ہو یا سینہ بسینہ زبانی منقول ہو۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے یہ سوال منتخب کیا تھا۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین کے متعلق صرف اتنا بتایا کہ وہ پرشوکت۔ صاحب سطوت۔ نیکوکار۔ موحد۔ خدا پرست صاحب حکومت تھے۔ ہر قسم کا دنیوی ساز وسامان ان کے پاس تھا۔ انہوں نے تین سفر بھی کئے تھے ایک انتہائی مغرب کی طرف دوسرا انتہائی مشرق کی طرف اور تیسرا کسی اور سمت پر جہاں کے باشندے ذوالقرنین کی بولی سمجھ نہ سکتے تھے۔ انہی لوگوں کے لئے قوم یاجوج ماجوج کی غارتگری سے بچنے کے لئے لوہے کی ایک دیوار پگھلا ہوا رانگ۔ تانبا یا سیسہ ڈال کر قائم کردی اور اس طرح وہ قوم یاجوج ماجوج کی غارت گری سے محفوظ ہوگئی۔ بس اتنا قصہ قران نے بیان کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ ان کو ذوالقرنین کیوں کہتے تھے؟ ان کے سفر کے آغاز وانتہا کی حدود کونسی تھیں؟ دیوار کہاں بنائی؟ دیوار کی درخواست کرنے والی قوم کون تھی؟ یاجوج ماجوج کس قوم کا نام ہے؟ یہ کہاں رہتی تھی؟ اب بھی ہے یا نہیں؟ اس کے احوال کیا ہیں؟ ان تمام امور اور تفصیلات کی طرف سے قران پاک خاموش ہے۔ یہ کام تاریخ کا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مجموعۂ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور آپ کی دعاء کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان ووسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے ذوالقرنین کو مشرق ومغرب کے سفر اور تعجب خیز فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ لکھا ہے کہ حضرت خضرؑ ان کے وزیر تھے۔ شاید اسی لئے قرآن پاک میں خضر علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا۔ اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں مشرق ومغرب پر پھر گیا تھا۔ پہلا سفر مغرب کی طرف کیا جس کا بیان ان آیات میں کیا جارہا ہے۔

ان آیات سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ فرمانروا اور بادشاہ ہوئے ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں یا کسی دوسرے نبی کے متبع ان کے تین سفر میں سے ایک سفر کا حال ان آیات میں بیان فرمایا گیا۔ دوسرے اور تیسرے سفر کے حالات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کے درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو ایمان واسلام سے نوازا اور قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اشرف الانبیاء والمرسلین عطا فرمائے۔

یا اللہ ہمیں اسلام وایمان کی برکت سے دنیا میں بھی خیر وخوبی سے نوازیئے اور آخرت میں بھی اپنی مغفرت ورحمت سے نوازیئے۔

یا اللہ ہمیں سچی اسلامی حکومت نصیب فرمایئے اور بے دینی کی جو فضا پھیلی ہوئی ہے اس کو ملیامیٹ فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو بھی کوئی مومن اور مجاہد فرمانروا عطا فرما۔ اور بے دین صاحب اقتدار لوگوں سے اس ملک کو بچا۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ

پھر ایک راہ پر ہو لئے۔ یہاں تک جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کیلئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی

مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا

آڑ نہیں رکھی۔ یہ قصہ اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔ پھر ایک اور راہ پر ہو لئے۔ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں

بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا

کے درمیان میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے اسطرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔انہوں نے عرض کیا

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا

کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج وماجوج اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں، سو کیا ہم لوگ آپ کیلئے کچھ چندہ جمع کردیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے

عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ

اور ان کے درمیان میں کوئی روک بنادیں۔ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

سو ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور انکے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنادوں گا۔ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب ان کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلا) کو

انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ ؕ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ

برابر کردیا تو حکم دیا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو لال انگارا کردیا تو اس وقت حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ کہ اس پر ڈال دوں۔ سو نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ

اور نہ اس میں نقب دے سکتے تھے۔ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آویگا تو اس کو ڈھا کر برابر کردے گا،

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ ؕ

اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے۔

ثُمَّ پھر	اَتْبَعَ وہ پیچھے پڑا	سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰى یہاںتک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	مَطْلِعَ طلوع ہونے کا مقام	الشَّمْسِ سورج
وَجَدَهَا اس نے اس کو پایا	تَطْلُعُ طلوع کررہا ہے	عَلٰى قَوْمٍ ایک قوم پر	لَمْ نَجْعَلْ ہم نے نہیں بنایا	لَهُمْ ان کیلئے	مِنْ دُوْنِهَا اس کے آگے	
سِتْرًا کوئی پردہ	كَذٰلِكَ یہی	وَقَدْ اَحَطْنَا اور ہمارے احاطہ میں ہے	بِمَا لَدَيْهِ جو کچھ اسکے پاس	خُبْرًا از روئے خبر	ثُمَّ پھر	اَتْبَعَ وہ پیچھے پڑا
سَبَبًا ایک سامان	حَتّٰى یہاںتک کہ	اِذَا بَلَغَ جب وہ پہنچا	بَيْنَ درمیان	السَّدَّيْنِ دو دیواریں (پہاڑ)	وَجَدَ اس نے پایا	مِنْ دُوْنِهِمَا اور دونوں کے ادھر

قَوْمًا ایک قوم	لَا یَكَادُوْنَ نہیں لگتے ہیں	یَفْقَهُوْنَ وہ سمجھیں	قَوْلًا کوئی بات	قَالُوْا انہوں نے کہا	یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اے ذوالقرنین	اِنَّ بیشک		
یَاْجُوْجَ یاجوج	وَ اور	مَاْجُوْجَ ماجوج	مُفْسِدُوْنَ فساد کرنیوالے	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَهَلْ تو کیا	نَجْعَلُ ہم کردیں	لَكَ تیرے لئے	
خَرْجًا کچھ مال	عَلٰٓی پر۔ تا کہ	اَنْ تَجْعَلَ کہ تو بنادے	بَیْنَنَا ہمارے درمیان	وَبَیْنَهُمْ اور انکے درمیان	سَدًّا ایک دیوار	قَالَ اس نے کہا		
مَا مَكَّنِّیْ جس پر قدرت دی مجھے	فِیْهِ اس میں	رَبِّیْ میرا رب	خَیْرٌ بہتر	فَاَعِیْنُوْنِیْ پس تم میری مدد کرو	بِقُوَّةٍ قوت سے	اَجْعَلْ میں بنادوں گا		
بَیْنَكُمْ تمہارے درمیان	وَبَیْنَهُمْ اوران کے درمیان	رَدْمًا مضبوط آڑ	اٰتُوْنِیْ مجھے لادو تم	زُبَرَ الْحَدِیْدِ لوہے کے تختے	حَتّٰٓی یہاں تک کہ	اِذَا جب		
سَاوٰی اس نے برابر کردیا	بَیْنَ درمیان	الصَّدَفَیْنِ دونوں پہاڑ	قَالَ اس نے کہا	انْفُخُوْا دھونکو	حَتّٰٓی یہاں تک کہ	اِذَا جَعَلَهٗ جب اسے کردیا		
نَارًا آگ	قَالَ اس نے کہا	اٰتُوْنِیْٓ لے آؤ میرے پاس	اُفْرِغْ میں ڈالوں	عَلَیْهِ اس پر	قِطْرًا پگھلا ہوا تانبہ	فَمَا اسْطَاعُوْٓا پھر نہ کرسکیں گے		
اَنْ کہ	یَّظْهَرُوْهُ اس پر چڑھیں	وَ اور	مَا اسْتَطَاعُوْا وہ نہ لگا سکیں گے	لَهٗ اس میں	نَقْبًا نقب	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	رَحْمَةٌ رحمت
مِّنْ رَّبِّیْ میرے رب سے	فَاِذَا پس جب	جَآءَ آئے گا	وَعْدُ وعدہ	رَبِّیْ میرا رب	جَعَلَهٗ اس کو کردیگا	دَكَّآءَ ہموار	وَكَانَ اور ہے	
وَعْدُ وعدہ	رَبِّیْ میرا رب	حَقًّا سچا						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذوالقرنین کے پہلے سفر کا حال بیان ہوا تھا جو انہوں نے مغرب کی طرف منتہائے آبادی تک کیا تھا۔ اب ان آیات میں دوسرے اور تیسرے سفر کا حال بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مغربی سفر سے فارغ ہوکر ذوالقرنین مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگے۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کے لئے تھے یا ممکن ہے محض سیر وسیاحت کے طور پر ہوں۔ جب انتہائے مشرق میں پہنچے تو ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں۔ غالباً یہ لوگ وحشی جنگلی ہوں گے۔ مکان وغیرہ بنانے کا ان میں دستور نہ ہوگا۔ جیسے گذشتہ دور میں بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں رہا ہے۔ آگے تاکید کے لئے فرمایا کہ ذوالقرنین کے سفر مغرب و مشرق کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے اور جو وسائل ان کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان سب پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔ پھر تیسرا سفر۔ مغرب ومشرق کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین اس کو عموماً شمالی سفر کہتے ہیں مگر قران و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔ اس تیسرے سفر میں ذوالقرنین ایسی جگہ پہنچے جہاں کے لوگ ذوالقرنین اور ان کے ساتھیوں کی بولی سمجھ نہیں سکتے تھے آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اس قوم اور یاجوج ماجوج کے ملک میں دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں درہ کھلا ہوا تھا اسی سے یاجوج ماجوج آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔ ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب ووسائل اور قوت وحشمت دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف ومصائب کا سدباب ان سے ہوسکے گا۔ اس لئے اس قوم نے ذوالقرنین سے گزارش کی کہ یاجوج ماجوج نے ہمارے ملک میں ادھم مچا رکھا ہے۔ یہاں آکر قتل غارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کردیں جس سے ہماری حفاظت ہوجائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے گا ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ مال میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے تم بھی ہمارے ساتھ محنت کرو۔ چنانچہ اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی۔ لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہوکر تپنے لگا اس وقت پگھلا ہوا تانبہ اوپر سے ڈالا جو

لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہوکر جم گیااور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خرق عادت طریقہ پر انجام پائے ہوں گے جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہئے یا ممکن ہے اس وقت اس قسم کے آلات و اسباب پائے جاتے ہوں۔ الغرض یاجوج ماجوج کا راستہ روک دیا گیااور حق تعالیٰ نے ان کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کہ دیوار پھاند کریا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ روک محض خدا کی مہربانی سے قائم ہوگئی ہےاور میعاد معین تک قائم رہے گی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور قتل دجال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت ہے اس وقت یہ روک ہٹادی جائے گی اور دیوار توڑ کر یاجوج ماجوج اپنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوگا کہ میرے خاص بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کریں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک غیبی وبا مسلط ہوگی۔ سب ایک دم مر جائیں گے۔ قوم یاجوج ماجوج کے متعلق مزید تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درس میں آئے گی۔

یہاں آیت میں جو حضرت ذوالقرنین نے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ ایک وقت میں دیوار فنا ہوگی تو یا تو یہ اس بنا پر فرمادیا کہ ہر شے دنیا کی فانی ہےاور یا ممکن ہے کہ آپ کو وحی سے اگر وہ نبی ہوں یا الہام سے اس کے انہدام کا وقت کہ قرب قیامت ہے معلوم ہوگیا ہو جیسا کہ احادیث میں بھی ظاہر فرمایا گیا ہےاور یہ بات حضرت ذوالقرنین نے شاید اس لئے فرمادی ہو کہ آدمی کسی حال میں حق تعالیٰ سے غافل اور کسی سامان پر مغرور نہ ہو بلکہ نعمت پر شکر کرےاور فنا کو پیش نظر رکھے۔

یہاں ذوالقرنین کا قصہ ختم ہوجاتا ہے۔ تو یہ قصہ اگرچہ کفار مکہ کے امتحانی سوال پر سنایا گیا مگر قصہ اصحاب کہف اور قصۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام کی طرح اس کو بھی قران پاک نے اپنے قاعدے کے مطابق اپنے مدعا کے لئے پوری طرح استعمال کیا ہے۔ جس میں کفار مکہ کو جتلایا گیا ہے کہ ذوالقرنین جس کی عظمت کا حال تم نے سنا وہ محض ایک زبردست صاحب سلطنت وحکومت ہی نہ تھا بلکہ توحید و آخرت کا قائل تھا۔ عدل و انصاف اور فیاضی کے اصولوں پر عامل تھااور تم لوگوں کی طرح کم ظرف نہ تھا کہ تم اپنی ذرا ذرا سی سرداریوں پر پھول رہے ہو اور اپنی حماقت سے توحید وآخرت کے منکر ہو رہے ہو۔ اور ایسے رسول برحق کی مخالفت کر رہے ہو۔ ذوالقرنین اتنا بڑا فرمانروا اور اس قدر عظیم الشان ذرائع کا مالک ہوکر بھی اپنی حقیقت کو نہ بھولا تھا اور اپنے خالق کے آگے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھتا تھا۔ اس طرح کفار کے امتحانی سوالات کو انہی پر پوری طرح الٹ دیا گیا۔ پھر ان قصوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تائید بھی فرمادی گئی کہ کس طرح عرصہ دراز کی گذشتہ خبروں۔ واقعات وحالات کو ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان واقعات کی خبر بذریعۂ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دی اور انہوں نے عرصہ دراز کے گذشتہ واقعات سنا دیئے اب چونکہ یہاں ذوالقرنین کی دیوار کا ذکر آگیا اس لئے اگلی آیات میں اس دیوار کے گرجانے اور یاجوج ماجوج کے خروج اور پھر قیامت آجانے کا ذکر فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی تسلیم و رضا کی صفات محمودہ عطا فرمائیں۔ اور اپنے خالق و مالک کو ہم بھی کسی حال میں بھولنے والے نہ ہوں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

اور ہم اُس روز اُن کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہوجاویں گے اور صور پھونکا جاوے گا پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ

اور دوزخ کو اُس روز کافروں کے سامنے پیش کردیں گے۔جن کی آنکھوں پر(دنیا میں)ہماری یاد سے

ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾

پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سُن بھی نہ سکتے تھے۔

وَتَرَكْنَا اور ہم چھوڑ دیں گے	بَعْضَهُمْ انکے بعض	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَّمُوْجُ ریلا مارتے	فِيْ بَعْضٍ بعض (دوسرے) کے اندر			
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور پھونکا جائے گا صور	فَجَمَعْنٰهُمْ پھر ہم انہیں جمع کرینگے	جَمْعًا سب کو	وَعَرَضْنَا اور ہم سامنے کردینگے	جَهَنَّمَ جہنم	يَوْمَئِذٍ اس دن		
لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کے	عَرْضَا بالکل سامنے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	كَانَتْ تھیں	اَعْيُنُهُمْ ان کو آنکھیں	فِيْ غِطَآءٍ پردہ میں	عَنْ سے	ذِكْرِيْ میرا ذکر
	وَ اور	كَانُوْا وہ تھے	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نہ طاقت رکھتے	سَمْعًا سُنتا			

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بادشاہ ذوالقرنین کے تین سفر کے حالات بیان ہوئے تھے اور تیسرے سفر کے متعلق حضرت ذوالقرنین کا دو پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط اور مستحکم دیوار بنانے کا ذکر تھا کہ جس کو قوم یاجوج وماجوج نہ توڑ سکتی تھی اور نہ اس پر چڑھ سکتی تھی۔ چنانچہ جب یہ دیوار تیار ہوگئی تو حضرت ذوالقرنین نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ سے اپنے بندوں کے آرام پہنچانے کا کام لیا ورنہ میں تو وہی ایک مُشت خاک ہوں۔میرے پاس اپنا کیا ہے جو کچھ ہے اسی کا دیا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا ایک دن فنا ہو کر رہے گی اور جو کچھ اس میں ہے سب مٹ جائے گا۔اس وقت یہ دیوار بھی جو اس وقت لوہا لاٹھ بنی ہوئی ہے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائے گی اور یہ وقت کبھی نہ کبھی ضرور آ کر رہے گا کیونکہ میرے رب کا وعدہ بالکل سچ ہے۔یہ حضرت ذوالقرنین کا بیان تھا جو اوپر نقل فرمایا گیا تھا اب آگے ان آیات میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے ٹھیک کہا واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کردیں گے۔ یعنی جب اس دیوار کے انہدام کا وقت آئے گا اور یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا تو اس روز وہ اس حالت میں ایک دم نکلیں گے کہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوں گے اور ٹڈی دل کی طرح نکلیں گے اور یہ قیامت کے قریب زمانہ میں ہوگا۔جس کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔حتیٰ کہ ایک بار اول صور پھونکا جائے گا جس سے تمام عالم فنا ہوجائے گا اور پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہوجاویں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سب کو ایک ایک کر کے میدان حشر میں جمع کرلیں گے۔اس وقت ان لوگوں کے سامنے جو اللہ عزوجل کو نہیں مانتے تھے اور قیامت اور حشر ونشر کا انکار کرتے تھے۔جہنم ظاہر کردی جائے گی۔اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دل کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا اور انہوں نے دنیا میں دین حق کو نہ دیکھا نہ سمجھا۔اور جس طرح حق کو دیکھتے نہ تھے اسی طرح وہ اس کو سن بھی نہ سکتے تھے۔اس روز وہ دوزخ کو

اپنے منہ کے سامنے موجود پائیں گے یعنی اسمیں داخل ہونے سے پہلے اس کی ہیبت اور ہول انگیزی کو آنکھوں سے دیکھیں گے صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ دوزخ کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے کھینچیں گے۔

یہاں آیت میں یاجوج و ماجوج کے خروج کی طرف اشارہ ہے۔ اور سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں بھی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں۔ تو قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سدِ ذوالقرنین توڑ کر یاجوج و ماجوج کا لشکر دنیا والوں پر ٹوٹ پڑے گا اور یہ لوگ اپنی کثرت و ازدحام کی وجہ سے تمام بلندی اور پستی پر چھا جائیں گے۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یاجوج و ماجوج کے متعلق حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ”میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ یاجوج و ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جمہور علماء نے نقل کیا ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حضرت حوا تک نہیں پہنچتا۔ گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے ایک صحابی تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا جس کا ذکر تفصیلاً ایک حدیث میں آیا ہے اسی قوم میں کا ہو۔“ علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج کے حالات اور صفات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندے اور حیوان ہیں اور افعال و اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا کہ قوم یاجوج ماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے۔ عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کے خروج کا وقت حضرت امام مہدی کے وصال کے بعد ہوگا جبکہ تمام انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوں گے۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ جس کے مضامین کی بنیاد آیات قرآنیہ اور احادیث پر ہے اس میں لکھا ہے کہ ”حضرت امام مہدی کی خلافت کی میعاد سات آٹھ یا نو سال ہوگی سات سال عیسائیوں کے فتنہ سے نمٹنے اور ملک کے انتظام میں۔ آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ و جدال میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے حضرت امام مہدی کی عمر ۴۹ سال کی ہوگی۔ بعد ازاں حضرت امام مہدی کا وصال ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ آپکے جنازہ کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے تمام مخلوق نہایت امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ میں اپنی مخلوق میں سے ایسے طاقتور بندوں کو ظاہر کرنے والا ہوں کہ کسی شخص کو ان کے مقابلہ کی تاب نہ ہوگی پس میرے خاص بندوں کو کوہ طور پر لے جا تا کہ وہاں پناہ گزیں ہو جائیں۔ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور کے قلعہ میں جو آج کل موجود ہے نزول فرما کر اسباب حرب و سامان رسد

مہیا کرنے میں سرگرم ہوں گے کہ اس اثناء میں قوم یاجوج و ماجوج سد ذوالقرنین کوتوڑ کر ٹڈی دل کی طرح چاروں طرف پھیل جائیں گے۔ سوائے مضبوط قلعہ کے کہیں ان سے خلاصی کی صورت نہ ہوگی۔ لوگوں کے قتل و غارت کرنے میں بالکل دریغ نہ کریں گے۔ ان کا ملک انتہائے بلاد شمال و مشرق بیرون ہفت اقلیم میں ہے جہاں پانی شدت برودت کی وجہ سے اس قدر غلیظ و منجمد ہے کہ جس میں جہاز رانی ناممکن ہے ان کے شرقی اور غربی اطراف میں دیواروں کی مانند دو بڑے پہاڑ واقع ہیں جن میں آمدورفت کا راستہ نہیں۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی تھی جس میں سے یاجوج ماجوج نکل کر ادھر کے لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے کہ جس کو ذوالقرنین نے ایک ایسی آہنی دیوار سے کہ جس کی بلندی ان دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچتی ہے اور مٹائی ۶۰ گز کی ہے بند کر دیا پس وہ دن بھر نقب زنی اور توڑنے میں مصروف رہتے ہیں مگر رات کو خداوند کریم اپنی قدرت کاملہ سے ویسا ہی کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں (جیسا کہ احادیث میں آتا ہے) اسمیں اتنا سوراخ ہوگیا تھا جتنا انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی کے درمیان حلقہ سے پیدا ہوتا ہے مگر ابھی تک اس قدر نہیں کہ اس میں سے کوئی نکل سکے۔ جب قرب قیامت میں دجال کے فتنہ اور قتل کے بعد ان کے خروج کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور وہ وہاں سے نکلیں گے اور قتل۔ قید۔ اور غارت گری میں مشغول ہو جائیں گے اسی کیفیت سے چلتے ہوئے جب ملک شام میں آئیں گے تو کہیں گے کہ اب ہم نے زمین والوں کو تو نیست و نابود کر دیا۔ چلو آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیں۔ پس آسمان پر تیر پھینکیں گے۔ خداوند کریم اپنی قدرت سے ان کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا۔ یہ دیکھ کر وہ خوش ہوں گے کہ اب ہمارے سوا کوئی نہیں رہا۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کے لئے کھڑے ہوں گے پس خداوند کریم ایک قسم کی بیماری کہ جس کو عربی میں نغف کہتے ہیں نازل کرے گا۔ یہ ایک قسم کا دانہ ہے جو بھیڑ یا بکری کی ناک و گردن میں نکلتا ہے اور طاعون کی طرح تھوڑی سی دیر میں ہلاک کر دیتا ہے۔ پس قوم یاجوج ماجوج اس مہلک مرض سے ایک ہی رات میں تباہ ہو جائے گی۔ یہ سب واقعات حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں ہوں گے۔ دنیا میں آپ کا قیام ۴۰ سال رہے گا آپ کا نکاح ہوگا۔ اولاد پیدا ہوگی۔ پھر آپ انتقال فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ میں مدفون ہوں گے۔"

الغرض قیامت قائم ہونے سے پہلے سدِ ذوالقرنین کا ٹوٹنا اور پھر یاجوج وماجوج کا خروج ہونا قرب قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔

گذشتہ اور ان آیات سے متعلق ایک نہایت مفید تنبیہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یہ لکھی ہے کہ "بعض مصنفین اور مؤلفین نے اس سد یاجوج ماجوج کے تعین کے متعلق اپنے اپنے مقالات وخیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قران وحدیث میں جو اس سد ذوالقرنین کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:۔ ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندۂ مقبول ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ دیوار آہنی ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف جو یاجوج ماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکے۔ چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہوگیا ہے۔ ساتویں یہ کہ وہ لوگ یعنی یاجوج وماجوج ہر روز اس کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ باذنہٖ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے اور قرب قیامت میں جب چھیل چکیں

گے تو کہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کر دیں گے چنانچہ اس روز پھر وہ دیوار دبیز نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے۔ آٹھویں یہ کہ یاجوج ماجوج کی قوت انسانوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوحی الٰہی خاص خاص لوگوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاویں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے دسویں یہ کہ یاجوج ماجوج دفعتہً غیر معمولی موت سے سب مرجائیں گے تو اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں پس جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعۂ اوصاف ایک میں بھی نہیں پایا جاتا پس وہ خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے۔ رہا یہ شبہ مخالفین کا کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہ ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا صحیح جواب وہ ہے جس کو علامہ سید محمود آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اختیار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو اس کا یعنی سد ذوالقرنین کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری کو محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی حصہ زمین کا ایسا ہو جہاں اب تک رسائی نہ ہوئی ہو اور عدم وجدان سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ اور جب مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں جس طرح اور امور ممکنہ کی خبر دی ہے اور ان کی تصدیق ضروری ہے اور شک وشبہ کرنے والوں کے کلام فضول کی طرف التفات کرنے کا منشا محض ضعف دین اور قلت یقین ہے۔"

بہرحال چونکہ ایسی دیوار کی اور اس کے ٹوٹنے اور یاجوج ماجوج کے خروج کی قرآن وحدیث نے ہم کو خبر دی ہے اس لئے ہمارا تو اس پر ایمان ویقین ہے کہ ایسی دیوار دنیا میں کہیں ضرور موجود ہے اور قرب قیامت میں اس کو توڑ کر یاجوج ماجوج کا خروج ہونا ضرور ہے۔ جو قیامت کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے اب چونکہ یہ سورۂ کہف خاتمہ کے قریب ہے اس لئے آگے اصل مضمون یعنی توحید وآخرت کے حق ہونے پر زور دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو تمام قرآن وحدیث کی بتلائی ہوئی باتوں پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیں۔ اور قرب قیامت کے تمام ظاہری وباطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ اسلام وایمان پر ہم کو زندہ رکھیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں۔ اور اس کے ساتھ ہمیں ابدی آرام گاہ جنت میں جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! جن امور کی خبر قرآن وحدیث میں دی گئی ہے ہم کو ان میں شک وشبہ کے وسوسہ شیطانی سے بچا کر ان پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیے۔ یا اللہ! آج اس دنیا میں ہمارے دلوں اور آنکھوں پر سے غفلت کے پردے جو آخرت وقیامت کی طرف سے پڑ گئے ہیں ان کو دور فرما دیجئے اور ہمہ وقت ہمیں آخرت کی تیاری کا فکر نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز قرار دیں، ہم نے کافروں کی دعوت کیلئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔

لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ

آپ کہیئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ

اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا اور اُس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں

رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ

سو اُن کے سارے کام غارت ہوگئے تو قیامت کے روز ہم اُن کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ اُن کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ

جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا، اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔

أَفَحَسِبَ کیا گمان کرتے ہیں	الَّذِينَ كَفَرُوا وہ جنہوں نے کفر کیا	أَن يَتَّخِذُوا کہ وہ بنالیںگے	عِبَادِي میرے بندے	مِن دُونِي میرے سوا		
أَوْلِيَاءَ کارساز	إِنَّا بیشک ہم	أَعْتَدْنَا ہم نے تیار کیا	جَهَنَّمَ جہنم	لِلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے	نُزُلًا ضیافت	قُلْ فرمادیں	هَلْ کیا
نُنَبِّئُكُم ہم تمہیں بتلائیں	بِالْأَخْسَرِينَ بدترین گھاٹے میں	أَعْمَالًا اعمال کے لحاظ سے	الَّذِينَ وہ لوگ	ضَلَّ برباد ہوگئی	سَعْيُهُمْ ان کی کوشش	
فِي میں	الْحَيَاةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَهُمْ اور وہ	يَحْسَبُونَ خیال کرتے ہیں	أَنَّهُمْ کہ وہ	يُحْسِنُونَ اچھے کر رہے ہیں وہ	صُنْعًا کام
أُولَٰئِكَ یہی لوگ	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے انکار کیا	بِآيَاتِ آیتوں کو	رَبِّهِمْ اپنا رب	وَلِقَائِهِ اور اسکی ملاقات	فَحَبِطَتْ پس اکارت ہوگئے	
أَعْمَالُهُمْ انکے عمل	فَلَا نُقِيمُ پس ہم قائم نہ کرینگے	لَهُمْ ان کیلئے	يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن	وَزْنًا کوئی وزن	ذَٰلِكَ یہ	جَزَاؤُهُمْ انکا بدلہ
جَهَنَّمُ جہنم	بِمَا اس لئے	كَفَرُوا انہوں نے کفر کیا	وَاتَّخَذُوا اور ٹھہرایا	آيَاتِي میری آیات	وَرُسُلِي اور میرے رسول	هُزُوًا ہنسی مذاق

تفسیر و تشریح: یہاں سے اس سورۃ کا آخری رکوع شروع ہوتا ہے۔ جس میں پوری سورۃ کا خاتمۂ کلام ہے۔ جس مضمون و مدعا سے سورۃ کا آغاز فرمایا گیا تھا اسی مضمون پر سورۃ کو ختم فرمایا جارہا ہے۔ اس سورۃ کا مجموعی مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو شرک و بت پرستی چھوڑنے اور توحید اختیار کرنے اور دنیا پرستی چھوڑ کر آخرت پر یقین لانے کی دعوت دے رہے تھے مگر بعض بڑے بڑے سرداران قریش اپنی دولت وحشمت اور عزت وجاہ کے زعم میں نہ صرف آپ کی دعوت کو رد کر رہے تھے بلکہ ان حق پرست مومنین کو بھی جنہوں نے یہ دعوت قبول کرلی تھی ظلم وستم اور تحقیر وتذلیل کا نشانہ بنا رہے تھے۔

گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار جو آج دین حق کو دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے ہیں اور اس کے متعلق کچھ سننے کو تیار نہیں ہیں قیامت کے دن جب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو جہنم ان کے سامنے لائی جائے گی اور اسکی ہیبت اور ہول انگیزی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام باتیں قرآن پاک میں اچھی طرح سے سمجھا دی گئی ہیں۔ اس کے بعد منکرین سے پوچھا جارہا ہے کہ کیا اب بھی مشرکین ومنکرین کا یہ خیال ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر

اس کے مملوک اور محکوم بندوں سے اپنے کام درست کرالیں گے مثلاً مسیح علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام یا روح القدس یا فرشتے وغیرہ جن کو اپنا کارساز اور معبود یا حاجت روا قرار دے رکھا ہے کیا قیامت کے دن اللہ کے غضب سے بچنے کے لئے ان کے دامن میں آ پڑے لیں گے۔ اگر اس قدر صاف صاف اصل حقیقت کو سمجھا دینے کے بعد بھی اسی وہم و گمان میں ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبر اور اس کی کتاب کو ماننا ضروری نہیں اور مرنے کے بعد قیامت اور حشر ونشر کچھ ہونے والا نہیں اور اگر بالفرض ہوا بھی تو ہمارے حمایتی ہمیں بچالیں گے تو وہ سن رکھیں کہ یہ سب ان کی خام خیالی ہے وہ اس دھوکہ میں نہ رہیں۔ وہاں ان کو کوئی نہیں پوچھے گا اور فقط اللہ عزوجل سے واسطہ پڑے گا۔ جو لوگ دنیا میں اسے نہیں مانتے مرنے کے بعد انہیں سوائے دوزخ کے اور کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ ان کا استقبال اللہ کے غضب سے کیا جائے گا اور دوزخ کی آگ وانگاروں سے ان کی ضیافت اور مہمانی کی جائے گی۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں اصل حقیقت سمجھا دوں اور بتاؤں کہ سب سے بڑے خسارے میں مرنے کے بعد کون لوگ رہیں گے؟ پھر خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد تگ ودو۔ دوڑ دھوپ اور کوشش اولاً بھی اور آخراً بھی یہی دنیا اور اس کے عیش وعشرت ہیں۔ رات ودن دنیا ہی کے مشغلوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اچھے کھانے اچھے پہننے کا خبط۔ نام ونمود کی تمنا مال و دولت کمانے کی دھن۔ اونچی اونچی کوٹھیاں۔ بڑے بڑے عہدے اور خطابات۔ شہرت اور اعزاز بس ساری کوششیں اسی دنیا کے پیچھے ختم ہوئی ہیں۔ رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اعمال کے لحاظ سے آخرت میں بالکل ہی گھاٹے میں ہیں۔ اور اس پر اپنے پندار باطل اور ہوائے نفس سے گمان یہ کہ اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم دنیا میں بڑے بڑے کام کررہے ہیں۔ عقلمندی میں۔ انتظام میں۔ دولت کمانے میں ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یاد رکھو کہ مرنے کے بعد ان کاموں کی نہ کوئی قیمت ہے نہ کوئی وزن۔

چنانچہ ایسے لوگوں کو سوائے دوزخ کے عذاب کے اور کچھ نہ ملے گا۔ انہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا اور اللہ کی آیتوں کی اور اس کے رسولوں کی ہنسی اڑائی اور آخرت میں اپنے رب سے ملنے کا یقین نہ کیا اس لئے انہیں مرنے کے بعد اس کا بدلہ جہنم کے عذاب ہی سے ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ کفر وشرک اور دنیا پرستی سے یہاں ڈرایا گیا ہے اور دوزخ کو اس کا انجام بتلایا گیا ہے۔ یہاں اس آخری آیت میں جو فرمایا گیا **ذٰلک جزآء ھم جھنم بما کفروا واتخذوا آیٰتی ورسلی ھزوا** o یعنی ان کی سزا جہنم ہوگی اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔ لوگو یہاں صاف صاف یہ سزا کفار مشرکین کے لئے بیان کی گئی ہے۔ مگر صد افسوس کہ وہ وقت بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو اسلام کا لیبل لگا کر قرآن کو معاذ اللہ فرسودہ کتاب کہا۔ قران اور سنت میں اپنے اقتصادی۔ معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل نہ موجود ہونا بتایا۔ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے نظریہ کو اللہ اور رسول کے عطا کردہ دین کے مقابلہ میں افضل و برتر سمجھا اور اس میں اپنے روٹی اور کپڑے اور مکان کا حل تلاش کیا۔ یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین اور نیچریوں اور دھریوں کے اقوال وافعال میں جن کو اپنے مسائل حل ہوتے نظر آئے اور جنہوں نے علی الاعلان یہ کہا کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں۔ اگر اسلام اقتصادی مسائل کا مکمل حل پیش کرتا تو ہم سوشلزم کا نعرہ نہ لگاتے تو کیا یہ اللہ کی آیات کا کفر اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑانا نہیں ہے۔ بلکہ ان کا جرم تو ان کھلے ہوئے دشمنانِ اسلام کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اسلام کے مار آستینوں کو اگر ان کے لئے ہدایت مقدر ہے تو ہدایت بخش دیں اور ان کی آنکھیں کھول دیں ورنہ ان کے اوپر اپنے عذاب کا کوڑا برسا کر ان کو ہلاکت سے ہمکنار فرمائیں۔ اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنائیں۔

الغرض یہاں آیات میں دنیا پرستی اور کفر وشرک کا انجام جہنم بتلایا گیا۔ اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

2

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۱۰۷ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اُن کی مہمانی کیلئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ

يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝۱۰۸ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی (کی جگہ) ہوتو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجاوے

كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝۱۰۹ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر مدد کیلئے ہم لے آویں۔ (اور) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق)

وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝۱۱۰

ایک ہی معبود ہے، سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَ اور	عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے نیک عمل کئے	كَانَتْ ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ فردوس کے باغات		
نُزُلًا ضیافت	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہینگے	فِيْهَا اس میں	لَا يَبْغُوْنَ وہ نہ چاہیں گے	عَنْهَا وہاں سے	حِوَلًا جگہ بدلنا	قُلْ فرمادیں	لَوْ اگر	كَانَ ہو
الْبَحْرُ سمندر	مِدَادًا روشنائی	لِكَلِمٰتِ باتوں کیلئے	رَبِّيْ میرا رب	لَنَفِدَ الْبَحْرُ تو ختم ہوجائے سمندر	قَبْلَ پہلے	اَنْ تَنْفَدَ کہ ختم ہوں		
كَلِمٰتُ رَبِّيْ میرے رب کی باتیں	وَلَوْ اور اگرچہ جِئْنَا ہم لے آئیں بِمِثْلِهٖ اس جیسا مَدَدًا مدد کو قُلْ فرمادیں اِنَّمَا اَنَا اسکے سوا نہیں میں							
بَشَرٌ بشر	مِّثْلُكُمْ تم جیسا	يُوْحٰى وحی کی جاتی ہے	اِلَيَّ میری طرف	اَنَّمَا فقط	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	اِلٰهٌ معبود	وَّاحِدٌ واحد	فَمَنْ سو جو
كَانَ ہو	يَرْجُوْا امید رکھتا ہے	لِقَآءَ ملاقات	رَبِّهٖ اپنا رب	فَلْيَعْمَلْ تو اسے چاہیے کہ وہ عمل کرے	عَمَلًا عمل	صَالِحًا اچھے	وَ اور	
	لَا يُشْرِكْ وہ شریک نہ کرے	بِعِبَادَةِ عبادت	رَبِّهٖ اپنا رب	اَحَدًا کسی کو				

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورۃ کی آخری آیات ہیں اور یہاں سورۂ کہف ختم ہوجاتی ہے۔ گذشتہ آیات میں کفار اور مشرکین کا حال اور انجام بیان فرمایا گیا تھا اور توحید و رسالت کے انکار پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان کی تصدیق واطاعت پر ثواب اور جزائے آخرت کا وعدہ فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے اور اس کے رسولوں کو سچا ماننے والے۔ ان کی باتوں پر عمل کرنے والے بہترین جنتوں میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں

گے۔ جنت کی ان لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بے دخل کر سکے گا اور نہ وہ از خود وہاں سے نکلنے کی کبھی خواہش کریں گے یعنی اہل جنت وہاں کا عیش وآرام دیکھ کر ایسے مانوس ہوجائیں گے کہ تبدیلی حالت کی ان کو خواہش ہی نہ ہوگی۔ انسان کی طبعی خاصیت ہے کہ دوامی آسائش سے بھی گھبرا جاتا ہے۔ لذیذ کھانا۔ بیش بہا لباس اور راحت بخش مسکن سے بھی نیرنگی طبع کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے تغیر کا خواستگار ہوجاتا ہے۔ مگر اہل جنت کی یہ حالت نہ ہوگی اور جنت میں ہمیشہ رہنے سے کبھی اکتائیں گے نہیں ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی اور جنت

اپنی ان گنت نعمتوں۔ راحتوں اور لذتوں کے ساتھ ان کے لئے ہر لحہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی اس لئے جنتیوں کو اپنی تبدیلی حالت کی کبھی خواہش نہ ہوگی۔ آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی سمجھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی باتیں بے انتہا ہیں اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بن جائے اور پھر خدائی کلمات۔ خدائی قدرتوں کے اظہار میں خدائی باتیں۔ اور خدائی حکمتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ تمام سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن خدا کی باتیں خدا کی قدرتیں۔ اس کی حکمتیں اس کی دلیلیں ختم نہ ہوں گی پھر ایسے ہی سمندر لائے جائیں۔ اور پھر لائے جائیں اور پھر لائے جائیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دے دیا جائے مگر علم الٰہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ یہ تو توحید کے متعلق گفتگو تھی۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنی رسالت کے متعلق کہہ دیجئے کہ میں نہ خدائی کا دعویدار ہوں نہ فرشتہ ہونے کا بلکہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں یعنی صفات بشریہ میں تم سے الگ نہیں۔ امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی اس طرح وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔ اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔ تو میرا پیام۔ پیام توحید ہے پس جبکہ توحید و رسالت دونوں باتیں معلوم ہو گئیں تو اب جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ ہمیں مر کر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو اسے چاہئے کہ اس دنیا کی زندگی میں عمل صالح یعنی نیک کام شریعت کے احکام ظاہری اور باطنی کے موافق کرجائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے تا کہ اسے اپنے مالک کے سامنے شرمندہ ہونا اور اپنے اعمال کی سزا بھگتنا نہ پڑے۔ اور جو کوئی اپنی نادانی سے اسی کو تسلیم نہیں کرتا کہ ہمیں خدا کے سامنے جانا ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے قیامت میں اسے خود اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

یہاں جو جنت فردوس کی مہمانی کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح دو شرطوں کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ قران پاک میں اور بھی متعدد جگہ ایمان اور عمل صالح پر دائمی جنت کی بشارت دی گئی۔ اور ایمان اور عمل صالح کی تعریف اور حقیقت کو اسی سورۃ میں عرض کیا جا چکا ہے۔

دوسری ایک اہم بات جو مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھی ہے وہ یہ کہ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبولیت عمل کے لئے دو رکن ہیں۔ جب تک یہ دونوں نہ پائے جائیں تب تک عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایک خالص ہونا واسطے اللہ تعالیٰ کے کہ کسی طرح کا لگاؤ غیر اللہ کا ظاہراً و باطناً قولاً و عملاً نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے مگر اس کو مال کا لالچ ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں لوگوں پر یہ حکم شاق گزرا۔ واپس آ کر اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی قول فرمایا۔ اور دوسرا رکن یہ کہ وہ عمل سنت مطہرہ کے مطابق ہو تو قبولیت اعمال کے لئے ان دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک اخلاص دوسرے مطابقت کتاب وسنت اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عمل صالح نہیں ہے۔

احادیث میں ریاکاری کو شرک خفی فرمایا گیا ہے تو یہاں شرک جلی اور شرک خفی دونوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت شداد بن اوسؓ جو ایک صحابی ہیں ایک دن رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ ایک حدیث یاد آ گئی اور اس نے رلا دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر شرک اور پوشیدہ شہوت کا ہے تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی۔ آپ نے فرمایا ہاں سنو۔ وہ سورج چاند، پتھر، بت کو نہ پوجے گی بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کرے گی۔ اور پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ صبح روزے سے ہے اور کوئی خواہش سامنے آئی روزہ چھوڑ دیا۔ اس حدیث کی تصدیق کھلم کھلا امت اب اپنے اعمالوں سے کر رہی ہے۔ آج ہمارے کتنے کام دنیا کے نہیں دین کے نام نمود۔ دکھاوا۔ شہرت اور لوگوں سے خراج وعقیدت وصول کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں جو خواہش نفس کے لئے روزہ چھوڑنا مثالاً فرمایا گیا تو یہ بھی بالکل عیاں ہے۔ رمضان المبارک جیسے مہینہ میں فرض روزوں کو جو حرمت دری علانیہ اس ملک میں ہوتی رہی ہے وہ آپ سب جانتے اور دیکھتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور ہماری ہدایت کا سامان فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ سورۂ کہف کا بیان جس میں ۱۲ رکوع تھے اس درس پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انشاءاللہ سورۂ مریم کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ جہاں آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر اسلام وایمان عطا فرمایا ہے تو اپنی رحمت سے وہ ایمان صادق اور عمل صالح کی توفیق عطا فرما کہ جو ہمیں ان آیات میں دی ہوئی بشارت کا مصداق بنا دے اور جنت الفردوس میں ہمیں آپ کی مہمانی نصیب ہو جائے۔

اے اللہ! ہمیں ہر چھوٹے بڑے شرک سے بچایئے گا اور شہرت نام ونمود اور ریا سے ہمارے اعمال کو پاک رکھئے گا۔

اے اللہ ہم کو ظاہر میں اور باطن میں شریعت مطہرہ اور کتاب وسنت کی پابندی نصیب فرما اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ وَھِیَ ثَمَانٍ وَّتِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

کٓھٰیٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿۲﴾

کٓھٰیٰعٓصٓ۔ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر۔

کٓھٰیٰعٓصٓ کاف۔ہا۔یا۔عین۔صاد	ذِکْرُ تذکرہ	رَحْمَتِ رحمت	رَبِّکَ تیرا رب	عَبْدَہٗ اپنا بندہ	زَکَرِیَّا زکریا	

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ کہ اب سولھویں پارہ کی سورۂ مریم کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت تلاوت کی گئی ہے۔

اس سورۃ کے آغاز کے قریب ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی والدہ حضرت مریم کے واقعہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس لئے اس سورۃ کا نام مریم رکھا گیا۔ حضرت مریم کا نام بقول مفسر ابن کثیر قرآن پاک میں ۳۰ جگہ آیا ہے اور سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کا نام بصراحت قرآن میں نہیں آیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کا زمانۂ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے کیونکہ معتبر روایات میں ہے کہ مہاجرین اسلام جب نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں بلائے گئے تھے تو اس وقت حضرت جعفرؓ نے بھرے دربار میں یہی سورۃ تلاوت کی تھی۔

اس سورۃ میں چند انبیاء اور صلحا کا تذکرہ ہے جس کو پڑھنے سے غیبی لامحدود قدرت کی ہمہ گیریاں اور کرشمہ سازیاں معلوم ہوتی ہیں۔ نیک لوگوں پر عنایت ونوازش اور بدشعاروں پر نزول عذاب کی کیفیت معلوم ہو کر ایمان اور عمل صالح کی رغبت اور کفر وعصیان سے نفرت پیدا ہوتی ہے جس دور میں یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس وقت کے حالات اور تاریخی پس منظر بھی مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔ سردارانِ قریش جب ہنسی مذاق، استہزاء، لالچ ڈراؤ دھمکاؤ وغیرہ سے اسلام کو دبانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ظلم وستم۔ مار پیٹ۔ قید وبند اور معاشی دباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کئے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نومسلموں کو طرح طرح سے ستا کر۔ قید کر کے۔ بھوک و پیاس کی تکلیفیں دے کر حتیٰ کہ سخت جسمانی اذیتیں دے دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ غربا اور وہ غلام جو قریش کے تحت زیردست کی حیثیت سے رہتے تھے بری طرح پیسے گئے۔ جیسے حضرت بلال۔ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین۔ حضرت خباب وغیرہ۔ ان لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا۔ بھوکا و پیاسا بند رکھا جاتا۔ مکے کی تپتی ہوئی ریت پر سخت دھوپ میں لٹا دیا جاتا۔ سینہ پر بھاری بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا۔ جو لوگ پیشہ ور تھے ان سے کام لیا جاتا اور اُجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت خباب کی یہ روایت موجود ہے کہ میں مکے میں لوہار کا کام کرتا تھا مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا پھر جب میں اس سے اُجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تیری اجرت نہ دوں گا جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرے۔ اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے اور اسلام لے آئے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں۔ اسی زمانہ کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت خباب کہتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے۔ آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا اور آپ نے فرمایا تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں۔ ان کے سروں پر رکھ کر آرے چلائے جاتے تھے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ ایک آدمی صنعا سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔ یہ حالات جب مکہ میں بہت ہی تکلیف دہ حد تک پہنچ گئے تو سال ۵ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اچھا ہو کہ تم لوگ مکہ سے نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔ اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مسلمان مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ پھر چند مہینے کے اندر مزید مسلمانوں نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۸۳ مرد ۱۱ عورتیں اور ۷ غیر قریشی مسلمان حبشہ میں جمع ہو گئے اور مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً صرف ۴۰ نفوس رہ گئے۔ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے شاید ہی کوئی گھر ایسا بچا تھا کہ جس کا کوئی نفس ان مہاجرین میں شامل نہ ہو۔

کٓھٰیٰعٓصٓ۔ یہ پانچ حروف مقطعات میں سے ہیں جن کا اصل مفہوم اور معنے تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے۔ حروف مقطعات کے متعلق ضروری تشریح ابتداء قرآن جلد اول درس نمبر ۲ میں ہو چکی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ "جو آئندہ قصہ آتا ہے وہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے مقبول بندہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حال پر۔" جس سے چند باتیں معلوم ہوں گی اول یہ کہ حق تعالیٰ کو کوئی کام کرنا مشکل نہیں ہے اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں پر بڑی رحمت کرنے والے ہیں اور وہ ان کی خاطر وہ کام بھی کر دیتے ہیں جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے ناممکن معلوم ہوتے ہیں۔ تو مقصد یہ ہے کہ اس لحاظ سے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ تعلق پیدا کریں تاکہ وہ موردِ رحمت خاصہ بنیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام جن کے ذکر سے یہ سورۃ شروع ہوئی ہے بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ نجاری یعنی بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ آپ کا قصہ پہلے سورۂ آل عمران تیسرے پارہ میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں تمام بنی اسرائیل کے پیشوا اور بیت المقدس کے متولی تھے۔ آپ کے زمانہ میں یہودی برسر حکومت نہ تھے بلکہ عیسائی سلطنت روم کے محکوم تھے۔ لکھا ہے کہ آپ کی عمر ۱۲۰ سال کی ہو گئی تھی مگر اس وقت تک آپ لاولد تھے۔ اس آیت میں زکریا علیہ السلام پر رحمت فرمانے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیلات اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے طفیل میں دنیا کو دین اسلام نصیب ہوا۔ یا اللہ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم فرمادے۔ اسلام کو غلبہ و شوکت عطا فرمادے اور مخالفین کو تباہ و برباد فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ۝۳ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا

جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی

وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ۝۴ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ

اور (اسکے قبل کبھی میں) آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں۔اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو آپ مجھ کو خاص

عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝۵ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝۶

اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دیدیجئے کہ وہ میرا وارث بنے۔اور یعقوبؑ کے خاندان کا وارث بنے،اور اس کو اے میرے رب (اپنا پسندیدہ بنائیے۔

اِذْ جب	نَادٰی اس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	نِدَآءً پکارنا	خَفِیًّا آہستہ سے	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ بیشک میں
وَهَنَ کمزور ہوگئی	الْعَظْمُ ہڈیاں	مِنِّیْ میری	وَاشْتَعَلَ اور شعلہ مارنے لگا	الرَّاْسُ سر	شَیْبًا سفید بال	وَ اور	لَمْ اَكُنْ میں نہیں رہا
بِدُعَآئِكَ تجھ سے مانگ کر	رَبِّ اے میرے رب	شَقِیًّا محروم	وَاِنِّیْ اور البتہ میں	خِفْتُ ڈرتا ہوں	الْمَوَالِیَ اپنے رشتے دار		
مِنْ وَّرَآءِیْ اپنے بعد	وَكَانَتِ اور ہے	امْرَاَتِیْ میری بیوی	عَاقِرًا بانجھ	فَهَبْ لِیْ تو مجھے عطا کر	مِنْ لَّدُنْكَ اپنے پاس سے	وَلِیًّا ایک وارث	
یَّرِثُنِیْ میرا وارث ہو	وَ اور	یَرِثُ وارث	مِنْ سے۔کا	اٰلِ یَعْقُوْبَ اولادِ یعقوبؑ	وَاجْعَلْهُ اور اسے بنادے	رَبِّ اے میرے رب	رَضِیًّا پسندیدہ

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ درس میں سورۃ کی ابتدا حضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرہ سے فرمائی گئی تھی جو بنی اسرائیل کے ایک نبی تھے۔جب حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال کی ہوگئی تو لاولد ہونے کیوجہ سے آپ کو اندیشہ ہوا کہ قوم کی حالت ویسے ہی ابتر ہو رہی ہے۔اور میرے بعد قوم کا کیا حال ہوگا۔عزیزوں اور رشتہ داروں میں کسی کے اندر امامت کی صلاحیت نہیں۔اگر کوئی خودغرض دنیا پرست امام ہوگیا تو اسرائیلیوں کی حالت اور تباہ ہوجائے گی۔انتہائی فکر کے بعد جب عالم اسباب میں کوئی سازوسامان درست ہونے کی امید نہ رہی تھی تو ایک رات کو تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے بارگاہ الٰہی میں مناجات و دعا کی جیسا کہ دعا کا اصل قاعدہ ہے اور عرض کیا کہ الٰہی میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگیں۔قوت نے جواب دے دیا اور آج تک آپ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا۔اب اس آخری وقت۔ضعف اور پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔مجھے اعزا و اقارب کی طرف سے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نااہلی کی وجہ سے ملت کا انتظام درست نہ رکھ سکیں گے اور جو دینی اور روحانی دولت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی مجھ تک پہنچی ہے۔اسے یہ نااہل اپنی شرارت اور بدتمیزی سے ضائع کردیں گے۔میں بوڑھا ہوں۔بیوی بانجھ ہے۔ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن آپ اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے مجھے ایک فرزند عطا فرمائیے جو دینی خدمات کو سنبھالے اور آپ کی مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے اور میری امامت و نبوت کا وارث ہو۔میں اس ضعف اور پیری میں

کیا کرسکتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالات نبوت کا وارث بنے۔ اور نسل یعقوب سے سلسلہ علم منقطع نہ ہو اور ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے آپ کی اور میری اور لوگوں کی پسند کا ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا خالص دینی غرض کے لئے تھی۔ کسی دنیوی غرض کے لئے نہ تھی کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے وارث رشتہ دار دین کی حفاظت اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور دین کی خاطر خواہ خدمت نہ بجالاسکیں۔ تو دین کی حفاظت اور خدمت کے خیال نے آپ کو اس دعا پر آمادہ کیا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نیک بخت خوش اعمال مومن لڑکا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اگر اللہ سے اولاد کی تمنا کی جائے تو اولاد صالح کی کی جائے۔ نیز دعا کے آداب بھی معلوم ہوئے کہ بندہ کو چاہئے کہ سچے دل سے انتہائی زاری اور عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرے اور دعا کے وقت لازم ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔ پھر اپنی کمزوری بے بسی اور ظاہری اسباب کا مفقود ہونا بیان کرے۔ کیونکہ بارگاہِ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابت دعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ آخر میں اپنا مطلب کہے۔ نیز معلوم ہوا کہ دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا افضل ہے۔ اور دعاء کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے دردمندی اور عاجزی سے معمور ہو۔ نیز یہاں سے دو مسئلے یہ معلوم ہوئے کہ اولاد کا طلب کرنا زہد اور نبوت کے منافی نہیں اور دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا مانگنا جو اسباب بعیدہ سے مسبب ہو ادب کے خلاف نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعا کا جواب فرشتہ کے ذریعہ سے جو حق تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو "دعا" کی حقیقت نصیب فرماویں۔ اور اپنی ہر حاجت کو حق تعالیٰ سے طلب کرنے میں کتاب وسنت کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اپنے فضل وکرم رحمت وعنایت سے ہماری جملہ حاجات کو پورا فرمائیں۔

یا اللہ! اولاد صالح کی نعمت سے ہم سب کو اپنی رحمت سے نوازیئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہوگا۔ زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ

میرے اولاد کس طور پر ہوگی حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ حالت یونہی رہے گی (اور پھر اولاد ہوگی اے زکریا)

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝٩ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ

تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ مجھ کو آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم (پیدائش کے قبل) کچھ بھی نہ تھے۔ زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے،

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى

ارشاد ہوا کہ تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین رات آدمیوں سے بات نہ کر سکو گے (حالانکہ تندرست ہو گے) پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس برآمد ہوئے اور اُن کو اشارہ سے فرمایا

اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝١٢ ۙ

کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو۔ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط ہو کر لو، اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقتِ قلب

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝١٣ ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝١٤ وَسَلٰمٌ

اور پاکیزگی (اخلاق کی) عطا فرمائی تھی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے اور وہ سرکشی کرنیوالے نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔ اور اُن کو سلام پہنچے

عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝١٥ ۧ

جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے۔

يٰزَكَرِيَّا اے زکریا	اِنَّا بیشک ہم	نُبَشِّرُكَ تجھے بشارت دیتے ہیں	بِغُلٰمٍ ایک لڑکا	اسْمُهٗ اسکا نام	يَحْيٰى یحییٰ	لَمْ نَجْعَلْ نہیں بنایا ہم نے	لَهٗ اس کا	
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	سَمِيًّا کوئی ہم نام	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اَنّٰى کیسے	يَكُوْنُ ہوگا وہ	لِيْ غُلٰمٌ میرے لئے۔ میرا لڑکا		
وَكَانَتِ جبکہ وہ ہے	امْرَاَتِيْ میری بیوی	عَاقِرًا بانجھ	وَقَدْ بَلَغْتُ اور میں پہنچ چکا ہوں	مِنَ سے۔ کی	الْكِبَرِ بڑھاپا	عِتِيًّا انتہائی حد	قَالَ اس نے کہا	
كَذٰلِكَ اسی طرح	قَالَ فرمایا	رَبُّكَ تیرا رب	هُوَ وہ (یہ)	عَلَيَّ مجھ پر	هَيِّنٌ آسان	وَ اور	قَدْ خَلَقْتُكَ میں نے تجھے پیدا کیا	مِنْ قَبْلُ اس سے
وَ جبکہ	لَمْ تَكُ تو نہ تھا	شَيْئًا کوئی چیز۔ کچھ بھی	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اجْعَلْ کر دے	لِيْ میرے لئے	اٰيَةً کوئی نشانی	
قَالَ فرمایا	اٰيَتُكَ تیری نشانی	اَلَّا تُكَلِّمَ تو نہ بات کریگا	النَّاسَ لوگ	ثَلٰثَ تین	لَيَالٍ رات	سَوِيًّا ٹھیک	فَخَرَجَ پھر وہ نکلا	عَلٰى پاس
قَوْمِهٖ اپنی قوم	مِنَ سے	الْمِحْرَابِ محراب	فَاَوْحٰى تو اس نے اشارہ کیا	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	اَنْ سَبِّحُوْا کہ اسکی پاکیزگی بیان کرو	بُكْرَةً صبح		
وَ اور	عَشِيًّا شام	يٰيَحْيٰى اے یحییٰ	خُذِ پکڑو (تھام لو)	الْكِتٰبَ کتاب	بِقُوَّةٍ مضبوطی سے	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دی	الْحُكْمَ نبوت۔ دانائی	
صَبِيًّا بچپن سے	وَ اور	حَنَانًا شفقت	مِنْ لَّدُنَّا اپنے پاس سے	وَزَكٰوةً اور پاکیزگی	وَكَانَ اور وہ تھا	تَقِيًّا پرہیزگار		
وَبَرًّا اور اچھا سلوک کرنیوالا	بِوَالِدَيْهِ اپنے ماں باپ سے	وَلَمْ يَكُنْ اور نہ تھا	جَبَّارًا گردن کش	عَصِيًّا نافرمان	وَسَلٰمٌ اور سلام	عَلَيْهِ اس پر		
يَوْمَ جس دن	وُلِدَ وہ پیدا ہوا	وَيَوْمَ اور جس دن	يَمُوْتُ وہ فوت ہوگا	وَيَوْمَ اور جس دن	يُبْعَثُ اٹھایا جائیگا	حَيًّا زندہ ہو کر		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا جس میں حق تعالیٰ سے ایک بیٹے کی درخواست کی گئی تھی اور وہ اس بنا پر کہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کی خدمت انجام دے سکے۔ نبی کی دعاء اور دعاء بھی صرف ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم کی رشد وہدایت کی خاطر فوراً مستجاب ہوئی اور جب زکریا علیہ السلام ہیکل یعنی عبادت خانہ میں مشغول عبادت تھے تو خدا کا فرشتہ ان پر ظاہر ہوا اور اس نے بشارت دی کہ آپ کے بیٹا پیدا ہوگا اور اس کا نام یحییٰ رکھنا۔ گویا قبل از ولادت نام بھی حق تعالیٰ کی طرف سے تجویز کر دیا گیا۔ اور نام بھی ایسا انوکھا رکھا گیا کہ ان سے پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور تعجب سے دریافت فرمانے لگے کہ یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی یعنی مجھ کو جوانی عطا کی جائے گی یا میری بی بی کا مرض بانجھ پن دور کر دیا جائے گا یا دوسرا نکاح کرنے کا حکم ہوگا۔ فرشتہ نے جواب دیا میں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں آپ کے بیٹا ضرور ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور یہ تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ان ہی حالات میں اولاد مل جائے گی اور مشیت ایزدی پوری ہو کر رہے گی۔ پھر فرشتہ نے مزید یہ کہا کہ آپ کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو لیکن خداوند قدوس کے یہاں تو مشکل نہیں۔ اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہی ہستی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردۂ عدم سے وجود میں لائے۔ پھر جو قادر مطلق لاشے محض کو شے بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اب زکریا علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا خدایا ایسا کوئی نشان بتا دیا جائے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ بشارت نے وجود کی شکل اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علامت یہ ہے کہ باوجود تندرست ہونے کے جب کامل تین رات دن لوگوں کے ساتھ زبان سے بات چیت نہ کر سکو اور صرف اشاروں ہی سے اپنا مطلب ادا کر سکو تو سمجھ لینا کہ بشارت نے وجود اختیار کر لیا یعنی اس وقت سمجھ لینا کہ حمل قرار پا گیا ہے اور ان دنوں میں تم خدا کی تسبیح وتہلیل میں زیادہ مشغول رہنا۔ چنانچہ جب وہ وقت آ پہنچا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ البتہ نماز و تسبیح وغیرہ پڑھتے رہے۔ دعا و استغفار اور تسبیح وتہلیل سے زبان بند نہ ہوئی تھی۔ حجرہ سے باہر نکل کر حضرت زکریاؑ نے لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کیا کرو۔ نمازیں پڑھو۔ تسبیح وتہلیل میں مشغول رہو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو اور یہ اس لئے کہا گیا کہ جس طرح یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے باعث صد ہزار مسرت تھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے لئے بھی کم خوشی کا باعث نہ تھی کہ زکریاؑ کا ایک صحیح جانشین اور علم وحکمت ونبوت کا سچا وارث عالم وجود میں آنیوالا ہے ۔ چنانچہ بشارت کے موافق حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ ولادت باسعادت کے بعد قرآن پاک نے یحییٰ علیہ السلام کے بچپن کے ان واقعات کو نظر انداز کر کے جو قرآنی مقصد سے غیر متعلق تھے۔

آگے یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو جب وہ سن شعور کو پہنچے حکم دیا کہ توراۃ پر جو اس وقت کتاب شریعت تھی مضبوطی سے عمل کریں اور اسی کے مطابق لوگوں کو ہدایت دیں اسلئے کہ یحییٰ علیہ السلام نبی تھے رسول نہ تھے اور توراۃ ہی کی شریعت کے پابند تھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو عام بچوں کی زندگی سے جدا ان کو بچپن ہی میں علم و فضیلت بخش دیئے تھے تا کہ وہ جلد ہی نبوت کے منصب پر فائز ہو سکیں۔ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بچپن میں جب بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کھیلنے پر اصرار کرتے تو آپ جواب دے دیتے کہ خدا نے مجھ کو لہو لعب کیلئے نہیں پیدا کیا ہے۔ تو حق تعالیٰ نے لڑکپن ہی میں آپ کو فہم ودانش۔ علم وحکمت۔ احکام کتاب اور آداب عبودیت کی معرفت عطا فرمادی تھی آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مزید صفات بیان کی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شوق وذوق رحمت وشفقت۔ رقت ونرم دلی۔ محبت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی اور صاف ستھرا پاکیزہ رُو۔ پاکیزہ خُو۔ مبارک وسعید متقی و پرہیزگار بنایا۔ حدیث میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ مگر خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔ ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت زکریا علیہ السلام نے جب آپ کو جنگل میں تلاش کر کے پایا تو ان سے فرمایا۔ بیٹا

ہم تو تیری یاد میں مضطرب تجھ کو تلاش کر رہے ہیں اور تو یہاں گریہ زاری میں مشغول ہے تو یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا اے میرے باپ آپ نے مجھ کو بتایا ہے کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک ایسا لق ودق میدان ہے جو خدا کی خشیت میں بغیر آنسو بہائے طے نہیں ہوتا اور جنت تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ سن کر زکریا علیہ السلام بھی رونے لگے۔ اے اللہ اپنے ان مقبولین کے خوف وخشیت کا کوئی ذرہ ہمارے دلوں میں بھی ڈال دے کہ ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور آپ کی اطاعت پر آمادہ کر دے۔

آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزید صفات بیان فرمائے گئے کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے اور خلق کے ساتھ سرکشی کرنے والے یا حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔ اور عنداللہ! ایسے وجیہ اور مکرم تھے کہ ان کے حق میں منجانب اللہ یہ ارشاد ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن قیامت میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جس سلامتی کی دعا دی گئی ہے وہ تین اوقات کی تخصیص کے ساتھ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے یہی تین اوقات سب سے زیادہ نازک اور اہم ہیں۔ وقت ولادت جس میں رحم مادر سے جدا ہو۔ عالم دنیا میں آتا ہے اور وقت موت کہ جس میں عالم دنیا سے وداع ہو کر عالم برزخ میں پہنچتا ہے اور وقت حشر ونشر کہ جس میں عالم قبر سے عالم آخرت میں اعمال کی جزاوسزا کے لئے پیش ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے ان تین اوقات کے لئے سلامتی کی بشارت مل گئی اسکو سعادت دارین کا کل ذخیرہ مل گیا۔

مسند احمد۔ ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت حارث اشعریؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا خصوصیت کے ساتھ حکم فرمایا کہ وہ خود بھی ان پر عامل ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی ان کی تلقین فرمائیں۔ وہ پانچ احکام یہ تھے۔ پہلا حکم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک وسہیم ٹھہراؤ کیونکہ مشرک کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے اپنے روپیہ سے خریدا مگر غلام نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جو کچھ کماتا ہے وہ مالک کے سوا ایک دوسرے شخص کو دے دیتا ہے تو اب بتاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ لہٰذا سمجھ لو کہ جب خدا ہی نے تم کو پیدا کیا اور وہی تم کو رزق دیتا ہے تو تم بھی صرف اسی کی پرستش کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسرا حکم یہ کہ تم خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرو کیونکہ جب تم نماز میں کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہو گے خدا تعالیٰ برابر تمہاری جانب رضاو رحمت کے ساتھ متوجہ رہے گا۔ تیسرا حکم یہ کہ روزہ رکھو اس لئے کہ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک جماعت میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس مشک کی تھیلی ہو چنانچہ مشک اس کو بھی اور اس کے رفقا کو بھی اپنی خوشبو سے معطر کرتا رہے گا اور روزہ دار کی منہ کی بو کا خیال نہ کرو اس لئے کہ اللہ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو جو خالی معدہ سے اٹھتی ہے مشک کی خوشبو سے زیادہ پاک ہے چوتھا حکم یہ کہ مال میں سے صدقہ نکالا کرو کیونکہ صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو اس کے دشمنوں نے اچانک آ پکڑا ہو اور اس کے ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر مقتل کی جانب لے چلے ہوں اور اس نا امیدی کی حالت میں وہ یہ کہے کہ کیا میں مال دے کر اپنی جان چھڑا لوں اور اثبات میں جواب پا کر اپنی جان کے بدلے سب دھن دولت قربان کر دے۔ اور پانچواں حکم یہ کہ دن رات میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہو کیونکہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دشمن سے بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہا ہو اور بھاگ کر وہ کسی مضبوط قلعہ میں پناہ گزین ہو کر دشمن سے محفوظ ہو جاوے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا میں بھی تم کو ایسی پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا خدا تعالیٰ نے مجھ کو حکم کیا ہے۔ یعنی لزوم جماعت۔ سمع۔ وطاعت۔ ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پس جو شخص جماعت سے ایک بالشت باہر نکل گیا اس نے بلاشبہ اپنی گردن سے اسلام کی رسی کو نکال دیا مگر یہ کہ جماعت کا لزوم اختیار کرے اور جس شخص نے جاہلیت کے دور کی باتوں کی طرف دعوت دی تو اس نے جہنم کو ٹھکانا بنایا۔ حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ شخص نماز روزہ کا پابند ہی ہو تب بھی جہنم کا سزاوار ہے؟ فرمایا ہاں اگرچہ وہ نماز روزہ کا پابند بھی ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں تب بھی سزاوار جہنم ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

اور اے نبی اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجئے، جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب میں تھا (غسل کیلئے) گئیں پھر اُن لوگوں کے سامنے سے

حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ

انہوں نے پردہ ڈال لیا پس ہم نے اُن کے پاس اپنے فرشتہ کو بھیجا اور وہ اُن کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں

مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ

اگر تو (کچھ) خدا ترس ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ وہ کہنے لگیں کہ میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا

لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ

حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ یونہی (اولاد) ہو جاوے گی تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے،

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے، تاکہ ہم اُس فرزند کو لوگوں کیلئے ایک نشانی بنادیں، اور باعث رحمت بنائیں۔

وَاذْكُرْ اور ذکر کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مَرْيَمَ مریم	اِذِ انْتَبَذَتْ جب وہ یکسو ہوگئی	مِنْ اَهْلِهَا اپنے گھر والوں سے	مَكَانًا مکان	شَرْقِيًّا مشرقی			
فَاتَّخَذَتْ پھر ڈال لیا	مِنْ سے	دُوْنِهِمْ ان کی طرف	حِجَابًا پردہ	فَاَرْسَلْنَا پھر ہم نے بھیجا	اِلَيْهَا اس کی طرف	رُوْحَنَا اپنی روح (فرشتہ)			
فَتَمَثَّلَ شکل بن گیا	لَهَا اس کیلئے	بَشَرًا ایک آدمی	سَوِيًّا ٹھیک	قَالَتْ وہ بولی	اِنِّيْ بیشک میں	اَعُوْذُ پناہ میں آتی ہوں	بِالرَّحْمٰنِ رحمٰن اللہ (کی)		
مِنْكَ تجھ سے	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	تَقِيًّا پرہیزگار	قَالَ اس نے کہا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اَنَا کہ میں	رَسُوْلُ بھیجا ہوا	رَبِّكِ تیرے رب کا		
لِاَهَبَ تاکہ عطا کروں	لَكِ تجھ سے	غُلٰمًا ایک لڑکا	زَكِيًّا پاکیزہ	قَالَتْ وہ بولی	اَنّٰى کیسے	يَكُوْنُ ہوگا	لِيْ میرے	غُلٰمٌ لڑکا	وَ جبکہ
لَمْ يَمْسَسْنِيْ مجھے چھوا نہیں	بَشَرٌ کسی بشر نے	وَ اور	لَمْ اَكُ میں نہیں ہوں	بَغِيًّا بدکار	قَالَ اس نے کہا	كَذٰلِكِ یونہی	قَالَ فرمایا		
رَبُّكِ تیرا رب	هُوَ وہ۔یہ	عَلَيَّ مجھ پر	هَيِّنٌ آسان	وَلِنَجْعَلَهٗ اور تاکہ ہم اسے بنائیں	اٰيَةً ایک نشانی	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَ اور		
رَحْمَةً رحمت	مِنَّا اپنی طرف سے	وَكَانَ اور ہے	اَمْرًا ایک	مَقْضِيًّا طے شدہ					

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی نشانیاں موجود تھیں۔ اب اس سے بھی عجیب تر قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

تخلیق انسانی چار طور پر ہوئی ہے اور ہر ایک میں قدرت الٰہی کا واضح نشان موجود ہے۔

ایک مرد و عورت کے قریب سے جیسے عام انسان پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرے بغیر مرد و عورت کے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تیسرے بغیر عورت کے جس طرح حضرت حوا کی تخلیق ہوئی۔ چوتھے بغیر مرد کے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم سے پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پیدائش ظاہر کردی تاکہ انسان کو اس کی ہر طرح کی قدرت پر ایمان ہو اور ان قصوں کو اللہ تعالیٰ اسی لئے بیان فرما رہے ہیں تاکہ اس کے بندے اس سے اس کی قدرت پر دلیل لیں اور اس کی عظمت و بڑائی معلوم کریں اور جانیں کہ حق تعالیٰ جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔ نیز حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ سے جو پہلے بیان ہوا اور حضرت مریم کے قصہ سے جو اس اور اگلی آیات میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔

دونوں قصوں کے مجموعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال اور طلب سے بھی دیتے ہیں۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام دیئے۔ اور بلا سوال اور طلب بھی دیتے ہیں جیسے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیئے۔ اس سے یہ بات بھی نکلی کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہر شخص کے ساتھ جدا جدا معاملہ فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے خاندان ہی میں اس زمانہ میں ایک بزرگ عابد زاہد کاہن تھے جن کا نام عمران تھا اور ان کی بیوی کا نام حنہ تھا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے خالو تھے۔ عمران صاحب اولاد نہ تھے اور ان کی بیوی حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو اس لئے وہ درگاہ الٰہی میں اولاد کے لئے دعا کیا کرتی تھیں اور قبولیت دعاء کے لئے ہر وقت منتظر رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہیں ان کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی۔ بنی اسرائیل میں یہ رسم بہت مقدس سمجھی جاتی تھی اور اس طرح جو اولاد خانہ خدا کے لئے وقف ہو جاتی تھی اس کو شب و روز عبادت الٰہی اور عبادت خانہ کی خدمت کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ ان کے شوہر عمران کا انتقال ہوگیا جب وضع حمل کا وقت ہوا تو لڑکی پیدا ہوئی جس کا حنہ کو افسوس ہوا کیونکہ لڑکی وقف کرنے کا دستور نہ تھا لیکن نذر مان چکی تھیں اس لئے حضرت مریم کو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کردیا گیا جو بیت المقدس کے متولی اور امام تھے۔ حضرت مریم بچپن ہی سے نہایت پاکیزہ صفات اور عابدہ زاہدہ تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کردیا تھا وہ دن میں وہاں رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں اور جب رات آتی تو ان کو حضرت زکریا اپنے مکان پر حضرت مریم کی خالہ کے پاس لے جاتے اور وہیں شب بسر کرتیں غرض اس طرح زہد و تقویٰ و عبادت کے ساتھ حضرت مریم کی عمر تیرہ یا پندرہ سال کے قریب ہوگئی۔

اب یہاں سے آگے کے حالات ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور بتلایا گیا کہ ایک روز بیت المقدس سے مشرق کی طرف سب سے علیحدہ ہو کر کسی مکان میں گئیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت مریم غسل کے لئے اس جگہ آئی تھیں اور لوگوں سے آڑ کے لئے آپ نے درمیان میں پردہ ڈال لیا تھا جب آپ غسل کرچکیں اور کپڑے پہن لئے تو اچانک خدا کا فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں ظاہر ہوئے اور جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نہایت خوبصورت انسانی شکل میں آئے۔ حضرت مریم نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور قدرتی طور پر خوف زدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ و طہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہوگا تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔ اس وقت جبرئیل امین نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں میری نسبت کوئی ڈر یا خوف آیا ہو تو دل سے نکال دو میں انسان نہیں بلکہ خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تم کو ایک پاکیزہ۔ صاف ستھرا اور مبارک و مسعود لڑکے کی بشارت دوں۔ حضرت مریم کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہوا کہ جو عفیفہ مرد سے ناواقف ہو اس کے لڑکا کیسے ہوگا اس لئے حضرت مریم از راہ تعجب فرمانے لگیں میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مجھ کو آج تک کسی شخص نے بھی ہاتھ نہیں لگایا اس لئے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ میں کوئی بدکار ہوں۔ فرشتہ نے جواب دیا میں تو تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ میں اس لئے کروں گا کہ تمکو اور تمہارے بیٹے کو کائنات کے لئے اپنی قدرت کاملہ کے اعجاز کا نشان بنادوں اور لڑکا میری جانب سے رحمت ثابت ہوگا میرا یہ فیصلہ اٹل ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

اِس گفتگو کے بعد جبرئیل امین حضرت مریم کے قریب آئے اور اُن کے منہ یا گریبان میں پھونک ماری جس سے حضرت مریمؑ بشان ایزدی حاملہ ہوگئیں۔ اب آگے حضرت مریمؑ کو کیا صورت حال اور واقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ

پھر اُن کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا پھر اس حمل کو لئے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔ پھر دردزہ کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں،

قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ

کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور ایسی نیست ونابود ہوجاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ پھر جبرئیلؑ نے اُن کے پائیں سے اُن کو پکارا کہ تم مغموم مت ہو

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

تمہارے رب نے تمہارے پائین (مکان) میں ایک نہر پیدا کردی ہے اور اس کھجور کے تنہ کو اپنی طرف کو ہلاؤ اس سے تم پر خرمائے تروتازہ جھڑیں گے۔

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ

پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی (اعتراض کرتا) دیکھو تو کہہ دینا میں نے تو اللہ کے واسطے روزہ کی منت مان رکھی ہے

لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ ۚ

سو آج میں کسی آدمی سے نہیں بولوں گی۔

فَحَمَلَتْهُ پھر اسے حمل رہ گیا	فَانْتَبَذَتْ پس وہ چلی گئی	بِهٖ اسے لے کر	مَكَانًا ایک جگہ	قَصِيًّا دور	فَاَجَآءَهَا پھر اسے لے آیا			
الْمَخَاضُ دردِزہ	اِلٰى طرف	جِذْعِ جڑ	النَّخْلَةِ کھجور کا درخت	قَالَتْ وہ بولی	يٰلَيْتَنِىْ اے کاش میں	مِتُّ مرچکی ہوتی		
قَبْلَ هٰذَا اس سے قبل	وَكُنْتُ اور میں ہوجاتی	نَسْيًا مَّنْسِيًّا بھولی بسری	فَنَادٰىهَا پس اسے آواز دی	مِنْ سے	تَحْتِهَا اسکے نیچے			
اَلَّا تَحْزَنِىْ کہ نہ گھبرائو	قَدْ جَعَلَ کردیا ہے	رَبُّكِ تیرا رب	تَحْتَكِ تیرے نیچے	سَرِيًّا ایک چشمہ	وَهُزِّىْٓ اور ہلا	اِلَيْكِ اپنی طرف		
بِجِذْعِ تنے کو	النَّخْلَةِ کھجور	تُسٰقِطْ جھڑ پڑیں گی	عَلَيْكِ تجھ پر	رُطَبًا تازہ تازہ	جَنِيًّا کھجوریں	فَكُلِىْ تو کھا	وَاشْرَبِىْ اور پی	وَ اور
قَرِّىْ ٹھنڈی کر	عَيْنًا آنکھیں	فَاِمَّا تَرَيِنَّ پھر اگر تو دیکھے	مِنَ سے	الْبَشَرِ آدمی	اَحَدًا کوئی	فَقُوْلِىْٓ تو کہدے		
اِنِّىْ نَذَرْتُ کہ میں نے نذر مانی ہے	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کے لئے	صَوْمًا روزہ	فَلَنْ اُكَلِّمَ پس میں ہرگز کلام نہ کرونگی	الْيَوْمَ آج	اِنْسِيًّا کسی آدمی			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت مریم کو جبرئیل علیہ السلام کا ایک فرزند کی بشارت دینے کا ذکر ہوا تھا اور جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا تھا کہ پروردگار کا ارشاد ہے کہ اس بچہ کو ایک نشان قدرت لوگوں کے لئے بنانا اور باعث رحمت بنانا مشیت ایزدی میں طے ہوچکا ہے۔ غرض حضرت مریم بشان ایزدی حاملہ ہوگئیں۔ اب جب آثار حمل نمودار ہوئے تو بنی اسرائیل کی بدگوئی کا خوف ہوا اس لئے سب سے یکسوئی اختیار کرلی اور کہیں دور تنہا مکان میں گوشہ گیر ہوگئیں۔ مدت حمل جب پوری ہوئی اور وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے گھر سے کسی دور جگہ جنگل میں الگ چلی گئیں۔ جب دردزہ کی تکلیف سے بے چین ہوئیں تو ایک کھجور کے درخت کی طرف آئیں کہ اس کے سہارے بیٹھیں اٹھیں اور اس کی جڑ سے سہارا لیں۔ اب حالت یہ تھی کہ نہ کوئی انیس نہ جلیس۔ درد سے بے چین۔ ایسے وقت جو سامان راحت وضرورت کا ہونا چاہئے وہ ندارد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بچہ ہونے پر آئندہ بدنامی ورسوائی کا تصور۔ اسی کرب واضطراب کے غلبہ میں حضرت مریم کہہ اٹھیں کہ کاش میں اس

وقت کے آنے سے پہلے ہی مر چکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام ونشان نہ رہتا اور کسی کو بھولے سے بھی یاد نہ آتی۔ شدت کرب واضطراب میں گذشتہ بشارات جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئیں۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچے اور حضرت مریم کے احترام کی وجہ سے سامنے نہیں گئے بلکہ جس مقام پر حضرت مریم تھیں اس سے ایک نیچی جگہ میں آڑ میں آئے اور حضرت مریم کو پکارا جس کو حضرت مریم نے پہچانا کہ یہ اسی فرشتہ کی آواز ہے جو اول ظاہر ہوا تھا۔ اور کہا کہ غمگین اور پریشان مت ہو۔ خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کرو۔ نیچے کی طرف دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسا چشمہ یا نہر جاری کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لئے ہوا۔ کھانے کے لئے اسی کھجور کے پیڑ کو ہلاؤ تو پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گریں گی۔ تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو اور پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ آگے کا غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔ رہا بدنامی کا اندیشہ تو جب تمہارے سامنے کوئی آئے اور لڑکے کی بابت دریافت کرے تو تم اشارہ سے کہہ دینا کہ میں نے تو ایسے روزہ کی منت مان رکھی ہے جس میں بولنے کی بندش ہے۔ ان کی شریعت میں یہ نیت درست تھی کہ نہ بولنے کا بھی روزہ رکھتے تھے ہماری شریعت اسلامیہ میں ایسی نیت اور روزہ درست نہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم نے درد کی شدت سے بیتاب ہو کر جو موت کو یاد کیا اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ہر انسان اقتضائے بشریت سے مجبور ہے۔ مصائب اور تکلیف کا احساس ہر ایک کو ہوتا ہے اور احساس حوادث سے متاثر بھی ہوتا ہے اور یہ ولایت یا نبوت کے منافی نہیں حضرت مریم کی تسکین۔ آسائش اور دفع تکلیف کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کو بھیجا۔ چشمہ جاری کیا۔ خشک درخت کو بار آور کیا اور پکے پکائے لذیذ شیریں پھل دیئے۔ ان واقعات کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کی ہر وقت اور ہر حال میں کارسازی فرماتے ہیں اور اہل تقرب کو نظام عام کے خلاف مخصوص عنایات سے بھی سرفراز فرماتے ہیں۔

یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کے درخت کی شاخ ہلانے کا جو حکم دیا تو اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بغیر حضرت مریم کے شاخ ہلانے کے خود ہی کھجوریں ان کی گود میں گر جاتیں اور وہ ان کو کھا لیتیں مگر اس ہلانے کے حکم میں حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے اور یہ بھی بتلانا ہے کہ رزق کے حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ نیز یہاں جو حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے کھجور کا استعمال من جانب اللہ تجویز کیا گیا تو معلوم ہوا کہ زچہ کے لئے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے اور اطبا نے بھی لکھا ہے کہ عورت کے لئے ایام نفاس میں رطب یعنی تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں نیز یہاں آیت میں جو حضرت مریم نے اپنی موت کی تمنا کی تھی تو اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی تب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر کہا جاوے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا اور اگر یہ تمنا دین کی وجہ سے تھی کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کی معصیت میں ابتلا ہوگا اور موت سے اس معصیت سے حفاظت رہے گی تو ایسی تمنا موت ممنوع نہیں ہے۔

غرض کہ فرشتے کے کلام سے حضرت مریم کی تسلی ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اب جب حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر بستی میں آئیں تو قوم نے آپ کی گود میں بچہ دیکھ کر کیا کہا سنا اور بجائے حضرت مریم کے بچہ نے جو قوم کو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنے مقبولین کے طفیل سے ہم کو بھی اپنی عنایات سے سرفراز فرمائیے اور ہر لمحہ و آن ہماری کارسازی فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝٢٧ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ

پھر وہ اُن کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں لوگوں نے کہا اے مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن تمہارے باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے

امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝٢٨ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ

اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں۔ پس مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کردیا، وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔

صَبِيًّا ۝٢٩ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝٣٠ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا

وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اُس نے مجھ کو نبی بنایا۔ اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں،

كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝٣١ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا

اور اُس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا اور اُس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا۔

شَقِيًّا ۝٣٢ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝٣٣

اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز رحلت کروں گا اور جس روز (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

فَأَتَتْ بِهِ پھر وہ اسے لیکر آئی	قَوْمَهَا اپنی قوم	تَحْمِلُهُ اسے اٹھائے ہوئے	قَالُوا وہ بولے	يَا مَرْيَمُ اے مریم	لَقَدْ جِئْتِ تو لائی ہے	شَيْئًا شے	
فَرِيًّا بُرغضب کی	يَا أُخْتَ هَارُونَ اے ہارون کی بہن	مَا نہ كَانَ تھا	أَبُوكِ تیرا باپ	امْرَأَ آدمی	سَوْءٍ برا	وَ اور	مَا كَانَتْ نہ تھی
أُمُّكِ تیری ماں	بَغِيًّا بدکار	فَأَشَارَتْ تو مریم نے اشارہ کیا	إِلَيْهِ اس کی طرف	قَالُوا وہ بولے	كَيْفَ نُكَلِّمُ کیسے ہم بات کریں	مَنْ كَانَ جو ہے	
فِي الْمَهْدِ گہوارہ میں	صَبِيًّا بچہ	قَالَ بچے نے کہا	إِنِّي بیشک میں	عَبْدُ اللَّهِ اللہ کا بندہ	آتَانِيَ اس نے مجھے دی ہے	الْكِتَابَ کتاب	
وَجَعَلَنِي اور مجھے بنایا ہے	نَبِيًّا نبی	وَجَعَلَنِي اور مجھے بنایا ہے	مُبَارَكًا بابرکت	أَيْنَ مَا جہاں کہیں	كُنْتُ میں ہوں	وَ اور	
أَوْصَانِي مجھے حکم دیا ہے اس نے	بِالصَّلَاةِ نماز کا	وَالزَّكَاةِ اور زکوۃ کا	مَا دُمْتُ جب تک میں رہوں	حَيًّا زندہ	وَبَرًّا اور اچھا سلوک کرنیوالا		
بِوَالِدَتِي اپنی ماں سے	وَ اور	لَمْ يَجْعَلْنِي اس نے مجھے نہیں بنایا	جَبَّارًا سرکش	شَقِيًّا بدنصیب	وَالسَّلَامُ اور سلامتی	عَلَيَّ مجھ پر	يَوْمَ جس دن
	وُلِدْتُ میں پیدا ہوا	وَيَوْمَ اور جس دن	أَمُوتُ میں مروں گا	وَيَوْمَ اور جس دن	أُبْعَثُ اٹھایا جاؤں گا	حَيًّا زندہ ہوکر	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا حال بیان فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام پیغامات الٰہیہ پر مطمئن ہوکر جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے پہنچے تھے بچہ کو گود میں لے کر بیت المقدس کو روانہ ہوئیں جب بستی میں پہنچیں اور قوم کے سامنے آئیں تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہنے لگے مریم تم نے تو غضب کردیا۔ یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئیں۔ اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہوگا کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ سب بدگمان ہوکر کہنے لگے کہ تمہارے ماں باپ اور خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں۔ تم میں یہ بری خصلت کدھر سے آئی۔

غرض حاصل کلامِ قوم کا حضرت مریم سے یہ ہوا کہ تمہارے باپ پاکباز تھے تمہاری ماں پارسا تھیں۔ بھائی ایسا نیک ہے۔

اوپر جا کر تمہارا حسب حضرت ہارون پر منتہی ہوتا ہے پھر یہ حرکت تم سے کیونکر سرزد ہوئی کہ شادی تو ہوئی نہیں۔ یہ بچہ کیسا؟ حضرت مریم نے اپنی صفائی میں کوئی بات نہیں کہی اور فرشتہ کی ہدایت کے موافق پس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا مطلب یہ تھا کہ اس بچہ سے دریافت کرو۔ یہ جواب دے گا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ بھلا اس گود کے شیر خوار بچہ سے ہم کیسے سوال جواب کر سکتے ہیں یہ ابھی بچہ ہے اور بات چیت پر قادر نہیں اس سے کیا بات کریں۔ ابھی قوم کی طرف سے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ خود بچہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے گویا کر دیا۔ آپ فوراً بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے اپنے فیصلہ تقدیر میں مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے خواہ میں کسی حال اور کسی جگہ بھی ہوں یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو اور اُس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور خود سر اور نافرمان نہیں بنایا کہ ادائے حق خالق یا ادائے حق والدہ سے سرکشی کروں۔ چونکہ آپ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے والدہ کی تخصیص کی اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا۔ اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ پھر قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت ماں کی گود میں جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ ان کی نسبت قائم ہونے والے تھے سب سے پہلے کہا کہ میں بندہ ہوں اللہ کا یعنی نعوذ باللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے اور ان آیات کی ابتداء اس جملہ سے فرمائی گئی **فاتت بہ قومھا تحملہ**۔ پس مریم اس لڑکے کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں۔ تو **فاتت** کا لفظ بتا رہا ہے کہ حضرت مریم خود اپنے بچہ کو لے کر آئی تھیں۔ اس میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ وہ عیسیٰ جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد اتنے مجبور تھے کہ خود چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ ماں گود میں اٹھائے پھرتی تھیں۔ تو ایسا مجبور اور بے بس کس طرح مستحق الوہیت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔

یہاں شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات کے لئے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہو گیا۔

پہلی صفت اپنی عبدیت کی بیان کی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر والد کے پیدا ہوا ہوں۔ معاذ اللہ ولد الزنا نہیں اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا مخلوق بندہ ہوں معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں۔

دوسری صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب انجیل عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہو گی اور نبوت الوہیت سے منافی ہے۔

تیسری صفت یہ فرمائی کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے ضرور اپنے وقت پر واقع ہو گا۔

چوتھی صفت یہ بیان کی اللہ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے۔ جس جگہ بھی ہوں۔ جہاں بھی رہوں یا جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ ہو گی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

پانچویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں اور ظاہر ہے کہ نماز اور

3 زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

چھٹی صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا۔ اس میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہیں۔ مجھ پر ان کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

ساتویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بدبخت ہے۔

آٹھویں صفت یہ بیان کی کہ سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خداوند قدوس کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔ حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔

اب قوم نے جب ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے ایسا حکیمانہ اور معجزانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت مریم کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی اور تلویث سے پاک ہے اور اس بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک نشانی ہے۔ بہرحال یہ خبر ایسی نہ تھی کہ پوشیدہ رہ جاتی قریب اور بعید سب جگہ اس حیرت کن واقعہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کے چرچے ہونے لگے اور طبائع انسانی نے اس مقدس ہستی کے متعلق شروع ہی سے مختلف کروٹیں بدلنی شروع کر دیں۔ اصحاب خیر نے آپ کے وجود کو یمن و سعادت کا ماہتاب سمجھا تو اصحاب شر نے اس ہستی کو اپنے لئے فال بد جانا اور بغض و حسد کے شعلے اندر ہی اندر سلگنے لگے۔

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں سے صرف اسی اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے باقی بچپن کے دوسرے حالات کو جن کا ذکر قرآن کے مقصد تذکیر و موعظت سے خاص تعلق نہیں رکھتا تھا نظر انداز کر دیا ہے۔ اس لئے آگے اس قصہ سے جو اصل مقصود ہے اس کو بیان کیا گیا ہے پھر مضمون توحید۔ اور اس کے ساتھ ذکر قیامت اور منکرین توحید کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: جو عقائد قران پاک نے تعلیم فرمائے ہیں۔ اور جو خبریں دی گئی ہیں ان پر حقیقی ایمان ہم کو نصیب ہو۔ اور قران پاک کی ہر تعلیم و نصیحت کے موافق ہم کو اپنی زندگی گزارنا نصیب ہو۔ یا اللہ! ہمیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم و ہدایات دی ہیں ان کا اتباع ہم کو نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو اپنے والدین کا خدمت گزار اولادھونا نصیب فرما۔ اور ہر طرح کی سرکشی۔ نافرمانی اور بدبختی سے ہم کو محفوظ فرما۔

یا اللہ! سب سے بڑی بدبختی اور سرکشی بندہ کی یہی ہے کہ وہ آپ کی نافرمانی کرے اور آپ کے احکام نہ مانے اور آپ کی عبادت اور بندگی نہ کرے۔ یا اللہ! اس بدبختی سے ہمیں اور ہماری نسلوں کو محفوظ فرمائیے۔ ہمیں اپنا اطاعت گزار اور فرمانبردار بندہ بن کر زندہ رہنا اور فرمانبردار ہی ہو کر مرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم میں (بالکل) سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے

سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ

وہ (بالکل) پاک ہے، وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اُس کو اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو

هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ

یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے۔ سو (پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارہ میں) باہم اختلاف ڈال لیا، سو ان کافروں کیلئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی ہے۔

عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾

جس روز یہ لوگ ہمارے پاس آویں کیسے کچھ شنوا اور بینا ہوجاویں گے لیکن یہ ظالم آج صریح غلطی میں ہیں۔

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا

اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرایئے جب کہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ لوگ غفلت میں ہیں اور وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ (لیکن

نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾

آخر ایک دن مریں گے اور) تمام زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (یعنی آخر مالک) رہ جاویں گے اور یہ سب ہمارے پاس ہی لوٹائے جاویں گے۔

ذٰلِكَ یہ	عِيسَى عیسیٰ	ابْنُ مَرْيَمَ ابن مریم	قَوْلَ بات	الْحَقِّ سچی	الَّذِي فِيهِ وہ جس میں	يَمْتَرُونَ وہ شک کرتے ہیں	مَا كَانَ نہیں ہے
لِلَّهِ اللہ کیلئے	أَنْ کہ	يَتَّخِذَ وہ بنائے	مِنْ کوئی	وَلَدٍ بیٹا	سُبْحَانَهُ وہ پاک ہے	إِذَا قَضَىٰ جب وہ فیصلہ کرتا ہے	أَمْرًا کسی کام
فَإِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں	يَقُولُ وہ کہتا ہے	لَهُ اس کو	كُنْ ہو جا	فَيَكُونُ پس وہ ہو جاتا ہے	وَإِنَّ اور بیشک	اللَّهَ اللہ	رَبِّي میرا رب
وَرَبُّكُمْ اور تمہارا رب	فَاعْبُدُوهُ پس اسکی عبادت کرو	هٰذَا یہ	صِرَاطٌ راستہ	مُسْتَقِيمٌ سیدھا	فَاخْتَلَفَ پھر اختلاف کیا	الْأَحْزَابُ فرقے	
مِنْ بَيْنِهِمْ آپس میں	فَوَيْلٌ پس خرابی	لِلَّذِينَ كَفَرُوا کافروں کیلئے	مِنْ سے	مَشْهَدِ حاضری	يَوْمٍ عَظِيمٍ بڑا دن	أَسْمِعْ سنیں گے	
بِهِمْ کیا کچھ	وَأَبْصِرْ اور دیکھیں گے	يَوْمَ جس دن	يَأْتُونَنَا وہ ہمارے سامنے آئینگے	لٰكِنِ لیکن	الظَّالِمُونَ ظالم	الْيَوْمَ آج کے دن	
فِي میں	ضَلَالٍ مُبِينٍ کھلی گمراہی	وَأَنْذِرْهُمْ اور ان کو ڈراویں آپ	يَوْمَ الْحَسْرَةِ حسرت کا دن	إِذْ جب	قُضِيَ فیصلہ کر دیا جائیگا		
الْأَمْرُ کام	وَهُمْ لیکن وہ	فِي غَفْلَةٍ غفلت میں ہیں	وَهُمْ اور وہ	لَا يُؤْمِنُونَ ایمان نہیں لاتے	إِنَّا نَحْنُ بیشک ہم		
نَرِثُ وارث ہونگے	الْأَرْضَ زمین	وَمَنْ اور جو	عَلَيْهَا اس پر	وَإِلَيْنَا اور ہماری طرف	يُرْجَعُونَ وہ لوٹائے جائیں گے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا۔ اب جو اس سے مقصد و مقصود تھا اس کو واضح کیا جا رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو درجۂ نبوت سے بلند اور عبدیت و انسانیت سے بالاتر جانتے۔ ان میں کوئی فرقہ حضرت عیسیٰ

کو (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا کہتا۔ کوئی خدا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ تخم انسانی کی پیداوار اور ناجائز طریقۂ تولید کا نتیجہ جانتے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو العیاذ باللہ یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ بہرحال یہ دونوں گروہ افراط وتفریط اور مبالغہ وتنقیص میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے۔ قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح واقعہ۔ طریقۂ پیدائش۔ غرض ولادت بیان کر کے ناطق فیصلہ فرمادیا اور صاف اعلان کر دیا کہ بس یہی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی حقیقت ہے۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان وصفت یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لئے اور طرح طرح کے اختلافات کھڑے کر دیئے کسی نے ان کو خدا بنادیا۔ کسی نے خدا کا بیٹا یہ نصاریٰ کے عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ اور کسی نے آپ کے نسب وغیرہ پر طعن کیا اور نعوذ باللہ کذاب ومفتری اور ولد الزنا کہا یہ یہود کے عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ سچی بات وہی ہے جو ظاہر کر دی گئی کہ خدا نہیں خدا کے مقرب بندے ہیں۔ جھوٹے اور مفتری نہیں خدا کے سچے پیغمبر ہیں ان کا حسب نسب سب پاک صاف ہے۔ اب آگے توحید کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے جس میں نصاریٰ کے عقائد کی تردید ہے کہ جو نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ جس ذات کے ایک کن یعنی ہوجا کہنے میں ہر چیز موجود ہوا سے اولاد کی کیا ضرورت ہوگی اللہ کمزور نہیں۔ عاجز نہیں۔ فانی نہیں۔ تغیر پذیر نہیں۔ حادث نہیں پھر اس کو ولد کی کیا ضرورت۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے نہیں ہوسکتے بلکہ وہ حضرت عیسیٰ کا خالق ہے اور بغیر باپ کے خالق ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب میں عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کا جو حال مذکور ہوا ہے وہ سنا کر کہہ دیجئے کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تنہا اسی کی بندگی وعبادت کرو بیٹے پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے جس میں کچھ اینچ پینچ نہیں سب انبیاء علیہم السلام اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے ہیں لیکن لوگوں نے بہت سے فرقہ بنالئے اور جدا اور جدا راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں۔ انہیں بڑے ہولناک دن یعنی روز قیامت کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔ آگے ان منکرین توحید کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ آج تو دنیا میں جبکہ سننا اور دیکھنا مفید تھا تو یہ منکرین بالکل اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا اس وقت ان کی آنکھیں اور کان خوب کھل جائیں گے۔ اس وقت وہ بات سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہوجائیں۔ نعوذ باللہ منہ۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ قیامت میں کافروں کو پچھتانے کے بہت مواقع پیش آئیں گے اور آخری موقع وہ ہوگا جب موت کو مینڈھے کی شکل میں لاکر بہشت اور دوزخ کے درمیان سب کو دکھا کر ذبح کر دیا جائیگا اور ندا آئیگی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ کے لئے اب رہ پڑے اس کے بعد کسی کو موت آنے والی نہیں۔

یہاں اس سورۂ مریم میں اور دوسرے متعدد مواضع میں قرآن کریم نے حضرت مسیح علیہ السلام بن مریم کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش۔ تمام اہل اسلام اور عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوئے لیکن ملعون یہود بے بہبود کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد وعورت سے پیدا ہوئے تھے اور ان کا تولد ناجائز تھا۔

یہاں موقع کی مناسبت سے آپ کے یہ بھی گوش گزار کر دیا جائے کہ مرزائی اور قادیانی جن کو پاکستان اور عالم اسلام نے کافر اور غیر مسلم صاف صاف قرار دے رکھا ہے وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے

پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم کا یوسف نجار سے نکاح تو ہوگیا تھا۔مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد متصور ہوگی بحوالہ (معارف القرآن) از حضرت کاندھلویؒ) گویا معاذ اللہ یہود ملعون نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا بتلایا مگر یہود کے شاگرد قادیانیوں نے جائز اولاد بتلائی۔**استغفر اللہ و العیاذ باللہ من ھذہ الکفریات۔**

غرضیکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں تمام اختلافات کا فیصلہ آیات قرآنیہ نے صراحۃً فرما دیا۔اور جس طرح لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیح کی وفات کے بارہ میں اختلاف کیا۔یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور معاذ اللہ لعنتی ہوئے۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تاکہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے۔اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور ایک شخص حضرت مسیح کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا۔قرآن کریم نے یہاں صاف فرما دیا **ذٰلک عیسیٰ ابن مریم قول الحق الذی فیه یمترون** (یہ ہیں عیسیٰ بن مریم جن کے اقوال واحوال مذکور ہوئے جس سے ان کا بندۂ مقبول ہونا معلوم ہوا نہ کہ جیسا عیسائیوں نے ان کو بندوں کی فہرست سے خارج کر کے خدا تک پہنچا دیا اور نہ ویسے جیسا کہ یہودیوں نے ان کو مقبولیت سے خارج کر کے طرح طرح کی تہمتیں لگائیں۔میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ افراط وتفریط کرنے والے جھگڑ رہے ہیں)۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان ختم ہوا اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا۔اللہ تعالیٰ اس دولت عظمیٰ کی قدر شناسی کی توفیق ہم سب کو عطا فرمائیں۔اللہ تعالیٰ دنیا میں ہم کو آخرت کی طرف سے غفلت برتنے سے کامل طور پر بچائیں۔اور اپنی رحمت سے ہم سے دنیا میں وہ کام کرالیں کہ جو کل قیامت کے دن ہمارے نجات و مغفرت کا ذریعہ بنیں۔یا اللہ! قیامت کی رسوائیوں اور شرمندگیوں سے ہم سب کو بچائیے گا۔اور ہم کو اپنے جملہ عقائد اور احوال و اعمال قرآن پاک کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرمائیے گا۔یا اللہ! یہود و نصاریٰ جو دونوں افراط وتفریط میں پڑ کر گمراہ ہوئے اس سے ہم اہل اسلام کو عبرت و سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔افراط وتفریط کی گمراہیوں سے بچا کر ہم کو صراط مستقیم پر استقامت عطا فرما۔یا اللہ! آج دنیا میں ہمارے کان اور آنکھیں کھول دے تاکہ ہم حق کو سن سکیں اور دیکھ سکیں۔اور ناحق و باطل سے بچ سکیں۔اور اختلافات میں نہ پڑیں۔یا اللہ اب امت مسلمہ میں بھی دین میں اختلاف و افتراق کا فتنہ گھس آیا ہے۔یا اللہ! ہمیں حق پر قائم رکھئے اور ناحق سے بچائیے جو آپ ہی کی توفیق۔تائید ہدایت اور نصرت سے ممکن ہے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا

اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا (قصہ) ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ

يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ

کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا

فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

تو تم میرے کہنے پر چلو تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا۔اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش مت کرو بیشک شیطان رحمٰن کا نافرمانی کرنے والا ہے۔

عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے پھر تم (عذاب میں) شیطان کے ساتھی ہوجاؤ۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	اِنَّهٗ كَانَ بیشک وہ تھے	صِدِّيْقًا سچے	نَّبِيًّا نبی	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	
لِاَبِيْهِ اپنے باپ کو	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	لِمَ تَعْبُدُ تم کیوں پرستش کرتے ہو	مَا لَا يَسْمَعُ جو نہ سنے	وَلَا يُبْصِرُ اور نہ دیکھے	وَ اور		
لَا يُغْنِيْ نہ کام آئے	عَنْكَ تمہارے	شَيْئًا کچھ	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	اِنِّيْ بیشک میں	قَدْ جَآءَنِيْ بیشک میرے پاس آیا ہے		
مِنَ الْعِلْمِ وہ علم	مَا جو	لَمْ يَاْتِكَ تمہارے پاس نہیں آیا	فَاتَّبِعْنِيْٓ پس میری بات مانو	اَهْدِكَ میں تمہیں دکھاؤں گا	صِرَاطًا راستہ		
سَوِيًّا سیدھا	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	لَا تَعْبُدِ پرستش نہ کر	الشَّيْطٰنَ شیطان	اِنَّ بیشک	الشَّيْطٰنَ شیطان	كَانَ ہے	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کا
عَصِيًّا نافرمان	يٰۤاَبَتِ اے میرے ابا	اِنِّيْ بیشک میں	اَخَافُ ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	يَّمَسَّكَ تجھے آ پکڑے	عَذَابٌ عذاب	مِنَ سے
	الرَّحْمٰنِ رحمٰن	فَتَكُوْنَ پھر تو ہوجائے	لِلشَّيْطٰنِ شیطان کا	وَلِيًّا ساتھی			

تفسیر وتشریح:۔شروع سورۃ سے پہلے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور پھر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات ذکر فرمائے گئے تھے۔اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آغاز شباب کا واقعہ ذکر فرمایا جاتا ہے کہ کس طرح باپ کے دین کو چھوڑ کر آپ نے سچائی وحقانیت کے ساتھ دین الٰہی کی طرف رجوع کیا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان واقعات کو یہاں بیان فرمانے میں مفسرین نے متعدد وجوہ واغراض لکھی ہیں۔

ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے دو گروہ تھے ایک گروہ تو علی الاعلان توحید والوہیت کا منکر تھا۔ایک خدا کو چھوڑ کر متعدد معبودوں کی پرستش کرتا تھا۔دوسرا گروہ وہ تھا جو کہنے کو تو توحید کا مدعی تھا مگر اس کی توحید شرک آمیز تھی۔پہلا گروہ بت پرستوں کا تھا جو سینکڑوں پتھروں کے سامنے سر جھکاتے تھے اور دوسرا گروہ اہل کتاب کا تھا جو بظاہر توحید کا مدعی تھا مگر واقع میں وہ بھی دو یا تین خدا کو مانتا تھا۔گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے عقائد کی تردید عقلاً ونقلاً بیان فرمادی تو اب اہل شرک اور بت پرستوں کے موروثی عقیدہ کا استیصال فرمایا جاتا ہے جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ گوناگوں سامان عبرت ونصیحت رکھتا تھا اس لئے واقعہ ابراہیمی بیان فرمایا۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جد اعلیٰ تھے۔عرب آپ کی عظمت اور علوشان کے مقر بھی تھے اور آپ کے دین کو حق بھی سمجھتے تھے مگر اپنی جہالت کے سبب بت پرستی اور بیہودگی رسم و رواج کو دین ابراہیمی کی طرف منسوب کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کو توحید کی تعلیم دینے کے لئے انہی کے مورث اعلیٰ کا قصہ بیان فرمایا گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اگر تم محض باپ دادا کی تقلید ہی کے شیفتہ ہو تو اپنے جدِ اعلیٰ کی تقلید کرو جو موحد تھے مشرک نہ تھے۔اور اگر دلائل کی روشنی میں مذہب اختیار کرنا چاہتے ہو تو ان دلائل پر غور کرو جو تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے شرک کے خلاف قائم کی تھیں۔

تیسرے یہ کہ دین اسلام کی تعلیم کے مقابلہ میں اکثر مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے اسلاف کے دین و مذہب کو کیسے چھوڑ دیں اور کس طرح ان کے رسم و رواج سے منہ موڑ لیں۔وہ بیوقوف نہ تھے۔ہم ان سے زیادہ عقلمند نہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما کر یہ تعلیم دی کہ دیکھو تمہارے جد اعلیٰ نے کس طرح دلائل کی روشنی میں اپنے باپ کا دین چھوڑا بلکہ اپنے باپ کو بھی چھوڑا۔پھر کیا وجہ کہ جب تم باپ دادا کی تقلید کے مدعی ہو تو کیوں حضرت ابراہیم کی تقلید نہیں کرتے۔حضرت ابراہیم بھی تو تمہارے مورث اعلیٰ تھے۔ان کی پیروی کرنے سے کیوں گریز کرتے ہو اور ان کی تقلید میں کیوں راہ توحید پر نہیں چلتے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ اے ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کتاب سے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ پڑھ کر اپنی قوم کو سنایئے جو صدیق بھی تھے اور نبی بھی تھے۔صدیق کے معنی ہیں بہت زیادہ سچ کہنے والا جو اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھائے یا وہ راست باز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ اور اکمل استعداد موجود ہو۔جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اتر جائے۔شک و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے ابراہیم علیہ السلام ہر ایک معنی سے صدیق تھے اور چونکہ صدیقیت کے ساتھ نبوت لازم نہیں اس لئے صدیقا کے ساتھ نبیا فرما کر حضرت ابراہیمؑ کے نبوت کی بھی تصریح فرمادی۔آپ نے جب دیکھا کہ آپ کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں اس قدر منہمک ہے کہ خدائے برتر کی قدرت مطلقہ اور اس کی احدیت اور صمدیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں باقی نہیں رہا اور ان کے لئے خدا کی وحدانیت کے عقیدہ سے زیادہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں رہی تو آپ نے ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا۔اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کیا اور دعوت حق کو خاندان ہی سے شروع کیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو چار طور پر خطاب کیا اور ہر خطاب ایک خاص مضمون کا حامل ہے۔ہر خطاب کے وقت میرے باپ کہہ کر کلام کیا ہے سب سے پہلے آپ نے باپ کو بت پرستی سے روگرداں ہونے اور توحید کی طرف آنے کی دعوت دلائل کی روشنی میں دی اور فرمایا اے میرے باپ یہ بت نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں پھر آپ ان کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔مطلب یہ کہ قابل پرستش تو وہی ہو سکتا ہے جو عالم کل اور قادر مطلق ہو۔بت نہ عالم ہیں نہ قادر بلکہ ان کے تو ظاہری حواس بھی نہیں پھر وہ کس طرح معبود قرار پا سکتے ہیں۔مزید براں معبود کی عبادت کرنے کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ عابد کی دعاء کو سنتا۔اس کی حالت عبادت کو دیکھتا اور کارسازی کر سکتا ہو۔جو معبود دیکھنے سننے اور کارسازی کرنے سے عاری ہو وہ کیا مستحق الوہیت ہو سکتا ہے۔دوسرے خطاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برتری دانائی اور بلند نظری کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے باپ جو علم مجھے عطا کیا گیا ہے اس سے آپ محروم ہیں۔یعنی وجہ

فضیلت صرف علم ہوسکتا ہے۔ میرے دل میں فطرۃً اور الہاماً جو نور علمی جگمگا رہا ہے وہ آپ کے دل میں نہیں ہے لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ میرا کہنا مانیں۔ میں آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے باپ بت پرستی کو حق سمجھے ہوئے تھا۔ آبائی طریقہ پر پابند ہونے کو صداقت جانتا تھا۔ اور اپنے باپ دادا کے طریق سے روگردانی کو نفس کا فریب یقین کئے ہوئے تھا۔ اس لئے تیسرے خطاب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اے میرے باپ شیطان کی پرستش نہ کرو۔ شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ یعنی بتوں کی پرستش اور باپ دادا کے طریقہ پر بلادلیل قائم رہنا شیطانی اغوا ہے۔ یہ بتوں کی پرستش کیا ہے شیطان کی پرستش ہے اور ظاہر ہے کہ شیطان رحمٰن کا مخالف ہے۔ اللہ اپنی رحمت سے بندوں کو سرفراز کرنا چاہتا ہے اور شیطان شیطنت کر کے ابدی ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے لہٰذا دشمن کی پرستش اور مہربان آقا و مالک سے روگردانی کسی طرح درست نہیں۔ چوتھے خطاب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اے میرے باپ اگر رحمٰن کی طرف سے تم پر تھوڑا سا بھی عذاب آیا تو شیطان تمہاری حمایت نہ کر سکے گا۔ بلکہ وہ خود مبتلائے عذاب ہوگا۔ اسلئے تم کو بھی اس کے ساتھ عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔ اس طرح تم شیطان کے ساتھ ہو جاؤ گے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی طاقت کی ہمہ گیری اور شیطان کی کمزوری و بے بسی کو ظاہر فرما کر باپ کے سامنے سربستہ حقیقت کا انکشاف کیا اور وہ طرز گفتگو اختیار کیا جس سے دشمن و دوست اور مجبور و قادر کا امتیاز ہو جائے۔

یہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خطاب اپنے والد سے فرمایا اور جو تقریر کی تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی بے نظیر تقریر ہے ایک طرف باپ کو کفر و شرک اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لئے حضرت خلیل اللہ پیدا کئے گئے ہیں۔ دوسری طرف باپ کا ادب و عظمت و محبت ہے ان سب امور کو حضرت خلیل اللہ نے پیغمبرانہ صفات کے ساتھ جمع فرمایا۔ ہر جملہ کے شروع میں لفظ یابت سے خطاب کیا جو باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے۔ پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں کیا جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تمام نصائح کو سن کر آپ کے مشرک باپ نے جو جواب دیا وہ اگلی آیات میں نقل کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام و ایمان سے نوازا۔ اور کفر و شرک سے بچایا۔

یا اللہ! اس نعمت اسلام کی قدر دانی کی ہم کو توفیق عطا فرما۔ اور ہم کو شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں کامل اتباع نصیب فرما۔

حق کو سوچنے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے اور باطل سے گریز اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! حق کے معاملہ میں ہمیں بھی دوستی اور قرابتداری سے مرعوب نہ ہونے اور حق پر ہر حال میں جمے رہنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ

باپ نے جواب دیا کہ کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیم اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو مار پتھروں کے سنگسار کروں گا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے مجھ سے برکنار رہو۔ (ابراہیمؑ نے) کہا

سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ

میرا اسلام لو اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا

اُن سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں گا، امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔ پس جب اُن لوگوں سے اور جن کی

یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا

وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اُن سے علیحدہ ہو گئے (تو) ہم نے اُن کو اسحاقؑ (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔

لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع

اور اُن سب کو ہم نے اپنی رحمت کا حصہ دیا اور ہم نے اُن کا نام نیک اور بلند کیا۔

قَالَ اس نے کہا	اَرَاغِبٌ کیا روگرداں	اَنْتَ تو	عَنْ سے	اٰلِهَتِیْ میرے معبود	یٰاِبْرٰهِیْمُ اے ابراہیمؑ	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهِ تو باز نہ آیا
لَاَرْجُمَنَّكَ تو میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا	وَاهْجُرْنِیْ اور مجھے چھوڑ دے	مَلِیًّا ایک مدت کیلئے	قَالَ اس نے کہا	سَلٰمٌ سلام	عَلَیْكَ تجھ پر		
سَاَسْتَغْفِرُ میں ابھی بخشش مانگوں گا	لَكَ تیرے لئے	رَبِّیْ اپنا رب	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ ہے	بِیْ مجھ پر	حَفِیًّا مہربان	
وَاَعْتَزِلُكُمْ اور کنارہ کشی کرتا ہوں تم سے	وَمَا اور جو	تَدْعُوْنَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ سوائے	اللّٰهِ اللہ	وَاَدْعُوْا اور میں عبادت کرونگا		
رَبِّیْ اپنا رب	عَسٰۤی امید ہے	اَلَّاۤ اَكُوْنَ کہ نہ رہوں گا	بِدُعَآءِ عبادت سے	رَبِّیْ اپنا رب	شَقِیًّا محروم	فَلَمَّا پھر جب	
اعْتَزَلَهُمْ وہ کنارہ کش ہو گئے ان سے	وَمَا اور جو	یَعْبُدُوْنَ وہ پرستش کرتے تھے	مِنْ دُوْنِ سوائے	اللّٰهِ اللہ	وَهَبْنَا ہم نے عطا کیا		
لَهٗ اس کو	اِسْحٰقَ اسحٰق	وَیَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	وَكُلًّا اور سب کو	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	نَبِیًّا نبی	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهُمْ انہیں
مِنْ سے	رَحْمَتِنَا اپنی رحمت	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا	لَهُمْ ان کا	لِسَانَ ذکر	صِدْقٍ سچا	عَلِیًّا نہایت بلند	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصائح ودلائل کا ذکر فرمایا گیا تھا جو انہوں نے اپنے مشرک والد کو دعوت حق پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سن کر جو جاہلانہ جواب دیا وہ ان آیات میں نقل فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ باپ پر حضرت ابراہیمؑ کی دلائل ونصائح کا مطلق اثر نہ ہوا اور اس نے جواباً حضرت ابراہیمؑ سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے معبودوں سے بدعقیدہ ہے۔ بس اپنی بداعتقادی اور وعظ ونصیحت کو رہنے دے ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے دور ہو جا۔ اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہو جا۔" آپ نے

دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے دلائل کے جواب میں مشرک باپ نے کیا کہا۔ جب جاہل آدمی دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو جاہلانہ دھمکیوں پر اُتر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھ گیا ایک جانب باپ کے احترام کا مسئلہ ہے دوسری جانب ادائے فرض۔ حمایت حق اور اطاعت امر الٰہی کا سوال ہے انہوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل المرتبت پیغمبر کے شایان شان تھا۔ انہوں نے باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا۔ تحقیر و تذلیل کا رویہ نہیں برتا بلکہ نرمی ملاطفت اور اخلاق کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا۔ اے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تمہارا اسلام ہے۔ میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال بتوں کی پرستش نہیں کرسکتا۔ میں آج سے تم سے جدا ہوں۔ مگر غائبانہ تمہارے لئے بارگاہِ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں گا تاکہ ہدایت نصیب ہو اور تم خدا کے عذاب سے بچ جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے استغفار کا وعدہ ابتداءً کیا تھا چنانچہ استغفار کرتے رہے جب اللہ کی مرضی نہ دیکھی تب موقوف کیا۔ سورۂ توبہ گیارہویں پارہ میں ایک آیت کے تحت استغفار ابراہیمی کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے۔ نہیں غرض یہ تھی کہ اس کو توفیق مل جائے کہ حالت شرک سے نکل کر ایمان و اسلام قبول کرے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا تھا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں جس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں سورۂ توبہ میں دیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لئے استغفار کیا جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر و شرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے ایمان لے آوے اور بخشا جائے پھر جب کفر و شرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعاء و استغفار وغیرہ ترک کردیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعا کرتے تھے جب باپ کی توبہ اور رجوع کے احتمالات ختم ہو گئے تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھا لیا اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں صحیح بخاری کی روایت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے اس حال میں کہ آزر کا چہرہ رنج و غم سے سیاہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کیا میں تم سے یہ نہیں کہا کرتا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ آزر ابراہیم علیہ السلام سے کہے گا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے اے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھ کو اس روز رسوا نہ کرے گا جس روز کہ لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ پس اس سے زیادہ اور کون سی رسوائی ہے کہ میرا باپ خدا کی رحمت سے دور ہے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کردیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ سے کہا جائے گا کہ اس چیز کو دیکھو جو تمہارے پاؤں کے نیچے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ دیکھیں گے تو ان کے باپ کو مسخ کر کے بجو کی صورت میں جو مٹی اور غلاظت میں لتھڑا ہوا ہوگا تبدیل کردیا جائے گا۔ فرشتہ اس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دے گا۔ یہ آزر کی صورت کا مسخ ہوجانا اس لئے ہوا کہ لوگ محشر میں اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دارومدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ یہ مضمون بیچ میں حضرت ابراہیمؑ کی استغفار کے متعلق آ گیا تھا۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ میری نصیحت کا جب تم پر کوئی اثر نہیں بلکہ الٹا مجھے سنگسار اور قتل کردیئے جانے کی دھمکی دیتے ہو تو میں خود تمہاری بستی میں رہنا

نہیں چاہتا تم کو اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر وطن سے ہجرت کرتا ہوں تا کہ یکسو ہو کر اطمینان سے خدائے واحد کی عبادت کر سکوں۔ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے کامل امید ہے کہ اس کی بندگی کر کے میں محروم و ناکام نہیں رہوں گا۔ غربت و بے کسی میں جب اسے پکاروں گا۔ ادھر سے ضرور اجابت ہوگی۔ میرا خدا کوئی پتھر کی مورتی نہیں کہ کتنا ہی چیخو چلاؤ سن ہی نہ سکے۔ الغرض ابراہیم علیہ السلام نے ماں باپ کو رشتہ کنبے کو قوم و ملک کو دین خدا پر قربان کر دیا اور سب سے یکسو ہو گئے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیمؑ نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنوں سے دور جا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اپنے دیئے تا کہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور اُنس و سکون حاصل کریں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلیل القدر بیٹا حضرت اسحاق علیہ السلام عنایت کیا اور پھر عالی مرتبہ پوتا حضرت یعقوب علیہ السلام عطا کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی ہی میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب یعنی بیٹے اور پوتے کی نبوت کو دیکھ لیا۔ ان ہی حضرات سے سلسلہ بنی اسرائیل کا چلا جن میں سینکڑوں نبی ہوئے۔ یہاں حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس نہیں رہے۔ بچپن ہی میں جدا کر دیئے گئے تھے اور بحکم الٰہی جہاں اس وقت خانہ کعبہ ہے لا کر چھوڑ دیا تھا اور نیز حضرت اسمٰعیلؑ کا مستقل تذکرہ آگے آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر صرف حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا جو آپ کے ساتھ رہے اور آپ کے سامنے نبی ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تذکرہ کو اس آیت پر ختم کیا جاتا ہے کہ ہم نے اپنی رحمت خاصہ سے حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی اولاد کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور دنیا میں آپ کا نام بلند فرمایا اور ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ چنانچہ تمام مذاہب و ملل ان کی تعظیم و توصی کرتے ہیں یہود و نصاریٰ بھی اب تک عظمت سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اہل اسلام تو پنج وقت اپنی نمازوں میں دائماً اپنے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ان پر درود بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں **اللهم صل على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انک حميد مجيد. اللهم بارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انک حميد مجيد.**

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ان آیات پر ختم فرما دیا گیا۔ علاوہ ان اغراض و مقاصد کے کہ جو گزشتہ درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تذکرہ سے متعلق بیان کئے گئے تھے اس واقعہ میں تسلی ہے ان حضرات مہاجرین صحابہؓ کے لئے جو اس سورۃ کے نزول کے وقت مکہ میں اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن اور گھر اور ماں باپ سے کٹ کر بربادی میں نہ پڑے بلکہ الٹے سربلند اور سرفراز ہو کر رہے اسی طرح تم بھی برباد نہ ہو گے بلکہ وہ عزت اور سربلندی پاؤ گے جس کا تصور بھی جاہلیت میں پڑے ہوئے کفار مکہ نہیں کر سکتے۔ آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی دین حق پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرماویں۔ اور ہم کو وہ ہمت و عزم عطا فرماویں کہ دین اور راہ حق کی مخالفت میں اگر گھر بار دوست احباب۔ اعزا و اقارب۔ وطن و شہر۔ مال دولت کوئی بھی آڑے آئے تو ہم اس کی پرواہ کرنے والے نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کل دنیا کے تعلقات کو توڑ دینا ہمارے لئے آسان ہو۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے (بندہ) تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔ اور ہم نے اُن کو کوہ طور کی

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے اُن کو راز کی باتیں کرنے کیلئے مقرب بنایا۔ اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر عطا کیا۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مُوْسٰى موسیٰ	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	مُخْلَصًا برگزیدہ	وَكَانَ اور تھا	رَسُوْلًا رسول
نَبِيًّا نبی	وَنَادَيْنٰهُ اور ہم نے اسے پکارا	مِنْ سے	جَانِبِ جانب	الطُّوْرِ کوہ طور	الْاَيْمَنِ داہنی	وَقَرَّبْنٰهُ اور اسے نزدیک بلایا
نَجِيًّا راز بتانے کو	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اسے	مِنْ رَّحْمَتِنَآ اپنی رحمت سے	اَخَاهُ اس کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارون	نَبِيًّا نبی

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تذکرہ بھی آیا تھا۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی نسل سے اسرائیلی سلسلہ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے ہیں جن کا اب ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے تذکرہ میں خصوصیت کے ساتھ نصاریٰ کی اصلاح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں مشرکین مکہ کو تنبیہ کرنا مقصود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ سے شاید یہود کو بتانا ہو کہ قرآن کس طرح کشادہ دلی سے ان کے مقتدائے اعظم کے واقعی کمالات و محاسن کا اعلان کرتا ہے تو یہود کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی صریح پیشینگوئی کے موافق اسمٰعیلی نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا کھلے دل سے اعتراف کریں غالباً اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہاں تین اوصاف بیان کئے گئے مخلص ہونا۔ رسول ہونا۔ نبی ہونا۔ مخلص کا ترجمہ ہے منتخب چنا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام سے سرفراز فرمایا اور نبی و رسول بنا کر فرعون کے مقابلہ میں مامور فرمایا یہی انتخاب و برگزیدگی تھی جس کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ مخلص استعمال کیا گیا چونکہ آپ کے پاس وحی الٰہی آتی تھی اس لئے آپ نبی تھے۔ اور چونکہ آپ کو کتاب بھی ملی تھی اور صاحب امامت بھی تھے اس لئے آپ رسول بھی تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے مدین سے مصر کے ارادہ سے واپس آ رہے تھے تو دوران سفر وادیٔ سینا میں آپ ٹھہرے۔ حاملہ بی بی ساتھ تھیں رات اندھیری تھی اور سردی کا موسم تھا۔ اندھیرے میں آپ پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ دفعتہً دور سے ایک آگ نظر آئی جو حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر میں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں یہ واقعات تفصیلاً اگلی سورۃ طٰہٰ میں انشاء اللہ آئیں گے یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی چمک محسوس کر کے طور پہاڑ کی اس مبارک جانب میں پہنچ گئے جو ان کے داہنے ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہر جہت اور بن مو سے کلام الٰہی سن رہے تھے جو بدوں توسط

فرشتہ کے ہو رہا تھا اور روحانی طور پر اس قدر قرب اور علو حاصل تھا کہ غیبی قلموں کی آواز سنتے تھے جن سے توراۃ نقل کی جارہی تھی۔ اس قرب خاص میں غیبی اسرار کا انکشاف ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کی جس کے جواب سے سرفراز کیا گیا۔ تبلیغ احکام پر مامور ہوئے فرعون کو ہدایت کرنے کا حکم ملا۔ تنہا تھے مصر میں کوئی یارومددگار نہ تھا۔ عرض کیا کہ پروردگار اس کام میں ہارون کو میرے ساتھ کردے۔ چنانچہ درخواست قبول ہوئی۔

حضرت ہارون علیہ السلام جو آپ کے بڑے بھائی تھے اور مصر میں مقیم تھے۔ ان کو بھی نبوت عطا ہوئی اور آپ کی اعانت وتقویت کے لئے مقرر فرمایا اسی کو یہاں آیت میں بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وعنایت سے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے مطابق آپ کے بھائی حضرت ہارون کو نبوت عطا کی تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معین ومددگار بنیں۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتنا ہی تذکرہ فرمایا گیا ہے جس سے یہود کو ایمان۔ عمل خیر۔ اور اطاعت وفرمانبرداری کی تلقین کرنا مقصود ہے۔ اور ضمناً اس بات کا بھی اظہار ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا ہی میں اپنے انعام سے سرفراز فرماتا ہے۔ اب آگے حضرت اسماعیلؑ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! اپنے مقربین۔ مخلصین۔ اور محبوبین کے طفیل میں ہم کو بھی اپنی ذات پاک سے صحیح تعلق اطاعت وفرمانبرداری کا نصیب فرمائیے۔

یا اللہ آپ کی رحمت وعنایت نصرت وحمایت ہر حال میں ہمارے شامل حال ہو۔

یا اللہ اپنے مخلص بندوں کی جس طرح آپ امداد واعانت فرماتے ہیں ہم جو ان مخلصین کے نام لیوا ہیں اسی نسبت سے ہم کو بھی اپنی رحمت وعنایت سے نواز دیجئے۔ اور اپنی مرضیات کے موافق زندگی کا ہر لمحہ گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

یا اللہ اپنے مخلص اور مقرب بندوں سے ہم کو سچا تعلق محبت کا نصیب فرما تاکہ ہم آپ کی رحمت وشفقت وعنایت کے مورد بنیں۔

یا اللہ ہماری تقویت واعانت کے لئے اپنے مخلصین ومقربین کی نظر عنایت ہم پر متوجہ فرما اور ان کی اعانت سے آپ کی رحمت ہماری کارسازی فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ

اور اس کتاب میں اسمٰعیلؑ کا بھی ذکر کیجئے بلا شبہ وہ وعدہ کے (بڑے) سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔اور اپنے متعلقین کو

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا

نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	اِسْمٰعِيْلَ اسمٰعیل	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھے	صَادِقَ الْوَعْدِ وعدہ کا سچا	وَكَانَ اور تھے
رَسُوْلًا رسول	نَّبِيًّا نبی	وَكَانَ يَاْمُرُ اور حکم دیتے تھے	اَهْلَهٗ اپنے گھر والے	بِالصَّلٰوةِ نماز کا	وَالزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ	وَكَانَ اور وہ تھے
		عِنْدَ رَبِّهٖ اپنے رب کے ہاں	مَرْضِيًّا پسندیدہ			

تفسیر و تشریح:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جن کا اب ذکر فرمایا جاتا ہے۔اس آیت سے حضرت اسماعیلؑ کی فضیلت اپنے بھائی حضرت اسحاقؑ پر ثابت ہوتی ہے کیونکہ اوپر حضرت اسحاق علیہ السلام کو صرف نبی فرمایا گیا اور یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبی و رسول فرمایا گیا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور ہمارے پیغمبر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔آپ کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا ہمیشہ پورا کر کے دکھلایا۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وعدہ کی انتہائی سچائی اس وقت ظاہر ہوئی جب کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے اس حکم کی تعمیل کے لئے جو آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ملا تھا اپنی جان کو راہ خدا میں قربان ہونے کے لئے پیش کرنے کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کر لیا اور اسی طرح کر کے دکھایا۔سورۂ صافات ۲۳ویں پارہ میں اس کا تفصیلاً ذکر فرمایا گیا ہے۔لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابراہیم تم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔انبیاء علیہم السلام کا خواب رویاء صادقہ اور وحی الٰہی ہوتا

ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ خدا کے حکم کی جلد سے جلد تعمیل کریں مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا جزو وہ بیٹا تھا جس کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اپنا خواب اور خدا کا حکم سنایا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سن کر فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگے کہ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے کی قربانی پیش کرنے کو آبادی سے دور روانہ ہو گئے اور جہاں آج کل منیٰ ہے اور جہاں حجاج قربانیاں کرتے ہیں یہاں آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مرضی پا کر جانوروں کی طرح ہاتھ پیر باندھے۔چھری کو تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا کر ذبح کرنے لگے جس پر فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اب بیٹے کو چھوڑو اور تمہارے پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے ذبح کرو چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملت

ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔ الغرض یہاں آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صادق الوعد ہونے سے اسی اپنی قربانی پیش کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا والد سے کہا اسی طرح کر کے دکھایا۔ ویسے تو سب ہی حضرات انبیاء علیہم السلام وعدہ کے سچے ہوتے ہیں مگر یہ صفت خصوصیت کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں غالب تھی کہ ایسا سخت وعدہ اپنے ذبح کے متعلق پورا کر دکھایا۔

آگے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ایک مدحیہ وصف یہ بیان فرمایا کہ آپ اپنے اہل کو صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہاں صلوٰۃ سے وہ طریقہ عبادت مراد ہے جو اس وقت مقرر تھا اور زکوٰۃ سے عام خیرات وصدقات مراد ہیں گویا عبادت جسمانی اور عبادت مالی دونوں باتوں کی ہدایت حضرت اسمٰعیلؑ کیا کرتے تھے۔ یہاں مفسرین نے ایک سوال کیا ہے کہ ہر نبی نماز وصدقات کا حکم دیتا اور آغاز تبلیغ اپنے گھر والوں ہی سے کرتا ہے پھر حضرت اسمٰعیلؑ کے ان اوصاف کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیوں فرمایا؟ پھر اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ نماز نام ہے انتہائی عاجزی۔ خاکساری۔ کمزوری۔ تذلل اور خضوع وخشوع کا جس کو بندہ اپنے پروردگار کے سامنے کرتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں سرنیاز جھکا دیتا ہے۔ پھر سجدہ میں بغرض نذر اپنا سر پیش کرتا ہے۔ اللہ کے سوا ہر خیال سے دل کو خالی کر لیتا ہے حقیقت نماز کی یہی انتہا ہو سکتی ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سجدہ میں اپنی خوشی سے گردن پر چھری پھروا دے۔ اسی جذبہ کو کسی شاعر نے ایک شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

الغرض حضرت اسمٰعیل علیہ السلام میں یہ دونوں اوصاف یعنی جانی و مالی قربانی کے بدرجہ اکمل موجود تھے اسی لئے آپ ہر وقت چاہتے تھے کہ گھر والوں میں یا عام قوم والوں میں ایثار مالی اور قربانئ نفسی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ ہر وقت جان ومال کی بازی لگا دینے کا حکم دیتے تھے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پسند کر لیا چن لیا۔ انتخاب کر لیا جیسا کہ ان آیات کے آخیر میں فرمایا وکان عند ربہ مرضیا اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی آپ اللہ کے مقبول و برگزیدہ بندے تھے۔ نہ کہ عیاذ باللہ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے عناد کی بنا پر آپ کو غیر مقبول ومردود گھڑ لیا ہے۔

ان آیات میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر ختم فرمایا گیا۔ آگے حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ان مقبولین کے طفیل میں ہم کو بھی تسلیم ورضا کا کوئی حصہ عطا فرماویں۔ ہمیں بھی اپنی رضا وخوشنودی کے لئے جان ومال کی قربانی پیش کرنے کی دائمی توفیق نصیب فرماویں۔

یا اللہ ہمیں بھی وعدہ کو سچائی کے ساتھ پورا کرنے کا عزم وہمت عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ

اور اس کتاب میں ادریسؑ کا بھی ذکر کیجئے بے شک وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔ اور ہم نے اُن کو بلند رتبہ تک پہنچایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا ہے

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

منجملہ (دیگر) انبیاء کے آدمؑ کی نسل سے اور ان لوگوں کی نسل سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی نسل سے اور یہ سب اُن لوگوں میں سے ہیں

وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾

جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور اُن کو مقبول بنایا۔ جب اُن کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔

وَاذْكُرْ اور یاد کرو	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	اِدْرِيْسَ ادریس	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھے	صِدِّيْقًا سچے	نَّبِيًّا نبی	وَّرَفَعْنٰهُ اور ہم نے اسے اٹھالیا
مَكَانًا ایک مقام	عَلِيًّا بلند	اُولٰٓئِكَ یہ وہ لوگ	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اَنْعَمَ اللّٰهُ اللہ نے انعام کیا	عَلَيْهِمْ ان پر	مِّنَ سے	النَّبِيّٖنَ نبی	مِنْ سے
ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ اولادِ آدم	وَمِمَّنْ اور اُن سے جنہیں	حَمَلْنَا سوار کیا ہم نے	مَعَ ساتھ	نُوْحٍ نوحؑ	وَ اور	مِنْ سے	ذُرِّيَّةِ اولاد
اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	وَاِسْرَآءِيْلَ اور یعقوبؑ	وَمِمَّنْ اور ان سے جنہیں	هَدَيْنَا ہم نے ہدایت دی	وَاجْتَبَيْنَا اور ہم نے چُنا	اِذَا تُتْلٰى جب پڑھی جاتیں		
عَلَيْهِمْ اُن پر	اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کی آیتیں	خَرُّوْا وہ گر پڑتے	سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے	وَ اور	بُكِيًّا روتے ہوئے		

تفسیر وتشریح:۔ اس سورۃ میں شروع سے جو سلسلہ تذکرہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرمایا گیا تھا وہ سلسلہ اب حضرت ادریس علیہ السلام کے ذکر پر ختم فرمایا جاتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے ایک اس سورۂ مریم میں دوسرے سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے نام۔ نسب اور زمانہ اور وطن کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ لیکن اکثر علمائے مفسرین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیانی عرصہ میں گزرے ہیں۔ سلسلہ نسب کے متعلق اکثر علماء کے نزدیک آپ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت شیث علیہ السلام کے بیٹے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم حکمت۔ علم نجوم۔ علم حساب۔ علم کتابت۔ یعنی قلم سے لکھنا۔ کپڑا سینا۔ ناپ تول کے آلات اور بعض اسلحہ کا بنانا یہ آپ ہی کی ایجاد ہیں اور اول یہ علوم آپ ہی سے چلے۔ معراج کی صحیح احادیث میں صرف اسی قدر ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے اور اب تک زندہ ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے مقصد رشد وہدایت کے پیش نظر تاریخی بحث سے جدا ہو کر صرف آپ کی نبوت۔ صدیقیت اور رفعت مرتبت کا ذکر کیا ہے کہ قرب وعرفان الٰہی کے اونچے مرتبہ پر پہنچایا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے ذکر کے بعد بتلایا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام انبیاء یعنی جن کا تذکرہ اب تک سورۃ میں ہوا یعنی حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم حضرت ابراہیم۔ حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت اسمٰعیل اور ادریس علیہم السلام۔ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی

اولاد میں سے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے سوا باقی سب ان کی اولاد بھی ہیں جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور بعض حضرات ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اور بعض اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں ان سب کو خدا تعالیٰ نے طریق حق کی ہدایت فرمائی تھی۔ اور منصب نبوت ورسالت کے لئے پسند کر لیا یہ سب کے سب اللہ کے فرمانبردار اور نیکوکار بندے تھے اور باوجود اس قدر علو مقام اور معراج کمال پر پہنچنے کے سب کے سب شان عبودیت و بندگی میں کامل ہیں۔ ان سب حضرات کی یہ حالت تھی کہ اللہ کا کلام سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی خشوع وخضوع کے ساتھ سجدے میں اللہ کے آگے گر پڑتے اور اس کے آگے روتے۔ علمائے دین کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہئے تاکہ ان مقربین کے طرز عمل کو یاد کر کے ایک طرح کی ان سے مشابہت ہو جائے۔

روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم پڑھ کر سجدہ کیا اور فرمایا **ھٰذا السجود فاین البکی**۔ یہ تو سجدہ ہوا آگے بکا یعنی رونا کہاں ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنالو۔

خلاصہ ان تمام حضرات انبیاء کرام کی شان کا جن کا ذکر فرمایا دو باتیں ہوئیں۔ ایک تو ان حضرات کا مقبول اور ذی کمال ہونا دوسرے ان سب حضرت کا منکسر اور مفتقر ہونا اور عبدیت و بندگی میں کامل ہونا۔ یہاں ان حضرات انبیاء کے تذکرہ سے ان لوگوں کی بھی اصلاح ہوگئی جو نعوذ باللہ ان میں سے کسی کی جانب فسق اور فحش باتیں منسوب کرتے ہیں۔ اور کفار مکہ کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کی طرف سے دین حق لے کر آئے تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق لے کر آئے ہیں جس کا تمہیں اتباع کرنا چاہئے۔ یہاں تک تو گزشتہ انبیاء اور صلحاء کا تذکرہ فرمایا گیا۔ اب ان کے بعد میں آنے والوں کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ بعد میں کیسے ناخلف پیدا ہوئے کہ جو عبادت و بندگی چھوڑ کر خواہش نفسانی کے درپے ہو گئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اس وقت چونکہ قرآن پاک کی آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے اس لئے دور ونزدیک سب حضرات سننے والوں پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو گیا ہے۔ دعاء کے بعد سب حضرات ایک سجدۂ تلاوت ادا کرلیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو اسلام سے نوازا اور اس طرح ہم کو اپنے تمام مقبولین انبیاء کا نام لیوا بنایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات انبیاء کرام کی مقبولیت کے طفیل میں ہم کو بھی اپنی ذات پاک سے صحیح بندگی کا تعلق نصیب فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے کلام پاک سے عشق و محبت نصیب فرمائیں۔ اور اس کی تلاوت ہم کو شب وروز نصیب فرمائیں اور تلاوت کے ساتھ اس کا اتباع کامل بھی نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا

پھر اُنکے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ ہاں مگر

مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ

جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا۔ سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور اُن کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔ اُن ہمیشہ رہنے کے

عَدۡنِ ۣالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا

باغوں میں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے۔ اس میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پاویں گے بجز

سَلٰمًا‌ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

سلام کے، اور اُن کو اُن کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا۔ یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنادیں گے جو کہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔

فَخَلَفَ پھر جانشین ہوئے	مِنۢ بَعۡدِهِمۡ ان کے بعد	خَلۡفٌ چند جانشین	اَضَاعُوا انہوں نے گنوادی	الصَّلٰوةَ نماز	وَاتَّبَعُوا اور پیروی کی		
الشَّهَوٰتِ خواہشات	فَسَوۡفَ پس عنقریب	يَلۡقَوۡنَ انہیں ملے گی	غَيًّا گمراہی	اِلَّا مگر	مَنۡ جو	تَابَ توبہ کی	وَاٰمَنَ وہ ایمان لایا
وَعَمِلَ اور عمل کئے	صَالِحًا نیک	فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ	يَدۡخُلُوۡنَ وہ داخل ہوں گے	الۡجَنَّةَ جنت	وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ اور ان کا نہ نقصان کیا جائیگا		
شَيۡـًٔا کچھ	جَنّٰتِ عَدۡنِ ہمیشگی کے باغات	الَّتِىۡ وہ جو	وَعَدَ وعدہ کیا	الرَّحۡمٰنُ رحمٰن	عِبَادَهٗ اپنے بندے	بِالۡغَيۡبِ غائبانہ	اِنَّهٗ بیشک وہ
كَانَ ہے	وَعۡدُهٗ اس کا وعدہ	مَاۡتِيًّا آنے والا	لَا يَسۡمَعُوۡنَ وہ نہ سنیں گے	فِيۡهَا اس میں	لَغۡوًا بے ہودہ	اِلَّا سَلٰمًا سوائے سلام	
وَلَهُمۡ اور ان کیلئے	رِزۡقُهُمۡ ان کا رزق	فِيۡهَا اس میں	بُكۡرَةً صبح	وَّعَشِيًّا اور شام	تِلۡكَ یہ	الۡجَـنَّةُ جنت	الَّتِىۡ وہ جو کہ
نُوۡرِثُ ہم وارث بنائینگے	مِنۡ سے	عِبَادِنَا اپنے بندے	مَنۡ جو	كَانَ ہوں گے	تَقِيًّا پرہیزگار		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اس سورۃ میں اب تک جن حضرات انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا وہ سب کے سب اللہ کے فرمانبردار اور نیکوکار مقبول بندے تھے اور باوجود اس قدر علو مقام اور منصب نبوت و رسالت کے سب کے سب شان عبودیت اور بندگی میں کامل تھے۔ یہ تو ان مقبولین کا حال تھا اس کے بعد ان آیات میں ان حضرات انبیاء ورسل کے پیچھے دنیا میں جو لوگ آئے ان کی حالت کا اظہار ہو رہا ہے کہ جو دنیا کے مزون اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے اور انبیاء کے بتلائے ہوئے طریقہ اور راستہ سے غافل ہو گئے اور ان حضرات نے جو اللہ کی عبادت کا طریقہ نماز وغیرہ مقرر کیا تھا اس کو ضائع و برباد کیا اور چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ گئے اور اس کی بجائے اپنی بے جا خواہشوں کے پورا کرنے میں لگ گئے۔ یہاں آیت میں صرف دو لفظ اضاعوا الصلوٰۃ فرمائے گئے ہیں جس کا لفظی ترجمہ ہوا کہ نماز کھو بیٹھے یا نماز کو ضائع و برباد کیا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عبادت و بندگی کا تعلق توڑ ڈالا۔ یہاں یہ بات اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمادی کہ پچھلے تمام انبیاء ورسل کی امتوں کا بگاڑ اور ان کی بدراہی کا سبب اضاعوا الصلوٰۃ یعنی نماز کے ضائع کرنے سے شروع ہوا پھر اضاعوا الصلوٰۃ کا جو لازمی نتیجہ ہے اس کو بھی دو لفظ

واتبعوا الشهوات میں بیان فرمادیا یعنی خواہشات نفس کی پیروی کی اور دنیا کے مزون اور لذتوں کے پیچھے پڑ گئے۔ معلوم ہوا کہ اضاعوا الصلوٰۃ یعنی تعلق باللہ اور خدا کی یاد کی کمی اور فقدان کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان اتباع شہوات یعنی خواہشات نفس کی بندگی میں پڑے اور احکام الٰہیہ کے بجائے اپنے من مانے طریقوں کا پابند ہوکر رہے۔ آگے اس کی سزا بھی دولفظوں میں بیان فرمائی جاتی ہے یعنی یلقون غیا۔ یہ لوگ غی دیکھ لیں گے۔ غی کے لفظی معنی۔ خسران۔ نقصان۔ خرابی۔ برائی کے ہیں یعنی آخرت میں یہ لوگ اس کا انجام اور خرابی دیکھ لیں گے اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جہنم کے اندر غی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور نہایت سخت عذابوں والی ہے۔ اس میں خون پیپ بھرا ہوا ہے۔ تو گویا اضاعوا الصلوٰۃ اور اتباع شہوات کی یہ سزا بتلائی گئی کہ جہنم کی بدترین وادی میں ان کو دھکیل دیا جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے مجرموں کے لئے بھی ابھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہیں جو سچے دل سے توبہ کر کے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرلے اور اپنا چال چلن درست رکھے یعنی اوامر شرعیہ کے مطابق عمل کرے اور احکام الٰہیہ پر کاربند رہے تو بہشت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں توبہ کے بعد جو نیک اعمال کرے گا سابق جرائم کی بنا پر اس کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی نہ کسی قسم کا حق ضائع ہوگا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے التائب من الذنب کمن لاذنب له۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ تو جو بندے ان دیکھی چیزوں پر پیغمبروں کے فرمانے سے ایمان لائے۔ بن دیکھے خدا کی عبادت کی تو اللہ نے ان سے جنت کی ان دیکھی نعمتوں کا وعدہ فرمایا جو ضرور بالضرور پورا ہوکر رہے گا کیونکہ خدا کے وعدے بالکل حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔

آگے اس جنت کی ایک کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جس جنت کا وعدہ کیا جارہا ہے وہاں لغو اور بے کار باتیں اور بیہودہ شوروشغب بالکل نہ ہوگا ہاں فرشتوں اور مومنین کی طرف سے سلامتی کی دعائیں اور آوازیں بلند ہوں گی اور صبح وشام دائماً جنت کی روزی پہنچے گی ایک لمحہ کے لئے بھی بھوک پیاس کی تکلیف نہیں ستائے گی۔ یہاں آیت میں جنتیوں کو صبح وشام روزی پہنچنے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس پر مفسر ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صبح وشام باعتبار دنیا کے ہے کیونکہ جنت میں ظلمت اور رات نہیں ہر وقت نور کا سماں ہے۔ پردے گر جانے اور دروازے بند ہوجانے سے اہل جنت وقت شام کو اور اسی طرح پردوں کے ہٹ جانے اور دروازوں کے کھل جانے سے صبح کے وقت کو جان لیں گے۔ ان دروازوں کا کھلنا بند ہونا بھی جنتیوں کے اشاروں اور حکموں پر ہوگا۔ چونکہ دنیا میں دن رات کی عادت تھی اس لئے جو وقت جب چاہیں گے پائیں گے۔ چونکہ اہل عرب صبح وشام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے اس لئے جنتی رزق کا وقت بھی وہی بتلایا گیا ہے ورنہ جنتی جو چاہیں جب چاہیں موجود پائیں گے۔ تو یہ جنت جس کا ذکر ہوا اس کے مالک وہ بندے بنائے جاویں گے جو ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنے والے اور اس کے فرمانبردار تھے۔

یہاں جو اضاعت صلوٰۃ اور اتباع شہوات کی مذمت اور نفس پرست بندگان ہوا و ہوس کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے یہ صرف گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عام ہے یعنی ہر نبی کے امتی جو نفس پرست۔ ناجائز خواہشات کے پرستار فرائض الٰہیہ میں کاہل اور غافل اور قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں سب اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہی آیت فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشهوات فسوف یلقون غیا تلاوت کر کے فرمایا کہ اس سے مراد سرے سے نماز چھوڑ دینا نہیں بلکہ نماز کے وقت کو ضائع کردینا ہے۔ اس

طرح مفسرین کے نزدیک اس وعید کے تحت نہ صرف نمازوں کی فرضیت کے منکر آتے ہیں بلکہ جنہوں نے فرض جان کر نہ پڑھے یا پڑھے مگر جماعت اور وقت وغیرہ شرائط وآداب وحقوق کی رعایت نہ کی درجہ بدرجہ ہر ایک اس غی کی وعید میں داخل ہے حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز کے آداب اور تعدیل ارکان میں کوتاہی کرتا ہے تو اس سے دریافت کیا تم کب سے ایسی نماز پڑھتے ہو اس نے کہا کہ ۴۰ سال سے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ تم نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور اگر تم اسی طرح کی نمازیں پڑھتے ہوئے مر گئے تو یاد رکھو کہ فطرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرو گے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے قرۃ العیون میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔ ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے وہ اگرچہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار ۸۰ برس کی ہوتی ہے اور ایک برس ۳۶۰ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دنیا کے دو کروڑ ۸۸ لاکھ برس ہوئی۔ یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی ۲ کروڑ ۸۸ لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا وہ بھی جب ہی کہ کوئی اور وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندہ کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز چھوڑنا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابو درداؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ کا مذہب یہی ہے کہ بلا عذر جان کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ مشہور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا مگر قید شدید میں رکھنا چاہئے اور خوب سزا دینا چاہئے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جائے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔ اس کا حشر فرعون۔ ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ فرعون کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا۔ حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور ہامان اس کے وزیر کا نام تھا۔ اور اُبی بن خلف مکہ کے مشرکین میں بڑا سخت دشمن اسلام تھا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دین بغیر نماز کے نہیں۔ نماز دین کے لئے ایسی ہے جیسا کہ آدمی کے بدن کے لئے سر ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سراسر ظلم ہے اور کفر ہے اور نفاق ہے اس شخص کا فعل جو اللہ کے منادی (یعنی موذن) کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔ ایک حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے لائیں پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا عذر کے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلا دوں۔

ذرا مسلمان غور تو کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود امت کے حال پر انتہائی شفقت ورحمت کے۔ ان لوگوں پر جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اور جماعت کے لئے مسجد میں نہیں آتے اس قدر غصہ اور غضب ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دینے پر آپ آمادہ نظر آتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر مجھے چھوٹے بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا اور خادموں کو حکم دیتا کہ ان کے گھروں کے مال واسباب کو مع ان کے جلا دیویں۔

حضرت علیؓ سے بسند صحیح روایت ہے کہ آخریں لحہ حیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یہ تھا **الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم** نماز کا اہتمام رکھو نماز کا اہتمام رکھو اور ان لوگوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھو جو تمہارے قبضہ میں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ کرنے والے ذرا غور تو کریں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصتی اور روانگی کے وقت بھی نماز کے اہتمام کی وصیت فرما رہے ہیں۔

بہرحال قرآن وحدیث میں **اضاعو ا الصلوٰۃ** یعنی نماز کو ضائع اور برباد کرنے پر خواہ وہ اعتقاداً ہو یا عملاً بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اب غور کیجئے کہ ایسی سخت وعیدوں کے باوجود آج اضاعت نماز کس درجہ پر ہے؟ کتنے فی صدی ہیں کہ جو سرے سے نماز کی پرواہی نہیں کرتے پھر جو پڑھ بھی لیتے ہیں تو کتنے فیصدی جماعت کا اہتمام کرتے ہیں؟ پھر کتنے فیصدی ہیں کہ جو جماعت میں بھی شامل ہو جاتے ہیں مگر نماز کے آداب وشرائط کی پوری رعایت کرتے ہیں؟ یعنی نماز کو تمام واجبات سنن ومستحبات اور باطنی خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور جملہ مکروہات ومفسدات نماز سے بچتے ہیں؟ اور اب تو وہ وقت آ گیا کہ نماز اور جماعت کی پابندی اور احکام شرعیہ کا اتباع ولزوم کرنے والے کی تحقیر کی جاتی ہے اور ملا پن اور دقیانوسی خیالات رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔ جب من حیث القوم ہمارا یہ حال ہو اور ہم خواب دیکھیں قوم کی عزت وشوکت اور رفعت وعظمت کے۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں

یہ بھی مقام شکر ہے کہ ہمارا وجود روئے زمین پر قائم ہے ورنہ ہم نے تو دین سے اور اللہ رسول سے بغاوت کر کے اپنے کو اس لائق بھی نہیں چھوڑا کہ اللہ کی زمین پر سانس بھی لے سکیں۔

الغرض یہاں انسانوں کو نصیحت کی گئی کہ اگر وہ کفر ومعصیت سے سچی اور پکی توبہ کر لیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کر لیں اور اللہ سے ڈر کر اس کے مطیع وفرمانبردار بندے بن جائیں تو عذاب جہنم سے بچ کر ابدی راحت ونعمتوں کی جگہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

ابھی آگے بھی مضمون اسی بات کی تائید میں فرمایا گیا ہے کہ اگر انسان جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا تابع مطیع اور فرمانبردار بن جائے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور ہمارے اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو تمام گناہوں سے عموماً اور اضاعت صلوٰۃ سے خصوصاً بچنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

اور ہم (یعنی فرشتے) بدوں آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے، اسی کی (ملک) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اور آپکا رب

نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

بھولنے والا نہیں۔ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن سب چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں سو (اے مخاطب) تو اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ، بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے؟

وَمَا اور ہم	نَتَنَزَّلُ نہیں اُترتے	اِلَّا مگر	بِاَمْرِ حکم سے	رَبِّكَ تمہارا رب	لَهٗ اس کیلئے	مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا جو ہمارے ہاتھوں میں
وَمَا اور جو	خَلْفَنَا ہمارے پیچھے	وَمَا اور جو	بَيْنَ ذٰلِكَ اس کے درمیان	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہے	رَبُّكَ تمہارا رب
نَسِيًّا بھولنے والا	رَبُّ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کا رب	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان کے درمیان	فَاعْبُدْهُ پس اسکی عبادت کرو	وَاصْطَبِرْ اور ثابت قدم رہو
لِعِبَادَتِهٖ اسکی عبادت پر	هَلْ کیا	تَعْلَمُ تو جانتا ہے	لَهٗ اس کا	سَمِيًّا ہم نام کوئی		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں عام انسانوں کی حالت کا اظہار فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں انبیاء کے پیچھے جو لوگ آئے انہوں نے اپنے نبی کا بتلایا ہوا راستہ چھوڑ دیا۔ اللہ کی عبادت و بندگی کا جو طریقہ مقرر کیا تھا اس سے اعراض کیا اور اس کی بجائے اپنی بے جا خواہشات کے پورا کرنے میں لگ گئے جس کا انجام آخرت میں عذاب جہنم ہوگا۔ ایسے انسانوں کو نصیحت کی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے کفر و معصیت سے سچی اور پکی توبہ کر لیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کر لیں تو پھر آخرت میں عذاب سے بچ جائیں گے اور بجائے جہنم کے جنت میں داخل کئے جائیں گے جو ابدی راحت اور نعمتوں کی جگہ ہے اور جس میں وہی بندے رہیں گے جو دنیا میں اللہ سے ڈر کر اس کے مطیع و فرمانبردار بندے بن کر رہے۔ اسی کی تائید میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان اگر جنت میں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہتا ہے تو پھر اس کو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع و فرمانبرار بن جانا چاہئے اور طاعت خداوندی میں لگ جانا چاہئے اور اسی خدا سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے جس کے قبضہ میں تمام زمان و مکان ہیں اور جس کے حکم اور اجازت کے بدوں بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں ہلا سکتا اور اپنا قدم نہیں اٹھا سکتا۔

ان آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں احادیث میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے اور آپ منتظر رہے۔ بعض کفار نے عناداً کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ دلگیر ہوئے آخر جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تلقین فرمایا کہ جواب میں یوں کہو یعنی یہی آیات جو زیر تفسیر ہیں۔ تو یہ کلام ہوا اللہ تعالیٰ کا جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو کہنا سکھلایا ہے۔ **ایاک نعبد و ایاک نستعین۔**

تو حاصل جواب جو ان آیات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سکھایا گیا یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم خالص عبد مامور ہیں۔ بدوں حکم الٰہی پر بھی نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم اور اذن کے تابع ہے۔ حق تعالیٰ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانتے ہیں ہم کو نیچے اترنے کا حکم فرماتے ہیں کیونکہ ہر زمانہ (یعنی ماضی۔ حال۔ مستقبل) اور

ہر مکان یعنی آسمان وزمین۔ اور ان کے درمیان کا علم اسی کو ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک اور قابض ہے۔ وہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کب بھیجنا چاہئے۔ تو معلوم ہوا کہ مقرب ترین فرشتہ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے اسی طرح معظم ومقبول ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہیں فرشتہ کو اپنے پاس بلالیں۔ خداوند قدوس کا ہر کام برمحل اور بروقت ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا جلد یا دیر میں آنا بھی اس کی حکمت ومصلحت کے تابع ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول نقل فرمایا جاتا ہے کہ آپ کسی کے کہنے سننے کی پرواہ مت کیجئے۔ اپنے دل کو خداوند قدوس کی بندگی پر جمائے رکھئے جو کل کائنات کا پروردگار ہے اور ربوبیت بغیر کمال علمی کے ہو نہیں سکتی تو جب کل عالم کو اس کا علم محیط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آپ کو یا وحی بھیجنے کو بھول جائے لہٰذا ہمارے نزول کی تاخیر سے آپ ملول نہ ہوں بلکہ اللہ کی عبادت پر بدستور قائم رہیں اور صبر رکھیں کیونکہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہم نام بھی نہیں۔ ذات کی طرح صفات میں بھی کوئی شریک نہیں اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ مشرکین عرب اور بت پرستوں نے اگرچہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے انسانوں۔ فرشتوں بتوں اور پتھروں وغیرہ کو شریک کر ڈالا تھا اور اب سب کو الٰہ یعنی معبود کہتے تھے مگر کسی نے کبھی لفظ اللہ معبود باطل کا نام نہیں رکھا گویا یہ ایک تکوینی اور تقدیری امر تھا کہ دنیا میں اللہ کے نام سے کوئی معبود باطل کبھی موسوم نہیں ہوا پس صفات میں تو کیا نام میں بھی کوئی حق تعالیٰ کا مثیل نہیں ہوا۔ اور یہ فقرہ وماکان ربک نسیا۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے نازل ہوا۔

تو گذشتہ آیات کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں انسان کو یہ تعلیم ملی کہ اگر وہ جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع وفرمانبردار بن جائے کہ جب فرشتوں کی باوجود عظمت کے یہ کیفیت ہے کہ امر الٰہی کے خلاف پر نہیں ہلاتے تو پھر انسان کیوں اس کی اطاعت نہ کرے۔

یہاں **فاعبده واصطبر لعبادته** یعنی اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو دو باتوں کا حکم دیا گیا اول حق تعالیٰ کی عبادت کا اور پھر اس پر صبر واستقامت کا گویا پہلا حکم عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا حکم عبدیت یعنی غلامی پر قائم رہنے کا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں۔ یا عیدین اور جمعہ میں جماعت میں شرکت کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبودیت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لئے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹنا چاہئے۔ اور یہاں وماکان ربک نسیا اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں اس میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا کہ جو خدا اپنے مخلص بندوں کو یہاں دنیا میں نہیں بھولتا۔ وہاں آخرت میں بھی نہیں بھولے گا۔ ضرور جنت میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ ہاں ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ جنت میں لوگوں کا نزول بھی اپنے اپنے وقت پر ہوگا۔ اب مشرکین عرب جو قیامت ہی کے منکر تھے اور آخرت میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے ہی کو محال اور ناممکن خیال کرتے تھے آگے ان کے شبہ کو زائل فرمایا جاتا ہے اور ان کے یقین دلانے کو قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ضرور بالضرور سب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے۔ اور پھر اپنے اس کفر وانکار کی بدولت جہنم میں جھونکے جائیں گے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کے فضل وکرم نے جب دنیا میں ہمارا ساتھ نہ چھوڑا تو آخرت میں بھی اس کا فضل وکرم ہمارے شامل حال رہے۔ یا اللہ آپ نے اپنے مخلص بندوں کے لئے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے اس میں اپنے کرم سے ہم کو بھی داخل ہونا نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ

اور انسان (منکر بعث) یوں کہتا ہے کہ میں جب مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ کیا انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اُس کے قبل (عدم سے) وجود میں لاچکے ہیں

مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

اور یہ (اُس وقت) کچھ بھی نہ تھا۔ سو قسم ہے آپکے رب کی ہم اُنکو جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی، پھر اُنکو دوزخ کے گرداگرد اس حالت میں حاضر کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ

پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو جدا کریں گے جو اُن میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتے تھے۔ پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں

هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

جو دوزخ میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اُس پر سے گزر نہ ہو، یہ آپکے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا۔ پھر ہم اُن لوگوں کو نجات

الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

دیدیں گے جو خدا سے ڈر کر ایمان لاتے تھے، اور ظالموں کو اُس میں اس حالت میں رہنے دیں گے کہ گھٹنوں کے بل گر گر پڑیں گے۔

وَيَقُولُ اور کہتا ہے	الْإِنسَانُ انسان	أَإِذَا کیا جب	مَا مِتُّ میں مرگیا	لَسَوْفَ تو پھر	أُخْرَجُ میں نکالا جاؤں گا	حَيًّا زندہ	أَوَ کیا
لَا يَذْكُرُ یاد نہیں کرتا	الْإِنسَانُ انسان	أَنَّا بیشک ہم	خَلَقْنَاهُ ہم نے اسے پیدا کیا	مِن قَبْلُ اس سے قبل	وَلَمْ يَكُ جبکہ وہ نہ تھا	شَيْئًا کچھ بھی	
فَوَرَبِّكَ سو تمہارے رب کی قسم	لَنَحْشُرَنَّهُمْ ہم انہیں ضرور جمع کریں گے	وَالشَّيَاطِينَ اور شیطان	ثُمَّ پھر	لَنُحْضِرَنَّهُمْ ہم انہیں ضرور حاضر کریں گے			
حَوْلَ اردگرد	جَهَنَّمَ جہنم	جِثِيًّا گھٹنوں کے بل گرے ہوئے	ثُمَّ پھر	لَنَنزِعَنَّ ضرور کھینچ نکالیں گے	مِنْ سے	كُلِّ ہر	شِيعَةٍ گروہ
أَيُّهُمْ جو اُن میں سے	أَشَدُّ بہت زیادہ	عَلَى الرَّحْمَٰنِ اللہ رحمٰن سے	عِتِيًّا سرکشی کرنے والا	ثُمَّ پھر	لَنَحْنُ البتہ	أَعْلَمُ خوب واقف	
بِالَّذِينَ ان سے جو	هُمْ وہ	أَوْلَىٰ بِهَا زیادہ مستحق اس میں	صِلِيًّا داخل ہونا	وَإِن اور نہیں	مِّنكُمْ تم میں سے	إِلَّا مگر	
وَارِدُهَا یہاں سے گزرنا	كَانَ ہے	عَلَىٰ پر	رَبِّكَ تمہارا رب	حَتْمًا لازم	مَّقْضِيًّا مقرر کیا ہوا	ثُمَّ پھر	نُنَجِّي ہم نجات دینگے
الَّذِينَ اتَّقَوا وہ جنہوں نے پرہیزگاری کی	وَّنَذَرُ اور ہم چھوڑ دینگے	الظَّالِمِينَ ظالم	فِيهَا اس میں	جِثِيًّا گھٹنوں کے بل گرے ہوئے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر واستقامت کا حکم دیا گیا تھا اب یہاں ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ صبر و اطاعت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔ نیز گذشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا گیا تھا کہ مرنے کے بعد ان کا کیا حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان منکرین قیامت کے شبہ کا جواب دیا جاتا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال و ناممکن سمجھتے تھے۔ کفار منکرین قیامت کے شبہ کا اس طرح جواب دیا گیا کہ جو آدمی حشر ونشر کا منکر ہے۔ اور انکار اور تعجب کی راہ سے کہتا ہے کہ مر گل کر جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن گئے کیا اس کے بعد پھر ہم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ اس کا

جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ انسان ہو کر اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتا کہ کچھ عرصہ پہلے وہ خود کوئی چیز نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست بنایا۔ کیا وہ ذات جو لاشے کو شے اور معدوم محض کو موجود کردے اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔ آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اڑاتا ہے یہ تو منکرین کے شبہ کا جواب تھا آگے حقیقت حال کو قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ان شیاطین کی معیت میں قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جو اغوا کر کے انہیں گمراہ کرتے تھے۔ ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔ اور حالت یہ ہوگی کہ مارے دہشت کے کھڑے سے گر پڑیں گے اور چین سے بیٹھ بھی نہ سکیں گے آگے بتلایا جاتا ہے کہ منکرین کے ہر فرقہ میں جو زیادہ بدمعاش سرکش اور اکڑ باز تھے اور سرغنہ اور مقتدا بنتے تھے انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا۔ پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اسکو دوسرے مجرموں سے پہلے جہنم میں جھونکا جائے گا۔ پھر ایک اور حقیقتِ حال کو بیان کیا جاتا ہے کہ نیک و بد۔ مجرم و بری۔ مومن و کافر کے لئے حق تعالیٰ قسم کھا چکے اور فیصلہ فرما چکے ہیں کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گزر ہوگا۔ کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ کے اوپر سے رکھا گیا ہے جسے عام محاورہ میں "پلصراط" کہتے ہیں۔ اس پر لامحالہ سب کا گزر ہوگا۔ خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گزر جائیں گے۔ احادیث میں آیا ہے کہ بعض مومنین تو پلصراط پر سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ بعض ہوا کی طرح۔ بعض پرندوں کی طرح۔ بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح۔ بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح۔ بعض تیز چال والے پیدل انسان کی طرح۔ یہاں تک کہ سب سے آخر جو مسلمان اس سے پار ہوگا یہ وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا اور گرتا پڑتا نجات پائے گا گناہ گار اور کفار و مشرکین الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء و ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی عنایت سے وہ سب گنہگار جنہوں نے زندگی میں سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا دوزخ سے نکالے جائیں گے صرف کافر وہاں باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔

یہاں ان آیات میں جو ہر ایک انسان کا پل صراط پر سے گزرنا لازمی بتلایا گیا اور پھر مومنین کو نجات اور کفار مشرکین کا جہنم میں ہمیشہ کو رہنا بیان فرمایا گیا اس کی مزید تشریح اور تفصیل قرآن کی دوسری آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے جو اپنی کتاب قیامت نامہ میں لکھی ہے وہ موقع کی مناسبت سے جاننے کے لائق ہے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ "جب تمام مخلوق کے اعمال کا حساب کتاب میدان حشر میں ہو جائے گا۔ اور تمام چھوٹی بڑی نیکیاں میزان میں داخل کر کے ان کو تولا جائے گا اور نیکی یا بدی کا پلڑا بھاری ہو جانے پر جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہو جائے گا تو قبل اس کے کہ میدان محشر سے پلصراط پر گزرنے کا حکم ہو تمام میدان محشر میں اندھیرا چھا جائے گا۔ پس ہر امت کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ چلنے کا حکم ہوگا اہل ایمان کو نور کی دو دو مشعلیں عنایت ہوں گی۔ ایک آگے چلے گی دوسری دائیں جانب۔ اور جو ان سے کم تر ہوں گے ان کو ایک مشعل دی جائے گی اور جو ان سے کم ہوں گے ان کو صرف پاؤں کے انگوٹھے کے آس پاس خفیف روشنی ہوگی اور ان سے بھی جو گئے گزرے ہوں گے ان کو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح دی جائے گی جو کبھی بجھے گی اور کبھی روشن ہوگی جو منافق ہوں گے وہ ذاتی نور سے بالکل خالی ہوں گے بلکہ دوسروں کے نور کی مدد سے چلیں گے یہاں تک کہ جس وقت یہ سب لوگ دوزخ کے کنارے کے قریب جا پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دوزخ کے اوپر پل صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے حکم ہوگا کہ اس پر ہو کر جنت میں چلو وہ پندرہ ہزار سال کی مسافت میں ہے جن

میں سے ۵ ہزار سال تو اوپر چڑھنے کے اور ۵ ہزار سال بیچ میں چلنے کے اور ۵ ہزار سال اترنے کے ہیں حاصل کلام جب میدان محشر سے پل صراط پر پہنچیں گے تو آواز ہوگی کہ اے لوگو اپنی آنکھیں بند کرلو تا کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پل پر سے گزر جائیں اس کے بعد بعض لوگ تو بجلی کی چمک کی طرح بعض ہوا بعض گھوڑے بعض اونٹ بعض معمولی رفتار کی مانند پل صراط سے گزر جائیں گے۔ بعض لوگ نہایت محنت ومشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے اس وقت دوزخ میں سے بڑے بڑے آنکس نکلیں گے جو بعض کو تو چھوڑ دیں گے۔ بعض کو کچھ کچھ کاٹیں گے اور بعض کو کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اس وقت اعمال صالحہ مثلاً نماز روزہ درود وظائف وغیرہ لوگوں کے دستگیر ہوں گے اور خیرات ان کے اور آگ کے درمیان حائل ہوجائے گی۔ قربانی سواری کا کام دے گی اور اس مقام کے ہول کی وجہ سے کسی کی آواز تک نہ نکلے گی مگر پیغمبران امتیوں کے حق میں رب سلم رب سلم کہیں گے۔ جب مسلمان پل صراط پر چڑھ جائیں گے تو منافقین اندھیرے میں گرفتار ہوکر فریاد کریں گے۔ بھائیو! ذرا ٹھہرنا تاکہ تمہارے نور کے طفیل ہم بھی چلے چلیں۔ وہ جواب دیں گے ذرا پیچھے چلے جاؤ جہاں سے ہم نور لائے ہیں تم بھی وہیں سے لے آؤ۔ پس جب پیچھے جائیں گے تو وہاں بے انتہا تاریکی اور ہول دیکھیں گے آخر نہایت بے قرار ہوکر لوٹیں گے اور دیکھیں گے کہ پل صراط کے سرے پر ایک بہت بڑی دیوار قائم ہے اور دروازہ بند ہوگیا ہے پس نہایت ہی گڑگڑا کر مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے جواب ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہو وہ جواب دیں گے بیشک تم ہمارے ساتھ تو تھے لیکن بظاہر اور دل میں شک وشبہ کرتے ہوئے ہمارے حق میں برائیاں اور کفار کی بھلائیاں چاہتے تھے لہٰذا مناسب ہے کہ جن کا ساتھ دیتے تھے انہی سے جا ملو اسی اثناء میں آگ کے شعلے ان کو گھیر کر جہنم کے سب سے نیچے کے درجہ میں پہنچادیں گے۔ وہ مسلمان جو بجلی وہوا کی رفتار کے موافق پل صراط پر سے گزریں گے وہ پل کو عبور کر کے کہیں گے کہ ہم نے تو سنا تھا کہ راستہ میں دوزخ آئے گی لیکن ہم نے تو دیکھا بھی نہیں اور وہ لوگ جو سلامتی کے ساتھ گزریں گے وہ بھی پل صراط سے اتر کر میدان میں ان سے جا ملیں گے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جنت کا قفل کھول کر لوگوں کو داخل فرمائیں گے۔ یہاں پہنچ کر آپ اپنی امت کی تفتیش حال کریں گے اس وقت آپ کی امت تمام اہل جنت کا چہارم حصہ ہوگی۔ دریافت حال کے بعد جب آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ابھی میری امت میں سے ہزار ہا آدمی دوزخ میں پڑے ہیں تو بوجہ اس کے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں غمگین ہوکر درگاہ الٰہی میں عرض کریں گے اے خدا میری امت کو دوزخ سے خلاصی دے۔ یہ شفاعت بھی شفاعت کبریٰ کے مانند ہوگی یعنی ۷ روز تک سربسجود رہ کر عجیب وغریب حمد وثناء بیان فرمائیں گے تب بارگاہ الٰہی سے حکم ہوگا کہ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے پیغمبر بھی اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کریں گے۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی فرشتوں کو اپنے ساتھ لے کر بمعیت امت دوزخ کے کنارہ پہنچیں گے اور فرمائیں گے اپنے اپنے رشتہ داروں اور واقف کاروں کو یاد کر کے ان کی نشانی بتاؤ تا کہ یہ فرشتے ان کو دوزخ سے نکال لیں چنانچہ ایسا ہی ہوگا علاوہ ازیں شہداء کو ۷۰ حافظوں کو ۱۰ علماء کو حسب مراتب لوگوں کی شفاعت کا حق ہوگا۔ جب آپ ان کو لے کر جنت میں تشریف لائیں گے تو آپ کی امت اس وقت تمام اہل جنت کا تیسرا حصہ ہوگی پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تفتیش فرمائیں گے کہ اب میری امت میں سے کس قدر دوزخ میں باقی ہیں جواب ہوگا کہ حضور ابھی تو ہزار ہا دوزخ میں موجود ہیں آپ پھر بدستور سابق بارگاہ ایزدی میں شفاعت کریں گے حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔ بس آپ بدستور سابق علماء، اولیاء، شہداء وغیرہ کو دوزخ کے کنارہ لے جاکر فرمائیں گے کہ اپنے اپنے رشتہ داروں واقف کاروں کو یاد اور پہچان

کر کے دوزخ سے نکلواؤ اس وقت بھی ہزار ہا امتی دوزخ سے رہا ہوکر جنت میں داخل ہوجائیں گے اب آپ کی امت تمام اہل جنت کا نصف حصہ ہوگی۔ اس شفاعت کے بعد آپ پھر دریافت فرما کر بدستور ہائے سابق شفاعت کریں گے ارشاد باری ہوگا کہ جس کے دل میں آدھے ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پس بدستور سابق ایک بہت بڑی تعداد جہنم سے برآمد ہوکر جنت میں داخل ہوگی اس وقت آپ کی امت اہل جنت سے دو چند ہوجائے گی اور موحدین میں سے کوئی شخص دوزخ میں نہیں رہے گا۔ جب تمام لوگ دوزخ و جنت میں داخل ہو چکیں گے تو دوزخ و جنت کے درمیان منادی ہوگی کہ اے اہل جنت جنت کے کناروں پر آجاؤ اور اے اہل دوزخ دوزخ کے کناروں پر آجاؤ۔ اہل جنت کہیں گے ہم کو تو ابدالآباد کا وعدہ دلا کر جنت میں داخل کیا ہے اب کیوں طلب کرتے ہو اور اہل دوزخ نہایت خوش ہوکر کناروں کی طرف دوڑیں گے اور کہیں گے کہ شاید ہماری مغفرت کا حکم ہوگا پس جس وقت سب کناروں پر آجائیں گے تو ان کے مابین موت کو چتکبری مینڈھے کی شکل میں حاضر کیا جائے گا اور لوگوں سے کہا جاوے گا کیا اس کو پہچانتے ہو۔ سب کہیں گے ہاں جانتے ہیں کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس نے موت کا پیالہ نہ پیا ہو اس کے بعد اس کو ذبح کردیا جائے گا کہتے ہیں کہ اس کو حضرت یحییٰ علیہ السلام ذبح کریں گے۔ پھر وہ منادی آواز دے گا کہ اے اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں اور اے اہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں۔ اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ شادی مرگ ہوجاتی اور اہل دوزخ اس قدر رنجیدہ ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو غم کے مارے مر جاتے اس کے بعد حکم ہوگا کہ دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اس کے پیچھے بڑے بڑے آتشی شہتیر لبطور پشتیاں لگا دو تاکہ دوزخیوں کو نکلنے کا خیال بھی نہ رہے اور اہل جنت کو جنت میں ابدالآباد تک رہنے کا یقین و اطمینان ہوجائے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں برہانی اور خطابی طور پر ثبوت قیامت کا اظہار فرمایا گیا اور یہ صراحت فرمائی گئی کہ کفار اور شیاطین جہنم میں اکٹھے رکھے جائیں گے۔ نیز جہنم کے اوپر پل صراط سے ہر کسی کو گزرنا لازمی ہے جس کے نتیجہ میں مومنین کاملین تو صاف گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور گنہگار و کفار و مشرکین جہنم میں گر پڑیں گے۔ مگر مومنین کلمہ کی برکت و اعتقاد سے بالآخر دیر یا سویر جہنم سے بالکل نکال لئے جائیں گے اور صرف کفار و مشرکین جہنم میں ابدالآباد کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ ابھی آگے انہی کفار و مشرکین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اس دنیا میں وہ ایمان و اسلام نصیب فرماویں کہ جو قیامت میں ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ بنے۔ اور پل صراط پر سے امن و سلامتی کے ساتھ گزر کر جنت میں پہنچنا نصیب ہو۔

یا اللہ قیامت میں ہر چھوٹے بڑے عذاب سے اپنے پناہ میں رکھئے۔ اور ہمہ وقت ہم کو آخرت کی تیاری کا فکر عطا فرما دیجئے۔ اور اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرما دیجئے کہ جو میدان حشر میں آپ کا کرم و عنایت ہماری طرف متوجہ رہے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا

اور جب ان (منکر) لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے مکان کس کا زیادہ اچھا ہے

وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ

اور محفل کس کی اچھی ہے۔ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کیے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی (کہیں) اچھے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ

فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ

گمراہی میں ہیں رحمٰن اُن کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے، یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کو دیکھ لیں گے خواہ عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ

سو (اُس وقت) اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ بُرا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو ہدایت بڑھاتا ہے

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور جو نیک کام ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰى پڑھی جاتی ہیں	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتُنَا ہماری آیتیں	بَيِّنٰتٍ واضح	قَالَ کہتے ہیں	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا
لِلَّذِيْنَ ان سے جو	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	اَيُّ کون سا	الْفَرِيْقَيْنِ دونوں فریق	خَيْرٌ مَّقَامًا بہتر مقام	وَّاَحْسَنُ اور اچھی	نَدِيًّا مجلس	
وَكَمْ اور کتنے ہی	اَهْلَكْنَا ہم ہلاک کر چکے	قَبْلَهُمْ ان سے پہلے	مِّنْ قَرْنٍ گروہوں میں سے	هُمْ وہ	اَحْسَنُ بہت اچھے	اَثَاثًا سامان	
وَّرِءْيًا اور نمود	قُلْ کہہ دیجئے	مَنْ كَانَ جو ہے	فِى الضَّلٰلَةِ گمراہی میں	فَلْيَمْدُدْ تو ڈھیل دے رہا ہے	لَهُ اس کو	الرَّحْمٰنُ اللہ	
مَدًّا خوب ڈھیل	حَتّٰٓى یہاں تک کہ	اِذَا جب	رَاَوْا وہ دیکھیں گے	مَا يُوْعَدُوْنَ جس کا وعدہ کیا جاتا ہے	اِمَّا خواہ	الْعَذَابَ عذاب	
وَاِمَّا اور خواہ	السَّاعَةَ قیامت	فَسَيَعْلَمُوْنَ پس اب وہ جان لینگے	مَنْ کون	هُوَ وہ	شَرٌّ مَّكَانًا بدتر مقام	وَّاَضْعَفُ اور کمزور تر	
جُنْدًا لشکر	وَيَزِيْدُ اور زیادہ دیتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا جن لوگوں نے ہدایت حاصل کی	هُدًى ہدایت	وَ اور	الْبٰقِيٰتُ باقی رہنے والی	
الصّٰلِحٰتُ نیکیاں	خَيْرٌ بہتر	عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے نزدیک	ثَوَابًا باعتبار ثواب	وَّخَيْرٌ اور بہتر	مَّرَدًّا باعتبار انجام		

تفسیر و تشریح:۔ ظاہر میں محسوس پرست انسان چونکہ کوتاہ نظر ہوتا ہے اس لئے اس کی نظر ہمیشہ دنیوی ساز و سامان اور عیش و طرب پر ہوتی ہے اس کو محسوسات خارجی سے باہر کوئی چیز نظر نہیں آتی اور اس مادی عالم کے پیچھے روحانی نعمت و دولت دکھائی نہیں دیتی اس بنا پر کفار عرب اور مشرکین مکہ جب ان آیات قرآنیہ کو سنتے جن میں اہل اسلام کا برحق اور کافروں کا باطل پرست ہونا ظاہر کیا گیا اور انجام کے لحاظ سے آخرت میں ایمان والوں کو جنت کی دائمی نعمتوں اور کافروں کے لئے جہنم کے دردناک عذابوں میں گرفتار ہونا بتلایا گیا تو غریب اہل ایمان کو چھیڑتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ تمہارے زعم کے موافق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا دونوں فریق کی موجودہ حالت اور دنیوی پوزیشن پر منطبق نہیں ہوتا۔ کیا آج ہمارے مکانات۔ اسباب معیشت اور ساز و سامان تم سے بہتر و اعلیٰ نہیں اور ہماری مجلس و سوسائٹی تمہارے مجمع سے معزز و بلند نہیں؟ تم جو اپنے کو اہل حق اور ہم کو اہل باطل بتلاتے ہو تو ذرا اپنا حال تو دیکھو۔ نہ رہنے کو گوشہ نہ کھانے کو توشہ۔ ہمارے مجمع میں کس قدر عالی قدر سردار اور اشراف عرب داخل ہیں اور کس

شان کے ساتھ ان کا اجتماع ہوتا ہے۔اس کے مقابلہ میں تم اپنی مجلس کو دیکھو۔ چند بے بس اور بے کس شکستہ اور خستہ حال فقیر و ذلیل اور بے نوا غلام مفلس و نادار لوگوں کے سوا اور کون تمہارے پاس آتا جاتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ سورۂ مریم مکی عہد کی تنزیلات میں سے ہے اس وقت پیروان اسلام کمزور اور بے سروسامان تھے اور کفار کو ہر طرح کی دنیوی خوش حالیاں حاصل تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے ساتھ بیٹھتے تو فقرا اور غربا کی مجلس ہوتی اور منکرین حق دار الندوہ میں جمع ہوتے تو سرداروں اور امیروں کا مجمع ہوتا اسی صورت حال پر کفار مکہ اہل ایمان کے لئے قرآنی بشارتیں سنتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔حق تعالیٰ کی طرف سے اس بیوقوف کوتاہ بین طبقہ کے خیال کی تردید فرمائی جاتی ہے اور ان کی باتوں کا جواب دیا جاتا ہے کہ پہلے ایسی بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو دنیا کے ساز وسامان شان ونمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر و تفاخر کو اپنا شعار بنایا تو خدا تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا تو حاصل ارشاد یہ نکلا کہ انسان کو چاہئے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے عموماً متکبر دولت مند ہی حق کو ٹھکرا کر ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔مال واولاد یا دنیوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔یہ تو تھا استدلال طرز بیان کہ نظیر کو نظیر پر قیاس کر کے گزشتہ کافروں کا نتیجہ موجودہ کافروں کی عبرت کے لئے ظاہر فرمایا۔

آگے زاجرانہ طرز میں طریق بیان بدل کر فرمایا جاتا ہے کہ اس وقت اپنے مجمع کی کثرت اور مکانات کی سربلندی پر کیا ناز و گھمنڈ کرتے ہو جب مرنے کے بعد یا مرنے سے پہلے اپنے کرتوت کی سزا پاؤ گے یا قیامت کے دن عذاب الٰہی کو دیکھو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ مسکن اور مددگاروں کے اعتبار سے کون گروہ برا ہے۔خدا نے ابھی تمہاری باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے جس وقت گلا دبایا جائے گا خواہ دنیوی عذاب کی صورت میں یا عذاب آخرت کی شکل میں تب پتہ لگے گا کہ مکان کس کا برا ہے اور کس کی جمعیت کمزور ہے اس وقت تمہارے ساز وسامان کچھ کام نہ آئیں گے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ گمراہوں کو گمراہی میں لمبا چھوڑ دیتا ہے۔ان کے بالمقابل جو سوچ سمجھ کر راہ ہدایت اختیار کر لیں ان کی سوجھ بوجھ اور فہم وبصیرت کو اور زیادہ تیز کر دیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے راستوں پر بڑھے چلے جاتے ہیں۔تو یہاں اہل ایمان کو استقامت اور استقلال اختیار کرنے اور عمل صالح پر قائم رہنے کی ترغیب دی گئی اور بتلایا گیا کہ جو راہ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور راہ یاب ہونے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اس میں اہل ایمان کو تسلی بھی ہے کہ کافروں کے نزدیک اہل ایمان کتنے ہی خوار و ذلیل ہوں خدا کے نزدیک وہ معزز و مکرم ہیں کیونکہ کافروں کا سرمایۂ ناز فانی ہے۔ مرنے کے بعد اس کا کوئی نام ونشان نہ رہیگا البتہ اہل ایمان کی نیکیاں باقی رہیں گی اور انہی کا حال اور انجام اچھا ہوگا۔

یہاں آیت میں مشرکین مکہ کے جس جاہل استدلال کی تردید فرمائی گئی ہے آج بھی بد دین اور کم فہم اسے زور شور سے پیش کرتے ہیں۔اور صرف اہل باطل ہی نہیں بلکہ ان سے مرعوب اسلام کے دعویدار بھی مشرک ولا مذہب اور فرنگی مغربی قوموں کی مثالیں پیش کر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہتے ہین کہ ان کی ترقیاں دیکھو۔ ان کی دولت وحکومت۔عزت وعظمت اور جاہ وثروت دیکھو۔ان کی اقبال مندی پر نظر کرو۔تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو انہی کے طریقے اختیار کرو۔انہی کی روش پر چلو جو یہ نام نہاد ترقی یافتہ قومیں کر رہی ہیں۔گویا اب ترقی وفلاح انہی دنیا پرست قوموں کی تقلید کا نام رہ گیا ہے۔**انا للہ وانا الیہ راجعون**۔قرآنی تعلیم یہ ہے کہ اصل کامیابی اور ناکامی آخرت کی ہے اور کفر وعصیان اور سرکشی و نافرمانی کے باوجود دنیا میں عیش وآرام کی فراوانی اور مال ودولت کی کثرت یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور ڈھیل ہے۔لیکن انجام کار ایسی گرفت ہوگی کہ پھر رہائی ناممکن ہے۔

ابھی آگے کفار ومشرکین ہی کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ

بھلا آپ نے اُس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا کیا اس نے

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ

اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ ہرگز نہیں ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھے لیتے ہیں اور اُس کیلئے عذاب بڑھاتے چلے جائینگے۔ اور اُس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم وارث

وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ

رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا ہو کر آوے گا۔ اور اُن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ اُن کیلئے وہ باعث عزت ہوں۔ (ایسا) ہرگز نہیں (ہوگا بلکہ)

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

وہ تو اُن کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے اور اُن کے مخالف ہو جاویں گے۔

اَفَرَءَيْتَ پس کیا تو نے دیکھا	الَّذِيْ وہ جس نے	كَفَرَ انکار کیا	بِاٰيٰتِنَا ہمارے حکموں کا	وَقَالَ اور اس نے کہا	لَاُوْتَيَنَّ میں ضرور دیا جاؤں گا	
مَالًا مال	وَّوَلَدًا اور اولاد	اَطَّلَعَ کیا وہ مطلع ہو گیا ہے	الْغَيْبَ غیب	اَمِ یا	اتَّخَذَ اس نے لے لیا	عِنْدَ الرَّحْمٰنِ اللہ رحمٰن سے
عَهْدًا کوئی عہد	كَلَّا ہرگز نہیں	سَنَكْتُبُ اب ہم لکھ لیں گے	مَا يَقُوْلُ وہ جو کہتا ہے	وَنَمُدُّ اور ہم بڑھا دینگے	لَهٗ اس کو	مِنَ الْعَذَابِ عذاب سے
مَدًّا اور لمبا	وَنَرِثُهٗ اور ہم وارث ہوں گے	مَا يَقُوْلُ جو وہ کہتا ہے	وَيَاْتِيْنَا اور وہ ہمارے پاس آئیگا	فَرْدًا اکیلا	وَاتَّخَذُوْا اور انہوں نے بنا لیا	
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اٰلِهَةً معبود	لِيَكُوْنُوْا تا کہ وہ ہوں	لَهُمْ ان کیلئے	عِزًّا موجب عزت	كَلَّا ہرگز نہیں	
سَيَكْفُرُوْنَ جلد ہی وہ انکار کرینگے	بِعِبَادَتِهِمْ ان کی بندگی سے	وَيَكُوْنُوْنَ اور ہو جائیں گے	عَلَيْهِمْ ان کے	ضِدًّا مخالف		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں ظاہر بین محسوس پرست کافروں کی کوتاہی نظر کی مذمت فرمائی گئی تھی اور اس امر کی صراحت فرمائی گئی تھی کہ دنیوی ساز و سامان قابل تفاخر نہیں۔ یہ سب فانی ہے اور فانی نا قابل اعتبار ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ دنیوی ساز و سامان کچھ کام نہ آئے گا البتہ اہل ایمان کی نیکیاں باقی رہیں گی اور انہی کا انجام بہتر اور اچھا ہوگا۔

اب آگے اسی سلسلہ میں منکرین کے بعض دیگر اقوال کا رد فرمایا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں ان آیات کے شان نزول کے متعلق مذکور ہے کہ مکہ میں ایک صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہار کا کام کرتے اور ہتھیار بنایا کرتے تھے۔ عاص بن وائل مشرکین مکہ میں سے ایک شخص تھا جس نے کچھ کام حضرت خبابؓ سے کرایا تھا اور کچھ ہتھیار خریدے تھے۔ جب اجرت اور قیمت وصول کرنے کے لئے یہ صحابی عاص بن وائل مشرک کے پاس گئے تو عاص نے جواب دیا کہ جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار نہ کرو گے میں کچھ نہیں دوں گا حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ اگر تو مر کر بھی دوبارہ زندہ ہو تب بھی مجھ سے یہ حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اس پر عاص نے کہا کہ کیا میں مر کر بھی دوبارہ زندہ ہوں گا۔ حضرت خباب نے جواب دیا اس میں شک ہی کیا ہے۔ سب کو مرنے کے بعد ایک دن زندہ ہونا ہے اور اپنے کئے کی جزا و سزا پانا ہے۔ خدا کے روبرو سب کے حقوق کا فیصلہ ہوگا عاص بولا اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر پھر

زندہ ہونے والا ہوں تو میرے پاس جبھی آنا میرے پاس اس وقت بھی مال واولاد سب کچھ ہوگا تیرے دام بھگتا دوں گا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت خباب اور مشرک عاص بن وائل کے مذکورہ بالا واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کس قدر حیرت انگیز اور قابل تعجب ہے اس شخص کی حالت جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتا ہے اور نہ فقط انکار بلکہ عقیدہ آخرت کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا تو مجھے مال و اولاد بھی ضرور ملیں گے۔اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کہہ رہا ہے اور دعویٰ کر رہا ہے کہ جب میں زندہ کیا جاؤں گا تو یہی مال ودولت اور گھر بار پھر مجھے ملے گا تو کیا اسے یہ بات براہ راست عالم غیب سے معلوم ہوگئی؟ یا خدائے تعالیٰ سے کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات ہرگز نہیں اس کا خیال خام ہے۔ہم اس کے گناہ لکھتے جاتے ہیں اور اس کا یہ قول بھی شامل مسل کر لیا جائے گا۔ تمام مال ودولت اور نسل واولاد سب چھوڑ کر اس کو تنہا ہمارے پاس آنا ہوگا اور چونکہ وہ کافر بھی ہے اس لئے اس کو گونا گوں عذاب دیا جائیگا۔

آگے عام کافروں اور مشرکوں کی ناکامی انجام کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ یہ قیامت میں مال واولاد سے بڑھ کر اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں عزت اور بڑے بڑے درجے دلائیں گے حالانکہ ہرگز ایسا ہونے والا نہیں۔محض سودائے خام ہے جو اپنے دماغوں میں پکا رہے ہیں۔وہ وقت جب آئے گا یعنی یوم قیامت تو ان کے باطل معبود خودان کی مخالفت کریں گے اور وہ خودان کی پرستش کا انکار کریں گے۔اور وہ معبودان کی مدد تو کیا کریں گے خودان سے بیزار ہوں گے اور ان کے مدمقابل بن کر بجائے عزت دلانے کے اور زیادہ ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گے۔

یہاں اس بات کی صراحت ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے وقت مال ودولت دوست احباب اعزہ واقارب کچھ کام نہ آئیں گے۔ہر شخص کو تنہا خداوند قدوس کے سامنے جواب دینا ہوگا۔اور دنیا میں انسان آج جس مال ودولت پر اتراتا ہے یہ سب مرنے کے بعد یہیں چھوٹ جائے گا۔ایک حدیث میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو جہنم کی آگ یاد آ گئی اور میں رو پڑی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جہنم کی آگ یاد آ گئی اور میں رو پڑی۔کیا قیامت کے دن آپ اہل وعیال کو یاد رکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا ایک تو میزان اعمال پر جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ نامۂ اعمال کا پلہ بھاری رہا یا ہلکا دوسرے اعمال نامہ ہاتھوں میں حوالہ کئے جانے کے وقت جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا یا بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے اور جبکہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پانے والا خوشی سے یہ نہ کہہ اٹھے کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو۔تیسرے پل صراط کے قریب جبکہ پل صراط کو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔گویا یہ تین مقامات تو وہ ہوں گے جہاں نہ شفاعت ہوگی نہ سفارش۔یہ تین امور تو ہر انسان پر تنہا تنہا گزرنے ہیں۔اس کے بعد اہل اسلام کے لئے شفاعت و سفارش سے گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نجات ملے گی۔جیسا کہ آپ گذشتہ سے گذشتہ درس میں پڑھ چکے ہیں۔

ابھی مضمون کفار مشرکین کے متعلق اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو اسلام وایمان سے نوازا۔اللہ تعالیٰ اسلام اور ایمان پر ہم کو قائم رکھیں۔اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرماویں۔آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر (ابتلاء) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اُن کو خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ سو آپ اُن کیلئے جلدی نہ کیجئے ہم اُن کی باتیں خود شمار کررہے ہیں۔

عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا

جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن (کے دارالنعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ (وہاں)

يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اَنَّآ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجے	الشَّيٰطِيْنَ شیطان	عَلَى پر	الْكٰفِرِيْنَ کافر	تَؤُزُّهُمْ اکساتے ہیں انہیں	
اَزًّا خوب اکسانا	فَلَا تَعْجَلْ سو تم جلدی نہ کرو	عَلَيْهِمْ ان پر	اِنَّمَا صرف	نَعُدُّ ہم گنتی پوری کررہے ہیں	لَهُمْ اُن کی	عَدًّا گنتی
يَوْمَ جس دن	نَحْشُرُ ہم جمع کرلیں گے	الْمُتَّقِيْنَ پرہیزگار	اِلَى الرَّحْمٰنِ رحمٰن کی طرف	وَفْدًا مہمان بنا کر	وَّنَسُوْقُ اور ہانک کرلے جائینگے	
الْمُجْرِمِيْنَ گنہ گار	اِلٰى طرف	جَهَنَّمَ جہنم	وِرْدًا پیاسے	لَا يَمْلِكُوْنَ وہ اختیار نہیں رکھتے	الشَّفَاعَةَ شفاعت	اِلَّا سوائے
	مَنِ اتَّخَذَ جس نے لیا ہو	عِنْدَ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کے پاس	عَهْدًا اقرار			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے کفار ومشرکین کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جس مال ودولت پر کافر اتراتا ہے اور گھمنڈ کرتا ہے وہ مرنے کے بعد سب یہیں چھوٹ جائے گا اور قیامت میں تن تنہا جواب دہی کے لئے حاضر ہوگا۔ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ساتھ دے گی اور مال واولاد سے بڑھ کر بعض مشرکین جو اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں بڑے درجہ دلائیں گے اس کی تردید میں بتلایا گیا تھا کہ ان کے معبود ان کی مدد تو کیا کرتے خود ان کی بندگی سے بیزار ہوں گے اور بجائے عزت دلانے کے اور زیادہ ذلت ورسوائی کا سبب بنیں گے۔ انہی کفار ومشرکین کے متعلق مزید حقیقت حال کو ان آیات میں ظاہر فرمایا جارہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ شیاطین کا کفار ومشرکین پر پورا تسلط ہوتا ہے اور وہ انہیں انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں۔ نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں اور دین اسلام کے خلاف اکساتے رہتے ہیں آرزوئیں بڑھاتے رہتے ہیں اور طغیان وسرکشی میں آگے کرتے رہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان کفار کی سزادہی کے متعلق جلدی نہ کریں اللہ تعالیٰ نے انہیں فی الحال ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے تاکہ ان کی زندگی کے گنے ہوئے دن پورے ہوجائیں۔ ان کا ایک ایک سانس۔ ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں گنا جارہا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی اللہ کے احاطہ علمی اور دفاتر اعمال سے باہر نہیں تمام عمر کے اعمال ایک ایک کرکے ان کے سامنے کردیئے جائیں گے اور قیامت کے دن یہ اپنے اعمال کی پوری سزا بھگتیں گے۔ اب چونکہ قیامت کا ذکر آگیا تو اس کا کچھ حال بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایسا دن ہوگا کہ جو لوگ اللہ کی ذات پر اور اس کی باتوں پر ایمان لائے اللہ کے پیغمبروں کی تصدیق کی گناہوں سے بچتے رہے۔ اللہ کے

فرمانبردار رہے۔ پروردگار کا خوف دل میں رکھا اور اللہ کے خوف سے بچ بچ کر دنیا میں چلتے رہے وہ اس دن خدا کے ہاں بطور معزز مہمانوں کے جمع ہوں گے۔ نورانی سواریوں پر عزت وشوکت کے ساتھ سوار ہو کر آئیں گے اور خداوند قدوس کے مہمان خانہ میں بعزت داخل کئے جائیں گے۔ **اللھم اجعلنا منھم**

حشر کے دن اہل ایمان کے اعزاز واکرام جو حسب مراتب ہوں گے اس کی تفصیل حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ نے اس طرح لکھی ہے کہ ''میدان حشر میں مسلمانوں کی حالت حسب مراتب گونا گوں ہوگی ایک جماعت جو خالصاً لوجہ اللہ ایک دوسرے سے ملاقات ومحبت وجدائی وفراق کرتی تھی خداوند قدوس کے عرش کے دائیں طرف نور کے ممبروں پر ہوگی۔ اور بعض کو جو توکل سے آراستہ تھے اور مہمات دین ودنیا کو نہایت راستی سے انجام دیتے تھے چودھویں رات کے چاند کے مانند بنا کر بے حساب وکتاب جنت کے لئے جدا کر دیا جائے گا اور وہ لوگ بھی جو اعلائے کلمۂ توحید میں شب وروز کوشاں تھے بے حساب وکتاب جنت کے لئے علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی جو راتوں میں نہایت ادب وحضور قلب سے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے سادات الناس کا خطاب دے کر بے حساب وکتاب جنت کے لئے جدا کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ جماعت جو ظاہراً وباطناً ہمیشہ ذکر واطاعت الٰہی میں مصروف رہتی تھی اور سختی اور آسائش کی حالت میں یکساں حمد الٰہی کرتی تھی اشرف الناس کے خطاب سے ملقب کی جائے گی۔ باقی ماندہ مسلمان ومنافقین مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے مثلاً نمازی نمازیوں میں۔ روزہ دار روزہ داروں میں۔ حاجی حاجیوں میں۔ سخی سخیوں میں۔ مجاہد مجاہدین میں۔ منکسر المزاج اہل تواضع میں۔ محسنین وخوش اخلاق اپنے جنس میں۔ اہل ذکر وظیفہ گزار اہل خوف وترحم۔ عادل ومنصف۔ اہل شہادت۔ اہل وصدق ووفا۔ علمائے راسخین۔ زہاد وغیرہ وغیرہ گنہگار مسلمانوں میں حکام ظالم۔ خونی وقاتل زانی۔ دروغ گو۔ چور۔ رہزن۔ ماں باپ کو تکلیف دینے والے۔ سود خوار۔ رشوت خوار۔ حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ شراب خوار یتیموں اور بے کسوں کے مال کھانے والے زکوٰۃ نہ دینے والے۔ نماز نہ پڑھنے والے۔ امانت میں خیانت کرنے والے عہد کے توڑنے والے وغیرہ وغیرہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو کر اپنی جنس میں جا ملیں گے۔ پھر ان گروہوں میں سے وہ لوگ جو مذکورہ صفات میں سے دو تین یا چار یا اس سے زیادہ صفات رکھتے ہوں گے جدا کر کے الگ گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ مویشیوں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو میدان حشر میں پشت کے بل لٹا کر جانوروں کو حکم ہوگا کہ ان پر سے گزر کر کا پائمال کر و پس وہ بار بار گزر کر ان کو روندتے رہیں گے۔ سود خواروں کے پیٹوں کو پھلا کر ان میں سانپ اور بچھو بھر دیئے جائیں گے اور آسیب زدہ حالت میں ہوں گے۔ مصوروں یعنی تصویر بنانے والوں کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح ڈالیں۔ جھوٹا خواب بیان کرنے والوں کو مجبور کیا جائے گا کہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائیں۔ چغلخوروں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔ اسی طرح بعض فاسقین پر سرزنش و مواخذہ ہوگا۔ **اللھم لاتجعلنا منھم**۔ اہل ایمان کے برخلاف کفار ومشرکین۔ رسولوں کے دشمن خدا سے نہ ڈرنے والے گنہگار دھکے کھا کھا کر اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے۔ جبراً وقہراً جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور جس طرح ڈھور ڈنگر پیاس کی حالت میں گھاٹ کی طرف جاتے ہیں۔

اسی طرح مجرموں کو دوزخ کے گھاٹ اتارا جائے گا۔ یہ بسبب شدت پیاس پانی طلب کریں گے اس پر ان کے لئے سراب یعنی چمکتا ہوا ریتا نمودار ہوگا وہ اس کو پانی سمجھ کر دوڑیں گے پہنچنے پر ان کو معلوم ہوگا کہ وہ تو آگ ہے جو بڑی لپٹوں سے ان کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس وقت جہنم میں سے لمبی لمبی گردنیں نکلیں گی جو دانوں کی طرح چن چن کر ان کو جہنم میں ڈال دیں گی۔ اور پھر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا ان کے حق میں ایک لفظ بھلا نکالنے والا نہ ہوگا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ سفارش کی اجازت فقط اللہ کے مقبول بندوں مثلاً انبیاء۔ ملائکہ۔ صالحین وغیرہ کو دی جائے گی وہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے۔ بدون اجازت کسی کو زبان ہلانے کی طاقت نہ ہوگی اور سفارش بھی ان ہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے حق میں سفارش کئے جانے کا وعدہ دے چکے ہیں۔ کافروں کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔

یہ آیات بتا رہی ہیں کہ کتنا ہی بڑا کافر و مشرک ہو مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے کسی پر عذاب نہیں آتا۔ اس لئے نزول عذاب حق تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر منحصر ہے۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین کو قوت صرف اکسانے۔ ابھارنے اور برائیوں پر ترغیب دینے کی ہے کسی کو مجبور کر دینے کی نہیں۔ یہ ان کافروں کا بالکل اختیاری فعل ہے کہ اپنی قوت تمیز اور عقل سلیم سے کام نہ لے کر اپنے بدخواہ ازلی کے کہے میں آ جاتے ہیں۔

اب آگے کفار و مشرکین کے باطل عقیدہ کا رد فرما کر اہل ایمان کو بشارت اور اہل طغیان کو وعید سنائی گئی ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ شیطان کے تسلط اور وساوس سے ہماری حفاظت فرماویں اور ایمان و اسلام پر ہم کو اپنی فرمانبرداری کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔

یا اللہ ہم کو بھی قیامت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ شامل فرمالیجئے جن کو معزز مہمان بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور مجرموں کے گروہ میں شامل ہونے سے بچالیجئے جنہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

یا اللہ قیامت کی رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھئے اور اس دنیا میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرمائیے کہ میدان حشر میں آپ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کررکھی ہے۔تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اُس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں

الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ

اور زمین کے ٹکڑے اُڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔

وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ

جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہوکر حاضر ہوتے ہیں۔اُس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کررکھا ہے

عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور سب کو شمار کررکھا ہے۔اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ

اللہ تعالیٰ اُن کیلئے محبت پیدا کردے گا سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سنا دیں

بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ

اور اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلادیں۔اور ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب وقہر سے) ہلاک کردیا ہے، کیا آپ اُن میں سے کسی کو دیکھتے ہیں

تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

یا اُن کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں۔

وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں	اتَّخَذَ بنالیا ہے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	وَلَدًا بیٹا	لَقَدْ جِئْتُمْ تحقیق تم لائے ہو	شَيْئًا ایک بات	اِدًّا بری	تَكَادُ قریب ہے
السَّمٰوٰتُ آسمان	يَتَفَطَّرْنَ پھٹ پڑیں	مِنْهُ اس سے	وَتَنْشَقُّ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے	الْاَرْضُ زمین	وَتَخِرُّ اور گر پڑیں	الْجِبَالُ پہاڑ	
هَدًّا پارہ پارہ	اَنْ دَعَوْا کہ انہوں نے پکارا	لِلرَّحْمٰنِ اللہ کیلئے	وَلَدًا بیٹا	وَمَا جبکہ نہیں	يَنْۢبَغِيْ شایان	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کیلئے	
اَنْ يَّتَّخِذَ کہ وہ بنائے	وَلَدًا بیٹا	اِنْ كُلُّ نہیں تمام	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	اِلَّآ اٰتِي مگر آتا ہے	
الرَّحْمٰنِ رحمٰن	عَبْدًا بندہ	لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ اس نے ان کو گھیر لیا ہے	وَعَدَّهُمْ اور انکا شمار کرلیا ہے	عَدًّا گن کر	وَكُلُّهُمْ اور ان میں سے ہر ایک		
اٰتِيْهِ آئیگا اسکے سامنے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	فَرْدًا اکیلا	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے		
الصّٰلِحٰتِ نیک	سَيَجْعَلُ پیدا کردے گا	لَهُمْ ان کے لئے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن	وُدًّا محبت	فَاِنَّمَا پس اس کے سوا نہیں		
يَسَّرْنٰهُ ہم نے اسے آسان کردیا ہے	بِلِسَانِكَ آپ کی زبان پر	لِتُبَشِّرَ بِهِ تاکہ آپ کے خوشخبری دیں	الْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں				
وَتُنْذِرَ بِهِ اور ڈرائیں اس سے	قَوْمًا لُّدًّا جھگڑالو لوگ	وَكَمْ اور کتنے ہی	اَهْلَكْنَا ہم نے ہلاک کردیئے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِنْ سے		
قَرْنٍ گروہ	هَلْ کیا	تُحِسُّ تم دیکھتے ہو	مِنْهُمْ ان سے	مِنْ اَحَدٍ کوئی۔کسی کو	اَوْ تَسْمَعُ یا تم سنتے ہو	لَهُمْ انکی	رِكْزًا آہٹ

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ مریم کی آخری آیات ہیں۔ اس سورۃ کے شروع میں حضرت مریم کے تذکرہ میں اس بات کا ثبوت گزر چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے اپنے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا فرمایا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی بنا پر آپ کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ علاوہ نصاریٰ کے یہود ومشرکین عرب نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر رکھی تھی۔ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا اور مشرکین عرب کے بعض فرقوں نے ملائکہ کو نعوذ باللہ خدا کی بیٹیاں قرار دے رکھا تھا اس باطل عقیدہ کی رد میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسانوں میں ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے کفر وشرک کی ایک قسم یہ اختیار کی کہ انہوں نے نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو اور بعض یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض مشرکین عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا العیاذ باللہ۔ ان باطل عقائد کی تردید میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسی بھاری بات منہ سے کہی گئی اور ایسا گستاخانہ کلمہ زبان سے نکالا گیا جسے سن کر اگر آسمان۔ زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں اس گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ وبالا ہو جائے اور آسمان وزمین تک کے پرخچے اڑ جائیں یہ تو حق تعالیٰ کا محض حلم وعفو وکرم ہے کہ انسانوں کی ان بیہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کر دیتا جس خداوند قدوس کی توحید پر آسمان زمین۔ پہاڑ۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اور ہر چیز شہادت دے رہی ہے انسان کی یہ جسارت کہ اس کے لئے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے۔ العیاذ باللہ۔ انسانوں نے خدا کی ذات پر یہ تہمت باندھی ہے۔ نہ اس کی جنس کا کوئی۔ نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد۔ نہ اس کا کوئی شریک وساتھی۔ نہ اس جیسا کوئی۔ اس کی عظمت وشان۔ بڑائی اور پاکی کے منافی ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ تو جس کے سب محکوم ومحتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے زمین وآسمان میں جو ہیں سب اس کے زیر فرمان اور غلام ہیں۔ وہ سب کا آقا۔ سب کا پالنے والا اور سب کا خبر گیر ہے۔ ایک ایک انسان اور مخلوق کی گنتی اور شمار اس کے پاس لکھی ہوئی ہے اور سب کو اس پروردگار عالم کے علم نے گھیر رکھا ہے۔ سب اس کی قدرت کے احاطہ میں ہیں لیکن فرد وبشر بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور سب کو خدا کے سامنے ایک دن حاضر ہونا ہے۔ اس وقت تمام تعلقات۔ اور ساز وسامان علیحدہ کر لئے جائیں گے اور فرضی معبود اور بیٹے پوتے کچھ کام نہ دیں گے۔ انسان کے اپنے گھڑے ہوئے بے بنیاد عقیدوں اور غلط خیالات کا قلع قمع کرنے کے بعد آگے اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے صحیح عقیدہ رکھنے والوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جنہوں نے اللہ اور رسول اور قرآن کو مانا اور اس پر ایمان لائے اور ان کی باتوں پر یقین کیا اور اعمال صالحہ اختیار کرے تو اللہ عز وجل ان سے محبت کرے گا۔ فرشتوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا اور آپس میں ان کے درمیان شفقت ومحبت پیدا کر دے گا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت ومحبت قائم کر دے گا۔ بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔ خدا کا یہ امین فرشتہ بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتے ہیں اے فرشتو تم بھی اس سے محبت رکھو چنانچہ کل آسمان کے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین پر اتاری جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے یعنی بے تعلق

لوگ جن کا کوئی خاص نفع نقصان اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ آیات مکی ہیں اور مکہ میں جن مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا تھوڑے ہی عرصہ بعد اس طرح پورا ہوا کہ دنیا حیرت زدہ ہوگی۔ حق تعالیٰ نے ان کی وہ محبت والفت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کردی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آج بھی تمام دنیا کے انسانوں میں اہل ایمان کو اہل عرب سے جو الفت و محبت ہے وہ ہر مومن مسلم جانتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی اپنی زبان ہی میں اتار کر آسان کر دیا ہے جو کھول کھول کر صاف زبان میں متقی پرہیزگار جو اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے ہوں ان کو بشارت خوشخبری سناتا ہے اور منکرین۔ معاند اور جھگڑالو لوگوں کو بدعملیوں اور بدکرداریوں کے خراب نتائج سے خبردار کرتا ہے۔ آخری اور خاتمہ کی آیت میں ڈرایا جاتا ہے کہ کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جاچکی ہیں جن کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی لنترانیوں کی ذراسی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ اس طرح مخالفین ومنکرین کو یہ تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ جو لوگ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار واستہزا کر رہے ہیں وہ بے فکر نہ ہوں ممکن ہے ان کو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آ گھیرے کہا جوان کو تہس نہس کر ڈالے۔

اس سورۂ مریم میں مادہ رحمت کا ذکر متعدد بار لایا گیا ہے چنانچہ لفظ رحمٰن اس سورۃ میں سولہ جگہ آیا ہے۔ لفظ رحمت شروع سورۃ میں آیا ہے اور درمیان میں بھی اور چونکہ اس سورۃ میں کفار و مومنین کا حال زیادہ بیان کیا گیا ہے پس جہاں ذکر مومنین میں یہ لفظ آیا ہے تو اشارہ اس طرف ہے کہ ان پر بڑی رحمت ہوگی جیسا کہ لفظ رحمٰن کا مقتضا ہے اور جہان ذکر کفار میں یہ لفظ آیا ہے وہاں اشارہ اس طرف ہے کہ کفار ایسے بڑے رحمت والے کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے احسانات و انعامات سے بھی نہیں شرماتے۔

الحمدللہ سورۂ مریم کا بیان ختم ہوا جس میں ۶ رکوع تھے اب اس کے بعد اگلی سورۃ طٰہٰ کا بیان انشاءاللہ شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم کو بھی دونوں جہاں میں نوازیں دنیا میں بھی اپنی رحمت فرمائیں اور آخرت میں بھی رحمت کا معاملہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم کو دنیا میں سچی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں اور قرآن کریم کی بشارات کا اپنی رحمت سے ہم کو بھی مصداق بنادیں۔ امت مسلمہ میں آپس میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا فرماویں۔ اور آپس میں شقاق ونفاق کی لعنتوں کو دور فرماویں۔ یا اللہ ہم کو اپنے جملہ عقائد قرآن کریم کی تلاوت وہدایات کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ ہم بیشک قیامت میں سب آپ کے دربار میں حاضر ہوں گے۔ یا اللہ ہم کو ایمان اور اعمال صالح کے ساتھ حاضر ہونا نصیب فرمائیے تاکہ آپ کی خوشنودی اور رضا کے حاصل کرنے والے ہوں۔ یا اللہ ہم سے جو تقصیرات اور کوتاہیاں اب تک زندگی میں سرزد ہوچکی ہیں ان پر سچی توبہ ندامت کیساتھ نصیب فرمائیے تاکہ ہم کو قیامت میں شرمندگی سے واسطے نہ پڑے۔

یا اللہ اپنے ان مقبول بندوں کی ہم کو بھی محبت عطا فرما جن سے آپ اور آپ کے فرشتے محبت فرماتے ہیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُورَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ مِائَۃٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّثَمَانُ رُکُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰہٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۳﴾

طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اُتارا کہ آپ تکلیف اُٹھائیں۔ بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کیلئے (اتارا ہے) جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

طٰہٰ طٰہٰ	مَآ اَنْزَلْنَا ہم نے نازل نہیں کیا	عَلَیْکَ تم پر	الْقُرْاٰنَ قرآن	لِتَشْقٰٓی تاکہ تم مشقت میں پڑ جاؤ	اِلَّا مگر	تَذْکِرَۃً یاد دہانی
لِمَنْ اس کیلئے جو	یَخْشٰی ڈرتا ہے					

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ کہ سولھویں پارہ کے نصف پر سورۂ مریم ختم ہوگئی تھی اوراب سورۃ طٰہٰ کا بیان شروع ہورہا ہے۔اس وقت صرف ابتدائی دو آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ طٰہٰ کا مقام و زمانہ نزول۔ وجہ تسمیہ۔ موضوع ومباحث تعداد آیات رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا لفظ طٰہٰ سے ہوئی ہے اس کو بطور علامت کے سورۃ کا نام دے دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی بیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۵ لکھا ہے یعنی مکہ معظمہ میں ۵۴ سورتیں اس سے قبل نازل ہوچکی تھیں اور ۳۵ سورتیں اس کے بعد مکہ ہی میں نازل ہوئیں اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲۴ سورتیں نازل ہوئیں۔اس سورۂ طٰہٰ میں ۱۳۵ آیات ۸ رکوعات ۱۲۵۱ کلمات اور ۵۴۲۶ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔اس سورۃ کا زمانۂ نزول بھی سورۂ مریم کے زمانہ سے قریب ہی کا ہے ممکن ہے کہ یہ ہجرت حبشہ کے زمانہ میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو مگر یہ امر یقینی ہے کہ یہ سورۂ طٰہٰ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوچکی تھی کیونکہ مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کا ذکر معتبر روایات میں موجود ہے یہاں موقع کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کردیا جائے ۔حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی مشہور اور معتبر روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر گردن میں تلوار لٹکا کر گھر سے نکلے راستہ میں بنی زہرہ کے ایک آدمی نے پوچھا کہ عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردوں۔اس آدمی نے کہا کہ اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردیا تو بنی زہرہ اور بنی ہاشم سے کس طرح بچوگے؟ حضرت عمر نے اس پر اس شخص سے یہ کہا کہ میرا خیال ہے کہ تو بھی بے دین ہوچکا ہے اور جس دین پر تو تھا اسے چھوڑ چکا ہے۔اس آدمی نے کہا کہ میں تمہیں اس سے بھی عجیب بات بتاؤں۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کیا بات ہے۔اس آدمی نے کہا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی بے دین ہوگئے اور جس دین پر تم ہو اسے چھوڑ بیٹھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر غصہ سے بھڑک گئے اور اپنی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی حضرت سعید بن زید کے پاس پہنچے۔ان دونوں کے پاس مہاجرین میں سے حضرت خباب بیٹھے قرآن پڑھا رہے تھے اور اسی سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کررہے تھے۔حضرت خباب نے حضرت عمر کے آنے کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر ایک جگہ چھپ گئے۔حضرت عمر نے گھر میں داخل ہوتے ہی کچھ پڑھنے کی آواز سن لی تھی اس لئے پوچھا کہ ابھی جو آواز میں نے تم لوگوں کے پاس سنی کیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم بات کررہے تھے۔حضرت عمر نے کہا کہ شاید تم دونوں بے دین ہوچکے ہو۔ان کے بہنوئی نے کہا کہ اے عمر تم ہی بتاؤ کہ اگر حق تمہارے دین کے علاوہ میں ہو تو کیا کیا جائے۔حضرت عمر جھپٹے اور بہنوئی پر پل پڑے اور مارنا پیٹنا شروع کردیا۔بہن نے بچانا چاہا تو انہیں بھی مارا اور بہن کا

چہرہ بھی خون آلود ہو گیا۔ اللہ اللہ! یہ ان مبارک سابقین اولین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ہستیوں کا خون تھا جس سے اسلام کا پودا سینچا گیا اور ایک آج اسلام کے دعویدار ہیں کہ جو اس لگے لگائے باغ کو اجاڑنے پر کمربستہ ہیں اور اسلام کا لیبل لگا کر اس کی جڑیں کاٹنے کو تیار ہیں۔ اللہ اپنی قدرت سے ان بے دینوں۔ بدخواہوں کی جڑیں کاٹ دے جو دین اسلام میں طرح طرح کے نئے نئے فتنہ آئے دن کھڑے کرتے رہتے ہیں آخر کار بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں تم سے جو کچھ ہو سکے کرلو۔ یہ سن کر اور اپنی بہن کا خون بہتا دیکھ کر کچھ حضرت عمر پشیمان سے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ بہن نے پہلے قسم لی کہ اسے پھاڑ نہ دیں گے پھر کہا کہ جب تک تم غسل نہ کرلو اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور پھر وہ صحیفہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں یہی سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ جب سورۂ طٰہٰ یہاں تک پڑھی انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلوٰة لذكري (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو) حضرت عمر نے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو۔ یہ سن کر حضرت خباب بھی کوٹھری سے باہر نکل آئے اور کہا کہ اے عمر! بشارت حاصل کرو۔ مجھے پوری امید ہے کہ جمعرات کی رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی تھی وہ تمہارے حق میں قبول ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابوالحکم بن ہشام یعنی (ابوجہل) ان دونوں میں سے کسی کو اسلام کا حامی بنادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مکان میں تشریف فرما ہیں جو صفا پہاڑی کے دامن میں ہے۔ حضرت عمر وہاں سے چل کر دارارقم میں پہنچے۔ دروازہ پر حضرت حمزہؓ اور حضرت طلحہؓ اور چند دیگر صحابہ حاضر تھے۔ حضرت عمر کی آمد سے لوگوں نے خطرہ محسوس کیا۔ حضرت حمزہؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا ہاں یہ عمر ہی آ رہے ہیں اگر اللہ پاک نے عمر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے تو اسلام لے آئیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرلیں گے اور اس کے علاوہ اگر ان کا کوئی اور ارادہ ہے تو ہمارے لئے ان کا قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ آسان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور حضرت عمر کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ اے عمر کیا تم باز آنے والے نہیں جب تک اللہ تمہارے اوپر ذلت وعذاب نہ نازل کر دے جیسا کہ ولید بن مغیرہ پر نازل کیا۔ اے میرے اللہ یہ عمر بن خطاب ہے۔ اے میرے اللہ عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو عزت دے یہ سنتے ہی حضرت عمر نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اسلام لے آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کھلم کھلا تبلیغ کیجئے۔ خیر یہ تو اضطراراً درمیان میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ آ گیا تھا۔ الغرض یہ سورہ طٰہٰ مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس سورۃ کا آغاز قرآن پاک کے ذکر اور پھر توحید سے فرمایا جاتا ہے اور اس کے بعد یکایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیلاً بیان ہوتا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے (۱) کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو منصب نبوت کے لئے منتخب فرماتے ہیں تو اس کے لئے کوئی عام اعلان نہیں کیا جاتا۔ نبوت اسی طرح اچانک خاموشی کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تو اب اس پر اچنبھا کیوں ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکایک نبی بن کر تمہارے سامنے آ گئے اور اس کا اعلان نہ آسمان سے ہوا نہ زمین پر فرشتوں نے اعلان کیا۔ تو ایسے اعلانات پہلے نبیوں کے تقرر پر کب ہوئے تھے کہ جو اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایسے اعلان کی ضرورت خیال میں لاتے ہیں۔ (۲) جو دین آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ ٹھیک وہی بات منصب نبوت پر مقرر کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سکھلائی تھی۔ (۳) آج جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی دنیوی سازوسامان اور لاؤلشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلہ میں دعوت حق کا علم لے کر کھڑے ہوئے ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرعون جیسے جابر بادشاہ اور اس کی زبردست حکومت کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے۔ (۴) جو اعتراضات اور شبہات اور الزامات اور

مکر وظلم کے جوطریقے کفار مکہ استعمال کر رہے ہیں پہلے بھی سب کچھ فرعون اوراس کے ہمنواؤں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں استعمال کیا تھا۔(۵) فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں باوجوداپنے سازوسامان کے ساری تدبیروں میں ناکام رہا اسی طرح مسلمانوں کوتسلی دی جارہی ہے کہ اپنی بے سروسامانی اور کفار مکہ کے سازوسامان پرنہ جائیں آخرکارکامیاب اہل ایمان ہی ہوں گےاور کفار مکہ ناکام اور مغلوب ہوکررہیں گے۔

پھراس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اورابلیس کاقصہ بھی بیان ہوا ہے۔جس سے یہ بات سمجھانی مقصود ہے کہ جس روش پر منکرین قرآن جارہے ہیں یہ دراصل شیطان کی پیروی ہے۔اتفاقاً شیطان کے بہکانے میں آجاناتو خیرایک وقتی کمزوری ہے۔جس کا علاج فوری توبہ اور رجوع الی اللہ ہےاور یہ روش انسانیت اور بشریت کی ہے۔اور غلطی پر اصرار اور ہٹ دھرمی حق کے مقابلہ پر تکبروغرور شیطنت ہےاور خدائی لعنت کی مستوجب ہے۔پھراخیر سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوراہل ایمان کوتسلی دی گئی ہے کہ منکرین حق کے معاملہ میں جلدی اور بےصبری نہ کریں۔سنت اللہ یہی ہے کہ کفروانکار پر فوراً گرفت نہیں ہوتی۔مہلت دی جاتی ہے۔مہلت سے منکرین فائدہ نہ اٹھائیں گے توان کاانجام بھی وہی ہوگا جو پہلے منکرین حق کا ہواہے۔اہل ایمان کو صبرواستقلال کے سبق کے سلسلہ میں نماز کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ان میں صبروتحمل۔قناعت اور رضائے الٰہی کی خاطر جدوجہد میں ثبات کی صفات پیدااور پختہ ہوں۔خلاصہ یہ کہ اس سورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ بیان کرکے رسالت کو ثابت کیا ہےاور پھر انسانوں کو رسولوں کی مخالفت کاانجام دکھایااوردنیامیں آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کی ترغیب دی ہے۔جس کا تفصیلی بیان آئندہ درسوں میں ان شاءاللہ تعالیٰ ہوگا۔اب آیات زیرتفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

یہ سورۃ بھی بعض گذشتہ سورتوں کی طرح حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے۔حروف مقطعات کے متعلق گذشتہ سورتوں میں بتایاجاچکا ہے کہ ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوعلم ہوگا حروف مقطعات اسرار الٰہیہ میں سے ہیں اور ان پر اسی طرح ایمان لاناچاہئے۔چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

"طٰہٰ۔ہم نے آپ پرقرآن مجیداس لئے نہیں اتاراکہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے اتاراہے جواللہ سے ڈرتاہو۔"

یعنی قرآن کریم اس لئے اتاراگیاہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض وبرکات سے محروم نہ رہیں۔یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کرکے خواہ مخواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوکسی محنت شاقہ اور تکلیف شدیدہ میں بتلا کیاجائے۔روایت میں ہے کہ ابتداء مکہ میں نزول قران کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں بہت زیادہ قرآن تلاوت فرماتے تھے۔اور کبھی اس پاؤں اور کبھی اس پاؤں پر کھڑے ہوکر اس قدر طویل قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک ورم کر آتے تھے جس کودیکھ کر کفار قریش کہتے تھے کہ ان پر قرآن کیانازل ہوا زحمت میں پڑگئے۔اس کاجواب ان آیات میں دیاگیاکہ فی الحقیقت قرآن محنت وشقاوت نہیں بلکہ رحمت ونور ہے۔جس کو جتنا آسان ہو اسی قدرنشاط کے ساتھ پڑھناچاہئے۔اس سے یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کرکے آپ کوکسی محنت شاقہ میں بتلاکیاجائے۔

مفسرین نے لکھاہے کہ قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعب ومشقت اٹھانے کی دوصورتیں تھیں۔ایک یہ کہ آپ کافروں کے ردوانکار پر غم وحزن بہت زیادہ کرتے تھے دوسرے یہ کہ شب میں آپ قرأت قرآن کے وقت بہت زائد طویل قیام فرماتے تھےتو آپ کو یہ تعلیم ہورہی ہے کہ آپ کا کام تو تبلیغ وتذکیر ہے جسے ماننا ہوگا مانے گا۔نہ ماننا ہوگا نہ مانے گا آپ اتنے فکرمند نہ رہیں علی ہذاالقیاس نمازمیں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھائیں۔جس قدر بآسانی تحمل ہوسکے بس اسی قدر پڑھیں۔اب اس کے بعد مضمون توحید بیان فرمایاگیاہے جس کابیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ؕ الرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا

یہ اُس (ذات) کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔ اُسی کی ملک ہیں

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ

جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں اور جو چیزیں تحت الثری میں ہیں۔ اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی

يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ۝۸

بات کو اور اس سے بھی زیادہ خفی بات کو جانتا ہے۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔

تَنۡزِيۡلًا نازل کیا ہوا	مِّمَّنۡ سے۔ جس	خَلَقَ بنایا	الۡاَرۡضَ زمین	وَالسَّمٰوٰتِ اور آسمان	الۡعُلٰى اونچے	الرَّحۡمٰنُ رحمٰن	عَلَى الۡعَرۡشِ عرش پر	
اسۡتَوٰى قائم	لَهٗ مَا اس کیلئے	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِى الۡاَرۡضِ زمین میں	وَمَا اور جو	بَيۡنَهُمَا ان دونوں کے درمیان		
وَمَا اور جو	تَحۡتَ نیچے	الثَّرٰى گیلی	وَاِنۡ اور اگر	تَجۡهَرۡ تو پکار کر کہے	بِالۡقَوۡلِ بات	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَعۡلَمُ جانتا ہے	السِّرَّ بھید
	وَاَخۡفٰى اور نہایت پوشیدہ	اَللّٰهُ اللہ	لَاۤ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اسکے سوا	لَهُ اسی کیلئے	الۡاَسۡمَآءُ سب نام	الۡحُسۡنٰى اچھے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض وبرکات سے اپنے قلوب منور کریں۔ آگے اب ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ قرآن پاک اس ذات عالی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ جس کی ایک صفت یہ ہے کہ جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ قرآن پاک میں کئی جگہ تصریح فرمائی گئی ہے کہ سات آسمان اوپر تلے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ ہے۔ اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کا ہے تو جو آسمانوں جیسی بلند اور زبردست مخلوق کا خالق ہے اسی کی طرف سے یہ کلام نازل کیا گیا ہے۔ یہ پہلی صفت حق تعالیٰ نے اپنی بیان فرمائی۔

دوسری صفت آگے بیان فرمائی الرحمٰن علی العرش استوٰی۔ یعنی وہ بڑی رحمت والا عرش پر جلوہ فرما ہے۔ تو چونکہ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمت کا مقتضیٰ یہ بھی ہوا کہ اس نے اپنے بندوں کی اصلاح آخرت اور تزکیہ نفس کے لئے قرآن نازل کیا۔ عرش پر جلوہ فرما ہونا یا قائم ہونا حق تعالیٰ نے اپنی یہ صفت قرآن پاک میں حسب موقع ۷ جگہ ذکر فرمائی ہے۔

(۱) سورۂ اعراف میں۔ (۲) سورۂ یونس میں (۳) سورۂ رعد میں (۴) یہاں آیت یعنی سورہ طٰہٰ میں۔ (۵) سورۂ فرقان میں۔ (۶) سورۂ سجدہ میں (۷) سورۂ حدید میں۔ عرش جس کے معنی تخت شاہی کے ہیں اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم مخلوق ہے۔ عرش کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اٹھانے والے ہیں اور آسمانوں کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔ مفسرین کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ عرش فلک اعلیٰ ہے اور کرسی فلک ثوابت یعنی ساتویں آسمان کے اوپر کرسی (یعنی آسمان ہشتم) اور کرسی کے اوپر عرش (یعنی آسمان نہم) اور یہ استدلال اس روایت سے کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے جنگل بیابان میں کوئی انگوٹھی پڑی ہو اور یہی حال کرسی کا عرش کے مقابلہ میں ہے۔ الغرض عرش کی حقیقت بجز نام انسانوں کو کچھ نہیں معلوم۔ مفسرین کے اقوال یہی ہیں کہ عرش سے مراد تخت ہی ہے اور یہ ایک جسم مجسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اسے اٹھائے رکھیں اور اس کی تعظیم اور طواف کے ذریعہ عبادت کو بجالائیں جس طرح سے کہ زمین میں اس نے ایک گھر بیت اللہ پیدا فرمایا اور بنی آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں۔ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید میں عرش کو عظیم۔ کریم اور مجید تین ناموں سے موسوم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ الفاظ مترادف ہیں یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ مترادف نہیں ہیں بلکہ عرش کو اگر اس کے احاطہ کی حیثیت سے دیکھو تو وہ ''عظیم'' ہے کیونکہ سب اجسام سے بڑا ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کو ان سب پر فوقیت دی گئی ہے کہ جن کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے وہ ''کریم'' ہے اور اس حیثیت سے کہ کوئی اور جسم اس کا احاطہ کر سکے اس سے وہ بالا ہے اس بنا پر وہ ''مجید'' ہے اور کبھی عرش عزت غلبہ اور سلطنت سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں ایک محاورہ ہے ثل عرشہ جس کا اردو میں مفہوم ہے کہ عزت خاک میں مل گئی۔ لکھا ہے کہ کسی نے حضرت عمرؓ کو خواب میں دیکھا تو آپ سے پوچھا کہ خدا کا آپ سے کیا معاملہ رہا۔ تو آپ نے جواب دیا لولا ان تد ارکنی اللہ برحمته لثل عرشی یعنی اگر خدا اپنی رحمت سے میری دستگیری نہ فرماتا تو بس میری عزت ختم تھی۔ تو یہاں لفظ عرش بمعنے عزت استعمال ہوا ہے۔ الغرض الرحمٰن علی العرش استوٰی کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ عرش حق تعالیٰ کی ایک مخلوق عظیم کریم اور مجید ہے جس پر حق تعالیٰ جلوہ فرما ہے۔ استوٰی علی العرش کی تحقیق اور اس کا قدرے تفصیلی بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ مفسر قرآن شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے الفاظ میں یہی ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر جلوہ فرما ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے عرش اس کا مستقر اور جائے قرار نہیں اس لئے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت و جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے عرش اور مکان کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا۔ عرش و مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (معارف القرآن حضرت کاندھلویؒ)

الغرض حق تعالیٰ جو اس قرآن مجید کو نازل فرمانے والے ہیں یہاں اپنی ذات پاک کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ بڑی رحمت والا عرش جیسی عظیم مخلوق پر جلوہ فرما ہے۔ آگے تیسری صفت بیان فرمائی کہ وہی ایک خدا بلا شرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اسی کی تدبیر و انتظام سے کل سلسلے قائم ہیں۔ یہ صفات تو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و سلطنت کی بیان فرمائیں۔ آگے چوتھی صفت میں علم الٰہی کی وسعت کا ذکر

ہے کہ جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس ذات عالی سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی بھی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے اور جو دل میں گزرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گزری آئندہ گزرنے والی ہو حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ تو جو صفات حق تعالیٰ کی یہاں بیان ہوئی ہیں یعنی اس کا خالق اور مالک الکل ہونا۔ رحمٰن قادر مطلق اور صاحب علم محیط ہونا۔ ان کا اقتضا یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو۔ بجز اس کے کسی دوسرے کے آگے سر عبودیت نہ جھکایا جائے کیونکہ نہ صرف صفات مذکورۂ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان و صفت کی موجود نہیں جو معبود بن سکے۔ تو مقصود یہ نکلا کہ جس قدرت اور کمال والے کی طرف سے یہ کلام نازل ہوا ہے مخلوق کو نہایت خوشی کے ساتھ اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے۔ اور شہنشاہانہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے۔

خلاصہ ان ابتدائی آیات کا یہ ہوا کہ یہ قرآن پاک اللہ عزوجل نے نازل کیا کیونکہ آسمانوں و زمین کا وہی خالق ہے۔ اور فقط خالق ہی نہیں بلکہ سب کا مالک اور مربی بھی ہے اور فقط مربی ہی نہیں۔ بلکہ صاحب رحمت اور فیاض بھی ہے کل عالم کا مدبر بھی ہے اور اسی کو قانون بھیجنے کا حق ہے پس اس نے قرآن نازل کیا اور اس لئے نازل ہوا کہ اہل بصیرت اس سے فائدہ اندوز ہوں اور جن کے دلوں میں خدا ترسی ہے ان کو ہدایت ہو جائے۔ اب اگلی آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ اے آسمانوں اور زمینوں کے خالق۔ اے عرش کریم کے مالک یہ آپ کا نازل کیا ہوا کلام جو ہم تک پہنچا ہے اور جس کو آپ نے اپنی رحمت سے ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔

اے خداوند قدوس تو اپنے اس کلام پاک سے ہمارے قلوب بھی منور فرما دے۔ اس کے فیوض و برکات سے تو ہم کو بھی مالا مال فرما دے۔

اے اللہ آپ اپنے کرم وعنایت سے ہم کو توفیق نصیب فرمادیں کہ دنیا میں آپ کے اس کلام پاک سے ہم کو سچی محبت اور تعلق اور اس کا اتباع کامل نصیب ہو۔ اور آخرت میں آپ کے دربار میں جب پیشی ہو تو یہ کلام پاک ہمارا سفارشی ہو۔

اے اللہ تو اپنی رحمت سے ہمارے ملک میں قرآنی حکومت قائم فرما دے۔ اور جو اس کے لئے کوشاں ہیں ان کی کوششوں کو اپنی رحمت سے بارآور فرما دے اور ان کو کامیابی نصیب فرما دے اور مخالفین کو ناکام وخاسر فرما کر ان کے عزائم کو ملیامیٹ فرما دے۔

یا اللہ اپنی رحمت سے جیسے آپ نے یہ پاکستان بنا دیا ایسے ہی اپنی قدرت سے یہاں قرآنی اور اسلامی حکومت وقوانین کا نفاذ فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝٩ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

اور کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ) کی خبر بھی پہنچی ہے۔ جبکہ انہوں نے ایک آگ دیکھی سو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھیرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے

اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝١٠

شاید اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لاؤں یا (وہاں) آگ کے پاس راستہ کا پتہ مجھ کو مل جاوے۔

وَهَلْ اور کیا	اَتٰىكَ تمہارے پاس	حَدِيْثُ بات۔خبر	مُوْسٰى موسیٰ	اِذْ رَاٰ جب اس نے دیکھی	نَارًا آگ	فَقَالَ تو کہا
لِاَهْلِهِ اپنے گھر والوں کو	امْكُثُوْٓا تم ٹھہرو	اِنِّيْٓ بیشک میں نے	اٰنَسْتُ دیکھی ہے	نَارًا آگ	لَعَلِّيْٓ شاید میں	اٰتِيْكُمْ تمہارے پاس لاؤں
مِّنْهَا اس سے	بِقَبَسٍ چنگاری	اَوْ یا	اَجِدُ میں پاؤں	عَلَى النَّارِ آگ پر۔کے	هُدًى راستہ	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں قرآن پاک کے نازل کرنے کی غرض و غایت بیان کر کے ساتھ ہی قرآن نازل کرنے والی ذات عالی یعنی اللہ عزوجل کی چند صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔ جن سے مقصود یہ بتلانا تھا کہ جب یہ کلام ایسے قادر مطلق۔ اور ایسی صفات اعلیٰ رکھنے والی ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو مخلوق کو نہایت خوشی کے ساتھ اس کو سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے اور اس کے انکار یا خلاف ورزی سے بچنا چاہئے۔ اس کے بعد ان آیات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو ایک قصہ کی شکل میں بیان فرمایا ہے جس میں بظاہر اس وقت کے حالات کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں۔ مگر جس وقت اور جس ماحول میں یہ قصہ سنایا گیا ہے اس سے اہل مکہ کو کئی باتیں جتلانی مقصود ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کا قرآن کی وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس طرح پیشتر موسیٰ علیہ السلام کو وحی مل چکی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملی۔

(۲) دوسرے یہ کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید و آخرت کی تعلیم پر مشتمل تھی آپ کی وحی میں بھی انہیں اصول پر زور دیا گیا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے کام پر مامور کر دیئے گئے تھے کہ جا کر فرعون جیسے جبار بادشاہ کو سرکشی سے باز آنے کی تلقین کریں اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلہ میں دعوت حق کا علمبردار بنا کر کھڑا کر دیا۔

(۴) چوتھے جو اعتراضات۔ الزامات اور شبہات اور مکر و ظلم کے ہتھکنڈے کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں استعمال کر رہے ہیں۔ ان سے بڑھ چڑھ کر وہی سب ہتھیار فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں استعمال کئے تھے پھر دیکھو کہ کس طرح وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام رہا اور اللہ کا بے سرو سامان اور بے لاؤ لشکر والا نبی کس طرح غالب ہو کر رہا۔

موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ میں نہ صرف کفار مکہ کو اوپر کی باتیں جتلانا مقصود ہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو بھی یہ تسلی اور تعلیم دینی مقصود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ حق میں جو صعوبت اور شدائد برداشت کیں آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح آخر کار ان کو کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مغلوب اور ذلیل و خوار ہوا اسی طرح آپ بھی یقیناً غالب و

منصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ وذلیل کئے جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور آپ کے قصہ کے مختلف اجزا مختلف سورتوں میں حسب موقع بیان فرمائے گئے ہیں یہاں اس سورۃ میں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا قصہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تھا حسب وعدہ دس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ سفر بہت لمبا۔ حاملہ بیوی ہمراہ تھیں۔ رات اندھیری تھی سردی کا موسم تھا بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ اور لکھا ہے کہ بیوی صاحبہ کو دردزہ شروع ہوگیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعتہً دور سے ایک آگ نظر آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دور سے ایک آگ سی نظر تھی وہ کوئی دنیوی آگ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا نور جلال تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ آگ لینے کے لئے گئے اور وہاں عجیب نظارہ دیکھا۔

یہاں آیت میں فقال لاہلہ کے الفاظ آئے ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس وقت آپ کی بیوی تھیں اور چونکہ اہل کا اطلاق ایک پر نہیں ہوتا اس لئے اہل تحقیق نے جواب دیا کہ صرف بی بی کو اہل کہنا بطور تہذیب ہے۔ جمع کا صیغہ واحد کے لئے بطور تہذیب وتکریم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اہل تاریخ کا قول ہے کہ بی بی خادمہ اور ایک بچہ موجود تھے اس لئے سب کو اہل کہا گیا ہے واللہ اعلم۔

بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پہنچے پھر وہاں کیا دیکھا اور کیا واقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حضرت موسیٰؑ کا یہ قصہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی باعث تسکین وتعلیم بنادیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ظاہری پریشان کن حالات میں جو نعم البدل یعنی منصب نبوت عطا ہوا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسی طرح ہمارے ہر ظاہری و باطنی تکلیف و پریشانی کا نعم البدل ہم کو عطا فرماویں۔

اللہ جل شانہٗ دین حق کی نصرت فرماویں اور دنیا میں دشمنان دین کو مقہور ومغلوب و ذلیل وخوار فرماویں۔ امت مسلمہ کو قرآن تھامنے اور اس کی برکت سے دین و دنیا کی صلاح وفلاح پانے والا بنادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۱﴾ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾

سو وہ جب اُس (آگ) کے پاس پہنچے تو (اُن کو منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ۔ میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اُتار ڈالو، (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

اور میں نے تم کو منتخب فرمایا ہے سو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جارہی ہے اُس کو سُن لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی

لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ

نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اُس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ مل جاوے۔ سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے

عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾

جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم تباہ نہ ہو جاؤ۔

فَلَمَّا پس جب	اَتٰهَا وہ وہاں آئے	نُوْدِیَ آواز آئی	یٰمُوْسٰی اے موسیٰ	اِنِّیْ بیشک میں	اَنَا میں	رَبُّكَ تمہارا رب	فَاخْلَعْ سو اُتارلو
نَعْلَیْكَ اپنی جوتیاں	اِنَّكَ بیشک تم	بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ میدانِ پاک	طُوًی طویٰ	وَاَنَا اور میں	اخْتَرْتُكَ تمہیں پسند کیا		
فَاسْتَمِعْ پس کان لگا کر سنو	لِمَا یُوْحٰی اسکی طرف جو وحی کی جائے	اِنَّنِیْ بیشک میں	اَنَا میں	اللّٰهُ اللہ	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّآ اَنَا میرے سوا	
فَاعْبُدْنِیْ پس میری عبادت کرو	وَاَقِمِ اور قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	لِذِكْرِیْ میری یاد کے لئے	اِنَّ بیشک	السَّاعَةَ قیامت	اٰتِیَةٌ آنیوالی	
اَكَادُ میں چاہتا ہوں	اُخْفِیْهَا میں اسے پوشیدہ رکھوں گا	لِتُجْزٰی تا کہ بدلہ دیا جائے	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	بِمَا تَسْعٰی اس کا جو وہ کوشش کرے			
فَلَا یَصُدَّنَّكَ پس تجھے روک نہ دے	عَنْهَا اس سے	مَنْ جو	لَا یُؤْمِنُ ایمان نہیں رکھتا	بِهَا اس پر	وَاتَّبَعَ اور وہ پیچھے پڑا		
هَوٰىهُ اپنی خواہش	فَتَرْدٰی پھر تو ہلاک ہوجائے						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے مصر کی طرف واپسی کے سفر کا حال شروع ہوا تھا جس میں بتلایا گیا تھا کہ آپ کی بیوی صاحبہ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی آپ کے ہمراہ تھیں۔ سفر میں ایک جگہ راستہ بھول گئے۔ سردی کا زمانہ تھا۔ رات اندھیری تھی۔ اور اہلیہ محترمہ کو دردزہ بھی شروع ہوگیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے۔ سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ اس حال میں دفعتہً تاریکی میں دور سے ایک آگ کی چمک نظر آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ظاہری دنیوی آگ سمجھ کر اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو میں آگ لے آؤں۔ تاپنے کا بھی انتظام ہوجائے گا اور اگر وہاں کوئی رہبر مل گیا تو بھٹکی ہوئی راہ کا بھی پتہ مل جائے گا۔ یہاں تک کا گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے لئے اس پاک میدان میں پہنچے تو عجیب نظارہ دیکھا۔ دیکھتے ہیں کہ ایک درخت ہے جس میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہوکر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ سے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی

شاخ جل کر گرے تو اٹھا لائیں لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف سا پیدا ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں جوں ہی وہ پلٹنے لگے آگ قریب آ گئی اور قریب ہوئے تو سنا کہ یہ آواز آ رہی ہے **یٰموسٰی انی انا ربک فاخلع نعلیک**...... گویا وہ درخت بلاتشبیہ اس وقت غیبی ٹیلی فون کا کام دے رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یا موسیٰ سنا تو کئی بار لبیک کہا اور تفسیر روح المعانی میں بحوالہ مسند احمد یہ روایت لکھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب ندا یا موسیٰ کے لفظ سے دی گئی تو انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا اور عرض کیا کہ میں آواز سن رہا ہوں مگر آواز دینے والے کی جگہ معلوم نہیں آپ کہاں ہیں تو جواب آیا کہ میں تمہارے اوپر۔ سامنے پیچھے اور تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر عرض کیا کہ میں یہ کلام خود آپ کا سن رہا ہوں۔ یا آپ کے بھیجے ہوئے کسی فرشتہ کا تو جواب آیا کہ میں خود ہی تم سے کلام کر رہا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا اور یقین کر لیا کہ پکارنے والے اللہ عزوجل سبحانہ تعالیٰ ہیں کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور میں نہیں۔ نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزائے بدن سے سنا گویا کہ تمام اعضائے بدن کان ہی کان تھے اس لئے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ تعالیٰ ہی کے کلام کی ہو سکتی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں لکھا ہے کہ اس نداء کی کیفیت وصفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جا سکتی ہے البتہ یہ امر یقینی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہو گیا کہ یہ نداء من جانب اللہ ہے۔

ندا یہ آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو۔ تم اس وقت ایک پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے کھڑے ہو۔ یہاں جو جوتے اتار دینے کی ہدایت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس سے مقامات مقدسہ کا ادب ثابت ہوتا ہے۔ اور یا یہ جوتے اتار دینے کی ہدایت اس لئے ہو کہ مقام متبرک سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت زائد پہنچے حق تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیاز اور شرف بخشا ہے جیسے بیت اللہ۔ مسجد نبوی۔ مسجد اقصیٰ۔ حرم محترم۔ اسی طرح وادیٔ طویٰ بھی جو کوہ طور کے دامن میں ہے انہی مقامات مقدسہ میں ہے۔ تو جوتا اتارنے کی مصلحت یہ بتائی گئی تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قدم اس مبارک وادی کی زمین سے لگ کر اُس کی برکت حاصل کریں اور بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ حکم خشوع اور تواضع کی صورت بنانے کے لئے ہوا۔ الغرض ندا کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے تمہیں اپنا رسول بنانے کے لئے چن لیا ہے اس لئے جو کچھ تم سے کہا جائے اسے غور وتوجہ سے سن لو۔ اسی واقعہ کے حسب حال کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

خدا کے فضل کا موسیٰؑ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

یہاں سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور جب میں ہی معبود ہوں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کیلئے نماز پڑھا کرو۔ گویا خالص توحید اور ہر قسم کی عبادت کا حکم دیا گیا پھر یہ فرمایا گیا کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اور میں اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد کا بدلہ ملے۔ پھر فرمایا گیا کہ جب قیامت کا آنا ضروری ہے تو اس کی تیاری سے بے فکر نہ ہونا چاہئے کچھ لوگ قیامت کا یقین نہیں کرتے خبردار ان کی باتوں اور بہکاوے میں نہ آنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قیامت کی طرف سے غافل کر دیں۔ اور قیامت سے غافل ہونا

بربادی کا باعث ہے۔ اگر ان لوگوں کا کہنا سنا جو قیامت کو نہیں مانتے تو تباہی و بربادی کا خوف ہے۔

یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں پر سب سے اول واجب اور فرض اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید ہے جس حقیقت کی ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام تعلیم دینے پر مامور کئے گئے۔ اس کے بعد فاعبدنی میں عبادت کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے پھر تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا واقم الصلوٰۃ لذکری میں حکم دیا تو اگرچہ فاعبدنی میں نماز کا حکم بھی داخل ہے لیکن اس کو جداگانہ اس لئے بیان فرمایا کہ نماز تمام عبادات میں افضل اور اعلیٰ بھی ہے اور حدیث شریف کی تصریح کے مطابق دین کا عمود۔ ایمان کا نور ہے اور ترک نماز کافروں کی علامت ہے۔ اس کے بعد قیامت اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں آخرت کی تیاری کا حکم دیا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا کہ آخرت سے غفلت اور ہوائے نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے اور تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

اب یہاں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آپ بے دینوں اور بے ایمانوں کے کہنے سننے سے قیامت و آخرت کے معاملہ میں غفلت برتنے لگیں اور وہ آپ کی ہلاکت کا سبب بن جائے تو ظاہر ہے کہ کسی نبی اور رسول سے جو معصوم ہوتے ہیں یہ غفلت نہیں ہو سکتی اس کے باوجود ایسا خطاب کرنا دراصل نبی کی امت اور عام مخلوق کو سنانا ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو بھی ایسی تاکید کی جاتی ہے تو اور تو کس شمار میں ہیں اور دوسروں کو آخرت کے لئے کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور کتنا اس کے لئے مستعد ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی قیامت و آخرت کا صحیح فکر نصیب فرمائیں اور وہاں کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے حق تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو مزید کلام ہوا اس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں بھی توحید کامل اور اپنی ذات پاک کی صحیح معرفت نصیب فرمائیں۔ اور شب و روز آخرت کے سنوارنے کی فکر عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں اپنے ذکر و فکر کے لئے نماز قائم کرنے اور اس عبادت اعلیٰ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

یا اللہ آخرت کی طرف سے غفلت سے ہمیں بچایئے اور اپنے مخلصین عابدین و ذاکرین بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمایئے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ

اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے

وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ

اور بھی کام (نکلتے) ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اس کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ۔ سو انہوں نے اس کو ڈال دیا یکایک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ ارشاد ہوا

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ

کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم ابھی اس کو اُس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو وہ بلا کسی عیب کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا

غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾

یہ دوسری نشانی ہوگی۔ تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں۔ تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔

وَمَا اور کیا	تِلْكَ یہ	بِيَمِيْنِكَ تیرے داہنے ہاتھ میں	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	هِيَ یہ	عَصَايَ میرا عصا	
اَتَوَكَّؤُا میں ٹیک لگاتا ہوں	عَلَيْهَا اس پر	وَاَهُشُّ اور میں پتے جھاڑتا ہوں	بِهَا اس سے	عَلٰى پر	غَنَمِيْ اپنی بکریاں	وَلِيَ اور میرے لئے	
فِيْهَا اس میں	مَاٰرِبُ ضرورتیں	اُخْرٰى اور بھی	قَالَ اس نے کہا	اَلْقِهَا اسے ڈال دے	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	فَاَلْقٰهَا پس اسنے اسے ڈال دیا	
فَاِذَا هِيَ تو ناگاہ وہ	حَيَّةٌ سانپ	تَسْعٰى دوڑتا ہوا	قَالَ فرمایا	خُذْهَا اسے پکڑ لے	وَ اور	لَا تَخَفْ نہ ڈر	
سَنُعِيْدُهَا ہم جلد اسے لوٹا دیں گے	سِيْرَتَهَا اس کی حالت	الْاُوْلٰى پہلی	وَ اور	اضْمُمْ ملا	يَدَكَ اپنا ہاتھ	اِلٰى تک	جَنَاحِكَ اپنی بغل
تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَآءَ سفید	مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ بغیر کسی عیب	اٰيَةً نشانی	اُخْرٰى دوسری	لِنُرِيَكَ تاکہ ہم تجھے دکھائیں	مِنْ سے	
اٰيٰتِنَا اپنی نشانیاں	الْكُبْرٰى بڑی	اِذْهَبْ تو جا	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	اِنَّهٗ بیشک وہ	طَغٰى سرکش ہوگیا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت کے لئے منتخب کرنا اور آپ کو توحید وآخرت کی تعلیم دینا مذکور ہوا تھا۔ اب یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات دیکر فرعون کی طرف بھیجے جانے والے تھے اس لئے اولاً معجزۂ عصا کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اب یہ تو حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ موسیٰ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ سوال سے مقصود یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی کا لاٹھی ہونا اچھی طرح مستحضر ہو جائے اور پھر وہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے میں کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور کبھی اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں اور بھی میرے کام نکلتے ہیں مثلاً کندھے پر رکھ کر اسباب وغیرہ لٹکا لینا اور موذی جانوروں کو دفع کرنا وغیرہ وغیرہ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ حضور یہ لاٹھی ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا جو لمبا جواب دیا وہ آپ کی اس وقت کی قلبی کیفیت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ محبوب حقیقی کے ساتھ ہم کلامی کے شرف کو طول دے کر جذبہ شوق پورا کرنا تھا۔ قاعدے کی بات ہے کہ جب آدمی کو کسی بہت بڑی شخصیت سے بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو وہ اپنی بات کو

6 طول دینے کی کوشش کرتا ہے تا کہ اسے زیادہ سے زیادہ دیر تک ہمکلامی کا شرف حاصل رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب پر حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس ارشاد عالی کی تعمیل کی اور لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی کی جگہ ایک اژدھا نظر آیا جو تیزی سے ادھر ادھر دوڑتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ناگہاں یہ انقلاب دیکھ کر بمقتضائے بشریت خوف زدہ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ وہ اتنا خوفناک اژدھا بن گیا تھا کہ اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ ایک درخت سامنے آ گیا تو اسے ہضم کر گیا۔ ایک چٹان پتھر کی سامنے آ گئی تو اسے لقمہ بنا گیا۔ یہ حال دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام الٹے پاؤں بھاگنے لگے کہ فوراً حق تعالیٰ کی ندا آئی کہ موسیٰ اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ۔ ہم اس کو اس کی اصل حالت پر لوٹا دیں گے۔

لکھا ہے کہ ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر پکڑنے لگے تو فرشتہ نے کہا کہ موسیٰ کیا خدا اگر بچانا نہ چاہے تو یہ چیتھڑا تمہیں بچا سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا نہیں۔ لیکن میں کمزور مخلوق ہوں اور ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے کپڑا ہٹا کر اژدھے پر ہاتھ ڈال دیا۔ ہاتھ ڈالنا تھا کہ وہی لاٹھی ہاتھ میں تھی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا طبعی تھا جو کسی طرح جلالت شان نبوت کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرودی سے نہیں ڈرے لیکن جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے آندھی اور تیز طوفانی ہوا ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا احادیث میں آیا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔ تو ایک معجزہ تو ''عصا'' کا موسیٰ علیہ السلام کو یہ عطا ہوا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ میں 'عصا' رکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی۔ دوسرے معجزہ کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد باری ہوتا ہے کہ آپ ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا اور سفیدی کسی مرض وغیرہ کی نہ ہو گی کہ جو عیب ہو اور یہ عصا اور ید بیضا کے معجزے ان بڑی نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھلانا آپ کو منظور ہے۔ یہ ہماری جانب سے آپ کی نبوت ورسالت کے دو بڑے نشان ہیں۔ جس طرح ہم نے آپ کو نبوت ورسالت سے نوازا اسی طرح آپ کو یہ دو عظیم الشان معجزے بھی عطا کیے۔ اخیر میں ارشاد ہوا کہ اب جاؤ اور فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت دکھاؤ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور وتکبر اور انتہائے ظلم کے ساتھ انہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو ان کو غلامی سے چھٹکارا دلاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا بچپن کا زمانہ فرعون ہی کے محل میں گزارا تھا اور جوانی تک ملک مصر میں اسی کی بادشاہت میں ٹھہرے رہے تھے ایک موقع پر ایک فرعونی بے ارادہ آپ کے ہاتھ سے مر گیا تھا جس پر فرعون نے آپ کی گرفتاری اور قتل کا حکم صادر کیا تھا اس وقت حضرت موسیٰ مصر سے باہر نکلے تھے۔ جانتے تھے کہ فرعون ایک سخت دل۔ بدخلق۔ اکھڑ مزاج اور ظالم انسان ہے۔ غرور اور تکبر اس کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ کہتا تھا کہ میں خدا کو جانتا ہی نہیں۔ اپنی رعایا سے کہتا تھا کہ نعوذ باللہ تمہارا خدا میں ہی ہوں۔ ملک و مال میں دولت ومتاع میں لاؤ لشکر اور کروفر میں کوئی اس وقت اس کے مقابل نہ تھا۔ اس لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ملا کہ فرعون کی طرف ہدایت کے لئے جاؤ تو آپ نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی اور کچھ درخواستیں حق تعالیٰ کے دربار عالی میں پیش کیں۔ جو اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا

عرض کیا اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے۔اور میرا کام آسان فرما دیجئے۔اور میری زبان پر سے بستگی ہٹا دیجئے۔تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ أَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ أَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَأَشْرِكْهُ فِيْٓ

اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے۔یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں۔اُن کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کر دیجئے۔اور اُن کو میرے کام میں

أَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾

شریک کر دیجئے۔تا کہ ہم دونوں آپ کی کثرت سے پاکی بیان کریں۔اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں۔بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اشْرَحْ کشادہ کر دے	لِيْ میرے لئے	صَدْرِيْ میرا سینہ	وَيَسِّرْ لِيْ اور میرے لئے آسان کر دے
أَمْرِيْ میرا کام	وَاحْلُلْ اور کھول دے	عُقْدَةً گرہ	مِّنْ سے	لِسَانِيْ میری زبان	يَفْقَهُوْا وہ سمجھ لیں	قَوْلِيْ میری بات	وَاجْعَلْ اور بنا دے
لِيْ میرے لئے	وَزِيْرًا وزیر	مِّنْ سے	أَهْلِيْ میرا خاندان	هٰرُوْنَ ہارون	أَخِي میرا بھائی	اشْدُدْ بِهٖ مضبوط کر و اس سے
أَزْرِيْ میری قوت	وَأَشْرِكْهُ اور شریک کر دے اسے	فِيْٓ أَمْرِيْ میرے کام میں	كَيْ تا کہ	نُسَبِّحَكَ ہم تیری تسبیح کریں	كَثِيْرًا کثرت سے
وَّنَذْكُرَكَ اور تجھے یاد کریں	كَثِيْرًا کثرت سے	إِنَّكَ بیشک تو	كُنْتَ تو ہے	بِنَا بَصِيْرًا ہمیں خوب دیکھتا ہے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ منصب رسالت عطا کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزات عطا فرمائے۔ ایک تو عصا کا کہ لاٹھی کو زمین پر ڈال دینے سے اژدھا بن جاتی تھی۔اور پھر جب اس پر ہاتھ ڈالتے تو پھر لاٹھی ہو جاتی۔دوسرا معجزہ ید بیضا یعنی جب آپ اپنا ہاتھ بغل میں لے جا کر نکالتے تو نہایت چمکدار روشن ہو کر نکلتا۔تو یہ دو معجزات عطا کر کے حکم ہوا تھا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو تبلیغ توحید کرو کہ وہ اور اس کی قوم بہت ہی سرکش ہو گئے ہیں۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ مجھ کو پیغمبر بنا کر فرعون کی فہمائش کے لئے بھیجا جاتا ہے تو اس وقت اس منصب عظیم کی مشکلات آپ کے ذہن میں آئیں اور آپ فرعون کی متکبرانہ حالت سے پہلے سے واقف تھے اس لئے اس منصب عظیم کی مشکلات کی آسانی کے لئے حق تعالیٰ سے درخواست کی۔اس

درخواست میں آپ نے کیا عرض کیا یہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں پہلی بات تو یہ فرمائی رب اشرح لی صدری کہ اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے یعنی مجھے حلیم۔ بردبار اور حوصلہ مند بنا دیجئے کہ خلاف طبع باتوں پر جلد خفا نہ ہوں۔اور تبلیغ میں انقباض یا تکذیب ومخالفت میں ضیق نہ ہو اور ادائے رسالت میں جو سختیاں پیش آئیں ان سے نہ گھبراؤں بلکہ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کروں۔دوسری بات فرمائی ویسرلی امری۔اور میرا کام آسان فرما دیجئے یعنی ایسے سامان فراہم کر دیجئے کہ یہ عظیم الشان کام آسان ہو جائے کہ اسباب کامیابی جمع اور اسباب ناکامی رفع ہوتے جائیں تیسری بات یہ فرمائی واحلل عقدة من لسانی۔ یفقهوا قولی اور میری زبان پر سے بستگی لکنت کی ہٹا دیجئے تا کہ لوگ

میری بات سمجھ سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے صاف بول نہ سکتے تھے اور مخاطب کو مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آپ کی زبان میں پیدائشی لکنت تھی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ بچپن میں جب آپ فرعون کے محل میں پرورش پار ہے تھے جس کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے اور اس سورۃ میں بھی اگلی آیات میں جس کا بیان انشاء اللہ اگلے درس میں ہوگا آپ کا فرعون کے ہاں پالے جانے کا ذکر موجود ہے۔ تو ایک بار بچپن میں آپ نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی جس پر فرعون سخت غصہ ہوا اور بدلہ لینا چاہا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو فرعون کی بیوی نے سفارش کی کہ بچہ ہے اس کو کیا سمجھ ہے چنانچہ آپ کے امتحان کے واسطے ایک طشت میں سرخ یاقوت اور آگ کے انگارے سامنے لائے گئے اس وقت آپ نے ایک چنگاری اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی جس سے زبان جل گئی تھی اور زبان کی روانی کم ہوگئی تھی۔ اس طرح فرعون نے معاملہ کو درگذر کیا۔ یہاں اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے بھی داڑھی تھی اور وہ بھی اتنی بڑی کہ جو پکڑی جاسکتی ہو۔ گویا پہلے کفار بھی داڑھی رکھتے تھے جس سے کہ اس دور کے اکثر مسلمانوں کو ضد ہے کہ صبح اٹھتے ہی داڑھی صاف کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اس پر ایک روایت یاد آئی جو مولانا عاشق الٰہی صاحب مرحوم میرٹھی نے اپنی کتاب داڑھی کی قدر و قیمت میں لکھی ہے کہ میدان حشر میں جہاں سب اولین و آخرین جمع ہوں گے تو پچھلی امتوں کے کفار جو داڑھیاں رکھتے تھے وہ امت محمدیہ کے ایسے افراد کہ جن کے چہروں پر داڑھیاں ندارد ہوں گی دیکھ کر تعجب کریں گے کہ یہ امت محمدیہ کے افراد ہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین اور تمام انبیاء و مرسلین اور تمام صلحا و متقین کی اس سنت کی قدر کی توفیق عطا فرماویں۔ یہ مضمون بیچ میں اضطراراً آ گیا۔ تو تیسری بات جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں پیش کی وہ یہ تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگوں کو میری بات سمجھنے میں آسانی ہو۔ چوتھی بات موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ میرے کنبہ میں سے میرا ایک معاون مقرر کر دیجئے۔ میرے بھائی ہارون کو بھی میرے اس تبلیغ کے کام میں شریک فرما دیجئے یعنی ان کو بھی نبی بنا کر مامور بالتبلیغ کیجئے کہ ہم دونوں مل کر تبلیغ کریں اور میرے قلب کو قوت پہنچے۔ حضرت ہارون علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور بنی اسرائیلیوں کے ساتھ مصر ہی میں مقیم تھے ان کے لئے بھی نبوت عطا فرمانے کی درخواست موسیٰ علیہ السلام نے کی۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمرہ کے لئے جاتے ہوئے کسی اعرابی کے ہاں مقیم تھیں سنا ایک شخص پوچھتا ہے کہ دنیا میں کس بھائی نے بھائی کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا ہے؟ اس سوال پر سب خاموش ہوگئے اور کہہ دیا کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے اس کا علم ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے اپنے دل میں کہا دیکھو یہ شخص کتنی بے جا جسارت کرتا ہے کہ بغیر انشاء اللہ کے قسم کھا رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اچھا بتلاؤ۔ اس نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ اپنے بھائی کو اپنی دعا سے نبوت دلوائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بھی یہ سن کر دنگ رہ گئی اور دل میں کہنے لگی کہ بات تو سچ کہی فی الواقع اس سے زیادہ کوئی بھائی اپنے بھائی کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت

عطا ہونے کی درخواست کس بنا پر کی اس کو بھی ظاہر فرمادیا اور عرض کیا کہ ہم دونوں مل کر دعوت وتبلیغ کے موقع پر بہت زور شور سے تیری پاکی اور کمالات بیان کریں اور ہر ایک کو دوسرے کی معیت سے تقویت قلب حاصل ہوگی تو اپنی خلوتوں میں نشاط اور طمانیت کے ساتھ تیرا ذکر بکثرت کرسکیں گے۔ اپنی اس درخواست کے اخیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انک کنت بنا بصیرا بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں یعنی ہمارے تمام احوال کو آپ خوب دیکھ رہے ہیں اور جو دعا میں کر رہا ہوں یہ بھی آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس کا قبول فرمانا ہمارے لئے کہاں تک مفید ہوگا۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا واجعل لی وزیرا من اھلی مانگی یعنی میرا ایک وزیر میرے ہی خاندان میں سے بنادے تو یہ دعا اعمال رسالت کو انجام دینے کے لئے اسباب جمع کرنے سے متعلق ہے اور ان اسباب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے اور اہم اس کو قرار دیا کہ ان کا کوئی نائب اور وزیر ہو جو ان کی مدد کرسکے۔ وزیر کے معنی ہی لغت میں بوجھ اٹھانے والے کے ہیں۔ وزیر سلطنت چونکہ اپنے امیر و بادشاہ کا بار ذمہ داری سے اٹھاتا ہے اس لئے اس کو وزیر کہتے ہیں۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال عقل معلوم ہوا کہ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے سب سے پہلی چیز انسان کے اعوان و انصار ہیں۔ وہ منشاء کے مطابق مل جائیں تو آگے سب کام آسان ہوجاتے ہیں اور وہ غلط ہوں تو سارے اسباب و سامان بھی بیکار ہوکر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کی سلطنتوں اور حکومتوں میں جتنی خرابیاں مشاہدہ میں آئی ہیں غور کریں تو ان سب کا اصلی سبب امیر ریاست کے اعوان و انصار اور وزراء و امراء کی خرابی۔ بے عملی یا بدعملی یا عدم صلاحیت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی حکومت یا امارت سپرد فرماتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اچھے کام کرے۔ حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دے دیتے ہیں جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ اگر یہ کسی ضروری کام کو بھول جائے تو وزیر یاد دلا دیتا ہے اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے (نسائی) اپنی اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر طلب فرمایا اس کے ساتھ ایک قید من اھلی کی بھی لگادی کہ یہ وزیر میرے خاندان اور اقارب میں سے ہو کیونکہ اپنے خاندان کے آدمی کے عادات و اخلاق دیکھے بھالے اور طبائع میں باہم الفت و مناسبت ہوتی ہے جس سے اس کام میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کو کام کی صلاحیت میں دوسروں سے فائق دیکھ کر لیا گیا ہو۔ محض اقربا پروری کا داعیہ نہ ہو۔ اس زمانہ میں چونکہ عام طور پر دیانت و اخلاص مفقود اور اصل کام کی فکر غائب نظر آتی ہے اس لئے کسی امیر کے ساتھ اس کے خویش وعزیز وزیر یا نائب بنانے کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور جہاں دیانت داری پر بھروسہ پورا ہو تو کسی صالح واصلح خویش وعزیز کو کوئی عہدہ سپرد کردینا کوئی عیب نہیں۔ بلکہ مہمات امور کی تکمیل کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدینؓ عموماً وہی حضرات ہوئے جو بیت نبوت کے ساتھ ساتھ رشتہ داریوں کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۸۷)

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست اور دعاؤں کا جو جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى

ارشاد ہوا کہ تمہاری درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ۔ اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں۔ جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتائی

اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

جو الہام سے بتلانے کی تھی۔ یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھو پھر اُن کو دریا میں ڈال دو پھر ان کو دریا کنارے تک لے آوے گا کہ ان کو ایک شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن

يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿٣٩﴾ اِذْ تَمْشِىْٓ

ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اُوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈالدیا، اور تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ جبکہ تمہاری

اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ

بہن چلتی ہوئی آئیں پھر کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کی پرورش کرے پھر ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اُن کو غم نہ رہے،

قَالَ اللہ نے فرمایا	قَدْ اُوْتِيْتَ تحقیق تجھے دیدیا گیا	سُؤْلَكَ جو تو نے مانگا	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	وَلَقَدْ مَنَنَّا اور تحقیق ہم نے احسان کیا			
عَلَيْكَ تجھ پر	مَرَّةً ایک بار	اُخْرٰى اور بھی	اِذْ جب	اَوْحَيْنَآ ہم نے الہام کیا	اِلٰى طرف	اُمِّكَ تیری والدہ	مَا يُوْحٰى جو الہام کرنا تھا
اَنِ اقْذِفِيْهِ کہ تو اسے ڈال	فِى التَّابُوْتِ صندوق میں	فَاقْذِفِيْهِ پھر اسے ڈالدے	فِى الْيَمِّ دریا میں	فَلْيُلْقِهِ پھر اُسے ڈالدے گا			
الْيَمُّ دریا	بِالسَّاحِلِ ساحل	يَاْخُذْهُ اسے لے لے گا	عَدُوٌّ لِّىْ میرا دشمن	وَعَدُوٌّ لَّهٗ اور اس کا دشمن	وَاَلْقَيْتُ اور میں نے ڈالدی		
عَلَيْكَ تجھ پر	مَحَبَّةً محبت	مِّنِّىْ اپنی طرف سے	وَلِتُصْنَعَ تا کہ تو پرورش پائے	عَلٰى عَيْنِىْ میری آنکھوں پر	اِذْ جب	تَمْشِىْٓ جا رہی تھی	
اُخْتُكَ تیری بہن	فَتَقُوْلُ تو وہ کہہ رہی تھی	هَلْ اَدُلُّكُمْ کیا میں تمہیں بتاؤں	عَلٰى پر	مَنْ جو	يَّكْفُلُهٗ اس کی پرورش کرے		
فَرَجَعْنٰكَ پس ہم نے تجھے لوٹا دیا	اِلٰى طرف	اُمِّكَ تیری ماں	كَىْ تَقَرَّ تا کہ ٹھنڈی ہو	عَيْنُهَا اس کی آنکھ	وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غم نہ کرے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست و دعاؤں کا ذکر تھا کہ جو منصب رسالت عطا ہونے اور فرعون کے پاس بغرض تبلیغ جانے کا حکم ملنے پر آپ نے دربار خداوندی میں پیش کی تھیں جس میں کئی باتیں عرض کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میرا حوصلہ اور زیادہ فراخ کر دیا جائے دوسرے یہ کہ تبلیغ کا کام میرے لئے آسان کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ میری زبان کی گرہ کھول دی جائے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں چوتھے یہ کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرا تبلیغ میں شریک کار بنا دیجئے یعنی ان کو بھی نبوت عطا کر کے مامور بالتبلیغ فرما دیا جائے۔ اب حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کا جو جواب مرحمت فرمایا گیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ جو کچھ تم نے درخواست کی وہ منظور کی گئی اور جو کچھ تم نے مانگا وہ سب دیا گیا اور ہم تو پہلے بھی بے مانگے تم پر بڑے احسانات کر چکے ہیں اب جب تم مناسب درخواست کر رہے ہو تو کیوں نہ دیں گے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلاتے ہیں جو پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک حق تعالیٰ نے ان پر کئے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل بیسویں پارہ سورۂ قصص میں

بیان ہوئی ہے یہاں صرف اشارات کئے گئے ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے فرعون بادشاہ مصر نے نجومیوں کے کہنے سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھ کو اور تیری سلطنت کو غارت کرے گا حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسے قتل کردیا جائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں آرام سے لٹا کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ اس دریا کی ایک شاخ خاص فرعون کے محل میں سے گزرتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح کیا اور صندوق دریا میں ڈال دیا۔ صندوق بہہ کر فرعون کے محل کے نیچے جا پہنچا۔ وہاں وہ صندوق پکڑ کر کھولا گیا تو ایک حسین وجمیل بچہ موجود تھا۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی۔ فرعون کی بیوی نے بچہ اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آ گئی گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا مگر اپنی بیوی کی خاطر اور اصرار سے بیٹوں کی طرح پرورش کا حکم دے دیا اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور رہا کہ دشمن کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا انتظام فرمایا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صندوق دریا میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا جانوروں نے کھالیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو انہوں نے کہا کہ تو خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی دودھ پلانے والی انائیں بلائی گئیں مگر کامیابی نہ ہوئی حضرت موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھیں اور اجنبی بن کر وہاں پہنچیں اور بولیں کہ میں ایک عورت کو لا سکتی ہوں۔ امید ہے کہ وہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یعنی اپنی ہی والدہ کو لے کر پہنچیں۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کردیا۔ فرعون کے محل میں بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں کہ بچے نے ایک اَنا کا دودھ تو پیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ پرورش ہوتی رہی۔ ان آیات میں اجمال کے ساتھ انہیں واقعات کا اظہار کیا گیا ہے۔

یہ احسانات جو ان آیات میں یاد دلائے گئے وہ تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بوقت پیدائش اور بچپن میں فرمائے گئے اور پھر جوانی میں اور اس کے بعد کیا احسانات فرمائے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ اپنے بندوں کی درخواست اور دعائیں سننے والے ہیں۔ ہماری دعاؤں کو بھی شرف قبولیت بخشیں اور ہماری درخواستوں کو منظور فرمائیں۔ یا اللہ آپ اپنی قدرت سے دشمن سے دوست کا کام لے لیتے ہیں یا اللہ! اپنی رحمت سے ہمارے تمام دین دنیا کے کاموں کو درست و دراست فرمادیں اور جس میں ہماری صلاح و فلاح ہو وہ صورتیں غیب سے ظاہر فرمادیں وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۣ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ

اور تم نے ایک شخص کو جان سے مار ڈالا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا، پھر مدین والوں میں کئی برس رہے

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝۴۰ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝۴۱ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ

پھر ایک خاص وقت پر تم آئے اے موسیٰ۔ اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا۔ تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝۴۲ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۴۳ ښ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝۴۴

اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چکا ہے۔ پھر اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جاوے۔

وَقَتَلْتَ اور وہ غم نہ کرے	نَفْسًا ایک شخص	فَنَجَّيْنٰكَ تو ہم نے تجھے نجات دی	مِنَ الْغَمِّ غم سے	وَفَتَنّٰكَ اور تجھے آزمایا	فُتُوْنًا کئی آزمائش			
فَلَبِثْتَ پھر تو ٹھہرا رہا	سِنِيْنَ کئی سال	فِيْ میں	اَهْلِ مَدْيَنَ مدین والے	ثُمَّ پھر	جِئْتَ تو آیا	عَلٰى قَدَرٍ وقت مقرر پر		
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	وَاصْطَنَعْتُكَ اور میں نے تجھے بنایا	لِنَفْسِيْ خاص اپنے لئے	اِذْهَبْ تو جا	اَنْتَ تو	وَاَخُوْكَ اور تیرا بھائی			
بِاٰيٰتِيْ میری نشانیوں کے ساتھ	وَلَا تَنِيَا اور سستی نہ کرنا	فِيْ ذِكْرِيْ میری یاد میں	اِذْهَبَا تم دونوں جاؤ	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون			
اِنَّهٗ بیشک وہ	طَغٰى سرکش ہوگیا	فَقُوْلَا تم کہو	لَهٗ اس کو	قَوْلًا لَّيِّنًا نرم بات	لَعَلَّهٗ شاید	يَتَذَكَّرُ نصیحت پکڑے	اَوْ یا	يَخْشٰى وہ ڈر جائے

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو احسانات حق تعالیٰ نے بچپن میں فرمائے تھے ان کا ذکر ہوا تھا اور حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم تو اس سے پہلے بھی تم پر احسان کر چکے ہیں جب تم کو شعور بھی نہ تھا۔ ہم نے تم کو فرعون کی گرفت سے بچانے کے لئے تمہاری والدہ کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ تم کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا جائے۔ اور وہ صندوق بہتے بہتے فرعون کے محل کے کنارے آ لگا اور فرعون جو میرا اور تمہارا دونوں کا دشمن تھا اس نے صندوق کو پکڑ لیا اور چونکہ ہم نے تم پر محبت کا اثر ڈال دیا تھا اس لئے جو تم کو دیکھتا تھا پیار کرتا تھا بالآخر تمہاری والدہ کو تمہارے پاس پہنچا دیا۔ تو یہ متعدد احسانات تھے جو بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرمائے گئے تھے۔

اب آگے ان آیات میں جوان ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر جو احسانات فرمائے گئے تھے وہ ذکر فرمائے گئے ہیں چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ بڑے ہونے کے بعد تم پر یہ احسان کیا کہ تم سے لاعلمی میں ایک فرعونی مصری جان سے مارا گیا تھا اور اس سے تم کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ پکڑا گیا تو سزا ملے گی اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا۔ دونوں قسم کی پریشانی سے ہم نے تم کو نجات دی۔ اخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی جو قبول ہوگئی اور دنیوی پکڑ سے اس طرح کہ مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا اور مدین پہنچنے تک تم کو جو مشقتیں اور سختیاں جھیلنا پڑیں پھر ان سے خلاصی دی۔ مدین پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہوگئی تھی۔ اور دس سال وہاں رہ کر پھر مدین سے مصر کی طرف چلے تو راستہ بھولے اور پھر تقدیر سے وادیٔ طویٰ میں پہنچے تو منصب نبوت عطا کیا گیا اور اپنی وحی و رسالت کے لئے تیار کر کے اپنے خواص و مقربین میں داخل کیا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلائے جو پیدائش کے وقت سے لے کر اس وقت تک یعنی منصب نبوت ملنے تک ان پر فرمائے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل سورۂ قصص میں بیان فرمائی گئی ہے یہاں صرف اشارات کئے گئے ہیں جن سے مقصود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس دلانا ہے کہ جس کام کے لئے تمہیں تیار کیا گیا تھا اب اس کا وقت آ گیا ہے چنانچہ آگے ارشاد ہے کہ تم اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر اس کام کے لئے نکل کھڑے ہو اور جو دلائل و معجزات تم کو دیئے گئے ہیں ضرورت کے وقت ان کو ظاہر کرو۔ آگے مزید ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ اللہ کے نام کی تبلیغ میں مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال و واقعات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ کے وقت خصوصاً اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے اور سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ اخیر میں یہ ہدایت دی گئی کہ دعوت و تبلیغ وعظ و نصیحت کے وقت اس کو آہستگی اور نرمی سے سمجھانا۔ متکبر اور مغرور لوگ سختی سے قابو میں نہیں آتے ہاں نرم گفتگو اور سلیقہ کے ساتھ سمجھانے سے ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھے یا کچھ اللہ عزوجل کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ گفتگو نرمی سے کرنے کی جو ہدایت دی گئی اس کے متعلق بعض محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا سبق موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ فرعون کے طغیان و تمرد کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس پر بھی حضرت موسیٰؑ جیسے مقبول و برگزیدہ نبی کو حکم اسی کا ملتا ہے کہ اس سے لطف و ملائمت ہی سے پیش آئیں۔

مفسرین نے یہاں ایک شبہ نقل کیا ہے اور پھر اس کا جواب بھی دیا ہے۔ شبہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کا کیوں حکم دیا اور کیوں نرم گفتگو کرنے کی ہدایت فرمائی اور یہ کہنا کہ تم دونوں جا کر اس سے نرم کلامی کرو شاید وہ نصیحت قبول کر لے اور ڈر کر فرمانبردار بن جائے کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تو بیشک ہر شخص کی حالت کا علم پہلے سے ہوتا ہے مگر وعظ و نصیحت اور ارشاد و ہدایت کا حکم محض اتمام حجت اور دفع عذر کے لئے دیا جاتا ہے۔ انبیاء کو مبعوث فرمانا۔ کتابیں نازل کرنا اور تبلیغ کی ہدایت کرنا ان سب کا مقصد ادائے فرض ہوتا ہے۔ جن کے نصیب میں ازلی سعادت ہوتی ہے وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں اور جو ازلاً محروم ہوتے ہیں ان کو کوئی ہدایت فائدہ نہیں پہنچاتی رہا لفظ لعل کا استعمال یعنی شاید وہ نصیحت قبول کر لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں فرض تبلیغ ادا کرو اور یہ امید رکھتے ہوئے ادا کرو کہ فرعون شاید راہ راست پر آ جائے تو لعل یعنی شاید کا لفظ باعتبار حضرت موسیٰ و ہارون کے فرمایا نہ باعتبار علم الٰہی کے۔ اسی لئے گو حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فرعون ماننے والا نہیں ہے لیکن یہ موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اگر اس امر کو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر کر دیا جاتا تو طبعی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی ہمت پست ہو جاتی اور وہ ایسی طرح تبلیغ نہ کر سکتے جس طرح سے کوئی ہدایت کی توقع کی حالت میں کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا صریح حکم مل چکا اور آپ کو فرعون کی ستم شعاری اور جباری معلوم تھی تو مزید اللہ تعالیٰ سے امداد کی درخواست و دعا کی جس پر حق تعالیٰ نے تسلی اور حفاظت اور نصرت کا وعدہ فرمایا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ آپ اپنے مخلصین و مقبولین کے ساتھ جو رحمت اور احسان کا معاملہ فرماتے ہیں اسی رحمت و احسان سے ہم کو بھی نواز دے۔ اور اپنی نصرت و تائید کو ہر حال میں ہر آن میں ہمارے شامل حال فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَا رَبَّنَآ إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَآ أَوْ أَن يَطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ إِنَّنِىْ مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى ﴿۴۶﴾ فَأْتِيٰهُ

دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔ ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں۔

فَقُوْلَآ إِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ إِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۖ

سو تم اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو تکلیف مت پہنچا، ہم تیرے پاس تیرے رب کی

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ إِنَّا قَدْ أُوْحِىَ إِلَيْنَآ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

طرف سے نشان لائے ہیں، اور ایسے شخص کیلئے سلامتی ہے جو راہ پر چلے۔ ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ عذاب اُس شخص پر ہوگا جو جھٹلادے اور رُوگردانی کرے۔

قَالَا دونوں بولے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	إِنَّنَا نَخَافُ بیشک ہم ڈرتے ہیں	أَنْ يَّفْرُطَ کہ وہ زیادتی کرے	عَلَيْنَا ہم پر	أَوْ یا
أَنْ يَّطْغٰى وہ حد سے بڑھے	قَالَ اس نے فرمایا	لَا تَخَافَا تم ڈرو نہیں	إِنَّنِىْ بیشک میں	مَعَكُمَا تمہارے ساتھ ہوں	أَسْمَعُ میں سنتا ہوں
وَأَرٰى اور میں دیکھتا ہوں	فَأْتِيٰهُ پس جاؤ اسکے پاس	فَقُوْلَا اور تم کہو	إِنَّا رَسُوْلَا بیشک ہم دونوں بھیجے ہوئے	رَبِّكَ تیرا رب	فَأَرْسِلْ پس بھیج دے
مَعَنَا ہمارے ساتھ	بَنِىْٓ إِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ اور انہیں سزا نہ دے	قَدْ جِئْنٰكَ ہم تیرے پاس آئے ہیں	بِاٰيَةٍ نشانی کیساتھ	
مِنْ سے	رَبِّكَ تیرا رب	وَالسَّلٰمُ اور سلام	عَلٰى پر	مَنِ جو	اتَّبَعَ اس نے پیروی کی	الْهُدٰى ہدایت	إِنَّا بیشک
قَدْ أُوْحِىَ وحی کی گئی	إِلَيْنَا ہماری طرف	أَنَّ کہ	الْعَذَابَ عذاب	عَلٰى پر	مَنْ كَذَّبَ جس نے جھٹلایا	وَتَوَلّٰى اور منہ پھیرا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنے بھائی کے ساتھ فرعون کے پاس تبلیغ اور دعوت حق کے لئے جاؤ اور اس سے گفتگو نرمی اور ملائمت سے کرو اور یہ خیال کر کے تبلیغ کرو کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کرے یا اللہ کے جلال وغضب سے ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی حالت۔ اس کا ظلم وزیادتی اور ستم شعاری اور جباری معلوم تھی اس لئے اپنی بے سروسامانی اور اس کے دبدبہ وشوکت پر نظر کرتے ہوئے اندیشہ کیا کہ فرعون ہماری بات سننے کے لئے آمادہ بھی ہوگا یا نہیں۔ ممکن ہے کہ ہماری بات سننے سے پہلے ہی بھبک پڑے یا سننے کے بعد غصہ میں بھر جائے اور ایسا نہ ہو کہ ہم کو مار ڈالے یا کوئی ناقابل برداشت ایذا و تکلیف پہنچائے جس سے تبلیغ ہی رہ جائے یا یہ کہ عین تبلیغ کے وقت اپنے کفر میں وہ اور زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی کی طرف سے اس اندیشہ کا اظہار کیا جس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوا کہ اس سے مطلق اندیشہ نہ کرو جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا اور دیکھتا ہوں۔ میں اس وقت تم سے جدا نہیں میری حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں تمہاری حفاظت کروں گا اور اس کو مرعوب کردوں گا جس سے پوری تبلیغ کرسکو گے اس لئے تم بے خوف وخطر اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں کہ ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے اس لئے تو ہماری اطاعت کر عقیدہ میں بھی کہ توحید کی تصدیق کر اور اخلاق وغیرہ میں بھی کہ ظلم وغیرہ سے باز آ اور بنی اسرائیل کو جن پر تو ناحق ظلم کرتا ہے اپنے پنجہ ظلم سے رہا کر کے ہمارے ساتھ جانے دے۔ جہاں چاہیں آزادی کے ساتھ رہیں اور فرعون سے یوں بھی کہنا کہ ہم جو دعویٰ نبوت کرتے ہیں تو بے دلیل نہیں بلکہ اپنی صداقت پر خدائی نشان لے کر آئے ہیں۔ یعنی معجزۂ عصا و ید بیضا اور اس کو بتلادو کہ جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں سلامتی ہے اور جو تکذیب یا اعراض کرے گا اس کے لئے عذاب یقینی ہے خواہ صرف

آخرت میں یا دنیا میں بھی غرض یہ سارا مضمون اس سے جا کر کہو۔

اب آگے فرعون کے دربار تک حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پہنچنے کے حالات یہاں بیان نہیں ہوئے جس کو مفسرین نے اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز ہو کر۔ کلام ربانی سے فیضیاب بن کر اور دعوت و تبلیغ حق میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ پا کر وادی مقدس سے واپس آئے تو تعمیل حکم الٰہی کے لئے مصر گھر والوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مصر پہنچے تو رات کا وقت تھا خاموشی کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل میں یہ بڑا مہمان نواز گھر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر مدارت کی گئی۔ اسی دوران میں آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آپہنچے حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا ہو چکا تھا اس لئے ان کو بذریعۂ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بتادیا گیا تھا وہ بھائی سے آکر لپٹ گئے اور پھر ان کے اہل و عیال کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور اپنی والدہ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔ بہر حال حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان جب ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اب دونوں نے طے کیا کہ خدائے تعالیٰ کے امتثال حکم کے لئے فرعون کے پاس چلنا اور اس کو پیغام الٰہی سنانا چاہئے۔ لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت و تاج بھی ہے اور ظالم اور مغرور بھی۔ وہاں نہ جاؤ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا اور اس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے اور وہ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ غرض کہ دونوں بھائی اور خدا کے سچے پیغمبر اور نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف و خطر اندر داخل ہو گئے جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور انہوں نے فرمایا۔ ہم کو خدا نے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر تیرے پاس بھیجا ہے ہم تجھ سے دو اہم باتیں چاہتے ہیں ایک یہ کہ خدا پر یقین لا اور کسی کو اس کا شریک و ساجھی نہ بنا دوسرے یہ کہ ظلم سے باز آ اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دے ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یقین رکھ کہ یہ بناوٹ اور تصنع نہیں ہے اور نہ ہم کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذمہ غلط باتیں لگائیں۔ ہماری صداقت کے لئے خدا تعالیٰ نے ہم کو اپنی دو زبردست نشانیاں یعنی معجزات بھی عطا فرمائے ہیں لہٰذا تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ صداقت اور حق کے اس پیغام کو قبول کر اور بنی اسرائیل کو چھٹکارا دے کر ہمارے ساتھ کر دے تا کہ ہم پیغمبروں کی اس سرزمین میں انہیں لے جائیں جہاں بجز ذات واحد کے یہ کسی اور کی پرستش نہ کریں۔ فرعون نے جب یہ سنا تو جیسا کہ سورۂ شعراء ۱۹ ویں پارہ میں آیا ہے کہنے لگا کہ اے موسیٰ آج تو پیغمبر بن کر میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا جب تو نے میرے ہی گھر میں پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گزاری اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا اور یہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ صحیح ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا اور مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلطی کی بنا پر مجھ سے نادانستہ ایک شخص قتل ہو گیا اور میں اس خوف سے چلا گیا تھا لیکن یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام بیکسانہ مجبوریوں کی حالت میں تیرے ہی گھرانے میں میری پرورش کرائی اور پھر مجھ کو اپنی سب سے بڑی نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔ کیا یہ طریقہ عدل و انصاف کا طریقہ ہوگا کہ مجھ ایک اسرائیلی کی پرورش کا بدلہ یہ ٹھہرے کہ بنی اسرائیل کی تمام قوم کو تو غلام بنائے رکھے۔ فرعون جب اس خاموش کن دلیل پر لاجواب ہوا تو اس نے گفتگو کا پہلو بدل دیا اور کہنے لگا موسیٰ یہ نئی بات تو کیا سناتا ہے کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس کی حقیقت بیان کرو۔ اس سورۃ میں اب اگلی آیات میں یہیں سے مضمون شروع ہوا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ

وہ کہنے لگا تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ ۔موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی۔فرعون نے کہا کہ اچھا

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾

تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔موسیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے،میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

قَالَ اس نے کہا	فَمَنْ پس کون	رَبُّكُمَا تمہارا رب	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	رَبُّنَا ہمارا رب	الَّذِيْٓ جس نے	اَعْطٰى عطا کی
كُلَّ شَيْءٍ ہر چیز	خَلْقَهٗ اس کی شکل وصورت	ثُمَّ پھر	هَدٰى رہنمائی کی	قَالَ اس نے کہا	فَمَا پھر کیا	بَالُ حال	الْقُرُوْنِ جماعتیں
الْاُوْلٰى پہلی	قَالَ اس نے کہا	عِلْمُهَا اس کا علم	عِنْدَ پاس	رَبِّيْ میرا رب	فِيْ كِتٰبٍ کتاب میں	لَا يَضِلُّ وہ نہ غلطی کرتا ہے	رَبِّيْ میرا رب
		وَ اور	لَا يَنْسَى نہ وہ بھولتا ہے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس پہنچنے تک کا ذکر ہو چکا تھا فرعون کے پاس پہنچ کر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے جو دعوت حق پیش کی اس کا بیان بھی اوپر آ چکا۔نیز فرعون نے اپنی مغرورانہ سرشت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغمبر خدا ہونے کا استخفاف کیا اور مذاق وتحقیر کرتے ہوئے اپنے گھرانے کے احسانات جتائے اور مصری کے قتل والا معاملہ یاد دلا کر خوفزدہ کرنے کی سعی کی مگر موسیٰ علیہ السلام چونکہ ان سب مراحل کے متعلق خدائے برحق سے ہر قسم کا اطمینان حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ پر مطلق نہ خوف کا اثر ہوا اور نہ آپ کو غصہ آیا اور نہایت جرأت سے فرعون کی ربوبیت کا انکار اور اللہ کی ربوبیت کا اعلان کیا۔اس پر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ کے لئے تیار ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے جس کو تم رب العالمین کہتے ہو؟ اگر یہ صحیح ہے تو تمہارا رب کون ہے؟ اور کیسا ہے جس کا بھیجا ہوا تم اپنے کو بتلاتے ہو۔لکھا ہے کہ فرون دھری عقیدہ کا تھا۔منکر خدا تھا۔اور سمجھتا تھا کہ یہ کارخانۂ عالم خودرو کارخانہ ہے۔قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اس طرح چلتا رہے گا لوگ خود بخود پیدا ہوئے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔سارے عالم کو وہ خودرو گھاس کی طرح جانتا تھا اور اس کا گمان یہ تھا کہ جو شخص جس خطۂ زمین کا فرمانروا ہو گیا وہی اس کا رب ہے اس لئے ازراہ تکبر اپنی خدائی اور ربوبیت کا مدعی تھا۔اسی لئے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ میں اپنے سوا اور کوئی رب نہیں جانتا۔ پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو پیغامبر اور رسول بتاتے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا بے نظیر اور جامع جواب ایک مختصر جملے میں دیا اور فرمایا ربنا الذی اعطی کل شئی خلقه ثم هدی۔ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کے مناسب وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی جو اس کے لائق اور مناسب تھی اور پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شے کو اس کے اسباب بقا کی طرف رہنمائی کی تو غور کیجئے کہ ہر چیز پیدا ہوتے ہی اپنی بقاء کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے۔انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈنے لگتا ہے پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آ جاتا ہے۔یہ ہوش کہاں سے آیا اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتدائے پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ

جنگل کی کونسی گھاس پات اور کس درخت کے پتے میرے لئے مفید ہیں اور کون سے مضر اور نقصان دہ ہیں مفید کو کھاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے۔ اسی طرح مچھلی کو تیرنا۔ چڑیا کو اڑنا۔ درخت کو پھل پھول دینا اور زمین کو نباتات اگانے کی ہدایت اسی خالق نے بخشی۔ غرض کہ اس مختصر سے جملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ خداوہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے نفع نقصان کا القا اور الہام کرے۔ تو یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف یہی نہیں بتایا کہ ان کا رب کون ہے بلکہ یہ بھی بتادیا کہ وہ کیوں رب ہے اور اس کے سوا کسی اور کو رب نہیں مانا جاسکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب فرعون سن کر ایسا حیران ششدر اور مبہوت رہ گیا کہ اس کی تردید میں کچھ بول ہی نہ سکا۔ ایسا بلیغ کلام اس نے کبھی نہیں سنا تھا اس لئے طرز سخن بدل کر دوسرا سوال کیا کہ اچھا بتاؤ گذشتہ اقوام کا کیا حال ہوگا؟ یعنی جب تمہارے قول کے مطابق الوہیت اور ربوبیت کا مرکز ایک ہی غیبی ہستی ہے اور نجات وسعادت کے لئے تم توحید کو ضروری بتلاتے ہو تو ہمارے باپ دادا اور گذشتہ قومیں جو صدہا برس سے نسل در نسل تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے اور حشر ونشر و جزا وسزا کے منکر تھے تو کیا وہ سب کے سب بیوقوف وجاہل تھے؟ کیا کل کے کل گمراہ و بے دین تھے؟ اس سوال سے فرعون کا مطلب ایک یہ بھی تھا کہ کروڑوں افراد واشخاص جو اب تک گزر چکے ہیں ان کے عقائد و اعمال کا احاطہ کیونکر ممکن ہے۔ سزا و جزا۔ عذاب وثواب تو اسی وقت ممکن ہے جب عقائد واعمال کا علم اور احاطہ ممکن ہو۔ کروڑوں انسانوں کے لامحدود حرکات وسکنات اور اقوال و اعمال کا احاطہ ناممکن ہے پھر کس طرح ان کو سزا و جزا دی جاسکتی ہے اور کیونکر تم تکذیب کرنے والے کو مستحق عذاب اور ہدایت قبول کرنے والے کو مستوجب سلامتی ونجات کہتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا نہایت حکیمانہ جواب دیا اور فرمایا گذشتہ اقوام کا علم میرے رب ہی کو ہے۔ اس نے اپنے دفتر میں سب کچھ مندرج کر رکھا ہے ان کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک بات کا پورا ریکارڈ اللہ کے پاس محفوظ ہے اس کے علم میں غلطی اور نسیان ناممکن ہے۔ نہ خدا کی نگاہ سے کوئی چیز بچ رہ گئی ہے اور نہ اس کے حافظہ اور علم سے کوئی شے محو ہوئی ہے۔ ان سب کے اعمال نامے اللہ کے پاس موجود ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا وسزا دے گا اور اس میں کوئی غلطی ممکن نہیں کیونکہ غلطی کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو معاذ اللہ اللہ کو ان کا صحیح علم نہ ہو یا خدا بھول جائے تو یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ میرا رب بھول چوک اور غلطی سے پاک ومنزہ ہے تو جب یہ دونوں چیزیں ذات الٰہی میں ممکن نہیں اور اس کا علم سب کو محیط ہے تو پھر سزا و جزا کچھ دشوار نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوابات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ کی خلاقی۔ ربوبیت اور عالم کل ہونے کو ثابت فرما کر اس کی الوہیت ویکتائی پر استدلال فرمایا اور عالم آخرت میں جزا وسزا کے عقیدہ کی صداقت کا اظہار فرمایا۔ یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کی تقریر ہوچکی آگے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی شان ربوبیت کی کچھ تفصیل خود بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے ان جوابات میں تھا جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرمایا کہ جو اس کی ربوبیت والوہیت کے مقر ہیں۔ اے اللہ ہم کو اس توحید پر قائم رکھ اور اسی پر موت نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے عقیدۂ عالم آخرت کو ایسا مضبوط بنادے کہ ہم ہر حال میں آخرت کی جزا وسزا کو پیش نظر رکھیں اور ہر طرح کی نافرمانی سے رک جائیں۔ اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگ جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا

وہ ایسا ہے جس نے تم لوگوں کیلئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے واسطے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے

بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝۵۳ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝۵۴

اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا۔ خود (بھی) کھاؤ اور اپنے مواشی کو (بھی) چراؤ۔ ان سب چیزوں میں اہل عقل کے واسطے (قدرت الٰہیہ کی) نشانیاں ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝۵۵ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو لے جائیں گے اور پھر دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکالیں گے۔ اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں

كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝۵۶

سو وہ جھٹلایا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا۔

الَّذِيْ وہ جس نے	جَعَلَ بنایا	لَكُمُ تمہارے	الْاَرْضَ زمین	مَهْدًا بچھونا	وَسَلَكَ اور چلائیں	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں
سُبُلًا راہیں	وَاَنْزَلَ اور اتارا	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	مَآءً پانی	فَاَخْرَجْنَا پھر ہم نے نکالے	بِهٖ اس سے	اَزْوَاجًا جوڑے
مِنْ سے	نَبَاتٍ سبزی	شَتّٰى مختلف	كُلُوْا تم کھاؤ	وَارْعَوْا اور چراؤ	اَنْعَامَكُمْ اپنے مویشی	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں
لَاٰيٰتٍ نشانیاں	لِّاُولِي النُّهٰى عقل والوں کیلئے	مِنْهَا اس سے	خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	وَفِيْهَا اور اس میں			
نُعِيْدُكُمْ ہم لوٹادیں گے تمہیں	وَمِنْهَا اور اس سے	نُخْرِجُكُمْ ہم نکالیں گے تمہیں	تَارَةً اُخْرٰى دوسری بار	وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دکھائیں			
	اٰيٰتِنَا اپنی نشانیاں	كُلَّهَا تمام	فَكَذَّبَ تو اس نے جھٹلایا	وَاَبٰى اور انکار کیا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ جواب نقل فرمائے گئے تھے جو آپ نے فرعون کے دو سوالات کے جواب میں دیئے تھے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرارت سے یا جہالت سے ایک سوال یہ کیا تھا کہ تم دونوں کا رب کون ہے جس کا تم اپنے آپ کو پیغمبر بتلاتے ہو اور دوسرا سوال یہ کیا تھا کہ جو نسلیں اور قومیں گذشتہ میں گزر چکیں اور جو توحید کو نہیں مانتی تھیں تو ان کا اس نہ ماننے کی بنا پر کیا حال ہوا؟ ان دونوں سوالات کے جو حکیمانہ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دیئے تھے وہ گذشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمہ کو روک کر حق تعالیٰ اپنی شان الوہیت وربوبیت کی کچھ تفصیل خود بیان فرماتے ہیں جن کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں آیا تھا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے بعد یہ آیات بطور شرح و تذکیر ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ اور ان آیات کے بعد پھر وہی مناظرانہ مکالمہ مابین فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور اس طرح کی مثالیں قرآن پاک میں متعدد جگہ موجود ہیں۔ الغرض گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کر کے اب حق تعالیٰ بطور جملہ معترضہ کے براہ راست نوع انسانی سے خطاب فرماتے ہیں کہ تمہارا رب وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو مثل فرش کے بنایا کہ تم اس پر آرام کرسکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو۔ اور زمین عجب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند سخت ہے اور نہ روئی اور گارے کی طرح نرم

ہے۔ پھر اسی رب نے تمہارے چلنے کے لئے اس زمین میں راستے بنا دیئے۔ زمین پر میدانوں۔ وادیوں۔ پہاڑوں کے بیچ میں سے راستے نکال دیئے جن پر چل کر تم ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچ سکتے ہو پھر اسی رب نے آسمان سے پانی برسایا تا کہ تم اس سے زندہ رہ سکو اور اسی پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کے غلے میوے۔ سبزیاں۔ پھل پھول پیدا کئے جن سے تم عمدہ غذائیں کھاتے ہو اور باوجودیکہ زمین ایک ہے۔ پانی ایک ہے۔ ہوا اور روشنی ایک ہے مگر ہر ایک نباتات کا مزہ۔ رنگ اور بو مختلف ہے۔ پھر جو اشیاء تمہارے کام کی نہیں وہ اپنے مویشیوں کو کھلاتے ہو اس طرح تمہاری اور تمہارے مویشیوں کی حیات اور زندگی کا سامان ہوا۔ آگے دہریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے فرمایا کہ اس رب کی قدرت اور شان ربوبیت کی یہ سب نشانیاں ہیں۔ اگر عقل ہے تو سمجھ لو گے کہ یہ مضبوط اور محکم انتظامات یونہی محض اتفاق سے قائم نہیں ہو سکتے۔ یہ قدرت الٰہیہ کے نشانات تم کو بتا دیں گے کہ اس کائنات کا رب ایک ہی رب ہے اور ربوبیت ساری کی ساری اسی کی ہے۔ گویا یہاں وجود باری تعالیٰ اور توحید کی طرف توجہ دلائی گئی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے انسانو اسی زمین سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے یعنی تمہاری ابتدا اسی سے ہے اس لئے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی پیدائش اسی زمین کی مٹی سے ہوئی۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی ہی سے نکلتی ہیں اور پھر مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو بھی جلد یا بدیر اسی مٹی میں مل جانا ہے۔ اور قیامت کے دن دوبارہ پھر اسی زمین سے تم کو حساب کتاب کے لئے نکالا جائے گا۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے دفن کے بعد ان کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے پہلی بار فرمایا **منھا خلقنکم** دوسری لپ ڈالتے ہوئے فرمایا **وفیھا نعیدکم** تیسری بار مٹی ڈالتے ہوئے فرمایا **ومنھا نخرجکم تارۃ اخری**۔ اسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و تعلیم میں مسلمان اپنی میت کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے یہی کلمات قرآنی پڑھتے ہیں۔ ان آیات کے اخیر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرعون کو اپنی جو نشانیاں دکھلانا منظور تھیں سب دکھلا دیں۔ مثلاً عصا اور ید بیضا کے معجزات وغیرہ اور جن کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کسی عذر کی اس کے لئے گنجائش باقی نہ رہی مگر پھر بھی وہ بدبخت نہ مانا اور انکار و تکذیب ہی پر اڑا رہا۔

بیچ میں یہ حق تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ آیا تھا۔ اب آگے پھر وہی مضمون یعنی فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی شان ربوبیت والوہیت کی معرفت کاملہ ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہر حال میں ہم کو حق سے وابستہ رہنے اور باطل سے علیحدہ رہنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ روئے زمین پر اس وقت جہاں جہاں حق و باطل میں مقابلہ اور معرکہ آرائی ہے یا اللہ اپنی قدرت سے حق کو غلبہ عطا فرما اور باطل کو مغلوب فرما۔ یا اللہ آپ ہی نے ہم کو زندگی عطا کی ہے آپ ہی ہم کو موت دیں گے اور آپ ہی قیامت میں ہم کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ یا اللہ ہم کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت اسلام و ایمان پر موت دیجئے اور اپنے مخلص مومن بندوں کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝۵۷ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

کہنے لگا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو سے نکال باہر کرو۔ سواب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝۵۸ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ

اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کرلو جس کو نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار میدان میں۔ موسیٰ نے فرمایا تمہارے وعدہ کا وقت

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝۶۰

وہ دن ہے جس میں میلہ ہوتا ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ غرض فرعون لوٹ گیا پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا پھر آیا۔

قَالَ اس نے کہا	اَجِئْتَنَا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس	لِتُخْرِجَنَا کہ تو نکال دے ہمیں	مِنْ اَرْضِنَا ہماری زمین سے	بِسِحْرِكَ اپنے جادو کے ذریعہ		
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	فَلَنَاْتِيَنَّكَ پس ضرور ہم تیرے مقابل لائیں گے	بِسِحْرٍ ایک جادو	مِّثْلِهٖ اس جیسا	فَاجْعَلْ پس مقرر کر	بَيْنَنَا ہمارے درمیان	
وَبَيْنَكَ اور اپنے درمیان	مَوْعِدًا ایک وعدہ	لَّا نُخْلِفُهٗ ہم اسکے خلاف نہ کریں	نَحْنُ ہم	وَلَآ اور نہ	اَنْتَ تو	مَكَانًا سُوًى ایک ہموار میدان
قَالَ اس نے کہا	مَوْعِدُكُمْ تمہارا وعدہ	يَوْمُ الزِّيْنَةِ زینت کا دن	وَاَنْ اور یہ کہ	يُّحْشَرَ جمع کیے جائیں	النَّاسُ لوگ	ضُحًى دن چڑھے
فَتَوَلّٰى پھر لوٹ گیا	فِرْعَوْنُ فرعون	فَجَمَعَ اس نے جمع	كَيْدَهٗ اپنا داؤ	ثُمَّ پھر	اَتٰى وہ آیا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں "الوہیت و ربوبیت خداوندی کا ذکر ہوا تھا اور وہ حق تعالیٰ کا ارشاد درمیان میں بطور جملہ معترضہ آیا تھا اور اخیر میں بتلایا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی فرعون کے سامنے حق تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان فرمادیئے اور اپنی نبوت و رسالت کے اثبات میں فرعون کو اپنی لاٹھی اور چمکتے ہوئے روشن ہاتھ کے معجزہ بھی دکھلائے مگر فرعون نے ان کو سحر اور جادو بتلایا اور کوئی بات مان کر نہ دی۔ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو اور مکالمہ کا ذکر پہلے بھی ہوچکا ہے جو مختلف مجالس میں ہوتی رہیں۔ فرعون حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے روشن اور پُر از صداقت دلائل سن سن کر اگرچہ پیچ وتاب کھاتا تھا مگر لاجواب ہوجانے کی وجہ سے کوئی صورت نہیں بنتی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے چھٹکارا حاصل کرے۔ وہ جانتا تھا کہ میری ربوبیت اور الوہیت کی بنیاد اتنی کمزور ہے کہ دلائل موسیٰ کی صداقت کے سامنے مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ کر تار تار ہوجاتی ہے اور اس کے درباری بھی اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے فرعون کے لئے یہ بات سخت ناقابل برداشت تھی کہ جس قلمرو میں اس کے رعب شاہی اور دبدبۂ حکومت کے ساتھ اس کی ربوبیت کا جاہ وجلال بھی مانا جاتا ہو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ جرأتِ حق اندر ہی اندر اس کو خائف اور پریشان کررہی تھی۔

سب سے پہلے اپنی قوت و جبروت اور دبدبہ وجلال سے ڈراتی ہے۔ قید وبند کے عذاب اور ہلاکت سے خوف دلاتی ہے اور اپنی گرفت سے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ جب یہ حربہ کارگر نہیں ہوتا اور حامل صداقت بغیر کسی خوف کے بے باکانہ حق وصداقت کا اعلان کرتا ہے تو دوسرے درجہ پر اہل باطل بھی دلائل و براہین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھ میں خاک جھونکتے اور

سننے والوں کے کانوں پر مکروفریب کا پردہ ڈالنے کے لئے دلائل کی روشنی میں مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی شکست کو چھپانے کے لئے پرفریب الفاظ سے حاضرین وسامعین کو اپنے مکر کے جال میں پھنسائے رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب حق کی طاقت ان کے فریب کا تار تار بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔ عقل کی روشنی میں دلائل کی حقانیت سے حق و باطل اور صحیح وغلط کو جدا جدا کر دیتی ہے اور کوئی فریب نہیں چلتا تو اہل باطل پرستاران نفس حاملین صداقت کو طرح طرح سے متہم کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ شخص انقلاب پیدا کر کے حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہر دل عزیزی پیدا کر کے شہرت وجاہ کا حصول اس کے پیش نظر ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ ساحر جادوگر اور دھوکہ باز ہے لیکن جب ارباب حق مادی مقابلہ کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں اور حق و باطل کا فرق کھل جاتا ہے اور وہ لوگ جن کی فطرت میں حق تعالیٰ نے سعادت کا نور ودیعت رکھا ہے سچائی کو دیکھ کر حقانیت کے معترف ہو جاتے ہیں اور اہل حق کی تعداد بڑھنے لگتی ہے تو قصر طاغوتی میں لرزہ پڑ جاتا ہے۔ بنیادیں ہلنے لگتی ہیں اور انجام کار اہل حق کو ڈرانے اور مغلوب کرنے کے لئے ان کے متبعین اور ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں اور جسمانی سزائیں دی جاتی ہیں۔ قتل وغارت کیا جاتا ہے۔ اور بہتیروں کو نذر شمشیر کیا جاتا ہے۔ اس وقت غیرت حق جوش میں آتی ہے اور قوت قہاری برسر عمل آ کر اہل باطل کے تمام دبدبہ وجلال کو غارت کر دیتی ہے۔ ان کے اموال و املاک خاک میں ملا دیئے جاتے ہیں۔ طاغوتی لشکر کو ہلاکت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ فرعون کی بھی ٹھیک یہی حالت ہوئی۔ شروع میں تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرا دھمکا کر مرعوب کرنا چاہا۔ پھر مناظرانہ انداز میں سوال و جواب کئے۔ جب آپ کے دلائل قاہرہ نے فرعون کو متحیر اور مبہوت کر دیا اور کوئی جواب بن نہ پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت والزام لگانے لگا اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ تم جادوگر ہو اور جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتے ہو اور اس پر قابض ہونا چاہتے ہو لہٰذا اب تمہارے جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے گا۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ جو زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لئے کہی تھی کیونکہ جب قوم کے لوگ یہ سنیں گے تو ان کے دل میں یہ بات جم جائے گی کہ اگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اپنے گھربار سے نکلنا پڑے گا۔ تو ان کی بات کو قبول نہ کریں گے اور نہ ان کے معجزوں میں غور وفکر کریں گے اور یہی سمجھیں گے کہ جو کچھ موسیٰ نے لاٹھی وغیرہ کا معجزہ دکھایا ہے وہ بھی ایک قسم کا جادو ہے۔ بالآخر فرعون اور فرعونیوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ فی الحال تو موسیٰ اور ہارون کو مہلت دو اور اس دوران میں تمام قلمرو سے ماہر جادوگروں کو دار السلطنت میں جمع کرو اور پھر ان سے موسیٰ کا مقابلہ کراؤ۔ بلاشبہ یہ شکست کھا جائے گا اور اس کے تمام ارادے خاک میں مل جائیں گے۔ اس مشورہ کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم خوب سمجھ گئے کہ تو ہم کو اس سرزمین مصر سے بے دخل کرنا چاہتا ہے لہٰذا اب تمہارا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تم کو شکست دی جائے۔ اب تمہارے اور ہمارے درمیان مقابلہ کے دن کا معاہدہ ہو جانا چاہئے اور پھر نہ اس سے ہم ٹلیں گے اور نہ تم وعدہ خلاف کرنا کھلے میدان میں سب کے سامنے ہار جیت کا فیصلہ ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے منظور ہے اور اس کام کے لئے سب سے بہتر دن یوم الزینہ یعنی تمہاری عید اور

7

جشن کا دن ہے۔ اس دن سورج بلند ہونے پر ہم سب کو میدان میں جمع ہو جانا چاہئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو اس لئے غنیمت جانا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے جو معجزات فرعون اور قوم فرعون کو دکھا چکے تھے انہوں نے ان کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ یہ تو جادو اور سحر ہے لہٰذا اب جبکہ ساحروں اور جادوگروں سے مقابلہ کے بعد بھی خدا کا معجزہ غالب رہے گا تو ناچار ان کو صداقت اور حق کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ پس اگر ان کی عید اور جشن کے روز خواص و عوام کے مجمع میں ساحر اور جادوگر عاجز ہو کر میری صداقت کا اقرار کر لیں تو پھر کسی فرعونی کو لب کشائی کا موقع نہ رہے گا اور برسر عام حق کا مظاہرہ اور تبلیغ حق کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔ اور سارے ملک میں اس کی خبر پھیل جائے گی۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غلبہ کا یقین کامل تھا اس لئے بے دھڑک یہ دن اور وقت مقابلہ کے لئے مقرر کر لیا۔ جب مقابلہ کے لئے مکان و زمان اور وقت سب طے پا گیا تو فرعون اپنے دربار سے واپس ہوا اور اپنے مکر و فریب کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور ساحروں کی ایک بڑی جمعیت کو جمع کرنا شروع کیا۔

بہر حال مقررہ دن یوم جشن آ پہنچا۔ میدان جشن میں تمام شاہانہ کروفر کے ساتھ فرعون تخت نشین ہوا۔ اور درباری وزراء و امرا بھی حسب مراتب قرینے سے بیٹھے اور لاکھوں عوام حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو جمع ہوئے۔ ایک جانب مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ اپنے ساز و سامان سحر سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول حق کے پیغمبر۔ سچائی و راستی کے پیکر حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کھڑے ہیں۔ چونکہ یہ مجمع رسول برحق کے مقابلہ میں صرف عناد کے تحت اکٹھا کیا گیا تھا اور رسول کا کام اتمام حجت اور نصیحت خلق ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو چیلنج کریں حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے فرعون کے جمع کردہ ساحروں کو خطاب فرمایا۔ اور کیا ارشاد فرمایا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ حق و باطل میں اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں مقابلہ و مقاتلہ ہو رہا ہے۔ اے اللہ اپنی قوت قہاری و جباری سے باطل کی قوتوں کو پاش پاش فرما دے۔ اور حق کو غلبہ عطا فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ

(اُس وقت) موسیٰ نے اُن (جادوگر) لوگوں سے فرمایا کہ اے کم بختی مارو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء مت کرو، کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کر دے

افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ

اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام رہتا ہے۔ پس جادوگر باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے۔ (فرعونی) کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مطلب یہ ہے

اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ

کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عمدہ طریقہ کا دفتر ہی اٹھا دیں۔ سو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کر کے (مقابلہ میں) آؤ

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ

اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو۔ پھر اُنہوں نے کہا اے موسیٰ آپ اپنا (عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔

مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا

آپ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے ڈالو پس یکایک اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے چلتی دوڑتی ہوں۔

تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾

سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔

قَالَ اس نے کہا	لَهُمْ اُن سے	مُوْسٰى موسیٰ	وَيْلَكُمْ خرابی تم پر	لَا تَفْتَرُوْا نہ گھڑو	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ		
فَيُسْحِتَكُمْ کہ وہ ہلاک کردے تمہیں	بِعَذَابٍ عذاب سے	وَقَدْ خَابَ اور وہ نامراد ہوا	مَنِ افْتَرٰى جس نے جھوٹ باندھا					
فَتَنَازَعُوْا تو وہ جھگڑنے لگے	اَمْرَهُمْ اپنے کام میں	بَيْنَهُمْ باہم	وَاَسَرُّوا اور انہوں نے چھپ کر کیا	النَّجْوٰى مشورہ	قَالُوْا وہ کہنے لگے			
اِنْ تحقیق	هٰذٰنِ یہ دونوں	لَسٰحِرٰنِ البتہ جادوگر	يُرِيْدٰنِ یہ چاہتے ہیں	اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ کہ تمہیں نکال دیں	مِنْ سے	اَرْضِكُمْ تمہاری سرزمین		
بِسِحْرِهِمَا اپنے جادو کے ذریعہ	وَيَذْهَبَا اور وہ لے جائیں	بِطَرِيْقَتِكُمُ تمہارا طریقہ	الْمُثْلٰى اچھا	فَاَجْمِعُوْا لہٰذا اکٹھا کرلو تم	كَيْدَكُمْ اپنے داؤ			
ثُمَّ ائْتُوْا پھر تم آؤ	صَفًّا صف باندھ کر	وَقَدْ اَفْلَحَ اور تحقیق کامیاب ہوگا	الْيَوْمَ آج	مَنِ جو	اسْتَعْلٰى غالب رہا	قَالُوْا وہ بولے		
يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	اِمَّا یا تو	اَنْ تُلْقِيَ یہ کہ تو ڈالے	وَاِمَّا اور یا	اَنْ نَّكُوْنَ یہ کہ ہم ہوں	اَوَّلَ پہلے	مَنْ جو	اَلْقٰى ڈالیں	قَالَ اسنے کہا
بَلْ بلکہ	اَلْقُوْا تم ڈالو	فَاِذَا تو ناگہاں	حِبَالُهُمْ ان کی رسیاں	وَعِصِيُّهُمْ اور ان کی لاٹھیاں	يُخَيَّلُ خیال میں آئیں	اِلَيْهِ اسکے		
مِنْ سے	سِحْرِهِمْ ان کا جادو	اَنَّهَا کہ وہ	تَسْعٰى دوڑ رہی ہیں	فَاَوْجَسَ تو پایا	فِيْ نَفْسِهٖ اپنے دل میں	خِيْفَةً کچھ خوف	مُوْسٰى موسیٰ	

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ فرعونیوں کے عید یا جشن کے دن جو مقابلہ کے لئے مقرر ہوا تھا صبح ہی سے عوام وخواص سب اس میدان میں جمع ہو گئے کہ آج دیکھیں کون غالب آتا ہے۔ فرعونی کہتے تھے کہ ہم تو جادوگروں کے کمال کے قائل ہیں

وہی غالب آئیں گے۔ الغرض جب سب جمع ہو گئے فرعون تخت سلطنت پر بیٹھا وزرا امرا اور ارکان دولت اپنی کرسیوں پر بیٹھے۔ دائیں بائیں عام رعایا صف بستہ کھڑی ہو گئی۔ ساحروں کی جماعت فرعون کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ دوسری طرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ کھڑے تھے۔ فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ اپنا کرتب کامل طور پر دکھانا۔ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔ میں تم کو اپنا مقرب بنالوں گا اور مالا مال کردوں گا۔ غرض جب مقابلہ کی تیاری ہو گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے مجمع میں ہر شخص کو اس کے حسب حال نصیحت فرمائی۔ چونکہ جادوگر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے والے تھے ان کو تنبیہ فرمائی جیسا ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے۔ تم کیا کر رہے ہو۔ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ تم ہم کو جادوگر کہہ کر خدا پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ۔ خدا کے نشانوں اور انبیاء کے معجزات کو سحر بتلانا اور بے حقیقت چیزوں کو ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں پیش کرنا گویا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اور جھوٹ باندھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں اس بہتان طرازی کی سزا میں تم پر کوئی آسمانی آفت نہ آ پڑے اور جڑ سے تم کو نہ اکھاڑ پھینکے۔ کیونکہ جس کسی نے حق پر بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر نے ساحروں کی جماعت میں کھلبلی ڈال دی۔ آپس میں ردوکد شروع کردی اور سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے۔ اس کی باتیں ساحروں جیسی تو معلوم نہیں ہوتیں۔ درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادوگروں کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ یہ دونوں بلاشبہ جادوگر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ کرلیں اور تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا طور وطریق رائج کردیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے دونوں بھائی چاہتے ہیں کہ تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہو جائیں۔ لہٰذا تم موقع کی اہمیت کو سمجھو۔ وقت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ پوری ہمت اور قوت سے سب مل کر ان کے گرانے کی تدبیر کرو اور دفعتہً ایسا متفقہ حملہ کرو کہ پہلے ہی وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں اس لئے کہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے۔ آج کی کامیابی دائمی کامیابی ہے جو فریق آج غالب رہے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا۔ اس پر جادوگروں نے آگے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس گفت وشنید کے قصہ کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ابتدا تمہاری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ پہلے تم ہی اپنے حوصلے نکال لو اور اپنے کمال فن کی پوری حسرت نکال لو اور اپنے کرتب دکھالو۔ چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں بان۔ اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دیکھا تو دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ یہاں آیت میں الفاظ یہ آئے ہیں فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ۔ سو موسیٰؑ کے دل میں کچھ خوف سا ہوا۔ اب یہاں مفسرین کے دو قول ہیں کہ یہ خوف کس بات کا ہوا؟ مفسرین کے ایک گروہ نے تو یہ لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو ساحروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دل میں یہ خوف محسوس کیا کہ کہیں لوگ اس مظاہرہ سے متاثر نہ ہو جائیں اور ساحروں کے سحر کو حقیقت نہ سمجھ لیں کیونکہ اگر ایسا ہوا

تو یہ تاثیر اور رعب قبول حق کے لئے سدراہ بنے گا اور جادوگروں کا یہ سوانگ دیکھ کر کہیں بے وقوف لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور سحر و معجزہ میں فرق نہ کرسکیں اور ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہوسکے گا۔ اس بنا پر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کچھ اندیشہ اور خوف پیدا ہوا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے تو اس کے تمام نشیب و فراز کا بھی انتظام فرمادے گا اور اپنے مرسل کی مدد فرمائے گا۔ اور ایسا خوف طبعی جو درجہ وسوسہ میں تھا شان و کمال نبوت کے منافی نہیں۔ دوسرے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب جادوگروں نے یکبارگی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پھینکیں اور اچانک آپ کو یہ نظر آیا کہ سینکڑوں سانپ اور اژدھے آپ کی طرف دوڑتے چلے آرہے ہیں تو اس منظر سے فوری طور پر آپ نے ایک خوف و دہشت محسوس کیا۔ آگے انہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ انسانیت اور بشریت کے تقاضہ سے ایسا خوف محسوس ہونا کوئی عجیب بات بھی نہیں۔ اس مقام پر یہ بات لائق ذکر ہے کہ عام انسانوں کی طرح پیغمبر بھی جادو وسحر سے متاثر ہوسکتا ہے۔ اگرچہ جادوگر پیغمبر کی نبوت سلب کرلینے یا اس کے اوپر نازل ہونے والی وحی میں خلل ڈال دینے یا جادو کے اثر سے اس کو گمراہ کردینے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن کچھ دیر کے لئے پیغمبر کے قویٰ اور جسم پر یک گونہ اثر ضرور ڈال سکتا ہے اور اس کی تصدیق و تائید احادیث سے ہوتی ہے کہ کئی صحابہ مثلاً حضرت ابن عباس۔ زید بن ارقم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض یہود نے سحر کیا جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہوگیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک کام کرچکے ہیں مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا یا ایک کام نہیں کیا اور خیال گزرتا تھا کہ کرچکے ہیں۔ اس سحر کے علاج کے واسطے حق تعالیٰ نے دو سورتیں سورۂ فلق اور سورۃ الناس نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہوگیا۔ بہرحال وجہ جو بھی ہو آیت میں یہ صاف فرمایا گیا ہے۔ کہ اس مظاہرہ سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا۔

جیسا اوپر بیان ہوا یہ خوف طبعی۔ شان کمال اور شان نبوت کے منافی نہیں۔ الغرض جس وقت قدرے خوف موسیٰ علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا اسی وقت وحی نازل ہوئی اور وحی میں حق تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو کیا ارشاد فرمایا۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق و باطل کی کشمکش جو اس دنیا میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے حق تعالیٰ ہم کو حق کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ اور ہماری زندگی حق کی اعانت اور نصرت میں گزاریں۔ اور حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرماویں۔ اور حق کے مقابلہ میں جو باطل کھڑا ہو اس کی پوری طرح سرکوبی فرماویں۔

یا اللہ اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں حق و باطل کا مقابلہ ہے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے حق کو غالب اور منصور فرمائیں اور باطل کو مغلوب و سرنگوں فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ

ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اس کو ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جاوے گا

سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ

یہ جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا سانگ ہے اور جادوگر کہیں جاوے کامیاب نہیں ہوتا۔سو جادوگر سجدہ میں گر گئے کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارونؑ اور موسیٰؑ کے پروردگار پر۔

وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ

فرعون نے کہا کہ بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں تم موسیٰؑ پر ایمان لے آئے واقعی وہ (سحر میں) تمہارے بھی بڑے ہیں کہ انہوں نے تم کو سحر سکھلایا ہے سو میں تم سب کے

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے

اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧١﴾

کہ ہم دونوں میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے

قُلْنَا ہم نے کہا	لَا تَخَفْ تم ڈرو نہیں	اِنَّكَ بیشک تم	اَنْتَ تم	الْاَعْلٰى غالب	وَاَلْقِ اور ڈالو	مَا جو	فِيْ يَمِيْنِكَ تمہارے دائیں ہاتھ میں
تَلْقَفْ وہ نگل جائے گا	مَا صَنَعُوْا جو انہوں نے بنایا	اِنَّمَا بیشک	صَنَعُوْا انہوں نے بنایا	كَيْدُ فریب	سٰحِرٍ جادوگر	وَلَا يُفْلِحُ اور کامیاب نہیں ہوگا	
السّٰحِرُ جادوگر	حَيْثُ جہاں	اَتٰى وہ آئے	فَاُلْقِيَ پس ڈال دیئے گئے	السَّحَرَةُ جادوگر	سُجَّدًا سجدہ میں	قَالُوْا وہ بولے	
اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِرَبِّ رب پر	هٰرُوْنَ ہارونؑ	وَمُوْسٰى اور موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	اٰمَنْتُمْ تم ایمان لائے	لَهٗ اس پر	قَبْلَ پہلے
اَنْ اٰذَنَ کہ میں اجازت دوں	لَكُمْ تمہیں	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَكَبِيْرُكُمْ تمہارا رب	الَّذِيْ وہ جس نے	عَلَّمَكُمْ تمہیں سکھایا	السِّحْرَ جادو	
فَلَاُقَطِّعَنَّ پس میں ضرور کاٹوں گا	اَيْدِيَكُمْ تمہارے ہاتھ	وَاَرْجُلَكُمْ اور تمہارے پاؤں	مِّنْ خِلَافٍ دوسری طرف سے	وَ اور			
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ میں تمہیں ضرور سولی دوں گا	فِيْ میں	جُذُوْعِ النَّخْلِ کھجور کے تنے	وَلَتَعْلَمُنَّ اور تم خوب جان لوگے	اَيُّنَآ ہم میں کون			
اَشَدُّ زیادہ سخت	عَذَابًا عذاب میں	وَاَبْقٰى اور تادیر رہنے والا					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب فرعون کے جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور نظر بندی کردی تو یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے سانپ اور اژدھے چلتے اور دوڑتے ہوں تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کچھ خوف سا ہوا کہ جب دیکھنے میں یہ رسیاں اور لاٹھیاں بھی سانپ معلوم ہوتی ہیں اور میرا عصا بھی بہت سے بہت سانپ بن جاوے گا تو دیکھنے والے تو دونوں چیزوں کو ایک ہی سا سمجھیں گے تو حق و باطل میں امتیاز کس طرح کریں گے اور یہ خوف باقتضائے طبع تھا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد ضرور فرمائے گا اور ایسا خوف طبعی جو درجہ وسوسہ میں تھا شان کمال کے منافی نہیں۔ الغرض جب یہ

خوف ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا اسی وقت جناب باری تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور معاً تسکین غیب سے دی گئی کہ تم کچھ پروانہ کرو فتح تمہاری اور حق ہی کی ہوگی۔ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ یہ تمہارے مقابل جو کچھ ہے اس کی بساط ہی کیا ہے۔ حق کے مقابلہ میں یہ کہیں ٹھہر سکتا ہے اور پھر ارشاد ہوا کہ اپنے داہنے ہاتھ والی لاٹھی کو میدان میں ڈال دو۔ جو ان کے بنائے ہوئے سوانگ کا یکدم لقمہ کر جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی۔ خدا کے حکم سے وہ لاٹھی ایک زبردست بے مثال اژدھا بن گئی جس کے پیر بھی تھے سر بھی تھا کچلیاں اور دانت بھی تھے اس نے سب کے دیکھتے دیکھتے سارے میدان کو صاف کر دیا۔ جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کر لیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ لوگ ہیبت کے مارے بھاگے۔ ایک کے اوپر ایک گرا یہاں تک کہ ۲۵ ہزار آدمی کچل کر مر گئے۔ منظر بہت ہی ہیبت انگیز تھا ہر شخص جان بچانی چاہتا تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو اژدھا بنا ہوا تھا فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نگل جائے۔ فرعون چلایا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا۔ لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔ اب سب پر حق واضح ہو گیا۔ حق و باطل اور سحر و معجزہ میں تمیز ہو گئی اور ساحر اپنے سحر میں ناکام رہے۔ اب جادوگروں نے جو اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے۔ جب عصاء موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے اور انہیں یقین کامل ہو گیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر ہے اور اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ واقعی اسی خدا کا کام ہے۔ جس کے موسیٰ و ہارون پیغمبر ہیں اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہو گیا کہ وہ اسی میدان میں سب کے سامنے فرعون کی موجودگی میں خدا کے سامنے سربسجود ہو گئے سبحان اللہ!

کیا عجیب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہو گیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ سجدۂ شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔ وہی رب العالمین ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ سبحان اللہ صبح کے وقت کافر اور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہ خدا کے شہید تھے۔ ان کی تعداد میں کئی ہزار ہونے کی بھی روایات ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ ستر تھے اور لکھا ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے ہیں تو حق تعالیٰ نے انہیں جنت دکھا دی اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے الطاف ہیں کہ جس بندہ کو چاہیں غایت کفر و عناد سے نہایت ایمان تک پہنچا دیں۔ پھر شان خدا دیکھئے چاہئے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آ جاتا۔ جن کو اس نے مقابلہ کے لئے بلوایا تھا وہ مجمع عام میں ہارے اور اپنی ہار مان لی۔ اپنے کرتب کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو خدا کی طرف سے عطا کردہ معجزہ تسلیم کر لیا۔ اور ایمان لے آئے اور مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انہوں نے دین برحق قبول کر لیا لیکن یہ فرعون اپنی شیطنت میں اور بڑھ گیا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہو گیا اور موسیٰ کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے تو اس نے مکر و فریب کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ساحروں سے کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا جادو میں استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش اور ملی بھگت کر رکھی تھی۔ تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اچھا میں تم کو ایسی عبرتناک سزا

دوں گا تا کہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں بایاں ہاتھ داہنا پاؤں اور پھر سب کو سولی پر چڑھاؤں گا تا کہ تمہارا حال دیکھ کر سب عبرت حاصل کریں اور تمہیں پتہ چل جائے کہ میرا عذاب سخت ہے یا موسیٰ کے خدا کا۔

امام المفسرین امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فرعون کا جادوگروں سے یہ کہنا کہ موسیٰ تمہارا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ یہ صریح جھوٹ تھا اور لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لئے اس نے یہ جھوٹ بولا ورنہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی ان جادوگروں سے ملے بھی نہیں۔ نہ وہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے نہ تعلق۔ اگر موسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو تعلق استادی شاگردی کا سب کو معلوم ہوتا۔ یہ جھوٹ اس کے اندرونی خوف کی دلیل ہے۔

یہاں امام رازیؒ ہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزرا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اژدھا ہو گیا اور وہ فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون مارے ڈر کے چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا تو وہ اژدھا پھر بدستور پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا تو فرعون کے ہوش و حواس درست ہوئے تو شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھمکا رہا ہے تو خوف و ہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔ تو خود امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ جواب یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوف زدہ تھا مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا تا کہ اس کی بات بنی رہے اور ظالم و بدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں جس کی حقیقت اکڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

غور کیجئے کہ سچا ایمان جب کسی کو نصیب ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک لمحہ کا ہی کیوں نہ ہو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ کائنات کی کوئی زبردست سے زبردست مادی طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ دیکھئے وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعام و اکرام اور عزت و جاہ کی آرزوئیں اور التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بے خوف ہو گئے کہ ان کے سامنے سخت سے سخت مصیبت اور دردناک سے دردناک عذاب بھی ہیچ ہو کر رہ گیا اور کوئی دہشت بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی اور انہوں نے فرعون کی موجودگی ہی میں بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور جب انہوں نے فرعون کی جابرانہ دھمکیوں کو سنا تو اس کو کیا جواب دیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی وہ سچا اور پکا ایمان و اسلام نصیب فرماویں کہ جو کوئی باطل قوت اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ ایمان اور اسلام کی دولت ہم کو تمام مادی عزت و جاہ سے بے نیاز کر دے۔ یا اللہ آپ کی رضا و خوشنودی کے آگے بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی ہماری نظروں میں ہیچ ہو۔ یا اللہ ایمان کامل اور یقین صادق سے ہمارے قلوب کو منور فرما دیجئے۔ اور اس پر استقامت اور اسی پر موت نصیب فرمائیے۔ یا اللہ اس وقت اس ملک میں اسلامی نظریہ کے مقابل جو باطل پرست ملحدانہ نظریہ لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اے اللہ آپ اپنی قدرت سے حق کو غالب فرمائیں۔ باطل کو مغلوب فرمائیں۔ اسلام پسندوں کو کامیابی نصیب فرمائیں۔ باطل پرستوں کو ذلت و خواری نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ

اُن لوگوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ اُن دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اُس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ کرنا ہو کر ڈال تو بجز اسکے

هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ

کہ اس دنیاوی زندگی میں کچھ کرلے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ بس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لاچکے تاکہ ہمارے گناہ معاف کردیں اور تُو نے جو جادو میں ہم پر زور ڈالا اُس کو بھی معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ

خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ

بدرجہا اچھے ہیں اور زیادہ بقاوالے ہیں۔ جو شخص مجرم ہوکر اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا سو اُس کیلئے دوزخ ہے اُس میں نہ مَرے ہی گا اور نہ جئے ہی گا۔ اور جو شخص

يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

رب کے پاس مومن ہوکر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کیلئے بڑے اُونچے درجے ہیں۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، اور جو شخص پاک ہو اس کا یہی انعام ہے۔

قَالُوْا انہوں نے کہا	لَنْ نُّؤْثِرَكَ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے	عَلٰى پر	مَا جَآءَنَا جو ہمارے پاس آئے	مِنَ الْبَيِّنٰتِ واضح دلائل سے			
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا اور وہ جس نے ہمیں پیدا کیا	فَاقْضِ پس تو کرگزر	مَآ جو	اَنْتَ تو	قَاضٍ کرنیوالا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	تَقْضِيْ تو کریگا	
هٰذِهِ اس	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	اِنَّآ اٰمَنَّا بیشک ہم ایمان لائے	بِرَبِّنَا اپنے رب پر	لِيَغْفِرَ لَنَا کہ وہ بخشدے	خَطٰيٰنَا ہماری خطائیں		
وَمَآ اور جو	اَكْرَهْتَنَا تو نے ہمیں مجبور کیا	عَلَيْهِ اس پر	مِنَ سے	السِّحْرِ جادو	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَيْرٌ بہتر	وَّاَبْقٰى اور ہمیشہ باقی رہنے والا
اِنَّهٗ بیشک وہ	مَنْ يَّاْتِ جو آیا	رَبَّهٗ اپنے رب کے سامنے	مُجْرِمًا مجرم بن کر	فَاِنَّ تو بیشک	لَهٗ اس کیلئے	جَهَنَّمَ جہنم	لَا يَمُوْتُ نہ وہ مرے گا
فِيْهَا اس میں	وَ اور	لَا يَحْيٰى نہ جئے گا	وَمَنْ اور جو	يَّاْتِهٖ اسکے پاس آیا	مُؤْمِنًا مومن بن کر	قَدْ عَمِلَ اس نے کئے عمل	الصّٰلِحٰتِ اچھے
فَاُولٰۗىِٕكَ پس یہی لوگ	لَهُمُ ان کیلئے	الدَّرَجٰتُ درجے	الْعُلٰى بلند	جَنّٰتُ باغات	عَدْنٍ ہمیشہ رہنے والے	تَجْرِيْ جاری ہیں	
مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَذٰلِكَ اور یہ	جَزٰۗؤُا جزا ہے	مَنْ تَزَكّٰى جو پاک ہوا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ ساحرین جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے فرعون نے جمع کئے تھے کس طرح اپنے سحر میں ناکام رہے اور چونکہ وہ ساحرین اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے اس لئے وہ حقیقت حال کو بھی سمجھ گئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عمل سحر نہیں بلکہ سحر سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے اور اس حقیقت کو سمجھتے ہی انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کردیا تھا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے جس پر فرعون نے ان کو جابرانہ دھمکی دی تھی کہ تم میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کردیا جس کی سزا تم کو یہ دی جائے گی کہ پہلے تمہارے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری

طرف کا پاؤں کاٹا جائے گا اور پھر تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ تا کہ تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ اور تم کو معلوم ہو جائے کہ میری طاقت کس قدر قہار اور پر جبروت ہے۔ فرعون اگر چہ ان جادوگروں پر جواب ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اپنے انتہائی غیض وغضب کا اظہار کرتا رہا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانی قوت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر بے حد مرعوب ہو گیا تھا اور اس کی ہمت نہ پڑی کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کچھ کہتا۔ درباریوں اور ارکان سلطنت نے جیسا کہ سورۂ اعراف میں بیان فرمایا گیا فرعون سے احتجاج کیا کہ تو موسیٰ کو قتل کیوں نہیں کرا دیتا۔ کیا اس کو اور اس کی قوم کو یہ موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں فساد پھیلائیں اور تجھ کو اور تیرے دیوتاؤں کو ٹھکراتے رہیں۔ تو فرعون کہنے لگا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ میں اسرائیلیوں کی طاقت کو بڑھنے نہ دوں گا اور مقابلہ کے قابل ہی نہ رکھوں گا۔ ابھی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ ان کے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرو اور صرف لڑکیوں کو باندی بنانے اور خدمت گزاری کے لئے زندہ رہنے دو۔ گویا فرعون کا یہ دوسرا اعلان تھا جو بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل سے متعلق کیا گیا۔ الغرض فرعون یہ سمجھتا تھا کہ میری حکمرانی اہل مصر کے نہ فقط جسموں اور بدنوں پر ہے بلکہ دماغوں اور روحوں پر بھی ہے۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ میری اجازت کے بغیر عقیدہ بھی تبدیل کر سکے الحاصل فرعون نے ان جادوگروں کو جواب ایمان لا چکے تھے ہر طرح کی جابرانہ دھمکیوں سے ڈرانا اور مرعوب کرنا چاہا تو انہوں نے فرعون کو کیسا دوٹوک اور منہ توڑ جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ان قتل کی دھمکیوں کے جواب میں انہوں نے فرعون سے کہا کہ ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر سے اب نہیں چھوڑ سکتے اور اپنے مالک اور خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پروا نہیں کر سکتے۔ اب جو تو کر سکتا ہے کر گزر۔ تیرا بڑا

زور یہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے۔ سو کچھ مضائقہ نہیں ہم پہلے ہی دار الفنا کے مقابلہ میں دار البقاء کو اختیار کر چکے ہیں۔ ہم کو اب یہاں کے رنج و راحت کی فکر نہیں تمنا ہماری اب صرف یہ ہے کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جاوے اور ہمارے عام گناہوں کو خصوصاً اس گناہ کو جو تیری وجہ سے کرنا پڑا۔ یعنی حق کا مقابلہ جادو سے کیا۔ معاف فرمادے۔ اور جو انعام و اکرام تو ہم کو دیتا اس سے کہیں بہتر اور پائیدار اجر مومنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔ لہٰذا نہ تیرا نفع خدا کے نفع کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ اس نفع کی پائیداری خدا کے نفع کے برابر ہو سکتی ہے پھر ہم تجھے اس خدا کے مقابلہ میں کیسے ترجیح دے سکتے ہیں تو یہ جواب تھا جو ان ساحرین مومنین نے فرعون کو دیا۔ اب اس جواب پر حق تعالیٰ اپنے قول کا اضافہ فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ فرعون کی سزا کو حق تعالیٰ کی سزا سے اور فرعون کے انعام کو حق تعالیٰ کے انعام سے کیا نسبت کیونکہ بلاشبہ جو کوئی اپنے رب کے سامنے مجرمانہ حالت میں آئے گا اس کے لئے دوزخ ہے اسمیں نہ وہ مرے گا کیونکہ وہاں موت بھی نہیں اور نہ جئے گا کیونکہ ان کا جینا موت سے بدتر ہوگا۔ بھلا یہ سزا فرعون کے قبضہ میں کب ہے اور جو کوئی اپنے رب کے پاس ایسا مومن ہونے کی حالت میں آئے گا کہ اس نے عمل صالح بھی کئے تھے تو ایسے لوگوں کے لئے بڑے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے وہ باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عارضی طور پر نہیں بلکہ وہ لوگ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ اور فرعون اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو یہ معاوضہ کب دے سکتا ہے پس اس کے انعام کو حق تعالیٰ کے انعام سے کیا نسبت لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں اور اس کے انعام کے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے سوا کسی کی جزا و سزا کی طرف التفات نہ کریں۔

اب فرعون نے جوان ایمان لے آنے والوں کو دھمکی دی تھی تو ان کو قتل کیا یا نہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن کثیرؒ نے صراحت کی ہے کہ فرعون نے ان کو قتل کر دینے کا مصمم ارادہ کرلیا اور وہ ایسا کر بھی گزرا اور یہ فی الحقیقت ان جادوگروں پر اللہ کی رحمت تھی اسی لئے حضرت ابن عباسؓ وغیرہؓ اکابر نے فرمایا کہ صبح کو وہ ساحر تھے اور شام کو شہید ہوئے۔ لیکن امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ فرعون نے جوان مومنوں کو دھمکی دی تھی اس کا پورا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اس لئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو فرعون کے پنجہ سے محفوظ رکھا اور اس مضمون کی تائید میں وہ سورۂ قصص ۲۰ ویں پارہ کی یہ آیت پیش کرتے ہیں انتما ومن اتبعکما الغالبون ۔تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا غالب رہو گے۔ تو چونکہ وہ ساحر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کی پیروی انہوں نے کی تھی اس لئے عالم و غالب رہے واللہ اعلم بحقیقت حال۔ غرض حق و باطل کی اس کشمکش میں فرعون اور اس کے حامی و ارکان سلطنت کو سخت ذلت اٹھانی پڑی اور وہ برسر عام رسوا و ذلیل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کا وعدہ پورا ہوا اور کامیابی کا سہرا انہی کے سر رہا۔ مگر فرعون اس پر بھی باز نہ آیا اور برابر سرکشی ہی کرتا رہا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنے پنجہ سے رہا کرنے کے لئے تیار نہ ہوا اور ایک عرصہ تک مختلف حالات و واقعات ہوتے رہے۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت چپکے سے لے کر مصر سے چل دیں جس کو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق و باطل کی کشمکش جو دنیا میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے حق تعالیٰ ہم کو حق کے ساتھ وابستہ رکھیں اور حق کو اپنی تائید و نصرت سے غالب اور باطل کو مغلوب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام اور عمل صالح کے ساتھ ہم کو قیامت میں حاضر ہونا نصیب فرماویں۔ اور اپنے ان بندوں میں شامل فرماویں کہ جو جنت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائے جائیں گے۔ امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ پھر اُن کیلئے سمندر میں خشک راستہ بنا دینا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ ط

نہ تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ اور کسی قسم کا خوف ہوگا۔ پس فرعون اپنے لشکر کو لے کر اُن کے پیچھے چلا، تو سمندر اُن پر جیسے ملنے کو تھا آملا۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

اور فرعون اپنی قوم کو بُری راہ لایا اور نیک راہ اُن کو نہ بتلائی۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اور تحقیق ہم نے وحی کی	اِلٰى طرف	مُوْسٰى موسیٰ	اَنْ اَسْرِ کہ راتوں رات لے جا	بِعِبَادِيْ میرے بندے			
فَاضْرِبْ پس بنالینا	لَهُمْ ان کیلئے	طَرِيْقًا راستہ	فِي الْبَحْرِ دریا میں	يَبَسًا خشک	لَا نہ	تَخٰفُ خوف ہوگا	دَرَكًا پکڑنا
وَلَا تَخْشٰى اور نہ ڈر	فَاَتْبَعَهُمْ پھر ان کا پیچھا کیا	فِرْعَوْنُ فرعون	بِجُنُوْدِهٖ اپنے لشکر کے ساتھ	فَغَشِيَهُمْ انہیں ڈھانپ لیا	مِّنَ الْيَمِّ دریا سے		
مَا غَشِيَهُمْ جیسا کہ ان کو ڈھانپ لیا	وَاَضَلَّ اور گمراہ کیا	فِرْعَوْنُ فرعون	قَوْمَهٗ اپنی قوم	وَمَا هَدٰى اور نہ ہدایت دی			

تفسیر وتشریح:۔ جادوگروں کے ایمان لے آنے کے واقعہ کے بعد جس کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مدت تک مصر میں رہے اور تبلیغ حق برابر کرتے رہے۔ فرعون نے بھی انتہائی ظلم پر کمر باندھ لی اور بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہوگیا۔ یہاں اس سورۃ میں ان حالات کی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے جو مصر میں اس طویل زمانہ قیام میں پیش آئے ان کی تفصیلات حسب موقع سورۂ اعراف۔ سورۂ یونس۔ سورۂ مومن وغیرہ میں آئی ہیں۔ مختصراً یہ کہ بنی اسرائیل کے بے گناہ معصوم بچوں کو نذر شمشیر کرنا شروع کردیا۔ مختلف اوقات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء سے قوم فرعون مختلف غیبی عذابوں میں مبتلا ہوئی جیسے طوفان کا آنا۔ ٹڈیوں کا تمام سبزی کھاجانا۔ تمام فرعونیوں کے لئے پانی کا خون بن جانا ہر برتن کھانے اور کپڑے میں مینڈکوں کا پھیل جانا اس قسم کی غیبی تنبیہات ظاہر ہوتی رہیں تاکہ فرعون اور اس کی قوم بیدار ہوجائے۔ لکھا ہے کہ جب کوئی پکڑ آتی تو فرعون گھبرا کر بلکہ گڑ گڑا کر موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتا کہ اچھا اس مصیبت کے ہٹ جانے پر میں بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کردوں گا۔ لیکن جب عذاب ہٹ جاتا پھر منکر بن کر سرکشی پر آجاتا اور کہتا کہ اے موسیٰ تیرا رب اس کے سوا کچھ اور بھی کرسکتا ہے۔ غرض ایک عرصہ تک موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بہت سے نشانات ظاہر ہوئے۔ ہر طرح کی حجت تمام کردی اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو رہائی دینے پر آمادہ نہ ہوا تب حق تعالیٰ نے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ۔ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو۔ راستہ میں سمندر یعنی بحرقلزم حائل ہوگا۔ سمندر کی موجیں تمہارے راستہ میں حائل نہ ہوں گی۔ ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو اور اس سے گزرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے لکھا

ہے کہ مصر کے اندر بنی اسرائیل کی آبادی قبطیوں یعنی فرعونی مصریوں سے بالکل جدا تھی۔ وہ حکمراں قوم تھی۔ کمزور اسرائیلیوں کے ساتھ رہنا اپنے لئے باعث ذلت سمجھتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے فائدہ پہنچا۔ رات ہی کو سب کو اکٹھا کیا اور سب کو لے کر بحر قلزم کے انتہائی سرے پر جا پہنچے جب فرعون کو یہ اطلاع پہنچی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے فرعون نے اسی وقت ایک زبردست فوج کو ساتھ لیا اور بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ پیچھے پیچھے تمام لشکری تھے اور اگلے دستہ میں فرعون تھا اور صبح ہونے سے پہلے ان کے سر پر جا پہنچا۔ گروہ بنی اسرائیل کا پچھلا حصہ اور لشکر فرعون کا اگلا دستہ جب قریب ہو گئے تو اسرائیلیوں کو اندیشہ ہوا کہ اب ہماری گرفت ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ سمندر میں لاٹھی مارو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی فوراً پانی پھٹ گیا اور ۱۲ راستہ خشک نمودار ہو گئے کیونکہ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا راستہ بن گیا۔ بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گزر گئے۔ پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا سمندر کے کنارے تک پہنچا اور متحیر کھڑا دیکھتا رہا کہ بنی اسرائیل کس طرح سمندر میں خشکی کے راستہ پر بے تکلف گزر رہے ہیں۔ مشیروں نے فرعون کو ابھارا کہ آپ ہی کے رعب سے تو سمندر خشک ہو گیا۔ پھر اس میں داخل ہونے میں کیا تامل ہے۔ فرعون نے بادل ناخواستہ سمندر میں گھوڑا ڈال دیا۔ پیچھے سے سب لشکر بھی داخل ہو گیا جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے مل جانے کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا سمندر کی موجوں نے سب کو ڈھانپ لیا اور تمام فرعونی پانی کی راہ سے آگ میں پہنچ گئے۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس فرعون نے اپنی قوم کو کیسا برا راستہ بتلایا۔ یہ تو حال دنیا میں ہوا کہ سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا اور ایسے ہی آخرت میں سب کو لے کر جہنم میں گریگا۔

بڑے لطیف انداز میں یہاں کفار مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے سردار اور پیشوا بھی تم کو اسی راستہ پر لئے جا رہے ہیں جس پر فرعون اپنی قوم کو لے گیا تھا اور جس راستہ پر چل کر وہ خود بھی تباہ ہوا اور ساتھ ہی قوم کو ڈبویا۔ بنی اسرائیل کے سمندر کو عبور کرنے سے لے کر کوہ سینا کے دامن میں پہنچنے تک کے واقعات و حالات یہاں چھوڑ دیئے گئے ہیں جن کی تفصیلات سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اب یہاں آگے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا کر نصیحت فرماتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دین اسلام کا راستہ دکھلایا ہے تو ہم کو اس پر استقامت نصیب فرماویں۔ اسی دین حق کے راستہ پر ہم کو چلنا اور اس پر مرنا نصیب ہوتا کہ دین و دنیا دونوں لحاظ سے انجام کی خیر خوبی حاصل ہو ہم کو اپنے رسول پاک کا اتباع کامل نصیب ہو۔ اور ہر کجی و گمراہی سے حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ

من وسلویٰ نازل فرمایا۔ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں اُن کو کھاؤ اور اس میں حد سے مت گزرو کہیں میرا غضب تم پر

غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

واقع ہو جائے ،اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا۔اور میں ایسے لوگوں کیلئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آویں

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

اور نیک عمل کریں پھر (اسی) راہ پر قائم رہیں۔

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اے بنی اسرائیل	قَدْ تحقیق	اَنْجَيْنٰكُمْ ہم نے تمہیں نجات دی	مِّنْ سے	عَدُوِّكُمْ تمہارا دشمن		
وَوٰعَدْنٰكُمْ اور ہم نے تم سے وعدہ کیا	جَانِبَ جانب	الطُّوْرِ کوہ طور	الْاَيْمَنَ دائیں	وَنَزَّلْنَا اور ہم نے اتارا	عَلَيْكُمُ تم پر	الْمَنَّ من
وَالسَّلْوٰى اور سلویٰ	كُلُوْا تم کھاؤ	مِنْ سے	طَيِّبٰتِ پاکیزہ چیزیں	مَا رَزَقْنٰكُمْ جو ہم نے تمہیں دیا	وَ اور	لَا تَطْغَوْا نہ سرکشی کرو
فِيْهِ اس میں	فَيَحِلَّ کہ اترے گا	عَلَيْكُمْ تم پر	غَضَبِيْ میرا غضب	وَمَنْ اور جو	يَحْلِلْ اترا	عَلَيْهِ اس پر
غَضَبِيْ میرا غضب						
فَقَدْ هَوٰى تو وہ گرا	وَاِنِّيْ اور بیشک میں	لَغَفَّارٌ بڑا بخشنے والا	لِّمَنْ اس کو	تَابَ توبہ کی	وَاٰمَنَ اور وہ ایمان لایا	وَعَمِلَ اور اس نے عمل کیا
صَالِحًا نیک	ثُمَّ پھر	اهْتَدٰى ہدایت				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ کس طرح فرعون بمع اپنے سارے لاؤ لشکر کے سمندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل وعدہ الٰہیہ کے مطابق سمندر سے پار ہو گئے۔اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے وہ نعمتیں یاد دلاتے ہیں جو فرعون کو غرق کرنے کے بعد ان کو عطا کی گئی تھیں۔

اہل تفسیر کی رائے اس امر میں مختلف ہے کہ کس زمانہ کے بنی اسرائیل کو یہاں خطاب کیا گیا ہے بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود تھے خدا تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائی ہیں جو ان کے آباء واجداد کو عطا کی گئی تھیں کیونکہ اسلاف پر جو انعامات کئے گئے ہوں ان کا احسان اولاد پر ہوا کرتا ہے مگر بعض مفسرین کا میلان اس طرف ہے کہ یہ خطاب انہی بنی اسرائیل کو ہے جو فرعون کے مقابلہ میں فتح یاب ہوئے تھے اور جن کو فرعون کے ڈوبنے کے بعد طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا گیا تھا۔بہرحال یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر تین عظیم الشان احسان بیان فرمائے ہیں۔

اول یہ کہ ان کے ظالم دشمن کو ان کی نظروں کے سامنے تباہ و برباد کیا۔یہ ایسا احسان تھا کہ جس سے بنی اسرائیل زندہ ہو گئے۔ ہر وقت کی تکلیف۔ذلت۔مشقت اور مصیبت سے چھوٹ گئے۔

دوسرا احسان یہ بیان فرمایا کہ جب بنی اسرائیل بھی دنیا میں ایک باوقعت قوم شمار ہونے لگی تو ان کی دینی ہدایت کے لئے کوہ طور پر توراۃ دینے کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور مقررہ ایام میں عبادت و

ریاضت کی اوران کو کتاب ہدایت یعنی توراۃ عطا کی گئی۔

تیسرا احسان یہ بیان فرمایا کہ جب بنی اسرائیل اپنی نافرمانیوں کے سبب وادی تیہ میں پھنس گئے اور رہائی کی کوئی شکل نظر نہ آئی اور تمام زادراہ ختم ہوگیا۔ سوائے موت کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا تو ایسے آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کو لذیذ پاکیزہ اور حلال روزی عطا فرمائی۔ من اور سلوٰی ان کو بلا مشقت بقدر ضرورت ملنے لگا۔ من ایک میٹھی چیز تھی جوان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلوٰی ایک قسم کے پرند تھے جوان کے پاس آجاتے تھے اور بنی اسرائیل بقدر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے۔

بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی تنبیہ فرمادی تھی کہ راہ مستقیم پر قائم رہنا۔ اعتدال سے نہ ہٹنا۔ مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرنا۔ حلال کو چھوڑ کر حرام اور جائز کو چھوڑ کر ناجائز کی طرف قدم نہ اٹھانا۔ آرام سے رہو۔ کھاؤ پیو ناشکری اور نافرمانی مت کرو اور راحت و آرام میں پڑ کر گناہوں میں نہ پڑو ورنہ غضب خداوندی تم پر لازم ہوجائے گا۔ آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہوگے اور دنیا میں بھی ذلت ومحکومی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف یہود کے حق میں پوری ہوئی۔ جب یہود اپنی شریعت کے احکام سے بیزار ہوگئے۔ انبیاء وصلحا کو قتل کرنے لگے۔ سودخواری شروع کردی۔ رشوت۔ خیانت۔ فریب۔ دغا اور جھوٹ میں مبتلا ہوگئے تو غضب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ حکومت وسلطنت سے محروم کئے گئے۔ ظالم و جابر بادشاہوں کو ان پر مسلط کیا گیا اور ذلت ومسکنت میں یہ پڑے۔ اور محکوم بنے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ قانون بیان فرما کر کہ جس کسی پر میرا غضب نازل ہوا تو جانو کہ وہ غارت ہی ہوگیا پھر بھی کسی کو مایوس نہیں رکھا اور ارشاد ہوا کہ میں تو غفار یعنی بڑا بخشنے والا ہوں۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بندہ کے لئے اس کی کثرت ذنوب کی بنا پر تین درجہ ہوسکتے ہیں۔ ایک ظالم۔ دوسرے ظلوم۔ تیسرے ظلام۔ حق تعالیٰ نے بھی اس کے مقابل اپنے تین نام رکھے ہیں۔ ایک غافر۔ دوسرے غفور۔ تیسرے غفار مگر اپنی مغفرت کے لئے چار شرطیں فرمائی ہیں۔ اول تاب یعنی توبہ۔ سرکشی۔ نافرمانی۔ شرک۔ کفر سے باز آجانا۔ دوسرے امن یعنی ایمان۔ اللہ اور رسول۔ اور کتاب اور آخرت کو صدق دل سے مان لینا۔ تیسرے عمل صالحا یعنی عمل صالح۔ اللہ اور رسول کی ہدایت کے مطابق نیک کام کرنا اور چوتھے اہتدٰی یعنی راہ راست پر ثابت قدم رہنا اور پھر غلط راستہ پر نہ جا پڑنا۔ تو جہاں طغیان یعنی سرکشی کرنا۔ حد سے نکلنا قانون اور قاعدہ کے باہر جانا اس پر اپنے غضب نازل ہونے کی وعید بیان فرمائی وہیں اپنی بخشش ورحمت اور بڑی سے بڑی خطاوقصور جرم کا درگزر کرنا اور معاف کردینا بھی ظاہر فرمایا جس کے لئے چار شرطیں ہیں۔ توبہ۔ ایمان۔ عمل صالح اور ہدایت پر قائم رہنا۔

یہاں خطاب اگرچہ قوم بنی اسرائیل سے ہے۔ مگر جو کچھ یہاں فرمایا گیا ہے اس پر امت مسلمہ کو بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس وقت ہم نے ہر طرح کی معصیت اور نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ابھی توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اور توبہ۔ ایمان اور عمل صالح پر اپنی بخشش ورحمت سے درگزر فرمانے کا وعدہ بھی فرما رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انعامات واحسانات امت مسلمہ پر فرمائے ہیں وہ تمام دنیا کی دوسری قوموں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے امت مسلمہ پر ان احسانات کی شکرگزاری بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ وفہم عطا فرمائیں۔ اور کفران نعمت کے وبال سے بچائیں۔ اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا۔ وہاں توراۃ کا عطا ہونا۔ اور آپ کے پیچھے قوم کا گمراہ ہوکر گوسالہ پرستی شروع کردینے کا احوال اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾

اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ یہیں تو ہیں میرے پیچھے پیچھے اور میں آپ کے پاس جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ خوش ہوں گے

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا اور اُن کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ غرض موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف

غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۗ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ

واپس آئے۔ فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر

اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿٨٦﴾

تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اُس کے خلاف کیا۔

وَمَا اور کیا	اَعْجَلَكَ تجھے جلدلائی	عَنْ قَوْمِكَ اپنی قوم سے	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	قَالَ اس نے کہا	هُمْ وہ	اُولَآءِ یہ ہیں	عَلٰٓى اَثَرِىْ میرے پیچھے	
وَعَجِلْتُ اور میں نے جلدی کی	اِلَيْكَ تیری طرف	رَبِّ اے میرے رب	لِتَرْضٰى تا کہ تو راضی ہو	قَالَ اس نے کہا	فَاِنَّا پس ہم نے	قَدْ تحقیق		
فَتَنَّا آزمائش میں ڈالا	قَوْمَكَ تیری قوم	مِنْۢ بَعْدِكَ تیرے بعد	وَاَضَلَّهُمُ اور انہیں گمراہ کیا	السَّامِرِىُّ سامری	فَرَجَعَ پس لوٹا	مُوْسٰى موسیٰ		
اِلٰى قَوْمِهٖ اپنی قوم کی طرف	غَضْبَانَ غصہ میں بھرا ہوا	اَسِفًا افسوس کرتا	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اَلَمْ يَعِدْكُمْ کیا تم سے وعدہ نہیں کیا تھا			
رَبُّكُمْ تمہارا رب	وَعْدًا حَسَنًا اچھا وعدہ	اَفَطَالَ کیا طویل ہوگئی	عَلَيْكُمُ تم پر	الْعَهْدُ مدت	اَمْ اَرَدْتُّمْ یا تم نے چاہا	اَنْ يَّحِلَّ کہ اترے		
عَلَيْكُمْ تم پر	غَضَبٌ غضب	مِنْ سے	رَبِّكُمْ تمہارا رب	فَاَخْلَفْتُمْ پھر تم نے خلاف کیا	مَوْعِدِىْ میرا وعدہ			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب فرعون غرق ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف چلے تو راستہ میں بنی اسرائیل کی سرکشی کے سبب ایک لق و دق بیابان میں جس کو وادی سینا یا وادی تیہ کہا جاتا ہے۔ تمام بنی اسرائیل پھنس گئے جہاں کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور غیب سے روزانہ من و سلویٰ ملنے لگا جس سے بلا مشقت روزانہ کھانے کا انتظام ہو گیا۔ پینے کے لئے وہاں پانی نہ تھا۔ بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے کہ ہم پانی کہاں سے پئیں۔ یہاں تو پانی پینے کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں التجا کی اور وحی الٰہی نے ان کو حکم دیا کہ اپنا عصا زمین پر مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کیا اور فوراً ۱۲ چشمے زمین سے ابل پڑے۔ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل تھے ہر ایک کے لئے جدا جدا چشمہ جاری ہو گیا۔ جب کھانے اور پینے کی ضروریات سے اطمینان ہو گیا تو بنی اسرائیل نے تیسرا مطالبہ کیا کہ گرمی کی شدت اور سایہ دار درخت۔ و مکان وغیرہ کی راحت میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہم پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ گرمی اور تپش ہماری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اس سخت تکلیف سے بھی ان کو نجات عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سُنی گئی اور آسمان پر بادلوں

کے پرے کے پرے بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہو گئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے بادلوں کا یہ سایہ ان کے سروں پر رہتا۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل بنی اسرائیل پر خدائے تعالیٰ کے احسانات کی مسلسل بارش ہوتی رہی مگر یہ عجیب الفطرت قوم ایک نہ ایک بوالعجبی کا نیا مظاہرہ پیش کرتی رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو تم کو شریعت دی جائے گی تا کہ اسرائیلی قوم کے پاس اپنا دستور العمل اور قانون اصلاح ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں حصول کتاب کی دعا کی۔ جس پر حکم ہوا کہ ستر بنی اسرائیل کو منتخب کر کے سب کو لے کر کوہ طور پر آؤ اور ایک ماہ کے روزے رکھو اور پھر بعد میں اس میں دس روز کا اضافہ کر دیا گیا تھا کل ۴۰ روزوں کا حکم ہوا تھا حکم الٰہی کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے ۷۰ آدمی منتخب کئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم پر اپنا خلیفہ بنا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات اور قرب کے شوق نے زیادہ بے قرار کیا تو آپ نے قوم کے سرداروں سے کہہ دیا کہ میں آگے چلتا ہوں تم بھی میرے پیچھے آ جانا۔ طور پر پہنچ کر آپ صوم و ریاضت و عبادت میں مشغول گئے۔ اور وہاں تیس دن کی بجائے جس کا آپ قوم سے وعدہ کر کے گئے تھے ۴۰ روز لگ گئے۔ ادھر قوم کے جن لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام نے منتخب کیا تھا وہ اپنی جگہ ہی رہ گئے طور کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی میں دس روز کی تاخیر سے لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ کسی نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ خدا کے عتاب میں ماخوذ ہو کر محبوس کر لئے گئے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ایک شخص سامری بھی تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قوم سے بولا میں تمہارا معبود تم کو دکھاؤں جو تمکو مصر سے نکال کر لایا ہے۔ سامری کے متعلق جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب و چالبازی سے سیدھے سادے بنی اسرائیلیوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ سامری نے بنی اسرائیلیوں سے کہا کہ مصریوں کے جو تمہارے پاس زیورات ہیں وہ میرے پاس لاؤ۔ فرعونیوں کے یہ زیورات کس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ آئے تھے؟ یا ان سے مستعار لئے تھے؟ یا مال غنیمت کے طور پر ملے یا اور کوئی صورت ہوئی اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بہر حال کوئی بھی صورت ہو۔ بنی اسرائیل اس کا استعمال اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے کیونکہ اس کا حکم شریعت موسوی میں اب تک معلوم نہ ہوا تھا۔ اس لئے سامری نے اس کے جمع کرنے کی رائے دی اور اسرائیلیوں نے ایسا کر دیا۔ سامری نے سب زیور گلا کر بچھڑے کی شکل کا ایک ایسا بت بنایا کہ جس سے آواز نکلتی تھی۔ بنی اسرائیل گائے سے بہت زیادہ مانوس تھے اپنے قیام مصر کے زمانہ میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے۔ مصر سے نکلنے کے بعد بھی ایک قوم کی طرف سے گزرے تھے جو گاؤ پرست تھے۔ گائے کی پرستش ہوتے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کرنے لگے تھے کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دیجئے جیسا کہ اس قوم کا ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بہت سختی سے ڈانٹا اور تنبیہ کی۔ اب جب انہوں نے سونے کا بچھڑا بولتے دیکھا تو اب سامری کے اغوا سے اس بچھڑے کے گرویدہ ہو گئے قربانیاں چڑھانے لگے۔ اس کے سامنے سجدہ کرتے۔ اس کے چاروں طرف گھومتے گھنٹیاں اور ڈھول بجاتے۔ حضرت ہارونؑ موسیٰ علیہ

8 السلام کے جانشین تھے۔ انہوں نے ہر چند سمجھایا لیکن کسی نے نہ مانا بلکہ آپ کے مارنے کے درپے ہوگئے۔ اب جب کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حق تعالیٰ سے مکالمت و مخاطبت ہوئی تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اے پروردگار تیری خوشنودی کے لئے جلد حاضر ہوگیا کیونکہ امتثال امر میں پیش دستی کرنا زیادہ موجب خوشنودی ہے اس لئے سب سے پہلے میں وعدہ مکالمت اور مخاطبت کی جگہ چلا آیا کہ آپ زیادہ خوش ہوں گے اور قوم کے لوگ بھی کچھ زیادہ دور نہیں۔ میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ اس سے مراد وہی ۷۰ منتخب سردار تھے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گمان کے موافق عرض کیا۔ اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تمہارے چلے آنے کے بعد تو تمہاری قوم ایک بلا میں گرفتار ہوگئی اور ان کو سامری نے گمراہ کردیا۔ انہوں نے تو بچھڑا پوجنا شروع کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا تو ان کو سخت رنج ہوا اور غصہ اور ندامت کے ساتھ قوم کی طرف توراۃ کی تختیاں لے کر واپس ہوئے واپس آکر دیکھا کہ سونے کا ایک بچھڑا ہے جس کے منہ سے آواز نکل رہی ہے اور لوگ اس کی پرستش میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر پہلے قوم سے مخاطب ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ میرے آنے میں کونسی ایسی تاخیر ہوگئی تھی جو تم نے یہ آفت برپا کی؟ یہ فرماتے جاتے تھے اور غیض وغضب میں کانپ رہے تھے حتیٰ کہ ہاتھ سے توراۃ کی الواح بھی گر گئیں۔

اب قوم نے جو جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کی گمراہی۔ اور بے دینی کے فتنوں سے محفوظ فرماویں۔ اور دین اسلام پر ہم کو سختی سے قائم رکھیں اور اس پر استقامت نصیب فرماویں۔ ہم نے جو وعدہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر کیا ہے اس وعدہ کو پوری طرح اپنی حقیقت کے ساتھ ایفا کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اُس کو اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا ولیکن قوم کے زیور میں سے ہم پر بوجھ لدر ہا تھا سو ہم نے اُس کو ڈال دیا پھر اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬

سامری نے ڈال دیا۔ پھر اُس (سامری) نے اُن لوگوں کیلئے ایک بچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی سو وہ لوگ کہنے لگے کہ تمہارا

فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ

اور موسیٰ کا بھی معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے۔ کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو اُن کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ اُن کے کسی ضرر یا نفع پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اُن لوگوں سے

لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

ہارونؑ نے پہلے بھی کہا تھا کہ اے میری قوم تم اس (گوسالہ) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو اور تمہارا رب (حقیقی) رحمٰن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس آئیں اسی (کی عبادت) پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے۔

قَالُوْا وہ بولے	مَآ اَخْلَفْنَا ہم نے خلاف نہیں کیا	مَوْعِدَكَ تمہارا وعدہ	بِمَلْكِنَا اپنے اختیار سے	وَلٰكِنَّا اور لیکن	حُمِّلْنَا ہم پر لادا گیا		
اَوْزَارًا بوجھ	مِنْ سے	زِيْنَةِ الْقَوْمِ قوم کا زیور	فَقَذَفْنٰهَا تو ہم نے اسے ڈال دیا	فَكَذٰلِكَ پھر اسی طرح	اَلْقَى ڈالا		
السَّامِرِيُّ سامری	فَاَخْرَجَ پھر اس نے نکالا	لَهُمْ ان کیلئے	عِجْلًا ایک بچھڑا	جَسَدًا ایک قالب	لَّهٗ اس کیلئے	خُوَارٌ گائے کی آواز	
فَقَالُوْا پھر انہوں نے کہا	هٰذَا یہ	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	وَاِلٰهُ اور معبود	مُوْسٰى موسیٰ	فَنَسِيَ پھر وہ بھول گیا	اَفَلَا يَرَوْنَ پس کیا وہ نہیں دیکھتے	
اَلَّا يَرْجِعُ کہ وہ نہیں پھیرتا	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	قَوْلًا بات	وَلَا يَمْلِكُ اور اختیار نہیں رکھتا	لَهُمْ ان کے	ضَرًّا نقصان	وَ اور	
لَا نَفْعًا نہ نفع	وَ اور	لَقَدْ قَالَ تحقیق	لَهُمْ ان سے	هٰرُوْنُ ہارونؑ	مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں
فُتِنْتُمْ تم آزمائے گئے	بِهٖ اس سے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكُمُ تمہارا رب	الرَّحْمٰنُ رحمٰن ہے	فَاتَّبِعُوْنِيْ سو میری پیروی کرو		
وَاَطِيْعُوْا اور اطاعت کرو	اَمْرِيْ میری بات	قَالُوْا انہوں نے کہا	لَنْ نَّبْرَحَ ہم ہرگز جدا نہ ہونگے	عَلَيْهِ اس پر	عٰكِفِيْنَ جمے ہوئے		
حَتّٰى یہاںتک کہ	يَرْجِعَ لوٹے	اِلَيْنَا ہماری طرف	مُوْسٰى موسیٰ				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہوگئی اور ایک بچھڑے کی پرستش شروع کردی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حالت کو سن کر قوم کی طرف سے سخت رنجیدہ اور غصہ میں بھرے ہوئے کوہ طور سے واپس آئے اور قوم سے خطاب فرمایا کہ تم نے میرے پیچھے یہ کیا خلاف وعدہ بات کی کیا اس حرکت سے تم یہ چاہتے تھے کہ تمہارے رب کا غضب تم پر نازل ہو جاوے۔ ایسی کوئی زیادہ مدت بھی انتظار کرتے کرتے نہیں گزری تھی کہ تھک گئے اور پھر گوسالہ پرستی اختیار کرلی۔ قوم سے جو سختی سے باز پرس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تو انہوں

نے جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے وعدہ کے خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ یہ حرکت ہم سے سامری نے کرائی۔ مصریوں کے زیورات کا جو بوجھ ہم ساتھ لئے پھر رہے تھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں وہ ہم نے باہمی مشورہ کے بعد اپنے سے اتار پھینکا۔ اس کو آگ میں پگھلا کر سامری نے ڈھال لیا اور بچھڑے کی صورت بنا کر کھڑی کردی اور ہم کو گمراہ کر دیا اور سب کہنے لگے کہ موسیٰ سے بھول ہوئی کہ وہ اپنے خدا سے ہم کلام ہونے کے لئے طور پر گئے۔ خدا تو یہاں موجود ہے یعنی یہی بچھڑا۔ العیاذ باللہ۔ یہ قول بنی اسرائیل میں سے سخت جاہلوں اور غالیوں کا ہوگا۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھتی تھی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچانے کا اختیار رکھے وہ معبود یا خدا کس طرح بن سکتی ہے۔ اور اس سے بڑی جہالت یہ کہ ہارون علیہ السلام کی نصیحت کو بھی نہیں مانا چنانچہ ہارون علیہ السلام ان سے نرمی سے زبانی فہمائش کر چکے تھے کہ جس بچھڑے پر تم مفتون ہو رہے ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ تمہارا پروردگار تو صرف ایک رحمٰن ہے جس نے اب تک خیال کرو کس قدر رحمتوں کی بارش تم پر کی ہے۔ اسے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو۔ میں حضرت موسیٰ کا جانشین ہوں اور خود نبی ہوں۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ میری راہ چلو اور میری بات مانو اور سامری نے گمراہی میں مت آؤ۔ جس پر قوم کے اکثر لوگوں نے کہا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک تو ہم اس سے ٹلتے نہیں۔ ان کے آنے پر دیکھا جائے گا۔ جو ہونا ہوگا اس وقت ہوگا اس وقت ہم اپنے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ کریں گے۔

غرض اسرائیلیوں نے ہارون علیہ السلام کا کہنا نہیں مانا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ انسان کی بہت بڑی گمراہی ہے کہ انسان کو جب حق کی بدولت کامرانی و کامیابی حاصل ہو جائے تو خدا کے شکر و سپاس اور عبودیت و نیاز کی جگہ مخالفین حق کی طرح غفلت اور سرکشی اور عصیان و نافرمانی میں مبتلا ہو جائے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ حصہ جو فرعون سے نجات پا کر بحر قلزم عبور کرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے وہ اسی گمراہی سے معمور ہے۔ اسی لئے دیدہ دانستہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی سرکشی کرنے پر خدا تعالیٰ کی سزا بھی سخت ہوئی۔ جس کی کچھ تفصیلات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

اب یہاں بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کے پاکستان کی اب تک گذشتہ ۳۰ سالہ تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے تقسیم ہند جن کی آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے اور پاکستان بننے سے پہلے جو موجود تھے وہ سب جانتے ہیں کہ اس وقت ہر ایک لیڈر اور رہنما جو پاکستان کا حامی تھا یہی کہتا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی حکومت ہوگی جہاں ہم اسلامی شریعت کی روشنی میں اپنا رہنا سہنا کریں گے اور جہاں قرآنی احکام کا نفاذ ہوگا اور جہاں ہم قرآن وسنت کے موافق معاشرہ قائم کرسکیں گے۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان کردیئے کہ پاکستان بن گیا۔ اور بالکلیہ اقتدار آپ کے ہاتھوں میں آ گیا۔ تو جب اللہ نے آپ کو ایک دنیوی سلطنت وحکومت کے اعزاز سے نوازا اور پاکستان بنانے میں کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی اور فرنگیوں کے تسلط سے نجات بخشی تو چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ کے اس نعمت کی بڑی قدر دانی کی جاتی اور اس کی نافرمانی سے ہر طرح بچا جاتا مگر افسوس صد افسوس کہ جس اسلام کے نام پر یہ حکومت مانگی گئی تھی اور جس اسلام کے نام پر یہ حکومت قائم ہوئی اسی اسلام کو ہر طرح سے ذبح کر کے بے دم کرنے کی کوشش کی گئی اور لطف یہ کہ اسلام کا لیبل لگا کر یہ سب کچھ کیا گیا۔ اس ملک میں اب تک زنا۔ شراب۔ جوا۔ قمار۔ سود۔ اغوا۔ چوری۔ ڈکیتی۔ قتل۔ رشوت۔

محاشی - عریانی - بے شرمی بے حیائی - کا تمنا تو درکنار اور اضافہ روز افزوں ہے۔ اور ایک ایک شعائر اسلام کو جس بے دردی سے گذشتہ دور میں مٹانے کی کوشش کی گئی وہ بھی ظاہر ہے کہ گذشتہ میں حج پر پابندی ہونے کی وجہ سے کتنے اس تمنا میں مر گئے مگر حج نصیب نہ ہوا۔ رمضان میں کھلے بندوں ہوٹلوں میں کھانا پینا جو ہوتا رہا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ الغرض یہ داستان اس پاکستانی تاریخ کی نہایت دردناک ہے اور بڑی عبرتناک ہے کہ آدھا ملک ہاتھ سے جانے کے بعد بھی ہوش نہیں آیا۔

نوٹ۔ واضح ہو کہ یہ درس ابتداء اب سے تقریباً دس بارہ سال پہلے اور نظر ثانی کے لئے تقریباً ۷-۸ سال پہلے لکھا گیا تھا۔ اب جو کچھ ملک میں اسلامی نظام کے لئے کوشش اور وعدہ ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائیں اور اس ملک کی بدبختی کو خوش قسمتی سے پلٹ دیں اور ہم کو اس ملک کو حقیقی معنی میں پاکستان دیکھنا اپنی رحمت سے نصیب فرمائیں۔

یہ ذکر اس پر آ گیا تھا کہ حق تعالیٰ جب کوئی نعمت عطا فرمائیں اور اس نعمت کا حقیقی شکر نہ ادا کیا جائے بلکہ الٹی نافرمانی اور سرکشی اختیار کی جائے تو پھر قانون خداوندی سب کے لئے ایک ہے بنی اسرائیل کی گمراہیوں اور ان کی نافرمانیوں پر جو سزا ان کو ملیں ان سے ہم کو سبق لینے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہم کو جو یہ حکومت وسلطنت عطا فرمائی ہے اس کی حقیقی شکر گزاری کی توفیق اہل اقتدار حکام اور عوام سب کو عطا فرمائیں۔ آمین۔

الغرض کوہ طور سے واپسی پر پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے باز پرس کی۔ اب آگے حضرت ہارون علیہ السلام سے مخاطبت ہے اور ان سے باز پرس فرمائی جاتی ہے اور پھر سامری سے اس حرکت پر باز پرس فرمائی گئی جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو راہ حق دکھلا کر غفلت و نافرمانی سے بچائیں اور گذشتہ قوموں کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرماویں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پورا متبع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں اور ہر طرح کے فتنہ و گمراہی سے ظاہراً و باطناً بچاویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ

(موسیٰ نے) کہا کہ اے ہارونؑ جب تم نے (اُن کو) دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہوگئے تو تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا۔ ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے

لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ

تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) پکڑو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈال دی اور تم نے

تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

میری بات کا پاس نہ کیا۔ کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اُس فرستادہ کے نقشِ قدم سے

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

ایک مٹھی (بھر خاک) اُٹھالی تھی سو میں نے وہ مٹھی (اس قالب کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔

قَالَ اس نے کہا	يٰهٰرُوْنُ اے ہارونؑ	مَا مَنَعَكَ تجھے کس چیز نے روکا	اِذْ جب	رَاَيْتَهُمْ تو نے دیکھا انہیں	ضَلُّوْٓا وہ گمراہ ہوگئے	
اَلَّا تَتَّبِعَنِ کہ تو نہ میری پیروی کرے	اَفَعَصَيْتَ تو کیا تو نے نافرمانی کی	اَمْرِيْ میرا یہ حکم	قَالَ اس نے کہا	يَبْنَؤُمَّ اے میرے ماں جائے		
لَا تَاْخُذْ نہ پکڑیں	بِلِحْيَتِيْ مجھے داڑھی سے	وَلَا بِرَاْسِيْ اور نہ سر سے	اِنِّىْ بیشک میں	خَشِيْتُ ڈرا	اَنْ تَقُوْلَ کہ تم کہو گے	
فَرَّقْتَ تو نے تفرقہ ڈال دیا	بَيْنَ درمیان	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ بنی اسرائیل	وَ اور	لَمْ تَرْقُبْ نہ خیال رکھا	قَوْلِيْ میری بات	قَالَ اس نے کہا
فَمَا پس کیا	خَطْبُكَ تیرا حال	يٰسَامِرِيُّ اے سامری	قَالَ وہ بولا	بَصُرْتُ میں نے دیکھا	بِمَا وہ جو کہ	لَمْ يَبْصُرُوْا انہوں نے نہ دیکھا
بِهٖ اس کو	فَقَبَضْتُ پس میں نے مٹھی بھرلی	قَبْضَةً ایک مٹھی	مِنْ سے	اَثَرِ الرَّسُوْلِ فرشتہ کا نقشِ قدم	فَنَبَذْتُهَا تو میں نے وہ ڈال دی	
وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	سَوَّلَتْ پھسلایا	لِيْ مجھے	نَفْسِيْ میرا نفس			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے بڑی سختی کے ساتھ باز پرس کی جس کے جواب میں قوم نے اپنے کو بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور سامری کو گمراہ کرنے کا مجرم قرار دیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوئے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں تم کو اپنا خلیفہ بنا کر اور حکم کر کے گیا تھا کہ میرے پیچھے ان کی اصلاح کرنا پھر تم نے کیا اصلاح کی؟۔ کیوں اپنے موافقین کو ساتھ لے کر ان گوسالہ پرستوں کا سختی سے مقابلہ نہ کیا؟ اگر یہ نہ ہوسکتا تھا تو ان سے منقطع ہو کر میرے پاس طور پر کیوں نہ چلے آئے؟ اور فرطِ جوش میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال اور داڑھی پکڑ لی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی معذرت پیش کی اور فرمایا کہ اے میرے بھائی۔ میری مطلق خطا نہیں ہے۔ میں نے ان کو ہر چند سمجھایا مگر انہوں نے کسی طرح نہیں مانا اور کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام نہ آ جائیں ہم تمہاری بات سننے والے نہیں بلکہ انہوں نے مجھ کو کمزور پا کر میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا جب میں نے یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب اگر ان سے لڑائی کی جاوے اور مومنین اور گوسالہ پرستوں کے درمیان جنگ برپا ہو تو مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میرے پیچھے قوم میں تفرقہ ڈال دیا اس لئے میری سمجھ میں یہی آیا کہ آپ کے آنے کا انتظار کروں

بہ نسبت اس کے کہ پیچھے ایسا کوئی کام کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر مقابلہ ہوتا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوتے کچھ مخالف ہوتے تو مجھے ڈر ہوا کہ پھر یہ الزام مجھ پر لگتا کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا۔ قوم میں تفرقہ کیوں ڈالا۔

یہاں اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ دو پیغمبروں میں بھی اختلاف رائے ہوسکتا ہے اور دونوں طرف صواب کے پہلو ہوسکتے ہیں۔ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اس حالت میں ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے تھا۔ ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آجاتے جس سے ان کے عمل سے مکمل بیزاری کا اظہار ہوجاتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہوجائیں گے اور تفرقہ قائم ہوجائے گا۔ اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ان کے اثر سے پھر یہ سب ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مساہلت اور مساکنت کو ان کی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے۔ دونوں حضرات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل۔ ایمان و توحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کو اس کی تدبیر سمجھا۔ دوسرے نے اصلاح حال کی ابتداء تک ان کے ساتھ مساہلت اور نرمی کے معاملہ کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا۔ دونوں جانبین اہل عقل وفہم اور فکر ونظر کے لئے محل غور وفکر ہیں۔ کسی کو خطا کہنا آسان نہیں۔ مجتہدین امت کے اجتہادی اختلافات عموماً اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کو گنہگار یا نافرمان نہیں کہا جاسکتا۔ رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑنے کا معاملہ تو یہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے شدت وغضب کا اثر تھا کہ تحقیق حال سے پہلے انہوں نے ہارون علیہ السلام کو ایک واضح غلطی پر سمجھا اور جب ان کا عذر معلوم ہوگیا تو پھر اپنے لئے اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرمائی۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۱۴۲)

الغرض ہارون علیہ السلام کی معقول بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ان کی جانب سے فرو ہوا تو اب آپ سامری کی جانب مخاطب ہوئے اس کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے؟ سامری نے جواب دیا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی تھی جو ان اسرائیلیوں میں سے کسی نے نہیں دیکھی تھی اور وہ یہ کہ غرق فرعون کے وقت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار اسرائیلیوں اور فرعونیوں کے درمیان حائل تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑے کے سم کی خاک میں اثر حیات پیدا ہوجاتا ہے اور جہاں ان کے گھوڑے کے قدم پڑتے ہیں خشک زمین پر سبزہ اگ آتا ہے تو میں نے جبرئیل کے گھوڑے کے قدموں کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی اور اس خاک کو اس بچھڑے میں ڈال دیا اور اس میں زندگی کے آثار پیدا ہوگئے اور یہ بھاں بھاں کرنے لگا۔ سامری نے یہ کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا ہوگا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب مصر میں فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کراتا تھا تو سامری کی ماں اس کو ایک غار میں چھپا کر ڈال آئی کہ فرعونیوں کے ہاتھوں سے ذبح سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی۔ اس لئے سامری حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس صورت سے پہچانتا تھا۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

سامری کی یہ سخن سازی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول نہیں کی اور اس کا یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بد دعا دی۔ اور وہ بد دعا کیا تھی اور اس کا کیا اثر ہوا اور پھر اس گوسالہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ

آپ نے فرمایا تو بس تیرے لئے (دنیوی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرا کرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا، اور (اسکے علاوہ) تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں

إِلٰى إِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ إِنَّمَا

اور تو اپنے اس معبود (باطل) کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔ بس تمہارا

إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

(حقیقی) معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ (اپنے) علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	فَاذْهَبْ پس تو جا	فَإِنَّ لَكَ بیشک تیرے لئے	فِي الْحَيٰوةِ زندگی میں	أَنْ کہ	تَقُوْلَ تو کہے	لَا نہ
مِسَاسَ چھونا	وَإِنَّ اور بیشک	لَكَ تیرے لئے	مَوْعِدًا ایک وقتِ مقرر	لَّنْ تُخْلَفَهٗ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہوگا	وَانْظُرْ اور دیکھ	إِلٰى طرف
إِلٰهِكَ اپنے معبود	الَّذِيْ وہ جس	ظَلْتَ تو رہتا تھا	عَلَيْهِ اس پر	عَاكِفًا جما ہوا	لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ہم اسے البتہ جلائیں گے	
ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ پھر البتہ اسے بکھیر دیں گے	فِي الْيَمِّ دریا میں	نَسْفًا اُڑا کر	إِنَّمَا اس کے سوا نہیں	إِلٰهُكُمُ تمہارا معبود	اللّٰهُ اللہ	
الَّذِيْ وہ جو	لَا نہیں	إِلٰهَ کوئی معبود	إِلَّا هُوَ اس کے سوا	وَسِعَ وسیع	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	عِلْمًا علم

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باز پرس میں سامری نے جو جواب دیا تھا وہ بیان ہوا تھا چونکہ بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب سامری کا فعل تھا اس لئے سامری کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں سزا کی وعید سنائی۔ اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا کہ اس حرکت کی سزا دنیوی زندگی میں تو تیرے لئے یہ ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا۔ یعنی سب سے بالکل علیحدہ ہو کر رہے گا چونکہ سامری نے بچھڑے کا ڈھونگ بنایا تھا کہ جاہ اور ریاست حاصل ہو لوگ اس کے ساتھ ہوں اور سردار مانیں لہٰذا اس کے مناسب سزا ملی کہ کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے۔ جو قریب جائے تو وہ خود دور رہنے کی ہدایت کرے۔ اور دنیا میں ایک بالکل ذلیل اچھوت اور وحشی جانور کی طرح زندگی گزارے۔ لکھا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے بالکل الگ رہتا اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے ملتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اس ڈر سے لوگوں سے دور دور بھاگا پھرتا تھا کسی کو دور سے دیکھتا تو کہتا لا مساس مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے جنون ہو گیا تھا اور اس وحشت جنون میں لوگوں سے بھاگتا بھی تھا اور یہ لفظ لا مساس کہتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کو جذام یعنی کوڑھ ہو گیا تھا اس لئے لوگ اس کی ہوا سے بھی بچتے تھے۔ بہر حال یہ تو اس کی دنیا میں سزا ہوئی کہ نہ وہ کسی کو ہاتھ لگا سکے اور نہ کوئی اسے ہاتھ لگا سکے اور اس سزا کے علاوہ قیامت میں حق تعالیٰ کے عذاب کا جو وعدہ ہے وہ جدا رہا کہ جو کسی طرح ٹالا نہیں جا سکتا۔ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اس کی سزا سنائی اور آگے ارشاد فرمایا کہ تیری سزا تو یہ ہوئی اب تیرے جھوٹے معبود کی قلعی بھی کھولے دیتا ہوں۔ جس بچھڑے کو تو نے خدا بنایا اور دن بھر وہاں دل جمائے بیٹھا رہتا تھا۔ ابھی تیری

آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دوں گا اور پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہادوں گا تا کہ اس کے پجاریوں کو خوب واضح ہو جائے کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع ونقصان پہنچا سکتا خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ باطل کو مٹانے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو حق کی طرف بلاتے جاتے ہیں کہ یہ بچھڑا تو کیا چیز ہے۔کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی۔سچا معبود تو بس وہی ایک اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی عقلاً ونقلاً روا نہیں اور جس کا لامحدود علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے قتل کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سخی ہونے کے سبب قتل سے منع فرمادیا۔غرض کہ سامری کو جو سزا دی گئی ممکن ہے کہ وہ وحیاً ہو یا اجتہاداً سامری کو سزا سنانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ریزہ ریزہ کر کے جلا کر دریا میں بہادیا جس سے اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ جن اسباب و ذرائع سے شرک پیدا ہو یا اس کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ان کی بالکل بیخ کنی کر دینی چاہئے لکھا ہے کہ جب اس بچھڑے کے ذرات کو دریا میں بہادیا گیا اور جب سب لوگوں نے اس دریا کا پانی پیا تو جن لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی ان کے چہرے زرد پڑ گئے اور اس طرح سارے گوسالہ پرست معلوم ہو گئے۔تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کی جناب میں رجوع کیا کہ اب ان کے اس ارتداد اور بے دینی کی سزا آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ جن لوگوں نے یہ شرک کیا ہے ان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔جنھوں نے بچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں اور وہ بھی اس طرح کہ جو شخص رشتہ میں جس سے زیادہ قریب ہو وہ اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے یعنی باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو اور بھائی بھائی کو۔آخر بنی اسرائیل کو اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔یہودیوں کی توراۃ میں ہے کہ اس طرح تین ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے لیکن بعض اسلامی روایات میں اس سے بھی زیادہ تعداد مذکور ہے اور ۷۰ ہزار کا قتل کیا جانا نقل ہوا ہے۔غرض جب نوبت یہاں تک پہنچی تو موسیٰ علیہ السلام درگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا کہ بارالٰہا! اب ان پر رحم فرما اور ان کی خطا کو بخش دے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قاتل ومقتول دونوں کو بخش دیا اور جو زندہ ہیں اور قصوروار تھے ان کی بھی خطا معاف کر دی۔اب ان کو سمجھا دو کہ آئندہ شرک کے قریب بھی نہ جائیں۔

اب یہاں اس سورۃ میں ان آیات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ختم ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد اگلی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے اور اصل موضوع جس سے اس سورۃ کی ابتدا ہوئی تھی یعنی قرآن کا ذکر اسی موضوع پر یعنی قرآن پاک کے اتباع اور فرمانبرداری اور اس کا انجام اور اگر اس سے منہ موڑا اور اعراض اور انکار کیا تو اس کا بھی انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن مقاصد سے گذشتہ انبیاء کے واقعات وحالات قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں ہمیں ان سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے والا بنائیں۔اور ہم سے جو گذشتہ میں اس باب میں تقصیرات ہو چکی ہیں اسے اپنی رحمت سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے معاف فرما۔آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ

اسی طرح ہم آپ سے اور واقعات گزشتہ کی خبریں بھی بیان کرتے رہتے ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔ جو لوگ

اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ

اس سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بوجھ قیامت کے روز اُن کیلئے بُرا (بوجھ) ہوگا۔

الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ

جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی اور ہم اُس روز مجرم لوگوں کو قیامت میں اس حالت سے جمع کریں گے کہ (آنکھوں سے) کرنجے ہوں گے۔ چپکے چپکے آپس میں باتیں

بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ

کرتے ہوں گے کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس روز رہے ہو گے۔ جس مدت کی نسبت وہ بات چیت کریں گے اُس کو ہم خوب جانتے ہیں جبکہ اُن سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا

لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

کہ نہیں تم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو۔

كَذٰلِكَ اسی طرح	نَقُصُّ ہم بیان کرتے ہیں	عَلَيْكَ تجھ پر	مِنْ سے	اَنْۢبَآءِ خبریں	مَا جو	قَدْ سَبَقَ گزر چکا	
وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ اور تحقیق ہم نے تمہیں دیا	مِنْ لَّدُنَّا اپنے پاس سے	ذِكْرًا نصیحت	مَنْ جس	اَعْرَضَ منہ پھیرا	عَنْهُ اس سے	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	
يَحْمِلُ لادے گا	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	وِزْرًا بوجھ	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهِ اس میں	وَسَآءَ اور برا ہے	لَهُمْ ان کیلئے	
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	حِمْلًا بوجھ	يَوْمَ جس دن	يُنْفَخُ پھونک ماری جائیگی	فِي الصُّوْرِ صور میں	وَنَحْشُرُ اور ہم اکٹھا کرینگے		
الْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کو	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	زُرْقًا نیلی آنکھیں	يَتَخَافَتُوْنَ آہستہ آہستہ کہیں گے	بَيْنَهُمْ آپس میں	اِنْ نہیں	لَبِثْتُمْ تم رہے	
اِلَّا مگر	عَشْرًا دس دن	نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَا وہ جو	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	اِذْ يَقُوْلُ جب کہے گا	اَمْثَلُهُمْ سب سے اچھی
طَرِيْقَةً راہ	اِنْ نہیں	لَبِثْتُمْ رہے تم	اِلَّا مگر	يَوْمًا ایک دن			

تفسیر وتشریح:۔ قرآن پاک میں مختلف قصص اور گزشتہ تاریخی واقعات حسب موقع جو بیان فرمائے گئے ہیں ان کے متعدد فوائد ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ واقعات کا علم ہوجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کی عظمت میں اضافہ ہوجائے۔ کفار عرب خصوصاً قریش کے انکار و سرتابی سے جو رنج وملال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ کو ہوتا تھا وہ دور ہوجائے اور آپ کو تسلی ہوجائے کہ فقط میری قوم ہی میرا انکار نہیں کر رہی ہے بلکہ گزشتہ اقوام نے انبیاء کے طرح طرح کے معجزات دیکھ کر بھی ہمیشہ سرتابی کی ہے۔ پھر گزشتہ واقعات وحالات کو باوجود امی ہونے کے آپ کا بیان کرنا یہ کھلا ہوا ثبوت ہے کہ بغیر وحی الٰہی کے یہ تمام واقعات ماضیہ کا علم کس طرح ہوسکتا ہے۔ پھر منکرین کو بھی عبرت ہو کہ انکار کا نتیجہ جو پہلی

قوموں کو اٹھانا پڑا وہی ہم کو اٹھانا پڑے گا۔ مومنین کے ایمان میں پختگی پیدا ہو کہ گذشتہ امتوں میں بھی اہل ایمان نے منکرین کے ہاتھوں ابتداء کیسی سختیاں برداشت کیں مگر انجام کار اللہ نے حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرمایا۔ تو گذشتہ انبیاء کے واقعات و قصے بیان کرنے میں یہ متعدد فوائد ہیں۔

ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ ہم جو انبیائے سابقین اور گذشتہ اقوام کے واقعات آپ کو اور آپ کے ذریعہ سے تمام دنیا کو سناتے رہتے ہیں ان سے مقصود صرف نصیحت کرنا ہے اور جس طرح ہم نے گذشتہ انبیاء کو مختلف معجزات عطا کئے تھے اسی طرح ایک عظیم الشان نصیحت نامہ یعنی قرآن پاک آپ کو عطا کیا ہے جس میں دین و دنیا کے تمام ضروری مسائل اور عقیدہ و عمل کے تمام اصلاحی قوانین کا تذکرہ ہے۔ علوم ظاہری و اسرار باطنی کا بیان ہے۔ روحانی کمالات کے حصول اور دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہونے کے طریقوں کا اظہار ہے۔ تو اب جو شخص اس قرآن کی صداقت کا انکار کرے گا اور اس کے مضامین و قوانین ماننے سے روگردانی کرے گا تو وہ دوامی عذاب کا مستحق ہوگا اور اس قرآن کے اعراض و تکذیب سے جو گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان پر لادا جائے گا وہ کبھی ہلکا نہ ہوگا ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے پھر اس بوجھ کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ جب اٹھائیں تو پتہ چلے گا کہ کیسے برے اور سخت بوجھ کے نیچے دبائے گئے ہیں۔ اب چونکہ منکرین قرآن کا ذکر آ گیا اس لئے قیامت میں ان کا کیا حال اور کیسا انجام ہوگا کچھ اسکا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو سب مر جائیں گے اور پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے۔ یہاں آیت میں دوبارہ صور پھونکا جانا مراد ہے کہ جس دن یہ صور پھونکا جائے گا تو مجرمین جن سے مراد کفار ہیں محشر میں اس طرح لائے جائیں گے کہ ان کی آنکھیں ازرق ہوں گی۔ ازرق کے ترجمہ میں اہل تفسیر کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ قیامت کے ہولناک امور دیکھنے کے سبب کافروں کی آنکھیں کرنجی سبزی مائل بلی کی آنکھوں کی طرح ہوں گی۔ اہل عرب کے نزدیک ایسی آنکھیں منحوس اور معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ آنکھوں کے ازرق ہونے سے مراد نابینا ہونا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خوف و دہشت کی وجہ سے آنکھوں کی پتلیاں پھٹ جائیں گی یا کثرت نور سے کافروں کی آنکھیں اندھی ہو جائیں گی کیونکہ کفر کے سبب ان کی آنکھوں میں نور کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ بعض مفسرین نے حیرت و استعجاب سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کو آنکھوں کو ازرق ہونا کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے مقامات و احوال متعدد ہیں کہ بوقت حشر کافروں کی آنکھیں اچھی خاصی ہوں گی۔ پھر قیامت کی ہولناکی دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی پھر نیلی ہو جائیں گی اور آخر میں سب نابینا ہو جائیں گے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تاکہ دوزخ وغیرہ کو دیکھ سکیں۔ پھر آخرت کے طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا کہ گویا ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں رہے۔ بڑی جلدی دنیا ختم ہوگئی یہاں کے مزے اور لمبی چوڑی امیدیں سب بھول جائیں گے۔ بیہودہ عمر ضائع کرنے پر ندامت ہوگی اور جوان منکرین میں زیادہ ہوشیار ہوگا وہ کہے گا کہ عشرہ یعنی دس دن بھی کہاں تمہاری دنیا کی زندگی بس ایک دن کی تھی۔

یہاں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ جو شخص اس نصیحت نامہ یعنی قرآن سے منہ موڑے گا اور اس کی ہدایت اور رہنمائی قبول کرنے سے انکار کر دے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ اور اس کے رسول کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ اس کی یہ حماقت خود اپنے ساتھ دشمنی ہوگی۔ دوسری بات یہ بتائی گئی کہ کوئی شخص جس کو قرآنی احکام و نصائح پہنچیں اور پھر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کرے یا پہلوتہی کرے آخرت میں سزا پانے سے نہیں بچ سکتا۔ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ کسی قوم۔ کسی ملک۔ کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں۔

بلکہ یہ حکم ہر شخص کے لئے عام ہے۔ خواہ مغرب کا باشندہ ہو یا مشرق کا افریقہ کا سیاہ فام غلام ہو۔ یا امریکہ کا سفید فام عیار ہو۔ یورپین ہو یا ایشیائی چینی ہو یا جاپانی۔ ہندی ہو یا پاکستانی۔ جب تک یہ قرآن دنیا میں موجود ہے اور جہاں جہاں جس جس ملک اور قوم کے جس شخص کو بھی یہ پہنچے گا اس کے لئے دو ہی راستہ ہوں گے یا تو اس کو مانے اور اس کی پیروی اختیار کرے۔ یا اس کو نہ مانے اور اس سے اعراض اور روگردانی برتے جس کا انجام بھی ان آیات میں بتا دیا گیا **من اعرض عنه فانه يحمل يوم القيمة وزرا** یعنی جو شخص قرآن سے اعراض اور روگردانی کرے گا قیامت کے روز اس پر بڑا بوجھ عذاب کا لدا ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے "کہ قرآن سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں۔ اس کی تلاوت کی طرف کوئی دھیان ہی نہ کرے۔ نہ کبھی قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی فکر کرے یا قرآن کو پڑھے مگر غلط سلط پڑھے۔ تصحیح حروف کی فکر نہ کرے یا صحیح بھی پڑھے مگر بے توجہی اور بے دلی سے پڑھے۔ اسی طرح قرآن کے احکام کو سمجھنے کی طرف توجہ نہ دینا بھی قرآن سے اعراض ہے اور سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرنے میں کوتاہی یا اس کے احکام کی خلاف ورزی یا تو اعراض کا انتہائی درجہ ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) غرض قرآن کے حقوق سے بے پروائی کرنے کا بڑا وبال ہے جو قیامت کے روز بار گراں بن کر اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا جیسا کہ روایات حدیث میں بھی ہے کہ انسان کے برے اعمال اور گناہ قیامت کے روز ایک بار گراں بن کر اس کے اوپر لادا جائے گا۔" (معارف القرآن جلد ۶)

اب یہاں ہم اس پاکستان میں جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت کہلاتی تھی ان بدنصیب اور بدبخت افراد کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ جنہوں نے معاذ اللہ معاذ اللہ قرآن کو فرسودہ کتاب بتلایا۔ اور جنہوں نے یہ کہا کہ اگر قرآن اور اسلام اقتصادی مسائل کا مکمل حل پیش کرتا تو ہم سوشلزم کا نعرہ نہ لگاتے لیکن چونکہ سوشلزم ہی غربت اور افلاس کا حل ہے اس لئے ہم نے پیروں اور ملاؤں کی مخالفت کے باوجود اس کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ اب بتائیے کیا یہ کھلم کھلا قرآن سے اعراض اور روگردانی نہیں ہے کیا قرآن کو ماننے اور اس پر ایمان رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ بس ہم اسلام کا لیبل لگا کر جو چاہیں قرآن کو کہیں اور جو چاہیں اس کے قوانین اور احکام کو خیال کریں! قرآن کے ساتھ یہ منافقانہ رویہ اور یہ اعراض اور روگردانی کھلے ہوئے مخالف اور دشمن اسلام کے اعراض اور روگردانی سے زیادہ خطرناک ہے اللہ تعالیٰ اپنی ڈھیل کی رسی کو ان ظالموں پر کھینچ لیں اور ان کی شرارتوں اور درپردہ مخالفتوں کا خاتمہ فرماویں۔ (نوٹ: جس وقت یہ درس لکھا گیا تھا ملک میں ایسے ہی حالات تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اب ملک میں فضا بدلی ہوئی ہے۔ اور دینی فضا لانے کی کوشش ہو رہی ہے) یہ اپنے قوم اور ملک کا ذکر قرآن سے اعراض اور روگردانی پر بالاضطرار آ گیا۔ الغرض کہ اس کلام الٰہی کی آواز پر دنیا میں لبیک نہ کہنے والے اور اس مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے فرمان سے اعراض اور روگردانی کرنے والے اور بڑے سے بڑے سرکش اور متکبر جو خدائی قانون کے سامنے اپنی گردن جھکانے کو تیار نہ ہوئے تھے وہ قیامت کے روز اسی حیی قیوم کے سامنے کس طرح ذلیل اور مجرم قیدیوں کی طرح گردن جھکائے چلے آئیں گے اور ان کا کیا حال ہوگا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کو اور ہماری نسلوں کو اور ہمارے ملک کو اور ہماری قوم کو اور تمام عالم اسلام کو دنیا میں قرآن پاک کا متبع بنا کر زندہ رکھیں اور دل و جان سے اس کے احکام اور قوانین کو قبول کرنے والا اور ان پر عمل پیرا ہونے والا مسلمان بنا کر زندہ رکھیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَا

اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا) سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دیگا۔ پھر زمین کو ایک میدان ہموار کر دے گا

تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

کہ جس میں تو (اے مخاطب) نہ ہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا۔ اس روز سب کے سب بلانے والے کے کہنے پر ہولیں گے اسکے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا اور تمام آوازیں

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

اللہ تعالیٰ کے سامنے دب جاویں گی۔ سو تو (اے مخاطب) بجز پاؤں کی آہٹ کے اور کچھ نہ سنے گا اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو

وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ

اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو۔ وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا اور اس روز تمام چہرے

الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

اُس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہونگے۔ اور ایسا شخص تو ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لیکر آیا ہوگا۔ اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

سو اس کو نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ اور وہ آپ سے دریافت کرینگے	عَنِ الْجِبَالِ پہاڑ کے متعلق	فَقُلْ تو کہدیں	يَنْسِفُهَا انہیں بکھیر دیگا	رَبِّيْ میرا رب	نَسْفًا اُڑا کر			
فَيَذَرُهَا پھر اسے چھوڑ دیگا	قَاعًا میدان	صَفْصَفًا ایک ہموار	لَا تَرٰى نہ دیکھے گا تو	فِيْهَا اس میں	عِوَجًا کوئی کجی	وَّلَآ اور نہ	اَمْتًا کوئی بلندی	
يَوْمَئِذٍ اس دن	يَّتَّبِعُوْنَ وہ سب پیچھے چلیں گے	الدَّاعِيَ ایک پکارنے والا	لَا عِوَجَ نہیں کوئی کجی	لَهٗ اس کیلئے	وَخَشَعَتِ اور پست ہو جائیں گی			
الْاَصْوَاتُ آوازیں	لِلرَّحْمٰنِ اللہ کیلئے	فَلَا تَسْمَعُ پس تو نہ سنے گا	اِلَّا مگر	هَمْسًا آہستہ آواز	يَوْمَئِذٍ اس دن	لَّا تَنْفَعُ نہ نفع دے گی		
الشَّفَاعَةُ کوئی شفاعت	اِلَّا مگر	مَنْ جس	اَذِنَ لَهُ اجازت دے اس کو	الرَّحْمٰنُ اللہ	وَرَضِيَ اور پسند کرے	لَهٗ اس کی	قَوْلًا بات	
يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں کے درمیان	وَمَا اور جو	خَلْفَهُمْ ان کے پیچھے	وَلَا يُحِيْطُوْنَ اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے			
بِهٖ اس کا	عِلْمًا علم کے اندر	وَعَنَتِ جھک جائیں گے	الْوُجُوْهُ چہرے	لِلْحَيِّ سامنے	الْقَيُّوْمِ "قیوم"	وَقَدْ خَابَ اور نامراد ہوا	مَنْ جو	
حَمَلَ بوجھ اٹھایا	ظُلْمًا ظلم	وَمَنْ اور جو	يَّعْمَلْ کرے	مِنَ سے	الصّٰلِحٰتِ نیکی	وَ اور	هُوَ وہ	مُؤْمِنٌ مومن
فَلَا يَخٰفُ تو نہ اسے خوف ہوگا	ظُلْمًا کسی ظلم کا	وَّلَا هَضْمًا اور نہ کسی نقصان کا						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین قرآن کا ذکر ہوا تھا کہ جو دنیا میں اس قرآن سے اعراض اور روگردانی کریں گے وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ عذاب کا لادے ہوں گے اور پھر قیامت کے بعض احوال کا مجملاً تذکرہ فرمایا گیا تھا کہ عالم دنیا اور عالم

قبر کا زمانہ حشر میں ایسا معلوم ہوگا جیسے دنیا کا ایک دن تو منکرین حشر جو قیامت کو مانتے ہی نہ تھے اور طرح طرح کے شبہات نکالتے اور کہتے کہ ایسے ایسے سخت اور عظیم الشان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے۔ ان سب کو ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار کردی جائے گی جس میں کچھ اینچ پیچ اور اونچ نیچ نہ رہے گی۔ پہاڑوں کی رکاوٹیں ایک دم میں صاف کردی جائیں گی اور زمین چٹیل میدان ہوجائے گی۔ اس روز اسرافیل علیہ السلام بلند آواز سے محشر کی طرف بلائیں گے اور ان کی ندا سن کر سب کے سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ادھر ادھر مڑے بغیر سیدھے آواز کی طرف دوڑیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوجائیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں داعی یعنی بلانے والے سے مراد حضرات اسرافیل علیہ السلام ہیں جو بیت المقدس کی جگہ پر کھڑے ہوکر صور لے کر پکاریں گے۔ **ایتھا العظام البالیہ. والجلود المتفرقة واللحوم المتمزقة . ھمی الی عرض الرحمٰن.** اے گلی ہوئی ہڈیو! اور پراگندہ کھالو! اور ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو رحمٰن کے حضور میں چلو۔ تو یہ ندائے اسرافیل سن کر ہڈی گوشت کھال بال سب کچھ مل جل کر انسانی شکل بن کر قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور ہر شخص آواز کی طرف لپکے گا۔ کاش یہ منکرین لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا پر یہاں اپنی بدبختی اور کجروی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔ اور اس روز حق تعالیٰ کے خوف اور ہیبت کے مارے کسی کی اونچی آواز نہ نکل سکے گی سب کی آوازیں پست ہوں گی اور کوئی کچھ بولے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں اور اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی۔ بجز ایسے شخص کو کہ جس کی سفارش کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے شافعین کو اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے شافع کا بولنا پسند کرلیا ہو۔ اہل سنت کا اجماع ہے کہ قیامت کے دن فرشتے انبیاء اولیاء اور صلحائے امت شفاعت کریں گے مگر ان کی شفاعت بغیر اذن الٰہی کے نہ ہوگی اور یہ اجازت صرف کلمہ گو مومنین کے بارے میں ہوگی۔ کفار کے لئے سفارش کی کسی کو اجازت ہی نہ ہوگی۔ گویا منکرین کو یہ سنایا جارہا ہے کہ تم شفاعت اور سفارش سے بھی محروم رہو گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے سب اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کس کو کس کے لئے شفاعت کا موقع دینا چاہئے۔ اگر کوئی مومن ابتدا ہی میں شفاعت کے لائق ہے تو اس کے لئے ابتدا ہی میں شفاعت کی اجازت ہوگی۔ اور اگر جہنم میں داخل ہونے کے بعد قابل شفاعت ہوگا تو دخول جہنم کے بعد اس کی شفاعت ہوگی اور اگر کسی کے دل میں ایمان ہی نہیں اور وہ قابل شفاعت ہی نہیں تو اس کی شفاعت مطلقاً نہ ہوگی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس روز بڑے بڑے سرکش متکبروں کے سر بھی علانیہ اسی حیی و قیوم کے سامنے ذلیل قیدیوں کی طرح جھکے ہوں گے جنہوں نے کبھی خدا کے آگے پیشانی نہ ٹیکی تھی۔ اس وقت بڑی عاجزی سے گردن جھکائے چلے آئیں گے۔ اخیر میں تمام اہل محشر کے فرق اور انجام کو ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ ایسا شخص تو ہر طرح ناکام رہے گا جو ظلم یعنی شرک و کفر اور نافرمانی لے کر آیا ہوگا اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا یعنی مومن ہوگا اور ساتھ ہی عمل صالح بھی ہوں گے تو اس کو کامل اجر و ثواب ملے گا نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا نہ کمی کا یعنی اس کی کوئی نیکی نہ تو ضائع کی جائے گی اور نہ کسی نیکی کے اجر میں کمی کی جائے گی۔

یہاں بھی ظالموں اور مجرموں کے مقابلہ میں جو بشارت دی گئی ہے وہ نہ محض عمل صالح پر ہے اور نہ محض ایمان پر بلکہ دونوں کے مجموعہ پر یعنی اعمال صالحہ بھی ہوں اور ایمان بھی ہو ان کے لئے بشارت ہے کہ ان کو آخرت میں نہ بے انصافی کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

میرے عزیزو اور بھائیو۔ آج اس دنیا کی زندگی میں ہم کو موقع حاصل ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذخیرہ بھی جمع کرلیں کہ جو کل قیامت میں ہم کو اس بشارت کا مصداق بنادے اس لئے ہم کو اس زندگی کی قدر کرنا چاہئے اور اسکو اصل مقصد میں لگانا چاہئے۔ کہ قیامت کی ناکامی نصیب نہ ہو۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے بلکہ یقین کرلیجئے کہ اعمال صالحہ کسی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق وتائید ہی سے ممکن ہیں۔ اس لئے ہماری اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ عاجزانہ درخواست و دعا ہونی چاہئے کہ یا اللہ اپنی توفیق حسن ہمارے شامل حال فرمادے اور ہم کو اس دنیا کی زندگی میں اپنی مرضیات والے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمادے۔ یا اللہ ہم کو میدان حشر میں اپنے مطیعین اور مخلصین بندوں میں شامل ہوکر اپنے سامنے حاضر ہونا نصیب فرما۔ آمین۔

اب آگے نزول قرآن کی ایک اور حکمت بیان کی گئی ہے اور نزول وحی کے سلسلہ میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدایت تلقین فرمائی جاتی ہے۔ جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ایمان و اسلام کے ساتھ ہم کو اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اپنے فضل سے قیامت کے دن ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرمائیں کہ جن کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ ڈر۔ یا اللہ ہمیں شافع محشر شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین۔ سیدالانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت نصیب فرمایئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر بے حساب وکتاب جنت میں داخلہ نصیب فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو آج اس زندگی میں آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کی توفیق نصیب فرمادیجئے اور ہم سے اپنی مرضیات کے وہ اعمال صالحہ کرالیجئے کہ کل میدان حشر میں ہم کو عزت والی کامیابی وکامرانی نصیب ہوجائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ

اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تا کہ وہ لوگ ڈر جاویں یا یہ قرآن اُن کیلئے

يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى

کسی قدر سمجھ پیدا کر دے۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیا کیجئے

اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اور آپ یہ دُعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔

وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اس پر نازل کیا	قُرْاٰنًا قرآن	عَرَبِيًّا عربی	وَ اور	صَرَّفْنَا فِيْهِ ہم نے طرح طرح سے بیان کئے اس میں		
مِنَ سے	الْوَعِيْدِ ڈراوے	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَّقُوْنَ پرہیز گار ہو جائیں	اَوْ يُحْدِثُ یا وہ پیدا کر دے	لَهُمْ ان کیلئے	ذِكْرًا کوئی نصیحت	
فَتَعٰلَى اللّٰهُ سو بلند و برتر ہے اللہ	الْمَلِكُ بادشاہ	الْحَقُّ سچا	وَلَا اور نہ	تَعْجَلْ جلدی کرو	بِالْقُرْاٰنِ قرآن میں	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ کہ
يُّقْضٰى پوری کی جائے	اِلَيْكَ تمہاری طرف	وَحْيُهٗ اس کی وحی	وَقُلْ اور کہیئے	رَّبِّ اے میرے رب	زِدْنِيْ زیادہ دے مجھے	عِلْمًا علم	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کامل ضابطۂ اصلاح۔ قانون ہدایت اور مکمل دستور العمل ہے۔ اس کے اندر فلاح دارین کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ یہ محض تذکرہ قصص نہیں ہے نہ تاریخ اقوام بیان کرنا اس کی غرض ہے۔ لیکن چونکہ اسلاف کے ہدایت آمیز یا عبرت انگیز واقعات بیان کرنے سے انسان کے خیالات و اعمال کی فطرۃً اصلاح ہوتی ہے۔ ہر شخص طبعاً خوگر ہے کہ نظیر و مثال اس کے سامنے پیش کی جائے اس لئے قرآن میں جا بجا قصے و تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ تو جس طرح گذشتہ تاریخی واقعات بیان کرنے سے اصل غرض ہدایت و اصلاح ہے اسی طرح قرآن کو عربی میں نازل کرنے اور آیات وعید کو بار بار لانے سے بھی مقصود ہدایات ہے چونکہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اس لئے قرآن صاف زبان عربی میں نازل کیا گیا تا کہ وہ اس کو پڑھ کر خدا سے ڈریں اور بار بار آیات وعید لانے اور عذاب آخرت کا منظر پیش کرنے اور گذشتہ نافرمان قوموں کی تباہی کا تذکرہ کرنے سے اصل مدعا یہی ہے کہ قرآن سن کر لوگوں میں سمجھ پیدا ہو۔ نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ طاعت کی طرف راغب ہوں اور معاصی کو ترک کریں اور انجام کاران میں گناہوں سے بچنے کا ملکہ پیدا ہو جائے اور وہ متقی بن جائیں۔ اور اتنا نہ ہو تو کم از کم لوگوں کے دلوں میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ سوچ تو پیدا ہو جائے ممکن ہے یہی سوچ اور غور و فکر آگے بڑھتے بڑھتے ہدایت پر لے آئے اور ان کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی ہدایت ہو۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے اور عالی شان ہے اس نے ایسا عظیم الشان قرآن اور نافع کلام نازل فرمایا اور اپنے بندوں کو ایسی سچی اور اچھی باتیں ان کے فائدے کے لئے بتائیں۔ اب چونکہ یہاں نزول قرآن کا ذکر ہو رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت زبان مبارک سے کلمات وحی کی تکرار فرماتے جاتے تھے اور اس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ کہیں آیات وحی آپ بھول نہ جائیں اور جو حکم الٰہی نازل ہو اس میں فراموشی کے سبب اس کی تعمیل و تبلیغ سے قاصر نہ رہ جائیں اس لئے یہاں ایک ادب قرآن کی تنزیل سے

متعلق جس کا تعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ہے ارشاد فرمایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی پڑھ کر سنائیں تو آپ عجلت کر کے ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھنے لگا کریں کیونکہ اس میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سے سننا اور ساتھ ساتھ اس کو پڑھنا۔ سو ایسا نہ کیجئے بلکہ پوری وحی نازل ہو چکے تو پھر اس کو پڑھئے اور اس بات کا اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید یاد نہ رہے۔ یاد کرانا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور آپ بھی یاد ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے اور قرآن کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائیے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب قرآن لاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی پڑھنے لگتے کہ بھول نہ جاؤں۔ اس کے متعلق پہلے سورۂ قیامہ جو ۲۹ پارہ میں ہے ہدایت فرمائی گئی تھی۔ **لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه** اسے یاد کرنے کی جلدی میں اپنی زبان کو بار بار حرکت نہ دیجئے۔ اسے یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا جب ہم اسے سنا رہے ہوں تو غور سے سنتے رہئے پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ اس طرح آپ کی تسلی کر دی گئی تھی کہ اس قرآن کو یاد رکھوانا اور لوگوں تک پہنچوانا ہمارے ذمہ ہے لیکن شاید آپ بھول گئے اس لئے پھر اس آیت میں تاکید فرمائی اور بھولنے پر آگے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بیان فرمائی اور رب زدنی علما کی دعا تلقین فرمائی۔

اب آگے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی وہ دل عطا فرما دیں کہ جو قرآنی وعیدیں سن کر خوف الٰہی سے کانپ جائے۔ اور یہ خوف خداوندی ہمارے لئے تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

یا اللہ ہم کو بھی دین کی سمجھ عطا فرما۔ اور قرآن پاک کا علم ذوق شوق اور فہم نصیب فرما۔

اور اس کے جملہ احکام پر ہم کو عمل پیرا ہونے کی ہدایت و توفیق نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟

اوراس سے پہلے ہم آدمؑ کوایک حکم دے چکے تھے سواُن سے غفلت ہوگئی ہم نے اُن میں پختگی نہ پائی۔اوروہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا

لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

کہ آدمؑ کے سامنے سجدۂ (تحیت) کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے اُس نے انکار کیا۔پھر ہم نے کہا کہ اے آدمؑ (یادرکھو) یہ بلاشبہ تمہارااور تمہاری بی بی کا دشمن ہے سو کہیں تم دونوں کو

مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ﴿١١٧﴾ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿١١٨﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا

جنت سے نہ نکلوادے پھر تم مصیبت میں پڑجاؤ۔یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ ہے کہ تم نہ بھوکے رہوگے اور نہ ننگے ہوگے۔اور نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ

تَضْحَىٰ ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ ٱلْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿١٢٠﴾

دھوپ میں تپوگے۔پھراُن کوشیطان نے بہکایا کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتلاؤں اورایسی بادشاہی کہ جس میں کبھی ضعف نہ آوے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اور ہم نے حکم بھیجا	إِلَىٰٓ طرف	ءَادَمَ آدمؑ	مِن قَبْلُ اس سے قبل	فَنَسِىَ تو وہ بھول گیا	وَلَمْ نَجِدْ اور ہم نے نہ پایا	لَهُۥ اس میں	
عَزْمًا پختہ ارادہ	وَإِذْ اور جب	قُلْنَا ہم نے کہا	لِلْمَلَٰٓئِكَةِ فرشتوں کو	ٱسْجُدُوا۟ تم سجدہ کرو	لِءَادَمَ آدمؑ کو	فَسَجَدُوٓا۟ تو سب نے سجدہ کیا	
إِلَّآ سوائے	إِبْلِيسَ ابلیس	أَبَىٰ اس نے انکار کیا	فَقُلْنَا پس ہم نے کہا	يَٰٓـَٔادَمُ اے آدمؑ	إِنَّ بیشک	هَٰذَا یہ	عَدُوٌّ دشمن
لَّكَ تمہارا	وَلِزَوْجِكَ اور تمہاری بیوی کا	فَلَا سو تمہیں	يُخْرِجَنَّكُمَا نہ نکلوادے	مِنَ ٱلْجَنَّةِ جنت سے	فَتَشْقَىٰٓ پھر تم مصیبت میں پڑجاؤ	إِنَّ بیشک	
لَكَ تمہارے لئے	أَلَّا تَجُوعَ یہ کہ نہ بھوکے رہو	فِيهَا اس میں	وَلَا اور نہ	تَعْرَىٰ ننگے	وَأَنَّكَ اور یہ کہ تم	لَا نہ	تَظْمَؤُا۟ پیاسے رہوگے
فِيهَا اس میں	وَلَا تَضْحَىٰ اور نہ دھوپ میں رہوگے	فَوَسْوَسَ پھر وسوسہ ڈالا	إِلَيْهِ اسکی طرف	ٱلشَّيْطَٰنُ شیطان	قَالَ اسنے کہا	يَٰٓـَٔادَمُ اے آدمؑ	
	هَلْ کیا	أَدُلُّكَ میں تیری رہنمائی کروں	عَلَىٰ پر	شَجَرَةِ درخت	ٱلْخُلْدِ ہمیشگی	وَمُلْكٍ اور بادشاہت	لَّا يَبْلَىٰ نہ پرانی ہو

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی گئی تھی کہ بوقت نزول وحی آپ جوساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں توایسی عجلت نہ کیا کریں بلکہ جس وقت تک وحی نازل ہوتی رہے اس وقت تک آپ صرف غور سے سنا کریں۔اور اس کے بعد اسے پڑھا کریں اور آپ حق تعالیٰ سے مزید علم کی درخواست کرتے رہیں اور یہ کہتے رہیں کہ اے اللہ میرا علم اور بڑھا۔ تواس دعا میں علم قرآن کی تحصیل۔حفظ فہم سب ہی کچھ آگیا۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس درخواست ودعاء کی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کوایک امر کی ہدایت کی تھی۔اوروہ ہدایت یہ تھی کہ جنت میں ایک درخت کومعین کر کے بتلا دیا تھا کہ اس کے پھل کو نہ کھانا اوراس کے قریب بھی نہ جانا۔باقی اور ساری جنت کی نعمتیں تمہارے لئے کھلی ہوئی ہیں۔ان کو کھاتے پیتے رہواور یہ بھی بتلا دیا تھا کہ شیطان تمہارادشمن ہے۔اس کے بہکانے میں نہ آجانا مگرآدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور شیطان کے قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے۔اورابلیس کے وسوسہ سے ان کا عزم سست پڑگیا اور عہد کی پوری حفاظت نہ کرسکے اوران سے غفلت اور بے احتیاطی ہوگئی۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ علم بڑی ضروری چیز ہے کہ اس کے حصول کے

بعد اس کا نسیان بھی مضر ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہو اسے ہر وقت حق تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے ان مصالح کی بناپر جو حضرت آدم علیہ السلام کے خروج از جنت سے وابستہ تھیں اور نیز دوسری حکمتوں کی بناپر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس لغزش سے حفاظت نہیں کی اور وہ اس میں مبتلا ہو گئے اور حق تعالیٰ اگر انہیں فوراً تنبیہ کر دیتے تو ضرور بچ جاتے اس لئے اوپر جو دعا تعلیم فرمائی گئی تھی۔ یعنی رب زدنی علما اس میں دونوں باتیں داخل ہیں یعنی جو علم حاصل نہ ہو وہ علم دینا بھی اور دیئے ہوئے علم میں سے اگر کسی بات سے بھول یا غفلت ہو جائے تو اس پر تنبیہ کر دینا بھی تو مقصود یہ ہوا کہ آپ اس دعا سے ایسی لغزش سے بھی محفوظ رہیں گے جیسے آدم علیہ السلام سے ہو گئی تھی آگے وہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کا مع اس کے نتائج کے بیان فرمایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے ایسا کیا اور حکم الٰہی فوراً بجالائے۔ یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ فرشتوں کا یہ سجدہ کرنا سجدہ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تعظیم وتحیت تھا جو انبیائے سابقین کی شریعت میں جائز رہا۔ سجدۂ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔ مگر خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی بھی منسوخ ہو گیا جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدمؑ کی شریعت میں جائز تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ پس تمام ملائکہ نے حق تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا بجز ابلیس کے کہ جو جنات میں سے تھا اور اپنی عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شامل کر لیا گیا تھا اس نے سجدہ نہیں کیا اور صاف انکار کر دیا۔ جس پر وہ مردود ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اے آدم یاد رکھو یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن اس وجہ سے ہے کہ یہ تمہارے معاملہ میں مردود ہوا لہٰذا تم کو آئندہ اس سے ہوشیار رہنا چاہئے اور اس کے کسی مشورہ پر عمل نہ کرنا چاہئے تو دیکھو خبردار اس کے کہنے سے کوئی ایسا کام مت کر بیٹھنا کہ جنت سے باہر کئے جاؤ اور پھر مصیبت میں پڑو۔ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ نہ تم کبھی بھوکے ہو گے کہ اس سے تکلیف ہو یا اس کی تدبیر میں پریشانی ہو اور نہ ننگے ہو گے کہ کبھی کپڑا نہ ملے اور نہ پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ اور گرمی میں تپو گے۔ بخلاف اس حالت کے کہ اگر یہاں سے نکلے تو یہ ساری مصیبتیں ہوں گی اس لئے ان امور کو پیش نظر رکھ کر خوب ہی ہوشیاری اور بیداری سے رہنا۔ اس کے بعد شیطان نے ان کو جھانسہ دیا اور بہکایا اور کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کی خاصیت کا درخت بتلادوں کہ اس کے کھانے سے ہمیشہ شاد و آباد رہو اور ایسی بادشاہی حاصل رہے کہ جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔

آدم علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے سورۂ بقرہ۔ سورۂ اعراف۔ سورۂ حجر۔ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں گزر چکا ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے پھر دہرایا گیا ہے ہر جگہ موقع اور سلسلہ بیان کی مناسبت کے لحاظ سے قصہ کی تفصیلات مختلف طریقہ سے بیان کی گئی ہیں۔ قصہ کے جو اجزا موضوع بحث سے مناسبت رکھتے ہیں وہ اسی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ غرض کہ آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ابلیس جو تمہاری وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تم اس سے ہوشیار رہنا یہ تمہارے جنت سے نکالنے کی فکر میں لگا رہے گا پس ایسا کام نہ کرنا جس سے تمہیں جنت سے نکلنا پڑے اور پھر دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے اس کا بوجھ بھی تم پر پڑے گا۔ یہاں جنت میں تو کھانے پینے۔ غذا۔ قیام طعام لباس کے سب آرام تم کو حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکالے گئے تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لئے تم کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ مگر شیطان ابلیس لعین تو ان حضرات کی گھات میں لگا ہوا تھا چنانچہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشہ جنت میں رہنے کا ذریعہ نہ بتلادوں جس سے نہ تم کو کبھی موت آئے اور نہ تمہاری بادشاہت کو کبھی زوال ہو گا اور خدا کی جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھالیا تو تم کو جنت کا دوام اور ہمیشگی کا خلود حاصل ہو جائے گا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے قرب اور جنت کے دائمی عیش و عشرت کے شوق و رغبت نے اس ممانعت کو بھلا دیا اور ابلیس کے بہکانے سے اس ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا۔ پھر اس کا کیا انجام اور نتیجہ ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰۤى

سو دونوں نے اس درخت سے کھالیا تو اُن دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدمؑ سے اپنے رب کا قصور ہو گیا

اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۱۲۱ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۱۲۲ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا

سو غلطی میں پڑ گئے۔ پھر اُن کو اُن کے رب نے مقبول بنا لیا سو اُن پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اُترو (اور دنیا میں) ایسی حالت سے جاؤ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۱۲۳

کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا۔

فَاَكَلَا پس دونوں نے کھایا	مِنْهَا اس سے	فَبَدَتْ تو ظاہر ہوگئیں	لَهُمَا ان پر	سَوْاٰتُهُمَا ان کی شرم گاہیں	وَ اور	طَفِقَا يَخْصِفٰنِ وہ دونوں لگے جوڑنے	
عَلَيْهِمَا اپنے اوپر	مِنْ سے	وَّرَقِ الْجَنَّةِ جنت کے پتے	وَعَصٰى اور نافرمانی کی	اٰدَمُ آدم	رَبَّهٗ اپنا رب	فَغَوٰى تو وہ بہک گیا	ثُمَّ پھر
اجْتَبٰهُ اس کو چن لیا	رَبُّهٗ اس کا رب	فَتَابَ توجہ فرمائی	عَلَيْهِ اس پر	وَهَدٰى اور اسے راہ دکھائی	قَالَ فرمایا	اهْبِطَا تم دونوں اتر جاؤ	
مِنْهَا یہاں سے	جَمِيْعًا سب	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض	لِبَعْضٍ بعض کے	عَدُوٌّ دشمن	فَاِمَّا پس اگر	يَاْتِيَنَّكُمْ تمہارے پاس آئے	
مِّنِّيْ میری طرف سے	هُدًى ہدایت	فَمَنِ تو جس نے	اتَّبَعَ پیروی کی	هُدَايَ میری ہدایت	فَلَا يَضِلُّ تو نہ وہ گمراہ ہوگا	وَ اور	لَا يَشْقٰى نہ بدبخت ہوگا

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اس فہمائش کا ذکر تھا کہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اور بتلا دیا گیا تھا کہ یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی دونوں کا دشمن ہے۔ اس سے خبردار رہنا۔ کہیں اس کے کہنے میں آ کر مصیبت میں نہ پڑ جانا کہ جنت سے نکالے جاؤ۔ ابلیس جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے مردود و ملعون قرار دیا گیا تھا حضرت آدم علیہ السلام کا دشمن اور حاسد بنا ہوا تھا اور اسی فکر اور داؤ گھات میں لگا رہتا کہ کسی طرح حضرت آدم سے یہ دائمی عزت و راحت جو انہیں جنت میں حاصل تھی چھن جائے۔ شیطان آخر شیطان ہی تھا۔ اس نے آدم علیہ السلام کو بہکانا چاہا۔ اغوا کی اور کوئی صورت اسے نظر نہ آئی کیونکہ لالچ یا خوف دو ہی چیزیں ہیں جو اغوا کا سبب بن سکتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر طرح راحت حاصل تھی اس لئے لالچ نہیں دیا جا سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت بھی تھی اس لئے کسی قسم کا ڈر اور بھی ناممکن تھا اس لئے ابلیس نے لالچ اور خوف دلانے کی بجائے ایک اور تدبیر نکالی۔ کوئی نعمت کتنی ہی بڑی ہو لیکن اس کے زوال اور فنا کا خیال آ جاتا ہے تو لطف کرکرا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کا ناصح اور خیر خواہ بن کر آیا اور اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں آپ کو ایسے درخت کا پتہ بتائے دیتا ہوں کہ جس کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ آپ غیر فانی ہو جائیں گے اور ہمیشہ جنت میں مقیم رہیں گے۔ آپ کو دوامی زندگی۔ سرمدی عیش اور لازوال حکومت حاصل ہوگی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بڑھ کر مقام قرب حق میں قیام کا حریص اور کون ہو سکتا تھا اور اس کا تو آپ تصور ہی نہیں فرما سکتے تھے کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کر سکتا ہے اس لئے آپ اس کے کہے میں آ گئے اور اس کے مشورہ کو اپنے اجتہاد میں رضائے حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھے۔ اور حق تعالیٰ نے اس شجر ممنوعہ کی جو ممانعت فرمائی تھی اس کی تاویل کر لی ہوگی۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ امر و نہی کبھی تو تشریعاً ہوتے ہیں اور کبھی شفقۃً اور اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک تو ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے اور ایک جو ریل کے ڈبوں میں لکھا ہوتا ہے کہ "تھوکو مت۔ اس سے بیماری پھیلتی ہے" یہ نہی شفقۃً ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر و نواہی بعض تشریعی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ اوامر و نواہی ہیں جن کا منشا تشریع نہیں محض

شفقت ہے جیسا کہ طب نبوی وغیرہ کی بہت ہی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔تو شاید حضرت آدم علیہ السلام نے اس ممنوعہ شجر سے پھل کھانے کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا اسی لئے ابلیس کی وسوسہ اندازی کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا۔مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی چھوٹی سی لغزش بھی ان کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم و ثقیل بن جاتی ہے اسی لئے اپنی اس اجتہادی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ واستغفار میں مشغول گریہ وبکا رہے۔

الغرض ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس کے بہکانے سے دونوں یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اس درخت سے کھالیا جس سے ممانعت ہوئی تھی اور شیطان نے اس کو شجرۃ الخلد بتلایا تھا تو اس کے کھاتے ہی لباس بہشتی ان کے بدن سے اتر گیا تو اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر چپکانے لگے اور بدن کو ڈھانکنے لگے۔اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے حکم الٰہی کے امتثال میں غفلت وکوتاہی ہوئی اور اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے۔ بہرحال حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور جیسا کہ سورۂ اعراف میں ذکر ہوا ہے دونوں نے عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق بخشی اور پھر قبولیت سے نوازا اور بیش از بیش مہربانی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر قائم کردیا۔اس طرح حق تعالیٰ نے نہ صرف اس غلطی کو معاف ہی کیا بلکہ آئندہ کے لئے راہ راست بھی بتائی اور اس پر چلنے کا طریقہ بھی سکھایا مگر ساتھ ہی یہ حکم ہوا کہ تم دونوں کے دونوں جنت سے نیچے اترو اور دنیا میں ایسی حالت سے جاؤ کہ تمہارے فرزندوں میں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔میں وہاں بھی تمہارے پاس یعنی بنی آدم میں احکام بھیجوں گا یعنی نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے دنیا میں اپنے احکام بھیجتا رہوں گا پس جو میری رہنمائی کا اتباع کرے گا تو وہ نہ جنت کے راستہ سے بھٹکے گا۔نہ اس سے محروم ہوکر تکلیف اٹھائے گا جس وطن اصلی سے نکل کر آیا تھا بے کھٹکے پھر وہیں جا پہنچے گا۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ایک طرف خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو دوام راحت اور بقائے عیش وعزت کی ترغیب دی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن ہے تو کہیں تم کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مصیبت میں پڑجاؤ۔دوسری طرف ابلیس نے بھی لازوال راحت اور غیر فانی عیش کا لالچ دیا۔خدا تعالیٰ نے دوام عیش کو مقررہ درخت کا پھول نہ کھانے سے وابستہ کیا تھا اور شیطان نے بھی اسی شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کو دائمی راحت ولازوال زندگی کے حصول کا سبب قرار دیا تھا۔خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو یہ بھی بتادیا تھا کہ ابلیس تمہارا قطعی دشمن ہے مگر آدمؑ اغوائے شیطانی میں آگئے۔آدم علیہ السلام کا شیطان کی طرف جھک جانا اور حکم خدا کو بھول جانا دلالت کررہا ہے کہ تقدیر الٰہی تمام عالم میں جاری وساری ہے۔کوئی مقدرات کو ٹالنے والا نہیں۔علم کیسا ہی روشن ہو اور دلیل کیسی ہی واضح ہو لیکن اس سے کچھ نفع نہ ہوگا جب کہ اللہ نے اس کے خلاف مقدر کیا ہے اور ہر دانا کی دانائی اسی وقت مفید ہوگی جب تقدیر الٰہی میں نفع آفرینی موجود ہو۔" (تفسیر بیان السبحان)

یہی وجہ ہے کہ عارفین اور اولیاء اللہ مقدرات خداوندی سے لرزاں وترساں رہتے ہیں اور انجام کی کامیابی کے لئے عجز ونیاز سے درگاہ الٰہی میں دعاگو رہتے ہیں۔

الغرض حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو حکم ہوا کہ اب جنت سے اتر کر نیچے دنیا میں جاؤ اور وہاں آباد ہو۔اور اللہ کے جو احکام وہدایات دنیا میں پہنچیں ان کا اتباع کیا جائے۔ جو ایسا کرے گا وہ پھر اسی جنت میں آ پہنچے گا۔اب آگے ان کا حال اور انجام بیان فرمایا گیا ہے کہ جو دنیا میں احکام خداوندی کا اتباع نہیں کریں گے اور اس سے اعراض وانکار برتیں گے ان کا انجام دنیا اور آخرت میں کیسا ہوگا۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ

اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اُس کیلئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اُس کو اندھا کر کے (قبر) سے اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب

لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے، پھر تو نے اُن کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج

تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ

تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا۔ اور اسی طرح اُس شخص کو ہم سزا دیں گے جو حد سے گذر جاوے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے، اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت

وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ

اور بڑا دیر پا۔ کیا ان لوگوں کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم اُن سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں،

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

اس میں تو اہل فہم کیلئے دلائل موجود ہیں۔

وَمَنْ اور جس	اَعْرَضَ منہ موڑا	عَنْ سے	ذِكْرِىْ میرے ذکر	فَاِنَّ تو بیشک	لَهٗ اس کیلئے	مَعِيْشَةً گزران	ضَنْكًا تنگ
وَنَحْشُرُهٗ اور ہم اسے اٹھائیں گے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	اَعْمٰى اندھا	قَالَ وہ کہے گا	رَبِّ اے میرے رب	لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ تو نے مجھے کیوں اٹھایا		
اَعْمٰى اندھا	وَ اور	قَدْ كُنْتُ میں تو تھا	بَصِيْرًا دیکھتا	قَالَ وہ فرمائے گا	كَذٰلِكَ اسی طرح	اَتَتْكَ تیرے پاس آئیں	اٰيٰتُنَا ہماری آیات
فَنَسِيْتَهَا تو تو نے انہیں بھلا دیا	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	الْيَوْمَ آج	تُنْسٰى ہم تجھے بھلا دیں گے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نَجْزِىْ ہم بدلہ دیتے ہیں		
مَنْ جو	اَسْرَفَ حد سے نکل جائے	وَلَمْ يُؤْمِنْ اور نہ ایمان لائے	بِاٰيٰتِ آیتوں پر	رَبِّهٖ اپنا رب	وَلَعَذَابُ اور البتہ عذاب	الْاٰخِرَةِ آخرت	
اَشَدُّ شدید ترین	وَ اور	اَبْقٰى زیادہ دیر تک رہنے والا ہے	اَفَلَمْ يَهْدِ کیا ہدایت نہ دی	لَهُمْ انہیں	كَمْ کتنی ہی	اَهْلَكْنَا ہم نے ہلاک کر دیں	
قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِّنَ الْقُرُوْنِ قوموں	يَمْشُوْنَ وہ چلتے پھرتے ہیں	فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ان کے مساکن میں	اِنَّ بیشک	فِىْ میں	ذٰلِكَ اس	
لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں ہیں	لِّاُولِى النُّهٰى عقل والوں کیلئے						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام جب اپنی غلطی پر ندامت اور شرمساری کے ساتھ توبہ استغفار کرتے ہوئے عفوودرگزر کے خواستگار ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا اور معاف فرمادیا مگر تقاضائے حکمت یہ فیصلہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو سنایا گیا کہ تم کو اور تمہاری اولاد کو ایک معین وقت تک اب دنیا میں قیام کرنا ہوگا لہٰذا جنت سے نیچے دنیا میں جاؤ اور تمہارا دشمن ابلیس بھی اپنے تمام سامان عداوت کے ساتھ وہیں رہے گا۔ میں دنیا میں اپنے احکام بھیجتا رہوں گا پس جو میری رہنمائی کا اتباع کرے گا تو پھر وہ اپنے اصلی وطن یعنی جنت میں جا پہنچے گا اور اس سے محروم نہ ہوگا۔ اب آگے ان آیات میں پہلے گروہ کے مقابل احکام خداوندی سے اعراض اور انکار کرنے والوں کا حال اور انجام بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص دنیا میں احکام خداوندی

سے اعراض وانکار کرے گا اور اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا ہی کی فانی زندگی کو قبلہ مقصود بنا بیٹھے گا تو دنیا میں اس کو معیشۃ ضنکا یعنی تنگی کا جینا نصیب ہوگا۔ یعنی اس کی زندگی مکدر اور قلبی سکون اور حقیقی اطمینان سے خالی ہوگی گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش وعشرت نظر آئیں مگر اس کا دل قناعت وتوکل سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص اور دنیا کی ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت ۹۹ کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت اور زوال دولت کے خطرات الگ سو ہان روح رہتے ہیں بڑے بڑے دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں۔ سب اسی تنگی معیشت کے مظاہرہ ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الٰہی اور ذکر الٰہی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ بعض مفسرین نے یہاں آیت میں معیشۃ ضنکا کے معنی لئے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہوسکے گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدمست ہے اس کا سارا مال و دولت اور سامان عیش و عشرت آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ تو جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے۔ بعض مفسرین نے معیشۃ ضنکا سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا دور آئے گا جب کہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کردی جائے گی۔ بہرحال معیشۃ ضنکا کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہوسکتی ہیں۔ یہ تو انکار یا اعراض کا نتیجہ وحال قیامت سے پہلے دنیا یا برزخ میں ہوگا۔ اور قیامت میں آنکھوں سے اندھا کر کے محشر کی طرف لایا جائے گا اور دل کا بھی اندھا ہوگا کہ جہنم کے راستہ کے سوا کوئی راستہ اس کو نہ سوجھے گا۔ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تاکہ جہنم اور اہوال محشر کا معائنہ کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکر اور کافر جو دنیا میں ظاہری آنکھیں رکھتا تھا تعجب سے سوال کرے گا کہ دنیا میں تو میں بینا تھا اب مجھ سے یہ آنکھیں کیوں چھین لی گئیں اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ دنیا میں ہماری آیات دیکھ کر اور سن کر یقین نہ لایا۔ نہ ان پر عمل کیا۔ ایسا بھولا رہا کہ سب سنی ان سنی کردی۔ آج اسی طرح تجھ کو بھلایا جارہا ہے۔ جیسے وہاں حق سے اندھا بنا رہا تھا یہاں اسی کے مناسب سزا ملنے اور اندھا کر کے اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ہے؟ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اسی طرح ہر مجرم کو اس کے مناسب حال سزا دی جائے گی اس لئے بڑی حماقت ہوگی کہ یہاں کی تکلیف سے گھبرائیں اور وہاں کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔ آگے اس وقت کے کفار مکہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر آخرت میں جو سزا انکار اور اعراض پر ملے گی اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ انہی مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر وطغیان کی بدولت تباہ کی جاچکی ہیں جن کے افسانے لوگوں کی زبان پر باقی ہیں اور جن میں سے بعض کے کھنڈرات پر سفر کرتے ہوئے ان کا گزر بھی ہوتا ہے جنہیں دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی یاد تازہ ہوجانا چاہئے کہ کس طرح وہ چلتے پھرتے اپنی جگہوں میں ہلاک کردیئے گئے۔ اہل دانش کے لئے تو ان علامات کے اندر عبرت اندوزی کا کافی ذخیرہ ہے اس لئے عقلمند تو انجام کے عذاب سے ڈرتے اور راحت آخرت کی فکر کرتے ہیں اور آیات الٰہیہ سے منہ موڑ کر حماقت سے اس بات کے منتظر نہیں رہتے کہ عذاب آئے گا۔ آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب مانیں گے۔

اب جو کفار ومشرکین باوجود ہر طرح کے فہمائش اور دلائل قطعیہ کے اعراض اور انکار پر مصر رہتے ہیں اور عذاب الٰہی سے فوراً ہلاک نہیں کردیئے جاتے تو اس کی وجہ وحکمت اور ان اعراض اور انکار کرنے والوں کے قول وفعل سے جو ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو پہنچتی تھی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اگلی آیات میں فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

اور اگر آپکے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب لازمی طور پر ہوتا۔ سو آپ اُنکی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کیساتھ

رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ

(اس کی) تسبیح کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول و آخر میں تا کہ

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

آپ (اُس سے) خوش ہوں۔ اور ہرگز اُن چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو اُن کی آزمائش کیلئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیوی زندگی

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔

وَلَوْ اور اگر	لَا كَلِمَةٌ نہ ہوتی ایک بات	سَبَقَتْ ہو چکی	مِنْ سے	رَبِّكَ تمہارا رب	لَكَانَ تو ضرور آجاتا	لِزَامًا عذاب	وَاَجَلٌ اور میعاد	
مُسَمًّى مقرر	فَاصْبِرْ پس صبر کریں	عَلٰى پر	مَا يَقُوْلُوْنَ جو وہ کہتے ہیں	وَسَبِّحْ اور تسبیح کریں	بِحَمْدِ تعریف کیساتھ	رَبِّكَ اپنا رب	قَبْلَ پہلے	
طُلُوْعِ الشَّمْسِ طلوع آفتاب	وَقَبْلَ اور پہلے	غُرُوْبِهَا اس کے غروب	وَمِنْ اور کچھ	اٰنَآئِ الَّيْلِ رات کی گھڑیاں	فَسَبِّحْ پس تسبیح کریں			
وَ اور	اَطْرَافَ کنارے	النَّهَارِ دن	لَعَلَّكَ تاکہ تم	تَرْضٰى خوش ہو جاؤ	وَ اور	لَا تَمُدَّنَّ نہ پھیلانا	عَيْنَيْكَ اپنی آنکھیں	اِلٰى طرف
مَا مَتَّعْنَا جو ہم نے برتنے کو دیا	بِهٖ اس سے	اَزْوَاجًا جوڑے	مِنْهُمْ ان سے	زَهْرَةَ آرائش	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی			
لِنَفْتِنَهُمْ تاکہ ہم انہیں آزمائیں	فِيْهِ اس میں	وَرِزْقُ اور عطیہ	رَبِّكَ تیرا رب	خَيْرٌ بہتر	وَاَبْقٰى اور تادیر رہنے والا			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ یا اس وقت کے منکرین قرآن کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں جو سزا انکار و اعراض پر ملے گی اگر ان کو اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی یہ سبق حاصل نہیں کرتے۔ انہیں مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر و طغیان کی بدولت ہلاک کی جا چکی ہیں جن کی تباہی و بربادی کے قصے یہ کفار مکہ سن چکے ہیں اور ان تباہ شدہ قوموں کی بستیوں کے کھنڈرات پر سے سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں پھر بھی ان کے انجام سے یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کے کفر و شرک۔ اعراض و انکار کا اقتضاء تو یہی ہے کہ ان پر عذاب فی الفور آ جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو ابھی ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے اس کی دی ہوئی مہلت کے دوران میں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار اور منکرین جو کچھ بھی کہیں یا آپ کے ساتھ کریں اس کو آپ صبر کے ساتھ برداشت کریں اور ان کی تمام تلخ اور ترش باتیں سنتے ہوئے اپنا فریضہ تبلیغ و تذکیر انجام دیتے رہیں۔

واضح رہے کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول وہ وقت ہے جبکہ مکہ میں کفار مکہ اسلام کو دبانے اور ناکام بنانے میں ہر حربہ استعمال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو ڈرانا۔ دھمکانا ہر ممکن طرح سے تنگ کرنا اور ظلم و ستم مار پیٹ کسی طرح سے بھی گریز نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برے برے کلمات سے یاد کرتے تھے۔ کوئی آپ کو معاذ اللہ ساحر کہتا۔ کوئی شاعر کہتا۔ کوئی مجنون کہتا اور کوئی

کاہن کہتا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل ایمان کو سمجھایا جاتا ہے کہ ان منکرین حق کے معاملہ میں صبرو استقامت سے کام لیں۔ خدا کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی قوم کو اس کے کفروانکار پر فوراً نہیں پکڑ لیتا بلکہ سوچنے اور سمجھنے کے لئے کافی مہلت اور موقع دیتا ہے لہٰذا گھبرائیں نہیں۔ صبر کے ساتھ ان منکرین کی زیادتیاں برداشت کئے چلے جائیں اور نصیحت کا حق ادا کرتے رہیں اور صبروسکون سے آخری نتیجہ کا انتظار کرتے رہیں۔

آگے ہدایت دی جاتی ہے کہ تحمل اور برداشت اور صبر کی طاقت آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نماز سے ملے گی جن کو اپنے اوقات میں پابندی سے ادا کرنا چاہئے۔ پھر نماز کے اوقات کی طرف اشارہ فرمایا گیا یعنی سورج نکلنے سے پہلے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے۔ اور رات کے اوقات میں اور دن کے کناروں پر بھی۔ دن کے کنارہ تین ہی ہوسکتے ہیں ایک کنارہ صبح ہے۔ دوسرا کنارہ زوال آفتاب اور تیسرا کنارہ شام تو مطلب یہ کہ آپ اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے۔ ان منکرین کی طرف سے فکر نہ کیجئے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جو آرائش حیاۃ اور دنیوی ساز وسامان ہم نے ان طرح طرح کے کافروں کو مثلاً یہود۔ نصاریٰ۔ مشرکین۔ مجوس وغیرہ وغیرہ کو دیئے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جیسے اب تک نہیں دیکھا۔ یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت کی ہے مثلاً قرآن کریم منصب نبوت و رسالت۔ اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بہرحال آپ نہ ان کی تکذیب واعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز وسامان مال ودولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں۔

یہاں ان آیات میں ایک عام تعلیم دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کی دی گئی ہے یعنی قرآن کریم نے اس جگہ مخالفوں کی ایذاؤں کا علاج دو چیزوں سے بتلایا۔

اول **فاصبر علی مایقولون** سے یعنی ان کے کہنے کی طرف التفات نہ کیا جائے بلکہ صبر و برداشت سے کام لیا جائے دوسری چیز **وسبح بحمد ربک** میں فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجانا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس موقع پر اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے اچھے برے انسان کو نجات نہیں۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے۔ اور دشمن کتنا ہی حقیر وضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا دیتا ہے۔ زبانی گالی گلوچ ہی سہی۔ سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوجانا۔ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے مخالفین کی ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی۔ بڑا اور صاحب اقتدار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور یہ فکر انتقام ایک مستقل عذاب اس کے لئے بن جاتا ہے۔ اور جب انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوجائے اور وہ دھیان یہ کرے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو کسی طرح کا نقصان یا ایذا بغیر مشیت خداوندی کے نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اعمال وافعال سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے جو صورت پیش آئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی تو مخالف کی ایذاؤں سے پیدا ہونے والا غیض وغضب خود بخود کافور ہوجاتا ہے اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا **لعلک ترضیٰ** یعنی اس تدبیر سے آپ راضی خوشی بسر کرسکیں گے۔" (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ ان قرآنی تعلیمات پر ہم کو بھی عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب چونکہ یہ یہ سورۃ خاتمہ کے قریب ہے اس لئے آگے بعض ہدایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتی ہیں اور کفار ومشرکین مخالفین کو آخری فیصلہ کی بات سنائی جاتی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے، ہم آپ سے معاش (کموانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے، اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ

اور وہ لوگ (عناداً) یوں کہتے ہیں کہ یہ (رسول) ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لا (جواب یہ ہے کہ) کیا اُن کے پاس پہلی کتابوں کے مضامین کا ظہور نہیں پہنچا۔ اور اگر ہم

اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ

اُن کو قبل قرآن آنے کے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اسکے

اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

کہ ہم بے قدر ہوں اور رُسوا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چندے) اور انتظار کر لو اب عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ راہ راست والے کون ہیں

وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

اور وہ کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا۔

وَأْمُرْ اور حکم دو تم	اَهْلَكَ اپنے گھر والے	بِالصَّلٰوةِ نماز کا	وَاصْطَبِرْ اور قائم رہو	عَلَيْهَا اس پر	لَا نَسْئَلُكَ ہم تجھ سے نہیں مانگتے		
رِزْقًا رزق	نَحْنُ ہم	نَرْزُقُكَ تجھے رزق دیتے ہیں	وَالْعَاقِبَةُ اور انجام	لِلتَّقْوٰى اہل تقویٰ کیلئے	وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں		
لَوْ کیوں	لَا يَاْتِيْنَا نہیں لاتے	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	مِنْ سے	رَّبِّهٖ اپنا رب	اَوَ کیا	لَمْ تَاْتِهِمْ انکے پاس نہیں آئی	بَيِّنَةُ واضح نشانی
مَا جو	فِي میں	الصُّحُفِ صحیفے	الْاُوْلٰى پہلے	وَلَوْ اور اگر	اَنَّا ہم	اَهْلَكْنٰهُمْ انہیں ہلاک کر دیتے	بِعَذَابٍ کسی عذاب سے
مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	لَقَالُوْا تو وہ کہتے	رَبَّنَا لَوْ اے ہمارے رب کیوں	لَا اَرْسَلْتَ تو نے نہ بھیجا	اِلَيْنَا ہماری طرف	رَسُوْلًا کوئی رسول		
فَنَتَّبِعَ تو ہم پیروی کرتے	اٰيٰتِكَ تیرے احکام	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ نَّذِلَّ کہ ہم ذلیل ہوں	وَنَخْزٰى اور ہم رسوا ہوں	قُلْ آپ کہہ دیں		
كُلٌّ سب	مُتَرَبِّصٌ منتظر ہیں	فَتَرَبَّصُوْا پس تم انتظار کرو	فَسَتَعْلَمُوْنَ سو عنقریب تم جان لوگے	مَنْ کون	اَصْحٰبُ والے	الصِّرَاطِ راستہ	
السَّوِيِّ سیدھا	وَمَنِ اور کون	اهْتَدٰى اس نے ہدایت پائی					

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۃ طٰہٰ کی آخری آیات ہیں جس پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین کی کفر آمیز باتوں پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اور صبر و سکون حاصل کرنے کے لئے شب و روز معبود حقیقی کی حمد و ثنا تسبیح و تقدیس جس میں نماز بھی آ گئی کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اب آ گے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ اپنے متعلقین یعنی اہل خانہ و خاندان اور اپنے متبعین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے چنانچہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپ نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو عادت ڈالنے کے لئے نماز پڑھواؤ اور جب دس برس کا ہو تو مار کر پڑھواؤ۔ غرض کہ اللہ عزوجل کی یاد تازہ رکھنے کے لئے مقررہ اوقات پر اس کے دربار میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق حاضر ہو جانے کی ہدایت [illegible]م خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ کے گھر والوں کو اور آپ [illegible]تمام متبعین کو فرمائی گئی۔ اب دربار خداوندی میں اس بار بار کی

حاضری اور جملہ مقررہ اوقات میں عبادت کے التزام سے ہوسکتا تھا کہ ایک انسان جو طلب معاش میں سرگرداں ہو اس کو ضیق پیش آئے کہ نماز پڑھے۔ دینی ہدایت پر عمل کرے یا اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے روزی کمائے جیسا کہ آج کل بھی بعض لوگ ظہر کی نماز خصوصاً جماعت کے لئے۔ دفتر یا ملازمت کا عذر اور عصر۔ مغرب وعشا کے لئے دوسری مشغولیتوں کا عذر پیش کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رزاق تم نہیں۔ ہم ہیں تم سے کسی کے لئے رزق کی طلب ہم نہیں کرتے۔ اس لئے طلب معاش میں سرگرداں رہ کر ضروری عبادات یعنی فرائض وواجبات کو ترک کرنا کسی طرح روا نہیں۔

یہاں آیت میں لانسئلک رزقا ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''مقصود اصلی اکتساب یعنی کسب معاش نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں۔ اکتساب کی اسی حالت میں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعات میں وہ مخل نہ ہو۔'' تو دنیا میں جیسا کہ مالک اپنے غلاموں سے روزی کمواتے ہیں حق تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنی بندگی چاہتے ہیں اور وہ بندوں کو روزی وہ خود دیتے ہیں اسی لئے اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض ہو تو اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتے کہ کسب معاش کے مقابلہ میں نماز کو ترک کرو۔ نماز بہر حال ادا کرنی ہے۔ روزی پہنچانے والا وہی خدا ہے جس کی نماز پڑھتے ہو۔ تم اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم رہو گے وہ تم کو رزق دے گا۔ اور اگر بالفرض شب وروز کی سرگردانی اور ہمہ وقت کی دوڑ دھوپ کے بعد بکثرت مال جمع بھی کر لیا تو بیکار ہے۔ انجام میں کسی کام نہ آئے گا کیونکہ دنیا اور دین کی پائیدار فلاح تو تقویٰ اور پرہیزگاری سے وابستہ ہے نہ کہ مال ودولت سے اہل تقویٰ ہی کا انجام بخیر اور بہتر ہوتا ہے۔ تو او پر بھی منکرین حق اور قرآن اور رسول سے انکار اور اعراض کرنے والوں سے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین وتسلی دی گئی تھی اب اخیر میں خاتمہ سورۃ پر کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایک اعتراض نقل فرما کر اس کا جواب دیا جاتا ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی خود معجزہ تھی اور نشان قدرت تھی مگر کور بصیرت کافروں کو حق نظر نہ آتا تھا اس لئے آپ سے مزید معجزہ کے طلبگار ہوتے اور کہتے کہ آپ کوئی کھلی نشانی اپنے رسول ہونے کی کیوں نہیں دکھلاتے جس کے بعد ہم کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے ورنہ اس روز کے ڈراوے دھمکاوے سے کیا فائدہ۔ اس کا جواب حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اور سینکڑوں نشانات کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان نشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آچکا جو اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لئے بطور حجت اور گواہ کے ہے اور جس کا معجزہ ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو قرآن جیسا عظیم الشان نشان دیکھنے کے بعد تو یہ کفار کہتے ہیں کہ اور کوئی نشان کیوں نہیں لاتے اور فرض کرو ہم یہ نشان نہ دکھاتے یعنی قرآن نازل نہ کرتے اور ان کفار کے کفر وشرک پر کتاب اور رسول بھیجنے سے پہلے ہی ان کو سزا میں پکڑ لیتے تو پھر یہ کہتے کہ سزا دینے سے پیشتر ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا تو بھیجنا تھا کہ ہم کو ذلت اور رسوائی اٹھانے سے قبل آگاہ کر دیتا اور ہم اس کے کہنے پر خوب چلتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یہ کفار یوں کہتے اور اب آیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں فضول حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں سو خیر ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں کہ عنقریب پردۂ غیب سے کیسا مستقبل سامنے آتا ہے۔ اس وقت سب حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے اور کون اس راستہ پر ٹھیک چل رہا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے اور اس کا نزول ایسے وقت میں ہوا تھا جبکہ سرزمین عرب میں کفار ومشرکین کا تسلط تھا۔ اور اسلام اور متبعین اسلام کے لئے نہایت سخت اور کٹھن صبر آزما زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے اہل اسلام پر ہر طرح کے ظلم وستم روا کر رکھے تھے اور اسلام کے مٹانے اور ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مگر چند سال ہی کے عرصہ کے بعد دنیا نے حق وباطل کے فیصلہ کا انجام دیکھ لیا کہ کفر وشرک اور بت پرستی نہ صرف مکہ بلکہ جزیرۂ نما عرب سے ہمیشہ کے لئے کس طرح مٹ گئی اور اسلام کو سرزمین عرب میں کیسا غلبہ نصیب ہوا۔ الحمد للہ کہ سورۃ طٰہٰ کا بیان اس درس پر ختم ہو گیا اور ساتھ ہی سولھواں پارہ قال الم بھی پورا ہوا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

سُوۡرَةُ الۡاَنۡبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثۡنَتَا عَشۡرَةَ اٰيَةً وَّسَبۡعُ رُكُوۡعَاتٍ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱﴾

ان لوگوں سے اُن کا حساب نزدیک آپہنچا اور یہ غفلت میں ہیں اعراض کئے ہوئے ہیں۔

اِقۡتَرَبَ قریب آ گیا	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	حِسَابُهُمۡ ان کا حساب	وَهُمۡ اور وہ	فِىۡ غَفۡلَةٍ غفلت میں	مُّعۡرِضُوۡنَ منہ پھیر رہے ہیں

الحمدللہ اب سترہویں پارہ کی ابتداء سے سورۃ الانبیاء کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اِس وقت اِس سورۃ کی صرف ایک آیت کی تشریح کی جائے گی۔ تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقامِ نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات۔ رکوعات۔ کلمات و حروف وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں مسلسل متعدد انبیاء کا ذکر آیا ہے اس لئے اس کا نام بطور علامت سورۃ الانبیاء رکھ دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکہ کے درمیانی زمانہ میں نازل ہوئی۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی اکیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶۵ لکھا ہے یعنی ۶۴ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۲۵ سورتیں اس کے بعد ہجرت سے قبل نازل ہوئیں۔ اور پھر ۲۴ سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۷ رکوعات ۱۱۲ آیات ۱۱۸۷ کلمات اور ۵۱۵۴ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ مثل دیگر مکی سورتوں کے اس میں بیشتر توحید۔ نبوت اور عالمِ آخرت کے دلائل اور ثبوت اور ۱۷ انبیاء علیہم السلام کے عبرت انگیز تذکرے فرمائے گئے ہیں کہ اُنہوں نے کس طرح دینِ حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور منکرین کفار نے ان کو کس طرح ایذائیں دیں اور اُنہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کامیاب فرمایا اور اُن کے دشمنوں کا کیسا عبرت خیز انجام ہوا۔

اِس سورۃ میں خاص طور پر حسبِ ذیل امور زیرِ بحث آئے ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار مکہ اور مشرکین عرب کو جو غلط فہمیاں تھیں ان کا بڑی تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم پر کفار جو اعتراضات کیا کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

۳۔ مکذبین و منکرین دینِ حق کی تباہی و بربادی کے عبرتناک واقعات سے کفار مکہ کو ڈرایا گیا ہے۔

۴۔ شرک کی تردید میں اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے غلط عقیدہ کا پرزور رد فرمایا گیا ہے۔

۵۔ انسانی جبلت کا بیان کہ آدمی جلدی کا بنا ہوا ہے اس لئے وہ یوں چاہتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے ابھی ہو جائے۔ اس پر منکرین کو تنبیہ کہ جلدی نہ مچاؤ۔ ذرا وقت آنے دو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔

۶۔ انبیاء کے ساتھ منکرین کے استہزاء کا انجام کہ عذابِ الٰہی سے بچنا ممکن نہیں۔

۷۔ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات و حالات کا تذکرہ جس سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ سارے انبیاء کرام انسان ہی تھے۔ فرشتے نہ تھے اور تمام انبیاء کی اصل دین یہی اسلام تھا جو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں اور اب انسانوں کی نجات کا انحصار آپ کی پیروی اختیار کرنے پر ہے۔ جو اسے پوری طرح قبول کریں گے وہی خدا کی آخری عدالت سے کامیاب نکلیں گے۔ اور جو لوگ اسے رد کردیں گے وہ آخرت میں بدترین انجام سے دوچار ہوں گے۔ ان امور کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

خلاصہ یہ کہ اس سورت میں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے مضامین ہیں۔

انسان دنیا کے دھندوں میں اس طرح پھنسا ہوا ہے کہ گویا اُسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے وہ دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے تو شاید اسے کچھ خیال آتا ہو کہ ایک دن اسے بھی مرنا پڑے گا مگر واہ رے غفلت کہ دنیا کے مزے۔ مال و دولت۔ قوت و طاقت۔ یار دوست اور سامانِ عیش و عشرت کے سامنے اسے یہ سوجھتا ہی نہیں کہ جو سیکنڈ بھی گزرتا ہے اسے موت کے زیادہ قریب کردیتا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، لوگوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ قیامت قریب آ گئی ہے حساب کتاب کی گھڑی سر پر کھڑی ہے لیکن لوگ یعنی کفار ومشرکین سخت غفلت اور جہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی تیاری قیامت کی جواب دہی کے لئے نہیں کرتے اور جب آیات اللہ سنا کر خوابِ غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سنکر نہایت لاپروائی کے ساتھ ٹال دیتے ہیں گویا اُن کو کبھی خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور حساب دینا ہی نہیں۔

اِسی مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنی دو انگلیاں کھڑی کرکے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے وقت پر مبعوث کیا گیا ہوں کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ یعنی میرے بعد قیامت ہی ہے۔ کوئی اور نبی آنے والا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قیامت کی سب سے پہلی نشانی ہے تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس بات کی علامت ہے کہ نوعِ انسانی کی تاریخ اب اپنے آخری دَور میں داخل ہوچکی ہے۔ آغاز اور وسط کے مرحلے گزر چکے ہیں اور اب آخری مرحلہ شروع ہوچکا ہے، جس کا خاتمہ قیامت ہی پر ہونا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں منکرین کی حالت بیان فرمائی گئی کہ اعمال کے حساب کا وقت نزدیک آ لگا ہے مگر یہ کسی تنبیہ کی طرف توجہ نہیں کرتے نہ خود سوچتے ہیں کہ ہمارا انجام کیا ہونا ہے اور نہ پیغمبر آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے ہیں جو انہیں بار بار خبردار کر رہے ہیں اور واضح کر رہے ہیں کہ جو شخص مر گیا اُسکی قیامت تو ابھی قائم ہوگئی اور اس معنی کے اعتبار سے حساب کا وقت قریب ہونا تو بالکل ہی واضح ہے۔ حاصل کلام یہ کہ موت سر پر کھڑی ہے حساب کا وقت قریب آ لگا ہے مگر لوگ خواب غفلت میں سرشار ہیں۔ اُس وقت کی کوئی تیاری نہیں کر رہے۔

آگے کفار مکہ اور منکرین اسلام کے متعلق مزید اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے، جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں پر سے غفلت کے پردے دور فرماویں اور ہمہ وقت ہم کو آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات پر ہم کو دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور نصیحت کو سن کر لاپروائی سے ٹال دینا جو منکرین کی خصلت ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں کامل طور پر بچاویں اور ہماری دنیا کی زندگی کا ہر لمحہ آخرت کی تیاری میں خرچ ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٢﴾ لَاهِيَةً

اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے جونصیحت تازہ آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہیں۔اُن کے دِل متوجہ نہیں ہوتے۔

قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ

اور یہ لوگ یعنی ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ(یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم)محض تم جیسے ایک آدمی ہیں تو کیا تم پھر بھی

السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٣﴾ قٰلَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ

جادو کی بات سننے کو جاؤ گے حالانکہ تم جانتے ہو۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو آسمان میں اور زمین میں جانتا ہے

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٤﴾

اور وہ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے۔

مَا يَأْتِيهِم انکے پاس نہیں آتی	مِّن ذِكْرٍ کوئی نصیحت	مِّن رَّبِّهِم ان کے رب سے	مُّحْدَثٍ نئی	إِلَّا مگر	اسْتَمَعُوهُ وہ اسے سنتے ہیں	
وَهُمْ اور وہ	يَلْعَبُونَ کھیلتے ہیں کھیلتے ہوئے	لَاهِيَةً غفلت میں ہیں	قُلُوبُهُمْ ان کے دل	وَأَسَرُّوا اور چپکے چپکے بات کی	النَّجْوَى سرگوشی	
الَّذِينَ ظَلَمُوا اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا	هَلْ کیا	هَٰذَا یہ	إِلَّا مگر	بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تم ہی جیسا	أَفَتَأْتُونَ کیا پس تم آؤ گے
السِّحْرَ جادو	وَأَنتُمْ اور تم	تُبْصِرُونَ دیکھتے ہو	قٰلَ آپ نے فرمایا	رَبِّي میرا رب	يَعْلَمُ جانتا ہے	الْقَوْلَ بات
	فِي السَّمَاءِ آسمان میں	وَالْأَرْضِ اور زمین	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيعُ سننے والے	الْعَلِيمُ جاننے والے	

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ ابتدائی آیت میں حق تعالیٰ نے منکرین کی حالت کوظاہر فرمایا تھا کہ حساب کتاب کی گھڑی یعنی قیامت کا دن نزدیک آ گیا لیکن یہ لوگ سخت غفلت وجہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔کوئی تیاری قیامت کی جوابدہی کے لئے نہیں کرتے اور جب خدائی پیغام اور آیات اللہ سنا کر غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سن کر نہایت لاپروائی کے ساتھ ٹال دیتے ہیں۔انہی منکرین کی حالت اب ان آیات میں بھی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے سنتے ہیں۔اگر سچائی کے ساتھ غور کرتے تو دین ودنیا کی ہر طرح کی ہدایت ملتی لیکن جب دل ہی ادھر سے غافل ہیں اور کھیل تماشہ میں پڑے ہیں تو غور کرنے کی نوبت کہاں سے آئے

اور جب قرآنی نصیحتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے تو ان ظالموں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں۔نہ فرشتہ ہیں اور نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔البتہ ان کو جادو آتا ہے۔جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں ہو نہ ہو وہ جادو کا کلام ہو۔پھر آپس میں کہتے ہیں کہ تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھتے اُن کے جادو میں پھنستے ہو لازم ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔

کفار قرآن کریم کی حیرت انگیز تاثیر کو دیکھ کر اس کو جادو کا کلام کہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ ''سحر'' کرنے کا الزام لگاتے۔کتب سیرۃ النبی میں متعدد ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں جس بنا پر کفار ایسے اتہامات اور الزامات لگاتے

تھے۔بطور مثال چند واقعات سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ھشام سے نقل کئے جاتے ہیں۔

واقعہ ۱:۔عتبہ بن ربیعہ جو ایک قریشی سردار تھا ایک روز قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حرم میں تنہا تشریف رکھتے تھے۔عتبہ نے کہا اے گروہ قریش! میں اُٹھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کیوں نہ کروں اور ان کے سامنے بعض ایسی باتیں پیش کیوں نہ کروں جن میں سے وہ کچھ نہ کچھ قبول کرلیں۔وہ جو رعایتیں ہم سے چاہیں اُنہیں دے دیں اور ہم سے باز رہیں۔یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ حضرت حمزہ نے اسلام قبول کرلیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی زیادہ ہورہے ہیں اور بڑھتے چلے جارہے ہیں۔قریش نے کہا کہ اے ابوالولید! تم اٹھو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جا کر گفتگو کرو چنانچہ عتبہ اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا بیٹھا اور کہا۔بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ تم ہماری نظروں میں باعتبار خاندان بڑے رتبہ والے ہو اور نسب کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہو۔تم اپنی قوم کے پاس بڑی اہمیت رکھنے والا مسئلہ لائے جس کے ذریعہ سے تم نے قوم کو تتر بتر کردیا ہے۔ان کے عقلمندوں کو بیوقوف بنایا۔ان کے معبودوں اور دین کو عیب دار کردیا اور ان کے اگلے بڑوں کو کافر قرار دیا۔میری گفتگو سنو! میں چند باتیں تمہارے غور وفکر کے لئے پیش کرتا ہوں شاید تم ان میں سے کچھ نہ کچھ قبول کرلو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو الولید کہو میں سنتا ہوں۔اس نے کہا۔اگر تم اس مسئلے کے ذریعے سے جسے تم لائے صرف مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کردیں گے کہ تم ہم سب میں زیادہ مالدار ہوجاؤ۔اگر تم اس کے ذریعہ سے ہم پر حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔اگر تمہارے پاس کوئی جن وغیرہ آتا ہے جسے تم اپنے پاس سے دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو ہم تمہارے لئے جھاڑ پھونک کا انتظام کریں گے اور ہم مال خرچ کرکے تمہیں اس سے نجات دلائیں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی باتیں سنتے رہے اور جب عتبہ اپنی گفتگو ختم کرچکا تو آپ نے ارشاد فرمایا اب مجھ سے سُن لو۔اس نے کہا سنائیے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ حٰم سجدہ تلاوت فرمانا شروع کی اور سورۃ پڑھتے چلے گئے۔عتبہ خاموش سنتا رہا۔اس نے ہاتھ پیچھے رکھ لئے اور ان سے سہارا لئے ہوئے تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہنچے تو آپ نے سجدہ فرمایا اور پھر فرمایا۔اے ابوالولید! جو تم نے سنا وہ تو سن ہی لیا۔اب تم جانو اور وہ۔اس کے بعد عتبہ اٹھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا تو بعض نے کہا۔واللہ ابوالولید کا تمہارے پاس آنا اس طرح کا نہیں جس طرح کا جانا تھا۔جب وہ ان کے پاس جا کر بیٹھا تو انہوں نے کہا ابوالولید! وہاں کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا وہاں کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایسی بات سنی ہے کہ واللہ کبھی نہیں سنی۔ واللہ وہ نہ شعر ہے۔ نہ جادو اور نہ کہانت۔اے گروہ قریش! میری بات سنو اور اس کام کو میری رائے کے موافق کرو۔انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو اور ان سے الگ رہو کیونکہ واللہ! ان کی جو بات میں نے سنی ہے اس کو ایک بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔اگر عربوں نے ان کا خاتمہ کردیا تو سمجھ لینا انہوں نے تمہیں ان سے بے نیاز کردیا اور اگر انہوں نے عربوں پر غلبہ حاصل کرلیا تو ان کی حکومت تمہاری حکومت اور ان کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔تم ان کے طفیل تمام لوگوں میں سے خوش حال ہوجاؤ گے۔ان لوگوں نے کہا اے ابوالولید! واللہ اس نے تجھ پر اپنی زبان کا جادو کردیا۔عتبہ نے جواب دیا میری رائے تو ان کے متعلق یہی ہے۔اب تمہیں جو مناسب معلوم ہو

کرو۔ (سیرۃ النبی ابن ہشام۔جلد اول صفحہ ۲۸۳، ۲۸۵)

واقعہ نمبر۲: طفیل بن عمرو الدوسیؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ مکہ میں ایسے وقت آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے۔ان کی یعنی طفیل دوسی کی جانب قریش کے بہت سے لوگ گئے اور طفیل بلند پایہ لوگوں میں سے تھے۔شاعر اور عقلمند تھے۔ قریش کے لوگوں نے ان سے کہا کہ اے طفیل! تم ہماری بستیوں میں آئے تو ہو لیکن دیکھو اس شخص نے جو ہمیں میں سے ہے ہمیں سخت مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ہماری جماعت کو اس نے پراگندہ کر دیا ہے اور ہمارے معاملہ کو پریشان کر ڈالا ہے۔اس کی بات جادو کی سی ہوتی ہے۔بیٹے کو باپ سے۔بھائی کو بھائی سے۔شوہر کو بیوی سے جدا کر دیتا ہے۔ہمارے دل میں تمہارے لئے اس فتنے کا خوف ہے جو ہم میں داخل ہو چکا ہے اس لئے نہ تو تم ان سے بات کرو اور نہ ان کی کوئی بات سنو۔طفیل نے کہا کہ وہ لوگ یہاں تک میرے ساتھ لگے رہے کہ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس شخص کی نہ کوئی بات سنوں گا اور نہ ان سے بات کروں گا جب سویرے میں مسجد کی طرف گیا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی کہ مبادا اس کی باتوں میں سے کوئی بات میرے کان تک پہنچ جائے اگر اس کے سننے کا ارادہ بھی نہ کروں۔سویرے میں مسجد میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔میں آپ کے قریب ہی جا کھڑا ہوا۔میں نے اچھا کلام سنا اور اپنے دل میں کہا۔میری ماں مجھ پر روئے۔واللہ میں عقلمند ہوں اور شاعر ہوں۔اچھا برا مجھ سے پوشیدہ نہیں۔پھر کون سی چیز اس سے روکتی ہے کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اسے سنوں جو بات وہ پیش کرتا ہے اگر اچھی ہو تو اسے قبول کروں اور بری ہو تو اسے چھوڑ دوں۔پھر میں کچھ دیر ٹھہر گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو گیا یہاں تک کہ جب آپ دولت خانہ کے اندر تشریف لے گئے تو میں بھی اندر چلا گیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے اور وہ سب باتیں بیان کیں جو انہوں نے کہی تھیں۔واللہ وہ آپ کے معاملہ میں اس قدر ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی تاکہ آپ کی بات نہ سنوں مگر اللہ نے تو یہ چاہا کہ آپ کی بات مجھے سنائے۔میں نے سنی اور اچھی بات سنی۔پس آپ اپنے اصول مجھے بتائیے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا اور میرے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی تو واللہ! اس سے بہتر بات میں نے کبھی نہیں سنی۔اور نہ ایسے معتدل اصول سنے پس میں نے اسلام اختیار کر لیا سچی بات کی گواہی دی۔

(سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۸۶ - ۳۸۷)

واقعہ نمبر۳: قبیلہ اَراش (بعض نے اراشتہ کہا ہے) میں سے ایک شخص مکہ آیا اور وہ مکہ میں چند اونٹ لایا تو ابوجہل نے وہ اونٹ اس سے خرید لئے۔لیکن ان کی قیمت ادا کرنے کی مدت بڑھاتا رہا۔وہ اراشی قریش کی مجلس میں آ کھڑا ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد کے ایک طرف تشریف فرما تھے۔اراشی نے کہا۔اے گروہ قریش۔ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) کے خلاف کوئی شخص میری مدد اور دادرسی کرنے والا ہے؟ میں تو ایک مسافر پردیسی ہوں اور اس نے (یعنی ابوجہل نے) میرا حق دبا رکھا ہے۔اس مجلس والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کر کے کہا کیا تجھے وہ شخص نظر آ رہا ہے؟ اس کے پاس جا۔وہ تیری دادرسی اور مدد کرے گا (ان لوگوں کی غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑانا تھی کیونکہ آپ میں اور ابوجہل میں جو عداوت تھی اسے سب جانتے تھے) اراشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا۔اے بندۂ خدا! ابوالحکم بن ہشام نے میرا ایک حق دبا رکھا ہے اور میں ایک مسافر راہ گیر ہوں۔میں نے ان

لوگوں سے کسی ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جو اس کے مقابل میری دادرسی اور مدد کرے اور میرا حق اس سے دلائے انہوں نے مجھے آپ کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ اللہ آپ پر رحم کرے مجھے اس سے میرا حق دلا دیجئے آپ نے فرمایا چلو اس کے پاس چلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ساتھ ہو گئے جب قریشیوں نے دیکھا کہ آپ اس کے ساتھ جانے کے لئے کھڑے ہو گئے تو ایک شخص سے انہوں نے کہا۔ پیچھے پیچھے جا اور دیکھ کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ باہر آ۔ وہ نکل آیا اور حالت اس کی یہ تھی کہ چہرہ میں خون کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس شخص کا حق اسے دے دے۔ اس نے کہا بہت خوب۔ غرض ابوجہل گھر میں گیا۔ اس کا جو کچھ حق تھا وہ لے کر باہر آیا اور اس کے حوالہ کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے اور اس اراشی سے فرمایا جا اور اپنا کام کر پھر وہ اراشی اسی مجلس والوں کے پاس آ کھڑا ہوا اور کہا۔ اللہ اس شخص کو جزائے خیر دے اس نے میرا حق دلایا۔ جب وہ شخص بھی آیا جسے انہوں نے آپ کے ساتھ بھجوایا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ میں نے تو ایک عجیب چیز دیکھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو کچھ نہ کیا۔ بس اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور وہ جب نکلا تو اس کی یہ حالت تھی کہ گویا جان اس میں نہ تھی۔ جب اس سے کہا گیا اس کا حق دے دے تو اس نے کہا بہت خوب وہ اندر گیا۔ اراشی کا حق لے کر باہر آیا اور اس کے حوالہ کر دیا۔ پھر جب تھوڑی دیر میں ابوجہل آیا تو لوگو! نے کہا ارے کمبخت تجھے کیا ہو گیا۔ واللہ ہم نے تو کبھی ایسا نہیں دیکھا جیسا تو نے کیا۔ ابوجہل نے جواب دیا کم بختو وہاں کا قصہ تو یہ تھا کہ اس نے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو رعب سے میری حالت ایک پتلے کی سی ہو گئی۔ میں اس کی جانب چلا تو دیکھا کہ اس کے سر کے اوپر ایک نر اونٹ کھڑا ہے۔ میں نے ایسا سر۔ ایسے کندھے۔ اور ایسے دانت کبھی کسی اونٹ کے نہیں دیکھے۔ واللہ! اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ (سیرۃ النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۹۳-۳۹۵)

الغرض مذکورہ بالا واقعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا اثر اور کلام اللہ کو سننے کے اثر و نتیجہ سے کفار مکہ باہر سے آنے والے ناواقف لوگوں کو یہ کہہ کر خوف دلاتے تھے کہ دیکھو ان کے پاس یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جانا ورنہ جادو کے اثر سے تم مسحور ہو جاؤ گے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

آگے بتلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جھوٹے الزامات اور بیہودہ پروپیگنڈے کا جواب بس یہی دیا کہ تم لوگ جو کہتے ہو وہ میرا پروردگار سب سنتا اور جانتا ہے کیونکہ وہ سمیع اور علیم ہے تمہارے کفریہ اقوال کو بھی سنتا اور جانتا ہے پس وہ تم کو خود سزا دے گا۔

ابھی آگے منکرین کے بعض دیگر اقوال واحوال کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو قرآن پاک کی بیش بہا نصیحتوں پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور کافروں کی یہ خصلت کہ نصیحت کو سن کر ٹال دینا اس سے ہم سب کو بچائیں۔ جو قرآنی احکام ونصائح ہم کو پہنچیں ان کی کامل فرمانبرداری اور اتباع ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ان آیات میں یہ شکایت تو آپ نے کفار کی بیان فرمائی کہ وہ قرآنی احکام نہ غورؒ سے سنتے ہیں اور نہ ان کے دل اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یا اللہ! اب ہم اس بدحالی پر کتنے خون کے آنسو بہائیں کہ جواب اس قرآن کریم پر ایمان کے دعویداروں ہی نے، الا ماشاء اللہ، اس آسمانی کتاب پر غور کرنا اور اس کے احکامات کو جاننا اور سمجھنا اور ان پر دل وجان سے عمل کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ یا اللہ! قرآن کریم کی طرف سے امت مسلمہ کے افراد کی یہ غفلت اور لاپروائی کا جرم عظیم معاف فرما دے اور ہماری آنکھیں قرآن کی طرف سے کھول دے۔ اس کے علم اور عمل کا شوق عطا فرما دے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ

بلکہ یُوں کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس کو تراش لیا ہے بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں تو ان کو چاہیئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی لاویں جیسا

اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

پہلے لوگ رسول بنائے گئے۔ ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے سو کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو (اے منکرو) اگر تم کو معلوم نہ ہو تو اہلِ کتاب سے دریافت کرلو۔

تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸

اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسّے نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹

پھر ہم نے جو اُن سے وعدہ کیا تھا اس کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو منظور ہوا ہم نے نجات دی اور حد سے گذرنے والوں کو ہلاک کیا۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰

ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت موجود ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے

بَلْ بلکہ	قَالُوْٓا انہوں نے کہا	اَضْغَاثُ پریشان	اَحْلَامٍ خواب	بَلِ بلکہ	افْتَرٰىهُ اسنے گھڑ لیا اسے	بَلْ هُوَ بلکہ وہ	
شَاعِرٌ ایک شاعر	فَلْيَاْتِنَا پس وہ ہمارے پاس لے آئے	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	كَمَا جیسے	اُرْسِلَ بھیجے گئے	الْاَوَّلُوْنَ پہلے		
مَآ اٰمَنَتْ نہ ایمان لائی	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِّنْ قَرْيَةٍ کوئی بستی	اَهْلَكْنٰهَا ہم نے اسے ہلاک کیا	اَفَهُمْ اور کیا وہ			
يُؤْمِنُوْنَ ایمان لائیں گے	وَمَا اور نہیں	اَرْسَلْنَا بھیجے ہم نے	قَبْلَكَ تم سے پہلے	اِلَّا مگر	رِجَالًا مرد	نُّوْحِيْٓ ہم وحی بھیجتے تھے	
اِلَيْهِمْ اُن کی طرف	فَسْئَلُوْٓا پس پوچھ لو	اَهْلَ الذِّكْرِ یاد رکھنے والے	اِنْ مگر	كُنْتُمْ تم ہو	لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے	وَ اور	
مَا جَعَلْنٰهُمْ ہم نے نہیں بنائے ان کے	جَسَدًا ایسے جسم	لَّا يَاْكُلُوْنَ نہ کھاتے ہوں	الطَّعَامَ کھانا	وَ اور	مَا كَانُوْا وہ نہ تھے		
خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہنے والے	ثُمَّ پھر	صَدَقْنٰهُمُ ہم نے سچا کردیا ان سے	الْوَعْدَ وعدہ	فَاَنْجَيْنٰهُمْ پس ہم نے بچالیا انہیں			
وَمَنْ نَّشَآءُ اور جس کو ہم نے چاہا	وَاَهْلَكْنَا اور ہم نے ہلاک کردیا	الْمُسْرِفِيْنَ حد سے بڑھنے والے	لَقَدْ اَنْزَلْنَا تحقیق ہم نے نازل کی				
اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	كِتٰبًا ایک کتاب	فِيْهِ اس میں	ذِكْرُكُمْ تمہارا ذکر	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تو کیا تم سمجھتے نہیں؟			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار مکہ کا اعتراض بیان فرمایا گیا تھا جو کہتے کہ یہ رسول تو تم ہی جیسے آدمی ہیں اور ان کے کافرانہ اقوال و الزام کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جادوگر ہیں اور اپنے جادو سے لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں، نقل فرمایا گیا تھا۔ تو کفار نے صرف یہی نہیں کہ سحر کا الزام لگایا بلکہ اور بھی الزامات تراشے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا۔ معاندین ومنکرین قرآن سن کر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے

بدحواس ہوجاتے کہ کسی ایک رائے پر ان کو قرار نہ تھا کبھی اسے جادو بتاتے۔ کبھی پریشان خواب وخیال کہتے۔ کبھی دعویٰ کرتے کہ آپ اپنے جی سے نعوذ باللہ کچھ باتیں گھڑ لائے ہیں جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ کبھی کہتے کہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارت میں پیش کردیتے ہیں۔ تو ان آیات کا بلکہ اس سورۃ کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا اثر جب پھیلنے لگا تو مکہ کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں پروپیگنڈہ کی ایک مہم شروع کی جائے اور ہر شخص کو جو خصوصاً باہر سے مکہ میں آئے آپ کے خلاف اس کو اتنا بدگمان کردیا جائے کہ وہ آپ کی بات سننے کیلئے آمادہ ہی نہ ہو۔ یہ مہم خاص طور سے حج کے زمانہ میں زوروں سے جاری رہتی اور کثرت سے آدمی پھیلا دیئے جاتے جو تمام بیرونی زائرین کے خیموں میں پہنچ کر ان کو خبردار کرتے تھے کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے اس سے ہوشیار رہنا۔ ان گفتگوؤں میں طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی تھیں۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) جادوگر ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ انہوں نے ایک کلام خود گھڑ رکھا ہے۔ اور وہ کلام کیا ہے پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ شاعرانہ خیالات اور تک بندیاں ہیں جن کا نام کلامِ الٰہی رکھا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو بہکایا جائے۔

تو منکرین ومعاندین قرآن کے اثرات پھیلتے ہوئے دیکھ کر بدحواس تھے اور کبھی کچھ الزام لگاتے اور کبھی کچھ۔ ان اعتراضات اور الزامات کے علاوہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اگر واقع میں آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو پھر آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ یہ کہنا بھی مکہ کے جاہل مشرکین کا محض عناد کی بنا پر تھا کیونکہ اول تو یہ جاہل مشرکین پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے جن میں سب سے بڑھ کر یہ قرآن ہی کا معجزہ تھا۔ تو الحاصل کفار نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق تین شبہات ظاہر کئے۔

(۱) ایک یہ کہ یہ آدمی ہیں اور آدمی رسول نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ساحر یا تک بند شاعر ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ گزشتہ پیغمبروں کی طرح ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں۔ ان تینوں شبہات کے جوابات حق تعالیٰ کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ پہلے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا کہ پہلی قوموں کو فرمائشی نشانات دکھلائے گئے اور وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ مانے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کئے گئے۔ اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائشیں پوری کی جاتیں تو ظاہر ہے یہ ماننے والے تو ہیں نہیں لامحالہ حق تعالیٰ کی عام عادت کے موافق تباہ کئے جائیں گے اور حکمتِ الٰہی میں ان کی بالکلیہ تباہی مقصود نہیں۔ روایات میں ہے کہ اہلِ مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ضد کی اور کہا کہ اگر آپ کا قول سچ ہے اور آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو کوہِ صفا کو سونے کا کردیجئے اور مکہ کی سرزمین سرسبز شاداب بنا دیجئے۔ اگر ایسا کردیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ کفار کی درخواست پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو ہم انکا سوال پورا کردیں لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر عذاب میں تاخیر نہ ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے لئے تدریج ومہلت کا خواستگار ہوں تاکہ ان کی نسل سے اہلِ ایمان پیدا ہوں۔ اس کے بعد کفار کے پہلے شبہ کا جواب ہے کہ پہلے بھی جو پیغمبر آئے وہ سب نبی آخر الزمان کی طرح بشر ہی تھے فرشتے نہ تھے۔ اگر اتنی مشہور بات کی بھی تم کو اپنی جہالت کی وجہ سے خبر نہیں تو خبر رکھنے والوں سے دریافت

کرلو۔ آخر یہود ونصاریٰ اہل کتاب سے تمہارے تعلقات ہیں اتنی موٹی بات انہی سے پوچھ لوکہ پہلے زمانہ میں انبیاء ورسل جوتشریف لائے وہ بشر تھے یا آسمان کے فرشتے۔

پھر آگے حق تعالیٰ خود ہی ظاہر فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء دنیا میں آئے۔ بشری خصائص ان میں موجود تھے۔ نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھاتے۔ نہ وہ ایسے تھے کہ کبھی موت اور فنا نہ آئے۔ ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے کھڑے کئے گئے تھے۔ خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت اور نصرت کے وعدے کرتا تھا چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع ان کے رفقا کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جوان سے ٹکرائے تباہ وغارت کر دیئے گئے۔

یہاں آیت میں بشر کے بجائے رجالاً کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ہم نے صرف مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے یہاں لکھا ہے کہ اسی اصل کی بنا پر اہلِ طریق بھی خلافت مردوں ہی کو دیتے ہیں۔

اخیر میں منکرین ومعاندین کے دوسرے شبہ کا جواب ہے کہ اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو ہر قسم کی نصیحت وفہمائش کردی گئی اور سب برا بھلا انجام سمجھا دیا" یا۔ اب اگر کچھ بھی عقل ہوگی تو عذابِ الٰہی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو فی الحقیقت تمہارے لئے ایک عظیم الشان ہدایت نامہ اور جلیل القدر یادداشت ہے یہ کوئی سحر اور شاعری نہیں نہ تک بندیاں اور پریشان خیالات ہیں اس کے اندر تو ہدایت وسعادت کے ضوابط ہیں۔ شاعری یا سحر یا اور کوئی چیز ایسی کہاں ہوسکتی ہے؟

خلاصہ یہ کہ کفار مکہ کو کتنے مؤثر اور دلنشین پیرایہ میں جتلایا جارہا ہے کہ اگر تم ایسے محسن کو نہ مانو گے تو دنیا میں ذلیل ہوگے اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ آگے ان قوموں کا دنیوی انجام بیان فرماتے ہیں جنھوں نے انبیاء سے دشمنی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کئے تھے۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ اور قرآن پاک پر ایمان نصیب فرمایا۔ اور اسلام جیسا دین کامل عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان نعمتوں کی قدر اور ان کی حقیقی شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا وسچا امتی اور تابعدار بناویں اور قرآنی ہدایات سے ہمارے دلوں کو منور فرماویں۔ یا اللہ! اب ہم کفار ومشرکین کی کیا حکایت وشکایت کریں کہ جنھوں نے قرآنی نصیحتوں کو نہ مانا نہ سمجھا۔ اور آپ کے احکام پر ایمان نہ لاکر اپنے کو مستحق عذاب بنایا۔ اب تو ہمیں رونا ان اہلِ اسلام ہی کے لئے ہے کہ جو باوجود اس قرآن پر دعوئے ایمان کے نہ تو اس کی نصیحتوں کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ نہ اس کے احکام کی پروا کرتے ہیں اور سننا اور سمجھنا تو درکنار اب تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی احکام سے نہ صرف اعراض وانحراف ہے بلکہ ان پر اعتراض بھی ہے۔ یا اللہ! ایسے ناقدروں کو اسلام کی قدر اور عظمت عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾ فَلَمَّا

اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم تھے غارت کردیں اور اُن کے بعد دوسری قوم پیدا کردی۔ سو جب

أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ

ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا۔ بھاگو مت اور اپنے سامانِ عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو

وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ

شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہائے ہماری کم بختی بیشک ہم لوگ ظالم تھے۔ سو اُن کی یہی غل پکار رہی حتیٰ کہ ہم نے اُن کو ایسا کردیا

حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿١٥﴾

جس طرح کھیتی کٹ گئی ہو اور آگ ٹھنڈی ہوگئی ہو۔

وَكَمْ قَصَمْنَا اور ہم نے کتنی ہلاک کردیں	مِنْ سے	قَرْيَةٍ بستیاں	كَانَتْ وہ تھیں	ظَالِمَةً ظالم	وَأَنْشَأْنَا اور پیدا کئے ہم نے	
بَعْدَهَا ان کے بعد	قَوْمًا گروہ۔لوگ	آخَرِينَ دوسرے	فَلَمَّا پھر جب	أَحَسُّوا انہوں نے آہٹ پائی	بَأْسَنَا ہمارا۔عذاب	
إِذَا هُمْ اس وقت وہ	مِنْهَا اس سے	يَرْكُضُونَ بھاگنے لگے	لَا تَرْكُضُوا تم مت بھاگو	وَارْجِعُوا اور لوٹ جاؤ	إِلَىٰ طرف	
مَا جو	أُتْرِفْتُمْ تم آسائش دیئے گئے	فِيهِ اس میں	وَمَسَاكِنِكُمْ اور اپنے گھر	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُسْأَلُونَ تمہاری پوچھ گچھ ہو	
قَالُوا وہ کہنے لگے	يَا وَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	إِنَّا كُنَّا ہم بیشک تھے	ظَالِمِينَ ظالم	فَمَا زَالَتْ پس رہی	تِلْكَ یہ	دَعْوَاهُمْ ان کی پکار
	حَتَّىٰ یہانتک کہ	جَعَلْنَاهُمْ ہم نے انہیں کردیا	حَصِيدًا کٹی ہوئی کھیتی	خَامِدِينَ بجھی ہوئی آگ		

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے الزامات اور اعتراضات کے جواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ پہلے لوگوں کو سمجھانے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تھے اور وہ سب انسان ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام لوگوں کے پاس پہنچانے کے لئے انہیں پسند فرمالیا تھا اور وقت پر ان کی مدد نصرت وحمایت کا وعدہ کیا تھا چنانچہ جب نافرمانوں پر عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور ان کے متبعین کو بچالیا اور نافرمانی وسرکشی اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو ہلاک وتباہ کردیا۔

اب آگے ان آیات میں اسی کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا جارہا ہے کہ ایسا واقعہ صرف ایک یا دو مرتبہ ہی نہیں ہوا بلکہ یہ تو عام ضابطۂ قدرت ہے اور قانونِ خداوندی ہے۔ ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے اس لئے کوئی قوم اس سے مستثنیٰ نہیں۔ افراد واقوام حکومت وطاقت۔ عزت وراحت۔ قوت وصحت کے نشہ میں سرشار ہوتی ہیں۔ عیش وآرام کے تمام سامان مہیا ہوتے ہیں۔ جو چاہتے ہیں من مانی کرتے ہیں۔ بالآخر جب ان کی نافرمانی وسرکشی ناحق پرستی اور ستم گاری بڑھ جاتی ہے تو معمولی اسباب ہلاکت کے علاوہ غیر معمولی محسوس عذاب ان پر نازل کیا جاتا ہے اور پھر چاروں طرف سے ان کو تباہی گھیر لیتی ہے۔ اس وقت جب وہ مصائب سے گھر جاتے ہیں تو ایسے وقت میں تمام اسباب عیش وراحت پر خاک ڈال کر عزت وحکومت پر لات مار کر اور راحت آفرین مسکن ومحل چھوڑ کر جان بچانے کے لئے غیبی مصائب سے بھاگتے ہیں۔ لیکن پھر نجات کا وقت نہیں

رہتا۔ موقع نکل چکتا ہے اس وقت ان کو پشیمانی ہوتی ہے اور اسباب ہلاکت پر غور کرتے ہیں تو بالآخر اقرار کرتے ہیں کہ واقعی ہم نے بڑی بیجا حرکتیں کی تھیں۔ یہ انہی کا نتیجہ ہے۔ واقعی ہم نے بڑا ظلم کیا جو پیغمبروں کی بات نہ سنی۔ غرض اسی طرح وہ ہائے واویلا مچاتے رہتے ہیں لیکن عذاب ان پر آ چکا ہوتا ہے اس وقت کی چیخ و پکار بیکار۔ غرض اس طرح ان کی عزت وشوکت اور جاہ وجلال کی روشن آگ ٹھنڈی کر دی جاتی ہے اور وہ بستیاں جو سرسبز وشاداب کھیتی کی طرح خوش عیشی سے زندگی گزارتی تھیں یک دم ان کو برباد کر کے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح پژمردہ کر کے بھوسہ کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے۔ تو کفار مکہ کو یہ جتلایا جا رہا ہے کہ یہ واقعات ہیں جو صرف ممکن ہی نہیں واقع بھی ہو چکے ہیں پس تم ان سے عبرت حاصل کرو اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ گزشتہ قوموں کی طرح تم کو بھی ایسے وقت پچھتانا پڑے جبکہ پچھتانا بالکل سودمند نہ ہوگا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ علاقہ یمن میں ایک بستی کا ہے جہاں کے رہنے والے بہت مالدار مرفہ حال اور خوش عیش تھے۔ انہوں نے ایک شفیق اور ناصح پیغمبر کو قتل کر دیا تھا اس لئے ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ کسی خاص قریہ کی تعیین ضروری نہیں۔ ہر ملک اور ہر دیس میں اجاڑ بستیوں کے کھنڈر موجود ہیں اور شہر کے شہر صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں کوئی زلزلہ سے تباہ ہوا کوئی آسمانی سنگ باری یا سیلاب یا وبا یا آتش فشاں پہاڑوں کے نمودار ہونے سے برباد ہوا۔ کہیں ظالم بادشاہوں کی لشکر کشی نے قتل عام کیا تو کہیں آپس کے نفاق سے خون کی ندیاں بہا دیں یہ سب عذاب الٰہی کے نمونہ ہیں اور اہل بصیرت کے لئے اپنے اندر عبرت انگیز درس نصیحت رکھتی ہیں۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ جہاں ان آیات میں اقوام پارینہ کی تمثیل دے کر کفار مکہ کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور ضابطۂ قدرت کا بیان کہ کفر ومعصیت سے بربادی آتی ہے بتلایا گیا ہے وہیں دور حاضر کے مسلمانوں کو بھی عبرت آفرین سبق اس سے لینا چاہئے اور خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اعداء کا تسلط ظالموں کی ستم کاریاں۔ طوفان بادوباراں کی تباہ کاریاں۔ زلزلوں کی قیامت خیزیاں۔ اور وباء قحط کی ہلاکت انگیزیاں یہ سب معصیت اور بد اعمالیوں کا خمیازہ ہیں مسلمانوں کے لئے ترقی کی کوئی سکیم اور عروج کا کوئی لائحہ عمل مفید نہیں ہو سکتا جب تک احکام الٰہیہ اور قوانین قرآنیہ کی پابندی نہ کی جائے گی۔ اصلاح نفس سے اصلاح افراد ہوتی ہے۔ اور اصلاح افراد سے اصلاح قوم اور اصلاح قوم سے اصلاح عالم۔ اس لئے اپنی ذات اور نفس کی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ اور ہر شخص کو اس کی فکر میں لگنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے والی زندگی اپنانا چاہئے اور قوانین واحکام خداوندی کی نافرمانی وسرکشی سے بچنا چاہئے۔ ورنہ قانون خداوندی سے کوئی قوم مستثنیٰ نہیں۔ شروع سورۃ سے یہاں تک مضمون نبوت و رسالت کے متعلق تھا اب آگے توحید کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا دل اور دماغ عطا فرماویں۔ اور اپنے نفس کی اصلاح کی فکر نصیب فرمائیں۔ مرنے سے پہلے ہمیں اس زندگی میں آخرت کی تیاری کر لینے کا عزم عطا فرمائیں اور اللہ اور رسول کو راضی کرنے والی زندگی گزارنا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو قرآن پاک کا علم اس کی سمجھ اور اس کا اتباع نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا

مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ

تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔ بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ دفعتہً جاتا

زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا

رہتا ہے۔ اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گھڑتے ہو۔ اور جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں۔ اور جو اللہ کے نزدیک ہیں

يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ شب و روز تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے

وَمَا خَلَقْنَا اور ہم نے نہیں پیدا کیا	السَّمَآءَ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	لٰعِبِيْنَ کھیلتے ہوئے	
لَوْ اَرَدْنَآ اگر ہم چاہتے	اَنْ کہ	نَّتَّخِذَ ہم بنائیں	لَهْوًا کوئی کھلونا	لَّاتَّخَذْنٰهُ تو ہم اس کو بنا لیتے	مِنْ لَّدُنَّآ اپنے پاس سے	
اِنْ كُنَّا اگر ہم ہوتے	فٰعِلِيْنَ کرنے والے	بَلْ بلکہ	نَقْذِفُ ہم پھینک مارتے ہیں	بِالْحَقِّ حق کو	عَلَى پر	الْبَاطِلِ باطل
فَيَدْمَغُهٗ پس وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے	فَاِذَا تو اس وقت	هُوَ وہ	زَاهِقٌ نابود ہوجاتا ہے	وَلَكُمُ اور تمہارے لئے	الْوَيْلُ خرابی	
مِمَّا اس سے جو	تَصِفُوْنَ تم بناتے ہو	وَلَهٗ اور اسی کیلئے	مَنْ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین میں	وَمَنْ اور جو
عِنْدَهٗ اس کے پاس	لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ تکبر سرکشی	نہیں کرتے	عَنْ سے	عِبَادَتِهٖ اس کی عبادت	وَ اور	لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ نہ وہ تھکتے ہیں
	يُسَبِّحُوْنَ وہ تسبیح کرتے ہیں	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	لَا يَفْتُرُوْنَ وہ سستی نہیں کرتے		

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں بعض بستیوں کو عذابِ خداوندی سے ہلاک اور تباہ و برباد کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ مشرکین و کفار مکہ جن کا ذکر گزشتہ سے ہوتا چلا آ رہا ہے ان کا یہ خیال تھا جیسا کہ اب بھی دہریوں کا خیال ہے کہ انسان اور دیگر چیزیں آپ ہی آپ پیدا ہوتی ہیں اور آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ ان کی بقاء کی بھی ایک خاص حد ہے اور فنا کی بھی ایک مدت ہے۔ آبادی و بربادی اور بقاء فنا میں اطاعت و معصیت اور فرمانبرداری و نافرمانی کو کیا دخل ہے۔ اسباب کے معمولی تغیرات کے یہ سب نتائج ہوتے ہیں۔ نیکی اور بدی۔ ایمان اور کفر سے ان میں تغیر نہیں ہوا کرتا۔ کوئی قوم یا شہر برباد ہوا یا ہوتا ہے اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل؟ یہ سب اسباب ارضی و سماوی سے ہے۔ کفار اور مشرکین کے ان خیالات کا ان آیات میں استیصال فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ توحید اور رسالت کے منکرین کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نمایاں نشانیوں کو جو زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور ان کے درمیان تمام مخلوقات کو بنانے میں مشاہدہ کی جاسکتی ہیں دیکھتے اور سمجھتے نہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں فضول محض بطور کھیل تماشہ کے پیدا کی ہیں۔ یہ بلند آسمان اور اس کا سامانِ آرائش اور یہ فرش زمین اور اس کی زینت کے تمام اسباب اور یہ درمیانی فضا اور اس کی کائنات اللہ نے اس طرح پیدا نہیں کی کہ جس میں کوئی معتدبہ حکمت اور غرض صحیح نہ ہو۔ یہ کھیل کے لئے نہیں پیدا کی گئی اور نہ اس سے تفریح مقصود ہے۔ اس

لئے عقلمند کو چاہئے کہ آفرینش عالم کی غرض کو سمجھے اور دنیا کو محض کھیل تماشہ سمجھ کر انجام سے غافل نہ ہو بلکہ خوب سمجھ لے کہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس دنیا کے ہر نیک و بد فعل کی جزا اور سزا ملنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔

گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا تھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان منکرین توحید و رسالت نے دنیا کو کھیل و تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لئے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا اور آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی مخلوقات میں غور و فکر سے ان کے صانع اور خالق کو پتہ نہ لگایا اور انبیاء اور رسل نے جب ان کو خبردار کیا اور سمجھایا اور بتلایا تو ان کی تکذیب و تحقیر کی۔ حق تعالیٰ نے اس تکذیب و تحقیر کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا۔ اللہ نے اپنے علم و حکمت سے اس آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے کہ یونہی بطور مشغلہ اور کھیل و تماشہ کے یہ سب بنا کر کھڑا کر دیا۔

گزشتہ اور ہلاک شدہ بستی والوں کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل و تماشہ ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ اور مزے اڑانے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت سے آزاد منشوں کا اب بھی خیال ہے کہ انسان طبعاً آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہے کرے۔ مرنے کے بعد یہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ نہ ثواب ہے نہ عقاب ہے۔ نہ جزا ہے نہ سزا ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا خدا سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے۔

خدا نے بندہ کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور و فکر سے اس کے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق و ٹیپ ٹاپ سے دھوکا نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبث۔ اور بے فائدہ نہیں۔ اور معرفت صانع کے بعد اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت اور اطاعت کریں اور یقین کریں کہ یہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہاں پہنچ کر بندہ کو ہر نیک و بد کی پوری جزا و سزا ملنی ہے۔ اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔

غرضیکہ اللہ جل شانہٗ نے یہ زمین و آسمان کی عجیب و غریب کائنات کھیل کے لئے نہیں بلکہ بڑی حکمتوں پر مبنی کر کے بنائی ہے اور ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ حق و باطل کا امتیاز ہوتا ہے یہ دنیا میدان کارزار ہے جہاں حق و باطل کا مقابلہ اور جنگ ہوتی ہے اور حق حملہ آور ہو کر باطل کا سر کچل ڈالتا ہے۔

اسی سے منکرین! تم اپنی مشرکانہ اور کافرانہ باتوں کا انجام سمجھ لو کہ حق و صداقت کا حملہ جب پوری طاقت سے تم پر ہوگا اس وقت کیسی خرابی اور بربادی تمہارے لئے ہوگی اور کون سی طاقت بچانے آئیگی۔

نزول قرآن کے وقت عرب میں یہود بھی تھے جو حضرت عزیر علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا کہتے۔ عیسائی بھی تھے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل تھے اور مشرکین کا ایک گروہ تھا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں جانتا تھا اس لئے آگے توحید خداوندی کو بیان کیا جاتا ہے کہ کل عالم اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے مملوک اور مسخر ہیں اور جو مقربین بارگاہ ہیں ان کو بھی سرتابی کی مجال نہیں اور سرتابی کا تو کیا ذکر ان کی یہ کیفیت ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی کرنا ان کے لئے باعث شرف و عزت ہے اور شبانہ روز وہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو عام مخلوق تو کس شمار میں ہے۔ پس لائق عبادت و بندگی کے صرف ذات الٰہی ہے اور جب کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا شریک سمجھنا کتنی بے عقلی ہے۔

گویا یہاں توحید کے دلائل کے ساتھ مشرکین کی جہالت کو بھی ظاہر کیا گیا۔ ابھی آگے بھی انہیں مشرکین کی جہالت کو اور کئی طرح سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور توحید باری تعالیٰ کے مزید دلائل دیئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ

کیاان لوگوں نے خدا کے سوااور معبود بنا رکھے ہیں زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کو زندہ کرتے ہوں۔ زمین وآسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوااور معبود ہوتا

لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ

تو دونوں درہم برہم ہوجاتے۔ سواللہ تعالیٰ ان امور سے پاک ہے جو کہ مالک ہے عرش کا۔ جو کچھ یہ لوگ بیان کرر ہے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا

يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ

اور اوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔ کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں۔ کہیئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب

مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں۔ بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امرِ حق کا یقین نہیں کرتے سو وہ اعراض کررہے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کیا کرو۔

اَمِ کیا	اتَّخَذُوْا انہوں نے بنالیا	اٰلِهَةً کوئی معبود	مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے	هُمْ وہ	يُنْشِرُوْنَ انہیں اٹھا کھڑا کریں گے	لَوْ كَانَ اگر ہوتے
فِيْهِمَآ ان دونوں میں	اٰلِهَةٌ اور معبود	اِلَّا سوائے	اللّٰهُ اللہ	لَفَسَدَتَا البتہ دونوں درہم برہم ہوجاتے	فَسُبْحٰنَ پس پاک ہے	اللّٰهِ اللہ
رَبِّ رب	الْعَرْشِ عرش	عَمَّا اس سے جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	لَا يُسْئَلُ اس سے بازپرس نہیں کرتے	عَمَّا اس سے جو	يَفْعَلُ وہ کرتا ہے
وَهُمْ اور بلکہ (وہ)	يُسْئَلُوْنَ بازپرس کئے جائیں گے	اَمِ کیا	اتَّخَذُوْا انہوں نے بنالئے ہیں	مِنْ دُوْنِهٖٓ اللہ کے سوائے	اٰلِهَةً اور معبود	قُلْ فرمادیں
هَاتُوْا لاؤ پیش کرو	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	هٰذَا ذِكْرُ یہ کتاب	مَنْ جو	مَّعِيَ میرے ساتھ	وَذِكْرُ اور کتاب	مَنْ قَبْلِيْ جو مجھ سے پہلے
بَلْ بلکہ البتہ	اَكْثَرُهُمْ ان میں اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے ہیں	الْحَقَّ حق	فَهُمْ پس وہ	مُّعْرِضُوْنَ روگردانی کرتے ہیں	وَ اور
مَآ اَرْسَلْنَا نہیں بھیجا ہم نے	مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے	مِنْ رَّسُوْلٍ کوئی رسول	اِلَّا مگر	نُوْحِيْٓ ہم نے وحی بھیجی	اِلَيْهِ اس کی طرف	اَنَّهٗ کہ بیشک وہ
لَآ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّآ اَنَا میرے سوا	فَاعْبُدُوْنِ پس میری عبادت کرو			

تفسیر وتشریح: دین اسلام کا سنگ بنیاد توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو وحدہٗ لاشریک یقین کرنا۔ گزشتہ سے توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور ردِ شرک کا مضمون بیان ہوتا چلا آرہا ہے ان آیات میں بھی اثبات توحید کے بعض دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

پہلی دلیل یہ دی گئی کہ اہلِ شرک نے جو بت اور دیوتا بنا رکھے ہیں جن کی ساخت چاندی یا سونے یا پتھر۔ لکڑی، مٹی وغیرہ یعنی زمین کی موجودات میں سے کسی خاص چیز کی ہے کہ ان کو خود ہی بناتے ہیں اور خود ہی ان کو دیوتا مانتے ہیں تو جن ہستیوں کو انہوں نے خدا قرار دے رکھا ہے اور اپنا معبود بنایا ہے کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جو مادہ غیر ذی حیات میں زندگی پیدا کرتا ہو۔ اگر ایک اللہ کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں کہ کسی میں جان ڈال سکے تو پھر ان کو الوہیت کا استحقاق کیسے ہوگیا اور ان کو خدا اور معبود کس لئے یہ کفار قرار دیتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ دی گئی کہ اگر عالم میں دو الٰہ یعنی دو معبود یا دو خدا ہوتے تو نظم عالم کبھی کا درہم برہم ہوجاتا۔ یہ دلیل نہایت سادہ بھی ہے اور گہری

بھی۔ سادی سی بات جس کو ایک موٹی سی عقل کا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے یہ ہے کہ ایک معمولی گھر کا نظام یا ایک کارخانہ کا انتظام چار دن بھی بخیریت نہیں چل سکتا اگر اس کے دو خود مختار مالک ہوں۔ لامحالہ دونوں کے اختلاف رائے سے تصادم لازم آئے گا۔ آپس میں رسہ کشی اور تصادم سے گھر یا کارخانہ کا نظام درہم برہم ہونا لازمی ہے۔ گہری بات یہ ہے کہ کائنات کا پورا نظام زمین کی تہوں اور گہرائیوں سے لے کر بعید ترین سیاروں تک ایک ہمہ گیر قانون پر چل رہا ہے۔ یہ نظام ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتا اگر اس کی بے شمار مختلف قوتوں اور بے حد و حساب چیزوں کے درمیان تناسب اور توازن اور ہم آہنگی اور تعاون نہ ہو۔ اور یہ سب کچھ جبھی ممکن ہے کہ کوئی اٹل اور غالب اور قاہر قوت ان بے شمار اشیاء اور قوتوں کو پوری مناسبت کے ساتھ آپس میں تعاون کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔ یہ کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے کہ بہت سے مطلق العنان فرمانرواؤں کی حکومت میں ایک ضابطہ اس باقاعدگی سے چل سکے۔ ایک ملک اور حکومت میں جب دو خود مختار بادشاہ نہیں سما سکتے تو دو مختار کل اور قادر مطلق خدا اس کائنات میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ اس آسمان و زمین اور تمام کائنات کا نظام قائم رہنا خود ہی اس بات کی دلالت ہے کہ احکم الحاکمین۔ مختار کل اور قادر مطلق ایک ہی ذاتِ اعلیٰ ہے اور وہی اِلٰہ کہلانے اور معبود بننے کا مستحق ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی خدا ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں۔ اگر اللہ کے سوا آسمان و زمین کی تخلیق اور تدبیر میں اور کوئی خدا شریک ہوتا تو باہمی اختلافات اور کشمکش کی وجہ سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ لیکن جب آسمان و زمین کا نظام باحسن وجوہ سب کے سامنے ہے اور یہ سارا کارخانہ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وطیرہ پر چل رہا ہے تو لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دو خدا کا وجود ناممکن اور باطل ہے پس اگر کسی کو ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے اس نظم و نسق کو دیکھ کر خداوند قدوس کی وحدانیت کا قائل ہو جائے گا۔

یہ دلائل دے کر آگے حق تعالیٰ خود اپنی ذاتِ پاک کی بڑائی بیان فرماتے ہیں کہ ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ عرش کا مالک ہے ان امور سے پاک ہے جو یہ مشرکین کہتے ہیں۔ وہ معبود تو ایسا قادر مطلق اور مختار کل ہے کہ اس کی قدرت اور مشیت کو روکنا تو کجا کوئی پوچھ پاچھ بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے فلاں کام اس طرح کیوں کیا اور کیوں نہ کیا۔ ہاں اس ذاتِ عالی کو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے بس جب کوئی اس کی عظمت میں شریک نہ ہوا تو پھر معبودیت میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔ اس طرح توحید پر دلائلِ عقلی قائم کئے گئے۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کئے ہیں کیا اس کا ثبوت کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ہے؟ اگر کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے کہ مشرکین کے پاس شرک کے جواز میں بجز اوہام و ظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے اور کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی تھی نہ نقلی جسے پیش کر سکتے ہیں۔

توحید باری تعالیٰ پر دلیل عقلی دینے کے بعد آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ایک نقلی دلیل پیش کرنے میں تلقین کی جارہی ہے اور وہ یہ کہ آج تک جتنی کتابیں خدا کی طرف سے دنیا کے کسی حصہ میں اور کسی قوم کے پیغمبر پر نازل ہوئی ہیں سب ہی میں یہی ایک بات ہے کہ اس رب العرش کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ تو اے منکرین اور مشرکین مکہ اگر تمہارے پاس تمام مللِ سماویہ کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدۂ توحید پر رہا ہے۔ کسی پیغمبر نے بھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ سب ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ تو جس طرح عقل اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعوئے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ کہ انبیاء کا ہدایتِ خلق کے لئے مبعوث ہونا متواتر ہے اور یہ بات بھی تواتر سے ثابت ہے کہ ہر پیغمبر نے خالص توحید کی تعلیم دی اور شرک سے منع کیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ متواتر کا انکار سوائے بیوقوف معاند اور ناواقف جاہل کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

لہٰذا توحید کا انکار قطعی جہالت ہے۔ اور خلاف عقل و نقل ہے۔ ابھی یہی مضمون توحید اور شرک کا ابطال اگلی آیات میں مزید جاری ہے جس کا بیان ان شاءاللہ تعالیٰ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے بلکہ (وہ فرشتے) بندے ہیں معزز۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے

وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ

اور وہ اُسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اُس کے جس کیلئے خداتعالیٰ کی مرضی ہو

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ

اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور اُن میں سے جو یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں

اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

سو ہم اُس کو سزائے جہنم دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	اتَّخَذَ بنا لیا	الرَّحْمٰنُ اللہ	وَلَدًا ایک بیٹا	سُبْحٰنَهٗ وہ پاک ہے	بَلْ بلکہ	عِبَادٌ بندے	مُّكْرَمُوْنَ معزز
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ وہ اس سے سبقت نہیں کرتے	بِالْقَوْلِ بات میں	وَهُمْ اور وہ	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم پر	يَعْمَلُوْنَ عمل کرتے ہیں			
يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں میں	وَ اور	مَا خَلْفَهُمْ جو انکے پیچھے	وَ اور	لَا يَشْفَعُوْنَ وہ سفارش نہیں کرتے	
اِلَّا مگر	لِمَنِ جس کیلئے	ارْتَضٰى اسکی رضا ہو	وَهُمْ اور وہ	مِّنْ خَشْيَتِهٖ اسکے خوف سے	مُشْفِقُوْنَ ڈرتے رہتے ہیں		
وَمَنْ اور جو	يَّقُلْ کہے	مِنْهُمْ ان میں سے	اِنِّيْٓ بیشک میں	اِلٰهٌ معبود	مِّنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	فَذٰلِكَ پس وہ شخص	
نَجْزِيْهِ ہم اسے سزا دیں گے	جَهَنَّمَ جہنم	كَذٰلِكَ اسی طرح	نَجْزِيْ ہم سزا دیتے ہیں	الظّٰلِمِيْنَ ظالم			

تفسیر وتشریح: گزشتہ سے مضمون اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ایام جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو (نعوذ باللہ) خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو دو وجوہ سے معبود بناتے تھے ایک یہ کہ ان کے نزدیک وہ خدا کی اولاد تھے۔ (نعوذ باللہ) دوسرے یہ کہ وہ ان کی پرستش اور خوشامد کر کے انہیں خدا کے ہاں اپنا سفارشی بنانا چاہتے تھے۔

ان آیات میں دونوں وجوہ کی تردید کر دی گئی اور بتلایا گیا کہ خدا کے شانِ رفیع کے لائق نہیں کہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹیاں بنائے۔ اس میں نصاریٰ کا بھی رد ہو گیا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ نیز یہود کے اس فرقہ کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن برگزیدہ فرشتوں کو اے مشرکین تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز اور مقرب ہونے کے ان کے ادب اور اطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور اجازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدوں کر سکتے ہیں۔ گویا کمال عبودیت اور بندگی ہی ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ اور حق تعالیٰ کا علم ان فرشتوں کے تمام احوال ظاہری و باطنی کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ وہ مقرب

بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور ان کی کمال عبودیت کی یہ حالت ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی معلوم کئے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے۔ چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے ان کے حق میں دنیا اور آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ کی ہیبت سے ہمہ وقت ڈرتے اور خوف کھاتے رہتے ہیں۔ تو جب ملائکہ کی یہ حالت ہے تو ان کو معبود کیسے کہا جاسکتا ہے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے مشرکین جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بفرضِ محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت معاذ اللہ ایسی بات کہہ گزرے تو وہی دوزخ کی سزا جو حد سے گزرنے والوں ظالموں کو ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جاسکتے پھر بھلا خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟

خلاصہ یہ کہ یہاں حق تعالیٰ کے صاحبِ اولاد ہونے کی تردید اور اولاد پرستوں کے عقیدہ کا استیصال فرمایا گیا۔ اور اس بات کی صراحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ اور فرشتے خدا کے معزز و مکرم بندے ہیں۔ جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اجازت یا خطاب نہ ہو فرشتے خود کچھ بولنے کی جرأت نہیں کرتے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک اس قدر بڑا جرم ہے کہ اگر بالفرض کسی مقرب فرشتے سے بھی سرزد ہو جائے تو وہ بھی راندۂ بارگاہ ہو جائے۔

توحید کے مزید دلائل اور قدرت کے کھلے نشان جن کو دیکھ کر اللہ کی وحدانیت کا یقین آ جائے اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو توحید کا کمال نصیب فرمائیں اور ہر طرح کے مخفی سے مخفی شرک سے ہمیں کامل طور پر بچائیں۔ قرآن پاک کے بتلائے ہوئے عقیدہ اور عمل ہم کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی ظاہراً و باطناً گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں بھی اپنی ذاتِ عالی کی معرفت کے سبب وہ خوف اور خشیت پیدا فرمائیں کہ ہم سے کسی حال میں کوئی چھوٹی یا بڑی نافرمانی سرزد نہ ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوْٓا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط

کیا اُن کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۰ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ

اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے

رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳۱

کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ لوگ منزل (مقصود) کو پہنچ جائیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ج وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲ وَهُوَ

اور ہم نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو ایک چھت بنایا جو محفوظ ہے۔اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔اور وہ ایسا ہے

الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳

کہ اُس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ ہر ایک ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

أَوَ کیا	لَمْ يَرَ نہیں دیکھا	الَّذِينَ وہ لوگ جو	كَفَرُوْا انہوں نے کفر کیا	أَنَّ کہ	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْأَرْضَ اور زمین
كَانَتَا دونوں تھے	رَتْقًا بند	فَفَتَقْنٰهُمَا پس ہم نے دونوں کو کھول دیا	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا	مِنَ الْمَآءِ پانی سے	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	
حَيٍّ زندہ	أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے	فِي الْأَرْضِ زمین میں	رَوَاسِيَ پہاڑ		
أَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ کہ جھک نہ پڑے ان کے ساتھ	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے	فِيْهَا اس میں	فِجَاجًا کشادہ	سُبُلًا راستے		
لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَهْتَدُوْنَ وہ راہ پائیں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	السَّمَآءَ آسمان	سَقْفًا ایک چھت	مَحْفُوْظًا محفوظ	
وَهُمْ اور وہ	عَنْ سے	اٰيٰتِهَا اس کی نشانیاں	مُعْرِضُوْنَ روگردانی کرتے ہیں	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا
الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	وَالشَّمْسَ اور سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	كُلٌّ سب	فِيْ فَلَكٍ دائرہ مدار (میں)	يَسْبَحُوْنَ تیر رہے ہیں

تفسیر اور تشریح: گزشتہ سے شرک کی تردید اور توحید کے ثبوت کے دلائل بیان ہوتے چلے آرہے ہیں۔اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عام خلاقی اور ہمہ گیر قہار طاقت کا اظہار فرما کر گزشتہ مضمون کی تائید فرمائی گئی ہے تاکہ قدرت کے کھلے نشان اور محکم انتظامات کو دیکھ کر خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین آجائے۔چنانچہ ان آیات میں کائنات کی پیدائش کا حال بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ اس کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کی قدرت کا اندازہ ہو اور اس کی معرفت کا دروازہ کھلے۔ابتداء زمین و آسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے۔ان میں باہم کوئی امتیاز اور فرق نہ تھا۔سب کی حقیقت ایک تھی۔اللہ کی قدرت دیکھو کہ اس نے ایک ہی مادہ سے مختلف انواع کی تخلیق کی۔قدرت نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنائے۔اس پر بھی منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے روئیدگی۔حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں

کے منہ کھول دیئے۔اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا۔ نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے۔ اسی زمین سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے۔آسمان کو کتنے بےشمار ستاروں سے مزین کردیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدا رکھی۔ پھر جانداروں کو پانی سے پیدا کیا یعنی عموماً جاندار چیزیں جو ہم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ پانی سے بنائی گئیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے۔ نباتات حیوانات۔ جمادات میں سے ہر ایک کو اس کے تناسب زندگی عطا کی۔ پھر زمین جو ابتداء نرم اور قرار نہ پکڑنے والی چیز تھی اور زمین پر آبادی کرنی منظور تھی۔ اس لئے زمین میں ثقل پیدا کر کے اس کو قرار دیا۔اور پہاڑوں کو ٹھوس اور اونچی دیواروں کی طرح زمین پر گاڑ دیا۔ تاکہ ان کے وزن اور گرانی سے زمین اپنی جگہ پر قائم رہے۔ پھر ان کے درمیان چوڑے چوڑے راستہ اور درے بھی بنا دیئے تاکہ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کے لوگوں سے مل سکیں۔ آسمان کو مضبوط اور محکم چھت کی طرح بے سہارے سر پر پھیلا دیا۔ جس کے ٹوٹ پھوٹ اور گرنے کا خطرہ نہیں۔کیسی مضبوط۔وسیع۔ محکم اور بلند چھت اتنی مدت سے بلا ستون اور کھمبے کے کھڑی ہے۔ آسمان کے اندر اللہ عزوجل کی قدرت اور حکمت کی بےشمار نشانیاں ہیں۔لیکن لوگ ان کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ورنہ ہر چیز بتا رہی ہے کہ اسے کسی بڑے ماہر اور کامل صناع اور بڑی قدرت و حکمت والے کاریگر نے بنایا ہے۔ پھر اسی نے رات دن چاند سورج بنائے۔ رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح چاند و سورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں اور یہ چاند و سورج بلکہ ہر سیارہ اپنے اپنے مدار پر چکر کھا رہا ہے۔ یہ سب باتیں اللہ عزوجل کی ہستی پر دلالت کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ بتلایا گیا کہ یہ نظامِ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے ہے کیا اس میں کہیں ایک اللہ رب العلمین کے سوا کسی اور کی بھی کاریگری اور صناعی تمہیں نظر آتی ہے؟ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز اللہ کی ہمہ گیر قدرت بے مثال خلاقی اور بے نظیر وحدانیت کو ثابت کر رہی ہے۔لیکن کور بصیرت انسان ان پر غور نہیں کرتا ورنہ عبرت اندوز اہلِ نظر کے لئے آسمان و زمین کی خلقت۔ شبانہ روز کی پیدائش و انقلاب۔ چاند و سورج کی حرکات اور ان کی حرکات کے آثار سب ایک صانع کی صنعت۔ اور ایک حکیم کی حکمت اور ایک قادر کی قدرتِ کاملہ کو ظاہر کر رہی ہیں۔

الغرض حق تعالیٰ نے مضمونِ توحید کو نہایت پر مغز دلائل کے ساتھ یہاں بیان فرمایا اب آگے مضمون متعلق رسالت ہے۔ کفار مکہ اور معاندین اسلام اس بات کو خیال کر کے اپنے دل میں خوش ہو لیتے تھے کہ بس یہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک ہے۔ آپ کے انتقال اور وفات کے بعد یہ دین بھی ختم ہو جائے گا۔ کفار مکہ کے اس خیال خام کا رد اگلی آیات میں فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو کائنات کے ایک ایک ذرہ سے اپنی معرفت کا سبق حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں۔ اور اپنی شانِ الوہیت و ربوبیت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔ تاکہ ہم کو احکامِ الٰہیہ کی کامل پابندی نصیب ہو۔ یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ کی ہم کو معرفتِ کاملہ عطا فرما تاکہ حقیقت توحید ہم کو نصیب ہو۔ اور ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار بندے بن کر زندہ رہیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب ہو۔ یا اللہ! یہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کائنات اور مخلوقات کو آپ ہی نے اپنی قدرت سے پیدا فرمایا ہے اور یہ آپ ہی کی قدرت سے قائم ہیں اور اسی وقت تک قائم رہیں گے جب تک آپ کی مشیت قائم رکھنا چاہے۔ یہ دن اور رات کا نظام آپ کی قدرتِ کاملہ کی کھلی نشانی ہے۔ اور آپ کی بے نظیر وحدانیت کو ثابت کرتی ہے۔ یا اللہ! ہم آپ کی بے مثال خلاقی اور ہمہ گیر قدرت پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ہم کو اسی ایمان پر قائم رکھیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝٣٤ كُلُّ نَفْسٍ

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کیلئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ ہر جاندار

ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝٣٥

موت کا مزہ چکھے گا۔ اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں۔ اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

وَ اور	مَا جَعَلْنَا ہم نے نہیں کیا	لِبَشَرٍ کسی بشر کیلئے	مِّنْ قَبْلِكَ آپ سے قبل	الْخُلْدَ ہمیشہ رہنا	أَفَإِن کیا پس اگر	
مِّتَّ آپ نے انتقال کرلیا	فَهُمُ پس وہ	الْخَالِدُونَ ہمیشہ رہیں گے	كُلُّ نَفْسٍ ہر جی	ذَائِقَةُ چکھنا	الْمَوْتِ موت	وَ اور
نَبْلُوكُم اور ہم تمہیں بتلا کریں گے	بِالشَّرِّ برائی سے	وَالْخَيْرِ اور بھلائی	فِتْنَةً آزمائش	وَإِلَيْنَا اور ہماری ہی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹ کر آؤ گے	

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتداء ہی میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ کفار مکہ نے قرآن کی صداقت اور اسلام کی حقانیت سے عاجز ہوکر طرح طرح کی تہمت تراشی اور افتراپردازی سے کام لینا چاہا۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ساحر و کاہن کہا۔ کبھی شاعر بتلایا۔ اور کبھی مجنوں و دیوانہ کا خطاب دیا مگر اسلام دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ واضح رہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول وہ وقت تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی اور آپ کے ساتھ آپ کے متبعین کو چاروں طرف سے طعن وتشنیع اور طرح طرح کی سازشوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف سردارانِ قریش تھے جو آئے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ حق پر خوفناک نتائج کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور ان میں سے بعض پر جوشِ مخالفین و معاندین بیٹھ بیٹھ کر یہ تک سوچا کرتے تھے کہ کسی طرح آپ کا نعوذ باللہ کام تمام کر دیں۔ دوسری طرف ہر وہ گھر جس کا کوئی فرد اسلام قبول کر لیتا آپ کا دشمن بن جاتا تھا۔ اور عام انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جب انسان کسی کے بغض وعناد میں کھو جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہش مند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزومند ہو جاتا ہے۔ دعوتِ حق کے معاندین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے خیال سے اپنے جی خوش کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رحلت کر جائیں گے تو اسلام کا زور بھی ٹوٹ جائے گا۔ یہ جس قدر دھوم دھام ہے یہ انہی کے دم سے ہے۔

منکرین کے اس خیال کے رد میں حق تعالیٰ ان آیات میں فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ کی موت کا انتظار کرتے ہیں لیکن آپ انتقال کر جائیں گے تو یہ ہمیشہ نہیں بیٹھے رہیں گے۔ موت ان کو بھی فنا کر دے گی۔ کوئی شخص پنجہ موت سے بچنے والا نہیں اور آپ کے انتقال سے اسلام کیوں نابود ہونے لگا۔ وہ آپ کی ذات سے وابستہ نہیں ہے کہ جب تک آپ کی حیات ہو تب تک اس کی ہستی ہو۔ وہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی فنا نہیں ہوگا۔ چنانچہ حقیقت میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد گھٹا نہیں بلکہ روز بروز بڑھتا گیا اور تمام عالم میں پھیل گیا اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا۔ مگر انسانی تاریخ بتلاتی ہے کہ باطل کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ جب حق کی روشنی سامنے آئی اور چاروں طرف پھیل کر ظلمت کو دور کرنا شروع کیا تو باطل پرستوں کے لئے باطل کا مٹنا اور حق کا پھیلنا بڑا شاق گزرا۔ اور بس یہی تدبیر ان کی اوندھی عقل میں ہمیشہ آئی کہ حق کو دنیا سے ختم کرنے کے لئے حق کی دعوت دینے والے کو ختم کر دیا جائے، گویا ان کے زعم باطل میں نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی۔ مگر حق کی تائید اور نصرت کرنے والے قادرِ مطلق کی قدرت ہمیشہ حق اور اہل حق کے ساتھ ہوتی ہے اور حق داعی حق کی موت سے ختم نہیں ہو جاتا۔

تو یہاں آیت کے جملہ کل نفس ذائقة الموت میں بتلایا گیا کہ موت کا مزہ تو ہر نفس کو دنیا میں چکھنا ہے ایک نہ ایک دن ہر ایک کو مرنا ہے۔ دوسرے جملہ میں اس دنیا میں جس کو بھی جتنی زندگی اور زمانۂ حیات ملا ہے اس کا فلسفہ بتلایا گیا ہے کہ یہ زمانہ حیات صرف اس لئے ہے کہ اس میں برائی اور بھلائی سے تم سب کا امتحان کیا جائے یعنی اس دنیوی زندگی میں سختی و نرمی۔ تندرستی و بیماری، تنگی و فراخی مصیبت و عیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے تا کہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور کون شکوہ شکایت، مایوسی اور کفر ناشکری اور معصیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ کون اچھے حالات میں متکبر ظالم۔ خدا فراموش۔ بندۂ نفس بن جاتا ہے۔ اور کون برے حالات میں پست و ذلیل اور ناجائز راستے اختیار کر لیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر صاحب عقل انسان کو زندگی کے ان مختلف حالات کو حق تعالیٰ کے اس قرآنی ارشاد ونبلوکم بالشر والخیر فتنة یعنی ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں کے تحت سمجھنا چاہئے اور جو حالت بھی اسے پیش آئے اس کے امتحانی اور آزمائشی پہلو کو نگاہ میں رکھنا چاہئے اور اس سے بخیریت قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے طریقہ اور ہدایات کے موافق گذرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ حالات اچھے آئے تو فرعون بن گئے اور حالات برے پیش آئے تو مایوس ہو گئے۔

بہادر شاہ ظفر جو شاہانِ مغلیہ کی ہندوستان میں آخری نشانی تھی انہوں نے ایک شعر میں اسی مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انسان کو تکلیف پر صبر کرنا اتنا بھاری اور مشکل نہیں ہوتا جتنا عیش وعشرت اور آرام و راحت میں اس کے حق شکر ادا کرنے پر ثابت قدمی مشکل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں جس حال میں رکھیں اس حال کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

آگے آیت کے تیسرے جملہ میں وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ یعنی تم سب کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے فرما کر یہ جتلا دیا گیا کہ دنیا کی زندگی کے امتحان اور آزمائش کے بعد پھر قیامت کے دن سب انسان بدنی جامہ پہن کر ہمارے ہی پاس آئیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کے امتحان میں کون کامیاب رہا اور کون ناکام۔

یا اللہ! اب ہم اس دنیا میں آ کر اس آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہو چکے ہیں آپ ہماری مدد فرمائیں اور ہمیں کامیابی کے ساتھ اس دنیا کی زندگی سے گزار کر ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ اپنی بارگاہ میں حاضر ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

ایک یہ کہ ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد۔

دوسرے انسان جب تک زندہ رہے گا اس کا امتحان برابر ہوتا رہے گا کہ کن کن حالات میں وہ ایمان واطاعت کی طرف متوجہ رہتا ہے اور کن کن حالات میں کفر و معصیت کی طرف جھک جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ ہر انسان کو اللہ ہی کے حضور میں واپس جا کر اپنے اعمالِ دنیوی کی جواب دہی کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معاندین و منکرین کی خام خیالیوں کا رد فرماتے ہوئے جتلا دیا گیا کہ اصل سوال مرنے کا نہیں ہے۔ سوال تو اصل یہ ہے کہ اس زندگی کی آزمائشوں سے کون کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے؟ ایمان و خیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا کفر و شر کا؟ تو یہ معاندین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال و موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے ہیں ان کو اپنی زندگی کی خبر لینا چاہئے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی فکر کرنا چاہئے۔ ابھی آگے بھی کفار و منکرین کی حالت عناد کا ذکر اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتے ہیں۔

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ

اور یہ لوگ رحمٰن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں۔ انسان جلدی ہی کا بنا ہوا ہے۔ ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتے ہیں۔

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

پس تم جلدی مت مچاؤ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آوے گا اگر تم سچے ہو۔ کاش ان کافروں کو اُس وقت کی خبر ہوتی

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

جبکہ یہ لوگ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ اُن کی کوئی حمایت کرے گا۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

بلکہ وہ آگ اُن کو ایک دم سے آلے گی سو ان کو بدحواس کر دیگی پھر نہ اُس کے ہٹانے کی اُن کو قدرت ہوگی اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔

وَاِذَا اور جب	رَاٰكَ تمہیں دیکھتے ہیں	الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا وہ جنہوں نے کفر کیا	اِنْ نہیں	يَتَّخِذُوْنَكَ ٹھہراتے تمہیں	اِلَّا مگر		
هُزُوًا ایک ہنسی مذاق	اَهٰذَا کیا یہ ہے	الَّذِيْ وہ جو	يَذْكُرُ یاد کرتا ہے	اٰلِهَتَكُمْ تمہارے معبود	وَهُمْ اور وہ	بِذِكْرِ ذکر سے	
الرَّحْمٰنِ رحمٰن اللہ	هُمْ وہ	كٰفِرُوْنَ منکر	خُلِقَ پیدا کیا گیا	الْاِنْسَانُ انسان	مِنْ سے	عَجَلٍ جلدی	
سَاُورِيْكُمْ عنقریب میں دکھاتا ہوں تمہیں	اٰيٰتِيْ اپنی نشانیاں	فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ تم جلدی نہ کرو	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا یہ		
الْوَعْدُ وعدہ	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	لَوْ يَعْلَمُ کاش وہ جان لیتے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	حِيْنَ وہ گھڑی	
لَا يَكُفُّوْنَ وہ نہ روک سکیں گے	عَنْ سے	وُجُوْهِهِمُ اپنے چہرے	النَّارَ آگ	وَلَا اور نہ	عَنْ سے	ظُهُوْرِهِمْ ان کی پیٹھ	وَ اور
لَا هُمْ نہ وہ	يُنْصَرُوْنَ مدد کئے جائیں گے	بَلْ بلکہ	تَاْتِيْهِمْ آئے گی ان پر	بَغْتَةً اچانک	فَتَبْهَتُهُمْ تو حیران کردے گی انہیں		
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ پس نہ انہیں سکت ہوگی	رَدَّهَا اس کو لوٹانا	وَ اور	لَا هُمْ نہ انہیں	يُنْظَرُوْنَ مہلت دی جائے گی			

تفسیر وتشریح: شرک کے رَد کے سلسلہ میں گزشتہ سے کفار ومشرکین کا تذکرہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ قیام مکہ کے زمانہ میں ابوجہل وغیرہ کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی عناد میں مذاق شروع کر دیتے اور آپ کی شان میں بے ادبی کرنے لگتے۔ اسی کو یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار ومنکرین انجام سے بالکل بے فکر ہو کر پیغمبر علیہ السلام کی ہنسی اڑاتے ہیں اور آپ سے مذاق کرتے ہیں۔ چنانچہ استہزاء اور تحقیر سے کفار کہتے کہ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان منکرین کو شرم نہیں آتی کہ خود حقیقی معبود کے ذکر اور اس کے نام "رحمٰن" تک سے چڑتے ہیں۔ اس کی سچی کتاب کے منکر ہیں اور جھوٹے معبودوں کی برائی سن کر چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ ہنسی

کے لائق تو ان کفار کی حالت ہوئی نہ کہ آپ کی۔ پھر کفار بطور استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحق عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے۔ اس پر حق تعالیٰ انسان کی خصلت بیان فرماتے ہیں کہ انسان بڑا جلد باز ہے۔ گویا اس کے خمیر میں جلدی پڑی ہوئی ہے اس واسطے یہ لوگ عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ اس پر ان منکرین کو خطاب کیا جاتا ہے کہ اے منکرو تھوڑا صبر کرو عنقریب خدا اپنے قہر اور انتقام کی نشانیاں تم کو دکھلاوے گا۔ پھر جب کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت اور اس میں کفار کا ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلنا سنتے تو بطور استہزاء کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو ابھی کیوں نہیں بلا لیتے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان منکرین پر حقیقت منکشف ہو جائے اور اس ہولناک گھڑی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو کبھی ایسی درخواست نہ کریں۔ یہ باتیں اس وقت بے فکری میں سوجھ رہی ہیں جب وہ وقت سامنے آ جائے گا کہ آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی تو نہ کسی طرف سے اس کو دفع کر سکیں گے۔ نہ کہیں سے مدد پہنچے گی۔ نہ مہلت ملے گی۔ نہ پہلے سے اس کا اندازہ ہوگا۔ اس کے اچانک سامنے آ جانے سے ہوش باختہ ہو جائیں گے۔ تب پتہ چلے گا کہ جس چیز کی ہنسی کرتے تھے وہ حقیقت ثابت ہوئی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہلِ حق کا مذاق اڑانا کافروں کا شیوہ ہے۔ اور باطل پرست طبقہ ہمیشہ سے اہلِ حق کا مذاق اڑاتا چلا آیا ہے لیکن اس کو کبھی حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوئی انجام کار غلبہ اہلِ حق ہی کو رہا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عجلت انسان کی سرشت میں داخل ہے لیکن نیکوکار طبقہ ہدایت حاصل کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے اور بدکار طبقہ اسباب ضلالت کی طرف جلد جلد دوڑتا ہے۔ اور جو بے وقوف انسان اللہ کے اُخروی عذاب کو جلد مانگتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ عذاب اس کی نظر کے سامنے نہیں ہوتا لیکن جب سامنے آ جائے گا تو پھر کسی طرح ٹالے نہیں ٹلے گا۔ ابھی مضمون انہیں کفار و منکرین کے متعلق اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر کافرانہ اور مشرکانہ خصلت و عادت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں ہم کو حق پر آخری لمحہ تک قائم رکھیں اور باطل سے ہر طرح بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ہر طرح محفوظ رکھئے۔ اور قیامت کی رسوائیوں سے مامون فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہو گذرے ہیں اُن کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا تھا سو جن لوگوں نے اُن سے تمسخر کیا تھا اُن پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

استہزاء کرتے تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہو۔ بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ

روگرداں ہیں۔ کیا اُن کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ اُن کی حفاظت کر لیتے ہوں۔ وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے

اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ بلکہ ہم نے اُن کو اُن کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ اُن پر

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

ایک عرصہ دراز گذر گیا۔ کیا اُن کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ غالب آ دیں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں۔ اور یہ بہرے جس وقت ڈرائے جاتے ہیں سنتے ہی نہیں۔ اور اگر اُن کو آپ کے رب کے عذاب کا

نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ

ایک جھونکا بھی ذرا لگ جاوے تو یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم بختی واقعی ہم خطاوار تھے۔ اور قیامت کے روز

الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ

ہم میزانِ عدل قائم کریں گے سو کسی پر اصلا ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا

اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾

تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے۔ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

وَ اور	لَقَدِ اسْتُهْزِئَ البتہ مذاق اُڑائی گئی	بِرُسُلٍ رسولوں کی	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	فَحَاقَ آگھیرا پکڑ لیا	بِالَّذِيْنَ ان کو جنہوں نے		
سَخِرُوْا مذاق اُڑایا	مِنْهُمْ ان میں سے	مَّا جو	كَانُوْا تھے	بِهٖ اس کے ساتھ	يَسْتَهْزِءُوْنَ مذاق اڑاتے تھے	قُلْ فرمادیں	مَنْ کون
يَكْلَؤُكُمْ تمہاری نگہبانی کرتا ہے	بِالَّيْلِ رات میں	وَالنَّهَارِ اور دن	مِنَ الرَّحْمٰنِ رحمٰن سے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	عَنْ ذِكْرِ یاد سے		
رَبِّهِمْ اپنا رب	مُّعْرِضُوْنَ رُوگردانی کرتے ہیں	اَمْ کیا	لَهُمْ ان کیلئے	اٰلِهَةٌ کچھ معبود	تَمْنَعُهُمْ انہیں بچاتے ہیں		

مِنْ دُوْنِنَا ہمارے سوا	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ وہ سکت نہیں رکھتے	نَصْرَ مدد	اَنْفُسِهِمْ اپنے آپ	وَ اور	لَا هُمْ نہ وہ	مِنَّا ہم سے
يُصْحَبُوْنَ وہ ساتھی پائیں گے	بَلْ بلکہ	مَتَّعْنَا ہم نے سازوسامان دیا	هٰٓؤُلَآءِ ان کو	وَاٰبَآءَهُمْ اور ان کے باپ دادا	حَتّٰى یہاں تک کہ	
طَالَ دراز ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان پر	الْعُمُرُ عمر	اَفَلَا يَرَوْنَ کیا پس وہ نہیں دیکھتے	اَنَّا نَاْتِي کہ ہم آرہے ہیں	الْاَرْضَ زمین	
نَنْقُصُهَا اس کو گھٹاتے ہوئے	مِنْ سے	اَطْرَافِهَا اس کے کنارے	اَفَهُمُ کیا پھر وہ	الْغٰلِبُوْنَ غالب آنے والے	قُلْ فرمادیں	
اِنَّمَا اسکے سوا نہیں کہ	اُنْذِرُكُمْ میں تمہیں ڈراتا ہوں	بِالْوَحْيِ وحی سے	وَ اور	لَا يَسْمَعُ نہیں سنتے ہیں	الصُّمُّ بہرے	الدُّعَآءَ پکار
اِذَا جب	مَا بھی	يُنْذَرُوْنَ انہیں ڈرایا جائے	وَلَئِنْ اور اگر	مَسَّتْهُمْ انہیں چھوئے	نَفْحَةٌ ایک لپٹ	مِنْ عَذَابِ عذاب سے
رَبِّكَ تیرا رب	لَيَقُوْلُنَّ وہ ضرور کہیں گے	يٰوَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	ظٰلِمِيْنَ ظالم	وَنَضَعُ اور ہم رکھیں گے	
الْمَوَازِيْنَ ترازو	الْقِسْطَ انصاف	لِيَوْمِ دن	الْقِيٰمَةِ قیامت	فَلَا تُظْلَمُ تو نہ ظلم کیا جائے گا	نَفْسٌ کسی شخص پر	شَيْئًا کچھ بھی
وَاِنْ اور اگر	كَانَ ہوگا	مِثْقَالَ وزن۔ برابر	حَبَّةٍ ایک دانہ	مِّنْ خَرْدَلٍ رائی سے۔ کا	اَتَيْنَا بِهَا ہم اسے لے آئیں گے	
وَكَفٰى اور کافی	بِنَا ہم	حٰسِبِيْنَ حساب لینے والے				

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے استہزاء ہنسی، مذاق اور تمسخر کا ذکر تھا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ برتتے تھے۔ اس پر معاندین ومنکرین کو عذابِ جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ اب آگے ان آیات میں پہلے حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ کو جو ستایا جارہا ہے۔ مذاق اڑایا جاتا ہے اور کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو اس پر آپ پریشان نہ ہوں۔ کافروں کی یہ پرانی عادت ہے۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی ان کافروں نے ایسا ہی کیا ہے بالآخر جس چیز سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے اس کی سزا نے گھیر لیا اور ان کی ہنسی ان ہی پر الٹ دی گئی اور وہ گرفتارِ عذاب ہوئے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان کافروں سے یہ پوچھئے کہ رحمٰن جل شانہٗ کے غصہ اور عذاب سے اے منکرو تمہاری حفاظت کرنے والا دوسرا کون ہے۔ یہ محض اس کی رحمت واسعہ ہے کہ جو فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ لیکن ایسے رحمت والے۔ حلیم، بردبار کے غصہ سے ڈرنا بھی بہت چاہئے (**نعوذ باللہ من عذاب العلیم**) آگے بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی حفاظت کا ان منکرین کو احساس نہیں۔ عیش وتنعم اور پرامن زندگی نے پروردگار حقیقی کی یاد سے غافل کررکھا ہے اسی لئے حق تعالیٰ عزوجل کی طرف سے جب کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ کہاں کی باتیں شروع کردیں۔ حق تعالیٰ ان کفار ومشرکین سے سوال فرماتے ہیں کہ اے منکرو کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ پھر اس کا جواب بھی خود حق تعالیٰ مرحمت فرماتے ہیں کہ ان کے معبود مسکین ان کی حفاظت تو کیا کرتے وہ تو خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کرسکتے۔ اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کوئی چیز ان کے پاس سے چھین کرلے جائے تو اتنی قدرت بھی نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لئے خود ہاتھ پاؤں ہلاسکیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ باوجود ایسے دلائل قاطعہ کے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو یہ وجہ نہیں کہ دلائل میں کچھ خلل ہے بلکہ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ پشتہا پشت سے یہ لوگ بےفکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی جھٹکا عذابِ الٰہی کا نہیں لگا۔ اس لئے مغرور ہوگئے اور غفلت کے نشہ میں چور ہوکر حق تعالیٰ کا پیغام اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ سرزمین عرب میں اسلام پھیلنے لگا ہے۔ اور کفر گھٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے۔ اور زمین سے کفر کم ہوتا جارہا ہے۔ کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن کو دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا اور کیا اس مشاہدہ کے باوجود اس کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔ اگر چشمِ عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گردوپیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب وعداوت کی سزامیں تباہ کی جاچکی ہیں اور ہمیشہ آخر کار خدا کے وفاداروں کا مشن کامیاب رہا ہے۔ پھر سید المرسلین اور مومنین کاملین کے مقابلہ میں غالب آنے کی ان کو کیا توقع ہوسکتی ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ میرا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کردینا ہے۔ دل کے بہرے اگر میری پکار نہ سنیں تو میرا قصور نہیں وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں۔ صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑگئی یا خدا کے انتقام وقہر کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے۔ اس وقت بدحواس ہوکر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی گنجتی آئی۔ اور قیامت کے دن رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہوگا وہ بھی میزان میں تلے گا۔ ادھر ادھر ضائع نہ ہوگا۔ نہ کسی پر ظلم و زیادتی کی جائے گی۔ رَتی رَتی کا حساب برابر کردیا جائے گا۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔

شروع سورت سے یہاں تک توحید و رسالت کا زیادہ مضمون بیان ہوا اور اس کے ضمن میں مخالفین حق اور منکرین کا آخرت میں معذب ہونا اور بعض کا دنیا میں ہلاک ہونا بیان ہوا تھا آگے بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرمائے گئے ہیں جن سے ان ہی مضامین کی تائید فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے قلوب کو غفلت و بے فکری سے محفوظ فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اپنے عذاب سے مامون فرماویں اور دنیا میں جو کچھ ہمیں عطا فرماویں آخرت بنانے کے لئے عطا فرماویں۔ یا اللہ! قیامت میں ہمارا حساب کتاب آسان فرما۔ اور اتنا آسان فرما کہ اپنی رحمت سے بلاحساب جنت میں داخل ہونا نصیب فرما۔

یا اللہ! جن کو آپ نے ہدایت سے نوازا وہ آپ پر اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی آخری کتاب قرآن کریم پر ایمان لائے یا اللہ! شکر ہے کہ ہم کو بھی آپ نے ہدایت نصیب فرمائی اور توحید کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ! مرتے دم تک ہم کو توحید پر قائم رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

اور ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کیلئے نصیحت کی چیز عطا فرمائی تھی۔ جو اپنے رب سے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ

بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب) ہے جس کو ہم نے نازل کیا۔

اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تو کیا پھر بھی اس کے منکر ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور البتہ ہم نے عطا کی	مُوْسٰى موسیٰ	وَهٰرُوْنَ اور ہارونؑ	الْفُرْقَانَ فرق کرنیوالی کتاب	وَضِيَآءً اور روشنی	وَذِكْرًا اور نصیحت
لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	الَّذِيْنَ جولوگ	يَخْشَوْنَ وہ ڈرتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنا رب	بِالْغَيْبِ بغیر دیکھے	وَهُمْ اور وہ	مِنَ سے
السَّاعَةِ قیامت	مُشْفِقُوْنَ خوف کھاتے ہیں	وَهٰذَا اور یہ	ذِكْرٌ نصیحت	مُبٰرَكٌ بابرکت	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا
اَفَاَنْتُمْ تو کیا تم	لَهٗ اس کے	مُنْكِرُوْنَ منکر			

تفسیر وتشریح: شروع سورت سے گزشتہ آیات تک مضمون زیادہ تر توحید ورسالت کے متعلق تھا اور اس کے ضمن میں مخالفین اور مکذبین انبیاء کا آخرت میں معذب ہونا اور بعض کا دنیا میں بھی ہلاک ہونا مذکور ہوا تھا۔ ان ہی مضامین کی تائید میں اب یہاں سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے اور پے در پے سترہ انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت لوطؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ذالکفلؑ، حضرت یونسؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کئے گئے ہیں۔

یہاں ان مختلف انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے سے دو باتوں کے بیان کا خاص طور پر مقصد معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو جائے۔ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف دیتے اور معاندانہ مخالفتیں کرتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار کو گویا پکڑ پکڑ کر دوزخ سے کھینچتے تھے اور وہ پتنگوں کی طرح آگ میں گرے جاتے تھے۔ اس سے سرور دو عالم۔ رحمۃ للعلمین کو روحانی تکلیف پہنچتی تھی پھر جسمانی مصائب پہنچانے سے بھی کفار حتی الوسع دریغ نہ کرتے تھے۔ سابق انبیائے کرام کا تذکرہ کرکے اس بات کی صراحت فرمادی کہ کفار کی معاندت ومخالفت صرف آپ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ ہر زمانہ کے کافر ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر پیغمبر کو تکلیفیں پہنچی ہیں لیکن انہوں نے صبر وتحمل فرمایا اور آخرکار اللہ کی نصرت وتائید ان کو حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے فضل ورحمت سے انہیں نوازا۔ ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔ ان کی تکلیفوں کو رفع کیا۔ ان کے مخالفین کو نیچا دکھایا اور معجزانہ طریقوں پر ان کی مدد کی بالآخر ان کو فتح ہوئی اور کفار مغلوب ہوئے۔ دوسری بات منکرین انبیاء اور مخالفین اسلام کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے کہ انبیاء کا مبعوث ہونا اور آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور حق وباطل کا فیصلہ کرنے کے لئے پیامِ الٰہی کا آنا اور صداقت کے نور کو پھیلانے کے لئے اللہ کے

نیک و صالح بندوں کا پند و نصیحت کرنا یہ کفار و مشرکین عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں۔ نہ قرآن کوئی اچنبھے کی کتاب ہے بلکہ موسیٰ ہارون، ابراہیم علیہما السلام وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے انبیاء پہلے بھی بھیجے جا چکے ہیں۔ کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم قرآن کا انکار کرو اور اللہ کے بھیجے ہوئے نصیحت نامہ کو نہ مانو۔

ان مقاصد کے ماتحت یہاں سے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بھی کتاب یعنی توراۃ عطا کی گئی تھی جس کی صفات یہ تھیں کہ وہ حق و باطل، ہدایت و ضلالت۔ حلال و حرام کے قضیئے چکانے والی اور جہل و غفلت کے اندھیروں میں روشنی پہنچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی، واضح رہے کہ قرآن کریم کی ابتداء میں بھی ہدی للمتقین فرمایا گیا ہے یعنی جو بندے خدا سے ڈرتے ہیں ان کو یہ کتاب راستہ بتلاتی ہے۔ آگے پھر ان متقین کی دو صفات بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے خدا سے غائبانہ ڈرتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں اس کی ہولناکیوں سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ ان کے دل میں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں کیا صورت پیش آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب توراۃ اور متقین کا ذکر فرما کر پھر قرآن پاک کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ اے اہل مکہ یہ ایک نصیحت کی کتاب تمہارے سامنے موجود ہے جس کا جلیل القدر۔ عظیم النفع اور کثیر الخیر ہونا توراۃ سے بھی زیادہ روشن ہے۔ تو کیا ایسی واضح اور روشن کتاب کے تم منکر ہوتے ہو جہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

یہاں قرآنِ کریم کی تعریف میں فرمایا گیا **ذکر مبارک** یعنی ایسا ہدایت نامہ جس پر عمل کرنے سے دین و دنیا کی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ دنیا میں بھی فلاح میسر ہوتا ہے اور آخرت کی بھی بھلائی و سعادت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بتلا کر خطاب یہاں کفار سے ہے کہ ایسے مبارک نصیحت نامہ سے تم انکار کرتے ہو۔ اور اللہ کے بھیجے ہوئے پند نامہ کو نہیں مانتے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ کی صفت عطا فرمائیں تاکہ خوفِ خداوندی کے باعث ہم ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں۔ اور قرآن پاک کی جو دولت ہم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس پر ہمیں حقیقی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور اس مبارک نصیحت نامہ پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! ہماری زندگی سراسر قرآن پاک کے احکام کے مطابق گزرے اور اس کی برکتوں و سعادتوں سے ہمیں پورا پورا حصہ نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور ہم نے اس سے پہلے ابراہیمؑ کو خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم اُن کو خوب جانتے تھے جبکہ اُنہوں نے اپنے باپ سے

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

اور اپنی برادری سے فرمایا کہ یہ کیا مُورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو

لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا

ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ابراہیمؑ نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادا صریح غلطی میں ہو۔وہ کہنے لگے

اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ کیا تم سچی بات ہمارے سامنے پیش کررہے ہو یا دل لگی کررہے ہو۔ابراہیمؑ نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں) بلکہ تمہارا رب (حقیقی جو لائق عبادت ہے) وہ ہے

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے اِن سب کو پیدا (بھی) کیا اور میں اس (دعوے) پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔

وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق البتہ ہم نے دی	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	رُشْدَهٗ ہدایت یابی	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَكُنَّا اور ہم تھے	بِهٖ اسکے	
عٰلِمِيْنَ جاننے والے	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِاَبِيْهِ اپنے باپ سے	وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم	مَا هٰذِهِ کیا ہیں یہ	التَّمَاثِيْلُ مورتیاں		
الَّتِيْ جو کہ	اَنْتُمْ تم	لَهَا ان کیلئے	عٰكِفُوْنَ جمے بیٹھے ہو	قَالُوْا وہ بولے	وَجَدْنَا ہم نے پایا	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا	لَهَا ان کیلئے۔کی
عٰبِدِيْنَ پوجا کرنے والے	قَالَ اس نے کہا	لَقَدْ كُنْتُمْ تحقیق تم رہے	اَنْتُمْ تم	وَاٰبَآؤُكُمْ اور تمہارے باپ دادا			
فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں	مُّبِيْنٍ صریح	قَالُوْا وہ بولے	اَجِئْتَنَا کیا تم لائے ہو ہمارے پاس	بِالْحَقِّ حق کو	اَمْ یا	اَنْتَ تم	مِنَ سے
اللّٰعِبِيْنَ کھیلنے والے یا دل لگی کرنیوالے	قَالَ اس نے کہا	بَلْ بلکہ	رَبُّكُمْ تمہارا رب	رَبُّ رب	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضِ اور زمین	
الَّذِيْ وہ جس نے	فَطَرَهُنَّ انہیں پیدا کیا	وَاَنَا اور میں	عَلٰى ذٰلِكُمْ اس بات پر	مِنَ سے	الشّٰهِدِيْنَ گواہ		

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی اور صحیح راستہ دکھانے والی کتاب یعنی توریت عطا فرمائی تھی جو متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی کتاب تھی اور اسی طرح یہ قرآن بھی ایک کثیر الفوائد نصیحت کی کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے۔تو اس سے منکرین کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ قرآن سے پہلے بھی آسمانی کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں لہٰذا تمہاری یہ بڑی غلطی ہے کہ تم اس قرآن کو کوئی نئی اور اوپری چیز سمجھتے ہو۔نہ یہ نئی ہے اور نہ اوپری بلکہ اس قسم کی نصیحتیں پہلے سے نازل ہوتی چلی آئی ہیں پھر کیا وجہ کہ قرآن کا انکار کیا جائے۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام سے پہلے مشہور انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام گزرے تھے اب یہاں سے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کو کسی جگہ اختصار کے ساتھ اور کسی جگہ تفصیل کے ساتھ موقع کی مناسبت سے متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وجاہت، شخصیت، ہدایت اور امامت کا عرب کے بیشتر گروہوں کو اعتراف تھا۔ یہودی، عیسائی۔ بت پرست سب ہی اپنے مذہب کو ابراہیمی مذہب کہتے۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا واقعہ نقل کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے اور آپ کو شرک سے اس قدر تنفر اور بیزاری تھی کہ اپنے اقارب و برادری یہاں تک کہ باپ سے بھی علیحدہ ہو گئے تھے۔ آپ کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت اس قدر عظیم جرم تھا کہ باوجود سخت ترین جانی و مالی مصائب برداشت کرنے کے آپ نے شرک کی طرف میلان نہ کیا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو قومیں مشرک ہیں یا شرک آمیز توحید کے قائل ہیں وہ دین ابراہیمی پر کبھی نہیں ہو سکتیں اور ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی۔ اور وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سن سکتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا ان سے کوئی واسطہ ہے وہ صبح و شام آنکھ سے دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتوں کو میرا باپ اپنے ہاتھ سے بناتا اور گھڑتا رہتا ہے اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہے ناک، کان، آنکھیں اور جسم تراش لیتا اور پھر خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے کیا یہ خدا ہو سکتے ہیں یا خدا کے مثل و ہمسر کہے جا سکتے ہیں؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں پس نبوت سے سرفراز ہو کر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرف توجہ فرمائی اور قوم کو جب مورتی پوجا کرتے دیکھا تو اعتراض کیا اور فرمایا کہ ذرا ان کی اصلیت وحقیقت تو بیان کرو۔ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں؟ قوم کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس دلیل سے تو تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہ ہوئی ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہو رہے ہو۔ تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا اور متعجب ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا سچ مچ تمہارا عقیدہ اور خیال یہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور میں پورے یقین و بصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا تمہارا سب کا رب وہی ایک خدا ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور ان کی دیکھ بھال رکھی۔ کوئی دوسرا اس کی خدائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو ہر طرح بت پرستی کے عیوب ظاہر کر کے باز رکھنے کی سعی کر لی لیکن قوم نے دعوتِ اسلام کو قبول نہ کیا اور صنم پرستی اور کواکب پرستی میں اسی طرح مبتلا رہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن جذبۂ توحید میں آ کر قسم کھا کر ایک اعلان کر دیا۔ وہ اعلان کیا تھا یہ ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو رشد و ہدایت ہم کو عطا فرمائی ہے اس پر ہم کو تازیست قائم رکھیں اور توحید کی دولت سے ہمیشہ مالا مال رکھیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا

اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کی گت بناؤں گا جب تم چلے جاؤ گے۔ تو انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بجز اُن کے ایک بڑے بت کے

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

کہ شاید وہ لوگ اُس کی طرف (دریافت کرنے کیلئے) رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے بڑا ہی غضب کیا۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ

بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیمؑ کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا تذکرہ کرتے سُنا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ تو اچھا اُس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ

تا کہ وہ لوگ گواہ ہو جاویں۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیمؑ۔ انہوں نے فرمایا بلکہ اُن کے

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

اس بڑے نے کی سو اُن (ہی) سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔

وَتَاللّٰهِ اور اللہ کی قسم	لَاَكِيْدَنَّ البتہ میں ضرور چال چلوں گا	اَصْنَامَكُمْ تمہارے بت	بَعْدَ بعد	اَنْ کہ	تُوَلُّوْا تم جاؤ گے	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ پھیر کر		
فَجَعَلَهُمْ پس اس نے انہیں کر ڈالا	جُذٰذًا ریزہ ریزہ	اِلَّا سوائے	كَبِيْرًا ایک بڑا	لَّهُمْ ان کا	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	اِلَيْهِ اس کی طرف		
يَرْجِعُوْنَ رجوع کریں	قَالُوْا کہنے لگے	مَنْ کون۔ کس	فَعَلَ کیا	هٰذَا یہ	بِاٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں کے ساتھ	اِنَّهٗ بیشک وہ		
لَمِنَ البتہ۔ سے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	قَالُوْا وہ بولے	سَمِعْنَا ہم نے سنا ہے	فَتًى ایک جوان	يَّذْكُرُهُمْ وہ انکے بارے میں باتیں کرتا ہے			
يُقَالُ کہا جاتا ہے	لَهٗٓ اس کو	اِبْرٰهِيْمُ ابراہیمؑ	قَالُوْا بولے	فَاْتُوْا تم لے آؤ	بِهٖ اسے	عَلٰٓى سامنے	اَعْيُنِ آنکھیں	النَّاسِ لوگ
لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَشْهَدُوْنَ وہ دیکھیں	قَالُوْٓا انہوں نے کہا	ءَاَنْتَ کیا تو	فَعَلْتَ تو نے کیا	هٰذَا یہ	بِاٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں کے ساتھ		
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اے ابراہیمؑ	قَالَ اس نے کہا	بَلْ بلکہ	فَعَلَهٗ اس نے کیا ہے	كَبِيْرُهُمْ ان کا بڑا	هٰذَا یہ	فَسْـَٔلُوْهُمْ تو ان سے پوچھ لو		
اِنْ اگر	كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ وہ بولتے ہیں							

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو جن میں ان کا باپ بھی شامل ہے ہر طرح سمجھایا کہ یہ مٹی، پتھر اور لکڑی وغیرہ کے بت جنہیں تم نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے یہ کس طرح معبود ہو سکتے ہیں اور ان کے آگے عبادت کے لئے تم سر کیوں جھکاتے ہو۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر طرح قوم کو بت پرستی سے باز رکھنے کی سعی کرلی اور ہر قسم کے پند و نصائح و دلائل و براہین کے ذریعہ یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان جس کا ان پر مطلق اثر نہ ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جذبۂ توحید میں قسم کھا کر کہا کہ خدا کی قسم میں تمہاری عدم موجودگی میں ان بتوں کی گت بناؤں گا تا کہ ان کا عاجز اور درماندہ ہونا اور زیادہ مشاہدہ میں آجائے اور تم دیکھ لو کہ واقعی

تمہارے دیوتا صرف لکڑی اور پتھروں کی مورتیاں ہیں جو گونگی بھی ہیں اور بہری بھی۔ اور اندھی بھی۔ جو اپنی آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتیں۔ دوسروں کو نفع نقصان پہنچانے کا تو کیا سوال۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ اکیلے ہمارے مخالف کیا کارروائی کر سکتے ہیں اور تنہا ایک نوجوان ساری قوم کے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے کچھ التفات نہ کیا اور بے پروائی سے ٹال دیا۔ ایک روز کسی تہوار کے موقع پر جب قوم کے لوگ شہر سے باہر میلہ میں گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانہ میں جا کر ایک کلہاڑی سے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم وتکریم کے قوم کے نزدیک سب سے بڑا تھا اور جس کلہاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے بت کے گلے میں لٹکا دی تا کہ وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو۔ جب لوگ میلے سے واپس آئے تو دیکھا ادھر سے ادھر تک سارے بت ٹوٹے پڑے ہیں صرف بڑا بت باقی ہے اور اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ لوگ سخت برہم ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہوا؟ اور کس نے یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کی ہے۔ یقیناً جس نے یہ کام کیا وہ بڑا ظالم اور شریر ہے۔ (استغفر اللہ) ایسا ظالم ہمارے اندر کون ہوسکتا تھا۔ تو جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا تھا کہ تمہاری عدم موجودگی میں ان بتوں کی درگت بناؤں گا وہ فوراً بولے کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہی ایک شخص ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہوگا۔ اس پر قوم کے لوگ مشورہ کرتے ہیں کہ اس کو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر برملا مجمع عام میں بیان لیا جائے تا کہ معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود ان کی باتیں سن کر سب گواہ رہیں اور جو سزا ان کو قوم کی جانب سے دی جائے وہ اس کے مستحق سمجھے جائیں۔ یہ تو قوم کی غرض تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی تھا کہ مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین کو عاجز اور مبہوت کریں اور کھلم کھلا بتوں کی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کر سکیں۔ چنانچہ مجمع ہوا سب چھوٹے بڑے آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملزم کی حیثیت سے موجود ہوئے اور آپ سے سوال ہوا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ لغو حرکت تم نے کی ہے؟

اس پر آپ نے انہیں قائل ومعقول کرنے کے لئے کہا کہ مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے جسے آپ نے توڑا نہ تھا فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اس بڑے گورو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے یہ کام کیا ہو؟ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے۔ اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں اس لئے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں ہی سے دریافت کرو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا؟ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟ لہٰذا تم اپنے ان معبودوں ہی سے کیوں دریافت نہیں کرتے کہ تمہارا ٹکڑے اڑا دینے والا کون ہے؟

تو مقصود اس جواب سے حضرت ابراہیم کا یہ تھا کہ یہ لوگ خود بخود ہی سمجھ لیں کہ یہ پتھر کیا بولیں گے؟ اور جب وہ اتنے عاجز ہیں کہ اپنے سے بھی ضرر کو دفع نہیں کر سکتے تو لائق عبادت کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ اس پر قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا سوال جواب کیا یہ انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے پھر کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو۔ پھر اپنے سروں کو جھکا لیا۔ اے ابراہیم تم کو تو

عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا

معلوم ہی ہے کہ یہ بُت (کچھ) بولتے نہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے

وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلا دو۔

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

اور اپنے معبودوں کا بدلہ لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔ ہم نے (آگ کو) حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیمؑ کے حق میں۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

اور ان لوگوں نے اُنکے ساتھ بُرائی کرنا چاہا تھا سو ہم نے اُن ہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔

فَرَجَعُوْٓا پس وہ لوٹے سوچ میں پڑ گئے	اِلٰٓى طرف۔ میں	اَنْفُسِهِمْ اپنے دل	فَقَالُوْٓا پھر انہوں نے کہا	اِنَّكُمْ بیشک تم	اَنْتُمُ تم ہی	الظّٰلِمُوْنَ ظالم
ثُمَّ نُكِسُوْا پھر وہ اوندھے کیے گئے	عَلٰى رُءُوْسِهِمْ اپنے سروں پر	لَقَدْ عَلِمْتَ تو خوب جانتا ہے	مَا جو	هٰٓؤُلَآءِ یہ	يَنْطِقُوْنَ بولتے ہیں	
قَالَ اس نے کہا	اَفَتَعْبُدُوْنَ کیا پھر تم پرستش کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو بت	لَا يَنْفَعُكُمْ نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں	شَيْـًٔا کچھ	
وَ اور	لَا يَضُرُّكُمْ نہ نقصان پہنچا سکیں تمہیں	اُفٍّ تف	لَّكُمْ تم پر	وَلِمَا اور اس پر جسے	تَعْبُدُوْنَ پرستش کرتے ہو تم	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا
اَ کیا	فَلَا تَعْقِلُوْنَ پھر تم نہیں سمجھتے	قَالُوْا وہ کہنے لگے	حَرِّقُوْهُ تم اسے جلا ڈالو	وَانْصُرُوْٓا اور تم مدد کرو	اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو	اِنْ اگر
كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ تم ہو کرنیوالے کچھ کرنا ہے	قُلْنَا ہم نے حکم دیا	يٰنَارُ كُوْنِيْ اے آگ تو ہو جا	بَرْدًا ٹھنڈی	وَّسَلٰمًا اور سلامتی	عَلٰٓى پر	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم
وَاَرَادُوْا اور انہوں نے ارادہ کیا	بِهٖ اسکے ساتھ	كَيْدًا فریب	فَجَعَلْنٰهُمُ تو ہم نے انہیں کر دیا	الْاَخْسَرِيْنَ بہت خسارہ پانیوالے (زیاں کار)		

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا اور قوم والے جب بت خانہ میں آئے اور اپنے معبودوں کی یہ خستہ حالی دیکھی تو بڑے برہم ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو بڑا ظلم ہو گیا یہ حرکت کس نے کی ہے؟ اس پر بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شبہ ظاہر کیا کہ وہی ایک جوان ہے جس سے بتوں کی برائی کا تذکرہ سنا تھا۔ غالباً یہ اسی کی حرکت ہے۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں طلب کیا گیا تاکہ لوگ شہادت دیں اور جرم ثابت ہونے پر سزا دی جائے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس سب سے بڑے بت نے جلال میں آ کر چھوٹوں کو تہ تیغ کر دیا ہو لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان زخمی بتوں سے پوچھ لو۔ یہ صاف صاف حال بتلا دیں گے۔ یہاں تک

مضمون گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔ اس وقت دانشمند طبقہ کو اپنی غلطی اور کجراہی کا احساس بھی کچھ ہوا اور دل میں کہنے لگے کہ واقعی تم ہی ظالم ہو کہ ایسی بے جان کمزور اور بے حس مورتیوں کی عبادت کرنا حقیقتاً حماقت ہے بعض مفسرین نے ان کے اس قول کا مطلب کہ واقعی ظالم تو تم ہی ہو یہ لیا ہے کہ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ باوجود ابراہیم کی دھمکی سننے کے یونہی لاپروائی سے بت خانہ کھلا چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے معبودوں کی حفاظت کا کوئی سامان کر کے نہ گئے۔ غرض وہ کھسیانے ہو کر سرنگوں ہوئے۔ شرمندگی کے مارے آنکھ نہ ملا سکے پھر غور و فکر کر کے بات بنائی کہ تم جو ہم سے کہتے ہو کہ ان سے ہم پوچھ لیں کہ تمہیں کس نے توڑا پھوڑا ہے تو جان بوجھ کر تم ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتے ہو۔ کہیں پتھر بھی بولتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں تو جانتا ہوں کہ پتھر کیا خاک بولیں گے لیکن تم پر بھی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم جان بوجھ کر یہ کیا نادانی کر رہے ہو کہ ان بہرے گونگے بے جان اور بے بس مورتیوں کے آگے سر جھکاتے ہو۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر۔ یہ تو پتھر تھے ہی تمہاری سمجھ پر بھی پتھر پڑ گئے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے کسی اڑے وقت کام نہ آ سکے۔ ذرہ برابر نفع نقصان اس کے اختیار میں نہ ہوا سے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے کس قدر ظلم و جہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور خدائے واحد کو چھوڑ دیا جائے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب جاہل جواب نہ رکھتا ہو اور قدرت رکھتا ہو تو برسرِ پیکار آ جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھری اور لاجواب باتیں سن کر قوم والے جھلا کر چلائے کہ اس نڈر اور دلیر شخص نے تو ہم پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ ادھر تو ہمارے معبودوں کی گت بنائی اور ادھر اپنی بے دھڑک لعن طعن سے ہمارے دل جلا کر خاک سیاہ کر دیئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دانست میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا دینے کا مشورہ کیا۔ اور سب نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ ان کے دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیم کو دہکتی ہوئی آگ میں جلا دینا چاہئے کیونکہ ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور دیوتاؤں کی تحقیر کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا ہے۔ بہرحال جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے وہ ظلم اور تشدد پر اتر آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ آگ میں جلا کر ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سزا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنوائی۔ ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اسے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی اور کئی روز مسلسل وہ آگ دہکائی گئی۔ لکھا ہے کہ روئے زمین پر اتنی بڑی آگ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ جب آگ کے شعلوں سے قرب و جوار کی اشیاء جھلسنے لگیں اور اس طرح قوم کو کامل اطمینان ہو گیا کہ اب ابراہیم کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تب ابراہیم علیہ السلام کو ایک گوپھن میں بٹھا کر دہکتی آگ میں پھینکنے کی تیاری ہوئی۔ اس مرحلہ پر اور ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم۔ دنیاوی اسباب ناپید۔ حمایت و نصرت کے ظاہری اسباب مفقود، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت ایک ایسا بڑا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدائے واحد ذوالجلال کا سہارا تھا۔ اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر اور قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور رہنما کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا۔ اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ پیر باندھ کر گوپھن میں بٹھا کر آگ میں پھینکا تو ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوا میں راستہ ہی

میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ اس وقت آپ کو کوئی حاجت اور غرض ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں حاجت اور غرض تو ہے مگر تم سے نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ پھر جس سے ہے اسی سے کہئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا قصد کر رہے تھے تو جو فرشتہ مینہ برسانے پر تعینات ہے اس کو گمان تھا کہ اس آگ کے بجھانے کا حکم مجھے ہی ہوگا۔ وہ کان لگائے تیار تھا کہ کب خداوند ذوالجلال کا حکم ہو اور میں پانی برسا کر اس آگ کو ٹھنڈا کردوں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم کسی ذریعہ کا محتاج نہیں۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جاتا ہے ادھر براہِ راست حکم خداوندی آگ ہی کو پہنچا کہ میرے خلیل پر تو سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ کچھ دیر کے لئے ٹھنڈی ہوگئی اور اس وقت دنیا بھر میں کوئی آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسیاں جس سے باندھ کر آپ کو آگ کے شعلوں میں جھونکا گیا تھا وہ تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہ لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے ہی کا حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی اس لئے ارشاد ہوا۔

ینار کونی بردا وسلماً علیٰ ابراھیم O

اے آگ تو ٹھنڈی اور آرام دہ ہو جا ابراہیمؑ کے حق میں یعنی "ایسی معتدل ٹھنڈک ہو جو جسم وجان کو خوشگوار معلوم ہونے لگے"

چنانچہ آگ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ گئی۔ لکھا ہے کہ آپ اس آگ میں ۷ روز رہے اور ۴۰۔۵۰ دن رہنے کی روایات بھی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانہ میں جو راحت اور سرور حاصل تھا ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔ سبحان اللہ! قدرت کے بعد جب آگ فرو ہوئی اور کوئلے الگ کئے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے صحیح سلامت برآمد ہوئے۔ اور دشمن انکو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے سچ ہے۔

دشمن اگر قویست نگہبان قوی ترست

اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو برا چاہتے تھے وہ خود ناکامی، ذلت اور خسارہ میں پڑ گئے۔ کفار نے حق کو مغلوب کرنے اور صداقت وحقانیت کو مٹانے کے لئے جو تدبیر کی تھی وہ انہی پر لوٹ پڑی۔ حق اور نمایاں ہو گیا صداقت اور برملا واضح ہوگئی۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ اگرچہ دنیا عالمِ اسباب ہے لیکن بظاہر کبھی کبھی خلافِ عادت بھی ہو جاتا ہے اور ایک چیز واقع ہو جاتی ہے لیکن بظاہر اس کے اسباب کچھ نظر نہیں آتے۔ قرآن کریم اسے یوں سمجھاتا ہے کہ اسباب پر ایک قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ پوری پوری قدرت رکھتے ہیں۔ تمام ظاہری اسباب جمع ہو جانے کے بعد بھی اللہ کا ارادہ اور حکم اصل ہے۔ اگر کسی چیز کے ہونے کا وہ حکم نہ دے تو سارے اسباب رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ چیز نہیں ہوتی اور اگر وہ اس کے ہونے کا حکم دے دے تو بظاہر اسباب کتنے ہی غائب ہوں وہ چیز ہو جاتی ہے۔

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کا مزید جو فضل وانعام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا اس کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

اور ہم نے ابراہیم کو اور لوطؑ کو ایسے ملک کی طرف بھیج کر بچالیا جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کیلئے (خیرو) برکت رکھی ہے اور ہم نے ان کو اسحٰقؑ

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ

اور یعقوبؑ پوتا عطا کیا۔اور ہم نے اُن سب کو نیک کیا۔اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے اُن کے

اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا

پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا۔اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔اور لوطؑ کو

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نے اُن کو اُس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے۔بلاشبہ وہ لوگ

قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

بڑے بدذات بدکار تھے۔اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔(کیونکہ) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے۔

وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے بچالیا	وَلُوْطًا اور لوطؑ	اِلَى طرف	الْاَرْضِ سرزمین	الَّتِيْ بٰرَكْنَا وہ جس میں ہم نے برکت رکھی	
فِيْهَا اس میں	لِلْعٰلَمِيْنَ جہانوں کیلئے	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اس کو	اِسْحٰقَ اسحٰقؑ	وَيَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ / نَافِلَةً پوتا
وَكُلًّا اور سب	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	صٰلِحِيْنَ صالح	وَ اور	جَعَلْنٰهُمْ ہم نے انہیں بنایا	اَئِمَّةً امام پیشوا / يَّهْدُوْنَ وہ ہدایت دیتے تھے
بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے	وَاَوْحَيْنَا اور ہم نے وحی بھیجی	اِلَيْهِمْ ان کی طرف	فِعْلَ الْخَيْرٰتِ نیک کام کرنا	وَ اور	اِقَامَ قائم کرنا
الصَّلٰوةِ نماز	وَاِيْتَآءَ اور ادا کرنا	الزَّكٰوةِ زکوٰۃ	وَكَانُوْا اور وہ تھے	لَنَا ہمارے ہی	عٰبِدِيْنَ عبادت کرنے والے / وَلُوْطًا اور لوط
اٰتَيْنٰهُ ہم نے اسے دیا	حُكْمًا حکم	وَعِلْمًا اور علم	وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے بچالیا	مِنَ الْقَرْيَةِ بستی سے	الَّتِيْ جو
كَانَتْ تَعْمَلُ کرتی تھی	الْخَبٰٓئِثَ گندے کام	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	قَوْمَ سَوْءٍ برے لوگ	فٰسِقِيْنَ بدکار
وَاَدْخَلْنٰهُ اور ہم نے داخل کیا اسے	فِيْ رَحْمَتِنَا اپنی رحمت میں	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ صالح نیکوکار	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں سے بچایا اور مخالفوں کو ان کے ارادوں میں ناکام اور ذلیل وخوار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں آگ کو گلزار بَرْدًا وَّسَلٰمًا بنادیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے ہر طرح کے دلائل و براہین پیش کئے مگر بدبخت قوم نے کچھ نہ سنا اور کسی طرح رشد وہدایت کو قبول نہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایک تیسرا بھی ایمان نہ لایا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت حق پہنچائیں۔اب غور کیجئے کہ باوجود ایسے کھلے ہوئے معجزہ کے دیکھ لینے کے کہ اتنی زبردست دہکتی ہوئی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم نے ڈالا اور آپ اس میں صحیح سلامت

رہے پھر بھی قوم نے بت پرستی نہ چھوڑی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہنا نہ مانا۔اور جیسا کہ حضرت ابراہیم کے تذکرہ میں ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے۔قوم کی دلیل بت پرستی کی محض یہ تھی کہ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا ہے اس لئے وہ اس رسم و رواج کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے تو یہ باپ دادا کے رسم و رواج کی اندھی تقلید کیسی زہر قاتل ہے لیکن آج بھی یہ اسی طرح کارفرما ہے جیسے پہلے رہی ہے۔آج بھی باوجود دین اسلام اور قرآن و حدیث کی روشنی عام ہونے کے جو غیر شرعی اور ناجائز رسم و رواج باپ دادوں کے وقت سے چلے آ رہے ہیں جہلا ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور دلیل یہی کہ ہم باپ دادا کی ریت کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

الغرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ قوم کسی طرح دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو بحکم الٰہی آپ نے اپنے وطن عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوطؑ نے بھی ہمراہی میں ہجرت فرمائی۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو مع حضرت لوط کے صحیح سالم ملک شام پہنچایا جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں اور جہاں دنیا والوں کے لئے بڑی خیر وخوبی کا سامان جمع کر دیا ہے۔ملک شام میں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کی نسل خوب پھلی پھولی۔ بڑے بڑے انبیاء صلحاء اور اولیاء پیدا ہوئے۔ یہ سب کے سب نیک بخت نیکوکار عالم باعمل تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا مقتدا اور پیشوا بنایا کہ بحکم خدا خلق خدا کو راہِ خدا کی دعوت دیتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے بوجہ نبی ہونے کے اپنی وحی سے ان حضرات کو سرفراز فرمایا اور جو علم و حکمت، دانش و فہم ان کو عطا کیا گیا تھا انہوں نے اس کے مطابق عمل بھی کیا۔کسی حکم کی تعمیل کو نہیں چھوڑا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو نیکیاں کرنے

اور خصوصاً نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس لئے وہ ان فرائض کو اچھی طرح بجالاتے اور خوب اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔شب و روز وہ اللہ کی بندگی و طاعت میں لگے رہتے تھے تو اس میں عرب کے اس وقت کے مشرکین کی طرف تعریض بھی ہے اور تنبیہ بھی کہ تم کیسے ملتِ ابراہیم کے دعویدار ہو۔انہوں نے تو بت پرستی کو یوں مٹایا اور تم خود بت پرستی میں مشغول ہو اگر باپ دادا ہی کی تقلید کرنی ہے تو اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید کرو۔ آگے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر اجمالاً فرمایا جا رہا ہے جس میں صالحین و فاسقین یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام الگ، الگ ہونا ظاہر فرمایا گیا۔حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور عراق کے قدیم شہر اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی مولد ہے پیدا ہوئے تھے۔حضرت لوط کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا اسی لئے وہ اور حضرت سارہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ملت ابراہیمی کے اولین مسلم ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت فرمائی تو حضرت لوط بھی ان کے ہمراہ ترک وطن کر کے چلے گئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شام سے مصر کا سفر اختیار کیا تو اس وقت بھی حضرت لوط آپ کے ساتھ تھے۔لکھا ہے کہ مصر سے واپسی پر آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو سدوم کے شہر میں بھیج دیا۔موجودہ اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر میت یا بحر لوطؑ جس کو انگریزی میں Dead Sea کہتے ہیں واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں۔مشہور یہ ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے اور بحر میت یا بحر لوط یعنی Dead Sea کہلاتا ہے یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔سدوم کی آبادی بھی اسی مقام پر تھی۔ یہ مقام شروع سے بحر نہ تھا جب قوم لوطؑ پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا تب یہ زمین تقریباً 400 میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا جس کا نام اس وقت

1 جغرافیہ میں. بحرلوط یا بحرمیت ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان الحفیظ۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔ دنیا کی سرکش، بداطوار اور بداخلاق اقوام کے عیوب وفواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے مردولڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اس وقت تک اس عمل کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہی بدبخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اور یہ غیر فطری اور اخلاق سوز حرکت اس قوم میں شخصی اور انفرادی حدود سے بڑھ کر قومی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کے مرتکب ہوتے تھے۔ ان حالات میں حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت وطہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور جس حسنِ خطابت، لطافت کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہوسکتے تھے ان کو سمجھایا اور نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج ثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ الٹا اثر یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے خاندان پر طنز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے اور ٹھٹھا کرتے کہ یہ بڑے پاکباز ہیں تو ان کا ہماری بستی میں کیا کام۔ ان کو یہاں سے نکالو۔ اخیر میں جب حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو خدا کے عذاب اس کی پکڑ اور غضب سے ڈرایا تو اس پر بھی یہ بد نصیب قوم نہ سنبھلی اور جیسا کہ قرآن پاک میں دوسرے مواقع میں بتلایا گیا ہے، قوم نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ بس یہ نصیحتیں اور عبرتیں ختم کرو۔ اگر ہمارے ان اعمال سے تمہارا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لاکر دکھا دو جس کا ذکر کر کے بار بار ہم کو ڈراتے ہو اگر واقعی تم اپنے قول میں سچے ہو تو بس اب ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جانا ضروری ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس قوم پر عذاب آ کر رہے گا کیونکہ ان کی فطرت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی ان کے دلوں میں باقی نہیں عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ ہیں قوم کی ہلاکت کے یہ آثار دیکھ کر آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ غالباً آپ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح قوم کی آئندہ نسلوں کی طرف سے بھی مایوس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ ان کی درستی کی بھی کوئی امید نہیں وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گی۔ چنانچہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے دعا کی تھی حضرت لوط علیہ السلام نے بھی نصرتِ الٰہی سے مدد طلب کی۔ آخر عذابِ الٰہی کا وقت آ پہنچا۔ ابتدائے شب ہوئی تو ملائکہ کے اشارہ پر حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت دوسری جانب سے نکل کر سدوم کی بستی سے رخصت ہو گئے اور آپ کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ اور راستہ سے لوٹ کر سدوم واپس آ گئی۔ آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا اور وہی ہوا جو گذشتہ قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے بچا لئے گئے لیکن آپ کی بیوی عذاب سے ہلاک ہوئی۔ وہاں اس ساری بستی میں صرف یہی ایک گھرانہ ایمان والوں کا تھا۔ یہ ہے تفصیل اس اجمال کی جو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

قوم لوط علیہ السلام کی ہلاک شدہ بستیوں کے نشانات اللہ تعالیٰ نے دنیا کی عبرت کے لئے چھوڑ دیئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک باقی تھے اور اس مشہور تجارتی شاہراہ پر واقع تھے جو حجاز سے شام جاتے ہوئے عربوں کی رہگذر تھی۔ اس وجہ سے عرب ان سے واقف تھے مشرکین عرب کو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی نافرمانی کا حال سنا کر ڈرایا جا رہا ہے اور پیغمبر وقت کی نافرمانی کا جو انجام ہوتا ہے وہ جتلایا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾

اور نوحؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اس سے (بھی) پہلے اُنہوں نے دُعا کی سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی اور اُن کو اور اُن کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾

اور ہم نے ایسے لوگوں سے اُن کا بدلا لیا جنہوں نے ہمارے حکموں کو جھوٹا بتایا تھا۔ بلاشبہ وہ لوگ بہت بُرے تھے اس لئے ان سب کو ہم نے غرق کر دیا۔

وَنُوحًا اور نوح	إِذْ نَادَىٰ جب پکارا	مِن قَبْلُ اس سے پہلے	فَاسْتَجَبْنَا تو ہم نے قبول کر لی	لَهُ اس کی	فَنَجَّيْنَاهُ پھر ہم نے اسے نجات دی	
وَأَهْلَهُ اور اسکے لوگ	مِنَ سے	الْكَرْبِ بے چینی	الْعَظِيمِ بڑی	وَنَصَرْنَاهُ اور ہم نے اس کو مدد دی	مِنَ سے	الْقَوْمِ لوگ	الَّذِينَ جنہوں نے
كَذَّبُوا جھٹلایا	بِآيَاتِنَا ہماری آیتوں کو	إِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوا وہ تھے	قَوْمَ لوگ	سَوْءٍ بُرے	فَأَغْرَقْنَاهُمْ ہم نے غرق کر دیا انہیں	أَجْمَعِينَ سب

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارونؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب حضرت نوح علیہ السلام کا اجمالی تذکرہ فرمایا جاتا ہے جس سے کفار کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ انبیاء کے مخالفین دنیا میں کامیاب و کامران نہیں ہوتے۔ انجام کار تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا تحمل ہے جو کچھ مدت کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ جب ڈھیل کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو مخالفت کرنے والوں کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً متعدد سورتوں میں ۴۳ جگہ فرمایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کے معجز نما کلام کی یہ سنت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصدِ وعظ و نصیحت کے پیشِ نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے اس جگہ ضروری ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی اہم تفصیلات سورۂ اعراف۔ سورۂ ہود۔ سورۂ مومن۔ سورۂ مؤمنون۔ سورۂ شعراء سورۂ قمر اور سورۂ نوح میں بیان ہوئی ہیں۔ یہاں اس سورۃ میں ان آیات میں اجمالی تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کی قدرے تفصیل دوسرے مقامات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کی جاتی ہے۔

اکثر مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت نوحؑ کا نسب نامہ دسویں پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ امام حدیث ابن عسا کر نے دنیا کی مجمل تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس کا فاصلہ ہوا اور نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ۱۱۴۲ سال کا اور حضرت ابراہیمؑ سے موسیٰ علیہ السلام تک ۵۶۵ سال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے داؤدؑ تک ۵۶۹ برس اور داؤدؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک ۱۳۵۶ سال اور حضرت عیسیٰؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ۶۰۰ سال کا فاصلہ گزرا ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ۴۲۳۲ سال کا فصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ۹۵۰ برس دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا اور طوفان کے ۶۰ سال بعد تک زندہ رہے۔ اس طرح کل عمر ۱۰۵۰ سال کی ہوئی۔ آپ کا مسکن دریائے دجلہ و فرات کا دوآبہ یعنی موجودہ عراق تھا۔ حدیث شریف میں حضرت نوح علیہ السلام کے لئے اول المرسل کا لفظ آیا ہے۔ آپ دنیا میں پہلے رسول تھے۔ آپ سے پہلے نبی ہوئے ہیں اور نبی اور رسول میں فرق یہ

ہے کہ نبی ہر صاحبِ وحی کو کہتے ہیں لیکن رسول کے لئے صاحبِ وحی ہونے کے ساتھ صاحبِ شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خداوند قدوس کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق اس وقت بت پرستی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ود۔ سواع۔ یعوق یغوث۔ نسر تھے لوگوں نے ان کی تصاویر بنالیں تا کہ ان کے احوال و عبادت وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے مجسمے تیار کر لئے، حتیٰ کہ کچھ دنوں بعد ان کی پرستش ہونے لگی۔ یہ بت ان ہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے بعد میں یہ بت عرب میں بھی آئے۔ سنت اللہ کے موافق ان کے رشد و ہدایت کے لئے انہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور راہِ حق کی طرف پکارا لیکن قوم نے نہ مانا۔ نفرت اور حقارت کے ساتھ انکار پر اصرار کیا اور جیسا کہ سورۂ مؤمنوں ۱۸ ویں پارہ میں بتلایا گیا بدبخت قوم نے آپ کی نصیحت قبول نہ کی اور وہی جواب دیا جو بعد میں آنے والی ہر گمراہ اور سرکش قوم نے اپنے پیغمبر کو دیا یعنی بولے کہ تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو۔ پھر تم ہی کو پیغمبری کے لئے یوں منتخب کیا گیا کیا خدا کے پاس فرشتے نہ تھے جو وہ نازل کر دیتا۔ تم یقیناً یہ ڈھونگ رچا کر ہم میں عظمت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا ہم اپنے باپ دادا کے مسلک کو چھوڑ دیں؟ معلوم ہوتا ہے تم دیوانے ہو گئے ہو۔ غرض قوم نے آپ کی تکذیب و تحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ ہر قسم کی تذلیل و توہین کے طریقوں کو حضرت نوح علیہ السلام پر آزمایا حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمتِ الٰہی کے آغوش میں آ جائے مگر جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض و عناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا اور آخر میں زچ ہو کر جیسا کہ سورۂ ہود میں بیان ہوا۔ کہنے لگے کہ اے نوح! بس اب یہ شب و روز کی جنگ و جدال اور روک ٹوک ختم کرو۔ بہت ہم سے جھگڑا کیا۔ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو وہ فوراً لے آؤ۔ بہرحال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور آپ نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا تو سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعا فرمائی جیسا کہ سورۂ نوح میں آیا ہے کہ اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ۔ اگر آپ ان کو یونہی چھوڑ دیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو ایمان لے آئے ہیں بس وہ لے آئے اب ان میں سے کوئی اور ایمان لانے والا نہیں ہے پس ان کی حرکات پر آپ غم نہ کیجئے اب ان کی سرکشی کے نتیجہ میں ان کی ہلاکت کا وقت نزدیک آ گیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تا کہ اسبابِ ظاہری کے اعتبار سے وہ اور مؤمنین اس عذاب سے محفوظ رہیں جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب حکمِ ربانی کے مطابق کشتی بنانی شروع کی تو کفار نے ہنسی اڑائی اور مذاق بنانا شروع کر دیا کہ خشک زمین پر پانی سے بچاؤ کی تدبیر ہو رہی ہے! حضرت نوح علیہ السلام فرماتے کہ آج تم ہمارے اس فعل کو احمقانہ سمجھ کر ہنس رہے ہو اور اپنی

جہالت سے بے خبر ہو اب وہ وقت دور نہیں کہ جب خدا کا عذاب نازل ہوگا اور ہم تمہاری رسوائی پر ہنسیں گے۔ آخر سفینہ نوح علیہ السلام بن کر تیار ہو گیا اور حسب الارشاد حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہلِ وعیال و مؤمنین کی مختصر جماعت جس کی تعداد تقریباً چالیس نفر تھی۔ اور بعض روایات میں ۸۰ کی تعداد لکھی ہے جانوروں میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا لے کر کشتی پر سوار ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نافرمان بیٹا ''یام'' کشتی میں نہیں بیٹھا۔ آخر کار طوفان پوری تیزی کے ساتھ آ گیا، آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہوا اور زمین کے چشموں کو حکم ہوا کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں۔ خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہوتا رہا تو کشتی بھی اس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی تا آنکہ منکرین و معاندین غرق آب ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے قانون جزائے اعمال کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ چنانچہ یہ سرکش قوم اپنی نافرمانی کی بنا پر ڈوب کر مری اور مرنے کے بعد نذر دوزخ کردی گئی۔ غرض جب حکمِ الٰہی سے عذاب ختم ہوا اور پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہو گیا تو ساکنانِ کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا اس بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی یا آدمِ ثانی یعنی انسانوں کے دوسرے باپ مشہور ہوا۔ یہ ہے اس اجمالی واقعہ کی تفصیل جو یہاں ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

نوح علیہ السلام کی دعاء کے مطابق روئے زمین پر ایک کافر نہ بچا سب ڈبو دیئے گئے۔ آگے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اور اس پوری امت مسلمہ کو اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری تابعداری اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور ہم سے جو کوتاہیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیں اور اس پر ہماری گرفت نہ فرماویں۔ سرکش اور نافرمان قوموں کی خصلت اور اطوار سے اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام امتِ مسلمہ کو بچاویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا

اور داؤداور سلیمان (علیہما السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں۔اسکو چر گئیں اور ہم

لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ

اُس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے۔سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمانؑ کو دیدی۔اور یوں ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔اور ہم نے

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ

داؤدؑ کیساتھ تابع کردیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔اور ہم نے اُن کو زرہ کی صنعت تم لوگوں کے واسطے سکھلائی

لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

تاکہ وہ تم کو (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔سو تم شکر کرو گے بھی (یا نہیں)

وَدَاوٗدَ اور داؤدؑ	وَسُلَيْمٰنَ اور سلیمانؑ	اِذْ جب	يَحْكُمٰنِ فیصلہ کررہے تھے	فِي الْحَرْثِ کھیتی کے بارہ میں	اِذْ جب	
نَفَشَتْ رات میں چر گئیں	فِيْهِ اس میں	غَنَمُ الْقَوْمِ ایک قوم کی بکریاں	وَكُنَّا اور ہم تھے	لِحُكْمِهِمْ انکے فیصلے کے وقت		
شٰهِدِيْنَ موجود	فَفَهَّمْنٰهَا پس ہم نے اس کو فہم دی	سُلَيْمٰنَ سلیمانؑ	وَكُلًّا اور ہر ایک	اٰتَيْنَا ہم نے دیا	حُكْمًا حکم	وَّعِلْمًا اور علم
وَسَخَّرْنَا اور ہم نے مسخر کردیا	مَعَ ساتھ۔کا	دَاوٗدَ داؤدؑ	الْجِبَالَ پہاڑ	يُسَبِّحْنَ وہ تسبیح کرتے تھے	وَالطَّيْرَ اور پرندے	وَكُنَّا اور ہم تھے
فٰعِلِيْنَ کرنے والے	وَعَلَّمْنٰهُ اور ہم نے اسے سکھائی	صَنْعَةَ صنعتکاریگری	لَبُوْسٍ ایک لباس	لَّكُمْ تمہارے لئے		
لِتُحْصِنَكُمْ تاکہ وہ تمہیں بچائے	مِّنْ سے	بَاْسِكُمْ تمہاری لڑائی	فَهَلْ پس کیا	اَنْتُمْ تم	شٰكِرُوْنَ شکر کرنے والے	

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت لوط اور حضرت نوح علیہما السلام اور ان کی نافرمان قوموں کا بیان ہوا تھا جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ پہلی اُمتوں نے اپنے انبیاء کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں اور کس قدر مخالفت و سرکشی کی بالآخر نافرمانی کے وبال میں پکڑے گئے اور ہلاک کئے گئے۔اب آگے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔جس سے ایک بات تو بتلانی یہ مقصود معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسل میں ایسے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تخت و تاج پیدا ہوئے جن کی ظاہری شان و شوکت تمام بادشاہوں سے بڑھ کر اور دائرہ حکومت تمام سلاطین سے زیادہ وسیع تھا اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیکی اور خدا پرستی کا پھل تھا۔دوسرے کفار قریش کو یہ بتلانا ہے کہ اپنی طاقت و دولت اور معمولی آسودگی پر نازاں نہ ہوں اور غرور و سرکشی سے باز آئیں۔اس فانی دنیا پر ریجھنا اور غرور کرنا یہ کم حوصلہ اور کم ظرفوں کا کام ہے ورنہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسوں کو دیکھو کہ کس قدر زبردست قوت و طاقت کے مالک تھے جن کی حکومت چرند پرند یہاں تک کہ ہوا اور جنات پر بھی تھی مگر کیسے منکسر المزاج، خدا پرست اور خدا ترس باانصاف اور اللہ کے فرمانبردار تھے۔ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ بکریوں کے ایک کھیت چر لینے کے فیصلہ سے متعلق ابتداء کی جاتی ہے۔حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد

علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور یہ بھی نبی ہوئے ہیں۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت۔ قوت اور علم و حکمت عنایت فرمائے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بچپن ہی میں اس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جائیں۔ یہاں اس آیت میں جس کھیتی کے جھگڑے کے فیصلہ کا بیان ہے اس کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا ایک رات کسی چرواہے کی بے خبری سے اس کی بکریاں کسی شخص کے انگور کے کھیت میں جا پڑیں بکریوں نے انگور کی کونپلیں اور پتیاں کھا ڈالیں اور خوشے خراب کر ڈالے۔ صبح کو یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ صاحب باغ نے استغاثہ دائر کیا اور مدعا علیہ نے اقرار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے نقصان کا اندازہ لگایا تو اس قدر قیمت ہوئی جتنی بکریوں کی مالیت تھی۔ اس لئے آپ نے فیصلہ کیا کہ تاوان میں کل بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ فریقین باہر آئے تو ان سے سلیمانؑ نے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ان لوگوں نے بیان کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ فریقین کے حق میں اس سے بہتر فیصلہ ہوسکتا تھا۔ یہ خبر حضرت داؤد علیہ السلام کو پہنچی۔ آپ نے حضرت سلیمان کو بلا کر پوچھا کہ اس سے بہتر اور کیا فیصلہ ہوسکتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ بکریاں باغ والے کو عارضاً دیدیجئے اور چرواہے کو کہئے کہ انگوروں کی بیلوں کی خدمت کرے اور جتنے زمانہ میں بیلیں اپنی اصلی حالت میں آجائیں اتنے زمانہ تک تمام بکریاں باغ والے کے قبضہ میں رہیں اور وہ دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے جب کھیت اصلی حالت پر آجائے تو بکریاں چرواہے کو اور کھیت اس کے مالک کے سپرد کر دیا جائے۔ اس پر فریقین راضی ہوگئے اور داؤد علیہ السلام نے بھی اس فیصلہ کو پسند فرما کر اپنے گزشتہ فیصلہ سے رجوع فرمالیا۔

یہاں آیت میں آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ باپ اور بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شرکائے مقدمہ کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قوت اور سمجھ عطا فرمائی تھی لیکن اس معاملہ میں اصل گر کی بات اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دی کہ جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی۔ آگے حضرت داؤد علیہ السلام کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ بے انتہا خوش آواز تھے اس پر پیغمبرانہ تاثیر۔ آپ کی آواز سے انسان تو انسان پرندے اور پہاڑ بھی از خود رفتہ ہو جاتے۔ آپ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح و تحمید کرتے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی ہوا سے اتر کر آپ کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس پر تعجب نہ کرو کہ پتھر اور جانور کیسے بولتے اور تسبیح پڑھتے ہوں گے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا تھا۔ بھلا اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے یہ باتیں کیا بعید سمجھی جاسکتی ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ کہ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو مثل موم کے نرم کر دیا تھا اسے موڑ توڑ کر لوہے کی زرہ آپ ہاتھ سے بنالیتے۔ لوہے کو تپانے اور گرم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے لوگ پتھروں کی زرہ بناتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے لوہے کی زرہ بنائی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کڑی دار زرہ کا بنتا ایک نعمت عظیم تھی جو اپنے بدن کے بچاؤ کے لئے لڑائی میں استعمال ہوتی۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے فائدہ کے لئے ہم نے داؤد علیہ السلام کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی۔ سوچو کہ تم اس قسم کی نعمتوں کا کچھ شکر ادا کرتے ہو۔

آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ

اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کا زور کی ہوا کو تابع بنادیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز

شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ

کو جانتے ہیں اور بعضے شیطان ایسے تھے کہ سلیمانؑ کیلئے غوطہ لگاتے تھے اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ کیا کرتے تھے۔

ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور اُن کے سنبھالنے والے ہم تھے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ اور سلیمانؑ کیلئے	الرِّيْحَ ہوا	عَاصِفَةً تیز چلنے والی	تَجْرِيْ چلتی	بِاَمْرِهٖٓ اس کے حکم سے	اِلَى طرف	الْاَرْضِ سرزمین
الَّتِيْ بٰرَكْنَا جس کو ہم نے برکت دی ہے	فِيْهَا اس میں	وَكُنَّا اور ہم ہیں	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے	عٰلِمِيْنَ جاننے والے	وَ اور	
مِنَ سے	الشَّيٰطِيْنِ شیطان	مَنْ يَّغُوْصُوْنَ جو غوطہ لگاتے تھے	لَهٗ اس کیلئے	وَيَعْمَلُوْنَ اور کرتے تھے وہ	عَمَلًا کام	
	دُوْنَ ذٰلِكَ اسکے سوا	وَكُنَّا اور ہم تھے	لَهُمْ ان کیلئے	حٰفِظِيْنَ سنبھالنے والے		

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر بھی ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داوٗد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اس لئے آپ کا نسب بھی حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر سولہ جگہ آتا ہے۔ ان میں سے چند جگہ کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر آیا ہے اور اکثر جگہ مختصر طور پر ان انعامات اور فضل وکرم کا تذکرہ ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے آپ پر اور آپ کے والد حضرت داوٗد علیہ السلام پر نازل ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام میں ذہانت اور ذکاوت اور فصل مقدمات میں اصابت رائے کا کمال بچپن ہی سے ودیعت کر دیا تھا چنانچہ آپ کے بچپن کا بکریوں کے مقدمہ کا واقعہ جو گزشتہ آیات میں قرآن پاک میں کیا جاچکا ہے اس کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ایک دوسرا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے زمانہ میں دو عورتیں ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں اور دونوں کے ساتھ ان کے شیر خوار بچے بھی تھے۔ راہ میں ایک عورت کے بچہ کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا اور جو بچہ باقی رہا دونوں عورتیں اس کے لئے آپس میں جھگڑا کرنے لگیں۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ یہ بچہ میرا ہے اور دوسری کا بچہ بھیڑیا لے گیا۔ جب حضرت داوٗد علیہ السلام کے پاس یہ معاملہ پہنچا تو آپ نے مقدمہ کی روئیداد سن کر بڑی کے حق میں فیصلہ دیا اس لئے کہ بظاہر بچہ بڑی کے قبضہ میں تھا اور چھوٹی اس کے قبضہ کے خلاف گواہ نہ پیش کر سکی۔ جب عورتیں واپس ہو کر حضرت سلیمان کے پاس سے گزریں تو آپ نے ان کے قضیہ کی تفصیل دریافت فرمائی اور سن کر حکم دیا کہ ایک چھری لائی جائے اور اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے ایک بڑی کو اور ایک چھوٹی کو دے دیا جائے۔ بڑی یہ سن کر خاموش رہی مگر چھوٹی یہ فیصلہ سن کر شور وغوغا کرنے لگی کہ خدارا اس بچہ کے دو ٹکڑے نہ کیجئے میں بڑی کے حق میں دستبردار ہوتی ہوں۔ اس وقت سب کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے اور بڑی جھوٹا دعویٰ کرتی ہے۔ لہٰذا بچہ چھوٹی کے حوالہ کر دیا گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جوہر کو حضرت داؤد علیہ السلام نے پہچان لیا تھا اس لئے بچپن ہی سے آپ کو امور سلطنت میں شریک کار رکھتے خصوصاً فصل مقدمات میں آپ سے ضرور مشورہ فرمالیا کرتے تھے۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سن رشد کو پہنچ چکے تھے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت وحکومت دونوں میں داؤد علیہ السلام کا جانشین بنادیا اور اس طرح فیضانِ نبوت کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت بھی آپ کے قبضہ میں آ گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی بعض خصوصیات اور امتیازات سے نوازا اور اپنی نعمتوں میں سے بعض ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جو آپ کی زندگی مبارک کا طغرائے امتیاز ہیں۔ علاوہ دیگر خصوصیات کے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دو خصوصیات کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے۔ ایک تسخیر ریاح یعنی ہوا کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے حکم کا تابع بنادیا تھا۔ اس شرف کے متعلق قرآن کریم نے بتلایا کہ ہوا آپ کے حکم کے اس طرح تابع تھی کہ شدید اور تیز وتند ہونے کے باوجود آپ کے حکم سے نرم اور آہستہ روی کے باعث راحت ہو جاتی تھی اور اس نرم رفتاری کے باوجود اس کی تیز روی کا یہ عالم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا صبح وشام کا جدا جدا سفر ایک شہسوار کی مسلسل ایک ماہ کی رفتار مسافت کے مساوی ہوتا تھا گویا تخت سلیمانی انجن اور مشین جیسے اسباب ظاہر سے بالاتر صرف خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز ہوا کے کاندھے پر اڑا چلا جاتا تھا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے تعجب ہے کہ آج عجیب وغریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کرسکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کرسکتا۔

دوسری خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ بیان فرمائی کہ ان کے زیر نگیں صرف انسان ہی نہ تھے بلکہ جن اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے۔ جنات جن میں کافر ومسلم دونوں ہوتے ہیں سب آپ کے مسخر تھے آپ کے حکم سے سمندروں میں غوطہ مار کر موتی نکال کر لاتے اور بڑے بڑے مشکل اور سخت کام انجام دیتے اور کسی طرح حکم سلیمانی سے سرتابی نہ کرسکتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کئے اور پھر یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت وثروت کے صرف و خرچ داد ودہش اور روک کر رکھنے میں تم سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہے مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام شاہی اور شہنشاہی کے باوجود سلطنت و مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ بھی نہیں لیتے تھے اور اپنا اور اہل و عیال کے معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو بخاری شریف کی ایک حدیث صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے۔ غرض کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ ان کی حکومت انسانوں کے

علاوہ جنات اور حیوانات اور ہوا پر بھی تھی اور یہ سب بحکمِ خدا آپ کے تابع اور مطیع تھے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے بخاری شریف کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا گزشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تا کہ تم سب دن میں اس کو دیکھ سکو مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ۔ یہ یاد آتے ہی میں نے اس سرکش جن کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔

محدثین نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کل انبیاء ورسل کے خصائص وامتیاز جمع کر دیئے تھے اس لئے تسخیر جنات پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت حاصل تھی لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا طغرائے امتیاز قرار دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ کا مظاہرہ مناسب نہ سمجھا۔

ان آیات کے اخیر میں وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ فرما کر حق تعالیٰ نے جتلا دیا کہ گو وہ جن بڑے سرکش اور شریر تھے مگر ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اس لئے وہ چوں نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے اپنے اقتدار کامل سے ان شیاطین یعنی کافر جنات کو سلیمانؑ کی قید میں اسطرح تھام رکھا تھا کہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے اور وہ کوئی ضرر سلیمانؑ کو نہیں پہنچا سکتے تھے ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کر لے اور زنجیر میں جکڑ کر رکھ چھوڑے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بعض خصوصیات بیان فرما کر حق تعالیٰ اپنی قدرت واقتدار کامل کا اظہار فرما رہے ہیں در پردہ جس سے مقصود توحید اور اپنی شانِ معبودیت کا جتلانا ہے۔ اب آگے حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کی معرفت اور یقین ہم کو بھی عطا فرماویں۔ اور ان انبیائے کرام کے واقعات سے ہمارے دلوں میں نور ایمان پیدا فرماویں۔ یا اللہ آپ کے انعامات اور احسانات جو ہم پر شب وروز بارش کی طرح برس رہے ہیں ان نعمتوں کا ہم کو قدردان اور شکرگزار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اس حالت پر موت نصیب فرمایئے۔ یا اللہ! سرکش شیاطین وجنات سب آپ کی قدرت وطاقت کے آگے مسخر ہیں اور آپ کی مشیت کے خلاف چوں نہیں کر سکتے۔ یا اللہ! ہمارے دین وایمان کی حفاظت اور ہمارے جان ومال کی حفاظت شریر جنات وانسان وشیاطین سب سے فرمایئے اور ہمیں اپنی مرضیات پر اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اُنہوں نے اپنے رب کو پُکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی

فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

اور اُن کو جو تکلیف تھی اُسکو دُور کر دیا اور ہم نے اُن کو اُن کا کنبہ عطا فرمایا اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر اور بھی اپنی رحمتِ خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کیلئے

وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿٨٤﴾

یادگار رہنے کے سبب سے عطا فرمائے۔

وَ اور	اَيُّوْبَ ایوبؑ	اِذْ نَادٰى جب اس نے پکارا	رَبَّهٗٓ اپنا رب	اَنِّىْ کہ میں	مَسَّنِيَ مجھے پہنچی ہے	الضُّرُّ تکلیف	وَاَنْتَ اور تو
اَرْحَمُ سب سے بڑا رحم کرنیوالا	الرّٰحِمِيْنَ رحم کرنے والے	فَاسْتَجَبْنَا تو ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	فَكَشَفْنَا پس ہم نے کھول دی			
مَا جو	بِهٖ اس کو	مِنْ ضُرٍّ تکلیف	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے دیئے اسے	اَهْلَهٗ اسکے گھر والے	وَمِثْلَهُمْ اوران جیسے	مَّعَهُمْ انکے ساتھ	
رَحْمَةً رحمت فرماکر	مِّنْ سے	عِنْدِنَا اپنے پاس	وَذِكْرٰى اور نصیحت	لِلْعٰبِدِيْنَ عبادت کرنے والوں کیلئے			

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اب ان کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر چار سورتوں میں آیا ہے۔ سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں تو فقط انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا نام مذکور ہے۔ موجودہ سورۂ انبیاء اور ۲۳ ویں پارہ میں سورۂ ص میں مجملاً تذکرہ فرمایا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ پر امتحان و آزمائش کا ایک سخت وقت آیا اور بلایا و مصائب نے چہار جانب سے آپ کو گھیر لیا مگر صبر و ضبط۔ استقلال و استقامت اور صبر و شکر کے ماسوا ایک حرف شکایت زبان پر کبھی نہیں لائے۔ آخر کار خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور مصائب کے بادل دور کر کے فضل و عطا سے مالا مال کر دیا۔ بندگانِ خدا میں سے جس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ جس قدر تقرب حاصل ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ بلایا اور مصائب کی بھٹی میں تپایا جاتا ہے اور جب وہ ان کے پیش آنے پر صبر و استقامت سے کام لیتا ہے تو وہی مصائب اس کے درجات تقرب کی رفعت اور بلندی کے سبب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مصائب میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے اس کے بعد صلحاء کا اور پھر حسبِ مراتب و درجات۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے پس اگر اس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔

مصیبت و بلا، رنج و غم اور عسرت و تنگ حالی میں رضا بالقضا رہ کر صبر و استقامت پر قائم رہنا کٹھن ہے اس لئے جب کوئی خدا کا نیک بندہ شدت و سختی میں صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و شکر کا مسلسل مظاہرہ کرتا رہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آجاتی ہے اور اس پر فضل و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ غیر متوقع طور پر افضال و اکرام الٰہی سے

نوازا جاتا ہےاور دین و دنیا دونوں جہان کی کامرانی کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال اس کے لئے ایک روشن شہادت ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا سلسلۂ نسب اکثر مورخین کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے اور آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے زمانہ کے درمیان ہونا بتلایا گیا ہے۔ مختصراً صحیح روایات کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں ہر طرح آسودہ اور خوش حال رکھا تھا۔ مویشی۔ باغات، کھیتیاں، کوٹھیاں، زمینیں، لونڈیاں، غلام اولاد صالح وغیرہ سب کچھ مرضی کے موافق عطا کئے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گزار اللہ کے نبی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا۔ بحکمِ الٰہی چند ہی روز میں تمام اولاد مرگئی۔ کوئی ڈوبا۔ کوئی مکان کے نیچے دب گیا کوئی کسی مرض سے ختم ہوگیا۔ تمام جانور، گھوڑے۔ اونٹ، بھینس، گائے، بکریاں وغیرہ سب مر گئے۔ کھیتیاں اور باغات جل گئیں اور اجڑ گئیں۔ مکانات گر پڑے۔ تمام سونا چاندی تلف ہوگیا۔ لیکن حضرت ایوبؑ برابر صبر کے ساتھ شکر کرتے رہے۔ مصائب کا اس پر بھی خاتمہ نہ ہوا۔ خود بیمار پڑ گئے۔ اور سخت جسمانی اذیت و تکلیف میں مبتلا ہوگئے۔ شہر کے باہر ایک جھونپڑی میں جا کر پڑ گئے لیکن صبر و شکر سے کسی وقت اور کسی حال میں بھی غافل نہ رہے۔ آپ کے ساتھ ایک بیوی رفیق رہ گئیں جو آپ کی خدمت کرتیں اور محنت و کام کاج کر کے پیٹ پالنے کو بھی لایا کرتی تھیں۔ مدتوں تک آپ ان بلاؤں اور مصائب میں گرفتار رہے۔ ایک قول میں ہے کہ آپ ۱۸ برس مصائب میں مبتلا رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ تیرہ سال اور ایک روایت میں ہے کہ سات سال اور چند ماہ آپ کے مصائب کا زمانہ رہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لکھا ہے کہ جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی، اہل و عیال مر گئے۔ مال فنا ہوگیا۔ کوئی چیز ہاتھ میں باقی نہ رہی تو آپ ذکر خدا میں اور بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کئے مال دیا۔ اولاد دی اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو فارغ کر دیا۔ اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خدایا تو نے جب مجھے تونگر اور اہل و عیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا۔ نہ کبھی کسی پر ظلم و ستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادت و بندگی میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو آرام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ تیری رضامندی کی طلب میں اپنے راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا تھا۔

غرض کہ مدتوں آپ بلاؤں میں مبتلا رہے جب تکلیف و اذیت اور دشمنوں کے طعن و تشنیع حد سے گزر گئے بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہوسکتی تھی تو آپ بہت بے چین اور مضطرب ہوتے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دعا گو ہوئے اور مصائب کے دور ہونے کی دعا کی۔ رب کو اس طرح پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا۔ خدائے ذوالجلال نے پھر پہلا سا مال و منال دے دیا۔ نئی اولاد بھی پہلے سے زائد ہوگئی۔ زمین سے چشمہ نکالا اس سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوگئے۔ آن کی آن میں سارا مرض جاتا رہا اور سب طرح درست ہوگئے۔ امام بخاریؒ

نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام ایک مرتبہ غسل فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں۔ ایوب علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو مٹھی بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پکارا۔ ایوب! کیا ہم نے تم کو دھن دولت دے کر غنی نہیں بنا دیا؟ پھر یہ کیا؟ ایوب علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار یہ صحیح اور درست ہے مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کب کوئی بے پروا ہو سکتا ہے۔

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

یہاں آیت میں ایوب علیہ السلام کو انتہائی آزمائش و تکالیف کے بعد تندرستی اولاد و اموال عطا کرنے میں دو مصلحتیں حق تعالیٰ نے بیان فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ ایوب علیہ السلام کی حالت قابل رحم ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے رحمت نازل کی۔ دوسرے یہ کہ تمام عبادت اور بندگی کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہوگئی کہ جب کسی نیک بندے پر دنیا میں سخت اور برا وقت آئے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کرنا اور استقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہئے خواہ کتنے ہی مصائب کا ہجوم ہو اللہ سے منہ نہ موڑیں اور مرکزِ توجہ ذاتِ الٰہی ہی کو سمجھتا رہے۔ حق تعالیٰ اس پر نظرِ عنایت فرمائے گا۔ ان آیات اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ کسی حالت میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ مایوسی اور ناامیدی کفر کا شیوہ ہے۔ عیش و راحت میں تواضع و شکر اور رنج و مصیبت میں ضبط و صبر دو ایسی بیش بہا نعمتیں ہیں کہ جس کو یہ نصیب ہو جائیں وہ دین و دنیا میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہر حال میں اس کی رفیق رہتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت اور بلا محض گناہوں کی پاداش ہی میں وجود پذیر نہیں ہوتی بلکہ کبھی آزمائش اور امتحان بھی بن کر آتی ہے اور انبیاء و صالحین و متقین، صابرین و شاکرین کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت ہوا کرتی ہے اس لئے ہر کسی کو ابتلاء میں دیکھ کر یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کی پکڑ اور گناہوں کی سزا میں گرفتار ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ جو آج کی آیات میں آئی ہے اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب اعمالِ قرآنی میں لکھا ہے کہ یہ دعا بلا، مصیبت اور تکلیف کے وقت ورد کرے تو انشاءاللہ تعالیٰ نجات ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ راحت و آرام میں ہم کو تواضع و شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور رنج و غم میں تحمل و ضبط و صبر کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہر حال میں آپ اپنا صابر۔ شاکر و ذاکر بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کی نصرت و حمایت و عنایت و کرم و توجہ ہر آن ہمارے ساتھ ہو۔ اے اللہ! ہم ضعیف و کمزور ہیں ہم کسی آزمائش و ابتلا کے لائق نہیں، یا اللہ اپنی رحمت کرم و فضل سے ہماری ہر مشکل کو آسان فرما دیجئے۔ یا اللہ امت مسلمہ پر اس وقت جہاں جہاں مصائب کے بادل چھائے ہوئے ہیں ان پر رحم و کرم کی نظر فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ

اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے۔ سب ثابت قدم رہنے والے بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا تھا۔

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

بے شک یہ کمال صلاحیت والوں میں تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ اور اسمٰعیل	وَاِدْرِيْسَ اور ادریس	وَذَا الْكِفْلِ اور ذوالکفل	كُلٌّ یہ سب	مِّنَ سے	الصّٰبِرِيْنَ صبر کرنے والے	ذَا اور
اَدْخَلْنٰهُمْ ہم نے داخل کیا انہیں	فِيْ رَحْمَتِنَا اپنی رحمت میں	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مِّنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ نیکوکار		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت ادریسؑ اور حضرت ذالکفل علیہم السلام کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے کہ ہر ایک ان میں سے صابر تھا۔ ان پر بھی دنیا میں بڑی بڑی تکلیفیں نازل ہوئیں۔ بالآخر ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور بلاشبہ یہ صالحین اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور جو حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نیز احادیث میں بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق طویل روایات موجود ہیں۔ صحیح روایات کے مطابق مختصر حال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اس طرح پر ہے کہ بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور آپ کے شیر خوار بچہ اسمٰعیل کو حجاز میں جہاں آج خانہ کعبہ ہے جو اس وقت ایک چٹیل سنسان ریگستان ویران اور غیر آباد جگہ تھی جہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا لاکر چھوڑ دیا۔ ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور منہ پھیر کر چلنے لگے۔ حضرت ہاجرہ پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں کہ آپ ہم کو ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں چلے جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس نہ غم خوار مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جارہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا۔ کیا خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ حضرت ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں۔ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس

لوٹ آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ چند روز تک مشکیزہ سے پانی اور تھیلی سے کھجوریں کھاتی اور اسمٰعیل کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن وہ وقت بھی آ گیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں۔ چونکہ وہ بھوکی پیاسی تھیں اس لئے دودھ بھی نہ اترتا تھا اور بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہونے لگا تو حضرت ہاجرہ اسمٰعیل کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تاکہ بچہ کی حالت زار اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ پھر مضطرب اور بے چین ہو کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آجائے یا پانی نظر آجائے۔ پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آگئیں اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں۔ اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچہ کے پاس آگئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا۔ حضرت ہاجرہؓ کی اس دوڑ دھوپ کی یادگار وہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو حج اور عمرہ میں لوگ کرتے ہیں۔ آخر میں جب حضرت ہاجرہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی۔ چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی حضرت ہاجرہ کہنے لگیں اگر تم مدد کرسکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سن لی گئی۔ دیکھا تو خدا کا فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ فرشتہ نے اپنا پیر یا ایڑی اس جگہ ماری جہاں آب زمزم کا کنواں ہے۔ اس جگہ سے پانی ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے پانی کے چاروں طرف مٹی کی باڑ بنانے لگیں اور فرمایا زم زم یعنی اے پانی ٹھہر۔ اے پانی ٹھہر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اُم اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زم زم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار

جانب بار نہ لگاتیں تو وہ ایک موجزن دریا بن جاتا۔

الغرض حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور پھر اسمٰعیل کو دودھ پلایا۔ پھر قدرت نے اس ویران اور غیر آباد جگہ میں آبادی کا انتظام فرمایا اور حضرت اسمٰعیل یہیں رہ کر جوان ہوئے اور اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ جب خانہ کعبہ تیار ہو چکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابراہیم تم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔ انبیاء علیہم السلام کا خواب چونکہ وحی الٰہی ہوتا ہے اس لئے فوراً تعمیل کے لئے تیار ہو گئے مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا اس لئے خواب اور خدا کا حکم حضرت اسمٰعیل کو سنایا اور بیٹے کی مرضی معلوم کی۔ حضرت اسمٰعیل نے بلا پس و پیش فوراً اپنی جان قربان ہونے کے لئے پیش کر دی۔ چنانچہ باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل روانہ ہو گئے اور اس وقت جہاں منیٰ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کو پیشانی کے بل لٹا کر چھری تیز کر کے ذبح کرنا شروع کیا کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیمؑ تم نے اپنا خواب سچا کر دکھلایا۔ بیشک یہ بہت سخت امتحان تھا اب بیٹے کو چھوڑو اور پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلہ میں ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔ یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذوالحجہ کی دس۔ گیارہ۔ بارہ تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر جب ۱۳۶ سال کی ہوئی تو آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی اولاد اور نسل کا سلسلہ حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیل گیا تھا۔ عرب مورخین کا کہنا ہے کہ آپ اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ بیت اللہ کے قریب حرم کے اندر مدفون ہیں۔

یہاں آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ مریم سولہویں پارہ میں اور ایک موجودہ سورۂ انبیاء کی اس آیت میں۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے نام و نسب اور زمانہ کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے۔ قرآن کریم نے اپنے مقصد رشد و ہدایت کے پیش نظر تاریخی بحث سے ہٹ کر صرف آپ کی نبوت اور صفات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے اور آپ کے صبر و رضا کی تحسین فرمائی گئی ہے۔ آپ پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا ذکر ہے اور آپ کی پاکیزگی اور پرہیزگاری اور سیرت باصفا کی تعریف و توصیف فرمائی گئی ہے۔ آپ کے زمانہ کے متعلق علمائے محققین کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں گزرے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملنا بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم نجوم علم حکمت، علم ریاضی، فن کتابت، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اول اول آپ نے شروع کیا۔ احادیث میں مروی ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سورۂ مریم کی آیت **ورفعنه مكانا عليا** اور اٹھالیا ہم نے ان کو ایک اونچے مکان پر اس کی تشریح میں بعض علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے اور وہیں آپ کی روح قبض ہوئی، اس آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ حضرت ذوالکفل کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ ایک موجودہ سورۃ انبیاء اور دوسرے سورہ ص ۲۳ ویں پارہ میں فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ صرف دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ آپ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ امام طبریؒ نے آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام کا بیٹا بتایا ہے اور لکھا ہے کہ کسی شخص کی ضمانت محض اللہ واسطے کر لی تھی جس کی پاداش میں ان کو کئی برس کی قید کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے۔ آگے اس کے بعد حضرت یونسؑ کا قصہ ذکر فرمایا گیا ہے، جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ

اور مچھلی والے (پیغمبر) کا تذکرہ کیجئے جبکہ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چل دیئے اور اُنہوں نے یہ سمجھا کہ ہم اُن پر کوئی داروگیر نہ کریں گے پس اُنہوں نے اندھیروں میں پکارا

اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ

کہ (الٰہی) آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بے شک قصوروار ہوں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کی اور اُن کو اس گھٹن سے نجات دی

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

وَ اور	ذَا النُّوْنِ ذوالنون مچھلی والا	اِذْ جب	ذَهَبَ چلا وہ	مُغَاضِبًا غصہ میں بھر کر	فَظَنَّ پس گمان کیا اس نے	اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ کہ ہم ہرگز تنگی نہ کرینگے	
عَلَيْهِ اس پر	فَنَادٰى تو اس نے پکارا	فِى الظُّلُمٰتِ اندھیروں میں	اَنْ لَّآ کہ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّآ اَنْتَ تیرے سوا	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے	
اِنِّىْ بیشک میں	كُنْتُ میں تھا	مِنَ سے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	فَاسْتَجَبْنَا پھر ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اسے نجات دی	
مِنَ الْغَمِّ غم سے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نُـْۨجِى ہم نجات دیتے ہیں	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن				

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت اسمٰعیل۔ حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھ سورتوں میں فرمایا گیا ہے۔ سورۃ النسآء۔ سورۃ انعام۔ سورۃ یونس۔ سورۃ الصافات۔ سورۃ الانبیآء۔ سورۃ القلم ان میں سے پہلی چار سورتوں میں نام مذکور ہے اور دو آخری سورتوں میں ذوالنون اور صاحب الحوت یعنی مچھلی والا کہہ کر صفت کا اظہار کیا گیا۔ نون مچھلی کو کہتے ہیں اور حوت بھی مچھلی ہی کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا اس لئے مچھلی والا یعنی ذالنون یا صاحب الحوت آپ کا لقب ہوا۔

قرآنی آیات کی روشنی میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر سرفراز فرما کر اہل نینوا جو موصل کے پاس ہے ان کی ہدایت کے لئے مامور کیا۔ یونس علیہ السلام ایک عرصہ تک ان کو تبلیغ فرماتے اور توحید کی دعوت دیتے رہے مگر اہل نینوا نے اعلانِ حق پر کان نہ دھرا اور اپنے کفر وشرک پر جمے رہے۔ گزشتہ نافرمان قوموں کی طرح خدا کے سچے پیغمبر کی دعوتِ حق کا ٹھٹھا کرتے اور مذاق اڑاتے رہے، مسلسل اور پیہم مخالفت ومعاندت سے متاثر ہو کر یونس علیہ السلام قوم سے خفا ہو گئے اور ان کو عذابِ الٰہی کی بددعا دے کر غصہ میں بھرے ہوئے ان کے درمیان سے چلے گئے۔

شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا قوم سے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے چلے جانا یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ جب کافروں کے ایمان سے ناامید ہوئے تو ناراض ہو کر ان کے درمیان سے چلے گئے اور ان کا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ اگرچہ حق اور درست تھا مگر چونکہ آپ کا بستی سے نکل جانا بدوں حکم الٰہی کے تھا اس لئے آپ کا یہ چلا جانا باعثِ عتاب ہوا کہ آپ کو اس بارہ میں وحی اور حکمِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ الغرض جب آپ بستی سے نکل کر دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی کو مسافروں سے بھرا ہوا تیار پایا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ اب کشتی چلی تو

طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آ گھیرا۔ جب کشتی ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق ہونے کا یقین ہونے لگا تو وہ اپنے عقیدہ کے مطابق کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائے گا نجات مشکل ہے۔ یونس علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ کو تنبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نینوا سے وحی کا انتظار کئے بغیر اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں۔ یہ سوچ کر آپ نے اہلِ کشتی سے فرمایا۔ وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ مجھ کو کشتی سے باہر پھینک دو مگر ملاح اور اہلِ کشتی نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور آپس میں طے کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کے نام پر قرعہ نکلا۔ تب مجبور ہو کر انہوں نے یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا یا یونسؑ خود دریا میں کود پڑے۔ اسی وقت خدائے تعالیٰ کے حکم سے آپ کو ایک مچھلی نے نگل لیا جس کو حکم تھا کہ صرف نگل لینے کی اجازت ہے۔ یہ تیری غذا نہیں ہیں بلکہ تیرا پیٹ ان کا قید خانہ، حفاظت خانہ یا عبادت خانہ ہے۔

یونس علیہ السلام نے جب خود کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ پایا تو درگاہِ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ کیوں وہ وحی الٰہی کا انتظار کئے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر قوم سے ناراض ہو کر نینوی سے نکل آئے اور عفوِ تقصیر کے لئے بارگاہ خداوندی میں اس طرح دعا گو ہوئے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی یکتا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ بے شبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔ میں اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہوں کہ بیشک میں نے جلدی کی کہ تیرے حکم کا انتظار کئے بغیر بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور یہی تسبیح پڑھتے رہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کی دعا کو سنا اور قبول فرمایا مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ یونسؑ کو اگل دے چنانچہ مچھلی نے ساحل پر یونس علیہ السلام کو اگل دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے ان کا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے کہ کسی پرندہ کا پیدا شدہ بچہ، کہ جس کا جسم بے حد نرم ہوتا ہے اور اس پر پَر وغیرہ نہیں ہوتے۔ غرض یونس علیہ السلام بہت نحیف و ناتواں حالت میں خشکی پر ڈال دیئے گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آپ کے لئے ایک بیلدار درخت اگا دیا جس کے سایہ میں حضرت یونس علیہ السلام رہنے لگے۔ ادھر یونسؑ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا۔ ادھر اہل نینویٰ کو یونس علیہ السلام کے بستی سے چلے جانے کے بعد گمان ہوا کہ نبی کی بد دعا خالی نہیں جائے گی اور انہوں نے عذاب کے کچھ آثار بھی محسوس کئے۔ اب ان کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور خدا کے سچے پیغمبر تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے تب ہی تو یونس ہم سے جدا ہو گئے۔ یہ سوچ کر فوراً بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب کے دل خوف و دہشت سے کانپ اٹھے اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے تا کہ ان کی تصدیق کریں اور ان پر ایمان لائیں۔ ساتھ ہی تمام بستی والوں نے سچی توبہ کی۔ بت توڑ ڈالے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ واستغفار کرنے کے لئے آبادی سے باہر عورتوں، بچوں اور جانوروں سمیت میدان میں آ کر سب نے گریہ وزاری اور رونا چلانا شروع کیا۔ بچے اور مائیں۔ آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے۔ تمام قوم نے متفقہ آواز سے یہ اقرار کیا۔ ربنا امنا بما جآء به یونس۔ پروردگار، یونس جو تیرا پیغام ہمارے پاس لے کر آئے تھے ہم اس کی تصدیق کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔'' آخر کار حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ان کو دولتِ ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب سے محفوظ کر دیا۔ تمام گزشتہ اقوام میں سے صرف قوم حضرت یونس علیہ السلام کی ایک مثال ایسی ہے جس نے آثار عذاب دیکھ کر عذاب آنے سے قبل ایمان کو قبول کر لیا اور خدا کی درگاہ میں توبہ کر کے عذابِ الٰہی سے محفوظ ہو گئی۔

بالآخر حضرت یونس علیہ السلام کو اب دوبارہ حکم خداوندی ہوا کہ وہ نینوی جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی رہنمائی کریں تا کہ خدا

13 کی اس قدر کثیر مخلوق ان کے فیض سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے اس حکم کا امتثال کیا اور نینوئی میں واپس تشریف لائے۔ قوم نے جب ان کو دیکھا تو بے حد مسرت اور خوشی کا اظہار کیا اور ان کی رہنمائی میں دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی۔ یہ ہے حضرت ذوالنون یونس علیہ السلام کے واقعہ کی ترتیب جس کا ذکر یہاں ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ سے متعلق اکثر مفسرین نے ایک ضروری تنبیہ یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ انبیاء و مرسلین کے ساتھ عوام وخواص سے بالکل جدا رہا ہے۔ جو بات عوام وخواص اور صالحین کے حق میں معمولی اور قابل نظر انداز سمجھی جاتی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں گرفت اور مواخذہ کا باعث ہو جاتی ہے اور اس بنا پر اگر انبیاء کرام سے معمولی سی لغزش بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتے ہیں تا کہ وہ یہ محسوس کریں کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگذاشت بھی کیوں کرتے ہیں۔ تو چونکہ انبیاء کی شان اس قدر رفیع اور خدائے قدوس کے ہاں اس درجہ بلند ہے کہ معمولی سے معمولی لغزش بھی ان کی شان کے نامناسب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتے ہیں، مگر ساتھ ہی حق تعالیٰ کی عنایت بھی ان کے شامل حال رہتی ہے اور وہ فوراً متنبہ ہو کر اعتراف ندامت کے ساتھ عفو تقصیر کے لئے دست بہ دعا ہو جاتے ہیں اور انابت اور توبہ کو وسیلہ کار بنا لیتے ہیں جو بہت جلد خدائے تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتی ہے اور ان کی عزت واحترام کے ازدیاد کا باعث بن جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات قرآنی اس کے شاہد ہیں۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ یونس علیہ السلام چونکہ نبی تھے اور وحی الٰہی کے مخاطب رہتے تھے اس لئے بدوں انتظار وحی الٰہی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے پر دارو گیر ہوئی مگر ساتھ ہی آپ کی عظمت و شان اور رفعت مرتبہ کو قرآن پاک نے بیان فرمادیا تا کہ کسی کو مغالطہ نہ ہونے پائے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس خاص معاملہ سے کسی کج فہم کو کجروی کا موقع ہاتھ نہ آئے۔ احادیث صحیحہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر خیر فرماتے ہوئے آپ کی عظمت وفضیلت کا خصوصی اظہار فرمایا۔ چنانچہ بخاری میں منقول ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بہتر ہوں یونس علیہ السلام سے محدثین نے لکھا ہے کہ یونس علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے حدیث میں اس لئے فرمایا گیا کہ جو شخص یونس علیہ السلام کے واقعات کا مطالعہ کرے اس کے دل میں ان کی ذات اقدس سے متعلق کوئی تنقیص کا پہلو ہرگز پیدا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا سد ذرائع کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت یونسؑ کی عظمت وشان کو اس طرح نمایاں کرنا ضروری سمجھا۔

ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا **وکذلک ننجی المؤمنین**۔ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ اسکے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فقرہ عام اہلِ ایمان کو گناہوں سے استغفار کی رغبت دلانے کیلئے فرمایا کہ ہماری معافی یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں تھی جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دینگے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی تسبیح یعنی **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین** اس دعا و استغفار کی یہ تعلیم ہے کہ پہلے توحیدِ الٰہی بیان کرے پھر اس کی پاکی پھر گناہوں کا اعتراف، پھر مغفرت کی دعا۔ احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مسلمان دعا میں یہ الفاظ کہے یعنی **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین**۔ اور دعا کرے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ اسی بناء پر امت میں اس آیت کریمہ کے ورد کا معمول رہا ہے اور شدائد و مصائب میں ہمیشہ اس کو مجرب پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ورد کی توفیق اور اس کی برکت عطا فرمائیں۔ آمین

اب آگے حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ

اورزکریاؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ اُنہوں نے اپنے رب کو پُکارا کہ اے میرے رب! مجھکو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔ سو ہم نے اُن کی دُعا قبول کرلی

وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا

اور ہم نے اُن کو یحییٰ عطا فرمایا اور اُن کی خاطر سے اُن کی بی بی کو اولاد کے قابل کردیا یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور اُمید و بیم کیساتھ

رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔

وَ زَكَرِيَّآ اورزکریاؑ	اِذْ نَادٰى جب اس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	رَبِّ اے میرے رب	لَا تَذَرْنِىْ نہ چھوڑ مجھے	فَرْدًا اکیلا	وَ اَنْتَ اور تو	
خَيْرُ بہتر	الْوٰرِثِيْنَ وارث	فَاسْتَجَبْنَا پھر ہم نے قبول کرلی	لَهٗ اس کی	وَ وَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗ اسے	يَحْيٰى یحییٰ	
وَ اَصْلَحْنَا اور ہم نے درست کردیا	لَهٗ اس کیلئے	زَوْجَهٗ اس کی بیوی	اِنَّهُمْ بیشک وہ سب	كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ وہ جلدی کرتے تھے	فِى میں		
الْخَيْرٰتِ نیک کام	وَ اور	يَدْعُوْنَنَا وہ ہمیں پکارتے تھے	رَغَبًا اُمید	وَّ رَهَبًا اور خوف	وَ كَانُوْا اور وہ تھے	لَنَا ہمارے لئے (سامنے)	
خٰشِعِيْنَ عاجزی کرنیوالے							

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اس کے بعد ان آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل میں ایک جلیل القدر پیغمبر ہوئے ہیں۔ آپ کا تذکرہ قدرے تفصیلی تیسرے پارہ سورۂ آلِ عمران اور سولہویں پارہ سورۂ مریم میں بیان ہو چکا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ دروس میں ذکر آچکا ہے اکثر انبیاء علیہم السلام خواہ وہ بادشاہ اور صاحبِ حکومت ہی کیوں نہ ہوں اپنی روزی ہاتھ کی محنت سے پیدا کرتے اور کسی کے لئے بارِ دوش نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ زکریا علیہ السلام بھی اپنی روزی کے لئے نجاری یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے جیسا کہ مسلم کی ایک حدیث میں بصراحت مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکریا علیہ السلام نجاری کرتے تھے یعنی بڑھئی کا کام۔ زکریا علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ تھی اور آپ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس بات کے علاوہ کہ میں اولاد کی دولت سے محروم ہوں زیادہ فکر اس امر کا ہے کہ خاندان میں کوئی اس کے اہل نہیں کہ میرے بعد بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کی خدمت انجام دے سکے پس اگر اللہ تعالیٰ میرے کوئی نیک سرشت لڑکا پیدا کردیتا تو مجھ کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ بنی اسرائیل کی راہنمائی کا خدمت گزار میرے بعد موجود ہے مگر چونکہ آپ کی عمر بعض قول کی بنا پر ۷۰ سال اور بعض کی بنا پر ۹۰، ۹۲ یا ۱۲۰ سال ہو چکی تھی اور آپ کی بیوی بانجھ تھیں اس لئے اسبابِ ظاہر سے آپ مایوس تھے کہ اب اولاد ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ لیکن جب آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جو آپ کے زیر کفالت تھیں بے موسم پھل دیکھے اور آپ کو معلوم ہوا کہ مریم پر یہ خدا کا فضل و احسان ہے تو آپ کے دل میں ایک جوش پیدا ہوا کہ جو ذاتِ اقدس اس طرح مریم کو بے موسم پھل بخشتی ہے کیا وہ مجھ کو موجودہ نا امیدی کی حالت میں ثمرِ حیات یعنی بیٹا نہیں بخش سکتی۔ پس ظاہراً اسباب کی بنا پر مایوسی سرتا سر غلط ہے بلاشبہ جس ذاتِ پاک نے مریم پر اپنا انعام و اکرام کیا ہے وہ ضرور ہم پر بھی فضل و کرم کرے گا۔

چنانچہ آپ نے ایک روز درگاہِ الٰہی میں تہجد کے بعد دعا کی " خدایا میں تنہا ہوں اور وارث کا محتاج۔ میں بوڑھا ہوں اور بیوی بانجھ ہے۔ ظاہری سامان سے اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن تو اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرما جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے میں اس ضعف و پیری میں کیا کرسکتا ہوں جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے اور ان کے علم وحکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالاتِ نبوت کا وارث بنے۔ نبی کی دعا اور دعا بھی صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم کی رشد وہدایت کی خاطر فوراً مستجاب ہوئی اور جب زکریا علیہ السلام ہیکل میں مشغول عبادت تھے تو خدا کا فرشتہ آپ پر ظاہر ہوا اور بشارت دی کہ آپ کے بیٹا پیدا ہوگا اور آپ اس کا نام یحییٰ رکھیں۔ زکریا علیہ السلام کو یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی؟ یعنی مجھ کو جوانی عطا ہوگی یا میری بیوی کا مرض بانجھ پن دور کردیا جائے گا یا کیا صورت ہوگی؟ فرشتہ نے جواب دیا میں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں تمہارے بیٹا ضرور ہوگا کیونکہ خدا کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو مگر خدا کے یہاں تو مشکل نہیں۔ اس کی قدرتِ عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے ایک زمانہ تھا یہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردۂ عدم سے وجود میں لائے۔ پھر جو قادر مطلق لاشے محض کو شے بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کرسکتا۔ غرض کہ بشارت کے موافق حضرت زکریا علیہ السلام کے یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں علم و حکمت سے معمور کردیا تھا اور زہد وورع میں ایسے بے مثال تھے۔ نہ انہوں نے شادی کی اور نہ ان کے قلب میں کبھی گناہ کا خطرہ پیدا ہوا اور اپنے والد ماجد کی طرح یہ بھی خدا کے برگزیدہ نبی بنے۔ آگے آیت میں ان حضرات کی توصیف اور بعض حالات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ سب حضرات نیکیوں کی طرف اور خدا کی فرمانبرداری کی طرف بھاگ دوڑ کرنے والے تھے۔ اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے غضب سے خوف زدہ رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی، تواضع اور انکساری کرنے والے تھے۔ ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک خطبہ میں فرمایا لوگوں میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کی پوری ثنا وصفت بیان کرتے رہنے کی اور امید وخوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع و خضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو اللہ عز وجل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانے کی یہی فضیلت بیان فرمائی ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **انهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خشعين.**

حضرت زکریا علیہ السلام کی قرآنی دعا **رب لا تذرني فردا وانت خير الوارثين** کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعمالِ قرآنی میں لکھا ہے کہ جس کو اولاد سے مایوسی ہو ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے انشاء اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہوجائے گا۔

آگے حضرت مریم علیہا السلام اور آپ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنی لامحدود قدرت کا یقین کامل ہم کو بھی نصیب فرما۔ بے شک آپ کی ذات اعلیٰ سے مایوسی اور ناامیدی کسی حال میں روا نہیں۔ آپ کی ذات کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے کوئی کام کیسا ہی مشکل ہو مگر آپ کے لئے سب آسان ہے۔ آپ قادرِ مطلق ہیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾

اوراُن بی بی (مریم) کا تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو بچایا پھر ہم نے اُن میں اپنی روح پھونک دی اور ہم نے اُن کواوراُن کے فرزند کودنیا جہان والوں کیلئے نشانی بنادی۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَیۡنَهُمۡ

یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب (حقیقی) ہوں سوتم میری عبادت کیا کرو۔ اوران لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا۔

کُلٌّ اِلَیۡنَا رٰجِعُوۡنَ ﴿۹۳﴾

سب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

وَالَّتِیۡ اور عورت جو	اَحۡصَنَتۡ اس نے حفاظت کی	فَرۡجَهَا اپنی شرمگاہ عفت کی	فَنَفَخۡنَا پھر ہم نے پھونک دی	فِیۡهَا اس میں		
مِنۡ رُّوۡحِنَا اپنی رُوح سے	وَجَعَلۡنٰهَا اور ہم نے اسے بنایا	وَابۡنَهَا اور اس کا بیٹا	اٰیَةً نشانی	لِّلۡعٰلَمِیۡنَ جہانوں کیلئے	اِنَّ بیشک	
هٰذِهٖ یہ ہے	اُمَّتُکُمۡ تمہاری امت	اُمَّةً امت	وَّاحِدَةً ایک	وَّاَنَا اور میں	رَبُّکُمۡ تمہارا رب	فَاعۡبُدُوۡنِ پس میری عبادت کرو
وَتَقَطَّعُوۡۤا اور ٹکڑے ٹکڑے کرلیا انہوں نے	اَمۡرَهُمۡ اپنا کا دین	بَیۡنَهُمۡ باہم	کُلٌّ سب	اِلَیۡنَا ہماری طرف	رٰجِعُوۡنَ رجوع کرنے والے	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب یہاں ان آیات میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ قرآن کریم میں عموماً حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا بیان ہوتا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم کا تذکرہ قدرے تفصیل سے سورۂ مریم سولہویں پارہ اور سورۂ آلِ عمران تیسرے پارہ میں ہو چکا ہے۔ یہاں ان آیات میں حضرت مریم کا نام نہیں لیا گیا ہے بلکہ پاک دامن اور عصمت والی عورت جنہوں نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا کہہ کر ذکر کیا گیا ہے جس سے مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ اور وابنها یعنی آپ کے بیٹے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہاں آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو اور ان کے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام دنیا جہان والوں کے لئے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنادی تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کی قدرت اسبابِ مادیہ کی پابند نہیں وہ جو چاہتے ہیں صرف اپنے حکم سے کرتے ہیں۔ حضرت مریم تو قدرت کی نشانی اس طرح ہوئیں کہ بدوں اتصال مرد آپ کے بطن مبارک سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لئے نشانی ہوئے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ گویا آپ کی ولادت ایک معجزہ الٰہی تھی جو عام قوانین فطرت کے خلاف ظہور میں آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں زبردست اختلاف اور نزاع کا باعث رہا ہے۔ عیسائی بغیر باپ کے آپ کی پیدائش کو تو مانتے ہیں مگر بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو الوہیت اور ابن اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے برخلاف یہود آپ کی پیدائش کو (العیاذ باللہ) ناجائز تعلقات کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ قرآن کریم نے حضرت مریم کی عفت وعصمت و پاکیزگی کردار کا اعلان فرمایا

اور آپ کو صدیقہ کا لقب عطا فرمایا جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "بہت زیادہ سچ بولنے والی" ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ صدیقہ کہیں اس سے کذب و دروغ کا صدور ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہود و نصاریٰ دونوں متضاد سمتوں میں چلے گئے نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ خدا۔ خدا کے بیٹے یا ثالث ثلثہ تھے۔ یہود کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ مفتری اور کاذب اور شعبدہ باز تھے۔ قرآن کریم نے ان اوہام وظنون کے خلاف علم ویقین کی راہ دکھاتے ہوئے فیصلہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے پیغمبر اور راہ حق کے داعی صادق تھے اور آپ کی پیدائش بلاشبہ بغیر باپ کے ہوئی مگر اس سے یہ کیسے لازم آ سکتا ہے کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہوگئے۔ کیا جو پیدائش کا محتاج ہو اور پیدائش میں بھی ماں کے پیٹ کا محتاج اور جو بشری لوازم کھانے پینے کا محتاج ہو وہ عبد اور بشر کے سوا خدا یا معبود ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ قران پاک نے یہود و نصاریٰ کے تمام باطل عقائد کی واضح الفاظ میں تردید کر کے حقیقت حال کا اظہار فرمایا ہے۔

قرآن کریم نے انسانی پیدائش کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک آدم علیہ السلام کی پیدائش کہ بغیر مرد و زن اور بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔

دوسرے حضرت حوا یعنی آدم علیہ السلام کی بی بی کہ صرف مرد کے وجود سے بغیر عورت کے ان کو پیدا کیا گیا۔

تیسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ بغیر مرد کے صرف عورت کے وجود سے آپ کا ظہور ہوا۔ چوتھی عام صورت عورت و مرد کے اتصال سے پیدائش۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے توسط سے عام سلسلہ اسباب کے خلاف محض خدا کے حکم سے ہوئی اسی وجہ سے آپ کو دنیا کے لئے اللہ کی آیت یا نشانی فرمایا گیا۔

یہاں تک متعدد حضرات انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ در قصص کا بیان ہوا اس لئے آگے بطور نتیجہ قصص مذکورہ کے توحید کے اثبات اور شرک کی مذمت میں بتلایا جاتا ہے کہ خدا بھی ایک ہے اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔ تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہی دوسروں کی ہے۔ رہا فروع کا اختلاف وہ مصالح زمانہ کے مطابق جزئیات کا اختلاف ہے پس لازم ہے کہ سب مل کر ایک خدا کی بندگی کریں۔ اللہ نے تو اصول کے اعتبار سے ایک دین دیا تھا مگر لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور آپس میں پھوٹ ڈال دی۔ کوئی یہودیت پر اڑ گیا۔ کوئی عیسائیت پر جما رہا کوئی صابی بنا رہا۔ کوئی بت پرست، اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ آنا سب کو ہمارے پاس ہی ہے اس وقت تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجائے گا جب ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔

اب آگے اس جزا کی تفصیل ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو صراطِ مستقیم اور دین حق پر قائم رکھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں اتباع نصیب فرمائیں۔ حق تعالیٰ اپنی عبادت کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ اور دین میں اختلافات سے ہم سب کو بچاویں۔ اور قیامت میں جب ہمارا حشر اور حاضری ہو تو اپنی رحمت خاصہ سے ہم سب کو اور پوری امت مسلمہ کو نوازیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ

سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اُس کی محنت اکارت جانے والی نہیں۔ اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ اور ہم جن بستیوں کو

عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ

فنا کر چکے ہیں اُن کیلئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آویں۔ یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جاویں گے اور وہ

كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہر بلندی سے نکلتے ہوں گے۔

فَمَنْ پس جو	يَعْمَلْ کرے	مِنَ کچھ	الصّٰلِحٰتِ نیک کام	وَهُوَ اور وہ	مُؤْمِنٌ ایمان والا	فَلَا كُفْرَانَ ناقدری (اکارت) نہیں
لِسَعْيِهٖ اس کی کوشش	وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَهٗ اس کے	كٰتِبُوْنَ لکھ لینے والے	وَحَرٰمٌ اور حرام	عَلٰى قَرْيَةٍ بستی پر	
اَهْلَكْنٰهَا جسے ہم نے ہلاک کردیا	اَنَّهُمْ کہ وہ	لَا يَرْجِعُوْنَ لوٹ کر نہیں آئیں گے	حَتّٰى یہانتک کہ	اِذَا جب	فُتِحَتْ کھول دیئے جائیں گے	
يَاْجُوْجُ یاجوج	وَمَاْجُوْجُ اور ماجوج	وَهُمْ اور وہ	مِنْ سے	كُلِّ ہر	حَدَبٍ بلند ٹیلہ	يَنْسِلُوْنَ پھیلتے (دوڑتے) آئیں گے

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ اصول کے اعتبار سے تمام نوع انسانی کے لئے ایک ہی دین مقرر ہے اور تمام انبیاء اسی دین کو واضح کرنے کے لئے آئے لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور اپنی حرص و ہوا اور خود غرضیوں میں پھنس کر آپس میں پھوٹ ڈال لی۔ نیز بتلایا گیا تھا کہ انجام کار تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجائے گا جب ہر ایک قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔ اب آگے ان آیات میں پہلے اس جزا کی تفصیل ہے اور پھر قرب قیامت کی اہم نشانیوں میں سے یاجوج و ماجوج کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں جزا وسزا اور بدلہ دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں کوئی نیک کام کیا ہوگا اور بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تو اس کی کوئی کوشش اور عمل رائگاں نہ جائے گا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی مومن کی ضائع نہ جائے گی۔ اور اسکا میٹھا پھل مل کر رہے گا۔ ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے اعمال نامہ میں ثبت ہوجاتا ہے جو قیامت میں کھول دیئے جائیں گے۔

مؤمنین کے ذکر کے بعد ان کے مقابل ہلاک ہونے والے کافروں کا بیان ہے یعنی جن کے لئے ہلاک ہونا مقدر ہو چکا ہے وہ کبھی اپنے کفر وعصیاں کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کئے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آ کر گزشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کر لیں۔ پھر ان کی نجات وفلاح کی توقع کدھر سے ہوسکتی ہے۔ ان کے لئے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہو کر پشیمان ہوں گے مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی وہ وقت قیامت کا ہے اور اسی قیامت کی اہم اور قریبی نشانیوں میں سے یاجوج و ماجوج کا نکلنا ہے۔ آگے کچھ قوم یاجوج و ماجوج کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ سولھویں پارہ سورۂ کہف کے خاتمہ کے قریب ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کا ذکر ہو چکا ہے۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہونے سے پہلے دجال ظاہر ہوگا جو قوم یہود سے ہوگا اور عوام میں اس کا لقب

مسیح ہوگا اولاً اس کا ظہور ملک عراق وشام کے درمیان ہوگا جہاں نبوت ورسالت کا دعویٰ کرتا ہوگا پھر اصفہان چلا جائے گا۔ یہاں اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ اور یہیں سے خدائی کا دعویٰ کر کے چاروں طرف فساد کرے گا اور زمین کے اکثر مقامات پر گشت کر کے لوگوں سے اپنے تئیں خدا کہلوائے گا۔ فتنہ دجال کتنا سخت ہوگا اور روئے زمین پر دجال کیا شرارتیں کرے گا ان کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔

الغرض دجال کے شر وفساد کو ختم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد پر اتریں گے اور اسلامی فوج لے کر آپ دجال کے لشکر سے مقابلہ کریں گے اور اس کو قتل کریں گے۔ دجال اور اس کے لشکر کے قتل و غارت کے بعد یاجوج ماجوج کا لشکر دنیا والوں پر ٹوٹ پڑے گا قوم یاجوج و ماجوج اپنی کثرت کی وجہ سے تمام بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو ان ہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یہ معلوم ہوگا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی اور لڑھکتی چلی آ رہی ہیں یہ بھی لوگوں کو قتل و غارت گری کرنے میں بالکل دریغ نہ کریں گے اور سوائے مضبوط قلعہ کے کہیں ان سے خلاصی کی صورت نہ ہوگی۔ قوم یاجوج و ماجوج کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ واللہ اعلم کہ یاجوج و ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ جمہور علماء سے نقل کیا گیا ہے ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حضرت حوا تک نہیں پہنچتا۔ یاجوج و ماجوج کا فتنہ بھی بڑا سخت ہوگا جیسا کہ احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تفصیل سے بتلایا گیا ہے۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ قوم طاعون کے مہلک مرض سے ایک ہی رات میں تباہ و ہلاک ہوجائے گی۔ قوم یاجوج و ماجوج کی ہلاکت کے بعد کچھ عرصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد بڑی خیر وبرکت کا ہوگا بالآخر حضرت عیسیٰؑ انتقال فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ میں مدفون ہوں گے اور پھر قیامت کی بعض دوسری بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی حتیٰ کہ جب تمام اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے تو اہلِ حبش کا غلبہ ہوگا۔ اکثر ممالک میں ان کی سلطنت پھیل جائے گی۔ حبشی خانۂ کعبہ کو ڈھادیں گے۔ حج موقوف ہوجائے گا۔ خداترسی، حق شناسی اور خوفِ آخرت دلوں سے معدوم ہوجائے گا۔ روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا۔ اہل ایمان دنیا سے سب اٹھ چکے ہوں گے کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا صبح ہوتے ہی نفخ صور ہوگا جس کی آواز رفتہ رفتہ سخت اور بلند ہوتے مانند کڑک بجلی کے ہوجائے گی۔ خوف وہیبت سے لوگ مرنے شروع ہوجائیں گے۔ زمین میں زلزلہ آئے گا۔ اور زمین جابجا شق ہوجائے گی۔ بڑے بڑے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریت کے موافق اڑیں گے آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ اور سب کے سب نیست ونابود ہوجائیں گے حتیٰ کہ فرشتے بھی مرجائیں گے۔ سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی اور باقی نہ رہے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد جس کی مقدار سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد از سر نو حکمِ خداوندی سے سلسلۂ پیدائش کی بنیاد قائم ہوگی اور حشر ونشر کے لئے سب زندہ کئے جائیں گے۔ اور ہر ایک کو اپنے اس دنیا میں کئے ہوئے کاموں کی جزا وسزا ملے گی۔

اب آگے وقوع قیامت اور پھر کفار کا قیامت میں جو حال ہوگا اس کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي

اور سچا وعدہ نزدیک آ پہنچے گا تو بس پھر ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ کہ ہائے کم بختی ہماری ہم اس سے

غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی قصوروار تھے۔ بلاشبہ تم اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے۔

أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ

تم سب اس میں داخل ہوگے۔ اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں کیوں جاتے۔ اور سب اس میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ اُن کا

فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ

اس میں شور ہوگا اور وہاں کوئی بات سنیں گے بھی نہیں۔ جن کیلئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہوچکی ہے۔ وہ اس سے (اس قدر)

عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾

دُور کئے جاویں گے (کہ) اُس کی آہٹ بھی نہ سُنیں گے۔ اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾

اُن کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے اُن کا استقبال کریں گے یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس روز

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا

ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی اس طرح اسکو دوبارہ پیدا کردینگے۔

إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا

یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے (اور) ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے۔ اور ہم کتابوں میں لوحِ محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک

عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

میرے نیک بندے ہوں گے۔

وَ اور	اقْتَرَبَ قریب آجائے گا	الْوَعْدُ وعدہ	الْحَقُّ سچا	فَإِذَا تو اچانک	هِيَ وہ	شَاخِصَةٌ اوپر لگی "پھٹی" رہ جائیگی	أَبْصَارُ آنکھیں
الَّذِينَ كَفَرُوا جنہوں نے کفر کیا	يَا وَيْلَنَا ہائے ہماری شامت	قَدْ كُنَّا تحقیق ہم تھے	فِي غَفْلَةٍ غفلت میں	مِنْ هَٰذَا اس سے			
بَلْ كُنَّا بلکہ ہم تھے	ظَالِمِينَ ظالم	إِنَّكُمْ بیشک تم	وَمَا اور جو	تَعْبُدُونَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ سے	دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	
حَصَبُ ایندھن	جَهَنَّمَ جہنم	أَنتُمْ لَهَا تم اس میں	وَارِدُونَ داخل ہونے والے	لَوْ كَانَ اگر ہوتے	هَٰؤُلَاءِ یہ	آلِهَةً معبود	

مَا وَرَدُوْهَا اس میں داخل نہ ہوتے	وَكُلٌّ اور سب	فِيْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ سدا رہیں گے	لَهُمْ ان کیلئے	فِيْهَا وہاں	زَفِيْرٌ چیخ و پکار
وَهُمْ اور وہ	فِيْهَا اس میں	لَا يَسْمَعُوْنَ کچھ نہ سن سکیں گے	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	سَبَقَتْ پہلے ٹھہر چکی	لَهُمْ ان کیلئے
مِنَّا ہماری "طرف" سے	الْحُسْنٰى بھلائی	اُولٰٓئِكَ وہ لوگ	عَنْهَا اس سے	مُبْعَدُوْنَ دور رکھے جائیں گے	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ نہ سنیں گے	
حَسِيْسَهَا اس کی آہٹ	وَهُمْ اور وہ	فِيْ میں	مَا اشْتَهَتْ جو چاہیں گے	اَنْفُسُهُمْ ان کے دل	خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	
لَا يَحْزُنُهُمُ غمگین نہ کرے گی انہیں	الْفَزَعُ گھبراہٹ	الْاَكْبَرُ بڑی	وَتَتَلَقّٰىهُمُ اور لینے آئیں گے انہیں	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	هٰذَا یہ ہے	
يَوْمُكُمُ تمہارا دن	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ تم تھے وعدہ کئے گئے "وعدہ کیا گیا تھا"	يَوْمَ جس دن	نَطْوِي ہم لپیٹ لینگے	السَّمَآءَ آسمان	
كَطَيِّ جیسے لپیٹا جاتا ہے	السِّجِلِّ طومار	لِلْكُتُبِ تحریر کا کاغذ	كَمَا بَدَاْنَآ جیسے ہم نے ابتدا کی	اَوَّلَ پہلی	خَلْقٍ پیدائش	نُّعِيْدُهٗ ہم اسے لوٹا دینگے
وَعْدًا وعدہ	عَلَيْنَا ہم پر	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم ہیں	فٰعِلِيْنَ "پورا" کرنے والے	وَلَقَدْ كَتَبْنَا اور تحقیق ہم نے لکھا	فِي الزَّبُوْرِ زبور میں	
مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ نصیحت کے بعد	اَنَّ کہ	الْاَرْضَ زمین	يَرِثُهَا اس کے وارث	عِبَادِيَ میرے بندے	الصّٰلِحُوْنَ نیک	

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں قرب قیامت کی ایک اہم نشانی یعنی قوم یاجوج و ماجوج کے خروج کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے قریب ان کا بے پناہ لشکر ایسی شدت اور تیز رفتار سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت میں جزا سزا کا وعدہ نزدیک آ لگے گا اس وقت منکروں کی آنکھیں مارے شدت ہول سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور اپنی غفلت پر دستِ حسرت ملیں گے کہ افسوس آج کے دن سے ہم کیسے بے خبر رہے جو ایسی کم بختی آئی۔ کاش ہم دنیا میں اس آفت اور سخت وقت سے بچنے کی فکر کرتے۔ اور بے خبری بھی کیسے کہیں۔ آخر انبیاء علیہم السلام نے تو کھول کھول کر آگاہ کر دیا تھا لیکن ہم نے خود ہی اپنے جانوں پر ظلم کیا کہ ان کا کہا نہ مانا اور برابر شرارتوں اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔ آگے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جو بت پرستی کرتے تھے کہ اس پچھتاوے سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش چھوڑ دو۔ اگر تم ان کے پوجنے سے باز نہ آئے تو دوزخ میں جاؤ گے اور یہ تمہارے معبود بت بھی سارے کے سارے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے تا کہ ان کی ذلت اور بے بسی کا حال تم پر خوب واضح ہو جائے اور تمہاری حسرت وندامت اور بڑھ جائے۔ اس وقت تمہارا چیخنا چلانا کچھ کام نہ آئے گا اور سب عابد و معبود دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ اور شدت ہول اور عذاب کی سخت تکلیف اور اپنے چیخنے چلانے کے شور سے کچھ سنائی نہ دے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ایک وقت جہنمیوں پر ایسا آئے گا جب ہر دوزخی کو ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے اوپر سے کیلیں ٹھوک دی جائیں گی اور جہنم کی تہہ میں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک کو یہی گمان ہوگا کہ جہنم میں اس کے سوا کوئی نہیں۔ تو شاید جہنمیوں کا کچھ نہ سن سکنا اسی وقت کا حال ہو۔ العیاذ باللہ۔

یہ تو کفار ومشرکین کا انجام اور ان کا قیامت میں جو حال ہوگا وہ بیان فرمایا گیا اور انہیں متنبہ کیا گیا کہ تم اور تمہارے معبود سب جہنم کا ایندھن بنیں گے اور وہاں سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ گویا دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی۔ اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان وصالحین کی حالت جو قیامت میں ہوگی وہ بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی کے مستحق ٹھہر چکے ہیں یعنی جو اہل ایمان اور اہل سعادت ہیں وہ دوزخ سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے اور نہایت عیش و آرام کے ساتھ جنت کی دائمی اور ابدی راحتوں اور لذتوں میں سدا رہیں گے۔ قیامت

کے دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کو رنج وغم سے محفوظ رکھے گا۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت وراحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت آئے گی آسمانوں کی صفیں لپیٹ دی جائیں گی جس طرح دستاویز کا لکھا ہوا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے مراد یہ ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی اس کے بعد پھر نئے سرے سے عالم کو بنایا جائے گا اور جس طرح دنیا کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اہلِ ایمان اور صلحا سے جو یہ وعدۂ ثواب ونعمت کا ہوا ہے یہ بہت قدیم اور مؤکد وعدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمام آسمانی کتابوں میں اور لوح محفوظ میں لکھ چکے ہیں کہ اس زمین جنت کے مالک میرے صالح اور نیک بندے ہوں گے تو قدامت اس وعدہ کی اس سے ظاہر ہے کہ اول لوحِ محفوظ میں یہ وعدہ لکھا گیا اور تاکید اس سے ظاہر ہے کہ کوئی کتاب الٰہی اس مضمون سے خالی نہیں۔

الغرض خلاصہ یہ کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور اس روز جنت انہی کو ملے گی جو خدا کے نیک وصالح بندے ہوں گے۔ کفار کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اب یہ سورت خاتمہ کے قریب آ گئی۔ یہاں تک سورت کے بڑے حصہ میں توحید ونبوت کی تحقیق۔ ایمان اور عمل صالح کی فضیلت وآثار وبرکات اور منکرین کے لئے وعید وتنبیہ مذکور ہوئی آگے کی خاتمہ کی آیات میں تمام سورت کا لب لباب و خلاصہ اور فیصلہ کن پیغام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان بندوں میں شامل فرمالیں جن کے لئے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔

یا اللہ! دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہم کو اپنے حفظ وامان میں رکھیے۔ اور اس زندگی میں ہم کو ان اعمال کی توفیق عطا فرمایئے جو آخرت میں ہماری کامیابی وکامرانی کا باعث ہوں۔

یا اللہ! قیامت کی ہول ودہشت اور رسوائی وذلت سے ہم کو پناہ بخشئے اور اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں کے ساتھ ہمیں جنت کی دائمی راحت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ! قیامت اور آخرت تو ضرور آنے والی ہے اور وہ روزِ جزا وسزا یاد کرنے کے قابل ہے مگر ہم دنیا کے مشغلوں میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔

یا اللہ! ہماری غفلت کو دور فرمادے اور ہمیں آخرت کی طرف سے بیدار فرمادے۔ اور دنیوی زندگی کی جو فرصت ہم کو نصیب ہے اس میں اپنی مرضیات کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾

بلاشبہ اس (قرآن) میں (ہدایت کا) کافی مضمون ہے ان لوگوں کیلئے جو بندگی کرنیوالے ہیں، اور ہم نے آپکو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا

آپ فرمادیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اب بھی تم مانتے ہو (یا نہیں) پھر اگر یہ لوگ سرتابی کریں

فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهُ

تو آپ فرمادیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں اور میں یہ جانتا نہیں کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب ہے یا دُور دراز ہے۔ اللہ کو (تمہاری)

يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ

پُکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو (بات) تم دِل میں رکھتے ہو اُس کی بھی خبر ہے۔ اور میں نہیں جانتا شاید وہ (تاخیر عذاب) تمہارے لئے (صورۃً) امتحان

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾ قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ

ہو اور ایک وقت (یعنی موت) تک (زندگی سے) فائدہ پہنچانا ہو۔ پیغمبرؐ نے کہا کہ اے میرے رب فیصلہ کردیجئے حق کے موافق اور (پیغمبر نے کفار سے یہ بھی فرمایا کہ)

الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾

ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو۔

اِنَّ بیشک	فِیْ هٰذَا اس میں	لَبَلٰغًا پہنچادینا	لِقَوْمٍ لوگوں کیلئے	عٰبِدِیْنَ عبادت گزار	وَ اور	مَا نہیں	اَرْسَلْنٰكَ ہم نے بھیجا آپ کو
اِلَّا مگر	رَحْمَةً رحمت	لِلْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کیلئے	قُلْ فرمادیں	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	یُوْحٰی وحی کی گئی	اِلَیَّ میری طرف	
اَنَّمَا کہ بس	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود	اِلٰهٌ معبود	وَاحِدٌ واحد	فَهَلْ پس کیا	اَنْتُمْ تم	مُسْلِمُوْنَ حکم بردار	فَاِنْ پھر اگر
تَوَلَّوْا وہ روگردانی کریں	فَقُلْ تو کہہ دو	اٰذَنْتُكُمْ میں نے تمہیں خبردار کردیا	عَلٰی سَوَآءٍ برابری پر	وَاِنْ اور نہیں	اَدْرِیْ جانتا میں		
اَقَرِیْبٌ کیا قریب؟	اَمْ بَعِیْدٌ یا دور	مَا تُوْعَدُوْنَ جو تم سے وعدہ کیا گیا	اِنَّهٗ بیشک وہ	یَعْلَمُ وہ جانتا ہے	الْجَهْرَ پکارنا	مِنَ الْقَوْلِ بات کو	
وَیَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تَكْتُمُوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَاِنْ اَدْرِیْ اور میں نہیں جانتا	لَعَلَّهٗ شاید وہ	فِتْنَةٌ آزمائش	لَكُمْ تمہارے لئے		
وَمَتَاعٌ اور فائدہ پہنچانا	اِلٰی حِیْنٍ ایک مدت تک	قٰلَ اس "نبی" نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اُحْكُمْ تو فیصلہ فرما	بِالْحَقِّ حق کیساتھ		
وَرَبُّنَا اور ہمارا رب	الرَّحْمٰنُ نہایت مہربان	الْمُسْتَعَانُ جس سے مدد طلب کی جاتی ہے	عَلٰی پر	مَا تَصِفُوْنَ جو تم بیان کرتے ہو			

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ انبیاء کی آخری آیات ہیں اور تمام سورۂ کا خلاصہ اور لب لباب یعنی مضامین توحید ونبوت کی تحقیق اور منکرین کے لئے وعید۔ اسلام کی دعوت اور اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اب تک جو مضامین اس سورت میں مذکور ہوئے۔ جو عظیم بشارات وہدایات پر مشتمل ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں کافی مضمون منفعت وکامیابی موجود ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بدبخت اس رحمتِ

عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالمتاب سے روشنی و گرمی کا فیض ہر جگہ اور ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی آفتاب کے فیض عام میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت تھے یعنی آپ نے دنیا کو ایسا درس ہدایت دیا اور تمام اہلِ عالم کے سامنے ایسا قانون پیش کیا کہ جو بھی اس کو مانے اور اس کی ہدایت پر چلے وہ کامران و بامراد ہو سکتا ہے۔ عربی ہو یا عجمی۔ مغربی ہو یا مشرقی۔ گورا ہو یا کالا۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ امیر ہو یا غریب ہر کسی کو قرآن کریم سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا۔ دوسرے انبیاء چونکہ اپنی اپنی قوم کے لئے ہادی تھے اس لئے وہ صرف اپنی قوم کے لئے رحمت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا قرآن اور آپ کی لائی ہوئی شریعت جس میں یہ صلاحیت ہے کہ قیامت تک کی تمام ضروریات کو پورا کر سکے اور جوں کا توں اپنی اصلی شکل پر قائم رہتے ہوئے تمام دنیا کے لئے پیامِ ہدایت اور درسِ نصیحت اور ضابطۂ عمل بن سکے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ آپ تمام لوگوں سے صاف طور پر کہہ دیں کہ جو رحمتِ عظیمہ لے کر آپ تشریف لائے ہیں اس کا لب لباب توحید کامل ہے اور یہ ایسا صاف اور واضح مضمون ہے جس کے قبول کرنے میں آدمی کو کچھ پس و پیش نہ ہونا چاہئے۔ پس اے منکرین کیا تم حکم ماننے اور حق کے سامنے گردن جھکانے کو تیار ہو تو فبہا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکے۔ تم اپنا انجام سوچ لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اتنا صاف سمجھانے اور اتمام حجت کے بعد بھی یہ منکرین نہ مانیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو خبردار کر چکا اور تم کو سب بھلائی برائی اور ان کے نتیجوں سے پوری طرح آگاہ کر چکا۔ نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے اور ہمیشہ کے دردناک عذاب میں مبتلا ہو گے۔ انکار پر جو سزا مرتب ہوگی اس کی اطلاع کر چکا سو اب نہ مجھ پر کوئی بار رہا اور نہ تم کو کوئی عذر رہا۔ تمہارے نہ ماننے پر جو عذاب کا وعدہ ہے وقوع تو اس کا ضرور بالضرور ہو کر رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ ہر چھپی کھلی بات کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس بات کی کیا جزا سزا ملنی چاہئے اور کب ملنی چاہئے۔ قریب زمانہ میں یا دور دراز وقت میں اور تاخیر عذاب سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عذاب واقع ہی نہ ہوگا۔ تاخیر عذاب میں ممکن ہے تم کو جانچنا ہو اور تمہاری آزمائش منظور ہو کہ اس مدت میں سمجھ کر شرارت و انکار چھوڑ دو یا محض ڈھیل دینا ہو کہ ایک مدت تک دنیا میں پھنس کر شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر لو۔ یہ سارا پیغام پہنچا کر سورۃ کی بالکل آخری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے رب ہمارے اور ان سرکشوں و کافروں کے درمیان حق کے موافق فیصلہ فرما دیجئے تاکہ حجت اور زیادہ تام ہو جاوے اور یہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ ہمارا رب ہم پر بڑا مہربان ہے ہم اسی کے آگے فریاد کرتے ہیں۔ اور اے مشرکین یہ جو تم ڈینگیں مارتے پھرتے ہو اور دھمکیاں دیتے ہو تو تمہاری خرافات کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو یہی دعا پڑھتے جس پر یہ سورۃ ختم ہوئی ہے یعنی رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (یعنی اے رب حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما۔ ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو اے کفار تم بیان کیا کرتے ہو)

اس سورۃ کی ابتداء میں بھی قرب قیامت اور حسابِ آخرت کا ذکر تھا اور سورۃ کے اخیر میں بھی یہی مضمون ذکر فرمایا اور اسی مضمون پر سورۃ کو ختم فرمایا اس طرح خاتمہ سورت کو ابتداء سورۃ کے ساتھ نہایت درجہ مناسبت ہوگئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔ جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے

كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ

اُس روز تمام دُودھ پلانے والیاں اپنے دُودھ پیتے بچہ کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ

سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

نشہ کی سی حالت میں دکھائی دینگے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے ولیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اتَّقُوْا ڈرو	رَبَّكُمْ اپنا رب	اِنَّ بیشک	زَلْزَلَةَ زلزلہ	السَّاعَةِ قیامت	شَيْءٌ چیز	عَظِيْمٌ بڑی بھاری
يَوْمَ جس دن	تَرَوْنَهَا تم دیکھو گے اسے	تَذْهَلُ بھول جائے گی	كُلُّ مُرْضِعَةٍ ہر دودھ پلانے والی	عَمَّا جس کو	اَرْضَعَتْ وہ دودھ پلاتی ہے		
وَتَضَعُ اور گرادے گی	كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ ہر حمل والی حاملہ	حَمْلَهَا اپنا حمل	وَتَرَى اور تو دیکھے گا	النَّاسَ لوگ	سُكٰرٰى نشہ میں		
وَمَا هُمْ اور حالانکہ نہیں	بِسُكٰرٰى نشہ میں	وَلٰكِنَّ اور لیکن	عَذَابَ اللّٰهِ اللہ کا عذاب	شَدِيْدٌ سخت			

تفسیر وتشریح:۔ الحمد للہ اب سترہویں پارہ کی سورۃ الحج کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس سورۃ کا ابتدائی حصہ عمدہ روزی یعنی نعمائے جنت کا وعدہ فرمایا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور تصرفات کا اظہار فرما کر بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو انسان کا خادم بنایا۔ یہ حق تعالیٰ کی یقیناً مخلوق پر بڑی مہربانی اور رحمت ہے۔ کہ بلا ان کی درخواست کے ان کی راحت کا اس قدر اہتمام فرمایا۔ اس سے انسانوں کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جس خدا کی مہربانی اور رحمت کی یہ حالت ہو اسی کی مخالفت کرنا یہ کونسی عقل تجویز کرسکتی ہے پس لوگوں کو چاہیئے کہ اس کی مخالفت سے باز آجائیں۔ اور غیر اللہ کی پرستش کو ترک کردیں۔ غیر اللہ کی پرستش اور بندگی تو ایسا ظلم اور ناانصافی ہے کہ جس کی حد نہیں جس

پر جہنم کی وعید سنائی گئی۔ پھر غیر اللہ کی بیکسی کا حال بیان کیا گیا کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے کہ وہ ایک مکھی تک تو پیدا نہیں کرسکتے اور پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ تو ایسے عاجز ہیں کہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ بتوں کی بے کسی اور بے بسی بتلا کر توحید کی دعوت دی گئی۔ پھر اسی طرح مسئلہ رسالت کو سمجھایا گیا اور اخیر میں اہلِ ایمان و اہلِ اسلام کو ہدایت کی گئی کہ اگر یہ منکر کافر نہیں مانتے تو نہ سہی تم تو برابر اطاعت و عبادتِ خداوندی میں لگے رہو اور اعمالِ صالحہ کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ تم حق تعالیٰ کی اطاعت میں ایسی کوشش کرو جیسی کرنی چاہیئے۔ تمہیں حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی اور اللہ

نے تمہارا نام یعنی لقب مسلم رکھا پس تم دنیا میں خصوصیت کے ساتھ نماز کی پابندی رکھو۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ اسی کا سہارا ڈھونڈو۔ وہی سارے کام بنانے والا ہے اور وہ اپنے بندوں کا سب سے اچھا رفیق اور سب سے اچھا مددگار ہے۔ یہ ہے خلاصہ مضامین اس پوری سورت کا۔

الحاصل اس پوری سورت میں جگہ جگہ مناسب مواقع پر تذکیر و نصیحت بھی ہے اور شرک کے خلاف اور توحید و آخرت کے حق میں مؤثر دلائل بھی ہیں۔

بعض مفسرین نے صراحت کی ہے کہ یہ عجیب سورت ہے۔ اس کا کچھ حصہ رات میں کچھ حصہ دن میں نازل ہوا۔ کچھ سفر میں اور کچھ حضر میں اُترا۔ کچھ مکی ہے اور کچھ مدنی کسی آیت کا صلح کے متعلق نزول ہوا کسی کا جنگ کے متعلق۔ کوئی ناسخ ہے کوئی منسوخ۔ کوئی محکم ہے کوئی متشابہ۔

اب ان ابتدائی آیات کی تشریح ملاحظہ ہو:۔

سورت کی ابتداء احوال قیامت کے دہشتناک ذکر سے کی گئی ہے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ اس لئے تاکہ انسانوں کو پرہیزگاری اور خداترسی اور عبادت کی طرف کامل رغبت ہو اور دل میں خوف رہے۔ یہاں ابتدائی آیات میں سب سے پہلے اپنے رب سے ڈرنے اور تقویٰ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر آنے والے دہشت ناک امور سے ڈرایا جارہا ہے خصوصاً قیامت کے زلزلہ سے۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں جس زلزلہ کا ذکر ہے یہ قیامت سے پہلے ہوگا اور قیامت کی طرف اس کی اضافت بوجہ قرب اور نزدیکی کے ہے۔ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ صور پھونکیں گے جس سے کل زمین اور آسمان والے گھبرا اٹھیں گے زمین کپکپانے اور لرزنے لگے گی۔ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر اڑتے پھریں گے۔ لوگ ادھر ادھر پریشان حیران بھاگنے دوڑنے لگیں گے۔ اس روز حاملہ عورتوں کے خوف ودہشت سے حمل گر جائیں گے اور دودھ پلانے والیاں باوجود اس کے کہ بچہ سے بڑی محبت ہوتی ہے بچہ کو بھی اس پریشانی اور بدحواسی میں بھول جاویں گی اور اس دہشت سے لوگ متوالے کی طرح بدحواس ہوں گے اور وہ بدحواسی کسی نشہ کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ عذابِ الٰہی کی بدحواسی ہوگی۔ جیسا کہ احادیث میں روایات آئی ہیں اہلِ ایمان سے اس وقت روئے زمین پر ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ سب پہلے ہی اٹھ جائیں گے۔ کفار۔ اشرار اور بدکردار رہ جائیں گے جو اس وقت کو دیکھیں گے۔ پھر تمام دنیا نیست و نابود ہو کر پھر دوبارہ ایک اور عالم پیدا ہوگا۔ نیا آسمان نئی زمین قائم ہوگی۔ لوگ زندہ ہو جائیں گے۔ اور حشر برپا ہوگا۔

اب آگے جو قیامت اور حشر نشر کے منکرین ہیں ان پر رد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو تقویٰ کی دولت عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر آن آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں۔ یا اللہ! ہمارے قلوب میں اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرما کہ جو ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور قیامت کی ہولناکیوں، ذلت اور رسوائیوں سے بچالے۔ یا اللہ! ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرما۔ اور اسی پر جینا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ یا اللہ! قیامت کے زلزلہ سے ہم کفار مشرکین اور منکرین قیامت کو کیا خوف دلائیں۔ ہم جو قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ہم ہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کے مزوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور آپ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

یا اللہ! آخرت کی طرف سے ہمارے دلوں سے غفلت کو دور فرمادے۔ اور اس دنیا میں اپنی مرضیات والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے تاکہ ہم آخرت میں آپ کے عذاب سے بچ جائیں اور آپ کی رحمت عنایت اور مغفرت کے مورد بن جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے جانے بُوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ جس کی نسبت یہ بات لکھی

أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيْهِ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ

جاچکی ہے کہ جو شخص اُس سے تعلق رکھے گا تو اُس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اسکو بے راہ کر دیگا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دے گا۔ اے لوگو اگر تم

فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ

دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے (اول) تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر

مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَآءُ إِلٰٓى

بوٹی سے کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے اور (بعضی) ادھوری بھی تا کہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں اور ہم رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں

أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا أَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ

ایک مدت معین تک ٹھیرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تا کہ اپنی بھری ہوئی جوانی تک پہنچ جاؤ اور بعضے تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی)

يُّرَدُّ إِلٰٓى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ

مر جاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچا دیئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں۔

وَ اور	مِنَ النَّاسِ کچھ لوگ جو	مَنْ جو	يُجَادِلُ جھگڑا کرتے ہیں	فِي اللّٰهِ اللہ کے بارہ	میں	بِغَيْرِ عِلْمٍ بے جانے بوجھے
وَيَتَّبِعُ اور پیروی کرتے ہیں	كُلَّ شَيْطٰنٍ ہر شیطان	مَرِيْدٍ سرکش	كُتِبَ عَلَيْهِ اس پر اسکی نسبت	لکھ دیا گیا	أَنَّهُ کہ وہ	
مَنْ تَوَلَّاهُ جو دوستی کریگا اس سے	فَأَنَّهُ تو وہ بیشک	يُضِلُّهُ اسے گمراہ کرے گا	وَيَهْدِيْهِ اور راہ دکھائے گا اسے	إِلٰى طرف	عَذَابِ عذاب	
السَّعِيْرِ دوزخ	يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	إِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	فِيْ رَيْبٍ شک میں	مِنَ سے	الْبَعْثِ جی اٹھنا	فَإِنَّا تو بیشک ہم
خَلَقْنٰكُمْ ہم نے پیدا کیا تمہیں	مِنْ تُرَابٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر	مِنْ نُطْفَةٍ نطفہ سے	ثُمَّ پھر	مِنْ عَلَقَةٍ جمے ہوئے خون سے	ثُمَّ پھر
مِنْ مُضْغَةٍ گوشت کی بوٹی سے	مُخَلَّقَةٍ صورت بنی ہوئی	وَ اور	غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ بغیر صورت بنی	لِنُبَيِّنَ تا کہ ہم ظاہر کر دیں	لَكُمْ تمہارے لئے	
وَنُقِرُّ اور ہم ٹھہراتے ہیں	فِي الْأَرْحَامِ رحموں میں	مَا نَشَآءُ جو ہم چاہیں	إِلٰٓى تک	أَجَلٍ مُسَمًّى ایک مدت مقررہ	ثُمَّ پھر	
نُخْرِجُكُمْ ہم نکالتے ہیں تمہیں	طِفْلًا بچہ	ثُمَّ پھر	لِتَبْلُغُوْٓا تا کہ تم پہنچو	أَشُدَّكُمْ اپنی جوانی	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مَنْ کوئی
يُتَوَفّٰى فوت ہو جاتا ہے	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مَنْ کوئی	يُرَدُّ پہنچتا ہے	إِلٰٓى تک	أَرْذَلِ الْعُمُرِ نکمی عمر	لِكَيْلَا يَعْلَمَ تا کہ وہ نہ جانے
مِنْ بَعْدِ بعد	عِلْمٍ علم جاننا	شَيْـًٔا کچھ				

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ ابتدائی آیات میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اور بعض احوال قیامت کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ چونکہ بعض کفار اور مشرکین امکان و وقوع قیامت اور بعث بعد الموت یعنی مَر کر دوبارہ زندہ ہونے اور حشر و نشر، جزا و سزا کے منکر تھے اس لئے آگے منکرین پر رد فرمایا جاتا ہے اور بعث بعد الموت یعنی موت کے بعد پھر زندہ ہونا اس پر دو دلیلیں بیان فرمائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن باتوں کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب کے ذریعہ دیتے ہیں ان میں یہ کفار و مشرکین جھگڑتے اور کج بحثیاں کرتے ہیں اور جہل و بے خبری سے عجیب احمقانہ شبہات پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت اور حشر و نشر اور جزا و سزا پر ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہوگئیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا۔ حق تعالیٰ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی صحیح علم نہیں۔ یہ فرمانِ خدا سے ہٹ کر اور نبی کی تابعداری چھوڑ کر سرکش انسانوں اور جنات کی ماتحتی کررہے ہیں اور یہ جس کی مانتے ہیں وہ شیطان ازلی مردود ہے جو اپنی تقلید کرنے والوں کو بہکاتا رہتا ہے اور آخر عذابِ جہنم میں پھانس دیتا ہے۔ شیطان مردود کے متعلق تو یہ طے شدہ امر ہے کہ جو اس کی رفاقت اور پیروی کرے وہ اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبتا ہے اور گمراہ کر کے دوزخ سے ورے نہیں چھوڑتا۔ اب آگے دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر تم کو قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہو اور یہ دھوکا لگ رہا ہو کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے تو تم خود اپنی پیدائش میں غور کرو کہ کس طرح ہوئی ہے۔ تم اپنی اصلیت پر غور کر کے دیکھو کہ اللہ نے تمہیں اول مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جو سب انسانوں کی اصل ہیں اور جن کی نسل تم سب ہو مٹی سے پیدا ہوئے پھر تم کو قطرہ منی سے بنایا۔ اور کس طرح بنایا اور کیسے تمہاری تشکیل و تخلیق ہوئی اس کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ نطفہ کو جو پانی کا سا ایک قطرہ ہے جما ہوا خون بنا دیتے ہیں۔ پھر خون سے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر لوتھڑے سے جسم انسانی کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، ناک بنا دیئے جاتے ہیں اور یہ تغیر و تبدل مقررہ قاعدوں کے مطابق ہوتا ہے اور جتنی مدت رحم مادر میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہراتے ہیں اور جسے ٹھہرانا نہیں چاہتے وہ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ حمل کی مدت مقرر ہے جو کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال اور بعض کے نزدیک ۴ سال ہے۔

رحمِ مادر میں انسان کی تخلیق کا حال جو یہاں آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا مادہ ۴۰ روز تک رحم میں جمع رہتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے۔ پھر ۴۰ ہی دن میں مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی فرشتہ کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے۔ دوسرے اس کا رزق کتنا ہے۔ تیسرے وہ کیا کیا عمل کرے گا چوتھے یہ کہ انجام کار یہ شقی و بدبخت ہوگا یا سعید و نیک بخت۔ غرض ماں کے پیٹ میں نطفہ کی تربیت ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ جیتا جاگتا بچہ بن جاتا ہے اور پھر مکمل شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر نکالا جاتا ہے۔ پھر باہر آ کر اس کی نشوونما و تربیت جاری رہتی ہے اور بتدریج بہت سے منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور ناتواں ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں اور

1 انتہائی ضعیف اور کمزور ہوتی ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی اندرونی اور بیرونی قوتیں جوانی کے وقت پورے کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر بعض تو جوانی ہی میں مرجاتے ہیں اور بعض بڑھاپے تک زندہ رہتے ہیں۔ بعض یہاں تک پہنچتے ہیں کہ آدمی کے اعضاء و قویٰ جواب دے دیتے ہیں۔ وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکمے ہوجاتے ہیں۔ سمجھ اور حافظہ کمزور ہوجاتا ہے اور جو کچھ سیکھا تھا بھول بھال جاتا ہے۔ علم و دانش جان کر پھر نادان بچوں جیسا ہوجاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل العمر یعنی ایسی عمر جس میں انسان کے عقل وشعور اور ہوش وحواس میں خلل آجائے پناہ مانگی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی ناکارہ عمر سے کہ جس میں ہوش وحواس اور عقل وشعور قائم نہ رہے، ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور مرتے دم تک ہوش وحواس۔ بینائی وسماعت وطاقت قائم رکھے۔ آمین

پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کرسکتا ہے اور اخیر میں انتہا کے بعد پھر ابتداء کی طرف لوٹا سکتا ہے تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں سے دوبارہ انسان کو پیدا نہیں کرسکتا۔ بیشک کرسکتا ہے اور ضرور کرے گا پس قیامت کو نہ ماننا اور دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان نہ لانا حماقت اور بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

بعث بعد الموت یعنی مرکر قیامت میں دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنے کی ایک دلیل جو کائناتِ انسانی سے متعلق تھی ان آیات میں دی گئی اب کائنات انسانی سے ہٹ کر دوسری دلیل بے حس و بے عقل زمین کی حالت سے آگے دی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تروتازہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو یقین صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں تاکہ ہم کو حق تعالیٰ کے احکامات جو آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی کتاب قرآن پاک کے ذریعہ سے پہنچے ہیں ان کا اتباع کامل اور پوری تابعداری نصیب ہو۔

یا اللہ شیطان کی کجروی اور گمراہی اور اس کے شر ووساوس سے ہماری حفاظت فرما۔

یا اللہ آخرت وقیامت پر یقین وایمان کے ساتھ اس دن کے لئے ہمہ وقت تیاری کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ دنیا میں ہم کو جو زندگی اور عمر آپ نے عطا کی ہے اس کو اپنی رضا میں صرف کرنے کی ہمت اور توفیق وسعادت نصیب فرما۔

یا اللہ دین کی باتوں میں شک اور شبہات سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے اور مرتے دم تک ہم کو صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائیے۔ یا اللہ! ایسی نکمی عمر تک پہنچ جانے سے کہ جب عقل وشعور، ہوش وحواس قوت وطاقت، بینائی وسماعت قائم نہ رہے ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں یا اللہ! مرتے دم تک اپنی طاعت وعبادت میں لگائے رکھئے اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ

اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ

نباتات اُگاتی ہے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝٧

قادر ہے۔ اور قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کردیگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝٨ ثَانِيَ عِطْفِهٖ

اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت اور بدوں دلیل اور بدوں کسی روشن کتاب کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ

اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں۔ ایسے شخص کیلئے دُنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھا دیں گے۔

الْحَرِيْقِ ۝٩ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝١٠ ع

کہ یہ تیرے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے۔ اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

وَتَرَى اور تو دیکھتا ہے	الْاَرْضَ زمین	هَامِدَةً خشک پڑی ہوئی	فَاِذَا پھر جب	اَنْزَلْنَا ہم نے اتارا	عَلَيْهَا اس پر	الْمَآءَ پانی		
اهْتَزَّتْ وہ تروتازہ ہوگئی	وَرَبَتْ اور اُبھر آئی	وَاَنْۢبَتَتْ اور اُگا لائی	مِنْ سے	كُلِّ زَوْجٍ ہر جوڑا	بَهِيْجٍ رونق دار	ذٰلِكَ یہ		
بِاَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی برحق	وَاَنَّهٗ اور یہ کہ وہ	يُحْيِ زندہ کرتا ہے	الْمَوْتٰى مُردوں	وَاَنَّهٗ اور یہ کہ وہ	عَلٰى پر	
كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	وَاَنَّ اور یہ کہ	السَّاعَةَ گھڑی (قیامت)	اٰتِيَةٌ آنے والی	لَا رَيْبَ فِيْهَا نہیں شک			
وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	يَبْعَثُ اٹھائے گا	مَنْ جو	فِي الْقُبُوْرِ قبروں میں	وَ اور	مِنَ النَّاسِ لوگوں میں سے	مَنْ جو	يُّجَادِلُ جھگڑتا ہے
فِي اللّٰهِ اللہ (کے بارے) میں	بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر کسی علم	وَ اور	لَا هُدًى بغیر کسی دلیل	وَلَا اور بغیر کسی	كِتٰبٍ کتاب	مُّنِيْرٍ روشن		
ثَانِيَ عِطْفِهٖ موڑے ہوئے اپنی گردن	لِيُضِلَّ تاکہ گمراہ کرے	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	لَهٗ اس کیلئے	فِي الدُّنْيَا دنیا میں			
خِزْيٌ رسوائی	وَ اور	نُذِيْقُهٗ ہم اسے چکھائیں گے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	عَذَابَ عذاب	الْحَرِيْقِ جلتی آگ	ذٰلِكَ بِمَا یہ اس سبب جو		
قَدَّمَتْ آگے بھیجا	يَدٰكَ تیرے ہاتھ	وَ اور	اَنَّ اللّٰهَ یہ کہ اللہ	لَيْسَ نہیں	بِظَلَّامٍ ظلم کرنے والا	لِّلْعَبِيْدِ اپنے بندوں پر		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں قیامت اور مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونے پر منکرین کو ایک دلیل پیش کی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا اور پھر عام انسانوں کو قطرۂ منی سے بنایا جاتا ہے اس طرح پر کہ رحم مادر میں نطفہ کچھ ایام میں تبدیل ہو کر جما ہوا خون بن جاتا ہے اور پھر خون سے گوشت کا لوتھڑا اور پھر جیتا جاگتا انسان تو انسان اگر خود اپنی

پیدائش پر غور کرے کہ اس کی اصل کیا تھی اور کتنا عرصہ گزرنے کے بعد یہ آدمی بنا تو اسی کو سمجھ کر بعث بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جو خدا ان باتوں پر قادر ہے کہ ایک قطرہ منی سے جیتا جاگتا انسان پیدا کر سکتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ انسان کو مار کر دوبارہ پھر اسے زندہ کر دے؟

تو ایک دلیل خود کائناتِ انسانی سے متعلق گزشتہ آیات میں پیش کی گئی تھی اب آگے ان آیات میں دوسری دلیل پیش کی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ انسان اس زمین ہی کو دیکھے جو ہر وقت اس کے قدموں کے نیچے ہے کہ کیسی خشک اور چٹیل میدان پڑی تھی۔ ابرِ رحمت سے پانی برستا ہے۔ بے جان مٹی میں جان پڑ جاتی ہے۔ خشک زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ سبزہ بڑھتا ہے اور قسم قسم کے خوش منظر۔ فرحت بخش اور نشاط افزا پودے اگتے ہیں۔ اللہ کی اس قدرتِ کاملہ کو اکثر انسان دیکھتے ہیں۔ تو مردہ اور خشک زمین جب بارش کے پانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے تو ماء الحیات برسا کر انسان کو نباتات کی طرح دوسری بار کیا خدا نہیں پیدا کر سکتا؟

غور کرنے کی بات ہے کہ جس قادرِ مطلق اور صانع حقیقی نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے انسان کو ایسی عجیب و غریب صنعت کے ساتھ پیدا کیا۔ کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کی زندگی بیکار بلا کسی مقصد کے بنائی ہوگی۔ اتنی بڑی دنیا اتنے سروسامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ اس کا حساب کبھی نہ لے گا؟ کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے نیک و بد، اچھے برے اعمال کی جانچ اور بازپرس کے لئے کبھی عدالت قائم نہ ہوگی؟ یقیناً ایسا ہونا چاہئے اور ہوگا۔ قیامت اور زندگی مابعد موت خدائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضہ ہے جہاں سعید و شقی، نیک و بد، مجرم و وفادار صاف صاف طور پر الگ الگ ہوں اور اپنی اپنی جزا و سزا پائیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے واضح دلائل و شواہد سننے کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایسی کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر بھی بعض کجرو اور ضدی لوگ اللہ عزوجل کی کامل ہستی کو نہیں مانتے اور اس کے رسول کی قدر نہیں کرتے اور اس کی کتاب کو نہیں مانتے اور اللہ کی باتوں میں یونہی بے سند شک و شبہات اور جھگڑے کرتے رہتے ہیں ان کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے اور نہ دلیل۔ محض اپنے اوہام و ظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی اعراض و تکبر اور رعونت و غرور برتتے ہیں اور غرض اس سے ان کی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی ایمان اور یقین کی راہ سے ہٹا دیں اور خود تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔ ایسے لوگوں کے متعلق بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلیل و رسوا کرے گا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔ جب قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو عذابِ جہنم کی سزا دی جائے گی تو کہا جائے گا کہ خدا کی طرف سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں۔ یہ خود اپنے ہاتھوں کی کمائی اور کرتوت ہے جس کا مزہ آج تو اے انسان چکھ رہا ہے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیات نضر بن حارث اور ابو جہل جیسے سردارانِ کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو محض معاند تھے۔ انکار حشر و نشر ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس نہ کوئی علم بدیہی تھا۔ نہ نظری ہدایت نہ الہام و وحی اور مقصود ان کا اس عناد اور بغض راہِ حق سے صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق پر دوسروں کو لبیک نہ کہنے دیں اور اسلام و ایمان قبول کرنے سے باز رکھیں۔ ان کے اس کبر و غرور کی سزا بیان فرمائی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی خوار و ذلیل کرے گا اور آخرت میں عذاب الیم میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ چنانچہ نضر بن حارث اور ابوجہل کیسی ذلت اور رسوائی کے ساتھ بدر کی لڑائی

میں اہل اسلام کے ہاتھوں قتل کئے گئے اور کتوں کی طرح سے ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ یہ تو رہی دنیا کی ذلت اور رسوائی اور قیامت کے روز جہنم کا عذاب علیحدہ بھگتنا ہوگا۔ بعض مفسرین نے ان آیات کو تمام منکرین اور کفار مکہ سے متعلق رکھا ہے۔ ان آیات میں یہی مضمون فرمایا گیا ہے۔

تو گذشتہ اور ان آیات میں انسان کی پیدائش اور زمین سے نباتات کی پیداوار کی دو مثالیں بیان فرما کر یہاں حق تعالیٰ خود ان پانچ حقیقتوں کو بیان فرماتے ہیں جو ان دو مثالوں سے ثابت ہوتی ہیں۔ وہ پانچ حقیقتیں یہ ہیں۔

ایک یہ کہ یقیناً بالتحقیق اللہ موجود ہے جو اپنی ہستی میں کامل ہے ورنہ ایسی منظم اور حکیمانہ صنعتیں کہاں سے ظاہر ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ وہ ہی مردہ اور بے جان چیزوں کو زندہ اور جان دار بنا دیتا ہے اور بے جانوں میں جان ڈالتا ہے چنانچہ مشتِ خاک یا قطرہ آب سے انسان بنا دینا اور خشک زمین میں روح نباتاتی پھونک کر اس کو سرسبز بنا دینا اس پر شاہد ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہر چیز اس کی قدرت کے ماتحت اور نیچے نہ ہوتی تو ہرگز یہ کام یعنی مشتِ خاک یا قطرۂ حقیر سے جیتا جاگتا انسان بنا دینا یا مردہ خشک زمین سے پانی پڑتے ہی سبزہ کا اگا دینا نہ ہو سکتے تھے۔

چوتھے یہ کہ قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں قبر والوں کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ یعنی جتنے لوگ مر چکے ہوں گے ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور اس زندگی میں دنیا کی زندگی کی جزا و سزا واقع ہونی ہے۔

گزشتہ آیت میں پہلے ان منکرین کا ذکر ہوا جو خود گمراہ تھے اور ان آیات میں ان منکرین کا ذکر ہے جو خود ہی گمراہ نہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔ اب اگلی آیات میں ایک تیسرے گروہ یعنی منافقین یا مذبذبین یا مرتدین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! دین اسلام اور قرآن وسنت کی باتوں میں شک وشبہ اور وساوس شیطانیہ سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمایئے۔ اور صحیح علم اور عمل کی اپنے احکام کے مطابق توفیق عطا فرمایئے۔

یا اللہ! مخالفین اسلام اور منکرین ایمان کو دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی نصیب فرما اور آخرت کا عذاب تو ان کے لئے مقدر ہی ہے جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

یا اللہ! ہمیں ہدایت نصیب فرمایئے اور دوسروں کو بھی ہدایت کی راہ بتلانے والا بنایئے، اور دنیا میں بھی عزت اور غلبہ نصیب فرمایئے۔ اور آخرت میں اپنی مغفرت ورحمت سے نوازیئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

اور بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارہ پر پھر اگر اس کو کوئی نفع پہنچ گیا تو اُسکی وجہ سے قرار پالیا۔اور اگر اُس پر کچھ

فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا

آزمائش ہوگئی تو منہ اُٹھا کر چل دیا دنیا اور آخرت دونوں کو کھو بیٹھا۔یہی کھلا نقصان ہے۔خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرنے لگا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا

جو نہ اُس کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ اُس کو نفع پہنچا سکتا ہے یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔وہ ایسے کی عبادت کررہا ہے کہ

لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

کہ اُس کا ضرر بہ نسبت اُس کے نفع سے زیادہ قریب الوقوع ہے۔ایسا کارساز بھی بُرا اور ایسا رفیق بھی بُرا۔

وَ اور	مِنَ سے	النَّاسِ لوگ	مَنْ جو	يَعْبُدُ بندگی کرتا ہے	اللّٰهَ اللہ	عَلٰى پر	حَرْفٍ ایک کنارہ	فَاِنْ پھر اگر	اَصَابَهٗ اسے پہنچ گئی
خَيْرُ بھلائی	اطْمَاَنَّ تو اطمینان پالیا	بِهٖ اس سے	وَاِنْ اور اگر	اَصَابَتْهُ اسے پہنچی	فِتْنَةُ کوئی آزمائش	انْقَلَبَ تو پلٹ گیا	عَلٰى پر-بل		
وَجْهِهٖ اپنا منہ	خَسِرَ الدُّنْيَا دنیا کا فساد	وَالْاٰخِرَةَ اور آخرت	ذٰلِكَ یہ ہے	هُوَ الْخُسْرَانُ وہ گھاٹا	الْمُبِيْنُ کھلا	يَدْعُوْا پکارتا ہے وہ			
مِنْ سے	دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَا يَضُرُّهٗ نہ اسے نقصان پہنچائے	وَمَا اور جو	لَا يَنْفَعُهٗ نہ اسے نفع پہنچائے	ذٰلِكَ یہ ہے			
هُوَ وہ	الضَّلٰلُ گمراہی	الْبَعِيْدُ دُور-انتہا درجہ	يَدْعُوْا وہ پکارتا ہے	لَمَنْ اس کو جو	ضَرُّهٗ اس کا ضرر	اَقْرَبُ زیادہ قریب			
مِنْ نَّفْعِهٖ اس کے نفع سے	لَبِئْسَ بیشک بُرا	الْمَوْلٰى دوست	وَلَبِئْسَ اور بیشک بُرا	الْعَشِيْرُ رفیق					

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کو جو قیامت اور حشر ونشر کے منکر تھے ان کی مذمت فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ قیامت ضرور آنی ہے اور سب کو دوبارہ زندہ ہوکر اپنے کیئے کی جزا سزا ملنا یقینی ہے۔اس طرح مشرکین مکہ کو متنبہ کیا گیا تھا کہ تم نے اگر ضد وہٹ دھرمی سے اپنے جاہلانہ اور باطل خیالات پر اصرار کیا اور دین حق کو جھٹلاتے رہے تو تمہارے لئے دنیا میں بھی رسوائی وذلت آنی ہے اور قیامت میں عذاب جہنم چکھنا ہوگا۔

اب آگے ان آیات میں ایک دوسرے گروہ کی مذمت فرمائی گئی ہے جو باوجود ظاہری اسلام لانے کے دل سے اخلاص نہ رکھتے تھے اور بعض احوال میں کفر وشرک کی طرف واپس ہوجاتے۔

ان آیات کے سبب نزول کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں لیکن حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ بعض بدوی دیہاتی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوجاتے اور پھر اپنے وطن کو واپس جاتے تو اگر اس سال خوب بارش ہوتی۔مال میں وسعت اور اولاد کی بہتری ہوتی تو کہتے یہ بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس سال قحط پڑ جاتا اور اولاد کی بیماری یا موت کا صدمہ پہنچتا تو کہتے (نعوذ باللہ) اس دین میں کوئی خوبی نہیں ہے اور پھر جاتے۔ حضرت ابن عباسؓ کا ہی دوسرا قول ہے کہ جب بعض دیہاتی مدینہ میں آتے اور آکر تندرست ہوجاتے اور اس کی گھوڑی کے خوبصورت بچہ پیدا ہوتا اور اس کی اپنی اولاد بھی نرینہ پیدا ہوتی تو دین اسلام سے راضی ہوتا اور کہتا کہ جب سے میں اس دین میں

آیا ہوں مجھے فائدہ ہی ہو رہا ہے اور اگر مدینہ میں آ کر بیمار ہو جاتا یا اس کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوتی یا آمدنی میں کچھ تاخیر ہوتی تو شیطانی وسوسہ میں آ کر کہتا کہ جب سے میں اس مذہب میں آیا ہوں مجھے برائی ہی پہنچی ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہوا۔ پھر اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔ مال بھی برباد ہو گیا اور اولاد کا بھی صدمہ پہنچا۔ ان حوادث کی وجہ سے اس نے اسلام کو نعوذ باللہ منحوس جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اپنا اسلام واپس کر لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام واپس نہیں ہوتا۔ یہودی بولا میں نے اس دین میں کوئی بھلائی نہیں پائی۔ آنکھیں جاتی رہیں۔ مال گیا، اولاد مری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح چاندی سونے کا میل آگ کے ذریعہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آدمیوں کی تمام کثافتوں کو اسلام دور کر دیتا ہے۔ بہرحال سبب نزولِ آیات کا کچھ بھی ہو مطلب صاف ہے۔ اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے اور اسکا دل مذبذب رہتا ہے۔ اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھے تو بظاہر اللہ کی بندگی پر قائم رہے اور تکلیف پائے تو دین حق کو چھوڑ دے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین و دنیا دونوں برباد ہوتے ہیں۔ آنے والی مصیبت تو آتی ہے۔ ادھر نجاتِ آخرت سے محرومی ہو جاتی ہے۔ گویا ایسا آدمی مکان کے کنارے کھڑا ہے کہ جب چاہے نکل بھاگے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی خستہ و خوار ہوں گے تو اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہوگا۔ دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے خدا کی بندگی چھوڑی اور جب اللہ عزوجل کو چھوڑا تو ضرورت کے وقت اپنی مدد کے لئے کسی اور کو بلائے گا۔ اب وہ اللہ کے سوا جسے بھی پکارے گا وہ کمزور ضعیف اور ناتواں ہی ہوگا جس میں نہ نفع پہنچانے کی طاقت ہوگی اور نہ ضرر پہنچانے کا بل بوتہ ہوگا تو ذرا سوچنا چاہئے کہ یہ کتنی بڑی گمراہی ہے اور اس کا یہ احمقانہ فعل اسے سچائی اور حقیقت سے کتنی دور لے جا کر پھینکے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کھلی ہوئی حماقت ہوگی۔ بتوں وغیرہ یعنی غیر اللہ سے نفع کی امید تو موہوم ہے لیکن ان کی بندگی کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے فائدہ کا سوال تو بعد میں دیکھا جائے گا نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے۔ **لبئس المولٰی ولبئس العشیر** یعنی جن سے بڑی امداد اور رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی برے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے الٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔

یہاں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آتے ہیں اور ان کے دل میں حقانیت اسلام کی طرف سے تردد رہتا ہے۔ گویا ایسے لوگوں کے نزدیک حقانیت کا معیار دنیاوی منفعت ہے اور جو اسلام محض دنیوی منفعت پر مبنی ہو وہ اسلامی شریعت میں معتبر نہیں۔ اگر اس کو کوئی دنیاوی بھلائی پہنچ گئی جیسے صحت و مالداری وغیرہ تو اس بھلائی کی وجہ سے اس کو دین پر کچھ ٹھہراؤ ہو گیا اور اگر اس کو کوئی دنیاوی تکلیف پہنچ گئی جیسے بیماری اور تنگدستی تو پھر وہ دین سے پلٹ جاتا ہے تو ایسے شخص کا انجام یہ بتلایا گیا کہ اس نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی گنوائی۔ دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ دنیا کا نقصان تو یہ ہوا کہ مراد کو نہ پہنچا اور آخرت کا نقصان یہ ہوا کہ سارے اعمال نیست و نابود ہو گئے۔

حاصل مطلب یہ کہ دین اسلام کو اخلاص کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے نہ کہ دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے۔ دنیا کا نفع و نقصان تو ہر کسی کے ساتھ لگا ہوا ہے جو مشیت الٰہی کے تحت پہنچتا ہے۔

اب آگے ان دونوں گروہوں کے مقابلہ میں جن کی مذمت فرمائی گئی مؤمنین صادقین کی فضیلت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل فرماویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔جو شخص اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

تو اس کو چاہیے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس وحی کو موقوف کرادے تو پھر غور کرنا چاہیے آیا اُسکی تدبیر اُسکی ناگواری کی چیز کو موقوف کرسکتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

اور ہم نے اس قرآن کو اسی طرح اُتارا جس میں کھلی کھلی دلیلیں ہیں اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔اس میں

هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

قیامت کے روز (عملی) فیصلہ کردے گا۔بے شک خدا تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

اِنَّ بیشک	اللّٰهُ اللہ	يُدْخِلُ داخل کرے گا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ جو لوگ ایمان لائے	عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے درست عمل کئے	جَنّٰتٍ باغات		
تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے سے	الْاَنْهٰرُ نہریں	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يُرِيْدُ جو وہ چاہتا ہے	
مَنْ جو	كَانَ يَظُنُّ گمان کرتا ہے	اَنْ کہ	لَّنْ يَّنْصُرَهُ ہرگز اس کی مدد نہ کرے گا	اللّٰهُ اللہ	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَ اور	الْاٰخِرَةِ آخرت
فَلْيَمْدُدْ تو اسے چاہیے کہ تانے	بِسَبَبٍ ایک رسی	اِلَى السَّمَآءِ آسمان کی طرف	ثُمَّ پھر	لْيَقْطَعْ اسے کاٹ ڈالے	فَلْيَنْظُرْ پھر دیکھے		
هَلْ کیا	يُذْهِبَنَّ دور کردیتی ہے	كَيْدُهٗ اس کی تدبیر	مَا يَغِيْظُ جو غصہ دلا رہی ہے	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اس کو نازل کیا		
اٰيٰتٍ آیتیں	بَيِّنٰتٍ روشن	وَ اور	اَنَّ اللّٰهَ یہ کہ اللہ	يَهْدِيْ ہدایت دیتا ہے	مَنْ جس کو	يُّرِيْدُ وہ چاہتا ہے	اِنَّ بیشک
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَالَّذِيْنَ اور جو	هَادُوْا یہودی ہوئے	وَ اور	الصّٰبِـِٕيْنَ صابی ستارہ پرست	وَالنَّصٰرٰى اور نصاریٰ مسیحی		
وَالْمَجُوْسَ اور آتش پرست	وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اور وہ جنہوں نے شرک کیا (مشرک)	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَفْصِلُ فیصلہ کردے گا			
بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلٰي پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	شَهِيْدٌ مطلع		

تفسیر وتشریح:- گزشتہ آیات میں منکرین۔مجادلین ومذبذبین ومرتدین کی مذمت فرمائی گئی تھی اور ان کی باطل پرستی کا نتیجہ بظاہر فرمایا گیا تھا۔اب کفار کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کی نیک انجامی بیان فرمائی جاتی ہے تاکہ اگر کفر سے نفرت پیدا ہو تو

ساتھ ہی اسلام و ایمان سے رغبت بھی پیدا ہو سکے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ہر بات کی وضاحت اس کی ضد کو بیان کرنے سے بخوبی ہوجاتی ہے۔ کفر کی ضد اسلام ہے۔ اسلام ہی کی طرف طبائع کا میلان کرانا مقصود تھا لیکن جب تک کفر کی طرف سے قلوب میں نفرت نہ پیدا کی جائے اسلام کی طرف میلان نہیں ہوسکتا۔ جب کفار اور ان کے کفر کی حالت شنیعہ اور نتائج قبیحہ کا بیان ہوگیا تو اب رغبت کے لئے مؤمنین، صادقین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو اہلِ ایمان ہیں اور ساتھ ہی عمل صالح بھی کرتے ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق اپنا عقیدہ رکھتے ہیں اور شریعت اسلامیہ کے مطابق جو نیک کام کرنے کے لئے بتلائے گئے ہیں وہ کرتے ہیں اور جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے باز رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو قیامت کے دن جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں ان آیات میں بھی اور قرآن پاک میں متعدد جگہ جنت میں داخلہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ گزشتہ آیات میں کفار کی سزا اور یہاں مومنین کی جزا کا جو بیان ہوا تو اس کے وقوع میں ذرا شبہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا۔

اس سورۃ کے ابتدائی درس میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اس سورۃ کا ابتدائی حصہ مکہ معظمہ میں بالکل آخری مکی دور میں یعنی ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ہی قبل نازل ہوا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار مکہ کی عداوت و مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے کررہے تھے تاکہ اس طرح وہ دین اسلام کو ختم کرسکیں۔ چونکہ کفار و مشرکین کی دلی منشا اور غرض یہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دین اسلام کو مغلوب و ضعیف کر کے ختم کیا جائے اسلئے آگے اس غرض والوں کی ناکامی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دنیوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کرچکا ہے وہ ضرور پورے ہوکر رہیں گے خواہ کفار و حاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کیسی ہی تدبیر کرلیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و کامیابی کسی طرح رک نہیں سکتی یقیناً آ کر رہے گی۔ اگر ان کفار و حاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے خدا کی مشیت کو روک سکیں گے تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں اور ہوسکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں۔ پھر دیکھیں کہ ان تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہوجاتی ہے جس پر انہیں اس قدر غصہ اور پیچ و تاب ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قرآن پاک کی آیات تو بالکل واضح اور روشن ہیں اور اس کی باتیں اور مثالیں کتنی صاف اور کھلی ہیں۔ جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہوجائے مگر سمجھتا وہی ہے جسے خدا سمجھ دے۔ ہدایت یاب ہونا ہر شخص کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں البتہ انسان کی سعی اور طلب کے بعد اللہ تعالیٰ ارادہ ہدایت کا فرما ہی لیتے ہیں۔

اب تمام گروہوں کا بیان کرنے کے بعد تمام گروہوں کے متعلق ایک قطعی فیصلہ صادر فرمادیا کہ قیامت کے دن تمام مذاہب کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہوگا اور اہلِ اسلام۔ یہود۔ نصاریٰ آتش پرست۔ صابی۔ مشرکین سب کو معلوم ہوجائے گا کہ کس کا نتیجہ اچھا ہے اور کس کا برا، کون کامیاب رہا کون ناکام، کون ناجی ہے کون ناری۔ سب جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیئے جائیں گے۔ سب

کے اقوال وافعال۔ظاہر وباطن سب اللہ تعالیٰ پر عیاں ہیں۔

عام طور پر دنیا میں مذہب کے لحاظ سے چھ فریق رہے ہیں۔ایک اہل ایمان یا اہل اسلام جن کو یہاں آیت میں "اللذین امنوا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔دوسرے یہود۔تیسرے نصاریٰ۔چوتھے مجوسی یعنی آتش پرست۔پانچویں مشرکین یعنی بت پرست وغیرہ۔چھٹے صائبین۔

صائبین کے بارہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ یہ کواکب پرستوں کا گروہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔بعض کا کہنا ہے کہ صائبین مجوس اور نصاریٰ کے درمیان ایک قوم ہے اور ان کا کوئی دین نہیں اور نہ وہ کسی پیغمبر کو مانتے ہیں۔نہ کسی ملت کی جانب منسوب ہیں۔نہ ان کی کوئی شریعت ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ صائبین اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے جو فرشتوں کو پوجتا تھا۔بہرحال یہ چھ دین ہیں جن میں سے پانچ دین اب شیطان کے ہیں اور صرف ایک دین رحمٰن کا ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان جملہ ادیان مختلفہ کا فیصلہ فرمائیں گے۔اہلِ ایمان واہلِ اسلام کو جنت میں جو اللہ کی رضا کا مقام ہے داخل فرمائیں گے۔اور ان کے سوا سب کفار ومشرکین کو خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا صابی یا مشرک سب جہنم میں جھونکے جائیں گے اور یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم کی بنا پر ہوگا۔

نیز ان اللہ یھدی من یرید یعنی اللہ تعالیٰ حق کی ہدایت فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے سے واضح ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم و ہدایت تو بالکل واضح، روشن اور ناقابل شک وشبہ ہے مگر فائدہ اور ہدایت اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کے شاملِ حال اللہ کی توفیق ہو۔اور جس کو حق تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔اسی مناسبت سے آگے اللہ عزوجل کی قدرت وجبروت کو ثابت فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قرآنی ہدایات کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے قلوب منور فرمائیں اور ہمارے سینوں کو کشادہ فرمائیں۔

یا اللہ! ہم کو ایمان کامل اور اسلام صادق نصیب فرما۔اور اسی پر ہمارا جینا اور مرنا مقدر فرما۔

یا اللہ! قیامت میں مؤمنین صادقین کے ساتھ ہی ہمارا حشر ونشر ہو اور انہی کے ساتھ جنت میں پہنچنا نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اپنی توفیق حسن کو ہمارے شاملِ حال فرما۔یا اللہ! ہم کو ان اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما جو آپ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بنیں اور ان اعمال سے بچنا نصیب فرما جو آپ کی ناراضگی کا سبب ہوں۔

یا اللہ! آپ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدۂ نصرت وامداد کے فرمائے تھے وہ سب آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے فرمائے۔

یا اللہ! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مسلمہ بھی اس وقت آپ کی امداد ونصرت کی بہت ہی حاجت مند ہے۔

یا اللہ! دشمنانِ دین اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں اُمتِ مسلمہ کی مدد فرما دے اور اسلام اور اہلِ اسلام کو مٹانے والوں کے عزائم کو ملیامیٹ فرما دے اور ان کے اوپر اپنے قہر وعذاب کی بجلیاں گرا کر خاسر ونا کام بنا دے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند

وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِ‌ؕ وَكَثِيۡرٌ حَقَّ عَلَيۡهِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا ہے۔

الۡعَذَابُ‌ؕ وَمَنۡ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ۩ ﴿۱۸﴾

اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے) جو چاہے کرے۔

اَلَمۡ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا؟	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَسۡجُدُ لَهٗ سجدہ کرتا ہے اس کیلئے	مَنۡ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَنۡ اور جو
فِى الۡاَرۡضِ زمین میں	وَالشَّمۡسُ اور سورج	وَالۡقَمَرُ اور چاند	وَ اور	النُّجُوۡمُ ستارے	وَالۡجِبَالُ اور پہاڑ | وَالشَّجَرُ اور درخت
وَالدَّوَآبُّ اور چوپائے	وَكَثِيۡرٌ اور بہت	مِنَ سے	النَّاسِ انسان	وَكَثِيۡرٌ اور بہت سے	حَقَّ ثابت ہوگیا | عَلَيۡهِ اس پر
الۡعَذَابُ عذاب	وَ اور	مَنۡ جسے	يُّهِنِ اللّٰهُ ذلیل کرے اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنۡ مُّكۡرِمٍ کوئی عزت دینے والا | اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
يَفۡعَلُ کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے				

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں حق تعالیٰ قیامت کے روز تمام مذاہب کے انسانوں میں عملی فیصلہ فرمادیں گے یعنی اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور منکرین و کافرین کو جہنم میں پھینکا جائے گا اور ہر شخص کے کفر و ایمان کی اطلاع حق تعالیٰ کو ہے پس ہر ایک کو مناسب جزاو سزا دے گا۔ تو گزشتہ آیت میں یہ فرمانے سے کہ بیشک حق تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے اور ہر چیز جانتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم و ادراک کامل ثابت ہوا تھا جو قیامت میں فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اب آگے اس آیت میں اللہ عزوجل کی قدرت اور جبروت کو ثابت فرمایا جاتا ہے کہ اس کے آگے تمام کائنات سرنگوں ہے۔ آسمان اور زمین میں جتنی بھی مخلوق ہے سب اس قدرت والے کے آگے سربسجود ہے۔ کوئی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا وہ جس کو ذلت دیتا ہے کوئی اس کو عزت نہیں دے سکتا اور وہ جو چاہے کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو رد کر سکے اور قیامت میں فیصلہ کرنے کے لئے بھی دو وصف ضروری ہیں۔ علم کامل اور قدرتِ کامل۔ تو جو تمام عالم کا مسجود ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کے حکم کی مطیع اور اس کی مشیت کے مسخر ہے۔ ہر شے اسی طریق سے اس کو سجدہ کرتی ہے جو اس کی حالت کے سزاوار ہے۔ انسان بھی سجدہ کرتا ہے۔ ستارے بھی سجدہ کرتے ہیں۔ درختوں کی پتیاں۔ ریگستان کے ذرے، سمندر اور دریاؤں کے قطرے۔ اور پہاڑوں کے پتھر سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ لیکن ہر ایک کا سجدہ جدا نوعیت اور جدا کیفیت رکھتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کل کائنات کے سجدہ کرنے کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ ہر شے اپنے مناسب حال سجدہ کرتی ہے۔ آدمی کا سجدہ ہے پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا۔ درختوں کا سجدہ کرنا اور نوعیت رکھتا ہے۔ پہاڑوں، ستاروں چاند اور سورج ان کا سجدہ کسی اور خاص کیفیت و ہیئت کا حامل ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ تمام مخلوق فطرۃً اللہ کی فرمانبردار اور مسخر

ہے۔ قانونِ قدرت سے کوئی سرتابی نہیں کرسکتا۔ چاروناچار سب کو ضابطہ فطرت پر چلنا پڑتا ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر مخلوق اس کے قانون کی مطیع ہے۔ یہاں آیت میں بعض چیزوں کے سجدہ کرنے کی تخصیص بھی کی گئی ہے مثلاً سورج، چاند اور ستارے۔ پہاڑ، درخت، چارپائے۔ عرب میں بعض قبیلے آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ عرب کے علاوہ بعض دوسری قومیں بھی ان کی پوجا کرتی تھیں۔ بعض قومیں چاند، سورج کی طرح پہاڑوں، درختوں اور کچھ جانوروں کی بھی اتنی تعظیم کرتے کہ وہ حد عبادت تک پہنچ جاتی۔ تو ان سب چیزوں کی پرستش کرنیوالوں کو جتلایا جاتا ہے کہ یہ سب چیزیں تو اللہ کے آگے جھک رہی ہیں۔ اسکے حکم کے آگے مسخر ہیں۔ تو ان کے مالک وخالق کو چھوڑ کر ان کو پوجنا کونسی عقلمندی ہے؟ باخدا انسان تو بالاختیار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر انسانوں میں ایسے بھی بدبخت اور بے عقل اور ذلیل ہیں کہ باختیار خود اس مالک وخالق حقیقی کے آگے نہیں جھکتے۔ ان ذلیل انسانوں پر عذابِ الٰہی ثابت ہو چکا ہے۔ اور انسانوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ عزوجل جسے عذاب دے کر ذلیل کرنا چاہے تو کوئی اس کو بچا کر عزت دینے والا نہیں۔

اس آیت میں یہ دو جملے جو آئے ہیں۔ " ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء " اور جسے اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ ان دو جملوں سے متعلق بغداد کے ایک مشہور ومعروف بزرگ جو شیخ ابوعبداللہ اندلسی کے نام سے ۲۰۰ھ میں گزرے ہیں ان کا عجیب وغریب اور نہایت عبرت انگیز واقعہ یاد آیا جو ایک مشہور عربی کتاب سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اردو میں ترجمہ فرمایا ہے اور جو درس عبرت کے نام سے طبع ہوا ہے۔ حضرت شیخ اکثر اہلِ عراق کے پیرومرشد اور استاد ومحدث تھے آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک تھی جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں اور علاوہ زاہد وعابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث وتفسیر میں ایک جلیل القدر امام تھے۔ لکھا ہے کہ تیس ہزار احادیث آپ کو حفظ یاد تھیں اور قرآن کریم کے تمام روایات قرأت کے ساتھ حافظ تھے مگر ایک ابتلا میں گرفتار ہو جانے پر کس طرح سارا قرآن شریف بھول گئے۔ اور سوا دو آیتوں کے کچھ یاد نہ رہا۔ ایک تو یہی " ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء" (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔ اور دوسری یہ "ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا) اور تیس ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث یاد رہ گئی تھی من بدل دینہ فاقتلوہ (اور جو اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کردو) چونکہ واقعہ نہایت عبرت انگیز اور نصیحت آمیز ہے اور اس آیت سے ایک مناسبت رکھتا ہے اس لئے پورا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں پیش کیا جائے گا۔ اور یہ واقعہ اتنا عبرتناک اور نصیحت آموز ہے کہ حضرت اقدس شیخ الحدیث ومحدثِ کبیر مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ایک تالیف "شریعت وطریقت کا تلازم" میں صفحہ ۲۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسی کا واقعہ تو میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چبھا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبان قلم پر آجاتا ہے میں سالکین اور تصوف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ ہر ایک کے دل میں اترا ہوا ہو۔"

یہ آیت جو تلاوت کی گئی ہے یہ آیت سجدہ ہے اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے قارئین و سامعین سجدۂ تلاوت کرلیں۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کی معرفت اور یقین کامل ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! عزت و ذلت کے خزانے آپ کے دست قدرت میں ہیں۔ آپ جسے چاہیں عزت بخشیں اور جسے چاہیں ذلت دیں۔ آپ کے ارادہ اور حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے اپنی اپنی حالت کے مناسب سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند

وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا ہے۔

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾ السجدة

اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے) جو چاہے کرے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا؟	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرتا ہے اس کیلئے	مَنْ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَنْ اور جو	
فِى الْاَرْضِ زمین میں	وَالشَّمْسُ اور سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	وَ اور	النُّجُوْمُ ستارے	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	وَالشَّجَرُ اور درخت
وَالدَّوَآبُّ اور چوپائے	وَكَثِيْرٌ اور بہت	مِّنَ سے	النَّاسِ انسان	وَكَثِيْرٌ اور بہت سے	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِ اس پر
الْعَذَابُ عذاب	وَ اور	مَنْ جسے	يُّهِنِ اللّٰهُ ذلیل کرے اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ مُّكْرِمٍ کوئی عزت دینے والا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
	يَفْعَلُ کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے				

تفسیر وتشریح:۔ اس آیت کا بیان گزشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ آیت کے آخری دو جملوں یعنی " ومن یهن الله فماله من مکرم ان الله یفعل مایشآء" (اور جسے اللہ ذلیل کرے اس کو عزت دینے والا کوئی نہیں بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے) سے متعلق گزشتہ درس میں عراق (بغداد) کے ایک مشہور بزرگ شیخ ابوعبداللہ اندلسی رحمتہ اللہ علیہ کے عجیب وغریب اور نہایت عبرت انگیز اور نصیحت آمیز واقعہ کو بیان کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ اس درس میں پورا کیا جاتا ہے۔ یہ عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری کی کتاب ''حیٰوۃ الحیوان مطبوعہ مصر سے نقل کیا گیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو ''درس عبرت'' کے نام سے قریب ۶۰ سال ہوئے شائع ہوا تھا۔ اور اب بھی غالباً دارالاشاعت بندر روڈ بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

''درسِ عبرت'' میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

سن ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے۔ آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری۔ لوگوں میں امانت دیانت اور تدین وتقویٰ کا عنصر غالب ہے۔ اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونے والا ہے کچھ برسرپیکار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علماء دین وصلحا متقین سے آباد نظر آتا ہے خصوصاً مدینۃ الاسلام بغداد جو اس وقت مسلمانوں کا دار السلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہوکر گلزار بنا ہوا ہے ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء وصلحاء کی مجلسیں درس وتدریس کے حلقے ذکر وتلاوت کی دلکش آوازیں خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی دلجمعی کا کافی سامان ہے۔ فقہا ومحدثین اور عباد وزہاد کا ایک عجیب وغریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسی کے نام سے مشہور ہیں جو اکثر اہلِ عراق کے پیر ومرشد اور استاد ومحدث ہیں آپ کے

مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا ہے۔

یہ بزرگ علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایاتِ قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آپ کے ساتھ ہو لئے جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ حضرت شبلی قدس اللہ سرہ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدا کے فضل و کرم سے نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ہمارا گزر ایک عیسائیوں کی بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رہبان اور پادریوں کا مجمع تھا جن میں ہر شخص اپنے خبط میں مبتلا تھا۔ کوئی آفتاب کو پوجتا تھا۔ کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا۔ کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے۔ اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارہ پر ایک کنوئیں پر پہنچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبداللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہمجولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس پر نظر پڑتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ چہرہ بدلنے لگا۔ اسی انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہمجولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یہ کس کی لڑکی ہے؟ لڑکیوں نے جواب دیا کہ یہ اسی بستی کے سردار کی بیٹی ہے۔ شیخ نے کہا کہ

پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنوئیں سے خود ہی پانی بھرتی ہے کیا وہ اس کے لئے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے لڑکیوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ مگر اس کا باپ نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع حشم و خدم پر غرہ ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس پر گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے لیکن سخت ضیق میں ہے کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کے اس مستمر سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں۔ کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے۔ حضرت شیخ نے قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میرے عزیزو میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آ چکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔ حضرت شبلی نے عرض کیا اے ہمارے آقا۔ آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد۔ علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو گئی ہے۔ بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے۔

حضرت شیخ نے فرمایا میرے عزیزو۔ میرا اور تمہارا نصیب۔ تقدیر خداوندی ظاہر ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا اور ہدایت کی علامات اٹھا لی گئیں یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا "اے میری قوم۔ قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے۔ اب کام

میرے بس کا نہیں ہے۔"

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حیرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔ لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر حضرت شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور حضرت شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ ہم نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت تو اسی غم و حسرت میں اسی وقت عالمِ آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ مقلب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر پھر شیخ کی خبر لیں کہ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا۔ گاؤں والوں نے بتلایا کہ وہ جنگل میں خنزیر چرا رہا ہے۔ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور رہے۔ حضرت شبلیؒ کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہم ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے کہ خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر میں زنار باندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے جس نے

ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی زبان سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج آپ کا کیا حال ہے؟ حضرت شیخ نے جواب دیا۔ میرے بھائیو۔ میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولا نے جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا اور اس قدر تقرب کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا۔ اے عزیزو خدائے بے نیاز کے قہر سے ڈرو۔ اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔ اے میرے مولا! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا۔ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور فریاد کرنا شروع کر دیا اور آواز دی کہ اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ حضرت شبلی رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں فریاد کرنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دفع کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔

خنزیران سب کا رونا اور ان کی دردناک آوازیں سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغِ بسمل کی طرح لوٹنا اور چلانا شروع کیا اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اٹھے۔ یہ میدان میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا۔ ادھر حضرت شیخ حسرت کے عالم میں زاروزار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ آپ حافظ قرآن تھے اور قرآن کریم کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟

حضرت شیخ نے جواب دیا اے عزیز! مجھے تمام قرآن مجید میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔

حضرت شبلی نے پوچھا وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ تو شیخ نے کہا ایک تو یہ ہے۔ "ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء" (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے۔ " ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا۔ تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)

حضرت شبلیؒ نے پھر پوچھا کہ اے شیخ آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟ کہنے لگے کہ صرف ایک حدیث یاد ہے۔ "من بدل دینہ فاقتلوہ" (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو)

پھر حضرت شبلی کہتے ہیں کہ ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت ویاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین ہی منزل طے کر پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور باآواز بلند شہادتیں "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" پڑھتے جاتے تھے۔

اسی وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت ویاس کا اندازہ ہو۔ ان کے قریب پہنچ کر شیخ نے کہا کہ مجھے ایک پاک کپڑا دو اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی۔ ہم منتظر تھے کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا اس خدائے علیم وقدیر کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ جس نے آپ کو پھر ہم سے ملایا اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرمایا۔ مگر اے شیخ ذرا بیان فرمائیے کہ انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

حضرت شیخ نے فرمایا۔ میرے دوستو جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ خداوندا مجھے اس جنجال سے نجات دے۔ میں تیرا خطا کار بندہ ہوں اس سمیع الدعا نے بایں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیئے۔

پھر حضرت شبلی نے دریافت کیا اے شیخ آپ کے ابتلاء کا کوئی سبب تھا؟ حضرت شیخ نے فرمایا ہاں جب ہم اس گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل اور احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں، بلکہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں۔ بس مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا ہے جو در حقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت اور ان کے دوبارہ قبول اسلام سے خوشیاں منارہے ہیں۔ خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہِ وقت حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کئے۔ شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہو گئے اور پھر وہی حدیث وتفسیر وعظ و تذکیر تعلیم وتربیت کا دور شروع ہو گیا۔ خداوند عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر ان کو عطا فرما دیا بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم وفن میں ترقی ہے۔ تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار تک ہو گئی۔ اور اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر حضرت شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا کھڑا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیا مقصود ہے؟

اس آنے والے نے کہا کہ اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو

آپ فلاں گاؤں میں چھوڑ آئے تھے اس گاؤں کا نام لیا جس میں حضرت شیخ مبتلا ہوئے تھے) آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ میں شیخ کے پاس گیا۔ واقعہ بیان کیا۔ شیخ سنتے ہی زرد پڑ گئے اور خوف سے کانپنے لگے اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار و قطار رو رہی ہے۔ شدت گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ کلام کرے۔

حضرت شیخ نے لڑکی سے خطاب کیا کہ تمہارا آنا یہاں کیسے ہوا اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟

لڑکی نے جواب دیا کہ اے میرے سردار جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی تو میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی اس کو میرا ہی دل جانتا ہے نہ بھوک رہی نہ پیاس۔ نیند کہاں آتی۔ رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی اس غنودگی میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔ لڑکی نے کہا کہ میں نے اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے پوچھا کہ شیخ کا دین کیا ہے؟ اس نے خواب میں جواب دیا کہ ان کا دین اسلام ہے۔ میں نے خواب ہی میں اس سے پوچھا اسلام کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس بات کا دل و زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں۔ پھر میں نے خواب ہی میں پوچھا کہ اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں۔ انہوں نے خواب ہی میں مجھ سے کہا کہ ذرا آنکھیں بند کر لو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو میں نے خواب ہی میں کہا۔ "بہت اچھا اور کھڑی ہو گئی اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے خواب ہی میں دیکھا کہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر کہا لو بس آنکھیں کھول دو۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے اپنے آپ کو دجلہ کے کنارہ پایا۔ اب میں متحیر تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اس شخص نے آپ کے حجرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر آپ کو سلام کہتا ہے۔ میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی۔ اور اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اس کو اسلام میں داخل کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔ لڑکی عبادت میں مشغول ہو گئی اور زہد و عبادت میں اپنے اکثر اقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی ہے۔ رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نہ رہا آخر اسی میں مریض ہو گئی اور مرض اتنا بڑھ گیا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور اب اس مسافرِ آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت نہ تھی کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے کیونکہ جس وقت سے یہ اس حجرے میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہ ہی شیخ کی زیارت کر سکی۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ آپ میرے پاس ہو جائیں۔ شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے۔ جان بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں۔ آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے۔ مگر ضعف سے بولنے کی سکت نہیں۔

آخر لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا "السلام علیکم" حضرت شیخ نے شفقت آمیز آواز سے کہا تم گھبراؤ نہیں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔ لڑکی یہ کلمات سن کر خاموش ہو گئی اور اس پر کچھ دیر نہ گزری کہ مسافرِ آخرت نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

شیخ اس وفات پر آبدیدہ ہیں مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ چند

ہی روز بعد شیخ بھی عالمِ فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں اور ستر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے جن میں پہلی وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا یہی لڑکی ہے۔ اور اب وہ دونوں ابدالآباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم

اب ذرا غور کیجئے کہ کس قدر عبرت انگیز اور نصیحت آمیز یہ واقعہ ہے۔ اس واقعہ سے خاص عبرت ونصیحت جو حاصل ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تصرفات سے لرزاں وترساں رہنا چاہئے۔ اور حسن خاتمہ کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔ اور ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حدیث میں آتی ہے۔

اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک ط

اس سلسلے میں بخاری ومسلم کی ایک صحیح حدیث اور سن لیجئے جو دل لرزا دینے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بداعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہئے کیا معلوم زندگی کے باقی حصہ میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو آج اعمال خیر کی توفیق مل رہی ہے تو اس کو اس پر مطمئن نہ ہونا چاہئے بلکہ برابر حسنِ خاتمہ کے لئے فکر مند رہنا چاہئے اور اس کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر دعا کرتے رہنا چاہئے۔ چونکہ یہ آیت سجدہ ہے اس لئے سب قارئین وسامعین سجدۂ تلاوت کرلیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے لئے اپنی رحمت سے نیک بختی مقدر فرمائیں۔

یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم کو حسنِ خاتمہ کی دولت عطا فرمائیے۔ یا اللہ جو عمل خیر ہم سے ہو جاتا ہے وہ آپ ہی کی تائید وتوفیق سے ہے۔ اس کو اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے۔ اور یا اللہ! ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے کی توفیق بھی آپ ہی کی طرف سے ہے۔ یا اللہ ہمیں ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچالیجئے۔ اور ایمان واسلام پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیے۔ یا اللہ! جن کے بڑے درجات ہیں ان کا امتحان اور ابتلا بھی سخت ہوتا ہے۔ ہم ضعیف الایمان ہیں ہم میں کسی ابتلاء اور امتحان کی سکت نہیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنے محض فضل وکرم سے دونوں جہان کی سلامتی اور عافیت عطا فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ

یہ دو فریق جنہوں نے دوبارہ اپنے رب کے باہم اختلاف کیا۔سو جو لوگ کافر تھے اُن کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ

اُن کے سَر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔اس سے اُن کے پیٹ میں کی چیزیں اور کھالیں سب گل جاویں گی۔اور اُن کیلئے

مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا

لوہے کے گُرز ہوں گے۔وہ لوگ جب گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اُسی میں دھکیل دیئے جاویں گے۔اور کہا جاوے گا کہ

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

نہریں جاری ہوں گی اُن کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم کی ہوگی۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور ان کو کلمہ طیب کی ہدایت ہوگئی تھی۔اور اُن کو (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے

هٰذٰنِ یہ دو	خَصْمٰنِ دو فریق	اخْتَصَمُوْا وہ جھگڑے	فِيْ رَبِّهِمْ اپنے رب (کے بارے) میں	فَالَّذِيْنَ پس وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	
قُطِّعَتْ قطع کئے گئے	لَهُمْ ان کیلئے	ثِيَابٌ کپڑے	مِنْ نَّارٍ آگ کے	يُصَبُّ ڈالا جائے گا	مِنْ فَوْقِ اوپر	رُءُوْسِهِمْ انکے سر
الْحَمِيْمُ کھولتا ہوا پانی	يُصْهَرُ پگھل جائے گا	بِهٖ اس سے	مَا جو	فِيْ بُطُوْنِهِمْ ان کے پیٹوں میں	وَالْجُلُوْدُ اور جلدیں (کھالیں)	
وَلَهُمْ اور ان کیلئے	مَقَامِعُ گرز	مِنْ حَدِيْدٍ لوہے کے	كُلَّمَا جب بھی	اَرَادُوْٓا وہ ارادہ کریں گے	اَنْ يَّخْرُجُوْا کہ وہ نکلیں	مِنْهَا اس سے
مِنْ غَمٍّ غم سے غم کے مارے	اُعِيْدُوْا لوٹا دیئے جائیں گے	فِيْهَا اس میں	وَذُوْقُوْا اور چکھو	عَذَابَ الْحَرِيْقِ جلنے کا عذاب		
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	يُدْخِلُ داخل کریگا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ صالح نیک		
جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	يُحَلَّوْنَ فِيْهَا وہ پہنائے جائیں گے اس میں	مِنْ اَسَاوِرَ کنگن	
مِنْ ذَهَبٍ سونے کے	وَلُؤْلُؤًا اور موتی	وَلِبَاسُهُمْ اور ان کا لباس	فِيْهَا اس میں	حَرِيْرٌ ریشم	وَهُدُوْٓا اور انہیں ہدایت کی گئی	اِلٰى طرف
الطَّيِّبِ پاکیزہ	مِنَ سے۔کی	الْقَوْلِ بات	وَهُدُوْٓا اور انہیں ہدایت کی گئی	اِلٰى طرف	صِرَاطِ راہ	الْحَمِيْدِ تعریفوں کا لائق

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسانوں میں ایک فریق وہ ہے کہ جو اللہ کے سامنے سرنیاز جھکاتا ہے اور اس کو سجدہ کرتا ہے اور دوسرا فریق وہ ہے کہ جو اللہ رب العزت کو سجدہ نہیں کرتا۔اس طرح اہلِ ایمان اور اہلِ کفر دو فریق ہوئے۔نیز یہ بھی گزشتہ آیات میں

ذکر فرمایا گیا تھا کہ تمام مذاہب کے فرقوں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عملی فیصلہ فرمادیں گے یعنی اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور منکرین کو جہنم میں جھونکا جائے گا۔ اور منکرین میں یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ مشرک۔ بت پرست سب آ گئے تو اس طرح تمام انسانوں کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مؤمنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ دوسرے کفار کا گروہ جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتا اور اس کی اطاعت کے لئے سرنہیں جھکاتا۔ یہ دونوں فریق اپنے اپنے عقائد واعمال میں، نیز بحث۔ مناظرہ، جہاد وقتال کے مواقع میں ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔ انہی دو فریقوں یعنی مؤمنین و کافرین کے اُخروی ثواب وعذاب کا بیان انتہائی ترہیب وترغیب کے ساتھ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ان آیات کے سبب نزول کے متعلق بعض مخصوص روایات بھی نقل کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ ہے کہ ایک بار اہلِ کتاب نے اہلِ اسلام سے مناظرہ کیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کے ساتھ تم سے یعنی مسلمانوں سے زیادہ تعلق ہے۔ ہمارا پیغمبر تمہارے پیغمبر سے مقدم ہے۔ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی۔ مسلمانوں نے جواب دیا ہم تو تمہارے پیغمبر اور اپنے پیغمبر دونوں کو سچا کہتے ہیں اور اپنے قرآن اور تمہارے پیغمبر کی کتاب دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور تم باوجودیکہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور قرآن کی سچائی سے آگاہ ہو چکے ہو مگر پھر بھی حسد کے مارے ایمان نہیں لاتے۔ اور خود ہی غور کرلو کہ حق ہماری جانب ہے یا تمہاری جانب۔ اس پر دونوں فریقوں کا حال بیان کرنے کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ جس میں دونوں فریقوں کا انجام ظاہر فرمایا گیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ایک مومن اور دوسرا کافر یہ دونوں فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے دین کے بارہ میں اختلاف کیا سو اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت میں اس طرح ہوگا کہ

جو لوگ کافر تھے ان کو جہنم کی آگ اس طرح چاروں طرف سے محیط ہوگی جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے اور ان اہلِ جہنم کے سر کو ہتھوڑوں سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے سب پیٹ کی انتڑیاں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی چھوئے گا تو بدن کا چمڑہ گل گل کر گر پڑے گا اور پھر اصل حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔ اور دوزخی گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں۔ مگر آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے اور فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے دھکیل دیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلنا تمہیں کبھی نصیب نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

احادیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان ہتھوڑوں میں سے جن سے دوزخیوں کی کٹائی ہوگی۔ اگر ایک زمین پر لا کر رکھ دیا جائے تو تمام انسان و جنات مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جہنمی بھی ان ہتھوڑوں کی مار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر پھر جیسے تھے ویسے ہی کر دیے جائیں گے اور حدیث میں بتلایا گیا کہ اگر غساق کا جو جہنمیوں کی غذا ہے ایک ڈول دنیا میں اس کا بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبو کے مارے ہلاک ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمائیں اور اپنے حفظ وامان میں رکھیں۔

یہ تو کافروں کا حال اور انجام بیان ہوا آگے مومنین کی جزا کا بیان ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے بدلے ان کو جنت عطا کی جائے گی جہاں کے محلات و باغات کے چوطرف پانی کی نہریں لہریں مار رہی ہوں گی۔ جنتی جہاں چاہیں گے وہیں خود بخود ان کا رخ ہوجایا کرے گا بڑی آرائش اور زیب وزینت سے رہیں گے۔ سونے کے زیوروں سے سجے ہوئے ہوں گے موتیوں میں تل رہے ہوں

گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ لکھا ہے کہ جنتی کے زیورات میں سے ایک کنگن بھی دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اس طرح جاتی رہے جس طرح سورج کے نکلنے سے چاند کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ ان کے لباس نرم چمکیلے ریشمی کپڑوں کے ہوں گے۔

صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم دنیا میں ریشم نہ پہنو جو اسے دنیا میں پہن لے گا وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں۔ جو اس دن ریشمی لباس سے محروم رہا وہ جنت میں نہ جائے گا کیونکہ جنت والوں کا یہی لباس ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے جنتیوں کا یہ سب اکرام اس لئے ہوگا کہ دنیا میں ان کو کلمہ طیب لا الہ الا اللہ کے اعتقاد کی ہدایت ہوگئی تھی اور خدا کے راستہ کی یعنی اسلام کی ہدایت ہوگئی تھی۔ انہوں نے دنیا میں قرآن کو پڑھا۔ خدا کی تسبیح وتحمید کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ فرشتے جنتیوں کو ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے پاک وستھری باتیں کرتے ہوں گے۔ بک بک جھک جھک نہ ہوگی۔ نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجا لائیں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جیسے بے قصد و بے تکلف دنیا میں سانس آتا جاتا رہتا ہے اسی طرح جنتیوں کو اللہ کی تسبیح وحمد کا الہام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں سے ہم کو بھی اپنی رحمت سے نوازیں۔

قرآن پاک میں جیسا کہ متعدد دوسری جگہوں پر ایمان اور عمل صالح کو جنت کے دخول کا ذریعہ بیان فرمایا ہے یہاں بھی ان ہی لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی گئی ہے کہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔

یہاں ان آیات میں اہلِ جنت کو کنگن پہنانے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے تو اس پر کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ کنگن ہاتھوں میں پہننا تو عورتوں کا کام ہے اور یہ انہیں کا زیور ہے۔ مردوں کے لئے تو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ تو اس شبہ کے جواب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

"دنیا کے قدیمی بادشاہوں میں یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن استعمال کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے اور سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب میں نکلے تھے اس وقت ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا تھا جس پر سراقہ بن مالک نے توبہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے گھوڑا زمین میں سے نکل گیا اس وقت سراقہ بن مالک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے اور وہ تمہیں دے دیئے جائیں گے۔ جب حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فارس کا ملک فتح ہوا اور ایران سے یہ کنگن دوسرے اموالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا اور ان کو دے دیئے گئے۔ خلاصہ یہ کہ جیسے سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں۔ شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں اس لئے اہلِ جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے۔ کنگن کے متعلق اس آیت میں اور سورۂ فاطر میں تو یہ ہے کہ وہ سونے کے ہوں گے اور سورۂ نساء میں یہ کنگن چاندی کے بتلائے گئے ہیں اس لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں تین طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا، تیسرا موتیوں کا جیسا کہ ان آیات میں موتیوں کا بھی ذکر موجود ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی جنت کی نعمتوں سے ہم سب کو نوازیں۔ آگے کفار مکہ کی مذمت ایک دوسرے طرز پر بیان کی گئی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ

بیشک جولوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی

سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾

اور باہر سے آنیوالا بھی یہ (روکنے والے) لوگ معذب ہوں گے اور جوشخص اس میں (یعنی حرم میں) کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کیساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھائیں گے۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَیَصُدُّوْنَ اور وہ روکتے ہیں	عَنْ سے	سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کا راستہ		
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور مسجد حرام بیت اللہ	اَلَّذِیْ وہ جسے	جَعَلْنٰہُ ہم نے مقرر کیا	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	سَوَآءً برابر	اَلْعَاکِفُ رہنے والا	
فِیْہِ اس میں	وَالْبَادِ اور پردیسی	وَمَنْ اور جو	یُّرِدْ ارادہ کرے	فِیْہِ اس میں	بِاِلْحَادٍ گمراہی کا	بِظُلْمٍ ظلم سے
نُذِقْہُ ہم اسے چکھائیں گے	مِنْ سے	عَذَابٍ عذاب	اَلِیْمٍ دردناک			

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں کفار، منکرین اور مؤمنین صادقین دونوں کے انجام آخرت کو بیان فرمایا گیا تھا کہ کفار ومنکرین کو طرح طرح کے عذاب جہنم بھگتنے ہوں گے اور ان کے برخلاف مؤمنین کو جنت کی دائمی نعمتیں اور عیش و آرام حاصل ہوں گے اب اس آیت میں منکرین کی ایک حالت اور بیان کی جاتی ہے خصوصاً ان کفار مکہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے جو خود تو حق کی طرف مائل ہوتے ہی نہ تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے۔ مسلمانوں پر بڑے ظلم وستم توڑتے اور جہاں تک قدرت ہوتی اسلام کی بیخ کنی کے درپے رہتے تھے چنانچہ لوگوں کو کعبہ کا حج کرنا بھی انہوں نے دوبھر کردیا تھا اور مسلمان قبائل کو تو مکہ میں آنے سے روک دیا تھا انہی کی مذمت اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ابوسفیان وغیرہ کے حق میں ہوا تھا جبکہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کو حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اگر حدیبیہ کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے تب تو آیت کا مطلب صاف ہے ورنہ جب اسلام پھیلنے لگا تو کفار مکہ نے مسلمان قبائل کو تو حج سے روک ہی دیا تھا چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جو کفار مسلمانوں کو راہ خدا سے بہکاتے اور مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں حالانکہ مسجدِ حرام یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادات ومناسک حج کا تعلق ہے سب کے لئے یکساں ہے۔ دیسی ہو یا پردیسی مکہ میں رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا ہو۔ مقیم ہو یا مسافر، سب کے لئے یکساں ہے اور سب کو عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں تو جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بالارادہ بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کرے گا اس کو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ملتی۔ اسی سے ان کا حال معلوم کرلو۔ جو ظلم وشرارت سے مومنین کو مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں۔ جو شخص مسجد حرام یا مکہ کے اندر گناہ کرے گا اس کو سزا سخت ملے گی۔ یہاں آیت کا دوسرا جملہ "**ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم**" (اور جو شخص اس میں یعنی حرم مکہ میں کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک چکھادیں گے) اگرچہ یہ کفار مکہ کے سلسلہ میں کہ جو مسلمانوں کو حرم مکہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے فرمایا گیا مگر علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کے دونوں جزو کا حکم عام ہے یعنی اللہ کے راستہ اور مسجد حرام پہنچنے سے روکنے والے کوئی بھی ہوں معذب ہوں

گے اور حرم مکہ میں قصداً بے دینی اور ظلم کرنے والے کو بھی خواہ وہ کوئی ہو عذاب دردناک ہوگا۔

اسی وجہ سے مکہ مکرمہ میں مستقل قیام کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک مستحب ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ مکہ مکرمہ میں مستقل قیام مکروہ فرماتے ہیں کیونکہ مکہ میں رہ کر جیسی تعظیم و تکریم وہاں کی ہونی چاہئے ویسی نہیں کرسکتا اور یوں تو گناہ اور بے دینی کا کام ہر مقام پر برا ہے لیکن حرم مکہ میں نہایت ہی قبیح ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے اکابر نے طائف میں قیام کیا اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں طائف میں رہ کر ۵۰ گناہ کروں وہ مکہ میں ایک گناہ کرنے سے میرے نزدیک اچھے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کسی شہر میں صرف ارادہ پر عمل کرنے سے پہلے مواخذہ نہیں لیکن مکہ میں ارادہ پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم

اور جو شخص اس میں یعنی حرم مکہ میں کجروی کرنے کا ارادہ کرے شرارت سے تو ہم چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب۔

اس لئے مکہ کا مستقل قیام گو برکاتِ کثیرہ اور تضاعف حسنات کا سبب ہے لیکن جب ایسے بڑے بڑے اکابر اس کے آداب کی رعایت سے گھبراتے تھے تو آج ہم جیسوں کا تو کہنا ہی کیا ہاں جو شخص وہاں رہ کر پورا احترام کرسکتا ہو اس کے لئے ضرور قیام مکہ افضل ہے (معلم الحجاج) اور وہاں کی افضلیت کا اندازہ صرف ایک اسی بات سے لگالینا چاہئے کہ مسجد حرام کی صرف ایک دن کی پانچ نمازوں کا جماعت کے ساتھ کا ثواب کا اگر حساب لگایا جائے تو ایک کروڑ ۳۵ لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ مسجد حرام کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے اور جماعت سے نماز ۲۷ درجہ زیادہ افضل ہوتی ہے۔ تنہا نماز سے۔ تو اس طرح ایک دن کی نماز باجماعت کا ثواب مسجد حرام میں ایک کروڑ ۳۵ لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اب اگر ایک سال کے ۳۶۰ دن بھی مانے جائیں تو سال بھر کی تنہا نمازیں ایک ہزار آٹھ سو ہوتی ہیں اور سو برس کی ایک لاکھ اسی ہزار اور ہزار برس کی ۱۸ لاکھ نمازیں ہوتی ہیں تو اگر کسی کی عمر نوح علیہ السلام کے برابر بھی ہو تو مسجد حرام کی صرف ایک باجماعت نماز اس کی تمام عمری نمازوں سے افضل ہوگی۔ اللہ اکبر۔ زاداللہ تعظیما وتشریفا وتکریما۔

تو خلاصہ یہ کہ دین کے خلاف کام کرنا ہر جگہ موجب عذاب ہے لیکن حرمِ مکہ کے اندر اور زیادہ موجب عذاب ہے۔ حتیٰ کہ ارادہ کا جو مرتبہ دوسری جگہ موجب تعذیب نہ ہو تو وہاں موجب تعذیب ہو جاتا ہے۔

یہاں اس آیت میں مسجد حرام میں عبادت کرنے کی عام اجازت ہے اور اس امر کی صراحت ہے کہ مسجد میں کسی کا ترجیحی حق نہیں۔ ہر مسلم کعبہ کا حج کرسکتا ہے۔ یہاں اس طرف بھی لطیف تنبیہ ہے کہ خدا کے ہاں ذات پات، دولت وفقر، حکومت ومحکومی، عزت وذلت وغیرہ کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں، اس کے گھر میں سب کا مرتبہ برابر ہے۔ جو بھی عبادت کرنا چاہئے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حرم شریف صرف باشندگان مکہ ہی کے لئے نہیں بنایا گیا ہے بلکہ تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے کسی کو حق نہیں کہ عبادت گزاروں پر اس کا دروازہ بند کردے۔ اسی آیت کے ماتحت اب بھی جو غیر ملکی لوگ موجودہ حکومت سعودی عربیہ کے قوانین کے خلاف مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں مقیم ہو جاتے ہیں ان سے مسجد حرام یا مسجد نبوی کے اندر کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر پوچھ گچھ ہوتی ہے تو ہمیشہ مسجد سے باہر شہر میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے۔

اب چونکہ یہاں آیت میں مسجد حرام کا ذکر آ گیا لہٰذا اسکی مناسبت سے کعبہ کی بنا کا حال اور اس کے متعلق بعض احکام اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ

اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا۔ اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور

الْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

قیام و رکوع وسجدہ کرنے والوں کیلئے پاک رکھنا۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی

يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

جو کہ دُور دراز کے راستوں سے پہنچتی ہوں گی

وَاِذْ اور جب	بَوَّاْنَا ہم نے ٹھیک کردی	لِاِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ کیلئے	مَكَانَ الْبَيْتِ خانہ کعبہ کی جگہ	اَنْ کہ	لَا تُشْرِكْ نہ شریک کرنا
بِيْ میرے ساتھ	شَيْـًٔا کسی شے	وَطَهِّرْ اور پاک رکھنا	بَيْتِيَ میرا گھر	لِلطَّآئِفِيْنَ طواف کرنیوالوں کیلئے	وَالْقَآئِمِيْنَ اور قیام کرنیوالے
وَالرُّكَّعِ اور رکوع کرنیوالے	السُّجُوْدِ سجدہ کرنیوالے	وَاَذِّنْ اور اعلان کردو	فِي النَّاسِ لوگوں میں	بِالْحَجِّ حج کا	يَاْتُوْكَ وہ تیرے پاس آئیں
رِجَالًا پیدل	وَّعَلٰى اور پر	كُلِّ ضَامِرٍ ہر دُبلی اونٹنی	يَّاْتِيْنَ وہ آتی ہیں	مِنْ سے	كُلِّ فَجٍّ ہر راستہ
عَمِيْقٍ دُور دراز					

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیت میں مشرکین مکہ کے اس فعل کی مذمت فرمائی گئی تھی جو وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے تھے اور وہاں انہیں عبادت اور احکام حج کے ادا کرنے سے باز رکھتے تھے۔ مشرکین کی اس زیادتی پر ان کو عذابِ الیم کی دھمکی دی گئی تھی۔ اب آگے ان آیات میں یہاں مشرکین مکہ کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد اول دن سے خدا کی توحید پر رکھی گئی ہے تم نے اس میں شرک جاری کردیا۔

خانہ کعبہ کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ جب مدتوں کے بعد خانہ کعبہ کا نشان نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کرو اور حضرت ابراہیمؑ کو اس معظم گھر کا نشان دکھلا دیا گیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھو۔ کوئی شخص یہاں آ کر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم نہ بجالائے۔ کفار مکہ نے اس کے خلاف ایسا عمل کیا کہ خانہ کعبہ میں لاکر ۳۶۰ بت کھڑے کردیئے (العیاذ باللہ) جن کی گندگی سے خدا کے گھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے پاک کیا۔ فتح مکہ کے دن یعنی ۲۰ رمضان ۸ھ یوم جمعہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے اور آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس وقت تک کعبہ کے گرد قریش مکہ و مشرکین عرب کے ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ جب آپ کسی بت کے پاس سے گزرتے تو اس چھڑی سے اشارہ فرمادیتے اور بت منہ کے بل اوندھا گر پڑتا تھا۔ اور یہ آیت مبارکہ آپ کی زبان مبارک پر تھی۔ "وقل جآء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" (آپ کہہ دیجئے کہ حق بس اب آ ہی گیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا)۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوا کہ یہ عبادت خانہ اللہ کا گھر اس لئے بناؤ کہ لوگ اس کا طواف کریں۔ خدا پرست اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

رکوع اور سجدہ کرنے والے اللہ رب البیت کو سجدہ کریں اور فقط خدائے واحد کی عبادت کریں اور اللہ کے سوا وہاں کسی اور کی پرستش نہ ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدمؑ

کو جنت سے اتارا تو ان کے ساتھ اپنے گھر کو بھی اتارا اور فرمایا کہ اے آدم میں تیرے ساتھ اپنا گھر بھی اتارتا ہوں۔ اس کا طواف اسی طرح کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے اور اس کی طرف نماز اسی طرح پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد طوفان نوح کے زمانہ میں یہ مکان اٹھالیا گیا۔ اس کے بعد انبیائے کرام اس جگہ کا طواف کرتے تھے۔ مکان نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اللہ جل شانہٗ نے اسی جگہ مکان بنانے کا حکم فرمایا اور جگہ کا تعین خود فرما دیا۔ (ترغیب منذری فضائل حج) لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو بنائے بیت اللہ کا حکم ملا تو شام سے حجاز میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ ۳۶ سال کے تھے۔ حجاز میں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اس کے گھر کو تیار کروں۔ حضرت اسمٰعیل نے عرض کیا کہ بیت اللہ کہاں ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے سرخ ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ غرض دونوں باپ بیٹے کھدائی کے کام میں لگ گئے اور قدیم بنیادوں کو نکال لیا۔ بنیاد نکل آئی تو دونوں نے تعمیر شروع کی۔ اسمٰعیلؑ اپنی گردن پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نصب کرتے جاتے تھے۔ جب دیواریں اونچی ہوگئیں اور پتھروں کا رکھنا دشوار ہو گیا تو حضرت اسمٰعیلؑ نے ایک پتھر لا کر زمین پر رکھ دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس پر کھڑے ہو کر دیوار کو بنایا۔ یہی وہ پتھر ہے جس کو مقام ابراہیمؑ کہا جاتا ہے اور جو آج تک محفوظ ہے (تسہیل الفرقان) جب خانۂ کعبہ تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اعلان عام کر دو کہ لوگ چاروں طرف سے حج کرنے آئیں اور مراسم خدا پرستی بجالائیں ساتھ ہی یہ بھی پیشین گوئی کر دی گئی اے ابراہیم علیہ السلام آپ اگر اعلان عام کر دیں گے تو لوگ دور دراز کے ملکوں تک سے لبیک کہتے ہوئے یہاں آئیں گے۔ جن کے پاس سواریاں ہوں گی وہ سوار ہو کر آئیں گے ورنہ پیادہ پا ہو کر پہنچیں گے۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا۔ کہ لوگوں تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے۔ حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچا دی۔ جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں لاکھوں نفوس تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے بھی خواہ وہ پیدا ہو چکا تھا یا ابھی تک عالم ارواح میں تھا اس وقت لبیک کہا وہ ضرور حج کرتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ لبیک کہا وہ ایک حج کرتا ہے اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا وہ دو مرتبہ حج کرتا ہے اور اسی طرح جس نے اس سے زیادہ جتنی مرتبہ لبیک کہا اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں (فضائل حج)

اللہ اکبر کتنی خوش نصیب ہیں وہ روحیں جنہوں نے اس وقت دمادم لبیک کہا کہ بیسیوں اور پچاسوں حج ان کو نصیب ہوئے یا ہوں گے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

حج کو آنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں پیادہ یا سوار۔ اس وقت عموماً عرب میں اونٹ کی سواری تھی۔ موجودہ دنیا کی سواریاں اس وقت مستعمل نہ تھیں اس لئے یہاں آیت میں اونٹ کی سواری کا تذکرہ فرمایا گیا۔ دوسری سواریوں کا ذکر نہیں مگر مراد یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہوگا لوگ حج کو آئیں گے۔ پیدل بھی اور سوار ہو کر بھی۔

صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر دس بار ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ ملائکہ نے بنایا۔ دوبارہ حضرت آدم علیہ السلام نے۔ تیسری بار حضرت شیث علیہ السلام نے۔ چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے۔ پانچویں بار عمالقہ نے۔ چھٹی بار حارث جرہمی نے۔ ساتویں بار قریش کے مورث اعلیٰ قصی نے۔ آٹھویں بار قریش مکہ نے۔ نویں بار ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے۔ دسویں بار حجاج ثقفی نے ۷۴ھ میں۔

اب اس وقت موجودہ تعمیر جو بیت اللہ کی ہے یہ گیارہویں بار گیارہویں صدی کے وسط میں ہوئی تھی جس کا حال تاریخ حرمین مؤلفہ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ کے اس طرح لکھا ہے۔

"ماہ شعبان ۱۰۳۹ھ میں برسنے والی بارش کی نظیر قدیم تاریخ عرب میں نہیں ملتی۔ بارش کا پانی حرم میں داخل ہوا یہاں تک کہ بیت اللہ کی دیواریں کئی کئی گز پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی ایک دیوار گر گئی جو شامی رکن والی تھی اور غربی دیوار بھی دونوں جانبوں سے شکستہ ہوگئی تو سلطان مراد رحمتہ اللہ علیہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔

۱۰۳۹ھ قبل از رمضان یہ تعمیر شروع ہوکر رمضان المبارک ۱۰۴۰ھ میں اس کی تکمیل ہوئی اور یہ عمارت آج تک قائم ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک (یعنی ۱۳۹۷ھ) اس تعمیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی (زاد اللہ تشریفاً وتعظیماً وتکریماً) (تاریخ حرمین صفحہ ۵۱)

ملت اسلامیہ میں حج کی فرضیت قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور حج بھی مثلِ نماز روزہ اور زکوٰۃ اسلام کا ایک رکن اور فرض عین ہے اور تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس کو حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہو کہ اپنے وطن سے مکہ معظمہ تک آنے جانے پر قادر ہو اور اپنے اہل وعیال کے مصارف جو اس کے ذمہ ہوں واپسی تک برداشت کرسکتا ہو اور جو دوسرے شرعی شرائط حج کی ہیں وہ سب اس میں موجود ہوں۔

چونکہ حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے اور اعاظم طاعت اور رب العالمین جل شانہٗ کی عظیم عبادت ہے اور ثابت ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے خانہ کعبہ کا حج کیا ہے اس لئے جو شخص باوجود قدرت واستطاعت اور دیگر شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرے اس کے لئے نہایت سخت وعید آئی ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے لئے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع نہ ہو، ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو۔ یا ایسا شدید مرض نہ ہو جو حج سے روک دے۔ پھر وہ بغیر حج کئے مرجائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی مرے۔ (العیاذ باللہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ ایسا شخص یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے۔ خدا کی پناہ کس قدر سخت وعید ہے۔ اب دین کے معاملہ میں سستی وکاہلی اور ٹال مٹول کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب حج کے لئے قریب ۲۰ ہزار روپیہ کی رقم درکار ہے اور جن پر پہلے حج فرض ہوچکا تھا اور انہوں نے اس وقت نہیں کیا اور اب اتنی رقم پاس نہیں تو حج کی فرضیت اپنی جگہ قائم ہے اور یہ باران کے کندھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جو اس مشکل میں پھنسے ہوں ان کی مشکل آسان فرمائے اور انہیں اس فرض کی بجاآوری کی توفیق عطا فرمائے۔

اب آگے حج کے بعض منافع اور بعض احکام وشعائر بیان کئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے گھر کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائے اور جن کو یہ سعادت حاصل ہوچکی ہے ان کو پھر مکرر سہ مکرر وہاں کی حاضری نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہمارے قلوب میں حج بیت اللہ کا ذوق وشوق عطا فرما اور اپنے مقدس گھر تک پہنچنے کے لئے راستہ آسان فرما۔

یا اللہ! اپنے گھر بیت اللہ کی عزت وعظمت وبزرگی کو بلند فرما اور اس کی عزت کرنے والوں کو بھی عزت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ

تا کہ اپنے فوائد کیلئے لوگ آموجود ہوں اور تا کہ ایام مقررہ میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عطا کئے ہیں۔

الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا

سوان (قربانی کے) جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔ پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دُور کردیں اور اپنے

نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾

واجبات کو پورا کریں اور اس مامون گھر (یعنی خانۂ کعبہ کا) طواف کریں۔

لِيَشْهَدُوْا تا کہ وہ آموجود ہوں	مَنَافِعَ فائدوں کی جگہ	لَهُمْ اپنے	وَيَذْكُرُوا وہ یاد کریں (لیں)	اسْمَ اللّٰهِ اللہ کا نام	فِيْ میں		
اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ جانے پہچانے (مقررہ)	دن	عَلٰى پر	مَا جو	رَزَقَهُمْ ہم نے انہیں دیا	مِنْ سے	بَهِيْمَةِ چوپائے	الْاَنْعَامِ مویشی
فَكُلُوْا پس تم کھاؤ	مِنْهَا اس سے	وَاَطْعِمُوا اور کھلاؤ	الْبَآىِٕسَ بدحال	الْفَقِيْرَ محتاج	ثُمَّ پھر	لْيَقْضُوْا چاہیے کہ دُور کریں	
تَفَثَهُمْ اپنا میل کچیل	وَلْيُوْفُوْا اور پوری کریں	نُذُوْرَهُمْ اپنی نذریں	وَلْيَطَّوَّفُوْا اور طواف کریں	بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ قدیم گھر			

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ خانۂ کعبہ کے تعمیر کے بعد لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کردیں اور ساتھ ہی یہ پیشین گوئی بھی فرمادی گئی تھی کہ اس علان سے لوگ اس عمارتِ مقدسہ کے پاس پیدل اور سوار دور دراز فاصلوں سے پہنچیں گے۔ اس کے بعد حج کے فوائد اور قربانی کے طریقہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اصل مقصد تو دینی واُخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج وعمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سی دنیوی۔ سیاسی۔ تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اس آیت کے ماتحت علمائے محققین نے حج کے منافع کی بہت کچھ تفصیلات لکھی ہیں۔ مختصراً حج کے منافع دو قسم کے ہیں۔ ایک منافع دنیا مثلاً روئے زمین کے تمام اطراف کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور باہم میل جول ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے طور طریق خو بو اور معاملات سے واقف ہوتے ہیں۔ دور دراز ملکوں کے صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں۔ تجارتی فوائد اور تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ قوت اجتماعیہ اور قوت دینیہ اور مساواتِ مذہبی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جس بات پر کل دنیا کے مسلمانوں کو اتفاق کرنا ہے۔ حج کے زمانہ میں اس متبرک مقام میں یہ اتفاق باآسانی ہوسکتا ہے۔ اس طرح حج باہمی تعاون اتفاق واتحاد کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔

سفر کی عادت۔ ریاضت ومشقت برداشت کرنے کا ملکہ وتجربہ ہوتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم سے علم وہنر کا استفادہ کرسکتی ہے۔

دوسرے فوائد دینیہ ہیں مثلاً لاکھوں خدا پرستوں کا ایک جگہ جمع ہوکر آسمانی سلطنت کا نمونہ دکھانا۔ ایک پر دوسرے کے انوار وبرکات کا منعکس ہونا۔ تمام دنیا کو یہ دکھا دینا کہ اس روئے زمین پر ایک جماعت موحدین کی بھی ہے جو باہم مساوات کا عملی حامل ہے جو ایک

خدا کی پرستار اور ایک نبی کی پیروکار ہے۔ جن کا لباس۔ ہیئت۔ طور طریق اور طرز زندگی بھی ایک ہی ہے۔ علاوہ ازیں حج موت و آخرت کا بھی صحیح نمونہ ہے۔ گھر سے چلنا اور اولاد و مال کو چھوڑنا گویا دنیا سے گزرنے کو یاد دلاتا ہے۔ پھر حرم کے قریب پہنچ کر احرام باندھنا گویا کفن میں لپٹنے کا نمونہ ہے۔ پھر احرام میں شکار و جماع وغیرہ مرغوبات سے رکنا۔ مرنے کے بعد تمام لذائذ سے مجبور رہنے کا نمونہ ہے پھر زادراہ اور راحلہ کا ہمراہ ہونا اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ہی کا نوشتہ ساتھ رہے گا۔ پھر عرفات میں جمع ہونا حشر میں جمع ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر قربانی کر کے نہانا۔ دھونا۔ صاف ہونا گناہوں سے بری ہونے پر دلالت کرتا ہے پھر طواف زیارت کرنا۔ حرم مکہ میں جانا اور تمام ممنوعہ چیزوں کا جائز ہو جانا جنت میں جا کر وہاں کی نعمت سے فیض یاب ہونے کو یاد دلاتا ہے۔

حج کرنے والے درحقیقت سچے عاشقوں کی زندہ تصویر ہوتے ہیں۔ عاشق کے بال دراز، ناخن بڑھے ہوئے، سر کھلا ہوا، ایک دھن اور ایک لو لگی ہوتی ہے۔ ہر وقت ایک ہی خیال پیش نظر ہوتا ہے۔ گھر بار دھن دولت، راحت و آرام، حکومت عزت سب کو چھوڑ کر کوئے محبوب کی راہ لیتا ہے۔ بجنسہٖ یہی حال حاجی کا ہوتا ہے یاد الٰہی میں سرمست ہوتے ہیں۔ سر کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ناخن بڑھے ہوئے اور بال کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ بغیر سلا ہوا لباس ہوتا ہے۔ خوشبو اور رنگ متروک ہوتا ہے۔ کوچۂ محبوب کی راہ لیتا ہے۔ دیوانوں کی طرح صفا مروہ کے درمیان دوڑتا ہے۔ پاگلوں کی طرح وصال محبوب سے روکنے والے رقیب شیطان کے پتھریاں مارتا ہے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اپنے محبوب کو پکارتا ہے۔ روتا ہے گڑگڑاتا ہے، خانہ محبوب کے چکر لگاتا ہے۔ اس کے دروازہ کے پتھر کو چومتا چاٹتا ہے (یعنی حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے) اور در محبوب میں مرجانے کو حاصل زندگی سمجھتا ہے۔

حج کی برکت سے جنت کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ تو انشاء اللہ پوری آخرت میں ملیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ اور اس کے انوار کے خاص مرکز بیت اللہ شریف کو دیکھ کر اور مکہ معظمہ کے ان خاص مقامات پر پہنچ کر جہاں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اور ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص یادگاریں اب تک موجود ہیں۔ ایمان والوں کو جو لذت اور دولت حاصل ہوتی ہے وہ بھی اس دنیا میں جنت ہی کی نعمت ہے۔ پھر مدینہ طیبہ میں روضۂ اقدس کی زیارت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں نماز پڑھنا اور براہِ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا۔ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اور وہاں کے جنگلوں میں پھرنا وہاں کی ہوا میں سانس لینا اور وہاں کی مقدس زمین میں اور ہوا میں بسی ہوئی خوشبو سے دل و دماغ کا معطر ہونا اور دیارِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر شوق و محبت میں کبھی خوش ہونا اور کبھی رونا یہ وہ لذتیں ہیں جو حج کرنے والوں کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پہنچ کر نقد حاصل ہوتی ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اس قابل بنادے کہ ان لذتوں کو بندہ محسوس کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گھر کی حاضری اور اپنے رسول پاک کے در پر حاضری کی یہ لذتیں اور دولتیں ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

یہاں آیت میں حج کے لئے آنے والوں کو آخرت کے منافع اور دنیوی فوائد ملنے کا ذکر کرنے کے بعد قربانی کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس لئے لوگ آویں گے تا کہ ایام مقررہ میں یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو جو ایام قربانی ہیں ان میں قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں۔ ان دنوں میں بہترین عمل یہی ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

قربانی دورِ جاہلیت میں بھی ہوتی تھی، بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہئے اس کی اصلاح فرمائی جاتی ہے اور امت محمدیہ کو حکم ہوتا ہے کہ تم اپنی قربانی کے گوشت شوق سے کھاؤ۔ دوستوں اور عزیزوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔ پھر حج میں قربانی کے بعد کے کچھ احکام بتائے جاتے ہیں۔ حاجی جب سے احرام باندھ کر لبیک کہنا شروع کرتے ہیں تو حجامت نہیں بنواتے، ناخن نہیں تراشتے۔ بالوں میں تیل نہیں ڈالتے، کوئی خوشبودار چیز نہیں استعمال کرتے۔ بدن پر میل اور گرد وغبار چڑھ جاتا ہے۔ مگر زیادہ مل دل کر غسل نہیں کرتے۔ ایک عجیب عاشقانہ اور مستانہ حالت ہوتی ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو سب قصہ تمام کرتے ہیں۔ منیٰ میں قربانی کے بعد حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے پاک صاف نئے کپڑے پہن کر طواف زیارۃ کو منیٰ سے مکہ معظمہ جاتے ہیں۔

یہاں خانہ کعبہ کے لئے لفظ بیتِ عتیق استعمال ہوا ہے۔ عتیق عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قدیم۔ دوسرے آزاد جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو۔ تیسرے مکرم و معزز بیت اللہ پر یہ تینوں ہی معنے صادق آتے ہیں۔

چونکہ اس سے قدیم کوئی عبادت خانہ دنیا میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو عتیق کہا جاتا ہے۔ پھر کوئی بیرونی بادشاہ کعبہ پر تسلط نہ کر سکا اور آج تک یہ عبادت خانہ آزاد رہا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا خدا نے اس کو تباہ کر دیا جیسے اصحابِ فیل کا واقعہ، اس لئے بھی عتیق ہے۔ اور اس کے اعزاز و اکرام کا حال تو یہ ہے کہ روئے زمین پر مسلمان کہیں بھی نماز پڑھتا ہے تو اسی جانب منہ کرتا ہے۔

ابھی یہ سلسلہ مضامین اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عزت وکرامت۔ بزرگی اور بڑائی کو اور زیادہ بڑھاویں۔ اور اس گھر پر حاضر ہونے والوں کو عزت وکرامت نصیب فرماویں۔

اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حاضری کا شرف ہم سب کو نصیب فرماویں اور حج بیت اللہ کی دولت ہم سب کو عطا فرماویں۔ جن بھائیوں نے حج بیت اللہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے حج کو حجِ مقبول اور حجِ مبرور بنائیں۔ اور جن پر یہ فریضۂ حج عائد ہے ان کو اس فرض کو ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! حج بیت اللہ کے دینی و دنیوی فوائد سے امت مسلمہ کو مالا مال فرما۔ اور اس اجتماع کی برکت سے عالم اسلام کو صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی سعادت عطا فرما۔

یا اللہ! اپنے خاص تجلیات وانوار کے مرکز بیت اللہ شریف پر حاضری دینے والوں کی دعاؤں کی برکت سے عالم اسلام کے جملہ مسائل کو حل فرما۔ امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق عطا فرما۔ دشمنانِ دین اسلام سے جہاد کا عزم حقیقی نصیب فرما۔ اعلائے کلمۃ اللہ کا سچا جذبہ عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

یہ بات تو ہو چکی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا، سو یہ اُس کے حق میں اُس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور ان مخصوص چوپایوں کو باستثناء ان کے

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣٠﴾ حُنَفَآءَ

جو تم کو پڑھ کر سُنا دیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔ اس طور سے

لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو اسکے ساتھ شریک مت ٹھیراؤ۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں نوچ لیں۔

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾

یا اُس کو ہوا نے کسی دُور دراز جگہ میں لے جا پھینکا۔

ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو	يُّعَظِّمْ تعظیم کرے	حُرُمٰتِ اللّٰهِ شعائر اللہ (اللہ کی نشانیاں)	فَهُوَ پس وہ	خَيْرٌ بہتر	لَّهٗ اس کیلئے	
عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے رب کے نزدیک	وَاُحِلَّتْ اور حلال قرار دیئے گئے	لَكُمُ تمہارے لئے	الْاَنْعَامُ مویشی	اِلَّا سوا			
مَا يُتْلٰى جو پڑھ دیئے گئے	عَلَيْكُمْ تم پر۔ تم کو	فَاجْتَنِبُوا پس تم بچو	الرِّجْسَ گندگی	مِنَ سے	الْاَوْثَانِ بت	وَاجْتَنِبُوْا اور بچو	
قَوْلَ بات	الزُّوْرِ جھوٹی	حُنَفَآءَ لِلّٰهِ اللہ کیلئے یک رُخ ہو کر	غَيْرَ نہ	مُشْرِكِيْنَ شریک کرنے والے	بِهٖ اسکے ساتھ	وَمَنْ اور جو	
يُّشْرِكْ شریک کرے گا	بِاللّٰهِ اللہ کا	فَكَاَنَّمَا تو گویا	خَرَّ وہ گرا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	فَتَخْطَفُهُ پس اسے اچک لے جاتے ہیں		
الطَّيْرُ پرندے	اَوْ یا	تَهْوِيْ پھینک دیتی ہے	بِهٖ اس کو	الرِّيْحُ ہوا	فِيْ میں	مَكَانٍ کسی جگہ	سَحِيْقٍ دُور دراز

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں حج کے منافع اور مناسک حج اور قربانی کے بعض احکام ذکر فرمائے گئے تھے۔ اب آگے ایک عام نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ کی قائم کی ہوئی تمام حرمتوں کا احترام کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے۔ حرمات اللہ یعنی جن چیزوں کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ یوں تو حرمات اللہ یعنی محترم چیزوں میں بیت اللہ۔ صفا۔ مروہ۔ منیٰ۔ عرفات۔ مساجد۔ قرآن کریم۔ بلکہ تمام احکامِ الٰہیہ آ جاتے ہیں۔ مگر یہاں خصوصیت سے مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے۔ ہدی اس جانور کو کہتے ہیں کہ جو حاجی حرم میں قربانی کرنے کو ساتھ لے جاتا ہے۔ پہلے عرب قربانی کے جانور کو اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے یا پہلے بھیج دیتے تھے جس میں بیشتر اونٹ ہوتے تھے۔

یہاں اللہ کی قائم کی ہوئی تمام حرمتوں کا احترام و تعظیم کرنے کی جو نصیحت فرمائی گئی ہے اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ قریش نے حرم سے مسلمانوں کو نکال کر اور ان پر حج کا راستہ بند کر کے اور مناسک حج میں مشرکانہ و جاہلانہ رسمیں شامل کر کے اور بیت اللہ کو شرک کی گندگی سے ملوث کر کے حرمات اللہ کی ہتک و بے تعظیمی کر رکھی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قائم کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔

جیسا کہ گزشتہ درس میں کہا گیا تھا مشرکین اپنی قربانیوں کی کوئی چیز نہ کھاتے تھے جس کی تردید گزشتہ درس میں مجمل طور پر فرمادی گئی تھی مگر یہاں حلت کی صراحت کردی اور فرمادیا کہ تمام چوپائے ذبح کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں اور ان کے ذبح کا حکم تعظیم حرمات اللہ کے خلاف نہیں کیونکہ جس مالک نے ایک چیز کی حرمت بتلائی تھی اسی کی اجازت سے اور اسی کے نام پر وہ قربانی کی جاتی ہے۔ البتہ جن جانوروں کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً تم کو سنایا جاتا رہا ہے وہ حلال نہیں جیسا کہ سورۂ انعام آٹھویں پارہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے تو جو جانور اللہ کی اجازت سے اس کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں وہ حلال ہیں اور جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ مشرکین عرب میں دستور تھا وہ حرام اور مردار ہوا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسی شرکیات جو بتوں کی پرستش سے آتی ہیں ان سے اس طرح بچو جیسے غلاظت سے آدمی گھن کھاتا ہے اور دور ہٹتا ہے۔ گویا کہ بت نجاست سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے قریب جاتے ہیں آدمی ان سے نجس اور پلید ہو جاتا ہے۔ مشرکوں نے اپنی طرف سے جو تحلیل وتحریک قائم کر رکھی تھی اور بلا دلیل شرعی کسی شے کو حلال اور کسی کو حرام کہتے تھے تو اس قول سے اجتناب رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جھوٹی بات سے بچتے رہو۔ اگر چہ یہاں آیت میں واجتنبوا قول الزور (یعنی جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو) الفاظ عام ہیں اور اس میں ہر جھوٹی بات زبان سے نکالنا یا جھوٹی شہادت دینا داخل ہے۔ لیکن جن سلسلۂ کلام میں یہ فرمایا گیا ہے اس سے خاص طور پر اشارہ مشرکین کے ان باطل عقائد اور احکام ورسوم کی طرف ہے جن پر کفر وشرک کی بنیاد ہے۔ یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا اور اس کی ذات۔ صفات۔ اختیارات اور حقوق میں کسی کو حصہ دار بنانا وہ سب سے بڑا جھوٹ ہے جس سے یہاں منع فرمایا گیا ہے۔ اب چونکہ مشرکین کے شرک کا ذکر آ گیا تھا اس لئے ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے بندے بن کر رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ آگے شرک کی برائی ایک مثال سے سمجھائی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی اور بلند مقام سے گرنے کے بعد آدمی کی ہڈی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ بند بند جدا ہو جاتا ہے اور جب مردہ لاش میدان میں پڑی رہے تو مردار خوار پرندے اس کا تکا بوٹی کر لیتے ہیں۔ سب نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ یہی حالت مشرک کی ہوتی ہے۔ جب ایمان کے پہاڑ کی چوٹی سے گرا اور کفر وشرک کی وادی میں پہنچا تو تمام روحانی اور عقلی قوتیں چور چور ہو جاتی ہیں۔ بصیرت وفہم کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ ہوا وہوس اور قہر وظلم کے مردار خوار پرندے اس کی عقل کی لاش کو تکا بوٹی کر کے کھا جاتے ہیں اور اس طرح وہ حقیقی توحید کی زندگی سے محروم ہو جاتا ہے یا یوں کہا جائے کہ جس طرح کسی اچھے خاصے آدمی کو آندھی اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیتی ہے اسی طرح مشرک وکافر کی تمام باطنی اور روحانی طاقتیں ہوا وہوس کی ہوائیں اور خواہشاتِ نفسانی کی آندھیاں اڑا کر حیوانیت کے میدان میں پھینک دیتی ہیں اور مشرک آدمی روحانیت واخلاقِ باطنی تباہ ہونے کے بعد انسانیت سے دور گر جاتا ہے۔ صورت انسانوں کی ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ شیطان یا درندہ حیوان ہوتا ہے۔

اس مثال سے یہاں شرک کی برائی سمجھانا مقصود ہے کہ مشرک درحقیقت مردہ ہوتا ہے اس کی عقل فطری فنا ہو جاتی ہے اس کی اخلاقی اور اصلاحی قوتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ شہوت وغضب کے مردار خوار پرندے اس کی تمام اندرونی بیرونی صلاحیتوں کو کھا لیتے ہیں چونکہ اس کا اعتماد اور رجوع اللہ کی طرف نہیں ہوتا اس لئے سکون قلب اور اطمینان اس کو نصیب نہیں ہوتا اور درحقیقت سکون واطمینان قلبی ہی زندگی ہے۔

قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت اور معجزانہ کلام کو دیکھئے کہ شرک کے مقابلہ میں حنفآء للہ ایک اللہ کے ہو کر رہو فرما کر یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان کے پیش نظر محض ذاتِ الٰہی اور اس کی خوشنودی کا حصول ہونا چاہئے اور اللہ کے معاملہ میں اس کو تمام باطل تعلقات توڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر صرف خدائے ذوالجلال سے رشتہ جوڑنا چاہئے۔

ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى

یہ بات بھی ہو چکی۔اور جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔تم کو اُن سے ایک معین وقت تک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر اُس کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیتِ عتیق کے قریب ہے۔اور ہم نے ہر اُمت کیلئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اُسی کے ہو کر رہو۔اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے۔

ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو	يُّعَظِّمْ تعظیم کرے گا	شَعَآئِرَ اللّٰهِ شعائر اللہ	فَاِنَّهَا تو بیشک یہ	مِنْ سے	تَقْوَى پرہیزگاری	
الْقُلُوْبِ جمع قلب دل	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	مَنَافِعُ جمع نفع فائدے	اِلٰى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مدتِ مقرر	ثُمَّ پھر	
مَحِلُّهَا انکے پہنچنے کا مقام	اِلٰى تک	الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ بیتِ قدیم (بیت اللہ)	وَ اور	لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر امت کیلئے	جَعَلْنَا ہم نے مقرر کی	مَنْسَكًا قربانی	
لِيَذْكُرُوْا تا کہ وہ لیں	اسْمَ اللّٰهِ اللہ کا نام	عَلٰى پر	مَا رَزَقَهُمْ جو ہم نے دیئے انہیں	مِنْ سے	بَهِيْمَةِ چوپائے	الْاَنْعَامِ مویشی	فَاِلٰهُكُمْ پس تمہارا معبود
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ معبود یکتا	فَلَهٗ پس اُس کے	اَسْلِمُوْا فرمانبردار	وَبَشِّرِ اور خوشخبری دیں	الْمُخْبِتِيْنَ عاجزی سے گردن جھکانے والے			

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں مناسکِ حج کے سلسلہ میں احکام قربانی وغیرہ کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے اس ضمن میں گزشتہ آیات میں حرمات اللہ یعنی اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنے کی فضیلت بیان کی گئی تھی اور مثال کے ذریعہ شرک کی برائی سمجھائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جائے۔

قربانی کے جانوروں کو عرب اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے اور ایسے جانوروں کو ہدی کہا جاتا تھا۔ان جانوروں کی نسبت فرمایا جاتا ہے کہ تم ان سے فوائد حاصل کر سکتے ہو مثلاً سواری کرو۔ دودھ پیو۔نسل چلاؤ۔اون وغیرہ کام میں لاؤ مگر یہ اس وقت تک کہ ان کو ہدی نہ بنائیں۔ ہدی بننے کے بعد اس قسم کا انتفاع ان جانوروں سے بدوں شدید ضرورت کے نہیں کر سکتے۔مثلاً اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے اور سواری کے لئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں اور پیدل چلنا اس کے لئے مشکل ہو جاوے تو ایسی مجبوری اور ضرورت کی بنا پر اس وقت سوار ہونے کی اجازت ہے۔

جب ان کو قربانی کا جانور بنا لیا تو اس کا عظیم الشان اُخروی فائدہ یہی ہے کہ کعبہ کے پاس جس سے مراد سارا حرم ہے لے جا کر خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کر دو۔

بعض کوتاہ عقل اعتراض کیا کرتے ہیں جیسا کہ اب بھی ہنود و عیسائی قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کسی جانور کے ذبح کرنے

سے کیا خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے؟ ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ یہ رسم جاہلیت ہے۔ اس کا الزامی جواب پہلے عنایت فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ تم سے پیشتر بھی اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے رسم قربانی اللہ کا نام یاد کرنے کے لئے جاری کی ہے۔ امت محمدیہ کے لئے یہ کچھ نئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی شریعتوں میں بھی قربانی کا دستور خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا جیسا کہ اب تک اہل کتاب کی کتب میں پایا جاتا ہے اور اسی طرح ہنود کے ہاں بھی قربانیاں ہیں قدیم سے ان میں بلدان کی رسم چلی آتی ہے۔ تو یہاں بتلایا گیا کہ قربانی کا حکم جو اس امت مسلمہ کے لوگوں کو دیا گیا ہے یہ کوئی نیا حکم نہیں پچھلی سب امتوں کے ذمہ بھی قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی پس خداوند قدوس ہی خدا ہے جس نے ان کو حکم دیا تھا اسی نے تم کو بھی حکم دیا پس اس کا کہا مانو اور قربانی کرو اور اس پر خاص اللہ ہی کا نام لو اور اسی طرح اس کی سب باتوں میں فرمانبرداری کرو۔ اس کے بعد اس کی پوری فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ وخوشخبری دینے کا حکم دیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں۔ اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال وجبروت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اب چونکہ یہاں مخبتین یعنی اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دینے والوں کا ذکر آ گیا اس لئے آگے ان مخبتین کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مخبتین بندوں میں شامل فرمالیں اور اپنے احکام کے سامنے ہماری اطاعت سے گردنیں جھکی رہیں۔

یا اللہ اپنے احکام کی وقعت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دیجئے۔ اور ہم کو ہر چھوٹے بڑے امر میں شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً وباطناً نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! ہمیں بھی تقویٰ کی دولت عطا فرما اور شعائر اللہ کی حرمت وتعظیم نصیب فرما۔ یا اللہ اپنے جملہ احکام کی ہمیں فرمانبرداری نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ

جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں اور جو اُن مصیبتوں پر کہ اُن پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ

اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے۔ ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ

سو تم اُن پر کھڑا کر کے اللہ کا نام لیا کرو۔ پس جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو تم بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھانے کو دو۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ

ہم نے اِن جانوروں کو اس طرح تمہارے زیرِ حکم کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُن کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیرِ حکم کر دیا تاکہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اُس نے تم کو توفیق دی۔ اور اے نبیؐ اخلاص والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے۔

الَّذِيْنَ وہ جو	اِذَا جب	ذُكِرَ اللّٰهُ اللہ کا نام لیا جائے	وَجِلَتْ ڈر جاتے ہیں	قُلُوْبُهُمْ انکے دل	وَالصّٰبِرِيْنَ اور صبر کرنیوالے	عَلٰى پر
مَاۤ اَصَابَهُمْ جو انہیں پہنچے	وَالْمُقِيْمِي اور قائم کرنیوالے	الصَّلٰوةِ نماز	وَمِمَّا اور اس سے جو	رَزَقْنٰهُمْ ہم نے انہیں دیا		
يُنْفِقُوْنَ وہ خرچ کرتے ہیں	وَ اور	الْبُدْنَ قربانی کے اونٹ	جَعَلْنٰهَا ہم نے مقرر کیے	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْ سے	
شَعَآئِرِ اللّٰهِ شعائر اللہ	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	خَيْرٌ بھلائی	فَاذْكُرُوْا پس لوتم	اسْمَ اللّٰهِ اللہ کا نام	عَلَيْهَا ان پر
صَوَآفَّ قطار باندھ کر	فَاِذَا پھر جب	وَجَبَتْ گر جائیں	جُنُوْبُهَا انکے پہلو	فَكُلُوْا تو کھاؤ	مِنْهَا ان سے	وَاَطْعِمُوْا اور کھلاؤ
الْقَانِعَ سوال نہ کرنیوالے	وَالْمُعْتَرَّ اور سوال کرنیوالے	كَذٰلِكَ اسی طرح	سَخَّرْنٰهَا ہم نے انہیں مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	
تَشْكُرُوْنَ شکر کرو	لَنْ يَّنَالَ ہرگز نہیں پہنچتا	اللّٰهَ اللہ کو	لُحُوْمُهَا انکا گوشت	وَلَا اور نہ	دِمَآؤُهَا ان کا خون	وَلٰكِنْ اور لیکن بلکہ
يَنَالُهُ اس کو پہنچتا ہے	التَّقْوٰى تقویٰ	مِنْكُمْ تم سے	كَذٰلِكَ اسی طرح	سَخَّرَهَا ہم نے انہیں مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	
لِتُكَبِّرُوْا تاکہ تم بڑائی سے یاد کرو	اللّٰهَ اللہ	عَلٰى پر	مَا هَدٰىكُمْ جو اس نے ہدایت دی تمہیں	وَبَشِّرْ اور خوشخبری دیں	الْمُحْسِنِيْنَ نیکی کرنیوالے	

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیت مخبتین کو بشارت دینے پر ختم ہوئی تھی۔ مخبتین کے معنی ہیں عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر گردن جھکانے والے۔ گزشتہ آیت میں وبشر المخبتین فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا کہ آپ ایسے لوگوں کو جو احکامِ الٰہیہ کے سامنے گردن جھکا دینے والے ہوں جنت وغیرہ کی خوشخبری سنا دیجئے۔ اب آگے مخبتین کی بعض صفات بیان کی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کا ذکر سنتے ہی اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے دل اس کی عظمت و جلال کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں اور یہ اس کے سارے احکام بجالاتے ہیں۔

دوسری صفت بتلائی جاتی ہے کہ یہ لوگ مصائب و شدائد کو صبر و استقلال سے برداشت کرتے ہیں۔ کوئی سختی اٹھا کر راہِ حق سے قدم نہیں ڈگمگاتا۔

تیسری صفت بتلائی گئی کہ نماز کو پابندی اور اس کے حقوق و آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس میں ذرا سستی نہیں کرتے۔

چوتھی صفت بیان فرمائی کہ جو کچھ مال و دولت اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اس میں سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ایک حصہ خرچ کرتے ہیں۔ اس میں صدقہ خیرات۔ زکوٰۃ حج و قربانی اور دوسرے انفاق سب آ گئے۔

مضمون اوپر سے حج کے متعلق چل رہا تھا اور چونکہ بیت اللہ تک پہنچنے میں مصائب و شدائد بھی پیش آتے ہیں۔ سفر میں اکثر نمازوں کے قضا یا فوت ہو جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ مال بھی کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے انہی اوصاف و خصائل کا یہاں ذکر فرمایا گیا۔ گزشتہ آیات میں مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہوا تھا۔ اب تصریحاً بتلایا جاتا ہے کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان کی ذات میں تمہارے لئے دنیا کے بھی فائدے ہیں اور اللہ نے انہیں اپنی یاد کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔ ان کو اللہ کا پاک نام لے کر نحر یا ذبح کرو۔

یہاں آیت میں صرف اونٹوں کے نحر کا ذکر فرمایا ہے۔ اونٹ کی قربانی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو لٹا کر ذبح نہیں کرتے بلکہ قبلہ رخ کھڑا کر کے اس کا ایک پاؤں زمین سے اٹھا کر گھٹنے سے ملا کر باندھ دیتے ہیں اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر نیزہ اونٹ کے سینہ سے ذرا اوپر مارتے ہیں۔ جب خون نکل جاتا ہے تو وہ کسی کروٹ گر پڑتا ہے۔ اس وقت اس کا گوشت کھال سے علیحدہ کرتے ہیں اور اسے نحر کہتے ہیں۔ تو اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے اور گائے بکری بھیڑ کو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے۔ قربانی کے گوشت کے متعلق حکم دیا کہ خود بھی کھاؤ اور حاجت مندوں محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ یہاں محتاج کی دو قسمیں بیان فرمائیں، ایک جو صبر سے بیٹھا ہے۔ سوال نہیں کرتا۔ تھوڑا مل جائے تو اسی پر قناعت کرتا ہے۔ دوسرا جو بیقرار ہو کر سوال کرتا پھرتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اونٹ و گائے وغیرہ ایسے بڑے جانور جو تم سے جثہ اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں تمہارے قبضہ میں کر دیئے اور تمہارے لئے اس طرح مسخر کر دیئے کہ تم ان سے طرح طرح کی خدمات لیتے رہو اور کیسے آسانی سے ذبح بھی کر لیتے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ شرک کر کے الٹی ناشکری کرو۔

اب آگے قربانی کی حقیقت اور اس کا اصل فلسفہ بیان کیا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی حج اور قربانی کی رسم تھی مگر اس میں بہت سی بیہودہ باتیں اور شرک کے گندے طریقے داخل کر لئے تھے۔ مثلاً ایام جاہلیت میں جب قربانی کرتے تو بیت اللہ پر گوشت لتھیڑتے اور خون لیپتے تھے۔ ابتدا میں جب بعض مسلمانوں نے طریقۂ جاہلیت کے مطابق خانۂ کعبہ کو گوشت اور خون سے نجس کرنا چاہا تو ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور سمجھایا گیا کہ قربانی کا یہ گوشت پوست اور خون سب یہیں رہ جاتا ہے۔ اللہ تک اس کی رسائی نہیں۔ وہاں تو تمہاری نیتوں کا خلوص اور دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوشدلی اور جوشِ محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر اس کے گھر کے پاس لے جا کر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ بس یہی وہ تقویٰ ہے۔ جس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوبِ حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

اخیر میں بتلایا گیا کہ اللہ نے جانوروں کو تمہارا حکم بردار بنا دیا اس کے بدلہ میں تمہیں چاہئے کہ تم اللہ کے فرمانبردار بنو اور اس کے حکم سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر انہیں ذبح کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس

نے اپنی محبت اور عبودیت کے اظہار کی کیسی اچھی راہ بھادی اور ایک جانور کی قربانی کو گویا خود تمہاری جان قربان کرنے کے قائم مقام بنادیا۔

گزشتہ آیات کے خاتمہ پر وبشر المخبتین فرمایا گیا تھا۔ یہاں وبشر المحسنین فرمایا گیا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ لوگوں کو کامیابی کی بشارت دے دیں جو ایمان واخلاص کے ساتھ نیک عمل کرتے ہیں۔ جن کے دلوں میں سچائی۔ نیتوں میں مرضی الٰہی کی طلب اور اعمال میں پاکیزگی ہو۔ ہر کام بوجہ اللہ کرتے ہوں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ قربانی بھی شعائر الٰہیہ میں سے ہے مگر افسوس ہے کہ اب ایسے بھی نام کے مسلمان موجود ہیں کہ جو قربانی کا انکار کرتے ہیں اور قربانی سے روکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ایک شعائر اسلامیہ کے منکر ہیں اور انکا قربانی سے روکنا کھلے طور پر دین اسلام میں مداخلت کرنا ہے۔ طرح طرح کے اشکالات اور اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان آیات میں قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ صرف حاجیوں ہی کے لئے نہیں ہے اور صرف مکہ میں حج ہی کے موقع پر ادا کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ جہاں بھی وہ ہوں۔ یہ تصریح متعدد صحیح احادیث میں بھی وارد ہوئی ہے اور معتبر روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی فرماتے رہے اور تنبیہ ووعید کے طور پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ قرآن پاک بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ جملہ عبادات کو خواہ وہ نماز روزہ ہو یا صدقہ وزکوٰۃ ہو یا حج وقربانی ہو۔ انہیں انہی شرائط کے ساتھ پورا کرنا چاہئے جو مقرر کردی گئی ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے کیا فائدہ ہے؟ نہ ان کی بابت تغیر وتبدل کا وہم پیدا کرسکتا ہے جملہ عبادات بندگی کی نشانیاں ہیں اور منعم حقیقی کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو بجالانا چاہئے۔ ہمیں یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ قربانی میں کیا فائدہ ہے؟ کیا یہ فائدہ تھوڑا ہے کہ ہمارا مولا ہم سے اپنی بے چوں وچرا فرمانبرداری کرتے دیکھ کر خوش ہوجائے اور ہم کو اپنے مخبتین اور محسنین بندوں میں شمار فرمالے۔ بندہ کا کام تو یہی ہے کہ اپنے آقا کو خوش رکھے۔

اب جس وقت ان آیات کا نزول ہوا اور مخبتین اور محسنین کو احکامِ الٰہیہ اور شعائر اسلامیہ بجالانے پر بشارت سنائی گئی اس وقت کفار مکہ کا غلبہ تھا جو حسد وعناد میں اہل اسلام کو حج وعمرہ کے لئے مکہ میں آنے سے بھی روک دیتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابۂ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے واپس ہونا پڑا تھا۔ تو یہ احکام حج وقربانی وغیرہ کو سن کر مسلمانوں کو خیال ہوسکتا تھا کہ ہم کو حالت موجودہ میں ان احکام پر کہاں عمل نصیب ہوگا۔ ہم کو خانۂ کعبہ اور حرم تک رسائی تو ہے ہی نہیں۔ اس لئے آگے اہلِ اسلام سے بطور پیشین گوئی کے ایک تسلی آمیز وعدہ فرمایا جاتا ہے جس میں کفار کے لئے وعید بھی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور جملہ عبادات کو اپنے مقرر کردہ طریقوں پر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! تقویٰ اور اخلاص کی دولت ہم کو عطا فرما اور اپنے مخبتین اور محسنین بندوں میں شامل ہونا ہم کو نصیب فرما۔ یا اللہ! اپنے مخبتین بندوں کی صفات ہم کو بھی عطا فرمادے۔ اور ہمارے قلوب میں اپنی عظمت وجلال کا وہ خوف وخشیت جمادے جو ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور آپ کے سارے احکام بجالانے پر مستعد کردے۔ یا اللہ ہم کو ہر حال میں دین پر استقامت نصیب فرما اور ہم کو اپنی نمازوں کو جملہ حقوق وآداب کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور جو آپ نے دنیا میں ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں سے اپنی رضا کے لئے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ کو) ایمان والوں سے ہٹا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے نہیں چاہتا۔ لڑنے کی ان لوگوں کو

يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾

اجازت دے دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	یُدٰفِعُ دور کرتا ہے	عَنِ سے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے مومن	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	لَا یُحِبُّ پسند نہیں کرتا	
کُلَّ کسی۔تمام	خَوَّانٍ دغاباز	کَفُوْرٍ ناشکرا	اُذِنَ اذن دیا گیا	لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کو	یُقٰتَلُوْنَ جن سے لڑتے ہیں	بِاَنَّھُمْ کیونکہ وہ
ظُلِمُوْا ان پر ظلم کیا گیا	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰہَ اللہ	عَلٰی نَصْرِھِمْ ان کی مدد پر	لَقَدِیْرٌ ضرور قدرت رکھتا ہے		

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ چند آیتوں میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ کفار مکہ نے عناد وحسد میں مسلمان قبائل کو مکہ میں حج کے لئے آنے سے روک دیا تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابۂ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے واپس ہونا پڑا تھا۔ جب تک مسلمان مکہ میں رہے کفار مکہ کی طرف سے ایذا رسانی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مسلمانوں پر آوازے کستے طعنے دیتے۔ سخت سست کہتے۔ جہاں موقع ملتا انتہائی بے رحمی اور سنگدلی کے ساتھ مار پیٹ کرتے اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے کسی کا مال چھین لیتے مسلمان سے مزدوری کراتے تو اُجرت نہ دیتے مگر راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا ایمان لوہے کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھا۔ بڑی سے بڑی مصیبت اور ایذا سے ان کے یقین میں تزلزل نہ پیدا ہوتا مگر جب مار پیٹ اور زخمی کرنے کی تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو مسلمانوں نے مختلف اوقات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مدافعانہ قدم اٹھانے کی درخواست پیش کرنا شروع کر دی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برابر صبر وضبط کی تلقین فرماتے رہے اور قتال وجدال کی اجازت نہ دی۔ جب بحکم وحی مکہ سے مدینہ کو ہجرت ہوگئی اور مسلمانوں کو مدینہ میں کچھ استقلال نصیب ہوا تاہم کفار کی دراز دستیاں کم نہ ہوئیں۔ جس پر موقع اور قابو چلتا اکیلے دکیلے مسلمان کو مار لیتے۔ جو لوگ مکہ میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے رہ گئے تھے ان کو ایسی دکھ کی مار دیتے کہ بعض مسلمان شدت آلام کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور جہاد کا حکم دے دیا گیا۔ اجازت جہاد کے متعلق یہ پہلی آیت ہے۔ اس کے بعد پھر دوسری آیتیں جہاد کے حکم میں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے۔ اب یہ ضرور ہلاک ہوں گے۔ چنانچہ مدینہ میں پہنچ کر سب سے اول جہاد کی اجازت کے متعلق جب آیت مذکورہ نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے پہچان لیا تھا کہ عنقریب قتال کا حکم ہوگا۔

ان آیات میں سب سے پہلے مسلمانوں سے بطور پیشین گوئی کے ایک تسلی آمیز وعدہ فرمایا جاتا ہے جس میں کفار کے لئے وعید بھی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ عنقریب

دشمنوں سے ان کا راستہ صاف کردے گا۔ مسجد حرام تک پہنچنے اور اس کے متعلق احکام کی تعمیل کرنے میں کوئی مخالفانہ رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ بے خوف وخطر حج وعمرہ ادا کریں گے۔ گویا گزشتہ آیت میں وبشر المحسنین میں جو بشارت دینے کا امر تھا اس کی ایک فرد یہ خوشخبری بھی ہوئی۔ الحمدللہ جو پیشین گوئی یہاں فرمائی گئی وہ بجنسہ پوری ہوئی اور ان آیات کے چند سال بعد یعنی ۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو مسلمانوں کو حج وعمرہ کے ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اگر کفار مکہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ دغاباز اور ناشکر گزاروں کو ایک خاص میعاد تک مہلت دی جائے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش آتے ہیں۔ یہ مہلت بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر ہے۔ آخری انجام یہی ہونا ہے کہ اہل حق غالب ہوں گے اور باطل پرستوں کو راستہ سے چھانٹ دیا جائے گا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور قرآنی احکام کے مطابق کامل تیرہ سال تک سخت مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور جب مدینہ دارالاسلام بن گیا اور مسلمانوں کی ایک قلیل سی جماعت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ میں اب تلوار اٹھائیں اور اپنی جماعت اور دین کی حفاظت کریں اور اطمینان دلایا گیا کہ اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کرسکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت وامداد کا وعدہ تھا۔ جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شان ووقار اور استغنا دکھلانے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمہارا فلاں کام ہم کرسکتے ہیں اسی طرح یہاں " ان اللہ علی نصرھم لقدیر " یعنی اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے فرما کر یہ عنوان اختیار کیا گیا تا کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں جو کچھ کریں گے اپنی قدرت اور اختیار سے کریں گے۔

آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے کہ جس بنا پر جہاد کی اجازت دی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے ان وعدوں پر ہم کو بھی ایمان ویقین نصیب فرمائیں۔ اور اس وقت کفار نے جہاں جہاں اہلِ اسلام کو مظلوم بنا رکھا ہے اللہ پاک اپنی قدرت سے ان کی مدد فرمائیں اور کفار کے غلبہ کو اہل ایمان سے دور فرمائیں اور جہاد پر جو نصرت اور کامیابی کے وعدے اہل ایمان سے کئے ہیں وہ اس وقت بھی امت مسلمہ کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! جیسے آپ نے ابتداء میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد فرمائی اور مشرکین مکہ کے غلبہ اور ایذ رسانی سے اہل ایمان کو نجات عطا فرمائی۔

یا اللہ! اسی طرح اب بھی اپنی اسی قدرت سے اہلِ اسلام کی مدد فرمادے اور اعدائے دین کی طاقت کو ملیامیٹ فرمادے یا اللہ آپ اپنی قدرت واختیار سے جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ یا اللہ اہل اسلام کو اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے سچا عزم جہاد نصیب فرما اور اپنی نصرت وتائید سے ان کو اعدائے دین پر غلبہ عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ

جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے

بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا ؕ

زور نہ گھٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۴۰﴾

اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔

الَّذِیْنَ جو لوگ	اُخْرِجُوْا نکالے گئے	مِنْ سے	دِیَارِھِمْ اپنے گھر (شہروں)	بِغَیْرِ حَقٍّ ناحق	اِلَّا مگر	اَنْ یہ کہ	یَّقُوْلُوْا وہ کہتے ہیں
رَبُّنَا اللّٰہُ ہمارا رب اللہ	وَلَوْ اور اگر	لَا دَفْعُ دفع نہ کرتا	اللّٰہِ اللہ	النَّاسَ لوگ	بَعْضَھُمْ اُن کے بعض (ایک کو)		
بِبَعْضٍ بعض سے (دوسرے)	لَّھُدِّمَتْ تو ڈھادیئے جاتے	صَوَامِعُ صومعے	وَبِیَعٌ اور گرجے	وَّصَلَوٰتٌ اور عبادت خانے			
وَّمَسٰجِدُ اور مسجدیں	یُذْکَرُ ذکر کیا جاتا (لیا جاتا ہے)	فِیْھَا ان میں	اسْمُ اللّٰہِ اللہ کا نام	کَثِیْرًا بہت۔ بکثرت	وَلَیَنْصُرَنَّ اور البتہ ضرور مدد کریگا		
اللّٰہُ اللہ	مَنْ جو	یَّنْصُرُہٗ اس کی مدد کرتا ہے	اِنَّ بیشک	اللّٰہَ اللہ	لَقَوِیٌّ طاقت والا توانا	عَزِیْزٌ غالب	

تفسیر و تشریح:- گزشتہ آیات کے سلسلہ میں بیان ہوا تھا کہ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں اہل اسلام کو کفار سے جنگ اور قتل و قتال کی ممانعت تھی۔ لیکن ہجرت کے بعد جہاد کی اجازت کا حکم نازل ہو گیا اور ان کفار سے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے جنگ کی اجازت ہو گئی اور ساتھ ہی غلبہ کی بشارت بھی اہل اسلام کو سنا دی گئی۔

اب آگے اہل اسلام کی مظلومیت اور جہاد کی حکمت اور اخلاص فی الجہاد پر غلبہ کی بشارت کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا۔ نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا بجز اس کے وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ اور پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا سنگین الزام اگر لگایا جاسکتا ہے تو یہی کہ وہ ایک خدا کے ماننے والے کیوں بنے۔ جس ظلم کے ساتھ ان اسلام کے شیدائی مہاجرین کو اپنے گھروں سے مکہ سے نکالا گیا اس کا اندازہ کرنے کے لئے چند واقعات سنئے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے ان سے کہا کہ تم یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب مالدار ہو گئے ہو۔ تم جانا چاہو تو خالی ہاتھ ہی جا سکتے ہو اپنا مال نہیں لے جا سکتے حالانکہ انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا تھا۔ کسی کا دیا نہیں کھاتے تھے آخر وہ دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور سب کچھ ظالموں کے حوالہ کر کے اس حال میں مدینہ پہنچے کہ تن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

۲۔ حضرت ام سلمہ اور ان کے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دودھ پیتے بچہ کو لے کر ہجرت کے لئے نکلے تو حضرت ام سلمہ کے خاندان والوں نے راستہ روک لیا اور ابو سلمہ سے کہا کہ تمہارا جہاں جی چاہے پھرتے رہو مگر ہماری لڑکی کو لے کر نہیں جا سکتے مجبوراً بیچارے بیوی کو چھوڑ کر مدینہ چلنے لگے پھر ابو سلمہ

کے خاندان والے آگے بڑھے اور انہوں نے کہا بچہ ہمارے قبیلہ کا ہے اسے ہمارے حوالہ کرو۔ اس طرح بچہ بھی ماں اور باپ دونوں سے چھین لیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت ام سلمہ بچے اور شوہر کے غم میں تڑپتی رہیں اور آخر کار بڑی مصیبت سے اپنے بچہ کو حاصل کر کے مکہ سے اس حال میں نکلیں کہ اکیلی عورت گود میں بچہ لئے اونٹ پر سوار تھیں اور ان راستوں پر جا رہی تھیں جن سے مسلح قافلے بھی گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

۳۔ حضرت عیاش بن ربیعہ ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابو جہل اپنے ایک بھائی کو ساتھ لے کر جا پہنچا اور بات بنائی کہ اماں جان نے قسم کھالی ہے کہ جب تک عیاش کی صورت نہ دیکھ لوں گی نہ دھوپ سے سایہ میں جاؤں گی نہ سر میں کنگھی کروں گی۔ اس لئے بس تم چل کر انہیں صورت دکھا دو پھر واپس آ جانا۔ وہ بیچارے ماں کی محبت میں ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں دونوں بھائیوں نے انہیں قید کر لیا اور مکہ میں انہیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی پکارتے جا رہے تھے کہ اے اہلِ مکہ اپنے اپنے نالائق بیٹوں کو یوں سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے۔ کافی مدت تک یہ بیچارے قید رہے۔ آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکال لانے میں کامیاب ہوئے۔

اس طرح کے مظالم سے قریب قریب ہر اس شخص کو سابقہ پیش آیا جس نے اپنے ایمان اور اسلام کیلئے مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی۔ ظالموں نے گھر بار چھوڑتے وقت بھی ان غریبوں اور مظلوموں کو خیریت سے نہ نکلنے دیا۔ اور کفار کا یہ تمام تر غیظ و غضب صرف توحید پر تھا جس کی وجہ سے مظلوموں کو وطن چھوڑنا پڑا۔

آگے جہاد کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے جنگ کرتی رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ۔ تکیہ۔ خانقاہ۔ مسجد۔ مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ بہر حال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی اجازت دینا اسی قانونِ قدرت کے ماتحت تھا اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت و حفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کی خانقاہیں قائم رہتیں۔ نہ نصاریٰ کے گرجے۔ نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر برابر کر دی جاتیں۔ بس اسی عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقتِ مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

اب آگے مجاہدین کی نصرت و مدد کا وعدہ فرمایا جاتا ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وعدہ تو ان تاکیدی الفاظ میں ہے کہ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا۔ آگے وہ شرط ہے یعنی جو اللہ کے دین کی مدد کریں گے۔ یہ مضمون قرآن پاک میں متعدد جگہ پر بیان ہوا ہے

کہ جو لوگ خلقِ خدا کو توحید کی طرف بلانے اور دین حق کو قائم کرنے اور شر کو مٹانے اور خیر کو فروغ دینے کی سعی وجدوجہد کرتے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں تو یہاں اور قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر نصرت و امداد کا صریح وعدہ ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ طلبگاران نصرت کو دین الٰہی کی مدد کرنی چاہیۓ یعنی جہاں تک ممکن ہو جان و دل سے کوشش کریں کافروں کا مقابلہ جفاکشی اور تندہی سے کریں اور کافروں کے مقابلہ کا مقصد حصول زر یا مال۔ حکومت و شہرت نہ ہو بلکہ دین کا غلبہ اور اسلام کی حمایت مدِ نظر ہو۔ آخر میں شک وشبہ اور وہم کو دفع کرنے کے لئے ان اللہ لقوی عزیز فرما دیا۔ ہوسکتا تھا کہ مسلمان اپنی کمزوری کو دیکھتے ہوئے کہتے کہ ہم تمام عرب کے کفار ومشرکین کے مقابلہ میں دین کی حمایت کیا کر سکتے ہیں۔ تعداد کم، سامان ابتر، اسلحۂ جنگ شکستہ۔ اُوپر سے فقر و فاقہ، اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ قوی اور غالب ہے۔ تم اس وقت کمزور ہو تو کیا ہے۔ تمہارا خدا تو قوی ہے۔ تم مغلوب ہو تو کوئی حرج نہیں تمہارا رب تو غالب ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اب یہ ظاہر ہے کہ یہ قرآنی وعدے جو نزول قرآن کے وقت تھے وہ اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ نے ایمان ویقین کے ساتھ اس پر عمل فرمایا۔ اور اللہ کے دین کی مدد کی شرط کو دل و جان سے پورا کیا۔ اللہ کی نصرت وحمایت ان کے شامل حال رہی۔ پھر دنیا پر ان کا وہ رعب داب اور غلبہ رہا اور غیب سے ایسی امدادان کی فرمائی گئی کہ اسلامی تاریخ آج بھی گواہ ہے۔ اے کاش کہ اس وقت بھی امت مسلمہ کو ہوش آجائے اور اپنے کو ان قرآنی وعدوں کا مصداق بنالے اور اللہ کے دین کی مدد کے لئے دل و جان سے کھڑی ہو جائے۔ پھر اللہ کی نصرت بھی یقینی ہے۔

اب آگے مکہ کے ان مظلوم مہاجرین کی مخصوص صفات بیان کی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو دین کی سچی سمجھ اور فہم عطا فرما اور دین حق کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی دینے کا جذبہ صادق عطا فرما۔

اے اللہ! ان مہاجرین اولین کے صدق اور اخلاص کے طفیل میں جنہوں نے دین کے لئے سب کچھ قربان کر دکھایا۔ ہم کو بھی دین حق کی حمایت کی توفیق عطا فرما۔ دین کے لئے جینے اور مرنے کی سعادت نصیب فرما۔ اے اللہ! دین کی طرف سے آج امتِ مسلمہ جس غفلت میں پڑگئی ہے اس غفلت کو دور فرما۔ اور پوری امت کو دین کی مدد کے لئے دل و جان سے کھڑا ہو جانے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم اُن کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور بُرے

عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾

کاموں سے منع کریں۔اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے

اَلَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اِنْ اگر	مَّكَّنّٰهُمْ ہم دسترس دیں انہیں	فِي الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	اَقَامُوا وہ قائم کریں	الصَّلٰوةَ نماز
وَ اور	اٰتَوُا الزَّكٰوةَ زکوٰۃ ادا کریں	وَاَمَرُوْا اور حکم دیں	بِالْمَعْرُوْفِ نیک کاموں کا	وَنَهَوْا اور وہ روکیں	عَنِ الْمُنْكَرِ بُرائی سے
	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	عَاقِبَةُ انجام کار	الْاُمُوْرِ تمام کام		

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں مہاجرین اولین کی مظلومیت کا ذکر تھا کہ مسلمانوں کو ناحق مکہ سے جلاوطن کیا گیا۔ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اگر قصور تھا تو صرف یہ کہ وہ اللہ کی ربوبیت کے قائل تھے اور دوسروں کی ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔ پھر جہاد کی حکمت و فائدہ بتلایا گیا تھا کہ اگر حق کے ذریعہ سے باطل کو شکست نہ ہوتی اور ظلم کی جگہ انصاف نہ لیتا تو تمام عبادت گاہیں یعنی حق پرستی کے مرکز تباہ ہو جاتے۔ نہ یہودیوں کے دور میں ان کی خانقاہیں قائم رہتیں نہ نصاریٰ کے زمانہ میں ان کے عبادت خانے اور نہ مسلمانوں کے زمانہ میں ان کی مسجدیں۔ غرض حق پرستی دنیا سے معدوم ہو جاتی۔ اگر انبیاء اور ان کی امتوں پر جہاد فرض نہ کیا جاتا اور تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی جاتی تو اہلِ کفر اللہ کی پرستش نہ کرنے دیتے۔ حضرت موسیٰ اگر فرعون اور عمالقہ کا مقابلہ نہ کرتے تو یہودیوں کے معبد برباد ہو جاتے اور شریعتِ موسوی قائم نہ رہتی۔ اگر عیسائیوں کو تلوار اٹھانے اور مقابلہ کرنے کا حکم نہ ہوتا تو یہودی ان کو کھا جاتے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو کفار مکہ اور مشرکین عرب اور دنیا کی تمام غیر مسلم اقوام ان کو تباہ و برباد کر ڈالتے تو اقامتِ حق اور ابقاء صداقت کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ظالموں اور جابروں کا مقابلہ کیا جائے اور قوت کے ساتھ ان کی دراز دستیوں کو روکا جائے۔

پھر اس کے بعد اخلاص فی الجہاد کو بتلایا گیا تھا یعنی کفار سے لڑنے میں خالص نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو جس پر غلبہ کی بشارت دی گئی تھی۔ اب آگے ان مہاجرین کی جو علمبردارِ حق تھے اور اعلان صداقت کی پاداش میں گھروں سے نکالے گئے تھے ان کے چند خصوصی اوصاف کا بیان ہے اور اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ مظلوم مسلمان جنہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں حکومت اور زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ بذاتِ خود بدنی اور مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ خود بھی نماز کی پابندی کریں۔ اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشین گوئی کی گئی تھی بحمد اللہ وہ حرف بحرف پوری اور سچی ثابت ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے اربعہ اور خلافتِ راشدہ کے زمانہ کے اکثر عمال و حکام انصاف اور عدل کے علمبردار تھے۔ نیکی اور خدا پرستی ان کا شعار تھی۔ ارکانِ دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں اُتری ہے۔ ہم بے سبب خارج از وطن کئے گئے تھے پھر ہمیں خدا نے سلطنت دی۔ ہم نے نماز روزہ کی پابندی کی۔ نیکیوں کے احکام دیئے اور برائی سے روک جاری کی پس یہ آیت ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ میں اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا اس میں صرف بادشاہوں کا بیان ہی نہیں بلکہ بادشاہ و رعایا دونوں کا بیان ہے۔ بادشاہ پر تو یہ ہے کہ حقوقِ خداوندی تم سے برابر لے۔ خدا کے حق میں کوتاہی کے بارہ میں تمہیں پکڑے اور ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور جہاں تک ممکن ہو تمہیں صراطِ مستقیم سمجھاتا رہے۔ تم پر اس کا یہ حق ہے کہ ظاہر و باطن خوشی خوشی اس کی اطاعت گزاری کرو۔ یہاں آیت میں اگرچہ چاروں حکم بحرفِ شرط بیان کئے گئے ہیں مگر فی الحقیقت طلبگارانِ حق اور داعیانِ جہاد کے لئے یہ حتمی حکم ہے کہ جب تم کو خدا تعالیٰ حکومت و تسلط عطا فرمائے تو نماز کی طرف سے غافل نہ ہونا۔ زکوٰۃ شرعی کو نہ چھوڑ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر فرضِ الٰہی کی ادائیگی سے غفلت ہو جائے۔ پھر ہر کارِ خیر کی اشاعت اور کارِ بد کی ممانعت سے بھی غافل نہ رہنا۔

یہ چاروں اوصاف جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے اہلِ حق کے امتیازی اوصاف ہیں آگے **وللہ عاقبۃ الامور** اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے فرما کر یہ متنبہ کر دیا کہ گو آج مسلمان کمزور اور کافر غالب اور قوی نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخر کاران ضعفاء کو منصور و غالب کر دے اور مغرور و سرکش جو اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ اپنے اقتدار میں بسنے والوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے ہیں اور جن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ بھلا ان کی کرسی کا پایہ کون ہلا سکتا ہے اور ان کو نیچا کون دکھا سکتا ہے۔ اور جن کے دبدبے کے ڈنکے بج رہے ہوں وہ ایسے گرائے جاتے ہیں کہ دنیا کے لئے نمونۂ عبرت بن جاتے ہیں۔ اور اس کی مثالیں دیکھنے کے لئے آپ کو دور جانے کی ضرورت نہیں آپ اپنے ہی ملک کے گزشتہ فرمانرواؤں کو دیکھ لیجئے۔ الغرض قوت و اقتدار کا بخشنا اور اس کو قائم رکھنا یا ختم کر کے کسی اور کو اقتدار بخش دینا یہ سب دستِ قدرت میں ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت نے واضح کر دیا کہ قرآن کریم کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار اور حکومت کا اصلی مقصد کیا ہے۔ یہاں صاف وضاحت فرمائی گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار اور اس کی تائید اور نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت اور فرمانروائی بخشی جائے تو بجائے فسق و فجور اور کبر و غرور کے ان کا کردار اقامتِ صلوٰۃ اور احیائے دین ہو۔ ان کی دولت اپنے عیش و عشرت اور نفس پرستی کی بجائے ایتائے زکوٰۃ اور مستحقین کی امداد و خدمت میں صرف ہو۔ ان کی حکومت نیکی کو فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو دبانے میں استعمال ہو۔

غور کیجئے کہ اس آیت میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی صفات و خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت فی الحقیقت کس چیز کا نام ہے اور اسلامی احکام اور فرمانروا کیسے ہونے چاہئیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی اپنی تقریر ماجدی میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

”کہ گورنمنٹ اگر مسلمانوں اور سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد پر رونق ہو جائیں۔ ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا

بھوکا نہ رہ جانے پائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کی بجائے ملنے لگے۔ رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق۔ کوئی موقع غریب کی تحقیر کا، ایذا کا باقی نہ رہ جائے۔ غیبتیں۔ بدکاریاں چوریاں، ڈاکے خواب و خیال ہو جائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں اور بینکوں کے ٹاٹ اُلٹ جائیں۔ گویئے نچیے اگر تائب نہ ہوں شہر بدر کر دیئے جائیں سینما، تھیٹر تمام شہوانی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے گندہ، فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا دنیا رہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔"

قرآن کریم جو آسمانی رحمت۔ سرچشمۂ ہدایت اور ذریعہ سعادت دارین ہے وہ بیشک ہم میں موجود تو اب بھی ہے۔ مگر اس لئے نہیں کہ ہمارے عقائد اور ہمارے اعمال وافعال سب اس کے مطابق اور ماتحت ہوں۔ قرآنی تعلیمات و ہدایات کو چھوڑنے اور ان سے منہ موڑنے کا نتیجہ یہی ہوا کہ امت میں نہ وہ وحدت باقی رہی نہ قوت۔ نہ وہ ایمان باقی رہا نہ یقین۔ کہیں ذلت کہیں محکومی اور مظلومیت، کہیں بے کسی اور لاچاری اور کہیں اعدائے دین کا تسلط، اور کہیں آپس ہی میں اختلاف اور افتراق یہ چیزیں ہمارے حصہ میں رہ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قرآن کا تو وعدہ ہے۔ وا نتم الا علون ان کنتم مؤمنین (آل عمران ۴/۱۴۰) "تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔" مگر افسوس ہے اور رونا ہے تو یہی ہے کہ اس بات کو کس کس سے کہا جائے؟ اور کس طرح کہا جائے؟ اور اب تو (یعنی بوقتِ نظر ثانی جب یہ درس لکھا جا رہا ہے) نوبت بانیجا رسید کہ ایسے منافقین پیدا ہو گئے ہیں کہ قرآن کریم ہی کو فرسودہ کتاب بتلانے لگے۔ اور جن کو اپنے مسائل کا حل اس چودہ سو سالہ پرانی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بس ان کے نزدیک روٹی، کپڑا اور مکان یہی سارا دین و اسلام رہ گیا ہے اسی کے لئے ان کو اقتدار اور قوت اور دولت و حکومت اور سلطنت چاہئے۔

مگر یہ واضح رہے اور روٹی کپڑے اور مکان کے طالب کان کھول کر سن لیں کہ ایک طرف اسلام کا لیبل لگا کر دوسری طرف دین اسلام کی در پردہ جڑیں کاٹنے کی فکر رکھ کر کبھی بھی جوان کے روٹی کپڑے اور مکان کے مسئلہ حل ہوں، اسی طرح روٹی کپڑے اور مکان کے لئے ہائے ہائے کرتے اور سر ٹیکتے مر جائیں گے۔ اور خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ ہدایت نصیب فرمائیں اور قرآن کریم سے ہمیں سچا اور پکا وفاداری کا تعلق نصیب فرمائیں۔

الغرض اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر کسی کو زمین میں حکومت اور سلطنت و اقتدار عطا کریں تو وہ صاحب حکومت اور صاحب اقتدار سے چار باتیں چاہتے ہیں۔

۱۔ ایک اقاموا الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنا۔

۲۔ دوسرے واتوا الزکوٰۃ زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ ان دو باتوں میں تمام شعائر اسلام کے قائم کرنے کا اشارہ ہے۔

۳۔ تیسرے وامر وابالمعروف یعنی نیکیوں اور بھلے کاموں کا حکم کرنا۔

۴۔ چوتھے ونھوا عن المنکر یعنی منکرات اور برائیوں سے روکنا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت وسلطنت کا اولین مقصد اقامت دین اور قوانین شریعت کا اجراء اور نفاذ ہے گویا اصل مقصود دین ہے اور حکومت اس کی خادم ہے۔

اس زیر تفسیر آیت جس کو آیت تمکین کہتے ہیں یہ ہجرت مدینہ

کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب کہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین کی حکومت واقتدار حاصل نہیں تھا مگر حق تعالیٰ نے یہ خبر بطور پیشین گوئی کے دے دی کہ وہ لوگ جن کو ان کے گھروں سے ظلماً بغیر کسی حق کے نکال دیا گیا یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں حکومت واقتدار دے دیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان مذکورہ چار کاموں میں صرف کریں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمل کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے عمل کرنے والوں کی مدح وثنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین مہاجرین اولین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے وعدہ کے بموجب ان کو زمین کی تمکین عطا فرمائی اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان خلفائے راشدین کے اعمال وکردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں۔ زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا۔ اچھے کاموں کو رواج دیا اور برے کاموں کا راستہ بند کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اسی لئے علمائے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفائے راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور یہ آیت چاروں خلفاء کے حق ہونے کی دلیل ہے اور اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ملک وسلطنت عطا فرمائیں کہ وہ اپنے اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفائے راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے۔

اللہ تعالیٰ اس ملک پاکستان کو جو اسلام کے پاک نام سے وجود میں آیا، ایسے ہی صفات کے صاحب اقتدار نصیب فرمائیں، جو قرآن کریم کو مطلوب ہیں آمین۔

اب ان آیات کے نزول کے وقت کفار کی تکذیب اور جدال و قتال اور مسلمانوں پر اگلے ظلم وستم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج وغم طبعاً ہوتا تھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو جو اسلام وایمان اور قرآن کی دولت عطا فرمائی ہے تو ان نعمتوں کی قدر اور سچی شکر گزاری کی توفیق بھی ہم کو عطا فرمائیں یا اللہ! اس ملک پاکستان کو جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا صحیح معنوں میں اسلامی حکومت بنا دے اور یہاں قرآنی احکام کا نفاذ فرما دے۔

یا اللہ! یہ اسلام آپ کا دین ہے اور آپ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں لایا ہوا ہے۔ یا اللہ! جس طرح آپ نے اس دین کی ابتدا میں مدد فرمائی اور کفار ومشرکین کے غلبہ کو ہٹا کر اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا۔

اے اللہ! اے قدیر رب! اب بھی اپنی اسی قدرت سے اسی طرح اسلام کی مدد فرما دے۔ اور اس ملک میں حقیقی اسلام کو غلبہ اور فروغ عطا فرما دے۔ اور مخالفین اسلام کی جڑیں کاٹ دے۔ ان کے عزائم ناکام بنا دے۔ ان کے فتنہ وفساد سے اس ملک کو پاک کر دے۔ اے اللہ! جو اس ملک میں اسلامی اور قرآنی حکومت قائم کرنے کے کوشاں ہیں۔ ان کی کوششوں کو بار آور فرما دے۔ اور منافقین ومخالفین کو ناکام، خاسر اور ذلیل فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ

اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ وَکُذِّبَ مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ لِلْکٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَکَیْفَ

اور قوم لوط اور اہلِ مدین بھی تکذیب کر چکے ہیں۔اور موسیٰ کو بھی کاذب قرار دیا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا سو میرا

کَانَ نَکِیْرِ ﴿۴۴﴾ فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا

عذاب کیسا ہوا۔غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل۔سو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہوجاویں

یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی

کہ اُس سے سمجھنے لگیں۔بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دِل جو سینوں میں ہیں

الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔

وَاِنْ اور اگر	یُکَذِّبُوْکَ تمہیں جھٹلائیں	فَقَدْ کَذَّبَتْ تو جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ نوح کی قوم	وَعَادٌ اور عاد		
وَثَمُوْدُ اور ثمود	وَ اور	قَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ ابراہیم کی قوم	وَ اور	قَوْمُ لُوْطٍ قوم لوط	وَ اور	اَصْحٰبُ مَدْیَنَ مدین والے	
وَکُذِّبَ اور جھٹلایا گیا	مُوْسٰی موسیٰ	فَاَمْلَیْتُ پس میں نے ڈھیل دی	لِلْکٰفِرِیْنَ کافروں کو	ثُمَّ پھر	اَخَذْتُهُمْ میں نے انہیں پکڑ لیا		
فَکَیْفَ تو کیسا	کَانَ ہوا	نَکِیْرِ میرا انکار	فَکَاَیِّنْ تو کتنی	مِنْ قَرْیَةٍ بستیاں	اَهْلَکْنٰهَا ہم نے ہلاک کیا انہیں	وَهِیَ اور یہ۔وہ	
ظَالِمَةٌ ظالم	فَهِیَ کہ وہ۔یہ	خَاوِیَةٌ گری پڑی	عَلٰی پر	عُرُوْشِهَا اپنی چھتیں	وَبِئْرٍ اور کنوئیں	مُعَطَّلَةٍ بے کار	
وَقَصْرٍ اور بہت محل	مَشِیْدٍ گچ کاری کے	اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا پس کیا وہ چلتے پھرتے نہیں	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَتَکُوْنَ جو ہوجاتے			
لَهُمْ ان کے	قُلُوْبٌ دل	یَعْقِلُوْنَ وہ سمجھنے لگتے	بِهَا ان سے	اَوْ یا	اٰذَانٌ کان	یَسْمَعُوْنَ سننے لگتے	بِهَا ان سے
فَاِنَّهَا کیونکہ درحقیقت	لَا تَعْمَی اندھی نہیں ہوتیں	الْاَبْصَارُ آنکھیں	وَلٰکِنْ اور لیکن بلکہ	تَعْمَی اندھے ہوجاتے ہیں			
الْقُلُوْبُ دل	الَّتِیْ وہ جو	فِی الصُّدُوْرِ سینوں میں					

تفسیر وتشریح:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے ابتداء اسی قوم کے اکثر افراد نے آپ کی سخت مخالفت کی۔کفار قریش آپ کی تکذیب اور اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے آپ نے قوم کو ہر طرح کی امکانی تبلیغ کی مگر اکثر اپنے

کفر وشرک پر جمے رہے۔ قوم کی اس سرکشی و نافرمانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج وغم ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے ان آیات کا نزول ہوا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا گیا کہ کفار کی یہ سرکشی اور سرتابی اور یہ تمرد اور انکار یہ سب کچھ صرف آپ ہی کی قوم کا شیوہ نہیں بلکہ گزشتہ انبیاء کی امتوں کی بھی یہی کیفیت رہی ہے۔ قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی مخالفت کی۔ ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ بابل والوں نے ابراہیم علیہ السلام سے سرتابی کی۔ مدین والوں نے شعیب علیہ السلام کا انکار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اگرچہ بنی اسرائیل نے نہ کی مگر فرعون اور اس کی قوم نے آپ کو نہ مانا، غرض یہ کہ سب انبیاء سلف کی امتوں نے اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ یہی کفر وتکذیب کا معاملہ کیا۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منکروں کا انکار آپ کے ساتھ کوئی نئی چیز نہیں۔ تمام انبیاء کے ساتھ ان کی قوم کے کفار یہی معاملہ برابر کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خدا نے ان کی فوری گرفت کر لی ہو بلکہ ایک وقت خاص تک کافروں کو مہلت دی اور جب مدت مہلت مقررہ گزر گئی تو پھر ان کی رسی کھینچ لی گئی۔ آخر تباہ و ہلاک ہوئے۔ گزشتہ میں کتنی ہی بستیاں اپنی نافرمانی و سرکشی اور بدکرداریوں کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں۔ ان کی آبادیاں مسمار پڑی ہیں۔ مکانات برباد ہیں اور دیواروں کے نیچے چھتیں دبی ہوئی ہیں۔ وہ کنوئیں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا۔ کنوؤں کو قدیم تمدن و معاشرت میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے یہاں کنوؤں کا ذکر فرمایا گیا۔ وہ بڑے بڑے پختہ بلند عالی شان قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے جن میں کوئی بسنے والا نہیں۔ ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر ان کفار نے کبھی غور وفکر نہ کیا جو ان کو عبرت حاصل ہوتی۔ ان کے دل انہیں نہیں سمجھاتے کہ گزشتہ قوموں نے کیا عمل کئے اور ان کا کیا انجام ہوا۔ کاش ان کو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی ہوتی۔ گوش کے ساتھ ہوش بھی ہوتا۔ سیر کے ساتھ عبرت بھی ہوتی اور سیاحت کے ساتھ تدبر اور تفکر بھی ہوتا مگر دل کے اندھوں کو بینائی کیسے نصیب ہو۔ عقل کے مدہوش کو ہوش کہاں سے آئے اور غافل روح والوں کو فکر و ذکر کا حصہ کیسے ملے۔ گو ان کفار کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں۔ پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ کفار ظاہری آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں اور گزشتہ برباد شدہ قوموں کے حالات اور ان کی تہذیب وتمدن اور طور وطریق بھی جانتے ہیں لیکن سبق ان سے کچھ حاصل نہیں کرتے یہی دلوں کا اندھا پن ہے۔

الغرض یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ کی قوم جو آپ کے پیام کی اور آپ کی پیامبری کی تکذیب کر رہی ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں گزشتہ یعنی سارے پیغمبروں کو یہی معاملہ اپنی قوم کی طرف سے پیش آتا رہا۔ مگر ایسی نافرمان اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کرنے والی قوم کو دنیا میں سزا بھی ملتی رہی ہے اور ان کی تباہی وبربادی کے نشان موجود ہیں مگر یہ منکرین اس سے کوئی عبرت اور سبق حاصل نہیں کرتے اور آپ کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں۔ اب ان منکرین میں سے بعض اہلِ عناد ایسے بھی تھے جو ان عذاب کی آیاتِ وعید کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں کہتے کہ جس عذاب سے ہم کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اس کو کیوں نہیں جلدی برپا کر دیا جاتا۔ اس لئے آگے معاندین کے اس استہزاء اور استعجال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے

سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا

تم لوگوں کے شمار کے موافق۔اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمانی کرتی تھیں پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا

وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا

اور سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہوگا۔آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو صرف تمہارے لئے ایک آشکارا ڈرانے والا ہوں۔سو جو لوگ ایمان لے آئے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا

اور اچھے کام کرنے لگے اُن کیلئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں

مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾

ہرانے کے لئے۔ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔

وَ اور	یَسْتَعْجِلُوْنَکَ وہ تم سے جلدی مانگتے ہیں	بِالْعَذَابِ عذاب	وَلَنْ اور ہرگز نہیں	یُخْلِفَ خلاف کرے گا	اللّٰهُ اللہ	وَعْدَہٗ اپنا وعدہ	
وَاِنَّ اور بیشک	یَوْمًا ایک دن	عِنْدَ رَبِّکَ تمہارے رب کے ہاں	کَاَلْفِ سَنَةٍ ہزار سال کے مانند	مِمَّا اس سے جو	تَعُدُّوْنَ تم گنتے ہو		
وَ اور	کَاَیِّنْ کتنی ہی	مِنْ قَرْیَةٍ بستیاں	اَمْلَیْتُ میں نے ڈھیل کی	لَهَا ان کو	وَهِیَ اور وہ	ظَالِمَةٌ ظالم	ثُمَّ پھر
اَخَذْتُهَا میں نے پکڑا انہیں	وَاِلَیَّ اور میری طرف	الْمَصِیْرُ لوٹ کر آنا	قُلْ فرمادیں	یٰاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں		
اَنَا میں	لَکُمْ تمہارے لئے	نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ڈرانے والا آشکارا	فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ ایمان لائے	وَ اور			
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے عمل کئے اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	مَغْفِرَةٌ بخشش	وَرِزْقٌ اور رزق	کَرِیْمٌ باعزت	وَ اور		
الَّذِیْنَ سَعَوْا جن لوگوں نے کوشش کی	فِیْ میں	اٰیٰتِنَا ہماری آیات	مُعٰجِزِیْنَ عاجز کرنے	اُولٰٓئِکَ وہی ہیں	اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ دوزخ والے		

تفسیر و تشریح:۔گزشتہ آیات میں کفار مکہ اور مشرکین عرب کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ اگرچہ دنیا میں گزشتہ کفار کی متعدد امتیں کفر و نافرمانی اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کے باعث ہلاک و برباد کی جا چکی ہیں جس سے ان موجودہ کفار کو سبق لینا چاہئے تھا مگر چونکہ ان کے دل اندھے ہو رہے ہیں اس لئے ان کو اپنے کفر و نافرمانی کی سزا کا ملنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یوں تو عام مشرکین آیاتِ وحی کا انکار کرتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔روزِ قیامت اور حساب کتاب اور جزا وسزا کو غلط بتاتے مگر بعض اہلِ عناد اپنے انکار میں اس قدر مستحکم تھے کہ وہ آیاتِ وعید کو سن کر کہتے کہ جس عذاب سے ہمیں بار بار ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اس کو کیوں نہیں جلد برپا کر دیا جاتا؟ انہی کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کو لے آنے کی جلدی مچاتے ہیں۔اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا کہ ان منکرین کو جواب دے دیا جائے کہ عذاب اپنے وقت پر یقیناً آ کر رہے گا۔استہزاء اور تکذیب کی راہ سے جلدی مچانا فضول ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان منکرین کو اپنے عذاب میں مبتلا کرنے کا وعدہ کرلیا ہے اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اس لئے وعدے کے وقت عذاب ضرور واقع ہوگا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس دن یعنی قیامت میں اصل عذاب واقع ہوگا اس کا ایک دن دنیا والوں کے شمار کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔پھر ایسی مصیبت کو بلانے کے لئے یہ منکرین کیوں بیتاب ہیں۔آگے بطور خلاصہ جواب کا ارشاد ہوتا ہے کہ سن لو بہت سی بستیوں کے لوگ ظلم پر کمر کسے ہوئے تھے اللہ نے بھی ان سے چشم پوشی کر رکھی تھی۔جب اپنی نافرمانیوں میں خوب مست ہو گئے تو اچانک گرفت کر لی گئی اور عذاب میں پکڑ لئے گئے تو ان منکرین کو کتنی ہی مہلت مل جائے اور گو کتنی ہی ان کی رسی ڈھیل کی دراز ہو جائے مگر سب مجبور ہیں کہ سب کو حاضر ہونا اللہ ہی کے سامنے ہے۔اس وقت کفر کی پوری سزا ہوگی۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوتی ہے کہ منکرین کے اس عذاب طلبی کے تقاضہ میں فرما دیجئے کہ میرا کام آگاہ کر دینا، ہوشیار کر دینا ہے۔عذاب کا لے آنا میرے قبضہ میں نہیں۔خدا ہی کے قبضہ میں ہے کہ سب مطیع و عاصی کا فیصلہ کرے اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جگہ پر پہنچائے۔سو اب جو لوگ ایمان لے آئیں اور عمل صالح کرنے لگیں ان کے لئے مغفرت اور جنت کی نعمتیں ہیں اور جو لوگ اللہ کی آیات اور کلام کے متعلق بطلان کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔اللہ کے رسول اور اہلِ ایمان کو ہرانے اور عاجز کرنے کے لئے ایسے لوگ جہنم میں رہنے والے ہیں پس عذاب سے ڈرانا میرا فرض منصبی ہے باقی اس کا وقوع یہ اپنے وقت پر باختیار خداوندی ہوگا۔اس سے میرا کوئی تعلق نہیں جو مجھ سے درخواست کیا کرتے ہو۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا کہ تمہارے رب کے نزدیک ایک دن قیامت میں تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت میں ایک دن شدت اور سختی کی بنا پر ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔یا درازی مدت کے لحاظ سے ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی ۵۰۰ برس پہلے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا۔آدھے دن کی مقدار کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا۔جی ہاں پڑھا ہے اور یہی آیت وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون۔سنائی (اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق۔

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے۔ساتھ ہی کفار کو وعید عذاب جہنم کی سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ کی نافرمانی کا وبال یقیناً بڑا سخت ہے ہمیں اس وبال سے بچا لیجئے۔اور ہر طرح کی نافرمانی سے سچی توبہ کر کے کامل فرمانبرداری اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ 1

اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اُس نے کچھ پڑھا شیطان نے اُس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا

اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ ۙ

پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کردیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کردیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا حکمت والا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ

تا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کیلئے آزمائش (کا ذریعہ) بنادے جن کے دل میں مرض ہے اور جن کے دِل بہت سخت ہیں۔

الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ ۙ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

اور واقعی ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں۔ اور تا کہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ اس امر کا زیادہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اسکی اُن کے دِل اور بھی جھک جائیں۔ اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست دکھاتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ

اور کافر لوگ ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ اُن پر دفعتہً قیامت آجاوے یا اُن پر کسی بے برکت دن کا

يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عذاب آپہنچے۔ بادشاہی اُس روز اللہ ہی کی ہوگی۔ وہ ان سب کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کئے ہوں گے

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ۧ

وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا۔ تو اُن کیلئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا اور نہیں بھیجا ہم نے	مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے	مِنْ سے	رَّسُوْلٍ رسول	وَّلَا اور نہ	نَّبِيٍّ نبی	اِلَّآ مگر	اِذَا جب
تَمَنّٰٓى اس نے آرزو کی	اَلْقَى ڈالا	الشَّيْطٰنُ شیطان	فِيْٓ میں	اُمْنِيَّتِهٖ اس کی آرزو	فَيَنْسَخُ پس ہٹا دیتا ہے	اللّٰهُ اللہ	مَا يُلْقِي جو ڈالتا ہے
الشَّيْطٰنُ شیطان	ثُمَّ پھر	يُحْكِمُ اللّٰهُ اللہ مضبوط کردیتا ہے	اٰيٰتِهٖ اپنی آیات	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	
لِّيَجْعَلَ تا کہ بنائے وہ	مَا يُلْقِي جو ڈالا	الشَّيْطٰنُ شیطان	فِتْنَةً ایک آزمائش	لِّلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں		
مَّرَضٌ مرض	وَّ اور	الْقَاسِيَةِ سخت	قُلُوْبُهُمْ انکے دل	وَاِنَّ اور بیشک	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	لَفِيْ شِقَاقٍ البتہ سخت ضد میں	بَعِيْدٍ دور۔ بڑی
وَّلِيَعْلَمَ اور تا کہ جان لیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا	اَنَّهُ کہ یہ	الْحَقُّ حق	مِنْ رَّبِّكَ تمہارے رب سے		

فَيُؤْمِنُوْا تو وہ ایمان لے آئیں	بِهٖ اس پر	فَتُخْبِتَ تو جھک جائیں	لَهٗ اس کیلئے	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ
لَهَادِ ہدایت دینے والا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے	اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا	وَلَا يَزَالُ اور ہمیشہ رہیں گے	
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	فِيْ میں	مِرْيَةٍ شک	مِّنْهُ اس سے	حَتّٰى یہاں تک	تَاْتِيَهُمُ آئے ان پر	السَّاعَةُ قیامت
بَغْتَةً اچانک	اَوْ يَاْتِيَهُمْ یا آجائے ان پر	عَذَابُ عذاب	يَوْمٍ عَقِيْمٍ منحوس دن	اَلْمُلْكُ بادشاہی	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلّٰهِ اللہ کیلئے
يَحْكُمُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَهُمْ اُن کے درمیان	فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے		
فِيْ میں	جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمتوں کے باغات	وَ اور	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات کو	
فَاُولٰٓئِكَ پس وہی لوگ	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ عذابِ ذلت				

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات سے کفار ومشرکین کا حال بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کفار مکہ قرآنی آیات اور احکامِ الٰہیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ان میں طرح طرح کے شبہات واعتراضات پیش کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کفار کی ضلالت انگیزیوں سے دکھ ہوتا۔ آپ کے حزن و ملال کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور صاف صراحت کردی کہ ایسی حرکت کفار مکہ ہی آپ کے ساتھ نہیں کر رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء کو ایسے ہی بے دینوں سے واسطہ پڑا ہے جتنے انبیاء پہلے گزر چکے ہیں سبھی نے احکامِ الٰہیہ کو اپنی اپنی قوم کے سامنے بیان کیا اور پیامِ وحی پڑھ کر سنایا مگر شیطان کفار کے قلوب میں شبہ اور اعتراضات ڈالتا اور کفار ان ہی اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے مجادلہ کرتے رہے ہیں شیطان نے ہمیشہ کافروں کے دلوں سے قول پیغمبر کے اثرات کو دور کرنے کی کوشش کی اور اپنی طرف سے طرح طرح کے خرافات ان کے دلوں میں ڈالتا رہا لیکن انجام کار اللہ کی آیات محکم اور دائم البقا ثابت ہوئیں۔ خدا کے احکام کو کوئی نہ مٹا سکا اور شیطانی وساوس والقاء چونکہ کمزور تھا اس لئے مٹ گیا حق کی فتح ہوئی اور باطل کو شکست۔ آگے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا تصرف جو دیا گیا اس کی حکمت بتلائی جاتی ہے کہ

اس حق و باطل کی کشاکش اور وحی ربانی اور القائے شیطانی کے مقابلہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ صحیح الایمان اور پختہ عقیدت رکھنے والے نمایاں ہو جائیں اور جو ناقص الفہم شکی مزاج اور اہلِ نفاق ہیں ان کی حقیقت بھی کھل جائے۔ جو حق پرست مومن ہیں ان کے دلوں میں تو القاء شیطانی کی وجہ سے صداقت وحی میں شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا لیکن جن کے دل روگی اور بیمار ہیں اور حق سے متاثر ہونے کا مادہ نہیں ہے۔ وہ القاء شیطانی کی وجہ سے وحی کی حقانیت کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ پیامِ الٰہی کے خلاف ان کے دماغوں میں طرح طرح کے وسوسے گھومتے ہیں۔ تو جو لوگ توہمات کے خارزار میں نہیں پھنستے اللہ تعالیٰ انکو خود راہ مستقیم بتا دیتا ہے البتہ جن لوگوں کے دلوں میں شک ونفاق کا گندہ مواد جمع ہوتا ہے ان کو مرتے دم تک ہدایت نہیں ہوتی اور وہ بدوں مشاہدہ عذاب کفر سے باز آنے والے نہیں اور قیامت کے دن جس روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی ان سب مذکورین کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیا جائے گا اور وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور عمل صالح کئے ہوں گے وہ تو جنت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا تو ان کے لئے جہنم میں ذلت کا عذاب ہوگا۔

یہاں ان آیات میں دل کے امراض اور دل کی سختی ان دو

چیزوں کی مذمت کی گئی اور یہ گویا کفار اور منکرین میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ راہِ حق سے بھٹکتے رہتے ہیں اور ان کے مقابل علم وفہم کی تعریف فرمائی گئی جس کی وجہ سے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ دل کے امراض اور دل کی سختی سخت بری چیزیں ہیں اور ہلاک کرنے والی ہیں اور ان سے نجات کی فکر ہونی چاہئے۔ انہی دل کے امراض سے نجات کے لئے اہل اللہ اور بزرگانِ دین تزکیۂ نفس کراتے ہیں اور یہ امراض بغیر کسی معالج وطبیب روحانی کے دور نہیں ہو سکتے۔ اور اہل اللہ طبیب روحانی ہیں اس لئے اہل اللہ سے تعلق اور ان سے اپنے دل کا علاج بہت ضروری ہوا۔ پھر دین کی فہم اور دین کا علم یہ وہ لازوال دولتیں ہیں کہ جس کو حق تعالیٰ عطا فرمائیں تو اسی کو نصیب ہوتی ہیں۔

اب آگے اللہ کی راہ میں ہجرت وجہاد کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے وسوسوں سے ہمارے قلوب کو محفوظ رکھیں۔ اور ہم کو دین کی حقیقی فہم اور سمجھ عطا فرمائیں اور صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس زندگی میں ایمان کے ساتھ ان اعمال صالح کی بھی توفیق عطا فرمائیں کہ جو خوشنودی رب العزت اور جنت نعیم میں ہمارے داخلہ کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ لوگ قتل کیے گئے یا مرگئے اللہ تعالیٰ ضرور اُن کو ایک عمدہ رزق دے گا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا

حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ

بہت حلم والا ہے۔ یہ (مضمون تو) ہو چکا اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچاوے جس قدر اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی پھر اس شخص پر زیادتی کی جاوے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور امداد کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اور اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

وہ بالکل لچر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی عالی شان سب سے بڑا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا اور جن لوگوں نے ہجرت کی	فِيْ میں	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	ثُمَّ پھر	قُتِلُوْا مارے گئے	اَوْ یا	مَاتُوْا وہ مرگئے	
لَيَرْزُقَنَّهُمُ البتہ وہ انہیں رزق دے گا	اللّٰهُ اللہ	رِزْقًا رزق	حَسَنًا اچھا	وَ اور	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَهُوَ البتہ وہ	
خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ سب سے بہتر رزق دینے والے	لَيُدْخِلَنَّهُمْ وہ البتہ انہیں ضرور داخل کرے گا	مُّدْخَلًا ایسے مقام میں					
يَّرْضَوْنَهٗ وہ اسے پسند کریں گے	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَعَلِيْمٌ البتہ علم والا	حَلِيْمٌ حلم والا	ذٰلِكَ یہ	وَمَنْ اور جو۔ جس	
عَاقَبَ ستایا	بِمِثْلِ جیسے	مَا عُوْقِبَ اسے ستایا گیا	بِهٖ اس سے	ثُمَّ پھر	بُغِيَ عَلَيْهِ زیادتی کی گئی اس پر	لَيَنْصُرَنَّهٗ ضرور مدد کریگا اسکی	
اللّٰهُ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَعَفُوٌّ البتہ معاف کرنے والا	غَفُوْرٌ بخشنے والا	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	يُوْلِجُ داخل کرتا ہے
الَّيْلَ رات	فِي النَّهَارِ دن میں	وَيُوْلِجُ اور داخل کرتا ہے	النَّهَارَ دن	فِي الَّيْلِ رات میں	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا
بَصِيْرٌ دیکھنے والا	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّ اس لئے کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی حق	وَاَنَّ اور یہ کہ	مَا جو۔ جیسے	يَدْعُوْنَ وہ پکارتے ہیں
مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	هُوَ وہ	الْبَاطِلُ باطل	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ وہ	الْعَلِيُّ بلند مرتبہ	الْكَبِيْرُ بڑا

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ پر ایمان لا کر نیک کام کرنے والوں کو نعمتوں سے بھری ہوئی دائمی جنت ملے گی اور اللہ کے نہ ماننے والوں کو اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کو ایسا دائمی عذاب پہنچے گا کہ اس سے نجات نہ مل سکے گی۔ اب یہاں

ان آیات میں مومنین میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ مہاجرین کی جماعت ہے۔ جو اللہ کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے، مسلمان جب تک مکہ میں رہے صبر وتحمل سے مصیبتیں جھیلتے رہے انہیں اس وقت یہی حکم تھا کہ لڑیں نہیں اور صبر سے برداشت کرتے رہیں چنانچہ وہ اس حکم کی تعمیل دل وجان سے کرتے رہے۔ اس کے بعد انہیں، حکم ہوا کہ وطن کو چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ تو وہ بلاچوں وچرا کمر باندھ کر اس کے لئے تیار ہو گئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کر گئے اور یہ سب کچھ اللہ کے لئے کیا۔ ان کی یہ حکم برداری اللہ عزوجل کو بہت پسند آئی اس لئے انہیں خوشخبری دی جاتی ہے کہ جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ جہاد میں شہید ہوں یا ویسے ہی طبعی موت سے دنیا سے رخصت ہوں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں خاص جزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیت اور عمل دونوں سے خوب واقف ہے۔ وہ ان کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے درگزر کرے گا کیونکہ وہ علیم وحلیم ہے اور ان کو ایسی جگہ پہنچادے گا جو انہیں پسند ہوگی۔ اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ انہیں کیسی جگہ پسند ہوگی اور اس نے پہلے ہی سے ان کی پسند کی جگہ تیار کر رکھی ہے جو انہیں عطا کی جائے گی۔

مہاجرین مکہ کی مظلومیت کا بیان گزشتہ دروس میں بھی ہو چکا ہے جہاں اللہ کی نصرت وحمایت کا وعدہ اور غلبہ کی بشارت بھی دی جاچکی ہے۔ مظلوم پر دوطرح کا ظلم ہوا کرتا ہے ایک یہ کہ ابتداء ظلم کیا جاوے دوسرے یہ کہ وہ مظلوم اس ابتدائی ظلم کا انتقام لے لے اور اس انتقام کی وجہ سے پھر اس کو ایذا پہنچائی جائے قسم اول کی مظلومیت پر وعدۂ نصرت گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا، قسم دوم پر وعدۂ نصرت کی تصریح یہاں فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے پھر از سر نو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا اس حالت میں حق تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور امداد فرمائے گا۔ یہاں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت دی ہے مگر اجازت کے بعد ان اللہ لعفو غفور (بیشک اللہ تعالیٰ کثیر العفو اور کثیر المغفرت ہے) فرما کر ترغیب عفو ودرگذر کی دی گئی ہے کہ بندوں کو بھی چاہئے کہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو ودرگذر کی عادت سیکھیں۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔ اس وقت جب کہ ان آیات کا نزول ہوا ہے مسلمانوں کی حالت بے سروسامانی کی تھی اور کفار کی کثرتِ تعداد کے ساتھ مالی فراوانی کی حالت تھی۔ اس لئے ایسے حالات پر نظر کر کے مومنین کو غالب کر دینے کی قدرت جتلائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا اُلٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اُسی کے تصرف اور حکم سے کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ تو جو یہ انقلاب رات دن کا لاسکتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ ان پر غالب اور مسلط کر دے۔ اوپر مسلمان مہاجرین کے ذکر کے بعد رات دن کے انقلاب لانے میں یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔ اور بحمد اللہ ایسا ہی ہوا۔ آگے وان اللہ سمیع بصیر (اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے) فرما کر یہ جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی مظلومیت اور کفار کی ظالمیت کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ چونکہ جہلائے کفار کو اس مقام پر اپنے معبودین کے ناصر ہونے کا وہم ہوسکتا تھا اس لئے ان کا ناکارہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہی ایک ہے باقی اس کو

چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط۔ جھوٹ اور باطل ہیں پس اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ معبود حقیقی کی ہے۔

یہاں مہاجر فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان فرمائی گئی اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی اور اس بات کی صراحت فرمائی گئی کہ مہاجر فی سبیل اللہ خواہ اپنی طبعی موت سے مرے یا دشمن کے مقابلہ میں مارا جائے بہر حال وہ شہید ہے اور انعام شہادت اس کو ملے گا۔ اب یہاں آیت میں جن مہاجرین فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا گیا اور ان کی فضیلت بیان کی گئی بعض مفسرین کے نزدیک وہی مہاجرین اولین مراد ہیں جنہوں نے مکہ کی سکونت کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بعض مفسرین نے ہجرتِ حبشہ اور حجرتِ مدینہ دونوں کو شامل فرمایا ہے لیکن بعض محقق مفسرین نے عام ہجرتِ اسلامی مراد لی ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کی گئی ہو یا قیامت تک کسی وقت میں بھی ہو۔ دین کے لئے راہِ خدا میں وطن اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر جانا ہجرت ہے۔ اگرچہ وہ ثواب اور درجہ اس ہجرت کا نہیں جو فتح مکہ سے پہلے وطن چھوڑنے والوں کے لئے تھا۔ تاہم ہجرت ضرور ہے۔ اور لفظ فی سبیل اللہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے اور دین کو بچانے اور اس پر آزادی سے عمل کرنے اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے ہجرت ہونی چاہئے۔ اگر نیت کا خلوص نہ ہوگا اور کوئی دنیوی طمع شامل ہوگی تو ہجرت کا ثواب نہ ملے گا۔ بخاری و مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ اعمال نیت سے وابستہ ہیں۔ جو نیت وہی نتیجہ جس کسی کی ہجرت اللہ و رسول اور دین اسلام کے لئے ہوگی وہی ہجرت خدا اور رسول کے لئے کہلائے گی تو معلوم ہوا کہ ہجرت میں صدق نیت شرط ہے۔

الغرض یہاں توحید باری تعالیٰ کا بھی ذکر فرمایا گیا کہ وہی اپنی ہستی میں کامل ہے اور اسی کی عبادت و بندگی ہونی چاہئے۔

اب آگے اللہ تعالیٰ کے اور کمالات اور نعمتیں بیان فرمائی گئی ہیں جس سے توحید کی حقیقت اور شرک کا بطلان سمجھا جاسکتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے جیسے ابتداء میں مومنین کی مدد فرمائی اور ان کو کفار پر غلبہ عطا کیا۔ اسی طرح اب بھی اہلِ ایمان کی اور امت مسلمہ کے مہاجرین کی مدد فرمائیں اور غلبہ و کامیابی عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آپ خیر الرازقین ہیں اپنی رحمت سے ہم کو دونوں جہان میں رزق حسن عطا فرمائیے یا اللہ! اپنی شان لعفو غفور کے طفیل سے ہمارے سب کے جملہ چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے۔ اور اپنی جنت میں خوش و خرم داخلہ نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ کا ہم کو یقین کامل عطا فرما، اور اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں اہلِ اسلام مظلوم ہیں ان کو ظالموں کے پنجہ سے نجات عطا فرما۔ ظالموں کے عزائم کو ملیامیٹ فرما کر اور ان کو خاسر و نا کام فرما۔

یا اللہ! مظلوم اہلِ اسلام کی حمایت و نصرت فرمانے والے آپ ہی ہیں۔ آپ کی توحید پر وہ ایمان رکھتے ہیں، اپنی قدرت سے ظالموں کی گردن توڑ دے۔ اور مظلوم مسلمانوں کو غلبہ و اقتدار نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان سب باتوں کی

خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ

خبر رکھنے والا ہے۔ سب اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے۔

أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ

کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو کہ وہ دریا میں اُس کے حکم سے چلتی ہے۔ اور وہی آسمان کو

أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي

زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے ہاں مگر اُسی کا حکم ہوجائے تو خیر بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو

أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

زندگی دی پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا۔ واقعی انسان ہے بڑا بے قدر۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	اَنْزَلَ اُتارا	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	مَآءً پانی	فَتُصْبِحُ تو ہوگئی	الْاَرْضُ زمین
مُخْضَرَّةً سرسبز	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَطِيْفٌ نہایت مہربان	خَبِيْرٌ خبر رکھنے والا	لَهٗ اسی کیلئے	مَا جو کچھ	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں
وَمَا اور جو کچھ	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَهُوَ البتہ وہی	الْغَنِيُّ بے نیاز	الْحَمِيْدُ تمام خوبیوں والا	
اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	سَخَّرَ مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	مَا جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَالْفُلْكَ اور کشتی	
تَجْرِيْ چلتی ہے	فِي الْبَحْرِ دریا میں	بِاَمْرِهٖ اسکے حکم سے	وَيُمْسِكُ اور وہ روکے ہوئے ہے	السَّمَآءَ آسمان	اَنْ تَقَعَ کہ وہ گر پڑے		
عَلَى الْاَرْضِ زمین پر	اِلَّا مگر	بِاِذْنِهٖ اسکے حکم سے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	بِالنَّاسِ لوگوں پر	لَرَءُوْفٌ بڑا شفقت کرنیوالا		
رَحِيْمٌ نہایت مہربان	وَهُوَ اور وہی	الَّذِيْ جس نے	اَحْيَاكُمْ زندہ کیا تمہیں	ثُمَّ پھر	يُمِيْتُكُمْ مارے گا تمہیں	ثُمَّ پھر	
	يُحْيِيْكُمْ زندہ کرے گا تمہیں	اِنَّ الْاِنْسَانَ بیشک انسان	لَكَفُوْرٌ بڑا ناشکرا				

تفسیر وتشریح:۔ قرآن پاک کا دستور ہے اور یہ طریقہ بلیغ اور مؤثر بھی ہے کہ چند احکام وعقائد کی تعلیم دے کر اس کے مقصد یعنی توحید ذاتِ باری تعالیٰ کی تلقین کرتا ہے کیونکہ توحید ہی دائرہ اسلامی کا مرکز اور دینی محور کا وسطی نقطہ ہے اسی سے اصول واحکام کے تمام خطوط مستقیم نکلتے ہیں۔

گزشتہ آیات میں کچھ حج کے احکام بیان ہوئے تھے۔ پھر ان کی کچھ تفصیل کی گئی تھی۔ اہل ایمان کے خصوصی اوصاف بھی بیان ہوئے تھے پھر ہجرت کرنے والوں کا ثواب بیان کیا اور کفار سے مقابلہ کرنے کی اجازت وتعلیم بھی دی۔ اب پھر اصل مدعا کی طرف رجوع فرمایا جاتا ہے۔

انسان کے فوائد دنیا میں تین طور پر ہیں (۱) ایک آسمان اور کائنات فضائی سے۔ (۲) دوسرے موجودات ارضی سے۔ اور (۳) تیسرے سمندروں اور دریاؤں کے پانی سے۔ انہی تینوں کا بیان ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس سے مقصود اپنی قدرت کی وسعت کو ظاہر فرماتا ہے۔ آخر میں انسان کی پیدائش اور موت کی قدرت دکھا کر حشرِ جسمانی اور وجود قیامت کو ثابت فرمایا گیا ہے۔ اس طرح ان آیات میں ربوبیت عامہ کو بتلا کر الوہیت کو ثابت کیا گیا اور الوہیت کو وحدانیت کے ثبوت کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اگر زمین خشک رہتی۔ پانی نہ برستا۔ فضائی کائنات میں انقلاب و حرکت نہ پیدا ہوتی تو کس طرح انسان اس زمین پر زندہ رہ سکتا۔ یہ اللہ ہی کا احاطہ علمی ہے کہ انسانی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے اس نے مختلف اسباب کو مرتب کر کے اور ایک دوسرے سے مربوط فرما کر پانی اتارا جس سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ پانی کے برسنے میں اس باب فضائی وارضی سب کو دخل ہے۔ آفتاب کی حرارت سے سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں درمیانی فضا میں ان کا پانی بن جاتا ہے پھر برس کر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کی قدرت ہمہ گیر ہے اور تمام عالم اسی کے دست قدرت میں ہے بلکہ اسی کی مملوک و مخلوق ہے۔ پھر آگے اپنی شانِ ربوبیت اور مخلوق پر شفقت و مہربانی کو جتلایا جاتا ہے کہ کس طرح زمین کی موجودات اور خشکی وتری کی چیزوں کو انسان کے قابو میں کر دیا کہ ہر چیز انسان کی خادم ہے۔ بہت سی چیزیں تو انسان کے ظاہری تصرف میں آتی ہیں مثلاً جانوروں کا گوشت و پوست۔ اون، چربی، دودھ وغیرہ انسان اپنے کام میں لاتا ہے۔ پھر بہت سے غلے۔ میوے، پھل، جڑی بوٹیاں، سبزیاں ترکاریاں، پھر قسم قسم کے پتھر و معدنیات سب انسان کے تصرف میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ غیر معروف چیزیں بھی انسانی ہستی کی فطری طور پر خادم ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت عامہ اور ربوبیت تامہ کی کھلی ہوئی دلیل ہے پھر پانی بھی انسان کا مسخر ہے۔ علاوہ دیگر وجوہ تسخیر کے انسان کے سفر کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسانی تدبیروں سے کشتیاں اور جہاز پانی کی سطح پر چلتے ہیں۔ اس سے بھی اللہ کا احسان عظیم ثابت ہوتا ہے۔ یہ تو حصولِ فوائد کے ذرائع کا بیان ہوا۔ رہا دفع ضرر تو اس کی بھی بہت سی صورتیں ہی اور ایک باطل واضح بات یہ ہے کہ آسمان زمین پر نہیں گرتا اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج، ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدوں کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر کر اور ٹکرا کر اس زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ یہ بھی اسی کی مہربانی اور شفقت ہے ورنہ اگر آسمان گر پڑتا تو تمام دنیا تباہ ہو جاتی اور جب وقتِ مقررہ پر بحکم الٰہی آسمان ٹوٹے گا تو یقیناً دنیا تباہ ہو جائے گی۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر وقت موعود پر تم کو موت دے گا اور پھر قیامت میں دوبارہ تم کو زندہ کرے گا تو ان تمام احسانات و انعامات کا اقتضا تو یہ تھا کہ لوگ توحید اور شکر ربانی اختیار کرتے مگر انسان ہے بڑا ناقدرا کہ اس پر بھی کفروشرک سے باز نہیں آتا اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

یہاں آیت کے آخری جملہ **ان الانسان لکفورٌ** میں انسان سے کفار و مشرکین لوگ مراد ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ظاہر مفہوم کے پیچھے ایک لطیف اشارہ بھی چھپا ہوا ہے۔ ظاہر مفہوم تو محض اللہ کی قدرت کا بیان ہے مگر لطیف اشارہ آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز کر دینے میں یہ ہے کہ جس طرح بارش سے سوکھی زمین یکایک لہلہا اٹھتی ہے اسی طرح وحی الٰہی کا جو بارانِ

رحمت آج ہو رہا ہے عنقریب تم کو یہ منظر دکھلانے والا ہے کہ یہی عرب کا بنجر ریگستان علم وعمل۔ اخلاق وتہذیب صالح کا وہ گلزار بن جائے گا کہ جو کبھی دیکھا نہ ہوگا اور اس طرح کفر وجہل سے جو قوم روحانی موت مر چکی تھی ایمان ومعرفت کی روح سے اس کو زندہ فرمادے گا۔ پھر جس طرح پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن زمین کے اختلاف کی وجہ سے اثرات مختلف پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ کتابِ الٰہی کی ہدایت ایک ہی ہے پیغمبر پیام برحق ایک ہی پہنچاتا ہے مگر دلوں کے استعداد کے تفاوت سے کہیں معرفت و صداقت کے خوشبودار پھول اور لذیذ وحسین پھل نمودار ہوتے ہیں اور کہیں خبثِ باطن اور عناد وضد کے مضرت رساں خاردار جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہوتے ہیں۔ پروردگار عالم اپنی رحمت سے احکام مثل بادِ باراں نازل فرماتا ہے جن کے دلوں میں فطری صلاحیت اور استعداد ہوتی ہے وہ اس کا اثر قبول کرتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے معرفتِ الٰہیہ حاصل کر کے زندہ ہو جاتے ہیں لیکن جو محروم ازلی ہیں جن کے دلوں کی زمین شور وبنجر ہے یا پتھروں کی طرح سخت ہے ان پر فیضانِ رحمت کا کوئی اثر نہیں ہوتا جس طرح وہ پہلے خشک تھے ویسے ہی باقی رہتے ہیں۔ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی ہدایات اور اللہ کی کتاب کے فرامین واحکام کا یہ بنجر اور سخت دل والے کوئی اثر نہیں لیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی طرح کفر وشرک پر قائم رہتے ہیں اور دین اسلام کی ہر بات پر معترض ہوتے ہیں۔ اس پر آگے مشرکین کو زجر وتنبیہ کی جاتی ہے اور شرک کا رد فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے قلوب کو اپنے فیضانِ رحمت سے سیراب فرمادیں۔ اور ایمان ویقین اور عمل صالح والی زندگی عطا فرمائیں۔

یا اللہ! آپ کے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احکامات وہدایات ہم کو پہنچیں ہم دل وجان سے ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے والے ہوں اے اللہ! دنیا کی کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے لئے آپ کی معرفت کا ذریعہ ہو اور ہم آپ کے احسانات اور انعامات پر آپ کے شکر گزار اور فرمانبردار بندے ہوں۔ اے اللہ! آپ نے جو زندگی ہم کو عطا فرمائی ہے اس کا لحظہ لحظہ اپنی مرضیات میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرما اور حقیقی شکر گزاری کی سعادت عطا فرما۔

یا اللہ جب ہماری موت آئے تو ایمان اور اسلام کی موت نصیب ہو۔ اور مومنین مخلصین کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور انہی کے ساتھ آپ کی جنت میں جانا نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ

ہم نے ہر اُمت کے واسطے عبادت کا ایک طریق مقرر کیا کہ وہ اسی طریق پر عبادت کیا کرتے تھے سوان لوگوں کو چاہیئے کہ آپ سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیئے

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ

کیونکہ آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں۔اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔اللہ تعالیٰ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

تمہارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے

مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔یقینی بات ہے کہ یہ سب نامۂ اعمال میں (بھی محفوظ) ہے۔یقیناً یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت نہیں بھیجی اور نہ اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر امت کیلئے	جَعَلْنَا ہم نے مقرر کیا	مَنْسَكًا ایک طریق عبادت	هُمْ وہ	نَاسِكُوْهُ اُس پر بندگی کرتے ہیں			
فَلَا يُنَازِعُنَّكَ سوچاہیے کہ تم سے نہ جھگڑا کریں	فِي الْاَمْرِ اس معاملہ میں	وَادْعُ اور بلاؤ	اِلٰى رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	اِنَّكَ بیشک تم	لَعَلٰى پر		
هُدًى راہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھی	وَاِنْ اور اگر	جٰدَلُوْكَ وہ تم سے جھگڑیں	فَقُلِ تو آپ کہدیں	اَللّٰهُ اللہ	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	
بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	اَللّٰهُ اللہ	يَحْكُمُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	فِيْمَا جن میں	كُنْتُمْ تم تھے	
فِيْهِ اس میں	تَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے	اَلَمْ تَعْلَمْ کیا تجھے معلوم نہیں؟	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا جو	فِي السَّمَآءِ آسمانوں میں	
وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	فِيْ كِتٰبٍ کتاب میں	اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرٌ آسان
وَيَعْبُدُوْنَ اور وہ بندگی کرتے ہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَمْ يُنَزِّلْ نہیں اُتاری اس نے	بِهٖ اس کی	سُلْطٰنًا کوئی سند		
وَمَا اور جو۔ جس	لَيْسَ نہیں	لَهُمْ ان کیلئے	بِهٖ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	وَمَا اور نہیں	لِلظّٰلِمِيْنَ ظالموں کیلئے	مِنْ نَّصِيْرٍ کوئی مددگار

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات کا مضمون اس بات پر ختم ہوا تھا کہ انسان جن سے مراد یہاں کفار ومشرکین ہیں اتنے عظیم احسانات وانعامات باری تعالیٰ دیکھ کر بھی اس کا حق نہیں مانتے اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔اسی سلسلہ میں منکرین اسلام جو شریعتِ اسلامیہ کے احکام وجزئیات اور اصول وکلیات سب پر معترض رہا کرتے اور دین اسلام کی ہر بات میں جھگڑے نکالتے اس پر مشرکین کو زجر وتنبیہ کی جاتی ہے اور شرک کا رد فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جتنی امتیں پہلے گزریں ان کے لئے اللہ نے اپنی عبادت وبندگی کا ایک طریقہ مقرر کر دیا

تھا۔ ہر زمانہ میں ہر قوم کے لئے جدا جدا شریعت نازل فرمائی گئی اور الگ الگ نبی آئے اور انہوں نے اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کی۔ اسی طرح اس امت محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی۔ اب یہ زمانہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہے۔ آپ کی شریعت پر عمل کرنے کا ہے۔ آپ کے لائے ہوئے قوانین واحکام کو ماننے کا ہے۔ آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کا ہے۔ پھر اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی اس لئے توحید وغیرہ میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال زیبا نہیں آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ جب توحید جیسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروانہ کیجئے آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہئے اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے وہ خود ان کی تمام حرکات سے واقف ہے قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا۔

انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کے ذرہ ذرہ کا حال اللہ عزوجل کو معلوم ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کا عمل اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور یہی اعمال نامہ قیامت کے دن ہر ایک کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اسی کے مطابق اس کو جزا سزا ملے گی۔ اور اتنی بے شمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اسی کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا۔ ان میں سے کوئی بات اللہ کے ہاں مشکل نہیں جس میں کوئی تکلیف یا دقت اٹھانی پڑے۔ آخیر میں شرک کا رد فرمایا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا غیروں کی مشرکین جو بندگی و پرستش کرتے ہیں۔ یہ محض باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں ایسا کرتے ہیں ورنہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں رکھتے۔ کسی عقیدہ یا عمل کی صداقت وحقانیت ثابت کرنے کے لئے دو ہی ذرائع ہیں نقلی یا عقلی۔ نقلی یہ کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی کی معرفت اپنے کلام میں کسی عقیدہ وعمل کا حکم دے دے۔ عقلی یہ کہ عقل اور فطرت سلیمہ اس کی حقانیت کی شہادت دے۔ لیکن غیر اللہ کی پرستش کی اجازت تو کسی طرح ثابت نہیں۔ شرک فی العبادت کی اجازت نہ تو خدا نے اپنی کسی کتاب میں دی نہ عقل سلیم اس کی شہادت دیتی ہے تو سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ ایسے ظالم اور بے انصاف لوگ خوب یاد رکھیں کہ ان کے باطل معبود مصیبت پڑنے پر کچھ کام نہ آئیں گے۔ نہ اور کوئی اس وقت مدد کر سکے گا۔

یہاں ان آیات سے ایک تعلیم تو یہ ملی کہ نزاع وجدال کی ممانعت ہے مگر نزاع وجدال اور چیز ہے اور مناظرہ اور چیز ہے۔ مناظرہ کی ممانعت نہیں۔ یہاں اسلام کے خلاف مجادلہ کرنے والوں کو اشارۃً تنبیہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ اس کی سزا دے گا تاہم دعوتِ الی الحق اور تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رکھا جائے گا جیسا کہ وادع الی ربک میں حکم دیا گیا ہے۔

پھر ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو اس کے وقت میں ایک خاص شریعت اور کتاب دی جس کا اتباع اس امت پر اس وقت تک درست تھا جب تک کوئی دوسری امت اور دوسری شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ آ گئی اور جب دوسری شریعت آ گئی تو اتباع اس جدید شریعت کا کرنا ہے اگر اس جدید شریعت کا کوئی حکم پہلی شریعت کے خلاف ہے تو پہلے حکم کو منسوخ اور جدید حکم کو ناسخ سمجھا جائے گا۔ جدید صاحب شریعت سے کسی کو مجادلہ اور منازعت کی اجازت نہیں۔ موجودہ زمانہ میں جب کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستقل شریعت لے کر آ گئے تو کسی سابق شریعت والے کو حق نہیں کہ آپ کی شریعت میں جدال ونزاع کرے۔ لہٰذا کسی نصرانی یا یہودی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ لہٰذا زمانۂ اسلام میں بھی ہم شریعت موسویہ یا شریعت عیسویہ پر عمل کرتے رہیں تو مسلمانوں کو ہم سے اختلاف نہ کرنا چاہئے۔ تو یہ بات نہیں۔ اب تو پوری دنیا کے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ شریعتِ محمدیہ کے قائم ہو جانے کے بعد کوئی اس شریعت کی مخالفت نہ کرے۔

ابھی مشرکین کی مذمت اور ردِ شرک کا مضمون اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ؕ یَکَادُوْنَ

اور جب اُن لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ خوب واضح ہیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں میں بُرے آثار دیکھتے ہو۔ قریب ہے کہ یہ اُن

یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْہِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ

لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں۔ آپ کہئے کہ کیا میں تم کو اس (قرآن) سے بھی زیادہ ناگوار چیز بتلادوں۔ وہ دوزخ ہے

وَعَدَہَا اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۲﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ

اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے

فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا

اُس کو کان لگا کر سُنو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی جمع ہو جاویں۔

لَہٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْہُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

اور اگر اُن سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اُس سے چھڑا نہیں سکتے۔ ایسا طالب بھی لچر اور ایسا مطلوب بھی لچر۔

مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ

ان لوگوں نے اللہ کی جیسی تعظیم کرنی چاہیئے تھی وہ نہ کی اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ منتخب کرلیتا ہے فرشتوں میں سے

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ ؕ

احکام پہنچانے والے اور (اسی طرح) آدمیوں میں سے یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ ان کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو خوب جانتا ہے۔

وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

اور تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰی پڑھی جاتی ہیں	عَلَیْہِمْ ان پر	اٰیٰتُنَا ہماری آیات	بَیِّنٰتٍ واضح	تَعْرِفُ تم پہچانوگے	فِیْ میں۔ پر	وُجُوْہِ چہرے	
الَّذِیْنَ کَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	الْمُنْکَرَ ناخوشی	یَکَادُوْنَ قریب ہے	یَسْطُوْنَ وہ حملہ کردیں	بِالَّذِیْنَ ان پر جو	یَتْلُوْنَ پڑھتے ہیں			
عَلَیْہِمْ ان پر	اٰیٰتِنَا ہماری آیتیں	قُلْ فرمادیں	اَفَاُنَبِّئُکُمْ کیا میں تمہیں بتلادوں؟	بِشَرٍّ بدتر	مِنْ سے	ذٰلِکُمْ اس	اَلنَّارُ وہ دوزخ	
وَعَدَہَا جس کا وعدہ کیا	اللّٰہُ اللہ	الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَبِئْسَ اور بُرا	الْمَصِیْرُ ٹھکانا	یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اے لوگو!			
ضُرِبَ بیان کی جاتی ہے	مَثَلٌ ایک مثال	فَاسْتَمِعُوْا پس تم سنو	لَہٗ اس کو	اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ وہ جنہیں	تَدْعُوْنَ تم پکارتے ہو		
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اللہ کے سوا	لَنْ یَّخْلُقُوْا ہرگز نہ پیدا کرسکیں گے	ذُبَابًا ایک مثال	وَّلَوِ خواہ	اجْتَمَعُوْا وہ جمع ہوجائیں	لَہٗ اس کیلئے	وَاِنْ اور اگر		

يَسْلُبْهُمُ ان سے چھین لے	الذُّبَابُ مکھی	شَيْئًا کچھ	لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ نہ چھڑا سکیں گے اسے	مِنْهُ اس سے	ضَعُفَ کمزور ہوا ہے	الطَّالِبُ چاہنے والا
وَالْمَطْلُوْبُ اور جس کو چاہا	مَا قَدَرُوا نہ قدر جانی انہوں نے	اللّٰهَ اللہ	حَقَّ قَدْرِهٖ اس کے قدر کرنے کا حق	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَقَوِيٌّ قوت والا	
عَزِيْزٌ غالب	اَللّٰهُ اللہ	يَصْطَفِيْ چن لیتا ہے	مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں میں سے	رُسُلًا پیغام پہنچانے والے	وَ اور	مِنَ النَّاسِ آدمیوں میں سے
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	بَصِيْرٌ دیکھنے والا	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ انکے ہاتھوں کے درمیان آگے	وَمَا اور جو
خَلْفَهُمْ ان کے پیچھے	وَ اور	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	تُرْجَعُ لوٹنا باز گشت	الْاُمُوْرُ سارے کام		

تفسیر وتشریح:۔ مشرکین کی مذمت اور ردِ شرک کا مضمون گزشتہ سے بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اب آگے منکرین اسلام اور اہل حق سے عناد رکھنے والوں کی ایک حالت بیان کی جاتی ہے۔ یہ ایک عام بات ہے کہ اہلِ عناد باطل پرست جاہل آدمیوں کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب ان کی جہالت پر ان کو متنبہ کیا جائے تو چونکہ ان کے پاس اپنے عقیدہ وعمل کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوتی اس لئے جہالت پر اتر آتے ہیں اور اہل حق سے سب وشتم اور ہاتھا پائی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت مشرکین مکہ کی بھی تھی کہ جب ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کی جاتیں جن میں توحید وغیرہ کا بیان ہوتا تو ان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے اور چہرہ کا حلیہ بگڑنا شروع ہو جاتا۔ حتیٰ کہ شدتِ غیض و غضب سے پاگل ہو کر چاہتے کہ آیات سنانے والے پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ کفار مکہ بعض اوقات ایسا کر بھی گزرتے۔

مشرکین کی تنبیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ جو قرآن کی آیات سننے سے تمہیں کوفت اور جلن ہو رہی ہے تو اس سے کہیں بڑھ کر کوفت اور جلن ایک اور چیز سے تم کو ہوگی جس پر کسی طرح صبر ہی نہ کر سکو گے اور وہ سخت بری اور ناگوار چیز دوزخ کی آگ ہے جس کا وعدہ کافروں سے کیا جا چکا ہے۔ اب دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لو کہ کونسا تلخ گھونٹ پینا تم کو نسبتاً آسان ہوگا۔

آگے بت پرستوں کی جہالت وحماقت ظاہر کرنے کے لئے اور توحید کے مقابلہ میں شرک کی برائی وقباحت جتلانے کے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے جسے کان لگا کر غور سے سننے اور سمجھنے کی تاکید کی جاتی ہے تاکہ ایسی رکیک اور ذلیل حرکت سے مشرکین باز رہیں۔ بتوں کی بے بسی اور بے کسی اس طرح سمجھائی جاتی ہے کہ اللہ عز وجل نے اس ساری کائنات کو عجیب شان سے بنا کھڑا کیا لیکن ان بتوں کو تو ایک مکھی جو بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے وہ بھی بنانی نہیں آتی۔ یہ اکیلے اکیلے تو کیا اگر سب مل کر سر جوڑ کر بھی بیٹھ جائیں تب بھی ان میں اتنی قدرت نہیں کہ ایک مکھی کو پیدا کر دیں۔ اور پیدا کرنا تو در کنار یہ تو ایسے بے بس اور بے کس ہیں کہ جو مٹھائی ان بتوں پر چڑھائی جاتی ہے اس میں سے مکھیاں اپنی خوراک لے کر اور ان سے چھین کر جب اڑ جاتی ہیں یا بیٹھ کر مزے سے کھا جاتی ہیں تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ انہیں کھانے سے منع کر دیں یا جو کچھ وہ اٹھا کر لے جا رہی ہیں ان سے چھین لیں۔ تو ایسے مجبور اور بے بس اور بے کس بتوں کو خالق السمٰوٰت والارض کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور۔ مکھی سے زیادہ ان کے بت عاجز اور کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے۔ جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنا لیا۔

اگر عقل سے سمجھتے تو ایسی گستاخی کیوں کرتے۔ کیا اللہ کی شان رفیع اور قدر و منزلت اتنی ہے کہ ایسی کمزور چیزوں کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے؟

یہ تو توحید کی تحقیق تھی آگے رسالت کے متعلق کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ فرشتوں میں سے جن فرشتوں کو چاہے احکام الٰہیہ نبیوں کے پاس پہنچانے والے مقرر کر دیتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں سے جس کو چاہے احکام پہنچانے کے لئے مقرر کر دینا ہے یعنی رسالت کا مدار انتخاب خداوندی پر ہے رہا یہ کہ انتخاب کسی ایک خاص کے ساتھ کیوں واقع ہوا تو اس کا ایک جواب تو **ان اللہ سمیع بصیر** کہہ کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں جس کو خدا اس منصب کے لئے انتخاب فرماتا ہے ان کی تمام باتوں کو اور ان کے ماضی و مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے اس لئے وہی حق رکھتا ہے کہ جس کے احوال و استعداد پر نظر کر کے منصب رسالت پر فائز کرنا چاہے فائز کر دے اور دوسرا جواب **والی اللہ ترجع الامور** یعنی تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے فرما کر دیا گیا یعنی وہ مالک مستقل بالذات اور فاعل مختار ہے اس کے ارادہ کے لئے کسی مرجع کی ضرورت نہیں پس سبب حقیقی ارادۂ خداوندی ہے جس کو چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے۔

یہاں کفر و شرک کی مذمت کے ساتھ کافروں کے جاہلانہ سلوک کا اظہار فرمایا گیا کہ ان کو کلمۂ حق سننا بھی گوارا نہیں۔ ساتھ ہی مشرکوں کے عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے بتوں کی انتہائی کمزوری، بے بسی اور لاچاری ظاہر کر کے بت پرستی کا استیصال فرمایا گیا اور ساتھ ہی معیار الوہیت **لقوی عزیز** فرما کر بتلایا گیا کہ مستحق الوہیت وہ ذات ہے جو قادر اور غالب ہو اور چونکہ کمال قدرت اور غلبۂ کامل سوائے خداوند قدوس کے کسی میں نہیں اس لئے خدا کے سوا کوئی معبود ہونے کا سزاوار بھی نہیں۔

یہاں سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ نبوت و رسالت کسبی نہیں محض وہبی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نبوت کے تاج سے سرفراز فرماتا ہے چونکہ یہاں آیت میں صرف انسانوں اور فرشتوں کی پیامبری کا تذکرہ ہے جنات کا کوئی ذکر نہیں اس لئے بعض مفسرین نے یہاں سے نکالا ہے کہ جنات نبی نہیں ہوئے نہ اپنی قوم کی اصلاح کے لئے نہ دوسروں کی ہدایت کے لئے۔

اب یہاں تک آیات میں اہل کتاب کفار و مشرکین کے عقائد و اعمال کا رد و بطلان خوب طرح واضح کر دیا تو اب خاتمہ پر روئے سخن مسلمانوں کی طرف فرمایا گیا اور امت اسلامیہ کی برتری ظاہر فرماتے ہوئے کچھ ہدایات دی گئیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ اور اسی پر سورت کو ختم فرمایا گیا ہے۔

دعا کیجئے

قرآن پاک کی جو آیات ہمارے پڑھنے اور سننے میں آئیں ان سے ہمارے ایمان و یقین میں زیادتی ہو اور ان پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی ہم کو توفیق نصیب ہو۔ یا اللہ! توحید حقیقی کی دولت ہم کو اس زندگی میں نصیب فرما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہدایات و احکامات ہم تک پہنچیں ان کا اتباع و فرمانبرداری ہمیں نصیب فرما ظاہراً و باطناً۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي

اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔اُس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر

الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ

دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی مِلّت پر قائم رہو۔اُس (اللہ) نے تمہارا لقب مُسلم رکھا ہے

وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ

(نزولِ قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسُول گواہ ہو۔

فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾

سوتم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔وہ تمہارا کارساز ہے سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔

يَا أَيُّهَا اے	الَّذِينَ آمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے	ارْكَعُوا تم رکوع کرو	وَاسْجُدُوا اور سجدہ کرو	وَ اور	اعْبُدُوا عبادت کرو	رَبَّكُمْ اپنا رب	
وَافْعَلُوا اور کرو	الْخَيْرَ اچھے کام	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُفْلِحُونَ فلاح (دوجہان میں کامیابی) میں	وَجَاهِدُوا اور کوشش کرو	فِي اللَّهِ اللہ میں		
حَقَّ حق	جِهَادِهِ اس کی کوشش کرنا	هُوَ وہ	اجْتَبَاكُمْ اس نے تمہیں چنا	وَمَا اور نہ	جَعَلَ ڈالی	عَلَيْكُمْ تم پر	فِي الدِّينِ دین میں
مِنْ حَرَجٍ کوئی تنگی	مِلَّةَ دین	أَبِيكُمْ تمہارے باپ	إِبْرَاهِيمَ ابراہیمؑ	هُوَ وہ	سَمَّاكُمُ تمہارا نام کیا	الْمُسْلِمِينَ مسلم	
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَ اور	فِي هَٰذَا اس میں	لِيَكُونَ تاکہ ہو	الرَّسُولُ رسول	شَهِيدًا تمہارا گواہ	عَلَيْكُمْ تم پر	وَتَكُونُوا اور تم ہو
شُهَدَاءَ گواہ	عَلَى النَّاسِ لوگوں پر	فَأَقِيمُوا پس قائم کرو	الصَّلَاةَ نماز	وَآتُوا اور ادا کرو	الزَّكَاةَ زکوٰۃ	وَ اور	اعْتَصِمُوا مضبوطی سے تھام لو
بِاللَّهِ اللہ کو	هُوَ وہ	مَوْلَاكُمْ تمہارا مولیٰ (کارساز)	فَنِعْمَ سو اچھا ہے	الْمَوْلَىٰ مولیٰ	وَنِعْمَ اور اچھا ہے	النَّصِيرُ مددگار	

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورت کی آخری آیات ہیں۔گزشتہ آیات میں اس سورۃ میں ایمان و اسلام کے بڑے اور خصوصی اصول یعنی توحید ورسالت کا اثبات۔قیامت وحشر ونشر کا واقع ہونا اس زندگی کے اعمال کے مطابق آخرت میں جزاوسزا کا ملنا۔پھر ہر ایک کے متعلق منکرین کے شبہات ومجادلات کا جواب مذکور ہو چکا تو اب خاتمہ پر اہل ایمانؔ سے خطاب ہوتا ہے اور شریعت اسلامیہ کی برتری ظاہر فرما کر اہل اسلام کو ضروری ہدایات وتعلیم دی جاتی ہے۔اس امت کے فرائض یاد دلائے جاتے ہیں اور اخیر میں اہلِ ایمان کو ذاتِ باری تعالیٰ پر بھروسہ کرنے اور اس کی نصرت واعانت طلب کرنے کی ترغیب وتعلیم دے کر سورت کو ختم فرمایا گیا ہے۔

گزشتہ آیات سے جو مضمون بیان ہوتا آ رہا تھا اس کا لب لباب اور خلاصہ یہی تھا کہ اللہ عزوجل سے بڑھ کر انسان کا مربی اور

ہادی کون ہوسکتا ہے؟ اسی کی ذات کو کمال علم۔ کمال قوت اور کمال قدرت حاصل ہے اس لئے اس کی ذات کو پہچاننے اس پر ایمان لانے۔ اور دل وجان سے اسی کی طرف جھکنے کی ہدایت فرمائی گئی تھی اور منکرین ومشرکین کو تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر وہ سرکشی اور شرک وکفر پر قائم رہے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے اور دائمی عذاب سے واسطہ پڑے گا جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ مشرکین کے عقائد واعمال کا اچھی طرح رد وبطلان فرما کر اب اخیر میں مومنین کو مخاطب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ تم اکیلے اپنے رب کی بندگی پر لگے رہو۔ اسی کے آگے جھکو۔ اسی کے آگے پیشانی ٹیکو اور اسی کے لئے دوسرے بھلائی کے کام کرو تا کہ دنیا اور آخرت میں تمہیں فلاح نصیب ہو۔ تو قبولِ اسلام کے بعد یہاں سب سے پہلے نماز اور پھر دوسری عبادتیں اور پھر اور نیکیاں کرنے کا حکم دیا گیا اور اس پر وعدہ دین ودنیا کی بھلائی کا فرمایا گیا۔ اور چونکہ **تفلحون** بغیر کسی تصریح اور قید کے فرمایا گیا ہے، اسلئے مفسرین نے اس سے دنیا وآخرت دونوں جہان کی بھلائی اور فلاح مراد لیا ہے۔ آگے ہدایت کی جاتی ہے کہ اللہ کے احکام بجالانے اور دین کے کاموں میں سستی اور بے دلی کو دخل نہ دو بلکہ ہر کام اللہ کا کام سمجھ کر پوری مستعدی۔ توجہ اور استحضار قلب اور اخلاص نیت کے ساتھ ہو۔

یہاں آیت میں **جاھدوا** کا لفظ آیا ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں کوشش کرو تو بعض مفسرین نے اس سے جہاد یعنی اعدائے اسلام سے جنگ کرنا اور ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھانا مراد لئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے اس کو عام معنی میں لیا ہے اس طرح مجاہدہ میں ہر قسم کی زبانی، قلمی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے گویا مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب۔ مجاہدہ روح سب اس میں شامل ہیں اس طرح جہاد کی تمام قسمیں یعنی کفار سے جہاد۔ نفس سے جہاد۔ شیطان سے جہاد۔ باغیوں سے جہاد۔ ظالموں سے جہاد۔ بے دینوں سے جہاد۔ وغیرہ وغیرہ سب اس حکم میں شامل ہیں کہ اللہ کے دین کے لئے اور اللہ کے احکام بجالانے کے لئے اپنی جان ومال سب کچھ لگادو اور کیوں لگادو اس کی وجہ اور سبب بھی **هو اجتبکم** فرما کر بتلا دی یعنی اللہ نے تم کو پسند کیا اور ممتاز فرمایا تو جس کو کوئی خاص ترجیح دی جاتی ہے وہ خدمت کے لئے زیادہ دوڑتا ہے۔

هوا جتبکم کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو سب سے اعلیٰ اور افضل پیغمبر دیا۔ اور تمام شریعتوں سے اکمل شریعت عنایت کی۔ اور تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے اس قوم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی تو گویا اللہ عزوجل کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے دنیا بھر کے لوگوں میں اپنے کام کے لئے امت محمدیہ کو انتخاب کیا۔ یہ اہلِ اسلام کے لئے نہ مٹنے والا امتیازی نشان ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو دین اور طریق کار ایمان والوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ بالکل آسان ہے۔ دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی کہ جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ پھر طریقہ اور دین بھی کوئی اجنبی نہیں ہے۔ وہی طریقہ ہے جو تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں رائج کیا۔ اس طریقہ پر چلنے والوں کا نام انہوں نے اللہ کے حکم سے مسلم رکھا اور یہی نام تمہارے لئے قرآن مجید نے بھی برقرار رکھا ہے اس لئے یہی وہ قدیم دین ہے جس پر تمہیں چلنا ہے۔ مسلم جس کے لفظی معنی ہیں حکم بردار اور وفا شعار یہ اس امت کا نام رکھا گیا۔ گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ اسی امت کا ٹھہرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں اس لئے ساری امت کے باپ ہوئے اسی لئے **ملت ابیکم ابراھیم** فرمایا گیا۔ کہ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو۔ تو اللہ عزوجل

18 نے اس امتِ مسلمہ کو جو یہ شرفِ انتخاب اور پسندیدگی عطا فرمایا اور آسان دین دیا یہ اس لئے کہ اس امت سے اس دنیا میں ایک بہت اہم کام لینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس امت کے پاس قرآن بھیجا اور فرمایا کہ تم اسلام کے علمبردار ہو تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پر عمل کرنا سیکھو اور اس کے بعد اپنا طریقہ دنیا بھر کے لوگوں کو سکھا دو اور اس پر چلنے کا راستہ بتادو۔ یہ امت مسلمہ دنیا میں ہدایت کرنے والی آخری امت ہے۔ اس امت کے بعد کوئی اور ہدایت کرنے والی امت پیدا نہ ہوگی اس لئے کہ اس امت کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ قرآن کے بعد وحی کے ذریعہ کوئی اور کتاب نازل کی جائے گی پس ظاہر ہے کہ اللہ کی بہترین مخلوق یعنی انسان کی ہدایت کا کام اس امت مسلمہ ہی کو سنبھالنا پڑے گا۔

یہاں آیت میں لفظ شہیداً اور شہداء کا آیا ہے جس کے ایک معنی نگران کے ہیں اور اسی بنا پر مفسرین نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے جو اوپر بیان ہوئی بعض مفسرین نے شہید اور شہداء کو بمعنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری اُمتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے حق تعالیٰ گواہ طلب فرمائیں گے تو پیغمبر الٰہی امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش فرمائیں گے۔ یہ امت گواہی دے کہ بے شک پیغمبروں نے دعوت و تبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کردی تھی جب سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا تو امت محمدیہ جواب دے گی کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع کی جس کی صداقت پر خدا کی کتاب قرآن کریم گواہ ہے۔ چنانچہ یہ گواہی قبول کی جائے گی اور کفار کو ملزم و مجرم ٹھہرایا جائے گا تو جن مفسرین نے شہید و شہداء بمعنی گواہ لئے ہیں انہوں نے یہ تفسیر کی کہ یہ فضل و شرف جو اس امت کو عطا ہوا اس لئے دیا گیا کہ اس امت کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے۔

یا یھا الذین اٰمنوا کا خطاب جو اوپر شروع ہوا تھا وہ اس پر ختم ہوتا ہے کہ دیکھو انعام الٰہی کی قدر کرو۔ اپنے نام و لقب فضل و شرف کی لاج رکھو اور سمجھو کہ تم بہت بڑے اور خاص کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ ذرا بھی قدم جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ ہو۔ مولائے کریم کے فضل و رحمت پر اعتماد رکھو۔ تمام کمزور سہارے چھوڑ دو۔ تنہا اسی کو اپنا مولا اور مالک سمجھو اس سے اچھا مالک اور مددگار اور کون ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں اہلِ اسلام کو اعمالِ خیر کی ترغیب اور دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ جم جانے اور قائم رہنے کی تاکید فرمائی جاتی ہے جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں اور اعمالِ خیر میں تمام عبادات تمام خیرات وصدقات اور مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال سب داخل ہیں۔ یہاں ایمان کے بعد رکوع و سجود کا حکم دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ نماز کے خصوصی ارکان ہیں تو ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز کا حکم دینے سے نماز کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا۔ جو اعمالِ خیر میں ایک بہترین عمل خیر ہے اور ساتھ ہی یہ بتلا دیا کہ دین اسلام بہت آسان دین ہے۔ اس پر عمل کرنا کسی حال میں مشکل اور دشوار نہیں لہٰذا اہل اسلام اور اہلِ ایمان کو چاہئے کہ دن رات سرگرم عبادت رہیں اور ملت ابراہیمی پر قائم و دائم رہیں اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہیں تا کہ مولائے برحق کی حمایت اور نصرت ان کے ساتھ رہے۔

اب یہاں یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس امت کو کیا شرف اور کیا فضل عطا ہوا؟ اور کیا اس کے فرائض بتائے گئے؟ اور کس امر کی اس کو تعلیم و ہدایت دی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ اس

خطاب کے صحیح اور سچے مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین اور سلف صالحین ہی تھے جنہوں نے کہ اس شرف وفضل کا حق ادا فرمایا ایک اس چودہویں صدی کے ہم بھی مسلمان ہیں کہ کیا خوب اپنے نام، لقب فضل وشرف کی لاج رکھی کہ من حیث القوم نہ صرف فرائض وعبادات اور اہم احکامِ الٰہیہ اور شرائع اسلامیہ کو ''ملاپن'' کہہ کر اکثریت نے منہ موڑا۔ اور جملہ محرمات شرعیہ مثل سود۔ شراب، جوا، زنا، فسق وفجور، ناچ گانا، بے پردگی، بے حیائی، تھیٹر، سینما، بائیسکوپ اسکولوازمات زندگی اور ترقی کا زینہ ٹھہرایا۔ اور کچھ منافقین نے تو حد کردی اور قرآن کریم ہی کو پرانی اور فرسودہ کتاب بتایا۔ استغفر اللہ۔

اس کے علاوہ ایک ہزار سال پہلے کے سلف صالحین۔ اور مومنین صادقین، سرفروش مجاہدین کو دیوانہ ووحشی قرار دیا۔ یہ داستان تو خون کے آنسو رلانے والی بہت طویل ہے۔ (یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ یہ درس اب سے تقریباً ۱۹ سال پہلے کا تحریر کیا ہوا ہے۔) بس انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا اور کیا کہا جائے۔

افسوس صد افسوس ہماری مثال تو اس فوجی سپاہی کی سی ہے کہ جس کے ذمہ ملک اور قوم کی حفاظت ونگرانی سونپی گئی تھی مگر وہ اپنے فرائض اور ڈیوٹی کو تو بالکل بھول گیا اور غفلت کی نیند پڑ کر سو گیا۔ اس کی بلا سے ملک اور قوم پر جو بھی گزرے۔ مگر سمجھ لیجئے کہ ایسے غافل سپاہی کی گرفت اور پکڑ حاکم اور بادشاہ وقت کے ہاں کس طرح ہوگی اور کس درجہ کا وہ مجرم گردانا جائے گا اور کس سزا کا وہ مستحق ٹھہرایا جائے گا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور اسلام جیسی نعمت کی قدر اور شکرِ نعمت کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمدللہ کہ اس درس پر سورہ حج کا بیان ختم ہوگیا۔ اور اس طرح حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے آج سترہواں پارہ بھی ختم ہوا۔

دعا کیجئے: اے اللہ! آپ نے تو ہم کو امت مسلمہ میں پیدا فرما کر ہم پر بڑا احسان اور انعام فرمایا۔ ہم کو قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی اور شریعتِ اسلامیہ جیسی شریعت عطا فرمائی۔ مگر ہم نے ان انعامات کی خاطر خواہ قدر نہ کی۔ اے اللہ! ہماری گزشتہ تقصیرات کو اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور آئندہ کے لئے ہم کو عزم وہمت عطا فرمادے کہ ہم نمازوں کے قائم کرنے والے ہوں اور آپ کی بندگی وعبادت کے بجا لانے والے ہوں۔ اے اللہ! ہم سے وہ اعمال کرالیجئے جن کا مطالبہ ہمارا لقب ''مسلم'' کرتا ہے۔ اور اے اللہ ہم سے دین کی وہ خدمت لے لیجئے جس کا مطالبہ قرآن پاک کرتا ہے۔ اے اللہ آپ ہی ہمارے مولا ہیں آپ ہی ہمارے حافظ وناصر ہیں۔ اے اللہ! اس امت مسلمہ پر رحم فرما اور اس کو اپنے نام ولقب کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! اس ملک میں اسلام کو فروغ وبرتری عطا فرما۔ اور اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنادے۔ مخالفین اسلام اور منافقین کی گردن توڑ دے۔ ان کے عزائم ناکام فرمادے اور ان کی فتنہ پردازیوں کا خاتمہ فرمادے۔ اے اللہ! آپ ہی ہمارے حقیقی کارساز اور مددگار ہیں۔ آپ ہی کی اعانت اور نصرت سے ہماری دین ودنیا درست رہ سکتی ہے۔ یا اللہ! اب ہماری غفلتوں کو دور فرمادے اور ہم کو اپنا سچا بندہ بنالے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار امتی ہونا نصیب فرمادے۔ اور آپ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

قَدْ اَفْلَحَ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّثَمَانَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾

بالتحقیق اُن مسلمانوں نے فلاح پائی۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ فلاح پائی (کامیاب ہوئے)	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن	الَّذِيْنَ اور جو	هُمْ وہ	فِيْ صَلَاتِهِمْ اپنی نمازوں میں	خٰشِعُوْنَ خشوع (عاجزی) کرنیوالے

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اٹھارہویں پارہ کی ابتداء سے سورۂ مومنون کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس درس میں صرف دو ابتدائی آیات کی تشریح کی گئی ہے۔ پہلے سورۃ کا مقام، نزول، وجہ تسمیہ، موضوع ومباحث، تعداد آیات، رکوعات، کلمات وحروف بیان کئے جاتے ہیں۔ مؤمنون ایمان والوں کو کہتے ہیں چونکہ یہ لفظ اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں آیا ہے اور اس سورۃ میں ایمان والوں کی صفتیں بیان کی گئی ہیں اور ان کے اطوار وعادات بتلائے گئے ہیں اس لئے اس سورۃ کا نام المؤمنون ہے۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکی دور کے متوسط زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۲۳ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶۴ لکھا ہے یعنی ۶۳ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سورت سے قبل نازل ہوچکی تھیں اور ۲۶ سورتیں اس کے بعد مکہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۱۱۸ آیات اور ۶ رکوعات اور ۱۰۷۰ کلمات اور ۴۵۳۸ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

اس سورۃ کی ابتداء میں مؤمنین کی چند صفات بیان کی گئی ہیں کہ اللہ ورسول پر ایمان لانے والوں میں یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انسان کی پیدائش اور دوسرے آثارِ کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس سے مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ توحید اور معرفت الٰہی کی جس حقیقت کو تسلیم کرنے کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں اس کے برحق ہونے پر تمہارا اپنا وجود اور یہ پورا نظام عالم گواہ ہے۔ اللہ کی عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معرفت حاصل کی جائے اور یہ معرفت اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر جو دنیا میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں ہر عقلمند اور ذی ہوش حاصل کرسکتا ہے۔ پھر انبیائے سابقین اور ان کی اُمتوں کے قصے ذکر فرمائے گئے ہیں۔ جن سے کئی باتیں بتانی مقصود ہیں ایک یہ کہ آج دعوتِ نبوی پر جو شبہات واعتراضات کئے جارہے ہیں یہ باتیں پہلے بھی انبیاء پر جہلا کرچکے ہیں اور اسی طرح کے اعتراضات ان احمقوں نے بھی اپنے اپنے پیغمبروں پر کئے تھے۔ دوسرے یہ کہ توحید وآخرت کی تعلیم ایسی نہیں کہ جو بالکل نئی ہو اور جو دنیا نے کبھی سنی نہ ہو۔ یہ کوئی نرالی تعلیم نہیں۔ ہر زمانہ میں یہ صدائے حق اُٹھتی رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ حق کا انکار کر کے باطل پر اصرار کرنے والے اور انبیاء کی تکذیب پر جمے رہنے کا انجام آخر کار تباہی وہلاکت ہوتا ہے۔ چوتھے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اول دین اسلام اس وقت سے دین الٰہی ہے جب سے انسان کے قدم زمین پر پہنچے ہیں۔ پھر انبیاء کے تذکروں کے بعد بتایا گیا ہے کہ دنیاوی خوشحالی مال ودولت۔ قوت اور اقتدار وغیرہ وہ چیزیں نہیں جو کسی شخص یا گروہ کے راہِ راست پر ہونے کی یقینی علامت ہو اور اس بات کی دلیل قرار دی جائیں کہ خدا اس پر مہربان ہے اور اس کا رویہ خدا کو پسندیدہ ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس کسی کا غریب اور خستہ حال ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ خدا اس سے اور اس کے رویہ سے ناراض ہے۔ اصل چیز جس پر خدا کے ہاں محبوب یا مغضوب ہونے کا مدار ہے وہ ایمان۔

خدا پرستی اور تقویٰ وراست بازی ہے۔ پھر بتلایا کہ جو اللہ اور رسول اور موت کے بعد زندگی۔ حساب کتاب۔ جنت ودوزخ، جزاء وسزا پر ایمان نہ لائے گا وہ مرنے کے بعد آخرت میں بہت پچھتائے گا۔ آخر میں انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ اس کی دنیا کی زندگی کوئی کھیل نہیں ہے۔ اس کو بیکار اور فضول باتوں میں نہ گنوانا چاہئے۔ قرآن مجید کی باتوں کو سچا مان کران پر عمل کرنا چاہئے اور اللہ عزوجل سے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورت کا جس کی تفصیلات انشاءاللہ اگلے درسوں میں آئیں گی۔

اس سورۃ کی ابتداء **قد افلح المومنون** کے جملہ سے فرمائی گئی ہے یعنی یقیناً فلاح پائی یا کامیاب ہوئے ایمان والے۔ جس ماحول اور وقت میں اس سورۃ کا نزول ہوا ہے اور یہ کلام فرمایا جارہا ہے اس کو ذہن نشین رکھئے۔ اس وقت ایک طرف دعوت اسلام اور ایمان کے مخالف سرداران مکہ تھے جن کی تجارتیں چمک رہی تھیں جن کے پاس دولت کی فراوانی تھی جن کو اس وقت کے لحاظ سے دنیوی خوشحالی کے سارے لوازمات میسر تھے اور دوسری طرف اسلام کے پیروکار تھے جن میں سے اکثر تو پہلے ہی غریب اور خستہ حال تھے اور بعض جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے یا اپنے کاروبار میں پہلے کامیاب تھے ان کو بھی اسلام قبول کرنے کے بعد اب قوم کی مخالفت اور دشمنی اور مقاطعہ نے بدحال کردیا تھا۔ اس صورتِ حال میں یہ کلام فرمایا گیا **قد افلح المومنون**۔ یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے۔ فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا وآخرت کی ساری ہی خوبیوں کا جامع ہے۔ یہ لفظ خسران کی ضد ہے جو ٹوٹے اور گھاٹے اور نامرادی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ تو جس ماحول میں یہ کلام فرمایا گیا اس سے کفار ومشرکین کے حق میں تو مطلب نکلا کہ تمہارا معیار فلاح غلط ہے۔ تم اپنی جس عارضی اور محدود خوشحالی کو فلاح سمجھ رہے ہیں وہ فلاح نہیں خسران ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو جو تم ناکام ونامراد سمجھ رہے ہو وہ

دراصل کامیاب وبامراد ہیں۔ اس دعوت حق کو مان کر انہوں نے خسارہ کا سودا نہیں کیا ہے بلکہ وہ چیز پائی ہے جو دنیا وآخرت دونوں میں ان کو پائیدار وخوشحال اور کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔

تو یہاں فلاح کی پہلی شرط مومن ہونا بیان کی گئی اب آگے ان مومنین کی شان کیا ہے اور ان کی صفات کیا ہیں یہ بیان فرمائی گئی ہے۔ سب سے اول اور سب سے بڑی اور سب سے اہم صفت بیان فرمائی گئی۔

الذین هم فی صلاتهم خاشعون. جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے یعنی انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی انہیں مؤمنین کو حاصل ہوگی جو خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ خشوع کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف وہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا۔ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت میں خشوع کو قلب کی صفت بتلائی ہے تو معلوم ہوا کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔ جب نماز میں قلب خاشع وخائف ساکن اور پست ہوگا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے۔ ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے پھر خوف وہیبت اور سکون اور خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً نگاہ پست رکھنا۔ ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا۔ ادھر ادھر نہ تاکنا۔ کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدوں خشوع کے صحیح ومقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے اس جگہ یہ تحقیق لکھی ہے اور فرماتے ہیں ''خشوع کی حقیقت ہے سکون یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے اور اس کی فرضیت میں کلام ہے مگر حق یہ ہے کہ صحت صلوٰۃ کا تو موقوف علیہ نہیں۔ اور اس مرتبہ میں فرض نہیں۔ اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔''

بہرحال یہاں فلاح پانے والے مومنین کی سب سے اول اور

پہلی صفت خشوع اور خضوع سے نمازیں پڑھنا بیان فرمائی گئی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے ہاں کیا درجہ ہے اور ایمان کے بعد اعمال میں کس قدر مہتم بالشان چیز ہے۔اور کون سی نماز حق تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں خدائے تعالیٰ نے جابجا نصیحتیں کی ہیں بعض جگہ پیار کے الفاظ میں خطاب فرمایا ہے۔بعض جگہ رغبت اور شوق دلانے کا طریقہ اختیار کیا ہے بعض جگہ بندوں کو ڈرانے دھمکانے کی باتیں کیں ہیں لیکن کلام الٰہی میں ۷۰۰ جگہ صرف یہی نصیحت ہے کہ نماز قائم کرو۔ یہ تو قرآن کی تاکید رہی اب احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات اس سلسلہ میں سن لیجئے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کو فرض فرمایا ہے اور سب سے پہلے اعمال میں سے نماز ہی پیش کی جاتی ہے اور سب سے پہلے قیامت میں نماز ہی کا حساب ہوگا اگر فرض نمازوں میں کچھ کمی رہ گئی تو نفلوں سے اسے پورا کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اسی طرح روزوں کا حساب کیا جائے گا اور فرض روزوں میں جو کمی ہوگی وہ نفل روزوں سے پوری کی جائے گی پھر زکوٰۃ کا حساب اسی طریقہ پر ہوگا۔ان سب چیزوں میں نوافل کو ملا کر بھی اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو وہ شخص خوشی خوشی جنت میں داخل ہوجائے گا ورنہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ جو شخص مسلمان ہوتا سب سے اول اس کو نماز سکھائی جاتی،ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے،خشوع وخضوع سے بھی پڑھے۔کھڑا بھی پورے وقار سے ہو پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے اطمینان سے کرے۔غرض ہر چیز کو نہایت اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے۔وقت کو بھی ٹال دے۔وضو بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔اب یہاں ہم اپنی حالت پر غور کرلیں کہ اول تو اس زمانہ میں کتنے فیصدی مسلمان نمازی ہیں پھر ان میں سے کے فیصدی جماعت کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔پھر ان میں کے فیصدی وہ خوش نصیب ہیں جو خشوع وخضوع وآداب شرائط کے ساتھ اللہ کی اس اہم ترین عبادت کو ادا کرتے ہیں جو ان کے لئے دعا کرتی ہے۔**اللّٰھم اجعلنا منھم۔**

ایک حدیث میں جس کو حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس امت سے اٹھ جائے گی یعنی سلب کرلی جائے گی وہ خشوع ہے۔یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئے گا۔اللہ تعالیٰ یہ وقت ہمیں نہ دکھائے۔

یہ تو ایک صفت بیان ہوئی بقیہ صفات اگلی آیات میں بتلائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ پاک ہماری نمازوں کو دین و دنیا کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنادیں۔اور جو اس فرض سے غفلت میں ہیں اللہ پاک ان کو ہدایت فرمائیں کہ وہ نماز کے ادا کرنے والے بن جائیں۔

یا اللہ! نماز کی جو اہمیت اور فرضیت ہے اس کو اہلِ اسلام کے دلوں میں بٹھادے اور نماز سے جو غفلت عام ہورہی ہے اس کو دور فرمادے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ

اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں۔اور جو (اعمال و اخلاق میں)اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔اور جو

هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی)لونڈیوں سے کیونکہ اُن پر کوئی الزام نہیں۔

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

ہاں جو اس کے علاوہ طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں۔اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہوں۔

رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔جو فردوس کے وارث ہوں گے۔وہ اس میں

الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَنِ اللَّغْوِ لغو بیہودہ باتوں سے	مُعْرِضُوْنَ منہ پھیرنے والے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ		
لِلزَّكٰوةِ زکوٰۃ کو	فٰعِلُوْنَ ادا کرنے والے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِفُرُوْجِهِمْ اپنی شرمگاہوں کی	حٰفِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے		
اِلَّا مگر	عَلٰى پر سے	اَزْوَاجِهِمْ اپنی بیویاں	اَوْ یا	مَا مَلَكَتْ جو مالک ہوئے	اَيْمَانُهُمْ ان کے دائیں ہاتھ	فَاِنَّهُمْ پس بیشک وہ	
غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ کوئی ملامت نہیں	فَمَنِ پس جو	ابْتَغٰى چاہے	وَرَآءَ سوا	ذٰلِكَ اس	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی	هُمُ وہ	الْعٰدُوْنَ حد سے بڑھنے والے
وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِاَمٰنٰتِهِمْ اپنی امانتیں	وَعَهْدِهِمْ اور اپنے عہد	رٰعُوْنَ رعایت کرنیوالے	وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَلٰى پر
صَلَوٰتِهِمْ اپنی نمازیں	يُحَافِظُوْنَ حفاظت کرنیوالے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمْ وہ	الْوٰرِثُوْنَ وارث	الَّذِيْنَ جو	يَرِثُوْنَ وارث ہونگے	
الْفِرْدَوْسَ جنت	هُمْ وہ	فِيْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہیں گے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ درس میں سورۃ کی ابتدا اس کلام سے ہوئی تھی کہ بالتحقیق۔ یقیناً بلاشک و شبہ ایمانداروں نے فلاح حاصل کرلی۔ یعنی فلاح پانے اور سعادت حاصل کرنے کی پہلی لازمی شرط تو ایمان ہوئی جو سب نیکیوں کی جڑ ہے۔ بغیر ایمان یا صحتِ اعتقاد کے کوئی عمل بھی مقبول نہیں اس کے بعد ایمان داروں کی صفات بیان کی گئیں جن میں پہلی صفت گذشتہ آیت میں یہ بیان ہوئی تھی کہ وہ اپنی نماز میں خشوع و خضوع کرنے والے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں مومنین کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

یعنی دوسری صفت یہ کہ وہ فضول اور بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہ کرتے۔ کوئی دوسرا لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کو اپنے مالک کی بندگی سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں اور مشغلوں میں اپنے کو

پھنسائیں۔آیت میں لغو کا لفظ آیا ہے لغو ہر اس بات اور اس کام کو کہتے ہیں جو فضول لا یعنی اور لا حاصل ہو۔ جن باتوں یا کاموں کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو۔ جن کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو۔جن سے کوئی اچھا مقصد اور غرض حاصل نہ ہو وہ سب لغویات میں ہیں۔تو نماز کے بعد مومنین کی لغویات سے دور رہنے کی جو صفت بیان کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ بھی مومن کی اہم ترین صفات میں سے ہے۔اسی لئے حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا اسلام جب اچھا ہوسکتا ہے جبکہ وہ لا یعنی اور بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے اور مومن حقیقی کا لغویات سے دور رہنے کا راز یہ ہے کہ وہ یہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ دنیا ایک آزمائش اور امتحان گاہ ہے اور جو زندگی اسے ملی ہے یہ امتحان ہی کے لئے ملی ہے۔تو جس طرح ایک مدرسہ کا طالب علم اپنے امتحان کے کمرہ میں بیٹھ کر اپنا پرچہ حل کر رہا ہو تو اس کو یہ فکر لگی رہتی ہے کہ کوئی منٹ بے کار اور ضائع نہ جائے اور وہ امتحان کے پورے وقت کے ایک ایک لمحہ کو اپنے پرچہ کو صحیح طریقہ سے حل کرنے کی کوشش میں صرف کر ڈالنا چاہتا ہے اور کوئی سیکنڈ فضول ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ٹھیک اسی طرح مومن بھی دنیا کی اس زندگی کو انہیں کاموں میں صرف کرتا ہے جو انجام کار کے لحاظ سے مفید اور ضروری ہوں امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ہر لغویات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معاً بعد لایا گیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔

آگے تیسری صفت مومنین کی بیان کی گئی ہے کہ جو اعمال و اخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں یہاں آیت میں للزکوٰۃ فاعلون آیا ہے۔تو لفظ زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں مال کا ایک حصہ کچھ ضابطہ اور شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔اور قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنے میں استعمال ہوا ہے مگر بعض مفسرین نے اور حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے اس جگہ لفظ زکوٰۃ کو عام لغوی معنے میں اپنے نفس کو پاک کرنا قرار دیا ہے اور وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی۔تو یہاں مراد زکوٰۃ سے تزکیہ نفس ہے یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا۔کیونکہ شرک۔ریا۔تکبر۔حسد۔بغض۔کینہ۔حرص۔بخل وغیرہ جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں۔نفس کو اس سے پاک کرنا فرض ہے۔

آگے چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھتے ہیں سوائے اپنی بیبیوں اور شرعی باندیوں کے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس زمانے میں باندیوں کی خرید وفروخت کا عام رواج تھا۔لیکن اب لونڈی غلاموں کی خرید وفروخت قریب قریب دنیا کے ہر حصہ میں بند ہوچکی ہے اس لئے اب سوائے جائز شادی کے اور کوئی صورت قضائے شہوت کے لئے حلال نہیں۔اس طرح خواہش نفس پوری کرنے کی تمام صورتوں کو حرام کردیا گیا خواہ وہ زنا ہو یا متعہ ہو یا کچھ اور۔ زنا کاری سے اخلاق برباد۔ معاشرت تباہ۔ نظام امن غارت ہوجاتا ہے۔زوجین میں محبت نہیں رہتی۔نسل کا اعتبار نہیں رہتا۔ بے حیائی پھیلتی ہے۔ متعدی امراض کی کثرت ہوجاتی ہے۔ جسمانی قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں۔جو ہر انسانی بے فائدہ تضیع ہوتا ہے اس لئے آیت مذکورہ میں زنا وغیرہ سے انتہائی اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی شرمگاہ کا اظہار اور کشف بھی سوائے جائز اور حلال صورت کے نہ ہونا چاہئے۔

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں یعنی امانات اور قول وقرار کی حفاظت کرتے ہیں۔خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے۔امانات کا لفظ جامع

ہے ان تمام امانتوں کے لئے جو خداوندِ عالم نے یا معاشرے نے یا قوم نے یا افراد نے کسی مومن کے سپرد کی ہوں اور عہد و پیمان میں وہ سارے معاہدے داخل ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان یا انسان اور انسان کے درمیان یا قوم اور قوم کے درمیان کئے گئے ہوں تو مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ کبھی امانت میں خیانت نہ کرے گا اور کبھی اپنے قول و قرار سے نہ پھرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔

چھٹی صفت۔ بیان فرمائی کہ جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یعنی پانچوں نمازیں اپنے اوقات پر آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہ چھ صفات مومنین کی بتلائی گئیں جو نماز ہی سے شروع ہوئی تھیں اور نماز ہی پر ختم ہوگئیں۔ اوپر خشوع کے ذکر میں نماز بصیغۂ واحد فرمایا تھا یہاں نماز کو بصیغۂ جمع فرمایا ہے تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں جنس نماز مراد تھی اور یہاں پانچوں وقت کی نماز فرداً فرداً مراد ہے تو نمازوں کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوقاتِ نماز، آدابِ نماز، ارکان واجزائے نماز، غرض نماز سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی پوری نگہداشت کرتے ہیں۔

یہاں مومنین مفلحین کی صفاتِ حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے ذکر سے کیا تھا اور اختتام بھی نماز ہی کی محافظت و مداومت پر کیا۔ اب یہاں کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جس امت کو انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے فلاح کے لئے نماز کی اس قدر تاکید ہو رہی ہے وہ نماز ہی کی طرف سے کس درجہ غفلت میں پڑگئی۔ اخیر میں ان سب صفات کے بیان فرمانے کے بعد بتلایا گیا کہ بس یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہونے والے ہیں یعنی جنت پر قابض و متصرف ہوں گے اور گویا اس کے مالک ہو جائیں گے۔ اور ہم فیہا خٰلدون فرما کر یہ مژدہ بھی دیا کہ اس میں یعنی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے یعنی نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے نہ مریں گے۔

خلاصہ یہ کہ مومنین مفلحین کی چھ صفات و خصال یہاں بیان کی گئیں۔

۱۔ خشوع و خضوع سے نماز پڑھنا۔
۲۔ باطل، لغو اور لایعنی باتوں سے علیحدہ رہنا۔
۳۔ اپنے بدن نفس اور جان کو پاک رکھنا۔
۴۔ شہوتِ نفسانی کو قابو میں رکھنا۔
۵۔ امانت و عہد کی حفاظت کرنا۔
۶۔ نمازوں کی پوری حفاظت کرنا۔

جس پر جنت الفردوس میں داخلہ کی بشارت دی گئی ہے۔ تو یہاں بعض عبادات مہمہ کی فضیلت مذکور تھی آگے مستحق عبادت اللہ جل شانہٗ کے بعض آثار وتصرفات کا بیان ہے تا کہ ان سے اس کی قدرت و عظمت و وحدت کو جان کر پورا حق عبادت ادا کیا جائے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! یہ ملک پاکستان اسلامی ملک کہلایا جاتا ہے۔ اور یہاں کی اکثریت مومن اور مسلم ہونے کی دعوے دار ہے۔ مگر حقیقی مومن اور مسلم تو وہی ہے جو ان قرآنی صفات سے متصف ہیں۔ آپ کا وعدہ جنت الفردوس کا تو انہی کے لئے ہے جو ان قرآنی صفات کے حامل ہیں۔
یا اللہ! ہم نے قرآنی ہدایات وتعلیمات کو چھوڑ کر ظلم عظیم اپنے اوپر کیا ہے۔ یا اللہ! ہماری حالتوں پر رحم و کرم فرمادے اور ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمادے اور من حیث القوم ہم کو قرآنی ہدایات کو اپنانے کی توفیق حسن عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اُس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

پھر ہم نے اُس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا پھر ہم نے اُس خون کے لوتھڑے کو بوٹی بنادیا پھر ہم نے اُس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا

لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ

پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا پھر ہم نے اُس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم بعد اس کے

لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

وَ اور	لَقَدْ خَلَقْنَا البتہ ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	مِنْ سے	سُلٰلَةٍ خلاصہ چنی ہوئی	مِّنْ طِيْنٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر
جَعَلْنٰهُ ہم نے اسے ٹھہرایا	نُطْفَةً نطفہ	فِيْ میں	قَرَارٍ مَّكِيْنٍ مضبوط جگہ	ثُمَّ پھر	خَلَقْنَا ہم نے بنایا	النُّطْفَةَ نطفہ
عَلَقَةً جما ہوا خون	فَخَلَقْنَا پس ہم نے بنایا	الْعَلَقَةَ جما ہوا خون	مُضْغَةً بوٹی	فَخَلَقْنَا پھر ہم نے بنایا	الْمُضْغَةَ بوٹی	عِظٰمًا ہڈیاں
فَكَسَوْنَا پھر ہم نے پہنایا	الْعِظٰمَ ہڈیاں	لَحْمًا گوشت	ثُمَّ پھر	اَنْشَاْنٰهُ ہم نے اسے اٹھایا	خَلْقًا صورت	اٰخَرَ نئی
فَتَبٰرَكَ پس برکت والا	اللّٰهُ اللہ	اَحْسَنُ بہترین	الْخٰلِقِيْنَ پیدا کرنے والا	ثُمَّ پھر	اِنَّكُمْ بیشک تم	بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد
لَمَيِّتُوْنَ ضرور مرنے والے	ثُمَّ پھر	اِنَّكُمْ بیشک تم	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	تُبْعَثُوْنَ اٹھائے جاؤگے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اہلِ ایمان اوران کی بعض صفات کا ذکر فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یہی لوگ آخرت میں جنت الفردوس کے مالک ہونے والے ہیں جس میں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اب آخرت کی اچھائی برائی اور عذاب ثواب کا انحصار اس امر پر ہے کہ آدمی مر کر دوبارہ زندہ ہو اور قیامت کے میدان میں عذاب وثواب کے لئے اس کو پیش کیا جائے۔ منکرین کوتاہ نظر رکھنے والے قیامت ہی کے منکر تھے۔مشرکین عرب کا عام طبقہ دوبارہ زندہ ہونے کا قائل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تخلیق انسان کی ابتداء اور درمیانی درجاتِ آفرینش کو بیان کر کے حشر ونشر پر استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے بے جان مٹی کو جاندار بنایا۔ایک کثیف مادہ کو انسانی صورت کا جامہ پہنا کر ہوش مند کیا اور ان کا نام آدم رکھا اور پھر نسلِ انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے جوہر انسانی کا خلاصہ باپ کی پشت سے کھینچ کر ماں کے رحم میں ایک خاص وقت تک امانت رکھا اور اس نطفہ کو تمام درجاتِ تغیر طے کرا کے مختلف صورتوں میں نمودار کر کے جیتا جاگتا آدمی بنا کر پیدا کیا۔ پھر مدتِ زندگانی ختم کرا کے ایک وقت خاص پر اس کے لئے موت بھیجی تو ایسا قادرِ مطلق خلاق کامل خدا کیا دوبارہ قیامت کے دن حشر انسانی نہیں کرسکتا؟ ضرور کرسکتا ہے اور ضرور کریگا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی کے خلاصہ سے

بنایا گیا پھر نسلِ انسانی قائم رکھنے کے لئے بنی آدم کا نطفہ سے پیدا ہونا بتلایا گیا کہ جو رحمِ مادر میں ایسے محفوظ مقام میں رکھا کہ جہاں ضائع ہوجانے اور بگڑ جانے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ نطفہ کے رحمِ مادر میں قرار پانے کے بعد پھر اس کی مختلف صورتیں جو بدلتی ہیں ان کو بیان فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ نطفہ ماں کے رحم میں کچھ دن کے بعد جمے ہوئے خون کی شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ پھر کچھ دنوں بعد یہ جما ہوا خون گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔ پھر اس بوٹی سے ہڈیوں کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ پھر ان ہڈیوں کے اوپر گوشت چڑھتا ہے۔ اب انسان کا بدن تیار ہوگیا اس کے بعد روح حیات پھونک کر اسے جیتا جاگتا انسان بنادیا جاتا ہے۔ پھر جب رحمِ مادر سے باہر آتا ہے تو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک بہت سے احوال اور ادوار اس پر گزرتے ہیں۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک نت نئی صورتیں اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک مدت تک انسان ترقی کرتا ہے۔ پھر زوال کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ عمر تمام ہوجاتی ہے اور انسانی وجود کا جو ذاتی اور خانہ زاد نہیں بلکہ مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے موت آکر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ اس وقت کوئی انسان اپنی ہستی کو موت کے پنجہ سے بچا نہیں سکتا۔ کبھی نہ کبھی ہر ایک کو مرنا ہے اس کے بعد کچھ مدت اس موت کی حالت میں گزرے گی۔ پھر قیامت کا دن آجائے گا اور سب کے سب پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اور دنیا میں جو کام کئے تھے ان کا پھل ضرور ملے گا۔

ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ "اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اُس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدتِ معینہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحمِ مادر میں رہا۔ پھر ہم نے اُس نُطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنادیا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنادیا۔ پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم بعد اس تمام قصہ عجیبہ کے ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے (تو جس طرح ہم نے تم کو ابتداً وجود عطا فرمایا اسی طرح قیامت میں دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا"

حشرِ جسمانی کا انکار کرنے والوں کو خاموش کرنے کیلئے خدا کی ہمہ گیر قدرت اور کمال صناعی کو بتلا کر یہ برہان قاطع پیش کی گئی تا کہ انسان یقین کر لے کہ جو خدا ایک زندہ انسان بنانے پر قادر ہے تو اس انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کر دینا کیا مشکل ہے۔ اب یہاں تک تو ثبوت قیامت حشر و نشر کے لئے دلائل النفس کا بیان تھا۔ یعنی خود انسان کی اپنی ذات سے اب اس کے آگے دلائل آفاقی یعنی آسمان و زمین و تخلیق کائنات کا بیان ہے۔ جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو وجود انسانی عطا فرمایا۔ اور پھر اپنے کرم سے ایمان و اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ دنیا میں انسانی وجود میں ہم کو لانے کا جو مقصد ہے اس مقصد کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! اپنی قدرتِ کاملہ اور کمال صناعی کی معرفت ہم کو نصیب فرما تا کہ ہم کو کامل تابعداری نصیب ہو۔

یا اللہ! قیامت کے دن ہمارا حشر و نشر اپنے مومنین کاملین کے ساتھ فرمائیے۔ اور اس دن کے لئے تیاری کی توفیق اس دنیا میں نصیب فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور ہم نے تمہارے اُوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے۔اور ہم نے آسمان سے مقدار کے ساتھ پانی برسایا

مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ

پھر ہم نے اُس کو زمین میں ٹھیرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کردینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے

جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ

کھجوروں کے اور انگوروں کے۔ تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور اُن میں سے کھاتے بھی ہو اور ایک درخت بھی

مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ

جوکہ طور سیناء میں پیدا ہوتا ہے جو کہ اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کیلئے سالن لئے ہوئے اور تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى

کہ ہم تم کو اُن کے پیٹ میں کی چیز پینے کو دیتے ہیں۔ اور تمہارے لئے اُن میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو۔

الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اور اُن پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو

وَ اور	لَقَدْ خَلَقْنَا تحقیق ہم نے بنائے	فَوْقَكُمْ تمہارے اوپر	سَبْعَ سات	طَرَآئِقَ راستے	وَمَا كُنَّا اور ہم نہیں	عَنِ سے	
الْخَلْقِ خلق پیدائش	غٰفِلِيْنَ غافل	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	بِقَدَرٍ اندازہ کے ساتھ		
فَاَسْكَنّٰهُ ہم نے اسے ٹھہرایا	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰى پر	ذَهَابٍ لے جانا	بِهٖ اس کا	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر	
فَاَنْشَاْنَا پس ہم نے پیدا کئے	لَكُمْ تمہارے لئے	بِهٖ اس سے	جَنّٰتٍ باغات	مِنْ سے۔کے	نَّخِيْلٍ کھجور	وَّاَعْنَابٍ اور انگور	
لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	فَوَاكِهُ میوے	كَثِيْرَةٌ بہت	وَّمِنْهَا اور اس سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	وَشَجَرَةً اور درخت	
تَخْرُجُ نکلتا ہے	مِنْ سے	طُوْرِ سَيْنَآءَ طور سینا	تَنْۢبُتُ اُگتا ہے	بِالدُّهْنِ تیل کے ساتھ۔لئے	وَصِبْغٍ اور سالن		
لِّلْاٰكِلِيْنَ کھانے والوں کیلئے	وَاِنَّ اور بیشک	لَكُمْ تمہارے لئے	فِي الْاَنْعَامِ چوپایوں میں	لَعِبْرَةً عبرت۔غور کا مقام			
نُسْقِيْكُمْ ہم تمہیں پلاتے ہیں	مِّمَّا اس سے جو	فِيْ بُطُوْنِهَا ان کے پیٹوں میں	وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	فِيْهَا ان میں	مَنَافِعُ فائدے		
كَثِيْرَةٌ بہت	وَّمِنْهَا اور ان سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	وَ اور	عَلَيْهَا ان پر	وَ اور	عَلَى الْفُلْكِ کشتی پر	تُحْمَلُوْنَ سوار کئے جاتے ہو

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جس سے قادرِ ذوالجلال کی قدرت اور اس کی صنعت وحکمت کھلم کھلا ظاہر ہے اور جس سے آخرت اور قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال فرمایا گیا تھا۔ تو صرف یہ انسان ہی نہیں بلکہ یہی حال تمام عالم کا ہے کہ دنیا کے ذرہ ذرہ۔ پتہ پتہ اور قطرے قطرے میں شواہد قدرت موجود ہیں جو خدائے ذوالجلال کی صنعت۔ حکمت۔ معرفت۔ ربوبیت اور الوہیت ووحدانیت کو

ثابت کر رہے ہیں۔ان آیات میں اسی سلسلہ کی چند کڑیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔اول آسمانوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا کہ جن کی بناوٹ انسانی بناوٹ سے بہت بڑی اور بہت بھاری اور بڑی صنعت والی ہے۔ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بتہ تمہارے اوپر بنائے۔اب مقامِ غور ہے کہ آسمان میں نہ کوئی شگاف ہے۔نہ سوراخ۔نہ دروازہ۔نہ کھڑکی نہ آنکھوں سے کوئی راستہ دکھائی دیتا ہے پھر بھی فرشتوں اور غیبی مخلوق کی آمدورفت برابر جاری ہے پس کس قدر تعجب انگیز ہے آسمانوں کی ساخت کہ بغیر کسی سوراخ اور راستہ کے یہ اتار چڑھاؤ کا سلسلہ ان میں جاری ہے۔پھر یہ کہ آسمانوں کو بنا کر یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کا نظام اور بقا اور حفاظت سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت میں رکھا۔ اسی کا دستِ قدرت ہے کہ آسمان نیچے نہیں گرتا۔پھر آسمان سے نیچے اتر کر فضائی کائنات میں سے صرف بارش کو دیکھئے۔فضا میں پانی بنتا ہے اور نیچے اترتا ہے۔پھر پانی اندازہ کے موافق زمین پر اترتا ہے اور زمین کے اندر قرار پکڑتا ہے۔اگر بارش کا نزول خاص اندازہ کے تحت نہ ہوتا اور یونہی بادلوں کے دہانہ کھول دیئے جاتے تو زمین اور زمین کی تمام کائنات غرق ہو جاتی یا خلاف موسم پانی برستا تب بھی مخلوق تباہ ہو جاتی۔پھر مینہ برستا ہے تو بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں جو بوقتِ ضرورت کام آتا ہے۔قدرتِ خداوندی اگر پانی زمین کے اندر نہ اتارنا چاہے تو نہ اترے یا اگر پانی اتارنے کے بعد تم کو اس میں سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکو یا خشک کر کے ہوا میں اڑا دیں یا کھاری اور کڑوا کر دیں تو قدرت یہ سب بھی کر سکتی ہے۔پھر اس پانی سے طرح طرح کے درخت پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔درختوں کی روئیدگی بھی قابلِ غور ہے۔سرزمین عرب میں کھجور اور انگور کی پیداوار بکثرت ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا۔پھر درخت میں زیتون کا ذکر فرمایا کہ جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور عرب کے لوگ سالن کی جگہ اس کا استعمال کرتے ہیں۔اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے اسی لئے تیسویں پارہ سورۂ والتین میں اس کی قسم کھائی گئی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زیتون کے درخت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ تمام درختوں سے اس کی عمر زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض اہلِ تحقیق کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی عمر تین ہزار برس تک کی ہوتی ہے۔فلسطین کے بعض زیتون کے درختوں کا قد و قامت اور پھیلاؤ دیکھ کر اندازہ کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک چلے آرہے ہیں۔طور سینا کی طرف اس کو منسوب کرنے کی وجہ اس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کی ہے۔وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور اس درخت کا وطن اصلی اور نمایاں ترین مقام بھی طور سینا ہی ہے۔تو پانی سے درخت۔کھیتی۔میوہ۔اناج پھل پھول جڑی بوٹیاں،سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے کہ انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان فراہم ہوتا ہے۔جانور بھی کھاتے ہیں آدمی بھی۔

پھر نباتات کے بعد حیوانات کا ذکر فرمایا گیا کہ یہی سبزہ اور گھاس پات جانور کھاتا ہے پھر اسی سے اس کے بدن میں کیا کیا چیزیں بنتی ہیں۔پھر ان کے پیٹ کے اندر سے ایک ایسی چیز برآمد ہوتی ہے جس میں اندرونِ شکم کی نجاست۔بو۔رنگ۔کثافت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ یعنی سفید شیریں پاک صاف دودھ پیدا ہوتا ہے۔یہ بھی سبزہ ہی کی پیداوار ہے۔پھر جانوروں سے انسانوں کو یہی فوائد حاصل نہیں ہوتے بلکہ سواری۔باربرداری اور دیگر ضروریات کو بھی پورا کرنے میں کام آتے ہیں۔حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا۔پھر خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں اور بڑے بڑے وزنی سامان ان پر لادتے ہیں۔تو یہ سب اللہ کے انعامات و احسانات انسانوں پر ہیں ان کے باوجود بھی بہت سے بے عقل انسان اللہ کی ربوبیت۔الوہیت اور وحدانیت کو نہیں مانتے اور روزِ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تخلیق کائنات اور ترتیب کائنات دکھا کر حق تعالیٰ نے اپنی الوہیت و وحدانیت اور کمال قدرت پر استدلال فرمایا جس میں ضمناً مر کر دوبارہ پیدا کرنے کا ثبوت بھی آ گیا۔اور علاوہ دلائل ہونے کے چونکہ یہ انعامات بھی ہیں اس لئے وہ مقتضی شکر بھی ہیں اور حق تعالیٰ کا شکر یہی ہے کہ اس کی باتوں کو عقلاً و عملاً مانا جاوے۔اس لئے انسانوں کو چاہئے کہ اس منعمِ حقیقی پر ایمان لائیں اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل صالح کریں جس میں تصدیق آخرت و قیامت بھی آ گئی۔

اب آگے انبیائے سابقین کے تذکرے مختلف اغراض کے لئے فرمائے گئے ہیں۔جیسا کہ اس سورۃ کے ابتدائی درس میں ذکر کیا جا چکا ہے۔جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا تو اُنہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اُسکے سوا تمہارے لئے کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں پھر کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ

ڈرتے نہیں ہو۔ پس اُن کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک آدمی ہے اور کچھ نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔

عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا

اور اللہ کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں میں نہیں سنی۔ بس یہ ایک آدمی ہے

رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک خاص وقت تک اس کا اور انتظار کر لو۔ نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے بوجہ اسکے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے۔

وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا البتہ ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوحؑ	اِلٰی قَوْمِهٖ اسکی قوم کی طرف	فَقَالَ پس اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم		
اعْبُدُوا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	مَا لَكُمْ تمہارے لئے نہیں	مِنْ اِلٰهٍ کوئی معبود	غَيْرُهٗ اسکے سوا	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں؟		
فَقَالَ تو وہ بولے	الْمَلَؤُا سردار	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	مِنْ سے۔کے	قَوْمِهٖ اس کی قوم	مَا هٰذَا یہ نہیں	اِلَّا مگر	
بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تم جیسا	يُرِيْدُ وہ چاہتا ہے	اَنْ يَّتَفَضَّلَ کہ بڑا بن بیٹھے وہ	عَلَيْكُمْ تم پر	وَلَوْ اور اگر	شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہتا	
لَاَنْزَلَ تو اتارتا	مَلٰٓئِكَةً فرشتے	مَّا سَمِعْنَا نہیں سنا ہم نے	بِهٰذَا یہ	فِيْٓ اٰبَآئِنَا اپنے باپ دادا سے	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	اِنْ هُوَ نہیں وہ۔یہ	
اِلَّا مگر	رَجُلٌ ایک آدمی	بِهٖ جس کو	جِنَّةٌ جنون	فَتَرَبَّصُوْا سو تم انتظار کرو	بِهٖ اس کا	حَتّٰى حِيْنٍ ایک مدت تک	قَالَ اس نے کہا
رَبِّ اے میرے رب	انْصُرْنِيْ میری مدد فرما	بِمَا اس پر	كَذَّبُوْنِ انہوں نے مجھے جھٹلایا				

تفسیر وتشریح:۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام کے تذکرے مختلف آیات اور سورتوں میں مختلف اغراض ومقاصد کے لئے کئے گئے ہیں۔ ہر جگہ جدا مقصود ہے۔ اس جگہ بھی چند پیغمبروں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جس سے چند امور کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور گروہِ اہلِ ایمان کو تسلی اور کافروں کی ایذا رسانی پر ثابت قدم رہنے کی ضمنی تلقین اور کفار کے بیہودہ شبہات اور لغو کلام سے رنجیدہ نہ ہونے کی در پردہ ہدایت اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انبیائے سابقین اور ان کی کافر قوموں کا بھی باہم اسی طرح معاملہ رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کوئی نئی چیز نہیں۔ ہمیشہ سے انسان ہی نبی ہوتے چلے آئے ہیں اور سب ہی نے اعلانِ توحید کیا ہے مگر کفار کی مخالفت اور مقدس رسولوں پر تہمت تراشی اور ان کو دیوانہ اور پاگل کہنا بھی کوئی نئی بات نہیں آدمِ ثانی یعنی نوح علیہ السلام کو بھی آپ کی قوم نے دیوانہ کہا تھا۔

تیسرے یہ جتلانا مقصود ہے کہ کفار کی سرکشی جب انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور تبلیغ دین کا کوئی اثر نہیں لیتے اور ہدایت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں رہتی تو مقدس انبیاء کے ہاتھوں سے بغیر ظاہری اسباب کے غیبی معجزات ظاہر کرائے جاتے ہیں جن سے مجرم تباہ

و برباد ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حق کو بچالیا جاتا ہے۔ یہ خدا کا عام دستور ہے۔ کفار مکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے۔

یہاں سب سے پہلے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور اس میں کلام سابق کے ساتھ یہ ربط ہے کہ اوپر فرمایا تھا کہ ہم آسمان سے پانی ایک خاص اندازہ کے ساتھ تمہارے فائدے کیلئے نازل کرتے ہیں مگر جب بندے سرکشی پر اصرار کرتے ہیں اور انبیاء کے مقابلہ سے باز نہیں آتے تو اسی رحمت کو زحمت بنادیا جاتا ہے جیسا کہ قومِ نوح کے لئے ہوا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں۔ اگر شرک کروگے تو عذابِ اُخروی کے علاوہ عذابِ دنیوی میں بھی مبتلا ہوگے۔ کسی مصلح کی نصیحت ماننے اور صداقت کو قبول کرنے سے جو امور مانع ہوتے ہیں ان کا وجود اکثر و بیشتر امرا اور اہلِ ثروت میں ہوتا ہے۔ اسی لئے انبیائے حق اور مصلحین و مرشدین کی مخالفت یہی سب سے پہلے کرتے ہیں چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب توحید کا وعظ و نصیحت فرمایا تو امراء اور سردارانِ قوم۔ نے سب سے پہلے آپ کی مخالفت کی اور قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے عوام سے کہا کہ نوح کی بات مت سنو اور مندرجہ ذیل شکوک واوہام پیش کئے۔ (۱) اول انہوں نے کہا کہ یہ تم جیسا آدمی ہے۔ لوازم زندگی کی ضروریات۔ اور خواص بشری میں تمام لوگوں سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں۔ چلتا ہے پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے۔ تمام ضروریات انسانی کا محتاج ہے۔ صورت شکل میں بھی آدمی ہی ہے پھر خدا کا پیامبر ہونا کیسے ممکن ہے۔ گویا ان کے جاہلانہ اور گمراہانہ خیال میں بشر نبی اور رسول نہیں ہوسکتا تھا۔ قرآن کریم نے اس جاہلانہ تصور کا ذکر کرکے بار بار اس کی تردید کی ہے اور اس بات کو پورے زور کے ساتھ صاف صاف بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے اور انسانوں کے لئے انسان ہی نبی ہونا چاہئے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ و تعلیم کے مقابلہ میں اور آپ کی ہدایات کو رد کرنے کے لئے سردارانِ قوم نے پہلا اعتراض تو یہ پیش کیا کہ یہ تم جیسا آدمی ہے اس میں فضیلت کی کیا بات ہے۔

دوسرا اعتراض حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر یہ پیش کیا کہ یہ شخص کوئی ممتاز حیثیت اور پوزیشن نہیں رکھتا۔ طاقت۔ دولت۔ ثروت۔ خاندانی وجاہت۔ حکومت۔ سرداری کچھ بھی اس کے قبضہ میں نہیں اس لئے یہ برتری کا خواستگار ہے اور بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے۔ اور مصلح اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

تیسرا شبہ اور اعتراض یہ پیش کیا کہ اگر ہماری ہدایت کے لئے پیامبر کا آنا ضروری تھا تو فرشتہ پیامبر ہوکر آتا۔ اس کو امتیازی شان حاصل ہے۔ اس معمولی انسان کی رسائی خدا تک کیسے ہوسکتی ہے اور اس کے پاس اللہ کا پیام کیسے آسکتا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ پیش کیا تم ہم کو تمام دیوتاؤں سے ہٹا کر ایک خدا کی حکومت منواتے ہو اور قدیم مذہب کو چھوڑنے کی تلقین کرتے ہو حالانکہ ہمارے باپ دادا کوئی بھی ایک خدا کی پرستش نہ کرتا تھا ہم نے تو توحید کا پیام اپنے بڑوں سے نہیں سنا۔

پانچواں اعتراض یہ پیش کیا کہ معلوم ہوتا ہے تم دیوانہ ہوگئے ہو تم کو جنون ہوگیا ہے۔ جو ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادا کے خلاف ایسی نئی باتیں کہتے ہو۔ چنانچہ وہ سردارِ قوم کی طرف خطاب کرکے کہنے لگے کہ نوح کو تو (العیاذ باللہ) جنون ہوگیا ہے۔ بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آجائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہوجائے۔ (العیاذ باللہ)

جب نوح علیہ السلام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہِ راست پر نہ آتے دیکھا اور سوائے چند نفر کے کوئی ان پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے فریاد کی کہ اے میرے رب ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں خود بھی گمراہ رہیں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اب جنابِ باری تعالیٰ کی طرف سے اس کا کیا جواب نوح علیہ السلام کو ملا۔ اس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ

پس ہم نے اُن کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرلو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے پھر جس وقت ہمارا حکم آ پہنچے اور زمین سے پانی اُبلنا شروع ہوتو

فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِىْ

ہر قسم (کے جانوروں) میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس میں داخل کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی باستثنا اسکے جس پر اُن میں سے (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے

فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

اور مجھ سے کافروں کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا۔ وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا شکر ہے خدا کا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا

جس نے ہم کو کافرلوگوں سے نجات دی۔ اور یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو برکت کا اتارنا اُتاریو

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور آپ سب اُتارنے والوں سے اچھے ہیں۔ اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم بندوں کو آزماتے ہیں۔

فَاَوْحَيْنَآ تو ہم نے وحی بھیجی	اِلَيْهِ اس کی طرف	اَنِ کہ	اصْنَعِ تم بناؤ	الْفُلْكَ کشتی	بِاَعْيُنِنَا ہماری آنکھوں کے سامنے		
وَوَحْيِنَا اور ہمارا حکم	فَاِذَا پھر جب	جَآءَ آجائے	اَمْرُنَا ہمارا حکم	وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور تنور اُبلنے لگے	فَاسْلُكْ تو چلا لے (رکھ لے)		
فِيْهَا اس میں	مِنْ سے	كُلٍّ ہر (قسم)	زَوْجَيْنِ جوڑا	اثْنَيْنِ دو	وَاَهْلَكَ اور اپنے گھر والے	اِلَّا سوا	مَنْ جو۔جس
سَبَقَ پہلے ہو چکا	عَلَيْهِ اس پر	الْقَوْلُ حکم	مِنْهُمْ ان میں سے	وَ اور	لَا تُخَاطِبْنِىْ نہ کرنا مجھ سے بات	فِى میں۔بارہ میں	
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وہ جنھوں نے ظلم کیا	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مُّغْرَقُوْنَ غرق کئے جانے والے ہیں	فَاِذَا پھر جب	اسْتَوَيْتَ تم بیٹھ جاؤ	اَنْتَ تم		
وَمَنْ اور جو	مَّعَكَ تیرے ساتھ ساتھی	عَلَى پر	الْفُلْكِ کشتی	فَقُلِ تو کہنا	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِىْ وہ جس نے
نَجّٰنَا ہمیں نجات دی	مِنَ سے	الْقَوْمِ قوم	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	وَقُلْ اور کہو	رَّبِّ اے میرے رب	اَنْزِلْنِىْ مجھے اتار	
مُنْزَلًا منزل	مُّبٰرَكًا مبارک	وَّاَنْتَ اور تو	خَيْرُ بہترین	الْمُنْزِلِيْنَ اتارنے والے	اِنَّ بیشک	فِىْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں
وَاِنْ كُنَّا اور بیشک ہم ہیں	لَمُبْتَلِيْنَ آزمائش کرنے والے						

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نوسو سال کی پیہم دعوت وتبلیغ کا قوم پر کوئی اثر نہ دیکھا اور جتنا تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا تو نوح علیہ السلام سخت ملول اور رنجیدہ خاطر ہوئے اور قوم کی بداعمالی سے متاثر ہوکر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ اے میرے رب ان ظالموں کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے۔ یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ یہ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ تو ہی میری مدد کر کہ میں ان سے نجات پاؤں۔ نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور بارگاہِ خداوندی سے جو جواب ملا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ ایک کشتی تیار کرو۔ ہم تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے اور موقع بموقعہ

حسبِ ضرورت تمہیں وحی کے ذریعہ سے سمجھاتے جائیں گے کہ کشتی کتنی لمبی چوڑی ہو اور کون سی چیز کہاں بنائی جائے۔ عنقریب ایک سخت طوفان آنے والا ہے جبکہ پانی ہر طرف سے زمین پر ٹوٹ پڑے گا۔ آسمان سے لگاتار مینہ برسے گا۔ زمین سے بے تحاشا پانی ابلے گا اور کوئی جاندار ہلاک ہونے سے نہ بچے گا مگر وہی کہ جو تمہاری بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہو جائیں گے۔ اور طوفان کے ابتدا کی نشانی یہ ہوگی کہ تنور سے پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہو جائے گا۔ یہ نشانی دیکھتے ہی ہر جانور کا ایک جوڑہ نر و مادہ کشتی پر چڑھالینا اور جو نہ بیٹھے اسے چھوڑ دینا۔

یہ طوفانِ نوح کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے تاکہ انسانوں کے کان میں بار بار پڑتا رہے اور ہر سمجھدار کے دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کرنے والے ہر زمانہ میں بری طرح تباہ ہوئے اگرچہ انہیں مہلت ملتی رہی۔
تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جب پانی زمین پر ابلنے لگے تو کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے جو پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے ایک ایک جوڑا اٹھالیا جائے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کرلیا جائے۔ مگر جو نہ بیٹھے اسے چھوڑ دیا جائے اور کوئی کشتی میں بیٹھے بغیر ڈوبنے اور ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ اور یہ خیال رہے کہ ظالموں یعنی کافروں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا۔ ان کی بابت فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ اپنی بداعمالی کا خمیازہ بھگتیں گے اور ڈوب کر ہلاک ہوں گے۔ آگے نوح علیہ السلام کو ہدایت ہوئی کہ جب آپ اور آپ کے ماننے والے کشتی میں سوار ہو جائیں تو پھر سب اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور اس طرح کہیں کہ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں ظالموں سے بچالیا اور غرق ہونے کے عذاب سے محفوظ کردیا۔ اے اللہ! اس کشتی سے ہمیں خشکی میں بخیر وعافیت اتارنا اور آپ سے بہتر ہماری بہبودی کا انتظام کرنے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ آپ ہی ہمیں جب تک کشتی میں رکھنا ہو آرام و آسائش سے رکھئے گا اور جب اترنے کا وقت آئے تو اس طرح اتاریئے گا کہ ہمیں کوئی زحمت اور تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو یہ دعا تعلیم فرمائی گئی اور پھر اپنی رحمت سے اسے قبول بھی فرمایا چنانچہ اہل کشتی کو نہ کشتی میں کوئی تکلیف نہ اترنے پر کوئی دقت محسوس ہوئی۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اہلِ عقل کے لئے اس واقعہ میں ہماری قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم یہ نشانیاں معلوم کرا کرا اپنے بندوں کو آزماتے ہیں کہ دیکھیں کون اُن سے سمجھ اور نفع حاصل کرتا ہے۔ وہ کون سی نشانیاں ہیں جن کی طرف یہاں اشارہ فرمایا گیا۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ خشکی میں طوفانِ عظیم کا آنا اور کافروں کی تمام بستیوں کا غرق ہوجانا اور اہلِ ایمان کا نجات پانا اور اس طرح سے انسانی سلسلہ کا باقی رکھنا کافروں کو ایک مدت دراز تک ڈھیل دینا اور آخر میں اہلِ حق اور اہلِ ایمان کو فتح و کامیابی عطا فرمانا۔ ان تمام امور میں آیاتِ قدرت اور علاماتِ حکمت ہیں تاکہ غور کرنے والے غور کریں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش بہت طویل ہوتی ہے۔ خدا بہت ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ دنیوی آسائش و راحت کی فراوانی۔ مال و اولاد کی کثرت۔ صحت و قوت۔ عزت و حکومت کسی چیز پر نازاں نہ ہونا چاہئے۔ حق سے عدول حکمی کرنے اور صداقت سے منہ پھیرنے کا انجام تباہی ہے۔ آج نہیں تو کل تباہی آئے گی۔ یہ عیش وعشرت اور ناز ونعمت کے اسباب سب ختم ہو جائیں گے۔ نبی کی نافرمانی بلاخیز اور عذاب آفرین ہے۔ آن کی آن میں طوفانِ عظیم برپا کردیتی ہے اور اللہ کی قدرت قاہرہ بھی غیر متناہی ہے اس کو ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔

یہاں ان آیات کا اخیر جملہ و ان کنا لمبتلین اور آزمائش تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں یا آزمائش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں اس حقیقت پر خبردار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بھی اپنی زمین اور اس کی بے شمار چیزوں پر اقتدار عطا کر کے بس یوں ہی نہیں اس کے حال پر چھوڑ دیتا بلکہ اس کی آزمائش کرتا ہے اور دیکھتا رہتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو کس طرح استعمال کر رہی ہے۔ قوم نوح کے ساتھ جو کچھ ہوا اسی قانون کے مطابق ہوا اور دوسری کوئی قوم بھی ایسی نہیں کہ آزاد چھوڑ دی جائے اس آزمائش کے معاملہ سے ہر ایک کو لازماً سابقہ پیش آنا ہے۔ اب قوم نوح کے بعد آگے دوسری قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا

پھر ہم نے قوم نوحؑ کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا پھر ہم نے اُن میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو اُن میں ہی کے تھے (ان پیغمبر نے کہا) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

اُس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں ہو اور اُن کی قوم میں جو رئیس تھے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا

بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ

اور ہم نے اُن کو دُنیوی زندگی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک آدمی ہیں یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو

مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ ۙ اَيَعِدُكُمْ

اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھاٹے میں ہو۔ کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے

اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ ۖ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ ۖ اِنْ

کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے بہت ہی بعید بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے پس زندگی

هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ ۖ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى

تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کئے جاویں گے۔ بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ

اور ہم تو ہرگز اسکو سچا نہ سمجھیں گے۔ پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اسوجہ سے کہ انہوں نے مجھکو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب

لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ ۚ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

پشیمان ہوں گے۔ چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے موافق وعدۂ برحق کے آپکڑا پھر ہم نے اُنکو خس وخاشاک کی طرح پامال کر دیا۔ سو خدا کی مار کافر لوگوں پر

ثُمَّ پھر	اَنْشَاْنَا ہم نے پیدا کیا	مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	قَرْنًا گروہ	اٰخَرِيْنَ دوسرا	فَاَرْسَلْنَا پھر بھیجے ہم نے		
فِيْهِمْ انکے درمیان	رَسُوْلًا رسول	مِّنْهُمْ ان میں سے	اَنِ کہ	اعْبُدُوا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	مَا لَكُمْ نہیں تمہارے لئے	
مِّنْ اِلٰهٍ کوئی معبود	غَيْرُهٗ اسکے سوا	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟	وَقَالَ اور کہا	الْمَلَاُ سرداروں	مِنْ قَوْمِهٖ اسکی قوم کے		
الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِلِقَآءِ حاضری کو	الْاٰخِرَةِ آخرت	وَاَتْرَفْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں عیش دیا		
فِي میں	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	مَا هٰذَآ یہ نہیں	اِلَّا مگر	بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تمہیں جیسا	يَاْكُلُ وہ کھاتا ہے	مِمَّا اس سے جو
تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	مِنْهُ اس سے	وَيَشْرَبُ اور پیتا ہے	مِمَّا اس سے جو	تَشْرَبُوْنَ تم پیتے ہو	وَلَئِنْ اور اگر	اَطَعْتُمْ تم نے اطاعت کی	
بَشَرًا ایک بشر	مِّثْلَكُمْ اپنے جیسا	اِنَّكُمْ بیشک تم	اِذًا اسوقت	لَّخٰسِرُوْنَ گھاٹے میں رہوگے	اَيَعِدُكُمْ کیا وہ وعدہ دیتا ہے تمہیں		
اَنَّكُمْ کہ تم	اِذَا جب	مِتُّمْ مرگئے	وَكُنْتُمْ اور تم ہوگئے	تُرَابًا مٹی	وَّعِظَامًا اور ہڈیاں	اَنَّكُمْ تو تم	مُّخْرَجُوْنَ نکالے جاؤگے

هَيْهَاتَ بعید ہے	هَيْهَاتَ بعید ہے	لِمَا وہ جو	تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	اِنْ هِيَ نہیں	اِلَّا مگر	حَيَاتُنَا ہماری زندگی	
الدُّنْيَا دنیا	نَمُوْتُ اور ہم مرتے ہیں	وَنَحْيَا اور ہم جیتے ہیں	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمَبْعُوْثِيْنَ پھر اٹھائے جانے والے	اِنْ نہیں	
هُوَ وہ	اِلَّا مگر	رَجُلُ ایک آدمی	افْتَرٰى اس نے جھوٹ باندھا	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم
لَهٗ اس پر	بِمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	قَالَ اس نے عرض کیا	رَبِّ میرے رب	انْصُرْنِيْ میری مدد فرما	بِمَا اس پر جو		
كَذَّبُوْنِ انہوں نے مجھے جھٹلایا	قَالَ اس نے فرمایا	عَمَّا قَلِيْلٍ بہت جلد	لَيُصْبِحُنَّ وہ ضرور رہ جائیں گے	نٰدِمِيْنَ پچھتانے والے			
فَاَخَذَتْهُمُ پس انہیں آ پکڑا	الصَّيْحَةُ چنگھاڑ	بِالْحَقِّ وعدہ حق کے مطابق	فَجَعَلْنٰهُمْ سو ہم نے انہیں کر دیا	غُثَآءً خس و خاشاک			
	فَبُعْدًا دوری مار	لِّلْقَوْمِ قوم کیلئے	الظّٰلِمِيْنَ ظالم				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہوا تھا۔ اب آگے ان آیات میں یہ تذکرہ کسی اور قوم کا ہے۔ آیات میں کسی قوم کی تخصیص اور تعیین نہیں کی گئی مگر اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے قوم ثمود یا قوم عاد مراد ہے۔ اس طرح ان کے پیغمبر سے مراد حضرت صالح علیہ السلام یا حضرت ہود علیہ السلام ہیں۔ بہر حال آیت میں کوئی تعیین نہیں۔ ممکن ہے کہ عاد اور ثمود کے علاوہ کوئی اور قوم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت نوحؑ کی وفات کے بعد کچھ زمانہ تک تو لوگ توحید پر قائم ہے جب طویل زمانہ کے بعد پھر حالت بگڑ گئی تو ہدایت کیلئے نبی کو بھیجا گیا۔ نبی نے شرک کی مخالفت کی۔ توحید کا حکم دیا اور عذابِ قیامت سے ڈرایا اور نیک عمل کی ہدایت کی۔ وہ لوگ جو مال و دولت کے نشہ میں سرشار تھے اور جنہیں قوم کی سرداری حاصل تھی وہ پیغمبر کی مخالفت میں آگے بڑھے اور وہی بیہودہ کمزور اور بے بنیاد شبہات واعتراضات پیش کئے جو پہلے گمراہ اپنے پیغمبر کی مخالفت میں پیش کیا کرتے تھے۔ وہ آخرت کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش وآرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اس بنا پر نبی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے خود تو گمراہ تھے ہی عوام اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی گمراہی میں اپنے ساتھ رکھتے چنانچہ انہوں نے پہلے تو نبی کی ذات پر حملہ کیا اور اپنی قوم کے عوام سے کہا کہ یہ تمہیں جیسے ایک بشر ہیں۔ کھانا پینا۔ سونا جاگنا سب بشری خواص تمہاری طرح ان میں موجود ہیں۔ بظاہر کوئی بات ان میں تم سے سوا نہیں (گویا وہی جاہلانہ خیال کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا) تو اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم پر مطاع ٹھہرا لیا جائے۔ تو اپنی قوم کی سیادت کو قائم رکھنے کے لئے عوام کو یہ بتلایا کہ اگر ان کو ہادی و مرشد تسلیم کر لیا تو یہ سب کے آقا اور مقتدا بن جائیں گے ہمارا قومی وقار خاک میں مل جائے گا۔ پھر نبی کی مخالفت میں ان سرداران نے ایک دلیل یہ دی کہ کس قدر بعید از عقل بات یہ کہنا ہے کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے اور مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے۔ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ یہ جو آخرت آخرت اور حساب کتاب سے ڈراتے ہیں تو کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہی ایک مرنا جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا۔ آگے بس کچھ نہیں۔ اور یہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب وثواب دے گا تو یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دردِ سری سے کیا فائدہ۔

آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے ناامید ہو کر دعا کی کہ اے میرے رب میری مدد فرما کہ یہ منکرین برابر مجھ کو جھٹلا رہے ہیں۔ چنانچہ جواباً حق تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ان پر اب عذاب آیا چاہتا ہے۔ جس کے بعد پچھتائیں گے اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔ پھر نتیجہ نافرمانی اور سرکشی کا وہی ہوا جو اس سے پہلے منکرین کا ہو چکا تھا۔ ایک غیبی دھماکے یا چیخ سے کافروں کا ستیاناس ہو گیا۔ اور جس طرح سیلاب خس وخاشاک کو بہا لے جاتا ہے اسی طرح عذابِ الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔ اور اللہ کی پھٹکار کے مستحق بنے اور اس کی رحمت سے دور ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں بھی یہی جتلانا اور عبرت دلانا مقصود ہے کہ دولت، حکومت، عزت وسیادت یہ سب عارضی آزمائشی چیزیں ہیں۔ اللہ ڈھیل دیتا رہتا ہے مگر اللہ کی ڈھیل امتحانی ہوتی ہے بالآخر سخت ترین گرفت کر لی جاتی ہے۔ باطل وحق کے مقابلہ میں انجام کار حق کا غلبہ اور باطل کی شکست، انبیاء کی فتح اور ان کے حریفوں کی تباہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد آگے دوسری اقوام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿٤٣﴾

پھر اُن کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے اور اُمتوں کو پیدا کیا کوئی اُمت اپنی مدت معینہ سے نہ پیش دستی کر سکتی تھی اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا

پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا جب کبھی کسی امت کے پاس اُس امت کا رسول آیا اُنہوں نے اسکو جھٹلایا سو ہم نے ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا

وَّجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوۡنَ ۙ

اور ہم نے اُن کی کہانیاں بنا دیں۔ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہ لاتے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیلیں دے کر

بِاٰيٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٤٥﴾ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا عَالِيۡنَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوۡۤا

فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے

اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا وَقَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَكَانُوۡا مِنَ الۡمُهۡلَكِيۡنَ ﴿٤٨﴾

آدمی ہیں ایمان لے آئیں حالانکہ اُن کی قوم کے لوگ ہمارے زیر حکم ہیں۔ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس ہلاک کیے گئے

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ﴿٤٩﴾ وَجَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تاکہ وہ لوگ ہدایت پاویں۔ اور ہم نے مریمؑ کے بیٹے کو اور ان کی ماں کو بڑی نشانی بنایا

وَّاٰوَيۡنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيۡنٍ ﴿٥٠﴾

اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو ٹھیرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی

ثُمَّ پھر	اَنۡشَاۡنَا ہم نے پیدا کیا	مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ان کے بعد	قُرُوۡنًا اُمتیں	اٰخَرِيۡنَ دوسری۔ اور	مَا تَسۡبِقُ نہیں سبقت کرتی ہے	
مِنۡ اُمَّةٍ کوئی اُمت	اَجَلَهَا اپنی میعاد	وَمَا اور نہ	يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ پیچھے رہ جاتی ہے	ثُمَّ پھر	اَرۡسَلۡنَا ہم نے بھیجے	رُسُلَنَا رسول
تَتۡرَا پے درپے	كُلَّمَا جب بھی	جَآءَ آیا	اُمَّةً کسی امت میں	رَسُوۡلُهَا اس کا رسول	كَذَّبُوۡهُ انہوں نے اسے جھٹلایا	
فَاَتۡبَعۡنَا تو ہم پیچھے لائے	بَعۡضَهُمۡ ان میں سے ایک	بَعۡضًا دوسرے	وَجَعَلۡنٰهُمۡ اور اُنہیں بنا دیا ہم نے	اَحَادِيۡثَ افسانے		
فَبُعۡدًا سو دوری (مار)	لِقَوۡمٍ لوگوں کیلئے	لَا يُؤۡمِنُوۡنَ جو ایمان نہیں لائے	ثُمَّ پھر	اَرۡسَلۡنَا ہم نے بھیجا	مُوۡسٰى موسیٰ	
وَاَخَاهُ اور ان کا بھائی	هٰرُوۡنَ ہارونؑ	بِاٰيٰتِنَا ساتھ (ہماری) اپنی نشانیاں	وَسُلۡطٰنٍ اور دلائل	مُبِيۡنٍ کھلے	اِلٰى طرف	
فِرۡعَوۡنَ فرعون	وَمَلَا۟ئِهٖ اور اس کے سردار	فَاسۡتَكۡبَرُوۡا تو انہوں نے تکبر کیا	وَكَانُوۡا اور وہ تھے	قَوۡمًا لوگ	عَالِيۡنَ سرکش	
فَقَالُوۡۤا پس انہوں نے کہا	اَنُؤۡمِنُ کیا ہم ایمان لے آئیں	لِبَشَرَيۡنِ دو آدمیوں پر	مِثۡلِنَا اپنے جیسے	وَقَوۡمُهُمَا اور ان کی قوم		
لَنَا ہماری	عٰبِدُوۡنَ بندگی (خدمت) کرنے والے	فَكَذَّبُوۡهُمَا پس انہوں نے جھٹلایا دونوں کو	فَكَانُوۡا تو وہ ہوگئے	مِنَ سے		

الْمُهْلَكِيْنَ ہلاک ہونے والے	وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق ہم نے دی	مُوْسَى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ لوگ
يَهْتَدُوْنَ ہدایت پالیں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	ابْنَ مَرْيَمَ مریم کے بیٹا (عیسیٰ) کو	وَ اُمَّهٗ اور ان کی ماں	اٰيَةً ایک نشانی	
وَاٰوَيْنٰهُمَآ اور ہم نے انہیں ٹھکانہ دیا	اِلٰى طرف ۔ پر	رَبْوَةٍ ایک بلند ٹیلہ	ذَاتِ قَرَارٍ ٹھہرنے کا مقام	وَّمَعِيْنٍ اور جاری پانی	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہوا تھا اس کے بعد قوم عاد یا ثمود میں سے کسی ایک کا ذکر ہوا تھا۔ اب اجمالاً بعض دوسری اُمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ان امتوں میں سے بعض کا ذکر قدرے تفصیلاً سورۂ اعراف وغیرہ میں گزر چکا ہے جہاں عاد کے بعد ثمود اور ثمود کے بعد قوم لوط اور قوم لوط کے بعد اہل مدین کا ذکر آیا ہے۔

یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہر ایک قوم جس نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی۔ جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی ۔غرض کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا تانتا باندھ دیا کہ یکے بعد دیگرے پیغمبر آتے رہے اور مکذبین کو بھی ایک کے پیچھے دوسرے کو چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا ادھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کردی گئیں جن کے قصہ کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ تو انبیاء کی تکذیب و مخالفت کا دور چلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم الشان دور آیا۔ آپ بڑے جلیل القدر نبی تھے۔ چونکہ آپ کو مستقل کتاب عطا کی گئی تھی اور ایک کثیر التعداد قوم کی نجات کے لئے مامور و مبعوث کیا گیا تھا اس لئے پیغمبروں کے مجمل تذکرہ کے بعد آپ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ صراحۃً کیا گیا اور بتلایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام ہمارا پیغام لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پہنچے مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے ایک نہ سنی انہیں اپنی حکومت و ریاست اور قوت و دولت پر گھمنڈ تھا اور ان کے دماغ میں اپنی برتری اور بالادستی کا بھوت سمایا ہوا تھا اسلئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے اور کہنے لگے کہ ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آویں اور ان کے مطیع بن جاویں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ یعنی بنی اسرائیل تو خود ہمارے غلام۔ خدمت گار اور زیر حکومت ہیں۔ ہم ان کی بات کیسے مان لیں اور ان کو اپنا سردار کیسے بنالیں۔ غرض انہوں نے دونوں کو جھوٹا بتلایا۔ آخر جب وقت آیا تو وہ بھی اور نافرمانوں کی طرح تباہ ہوئے اور بنی اسرائیل کو نجات مل گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی پیغمبر آتے رہے مگر توریت پر سب کے سب عمل کرتے رہے۔ چھوٹے بڑے صحیفے نازل ہوتے رہے مگر کوئی مستقل شریعت نازل نہیں ہوئی بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اسرائیلی نبوت کا سلسلہ ختم ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑی شان کے ساتھ تبلیغ شروع کی مگر منکرین نے باوجود واضح معجزات کے مخالفت کی اور آپ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ہے۔ اس وقت شام کے ظالم بادشاہ ہیر دوس نے نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری ملے گی بچپن ہی سے آپ کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام آپ کی والدہ ماجدہ الہام ربانی سے آپ کو لے کر ملک مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں واپس چلی آئیں۔ یہاں آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و توحید پر دلالت کے لئے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو قدرت کی ایک

بڑی نشانی بنادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کو نبی بنانا منظور تھا اور اس وقت ظالم بادشاہ آپ کے بچپن ہی میں درپے قتل ہوگیا تھا اس لئے اس سے بچا کر ان دونوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو سرسبز و شاداب تھی جس سے مراد اکثر مفسرین کے قول کے موافق مصر کی زمین مراد ہے۔ جہاں رہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے۔ اور نبوت عطا ہوئی اور توحید و دعویٰ رسالت میں آپ کی تصدیق ضروری تھی مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا۔

خلاصہ یہ کہ ہر پیغمبر کی امت میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ قریش یا اہلِ مکہ یا عرب کے باشندے جو آپ کی تکذیب کررہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ باطل پرست گروہ ہمیشہ سے حاملانِ صداقت کی مخالفت کرتا چلا آرہا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک ہے اور سب کا خدا بھی ایک ہے لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کردیا ہے اور جدا جدا راہیں نکال لیں۔ اگلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو توحید اور ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا۔ حق تعالیٰ ان نعمتوں کا ہم کو حقیقی شکر گزار بنادیں اور اپنے مطیع اور فرمانبردار بندوں میں شامل فرمادیں۔ گذشتہ نافرمان امتوں کے واقعات سے ہم کو عبرت حاصل کرنے اور اپنے رسول پاک کی ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۵۱ؕ وَاِنَّ

اے پیغمبرو تم نفیس (پاکیزہ) چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں۔ اور یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے

هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ

اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے) کہ میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو سوان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کرلیا۔

حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۵۳ فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۵۴ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ

ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اُسی سے خوش ہے۔ سو آپ اُن کو اُن کی جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ

بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۵۵ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۵۶

مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الرُّسُلُ رسول	كُلُوْا کھاؤ	مِنَ سے	الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ چیزیں	وَاعْمَلُوْا اور عمل کرو	صَالِحًا نیک	اِنِّىْ بیشک میں
بِمَا اسے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	عَلِيْمٌ جاننے والے	وَاِنَّ اور بیشک	هٰذِهٖ یہ	اُمَّتُكُمْ تمہاری اُمت		
اُمَّةً وَّاحِدَةً ایک امت اُمتِ واحدہ	وَاَنَا اور میں	رَبُّكُمْ تمہارا رب	فَاتَّقُوْنِ پس مجھ سے ڈرو	فَتَقَطَّعُوْٓا پھر انہوں نے کاٹ لیا			
اَمْرَهُمْ اپنا کام	بَيْنَهُمْ آپس میں	زُبُرًا ٹکڑے ٹکڑے	كُلُّ حِزْبٍ ہر گروہ	بِمَا اس پر جو	لَدَيْهِمْ ان کے پاس	فَرِحُوْنَ خوش	
فَذَرْهُمْ پس چھوڑ دے انہیں	فِىْ غَمْرَتِهِمْ ان کی غفلت میں	حَتّٰى تک	حِيْنٍ ایک مدت مقررہ	اَيَحْسَبُوْنَ کیا وہ گمان کرتے ہیں			
اَنَّمَا کہ جو کچھ	نُمِدُّهُمْ ہم مدد کر رہے ہیں انکی	بِهٖ اس کے ساتھ	مِنْ سے	مَّالٍ مال	وَّبَنِيْنَ اور اولاد	نُسَارِعُ ہم جلدی کر رہے ہیں	
لَهُمْ ان کیلئے	فِى الْخَيْرٰتِ بھلائی میں	بَلْ بلکہ	لَّا يَشْعُرُوْنَ وہ شعور (سمجھ) نہیں رکھتے				

تفسیر و تشریح:۔ پچھلے دو رکوع میں متعدد انبیائے کرام کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کے بعد یآیھا الرسل کہہ کر تمام پیغمبروں کو خطاب فرمایا جاتا ہے۔ تو اس خطاب سے یہ مطلب نہیں کہ کہیں سارے پیغمبر یکجا موجود تھے اور ان سب کو خطاب کر کے یہ مضمون ارشاد فرمایا گیا بلکہ اس خطاب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہر زمانے میں مختلف قوموں اور مختلف جگہوں میں آنے والے انبیاء کو یہی ہدایت کی گئی تھی اور سب کے سب اختلاف زمانہ اور مقام کے باوجود ایک ہی حکم کے مخاطب تھے۔

اوپر بتلایا گیا تھا کہ تمام منکرین انبیاء یہی شبہ اور اعتراض پیش کرتے رہے کہ ہم میں اور ان میں جو پیغمبری کا دعوٰی کرتے ہیں فرق کیا ہے؟ جو ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی وہی کھاتے پیتے ہیں۔ یہ ملائکہ یا ان کی مانند کیوں نہیں کہ بشریت اور انسانیت کے تقاضوں سے بالاتر ہوتے۔ گویا بشر کا خدا کا رسول یا پیغمبر ہونا ان کے جاہلانہ خیال میں ممکن نہ تھا تو یہاں تمام انبیاء کا ذکر فرما کر ان کے اس شبہ کے جواب میں فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے کہہ دیا تھا کہ طیب یعنی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ پیو تمہارے ہی لئے یہ نعمتیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ ہاں حرام اور گندی چیزیں نہ کھاؤ نہ پیو۔ تو بزرگی یا نبوت و رسالت کا مدار پاک اور حلال چیزوں کے ترک کردینے پر نہیں جیسا یہ منکرین جہلا سمجھے ہوئے ہیں۔

آگے چونکہ تمام انبیاء کو ایک امت ایک جماعت ایک گروہ

قرار دیا گیا ہے۔اس لئے طرز بیان یہاں ایسا اختیار کیا گیا کہ تمام انبیاء کے ایک گروہ ہونے کا نقشہ سامنے آجائے گویا کہ سارے کے سارے انبیاء ایک جگہ جمع ہیں اور سب کو ایک ہی ہدایت دی جارہی ہے۔ یہاں پر یہ تذکرہ کر دینا باعث دلچسپی ہوگا کہ یا یہا الرسل کے اس خطاب اور طرزِ کلام کی لطافت و بلاغت بعض اس چودہویں صدی کے گمراہوں کے سمجھ میں نہ آئی اور وہ اس سے یہ نتیجہ نکال بیٹھے کہ یہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلۂ نبوت کے جاری ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ استغفر اللہ۔ اہلِ اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ کفر ہے۔ مگر خودساختہ نبوت اور اس کے گمراہ متبعین کو کچھ نہ کچھ دلیل تو پیش کرنا ہی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تو یہاں اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم فرماتے ہیں کہ وہ پاک اور حلال چیزیں حلال طریقوں سے حاصل کی ہوئی کھائیں اور نیک اعمال بجالایا کریں۔ یہاں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ عمل صالح سے پہلے طیبات کھانے کی ہدایت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اعمالِ صالحہ کے لئے یہ شرط اول ہے کہ آدمی رزق حلال کھائے۔ حرام خوری کے ساتھ عمل صالحہ کے کوئی معنی نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو اللہ خود پاک ہے اس لئے پاک ہی چیز کو پسند کرتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار آلود اور پراگندہ حال آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے یارب یارب مگر حال یہ ہوتا ہے کہ رزق اس کا حرام لباس اس کا حرام اور جسم اس حرام کے رزق سے پلا ہوا اب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول ہو۔ تو حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کا کھانا پینا پہننا حرام کا ہوا سے اپنی دعا کی قبولیت کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو گوشت حرام سے اگا ہو۔ دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ (العیاذ باللہ)

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کھلے اور چھپے احوال و افعال سے باخبر ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین و ملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جدا جدا راہیں نکال لیں۔ اس طرح سینکڑوں مذہب فرقہ بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ ان کے ہاں صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصولِ دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ اور پھر ہر فرقہ اور ہر گروہ یہی سمجھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔ تو یہاں اصل دین حق کی وحدت اور بعد کے ایجاد کردہ مذاہب کی حقیقت بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ہدایت کی جاتی ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد و خیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے یہ اپنی جہالت اور غفلت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آپہنچے جب کہ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں یعنی موت یا عذابِ الٰہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

پھر کفار کا خیال تھا کہ ان کے پاس کثرت مال و اولاد ان کے مذہب کی صداقت کی بنا پر ہے جیسا کہ آج بھی ظاہر بین طبقہ کے لئے کفار کے مال و ثروت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت نظر فریب اور دلکش ہوتی ہے تو کفار عرب کہتے کہ اگر یہ اہلِ

ایمان حق پر ہوتے تو افلاس اور خستہ حالی میں کیوں مبتلا ہوتے۔ دنیوی عیش و دولت ان کو کیوں حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ یہ منکرین سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط ان کی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں بلکہ امہال اور استدراج کی بنا پر ہے۔ جتنی ڈھیل دی جا رہی ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔

تو یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یا قوم یا جماعت ایک طرف تو حق سے منکر و منحرف اور فسق و فجور اور ظلم و طغیان میں مبتلا ہو اور دوسری طرف اس پر دنیوی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہو تو قرآن و حدیث دونوں کی رُو سے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شدید ترین آزمائش میں ڈال دیا ہے اور اس پر یہ خدا کی رحمت نہیں بلکہ اس کی پکڑ اور سزا کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ جیسا کہ ساتویں پارہ سورۂ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **فلما نسوا ماذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنهم بغتة فاذاهم مبلسون**o (پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا۔ پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے)۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور ترقی دینا چاہتے ہیں تو دو وصف ان میں پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی۔ دوسرے عفت و عصمت۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنا رشتہ توڑ لینا چاہتے ہیں تو اسے کشائش رزق عطا فرمائی جاتی ہے۔ اور ان پر خیانت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ مغرور ہو جاتے ہیں تو ناگہاں انہیں پکڑ لیتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کے معاصی کے باوجود دنیاوی عیش و تنعم اللہ نے اسے دے رکھا ہے۔ یعنی باوجود گناہوں اور نافرمانیوں پر جمے رہنے کے نعمت اور دولت اس پر برس رہی ہے تو یقین کر لو کہ یہ خدا کی ڈھیل کا وقت گزر رہا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سورۂ انعام والی آیات پڑھیں۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس پر رزق وسیع ہوتا ہے وہ اس بات پر غور ہی نہیں کرتا کہ یہ بھی خدا کی ایک سیاست ہے اور جس کو تنگ حالی ہو وہ بھی غور نہیں کرتا کہ اس کی آزمائش کی گئی ہے، رب کعبہ کی قسم جب گناہ گاروں کو پکڑنا مقصود ہوتا ہے تو دنیا میں انہیں سرسبز رکھا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو مختلف جگہوں پر مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ اصل حقیقت خوب واضح ہو جائے اور یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ اصل صلاح و فلاح اور کامیابی کیا ہے؟ اور کن امور میں ہے؟ اسی کو اگلی آیات میں واضح فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اور حقیقی صلاح و فلاح حاصل کرنے کے لئے ہم کو توفیق حسن عطا فرمائیں۔ اور دنیا میں اپنی ہی عطا کردہ نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں تاکہ ان نعمتوں کا استعمال کر کے ہم کو مالکِ حقیقی اور معبودِ حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری نصیب ہو، حق تعالیٰ ہم کو اکلِ حلال نصیب فرمائیں۔ اور اس کو ذریعۂ اعمال صالح کا بنا دیں اور دین حقیقی یعنی اسلام جو تمام انبیاء کا دین ہمیشہ رہا ہے اس پر ہم کو قائم رکھیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ دین میں آپس میں اختلاف اور تفرقہ بندی کی لعنت سے امت مسلمہ کو بچائیں اور جن پر یہ تفرقہ بندی کی لعنت مسلط ہے اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت و ہدایت عطا فرمائیں اور اس لعنت کو ان سے دور فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٨﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ

اور جولوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں اور جولوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور اُن کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں

اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿٦٠﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ

کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کررہے ہیں اور وہ اُن کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اور ہم کسی کو

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾

اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کونہیں کہتے اور ہمارے پاس ایک دفتر نامۂ اعمال کا محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک بتادیگا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جولوگ	هُمْ وہ	مِنْ سے	خَشْيَةِ ڈر	رَبِّهِمْ اپنارب	مُشْفِقُوْنَ ڈرنے والے سہمے ہوئے	وَالَّذِيْنَ اور جولوگ
هُمْ وہ	بِاٰيٰتِ آیتوں پر	رَبِّهِمْ اپنارب	يُؤْمِنُوْنَ ایمان رکھتے ہیں	وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	هُمْ وہ	بِرَبِّهِمْ اپنے رب کے ساتھ	
لَا يُشْرِكُوْنَ شریک نہیں کرتے	وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	يُؤْتُوْنَ دیتے ہیں	مَآ اٰتَوْا جو وہ دیتے ہیں	وَقُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل			
وَجِلَةٌ ڈرتے ہیں	اَنَّهُمْ کہ وہ	اِلٰى طرف	رَبِّهِمْ اپنارب	رٰجِعُوْنَ لوٹنے والے	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	يُسٰرِعُوْنَ جلدی کرتے ہیں	
فِي الْخَيْرٰتِ بھلائیوں میں	وَهُمْ اور وہ	لَهَا ان کی طرف	سٰبِقُوْنَ سبقت لے جانیوالے ہیں	وَلَا نُكَلِّفُ اور ہم تکلیف نہیں دیتے			
نَفْسًا کسی کو	اِلَّا مگر	وُسْعَهَا اسکی طاقت کے مطابق	وَلَدَيْنَا اور ہمارے پاس	كِتٰبٌ ایک کتاب (رجسٹر) يَنْطِقُ وہ بتلاتا ہے			
	بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک	وَهُمْ اور وہ (اُن)	لَا يُظْلَمُوْنَ ظلم نہ کئے جائیں گے (ظلم نہ ہوگا)				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس دنیا اور مال ودولت کی کثرت ان کے عقائد ومذہب کی صداقت کی بنا پر ہے اور اسی بناء پر کفار عرب یہ کہتے کہ اگر یہ اہل ایمان حق پر ہوتے تو افلاس اور خستہ حالی میں کیوں مبتلا ہوتے۔ یہ دھوکا عام اور عالمگیر ہے۔ آج بھی بہت سے مذہب والے اسی خیال میں مبتلا ہیں کہ جو دنیوی عیش وراحت کو اپنی حقانیت اور مقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں حالانکہ قدرت کے نظام میں قانونِ ربوبیت کے ماتحت تو سانپوں اور بچھوؤں تک کی پرورش وکفالت ہوتی رہتی ہے۔ تو کفار ومنکرین کے مذکورہ بالا خیال کا گذشتہ آیات میں رد فرمایا گیا تھا کہ حقیقتِ حال یہ نہیں کہ جو یہ منکرین مادی تصور رکھنے والے سمجھ رہے ہیں جن کے نزدیک جس کو اچھا کھانا پینا۔ اچھا لباس۔ اچھی رہائش مل گئی اور جن کو مال ودولت سے نواز دیا گیا اور جسے معاشرے میں بڑائی اور سرداری حاصل ہوگئی بس اس نے فلاح پالی اور جو اس سے محروم رہا وہ ان کے خیال میں ناکام ونامراد رہا۔ اس غلط فہمی کی اوپر تردید فرمادی گئی تھی۔ اب اس کے بعد ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ صلاح وفلاح۔ خیرات وبرکات کے حصول کی اصلی راہ کیا ہے اور وہ کون ہیں جو حقیقی

دولت کے خزانے جمع کرتے چلے جارہے ہیں اور جن کی کامرانیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ درحقیقت اہلِ صدق اور اصحابِ خیر و برکات وہ لوگ ہیں جن کے اندر یہ چار صفات پائی جاتی ہیں۔

ایک: جو اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں یعنی وہ دنیا میں خدا سے بے خوف اور بے فکر ہوکر نہیں رہتے کہ جو دل چاہے کرتے رہیں اور کبھی نہ سوچیں کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے جو ظلم وزیادتی پر پکڑنے والا ہے۔

دوسرے: وہ جو اللہ کے احکام اور اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسرے: وہ کہ جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے یعنی وہ اللہ کے ساتھ ربوبیت۔ الوہیت اور عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے یعنی نہ کسی کو اپنا حاجت روا جانتے ہیں۔ نہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرتے ہیں نہ ان اوصاف میں جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں کسی کو اس کا ساتھی اور شریک خیال کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ کے احکام اور آیات پر ایمان رکھنا جس کا اوپر ذکر ہوا اس سے خود یہ لازم آتا ہے کہ انسان توحید کا قائل اور معتقد ہو لیکن اس کے باوجود شرک نہ کرنے کا ذکر الگ کیا گیا کہ بسا اوقات انسان آیات کو مان کر بھی کسی نہ کسی طرح شرک میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ مثلاً ریا کہ کوئی عبادت یا عمل صالح دوسروں کے دکھانے اور سنانے کیلئے کرنا یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ یا انبیاء یا اولیاء کی تعظیم میں ایسا مبالغہ کرنا کہ جو شرک تک پہنچادے یا غیر اللہ سے دعائے استعانت کرنا۔ یا احکامِ الٰہیہ کے مقابلہ میں غیر الٰہی قوانین کا برضا و رغبت اتباع کرنا اس کے علاوہ شرک جلی اور خفی کے اور بھی بہت سے اقسام ہیں جو علمائے محققین نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جمع فرمائے ہیں تو ایمان بایاتِ اللہ کے بعد شرک کی نفی کا الگ ذکر کرنے کے مطلب یہ ہوئے کہ وہ اللہ کے لئے اپنی بندگی۔ اطاعت اور عبودیت کو بالکل خالص کرلیتے ہیں۔ ہر ایک عمل صدق واخلاق سے ادا کرتے ہیں اور شرک کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔

چوتھے: جو لوگ ایسے ہیں کہ وہ جو کچھ خیر خیرات، صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں۔ یا اللہ کی فرمانبرداری میں جو کچھ بھی نیکیاں یا اعمال صالحہ کرتے ہیں وہ ایسی حالت میں کرتے ہیں کہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں کہ دیکھئے یہ ہمارا دیا ہوا مال یا کیا ہوا عمل قبول ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ اپنے مقدور بھر سب کچھ کرکے بھی ڈرتے ہیں کہ خدا جانے یہ قبول ہو یا نہ ہو۔ ہمارے گناہوں کے مقابلہ میں یہ عمل وزنی ثابت ہو یا نہ ہو۔ ہمارے رب کے ہاں ہماری مغفرت واجر وثواب کے لئے یہ کافی ہو یا نہ ہو گویا انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرکے یا کوئی نیکی اور عمل کرکے اپنے عمل پر غرور پندار نہیں ہوتا۔ نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔

ترمذی شریف اور ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کام کرکے ڈرنے والے کیا وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک ہماری کسی کوتاہی کے سبب قبول نہ ہوں تو معلوم ہوا کہ ایک مومن مخلص کس کیفیت قلبی کے ساتھ اعمال صالحہ اور اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ حضرت حسن

بصریؒ کا مقولہ ہے کہ مومن نیکی کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بھی بےفکر رہتا ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنا ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود عمر بھر کی بے نظیر دینی خدمات اور ذخیرۂ اعمال صالحہ کے اور عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو خدا کے محاسبہ سے ڈرتے ہوئے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضراتِ کاملین کی خوف وخشیت کا کوئی ذرہ ہمارے قلوب میں بھی ڈال دیں۔ آمین۔

یہ چار صفات بیان فرما کر بتلایا جاتا ہے کہ جن میں یہ صفات ہوں درحقیقت ایسے ہی لوگ اصلی بھلائی، خیر اور فلاح کو تیزی سے حاصل کر رہے ہیں اور حقیقی دولت کے خزانے جمع کرتے چلے جارہے ہیں نہ کہ اموال واولاد کی کثرت اور دنیوی عیش وراحت کی بہتات معیار ہیں خیر وصلاح وفلاح کے جیسا کہ یہ کفار منکرین گمان کرتے ہیں پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو اوپر بھلائیاں لوٹنے والوں اور سبقت کر کے انہیں حاصل کرنے والوں کی صفات اور اعمال وخصال بتلائے گئے تو یہ کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ اللہ کے اوامر ونواہی ناقابلِ برداشت نہیں۔ شریعت کے احکام کی پابندی غیر معمولی بار نہیں کہ جو اٹھ نہ سکے یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہی نہیں کہ انسان کو ایسے احکام کی تکلیف دیں کہ جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن کو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ہر ایک شخص کا الگ الگ نامۂ اعمال مرتب ہو رہا ہے جس میں اس کی ایک ایک بات ایک ایک حرکت حتیٰ کہ دلی عزم اور ارادوں تک کی ایک ایک حالت ثبت کی جارہی ہے اور یہ اعمال نامہ قیامت کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزا وسزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ کسی کا اجر کم کیا جائے گا نہ بےوجہ بےقصور کسی پر کوئی الزام ڈالا جائے گا۔ نہ کسی کو بےجا سزا دی جائے گی نہ کسی کو حق کے مطابق بےجا انعام سے محروم کیا جائے گا۔

یہ تو مؤمنین، مخلصین صادقین کی حالت بیان ہوئی اب ان کے برعکس کفار کا حال آگے بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے خوف وخشیت کا وہ حصہ عطا فرمائیں کہ جو ہم کو احکامِ الٰہیہ کی پوری تابعداری نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ ایمان اور اسلام نصیب فرمائیں جس میں شرک کا شائبہ نہ ہو۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہمارا حساب آسان فرماویں اور اپنی مغفرت ورحمت سے ہم سب کو نوازیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓی

بلکہ اُن کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم

اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

جب ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں دھر پکڑیں گے تو فوراً چلا اُٹھیں گے اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی

قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ سٰمِرًا

میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سُنائی جایا کرتی تھیں تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ تکبر کرتے تھے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے بیہودہ بکتے تھے

تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا

تو کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا اُن کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو اُن کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی۔ یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے

رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ

اس وجہ سے اُن کے منکر ہوئے یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں۔ بلکہ یہ رسول اُن کے پاس حق بات لیکر آئے ہیں

وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور ان میں اکثر لوگ حق سے نفرت رکھتے ہیں۔

بَلْ بلکہ	قُلُوْبُهُمْ ان کے دل	فِیْ غَمْرَةٍ غفلت میں	مِّنْ هٰذَا اس سے	وَلَهُمْ اور انکے	اَعْمَالٌ اعمال	مِّنْ دُوْنِ علاوہ
ذٰلِكَ اس	هُمْ لَهَا وہ انہیں	عٰمِلُوْنَ کرتے رہتے ہیں	حَتّٰٓی اِذَا یہاں تک کہ جب	اَخَذْنَا ہم نے پکڑا	مُتْرَفِیْهِمْ انکے خوشحال لوگ
بِالْعَذَابِ عذاب میں	اِذَا هُمْ اس وقت وہ	یَجْـَٔرُوْنَ فریاد کرنے لگے	لَا تَجْـَٔرُوا تم فریاد نہ کرو	الْیَوْمَ آج	اِنَّكُمْ بیشک تم
مِّنَّا ہم سے	لَا تُنْصَرُوْنَ تم مدد نہ دیئے جاؤ گے	قَدْ كَانَتْ البتہ تمہیں	اٰیٰتِیْ میری آیتیں	تُتْلٰی پڑھی جاتی تھیں	عَلَیْكُمْ تم پر
فَكُنْتُمْ تو تم تھے	عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ اپنی ایڑیوں کے بل	تَنْكِصُوْنَ پھر جاتے	مُسْتَكْبِرِیْنَ تکبر کرتے ہوئے	بِهٖ اسکے ساتھ
سٰمِرًا افسانہ گوئی کرتے ہوئے	تَهْجُرُوْنَ بیہودہ بکواس کرتے ہوئے	اَ کیا	فَلَمْ یَدَّبَّرُوا پس انہوں نے غور نہیں کیا	الْقَوْلَ کلام
اَمْ یا	جَآءَهُمْ انکے پاس آیا	مَا جو	لَمْ یَاْتِ نہیں آیا	اٰبَآءَهُمُ ان کے باپ دادا	الْاَوَّلِیْنَ پہلے	اَمْ یا	لَمْ یَعْرِفُوْا انہوں نے نہیں پہچانا
رَسُوْلَهُمْ اپنے رسول	فَهُمْ تو وہ	لَهٗ اس کے	مُنْكِرُوْنَ منکر ہیں	اَمْ یا	یَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	بِهٖ اس کو	جِنَّةٌ دیوانگی
بَلْ بلکہ	جَآءَهُمْ وہ آیا انکے پاس	بِالْحَقِّ ساتھ حق بات	وَاَكْثَرُهُمْ اور ان میں سے اکثر	لِلْحَقِّ حق سے	كٰرِهُوْنَ نفرت رکھنے والے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مؤمنین ومخلصین کی حالت اور ان کے اعمال وخصائل کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب ان کے مقابل اور برعکس کفار منکرین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین تو شک وتردد۔ غفلت وجہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بڑا گناہ تو انکا یہ ہوا لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ دن رات سمیٹ رہے ہیں لیکن جب یہ دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو پھر چلائیں گے اور شور

مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ یہاں آیت میں کفارودولت مندوں اور مالداروں کے گرفتار عذاب ہونے اور چلا اٹھنے کی صراحت ہے جس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ جب ان کے خوشحال جن کے پاس خدم، حشم، مال، دولت، حکومت، سلطنت سب کچھ ہے جب ان پر عذاب نازل ہوگا اور یہ چلا اٹھیں گے اور ان کا سارا انکار وتکبر کافور ہوجائے گا تو ان کے متبعین اور حامی غریب غربا تو کس شمار میں ہیں اور وہ تو عذاب سے کیا بچاؤ کرسکتے ہیں۔ تو جب دولت مند کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو وہ دہائی دینے لگیں گے اور چلائیں گے اور شور مچائیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ چلاؤ مت۔ یہ سب چیخ و پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے کیونکہ یہ دارالجزاء ہے۔ دارالعمل نہیں کہ چلانا اور رونا پیٹنا اور عاجزی کرنا مفید ہو۔ اب کیوں شور مچاتے ہو وہ وقت یاد کرو کہ جب خدا کے پیغمبر آیاتِ الٰہیہ پڑھ کر سناتے تھے تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبر کی بات پر کان دھرو۔ پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور پیغمبر علیہ السلام اور قرآنِ کریم کی نسبت باتیں بناتے کہ کوئی اسکو سحر کہتا کوئی شاعری کہتا۔ کوئی کہانت کہتا۔ اور کوئی کچھ اور۔ اس طرح کی بکواس کیا کرتے تھے آج اسی کا مزہ چکھو۔ چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جیسا تم نے دارالعمل میں کیا آج ویسا دارالجزا میں بھگتو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین جو قرآن کی اور صاحبِ قرآن کی تکذیب کررہے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس کلام الٰہی میں غور وفکر نہیں کیا ورنہ حقیقت حال منکشف ہوجاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہ کا ہے جس میں ان کی بیماریوں کا صحیح علاج بتایا گیا ہے۔ آگے منکرین کے اعراض وتکذیب کی دوسری وجوہات پر روشنی ڈال کر ان کی بھی تردید فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کیا یہ منکرین اعراض وتکذیب پر اس لئے تلے ہوئے ہیں کہ ان کے پاس یہ کوئی انوکھی چیز آ گئی ہے۔ نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اترتی رہی ہیں کبھی کہیں اور کبھی کہیں، سو یہ قرآن کا نازل ہونا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر خدا ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس کی نظیر اور نمونہ بیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین اور اشرف ترین کتاب اب آئی تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر لبیک کہتے نہ کہ اعراض وانکار۔ آگے منکرین کے اعراض وروگردانی کی تیسری وجہ بیان فرما کر اس کی تردید بھی فرمائی جاتی ہے یعنی کیا یہ منکرین اللہ کے رسول کی اس لئے تکذیب وانکار کررہے ہیں کہ ان کو پیغمبر خدا کے احوال سے آگاہی اور واقفیت نہیں؟ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق وامین اور عفیف وپاکباز تھے۔ آپ کی صداقت وامانت وایفائے عہد اور حسنِ سلوک سے تمام لوگ واقف تھے۔ اس لئے نبوت سے قبل ہی تمام قوم کی طرف سے صادق وامین کا لقب پاچکے تھے تو ایسے مشہور ومعروف راستباز بندے کی نسبت کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے اور نبی ہونے کا غلط دعویٰ کرنے لگے۔ جو شخص لوگوں کا امین ہو وہ خدا کی امانت میں کس طرح خیانت کرسکتا ہے۔ جو شخص مخلوق سے وعدہ کرکے خلاف ورزی نہ کرے وہ اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کیونکر کرسکتا ہے؟ لہٰذا رسولِ پاک کو نہ ماننے اور قرآنی ہدایت سے منہ موڑنے کی یہ وجہ بھی نہیں ہوسکتی۔ آگے چوتھی وجہ ظاہر فرما کر اس کی تردید بھی فرمائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ یہ منکرین نعوذ باللہ رسول خدا کے متعلق جنون اور دیوانگی کے قائل ہیں کہ مجنون کی بات کو کون مانتا ہے اور کون اس کی پیروی کرتا ہے تو سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ آپ کا تو اعلیٰ درجہ کا صائب الرائے ہونا بھی ظاہر ہے۔ آپ کی عقل وفہم اور خوش تدبیری کی تو نبوت سے پہلے کی زندگی بھی شاہد ہے تو پھر آپ کے قول اور ہدایت سے نفرت وانکار کے کیا معنیٰ؟ اخیر میں حقیقت حال کا اظہار فرمایا جاتا ہے کہ واقع میں ان میں سے کوئی وجہ بھی معقول نہیں، بلکہ اصلی وجہ اور حقیقت یہ ہے کہ بیشک آپ جو کچھ لائے ہیں حق ہے مگر حق بات چونکہ ان کی اغراض وخواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بری لگتی تھی اور وہ قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ ابھی آگے ان ہی منکرین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

اور اگر دین حق اُن کے خیالات کے تابع ہوجاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہوجاتے۔ بلکہ ہم نے اُن کے پاس انکی نصیحت کی بات بھیجی

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ

سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ یا آپ اُن سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔

اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ

اور آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلارہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) راستہ سے ہٹتے جاتے ہیں۔

لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم ان پر مہربانی فرمادیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دُور بھی کردیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا

اور ہم نے ان کو گرفتارِ عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی۔ یہاں تک کہ ہم جب

عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع

اُن پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جائیں گے۔

وَلَوِ اور اگر	اتَّبَعَ پیروی کرتا	الْحَقُّ حق اللہ	اَهْوَآءَهُمْ انکی خواہشات	لَفَسَدَتِ البتہ درہم برہم ہوجاتا	السَّمٰوٰتُ آسمان	وَالْاَرْضُ اور زمین
وَمَنْ اور جو	فِيْهِنَّ ان کے درمیان	بَلْ بلکہ	اَتَيْنٰهُمْ ہم لائے ہیں انکے پاس	بِذِكْرِهِمْ ان کی نصیحت	فَهُمْ پھر وہ	
عَنْ ذِكْرِهِمْ اپنی نصیحت سے	مُعْرِضُوْنَ روگردانی کرنیوالے ہیں	اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیا تم ان سے مانگتے ہو	خَرْجًا اجر	فَخَرَاجُ تو اجر		
رَبِّكَ تمہارا رب	خَيْرٌ بہتر	وَهُوَ اور وہ	خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ بہترین روزی دہندہ ہے	وَاِنَّكَ اور بیشک تم	لَتَدْعُوْهُمْ انہیں بُلاتے ہو	
اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راہ۔راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا۔راستہ	وَاِنَّ اور بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لاتے	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر
عَنِ سے	الصِّرَاطِ راہِ حق	لَنٰكِبُوْنَ البتہ ہٹے ہوئے ہیں	وَلَوْ اور اگر	رَحِمْنٰهُمْ ہم ان پر رحم کریں	وَكَشَفْنَا اور ہم دُور کردیں	
مَا بِهِمْ جو ان پر	مِّنْ ضُرٍّ جو تکلیف	لَّلَجُّوْا اڑے رہیں	فِيْ میں۔پر	طُغْيَانِهِمْ اپنی سرکشی	يَعْمَهُوْنَ بھٹکتے رہیں	وَ اور
لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ البتہ ہم نے انہیں پکڑا	بِالْعَذَابِ عذاب میں	فَمَا اسْتَكَانُوْا پھر انہوں نے عاجزی نہ کی	لِرَبِّهِمْ اپنے رب کے سامنے			
وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ اور وہ نہ گڑگڑائے	حَتّٰى یہاں تک کہ	اِذَا جب	فَتَحْنَا ہم نے کھول دیے	عَلَيْهِمْ ان پر	بَابًا دروازے	
	ذَا عَذَابٍ عذاب والا	شَدِيْدٍ سخت	اِذَا هُمْ تو اس وقت وہ	فِيْهِ اس میں	مُبْلِسُوْنَ مایوس ہوئے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین کے خیال میں جو وجوہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نہ ماننے کی ہوسکتی تھیں وہ بیان فرماکر ان کی تردید فرمائی گئی تھی اور حقیقت حال کو واضح کیا گیا تھا کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

برحق ہیں مگر چونکہ یہ برحق باتیں ان منکرین کی اغراض و خواہشات کے موافق نہیں۔اس لئے یہ انہیں بری لگتی ہیں اوران کو قبول کرنے کو وہ تیار نہیں ہوتے۔اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر سچی بات ان منکرین کو بری لگتی ہے تو لگے۔صداقت وحقانیت ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہوسکتی۔اگر اللہ تعالیٰ ان کی قلبی خواہشات کے مطابق شریعت کو ان کے موافق نازل کردے تو نظم عالم تباہ ہوجائے کیونکہ مشرکوں کی قلبی خواہشات میں سے شرک بھی ہے اور شرک تمام تباہیوں کا سرچشمہ ہے۔اس لئے حق تعالیٰ عزوجل نے جو قرآن نازل فرمایا وہ عین حق ہے اور جو شریعت بھیجی وہ عین صواب ہے۔آدمی اس دنیا میں راہِ آخرت کا مسافر ہے۔اس کی منزل اخروی زندگانی ہے۔اگر اس دنیا کی اندھیری میں خواہشِ نفس کے مطابق چلے گا اور صاحبِ بصیرت تجربہ کار رہنما کی پیروی نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ کسی خندق وکھائی میں گر کر ہلاک ہوگا۔تو ان منکرین میں یہی ایک عیب نہیں کہ حق سے کراہت و نفرت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر دوسرا عیب بھی ہے کہ اپنے لئے جو امر نافع ہے اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تو ان کے پاس ان کے نفع کے لئے اس قرآن کو اپنے رسول پر نازل فرمایا اور یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ اس دعوتِ حق تبلیغ ونصیحت وخیر خواہی پر ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو عطا فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔آپ کی صدق امانت کا حال سب کو معلوم ہے۔جو کلام آپ لائے ہیں اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔آپ ان سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ

ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے۔کوئی اینچ پیچ نہیں۔ٹیڑھا ترچھا نہیں ہاں اس پر چلنا انہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں۔جسے انجام کا ڈر اور فکر عاقبت ہی نہیں وہ کب سیدھے راستے پر چلے گا۔یقیناً ٹیڑھا رہے گا اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنالے گا۔اور ان کی قساوت وعناد کی تو یہ حالت ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ان پر رحم فرمادیں اور وہ تکلیف جس میں آج کل وہ مبتلا ہیں دور کردیں تو بھی یہ اپنے کفر وعناد اور سرکشی وتکبر سے نہ ہٹیں گے۔یہاں اشارہ ہے اس تکلیف اور مصیبت کی طرف جب کہ مکہ والوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک مرتبہ شدید قحط پڑا تھا۔صحیحین کی روایت ہے کہ جب قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے سے پیہم انکار کیا اور سخت مزاحمت شروع کردی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اللھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف

"اے اللہ! ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔یوسف کے ہفت سالہ قحط جیسے سات برسوں سے۔"

چنانچہ ایسا سخت قحط شروع ہوا کہ اہل مکہ کو مردار جانور کتے اور ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آگئی اور کفار سات برس تک اس قحط میں مبتلا رہے۔بالآخر اس مصیبت سے تنگ آکر ابوسفیان جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم کو اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہم لوگ خون اور اونٹوں کا اون بھی کھا گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آگیا اور رفع قحط کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ قحط دور ہوگیا۔تو یہاں آیت میں اسی قحط کی تکلیف کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی

قساوت وعناد کی تو یہ حالت ہے کہ یہ مصائب وبلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں تب بھی عاجزی کرکے خدا کی بات نہ مانی اور اس عذابِ قلیل سے بھی یہ لوگ خدا کی طرف نہ جھکے اور بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری نہ کی اب جب عذابِ شدید یعنی عذاب بعدالموت کا دروازہ ان پر کھول دیا جائے گا تو اس وقت یہ بالکل ناامید اور حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ یہ کیا ہوگیا اور سب نشہ ہرن ہو جاویگا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بلیات ومصائب مثل قحط وغیرہ یہ سب قہرالٰہی کی نشانیاں ہیں اور مقصد ان سے یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کو دیکھ کر حق تعالیٰ کے آگے فروتنی اور عاجزی اختیار کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر سخت عذاب کو دعوت دینا ہے خواہ وہ دنیا ہی میں ہو یا بعدالموت۔

اب کفار ومشرکین بعث بعدالموت یعنی مرکر دوبارہ زندہ کئے جانے اور حشر ونشر اور جزاوسزا اور قیامت وآخرت ان کے قائل ہی نہ تھے اس لئے آگے اللہ تعالیٰ اپنے کمال وتصرفات کے آثار کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ منکرین قیامت وجزاوسزا پر ایمان لے آئیں اور مردوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے میں شک وتردد نہ کریں۔ اس سلسلہ میں چند دلائل اگلی آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ان قرآنی نصائح کو اپنانے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی ہم کو ظاہراً وباطناً کامل پابندی نصیب فرمائیں۔ یااللہ! ہم کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر طرح کے مصائب وبلیات سے محفوظ ومامون فرما۔ اور اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی اپنے کرم ورحم کا معاملہ ہمارے ساتھ فرما۔

یااللہ! قرآن کریم تو کفار ومنکرین کی شکایت فرمارہا ہے کہ یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم سے ہٹے جاتے ہیں اور اپنی گمراہی پر اصرار کرتے ہیں مگر یہ کس قدر رنج والم کی بات ہے کہ اب یہ امور اکثر امت مسلمہ کے افراد پر بھی صادق آرہے ہیں۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون

یااللہ! نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور واسطہ سے ہماری فریاد ہے کہ آپ امتِ مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور ان کو جو صراطِ مستقیم دکھائی گئی ہے اسی پر قائم رہنے کی توفیق اور استقامت عطا فرمائیں۔

یااللہ! قرآن کریم کی عظمت اور وقعت پھر امت مسلمہ کو عطا فرمادے تاکہ اتباع قرآنی ان کو نصیب ہو اور آپ کے کرم ورحم کے مستحق بنیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیْ

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔اور وہ ایسا ہے

ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ

جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب اُسی کے پاس لائے جاؤ گے اور وہ ایسا ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا۔

وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

سو کیا تم (اتنی بات) نہیں سمجھتے ۔بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے ہیں۔یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ

اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔اس کا تو ہم سے اور پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ نہیں محض یہ بے سند باتیں ہیں

اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾

جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں۔

وَهُوَ اور وہ	اَلَّذِیْ جس نے	اَنْشَاَ لَكُمُ بنائے تمہارے لئے	السَّمْعَ کان	وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں	وَالْاَفْـِٕدَةَ اور دل	
قَلِیْلًا بہت ہی کم	مَّا تَشْكُرُوْنَ جو تم شکر کرتے ہو	وَهُوَ اور وہ	الَّذِیْ وہی جس نے	ذَرَاَ پھیلایا	كُمْ تمہیں	فِی الْاَرْضِ زمین میں
وَاِلَیْهِ اور اس کی طرف	تُحْشَرُوْنَ تم جمع ہو کر جاؤ گے	وَهُوَ اور وہ	الَّذِیْ وہی جو	یُحْیٖ زندہ کرتا ہے	وَیُمِیْتُ اور مارتا ہے	
وَلَهُ اور اسی کیلئے	اخْتِلَافُ آنا جانا	الَّیْلِ رات	وَالنَّهَارِ اور دن	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا پس تم سمجھتے نہیں؟	بَلْ قَالُوْا بلکہ انہوں نے کہا	
مِثْلَ جیسے	مَا قَالَ جو کہا	الْاَوَّلُوْنَ پہلوں نے	قَالُوْا وہ بولے	ءَاِذَا کیا جب	مِتْنَا ہم مرگئے	وَكُنَّا تُرَابًا اور ہم ہوگئے مٹی
وَّعِظَامًا اور ہڈیاں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَمَبْعُوْثُوْنَ پھر اٹھائے جائیں گے	لَقَدْ وُعِدْنَا البتہ ہم سے وعدہ کیا گیا	نَحْنُ ہم		
وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا	هٰذَا یہ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنْ هٰذَآ یہ نہیں	اِلَّا مگر	اَسَاطِیْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگ

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کی حالت بیان فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ مصائب اور بلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور کفر پر برابر اصرار ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے خواہ دنیا میں کہ کوئی غیبی قہر آپڑے یا بعد الموت کہ جب تو عذاب سے انہیں ضرور ہی دوچار ہونا ہے۔اس وقت ان منکرین کے انکار وتکبر کا نشہ سب ہرن ہو جائے گا۔تو چونکہ منکرین کو عذاب آخرت کی دھمکی سنائی گئی تھی جو مبنی ہے مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر اور وہ لوگ اس کے منکر تھے اس لئے آگے حشر ونشر اور مرکر دوبارہ زندہ کئے جانے کا اثبات اور ان کے انکار کا جواب دیا جاتا ہے اور چونکہ انسان کا دوبارہ زندہ ہونا مبنی ہے کمال قدرت پر اس لئے تصرفاتِ قدرت کا بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا یہ عظیم الشان احسان انسانوں پر ہے کہ اس نے تمہیں سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوت عطا فرمائی۔ تو ان نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح طور پر کام میں

لاتے۔ احکامِ الٰہیہ کو سننا اور اس کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھنا اور دل میں اس کی معرفت حاصل کرنا اور اللہ کی وحدت، عظمت وجلالت پر ایمان لانا یہی ان قوتوں کا ٹھیک اور صحیح استعمال تھا لیکن اکثر انسانوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بیجا خرچ کیا۔ گویا یہاں تنبیہ ہے اس امر پر کہ جس شخص نے آلات وفہم وعقل سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ہوش کے کانوں سے احکام الٰہی کو نہ سنا۔ عبرت کی آنکھوں سے قدرت کی نشانیوں کو نہ دیکھا۔ دل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی تو اس نے انسانی امتیازی خصوصیات کو کھو دیا جو اللہ نے اس کو عطا کی تھیں۔

علم ومعرفت کے ذرائع انسان کو تین ہی قسم کے عطا کیے گئے ہیں۔ کان، آنکھ اور دل، انہی قوتوں سے کسی چیز کا یقینی علم ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک اللہ کی توحید اور وقوع قیامت یعنی یوم آخرت کے اثبات میں جابجا دیکھنے، سننے اور سوچنے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ عزوجل کی باتیں سنو۔ اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھو اور اس کی معرفت حاصل کرو۔ یہی اصل شکر یہ اور حقیقی شکر گزاری ہے اس منعم کی ان نعمتوں کی۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ ہی نے دنیا میں تمہیں ہر جگہ پھیلایا ہے۔ پھر وہی سمیٹ کر سب کو اپنے پاس بلالے گا اور تم سب اسی کے سامنے اکٹھے ہو کر پیش کئے جاؤ گے۔ وہاں ہر ایک کو شکر گزاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ تو جس نے دانوں کی طرح سے اس سطح زمین پر انسانوں کو پھیلایا اس کو ان کا سمیٹنا اور اکٹھا کرنا کیا مشکل ہے؟ پھر ظاہر ہے کہ انسان کو اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ ماں کے پیٹ کے اندر نطفہ جیسی حقیر چیز میں کیسی کیسی تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے ہیں اور کیسے کیسے انقلابات کے بعد جیتا جاگتا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر زندگی کی مقررہ میعاد پوری کرنے کے بعد اللہ اس سے اپنی دی ہوئی امانت واپس لے لیتا ہے اور وہ مرجاتا ہے۔ تو جو خدا امانت کا مالک ہے اور اول بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے کیا وہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟

پھر ایک نمایاں اس کی قدرت کی نشانی یہ ہے کہ زمانہ کو دن اور رات دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا لانا بھی اس کی قدرت کی نشانی کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ تو زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اجالا اور اجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ قیامت میں زندہ کر دے۔

یہ کفار مکہ جو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کر رہے ہیں تو یہ عقل وفہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے جارہے ہیں اور وہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیش رو کیا کرتے تھے یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ یہ منکرین کہتے ہیں کہ ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جارہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی یہی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہو نہ ہو یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے اور انہی کی نقل کی جارہی ہے۔

استغفر اللہ نقل کفر کفر نہ باشد

تو ان کفار مکہ کی جہالت فقط اتنی ہی نہ تھی کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ عقائد کی صحت کا انکار کرتے بلکہ انہوں نے بڑھ کر تمام انبیائے سابقین جو وجود قیامت کی حقانیت کو واضح طور پر ظاہر فرماتے رہے ان سب کے اقوال پر بھی نکتہ چینی شروع کردی اور ان بدبختوں نے گذشتہ انبیاء و مرسلین کی باتوں کو پرانے بے سند قصے کہانیاں قرار دیا۔ گویا اثباتِ قیامت کی دلیل کو انکار کی دلیل بنالیا۔

چونکہ کفار کے ان اقوال سے انکار قدرت باری تعالیٰ لازم آتا ہے اور اس سے انکار قیامت اور بعث بعد الموت یعنی مرکر پھر دوبارہ زندہ ہونے کا بھی انکار ہوتا ہے اس لئے ان اقوال کے جواب میں آگے اثباتِ قدرت الٰہیہ اور اثبات توحید کے متعلق مزید ارشاد فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کے ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے۔ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہیں (تو) اُن سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا

آپ یہ بھی کہیے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔ آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔

تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

آپ یہ بھی کہیئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا

وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ کہیئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے۔ بلکہ ہم نے اُن کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔

اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

اللہ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اسکے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جُدا کر لیتا۔ اور ایک دوسرے پر

بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

چڑھائی کرتا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا

فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر اور منزہ ہے۔

قُلْ فرمادیں	لِمَنِ کس کیلئے	الْاَرْضُ زمین	وَمَنْ اور جو	فِيْهَآ اس میں	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو
سَيَقُوْلُوْنَ جلد (یعنی ضرور) وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کا	قُلْ فرمادیں	اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا پس تم غور نہیں کرتے؟	قُلْ فرمادیں		
مَنْ کون	رَبُّ رب	السَّمٰوٰتِ آسمان	السَّبْعِ سات	وَرَبُّ اور رب	الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ عرشِ عظیم	سَيَقُوْلُوْنَ جلد ضرور
وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کا	قُلْ فرمادیں	اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا پس تم نہیں ڈرتے؟	قُلْ فرمادیں	مَنْ کون	بِيَدِهٖ اس کے ہاتھ میں
مَلَكُوْتُ بادشاہت "اختیار"	كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز	وَهُوَ اور وہ	يُجِيْرُ پناہ دیتا ہے	وَلَا يُجَارُ اور پناہ نہیں دیا جاتا	عَلَيْهِ اسکے خلاف	
اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو	سَيَقُوْلُوْنَ جلد "ضرور" وہ کہیں گے	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	قُلْ فرمادیں	فَاَنّٰى پھر کہاں سے	
تُسْحَرُوْنَ تم جادو میں پھنس گئے ہو	بَلْ بلکہ	اَتَيْنٰهُمْ ہم لائے ہیں اُن کے پاس	بِالْحَقِّ سچی بات	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ		
لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے ہیں	مَا اتَّخَذَ نہیں بنایا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ وَّلَدٍ کسی کو بیٹا	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	مَعَهٗ اسکے ساتھ	
مِنْ اِلٰهٍ کوئی اور معبود	اِذًا اس صورت میں	لَّذَهَبَ لے جاتا	كُلُّ ہر	اِلٰهٍ معبود	بِمَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا	وَلَعَلَا اور چڑھائی کرتا
بَعْضُهُمْ انکا ایک	عَلٰي بَعْضٍ دوسرے پر	سُبْحٰنَ اللّٰهِ پاک ہے اللہ	عَمَّا اس سے جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	عٰلِمِ الْغَيْبِ جاننے والا پوشیدہ	
وَالشَّهَادَةِ اور آشکارا	فَتَعٰلٰى پس برتر	عَمَّا اس سے جو	يُشْرِكُوْنَ وہ شریک سمجھتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں چار قسم کے مشرک رہتے تھے کچھ تو خدا کو صاحب اولاد کہتے تھے (نعوذ باللہ) جیسے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو ابن اللہ اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ یہ گروہ تو یہود ونصاریٰ اور صابیوں کا تھا۔ کچھ لوگ آسمانی ستاروں کی اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔ انہی کو مظہر انوارِ الوہیت جانتے تھے۔ یہ گروہ مجوسیوں کا تھا۔ ایک گروہ بت پرست تھا۔ لات۔ عزیٰ۔ منات۔ نائلہ۔ ہبل اور بعض دوسرے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کو مظہر الوہیت جانتے اور سمجھتے تھے۔ اللہ یعنی ایک رب الارباب کے وجود کا بھی اقرار تھا اور دوسری طرف کائنات کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر کے ایک ایک شعبہ کا ایک ایک مستقل خدا یا دیوتا مانا جاتا تھا جیسا کہ ہنود میں زمین کا دیوتا الگ۔ آسمان کا الگ۔ ہوا کا دیوتا الگ۔ پانی کا الگ۔ لیکن بایں ہمہ ان کو ایشر یعنی خلاق عالم نہیں کہتے۔ اسی طرح عرب کے بت پرست مورتیوں سے طرح طرح کی مرادیں مانگتے۔ ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے۔ ان پر بھینٹ چڑھاتے۔ مگر خلاق عالم خدا ہی کو کہتے تھے۔ ایسے لوگ جو خدا کے وجود ہی کے منکر ہوں بہت ہی کم تھے۔ گزشتہ آیات میں کفار و منکرین کے بعض اقوال بیان فرمائے گئے تھے جس سے انکار قدرت لازم آتا اور اس طرح انکار بعث بعد الموت کے ساتھ انکار توحید بھی ہوتا۔ اس لئے ان اقوال کے جواب میں اثبات قدرت کے ساتھ اثبات توحید بھی ارشاد ہوتا ہے اور مشرکین کے سامنے ان کے مسلمات بیان فرما کر توحید خالص اور بعث بعد الموت کو ثابت فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ ان مشرکین و منکرین سے پوچھئے کہ یہ تو بتاؤ یہ زمین کس کی ہے؟ اور اس کا اور اس پر رہنے والوں کا مالک کون ہے ظاہر بات ہے کہ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہ دے سکیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ تو اس کے بعد ان سے کہئے کہ اتنا جاننے کے بعد کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ جو ساری زمین اور زمین والوں کا مالک ہے تو وہ اس کے اجزاء سے تمہیں دوبارہ بھی بنا سکتا ہے جیسے پہلے بنایا جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے تو کیا تمہاری مشتِ خاک اس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ سات آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ اس کا جواب بھی اس کے سوا کچھ نہ بن پڑے گا کہ شہنشاہ مطلق اللہ ہی ہے۔ تو پھر آپ ان سے کہئے کہ تعجب ہے کہ تم اتنے بڑے زبردست احکم الحاکمین کی نافرمانی کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ اتنی بڑی گستاخی کرتے ہو کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ بے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ ہر چیز کی حکومت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور ہر چیز اپنے اپنے ڈھنگ پر کس کے حکم سے چل رہی ہے؟ ہر چیز پر کس کا اختیار چلتا ہے کہ جس کو وہ چاہے اپنی پناہ میں لے لے اور جس کو وہ پناہ دے دے اس کو کون مٹا سکتا ہے؟ اور جس کو وہ مجرم قرار دے دے اسے کون اس کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔ تو اس سوال کے جواب میں بھی اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکیں گے کہ حکم تو سب اللہ ہی کا چلتا ہے۔ جب اس کے سوا کوئی جواب نہیں تو پھر ان سے آپ کہئے کہ تمہاری عقل پر پردہ کیوں پڑ گیا کہ اتنا

سمجھنے کے بعد پھر ایسی باتیں کرتے ہو کہ مرنے کے بعد جینا نہیں ہوسکتا اور قیامت کے دن اعمال کا حساب کتاب جزا و سزا بالکل من گھڑت ہے۔ جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہی ہوا اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف اور اقتدار ہوئی تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اس کے قبضۂ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادرِ مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا؟ اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے اپنے رسول کی معرفت ان کے پاس پیغام بھیجا ہے وہ بالکل حق اور صحیح ہے اور دلائل وشواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے وہ بالکل صحیح اور حق ہے اور مشرکین جو کہہ رہے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے اور وہ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں اور منجملہ ان کی غلط اور جھوٹ باتوں سے یہ بات بھی ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ کے اولاد ہے۔ زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک ومختار وہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں جو اس دنیا کے بنانے اور اس کے نظام میں دخیل ہو۔ نہ اسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی۔ نہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ دنیا کی حکومت میں شریک ہے۔ اگر دنیا کو بنانے اور اس کی حکومت میں اس کے ساتھ اور بھی شریک ہوتے تو سب کا آپس میں کبھی نہ کبھی ضرور ٹکراؤ ہوتا اور ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور اپنی طاقت اکٹھی کر کے دوسرے پر حملہ بول دیتا اور تمام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ اولاد اور شرک سے پاک ہے۔ نہ کسی میں اس کی سی قدرت اور قوت ہے اور نہ اس کا سا علم وہ ظاہر و باطن حاضر وغائب سب سے بخوبی واقف ہے اور حق تعالیٰ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ مشرکین کہتے ہیں اور برتر و بالا ہے ان کے شرک سے۔

مشرکین ومنکرین کے اقوال و احوال جو اوپر بیان ہوئے اور جن کی تردید فرمائی گئی تو اس قسم کے اقوال اور اصرار علی الکفر وشرک کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں اللہ کا غضب آتا ہے اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ذریعہ آپ کے فرمانبرداروں کو ہدایت کی گئی کہ ہر ایک اللہ کے غضب سے پناہ مانگا کرے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے ہمیں بچا کر اسلام کامل اور ایمان صادق نصیب فرمادیں۔ اور آخرت کی زندگی پر یقین کامل عطا فرمائیں۔ اس زندگی کے لحہ لحہ میں آخرت کی تیاری اور وہاں کے فکر کی توفیق عطا فرمادیں۔ اور توحید پر قائم رکھ کر اسی پر موت نصیب فرمادیں۔ یا اللہ! تمام اختیار دین ودنیا کے آپ ہی کے دستِ قدرت میں ہیں، آپ ہی جس کو پناہ دیں وہی پناہ پاسکتا ہے اور آپ جس کو پناہ نہ دیں اس کو پناہ دینے والا کوئی نہیں۔ یا اللہ! ہمیں بھی یہ اعتقاد کامل نصیب فرما۔ اور ہر طرح کی کجی وگمراہی سے، ہر طرح کی آفات وبلیات سے، ہر طرح کے سانحات ومصائب سے ہم آپ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی حفاظت اور پناہ میں لے لیجئے اور ہر معاملہ میں اپنی ہی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور غیر اللہ کی طرف نظریں کرنے سے بچا لیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩٤﴾ وَإِنَّا عَلَىٰ أَن

آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھادیں تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے۔ اور ہم اس بات پر کہ

نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٩٥﴾ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا

جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھلا دیں قادر ہیں آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو جو کچھ

يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾ وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٩٧﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾

یہ کہا کرتے ہیں۔ اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور اے میرے رب آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ

یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے۔ تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں۔

كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾

ہرگز نہیں یہ (اُس کی) ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جارہا ہے۔ اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔

قُلْ فرمادیں	رَبِّ اے میرے رب	اِمَّا تُرِیَنِّیْ اگر تو مجھے دکھا دے	مَا یُوْعَدُوْنَ جو ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	رَبِّ اے میرے رب			
فَلَا تَجْعَلْنِیْ پس تو مجھے نہ کرنا	فِی میں	الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ظالم لوگ	وَاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰی پر	اَنْ نُّرِیَکَ کہ ہم تمہیں دکھا دیں		
مَا نَعِدُهُمْ جو ہم وعدہ کر رہے ہیں اُن سے	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر ہیں	اِدْفَعْ دفع کرو	بِالَّتِیْ اس سے جو	هِیَ وہ	اَحْسَنُ سب سے اچھی بھلائی		
السَّیِّئَةَ برائی	نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَا اس کو جو	یَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	وَقُلْ اور آپ فرمادیں	رَبِّ اے میرے رب	
اَعُوْذُ میں پناہ چاہتا ہوں	بِکَ تیری	مِنْ سے	هَمَزٰتِ وسوسے	الشَّیٰطِیْنِ شیطان	وَاَعُوْذُ اور میں پناہ چاہتا ہوں	بِکَ تیری	
رَبِّ اے میرے رب	اَنْ یَّحْضُرُوْنِ کہ وہ آئیں میرے پاس	حَتّٰی یہاں تک کہ	اِذَا جَآءَ جب آئے	اَحَدَهُمُ ان میں کسی کو	الْمَوْتُ موت		
قَالَ کہتا ہے	رَبِّ اے میرے رب	ارْجِعُوْنِ مجھے واپس بھیج دے	لَعَلِّیْ شاید میں	اَعْمَلُ کام کرلوں	صَالِحًا کوئی اچھا کام		
فِیْمَا اس میں	تَرَکْتُ میں چھوڑ آیا ہوں	کَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّهَا یہ تو	کَلِمَةٌ ایک بات	هُوَ وہ	قَآئِلُهَا کہہ رہا ہے	وَ اور
	مِنْ وَّرَآئِهِمْ اُن کے آگے	بَرْزَخٌ ایک برزخ	اِلٰی یَوْمِ اس دن تک	یُبْعَثُوْنَ وہ اٹھائے جائیں گے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ کفار ومنکرین نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے بلکہ قرآن کی نسبت بھی طرح طرح کی بکواس کرتے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتے۔ کوئی کہتا کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے ہم جو چاہے کریں کوئی ہمارا کچھ نہیں کرسکتا کوئی کہتا کہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا؟ اور کیسی جزا سزا؟ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ کوئی کہتا کہ اعمال کی بھلائی برائی کیسی؟ جسے ہم اچھا کہیں وہ اچھا جسے ہم برا کہیں وہ برا۔ ہماری باتوں میں دخل دینے والا کون ہوتا ہے۔ پھر کفار کی سرکشی پر جو عذاب آنے کے وعدے ہوتے اور انہیں وعیدیں سنائی جاتیں تو وہ ان کو سن کر مذاق اڑاتے اور ازراہ تمسخر کہتے کہ اگر وعدہ

وعید سچ ہیں تو عذاب آتا کیوں نہیں؟ منکرین کی ان شرارتوں اورخباثتوں کا مقتضا یہی تھا کہ ان پر کوئی سخت عذاب آوے۔اس لئے آگے ان آیات میں ہر مومن کو ہدایت کی جاتی ہے کہ خدا کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔وہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا مطالبہ کیا جاوے۔ درحقیقت وہ ایسی خوفناک چیز ہے کہ سرکشوں اور گنہگاروں ہی کو نہیں نیکوکاروں کو بھی اپنی ساری نیکیوں کے باوجود اس سے ڈرنا اور پناہ مانگنا چاہئے اور اللہ سے ڈر کر یہ دعا کرنی چاہئے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھے اس کے ذیل میں شامل نہ کرنا یعنی ہم کو ایمان کی راہ پر مستقیم رکھنا اور کوئی تقصیر ہم سے ایسی سرزد نہ ہو کہ العیاذ باللہ عذاب کے لپیٹ میں آجائیں۔

تو اگرچہ یہاں آیت میں خطاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم اور عذابِ الٰہی سے محفوظ ہونا اگرچہ آپ کے لئے یقینی تھا اور اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن تھا لیکن اظہار عبودیت کے لئے ایسی دعا تلقین فرمائی گئی اور درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے آپ کے فرمانبرداروں کو ہدایت دینی مقصود ہے کہ ہر ایک اللہ کے غضب وعذاب سے پناہ مانگا کرے اور یوں کہے کہ اے رب اگر میری زندگی میں آپ کا عذاب ان نافرمانوں پر آنے والا ہو تو مجھے ان کے ساتھ عذاب میں شریک نہ کرنا اور اپنی رحمت سے تمام آفتوں سے محفوظ رکھنا۔ یہاں ایک پہلو تعلیم کا یہ بھی نکلتا ہے کہ ظلم کی نحوست اور اجتماعی گناہوں کی پاداش میں جب سزا کا کوڑا برستا ہے اور عذاب کی آگ برستی ہے تو صرف برے ہی اس میں نہیں جلتے بلکہ ان کے ساتھ بعض اوقات بھلے بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اور دنیاوی تکالیف سے متاثر ہوتے ہیں۔ گو آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے۔قرآن کریم نویں پارہ سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔ **واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب ٥** اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے کہ اے پروردگار جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ رکھنا اور مجھ کو ایسی حالت میں اپنے پاس بلالینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔غرض یہ کہ اس دعا کی تلقین سے اظہار عبودیت اور تواضع اور کسر نفسی کی تلقین ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے تو معلوم ہوا کہ ایک غیر صالح اور بدکار معاشرہ میں رہنے والے ہر صالح آدمی کو ہر وقت خدا کی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کچھ خبر نہیں کہ کب اور کس صورت میں ظالموں پر عذابِ الٰہی کی آگ برسنے لگے اور پھر نہ معلوم اس عذاب کی چنگاریاں کہاں تک پہنچیں اور کون اس کی زد میں آجائے (العیاذ باللہ) آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کفار ومنکرین کو سزا دے دیں اور جس عذاب سے انہیں ڈرایا جارہا ہے ابھی ابھی آپ کے سامنے ہی بھیج دیں لیکن انہیں ابھی مہلت دی جارہی ہے تاکہ جس کو سیدھا ہونا ہے وہ ہوجائے اس لئے آپ ان کے ساتھ برائی کے بدلہ بھلائی کریں۔آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضا یہی ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہوسکتی ہو اور آپ ان کی بیہودہ بکواس اور بے تکی باتوں سے مشتعل نہ ہوں۔اس کو ہم خوب جانتے ہیں۔وقت پر ان کو کافی سزا دی جائے گی۔

پھر نبی وقت اور اہلِ ایمان کے لئے یہی ایک افتاد نہیں کہ شریر اور سرکش انسانوں سے نمٹنا پڑتا ہے۔ مگر وہ چونکہ ظاہر میں دکھائی دینے والے دشمن ہیں اس لئے انہیں دفع بھی کیا جاسکتا ہے اور ان کے ضرر سے بچا جاسکتا ہے لیکن ان کے علاوہ ایسے دشمن بھی ہیں جو دکھائی نہیں دیتے اور چھپ کر وار کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ شریر انسانوں کو بھی وہ شرارت پر اکساتے ہیں اور یہ ہیں شیاطین جو جنات کی نوع سے ہیں تو منکرین و مفسدین جو شیاطین الانس ہوئے ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ اوپر تعلیم فرمایا گیا تھا کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کیا جائے۔ لیکن شیاطین الجن اس طریقہ سے متاثر نہیں ہوسکتے۔ کوئی تدبیر یا نرمی ان کو رام نہیں کرسکتی اس لئے اس کا علاج جو صرف استعاذہ ہے تعلیم فرمایا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانا تا کہ وہ قادر مطلق ان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے اس لئے یہ دعا تعلیم فرمائی گئی کہ اے رب مجھے ان شیاطین کی نوک چوک اور چھیڑ چھاڑ سے بچایئے اور اپنی عنایت سے ایسا کیجئے کہ وہ مجھ تک آنے ہی نہ پائیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ شریر منکرین اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آپہنچے اور نزع کی حالت میں عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار قبر کی طرف لے جانے کی بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کردے تا کہ گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کرسکیں آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ اس کا جواب ان کو ملے گا کہ اجل آجانے کے بعد اس کام کے لئے ہرگز واپس نہیں کیا جاسکتا اور بالفرض واپس کردیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا وہی شرارتیں پھر سوجھیں گی۔ یہ محض اس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے۔ یہ کہتا رہے ہمارے ہاں شنوائی نہیں ہوگی۔ اور ابھی کیا دیکھا ہے موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں عذابِ آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔ برزخ کے معنی آڑ یا پردہ یعنی جو چیز دو چیزوں کی بیچ میں آکر انہیں باہم ملنے سے روک دے وہ برزخ ہے۔ اصطلاح شرع میں وہ عالم ہے جو دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی شروع ہونے پر ختم ہوجائے گا۔ اس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔ موت کے بعد روح انسانی عالم برزخ میں رہتی ہے اور حشر تک رہے گی جب کہ عالم آخرت شروع ہوجائے گا۔ تو مرنے کے بعد ہر کسی کی روح کو عالم برزخ میں جانا ہے نہ کہ واپس دنیا میں۔

الغرض یہ مصیبت تو ان کو مرنے کے وقت پیش آئے گی۔ پھر جب قیامت کا روز ہوگا اور صور پھونکا جائے گا تو کیا حال ہوگا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں میں شامل فرمائیں اور ظالمین کے گروہ میں شامل ہونے سے بچائیں۔ یا اللہ نفس و شیطان کی شرارت اور وسوسوں سے ہماری حفاظت فرمایئے اور ایمان و اسلام کی موت ہم کو نصیب فرمایئے۔ یا اللہ موت کے وقت ہمیں حسرت و افسوس سے بچایئے اور عالم برزخ میں ہماری روحوں کو چین وسکون عطا فرمایئے۔ اے اللہ! اس وقت ہمارے معاشرہ میں جو برائیاں پھیل گئی ہیں ہم ان برائیوں کے وبال سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یا اللہ آپ ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھیں اور مرتے دم تک ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ

پھر جب صور پھونکا جاوے گا تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔سو جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا

فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ فِي

سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا اور جہنم میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔

جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَٰلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ أَلَمْ تَكُنْ ءَايَٰتِي

اُن کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے۔کیوں کیا تم کو میری آیتیں پڑھکر سُنائی نہیں جایا کرتی تھیں

تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ

اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے۔اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم)

أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَٰلِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾

سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم بیشک پورے قصوروار ہیں ارشاد ہوگا کہ اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔

فَإِذَا پھر جب	نُفِخَ پھونکا جائے گا	فِي الصُّورِ صور میں	فَلَآ أَنسَابَ تو نہ رشتے	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	يَوْمَئِذٍ اس میں	
وَلَا يَتَسَآءَلُونَ اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے	فَمَنْ پس۔جو۔جس	ثَقُلَتْ بھاری ہوئی	مَوَازِينُهُ اس کا تولپلہ	فَأُولَٰٓئِكَ پس وہ لوگ		
هُمْ وہ	الْمُفْلِحُونَ فلاح پانے والے	وَمَنْ اور جو۔جس	خَفَّتْ ہلکی ہوئی	مَوَازِينُهُ اس کے تولپلہ	فَأُولَٰٓئِكَ تو وہی لوگ	
الَّذِينَ وہ جنہوں نے	خَسِرُوٓا خسارہ میں ڈالا	أَنفُسَهُمْ اپنی جانیں	فِي جَهَنَّمَ جہنم میں	خَٰلِدُونَ ہمیشہ رہیں گے	تَلْفَحُ جھلس دیگی	
وُجُوهَهُمُ ان کے چہرے	النَّارُ آگ	وَهُمْ اور وہ	فِيهَا اس میں	كَٰلِحُونَ تیوری چڑھائے ہوئے	أَلَمْ تَكُنْ کیا نہ تھیں	
ءَايَٰتِي میری آیتیں	تُتْلَىٰ پڑھی جاتیں	عَلَيْكُمْ تم پر	فَكُنتُمْ پس تم تھے	بِهَا انہیں	تُكَذِّبُونَ تم جھٹلاتے تھے	قَالُوا وہ کہیں گے
رَبَّنَا اے ہمارے رب	غَلَبَتْ غالب آگئی	عَلَيْنَا ہم پر	شِقْوَتُنَا ہماری بدبختی	وَكُنَّا اور ہم تھے	قَوْمًا لوگ	ضَآلِّينَ راستہ سے بھٹکتے ہوئے
رَبَّنَا اے ہمارے رب	أَخْرِجْنَا ہمیں نکال لے	مِنْهَا اس سے	فَإِنْ پھر اگر	عُدْنَا دوبارہ کیا ہم نے	فَإِنَّا تو بیشک ہم	ظَٰلِمُونَ ظالم
	قَالَ فرمائے گا	اخْسَـُٔوا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو	فِيهَا اس میں	وَلَا تُكَلِّمُونِ اور کلام نہ کرو مجھ سے		

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب کفار ومنکرین کے سر پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اور دوسرے عالم کا معائنہ ہونے لگتا ہے اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور اپنے جہل وکفر پر سخت ندامت اور افسوس ہوتا ہے اور پھر اس وقت دنیا میں لوٹا دینے کی درخواست کرتا ہے تاکہ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے مگر اس وقت اس کی درخواست کو رد کردیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اب تو دوبارہ دنیا میں واپس نہیں جاسکتا اور جب تک قیامت قائم ہو اسی مصیبت میں پڑا رہ۔تو مرنے ہی کے وقت جو مصیبت کفار کو پیش آتی

ہے اس کا بیان اور پر فرمانے کے بعد اب جو قیامت میں ان کو پیش آئے گا وہ آگے ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو عالمِ برزخ ختم ہو کر عالم آخرت شروع ہوگا اور تمام مخلوق زندہ کر کے ایک میدان میں جمع کر دی جائے گی اور اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے۔ بھائی بھائی سے۔ اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا ایک دوسرے سے بے تعلق ہوں گے کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔

یہاں آیت میں جو فرمایا گیا کہ قیامت کے روز کفار میں باہمی رشتے ناتے نہ رہیں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ باپ نہ رہے گا اور بیٹا بیٹا نہ رہے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا باپ کے ہر ایک اپنے حال میں کچھ اس طرح گرفتار ہوگا کہ دوسرے کو پوچھنے کا ہوش نہ رہے گا۔ پھر آج انسان کے لئے اس بات کا سمجھنا کس قدر دشوار ہو گیا ہے کہ وہ جو کچھ اس دنیا میں کر رہا ہے۔ وہ سب برابر لکھا جا رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب قیامت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے سامنے ساری زندگی بھر کے کرتوتوں کا کچا چٹھا رکھ دیا جائے گا۔ پھر اس کے سامنے اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ جس کا اعمال کچھ وزن رکھتے ہوں گے اور نیکیوں کا پلہ بدیوں کے مقابلہ میں جھکا ہوا ہوگا اس کو نجات و مغفرت نصیب ہو جائے گی اور دائمی خوش نصیبی اس کو حاصل ہو جائے گی اس کے برخلاف جس کے اعمال ہلکے اور بے وزن ثابت ہوں گے۔ اس کی شامت آ جائے گی اور جہنم کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ سے بدن جلتے جلتے سوج جائے گا۔ اور ان کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جہنمیوں کا نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا اور زبان باہر نکل کر زمین پر لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جہنم اور وہاں کے آزاروں سے ہم سب کو بالکلیہ محفوظ و مامون فرمائیں۔ آمین) اس وقت ان منکرین سے یوں کہا جائے گا کہ جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟ کیا دنیا میں اللہ کا کلام تم کو سنایا نہ گیا تھا اور دوزخ اور اس کے عذاب سے ڈرایا نہ گیا تھا؟ یہ بتاؤ تم نے ان سب کو جھوٹ کیوں جانا؟ کفار اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھوکا دیا جو ایمان و اسلام کے سیدھے راستہ سے بھٹک کر کفر و شرک کو اختیار کیا اور اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ اب از راہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پھر کبھی ایسا کریں تو گناہ گار جو سزا چاہے دیجئے گا۔ اللہ عزوجل کی طرف سے جواب ملے گا کہ خاموش رہو اور اس دوزخ میں چپ چاپ پڑے رہو۔ بک بک مت کرو جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔

الغرض ان کفار کی ندامت و معذرت پر کوئی رحم نہ کیا جائے گا اور مزید باری تعالیٰ کی طرف سے جو ان کو خطاب ہوگا اور کفار جو جواب دیں گے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت کے روز ہمارا حشر و نشر اپنے مومنین و مخلصین بندوں کے ساتھ فرماویں اور بلا حساب کتاب محض اپنے فضل سے ہم سب کی مغفرت فرماویں۔ یا اللہ! میزان میں ہماری نیکیوں کا پلہ بھاری فرما دیجئے گا اور جنت کی دائمی نعمتوں کو نصیب فرمائیے گا۔

یا اللہ جہنم کے دکھ اور آزار سے کامل طور پر ہم کو محفوظ فرمائیے گا۔ یا اللہ! ہماری غفلت کو دور فرما دے ہمارے دلوں میں قیامت کے حساب کتاب، جزا و سزا کا دھیان بٹھا دے۔ ہمیں اپنے احکام کا متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت میں موت نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۰۹﴾

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالے ہیں

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۱۱۰﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ

سو تم نے اُن کا مذاق مقرر کیا تھا یہاں تک کہ اُنکے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم اُن سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ میں نے اُن کو آج اُن کے صبر کا یہ بدلہ دیا ہے

الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا

کہ وہی کامیاب ہوئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہوگے وہ جواب دیں گے کہ ہم

لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱۴﴾

ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کیا خوب ہوتا کہ تم سمجھے ہوتے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ حقیقی ہے

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ

اسکے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس پر اُس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں۔

بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ

سو اُس کا حساب اُس کے رب کے ہاں ہوگا۔ یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب میری خطائیں معاف کر اور رحم کر اور تو سب

خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۱۸﴾

رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔

إِنَّهُ بیشک وہ	كَانَ تھا	فَرِيقٌ ایک گروہ	مِّنْ عِبَادِي میرے بندوں کا	يَقُولُونَ وہ کہتے تھے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	آمَنَّا ہم ایمان لائے	
فَاغْفِرْ لَنَا سو ہمیں بخش دے	وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما	وَأَنتَ اور تو	خَيْرُ بہترین	الرَّاحِمِينَ رحم کرنے والے	فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ پس تم نے انہیں بنالیا		
سِخْرِيًّا ٹھٹھا	حَتَّىٰ یہاں تک کہ	أَنسَوْكُمْ انہوں نے بھلا دیا تمہیں	ذِكْرِي میری یاد	وَكُنتُمْ اور تم تھے	مِّنْهُمْ ان سے		
تَضْحَكُونَ ہنسی کیا کرتے تھے	إِنِّي بیشک میں	جَزَيْتُهُمُ میں نے جزا دی انہیں	الْيَوْمَ آج	بِمَا اس کے بدلے	صَبَرُوا انہوں نے صبر کیا		
أَنَّهُمْ بیشک وہ	هُمُ وہی	الْفَائِزُونَ مراد کو پہنچنے والے	قَالَ فرمائے گا	كَمْ لَبِثْتُمْ کتنی مدت رہے تم	فِي الْأَرْضِ زمین (دنیا) میں		
عَدَدَ شمار حساب	سِنِينَ سال	قَالُوا وہ کہیں گے	لَبِثْنَا ہم رہے	يَوْمًا ایک دن	أَوْ یا	بَعْضَ يَوْمٍ ایک دن کا کچھ حصہ	فَاسْأَلِ پس پوچھ لے
الْعَادِّينَ شمار کرنے والے	قَالَ فرمائے گا	إِن لَّبِثْتُمْ نہیں تم رہے	إِلَّا مگر صرف	قَلِيلًا تھوڑا عرصہ	لَّوْ أَنَّكُمْ کاش کہ تم		

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جانتے ہوئے	اَفَحَسِبْتُمْ کیا تم خیال کرتے ہو؟	اَنَّمَا کہ	خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	عَبَثًا عبث بیکار	وَاَنَّكُمْ اور یہ کہ تم	
اِلَيْنَا ہماری طرف	لَا تُرْجَعُوْنَ نہیں لوٹائے جاؤ گے	فَتَعٰلَى پس بلندتر	اللّٰهُ اللہ	الْمَلِكُ بادشاہ	الْحَقُّ حقیقی	لَآ نہیں
اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	رَبُّ مالک	الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ عزت والا عرش	وَ اور	مَنْ يَّدْعُ جو پکارے	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ
اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی اور معبود	لَا بُرْهَانَ نہیں کوئی سند	لَهٗ اسکے پاس	بِهٖ اس کیلئے	فَاِنَّمَا سو تحقیق	حِسَابُهٗ اس کا حساب	
عِنْدَ رَبِّهٖ اسکے رب کے پاس	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُفْلِحُ فلاح کامیابی	نہیں پائینگے	الْكٰفِرُوْنَ کافر	وَقُلْ اور آپ کہیں	رَّبِّ اے میرے رب
	اغْفِرْ بخش دے	وَارْحَمْ اور رحم فرما	وَاَنْتَ اور تو	خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ بہترین رحم کرنیوالا ہے		

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورۂ مومنون کے خاتمہ کی آیات ہیں۔

گزشتہ آیات میں کفار ومنکرین کا حال بروز قیامت بیان کیا گیا تھا کہ اپنے کفر کی وجہ سے ان کو دائمی عذاب جہنم ہوگا۔ اس وقت کفار اپنے جرم کا اقرار کر کے عذر معذرت کریں گے اور درخواست کریں گے کہ اس مرتبہ ان کو جہنم سے آزاد کر دیا جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ آئندہ وہ کفر نہ کریں گے۔ اس پر ان کو جواب ملے گا کہ بک بک مت کرو۔ اب خاموشی کے ساتھ جہنم میں پڑے رہو۔ جیسا دنیا میں کیا تھا ویسا اب بھگتو، تم پر اب کوئی رحم وکرم نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو مزید شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا ایک زبردست گناہ پیش کیا جائے گا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں میرے بندے اہل ایمان جب اپنے رب کے آگے دعا واستغفار کرتے تھے تو تم کو ان کے ساتھ ہنسی اور مذاق سوجھتا تھا۔ اور ان کی ان خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے اور ان کے اتنا پیچھے پڑتے تھے گویا کہ تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا کہ جو تمہاری ان شرارتوں کی سزا دے سکے۔

اس آیت میں کیسی صحیح اور عبرتناک تصویر پیش کی ہے۔ آج کتنے ہی منکر اور کافر نہیں بلکہ نام کے مسلمان بھی اپنی ''روشن خیالی'' کے زعم میں اسی طرح کا مضحکہ سیدھے سادے دیندار مسلمانوں کا اڑاتے ہیں۔ آیت یہ بتلا رہی ہے کہ اللہ کے مخلص دیندار بندوں سے مضحکہ وتمسخر کا انجام نار جہنم ہے۔ آگے ان کفار سے خطاب جاری رکھتے ہوئے مزید کہا جائے گا کہ اہل ایمان نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا۔ آج دیکھو کہ تمہارے بالمقابل ان کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب و کامران اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں اور تم اپنی روشن خیالی پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی اور نامرادی کے عذاب میں گرفتار نکلے۔ پھر منکرین قیامت وآخرت سے بطور زجر وتوبیخ کے یہ سوال ہوگا کہ تم جو کہتے تھے کہ مر کر جینا نہیں اور زندگی ہے تو بس دنیا ہی کی زندگی ہے۔ اور وہاں کی زندگی اور اس کے لذات اور مال وجاہ پر تم ریجھے ہوئے تھے۔ اور اب یہاں اپنے گمان کے خلاف مر کر دوبارہ زندہ ہونا اور اپنے کئے کی سزا پانا اور عذاب ابدی میں مبتلا ہونا دیکھ لیا اب بتاؤ کہ تم دنیا میں کس قدر ٹھہرے تھے؟ منکرین تو اس وقت دکھ اور درد کے مارے حواس باختہ ہو رہے ہوں گے۔ جواب میں کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ایک روز یا اس سے بھی کم رہے ہوں گے اور سچ تو یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں کہ ہم دنیا میں کتنی مدت رہے۔ فرشتوں سے کہ جو اعمال اور عمر کا حساب رکھتے تھے ان سے پوچھ لیا جائے۔ جواباً ارشاد ہوگا کہ اب تو تمہیں بھی اقرار ہے کہ دنیا میں تھوڑی ہی مدت رہے۔ اگر یہ بات تم اس وقت سمجھ لیتے کہ دنیا کی بقا ناقابل اعتبار ہے اور اس کے سوا کوئی اور دار القرار ہے تو آج یہ گت تمہاری کیوں بنتی مگر وہاں تو بس بقا دنیا ہی میں منحصر سمجھا اور اس عالم آخرت کی نفی کرتے رہے اور اب اگر سمجھے تو بالکل بیکار ہے۔ اگر دنیا ہی میں سمجھ لیتے کہ دنیا تھوڑے دن کی ہے اور ہمارے رسولوں اور کتابوں ہی کے کہنے سے مان جاتے تو آج اس قدر حسرت اور ندامت میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ جہنم کی آگ میں جلتے۔

اب آگے انسانوں کو خواب غفلت سے چونکانے کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ لوگو! یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ تمہیں ہم نے کھیل کے طور پر

بنایا ہے کہ تم جو چاہے کرو۔ سنو اور غور کرو کہ تمہیں یقیناً ایک دن ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اور تمہارے دنیا کے اعمال کا زبردست نتیجہ نکلنا ہے۔ یا تو جنت میں داخل ہو کر ابدی راحت میں رہو گے یا دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں نہ جانے کب تک جلو گے۔

اب چونکہ سورۃ خاتمہ پر آ رہی ہے اس لئے تمام سورت کا خلاصہ اور نتیجہ ارشاد ہوتا ہے کہ یاد رکھو حقیقی بادشاہ اللہ ہی ہے جو بہت ہی عالیشان ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی عرش عظیم کا مالک ہے جو کوئی اللہ کے ساتھ اور کسی کو بھی معبود سمجھے گا وہ ہٹ دھرم ہے اور نا سمجھ ہے۔ اس کے پاس کوئی دلیل اور کوئی سند اس بات کی نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ حقیقی رب اللہ عزوجل اس سے اس کے اعمال کا حساب لے گا۔ جو لوگ دنیا میں اس کا انکار کئے بیٹھے ہیں۔ یقیناً وہ آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے۔ ان کو نجات اور فلاح ہرگز میسر نہ ہو گی۔

سورۃ کی ابتداء قد افلح المومنون سے فرمائی گئی تھی کہ بالتحقیق مومن ہی فلاح یاب ہوں گے اور خاتمہ پر مقابلہ میں انه لایفلح الکافرون فرمایا گیا کہ یقینی بات ہے کہ کافر فلاح یاب نہ ہوں گے اس طرح کس خوبی سے کلام کو تمام فرمایا گیا۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ یہ گفتگو تو کفار سے متعلق تھی اگر یہ لوگ طالب مغفرت و رحمت نہیں ہیں تو نہ ہوں، آپ اور آپ کے متبعین اس کو طلب کیجئے اور یوں کہا کیجئے کہ اے میرے رب مغفرت فرمائیے اور رحم فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔

اس سورۃ کے اخیر کی چار آیات میں یعنی افحسبتم سے سورہ ختم تک بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوتا ہے اور علماء و مشائخ نے تجربہ کیا ہے اس لئے ان اخیر کی چار آیات کا ورد اکثر رکھنا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ یعنی چھوٹا لشکر روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں۔ یعنی افحسبتم سے وانت خیر الرّحمین تک۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ان کا گذر ایک ایسے بیمار پر ہوا جو سخت امراض میں مبتلا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے کان میں سورۂ مومنون کی یہی آیتیں افحسبتم سے آخر سورۃ تک پڑھ دیں وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو ان سے دریافت کیا کہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ آیتیں پڑھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذاتِ پاک کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ (معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو دعا تلقین فرمائی تھی اور جو آج تک اہل ایمان اپنی نمازیں اکثر پڑھتے ہیں یعنی اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا. وانه لایغفر الذنوب الا انت فغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم o

یہ دعا اس آخری آیت وقل رب اغفرو ارحم وانت خیر الرّحمین o کے امتثال امر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دل کی گہرائیوں سے اس دعا کو اپنی نمازوں میں مانگنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

الحمدللہ اس درس پر اس سورۃ کا بیان ختم ہوا جس میں چھ رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ وَّهِیَ اَرْبَعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَّسِتُّوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَآ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ①

یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسکو ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس سورۃ میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو

سُوْرَۃٌ ایک سورۃ	اَنْزَلْنٰهَا جو ہم نے نازل کی	وَفَرَضْنٰهَا اور لازم کیا اس کو	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے نازل کیں	فِیْهَآ اس میں
اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ واضح آیتیں	لَعَلَّکُمْ تاکہ تم	تَذَکَّرُوْنَ تم یاد رکھو		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اٹھارویں پارہ کی سورۃ النور کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس درس میں سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی انشاء اللہ تشریح کی جائے گی۔ جس سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام و زمانۂ نزول۔ تاریخی پس منظر۔ موضوع ومباحث۔ تعداد رکوعات و آیات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے پانچویں رکوع کی پہلی آیت میں اللہ نور السموت والارض کا جملہ آیا ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ تو چونکہ اس سورۃ میں اللہ کے نور کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ النور ہوا۔ یہ مدنی سورۃ ہے اور ۶ ہجری کے آخری نصف میں اس کا مدینہ منورہ میں نزول ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی چوبیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۰۵ لکھا ہے یعنی قرآن پاک کی کل ۱۱۴ سورتوں میں سے ۱۰۴ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۹ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۶۴ آیات اور ۹ رکوعات ۱۴۲۰ کلمات اور ۶۴۱۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخی پس منظر یعنی جن حالات میں اس سورۃ کا نزول ہوا مختصراً اس طرح ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہود سے مصالحت کا معاہدہ فرمایا تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفا فرماتے رہے لیکن اس وقت یہود چونکہ مدینہ کے رئیس اور بڑے مانے جاتے تھے آپ کے تشریف لانے کے بعد اسلام کی روز افزوں شوکت کو دیکھ کر ان کو سخت غیظ ہوتا تھا اور اسی لئے وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے۔ غزوہ بدر ۲ھ میں جب کفار مکہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حیرت انگیز فتح ہوئی تو یہود مدینہ کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی۔ بالآخر انہوں نے علانیہ عہد شکنی شروع کر دی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مختلف قبائل سے جنگ کی تیاری شروع کی۔ مقابلہ ہوا تو کچھ قبائل جلاوطن ہو کر شام چلے گئے اور کچھ خیبر وغیرہ چلے گئے۔ ادھر قریش مکہ پہلے سے مدینہ کے یہود اور منافقین کو خط لکھ کر نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر اکسا رہے تھے بلکہ یہ دھمکی بھی ساتھ دی تھی کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نہ نکال دو گے تو ہم تمہارے ساتھ بھی جنگ کریں گے۔ گویا قریش مکہ۔ یہود مدینہ اور منافقین سب کی مجموعی طاقت اسلام کے خلاف کھڑی ہو گئی۔ بالآخر ذی قعدہ ۵ھ میں سب نے اپنی پوری پوری قوتیں جمع کر کے یکبارگی مدینہ طیبہ پر حملہ کی ٹھہرائی اور اس طرح دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار مسلمانوں کو مٹانے کے لئے مدینہ کی طرف بڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر جنگ کرنا مناسب نہیں بلکہ جس طرف سے مدینہ کے اندر ان کے گھسنے کا احتمال ہے اس طرف خندق کھودی جائے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور تین ہزار صحابہ کرام کو لے کر خندق کھودنے کے لئے خود بھی کمربستہ ہو گئے چھ دن میں یہ پانچ گز گہری خندق اس طرح تیار ہوئی کہ اس کے کھودنے میں خود سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے دستِ مبارک کا ایک بڑا حصہ تھا۔ ایک مرتبہ خندق

کھودتے ہوئے ایک پتھر کی چٹان نکل آئی جس کی وجہ سے سب کے سب عاجز ہوگئے تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے ایک کدال مارا تو اس کے ٹکڑے اڑ گئے غرض خندق تیار ہوگئی ادھر کفار کا لشکر آ پہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا تقریباً ایک ماہ تک مدینہ میں مسلمان محصور رہے۔ محاصرہ کی وجہ سے مدینہ میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ رسد کی قلت سے صحابۂ کرام پر تین تین فاقہ گزر گئے۔ ایک روز مضطر ہوکر صحابہؓ نے اپنے پیٹ کھول کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے کہ سب نے پیٹ سے پتھر باندھ رکھے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) ادھر محاصرین جب خندق عبور نہ کرسکے تو وہیں سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ جانبین سے مسلسل تیر اندازی ہوتی رہی اسی سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں بالآخر خداوند قدوس نے اس بے سروسامان جماعت کی مدد فرمائی اور لشکر کفار پر ہوا کا ایک ایسا طوفان مسلط فرمایا جس نے ان کی فوج کے حواس معطل کردیئے غرضیکہ ایک مہینہ تک سر مارنے کے بعد آخر کار ناکام اور خاسر ہوکر واپس چلے گئے اور ان کے جاتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان صحابہ سے فرمادیا کہ اس سال کے بعد اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر چڑھائی کروگے۔ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ اب اسلام بچاؤ کی نہیں بلکہ اقدام کی لڑائی لڑے گا اور کفر کو اقدام کے بجائے بچاؤ کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔ مشرکین۔ منافقین۔ یہود اب سبھی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ مسلمانوں کو محض ہتھیاروں اور فوجوں کے بل پر شکست نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے اب دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کا رخ جنگی کارروائیوں سے ہٹ کر رذیلانہ حملوں اور داخلی فتنہ انگیزیوں کی طرف پھر گیا اور چونکہ یہ خدمت باہر کے دشمنوں کی بہ نسبت خود مسلمانوں کے اندر گھسے ہوئے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے اس لئے مخالفین اسلام کی اب یہ سازش قرار پائی کہ مدینہ کے منافقین اندر سے فتنہ اٹھائیں اور یہود ومشرکین باہر سے ان کا زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ مدینہ کے منافقین جو بظاہر مسلمان بن کر اہل اسلام میں گھلے ملے تھے ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے کہ جس سے وہ مسلمانوں میں آپس میں بدگمانی پھیلاسکیں تاکہ مسلمانوں کے اتحاد اور نظم اور ان کی اجتماعی قوت میں رخنہ پڑے۔ چنانچہ منافقین کئی موقعوں پر افتراپردازی کا طوفان عظیم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح کا ایک حملہ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے سلسلہ میں کھڑا کیا مگر مخالفین کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب وحی الٰہی نے سورۂ احزاب میں دیا اور منافقین کی اس مہم پر سخت زجر وتوبیخ کی گئی جس کی تفصیلات انشاءاللہ اکیسویں پارہ سورۂ احزاب میں بیان ہونگی۔

دوسرا حملہ منافقین نے ہجرت کے چھٹے سال غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر کھڑا کیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بابت غلط اور بے بنیاد بدگمانی پھیلانی شروع کی اور آپ پر تہمت لگا کر بیہودہ خبریں اور افواہیں مسلمانوں میں پھیلائیں۔ شیطانی وسوسوں نے کام کیا اور کچھ سادہ دل مخلص مسلمان بھی اس بے بنیاد جھوٹی افواہ کے سننے اور دوسروں سے ذکر کرنے میں شامل ہوگئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعۂ تہمت کی وہی شان ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے قصہ کی شان ہے جس کی تفصیل سورۂ مریم سولہویں پارہ میں گزری اور جس طرح حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ کی عصمت ونزاہت میں شک کرنا کفر ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ کی عصمت ونزاہت میں شک کرنا کفر ہے۔ دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا شوشہ چھوڑ کر منافقین نے بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت پر حملہ کیا۔ دوسری طرف اسلامی وقار کو گرانے کی کوشش کی اور تیسری طرف مسلمانوں کے اندر کمال درجے کے اتحاد اور نظم و

21 ضبط میں رخنہ پیدا کرنے کی اسکیم بنائی۔ یہ تھے وہ حالات کہ جس میں یہ سورۂ نور نازل ہوئی۔ اس پس منظر کو سمجھ لینے سے آئندہ دورانِ سورۃ تشریحات سمجھنے میں انشاء اللہ سہولت اور آسانی ہوگی اس لئے یہ پس منظر بیان کرنا ضروری تھا۔

اس سورۃ کے مرکزی مطالب عورت کی عفت سے متعلق ہیں۔ اس لئے حدیث صحیح میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آیا ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔ اس سورۃ میں زیادہ تر گھریلو اور اجتماعی زندگی کے پاک صاف رکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ ناجائز تعلقات جنسی کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ پاکیزہ گھرانوں کی مستورات کے متعلق وہم و گمان کی بنا پر برے خیالات پھیلانے والوں کی سزا کا قانون بیان فرمایا گیا ہے۔ بیوی پر ناپاکی کا الزام لگانے والے خاوند کے لئے لعان کا قانون بتایا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور پاکدامنی کی شہادت دی گئی اور آپ کے متعلق بدگمانی پھیلانے والوں کو سرزنش کی گئی اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اللہ کے برگزیدہ بندں کی بابت بدگمانیوں سے بچیں ورنہ سخت سزا کے سزاوار ہوں گے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کی گئی کہ پاکیزہ زندگی اختیار کریں اور اس کا طریقہ بتایا گیا۔ بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کردینے کی مصلحت سمجھائی گئی۔ اسلامی معاشرہ کو بیہودہ باتوں۔ خرابیوں اور بدگمانیوں سے پاک وصاف رکھنے کے لئے معاشرتی اور تمدنی قوانین کی تعلیم دی گئی۔ اس سورت میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ انہیں زمین میں حکومت وسلطنت دی جائے گی تاکہ انہیں اسلام کی خوبیاں اور برکتیں تمام دنیا میں پھیلانے کا موقع مل جائے۔ پھر آپس میں مل جل کر رہنے کی تعلیم دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم کی ہدایت کی گئی اور بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہارا برتاؤ کیسا ہونا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اس سورۃ میں بڑے بڑے اور اہم قوانین و ہدایات کے علاوہ منافقین اور مؤمنین کی علامتیں بتائی ہیں تاکہ معاشرہ میں پتہ چل جائے کہ مخلص اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون؟ ان جملہ امور کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

اس تمہیدی تشریح کے بعد اب آیت زیر تفسیر کی تشریح سنیئے۔

سورۃ کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ لفظ لفظ سے اہمیت ٹپکتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

"یہ ایک سورۃ ہے کہ جس کے الفاظ کو بھی ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام کو بھی ہم نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس سورۃ میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو اور عمل کرو"

اب یوں تو سارا ہی قرآن اور تمام سورتیں حق تعالیٰ ہی کی نازل کی ہوئی ہیں مگر اس سورۃ کے احکام کو خاص اہمیت دینے کے لئے فرمایا گیا کہ اس کا نازل کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے اسے کسی اور ناصح کے کلام کی طرح ہلکی چیز نہ سمجھ بیٹھنا۔ خوب جان لو کہ اس کا نازل کرنے والا وہ ہے جس کے قبضہ میں تمہاری جانیں ہیں اور جس کی گرفت سے تم مرکر بھی نہیں چھوٹ سکتے اس لئے مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین و احکام ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورۃ میں بیان کی گئی ہیں اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرزِ جان بنائے اور ایک منٹ کے لئے ان سے غفلت نہ کرے لفظ فرضنٰھا اور اسے ہم نے فرض کیا ہے۔ یہ صاف ظاہر کررہا ہے کہ یہ قطعی احکام ہیں جس کی پیروی کرنا لازم ہے۔ یہ نہیں کہ یہ کوئی "سفارشات" ہیں کہ آپ کا جی چاہے تو مانیں ورنہ جو چاہے عمل کرتے رہیں اور جیسے چاہیں عائلی اور خانگی قوانین بناتے رہیں پھر آیاتِ بینتٍ یعنی صاف صاف کھلی آیات کہہ کر یہ واضح کردیا کہ جو ہدایات و احکام اس سورۃ میں دیئے جارہے ہیں ان میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ صاف صاف اور کھلی ہدایات ہیں جس کے متعلق تم یہ عذر نہیں کرسکتے کہ فلاں حکم ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے ہم کیسے عمل کرتے۔ اس پرشوکت تمہید کے بعد احکام شروع ہوجاتے ہیں اور سب سے پہلا حکم زانی اور زانیہ کی سزا کے متعلق ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد سو ان میں سے ہر ایک کے سو درے مارو۔اور تم لوگوں کو اُن دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں

فِي دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

ذرا رحم نہ آنا چاہیئے اگر اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

حاضر رہنا چاہیے۔

اَلزَّانِيَةُ بدکار عورت	وَالزَّانِي اور بدکار مرد	فَاجْلِدُوْا تو تم کوڑے مارو	كُلَّ وَاحِدٍ ہر ایک کو	مِنْهُمَا ان دونوں میں سے	مِائَةَ سو
جَلْدَةٍ کوڑے	وَلَا تَأْخُذْكُمْ اور نہ پکڑو (نہ کھاؤ)	بِهِمَا ان پر	رَأْفَةٌ مہربانی (ترس)	فِي میں	دِيْنِ اللّٰهِ اللہ کا حکم	اِنْ اگر
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ تم ایمان رکھتے ہو	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور یوم آخرت	وَلْيَشْهَدْ اور چاہیئے کہ موجود ہو	عَذَابَهُمَا ان کی سزا	
طَآئِفَةٌ ایک جماعت	مِّنَ سے۔کی	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن (مسلمان)			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ تمہیدی آیت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا تھا کہ یہ عظیم الشان جلیل القدر سورۃ ہم نے نازل کی ہے اور ہم نے خود اس میں احکام مقرر کئے ہیں جن کی اطاعت لوگوں پر فرض ہے۔اس تمہید کا انداز بیان خود بتا رہا ہے کہ سورۂ نور کے احکام کو اللہ تعالیٰ کتنی اہمیت دے کر پیش فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ کے نازل ہونے سے پہلے تہمت تراشی کا ایک ایسا افسوسناک واقعہ پیش آیا تھا جس سے اجتماعی زندگی کے آرام وسکون میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔ مراد اس سے واقعۂ افک ہے جبکہ منافقین نے محض اسلام دشمنی میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر غلط اور بے بنیاد بدگمانی پھیلانی شروع کر رکھی تھی جس کی تفصیلات اگلے رکوع میں ظاہر فرمائی گئی ہیں۔اس لئے تمہید کے الفاظ اتنی شان وشوکت کے ہیں تاکہ لوگ اس سورۃ کے احکام کو ہمیشہ یاد رکھیں اور برائیوں سے بچیں۔ چونکہ منافقین نے معاذ اللہ، معاذ اللہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا سے متعلق تہمت لگائی تھی مگر آپ کی برأت اور پاک دامنی پر قرآن پاک نے شہادت دی اور اگلے دو رکوع مستقل آپ کی صدیقیت پر نازل ہوئے۔اس لئے اس سورۃ میں احکام کی ابتداء زنا کی سزا سے ہوتی ہے اور پہلا حکم اس آیت میں یہ دیا جاتا ہے کہ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو ۱۰۰ درے مارے جائیں۔ یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں یہ ۱۰۰ دُرے کی سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل اور بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح اگر ہو چکا ہے تو ہم بستری نہ ہو سکی ہو۔اور اگر آزاد، بالغ اور عاقل مرد وعورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے ہوں اور ہم بستری ہو چکی ہو تو ایسے مرد وعورت کو زنا کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے یعنی اتنے پتھر اس کے مارے جائیں کہ وہ مرجائے۔ یہ سزا رجم کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے حیاتِ مبارکہ میں جاری فرمائی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون پر رہا۔ اگر شادی شدہ آزاد مرد یا عورت سے زنا سرزد ہوا تو سنگسار کیا گیا اور غیر شادی شدہ آزاد مرد وعورت کے ۱۰۰ کوڑے مارے گئے۔ (نوٹ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ بینات کراچی اشاعت خاص ''رجم کی شرعی حیثیت''

بابت ماہ رجب وشعبان ۱۴۰۱ھ مطابق جون جولائی ۱۹۸۱ء)

زنا کا عام مفہوم جس سے ہر شخص واقف ہے یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت بغیر اس کے کہ ان کے درمیان جائز رشتہ زن وشوہر ہو باہم مباشرت کا ارتکاب کریں۔ اس لئے اس جرم کی سزا بھی ایسی ہی رکھی گئی ہے۔ اس فعل بد کی شامت سے دنیا میں بھی انسانوں پر بہت سی بلائیں نازل ہوتی ہیں جیسے دشمن کا غلبہ۔ رزق کی تنگی۔ عزت کی بربادی۔ عمر میں بے برکتی۔ ملک و دولت کی بربادی۔ سینکڑوں بیماریوں کا آنا اور روح پر بھی ایسی تاریکی پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اندھیری اور عذابِ آتش بن کر سامنے آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی ایسا شخص مقہور ہو جاتا ہے اور نیک لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ زنا سے فقط دونوں زناکار مرد و عورت ہی اپنی شخصیت۔ وقار۔ عزت اور تہذیب کو برباد نہیں کرتے بلکہ اگر یہ سلسلہ قائم رہے تو خاندان کے خاندان اور قومیں کی قومیں مختلف مصائب کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جتنی سخت سزا زنا کی مقرر کی ہے کسی دوسرے اخلاقی یا مالی جرم کی ایسی سنگین تعزیر مقرر نہیں کی۔ آج بھی جن ملکوں میں مثلاً حجاز۔ نجد۔ یمن جہاں زنا کی حد شرعی جاری ہے وہاں جرم زنا آج بھی گویا عنقا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کی تجویز کی ہوئی یہ سزا جاری نہیں ہے وہاں زنا کے بازار عام ہیں جن میں افسوس صد افسوس آپ کا ملک پاکستان بھی شامل ہے۔ اہل ملک۔ ملک کی اس حالت سے خوب واقف ہیں۔ مجھے تشریح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک اسلامی ملک میں ہم صاحبِ اختیار ہو کر قرآنی تعزیرات اور شرعی سزائیں جاری نہ کر کے جہاں ہم ایک طرف قرآن کے نافرمان بلکہ باغی ہونے کے مجرم ہیں وہیں دوسری طرف معاشرہ میں دن دگنی رات چوگنی برائیاں، فسق و فجور، بدکرداری، بے حیائی اور طرح طرح کے جرائم کی کثرت اور پیداوار کے بھی ذمہ دار ہیں۔ اگر آج آپ شرعی سزائیں یہاں جاری کردیں۔ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ شادی شدہ زانی یا زانیہ کو سنگسار کیا جائے۔ غیر شادی شدہ کے سو کوڑے مارے جائیں۔ ڈکیتی۔ راہزنی اور لوٹ مار کرنے والوں کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں کے کاٹے جائیں۔ یا جلاوطن کردیا جائے۔ شرابی کو اسی کوڑوں کی پٹائی کی سزا دی جائے وغیرہ وغیرہ تو آپ دیکھ لیں کہ پاکستان حقیقی معنی میں پاکستان بن جائے۔ زنا، شراب، جواء، قمار، سٹہ رشوت، قتل، اغوا، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی کس طرح عنقا ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارا ذہن اتنا مفلوج ہو گیا ہے کہ ہماری اپنی کوئی رائے باقی ہی نہیں رہی۔ جسے یورپ اچھا کہتا ہے بس اسے ہم بھی اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ جسے یورپ برا قرار دیتا ہے اسے ہم بھی برا تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر وہاں سے سند جواز مل گئی تو پھر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اگر وہاں سے کسی بات کے غلط اور ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر ہو گیا تو ہماری زبانیں گنگ ہو گئیں، ہمارے دلوں پر تالے پڑ گئے۔ ہمارے دماغوں کے سوتے خشک ہو گئے۔ انا لِلّٰہِ وانا الیہ رجعون

جس قوم کے پاس قرآن کریم جیسی کتاب اور سید الانبیاء فخر رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات عالی مرتبت کی تعلیمات موجود ہوں اسے یورپ کے دہریوں اور مغرب کے فسق نوازوں کی تقلید اور دریوزہ گری سے کیا کام۔ اے اللہ! آپ اپنے کرم سے پھر ہم کو مومنانہ فراست۔ قلندرانہ جرأت فقیہانہ دانش و حکمت۔ داعیانہ بے باکی اور ہمت عطا فرمادے اور اپنے آسمانی دین اور کتاب کا سچا وفادار بنادے اور جس اسلام کے نام پر یہ ملک پاکستان بنا تھا اسی اسلام کی یہاں حقیقی حکومت ہم کو عطا فرمادے آمین۔ یہ مضمون یہاں بیچ میں اضطراری طور پر آ گیا۔

اس آیت کے مخاطب کہ زانیہ اور زانی ہر ایک کے سو سو دُرے مارو۔ صاحبِ حکومت اور امرائے اسلام ہیں۔ یا ان کے مقرر کئے ہوئے قاضی و حاکم۔ اسلامی قانون حکومت کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ زانی کے اور زانیہ کے خلاف کارروائی کرے اور عدالت کے سوا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ زنا پر سزا دے اس پر تمام امت کے فقہا کا اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ فاجلدوا یعنی ان کے کوڑے مارو کے مخاطب عوام نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے حکام اور قاضی ہیں۔

زانیہ عورت اور زانی مرد کی سزا کا حکم بیان کرنے کے بعد آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ان پر ترس کھانے اور رحم کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملہ میں تم پر دامنگیر نہ ہو۔ یہاں آیت میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ زنا کی اس حد شرعی کو ''دین اللہ'' فرمایا جارہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی دین نہیں ہیں بلکہ شرعی سزاؤں کا جاری کرنا بھی عین دین ہے۔ اس طرح دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز، روزہ ہی کا قائم کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جملہ قانون اور نظام شریعت قائم کرنا دین ہے۔ اب اسی سے اس کا خلاف بھی سمجھ لیا جائے کہ جہاں اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اور رد کر کے کوئی دوسرا قانون اختیار کیا جائے تو گویا دین اللہ کو رد کر دیا گیا۔ تو یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف تنبیہ فرمادی کہ زانی اور زانیہ پر میری تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں مجرم کے لئے رحم و شفقت کا جذبہ تمہارا ہاتھ نہ پکڑے۔ اسی بات کو اور زیادہ کھول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ایک حاکم لایا جائے گا جس نے حد میں ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی تھی؟ وہ عرض کرے گا کہ آپ کے بندوں پر رحم کھا کر۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا تو ان کے حق میں مجھ سے زیادہ رحیم تھا؟ پھر حکم ہوگا کہ لے جاؤ اسے جہنم میں۔ ایک اور حاکم لایا جائے گا جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ کس لئے کیا تھا۔ وہ عرض کرے گا تا کہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا کیا تو ان کے معاملہ میں مجھ سے یادہ حکیم تھا۔ پھر حکم ہوگا لے جاؤ اسے دوزخ کی طرف (تفسیر کبیر) یہ نتیجہ تو اس صورت میں ہے جبکہ حد شرعی میں کچھ کمی بیشی کا عمل رحم یا مصلحت کی بنا پر ہو لیکن اگر قانون الٰہی میں ایک سرے سے رد بدل ہی کر دیا جائے یا اس کو بالکل ہی رد کر دیا جائے تو یہ اور بھی سنگین جرم ہے۔ پھر آگے اس حد کو جاری کرنے کی تاکید میں یہ بھی فرمایا ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر یعنی اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر شفیق و مہربان ہے۔ اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر صاحب اقتدار اس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان کی پکڑ ہوگی۔ اس لئے دنیا میں اللہ کی مقرر کی ہوئی سزائیں بلا رورعایت اور بغیر کسی قسم کے پس و پیش کے مجرموں کو دینی چاہئے۔ آگے یہ بھی بتلا دیا گیا کہ یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ یہ سزا چپکے سے سب سے چھپا کر دے دی جائے۔ نہیں بلکہ دوسروں کی عبرت کے لئے ضروری ہے کہ ایسے حیا سوز کام کرنے والوں کو برملا سب کے سامنے سزا دی جائے تا کہ ان کی سزا اور رسوائی دیکھ کر دوسرے عبرت پکڑیں اور ایسے کاموں سے بچیں۔ آیت کے اس جملہ ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین یعنی سزائے زنا کے جاری کرنے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے

تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سزاؤں اور خصوصاً حدود کو منظر عام پر جاری کرنے کا طریقہ رائج ہے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو مگر ایک جماعت کو اس میں حاضر رہنے کا حکم یہ بھی سزائے زنا کی خصوصیت ہے۔ فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کے لئے شریعت اسلام نے دور دور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کر دیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رسوا کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہو گیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب تک جتنا اہتمام پردہ پوشی کا شریعت نے کیا اب اتنا ہی اہتمام اس کی تفضیح اور رسوائی کا کیا جاتا ہے۔ اسی لئے زنا کی سزا کو صرف منظرِ عام پر جاری کرنے پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس میں حاضر اور شریک رہنے کا حکم دیا گیا۔ (معارف القرآن)

اب رہے وہ امور کہ جن سے ثبوت زنا ہو سکے اور جس پر حد شرعی جاری ہو سکے۔ ان کی تفصیلات فقہا نے کتب فقہ میں لکھی ہیں۔ مثلاً ثبوت زنا یا تو چار مردوں کی عینی گواہیوں سے ہوتا ہے یا زنا کرنے والے کے خود چار مرتبہ اقرار کر لینے سے۔ پھر بھی امام۔ قاضی یا حاکم عدالت بار بار سوال کرے گا اور دریافت کرے گا کہ زنا سے کیا مراد ہے؟ کہاں کیا؟ کس سے کیا؟ کب کیا؟ اگر ان سب کو بیان کر دیا تو زنا ثابت ہوگا اور گواہوں کو صراحۃً اپنا معائنہ بیان کرنا ہوگا۔ اور یہ مسائل کہ کوڑا کیسا ہو؟ کس طرح مارا جائے؟ بدن کے کس حصہ پر مارا جائے اور کہاں نہ مارا جائے؟ یہ جزئیات بھی فقہاء نے کتب فقہ میں جمع کر دی ہیں مثلاً مرد کو کوڑا لگانے کے وقت کھڑا کیا جائے اور اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جائیں سوائے تہ بند کے اور اس کے تمام بدن پر کوڑے لگائے جائیں سوائے منہ، چہرے اور شرمگاہ کے۔ اور عورت کو کوڑا لگاتے وقت کھڑا نہ کیا جائے۔ نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں، البتہ پوستین یا روئی دار کپڑے پہنے ہوئے ہو تو وہ اتار دیئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

آگے بے حیائی کی روک تھام کے لئے دوسرا حکم اگلی آیت میں دیا گیا اور پھر زنا کی تہمت کسی پاکباز عورت یا مرد پر لگانے کی سزا اور اس کا قانون بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

نوٹ: یہ درس ابتداء ۱۹۶۷ء میں لکھا گیا تھا۔ اب ۸۴-۱۹۸۳ء میں بوقت کتابت و طباعت الحمدللہ حالات پاکستان میں بدلے ہوئے ہیں موجودہ حکومت کی طرف سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء نافذ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل نفاذ شرعی نظام کی اس ملک میں صورتیں ظاہر فرمائیں۔ (احقر مؤلف)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر طرح کے ممنوعاتِ شرعیہ کے ارتکاب سے ہم کو بچائیں اور دین کو پوری طرح قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ! اس ملک کے حکام اور اصحاب حکومت کو توفیق عطا فرما کہ آپ کے قانون اور شرعی سزاؤں کو ملک میں نافذ کریں۔ اور اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی حکومت بناویں۔ یا اللہ! قرآنی احکام کی نافرمانی اور بغاوت کا ماحول اس ملک سے یکسر مٹادے اور قرآنی احکام کے نفاذ کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ز وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ج

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔ اور یہ مسلمانوں پر

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ

حرام کیا گیا ہے۔ اور جو لوگ، (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے) پر نہ لا سکیں

شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور اُن کی کوئی گواہی کبھی مت قبول کرو۔ اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ لا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ج فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں سو اس حالت میں اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنیوالا ہے

اَلزَّانِيْ بدکار مرد	لَا يَنْكِحُ نکاح نہیں کرتا	اِلَّا سوا	زَانِيَةً بدکار عورت	اَوْ مُشْرِكَةً یا مشرکہ	وَالزَّانِيَةُ اور بدکار عورت
لَا يَنْكِحُهَا نکاح نہیں کرتی	اِلَّا زَانٍ سوا بدکار مرد	اَوْ مُشْرِكٌ یا شرک کرنیوالا مرد	وَحُرِّمَ اور حرام کیا گیا	ذٰلِكَ یہ	عَلَى پر
الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	وَ اور	الَّذِيْنَ جو لوگ	يَرْمُوْنَ تہمت لگائیں	الْمُحْصَنٰتِ پاکدامن عورتیں	ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا پھر وہ نہ لائیں
بِاَرْبَعَةِ چار	شُهَدَآءَ گواہ	فَاجْلِدُوْهُمْ تو تم انہیں کوڑے مارو	ثَمٰنِيْنَ اسی	جَلْدَةً کوڑے	وَلَا تَقْبَلُوْا اور تم نہ قبول کرو
لَهُمْ ان کی	شَهَادَةً گواہی	اَبَدًا کبھی	وَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الْفٰسِقُوْنَ نافرمان	اِلَّا مگر	الَّذِيْنَ تَابُوْا جن لوگوں نے توبہ کرلی
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد	وَاَصْلَحُوْا اور انہوں نے اصلاح کرلی	فَاِنَّ تو بیشک	اللّٰهَ اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں غیر شادی شدہ مرد و عورت سے اگر زنا سرزد ہو تو اس کی سزا یہاں فرمائی گئی تھی کہ ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد و عورت سے اگر زنا سرزد ہو تو قرآن و سنت صحیحہ متواترہ سے اس کی سزا رجم ثابت ہے۔ یعنی پتھروں سے مارتے مارتے جان سے مار ڈالنا۔ زنا کی سزا ذکر فرمانے کے بعد آگے ان آیات میں اس فعل کی غایت برائی فرمائی جاتی ہے اور اس حیا سوز کام کی روک تھام کے لئے قانون بیان فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق نکاح و ازدواج قائم کیا جائے۔ ان کی یعنی زانی اور زانیہ کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار تباہ حال مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک و مشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔

عرب میں ایام جاہلیت میں جس طرح شراب کی کثرت تھی اس طرح زنا کی بھی کثرت تھی۔ چنانچہ ایام جاہلیت میں بعض نادار مرد افلاس سے تنگ آ کر مالدار فاحشہ عورت سے نکاح کر لیتے تھے تا کہ اس کی زنا کی کمائی سے اس کا بھی خرچ چلے اس بے حیائی اور بے غیرتی کی اسلام نے قطعی روک تھام کردی اور زانیہ سے نکاح کرنا پاکباز مردوں پر حرام کردیا گیا۔ غیرت مند مرد کبھی پسند اور گوارا نہ کرے گا کہ اس کی منکوحہ کا کسی غیر مرد سے تعلق ہو اسی طرح نہ غیرت مند عورت

اس کو گوارا کرے گی کہ اس کا خاوند کسی اور عورت سے ناجائز تعلق رکھے۔

یہاں آیت میں مشرکہ اور زانیہ جن سے اہل ایمان کو نکاح کرنا حرام ہے وہ مشرک عورت ہے جو حالت شرک میں ہو نہ کہ وہ جو کسی زمانہ میں مشرک رہ چکی ہو اور اب تائب ہو کر مسلمان ہو چکی ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے اسی طرح زانیہ سے بھی وہ زانیہ مراد ہے جو فی الحال زنا میں مبتلا ہو نہ کہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہو کر پاکبازی کی زندگی بسر کر رہی ہو۔

تائبہ سے نکاح کے عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہاں ممانعت نکاح کی صرف ان سے ہو رہی ہے جو فی الحال مشرکہ اور زانیہ ہیں۔ اس آیت کی بنا پر مشرکہ اور زانیہ دونوں سے نکاح معصیت اور گناہ ہے۔ مشرکہ سے تو جواز نکاح ہی کی صورت نہیں اور زانیہ سے نکاح قانونی حیثیت سے نافذ تو ہو جائے گا لیکن عنداللہ معصیت تو بہرحال رہے گا۔ تو زانیہ اور مشرکہ سے پاکباز مومن کے نکاح کی ممانعت کا یہ دوسرا قانون اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا۔

آگے ایک تیسرا قانون یعنی زنا کی تہمت کسی پاک دامن عورت پر لگانا اور اسی طرح پاکباز مرد پر بہتان لگانا اس کا قانون اور سزا بیان فرمائی جاتی ہے کہ جو کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور چار چشم دید گواہ نہ لا سکے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں۔ یہاں بھی اسی کوڑے مارنے کا اختیار صاحبِ حکومت امراء اسلام یا ان کے نائبین کو ہے اور سزا کی معافی یا تخفیف ان کے اختیار میں بھی نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کو مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی عزت کے تحفظ کا کس درجہ اہتمام ہے کہ گواہ ایک نہیں دو نہیں اکٹھے چار گواہ اور وہ بھی چشم دید گواہ ہونے چاہئیں اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو حد جاری نہ ہو سکے گی اور یہ چار گواہ مرد ہونا چاہئیں۔ تو جو شخص کسی پاکدامن اور عفیف عورت پر تہمت زنا کی رکھے اور پھر چار چشم دید گواہ نہ لا سکے تو ایک سزا تو اس کو یہ ملے گی کہ اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور دوسری سزا یہ کہ آئندہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی معتبر نہ رہے گی اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ دیکھئے یہ ہیں شرعی اور قرآنی سزائیں کہ اسلامی حکومتیں اگر ان پر عمل کرنے لگیں تو برائیوں کا کیسا قلع قمع ہو جائے۔ اسلام میں بہرحال توبہ اور اصلاح حال کا دروازہ بھی ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اگر ایسا شخص سچی توبہ اور اصلاح کر لے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں میں اس کا شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں۔ سچے تائب کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔

یہ تین قانون اب تک بیان ہوئے اب چوتھا قانون لعان کا یعنی جو لوگ اپنی ہی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعوے کے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو اس حالت میں کیا قانون ہے اس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں پوری طرح اسلام اور ایمان کی زندگی نصیب فرما دیں اور تمام ممنوعات شرعیہ سے بچا دیں۔ اور قرآن پاک کے جملہ احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! اس ملک میں شرعی سزائیں جاری فرما دے تا کہ اس کی برکت سے یہ ملک جرائم اور بدکاریوں سے پاک ہو جائے۔ یا اللہ! زنا کی لعنت سے اس اسلامی ملک کو پاک فرما دے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب اس ملک میں قرآنی اور شرعی سزائیں جاری ہوں۔ یا اللہ! اسلام کی برکات اس ملک میں ہم کو کامل طور پر دیکھنا نصیب فرما اور فسق و فجور کی فضاؤں کو یکسر مٹنا نصیب فرما۔ یا اللہ! اس ملک خداداد میں جو اسلامی اور شرعی نظام کے داعی ہیں ان کو ایسی جرأت اور ہمت نصیب فرما کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں۔ اور جو بد باطن اس راہ میں رکاوٹ پیدا کر کے روڑا اٹکانے والے ہیں ان کو خاسر و ناکام فرما کر ان کے عزائم کو ملیامیٹ فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ

اور جو لوگ اپنی بیبیوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعوٰی کے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو اُن کی شہادت یہی ہے

أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن

کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں

كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝٧ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ

جھوٹا ہوں۔ اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ

إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝٨ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝٩

بے شک یہ مرد جھوٹا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔ اور اے مردو اور عورتو!

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ۝١٠

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اسکا کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	يَرْمُوْنَ تہمت لگائیں	اَزْوَاجَهُمْ اپنی بیویاں	وَلَمْ يَكُنْ اور نہ ہوں	لَهُمْ ان کے	شُهَدَآءُ گواہ	اِلَّا سوا		
اَنْفُسُهُمْ ان کی جانیں خود	فَشَهَادَةُ پس گواہی	اَحَدِهِمْ ان میں سے ایک	اَرْبَعُ چار	شَهٰدٰتٍ گواہیاں	بِاللّٰهِ اللہ کی قسم			
اِنَّهٗ لَمِنَ کہ وہ بیشک سے	الصّٰدِقِيْنَ سچ بولنے والے	وَالْخَامِسَةُ اور پانچویں	اَنَّ یہ کہ	لَعْنَتَ اللّٰهِ اللہ کی لعنت	عَلَيْهِ اس پر			
اِنْ كَانَ اگر ہے وہ	مِنَ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹ بولنے والے	وَيَدْرَؤُا اور ٹل جائے گی	عَنْهَا اس عورت سے	الْعَذَابَ سزا	اَنْ اگر		
تَشْهَدَ گواہی دے	اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ چار بار گواہی	بِاللّٰهِ اللہ کی قسم	اِنَّهٗ کہ وہ	لَمِنَ البتہ۔ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے لوگ	وَ اور		
الْخَامِسَةَ پانچویں بار	اَنَّ یہ کہ	غَضَبَ اللّٰهِ اللہ کا غضب	عَلَيْهَا اس پر	اِنْ اگر	كَانَ وہ ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	وَلَوْلَا اور اگر نہ
فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	تَوَّابٌ توبہ قبول کرنیوالا	حَكِيْمٌ حکمت والا		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلا حکم حد زنا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق بیان ہوا تھا اور دوسرا حکم زانیہ و مشرکہ سے نکاح حرام ہونے کے متعلق بیان ہوا۔ اور تیسرا حکم کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے اور پھر چار گواہ نہ لانے پر تہمت لگانے والے کو ۸۰ کوڑوں کی سزا کا حکم بیان ہوا۔

اب یہ چوتھا حکم اپنی بیوی کی بابت زنا کی تہمت لگانے کا بیان فرمایا جارہا ہے گذشتہ بیان کئے ہوئے تیسرے حکم کے مطابق تو عام قاعدہ اور قانون یہی تھا کہ کوئی مرد اگر کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر چار گواہ نہ لا سکے تو اس تہمت لگانے والے کو ۸۰ کوڑوں کی سزا دی جائے گی مگر عادۃً غیر عورت پر تہمت لگانا اور عداوت یا رسوائی کے لئے ایک معمولی بات ہے لیکن اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں شوہر کی بھی بے عزتی ہے اس لئے بغیر سبب قوی اور اپنے معائنہ کے کوئی سلیم الفطرۃ اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔ اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا بہم پہنچانا بھی مشکل بات

ہے اس لئے اس بارہ میں دونوں میاں بیوی کی رعایت رکھ کرایک حکم جداگانہ دیا گیا جس کو شریعت کی اصطلاح میں لعان کہا جاتا ہے اور جو ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اگر شوہر چار معتبر گواہ پیش کردے تو عورت پر حد زنا یعنی سنگساری جاری کردی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لاسکا تو شوہر کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا۔ گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار۔ اگر تہمت لگانے والا شوہر ان الفاظ مذکورہ بالا کے کہنے سے انکار کرے تو قید کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے اور یا پانچویں مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر شوہر نے اپنے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کرلیا تو پھر اسی کوڑوں کی سزا اس پر جاری کی جائے گی۔ اور اگر اس نے پانچ مرتبہ مذکورہ بالا الفاظ کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ اللہ کا غضب آوے مجھ پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہے اگر عورت یہ الفاظ کہنے سے گریز کرے تو اسے قید میں رکھا جائے گا اور حاکم مجبور کرے گا کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا یعنی سنگساری اس پر جاری ہوگی اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے اگر عورت نے بھی مرد کی طرح مذکورہ بالا الفاظ ۵ مرتبہ کہہ دیئے اور لعان یعنی اس قسما قسمی سے فراغت ہوئی تو اس مرد کو اس عورت سے تعلقات زن وشوحرام ہوگئے۔ اب اگر مرد نے طلاق دے دی تو فبہا ورنہ حاکم یا قاضی ان میں تفریق کردے یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔

لعان کرانے اور قسمیہ بیان مرد عورت سے لینے سے پہلے سنت ہے کہ قسم کھانے والے کو نصیحت کی جائے اور اس کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے۔ لعان کے واقعات خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش ہوئے اور آپ نے اسی قرآنی قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

اس قانون لعان کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا فضل و رحمت ہے جو یہ قانون مقرر فرمادیا کیونکہ اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو عام قاعدہ کے موافق یا تو شوہر پر اسی کوڑوں کی سزا جاری ہوتی اگر وہ چار گواہ اپنے بیان کی تصدیق میں پیش نہ کرسکتا اور یا پھر ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر سچا ہو۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہوجایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی حالانکہ ممکن ہے کہ عورت ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد کے اوپر ۸۰ کوڑوں کی سزا واجب ہوجاتی اگرچہ مرد کے بھی سچے ہونے کا احتمال موجود ہے تو ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ دونوں عورت و مرد کی رعایت رہے یہ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت اور حکمت ہی کی وجہ سے ہے کہ فریقین میں جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کرلے اور حق تعالیٰ اپنی شان توابی سے اس کی توبہ قبول کرلے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہوسکتا ہے اور دوسروں کا وہی حکم ہے جو گذشتہ آیات میں گزر چکا۔

اب لعان کے متعلق چند ضروری مسائل سن لیجئے۔

مسئلہ (۱): جب دو میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہوجاوے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے شخص سے بعد عدت یعنی تین حیض

پورے ہونے کے نکاح کرنا امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ (۲): جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو عورت کے بچہ پیدا ہوگا وہ اس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ (۳): لعان کے بعد اگرچہ میاں بیوی میں جو جھوٹا ہے اس کا عذاب آخرت پہلے سے زیادہ بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہوگئی۔ اسی طرح دنیا میں اس عورت کو زانیہ اور بچہ کو ولد الزنا کہنا بھی جائز نہ ہوگا (معارف القرآن جلد ششم مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

اب جو خطاب یہاں آخری آیت میں فرمایا گیا: ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمته وان اللہ تواب حکیم○ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے کہ ایسے ایسے احکام مقرر کئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے۔

یہ خطاب جو ساری امت مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کو ہے یہ بتاتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کیسا جامع اور کیسا پر حکمت قانون دے دیا گیا ہے کہ جو سب کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ اتنا مکمل قانون صرف خدائی قانون ہی ہوسکتا ہے۔ تو غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ پر حکمت قوانین دے کر اپنا فضل و رحمت جتلائیں اور آج ہم یہود و نصاریٰ کے رائج کئے ہوئے قوانین کو اپنا کر یہ کہیں کہ اب چودہ سو سال پرانے قانون اس ترقی و تہذیب کے زمانہ میں کیسے ساتھ دے سکتے ہیں۔ چور کا ہاتھ کیسے کاٹا جاسکتا ہے۔ زنا کی سزا سنگساری کیسے دی جاسکتی ہے۔

انا للہ وانا الیه راجعون

اس ملک میں قرآنی احکام کے ساتھ یہ معاملۂ تغافل کتنا المناک حادثہ ہے کہ جس کے ثمرات دنیا میں کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ قتل، چوری، ڈاکہ، زنا، دھوکا، فریب، رشوت، لڑائی جھگڑا عام وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ اور آخرت میں جو باز پرس اور سزا ہونے والی ہے وہ علیحدہ رہی جو اپنے وقت پر معلوم ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن کریم پر سچا ایمان رکھنے اور اس کا وفادار بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہاں تک پہلے پورے ایک رکوع میں زنا، تہمت تراشی اور لعان کے احکام بیان ہوئے اب آگے پورے دو رکوع میں اس واقعہ پر کلام شروع ہوتا ہے جو اس سورت کے نزول کا اصل سبب تھا یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی اور آپ کی اس سے برأت جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات سے آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو قرآن مجید کی دولت عطا فرمائی ہے تو اپنی رحمت سے ہم کو یہ توفیق بھی عطا فرمادیں کہ ہم اس کے تمام قوانین و احکام کو رائج کر کے ان پر عمل کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے ملک میں قرآنی احکام اور اس کے مطابق سزائیں جاری ہونے کی صورتیں ظاہر فرمادیں تاکہ ہم بھی اس کی برکتیں دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور آخرت میں بھی سرخروئی اور قرآن کریم کی سفارش و شفاعت سے مغفرت حاصل کرنے والے بن جائیں۔

یا اللہ! ہم سے اور ہماری قوم اور ملک اور حکومت سے اب تک جو کوتاہیاں قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی میں سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے اور ہماری آنکھیں قرآن کریم کی طرف سے کھول دیجئے۔ اور اس کے جملہ احکام کا نفاذ اپنے ملک میں جاری ہونا ہم کو دیکھنا نصیب فرمادیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ

جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تمہارے میں کا ایک گروہ ہے۔ تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں

امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾

بہتر ہی بہتر ہے اُن میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا۔ اور ان میں جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اُس کو سخت سزا ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ بیشک جو لوگ		جَآءُوْ بِالْاِفْكِ بڑا بہتان لائے	عُصْبَةٌ ایک جماعت	مِّنْكُمْ تم میں سے	لَا تَحْسَبُوْهُ تم اسے گمان نہ کرو
شَرًّا بُرا	لَّكُمْ اپنے لئے	بَلْ هُوَ بلکہ وہ	خَیْرٌ لَّكُمْ بہتر ہے تمہارے لئے	لِكُلِّ امْرِیٍٔ ہر ایک آدمی کیلئے	مِّنْهُمْ ان میں سے
مَّا اكْتَسَبَ جو اس نے کمایا کیا	مِنَ الْاِثْمِ گناہ سے	وَ الَّذِیْ اور وہ جس	تَوَلّٰى اٹھایا	كِبْرَهٗ بڑا اس کا	مِنْهُمْ اُن میں سے
	لَهٗ اس کیلئے	عَذَابٌ عذاب	عَظِیْمٌ بڑا		

(حصہ اول)

تفسیر وتشریح:۔ یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے اور جو اس سورۂ نور کے نزول کا اصل سبب تھا۔ تمام مفسرین ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس طوفان کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق ہے اور اشارہ اس الزام کی طرف ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا تھا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو افک کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ لفظ افک کے معنی ہیں بات کو الٹ دینا۔ حقیقت کے خلاف کچھ سے کچھ بنا دینا۔ مفہوم کے لحاظ سے یہ لفظ قطعی جھوٹ اور افترا و بہتان کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس واقعہ افک کو تمام محدثین نے روایت کیا ہے اور اگلی قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح سمجھنے کے لئے اس واقعہ کی قدرے تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس لئے پہلے اس قصہ کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے اس کے بعد اس آیت کی انشاء اللہ تفسیر وتشریح بیان کی جائے گی۔

صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی مصطلق سے جو کہ ۶ ھ میں ہوا مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں اور آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا جس پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ حمال اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ دوران سفر ایک روز ایک منزل پر مقام ہوا۔ کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں واپسی میں آپ کے گلے میں جو ہار تھا وہ آپ کو نظر نہ آیا کہیں اتفاقاً ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ ہار آپ کی بڑی بہن حضرت اسماء کا تھا جس کو آپ عاریتاً مانگ کر لائیں تھیں۔ چنانچہ اس کو ڈھونڈنے کے لئے پھر واپس گئیں اور اس کی تلاش میں دیر لگ گئی جائے قیام پر واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ حمال حسب معمول ہودج باندھنے آئے اور اسکے پردے پڑے ہونے سے گمان کیا کہ حضرت صدیقہ اس میں موجود ہیں۔ اور اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ نہ ہوا کیونکہ بدن میں آپ بہت ہلکی پھلکی نحیف تھیں۔ غرض حمالوں نے ہودج اونٹ پر باندھ کر اونٹ چلتا کر دیا۔ اب جب آپ واپس آئیں تو وہاں کوئی موجود نہ تھا قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ نہایت استقلال سے آپ نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے جانا اب خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ رات کا وقت تھا۔ نیند کا غلبہ ہوا۔ وہیں لیٹ گئیں۔ قافلہ کے پیچھے ایک آدمی لشکر کی گری پڑی چیز اٹھانے کی غرض سے ذرا فاصلہ پر رہا کرتا تھا۔ اس سفر میں حضرت صفوان ایک صحابی جو نہایت نیک طینت اور پاکدامن صحابی تھے اس خدمت پر مامور تھے۔ وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرا گئے اور نہایت تاسف سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان نے بغیر کسی گفتگو کے اونٹ آپ کے

پاس لاکر بٹھلا دیا۔ آپ اس پر پردہ کے ساتھ سوار ہوگئیں۔ انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنا شروع کیا اور دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ بس یہ واقعہ تھا اور بات کچھ بھی نہ تھی مگر مدینہ اس وقت منافقوں کا گڑھ تھا۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا اور باطن میں بڑا ہی خبیث اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اس کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا اور کم بخت ملعون نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت تراشی اور بہتان بندی کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ بعض روایات میں اس ملعون عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کو نقل کرتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ الغرض منافقین نے اس واقعہ کو خوب نمک مرچ لگا کر چرچا شروع کیا اور مدینہ میں ایک ماہ تک شہر میں یہی چرچا ہوتا رہا۔ بعض سیدھے سادے ناواقف مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ عام طور پر سب مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہرت کا سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی قصہ رہا آخر یہ آیتیں برأۃ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں جو یہاں سے شروع ہو کر پورے دو رکوع میں ختم ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت، عظمت افادیت اور مصلحت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ تاریخ اسلامی بلکہ تمام عالم کی تاریخ نبوت ایسے واقعہ سے خالی ہے کہ کسی نبی کی بیوی پر ایسا اتہام نہیں لگایا گیا جیسا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا اس لئے اس واقعہ کی مزید تفصیلات مدینہ پہنچنے کے بعد خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی بھی سن لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جیسا کہ احادیث میں مروی ہے کہ اس سفر سے ہم مدینہ آئے اور مدینہ آتے ہی میں بیمار پڑ گئی اور مہینہ بھر تک بیماری میں گھر ہی میں رہی۔ نہ میں نے کچھ سنا نہ کسی نے مجھ سے کہا۔ جو کچھ غل غپاڑہ لوگوں میں ہو رہا تھا میں اس سے بالکل بے خبر تھی البتہ میرے جی میں یہ خیال بسا اوقات گزرتا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر و محبت میں کمی کی کیا وجہ ہے۔ بیماری میں عام طور پر جو شفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ساتھ ہوتی تھی اس بیماری میں وہ بات نہ پاتی تھی۔ اس لئے مجھے رنج تو بہت تھا مگر کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے۔ سلام کرتے اور دریافت فرماتے طبیعت کیسی ہے؟ اور کوئی بات نہ فرماتے اس سے مجھے بڑا صدمہ ہوتا مگر بہتان بازوں کی تہمت سے میں بالکل بےخبر تھی۔ اس وقت تک گھروں میں رفع حاجت کے لئے کوئی انتظام نہ ہوتا تھا اور عرب کی قدیم عادت کے مطابق ہم لوگ میدان میں رفع حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔ عورتیں عموماً رات کو جایا کرتی تھیں۔ حسب عادت میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے چلی اس وقت میں بہت ہی کمزور ہو رہی تھی۔ یہ ام مسطح میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں ان کے لڑکے کا نام مسطح تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور ان کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا مسطح غارت ہو۔ میں نے کہا اچھی ماں ہو کہ بیٹے کو کوستی ہو اور بیٹا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ وہ بولیں کہ بھولی بی بی آپ کو کیا معلوم۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ بھی ان لوگوں میں ہے جو تم کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی اور ان کے سر ہو گئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان بازوں کی ساری کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ رنج و غم کا مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بیمار تو میں پہلے ہی تھی اس خبر نے تو بالکل نڈھال کر دیا۔ جوں توں کر کے گھر پہنچی۔ اب صرف یہ خیال تھا کہ میں اپنے والدین کے گھر جا کر اور اچھی طرح معلوم تو کر لوں کہ کیا واقعی میری نسبت ایسی افواہ پھیلائی گئی ہے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ اگر آپ اجازت بخشیں تو میں اپنے میکہ چلی جاؤں۔ آپ نے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ وہاں میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ لوگوں میں کیا باتیں پھیل رہی ہیں اور لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں۔ ماں نے کہا کہ اے بیٹی تم رنج نہ کرو۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والے اس کے ضرر کے درپے ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا لوگوں میں اس کا چرچا ہے اور کیا میرے والد صاحب کو بھی اس کا علم ہے۔ ماں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم ہے؟ ماں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا اے ماں اللہ تمہاری مغفرت کرے۔ لوگوں میں تو اس کا چرچا ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کہہ کر میری چیخیں نکل گئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاخانہ پر قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے میری چیخ سن کر نیچے آئے اور والدہ سے دریافت کیا۔ ماں نے کہا کہ اس کو قصہ کی خبر ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں بھی بہہ پڑیں اور مجھ کو اس شدت سے لرزہ آیا کہ میری والدہ نے تمام گھر کے کپڑے مجھ پر ڈال دیئے۔ اب تو مجھے رنج و غم نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے اس وقت سے جو رونا شروع ہوا واللہ ایک دم بھر

کے لئے میرے آنسو نہیں تھمے میں سر ڈال کر روتی رہی اور ساری رات اسی حالت میں گزری کہ آنسوؤں کی لڑی نہ تھمی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آنے میں جب تاخیر ہوئی تو آپ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت ورسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عصمت اور عفت کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آپ کے حرم محترم کی طہارت ونزاہت تو اظہر من الشمس ہے اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا ہی خیال معلوم فرمانا ہے تو یہ عرض ہے کہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے آپ کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر وخوبی کے اور نیکی اور بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج وغم اور حزن وملال کے خیال سے یہ عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ اللہ نے آپ پر تنگی نہیں کی عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ اگر گھر کی لونڈی بریرہ سے دریافت فرمائیں گے تو وہ سچ سچ بیان کر دے گی۔ آپ نے اسی وقت بریرہ کو بلا کر دریافت کیا کہ عائشہ کی شک وشبہ والی کوئی بات کبھی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ تو اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی کہ اس کا ان پر عیب لگاؤں ہاں صرف یہ بات ہے کہ کم عمری کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی گندھا ہوا آٹا یونہی رکھا رہتا ہے اور وہ سو جاتی ہیں تو بکری آ کر کھا جاتی ہے۔ اس کے سوا میں نے ان کا کوئی قصور کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ سے یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لائے۔ آپ خطبہ دینے کو منبر پر تشریف لے گئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے گروہ مسلمین کون ہے جو مجھے اس شخص کی ایذاؤں سے بچائے جس نے مجھے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اب تو میری اہل بیت کو بھی ایذائیں پہنچانا شروع کر دی ہیں۔ واللہ میں جہاں تک جانتا ہوں مجھے اپنے اہل بیت میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز معلوم نہیں اور جس شخص کا یہ لوگ نام لے رہے ہیں میری دانست تو اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ یہ سنتے ہی قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں آپ کی اعانت اور مدد کے لئے حاضر ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں گے اور اگر ہمارے بھائیوں قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ جو ارشاد فرمائیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے یہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگے کہ تم نے غلط کہا خدا کی قسم نہ تم اس کو قتل کرو گے نہ اس کے قتل کرنے پر قادر ہو سکو گے (مطلب یہ تھا کہ اگر وہ شخص ہمارے قبیلہ خزرج کا ہوا تو ہم خود اس کو قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے) حضرت سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ سردار قبیلہ خزرج کو مخاطب بنا کر کہا تم غلط کہتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو قتل کا حکم دیں گے تو ہم ضرور قتل کریں گے اگر چہ وہ شخص قبیلہ خزرج کا ہو یا کسی قبیلہ کا ہو ہم کو کوئی روک نہیں سکتا اور تم کیا منافق ہو جو منافقوں کی طرف سے مجادلہ اور جواب دہی کرتے ہو۔ اس طرح گفتگو تیز ہوگئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں تکرار بڑھ جائے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوش کو فرو کر دیا اور دونوں طرف خاموشی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی چپکے ہو رہے۔ یہ تو تھا وہاں کا واقعہ، میرا یہ حال تھا کہ سارا دن بھی رونے ہی میں گزرا۔ ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا تھا۔ میرے اس رونے نے میرے ماں باپ کو بھی غمزدہ کر دیا تھا اور وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ میرا یہ رونا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ دونوں حیرت زدہ مغموم بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے تو رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا کہ اچانک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ مہینہ بھر گزر گیا تھا کہ حضور کی یہی حالت تھی کوئی وحی نہیں آئی تھی کہ فیصلہ ہو سکے آپ نے بیٹھتے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر امابعد فرما کر کہا کہ اے عائشہ تمہاری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے اگر واقعہ تم پاکدامن ہو تو تمہاری پاکیزگی اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادیں گے اور اگر فی الحقیقت تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہو تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو۔ بندہ جب گناہ کر کے اپنے گناہ کے اقرار کے ساتھ خدا کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے آپ اتنا فرما کر خاموش ہو گئے۔ یہ سنتے ہی میرا رونا دھونا سب جاتا رہا۔ آنسو تھم گئے۔ میں نے اول تو اپنے والد سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ اب میں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ کیا جواب دوں۔ آخر میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا اور میں نے کہا کہ آپ سب نے ایک بات سنی اور اسے اپنے دل میں بٹھالی اور گویا سچ سمجھ لیا اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس سے بالکل بری ہوں اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں واقع میں اس سے بالکل بری ہوں تو آپ اس

کو سچ نہیں سمجھیں گے اور اگر اس کا اقرار کرلوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ اس کو مان لیں گے۔ سو خدا کی قسم میں وہی بات کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی **فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ماتصفون**۔ اتنا کہہ کر میں وہاں سے اٹھ کر اپنے بستر پر آلیتی اور میں یقین کرتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ تعالیٰ میری برأت اپنے رسول کو ضرور معلوم کرادے گا لیکن یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے بارہ میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوں گی میں اپنے آپ کو اس سے بہت کمتر جانتی تھی کہ میرے بارہ میں خدا کے کلام کی آیتیں اتریں۔ ہاں مجھے زیادہ سے زیادہ یہ خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے خواب میں اللہ تعالیٰ میری برأت حضور کو دکھادے۔ سو خدا کی قسم ابھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی گھر کے باہر نکلا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی اور نزول وحی کے وقت جس طرح آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے اسی طرح اس وقت آپ کے بدن اطہر سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ خدا کی قسم میں بالکل نہیں گھبرائی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں بالکل بری ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں فرمائیں گے لیکن میرے ماں باپ کا خوف سے یہ حال تھا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی جان نہ نکل جائے۔ ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا وحی اس کے موافق نہ نازل ہوجائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔ میرے والد حضرت ابوبکر کا یہ حال تھا کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ ہوتا کہ نہ معلوم آسمان سے حق جل و علیٰ کا کیا حکم نازل ہوتا ہے جو پھر قیامت تک ٹل نہیں سکے گا اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون و اطمینان کو دیکھ کر ان کو ایک گونہ امید ہوتی۔ الغرض سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سارا گھر اسی خوف و رجا اور امید و بیم میں تھا کہ وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا تو چہرۂ انور پر مسرت و بشاشت کے آثار نمودار ہوئے اور دست مبارک سے جبین منور کے پسینہ کو پونچھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا **ابشری یا عائشه فقد انزل الله براء تک**۔ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم کو بشارت ہو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت نازل کردی اور اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آیتیں سنائیں یعنی یہ پورا رکوع جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ نے کہا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا "خدا کی قسم میں سوائے اللہ رب العزت کے کہ جس نے میری برأت نازل کی اور کسی کا شکر نہ کروں گی" علماء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جواب کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس صدمۂ جانکاہ کے عالم میں جب قرآن کریم کی دس آیتیں آپ کی کمال برأت اور طہارت کے بیان میں نازل ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایسے سکر اور بیخودی کی کیفیت طاری ہوگئی کہ جمیع ماسوائے اللہ سے نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ انعام یزدانی اور وحی آسمانی سب کچھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے وسیلہ اور طفیل سے تھی اور واسطہ اور وسیلہ کا شکریہ بھی واجب ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ جواب نازِ محبوبی کے مقام سے تھا اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل عشق و محبت سے لبریز ہو اور ظاہر میں اس کے خلاف اظہار ہو۔ تو دراصل یہ ایک ناز تھا لیکن صد ہزار نیاز اس میں مستور تھے۔ **اللھم صل وسلم علی رسول الله وعلی اله واصحابه وازواجه وسلم تسلیما کثیرا**۔

اب چونکہ یہ درس خلاف معمول طویل ہوگیا لہٰذا اس کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔ اس آیت کی مزید تفسیر ان تشریحات کی روشنی میں انشاء اللہ آئندہ درس میں بیان ہوگی۔

دعا کیجئے

یا اللہ! اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا فرما اور منافقین کا منہ کالا فرما۔ یا اللہ! اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی ہمیں سچی محبت عطا فرما اور ان کی محبت کے ساتھ ان کی اطاعت اور اتباع بھی نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(حصہ دوم)

لفظی ترجمہ:۔ جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کو جتنا کچھ کسی نے کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہو گی۔

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ درس میں اسی آیت کے تحت قصہ افک یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی اس کو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے بیان کیا جاچکا ہے۔ جس کو ذہن میں رکھنے سے ان آیات کی تفسیر وتشریح جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براۃ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور جو اس آیت سے شروع ہوتی ہیں۔ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا مگر بظاہر مسلمان بنا ہوا تھا در پردہ بڑا ہی خبیث اور باطن میں دشمن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ وہی اس تہمت کا اختراع کرنے والا تھا۔ منافقین مدینہ جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے مگر دل سے دشمن اسلام ومسلمین تھے انہوں نے اس کا چرچا کرنا شروع کیا اور بعض سیدھے سادے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ مسلمانوں میں سے صرف تین نام احادیث وسیرت کی کتابوں میں ذکر کئے گئے ہیں جو اس تذکرہ تہمت اور چرچے میں اپنی سادہ لوحی اور بھولے پن سے شامل ہو گئے تھے۔ دو مرد اور ایک عورت۔ یعنی حضرت حسان بن ثابت انصاری جو مشہور شاعر اسلام ہیں۔ حضرت مسطح جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت حمنہ بنت جحش۔

چنانچہ ایک ماہ تک یہ قصہ رہا۔ آخر یہ آیات یعنی پورے دو رکوع نازل ہوئے جن میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت اور پاکدامنی بیان فرمائی گئی۔ جب یہ آیات برأت نازل ہو گئیں تو مسلمانوں میں سے صرف ان تین کو تہمت لگانے کی شرعی سزا یعنی ۸۰ کوڑوں کی ماردی گئی اور وہ اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔ عبداللہ بن اُبی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ منافق تھا۔ اس معاملہ میں منافقین سے کچھ نہیں کہا گیا۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبداللہ بن اُبی پر بھی حد جاری کی گئی اور اس کو کوڑے مارے گئے اور طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن اُبی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دہری حد جاری فرمائی۔

الغرض اس قصہ افک کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے۔ جس میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ طوفان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام کا نام لیتے ہیں اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ نادانستہ ان کی عیاری کا شکار ہو گئے۔ آگے جن کو اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا ان کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ گو بظاہر یہ چرچا نہایت مکروہ۔ رنج دہ اور ناخوشگوار تھا لیکن فی الحقیقت اس کی تہہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔

آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جاسکتا تھا اور اس ایک ماہ کی تاخیر میں جو نزول وحی میں ہوئی ایک حکمت یہ تھی کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقامِ عبودیت کی تکمیل ہو جائے کہ جب مظلومانہ گریہ وزاری اور عاجزانہ بے تابی و اضطراری بارگاہِ ذوالجلال میں فقیرانہ تذلل مضطربانہ تضرع وابتہال حد کمال کو پہنچ جائے اور سوائے خدائے واحد قدوس کے کسی سے کوئی امید باقی نہ رہے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے والوں کے قلوب وحی الٰہی کے انتظار میں ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ باران وحی سے محبین ومخلصین کے مردہ دلوں کو حیات بخشے اور حضرت صدیقہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا کو برأت و نزاہت کے بیش بہا خلعت سے سرفراز فرمائے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ من جانب اللہ تعالیٰ ابتلا اور امتحان تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مومنین و مخلصین کا ایمان و استقامت میں اور منافقین کے نفاق اور شقاوت میں اضافہ اور زیادتی ہو۔ نیز یہ امر واضح اور منکشف ہو جائے کہ کون شخص اللہ اور اس کے رسول اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور کون سوئے ظن (سیرۃ المصطفیٰ)

آیت میں اس جملہ کے تحت **لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم** ۝ ''تم اس طوفان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے) مفسرین نے بہت سی حکمتیں اور خیر کے پہلو اور بہتری کے انجام جو اس فتنہ میں پوشیدہ رکھے گئے تھے بیان کئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔

ا۔ یہ واقعہ گو آغاز کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سخت ایذا کا باعث ہوا اور اہل بیت کو اس نے بے حد پریشان خاطر بنایا۔ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے گھرانے کو لیکن انجام کے پیش نظر اہل بیت کے لئے یہ سرتاسر خیر ثابت ہوا کیونکہ اس سے ایک جانب منافقوں کی منافقت کا راز فاش ہو گیا اور دوسری جانب حضرت عائشہ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا بے نظیر مظاہرہ عمل میں آ گیا کہ خود قرآن کی آیات نے نازل ہو کر ان کی عصمت اور عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور قیامت تک کے لئے ان کا ذکر خیر قرآن کریم پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کو قوت گویائی دے کر اس کی شہادت سے ان کی برأت ظاہر فرمائی۔ اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے شیر خوار فرزند عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری کیا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس آیات نازل کر کے ان کی برأت کا اعلان فرمایا جس نے ان کے فضل و عزت کو اور بڑھا دیا۔

۲۔ منافقین نے یہ شوشہ اس لئے چھوڑا تھا کہ اہل اسلام کے بلند اخلاق حسنہ اور پاکیزگی کردار پر ایک ضرب کاری لگا کر اسلامی معاشرہ کو بدنام اور ذلیل کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو سبب خیر بنا دیا اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری پہلے سے زیادہ نمایاں ہو گئی۔ اس موقع پر ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں نے اور تیسری طرف عام اہل ایمان نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ یہ برائی سے کس قدر پاک۔ کیسے ضابطہ اور متحمل کیسے انصاف پسند اور کس درجہ کریم النفس واقع ہوئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ان لوگوں کی گردنیں اڑا دینے کے لئے کافی تھا جنہوں نے آپ کی عزت پر حملہ کیا تھا مگر مہینہ بھر تک آپ سب کچھ صبر سے برداشت کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو ان کو شرعی سزا دی گئی جن پر تہمت لگانے اور پھیلانے کا جرم ثابت تھا۔ منافقین در پردہ اس تہمت بازی کے پیچھے جو کچھ چاہتے تھے نتیجہ بالکل اس کے برعکس نکلا۔

۳۔ اس واقعہ میں خیر کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ یہ واقعہ افک سورۃ نور کے نازل ہونے کا سبب بنا اور اس کی بدولت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہم اسلامی ہدایات۔ معاشرتی قوانین و احکام اور تمدنی ضوابط حاصل ہوئے جن پر عمل کر کے مسلم معاشرہ کو ہمیشہ کے لئے برائیوں کی پیداوار اور ان کی اشاعت و ترویج سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور اگر پیدا ہو جائیں تو ان کا بروقت تدارک کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس واقعہ سے امت کی پارسا اور نیک بیبیوں کو جن پر کیسی کیسی بے جا تہمتیں لگتی رہتی ہیں کتنا بڑا صبر و تسکین کا سہارا ہاتھ آ گیا

اور جب محترم و معظم رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی عفیفہ بیوی پر لوگ اتہام لگانے سے نہ رکے تو پھر اس دنیا میں اور کسی شریف صالح نیکوکار عورت کی عزت و آبرو پر اتہام کیا حقیقت رکھتا ہے۔

۵۔ اس واقعہ میں ایک خیر کا پہلو یہ بھی تھا کہ تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لئے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اشرف الانبیاء وافضل المرسلین ہونے کے جو کچھ اللہ تعالیٰ بتاتے اور جب غیب کی باتوں کا علم دیتے وہی اور تب ہی آپ کو علم ہوتا۔ ایک مہینہ تک آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ میں پریشان خاطر رہے کبھی خادمہ سے پوچھتے تھے۔ کبھی ازواج مطہرات سے۔ کبھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ فرماتے۔ اور آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سے لغزش ہوگئی ہے تو توبہ کرلو اور نہیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری بے گناہی اور پاکدامنی ثابت کردے گا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یہ پریشانی۔ اور یہ پوچھ گچھ اور مشورہ اور یہ تلقین توبہ کیوں ہوتی؟ البتہ جب وحی خداوندی نے حقیقت معاملہ کی بتادی تو آپ کو معاملہ کی حقیقت کا یقینی علم حاصل ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تجربے اور مشاہدے کے ذریعہ سے قیامت تک مسلمانوں کو اس غلو اور مبالغے سے بچانے کا انتظام فرمایا جس میں آج بھی کچھ لوگ مبتلا ہیں جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ کیا عجب ہے کہ مہینہ بھر تک وحی نہ بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو۔

اول ہی روز اگر وحی آجاتی تو یہ فائدہ عظیمہ حاصل نہ ہوسکتا اور بھی واللہ اعلم کتنے چھوٹے بڑے خیر کے پہلو اس واقعہ میں پوشیدہ تھے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا مثلاً بعض منافقین خوش ہوکر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں تذکرہ اٹھادیتے اور آپ خود چپکے سنا کرتے بعض سن کر تردد میں پڑجاتے بعض خاموش تھے۔ اور بہت سے سن کر صاف جھٹلادیتے۔ صرف اس پچھلے گروہ یعنی صریح رد کرنے والوں کو پسند فرمایا گیا۔ اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا گیا اور جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا۔ مراد منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے کہ یہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں سخت عذاب کی سزا ہوہی گی۔ دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔

اب آگے ان مومنین کو نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہوگئے تھے کہ جب تم نے اس ناپاک بات کو سنا تو اپنے مومنین مردوں اور عورتوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو جس لایعنی بات میں تم مشغول ہوگئے تھے اس پر سخت عذاب واقع ہوتا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! جیسا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کو ذلیل و خوار فرمایا، اسی طرح اب بھی اس قوم اور ملک میں جو منافقین گھسے ہوئے ہیں کہ جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے اور جو در پردہ اسلام اور دین کے بدخواہ ہیں۔

یا اللہ! ان کو ذلیل و خوار فرما اور ان کی شرارتوں سے اس ملک کو محفوظ فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ

یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ سو جس صورت میں یہ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ

اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل نہ ہوتا دُنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے

فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا

اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا۔ جبکہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل درنقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے۔

لَوْلَآ کیوں نہ	اِذْ جب	سَمِعْتُمُوْهُ تم نے وہ سنا	ظَنَّ گمان کیا	الْمُؤْمِنُوْنَ مومن مردوں	وَالْمُؤْمِنٰتُ اور مومن عورتوں		
بِاَنْفُسِهِمْ (اپنوں کے) بارہ میں	خَيْرًا نیک	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	هٰذَا یہ	اِفْكٌ بہتان	مُّبِيْنٌ صریح	لَوْلَا کیوں نہ	
جَآءُوْ وہ لائے	عَلَيْهِ اس پر	بِاَرْبَعَةِ چار	شُهَدَآءَ گواہ	فَاِذْ پس جب	لَمْ يَاْتُوْا وہ نہ لائے	بِالشُّهَدَآءِ گواہ	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ
عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	هُمُ الْكٰذِبُوْنَ وہی جھوٹے	وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اسکی رحمت		
فِى الدُّنْيَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت	لَمَسَّكُمْ ضرور تم پر پڑتا	فِىْ مَا اس میں جو	اَفَضْتُمْ تم پڑے	فِيْهِ اس میں		
عَذَابٌ عذاب	عَظِيْمٌ بڑا	اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ جب تم لاتے تھے اسے	بِاَلْسِنَتِكُمْ اپنی زبانوں پر	وَتَقُوْلُوْنَ اور تم کہتے تھے	بِاَفْوَاهِكُمْ اپنے منہ سے		
مَا لَيْسَ جو نہیں	لَكُمْ تمہیں	بِهٖ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	وَتَحْسَبُوْنَهٗ اور تم اسے گمان کرتے تھے	هَيِّنًا ہلکی بات	وَهُوَ حالانکہ وہ	
عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	عَظِيْمٌ بہت بڑی بات						

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے مضمون واقعہ افک کے متعلق بیان ہو رہا ہے یعنی یہ آیات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا۔ گذشتہ آیت میں اشارۃً یہ ظاہر فرما دیا گیا تھا کہ یہ کام منافقین کی پارٹی کا ہے۔ چونکہ اس بہتان تراشی میں بعض مسلمانوں کی بھی زبان کھلنے لگی تھی کسی نے کچھ کہا۔ کسی نے صرف سنا اور خاموش رہا۔ اس لئے گذشتہ درس میں یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ اس فتنہ میں جس نے جس قدر حصہ تھوڑا یا بہت لیا اسی قدر وہ قابل الزام اور گناہ گار ہوا۔

اب آگے ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو ادب سکھاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کی شایان شان نہ تھے بلکہ انہیں چاہئے تھا کہ ام المومنین اور اپنے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور

صرف یہی نہیں کہ حسن ظن رکھتے بلکہ زبان سے بھی ایسے بہتان کی تردید وتکذیب کردینی چاہئے تھی اس لئے جو کچھ واقعہ گزرا اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھلم کھلا سواری پر سوار دن دوپہر کو بھرے لشکر میں پہنچتی ہیں جہاں خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔اگر خدانخواستہ خاکم بدہن کوئی بھی بات ہوتی تو اس طرح کھلے بندوں مجمع عام میں نہ آتے بلکہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر شامل ہوجاتے جو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچے۔پس صاف ظاہر ہے کہ بہتان بازوں نے جو افتراپردازی کی ہے وہ محض جھوٹ۔افترا اور بہتان ہے اور یہ لوگ اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کرسکیں۔اور بدوں کافی ثبوت کے زبان سے ایسی بات بکتے پھریں۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن مسلمانوں نے اس واقعہ میں زبان کو بری حرکت دی اگر خدائے تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا کہ وہ دنیا میں توبہ قبول کرلیتا ہے اور آخرت میں ایمان کی وجہ سے معاف فرمادیتا ہے تو جس بہتان میں لوگوں نے اپنی زبانیں چلائیں اس میں انہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا۔یہ مضمون ان مسلمانوں کے حق میں ہے جن کے دلوں میں ایمان تھا اور سچے مسلمان تھے مگر رواروی میں کچھ کہہ گئے تھے۔آگے انہی مسلمانوں کو خطاب کرکے ارشاد ہے کہ عذاب عظیم کیوں نہ ہوتا جب کہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کررہے تھے اور زبان سے وہ اٹکل پچو باتیں نکال رہے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر طرفہ یہ کہ ایسی سخت بات سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی ماں کو متہم کرنا جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے۔اس کو محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

ان آیات میں یہاں یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اپنے کسی دیندار بھائی مسلمان کے متعلق کوئی بری بات سنے تو یقین نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ نیک گمان رکھے۔کسی دیندار مسلمان پر تہمت سن کر خاموش رہنا بھی جرم ہے۔فوراً تکذیب کرنی لازم ہے بشرطیکہ تہمت کا جھوٹ ہونا عقل اور قرائن کا لحاظ کرتے ہوئے واضح ہو۔ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مسلمان پر کوئی الزام قائم کرے اور شرعی شہادت نہ پیش کرسکے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی جھوٹا ہے بغیر سمجھے اور یقین حاصل کئے کوئی بات منہ سے نہ نکالنی چاہئے یعنی ہر بات کو سن کر نقل کردینا ٹھیک نہیں تاوقتیکہ اس کی صحت نہ کرلی جائے۔خصوصاً فاسق وفاجر یا بدباطن انسانوں کی دی ہوئی خبر وہ بھی جبکہ وہ خبر کسی باعصمت وعفت اور صاحب تقویٰ وخیر کے بارہ میں ہو تو وہ ہرگز قابل توجہ نہیں اور اس کے لئے اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ محض افتراء ہے تاوقتیکہ خبر دینے والا اس پر روشن دلیل اور شرعی حجت نہ قائم کردے۔

بے گناہ پر الزام وتہمت لگانا شریعت اسلامیہ میں بہت بڑا گناہ ہے۔اور چونکہ اس گناہ کا مرتکب حق العباد میں سے ایک اہم حق ضائع کرتا ہے۔اس لئے نہ صرف اخلاق کی نگاہ میں بلکہ اجتماعی قانون کی نظر میں بھی بڑا مجرم ہے۔قرآن عزیز کی نصوص نے بے گناہ پر تہمت لگانے کی سزا کے لئے ۸۰ کوڑے کی سخت سزا اسی لئے تجویز کی ہے تاکہ کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہوسکے کہ وہ ایک پاکباز انسان پر بہتان لگائے یا بغیر شہادت کے اس کی تشہیر کرے۔بعض مرتبہ اشرار اور خبیث النفس لوگوں کی بے بنیاد باتیں اس درجہ آب ورنگ رکھتی ہیں کہ سادہ لوح مسلمان اور نکوکار انسان بھی مغالطے اور دھوکہ میں آجاتے ہیں اس لئے مسلمان کا فرض ہے کہ سنی سنائی بات پر اس وقت تک ہرگز یقین نہ کرے جب تک کہ اسلامی اصول شہادت کے مطابق شنیدہ خبر کی تصدیق نہ ہوجائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔کہ سوئے ظن سے بچو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں گناہ کا مرتکب بنادیتی ہیں۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان بیش بہا قرآنی ہدایات ونصائح کو اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق کاملہ نصیب فرمائے۔

ابھی آگے بھی اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بعض ہدایات دی جارہی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

اورتم نے جب اس بات کو سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذاللہ یہ تو بڑا بہتان ہے

عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو۔اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔

الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو اُن کیلئے

اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک ہے۔اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل وکرم ہے

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے۔تو تم بھی (اس وعید سے) نہ بچتے۔

وَلَوْلَآ اور کیوں نہ	اِذْ جب	سَمِعْتُمُوْهُ تم نے وہ سنا	قُلْتُمْ تم نے کہا	مَا يَكُوْنُ نہیں ہے	لَنَآ ہمارے لئے	اَنْ نَّتَكَلَّمَ کہ ہم کہیں	
بِهٰذَا ایسی بات	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے	هٰذَا یہ	بُهْتَانٌ بہتان	عَظِيْمٌ بڑا	يَعِظُكُمُ تمہیں نصیحت کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	اَنْ کہ
تَعُوْدُوْا تم پھر کرو	لِمِثْلِهٖ ایسا کام	اَبَدًا کبھی بھی	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان والے	وَيُبَيِّنُ اور بیان کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	
لَكُمُ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ آیتیں احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ بڑا جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	
يُحِبُّوْنَ پسند کرتے ہیں	اَنْ کہ	تَشِيْعَ پھیلے	الْفَاحِشَةُ بے حیائی	فِي الَّذِيْنَ میں جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے مومن	لَهُمْ ان کیلئے	
عَذَابٌ عذاب	اَلِيْمٌ دردناک	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	وَاَنْتُمْ اور تم	
لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے	وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت	وَاَنَّ اور یہ کہ		
	اللّٰهَ اللہ	رَءُوْفٌ شفقت کرنیوالا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان ہے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں کو تنبیہ وناصحانہ ملامت کے ساتھ نیک گمانی کا حکم دیا گیا تھا جنہوں نے اس واقعۂ افک کے افترا اور بہتان میں اپنی زبانیں کھولی تھیں اور اس جھوٹ بات کے نقل کرنے میں حصہ لیا تھا۔

اب ان آیات میں انہیں مسلمانوں کو دوسرا حکم دیا جارہا ہے کہ بھلے اور نیک آدمیوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بے تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہئے۔ برے خیالات، گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہئیں۔ اگر دل میں کوئی ایسا وسوسہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہئے۔ مسلمانوں کو تو چاہئے تھا کہ ایسے واہی تباہی کلام کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ

ہم ایسی لغوبات سے اپنی زبان کو نہیں بگاڑتے۔ ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہوسکتی کہ خدا کے پیغمبر کی زوجہ مطہرہ کی نسبت کوئی ایسی لغوبات کہیں۔ پھر ہدایت کی جاتی ہے کہ دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہو ورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل کی عظمت کو ملحوظ رکھیں اور بدباطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ یعنی اصول کے علاوہ تم کو جزئیات اور فروعات کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ ادب۔ اخلاق۔ عقیدہ اور تہذیب سکھاتا ہے۔ جن باتوں سے خرابیاں پیدا ہونے والی ہیں۔ نفاق۔ رنجش اور اخلاق کی بربادی۔ امن اور انتظام کی تباہی پیدا ہونے والی ہے ان سے وہی خوب واقف ہے۔ اس لئے جو احکام تم کو دیئے اور جن باتوں سے تم کو منع کیا ان کے مصالح کو وہ جانتا ہے اس لئے تمام اوامر ونواہی کی پابندی تم پر لازم ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ایمان ہی سے کورا ہو اور جس کی سرشت ہی خراب ہو وہ تو بے ادب، گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے۔ ایسے لوگ تو ناپاک باتیں پھیلانے کی دھن میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔

یہاں تک تو نزول برأۃ سے قبل تذکرہ کرنے والوں کا ذکر تھا آگے ان کا ذکر ہے جو بعد نزول ان آیات برأت کے بھی باز نہ آویں اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص بے ایمان ہی ہوگا۔ ان کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بعد نزول ان آیات کے بھی چاہتے ہیں یعنی اس کی کوشش عملی کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس بے حیائی کی بات کا چرچا ہو تو انہیں دنیوی سزا یعنی ۸۰ کوڑوں کی حد شرعی بھی لگے گی اور اُخروی سزا یعنی عذاب جہنم بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے فتنہ پردازوں کو خوب جانتا ہے گو عام مسلمان نہ جانتے ہوں۔ اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نظر ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل ورحمت سے اور شفقت ومہربانی سے مسلمانوں میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کرکے پاک کیا۔

ان آیات سے یہ چند مسائل معلوم ہوئے۔

۱۔ کسی مومن کی آبروریزی اور عزت کو برباد کرنے کی کوشش کرنی حرام ہے۔ اور موجب عذاب الیم ہے۔

۲۔ تہمت تراشی کرنا یا سن کر تصدیق کرنا بھی جرم عظیم ہے۔

۳۔ غیر مومن اور غیر مسلم طبقہ ہر حیلہ بہانہ سے مسلمانوں میں فحش پرستی اور بے حیائی کو رواج دینا چاہتا ہے اور اسلامی کلچر و تہذیب کو برباد کرنے کا خواستگار رہتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر وقت متنبہ رہنا اور اسلامی قوانین کو مضبوط پکڑنا چاہئے۔ ابھی حق تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں احکام ونصائح کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان جملہ قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سے گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں اپنی رحمت اور فضل وکرم سے معاف فرمائیں اور آئندہ ہم کو جملہ فحش اور بے حیائی کی باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ اکرام مسلم کی ہم کو توفیق نصیب فرما۔ اور کسی مسلمان کی آبروریزی کے جرم عظیم میں مبتلا ہونے سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ تو

فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ

بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کرکے) پاک وصاف نہ ہوتا

مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

ولیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کردیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے اور جو لوگ تم میں بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ وَلْيَعْفُوْا

وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو دینے سے قسم نہ کھابیٹھیں۔اور چاہئے کہ وہ معاف کردیں

وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور درگزر کریں۔کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے۔بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے	لَا تَتَّبِعُوْا تم نہ پیروی کرو	خُطُوٰتِ قدم	الشَّيْطٰنِ شیطان	وَمَنْ اور جو		
يَّتَّبِعْ پیروی کرتا ہے	خُطُوٰتِ قدم	الشَّيْطٰنِ شیطان	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَاْمُرُ حکم دیتا ہے	بِالْفَحْشَاۗءِ بے حیائی کا	وَالْمُنْكَرِ اور بری بات	
وَلَوْلَا اور اگر نہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	عَلَيْكُمْ تم پر	وَرَحْمَتُهٗ اور اسکی رحمت	مَا زَكٰى نہ پاک ہوتا	مِنْكُمْ تم سے	مِّنْ اَحَدٍ کوئی آدمی	
اَبَدًا کبھی بھی	وَّلٰكِنَّ اور لیکن	اللّٰهَ اللہ	يُزَكِّيْ پاک کرتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ جسے وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	عَلِيْمٌ جاننے والا
وَلَا يَاْتَلِ اور قسم نہ کھائیں	اُولُوا الْفَضْلِ فضیلت والے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالسَّعَةِ اور وسعت والے	اَنْ يُّؤْتُوْٓا کہ (نہ) دیں			
اُولِي الْقُرْبٰى قرابت دار	وَالْمَسٰكِيْنَ اور مسکینوں	وَالْمُهٰجِرِيْنَ اور ہجرت کرنیوالے	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ میں				
وَلْيَعْفُوْا اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں	وَلْيَصْفَحُوْا اور وہ درگذر کریں	اَلَا تُحِبُّوْنَ کیا تم نہیں چاہتے؟	اَنْ کہ	يَّغْفِرَ اللّٰهُ اللہ بخش دے			
لَكُمْ تمہیں	وَاللّٰهُ اور اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں کو خطاب فرما کر اللہ تعالیٰ کی نصائح واحکام سنائے گئے تھے جو کسی نہ کسی درجہ میں منافقین کے اس اٹھائے ہوئے طوفانِ تہمت میں شریک ہوگئے تھے اور ان کو بتلایا گیا تھا کہ اگر اللہ کا فضل وکرم اور لطف ورحم نہ ہوتا تو تم بھی اس وقت قہرالٰہی سے نہ بچتے مگر اس نے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمائی اور بعض کو حد شرعی سے پاک کردیا۔اب آگے ان آیات میں تمام مسلمانوں کو خطاب کرکے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہا کریں مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ان ملعونوں کا کام تو یہی ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں۔تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔دیکھو شیطان نے ذرا سا چرکہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کردیا۔اس لئے مسلمانوں کو ہر قول وفعل اور طریق زندگانی میں شیطان کی پیروی سے اجتناب ضروری ہے۔شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ہے۔ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا مگر یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر

بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی رواروی یا بھولے پن سے شریک ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ انہوں نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ ہجرت بھی کی تھی۔ مخلص مسلمان تھے لیکن اپنے بھولے پن کے سبب سے منافقوں کے پروپیگنڈے کے شکار ہو گئے تھے۔ چونکہ مفلس تھے اس لئے قصہ اِفک سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جب یہ قصہ اِفک ختم ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا بعض دوسرے صحابہ نے بھی قسم کھالی کہ جس نے اس بہتان سے کچھ بھی لگاؤ رکھا ہے ہم اس سے تعلق اور رشتہ داری قائم نہ رکھیں گے۔ اس پر مسلمانوں کو مسکین مہاجر قرابتداروں سے سلوک منقطع نہ کرنے کی ہدایت کی گئی اور عفوو درگزر کا حکم دیا گیا اور حکم ہوا کہ تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ انہیں زیبا یہی ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور فی سبیل اللہ وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دستکش ہو جانا بزرگوں اور بلند اخلاق نیک کرداروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری تقصیرات سے درگزر کرے گا۔ تم میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا قصوروار نہیں پھر کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ اللہ تمہاری گرفت کرے اور قصور معاف نہ کرے۔ تم یہ بات ہرگز پسند نہ کرو گے تو جب تم کو خود اپنے قصور کی گرفت پسند نہیں تو لازمی طور پر آپس میں بھی ایک دوسرے کے قصور سے درگزر کرنی چاہئے۔

احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے تو فوراً بول اٹھے بلٰی یا ربنا انا نحب۔ بیشک اے پروردگار ہم ضرور چاہتے ہیں یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے جاری فرمادی اور قسم کھائی کہ واللہ مسطح کا خرچ کبھی بند نہ کروں گا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے امداد دگنی کر دی۔ سبحان اللہ! کیا عجب جذبات تھے اور کیا عجیب احساسات تھے ان حضرات کے روح کے گوشہ گوشہ میں دین کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ کس طرح نفس اور جذبات نفس کو قابو کیا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو شخص تہمت تراشی کے چرچہ میں شرکت کی وجہ سے مبغوض تھا آن کی آن میں اس کو دوست اور محبوب بنا لیا جاتا ہے اور تمام گذشتہ قصوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اسی کا نام ہے الحب للہ و البغض فی اللہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولا یاتل اولوا الفضل منکم۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی صریح دلیل ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ حق تعالیٰ خود ان کو اولو االفضل یعنی صاحب فضل فرمائے۔

حضرت مسطح کا وظیفہ اگرچہ ان کی غلطی اور خطا کی بنا پر بند کر لینا جائز تھا مگر مقام صدیقیت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ اس لئے اس آیت کو نازل کر کے حق تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنبیہ فرمائی اور بحق بدریت حضرت مسطح کے حق میں سفارش فرمائی کہ اے ابوبکر! تم اہل فضل میں سے ہو اور مسطح اہل بدر میں سے ہے لہٰذا تم اس کی امداد و اعانت میں کمی نہ کرنا اور مسطح سے جو غلطی ہوگئی ہے اس کو معاف کر دینا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کرے گا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح حق تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل فرمائی کہ نہ صرف حضرت مسطح کی غلطی کو معاف کر دیا بلکہ گذشتہ کے اعتبار سے امداد و اعانت میں دگنا وظیفہ کر دیا۔ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ نے کیا اخلاق کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں چودہ طریقہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اس ایک آیت سے ثابت کی ہے۔

ان آیات میں باہم کدورت اور کبیدگی دور کرنے کے لئے حلم اور عفو سے کام لینے کی ہدایت فرمائی اور ترغیب کے لئے صراحت فرمائی کہ آپس کے تعلقات کو قائم رکھنا اور خطاواروں کے جرم سے درگزر کرنا مغفرت الٰہیہ کے حصول کا باعث ہے۔ اب آگے اسی سلسلہ میں منافقین کو وعید سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَٰتِ الْغَٰفِلَٰتِ الْمُؤْمِنَٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ

جولوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں (اور) ایسی باتوں سے (بالکل) بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں اُن پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور اُن کو

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

(آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔ جس روز اُن کے خلاف اُن کی زبانیں گواہی دیں گی اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں بھی (گواہی دیں گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کرتے تھے۔

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَٰتُ

اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دیگا اور (اُس روز ٹھیک ٹھیک) ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنیوالا (اور) بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے۔ گندی عورتیں

لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَٰتِ وَالطَّيِّبَٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَٰتِ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ

گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھرے عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔

مِمَّا يَقُولُونَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں۔ ان (حضرات) کیلئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ يَرْمُونَ جولوگ تہمت لگاتے ہیں	الْمُحْصَنَٰتِ پاک دامن	الْغَٰفِلَٰتِ بھولی بھالی انجان	الْمُؤْمِنَٰتِ مومن عورتیں	لُعِنُوا لعنت ہے ان پر		
فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَالْآخِرَةِ اور آخرت	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	عَظِيمٌ بڑا	يَوْمَ دن	تَشْهَدُ گواہی دیں گی	عَلَيْهِمْ ان پر خلاف
أَلْسِنَتُهُمْ انکی زبانیں	وَأَيْدِيهِمْ اور اُن کے ہاتھ	وَأَرْجُلُهُمْ اور انکے پاؤں	بِمَا اُسکی جو	كَانُوا يَعْمَلُونَ وہ کرتے تھے	يَوْمَئِذٍ اس دن		
يُوَفِّيهِمُ پورا دے گا انہیں	اللَّهُ اللہ	دِينَهُمُ ان کا بدلہ	الْحَقَّ سچ ٹھیک ٹھیک	وَيَعْلَمُونَ اور وہ جان لیں گے	أَنَّ کہ	اللَّهَ اللہ	هُوَ وہی
الْحَقُّ برحق	الْمُبِينُ ظاہر کرنیوالا	الْخَبِيثَٰتُ ناپاک گندی عورتیں	لِلْخَبِيثِينَ گندے مردوں کیلئے	وَالْخَبِيثُونَ اور گندے مرد	لِلْخَبِيثَٰتِ گندی عورتوں کیلئے		
وَالطَّيِّبَٰتُ اور پاک عورتیں	لِلطَّيِّبِينَ پاک مردوں کیلئے	وَالطَّيِّبُونَ اور پاک مرد	لِلطَّيِّبَٰتِ پاک عورتوں کیلئے	أُولَٰئِكَ یہ لوگ	مُبَرَّءُونَ مبرا ہیں		
مِمَّا اس سے جو	يَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	لَهُم ان کیلئے	مَغْفِرَةٌ مغفرت	وَرِزْقٌ اور روزی	كَرِيمٌ عزت کی		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں واقعۂ اِفک کے سلسلے میں مسلمانوں کو مختلف احکام و ہدایات دی گئی تھیں۔ اخیر میں تلقین فرمائی گئی تھی کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ ہماری تقصیریں اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں تمہیں بھی چاہئے کہ دوسروں کی خطا اور قصوروں سے درگزر کیا کرو۔

اب تہمت لگانے والوں پر وعید بیان کی جاتی ہے اور مکرر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی پر دلیل دے کر اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بعد نزول ان آیات کے تہمت لگاتے ہیں تو ایسے موذی بہتان پرداز دنیا اور آخرت میں لعنت خدا کے مستحق ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو ایسی مطہرات کو متہم کریں کافر اور منافق ہی ہوسکتے ہیں۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر۔ مکذب

قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔تو یہاں اتہام رکھنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی کہ ان پر دنیا اور آخرت دونوں کے اندر خدا کی مار پڑے گی دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سخت عذاب جہنم ہوگا اور کوئی اس گمان میں نہ رہے کہ قیامت کے دن وہ مکر سکتا ہے خود ان کی زبان اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر ایک عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا۔یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں پوری سزا دے گا اور وہ یقین کرلیں گے کہ اللہ عزوجل واقعی موجود ہے۔ برحق ہے۔اور سارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک حساب جانتا ہے۔اور ہر عمل کی اس کے بالکل مناسب سزا دے گا۔

اب آگے ایک قاعدہ کلیہ بیان کردیا کہ نیک مردوں کو نیک عورتوں سے اور بدکار مردوں کو بدکار عورتوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ اسی طرح نیک عورتوں کو نیک مردوں سے اور بدعورتوں کو بدمردوں سے انس ہوتا ہے اور چونکہ رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام طیب، طاہر اور مجسم طہارت ہیں۔اس لئے آپ کو تعلق بھی پاک اور طیب عورت ہی سے ہوگا۔ حاصل یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاکدامن۔نکوکار ہیں۔طبعاً اور فطرۃً پاکباز ہیں۔تو جن پر یہ تہمت لگائی گئی ہے وہ اس سے بالکل بری ہیں کہ جو یہ منافق بکتے پھرتے ہیں۔ ان حضرات کے لئے آخرت میں مغفرت اور عزت کی روزی یعنی جنت ہے۔

یہاں جو عام ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر یہ جوڑ رکھا ہے کہ گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے اور بدکار مرد گندی بدکار عورتوں کی طرف رغبت کیا کرتے ہیں۔اسی طرح پاک صاف عورتوں کی رغبت پاک صاف مردوں کی طرف ہوتی ہے اور پاک صاف مردوں کی رغبت پاک صاف عورتوں کی طرف ہوتی ہے۔تو اس عادت کلیہ اور ضابطہ سے واضح ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں پاکی وصفائی ظاہری وباطنی میں مثالی شخصیت ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء کے سردار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ازواج مطہرات بھی پاکی و صفائی، ظاہری و اخلاقی برتری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مناسب شان عطا فرمائی ہیں۔اور حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیبیوں کے بارہ میں جو قرآن کریم میں ان کا کافرہ ہونا مذکور ہے تو ان کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ وہ کافر ہونے کے باوجود فسق و فجور میں مبتلا نہ تھیں۔تو معلوم ہوا کہ کسی نبی کی بیوی کافر ہوجائے اس کا تو امکان ہے مگر بدکار فاحشہ ہوجائے یہ ممکن نہیں۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو عورتوں میں ممتاز ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطور تحدیث بالنعمۃ ان خصوصیات کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

۱۔پہلی خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت جبرئیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا یہ تمہاری زوجہ ہے۔(رواہ الترمذی)

۲۔دوسری خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

۳۔تیسری خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات آپ کی گود میں ہوئی۔

۴۔چوتھی یہ کہ بیت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہوئے۔

۵۔پانچویں یہ کہ آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوئی تھی

جبکہ آپ حضرت صدیقہ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے۔ دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

۶۔چھٹی یہ کہ آسمان سے آپ کی برأت نازل ہوئی۔

۷۔ساتویں یہ کہ وہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دنیا ہی میں مغفرت اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔

الغرض سورۃ کے ابتدائی رکوع میں جو احکام اور شرعی سزاؤں کا بیان ہوا تھا وہ اس لئے تھے کہ اگر معاشرہ میں برائی رونما ہو جائے اور کسی سے اس جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اس کا تدارک کیسے کیا جائے۔اس کے بعد دو رکوع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کے متعلق بیان ہوئے۔اور یہاں ان آیات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت ونزاہت کا بیان ختم ہوا اور یہ بیان اس شان سے ختم فرمایا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔قرآن کریم کی آیات سے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عنداللہ قدر ومنزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔اور حق تعالیٰ جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن خبیث حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائے تو بالاتفاق علمائے امت وہ کافر ہے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام پر تہمت لگانے والے کا ہے۔

اب اس کے بعد وہ احکام دیئے جا رہے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں سرے سے برائیاں اور بدکاریاں پیدا ہی نہ ہونے پائیں۔ان ہدایات واحکامات کا سلسلہ اگلی آیات سے شروع ہوتا ہے۔جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآنی ہدایات اور احکامات کے موافق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔جن برائیوں سے قرآن پاک نے روکا ہے ان سے ہمیں کامل طور پر رکنے اور جن بھلائیوں کی قرآن پاک نے تلقین فرمائی ہے۔ان بھلائیوں کو حاصل کرنے کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔یوم آخرت کی رسوائیوں اور وہاں کے عذابوں سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچادیں اور اپنی مغفرت اور عزت کی روزی ہم سب کو نصیب فرمائیں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (اُن سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور اُن کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ٢٧ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ

تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔ پھر اگر اُن گھروں میں تم کو کوئی نہ معلوم ہو تو (بھی) اُن گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر تم سے کہہ دیا جائے

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ٢٨ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

کہ (اسوقت) لَوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے۔ تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا

اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ٢٩

گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو اُن میں تمہاری کچھ برت ہو۔ اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	لَا تَدْخُلُوْا تم نہ داخل ہو	بُيُوْتًا گھر	غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں کے سوا	حَتّٰى یہانتک کہ	
تَسْتَاْنِسُوْا تم اجازت لے لو	وَتُسَلِّمُوْا اور تم سلام کرلو	عَلٰٓى پر۔ کو	اَهْلِهَا ان کے رہنے والے	ذٰلِكُمْ یہ	خَيْرٌ بہتر ہے	لَّكُمْ تمہارے لئے	
لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تَذَكَّرُوْنَ تم نصیحت پکڑو	فَاِنْ پھر اگر	لَّمْ تَجِدُوْا تم نہ پاؤ	فِيْهَآ اس میں	اَحَدًا کسی کو	فَلَا تَدْخُلُوْهَا تو تم نہ داخل ہو اس میں	
حَتّٰى یہانتک کہ	يُؤْذَنَ اجازت دی جائے	لَكُمْ تمہیں	وَاِنْ اور اگر	قِيْلَ لَكُمُ تمہیں کہا جائے	ارْجِعُوْا تم لوٹ جاؤ	فَارْجِعُوْا تو تم لوٹ جایا کرو	
هُوَ یہی	اَزْكٰى زیادہ پاکیزہ	لَكُمْ تمہارے لئے	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	عَلِيْمٌ جاننے والا	لَيْسَ نہیں
عَلَيْكُمْ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ اگر	تَدْخُلُوْا تم داخل ہو	بُيُوْتًا ان گھروں میں	غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ جہاں کسی کی سکونت نہیں	فِيْهَا جن میں	
مَتَاعٌ کوئی چیز	لَّكُمْ تمہاری	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا تُبْدُوْنَ جو تم ظاہر کرتے ہو	وَمَا اور جو	تَكْتُمُوْنَ تم چھپاتے ہو	

تفسیر وتشریح:۔ اس سورۂ نور میں شروع میں حد زنا۔ سزائے تہمت۔ احکام لعان وغیرہ بیان ہوئے تھے۔ اب یہاں سے وہ ہدایات واحکامات بیان فرمائے جاتے ہیں کہ جس سے بے حیائی اور فتنۂ زنا وغیرہ پیدا ہی نہ ہو۔ کسی خرابی اور برائی کے انسداد کی تکمیل اسی وقت ہوسکتی ہے۔ جب اس کے تمام اسباب وذرائع وسائل کی بیخ کنی کردی جائے۔ مثلاً شراب خوری سے باز رکھنا اسی وقت کامل طور پر ممکن ہے جب شراب کشی کی ممانعت کردی جائے۔ شراب خوروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے روک دیا جائے۔ شراب پینے کی سخت سزا مقرر کردی جائے۔ اسی لئے

حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنوانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے۔ خریدنے والے پر لعنت کی ہے۔ لاد کر لے جانے والے پر لعنت کی ہے۔ جس کے پاس لے جائی جائے اس پر لعنت کی ہے۔ اس کے پلانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی ہے۔ گویا جتنے ذرائع ووسائل شراب خوری کے ہوسکتے ہیں سب کو ملعون وممنوع قرار دیا۔ اسی طرح زنا کے تمام مبادی ومقدمات کو بھی مثل زنا قرار دے کر ان

کی ممانعت فرمائی گئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے کہ نامحرم عورت کو بری نیت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔اس سے باتیں کرنا زبان کا زنا ہے۔اس کی باتوں کو سننا کان کا زنا ہے۔اس کی طرف قلب کا میلان بد دل کا زنا ہے۔ اس کو ہاتھ لگانا ہاتھ کا زنا ہے۔اس کی طرف چل کر جانا پاؤں کا زنا ہے۔اور پھر جو فعل بد میں مبتلا ہو تو وہ اصل زنا ہے۔تو زنا بھی ایک اخلاقی و معاشرتی تباہی ہے۔ اس سے باز رکھنے کی تکمیل کے لئے پہلے اس کی سزا کو بیان فرمادیا۔اب یہاں سے زنا اور بے حیائی میں مبتلا کرنے والے اسباب اور موجبات کی روک تھام کے لئے ہدایات وقوانین بیان فرمائے جاتے ہیں۔

اسلام چونکہ حکیمانہ اور مصلحانہ دین ہے۔ تمام اخلاقی معاشرتی اور اجتماعی اصلاحات کے مکمل اور جامع قوانین کی تعلیم اس نے دی ہے۔ پہلے زنا۔ تہمت۔ بدگمانی وغیرہ کی سخت ممانعت فرمائی اب جو چیزیں بدگمانی۔تہمت اور زنا کے اسباب ہیں ان سے بھی روکا جاتا ہے۔منجملہ ان اسباب کے کسی کے گھر میں بغیر اذن واطلاع کے چلا جانا بھی ہے۔اس لئے پہلی ہدایت یہاں یہ دی گئی کہ خاص اپنے رہنے کا جو گھر ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یونہی بے خبر نہ گھس جائے۔کیا جانے صاحب خانہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے۔

حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ تک سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے اگر تین بار کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔اجازت طلب کرنے میں بے جا اصرار کرنا یا اجازت نہ ملنے کی صورت میں دروازے پر جم کر کھڑے ہو جانا جائز نہیں ہے۔اگر تین دفعہ کے استیذان کے بعد صاحب خانہ کی طرف سے اجازت نہ ملے یا وہ ملنے سے انکار کردے تو واپس چلے جانا چاہئے۔

آگے ایک دوسری صورت بیان ہوتی ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں ہے تب بھی دوسرے کے گھر میں بدوں مالک ومختار کی اجازت کے مت جاؤ۔یعنی کسی کے خالی گھر میں بھی بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر صاحبِ خانہ نے خود اس بات کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً دی ہو تو اس اجازت کے موافق جانے میں کوئی حرج نہیں مثلاً صاحبِ خانہ نے آپ سے یہ کہہ دیا ہو کہ اگر میں موجود نہ ہوں تو آپ میرے کمرہ میں آکر بیٹھ جائیں یا صاحبِ خانہ کسی اور جگہ موجود ہے اور آپ کے آنے کی اطلاع پر وہ کہلا بھیجے کہ آپ بیٹھئے میں ابھی آتا ہوں تو یہ اجازت ہی کی شکل ہے اور اس صورت میں مکان میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تیسری ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس ہو جاؤ۔ اور اس پر برا نہ ماننا چاہئے۔ بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں تو تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کو ملاقات کرنے پر مجبور کرے۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے اور دل میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ آگے تاکید کے لئے فرمایا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں یعنی جیسا کچھ تم کروگے اور جس نیت سے کروگے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔

پھر چوتھی ہدایت دی جاتی ہے کہ جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا۔ نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد۔ مدرسہ۔ سرائے۔مسافر خانہ۔ ہوٹل۔ دکانیں وغیرہ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو اس کو چندے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں

جاسکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تمام چھپے اور کھلے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ وفساد کے دروازوں کو بند کرنا ہے۔ مؤمن کو چاہئے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر ان پر عمل کرے۔

اگرچہ یہاں ان آیات میں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت لینے کا حکم صرف دوسروں کے گھر جانے کی صورت ہی میں نہیں ہے بلکہ خود اپنی ماں بہنوں کے پاس جانے کی صورت میں بھی ہے۔ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے سوا ان کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ کیا ہر بار جب میں ان کے پاس جاؤں تو اجازت مانگوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھے؟ یعنی اجازت نہ لینے میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کسی وقت وہ ایسی حالت میں ہو کہ تم کو دیکھنا پسند نہ ہو اور تم یکا یک پہنچ جاؤ۔ احادیث میں ہے کہ اگر گھر میں صرف بی بی ہے تو بھی پردیس یا سفر سے واپسی پر اچانک گھر میں نہ گھس جائے۔ کچھ پہلے سے اطلاع کردے یا خبر بھجوادے۔ اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں دوسرے کے گھر میں جھانکنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو ایک کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو کچھ گناہ نہیں۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرمایا ہے۔

"افسوس کہ شریعتِ اسلام نے جس قدر اس معاملہ کا اہتمام فرمایا کہ قرآن حکیم میں اس کے مفصل احکام نازل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اس کی بڑی تاکید فرمائی۔ اتنا ہی مسلمان اس سے غافل ہوگئے۔ لکھے پڑھے نیک لوگ بھی نہ اس کو کوئی گناہ سمجھتے ہیں۔ نہ اس پر عمل کی فکر کرتے ہیں۔ دنیا کی دوسری مہذب قوموں نے اس کو اختیار کر کے اپنے معاشرہ کو درست کرلیا مگر مسلمان ہی اس میں سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ اسلامی احکام میں سب سے پہلے سستی اسی حکم میں شروع ہوئی۔ بہر حال استیذان قرآن کریم کا وہ واجب التعمیل حکم ہے کہ اس میں ذرا سی سستی اور تبدیلی کو بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکار آیتِ قرآن کے شدید الفاظ سے تعبیر فرمارہے ہیں۔ اور اب تو لوگوں نے واقعی ان احکام کو ایسا نظر انداز کردیا ہے کہ گویا ان کے نزدیک یہ قرآن کے احکام ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے ہر انسان کو جو اس کے رہنے کی جگہ عطا فرمائی خواہ مالکانہ ہو یا کرایہ وغیرہ پر بہر حال اس کا گھر اس کا مسکن ہے اور مسکن کی اصل غرض سکون و راحت ہے۔ قرآن عزیز نے جہاں اپنی اس نعمت گرانمایہ کا ذکر فرمایا ہے اس میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا **واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا** یعنی اللہ نے تمہارے گھروں سے تمہارے لئے سکون وراحت کا سامان دیا۔ اور یہ سکون و راحت جبھی باقی رہ سکتا ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کی مداخلت کے بغیر اپنے گھر میں اپنی ضرورت کے مطابق آزادی سے کام اور آرام کرسکے۔ اس کی آزادی میں خلل ڈالنا گھر کی اصل مصلحت کو فوت کرنا ہے جو بڑی ایذاء اور تکلیف ہے۔ اسلام نے کسی کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ استیذان کے احکام میں ایک بڑی مصلحت لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالنے اور انکی ایذا رسانی

سے بچنا ہے جو ہر شریف انسان کا عقلی فریضہ بھی ہے۔ دوسری مصلحت خود اس شخص کی ہے جو کسی کی ملاقات کے لئے اس کے پاس گیا ہے کہ جب وہ اجازت لے کر شائستہ انسان کی طرح ملے گا تو مخاطب بھی اس کی بات قدر و منزلت سے سنے گا۔ اور اگر اس کی کوئی حاجت ہے تو اس کے پورا کرنے کا داعیہ اس کے دل میں پیدا ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ وحشیانہ طرز سے کسی شخص پر بغیر اس کی اجازت کے مسلط ہو گیا تو مخاطب اس کو ایک بلائے ناگہانی سمجھ کر دفع الوقتی سے کام لے گا۔ خیر خواہی کا داعیہ اگر ہوا بھی تو مضمحل ہو جائے گا اور اس کو ایذاء مسلم کا گناہ الگ ہوگا۔

تیسری مصلحت فواحش اور بے حیائی کا انسداد ہے کہ بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہو جانے سے یہ بھی احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں کوئی مرض پیدا کر دے اور اسی مصلحت سے احکام استیذان کو قرآن کریم میں حد زنا، حد قذف وغیرہ احکام کے متصل لایا گیا ہے۔

چوتھی مصلحت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر کی تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے گھر میں آ جائے تو وہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اس پر مطلع ہو جائے گا کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کرنے کی فکر بھی گناہ ہے اور دوسروں کے لئے موجب ایذا ہے۔" (معارف القرآن جلد ششم)

اس سلسلہ میں مزید ہدایات و احکام ابھی اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ان جملہ قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی زندگی شریعت مطہرہ کے احکام کے مطابق گزارنے کی توفیق نصیب فرماویں اور ہر طرح کے فتنہ و فساد ظاہری و باطنی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

یا اللہ جملہ ممنوعات شرعیہ سے ہم کو کامل طور پر بچنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور ہماری حکومت کو صحیح معنی میں اسلامی حکومت بنا دیجئے جو اس امر میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمادیں اور ان کی کوششوں کو بار آور فرمائیں۔ اور جو منافقین، بدباطن در پردہ اسلام کے بدخواہ ہیں ان کے فتنہ سے اس سرزمین کو پاک فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کیلئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

قُلْ آپ فرمادیں	لِلْمُؤْمِنِيْنَ مومن مردوں کو	يَغُضُّوْا وہ نیچی رکھیں	مِنْ سے	اَبْصَارِهِمْ اپنی نگاہیں	وَيَحْفَظُوْا اور وہ حفاظت کریں
فُرُوْجَهُمْ اپنی شرمگاہیں	ذٰلِكَ یہ	اَزْكٰى زیادہ ستھرا	لَهُمْ ان کیلئے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	خَبِيْرٌ باخبر ہے
بِمَا اس سے جو	يَصْنَعُوْنَ وہ کرتے ہیں				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں برائیوں اور بے حیائیوں کے انسداد کے سلسلہ میں یہ حکم ہوا تھا کہ بغیر اجازت دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا جائے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکامات مردوں کو اس آیت میں دیئے جاتے ہیں۔

اول مسلمان مردوں کو ہدایت کی گئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں یعنی جس طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت سے جائز نہیں۔ اس کو شہوت سے نہ دیکھیں۔ بدنظری سے عموماً فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ ناجائز نظر دیباچہ زنا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے حکم دیا کہ بدنظری سے مرد اپنے کو بچائیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچے رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار اور ارادے سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے۔ چونکہ پہلی مرتبہ جو بیساختہ دفعتہً نظر پڑتی ہے از راہ شہوت ونفسانیت نہیں ہوتی اس لئے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ دوبارہ قصداً دیکھنا البتہ گناہ ہوگا۔

دوسری ہدایت مردوں کو یہ دی گئی کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یعنی حرامکاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں سوائے ان مواقع کے جہاں شریعت نے اجازت دی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ وہ چھ باتیں یہ ہیں۔

۱۔ جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو۔

۲۔ جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔

۳۔ جب تم کو کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ادا کرو۔

۴۔ حرامکاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

۵۔ جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو یعنی ان پر نظر نہ پڑے۔

۶۔ جہاں ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو یعنی ناحق کسی کو نہ مارو۔ نہ ستاؤ نہ ہاتھ سے ایذا دو۔ نہ کوئی چیز چھینو وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت میں مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے کا حکم ہے۔ مگر اس جگہ کوئی تفصیل نہیں کہ کس عورت کو نہ دیکھا جائے اور کس سے شرمگاہ کو محفوظ رکھا جائے اور چونکہ تمام عورتوں کو نہ دیکھنا اور سب سے الگ رہنے کا حکم تو ہو ہی نہیں سکتا اس لئے علمائے محققین نے قرآن کی دوسری آیات اور احادیث کی ہدایات کے موافق اس کی تشریح کی ہے۔ اور اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ایک مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی یا محرم خواتین کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے۔ ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔ لیکن یہ معاف نہیں کہ آدمی نے جہاں کشش محسوس کی اور وہاں پھر نظر دوڑائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بدنظری کو آنکھوں کا زنا اور بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ ناجائز طور پر دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ اس کی آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے۔ ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لئے چلنا ہاتھ اور پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں تب شرمگاہیں یا تو اس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔

۲۔ چونکہ غیر محرم پر ناجائز طور پر نظر ڈالنی حرام ہے اس لئے مومن پر لازم ہے کہ ایسے مقامات اور مواقع پر بھی نہ جائے جہاں نظر بد سے حفاظت مشکل ہے۔

۳۔ اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ بضرورت دیکھنا جائز ہے۔ باقی اعضا پر نظر کرنی حرام ہے اور بغیر ضرورت اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی دیکھنا حرام ہے۔ حقیقی ضرورت کی صورتیں مثلاً یہ ہو سکتی ہیں کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ اس غرض کے لئے عورت کو دیکھ لینے کی اجازت ہے۔ اور نہ صرف اجازت بلکہ حدیث میں اسکی ترغیب دی گئی ہے۔ بضرورت دیکھنے کی دوسری صورتیں یہ بھی ہیں علاج کے لئے طبیب یا ڈاکٹر کا مریضہ کو دیکھنا۔ عدالت میں گواہی کے موقع پر قاضی کا کسی گواہ عورت کو دیکھنا۔ یا تفتیش جرائم کے سلسلہ میں کسی مشتبہ عورت کو دیکھنا۔

۴۔ علمائے سلف نے باجماع لکھا ہے کہ امرد لڑکوں کا حکم بھی عورتوں کی طرح ہے کسی لڑکے کو نظر جما کر بدنیتی سے دیکھنا حرام ہے۔

۵۔ اگر اجنبی عورت نہ ہو بلکہ محرم ہو یعنی ایسی عورت جس سے شرعاً نکاح جائز نہیں تو ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف وہی اعضا دیکھنے درست ہیں جو کام کاج میں کھل جاتے ہیں مثلاً ہاتھ بازو گردن۔ سر پاؤں وغیرہ۔

۶۔ باہم مردوں کو بھی ایک دوسرے کے ستر پر بغیر ضرورت خاص نظر ڈالنا حرام ہے۔ ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ مرد کے لئے ستر ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جدید فرنگی تہذیب کے ماتحت اب تو اکثر مسلمان اس کو کوئی گناہ اور جرم ہی نہیں سمجھتے۔ اور عام دین سے بے بہرہ مسلمانوں کا تو یہ کہنا۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ بعض نمازی جو بوڑھے بھی ہو گئے ہیں وہ بھی اکثر مسجد کے سامنے گراؤنڈ میں ہاکی یا فٹ بال کے میچ بڑے شوق سے کھڑے دیکھا کرتے ہیں۔ جبکہ کھلاڑیوں کے ستر پر جانگیہ پہننے کی وجہ سے نظر بھی پڑتی ہے۔ جس پر بغیر شرعی ضرورت کے نظر ڈالنا حرام ہے۔ مرد کے لئے ستر کو یعنی ناف سے گھٹنوں تک ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ مرد کے لئے تمام بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے۔

یہاں آیت میں مردوں کو غض بصر اور حفاظت فروج یعنی نگاہوں کو نیچی رکھنا اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ ان امور میں تمہارے لئے زیادہ صفائی اور پاکیزگی کی بات ہے اور اس کے خلاف میں آلودگی ہے اور انسان کی نیت کا حال۔ آنکھ کی چوری اور دل کا بھید سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مسلمان مردوں کے لئے احکام بیان ہوئے آگے عورتوں کے لئے احکام ہیں جو مردوں کی بہ نسبت زیادہ تفصیل سے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! سینما، تھیٹر، بائیسکوپ، وی سی آر وغیرہ جو فحاشی اور فسق و فجور کے اڈے ہیں اور جہاں پر بدنظری اور بدنگاہی سے بچنا مشکل ہے ان خرافات سے ہمارے اسلامی ملک کو پاک فرما دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا 2

اور مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ

کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ

یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر

اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا اُن مردوں پر جو طفیلی ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا

یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی ناواقف ہوں اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔

يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَقُلْ اور فرمادیں	لِّلْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتوں کو	يَغْضُضْنَ وہ نیچی رکھیں	مِنْ سے	اَبْصَارِهِنَّ اپنی نگاہیں	وَيَحْفَظْنَ اور وہ حفاظت کریں	
فُرُوْجَهُنَّ اپنی شرمگاہیں	وَلَا يُبْدِيْنَ اور وہ ظاہر نہ کریں	زِيْنَتَهُنَّ اپنی زینت	اِلَّا مگر	مَا جو	ظَهَرَ مِنْهَا اس میں سے ظاہر ہوا	
وَلْيَضْرِبْنَ اور ڈالے رہیں	بِخُمُرِهِنَّ اپنی اوڑھنیاں	عَلٰى پر	جُيُوْبِهِنَّ اپنے سینے (گریبان)	وَلَا يُبْدِيْنَ اور وہ ظاہر نہ کریں		
زِيْنَتَهُنَّ اپنی زینت	اِلَّا سوائے	لِبُعُوْلَتِهِنَّ اپنے خاوندوں پر	اَوْ یا	اٰبَآئِهِنَّ اپنے باپ	اَوْ یا	اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اپنے شوہروں کے باپ (خسر)
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ یا اپنے بیٹے	اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا اپنے شوہروں کے بیٹے	اَوْ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھائی	اَوْ یا	بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اپنے بھائی کے بیٹے (بھتیجے)		
اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ یا اپنی بہنوں کے بیٹے بھانجے	اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی (مسلمان) عورتیں	اَوْ مَا مَلَكَتْ یا جن کے مالک ہوئے اَيْمَانُهُنَّ انکے دائیں ہاتھ (کنیزیں)				
اَوِ التّٰبِعِيْنَ یا خدمتگار مرد	غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ نہ غرض رکھنے والے	مِنَ سے	الرِّجَالِ مرد	اَوِ الطِّفْلِ یا لڑکے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	
لَمْ يَظْهَرُوْا وہ واقف نہیں ہوئے	عَلٰى پر	عَوْرٰتِ النِّسَآءِ عورتوں کے پردے	وَلَا يَضْرِبْنَ اور وہ نہ ماریں	بِاَرْجُلِهِنَّ اپنے پاؤں		
لِيُعْلَمَ کہ جان "پہچان" لیا جائے	مَا يُخْفِيْنَ جو چھپائے ہوئے ہیں	مِنْ سے	زِيْنَتِهِنَّ اپنی زینت	وَتُوْبُوْٓا اور تم توبہ کرو		
اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف "آگے"	جَمِيْعًا سب	اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ اے ایمان والو	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُفْلِحُوْنَ فلاح دو جہان کی کامیابی پاؤ		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں مسلمان مردوں کو بے حیائی اور اخلاقی آلودگی سے بچنے کے لئے حکم ہوا تھا کہ جب نامحرم عورتوں کا

سامنا ہو تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ آگے اس آیت میں اسی طرح کا حکم مسلمان عورتوں کو ہوتا ہے کہ انہیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں اور اپنے چھپے ہوئے اعضا کی حفاظت کرنی چاہئے مزید عورتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کو اپنی پیدائشی زیبائش یا لباس اور زیور کی آرائش کا اظہار کسی کے سامنے جائز نہیں بجز ان محارم اور رشتہ داروں کے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کا چھپانا دشوار ہے اور وہ مجبوری یا ضرورت کی وجہ سے عموماً کھلا ہی رکھنا پڑتا ہے تو اس کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ ہتھیلیاں اور قدم یہ اعضا چھپانے سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے اور ڈھانکنے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ تو جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات۔ مثلاً انگوٹھی۔ چھلا۔ مہندی۔ یا کاجل۔ سرمہ وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا۔ اس کے کھلا رکھنے کی اجازت عورتوں کو بضرورت دی گئی ہے۔ نامحرم مردوں کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ان اعضاء کو دیکھا کریں۔ مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم پہلے ہی سنا دیا گیا۔ اور پھر کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو دیکھنا بھی جائز ہو اور یہ واضح رہے کہ یہاں اس آیت میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے خواہ عورت اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر۔ باقی حجاب یعنی پردہ کا مسئلہ کہ شریعت نے عورت کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی اور کس طرح اس کی تفصیل انشاء اللہ سورۂ احزاب بائیسویں پارہ میں آئے گی۔ (فوائد حضرت علامہ عثمانیؒ)

آگے عورتوں کو سر اور سینہ ڈھکنے کے اہتمام کی ہدایت کی جاتی ہے اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بتلائی جاتی ہے۔

ایام جاہلیت میں عورتیں اپنے دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ اوڑھنی یا دوپٹہ کو سر پر سے لاکر گریبان پر ڈالنا چاہئے تا کہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح ڈھکے رہیں۔ اس کے بعد عام اعضاء کے لئے ہدایت ہے کہ ان کی بناوٹ اور زیبائش کسی پر ظاہر نہ کریں اور کسی کے سامنے نہ کھولیں بجز اپنے شوہر یا باپ یا سسر یا بیٹا یا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا بھتیجہ یا بھانجہ کے یا دوسری نیک چلن مسلمان عورتوں کے جو اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہیں یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہیں اور ان کو بوجہ حواس درست نہ ہونے کے عورتوں کی طرف ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے بچوں پر جو ابھی عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے۔ ان سب کے سامنے زینت کے مواقع کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ آگے مزید ایک حکم ہے کہ پردے کا یہاں تک اہتمام رکھیں کہ چلنے میں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ زیور کی جھنکار سنائی دے اور ڈھکی ہوئی زیب و زینت آواز سے ظاہر ہو جائے یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے غیروں کو ادھر میلان اور توجہ ہو۔ اور پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

اب غور کیجئے کہ حیا اور عفت کا کس درجہ اہتمام شریعت مطہرہ میں ہے اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے۔ ایک طرف تو یہ احتیاطیں اور پابندیاں ہیں اور ان کے مقابل اب موجودہ حالت پر نظر ڈالئے

کہ جہاں مرد وعورت کے مشترک ناچ وگانے تک کی آزادیاں ہیں۔ جس کے نتائج بھی پھر بالکل ظاہر ہیں۔ اور پھر ہم شور مچائیں اور ہائے واویلا کریں کہ معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ عفت وعصمت بچانی مشکل ہو رہی ہے اغوا اور زنا کی وارداتیں عام ہوتی جاتی ہیں۔ حرامی بچوں کی پیدائش اور ان کو سڑکوں اور کوڑیوں پر پھینکے جانے کے واقعات بھی ہوتے جارہے ہیں۔ اگر مسلمانوں کی یہود ونصاریٰ کے اتباع کی یہی حالت رہی اور دین وقرآن سے یہی انحراف رہا تو پھر اور جو کچھ بدحالی اور فسق وفجور کی زیادتی، جرائم کی کثرت اور برائیوں کی پیداوار دن دگنی رات چوگنی اور دین ودنیا کی تباہی ہونی ہے اس کا انتظار کریں اور اگر ملک کو اور قوم کو اس سے بچنے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے تو اتباع قرآن اور اتباع دین کے سوا چارہ اور علاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائے۔

اس آیت کے آخری جملہ میں یعنی وتوبوآ الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون ۝ اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اگرچہ حق تعالیٰ کا خطاب تمام روئے زمین کے مسلمانوں سے ہے مگر میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآنی جملہ کو اہل پاکستان کو مخاطب کر کے خاص طور پر سنایا جبکہ پاکستانی ایک بدترین ذلت میں گرفتار تھے یعنی مشرقی پاکستان کو جبکہ کفار ہند نے فوجی حملہ کر کے ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو فتح کرلیا تھا اور قریب ایک لاکھ پاکستانی فوج گرفتار ہو کر کفار کے قید میں تھی اور ان کا آدھے سے زیادہ ملک کفار کے چنگل میں چلا گیا تھا۔ اس وقت ایک بزرگ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر پاکستانیوں کو اسی قرآنی جملہ سے مخاطب فرما کر ایک خاص تنبیہ و ہدایت فرمائی تھی جس کو کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ (مہتمم جامعہ عربیہ اسلامیہ۔ نیوٹاؤن کراچی) نے اپنے ماہنامہ رسالہ بینات۔ کراچی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۷۲ء میں ''بصائر وعبر'' کے تحت شائع فرمایا تھا۔ جس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں۔

یہ خواب کسی بزرگ نے لاہور سے لکھ کر حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا تھا اور ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جبکہ ڈھاکہ میں ہندوستانی فوجیں فاتح بن کر داخل ہوئی تھیں اور ایک لاکھ پاکستانیوں کو ذلت کے ساتھ قیدی بنالیا تھا۔ اس کے چند یوم بعد یعنی ۹-۱۰ جنوری ۱۹۷۲ء کی درمیانی شب میں یہ خواب دیکھا گیا تھا۔ حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ''بینات'' مذکورہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''کچھ دن ہوئے لاہور سے ایک صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ ہم اس مکتوب اور اس کے ساتھ منسلک خواب کو بصائر وعبر کی مناسبت سے یہاں پیش کرتے ہیں۔

''..........السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۹-۱۰ جنوری کی درمیانی شب کو میں نے ایک خواب دیکھا جس کی کاپی جناب کو روانہ کر رہا ہوں۔ اس خواب میں میں نے کچھ علماء کو جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں بیٹھے دیکھا ہے جس میں ایک آپ بھی ہیں پہلی صف میں مولانا مفتی محمد حسنؒ۔ مولانا محمد یوسف دہلویؒ۔ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ۔ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاریؒ اور جناب (مولانا محمد یوسف بنوریؒ) تشریف فرما ہیں......اب اس خواب کے بعد جو یہاں نقل کیا جارہا ہے طبیعت خاصی پریشان ہے۔ سوچتا ہوں کہ اس پیغام کا حق کیسے ادا ہو۔ امید ہے آپ کوئی تسلی بخش جواب دیں گے۔ والسلام''

خواب اور پیغام

''جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں مشرق کی

جانب رخ کئے ایک منبر پر تشریف فرما ہیں۔ میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوں اور ایک دبلے پتلے گورے چٹے بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کھڑے ہیں، علماء کا ایک گروہ بھی حاضر خدمت ہے، ایک عالم دین کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پاکستان کے حالات بیان کر رہے ہیں، واقعات سناتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں! "پھر یا رسول اللہ! ہندوستان کی فوجیں فاتحانہ انداز سے ہمارے ملک میں داخل ہو گئیں۔" تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی تھام لیتے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے لگا تار آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام محفل پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور بعض حضرات تو چیخیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم علماء کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں۔ "اس حادثۂ عظیم پر ملائکہ بھی غمزدہ ہیں، مگر ان کو تمہارے اعمال کی بدولت تمہاری مدد کے لئے نہیں بھیجا گیا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"تمہیں معلوم ہے تمہاری اس مملکت میں میری نبوت کا مذاق اڑایا گیا، میرے صحابہ کو گالیاں دی گئیں اور میری سنت کی تضحیک و اہانت کی گئی۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے جماعت علماء! امت کو میرا پیغام پہنچا دو کہ جب تک حکام عیاشی، ظلم اور تکبر نہیں چھوڑیں گے۔ اغنیاء جب تک بخل، حق تلفی اور بے حیائی ترک نہیں کریں گے۔ علماء جب تک کتمانِ حق۔ حرصِ دنیا اور ریاکاری و خودنمائی سے باز نہیں آئیں گے۔ عورتیں جب تک بدکاری، ناچ رنگ، فحش گانے، شوہروں کی نافرمانی اور عریانی و بے پردگی نہیں چھوڑیں گی اور پوری قوم جب تک جھوٹی گواہی، غیبت، زنا، لواطت، شراب نوشی، سود خوری اور اعمال شرک سے توبہ نہیں کرے گی خوب یاد رکھو اس وقت تک عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم مجھے ان باتوں کے ترک کر دینے کی ضمانت دو، میں تمہیں دنیا و آخرت کی بھلائی کی ضمانت اور دشمن پر غلبہ کی بشارت دیتا ہوں۔ لیکن اگر تم اب بھی ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو خوب یاد رکھو عنقریب ایک سخت ترین عذاب بصورت نفاق آنے والا ہے، جس سے تم کو اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔" (العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

واتقوا فتنة لاتصيبن الذين ظلموا منكم خآصة واعلموآ ان الله شديد العقاب (پ۹۔ سورۂ انفال)

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (بیان القرآن)

اس آیت کے سنتے ہی ہم سب پر گریہ طاری ہو گیا، ہم رو رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے۔

وتوبوآ الى الله جميعا ايها المؤمنون لعلكم تفلحون (پ۱۸۔ سورۂ النور آیت ۳۱)

اور اے مسلمانو! تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ" (بیان القرآن)

حضرت مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں کہ "اس پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔" "عذاب بصورت نفاق" کی تعبیر صوبائی عصبیت اور گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے جو ملک کے در و دیوار سے ٹکرا رہا ہے، جس میں علماء و صلحاء اور عوام و حکام سب بہے جا رہے

ہیں، اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تمام نفاق پیشہ عناصر اپنی پوری قوتیں صرف کر رہے ہیں، پورا ملک ''آتش نفاق'' کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں ہے جس پر توبہ و استغفار، تضرع و ابتہال اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ آج تو قابو پایا جاسکتا ہے۔ مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوگی۔ اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے، کون رہے گا، اور کس کی حکومت ہوگی اور کون محکوموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں، اور پوری امت کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔''

یہ خواب کا تذکرہ تو یہاں ضمناً درمیان میں آ گیا جس سے اللہ تعالیٰ ہم کو تنبیہ و ہدایت نصیب فرمائیں۔

اصل مضمون کے متعلق یہاں آیت میں عورت کے لئے آٹھ قسم کے مردوں کا اور چار دوسری اقسام کا پردہ سے استثناء کیا گیا ہے۔ مردوں میں سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں۔ دوسرے اپنے باپ ہیں جس میں دادا پردادا، نانا پرنانا سب شامل ہیں، تیسرے خسر یعنی شوہر کا باپ ہے، اس میں خسر کے باپ دادا، نانا سب شامل ہیں۔ چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ اس میں پوتے نواسے شامل ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں یعنی سوتیلے بیٹے، پوتے، چھٹے اپنے بھائی۔ اس میں حقیقی بھائی بھی شامل ہیں اور باپ شریک اور ماں شریک بھائی بھی، لیکن ماموں، خالہ یا چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے۔ یہاں بھی صرف حقیقی یا ماں شریک یا باپ شریک بھائی کے لڑکے مراد ہیں۔ دوسرے عرفی بھائیوں یعنی ماموں، خالہ، چچا، تایا اور پھوپی زاد بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں ہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے، اس میں بھی حقیقی اور ماں شریک یا باپ شریک بہنوں کے لڑکے مراد ہیں۔ ماموں زاد چچا زاد وغیرہ بہنوں کے لڑکے داخل نہیں۔ یہ آٹھ قسم تو مردوں کی ہیں جو احکام حجاب اور پردہ سے مستثنیٰ ہیں مگر یہ واضح رہے کہ ستر عورت سے استثناء نہیں۔ عورت کا جو بدن ستر میں داخل ہے جس کا کھولنا نماز میں بھی جائز نہیں اس کا دیکھنا محارم یعنی باپ، بیٹے، بھائی، وغیرہ کو بھی جائز نہیں۔

چار دوسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں ان میں ایک نسآئِهِن کو فرمایا گیا یعنی اپنی عورتیں جس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں کہ ان کے سامنے بھی وہ تمام اعضاء کھولنا جائز ہے جو اپنے باپ بیٹوں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں اس لئے جو اعضاء ایک عورت اپنے باپ بیٹوں کے سامنے نہیں کھول سکتی ان کا کھولنا کسی مسلمان عورت کے سامنے بھی جائز نہیں۔ علاج معالجہ کی ضرورتیں مستثنیٰ ہیں۔ مسلمان عورتوں کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ کافر مشرک عورتوں سے بھی پردہ ہے۔ مگر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں یہاں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ کیونکہ احادیث میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں کافر عورتوں کا ازواج مطہراتؓ کے پاس جانا ثابت ہے اس لئے اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے کافر عورتوں کو مثل غیر محرم مردوں کے قرار دیا ہے بعض نے اس معاملہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ ان سے پردہ نہیں۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ لفظ نساء ھن میں تو سبھی عورتیں مسلم اور کافر داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پر مبنی ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسیؒ نے اسی قول کو اختیار فرما کر کہا ہے کہ

یہی قول آج کل لوگوں کے مناسب حال ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

دوسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ **او ما ملکت ایمانھن** ہے یعنی وہ جو ان عورتوں کے مملوک ہوں اس میں بظاہر شرعی غلام اور لونڈیاں دونوں داخل معلوم ہوتی ہیں لیکن اکثر ائمہ فقہاء کے نزدیک اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں۔غلام مرد اس میں داخل نہیں۔

تیسری قسم جن سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ **او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال** ہے اس سے مراد وہ بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت اور دلچسپی نہ ہو اور جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہوں۔اس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس وقت اس قسم کے کچھ بدحواس مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں آتے جاتے تھے۔

چوتھی قسم جس سے عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں وہ **او الطفل الذین لم یظھروا علی عورت النسآء** ہے یعنی ایسے نابالغ بچے جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات و صفات وحرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو اور قریب البلوغ ہو اس سے پردہ واجب ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کو سوائے چند مخصوص مواقع کے زینت کا اظہار ممنوع ہے اور موجب فتنہ ہے۔اسی طرح زینت یعنی زیور وغیرہ کی آواز کے اظہار کی بھی ممانعت فرمائی جو موجب فتنہ ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔لہٰذا عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب میں اس بارہ میں نص صریح ہے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان و اقامت بالاجماع ناجائز ہے۔معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے۔ جب عورت کی اذان و اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کا کھلے منہ آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ زیب وزینت سے شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور پھر اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو پکا اور سچا اسلام نصیب فرمائیں۔اور قرآن و سنت کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات پر سچی توبہ اور رجوع الی اللہ کی ہدایت نصیب فرمائیں کہ اسی میں ہماری دین ودنیا کی کامیابی وکامرانی ہے۔

ابھی مزید ہدایات کا سلسلہ اگلی آیات میں جاری ہے۔جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! جس قوم سے اور امت کے جن افراد سے رحمۃ اللعالمین، نبی کریم، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ناخوش ہوں تو ان کو دین ودنیا کی صلاح وفلاح کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتنبیہات پر کان نہ دھرنے والے آپ کی ناراضگی اور عذاب سے کیسے بچ سکتے ہیں۔یا اللہ! ہماری بدحالی اب انتہائی قابل رحم وکرم ہے۔ نبی الرحمۃ کے طفیل میں اب امت مسلمہ پر رحم فرما کر ان کی اصلاح کی صورتیں غیب سے فرما دے۔ ہمارے علماء وصلحاء حکام اور عوام۔ مردوں اور عورتوں سب ہی کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت وعظمت عطا فرما دے اور آپ کے اتباع کی توفیق نصیب فرما دے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ

اورتم میں جو بے نکاح ہوں تم اُن کا نکاح کردیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اُن کو

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى

اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں اُن کو چاہیے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں

يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے (پھر نکاح کرلیں)

وَانْكِحُوا اور تم نکاح کرو	الْاَيَامٰى بیوہ عورتیں	مِنْكُمْ اپنے میں سے اپنی	وَالصّٰلِحِيْنَ اور نیک	مِنْ سے	عِبَادِكُمْ اپنے غلام	
وَاِمَآئِكُمْ اور اپنی کنیزیں	اِنْ يَّكُوْنُوْا اگر وہ ہوں	فُقَرَآءَ تنگدست	يُغْنِهِمُ انہیں غنی کردیگا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے	وَاللّٰهُ اور اللہ
وَاسِعٌ وسعت والا	عَلِيْمٌ علم والا	وَلْيَسْتَعْفِفِ اور چاہیے کہ بچے رہیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	لَا يَجِدُوْنَ نہیں پاتے	نِكَاحًا نکاح	
حَتّٰى یہانتک کہ	يُغْنِيَهُمُ انہیں غنی کردے	اللّٰهُ اللہ	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو متعدد احکام حیا۔ عفت اور عصمت کی حفاظت کے لئے دیئے گئے تھے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکام اس آیت میں دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ بے نکاح اور مجرد رہنے میں عفت وعصمت کو بڑا خطرہ ہے اس لئے یہاں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہوکر بیوہ یا رنڈوے ہوگئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کردیا جائے۔

حدیث میں بھی نکاح کی بڑی فضیلت اور ترغیب آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''کہ اے علی تین کاموں میں دیر نہ کرو۔ نماز فرض کا جب وقت آجائے۔ جنازہ جب موجود ہو۔ اور رانڈ عورت جب اس کا کفومل جائے۔'' ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ ''کہ جو میری فطرت چاہے وہ میری سنت اختیار کرے اور میری سنت نکاح ہے۔'' ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ ''کہ جس کے پاس نکاح کے لئے مال ہو اور وہ نکاح نہ کرے تو ہم میں سے نہیں ہے۔'' ایک اور صحیح حدیث میں ارشاد ہے۔ ''لوگو ایسی عورتوں سے نکاح کرو جن میں کثیر النسل ہونے کی قابلیت ہو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری کثرت سے گذشتہ امتوں پر فخر کروں گا''

اب ذرا غور کیجئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ نسل بڑھاؤ تاکہ امت مسلمہ کی کثرت سے گذشتہ امتوں پر فخر کا موقع حاصل ہو اور امتی یہود ونصاریٰ کے مشورہ اور حکم پر یہ کہیں کہ ملک اور قوم میں منصوبہ بندی کا پرچار کرو تاکہ بچے کم پیدا ہوں اور جب بچے کم پیدا ہوں گے تو کھانے والے کم ہوں گے اور اناج کی اس طرح فراوانی ہوگی اور ملک کو ترقی حاصل ہوگی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے گروہ جوانان! تم میں سے جس میں نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح سے حرام نظر کی بندش اور شرمگاہ کی حفاظت بخوبی ہوجاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ جب تم سے وہ شخص جس کے دین اور خلق کو تم پسند کرتے ہو نکاح کی درخواست کرے تو نکاح کردو ورنہ زمین پر بڑا فتنہ وفساد ہوگا۔ بہرحال قرآن و حدیث دونوں میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہمارے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ اور اکثر علماء کے نزدیک نکاح سنتِ مؤکدہ اور قریب بوجوب ہے لیکن قدرت اور طاقت شرط ہے اور اگر مغلوب الشہوت ہوکر زنا وغیرہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتو واجب ہے۔

تو یہاں آیت میں جو بھی بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت اور خواہ ابھی نکاح نہ ہوا ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے اب تجرد ہوگیا ہو۔ اور حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں تو ہدایت ہے کہ تم ان کا نکاح کردیا کرو۔

گذشتہ زمانہ میں غلام اور لونڈیوں کا دستور تھا اس لئے آگے ان کے لئے بھی ہدایت ہے کہ تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو نکاح کے لائق ہوں یعنی حقوق زوجیت کو ادا کرسکے اس کا بھی نکاح کردیا کرو۔ بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس و پیش کیا کرتے ہیں کہ ان کا نکاح ہوجانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا؟ جیسے منصوبہ بندی والے کہتے ہیں کہ بچے زیادہ ہوگئے اور آبادی بڑھ گئی تو کھانے کو کہاں سے آئے گا؟ انہیں بتلایا جاتا ہے کہ ایسے موہوم خطرات سے نکاح سے مت رکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اس کو تو وہ سچ جانے گا اور اس پر یقین کرے گا جس کا سچا ایمان خدا کی ذات اور اس کی کتاب پر ہو۔ کیا معلوم کہ خدا چاہے تو ان بیوی بچوں ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کردے۔ تو نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس لاتا ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں۔ الغرض روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں پھر یہ خیال نکاح سے کیوں مانع ہو۔ اس لئے صاف ارساد ہوا کہ اگر بے نکاح مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے جس کو چاہے غنی کردے اور سب کا حال خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جس کو غنا کا اہل جانے غنی کردے اور جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کردے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لاسکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے، چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبطِ نفس اور عفیف رہنے کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنی کردے اور نکاح کے مواقع مہیا فرمادے۔ گویا ایسے مرد اور عورتوں کو کہ جن کے نکاح کی صورت بن ہی نہ پڑے ہدایت فرمائی گئی کہ اپنی پاک دامنی کو ضائع نہ کریں۔ کوشش کے ساتھ عفت کو برقرار رکھیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے موانع کو دور کرکے کام پورا نہ کردے یعنی اگر بالفعل نکاح کی کوئی صورت نمودار نہیں ہوتی تو یہ نہ یقین کرلینا کہ کبھی نکاح ہو ہی نہ سکے گا۔ اس لئے حرام کی نیت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو موانع دور کردیں گے اور اپنے فضل سے کام پورا کردیں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کا بھی نکاح ہوجائے گا اللہ اس کو غنی اور مالدار بنادے گا بلکہ مدعا یہ ہے کہ جب دوسرے حالات موافق میسر ہوں تو محض فقر وافلاس کو مانع نکاح قرار نہ دو۔ اس میں لڑکی والوں کے لئے بھی ہدایت ہے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت دیکھ کر انکار نہ کردیں۔ لڑکے والوں کو بھی تلقین ہے کہ کسی بالغ نوجوان کو محض اس لئے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی زیادہ کمائی نہیں کررہا ہے۔ اور نوجوانوں کو بھی نصیحت ہے کہ زیادہ غنا اور مالداری

کے انتظار میں اپنی شادی کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر نکاح شادی کر لینا چاہئے۔ مستقبل میں کس کے لئے کیا لکھا ہے اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ برے حالات اچھے حالات میں تبدیل ہو سکتے ہیں اور اچھے حالات بھی برے حالات میں بدل سکتے ہیں۔ یہ سب مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہے غنی کر سکتا ہے۔ خوشحالی سے نواز سکتا ہے۔ اس کے ہاں کوئی تنگی اور کمی تو ہے نہیں۔ مگر اب اس وقت ہماری کم فہمی نے مسائل معاش کو ربوبیت الٰہی کے عام قانون سے عملاً خارج سمجھ رکھا ہے۔ اسی لئے ضبط تولید اور منصوبہ بندی اور اولاد نہ پیدا ہونے اور آبادی نہ بڑھانے کی مہمل سکیمیں بروئے کار لائی جارہی ہیں اور ملک سے فقر وافلاس کو دور کرنے اور غنا حاصل ہونے کا ذریعہ سمجھی جارہی ہیں۔ قران پاک نے بار بار اس کم فہمی کو دور کیا ہے اور اس گمراہ خیال پر ضرب لگائی ہے اور بار بار اعلان کیا ہے کہ جسمانیات و روحانیات کے سارے دوسرے مسائل کی طرح معاشیات بھی اسی خالق اکبر رب العالمین کی مشیت کے تابع ہے اور رزق اور روزی کی تقسیم اسی رزاق کے دست قدرت میں ہے۔

تو خلاصہ اور حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے بن بیاہے بیٹھے رہنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کے نکاح کئے جائیں، حتیٰ کہ غلاموں اور باندیوں کو جن کا وجود اب دنیا میں قریب قریب مفقود ہے۔ ان کو بھی بن بیاہا نہ رکھا جائے۔ اور فقر وغنا کو، افلاس اور خوشحالی کو نکاح اور عدم نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔ حیا اور عفت اور عصمت کی حفاظت کے لئے جہاں اور احکام وہدایات گذشتہ آیات میں دیئے گئے ہیں وہیں نکاح کی بھی ترغیب، تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے۔ معاشرہ میں حیا اور عفت پیدا ہونے اور اس کے قائم رکھنے میں باندی اور غلاموں سے متعلق بعض احکام اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور قران پاک کے احکامات پر ایمان ویقین کامل نصیب فرمائیں، قرآن کریم نے جن باتوں کو پسندیدہ قرار دیا ہے وہ ہمیں بھی محبوب ہوں اور جن امور کو ناجائز قرار دیا ہے وہ مبغوض ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شریعتِ مطہرہ کے موافق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں اور خلاف شرع باتوں کو اپنانے سے کامل گریز نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس ملک سے جو غیر شرع قوانین رائج ہیں ان کے یکسر مٹنے اور قرآن کے احکام نافذ ہونے کی صورت غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) اُن کو مکاتب بنا دیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ۔ اور اللہ کے

مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا

(دیئے ہوئے) اُس مال میں سے اُن کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ اور اپنی (مملوکہ) لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ وَلَقَدْ

محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہو جائے۔ اور جو شخص اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُن کے مجبور کئے جانے کے بعد (اُن کیلئے) بخشنے والا مہربان ہے

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴ ع

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گذرے ہیں اُن کی بعض حکایات بھی اور خدا سے ڈرنے والوں کیلئے نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں)

وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	يَبْتَغُوْنَ چاہتے ہوں	الْكِتٰبَ مکاتبت	مِمَّا ان میں سے جو	مَلَكَتْ مالک ہوں	اَيْمَانُكُمْ تمہارے دائیں ہاتھ (غلام)	
فَكَاتِبُوْهُمْ تو تم ان سے مکاتبت (آزادی کی تحریر) کرلو	اِنْ عَلِمْتُمْ اگر تم جانو (پاؤ)	فِيْهِمْ ان میں	خَيْرًا بہتری	وَّاٰتُوْهُمْ اور تم ان کو دو		
مِّنْ سے	مَّالِ اللّٰهِ اللہ کا مال	الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ جو اس نے تمہیں دیا	وَلَا تُكْرِهُوْا اور تم نہ مجبور کرو	فَتَيٰتِكُمْ اپنی کنیزیں	عَلَى الْبِغَاۗءِ بدکاری پر	
اِنْ اَرَدْنَ اگر وہ چاہیں	تَحَصُّنًا پاکدامن رہنا	لِّتَبْتَغُوْا تاکہ تم حاصل کرلو	عَرَضَ سامان	الْحَيٰوةِ زندگی	الدُّنْيَا دنیا	وَمَنْ اور جو
يُّكْرِهْهُّنَّ انہیں مجبور کرے گا	فَاِنَّ تو بیشک	اللّٰهَ اللہ	مِنْۢ بَعْدِ بعد	اِكْرَاهِهِنَّ ان کے مجبوری	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان
وَلَقَدْ اور تحقیق	اَنْزَلْنَآ ہم نے نازل کئے	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	اٰيٰتٍ احکام	مُّبَيِّنٰتٍ واضح	وَّمَثَلًا اور مثالیں	مِّنَ سے
	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	خَلَوْا گزرے	مِنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلے	وَمَوْعِظَةً اور نصیحت	لِّلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	

تفسیر وتشریح:۔ اس رکوع کے شروع سے برابر ان احکام و ہدایات کا سلسلہ چل رہا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں سرے سے برائی، بے حیائی، بدکاری وغیرہ پیدا ہی نہ ہوں اور معاشرتی و تمدنی طور طریقوں کی پوری طرح اصلاح ہو کر شرم وحیا۔ عفت و پاکدامنی والے اخلاق رونما ہوں۔ یہ احکامات و ہدایات ان آیات پر یہاں ختم ہو رہے ہیں۔ گذشتہ آیات میں نکاح کی تلقین فرمائی گئی تھی اور ہدایت دی گئی تھی کہ نہ صرف آزاد بلکہ جو لونڈی اور غلام بھی اس لائق ہوں کہ حقوقِ زوجیت ادا کر سکیں تو ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تا کہ بدکاری و بے حیائی سے وہ بھی دور رہیں۔

اب آگے اس آیت میں غلام و باندیوں سے مکاتبت کا حکم بیان فرمایا جاتا ہے اور زمانۂ جاہلیت کی قبیح رسم جو بدکاری کی لونڈیوں میں پائی جاتی تھی اس کی ممانعت فرمائی جاتی ہے۔ پہلے حکم غلام یا باندیوں کے متعلق مکاتبت کا دیا جاتا ہے۔ مکاتبت کے لفظی معنی ہیں لکھا پڑھی کے مگر اصلاح شریعت میں یہ لفظ غلام اور آقا کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے جس میں غلام آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دے دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور مالک اسے منظور کر لے۔ اور یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام رہے گا لیکن کمائی۔ پیشہ یا تجارت وغیرہ کے باب میں خودمختار

ہو جائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہوگئی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ نہ پوری ہوسکنے کی حالت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت کو فسخ کرالے ورنہ قاضی یا حاکم فسخ کرادے گا۔

اسلام میں غلاموں کی آزادی کے لئے جو صورتیں رکھی گئی ہیں یہ مکاتبت ان میں سے ایک اہم صورت ہے۔ یہ معاہدہ ہو جانے کے بعد آقا کو یہ حق نہیں رہتا کہ غلام کی آزادی میں بے جا رکاوٹیں ڈالے۔ مدت مقررہ کے اندر جب بھی غلام اپنے ذمہ کی رقم ادا کردے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک غلام نے اپنی مالکہ سے مکاتبت کی اور مدت مقررہ سے پہلے ہی مال کتابت جمع کر کے مالکہ کے پاس لے گیا۔ مالکہ نے کہا کہ میں یکمشت رقم نہ لوں گی بلکہ سال بسال اور ماہ بماہ قسطوں کی شکل میں لوں گی۔ غلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رقم بیت المال میں داخل کردے اور جا تو آزاد ہے۔ پھر مالکہ کو کہلا بھیجا کہ تیری رقم یہاں جمع ہو چکی ہے۔ اب تو چاہے یکمشت لے لے ورنہ ہم تجھے سال بسال اور ماہ بماہ دیتے رہیں گے۔ سبحان اللہ! یہ تھی اسلامی حکومت۔ اس زمانہ میں غلام اور باندیوں کا وجود دنیا کے اکثر ملکوں میں نہیں۔ قدیم زمانہ میں جب اسلام آیا تو عرب اور بیرون عرب سب جگہ غلام و کنیز بکثرت پائے جاتے تھے۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی کی تلقین و ترغیب دی جس کی ایک صورت مکاتبت ہے۔ جس کا ذکر یہاں آیت میں فرمایا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ کسی کا غلام یا باندی مکاتبت کے ذریعہ آزادی چاہے تو مالک و آقا کو یہ معاملہ قبول کر لینا چاہئے جبکہ وہ یہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا اگر یہ اطمینان ہو تو بے شک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدان میں ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو باختیار خود نکاح کرلے اور عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرے۔ آگے دولت مند مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ ایسے باندی اور غلام کی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات وخیرات سے تاکہ وہ جلدی آزادی حاصل کرسکیں اور اگر مالک و آقا خود کتابت کا کوئی حصہ معاف کردے تو یہ بھی بڑی امداد ہے۔

عرب میں جاہلیت کے بدترین رسوم میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ وہ اپنی لونڈیوں کو زنا کاری کے لئے مجبور کرتے تھے تاکہ وہ رقم حاصل کر کے اپنے مالکوں کو دیں۔ اسلام نے آکر صرف نکاح کے معروف طریقہ کو جائز قرار دیا اور باقی تمام صورتیں زنا میں شمار ہو کر جرم ہوگئیں۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانا طے کر چکے تھے اس کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا ان میں سے بعض مسلمان ہوگئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ عبداللہ بن اُبی نے ان پر تشدد کیا۔ انہوں نے جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی انہوں نے معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ لونڈی اس ظالم کے قبضہ سے نکال لی جائے۔ یہی زمانہ تھا کہ جب بارگاہِ خداوندی سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور کرنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اس آیت کے منشاء کے مطابق بدکاری کی ان تمام صورتوں کو مذہباً ناجائز اور قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔

شروع سورت سے تمام احکامات کو تفصیل وار بیان کردینے کے بعد فرمان ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے پاک کلام قران کریم کی یہ

واضح اور روشن آیات تمہارے سامنے بیان فرمادیں۔ خدا سے ڈر کر سیدھی راہ اختیار کرنے والوں کو جس طرح تعلیم دی جاتی ہے وہ تو ہم نے دے دی ہے۔ اب اگر تم اس تعلیم کے خلاف چلوگے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کی عبرتناک مثالیں اس قرآن میں ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

اس سورۃ میں یہاں تک نفس کو رذائل اور خباثت سے پاک کرنے اور پاک رکھنے کے لئے دس خاص احکام بیان فرمائے گئے۔

۱۔ پہلا حکم حدِ زنا کے متعلق۔

۲۔ دوسرا حکم نکاح زانی وزانیہ کے متعلق۔

۳۔ تیسرا حکم حدِ قذف یعنی کسی پر زنا کی تہمت بغیر ثبوت کے لگانے کی سزا کے متعلق۔

۴۔ چوتھا حکم لعان یعنی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے متعلق۔

۵۔ پانچواں حکم استیذ ان یعنی کسی کے گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت کے متعلق۔

۶۔ چھٹا حکم مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق۔

۷۔ ساتواں حکم غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کو نکاح کے متعلق۔

۸۔ آٹھواں حکم صبر اور ضبطِ نفس کا جن کو فی الحال اسباب نکاح میسر نہ ہو۔

۹۔ نواں حکم غلاموں اور باندیوں کو مکاتب بنانے کے متعلق۔

۱۰۔ دسواں حکم باندیوں کو زنا پر مجبور کرنے کی ممانعت کے متعلق۔

ان کے خاتمہ پر حق تعالیٰ بندوں پر اظہار احسان فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمہاری ہدایت ونصیحت کے لئے یہ احکام نازل کئے تا کہ تم گندگیوں اور خبائث سے پاک رہو اور تمہارے دل منور اور روشن ہو جائیں اور تم عفیف اور پاک دامن بن جاؤ اور دین ودنیا کی فلاح کے مستحق بن جاؤ۔ غور کیجئے کہ خاتمہ احکام پر اس سے زیادہ مؤثر تنبیہ کے الفاظ اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اگر تم ان کے خلاف چلوگے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کے عبرتناک واقعات قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اور جن کو احکام الٰہی سے منہ موڑنے اور برے کاموں میں پھنسے رہنے کی کیسی سزائیں ملیں کہ نہ نور ہدایت میسر ہوا، نہ راہِ ہدایت نصیب ہوئی۔ آگے اسی نور ہدایت کا ذکر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اس ملک اور قوم اور تمام امت مسلمہ کو اتباع قرآن کی دولت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! جیسا آپ نے اپنے کرم سے ابتداء میں مسلمانوں کو نور ہدایت سے نوازا اب بھی امت مسلمہ کو نور ہدایت سے نواز دے۔

اور امت مسلمہ کو راہِ ہدایت پر چلنا نصیب فرمادے اور ان میں حیاء شرم، پاکدامنی عفت وعصمت کے اخلاق رونما فرمادے۔

یا اللہ! اپنا وہ خوف وخشیت ہم کو عطا فرمادے کہ جو ہم آپ کے فرمانبردار بندے بن جائیں۔ آپ کے قرآن پاک کے متبع ہو جائیں اور آپ کے نبی الرحمۃ کے پکے اور سچے امتی ہو جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔اس کے نُور (ہدایت) کی حالتِ عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔وہ چراغ ایک قندیل میں ہے

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو۔وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون ہے جو نہ پورب رُخ ہے اور نہ پچھم رُخ ہے

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اُس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اُٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نُور علیٰ نُور ہے۔اور اللہ تعالیٰ اپنے (اس) نور (ہدایت) تک جسکو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کیلئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

اَللّٰهُ الله	نُوْرُ نور	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	مَثَلُ مثال	نُوْرِهٖ اس کا نور	كَمِشْكٰوةٍ جیسے ایک طاق	فِيْهَا اس میں
مِصْبَاحٌ ایک چراغ	اَلْمِصْبَاحُ چراغ	فِيْ زُجَاجَةٍ ایک شیشہ میں	اَلزُّجَاجَةُ وہ شیشہ	كَاَنَّهَا گویا وہ	كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ایک ستارہ چمکدار		
يُّوْقَدُ روشن کیا جاتا ہے	مِنْ سے	شَجَرَةٍ درخت	مُّبٰرَكَةٍ مبارک	زَيْتُوْنَةٍ زیتون	لَّا شَرْقِيَّةٍ نہ مشرق کا	وَّلَا غَرْبِيَّةٍ اور نہ مغرب کا	
يَكَادُ قریب ہے	زَيْتُهَا اس کا تیل	يُضِيْٓءُ روشن ہوجائے	وَلَوْ خواہ	لَمْ تَمْسَسْهُ اسے نہ چھوئے	نَارٌ آگ	نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ روشنی پر روشنی	
يَهْدِي اللّٰهُ رہنمائی کرتا ہے اللہ	لِنُوْرِهٖ اپنے نور کی طرف	مَنْ يَّشَآءُ وہ جس کو چاہتا ہے	وَيَضْرِبُ اور بیان کرتا ہے	اللّٰهُ الله	الْاَمْثَالَ مثالیں		
	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَاللّٰهُ اور الله	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	عَلِيْمٌ جاننے والا			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ پورے رکوع میں معاشرہ کو فحش باتوں سے پاک صاف رکھنے اور بدکاری و بے حیائی کی باتوں سے بچنے کے احکامات و ہدایات دے کر گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت صاف اور روشن احکام نازل کئے ہیں۔ان میں انسان کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے اور ہدایت ہی ہدایت ہے۔اس کے بعد بھی اگر کوئی ان احکام پر عمل نہ کرے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہوگا اور اس بات کو پچھلی قوموں کا ذکر فرما کر واضح کر دیا گیا تھا کہ ان کو احکام الٰہی سے منہ موڑنے اور برے کاموں میں پھنسے رہنے کی کیسی سزائیں ملیں۔باقی نور ہدایت ہے تو اللہ ہی کے قبضہ میں وہی جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔اسی مضمون کی تائید اس آیت سے ایک مثال دے کر بیان فرمائی جاتی ہے۔

اس آیت میں اور اس میں بھی ایک چھوٹا سا جملہ اللہ نور السمٰوٰت والارض بڑا دقیق ہے اور اس پر علمائے مفسرین نے بڑی طویل فلسفیانہ تقریریں اور عالمانہ تحریریں سپرد قلم فرمائی ہیں۔ نور سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس کی حقیقت و کیفیت کیا ہے؟ اور اس مثال میں مشکوٰۃ یعنی طاق اور چراغ اور قندیل سے کون اور کس طرح مراد ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب مشکوٰۃ الانوار کے نام سے لکھی ہے اس میں امام صاحب نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور اس پر اس لفظ کا اطلاق حقیقۃً ہے نہ کہ مجازاً جبکہ بعض مفسرین اور علمائے اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ نور کا

اطلاق خدا تعالیٰ پر حقیقۃً نہیں ہوسکتا بلکہ مجازاً ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی ایسی ہی حق تعالیٰ کی صفت نور بھی ہے۔ بعض مفسرین نے تو بہت کچھ لکھ کر آخیر میں کہا کہ یہ پوری آیت ایسی دقیق ہے کہ عقل بشری کما حقہ اس کی تفسیر سمجھنے سے قاصر ہے۔ بہرحال اس آیت کا اردو ترجمہ جو یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے اور حضرتؒ ہی کی فرمائی ہوئی تفسیر کو یہاں اختیار کیا گیا ہے جو جمہور اہل کلام کے مطابق ہے جن کے نزدیک نور سے مراد یہاں نور ہدایت ہے یعنی اللہ کی ہدایت ظاہر و مظہر ہونے میں صاف شفاف چراغ کی روشنی کی طرح ہے۔ یعنی حقائق کا علم اور راہ راست کی ہدایت کا نور اور روشنی اگر مل سکتی ہے تو اسی پاک ذات سے مل سکتی ہے اور اس کے برعکس اس سے فیض حاصل کئے بغیر جہل، ظلمت، تاریکی اور نتیجتاً ضلالت و گمراہی کے سوا اور کچھ ممکن نہیں۔ چونکہ گذشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے اس قرآن میں سب کچھ نصیحتیں اور احکام اور ہدایات کی تلقین فرمادی ہے تاکہ ہدایت کے حاصل کرنے والے اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ اب آگے اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ مومنین و مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کا جو حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن متقی کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ کا قندیل رکھا ہوا اور اس قندیل میں معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے اور یہ روشنی ایسے صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہورہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت یعنی زیتون سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی نہ اس کی شرقی جانب میں کسی درخت یا پہاڑ وغیرہ کی آڑ ہے کہ جو دن کے اول حصہ میں اس پر دھوپ نہ پڑے اور نہ اس کی جانب غربی میں کوئی آڑ ہے کہ دن کے آخری حصہ میں اس پر دھوپ نہ پڑے بلکہ کھلے میدان میں ہے جہاں تمام دن دھوپ رہتی ہے۔ واضح رہے کہ ایسے درخت کا روغن بہت لطیف اور صاف اور روشن ہوتا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدوں آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہوجائے گا اور جب اس میں آگ لگ گئی تب تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ قدیم زمانہ میں زیادہ سے زیادہ روشنی روغن زیتون کے چراغوں سے حاصل کی جاتی تھی اس لئے مثال میں اسی کا ذکر فرمایا گیا۔ تو یہاں جو مثال دی گئی اسی طرح مومن کے قلب میں جب اللہ تعالیٰ نور ہدایت ڈالتا ہے تو لحہ بہ لحہ اس کو قبول حق کے لئے انشراح قلب بڑھتا جاتا ہے اور ہر وقت احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ غرض نور ہدایت الٰہیہ کی یہ مثال ہے۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے اپنے نور ہدایت سے منور فرمائے اور وہی یہ جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے اور کون اس نعمت کا مستحق ہے جو شخص نور حق اور نور ہدایت کا طالب ہی نہ ہو اور جو اس فکر اور جستجو ہی میں نہ پڑے تو اسے زبردستی نور حق دکھانے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے اس نعمت کا مستحق تو وہی ہے جسے اللہ جانتا ہے کہ وہ اس کا طالب اور مخلص طالب ہے۔ اور ہدایت کی جو یہ مثال دی گئی اسی طرح قرآن میں حق تعالیٰ نے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ استعداد حق رکھنے والوں کو بصیرت و ہدایت کی روشنی حاصل ہو۔

یہ تو بیان ہوا نور ہدایت کا اب آگے اہل ہدایت کا حال ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! نور ہدایت کی روشنی اگر مل سکتی ہے تو آپ ہی کی عطا سے مل سکتی ہے۔ اور جس کو آپ یہ روشنی عطا نہ فرمائیں تو جہل ظلمت، تاریکی، ضلالت اور گمراہی کے سوا اسے کیا نصیب ہوسکتا ہے۔ یا اللہ! اپنے نور ہدایت سے ہم میں سے کسی کو تازیست محروم نہ فرمایئے۔ یا اللہ! قبول حق کی صلاحیت و نعمت سے ہم سب کو مالا مال فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳٦﴾ رِجَالٌ

وہ ایسے گھروں میں (عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اُن میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ

جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن (کی دارو گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں

یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ

جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جاویں گی۔ انجام یہ ہوگا کہ اللہ اُن کو اُن کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) اُنکو

مِّنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دیگا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار رزق دے دیتا ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ ان گھروں میں	اَذِنَ حکم دیا	اللّٰہُ اللہ	اَنْ تُرْفَعَ کہ بلند کیا جائے	وَیُذْکَرَ اور لیا جائے	فِیْھَا اُن میں	اسْمُہٗ اسکا نام
یُسَبِّحُ تسبیح کرتے ہیں	لَہٗ اس کی	فِیْھَا ان میں	بِالْغُدُوِّ صبح	وَالْاٰصَالِ اور شام	رِجَالٌ وہ لوگ	لَا تُلْھِیْھِمْ انہیں غافل نہیں کرتی
تِجَارَۃٌ تجارت	وَّلَا بَیْعٌ اور نہ خرید وفروخت	عَنْ سے	ذِکْرِ اللّٰہِ اللہ کی یاد	وَاِقَامِ اور قائم رکھنا	الصَّلٰوۃِ نماز	وَاِیْتَآءِ اور ادا کرنا
الزَّکٰوۃِ زکوٰۃ	یَخَافُوْنَ وہ ڈرتے ہیں	یَوْمًا اس دن سے	تَتَقَلَّبُ الٹ جائیں گے	فِیْہِ اس میں	الْقُلُوْبُ دل	وَالْاَبْصَارُ اور آنکھیں
لِیَجْزِیَھُمُ تاکہ انہیں جزادے	اللّٰہُ اللہ	اَحْسَنَ بہتر سے بہتر	مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے کیا اعمال	وَیَزِیْدَھُمْ اور وہ انہیں زیادہ ہے		
	مِنْ فَضْلِہٖ اپنے فضل سے	وَاللّٰہُ اور اللہ	یَرْزُقُ رزق دیتا ہے	مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہتا ہے	بِغَیْرِ حِسَابٍ بے حساب	

(حصہ اول)

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کی ایک مثال بیان فرمائی گئی تھی جس سے اہل ہدایت کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ وہ اللہ کا احسان مانیں کہ اسی کی توفیق سے ہدایت پائی نیز اس میں اشارہ اس طرف بھی تھا کہ حق تعالیٰ سے نور ہدایت کے ملتجی رہیں۔ اب وہ نور ہدایت کہاں اور کس جگہ پایا جاتا ہے اور اہل ہدایت جو اس نور سے حسب استعداد منور ہوتے ہیں تو ان کا کیا حال ہوتا ہے اور ان کو کیسا انجام نصیب ہوتا ہے یہ ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس نور ہدایت کے ظہور کے خاص مقامات مسجدیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں بنانے اور تعمیر کرنے کے بعد احترام کے ساتھ قائم رکھا جائے اور ان کی پوری طرح خبر گیری کی جائے کہ غلاظت، گندگی اور کثافت سے پاک صاف رہیں۔ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ ان مساجد میں اللہ کے وہ بندے جو رضائے مولا کے طالب ہیں اس کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور ان کے جمع ہونے کا وقت ایک تو صبح کا وقت ہے پھر ظہر سے لے کر دوسرے دن صبح صادق تک کے سب اوقات ہیں۔ غدو سے صبح کی نماز مراد ہے اور آصال میں باقی چار نمازیں داخل ہیں۔ اللہ کے بندے ان اوقات میں اپنے کاروبار اور شغل اشغال چھوڑ چھاڑ کر فرض نمازوں کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکامِ الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے اور وہ اس وقت کو یاد کر کے ڈرتے رہتے ہیں جب اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس دن لوگوں کے دل بدل جائیں گے اور ان کے سارے شک وشبہ مٹ جائیں گے اور یقین ہو جائے گا کہ اللہ عزوجل کی

ذات عالی برحق ہے اور اس کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔ اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ یہ اللہ کے بندے جو اس پر ایمان لا کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے اندر دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے اس روز اپنے اچھے کاموں کی جزا دیئے جائیں گے اور علاوہ جزا کے حق تعالیٰ اپنے فضل سے اور بہت کچھ دے گا۔ اس کے ہاں کسی چیز کی کیا کمی ہے۔ اگر جنتیوں کو بے حد حساب عنایت فرمائے تو اس کے ہاں کیا مشکل ہے۔

یہاں آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد میں حاضر ہونا مردوں کیلئے ہے۔ اسلیئے جمعہ اور جماعت مردوں ہی پر واجب ہے نہ کہ عورتوں پر۔ حدیث میں عورتوں کی نماز کے لئے گھروں کا افضل ہونا ثابت ہے اسلیئے ان کیلئے وہی بجائے مسجد کے ہیں۔ ان آیات میں ایک حکم تو مسلمان مردوں کے لئے یہ معلوم ہوا اور جس کو اہل ہدایت کا نشان بتلایا گیا کہ وہ پانچوں وقت کی فرض نمازیں اللہ کے گھر یعنی مساجد میں حاضر ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اب اسی سے اس کی ضد بھی سمجھ لی جائے یعنی جو بغیر شرعی عذر کے ایسا نہیں کرتے وہ قرآن کی رو سے اہل ہدایت سے نہیں۔

دوسرا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا کہ ان اللہ کے گھروں کی یعنی مساجد کا ادب کیا جائے۔ مساجد کے آداب کی کچھ تفصیلات جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد فرمائی گئی ہیں وہ انشاء اگلے درس میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ان گھروں میں یعنی مساجد میں اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح کی جائے جس سے مراد پنج وقتہ فرائض کی ادائیگی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو فرض نمازیں بغیر کسی شرعی عذر کے مسجدوں میں نہیں ادا کرتے اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ وہ اس قرآن حکیم کے حکم اور منشاء کے صریحاً خلاف کر رہے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرض نمازوں کا مسجد میں جماعت سے ادا کرنے کی نہایت سخت تاکید فرمائی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ اگر ایک لوہار ہتھوڑا اوپر اٹھائے ہوئے کسی لوہے پر مارنا چاہتا ہے مگر درمیان میں اذان کی آواز کان میں پڑ گئی تو فوراً ہتھوڑے کو ہاتھ سے رکھ کر فوراً خدا کے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے اور یہ بھی گوارا نہ ہوتا کہ اٹھائے ہوئے ہتھوڑے سے ضرب کا کام لے لیا جائے۔ ان کا یہ حال تھا کہ اذان کی آواز ان کے بازاروں میں سناٹا ڈال دیتی تھی۔ فوراً خرید و فروخت کو چھوڑ کر اور دکانیں بند کر کے مساجد کی طرف چل دیتے۔ ایسے ہی حضرات کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں کہ جن کو کوئی دنیاوی تجارت اور کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی یعنی یہ لوگ اگرچہ بظاہر دنیوی تجارت میں مشغول ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ ایسے باہمت اور مردان شجاعت ہیں کہ اصل مقصود ان کا آخرت کی تجارت ہے۔ دنیا کی تجارت ان کو آخرت سے غافل نہیں ہونے دیتی۔ ان کا اصل مقصود دین ہے اور دنیا اس کی تابع ہے۔

تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین دنیا کے منافی نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے دنیا سے جاتا رہتا ہے بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت و زراعت اور صنعت و حرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دارومدار ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کسب حلال فرض ہے۔ تو شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا البتہ اس کے احکام بتلائے ہیں اور عقلاً یہ بالکل درست ہے۔ دنیا کی کونسی حکومت ہے جس میں تجارت و زراعت یا صنعت و حرفت وغیرہ کے متعلق احکام و قوانین موجود نہ ہوں۔ اسی طرح شریعت میں بھی تجارت و زراعت کے احکام موجود ہیں اور یہ احکام دنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بڑھ کر آسان ہیں۔ شریعت نے یہ کہیں نہیں کہا کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ دو بلکہ شریعت تو یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے باہر مت نکلو۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

غرضیکہ مومنین و صالحین کی یہ صفت بیان کی گئی کہ ان کو تجارت اور بیع وغیرہ کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

اب یہاں آیات میں چونکہ مساجد میں ذکر اللہ اور ان کے ادب و احترام کا حکم ہوا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں ضروری احادیث مساجد کے فضائل و آداب و احکام کے متعلق بیان کر دی جائیں جو انشاء اللہ علیحدہ آئندہ درس میں بیان کی جائیں گی۔

(حصہ دوم)

لفظی ترجمہ:۔ وہ (یعنی اہل ہدایت) ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ ان میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔ انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے۔"

تفسیر و تشریح:۔ ان آیات سے متعلق بیان گذشتہ درس میں ہو چکا ہے جس میں اہل ہدایت کا حال بیان فرماتے ہوئے بتلایا گیا تھا کہ وہ ایسے گھروں میں جا کر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب واحترام کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ یہاں مفسرین نے گھروں سے مراد مسجدیں لی ہیں جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے۔ تو چونکہ مساجد کا ادب اور ان میں ذکر اللہ کی تاکید اللہ تعالیٰ نے حکماً فرمائی ہے اس لئے مفسرین نے یہاں ان آیات کے تحت اجمالاً یا تفصیلاً احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد کے فضائل وضروری آداب واحکام بھی بیان فرمائے ہیں جو مختصراً اس درس میں بیان کئے جاتے ہیں۔

مساجد کے فضائل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیشک زمین میں اللہ کے گھر مساجد ہیں اور اللہ نے ذمہ لیا ہے کہ اس شخص کا اکرام کرے گا جو اس کی زیارت کے لئے مساجد میں آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساجد کی عظمت درحقیقت خداوند قدوس کی عظمت ہے اسی طرح ان کی بے ادبی العیاذ باللہ خداوند کبریا کی بے ادبی ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں بازار ہیں آخرت کے بازاروں میں سے جو شخص ان میں داخل ہو گیا وہ اللہ کا مہمان ہے۔ اس کی مہمانی مغفرت ہے اور اس کے لئے تحفۂ تکریم و تعظیم ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیا کی تمام جگہوں میں سب سے پیاری جگہ اللہ کے نزدیک اس کی مساجد ہیں اور تمام جگہوں میں بدترین جگہ بازار ہیں۔ (اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پیدائش عالم کا مقصد بحکم قرآن کریم صرف ذکر اللہ اور اس کی اطاعت ہے۔ اس لئے جو جگہیں اس مقصد کو زیادہ ادا کرتی ہیں وہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہیں اور جن جگہوں میں ذکر اللہ کے بجائے غفلت اور طاعت کے بجائے معصیت ہوتی ہے وہ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں۔ مساجد چونکہ ذکر اللہ کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے وہ بہترین جگہیں ہیں اور بازار چونکہ عموماً غفلت، معاصی، جھوٹ، شور و شغب اور جھگڑے قصوں کی جگہ ہے اس لئے اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہیں۔ اس لئے سنت ہے کہ جب بازار میں داخل ہو تو یہ کلمہ پڑھے **لا اله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو حي لايموت وهو على كل شيء قدير)**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہونے کے وقت یہ کلمہ پڑھے اس کے لئے ایک لاکھ ثواب لکھے جاتے ہیں اور ایک لاکھ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور ایک لاکھ درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے۔ بعض صحابۂ کرام سے روایت کیا جاتا ہے کہ وہ کبھی صرف اس کلمہ کو پڑھنے اور اس کا ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے ہی بازار جایا کرتے تھے۔

عورتوں کے لئے مسجد کی نماز سے افضل گھر کی نماز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کی بہترین مسجد گھر کے اندر کا کونہ ہے۔ حتیٰ کہ خانۂ کعبہ میں بھی عورتوں کے لئے گھر کی نماز حرم شریف کی نماز سے افضل ہے۔ اسی لئے سنت ہے کہ اپنے گھر میں کوئی جگہ خاص نماز کے لئے کر لی جائے اور اس کو پاک صاف رکھا جائے اور اس میں خوشبو لگائی جائے۔ حدیث میں اس جگہ کے لئے مسجد ہی کا لفظ بولا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ان کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبو لگائی جائے۔ اگرچہ ان جگہوں میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ ہونے کی وجہ سے یہ بالکل مسجد کے حکم میں نہیں لیکن تاہم حدیث میں ان کو بھی مسجد کہا گیا ہے۔ عورتیں اگر اعتکاف کرنا چاہیں تو اسی گھر کی مسجد میں کرسکتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ اپنے گھر میں ایک مسجد بنالے جن میں سنتیں اور نوافل پڑھا کرے لیکن اس کے واسطے بالکل مسجد کا حکم نہیں مثلاً عورتیں بحالتِ حیض اس میں داخل ہوسکتی ہیں بخلاف مساجد کے کہ ان میں حائضہ کا داخل ہونا جائز نہیں۔

مساجد کی صفائی سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مسجدوں کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبوئیں لگائی جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے اعمال کے ثواب سب میرے سامنے پیش کئے گئے یہاں تک کہ ایک تنکا جس کو کہ کسی شخص نے مسجد سے نکال دیا ہو اس کا ثواب بھی پیش کیا گیا اور میرے سامنے امت کے گناہ بھی سب پیش کئے گئے پس میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں دیکھا کہ ایک آدمی قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت یاد کرکے پھر بھول جائے۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی جب اس کا انتقال ہوا تو چونکہ رات کا وقت تھا صحابۂ کرام نے یہ سمجھ کر کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی گئی تو آپ تشریف لائیں گے اور اندھیرے میں آپ کو تکلیف ہوگی۔ اس میت کو خود ہی نماز پڑھ کر دفن کردیا اور آپ کو اس وقت اطلاع نہیں کی، جب صبح کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو تو مجھے خبر کردیا کرو۔ میں نے اس عورت کو جنت میں دیکھا ہے اس لئے کہ وہ مسجد سے کوڑا کباڑ اٹھا دیتی تھی۔ مگر واضح رہے کہ صفائی اور چیز ہے اور زیب و زینت، گلکاری، رنگا رنگ کے نقش ونقوش اور بیل بوٹے اور شے ہے۔ مسجد کی صفائی ضروری اور باعث اجر وثواب ہے لیکن بے حد زینت اور گلکاریاں مکروہ اور مذموم ہے۔

حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کام بگڑتا ہے تو وہ اپنی مسجدوں کو نقش ونگار اور بیل بوٹوں سے آراستہ کرنے لگتے ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنی مساجد کو مزین کرنے لگو جو کہ نماز میں مخل ہو اور اپنے قرآنوں کو ایسا آراستہ کرو جو کہ حضور قلب میں خلل انداز ہو تو سمجھ لو کہ یہ تمہاری ہلاکت کا وقت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مساجد کی سجاوٹ اور زیب و زینت یہود ونصاریٰ کا دستور فرماتے تھے اور اس سے ناراضگی کے لہجہ میں پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ تم مساجد کو مزین کروگے جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا۔''

مگر افسوس کہ ہم باوجود ان تنبیہات کے ان مکروہات سے نہ بچ سکے۔ دیکھ لیجئے بعض مساجد میں شب برأت اور شب معراج وغیرہ راتوں میں مسجد جو عبادت گاہ ہے اس کو کثرتِ چراغاں اور جھالروں کی روشنی وغیرہ سے تماشہ گاہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ مسجد میں لوبان، عود وغیرہ کی دھونی دینا۔ اگر کی بتیاں جلانا سنت ہے اور صحابۂ کرام کا ہمیشہ یہ دستور رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی مسجدوں سے ناسمجھ بچوں، پاگلوں کو علیحدہ رکھو اور ان کو اپنی خرید وفروخت اور شور وشغب سے پاک رکھو اور سزا دینے اور تلوار کھینچنے سے پاک رکھو اور ان کے دروازوں پر وضوخانہ بناؤ۔ اور ان کو ہر جمعہ کے دن خوشبو کی دھونی دیا کرو۔ اس ارشاد کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے روز مسجد میں دھونی دیا کرتے تھے۔ افسوس کہ لوگ مساجد کے اندر طرح طرح کے مکروہ تکلفات کرتے ہیں مگر اس سنت کی طرف توجہ نہیں۔ جہاں

مسجد کو خوشبو وغیرہ کی دھونی دینے کا حکم ہے وہیں بدبودار چیز سے بچانے اور مسجدوں میں نہ لانے کا بھی حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بدبودار درخت یعنی کچی پیاز کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اس لئے کہ فرشتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو ایذا ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اس کی بدبو منہ سے نہ جائے اس وقت تک مسجد میں نہ داخل ہو۔ اور یہی حکم ہر بدبودار چیز کا ہے جیسے حقہ، سگریٹ، بیڑی، کچی مولی، لہسن، پیاز وغیرہ، حقہ سگریٹ پینے والے کثرت سے اس میں غفلت کرتے ہیں۔ جس شخص کو غسل کی حاجت ہو اس کو مسجد میں داخل ہونا حرام ہے اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت کو بھی مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ اگر مسجد کے دو دروازے ہوں تو ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے گزر جانا اور مسجد کو گزرگاہ یعنی راستہ بنانا ناجائز ہے۔ البتہ اگر کسی عذر سے کبھی اتفاقاً مسجد سے گزر گیا تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کی عادت ڈالنا ناجائز ہے۔ اور وہ شخص جو ایسا کرے فقہاء نے اسے فاسق قرار دیا ہے۔

جب مسجد میں داخل ہو تو مستحب ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے جس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی ہے لیکن یہ تحیۃ المسجد صرف ظہر، عصر اور عشاء میں مستحب ہے۔ فجر کی نماز فرض سے پہلے سوائے سنت فجر کے اور کوئی نوافل نہ پڑھنا چاہئے۔ اور مغرب کی نماز سے پہلے بھی حنفیہ کے ہاں کوئی نفل پڑھنا مستحب نہیں۔ جو شخص کثرت سے مسجد میں آتا جاتا رہتا ہے تو اس کے لئے ہر روز صرف ایک مرتبہ دو رکعتیں پڑھ لینا تحیۃ المسجد کے لئے کافی ہے۔

گم شدہ چیز کے لئے مسجد میں اعلان کر کے تلاش کرنا بھی ناجائز ہے البتہ اگر مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی ہو تو اس کو وہاں لوگوں سے دریافت کر سکتا ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ سنے کہ کوئی آدمی اپنی گمشدہ چیز کو مسجد میں ڈھونڈ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ یہ کہے کہ خدا اس کی چیز اس کو واپس نہ دے اس لئے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ مسجد میں کھانا کھانا اور سونا جائز نہیں سوائے مسافر اور معتکف کے کہ اس کو مسجد میں کھانا اور سونا جائز ہے۔ مسجد میں ذکر جہر کرنا اور ایسی بلند آواز سے تلاوت قرآن کرنا جس سے کسی کی نماز و تسبیح میں خلل ہو ناجائز ہیں البتہ اگر مسجد میں کوئی آدمی نماز یا تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہو تو پھر بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ جو دنیا کی باتیں خارج مسجد جائز اور مباح ہیں مسجد میں وہ بھی ناجائز ہیں اور جو خارج مسجد بھی ناجائز ہوں وہ مسجد میں سخت حرام ہیں۔ لکھا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو اس طرح کھا لیتی ہیں جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا لیتی ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس دن کے نیک عمل حبط کر دیتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر باتیں کرنے کی غرض سے نہ بیٹھے بلکہ اتفاقی طور سے کوئی دنیا کی ضروری بات آہستہ سے کہہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اس سے بھی بچے جیسا کہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین کے عمل سے ظاہر ہے۔

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کا اس طرح صفایا کر دیتی ہیں جیسے چوپائے گھاس کھا جاتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی مسجد میں دنیا کی باتیں شروع کرتا ہے تو فرشتے پہلے کہتے ہیں اسکت یا ولی اللہ اے اللہ کے ولی چپ رہ پھر اگر وہ چپ نہیں ہوتا اور باتوں میں لگا رہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت یا بغیض اللہ** اے اللہ کے دشمن چپ رہ پھر اگر اس پر بھی خاموش نہیں ہوتا اور باتیں کرتا چلا جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت لعنت اللہ علیک** تجھ پر خدا کی لعنت چپ رہ۔ تم مسجد میں آئے تھے کہ ثواب لے کر جائیں اور نور ہدایت سے قلب منور کریں اس کی بجائے فرشتوں کی بددعائیں لے کر لوٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مساجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔

ان آیات کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن (جلد ۶ ص ۴۲۸) میں لکھا ہے کہ امام قرطبیؒ نے آداب مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین کہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ ان کو سلام کرنا درست نہیں۔

دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو۔ مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء النصف النہار کا وقت نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ وہاں تیر و تلوار نہ نکالے۔

پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔

چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔

ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔

آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔

نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں میں تنگی پیدا نہ کرے۔

دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔

گیارھویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔

بارھویں یہ کہ اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔

تیرھویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔

چودھویں یہ کہ نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچہ یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے۔

پندرھویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

امام قرطبیؒ نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز و امان کی جگہ بن گئی۔

خلاصہ یہ کہ تمام دنیا کے شاہی درباروں اور عدالتوں کے خاص خاص آداب مقرر ہوئے ہیں۔ چونکہ مسجد تمام بادشاہوں کے پیدا کرنے والے کا عظیم الشان دربار ہے اس لئے اس کے بھی کچھ آداب ہیں جو اس دربار کے ناظم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلائے اور بتلائے ہیں اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ان کو معلوم کرے اور ان کے موافق چلنے کی کوشش کرے اور سب سے بڑا حق ان مساجد کا یہی ہے کہ پانچوں وقت کی نماز کے لئے یہاں حاضری دی جائے اور جماعت سے فرض نماز ادا کی جائے۔

الغرض نور ہدایت کے سلسلہ میں اہل ہدایت کے اجر و ثواب کا بیان ہوا اب ان کے مقابل اہل ضلالت کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آخرت کی طرف سے ہمارے دلوں پر جو غفلت چھائی ہوئی ہے اس کو دور فرما دیجئے۔ اور ہمیں اپنے ذاکر فرمانبردار بندوں میں شامل کرنا نصیب فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں ایسی نمازوں کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما دے جو آپ کی رضا اور قرب کا ذریعہ ہوں۔ اور ہم اپنی مساجد کو بازار کا نمونہ نہ بنائیں۔ بلکہ بازاروں میں بھی جا کر ہم آپ کی رضا اور قرب حاصل کرنے والے بن جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ

اور جولوگ کافر ہیں اُن کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اسکو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اسکو کچھ بھی

شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ

نہ پایا اور قضائے الٰہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب اسکو برابر سرابر چکا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب (فیصل) کردیتا ہے یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر میں

لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ

اندرونی اندھیرے کہ اسکو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اس کے اوپر دوسری لہر اسکے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں۔

اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰

کہ اگر اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں میسر ہوسکتا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور جن لوگوں نے کفر کیا	اَعْمَالُهُمْ ان کے عمل	كَسَرَابٍ سراب کی طرح	بِقِيْعَةٍ چٹیل میدان میں	يَّحْسَبُهُ گمان کرتا ہے		
الظَّمْاٰنُ پیاسا	مَآءً پانی	حَتّٰٓي یہانتک کہ	اِذَا جَاۗءَهٗ جب وہ وہاں آتا ہے	لَمْ يَجِدْهُ اس کو نہیں پاتا	شَيْـــًٔا کچھ بھی	وَّوَجَدَ اور اس نے پایا
اللّٰهَ اللہ	عِنْدَهٗ اپنے پاس	فَوَفّٰىهُ تو اس (اللہ) نے اسے پورا کردیا	حِسَابَهٗ اس کا حساب	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَرِيْعُ الْحِسَابِ جلد حساب کرنیوالا	
اَوْ كَظُلُمٰتٍ یا جیسے اندھیرے	فِيْ بَحْرٍ دریا میں	لُّـجِّيٍّ گہرا پانی	يَّغْشٰـىهُ اسے ڈھانپ لیتی ہے	مَوْجٌ موج	مِّنْ فَوْقِهٖ اس کے اوپر سے	
مَوْجٌ ایکدوسری موج	مِّنْ فَوْقِهٖ اسکے اوپر سے	سَحَابٌ بادل	ظُلُمٰتٌ اندھیرے	بَعْضُهَا اسکے بعض (ایک)	فَوْقَ بَعْضٍ بعض (دوسرے) کے اوپر	
اِذَا جب	اَخْرَجَ وہ نکالے	يَدَهٗ اپنا ہاتھ	لَمْ يَكَدْ نزدیک نہیں (توقع نہیں)	يَرٰىهَا تو وہ اسے دیکھے	وَمَنْ اور جسے	لَّمْ يَجْعَلِ نہ بنائیں دے
اللّٰهُ اللہ	لَهٗ اس کیلئے	نُوْرًا نور	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ نُّوْرٍ کوئی نور		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں نور ہدایت اور اہل ہدایت کا بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کے ظہور کے مقامات مسجدیں ہیں جہاں اہل ہدایت اور اللہ کے عبادت گزار بندے دن اور رات کے اوقات میں حاضر ہوکر اس کا نام لیتے ہیں اور دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اللہ عزوجل کو نہیں بھولتے۔ اس کے تمام احکام بجالاتے ہیں اور پھر بھی روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ پھر ان اہل ہدایت کا انجام بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے روز ان کے اعمال کی بہت اچھی جزا دیں گے اور اس کے علاوہ اپنے فضل سے اور بہت کچھ عطا فرمائیں گے۔

اب ان اہل ہدایت کے مقابلہ میں ان آیات میں اہل ضلالت کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو نور ہدایت سے دور ہیں اور ان کا انجام بتلایا جاتا ہے کفار یعنی اہل ضلالت دو قسم کے ہیں اس لئے یہاں دو مثالیں بیان فرمائی گئیں۔ کفار کی ایک قسم تو یہود ونصاریٰ اور منافقین کی ہے کہ یہ گروہ برائے نام خدا اور روز قیامت کے قائل ہیں۔ عذاب ثواب کو مانتے ہیں اور اسی بنا پر بظاہر عبادت مذہبی اور کار خیر بھی کرنے کے مدعی ہیں مگر ان کا ایمان بے حقیقت ہے۔ ان کی توحید خالص نہیں۔ اس لئے ان کے اعمال آخرت میں سودمند نہ ہوں گے۔ پہلی مثال تو یہاں آیت میں اس قسم کے کفار کی دی گئی ہے۔ دوسری قسم کفار کی وہ ہے جو بت پرست اور غیر اللہ کی پرستش

کرنے والے ہیں۔ دوسری مثال میں ایسے کفار کی مثال دے کر ان کے اعمال کی حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کے کفار جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر بظاہر کوئی کام ان کا اچھا بھی ہوتو کفر کی شامت سے وہ عنداللہ مقبول اور معتبر نہیں ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی بتلائی گئی کہ جیسے دوپہر کے وقت جنگل بیابان میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بے تاب ہو کر جب وہاں پہنچا، تو معلوم ہوا کہ پانی وانی کچھ نہ تھا۔ یہ تو ریت ہی ریت ہے اب ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب ایک دم میں چکا دیا کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا۔ تو حاصل اس مثال کا یہ ہوا کہ جیسا یہ پیاسا ریت کو ظاہری چمک سے پانی سمجھا اسی طرح یہ کافر اپنے اعمال کو ظاہری صورت سے مقبول اور آخرت میں نفع بخش اور بار آور سمجھا مگر جیسا کہ وہ ریت پانی نہیں اسی طرح اس کے اعمال نافع نہیں اور جیسا وہاں جا کر اس پیاسے کو حقیقت معلوم ہوئی اسی طرح اس کافر کو آخرت میں پہنچ کر حقیقت معلوم ہوگی اور جس طرح یہ پیاسا اپنی توقع کے غلط ہونے سے ناکام ونامراد ہو کر مر گیا اسی طرح یہ کافر بھی اپنی توقع کے غلط ہونے سے ناکام ونامراد ہوگا اور ہلاکت ابدی یعنی عذاب جہنم میں مبتلا ہوگا۔ ایک قسم کی مثال تو یہ ہوئی۔ آگے دوسری قسم کے کفار کے اعمال کی مثال ہے کہ جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل وکفر اور ظلم وعصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں کہ جیسے گہرا سمندر کہ جس میں ایک پانی کی گہرائی کا اندھیرا۔ پھر موجوں کے طوفان کا اندھیرا، جو ایک پر ایک چڑھی چلی آتی ہیں۔ پھر اس کے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، پھر رات کا وقت، غرض اندھیرے پر اندھیرا ہر طرف سے چھایا ہوا ہے کہ اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں کے قریب لا کر دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے کہ ہاتھ کہاں ہے۔ غرض اسے روشنی کی کہیں سے ذرا سی جھلک بھی نہیں ملتی۔ اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ اس شخص کے پاس اپنے اعمال کے باب میں کوئی بھی امید افزا اور دل خوش کن بات نہیں ظلمت ہی ظلمت ہے کہ اول تو سمندر گہرا پھر جب امواج کا تلاطم ہو تو اور اندھیرا بڑھے گا۔ پھر اوپر سے بادل کی گھٹا بھی ہو تو اندھیرے کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہے گا، خصوصاً اس شخص کے لئے جو سمندر کی تہ میں ہو۔ تو جس طرح اس مثال میں ظلمت ہی ظلمت ہے، اسی طرح ان کفار کے اعمال میں سراسر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اور سچ ہے روشنی اور نور کا منبع تو اللہ عزوجل کی ذات ہے جو اس کی طرف سے غافل ہو گیا اس کے پاس روشنی کا کیا کام۔

پس مقصود یہ جتلانا ہے کہ ان کفار کو چاہئے کہ اتباع احکام الٰہیہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نور ہدایت دیتا مگر انہوں نے اعراض کیا تو تاریکیوں میں رہ گئے اور کہیں سے بھی سہارا نہ لگا۔ اور اس میں قصور اور کوتاہی سراسر کفار کی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی توحید اور الوہیت اور اس کے نور کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نمونے دنیا میں پھیلے ہیں چنانچہ اس کی قدرت کے کچھ نمونے اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے ہم کو اسلام وایمان کی دولت سے نوازا، حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں نور ہدایت سے منور فرمائیں اور آخرت میں بھی ہم کو نور ہدایت کے ثمرات عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آج ہم جو نور ہدایت سے غافل ہیں اور دنیا کے ظلمت میں پھنس گئے ہیں تو ہماری اس غفلت کو دور فرما دیجئے اور آخرت کی طرف سے ہماری آنکھیں کھول دیجئے۔ اور اسلام صادق اور ایمان کامل کے ساتھ اس دنیا سے ہمیں کوچ کرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرند جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا

وَتَسۡبِيۡحَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۴۲﴾

اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو اُن لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے۔ اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يُسَبِّحُ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لَهٗ اسکی	مَنۡ جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالۡاَرۡضِ اور زمین	
وَالطَّيۡرُ اور پرندے	صٰٓفّٰتٍ پر پھیلائے ہوئے	كُلٌّ ہر ایک	قَدۡ عَلِمَ جان لی	صَلَاتَهٗ اپنی دعا	وَ اور	تَسۡبِيۡحَهٗ اپنی تسبیح	وَاللّٰهُ اور اللہ
عَلِيۡمٌ جانتا ہے	بِمَا وہ جو	يَفۡعَلُوۡنَ وہ کرتے ہیں	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	مُلۡكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالۡاَرۡضِ اور زمین	
وَ اور	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	الۡمَصِيۡرُ لوٹ کر جانا					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں پہلے نور ہدایت اور اہل ہدایت کا ذکر ہوا تھا اور پھر ان کے مقابلہ میں ظلمت اور اہل ضلالت کا ذکر ہوا تھا۔ اب جملہ غافل انسانوں کو جس میں نادان کفار بھی شامل ہیں مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ جو ظلمات اور تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کو حق تعالیٰ کا نور ہدایت باوجود غایت ظہور کے نظر نہیں آتا۔ حق تعالیٰ کے نور کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نشانات زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں سے صرف چند کو بطور نمونہ ان آیات میں پیش کیا جا رہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ عالم کی ہر ہر چیز اور ہر ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس وعظمت ظاہر کر رہی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مشغول ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ہر مخلوق اور ہر ہر چیز زبان سے ہی خدا کی پاکی بیان کرتی ہے مگر ہر چیز کی زبان مخصوص ہے اس لئے تسبیح بھی جدا جدا ہے۔ عام انسان ان کی زبان نہیں سمجھتے لیکن خاص خاص روشن ضمیر رکھنے والے کبھی ان کی بولی سمجھ بھی لیتے ہیں چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کنکریوں کی تسبیح سنی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کھانا کھایا جاتا تھا اور ہم اس کی تسبیح سنتے تھے مسجد نبوی میں کھجور کا ایک ستون تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سہارا لے کر وعظ وخطبہ فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بن کر تیار ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور ستون کو چھوڑ دیا تو وہ رو دیا اور حاضرین نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینہ سے چمٹا لیا تو اس کا رونا بند ہوا۔ ہم جن کو بے جان اور بے حس سمجھتے ہیں ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عشق ومحبت تھا۔ ایک موقع پر اونٹ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مالک کی شکایت کرنا کہ کام بہت لیتا ہے اور کھانے کو کم دیتا ہے۔ احادیث میں مشہور ہے۔ بہر حال ہر چیز اپنی زبان میں اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر اس کو سننے کے لئے دل کے کان اور دیکھنے کے لئے عقل کی آنکھ اور سمجھنے کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کائنات کی بولی سمجھ نہیں سکتا اسی لئے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ یہاں آیت میں بالخصوص پرندوں کا ذکر علیحدہ فرمایا اس لئے کہ وہ اڑتے ہوئے آسمان اور زمین میں معلق ہوتے ہیں اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی ایک نشانی ہے۔ تو حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت وبندگی اور تسبیح خوانی کا الہام

فرمایا اس کے مطابق وہ اپنا وظیفۂ بندگی ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غرور وغفلت اور ظلمت و جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور اس کی بندگی سے بے بہرہ ہیں۔ مگر ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام افعال و اعمال کا پورا علم ہے اس انکار اور اعراض پر ان کو سزا دے گا۔ وہ بچ کر کہیں جا نہیں سکتے کیونکہ آسمان اور زمین میں اللہ کی حکومت ہے اور آخر میں لوٹ کر ہر ایک کو اسی کے پاس جانا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام کائنات اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور اپنی زبان اور اپنے طریقہ میں اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے۔ پس افسوس غافل اور جاہل انسان پر جو خدا کی بندگی سے اعراض و انکار کرتا ہے۔

ابھی مزید دلائل توحید اور قدرت کی نشانیاں اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنا تسبیح خواں بندہ بنا کر زندہ رکھیں۔ اور شب و روز ہم کو اپنی بندگی اور اطاعت کی توفیق عطا فرماویں۔

یا اللہ! غفلت و جہالت سے ہمارے قلوب کو محفوظ فرمائیے۔ اور یا اللہ! آپ ہی کے پاس لوٹ کر جانے کا یقین کامل عطا فرمائیے۔

یا اللہ! ہمارا پہنچنا آپ کے پاس اس طرح ہو کہ آپ ہم سے راضی اور خوش ہوں۔

یا اللہ! ہم کو آخرت کی طرف سے وہ بصیرت عطا فرما دے کہ جو ہم کسی آن آپ کے سامنے حاضر ہونے سے غافل نہ ہوں۔

یا اللہ! ہم آپ کی اطاعت۔ بندگی اور فرمانبرداری میں کوتاہی کر کے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کیا منہ لے کر آپ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

یا اللہ! جب آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسانیت کا جامہ عطا فرمایا ہے اور پھر کرم پر کرم کہ ہم کو اسلام سے نوازا ہے۔ تو ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل بھی عطا فرمائیے۔ تاکہ جب ہم آپ کے پاس حاضر ہوں تو سرخروئی نصیب ہو اور آپ کی مغفرت و رحمت کے مورد ہوں۔ اور آپ کے غصہ اور غضب سے بچ جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ

کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے

خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ

پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے

مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے اب بینائی لی۔ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے اس (سب مجموعہ) میں

لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ

اہل دانش کیلئے استدلال (کا موقع) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے بعضے تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے ان میں

مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۶﴾

قادر ہے۔ ہم نے (حق کے) سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں اور جس کو اللہ چاہتا ہے راہِ راست کی طرف فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ کہ	اللّٰهَ اللہ	يُزْجِيْ چلاتا ہے	سَحَابًا بادل	ثُمَّ پھر	يُؤَلِّفُ ملاتا ہے وہ	بَيْنَهٗ آپس میں
ثُمَّ پھر	يَجْعَلُهٗ وہ اسکو کرتا ہے	رُكَامًا تہہ بہ تہہ	فَتَرَى پھر تو دیکھے	الْوَدْقَ بارش	يَخْرُجُ نکلتی ہے	مِنْ خِلٰلِهٖ اس کے درمیان سے	
وَيُنَزِّلُ اور وہ اتارتا ہے	مِنَ السَّمَآءِ آسمانوں سے	مِنْ سے	جِبَالٍ پہاڑ	فِيْهَا اس میں	مِنْ سے	بَرَدٍ اولے	فَيُصِيْبُ پھر وہ ڈال دیتا ہے
بِهٖ اسے	مَنْ يَّشَآءُ جس پر چاہے	وَيَصْرِفُهٗ اور اسے پھیر دیتا ہے	عَنْ سے	مَنْ يَّشَآءُ جس سے چاہے	يَكَادُ قریب ہے	سَنَا چمک	
بَرْقِهٖ اس کی بجلی	يَذْهَبُ لے جائے	بِالْاَبْصَارِ آنکھوں کو	يُقَلِّبُ اللّٰهُ بدلتا ہے اللہ	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	اِنَّ بیشک	
فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَعِبْرَةً عبرت ہے	لِّاُولِي الْاَبْصَارِ آنکھوں والے عقلمند	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَلَقَ پیدا کیا	كُلَّ دَآبَّةٍ ہر جاندار	مِّنْ مَّآءٍ پانی سے	
فَمِنْهُمْ پس ان میں سے	مَّنْ يَّمْشِيْ جو کوئی چلتا ہے	عَلٰى بَطْنِهٖ اپنے پیٹ پر	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ يَّمْشِيْ کوئی چلتا ہے			
عَلٰى رِجْلَيْنِ دو پاؤں پر	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ يَّمْشِيْ کوئی چلتا ہے	عَلٰى پر	اَرْبَعٍ چار	يَخْلُقُ اللّٰهُ اللہ پیدا کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے	
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	لَقَدْ اَنْزَلْنَا تحقیق ہم نے نازل کیں	اٰيٰتٍ آیتیں	مُّبَيِّنٰتٍ واضح	
وَ اور	اللّٰهُ اللہ	يَهْدِيْ ہدایت دیتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے	اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا	

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں غافل انسانوں کو مخاطب کر کے بتلایا گیا تھا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کیا تمہیں نہیں سوجھتا کہ عالم

کی ہر چیز اپنی اپنی زبان میں اللہ کی عظمت ظاہر کر رہی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مشغول ہے۔ اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں دنیا بھر میں بھری پڑی ہیں، چنانچہ بعض واضح نشانیوں کی طرف توجہ ان آیات میں دلائی جا رہی ہے۔ مینہ برستا ہر ایک دیکھتا ہے۔ کبھی یہ بھی خیال کیا کہ اس کے لئے کیا کیا سامان کئے جاتے ہیں۔ بادلوں کو ہر طرف سے گھیر گھار کر اکٹھا کیا جاتا ہے۔ پھر ان کو باہم ملایا جاتا ہے پھر ان کو تہ بتہ ایک دوسرے پر جمایا جاتا ہے اس کے بعد تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے مینہ برسنا شروع ہوتا ہے۔ یہ اللہ عزوجل ہی کی قدرت کے کارنامے ہیں اسی کے حکم سے بادل سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر باہم مل جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک گہری گھٹا بن جاتی ہے پھر بوندیں پڑنا شروع ہوتی ہیں اس کے بعد موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ پھر اس بادل میں بجلی بھی ہوتی ہے جس کی چمک اتنی تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اب بجلی کی چمک سے آنکھوں کی بینائی گئی۔ پھر یہ بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔ تو انسان کو چاہئے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر بصیرت اور عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہِ حقیقی کی طرف دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات کی باگ ڈور ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ہی پانی سے طرح طرح کی مخلوق پیدا کر دی ہے ہر چلنے والا جاندار خواہ بری ہو یا بحری، سب کی اصل پانی ہے۔ فلسفہ بھی بتاتا ہے کہ تمام کائنات کی اصل ایک سیال مادہ ہے۔ کوئی اس کو گیس کہتا ہے کوئی کچھ۔ قرآن نے اس کو پانی کہا ہے۔ تو مختلف جنس، مختلف نوع، مختلف حیثیت رکھنے والے جانداروں کی پیدائش یہ بھی اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ ان جانداروں میں کوئی تو پیٹ کے بل چلتا ہے جیسے سانپ مچھلی وغیرہ اور اکثر کیڑے اور پانی کے جانور، کوئی دو پاؤں سے چلتا ہے جیسے انسان اور پرندہ، کوئی چار پاؤں پر چلتا پھرتا ہے جیسے مویشی اور پھر اسکی قدرت اسی پر محدود نہیں وہ جس کو جیسا چاہے بنا دے تو یہ صنعت عجیبہ خدا کے سوا کوئی اور بھی کر سکتا ہے؟ جب کوئی نہیں تو اسی کی قدرت وحکومت اور الوہیت مسلم ہوئی پھر اس کو کیوں نہیں مانا جاتا؟ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرف اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا میں پھیلا دی ہیں تا کہ انسان ان نشانیوں کو دیکھے اور ان سے اللہ کو پہچانے اور اس کے آگے جھکے پھر حق کے سمجھانے کے لئے اور ہدایت عام کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صاف صاف آیتیں بھی اپنے رسول پر نازل کر کے انسانوں کو پہنچا دیں جو حقیقت کو بالکل واضح کر دیتی ہیں، جنہیں سن کر چاہئے تو یہ تھا کہ کوئی آدمی بھی نہ بھٹکتا، لیکن ہدایت اور سیدھی راہ پر چلتا وہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں انسان یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔ جس انسان کی عقل کو اللہ تعالیٰ ہی اپنے نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے اس کی عقل سیدھا راستہ اس کو سمجھا دیتی ہے کہ وہ الوہیت کے حقوق اور احکام الٰہیہ کو بجالاتا ہے۔ ورنہ بہت سے تو محروم ہی رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اَبر کا اٹھنا اور ان کا اکٹھا ہو کر گہری گھٹا کا بن جانا۔ پھر اس سے مینہ کا برسنا، اولوں کا گرنا، بجلی کا کوندنا اور شبانہ روز کا ادل بدل ہونا یہ سب اللہ کی قدرت کے نمایاں آثار

ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسان کو اللہ کی معرفت حاصل کرنی چاہئے اور ایمان و اطاعت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اسی طرح مختلف جنس۔ اور مختلف نوع اور مختلف اقسام کے جانوروں کی پیدائش بھی اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے اگر انسان عقل کی روشنی سے کام لے۔ پھر دماغوں کو بیدار کرنے اور جہالت کو دور کرنے اور علمی روشنی پیدا کرنے کے لئے اللہ پاک نے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن سے علمی و عملی حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ صحیح غلط میں امتیاز اور خیر وشر میں فرق ہوجاتا ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ جہالت کی وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ کوئی نشانی، کوئی دلیل۔ کوئی تذکیر ان کے دماغوں میں روشنی اور اعمال میں اصلاح پیدا نہیں کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہادی برحق اللہ پاک ہی کی ذات ہے وہ جس کو چاہتا ہے علم وعمل کا سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اسباب کی تدبیر بھی دستِ قدرت کی محتاج ہے۔ خالی عقل، یا فطرت یا نزول احکام کسی کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی نہ ہو۔

اسی بات کی تائید میں ایک گمراہ فرقہ یعنی منافقوں کا آگے تذکرہ فرمایا جاتا ہے کہ جن کو باوجود ہر طرح سے حق کے سمجھانے والے دلائل اور عام احکام ہدایت نازل ہونے کے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ہماری بھی ہدایت کے سامان عطا فرمائیں اور قرآن پاک کے نور ہدایت سے ہمارے دلوں کو منور فرمائیں اور اپنی قدرت کی نشانیوں کو ہمارے لئے اپنی معرفت کا ذریعہ بنادیں تا کہ احکام الٰہیہ کی طاعت و بجا آوری ہمارے لئے آسان ہو اور غفلت و جہالت کے پردے ہمارے دلوں سے چاک فرمادیں تا کہ کسی آن ہم سے چھوٹی یا بڑی کوئی نافرمانی سرزد نہ ہو۔

یا اللہ! یہ آپ ہی کی قدرت اور مشیت ہے کہ بادلوں سے پانی برستا ہے اور پھر وہ آپ ہی کی مشیت سے کسی کے لئے رحمت ہے اور کسی کے لئے زحمت ہے۔ جس کو آپ چاہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور جس کو آپ چاہیں نقصان دیتا ہے۔

یا اللہ! آپ نے اپنی معرفت کے لئے دنیا میں اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں پھیلا رکھی ہیں تا کہ انسان انہیں دیکھے اور آپ کی وحدانیت الوہیت اور ربوبیت کا معترف ہو کر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرے۔

یا اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم سے انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرما کر ہر ایک کی ہدایت کا سامان فرمادیا۔ مگر ہم نے اپنی غفلت اور جہالت سے آپ کی اس نعمت عظیم قرآن کریم کی قدر نہ پہچانی۔

یا اللہ! ہادیٔ برحق آپ ہی کی ذات عالی ہے۔ ہم آپ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ آپ ہی سے التجا اور فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے لئے ہدایت کے راستہ پر چلنا آسان کردے اور اپنی رضا کا حصول ہمارے لئے سہل فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا

اور (یہ منافق) لوگ (زبان سے) دعوے کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور حکم مانا پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ

أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم

(دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب یہ لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان میں کا ایک گروہ

مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا

پہلوتہی کرتا ہے۔ اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ آیا اُن کے دلوں میں (کفر جازم کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑے ہیں

أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾ ع

یا اُن کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں (سو ان میں سے کوئی سبب) نہیں بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ برسر ظلم (ہوئے) ہیں

وَيَقُولُونَ اور وہ کہتے ہیں	آمَنَّا ہم ایمان لائے	بِاللَّهِ اللہ پر	وَبِالرَّسُولِ اور رسول پر	وَأَطَعْنَا اور ہم نے حکم مانا	ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ پھر پھر گیا			
فَرِيقٌ ایک فریق	مِّنْهُم ان میں سے	مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ اس کے بعد	وَمَا أُولَٰئِكَ اور وہ نہیں	بِالْمُؤْمِنِينَ ایمان والے	وَإِذَا اور جب			
دُعُوا وہ بلائے جاتے ہیں	إِلَى اللَّهِ اللہ کی طرف	وَرَسُولِهِ اور اس کا رسول	لِيَحْكُمَ تاکہ وہ فیصلہ کردیں	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	إِذَا ناگہاں			
فَرِيقٌ ایک فریق	مِّنْهُم ان میں سے	مُّعْرِضُونَ منہ پھیر لیتا ہے	وَإِن اور اگر	يَكُن ہو	لَّهُمُ ان کیلئے	الْحَقُّ حق	يَأْتُوا إِلَيْهِ وہ آتے ہیں اسکی طرف	
مُذْعِنِينَ گردن جھکائے	أَفِي قُلُوبِهِم کیا ان کے دلوں میں	مَّرَضٌ کوئی روگ	أَمِ یا	ارْتَابُوا وہ شک میں پڑے ہیں	أَمْ یا			
يَخَافُونَ وہ ڈرتے ہیں	أَن کہ	يَحِيفَ اللَّهُ ظلم کرے گا اللہ	عَلَيْهِمْ اُن پر	وَرَسُولُهُ اور اسکا رسول	بَلْ بلکہ	أُولَٰئِكَ وہ	هُمُ وہی	الظَّالِمُونَ ظالم

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو حق کے سمجھانے والے دلائل عام ہدایت کے لئے نازل فرمائے ہیں مگر ان سے فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جن کو فائدہ پہنچانا ہادئ برحق کو منظور ہو۔ اب آگے ان آیات میں اس گمراہ طبقہ میں سے ایک خاص گروہ کا بیان ہے جن کو شمع ہدایت کے ہوتے ہوئے راہِ حق نہ ملی۔ یہ طبقہ منافقوں کا تھا جو منہ سے تو اسلام کا دعویٰ اور فرمانبرداری کا اقرار کرتے تھے مگر دل سے اسلام کے منکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے۔ مسلمانوں کے سامنے آتے تو اسلام دوستی کی باتیں کرتے اور جب تخلیہ میں اپنے ہم نواؤں سے ملتے تو وہی کور باطنی ظہور میں آتی۔ اسی طبقہ میں سے بعض کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔

مفسرین نے ان آیات کے نزول کے متعلق بعض خاص واقعات بھی بیان کئے ہیں لکھا ہے کہ بشر ایک منافق تھا۔ کچھ زمین کے متعلق کسی یہودی سے اس کا جھگڑا ہوگیا یہودی نے کہا کہ تم اپنے پیغمبر کے پاس چلو۔ ان کے فیصلہ کو میں تسلیم کرلوں گا۔ تو منافق بولا وہاں نہیں۔ کعب بن اشرف یہودی کے پاس چلو۔ اس سے فیصلہ کرائیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل وانصاف اور صدق وامانت تو مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ یہودی سمجھتا تھا کہ اگر مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اجلاس میں جائے گا اور میرا حق ثابت ہوجائے گا تو آپ اسی کے موافق فیصلہ فرمادیں گے مگر منافق باوجودیکہ دعویٰ ایمان اور اطاعتِ رسول کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے سے کتراتا اور اپنے جھگڑے کے فیصلہ کے واسطے یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام تر حق وانصاف ہی کے مطابق ہوگا اور کوئی خیانت اور چالاکی چلنے نہ پائے گی ٹال مٹول کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کے لئے مقدمہ لانے سے پہلو بچاتا کہ وہاں تو قلعی کھل جائے گی۔ ہاں جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا اور یہ منافق خود مظلوم ہوتے تو پھر بے تکلف اپنے مقدمہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اس اطمینان پر کہ وہاں تو حق رسی ہی ہوگی۔

الغرض ان آیات میں منافقین کے متعلق ذکر ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت رسول کا کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو پھر جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع ہی سے ایمان موجود ہی نہ تھا۔ جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا۔ امتحان اور آزمائش کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔ اگر ان منافقین کا جھگڑا کسی سے ہوگیا اور یہ سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں۔ اس وقت اگر دوسرا فریق کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرالو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بلا رورِعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کررہے تھے کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور انکا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا؟ ہاں اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہوتو اس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوجائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کردیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں کہ عدالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔ تو یہ ایمان اور اسلام کیا ہوا؟ محض نفس وہوا پرستی ہوئی۔ اس کے متعلق صاف فرمایا گیا **وما اولٰٓئک بالمؤمنین**۔ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں۔ کیونکہ ان کے عمل سے ثابت ہوا کہ ان کے دلوں میں شریعت کی صداقت کا یقین نہیں۔ رسول کی رسالت اور قرآن کی حقانیت سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ تو خواہش نفس کے بندے ہیں جہاں اپنے مطلب کو پورا ہوتے دیکھا تو متوجہ ہوجاتے۔ ورنہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ منافقین کے اس طرزِ عمل کی دو ہی وجہ ممکن ہیں یعنی خدا اور رسول کی بابت انہیں کوئی دھوکا لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک و شبہ ہے یا ان کو یہ گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کے خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے حضور کی عدالت میں مقدمہ لے جاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم اور بے انصافی کا امکان ہی نہیں، ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اس لئے اپنے معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں۔ جہاں یہ سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔

مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی کے لئے نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی جو اسلامی حکومت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اس کی عدالت میں طلبی دراصل اللہ اور رسول کی عدالت میں طلبی ہے اور اس سے منہ موڑنے والا درحقیقت اللہ اور رسول سے منہ موڑنے والا ہے۔ انہی آیات سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حاکم شریعت جب کسی مقدمہ کے تصفیہ کے لئے بلائے تو حاضری لازمی ہے خود ایک حدیث میں جسے حسن بصریؒ

نے روایت کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے حکام عدالت میں سے کسی حاکم کی طرف بلایا جائے اور وہ حاضر نہ ہو تو وہ ظالم ہے اس کا کوئی حق نہیں ہے یعنی ایسا شخص سزا کا بھی مستحق ہے اور مزید برآں اس کا بھی مستحق ہے کہ اس کے خلاف یک طرفہ فیصلہ دے دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہ آیات اس حقیقت کو صاف صاف کھول کر بیان کر رہی ہیں کہ شریعتِ الٰہی کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا اور کرانا عین لازمۂ ایمان ہے۔ جو شخص شریعت کے احکام جو اپنے مطلب کے موافق ہوں ان کو تو لپک کر خوشی خوشی لے لے مگر جو شریعت الٰہیہ میں اس کی اغراض و خواہشات کے خلاف ہو اسے رد کر دے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے دنیوی احکام و قوانین کو ترجیح دے اور قبول کرے تو ان آیات کے مطابق وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے سورۂ اعراف کی ایک آیت کے تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ جیسے قلب سے نبی کی تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا بھی کفر ہے اور برتاؤ میں مخالفت و عداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو لوگ شرعی احکام و اصول کی توہین کرتے ہیں اور ان کو نا قابلِ التفات سمجھ کر ہنسی اڑاتے ہیں وہ ایمان سے خارج ہو جاتے ہیں گو وہ زبانی کیسا ہی اسلام کا دعویٰ کرتے رہیں۔

یہاں ان آیات میں تو بیان منافقین کے متعلق ہوا جو بظاہر مسلمان بنے ہوتے ہیں مگر در پردہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہیں اور جو حقیقی مسلمان ہیں ان کا رویہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اسلام اور ایمان کے زبانی اقرار کے ساتھ دل سے بھی شریعت الٰہیہ کا مطیع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں قرآنی احکام اور شرعی قوانین کے آگے ہماری گردنیں ہمیشہ جھکی رہیں اللہ تعالیٰ شریعتِ مطہرہ کی مخالفت سے علماً و عملاً ہم سب کو محفوظ رکھیں اور ظاہر میں و باطن میں دل و جان سے کامل اتباع شریعت الٰہیہ کا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! منافقین کا گروہ ابتدا ہی سے اہل اسلام میں گھسا ہوا ہے۔ اور طرح طرح کی فتنہ پردازیاں کرتا رہا ہے۔

یا اللہ! اس ملک میں بھی منافقین کی خصلتوں کے حامل لوگ موجود ہیں اور جو اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

یا اللہ! ایسے لوگوں کے شر سے اس ملک کو اور اہل اسلام کو بچا لیجئے۔ اگر ان مفسدوں کے لئے ہدایت مقدر ہے تو ان کو اسلام کا سچا پیرو بنا دیجئے ورنہ ان کے وجود سے اہل ملک کو پاک کر دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا

مسلمانوں کا قول تو جبکہ اُن کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بُلایا جاتا ہے تا کہ اُن کے درمیان فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے سُن لیا

وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ

اور مان لیا۔ اور ایسے لوگ فلاح پائیں گے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے بس ایسے ہی لوگ بامراد ہوں گے۔

هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۖ

اور وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ واللہ (ہم ایسے فرمانبردار ہیں کہ) اگر آپ اُنکو (یعنی ہم کو) حکم دیں تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں۔ (آپ اُن سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ

طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ

(تمہاری) فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ آپ کہیئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ

تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسولؐ کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے اُن کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

اور رسولؐ کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	كَانَ ہے	قَوْلَ بات	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	اِذَا جب	دُعُوْا وہ بلائے جاتے ہیں	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	وَرَسُوْلِهٖ اور اسکا رسول
لِيَحْكُمَ تا کہ وہ فیصلہ کر دیں	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	اَنْ کہ۔ تو	يَّقُوْلُوْا وہ کہتے ہیں	سَمِعْنَا ہم نے سُنا	وَاَطَعْنَا اور ہم نے اطاعت کی		
وَاُولٰٓئِكَ اور وہ	هُمُ وہی	الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانے والے	وَمَنْ اور جو	يُّطِعِ اللّٰهَ اطاعت کرے اللہ کی	وَرَسُوْلَهٗ اور اسکا رسول	وَيَخْشَ اور ڈرے	
اللّٰهَ اللہ	وَيَتَّقْهِ اور پرہیزگاری کرے	فَاُولٰٓئِكَ پس وہ	هُمُ وہی	الْفَآئِزُوْنَ کامیاب ہونیوالے	وَاَقْسَمُوْا اور انہوں نے قسم کھائی	بِاللّٰهِ اللہ کی	
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اپنی زوردار قسمیں	لَئِنْ البتہ اگر	اَمَرْتَهُمْ آپ حکم دیں انہیں	لَيَخْرُجُنَّ تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے	قُلْ فرمادیں			
لَا تُقْسِمُوْا تم قسمیں نہ کھاؤ	طَاعَةٌ اطاعت	مَّعْرُوْفَةٌ پسندیدہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	خَبِيْرٌ خبر رکھتا ہے	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	
قُلْ فرمادیں	اَطِيْعُوا اللّٰهَ تم اطاعت کرو اللہ کی	وَاَطِيْعُوا اور اطاعت کرو	الرَّسُوْلَ رسول کی	فَاِنْ تَوَلَّوْا پھر اگر تم پھر گئے	فَاِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں		
عَلَيْهِ اس پر	مَا جو حُمِّلَ بوجھ ڈالا گیا (ذمے)	وَعَلَيْكُمْ اور تم پر	مَا حُمِّلْتُمْ جو بوجھ ڈالا گیا تم پر (ذمے)	وَاِنْ اور اگر	تُطِيْعُوْهُ تم اطاعت کرو گے		
	تَهْتَدُوْا تم ہدایت پالو گے	وَمَا اور نہیں	عَلَى پر	الرَّسُوْلِ رسول	اِلَّا مگر۔ صرف	الْبَلٰغُ پہنچا دینا	الْمُبِيْنُ صاف صاف

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منافقین کا حال بیان ہوا تھا کہ یہ لوگ زبان سے تو ایمان اور رسول کی فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں مگر

آزمائش کے موقع پر منہ موڑ جاتے ہیں۔ جب کسی فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ تو حاضر ہونے سے ٹال مٹول کرتے ہیں اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو دربار رسالت میں دوڑے چلے آتے ہیں گویا خواہش نفس کے بندے ہیں کہ جہاں اپنا مطلب اور ہوا و ہوس کو پورا ہوتا دیکھا تو اللہ اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ورنہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں ایسے منافقین کے متعلق کہا گیا تھا کہ یہ لوگ بالکل مومن نہیں۔ اور ان کا شمار ایمانداروں میں نہیں ہوسکتا۔

اب ان منافقین کے مقابل میں مخلص مومنین اور سچے اور پکے مسلمانوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے تا کہ نفاق اور ایمان کی کسوٹی نمایاں ہو جائے اور مخلص و منافق کو جانچنے کا ایک ضابطہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومن یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان۔ بغیر توقف اور کسی پس و پیش کے فی الفور سمعنا واطعنا کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جاویں۔ اسی میں ان کی اصل بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے اور ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔ آگے ایک عام ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور احکام الٰہیہ کی مخالفت سے بچے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے نیز ان منافقین کی جن کا ذکر گذشتہ آیت میں ہوا یہ حالت ہے کہ وہ بڑی زور دار تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ واللہ آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکلنے کے لئے تیار ہیں اور حضور ذرا اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لگا دیں۔ حق تعالیٰ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منافقین سے کہہ دیجئے کہ ایسی لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سب کو معلوم ہو چکی کہ زبان سے دعویٰ بہت کچھ کیا کرتے ہو اور عمل کا وقت آئے تو چپکے سے کھسک جاتے ہو۔ فرض کرو کہ قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین بھی دلا دو لیکن اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کا فریب اور چالاکی نہیں چل سکتی وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ پس باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا۔ کام کرو یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو۔ آگے حق تعالیٰ اسی مضمون کی تاکید میں خود ان لوگوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے جس کو آپ نے پوری طرح کما حقہ، ادا کر دیا اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا ہے وہ تصدیق اور قبول حق کا ہے اور اس کے موافق عمل کرنے کا۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل دل سے کرو گے تو دارین کی کامیابی اور صلاح و فلاح پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے۔ ورنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کچھ نقصان نہیں۔ تمہاری شرارت اور سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے اب آگے تم سے باز پرس ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں اور اطاعت اختیار کی یا نہیں؟

اطاعت کا کام ہے کس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اگر تم نے روگردانی نہ کی اور رسول کی اطاعت کر لی تو راہِ ہدایت پر جا لگو گے۔ بہرحال رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر احکام پہنچا دینا ہے (آگے تم سے باز پرس ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں۔''

خلاصہ یہ کہ اخلاص کا ثبوت عمل سے ہوتا ہے محض زبانی اقرار عملی مخالفت کے ساتھ مومن ہونے کے لئے کافی نہیں۔ مومن کے لئے لازم ہے کہ فرائض الٰہیہ کو ادا کرے۔ سنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، گذشتہ گناہوں کے مواخذہ سے ڈرتا رہے اور آئندہ کے لئے نافرمانیوں اور گناہوں سے اجتناب کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے اُخروی کامیابی اور بامراد ہونے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور علاوہ آخرت کی کامیابی کے ایسے لوگوں کو دنیوی انعامات بھی ملنے والے ہیں جیسا کہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

25

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

تم میں جولوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں اُن سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا اُن سے پہلے (اہل ہدایت)

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ

لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو اُن کیلئے پسند فرمایا ہے (یعنی اسلام) اسکو اُن کیلئے قوت دیگا اور اُن کے اس خوف کے بعد اُس کو مبدل بامن کردے گا

بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدہ) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ

اور (اے مسلمانو!) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر (کامل) رحم کیا جاوے۔ (اے مخاطب)

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

کافروں کی نسبت خیال مت کرنا کہ زمین میں (بھاگ کر ہم کو) ہرادیں گے اور (آخرت میں) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ اللہ نے وعدہ کیا	الَّذِيْنَ ان لوگوں سے	اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَعَمِلُوْا اور کام کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک	
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ وہ ضرور انہیں خلافت دے گا	فِي الْاَرْضِ زمین میں	كَمَا جیسے	اسْتَخْلَفَ اس نے خلافت دی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو		
مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	وَلَيُمَكِّنَنَّ اور ضرور قوت دے گا	لَهُمْ ان کیلئے	دِيْنَهُمْ ان کا دین	الَّذِي جو	ارْتَضٰى اس نے پسند کیا	
لَهُمْ ان کیلئے	وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ اور البتہ ضرور بدل دیگا ان کیلئے	مِنْ بَعْدِ بعد	خَوْفِهِمْ انکا خوف	اَمْنًا امن	يَعْبُدُوْنَنِيْ وہ میری عبادت کرینگے	
لَا يُشْرِكُوْنَ وہ شریک نہ کریں گے	بِيْ میرا	شَيْـًٔا کوئی شے	وَمَنْ اور جس	كَفَرَ ناشکری	بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ پس وہی لوگ
الْفٰسِقُوْنَ نافرمان	وَاَقِيْمُوْا اور تم قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	وَاٰتُوْا اور ادا کرو تم	الزَّكٰوةَ زکوٰۃ	وَاَطِيْعُوْا اور اطاعت کرو	الرَّسُوْلَ رسول
لَعَلَّكُمْ تاکہ تم پر	تُرْحَمُوْنَ رحم کیا جائے	لَا تَحْسَبَنَّ ہرگز گمان نہ کریں	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	مُعْجِزِيْنَ عاجز کرنیوالے ہیں		
فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَمَاْوٰىهُمْ اور ان کا ٹھکانہ	النَّارُ دوزخ	وَلَبِئْسَ اور البتہ بُرا	الْمَصِيْرُ ٹھکانہ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مخلص مؤمنین کا حال بیان فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو بلا پس و پیش بسرو چشم کہہ کر حاضر ہوجاتے ہیں ایسے ہی مؤمنین کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ پھر اوپر بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں وہی بامراد اور پورے کامیاب ہوں گے جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانیں گے۔ دل میں ہر وقت اللہ کا خوف رکھیں گے اور اس کے احکام کی مخالفت سے بچیں گے۔ پھر یہ بھی کھلی ہوئی نصیحت اور ہدایت فرمادی گئی تھی کہ پیغمبر علیہ السلام کا جو کام تھا یعنی تبلیغ دین وہ پورا فرما چکے اب یہ تمہارا کام ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے پیغام کو سنو اور سمجھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اگر تم اللہ کے رسول کا کہنا مانو گے اور ان کے احکام کی اتباع و پیروی کرو گے تو دنیا اور آخرت دونوں جہان میں

سرخرو اور بامراد ہوگے۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور سارے مقاصد حاصل کرنے کا سیدھا راستہ تمہیں مل جائے گا۔

اب آگے ان آیات میں صاف بتلا دیا گیا کہ پیغمبر علیہ السلام کے فرمانبردار کو کیا کچھ اسی دنیا میں ملنے والا ہے۔ یہاں ضروری ہے کہ آپ اس وقت اور اس حالت کو ذہن میں رکھیں جب کہ ان آیات کا نزول تھا۔ تیرہ سال تک کفار مکہ کے مظالم خاموشی اور استقلال کے ساتھ سہتے سہتے مسلمان اللہ کے حکم سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ مگر یہاں بھی شروع میں کافروں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار اور مطیع صحابہ کرام جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور انصار مدینہ جوان کے مددگار اور ساتھی ہو گئے تھے۔ ابتداء میں ان سب حضرات کو بڑی مصیبتوں سے سابقہ پڑا۔ کفار مکہ کی دشمنی کے علاوہ خود یہود مدینہ مخالفت پر کمربستہ تھے۔ تمام جزیرۂ عرب بلکہ حدود شام کے رہنے والے عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔ ان کے علاوہ ایک گروہ منافقوں کا پیدا ہو گیا جو ظاہر میں مسلمانوں سے ملے رہتے تھے مگر باطن میں دشمنوں کے ساتھی تھے۔ اہل اسلام کو ہر وقت دشمنوں کی یورش کا خطرہ رہتا تھا۔ شبانہ روز خوف کی حالت تھی۔ مسلمان ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ اسی حالت میں ایک بار ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے لئے ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا کہ ہتھیار کھول کر امن کے ساتھ رہیں اور اللہ کے سوا ہم کو کسی کا خوف نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قدر اسی حالت پر صبر کرنا پڑے گا لیکن پھر ایسی حالت ہو جائے گی کہ تم امن کے ساتھ جلسوں میں چادریں اوڑھے بیٹھے رہو گے اور ہتھیار کا نام بھی نہ ہوگا۔ اس وقت میں ان آیات کا نزول ہوا جس میں ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرمائی گئی اور صحابۂ کرام کو بشارات سنائی گئیں کہ آج یہ مخالفین سے لرزاں و ترساں ہیں لیکن عنقریب ان کو زمین کی حکومت اور سلطنت دی جائے گی۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کے جانشین ہو کر دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اس دین الٰہی کا سکہ بٹھا دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا۔ وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہوگا۔

ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے۔ اسی سے ڈریں گے اسی سے امید رکھیں گے اسی پر بھروسہ کریں گے۔ اسی کی رضا میں ان کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں پورا ہوا اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مکہ، خیبر، بحرین، جزیرۂ عرب اور یمن تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتح ہو گیا تھا۔ پھر جب آپ کی خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی تو جزیرۂ نما عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنایا۔ ایک لشکر جرار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا اور وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ شام کے ممالک کی طرف حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں اسلام کے جانبازوں کو روانہ فرمایا جہاں صلیبی نشان گرا کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ پھر مصر کی طرف مجاہدین کا ایک لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرداری میں روانہ فرمایا۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو تمام ملک شام، پورا علاقہ مصر اور اکثر ملک فارس کا آپ کی خلافت کے زمانہ میں فتح ہوا۔ سلطنتِ کسریٰ کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ قیصر کو فنا کر دیا۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کئے ہوئے بے شمار خزانہ بندگانِ خدا پر خرچ کئے گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے تو مشرق و مغرب تک خدا کا دین پھیل جاتا ہے۔ مجاہدین کی تلواریں خدا کے دین کو دنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں پہنچا دیتی ہیں، اُندلس، قبرص یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے، دوسری طرف مدائن، عراق، خراسان سب فتح ہو گئے۔ سلطنت خاقان خاک میں مل گئی۔ عالم میں سب

سے بڑا اقتدار اہل اسلام کا ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۳۰ سال بہت ہی قوت اور شوکت کے رہے۔ غرض کہ حق تعالیٰ نے جو وعدہ ان آیات میں فرمایا تھا کہ دنیا کی سلطنت وحکومت ان کو عطا فرمائے گا وہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں پورا ہوا۔ پھر حکومت عطا کرنے کا منشا بھی ظاہر فرمادیا کہ دنیوی سلطنت دینے کا اصل منشاء دین کو بلند اور مستحکم کرنا ہے۔ نہ کہ محض دنیا طلبی۔ یہی سبب ہے کہ جب مسلمانوں نے بھی حکومت اور سلطنت کی اصل غرض کو فراموش کر دیا اور سلطنت کو صرف ظاہری برتری اور نام ونمود کا ذریعہ بنالیا اور دین کی حمایت اور اشاعت کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ نے ان سے ظاہری شوکت وجلال بھی چھین لیا کیونکہ اس وقت اہل حق کی سلطنت اور اہل باطل کی حکومت میں کوئی فرق نہ رہا اور امتیاز دینی فوت ہو گیا اس لئے آگے صاف فرمادیا گیا کہ اگر اس انعام باری تعالیٰ سے کسی نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور عطائے سلطنت کی اصل غرض کو فوت کر دیا اور عدل کو چھوڑ کر ظلم کی طرف میلان کیا اور توحید وعبادت کے جذبہ کو پس پشت ڈال کر دنیوی کامرانی اور عیش پرستی کو مطمع نظر بنالیا اور اس طرح کفرانِ نعمت کیا تو ایسے لوگ فاسق ہیں۔ حکم الٰہی سے سرتابی کرنے والے ہیں۔ ان سے نہ وعدۂ نصرت ہے نہ غلبہ وتسلط عطا کرنے یا قائم رکھنے کی صراحت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب خلفائے راشدین کے بعد خلافت اسلامیہ کسریٰ اور ہرقل کے طریق پر چلنے لگی اور دنیاوی نام ونمود اور ظاہری بہبود کے جال میں پھنس گئی اور بیت المال رعایا کا نہ رہا بلکہ سلطنت کا خزانہ ہو گیا اور بادشاہ کا موروثی مال سمجھا جانے لگا اور فسق وفجور پھیل گیا تو مسلمانوں کے اقبال کے ستارہ کو گہن لگنا شروع ہو گیا۔ ترقی کے بجائے تنزل اور سعادت کے بجائے نحوست آگئی اور اصولِ قرآنی کی خلاف ورزی نے حکومت اسلامیہ کی جڑ کو گھن کی طرح کھانا شروع کر دیا اور انجام کار یہ روز بد تک دیکھنا نصیب ہوا جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے کہ مسلمانوں کا قبلۂ اول یعنی بیت المقدس بھی کفار کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آیت میں اسی لئے حق تعالیٰ نے آگے ہدایت فرمادی کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے فرمانوں پر کاربند رہیں۔ خصوصاً نماز کی پابندی رکھیں، شرعی زکوٰۃ دیں اور ہر قول وعمل میں اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلیں تاکہ اللہ ان پر رحم فرمائے اور اپنی رحمت سے ان کو سرفراز کرے۔

چونکہ ان آیات کے نزول کے وقت عرب کی کفر پرستی اور شرک انگیزی کے علاوہ دنیا کی دوسری ممتاز سلطنتیں بھی کافر تھیں ایران، عراق، شام وروم میں بھی کافروں ہی کی حکومتیں تھیں۔ یہ تو بیرونی حالت تھی۔ خیبر، فدک اور مدینہ کے یہودی بغل گھونسہ بنے ہوئے تھے۔ منافق آستین کا سانپ تھے۔ اس صورت میں اقتضائے بشریت کے موافق مسلمانوں کو اپنے مذہب، جان، مال اور عزت آبرو کا خطرہ ہونا طبعی بات تھی اس لئے بطور تسلی کے فرمایا گیا کہ یہ تمام کفار خدا کو ہرا نہیں سکتے۔ یعنی کفار کی ظاہری طاقت، مال کی فراوانی، لشکر کی کثرت، جاہ وجلال کی سطوت کوئی چیز بھی خدا پر غالب نہیں آسکتی۔ مسلمانوں میں اگرچہ مادی قوت نہیں، ہتھیاروں اور فوجوں کی کثرت نہیں، ملک کی وسعت نہیں مگر خدائی طاقت ان کے ساتھ ہے جو تمام عالم پر غالب ہے۔ وہی کافروں پر مسلمانوں کو غالب کر دے گا اور وہی ان کفار کی قوتوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے گا اس لئے مسلمانوں کو خوف وہراس نہ کرنا چاہئے۔ یہ کافر ادھر ادھر بھاگ کر کہیں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اور ان کا اصلی ٹھکانا تو جہنم میں مقرر ہو چکا ہے جو نہایت بری جگہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت وفرمانبرداری پر دین ودنیا کی کامیابی وکامرانی کی بشارت سنائی گئی۔ جس کے اولین مصداق صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ ان کے حق میں یہ بشارت بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ اب جو عفت و عصمت اور آدابِ معاشرت کے احکام و ہدایات کا سلسلہ ابتدائے سورۃ سے شروع ہوا تھا وہ پھر آگے جاری ہوتا ہے اور بعض خانگی احکام کی تلقین فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اُن کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ

(ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کیلئے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اُتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے)

صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ

نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے ہیں۔ ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ اُن پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے رہتے ہیں

عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا

کوئی کسی کے پاس کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور جس وقت

بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ

تم میں کے وہ لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں تو اُن کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا کہ اُن سے اگلے (یعنی اُن سے بڑی عمر کے) لوگ اجازت لیتے ہیں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	لِيَسْتَاْذِنْكُمُ چاہیے کہ اجازت لیں تم سے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	مَلَكَتْ مالک ہوئے		
اَيْمَانُكُمْ تمہارے دائیں ہاتھ غلام	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	لَمْ يَبْلُغُوا نہیں پہنچے	الْحُلُمَ احتلام۔شعور	مِنْكُمْ تم میں سے	ثَلٰثَ تین	
مَرّٰتٍ بار۔وقت	مِنْ قَبْلِ پہلے	صَلٰوةِ الْفَجْرِ نماز فجر	وَحِيْنَ اور جب	تَضَعُوْنَ اتار کر رکھ دیتے ہو	ثِيَابَكُمْ اپنے کپڑے	مِنَ سے۔کو
الظَّهِيْرَةِ دوپہر	وَمِنْۢ بَعْدِ اور بعد	صَلٰوةِ الْعِشَآءِ نماز عشاء	ثَلٰثُ تین	عَوْرٰتٍ پردہ	لَّكُمْ تمہارے لئے	لَيْسَ عَلَيْكُمْ نہیں تم پر
وَلَا عَلَيْهِمْ اور نہ اُن پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	بَعْدَهُنَّ انکے بعد۔علاوہ	طَوّٰفُوْنَ پھیرا کرنیوالے	عَلَيْكُمْ تمہارے پاس	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	
عَلٰى پر۔پاس	بَعْضٍ بعض (دوسرے)	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ واضح کرتا ہے اللہ	لَكُمْ تمہارے لئے	الْاٰيٰتِ احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ
عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	وَاِذَا اور جب	بَلَغَ پہنچیں	الْاَطْفَالُ لڑکے	مِنْكُمْ تم میں سے	الْحُلُمَ (حدِ) شعور کو
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا پس چاہیے کہ وہ اجازت لیں	كَمَا جیسے	اسْتَاْذَنَ اجازت لیتے تھے	الَّذِيْنَ وہ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے		
كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ اللہ واضح کرتا ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	اٰيٰتِهٖ اپنے احکام	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ جاننے والا،حکمت والا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ میں شروع سورة سے چوتھے رکوع کے آخر تک متعدد احکام بیان فرمائے گئے تھے یعنی غیر شادی شدہ کے لئے زنا کی سزا۔ پھر زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کی ممانعت۔ پھر پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا۔ پھر حکم لعان یعنی اپنی منکوحہ

بیبیوں کو زنا کی تہمت لگانے پر فیصلہ کا طریقہ اور حکم۔ پھر واقعۂ اِفک یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے جو تہمت کا طوفان اٹھایا تھا اس کی برأت کا بیان ہوا تھا۔ پھر اس سلسلہ میں منافقین کو وعید اور مومنین کو نصیحت فرمائی گئی تھی۔ پھر اس کے بعد دوسرے کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت کا حکم۔ پھر مسلمان مردوں کو غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھنے اور اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم فرمایا گیا۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کو غیر محرم مردوں کی طرف نہ دیکھنے کا حکم اور اپنی زینت کے حصوں کو غیر محرموں پر ظاہر نہ ہونے دینے کی ہدایت فرمائی گئی۔ پھر بے نکاحوں کو جو حقوق زوجیت ادا کر سکیں۔ ان کے نکاح کر دینے کی ترغیب۔ اسی طرح غلام اور باندیوں کو جن کا وجود اس وقت موجود تھا ان کے آپس میں نکاح کر دینے کی ہدایت دی گئی۔ پھر غلام اور باندیوں کے مکاتبت کا حکم بیان فرمایا گیا۔ پھر ایامِ جاہلیت کے اس دستور کی ممانعت فرمائی گئی کہ جو اپنی باندیوں اور لونڈیوں کو زنا پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسی سلسلہ میں درمیان میں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت اور مہتدین اور غیر مہتدین کے احوال کا ذکر فرمایا گیا اور مومنین مخلصین کی صفات اور کفار کے اعمال کی مثالیں بیان فرمائی گئیں پھر اتباع ہدایت وضلالت پر بعضے وعدے وبشارت دینا اور آخرت کے متعلق مذکور ہوئے۔

اب پھر مزید سلسلہ احکام یہاں سے شروع ہوتے ہیں اور آدابِ خانہ داری اور تہذیب خانگی کے متعلق ایک مفید ترین قاعدے کی تعلیم ان آیات میں دی جاتی ہے۔ انسان کو اپنے رہنے کے لئے ایک علیحدہ گھر اور ٹھکانا چاہئے۔ عموماً اس کے ساتھ اس کی بیوی، بچے، خدمت گزار، جن کے اندر پہلے زمانہ میں لونڈی اور غلام بھی شامل ہوتے تھے۔ سب مل جل کر رہتے ہیں۔ ان آیات میں ایک گھر میں رہنے والوں کو رہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ہر وقت تو ایک گھر میں ملے جلے بغیر رہنا عام لوگوں کے لئے دشواری کا باعث ہے مگر تین وقت ایسے ہیں کہ جن میں خلوت مطلوب ہوتی ہے اور ان اوقات میں آدمی دوسرے کا اپنے پاس آنا پسند نہیں کرتا۔ فجر کی نماز سے پہلے اور عشاء کی نماز کے بعد اور دن میں دوپہر کو جس وقت آدمی زائد کپڑے اتار کر کچھ دیر آرام کرتا ہے۔ پس ان تینوں وقتوں میں جبکہ انسان بے فکری سے اپنے گھر میں نہ معلوم کس حالت میں ہو۔ گھر کے باندی اور غلام اور ایسے بچے جو حد بلوغ تک نہیں پہنچے اور جن سے عادتاً پردہ نہیں کیا جاتا چاہے وہ اپنے گھر کے ہوں یا بیگانہ۔ چپ چاپ بے اطلاع ان وقتوں میں گھر میں نہ گھس آئیں۔ ان خاص وقتوں کے علاوہ گھر کے باندی غلام اور چھوٹے بچے انہیں گھر میں آنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ گھریلو ضروریات کے لئے ان کا آنا جانا گھر میں ضروری ہے اور بار بار کے آنے جانے میں ہر وقت کی اجازت طلبی میں دشواری ہے۔

مگر یہاں ایک بات یہ سمجھ لینے کی ہے۔ جس کو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آیت مذکورہ میں الذین ملکت ایمانکم جو آیا ہے جس کے معنی مملوک غلام اور لونڈی دونوں پر حاوی ہیں۔ ان میں مملوک غلام جو بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے۔ اس کی آقا اور مالک عورت کو بھی اس سے پردہ کرنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں اس لفظ مملوک سے لونڈیاں یا مملوک غلام جو بالغ نہ ہو وہ مراد ہے جو ہر وقت گھر میں آنے جانے کے عادی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اب اس حکم پر عمل چھوڑ رکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس آیت پر عمل کے ترک کی ایک بڑی وجہ مال داری اور فراخی ہے۔ پہلے تو لوگوں کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے دروازوں پر پردہ لٹکا لیتے یا کشادہ گھر الگ الگ کمروں والے ہوتے تو بسا اوقات لونڈی، غلام بے

خبری میں چلے آتے جو گھر والوں پر شاق گزرتا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کشادگی دی۔ گھر میں کمرے جدا گانہ بن گئے۔ دروازے باقاعدہ لگ گئے، دروازوں پر پردے پڑ گئے اور محفوظ ہو گئے اور لوگوں نے یوں سمجھ لیا کہ اس طرح حکم خدا کی مصلحت پوری ہو گئی اس لئے اجازت کی پابندی واجب نہ رہی اور لوگوں نے اس میں سستی اور غفلت شروع کر دی۔

ان آیات کے شان نزول کے متعلق بعض مخصوص روایات بھی آئی ہیں۔ ایک واقعہ جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے نقل کیا ہے۔ اس طرح گزرا کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انصاری لڑکے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلانے کے لئے بھیجا۔ دوپہر کا وقت تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو رہے تھے۔ لڑکا گھر میں گھس آیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیدار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کپڑا کچھ بدن سے کھسک گیا تھا۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ کاش ان کے آنے جانے کی بابت بھی کوئی حکم خداوند تعالیٰ نازل فرما دیتا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت سنائی۔

شاید اس آیت کے سنانے کے لئے ہی طلب فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔ تو ان آیات میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے حکم دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

''اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لئے تمہارے مملوکوں یعنی غلام اور باندیوں کو اور تم میں جو حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے، ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب سونے لیٹنے کے لئے دوپہر کو اپنے بعضے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے وقت ہیں یعنی یہ اوقات چونکہ عادتاً اور غالباً تخلیہ اور استراحت کے ہیں ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں اس لئے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لئے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور ان اوقات کے سوا نہ تو بلا اجازت آنے دینے میں اور منع نہ کرنے میں تم پر کوئی الزام ہے اور نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں (پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے)''

اوپر نابالغ اور ایسے لڑکے جو سیانے نہ ہوئے ہوں ان کا حکم تھا کہ وہ مذکورہ تین وقتوں کے علاوہ باقی اوقات میں بلا اجازت لئے گھر میں آ جا سکتے ہیں۔

آگے حکم بالغ لڑکے کا ہے کہ جب لڑکا حد بلوغ کو پہنچ جائے تو پھر اس کا حکم مردوں جیسا ہو گیا کہ جس طرح بڑوں پر اندر آنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے ان پر بھی اجازت لینا نہ صرف ان تین اوقات میں بلکہ ہر وقت واجب ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ غیر مردوں اور اجنبیوں کا حکم تو پہلے ہی گذشتہ آیات میں آ چکا تھا کہ دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہوں تاوقتیکہ اجازت نہ لے لیں۔ اب رہے بچے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اور گھر کے باندی غلام، ان کے لئے تین اوقات میں اجازت لے کر اندر آنے کا حکم ہوا باقی اوقات میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہر وقت کے آنے جانے والے ہیں اور جب بچے بالغ ہو جائیں تو پھر ان کو بھی اسی طرح اندر آنے کی اجازت لینا چاہئے جیسے بڑے اور بالغ مردوں کو اجازت طلب کرنے کا حکم ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید احکامات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح (میں آنے) کی کچھ اُمید نہ رہی ہو اُن کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اُتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں

غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۶۰

اور (ہر چند کہ بڑی بوڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو اُن کیلئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا ہے (سب کچھ) جانتا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ اور خانہ نشین بوڑھی	مِنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے	الّٰتِیْ وہ جو	لَا یَرْجُوْنَ آرزو نہیں رکھتی ہیں	نِکَاحًا نکاح	فَلَیْسَ تو نہیں		
عَلَیْهِنَّ ان پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنْ یَّضَعْنَ کہ وہ اتار رکھیں	ثِیَابَهُنَّ اپنے کپڑے	غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ نہ ظاہر کرتے ہوئے	بِزِیْنَةٍ زینت کو		
	وَاَنْ اور اگر	یَّسْتَعْفِفْنَ وہ بچیں	خَیْرٌ بہتر	لَّهُنَّ ان کیلئے	وَاللّٰهُ اور اللہ	سَمِیْعٌ سننے والا	عَلِیْمٌ جاننے والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ چوتھے رکوع میں یہ وجوبی حکم تمام مسلمان عورتوں کے لئے گزرا تھا کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں یعنی جس طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہوا اس طرف نہ دیکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں بجز اپنے شوہروں اور محارم پر جیسے باپ بیٹے بھائی بہن وغیرہ تو یہ حکم عمومی تمام مسلمان عورتوں کے لئے تھا اس میں کوئی لفظ ایسا مذکور نہ تھا جس سے جوان یا بوڑھی ہونے کی تخصیص ہوسکتی۔ یہاں اس آیت میں بعض عورتوں کے لئے پردہ کے حکم میں بطور استثنا تخفیف فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ ایسی بوڑھی اور سن رسیدہ عورتیں جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو اور مردوں کو ان کی طرف کوئی رغبت نہ رہی ہو تو ان کو جائز ہے کہ وہ گھر کے اندر یا باہر جاتے وقت اپنے زائد کپڑے یعنی اوپر کی چادر یا برقعہ وغیرہ اتار دیں بشرطیکہ اس سے بدن کی بناوٹ یا اپنے سنگار اور زیب وزینت کا دکھانا مقصود نہ ہو۔ تو یہ حکم جواز بھی اس وقت ہے جب کہ اظہار زینت بالکل مقصود نہ ہو۔ مگر اس حکم جواز کے ہوتے ہوئے بھی آگے یہ ترغیب دی جاتی ہے۔ وان یستعففن خیر لھن اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لئے بہتر ہے یعنی اگر ایسی بڑی بوڑھی عورتیں بھی پورا ہی پردہ رکھیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام ان کے حق میں زیادہ اچھا ہوگا۔ آگے واللہ سمیع علیم۔ فرما کر یہ تنبیہ کردی کہ ظاہری انتظامات پردہ اور حجاب کے فتنہ کی روک تھام کے لئے ہیں۔ باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں یا فتنے اٹھائے جاتے ہیں ان سب کو بھی خدا تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ معاملہ فرمائے گا۔

اس آیت سے پردہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے کہ جب بوڑھی عورتوں کو اتنی تاکید ہے تو جوانوں کو تو کہنا ہی کیا۔ یہاں آیت میں بڑی بوڑھی عورتوں کے متعلق جو یہ فرمایا گیا: ان یضعن ثیابھن وہ اپنے کپڑے اتار رکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے کپڑے اتارے جائیں اور کون سے نہ اتارے جائیں۔ تو اس کے متعلق تمام مفسرین ومحققین کا بالاتفاق قول ہے کہ یہاں اوپر کی چادر دلائی وغیرہ کا اتارنا مراد ہے۔ پھر یہ جواز بھی اس وقت ہے جب اظہار زینت مقصود نہ ہو۔ کیونکہ زینت کا اظہار تو غیر مرد کے سامنے جائز ہی نہیں۔ عورتوں نے جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیور اور کپڑے کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا: عورتو! اللہ نے تمہارے واسطے زینت حلال کردی ہے بشرطیکہ غیر محرم اس کو تم سے نہ دیکھے۔ تو قرآن وحدیث کا جو منشا عورتوں کے پردہ کے متعلق ہے وہ علاوہ

دوسری آیات کے اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ سن رسیدہ اور بوڑھی عورتوں کو جو پردہ میں تخفیف کا جواز ہے وہ دو شرطوں کے ساتھ ہے ایک تو یہ کہ وہ ایسے سن کو پہنچ گئی ہوں کہ حدِ نکاح سے گزر چکی ہوں۔ یعنی اب بالکل محل رغبت نہ رہیں اور ان کے بے پردگی سے احتمال فتنہ کا باقی نہ رہے اور دوسری شرط یہ فرمائی کہ ان کو قدرتی یا مصنوعی زینت وسنگار کے موقعوں کو غیر مردوں اور نامحرموں کو دکھلانا مقصود نہ ہو۔ پھر ان دو شرطوں کے ساتھ بھی فرمایا گیا کہ حجاب کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں بہتر وہ بھی ان کے حق میں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جوان یا ادھیڑ عمر کی عورتوں کو اپنے جسم کے اخفا میں کتنا اہتمام چاہئے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اب یہ قرآنی احکام وہدایات غریب غرباء کے لئے یا کسی مخصوص طبقہ کے لئے ہوں تو ہوں ورنہ ادباء اور امراء الا ماشاء اللہ حجاب اور ستر کی ان پابندیوں کو "دقیانوسی خیالات" کا ٹائیٹل دے کر نہ صرف خیر باد کہہ چکے ہیں بلکہ اسلامی اور شرعی پردہ کو بزعم خود اپنی نام نہاد ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور روڑا سمجھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جب قرآنی احکام کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ ہو تو اس کا جو انجام دنیا میں دیکھ رہے ہیں وہ تو آنکھوں کے سامنے ہے اور آخرت میں جو معاملہ ہوگا۔ وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

الغرض یہاں پردہ کے متعلق احکام ومسائل بیان ہوئے آگے معاشرت کے بعض احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے اللہ! آپ نے ہم کو قرآن اور اسلام جیسی نعمتوں سے نوازا مگر ہم نے ان نعمتوں کا حق ادا نہ کیا۔

اے اللہ ہم نے قرآنی احکام کو خیر باد کہہ کر جو ظلم اپنی جانوں پر کیا ہے اس کو اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور آئندہ کے لئے ہم کو قرآنی ہدایات کے موافق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اور قرآن پاک کے ہر چھوٹے بڑے حکم پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا عزم اس بھٹکی ہوئی امت مسلمہ کے ہر فرد کو نصیب فرمادے۔ بے پردگی کی اس وقت جو عام وبا پھیل رہی ہے اے اللہ اس کے فتنہ اور وبال سے ہم کو اور ہماری عورتوں کو محفوظ فرمادے اے اللہ! آپ کے یہ قرآنی احکام جو رئیس وغریب اور چھوٹے و بڑے سب کے لئے ہیں، ہمارے حکام اور صاحب اقتدار وحکومت کے دلوں میں بھی اتار دے۔ اور اس ملک میں قرآنی احکام کے نفاذ کی صورتیں ظاہر فرمادے۔

اے اللہ! جو بے دینی کے فتنے وبا کی طرح اس ملک اور امت مسلمہ میں پھیل گئے ہیں ان کے مٹنے اور ختم ہو جانے کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى

نہ تو اندھے آدمی کیلئے کچھ مضا ئقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کیلئے کچھ مضا ئقہ ہے اور نہ بیمار آدمی کیلئے کچھ مضا ئقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں

اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ

کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھالو یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے

اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا مَلَكۡتُمۡ

اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جنکی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں

مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا

یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)۔ پھر (یہ بھی معلوم کر رکھو کہ) جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو

عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝٦١ ع

(جو کہ) دُعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

لَيۡسَ نہیں	عَلَى الۡاَعۡمٰى نابینا پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَّلَا اور نہ	عَلَى الۡاَعۡرَجِ لنگڑے پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَّلَا اور نہ	عَلَى الۡمَرِيۡضِ بیمار پر
حَرَجٌ کوئی گناہ	وَّلَا اور نہ	عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ خود تم پر	اَنۡ تَاۡكُلُوۡا کہ تم کھاؤ	مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اپنے گھروں سے	اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ یا اپنے باپوں کے گھروں سے		
اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے	اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے	اَوۡ بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ یا اپنی بہنوں کے گھروں سے					
اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ یا اپنے تائے چچاؤں کے گھروں سے	اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے	اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ یا اپنے خالو، ماموؤں کے گھروں سے					
اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے	اَوۡ یا	مَا مَلَكۡتُمۡ جس گھر کی تمہارے قبضہ میں ہوں	مَّفَاتِحَهٗۤ اسکی کنجیاں				
اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ یا اپنے دوست (کے گھر سے)	لَيۡسَ نہیں	عَلَيۡكُمۡ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ	اَنۡ کہ	تَاۡكُلُوۡا تم کھاؤ	جَمِيۡعًا اکٹھے مل کر	اَوۡ یا
اَشۡتَاتًا جدا جدا	فَاِذَا پھر جب	دَخَلۡتُمۡ بُيُوۡتًا تم داخل ہو گھروں میں	فَسَلِّمُوۡا تو سلام کرو	عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ اپنے لوگوں کو	تَحِيَّةً دعائے خیر	مِّنۡ سے	
عِنۡدِ اللّٰهِ اللہ کے ہاں	مُبٰرَكَةً بابرکت	طَيِّبَةً پاکیزہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُبَيِّنُ اللّٰهُ اللہ واضح کرتا ہے	لَكُمُ تمہارے لئے	الۡاٰيٰتِ احکام	لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ تاکہ تم سمجھو

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت میں سن رسیدہ اور بوڑھی عورتوں کے متعلق بعض احکام و مسائل بیان ہوئے تھے۔ اب معاشرت کے بعض احکام بیان فرمائے جاتے ہیں۔

ایام جاہلیت میں عرب میں کھانے پینے کے متعلق مختلف دستور رائج تھے بعض قبیلے کی تہذیب یہ تھی کہ ہر ایک الگ الگ کھانا لے کر بیٹھے اور کھائے وہ مل کر ایک ہی جگہ کھانا برا سمجھتے تھے جیسا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ہاں اب بھی الگ الگ کھانے کا دستور ہے۔ بعض قبیلہ اس کے برعکس تنہا کھانے کو برا جانتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی ساتھ کھانے والا نہ ملتا تو فاقہ کر جاتے تھے۔ اہل مدینہ میں پہلے کھانے پینے کے بارہ میں بہت بے تکلفی تھی کہ میں نے تمہارے گھر کھالیا۔ تم نے میرے گھر کھالیا بلکہ کبھی محتاج غریبوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور کسی عزیز

قریب یا دوست کے گھر اس کو بھی کھلا دیتے۔ چونکہ اس بے تکلفی میں افراط زیادہ ہو گیا تھا اس لئے مستحقین پر اکثر نوبت ظلم اور حقوق کے اتلاف کی آنے لگی تھی کہ گھر والے اکثر گھاٹے میں رہ جاتے۔ چنانچہ اسلام میں اس کی روک تھام کے لئے پانچویں پارہ سورۂ نسآ کی آیت یآایھا الذین امنو الا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (یعنی اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طور پر مت کھاؤ نازل ہوئی تو قرآن اور اسلامی تعلیمات نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذہنیت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا اس وجہ سے وہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے معاملہ میں بہت ہی مبالغہ کے ساتھ احتیاط فرمانے لگے اور دوسروں کے ہاں جہاں یقینی طور پر ان کی رضامندی معلوم تھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے۔ اس طرح ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، بیماروں اور معذوروں کا لے جانا تو بالکل ہی رک گیا، پھر اندھے، لنگڑے اور بیمار کسی کے ساتھ ناخواندہ مہمان کی صورت میں جا کر اس کے کسی عزیز یا دوست کے گھر کھانا کھانے کو خلاف دیانت سمجھنے لگے۔ تو اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے۔ نیز قدیم زمانہ کے بعض اہل عرب کے دستور کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں بعض گھروں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے جہاں خود کھا لینے یا اپنے ساتھ معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحبِ خانہ کی اجازت و رضا کا یقین ہو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنہا کھانے کی رخصت نازل فرما کر جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا گیا کہ اگرچہ بھوکے ہوتے لیکن جب تک ساتھ کھانے والا کوئی نہ ہوتا کھانا نہ کھاتے اور سواری پر سوار ہو کر ساتھ کھانے والے کی تلاش میں نکلتے تھے۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اس آیت میں گو تنہا کھانے کی رخصت ہے لیکن اگر دوسرے کھانے والے موجود ہوں تو لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا افضل ہے اور زیادہ برکت بھی اسی میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو گے۔ جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

یہاں یہ تعلیم دی گئی کہ گھروں میں جب بھی داخل ہو خواہ وہ اپنا گھر ہو یا غیر کا تو سلام کر کے جاؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشہور صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ جب تم گھروں میں جاؤ تو خدا کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہا کرو میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔ حضرت عطا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ سلام کرنا واجب ہے۔ فرمایا مجھے تو یاد نہیں کہ اس کے وجوب کا کوئی قائل ہو لیکن ہاں مجھے یہ بہت ہی پسند ہے کہ جب بھی گھر میں جاؤ سلام کر کے جاؤ میں تو اسے کبھی نہیں چھوڑتا ہاں یہ اور بات ہے کہ کبھی بھول جاؤں۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ جب ایسے گھر میں جاؤ جو غیر آباد ہو اور جہاں کوئی اندر موجود نہ ہو تو اس وقت بھی سلام کیا جائے مگر اس طرح کہ السلام علینا وعلیٰ عبادا اللہ الصالحین تو ایسے سلام کا جواب خدا کے فرشتے دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتوں کی وصیت کی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کامل وضو کرو۔ تمہاری عمر بڑھے گی۔ میرا امتی ملے سلام کرو نیکیاں بڑھیں گی۔ گھر میں سلام کر کے جایا کرو، گھر کی خیریت بڑھے گی۔ ضحیٰ کی نماز پڑھتے رہو تم سے اگلے لوگ جو خدا والے بن گئے تھے ان کا یہی طریقہ تھا۔ صلوٰۃ الضحیٰ سے مراد اشراق یا چاشت ہے۔ اے انس! چھوٹوں پر رحم کرو۔ بڑوں کی عزت اور توقیر کرو۔ تو قیامت کے دن میرا ساتھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آیت کے اخیر میں بتایا گیا:۔

"اس طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ

تم سمجھو اور عمل کرو۔"

یعنی یہ احکام مجالست و معاشرت جو تعلیم فرمائے گئے ان کے سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے اس میں بہت فضائل و برکات ہیں یہ میل محبت اور انس بڑھانے والی تعلیم ہے۔ یہ تہذیب و شائستگی کی تلقین ہے۔ یہ قومی نظم کو درست رکھنے کی ہدایت ہے۔ یہ باہمی تعاون و تناصر کا ذریعہ ہے۔ یہ دعائے رحمت ہے۔ طلب برکت ہے۔ اور یہ تعلیم باہمی منافرت اور مخالفت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دینے والی ہے۔ اب یہیں سے اس کی ضد بھی سمجھ لیجئے کہ جب ہم ربانی احکامات اور آسمانی ہدایات اور قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دیں گے اور ان سے منہ موڑ لیں گے تو ظاہر ہے کہ بجائے آپس کے اُنس و محبت کے باہمی منافرت و مخالفت آئے گی۔ معاشرہ میں طرح طرح کے مفاسد و فتنہ پیدا ہوں گے۔ بدکرداری اور بدعملی بڑھے گی اور قوم و ملک گھروں اور خاندانوں میں بجائے خیر و برکت و رحمت کے طرح طرح کے مصائب، بلیات و پریشانیاں نازل ہوں گی۔

آج قوم و ملک کی بدحالی کو دور کرنے کا ہر ذریعہ ہمارے صاحب اقتدار حکومت اور دردمندانِ قوم و ملک کی سمجھ میں آتا ہے مگر نہیں آتا تو قرآنی ہدایات نافذ کر کے رحمت و برکت حاصل کرنے کا نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں۔

الغرض شروع سورت سے یہاں تک متعدد احکام اوامر و نواہی بیان کئے گئے اب آگے خاتمۂ سورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس پر دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا انحصار ہے اور اطاعت کرنے والے مومنین کی مدح اور اطاعت سے جان چرانے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآن کریم کے ادب و احترام کے ساتھ اس کا اتباع بھی نصیب فرمائیں اور جملہ قرآنی ہدایات و تعلیمات پر ہم کو دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ اے اللہ! اس امت مسلمہ نے جس چیز سے اس کو ہدایت و عظمت اور برتری حاصل ہوئی تھی یعنی قرآن و سنت اسی سے اب کنارہ کش ہو کر طرح طرح کی گمراہیوں اور نافرمانیوں کا شکار ہوگئی ہے۔

اے اللہ! اس امت کی اصلاح کی پھر غیب سے صورتیں ظاہر فرمادے اور پھر ہم کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر لینے کا عزم و جذبہ عطا فرمادے ہم کو قرآن کی تلاوت کے ساتھ اس کے احکام کا پابند بنادے اور ہم کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کے ساتھ ان کا اتباع اور فرمانبردار امتی بننا نصیب فرمادے۔ امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا

بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسولؐ کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کیلئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے

حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ

جانے کی ضرورت پڑتی ہے) تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔ (اے پیغمبر) جو لوگ آپ سے (ایسے مواقع پر) اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ

تو جب یہ (اہل ایمان لوگ) ایسے مواقع پر اپنے کسی (ضروری) کام کیلئے آپ سے (جانیکی) اجازت طلب کریں تو اُن میں سے جسکے لئے آپ چاہیں اجازت دے دیا کریں اور آپ اُن کیلئے

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسولؐ کے بُلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بُلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے

يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ

جو (دوسرے کی) آڑ میں تم میں سے (مجلس نبویؐ سے) کھسک جاتے ہیں۔ سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اُن کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ اُن پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آپڑے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ

یا اُن پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے۔ یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (موجود) ہے سب خدا ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو

إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

اور اس دن کو جس میں سب اُس کے پاس (زندہ کرکے) لائے جائیں گے پھر وہ سب کو جتلا دیگا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

إِنَّمَا اس کے سوا نہیں	الْمُؤْمِنُونَ مومن	الَّذِينَ آمَنُوا جو ایمان لائے (یقین کیا)	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اس کے رسول پر	وَإِذَا اور جب	
كَانُوا وہ ہوتے ہیں	مَعَهُ اسکے ساتھ	عَلَىٰ پر۔ ہیں	أَمْرٍ جَامِعٍ جمع ہونے کا کام	لَمْ يَذْهَبُوا وہ نہیں جاتے	حَتَّىٰ جب تک	
يَسْتَأْذِنُوهُ وہ اس سے اجازت لیں	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جو لوگ	يَسْتَأْذِنُونَكَ اجازت مانگتے ہیں آپؐ سے	أُولَٰئِكَ یہی لوگ		
الَّذِينَ وہ جو	يُؤْمِنُونَ ایمان لاتے ہیں	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اس کے رسول پر	فَإِذَا پس جب	اسْتَأْذَنُوكَ وہ تم سے اجازت مانگیں	
لِبَعْضِ کسی کیلئے	شَأْنِهِمْ اپنے کام	فَأْذَنْ تو اجازت دیدیں	لِمَنْ جس کو	شِئْتَ آپ چاہیں	مِنْهُمْ ان میں سے	وَاسْتَغْفِرْ اور بخشش مانگیں
لَهُمُ اللّٰهَ ان کیلئے اللہ	إِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	غَفُورٌ بخشنے والا	رَحِيمٌ نہایت مہربان	لَا تَجْعَلُوا تم نہ بنالو	دُعَاءَ بُلانا	الرَّسُولِ رسول کو
بَيْنَكُمْ اپنے درمیان	كَدُعَاءِ جیسے بلانا	بَعْضِكُمْ اپنے بعض ایک	بَعْضًا بعض (دوسرے) کو	قَدْ يَعْلَمُ تحقیق جانتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الَّذِينَ جو لوگ
يَتَسَلَّلُونَ چپکے سے کھسک جاتے ہیں	مِنْكُمْ تم میں سے	لِوَاذًا نظر بچا کر	فَلْيَحْذَرِ پس چاہیے کہ وہ ڈریں	الَّذِينَ جو لوگ	يُخَالِفُونَ خلاف کرتے ہیں	
عَنْ أَمْرِهِ اس کے حکم سے	أَنْ کہ	تُصِيبَهُمْ پہنچے اُن پر	فِتْنَةٌ کوئی آفت	أَوْ يُصِيبَهُمْ یا پہنچے ان کو	عَذَابٌ عذاب	أَلِيمٌ دردناک

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ یادرکھو بیشک اللہ کیلئے	مَا جو	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	قَدْ یَعْلَمُ تحقیق وہ جانتا ہے	مَآ جو۔جس	اَنْتُمْ تم
عَلَیْهِ اس پر	وَیَوْمَ اور جس دن	یُرْجَعُوْنَ وہ لوٹائے جائیں گے	اِلَیْهِ اس کی طرف	فَیُنَبِّئُهُمْ پھر وہ انہیں بتائے گا	بِمَا اس سے	
	عَمِلُوْا انہوں نے کیا	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِكُلِّ شَیْءٍ ہر شے کو	عَلِیْمٌ جاننے والا		

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ نور کا آخری رکوع ہے ان آیات پر یہ سورۂ ختم فرمائی جاتی ہے۔ شروع سورۃ سے بہت سے اوامر ونواہی یعنی بعض کرنیوالے احکام اور بعض نہ کرنیوالے احکام ارشاد فرمائے گئے۔

اب خاتمۂ سورۃ میں ایک حکم خاص اس وقت کے مناسب ارشاد فرمایا جاتا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے جس پر انحصار ہے جمیع سعادات دنیویہ واُخرویہ، ظاہرہ وباطنہ کا۔ ساتھ ہی اللہ ورسول کے احکام کی مخالفت کی ممانعت مع وعید کے بیان فرمادی گئی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کے سبب نزول دو امر ہیں ایک یہ کہ غزوۂ احزاب میں جب مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تو مسلمان نہایت جفاکشی ومحنت سے خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کام میں شریک تھے۔ اگر خندق کھودنے کے دوران کسی مسلمان کو کوئی ضرورت پیش آجاتی یا مدینہ جانے کا کوئی کام لگتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جاتے اور کام پورا کرنے کے بعد واپس آجاتے۔ دوسرے یہ کہ منافقین جو مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے اور بظاہر اسلام کے دعویدار تھے اول تو کام سے جی چراتے اور خندق کھودتے کسمساتے تھے اور جب کسی مسلمان کو جاتا ہوا دیکھتے تو اس کی آڑ میں لگے لگے خود بھی بے اطلاع کھسک جاتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جس میں مومنوں کی مدح فرمائی گئی اور ضمناً منافقوں کی مذمت بھی ہے۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے کہ جو محض دنیا کو دکھانے کے لئے زبانوں سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور مسلمانوں کے گروہ میں ملے جلے رہتے ہیں لیکن واقع میں ان کے دل منکر ہوتے ہیں اور ان کے ضمیر اسلامی عقائد وتعلیم کو دل سے تسلیم نہیں کرتے مگر مصلحت وقتی ان کو ظاہری مسلمان بننے پر مجبور کرتی ہے۔ اور ان کے مسلمان بننے سے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔ یا تو ان کے پیش نظر کوئی دنیوی لالچ ہوتا ہے یا مسلمانوں میں اپنا وقار پیدا کرنا غرض ہوتا ہے۔ یا کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے اندرونی احوال کی جستجو مقصود ہوتی ہے۔ یا مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ یا اسی قسم کا کوئی مقصد ہوتا ہے جس کو وہ مسلمان بن کر پورا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ منافقوں کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسے لوگ تھے اور اس زمانہ میں بھی ہیں اور ہر دور میں ہوتے ہیں۔

یہاں ان آیات میں پہلے حقیقی مسلمان کی شناخت اور علامت ظاہر فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہاں ایمان کے معنی اور اس کی حقیقت کو مختصراً عرض کردیا جائے تاکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کی حقیقت معلوم ہوجائے۔ ''ایمان'' کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے بالا ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم وہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں آپ کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔ تو اس طرح شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب سے ہوتا ہے جن کا ہم احساس اور ادراک نہیں کرسکتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے احکام کی آمد بذریعہ وحی، قیامت، حشر ونشر، جنت ودوزخ وغیرہ وغیرہ اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں ان سب کو آپ کی صداقت، دیانت اور امانت کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی

اس کی تکذیب ہے جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مقدسہ میں براہ راست آپ کی زبان سے آپ کی ہدایات اور تعلیمات سنیں ان کے لئے تو آپ کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان تھی جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کیں اگر وہ آپ کی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے۔ لیکن جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں بظاہر نہ رہے تو ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے یقینی اور قطعی طریقہ سے ہو جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو شرعی اصطلاح میں ضروریات دین کہتے ہیں جن سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔ پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کو جو اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی طرف سے لائے تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔ بخاری شریف کی ایک روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ترجمان السنہ میں لکھا ہے کہ حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان محض علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے۔ وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع بن جائے۔ اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

الغرض ان آیات کا حاصل ارشاد یہ ہے کہ کامل مومن وہی لوگ ہیں جن کا ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ہو۔ اور اگر کوئی ایسا امر مسلمانوں کے سامنے ہو جس میں سب کا اجتماع ضروری ہو تو وہ جمع ہو جائیں جیسے غزوۂ احزاب میں خندق کا کھودنا اور بغیر اجازت لئے کوئی غیر حاضر نہ ہو۔ اجازت لے کر اپنے کسی دوسرے کام کو جانا ایمان کی علامت ہے لیکن طلب اجازت کے بعد بھی یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیدیں بلکہ اجازت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے۔ مناسب سمجھیں تو اجازت عطا کریں نہ مناسب سمجھیں نہ دیں۔ علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اپنا قائم مقام کر دیا ہو۔ یا شرعی شروط کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہو اس کے حکم سے سرتابی کرنی بھی ویسی ہی حرام ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گویا شرعی امیر کا حکم ماننا فرض ہے اور جب تک امیر اجازت نہ دے مجمع کو چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں خواہ وہ ضرورت دینی ہو یا دنیوی۔ دینی ضرورت کی ایک مثال یہ ہے کہ جنگ تبوک کو جاتے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمرہ کرنے کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر آپ عمرہ کرنے مکہ کی طرف چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت فرمایا بھائی ہم کو اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولنا۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کر کے آ گئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ تو ایسی دینی ضرورت بھی اجازت کی محتاج ہے اور اگر کوئی دنیوی ضرورت ہو مثلاً کوئی خانگی کاروبار ہو یا گھر والوں کی مجبوری یا حوائج بشریہ کو پوری کرنے کی احتیاج بہرحال ایسی ضروریات دنیوی کو بھی پورا کرنے کے لئے اور مجمع سے علیحدہ ہونے کے لئے حصولِ اجازت کی ضرورت ہے۔ تاہم اجازت لے کر بھی کسی دنیوی کام کے لئے جانا بظاہر مناسب نہیں۔ کیونکہ اس وقت دنیوی کام کو دینی کام پر ترجیح دینا لازم آتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی کہ آپ اجازت دے کر بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے۔ اس موقع پر ایسے صاحبان کے لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار یعنی مغفرت کی دعا کرنے کی وجہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ۔

''یہ اجازت لینا گو کسی قوی عذر کی وجہ سے ہو لیکن تاہم اس میں دنیا کی تقدیم دین پر تو لازم آئی اور اس میں ایک نقص کا شائبہ ہے اس کی تلافی کے لئے استغفار کا امر ہوا۔ پس استغفار جیسے تلافی ذنوب کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح تلافی نقص کے لئے بھی مفید ہے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ عذر واقع میں قوی نہ ہو اور اس کے قوی سمجھنے میں اجازت لینے والے سے خطائے اجتہادی ہوئی ہو اور وہ خطا ایسی ہو کہ تامل اور غور وخوض سے رفع ہو سکتی تھی مگر غور وخوض اور تامل نہ کیا۔ یہ ترک تامل باوجود قدرت کے ایک خفیف سا امر مکروہ ہے اور امر مکروہ ممنوع ہوتا ہے اور ممنوعات سے استغفار ظاہر ہے۔ بہر حال چونکہ اجازت لینے والوں کی نیت اچھی تھی اس لئے ایسے حقائق پر مواخذہ نہیں فرمایا کیونکہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (بیان القرآن)''

آگے ارشاد فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جس کام کے لئے بلائیں اور کسی خدمت پر مامور کریں تو امر رسول کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم میں سے ایک دوسرے کو بلاتا ہے اور کسی کام کا حکم دیتا ہے کہ دل چاہا تو چلے گئے اور وہ کام کر لیا اور نہ دل چاہا تو نہ گئے نہ وہ کام کیا۔ حکم رسول کی اطاعت واجب ہے۔ پھر نافرمان منافقوں کو دھمکی دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے اگر بچ بھی نکلے تو خدا کے علم سے بچنا تو ممکن نہیں۔ چپکے سے سرک کر نکل جانے والوں کو خدا خوب جانتا ہے۔ امر رسول کی مخالفت کرنے والوں اور حکم نہ ماننے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں دردناک عذاب اس مخالفت کی وبال میں نہ آ جائے اور کوئی غیبی تباہی نہ آ پڑے۔ یہاں آیت میں فتنہ اور عذاب الیم کے لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ فتنہ سے مراد مفسرین نے دنیوی عذاب جیسے بیماری، قحط، تنگدستی، ناگہانی موت۔ دشمنوں کی دراز دستی، زلزلہ، طوفان بادوباراں، آپس کے تفرقہ، خانہ جنگیاں وغیرہ وغیرہ لئے ہیں اور بعض حضرات مفسرین نے فتنہ کا مطلب ''ظالموں'' کا تسلط لیا ہے یعنی اگر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان پر جابر و ظالم حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے اور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب تو یہاں یہ وعید اور دھمکی سنائی گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ورزی کی پاداش میں دونوں جہان برباد ہوں۔ خاتمہ پر اخیر میں یہ واضح فرما دیا گیا کہ تمام عالم خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ مختار مطلق ہے۔ ہر طرح سے عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے پھر آخرت میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہی ہے اور اللہ ہر شے سے خوب واقف ہی ہے۔ قیامت کے دن سب کیا کرایا سامنے آ جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اطاعت و تعظیم و تکریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا۔ امر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خلاف ورزی کی ممانعت فرمائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے پر اور حکم نہ ماننے والوں کو ڈرایا گیا اور دھمکی دی گئی کہ کہیں ان پر کوئی غیبی تباہی اور دنیوی عذاب نہ آ پڑے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دنیا و آخرت میں برباد ہو جاویں۔ اب بتائیے کہ حق تعالیٰ کی اس سے زیادہ مؤثر تنبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات و ہدایات کی مخالفت کرنے والوں کو یا نافرمانی کرنے والوں کو اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج ہماری اکثریت کا یہ عالم ہے اور بے حسی اور بددینی کا زہر اتنا اثر کر چکا ہے کہ نہ حق تعالیٰ کی قرآنی تنبیہات کا ہم اثر لیتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہمائشات کارگر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مردہ دلوں کو نور حق سے پھر زندہ فرما دے اور ہمارے دلوں میں اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سچی عزت و عظمت پیدا فرما دے۔ آمین۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورۂ نور کا بیان پورا ہو گیا۔ جس میں نو رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمدؐ) پر نازل فرمائی تاکہ وہ (بندہ) تمام جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

ایسی ذات جس کیلئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اُس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِيْ وہ جو۔جس	نَزَّلَ الْفُرْقَانَ نازل کیا فرق کرنیوالی کتاب (قرآن)	عَلٰى عَبْدِهٖ اپنے بندہ پر	لِيَكُوْنَ تاکہ وہ ہو	
لِلْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کیلئے	نَذِيْرًا ڈرانے والا	الَّذِيْ لَهٗ وہ جس کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَلَمْ يَتَّخِذْ اور اس نے نہیں بنایا	وَلَدًا کوئی بیٹا	وَلَمْ يَكُنْ اور نہیں ہے	لَهٗ اس کا	شَرِيْكٌ کوئی شریک	فِي الْمُلْكِ سلطنت میں
	وَخَلَقَ اور اس نے پیدا کیا	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	فَقَدَّرَهٗ پھر اس کا اندازہ ٹھہرایا	تَقْدِيْرًا ایک اندازہ	

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اٹھارویں پارہ کی سورۃ الفرقان کا بیان شروع ہورہا ہے۔اس وقت اس سورۃ کی صرف دو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تفسیر وتشریح سے پہلے اس سورۃ کا مقام، زمانہ نزول، وجہ تسمیہ، موضوع ومباحث، تعداد آیات، رکوعات وکلمات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں یہاں پہلی ہی آیت تبرک الذی نزل الفرقان میں لفظ فرقان آیا ہے جو قرآن مجید کا ایک نام ہے اس لئے اس سورۃ کا نام الفرقان مقرر کیا گیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اپنی کتاب کے ۵۵ نام رکھے ہیں جن میں سے ایک نام فرقان بھی ہے۔فرقان کے لفظی معنی ہیں ہر وہ چیز جس سے حق وباطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔تو چونکہ قرآن کریم فرق کرنے والا ہے حق وباطل میں۔خیر وشر میں۔ہدایت وضلالت میں۔حرام وحلال میں، عدل وظلم میں۔علم وجہل میں۔نور وظلمت میں۔مفید ومضر میں۔مفسد اور مصلح میں۔صدق وکذب میں۔راستی اور کجی میں، صواب وخطا میں، اسی مناسبت سے قرآن پاک کا ایک نام الفرقان بھی ہے جو اس سورۃ کا نام مقرر ہوا۔یہ سورۃ مکی ہے اور قیام مکہ کا متوسط دور اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں ۲۵ ویں سورت ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۶ لکھا ہے یعنی ۵ سورتیں اس سورۃ سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوچکی تھیں اور ۲۴ سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ میں ہجرت سے قبل نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔اس سورۃ میں ۷۷ آیات۔۶ رکوعات۔۹۰۶ کلمات اور ۳۹۱۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دیگر مکی سورتوں کے اس سورۃ میں بھی عقائد یعنی اثباتِ توحید۔ اثباتِ رسالت۔حشر ونشر۔قیامت وآخرت۔جزا وسزا۔شرک کی برائی۔ مشرکین کی مذمت کے مضامین ہیں۔اور مضمون کی مناسبت سے بعض گذشتہ پیغمبروں اور ان کی قوم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور توجہ دلائی گئی ہے کہ جن قوموں نے اپنے زمانہ میں اپنے رسولوں کو جھٹلایا وہ دنیا میں ناکام اور آخرت میں عذاب کے مستحق ہوئے۔قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی ذات عالی پر کفار و مشرکین مکہ کے اعتراضات وشبہات میں سے ایک ایک کو نقل کر کے ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی دعوت حق سے اعراض کے برے نتائج بھی صاف صاف بتائے گئے ہیں۔ پھر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان کی کھلی نشانیاں بتائی گئی ہیں جن سے توحید کی تعلیم دی گئی۔ اخیر میں اہل ایمان کے بلند اخلاق و کردار اور ان کے اعمال وخصال کا ذکر فرمایا تا کہ ان کو دیکھ کر مشرکین اپنے برے اعمال سے تائب ہو جائیں اور اپنے اعمال وخصال کا مومنین کے اعمال وخصال سے مقابلہ وموازنہ کریں تا کہ ہدایت وضلالت اور سعادت وشقاوت کا فرق ان کی نظروں کے سامنے آجائے۔ یہ ہے اسی پوری سورۃ کے مضامین کا خلاصہ جس کی تفصیلات انشاء اللہ اگلے درسوں میں اپنے اپنے مواقع پر آپ کے سامنے آئیں گی۔

سورۃ کی ابتدا تلاوت کردہ عظیم الشان آیات سے ہوتی ہے جن میں پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تعریف فرمائی کہ ساری خیر وخوبیاں اور تمام عظمت وجلال اور بزرگی و بڑائی اور قوت وقدرت اور کمال وجمال کا منبع ومرکز اس کی ذات پاک ہے۔ یہ سارا مفہوم اور اس سے کہیں زیادہ ایک لفظ تبارک میں موجود ہے۔ حقیقت میں نہ ہمارے پاس ایسے الفاظ ہیں کہ جو اس کی شان کا بیان کر سکیں اور نہ ایسی کوئی چیز ہے کہ جس کو اس کے مشابہ ٹھہرا سکیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسی پاک۔ بلند اور رفعت اور بزرگی والی ذات نے قرآن حکیم جیسی عظیم الشان کتاب اتاری جس میں انسان کے لئے تمام مفید چیزیں کھول کر رکھ دی ہیں تا کہ وہ انہیں حاصل کرے اور بری چیزیں بھی واضح کر دی ہیں تا کہ وہ ان سے بچے۔ انسان اس عظیم الشان کتاب کے ذریعہ حق و باطل۔ سچ وجھوٹ اور برے اور بھلے میں کھلم کھلا فرق سمجھ سکتا ہے۔ پھر اس قرآن کریم کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے اور اسے اچھی طرح سمجھانے کے لئے اپنے خاص برگزیدہ بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا تھا تا کہ آپ تمام جہان کے انسانوں کو حق بتلائیں اور اس کے اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنائیں اور باطل کو بھی واضح کر دیں اور اس کے اختیار کرنے والوں کو ڈرائیں۔ یہاں آیت میں للعلمین نذیرا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی تمام جہان والوں کے لئے آپ نذیر ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن کی دعوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے ہے اور اپنے ہی زمانہ کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی متعدد جگہ آیا ہے مثلاً سورۃ اعراف نویں پارہ میں فرمایا۔

قل یآ یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

''آپ کہہ دیجئے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

۲۲ ویں پارہ سورۂ سبا میں فرمایا گیا: **وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** ''ہم نے آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

آگے یہاں بتلایا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا حاکم مطلق اور اکیلا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے نہ اس کے اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اس نے تنہا اپنی قدرت سے ہر چیز کو پیدا کیا اور تنہا اس کا انتظام کرتا ہے۔ ہر چیز کے لئے اس کی خصوصیتیں مقرر فرمائیں اور ٹھیک اندازہ سے ہر چیز کا ایک دائرہ معین کر دیا اور ہر ایک کو ایسے قاعدہ اور قانون میں جکڑ دیا جس سے باہر جانے کی کسی کو مجال نہیں۔ اس لئے وہی **وحدہ لاشریک لہ** معبود برحق ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قدرت خداوندی نے کائنات کی ہر چیز کو ایسا ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنسدان حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار ان کو یہی کہنا پڑتا ہے۔ **تبارک اللہ احسن الخالقین**۔ غرضیکہ مخلوقات میں سے اس خلاق عظیم نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کی شکل، صورت، اجزاء، آثار وخواص میں خاص خاص حکمتیں رکھی ہیں اور ایک ایک مخلوق اس کی قدرت اور حکمت کا شاہکار ہے۔

امام غزالیؒ نے ایک مستقل کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے۔ غرضیکہ یہ قرآن کریم کی ان عظیم الشان جامع آیات میں سے ہیں جس میں توحید کی پوری تعلیم سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

الغرض سورۃ کی ابتداء توحید کے مضمون سے فرمائی گئی۔ آگے مشرکین کی جہالت وضلالت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا

اوران مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیئے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور (بلکہ) وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی (دفع) نقصان کا اختیار رکھتے ہیں

وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

اور نہ کسی (حصول) نفع کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ جلانے اور کافر (یعنی مشرک) لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں

اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴ ۚ وَقَالُوْٓا

کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو ایک شخص (یعنی پیغمبرؐ) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس (گھڑت) میں اُسکی امداد کی ہے۔ سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے۔ اور یہ (کافر) لوگ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ

یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں جن کو اس شخص (یعنی پیغمبرؐ) نے لکھوالیا ہے پھر وہی (مضامین) اسکو صبح وشام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶

آپ (اسکے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو تو اس ذات نے اُتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کو خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں خبر ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

وَاتَّخَذُوْا اور انہوں نے بنالئے	مِنْ دُوْنِهٖٓ اس کے علاوہ	اٰلِهَةً اور معبود	لَا يَخْلُقُوْنَ وہ نہیں پیدا کرتے	شَيْـًٔا کچھ	وَّهُمْ بلکہ وہ		
يُخْلَقُوْنَ پیدا کئے گئے ہیں	وَلَا يَمْلِكُوْنَ اور وہ اختیار نہیں رکھتے	لِاَنْفُسِهِمْ اپنے لئے	ضَرًّا کسی نقصان کا	وَّلَا نَفْعًا اور نہ کسی نفع کا			
وَلَا يَمْلِكُوْنَ اور نہ وہ اختیار رکھتے ہیں	مَوْتًا کسی موت کا	وَّلَا حَيٰوةً اور نہ کسی زندگی کا	وَّلَا نُشُوْرًا اور نہ پھر اٹھنے کا	وَقَالَ اور کہا			
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کافر	اِنْ هٰذَآ نہیں یہ	اِلَّآ مگر۔صرف	اِفْكُ بہتان۔من گھڑت	افْتَرٰىهُ اس نے اسے گھڑ لیا ہے			
وَاَعَانَهٗ اس کی مدد کی	عَلَيْهِ اس پر	قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ دوسرے لوگ	فَقَدْ جَآءُوْ تحقیق وہ آگئے	ظُلْمًا ظلم	وَّزُوْرًا اور جھوٹ		
وَقَالُوْٓا اور انہوں نے کہا	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگ	اكْتَتَبَهَا اس نے انہیں لکھ لیا ہے	فَهِيَ تُمْلٰى پس وہ پڑھی جاتی ہیں			
عَلَيْهِ اس پر	بُكْرَةً صبح	وَّاَصِيْلًا اور شام	قُلْ فرمادیں	اَنْزَلَهُ اسکو نازل کیا ہے	الَّذِيْ وہ جو	يَعْلَمُ جانتا ہے	السِّرَّ راز
	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّهٗ كَانَ بیشک وہ ہے	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَّحِيْمًا نہایت مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتداء مضمونِ توحید سے اس طرح ہوئی تھی کہ سارے کمالات اور خوبیوں کا منبع اور مرکز وہ ذات پاک ہے جس نے حق و باطل کی تمیز کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا اور پھر اس کو انسانوں تک پہنچانے اور اچھی طرح سمجھانے کے لئے اپنے ایک برگزیدہ رسول یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا تا کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ آسمانوں اور زمین کا حاکم مطلق اور اکیلا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی حکومت میں اس کا ساتھی اور شریک اور مددگار ہے۔ تنہا اس قادر مطلق نے یہ سب کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ سب کچھ بنایا ہے اور ہر چیز کو اس کو مناسب سامانِ زندگی اور سازگار قوتیں عطا فرمائی ہیں اور ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہی خواص اور افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے وہ

چیز پیدا کی گئی ہے۔غرض ہر چیز کو ایسا جانچ اور ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی نہیں چھوڑی۔

اب آگے ان آیات میں پہلے مشرکین کی جہالت اور مذمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ کس قدر ظلم، تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ ایسے خالق، مالک۔ قادر اور مختار اور حکیم زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر مشرکین نے دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں حالانکہ وہ ایسے مجبور ہیں کہ نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے۔ نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی اور کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ایسی عاجز اور مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر کم عقلی اور بے حیائی ہے۔

مشرکین کی یہ جہالت وضلالت تو ذاتِ خداوندی کی نسبت تھی اب آگے دوسری جہالت بیان ہوئی جو ذاتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ہے کہ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔(معاذ اللہ) یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اوروں کی مدد سے یوں ہی جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اس کی اشاعت کرنے۔ (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کے ان اقوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب و افترا کہا جائے۔ کیا اہل کتاب یا غیروں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح و بلیغ بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ مشرکین یہ بھی کہتے کہ (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل کتاب سے کچھ پرانے زمانہ کے قصہ کہانیاں سن کر لکھ رکھی ہیں یا کسی سے لکھوا رکھی ہیں۔ وہی شب و روز پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ مشرکین کا یہ بھی کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان تھا اس لئے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ تمام اہل عرب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اُمی تھے۔ آپ نے کبھی نہ کسی سے لکھنا سیکھا نہ پڑھنا۔ نبوت سے قبل چالیس سال کی زندگی آپ نے انہیں اہل مکہ میں گزاری تھی اور وہ بھی اس طرح کہ اتنی مدت میں ایک واقعہ بھی اور آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔ ایک ایک وصف آپ کا وہ تھا کہ جس پر اہل مکہ شیدا تھے اور رشک کرتے تھے۔ آپ کی عام مقبولیت اور محبوبیت صداقت، دیانت، امانت۔ بلند اخلاقی اور خوش معاملگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ آپ کو امین کے پیارے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ پھر جبکہ آپ رسالت سے سرفراز فرمائے گئے اور وحی آسمانی کے امین بنائے گئے تو کفار مکہ صرف باپ دادوں کی روش کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ کی عیب جوئی کرنے لگے۔ لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں۔ کبھی آپ کو شاعر کہتے، کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی مجنون (نعوذ باللہ) حیران تھے کہ کس طرح اپنی جاہلانہ روش کو باقی رکھیں اور اپنے معبودان باطل کے جھنڈے اوندھے نہ ہونے دیں اور ظلمت کدۂ دنیا کو نور خدا سے جگمگانے نہ دیں۔ مشرکین کے اس بہتان بندی کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کو جواب میں کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو تو اس ذات پاک نے اتارا ہے جس کو سب پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں سب خبر ہے اور جس کے احاطۂ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت وبلاغت۔ علوم ومعارف۔ اخبار غیبیہ۔ احکام وقوانین صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا جماعت کا کلام نہیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اپنی شان غفاریت اور شان رحیمی کو بیان فرماتے ہیں کہ مقتضا تو ایسے کفریات کا یہ تھا کہ ان کو فوراً سزا ہو جاوے لیکن چونکہ واقعی اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں اس لئے فوراً سزا نہیں دیتے تاکہ بدبھی اس کی ذات سے مایوس نہ ہوں اور کچھ بھی کیا ہو یا کہا ہو اب بھی اس کی طرف جھک جائیں توبہ کریں اپنے کئے پر پچھتائیں۔ نادم ہوں اور اس کی مغفرت طلب کریں۔ قربان جائیے اس کی شان رحیمی کے کہ ایسے سرکش اور دشمنانِ خدا و رسول۔ ایسے بہتان باز اور اس قدر ایذائیں دینے والے لوگوں کو بھی حق تعالیٰ اپنی عام رحمت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے کرم کی طرف انہیں بلاتے ہیں۔

ابھی کفار کے مزید اعتراض اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور ان کے جوابات دیئے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ

اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ

مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ۙ ۷ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ

کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔ یا اس کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا۔ اور ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ۸ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ۧ ۹

مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کیلئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کررہے ہیں سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکتے۔

وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	مَالِ کیسا ہے	هٰذَا الرَّسُوْلِ یہ رسول	يَاْكُلُ وہ کھاتا ہے	الطَّعَامَ کھانا	وَيَمْشِيْ چلتا پھرتا ہے	فِي میں	
الْاَسْوَاقِ بازار	لَوْلَآ کیوں نہیں	اُنْزِلَ اُتارا گیا	اِلَيْهِ اسکے ساتھ	مَلَكٌ کوئی فرشتہ	فَيَكُوْنَ کہ ہوتا وہ	مَعَهٗ اس کے ساتھ	نَذِيْرًا ڈرانے والا
اَوْ يُلْقٰٓى یا ڈالا (اتارا) جاتا	اِلَيْهِ اس کی طرف	كَنْزٌ کوئی خزانہ	اَوْ تَكُوْنُ یا ہوتا	لَهٗ جَنَّةٌ اس کیلئے کوئی باغ	يَّاْكُلُ وہ کھاتا	مِنْهَا اس سے	
وَقَالَ اور کہا	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	اِنْ تَتَّبِعُوْنَ نہیں تم پیروی کرتے	اِلَّا مگر۔ صرف	رَجُلًا ایک آدمی	مَّسْحُوْرًا جادو کا مارا ہوا	اُنْظُرْ دیکھو	كَيْفَ کیسی
ضَرَبُوْا انہوں نے بیان کیں	لَكَ تمہارے لئے	الْاَمْثَالَ مثالیں (باتیں)	فَضَلُّوْا سو وہ بہک گئے	فَلَا لہٰذا نہ	يَسْتَطِيْعُوْنَ پاسکتے ہیں	سَبِيْلًا کوئی راستہ	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کے بعض اقوال بیان فرما کران کے جواب دیئے گئے تھے اب آگے مزید انہیں کفار مکہ کے بعض دیگر اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نقل فرما کران کی تردید فرمائی جاتی ہے۔

بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار سرداران قریش جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا کر جو کچھ کہنا سننا اور فیصلہ کرنا ہے کرلو تا کہ ہماری جانب سے مصالحت کی تحریک میں کوئی کمی نہ رہ جائے اس کے بعد جو کچھ کرنا ہے کیا جائے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ آپ تشریف لائے تو حاضرین سرداران مکہ نے کہا کہ ہم نے چند باتیں کرنے کے لئے اس وقت بلایا ہے۔ ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ تم نے جو یہ جدید تحریک پیدا کی ہے اس کی غرض اور اس کے پیچھے تمہارا مقصد کیا ہے؟

اگر اس کا مقصد حصول مال ہے تو ہم چندہ کر کے تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ مکہ میں تم سے زیادہ مالدار کوئی نہ ہوگا۔ اگر تم سرداری کے خواستگار ہو تو ہم باتفاق رائے تم کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر حکومت کے طالب ہو تو یہ بات بھی دشوار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھے ان باتوں میں سے کسی کی خواہش نہیں۔ میں نہ مال و دولت چاہتا ہوں۔ نہ سرداری کا خواستگار ہوں۔ نہ امارت و بادشاہی کا طالب ہوں۔ حق بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اپنی کتاب مجھ پر نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں جنت کی بشارت اور دوزخ کا عذاب بتادوں۔ میں نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اب اگر تم نے میرے قول کو مان لیا تو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے کامیابی ہے اور اگر نہ مانا تو میں صبر کئے رہوں گا یہاں تک کہ خدا میرا اور

تمہارا فیصلہ فرمادے۔ سردارانِ کفر بولے۔ ہم نے جو امور تمہارے سامنے پیش کیئے اگر تم ان میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے تو اچھا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ کوئی فرشتہ آسمان سے اتاردے جو تمہارے ساتھ رہے اور تمہارے قول کی تصدیق کرے اور ہمارے اعتراضات کا جواب دے۔ یا یہ دعا کرو کہ خدا تمہارے لئے سرسبز باغ۔ شاندار کوٹھیاں اور سونے چاندی کے محلات بنادے تا کہ تمہاری حالت ایسی شکستہ نہ رہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے پاس ایک غیبی خزانہ بھی ہونا چاہئے تا کہ دوسرے کم مایہ لوگوں کی طرح تم کو بازار میں طلب معاش وغیرہ کے سلسلہ میں نہ جانا پڑے۔ تمہارے غیبی خزانہ کو دیکھ کر ہم کو یقین ہوگا کہ واقعی تم کو کوئی خاص شرف حاصل ہے اور تم مرتبۂ پیغمبری کے لائق ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس قسم کی کوئی درخواست خدائے تعالیٰ سے نہیں کروں گا۔ میرے بعثت کی یہ غرض ہی نہیں ہے۔ مجھے تو صرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔

قرآن پاک کفار کے انہیں اقوال کو ان آیات میں نقل فرماتا ہے اور مختصر طور پر ان کے شبہات کو دور کر کے ان کے اقوال کی تردید بھی فرماتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار یوں کہتے ہیں کہ رسول کی کیا یہ حیثیت ہوسکتی ہے کہ معمولی انسانوں کی طرح کھانا کھائے اور بازاروں میں سودا سلف اپنی ضروریات کے لئے خریدتا پھرے۔ جب یہ ہماری طرح کھانے پینے کے محتاج اور انتظام معاش ورزق کے لئے بازار میں چلنے پھرنے کے حاجت مند ہیں تو پھر ہم پر فوقیت کیا ہوئی اور ہم میں ان میں فرق کیا رہا۔ گویا ان کور دماغ کفار کے دماغوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ انسان نبی نہیں ہوسکتا۔ وہ نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لئے کہتے کہ اگر واقعی رسول ہوتے تو چاہئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتے۔ اور کفار یہ بھی کہتے کہ یہ اگر واقعی رسول ہیں تو آسمان کے فرشتے قطار در قطار ان کے آگے پیچھے ہوتے اور اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم ایک فرشتہ تو ضرور ہی ساتھ ہونا چاہئے تھا جو ڈرانے دھمکانے میں ان کا ساتھ دیتا اور جس کا لوگوں پر رعب پڑتا یہ کیا کہ کس مپرسی کی حالت میں اکیلے دعویٰ کرتے پھر رہے ہیں، یا پھر اگر فرشتے بھی ساتھ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے اپنی طرف مائل کرلیا کرتے اور خیر یہ بھی نہ سہی تو معمولی رئیس اور زمیندار کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بےفکری سے کھایا پیا کرتے۔ جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ نے پیغمبری کے لئے ایسے معمولی حیثیت کے انسان کو مامور کیا ہو۔ میاں کی یہ پوزیشن اور اتنا اونچا دعویٰ۔ اس پر بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ان کے عقل کے فتور کا نتیجہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سحر کردیا ہے کہ عقل جاتی رہی۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ)۔

ان اقوال کی تردید میں حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی عجیب باتیں کہہ رہے ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بناتے ہیں، کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنون، ان کا یہ اضطراب کہ ان کو الزام لگانے میں کسی ایک بات پر قرار نہیں خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خرافات کی وجہ سے یہ بالکل گمراہ ہوگئے اور اس جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ سیدھی راہ کیسے پاسکتے ہیں۔

یہ تو تھا مختصرا اور اجمالی جواب آگے تفصیلاً جواب مذکور ہوتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

وہ ذات بڑی عالیشان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپکو بہت سے محل دے دے

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا

بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور ہم نے ایسے شخص کیلئے جو کہ قیامت کو جھوٹ سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ وہ ان کو دور سے دیکھے گی

رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

تو وہ لوگ اس کا جوش وخروش سنیں گے۔ اور جب وہ اس کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ۭ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ

ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ آپ کہیئے کہ کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے یا وہ ہمیشہ رہنے کی جنت اچھی ہے

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ

جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ ان کیلئے صلہ ہے اور ان کا ٹھکانا ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔

خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝۱۶

یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابلِ درخواست ہے

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِيْ وہ جو	اِنْ شَآءَ اگر چاہے	جَعَلَ وہ بنادے	لَكَ تمہارے لئے	خَيْرًا بہتر	مِّنْ ذٰلِكَ اس سے	جَنّٰتٍ باغات
تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا جن کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَيَجْعَلْ اور بنادے	لَكَ تمہارے لئے	قُصُوْرًا محل	بَلْ بلکہ	كَذَّبُوْا انہوں نے جھٹلایا
بِالسَّاعَةِ قیامت کو	وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا	لِمَنْ كَذَّبَ اسکے لئے جس نے جھٹلایا	بِالسَّاعَةِ قیامت کو	سَعِيْرًا دوزخ	اِذَا جب		
رَاَتْهُمْ وہ دیکھے گی انہیں	مِّنْ سے	مَّكَانٍ جگہ	بَعِيْدٍ دور	سَمِعُوْا وہ سنیں گے	لَهَا اسے	تَغَيُّظًا جوش مارنا	وَّزَفِيْرًا اور چنگھاڑنا	وَاِذَآ اور جب
اُلْقُوْا وہ ڈالے جائینگے	مِنْهَا اس سے۔ کی	مَكَانًا کسی جگہ	ضَيِّقًا تنگ	مُّقَرَّنِيْنَ جکڑے ہوئے	دَعَوْا وہ پکاریں گے	هُنَالِكَ وہاں	ثُبُوْرًا موت
لَا تَدْعُوا تم نہ پکارو	الْيَوْمَ آج	ثُبُوْرًا موت کو	وَّاحِدًا ایک	وَّادْعُوْا بلکہ پکارو	ثُبُوْرًا موتیں	كَثِيْرًا بہت سی	قُلْ فرمادیں	اَذٰلِكَ کیا یہ
خَيْرٌ بہتر	اَمْ یا	جَنَّةُ الْخُلْدِ ہمیشگی کے باغ	الَّتِيْ جو۔ جس	وُعِدَ وعدہ کیا گیا	الْمُتَّقُوْنَ پرہیزگار	كَانَتْ وہ ہے	لَهُمْ ان کیلئے
جَزَاۗءً جزا (بدلہ)	وَّمَصِيْرًا لوٹ کر جانے کی جگہ	لَهُمْ ان کیلئے	فِيْهَا اس میں	مَا يَشَاۗءُوْنَ جو وہ چاہیں گے	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے		
كَانَ ہے	عَلٰي رَبِّكَ تمہارے رب کے ذمے	وَعْدًا ایک وعدہ	مَّسْـُٔوْلًا مانگا ہوا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین مکہ کے شبہات اور اعتراضات بیان فرمائے گئے تھے جو کہتے تھے کہ رسول کو تو

فرشتہ خصلت ہونا چاہئے کہ جو نہ کھائے پیئے اور نہ کسی ضرورت کے لئے بازاروں میں آئے جائے۔ رسول کے ساتھ کوئی آسمانی خزانہ ہونا چاہئے یا کوئی ایسا باغ ہو کہ طرح طرح کے میوے اور پھل وہاں سے کھائے جاسکیں۔ تو ان خرافات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہوئے گذشتہ آیات میں مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ یہ بدبخت آپ کو کیا کہتے ہیں۔ یہ بیہودہ بکتے ہیں۔ گمراہ ہیں اور راہِ راست نہیں پاسکتے۔ آگے اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید مخاطبت ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے خزانہ میں کیا کمی ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت سے باغات عطا فرمادے بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ و نہریں۔ اور حور و قصور اور عالی شان محلات ملنے والے ہیں وہ سب ابھی آپ کو دنیا میں عطا کردے۔ جن چیزوں کو کفار عجیب و غریب سمجھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے بہت حقیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بھی کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ اپنے رسول کو دولت کے خزانے دے دیتے۔ یا بڑی سے بڑی حکومت و سلطنت کا مالک بنادیتے جیسا کہ پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو ایسی دولت اور بے مثال حکومت عطا فرما کر اپنی اس قدرت کاملہ کا اظہار بھی کیا جاچکا ہے۔ مگر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی اور اپنے لئے مسکینی ہی کی حالت کو پسند فرمایا۔ احادیث میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحائے مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنائے دیتا ہوں۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں یہ نہیں چاہتا مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھر کر کھانا ملے اور ایک دن بھوکا رہوں۔ اور جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں اور گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیری حمد و ثنا بیان کروں اور تیرا شکر کروں۔ اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے۔ اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی اور ان سب سے مقصود امت کی تعلیم و تفہیم تھی کہ دنیاوی ثروت فتنہ ہے اس میں نہ پڑیں بلکہ آخرت کی فکر کریں۔ اور انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر و فاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بنا پر تھا۔ اور اس فقر و فاقہ میں بھی وہ مجبور نہیں تھے اگر وہ چاہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بڑا مالدار اور صاحب ثروت اور صاحبِ جائیداد بنادیتے مگر حق تعالیٰ نے ان حضرات کی طبیعت ہی کو ایسا بنایا کہ وہ مال و دولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے تھے۔ غرضیکہ بتلایا جارہا ہے کہ ان کفار و معاندین کے اگر سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی پوری کردی جاتیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہ تھے اور وہ جن باتوں یا چیزوں کا مطالبہ کرتے تھے وہ فی الحقیقت طلبِ حق کی نیت سے نہیں۔ محض شرارت اور عناد سے یہ بک رہے ہیں۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزا پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا۔ قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں انہیں ضرور رہنا پڑے گا۔ اور اس دوزخ کا یہ حال ہوگا کہ جب محشر میں لائی جائے گی تو جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے گی۔ جیسے شیر دھاڑتا ہے اور غصہ میں مزید غضبناک ہوجاتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب میدان حشر میں حساب کتاب کے لئے سب جمع ہو جائیں گے تو جنت اور دوزخ کے حاضر ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو اس جگہ سے جہاں اس کو خدا نے پیدا کیا ہے لایا جائے گا اس طرح کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ ۷۰ ہزار فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ فرشتے اس کو کھینچتے ہوئے لائیں گے اس حالت میں کہ اس میں سے آگ کے شعلے چنگاریاں بڑے بڑے محلوں کی مقدار میں اونٹوں کی قطار کے مانند پے در پے اٹھتی ہوں گی اور نہایت مہیب آوازوں کے ساتھ تسبیح کرتی ہوں گی۔ اور جن وانس اور بتوں کو اپنے لئے بطور غذا طلب کرتی۔ ہوگی جس کو سن کر لوگ لرز جائیں گے اور مارے ڈر کے زانو کے بل گر پڑیں گے۔ دوزخ کی گرمی اور بدبو اس قدر ہوگی کہ ستر سال کی مسافت تک پہنچتی ہوگی۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار برس دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی۔ پھر اس کو ایک ہزار برس اور دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار برس اور جلایا گیا یہاں تک وہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کردے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ جہنم میں تو انواع و اقسام عذاب کا کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں۔ لہٰذا تم ہزار ہا بار موت کو پکارتے رہو کتنا ہی پکارو تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے۔ آگے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان منکرین کو یہ مصیبت سنا کر کہئے کہ یہ بتلاؤ کہ کیا یہ مصیبت کی حالت اچھی ہے جو کہ مقتضا ہے تمہارے کفر و انکار کا یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت اچھی ہے جس کا خدا نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے اور جہاں ان کو ہر وہ چیز ملے گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور پھر یہ کہ ان ابدی راحتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ من مانی نعمتیں۔ ابدی لذتیں۔ اور دائمی مسرتیں ان کے لئے موجود ہیں۔ عمدہ کھانے۔ اچھے بچھونے۔ بہترین سواریاں، پر تکلف لباس۔ بڑے بڑے محلات۔ پاکیزہ حوریں۔ پھر کسی نعمت کے خراب ہو جانے کم ہو جانے یا ختم ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشگی کی دولت انہیں حاصل ہوگی۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے جو اہل جنت پر ہوگا۔ یہ رب کریم کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے ذمہ کرلیا ہے جو ہو کر رہنے والا ہے اور یقیناً پورا کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں کفار و مشرکین کو ترہیب اور وعید کے بعد ترغیب ایمان بھی دے دی گئی۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر کفار کے شبہات و اعتراضات کے جواب دیتے ہوئے بل کذبوا بالساعۃ جو فرمایا یعنی یہ کفار منکرین قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ انکار رسالت کا اصل سبب انکار قیامت ہے۔ اور تکذیب نبوت کی حقیقی وجہ تکذیب حشر و حساب کتاب ہے۔ اقرار قیامت کے بعد ضرورت نبوت بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے آگے مشرکوں اور کافروں کو قیامت کے دن کی ملامت و ندامت کا حال ان کو سنایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ

اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے اُن کو جمع کرے گا پھر فرماوے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا

أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ

یا یہ خود ہی راہ سے گمراہ ہو گئے تھے وہ عرض کریں گے کہ معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کرتے ولیکن آپ نے ان کو

وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا

اور ان کے بڑوں کو آسودگی دی یہانتک کہ وہ آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے۔لو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرا دیا

تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿۱۹﴾

سو تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ مدد دیئے جا سکتے ہو۔اور تم میں جو ظالم ہوگا ہم اُس کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے۔اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿۲۰﴾

اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کیلئے آزمائش بنایا ہے۔کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يَحْشُرُهُمْ وہ انہیں جمع کریگا	وَمَا اور جنہیں	يَعْبُدُونَ وہ پرستش کرتے ہیں	مِنْ سے	دُونِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے	
فَيَقُولُ تو وہ کہے گا	ءَأَنْتُمْ کیا تم	أَضْلَلْتُمْ تم نے گمراہ کیا	عِبَادِي میرے بندے	هَؤُلَاءِ یہ ہیں۔ان	أَمْ هُمْ یا وہ	ضَلُّوا بھٹک گئے
السَّبِيلَ راستہ	قَالُوا وہ کہیں گے	سُبْحَانَكَ تو پاک ہے	مَا كَانَ نہ تھا	يَنْبَغِي سزاوار۔لائق	لَنَا ہمارے لئے	أَنْ کہ	نَتَّخِذَ ہم بنائیں
مِنْ دُونِكَ تیرے سوا	مِنْ کوئی	أَوْلِيَاءَ مددگار	وَلَكِنْ اور لیکن	مَتَّعْتَهُمْ تو نے آسودگی دی انہیں	وَآبَاءَهُمْ اور انکے باپ دادا	
حَتَّى یہانتک کہ	نَسُوا وہ بھول گئے	الذِّكْرَ یاد	وَكَانُوا اور وہ تھے	قَوْمًا بُورًا ہلاک ہونیوالے لوگ	فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ پس انہوں نے تمہیں جھٹلادیا	
بِمَا تَقُولُونَ وہ جو تم کہتے تھے تمہاری بات	فَمَا تَسْتَطِيعُونَ پس اب تم نہیں کر سکتے ہو	صَرْفًا پھیرنا	وَلَا نَصْرًا اور نہ مدد کرنا	وَمَنْ اور جو		
يَظْلِمْ وہ ظلم کرے گا	مِنْكُمْ تم میں سے	نُذِقْهُ ہم چکھائیں گے اسے	عَذَابًا عذاب	كَبِيرًا بڑا	وَمَا اور نہیں	أَرْسَلْنَا بھیجے ہم نے
قَبْلَكَ تم سے پہلے	مِنَ سے	الْمُرْسَلِينَ رسول	إِلَّا مگر	إِنَّهُمْ وہ یقیناً	لَيَأْكُلُونَ البتہ کھاتے تھے	الطَّعَامَ کھانا	وَيَمْشُونَ اور چلتے پھرتے تھے
فِي الْأَسْوَاقِ بازاروں میں	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا۔بنایا	بَعْضَكُمْ تم میں سے بعض کو (کسی کو)	لِبَعْضٍ بعض (دوسروں کیلئے)			
فِتْنَةً آزمائش	أَتَصْبِرُونَ کیا تم صبر کرو گے	وَكَانَ اور ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	بَصِيرًا دیکھنے والا		

تفسیر و تشریح:۔کفار و مشرکین جو کہ قیامت اور حشر و نشر۔جزا و سزا۔جنت اور دوزخ کے منکر تھے ان کے متعلق گذشتہ آیات میں

بتلایا گیا تھا کہ آج تو یہ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں لیکن قیامت میں ان کے لئے جہنم تیار رکھی ہے جس میں یہ اپنے انکار اور کفر کی وجہ سے ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر وہاں کے عذاب و مصائب کی وجہ سے موت ہی موت پکاریں گے۔ مگر پھر موت بھی وہاں کہاں۔ وہ تو عذابِ دائمی ہوگا۔

الٰہی کفار و مشرکین کے متعلق مزید ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب سب کا حشر نشر ہوگا اور سب کو خداوند قدوس کے سامنے جمع کیا جائے گا تو کفار و مشرکین کی حسرت میں اضافہ کرنے اور ان کے غم و اندوہ کو بڑھانے کے لئے خداوند تعالیٰ مشرکوں کے مواجہ میں ان کے معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے سوا اپنی پرستش کے لئے ان جاہلوں کو حکم دیا تھا یا یہ خود تمہاری دعوت کے بغیر تمہاری بندگی و پرستش کر کے گمراہ ہوئے؟ مشرکوں کے معبود جواباً عرض کریں گے۔ پروردگار تو ہر طرح کے شرک سے پاک ہے ہم کو یہ اختیار ہی کہاں تھا کہ ہم اپنے پرستار بناتے اس لئے ہم ان کو اپنا پرستار کیسے بنا سکتے تھے کہ آپ کو چھوڑ کر ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔ ان کی گمراہی کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے۔ کسی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ پیغمبروں کی ہدایت و ارشادات کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرلیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے۔ آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے یہ اسی قدر غفلت اور نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے الٹے مغرور اور کفر و عصیاں پر تل گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ کہیں گے جن کو دنیا والوں نے اپنا معبود بنایا تھا۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ ان کفار و مشرکین کو ہم نے گمراہ نہیں کیا اور نہ ان کو گمراہی کی دعوت دی بلکہ یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔ اس پر حق تعالیٰ مشرکوں سے فرمائیں گے۔ لو! جن کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا اور جن کو تم اپنا کارساز اور دین دنیا میں اپنا مددگار جانتے اور اپنا حامی کہتے تھے وہ خود تمہارے دعوے کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں جس سے تمہارا جرم پوری طرح واضح ہو گیا۔ اب عذابِ الٰہی کو نہ تم پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو۔ نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو۔ اب جو سزا ملنے والی ہے اس کا پڑے ہوئے مزہ چکھتے رہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار و مشرکین کا اعتراض یہ گذشتہ آیات میں نقل ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بازاروں میں آمد و رفت اور ضروریات کی تکمیل کو کفار نبوت کے خلاف سمجھتے تھے۔ آپ کا کھانا پینا بھی ان کی نظروں میں شان نبوت کے خلاف تھا۔ پھر افلاس اور فقر کو بھی وہ مانع نبوت جانتے تھے۔ ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں دو جواب دیئے۔ ایک الزامی دوسرا برہانی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور انبیاء و مرسلین بھی گزرے ہیں لیکن لوازمِ بشریت سب میں موجود تھے۔ کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور کسی کے پاس غیبی خزانہ نہ تھا۔ نہ فرشتہ ساتھ ساتھ ندا کرتا پھرتا تھا۔ تو جب قدرت کا یہی دستور العمل ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نئی بات پیدا ہونے کی تم کیوں خواستگاری کرتے ہو۔ آگے برہانی جواب ہے کہ اگر خدا چاہتا تو کفار کے درخواست کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دولت مند اور خزانہ غیب کا حامل بنا دیتا۔ نیز یہ بھی ممکن تھا کہ فرشتہ ہر وقت تصدیق رسول کے لئے آپ کے

ساتھ رہتا۔ غرض ہر فرمائش کو پورا کرنا ممکن تھا مگر امتحان انسانی جو اصل مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ بندوں کی آزمائش کرے اور انبیاء کی تصدیق و تکذیب کو معیار امتحان قرار دے۔ یہ دنیا دارِ امتحان ہے۔ یہاں انسانوں میں سے ہر گروہ اور ہر شخص دوسرے کے لئے سبب آزمائش ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے۔ غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اسی دنیا دارِ امتحان میں کسی کو مالدار بنایا کسی کو غریب و مفلس کسی کو حاکم بنایا۔ کسی کو محکوم۔ کسی کو تندرست بنایا۔ کسی کو بیمار۔ کسی کو قوی بنایا کسی کو ضعیف۔ اس اختلاف و تفاوت میں ہر طبقے کا امتحان اور آزمائش ہے۔ غنی کے شکر کا اور غریب کے صبر کا امتحان ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جو مال و دولت میں تم سے زیادہ ہے یا صحت و قوت اور عزت و جاہ میں تم سے بڑا ہے تو تم فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہیں تاکہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کی توفیق ہو۔ اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو صبر و استقلال کی تلقین فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ کافروں کا کفر اور ایذا دہی اور صابروں کا صبر و تحمل سب حق تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا۔

الغرض یہاں تک منکرین نبوت کے بعض شبہات و اعتراضات کے جواب دیئے گئے اب ان ہی منکرین نبوت کا ایک شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کئے جو ہمارے سامنے آ کر نبوت و رسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم بلا واسطہ اللہ کو دیکھتے اور بلا واسطہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کی نبوت کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتے کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ تو اس جاہلانہ اور احمقانہ اور گستاخانہ اور مغرورانہ اعتراض و شبہ کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے اگلی آیات میں دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں 19 ویں پارہ کی ابتداء سے ہوگا۔ الحمد للہ کہ ان آیات پر ۱۸ویں پارہ کا بیان پورا ہو گیا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ایمان اور اسلام کی برکت سے حشر میں ہم سب کو سرخروئی اور کامرانی نصیب فرمائیں۔ اور میدانِ حشر کی ذلت اور رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیں۔

یا اللہ! ہم کو دنیا میں جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کو اپنے ذکر و فکر کا ذریعہ بنائیں۔ اور اس دنیا دارِ آزمائش سے ہم کو کامیابی کے ساتھ دارِ آخرت میں جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! میدانِ حشر میں ہم کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے مومنین مخلصین کے ساتھ کھڑا ہونا نصیب فرمائیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین کے ساتھ اپنے انعام و اکرام سے ہم سب کو نواز دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔ یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے۔ اُس روز مجرموں کیلئے

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے۔ اور ہم ان کے اُن کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ

سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار۔ اہل جنت اُس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے۔ اور جس روز آسمان ایک بدلی

السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى

پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے بکثرت اُتارے جاویں گے۔ اُس روز حقیقی حکومت (حضرت) رحمٰن کی ہوگی۔ اور وہ کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا۔

الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ

اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاویگا۔ کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسولؐ کے ساتھ راہ پر لگ لیتا۔

سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ

ہائے میری شامت کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اُس نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے اس سے بہکا دیا

جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا

اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے۔ اور رسولؐ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اِس قرآن

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ اور ہم اسی طرح مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں۔ اور ہدایت کرنے کو

هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِیْنَ وہ لوگ جو	لَا یَرْجُوْنَ وہ امید نہیں رکھتے	لِقَآءَنَا ہم سے ملنا	لَوْلَا کیوں نہ	اُنْزِلَ اتارے گئے	عَلَیْنَا ہم پر	
الْمَلٰٓئِکَۃُ فرشتے	اَوْ نَرٰی یا ہم دیکھ لیتے	رَبَّنَا اپنا رب	لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا تحقیق انہوں نے بڑا کیا	فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اپنے دلوں میں			
وَعَتَوْ اور انہوں نے سرکشی کی	عُتُوًّا کَبِیْرًا بڑی سرکشی	یَوْمَ جس دن	یَرَوْنَ وہ دیکھیں گے	الْمَلٰٓئِکَۃَ فرشتے	لَا بُشْرٰی نہیں خوشخبری		
یَوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُجْرِمِیْنَ مجرموں کیلئے	وَیَقُوْلُوْنَ اور وہ کہیں گے	حِجْرًا کوئی آڑ ہو	مَّحْجُوْرًا روکی ہوئی	وَقَدِمْنَآ اور ہم آئے متوجہ ہونگے		
اِلٰی طرف	مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے کئے	مِنْ عَمَلٍ کوئی کام	فَجَعَلْنٰهُ تو ہم کردینگے انہیں	هَبَآءً غبار	مَّنْثُوْرًا بکھرا ہوا (پراگندہ)		
اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ بہشت والے	یَوْمَئِذٍ اس دن	خَیْرٌ بہت اچھا	مُّسْتَقَرًّا ٹھکانہ	وَّاَحْسَنُ اور بہترین	مَقِیْلًا آرام گاہ	وَیَوْمَ اور جس دن	
تَشَقَّقُ پھٹ جائیگا	السَّمَآءُ آسمان	بِالْغَمَامِ بادل سے	وَنُزِّلَ اور اتارے جائینگے	الْمَلٰٓئِکَۃُ فرشتے	تَنْزِیْلًا بکثرت اترنا	اَلْمُلْکُ بادشاہت	
یَوْمَئِذِ اس دن	الْحَقُّ سچی	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کیلئے	وَکَانَ اور ہے۔ ہوگا	یَوْمًا وہ دن	عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کافروں پر	عَسِیْرًا سخت	وَیَوْمَ اور جس دن
یَعَضُّ کاٹ کھائے گا	الظَّالِمُ ظالم	عَلٰی یَدَیْهِ اپنے ہاتھوں کو	یَقُوْلُ وہ کہے گا	یٰلَیْتَنِی اے کاش! میں	اتَّخَذْتُ پکڑ لیتا	مَعَ الرَّسُوْلِ رسول کیساتھ	
سَبِیْلًا راستہ	یٰوَیْلَتٰی ہائے میری شامت	لَیْتَنِیْ کاش میں	لَمْ اَتَّخِذْ نہ بناتا	فُلَانًا فلاں کو	خَلِیْلًا دوست	لَقَدْ اَضَلَّنِیْ البتہ اس نے مجھے بہکایا	
عَنِ الذِّکْرِ نصیحت سے	بَعْدَ اِذْ اسکے بعد جب	جَآءَنِیْ میرے پاس پہنچ گئی	وَکَانَ اور ہے	الشَّیْطٰنُ شیطان	لِلْاِنْسَانِ انسان کو		
خَذُوْلًا کھلا چھوڑ جانے والا	وَقَالَ اور کہے گا	الرَّسُوْلُ رسول	یٰرَبِّ اے میرے رب	اِنَّ بیشک	قَوْمِی میری قوم	اتَّخَذُوْا ٹھہرالیا انہوں نے	
هٰذَا الْقُرْاٰنَ اس قرآن کو	مَهْجُوْرًا متروک (چھوڑنے کے قابل)	وَکَذٰلِکَ اور اسی طرح	جَعَلْنَا ہم نے بنائے	لِکُلِّ نَبِیٍّ ہر نبی کیلئے	عَدُوًّا دشمن		
مِّنَ سے	الْمُجْرِمِیْنَ مجرموں گنہگاروں	وَکَفٰی اور کافی ہے	بِرَبِّکَ تمہارا رب	هَادِیًا ہدایت کرنیوالا	وَّنَصِیْرًا اور مددگار		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ گذشتہ درس پر اٹھارویں پارہ کا بیان پورا ہوگیا تھا اب انیسواں پارہ شروع ہورہا ہے۔ گذشتہ سے مضمون کفار ومشرکین کے اعتراضات اور اس کی تردید کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ اسی سلسلہ میں ان آیات میں بعض مزید اعتراضات اور ان کے جوابات ارشاد فرمائے جاتے ہیں۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار ومشرکین جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز خداوند قدوس کے روبرو حاضر ہوکر حساب کتاب دینا ہے۔ وہ سزا کے خوف سے بالکل بےفکر ہوکر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں مثلاً یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے یا فرشتہ آ کر ہم سے تصدیق کرے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہم کلام ہو اور ہم خدا کو دیکھیں اور خود خدا ان کے دعویٰ رسالت کی تائید و تصدیق کردے۔ کفار کے ان اعتراضات کے جواب میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے گمان میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں اور شرارت اور سرکشی کی حد ہوگئی کہ باوجود ایسی سیہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ گھبراؤ نہیں ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر آئیں گے لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت پناہ طلب کریں گے اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی آڑ یا روک قائم

ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔ اور دنیا میں ان کفار و مشرکین نے جو بھلے کام اپنے زعم کے موافق کئے ہیں اور جن پر انہیں بڑا بھروسہ ہے ہم قیامت میں قطعاً انہیں ملیامیٹ کر دیں گے اور اس طرح بے حقیقت کر کے اڑا دیں گے جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر ادھر اڑ جایا کرتے ہیں یعنی ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ یہ لوگ تو اس روز مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن اہل ایمان کی دنیا میں ہنسی اڑاتے ہیں وہ جنت کی آرام گاہ میں خوب مزے کے ساتھ ہوں گے اور وہاں کی راحت و عیش و آرام اٹھا رہے ہوں گے۔ آگے قیامت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح ایک چیز اترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی اور اس کے ساتھ بے شمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ اس دن لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اصلی بادشاہت کس چیز کا نام ہے۔ یہ اصلی بادشاہت ایسی ہوگی کہ اس میں کسی کا حکم نہ چلے گا۔ اور ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً صرف حضرت رحمٰن یعنی اللہ عز و جل کی بادشاہت ہوگی اور اسی کا حکم چلے گا۔ پھر جب حضرت رحمٰن کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں ان کے لئے رحمت کی کیا کمی۔ بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی مشکل اور مصیبت کا ہوگا اور باوجود اللہ کے رحمٰن ہونے کے منکرین اس کی رحمت سے محروم ہوں گے۔ آگے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا میں ایمان نہ لانے والوں کی حسرت و ندامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جو قیامت کے دن ان کو حاصل ہوگی۔ کافر اس دن مارے حسرت و ندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں خدا کے رسول کا بتلایا ہوا راستہ اختیار نہ کیا۔ اور کیوں میں دنیا میں ان کا ساتھی بنا رہا جو اپنی خواہش پوری کرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے اور کیوں میں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ افسوس ایسوں کو میں نے دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان دنیا میں کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کرے مگر اس کم بخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغاباز ہے۔ آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور رسوا کرتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور پر کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری اس قوم نے اس قرآن کو جو کہ واجب العمل تھا بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور التفات ہی نہ کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن جیسی کتاب کو العیاذ باللہ لغو اور بے ہودہ سمجھ رکھا تھا کبھی اس کو سحر کہتے اور کبھی پرانے قصہ و کہانیاں۔ اس طرح ان اشقیا نے قرآن جیسی کتاب کو بالکل متروک اور مہجور کر چھوڑا تھا۔

یہاں ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک تنبیہ لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے۔ تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا۔ اس میں تدبر نہ کرنا۔ اس پر عمل نہ کرنا۔ اس کی تلاوت نہ کرنا۔ اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا۔ اس کے احکام سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہوسکتی ہیں۔ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ:

''آیت سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مہجور اور متروک کر دینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے۔ مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے

ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی۔ وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کردیا کہ نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اس کے احکام میں غور کیا۔ قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا۔ اب اس کے اور میرے معاملہ کا فیصلہ فرمائیں۔“

تو غور کا مقام ہے کہ حشر کے میدان میں جب شافع محشر دربار خداوندی میں یہ شکایت فرمائیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور قرآن کریم فریاد کرے گا کہ مجھے چھوڑ دیا گیا تھا تو اس وقت کیا تدارک اور کیا تدبیر ہو سکے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس الزام اور قرآن کریم کی اس شکایت سے بچنے کی اور کیا صورت ہوگی خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام کی گرفت سے بچنے کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس قرآن کریم کی طرف سے ہماری آنکھیں اس دنیا میں کھول دے اور اس کے حقوق کو پہچاننے اور ان کے ادا کرنے کی توفیق اور سمجھ عطا فرمادے اور قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی اور ندامت سے بچالے۔ آمین۔ یہاں ان آیات کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ جس طرح یہ منکرین آپ سے عداوت کرتے ہیں ایسے ہی مجرم ہر نبی سے عداوت کرتے رہے ہیں یعنی یہ سنت قدیمہ ہے کہ کفار انبیاء کے ساتھ عداوت کرتے رہے ہیں۔ سو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ جس کا غم کیا جائے۔ قوم کی دشمنی اور سرتابی فقط آپ ہی کے ساتھ نہیں۔ آپ سے پہلے بھی ہر نبی کا کوئی نہ کوئی کافر ضرور دشمن رہا ہے اس لئے قوم کی دشمنی پر صبر کریں جیسا کہ دوسرے انبیاء نے صبر کیا۔ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ جس کو چاہے گا ہدایت کردے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی ان سب کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرے گا۔

یہاں ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ غلط کار اور بے دین دوستوں کی دوستی قیامت کے روز حسرت و ندامت کا باعث ہوگی۔ ان آیات میں یہ بتلایا ہے کہ جو دو دوست کسی معصیت اور گناہ پر جمع ہوں اور خلاف شرع امور میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہوں ان سب کا یہی حکم ہے کہ قیامت کے روز اس گہرے دوست کی دوستی پر روئیں گے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر انسان (عادۃً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کرلیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک موقع پر دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا ”وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔“ غور کیجئے! یہ ہے دوستی کا معیار۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں برے ساتھیوں سے ہمیں بچائیں اور صالح و متقی ساتھی اور دوست عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے بعض دیگر اعتراض کفار کے نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اے اللہ قیامت کے روز ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا نصیب فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

27

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ

اور کافرلوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر یہ قرآن دفعتہً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اِس طرح (تدریجاً) اسلئے ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے

فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ط اَلَّذِيْنَ

آپکے دل کوقوی رکھیں اور ہم نے اسکو بہت ٹھیرا (ٹھیرا) کراُتارا ہے۔ اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپکے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا

يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع

آپ کوعنایت کردیتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جواپنے مونہوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔

وَقَالَ اور کہا	اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا کافر	لَوْلَا کیوں نہ	نُزِّلَ نازل کیا گیا	عَلَيْهِ اس پر	الْقُرْاٰنُ قرآن	جُمْلَةً وَّاحِدَةً ایک ہی بار
كَذٰلِكَ اسی طرح	لِنُثَبِّتَ تاکہ ہم قوی کریں	بِهٖ اس سے	فُؤَادَكَ تمہارا دل	وَرَتَّلْنٰهُ اور ہم نے اسکو پڑھا	تَرْتِيْلًا ٹھہر ٹھہر کر	
وَلَا يَاْتُوْنَكَ اور وہ نہیں لاتے تمہارے پاس	بِمَثَلٍ کوئی بات	اِلَّا مگر	جِئْنٰكَ ہم پہنچادیتے ہیں تمہیں	بِالْحَقِّ ٹھیک (جواب)	وَاَحْسَنَ اور بہترین	
تَفْسِيْرًا وضاحت	اَلَّذِيْنَ جولوگ	يُحْشَرُوْنَ جمع کیے جائیں گے	عَلٰى پر۔بل	وُجُوْهِهِمْ اپنے منہ	اِلٰى جَهَنَّمَ جہنم کی طرف	اُولٰٓئِكَ وہی لوگ
شَرٌّ بدترین	مَكَانًا مقام	وَاَضَلُّ اور بہت بہکے ہوئے	سَبِيْلًا راستے سے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے یہی سلسلۂ مضمون چل رہا ہے کہ کفار کے اعتراضات نقل فرما کران کا ردفرمادیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں کفار کا ایک مزید اعتراض ان آیات میں نقل فرما کر اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے۔ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جونبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اگر واقعی میں نبی ہیں تو دوسری کتابوں جیسے توریت۔ انجیل وغیرہ کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اُتارا گیا۔ برسوں میں جوتھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا تو کیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں اور خدا کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کفار کے اس اعتراض کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ واقعی متفرق طور پر اترا ہے اور اس کو ہم نے ٹھہرا ٹھہرا کر نازل کیا ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے دل کو قوی رکھیں۔ یہ مختصر چند الفاظ میں جواب ہے مگر مفسرین نے اس کی بہت کچھ تشریح فرمائی ہے۔ قرآن پاک کا نزول ۲۳ سال میں پورا ہوا ہے جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی۔ جو جو واقعات ہوتے رہے۔ اسی کے مطابق احکام وغیرہ نازل ہوتے رہے اگر غور کیا جائے تو اس طرح تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعتہً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے۔ مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا۔ سمجھنے میں سہولت رہی۔ کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا۔ اور موقع بموقع جو احکام واوامر ونواہی آتے رہے اہل ایمان ان کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت وسورت کی جداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کرام کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو مستقل ایک برکت تھی۔ نیز قرآن کریم کی بہت سی آیتیں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات میں نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جواب۔ سوال اور اعتراض کے بعد ہوتا ہے اور اعتراض کے بعد شافی جواب کامل جانا خاص بصیرت اور معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ نیز بہت سی آیتیں نئے واقعات کے فیصلہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ تو واقعہ کے وقوع کے بعد ہی ہوگا۔ نیز قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور آپ کفار سے یہ کہتے کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو ایک ہی سورت اس کے مثل بنالاؤ۔ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تو ہر بار قرآن کا اعجاز اور ان کا عجز ظاہر ہوتا اور اس طرح قرآن کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا بار بار اظہار ہوتا۔ پھر جب کفار کوئی اعتراض یا ناگوار معاملہ کرتے تب ہی آپ کی تسلی نازل ہوجاتی۔ اس میں زیادہ تقویت قلب کی ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک کتاب آدمی کے پاس ہو اور وقت پر اس میں سے مضمون تلاش کر کے کام میں لاوے۔ پھر تعلیم کا کمال یہ ہے کہ متعلم پر بار نہ ہو اور رفتہ رفتہ اس کی جہالت دور ہوجائے یہی وجہ ہے کہ ماہرین تعلیم بچوں کو ایسی تدریجی تعلیم دیتے ہیں کہ بچوں کی دلچسپی باقی رہے۔ اور شوق میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ علم میں بھی ترقی ہو۔ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قوموں کو آہستہ آہستہ سدھارنے کی کوشش کی اور تدریجی وحی کے ذریعہ ان کے احوال واعمال کی اصلاح کی۔

بعض خاص حالات میں قوم کی انتہائی سرکشی کے پیش نظر بعض آسمانی کتابیں یکدم بھی نازل ہوگئیں اور چونکہ لوگوں پر یکدم پوری کتاب کو ماننا اور اس پر بتمامہ عمل کرنا شاق گزرا اس لئے انہوں نے کتاب الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ بنی اسرائیل کے توریت سے سرتابی کرنے کی یہی وجہ تھی جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ شدید گمراہی اور تاریکی کا دور تھا۔ روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کو حقیقی طور پر واحد ویکتا جاننے والے بالکل نہ تھے۔ اور اگر کوئی تھا بھی تو وہ کہیں گوشۂ گمنامی میں چھپا ہوا تھا۔ مشرق سے مغرب تک لوگ کفر وشرک اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے اور بدکاریوں کے اتنے خوگر ہوگئے تھے کہ برائی ان کی نظر میں برائی نہ رہی تھی بلکہ قابل فخر چیز بن گئی تھی۔ یہ خرابی اور برائی کی انتہا ہوتی ہے کہ وہ خوبی کا جامہ پہن لیتی ہے۔ ایام جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عوام وخواص کا یہی حال تھا کہ یہ رفتار ایک دو سال کی نہ تھی بلکہ قرن ہا قرن سے اسی اخلاقی بربادی اور وجدانی تباہی کی حکومت تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت اور ایسے ماحول میں یکدم انقلابات لانا۔ نظریات اور مسلمات کو بیک وقت بدلنا ناممکن نہیں تو دشوار ترین ضرور تھا۔ یہی سبب تھا کہ قرآن یکدم نازل نہ کیا گیا بلکہ رفتہ رفتہ احکام اتارے گئے کلیات اور اصول کو تدریجاً بدلا گیا۔ خرابیوں پر آہستہ آہستہ تنبیہ کی گئی۔ اور خوبیوں کی بھی تعلیم تدریجاً دی گئی مگر کوتاہ اندیش اور کج فہم معترضین اور معاندین کو یہ حقائق اور فوائد کس طرح سمجھ میں آسکتے تھے وہ لگے الٹے اعتراض کرنے کہ قرآن بتمامہ یکدم کیوں نہ اتارا گیا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں یہ ایک ساتھ پورے کا پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر وہاں سے حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ آیت میں آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے کہ یہ کفار

جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو ہماری طرف سے اس کا ٹھیک ٹھیک جواب قرآن بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا بلکہ صاف اور واضح ہوتا ہے مگر جن کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھتے ہیں۔ پھر ایسوں کا انجام بھی آگے بتلا دیا گیا کہ قیامت کے دن ان کافروں کو اوندھے منہ جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ قیامت کے دن کس طرح کافر کو منہ کے بل ہنکایا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پاک قدرت والے نے اس کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ قادر ہے کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلا دے۔ غرض یہ کہ آخرت میں ان کا ٹھکانا کفر و انکار کی وجہ سے بدترین ہوگا اور ان کی یہ گمراہی ان کو بدترین مقام یعنی جہنم میں پہنچا دے گی۔

یہاں تک مضمون توحید و رسالت کے انکار پر وعید کا تھا اب اسی توحید و رسالت کی تائید کے لئے آگے بعض گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصص اجمالاً بیان فرمائے گئے ہیں تا کہ کفار کو تنبیہ ہو جائے کہ منکرین نبوت کس ذلت اور خواری کے ساتھ ہلاک ہوئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو امت مسلمہ میں پیدا فرمایا اور قرآن جیسی نعمت ہم کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت کی قدردانی اور شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَی

اور بتحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو معین بنایا تھا۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ دونوں اُن لوگوں

الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا کَذَّبُوا الرُّسُلَ

کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری دلیلوں کو جھٹلایا ہے۔ سو ہم نے اُن کو بالکل ہی غارت کردیا۔ اور قوم نوح کو بھی ہم ہلاک کر چکے ہیں جب اُنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠

تو ہم نے اُن کو غرق کردیا اور ہم نے اُن کو لوگوں کیلئے ایک نشان بنادیا اور ہم نے ظالموں کیلئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود

وَّاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَکُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَکُلًّا تَبَّرْنَا

اور اصحاب الرس اور اُن کے بیچ بیچ میں بہت سی اُمتوں کو ہلاک کردیا۔ اور ہم نے ہر ایک کے واسطے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو بالکل برباد ہی کردیا۔

تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَی الْقَرْیَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ

اور یہ اُس بستی پر ہو کر گزرے ہیں جس پر بُری طرح پتھر برسائے گئے تھے۔ سو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے۔ بلکہ یہ لوگ

کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

مر کر جی اُٹھنے کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا اور البتہ ہم نے دی	مُوْسٰی موسیٰ	الْکِتٰبَ کتاب	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	مَعَهٗ اس کے ساتھ	اَخَاهُ اس کا بھائی	هٰرُوْنَ ہارون
وَزِیْرًا وزیر معاون	فَقُلْنَا پس ہم نے کہا	اذْهَبَا تم دونوں جاؤ	اِلَی الْقَوْمِ قوم کی طرف	الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا جنہوں نے جھٹلایا	بِاٰیٰتِنَا ہماری آیتیں	
فَدَمَّرْنٰهُمْ تو ہم نے تباہ کردیا انہیں	تَدْمِیْرًا بری طرح ہلاک	وَ اور	قَوْمَ نُوْحٍ قوم نوح	لَمَّا کَذَّبُوْا جب انہوں نے جھٹلایا	الرُّسُلَ رسول	
اَغْرَقْنٰهُمْ ہم نے غرق کردیا انہیں	وَجَعَلْنٰهُمْ اور ہم نے بنایا انہیں	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	اٰیَةً ایک نشانی	وَاَعْتَدْنَا اور تیار کیا ہم نے	لِلظّٰلِمِیْنَ ظالموں کیلئے	
عَذَابًا ایک عذاب	اَلِیْمًا دردناک	وَّعَادًا اور عاد	وَّثَمُوْدَا اور ثمود	وَّاَصْحٰبَ الرَّسِّ اور کنویں والے	وَّقُرُوْنًا اور جماعتیں	
بَیْنَ ذٰلِکَ ان کے درمیان	کَثِیْرًا بہت سی	وَکُلًّا اور ہر ایک کو	ضَرَبْنَا ہم نے بیان کیں	لَهُ اس کیلئے	الْاَمْثَالَ مثالیں	وَکُلًّا اور ہر ایک کو
تَبَّرْنَا ہم نے مٹا دیا	تَتْبِیْرًا تباہ کرکے	وَلَقَدْ اَتَوْا اور تحقیق وہ آئے	عَلٰی پر	الْقَرْیَةِ بستی	الَّتِیْ وہ جس پر	اُمْطِرَتْ برسائی گئی
مَطَرَ السَّوْءِ بری بارش	اَفَلَمْ یَکُوْنُوْا تو کیا وہ نہ تھے	یَرَوْنَهَا اس کو دیکھتے	بَلْ بلکہ	کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ وہ امید نہیں رکھتے	نُشُوْرًا جی اٹھنا	

تفسیر و تشریح:۔ قرآن پاک نے اپنی تعلیمات اور ہدایات کو مؤثر بنانے کے لئے کہیں تو ترہیب اور ترغیب کا طریقہ اختیار کیا۔ کہیں تشبیہ اور تمثیل سے ذہن پر اثر ڈالنے کی کوشش کی، کہیں عذاب جہنم کی ہولناکیوں اور ثواب جنت کی راحتوں کا نقشہ سامنے کھینچا تاکہ ثواب کی رغبت اور عذاب کا خوف پیدا ہو کر عقائد و اعمال کی درستی ہو جائے۔ اسی طرح گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات و حالات اور ان

کے اقوام کی فرمانبرداری اور نافرمانی بیان کی اور پھر دونوں کے نتائج بھی ظاہر کیے تا کہ قرآن کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو اور نافرمانی کی صورت میں تباہی کی تصویر نظروں کے سامنے آجائے۔ اسی بناء پر توحید ورسالت۔ قیامت وآخرت۔ عذاب وثواب۔ جہنم اور جنت پر دلائل بیان کر کے نصیحت کا مواد پیش فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بھی چند پیغمبروں کی نافرمان قوموں کا عبرت انگیز نتیجہ بیان کر کے ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا سامان فراہم کیا کہ قوم کی سرکشی کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ گذشتہ انبیاء کی قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی لیکن انجام کار تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ دوسری طرف منکرین کے لئے یہ درس عبرت ہے کہ وہ اپنی سرتابی اور سرکشی چھوڑ دیں ورنہ برباد ہونے کے لئے تیار ہو جاویں۔

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ آپ کی نبوت اور کتاب اہل کتاب میں بہت مشہور تھی اور بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعونیوں نے کیا کیا۔ ان کو کس قدر معجزات دکھلائے گئے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کر کے حضرت موسیٰ کا ہاتھ بٹانے کے لئے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ پہلا کام ان دونوں حضرات کے یہ سپرد ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم کو جا کر سمجھائیں کہ سرکشی چھوڑیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کریں۔ لیکن اس قوم نے ان کی نہ سنی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو نیست و نابود کر دیا۔ جس کا تفصیلاً قرآن پاک میں متعدد جگہ بیان ہو چکا ہے۔ اور ان سے پیشتر قوم نوح کو دیکھ کر انہوں نے نہ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی بلکہ عموماً رسولوں کے منکر تھے۔ جب وہ کسی طرح نہ مانے تو اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست طوفان بھیجا اور تمام منکرین و مکذبین کو غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح قوم عاد و ثمود کو دیکھو کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے انکار اور مقابلہ سے ان پر کیا ماجرا گزرا۔ پھر اصحاب الرس پر غور کرو۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس نبی کی امت تھی۔ اکثر یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک بت پرست قوم تھی جن کے بہت سے کنوئیں تھے۔ رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے یہ اصحاب الرس کہلاتے تھے۔ یہ ان کنوؤں سے زراعت کرتے اور جانوروں کو پالتے تھے۔ ان کی ہدایت کو حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے مگر انہوں نے بڑی سرکشی کی اور اپنے پیغمبر کو ایذائیں دیں آخر قہر آسمانی سے یہ بھی ہلاک ہوئے۔ اور بھی بہت سے سرکش لوگ جوان قوموں کے درمیانی زمانہ میں آئے سب کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کیا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے۔ یہ بستیاں بحیرۂ لوط کے کنارے الٹی پڑی ہیں جن کو یہ مکہ والے آتے جاتے دیکھتے ہیں مگر عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور عبرت ہوتی کہاں سے جب ان کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ عبرت تو وہی حاصل کر سکتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔ جب یہ وجود قیامت ہی کے قائل نہیں تو پھر دنیا میں اپنے کردار کی پاداش کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ اس میں جہاں کافروں کے لئے درس عبرت موجود ہے کہ پیغمبر خدا کی تکذیب و سرتابی چھوڑ دیں۔ ورنہ انجام کار تباہی و بربادی کے لئے تیار رہیں وہیں دور حاضر کے مدعیان اسلام کو بھی اس خزانۂ موعظت سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب سے منہ موڑنے کا نتیجہ خسران و تباہی کے سوا کچھ نہیں مسلمان کی موجودہ حالت و ذلت ان کی خود

آورد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہادیٔ برحق کی تعلیم سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ قوانین اسلام پر نہ چلنے کا خمیازہ ہے۔

آپ نے گذشتہ درسوں میں سنا کہ کفار و منکرین قرآن پر کیا کیا اعتراض کیا کرتے تھے مگر افسوس ہماری شامتِ اعمال کہ ہم کو ایسے روزِ بد بھی دیکھنے پڑے کہ جو اسلام کا لیبل لگا کر قرآن پر معترض ہوئے کہ یہ چودہ سو سال پرانی کتاب ہوگئی اب اس میں ہمارے مسائل کا حل نہیں۔ اور پاکستان میں گذشتہ دس بارہ سال کے زمانہ (سوشلزم) کو جانے دیجئے۔ ابھی گذشتہ تھوڑے عرصہ ہی کی بات ہے جبکہ ملک میں "اسلامی نظام" کی باتیں ہو رہی ہیں اور الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اس کی ابتداء کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ ایسے اسلام دشمن منافقین بھی ملک میں موجود ہیں کہ جو علی الاعلان بے باکی کے ساتھ قرآن کریم کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کے خدائی قوانین کو نامکمل اور ناقص اور قابل اصلاح کہتے ہیں۔ ۷ جولائی ۱۹۷۸ء کے ڈان اخبار کو دیکھ لیجئے یا ماہنامہ بینات بابت ماہ نومبر ۱۹۷۸ء جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔ کراچی سے شائع ہوتا ہے اس کا اداریہ بصائر و عبر کے عنوان کے تحت پڑھ لیجئے۔ ایسے معترضین کے لئے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی بات ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم مشاہیر، فضلا اور دانشوروں کو بھی قرآن کی حقانیت۔ اس کو الہامی کتاب اور آسمانی نصیحت نامہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا ہے۔ الغرض الحمدللہ ہمارا تو ایمان ہے کہ قرآن تمام دنیا کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی آخری آسمانی کتاب ہے۔ جس پر ہمیں تو کسی کی شہادت اور گواہی کی ضرورت نہیں۔ کاش کہ اب بھی امت مسلمہ قرآن اور تعلیم نبوی پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے تو پھر نصرتِ خداوندی ان کی ذلت کو عزت سے۔ ان کی پستی کو بلندی سے۔ ان کی غلامی کو حکومت سے اور ان کے افلاس و بدحالی کو خوشحالی سے بدل دے مگر یہ بات اس کی سمجھ میں آسکتی ہے جس کو اسلام اور ایمان سے حقیقی تعلق ہو۔ باقی جو محض مردم شماری کے مسلمان ہوں اور نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوں۔ جو اتباع قرآن و سنت کو "دقیانوسیت" اور "ملاپن" کے تحقیر آمیز القاب سے یاد کرتے ہوں جن کے نزدیک ہر بے دینی ترقی کا راستہ ہے۔ اور ہر کفریات بکنے والا روشن خیال ہے اور اس پر جو نکیر کرے وہ کٹھ ملا۔ ضروریات زمانہ سے بے خبر ترقی کا دشمن ہے تو ایسوں کی سمجھ میں یہ بات کہاں آسکتی ہے کہ ایک مسلمان کی دین و دنیا دونوں جہان کی صلاح و فلاح صرف اور صرف قرآن اور سنت ہی کے اتباع میں ہے اور ایک مسلمان کے لئے دونوں جہان کا خسران اور ناکامی اور تباہی و بربادی قرآن و سنت سے منہ موڑنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی حقیقی وقعت و عظمت اور دین کی سمجھ اور قرآن کا فہم عطا فرمائیں۔ آمین۔ غرض کہ خدائی قانون تو اٹل ہیں اس لئے ان آیات کا پیغام جن کی سمجھ میں نہیں آتا اور جو اپنی خواہشاتِ نفس کے سامنے قرآن اور سنت کے اتباع کی طرف جھکنے کے لئے تیار نہیں تو وہ اپنا مقام اور انجام قرآن اور سنت کی روشنی میں سن لیں۔ جو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: قرآن پاک نے جو واقعات نافرمان امتوں کے بیان کئے ہیں وہ ہمارے لئے بھی باعثِ عبرت و نصیحت ہوں۔

یا اللہ ہم کو اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا اور سچا اور وفادار امتی اور اپنی آسمانی کتاب قرآن حکیم کا مطیع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیے۔ یا اللہ! اس ملک کو جو اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے اس کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنا دے اور یہاں اسلام کو وہ غلبہ اور شوکت نصیب فرما دے کہ اس سرزمین سے سارے عالم میں ایمان و اسلام کی روشنی پھیل جائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ

اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟۔اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے

آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ

ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم اُن پر قائم نہ رہتے۔اور جلدی ہی ان کو معلوم ہوجائیگا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔

سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۚ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ

اے نبی آپ نے اُس شخص کی بھی حالت دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔سو کیا آپ اُس کی نگرانی کر سکتے ہیں۔یا آپ خیال کرتے ہیں

أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾

کہ اُن میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

وَإِذَا اور جب	رَأَوْكَ دیکھتے ہیں تمہیں وہ	إِنْ نہیں	يَتَّخِذُونَكَ وہ نہیں بناتے تمہیں	إِلَّا مگر۔صرف	هُزُوًا تمسخر (ٹھٹھا)	أَهَٰذَا کیا یہ
الَّذِي بَعَثَ وہ جسے بھیجا	اللَّهُ اللہ	رَسُولًا رسول	إِنْ قریب تھا	كَادَ لَيُضِلُّنَا کہ وہ ہمیں بہکا دیتا	عَنْ آلِهَتِنَا ہمارے معبودوں سے	
لَوْلَا اگر نہ	أَن صَبَرْنَا ہم جمے رہتے	عَلَيْهَا اس پر	وَسَوْفَ اور جلد	يَعْلَمُونَ وہ جان لیں گے	حِينَ جس وقت	يَرَوْنَ وہ دیکھیں گے
الْعَذَابَ عذاب	مَنْ أَضَلُّ کون بدترین گمراہ	سَبِيلًا راستہ سے	أَرَأَيْتَ کیا تم نے دیکھا؟	مَنِ اتَّخَذَ جس نے بنایا	إِلَٰهَهُ اپنا معبود	
هَوَاهُ اپنی خواہش	أَفَأَنتَ تو کیا تم	تَكُونُ ہوجائے گا	عَلَيْهِ اس پر	وَكِيلًا نگہبان	أَمْ تَحْسَبُ کیا تم سمجھتے ہو؟	أَنَّ کہ
أَكْثَرَهُمْ ان کے اکثر	يَسْمَعُونَ سنتے ہیں	أَوْ يَعْقِلُونَ یا عقل سے کام لیتے ہیں	إِنْ هُمْ نہیں وہ	إِلَّا مگر	كَالْأَنْعَامِ چوپایوں جیسے	
بَلْ هُمْ بلکہ وہ	أَضَلُّ بدترین گمراہ	سَبِيلًا راہ سے				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ سے مضمون کفار مکہ کے اعتراضات اور ان کے حالات کے متعلق بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ کفار مکہ قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات شام وغیرہ کو سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر اس سے کوئی عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ پیغمبر کی نافرمانی کرنے والی قوم کا کیا انجام کار ہوا؟ انہی کفار مکہ کے متعلق ابھی مضمون جاری ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ نافرمان قوموں کے حالات سن کر اور ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات دیکھ کر بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔چنانچہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بطور استہزاء اور مذاق کے کہتے کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ کیا تو ان کی یہ ظاہری مالی حیثیت اور کہاں منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں بس یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ ان کی یہ باتیں جو جادو کا سا اثر رکھتی ہیں اس نے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ ہم میں سے بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔اور قریب تھا کہ ان کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں سے برگشتہ کر دیتیں۔وہ تو ہم ایسے پکے تھے کہ برابر اپنے دین پر جمے رہے اور ان کی باتوں کا اثر قبول نہ

کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) دیکھا آپ نے کہ کفار خود کفر و شرک کی گمراہی میں مبتلا ہونے کے باوجود الزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھتے تھے کہ اگر بت پرستی چھوڑ دی تو گویا یہ ان کے یعنی کفار کے نزدیک گمراہی تھی۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک جملہ میں اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی فوراً ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون گمراہ تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل کے متعلق ہوا یہ کم بخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ کیا ایسے کم حیثیت اور بے مایہ شخص کو خدا نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ہم نے بڑا دھوکا کھایا تھا کہ ان کی باتیں سنی تھیں۔ قریب تھا کہ ہم اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ دیں اور گمراہ ہو جاویں مگر خیر ہوگئی ہم اپنے دیوتاؤں کی پرستش پر جمے رہے اور ان کے بہکائے سے بچ گئے (العیاذ باللہ) جب ابوجہل اور اس کے ساتھی جنگ بدر میں مارے گئے تو اختتام جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ملعونوں کی لاشوں کو ایک کنوئیں میں جمع کرا کے خطاب فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہمارے پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے پالیا کیا تم نے بھی وہ عذاب پالیا جس کی وعید تمہارے رب نے دی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین تھے آپ کوشش فرماتے تھے اور دل و جان سے چاہتے تھے کہ بے دین کافروں کو دوزخ سے کھینچیں۔ جو لوگ جان و مال اور عزت و آبرو کے دشمن تھے ان کے ساتھ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفقت فرماتے تھے اور ان کے انکار اور کفر پر ملول ہوتے تھے لیکن وہ کم بخت نفس پرست تھے۔ حق پرست نہ تھے۔ صداقت کی ان کو جستجو ہی نہ تھی پھر کس طرح ہدایت یاب ہو سکتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جو خواہش پرست اور نفس کے بندے ہیں آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہِ راست پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں۔ جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے۔ جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی۔ جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں کا عجیب حال تھا ایک زمانہ تک ایک پتھر کی پوجا کرتے تھے پھر جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر ان کو مل جاتا تو پہلے معبود کو چھوڑ کر دوسرے کی پرستش شروع کر دیتے تھے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیسی ہی نصیحتیں ان کو سنائیے یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ۔ چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت بھی رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں لیکن ان منکرین اور کم فہموں کا یہ حال ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا۔ نہ اس کے احسانات کو سمجھا۔ نہ بھلے برے کی تمیز کی۔ نہ دوست دشمن میں فرق کیا۔ نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں سوچنے اور سمجھنے کی خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور دین حق کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ کفار کے پیش نظر خواہشاتِ نفس کی پیروی رہتی ہے۔ ہر چند کہ حقانیت قرآن اور صداقت رسول کے عقلی و فطری شواہد موجود ہیں مگر چونکہ کافروں کا جی نہیں چاہتا اس لئے وہ نہیں مانتے۔ مطلق العنان رہنا چاہتے ہیں۔ حلت و حرمت کے قیود کو ان کے نفس برداشت نہیں

کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش اس دین وقرآن کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ پھر سورۂ نازعات ۳۰ ویں پارہ میں بالکل صاف اور صریح الفاظ ارشاد ربانی فرمایا گیا:

فاما من طغٰی واٰثر الحیٰوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی ٥ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی٥

تو جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا۔ اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہے"۔

الغرض ان آیات میں کفار کے لئے وعید وتنبیہ تو ظاہر ہی ہے مگر اس میں درس عبرت دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے کہ جن پر خواہش نفس کا سکہ جما ہوا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ خواہش نفس کی پرستش کے معنی ہیں کہ آدمی ہر دینی اور دنیوی امور میں اپنے نفس کا فرمانبردار ہوجائے جس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً جاہ پرستی، عزت پرستی، شہرت پرستی، حکومت پرستی، زر پرستی، زن پرستی، اولاد پرستی وغیرہ وغیرہ یعنی احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز یا دوسرے شخص کی اتنی اطاعت کرنی کہ حکم الٰہی کی کوئی پروانہ ہو یا مخالفت ہو، یہی نفس پرستی ہے۔ آج کا وہ نام نہاد مغرب زدہ طبقہ جو اسلامی لیبل لگا کر احکام شریعت کو صرف اس لئے نہیں مانتا کہ اس کا دل نہیں چاہتا اس کی عیش پرستی میں فرق آتا ہے۔ جو قرآنی احکام کو ٹھکراتا ہے محض اس لئے کہ حکم قرآنی کو مان کر اس کی شیطانی اغراض حاصل نہیں ہوسکتیں اور من چاہی زندگی نہیں بسر کرسکتا وہ مذکورہ بالا قرآنی آیات وحدیث کی روشنی میں اپنا مقام اور اپنا انجام غور کرلے آگے توحید باری تعالیٰ سمجھانے کے لئے کچھ قدرت کی نشانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف نصیب فرمائیں جو ہم کو نفسانی خواہشات کے اتباع سے روک دے۔ اے اللہ! نفس وشیطان کی شرارت سے ہماری کامل حفاظت فرمائیے۔ اور ظاہراً وباطناً ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان اور قرآن کی جو دولت عطا فرمائی ہے اس کی حقیقی شکرگزاری کی بھی توفیق عطا فرمادے۔ اور دین کے معاملہ میں ہم کو نفس پرستی جو کافرانہ خصلت ہے اس سے کامل طور پر بچائیے۔ یا اللہ! جانور کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالک اور محسن اور دانہ پانی دینے والے کو جانتا اور پہچانتا ہے لیکن اس غافل انسان کو نفس اور شیطان نے کیسا دھوکے میں ڈالا ہے کہ یہ اپنے خالق۔ رازق اور منعم ومحسن حقیقی کو بھول کر دنیا کی من چاہی لذات اور خواہشات میں پھنسا ہوا ہے اور خالق کائنات کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرکشی برت رہا ہے۔ اور عاقبت اور انجام سے بے فکر بنا ہوا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ (۴۵)

(اے مخاطب) کیا تو نے اپنے پروردگار (کی قدرت) پر نظر نہیں کی اُس نے سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۴۶) وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا

پھر ہم نے اُس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا

وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (۴۷) وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا

اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا۔ اور وہ ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں۔ اور ہم آسمان سے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ (۴۸) لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا (۴۹)

پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کر دیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (۵۰)

اور ہم اس کو اُن لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں سو اکثر لوگ بغیر ناشکری کئے نہ رہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اِلٰى طرف	رَبِّكَ اپنا رب	كَيْفَ کیسے	مَدَّ الظِّلَّ دراز کیا سایہ	وَلَوْ شَآءَ اور اگر وہ چاہتا	لَجَعَلَهٗ تو اسے بنا دیتا	
سَاكِنًا ساکن	ثُمَّ پھر	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	الشَّمْسَ سورج	عَلَيْهِ اس پر	دَلِيْلًا ایک دلیل	ثُمَّ پھر	قَبَضْنٰهُ ہم نے سمیٹا اس کو
اِلَيْنَا اپنی طرف	قَبْضًا کھینچنا	يَّسِيْرًا آہستہ آہستہ	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ جَعَلَ جس نے بنایا	لَكُمُ تمہارے لئے	الَّيْلَ رات	
لِبَاسًا پردہ	وَّالنَّوْمَ اور نیند	سُبَاتًا راحت	وَّجَعَلَ اور بنایا	النَّهَارَ دن	نُشُوْرًا اٹھنے کا وقت	وَهُوَ اور وہی	الَّذِيْ جس نے
اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بھیجیں ہوائیں اس نے	بُشْرًا خوشخبری	بَيْنَ يَدَيْ آگے	رَحْمَتِهٖ اپنی رحمت	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے		
مَآءً طَهُوْرًا پانی پاک	لِّنُحْيِيَ بِهٖ تاکہ ہم زندہ کر دیں اس سے	بَلْدَةً مَّيْتًا شہر مردہ	وَّنُسْقِيَهٗ اور ہم پلائیں اسے	مِمَّا اس سے جو	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا		
اَنْعَامًا چوپائے	وَّاَنَاسِيَّ اور آدمی	كَثِيْرًا بہت سے	وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ اور تحقیق ہم نے اسے تقسیم کیا	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان			
لِيَذَّكَّرُوْا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں	فَاَبٰى پس قبول نہ کیا	اَكْثَرُ النَّاسِ اکثر لوگ	اِلَّا مگر	كُفُوْرًا ناشکری			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ انہیں حق کے سوچنے اور سمجھنے سے کوئی واسطہ ہی نہیں ورنہ اگر یہ ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید۔ بڑائی اور بزرگی اور دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ اب آگے ان آیات میں قدرت کی بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے جن سے معرفت خداوندی حاصل ہو سکتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ سب سے پہلے سایہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ صبح سورج نکلنے تک سب جگہ سایہ ہی رہتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیں تو یہی سایہ قائم رہتا۔ مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج

ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر دن میں دھوپ غائب ہوجاتی ہے۔تو گویا سایہ کے پیچھے دھوپ اور دھوپ کے پیچھے سایہ یہ بھی قدرت کا نظام ہے۔ پھر اس قادر مطلق نے رات کو تمہارے لئے پردہ کی چیز بنایا یعنی رات کو تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط اور طاری ہوجاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں۔ نیند کو اسی قادر مطلق نے سبب راحت وسکون بنایا کہ اس وقت حرکت موقوف ہوجاتی ہے اور دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن چڑھ جاتی ہے وہ اس رات کے سونے سے اتر جاتی ہے اور بدن وروح کو راحت حاصل ہوجاتی ہے۔ پھر وہی اپنی قدرت سے دن کا اجالا کرتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے کام کاج کرنے لگ جاتے ہیں اور روزی کی تلاش میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ پھر وہی قادر مطلق ہے کہ جس کے حکم سے اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر آسمان سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ خشک زمینوں میں جان پڑجاتی ہے۔ کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے اور کتنے انسان اور جانور بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی اسی کی قدرت ہے کہ بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ۔ کہیں جلد کہیں بدیر۔ جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار وحکیم کے ہاتھ میں ہے۔ پس چاہئے تو یہ تھا کہ ان نشانات کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی زبردست حکمتوں اور قدرتوں کو سامنے رکھ کر اس کے مطیع اور فرمانبردار بنتے اور اس کی بات کو بھی مان لیتے کہ بیشک ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مگر بہت سے لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ نعمت الٰہی کا شکر ہی نہیں ادا کرتے بلکہ الٹا کفرانِ نعمت اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ایک مرتبہ کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ حاضر ہے آپ ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔ چنانچہ اس فرشتہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تو خدا کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں بستی میں اتنے اتنے قطرے برساؤ، ہم تعمیل ارشاد کرتے ہیں۔ تو بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسی۔ ایامِ جاہلیت میں عرب کے باشندے عقیدہ رکھتے تھے کہ بارش کا سبب چند مخصوص ستاروں کا طلوع وغروب ہے۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے۔ اسی کے متعلق آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اکثر لوگ بارانِ رحمت کی ناشکری کرتے ہیں یعنی ستاروں کو بارش کا حقیقی سبب جانتے ہیں۔ حدیث میں ایک روایت ہے کہ حدیبیہ میں ایک رات بارش ہوئی صبح کو حسبِ معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین سے فرمایا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے اس رات کیا فرمایا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ بعض کا مجھ پر ایمان ہے بعض کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی۔ ان کا ایمان ستاروں پر ہوا اور اللہ کا انہوں نے انکار کیا اور جنہوں نے کہا کہ اللہ کے فضل ورحمت سے ہم پر بارش ہوئی تو ان کا ایمان مجھ پر ہوا اور ستاروں کا انہوں نے انکار کیا۔

ابھی یہی سلسلۂ مضمون توحید باری تعالیٰ کے متعلق اگلی آیات میں جاری ہے جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے۔ سو آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے اُن کا زور شور سے مقابلہ کیجئے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو صورۃً ملایا جن میں ایک تو شریں تسکین بخش ہے اور ایک شور تلخ ہے، اور اُن کے درمیان میں ایک حجاب

وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ

اور ایک مانع رکھ دیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اُس کو خاندان والا سسرال والا بنایا، اور (اے مخاطب) تیرا پروردگار

قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾

بڑی قدرت والا ہے۔ اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُن کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ اُن کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں، اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے۔

وَلَوْ اور اگر	شِئْنَا ہم چاہتے	لَبَعَثْنَا تو ہم بھیج دیتے	فِي كُلِّ قَرْيَةٍ ہر بستی میں	نَّذِيرًا ایک ڈرانے والا	فَلَا تُطِعِ پس نہ کہا مانیں آپ	
الْكَافِرِينَ کافروں	وَجَاهِدْهُم اور جہاد کریں اُن سے	بِهِ اسکے ساتھ	جِهَادًا كَبِيرًا بڑا جہاد	وَهُوَ اور وہی	الَّذِي جس نے	مَرَجَ ملایا
الْبَحْرَيْنِ دو دریا	هَٰذَا یہ	عَذْبٌ شیریں	فُرَاتٌ خوشگوار	وَهَٰذَا اور یہ	مِلْحٌ أُجَاجٌ تلخ بدمزہ	وَجَعَلَ اور اس نے بنایا
بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	بَرْزَخًا ایک پردہ	وَحِجْرًا اور آڑ	مَّحْجُورًا مضبوط آڑ	وَهُوَ اور وہی	الَّذِي جس نے	خَلَقَ پیدا کیا
مِنَ الْمَاءِ پانی سے	بَشَرًا بشر	فَجَعَلَهُ پھر بنائے اس کے	نَسَبًا نسب	وَصِهْرًا اور سسرال	وَكَانَ اور ہے	رَبُّكَ تیرا رب
قَدِيرًا قدرت والا	وَيَعْبُدُونَ اور وہ بندگی کرتے ہیں	مِن دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	مَا جو	لَا يَنفَعُهُمْ نہ انہیں نفع پہنچائے		
وَلَا يَضُرُّهُمْ اور نہ ان کا نقصان کرسکے	وَكَانَ اور ہے	الْكَافِرُ کافر	عَلَىٰ پر۔ خلاف	رَبِّهِ اپنا رب	ظَهِيرًا پشت پناہی کرنیوالا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بعض نشانیاں بیان فرمائی تھیں اور بتلایا تھا کہ قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھ کر مقتضا تو ان کا یہ تھا کہ منکرین ان کو نعمت الٰہی سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتے نہ کہ الٹا کفر اور ناشکری پر جمے رہنا۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے لئے نبی کا آنا بڑے تعجب کی چیز ہے۔ حالانکہ یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں۔ اور اللہ چاہے تو نبیوں کی اتنی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو مگر اس کو اب منظور یہی ہوا کہ آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر تلقین کی جاتی ہے کہ آپ ان کافروں کے احمقانہ طعن و تشنیع اور جاہلانہ نکتہ چینیوں اور اعتراضات پر التفات نہ فرمائیں اپنا کام یعنی تبلیغ دین پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن کے ذریعہ ان منکرین کا مقابلہ زور وشور سے کرتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ تو گذشتہ سے سلسلہ قدرت کی ایسی واضح نشانیوں کے بیان کا چل رہا تھا کہ جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ اب آگے پھر خدا کی قدرت اور بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو اللہ ہی کی قدرت ہے کہ اس رب نے پانی کو دو طرح کا کر دیا۔

میٹھا اور کھاری۔ نہروں چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً میٹھا صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے اور سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے یا کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں محققین علمائے کرام نے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں کہ کھاری اور میٹھے پانی ملنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ بیان القرآن میں حضرت مولانا تھانویؒ نے دو معتبر بنگال کے علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبین بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں۔ ایک طرف کا پانی سفید ہے ایک طرف کا سیاہ۔ سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم رہتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے۔ کشتیاں سفید پانی میں چلتی ہیں اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ پانی کڑوا ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ایک ہی دریا سے نکلتی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ۔ جس زمانہ میں حضرت عثمانیؒ ڈابھیل ہندوستان کے ضلع سورت صوبہ گجرات میں مقیم تھے تو فرماتے ہیں کہ وہاں سے سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے تو ادھر کی ندیوں میں مدوجزر یعنی جوار بھاٹا ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت معتبر لوگوں نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں ملتے نہیں اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا۔ جزر یعنی اتار کے وقت کھاری پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں پانی باقی رہ جاتا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آگرہ کے تمام کنویں تلخ ہیں لیکن شہر کے قریب جو دریا جمنا بہہ رہا ہے وہ شیریں ہے جمنا کی شیرینی سے شہر کے اندرونی کنویں اثر پذیر نہیں ہیں بلکہ بہت مقامات پر دو کنویں باوجود قریب ہونے کے شیرینی اور تلخی کا نمایاں فرق رکھتے ہیں حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ زمین کے اندر مسام میں پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے پھر بھی خدا کی قدرت کہ قریب کے دو پانی زمین کے مسامات میں نفوذ کر کے باہم ایک دوسرے کو متاثر نہیں کرتے۔ پھر اس کے علاوہ سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمہ پائے جاتے ہیں جن کا پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس پر قائم رہتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ کی بات ہے کہ جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداء خلیج فارس کے ایسے چشموں سے شیریں پانی حاصل کرتے تھے جن میں شیرینی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنویں کھودے گئے اور ان سے حاصل کرنے لگے۔ تو غرض کہ یہ اللہ ہی کی قدرت ہے جس میں اہل بصیرت کے لئے دعوت فکر ہے کہ ایک طرف شیریں پانی ہے اور اسی کے برابر دوسری طرف تلخ اور شور پانی ہے دونوں کے درمیان نہ کوئی دیوار ہے نہ پردہ دونوں اگر متصل ہیں تو اس کے باوجود دونوں مخلوط ہونے نہیں پاتے تو مقام بصیرت ہے کہ پانی باوجود سیال اور رقیق ہونے کے اپنے قطرات کو دوسرے پانی کے قطرات سے جدا رکھتا ہے یہ ان دونوں پانیوں کو باہم اثر اندازی سے روکنے والا کون ہے؟ محض قدرت خداوندی۔

پھر آگے ایک دوسری قدرت کی نشانی بیان کی جاتی ہے کہ دیکھو کس طرح اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ناچیز قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے رشتے قائم کئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ منکرین اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق اور خود ساختہ دیوتاؤں کو معبود کہنے لگے۔ یہ اپنے پروردگار خالق و رزاق کا حق تو کیا پہچانتے۔ اس سے تو منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے تاکہ مخلوق کو گمراہ کرنے میں شیطان ملعون کا ہاتھ بٹائیں۔

اب کفار کی مخالفت اور ایمان نہ لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حزن و ملال ہوتا تھا اس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں جو شخص یوں چاہے

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ

کہ اپنے رب تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کرلے۔ اور اس حی لایموت پر توکل رکھیئے اور اُس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیئے، اور وہ

عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ۚ

اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔

وَمَا اور نہیں	اَرْسَلْنٰكَ بھیجا ہم نے آپ کو	اِلَّا مُبَشِّرًا مگر خوشخبری دینے والا	وَّنَذِيْرًا اور ڈرانے والا	قُلْ فرما دیں	مَآ اَسْـَٔلُكُمْ نہیں مانگتا تم سے		
عَلَيْهِ اس پر	مِنْ کوئی	اَجْرٍ کوئی اجر	اِلَّا مگر	مَنْ شَآءَ جو چاہے	اَنْ يَّتَّخِذَ کہ اختیار کرلے	اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب تک	سَبِيْلًا راستہ
وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ کر	عَلَى الْحَيِّ پر ہمیشہ زندہ رہنے والے	الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ جسے موت نہیں	وَسَبِّحْ اور پاکیزگی بیان کر	بِحَمْدِهٖ اسکی تعریف کے ساتھ			
	وَكَفٰى بِهٖ اور کافی ہے وہ	بِذُنُوْبِ گناہوں سے	عِبَادِهٖ اپنے بندے	خَبِيْرًا خبر رکھنے والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیوں کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے جن پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت صاف نظر آتی ہے مگر ان کفار ومشرکین نے اللہ تعالیٰ کا حق نہ پہچانا اور بجائے قدرت والے رب کے ایسوں کو اپنا معبود قرار دے لیا جنہیں کسی کو نہ نفع پہنچانے کا مقدور ہے اور نہ نقصان پہنچانے کی طاقت ہے۔ تو ان کفار ومشرکین کی مخالفت اور انکار سے اور ایمان نہ لانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی گئی جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کام صرف یہ ہے کہ آپ ان منکرین کو کفر پر قائم رہنے پر ابدی ہلاکت سے ڈرائیں اور ایمان لے آنے پر دوامی نجات کی بشارت سنا دیں۔ آگے یہ مانیں یا نہ مانیں آپ کا کوئی نقصان نہیں نہ آپ پر کوئی الزام۔ کسی کے ہدایت یاب ہونے پر نہ ہونے کی باز پرس آپ سے نہ ہوگی۔ آپ نے اپنا کام یعنی پیغام حق ان کو پہنچا دیا۔ اب بطور اتمام حجت کے ان منکرین سے یہ کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ دین۔ اور دعوت حق۔ اور موعظت و نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ یا اجرت تو نہیں طلب کرتا میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ جس کو توفیق ہو وہ اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے۔ میری طلب صرف یہی ہے کہ تم اللہ کے راستہ پر چلو۔ یہ فقرہ کیسی شفقت سے بھرا ہوا ہے۔ جس طرح کوئی استاد اپنے شاگرد کو بڑی شفقت ومحبت سے پڑھا کر عالم بنا دے اور یہ کہے کہ عزیز من! میں اپنی کارگزاری کی کوئی اجرت تم سے نہیں چاہتا میری اجرت یہی ہے کہ تم اپنے علم کو یاد رکھو اور اس پر عمل کرو۔ منشا یہ ہے کہ پڑھے ہوئے کو یاد رکھنا تمہارے ہی نفع کا سبب ہے اور مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ تمہارے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھتا ہوں اس لئے مجھے اس سے ایسی ہی مسرت ہوگی جو اجرت لینے سے بھی زیادہ ہوگی۔ یا اس پیغمبرانہ شفقت کو یوں سمجھے کہ جیسے کوئی بوڑھا ضعیف باپ اولاد کو کہے کہ تم کھاؤ پیو اور

خوش رہو۔ یہی میرا کھانا پینا اور خوش رہنا ہے۔ اور یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی شخص کا اللہ کے راستہ کو اختیار کر لینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنا فائدہ قرار دیا تو ممکن ہے یہ اس لحاظ سے فرمایا ہو کہ اس کا ثواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے کہنے کے مطابق نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب خود کرنے والے کو بھی پورا پورا ملے گا اور اتنا ہی ثواب ہدایت کرنے والے شخص کو بھی ملے گا۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اس طرح کے ارشادات جیسے وما ارسلنک الا مبشرا ونذیراً یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تو ہم نے بس ایک مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے قرآن مجید میں جہاں بھی آئے ہیں ان کا اصل روئے سخن کفار و مشرکین کی طرف ہے اور مقصد اس سے دراصل ان کو یہ بتانا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیر خواہ بے غرض مصلح ہیں جو خلق خدا کی بھلائی کے لئے خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں اور ان کے انجام کا نیک و بد بتا دیتے ہیں وہ تمہیں زبردستی تو اس پیغام کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ تم مانو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ وہ پیغام پہنچا کر سبکدوش ہو چکے۔ اب اس کے بعد تمہارا معاملہ تمہارے خالق اور مالک سے ہے۔ اس لئے یہاں کسی کو اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ اہل ایمان اور مسلمانوں کے معاملہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بس خدا کا پیغام پہنچا دینے اور انجام نیک و بد کا مژدہ سنا دینے تک محدود ہے قرآن پاک نے جگہ جگہ اور بار بار تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف مبشر و نذیر ہی نہیں ہیں بلکہ معلم کتاب و حکمت۔ اور مزکی۔ اور نمونۂ عمل بھی ہیں۔ حاکم۔ قاضی اور امیر مطاع بھی ہیں اور آپ کی زباں سے نکلا ہوا ہر فرمان اہل ایمان کے حق میں قانون کا حکم رکھتا ہے جس کے آگے ان کو دل و جان کی رضامندی سے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کفار کی مخالفت کی کوئی پروا نہ کریں آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض تبلیغ و دعوت وغیرہ ادا کرتے جائیے دنیا کی فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ اصل سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا جس کو کبھی موت نہیں پس آپ اللہ پر توکل رکھئے اور اسی کی عبادت و حمد و ثنا کرتے رہئے۔ ان منکروں اور مجرموں سے وہ خود نبٹ لے گا کیونکہ وہ ان کے گناہوں سے پوری طرح واقف اور خبردار ہے۔

ان آیات کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ تبلیغ دین کا معاوضہ طلب کرنے کی ممانعت ہے۔ تبلیغ دین کی اجرت قطعاً ناجائز ہے۔ یہ دین فروشی ہے۔ جو صراحۃً حرام ہے۔ اس سے خصوصاً ان دین فروش واعظوں کو نصیحت پکڑنی چاہئے جو وعظ کی فیس مقرر کرتے ہیں یا بغیر مقرر کئے معاوضہ لینے کے درپے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے واعظین کے فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھیں۔

ابھی سلسلۂ مضمون توحید اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! ہم کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و عظمت نصیب فرما اور آپ کی محبت کے ساتھ آپ کے دین کا اتباع کامل نصیب فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ

وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے سب چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا، وہ بڑا مہربان ہے

فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

سو اُس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے، کیا ہم اُس کو سجدہ کرنے لگیں

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

گے جس کو تم سجدہ کرنے کیلئے ہم کو کہو گے اور اُس سے اُن کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔

اَلَّذِیْ اور جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	اَلسَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	فِیْ میں	سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دن
ثُمَّ اسْتَوٰى پھر قائم ہوا	عَلَى الْعَرْشِ عرش پر	اَلرَّحْمٰنُ جو رحم کرنے والا	فَسْئَلْ تو پوچھو	بِهٖ اسکے متعلق	خَبِيْرًا کسی باخبر	وَاِذَا اور جب
قِيْلَ کہا جائے	لَهُمُ ان سے	اُسْجُدُوْا تم سجدہ کرو	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کو	قَالُوْا وہ کہتے ہیں	وَمَا اور کیا ہے	اَلرَّحْمٰنُ رحمٰن
اَنَسْجُدُ کیا ہم سجدہ کریں	لِمَا تَاْمُرُنَا جسے تو سجدہ کرنے کو کہے	وَزَادَهُمْ اس نے بڑھادیا اُن کا	نُفُوْرًا بدکنا			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور صنعت کی بعض نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا تھا جن میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید۔ بڑائی و بزرگی واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے اور جن سے معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر صاف دلالت کرتی ہیں تو حق تعالیٰ کے اوپر ذکر کئے ہوئے بے شمار انعامات و کمالات کا مقتضا تو یہ تھا کہ انسان حق تعالیٰ کی پرستش کریں اور اسی کو اپنا معبود حقیقی سمجھیں مگر برخلاف اس کے گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ کفار و مشرکین خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نفع پہنچاتی ہیں اور نہ نقصان۔ اور چونکہ ان کفار و مشرکین کی مخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس لئے آپ کی تسلی فرمائی گئی تھی کہ آپ ان کفار کی مخالفت کی پروا نہ کریں۔ اپنا فرض یعنی تبلیغ دین اور دعوت حق ادا کئے جائیں اور حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اسی کی عبادت و حمد و ثنا کرتے رہیں۔ وہ ان منکروں اور مجرموں سے خود نبٹ لیگا کیونکہ وہ ان کی ایک ایک حرکت اور عمل سے پوری طرح واقف اور خبردار ہے۔

اب آگے ان آیات میں مزید مضمون توحید بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ ساری کائنات یعنی آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہیں یہ اسی ایک خالق اور مالک کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ یونہی آپ ہی آپ نہیں ہو گیا بلکہ اس ساری کائنات اور اسکی ہر چیز کو بنانے والا اور ان کو ایک نظام کے تحت قائم رکھنے والا ان کو رفتہ رفتہ کمال کو پہنچانے والا ایک اللہ ہی ہے جس کو ہم اس جسمانی آنکھ سے دیکھ تو نہیں سکتے مگر اس کی نشانیوں کو دیکھ کر عقل سے ضرور پہچان سکتے ہیں کہ وہ ہے اور ضرور ہے اور یہ سارے آسمان و زمین اسی کے بنانے سے ایک مدت میں بنے اور اپنی اپنی جگہ قائم ہوئے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ بھی اور ان آیات میں بھی بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے حق تعالیٰ نے سب چھ روز کی مقدار میں پیدا فرمایا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ چھ دن سے دنیا کی مقدار کے چھ دن مراد ہیں یا عالم غیب کے چھ دن مراد ہیں جہاں کہ ایک دن ایک ہزار برس کا ہے جیسا کہ سورۂ حج سترہویں پارہ میں ارشاد ہوا۔ اس طرح دنیا کے حساب کے چھ دن عالم آخرت کے چھ ہزار سال بنے۔ واللہ اعلم بالصواب مفسرین نے

لکھا ہے کہ یہاں اس امر کوذکر کرنے سے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیانی کائنات کو چھ دن کے دور میں پیدا کیا اس سے منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات کا پورا انتظام تدریجی ہے۔ عام قانون قدرت یہی ہے کہ ہر کام کی تکمیل آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہاں تک کہ عالم کی پیدائش بھی دفعتہً ایک دم سے نہیں ہوئی اگر چہ اس کی قدرت بہت وسیع ہے وہ اگر چاہتا تو آن کی آن میں پورے عالم و مافیہا کو پیدا کر دیتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے بتدریج پیدا فرمایا جیسا کہ آج بھی انسان۔ اور حیوانات اور نباتات وغیرہ کی پیدائش کا سلسلہ تدریجی طور ہی پر جاری ہے۔

یہاں ایک نکتہ مفسرین نے اور بھی لکھا ہے کہ یہ سورۂ فرقان جس وقت مکہ میں نازل ہوئی اس وقت کفار کا غلبہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے برسر پیکار تھے اور دین حق کو مٹانے اور اہل حق کو ستانے اور ہر طرح کی ایذائیں دینے کو ہر وقت تیار رہتے کفار کے اس طرز عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا جس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی تو یہاں یہ قانونِ قدرت بیان فرما کر کہ ہر کام کی تکمیل تدریجاً اور آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ اگر چہ خدا کی قدرت میں ہے کہ وہ تمام کافروں کو ایک دم میں مسلمان کر دیتا یا دفعتہً تمام منکرین کو غارت کر دیتا مگر اس کی حکمت نے کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور دین کی اشاعت اور اسلام کا غلبہ آہستہ آہستہ کرنا چاہتا ہے۔ پس کفار کی ایذا رسانی سے مسلمانوں کو تنگ دل نہ ہونا چاہئے۔ اسلام کا نشو ونما تدریجی ہوگا کہ قانون قدرت کے مطابق ہر چیز کی تکمیل آہستہ اور تدریجاً ہوتی ہے۔ دفعتہً کسی کام کا ہو جانا گو ممکن ہے مگر عمومی ضابطۂ قدرت کے خلاف ہے۔

آگے آیت میں بتلایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین اور تمام کائنات کو پیدا فرما چکا تو خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح قائم اور جلوہ فرما ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ جملہ **ثم استوٰی علی العرش** یعنی پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا یا جا ٹھہرا یہ قرآن پاک میں سات جگہ آیا ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں ہو چکا ہے چونکہ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے اور عقیدہ کے لحاظ سے نہایت اہم ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس جملہ کی جو تشریح سورۂ اعراف میں بیان کی گئی ہے اس کو پھر دیکھ لیا جائے۔

الغرض توحید باری تعالیٰ کے ضمن میں یہاں مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں اور خدا کے سوا اوروں کو سجدہ کرتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو مشرکین کہتے ہیں کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے کہ رحمان کون ہے۔ جس کو ہم سے سجدہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ جہل و عناد اور بے حیائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ محض تمہارے کہہ دینے سے ہم ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑیں۔ الغرض جس قدر انہیں رحمٰن کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف توجہ دلائی جاتی اسی قدر وہ اور زیادہ بدکتے اور بھاگتے اور کفار میں نفرت اور سرکشی کا اضافہ ہوتا۔

تمام علماء و مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جگہ سجدہ تلاوت مشروع ہے۔ اس آیت کے ہر پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے۔ اور یہ بھی مسنون ہے کہ اہل ایمان جب اس آیت کو سنیں تو جواب میں کہیں **زادنا اللہ خضوعاً ما زاد للاعداءِ نفوراً** اللہ کرے ہمارے خضوع اتنا ہی بڑھے جتنا دشمنوں کا نفور بڑھتا ہے۔

ابھی آگے بھی توحید کا مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں ظاہر میں و باطن میں توحید کی حقیقت نصیب فرماویں اور اپنی معرفت الٰہیہ کے انوار سے ہمارے قلوب اور سینوں کو منور فرماویں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اُس میں ایک چراغ اور نورانی چاند بنایا۔اور وہ ایسا ہے جس نے

جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ

رات اور دن کوایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اُس شخص کیلئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔اور (حضرت) رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو

یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جُہلا اُن سے بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا ہے	الَّذِیْ جَعَلَ وہ جس نے بنائے	فِی السَّمَآءِ آسمان میں	بُرُوْجًا برج	وَّجَعَلَ اور بنایا	فِیْهَا اس میں	
سِرٰجًا چراغ سورج	وَّقَمَرًا اور چاند	مُّنِیْرًا روشن	وَهُوَ اور وہی	الَّذِیْ جَعَلَ جس نے بنایا	الَّیْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن
خِلْفَةً ایکدوسرے کے پیچھے آنیوالا	لِّمَنْ اَرَادَ اس کے لئے جو چاہے	اَنْ یَّذَّكَّرَ کہ وہ نصیحت پکڑے	اَوْ اَرَادَ یا چاہے	شُكُوْرًا شکرگزار بننا		
وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ اور رحمٰن کے بندے	الَّذِیْنَ وہ جو کہ	یَمْشُوْنَ چلتے ہیں	عَلَى الْاَرْضِ زمین پر	هَوْنًا آہستہ آہستہ	وَّاِذَا اور جب	
خَاطَبَهُمُ ان سے بات کرتے ہیں	الْجٰهِلُوْنَ جاہل	قَالُوْا کہتے ہیں وہ	سَلٰمًا سلام			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں دلائل توحید کے ساتھ ساتھ کفار ومشرکین کا کفران اور ان کا حق سے تنفر مع ان کی مذمت کے مذکور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی لامتناہی حکمت وقدرت کی بہت سی نشانیاں مذکور ہوئیں۔ جیسے آسمانوں کا بنانا۔ ان میں ستارے پیدا کرنا۔ پھر ستاروں کو رواں رکھنا۔ ان کے طلوع وغروب اور ٹھہرنے کے مقامات مقرر کرنا۔ رات ودن کو پیدا کرنا اور باہم ان کا تبادلہ کرنا۔ ہواؤں کی روانی۔ دریاؤں کی طغیانی۔ ابر باراں کی بارانی۔ شیریں اور تلخ پانی کو جمع کرنا اور ہر ایک کو اس کے راستہ پر چلانا۔ سمندروں سے بخارات کو اٹھانا اور ہوا کا ان کو ضرورت کی جگہ پر لے جانا اور پانی کی شکل دے کر تشنہ زمین پر برسانا پھر اس سے سبزہ پھل پھول غلہ میوے پیدا کرنا اور اس طرح انسانوں اور حیوانوں کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا۔ اس ساری کائنات کو ایک خاص نظام کے زیر اثر چلانا اور قانون فطرت کو مسخر رکھنا۔ تو یہ سب اس کی ہمہ گیر رحمت ہے کہ جو کائنات کے ذرہ ذرہ پر چھائی ہوئی ہے اور اس رحمت رحمانی اور احسان ربانی اور انعامات الٰہیہ کا اقتضا تو یہ تھا کہ عقل اور فہم رکھنے والا انسان اس کارگاہ قدرت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ قرار دیتا اور اس کے سوا کسی کو کارساز اور قادر مطلق نہ جانتا۔ مخلوق کے سامنے سر نہ جھکاتا۔ ماسوا اللہ کے کسی کو سجدہ نہ کرتا مگر جیسا کہ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا کہ جب ان کفار ومشرکین کو کہا جاتا کہ وہ رحمٰن جو بڑی رحمت والا ہے اس کو سجدہ کرو اور اس کو اپنا معبود حقیقی تسلیم کرو تو ان کفار کو بوجہ جہل وعناد کے حق سے اور زیادہ نفرت ہوتی اور ان کی مخالفت اور بڑھتی۔ اللہ عزوجل کی ہستی کو پہچاننے کے لئے سب سے زیادہ واضح نشانی رات اور دن کا لگاتار ایک دوسرے کی جگہ باقاعدہ آنا جانا ہے۔ انسان سوچتا ہی نہیں ورنہ دن رات کو بار بار ایک ہی طریقہ سے ہوتے

دیکھ کر معمولی عقل والا انسان اتنا تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ اس نظام اور طریقہ کا ان کے لئے مقرر کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ وہ ذات بڑی عالی شان اور بابرکت ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے۔ اندھیری رات میں جب ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بے شمار چمکتے ہوئے اجسام نظر آتے ہیں ان میں کچھ چھوٹے ہیں کچھ بڑے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ چھوٹے نظر آنے والے اجسام درحقیقت چھوٹے ہوں کیونکہ ان کے ظاہری حجم کا دارومدار تو ان کے فاصلہ پر ہے۔ جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اتنے ہی وہ چھوٹے نظر آئیں گے۔ ان چمکدار اجسام جن کو ہم ستارے کہتے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی بے حد مشکل ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ان کی تعداد اتنی ہے جتنے روئے زمین پر ریت کے ذرے یا دنیا بھر کے سمندروں میں پانی کے قطرے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ چمکدار اجسام تقریباً سب کے سب مثل ہمارے دنیا کے سورج کے ہیں۔ اور کچھ تو ہمارے سورج سے بھی ہزاروں لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ ماہرین علم ہیئت نے جوان ستاروں کے ایک دوسرے کے فاصلہ۔ ان کی فضا میں گھومنے کی تیز رفتاری ان کا ایک دوسرے کے راستہ میں نہ آنا وغیرہ وغیرہ کا انکشاف کیا ہے اس کو دیکھ کر کائنات کی وسعت پر حیرت ہوتی ہے۔ اور خدا کی زبردست قدرت کے سوا انسانی عقل عجائبات کائنات کو سمجھ بھی نہیں سکتی۔ قرآن حکیم نے اس جگہ بڑے بڑے ستاروں اور سیاروں اور چاند وسورج کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلایا کہ قرآن کریم ان چیزوں کا ذکر بار بار اس لئے کرتا ہے کہ انسان ان کی تخلیق اور ان کی حرکات اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات میں غور وفکر کر کے ان کے پیدا کرنے والے اور ان کو چلانے والے اور ان کو قائم رکھنے والے کو پہچانے اور شکر گزاری کے ساتھ اس کی عبادت بندگی اور فرمانبرداری میں لگا رہے۔

قرآن اور سنت کا اصل اور مقصود حقیقی کائنات عالم میں غور وفکر اور تدبر کی دعوت دینے سے یہی ہے کہ ان آثار عجیبہ کو دیکھ کر انسان اس غیر محسوس قوت کا یقین کرلے کہ جو اس سارے نظام کائنات کو چلا رہی ہے۔ اسی کا نام خدا ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس آسمان میں ایک چراغ یعنی آفتاب اور نورانی چاند خدا نے بنایا جن کی وجہ سے ہماری اس دنیا میں دن اور رات کا ظہور ہوتا ہے اور یہ سب اس قدر باقاعدہ نظام کے ماتحت حرکت کرتے ہیں کہ رات اور دن اپنے اپنے وقت پر ایک دوسرے کی جگہ آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ اس نظام میں انسان کے لئے بے شمار فائدے ہیں انہیں دیکھ کر عقل والے اگر چاہیں تو اللہ عزوجل کو بآسانی پہچان سکتے ہیں اور اس کی شکر گزاری اپنے اوپر واجب قرار دے سکتے ہیں۔ بہرحال نصیحت پذیر قلب اور عبرت اندوز دماغ رکھنے والوں کے لئے چاند وسورج اور شبانہ روز کی تخلیق اور ان کے ردوبدل میں اللہ کی ہمہ گیر قدرت اور عمومی رحمت کو جاننے اور حق تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کا غیر محدود ذخیرہ موجود ہے۔ چنانچہ رات دن کے فوائد اور انعامات اور احسانات کو دیکھ کر اللہ کے مخلص بندے جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں ایسا ہی کرتے ہیں اور مشرکین کی طرح رحمٰن کا نام سن کر ناک بھویں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر قول وفعل سے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے تواضع متانت۔ خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے۔ متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے اور کم عقل اور بے ادب لوگوں کی جہالت کی بات کا جواب عفو اور نرمی وسلامتی سے دیتے ہیں۔ کوئی ان سے جہالت کی گفتگو کرے تو وہ رفع شر کی

بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں اور جاہلوں کے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں۔ نہ بدگوئی سے کام لیں یعنی جاہل کو جواب دیتے وقت جاہل نہیں بن جاتے بلکہ جاہلوں کی جہالت سے درگزر کرتے اور حلم وعفو سے کام لیتے ہیں۔

یہاں آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مطیع فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کو عباد الرحمٰن فرمایا۔ ویسے تو اللہ کے بندے سبھی ہیں۔ کافرومشرک بھی اسی کے بندے ہیں کیونکہ سبھی کو خدا نے پیدا کیا ہے مگر یہاں مخصوص فرمانبردار بندے مراد ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو اپنے نیکوکاری ہی کے سبب بندگانِ خدا کہلانے کا خصوصی حق ہے پھر یہاں عباد اللہ نہیں فرمایا بلکہ عباد الرحمٰن فرمایا حالانکہ عباد کے ساتھ لفظ اللہ عام طور پر زیادہ مناسب سمجھا جاتا ہے تو مفسرین نے یہاں عباد الرحمٰن فرمانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ تخلیق۔ تربیت اور ابقاء وغیرہ تمام احسانات کی اصل علت رحمت الٰہیہ ہے۔ اگر حق تعالیٰ رحمٰن نہ ہوتے تو کائنات پیدا نہ ہوتی یا پیدا ہوتی تو باقی نہ رہتی یا باقی رہتی تو اس کی تربیت وترقی کے اسباب معدوم ہوتے۔ یہ اللہ کی رحمت ہی ہے جو ہر انسان کی واحد کفیل ہے اور چونکہ گذشتہ آیات میں رحمت الٰہیہ کے اکثر مظاہروں کا ذکر کر دیا گیا تھا۔ اور زمین وآسمان اور ان کے درمیان تمام کائنات کی ایجاد وبقا کی صورتیں بیان کر دی گئی تھیں۔ اور ان لوگوں کا تذکرہ بھی ہو چکا تھا جو خداوند قدوس کی رحمت اور اس کے احسانات و انعامات کے منکر تھے یعنی کفار ومشرکین اس لئے اب ان کے مقابلہ میں اس جگہ ان لوگوں کے اوصاف کا تذکرہ بھی ضروری ہوا جو اللہ کی رحمت اور اس کے احسانات وانعامات کو تہہ دل سے مانتے اور اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس پر ایمان کے ساتھ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی اختیار کرتے ہیں اور اس کے احکام ومرضی کی پابندی لازم سمجھتے ہیں۔ ایسے صاحب ایمان بندوں کی دو صفات یہاں ان آیات میں بیان ہوئیں۔ یعنی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل ان سے الجھے تو وہ جواب میں رفع شر کی بات کہہ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی مزید صفات اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے احسان مند اور شکر گزار بندوں میں شامل فرماویں۔ اور ہم کو وہ دل ودماغ عطا فرماویں جس سے کائنات کی ہر شے ہمارے لئے معرفت الٰہیہ اور قرب خداوندی کا ذریعہ بنے۔ یا اللہ اپنی لامحدود قدرت پر ہمیں یقین کامل عطا فرما۔

یا اللہ! آپ اپنے خاص بندوں کو جو صفت تواضع اور عاجزی عطا فرماتے ہیں ہم کو بھی اس نعمت سے محروم نہ فرمائیے اور ہمیں جہالت کے مقابلہ میں رفع شر کی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا

اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے

عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ

عذاب کو دور رکھیئے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔اور وہ جب

إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اُن کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ اور جو	يَبِيتُونَ رات کاٹتے ہیں	لِرَبِّهِمْ اپنے رب کیلئے	سُجَّدًا سجدے کرتے	وَقِيَامًا اور قیام کرتے	وَالَّذِينَ اور وہ جو
يَقُولُونَ کہتے ہیں	رَبَّنَا اے ہمارے رب	اصْرِفْ پھیر دے	عَنَّا ہم سے	عَذَابَ جَهَنَّمَ جہنم کا عذاب	إِنَّ بیشک
عَذَابَهَا اس کا عذاب	كَانَ غَرَامًا لازم ہوجانے والا ہے	إِنَّهَا بیشک وہ	سَاءَتْ بری	مُسْتَقَرًّا ٹھہرنے کی جگہ	وَمُقَامًا اور برا مقام
وَالَّذِينَ اور وہ لوگ جو	إِذَا أَنْفَقُوا جب وہ خرچ کرتے ہیں	لَمْ يُسْرِفُوا نہ فضول خرچی کرتے ہیں	وَلَمْ يَقْتُرُوا اور نہ تنگی کرتے ہیں		
وَكَانَ اور ہے	بَيْنَ ذَٰلِكَ اس کے درمیان	قَوَامًا اعتدال			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے مقابلہ میں مومنین کی مدح اوران کی بعض صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔ ان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی تھی کہ ان کے مزاج میں تواضع ہوتا ہے اور تمام امور میں اس تواضع کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی لئے چلنے میں بھی وہ عاجزی وانکساری کے ساتھ چلتے ہیں متکبروں کی طرح اکڑ کرنہیں چلتے۔دوسری صفت ان کی یہ بتائی گئی تھی کہ وہ کم عقل اور بے ادب لوگوں کی جہالت کا جواب جہالت سے نہیں دیتے بلکہ جاہلوں کی جہالت سے درگزر کرتے ہیں اور حلم وعفو سے کام لیتے ہیں۔اب آگے انہیں مومنین کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مومنین کا اپنے رب اور معبود حقیقی کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جب رات کو غافل بندے نیند اور آرام کے مزے میں پڑے رہتے ہیں یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں گزارتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں۔بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں نماز تہجد کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کے نیک بندوں کا خاص وصف ہے۔ پھر یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعتیں پڑھ کر خدا کے عذاب وقہر سے بے فکر ہوگئے۔نہیں۔ بلکہ باوجود اس عبادت گزاری کے وہ اللہ سے عذاب جہنم کو آخرت میں دور رکھنے کی دعا کرتے رہتے ہیں اور باوجود اپنی نیکیوں کے اس خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ کہیں ہمارے عمل کی کوتاہیاں ہم کو مبتلائے عذاب نہ کردیں۔گویا ان کی نظر میں عبادت سے استحقاق مغفرت نہیں پیدا ہوتا بلکہ اللہ کی رحمت سے عفو کی امید ان بندوں کو ہوتی ہے۔ آگے ایک دوسری صفت ان عباد الرحمٰن کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس طرح کہ نہ اسراف یعنی فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل یعنی کنجوسی کرتے ہیں۔عرب میں اس

وقت یہ دونوں قسم کے نمونہ کثرت سے پائے جاتے تھے ایک طرف وہ لوگ تھے کہ جو اپنے ذاتی عیش و آرام پر دل کھول کر خوب مال خرچ کرتے تھے یا اپنے قبیلہ میں اپنی فیاضی اور دولت مندی کا شہرہ قائم رکھنے کے لئے مال و دولت صرف کرتے یا دوسری طرف وہ بخیل تھے کہ جن کی کنجوسی مشہور تھی۔ اعتدال اور میانہ روی کی روش بہت کم لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ اس وقت یہ نمایاں صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی تھی۔ تو یہاں اسراف اور بخل دونوں کی مذمت فرمائی گئی اور اعتدال اور میانہ روی کے چال چلنے کی تعریف فرمائی گئی۔ یہاں اسراف اور بخل کی حقیقت کو بھی مختصراً سمجھ لینا چاہئے۔ اسراف کے معنی ہیں انسان کا اپنے فعل میں حد سے گزر جانا خواہ مال کے صرف میں ہو یا دوسرے امور و حقوق میں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ کہیں تو مال کے بے جا صرف کرنے کے معنی میں کہیں دوسرے امور میں حد سے متجاوز ہونے کے معنی میں۔ یہاں چونکہ اسراف کا ذکر مال کے خرچ کرنے کے متعلق آیا ہے اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے اسراف مال کے متعلق تین چیزوں کا نام ہے۔ ایک ناجائز کاموں میں مال و دولت صرف کرنا خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو تو گویا اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنے کا نام اسراف ہے۔ دوسرے بظاہر نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ ریا اور نمائش اور نام و نمود و شہرت کے لئے خرچ کرنا۔ اگر اللہ کی راہ اور رضا میں اپنے نفس کا خیال چھوڑتے ہوئے کل مال بھی خرچ کر دے تو یہ اسراف نہیں۔ بعض مخلص صحابہ کا طرز عمل اس کا شاہد ہے۔ تیسرے ضروریات لازمہ یا حاجات میں خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرنا اس لحاظ سے کہ آدمی اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرے جس کا انجام اخیر میں بے صبری۔ حرص اور بدنیتی ہو۔

اسراف کے مقابل بخل اور کنجوسی کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اپنی جائز ضروریات خواہ وہ اپنی ذات سے متعلق ہوں یا اپنے متعلقین اور دیگر صاحب حقوق سے متعلق ہوں ان پر اپنی مقدرت اور حقوق کے موافق خرچ نہ کرے دوسرے یہ کہ عام نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔ ان دونوں یعنی اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال کی راہ۔ اسلامی اور قرآنی راہ ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے فقیہ یعنی سمجھ دار اور دانا ہونے کی علامتوں میں سے ہے۔ غرض یہ کہ عباد الرحمٰن کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ وہ موقع کے موافق مال خرچ کرتے ہیں گویا نہ مال کی محبت اور نہ اس کی اضاعت۔

ابھی عباد الرحمٰن کی مزید صفات اگلی آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرماویں کہ راتوں کو ہم بھی اپنے رب کے آگے سجدہ و قیام میں لگے رہیں اللہ تعالیٰ نماز تہجد کی دولت اور راتوں میں اللہ کے آگے رونے کی نعمت ہم کو بھی عطا فرمائیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو عذاب جہنم سے ہر طرح مامون و محفوظ فرما دے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ہم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس کو اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اور اسراف اور بخل سے ہم کو بچا لے اور ان بدخصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرما دے۔ اور اعتدال کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اے اللہ! آپ نے اپنے بندوں کی جو یہ صفات قرآن پاک میں فرمائی ہیں تو یہ جملہ نیک صفات ہم کو بھی عطا فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ

اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اُس کو سابقہ پڑے گا۔ کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اُس میں

فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا،

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	لَا يَدْعُوْنَ نہیں پکارتے	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِلٰهًا کوئی معبود	اٰخَرَ دوسرا	وَلَا يَقْتُلُوْنَ اور وہ قتل نہیں کرتے	
النَّفْسَ جان	الَّتِيْ حَرَّمَ جسے حرام کیا	اللّٰهُ اللہ	اِلَّا بِالْحَقِّ مگر جہاں حق ہو	وَلَا يَزْنُوْنَ اور وہ زنا نہیں کرتے	وَمَنْ اور جو	يَّفْعَلْ کرے گا
ذٰلِكَ یہ	يَلْقَ اَثَامًا وہ دوچار ہوگا بڑی سزا	يُضٰعَفْ دو چند کردیا جائیگا	لَهٗ اس کیلئے	الْعَذَابُ عذاب	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	
وَيَخْلُدْ اور وہ ہمیشہ رہے گا	فِيْهٖ اس میں	مُهَانًا خوار ہو کر	اِلَّا سوائے	مَنْ تَابَ جس نے توبہ کی	وَاٰمَنَ اور وہ ایمان لایا	
وَعَمِلَ اور عمل کئے اس نے	عَمَلًا صَالِحًا نیک عمل	فَاُولٰٓئِكَ پس یہ لوگ	يُبَدِّلُ اللّٰهُ اللہ بدل دے گا	سَيِّاٰتِهِمْ ان کی برائیاں		
حَسَنٰتٍ بھلائیوں سے	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَّحِيْمًا نہایت مہربان	وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی	
وَعَمِلَ اور عمل کئے	صَالِحًا نیک	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	يَتُوْبُ رجوع کرتا ہے	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	مَتَابًا رجوع کرنے کا مقام	

تفسیر وتشریح:۔ کفار ومشرکین کے مقابلہ میں مومنین مخلصین کی صفات اور ان کی مدح کا بیان گذشتہ آیات سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے جو صحیح معنی میں عباد الرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں ان کی کئی صفات اور خصوصیات گذشتہ میں بیان ہوئیں مثلاً اپنے اعمال میں تواضع ان کا طرز خاص ہے۔ دوسروں کے ساتھ جہالت کی بات کے مقابلہ میں رفع شر کی بات کہہ کر علیحدہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت و بندگی کا تعلق رکھنا اور اس کے باوجود خوف خداوندی سے جہنم کے عذاب سے خوف کھا کر اس سے بچنے کی دعا کرنا۔ انفاق مال میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کرنا۔ اسراف اور بخل کے افراط و تفریط سے بچنا۔

آ گے ان آیات میں مزید بعض صفات انہی عباد الرحمٰن کی بیان فرمائی گئی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ ہر حال میں شرک سے بچتے ہیں۔ خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے۔ شرک جو کفر کی بدترین قسم ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات۔ اس کی صفات اس کی عبادت اور اس کی حدود عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا۔ شرک وہ جرم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا ہے اور قطعی فیصلہ فرما دیا ہے کہ ہر کوتاہی۔ لغزش اور جرم قابل معافی ہوسکتا ہے مگر کفر و شرک کا جرم اگر اس سے سچی توبہ نہ کی جائے تو ہرگز

قابل معافی نہیں ہوگا اور اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں صاف فرمادیا گیا ان الله لایغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشآء۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔ شرک کی تفصیلی بحث انشاء اللہ تعالیٰ ۲۱ ویں پارہ سورۂ لقمان کی آیت ان الشرک لظلم عظیم کے تحت آپ کے سامنے آئے گی۔

الغرض ان آیات میں عبادالرحمٰن کی ایک صفت یہ بتلائی گئی کہ وہ ہر حال میں ہر طرح کے شرک سے بچتے ہیں۔ اگلی صفت فرمائی گئی کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے یعنی جن مواقع میں قتل کی اجازت ہے جیسے قصاص لینا یعنی خون کے بدلہ خون کرنا یا جہاد میں دشمن کو قتل کرنا یا زانی شادی شدہ کو سنگسار کرنا۔ وہاں تو وہ ہاتھ نہیں روکتے باقی دیگر مواقع میں جہاں خدا نے حکم نہیں دیا اور جان کا مارنا حرام کیا ہے وہاں اپنا ہاتھ روکتے ہیں اور نہ وہ زنا کرتے ہیں یعنی ان تین بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں جن میں اس وقت اہل عرب کثرت سے مبتلا تھے ایک شرک باللہ۔ دوسرے قتل ناحق تیسرے زنا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شریک کسی کو قرار دینا حالانکہ تجھے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا اولاد کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسی کی تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں تو اگرچہ گناہ کبیرہ اور بھی بہت سے ہیں لیکن ایام جاہلیت میں عرب سوسائٹی پر سب سے زیادہ تسلط انہی تین گناہوں کا تھا اس لئے مومنین مخلصین جو صحیح معنی میں عبادالرحمٰن کہلانے کے مستحق ہیں ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا گیا کہ یہ اہل ایمان اور اہل اسلام ہی ہیں جو ان برائیوں اور گناہوں سے یعنی شرک باللہ۔ قتل ناحق اور زنا سے بچ گئے ہیں۔ ان آیات میں آگے بطور تنبیہ کے فرمایا گیا کہ جو شخص ایسے کام کرے گا وہ قیامت میں عذاب میں گرفتار ہوگا اور دم بدم اس کا عذاب بڑھتا ہی رہے گا اور اس عذاب میں ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم نے تو اور معبودوں کی پرستش بھی کی ہے۔ اور ناحق قتل بھی کیا اور حرام کاری بھی کی ہے پس ہمارے لئے مغفرت اور معافی کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ الامن تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل الله سیاتهم حسنت وکان الله غفورا رحیما. ومن تاب وعمل صالحا فانه یتوب الی الله متابا. یعنی ان کفار ومشرکین میں سے جو توبہ کرلے اور ایمان لے آوے اور بجائے ان برے کاموں کے اچھے کام کرے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا اور ان کو معاف کر کے ان کی بجائے نیکیاں لکھ دے گا اور اب وہ بجائے مشرک کے مومن ہوں گے اور بجائے زانی کے عفیف اور بدکار کے نکوکار ہوں گے اور یہ برائیوں کا مٹا دینا اور ان کی جگہ نیکیاں عنایت فرمانا اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے اور رحیم ہے۔ بڑا بخشنے والا ہے اور بہت رحم والا ہے۔ اور جو کوئی توبہ اور عمل صالح کرتا ہے وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے پس جبکہ وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور خدا غفور الرحیم ہے تو وہ

انہیں کیوں نہ معاف کر دے گا۔

یہاں بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جن کی زندگی اگرچہ کفر و شرک اور طرح طرح کی معصیت و گناہوں سے آلودہ رہی ہو اور اب وہ اپنی اصلاح اور درستی پر آمادہ ہوں۔ توبہ کی اس نعمت ہی نے عرب کے ایام جاہلیت کے بگڑے ہوئے معاشرہ کے لاکھوں افراد کو سہارا دے کر سنبھال لیا اس کا اندازہ ان بہت سے واقعات سے ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاۃ مبارک میں پیش آئے اور جو احادیث میں مروی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ سنیے جسے علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں روایت کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک روز ایک عورت رات کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ اس کا جواب مجھ کو دیں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا اور اس سے حمل قائم ہو گیا۔ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوسکتی ہیں اور نہ خدا کے ہاں تیری قبولیت ہوسکتی ہے۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی اور روتی پیٹتی واپس ہوگئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے رات کا واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوہریرہ تم نے صحیح جواب نہیں دیا۔ کیا تم نے قرآن کی ان آیتوں کو نہیں پڑھا۔ پھر سورۂ فرقان کی یہی تلاوت کردہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر مجھے بڑا رنج ہوا اور اس عورت کو میں نے تلاش کرنا شروع کیا۔ رات کو عشا ہی کے وقت وہ ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سجدہ میں گر گئی اور کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارہ کی صورت پیدا فرما دی اور میرے لئے معافی کا دروازہ کھولا اور میری توبہ کی قبولیت رکھی پھر اس نے سچے دل سے توبہ کر لی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ احادیث میں ایک بوڑھے کا آیا ہے کہ ایک بہت بوڑھا ضعیف آدمی جس کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ میں ایک ایسا شخص ہوں کہ کوئی گناہ کوئی بدکاری میں نے باقی نہیں چھوڑی۔ میرے گناہ اس قدر ہیں کہ اگر تمام انسانوں میں تقسیم ہو جائیں تو سب کو لے ڈوبیں۔ کیا میرے معافی کی بھی کوئی صورت ہے۔ کیا میری توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے آپ نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں۔ گناہ۔ و بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں تیرے سب کے سب جرم و قصور صاف ہو جائیں گے پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر اور تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا۔

یہاں ان آیات میں نہ صرف کفار و مشرکین کے لئے توبہ کی بشارت ہے بلکہ ایک گناہ گار مومن جس سے کوئی صدور معصیت ہو جائے اس کے لئے بھی توبہ کی فضیلت موجود ہے۔ اسی کی تائید میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی وہ گویا بے گناہ ہو گیا۔ اور حق تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے

جتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بے آب وگیاہ اور دہشت ناک لق ودق میدان میں پہنچ جائے اوراس کی سواری مع اس کھانے کے سامان کے جواس پر رکھا ہوا تھا گم ہوجائے اور وہ اپنی سواری کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے اور آخر اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل بیابان سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ کھانے کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے۔ زندگی سے مایوس ہوجائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے۔ نہ وہاں آب ودانہ میسر آنے کی امید ہے اس لئے مایوس ہوکر کسی درخت کے نیچے آ لیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر اس خیال میں سو جائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعتہً اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ دیکھے کہ اس کی کھوئی ہوئی سواری اس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہٖ موجود ہے تو اس کو ایسی حالت میں زندگی سے ناامید ہونے کے بعد سرمایۂ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب کہ بندہ اس کی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے مگر یہاں یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے معنی اوراس کی حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بعد سے قریب کی جانب لوٹ آنے کے ہیں مگر اس کے لئے ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا۔ ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نور معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور دل کو اس مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہوجائے کہ گناہ جس کا دوسرا نام اللہ کی نافرمانی ہے زہر قاتل اور تباہ کردینے والی شے ہے اور پھر خوف وندامت پیدا ہوکر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہوجائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرلے اوراس کے ساتھ ہی جہاں تک ہوسکے گذشتہ تقصیر وکوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہوجائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہوگیا جس کا نام توبہ کی انتہا ہے۔ تو یہ حقیقت ہے توبہ اور استغفار کی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توبہ کی حقیقت نصیب فرمائیں۔ ابھی عبادالرحمٰن کی کچھ مزید صفات اگلی آیات میں جاری ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ! آپ نے جو صفات اپنے نیک بندوں کی یہاں بیان فرمائی ہیں ان صفات اور خصلتوں کا کوئی حصہ ہم گنہگاروں کو بھی نصیب فرمادے اور ہمارا حشر ونشر اپنے مومنین ومخلصین بندوں کے ساتھ فرمادے۔ اے اللہ اس وقت امت مسلمہ کی ناؤ عصیان ومعاصی کے طوفان میں گھری ہوئی ہے اے اللہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس امت مسلمہ کو تباہی سے بچالے اوراس امت کی بھنور میں پھنسی ہوئی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو ہلاکت سے بچالے اے اللہ اس بھٹکی ہوئی امت کو پھر آپ کی طرف رجوع ہوجانے کی توفیق نصیب ہوجائے۔ اے اللہ آپ ہی کو ہر دردودکھ میں اپنا ملجا اور ماویٰ سمجھنے کی فہم ہم کو عطا ہوجائے۔

اے اللہ ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرمالے جو صدق دل سے تیرے الہ العالمین اور رب العالمین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کے اتباع میں اپنی نجات منحصر سمجھتے ہیں۔ جو تیرے قرآن پاک کے وفادار ہیں اور جو تیرے محبوب دین کی حفاظت میں دن رات لگے رہتے ہیں اوراسی پر زندہ اوراسی پر مرنا چاہتے ہیں۔ آمین۔ ثم امین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ

اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت اُن کو اللہ کے احکام

رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا

کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔اور وہ ایسے ہیں کہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں

وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿۷۴﴾ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا

اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنادے۔ایسے لوگوں کو بالاخانے ملیں گے بوجہ اُن کے

صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿۷۵﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۷۶﴾

ثابت قدم رہنے کے اور اُن کو اس میں بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔اُس میں وہ ہمیشہ رہیں گے،وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کروگے،سو تم تو (احکام الٰہیہ) کو جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے وبال (جان) ہوگا۔

وَالَّذِينَ اور وہ لوگ جو	لَا يَشْهَدُونَ گواہی نہیں دیتے	الزُّورَ جھوٹ	وَإِذَا اور جب	مَرُّوا وہ گزریں	بِاللَّغْوِ بیہودہ سے
مَرُّوا گزرتے ہیں	كِرَامًا بزرگانہ	وَالَّذِينَ اور وہ لوگ جو	إِذَا ذُكِّرُوا جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے	بِآيَاتِ رَبِّهِمْ انکے رب کے احکام سے	
لَمْ يَخِرُّوا نہیں گرپڑتے	عَلَيْهَا ان پر	صُمًّا بہروں کی طرح	وَعُمْيَانًا اور اندھوں کی طرح	وَالَّذِينَ اور وہ لوگ جو	يَقُولُونَ کہتے ہیں وہ
رَبَّنَا هَبْ لَنَا اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں	مِنْ أَزْوَاجِنَا ہماری بیویاں	وَذُرِّيَّاتِنَا اور ہماری اولاد	قُرَّةَ أَعْيُنٍ ٹھنڈک آنکھوں کی		
وَاجْعَلْنَا اور بنادے ہمیں	لِلْمُتَّقِينَ پرہیزگاروں کا	إِمَامًا امام (پیشوا)	أُولَٰئِكَ یہ لوگ	يُجْزَوْنَ انعام دیئے جائینگے	الْغُرْفَةَ بالاخانے
بِمَا صَبَرُوا انکے صبر کی بدولت	وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا اور پیشوائی کئے جائینگے اس میں	تَحِيَّةً دعائے خیر	وَسَلَامًا اور سلام	خَالِدِينَ وہ ہمیشہ رہیں گے	
فِيهَا اس میں	حَسُنَتْ اچھی ہے	مُسْتَقَرًّا آرام گاہ	وَمُقَامًا اور مسکن	قُلْ فرمادیں	مَا يَعْبَأُ پرواہ نہیں رکھتا
بِكُمْ تمہاری					
رَبِّي میرارب	لَوْ اگر	لَا دُعَاؤُكُمْ نہ پکاروتم	فَقَدْ كَذَّبْتُمْ تو جھٹلایا تم نے	فَسَوْفَ پس عنقریب	يَكُونُ ہوگی
لِزَامًا لازمی					

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۂ فرقان کی خاتمہ کی آیات ہیں جن میں عباد الرحمٰن یعنی اللہ کے نیک بندوں کی کچھ مزید صفات بیان فرما کر ان کی جزا بتلائی گئی اور ان کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کا انجام بتلا کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔گذشتہ آیات میں پکے اور سچے اہل اسلام و ایمان جو حقیقی معنی میں عباد الرحمٰن۔یعنی حضرت رحمٰن جل شانہٗ کے بندے کہلانے کے مستحق ہیں ان کی آٹھ صفات بیان فرمائی گئی تھیں یعنی

(۱) وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔یعنی ان کے مزاج میں تواضع و انکساری ہے اور تمام امور میں اسی کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔(۲) وہ ناسمجھ اور جاہلوں سے الجھتے نہیں۔ان کی جہالت کے مقابلہ میں حلم و عفو اور نرمی سے کام لیتے ہیں تاکہ شر نہ بڑھے۔(۳) وہ اپنے معبود حقیقی کے ساتھ اطاعت و بندگی کا تعلق رکھتے ہیں اور راتوں میں اپنے رب کے آگے سجدہ و قیام یعنی نماز میں لگے رہتے ہیں (۴) وہ اللہ کے خوف سے ڈر کر دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا اور جہنم سے ہمیں دور رکھنا کیونکہ اس سے بُری اور بدتر کوئی جگہ نہیں۔(۵) وہ مال کو خرچ کرتے

وقت نہ اس کو بے جا اڑاتے ہیں نہ بخل و کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ موقع اور ضرورت کی مناسبت سے خرچ کرتے ہیں۔(۶) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے یعنی شرک سے ہر طرح سے پاک صاف رہتے ہیں۔(۷) وہ کسی جان کو ناحق ظلم سے قتل نہیں کرتے یعنی سوائے ان مواقع کے جہاں اسلامی شریعت نے قتل کا فیصلہ اور حکم دیا ہے کسی کی جان نہیں مارتے۔(۸) وہ زنا اور بدکاری سے دور رہتے ہیں اور ناجائز جنسی تعلقات سے بچتے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں مزید چار صفات ان نیک بندوں اور مخلص مومنین کی بیان فرمائی ہیں۔یعنی نویں صفت یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ جھوٹ اور بیہودہ باتوں کے پاس نہیں پھٹکتے۔نہ جھوٹ بولیں۔نہ جھوٹی گواہی دیں۔نہ دغا فریب جعلسازی میں کوئی حصہ لیں۔نہ ناجائز مجمعوں میں حاضری دیں۔اس میں ہمارے زمانہ کی مختلف گانے بجانے ناچ رنگ اور رقص وسرود کی محفلیں تھیٹر بائیسکوپ۔سینما وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں۔آیت میں لایشھدون الزورن فرمایا گیا ہے۔زور کے کئی معنی اہل تفسیر سے منقول ہیں۔بعض مفسرین نے زور کے معنی جھوٹ اور حق سے انحراف کے لئے ہیں۔بعض نے بیہودگی اور راگ ورنگ کے ناجائز مجمع مراد لئے ہیں۔بعض نے مشرکوں کے تہوار اور ان کے میلے ٹھیلے مراد لئے ہیں۔بعض نے شراب خواری کے جلسہ اور ہر بری مجلس مراد لی ہے۔امام رازیؒ نے یہ سب معانی بیان کر کے لکھا ہے کہ درست یہ سب ہو سکتے ہیں البتہ زور کا استعمال کذب کے معنی میں اکثر ہوتا ہے۔اس طرح حاصل اس جملہ لایشھدون الزور کا یہ ہوا کہ اللہ کے خاص بندے اور پکے و سچے اہل ایمان نہ جھوٹ بولتے ہیں۔نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں نہ گناہوں کے جلسے میں۔نہ کافروں کے تہواروں اور میلوں میں اور نہ فسق وفجور کی محفلوں میں اور نہ راگ ورنگ کی مجلسوں میں شامل ہوتے ہیں۔آگے دسویں صفت فرمائی گئی کہ اگر اتفاق سے نادانستہ بلا ارادہ کسی بیہودہ جلسہ یا محفل رقص وسرود یا میلہ ٹھیلہ کی مجلس کی طرف گزر ہو جاتا ہے تو یہ دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کے لئے ٹھہر نہیں جاتے بلکہ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ انہیں چھوڑ کر چشم پوشی کر کے شریفانہ طور پر وہاں سے گزر جاتے ہیں۔گیارہویں صفت ان اللہ کے نیک بندوں کی یہ فرمائی گئی کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی

آیتیں یعنی قران پاک پڑھ کر سنایا جائے تو قرآن کے حقائق و معارف اور احکام الٰہیہ کی طرف سے اندھے اور بہرے نہیں ہو جاتے بلکہ عقل و فہم کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں۔قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل دہل جاتے ہیں اور ان کے ایمان اور توکل بڑھ جاتے ہیں۔بخلاف کفار کے کہ وہ کلام الٰہی کا کوئی اثر نہیں لیتے۔نہ اپنی بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں نہ اپنا کفر چھوڑتے ہیں اور نہ اپنی سرکشی۔طغیانی اور جہالت وضلالت سے باز آتے ہیں۔تو کافر خدا کی آیتوں کی طرف سے بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں اور مومنوں کی حالت ان کے برعکس ہوتی ہے کہ نہ یہ حق سے بہرے اور اندھے ہیں۔سنتے ہیں سمجھتے ہیں۔نفع حاصل کرتے ہیں اپنی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے ایمان کو بڑھاتے ہیں۔اور احکام الٰہیہ کے تعمیل کی کوشش کرتے ہیں اور پھر پابندی رکھتے ہیں۔اس گیارہویں صفت کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہاں آیت میں جس طرح اس امر کی سخت مذمت ہے کہ آیات الٰہیہ کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔اندھے بہروں کا سا معاملہ کریں۔اسی طرح اس کی بھی مذمت ہے کہ توجہ تو دیں اور عمل بھی کریں مگر بے سمجھے بے بصیرتی کے ساتھ اپنی رائے سے جس طرح چاہیں عمل کرنے لگیں۔ابن کثیرؒ نے ابن عونؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت شعبیؒ سے پوچھا کہ اگر میں کسی مجلس میں پہنچوں جہاں لوگ سجدہ میں پڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ کیسا سجدہ ہے تو کیا میں بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جاؤں۔حضرت شعبیؒ نے فرمایا نہیں۔مومن کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ بے سمجھے کسی کام میں لگ جائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ بصیرت کے ساتھ عمل کرے۔جب تم نے وہ آیت سجدہ نہیں سنی جس کی بنا پر یہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں اور تمہیں ان کے سجدہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں تو اس طرح ان کے سجدہ میں شریک ہونا جائز نہیں۔اس زمانہ میں یہ بات تو قابل شکر ہے کہ نوجوان اور نو تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی طرف کچھ توجہ پیدا ہوئی ہے اور اس کے تحت وہ بطور خود قرآن کا ترجمہ یا کسی کی تفسیر دیکھ کر قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر یہ کوشش بالکل بے اصول ہے اس لئے قرآن کو صحیح سمجھنے کی بجائے بہت سے مغالطوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا

کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے کسی کو معتد بہ نہیں حاصل ہوسکتا جب تک اس کو کسی استاد سے نہ پڑھے۔ معلوم نہیں قرآن ہی کو کیوں ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کرلے۔ یہ بے اصول مطالعہ جس میں کسی ماہر استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الٰہیہ پر اندھے بہرے ہوکر گرنے کے مفہوم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق بخشیں۔ (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۵۰۸)

بارہویں صفت ان اللہ کے نیک بندوں کی یہ بتلائی گئی کہ وہ اللہ عزوجل سے یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کہ ان کے اطوار اور عادات کو دیکھ کر ہماری طبیعت کو چین اور دل کو راحت و سرور نصیب ہو اور ہمیں لوگوں کا رہبر بنادے کہ ہم انہیں نیکی کی تعلیم دیں اور لوگ بھلائی اور نیکی اور تقویٰ و طہارت میں ہماری اقتدا کریں یعنی ہم نہ صرف بذات خود مہتدی ہوں بلکہ دوسروں کے لئے ہادی بھی ہوں۔ یہاں یہ بات خاص طور سے ذہن میں رہنی چاہئے کہ جس وقت یہ آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں وہ وہ وقت تھا کہ مکہ کے مسلمانوں میں سے غالباً کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے قریبی عزیز و رشتہ دار کفر و شرک میں مبتلا نہ ہوں۔ کوئی مرد ایمان لے آیا تھا تو اس کی بیوی کافرہ تھی۔ کوئی عورت ایمان لے آئی تھی تو اس کا شوہر ابھی کافر تھا۔ کوئی باپ ایمان لے آیا تھا تو اس کے جوان بچے کفر پر قائم تھے۔ کوئی جوان ایمان لے آیا تھا تو اس کے ماں باپ بھائی بہن کفر میں مبتلا تھے اس لئے ہر مسلمان کے دل سے دعا نکلتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کو بھی ایمان اور عمل صالح کی توفیق دے کہ وہ بھی اللہ کے فرمانبردار عبادت گزار موحد اور غیر مشرک ہوں تا کہ ان کو دیکھ کر دنیا میں بھی دل ٹھنڈا رہے اور آخرت میں بھی یہ انہیں اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی سچی خوشی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال دوست احباب عزیز و اقارب کو خدا کا فرمانبردار دیکھے۔ وہ ظالم نہ ہوں۔ بدکار نہ ہوں بلکہ سچے مسلمان ہوں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان آیات کی تشریح کے تحت حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی ہیں ان کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر ایک صاحب فرمانے لگے کہ ان آنکھوں کو مبارکباد ہو جنہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ کاش کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ کی طرح فیض صحبت حاصل کرتے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوئے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے تعجب معلوم ہوا کہ اس بات میں تو کوئی برائی نہیں پھر یہ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ اتنے میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اس چیز کی آرزو کرتے ہیں جو قدرت نے انہیں نہیں دی۔ خدا ہی کو علم ہے کہ یہ اس وقت ہوتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ واللہ وہ لوگ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جنہوں نے نہ آپ کی تصدیق کی اور نہ تابعداری کی اور اوندھے منہ جہنم میں گئے تم اللہ کا یہ احسان نہیں مانتے کہ خدا نے تمہیں اسلام میں اور مسلمان گھروں میں پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں خدا کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پڑی اور ان بلاؤں سے تم بچالئے گئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے جس وقت دنیا کی ظلمت و جہالت اپنی انتہا پر تھی۔ اس وقت اکثر دنیا والوں کے نزدیک کفر و شرک اور بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب نہ تھا۔ آپ فرقان لے کر آئے حق و باطل میں تمیز کی۔ باپ بیٹے جدا ہوگئے۔ مسلمان اپنے باپ دادوں۔ بیٹوں پوتوں دوست احباب کو کفر پر دیکھتے جن سے انہیں کوئی محبت و پیار نہیں ہوتا تھا بلکہ کڑھتے تھے کہ یہ جہنمی ہیں اسی لئے ان کی دعائیں ہوتی تھیں کہ ہمیں ہماری اولادوں اور بیویوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما کیونکہ کفار کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوتی تھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی محدث و مفسر قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ تمام قرآن میں حق جل شانہ کی یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ جابجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزان عدل پر رکھ کر تولتے ہیں اور ان کے اوصاف بیان فرماتے ہیں۔ ایک فریق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں اور ایک فریق کو نعمائے جنت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کو ذکر فرماتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف و مشہور ہوں۔ پس اسی قاعدہ کے موافق اس سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہات اور اعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل و عادات کا ذکر کر کے ان کی پاداش کا ذکر کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقربین

اور مومنین مخلصین کی صفات مشہورہ کا ذکر کیا جب یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ مہاجرین اولین تھے۔ لہٰذا یہ آیات مہاجرین کی فضیلت کے لئے کافی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (ازالۃ الخفا ماخوذ از معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

الغرض مومنین مخلصین کی یہ بارہ صفات بیان فرما کر آگے حق تعالیٰ ان کی جزا بیان فرماتے ہیں کہ آخرت میں ان کو جنت ملے گی جو بلند تر جگہ ہے کیونکہ انہوں نے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر کے اللہ کے حکم پر عمل کیا اور اس کی اطاعت میں ثابت قدم رہے۔ جنت میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوگی۔ فرشتے ان کا دعا و سلام کے ساتھ استقبال کریں گے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو مبارکباد دیں گے اور سلام و دعا کریں گے۔ یہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے نہ نکالے جائیں گے۔ نہ نعمتیں کم ہوں گی نہ راحتیں فنا ہوں گی۔ یہاں تک عباد الرحمٰن کے خصوصی اوصاف اور ان کے ثمرات اور انجام کا بیان تھا گذشتہ سلسلہ بیان میں کافروں اور سرکشوں کو عذاب کی وعید بھی تھی اور ترہیب کے ساتھ توبہ کی ترغیب بھی دی گئی تھی۔

آخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ آپ تمام سرکش۔ منکر اور احسان فراموش انسانوں سے کہہ دیں کہ تمہارے نفع ونقصان کی باتیں سمجھا دی گئیں اگر تم کو اپنی بہبودی۔ نجات اور اخروی فلاح وسعادت کی طلب نہیں اور اگر تم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول سے سرتابی کرتے ہو اور اللہ کے اتارے ہوئے قانون اور فرمان سے منہ موڑتے ہو تو اللہ کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں۔ اس کی کوئی غرض تم سے وابستہ نہیں۔ اگر پیام حق مانتے اور راہ ہدایت پر چلتے تو تمہارا ہی فائدہ تھا۔ اب تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔ یہ تمہاری تکذیب عنقریب تمہارے گلے کا ہار بنے گی۔ اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا اور انجام کار تمہارا ٹھکانا نہایت المناک ہوگا اور اس کی سخت ترین دوامی سزا تم کو برداشت کرنی پڑے گی۔

یہاں اب ہمارے لئے بھی یہ بات قابل غور ہے کہ ایک پکے اور سچے مسلمان کی جو صفات قرآن کریم نے یہاں بیان فرمائی ہیں ان سے ذرا ہم آج کے مسلمان کا مقابلہ کریں اور مومنین کاملین کی ہر صفت کے مقابلہ میں اپنی اور قوم اور ملک کی حالت کا اندازہ لگائیں تو ہمیں اپنے اسلام وایمان کے دعوے کی حقیقت کا خود پتہ چل جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اب اسلام کو بدنام کرنے والے بن بیٹھے ہیں۔ اور باوجود ایسی تنبیہات کے کہ جو قدرت کی طرف سے گاہے بگاہے پیش آتی ہیں اگر ہم نے ہوش نہ سنبھالا اور اللہ کی رسی کو مضبوط نہ پکڑا اور کھلے ہوئے محرمات وممنوعات مثل سود۔ شراب۔ زنا۔ جوا۔ قمار۔ سٹہ۔ گانے بجانے۔ ظلم۔ خیانت۔ رشوت۔ فحاشی۔ عیاشی وغیرہ سے باز نہ آئے اور ان سے منہ نہ موڑا اور فرائض الٰہیہ نماز۔ روزہ وغیرہ سے ایسی ہی روگردانی رہی اور اللہ کی کتاب اور قوانین قرآن سے یہی بے وفائی جاری رہی اور اللہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کی یہی پامالی ہوتی رہی۔ تو پھر اللہ کے قانون بھی اٹل ہیں اپنے بداعمالیوں کی پاداش میں ماضی میں جو پیش آچکا ہے اس سے زیادہ سخت اور عبرتناک ہوگا جو کچھ آگے پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھ اور فہم اور برے بھلے میں تمیز کرنے اور ان کے انجام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرماویں۔ (نوٹ: واضح ہو کہ یہ درس اب سے تقریباً دس بارہ سال (یعنی ۱۹۷۲ء میں تحریر کیا گیا تھا) پہلے کا لکھا ہوا ہے جبکہ پاکستان میں بے دینی اپنے کمال عروج پر تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اب (یعنی ۱۹۸۴ء میں) کچھ بہتری کے آثار نظر آنے شروع ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اس ملک اور قوم کی بدحالی کو اب اپنے کرم سے نیک حالی سے پلٹ دیں۔ آمین)

الحمد للہ کہ اس درس پر سورۂ فرقان کا بیان ختم ہوا۔ اور ساتھ ہی قرآن پاک کی چوتھی منزل بھی ختم ہوئی۔ اس کے بعد اگلی سورۃ الشعراء کا بیان انشاء اللہ شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ آيَةً وَّاِحْدٰى عَشَرَ رُكُوْعًا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

طٰسٓمٓ یہ کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

طٰسٓمٓ طسم	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ روشن کتاب	

تفسیر وتشریح:۔ الحمد للہ اب پانچویں منزل کی ابتدا سے ۱۹ ویں پارہ کی سورۂ شعرآء کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس درس میں سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی تشریح کی گئی ہے۔ تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع ومباحث تعداد آیات۔ رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں شاعری کا بڑا زور شور تھا۔ اور عرب قوم پر ایام جاہلیت میں شاعری کا بھوت سوار تھا۔ ہر خاندان اور قبیلہ کو اپنی شاعری پر فخر تھا سالانہ میلوں میں مشاعرہ کی محفلیں گرم ہوتی تھیں۔ مگر اس وقت کی عربی شاعری میں سوائے ذاتی فخر۔ قومی جہالت۔ عشق بازی۔ شراب خواری۔ اور فسق وفجور کے تذکرہ کے اور کیا رکھا تھا۔ جب کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قران پاک کی آیات سنتے تو اس کی فصاحت وبلاغت اور مضامین عالیہ سے حیران اور عاجز ہوکر طرح طرح کی الزام تراشی پر اتر آتے۔ کبھی کہتے یہ (نعوذ باللہ) کاہن ہیں۔ کبھی کہتے کہ ساحر ہیں۔ کبھی کہتے کہ شاعر ہیں۔ اس سورۃ کے اخیر میں حق تعالیٰ نے شعراء کی حقیقت بھی بیان فرمادی کہ وہ واہی تباہی باتیں اشعار میں جمع کیا کرتے ہیں اور ہر وادیٔ سخن میں حیران و پریشان پھرا کرتے ہیں تو کہاں شاعری اور کہاں قرآن کی آیات جن میں سراسر راستی۔ ہدایت۔ مکارم اخلاق اور توحید وغیرہ کے مضامین عالیہ ہیں۔

لفظ شعراء جمع ہے شاعر کی اور شاعر آپ جانتے ہیں کہ اشعار کہنے والے کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام شعراء ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور مکی دور کے درمیانی زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے سورۂ طٰہٰ کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اور سورۂ طٰہٰ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۲۶ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۶ لکھا ہے یعنی ۵۵ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سورۃ سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۳۴ سورتیں مکہ ہی میں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اور پھر ۲۴ سورتیں مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۲۲۷ آیات، ۱۱ رکوعات۔ ۱۳۴۷ کلمات اور ۵۶۸۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کے زمانۂ نزول میں مکی زندگی بہت سخت تھی۔ ہر وقت ہر طرف سے کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین پر ہجوم تھا۔ بے پناہ طعن وتشنیع تھی۔ منکرین اسلام انکار اور مخالفت پر جمے ہوئے تھے اسلام کی روح پرور باتیں اور قرآن کی نجات آفریں ہدایات کافروں کو عجیب معلوم ہوتی تھیں اور اپنے باپ دادا کے مسلک اور دین کو چھوڑ دینا ان پر بہت ہی شاق تھا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے بے تکے مطالبات اور خواہشیں کرتے تھے۔

مثلاً پہاڑوں کو مکہ کے چاروں طرف سے ہٹا دینا۔ ریگستان میں پانی کی نہریں جاری کر دینا۔ پہاڑ سونے کے بن جانا کسی فرشتہ کا ساتھ ساتھ رہنا۔ غرض اس قسم کی بیہودی درخواستیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ان گمراہوں کی ہدایت کے لئے نہایت بے چین رہتے تھے۔ ان لوگوں کو معقول دلائل کے ساتھ ان کے عقائد کی غلطی اور توحید و آخرت کی صداقت سمجھانے کی ہر طرح کوشش فرماتے مگر وہ عناد و ہٹ دھرمی کی نئی نئی صورتیں اختیار کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دردمندی بہت بڑھی ہوئی تھی اس لئے کفار کی سرکشی اور کج بحثی سے آپ طبعاً متاثر ہوتے تھے اور دل ہی دل میں ان کفار کے ایمان کے لئے آپ غم کھاتے تھے۔ ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس کی ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کفار کے ایمان نہ لانے سے اپنی جان کیوں گھلا رہے ہیں۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے اللہ کی کوئی نشانی نہیں دیکھی بلکہ عناد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اس تمہید کے بعد مسلسل یہ مضمون چلا گیا ہے کہ طالب حق کے لئے تو خدا کی زمین پر ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر وہ حق کو پہچان سکتا ہے لیکن ہٹ دھرم لوگ تو کسی چیز کو بھی دیکھ کر ایمان نہیں لا سکتے نہ زمین و آسمان کی نشانیاں دیکھ کر اور نہ انبیاء کے معجزات دیکھ کر۔ اسی مناسبت سے گذشتہ زمانہ کے سات پیغمبروں کا تذکرہ کر کے ان کی قوموں کی مختصر حالت بیان فرمائی گئی کہ جنہوں نے اسی ہٹ دھرمی سے کام لیا تھا جس سے اب کفار مکہ کام لے رہے تھے۔ انبیاء سابقین کی امتوں کے احوال سنا کر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی منظور تھی وہیں اور بھی چند ضروری باتیں ذہن نشین کرائی گئیں ہیں مثلاً بتلایا گیا کہ ہر زمانہ میں کفار کی ذہنیت ایک سی رہی ہے۔ ان کی حجتیں اور اعتراضات یکساں رہے ہیں۔ ان کے حیلے اور بہانے ایک ہی قسم کے رہے ہیں اور آخر کار ان کا انجام بھی ایک سا رہا۔ اس کے برعکس ہر زمانہ میں انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک سی رہی۔ ان کی سیرت اور اخلاق کا رنگ ایک تھا اور ان سب کے ساتھ اللہ کی رحمت کا معاملہ بھی ایک تھا۔ ایک بات جو بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ زبردست قادر و توانا بھی ہے اور غفور الرحیم بھی ہے۔ گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات میں اللہ عز و جل کے قہر و غضب کی مثالیں بھی موجود ہیں اور رحمت کی بھی۔ جس سے لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ وہ کن باتوں سے اپنے آپ کو رحمت الٰہی کا مستحق اور کن باتوں سے خدا کے قہر و غضب کو بلاتے ہیں۔ سورۃ کے اخیر میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبرئیل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔ پھر اس قرآن کی حقانیت پر ایک دلیل یہ بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس آخری کتاب کا ذکر انبیائے سابقین کے صحیفوں اور کتابوں میں موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی اور بتلایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ شیاطین کی پہنچ ملاء اعلیٰ تک کہاں۔ لہٰذا یہ قرآن نہ شعر ہے۔ نہ سحر ہے۔ نہ کہانت ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جو ہدایت خلق کے لئے نازل ہوا ہے اور شعر اور سحر و کہانت کو اصلاح خلق سے کیا تعلق؟ اخیر میں منکرین و مخالفین کو وعید سنائی گئی کہ وہ مخالف و منکر قرآن ہو کر جو ظلم کر رہے ہیں اس کا انجام عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی مصیبت کی جگہ ان کو لوٹ کر جانا پڑا۔ اسی وعید و تنبیہ پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ یہ ہے مختصراً اس پوری سورۃ کا خلاصہ۔ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

29

اب اس تلاوت کردہ ابتدائی آیت کی تشریح سنئے۔اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات میں سے طٰسٓمٓ سے ہوتی ہے۔حروف مقطعات کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور بتلایا جاچکا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارات و کنایات سے مفہوم اخذ کر کے مفسرین کرام اور علمائے عظام نے ان کے معنی اپنی سمجھ کے موافق بیان کئے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ ان کا حقیقی مطلب صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ طٰسٓمٓ کے بعد ارشاد فرمایا تلک ایٰتُ الکتاب المبین یہ آیات جو آپ پر نازل ہوئی ہیں کتاب واضح یعنی قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔ یہ آیت بطور تمہید کے ارشاد فرمائی گئی اور اس مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے جو آگے اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔ کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات مانگتے تھے اور نشانیاں طلب کرتے تھے تا کہ اس نشانی کو دیکھ کر انہیں اطمینان ہو کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ یہ قرآنی پیغام خدا کی طرف سے لائے ہیں اسی کے متعلق فرمایا گیا کہ اگر حقیقت میں کسی کو ایمان لانے کے لئے نشانی کی طلب ہے تو کتاب مبین کی یہ آیات موجود ہیں۔ یہ آیات اس کتاب کی آیات ہیں جس کا اعجاز کھلا ہوا ہے جس کے احکام واضح ہیں اور جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔ یہ کتاب اپنا مدعا صاف صاف کھول کر بیان کرتی ہے جسے پڑھ کر یا سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس چیز کی طرف بلاتی ہے اور کس چیز سے روکتی ہے۔ کسے حق کہتی ہے اور کسے باطل قرار دیتی ہے۔ ماننا یا نہ ماننا یہ الگ بات ہے مگر کوئی شخص یہ بہانہ اور عذر نہیں کرسکتا کہ اس کتاب کی تعلیم اس کی سمجھ ہی میں نہیں آئی اور وہ اس سے یہ معلوم ہی نہ کرسکا کہ وہ اس کو کیا چیز چھوڑنے اور کیا اختیار کرنے کو کہتی ہے اس کی زبان۔ اس کا بیان۔ اس کے مضامین اس کے پیش کردہ حقائق سب کے سب صاف صاف دلالت کررہے ہیں کہ یہ خداوند عالم ہی کی کتاب ہے اور اس کی ہر آیت نشانی اور معجزہ ہے۔ کوئی عقل و فہم سے کام لے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا یقین کرنے کے لئے کسی اور نشانی کی حاجت نہیں۔ کتاب مبین کی یہی آیات اسے مطمئن کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اب جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم و رنج ہوتا تھا اس پر آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جہاں ہمیں اس کتاب مبین پر ایمان رکھنے کی نعمت عطا فرمائی وہیں اپنی عنایت سے ہمیں اس کے مطالبات اور حقوق کے ادائیگی کی بھی توفیق نصیب فرمائیں۔ جو پیغام و احکام یہ کتاب لے کر آئی ہے ہم اس کے موافق اپنی زندگی گزارنے والے ہوں۔ اور اس کے احکام و قوانین پر خود بھی عمل کرنے والے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی دعوت اور ترغیب دینے والے ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

شاید آپ اُن کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان دے دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کردیں پھر اُن کی گردنیں

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ

اس نشانی سے پست ہوجائیں۔ اور اُن کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رُخی نہ کرتے ہوں

مُعْرِضِيْنَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ

سوانہوں نے (دین حق کو) جھوٹا بتلادیا سو اب عنقریب اُن کو اس بات کی حقیقت معلوم ہوجاوے گی، جس کے ساتھ استہزا کیا کرتے تھے۔ کیا اُنہوں نے زمین کو نہیں دیکھا

كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿٧﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾

کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بُوٹیاں اگائی ہیں۔ اس میں (توحید کی) ایک بڑی نشانی ہے، اور اُن میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٩﴾ ع

اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے۔

لَعَلَّكَ شاید تم	بَاخِعٌ ہلاک کرلو گے	نَّفْسَكَ اپنے تئیں	اَلَّا يَكُوْنُوْا کہ وہ نہیں	مُؤْمِنِيْنَ ایمان لاتے	اِنْ نَّشَاْ اگر ہم چاہیں	
نُنَزِّلْ ہم اتاریں دیں	عَلَيْهِمْ ان پر	مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے	اٰيَةً کوئی نشانی	فَظَلَّتْ تو ہوجائیں	اَعْنَاقُهُمْ ان کی گردنیں	
لَهَا اس کے آگے	خٰضِعِيْنَ پست	وَ اور	مَا يَاْتِيْهِمْ نہیں آتی انکے پاس	مِّنْ ذِكْرٍ کوئی نصیحت	مِّنَ طرف سے	الرَّحْمٰنِ رحمٰن
مُحْدَثٍ نئی	اِلَّا مگر	كَانُوْا ہوجاتے ہیں وہ	عَنْهُ اس سے	مُعْرِضِيْنَ روگردان	فَقَدْ كَذَّبُوْا پس بیشک انہوں نے جھٹلایا	
فَسَيَاْتِيْهِمْ تو جلد آئیں گی انکے پاس	اَنْۢبٰٓؤُا خبریں	مَا كَانُوْا جو وہ تھے	بِهٖ اس کا	يَسْتَهْزِءُوْنَ مذاق اڑاتے	اَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا؟	
اِلَى الْاَرْضِ زمین کی طرف	كَمْ کس قدر	اَنْۢبَتْنَا اگائیں ہم نے	فِيْهَا اس میں	مِنْ كُلِّ ہر قسم	زَوْجٍ جوڑا جوڑا	كَرِيْمٍ عمدہ
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں ہیں	اَكْثَرُهُمْ ان میں اکثر	مُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیت کے تشریح کے سلسلہ میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی مکی زندگی کا بھی عجیب دور تھا۔ سخت ترین آزمائش کا زمانہ تھا۔ قوم کی قوم دشمن ۔ بے پناہ طعن و تشنیع۔ طرح طرح کی اذیتوں اور مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر طرح طرح سے لغو شبہات اور بیہودہ اعتراضات کیا کرتے۔ ہر شخص اپنی خواہش کے موافق عجیب وغریب معجزات اور نشانیوں کا طالب ہوتا کوئی کہتا کہ اس ریگستانی اور خشک جگہ میں نہریں جاری کردو کوئی کہتا کہ یہ پہاڑ سونے کا بنادو تو مانوں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی بیہودہ درخواستیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشفق قوم تھے۔ آپ کے قلب مبارک میں ان کے لئے دردمندی پوری طرح بھری ہوئی تھی۔ کفار کی سرکشی اور کج بحثی اوران کے ایمان نہ لانے سے آپ

کو نہایت فکروغم اور رنج ہوتا تھا اس لئے آگے ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو اپنا جی ہلکان نہ کرنا چاہئے۔ نصیب دشمناں ایسا نہ ہو کہ آپ کی جان پر آ بنے۔

آیت میں باخع نفسک کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ باخع کے معنی ہیں غم میں گھونٹ ڈالنے والا۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہٗ ابی وامی کی اس حالت کا ذکر اور بھی کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ کہف پندرہویں پارہ پہلے رکوع میں فرمایا فلعلک باخعٌ نفسک علیٰ اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔ سورۂ فاطر ۲۲ ویں پارہ میں ارشاد ہوا فلا تذھب نفسک علیھم حسرٰت تو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی گمراہی وضلالت۔ انکی ہٹ دھرمی۔ ضد وعناد اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کے مقابلہ میں ان کی مزاحمت اور کفر پر اصرار دیکھ کر برسوں اپنے شب وروز کس دل گداز۔ اور غم خواری کی کیفیت میں گزارے ہیں اور صرف ایمان والوں ہی کے لئے نہیں بلکہ شدید منکروں اور کٹر کافروں کے لئے بھی کتنا غم اور یاس آپ نے اٹھایا اللھم رب صل وسلم علی رسول اللہ فداہ ابی واُمی

آگے آپ کو مزید سمجھایا جاتا ہے کہ اس قدر غم اور تاسف کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو تمام کفار کو ایمان و اطاعت کی روش اختیار کرنے کے لئے مجبور کردے۔ اگر حق تعالیٰ ایمان پر مجبور کرنا چاہتے تو کوئی بڑی نشانی نازل کردیتے جس کے آگے گردن جھکائے بغیر ان کفار کو چارہ نہ ہوتا اور مجبور اور مضطر بن کر ایمان لے آتے مگر اس طرح کا جبری ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب نہیں ہے۔ یہ دنیا تو ابتلا اور آزمائش کا گھر ہے۔ ہر شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جس کا جی چاہے عقل وفہم سے کام لے کر دلائل نبوت وبراہین فطرت دیکھ کر باختیار خود ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ یہاں تو بندوں کی تسلیم وسرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اس لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کرلیا جائے اور انکار وانحراف کی قدرت باقی نہ رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی دی ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر وشر کے دونوں رجحانات رکھ دیئے ہیں۔ فسق وفجور اور نیکی وتقویٰ کی دونوں راہیں اس کے آگے کھول دی ہیں اور انسان کو انتخاب راہ کے لئے مناسب حال صلاحیتیں دے کر اس دنیا کے دار امتحان میں بھیجا ہے کہ کون کفر وفسق کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کون ایمان و اطاعت کا۔ اگر جبری ایمان اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہوتا تو نشانیاں نازل کر کے ایمان واطاعت پر مجبور کرنے ہی کی کیا حاجت تھی اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی فطرت اور ساخت پر پیدا فرما سکتا تھا جس میں کفر وانکار اور نافرمانی اور بدکاری کا کوئی امکان ہی نہ ہوتا بلکہ فرشتوں کی طرح انسان بھی پیدائشی فرمانبردار ہوتا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے متعدد مواقع پر ظاہر فرمایا ہے مگر اس صورت میں یہ دنیا امتحان۔ آزمائش اور ابتلا کی جگہ نہ رہتی۔ تو خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے نازل فرمائیں اور تلقین فرمائی کہ بدبخت منکرین کے غم میں اپنے آپ کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں۔ دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ آپ کی تو شفقت کی یہ حالت ہے کہ آپ ان کے غم میں گھلے جاتے ہیں اور ان کی گمراہی اور عناد کی یہ کیفیت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور شفقت سے ان کی بھلائی کے لئے کوئی پند ونصیحت بھیجتا ہے تو یہ وحشت کھا کر اور متنفر ہو کر منہ پھیر کر بھاگتے ہیں جیسے کہ کوئی بری چیز سامنے آ گئی۔ اور صرف یہی نہیں کہ معمولی اعراض ہو بلکہ تکذیب اور استہزا بھی ہے۔ لہٰذا عنقریب ہی یعنی یا تو دنیا ہی میں یا مرنے کے بعد ہی انہیں پتہ چل جائے گا اور ان باتوں کی حقیقت کھل جائے گی جس کا

مذاق اڑاتے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دراصل ان منکرین کو جستجوئے حق ہی نہیں ورنہ توحید کی صداقت۔ اور صناع مطلق کے کمالات ویکتائی کی معرفت جواللہ کے رسول وپیغمبر پیش کرتے ہیں وہ اسی ایک زمین جوان منکرین کے پاؤں کے نیچے اور آنکھوں کے ہروقت سامنے ہے اسی کی پیداوار اور اسی کے احوال میں غور کرنے سے حاصل ہوسکتی تھی۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے کیسے عجیب وغریب رنگ برنگ کے پھول و پھل۔ قسم قسم کے غلے اور میوے طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور بے شمار انواع واقسام کی چیزیں کس کثرت سے ایک نظام قدرت کے تحت اگ رہی ہیں۔ پھران کے خواص اور صفات میں مخلوقات کی بے شمار اوران گنت ضرورتیں اور فائدہ رکھے گئے ہیں کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت وحکمت رکھنے والے صانع نے یہ سب پیدا کی ہیں کیا یہ سب کچھ کسی حکیم کی حکمت۔ کسی علیم کے علم۔ کسی قادر کی قدرت اور کسی خالق کے تخلیق کے بغیر یونہی بس آپ سے آپ ہورہا ہے؟ ایک ذی عقل انسان اگر وہ کسی ہٹ دھرمی۔ اور تعصب میں مبتلا نہیں ہے تو وہ اس منظر کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے گا کہ یہ آفتاب وماہتاب۔ ہوا اور پانی کے درمیان ہم آہنگی اوران کے وسائل سے زمین سے پیدا ہونے والی نباتات یقیناً یہ ایک قادر مطلق حکیم اور خالق کے ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ زمین سے طرح طرح کی نباتات اور جڑی بوٹیوں کا پیدا ہونا بھی ایک بڑی عقلی نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت کی اور اسی ایک عظیم الشان نشانی سے اللہ کی توحید پر ایمان لانا واجب ہوجاتا ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس قادر مطلق کے کلام اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس قادر مطلق کی قدرت تو ایسی زبردست ہے کہ نہ ماننے پر کسی کو سزا دینا چاہے تو پل بھر میں مٹا کر رکھ دے مگر اس کے باوجود یہ سراسر اس کا کرم ورحم ہے کہ سزا دینے میں تاخیر کرتا ہے اور برسوں اور صدیوں کی ڈھیل دیتا ہے اور سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیئے جاتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔ یہاں آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے متعلق عزیز الرحیم فرمایا۔ تو صفت عزیز کا تقاضا یہ ہے کہ سب اس کے بس میں ہیں۔ وہ سب پر غالب ہے۔ ان مجرموں کو معاً ہلاک کرڈالتا لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے نافرمانوں کے عذاب اور پکڑ میں جلدی نہیں کرتا اور تاخیر اور ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں۔ تو اس صفت رحیمی کی قدر کرنی چاہئے تھی نہ کہ الٹا منکرین کفر پر اصرار کرتے ہیں۔

اب آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ مجرمین کو خدا نے کہاں تک ڈھیل دی۔ جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ وبرباد ہوئے۔ اس میں پہلا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے کفر وشرک سے بچا کر ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اور اشرف الانبیاء والمرسلین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ یااللہ! ہمیں اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار و تابعدار امتی بنا کر زندہ رکھئے۔ کفار ومشرکین نے تو اپنے اقوال واعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیاۃ مبارکہ میں رنج والم پہنچایا۔ یااللہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوکر آپ کو قبر مبارک میں بے چین کرنے والے نہ ہوں۔ یااللہ! اس دنیا کی امتحان گاہ میں جب ہم امتحان وآزمائش کے لئے آگئے ہیں تو اپنے فضل وکرم سے ہم کو اس امتحان گاہ سے کامیابی اور کامرانی کے ساتھ گزرنا نصیب فرما۔ اور زندگی کا لمحہ لمحہ اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی سعادت عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿١١﴾ قَالَ

اور جب آپ کے رب نے موسیٰؑ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں کے یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ۔ کیا یہ لوگ (ہمارے غضب سے) نہیں ڈرتے۔ انہوں نے عرض کیا

رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿١٢﴾ وَ يَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى

کہ اے میرے پروردگار مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں۔ اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی اس لئے ہارونؑ کے پاس بھی

هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾

وحی بھیج دیجئے۔ اور میرے ذمہ اُن لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ ارشاد ہوا کیا مجال ہے سو تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں سنتے ہیں۔

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾ ؕ

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں۔ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

وَ اِذْ اور جب	نَادٰى پکارا فرمایا	رَبُّكَ تمہارا رب	مُوْسٰى موسیٰؑ	اَنِ ائْتِ کہ تو جا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگ	قَوْمَ فِرْعَوْنَ قوم فرعون
اَلَا يَتَّقُوْنَ کیا وہ مجھ سے نہیں ڈرتے	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّىْ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	يُّكَذِّبُوْنِ وہ مجھے جھٹلائیں گے	
وَ يَضِيْقُ اور تنگ ہوتا ہے	صَدْرِىْ میرا سینہ (دل)	وَلَا يَنْطَلِقُ اور نہیں چلتی	لِسَانِىْ میری زبان	فَاَرْسِلْ پس پیغام بھیج	اِلٰى طرف	
هٰرُوْنَ ہارون	وَلَهُمْ اور اُن کا	عَلَىَّ مجھ پر	ذَنْبٌ ایک الزام	فَاَخَافُ پس میں ڈرتا ہوں	اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ وہ مجھے قتل (نہ) کردیں	قَالَ فرمایا
كَلَّا ہرگز نہیں	فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَا پس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ	اِنَّا بیشک ہم	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	مُّسْتَمِعُوْنَ سننے والے		
فَاْتِيَا پس تم دونوں جاؤ	فِرْعَوْنَ فرعون	فَقُوْلَا تو اسے کہو	اِنَّا رَسُوْلُ بیشک ہم رسول	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا رب		
اَنْ کہ	اَرْسِلْ تو بھیج دے	مَعَنَا ہمارے ساتھ	بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل			

تفسیر وتشریح:۔ اب یہاں سے سات انبیاء علیہم السلام اوران کی اقوام کے تذکرہ کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے دنیائے انسانی کی ہدایت کے لئے جو مختلف معجزانہ اسلوب بیان اختیار فرمائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ گذشتہ اقوام اوران کے ہادیوں کے قصص اور واقعات کے ذریعہ ان کے نیک و بداعمال اوران اعمال کے ثمرات ونتائج کو یاد دلا کر عبرت وبصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تا کہ سامعین کے دل میں وہ گھر کر سکیں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب ایک بات کو مناسب حال سے بار بار دہرایا جائے۔ قرآن مجید کے قصص اور واقعات کا سلسلہ بیشتر گذشتہ اقوام اوران کی جانب بھیجے ہوئے پیغمبروں سے وابستہ ہے جن میں بتلایا گیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے پیغمبر اور رسول بھیجتا ہے۔ وہ ان کو حق کی راہ بتاتے اور ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جن اقوام نے اپنے رسولوں کی ہدایات کو تسلیم کیا انہوں نے دنیا اور آخرت کی فلاح پائی اور جن امتوں نے ان کی تلقین کا انکار کیا۔ ان کا مذاق اڑایا ان کو جھٹلایا اور بغض وعناد اور انکار پر اڑے رہے تو پھر عذاب الٰہی نے آکر ان کو تباہ و ہلاک کر دیا اور

ان کے واقعات کو آنے والی اقوام کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔
پھر قرآن عزیز کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں کے مضامین کے مناسب بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا۔ کہیں واقعہ کی تفصیل ہے کہیں اجمال۔ کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔
یہاں اس سورۃ میں ابتدائی آیات کی مناسبت سے سات انبیاء کرام یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے تذکرہ فرمائے گئے ہیں۔ اور ہر نبی اور ان کی قوم کے تذکرہ کو انہی آیات پر ختم کیا گیا ہے جو اوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی اور کفار مکہ کی تنبیہ و وعید کے سلسلہ میں ارشاد فرمائی گئیں۔ یعنی **ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم** یعنی بے شک اس میں بھی بڑی عبرت و نشانی ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا رب زبردست غالب بھی ہے اور ساتھ ہی مہربان بھی ہے کہ کفار کو عذاب دینے پر قادر بھی ہے مگر رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے۔ یہ گذشتہ آیات کی تشریح کے سلسلہ میں کہا جا چکا ہے کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول وہ وقت تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین پر کافروں کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور اپنے اور بیگانے سب دشمن اور خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے۔ آپ کے جانثار ساتھیوں پر تمام شدائد و آلام اور مصائب و سختیاں جو ہو سکتی تھیں توڑی جا رہی تھیں۔ ایسے حالات میں ان گذشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کے تذکرہ فرما کر ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو صبر و پامردی اور استقامت کی اس طرح تلقین کی گئی کہ اہل حق کو ہمیشہ باطل اور طاغوتی گروہ کے مقابلہ میں جانی و مالی قربانیاں پیش کرنی پڑی ہیں اور ہمیشہ سے کفار اہل ایمان کے مخالف اور جانی دشمن رہے ہیں مگر بالآخر طاغوتی قوتوں کو شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرنے والوں کو کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت نصیب ہوئی ہے۔ دوسری طرف کفار مکہ کو گذشتہ قوموں کا انجام بتلا کر یہ جتلانا مقصود ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کی مخالفت اور تکذیب پر جمے رہے تو تمہیں بھی اسی انجام اور ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا جو ان تمام نافرمان اور تکذیب رسول کرنے والی قوموں کو نصیب ہوئی۔ سب سے پہلے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جو پیشتر سورۃ اعراف اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔
ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم مصر میں قوم فرعون کے پاس ہمارے پیغمبر اور رسول بن کر جاؤ اور قوم فرعون جو ظلم و زیادتی میں بہت بڑھی ہوئی ہے اسے عذاب خداوندی سے ڈراؤ اور ان کو سچے دین کی تلقین کرو اور قوم بنی اسرائیل جو ان کی غلامی میں پھنسی ہوئی ہے اس کو ان کی غلامی سے نجات دلاؤ۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے روانہ ہو کر سفر میں تھے۔ جب آپ کو مصر جانے اور فرعون جیسے سرکش اور مغرور بادشاہ اور اس کی قوم کو ہدایت کرنے اور پیغام خداوندی پہنچانے کا حکم ملا تو کام کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے رب میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں لیکن اس خدمت کی تکمیل کے لئے اپنا ایک مددگار اور ساتھی چاہتا ہوں چونکہ میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی اس لئے درخواست ہے کہ میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت عطا فرما دی جائے جو مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہیں

اس لئے ان کو بھی میرا شریک کار بنا دیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی۔ یہاں آیت میں ولا ینطلق لسانی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یعنی میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی اس کے متعلق بعض مفسرین نے ایک حکایت نقل کی ہے۔ مشہور ہے کہ فرعون کی بی بی نے حضرت موسیٰ کو ابتدائی شیر خوارگی کی حالت میں دریائے نیل سے نکلوا کر اپنا بیٹا بنایا تھا۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی۔ زمانۂ طفولیت میں ایک روز حضرت موسیٰ فرعون کی آغوش میں بیٹھے ہوئے تھے اور فرعون کی داڑھی جواہرات اور موتیوں سے مرصع تھی۔ بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی پر ہاتھ چلایا اور چمکتے ہوئے موتیوں کے ساتھ فرعون کی داڑھی کے چند بال بھی اکھڑ آئے۔ یہاں درمیان میں واقعہ سے علیحدہ ضمناً یہ بات بتلا دینا قابل ذکر ہے کہ پہلے زمانہ کے کفار کو بھی داڑھی پسند تھی۔ جب کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو بھی الا ماشاء اللہ اس سے بیر و عداوت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الغرض فرعون کو اس پر سخت غصہ آیا اور غضبناک ہو کر بچہ کے قتل کا حکم دے دیا۔ فرعون کی بی بی نے شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ یہ نادان بچہ ہے اس کو آپ کی عظمت کا کیا احساس ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے آگ کا انگارا اور یاقوت دونوں برابر ہیں۔ فرعون نے کہا کہ میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں اگر اس نے انگارے کو دیکھ کر ہاتھ کھینچا تو ضرور قتل کرا دوں گا۔ خدائے تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام سے کام لینا تھا اس لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا وعدہ کر لیا تھا جب فرعون نے ایک تشت میں یاقوت سرخ اور انگارے بھروا کر حضرت موسیٰ کے سامنے رکھے گئے تو آپ نے جلدی سے ایک انگارے کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان میں رکاوٹ ہونے لگی۔ فرعون کو بچہ کی نادانی اور ناسمجھی کا یقین آ گیا اور معاملہ آیا گیا ہو گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کی زبان میں قدرتی لکنت تھی۔ بہرحال اچھی طرح زبان نہ چلنے کے عذر سے آپ نے حضرت ہارون اپنے بھائی کو بھی نبوت عطا ہونے کی درخواست کی جو قبول بارگاہ الٰہی ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں ایک درخواست اور پیش کی اور عرض کیا کہ جب میں اس سے قبل مصر میں تھا تو میرے ہاتھ سے نادانستہ طور پر ایک فرعونی قتل ہو گیا تھا تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ مصر میں جاتے ہی وہ تبلیغ رسالت سے قبل ہی مجھ کو اس قتل کے جرم میں کہیں قتل نہ کر ڈالیں اور اس طرح میں تبلیغ دین نہ کر سکوں گا تو اس کی بھی کچھ تدبیر فرما دیجئے۔ حق تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ان کی کیا مجال ہے جو ایسا کر سکیں۔ ہماری نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہے۔ تم دونوں بھائی ہمارے احکام لے کر اور ہمارے دیئے ہوئے معجزات اور نشانات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں اور دعوت دین کے ساتھ یہ بھی حکم لائے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو اپنے بیگار اور ظلم سے رہائی دے کر ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف ہمارے ساتھ جانے دے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں فرعون کے دربار میں پہنچے اور فرعون کو پیغام الٰہی پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان گیا کیونکہ بچپن اور جوانی کا کچھ حصہ اسی کے پاس گزرا تھا۔ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان کر کیا جواب دیا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے: قرآن کریم نے جو نافرمان قوتوں کے قصہ سنائے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ

فرعون کہنے لگا کہ کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے۔ اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی

الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ

اور تم بڑے ناسپاس ہو۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ اُس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ پھر جب مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا

مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا۔ اور وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے

تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا تھا۔ فرعون نے کہا کہ ربّ العالمین کی ماہیت (اور حقیقت) کیا ہے۔

قَالَ فرعون نے کہا	اَلَمْ نُرَبِّكَ کیا ہم نے تجھے نہیں پالا	فِيْنَا اپنے درمیان	وَلِيْدًا بچپن میں	وَلَبِثْتَ اور تو رہا	فِيْنَا ہمارے درمیان	
مِنْ عُمُرِكَ اپنی عمر	سِنِيْنَ کئی برس	وَفَعَلْتَ اور تو نے کیا	فَعْلَتَكَ اپنا وہ کام	الَّتِيْ فَعَلْتَ جو تو نے کیا	وَاَنْتَ اور تو	مِنَ سے
الْكٰفِرِيْنَ ناشکرے	قَالَ موسیٰ نے کہا	فَعَلْتُهَآ میں نے وہ کیا تھا	اِذًا جب	وَاَنَا اور میں	مِنَ سے	الضَّآلِّيْنَ راہ سے بے خبر
فَفَرَرْتُ تو میں بھاگ گیا	مِنْكُمْ تم سے	لَمَّا خِفْتُكُمْ جب میں ڈرا تم سے	فَوَهَبَ لِيْ پس عطا کیا مجھے	رَبِّيْ میرا رب	حُكْمًا حکم	
وَ اور	جَعَلَنِيْ اور مجھے بنایا	مِنَ سے	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	وَتِلْكَ اور یہ	نِعْمَةٌ کوئی نعمت	تَمُنُّهَا عَلَيَّ تو اس کا احسان رکھتا ہے مجھ پر
اَنْ عَبَّدْتَّ کہ تو نے غلام بنایا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے کہا	وَمَا اور کیا ہے	رَبُّ رب	الْعٰلَمِيْنَ سارے جہان	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام فرعون بادشاہ مصر کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں اور توحید کی دعوت کے ساتھ یہ حکم بھی لائے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی۔ بیگار اور ظلم سے رہائی دے کر ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف ہمارے ساتھ جانے دے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا کیونکہ بچپن اور کچھ جوانی کا حصہ اسی کے پاس گزرا تھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر فرعون نے جو آپ کو جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ فرعون کہنے لگا کہ کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز و نعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے جوان کیا اب تمہارا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتے اور اپنی بزرگی منواتے ہو۔ اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہیں کئے اور یہاں سے نکل کر رسول بن گئے۔ اور جو کرتوت تم کر کے بھاگے تھے اسے ہم بھولے نہیں یعنی تم نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا تھا تو تم بڑے احسان فراموش اور ناسپاس ہو کہ میرا ہی کھایا۔ میرا ہی آدمی قتل کیا اور پھر مجھ ہی کو اپنا تابع بنانے آئے ہو۔ چاہئے تو یہ کہ تم مجھ سے ہر طرح دبو اور الٹا تم مجھے دبانے آئے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ان باتوں کے جواب میں فرمایا کہ قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا غلطی سے ایسا

ہوگیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے سے جو تادیب کے لئے تھا اس کا دم نکل جائے گا۔ میں نے عمداً اسے قتل نہیں کیا تھا اس کی خطا پر اس کو تنبیہاً ایک مکا رسید کیا تھا جس سے وہ اتفاقاً مر گیا۔ اور بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے مفرور ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو۔ پھر اس طرح بے خوف وخطر تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے خلاصہ یہ کہ میں اب پیغمبری کی حیثیت سے آیا ہوں جس میں دبنے کی کوئی وجہ نہیں اور پیغمبر اس واقعہ قتل خطاءً کے منافی نہیں تو یہ جواب ہے اعتراض قتل کا اور رہا احسان جتلانا بچپن میں میری پرورش کا تو یہ تجھے زیب نہیں دیتا۔ کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواز ہوسکتا ہے کہ تو نے اس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اور پھر میری تربیت بھی خود تیرے ہی مظالم کے سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئی۔ نہ تو بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کراتا نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ صندوق میں رکھ کر مجھے دریائے نیل میں چھوڑتیں۔ نہ تیرے محلسرا تک میری رسائی ہوتی۔ میں تیری پرورش میں رہا تو اس پرورش کی اصل وجہ تو تیرا ظلم ہی ہے ورنہ تیرے پاس پہنچتا ہی کیوں اور میری پرورش میرے والدین ہی کیوں نہ کرتے۔ ایسی پرورش کا مجھ کو کیا احسان جتلایا جاتا ہے بلکہ اس سے تو اپنی ناشائستہ حرکات کو خیال کر کے شرمانا چاہئے۔ اور صاف بات یہ ہے کہ جس رب العالمین نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیرخواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فرعون اس بات میں لاجواب ہوا تو سخن کا پہلو بدل کر اس نے کہا کہ رب العالمین کے کیا معنی؟ اس کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟ میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ اس شقی ازلی نے اس وجہ سے کہا کہ فرعون کا دعویٰ اپنی قوم کے روبرو یہ تھا کہ میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا اور تمہارا رب اعلیٰ یعنی بڑا پروردگار میں ہوں چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جو جواب اس کے اس سوال کا دیا وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس کے فضل وکرم سے ہم کو خاتم الانبیاء واشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اور اس طرح تمام انبیاء والمرسلین پر ہم کو ایمان رکھنے والا بنایا۔

اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کی نعمت وہدایت پر ہم کو استقامت بخشیں۔ اور اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وتابعداری پر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا

موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو۔ فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم لوگ سنتے ہو۔

تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ

موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بڑوں کا۔ فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے

اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ

مجنون ہے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کا بھی اگر تم کو عقل ہو۔ فرعون کہنے لگا

لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ج

کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دُوں گا۔ موسیٰ نے فرمایا کیا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کردوں تب بھی۔

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ ج

فرعون نے کہا کہ اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ سو موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہً ایک نمایاں اژدہا بن گیا۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ع

اور اپنا ہاتھ (گریبان میں دیکر) باہر نکالا تو وہ دفعتاً سب دیکھنے والوں کے رُوبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔

قَالَ اس نے کہا	رَبُّ السَّمٰوٰتِ رب ہے آسمانوں کا	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان کے درمیان	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	
مُّوْقِنِيْنَ یقین کرنے والے	قَالَ اس نے کہا	لِمَنْ انہیں جو	حَوْلَهٗٓ اس کے اردگرد	اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ کیا تم سنتے نہیں	قَالَ (موسیٰ) نے کہا	
رَبُّكُمْ تمہارا رب	وَرَبُّ اور رب	اٰبَاۗىِٕكُمُ تمہارے باپ دادا	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	قَالَ فرعون بولا	اِنَّ بیشک	رَسُوْلَكُمُ تمہارا رسول
الَّذِيْٓ وہ جو	اُرْسِلَ بھیجا گیا	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	لَمَجْنُوْنٌ البتہ دیوانہ	قَالَ (موسیٰ) نے کہا	رَبُّ رب	الْمَشْرِقِ مشرق
وَالْمَغْرِبِ اور مغرب	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ تم سمجھتے ہو	قَالَ وہ بولا	لَىِٕنِ البتہ اگر
اتَّخَذْتَ تو نے بنایا	اِلٰهًا کوئی معبود	غَيْرِيْ میرے سوا	لَاَجْعَلَنَّكَ تو میں ضرور کردوں گا تجھے	مِنَ سے	الْمَسْجُوْنِيْنَ قیدی	قَالَ موسیٰ نے کہا
اَوَلَوْ جِئْتُكَ خواہ میں لاؤں تیرے پاس	بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ایک شے (معجزہ) واضح	قَالَ وہ بولا	فَاْتِ بِهٖٓ تو لے آ اسے	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	
الصّٰدِقِيْنَ سچے	فَاَلْقٰى پس موسیٰ نے ڈالا	عَصَاهُ اپنا عصا	فَاِذَا هِىَ تو اچانک وہ	ثُعْبَانٌ اژدہا	مُّبِيْنٌ کھلا (نمایاں)	
وَنَزَعَ اور اس نے کھینچا (نکالا)	يَدَهٗ اپنا ہاتھ	فَاِذَا هِىَ تو ناگاہ وہ	بَيْضَاۗءُ چمکتا ہوا	لِلنّٰظِرِيْنَ دیکھنے والوں کیلئے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز فرما کر حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں

فرعون کے پاس پہنچتے ہی اس کا اظہار فرمایا۔ پہلے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ذاتی احسانات جتا کر مرعوب کرنا چاہا اور آپ کو بچپن میں پالنے اور ایک قبطی کو جان سے مار کر مصر سے چلے جانے کو یاد دلایا جس کے نہایت معقول اور صاف اور صحیح جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دے دیئے جو گذشتہ آیات میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان جوابات کو سن کر فرعون زچ ہوا تو اس نے گفتگو کا پہلو بدلا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جو جاتے ہی فرمایا کہ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر بن کر تیرے پاس آیا ہوں تو اس نے یہ سوال کیا تھا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ فرعون بزعم خود رب اعلیٰ بنا ہوا تھا اور دہری خیال کا آدمی تھا۔ اس کی قوم اس کی پرستش کرتی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سوال سے اس کا مقصد یہ تھا کہ میرے سوا کوئی رب ہے ہی نہیں۔ تم جو کہہ رہے ہو وہ محض غلط ہے۔ چونکہ حقیقت الٰہیہ کا بیان تو درکنار تصور بھی ناممکن ہے۔ اس لئے معرفت الٰہیہ کا بیان جب ہوگا ہمیشہ صفات باری تعالیٰ سے ہوگا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے بھی وما رب العٰلمین کے جواب میں صفات باری تعالیٰ ہی سے جواب دیا۔ آپ نے اس سوال کا جو جواب دیا وہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو آسمانوں زمین اور ان کے درمیان جو مخلوقات ہیں سب کا پروردگار ہے یعنی آپ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ وہ سب کا خالق ہے۔ سب کا مالک ہے۔ سب پر قادر ہے۔ اور سب کا رازق ہے اس لئے سب کا معبود ہے۔ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں آسمان اور اس کی مخلوق۔ زمین اور اس کی کائنات سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہی سب کا رب ہے اور اس کے سمجھنے اور جاننے کے لئے کوئی خاص لمبے چوڑے دلائل و براہین کی بھی ضرورت نہیں۔ فطرت انسانی اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے اس لئے اگر تمہارے اندر یقین کا جذبہ ہے اور تمہارے دل یقین کی دولت سے خالی نہیں ہوئے تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر فرعون نے بات کو مذاق میں ڈالنے کے لئے حاضرین مجلس اور اپنے درباریوں کی طرف رخ کرتے ہوئے اور لوگوں کو اپنے سکھائے اور بتائے ہوئے عقیدہ پر جمانے کے لئے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے لگا۔ سنتے ہو۔ موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کرتے ہیں کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اس نے میری بات کو ہنسی میں اڑا دیا تو مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں وہ وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا یعنی وہ تم سب کا اور تمہارے اگلوں کا مالک و پروردگار ہے اور جب تمہارا بیج بھی نہ تھا اس وقت زمین وآسمان اور تمام کائنات کی ربوبیت وہ فرما رہا تھا یعنی اگر آج تم فرعون کو خدا مانتے ہو تو ذرا اسے تو سوچو کہ فرعون سے پہلے جہان والوں کا خدا کون تھا؟ اس کے وجود سے پہلے آسمان اور زمین کا وجود تھا تو ان کا موجد کون تھا؟ بس وہی رب العالمین ہے اور اسی کا بھیجا ہوا میں ہوں فرعون سے ان دلائل کا تو جواب نہ بن سکا اور اپنے لوگوں سے، کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو بزعم خود تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے۔ (معاذ اللہ) مجنون اور دیوانہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے اور ہماری شوکت وحشمت کو دیکھ کر ذرا بھی نہیں جھجکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا کہ یہ بالکل کور بصیرت اور احمق ہے تو مزید اس کے سامنے ایک بات پیش کی جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے آخر

میں کہی تھی۔ آپ نے کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا مالک ہے جو تمام کائنات کو ایک محکم اور مضبوط نظام کے ماتحت قائم رکھنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتاؤ کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا سوائے خدا کے کون ہوسکتا ہے؟ کیا کسی کو قدرت ہے کہ وہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک لمحہ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون جھلا اٹھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرانے اور دھمکانے پر اتر آیا اور اس نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں مصر میں کوئی اور خدا نہیں اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو جیل خانہ تیار ہے۔ اس میں ڈال کر تمہاری جان لے لوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر فرمایا کہ فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا زبانی جواب تھا۔ اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔ فرعون اس کے سوا کیا کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر سچے ہو تو پیش کرو۔ آپ نے یہ سنتے ہی اپنی لاٹھی جو آپ کے ہاتھ میں تھی اسے زمین پر ڈال دی۔ بس اس کا زمین پر پڑنا تھا کہ وہ ایک اژدہے کی شکل بن گئی اور اژدہا بھی بہت ہیبت ناک ڈراؤنی اور خوفناک شکل والا یہ سماں دیکھتے ہی بھگدڑ پڑ گئی درباری الگ بھاگے۔ فرعون بھی اپنے تخت شاہی کے نیچے گھس گیا۔ سارا رعب شاہی اور جلال دربار سب یکدم کافور ہوگیا اور مجبور ہوکر موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اس بلا کو دور کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہے پر ہاتھ ڈالا تو فوراً اپنی اصلی حالت میں لاٹھی بن گیا۔ دوسری نشانی آپ نے یہ دکھلائی کہ اپنا ہاتھ گریبان میں دے کر باہر نکالا تو وہ نہایت چمکدار بن کر نکلا اور اس کو بھی سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات دیکھ کر فرعون بہت سٹ پٹایا اور پھر اس نے اپنے درباریوں سے جو اس وقت اس کے پاس جمع تھے کیا کہا سنا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر اہل اسلام اور اہل ایمان بنایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا تابعدار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرماویں۔

یا اللہ! ہمیں بھی حق کی تائید اور باطل سے مقابل ہونے کی قوت اور جرأت عطا فرما اور حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرما۔ آج بھی دشمنان دین نے جو سر اٹھا رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کی قوتوں کو پاش پاش فرمائیں اور دین حق کو غلبہ اور سر بلندی عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

فرعون نے اہل دربار سے جو اُس کے پاس بیٹھے تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور سے)

بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَاۤئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ

تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کردے، سو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔ درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب

بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ

ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لاکر حاضر کردیں۔غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کیے گئے۔اور لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم لوگ

مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَاۤءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا

جمع ہوگے۔تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم اُن ہی کی راہ پر رہیں۔پھر جب وہ جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے

لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ

تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا۔فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم اس صورت میں مقرب لوگوں میں داخل ہوجاؤ گے۔

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

موسیٰ نے اُن سے فرمایا کو تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو۔سو اُنہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا

اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم بے شک ہم ہی غالب آویں گے۔پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا سو ڈالتے کے ساتھ ہی (اژدہا بن کر) اُن کے تمام تر بنائے

يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

دھندے کو نگلنا شروع کردیا۔سو جادوگر سب سجدہ میں گر پڑے۔کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔

قَالَ فرعون نے کہا	لِلْمَلَاِ سرداروں سے	حَوْلَهٗ اپنے گرد	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ	لَسٰحِرٌ جادوگر	عَلِيْمٌ دانا ماہر	يُرِيْدُ وہ چاہتا ہے		
اَنْ کہ	يُخْرِجَكُمْ تمہیں نکال دے	مِنْ سے	اَرْضِكُمْ تمہاری سرزمین	بِسِحْرِهٖ اپنے جادو سے	فَمَاذَا تو کیا	تَاْمُرُوْنَ تم حکم (مشورہ) دیتے ہو		
قَالُوْا وہ بولے	اَرْجِهْ مہلت دے اسے	وَاَخَاهُ اور اس کے بھائی کو	وَابْعَثْ اور بھیج	فِى میں	الْمَدَاۤئِنِ شہروں	حٰشِرِيْنَ اکٹھا کرنے والے (نقیب)		
يَاْتُوْكَ لے آئیں تیرے پاس	بِكُلِّ سَحَّارٍ تمام بڑے جادوگر	عَلِيْمٍ ماہر	فَجُمِعَ پس جمع کیے گئے	السَّحَرَةُ جادوگر	لِمِيْقَاتِ مقررہ وقت پر			
يَوْمٍ ایک دن	مَّعْلُوْمٍ جانے پہچانے (معین)	وَّقِيْلَ اور کہا گیا	لِلنَّاسِ لوگوں سے	هَلْ کیا	اَنْتُمْ تم	مُّجْتَمِعُوْنَ جمع ہونیوالے ہو (جمع ہوگے)		
لَعَلَّنَا تاکہ ہم	نَتَّبِعُ پیروی کریں	السَّحَرَةَ جادوگر	اِنْ اگر	كَانُوْا هُمْ ہوں وہ	الْغٰلِبِيْنَ غالب	فَلَمَّا پس جب	جَاۤءَ آئے	السَّحَرَةُ جادوگر

قَالُوْا انہوں نے کہا	لِفِرْعَوْنَ فرعون سے	اَئِنَّ لَنَا کیا یقیناً ہمارے لئے	لَاَجْرًا کچھ انعام	اِنْ اگر	كُنَّا ہم ہوئے	نَحْنُ ہم	الْغٰلِبِيْنَ غالب	
قَالَ اس نے کہا	نَعَمْ ہاں	وَاِنَّكُمْ اور بیشک تم	اِذًا اس وقت	لَمِنَ البتہ۔سے	الْمُقَرَّبِيْنَ مقربین	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	مُّوْسٰى موسیٰ
اَلْقُوْا تم ڈالو	مَا جو	اَنْتُمْ تم	مُّلْقُوْنَ ڈالنے والے	فَاَلْقَوْا پس انہوں نے ڈالیں	حِبَالَهُمْ اپنی رسیاں	وَعِصِيَّهُمْ اور اپنی لاٹھیاں		
وَقَالُوْا اور بولے وہ	بِعِزَّةِ اقبال کی قسم	فِرْعَوْنَ فرعون	اِنَّا لَنَحْنُ بیشک البتہ ہم	الْغٰلِبُوْنَ غالب آنے والے	فَاَلْقٰى پس ڈالا	مُوْسٰى موسیٰ		
عَصَاهُ اپنا عصا	فَاِذَا هِيَ تو ناگاہ وہ	تَلْقَفُ نگلنے لگا	مَا جو	يَاْفِكُوْنَ انہوں نے ڈھکوسلا بنایا	فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ پس ڈالدیئے گئے (گر پڑے) جادوگر			
سٰجِدِيْنَ سجدہ کرتے ہوئے	قَالُوْا وہ بولے	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کے رب پر	رَبِّ رب	مُوْسٰى موسیٰ	وَهٰرُوْنَ اور ہارون		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی لاٹھی اور ید بیضا یعنی ہاتھ کی چمک کے معجزے دیکھے تو حواس باختہ ہو گیا۔ اور اس کی خدائی کی قلعی تو جب ہی کھل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بن کر سامنے آئی اور فرعون مارے ڈر کے تخت چھوڑ کر بھاگا۔ مگر جب غرور اور طاقت کا نشہ کسی کے سر میں سما جاتا ہے تو آسانی سے نہیں نکلتا۔ پھر تو اکثر جھی جاتا ہے جب سرے سے سر ہی جاتا رہے۔ یہ بدنصیب پیغمبر کے ایسے بین معجزات دیکھ کر ایمان تو نہ لایا اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تو بڑا زبردست جادوگر نکلا۔ پھر انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے ایک اور بات بنائی کہ یہ ایسے ہی شعبدے اور جادو دکھا دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے گا۔ اور جب کچھ اس کے ساتھی ہو جائیں گے تو یہ علم بغاوت بلند کرے گا۔ پھر تمہیں مغلوب کر کے اس ملک پر اپنا قبضہ جمالے گا تو اس کے استیصال کی کوشش ابھی سے کرنا چاہئے اب بتلاؤ کہ تمہاری کیا رائے اور مشورہ ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یا تو فرعون کے خدائی کے دعوے تھے یا وہ اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہو گیا کہ مجبور ہو کر درباریوں سے مدافعت کی تدبیر دریافت کرنے لگا۔ اب قدرت خداوندی دیکھئے کہ فرعونیوں کے منہ سے اللہ نے وہ بات کہلوائی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام تبلیغ کا موقع ملے اور عوام الناس پر حق بالکل واضح ہو جائے۔ درباریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی سے ابھی تو کچھ کہنا ٹھیک نہیں ان سے قرارداد مہلت کر لیجئے اور اپنی تمام سلطنت و حکومت سے بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو بلا لیجئے اور جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرائیے۔ اب اس تجویز میں فرعون کے دعوے خدائی کی شکست تھی کہ رب اعلیٰ ہو کر جادوگروں کی پناہ پکڑنی کیسی عجیب حرکت تھی مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ غلبہ حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کی اسے اور کوئی صورت ہی نظر نہ آئی۔ مجبور ہو کر خدائی کے درجہ سے نیچے اتر کر جادوگروں کو چاروں طرف سے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اپنی قلمرو میں ہر ہر شہر میں سپاہی بھیجے گئے اور دارالسلطنت میں ہر چہار طرف سے بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کئے گئے جو اپنے فن سحر میں کامل اور ماہر استاد تھے۔ پبلک میں بھی عمومی اعلان کرا دیا کہ سب کو مقابلہ کے میدان میں یوم مقررہ پر جمع ہو جانا چاہئے کہ یہ بڑے معرکہ کا مقابلہ ہے۔ سب جمع ہو کر اپنے جادوگروں کا دل بڑھاؤ مجمع جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی ان کی ہمت بڑھے گی۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے اس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھانے کے لئے اپنے ساحرین کی ہی راہ پر چلیں گے۔ مطلب یہ کہ ہمارا حق ہونا حجت سے ثابت ہو جائے گا۔

مصر اس زمانہ میں سحر و جادو کا مرکز تھا اور مصریوں نے فن سحر کو اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ الغرض مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ مقررہ جگہ اور وقت پر جمع ہوا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ فرعون اپنے تمام شاہانہ کروفر کے ساتھ میدان مقابلہ میں تخت نشین ہے اور درباری وارکان سلطنت حسب مراتب جمع ہیں اور لاکھوں انسان حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو موجود ہیں۔ ایک جانب جادوگروں کا گروہ اپنے ساز و سامان سحر سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول۔ حق کے داعی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام متوکل علی اللہ کھڑے ہیں۔ فرعون اس وقت بہت مسرور ہے اس یقین پر کہ ساحرین مصر ان دونوں بھائیوں کو جلد ہی شکست دے دیں گے۔ تو جیسا کہ بازیگروں کا اب بھی دستور ہے کہ کرتب دکھانے سے پہلے بلانے والے سے اپنا صلہ و اجرت ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہاں تو بلانے والا بادشاہ تھا اور کام بھی معمولی نہ تھا۔ اس لئے مقابلہ سے پہلے جادوگروں نے اپنا معاوضہ بشرط غلبہ طے کرنا چاہا اور فرعون سے اپنے انعام و اکرام کی درخواست پیش کی اور کہا کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمارا انعام ضرور بالضرور بڑا بھاری ہونا چاہئے۔ فرعون نے تو سمجھ ہی رکھا تھا کہ ساحروں کے جیتنے ہی پر موسیٰ (علیہ السلام) سے پیچھا چھٹنے کا دارومدار ہے اس لئے فوراً بولا کہ مال و دولت انعام و اکرام تو رہا الگ میں تم کو خاص اپنے مقرب مصاحبوں میں جگہ دوں گا اور تم میرے دربار میں خاص جگہ پاؤ گے۔ گویا مال اور عزت دونوں کا لالچ دیا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جادوگروں نے فرعون سے اجرت و معاوضہ کی جو درخواست کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کی حقیقت کچھ بھی ہو۔ اس سے کیفیات و احوال میں کچھ بھی تغیر ہو جاتا ہو۔ خوف و دہشت کے اس سے کیسے ہی مظاہرات نمودار ہو جاتے ہوں۔ اشیاء اپنی جگہوں سے زائل ہو جاتی ہوں اور لوگوں کی نظر میں کچھ سے کچھ نظر آتی ہوں۔ بہرحال کچھ بھی ہو مگر اشیاء کی جنس میں حقیقت میں انقلاب پیدا کر دینا جادوگر کے بس کی بات نہیں۔ کنکریوں کو سونے اور چاندی کی حقیقی جنس میں تبدیل کر دینا دائرہ جادو سے خارج ہے ورنہ جادوگر معاوضہ کی درخواست نہ کرتے اور سونے چاندی کے ڈھیر ان کے پاس موجود ہوتے۔ الغرض جب جادوگروں نے معاوضہ اور انعام و اکرام کی طرف سے اطمینان حاصل کرلیا تو مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ سورۂ طٰہٰ سولہویں پارہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور وہاں بتلایا گیا کہ قبل اس کے کہ مقابلہ شروع ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے مجمع کو مخاطب ہوکر فرمایا کہ تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے تم کیا کر رہے ہو؟ تم ہم کو جادوگر سمجھ کر خدا پر الزام نہ لگاؤ۔ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ تم کو اس جھوٹ اور بہتان طرازی کی سزا میں عذاب دے کر تم کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے کیونکہ جس کسی نے بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ لوگوں نے یہ سنا تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ فرعونی درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادوگروں کو جو جمع تھے مخاطب کر کے کہنے لگے یہ دونوں بھائی بلاشبہ جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ کرلیں لہٰذا تم اپنا کام شروع کرو اور صف باندھ کر موسیٰ کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ آج جو غالب آ جائے گا وہی کامیاب ثابت ہوگا۔ الغرض جادوگروں نے آگے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب اس گفت و شنید کے قصہ کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ابتدا تمہاری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان پر اس تنبیہ کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا تو فرمایا کہ

ابتدا تم ہی کرو اور اپنے کمال فن کی حسرت پوری طرح نکال لو اور جو کچھ تم وار کرنا چاہتے ہو کرو چنانچہ ساحروں نے اپنا کام شروع کیا اور اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپوں کی شکل نظر آنے لگیں۔حق کی طاقت سے چونکہ وہ ساحرین اس وقت تک نا آشنا تھے۔اپنا حامی اور پشت پناہ فرعون ہی کو جانتے تھے اس لئے حملہ کرتے وقت بولے کہ فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی ضرور غالب آویں گے ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی۔وہ قوت قہاری جو لاٹھی کا ظاہری جامہ پہنے ہوئے تھی فوراً ظہور پذیر ہوئی اور وہ لاٹھی ایک زبردست اژدہا بن گیا اور جادوگروں کے تمام شعبدوں کو نگلنا شروع کردیا تھوڑی سی دیر میں سارا میدان صاف ہو گیا اور اس طرح ساحرین اپنے سحر میں ناکام رہے۔اب جادوگروں نے جو کہ اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے جب عصائے موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو حقیقت حال سمجھ گئے اور وہ اس کو چھپا نہ سکے اور انہوں نے برسر مجلس یہ اقرار کرلیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر ہے اور اس کو سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں چنانچہ وہ اتنے متاثر ہوئے کہ وہیں سب سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کردیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے کیونکہ وہی ’’رب العالمین‘‘ ہے۔اس کی ہمہ گیر طاقت کو ہم نے مان لیا۔اور اس کی الوہیت اور ربوبیت پر ہم ایمان لے آئے درحقیقت رب العالمین وہی ہے جس نے ان دونوں کو بھیجا ہے۔

اب فرعون نے جب یہ دیکھا تو اس کے غصہ اور غضب کا پارہ چڑھ گیا۔شکست۔رسوائی روسیاہی۔حکومت کا زوال ملک کی بغاوت اور موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی سب کی بھیانک تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر تو اس کا بس کچھ چلا نہیں۔جادوگروں پر اس نے اپنے جس غیظ وغضب کا اظہار کیا اور ان کو مخاطب ہو کر جو کہا سنا اور ان ساحرین نے جو اب صاحب ایمان ہو چکے تھے جو فرعون کو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ہر حال میں حق پر قائم رکھیں اور ہم کو وہ ایمانی جرأت وقوت عطا فرمائیں کہ جو ہم باطل سے کبھی خوف نہ کھائیں اور باطل کی طاغوتی قوت سے ہم کبھی مرعوب نہ ہوں۔یا اللہ! آپ کی نصرت وامداد ہر حال میں ہمارے شامل حال ہو۔اور تائید غیبی سے حق کو فتح مندی اور غلبہ اور شوکت نصیب ہو۔اور کفر وشرک کو ذلت ورسوائی کے ساتھ مٹنا اور نیست ونابود ہونا نصیب ہو۔یا اللہ! اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں باطل حق سے برسر پیکار ہے باطل کو یا اللہ اپنی قوت قہاری وجباری سے مٹنا نصیب ہو اور حق کو آپ کی تائید ونصرت سے غلبہ نصیب ہو۔یا اللہ! باطل نے جو مادی قوت وطاقت حق کو مٹانے کے لئے جمع کر رکھی ہے یا اللہ باطل کی طاقت کو پاش پاش فرمادے۔ان کے مکروفریب کو انہیں پر پلٹ دے۔یا اللہ! حق کی کامیابی کا دارومدار آپ ہی کی تائید اور نصرت پر موقوف ہے آپ ہی کی نصرت وامداد سے دنیا میں ہمیشہ حق کی سربلندی اور غلبہ نصیب ہوا ہے۔

یا اللہ! اس وقت جہاں جہاں حق بے سہارا ہے۔اپنی قدرت ورحمت سے اس کو سہارا عطا فرمادے۔اور باطل کو بے بس اور بے کس بنادے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ 31

فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسٰیؑ پر ایمان لے آئے بدون اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ ضرور یہ تم سب کا اُستاد ہے۔ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّاۤ

میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سُولی پر چڑھادوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم اپنے

اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۚ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ؕ ع

مالک کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

قَالَ (فرعون) نے کہا	اٰمَنْتُمْ لَهٗ تم ایمان لائے اس پر	قَبْلَ پہلے	اَنْ کہ میں	اٰذَنَ اجازت دوں	لَكُمْ تمہیں	اِنَّهٗ بیشک وہ
لَكَبِيْرُكُمُ البتہ بڑا ہے تمہارا	الَّذِيْ جس نے	عَلَّمَكُمُ سکھایا تمہیں	السِّحْرَ جادو	فَلَسَوْفَ پس جلد	تَعْلَمُوْنَ تم جان لو گے	
لَاُقَطِّعَنَّ البتہ میں ضرور کاٹ ڈالوں گا	اَيْدِيَكُمْ تمہارے ہاتھ	وَاَرْجُلَكُمْ اور تمہارے پاؤں	مِّنْ سے۔ کے	خِلَافٍ ایک دوسرے کے خلاف کا		
وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اور ضرور تمہیں سُولی دوں گا	اَجْمَعِيْنَ سب کو	قَالُوْا وہ بولے	لَا ضَيْرَ کچھ نقصان (حرج) نہیں	اِنَّاۤ بیشک ہم اِلٰى رَبِّنَا اپنے رب کی طرف		
مُنْقَلِبُوْنَ لوٹ کر جانیوالے ہیں	اِنَّا نَطْمَعُ بیشک ہم امید رکھتے ہیں	اَنْ کہ	يَّغْفِرَ بخش دے	لَنَا ہمیں	رَبُّنَا ہمارا رب	خَطٰيٰنَاۤ ہماری خطائیں
اَنْ كُنَّاۤ کہ ہم ہیں	اَوَّلَ پہلے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے جادوگروں سے آپ کا مقابلہ کرایا۔ پھر اس مقابلہ کا جو انجام ہوا وہ بھی بیان ہو چکا وہی ساحر جو چند منٹ پہلے فرعون کی زبردست طاقت سے مرعوب۔ اس کے حامی اور طرفدار اور اس کے حکم کی تعمیل کو حرز جان بنائے ہوئے تھے اور جو اپنے کرشموں کی کامیابی پر انعام و اکرام کا معاملہ طے کر رہے تھے وہی چند منٹ کے بعد عصائے موسوی کا معجزہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ انسانی کرشمہ سازی نہیں بلکہ کسی بہت ہی بلند قدرت کی کارفرمائی ہے اور اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ وہیں فرعون کی موجودگی ہی میں علی الاعلان سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور تسلیم کر لیا کہ ہم کو رب العالمین کی قوت قہاری کا یقین ہے اور اس کی ہمہ گیر طاقت کو ہم نے مان لیا۔ اس کی الوہیت اور ربوبیت پر ہم ایمان لے آئے۔ درحقیقت رب العالمین وہی ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے اور جس نے ان دونوں کو بھیجا ہے۔

دیکھا آپ نے جب سچا ایمان کسی کو نصیب ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک لمحہ ہی کا کیوں نہ ہو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی باطل طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعامات و اکرامات کی التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بے خوف ہو گئے کہ کوئی دہشت بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ الغرض فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہو گیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو اس نے مکر و فریب کا ایک

دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے فرعون ان ساحرین سے جواب ایمان لے آئے تھے کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے۔ تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اچھا میں تم کو ایسی عبرتناک سزا دوں گا تا کہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو۔ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹوا دوں گا اور پھر سب کو سولی پر چڑھوادوں گا۔ وہ ساحرین جو صاحب ایمان ہو چکے تھے اور دولت ایمان کے نشہ سے سرشار ہو گئے تھے انہوں نے فرعون کی ان دھمکیوں اور جابرانہ عذاب وعقاب کو ایک کھیل سے زیادہ نہ سمجھتے ہوئے نہایت بے باکانہ انداز میں جو جواب دیا اس کا کچھ حصہ تو ان آیات میں نقل فرمایا گیا ہے اور کچھ حصہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اعراف وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔

یہاں ان آیات میں جو حصہ ان کے جواب کا نقل فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم تیری سزا سے نہیں ڈرتے۔ جسمانی مصائب کا ہم کو کوئی ڈر نہیں اس زندگی کے ختم ہو جانے کی ہمیں کچھ پروا نہیں۔ ہم پر حق پوری طرح واضح ہو گیا ہمارا رب وہی ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ہمیں ہر صورت میں اسی کے پاس جانا ہے اور ایک نہ ایک دن اسی کے پاس پلٹنا بہر حال ضرور ہے۔ اب اگر تو قتل کر دے گا تو اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا کہ وہ دن جو کبھی آنا تھا آج آ جائے گا ہم کو وہاں جانا ہے اور انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم تیرے ہاتھ سے مرے تو اور زیادہ سرخرو ہوں گے۔ ہم تو اپنے رب سے اب یہی امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری گذشتہ غلط کاریوں کو معاف کرے اور جو تو نے ہم سے یہ مقابلہ کرایا اس کا وبال خصوصاً ہم سے ٹال دے کیونکہ ہم اس کے رسولوں کی تبلیغ کے بعد اس مجمع میں بلکہ ملک بھر میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ان کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں اسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک ایمان پر مستقیم رکھے۔

غرض حق و باطل کی اس کشمکش میں فرعون اور اس کے درباریوں کو سخت ذلت اٹھانی پڑی اور وہ بر سر عام ذلیل و رسوا ہوئے مگر پھر بھی حق کو تسلیم نہ کیا اور باطل پر جمے رہے۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کو تبلیغ فرماتے رہے۔ اب اس کے بعد سلسلہ کلام کی مناسبت سے آگے کے واقعات یہاں اس سورۃ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں اور جب کچھ عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے معہ بنی اسرائیل کے راتوں رات ہجرت کر جانے کا حکم ملا وہاں سے پھر حالات اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو بھی ایسا سچا اور پکا ایمان نصیب فرما دیں کہ ہم کسی حال میں راہ مستقیم سے نہ ڈگمگائیں اور کسی آن میں اللہ ورسول کی تابعداری سے نہ ہٹیں۔ اور کسی معاملہ میں شریعت مطہرہ کے خلاف نہ کریں۔ جو احکام الٰہیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وہدایات ہمیں پہنچیں ہم ان پر لبیک کہہ کر دل وجان سے ان پر عمل پیرا ہو جانے والے ہوں۔ اسی پر تا زندگی قائم رہیں اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔ یا اللہ آج جو اہل حق اہل باطل کے ظلم وستم سے دبے ہوئے ہیں۔ ان کو ایمان قوی عطا فرما دے۔ اہل باطل سے مقابلہ کی قوت وطاقت اہل حق کو عطا فرما دے۔ یا اللہ موت کا خوف اور ڈر ہمارے دلوں سے قوی ایمان اور اپنی ذات سے صحیح تعلق عطا فرما کر نکال دے اور باطل کے مقابلہ کے لئے ہماری تائید اور نصرت فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ

اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب کیا جاوے گا۔فرعون نے شہروں میں چپڑاسی دوڑا دیئے

حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے۔اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے۔اور ہم سب ایک مسلح جماعت ہیں۔

حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ

غرض ہم نے اُن کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا۔(ہم نے اُن کے ساتھ تو) یوں کیا

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو ہم نے یہی نعمتیں عطا کر دیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اور ہم نے وحی کی	اِلٰى طرف	مُوْسٰى موسیٰ	اَنْ اَسْرِ کہ تو راتوں رات لے نکل	بِعِبَادِيْ میرے بندوں کو	اِنَّكُمْ بیشک تم	
مُّتَّبَعُوْنَ پیچھا کئے جاؤ گے	فَاَرْسَلَ پس بھیجا	فِرْعَوْنُ فرعون نے	فِى الْمَدَآئِنِ شہروں میں	حٰشِرِيْنَ اکٹھا کرنے والے (نقیب)	اِنَّ بیشک	
هٰٓؤُلَآءِ یہ لوگ ہیں	لَشِرْذِمَةٌ ایک جماعت	قَلِيْلُوْنَ تھوڑی سی	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ	لَنَا ہمیں	لَغَآئِظُوْنَ غصہ میں لانے والے ہیں	
وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَجَمِيْعٌ ایک جماعت	حٰذِرُوْنَ مسلح محتاط	فَاَخْرَجْنٰهُمْ پس ہم نے انہیں نکالا	مِّنْ سے	جَنّٰتٍ باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے
وَّكُنُوْزٍ اور خزانے	وَّمَقَامٍ اور ٹھکانے	كَرِيْمٍ عمدہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	وَاَوْرَثْنٰهَا اور ہم نے وارث بنایا ان کا	بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ فرعون۔ اس کے درباریوں اور اس کی قوم کے عوام الناس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی دیکھے اور جادوگروں سے مقابلہ کرا کر ذلت و رسوائی بھی اٹھائی مگر پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر نہ مانا بلکہ حق سے اور زیادہ عناد و بغض بڑھ گیا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام برابر فرعونیوں کو تبلیغ فرماتے رہے اور بنی اسرائیل کو آزاد و رہا کرنے کا مطالبہ بھی فرماتے رہے۔ بالآخر درباریوں اور ارکان سلطنت نے فرعون سے احتجاج کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کیوں نہیں کرا دیا جاتا۔ کیا اس کو اور اس کی قوم کو موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں فساد پھیلائیں؟ اور تجھ کو ٹھکراتے رہیں؟ تو جیسا کہ سورۂ اعراف نویں پارہ میں بیان ہوا فرعون نے درباریوں سے کہا کہ میں مصر میں اسرائیلیوں کی طاقت بڑھنے ہی نہ دوں گا اور مقابلہ کے قابل ہی نہ رکھوں گا۔ ابھی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرو اور صرف لڑکیوں کو خدمت گزاری کے لئے زندہ چھوڑ دیا کرو۔ گویا یہ فرعون کا دوسرا اعلان تھا جو بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل سے متعلق کیا گیا اس سے پہلے مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی تو ایک خواب اور اس کی تعبیر کی بنا پر اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے جانے کا حکم دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک عرصہ تک رشد و ہدایت کا فرعون اور اس کے سرداروں پر مطلق اثر نہ ہوا اور معدودے چند کے سوائے عام مصریوں نے بھی دعوت حق کو قبول نہ کیا تو اب یکے

بعد دیگرے فرعونیوں پر عذاب الٰہی آنے لگے۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ جب عذاب الٰہی کسی ایک شکل میں ظاہر ہوتا تو فرعون اور قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرنے لگتی کہ اچھا ہم ایمان لے آئیں گے تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ یہ عذاب جاتا رہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ عذاب دور ہو جاتا تو پھر سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتے۔ پھر عذاب جب دوسری شکل میں آتا تو کہتے کہ اچھا ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر کے تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے دعا کرو کہ یہ عذاب دفع ہو جائے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو پھر مہلت دی جاتی اور عذاب دفع ہو جاتا تو پھر اسی طرح مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے نشانات ظاہر ہوئے کبھی طوفان آئے۔ کبھی قحط سالی ہوئی۔ کبھی ٹڈیوں کے دل آئے۔ کبھی چیچڑیوں کے پیدا ہو جانے کا عذاب آیا۔ کبھی مینڈکوں کا تمام مصر میں پھیل جانے کی مصیبت آئی۔ کبھی پانی کا خون ہو جانا ظاہر ہوا۔ مگر فرعون اور قوم فرعون نے اس بار بار کی مہلت مل جانے کو بھی ایک مذاق بنا لیا ان تمام واقعات کا ذکر سورۂ اعراف اور قرآن پاک کی دوسری سورتوں میں جگہ بجگہ آیا ہے مگر یہاں اس سورۃ میں کئی سال کے ان تمام واقعات کو جو ساحرین کے مقابلہ کے بعد ظہور پذیر ہوئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ بالآخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مع بنی اسرائیل کے راتوں رات مصر سے چپ چاپ نکل جانے کا حکم خداوندی ملا تو اس سے آگے واقعات کو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں سلسلۂ کلام کی مناسبت سے چونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جس فرعون نے صریح نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود یہ ہٹ دھرمی دکھائی تھی اس کا انجام آخر کار کیا ہوا اور جس کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت تھی وہ کس طرح کامیابی سے ہمکنار ہوئے اس لئے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کشمکش کے ابتدائی واقعات ذکر کرنے کے بعد اب قصہ مختصر کر کے آخری منظر دکھایا جا رہا ہے۔

چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے باہر نکال لے جاؤ۔ فرعون مع فوج کے تمہارے پیچھے آئے گا مگر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ حسب الحکم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خفیہ مشورہ کیا اور تمام بنی اسرائیل کے قبائل کے سرداروں کو حکم الٰہی سے آگاہ کیا۔ سب تیار ہو گئے اور ایک رات اس کام کے لئے مقرر ہو گئی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے رات کو چل دیئے۔ ادھر رات گزرنے پر فرعونیوں کی جو آنکھ کھلی تو چوکیدار غلام نوکر چاکر کوئی نہیں سخت پیچ وتاب کھانے لگے اور مارے غصہ کے سرخ ہو گئے۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ بنی اسرائیل رات ہی رات میں سب فرار ہو گئے تو فرعون نے تعاقب اور پیچھا کرنے کے لئے تدبیر کی اور جابجا آس پاس کے شہروں میں چپڑاسی دوڑا دیئے اور کہلا بھیجا کہ یہ بنی اسرائیل ہماری نسبت تھوڑی سی جماعت ہے اور ان کی اس حرکت نے کہ جو یہ خفیہ چالاکی سے نکل گئے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے ہم ہتھیار بند ہیں میں ارادہ کر چکا ہوں۔ کہ اب انہیں اپنی اس سرکشی کا مزہ چکھا دوں اور ان سب کو ایک ساتھ گھیر گھار کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دوں غرض کہ فرعون نے ضروری سامان اور فوج کو جمع کیا اور تمام لاؤلشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چلا اور یہ خبر نہ تھی کہ اب لوٹنا نصیب نہ ہوگا اور معہ اپنی قوم اور لاؤلشکر کے بیک وقت ہلاک ہونا ہے۔

آگے باری تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ کے ہے کہ یہ فرعونی اپنی طاقت اور کثرت کے گھمنڈ پر بنی اسرائیل کے تعاقب میں

نکل کھڑے ہوئے اس بہانے ہم نے انہیں ان کے باغات سے چشموں اور نہروں سے خزانوں اور بارونق مکانوں سے خارج کیا اور وہ اپنے محلات، باغات، تخت و تاج اور جاہ و مال سب چھوڑ کر بنی اسرائیل کے پکڑنے کو نکلے۔ اور بالآخر جیسا کہ اگلی آیات میں بتلایا گیا یہ سب سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوئے گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سلطنت سے نکال کر باہر کیا۔ اور بنی اسرائیل کو جو آج تک پست اور نادار تھے ان کو ملک شام اور فلسطین میں اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی عمدہ باغات۔ چشمے اور خزانے عطا کئے۔ یہاں آیت میں واورثنها بنی اسرائيل اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنادیا اس کے مطلب بعض مفسرین یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ایک مدت بعد جب سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ملک مصر بنی اسرائیل کی سلطنت میں شامل ہوا تو یہ سب چیزیں یعنی مصر کے باغات چشمے اور خزانہ اور عمدہ مکانات یہ سب بنی اسرائیل کے ہاتھ لگے۔

یہ تو بیچ میں جملہ معترضہ تھا۔ اب آگے فرعون کے تعاقب کرنے اور بنی اسرائیل کے پاس پہنچ جانے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی گرفت سے بچالینے اور فرعون اور اس کے تمام لاؤ لشکر کو سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوجانے کے واقعات کو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں نافرمان قوموں سے عبرت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے کامل طور پر بچاویں۔

اس دنیوی زندگی میں کفار و مشرکین کو جو عیش و آرام ملے ہوئے ہیں وہ ان کے لئے وبال جان ثابت ہوں اور ہمیں جو اللہ پاک نے زندگی کا سامان دیا ہے وہ ہمارے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔

اے اللہ جیسے آپ کی خفیہ تدبیر نے فرعونیوں کو ہلاک کیا اے اللہ اپنی اسی قدرت اور تدبیر سے آج بھی مخالفین اسلام حقیقی اور اعدائے دین کو تہ و بالا فرمادے۔ ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسادے۔ اور ان کی شرارتیں اور تدبیریں سب ملیامیٹ فرمادے۔ اور ان کی چالیں ان ہی کی ہلاکت کا سبب بنادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

غرض سورج نکلنے کے وقت اُن کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی کہنے لگے کہ بس ہم تو اُن کے ہاتھ آ گئے۔

كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ

موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو ابھی راستہ بتلا دیگا پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو سمندر پر مارو

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا

چنانچہ (اُنہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا (بڑا) تھا جیسا بڑا پہاڑ۔ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا۔

مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور ہم نے موسیٰ کو اور اُن کے ساتھ والوں کو سب کو بچالیا۔ پھر دوسروں کو غرق کردیا۔ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے،

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

اوران (کفار) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے بڑا مہربان ہے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ پس انہوں نے پیچھا کیا ان کا	مُّشْرِقِيْنَ سورج نکلتے	فَلَمَّا پس جب	تَرَآءَ دیکھا ایک دوسرے کو	الْجَمْعٰنِ دونوں جماعتیں			
قَالَ کہا (کہنے لگے)	اَصْحٰبُ مُوْسٰى موسیٰ کے ساتھی	اِنَّا یقیناً ہم	لَمُدْرَكُوْنَ پکڑ لیے گئے	قَالَ كَلَّا اس نے کہا ہرگز نہیں	اِنَّ بیشک		
مَعِيَ میرے ساتھ	رَبِّيْ میرا رب	سَيَهْدِيْنِ وہ جلد مجھے راہ دکھائے گا	فَاَوْحَيْنَآ پس ہم نے وحی بھیجی	اِلٰى طرف	مُوْسٰٓى موسیٰ		
اَنِ کہ	اضْرِبْ تو مار	بِّعَصَاكَ اپنا عصا	الْبَحْرَ دریا	فَانْفَلَقَ تو وہ پھٹ گیا	فَكَانَ پس ہوگیا	كُلُّ فِرْقٍ ہر حصہ	كَالطَّوْدِ پہاڑ کی طرح
الْعَظِيْمِ بڑے	وَاَزْلَفْنَا پھر ہم نے قریب کردیا	ثَمَّ اس جگہ	الْاٰخَرِيْنَ دوسروں کو	وَاَنْجَيْنَا اور ہم نے بچالیا	مُوْسٰى موسیٰ		
وَمَنْ اور جو	مَّعَهٗٓ اس کے ساتھ	اَجْمَعِيْنَ سب	ثُمَّ پھر	اَغْرَقْنَا ہم نے غرق کردیا	الْاٰخَرِيْنَ دوسروں کو	اِنَّ بیشک	
فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہ	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ ان سے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک	
	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں میں تبلیغ کرتے کرتے ایک عرصہ گزر گیا اور اس زمانہ میں خدا کی نشانیاں اور دلیلیں ان پر واضح کردیں لیکن ان کا سر نیچا نہ ہوا۔ نہ ان کا تکبر ٹوٹا اور نہ ان کی بددماغی میں کوئی فرق آیا تو سوائے اس کے کوئی بات باقی نہ رہی کہ ان پر ہلاکت کا عذاب آئے اور وہ غارت ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی ملا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتعمیل حکم خداوندی میں مصر سے بمعہ تمام بنی اسرائیل مرد وزن کے ایک رات ہجرت فرمائی۔ مصر سے فلسطین وشام جانے کے دو راستے تھے۔ ایک خشکی کا راستہ اور وہ قریب کا راستہ تھا۔ اور دوسرا پانی کا راستہ یعنی بحر قلزم کو عبور کر کے جزیرۂ نما سینا یا وادیٔ تیہ کے راہ سے اور یہ دور کا راستہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خشکی کی

نزدیک کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ اختیار کریں اور بحر قلزم کو پار کر کے جائیں۔
ادھر فرعون اپنے تمام لاؤ لشکر اور رعایا کو لے کر بڑے طمطراق اور کروفر سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کرنے کے ارادہ سے ان کے تعاقب کو نکلا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ طلوع آفتاب کا وقت تھا کہ فرعونی بنی اسرائیل کے قریب جا پہنچے۔اس وقت تک بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارہ تک پہنچ چکے تھے۔حضرت ہارون علیہ السلام قافلہ کے آگے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے۔اب فرعونی لشکر بنی اسرائیل کو نظر آ رہا تھا اور بنی اسرائیل کو فرعونی دیکھ رہے تھے۔بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر متحیر ہو کر کھڑے ہو گئے اور جب دیکھا کہ فرعون کا لشکر قریب آ پہنچا ہے تو اس وقت مضطرب ہو کر کہنے لگے کہ بتلائیے اب ہم کیا کریں۔آگے سمندر کا پانی ہے اور پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر۔ظاہر ہے کہ نبی اور غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں۔تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی۔خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو نجات دے گا اور تم ہی کامیاب ہو گے۔میں اپنی رائے سے لے کر تمہیں نہیں نکلا بلکہ احکم الحاکمین کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں۔وہ وعدہ خلاف نہیں۔پھر آپ درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوئے۔اسی وقت وحی الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی لاٹھی کو پانی پر ماریں اور پھر قدرت کا کرشمہ دیکھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں پانی پر لاٹھی ماری۔بس اسی وقت پانی پھٹ گیا اور بیچ میں صاف راستے نظر آنے لگے اور آس پاس پانی بطور پہاڑ کے کھڑا ہو گیا۔سمندر میں ۱۲ راستہ نکل آئے اور بنی اسرائیل کے قبائل بھی ۱۲ ہی تھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اس میں اتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہو گئے۔جب بنی اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے دوسری جانب خشکی پر قدم رکھا تو فرعون مع اپنے لشکر کے سمندر کے کنارہ پہنچا اور فرعون نے یہ دیکھ کر کہ سمندر میں راستے بنے ہوئے ہیں اپنی قوم اور لشکر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔"دیکھا یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ بنی اسرائیل کو تم جا پکڑو لہٰذا بڑھے چلو۔" فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے انہیں راستوں پر ہو لئے فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا کہ پانی بحکم خداوندی اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور فرعون اور اس کا تمام لشکر بحر قلزم کے درمیان ہی میں غرق ہو گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی نجات اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کی غرقابی و ہلاکت بیان فرما کر اس قصہ کو انہی آیات پر ختم فرمایا جاتا ہے۔جن پر پہلا رکوع ختم فرمایا گیا تھا یعنی ان فی ذلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مؤمنین. وان ربک لھو العزیز الرحیم۔اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور اس قابل ہے کہ کفار اس سے استدلال کریں کہ اللہ کے احکام کی نافرمانی اور اس کے رسول کی مخالفت موجب عذاب خداوندی ہے مگر باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے اگر چاہتا تو ان کی تکذیب اور نافرمانی پر فوراً ہلاک کر دیتا لیکن بڑا مہربان بھی ہے اس لئے اپنی رحمت عامہ سے ابھی مہلت دے رکھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جیسا اس سورۃ کے ابتدائی درس میں عرض کیا گیا تھا کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول وہ وقت تھا جبکہ مسلمانوں پر کفار مکہ کا ہجوم تھا اور اہل اسلام کو ہر طرح کے شدائد و آلام اور مصائب و سختیاں کفار کی برداشت کرنا پڑ رہی تھیں ایسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور آپ کی قوم کے حالات بیان فرما کر ایک طرف تو اہل ایمان کو صبر و پامردی اور استقامت کی تلقین فرمائی گئی اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ ظلم۔اور باطل اور ناحق کی طاقتیں خواہ بظاہر کیسی ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہوں آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حق کا یوں بول بالا ہوتا ہے اور باطل کس طرح سرنگوں ہو کر رہتا ہے۔دوسری طرف کفار مکہ کیلئے اس میں سبق ہے کہ کس طرح ہٹ دھرم لوگ کھلے کھلے معجزات و نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان لانے سے انکار ہی کئے جاتے ہیں اور پھر اس ہٹ دھرمی کا انجام کیسا دردناک ہوتا ہے۔فرعون اور اس کی قوم نے سالہا سال تک جو قدرت کی نشانیاں دیکھیں وہ ان کو نظر انداز ہی کرتے رہے۔بالآخر خدا کے عذاب سے ہلاک ہو کر فنا ہو گئے۔

اب آگے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔

فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ

انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں ہم ان ہی (کی عبادت) پر جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم ان کو پکارا کرتے ہو۔ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں

يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾

یا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو۔

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی۔ میرے یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے۔ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو

يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ

رہنمائی کرتا ہے۔ اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ اور جو مجھ کو

يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾

موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا۔ اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری خطاؤں کو قیامت کے روز معاف کردے گا۔

وَاتْلُ اور آپ پڑھیں	عَلَيْهِمْ ان پر۔ انہیں	نَبَاَ خبر۔ واقعہ	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	اِذْ جب	قَالَ اس نے کہا	لِاَبِيْهِ اپنے باپ کو	وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم
مَا کیا۔ کس	تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو	قَالُوْا انہوں نے کہا	نَعْبُدُ ہم پرستش کرتے ہیں	اَصْنَامًا بتوں کی	فَنَظَلُّ لَهَا پس ہم بیٹھے رہتے ہیں انکے پاس		
عٰكِفِيْنَ جمے ہوئے	قَالَ اس نے کہا	هَلْ کیا	يَسْمَعُوْنَكُمْ وہ سنتے ہیں تمہاری	اِذْ جب	تَدْعُوْنَ تم پکارتے ہو		
اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ یا وہ نفع پہنچاتے ہیں تمہیں	اَوْ يَضُرُّوْنَ یا وہ نقصان پہنچاتے ہیں	قَالُوْا وہ بولے	بَلْ بلکہ	وَجَدْنَا ہم نے پایا	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا		
كَذٰلِكَ اسی طرح	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے	قَالَ ابراہیمؑ نے کہا	اَفَرَءَيْتُمْ کیا پس تم نے دیکھا	مَا کس	كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو		
اَنْتُمْ تم	وَاٰبَآؤُكُمْ اور تمہارے باپ دادا	الْاَقْدَمُوْنَ پہلے	فَاِنَّهُمْ تو بیشک وہ	عَدُوٌّ لِّيْ میرے دشمن	اِلَّا مگر	رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کا رب	
الَّذِيْ وہ جس نے	خَلَقَنِيْ مجھے پیدا کیا	فَهُوَ پس وہ	يَهْدِيْنِ مجھے راہ دکھاتا ہے	وَالَّذِيْ اور وہ جو	هُوَ وہ	يُطْعِمُنِيْ مجھے کھلاتا ہے	
وَيَسْقِيْنِ اور مجھے پلاتا ہے	وَاِذَا اور جب	مَرِضْتُ میں بیمار ہوتا ہوں	فَهُوَ تو وہ	يَشْفِيْنِ مجھے شفا دیتا ہے	وَالَّذِيْ اور وہ جو		
يُمِيْتُنِيْ مجھے موت دے گا	ثُمَّ پھر	يُحْيِيْنِ مجھے زندہ کرے گا	وَالَّذِيْ اور وہ جس سے	اَطْمَعُ میں امید رکھتا ہوں	اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ کہ مجھے بخش دے گا		
خَطِيْٓئَتِيْ میری خطائیں	يَوْمَ الدِّيْنِ بدلہ کے دن						

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا اب دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاۃ طیبہ کے اس دور کا قصہ بیان ہوا ہے جبکہ نبوت سے

سرفراز ہونے کے بعد شرک وتوحید کے مسئلہ پر آپ کی اپنے خاندان اور اپنی قوم سے کشمکش شروع ہوئی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات و حالات قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائے گئے ہیں۔قرآن کریم جو بار بار آپ کا ذکر سامنے لاتا ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ عرب کے لوگ عموماً اور قریش مکہ خصوصاً اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو سمجھتے اور یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ ملت ابراہیمی ہی ان کا مذہب ہے۔مشرکین عرب کے علاوہ یہود و نصاریٰ کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین کے پیشوا ہیں۔اس پر قرآن مجید جگہ جگہ ان لوگوں کو متنبہ کرتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جو دین لے کر آئے تھے وہ یہی خالص دین اسلام تھا جسے نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس دین سے تم برسر پیکار ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے بلکہ ان کی ساری لڑائی شرک ہی کے خلاف تھی اور اسی شرک کی مذمت کی بدولت انہیں اپنے باپ۔خاندان۔قوم وطن سب کو چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔اس طرح یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سنا کر ایک طرف تو مکہ کے کافروں اور مشرکوں کو تنبیہ فرمائی گئی کہ توحید کی تعلیم۔نبوت کا دعویٰ۔آخرت کا یقین۔حشر ونشر۔عذاب و ثواب۔جزاوسزا کا اقرار بت پرستی سے نفرت اور ایک واحد ذوالجلال والاکرام کی بندگی وعبادت کوئی نئی بات نہیں۔تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا ان کی بھی یہی تعلیم تھی وہ بھی غیر اللہ کی پرستش سے روگرداں تھے۔انہوں نے بھی نفع نقصان اور موت وحیاۃ کا مالک ایک خدا ہی کو سمجھا تھا پھر تم کیوں انکی تعلیم سے گردن کشی کرتے ہو اور کیوں ان کے طریقہ پر چلنے والوں کی رہنمائی کا انکار کرتے ہو۔دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے متبعین کو تسلی دینی مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی کفار کی مخالفت یہاں تک کہ اپنے باپ کی بھی مخالفت برداشت کرنا پڑی۔تمام شدائد کو استقامت سے برداشت کیا اور اعدائے دین سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے۔اسی طرح اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار مکہ کی مخالفت سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہ ہوں۔حق کی مخالفت ہمیشہ سے کافروں کا شیوہ رہا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل اور اس کے اطراف میں تھی۔موجودہ جغرافیہ میں اسی جگہ کا نام ملک عراق ہے۔وہ لوگ صابی مذہب رکھتے تھے جو ستاروں اور دیگر نورانی اور آسمانی چیزوں کی پرستش کیا کرتے تھے پھر اپنے معبودوں کے نام سے طرح طرح کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ ان کی قوم بتوں کو پوجتی ہے مگر کافروں کو لاجواب اور شرمندہ کرنے اور شرک کی مذمت ظاہر کرنے اور بتوں کی طرف سے ان کی توجہ وعقیدت کو پھیرنے کے لئے آپ نے اپنے والد۔چچا۔خاندان اور قوم کے لوگوں سے پوچھا اور استفسار کیا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تم لوگ یہ کیا پوجا پاٹ کرتے ہو؟ تو قوم والے جو بت پرستی میں بہت پختہ تھے کہنے لگے کہ تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کرر ہے ہو۔ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت اور عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر انہیں کو لگے بیٹھے رہتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم ان کی پرستش اور خدمت کس غرض سے کرتے ہو؟ کیا یہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں؟ یا تمہارا نفع نقصان ان سے وابستہ ہے کہ پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکیں؟ کیا یہ تمہاری کارسازی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں تو بلاوجہ ان کے آگے ماتھا ٹیکنا اور خدمت گزاری کرنا حماقت ہے جب یہ مورتیں خود بے جان اور مجبور ہیں کہ جو اپنے

اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکیں گی۔ پھر ایسی عاجز۔ بے جان اور بے عقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اس کے جواب میں خاندان اور قوم کے لوگوں نے کہا کہ ان منطقی بحثوں اور کٹ حجتیوں کو ہم نہیں جانتے۔ نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے۔ بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم ان کے پیرو ہیں کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔ ہمارے بڑے اس فعل کو اچھا جانتے تھے۔ ہماری پیروی کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی اور پرستش تم اور تمہارے باپ دادا بجالاتے رہے؟ کیا کسی دین کی صداقت کے لئے بس یہ دلیل کافی ہے کہ وہ باپ دادا کے وقتوں سے چلا آ رہا ہے؟ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع ونقصان نہ ہو اس کی بندگی وعبادت کیسی؟ تو سنو میں بے خوف وخطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے۔ میں انکی گت بنا کر رہوں گا۔ اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ میرے تو یہ سب کے سب دشمن ہیں میں ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا میں تو اس ایک کے سامنے سر جھکاتا ہوں اور اسی کی بندگی اور عبادت کرتا ہوں جو رب العالمین ہے یعنی سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام رب العالمین کی صفات انہیں سمجھاتے ہیں کہ وہ ایسی بڑی قدرت والا ہے کہ اس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد ومنافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کھلانا۔ پلانا۔ مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفا پر بجز اس خدا کے اور کوئی قادر نہیں دوا میں تاثیر پیدا کرنا اسی کے بس کی چیز ہے۔ پھر جب میرا وقت آ جائے گا اور اس دنیا میں میری عمر ختم ہو جائے گی تو مجھے موت دے گا اور حشر کے روز پھر مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ جس دن وہ اپنے بندوں کے اعمال کا جائزہ لے کر ان کی بابت اپنے فیصلہ صادر فرمائے گا تو اپنی رحمت سے میری خطاؤں کو معاف کر دے گا اور میری لغزشوں سے درگزر فرمائے گا۔ میں تو ان اوصاف والے رب کا عابد ہوں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمام تر صفات اس لئے سنائیں کہ قوم کو خدائے تعالیٰ کی عبادت کی رغبت ہو اور شرک سے نکل کر توحید کو اختیار کریں۔ مگر بدبخت قوم بت پرستی پر جمی رہی اور آپ کی دعوت حق کو قبول نہ کیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے آبائی وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔ اور اس وقت آپ نے حق تعالیٰ سے کیا دعا مانگی یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے شرک وکفر سے ہم کو بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ! ہمیں اس نعمت عظمیٰ کے قدر اور اس کی صحیح شکرگزاری کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! ہمیں بھی توحید کامل نصیب فرما تاکہ ہم آپ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندے بن کر زندہ رہیں آپ ہی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھنے اور حاجت روا ہونے کا ہم کو یقین نصیب فرما۔ اور اس دنیا کی زندگی میں ہم سے جو تقصیرات سرزد ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرما اور قیامت میں اپنی مغفرت کاملہ ہم سب کو نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾

اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔ اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔ اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ

اور میرے باپ کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اُس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا۔ جس دن میں کہ نہ مال کام

يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاُزْلِفَتِ

آوے گا اور نہ اولاد۔ مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دِل لے کر آوے گا۔ اور خداترسوں کیلئے جنت نزدیک کردی جاوے گی۔

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ

اور گمراہوں کیلئے دوزخ سامنے ظاہر کی جاوے گی۔ اور اُن سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے۔

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾

کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر۔ سب کے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جاویں گے۔

رَبِّ اے میرے رب	هَبْ لِيْ مجھے عطا کر	حُكْمًا حکم۔حکمت	وَاَلْحِقْنِيْ اور مجھے ملادے	بِالصّٰلِحِيْنَ نیک بندوں کیساتھ	وَاجْعَلْ اور کر			
لِيْ لِسَانَ میرے لئے۔میرا ذکر	صِدْقٍ اچھا۔خیر	فِي الْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنیوالوں میں	وَاجْعَلْنِيْ اور تو مجھے بنادے	مِنْ وَّرَثَةِ وارثوں میں سے				
جَنَّةِ بہشت	النَّعِيْمِ نعمتوں والی	وَاغْفِرْ اور بخش دے	لِاَبِيْٓ میرے باپ کو	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ وہ ہے	مِنَ سے	الضَّآلِّيْنَ گمراہ	وَ اور
لَا تُخْزِنِيْ مجھے رسوا نہ کرنا	يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ جس دن سب اٹھائے جائیں گے	يَوْمَ جس دن	لَا يَنْفَعُ نہ کام آئے گا	مَالٌ مال	وَلَا اور نہ	بَنُوْنَ بیٹے		
اِلَّا مگر	مَنْ جو	اَتَى اللّٰهَ اللہ کے پاس آیا	بِقَلْبٍ دل	سَلِيْمٍ پاک	وَاُزْلِفَتِ اور نزدیک کردی جائیگی	الْجَنَّةُ جنت	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	
وَبُرِّزَتِ اور ظاہر کردی جائیگی	الْجَحِيْمُ دوزخ	لِلْغٰوِيْنَ گمراہوں کیلئے	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	لَهُمْ انہیں	اَيْنَمَا کہاں ہیں وہ جو			
كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے تھے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	هَلْ کیا	يَنْصُرُوْنَكُمْ وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں	اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ یا بدلہ لے سکتے ہیں				
فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا پس اوندھے منہ ڈالے جائینگے اس میں	هُمْ وہ	وَ اور	الْغَاوٗنَ گمراہ	وَجُنُوْدُ اور لشکر	اِبْلِيْسَ ابلیس	اَجْمَعُوْنَ سب کے سب		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے اپنی بت پرست قوم اور گھرانے کو خدائے واحد کی ہستی کی جانب توجہ دلائی اور بت پرستی کی مذمت فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے صاف فرمادیا کہ میں تو تمہارے ان بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں اور میں بے خوف وخطر ہو کر ان سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکال لیں۔ البتہ میں صرف اسی ایک ہستی کو اپنا معبود سمجھتا ہو جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راہ راست دکھائی

اور جو مجھ کو کھلاتا پلاتا یعنی رزق دیتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو جو مجھ کو شفا بخشتا ہے اور "جو" کی تکرار کی گئی ہے میری زیست اور موت دونوں کا مالک ہے اور جس سے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری مغفرت فرمائے گا۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو یہی تلقین فرماتے رہے کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش جائز نہیں۔ یہ نصیحت اور تبلیغ تو صرف مکالمہ کی حد تک تھی اس کے بعد آپ نے جیسا کہ متعدد جگہ قرآن پاک میں بیان فرمایا گیا ہے خود ان کے بت توڑ ڈالے گویا اس طرح قوم کو عملاً سمجھایا کہ

دیکھواں بتوں میں ضرر پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں اگر یہ نقصان پہنچا سکتے تو مجھے پہنچاتے۔اس پر قوم کو بڑا طیش آیا۔بادشاہ وقت سے جا کر شکایت کی جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طلب کیا۔آپ نے وہاں بھی توحید الٰہی کا اعلان کیا اور ایسے پرزور دلائل بیان کئے کہ نمرود بادشاہ وقت بھی عاجز ہو گیا مگر وہ تشدد پر اتر آیا اور ہزاروں من لکڑیاں جمع کر کے ان کو آگ لگوائی اور دہکتی ہوئی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈلوادیا۔خداوند قدوس کو اس میں بھی اپنی قدرت کے کرشمہ کا اظہار مقصود تھا وہ دہکتی ہوئی آگ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بن گئی اور اعدائے دین اپنے ارادوں میں ناکام اور ذلیل ورسوا ہوئے۔

جب بدبخت قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رشد وہدایت کو کسی طرح قبول نہ کیا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت پہنچائیں۔چنانچہ آپ نے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کا ارادہ کیا اور باپ کو پھر نصیحت فرمائی مگر باپ پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ برعکس جیسا کہ سورۂ مریم میں ارشاد ہے باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا اور پتھروں سے مار ڈالوں گا۔اپنی خیریت چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔

جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اخلاق کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اے باپ اگر میری بات ونصیحت کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تجھ کو سلام ہے۔میں اب الگ ہوا جاتا ہوں مگر غائبانہ تیرے لئے درگاہ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں گا تا کہ ہدایت نصیب ہو اور تو خدا کے عذاب سے نجات پائے۔یہ کہہ کر اپنی بی بی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو ہمراہ لے کر کہ ان کے علاوہ اور کوئی ایک بھی ایمان نہ لایا تھا آپ راہ حق میں نکل کھڑے ہوئے اور گھر بار اور عزیزان وطن سب کو چھوڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر چل دیئے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ وطن کو چھوڑتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خدائے ذوالجلال سے دعا کی وہ ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی کہ اے میرے پروردگار مجھے مزید علم وحکمت اور درجات قرب وقبول مرحمت فرما اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں جو انبیاء علیہم السلام ہیں شامل رکھ اور مجھے ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں یعنی میرے مرنے کے بعد دنیا میں میرا سچائی اور ذکر خیر کے ساتھ تذکرہ باقی رہے اور توحید کا طریقہ جو مجھے نصیب ہوا ہے میرے بعد میں بھی رہے چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبول عام عطا فرمایا۔تمام اہل کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور امت محمدیہ تو ہر نماز میں "کما صلیت علی ابراهيم وعلی آل ابراهيم" اور "کما بارکت علی ابراهيم وعلی آل ابراهيم" نماز میں پڑھتی ہے۔پھر آگے دعا کرتے ہیں کہ میرا ذکر خیر جہاں دنیا میں باقی رہے وہیں آخرت میں بھی جنتی بنایا جاؤں اور خدایا میرے گمراہ باپ کو ہدایت فرمادے اور اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف کردے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے حق میں دعائے خیر کا وعدہ کیا تھا اس لئے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اس وقت تک باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگا کئے جب تک باپ کے کفر کی حالت پر مرنے کا یقین نہیں ہوا۔جب یہ معلوم ہو گیا کہ باپ کا خاتمہ کفر پر ہوا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔اب یہی حکم شریعت محمدیہ میں بھی ہے۔سورۂ توبہ کے مدینہ منورہ میں نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے کافر ماں باپ کی مغفرت کی دعا مانگا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ممانعت کا حکم نازل فرمایا۔جس پر اہل اسلام نے ان اعزا واقارب کے لئے جو کفر پر مرے تھے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اے پروردگار قیامت کی ذلت اور رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا جس دن نجات کے لئے نہ مال کام آئے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم یعنی کفر وشرک سے پاک دل لے کر خدا کے حضور حاضر ہو۔یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ختم ہوئی مگر چونکہ یہاں قیامت کا ذکر آپ کی دعا کے اخیر میں آ گیا اس لئے آگے حق تعالیٰ بطور جملہ معترضہ کے قیامت کا کچھ حال بیان فرماتے ہیں کہ اس روز جنت مع اپنی انتہائی آرائش وزیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی وہ مسرور اور محظوظ ہوں گے۔اسی طرح جہنم کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا کہ داخل ہونے سے پہلے ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔اس وقت کفار ومشرکین سے کہا جائے گا کہ اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں۔نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔یہ کفار ومشرکین اور ابلیس کا سارا لشکر سب کو دوزخ میں اوندھے منہ دھکیل دیا جائے گا۔

اب چونکہ یہاں جہنمیوں کا تذکرہ آ گیا تو کفار دوزخ میں آپس میں کیا گفتگو کریں گے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ

وہ کفار دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے کہیں گے۔کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے۔جبکہ تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے گمراہ کیا۔سو نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم ایمان والے ہو جاتے۔بیشک اس واقعہ میں ایک بڑی عبرت ہے،اور ان میں اکثر لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

ایمان نہیں لاتے۔بیشک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے۔

قَالُوْا وہ کہیں گے	وَهُمْ اور وہ	فِيْهَا اس (جہنم) میں	يَخْتَصِمُوْنَ جھگڑتے ہوں گے	تَاللّٰهِ قسم اللہ کی	اِنْ كُنَّا بیشک ہم تھے	لَفِيْ البتہ۔میں	
ضَلٰلٍ گمراہی	مُّبِيْنٍ کھلی	اِذْ جب	نُسَوِّيْكُمْ ہم برابر ٹھہراتے تھے تمہیں	بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کے رب کے ساتھ			
وَمَآ اَضَلَّنَآ اور نہیں گمراہ کیا ہمیں	اِلَّا مگر (صرف)	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	فَمَا لَنَا پس نہیں ہمارے لئے	مِنْ کوئی	شَافِعِيْنَ سفارش کرنیوالا	وَلَا اور نہ	
صَدِيْقٍ کوئی دوست	حَمِيْمٍ غم خوار	فَلَوْ پس کاش	اَنَّ لَنَا کہ ہمارے لئے	كَرَّةً لوٹنا	فَنَكُوْنَ تو ہم ہوتے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ ایک نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں ہیں	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	وَاِنَّ اور بیشک	
	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی گئی تھی جو اس درخواست پر ختم ہوئی تھی کہ اے میرے رب مجھے قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائیے گا۔ اللہ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پیغمبر جلیل اور اپنے رب کے خلیل ہیں اس پر بھی التجایہ کر رہے ہیں کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا۔ پھر اللہ کی شان بے نیازی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب دعائیں قبول ہوئیں مگر باپ کے حق میں نہ قبول ہوئی تو چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے اخیر میں قیامت کا ذکر آ گیا تھا۔ اس کی مناسبت سے جنت وجہنم کا ذکر فرمایا اور بتلایا گیا کہ جنت متقیوں یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کے نزدیک اور سامنے کر دی جائے گی۔ سبحان اللہ! مومنین متقین کے اعزاز واکرام کا کیا کہنا۔ بجائے اس کے کہ ان کا کوچ جنت کی طرف کرایا جائے الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی۔ ایسے ہی کفار ومشرکین کے سامنے دوزخ ظاہر کی جائے گی اور بالآخر اسی جہنم میں اوندھے منہ مع ابلیس اور اس کے لشکر کے سب ڈال دیئے جائیں گے تو یہ اہل دوزخ یعنی کفار ومشرکین اور دیوی و دیوتاؤں کے پجاری باہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے اور ایک دوسرے کو الزام دیں گے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ معبودان باطل کی پرستش کرنے والے مع اپنے معبودوں کے اور بت پرست مع اپنے بتوں کے اور ابلیس مع اپنے چیلے

جانپڑوں کے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے تو آپس میں جھگڑیں گے اور بالآخر اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ جو ہم نے ان بتوں کو اور دوسری چیزوں کو خدائی کے حقوق و اختیارات دے کر رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں اور مجرموں نے کرائی۔ اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ کوئی دیوی دیوتا مدد کو آتا ہے۔ نہ شیطان ہم کو پوچھتا ہے۔ وہ خود ہی سب دوزخ کے کندے بن رہے ہیں اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ہماری مدد اور سفارش تو کیا کرتے افسوس کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس اڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی اور ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ اے کاش کہ ہم کو ایک مرتبہ پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جاتا تو ہم پکے ایماندار بن کر دکھاتے مگر سورۂ انعام ساتویں پارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ولوردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکذبون اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی دنیا میں بھیج دیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ غرضکہ کفار جہنم میں کبھی تو قسمیں کھا کھا کر اپنی گمراہی پر افسوس کریں گے اور کبھی ان شیاطین یا بڑے مجرموں کو برا کہیں گے جنہوں نے کہ بہکایا اور کبھی چھوٹے گناہ گاروں کو انبیاء و ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے نجات پاتے دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ ہمارا بھی کوئی ایسا مخلص دوست پیدا ہو جائے کہ جو ہماری شفاعت و سفارش کرے۔ کفار و مشرکین کی اس بے سود تمنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کو انہیں آیات پر ختم فرمایا جاتا ہے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کو ختم فرمایا تھا یعنی ان فی ذلک لاٰیۃ وما کان اکثرھم مؤمنین وان ربک لھوا العزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور جو دلیلیں انہیں دیں اور ان پر توحید کی وضاحت کی طالبان حق کے لئے ایک عبرت و نشانی ہے کہ جن میں غور کر کے توحید کا اعتقاد کریں اور خدا کی یکتائی پر ایمان لائیں لیکن پھر بھی ان مشرکین مکہ میں اکثر لوگ ایمان سے رکے ہوئے ہیں۔ بیشک آپ کا رب بڑا زبردست ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے پر عذاب دے سکتا تھا مگر ساتھ ہی بڑی رحمت والا بھی ہے کہ مہلت دے رکھی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قوم سے نکل جانے کے بعد اس پر جو عذاب آیا اس کا ذکر اگرچہ قرآن پاک میں نہیں کیا گیا ہے لیکن سورۂ توبہ میں اور سورۂ حج میں یہ تصریح موجود ہے کہ اس قوم کا شمار معذب قوموں ہی میں کیا گیا ہے۔ الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ نافرمان قوم بھی دنیا سے مٹی اور ایسی مٹی کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ تو مشرکین عرب بالخصوص کفار مکہ جو دعویٰ تو ملت ابراہیمی کی پیروی کا رکھتے تھے اور ساتھ ہی شرک میں بھی مبتلا تھے ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ سے متنبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شرک کے دشمن اور دعوت توحید کے علمبردار تھے اور جو دین وہ لے کر آئے وہ یہی خالص اسلام تھا جسے اب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس سے تم برسرپیکار ہو۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد تیسرا قصہ آگے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں کہ قیامت میں ہم کو ذلت و رسوائی سے بچ کر متقین کے گروہ میں شامل ہونا نصیب ہو اور ان کے ساتھ جنت کی دائمی نعمتیں ملنا نصیب ہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم نوحؑ نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کی برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔

اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں۔ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ

عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

ان کے کام سے مجھ کو کیا بحث۔ ان سے حساب کتاب لینا بس خدا کا کام ہے کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو۔ اور میں ایمانداروں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾

میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ نُوْحٍ نوح کی قوم	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں کو	اِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ انکے بھائی	نُوْحٌ نوح	اَلَا کیا نہیں	
تَتَّقُوْنَ تم ڈرتے	اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس ڈرو اللہ سے تم	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو		
وَ اور	مَآ اَسْئَلُكُمْ میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ کوئی	اَجْرٍ اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر (صرف)	عَلٰى پر
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین	فَاتَّقُوْا پس ڈرو تم	اللّٰهَ اللہ سے	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	قَالُوْا وہ بولے	اَنُؤْمِنُ کیا ہم ایمان لے آئیں			
لَكَ تجھ پر	وَاتَّبَعَكَ جبکہ تیری پیروی کی	الْاَرْذَلُوْنَ رذیلوں نے	قَالَ (نوحؑ) نے کہا	وَمَا عِلْمِيْ اور مجھے کیا علم	بِمَا اسکی جو			
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے	اِنْ نہیں	حِسَابُهُمْ ان کا حساب	اِلَّا مگر۔صرف	عَلٰى رَبِّيْ میرے رب پر	لَوْ اگر	تَشْعُرُوْنَ تم سمجھو		
وَمَا اور نہیں	اَنَا میں	بِطَارِدِ ہانکنے والا (دور کرنے والا)	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	اِنْ اَنَا نہیں میں	اِلَّا مگر۔صرف	نَذِيْرٌ ڈرانے والا	مُّبِيْنٌ صاف طور پر	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے اس کے بعد اب حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے واقعہ کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا اجمالی اور تفصیلی ذکر ۲۸ سورتوں میں آیا ہے۔ یہاں اپنے مقصد کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو بیان فرمایا گیا جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہاں واقعہ بیان کر کے جہاں ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو تسلی دینی مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ انبیاء کی تکذیب کرنا۔ اور ان کو دکھ پہنچانا۔ اور اہل حق کو ایذائیں دینا نئی بات نہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ صدہا برس تک مخالفت پر کمربستہ رہی بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر

اورغرق ہوکرتباہ ہوئی۔ دوسری طرف کفار مکہ اور مشرکین عرب کی پیغمبر کی نافرمانی کرنے پر ہلاکت و بربادہونے کی وعید سنائی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی تو ہوئے مگر حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا اور جدید شریعت عطا کی گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہوچکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی۔ غیر اللہ کی پرستش اور بت پرستی ان کا شعار ہوگیا تھا۔ سنت اللہ کے مطابق ان کے رشدو ہدایت کے لئے ان ہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کو راہ حق کی طرف پکارا اور سچے دین الٰہی کی دعوت دی لیکن قوم نے نہ مانا اور نفرت وحقارت کے ساتھ انکار پر جمے رہے غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اور ایک پیغمبر کا انکار کرنا گویا تمام پیغمبروں سے انکار کرنا تھا اس لئے کہ رسول کی تکذیب درحقیقت اس دعوت اور پیغام کی تکذیب ہے جسے لے کر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس لئے جو شخص یا گروہ کسی ایک رسول کا بھی انکار کردے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں کا منکر ہے۔ چنانچہ ان آیات میں قوم نوح علیہ السلام کے قصہ کی ابتدا اسی جملہ سے ہوتی ہے کہ قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو ان کے قومی اور وطنی بھائی تھے انہیں نصیحت کی کہ تم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو تو عذاب خدا کا تمہیں ڈر نہیں۔ تم اس شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے اور اس کے نتیجہ بد سے کیوں نہیں ڈرتے۔ توحید کی تعلیم کے بعد اپنی رسالت کی تلقین کی اور فرمایا کہ میں تمہاری طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں اور رسول بھی امانت دار کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ ہو بہو پیغام الٰہی سنا رہا ہوں اور امانت کے ساتھ ادائے رسالت کررہا ہوں پس تمہیں خدا سے ڈر کر میری تمام باتوں کو بلاچوں وچرا مان لینا چاہئے۔ میں عقائد اور اعمال کی اصلاح کے متعلق جو حکم دوں اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کروں اس سے باز رہو اور میں نہایت صفائی سے یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میں اس تبلیغ رسالت پر کسی معاوضہ واجرت کا طالب نہیں ہوں۔ میں مال وزر حکومت وامارت کا خواہش مند نہیں۔ میری نصیحت کسی غرض پر مبنی نہیں۔ اس خدمت کا اجر تو میرا پروردگار مجھے عنایت فرمائے گا پس تم کو میرے متعلق کسی دنیاوی غرض کا شبہ نہ ہونا چاہئے اس لئے تمہیں خدا سے ڈرنا چاہئے اور میرا کہنا ماننا چاہئے۔ قوم اس کا جواب دیتی ہے کہ اے نوح! ہم تمہارے کہنے پر کیسے چل سکتے ہیں۔ تمہاری بات ماننے والے تو چند رذیل لوگ ہیں اگر تمہارا قول حقانیت رکھتا تو ہمارے سردار اور شرفا تمہارے پیرو ہوتے ان بیوقوفوں کے مان لینے سے تو ہم تمہاری تصدیق نہیں کرسکتے۔ قوم کے سرداراور شرفا کا یہ حال تھا کہ اول تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف توجہ ہی نہ دیتے اور اگر کبھی توجہ کرتے بھی تو پہلے یہ اصرار کرتے کہ ان پست اور غریب افراد کو جو تمہارے تابع اور پیرو بن گئے ہیں۔ پہلے ان کو اپنے پاس سے نکال دو تب ہم تمہارے پاس بیٹھ کر تمہاری بات سنیں گے کیونکہ ہم کو ان لوگوں سے گھن آتی ہے۔ ہم اور یہ ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتے۔ ٹھیک یہی معاملہ اس سورۂ شعراء کے نزول کے زمانہ میں نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان چل رہا تھا اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے قوم کے سرداروں کی یہ گفتگو یہاں سنائی جارہی ہے کفار مکہ

3

میں سے بڑے بڑے سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے غلاموں اور کام پیشہ لوگوں کے ساتھ ہم کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ غریب غربا اگر آپ کے پاس سے ہٹا دیئے جائیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی بات سن سکتے ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقین فرمائی گئی تھی کہ حق سے منہ موڑنے والے متکبروں کی خاطر ایمان قبول کرنے والے غربا کو ہٹایا نہیں جا سکتا۔ ٹھیک اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس کے تم خواہشمند ہو۔ رہا ان کی امیری غریبی قوم اور پیشہ تو مجھ پر یہ لازم نہیں کہ کوئی حق قبول کرنے آئے تو میں یہ معلوم کروں کہ پہلے یہ لوگ کیا کرتے تھے ان کے افعال شریفانہ تھے یا رذیلانہ۔ حساب کرنے والا تو اللہ ہی ہے وہی واقف ہے کہ یہ کیا کرتے تھے اب تو یہ مؤمن ہیں اور مومنوں کو میں اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔ کاش تم میں اتنا شعور ہوتا کہ ایسی نمایاں اور واضح بات کو سمجھ لیتے کہ ایمان کے بعد گذشتہ اعمال کا محاسبہ باقی نہیں رہتا اور ایمان میں شرافت و رذالت اور غریبی اور امیری کو کوئی دخل نہیں مومن ہو جانے کے بعد سب برابر ہیں۔ ذلت اور عزت کا معیار صرف ایمان ہے نسبی اور مالی برتری کوئی چیز نہیں۔ الغرض یہ لوگ پہلے کچھ بھی ہوں اب بظاہر مومن اور قابل عزت ہیں۔ اور میں مومنین کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔ اگر نہ مانو گے تو میرا کچھ حرج نہیں کیونکہ میں صرف پیغام پہنچانے اور ڈرانے والا ہوں کسی کو جبراً منوانا میرے ذمہ نہیں میرا فرض تم کو آگاہ کرنا تھا سو میں کر چکا۔ تمہاری لغو فرمائشیں پورا کرنا میرے ذمہ نہیں۔

اس پر قوم کے سرکش اور نافرمانوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو کیا جواب دیا اور پھر اس سرکشی کا کیا انجام ہوا یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

قرآن پاک نے جو نافرمان قوموں کے قصہ بیان کئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ ہم کو عبرت و بصیرت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے کامل طور پر بچائیں۔ جو احکام الٰہیہ اور پیغام ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو پہنچے ہیں ان پر دل و جان سے ہم کو اتباع اور فرمانبرداری کی توفیق نصیب ہو آج جو امت میں امیری غریبی کے جھگڑے آپس میں پیدا ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو دور فرمائیں اور سب کو ایمان و اسلام سے سچی محبت نصیب فرمائیں تاکہ ایمان کی برکت سے غریب امیر کو اور امیر غریب کو بھائی بھائی سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں میں تازیست شامل رکھیں۔ اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم اے نوحؑ باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کردیئے جاؤ گے۔ نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھ کو جھٹلا رہی ہے۔

بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

سو آپ میرے اور اُن کے درمیان میں ایک فیصلہ کردیجئے اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں اُن کو نجات دیجئے۔ تو ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ

فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

بھری ہوئی کشتی میں تھے اُن کو نجات دی۔ پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کردیا۔ اس میں (بھی) بڑی عبرت ہے۔ اور ان میں اکثر لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

ایمان نہیں لاتے۔ بیشک آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

قَالُوْا بولے وہ	لَئِنْ اگر	لَّمْ تَنْتَهِ تم باز نہ آئے	يٰنُوْحُ اے نوحؑ	لَتَكُوْنَنَّ تو ضرور ہوگے	مِنَ سے	الْمَرْجُوْمِيْنَ سنگسار کئے جانے والے		
قَالَ (نوحؑ نے) کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنَّ بیشک	قَوْمِيْ میری قوم	كَذَّبُوْنِ مجھے جھٹلایا	فَافْتَحْ پس فیصلہ کردے	بَيْنِيْ میرے درمیان		
وَبَيْنَهُمْ اور انکے درمیان	فَتْحًا ایک کھلا فیصلہ	وَنَجِّنِيْ اور نجات دے مجھے	وَمَنْ اور جو	مَّعِيَ میرے ساتھی	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والے		
فَاَنْجَيْنٰهُ تو ہم نے نجات دی اسے	وَمَنْ اور جو	مَّعَهٗ اس کیساتھ	فِي الْفُلْكِ کشتی میں	الْمَشْحُوْنِ بھری ہوئی	ثُمَّ پھر	اَغْرَقْنَا غرق کردیا ہم نے		
بَعْدُ اس کے بعد	الْبٰقِيْنَ باقیوں کو	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہ	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ اُن کے اکثر	
مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا وہ نقل فرمایا گیا تھا جس کے اخیر میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ان غریب اور کم حیثیت لوگوں کو جو مجھ پر ایمان لے آئے ہیں اپنے پاس سے علیحدہ نہیں کرسکتا جیسا کہ قوم کے سردار خواہشمند تھے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میرا فرض تم کو آگاہ کرنا تھا۔ اور پیغام حق پہنچانا تھا سو میں کرچکا اور تم کو نافرمانی کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرا چکا اب تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔ مغرور قوم اس کے جواب میں جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آئی اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے قوم حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگی کہ اے نوح اگر تم اس کہنے سننے سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے اور پتھر مار مار کر تمہیں جان سے ختم کردیں گے۔ ان دھمکیوں کا اثر اللہ کے پیغمبر پر تو کیا ہونا تھا۔ آپ نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمت الٰہی کے آغوش میں آجائے مگر قوم نے نہ ماننا تھا نہ مانا اور جس قدر آپ تبلیغ حق میں جدوجہد فرماتے اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد بڑھتا اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال ہوتا۔ آخر میں جیسا کہ سورۂ ہود بارھویں پارہ میں بتلایا گیا قوم کے لوگ زچ ہوکر کہنے لگے کہ اے نوح! اب ہم سے یہ لسانی جنگ وجدال ختم کرو یہ جھگڑا قصہ بہت کچھ ہوچکا تم جو ہم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو تو اگر تم سچے ہو تو اسے لاکر دکھاؤ۔ اس کا جواب بھی وہیں سورۂ ہود میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ سن کر ان کو جواب دیا کہ عذاب الٰہی میرے قبضہ میں نہیں ہے وہ تو اس کے قبضہ میں ہے جس

نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ چاہے تو یہ بھی ہو جائے گا۔ بہر حال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور آپ نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا اور سوائے گنتی کے چند نفر کے اور کوئی ایمان نہ لایا تو آپ سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے اور جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا آپ نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرمائی کہ اے پروردگار میری قوم نے میری بات نہ مانی۔ مجھے سچا نہ جانا۔ اور برابر مجھ کو جھٹلاتی رہی اب آپ میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے ان مؤمنوں سمیت جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اس قوم سے نجات اور چھٹکارا بخشئے۔ ۹۵۰ سال کی تبلیغ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے صرف ۴۰ نفر کی تعداد بتلائی ہے۔ لیکن عام اہل تفسیر نے تقریباً ۸۰ کی تعداد لکھی ہے واللہ اعلم۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام کی دعا حق تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی فرمائی کہ آپ ان کی حرکات پر غم نہ کریں اب ان سرکشوں کی سزا کا وقت قریب آ لگا ہے۔ بس جو آپ کی قوم سے ایمان لے آئے وہ لے آئے۔ اب ان میں سے مزید کوئی لانے والا نہیں اب یہ سب غرق ہو کر ہلاک ہونے والے ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی گئی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تا کہ اسباب ظاہری کے اعتبار سے اس میں مؤمنین بیٹھ کر اس عذاب سے محفوظ رہیں جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں کشتی بنانی شروع کی تو قوم کے کفار نے ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا شروع کر دیا کہ اب نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔ پانی کا کہیں نام و نشان نہیں ایسی صورت میں کشتی کا بنانا اور پانی سے بچاؤ کی حفاظت کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور کیسا احمقانہ خیال ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی ان کے انجام کار سے غفلت اور خدا کی نافرمانی پر جرأت دیکھ کر ان کو ان ہی کے طرز پر جواب دیتے کہ آج تم ہم پر ہنس رہے ہو کل ہم تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ الغرض ادھر کشتی بن کر تیار ہو گئی ادھر خدا کے وعدۂ عذاب کا وقت قریب آ لگا۔ وحی الٰہی کے حکم کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام بمعہ اس جماعت کے جو آپ پر ایمان لا چکی تھی کشتی میں سوار ہو گئے اور جانوروں میں سے بھی ایک ایک جوڑا ساتھ رکھ لیا گیا۔ جب وحی الٰہی کی تکمیل ہو گئی تو اب آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہوا اور زمین کے چشموں کو حکم ہوا کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں۔ خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہوتا رہا تو کشتی بھی اس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی اور تمام منکرین و معاندین غرق آب ہو کر ہلاک ہو گئے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی شامل تھا جس کو طوفان کا یقین نہ تھا اور وہ قوم کے کافروں میں شامل رہا۔ غرض جب حکم الٰہی سے عذاب ختم ہوا اور پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہوا تو ساکنان کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی یا آدم ثانی یعنی انسانوں کے دوسرے باپ مشہور ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ کو بھی انہی آیات پر ختم کیا گیا جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کو ختم کیا گیا تھا یعنی ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت اور نشانی ہے لیکن باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر ایمان نہیں لاتے بیشک آپ کا رب زبردست غالب ہے کہ وہ چاہے تو دم کے دم میں کافروں کو ہلاک کر کے ختم کر دے مگر ساتھ ہی رحیم اور مہربان بھی ہے کہ جو ان کو مہلت دیئے ہوئے ہے۔

اب آگے چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کی قوم عاد کا ذکر فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اِس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا

کیا تم ہر اُونچے مقام پر ایک یادگار بناتے ہو جس کو محض فضول بناتے ہو۔ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب

بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾

کسی پر داروگیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر بن کر داروگیر کرتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اُس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾

(یعنی) مواشی اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی۔ مجھ کو تمہارے حق میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَا اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا

وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو۔ یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ اور ہم کو

نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾

ہرگز عذاب نہ ہوگا غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کردیا، بیشک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾

اور بے شک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	عَادُ عاد	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ ان کے بھائی	هُوْدٌ ہود	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں
اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوا اللّٰهَ سو تم ڈرو اللہ سے	وَ اور	اَطِيْعُوْنِ میری اطاعت کرو	وَ اور
مَا اَسْئَلُكُمْ میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر۔صرف	عَلٰى پر	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین
اَتَبْنُوْنَ کیا تم تعمیر کرتے ہو	بِكُلِّ رِيْعٍ ہر بلندی پر	اٰيَةً ایک نشانی	تَعْبَثُوْنَ کھیلنے کو (بلا ضرورت)	وَتَتَّخِذُوْنَ اور تم بناتے ہو			
مَصَانِعَ مضبوط۔شاندار محل	لَعَلَّكُمْ شاید تم	تَخْلُدُوْنَ تم ہمیشہ رہو گے	وَاِذَا اور جب	بَطَشْتُمْ تم گرفت کرتے ہو	بَطَشْتُمْ گرفت کرتے ہو تم		
جَبَّارِيْنَ جابر بن کر	فَاتَّقُوْا پس ڈرو	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	وَاتَّقُوْا اور ڈرو	الَّذِيْ وہ جس نے	اَمَدَّكُمْ مدد کی تمہاری	

بِمَا تَعْلَمُوْنَ اس سے جو تم جانتے ہو	اَمَدَّكُمْ تمہاری مدد کی	بِاَنْعَامٍ مویشیوں سے	وَّبَنِيْنَ اور بیٹوں	وَّجَنّٰتٍ اور باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	
اِنِّيْٓ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	عَلَيْكُمْ تم پر	عَذَابَ عذاب	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک بڑا دن	قَالُوْا وہ بولے	سَوَآءٌ برابر	عَلَيْنَآ ہم پر
اَوَعَظْتَ خواہ تم نصیحت کرو	اَمْ لَمْ تَكُنْ یا نہ ہو تم	مِّنَ سے	الْوٰعِظِيْنَ نصیحت کرنے والے	اِنْ هٰذَآ نہیں ہے	اِلَّا مگر	خُلُقُ عادت
الْاَوَّلِيْنَ اگلے لوگ	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمُعَذَّبِيْنَ عذاب دیئے جانیوالوں سے	فَكَذَّبُوْهُ پس انہوں نے جھٹلایا اسے	فَاَهْلَكْنٰهُمْ تو ہم نے ہلاک کردیا انہیں	
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا كَانَ اور نہیں تھے	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	وَاِنَّ اور بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام اور ان کی اقوام کے ذکر فرمائے گئے تھے۔ اب چوتھا قصہ قوم عاد کا جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی بیان فرمایا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں قوم عاد کا تذکرہ ۹ سورتوں میں فرمایا گیا ہے۔ یہ قوم عاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے تقریباً تین ہزار سال پہلے عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرموت یمن، عدن، عمان اور خلیج فارس کے ساحل سے حدود عراق تک آباد تھی۔ اور جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔ یہ لوگ بڑے تنومند۔ قدآور۔ شہ زور اور طاقت ور تھے۔ یہ نہایت فارغ البال قوم تھی۔ ان کے یہاں اموال و اولاد کی کثرت تھی۔ ملک بھی سرسبز وشاداب تھا جس کی بنا پر یہ لوگ مطمئن اور آسودہ حال تھے۔ ان لوگوں کو بلند مقامات پر عالیشان اور دیرپا عمارتیں تعمیر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اونچے اونچے مضبوط مینارے اور رہنے کے بڑی پرتکلف اور شاندار عمارتیں بناتے۔ لیکن یہ شاندار اور زبردست قوم گم کردہ راہ تھی۔ یہ قوم شرک و بت پرستی کے جرم عظیم کی مرتکب تھی۔ خدائے واحد ذوالجلال کو بھلا کر اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی اعمال بے خوف وخطر کرنے لگے تھے۔ روزی دینے۔ مینہ برسانے اولاد دینے۔ تندرستی عطا کرنے اور مختلف حاجات کے لئے الگ الگ بت بنا رکھے تھے جن کی عام طور پر پرستش ہوتی تھی۔ پھر یہ نہایت ظالم قوم بھی تھی۔ معاشرہ کے کمزور اور ضعیف افراد کو ظلم وستم اور جبر وتعدی کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ قرآن مجید نے پچھلی مشرک اور معذب قوموں کا جہاں جہاں بیان کیا ہے ان کے شرک و جہالت کے ساتھ کہ وہ سب میں مشترک ہے۔ ان کے مخصوص قومی جرائم کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ کوئی قوم تجارتی بددیانتی۔ خیانت۔ غبن میں خاص طور پر آلودہ گزری ہے۔ کوئی ظلم و شقاوت وسنگدلی میں۔ کوئی بدچلنی اور شہوت پرستی میں وغیرہ وغیرہ چنانچہ قوم عاد نام ونمود وفخر ونمائش کے ساتھ ساتھ ظلم وجبر اور شقاوت وسنگدلی میں بھی ممتاز تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی قوم میں حضرت ہود علیہ السلام کو پیدا فرمایا اس لحاظ سے آپ اس قوم عاد کے قومی اور وطنی بھائی تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام اور چودھویں پشت میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملنا بیان کیا گیا ہے اور توراۃ کے بیان کے مطابق آپ کی عمر ۴۶۴ سال کی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو اپنی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ نے قوم کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت و بندگی کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر ظلم و جور کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام مسلسل دین الٰہی کی

تبلیغ میں لگے رہے۔ آپ اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے۔ غرور اور سرکشی کے نتائج بتا کر قوم نوح کے واقعات یاد دلاتے۔ پھر پیغام حق کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بھی دہراتے کہ میں تم سے کسی اجر وعوض کا خواہاں نہیں۔ کسی عزت و جاہ اور ریاست کا طالب نہیں۔ مگر قوم عاد میں ایماندار تو چند ہی تھے باقی تمام سرکش اور مغرور ومتکبر انسانوں کا گروہ تھا۔ ان پر حضرت ہود علیہ السلام کی نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا بلکہ ہود علیہ السلام کی تکذیب و تذلیل کے اور زیادہ درپے ہو گئے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ یعنی حضرت ہود علیہ السلام جو ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے ان کی تکذیب کی اور اللہ کے ایک پیغمبر کی تکذیب گویا تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ سب ایک ہی پیغام ایک ہی اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم یہ شرک اور بے محابا معاصی کا ارتکاب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے۔ دیکھو میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں۔ تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔ تمہاری صلاح وفلاح کا طالب مخلص ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بارہ میں خائن نہیں بلکہ امین ہوں۔ وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہا جاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہوں قوم کی سعادت اور بھلائی اور دائمی نجات کے لئے کہتا ہوں اس لئے تمہیں چاہئے کہ خدا سے ڈر کر میری اطاعت کرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم کو یہ بھی بتلا دوں کہ میں تم سے اس پیغام رسانی پر کسی قسم کا بھی معاوضہ نہیں مانگتا۔ نہ از قسم جاہ نہ از قسم مال پس تم کو مجھ پر کسی ذاتی غرض کا شبہ بھی نہ ہونا چاہئے۔ میرا معاوضہ تو اس رب العالمین کے ذمہ ہے جس کا میں کام کر رہا ہوں۔ پھر تم جو یہ فخر ونمائش اور نام ونمود کے لئے اونچے اونچے ٹیلوں پر بلند و بالا علامتیں جیسے اونچے اونچے مینار۔ یادگاریں۔ سیر گاہیں۔ اپنی قوت اور مال کے اظہار کے لئے بناتے ہو اس فعل عبث سے کیا فائدہ کہ اس میں بے کار دولت کا کھونا۔ وقت کا برباد کرنا اور مفت میں مشقت اٹھانا ہے۔ ایسی یادگاروں میں بجز نام ونمود کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ پھر تم یہ عالیشان پر تکلف عمارتیں بناتے ہو اور ان مین بڑی کاریگریاں دکھلاتے ہو گویا کہ دنیا ہی میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے جس کے لئے یہ انتظام کیا جاتا ہے۔

معتبر روایات سے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں جب دمشق پہنچے اور دیکھا کہ مسلمانوں نے محلات اور باغات کی تعمیر اعلیٰ پیمانہ پر ضرورت سے زیادہ شروع کر دی تو آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اول نماز پڑھائی پھر بلند آواز سے فرمایا کہ اے اہل دمشق تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کر دیا جسے تم کھا نہیں سکتے تم نے وہ مکانات بنانے شروع کر دیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے۔ تم نے وہ دور دراز کی امیدیں اور آرزوئیں شروع کر دیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے تم سے اگلے لوگوں نے بھی مال جمع کر کے اور خوب جوڑ جوڑ کے رکھا تھا بڑے بڑے اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے۔ بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکہ میں رہ گئے ان کی پونجی برباد ہو گئی۔ ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔ عادیوں کو دیکھو کہ عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن آج وہ کہاں ہیں۔ ایسا کوئی بیوقوف ہے کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے بھی خریدے۔ یہ حضرت ابودرداء کا واقعہ تو ضمناً درمیان میں آ گیا تھا مگر آج

اپنی قوم کی حالت بھی دیکھ لیجئے!

الغرض قوم عاد کے دلوں میں چونکہ حب دنیا تھی۔ جاہ پسندی تھی۔ مال کی ہوس تھی اس لئے جائز و ناجائز کی تفریق انہوں نے مٹادی تھی۔ کوئی قانون عدل اور ضابطۂ انصاف نہ تھا۔ صرف قوت وشوکت معیار برتری تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی مثال پورے طور پر صادق تھی غریبوں کے مال و ناموس پر دست درازی زبردستوں کا شیوہ تھا۔ کمزوروں سے بیگار لینے کا عام دستور تھا ضعیفوں کا ستانا قابل فخر تھا۔ اپنے مخالفوں کی سخت ترین گرفت ان کا قومی شعار تھا اس لئے حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو ان بیہودہ اور ظالمانہ حرکات سے بھی روکا اور فرمایا کہ تم نے جو ظلم وستم سے زیردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ سو اللہ سے ڈرو اور ظلم وتکبر سے باز آ جاؤ اور میری نصیحتوں کو مانو۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ کے انعامات اور احسانات کی یاد دلائی اور فرمایا کہ اللہ نے تم کو ہر طرح کی وسعت وفراخی دے رکھی ہے۔ اولاد کی کثرت۔ مویشیوں اور جانوروں کی وسعت۔ طرح طرح کے باغات۔ چشمے سب کچھ تم کو دے رکھا ہے۔ لہٰذا اس خدا سے ڈرو کہ کہیں غیبی گرفت نہ ہو جائے اور سخت عذاب میں نہ پکڑ لئے جاؤ۔ اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سب سامان تم کو کس نے دیئے ہیں۔ کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں؟ اگر تمہاری یہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پہلی قوموں کی طرح گرفتار عذاب نہ ہو جاؤ۔ غرض کہ حضرت ہود علیہ السلام نے نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ مگر ان تمام پند ونصائح اور تبلیغ ودعوت کے جواب میں قوم اللہ کے پیغمبر کو یہ جواب دیتی ہے کہ تمہارا یہ نصیحت کرنا نہ کرنا ہمارے لئے دونوں برابر ہیں۔ یہ تمہارا وعظ داستانِ پارینہ ہے گذشتہ لوگوں کا بھی یہی دستور تھا وہ بھی مدعی نبوت ہو کر لوگوں کو یونہی کہتے سنتے رہے۔ ہم مدت سے یونہی سنتے چلے آئے ہیں لیکن عذاب جس سے ڈرایا جاتا ہے نہ پہلے آیا اور نہ اب آئے گا۔ الغرض جب قوم عاد کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی اور انہوں نے نہ صرف آئندہ عذاب کا انکار کیا بلکہ گذشتہ صحیح واقعات عذاب کی بھی تکذیب کی اور اپنے پیغمبر کی تعلیم سے بے پناہ بغض وعناد اور انتہائی شرارت وبغاوت برتی تو پھر پاداش عمل اور قانون جزا کا وقت آ پہنچا اور غیرت حق حرکت میں آئی اور عذاب الٰہی نے سب سے پہلے خشک سالی کی شکل اختیار کی۔ عاد گھبرائے اور پریشان ہوئے اور عاجز ودرماندہ نظر آنے لگے تو حضرت ہود علیہ السلام کو جوش ہمدردی نے پھر اکسایا اور ان کو سمجھایا کہ اب بھی راہ حق اختیار کرلو۔ میری نصائح پر ایمان لے آؤ کہ یہی نجات کی راہ ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی ورنہ پچھتاؤ گے لیکن بدبخت اور بدنصیب قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور حضرت ہود علیہ السلام سے بغض وعناد اور دوبالا ہو گیا۔ تب ہولناک عذاب نے ان کو آ گھیرا۔ عذاب بادل کی شکل میں نظر آیا تو یہ سمجھ کر بہت خوش ہوئے کہ اب خوب بارش ہوگی مگر ان کو بتایا گیا کہ یہ تمہاری زیست کا سامان نہیں بلکہ موت وہلاکت کا سامان ہے اس ابر سے اللہ نے ان پر آندھی کا ایک طوفان بھیجا۔ اس ہلاکت خیز آندھی کا طوفان ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن رہا جس نے ان کو اور ان کی آبادی کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ چھتیں اڑ گئیں۔ مکان گر گئے۔ درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے۔ ہوا نے سرکش قوم کو اڑا اڑا کر پہاڑوں کے پتھروں پر دے پٹکا جس کی وجہ سے گردنیں ٹوٹ کر سر تن سے جدا ہو گئے۔ غرض کہ پوری بدکار قوم ہلاک ہو کر افسانہ بن گئی۔ اور آنے والی قوموں کی عبرت کے لئے

صرف ان بستیوں کے نشانات وکھنڈرات باقی رہ گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مخلص پیروان خدا کی رحمت سے عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کے اس واقعہ کو بھی انہیں آیات پر ختم فرمایا گیا جن پر حضرت موسیٰ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام کے واقعات کو ختم فرمایا گیا تھا یعنی ان فی ذلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم یعنی اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوا اور باوجود اس کے ان کفار مکہ سے اکثر ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست ہے کہ عذاب پر قادر بھی ہے مگر مہربان ہے کہ رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ میں جہاں کفار کے لئے وعید ہے کہ پیام حق سے سرتابی کرنے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ وہیں مسلمانوں کو بھی لازم ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں۔ اور اللہ کی نعمتوں کی قدردانی اور شکرگزاری یہی ہے کہ کسی نعمت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف استعمال نہ کیا جائے ورنہ یہی نعمتیں بجائے رحمت کے زحمت بن جاتی ہیں۔

ان آیات کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیات اتبنون بکل ریع ایۃ تعبثون. وتتخذون مصانع لعلکم تخلدونo (کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار کے طور پر عمارت بناتے ہو جس کو محض فضول بلاضرورت بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے) ان آیات سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً برا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں۔ اور اس کی تصدیق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے کہ ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔ (معارف القرآن جلد ۶ صفحہ ۵۳۸) اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور گمراہ بے دین اور معذب قوموں کی خصلتوں اور عادتوں کی نقل کرنے سے بچائیں۔ آمین۔

اب آگے پانچواں قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نافرمان اور معذب قوموں کی خصلتوں اور عادتوں کے اختیار کرنے سے امت مسلمہ کو بچائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہماری اصلاح کے لئے اپنا خوف وخشیت ہم کو عطا فرما دے تاکہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رک جائیں اور آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگ جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔

اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ

کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جاوے گا جو یہاں ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں

طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا

جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہیں۔ اور کیا تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور حدود سے

تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو۔ جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	ثَمُوْدُ ثمود	الْمُرْسَلِيْنَ رسول	اِذْ جب	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	اَخُوْهُمْ ان کے بھائی	صٰلِحٌ صالح	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں
اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ رسول	اَمِيْنٌ امانت دار	فَاتَّقُوا سو تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور تم میری اطاعت کرو		
وَمَآ اَسْئَلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ اَجْرٍ کوئی اجر	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر	عَلٰى پر	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین	
اَتُتْرَكُوْنَ کیا چھوڑ دیئے جاؤ گے تم؟	فِيْ میں	مَا هٰهُنَآ جو یہاں ہے	اٰمِنِيْنَ بے فکر	فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	وَّزُرُوْعٍ اور کھیتیاں		
وَّنَخْلٍ اور کھجوریں	طَلْعُهَا ان کے خوشے	هَضِيْمٌ نرم و نازک	وَتَنْحِتُوْنَ اور تم تراشتے ہو	مِنَ الْجِبَالِ پہاڑوں سے	بُيُوْتًا گھر			
فٰرِهِيْنَ خوش ہو کر	فَاتَّقُوا سو ڈرو تم	اللّٰهَ اللہ	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	وَلَا تُطِيْعُوْٓا اور نہ کہا مانو	اَمْرَ حکم	الْمُسْرِفِيْنَ حد سے بڑھ جانے والے		
الَّذِيْنَ جو لوگ	يُفْسِدُوْنَ فساد کرتے ہیں	فِيْ میں	الْاَرْضِ زمین	وَ اور	لَا يُصْلِحُوْنَ اصلاح نہیں کرتے			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں قوم عاد اور اس کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب پانچواں قصہ قوم ثمود اور اس کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی عمر ۲۸۰ سال کی ہوئی اور اسی قوم ثمود میں آپ پیدا ہوئے۔ قوم ثمود کا مقام سکونت حجاز اور شام کے درمیان تھا۔ قوم عاد کی طرح ثمود بھی نہایت قوی الجثہ طاقتور اور طویل العمر لوگ تھے۔ فن تعمیر اور فن سنگ تراشی میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ حجاز اور شام کے درمیان جہاں یہ قوم کسی زمانہ میں آباد تھی پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر نہایت شاندار۔ پرتکلف اور پائیدار عمارتیں بناتے تھے جن کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ قوم

نہایت آسودہ حال تھی۔ معاشی اعتبار سے مال و دولت کی فراوانی تھی اور ان کی زندگی بڑے عیش وعشرت میں گزرتی تھی مگر قوم عاد کی طرح یہ قوم ثمود بھی مشرک اور بت پرست تھی۔ وہ خدائے واحد ذوالجلال کے علاوہ بہت سے معبودان باطل کے پرستار تھے اس لئے ان کی اصلاح اور اظہار حق کے لئے ان ہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تا کہ وہ ان کو راہ راست پر لائیں۔ ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائیں۔ جن سے صبح وشام وہ محظوظ ہوتے رہتے تھے اور ان پر واضح کریں کہ کائنات کی ہر شے خدا کی توحید اور یکتائی پر شاہد ہے اور دلائل و براہین کے ساتھ ان کی گمراہی کو ظاہر کریں اور بتائیں کہ پرستش اور عبادت کے لائق صرف ایک ذات احد کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے چونکہ یہ قوم مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ مادہ پرست بھی تھی اس لئے آخرت اور حیات بعد الممات کی منکر بھی تھی جیسا کہ سورۂ مومنون۔ اٹھارویں پارہ میں بتلایا گیا ان کا کہنا یہ تھا کہ بس زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں جب ہم مرجائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہوجائیں گے تو پھر زمین سے دوبارہ نکلنے کا کیا سوال۔ آج بھی دہریت اور مادیت کے ماننے والوں کا یہی دعویٰ ہے کہ "مادہ کے سوا عالم میں اور کوئی چیز موجود نہیں۔ مادے کی سکت وقوت سے مختلف اجسام وجود میں آئے اور انہی مادی اجزا کی ترتیب وترکیب کا نام زندگی ہے اور انہی کے انتشار اور بے ترتیبی کا نام موت ہے اور یہ زندگی اور موت اسی مادہ اور اسی عالم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس مادی کائنات کے علاوہ نہ اور کوئی عالم ہے اور نہ کوئی اور زندگی۔" تو یہی خیالات اور عقائد نام اور اصطلاحیں بدل بدل کر ہر زمانہ کے منکرین اور مکذبین سے ظاہر ہوتے رہے ہیں۔

الغرض حضرت صالح علیہ السلام جو خود اس قوم ثمود کے ایک فرد تھے اور اس بنا پر ان کی قوم کے لوگ ان کے قومی بھائی تھے۔ اس گمراہ اور سرکش قوم کی اصلاح اور تزکیۂ نفس کے لئے آپ مامور ہوئے تھے۔ اپنی پیغمبرانہ دعوت ونصیحت ومواعظہ حسنہ میں توحید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آخرت حشر ونشر۔ حیات بعد الممات۔ جزا وسزا کی تبلیغ کا سلسلہ نہایت حکیمانہ انداز میں جاری رکھا اور قوم پر یہ حقیقت واضح کی کہ یہی ہماری مادی زندگی اس بات کی شہادت اپنے اندر رکھتی ہے کہ اس محسوسات اور مادیات کے دائرہ سے اوپر بھی کسی عظیم تر حقیقت وقدرت کا ہونا ضروری ہے۔ خود ہمارے مادی جسموں میں یہ غیر مادی زندگی اور روح کیا ہے اور اس کی پکار کیا ہے۔ یہی کہ کسی بالاتر ہستی نے ہمیں پیدا کیا اور زندگی کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور یہ سب کچھ بے مقصد اور بے معنی نہیں کہ نہ اس کی کوئی باز پرس ہو اور نہ اس پر جزا وسزا ملے۔ یہ دنیا اور یہ زندگی تو ایک امتحان گاہ ہے۔ جس کے ہر کام کا بدلہ اور ہر عمل کی مکافات ہے خدا کی یہ بے شمار نعمتیں جو تمہیں میسر ہیں۔ ہوا پانی۔ آگ روشنی۔ یہ ہرے بھرے کھیت۔ اور یہ سرسبز اور خوشنما باغات اور یہ پہاڑوں کے سینوں کو چیر کر ابلتے ہوئے چشمہ اور یہ حیات بخش دریا۔ اور یہ تمہارے علوم وفنون اور صنعتیں کیا تمہیں یہ سب چیزیں یونہی مل گئی ہیں۔ ان کا خالق اور موجد حقیقی کوئی نہیں؟ اور اس میں تمہارا کوئی امتحان نہیں لیا جائے گا۔ کوئی باز پرس نہیں ہوگی؟ آخر تم اس خدا کے خوف سے کیوں نہیں ڈرتے جس نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ مگر حضرت صالح علیہ السلام کی اس نصیحت کا قوم پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا اور ان کی مخالفت بڑھتی رہی اور بغض وعناد ترقی پاتا رہا اور ایک مختصر اور کمزور جماعت کے علاوہ جن کی تعداد

بعض مفسرین نے تقریباً ۱۲۰ لکھی ہے کوئی حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کا ایک پیغمبر کو جھٹلانا گویا تمام خدا کے پیغمبروں کو جھٹلانا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو اللہ کے سارے پیغمبر دیا کرتے ہیں آپ نے قوم سے فرمایا کہ اللہ کے بندو تمہیں اللہ کے غضب سے ڈر نہیں لگتا جو تم اس کی مرضی کے خلاف کاموں میں پھنسے ہوئے ہو۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا امانت دار پیغمبر ہوں جو میں کہوں وہ مانو اور میری اطاعت کرو میں تم سے کوئی مال و دولت وغیرہ کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے تو میرے کام کا صلہ وہی رب العالمین دے گا جس نے مجھے یہ کام سپرد کیا ہے۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلاتے ہیں اور اس کے عذابوں سے متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ جو تمہیں یہ کشادہ روزیاں دے رہا ہے۔ جس نے تمہارے لئے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور پھل پھلا کر مہیا فرمادیئے ہیں۔ امن چین سے جو تمہاری زندگی کے دن پورے کر رہا ہے تم اس کی نافرمانیاں کر کے انہی نعمتوں اور اسی امن و امان میں نہیں چھوڑے جاسکتے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹتے رہو گے۔ پھر خدا نے تمہیں اس وقت جن مضبوط اور پر تکلف بلند اور عمدہ گھروں میں رکھ چھوڑا ہے خدا کی توحید اور میری رسالت کے انکار کے بعد کیا ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہنا مانو۔ اپنے خالق۔ رازق منعم اور محسن کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اور اس کی توحید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاؤ جس کا نفع تمہیں دنیا و آخرت میں ملے گا۔ میں تمہارے ہی بھلے کی بات کہتا ہوں۔ تم اپنے مغرور سرداروں کی پیروی مت کرو یہ تو حدودِ خداوندی سے تجاوز کر کے توحید کی اتباع کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اور زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ نافرمانی گناہ فسق و فجور پر خود لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف بلا رہے ہیں۔ حق کی موافقت اور اتباع کر کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتے تم میری بات مانو اللہ نے تمہاری اصلاح کے لئے مجھے پیغمبر مقرر کیا ہے۔ یہاں قرآن پاک نے قوم ثمود کے سارے انفرادی و اجتماعی امراض کے لئے ایک جامع لفظ فساد فی الارض کا استعمال کر دیا ہے کیونکہ احکام الٰہیہ کو نہ ماننے اور قانون خداوندی کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں اور طرح طرح کے فتنہ فسادات ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ شراب نوشی۔ زنا کاری۔ سود خواری۔ رشوت و خیانت۔ قتل و غارت۔ رشک و حسد یہ ساری جسمانی اور اخلاقی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی ہی ہیں اور معاشری ابتری ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان فسادات کے پھیلانے کی ذمہ داری قوم کے ان بگڑے ہوئے امرا اور رؤسا۔ مقتدا اور حکام پر ہے جو عوام کی قیادت کرتے ہیں اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے عوام کو ہدایت کی کہ تم ان بے لگام اور مفسد سرداروں کی اطاعت چھوڑ کر میری اطاعت کرو۔ ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ ان کے ہاتھوں سے کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ یہ تو زمین میں اصلاح کے نام پر فساد پھیلاتے ہیں۔

اب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے اس سارے خطاب کا جواب کیا دیا اور ان کا انجام کیا ہوا۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

اُن لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کردیا ہے۔تم بس ہماری طرح کے ایک آدمی ہو سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

صالحؑ نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کیلئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری۔اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے۔سو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر پشیمان ہوئے۔پھر عذاب نے اُن کو آلیا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾

بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے،اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے۔

قَالُوْا انہوں نے کہا	اِنَّمَآ اس کے سوانہیں	اَنْتَ تم	مِنَ سے	الْمُسَحَّرِيْنَ سحر زدہ لوگ	مَآ اَنْتَ تم نہیں	اِلَّا بَشَرٌ مگر صرف ایک بشر	مِّثْلُنَا ہم جیسا		
فَاْتِ پس لاؤ	بِاٰيَةٍ کوئی نشانی	اِنْ اگر	كُنْتَ تو	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	قَالَ اس نے فرمایا	هٰذِهٖ یہ	نَاقَةٌ اونٹنی	لَّهَا اس کیلئے
شِرْبٌ پانی پینے کی باری	وَّلَكُمْ اور تمہارے لئے	شِرْبُ ایک باری پانی پینے کی	يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ معین دن	وَلَا تَمَسُّوْهَا اور اسے ہاتھ نہ لگانا	بِسُوْٓءٍ برائی سے				
فَيَاْخُذَكُمْ سو (ورنہ) تمہیں آ پکڑے گا	عَذَابُ عذاب	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک بڑا دن	فَعَقَرُوْهَا پھر انہوں نے کونچیں کاٹ دیں اس کی	فَاَصْبَحُوْا پس رہ گئے					
نٰدِمِيْنَ پشیمان	فَاَخَذَهُمُ پھر انہیں آ پکڑا	الْعَذَابُ عذاب	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہیں		
اَكْثَرُهُمْ انکے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ کس طرح آپ نے قوم کو اللہ کی یاد دلا کر اور عذاب الٰہی سے ڈرا کر توحید کی طرف متوجہ فرمایا اور شرک سے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور بحیثیت خدا کے پیغمبر ہونے کے اپنی اطاعت کا حکم فرمایا۔مگر جس قوم کے لوگ نفس کے پرستار ہوں اور ہوا و ہوس اور فسق و فجور میں گرفتار ہوں۔قوت اور ثروت کے نشہ میں سرشار ہوں۔ان کے دلوں میں داعیٔ حق کی خیر خواہی اور پند و نصیحت کہاں اترتی ہے۔قوم ثمود جو توحید کی بھی منکر تھی۔آخرت کو بھی نہ مانتی تھی۔جزا سزا اور حساب کتاب کی بھی قائل نہ تھی۔عدل وانصاف بھی ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔اپنی طاقت وثروت اور حکومت پر جن کو ناز تھا وہ بھلا کہاں پیغمبر کی دعوت اور نصیحت پر کان رکھنے والی تھی۔حضرت صالح علیہ السلام کی ساری پیغام رسانی اور تبلیغ حق کے جواب میں قوم نے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت صالح علیہ السلام کو سحر زدہ یعنی دیوانہ ومجنون جس کی عقل ماری گئی ہو بتلایا۔قدیم تصورات کے مطابق پاگل پن یا تو کسی جن کے اثر سے لاحق ہوتا تھا یا جادو کے اثر سے اس لئے وہ جسے پاگل کہنا چاہتے تھے اس کو یا تو وہ مجنون کہتے یا مسحور۔تو قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے عقل قرار دیا اور کہا کہ تمہاری تو عقل جاتی رہی ہے۔ضرور تم پر کسی نے جادو کردیا ہے جو ایسی

باتیں کرتے ہو۔ بظاہر تو تم ہماری طرح انسان اور بشر ہو اور ہم میں اور تم میں کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ ہم تمہیں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر مان لیں۔ جیسے ہم آدمی ہیں ایسے ہی تم بھی آدمی ہو اور اگر واقعی تم سچے ہو اور تمہارا دعویٰ نبوت صحیح ہے تو پھر اپنے صدق کی کوئی نمایاں نشانی اور عظیم الشان ثبوت پیش کرو۔ دیکھا آپ نے کور دماغ اور اندھی بصیرت والوں کی نظر میں انسان صرف گوشت پوست کے مجموعہ کا نام ہے علمی اور عملی فضائل اور کمالات ان کے نزدیک باعث فوقیت نہیں ہوتے۔ تو قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام سے یہی کہا کہ جب تک تم کوئی نمایاں محسوس عظیم الشان ثبوت اپنی نبوت کا پیش نہ کرو گے ہم نہیں مانیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بطور اتمام حجت کے پھر نصیحت کی کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ جن امتوں نے پیغمبر کی ہدایات کا انکار کیا اور ان کو جھٹلایا اور خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی تصدیق کے لئے کبھی بطور خود اور کبھی قوم کے مطالبہ پر کوئی ایسی نشانی نازل فرمائی جو نبی اور رسول کی تصدیق کا باعث بنے۔ لیکن اگر قوم نے اس نشانی یا معجزہ کے بعد بھی تکذیب کو نہ چھوڑا اور انکار پر اڑے رہے تو پھر عذاب الٰہی نے آ کر ان کو ہلاک اور تباہ کر دیا۔ اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو پھر نصیحت کی مگر بغیر کسی نمایاں معجزے اور نشانی کے ظہور کے سب نے ماننے سے انکار کر دیا۔ بالآخر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو اور کس قسم کا نشان چاہتے ہو؟ اس پر قوم نے مطالبہ کیا کہ سامنے والی پہاڑی چٹان میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر ہو کہ جو گابھن ہو اور ظاہر ہو کر فوراً بچہ دے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر میں اپنے رب سے دعا کروں اور وہ یہی نشانی میرے ہاتھوں تمہیں دکھا دے تو پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ سب نے وعدہ کیا اور قول

وقرار کیا کہ ہم سب ایمان لے آئیں گے اور آپ کی نبوت مان لیں گے۔ آپ بہت جلد یہ معجزہ دکھایئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اسی وقت نماز شروع کی اور پھر اللہ عزوجل سے دعا کی تو اسی وقت ان سب کے سامنے وہ چٹان پھٹی اور حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا۔ تو اس کو دیکھ کر کچھ لوگ حسب اقرار ایمان لے آئے لیکن اکثر لوگ پھر بھی منکر ہی رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے تمام قوم کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے۔ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو ضابطہ مقرر کے خلاف پتھر کی چٹان سے پیدا ہوئی ہے کوئی اس کو اذیت نہ پہنچائے اگر اس کو آزار پہنچا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں اور خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا اور ایک دن ساری قوم کے چوپایوں کا۔ الغرض یہ دستور جاری رہا کہ پانی کی باری ایک دن اس اونٹنی کی رہتی اور تمام قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی جو جس قدر چاہتا دوھ کر لے جاتا۔ دودھ کم نہ ہوتا۔ اور دوسرے روز قوم کی باری ہوتی اور وہ اونٹنی اور اس کا بچہ بغیر روک ٹوک چراگاہوں میں چرتے اور آسودہ رہتے مگر آہستہ آہستہ یہ بات بھی قوم کو کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح مشورہ ہونے لگے کہ اس اونٹنی کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس باری والے قصہ سے نجات ملے کیونکہ یہ قید ہمارے چوپایوں اور خود ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ بہرحال قوم ثمود زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکی اور ایک سازش کر کے اس اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ رنجیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ اے بدبخت قوم آخر تجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو تین روز کے بعد وہ نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا جو تم کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر جائے گا۔ لکھا ہے قوم ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح ہی سے شروع

ہو گئیں یعنی پہلے روز ان کے چہرہ زرد پڑ گئے۔ اور دوسرے روز سب کے چہرہ سرخ تھے اور تیسرے روز ان سب کے چہرہ سیاہ تھے۔ بہر حال ان تین دن کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر اس شخص کو جو منکر تھا اسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا قرآن کریم نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ یعنی کڑک دار بجلی اور کسی جگہ رجفہ یعنی زلزلہ ڈال دینے والی شے اور بعض جگہ طاغیہ یعنی دہشت ناک اور بعض جگہ صیحہ یعنی سخت چیخ فرمایا تو مفسرین نے ان سب کیفیتوں کو اس طرح جمع فرمایا ہے کہ زمین میں جنبش ہوئی اور زور کا زلزلہ آیا اور اوپر سے ایک سخت ہولناک چیخ سنائی دی جس سے جگر پھٹ گئے اور سب بے دین فنا کے گھاٹ اتر گئے اور وہ عذاب ان کو اور ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر کے سرکشوں کی سرکشی اور مغروروں کے غرور کا انجام ظاہر کرنے کے لئے آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان پیش کر گیا۔ ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری جانب حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے پیرو اہل ایمان کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور جیسا کہ سورۂ ہود میں بتلایا گیا ان کو اللہ نے اپنی رحمت سے اس عذاب سے بچا لیا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کے اس واقعہ کو بھی انہیں آیات پر ختم کیا گیا جن پر دوسرے انبیاء کے گذشتہ میں بیان کئے ہوئے واقعات کو ختم کیا یعنی ان فی ذٰلک لاٰیۃ وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیمo یعنی بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ حقیقت میں آپ کا رب بڑا زبردست اور بہت مہربان ہے کہ باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے۔

مفسرین نے اس قصہ کے تحت لکھا ہے کہ سنت اللہ یہ رہی ہے کہ اگر حق تعالیٰ اپنے پیغمبر کو کسی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے اور قوم اس کی ہدایت پر کان نہ دھرے تو ضروری نہیں کہ وہ قوم ہلاک ہی کر دی جائے لیکن جو قوم اپنے نبی سے اس وعدہ پر نشان طلب کرے کہ اگر ان کا مطلوبہ نشان ظاہر ہو گیا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے اور پھر وہ ایمان نہ لائے تو اس قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ اس کو معاف نہیں فرماتے تا آنکہ وہ تائب ہو جائے اور خدا کے دین کو قبول کر لے یا پھر عذاب الٰہی سے صفحہ ہستی سے مٹ کر دوسروں کے لئے درس عبرت بن جائے۔ مگر اس سنت اللہ سے پیغمبر آخر الزمان سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رسالت مستثنیٰ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے تصریح فرمائی ہے کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ میری امت میں عذاب عام نہ مسلط فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ محدثین نے لکھا ہے کہ لفظ امت میں امت دعوت ہو یا امت اجابت دونوں شامل ہیں۔ یعنی یہ دعا آپ کی صرف اہل اسلام اور کلمہ گویوں ہی کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلمین جن کو کلمہ کی دعوت دی جا رہی ہے وہ بھی امت دعوت ہونے کی وجہ سے اس دعا میں شامل ہیں۔ اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تصریح کی تصدیق بھی فرما دی اور سورۂ انفال نویں پارہ میں ارشاد فرمایا وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کافروں پر عام عذاب مسلط نہ کرے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ جو آج یہ امت مسلمہ باوجود ہر طرح کے معاصی اور نافرمانیوں کے عذاب عام سے بچی ہوئی ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقام حجر پر ہوا جہاں کبھی یہ قوم ثمود آباد تھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قوم ثمود کے کنویں سے پانی بھرا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کرنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو پانی گرا دینے اور ہانڈیاں اوندھی کر دینے اور آٹا بیکار کر دینے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب ہوا۔ یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاؤ۔ آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالو ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم ان حجر کی بستیوں میں خدا سے ڈرتے۔ عجز وزاری کرتے ہوئے داخل ہوا کرو ورنہ ان میں داخل ہی نہ ہوا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اپنی غفلت کی وجہ سے عذاب کی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب نہ کیا کرو۔ دیکھو صالح علیہ السلام کی قوم نے نشان طلب کیا تھا اور وہ ناقہ پہاڑ کی کھوہ سے نکلتی اور اپنی باری میں کھا پی کر وہیں واپس چلی جاتی اور جو اس کی باری کا دن تھا اس میں قوم ثمود کو اپنے دودھ سے سیراب کرتی تھی مگر ثمود نے آخر کار سرکشی کی اور ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان پر چیخ کا عذاب مسلط کر دیا اور وہ اس عذاب سے گھروں کے اندر ہی مردہ ہو کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی عذاب سے محفوظ و مامون فرمائیں۔

اب اس کے آگے چھٹا قصہ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک کی اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے محفوظ فرمائیں۔ اور گذشتہ آیات میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے معاف فرماویں۔

اے اللہ اس امت مسلمہ میں اس وقت جو دین سے غفلت طاری ہے اس جرم عظیم کو اپنی رحمت سے معاف فرما اور ہم کو اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پکا اور سچا اور وفادار امتی بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ ہم کو اسلام سے سچی و پکی محبت نصیب فرما اور ہم کو اپنے اس دین کے لئے اپنی جانیں اور مال قربان کرنے کی ہمت وعزم عطا فرما۔ اور اپنے دین کی خدمت کسی نہ کسی درجہ میں ہم سب کے لئے مقدر فرما۔ یا اللہ! یہ قرآنی واقعات ہمارے لئے بھی باعث عبرت ونصیحت بنا دے۔ ہمارے دلوں پر جو دین سے غفلت کے پردے پڑ گئے ہیں ان کو چاک کر دے۔ یا اللہ! ہم کو تو آپ نے اپنی رحمت سے اشرف الانبیاء والمرسلین رحمتہ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا مگر افسوس صد افسوس کہ ہم نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہ پہچانی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ سے جان چرانے لگے۔ فسق وفجور ہوا و ہوس کے شکار ہو گئے۔ نفس وشیطان کے جال میں پھنس گئے۔ یا اللہ! اب ہم آپ کے رحم وکرم کے طالب ہیں۔ نبی الرحمتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہماری بدحالی کو نیک حالی سے مبدل فرما دے۔ ہم کو اپنا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار بنا لے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۶۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۶۱﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے اُن کے بھائی لوطؑ (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

أَمِينٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۴﴾

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اِس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

کیا تم دنیا جہاں والوں میں سے تم مردوں کے پاس جاتے ہو۔ اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا کی ہیں اُن کو نظرانداز کئے رہتے ہو

عَادُونَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿۱۶۸﴾

بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوطؑ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے۔ لوطؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۷۰﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ

لوطؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے متعلقین کو ان کے اِس کام (کے وبال) سے نجات دے۔ سو ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین کو سب کو نجات دی۔ بجز ایک بُڑھیا کے

دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۷۲﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

کہ وہ رہ جانیوالوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کردیا۔ اور ہم نے اُن پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا سو کیا بُرا مینہ تھا جو اُن لوگوں پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ بیشک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے،

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۷۵﴾

اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ لُوطٍ قوم لوط	بِالْمُرْسَلِينَ رسولوں کو	إِذْ جب	قَالَ کہا	لَهُمْ ان سے	أَخُوهُمْ انکے بھائی	لُوطٌ لوط	أَلَا تَتَّقُونَ کیا تم ڈرتے نہیں
إِنِّي بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُولٌ رسول	أَمِينٌ امانت دار	فَاتَّقُوا پس تم ڈرو	اللَّهَ اللہ	وَأَطِيعُونِ اور تم میری اطاعت کرو		
وَمَا أَسْأَلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ أَجْرٍ کوئی اجر	إِنْ نہیں	أَجْرِيَ میرا اجر	إِلَّا مگر۔صرف	عَلَىٰ پر	رَبِّ الْعَالَمِينَ رب العالمین	
أَتَأْتُونَ کیا تم آتے ہو	الذُّكْرَانَ مردوں کے پاس	مِنَ سے	الْعَالَمِينَ تمام جہانوں	وَتَذَرُونَ اور تم چھوڑتے ہو	مَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا			
لَكُمْ تمہارے لئے	رَبُّكُمْ تمہارا رب	مِنْ سے	أَزْوَاجِكُمْ تمہاری بیویاں	بَلْ بلکہ	أَنْتُمْ تم	قَوْمٌ لوگ	عَادُونَ حد سے بڑھنے والے	
قَالُوا بولے وہ	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهِ تم باز نہ آئے	يَا لُوطُ اے لوطؑ	لَتَكُونَنَّ البتہ ضرور تم ہوگے	مِنَ سے	الْمُخْرَجِينَ مخرج (نکالے جانے والے		
قَالَ اس نے کہا	إِنِّي بیشک میں	لِعَمَلِكُمْ تمہارے فعل سے	مِنَ سے	الْقَالِينَ نفرت کرنے والے	رَبِّ اے میرے رب	نَجِّنِي مجھے نجات دے		
وَأَهْلِي اور میرے گھروالے	مِمَّا اس سے جو	يَعْمَلُونَ وہ کرتے ہیں	فَنَجَّيْنَاهُ تو ہم نے نجات دی اسے	وَأَهْلَهُ اور اس کے گھر والے	أَجْمَعِينَ سب			
إِلَّا سوائے	عَجُوزًا ایک بڑھیا	فِي الْغَابِرِينَ پیچھے رہ جانے والوں میں	ثُمَّ دَمَّرْنَا پھر ہم نے ہلاک کردیا	الْآخَرِينَ دوسرے	وَ اور			

3

اَمْطَرْنَا ہم نے بارش برسائی	عَلَیْهِمْ ان پر	مَطَرًا ایک بارش	فَسَآءَ پس بری	مَطَرُ بارش	الْمُنْذَرِیْنَ ڈرائے گئے	اِنَّ بیشک		
فِیْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰیَةً البتہ ایک نشانی	وَ اور	مَا نہ	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	مُؤْمِنِیْنَ ایمان لانے والے	وَ اور	اِنَّ بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِیْزُ غالب	الرَّحِیْمُ نہایت مہربان					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت صالح علیہ السلام اوران کی قوم کا ذکر ہوا تھا اب آگے ان آیات میں چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اوران کی قوم کا بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آپ کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آبائی وطن سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی تو لوط علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر کا سفر اختیار کیا تو اس وقت بھی لوط علیہ السلام آپ کے ہم سفر رہے۔ مصر سے واپسی پر آپ منصب رسالت پر فائز ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف دین حنیف کی تبلیغ کے لئے بھیج دیا۔ یہ بستیاں اردن کی اس جانب واقع تھیں جہاں آج بحیرہ مردار یا بحر لوط واقع ہے جس کو انگریزی میں Dead Sea کہتے ہیں اور یہ تمام حصہ جواب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اوراس پر شہر آباد تھے جب قوم لوط پر عذاب آیا اوراس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اسی لئے اس کا نام بحر لوط یا بحر میت ہے۔ لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آکر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان الحفیظ۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو۔ دنیا کی سرکش۔ مغرور۔ بداخلاق اور بداطوار اقوام کے دوسرے عیوب وفواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث اور غیر فطری عمل کی موجد تھی

یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے مردلڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اس فعل قبیح اور غیر فطری عمل کا اس وقت تک کہیں رواج نہ تھا یہی خبیث اور بدبخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اسی لئے اس عمل کا نام ''لواطت'' مشہور ہے اوراس سے بھی زیادہ شرارت۔ خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اورعلی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کے مرتکب رہتے یہ غیر فطری اور اخلاق سوز حرکت اس قوم میں شخصی اور انفرادی حدود سے بڑھ کر قومی حیثیت اختیار کرچکی تھی۔ اس کے علاوہ مسافروں کی رہزنی اور ڈاکہ زنی بھی ان میں رائج تھی جیسا کہ سورۂ عنکبوت ۲۰ ویں پارہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی بدکردار اور بدبخت قوم کی ہدایت اور اصلاح کے لئے حضرت لوط علیہ السلام مامور فرمائے گئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس گمراہ قوم کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی اور ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثت پر ملامت کی۔ شرافت وطہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور حسن خطابت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہوسکتے تھے ان کو سمجھایا اور نصیحت کی اور گذشتہ اقوام کے بداعمالیوں کے نتائج وثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ پڑا اور آپ کی تکذیب کی اور مذاق اڑایا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم لوط نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی یعنی اگرچہ ان کی طرف صرف حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے پیغمبر مبعوث ہوئے تھے مگر انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور ایک پیغمبر کی تکذیب گویا اللہ کے تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے

کیونکہ پیغام ہدایت اور تبلیغ حق سب پیغمبروں کا ایک ہی ہے۔
آگے بتلایا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اور ان پر یہ بات واضح کی کہ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہارے اعمال بد کے عواقب اور نتائج سے تمہیں ڈراتا ہوں تا کہ تم خدا کا خوف کرو اور ہدایت اختیار کرو۔ اس وعظ ونصیحت سے میرا مقصد دنیاوی نام ونمود حاصل کرنا یا مال ودولت جمع کرنا نہیں ہے اس لئے کہ نہ تم سے مجھے کوئی لالچ ہے اور نہ تم سے میں کسی چیز کا طالب ہوں۔ میرا بدلہ تو صرف اس رب العالمین کے ذمہ ہے جس کی پیغام رسانی کا کام میرے سپرد ہوا ہے۔ اگر تم میں کچھ بھی عقل ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص جس کی کوئی غرض نہ ہو اور جس کو تم سے کوئی طمع اور ہوس نہ ہو جھوٹ نہیں بولے گا اور نہایت امانت ودیانت سے خدا کا پیغام تم کو پہنچائے گا اس کے بعد آپ نے بار بار ان کی مخصوص گمراہی یعنی شہوت پرستی اور غیر فطری افعال کی طرف ان کو توجہ دلائی اور اس سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ تم مردوں سے نفسانی تعلقات قائم کرتے ہو اور وہ جائز عورتیں جو فطرۃً جنسی تعلقات کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور مردوں کے جوڑے ہیں تم ان کو ترک کرتے ہو۔ یہ شہوت رانی کی انتہائی حد ہے اور دائرہ فطرت سے باہر قدم رکھنا ہے اور احکام الٰہیہ سے انتہائی سرکشی ہے۔ مگر انسان کی عقل پر جب مادی قوتوں کا عام تسلط ہو جاتا ہے اور روحانی طاقت نفسانی طاقتوں سے مغلوب ہو جاتی ہے تو علاوہ علم وادراک سے غافل ہونے اور حقائق کائنات سے توجہ کو ہٹا لینے کے اس کی مادی قوتیں بھی صحیح کام نہیں کرتیں۔ اچھے برے مفید اور مضر اور صحیح وغلط کا فرق اس کو معلوم نہیں ہوتا۔ نفس کا گھوڑا بے لگام ہو جاتا ہے تو کھائی اور خندق کی تمیز نہیں رہتی۔ قوم لوط کی بصیرت بھی اندھی تھی اور عقل پر نفس وشہوت کا غلبہ تھا مشفق اور ناصح پیغمبر کی نصیحت کو ماننا تو در کنار کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم اس وعظ ونصیحت سے باز نہ آئے اور یونہی روکتے ٹوکتے رہے تو ہم اپنی بستی سے تم کو باہر نکال دیں گے۔ یہاں تمہیں رہنا نصیب نہ ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے جلاوطن کرنے کی کیا دھمکی دیتے ہو۔ میں اس دھمکی سے کہنے سننے اور وعظ ونصیحت سے نہ رکوں گا۔ میں تم سب کے سامنے تمہاری ان حرکتوں سے اپنی بیزاری اور نفرت اور برأت کا اعلان کرتا ہوں اور جب میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں تو کہنا سننا کیسے چھوڑ دوں گا۔ لوط علیہ السلام نے ہر چند خدا کے عذاب اور اس کے غضب سے ڈرایا مگر بدنصیب قوم اس پر بھی نہ سنبھلی اور عذاب الٰہی کا بھی یقین نہیں کیا اور جیسا کہ سورۂ عنکبوت ۲۰ویں پارہ میں بتلایا گیا کہ قوم کے منکروں نے کہا بھی تو یہ کہا کہ اگر تم واقعی سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس قوم پر عذاب آ کر رہے گا کیونکہ نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی ہے بلکہ اس کے جاری رکھنے پر اس قدر اصرار ہے کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہے اور جب ان کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی دلوں میں باقی نہیں۔ عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور پیغمبر کے مقابلہ میں آمادہ ہیں تو قوم کی ہلاکت کے یہ آثار دیکھ کر آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے اہل کو ان کی بدکرداری کے وبال وعذاب سے بچا لے۔ آیت میں اہل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اہل سے مراد صرف گھر والے ہی نہیں بلکہ وہ تمام مومن مراد ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ سب آپ کے متبعین تھے اور آپ کے اہل کہلانے کے مستحق تھے اور جو باوجود قریبی تعلق اور

رشتۂ قرابت کے آپ کے فرمان پذیر نہ تھے۔ وہ آپ کے اہل کہلانے کے مستحق نہ تھے۔ نسبتی تعلق محض اعتباری ہے۔ اصل تعلق دین کا ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور انہیں کے ساتھ تباہ ہوئی۔ قرآن پاک کی دوسری آیات میں جہاں حضرت لوط علیہ السلام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ملائکہ عذاب دینے کے لئے سدوم پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ یہ اپنی شکل صورت میں حسین وخوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی حیثیت میں تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور خوف ہوا کہ بدبخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی کیونکہ ابھی تک آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتہ ہیں ابھی حضرت لوط علیہ السلام اسی فکر ہی میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی اور لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ تم ان کو ہمارے حوالہ کردو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو انسانیت کو برتے اور حق کو سمجھے تم کیوں اس لعنت میں گرفتار ہو اور خواہشات نفس کے پورا کرنے کے لئے فطری طریق عمل کو اور حلال طریقہ سے عورتوں کو رفیقۂ حیات بنانے کی جگہ اس ملعون بے حیائی کے درپے ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر نہ گھبرائیں۔ ہم ملائکہ عذاب ہیں اور خدا کے قانون جزائے اعمال کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں آپ اور آپ کے اہل اس عذاب سے محفوظ رہیں گے مگر آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور آپ کا ساتھ نہ دے گی۔ ان کے عذاب کا وقت صبح کا ہے آپ ابتدائے شب میں اپنے اہل سمیت اس بستی سے رخصت ہو جایئے اور آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ حضرت لوط علیہ السلام ملائکہ کی ہدایات کے موافق اس بستی سے مع رفقا کے رخصت ہوگئے لیکن آپ کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کردیا اور وہ سدوم ہی میں رہ گئی۔ آخر عذاب الٰہی کا وقت آ پہنچا تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ وبالا کردیا۔ پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹادیا اور وہی ہوا جو گذشتہ قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کو بھی انہی آیات پر ختم کیا گیا جن پر دوسرے انبیاء کے تذکرہ کو ختم کیا گیا تھا یعنی **ان فی ذلک لاٰیة وما کان اکثرھم مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم** بیشک اس واقعہ میں بھی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا اور بڑی رحمت والا ہے کہ عذاب دے سکتا تھا مگر ابھی مہلت دے رکھی ہے۔

اب آگے ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اصحاب ایکہ کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی عذاب سے محفوظ و مامون فرمائیں۔ اور نافرمان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۶﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

اصحاب الایکہ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

أَمِينٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

الْعٰلَمِينَ ﴿۱۸۰﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿۱۸۲﴾

تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان مت کیا کرو۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ

اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سر زمین میں فساد مت مچایا کرو۔ اور اُس سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات

وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَّظُنُّكَ

کو پیدا کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔ اور تم تو محض ہماری طرح ایک آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے

لَمِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۱۸۶﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ

خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو شعیب (علیہ السلام) بولے

رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ

کہ تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی) خوب جانتا ہے۔ سو وہ لوگ اُن کو جھٹلایا کئے پھر اُن کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا، بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔

عَظِيمٍ ﴿۱۸۹﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۹۱﴾

اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بیشک آپ کا رب بڑی قوت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

كَذَّبَ جھٹلایا	أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ایکہ (بن) والے	الْمُرْسَلِينَ رسول	إِذْ قَالَ جب کہا	لَهُمْ انہیں	شُعَيْبٌ شعیب	أَلَا تَتَّقُونَ کیا تم ڈرتے نہیں؟	
إِنِّي بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُولٌ رسول	أَمِينٌ امانت دار	فَاتَّقُوا سو ڈرو تم	اللّٰهَ اللہ	وَأَطِيعُونِ اور میری اطاعت کرو	
وَمَا أَسْـَٔلُكُمْ اور میں نہیں مانگتا تم سے	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ أَجْرٍ کوئی اجر	إِنْ نہیں	أَجْرِيَ میرا اجر	إِلَّا مگر صرف	عَلٰى پر	رَبِّ الْعٰلَمِينَ رب العالمین
أَوْفُوا تم پورا کرو	الْكَيْلَ ماپ	وَلَا تَكُونُوا اور نہ ہو تم	مِنَ سے	الْمُخْسِرِينَ نقصان دینے والے	وَزِنُوا اور وزن کرو	بِالْقِسْطَاسِ ترازو سے	
الْمُسْتَقِيمِ ٹھیک سیدھی	وَلَا تَبْخَسُوا اور نہ گھٹاؤ	النَّاسَ لوگ	أَشْيَاءَهُمْ اُن کی چیزیں	وَلَا تَعْثَوْا اور نہ پھرو	فِي الْأَرْضِ زمین میں		
مُفْسِدِينَ فساد مچاتے ہوئے	وَاتَّقُوا اور ڈرو	الَّذِي وہ جس نے	خَلَقَكُمْ پیدا کیا تمہیں	وَالْجِبِلَّةَ اور مخلوق	الْأَوَّلِينَ پہلی	قَالُوا وہ بولے (کہنے لگے)	

اِنَّمَآ اسکے سوانہیں	اَنْتَ تو	مِنَ سے	الْمُسَحَّرِيْنَ سحرزدہ	وَمَآ اَنْتَ اور نہیں تو	اِلَّا مگر۔صرف	بَشَرٌ ایک بشر	مِّثْلُنَا ہم جیسا	
وَاِنْ نَّظُنُّكَ اور البتہ ہم گمان کرتے ہیں تجھے	لَمِنَ البتہ۔سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	فَاَسْقِطْ سوتو گرا	عَلَيْنَا ہم پر	كِسَفًا ایک ٹکڑا	مِّنَ سے کام		
السَّمَآءِ آسمان	اِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِيْنَ سچے	قَالَ فرمایا	رَبِّيْٓ میرا رب	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَا جو کچھ	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو
فَكَذَّبُوْهُ تو انہوں نے جھٹلایا اسے	فَاَخَذَهُمْ پس پکڑا انہیں	عَذَابُ عذاب	يَوْمِ الظُّلَّةِ سائبان والا دن	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	عَذَابَ عذاب		
يَوْمٍ عَظِيْمٍ بڑا (سخت) دن	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	وَ اور	مَا كَانَ نہ تھے	اَكْثَرُهُمْ انکے اکثر	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	
	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تیرا رب	لَهُوَ البتہ وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا گیا تھا اب آگے ان آیات میں ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اصحاب ایکہ کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تذکرہ قرآن پاک میں سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور وہاں بتلایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت قبیلہ مدین میں ہوئی تھی۔ یہاں سورۂ شعراء میں آپ کی قوم کا نام اصحاب الایکہ بتلایا گیا۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ کا نام ہے۔ چونکہ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا اس لئے باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافی حیثیت سے اصحاب ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصحاب ایکہ کے معنی ہیں جھنڈ والے۔ ''ایکہ'' ان سرسبز شاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں اور بنوں میں اگی رہتی ہیں۔ قبیلہ مدین جہاں آباد تھا یعنی بحرقلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شام کے متصل اس جگہ کو آب وہوا کی لطافت۔ نہروں اور چشموں کی کثرت نے اس قدر شاداب اور پرفضا بنادیا تھا اور یہاں میووں پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہوکر نظارہ کرتا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ مقام ایک نہایت شاداب اور گھنے درختوں کا ایک بن ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے اس کو ''ایکہ'' کہہ کر تعارف کرایا۔ بہرحال حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ خدا کی نافرمانی اور معصیت کا ارتکاب صرف افراد میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ ساری قوم اپنی بداعمالیوں میں اس قدر سرمست وسرشار ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے معصیت اور گناہ ہے بلکہ اپنے ان اعمال کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ ان کی بہت سی بداخلاقیوں اور نافرمانیوں سے قطع نظر جن قبیح امور نے خصوصیت کے ساتھ اس قوم میں رواج پالیا تھا وہ مشرکانہ رسوم اور خرید وفروخت میں دھوکہ دہی۔ تمام معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی تھے۔ دنیا کی قوموں کے عام رواج کے مطابق دراصل ان کے زمین اور باغوں کی زرخیزی اور شادابی۔ دولت وثروت کی فراوانی۔ اور خوشحالی نے ان کو اس قدر مغرور بنادیا تھا کہ وہ ان تمام امور کو اپنی ذاتی میراث اور اپنا خاندانی ہنر سمجھ بیٹھے تھے اور ایک ساعت کے لئے بھی ان کے دل میں یہ خطرہ نہیں گزرتا تھا کہ یہ سب کچھ خدائے تعالیٰ کی عطا وبخشش ہے شکرگزار ہوتے اور سرکشی سے باز رہتے۔ غرض ان کی فارغ البالی نے ان میں طرح طرح کی بداخلاقیاں اور قسم قسم کے عیوب پیدا کردیئے

تھے آخر سنت اللہ کے مطابق ان کو راہ حق دکھانے دعوت اسلام اور پیغام حق سنانے فسق و فجور سے بچانے اور امین و متقی اور بااخلاق بنانے کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو منصب نبوت سے نواز کر ان کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی۔ حسن خطابت۔ طرز بیان اور طاقت لسان میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اسی لئے مفسرین آپ کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کی بداعمالیوں کو دیکھ کر سخت دکھ محسوس کیا اور رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے ہوئے قوم کو انہی اصول کی طرف بلایا جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت وارشاد کا خلاصہ ہے۔ خدا کی توحید اور شرک سے بیزاری تو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترک تعلیم تھی۔ اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام بھی وہی پیغام پہلے دیتے ہیں جو اور انبیاء کرام نے دیئے یعنی ایک اللہ سے ڈرو اور مجھے اس کا رسول مانو۔ مجھے اپنا پیغام حق جوں کا توں پہنچانے کے لئے اللہ نے اپنا پیغمبر مقرر کیا ہے اور میں اس حیثیت سے تمہیں اپنی پیروی کا حکم دیتا ہوں اور میں تمہیں اپنی پیروی اور اتباع کے لئے اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے تم سے کوئی لالچ ہے اور میں اپنے لئے تم سے مال و جاہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میرے کام کا صلہ و بدلہ تو مجھے رب العالمین ہی دے گا۔ تم سے میں کچھ نہیں چاہتا۔ یہ بات سارے انبیاء پہلے جتلا دیتے ہیں تاکہ قوم انہیں صاحب غرض قرار دے کر ان سے بدک نہ جائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ناپ تول درست کرنے اور لین دین کو صحیح کرنے کی ہدایت فرمائی اور قوم سے فرمایا کہ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو پیمانہ بھر کر دو اسکے حق سے کم نہ کرو۔ اسی طرح دوسرے سے جب لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ کیا کہ لینے کے وقت پورا بلکہ زیادہ لو

اور دینے کے وقت کم دو۔ دین و لین دونوں صاف اور پورے رکھو۔ ترازو اچھی رکھو جس میں تول صحیح آئے۔ بٹے بھی پورے رکھو اور تول میں عدل کرو۔ ڈنڈی نہ مارو۔ پھر کسی کی راہ نہ مارو۔ چوری چکاری لوٹ مار، غارت گری۔ رہزنی سے بچو۔ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر خوف زدہ کر کے مال نہ لوٹو۔ اس خدا سے ڈرو اور اس کے عذاب کا خوف رکھو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا اور تمہارا اور تمہارے بڑوں کا رب ہے۔ مگر جب انسان گمراہی کی دلدل میں دھنس جاتا ہے اور باطل کی سیاہی دل کو گھیر لیتی ہے اور مادی قوت و ثروت۔ مال دولت۔ صحت و تندرستی اور عیش و عشرت کی بنا پر دنیا کی خرافات کی کشش اسکے ہوش و حواس پر چھا جاتی ہے تو پھر اسکی سرکشی بھی دوبالا و سہ بالا ہو جاتی ہے اور پھر وہ شیطان کا چیلا بنے بغیر نہیں رہتا۔ الا ماشاء اللہ مگر جسے اللہ ہدایت کرے اور ایمان کی دولت بخشے۔ اکثر قومیں اسی بنا پر تباہ ہوئیں چنانچہ اصحاب ایکہ نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو آپکی پند و نصیحت۔ وعظ و تبلیغ کے جواب میں وہی جواب دیا جو پہلے بے دین اور منکرین اپنے پیغمبروں کو دیتے چلے آئے تھے کہ تم جادو زدہ ہو۔ تمہاری عقل ٹھکانے نہیں رہی تم نبی کس طرح ہو سکتے ہو۔ تم ہم جیسے انسان ہو۔ ہم پر تم کو کیا فوقیت ہے؟ ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو۔ ہم تمہارا پیغمبری کا دعویٰ تسلیم نہیں کرتے اور اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی بات دکھاؤ جو اوروں سے نہیں ہو سکتی۔ مثلاً آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی توڑ کر ہم پر گرا دو۔ اکثر منکرین نے اپنے پیغمبروں سے ایسے ہی مطالبات کئے اس خیال سے کہ نہ یہ ایسا کر سکے گا نہ ہم اسے مانینگے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا رب تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ تمہارا کوئی قول و عمل اللہ کے احاطہ علمی سے خارج نہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ بداعتقادیاں۔ یہ

بدچلنیاں اور یہ گستاخیاں خدا کو معلوم نہیں وہ ضرور جانتا ہے اور مناسب وقت پر سزا بھی دیگا۔

اصحاب ایکہ کے اس مطالبہ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے اس جواب میں کفار مکہ کے لئے بھی ایک تنبیہ تھی۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مطالبے کرتے تھے۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۵ویں پارہ میں کفار مکہ کے مطالبات نقل فرمائے گئے ہیں جہاں انہوں نے کہا **اوتسقط السمآء کما زعمت علینا کسفًا** یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادو جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو۔ اس لئے کفار مکہ کو سنایا جارہا ہے کہ ایسا ہی مطالبہ اصحاب ایکہ نے اپنے پیغمبر سے کیا تھا اس کا جو جواب انہیں ملا وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی تمہاری طلب کا جواب ہے۔ آگے حق تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ قوم حضرت شعیب علیہ السلام کو برابر جھٹلاتی رہی آخر اس کا نتیجہ وہی ہوا جو حق و باطل کا آخری مرحلہ ہے جس کے بعد خدائے تعالیٰ کا وہ قانون جس کو قانون ''پاداش عمل'' کہا جاتا ہے ایسی سرکش اور نافرمان اور متکبر قوموں کے لئے دنیا ہی میں نافذ ہوجاتا ہے اور ان کو ہلاک و تباہ کر کے آنے والی نسلوں اور قوموں کے لئے سامان عبرت و نصیحت مہیا کردیتا ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں عذاب الٰہی نے آگھیرا۔ اس قوم پر تین قسم کا عذاب آیا تھا اور قرآن پاک میں تین مقامات پر تینوں کا بیان ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ ایک غیبی سخت آواز سے ان کے جگر پھٹ گئے اور یہاں سورۂ شعراء میں فرمایا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا۔ اس **عذاب یوم الظلة** کی تشریح مفسرین نے یوں لکھی ہے کہ سات دن تک ان کے علاقہ میں وہ سخت گرمی پڑی کہ الامان الحفیظ۔ کسی جگہ کسی سایہ میں کہیں ٹھنڈک یا راحت میسر نہ تھی۔ تڑپ اٹھے۔ بے قرار ہوگئے۔ سات دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف چلا آرہا ہے۔ وہ آکر ان کے سروں پر چھا گیا یہ سب گرمی اور حرارت سے زچ ہوگئے تھے اس کے سایہ میں راحت و ٹھنڈک پاکر سارے کے سارے اس کے نیچے پہنچ گئے جب سب جمع ہوگئے تو ابر پھٹا اور اس میں سے آگ برسنے لگی۔ ساتھ ہی ہولناک زلزلہ آیا اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور اس زور کی آواز آئی کہ جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور سارے کے سارے بہ یک آن تباہ و برباد ہوگئے۔ اس دن کے سائبان والے عذاب نے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ جہاں قوم کے منکرین کا یہ حال ہوا وہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں بتلایا گیا حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ساتھی جو آپ پر ایمان لے آئے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بچالیا۔ آخر میں اس قصہ کو انہیں آیات پر ختم کیا گیا جن پر گذشتہ چھ انبیاء کے واقعات کو ختم کیا گیا تھا یعنی **ان فی ذلک لاٰیة وماکان اکثرھم مومنین وان ربک لھوالعزیز الرحیم** یعنی اس واقعہ میں بھی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا اور بڑی رحمت والا ہے کہ عذاب نازل کرسکتا ہے مگر مہلت دے رکھی ہے۔

یہاں تک اس سورۃ میں سات انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے قصہ بیان فرما کر اس سلسلہ کو ختم فرمایا گیا ان قصص قرآن کا مقصد شروع سورۃ میں بھی عرض کیا گیا تھا اور خود سورۂ ہود میں قرآن کریم نے جو مقاصد ان قصص کے بیان کئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے **وکلا نقص علیک من انباء الرسل مانثبت به فؤادک وجاء ک فی ھٰذہ الحق وموعظة وذکرٰی للمؤمنین** (اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ

سب قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں کے اندر آپ کے پاس حق پہنچا ہے اور ان میں نصیحت اور یاددہانی اہل ایمان کے لئے ہے) گویا اس آیت میں قصص قرآن کی چار حکمتیں بیان کی گئیں۔

(۱) پہلی مصلحت کا تعلق خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تھا۔ آپ کا جذبۂ تبلیغ دین چونکہ درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا اس لئے قوم کے اعراض اور سرکشی کو دیکھ کر آپ مضطرب اور بے چین ہوتے اس لئے آپ کی تسلی کے لئے گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات سنائے تا کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ معاندین اور مخالفین کا یہ بغض وعناد صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء سلف کے ساتھ منکرین کا یہی معاملہ رہا۔ پھر بھی فتح ہمیشہ حق کی ہوئی۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے قلب مبارک کو سکون حاصل ہو۔

(۲) دوسری مصلحت یہ ہے کہ ان قصص میں دین الٰہی کا نچوڑ ہے۔ شریعتیں گاہ بگاہ وقت کی ضرورت اور مشیت الٰہی کے مطابق بدلتی رہی ہیں مگر دین حق ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ہر نبی ہر زمانہ میں اسی کی تعلیم دیتا ہوا آیا ہے۔

(۳) تیسرے ان قصص میں مومنین کے لئے نصیحت ہے۔ چونکہ یہ سرگذشتیں ایسے واقعات سے پُر ہیں جو برائی۔ گمراہی۔ نافرمانی اور سرکشی سے روکتے ہیں اور ایمان وتقویٰ و نیکی کی ترغیب دلاتے ہیں۔

(۴) چوتھے یہ قصص لوگوں کے لئے سامان عبرت رکھتے ہیں چونکہ پچھلی اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج وانجام کو دیکھ کر خود اپنی بداعمالیوں پر نظر جائے گی اور ان کے انجام سے خوف پیدا ہوگا جو عبرت کا کام کرے گا۔ اور معلوم ہوگا کہ خدا کا قانون مکافات ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے جس نے دین حق کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ کامیاب اور بامراد رہا اور جو اس سے بھٹکا اور اعراض حق معصیت اور طغیان کو اختیار کیا اس کا نتیجہ ہمیشہ بربادی اور تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اب یہ سات انبیاء کرام کے تاریخی واقعات بیان فرما کر سلسلہ کلام اسی مضمون کی طرف پھرتا ہے جس سے سورۃ کا آغاز فرمایا گیا تھا یعنی قرآن کریم اور کتاب مبین کی حقانیت جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی کامل پابندی ظاہر میں اور باطن میں نصیب فرمائیں۔ اور مومنین مخلصین کی سی کامیابی دین و دنیا میں عطا فرمائیں۔ اور نافرمانوں اور سرکشوں کی بداطواری اور بداخلاقی اور اس کے انجام بد سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔

یااللہ! دنیا آپ کی اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کو مانے یا نہ مانے۔ ہم جو قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کے تمام انبیاء ورسل پر ایمان لائے ہیں ہم کو اپنی ہدایت سے محروم نہ فرما۔ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمادے۔ ہمیں اپنی ذات عالی اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تعلق نصیب فرمادے۔ جن مقاصد کے لئے یہ قرآنی قصص قرآن کریم میں سنائے گئے ہیں ہمیں ان سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ

اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی (آسمانی) کتابوں میں ہے۔ کیا ان لوگوں کیلئے یہ بات دلیل نہیں ہے

عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾

کہ اس کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَتَنْزِیْلُ البتہ اتارا ہوا	رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سارے جہانوں کا رب	نَزَلَ بِهٖ اس کے ساتھ (لے کر) اترا	الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ جبریل امین			
عَلٰی پر	قَلْبِكَ تمہارا دل	لِتَكُوْنَ تاکہ تم ہو	مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ڈرسنانے والوں میں سے	بِلِسَانٍ زبان میں	عَرَبِیٍّ عربی	مُّبِیْنٍ روشن (واضح)	
وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَفِیْ میں	زُبُرِ صحیفے	الْاَوَّلِیْنَ پہلے (پیغمبر)	اَوَ کیا	لَمْ یَكُنْ نہیں ہے	لَّهُمْ ان کیلئے	اٰیَةً ایک نشانی
	اَنْ یَّعْلَمَهٗ کہ جانتے ہیں اس کو	عُلَمٰٓؤُا علماء	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بنی اسرائیل				

تفسیر وتشریح:۔اس سورۃ کی ابتدا قرآن کریم کے ذکر سے فرمائی گئی تھی کہ یہ قرآن ایک واضح اور کھلی کتاب ہے جو اللہ عزوجل نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی ہے اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی تھی۔اور وعید سنائی گئی تھی۔درمیان میں منکرین اور مکذبین حق کے کئی واقعات بیان ہوئے جن میں بتلایا گیا کہ منکرین کو حق سے انکار کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ پھر سلسلۂ کلام اسی مضمون سابق یعنی قرآن کریم کی حقانیت پر فرمایا جارہا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کریم اور کتاب مبین وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے نازل فرمایا ہے یعنی یہ کسی انسان یا مخلوق کی من گھڑت چیز نہیں ہے یا اسے جیسا کہ مخالفین اور معاندین الزام لگاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصنیف نہیں کرلیا ہے بلکہ یہ پروردگار عالم رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں یہ جو فرمایا کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے تو لفظ رب العالمین دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا۔ اول یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہماری جسمانی پرورش کرتے ہیں۔ رزق اور روزی دیتے ہیں اسی طرح روحانی تربیت بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور روحانی تربیت کا ذریعہ وحی اور پیغمبر پر کتاب نازل کرنا ہے دوسرے یہ کہ منکرین جو اس نعمت آسمانی کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں اور پھر اب تک گرفت اور عذاب سے بچے ہوئے ہیں تو اس کا یہی سبب ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کا شیوہ رحمت عام ہے ورنہ دیکھئے کہ کیا ہوتا اور اسی لئے جو گذشتہ واقعات اور قصص سنائے گئے ان میں سے ہر ایک کو وان ربک لھو العزیز الرحیم پر ختم فرمایا گیا جس سے قرآن کے مخالفوں کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں دم بھر میں ہلاک کرسکتے ہیں لیکن رحیم بھی ہیں اور رب ہیں تمہاری پرورش کرنے والے ہیں۔ تم پر ترس کھانے والے ہیں اس لئے مہلت دے رکھی ہے۔ تو اوپر یہ جو فرمایا تھا کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اس پر یہ شبہ باقی رہتا تھا کہ رب العالمین نے کس طرح سے نازل کیا ہے؟ کیا یہ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے گر پڑی یا فرشتہ لے کر آیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب سے آواز آتی ہے یا براہ راست خدا تعالیٰ آپ سے باتیں کرتا ہے۔ کیا صورت ہے؟ اس کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ روح الامین کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتاری گئی صاف اور شگفتہ اور واضح عربی زبان میں۔ یعنی پیام الٰہی کا القا اللہ کے فرشتہ نے رسول خدا کے دل پر کیا۔ یہاں روح الامین سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں سورۂ بقرہ میں صراحت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر کلام الٰہی کا القا کرتے ہیں۔ یہاں نام لینے کی بجائے ان کے لئے روح الامین یعنی امانت دار روح کا لقب استعمال فرمایا گیا۔ اور روح اور امین

ان دولفظوں کے یہاں لانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ رب العالمین کی طرف سے اس تنزیل کو لے کر کوئی مادی طاقت نہیں آئی ہے۔جس کے اندر تغیر وتبدل کا امکان ہو بلکہ وہ ایک خالص روح ہے اور پوری طرح امین ہے خدا کا پیغام جیسا اس کے سپرد کیا جاتا ہے ویسا ہی بلا کمی بیشی سے پہنچا دیتی ہے اپنی طرف سے کچھ بڑھانا یا گھٹانا اس کے لئے ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ یہ قرآن کریم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک جبرئیل امین جیسے زبردست محافظ نے پہنچایا ہے جن کے لائے ہوئے پیام پر کسی غلطی یا تحریف کا امکان نہیں۔ اب ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام کی معرفت کلام کا نزول کیا غرض ومقصد رکھتا ہے۔ اس کا جواب لتکون من المنذرین میں دیا گیا یعنی جس طرح اور پیغمبروں نے اپنی امت کو احکام الٰہیہ پہنچائے آپ بھی پہنچائیں اور گمراہ انسانوں کو پیام ہدایت دے کر خلاف ورزی کرنے والوں کو ہلاکت اور عذاب سے ڈرائیں۔ اب ایک یہ وہم ہوسکتا تھا کہ جبرئیل امین کا القا تو روحانی ہوگا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں معانی کا الہام ہوا ہو اور ان معانی کو الفاظ کا جامہ پہنا کر خود آپ نے پیش کر دیا ہو۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا بلسان عربی مبین یعنی وہ امانت دار روح اس کلام کو صاف صاف عربی زبان میں لائے ہیں یعنی جبرئیل علیہ السلام کا القا صرف القاء معانی نہیں بلکہ معانی الفاظ سمیت خدائے تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں نازل کئے جاتے ہیں۔ پھر آگے صداقت قرآن کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس قرآن کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے کہ ایک ایسی ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا۔ انبیاء سابقین برابر نبی آخرالزمان کی پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ توریت وانجیل وغیرہ میں باوجود بہت سی تحریف اور تبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے جسے علماء اور مفسرین نے جمع بھی فرمایا ہے۔ جس وقت یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ظاہر ہے کہ اس وقت مدینہ میں اسلام نہ پھیلا تھا جہاں علمائے یہود موجود تھے اور اہل مکہ اور مشرکین عرب دین الٰہی کا حامل اور علم کا خازن بنی اسرائیل یعنی یہود کے علماء کو جانتے تھے تو کفار مکہ کو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت معلوم کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اسرائیلی علماء نبی آخرالزمان کے احوال یعنی خصوصی صفات اور حلیہ وغیرہ اپنی کتابوں کی بنا پر بخوبی جانتے ہیں تو اہل مکہ جو کتابی علم سے ناآشنا سہی مگر بنی اسرائیل کے اہل علم تو گرد وپیش کے علاقوں میں موجود ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی چنانچہ بعض انصاف پسند اسی علم کی بنا پر مسلمان ہو گئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل ہی بحیرا راہب نے شناخت کر لیا تھا اور آپ کے چچا ابوطالب سے کہہ دیا تھا کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی بشارت مسیح علیہ السلام نے دی۔ تمام علمائے بنی اسرائیل نبی آخرالزمان کے پیدا ہونے کے تو پہلے ہی سے منتظر تھے اور تمام صفات واحوال وبشارات کو اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو دنیوی اغراض کی خاطر منکر ہو گئے اور بقدر امکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات واحوال کو اپنی کتابوں سے نکال ڈالا۔ یہود کی مذہبی کتابوں میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ آپ کے خلفائے راشدین تک کے حالات موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بیت المقدس کے محاصرہ کے وقت جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود تشریف لے گئے اور بیت المقدس کے سب سے بڑے راہب نے آپ کو شناخت کیا تو اپنی کتابوں کی صراحت کے موافق شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

الغرض کفار مکہ ومشرکین عرب کو قرآن کے حقانیت کی ایک دلیل یہ دی گئی کہ پہلے نبیوں پر جو کتابیں آئیں ان میں اس آخری کتاب اور نبی آخرالزمان کا ذکر موجود ہے جو علمائے یہود خوب جانتے ہیں تو کیا یہ اس بات کی نشانی نہیں کہ یہ کتاب اور یہ نبی برحق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حقانیت قرآن کے سلسلہ میں یہاں یہ بتلایا گیا کہ قرآن کس کا بھیجا ہوا ہے کس کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور کس پر بھیجا ہے اور کس لئے بھیجا ہے اور کس زبان میں بھیجا ہے نیز یہ کہ حقانیت قرآن اور صاحب قرآن پہلی آسمانی کتابوں تک میں موجود ہے۔ تو ان حقائق کے باوجود جو بعض کفار مکہ ایمان نہیں لاتے تو اس کا کیا وجہ ہے؟ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ

اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر نازل کر دیتے۔ پھر وہ اُن کے سامنے اس کو پڑھ بھی دیتا یہ لوگ تب بھی اس کو نہ مانتے۔ ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو

فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ سخت عذاب کو نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا

یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر کہیں گے کہ کیا ہم کو مہلت مل سکتی ہے۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی تعجیل چاہتے ہیں۔ اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو

سِنِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ

چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا اُن سے وعدہ ہے وہ اُن کے سر پر آ پڑے۔ تو اُن کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے۔ اور جتنی بستیاں (منکرین کی) ہم نے

قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰی وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۲۰۹﴾

(عذاب سے) غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے آئے اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

وَلَوْ اور اگر	نَزَّلْنٰهُ ہم نازل کرتے اسے	عَلٰی بَعْضِ کسی پر	الْاَعْجَمِیْنَ عجمی (غیر عربی)	فَقَرَاَهٗ پھر وہ پڑھتا اسے	عَلَیْهِمْ انکے سامنے	مَا نہ
كَانُوْا وہ ہوتے	بِهٖ اس پر	مُؤْمِنِیْنَ ایمان لانے والے	كَذٰلِكَ اسی طرح	سَلَكْنٰهُ یہ چلایا ہے (انکار داخل کر دیا ہے)	فِیْ قُلُوْبِ دلوں میں	
الْمُجْرِمِیْنَ مجرم	لَا یُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہ لائیں گے	بِهٖ اس پر	حَتّٰی یہاں تک کہ	یَرَوُا وہ دیکھ لیں گے	الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ دردناک عذاب	
فَیَاْتِیَهُمْ تو وہ آجائے گا ان پر	بَغْتَةً اچانک	وَهُمْ اور انہیں	لَا یَشْعُرُوْنَ خبر (بھی) نہ ہوگی	فَیَقُوْلُوْا پھر وہ کہیں گے	هَلْ کیا	نَحْنُ ہم۔ہمیں
مُنْظَرُوْنَ مہلت دی جائے گی	اَفَبِعَذَابِنَا کیا پس ہمارے عذاب کو	یَسْتَعْجِلُوْنَ وہ جلدی چاہتے ہیں	اَفَرَءَیْتَ کیا تم نے دیکھا؟	اِنْ اگر		
مَّتَّعْنٰهُمْ ہم انہیں فائدہ پہنچائیں	سِنِیْنَ کئی برس۔برسوں	ثُمَّ پھر	جَآءَهُمْ پہنچے ان پر	مَّا جو	كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ انہیں وعید کی جاتی تھی	
مَآ اَغْنٰی کیا کام آئے گا؟	عَنْهُمْ ان کے	مَّا جو (جس سے)	كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ وہ فائدہ اٹھاتے تھے	وَ اور	مَآ اَهْلَكْنَا نہیں ہلاک کیا ہم نے	
مِنْ قَرْیَةٍ کسی بستی کو	اِلَّا مگر	لَهَا اس کیلئے	مُنْذِرُوْنَ ڈرانے والے	ذِكْرٰی نصیحت کیلئے	وَمَا كُنَّا اور نہ تھے ہم	ظٰلِمِیْنَ ظلم کرنیوالے

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حقانیت قرآن کا مضمون ذکر فرمایا گیا تھا اسی سلسلہ میں کفار مکہ اور مشرکین عرب ازراہ عناد قرآن کریم پر جو طرح طرح کے شبہات و اعتراضات کرتے تھے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

بعض کفار کا یہ خیال تھا کہ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں۔ آپ کی زبان عربی ہے اور قرآن بھی عربی میں ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود ہی بنالیا ہے اگر یہ کسی عجمی یعنی غیر عربی زبان کے انسان پر اترتا جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا اور پھر وہ عربی قرآن پیش کرتا تو یہ ایک کھلا ہوا معجزہ ہوتا اور ہم اس وقت مان لیتے۔ اور ہم کو اس شبہ کی گنجائش نہ ہوتی۔ حق تعالیٰ منکرین کے

اس شبہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان منکرین کی ہٹ دھرمی کا حال تو یہ ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی عجمی یعنی غیر عربی زبان رکھنے والے پر اس قرآن کا نزول ہوتا تب بھی یہ معاندین اس کی تصدیق نہ کرتے۔ اس وقت یہ شبہ کرتے کہ اس شخص کی زبان تو عربی ہے نہیں کسی دوسرے نے اس کو سکھا دیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کے دلوں میں تو انکار گھس گیا ہے اور یہ تو عناد میں اندھے ہو رہے ہیں اور جو جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے دل میں انکار وتکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ انکار کفار مکہ کے دلوں میں گھس گیا ہے یہ کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔ ہاں جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا۔ مرنے کے وقت یا برزخ میں یا آخرت میں اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جاسکتی ہے کہ توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں اور ایمان لا کر نیکیاں کر لیں اور پیغمبر کا اتباع کر کے دکھلائیں اور حق کی پیروی کریں۔ مگر پھر وہ وقت نہ مہلت کا ہے۔ نہ قبول ایمان کا اور نہ نیکیاں کمانے کا اس وقت کی ان کی تمنائیں کہ اگر ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک صاحب ایمان بن جائیں بالکل بے سود ہوں گی۔ اور یہ کچھ انہی منکرین پر موقوف نہیں۔ ہر ظالم۔ فاجر۔ فاسق۔ کافر بدکار۔ عذاب کو دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے اور توبہ تلا کرتا ہے مگر سب لاحاصل۔ فرعون ہی کو دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تک سمجھاتے رہے تو سمجھ میں نہ آئی۔ جب عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر پانی میں ڈوبنے لگا تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں ایمان لاتا ہوں لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بے سود ہے۔ پھر گذشتہ اقوام کی طرح کفار مکہ کی ایک بدبختی اور بیان ہو رہی ہے جب منکرین قرآن میں مضامین وعید وعذاب کے سنتے تو براہ استہزا وانکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کا تقاضہ کرتے کہ اگر سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ہماری وعیدوں کو سن کر یہ لوگ ہمارے عذاب کی عجلت کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ عذاب کے آنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ہم ہمیشہ ایسے ہی عیش وعشرت کی زندگی گزارتے رہیں گے۔ اس پر فرمایا جارہا ہے کہ اگر بالفرض ان کا بھروسہ صحیح ہی ہو اور انہیں دنیا میں عیش وعشرت کے لئے برسہا برس کی مہلت بھی مل جائے لیکن پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر آ پڑے تو ان کا یہ چند سال کا عیش وآرام جو براہ مہلت ہے وہ ان کے کس کام آ سکتا ہے۔ اور ان کو مہلت دینا تھوڑی یا بہت یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے اور یہ کچھ ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ گذشتہ اقوام اور پہلی امتوں کو بھی مہلتیں ملی ہیں۔ چنانچہ جتنی بستیاں منکرین کی پہلے عذاب سے غارت ہوئیں ان کا تختہ یونہی ایک دم نہیں الٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور تنبیہ کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں۔ جب کسی طرح نہ مانے تو ہلاک کئے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہ تھا۔ ظلم تو اس وقت ہوتا کہ جب ہلاک کرنے سے پہلے انہیں سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والے نہیں۔ وہ تو پہلے اپنا رسول بھیج کر نیک وبد سمجھا دیتے ہیں اور ہر ایک کے انجام سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

ابھی منکرین کے بعض دیگر شبہات واعتراضات اور ان کے جوابات کا سلسلہ جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر ایمان واسلام اور قرآن جیسی نعمتیں عطا فرمائیں۔ یا اللہ! ہم آپ کے کرم ورحم کے طالب ہیں۔ اپنی خطاؤں کے مقر ہیں۔ ہمیں اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب فرما دے۔ ہماری خطاؤں سے درگذر فرما دے اور ہمیں مرتے دم تک ہدایت پر قائم رہنے کی سعادت عطا فرما دے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے۔اور یہ اُن کی حالت کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں۔کیونکہ وہ شیاطین (وحی آسمانی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔

وَ اور	مَا تَنَزَّلَتْ نہیں اترے	بِهٖ اسے لے کر	الشَّيٰطِيْنُ شیطان	وَمَا يَنْۢبَغِيْ اور سزاوار نہیں	لَهُمْ ان کو	وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اور نہ وہ کر سکتے ہیں
اِنَّهُمْ بیشک وہ	عَنِ سے	السَّمْعِ سننا	لَمَعْزُوْلُوْنَ دُور کر دیئے گئے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حقانیت وصداقت قرآن کے سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے اس کو نازل کیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر عربی زبان میں اس کا القاء کرتے ہیں۔ کفار مکہ اور مشرکین عرب اگرچہ قرآن پاک کے معجزانہ بیان۔ فصاحت وبلاغت اور اس کی دلآویزی اور دلربائی سے متاثر ہوتے مگر اسکی صداقت وحقانیت پر جہل اور عناد کی وجہ سے طرح طرح کے الزامات لگاتے اور شبہات نکالتے۔ اسلام سے پہلے کفار مکہ اور مشرکین عرب نور نبوت اور قوت قدسیہ سے تو واقف ہی نہ تھے اس لئے ایام جاہلیت میں عرب غیبی طاقت اور فوق البشریت قوت کا مالک صرف تین گروہوں کو خیال کرتے یا تو ساحر ان کی نظر میں غیر معمولی تصرفات کرتے تھے اور جادو کی طاقت ان کو تسخیر کن نظر آتی تھی۔ یا کاہنوں کا تعلق ان کو عالم بالا سے معلوم تھا اور کاہن کے پاس ایک غیبی مخلوق کا آنا اور واقعات عالم کی قبل از وقت اطلاع دینا ان کے نزدیک مسلم تھا یا شاعروں کے پاس جنات و شیاطین کے آنے اور الہام اور القا کرنے کے وہ قائل تھے۔ یہی تین طبقہ ایام جاہلیت میں بشریت سے بالاتر طاقت کے حامل سمجھے جاتے تھے اسی لئے کفار جب قرآن پاک کو سنتے تو اس کے معجزانہ زبان۔ اس کی فصاحت وبلاغت۔ الفاظ کی بندش۔ کلام کی روانی۔ پھر معانی کی دلفریبی اور دلربائی سے ایسے متاثر اور ششدر اور حیران ہوتے کہ کبھی اس کو سحر اور معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کبھی اس کو شعر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کبھی اس کو کہانت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہنے لگتے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے چند واقعات مختصراً عرض کئے جاتے ہیں کہ کفار مکہ کس طرح قرآن کی زبان وبیان سے متاثر ہوجاتے تھے اسی لئے وہ اپنی خیریت اسی میں سمجھتے تھے کہ قرآن پاک کو سنا ہی نہ جائے۔ سیرت وتاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سرداران قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر قسم کی ترغیب اور طمع دینے کے لئے عتبہ کو بھیجا اور عتبہ نے امارت وسرداری۔ مال ودولت۔ حسن وجمال غرض ہر قسم کی کشش پیدا کرنے والی چیز کی پیشکش کی تو اس کے پیغام کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے بے خود ہو کر اپنے ہاتھ سے دہن مبارک بند کر دیا اور بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اپنے خدا کا واسطہ یہ کلام نہ پڑھو میرا دل کھنچتا ہے۔ پھر بارگاہ نبوت سے واپس جا کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گیا۔ سرداران قریش کے غیرت دلانے سے باہر نکلا تو کہنے لگا کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جو کبھی نہیں سنا تھا جس نے مجھے بے خود کر دیا۔ میں اب پیام رسانی نہیں کر سکتا۔ دوسرا واقعہ سنئے۔ شروع شروع جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کی طرف سے قہر وغضب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اس وقت بحکم الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کی ایک جماعت حبش کی طرف ہجرت کر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ آپ بھی کسی طرف چلے جائیں۔ ابوالدغنہ جو مکہ کا ایک رئیس تھا اس نے کہا کہ میں ہرگز آپ جیسے شریف انسان کو جانے نہ دوں گا آپ میرے ساتھ چلئے اور میرے ساتھ رہئے۔ چنانچہ کچھ دنوں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ہاں رہے۔ آپ غاروں میں قرآن شریف پڑھتے تو کفار ان کے بچے ان کی عورتیں آپ کے ارد گرد اس کثرت

سے جمع ہوجاتے کہ میلا لگ جاتا۔ وہ قرآن کی زبان اور اس کے بیان سے ایسے متاثر ہوتے کہ آخر ان کے سرداروں کو ابوالدغنہ سے شکایت کرنی پڑی کہ اگر تم نے ابوبکر کو پناہ دی تو ان کو زور سے قرآن پڑھنے کو منع کر دو۔ مبادا ہمارے بچے ہماری عورتیں اور ہمارے مرد اس کلام سے متاثر ہو کر مسلمان نہ ہو جائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ مجھ کو ابوالدغنہ کی بجائے صرف اللہ رب العزت کی پناہ درکار ہے۔ تیسرا واقعہ سنئے کہ صرف عوام ہی نہیں بڑے بڑے شعرائے عرب نے بھی جب قرآن کریم کی زبان سنی۔ تو اپنی زبان بھول گئے۔ شعرائے عرب خصوصاً شعرائے قریش کا دستور تھا کہ ہر صبح وہ خانہ کعبہ کے گرد بیٹھتے اور اپنا تازہ کلام سناتے اور داد تحسین حاصل کرتے ایک روز ایک صحابی نے چپکے سے خانہ کعبہ کی دیوار پر قرآن شریف کی سب سے چھوٹی سورۃ سورۂ کوثر لکھ دی کہ دیکھیں کلام عرب کے ماہرین شعرا اور قریش کے فصحا و بلغا اس کے متعلق کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔ جب صبح ہوئی اور شعراء جمع ہوئے اور ان کی نظر سورۂ کوثر کی طرف گئی تو شعراء نے اس دن اپنا کلام سنانا پسند نہیں کیا اور دیر تک وہ اس مختصر سی سورۃ کی فصاحت و بلاغت اور اس کی دلآویزی اور دلربائی پر غور کرتے رہے پھر ان میں کا سب سے بڑا شاعر آگے بڑھا اور سورۃ کے نیچے یہ الفاظ لکھ دیئے ماھذا قول البشر۔ یہ تو کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ خیر یہ واقعات تاثیر قرآنی کے بیچ میں ضمناً آ گئے تھے۔

روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ تعالیٰ) تو جہاں کفار کے اور اعتراضات اور شبہات قرآن پر تھے وہاں ایک یہ بھی تھا کہ جنات یا شیاطین میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہے اور وہ سکھا جاتا ہے اور اس کے قول کو یہ کلام الٰہی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان آیات میں اس خیال کی تردید فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کلام جو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اس کو شیاطین یا جنات جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے لے کر نہیں آئے اور لا سکتے تین دلائل یا وجوہ بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ فطرۃً شیاطین کے لئے یہ فعل سزاوار نہیں ہے کیونکہ خبیث جنات اور شیاطین کو ناپاک مضامین سے دلی رغبت ہے ناپاک باتیں ان کی خوراک ہیں ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی۔ فساد اور ظلمت پھیلانا ہے اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ شیاطین کو تو وہی روح پر تاریکی اور دل پر زنگ پیدا کرنے والی باتیں معلوم ہیں جو انسان کو برباد کرنے والی ہیں۔ روح کو سدھارنے والے مضامین دل کو پاک کرنے والے مطالب اور اخلاق کو صاف و پاکیزہ کرنے والے امور سے تو ان کو نفرت و عداوت ہے۔

دوسری وجہ یہ فرمائی گئی کہ تعلیم قرآنی کی ان میں قدرت بھی نہیں۔ وہ اس لائق کہاں ہیں کہ اس متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔ پھر کسی مقدس پاکباز قلب تک ان شیاطین کی رسائی ہی ممکن نہیں پھر وہ القاء کس طرح کر سکتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں کی فطرت ناقص ہے ان کے قلوب تک ان کی رسائی ممکن ہے۔

تیسری وجہ یہ فرمائی گئی کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ پاکباز ہستیوں کے قلوب تک شیاطین کی رسائی ممکن ہے لیکن ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت تک ان کی رسائی ناممکن ہے۔ جہاں سے قرآن کا نزول ہوا ہے وہاں تک ان کی پہنچ اور دسترس نہیں ہو سکتی کیونکہ شیاطین کو وہاں تک خدا نے پہنچنے سے روک دیا ہے اور نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے۔ نہ ایک حرف اچک سکتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے جنات آسمان یعنی عالم ملکوت تک چڑھ جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن آتے تھے۔ اس ایک میں سو جھوٹ ملا کر ساحروں اور کاہنوں سے کہہ دیا کرتے تھے لیکن بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زمانہ سے شیاطین کو وہاں جانے سے روک دیا

گیا۔ شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۂ حجر ۱۴ ویں پارہ میں فرمایا گیا ہے وحفظنها من کل شیطن الرجیم. الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین اور ہم نے اسے یعنی آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا۔ ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے۔ اس پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تشریحاً لکھا ہے۔ ”آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے تو ان کا گزر بھی وہاں نہیں ہوسکتا۔ اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں۔ اس پر بھی فرشتوں کے پہرہ بٹھا دیئے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اوپر سے آتش بازی کی جائے۔ نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر میں سماء دنیا پر اور بخاری شریف کی ایک روایت کے موافق بادل میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعۂ وائرلیس ٹیلیفون جا رہا ہو اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ یعنی شہاب ثاقب پھٹتا ہے اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اس دوا دوش اور ہنگامہ دارو گیر میں جو ایک آدھ بات شیاطین کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض و تغافل برتا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہی عالم ملکوت ہے۔ شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب وافتراء اور کوئی چیز نہیں نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتد بہ دسترس حاصل کر لے باقی جو ایک آدھ جملہ فرشتوں سے ادھر ادھر کا سن بھاگتا ہے تو حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کر دی جائے وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی اغوا اور اضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب ووسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔“ اس تقریر کے بعد حضرت مولانا عثمانیؒ نے ایک تنبیہ لکھی ہے کہ شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند تر چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انجام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کر لو اور یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہاب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کے لئے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب جب کفار کے اس بے سروپا باطل اور بے ہودہ شبہ کا ازالہ کامل طور پر ان آیات میں فرما دیا تو اب اصل مدعا یعنی توحید کی اشاعت اور شرک کی مذمت اگلی آیات میں تلقین ہوتی ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾

سو تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے۔ اور آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے۔ اور اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

جو ایمان والوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں۔

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے۔ جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے۔

السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾

وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

فَلَا تَدْعُ پس نہ پکارو	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی دوسرا معبود	فَتَكُوْنَ کہ ہو جاؤ	مِنَ سے	الْمُعَذَّبِيْنَ مبتلائے عذاب		
وَاَنْذِرْ اور تم ڈراؤ	عَشِيْرَتَكَ اپنے رشتہ دار	الْاَقْرَبِيْنَ قریب ترین	وَ اور	اخْفِضْ جھکاؤ	جَنَاحَكَ اپنا بازو	لِمَنِ اس کیلئے جس نے	
اتَّبَعَكَ تمہاری پیروی کی	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں	فَاِنْ پھر اگر	عَصَوْكَ وہ تمہاری نافرمانی کریں	فَقُلْ تو کہدیں	اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ بیشک میں بیزار ہوں	
مِمَّا اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ کرو	عَلَى پر	الْعَزِيْزِ غالب	الرَّحِيْمِ نہایت مہربان	الَّذِيْ وہ جو	يَرٰىكَ تمہیں دیکھتا ہے
حِيْنَ جب	تَقُوْمُ تم کھڑے ہوتے ہو	وَتَقَلُّبَكَ اور تمہارا پھرنا	فِي میں	السّٰجِدِيْنَ سجدہ کرنے والے (نمازی)	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	
السَّمِيْعُ سننے والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار و مشرکین کے ایک باطل اور بے سروپا بیہودہ شبہ کا جواب دیا گیا تھا کہ اس قرآن کو شیاطین یا جنات لے کر نہیں آئے کیونکہ نہ ان کو طبعاً و فطرۃً اس کلام سے مناسبت ہے۔ نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں اور نہ ان کی پہنچ عالم ملکوت تک ہے۔ جب کفار کے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا گیا تو اب اصل مدعا یعنی توحید کی اشاعت و تبلیغ کی تلقین فرمائی جاتی ہے۔ ہر پیغمبر کی بعثت کا اصلی منشا اشاعت توحید ہے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تو تمام دنیا ہی کفر و شرک کی تاریکی میں پھنسی ہوئی تھی۔ عرب ایران۔ ترکستان۔ روم۔ ہند۔ چین۔ مشرق و مغرب سب ہی نے خدا کو چھوڑ رکھا تھا اور اپنی خواہش کے مطابق جدا جدا معبود بنا رکھے تھے۔ یہاں تک کہ اہل کتاب بھی جو ہر توحید کو کھو بیٹھے تھے۔ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے نصاریٰ تثلیث کے قائل تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے غرض کہ اس طرح کے عقائد کفریہ و شرکیہ پھیلے ہوئے تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تو اصل مقصد ہی یہ تھا کہ ساری دنیا میں توحید کی اشاعت کی جائے اور شرک سے بچا جائے۔ چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے توحید کے وجوب کی ایک ایک خاص طریقہ سے تاکید کی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کریئے۔ کبھی آپ کو سزا ہونے لگے۔ یعنی اگر آپ بھی شرک کریں تو عذاب الٰہی میں ماخوذ ہوں گے۔ یہاں اس خطاب

33 سے یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا کوئی خطرہ تھا اور اس بنا پر آپ کو اس سے روکا گیا بلکہ یہ خطاب کمال تخویف اور انتہائی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے اور دراصل اس سے مقصود کفار اور مشرکین کو متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کرنا ایسا جرم ہے اور ایسی تباہ کن حرکت ہے کہ اس پر عذاب لازمی ہے اور یہ شرک ایسی آفت ہے کہ اگر بفرض محال کوئی بڑی سے بڑی مقدس ہستی اور مخلوق میں سب سے عزیز اور محبوب جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تو وہ بھی خدانخواستہ اگر شرک میں مبتلا ہوجائے تو اس کی سزا سے نہیں بچ سکتی تو پھر اور کسی کا تو کیا کہنا۔ تو یہاں اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر سنانا اوروں کو مقصود ہے کہ جب یہ کتاب بلاشک وشبہ خدا کی نازل کی ہوئی ہے اور شیطان کا اس میں ذرہ بھر بھی دخل نہیں تو چاہئے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک وکفر کی شیطانی راہ اختیار مت کرو ورنہ عذاب الٰہی سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں۔ جب اوپر کے خطاب سے یہ جتلا دیا گیا کہ شرک ایسا جرم ہے جس میں نبی کی ذات تک کے لئے کوئی رعایت نہیں تو اسی طرح نبی کے خاندان اور قریب ترین رشتہ داروں کے لئے بھی اس معاملہ میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنے قریب ترین عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی صاف صاف متنبہ کردیجئے کہ اگر وہ اپنا عقیدہ وعمل درست نہ رکھیں گے تو یہ بات ان کے کام نہیں آسکے گی کہ وہ نبی کے رشتہ دار ہیں۔ یعنی نجات کے لئے محض رشتہ داری ہرگز کافی نہیں۔ چنانچہ معتبر روایات میں آتا ہے کہ اس آیت وانذر عشیرتک الاقربین اور آپ اپنے کنبہ اور نزدیک کے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے اس کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خطاب فرمایا اور ایک ایک سے ارشاد فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب۔ اے عباس۔ اے صفیہ۔ (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں) اور اے فاطمہ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں) تم لوگ آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرلو۔ میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا پھر بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سویرے صفا پہاڑی پر چڑھ کر پکارا یا صباحاہ (جس کے لفظی معنی ہیں ہائے صبح کا خطرہ) عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح سویرے کسی اچانک حملہ کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ اسی طرح پکارنا شروع کردیتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تمام قبائل کا نام لے کر یہ آواز دی تو سب لوگ گھروں سے نکل آئے اور جو خود نہ آسکا اس نے اپنی طرف سے خبر لانے کو بھیج دیا جب سب لوگ جمع ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف وادی میں ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر چھاپہ مارنے کے لئے جمع ہورہا ہے کیا تم میری تصدیق کروگے اور میری بات سچ مانوگے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ بے شک کیونکہ ہم نے بارہا تمہاری صداقت کا تجربہ کرلیا ہے۔ ہمارے تجربہ میں تم کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھا تو میں خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں خدا کے مقابلہ میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ ابولہب جو آپ کا چچا تھا وہ بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لئے تو نے ہم کو یہاں جمع کیا تھا۔ عرب کا محاورہ تھا کہ بددعا کے لئے کہتے تبت یدا یعنی تیرے ہاتھ ٹوٹیں تو خراب ہوجائے۔ اسی لئے قرآن پاک میں سورۂ لہب میں ابولہب کو بھی وہی جواب ملا

جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا یعنی تبت یدآ ابی لھب و تب دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہو گیا۔ الغرض آپ نے شرک پر عذاب الٰہی سے سب کو ڈرایا تو اس قومی تبلیغ کا نتیجہ دو ہی شکلوں میں نمودار ہو سکتا تھا یا تو لوگ مانیں گے اور آپ کی ہدایت کو قبول کر کے آپ کی پیروی کریں گے اور یا نہ مانیں گے اور بدستور سرتابی اور سرکشی کرتے رہیں گے۔ اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کے متعلق حکم دے دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمادیا کہ جو مومن آپ کا ساتھ دیں ان کے لئے اپنے اخلاق اور تواضع کے پر بچھا دیجئے یعنی جس طرح پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لے لیتا ہے آپ بھی اپنے سایۂ رحمت میں اہل ایمان کو لے لیں اور جو لوگ آپ کا حکم نہ مانیں اور آپ کی نافرمانی کریں ان کے اعمال سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیجئے۔ گویا اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے رشتہ قرابت سے بڑھ کر رشتۂ ایمانی کو قرار دیا کہ جو مومن ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ کہیں کا رہنے والا ہو۔ کوئی زبان بولنے والا ہو۔ کسی رنگ کا ہو وہ آپ کی شفقت وعنایت وتعلق کا مستحق ہے اور جو کافر ہے اس سے آپ بالکل بےزار اور بےتعلق ہیں خواہ وہ قرابت کے لحاظ سے کتنا ہی نزدیک کا رشتہ دار ہو۔ یعنی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی پوری تعلیم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغام حق اور تبلیغ دین کی وجہ سے مخالفت بھی ہونا لازمی تھی چنانچہ آپ کے پیام کی مخالفت میں تمام سرداران رؤسائے مکہ ایک ہو گئے اور پھر قبیلہ قریش کے سرداروں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور حضور کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اس وقت ان مخالفوں کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ کوئی مادی طاقت تھی نہ زیادہ مال تھا۔ نہ ساتھیوں کی کثرت تھی اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے حق تعالیٰ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مخالفین کی طرف سے ایذا اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لایئے آپ اس خدا پر بھروسہ رکھئے جو تمام کائنات پر غالب بھی ہے اور آپ پر رحیم بھی ہے اور اس کی قدرت وتصرف سے کوئی چیز خارج نہیں اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال ہے۔ لیکن کسی کو محفوظ رکھنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ حفاظت کرنے والا طاقتور ہو اور حمایت کرنے کے لئے تیار ہو بلکہ یہ بھی لازمی ہے کہ اس کے تمام احوال کی اطلاع ہر وقت ہو تا کہ ضرورت کے وقت بچاؤ کر سکے اگر اس کو خبر ہی نہ ہو تو کتنا ہی کرم فرما اور حامی ہو اور کتنا ہی طاقتور ہو اپنے کی حمایت کرنے اور بچانے کا موقع ہی نہ ملے گا اس لئے آگے حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ اے نبی خدائے غالب و رحیم تمہاری ہر نقل وحرکت سے واقف ہے اور تمہارے کل احوال زندگی اس کی نظر کے سامنے ہیں وہ دانا اور بینا اور شنوا بھی ہے اس لئے وہ ہر طرح سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ آپ اسی کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر کفار کے مزید شبہات کی تردید فرما کر ایمان اور عمل صالح کی ترغیب دی گئی اور منکرین کو عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی توحید کاملہ نصیب فرماویں اور شرک کے ہر شائبہ سے ہم کو بچائیں یا اللہ مومنین مخلصین میں ہم کو شامل فرما اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کامل نصیب فرما۔ یا اللہ! دشمنان دین سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرما اور ہم کو اپنی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ اور اپنی قدرت ورحمت سے ہماری ہر حال میں حفاظت۔ نگرانی وحمایت فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝٢٢١ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٢٢٢ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ

کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں۔ (سنو) ایسے شخصوں پر اُترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں۔ اور جو (شیاطین کی سننے کیلئے) کان لگا دیتے ہیں

وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝٢٢٣ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝٢٢٤ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝٢٢٥ وَاَنَّهُمْ

اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے)

يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝٢٢٦ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ

ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔ اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝٢٢٧

اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے بدلہ لیا (یہ مستثنیٰ ہیں)۔ اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ اُن کو لوٹ کر جانا ہے۔

هَلْ کیا	اُنَبِّئُكُمْ میں تمہیں بتاؤں	عَلٰى مَنْ کس پر	تَنَزَّلُ اترتے ہیں	الشَّيٰطِيْنُ شیطان	تَنَزَّلُ وہ اترتے ہیں	عَلٰى پر	كُلِّ ہر
اَفَّاكٍ بہتان لگانے والا	اَثِيْمٍ گنہگار	يُلْقُوْنَ ڈال دیتے ہیں	السَّمْعَ سُنی سنائی بات	وَاَكْثَرُهُمْ اور ان میں اکثر	كٰذِبُوْنَ جھوٹے	وَ اور	
الشُّعَرَآءُ شاعر	يَتَّبِعُهُمْ اُن کی پیروی کرتے ہیں	الْغَاوٗنَ گمراہ لوگ	اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اَنَّهُمْ کہ وہ	فِيْ كُلِّ وَادٍ ہر وادی میں		
يَهِيْمُوْنَ سرگرداں پھرتے ہیں	وَاَنَّهُمْ اور یہ کہ وہ	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	مَا جو	لَا يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے نہیں	اِلَّا مگر	الَّذِيْنَ جو لوگ	
اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	وَذَكَرُوا اللّٰهَ اور اللہ کو یاد کیا	كَثِيْرًا بکثرت	وَانْتَصَرُوْا اور انہوں نے بدلہ لیا		
مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَا ظُلِمُوْا کہ ان پر ظلم ہوا	وَسَيَعْلَمُ اور عنقریب جان لیں گے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہوں نے	ظَلَمُوْٓا ظلم کیا	اَيَّ کس		
	مُنْقَلَبٍ لوٹنے کی جگہ (گروٹ)	يَنْقَلِبُوْنَ وہ اُلٹتے ہیں (انہیں لوٹ کر جانا ہے)					

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ شعراء کی آخری آیات ہیں۔ گذشتہ آیات کی تشریح میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ایام جاہلیت میں عربوں کا عقیدہ تھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں جنات یا شیاطین القاء کرتے ہیں ان میں سے ایک گروہ کاہنوں کا ہے اور دوسرا شاعروں کا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر منکرین کہانت کا شبہ کرتے تھے اور کلام الٰہی کو ثمرۂ شاعری کا الزام لگاتے تھے ان الزامات کی تردید میں گذشتہ آیات میں بتلایا جا چکا ہے کہ یہ کلام رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اس کو جنات یا شیاطین جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے لیکر نہیں آئے کیونکہ شیاطین کو نہ اس پاک کلام سے مناسبت ہے اور نہ وہ اس پر قادر ہیں۔ کفار کے اسی شبہ کہانت یا شاعری کے مزید تردید میں اب اس وقت کے کاہنوں اور شاعروں کی امتیازی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں اور جتلایا جاتا ہے کہ شیطانی القاء کو نبوت سے کیا نسبت۔ کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق امانت۔ اتقاء و پاکبازی اور خدا ترسی کو جو بچپن سے لے کر دعوئے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھی حتیٰ کہ صادق الامین آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا اور کہاں ان کاہنوں کی دروغ گفتاری اور بدکرداری۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے کاہنوں کی حالت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ شیاطین تو اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں جو اول درجہ کے جھوٹ بولنے والے۔ بدکردار اور گناہ گار ہوں ایسے کاہنوں۔ بدکرداروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات وشیاطین پہنچتے ہیں کیونکہ وہ بھی جھوٹے اور بداعمال وبدکردار ہیں کوئی ایک آدھ بات غیبی خبر کی اچٹتی ہوئی سنی

سنائی چوری چھپے سے لے اڑتے ہیں جس میں ۱۰۰ جھوٹی باتیں اپنی طرف سے ملا کر کاہنوں کے کان میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور پھر وہ کاہن بھی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بعض صحابہ نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر عرض کیا کہ حضور کبھی کبھی تو ان کی کوئی بات سچی بھی نکل آتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات آسمان سے اڑا لاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ جاتے ہیں پھر اس کے ساتھ ۱۰۰ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں۔ تو الحاصل کاہنوں کے بابت بتلایا گیا کہ شیاطین اور خبیث جنات کا نزول تو ایسے ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو بہت زیادہ جھوٹے اور بدکردار ہوتے ہیں اس لئے ان کاہنوں سے ان کو طبعی مناسبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاکباز۔ صادق اور صدیق ہیں پھر آپ سے شیاطین کو مناسبت کہاں ہو سکتی ہے اور آپ کے قلب تک خبیثوں کی رسائی کہاں ممکن ہے۔ پھر کہانت کا شبہ اور احتمال آپ کی ذات مبارک میں کہاں ہو سکتا ہے۔ آگے دوسرے شبہ شاعریت کا جواب دیا جاتا ہے کہ آپ شاعر بھی نہیں ہیں جیسا کہ یہ کفار خیال کرتے ہیں۔ عرب جاہلیت کی تہذیب اور تمدن میں شعرا کا ایک خاص اور بڑا امتیاز مرتبہ تھا۔ عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب بنانا ان کا معمولی کرتب تھا اور پھر ایام جاہلیت کی عرب شاعری جس قسم کے مضامین سے لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین تھے۔ یا شراب نوشی کے یا قبائلی منافرت اور جنگ وجدل کے یا نسلی فخر وغرور کے۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں ان میں بہت ہی کم پائی جاتی تھیں۔ پھر جھوٹ۔ مبالغہ۔ بہتان۔ ہجو۔ بے جا تعریف۔ طنز وطعن۔ اور مشرکانہ خرافات تو اس شاعری کی رگ رگ میں پیوست تھی اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس شاعری کے متعلق یہ تھا کہ تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے اپنا پیٹ بھر لے۔ حدیث میں بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب سفر میں چلے جا رہے تھے۔ مقام عرج میں ایک

شاعر اپنے اشعار پڑھتا ہوا سامنے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کو روک دو۔ اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ اور لہو سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرا ہو۔ تو کفار مکہ جو قرآن کو شاعری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) شاعر ہونے کا الزام و بہتان لگاتے تھے اس کی تردید میں شاعر اور شاعری کی حقیقت کو بیان فرمایا جاتا ہے اور شاعروں کی تین صفات ان آیات میں بتلائی جاتی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ شاعروں کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں جو بدراہ ہیں یعنی شاعروں کی ذریت تو انہی لوگوں پر شامل ہوتی ہے جو خود بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری صفت بتائی کہ یہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں یعنی خیالی مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے اور ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ واقعیت اور حقیقت سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ ان کی باتیں تو تمام تر تخیل پرستی کی ہوتی ہیں۔ کہیں آہوں سے آسمان کا گنبد گراتے ہیں۔ کہیں آنسوؤں سے بحر قلزم بہاتے ہیں۔ کہیں شب ہجر کے طول کو قیامت سے بڑھاتے ہیں۔ جو مضمون پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا۔ کسی کی مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ غرض جھوٹ۔ مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ تیسری صفت آیت میں یہ بیان کی گئی کہ یہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی شاعر کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا وہ مضامین شجاعت ومردانگی کے باندھے گا لیکن خود بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہو گا شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے ڈرپوک۔ تاریخ کی کتابوں میں بنوامیہ کے دور کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ مشہور عرب شاعر فرزوق نے جب خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کے سامنے اپنا وہ شعر پڑھا جس میں اپنی حرامکاری کا ذکر تھا تو خلیفہ نے فوراً کہا کہ اس اقبال جرم کے بعد تم پر حد شرعی واجب آ گئی اب تو یہ شاعر بڑا سٹ پٹایا مگر تھا ذہین وچالاک فوراً یہی آیت قرآنی وانھم یقولون مالایفعلون یعنی یہ شاعر زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، اپنی صفائی میں پڑھ کر

جان بچائی گویا اس نے یہ ظاہر کردیا کہ ہم شاعر لوگ ہیں ہمارے کلام سے ہمارے عمل کا کیا واسطہ۔

الغرض تیسری صفت یہاں آیت میں شعراء کی یہ بتلائی گئی کہ یہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔تو شاعروں کی یہ خصوصیات بتلا کر یہ جتلایا گیا کہ پیغمبر خدا کو اس جماعت سے کیا تعلق اور لگاؤ کہ جو کفار معاذ اللہ آپ کو شاعر اور کلام الٰہی کو شعروشاعری کہتے ہیں اب یہاں چونکہ شعراء کی مذمت ارشاد ہوئی ہے جس کے عموم میں سب ہی نظم کہنے والے اور اشعار پڑھنے والے صورۃً داخل ہوگئے اس لئے آگے ان شعراء کا استثناء فرمایا گیا کہ جن کی شاعری حقائق اور صداقتوں کی جامع ہے اور جو تائید دین۔اور اشاعت علم اور نصرت وحمایت حق میں کی جائے اور جس سے کام دین کے غلبہ کا لیا جائے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو اوپر شعراء کی مذمت بیان ہوئی اس سے ان شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں۔

اول یہ کہ وہ مومن ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ اعمال صالحات کرنے والے ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے موافق اپنی زندگی گزارنے والے ہوں۔فاسق، فاجر۔بدکردار اور اللہ رسول کے نافرمان نہ ہوں۔

تیسرے یہ کہ وہ بکثرت یاد الٰہی کرتے ہوں یعنی اپنے عام حالات اور اوقات میں بھی اور اپنے کلام میں بھی تائید دین حق اور اشاعت اسلام میں ان کے اشعار ہوں کہ یہ سب ذکر اللہ ہے۔

چوتھی صفت یہ ہو کہ اعدائے دین کی طرف سے ان پر اولاً ظلم ہو چکا ہو اور اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ اپنی زبان اور قلم سے کام لیں یعنی کفار یا بے دینوں نے اول ان کو ایذا پہنچائی خواہ قولاً مثلاً ان کی ہجو کی یا دین کی توہین کی یا فعلاً کہ ان کے جان یا مال کو ضرر پہنچایا تو اب مظلوم ہونے کے بعد وہ انتقام اپنے اشعار یا کلام سے لینے والے ہوں۔روایات میں آتا ہے کہ کفار اور مشرکین کے شاعر۔اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الزامات کا جو طوفان اٹھاتے اور نفرت وعداوت کا جو زہر پھیلاتے تھے اس کا جواب دینے کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراء اسلام کی ہمت افزائی فرمائی ہے۔حضرت کعب بن مالک کے پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا مومن جہاد کرتا ہے تلوار سے اور اپنی زبان سے۔قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جس چیز سے ان کو مارتے ہو وہ گویا تیروں کی مار ہے۔یعنی تم جو اشعار میں مشرکوں کی مذمت کرتے ہو تو یہ تیروں کی طرح ان پر اثر کرتے ہیں۔تو خلاصہ یہ کہ ایسی روایات بھی بکثرت منقول ہیں جن سے شاعری اور شاعروں کی مذمت ثابت ہوتی ہے اور ایسی روایات بھی موجود ہیں جو شاعری کے استحسان پر دلالت کرتی ہیں۔خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سنے۔بعض شاعروں کی تعریف بھی کی اور شعر کہنے کا حکم بھی دیا اس لئے شاعری کی مدح وذم ممانعت۔اور جواز دونوں منقول ہیں۔اس لئے محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ اچھے اشعار جیسے حمد ونعت حمایت اسلام۔اصلاح مسلمین اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے شعر مستحسن ہیں اور اخلاق اور حسن اعمال کو برباد کرنیوالے۔فسق وفجور کی تعلیم دینے والے اور فساد وتباہی برپا کرنیوالے اشعار ممنوع ہیں۔اب جبکہ قرآن اور رسالت کے متعلق جو شبہات کفار کے تھے ان کے جوابات پورے ہوگئے اور اس پر بھی جو منکر نبوت رہے اور ہٹ دھرمی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعری اور کہانت وغیرہ کی تہمتیں لگاتے رہے ان کو وعید سنائی جاتی ہے کہ ان ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائیگا کہ کیسی بری اور مصیبت کی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے مراد اس سے جہنم ہے۔

الحمدللہ کہ سورۂ شعراء کا بیان یہاں ختم ہوگیا جس میں ۱۱ رکوع تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوۡرَۃُ النَّمۡلِ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ ثَلٰثٌ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ وَّتِسۡعُوۡنَ اٰیَۃً وَّسَبۡعُ رُکُوۡعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ

طس۔ یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی۔ یہ (آیتیں) ایمان والوں کیلئے ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں۔ جو ایسے ہیں

یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾

کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں۔

طٰسٓ طس	تِلۡکَ یہ	اٰیٰتُ آیتیں	الۡقُرۡاٰنِ قرآن	وَکِتَابٍ اور کتاب	مُّبِیۡنٍ روشن، واضح	هُدًی ہدایت	وَّ بُشۡرٰی اور خوشخبری
لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ مومنوں کیلئے	الَّذِیۡنَ جو لوگ	یُقِیۡمُوۡنَ قائم رکھتے ہیں	الصَّلٰوۃَ نماز	وَیُؤۡتُوۡنَ اور ادا کرتے ہیں	الزَّکٰوۃَ زکوۃ	وَهُمۡ اور وہ	
	بِالۡاٰخِرَۃِ آخرت پر	هُمۡ وہ	یُوۡقِنُوۡنَ یقین رکھتے ہیں				

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ کہ اب انیسویں پارہ کی سورۂ نمل کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی صرف تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کے سلسلہ میں وادالنمل یعنی چیونٹیوں کے میدان کا ذکر آیا ہے نمل معنی ہیں چیونٹیوں کے۔ اس لئے بطور نشانی اس سورۃ کا نام نمل مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور مکی دور کے درمیانی زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ کلام پاک کی ۲۷ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۶۸ لکھا ہے یعنی ۶۷ سورتیں اس سورۃ سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۴۶ سورتیں اس سورۃ کے بعد مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۹۳ آیات، ۷ رکوعات۔ ۱۱۶۷ کلمات ۴۸۷۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی عقائد کی اصلاح یعنی توحید کی تعلیم۔ نبوت کا اثبات آخرت کا یقین اور چند انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ ہیں۔ اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ سارے جہاں کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے۔ اس نے انسانوں کو پیدا کر کے ان کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً نبی بھیجے اور رسالت کا سلسلہ قائم کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم فرمایا گیا اور جن پر قرآن مجید نازل کیا گیا جس میں انسان کو بتایا گیا کہ اسے اس زندگی میں کیا کرنا چاہئے انسان کو اس دنیا میں ایک مقررہ وقت تک رہنا ہے اس کے بعد اس کی یہاں کی زندگی ختم ہو جائے گی ہر فرد وبشر جو اس دنیا میں آیا ہے ایک نہ ایک دن وہ مر جائے گا اور آخرکار یہ ظاہری عالم بھی سارا فنا ہو جائے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے سارے انسان شروع دنیا سے آخر تک دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور عالم آخرت شروع ہو جائے گا جہاں ہر شخص کے اعمال کی جو اس نے اس دنیا میں کئے تھے جانچ پڑتال کی جائے گی اور جیسے جس کے اعمال ہوں گے ویسی ہی اس کو جزا وسزا دی جائے گی۔ یہ تمام باتیں بالکل اسی طرح ہوں گی جس طرح قرآن مجید میں کھول کھول کر واضح کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے قرآن کے منکروں کو دائمی

عذاب۔ مصیبت اور بے چینی نصیب ہوگی اور اس کے ماننے والوں کو ابدی راحت۔خوشی اور آرام چین وسکون ملے گا۔خدا کے پیغمبروں کی ہدایات کو نہ ماننے والوں کی عبرت کے لئے بعض پہلی امتیں اور ان کے پیغمبروں کے قصہ بیان کئے گئے۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور پھر بنی اسرائیل کے دو جلیل القدر صاحب سلطنت انبیاء حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کہ جن کی سلطنت جن وانس کے علاوہ جانوروں تک پر تھی ان کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق دو واقعات کا بیان اس سورۃ میں فرمایا گیا ایک تو وہ جو چیونٹیوں کے ساتھ گزرا اور اسی پر اس سورۃ کا نام سورۃ النمل رکھا گیا اور دوسرا واقعہ ملکہ سبا کا جس کی بابت ہدہد نے آکر خبر دی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو زیر فرمان کیا اس کے بعد دو اور قوموں کا بیان ہے۔اخیر میں قدرت کی بعض نشانیاں واضح کر کے واقعات عالم سے عبرت حاصل کرنے پر زور دیا گیا اور دنیا کے خاتمہ کی ایک علامت بتائی گئی۔ پھر قیامت کے حالات واضح کئے گئے اور سورۃ کے خاتمہ پر بتلایا گیا کہ ان باتوں کو جاننے کے بعد انسان کے لئے کوئی چارہ کار نہیں سوائے اس کے کہ قرآن کے احکام پر چلے۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات طٰسٓ سے فرمائی گئی ہے۔حروف مقطعات کے متعلق سورۂ بقرہ کے ابتدائی درس میں تفصیلی بیان ہو چکا ہے۔جس کا خلاصہ یہی ہے کہ خلفائے راشدین۔جمہور صحابہؓ وتابعین اور اکثر علمائے امت کے نزدیک یہ حروف رموز واسرار الٰہیہ ہیں۔ ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔ان کے حقیقی معنی کی طرف کسی اور کی رسائی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بطور ایک راز کے دیا گیا ہو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حروف کی تفسیر و تشریح میں صراحتہً کچھ منقول نہیں۔ ان پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جس طرح آئے ہیں ان کی تلاوت کرنا چاہئے اور ان کے معنی کی تفتیش میں نہ پڑنا چاہئے۔

آگے سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ آیات جن کی تلاوت اس سورۃ میں کی جارہی ہے کسی کاہن کی بکواس نہیں۔ کسی ساحر کی شعبدہ بازی نہیں کسی شاعر کی تک بندی نہیں بلکہ قرآن اور اس عظیم الشان کتاب کی آیات ہیں جو حق و باطل میں فرق کرنے والی۔ اور انسانی نجات وسعادت کا راستہ واضح طور پر بتانے والی ہے۔جس کی کوئی بات بعید از عقل نہیں۔سب باتیں اس کی صاف اور ظاہر ہیں جن کو ہر ایک صاحب عقل سلیم تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کرسکتا۔ اس کی ہدایت ہر انسان کے لئے عام ہے مگر اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے چونکہ اہل ایمان ہی ہیں اس لئے یہ اہل ایمان ہی کے لئے باعث ہدایت اور سبب بشارت ہے۔ اس کے ہر لفظ سے مومن کو راہ حق نظر آتی ہے اور دوامی سعادت و نجات کی خوشخبری حاصل ہوتی ہے مگر یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ فقط قلبی تصدیق اور عقیدہ کی صحت سے کمال ایمانی حاصل ہوجاتا ہے۔ نہیں خالی زبان سے اپنے کو مومن کہنا کافی نہیں جب تک کہ اس میں خصوصیت کے ساتھ یہ تین اوصاف نہ پائیں جائیں۔

ایک **الذین یقیمون الصلوٰۃ** وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی اہتمام سے ساری شرائط وقواعد کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔اس سے صاف معلوم ہوا کہ جو نماز ادا نہ کرے وہ پورا کامل مومن ہی نہیں۔ حیف ہے ان لوگوں پر جو دین اسلام کی حمایت کے نعرے تو بلند کرتے ہیں مگر نماز سے بے فکر ہیں۔

دوسرا وصف **ویؤتون الزکوٰۃ** فرمایا یعنی جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ شرع میں جب کہ مال ایک معینہ نصاب سے زائد ہو تو اس میں سے چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر غربا۔ مساکین اور مستحقین کو دینا اور اس مقررہ لازمی اور فرض زکوٰۃ کے

علاوہ ہر ایک قسم کے خیرات وصدقات بھی زکوٰۃ میں شامل ہیں تو یہاں اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ذکر کرنے سے اس طرف صاف اشارہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اسلام کے وہ عظیم الشان ارکان ہیں جن کے بغیر ایمان کی عمارت کا اپنی جگہ پر قائم رہنا دشوار ہے۔ اسی لئے ان آیات میں ذہن نشین کرایا جارہا ہے کہ قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایمان کے ساتھ عملاً اطاعت اور اتباع کا رویہ اختیار کرنا بھی ضروری ولازمی ہے جس کی اولین علامت اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ اگر یہی علامت غائب ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آدمی اطاعت اور حکم کی پیروی کے لئے تیار نہیں۔

تیسری بات وهم بالاٰخرة هم يوقنون فرمائی یعنی روز آخرت پر ان کو کامل یقین ہو اور یہ اعتقاد رکھیں کہ خداوند تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ ایک دن حشر ہونا ہے اور تمام اعمال کی باز پرس ہونی ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔ اگر آخرت پر ایمان یقین نہ ہو تو انسان کسی کار خیر کی طرف توجہ بھی نہ کرے گا اور اگر کوئی نیک کام کرے گا بھی تو اس کی غرض کسی دنیوی وجاہت عزت۔ عیش وآرام کے حصول کی ہوگی۔ جب کسی کو انجام کی فکر اور مستقبل کا خیال ہی نہ ہوگا۔ تو وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبا رہے گا اور اس کی تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کی رہنمائی سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس کی بشارتوں کے مستحق صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو ان حقیقتوں کو تسلیم کریں جنہیں یہ کتاب پیش کرتی ہے اور پھر مان لینے کے بعد اپنی عملی زندگی میں اطاعت واتباع کا رویہ اختیار کریں اور اس میں قرآن کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا انہیں کے لئے ممکن ہے کہ جو آخرت کے قائل ہوں۔

قرآن کریم جن حقیقتوں کو ماننے اور ان پر ایمان لانے اور پورا پورا یقین رکھنے کی پرزور دعوت دیتا ہے ان میں خداوند قدوس کی ذات اور اس کی صفات یعنی توحید باری تعالیٰ ہے۔ جس کے بعد آخرت ہی کا مسئلہ ہے۔ تمام انبیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کی تمام نازل کی ہوئی کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان لانے اور پورا یقین کرنے کی دعوت دی ہے اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور قیامت تک کے لئے دنیا کی رہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہے اس لئے اس میں تو آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور اتنی تفصیل سے اس کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ آخرۃ ہی کے بیان سے متعلق ہے۔ اور عقیدۂ آخرت ہی یعنی حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب اور جزاوسزا انسان کی حالت دنیا میں درست رکھ سکتا ہے اور انسان کی زندگی میں انقلاب لاسکتا ہے اور اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے۔

یہ تو مومنین کاملین کا حال تھا آگے منکرین قرآن اور ان کا آخرت کا حال اور ان کا انجام ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے لئے بھی باعث ہدایت وخوشخبری بنائیں اور ایمان والوں کی صفات ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ اور آخرت پر پورا یقین عطا فرمائیں تاکہ ہم کو اس دنیا کی زندگی میں آخرت کا فکر ہو اور ہمارا کوئی لمحہ آخرت کی تیاری سے غفلت میں نہ گزرے۔ یا اللہ! ہم کو پوری طرح اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کی توفیق عطا فرما اور اس کے ساتھ اپنے جملہ احکام کی بھی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرما۔ یا اللہ! مومنین کاملین کی جو صفات یہاں بیان فرمائی گئیں یعنی نماز کی پابندی زکوٰۃ کی ادائیگی اور آخرت پر پورا یقین۔ آج امت مسلمہ کے اکثر افراد انہیں صفات سے غافل ہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ

جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے اعمال (بد) اُن کی نظر میں مرغوب کرر کھے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے

سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٥﴾ وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ

سخت عذاب (ہونیوالا) ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت خسارہ میں ہیں۔ اور آپ کو بالیقین ایک بڑی حکمت والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جارہا ہے۔

حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿٦﴾ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ

(آپ اُس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی وہاں سے (یا تو راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس

بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾

آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تا کہ تم سینک لو۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جولوگ	لَا يُؤْمِنُونَ ایمان نہیں لاتے	بِالْآخِرَةِ آخرت پر	زَيَّنَّا لَهُمْ آراستہ کر دکھائے ہم نے ان کیلئے	أَعْمَالَهُمْ ان کے عمل		
فَهُمْ پس وہ	يَعْمَهُونَ بھٹکتے پھرتے ہیں	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	الَّذِينَ وہ لوگ جو	لَهُمْ ان کیلئے	سُوءُ برا	الْعَذَابِ عذاب	وَهُمْ اور وہ
فِي الْآخِرَةِ آخرت میں	هُمُ وہ	الْأَخْسَرُونَ سب سے بڑھ کر خسارہ اٹھانے والے	وَإِنَّكَ اور بیشک تم	لَتُلَقَّى دیا جاتا ہے	الْقُرْآنَ قرآن		
مِنْ لَدُنْ نزدیک (جانب) سے	حَكِيمٍ حکمت والا	عَلِيمٍ علم والا	إِذْ جب	قَالَ کہا	مُوسَىٰ موسیٰ	لِأَهْلِهِ اپنے گھر والوں سے	إِنِّي بیشک میں
آنَسْتُ میں نے دیکھی ہے	نَارًا ایک آگ	سَآتِيكُمْ میں ابھی لاتا ہوں	مِنْهَا اس کی	بِخَبَرٍ کوئی خبر	أَوْ آتِيكُمْ یا لاتا ہوں تمہارے پاس		
بِشِهَابٍ شعلہ	قَبَسٍ انگارہ	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تَصْطَلُونَ تم سینکو				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ آیتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی ہیں ایک واضح اور روشن کتاب یعنی قرآن کریم کی آیتیں ہیں جو انسانی سعادت ونجات کا راستہ واضح طور پر بتانے والی ہیں۔ اور اگرچہ اس کی ہدایت ہر انسان کے لئے عام ہے لیکن چونکہ اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے اہل ایمان ہی ہیں اس لئے یہ اہل ایمان ہی کے لئے باعث ہدایت اور سبب بشارت ہے۔ پھر اہل ایمان کی تین صفات بیان کی گئیں یعنی وقت اور شرائط کی پابندی کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور عالم آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

اب آگے مومنین کے مقابلہ میں کفار ومنکرین کی حالت اور ان کا انجام بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے اور ان کی نظروں میں جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے تو وہ اسی کی زیب وزینت اور عیش وآرام میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان کی ساری کوشش اور فکر کا مرکز بس یہی چند روزہ زندگی ہے کہ کس طرح دنیا میں مال ودولت حاصل ہو۔ عزت اور جاہ بڑھے۔ اچھا کھائیں پئیں اور موج اڑائیں۔ عالیشان مکانوں میں عیش وعشرت سے رہیں۔ تو جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت اور آخرت کی طرف توجہ دلائے تو اس کی بات پر یہ کان کیوں دھرنے لگے۔ یہ تو دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی کتاب کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور یہی وہ کام ہیں کہ جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے منکرین ومکذبین کو اللہ تعالیٰ بھی ڈھیل دے کر چھوڑ دیتے ہیں کہ ان

کی برائیاں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں اور اس طرح وہ اپنی سرکشی و گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔ انجام ان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں انہیں سخت ترین سزائیں ہوں گی اور قیامت کے دن اہل محشر میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب ان بدبختوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اس کی ہدایات و بشارات سے فائدہ نہ اٹھایا تو آخرت کی یہی بدانجامی نصیب ہونی تھی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس علیم و حلیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب یعنی قرآن کریم آپ کو مرحمت کی گئی جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تا کہ سچوں کا دل مضبوط اور قوی ہو اور جھوٹ و باطل کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں چنانچہ اپنی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں دس سال گزارنے کے بعد مصر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ راستہ میں وادی سینا یا وادی طویٰ کے قریب پہنچ کر جب کہ سخت سردی کی اندھیری رات تھی راستہ بھول گئے تو آپ کی بی بی صاحبہ جو آپ کے ہمراہ تھیں ان کو ایک جگہ بٹھا کر آپ نے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں نے ایک جگہ آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں۔ اگر وہاں کوئی موجود ہوا تو راستہ کی خبر لاتا ہوں ورنہ سینکنے تاپنے کے لئے آگ لے آؤں گا۔

اب جب موسیٰ علیہ السلام آگ لینے جاتے ہیں تو وہاں کیا صورت حال پیش آتی ہے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ان آیات میں مومن اور غیر مومن کی حالت میں عقیدہ آخرت کا خاص فرق ہونا بتلایا گیا ہے اور یہ ایک بالکل فطرتی اور نفسیاتی بات ہے کہ جب آدمی اپنی زندگی اور اس کی سعی اور عمل کے نتائج کو صرف اسی دنیا تک محدود سمجھے گا اور جب وہ موت کے بعد کسی ایسی زندگی کا قائل نہ ہوگا جس میں حیاۃ دنیا کے اعمال کی حقیقی قدر و قیمت کے موافق ٹھیک ٹھیک جزا و سزا دی جانے والی ہو۔ اور جب انسان کسی ایسی عدالت کا قائل نہ ہوگا جہاں انسان کے پورے کارخانہ حیات کی جانچ پڑتال کے بعد اس کے اچھے یا برے ہونے کا قطعی فیصلہ کیا جانے والا ہو تو لازماً اس کے اندر ایسا نقطۂ نظر پایا جائے گا کہ اسے حق و باطل اور نیکی و بدی اور شرک و توحید۔ اور اخلاق و بداخلاقی اور ثواب و عذاب کی یہ ساری بحثیں سراسر بے معنی نظر آئیں گی۔ بس جو کچھ اسے اس دنیا میں لذت و آرام۔ عیش و راحت۔ مادی ترقی اور خوشحالی اور قوت و اقتدار سے ہمکنار کرے وہی اس کے نزدیک بڑی خوبی کی بات ہوگی۔ اس کو حقیقت اور صداقت سے کوئی غرض ہی نہ ہوگی۔ اس کا اصل مطلوب صرف حیاۃ دنیا کی زینتیں اور کامرانیاں ہوں گی جن کے حصول کے فکر میں وہ ساری زندگی سرگرداں رہے گا اور ان لوگوں کو بے وقوف اور احمق سمجھے گا جو اس کی طرح دنیا طلبی میں منہمک نہیں ہیں۔ برخلاف اس کے جب کسی کا یہ عقیدہ اور پختہ یقین ہوگا کہ مرنے کے بعد اور بھی کئی منزلوں سے گزرنا ہے، جس میں پہلی منزل موت سے لے کر قیامت تک کی ہے جس کو عالم برزخ کہتے ہیں اور دوسری منزل قیامت اور حشر و نشر کی ہے اور تیسری و آخری منزل جنت یا جہنم ہے اور ہر ہر منزل میں ہمیں دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی جزا و سزا ملنی ہے اس لئے ہم دنیا میں مطلق العنان اور تمام قیود و بندشوں سے آزاد ہو کر من مانی زندگی گزارنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں بلکہ ہر عمل کا محاسبہ اور باز پرس ہونے والی ہے اور اس پوری زندگی کے حساب اور جانچ پڑتال میں جو کامیاب نکلیں گے وہ جنت کے مستحق قرار دیئے جائیں گے اور جو اس جانچ پڑتال میں ناکامیاب ہوں گے وہ دوزخ کے سزاوار ٹھہرائے جائیں گے اور بالآخر آخری فیصلہ میں اپنے عقائد و اعمال کے مطابق جنت یا جہنم ہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تو جن کو آخرت اور حساب کی فکر ہر بات میں لاحق رہے گی ان کو یقیناً دنیا کی اس عارضی زندگی سے دل بستگی کم ہوگی۔ ان کی زندگی کا نصب العین اخروی فلاح ہوگا اور اس طرح لازمی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے ہر پہلو سے متلاشی رہیں گے۔ اسی لئے قرآن کریم میں آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی گئی ہے کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے متعلق ہے اللہ تعالیٰ آخرت کی اہمیت ہمارے دلوں میں بٹھادیں۔ بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام کا اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۗ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞۸

سوجب اُس (آگ) کے پاس پہنچے تو اُن کو (منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں اُن پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس ہے اس پر بھی (برکت ہو) اور اللہ رب العالمین پاک ہے

يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۗ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔ اور (اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو سو جب انہوں نے اُس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۗ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۞۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ

جیسے سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ ڈرو نہیں، ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں مگر جس سے کوئی قصور ہو جاوے

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

پھر بُرائی (ہو جانے کے) بعد بجائے اس کے نیک کام کرلے (یعنی توبہ کرلے) تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۗ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۞۱۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ

وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا، یہ تو معجزوں سے ہیں (جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں۔ غرض ان لوگوں کے پاس

اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞۱۳ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۗ

جب ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے (جو نہایت واضح تھے) تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے۔ اور ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہو گئے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۞۱۴

حالانکہ اُن کے دلوں نے اُنکا یقین کر لیا تھا سو دیکھئے کیسا انجام ہوا ان مفسدوں کا۔

فَلَمَّا پس جب	جَآءَهَا اس (آگ) کے پاس آیا	نُوْدِيَ ندا دی گئی	اَنْۢ بُوْرِكَ کہ برکت دیا گیا	مَنْ جو	فِي النَّارِ آگ میں	وَمَنْ اور جو	
حَوْلَهَا اس کے آس پاس	وَسُبْحٰنَ اور پاک	اللّٰهِ اللہ	رَبِّ پروردگار	الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	اِنَّهٗ حقیقت یہ	
اَنَا اللّٰهُ میں اللہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَ اور	اَلْقِ تو ڈال	عَصَاكَ اپنا عصا	فَلَمَّا پس جب اس نے	رَاٰهَا اسے دیکھا
تَهْتَزُّ لہراتا ہوا	كَاَنَّهَا گویا کہ وہ	جَآنٌّ سانپ	وَلّٰى وہ لوٹ گیا	مُدْبِرًا پیٹھ پھیر کر	وَلَمْ يُعَقِّبْ اور مڑ کر نہ دیکھا	يٰمُوْسٰى اے موسیٰ	لَا تَخَفْ تو خوف نہ کھا
اِنِّيْ بیشک میں	لَا يَخَافُ خوف نہیں کھاتے	لَدَيَّ میرے پاس	الْمُرْسَلُوْنَ رسول	اِلَّا مگر	مَنْ جو۔جس	ظَلَمَ ظلم کیا	ثُمَّ بَدَّلَ پھر اس نے بدل ڈالا
حُسْنًا بھلائی	بَعْدَ بعد	سُوْٓءٍ برائی	فَاِنِّيْ تو بیشک میں	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَحِيْمٌ نہایت مہربان	وَاَدْخِلْ اور داخل کر (ڈال)	يَدَكَ اپنا ہاتھ
فِيْ جَيْبِكَ اپنے گریبان میں	تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَآءَ سفید۔روشن	مِنْ سے۔کے	غَيْرِ سُوْٓءٍ کسی عیب کے بغیر	فِيْ میں	تِسْعِ اٰيٰتٍ نو نشانیاں	
اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	وَقَوْمِهٖ اور اس کی قوم	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا ہیں	قَوْمًا قوم	فٰسِقِيْنَ نافرمان	فَلَمَّا پھر جب
جَآءَتْهُمْ آئیں ان کے پاس	اٰيٰتُنَا ہماری نشانیاں	مُبْصِرَةً آنکھیں کھولنے والی	قَالُوْا وہ بولے	هٰذَا یہ	سِحْرٌ مُّبِيْنٌ جادو کھلا		

وَجَحَدُوْا اور انہوں نے انکار کیا	بِهَا اس کا	وَاسْتَيْقَنَتْهَا حالانکہ اس کا یقین تھا	اَنْفُسُهُمْ انکے دل	ظُلْمًا ظلم سے	وَعُلُوًّا اور تکبر سے
فَانْظُرْ تو دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُفْسِدِيْنَ فساد کرنیوالے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ مدین سے آتے ہوئے جب کوہ طور کے قریب رات کو سردی کے وقت پہنچے جب کہ راستہ بھی بھول گئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے طور کی طرف ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جا کر یا تو راستہ کی کوئی خبر لاتا ہوں یا پھر آگ وہاں سے لے کر آتا ہوں تا کہ تم گرمی حاصل کرسکو۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو اس منظر کو دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ایک سرسبز درخت ہے اس پر آگ جل رہی ہے۔ شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے اونچی نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اس کی تجلی چمک رہی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام قریب ہوئے تو یکا یک غیب سے آواز آئی مبارک ہے وہ جو اس آگ کے اندر ہے اور جو آگ کے آس پاس ہے یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک ہے۔ اس آگ میں جو تجلی یا نور ہے وہ بھی مبارک ہے اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔ ساتھ ہی یہ فرما دیا گیا کہ اللہ جو رب العالمین ہے وہ آگ میں نظر آنے سے پاک ہے۔ یعنی اللہ کی ذات مکان۔ جہت۔ جسم۔ صورت۔ رنگ وغیرہ سب سے پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی۔ وہ تو ہر مماثلت۔ مشابہت اور حلول اور تجسم سے پاک ہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اس وقت تم سے کلام کرنے والا میں ہوں اللہ زبردست حکمت والا اور اے موسیٰ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی اور اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا تو وہ ڈالتے ہی ایک جیتا جاگتا چلتا پھرتا زبردست اژدہا بن گیا جسے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بمقتضائے بشریت خوفزدہ سے ہو گئے اور پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگنا شروع کیا۔ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں کیونکہ ہم نے تم کو پیغمبری عطا کی ہے اور خلعت پیغمبری کے عطا ہونے کے وقت پیغمبر ایسی چیزوں سے جو کہ خود ان کی پیغمبری کی دلیل یعنی معجزات ہوں ڈرا نہیں کرتے ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر سانپ یا کسی مخلوق سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ ہاں خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف اور اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئے جو کوئی ظلم و زیادتی اور خطا و تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے معاف کر دیتے ہیں کیونکہ وہ غفور الرحیم ہیں۔ اس لاٹھی کے سانپ بن جانے کے معجزہ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور معجزہ دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ جب بھی اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالیں گے تو وہ بلا کسی مرض یا عیب کے روشن۔ چمکدار ہو کر نکلے گا اور یہ دونوں معجزے ان نو معجزوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً تمہاری تائید کرتے رہیں گے۔ اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ یہ نو معجزات حسب ذیل تھے۔

(۱) عصاء موسوی کا اژدہا بن جانا۔

(۲) گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالنے سے روشن ہو کر نکلنا۔

(۳) دریائے نیل میں طوفان کا آنا۔

(۴) ٹڈی دَل کا بکثرت آنا۔

(۵) فرعونیوں کے لئے جوئیں یا چیچڑیوں کی کثرت ہونا۔

(۶) مینڈکوں کی ایسی پیداوار کہ ہر چیز اور برتن میں غیب سے مینڈک ہی مینڈک نظر آتے تھے۔

(۷) فرعونیوں کے لئے تمام پانی کا خون ہو جانا اور ان کا ایک ایک قطرہ پانی کو ترسنا۔

(۸) زبردست قحط سالی سے ملکی پیداوار کا تباہ ہو جانا۔

(۹) بحر قلزم کا بنی اسرائیل کے عبور کے لئے خشک ہو جانا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب بھی وقتاً فوقتاً فرعونیوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے۔ حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور جو نشان دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں مگر ہٹ دھرمی۔ عناد تکبر اور غرور سے جان بوجھ کر حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کرتے رہے۔

قرآن پاک کی دوسری آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے اعلان کے مطابق کوئی بلائے عام فرعونیوں پر نازل ہوتی تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتا کہ تم اپنے خدا سے دعا کر کے اس بلا کو ٹلوا دو پھر جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہم مان لیں گے مگر جب وہ بلا ٹل جاتی تو فرعون اور اس کی قوم اپنی اسی ہٹ دھرمی پر تل جاتی۔ آخر پھر کیا ہوا؟ کچھ ہی دنوں بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھا لیا۔ کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اتنا ہی بیان فرمایا گیا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں کفار مکہ کے لئے دو باتیں جتلائی گئی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ خدا جس کو نوازنا چاہتا ہے اپنی نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام ایسے غریب الوطن اور مفلس ہستی کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا جن کو رہنمائی کے لئے کوئی ساتھی بھی میسر نہ تھا پس جس طرح اس نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعت رسالت پہنایا۔ اسی طرح اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول خاص بنا دیا لہٰذا کافروں کا یہ گمان غلط ہے کہ اگر نبی ہی بنانا تھا تو ایسے شکستہ حال کو نبی کیوں بنایا کہ جس کو بازاروں میں خود ضروریات کے لئے جانا پڑتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ جتلایا جاتا ہے کہ پیغمبر برحق کی مخالفت سے پر جلال اور پر شکوہ بادشاہوں کی بادشاہی بھی برباد ہو جاتی ہے۔ فرعون جیسے جابر شہنشاہ کی حکومت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور انجام کار مخالفت کے باعث اس کو خود تباہ ہونا پڑا اسی طرح کفار کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور اگر ان کا کفر پر اور مخالفت پر بھی اصرار رہا تو یہ لوگ خود ہی برباد ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد آگے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ اپنے انوار ہدایت سے ہمارے قلوب کو منور فرما دیں اور ہم کو دین حنیف پر استقامت بخشیں۔ اور ہر طرح کی گمراہی و کجی فتنہ و فساد سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنا تابعدار بندہ بنا کر اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار امتی ہو کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ

اور ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے

عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾

ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔

وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق دیا ہم نے	دَاوٗدَ داؤدؑ	وَ اور	سُلَيْمٰنَ سلیمانؑ	عِلْمًا (بڑا) علم	وَقَالَا اور انہوں نے کہا	الْحَمْدُ تمام تعریفیں
لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِيْ وہ جس نے	فَضَّلَنَا فضیلت دی ہمیں	عَلٰى پر	كَثِيْرٍ اکثر	مِّنْ سے	عِبَادِهِ اپنے بندے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ۵۰۰ برس بعد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے قریب ساڑھے پندرہ سو سال قبل کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں آپ اور آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام بہت مشہور ومعروف انبیاء میں سے ہیں اور ان دونوں حضرات کو نبوت کے ساتھ سلطنت بھی عطا ہوئی تھی۔ اور قرآن کریم میں متعدد جگہ ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں اس سورۃ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرما کر کفار مکہ کے سرداران کو جتلایا جاتا ہے کہ دیکھو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان جن کو خدا نے دولت۔ حکومت اور شوکت وحشمت سے اس بڑے پیمانہ پر نوازا تھا کہ مکہ کے سردار تو اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن باوجود اس حکومت وسلطنت کے ان کا حال تو یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے حضور جوابدہ سمجھتے تھے اور انہیں احساس تھا کہ جو کچھ بھی انہیں حاصل ہے سب خدا کی دین اور عطا سے حاصل ہے اس لئے وہ اپنے منعم حقیقی کے ہمیشہ شکرگزار اور اطاعت گزار رہتے اور تکبر اور بڑائی اور سرکشی ونافرمانی کا کوئی ادنیٰ شائبہ ان میں نہ پایا جاتا تھا۔ یہ مکہ کے سردار اپنے اس معمولی سرداری ہی پر اس طرح بھولے ہوئے ہیں کہ نہ حق کو دیکھتے ہیں۔ نہ خدا کو پہچانتے ہیں نہ منعم حقیقی کی شکرگزاری کو جانتے ہیں بلکہ الٹا کفر وسرکشی اور نافرمانی حق میں پیش پیش ہیں۔ اس کے علاوہ گذشتہ میں فرعون کے قصہ کا ذکر ہوا تھا اس کو بھی حکومت۔ سلطنت اور دولت حشمت اور طاقت حاصل تھی۔ مگر جہل وعناد۔ ضد۔ اور ہٹ دھرمی نے فرعون کو کس کردار کا انسان بنادیا تھا اور اپنی سیرت کا اس نے کیا نمونہ پیش کیا اور حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی بادشاہی۔ حکومت وسلطنت اور حشمت وطاقت دی تھی۔ تو ان حضرات نے حق پرستی کے باعث کس سیرت اور اعلیٰ کردار کا نمونہ پیش کیا۔ اس طرح گویا حق وباطل کے موازنہ اور مقابلہ سے حق کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر اس طرح شروع فرمایا جاتا ہے کہ ان باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو ان کی شان کے لائق حق تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ قرآن وحدیث میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے متعدد خصائص مذکور ہوئے ہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے سب ہی پیغمبروں کو خصوصی شرف وامتیاز بخشا ہے اور اپنے نبیوں اور رسولوں کو بے شمار انعام واکرام سے نوازا

ہے۔ تاہم شرف وخصوصیت کے درجات کے اعتبار سے ان کے درمیان بھی فرق مراتب رکھا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں خود قرآن پاک کا ارشاد ہے **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض**۔ (ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے) چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن کریم نے چند خصائص و امتیازات کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے یہی وجہ ہے کہ ''لحن داؤدی'' اب تک ضرب المثل ہے جب صبح وشام آپ اپنے مخصوص لحن میں زبور کتاب الٰہی پڑھتے اور خدا کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوتے تو نہ صرف انسان بلکہ چرند پرند بھی وجد میں آکر آپ کے گرد جمع ہو کر تسبیح وتقدیس میں شامل ہوجاتے اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس بادشاہت اور سلطنت کے باوجود مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ بھی نہیں لیتے اور اپنا اور اہل وعیال کی معاش اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حاصل کرتے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو ایک صحیح حدیث میں سراہا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے روزی کماتے تھے۔'' اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ نے یہ پیدا کردی تھی کہ لوہا آپ کے ہاتھ میں نرم کردیا گیا تھا اور بغیر تپائے ہوئے آپ جیسا چاہتے موم کی طرح اس کو توڑ موڑ سکتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی کہ انہوں نے تعلیم وحی کے ذریعۂ ایسی زرہیں ایجاد کیں جو باریک اور نازک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں اور ہلکی اور نرم ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کا سپاہی اس کو پہن کر بآسانی نقل وحرکت کرسکتا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی معیشت کا بھی سامان فرمادیا اور ایک قومی اہم جنگی ضرورت بھی پوری ہوگئی۔ قرآن کریم نے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے جن خصائص کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک شرف یہ عطا ہوا تھا کہ آپ کو پرندوں اور جانوروں کی بولیوں کو سمجھنے کا علم دیا گیا تھا۔ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو سمجھتا ہے اسی طرح آپ پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا آپ کے تابع کردی تھی جو آپ کے تخت کو لے کر اڑا کرتی تھی اور سرعت رفتار کا یہ عالم تھا کہ جو منزل اس زمانہ میں ایک مہینہ میں طے ہوا کرتی وہ آدھے دن میں طے ہوجاتی تھی۔ پھر جنات بھی آپ کے تابع فرمان کردیئے گئے تھے اور آپ کو ان پر ہر طرح کی قدرت حاصل تھی آپ جس طرح چاہتے ان سے کام لیتے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر نہایت زبردست اور پُرشوکت تھا اس میں جن وانسان اور پرندے سب شامل تھے اور یہ سب بحکم الٰہی آپ کے حکم کے تابع اور مطیع تھے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ درگاہ الٰہی میں دعاء کی جیسا کہ سورۂ ص ۲۳ ویں پارہ میں ذکر ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو قبول فرمایا اور ایک ایسی عجیب وغریب حکومت عطا فرمائی کہ نہ ان سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ ان کے بعد کسی کو میسر آئے گی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ گذشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے۔ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اس کو دن میں دیکھ سکو مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعاء یاد آگئی کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا **رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی**۔ یہ یاد آتے ہی میں نے

اس کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ خدائے تعالیٰ نے مجھ میں کل انبیاء ورسل کے خصائص و امتیازات جمع کر دیئے ہیں اور اس لئے تسخیر قوم جن پر بھی مجھ کو قدرت حاصل ہے لیکن جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا طغرۂ امتیاز قرار دیا تو میں نے اس سلسلہ کا مظاہرہ مناسب نہیں سمجھا۔

ایک خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی قرآن پاک نے اور بیان کی جیسا کہ سورۂ سبا ۲۲" ویں پارہ میں **واسلنا له عين القطر** اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہادیا۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا گیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبہ کو پگھلا کر قابل استفادہ بنادیا گیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کئے اور پھر یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت و ثروت کے صرف وخرچ اور دادودہش اور روک کر رکھنے میں تم سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہے مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔

آج اس زمانہ میں اور آج کل کے حکمرانوں کی حالت دیکھ کر یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود ایسی پُرشوکت بادشاہی کے ایک پیسہ بھی حکومت و سلطنت کے مالیہ میں سے اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کے اوپر خرچ نہیں فرماتے تھے ہماری سمجھ میں آنا مشکل ہے مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا اسی ہندوستان و پاکستان پر انگریزوں سے پہلے مغلیہ بادشاہوں میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ گزرے ہیں جن کے متعلق حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ملفوظ میں فرمایا ہے۔

"عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ صاحب باطن اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اور آپ اپنا خرچ ٹوپیوں کی دست کاری اور قرآن کریم کی کتابت سے مہیا فرماتے تھے مگر اخیر وقت میں حضرت عالمگیر نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا کفن دستکاری کے روپوں سے مہیا کرنا۔ گو قرآن کریم کی اجرت بھی کچھ ہے اور علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے مگر بظاہر الفاظ یہ اشترا بایاتِ اللہ ہے (یعنی قرآن کریم میں ارساد ہے **ولا تشتروا بايات الله ثمناً قليلا** یعنی اللہ کی آیتوں کو ثمن قلیل کے عوض مت فروخت کرو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے کفن میں جا کر ملوں جس میں شبہ ہے۔ اللہ اکبر۔ ایک دوسرے ملفوظ میں جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی ہی نے فرمایا کہ دیکھئے پہلے سلاطین کی یہ حالت تھی جواب مشائخ کی بھی نہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے شاہان دہلی میں سے حضرت خواجہ سلطان شمس الدین التمش رحمتہ اللہ علیہ کا بیان فرمایا کہ ساری عمر ان کی نظر نامحرم پر نہ پڑی تھی اور یہ مرید تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے۔ حضرت قطب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی ساری عمر نامحرم پر نظر نہ پڑی ہو۔ بڑے بڑے لوگ موجود تھے اور سب حیران تھے کہ ایسا شخص کہاں تلاش کریں۔ آخر کار جب سب لوگ مایوس ہوگئے تو مجبوراً بادشاہ وقت خواجہ التمشؒ کو ظاہر کرنا پڑا اور انہوں نے کہا کہ صاحبو! اگر حضرت شیخ ایسا ارشاد نہ فرما چکے ہوتے تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا مگر جب حضرت شیخ ہی نے پردہ فاش کر دیا تو اب کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت مجھ کو نصیب کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شیخ کے جنازہ کی نماز پڑھائی (القول الجلیل الکلام الحسن) یہ تذکرہ سلاطین کا درمیان میں ضمناً آ گیا۔

تو باوجود ان تمام کمالات کے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے متعلق اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو

34

علم و کمال داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے اور کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے۔ دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی اس تلاوت کردہ آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت کیا ہوگی۔

الغرض جیسا کہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے ان دونوں حضرات نے ادائے شکر کے لئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔ دیکھئے یہاں اس شکر گزاری میں بہت سے کا لفظ استعمال فرمایا اس لئے کہ بعض بندگان خدا کو ان پر بھی فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام نامی اور اسم گرامی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الحاصل اس آیت میں یہی ارشاد ہوتا ہے۔

"اور ہم نے داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو شریعت اور ملک داری کا علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے ادائے شکر کے لئے کہا کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔"

چونکہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پیغمبر برحق تھے اور جماعت انبیاء میں داخل ہونے کے بعد بعض انبیاء سے بالا اور بعض سے نیچے تھے اس لئے شکریہ کے وقت ہر دو حضرات نے اپنی فی الجملہ فضیلت کا اظہار کیا۔ یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا تو اتنا ہی ذکر فرمایا گیا اب آگے مسلسل حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر آپ نے محض اپنے کرم سے ہم کو عطا فرمایا ہے تو ہم کو اپنی رحمت سے پکے اور سچے اسلامی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت بھی نصیب فرما۔

اللہ پاک نے ہمیں جو اسلام و ایمان اور علم و عمل کی دولت اور فضیلت عطا فرمائی ہے اس پر ہمیں شکر گزاری کی بھی توفیق عطا فرماویں۔

یا اللہ! جو صفات اسلامیہ اور ایمانیہ ہمارے سلف صالحین حکمرانوں کو آپ نے عطا فرمائی تھیں وہ اپنی قدرت و رحمت سے اس اسلامی ملک پاکستان کے حکمرانوں کو بھی عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ

اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن) کے قائم مقام سلیمانؑ ہوئے اور اُنھوں نے کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو (سامان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی

شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ

(ضروری) چیزیں دی گئی ہیں واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) صاف فضل ہے۔ اور سلیمانؑ کیلئے (جو) اُن کا لشکر جمع کیا گیا ان میں جن بھی تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾ حَتّٰٓي اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ

اور (اس کثرت سے تھے کہ) ان کو (چلنے کے وقت) روکا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ

کہ اے چیونٹیو اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تم کو سلیمانؑ اور اُن کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ سو سلیمانؑ اُس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا

کہ اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس پر بھی مداومت دیجئے

تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾

کہ) میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت (خاصہ) سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

وَوَرِثَ اور وارث ہوا	سُلَيْمٰنُ سلیمانؑ	دَاوٗدَ داؤدؑ	وَقَالَ اور اس نے کہا	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو	عُلِّمْنَا مجھے سکھائی گئی	مَنْطِقَ بولی	الطَّيْرِ پرندے	
وَاُوْتِيْنَا اور ہمیں دی گئی	مِنْ سے	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	لَهُوَ البتہ وہی	الْفَضْلُ فضل	الْمُبِيْنُ کھلا	وَحُشِرَ اور جمع کیا گیا
لِسُلَيْمٰنَ سلیمانؑ کیلئے	جُنُوْدُهٗ اس کا لشکر	مِنَ سے	الْجِنِّ جن	وَالْاِنْسِ اور انسان	وَالطَّيْرِ اور پرندے	فَهُمْ پس وہ	يُوْزَعُوْنَ روکے جاتے تھے	
حَتّٰٓي یہاں تک کہ	اِذَآ جب	اَتَوْا وہ آئے	عَلٰي پر	وَادِ النَّمْلِ چیونٹیوں کا میدان	قَالَتْ کہا	نَمْلَةٌ ایک چیونٹی	يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ اے چیونٹیو	ادْخُلُوْا تم داخل ہو
مَسٰكِنَكُمْ اپنے گھروں (بلوں) میں	لَا يَحْطِمَنَّكُمْ نہ روند ڈالے تمہیں	سُلَيْمٰنُ سلیمانؑ	وَجُنُوْدُهٗ اور اس کا لشکر	وَهُمْ اور وہ				
لَا يَشْعُرُوْنَ نہ جانتے ہوں (انہیں شعور نہ ہو)	فَتَبَسَّمَ تو وہ مسکرایا	ضَاحِكًا ہنستے ہوئے	مِنْ سے	قَوْلِهَا اس کی بات	وَقَالَ اور کہا	رَبِّ اے میرے رب		
اَوْزِعْنِيْٓ مجھے توفیق دے	اَنْ اَشْكُرَ کہ میں شکر ادا کروں	نِعْمَتَكَ تیری نعمت	الَّتِيْٓ وہ جو	اَنْعَمْتَ تو نے انعام فرمائی	عَلَيَّ مجھ پر	وَعَلٰي اور پر		
وَالِدَيَّ میرے ماں باپ	وَاَنْ اور یہ کہ	اَعْمَلَ صَالِحًا میں نیک کام کروں	تَرْضٰىهُ تو وہ پسند کرے	وَاَدْخِلْنِيْ اور مجھے داخل فرمائے				
	بِرَحْمَتِكَ اپنی رحمت سے	فِيْ میں	عِبَادِكَ اپنے بندے	الصّٰلِحِيْنَ نیک				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی صفت شکر گزاری کو بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم و کمال ان کو عطا فرمائے اس پر وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی حمد و ثنا بیان کرتے رہتے تھے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو ان سے قبل یا بعد میں کسی کو نہ ملا۔ جنات۔ ہوا۔ چرند پرند کو آپ کے لئے مسخر فرما دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار میں فرمایا کہ یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان۔ جن۔ ہوا۔ چرند پرند سب میرے تابع فرمان ہیں اور پرندوں اور جانوروں کی زبان جاننے کا علم بھی ہم کو حاصل ہے۔ یہ سب خاص خدا کا فضل و کرم ہے اور ایک عظیم الشان سلطنت اور نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ سب قدرت نے مہیا کر دی یہ خدا کا کھلا ہوا احسان ہے۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی خصوصیت بتلائی جاتی ہے کہ ان کے لئے جو لشکر جمع کیا گیا تھا اس میں انسان ۔جن اور پرند سب شامل تھے اور سب اپنی اپنی جگہ قرینے سے موجود رہتے۔ جس کی جو جگہ مقرر تھی وہیں رہتا۔ لکھا ہے کہ آپ کے لشکر میں آپ سے قریب انسان ہوتے اور پھر ان کے بعد جنات اور پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ایک میدان پر ہوا جہاں چیونٹیوں نے اپنے بل بنا رکھے تھے اور اپنی بستی بسا رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں آواز آئی کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے کہ اے چیونٹیو۔ سلیمان علیہ السلام کا لاؤ لشکر آ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں نہ دیکھیں اور بے خبری میں پاؤں کے نیچے مسل ڈالیں اس لئے جلدی کرو اور اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ ورنہ آج تمہاری خیر نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی جو یہ بات سنی تو آپ کو اس کی ہوشیاری سے تعجب ہوا اور ہنسی آ گئی کہ کیا تو اس جانور کا جثہ اور اس پر یہ ہوشیاری۔ ساتھ ہی یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بولی سمجھ گیا جو کہ معجزہ ہونے کی وجہ سے ایک نعمت عظیمہ ہے جس سے حق تعالیٰ کی اور نعمتیں بھی یاد آ گئیں اور اسی وقت حق تعالیٰ سے دعا فرمانے لگے کہ اے میرے رب میں حیران ہوں کہ تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں پس آپ ہی سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے اور عمل سے بھی اور اپنی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا الہام فرما دیجئے کہ جو آپ نے مجھ پر فرمائی ہیں۔ نیز جو نعمتیں آپ نے میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں کہ وہ مومن ہوئے اور مجھے ایسے نیک عمل کرنے کی توفیق بخشئے کہ جن سے آپ خوش اور راضی ہو جائیں اور مجھ کو اپنی رحمت خاصہ سے اپنے اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں یعنی انبیاء میں داخل رکھئے اور جب میری موت آ جائے تو آخرت میں مجھے انبیاء و مرسلین میں محشور فرمائیے کہ میں ان کے ساتھ جنت میں داخل ہوں۔

غور کیجئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا کیا تعلیم دے رہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام دنیوی نعمتیں حاصل تھیں۔ عزت۔ حکومت۔ سلطنت۔ علم و حکمت کی غیر معمولی وسعت اور پھر نبوت سب ہی کچھ میسر تھا مگر چونکہ عارف باللہ کی نظر میں عمل صالح سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور حقیقی راحت آخرت کی نجات ہے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود اس قدر عظمت و شکوہ کے پھر بھی عمل صالح اور آخرت کی کامیابی کی دعا کی۔

مروی ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام مع حشم و خدم کے کہیں جا رہے تھے۔ ایک کاشتکار کھیت میں ہل جوت رہا تھا وہ بطور تمنا کے حسرت سے کہنے لگا کہ آل داؤد کو تو بڑی سلطنت عطا ہوئی ہے۔ اس کی خبر جنات۔ یا ہوا یا پرندوں کے ذریعہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہو گئی آپ تنہا پیدل اس کے پاس تشریف لے گئے اور سلام کے بعد فرمایا کہ مناسب نہیں جس کی تم کو قدرت نہ ہو اس کی تمنا کرو۔ پھر فرمایا کہ اگر ایک بار تسبیح سبحان اللہ کہنا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے تو آل داؤد کی سلطنت سے بڑھ کر ہے۔ اللہ اکبر۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

پھر باوجود نبوت اور سلطنت اور قرب الٰہی کے طبیعت میں

تواضع آپ کے اس قدر تھا کہ ایک روایت لکھی ہے کہ ایک مرتبہ بارش نہ ہونے کے سبب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے رب کریم سے دعا کر رہی ہے کہ خدا ہم بھی تیری مخلوق ہیں۔ پانی برسنے کی محتاج ہمیں بھی ہے اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے یہ دعا چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے جاؤ گے۔ اللہ اکبر۔

خلاصہ یہ آپ کی یہ دعا تعلیم دے رہی ہے کہ پروردگار کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے۔ اور شکر ادا کرنے کی توفیق بھی رب کریم ہی سے مانگنی ضروری ہے پھر شکریہ ادا کرنے کے یہی معنی نہیں کہ احسان اور انعام کا فقط زبان سے اقرار کرلیا جائے بلکہ نیک اعمال اور طاعت الٰہی سے احسان مندی کا مظاہرہ کرنا چاہئے لیکن پھر بھی یہ یقین رکھنا لازم ہے کہ آخرت کی کامیابی اعمال پر موقوف نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے وابستہ ہے۔ آخرت میں کسی کا جنت میں داخل ہونا محض اس کے عمل صالح کے بل بوتے پر نہیں ہوسکتا بلکہ یہ اللہ کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو بھی محض اس کا عمل جنت میں نہیں پہنچا دے گا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ میں بھی محض اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہ جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے نہ ڈھانک لے۔

اور کیا کوئی اپنے اعمال اور طاعت پر بھروسہ اور ناز کرے گا جبکہ حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی۔ قطب ربانی۔ غوث صمدانی سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیاء اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو خانہ کعبہ کے سامنے کنکریوں پر چہرہ رکھ کر حق تعالیٰ سے عرض کیا

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو برگنا ہم کش

یعنی اے اللہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری اطاعت قبول فرمایئے اس لئے کہ میرے پاس آپ کی اطاعت ہے ہی کہاں بس یہ التجا اور درخواست کرتا ہوں کہ میرے گناہوں پر عفو کا قلم پھیر دیجئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا وان اعمل صالحا ترضٰہُ یعنی اے اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جس سے کہ آپ خوش ہوں یعنی وہ عمل مقبول ہو۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دعا کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی ربنا تقبل منا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کرکے بے فکر ہونا نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرے کہ اس کو قبول فرما دے۔

ابھی اگلی آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور ہم کو ان اعمال صالحہ کے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ جس سے یا مولائے کریم آپ راضی اور خوش ہو جائیں۔ یا اللہ! آپ کا رحم و کرم دنیا میں بھی ہمارے شامل حال رہے اور مرنے کے بعد بھی آپ ہی کے فضل و کرم سے ہمارا بیڑہ پار ہو۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

اور (ایک بار) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا، کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں اُس کو سخت سزا دوں گا

شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا

یا اُس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف حجت میرے سامنے پیش کرے۔ سو تھوڑی ہی دیر میں وہ آ گیا اور کہنے لگا کہ ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں

لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ

جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیق خبر لایا ہوں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اُن لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے

كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اُسکو ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا (کی عبادت) کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ

اور شیطان نے اُن کے (ان) اعمال (کفریہ) کو اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور اُن کو راہِ (حق) سے روک رکھا ہے سو وہ راہ (حق) پر نہیں چلتے۔ کہ اُس خدا کو سجدہ نہیں کرتے

الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

جو (ایسا قادر ہے کہ) آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے اور تم لوگ جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے۔ (پس) اللہ ہی ایسا ہے

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ (السجدۃ) قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ

کہ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمانؑ نے (یہ سُن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔

هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

میرا یہ خط لے جا اور اس کو اُن کے پاس ڈال دینا پھر ہٹ جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں۔

وَتَفَقَّدَ اور اس نے خبر لی (جائزہ لیا)	الطَّيْرَ پرندے	فَقَالَ تو اس نے کہا	مَا لِيَ کیا ہے	لَآ اَرَى میں نہیں دیکھتا	الْهُدْهُدَ ہدہد کو	اَمْ كَانَ کیا وہ ہے
مِنَ سے	الْغَآئِبِيْنَ غائب ہونیوالے	لَاُعَذِّبَنَّهٗ البتہ میں ضرور اسے سزا دوں گا	عَذَابًا سزا	شَدِيْدًا سخت	اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ یا اسے ذبح کر ڈالوں گا	
اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ یا اسے ضرور لانی چاہیے	بِسُلْطٰنٍ سند (کوئی وجہ)	مُّبِيْنٍ واضح (معقول)	فَمَكَثَ سو اس نے دیر کی	غَيْرَ بَعِيْدٍ تھوڑی سی	فَقَالَ پھر کہا	
اَحَطْتُّ میں نے معلوم کیا ہے	بِمَا وہ جو	لَمْ تُحِطْ بِهٖ تم کو معلوم نہیں وہ	وَجِئْتُكَ اور میں تمہارے پاس لایا ہوں	مِنْ سے	سَبَاٍ سبا	بِنَبَاٍ ایک خبر
يَّقِيْنٍ یقینی	اِنِّيْ بیشک میں نے	وَجَدْتُّ پایا (دیکھا)	امْرَاَةً ایک عورت	تَمْلِكُهُمْ وہ ان پر بادشاہت کرتی ہے	وَاُوْتِيَتْ اور دی گئی ہے	
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	وَلَهَا اور اس کیلئے	عَرْشٌ ایک تخت	عَظِيْمٌ بڑا	وَجَدْتُّهَا میں نے پایا ہے اسے	وَقَوْمَهَا اور اس کی قوم	يَسْجُدُوْنَ وہ سجدہ کرتے ہیں

لِلشَّمْسِ سورج کو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	وَزَيَّنَ اور آراستہ کر دکھائے ہیں	لَهُمُ انہیں	الشَّيْطٰنُ شیطان	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل	فَصَدَّهُمْ پس روک دیا انہیں	
عَنِ السَّبِيْلِ راستہ سے	فَهُمْ سو وہ	لَا يَهْتَدُوْنَ راہ نہیں پاتے	اَلَّا کہ نہیں	يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ وہ سجدہ کرتے اللہ کو	الَّذِيْ وہ جو	يُخْرِجُ نکالتا ہے	
الْخَبْءَ چھپی ہوئی	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَيَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تُخْفُوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَمَا اور جو	تُعْلِنُوْنَ تم ظاہر کرتے ہو	
اَللّٰهُ اللہ	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	رَبُّ رب (مالک)	الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ عرش عظیم	قَالَ اس (سلیمان) نے کہا	سَنَنْظُرُ ابھی ہم دیکھیں گے
اَصَدَقْتَ کیا تو نے سچ کہا	اَمْ یا	كُنْتَ تو ہے	مِنَ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	اِذْهَبْ تو لے جا	بِكِتٰبِيْ میرا خط	هٰذَا یہ
فَاَلْقِهْ پس اسے ڈال دے	اِلَيْهِمْ انکی طرف	ثُمَّ تَوَلَّ پھر لوٹ آ	عَنْهُمْ ان سے	فَانْظُرْ پھر دیکھ	مَاذَا کیا	يَرْجِعُوْنَ وہ جواب دیتے ہیں	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ وادِ النمل یعنی چیونٹیوں کے ایک میدان کا بیان ہوا تھا اب ایک دوسرا واقعہ ہد ہد کا ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی ضرورت سے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا تو ہُد ہُد پرندہ اُن میں نظر نہ پڑا۔ یہ پرندہ ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔ بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کے متعلق یہ خدمت سپرد کی تھی کہ بوقت ضرورت لشکر کے لئے پانی تلاش کرے۔ مشہور ہے کہ جس جگہ پانی زمین کے نیچے نزدیک ہو تو ہد ہد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ ہد ہد جہاں پانی بتا تا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو بھیج کر کنواں یا باؤلی وغیرہ کھدواتے اور اس طرح پانی مل جاتا۔ پرندوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام مختلف کام لیتے۔ مثلاً ہوائی سفر میں ان کا اوپر پر پھیلا کر سروں پر سایہ کرتے ہوئے جانا۔ یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا یا نامہ بری کرنا وغیرہ وغیرہ تو ممکن ہے کہ ہد ہد کی اس وقت کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو چنانچہ پرندوں کی فوج میں جب ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کو نظر نہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے ہد ہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا یا حقیقت میں غیر حاضر ہے۔ لشکر میں تلاش کرایا گیا جب نہ ملا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسکو اس غیر حاضری پر سخت سزا دوں گا یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا ورنہ وہ کوئی معقول عذر غیر حاضری کا پیش کرے تو اس وقت چھوڑ دوں گا۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہد ہد حاضر خدمت ہوا اور آتے ہی کہا کہ میری غیر حاضری کارِ سرکاری ہی کے باعث تھی میں ایک ایسی پختہ خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ ملک سبا میں ایک عورت حکمران ہے اور وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو ہر قسم کا سامان سلطنت اور اقتدار و جاہ حاصل ہے لیکن وہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر سب کے سب غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور وہ شیطان کے بہکاوے میں ایسے پھنسے ہیں کہ باوجود راہ حق سے منہ موڑنے کے اپنے اعمال کو حق اور مستحسن سمجھتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ایک اللہ کو سجدہ کرتے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق اور تمام اشیاء کا مالک اور سب سے واقف یہاں تک کہ دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے اور جس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ وہ عرش عظیم کا مالک ہے مگر وہ لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ آفتاب کو پوجتے ہیں۔ یہ قوم سبا جس کی خبر ہد ہد نے بیان کی یہ عرب میں یمن کی طرف آباد تھی ہد ہد نے یہ خبر حضرت سلیمان علیہ السلام سے بیان کر کے گویا آپ کو ایک مشرک اور آفتاب پرست قوم پر جہاد کی ترغیب دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانور بھی اپنے خالق کی صحیح معرفت رکھتے ہیں یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسی ہد ہد کو بطور اعجاز اور خرق عادت کے اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ الغرض ہد ہد سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے غیر حاضری کی معقول وجہ سنی تو سزا دینے کا ارادہ آپ نے ملتوی

کر دیا اور فرمایا کہ ہم تیرے جھوٹ یا سچ کی آزمائش کئے لیتے ہیں اور آپ نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اس کو ملکۂ سباء کے پاس پہنچا دے اور پھر وہاں سے ہٹ کر ایک طرف ہو کر سننا کہ اس خط کے بارہ میں وہ کیا باتیں کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے لئے جس کا نام مفسرین نے بلقیس لکھا ہے وہ خط ہدہد کو دیا اور وہ خط لے کر روانہ ہوا اور بلقیس جہاں اکیلے سوتی تھی وہ خط لے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ اب بلقیس نے جو یہ خط پڑھا تو پھر کیا ماجرا ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ یہاں ان آیات کے تحت ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ اس چودھویں صدی میں جہاں اور طرح طرح کے ظاہری اور باطنی فتنوں نے جنم لیا انہی میں سے ایک فتنہ علم غیب کے بارہ میں اٹھایا گیا۔ ایک جماعت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ نہ صرف انبیاء بلکہ اولیاء بھی عالم الغیب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے ایک لاکھ سے زائد پیغمبر و رسل دنیا میں بھیجے جنہیں اپنے وحی سے سرفراز فرمایا اور انہیں باقی تمام انسانوں سے علم و دانش میں عقل و فہم میں حکمت و فراست میں اور دیگر تمام کمالات میں اعلیٰ درجہ عطا فرمایا۔ اللہ کی ساری کائنات میں خدا کے پیغمبروں سے نہ کوئی فضیلت اور بزرگی میں بڑھ کر ہے اور نہ ہی علم و حکمت میں برتر۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دین کا سارا اور کامل علم اور اس کے علاوہ حسب ضرورت بعض تکوینی امور کا علم بھی عطا فرمایا مگر پھر بھی انبیاء علیہم السلام کا علم محیط کلی نہیں۔ کلی اور تفصیلی غیب و شہادت کا علم خاصۂ خداوندی ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی صدہا آیات اس پر شاہد ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب داں نہیں تھے۔ یہ آیات بھی یہی بتلاتی ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل میں بڑے پایہ کے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن وانس اور طیور و وحوش پر حکومت عطا فرمائی اور پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم بھی عطا فرمایا مگر اس کے باوجود جمیع ما کان وما یکون کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی عطا نہ فرمایا۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے کہ جب کسی موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی اور ہدہد کو غیر حاضر پایا تو اس کے متعلق دوسرے حاضرین سے پوچھا کہ کیا ہدہد صرف مجھے ہی نظر نہیں آ رہا یا واقعی وہ ہے ہی غیر حاضر اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ غیر حاضر ہے تو اعلان فرمایا کہ اسے بلا اجازت غیر حاضری پر سخت سزا دوں گا یا پھر وہ کوئی معقول عذر پیش کرے گا تو سزا سے چھوڑ دوں گا چنانچہ ہدہد جب تھوڑی دیر میں واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔ میں آپ کے پاس قوم سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہدہد کہاں چلا گیا ہے اور وہاں سے ایک ایسی خبر لے کر آئے گا جو اس ساری قوم کے ایمان لانے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اگر معلوم ہوتا تو آپ ہدہد پر غضبناک نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے۔ پھر اسی پر بس نہیں جب ہدہد نے ملکۂ سبا کے بارہ میں کچھ معلومات بہم پہنچائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی باتوں کا یقین نہ آیا اور اس ہدہد کے بیان کا صدق و کذب معلوم کرنے کے لئے ملکۂ سبا کو ایک خط لکھا اور اسی ہدہد کے ذریعہ بھجوایا۔ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا ورنہ ہدہد کا صدق و کذب آپ کو خود بخود معلوم ہو جاتا اور تحقیقات کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح عقائد قرآن وحدیث کے بتلائے ہوئے اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں اور افراط وتفریط کی گمراہی سے بچائیں۔

چونکہ اس وقت کی تلاوت میں آیت سجدہ آئی ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت لازم ہو جاتا ہے اس لئے قارئین وسامعین سب ایک سجدۂ تلاوت ادا کر لیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾

بلقیس نے (پڑھ کر اپنے سرداروں سے کہا کہ) اے اہل دربار میرے پاس ایک خط نہایت باوقعت ڈالا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون ہے (اول) بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً

(اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہوکر چلے آؤ۔ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی

اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا

جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور اختیار تم کو ہے سو تم ہی دیکھ لو جو کچھ حکم دینا ہو۔

تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

بلقیس کہنے لگی کہ والیانِ ملک جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اُس کو تہ وبالا کردیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں اُن کو ذلیل کیا کرتے ہیں

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢبِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے کیا (جواب) لے کر آتے ہیں۔

قَالَتْ وہ کہنے لگی	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اِنِّيْٓ اُلْقِيَ بیشک میری طرف ڈالا گیا	اِلَيَّ میری طرف	كِتٰبٌ خط	كَرِيْمٌ باوقعت	اِنَّهٗ بیشک وہ
مِنْ سے	سُلَيْمٰنَ سلیمان	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	بِسْمِ اللّٰهِ نام سے اللہ کے	الرَّحْمٰنِ جو رحم کرنے والا	الرَّحِيْمِ نہایت مہربان	اَلَّا تَعْلُوْا یہ کہ تم سرکشی نہ کرو
عَلَيَّ مجھ پر	وَاْتُوْنِيْ اور میرے پاس آؤ	مُسْلِمِيْنَ فرمانبردار ہوکر	قَالَتْ وہ بولی	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اَفْتُوْنِيْ مجھے رائے دو	فِيْٓ اَمْرِيْ میرے معاملے میں
مَا كُنْتُ میں نہیں ہوں	قَاطِعَةً فیصلہ کرنے والی	اَمْرًا کسی معاملہ میں	حَتّٰى جب تک	تَشْهَدُوْنِ تم موجود ہو	قَالُوْا وہ بولے	نَحْنُ ہم
اُولُوْا قُوَّةٍ قوت والے	وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ اور بڑے لڑنے والے	وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ اور فیصلہ تیری طرف (تیرے اختیار میں)	فَانْظُرِيْ تو دیکھ لے	مَاذَا کیا		
تَاْمُرِيْنَ تجھے حکم کرنا ہے	قَالَتْ وہ بولی	اِنَّ بیشک	الْمُلُوْكَ بادشاہ	اِذَا دَخَلُوْا جب داخل ہوتے ہیں	قَرْيَةً کسی بستی	اَفْسَدُوْهَا اسے تباہ کردیتے ہیں
وَجَعَلُوْٓا اور کردیا کرتے ہیں	اَعِزَّةَ معززین	اَهْلِهَآ وہاں کے	اَذِلَّةً ذلیل	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	وَاِنِّيْ اور بیشک میں
مُرْسِلَةٌ بھیجنے والی	اِلَيْهِمْ اُن کی طرف	بِهَدِيَّةٍ ایک تحفہ	فَنٰظِرَةٌ پھر دیکھتی ہوں	بِمَ کیا (جواب) لیکر	يَرْجِعُ لوٹتے ہیں	الْمُرْسَلُوْنَ قاصد

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد پرندہ سے غیر حاضری کی معقول وجہ سنی تو اس کو سزا دینے کا ارادہ ملتوی کردیا اور اس کی لائی ہوئی خبر کا جھوٹ سچ دیکھنے کے لئے آپ نے ایک خط بلقیس ملکۂ سبا کے نام لکھ کر اسی ہدہد کو دیا کہ اس خط کو لے جاکر ملکہ سبا کے پاس ڈالنا اور پھر سننا کہ وہاں اس خط کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہدہد خط لے کر روانہ ہوا اور ملکہ کے محل میں ایک روشن دان سے داخل ہوکر وہ خط بلقیس کے سامنے ڈال دیا۔ چونکہ وہ خط سربمہر تھا اس لئے اس کی شان اور وقعت کا اندازہ تو اول مہر ہی سے ہوگیا اور پھر جو اس نے خط کا مضمون پڑھا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ کسی پرجلال طاقتور باشوکت بادشاہ کا خط ہے اس لئے اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا

جاتا ہے کہ بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز بادشاہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے۔ غالبًا حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام اور ان کی بے مثال حکومت وشوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی پھر اس نے خط کا مضمون سنایا جس میں لکھا تھا کہ یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اللہ رحمٰن۔ ورحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہوں تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور مطیع فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ سبحان اللہ ایسا مختصر۔ جامع اور پر عظمت خط شاید کسی نے لکھا ہو۔ مطلب خط کا یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر سیدھی طرح میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ تو یہ خط سنا کر بلقیس نے درباریوں سے کہا کہ اب مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے۔ میں سلیمان کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔ اس پر ارکان حکومت نے جواب دیا کہ ہم بڑے طاقتور ہیں جنگجو ہیں کسی سے ڈرتے نہیں۔ ہمارے پاس زور طاقت اور سامان حرب کی بھی کمی نہیں۔ تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے جو حکم ہم کو ملے گا ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ گویا درباریوں کی صلاح جنگ اور لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ جو ایک عقلمند عورت تھی اسے خط کی عظمت وشوکت اور دوسرے قرائن وآثار سے یقین ہو گیا کہ سلیمان کے مقابلہ میں کامیابی ناممکن ہے۔ اس لئے اس نے اپنے درباریوں کو بتلایا کہ ایسی شان وشکوہ رکھنے والے بادشاہ سے لڑنا کھیل نہیں اگر وہ غالب آگئے جیسا کہ قوی امکان ہے تو ملوک وسلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیں گے اور وہ انقلاب ایسا ہوگا کہ جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل وخوار ہونا پڑے گا لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں اور نہ فی الفور چلا جانا مصلحت ہے اس لئے اول میں سلیمان کے پاس کچھ تحائف وہدایا بھیجتی ہوں اور اس اثنا میں انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ اس طرح ہمیں ان کی طاقت۔ طبعی رجحانات۔ نوعیت حکومت وغیرہ کا پتہ لگ سکے گا کہ واقعی وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحفہ تحائف دے کر ہم آنے والی مصیبت کو ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہوگا اس کے مناسب کارروائی کریں گے۔

چنانچہ ہدایا وتحائف کا سامان درست ہوا اور قاصد اس کو لے کر روانہ ہوئے۔ لکھا ہے کہ بلقیس نے بہت ہی گرانقدر تحفے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے۔ سونا۔ موتی۔ جواہر۔ نادر سامان اور کنیز وغلام وغیرہ۔ اب جب وہ قاصد بمع تمام تحفے وہدایا کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو کیا جواب دے کر واپس کیا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ حق کو غلبہ عطا فرمائیں اور باطل کو مغلوب فرمائیں اللہ تعالیٰ دنیا کے مقابلہ میں ہمیشہ دین کو ترجیح دینے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں اور ہم دین کو ہر معاملہ میں مقدم اور ہر حال میں پیش نظر رکھیں اور اپنی دنیا کو دین کے ماتحت اور دین کے لئے معین ومددگار بنا کر رکھیں۔ یا اللہ! دنیا کا لالچ اور ساز وسامان ہمارے قدموں کو راہِ مستقیم سے نہ ڈگمگانے دے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

سو جب وہ فرستادہ سلیمانؑ کے پاس پہنچا (اور تحفے پیش کئے تو سلیمانؑ نے) فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرتے ہو سو اللہ نے جو مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے

تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ

ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اتراتے ہوگے۔ تم اُن لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ سو ہم اُن پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ اُن لوگوں سے اُن کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل کرکے نکال دیں گے

صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ

اور وہ ماتحت ہو جاویں گے۔ (سلیمانؑ کو اُس کا چلنا معلوم ہوا تو) انہوں نے فرمایا کہ اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت قبل اسکے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کر دے۔

مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ

ایک قوی ہیکل جن نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اُٹھیں، اور میں اُس (کے لانے) پر طاقت رکھتا ہوں

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا

(اور گو وہ بڑا قیمتی مرصع جواہرات سے ہے مگر) امانتدار (بھی) ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اُس نے کہا کہ میں اُس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کر سکتا ہوں

مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

پس جب سلیمان علیہ السلام نے اُس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا سو کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں

فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے اور کریم ہے۔

فَلَمَّا پس جب	جَآءَ آیا	سُلَيْمٰنَ سلیمانؑ	قَالَ اس نے کہا	اَتُمِدُّوْنَنِ کیا تم میری مدد کرتے ہو	بِمَالٍ مال سے	فَمَآ پس جو	اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ مجھے دیا اللہ نے		
خَيْرٌ بہتر	مِّمَّآ اس سے جو	اٰتٰىكُمْ اس نے تمہیں دیا	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	بِهَدِيَّتِكُمْ اپنے تحفہ سے	تَفْرَحُوْنَ خوش ہوتے ہیں	اِرْجِعْ تو لوٹ جا		
اِلَيْهِمْ ان کی طرف	فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ ہم ضرور لائیں گے ان پر	بِجُنُوْدٍ ایسا لشکر	لَا قِبَلَ نہ طاقت ہوگی	لَهُمْ ان کو	بِهَا اس کی	وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ ہم ضرور نکالدیں گے انہیں			
مِّنْهَآ وہاں سے	اَذِلَّةً ذلیل کرکے	وَّهُمْ اور وہ	صٰغِرُوْنَ خوار ہوں گے	قَالَ اس (سلیمان) نے کہا	يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اے سردارو!	اَيُّكُمْ تم میں سے کون			
يَاْتِيْنِيْ میرے پاس لائے گا	بِعَرْشِهَا اس کا تخت	قَبْلَ اس سے قبل	اَنْ کہ	يَّاْتُوْنِيْ وہ آئیں میرے پاس	مُسْلِمِيْنَ فرمانبردار ہو کر	قَالَ کہا			
عِفْرِيْتٌ ایک قوی ہیکل	مِّنَ الْجِنِّ جنات سے	اَنَا اٰتِيْكَ میں آپکے پاس لے آؤں گا	بِهٖ اس کو	قَبْلَ اس سے قبل	اَنْ تَقُوْمَ کہ آپ کھڑے ہوں				
مِنْ مَّقَامِكَ اپنی جگہ سے	وَ اور	اِنِّيْ بیشک میں	عَلَيْهِ اس پر	لَقَوِيٌّ البتہ قوت والا	اَمِيْنٌ امانت دار	قَالَ اس نے جو	الَّذِيْ کہا	عِنْدَهٗ اس کے پاس	عِلْمٌ علم
مِّنَ سے۔کا	الْكِتٰبِ کتاب	اَنَا میں	اٰتِيْكَ بِهٖ میں اسکو تمہارے پاس لے آؤں گا	قَبْلَ قبل	اَنْ يَّرْتَدَّ کہ پھر آئے	اِلَيْكَ تمہاری طرف			

طَرْفُكَ تمہاری نگاہ (پلک جھپکے)	فَلَمَّا رَاٰهُ پس جب سلیمان اسے دیکھا	مُسْتَقِرًّا رکھا ہوا	عِنْدَهٗ اپنے پاس	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	مِنْ سے		
فَضْلِ رَبِّيْ میرے رب کا فضل	لِيَبْلُوَنِيْ تا کہ مجھے آزمائے	ءَاَشْكُرُ آیا میں شکر کرتا ہوں	اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں	وَمَنْ اور جس	شَكَرَ شکر کیا			
فَاِنَّمَا تو پس وہ	يَشْكُرُ شکر کرتا ہے	لِنَفْسِهٖ اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جس	كَفَرَ ناشکری کی	فَاِنَّ تو بیشک	رَبِّيْ میرا رب	غَنِيٌّ بے نیاز	كَرِيْمٌ کرم کرنیوالا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ بلقیس ملکۂ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط ملنے پر یہ طے کیا کہ پہلے کچھ ہدایا اور تحفے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے جاویں اور دیکھا جائے کہ وہ قبول کرتے ہیں یا نہیں اور قاصد سلیمان علیہ السلام کے جاہ وجلال کے متعلق کیا خبر لا کر دیتا ہے چنانچہ بلقیس کا قاصد تمام تحفے و ہدایا لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا اور وہاں پیش کئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصد کو جو جواب عنایت فرمایا وہ ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس قاصد نے پہنچ کر ہدایا پیش کئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تحفے تمہیں ہی مبارک رہیں۔ کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی اور ساتھ ہی مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مجھے ان سامانوں کی ضرورت نہیں۔ تم واپس جاؤ اور جا کر کہہ دو کہ وہ حاضر ہو ورنہ ہم ایسا طاقتور کثیر لشکر بھیجیں گے کہ جس کا مقابلہ ان سے نہ ہو سکے گا ملک بھی ہاتھ سے جائے گا اور ذلت بھی اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا۔ بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں۔ ان کی قوت اور طاقت کے مقابلہ میں جدال اور قتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت کی غرض سے بڑے ساز وسامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہو گئی۔ جب ملک شام کے قریب پہنچی اور قاصد کے ذریعہ سے اطلاع بھیجی کہ میں اراکین دولت سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کردے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت وقوت کا اظہار مقصود تھا تاکہ وہ سمجھ لے کہ وہ نرے بادشاہ نہیں کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ الغرض اپنی شان نبوت اور خدا کی قدرت دکھانے کی غرض سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت شاہی قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آوے لا کر حاضر کردے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بلقیس ملکۂ سبا کے تمام اموال ودولت میں تخت شاہی کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ ملکۂ سبا کی سب سے زیادہ محفوظ شے تھی جس کو سات محلات شاہی کے درمیان میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ جہاں ملکہ کے اپنے آدمیوں کا گزر بھی نہیں تھا۔ اس تخت شاہی کا محل سے بغیر دروازہ یا قفل توڑے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا تھا۔ اور اس کافرہ ملکہ کو حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت عظیمہ پر یقین دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہو سکتا تھا اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں اس حاضر ہونے والی ملکہ کے تخت شاہی کا جس کو وہ بحفاظت اپنی سلطنت میں اپنے خاص محل کے اندر محفوظ کر کے

آ رہی تھی انتخاب فرمایا اور اس کے تخت شاہی کو حاضر دربار کرنے کے لئے فرمایا اہل دربار میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے دربار سے اٹھیں اور گو وہ بہت وزنی ہے مگر میں اس کے لانے پر طاقت رکھتا ہوں اور گو بڑا قیمتی ہیرے جواہرات سے مرصع ہے مگر میں امانت دار بھی ہوں اس میں کوئی خیانت نہ کروں گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں اس تخت شاہی کو تمہارے سامنے تمہاری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کرسکتا ہوں۔ اب اس کی تفسیر میں کہ یہ کہنے والے کون تھے مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ کہنے والے جبرئیل تھے یا اور کوئی فرشتہ تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر حضرت آصف تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ امام رازیؒ نے اسی تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے بھی اسی تیسرے قول کے مطابق تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں صاحب علم سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ اس مقام کی تفسیر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے یوں فرمائی ہے کہ اس علم والے نے (مراد حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں) اس جن سے کہا کہ بس تجھ میں تو اتنی ہی قوت ہے کہ تو اس تخت کو میرے اجلاس سے اٹھنے سے پہلے لانے کو کہتا ہے اور میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر کھڑا کرسکتا ہوں کیونکہ میں قوت معجزہ سے لاؤں گا چنانچہ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی یا کسی اسم الٰہی کے ذریعہ سے وہ تخت فوراً سامنے آ موجود ہوا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے روبرو رکھا ہوا دیکھا تو خوش ہو کر شکر کے طور پر فرمانے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے کہ میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر کیا تا کہ حق تعالیٰ میری آزمائش کریں کہ میں شکر کرتا ہوں یا خدانخواستہ ناشکری کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص شکر کرتا ہے دنیا اور آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں۔ ناشکری کرے گا تو خدائے ذوالجلال کا کیا نقصان۔ وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آ جاتی۔ میرا رب غنی ہے اور کریم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔

یہی مضمون ایک صحیح حدیث قدسی میں بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس یک دل ہوکر اعلیٰ درجہ کے متقی بن جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہ ہوجائے گا اور اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس یک دل ہوکر اعلیٰ درجہ کے کافر بدکار ہوجائیں تو میری سلطنت میں کچھ نقصان نہ ہوجائے گا۔ اے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں شمار کرتا ہوں اور جن کا پورا بدلہ دوں گا پس جو کوئی بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد وثنا کرے اور جو کوئی بھلائی کے سوا کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

یہاں ان آیات کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تفصیل وتحقیق لکھی ہے کہ کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

"حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو

مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ رفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ بعض کا رد کر دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے اس کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے۔ ان کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ شمس الائمہؒ اس کو (عمدۃ القاری شرح بخاری میں) نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہ تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہوجانے کی امید تھی تو قبول کر لیا۔" (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۵۱۸-۵۸۳)

الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تخت شاہی کو اپنے دربار میں منگالیا تاکہ حاضر ہونے والی کافر ملکہ کو شان نبوت اور خدا کی قدرت دکھانا چاہتے تھے اور اس کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ تیری بادشاہی اللہ کی قدرت اور نبوت کی طاقت کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔ اب جبکہ اس کا تخت شاہی آ پہنچا اور ابھی بلقیس راستہ ہی میں تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل و فہم آزمانے کے لئے حکم دیا کہ اس کے تخت کی صورت بدل دو مثلاً جواہرات کے مواقع بدل دو یا دوسرے رنگ کے لگا دو پھر دیکھیں کہ وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہیں اور اس سوال کے جواب میں کہ کیا تمہارا تخت شاہی ایسا ہی ہے وہ کیا جواب دیتی ہے۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو دین و دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائیں اور کفران نعمت کے وبال سے بچائیں۔

یا اللہ! دنیا کی ہر نعمت کو ہمارے لئے آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنادیجئے اور ہر حال میں اپنی طاعت و عبادت اور حمد و ثنا کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ

سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کیلئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو اس کا پتہ لگتا ہے یا اُس کا اُن ہی میں شمار ہے جن کو (ایسی باتوں کا پتہ نہیں لگتا۔ سو جب بلقیس آئی

قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا

تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے، وہ کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس موقع سے پہلے ہی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں۔

مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ

اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا، وہ کافر قوم میں کی تھی۔ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو، تو جب اس کا صحن دیکھا تو اُس کو پانی سمجھا

حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ

اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں، (اُس وقت) سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے، (اُس وقت) بلقیس کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار

نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾

میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

قَالَ اسنے کہا	نَكِّرُوا وضع بدل دو	لَهَا اس کیلئے	عَرْشَهَا اس کا تخت	نَنظُرْ ہم دیکھیں	أَتَهْتَدِي آیا وہ راہ پاتی (سمجھ جاتی ہے)	أَمْ تَكُونُ یا ہوتی ہے		
مِنَ سے	الَّذِينَ جو لوگ	لَا يَهْتَدُونَ راہ نہیں پاتے (نہیں سمجھتے)	فَلَمَّا پس جب	جَاءَتْ وہ آئی	قِيلَ کہا گیا	أَهَٰكَذَا کیا ایسا ہی ہے		
عَرْشُكِ تیرا تخت	قَالَتْ وہ بولی	كَأَنَّهُ گویا کہ یہ	هُوَ وہی	وَأُوتِينَا اور ہمیں دیا گیا	الْعِلْمَ علم	مِن قَبْلِهَا اس سے قبل	وَكُنَّا اور ہم ہیں	
مُسْلِمِينَ مسلمان فرمانبردار	وَصَدَّهَا اور اس نے اس کو روکا	مَا جو	كَانَت تَّعْبُدُ وہ پرستش کرتی تھی	مِن دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوائے				
إِنَّهَا بیشک وہ	كَانَتْ تھی	مِن قَوْمٍ قوم سے	كَافِرِينَ کافروں	قِيلَ کہا گیا	لَهَا اس سے	ادْخُلِي تو داخل ہو	الصَّرْحَ محل	فَلَمَّا پس جب
رَأَتْهُ اس نے اسکو دیکھا	حَسِبَتْهُ اسے سمجھا	لُجَّةً گہرا پانی	وَكَشَفَتْ اور کھول دیں	عَن سے	سَاقَيْهَا اپنی پنڈلیاں	قَالَ اس نے کہا	إِنَّهُ بیشک وہ	
صَرْحٌ محل	مُّمَرَّدٌ جڑا ہوا	مِن سے	قَوَارِيرَ شیشے	قَالَتْ وہ بولی	رَبِّ اے میرے رب	إِنِّي ظَلَمْتُ بیشک میں نے ظلم کیا	نَفْسِي اپنی جان	
وَأَسْلَمْتُ اور میں ایمان لائی	مَعَ ساتھ	سُلَيْمَانَ سلیمانؑ	لِلَّهِ اللہ کیلئے	رَبِّ الْعَالَمِينَ تمام جہانوں کا رب				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب ملکۂ سبا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کئے تو آپ نے وہ سارے تحائف رد کر دیئے اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کوئی مال دولت کی طمع تو تھی نہیں آپ کا تو اصل مقصد یہ تھا کہ اہل سبا اللہ پر ایمان لے آئیں اور آفتاب پرستی کے کفر و شرک سے باز رہیں۔ چنانچہ قاصد جب واپس ہوئے اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جو شوکت و عظمت دیکھی تھی اس کو ملکۂ سبا سے بیان کیا تو اس نے طے کر لیا کہ تعمیل ارشاد کے سوا اسے چارہ نہیں چنانچہ وہ حاضر خدمت ہونے کے لئے اپنے ملک سے روانہ ہوگئی۔ ادھر

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی شان نبوت اور قدرت الٰہی دکھانے کی غرض سے بلقیس ملکہ سبا کا تخت شاہی اپنے دربار میں منگوالیا اور بلقیس کی عقل آزمانے کے لئے کہ صحت عقائد ایمان واسلام اور حق وباطل سمجھنے کی اس میں کہاں تک استعداد ہے اس میں کچھ تبدیلیوں کا حکم دیا چنانچہ آپ کے حکم سے بلقیس کے تخت شاہی کے رنگ روپ وغیرہ میں کچھ تبدیلی کردی گئی۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچی تو بحکم حضرت سلیمان علیہ السلام وہ شاہی تخت بلقیس کے سامنے لایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارا تخت شاہی ایسا ہی ہے؟ یہ سوال خواہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود کیا ہو یا کسی سے کہلوایا ہو۔ اب بلقیس اس تخت کو غور سے دیکھنے لگی اور بڑی عقلمندی کا جواب دیا اور کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی۔ گویا اس نے اپنے جواب میں نہ تو بالکل صاف کہا کہ ہاں وہی ہے اور نہ بالکل نفی کی بلکہ جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کردی یعنی تخت کی ساخت اور مجموعی حیثیت تو یہ بتارہی ہے کہ یہ میرا ہی تخت ہے مگر قدرے رنگ روپ اور ہیئت کی تبدیلی اس یقین میں تردد پیدا کررہی ہے اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ یقیناً میرا ہی تخت ہے۔ تو بلقیس اس کو پہچان گئی اور اس کے بدل دینے کو بھی سمجھ گئی اس لئے جواب بھی سوال کے مطابق دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہنے لگی کہ مجھ کو تو آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت وطاقت کا پہلے ہی علم ہو چکا ہے جب سے کہ قاصد سے آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے اسی لئے میں مطیع اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ محیر العقول معاملہ تو آپ کی لاثانی طاقت کا مظاہرہ ہے اس لئے ہم پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اظہار وفاداری اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ چونکہ ملکہ سبا یعنی بلقیس کا یہ اظہار اعتقاد دلیل کمال عقل کی ہے اس لئے آگے آیت میں اللہ تعالیٰ اس کے عاقل ہونے کا مضمون بیان فرماتے ہیں کہ فی الواقع وہ تھی سمجھ دار مگر کچھ

عرصہ تک جو ایمان نہ لائی تھی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کو غیر اللہ کی عبادت نے جس کی اس کو عادت تھی روک رکھا تھا اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ وہ کافر قوم میں سے تھی پس جو سب کو دیکھا وہی آپ کرنے لگی مگر تھی چونکہ عاقل جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ چاہا کہ علاوہ اعجاز اور شان نبوت دکھلانے کے اس کو ظاہری شان سلطنت بھی دکھلا دی جائے تاکہ وہ اپنے کو دنیا کے اعتبار سے بھی عظیم نہ سمجھے اس لئے آپ نے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوایا اور اس میں پانی اور مچھلیاں بھر کر اس کو شیشہ سے پاٹ دیا اور شیشہ ایسا شفاف تھا کہ دیکھنے میں نظر نہ آتا تھا اور وہ حوض ایسے موقع پر تھا کہ اس محل میں جانے والے کو لامحالہ اس پر سے عبور کرنا پڑے چنانچہ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو اور ممکن ہے کہ وہی محل اس کے قیام کے لئے تجویز کیا ہو تو اس میں جانا اور ٹھہرنا ضروری ہوا۔ اب جب چلیں تو راہ میں حوض آیا اور چونکہ شیشہ کا فرش تھا اس لئے دیکھنے والوں کی نگاہ یقین کرلیتی تھی کہ صحن میں صاف شفاف پانی بہہ رہا ہے۔ اب بلقیس جو حوض کے کنارہ پر پہنچی تو محل میں جانے کا اور کوئی راستہ نہ تھا اس لئے مجبوراً پانی میں داخل ہونے کے لئے اس نے پائنچے یا دامن سمیٹ کر اوپر اٹھائے جس سے پنڈلیاں کھل گئیں۔ اس وقت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو سب کا سب مع صحن شیشوں سے بنایا گیا ہے اور یہ حوض بھی شیشہ سے بنا ہوا ہے دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں اس وقت بلقیس کو معلوم ہوگیا کہ یہاں دنیوی ساز وسامان بھی ایسے ہیں کہ جو آج تک میں نے آنکھ سے نہیں دیکھے تو اب ان کے دل میں ہر طرح سے سلیمان علیہ السلام کی عظمت پیدا ہوئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس وقت تک یہ جو کچھ ہوتا رہا ہے یہ صرف ایک زبردست بادشاہ کی قاہرانہ طاقتوں کا مظاہرہ نہیں بلکہ مجھ پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سلیمان کو یہ بے نظیر طاقت اور یہ معجزانہ قدرت کسی ایسی ہستی کی عطا کردہ ہے جو شمس وقمر بلکہ کل کائنات کا تنہا مالک ہے اور اس لئے سلیمان مجھ

سے اپنی تابعداری اور فرمانبرداری کے طالب نہیں بلکہ اسی ایک واحد یکتا ذات کی اطاعت کی طرف دعوت دینا ان کا مقصد ہے۔
بس ملکہ کے دماغ میں یہ خیال آنا تھا کہ اس نے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ایک شرمسار اور نادم انسان کی طرح درگاہ الٰہی میں یہ اقرار کیا کہ پروردگار آج تک ماسوا اللہ کی پرستش کرنے کفر و شرک میں ملوث رہنے اور آفتاب و ماہتاب کو اپنا معبود سمجھنے میں میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا مگر اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہو کر ایک خدا ہی پر ایمان لاتی ہوں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔ اب ملکہ سبا شرک سے تائب ہو کر خالص مومنہ بن گئیں۔ اور اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیغام واتونی مسلمین کی حقیقی مراد تک پہنچ کر ایمان اور اسلام کو قبول کر لیا۔
یہاں اس سورۃ میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا واقعہ اسی پر ختم ہو گیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر مشرف بایمان ہو گئی۔ اس کے بعد کیا حالات پیش آئے قرآن کریم نے اس سے سکوت کیا ہے مگر ابن عسا کر نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینہ حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کیلئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال و نظیر نہ تھی۔ (معارف القرآن جلد ششم ص ۵۸۸)
اب یوں تو قرآن پاک کے ایک ایک لفظ۔ ایک ایک جملہ اور ایک ایک آیت میں نہ معلوم کتنے راز اور حکمتیں پوشیدہ ہیں مگر بظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قصہ سے کئی اہم مقصد جتلانے مقصود معلوم ہوتے ہیں۔
اول یہ کہ کفار مکہ جو اپنی سرداری پر پھول رہے تھے ان کو یہ جتلایا گیا کہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو خدا نے کیسی حکومت۔ سلطنت۔ دولت و حشمت عطا کر رکھی تھی جس کا کہ تم خواب بھی نہیں دیکھ سکتے وہ کیسے ہر وقت اپنے منعم حقیقی کے آگے جھکے رہتے تھے اور کس طرح اپنے رب کی شکر گزاری کرتے تھے کہ غرور اور تکبر کا نام و نشان بھی ان میں نہ تھا۔
دوسرے یہ کہ ملکۂ سبا جو تاریخ عرب کی ایک مشہور دولت مند قوم پر حکمران تھی اور اس کے پاس تمام وہ اسباب جمع تھے جو کسی انسان کو غرور نفس میں مبتلا کر سکتے ہیں پھر وہ ایک مشرک قوم سے تعلق رکھتی تھی اور تقلید آبائی کی بنا پر اور قوم میں اپنی سرداری برقرار رکھنے کی خاطر اس کے لئے دین شرک کو چھوڑ کر دین توحید اختیار کرنا کتنا مشکل تھا مگر جب اس پر حق واضح ہو گیا تو وہ قبول حق سے باز نہ رہ سکی۔ اور اس نے آبائی دین کو چھوڑ کر ایمان و اسلام اختیار کر لیا۔ تو کفار مکہ کو اس نمونہ سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنے کفر و شرک کے بے جا اصرار کو ترک کر دینا چاہئے۔
تیسرے اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اشارۃً تسلی ہے کہ مثل لشکر سلیمانی کے ہم آپ کے لشکر کو بھی ان کفار پر اگر یہ ایمان نہ لائے مسلط کر دیں گے چنانچہ بعد میں جہاد شروع ہو گیا۔
اب آگے تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی حق ظاہر ہو جانے پر حق کے اتباع اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اسلام اور ایمان کی جو دولت ہم کو عطا فرمائی ہے اس پر استقامت اور حقیقی شکر کی توفیق نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ

اور ہم نے ثمود کے پاس اُن کے (برادری کے) بھائی صالحؑ کو بھیجا یہ (پیغام دیکر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک اُن میں دو فریق ہو گئے جو باہم جھگڑنے لگے۔ صالحؑ نے فرمایا

يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

کہ اے بھائیو تم نیک کام (یعنی توبہ و ایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جاوے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں، صالحؑ نے فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہو گے۔

وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا تحقیق ہم نے بھیجا	اِلٰی طرف	ثَمُوْدَ ثمود	اَخَاهُمْ ان کے بھائی	صٰلِحًا صالحؑ	اَنِ کہ	اعْبُدُوا اللّٰهَ اللہ کی عبادت کرو
فَاِذَا پس ناگہاں	هُمْ وہ	فَرِيْقٰنِ دو فریق ہو گئے	يَخْتَصِمُوْنَ باہم جھگڑنے لگے وہ	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	لِمَ کیوں	
تَسْتَعْجِلُوْنَ تم جلدی کرتے ہو	بِالسَّيِّئَةِ برائی کیلئے	قَبْلَ پہلے	الْحَسَنَةِ بھلائی	لَوْ کیوں	لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ تم بخشش نہیں مانگتے		
اللّٰهَ اللہ	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	تُرْحَمُوْنَ تم پر رحم کیا جائے	قَالُوْا وہ بولے	اطَّيَّرْنَا برا شگون	بِكَ تجھ سے	وَبِمَنْ اور وہ جو	مَّعَكَ تیرے ساتھ (ساتھی)
قَالَ اس نے کہا	طٰٓئِرُكُمْ تمہاری بدشگونی	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	قَوْمٌ ایک قوم	تُفْتَنُوْنَ آزمائے جاتے ہو	

تفسیر و تشریح:۔ اس سورۃ میں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا گیا تھا اس کے بعد دوسرا قصہ داؤد علیہ السلام کا اجمالاً اور سلیمان علیہ السلام کا قدرے تفصیلاً بیان فرمایا گیا۔ اب تیسرا قصہ قوم ثمود اور اس کے پیغمبر صالح علیہ السلام کا بیان فرمایا جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا تذکرہ اس سے پہلے سورۂ اعراف۔ سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں بھی ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا۔ کہیں ایک ہی واقعہ کی تفصیل ہے تو کہیں اجمال۔ کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو نمایاں حیثیت دی گئی۔ تاریخی واقعات میں سے جب قرآن پاک کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد "وعظ و تذکیر" کے پیش نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔

یہاں اس سورۃ میں ان آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو قوم ثمود کے وطنی اور قومی بھائی تھے قوم ثمود کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ شرک سے منع کیا اور اللہ کی بندگی و اطاعت کی نصیحت فرمائی اس تبلیغ و دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ لوگ مومن بن گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر برحق تسلیم کر لیا اور آپ کی ہدایات کے موافق عمل پیرا ہو گئے اور کچھ لوگ بدستور مشرک بنے رہے۔ اللہ کے پیغمبر کی تکذیب پر جمے رہے تو گویا حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت سے قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ایک گروہ ایمان لانے والوں کا اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ اور اس تفرقہ کے ساتھ ہی ان کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ٹھیک یہی صورت حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

کے ساتھ مکہ میں پیدا ہوگئی تھی۔ قوم دو حصوں میں بٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں گروہوں میں کشمکش شروع ہوگئی۔ اس لئے یہ قصہ ان حالات پر چسپاں ہو رہا تھا جن حالات میں کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے منکروں کو ہر چند عذاب الٰہی سے ڈرایا دھمکایا اور فرمایا کہ اگر میرا کہنا نہ مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے مگر کافروں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی بلکہ گستاخی میں مزید اضافہ ہوگیا اور بے باکی کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تم ہم کو عذاب اور ہلاکت سے کیا ڈراتے ہو۔ لاؤ وہ عذاب کہاں ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس پر فرمایا کہ کم بختو! ایمان اور توبہ اور بھلائی و اطاعت کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا اور آخرت میں کام آئے۔ الٹے برائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ جب وہ وقت آپڑے گا تو سارا دم خم ختم ہو جائے گا۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ تو اس کے جواب میں منکرین نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تمہارے آتے ہی ہماری قوم میں پھوٹ پڑ گئی۔ گھر گھر لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے اور ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں یہ سب تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ (معاذ اللہ) جب سے تم نے ہمارے دیوتاؤں کی مذمت شروع کی ہے آئے دن ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہمارے معبود ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ سرکش اور معصیت شعار قوم کو جب ہلاکت سے پہلے کسی قدر تنبیہاً جھنجھوڑا جاتا ہے اور دنیوی مصائب میں مبتلا کر کے توبہ کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ اپنی مصیبت کا باعث اہل حق کو قرار دیتی ہے۔ فرعون کی قوم نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی کہا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں دوسری جگہ بتلایا گیا کہ اگر ان کو یعنی فرعونیوں کو بھلائی حاصل ہوتی تو کہتے ہم اس کے حق دار ہی ہیں ہم کو یہ پہنچنا ہی چاہئے تھا۔ اور اگر کبھی خرابی اور مصیبت آپڑی تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست کہتے۔ مکہ کے کافروں کا بھی یہی حال تھا۔ قریب قریب ایسے ہی باتیں اور ایسے ہی الزامات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرداران قریش کا جو وفد ابو طالب کے پاس گیا تھا اس نے یہی کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالہ کر دو جس نے تمہارے دین اور تمہارے باپ دادا کے دین کی مخالفت کی ہے اور تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ساری قوم کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا ہے۔

الغرض حضرت صالح علیہ السلام نے ان منکروں کو جواب دیا کہ یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں اور یہ تمہارے کفر کی شامت سے تم پر یہ سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔

ثمود بجائے اس کے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی نصائح کا کچھ اچھا اثر لیتے الٹا آپ کی جان کے دشمن ہو گئے اور اب یہ سازش کرنے لگے کہ کس طرح حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کو قتل کر کے اس قصہ کو ختم کیا جاوے جیسا کفار مکہ نے بھی ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی تھی۔ مگر اہل باطل اہل حق کو مغلوب اور ختم کرنے کی کیسی ہی خفیہ تدبیریں کریں مگر تدبیر الٰہی کے آگے اہل باطل کی تدبیریں کہاں چل سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش جو کفار نے کی تو اس کا کیا نتیجہ اور انجام ہوا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو ان نافرمان اور اپنے پیغمبروں سے سرکشی کرنے والی قوموں سے عبرت و نصیحت عطا فرمائیں۔ اور ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ

اور اس بستی میں نو شخص تھے جو سرزمین میں فساد کیا کرتے تھے اور (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ

لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا

کہ ہم شب کے وقت صالحؑ اور اُن کے متعلقین کو جا ماریں گے پھر اُن کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم اُن کے متعلقین اور خود اُن کے مارے جانے میں موجود (بھی) نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔

وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ

اور (یہ مشورہ کر کے) انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے اُن کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور (پھر) اُن کی قوم کو سب کو (آسمانی عذاب سے) غارت کر دیا۔

بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں اُن کے کفر کے سبب سے بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانش مندوں کیلئے۔ اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی۔

وَكَانَ اور تھے	فِي الْمَدِيْنَةِ شہر میں	تِسْعَةُ نو	رَهْطٍ شخص	يُّفْسِدُوْنَ وہ فساد کرتے تھے	فِي الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور		
لَا يُصْلِحُوْنَ اصلاح نہیں کرتے تھے	قَالُوْا وہ کہنے لگے	تَقَاسَمُوْا تم باہم قسم کھاؤ	بِاللّٰهِ اللہ کی	لَنُبَيِّتَنَّهٗ البتہ ہم ضرور شب خون ماریں گے اس پر				
وَاَهْلَهٗ اور اس کے گھر والے	ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ پھر ضرور ہم کہدیں گے	لِوَلِيِّهٖ اسکے وارثوں سے	مَا شَهِدْنَا ہم موجود نہ تھے	مَهْلِكَ ہلاکت کے وقت				
اَهْلِهٖ اسکے گھر والے	وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَصٰدِقُوْنَ البتہ سچے ہیں	وَمَكَرُوْا اور انہوں نے مکر کیا	مَكْرًا ایک تدبیر	وَمَكَرْنَا اور ہم نے خفیہ تدبیر کی			
مَكْرًا ایک تدبیر	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ نہ جانتے تھے	فَانْظُرْ پس دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	مَكْرِهِمْ ان کا مکر	اَنَّا کہ ہم
دَمَّرْنٰهُمْ ہم نے تباہ کردیا انہیں	وَقَوْمَهُمْ اور ان کی قوم	اَجْمَعِيْنَ سب کو	فَتِلْكَ اب یہ	بُيُوْتُهُمْ ان کے گھر	خَاوِيَةً گرے پڑے	بِمَا ظَلَمُوْا ان کے ظلم کے سبب		
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں	وَاَنْجَيْنَا اور ہم نے نجات دی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو			
اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ اور وہ پرہیزگاری کرتے تھے							

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ ثمود بجائے اس کے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی پند و نصائح کا کچھ اچھا اثر لیتے الٹا آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور سازش کرنے لگے کہ کس طرح آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ثمود کی ۹ جماعتیں تھیں اور ہر جماعت کا ایک سردار تھا۔ تو ان ۹ سرداروں نے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا باہم صلاح و مشورہ کیا کہ صالح کی طرف سے روزانہ ہماری جانیں ضیق میں ہیں اس لئے ایک دن فیصلہ ہی کر لو۔ چنانچہ آپس میں معاہدہ اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا کہ ہمیں خبر نہیں اس کے گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے دیکھی ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ ہم خود ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت ہم موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں سے ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے ان کے حمایتی خون کا حق وصول کر سکیں۔

بعینہٖ اسی نوعیت کی سازش کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سوچتے رہتے تھے اور بالآخر یہی سازش انہوں نے

ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاذ اللہ قتل کرنے کے لئے کی یعنی سب قبیلوں کے لوگ مل کر آپ پر حملہ کریں تا کہ بنی ہاشم کسی ایک قبیلہ کو ملزم نہ ٹھہرا سکیں اور سب قبیلوں سے بیک وقت لڑنا ان کے لئے ممکن نہ ہو۔ الغرض ثمود کے ان نو سرداروں نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا جس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تین روز اپنے گھروں میں اور مزے اڑا لو چوتھے روز ایسا عذاب آئے گا کہ تم سب کو ہلاک کر کے نیست و نابود کر دے گا۔ اس پر ان سرداروں نے آپس میں ٹھہرایا کہ صالح تین دن بعد ہماری ہلاکت کا اعلان کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کا کام تین دن سے پہلے ہی تمام کر دو۔ چنانچہ آپس میں طے کیا کہ رات کے وقت حملہ کر کے حضرت صالح علیہ السلام کو مع اہل وعیال قتل کر دیا جائے۔ یہ نو سردار اس ناپاک مقصد کے لئے تیار ہوئے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ جس پہاڑ سے اونٹنی بطور معجزہ پیدا ہوئی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جہاں آپ عبادت کرتے اور نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے مشورہ کیا کہ جب صالح نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو اور پھر وہاں سے لوٹ کر اس کے گھر والوں کو ختم کر دو اس مشورہ اور ارادہ سے جب وہ پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے۔ چٹان آکر غار کے منہ پر اس طرح رک گئی کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان سرداروں نے ایک خاص خفیہ تدبیر کی تھی مگر اس کے مقابلہ میں اللہ نے بھی ایک خاص خفیہ تدبیر کی کہ ان کو پتہ بھی نہ چلا اور پھر دیکھ لو ان کی شرارتوں کا کیا انجام ہوا۔ خود بھی تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ تباہ کیا چنانچہ تین دن بعد ہولناک زلزلہ اور کڑک سے ساری آبادی تباہ ہو گئی اور ان کا ایسا ستیاناس ہوا کہ کوئی نام لیوا باقی نہ رہا۔ مکہ والے تبوک کے راستہ سے شام کا سفر کرتے تو وادی القریٰ سے گزرنا ہوتا جہاں ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اس وقت تک موجود تھے۔ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ جو وادی القریٰ میں گزرتے ہوئے کھنڈرات دیکھتے ہو یہ انہیں مکانات کے کھنڈرات ہیں جن میں قوم ثمود کے لوگ رہتے تھے۔ ان کی بستیاں اب کیسی اُجڑی پڑی ہیں اور یہ ان کے کفر وظلم کی سزا انہیں ملی۔ خدا ظالم نہیں کہ خوامخواہ کسی قسم یا بستی کو برباد کر ڈالے درحقیقت یہ تباہی کا باعث قوم کی بدکرداریاں اور بے جا کرتوت ہوتے ہیں اس قوم ثمود کی تباہی میں سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے عبرت ہے کہ اپنے پیغمبر کا کہنا نہ ماننا اور الٹا اس کا دشمن بن جانا اور کفر وظلم پر جمے رہنا اور اللہ سے بغاوت وسرکشی برتنا دنیا ہی میں کیا تباہی لاتا ہے۔ آخرت میں تو جو بھگتنا ہوگا وہ الگ رہا۔ پھر اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ خدا کی قدرت دیکھو کہ جہاں قوم ثمود کے ایک ایک کافر کو ہلاک کیا گیا وہیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ان ساتھیوں کو جو آپ پر ایمان لے آئے تھے اور کفر وشرک اور ظلم وستم سے بچ کر چلتے تھے ان سب کو بچا لیا۔

حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم ثمود کا قصہ یہاں ختم فرمادیا گیا اس واقعہ میں جہاں کفار مکہ اور مشرکین عرب کے لئے عبرت کا سامان تھا وہیں اہل ایمان کو بھی سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام سوا تباہی کے کچھ نہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ اہل باطل اہل حق کو مغلوب وختم کرنے کی کیسی ہی خفیہ تدبیریں کریں مگر اللہ کی غیبی تدبیر اہل حق کی حفاظت اور اہل باطل کی بربادی میں لگی رہتی ہے۔ جس کو کہ کور بصیرت اور عقل کے اندھے نہیں دیکھتے۔

اب آگے چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا تھا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سمجھدار ہو کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو

مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا

عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم (محض) جہالت کررہے ہو۔ سو (اس تقریر کا) اُن کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوطؑ کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو

آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا

یہ لوگ بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوطؑ کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا بجز اُن کی بیوی کے اُس کو ہم نے اُن ہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا

مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ

جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے اُن پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا سو اُن لوگوں کا کیا بُرا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے سزاوار ہیں

عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

اور اُس کے اُن بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

وَلُوطًا اور لوطؑ	إِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِقَوْمِهِ اپنی قوم سے	أَتَأْتُونَ کیا تم آگئے (اتر آئے) ہو	الْفَاحِشَةَ بے حیائی	وَأَنتُمْ اور تم			
تُبْصِرُونَ دیکھتے ہو	أَئِنَّكُمْ کیا تم	لَتَأْتُونَ آئے ہو	الرِّجَالَ مردوں کے پاس	شَهْوَةً شہوت رانی کیلئے	مِنْ عورتوں کے سوا	دُونِ النِّسَاءِ عورتوں کو چھوڑ کر		
بَلْ بلکہ	أَنتُمْ تم	قَوْمٌ لوگ	تَجْهَلُونَ جہالت کرتے ہو	فَمَا پس نہ	كَانَ تھا	جَوَابَ جواب	قَوْمِهِ اس کی قوم	إِلَّا أَن مگر صرف یہ کہ
قَالُوا انہوں نے کہا	أَخْرِجُوا نکال دو	آلَ لُوطٍ لوطؑ کے ساتھی	مِّن سے	قَرْيَتِكُمْ اپنا شہر	إِنَّهُمْ بیشک وہ	أُنَاسٌ لوگ	يَتَطَهَّرُونَ پاکیزگی پسند کرتے ہیں	
فَأَنجَيْنَاهُ سو ہم نے اسے بچالیا	وَأَهْلَهُ اور اسکے گھر والے	إِلَّا سوائے	امْرَأَتَهُ اس کی بیوی	قَدَّرْنَاهَا ہم نے اسے ٹھہرادیا تھا	مِنَ سے			
الْغَابِرِينَ پیچھے رہ جانے والے	وَأَمْطَرْنَا اور ہم نے برسائی	عَلَيْهِم ان پر	مَطَرًا ایک بارش	فَسَاءَ سو کیا ہی بُرا	مَطَرُ بارش	الْمُنذَرِينَ ڈرائے گئے		
قُلِ فرمادیں	الْحَمْدُ لِلَّهِ تمام تعریفیں اللہ کیلئے	وَسَلَامٌ اور سلام	عَلَىٰ عِبَادِهِ اس کے بندوں پر	الَّذِينَ وہ جنہیں	اصْطَفَىٰ چُن لیا	آللَّهُ کیا اللہ		
خَيْرٌ بہتر	أَمَّا یا جو	يُشْرِكُونَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟						

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم ثمود کا ذکر فرما کر منکرین ومکذبین کے لئے عبرت حاصل کرنے کا سامان مہیا فرمایا گیا تھا اب ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔

انسان میں جب عقل کی روشنی افسردہ ہوجاتی ہے۔ نور فطرت جب بجھ جاتا ہے۔ دل پر جب سیاہی چھا جاتی ہے۔ روح پر جب زنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور جب اچھائی برائی میں امتیاز پیدا کرنے والی قوت مردہ ہوجاتی ہے۔ تو اس وقت خواہشات کا عام تسلط ہوجاتا ہے اور نفس طاغوتی کا ڈیرا قائم ہوجاتا ہے۔ آدمی کی آنکھوں پر عیش پرستی کے پردہ پڑ جاتے ہیں۔ عیش وعشرت کے نشہ سے دماغ سرشار ہوجاتا ہے۔ جائز و ناجائز اور حق و باطل کا فرق معدوم ہوجاتا ہے۔ پھر اس انتہائی

عیاشی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محل اور بے محل کا امتیاز بھی جاتا رہتا ہے۔ آدمی آدمی نہیں رہتا بلکہ آدمی نما جانور بن جاتا ہے۔ ایسے وقت میں حصول لذت کے ہر طریقہ کو اور عیش پرستی کے ہر ذریعہ کو وہ اپنے لئے حلال بنالیتا ہے اور خواہش نفس کو پورا کرنے کے ہر راستہ میں نہایت بیباکی سے نکل پڑتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی ناصح۔ بیدار مغز۔ روشن دماغ رہنما اس کو شفقت کے ساتھ اس کی خواہشات سے روکنا اور مطلق العنانی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس ہوس زدہ انسان کے غصہ کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ مشفق وناصح کی بات کو سننے کی بجائے اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ جو خدا پرست انسان اس اندھے کو غار میں گرنے سے روکتا ہے تو یہ اپنی جہالت کی لاٹھی اس کے مارنے کے درپے ہوتا ہے۔ بالآخر مشفق ناصح کی مخالفت اور اہل حق کی عداوت کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ایسے سرکش انسان تباہی وہلاکت کے گڑھے میں گر کر فنا ہو جاتے ہیں اور اللہ کے قوت قہاری اور جباری کی ایک حرکت ان کے نام ونشان کو مٹا دیتی ہے۔ قوم لوط کی بھی یہی حالت تھی عیش پرستی کا بھوت ان کے سر پر سوار تھا۔ ہوا وہوس سے دماغ سرشار تھا۔ شہوت کا پردہ آنکھوں پر پڑ گیا تھا اور زنا کاری کی بھی حدود سے بڑھا کر لواطت کو مرکز شہوت بنالیا تھا۔ ایک نہیں دو نہیں پوری قوم کی قوم اس خلاف فطرت حرکت میں مشغول ہوگئی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان کو نصیحت کی۔ قانون فطرت کو سمجھایا۔ عذاب خداوندی سے ڈرایا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ الٹے لوط علیہ السلام کے دشمن بن گئے اور پیغمبر برحق کو ان کے خاندان سمیت جلاوطن کرنے کے درپے ہوگئے انجام بالآخر جو اس ظالم اور اندھی قوم کا ہوا اس کا اظہار بحیرۂ مردار سے اب بھی ہو رہا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ لوط علیہ السلام کو ایک نابکار اور بدکردار قوم کے سمجھانے کے لئے بھیجا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بدکرداری کی برائی کھول کر سمجھائی کہ تم دیدہ و دانستہ جان بوجھ کر ایسی بدکرداری اور بدافعالی میں کیوں پھنسے ہوئے ہو کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی پر دوڑتے ہو اور پھر اس بے حیائی سے ذرا نہیں شرماتے کیا تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ کیوں تم جان بوجھ کر دیوانہ بن رہے ہو اور جاہلوں کے سے کام کرتے ہو۔ کیوں تم نے اپنی قوت عقلیہ کو مردہ بنالیا ہے کہ بہائم کی طرح شہوت رانی کے درپے ہو اور محل بے محل کا فرق بھی نہیں کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی ان معقول باتوں اور ایسی درست نصیحتوں کا جواب تو وہ کیا دیتے بس جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ لوط اور اس کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو ورنہ یہ اسی طرح ناک میں دم کرتا رہے گا۔ یہ اپنے کو بڑا پاک صاف بنانا چاہتے ہیں تو پھر ہم ناپاکوں میں ان کا کیا کام۔ دیکھا آپ نے یہ جواب تھا ان انسان صورت اور درندہ سیرت لوگوں کا خدا کے پیغمبر کی دعوت ونصیحت کا۔ غرض کہ جب ان بدکیش کافروں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اہانت وایذا اور تکذیب اور تمسخر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تو پھر قانون قدرت اور مکافات عمل کا وقت آ پہنچا اور وہی ہوا جو اس سے پہلے نافرمان قوموں کا انجام ہو چکا تھا۔ وہ تمام جنہوں نے لوط علیہ السلام کی نصیحت ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی بدافعالی کو بدستور جاری رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے ان کی ساری بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ساری آبادی زمین کے اندر دھنس گئی اور وہاں ایک غلیظ پانی کی جھیل بن گئی جو اب بھی بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ نے بچا کر دوسری جگہ بھیج دیا مگر لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے قوم کے ساتھ تباہ ہوئی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے یہ قصے بیان فرما کر اور اللہ کے

پیغمبروں کی تکذیب ومخالفت کا نتیجہ ظاہر فرما کر اب خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے کہ آپ اللہ کی حمد وثنا کریں اور شکر بجالائیں کہ جس نے اپنے پاکباز بندوں کو تو بچالیا اور سرکشوں اور نافرمانوں کو ہلاک و برباد کیا۔ اور ان تمام برگزیدہ اور مقبول بندوں پر جن کا ذکر پہلے ہوا سلام بھیجیں کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں مخالفوں اور اعدائے دین کے کیسے کیسے جور و جفا اور ظلم وستم اٹھائے۔ اس کے بعد مسلسل اب توحید کا مضمون شروع ہوتا ہے کہ ان جملہ واقعات میں غور کر کے منکرین ومشرکین خود فیصلہ کریں کہ کیا ایک وہ خدا بہتر ہے جو کہ نفع ونقصان پر پوری قدرت رکھتا ہے یا وہ چیزیں جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں جو کہ اپنے پرستاروں کی کچھ بھی حمایت نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب ہر سمجھدار یہی دے گا کہ خدا بہتر ہے تو پھر خدا کی پرستش کیوں نہ کی جائے اور شرکاء کی کیوں پرستش کی جائے۔

اب آگے اسی مضمون توحید کی تفصیل ہے۔ جس سے کہ بیسواں پارہ امن خلق شروع ہوتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آخری آیت کو تلاوت فرماتے یعنی قل الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ء اللہ خیر امایشرکون تو فوراً اس کے جواب میں آپ فرماتے بل اللہ خیر وابقی واجل واکرم۔ (نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا بزرگ وبرتر ہے) اللہ عزوجل اور بزرگ برتر کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ آج اس کے کلام پاک کے ۱۹ ویں پارہ کا بیان پورا ہوگیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بقیہ کے تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اب آئندہ انشاءاللہ ۲۰ ویں پارہ کی ابتدا سے بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نفس کی شرارت اور شیطان کی خباثت سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ظاہر میں اور باطن میں ہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ نافرمان قوموں کی خصلت و عادات سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائیں اور اپنے متقی اور دین دار نیک صالح بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں۔

اے اللہ آپ نے ہم کو جو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے اس پر ہم آپ کا بے انتہا شکر واحسان اور حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور اس پاک رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر جن کے واسطہ اور ذریعہ سے ہم کو یہ دولت ایمان واسلام ملی لاکھ لاکھ صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ اے اللہ اے ذوالجلال والاکرام آپ ہی سب سے بزرگ برتر اور بہتر ہیں اور آپ ہی ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اے اللہ! ہماری حمد وثنا کو قبول فرما اور ہم کو اپنے حمد خواں بندوں میں شامل ہونا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

اَمَّنْ خَلَقَ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اُس نے آسمانوں سے تمہارے لئے پانی برسایا پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ

بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ اَمَّنْ

اُگائے تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اُگا سکو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو) خدا کے برابر ٹھیراتے ہیں۔

جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور اُس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے ٹھیرانے کیلئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان

حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾

ایک حد بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ اُن میں زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں۔

اَمَّنْ بھلا کون؟	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَاَنْزَلَ اور اُتارا	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان
مَآءً پانی	فَاَنْۢبَتْنَا پس اگائے ہم نے	بِهٖ اس سے	حَدَآئِقَ باغ	ذَاتَ بَهْجَةٍ بارونق	مَا كَانَ نہ تھا	لَكُمْ تمہارے لئے	اَنْ تُنْۢبِتُوْا کہ تم اگاؤ
شَجَرَهَا ان کے درخت	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	بَلْ بلکہ	هُمْ یہ	قَوْمٌ لوگ	يَعْدِلُوْنَ کج روی کرتے ہیں	
اَمَّنْ بھلا کون۔کس	جَعَلَ بنایا	الْاَرْضَ زمین	قَرَارًا قرار گاہ	وَجَعَلَ اور (جاری) کیا	خِلٰلَهَآ اس کے درمیان	اَنْهٰرًا ندی نالے	
وَجَعَلَ اور (پیدا) کئے	لَهَا اس کیلئے	رَوَاسِیَ پہاڑ	وَجَعَلَ اور بنایا	بَيْنَ درمیان	الْبَحْرَيْنِ دو دریا	حَاجِزًا آڑ (حدِ فاصل)	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود
مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ بَلْ بلکہ اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے							

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بصورت سوال کہا گیا تھا کہ اللہ بہتر ہے یا وہ ہستیاں جن کو خدا کا شریک سمجھا جاتا ہے؟ یعنی اللہ جو قادر وتوانا ہے اور نفع ونقصان کا مالک ہے اس کو استحقاق الوہیت اور معبودیت حاصل ہے۔ یا بے کس اور بے بس فرضی معبودوں کو جو نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ جواب اس کا ظاہر ہے اور مسلم ہے کہ اللہ ہی بہتر ہے پس مستحق عبادت بھی وہی ہوگا۔ یہ تو تھا اجمالی بیان توحید کا اب آگے اسی کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ اپنی ربوبیت تامہ۔ خلاقیت عامہ اور رحمت کاملہ کو بیان کر کے وحدت الوہیت کا اثبات فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں بیان کر کے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا

اور بھی ایسا کرسکتا ہے؟ اللہ عزوجل نے آسمان بنائے۔ کتنے بڑے آسمان کہ جن کے احوال واسرار خواص واغراض بلندی و وسعت اور عجائب وغرائب کو مفصل جاننے سے کل عالم کی عقل عاجز ہے۔ اللہ نے زمین بنائی۔ کیسی زمین کہ جس کے اندر کس قدر عجائب اور حیرت انگیز خزائن موجود ہیں۔ کیسی قوتیں اور مخفی فوائد چھپے ہوئے ہیں کہ جس قدر جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اتنا ہی اسرار قدرت کے انکشافات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے پھر بادلوں سے مینہ برسا کر طرح طرح کے میوہ دار خوشنما باغ اور سرسبز شاداب چمن پیدا کئے تو اس طرح درختوں اور سبزہ کا اگانا اللہ کے قدرت کے سوا اور کس کے بس کا ہے۔ انسان غور کر کے دیکھے

کہ ایک درخت کے اگنے اور پھلنے پھولنے میں کیا کسی چیز پر بھی اسے قدرت حاصل ہے؟ کیا زمین میں بیج کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھنا انسان کا کام ہے؟ پھر مٹی میں اگانے کی قوت رکھنا کیا انسان کے بس کی بات ہے؟ کیا وقت مناسب پر بارش لانا اس انسان کا کام ہے؟ پھر بارش کے قطروں میں یہ اثر رکھ دینا کہ وہ نباتات اگائیں کیا انسان کے دخل و تصرف کی چیز ہے؟۔ درختوں۔ پودوں اور سبزیوں کو سورج کی گرمی ایک خاص درجہ میں پہنچانا کیا انسان کے اختیار کی چیز ہے؟ غرض کہ ایک درخت کے اگنے۔ پھلنے پھولنے میں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا کام نہیں تو جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے تو اس کی الوہیت اور معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہوجائے گی۔ عبادت اور بندگی و پرستش تو اسی کی ہونی چاہئے جو انتہائی درجہ میں کامل اور بااختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم وہٹ دھرمی ہے۔ آگے قدرت کی دوسری نشانی اور توحید کی مزید دلیل دی جاتی ہے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ زمین کو جانداروں کے ٹھہرنے کے قابل کس نے بنایا؟ یہ زمین جس پر کہ انسان اور حیوان آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اس میں گرمی سردی خشکی تری کو اس تناسب سے کہ جاندار زندہ رہ سکیں کس نے رکھا؟ جگہ جگہ پانی پہنچانے کے لئے ندی نالہ کس نے بہائے؟ پھر مٹی کی زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اس پر پہاڑ کس نے قائم کئے؟ پھر کھاری اور میٹھے دریا مل کر بہنے پر بھی ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے اور دونوں کے پانی اپنا اپنا مزہ برقرار رکھتے ہیں یا کھاری سمندر میں میٹھا دریا گرتا ہے تو دریا رکا پانی دور تک اپنا میٹھا پن قائم رکھتا ہے جبکہ سمندر کے اردگرد کا پانی کھاری ہوتا ہے تو بتاؤ تو سہی کہ اور کوئی ایسے عجائبات پیدا کر سکتا ہے؟ کوئی اور ہستی ہے کہ جس سے یہ کام بن پڑیں اور وہ اس بنا پر معبود بننے کے لائق ہو؟۔ جب نہیں تو یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک اور مخلوق پرستی کے گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ان کی سمجھ کا قصور نہیں تو اور کیا ہے؟

ابھی اسی طرز بیان سے آگے مزید دلائل توحید ذکر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو توحید حقیقی اور اپنے ذات پاک کی معرفت کاملہ نصیب فرمائیں۔ اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے شرک سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ آسمان اور زمین اور کائنات کی تمام چیزیں ہمارے لئے معرفت الٰہیہ کا ذریعہ بنیں اور ہم سارے کمالات اور سارے انعامات واحسانات کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر دل و جان سے احکام الٰہیہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اُس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے

مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو

اَمَّنْ بھلا کون	یُجِیْبُ قبول کرتا ہے	اَلْمُضْطَرَّ بیقرار	اِذَا جب	دَعَاهُ وہ اسے پکارتا ہے	وَیَکْشِفُ اور دُور کرتا ہے	اَلسُّوْٓءَ بُرائی
وَیَجْعَلُکُمْ اور تمہیں بناتا ہے	خُلَفَآءَ نائب	اَلْاَرْضِ زمین	ءَاِلٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللّٰهِ اللہ کے ساتھ	قَلِیْلًا تھوڑے	مَا جو
			تَذَکَّرُوْنَ نصیحت پکڑتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے توحید کا مضمون بیان ہورہا ہے کہ جب آسمان۔ زمین اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا۔ پانی برسانے والا اور نباتات اگانے والا۔ وہ ایک واحد اور یکتا خدا ہی ہے تو دوسرا کوئی کیسے اس کی وحدانیت اور الوہیت اور معبودیت میں شریک ہوسکتا ہے اس سلسلہ میں توحید کے مزید دلائل اس آیت میں بیان فرمائے جاتے ہیں۔ مشرکین عرب اگرچہ اللہ کی ذات کو مانتے تھے لیکن پرستش بتوں کی بھی کرتے تھے۔ انہوں نے دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے یہ غلط اور باطل گمان پیدا کرلیا تھا کہ جس طرح دنیوی بادشاہوں کے وزیر اور خزانچی وغیرہ معین و مددگار ہوتے ہیں اور سلطنت کا سب کام وہی چلاتے ہیں اسی طرح ہمارے دیوی دیوتا ہیں۔ کوئی بارش کا دیوتا ہے۔ کوئی رزق کا دیوتا ہے۔ کوئی ہوا کا دیوتا ہے۔ کوئی بیماری دور کرنے کا دیوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ مشرکین عرب بھی جب کسی سخت مصیبت میں پھنستے جیسے کشتی کے طوفان وغیرہ میں پھنس جاتا تو اس وقت مضطر اور بے قرار ہوکر مدد کے لئے اللہ ہی کو پکارتے اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے۔ یہاں آیت میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصیبت اور پریشانی کے وقت تو تم بھی مضطر ہوکر اسی کو پکارتے ہو اور معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن اور اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے؟ جب تم کو کوئی چارہ کار نہیں رہتا تب اللہ ہی کو پکارتے ہو اور وہی بے بس اور بے کس کی پکار کو سنتا ہے اور چاہتا ہے تو مصیبت دور کردیتا ہے۔ تو جب سختی اور مصیبت کے وقت پکارے جانے کے قابل اسی کی ذات ہے تو پھر عبادت اور بندگی میں کسی اور کو شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟۔

اس آیت **امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء** (کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے) اس کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے ایک عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زیدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ مجھ سے ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا۔ میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا کہ اس راہ چلو میں نے کہا کہ میں اس راہ سے واقف نہیں ہوں۔ سیدھی راہ یہی ہے۔ اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں اور یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے

اور اصرار سے اسی راہ پر چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق ودق بیابان میں ہم آ گئے ہیں۔ جہاں آ گے کوئی راستہ نظر نہیں آ تا۔ نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ میں یہ دیکھ کر سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ ذرا لگام تھام لو۔ مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا۔ میں وہاں سے سرپٹ بھاگا۔ لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا مگر اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے اس نے کہا کہ یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اسے خدا کا خوف دلایا۔ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے یہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے۔ اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا اسی وقت یہ آیت اتفاق سے میری زبان پر آ گئی امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء یعنی خدا ہی ہے جو بے قرار کی بیقراری کے وقت کی دعا کو سنتا ہے اور سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ بس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے سنے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ اتار دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا اور وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں نے اس کے پیروں کو پکڑ لیا اور بڑی الحاح وزاری سے کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں اور بے بسوں اور بے کسوں کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح وسالم واپس لوٹا۔ آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وہی تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے۔ ایک کے پیچھے ایک آ رہا ہے اور مسلسل سلسلہ چلا جا رہا ہے اور اس طرح ایک کے بعد دوسرے کو زمین میں تصرف کے اختیارات عطا کرتا ہے پس یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ ایک شخص کے بعد دوسرا۔ ایک قوم کے بعد دوسری قوم ورنہ اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ساتھ پیدا کر دیتا لیکن اب اس نے یہ کر رکھا ہے کہ ایک مرے ایک پیدا ہو تو یہ موجودہ طرز بھی خدا کی حکمت پر دلیل ہے۔ سب کی پیدائش کا۔ موت کا۔ آنے کا۔ جانے کا وقت مقرر ہے۔ ایک ایک اس کے علم میں ہے تو حق تعالیٰ اپنی اس قدرت کو بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ہے کوئی جو ان کاموں کو کر سکتا ہو اور جب نہیں کر سکتا تو وہ عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ مشرکین عقل سے پوری طرح کام نہیں لیتے ورنہ غور کریں تو صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ لیکن وہ غور وفکر ہی نہیں کرتے۔

باقی مضطر کی دعا جو اخلاص کی بنا پر ہوتی ہے یعنی دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور تمام علائق سے منقطع ہو کر صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز اور فریادرس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس سے دعا کرنا تو ایسے مضطر کی دعا حق تعالیٰ رد نہیں فرماتے خواہ وہ کسی بندہ کی طرف سے ہو۔ وہ مومن ہو یا کافر۔ متقی و پرہیزگار ہو یا فاسق فاجر۔ بندہ کے اضطرار اور اخلاص کی وجہ سے رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی حکمت و مصلحت ربانی

سے اس کا ظہور دیر میں ہو۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو (قرطبی بحوالہ معارف القرآن جلد ششم) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ایک مظلوم کی دعاء دوسرے مسافر کی دعا۔ تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددعا کرے۔ امام قرطبیؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعاء مضطر میں ہوتی ہے کہ جب کوئی مظلوم دنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے عزیز و اقربا اور ہمدردوں اور غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنا پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے (معارف القرآن جلد ٦) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اخلاص کے ساتھ ہر معاملہ میں اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بندہ کے حسب مرضی فریاد قبول ہی کر لیتے ہیں اور ہمیشہ مصیبت کو بندہ کی حسب منشا دور ہی فرما لیتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی فریاد سنی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔

ابھی اگلی آیات میں بھی یہی مضمون توحید جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر حال میں ہم کو اپنی ہی ذات پاک کی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ حق تعالیٰ ہی کی فریاد رسی اور دادرسی پر ہمارا اعتماد ہو اور ہر مصیبت میں خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی ہم اسی سے فریاد کرنے والے ہوں۔ اور وہی ہماری فریاد کو سن کر ہماری فریاد رسی کرنے والا ہو۔

حق تعالیٰ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور ہمارے دلوں میں یہ یقین کامل عطا فرمائیں کہ ہماری ہر چھوٹی بڑی مصیبت کو دور کرنے والی صرف اللہ پاک کی ذات عالی ہے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

(یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ سجھاتی ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتی ہے جو خوش کردیتی ہیں

رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔ (یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو

وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ

دوبارہ زندہ کرے گا اور جو کہ آسمان (سے پانی برسا کر) اور زمین سے (نباتات نکال) تم کو رزق دیتا ہے، کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود ہے، آپ کہئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾

اگر تم سچے ہو۔

أَمَّنْ بھلا کون	يَهْدِيكُمْ تمہیں راہ دکھاتا ہے	فِي ظُلُمَاتِ اندھیروں میں	الْبَرِّ خشکی	وَالْبَحْرِ اور سمندر	وَ اور	مَنْ کون	يُرْسِلُ چلاتا ہے
الرِّيَاحَ ہوائیں	بُشْرًا خوشخبری دینے والی	بَيْنَ يَدَيْ پہلے	رَحْمَتِهِ اس کی رحمت	أَإِلَٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللَّهِ اللہ کے ساتھ	تَعَالَى اللَّهُ برتر ہے اللہ	
عَمَّا اس سے جو	يُشْرِكُونَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں	أَمَّنْ بھلا کون	يَبْدَأُ پہلی بار پیدا کرتا ہے	الْخَلْقَ مخلوق	ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر وہ اسے دوبارہ (زندہ) کریگا		
وَمَنْ اور کون	يَرْزُقُكُمْ تمہیں رزق دیتا ہے	مِنَ السَّمَاءِ آسمان سے	وَالْأَرْضِ اور زمین	أَإِلَٰهٌ کیا کوئی معبود	مَعَ اللَّهِ اللہ کے ساتھ		
	قُلْ فرمادیں	هَاتُوا لے آؤ تم	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	إِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صَادِقِينَ سچے	

تفسیر وتشریح:۔ توحید کے اثبات کے سلسلہ میں گذشتہ سے مضمون اس طرح بیان ہوتا چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عجائبات قدرت مشرکین کو یاد دلاتے جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ اللہ کے سوا یہ کس کے کام ہیں؟ اس طرح اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور وحدہ لاشریک لہ ہونے پر گذشتہ آیات میں چند دلائل بیان فرمائے گئے مثلاً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا پھر اوپر سے پانی برسا کر سبزہ۔ درخت اور پودوں کا اگانا۔ زمین کو جانداروں کے رہنے کے لائق بنانا۔ اس میں دریا ندی نالے بہانا اور پہاڑوں کا اس پر قائم کرنا۔ پھر انسان کی بے بسی اور بے کسی کے وقت اس کی فریاد کو سننا اور فریاد رسی کرنا۔ اسی طرح گذشتہ میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی چند نشانیاں بیان ہوئیں۔ جو توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ اب آگے اسی سلسلہ میں ان آیات میں مزید قدرت کی چند نشانیاں بیان فرمائی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اوپر ستارے بنا کر انہیں چمکایا اور ان کے لئے جگہ اور مقام مقرر کئے اسی نظام کی بدولت تم خشکی اور سمندر میں راستہ ڈھونڈ لیتے ہو۔ رات کی تاریکی میں جبکہ آدمی جنگل بیابان میں ہو یا دریا یا سمندر میں کشتی یا جہاز میں ہو تو مشرق مغرب شمال جنوب کا تعین ستاروں کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تدبیروں میں سے ایک ہے کہ اس نے بحری اور بری سفروں میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے وہ ذرائع پیدا کردیئے جن سے وہ اپنی سمت سفر اور منزل مقصود کی طرف اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ دن کے وقت زمین کی مختلف علامتیں اور آفتاب کے طلوع غروب کی سمتیں اس کی مدد کرتی ہیں اور رات کی اندھیری میں ستارے اس

کی رہنمائی کرتے ہیں پھر ایک اور انتظام انسانوں کے لئے زمین پر قدرت نے یہ کیا کہ ضرورت کے وقت باران رحمت کا بندوبست کر دیا۔ بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی آمد کی بشارت دیتی ہیں اور لوگ ان ہواؤں کے چلنے سے خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش آئے گی۔ خشکی و گرمی دفع ہوگی۔ کیا یہ انتظام سوائے ایک واحد ذوالجلال کے کوئی اور کرسکتا ہے۔ یقیناً خدا کے سوا ان کاموں کا کرنے والا کوئی اور نہیں تو پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود ماننے کے کیا معنی۔ اللہ ہر اس چیز سے جسے تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو بلند و برتر ہے۔ کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق جسے اس کی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔ اب آگے ایک دلیل اللہ کی وحدانیت اور قدرت کی اور دی جا رہی ہے اور مشرکوں سے پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ یہ مخلوق کس نے پیدا کی؟ یہ حقیقت ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب آج تک کسی مشرک یا دہریئے سے بن نہ آیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کائنات آپ ہی آپ بن گئی۔ کسی نے کہا بے جان مادے کا ٹھیک تناسب کے ساتھ اتفاقاً جمع ہو جانا زندگی کا آپ ہی آپ وجود میں آ جانے کا سبب بنا۔ قرآن کریم نے انسان کو بتایا کہ اللہ عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ سے مادہ کو ظاہر کیا اور پھر اس سے تمام مخلوقات بنائی۔ ایک سیدھے سادے بدوی عرب کا مقولہ مشہور ہے کہ جب مینگنیاں دیکھ کر اونٹ کو ماننا پڑتا ہے تو زمین و آسمان کو دیکھ کر اس کا بھی خواہ مخواہ کوئی بنانے والا ماننا پڑے گا۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جس نے پہلے بنایا مرنے کے بعد بھی دوبارہ وہی بنائے گا۔ پھر یہی نہیں کہ مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے صرف پیدا کیا بلکہ آسمان اور زمین سے اس کی پرورش اور قیام کا سامان بھی مہیا کیا۔ چنانچہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ رب اور رازق بھی ہے۔ پھر رزق دینے کا معاملہ بھی اتنا سادہ نہیں جتنا سرسری طور پر کوئی شخص خیال کرتا ہے۔ اس زمین پر لاکھوں قسمیں حیوانات کی اور لاکھوں ہی نباتات کی پائی جاتی ہیں۔ پھر ہر قسم میں لاکھوں کروڑوں اور اربوں کی تعداد موجود ہیں اور ہر ایک کی غذائی ضروریات الگ الگ ہیں۔ خالق نے اپنی شان رزاقی سے ہر ایک کی غذا کا سامان اس طرح فراہم فرمایا ہے کہ کوئی نوع اس دنیا میں غذا پانے سے محروم نہیں۔ پھر اس رزق کے انتظام میں زمین و آسمان کی اتنی مختلف قوتیں مل جل کر کام کرتی ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ گرمی، روشنی، ہوا پانی اور زمین کے مختلف قسم کے مادوں کے درمیان اگر ٹھیک تناسب کے ساتھ تعاون نہ ہو تو غذا کا ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں آ سکتا۔ تو کون احمق یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ حکیمانہ انتظام ایک زبردست حکیم علیم اور خبیر کے ارادے اور مشیت اور حکم کے بغیر یونہی اتفاقاً ہو سکتا ہے اور یا خدا کے انتظام میں کسی اور کا بھی کوئی دخل ہو سکتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ایسے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں وہاں تو بس محض اندھی تقلید ہے اور حق سے عناد۔

اب یہاں تک تو توحید کے متعلق مضمون تھا اور اللہ تعالیٰ کے اِلٰہ واحد یعنی اکیلے خدا اور اکیلے مستحق عبادت ہونے پر استدلال کیا گیا تھا۔ اب آگے قیامت و آخرت کے متعلق ذکر فرمایا جاتا ہے جس کی کفار تکذیب کرتے تھے اور اسکی ایک وجہ یہ قرار دیتے تھے کہ قیامت کا وقت پوچھنے پر بھی نہیں بتلایا جاتا۔ اگلی آیات میں اس کے متعلق ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾

آپ کہد یجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے، اور ان کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست ہوگیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔

قُلْ فرمادیں	لَا يَعْلَمُ نہیں جانتا	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْأَرْضِ اور زمین	الْغَيْبَ غیب	إِلَّا اللّٰهُ سوائے اللہ کے
وَمَا يَشْعُرُونَ اور وہ نہیں جانتے	أَيَّانَ کب	يُبْعَثُونَ وہ اٹھائے جائیں گے	بَلِ ادّٰرَكَ بلکہ تھک کر رہ گیا	عِلْمُهُمْ ان کا علم		
فِي الْآخِرَةِ آخرت (کے بارے) میں	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	فِي شَكٍّ شک میں	مِنْهَا اس سے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	مِنْهَا اس سے	عَمُونَ اندھے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں شروع پارہ سے حق تعالیٰ کی قدرت تامہ۔ رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان ہوا تھا کہ جب وہ ان صفات وکمالات میں واحد ویکتا ہے تو الوہیت اور معبودیت میں بھی واحد ویکتا ہونا چاہئے۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کی الوہیت پر ایک دوسری حیثیت سے استدلال کیا جارہا ہے یعنی معبود ہونے کی مستحق وہی ذات ہوسکتی ہے جو قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل اور محیط بھی رکھتا ہے اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں اسی ایک ذات واحد کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کے لائق اسی کی ذات ہوئی۔ اس طرح اس آیت میں گویا مضمون سابق کی تکمیل فرمائی گئی۔ لیکن بعض مفسرین نے ان آیات کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ جس قیامت کے دن سے تم ہمیں ڈراتے ہو اور اس میں سخت عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو تو ہمیں یہ تو بتاؤ کہ وہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال کا کہ قیامت کب آئے گی یہ جواب دیں کہ یہ تو غیب کی بات ہے اور غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس کے سوا زمین وآسمان میں یعنی فرشتے جن انسان وغیرہ کوئی بھی غیب دان نہیں اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اور کب دوبارہ سب زندہ کر کے کھڑے کئے جائیں گے۔ لیکن قیامت کا وقت نہ بتلانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ قیامت آوے ہی گی نہیں جیسا کہ یہ مشرکین اور کفار خیال کرتے ہیں۔ آگے عام مشرکین وکفار کے بارہ میں تین باتیں ارشاد ہوئیں۔ اول یہ کہ وہ سرے سے یہی نہیں جانتے کہ آخرت کبھی ہوگی بھی یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی بے خبری اس بنا پر نہیں ہے کہ انہیں اس کی اطلاع ہی نہیں دی گئی بلکہ اس بنا پر ہے کہ جو خبر انہیں دی گئی ہے اس پر انہوں نے یقین نہیں کیا بلکہ اس کی صحت میں شک کرنے لگے۔ تیسرے یہ کہ انہوں نے کبھی غور وخوض کر کے ان دلائل کو سوچنے اور جانچنے کی زحمت نہیں اٹھائی جو آخرت کے وقوع کے بارہ میں پیش کئے گئے بلکہ اس کی طرف سے اندھے بن کر رہنے ہی کو ترجیح دی۔

یہاں اس آیت میں یہ جملہ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔ یہ آیت منجملہ اور بہت سی آیات قرآنیہ کے اس پر نص صریح ہے کہ کلی علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اور اس میں کوئی فرشتہ یا نبی یا ولی یا جن اس کا شریک نہیں اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں

36 میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے اور کسی جزئیہ کا علم جسے چاہے عطا فرمادے اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کردے لیکن علم غیب بحیثیت مجموعی اور کلی کسی اور کو نصیب نہیں۔ اس لئے عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہے۔

ایسی متعدد قرآنی تصریحات کے علاوہ احادیث بھی اس کی تائید و تشریح میں موجود ہیں۔ صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا گیا ہے آپ فرماتی ہیں ''جس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے **قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے بخاری اور مسلم کی مشہور روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوالات کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی جس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے پوچھا جارہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا پھر فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور پھر آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی **ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت۔ ان اللہ علیم خبیر** یعنی اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا پرورش پارہا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا۔ اور کسی شخص کو خبر نہیں کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی۔ بلاشبہ اللہ ہی علیم وخبیر ہے۔

غیب جس کے لفظی معنی مخفی۔ پوشیدہ اور مستور کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو معلوم نہ ہو اور جس تک ذرائع معلومات کی رسائی نہ ہو۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فرداً فرداً بعض انسانوں کے علم میں ہیں اور بعض کے علم میں نہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی کے علم میں نہ کبھی تھیں۔ نہ آج ہیں۔ نہ آئندہ کبھی آئیں گی۔ ایسا ہی معاملہ جنات۔ فرشتوں اور دوسری مخلوقات کا ہے کہ بعض چیزیں ان میں سے کسی سے مخفی اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔ لیکن تمام اقسام کے غیب صرف ایک ذات پر روشن ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے۔

الغرض قرآن اور حدیث کی صاف اور واضح تصریحات کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھا جائے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع ما کان مایکون کا علم رکھتا ہے اسلامی اور قرآنی عقیدہ کے بالکل خلاف ہے۔

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ قیامت کا وقت علم غیب میں سے ہے جس کی اطلاع اور علم صرف حق تعالیٰ کو ہے۔ اب کفار جو اس سے یہ استدلال کرتے کہ قیامت و آخرت کوئی چیز ہی نہیں تو اس کا جواب آگے دیا گیا کہ انبیاء و مرسلین کا کہنا حق ہے اور ان کی تکذیب اور ان کی باتوں کو نہ ماننا موجب تباہی ہے جیسا کہ گذشتہ منکرین کے ساتھ ہو چکا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! آخرت و قیامت کی طرف سے یہ غفلت کے پردہ جو اب دلوں پر پڑ گئے ہیں آپ ہی ان کو دور فرمادیں۔ اور ہمیں عقل سلیم اور فکر صحیح نصیب فرمادیں تا کہ ہم آخرت کی طرف سے بیدار ہوجائیں اور شب و روز وہاں کی تیاری میں لگ جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ

اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مرکر) خاک ہوگئے اور (اسی طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر) ہم (زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جاویں گے اس کا تو ہم سے

وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

اور ہمارے بڑوں سے پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا۔اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہوں۔اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب وقہر کا) کب پورا ہوگا

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ

اگر تم سچے ہو۔آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اُس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آلگا ہو۔

بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور (اب تک جو دیر ہورہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے، ولیکن ان میں اکثر آدمی

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾

شکر نہیں کرتے۔اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ اُن کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی مخفی چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	ءَاِذَا کیا جب	كُنَّا ہم ہو جائیں گے	تُرٰبًا مٹی	وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا	اَئِنَّا کیا ہم			
لَمُخْرَجُوْنَ نکالے جائیں گے البتہ	لَقَدْ وُعِدْنَا تحقیق وعدہ کیا گیا ہم سے	هٰذَا یہ۔یہی	نَحْنُ ہم	وَاٰبَآؤُنَا اور ہمارے باپ دادا					
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنْ نہیں	هٰذَا یہ	اِلَّا مگر۔صرف	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ اگلے	قُلْ فرمادیں	سِيْرُوْا چلو پھرو تم		
فِى الْاَرْضِ زمین میں	فَانْظُرُوْا پھر دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُجْرِمِيْنَ مجرم	وَ اور	لَا تَحْزَنْ تم غم نہ کھاؤ	عَلَيْهِمْ ان پر	
وَلَا تَكُنْ اور آپ نہ ہوں	فِىْ ضَيْقٍ تنگی میں	مِمَّا اس سے جو	يَمْكُرُوْنَ وہ مکر کرتے ہیں	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا یہ			
الْوَعْدُ وعدہ	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلْ فرمادیں	عَسٰى شاید	اَنْ کہ	يَكُوْنَ ہوگیا ہو	رَدِفَ قریب	لَكُمْ تمہارے لئے
بَعْضُ کچھ	الَّذِىْ وہ جو۔وہ جس	تَسْتَعْجِلُوْنَ تم جلدی کرتے ہو	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	لَذُوْ فَضْلٍ البتہ فضل والا				
عَلَى النَّاسِ لوگوں پر	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان کے اکثر	لَا يَشْكُرُوْنَ شکر نہیں کرتے	وَاِنَّ اور بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب				

لَيَعْلَمُ خوب جانتا ہے	مَا تُكِنُّ جو چھپی ہوئی ہے	صُدُورُهُمْ ان کے دل	وَمَا اور جو	يُعْلِنُونَ وہ ظاہر کرتے ہیں

وَمَا اور نہیں	مِنْ کچھ	غَآئِبَةٍ غائب	فِي السَّمَآءِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین	اِلَّا مگر	فِيْ میں	كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کتاب روشن	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ مخلوق میں سے کسی کو قیامت کے وقوع اور تعین کا علم نہیں کہ کب آئے گی۔ اس کی خبر فقط اللہ عزوجل کو ہے۔ تو کفار اور مشرکین قیامت کا وقت نہ بتلانے سے یہ استدلال کرتے کہ قیامت وآخرت کوئی چیز ہی نہیں چنانچہ ان آیات میں پہلے کفار کا قول نقل کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار بطور تعجب اور انکار کے کہتے ہیں کہ ہم کیسے مان لیں کہ جب مرنے کے بعد خاک میں مل گئے اور مٹی ہوگئے تو ہم اور ہمارے باپ دادا جن کو مٹی میں ملے ہوئے مدت گزری۔ پھر مٹی سے نکل کر دوبارہ زندہ کیسے ہوجائیں گے یہ نری باتیں ہی ہیں اور پرانی داستان ہے۔ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی اسی طرح سنتے چلے گئے۔ ہزار ہا برس گزر گئے ہم نے تو کسی انسان کو مٹی سے دوبارہ پیدا ہوتے نہ سنا نہ دیکھا۔ بس جو پہلے کہہ گئے تھے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں۔ کفار کے اس باطل قول کے جواب میں حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ آپ ان کفار سے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ دنیا میں چل پھر کر مجرموں کے انجام بد کو دیکھو یعنی دنیا میں اللہ اور اس کے پیغمبروں کا کہنا نہ ماننے والوں کا وہی انجام بد ہوا اور ویسے ہی تباہ ہوئے جیسا کہ پیغمبروں نے انہیں ڈرایا تھا اس سے صاف ثابت ہوا کہ انبیاء ومرسلین کا کہنا حق تھا اور ان کی تکذیب وانکار موجب تباہی ہوا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب آخرت کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً سچ ہیں اور پوری ہوکر رہیں گی۔ یہ کارخانہ دنیا یوں ہی بے سرا تو نہیں کہ اس پر کوئی حاکم نہ ہو اور وہ اپنی رعایا کو یونہی مہمل چھوڑ دے اگر تمہاری یہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی وہی ہوسکتا ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ اگر یہ کفار اس پر بھی نہ

مانیں اور اپنی حماقت اور جہل وعناد پر اصرار کرکے عذاب الٰہی کے مستحق بننا ہی چاہتے ہیں تو آپ نے تو سمجھانے کا حق ادا کردیا اب ان کو اس تکذیب کے انجام پر مطلع کرکے الگ ہوجایئے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم اور تاسف نہ کریں اور نہ ان کے مکروفریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل ہوں۔ یہ جو کچھ چالیں چل رہے ہیں ان پر آپ کو کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی پشت پر خدا کی حمایت اور طاقت ہے۔ یہ آپ کی بات نہ مانیں گے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں ان کو بھی دے گا۔ چنانچہ ۱۳ برس تک قرآن پاک کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سمجھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے وقت تک ان میں سے صرف ایک سو کے اندر ہی اندر ایمان لائے باقی اہل مکہ آپ کی ایذا رسانی ہی کی تدبیروں میں لگے رہتے تھے۔ موسم حج میں باہر کے لوگوں کو آپ تبلیغ فرماتے تو یہ اہل مکہ ان کو بہکاتے۔ غرض کہ ہجرت تک کفار مکہ کا یہی حال رہا اور اہل اسلام کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اور کسر انہوں نے اٹھا نہ رکھی۔ عین ہجرت کے وقت بھی کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا مشورہ کیا۔ بعضوں نے کہا کہ آپ کو قید کرنا چاہئے۔ بعضوں نے کہا کہ جان سے ہلاک کرنا چاہئے بعضوں نے کہا کہ مکہ سے نکال دینا چاہئے۔ چنانچہ ابوجہل کے اس منصوبہ پر سب کا اتفاق ٹھہرا کہ مکہ میں جتنے قبیلہ اور جتھے ہیں ان سب میں کا ایک ایک آدمی تلوار لے کر مستعد ہو اور یکدم سب مل کر آپ پر حملہ کردیں اور یہ تجویز اس لئے ٹھہرائی تھی کہ پھر سارے مکہ کے قبیلوں سے آپ کے ساتھیوں کو بدلہ لینے کا قابو بھی نہ رہے۔ کفار کے اس مشورہ

اور سازش کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اور عزت وحرمت سے اپنے رسول کو مدینہ پہنچا دیا اور اللہ کی قدرت اور تدبیر کے آگے کفار کا کوئی داؤ و فریب آپ پر نہ چل سکا لیکن ان لوگوں کی ایذا رسانی اور راہ راست پر نہ آنے کا حال دیکھ کر جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو ہمیشہ ایک طرح کا غم اور رنج رہتا اور وہ بھی اس درجہ کا رنج وغم کہ حق تعالیٰ کی طرف سے متعدد بار مکی سورتوں میں آپ کی تسلی فرمائی گئی چنانچہ ان آیات میں بھی آپ کی تسلی فرمائی گئی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگدل نہ ہو جایئے۔

الغرض کفار مکہ کا ایک قول تو یہ تھا کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے تو پھر ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر مٹی سے نکالے جاویں گے۔ اس طرح موت کے بعد کی زندگی اور آخرت کا وہ انکار کرتے تھے جب کہ تمام پیغمبر یہی بتلاتے اور کہتے رہے کہ قیامت آنی ضرور ہے جب کہ حشر نشر ہوگا اور جزا سزا ملے گی۔ آگے کفار کا ایک دوسرا قول نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں بھی کہتے کہ یہ وعدۂ عذاب آخرت جس کی تم دھمکیاں دیا کرتے ہو آخر کب پورا ہوگا؟ چونکہ کفار کو روز قیامت اور جزا وسزا کا تو یقین تھا نہیں اس لئے وہ بطور طنز یا بصورت استہزا بے باکانہ کہتے کہ یہ وعدۂ عذاب آخرت جس سے ڈرایا جاتا ہے کب پورا ہوگا۔ تم کہتے ہو کہ یہ عذاب قیامت میں ہوگا۔ تو ہزاروں برس ہو گئے قیامت تو اب تک آئی نہیں پھر کب آئے گی۔ گویا وہ فوری طور پر نزول عذاب کے خواستگار تھے۔ کفار کے اس قول کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان کفار سے جواب میں یوں کہہ دیجئے کہ گھبراؤ نہیں وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آ لگا ہو چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد جنگ بدر میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی۔ رہی قیامت کبریٰ سو اس کے بھی بعض آثار وعلامات ظاہر ہو گئے۔ پھر حق تعالیٰ اگر اپنے فضل سے عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن یہ کفار اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ تاخیر عذاب چونکہ بمصلحت ہے اس لئے اس تاخیر سے یوں نہ سمجھیں کہ ان کے افعال کی کبھی سزا ہی نہ ہوگی۔ ان کے ظاہری اور پوشیدہ اعمال۔ دلوں کے بھید۔ نیتیں۔ ارادے اور زمین آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ جلد یا بدیر اپنے وقت پر آوے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل۔ نیت اور عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اب چونکہ قیامت وآخرت اور جزا وسزا کی خبر قرآن پاک نے دی ہے اس لئے آگے قرآن پاک کا مخبر صادق ہونا ظاہر ہونا فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت وآخرت۔ حشر ونشر۔ جزا وسزا کا ایسا یقین کامل نصیب فرمائیں کہ ہم اس دنیا میں ہمہ وقت آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں۔ یا اللہ آپ نے جیسے کفار مکہ کے زور کو توڑا ایسے ہی کفار عالم کی قوت کو توڑ دے اور ایمان کی جیسے ابتدا میں مدد اور تائید فرمائی یا اللہ اب بھی اپنی قدرت سے اہل ایمان کی مدد فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ

اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) ہدایت اور (خاص) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا رب اُن کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا اور وہ

الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

زبردست اور علم والا ہے۔سو آپ اللہ پر توکل رکھئے، یقیناً آپ صریح حق پر ہیں۔آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ

اور نہ بہروں کو اپنی آواز سُنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھلانے والے ہیں،

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا

آپ تو صرف اُنہی کو سنا سکتے ہیں، جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے (بھی) ہیں۔اور جب وعدہ (قیامت کا) اُن پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے

لَهُمْ دَاۗبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

کہ وہ اُن سے باتیں کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	الْقُرْاٰنَ قرآن	يَقُصُّ بیان کرتا ہے	عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل پر	اَكْثَرَ اکثر	الَّذِيْ وہ جو	هُمْ وہ
فِيْهِ اس میں	يَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے ہیں	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَهُدًى البتہ ہدایت	وَّرَحْمَةٌ اور رحمت	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کیلئے		
اِنَّ بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	يَقْضِيْ فیصلہ کرتا ہے	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	بِحُكْمِهٖ اپنے حکم سے	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْعَلِيْمُ علم والا
فَتَوَكَّلْ پس بھروسہ کرو	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	اِنَّكَ بیشک تم	عَلَى پر	الْحَقِّ الْمُبِيْنِ واضح حق	اِنَّكَ بیشک تم	لَا تُسْمِعُ تم نہیں سنا سکتے	الْمَوْتٰى مُردوں کو
وَلَا تُسْمِعُ اور تم نہیں سنا سکتے	الصُّمَّ بہروں کو	الدُّعَاۗءَ پکار	اِذَا وَلَّوْا جب وہ مڑ جائیں	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ پھیر کر	وَ اور	مَآ اَنْتَ تم نہیں	
بِهٰدِي ہدایت دینے والے	الْعُمْيِ اندھوں کو	عَنْ سے	ضَلٰلَتِهِمْ ان کی گمراہی	اِنْ نہیں	تُسْمِعُ تم سناتے	اِلَّا مگر۔صرف	
مَنْ جو	يُّؤْمِنُ ایمان لاتا ہے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں پر	فَهُمْ پس وہ	مُّسْلِمُوْنَ فرمانبردار	وَاِذَا اور جب	وَقَعَ الْقَوْلُ واقع (پورا) ہوجائیگا وعدہ	
عَلَيْهِمْ ان پر	اَخْرَجْنَا ہم نکالیں گے	لَهُمْ ان کیلئے	دَاۗبَّةً ایک جانور	مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے	تُكَلِّمُهُمْ وہ ان سے باتیں کریگا		
	اَنَّ النَّاسَ کیونکہ لوگ	كَانُوْا تھے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات پر	لَا يُوْقِنُوْنَ یقین نہ کرتے			

تفسیر وتشریح: ظہور اسلام کے وقت عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ایک گروہ وہ تھا جس کے پاس کوئی مذہبی اور علمی ذخیرہ نہ تھا۔ نہ ان کو کسی آسمانی یا الہامی کتاب کے حامل ہونے کا دعویٰ تھا۔ یہ گروہ عموماً بت پرست مشرکین کا تھا جن کے پاس نہ کوئی مذہبی کتاب

تھی نہ آسمانی اورالہامی ذخیرہ تھا۔بس اسلاف کارسم ورواج ہی ان کا دستورزندگی تھا۔نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی گروہ میں سے ہوئی۔دوسرا گروہ علم کا مدعی اور مذہبی کتابوں کا حامل تھا۔اس گروہ کوعلوم کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔یہی اہل کتاب کا گروہ کہلاتا تھا جس میں کچھ لوگ عیسائی تھے اور کچھ یہودی۔ لیکن کثرت انقلابات اور زمانہ کی درازی نے اہل کتاب میں بھی باہم اختلاف پیدا کردیئے تھے۔ان کی مذہبی کتابیں بھی کچھ سے کچھ بن گئی تھیں۔ الہامی تصریحات اور آسمانی منصوصات میں ردوبدل ہوگیا تھا کتب الٰہیہ کے الفاظ اور معانی کو بگاڑلیا گیا جس کی وجہ سے اصل مطلب فوت ہوگیا۔ان کے علماءاوردینی پیشوامتفرق ہوگئے تھے اور ہر عالم نے اپنا ایک گروہ بنالیا تھا اور ہر گروہ اپنی ہی حقانیت کا دعویدار تھا۔ایسی حالت میں قران پاک نازل ہوا اور عقائد۔احکام اور قصص وروایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ قرآن پاک نے سنایا۔اہل کتاب نے اللہ کی ذات وصفات کے متعلق بہت غلط عقائد قائم کرلئے تھے جن کی اصلاح قرآن پاک نے کی۔ ملائکہ اورانبیاء کے متعلق زنا کاری بت پرستی شراب خواری اور قتل وغارت وغیرہ کی سینکڑوں تہمتیں اسرائیلی کتب میں مذکور ہیں۔ قرآن پاک نے انبیاء اور ملائکہ کو معصوم قرار دیا۔یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ کوئی یہودی جہنم میں نہیں جائے گا ہم اللہ کے پیارے ہیں ہم کوخدا عذاب نہ دے گا۔کوئی جماعت قائل تھی کہ عذاب تو ہم پر ہوگا مگر صرف گنتی کے چند دن جتنی مدت کہ ہم نے گوسالہ کی پرستش کی تھی۔قرآن کریم نے اس کا فیصلہ ایسے غیر مبہم الفاظ میں کردیا جس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔قرآن کریم نے صاف طور پر کہہ دیا کہ جومومن نیکوکار ہوگا وہ عذاب سے محفوظ ہوگا اور جو مشرک بدکار ہوگا جہنم میں جائے گا۔باہم عیسائی فرقوں میں سخت اختلافات تھے کوئی مسیح کو خدا کا بیٹا اور حضرت مریم کو خدا کی بیوی کہتا تھا۔کوئی مسیح کو خدائی کا جزو قرار دیتا تھا کوئی اقانیم ثلثہ یعنی باپ بیٹا اور روح القدس کی ربوبیت کا قائل تھا۔قران پاک نے اس کا فیصلہ کردیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوعبداللہ۔کلمۃ اللہ قرار دیا اور خدا کووحدہ لاشریک لہ بتایا۔تو فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری فیصلہ کن پیغام پہنچایا اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تاکہ لوگ اس دن کے لئے تیاری کررکھیں جبکہ ہر معاملہ کا عملی اور آخری فیصلہ ہوگا۔قرآن کریم میں انسان کو برائی اور بھلائی سے پوری طرح آگاہ کردیا گیا ہے باقی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو رہا تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ تو یہ خدائے قادر وتوانا کرے گا جس میں قوت بھی پوری ہے اور جس کا علم بھی بھرپور ہے۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ کسی کے اختلاف اور تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔خدا پر بھروسہ کرکے اپنا کام کئے جائیں۔جس صحیح اور صاف اور صریح حق راستہ پر آپ چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں۔اس لئے آپ کو کاہے کا غم۔یہ لوگ جو آپ کی بات نہیں سنتے اور مانتے تو یہ مردہ دل اور اندھے اور بہرے ہیں اور وہ اس حالت سے نکلنا بھی نہیں چاہتے تو پھر ان سے توقع ہدایت اور فہم کی بیکار ہے۔یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جارہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو اس کے حق میں سودمند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مرچکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہوگئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے۔ ایک نپٹ اندھے کو آپ کس طرح کوئی راستہ یا چیز دکھلا سکتے ہیں۔یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں تو آپ کے کہنے سننے سے وہ اثر کیسے قبول کریں۔آپ کا نصیحت سنانا تو ان کے حق میں نافع ہے جوسن کر اثر قبول کریں اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کرکے فرمانبردار بنیں۔اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ ابھی تو یہ منکرین قیامت کو نہیں مانتے لیکن جب وعدہ قیامت کا ان لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا یعنی جب وقوع قیامت کا زمانہ قریب

آ پہنچے گا تو اس وقت ایک جانور زمین سے نکلے گا اور وہ لوگوں سے باتیں کرے گا کہ منکرین قیامت خدا کی باتوں کا یقین نہ کرتے تھے اب قیامت قریب آ پہنچی ہے۔ تو اس جانور جس کا نام دابۃ الارض ہوگا اس کے ذریعہ سے کفار کو یہ دکھلایا جائے گا کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی سن کر ماننی پڑ رہی ہے مگر اس وقت کا ماننا مفید اور نافع نہیں۔ ماننے کا جو وقت تھا وہ گزر چکا ہوگا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جانور دابۃ الارض کا ظہور بالکل اخیر وقت میں سورج کے مغرب سے نکلنے کے بعد ہوگا۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ مسافر تنگدل۔ بچے خواب سے بیدار اور مویشی چراگاہ کے لئے بے قرار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ لوگ ہیبت اور بے چینی کی وجہ سے نالہ وزاری شروع کر کے توبہ توبہ پکاریں گے آخر تین چار رات کی مقدار کے برابر دراز ہونے کے بعد حالت اضطرابی میں آفتاب مانند چاند گرہن کے ایک قلیل روشنی کے ساتھ مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس وقت تمام لوگ خدائے قدوس کی وحدانیت کا اعتراف واقرار کرلیں گے مگر اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کسی کافر کا ایمان قبول نہ ہوگا اس کے بعد سورج اپنی معمولی روشنی کے ساتھ مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا۔ دوسرے روز لوگ اسی تذکرہ و چرچا میں ہوں گے کہ کوہ صفا جو خانۂ کعبہ کے مشرقی جانب واقع ہے زلزلہ سے پھٹ جائے گا جس میں سے ایک نادر شکل کا جانور برآمد ہوگا۔ بلحاظ شکل یہ حسب ذیل سات جانوروں سے مشابہت رکھتا ہوگا۔

(١) چہرے میں آدمی سے۔ (٢) پاؤں میں اونٹ سے (٣) گردن میں گھوڑے سے (٤) دم میں بیل سے (۵) سرین میں ہرن سے () سینگوں میں بارہ سنگھے سے (٧) ہاتھوں میں بندر سے اور نہایت فصیح اللسان ہوگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی اور تمام شہروں میں ایسی سرعت اور تیزی کے ساتھ دورا کرے گا کہ کوئی فرد وبشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے چھٹکارا نہ پا سکے گا۔ ہر شخص پر نشان لگاتا جائے گا۔ اگر وہ صاحب ایمان ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے اس کی پیشانی پر ایک نورانی خط کھینچ دے گا جس کی وجہ سے اس کا تمام چہرہ منور ہو جائے گا۔ اگر صاحب ایمان نہ ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے اس کی ناک یا گردن پر سیاہ مہر لگائے گا جس کے سبب سے اس کا تمام چہرہ مکدر اور بے رونق ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر ایک دسترخوان پر چند آدمی جمع ہو جائیں گے تو ہر ایک کے کفر و ایمان میں بخوبی امتیاز ہو سکے گا اس جانور کا نام دابۃ الارض ہے جو اس کام سے فارغ ہو کر غائب ہو جائے گا۔ آفتاب کے مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض کے ظہور سے نفخ صور تک ١٢٠ سال کا عرصہ ہوگا۔ دابۃ الارض کے غائب ہو جانے کے بعد جنوب کی طرف سے ایک نہایت فرحت افزا ہوا چلے گی جس کے سبب سے ہر صاحب ایمان کی بغل میں ایک درد پیدا ہوگا جس کے باعث اہل ایمان بالترتیب پہلے افضل۔ پھر فاضل۔ پھر ناقص پھر فاسق مرنے شروع ہو جائیں گے۔ جب تمام اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے اور صرف کافر اس دنیا میں رہ جائیں گے اور کوئی لفظ اللہ تک کہنے والا نہ رہے گا تو کافروں پر قیامت قائم کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے قیامت کے حال مفصلاً قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرج کئے ہیں۔

الغرض وہ عجیب جانور دابۃ الارض جب ظاہر ہوگا تو بالاضطرار کفار ومنکرین قیامت بھی اس کی تصدیق کریں گے مگر چونکہ یہ مغرب سے سورج نکلنے کے بعد ہوگا اس لئے وہ تصدیق مقبول نہ ہوگی۔ اس کے بعد پھر قیامت ہی آ جاوے گی اور پھر آگے قیامت کے بعض واقعات واحوال۔ ظاہر کئے جاتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيٰتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰى إِذَا جَاءُوْ

اور جس دن ہم ہر اُمّت میں سے ایک ایک گروہ اُن لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر اُن کو روکا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب (موقف میں) حاضر ہو جائیں گے

قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيٰتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم اُن کو اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لائے بلکہ اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے۔ اور اُن پر وعدہ (عذاب کا)

عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ

پورا ہو گیا بوجہ اِس کے کہ (دنیا میں) اُنہوں نے زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا اُنہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تا کہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن

مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾

بنایا جس میں دیکھیں، بلاشبہ اس میں بڑی بڑی دلیلیں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

وَيَوْمَ اور جس دن	نَحْشُرُ ہم جمع کریں گے	مِنْ سے	كُلِّ أُمَّةٍ ہر امت	فَوْجًا ایک گروہ	مِّمَّنْ سے + جو	يُكَذِّبُ جھٹلاتے تھے	بِآيٰتِنَا ہماری آیتوں	
فَهُمْ پھر وہ	يُوزَعُونَ انکی جماعت بندی کی جائے گی	حَتّٰى یہانتک	إِذَا جَاءُوْ جب وہ آجائیں گے	قَالَ فرمائے گا	أَكَذَّبْتُمْ کیا تم نے جھٹلایا			
بِآيٰتِي میری آیات کو	وَلَمْ تُحِيطُوا حالانکہ احاطہ میں نہیں لائے تھے	بِهَا ان کو	عِلْمًا علم کے	أَمَّاذَا یا۔کیا	كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ تم کرتے تھے			
وَوَقَعَ اور واقع (پورا) ہوگیا	الْقَوْلُ وعدہ (عذاب)	عَلَيْهِمْ اُن پر	بِمَا ظَلَمُوا اس لئے کہ انہوں نے ظلم کیا	فَهُمْ پس وہ	لَا يَنْطِقُونَ نہ بول سکیں گے وہ			
أَلَمْ يَرَوْا کیا وہ نہیں دیکھتے	أَنَّا کہ ہم	جَعَلْنَا ہم نے بنایا	الَّيْلَ رات	لِيَسْكُنُوا کہ آرام حاصل کریں	فِيهِ اس میں	وَالنَّهَارَ اور دن		
	مُبْصِرًا دیکھنے کو	إِنَّ بیشک	فِي ذٰلِكَ اس میں	لَآيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُونَ ایمان رکھتے ہیں		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ منکرین ابھی تو قیامت کے وقوع کا انکار کر رہے ہیں اور سینکڑوں دلیلیں سننے کے بعد بھی ایک بات ان کے دل میں نہیں بیٹھتی لیکن ایک وقت وہ آئے گا جبکہ قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک غیبی نشان دابۃ الارض اسی زمین سے برآمد کرے گا جو جانور ہونے کے باوجود انسانوں کی طرح کلام کرے گا اور کفر و ایمان کا قطعی فیصلہ کر دے گا اس وقت نیک و بد اور مومن و کافر بالکل ممتاز ہو جائیں گے۔ دل کی بات پیشانی پر نمودار ہو جائے گی اور حق و باطل کے امتیاز کا یہ آخری درجہ ہوگا اس وقت یہ منکرین بھی نمایاں طور پر حق و باطل میں فرق دیکھیں گے لیکن اس وقت سمجھنا۔ دیکھنا اور سننا بے سود ہوگا اس کے بعد اس دنیا کی بساط الٹ جائے گی اور یہ فنا ہو جائے گی۔ غرض قیامت سے پہلے ایسی غیر معمولی باتیں ہوں گی جن سے کہ انبیاء کی بتلائی ہوئی باتوں میں شبہ نہ رہے گا اب آگے ان آیات میں قیامت کے بعض واقعات و حالات بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن فنا ہو جانے کے بعد پھر سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور تمام امتوں میں سے ایسے لوگوں کا گروہ چھانٹ کر جمع کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کیا کرتے تھے پھر ان کو حساب کے لئے روانہ کیا جائے گا اور چونکہ ایسے گروہوں کی کثرت ہوگی اس لئے اگلوں کو روکا جائے گا تا کہ پچھلے بھی سب آکر مل جائیں۔ جب سب منکرین و مکذبین اکٹھے جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائیں گے کہ تم

نے میری آیتوں۔ رسولوں اور نشانیوں کو بے سمجھے بوجھے جھوٹا کہہ دیا۔ ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی گئیں لیکن تم نے اس کان سنا اس کان اڑا دیا کبھی سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا وقت ہی نہ ملا کہ ان میں کیا کہا جا رہا ہے اور ان کا کیا مطلب ہے۔ بتاؤ تم اور کن کاموں میں پھنسے ہوئے تھے جو ہمارے ارشادات پر غور کرنے کا وقت ہی نہ نکال سکے اور پھر یاد تو کرو کہ صرف تکذیب ہی پر اکتفا نہیں کیا اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے مثلاً انبیاء اور اہل ایمان کو آزار دیا جو تکذیب سے بھی بڑھ کر ہے اور اسی طرح اور عقائد و اعمال کفریہ وفسقیہ میں مبتلا رہے۔ اب چونکہ ان کی شرارت اور جرائم کا یقینی ثبوت ہو چکا ہوگا اور خدا کی حجت تمام پوری ہو چکی ہوگی۔ اب ان منکرین سے کچھ بولتے نہ بن پڑے گی۔ آگے منکرین کے تنبیہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں دکھلائے پر انہوں نے ذرا بھی غور نہ کیا۔ اور کچھ نہ سہی اگر یہ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل پر غور کر لیتے تو اللہ کی توحید۔ پیغمبروں کی ضرورت وصداقت اور مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونا سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط اور محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے اور جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اجالا کیا۔ کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے جہالت اور ضلالت کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا پھر رات کیا ہے؟ نیند اور سونے کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں رات کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگے اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد مثل نیند سے جاگنے کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھا لے تو اس میں کیا ناممکنات ہے؟ پھر اس شب و روز کی تخلیق سے قیامت پر ہی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس دنیا کی کل زندگی درحقیقت ایک رات ہے جس میں تمام اعمال کے نتائج پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کسی کو اپنے کرتوت کی پاداش نہیں دکھائی دیتی اور اسی بنا پر ایک قسم کا سکون حاصل ہے لیکن جس طرح ہر رات کی انتہا صبح پر ہوتی ہے اسی طرح یہ زندگی کی رات بھی ختم ہوگی اور صبح قیامت نکلے گی اس وقت آنکھیں کھلیں گی۔ تمام مخلوق بیدار ہوگی اور سب کیا کرایا سامنے آئے گا تو فطرت پکار پکار کر جگا رہی ہے مگر انسان ہے کہ غافل اور خواب سرمستی میں غرق۔ الغرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے اور صرف اسی ایک چیز کو دیکھ کر وہ جان سکتے تھے کہ اللہ نے اپنے رسول اور اپنی کتاب کے ذریعہ سے جو حقیقت بتائی ہے یہ رات دن کی گردش اس کی تصدیق کر رہی ہے اور یہ کوئی سمجھ میں نہ آ سکنے والی بات بھی نہیں تھی۔ آخر انہی کے بھائی بند انہی کے قبیلہ کنبے اور برادری کے لوگ انہی جیسے انسان وہ بھی تھے جو یہی نشانیاں دیکھ کر مان گئے تھے کہ اللہ عزوجل کی ہستی برحق ہے۔ اس کے رسولوں کا دنیا میں آنا برحق ہے۔ اس کی کتابیں برحق ہیں۔ تو ایمان والے سمجھتے ہیں کہ اس دن رات کے تغیر میں اللہ کی قدرت کی پوری نشانیاں موجود ہیں مگر منکرین نے ان نشانیوں سے نہ فائدہ اٹھایا اور نہ اللہ کو پہچانا۔

اب ثبوت قیامت کے اس ضمنی تذکرہ کے بعد آغاز قیامت کی کیفیت ظاہر فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت وآخرت کا یقین کامل عطا فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کا فکر نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کی باتوں کو سن کر ان سے اثر نہ لینا جو کفار کی خصلت ہے اس سے یا اللہ ہم کو کامل طور پر بچائیے گا اور شب وروز اپنی اطاعت گزاری میں لگے رہنے کی توفیق نصیب فرمائیے گا۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی سو جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

اور سب کے سب اُسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے۔ اور تو (جن) پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کو خیال کر رہا ہے کہ یہ (اپنی جگہ سے) جنبش نہ کریں گے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے، یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے۔ جو شخص نیکی لائے گا

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ

سو اس شخص کو اس (نیکی کے اجر) سے بہتر (اجر) ملے گا، اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اُس روز امن میں رہیں گے۔ اور جو شخص بدی (یعنی کفر و شرک) لاوے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے

فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

(اُن سے کہا جاوے گا کہ) تم کو تو ان ہی عملوں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يُنْفَخُ پھونک ماری جائے گی	فِي الصُّوْرِ صور میں	فَفَزِعَ تو گھبرا جائیگا	مَنْ جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	
وَمَنْ اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	اِلَّا سوا	مَنْ جسے	شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہے	وَكُلٌّ اور سب	اَتَوْهُ اس کے آگے آئیں گے
دٰخِرِيْنَ عاجز ہو کر	وَتَرَى اور تو دیکھتا ہے	الْجِبَالَ پہاڑ	تَحْسَبُهَا تو خیال کرتا ہے انہیں	جَامِدَةً جما ہوا	وَهِيَ اور وہ	تَمُرُّ چلیں گے
مَرَّ السَّحَابِ بادلوں کی طرح چلنا	صُنْعَ اللّٰهِ اللہ کی کاری گری	الَّذِيْ وہ جس نے	اَتْقَنَ خوبی سے بنایا	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	اِنَّهٗ بیشک وہ	
خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا اس سے جو	تَفْعَلُوْنَ تم کرتے ہو	مَنْ جَآءَ جو آیا	بِالْحَسَنَةِ کسی نیکی کے ساتھ	فَلَهٗ تو اس کیلئے	خَيْرٌ بہتر	مِنْهَا اس سے
وَهُمْ اور وہ	مِنْ فَزَعٍ گھبراہٹ سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	اٰمِنُوْنَ محفوظ ہوں گے	وَ اور	مَنْ جو	جَآءَ آیا	بِالسَّيِّئَةِ برائی کے ساتھ
فَكُبَّتْ اوندھے ڈالے جائیں گے	وُجُوْهُهُمْ ان کے منہ	فِي النَّارِ آگ میں	هَلْ کیا نہیں	تُجْزَوْنَ بدلہ دیئے جاؤ گے تم	اِلَّا مگر۔ صرف		
مَا جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے						

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا کہ ہر قوم کے اور ہر زمانے کے منکرین اور مکذبین کو چھانٹ چھانٹ کر میدان حشر میں جمع کیا جائے گا اور پھر سب کو اکٹھا کر کے عدالت خداوندی میں حاضر کیا جائے گا۔ جہاں ان سے باز پرس ہوگی مگر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور وہ کچھ نہ بول سکیں گے۔ دنیا میں جو ظلم اور زیادتی انہوں نے کی تھیں وہ ان کے ذمہ ثابت ہو جائیں گی اس وقت یہ ہکا بکا اور حیران رہ جائیں گے اور اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ اب آگے ان آیات میں کچھ قیامت کے حالات بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ جس روز صور پھونکا جائے گا تو جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں

ہوں گے یعنی فرشتے جنات انسان سب گھبرا جائیں گے اور پھر مرجائیں گے مگر جس کو خدا چاہے اس گھبراہٹ اور موت سے محفوظ رہے گا۔ احادیث میں ہے کہ صور پھونکنے والے فرشتہ اسرافیل علیہ السلام ہیں جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑے ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جاوے گا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک سینگ ہے بڑے دائرے والا آسمان اور زمین کے مطابق اس میں اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ صور یعنی نرسنگا جس کا کہ قائم مقام آج کل بگل ہے جو فوج وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے تو قدیم زمانہ میں لوگوں کو جمع کرنے یا کسی اہم بات کا اعلان کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی ایسی چیز پھونکی جاتی رہی ہے جو صور یعنی نرسنگھا یا بگل سے ملتی جلتی ہو۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہی چیز قیامت کے روز پھونکی جائے گی جس کی نوعیت ہمارے نرسنگے کی سی ہوگی۔ ایک دفعہ وہ پھونکی جائے گی تو سب پر موت طاری ہوجائے گی۔ دوسری دفعہ پھونکنے پر سب زندہ ہوکر اٹھ بیٹھیں گے اور زمین کے چپے چپے سے نکل کر میدان حشر کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کے نظم کو سمجھانے کے لئے وہ الفاظ اور اصطلاحیں استعمال فرماتے ہیں جو خود انسانی زندگی میں اس کے ملتے جلتے نظم کے لئے استعمال ہوتی ہیں اور مقصود ان الفاظ کے استعمال سے ہمارے تصور کو اصل چیز کے قریب تک لے جانا ہے نہ یہ کہ سلطنت الٰہی کے نظم کی مختلف چیزوں کو ہم بعینہٖ ان محدود معنوں میں لے لیں اور ان محدود صورتوں کی چیزیں سمجھ لیں جیسی کہ وہ ہماری زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے

کہ قیامت کے دن جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو سب مخلوقات زمین و آسمان میں گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا گھبراہٹ سے بچالے گا۔ مراد ان سے حسب حدیث حضرت جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل اور ملک الموت اور حاملان عرش ہیں پھر ان سب کی بھی وفات ہوجاوے گی۔ پھر دنیا میں جیسے عادت ہے کہ جس سے گھبراہٹ اور ڈر ہوتا ہے اس سے بھاگ جاتے ہیں لیکن وہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی بھاگ نہ سکے گا بلکہ سب کے سب اس کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس صور پھونکنے کا اثر یہ ہوگا کہ یہ پہاڑ جو اس وقت تمہیں مضبوطی سے ایک جگہ جمے ہوئے نظر آرہے ہیں اس دن بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ پہاڑ جیسی وزنی ثقیل اور بھاری چیز کا یہ حال کیسے ہوجائے گا کہ وہ روئی کے گالے کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے تو وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کا کام ہوگا۔ جس نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے وہی ان کو ایک دن ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا۔ غرض کہ اس عالم کو توڑ پھوڑ کر اس حالت پر پہنچا دیا جائے گا۔ جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاری گری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ پھر اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کو حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہیں تو ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے قیامت میں جزا و سزا کی کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ جو نیکیاں اور بھلائیاں یعنی ایمان اور عمل صالح لے کر آئے گا اسے اس کا بدلہ اس سے بھی بہتر ملے گا جس اجر کا وہ مستحق ہے اور نیک لوگ اس دن ایک بڑی گھبراہٹ سے امن

میں رہیں گے۔ یعنی قیامت اور حشر نشر کی وہ ہولناکیاں جو منکرین اور مکذبین کے حواس باختہ کئے دے رہی ہوں گی وہیں مومنین مطمئن ہوں گے اس لئے کہ وہ پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کی دی ہوئی خبروں کے مطابق اچھی طرح جانتے تھے کہ قیامت قائم ہونی ہے اور اس میں یہی سب کچھ ہونا ہے جس کی خبریں دنیا کی زندگی میں دی گئی تھیں اس لئے ان پر وہ بدحواسی اور گھبراہٹ طاری نہ ہوگی جو مرتے دم تک اس چیز کا انکار کرنے والوں اور اس سے غافل رہنے والوں پر طاری ہوگی۔ پھر ان کے اطمینان کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ انہوں نے اس زندگی کی فکر کی تھی اور وہاں کی کامیابیوں کے لئے دنیا سے سامان کر کے آئے تھے اس لئے ان پر وہ گھبراہٹ نہ ہوگی جو ان لوگوں پر طاری ہوگی جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ حیات بس دنیا ہی کی کامیابیوں کے لئے حاصل کرنے میں لگا دیا تھا اور کبھی نہ سوچا تھا کہ آخرت بھی کوئی چیز ہے جس کے لئے کچھ سامان کرنا ہے۔ ان مومنین کے برعکس منکرین و مکذبین جو کفر و شرک لے کر حاضر ہوں گے تو ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ان سے کہا جاوے گا کہ تم کو تو انہی عملوں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ کچھ بے وجہ تو عذاب نہیں ہو رہا جیسا کیا ویسا بھرو۔

اب شروع سورۃ سے یہاں تک جو مضامین توحید نبوت و آخرت بیان ہوئے آگے خاتمہ کی آیات میں سب کا خلاصہ ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قیامت کی ہولناکیوں سے ہم کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور اس دنیا میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہوں۔

یا اللہ ہم کو اس زندگی میں آخرت کا فکر نصیب فرما اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان پر توبہ کی توفیق عطا فرما کر ان کو معاف فرما دے تاکہ قیامت کے روز ہم کو اپنے گناہوں پر ندامت نہ اٹھانی پڑے۔

یا اللہ ہمارا حشر اپنے مومنین صالحین بندوں کے ساتھ فرما اور انہی کے ساتھ اپنی بہشت میں ہمارا داخلہ فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ

مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں، جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی (ملک ہیں)

أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ

اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں۔ اور یہ کہ میں قرآن کریم پڑھ پڑھ کر سناؤں، سو جو شخص راہ پر آوے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے راہ پر آوے گا،

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا

اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں۔ اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کیلئے ثابت ہیں وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلاوے گا

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

سو تم (وقوع کے وقت) اُن کو پہچانو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

إِنَّمَا اس کے سوا نہیں	أُمِرْتُ مجھے حکم دیا گیا	أَنْ کہ	أَعْبُدَ عبادت کروں	رَبَّ رب	هٰذِهِ اس	الْبَلْدَةِ شہر	الَّذِي وہ جسے
حَرَّمَهَا اس نے محترم بنایا ہے	وَلَهُ اور اسی کیلئے	كُلُّ شَيْءٍ ہر شے	وَأُمِرْتُ اور مجھے حکم دیا گیا	أَنْ کہ	أَكُونَ میں رہوں	مِنَ سے	
الْمُسْلِمِينَ جمع مسلم۔ مسلمان۔ فرمانبردار	وَأَنْ اور یہ کہ	أَتْلُوَ میں تلاوت کروں	الْقُرْآنَ قرآن	فَمَنِ پس جو	اهْتَدَىٰ ہدایت پائی		
فَإِنَّمَا تو اسکے سوانہیں	يَهْتَدِي وہ ہدایت پاتا ہے	لِنَفْسِهِ اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جو	ضَلَّ گمراہ ہوا	فَقُلْ تو فرمادیں	إِنَّمَا اس کے سوانہیں	
أَنَا میں	مِنَ الْمُنْذِرِينَ ڈرانے والوں میں سے (ڈرانے والا ہوں)	وَقُلِ اور فرمادیں	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلَّهِ اللہ کیلئے	سَيُرِيكُمْ وہ جلد دکھادیگا تمہیں		
آيَاتِهِ اپنی نشانیاں	فَتَعْرِفُونَهَا پس تم پہچان لوگے انہیں	وَمَا اور نہیں	رَبُّكَ تمہارا رب	بِغَافِلٍ غافل (بے خبر)	عَمَّا اس سے جو	تَعْمَلُونَ تم کرتے ہو	

تفسیر و تشریح:- یہ سورۂ نمل کی آخری آیات ہیں۔ شروع سورۃ سے جو تین مضامین خاص یعنی توحید و نبوت و آخرت مفصل یہاں تک بیان ہوئے اب خاتمہ سورۃ پر ان تینوں مضامین کا اجمال اور خلاصہ بیان کر کے سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ یہ سورۃ چونکہ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ ایمان اور اسلام کی دعوت زیادہ تر مکہ معظمہ تک محدود تھی اور اولین مخاطب اس شہر کے لوگ تھے اس لئے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر مکہ کے مالک حقیقی کی عبادت و بندگی کیا کروں جس نے اس شہر مکہ کو محترم اور باحرمت بنایا ہے۔ گویا اس سے کفار مکہ کو خصوصاً اور اہل عرب کو عموماً متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جس خدا کا تم پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے عرب کی انتہائی بدامنی۔ اور فساد اور خونریزی سے لبریز سرزمین میں تمہارے اس شہر مکہ کو امن کا گہوارہ بنا رکھا ہے اور جس کے فضل سے تمہارا یہ شہر پورے ملک عرب کا مرکز عقیدت بنا ہوا ہے تم اس کی پرستش اور بندگی سے ہٹتے ہو اور اسکی ناشکری کرتے ہو تو کرو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس کا شکر گزار بندہ بنوں اور اسی کے آگے سر نیاز جھکاؤں اور اسی کو اپنا معبود بناؤں جس نے مکہ کو حرمت عطا فرمائی۔ سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن قبیلہ

بنوخزاعہ کے لوگوں نے بنو ہذیل کے ایک مشرک آدمی کو حملہ کر کے قتل کر دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین و آسمان پیدا کئے اسی دن مکہ کو حرمت کی جگہ قرار دیا پس وہ اس وقت سے برابر حرمت کی جگہ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک اسی طرح محرم رہے گا۔ لہٰذا کسی بھی ایسے آدمی کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ بات جائز نہیں کہ مکہ میں کسی کا خون بہائے اور نہ اس میں کوئی درخت کاٹے۔ مجھ سے پہلے کسی بھی شخص کے لئے مکہ حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد آنے والے کسی شخص کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی حلال نہیں ہوا ہاں صرف اس وقت کے لئے محض اس وجہ سے حلال کر دیا گیا کہ اہل مکہ پر اللہ کو اظہار غضب مقصود تھا۔ سن لو اس وقت کے بعد اس کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی لہٰذا تمہیں چاہئے کہ جو بھی یہاں موجود ہے اور میری یہ بات سن رہا ہے وہ اس کو ہر اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔ پس تم سے جو یہ کہے کہ رسول اللہ نے مکہ میں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے اسے حلال کیا تھا۔ تمہارے لئے حلال نہیں کیا۔ اے گروہ خزاعہ اب قتل سے اپنا ہاتھ اٹھالو۔ قتل بہت ہو چکا ہے اس میں کوئی نفع نہیں۔ تم نے ایک آدمی قتل کیا ہے میں اس کی دیت دوں گا۔ میرے اس قیام کے بعد جو قتل کیا جائے تو مقتول کے ورثا کو دو چیزوں میں اختیار ہوگا اگر وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں اور چاہیں تو خون بہا لے لیں۔ اس خطبے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوخزاعہ کے قتل کئے ہوئے شخص کا خون بہا ادا فرمایا۔

الغرض یہاں آیت میں کفار مکہ کو متنبہ فرمایا گیا کہ اس خدا کی پرستش کرو جس نے مکہ کو باحرمت بنایا آگے بتلایا گیا ولہ کل شیء اور سب چیزیں اسی کی ملک ہیں یعنی ہر چیز جب اسی کی ملک ہے تو وہ جس چیز کو بھی چاہے محترم و متبرک ٹھہرا دے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں عقائد اور اعمال سب میں اللہ کا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔ گویا پہلے حکم توحید کا دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جملہ احکام میں اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کامل اتباع شریعت صرف عبادت الٰہیہ کا نام نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی کی ہر حرکت و سکون گفتار اطوار، کردار سب کو تابع حکم بنانا یہی حقیقت اسلام ہے اور یہی اتباع شریعت کی تکمیل ہے۔ پھر ان احکام سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب عقائد۔ اعمال۔ عبادت اور تعمیل احکام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی مستثنٰی نہیں تو اور کسی ولی اور بزرگ کے شرعی فرائض سے سبکدوش ہونے کا کیا ذکر اس میں تنبہ ان جاہل صوفیوں کے لئے ہے جو درویشی کے مدعی ہیں اور فرائض اسلامی اور اتباع شریعت میں کوتاہی کرتے ہیں۔ آگے تیسرا حکم سنایا گیا کہ مجھ کو یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا راستہ بتلاتا رہوں اور تبلیغ احکام کرتا رہوں تو جو بھی میری تبلیغ و ہدایت کے بعد راہ راست پر آئے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ اس کو اجر و ثواب اور نجات ابدی حاصل ہوگی۔ میں اس سے کسی مالی یا جانی نفع کا خواہاں نہیں ہوں اور جو شخص نہ مانے گا تو اپنا برا کرے گا۔ خود ہلاکت ابدی کے غار میں گرے گا۔ اس میں میرا کوئی ضرر نہیں میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا۔ نہ سمجھو گے تو اس کا وبال خود تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ گویا یہ مسئلہ رسالت کا بیان ہو گیا۔ سورۃ کے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوتی ہے کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ تم جو قیامت کا اس بنا پر انکار کرتے ہو

کہ اب تک واقع نہیں ہوئی اور یہ جو مطالبہ کرتے ہو کہ اگر واقعی قیامت ہے تو واقع کر کے دکھلاؤ تو تمہاری مجھ سے یہ درخواست محض بے کار اور غلط ہے اس لئے کہ میں نے تو دعویٰ کبھی ایسی قدرت کا نہیں کیا بلکہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ قدرت بھی علم بھی حکمت بھی۔ سو اپنے علم کے موافق اپنی قدرت سے جب اس کی حکمت کا مقتضا ہوگا قیامت واقع کردے گا۔ البتہ اجمالاً اس قدر معلوم ہے کہ اب بہت زیادہ مدت نہیں ہے بلکہ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں یعنی قیامت کے واقعات دکھلاوے گا سو تم اس وقت ان کو پہچانو گے اور اب انکار کر رہے ہو۔ اس وقت صرف دکھلانے ہی پر کفایت نہ ہوگی بلکہ اپنے اعمال کے موافق پھر تم کو نتیجہ بھی بھگتنا پڑے گا کیونکہ وہ رب لوگوں کے کاموں سے بے خبر نہیں۔ (پس پیغمبر اور مومنین کو جزا اور کفار و مکذبین کو سزا دے گا یہ قیامت کا بیان ہوا)'' اس طرح خاتمہ میں تمام سورت کے مضامین اجمالاً آ گئے۔

محققین نے کہا ہے کہ سورۃ کے اخیر میں الحمد للہ کی تلقین میں تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو بھی اپنے سارے احوال و امور کا خاتمہ اللہ کی حمد و ثنا ہی پر کرنا چاہئے۔ اور اس ارشاد میں وما ربک بغافل عما تعملون (اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو) جہاں عاصی اور نافرمانوں کے حق میں اس کا تنبیہ ہونا ظاہر ہے وہیں اہل ایمان کے لئے اس میں بشارت بھی ہے اور عشاق اہل سوز کے لئے تسلی بھی ہے کہ انکی آہ و زاری محبوب حقیقی سے ذرا بھی مخفی نہیں بلکہ ان کی ساری بے قراری اس پر آئینہ ہے۔ مشہور مفسر و محدث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر حقانی میں ان آیات کے تحت لکھتے ہیں کہ یہاں جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام تلقین فرمائے گئے یعنی پہلے اپنے رب کی عبادت کا حکم ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یعنی جملہ نیک باتوں کا بجالانا اور بری باتوں سے بچنا اور پھر تیسرا حکم تلاوت قرآن یعنی تبلیغ احکام کا ہوا تو علامہ فرماتے ہیں کہ اس ترتیب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ اسی کا کام ہے جو خود توحید اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہو۔ اسی کی بات اثر بھی کرتی ہے۔

الحمد للہ کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی توفیق و عنایت سے اس سورۂ نمل کا بیان جس میں ۷ رکوعات تھے پورا ہو گیا۔

دعا کیجئے

یا اللہ۔ یا معبود حقیقی ہم کو بھی اخلاص کے ساتھ شب و روز اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو جملہ احکام میں ظاہر میں اور باطن میں شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نصیب فرمائیں۔ دین کو دوسروں تک پہنچانے اور بتلانے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو احکام الٰہیہ اور ہدایات نبویہ ہمارے علم میں آئیں ان پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم و ارادہ نصیب فرمائیں۔

اے اللہ قیامت کی ندامت اور وہاں کی رسوائی سے ہم سب کو بچا لیجئے اور اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیے کہ جو آپ کی رضا کا سبب ہوں اور ان اعمال سے بچا لیجئے جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوۡرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ

طٰسٓمّٓ۔ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ ہم آپؐ کو موسیٰؑ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں

بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾

اُن لوگوں کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔

طٰسٓمّٓ طسم	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ واضح کتاب	نَتْلُوْا ہم پڑھتے ہیں	عَلَيْكَ تم پر	مِنْ نَّبَاِ کچھ خبر (احوال)
مُوْسٰى موسیٰ	وَ اور	فِرْعَوْنَ فرعون	بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک	لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ بیسویں پارہ کی سورۂ قصص کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع ومباحث اور تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی پچیسویں آیت میں لفظ قصص استعمال ہوا ہے۔ قصص کے معنی قصہ کے ہیں۔ اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام سورۂ قصص رکھا گیا ہے یہ سورۃ بھی مکی ہے اور موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ ۲۸ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۷۹ بیان کیا گیا یعنی ۷۸ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوچکی تھیں اور ۱۱ سورتیں اس کے بعد ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اس سورۃ میں ۸۸ آیات ۹ رکوعات ۱۴۵۴ کلمات اور ۶۰۱۱ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دوسری مکی سورتوں کے اس میں بھی توحید ورسالت کا اثبات۔ شرک کی مذمت، مصدقین رسالت کی مدح اور مکذبین رسالت کی مذمت۔ آخرت کی تعلیم۔ کفار مکہ کے شبہات و اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا جو زمانۂ نزول ہے اس وقت مکہ کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل اسلام کو حد سے زیادہ تنگ کر رکھا تھا۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے اور کفار ان کو ہر ممکن طریقہ سے تکلیف ونقصان پہنچانے کے درپے رہتے اور ایسی ایسی جسمانی اذیتیں پہنچاتے کہ ان کا برداشت کرنا مشکل تھا۔ مگر یہ قرآن ہی کا معجزانہ اثر تھا۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صحبت وتعلیم کا نتیجہ تھا کہ آپ کے متبعین اہل اسلام سخت سے سخت مصیبت کے سامنے سینہ سپر رہتے اور ہمت میں ذرا فرق نہ آنے دیتے۔ اس سورۃ میں پہلے تفصیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اہل اسلام کی ڈھارس اور تسلی کے لئے سنایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ یہ ساری اذیتیں اور صعوبتیں کچھ عرصہ کے لئے ہیں۔ عنقریب اللہ کے فضل سے کامیابی اور کامرانی کا زمانہ بھی آنے والا ہے۔ ان مجبور بے بس اور بے کس اہل اسلام کو جو دشمنان دین کے ظلم وستم میں چاروں طرف گھرے ہوئے تھے ان کو یہ سبق دیا گیا کہ اللہ

3 کے فرمانبردار بندوں کا قدم بڑی بڑی مصیبتوں میں دین سے نہیں ڈگمگایا۔ وہ صبر وہمت سے کام لیتے ہیں اور دنیا میں بظاہر ان کا کوئی مددگار نہیں معلوم ہوتا کہ جو انہیں ظالموں کے پنجے سے چھڑائے لیکن جب ظالموں کی دست درازی حد سے گزر جاتی ہے تو دنیا کے نگہبان اور اس نظام کائنات کے محافظ رب العالمین کی طرف سے مظلوموں کی مدد کا غیب سے سامان ہو جاتا ہے۔

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں شام سے مصر میں چلے آئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مصر میں نبوت کے ساتھ اقتدار دنیوی بھی عطا فرمایا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب مصر میں قبطیوں کا زور ہوا اور فرعونیوں کی بادشاہت قائم ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے سارے احسانات اور کارنامے بھول گئے اور بنی اسرائیل کو غیر ملکی سمجھ کر ان کو ستانا اور ان پر ظلم توڑنا شروع کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک معزز گھرانے میں مصر کے اندر پیدا ہوئے اس وقت حالت یہ تھی کہ فرعون بادشاہ مصر نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کہیں اور کسی کے گھر لڑکا پیدا ہو تو اسے فوراً قتل کر ڈالو اور لڑکیوں کو خدمت گزاری کے لئے زندہ رہنے دو بنی اسرائیل کو یوں تو فرعون نے طرح طرح کی مصیبتوں میں پہلے ہی مبتلا کر رکھا تھا مگر یہ اسرائیلی بچوں کا قتل ان پر اضافہ تھا چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعونیوں کو خبر ملتے ہی اس بچہ کو بھی قتل کر دیا جائے گا تو اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ایک بات ڈالی اور انہوں نے اس پر عمل کیا جس کے نتیجہ میں موسیٰ علیہ السلام خود فرعون کی سرپرستی میں پل کر جوان ہوئے۔ اس کے بعد ایک ناگہانی حادثہ کی وجہ سے آپ کو مصر چھوڑنا پڑا اور آپ مدین چلے گئے اور وہاں دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہے۔ وہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ پھر جب آپ مدین سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں آپ کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا گیا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نکالنے کے لئے آپ کو مصر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ آپ نے مصر پہنچ کر بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر فرعون ان کو اپنے پنجہ سے کہاں رہائی دینے والا تھا۔ بالآخر ایک عرصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ جس پر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا مگر بحکم الٰہی فرعون اور اس کا تمام لشکر تو سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے اور پھر محکوم سے حاکم ہو گئے۔

الغرض موسیٰ علیہ السلام کا جو قصہ یہاں بیان فرمایا گیا ہے اس سے کئی باتیں ذہن نشین کرانی ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ غیر محسوس طریقہ سے ظاہری اسباب و ذرائع فراہم کر دیتا ہے۔ جس بچہ کے ہاتھوں آخر کار فرعون کا تختہ الٹنا تھا اسے اللہ نے خود فرعون ہی کے گھر میں اسی سے پرورش کرایا اور فرعون یہ نہ جان سکا کہ وہ کسے پرورش کر رہا ہے۔ اس خدا کی مشیت سے کون لڑ سکتا ہے اور کس کی چالیں اس کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ نبوت کسی کو کسی جشن اور زمین وآسمان سے کسی بھاری اعلان کے ساتھ نہیں دی جاتی۔ کفار مکہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض تھا کہ بیٹھے بٹھائے آپ چپکے سے نبی کہاں سے بن گئے تو ان کو جتلایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی طرح راہ چلتے نبوت مل گئی تھی۔ کوہ طور کی وادی میں آپ آگ لینے گئے تھے کہ پیغمبری عطا ہو گئی۔

تیسرے یہ کہ اللہ اپنے جس بندے سے دین کا کوئی کام لینا چاہتا ہے تو وہ بغیر کسی لاؤ لشکر اور ظاہری ساز وسامان کے تن تنہا اٹھتا ہے مگر بڑے بڑے لاؤ لشکر اور ساز وسامان والے اس کے مقابلہ میں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کہاں فرعون کی ظاہری قوت وشوکت اور کہاں موسیٰ علیہ السلام کی بے سروسامانی۔ مگر دیکھ لو کہ آخر کس کا کیا انجام ہوا۔ کون کامیاب رہا اور کون ناکام رہا۔

چوتھے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور اس کے بعد قارون کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ثبوت قرار دیا گیا کہ امی ہونے کے باوجود دو ہزار سال پہلے گزرے ہوئے تاریخی واقعات اس تفصیل کے ساتھ من وعن سنا رہے ہیں حالانکہ آپ کے شہر اور آپ کی قوم کے لوگ خوب جانتے تھے کہ آپ نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ آپ کے پاس ان معلومات کے حاصل کرنے کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ مگر بذریعہ وحی الٰہی آپ کو اس تفصیل کے ساتھ واقعات و حالات کی اطلاع ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ اس سورۃ کو حقیقت قرآن سے افتتاح کر کے نصف سورۃ میں قصہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ اور ختم سورت کے قریب قارون کے ساتھ مذکور ہے اور دونوں قصوں کے درمیان رسالت محمدیہ کا اثبات اور مومنین کی مدح اور منکرین کی مذمت۔ پھر آخرت کا بیان اور اس کے ساتھ شرک کی مذمت اور توحید کے دلائل مذکور ہوئے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔ اس تمہید کے بعد ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات طٰسٓمٓ سے فرمائی گئی۔ حروف مقطعات کا بیان پہلے متعدد بار ہو چکا ہے کہ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور ان کا حقیقی اور صحیح مطلب حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔ آگے بطور تمہید کے ارشاد فرمایا تلک ایت الکتب المبین۔ یعنی یہ مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں کتاب واضح یعنی قرآن کی آیتیں ہیں۔ یہاں آیت میں کتاب مبین سے مراد قرآن ہے۔ مبین کے دو معنی ہیں۔ ایک ظاہر اور روشن کرنے والا۔ دوسرے خود ظاہر اور روشن ہونا۔ قرآن پاک میں دونوں صفات موجود ہیں۔ قرآن حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے خیر کو شر سے راستی کو کجی سے۔ اور ہدایت کو گمراہی سے جدا کرنے والا ہے۔ راہ سعادت اور طریق نجات اس سے واضح ہو جاتی ہے۔ پھر خود بھی اپنی صداقت و حقانیت میں اتنا روشن ہے کہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں جیسا کہ آفتاب اپنے وجود کی آپ دلیل ہے۔ قرآن کی اس حقیقت کو بطور تمہید بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر یعنی نازل کر کے سناتے ہیں ان لوگوں کے نفع کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کل واقعات کا مفصل بیان تو مقصد قرآنی سے غیر متعلق ہے۔ قران کوئی تاریخ یا داستان کی کتاب نہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہدایت نامہ ہے جو اہل ایمان کو راہ نجات دکھاتا ہے اور اس سلسلہ میں وعظ و تذکیر کے لئے جتنے قصہ کی جہاں ضرورت ہے اتنا قرآن نے بیان کر دیا تاکہ سننے والے عبرت حاصل کریں اسی لئے یہاں فرمادیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ قصہ ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں یعنی اتنا بیان کرتے ہیں جتنا ہدایت اور اصلاح کے لئے ضروری ہے۔ پھر اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریفات و تغیرات بکثرت کر لئے تھے۔ بعض مقامات پر تو کتب الٰہیہ کو مجموعۂ داستان بنالیا تھا۔ تمام صحیح و غلط قصے بغیر کسی ثبوت کے درج کر دیئے تھے مگر قرآن نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے جتنا قصہ بیان کیا وہ من وعن بالکل صحیح ہے اور ہر قسم کی خرافات سے پاک ہے اسی لئے یہاں آیت میں بالحق فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جتنا قصہ بیان کیا گیا ہے وہ بالکل سچا اور صحیح ہے۔ خلاف واقعہ آمیزشوں سے پاک ہے۔ پھر یہ بھی تصریح فرمادی کہ ہم یہ واقعہ ایمانداروں کے فائدے کے لئے سناتے ہیں۔ تاکہ وہ دشمنوں کی زیادتی سے بددل نہ ہوں اور ان کی ڈھارس بندھ جائے کہ یہ ساری اذیتیں اور مصیبتیں تھوڑے دنوں کی ہیں۔ اور بالآخر کامیابی اہل ایمان ہی کی ہوگی۔

اب آگے فرعون کے مظالم جو اس نے بنی اسرائیل پر اپنی حکومت و سلطنت میں کر رکھے تھے ان کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ

فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا تا تھا، اُن کے

يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤﴾ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ

بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، وہ واقعی بڑا مفسد تھا۔ اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن

عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾

لوگوں کا زور زمین میں گھٹایا جارہا تھا ہم ان پر احسان کریں، اور ان کو پیشوا بنادیں اور ان کو مالک بنادیں۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾

اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

اِنَّ بیشک	فِرْعَوْنَ فرعون	عَلَا سرکشی کررہا تھا	فِي الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور	جَعَلَ اس نے کردیا	اَهْلَهَا اس کے باشندے
شِيَعًا الگ الگ گروہ	يَسْتَضْعِفُ کمزور کررکھا تھا	طَآئِفَةً ایک گروہ	مِّنْهُمْ ان میں سے	يُذَبِّحُ ذبح کرتا تھا	اَبْنَآءَهُمْ انکے بیٹوں کو	
وَيَسْتَحْيِي اور زندہ چھوڑ دیتا تھا	نِسَآءَهُمْ ان کی عورتوں کو	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	مِنَ سے	الْمُفْسِدِيْنَ مفسد	وَنُرِيْدُ اور ہم چاہتے تھے
اَنْ کہ	نَّمُنَّ ہم احسان کریں	عَلَى الَّذِيْنَ ان لوگوں پر جو	اسْتُضْعِفُوْا کمزور کردیئے گئے تھے	فِي الْاَرْضِ زمین (ملک) میں		
وَنَجْعَلَهُمْ اور ہم بنائیں انہیں	اَئِمَّةً پیشوا	وَنَجْعَلَهُمُ اور ہم بنائیں انہیں	الْوٰرِثِيْنَ وارث	وَنُمَكِّنَ اور ہم قدرت (حکومت) دیں		
لَهُمْ انہیں	فِي الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَنُرِيَ اور ہم دکھادیں	فِرْعَوْنَ فرعون	وَهَامٰنَ اور ہامان	وَجُنُوْدَهُمَا اور ان کے لشکر	
مِنْهُمْ ان سے	مَّا جس چیز	كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ وہ ڈرتے تھے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بطور تمہید کے یہ فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن کتاب مبین ہے اور ایمان والوں کے نفع کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کچھ واقعات و حالات ٹھیک ٹھیک بیان کئے جاتے ہیں کہ حقیقت شناس نظروں کے لئے اس میں عبرت و موعظت یعنی حق کا غلبہ۔ باطل کی شکست۔ نافرمانوں کی تباہی۔ فرمانبرداروں کی کامیابی کا سبق موجود ہے۔ اس واقعہ کے سنانے سے اہل اسلام کو ڈھارس اور تسلی دی گئی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں کامیاب کیا ایسے ہی اہل اسلام جو مکہ میں قلیل ضعیف اور ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار حریفوں اور دشمنوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور پھر قارون کے واقعات وحالات دور تک اس سورۃ میں بیان ہوتے چلے گئے ہیں۔ ان آیات میں مملکت مصر کے اس بادشاہ کا حال جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا حکمران تھا بتلایا جاتا ہے کہ وہ کیسا ظالم اور جابر اور سرکش ومفسد بادشاہ تھا مصر میں اس وقت دو قوم آباد تھیں ایک قبطی جو فرعون کی قوم تھی اور دوسرے سبطی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے۔ قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بتلایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا عبرانی زبان میں نام اسرائیل ہے وہ اور آپ کا خاندان کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے مصر میں آئے۔

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام خاندان مصر ہی میں آباد ہوگیا کیونکہ اس وقت کے بادشاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اصرار کے ساتھ یہ کہا کہ آپ اپنے خاندان کو مصر ہی میں آباد کریں میں ان کو بہت عمدہ زمین دوں گا اور ہر طرح عزت کروں گا۔ اس طرح بنی اسرائیل مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آباد ہو گئے اور اس کے بعد صدیوں تک مصر میں آباد رہے حتیٰ کہ ۴۳۰ سال کے قیام کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصر سے خروج کر کے فرعونیوں سے نجات حاصل کی۔ فرعون شاہان مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے۔ فراعنہ کی سلطنت مصر میں تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک یعنی ۳۳۲ قبل مسیح تک رہی اور ۳۱ فرمانروا حکمران رہے۔ سب سے آخری فرعون فارس کی شہنشاہی کا تھا جو ۳۳۲ قبل مسیح سکندر کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تھے وہ فراعنہ کے سولہویں خاندان کا زمانہ تھا۔ وہ فرعون جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے مصر کے حکمرانوں کا انیسواں خاندان تھا۔ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہو گئی تھی کہ اس زمانہ کے کاہنوں و نجومیوں نے اس کو بتایا تھا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہوگا اور بعض تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ مصر میں پھیلی اور اس سے مصریوں کے تمام گھر جل کر راکھ ہو گئے لیکن بنی اسرائیل کی آبادی ہلاکت سے بچ گئی اس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری سلطنت تباہ ہوگی۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بنی سرائیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی بہت مشہور تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر مصر کی تباہی مقدر ہے۔ اور اس وقت وہ اس کی پیدائش کے منتظر تھے۔ یہ خبر شدہ شدہ فرعون تک پہنچی۔ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو نجومیوں کے تعبیر کے سبب یا بنی اسرائیل کی موروثی بشارت کی وجہ سے فرعون نے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے تا کہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا کبھی حوصلہ ہی نہ ہو۔ علاوہ اس کے کہ فرعون نے ظلم اور تکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور ان کو کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں کوئی قوت اور وقعت حاصل کر سکیں۔ اس نے قضا و قدر کی روک تھام کے لئے ظلم و ستم کی یہ اسکیم رائج کی کہ آئندہ جو لڑکے اسرائیلیوں کے ہاں پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہئے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں رہنے دیا جائے جو بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب اولاد اسرائیل کا قتل عام ہوا تو فرعونیوں کو اندیشہ ہوا کہ اب اگر یہی رواج رہا تو ہماری خدمت اور نوکری چاکری کون کرے گا اس لئے فرعون سے جا کر کہا کہ نہ تو بنی اسرائیل کو اتنا موقع دیا جائے کہ ان کی مردم شماری بڑھ جائے اور نہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہم خدمت گزاروں سے بھی محروم ہو جائیں اس لئے بہتر ہو کہ ایک سال کی پیداوار باقی رکھی جائے اور ایک سال کی ہلاک کر دی جائے۔ فرعون نے یونہی حکم جاری کر دیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے وہ اس سال پیدا ہوئے جو نجات کا سال تھا اس لئے کسی نے پرسش نہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل عام کے سال پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ کی والدہ کو آثار حمل دیکھ کر ہی سخت فکر تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ تورات میں یہ اور اضافہ ہے کہ فرعون نے دایہ مقرر کر دی تھیں کہ قلمرو مصر میں جس اسرائیلی کے یہاں لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے مگر ان عورتوں کے دلوں میں ایسی ہمدردی پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس عمل میں کوئی خاطر خواہ اقدام نہیں کیا جب فرعون نے باز پرس کی تو یہ معذرت پیش کی کہ اسرائیلی عورتیں شہری عورتوں کی طرح نازک اندام نہیں ہیں وہ خود ہی بچہ جن لیتی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہیں دیتیں۔ اس پر فرعون نے ایک جماعت کو اس لئے مقرر کیا کہ وہ تفتیش اور تلاش کے ساتھ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کر دیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا کریں۔ فرعون

اپنے وقت کا نہایت جابر اور قاہر اور مطلق العنان حکمران تھا اس نے مصر کے اصلی باشندوں یعنی قبطیوں کو اور غیر ملکیوں یعنی بنی اسرائیلیوں کو پہلے ہی الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اب اسرائیلیوں کو اپنی مملکت کے استحکام کے لئے ایک خطرہ تصور کر کے مستقبل میں ان کی نسل کو بڑھنے اور کمزور بنادینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے۔

اس جگہ یہ مضمون لکھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ واقعی فرعون احمق ہی تھا کہ جو بنی اسرائیل کی نسل کو ختم اور کمزور کرنے کے لئے اس نے بچوں کے قتل کی ایسی ظالمانہ اور جابرانہ اسکیم پر عملدرآمد کیا کہ رہتی دنیا اس پر لعنت ملامت ہوتی رہے گی۔ اس کو کیوں نہ ایسی تدبیر سوجھی یا کسی نے اس کو ایسا مشورہ کیوں نہ دیا کہ جو وہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جاتا اور اس بدنامی اور لعنت ملامت سے بھی بچ جاتا۔ اور وہ یہ تدبیر تھی کہ آج کل کے نام نہاد عقلمندوں کی طرح خاندانی ''منصوبہ بندی'' کی اسکیم اسرائیلیوں میں کسی تدبیر سے رائج کر دیتا اور بنی اسرائیلیوں کی خیرخواہی کے پردہ میں اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا۔ خیر یہ بات تو بیچ میں ضمناً آ گئی۔ تو فرعون اپنی تدبیروں سے تقدیر الٰہی یا تعبیر خواب کو بدلنا چاہتا تھا اور چونکہ مفسد اور زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی لہٰذا اسے کوئی ظلم و ستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ بس جو دل میں آیا اپنے کبر و غرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گزرا۔ تو اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پست کو بالا کیا جائے جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیوی بادشاہت کا تاج رکھ دیں اور فرعون و ہامان جو وزیر تھا اور ظلم و ستم میں فرعون کا آلۂ کار تھا ان کو دکھا دیں کہ جس حکومت کے زوال کا ان کو اندیشہ ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے اللہ کا منشا پورا ہوا۔ شام۔ فلسطین اور عراق کا بیشتر حصہ بنی اسرائیل کے زیر حکومت آ گیا اور فرعون وغیرہ غارت ہوئے اور ہزار برس سے زیادہ بنی اسرائیل کی سلطنت رہی۔ تو جس خطرہ کی وجہ سے فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزارہا معصوم بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ وہی ''خطرہ'' ان کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اس اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے جس سے ان کو تباہی کا خطرہ تھا۔ لیکن تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا اور دکھلا دیا کہ خدائے ذوالجلال جو انتظام کرنا چاہے کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں فرعون کی بحیثیت حاکم اور فرمانروا کے دو صفات مذمت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو **جعل اهلها شيعا** فرمایا یعنی اس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہ بنا دیا تھا۔ اس سے یہ امر واضح ہوا کہ رعایا میں پھوٹ ڈال کر حکومت کرنی تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ دوسرے **يستضعف طائفة منهم** فرمایا یعنی ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ پر لازم ہے کہ تمام رعایا کو ایک نظر سے دیکھے اور انصاف کے مقابلہ میں کسی کی جانب داری نہ کرے۔ نہ کسی خاص طبقہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرے ورنہ ظالم ٹھہرے گا تو معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں عموماً ظالم حکومتوں کی اپنی رعایا کے متعلق وہی پالیسی ہوتی ہے جو فرعون کی بنی اسرائیل کے متعلق تھی یعنی پھوٹ ڈالنا۔ گروہ بندی کرانا۔ رعایا کی طاقت کو کمزور کرنا پھر چین سے حکومت کرنا۔ انگریز نے اپنی سو سالہ دور حکومت میں ہندوستان میں یہی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ کہیں ہندو اور مسلمانوں کو لڑوانا اور کہیں مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانا۔ یہ قادیانی مذہب انگریزی حکومت ہی کی پیداوار ہے۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور آپ کی والدہ کا حکم الٰہی کے موافق آپ کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دینے اور پھر صندوق بہتے ہوئے فرعون کے محل میں پہنچنے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پرورش کرنے کا حال ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو اُن کی نسبت اندیشہ ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا

تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ

اور نہ غم کرنا ہم ضرور اُن کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور پیغمبر بنا دیں گے۔ تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اُٹھالیا

فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا

تاکہ وہ اُن لوگوں کیلئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور اُن کے تابعین بہت چوکے۔

خٰطِـِٕيْنَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ

اور فرعون کی بی بی نے کہا کہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں اور اُن لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اور ہم نے الہام کیا	اِلٰى طرف۔کو	اُمِّ مُوْسٰى موسیٰ کی ماں	اَنْ اَرْضِعِيْهِ کہ تو دودھ پلاتی رہ اسے	فَاِذَا پھر جب			
خِفْتِ عَلَيْهِ تو اس پر ڈرے	فَاَلْقِيْهِ تو ڈالدے اسے	فِى الْيَمِّ دریا میں	وَ اور	لَا تَخَافِىْ نہ ڈر	وَلَا تَحْزَنِىْ اور نہ غم کھا	اِنَّا بیشک ہم	
رَآدُّوْهُ اسے لوٹا دیں گے	اِلَيْكِ تیری طرف	وَجَاعِلُوْهُ اور اسے بنادیں گے	مِنَ سے	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں	فَالْتَقَطَهٗ پھر اٹھالیا اسے		
اٰلُ فِرْعَوْنَ فرعون کے گھر والے	لِيَكُوْنَ تاکہ وہ ہو	لَهُمْ ان کیلئے	عَدُوًّا دشمن	وَ اور	حَزَنًا غم کا باعث	اِنَّ بیشک	فِرْعَوْنَ فرعون
وَهَامٰنَ اور ہامان	وَجُنُوْدَهُمَا اور اُن کے لشکر	كَانُوْا تھے	خٰطِـِٕيْنَ خطاکار	وَقَالَتِ اور کہا	امْرَاَتُ بیوی	فِرْعَوْنَ فرعون	قُرَّتُ ٹھنڈک
عَيْنٍ لِّىْ میری آنکھوں کیلئے	وَلَكَ اور تیرے لئے	لَا تَقْتُلُوْهُ تو قتل نہ کر اسے	عَسٰى شاید	اَنْ يَّنْفَعَنَا کہ نفع پہنچائے ہمیں	اَوْ یا		
	نَتَّخِذَهٗ ہم بنالیں اسے	وَلَدًا بیٹا	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ (حقیقتِ حال) نہیں جانتے تھے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مصر کے اس ظالم سرکش فرعون کا ذکر ہوا تھا جس نے اپنی خواہشات پر بنی اسرائیل کو بھینٹ چڑھا رکھا تھا۔ اپنی سلطنت میں ان کو شہری حقوق و آزادی سے محروم کردیا تھا۔ اور جن کا فرض ہی یہ تھا کہ فرعونیوں کی خدمت کریں۔ پھر محنت شاقہ پر اجرت قلیل۔ عموماً بیگار ہی لی جاتی۔ حاملہ عورتوں سے تین تین منزلوں کے مکانوں پر پتھر اٹھوائے جاتے اور ان سے ذلیل سے ذلیل کام لینا ان کے آقاؤں کا طرۂ امتیاز تھا۔ پھر ظالموں نے انہی سفاکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ فرعون کی ایک موہوم خواب کی تعبیر پر اور اپنی حکومت کے بے جا تحفظ کے تخیل کے باعث بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو تہ تیغ کردیا۔ انہی حالات کے تحت ایک اسرائیلی والدین کے ہاں وہ بچہ پیدا ہوا جسے دنیا نے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے جانا۔ جدید

تحقیقات کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سنہ ولادت ۱۵۲۰ قبل مسیح ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۲۰۹۰ سال پہلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کے ہاں دو بچے مصر ہی میں پیدا ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی مریم نامی تھیں جن کا ذکر آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے۔ ان سے چھوٹے حضرت ہارون علیہ السلام تھے اور حضرت ہارون کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر تہ تیغ ہو رہے تھے فرعونی عورتیں گشت کرتی رہتی تھیں اور حاملہ عورتوں کے نام لکھ لئے جاتے تھے۔ وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتیں تھیں۔ اگر لڑکی ہوتی تو واپس چلی جاتیں اور اگر لڑکا ہوتا تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھیں۔ یہ لوگ تیز چھرے لئے ہوئے اسی وقت آجاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے ان کے بچہ کے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب آپ کا حمل ٹھہرا تو عام حمل کی طرح وہ ظاہر نہ ہوا اور جو عورتیں اس تحقیق پر مامور تھیں۔ اور جتنی دائیاں آئی تھیں کسی کو حمل کا پتہ ہی نہ چلا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد بھی ہو گئے۔ آپ کی والدہ اور اہل خاندان آپ کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کس طرح بچہ کو قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھیں؟ بہر حال جوں توں کر کے تین مہینہ تک آپ کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور آپ کی پیدائش کی مطلق کسی کو خبر نہ ہونے دی لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع نہ ہو سکی اور اس لئے آپ کی والدہ سخت پریشان ہونے لگیں۔ اس سخت اور نازک وقت میں آخر خدائے قدوس نے مدد کی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا یا خواب دیکھایا اور کسی ذریعہ یعنی فرشتہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہو اور جب اندیشہ بچہ کے قتل کا ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ لکھا ہے کہ دریائے نیل کے کنارہ ہی پر آپ کا مکان تھا۔ ساتھ ہی آپ کی والدہ کو تسلی کر دی گئی کہ ڈرنا مت۔ بے کھٹکے بچہ کو نیل میں چھوڑ دیں۔ بچہ کی طرف سے ہرگز ہراساں اور آزردہ خاطر نہ ہوں ہم بہت جلد اس بچہ کو پھر تمہاری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے۔ خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں وہ منصب رسالت پر بھی سرفراز کیا جائے گا کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس بچہ کی پیدائش سے متعلق ہے۔ آخر آپ کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور جب افشائے راز کا خوف ہوا تو بچہ کو لکڑی کے ایک صندوق میں رکھ کر اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا اور ساتھ ہی اپنی بڑی لڑکی مریم یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کو مامور کیا کہ وہ اس صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے چل کر صندوق کو نگاہ میں رکھے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا فرماتا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خدائے تعالیٰ نے یہ بشارت پہلے ہی سنا دی تھی کہ ہم اس بچہ کو تیری ہی جانب واپس کر دیں گے اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہوگا۔ حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ برابر صندوق کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ کنارے کنارے اجنبی بن کر نگہداشت کرتی جارہی تھیں کہ انہوں نے دیکھا کہ صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارہ آلگا اور فرعون کے

لوگوں نے اسے اٹھالیا اور شاہی محل میں لے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے جب یہ دیکھا تو حالات کی صحیح تفصیل معلوم کرنے کے لئے شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہو گئیں۔ بہرحال وہ صندوق شاہی محل کے اندر لے جا کر کھولا گیا تو دیکھا کہ ایک حسین جمیل تندرست بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ یہاں تک واقعات بیان کرنے کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے پالنے کی غرض سے بچہ کو اٹھالیا مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہوا اور ان کے حق میں سوہان روح بنے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزارہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہی ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بے شمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے۔ کیا خدا کی لکھی ہوئی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے۔ رب العالمین کی کرشمہ سازی کہ وہ اپنی نادانی اور بے خبری میں اپنے دشمن کی پرورش پر نگراں مقرر کئے گئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فرعون کی بیوی جن کا نام آسیہ تھا انہوں نے بچہ کو دیکھا تو باغ باغ ہو گئیں اور انتہائی محبت سے اس کو پیار کیا اور کہنے لگیں کہ کیسا پیارا بچہ ہے۔ ہمارے کوئی لڑکا نہیں لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں۔ حدیث کی ایک روایت میں مروی ہے کہ فرعون نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہوگا میرے لئے تو ٹھنڈک نہیں ہے۔ گویا تقدیر ازلی یہ الفاظ اس کی زبان سے کہلوا رہی تھی اور آخر وہی ہوا۔ فرعون کے بعض خدام نے قیاس سے کہا کہ یہ تو اسرائیلی بچہ

معلوم ہوتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خاندان کا ہے اس کا قتل کرنا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ہمارے بادشاہ کے خواب کی تعبیر ثابت ہو۔ اس بات کو سن کر فرعون کو بھی یہی خیال پیدا ہوا اور اس بات کو بآسانی قیاس بھی کیا جا سکتا تھا کہ یہ ضرور کسی اسرائیلی کا بچہ ہے کیونکہ یہ صندوق اس جانب سے بہہ کر آیا ہے جدھر بنی اسرائیل رہتے تھے اور انہی کے بیٹے اس زمانہ میں قتل کئے جا رہے تھے اور انہی کے متعلق یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ کسی نے بچہ کو چھپا کر کچھ مدت تک پالا ہے اور پھر جب زیادہ دیر چھپ نہ سکا تو اب اسے اس امید پر دریا میں ڈال دیا کہ شاید اسی طرح اس کی جان بچ جائے اور کوئی اسے نکال کر پال لے تو انہی قیاسات کی بنا پر بعض وفادار غلاموں نے عرض کیا کہ حضور اسے فوراً قتل کرا دیں مگر فرعون کی بیوی نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ لے کر پال لو یہ جب ہمارے ہاں پرورش پائے گا اور ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں گے تو اسے کیا خبر ہوگی کہ میں اسرائیلی ہوں یہ اپنے آپ کو آل فرعون ہی کا ایک فرد سمجھے گا اور یہ بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا اور اگر یہ بنی اسرائیل ہی میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے تو ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا کیا ضرور ہے کہ یہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے پھر جب ہم پرورش کریں گے تو خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ فرعونیوں کو اللہ کی حکمت بالغہ کا علم نہ تھا۔ وہ واقف نہ تھے کہ پردہ ہی پردہ میں کیا گل کھلنے والا ہے اور گھر کے ہی چراغ سے گھر کو آگ لگنے والی ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کو محل میں پرورش کرنا طے ہو گیا۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی بیوی جن کا نام آسیہ تھا یہ نہایت ہی برگزیدہ۔ فضیلت مآب اور مومنہ خاتون تھیں ان کو موت کا یقین تھا۔ فرعون کے خدائی کی وہ قائل نہ تھیں۔ غیر اللہ کی

پرستش سے بیزار تھیں۔ فرعون کے کفر اس کے مظالم اور اس کی بداعمالیوں سے سخت بیزار اور نالاں تھیں اور خدا کی درگاہ میں فرعون کے مآل بد سے پناہ اور اپنی بخشش کی دعا مانگا کرتی تھیں۔

ان کی برگزیدگی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم ۲۸ ویں پارہ میں ان کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے ساتھ اس طرح فرمایا:

''اور اللہ ان لوگوں کے لئے جو مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی جبکہ انہوں نے دعاء کی کہ اے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنادے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل کے اثر سے بچادے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچادے۔'' (سورۃ التحریم آیت ۱۱)

لکھا ہے کہ جب فرعون پر ان کا حال کھلا تو ان کو چومیخا کر کے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا جس سے سب سختیاں آسان ہوجاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیاستہً قتل کردیا اور یہ جام شہادت نوش کر کے مالک حقیقی کے پاس جاپہنچیں۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مردوں میں تو بہت لوگ کمال کو پہنچے لیکن عورتوں میں آسیہ فرعون کی بیوی۔ اور مریم بنت عمران درجۂ کمال کو پہنچی تھیں اور عائشہ کی دیگر عورتوں پر فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی دیگر کھانوں پر۔ حضرت آسیہ یعنی فرعون کی بیوی کی یہ فضیلت ضمناً درمیان میں آ گئی جو موقع کی مناسبت سے بیان کردی گئی۔

اب اصل مضمون کی طرف آیئے۔ یعنی جب شاہی محل میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورہ سامنے آیا تو فرعون کی بیوی نے کسی نہ کسی طرح فرعون کو اس پر راضی کرلیا کہ بچہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ محل میں پرورش کے لئے رکھ لیا جائے۔

عارفین نے لکھا ہے کہ اہل اللہ سے محبت رائیگاں نہیں جاتی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کا نتیجہ حضرت آسیہ نے مشاہدہ کرلیا کہ مشرف بایمان ہی نہیں ہوئیں بلکہ اپنے وقت میں تمام عالم کی عورتوں پر افضل قرار پائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا۔ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان کی پاک روح پر۔

الغرض ادھر تو محل میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملہ ہوا اور ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچہ کو دریا میں ڈال تو دیا تھا مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ علیہ السلام کا خیال آتا تھا اور دل بے قرار ہوجاتا تھا کہ پھر حق تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ان کے دل کو مضبوط کردیا جس کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اے اللہ! بے شک تمام کاموں کی تدبیر آپ ہی فرمانے والے ہیں اور کوئی طاقت آپ کے ارادہ اور مشیت میں حائل نہیں ہوسکتی۔ اے اللہ آپ جس کام کا ارادہ کرلیں اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور آپ جس کی حفاظت فرمانا چاہیں تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یا اللہ! آپ نے اپنی جس قدرت کاملہ سے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمن فرعون سے ظاہر میں پرورش کرایا۔ اس قدرت کاملہ پر ہم کو پورا اور پکا یقین وایمان نصیب فرما۔ یا اللہ آپ کی لکھی ہوئی تقدیر اور مشیت کو کون روک سکتا ہے جو آپ چاہتے ہیں وہ ہوکر رہتا ہے۔

یا اللہ! جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے بچہ کی جان کی پروانہ کی اور آپ کے امتثال حکم میں دریائے نیل میں ڈال دیا۔

یا اللہ ہم کو بھی وہ جذبہ عطا فرما کہ ہم بھی ہر حال میں اگرچہ کیسے ہی ناموافق حالات ہوں آپ کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری سے نہ چوکیں۔ یا اللہ اپنی برکتوں اور رحمتوں کو ہر حال میں ہمارے شامل فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہوگیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کردیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ

(ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں۔انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى

سوانہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور اُن لوگوں کو خبر نہ تھی۔اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلائیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں

اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ دل سے اس کی خیر خواہی کریں۔غرض ہم نے موسیٰ کو اُن کی والدہ کے پاس واپس پہنچادیا تا کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

اور تا کہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔

وَاَصْبَحَ اور ہوگیا	فُؤَادُ دل	اُمِّ مُوْسٰى موسیٰ کی ماں	فٰرِغًا صبر سے خالی (بیقرار)	اِنْ تحقیق	كَادَتْ قریب تھا	لَتُبْدِيْ کہ ظاہر کردیتی
بِهٖ اس کو	لَوْلَاۤ اگر نہ ہوتا	اَنْ رَّبَطْنَا کہ گرہ لگاتے ہم	عَلٰى قَلْبِهَا اس کے دل پر	لِتَكُوْنَ کہ وہ رہے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ یقین کرنیوالے
وَقَالَتْ اور اس نے (موسیٰ کی والدہ نے) کہا	لِاُخْتِهٖ اسکی بہن کو	قُصِّيْهِ اس کے پیچھے جا	فَبَصُرَتْ پھر دیکھتی رہ	بِهٖ اس کو	عَنْ جُنُبٍ دُور سے	
وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ (حقیقت حال) نہ جانتے تھے	وَحَرَّمْنَا اور ہم نے روک رکھا	عَلَيْهِ اس سے	الْمَرَاضِعَ دودھ پلانیوالی	مِنْ قَبْلُ پہلے سے	
فَقَالَتْ وہ (موسیٰ کی بہن) بولی	هَلْ اَدُلُّكُمْ کیا میں بتلاؤں تمہیں	عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ ایک گھر والے	يَّكْفُلُوْنَهٗ وہ اس کی پرورش کریں			
لَكُمْ تمہارے لئے	وَهُمْ اور وہ	لَهٗ اس کے لئے	نٰصِحُوْنَ خیرخواہ	فَرَدَدْنٰهُ تو ہم نے لوٹا دیا اس کو	اِلٰۤى اُمِّهٖ اس کی ماں کی طرف	
كَيْ تَقَرَّ تاکہ ٹھنڈی رہے	عَيْنُهَا اس کی آنکھ	وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غمگین نہ ہو	وَلِتَعْلَمَ اور تاکہ جان لے	اَنَّ کہ	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	
حَقٌّ سچا	وَّلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں سے بیشتر	لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نہیں جانتے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ نے بحکم الٰہی صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ اور یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے کنارہ جالگا جہاں اس کو فرعون کے لوگوں نے اٹھا کر محل میں پہنچایا۔ وہاں صندوق کو کھولا تو ایک جیتا جاگتا خوبصورت اور پیارا بچہ نکلا۔ فرعون کی بیوی اس بچہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور کسی طرح فرعون کو راضی کرلیا کہ بچہ کو پال لیا جائے اور بنی اسرائیل کا بچہ ہونے کے محض شک میں اس کو قتل نہ کیا جائے۔ چنانچہ ادھر محل میں تو بچہ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا تو اس کے بعد ان کا دل بہت بے چین ہوا۔ جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔ محبت مادری نے جوش مارا اور موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے سوا کوئی

خیال ہی دل میں باقی نہ رہا اور قریب تھا کہ صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور کل معاملہ کو ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی سے ہو سکے تو خیر خبر لاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو صبر عطا فرما کر ان کا دل مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت نہ کھلنے پائے اور انہیں ڈھارس اور تسکین دے دی اور راز کو فاش ہونے سے بچالیا۔ اور ان کے قلب میں اطمینان اور سکون نازل کیا اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تمہارا بچہ تمہیں ضرور مل جائے گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا تو اپنی بڑی لڑکی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ جو ذرا سمجھ دار تھیں ان سے کہا تھا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ اور دیکھو کہ کیا انجام ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ اس کو دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ صندوق کا خیال رکھتے ہوئے اس کے ساتھ جا رہی ہے۔ چنانچہ جب اس صندوق کو فرعون کے لوگ اٹھا کر شاہی محل میں لے گئے تو یہ بھی کسی حیلہ سے اندر پہنچیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہو گئیں۔ الغرض جب حضرت آسیہ نے بچہ کو اپنی پرورش میں لے لیا تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ بچہ کے لئے کوئی دودھ پلائی یعنی اَنا مقرر کی جائے۔ چنانچہ شاہی محل میں جتنی اَنائیں تھیں سب کو بچہ دیا گیا اور ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم خدا بچہ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بچہ کی طبیعت میں یہ بات پیدا کر دی کہ وہ کسی عورت کے پستان کو منہ ہی نہیں لگاتا۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ بچہ اپنی والدہ کے سوا اور کسی کا دودھ پئے اور اس میں راز یہ تھا کہ اس بہانے سے حضرت موسیٰ اپنی والدہ تک پہنچ جائیں۔ تو محل میں یہ سارا حال موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ انجان بن کر دیکھ رہی تھیں اور ایسی بے غرضی کے ساتھ حقیقت واقعہ کو معلوم کر لیا کہ کسی کو خبر بھی

نہ ہوئی۔ جب بچہ نے کسی کا دودھ نہ پیا اور محل والوں کو تشویش ہوئی کہ اب پرورش کی کیا صورت ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے موقع پا کر کہا کہ ایک گھر مجھے معلوم ہے جہاں ایک دودھ پلائی رہتی ہے اگر اس کے سپرد کر دیا جائے تو وہ اور اس کے گھر والے خیر خواہی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیں گے۔ وہ اس کے بہی خواہ بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ بہی خواہی کا لفظ سن کر محل کی بعض عورتیں چوکنا ہوئیں اور یہ خیال کیا کہ یہ لڑکی شاید اس بچہ کے نسب اور ماں باپ سے واقف ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ تو سبحان اللہ! سمجھ دار بچی نے فوراً جواب دیا کہ میں اس وجہ سے کہتی ہوں کہ شہزادہ کو دودھ پلانا بڑی عزت کی بات ہے۔ کون نہ چاہے گا کہ شاہی محل میں اس کی عزت ہو اور انعام و اکرام کے خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ محل میں طلب کی گئیں۔ ادھر لطیفۂ غیبی کے انتظار میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ چشم براہ تھیں کہ لڑکی نے آ کر پوری داستان کہہ سنائی اور بتایا کہ جب موسیٰ نے کسی دایہ کا بھی دودھ نہ پیا تو میں نے کہا کہ ایک نہایت شریف اور نیک عورت ہے وہ اس بچہ کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کر سکتی ہے۔ فرعون کی بیوی نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ فوراً آپ کو لے کر آؤں۔ یہ ہم پر خدا کا بڑا احسان اور فضل و کرم ہوا اب تم چل کر بچہ کو سینہ سے لگاؤ اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ شاہی محل میں پہنچیں اور بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی کو خبر دی گئی۔ آپ بہت خوش ہوئیں اور انا کو بہت کچھ انعام و اکرام

دیا لیکن انہیں یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہ بچہ کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ اس کے بعد حضرت آسیہ نے کہا کہ میری خوشی ہے کہ تم محل ہی میں آ جاؤ۔ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا میں بال بچوں والی ہوں میں اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی اور کبھی کبھی آپ کے ہاں بھیج دیا کروں گی چنانچہ فرعون کی بیوی اس پر رضامند ہوگئیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ قدیم زمانہ میں ان ممالک کے بڑے اور خاندانی لوگ بچوں کو اپنے ہاں پالنے کی بجائے عموماً اناؤں کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ اپنے ہاں ان کی پرورش کرتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارک میں بھی یہ ذکر آتا ہے کہ مکہ میں وقتاً فوقتاً اطراف ونواح کی عورتیں انا گیری کی خدمت کے لئے آتی تھیں اور سرداروں کے بچے دودھ پلانے کے لئے اچھے اچھے معاوضوں پر حاصل کر کے ساتھ لے جاتی تھیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں صحرا میں پرورش پائی۔ یہی طریقہ مصر میں بھی تھا اسی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے یہ نہیں کہا کہ میں ایک اچھی انا لا کر دیتی ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں ایسے گھر کا پتہ بتاتی ہوں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں گے اور اسے خیر خواہی کے ساتھ پالیں گے۔ تو یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں اس بچہ کو اپنے گھر لے جا کر پرورش کرسکتی ہوں۔ اور پھر کبھی کبھی آپ کے پاس لے آیا کروں گی۔ جس پر حضرت آسیہ راضی ہوگئیں اور شاہی محل سے ام موسیٰ علیہ السلام کا روزینہ مقرر ہوگیا۔ کھانا کپڑا شاہی طریق پر ملتا اور انعام واکرام پاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقہ سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام امن واطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے اور ام موسیٰ کا خوف بھی امن سے اور فقیری امیری سے بدل گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں ''جو شخص اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرے اور اس کام میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھے اس کی مثال اُم موسیٰ کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلایا اور اس کی اجرت بھی پائی۔'' مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کام کرتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر رکھ کر ایمانداری سے کام کرتا ہے۔ جس کے ساتھ معاملہ بھی کرتا ہے اس کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے اور رزق حلال سے اپنے نفس اور اپنے بال بچوں کی پرورش اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے کرتا ہے اس لئے وہ اپنی روزی کمانے پر بھی اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ گویا روزی بھی کمائی اور اللہ سے اجر وثواب بھی پایا۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور انہیں اپنے بچہ کی مفارقت کا صدمہ بھی نہ رہے اور تاکہ وہ اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ اکثر آدمی مادہ پرست اور ظاہری اسباب کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو دست قدرت کی ہمہ گیری کا یقین نہیں۔ ان کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے۔ اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اگرچہ تمام دنیا مل کر اس کی مخالفت کرے بلکہ مخالفت کرنے والوں ہی سے خدا اس کام کو کراتا ہے اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔

یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر فرمایا گیا کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایام رضاعت اپنی والدہ کی آغوش میں اور ایام طفولیت فرعون کے محلات میں گزر ہوئے اور آپ پل کر جوان ہوئے۔ اب جوانی کے بعض واقعات اور پھر اس واقعہ کا ذکر فرمایا گیا کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر چھوڑنے کا باعث بنا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴

اور جب اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ وعقلیہ سے) درست ہوگئے ہم نے اُن کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیک کاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ

اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر (سو رہے) تھے تو اُنہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ

ایک تو اُن کی برادری میں کا تھا اور دوسرا اُن کے مخالفین میں سے تھا سو وہ جو اُن کی برادری کا تھا اُس نے موسیٰ سے

عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ڭ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

اُسکے مقابلہ میں جو کہ اُن کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اُس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کردیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی بیشک شیطان کھلا دشمن ہے

مُّبِيْنٌ ۝۱۵ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶

غلطی میں ڈال دیتا ہے۔ عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا ہے آپ معاف کردیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۷

موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔

وَلَمَّا اور جب	بَلَغَ اَشُدَّهٗ وہ پہنچا اپنی جوانی	وَاسْتَوٰى اور پورا (توانا) ہوگیا	اٰتَيْنٰهُ ہم نے عطا کیا ہے	حُكْمًا حکمت	وَعِلْمًا اور علم		
وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	نَجْزِي ہم بدلہ دیا کرتے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ نیکی کرنے والے	وَدَخَلَ اور وہ داخل ہوا	الْمَدِيْنَةَ شہر	عَلٰى حِيْنِ وقت پر		
غَفْلَةٍ غفلت	مِنْ اَهْلِهَا اس کے باشندے	فَوَجَدَ تو اس نے پایا	فِيْهَا اس میں	رَجُلَيْنِ دو آدمی	يَقْتَتِلٰنِ وہ باہم لڑتے ہوئے		
هٰذَا یہ (ایک)	مِنْ سے	شِيْعَتِهٖ اس کی برادری	وَهٰذَا اور وہ (دوسرا)	مِنْ سے	عَدُوِّهٖ اس کے دشمن کا	فَاسْتَغَاثَهُ تو اس نے اس (موسیٰ) سے مدد مانگی	
الَّذِيْ وہ جو	مِنْ شِيْعَتِهٖ اس کی برادری سے	عَلَى اس پر	الَّذِيْ وہ جو	مِنْ عَدُوِّهٖ اس کے دشمن سے	فَوَكَزَهٗ تو ایک مکا مارا اس کو		
مُوْسٰى موسیٰ	فَقَضٰى پھر کام تمام کردیا	عَلَيْهِ اس کا	قَالَ اس نے کہا	هٰذَا یہ	مِنْ سے	عَمَلِ الشَّيْطٰنِ شیطان کا کام (حرکت)	اِنَّهٗ بیشک وہ
عَدُوٌّ دشمن	مُضِلٌّ بہکانے والا	مُبِيْنٌ صریح (کھلا)	قَالَ اس نے عرض کی	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّيْ بیشک میں	ظَلَمْتُ میں نے ظلم کیا	نَفْسِيْ اپنی جان
فَاغْفِرْ لِيْ پس بخشدے مجھے	فَغَفَرَ تو اس نے بخشدیا	لَهٗ اس کو	اِنَّهٗ بیشک	هُوَ وہی	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان	قَالَ اس نے کہا
رَبِّ بِمَا اے میرے رب جیسا کہ	اَنْعَمْتَ تو نے انعام کیا	عَلَيَّ مجھ پر	فَلَنْ اَكُوْنَ تو میں ہرگز نہ ہوں گا	ظَهِيْرًا مددگار	لِلْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کا		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ایام طفولیت کا بیان ہوا کہ کس طرح آپ نے ایام رضاعت اپنی والدہ کی گود میں گزارے اور پھر ایام طفولیت شاہی تربیت میں فرعون کے محل میں بسر کئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ

السلام ایک عرصہ تک شاہی تربیت میں بسر کرتے کرتے جوانی کے دور میں داخل ہوئے تو نہایت قوی الجثہ اور بہادر جوان نکلے۔ چہرے سے رعب ٹپکتا اور گفتگو سے ایک خاص وقار اور شان عظمت ظاہر ہوتی تھی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں اور مصری خاندان سے ان کا کوئی رشتہ قرابت نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت مظالم ہو رہے ہیں اور مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کا خون کھولنے لگتا اور موقع بموقع آپ بنی اسرائیلیوں کی نصرت وحمایت میں پیش پیش ہو جاتے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے جسمانی طاقت اور قوت کے ساتھ آپ کو علم و دانش سے بھی نوازا اور آپ کو خصوصی علم وفہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے آپ نیک کردار تھے موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم اور کفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل آپ کے ساتھ لگے رہتے تھے آپ کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ کبھی وہاں جاتے اور کبھی فرعون کے محل میں آتے۔

ایک روز آپ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ سب لوگ غافل سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہوگا تو دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی ہے دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑایئے۔ لکھا ہے کہ وہ قبطی فرعون کا باورچی تھا جو ایک اسرائیلی کو بیگار کے لئے مجبور کر رہا تھا اور اس کو گھسیٹ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی قبطیوں کے ظلم وستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر جوش حمیت جاگ اٹھا۔ ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کوئی سخت لفظ کہہ دیا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے بچانے کی نیت سے آگے بڑھ کر قبطی کے ایک گھونسہ رسید کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ماشاء اللہ پورے جوان اور بڑے طاقتور تھے۔ ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے دم دے دیا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کم بخت کا کام تمام ہو جائے گا اس لئے آپ پچھتائے کہ بے قصد خون ہوگیا کیونکہ آپ کا ارادہ ہرگز اس کے قتل کا نہ تھا اور ایک گھونسہ سے صرف تادیب وتنبیہ منظور تھی۔ جان سے مار ڈالنے کی نیت نہ تھی۔ پھر مصر میں آپ کے رہنے سہنے کا جو طرز عمل شروع سے رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر اس بلا ارادہ قتل سے فرقہ وار اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب اور فتن کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہوا اس لئے آپ اپنے اس فعل پر دل میں نادم ہوئے اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے کیونکہ انسان کو وہی غلط راہ پر لگاتا ہے اس لئے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کرنے لگے کہ یہ جو کچھ ہوا نادانستگی میں ہوا۔ میں آپ سے مغفرت کا خواستگار ہوں۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک وصاف اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے معافی چاہی۔ جو دیدی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہوگا۔ آخر پیغمبر نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔'' تو یہ قتل اگرچہ عمداً نہ تھا محض اتفاق تھا تاہم موسیٰ علیہ السلام اس فعل پر نادم ہوئے اور اپنی شان اور درجہ علم وحکمت کے لحاظ سے اس کو خطا تصور کر کے خدا سے مغفرت کے خواستگار ہوئے اور مغفرت ان کو

عطا فرمادی گئی۔ اس موقع پر آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ بنی اسرائیل اپنے محبوب ترین پیغمبر کا دامن بھی بے داغ نہیں چھوڑتے۔ موجودہ محرف توراۃ کا بیان ہے کہ معاذ اللہ حضرت موسیٰ نے دانستہ اور بالارادہ اس قبطی کو قتل کیا تھا اور اس کو ریت میں چھپا دیا تھا۔ موجودہ توراۃ کے کتاب خروج میں لکھا ہے۔

"اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس نے مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔"

تو غور کیجئے کہ بنی اسرائیل خود اپنے اکابر کی سیرتوں کو کس طرح داغدار کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کے یہ نام نہاد معترف آپ پر دانستہ اور بالارادہ قتل کا الزام لگاتے ہیں جب کہ قرآن پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوزیشن کس طرح صاف کرتا ہے۔

الغرض جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشارت مغفرت سنا دی گئی تو آپ نے کہا کہ اے میرے رب آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت۔ راحت اور قوت عطا فرمائی اور میری تقصیر کو معاف کیا اس کا شکریہ یہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔

ابن جریر اور متعدد دوسرے مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عہد میں کہ کبھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا یہ مطلب لیا ہے کہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اس نے خدا کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا چنانچہ خدا کی قدرت کہ اگلے ہی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے باہر جانے کے سامان ہو گئے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلی آیات میں آئے گی۔

علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عہد سے استدلال کیا ہے کہ ایک مومن کو ظالم کی اعانت سے کامل اجتناب کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ایک فرد ہو یا گروہ یا حکومت وسلطنت۔ مشہور تابعی حضرت عطاؒ سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنو امیہ کی حکومت میں کوفے کے گورنر کا کاتب ہے۔ معاملات فیصلہ کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ البتہ جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں اب اگر یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہو جائے۔ حضرت عطاؒ نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا تیرے بھائی کو چاہئے کہ اپنا قلم پھینک دے رزق دینے والا اللہ ہے۔ الغرض اسی قبطی کے موت کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی مگر قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا آخر مصریوں نے فرعون کے پاس استغاثہ کیا کہ یہ کام کسی اسرائیلی کا ہے آپ دادرسی فرمائیے۔ فرعون نے کہا کہ تم قاتل کا پتہ لگاؤ میں ضرور اس کو سزا دوں گا۔ اس مصری کے موت کے دوسرے ہی دن اتفاق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس کے مارنے والے موسیٰ ہیں۔ یہ راز کیسے کھلا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ظلم یا اس کی اعانت سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ یا اللہ تمام برے کاموں اور شیطانی عملوں سے ہم کو بچائیے اور حق کی حمایت اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ! جس کو آپ حکمت اور علم کی دولت عطا فرماویں تو یہ آپ کا خاص فضل کرم اور احسان ہے۔ یا اللہ اپنی شان غفور الرحیمی سے ہماری تمام گذشتہ تقصیرات کو معاف فرمادے اور آئندہ ہر چھوٹی بڑی غلطی سے بچنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ط

پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں اُن سے مدد چاہی تھی وہ پھر اُن کو پکار رہا ہے،

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ

موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ آدمی ہے۔ سو جب موسیٰ نے اُس پر ہاتھ بڑھایا جو اُن دونوں کا مخالف تھا

لَهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ق إِنْ تُرِيدُ

وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں

إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾ وَجَاءَ

اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے۔اور ایک شخص شہر کے کنارہ سے

رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ

دوڑے ہوئے آئے کہنے لگے کہ اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کررہے ہیں کہ آپ کو قتل کردیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے

فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي

میں آپ کی خیر خواہی کررہا ہوں۔ پس (یہ سُن کر) موسیٰ وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں، کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾ ع

ان ظالم لوگوں سے بچالیجئے۔

فَأَصْبَحَ پس صبح ہوئی اس کی	فِي الْمَدِينَةِ شہر میں	خَائِفًا ڈرتا ہوا	يَتَرَقَّبُ انتظار کرتا ہوا	فَإِذَا الَّذِي تو ناگہاں وہ جس	اسْتَنْصَرَهُ اس نے مدد مانگی تھی اس سے			
بِالْأَمْسِ کل	يَسْتَصْرِخُهُ وہ (پھر) اس سے فریاد کررہا ہے	قَالَ کہا	لَهُ اس کو	مُوسَىٰ موسیٰ	إِنَّكَ بیشک تو	لَغَوِيٌّ البتہ گمراہ	مُبِينٌ کھلا	
فَلَمَّا پھر جب	أَنْ کہ	أَرَادَ ان سے چاہا	أَنْ کہ	يَبْطِشَ ہاتھ ڈالے	بِالَّذِي اس پر جو	هُوَ وہ	عَدُوٌّ لَهُمَا ان دونوں کا دشمن	قَالَ اس نے کہا
يَا مُوسَىٰ اے موسیٰ	أَتُرِيدُ کیا تو چاہتا ہے	أَنْ کہ	تَقْتُلَنِي تو قتل کردے مجھے	كَمَا قَتَلْتَ جیسے قتل کیا تو نے	نَفْسًا ایک آدمی			
بِالْأَمْسِ کل	إِنْ نہیں	تُرِيدُ تو چاہتا	إِلَّا مگر۔صرف	أَنْ تَكُونَ کہ تو ہو	جَبَّارًا زبردستی کرتا	فِي الْأَرْضِ سرزمین میں	وَ اور	
مَا تُرِيدُ تو نہیں چاہتا	أَنْ کہ	تَكُونَ تو ہو	مِنَ سے	الْمُصْلِحِينَ (واحد) مصلح	وَجَاءَ اور آیا	رَجُلٌ ایک آدمی	مِنْ سے	
أَقْصَى الْمَدِينَةِ شہر کا پرلا سرا	يَسْعَىٰ دوڑتا ہوا	قَالَ اس نے کہا	يَا مُوسَىٰ اے موسیٰ	إِنَّ بیشک	الْمَلَأَ سردار	يَأْتَمِرُونَ وہ مشورہ کررہے ہیں		
بِكَ تیرے بارے میں	لِيَقْتُلُوكَ تاکہ قتل کرڈالیں تجھے	فَاخْرُجْ پس تو نکل جا	إِنِّي بیشک میں	لَكَ تیرے لئے	مِنَ سے	النَّاصِحِينَ خیرخواہ		

38

فَخَرَجَ پس وہ نکلا	مِنْهَا وہاں سے	خَآئِفًا ڈرتے ہوئے	يَتَرَقَّبُ انتظار کرتے ہوئے	قَالَ اس نے کہا(دعا کی)	رَبِّ اے میرے پروردگار
نَجِّنِي مجھے بچالے	مِنَ سے	الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کی قوم			

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ مصری اور اسرائیلی کے جھگڑے میں جس میں مصری کی زیادتی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تادیباً تنبیہ کی غرض سے ایک گھونسہ مصری کو رسید کیا اور اتفاق امر کہ وہ گھونسہ لگتے ہی مرگیا جس کا شہر میں چرچا ہوگیا اور فرعون تک شکایت پہنچی جس نے قاتل کا پتہ لگانے کا حکم دیا۔اس واقعہ سے بجز اس اسرائیلی کے اور کوئی واقف نہ تھا اور چونکہ اس کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس لئے اس نے اظہار نہیں کیا اور کسی کو اطلاع نہ ہوئی مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد لے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔الغرض رات گزری۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ صبح کے وقت آپ اس واقعہ کے نتیجہ کے انتظار اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو اتفاق امر آپ نے دیکھا کہ وہی اسرائیلی کسی دوسرے مصری سے جھگڑ رہا ہے اور مصری غالب ہے۔موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر کل کی طرح آج بھی اس نے فریاد کی اور موسیٰ علیہ السلام سے دادرسی کا خواستگار ہوا۔اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوہری ناگواری محسوس کی۔ایک جانب قبطی کا ظلم تھا دوسری جانب اسرائیلی کا شور غوغا اور گذشتہ واقعہ کی یاد تھی۔ اس حالت میں ایک طرف تو آپ نے مصری کو باز رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ساتھ ہی اسرائیلی کو بھی جھڑکتے ہوئے فرمایا کہ بیشک تو صریح بدراہ آدمی ہے کہ روز جھگڑے مول لے کر دادفریاد کیا کرتا ہے۔اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو ہاتھ بڑھاتے اور پھر اپنے متعلق تلخ و ناگوار الفاظ کہتے سنا تو یہ سمجھا کہ مجھ کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مجھ کو گرفت میں لینا چاہتے ہیں اس لئے فوراً چیخ اٹھا کہ کل آپ نے اس قبطی کو مارڈالا آج میری جان لینا چاہتے ہیں مصری نے جب یہ سنا تو اسی وقت فرعونیوں سے کہہ کر ساری داستان جا سنائی۔اب تک کل کے قبطی کا قتل جو پردۂ راز میں تھا وہ ظاہر ہوگیا۔چنانچہ فرعون کو اطلاع دی گئی کہ کل کے مصری کے قاتل موسیٰ ہیں فرعون نے جو یہ سنا تو جلاد کو حکم دیا کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے حاضر کرے اور مشورہ میں موسیٰ علیہ السلام کا قتل کرنا طے پایا۔ مصریوں کے اس مجمع میں ایک نیک طینت اور پاک باطن شخص بھی تھا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ہمدردی اور خیر خواہی پیدا کردی تھی۔ اس نے فرعون کا جو یہ حکم سنا تو فرعونی جلادوں سے پہلے ہی دربار سے نکل کر بعجلت تمام دوڑتا بھاگتا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے سارا قصہ بیان کیا اور ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ فی الفور شہر چھوڑ کر چلے جائیں اور کہیں ایسی جگہ چلے جائیں جہاں مصریوں کی دسترس نہ ہوسکے۔ورنہ آپ کی جان اب سخت خطرہ میں ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مشورہ کو قبول کیا اور خدا سے دعا کی اور ڈرتے ڈرتے مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو راستہ سے واقف نہ تھے۔اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ سیدھے راستہ پر چلایئے اور ان ظالموں سے بچایئے۔

لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو راستہ سے واقف نہ تھے اور چونکہ فرعون کے خوف سے نکلے تھے آپ کے ہمراہ نہ کوئی رفیق رہنما تھا اور نہ زادراہ اور تیز روی کی وجہ سے برہنہ پا تھے لکھا ہے کہ اس تمام سفر میں موسیٰ علیہ السلام کی خوراک درختوں کے پتوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھی اور برہنہ پا ہونے کی وجہ سے سفر کی طوالت نے پاؤں کے تلووں کی کھال تک اڑادی تھی۔اس پریشان حالی میں موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین آٹھ دس دن کی مسافت پر پہنچے۔اب جب مدین کی سرزمین میں پہنچے تو وہاں کیا حالات وواقعات پیش آئے یہ اگلی آیات میں ظاہر کردیا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا

اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہولئے کہنے لگے کہ میرا رب مجھ کو سیدھا راستہ چلائے گا۔ اور جب

وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ

مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اُس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے، اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں،

امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا

موسیٰ نے (اُن سے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لیجاویں اور ہمارے باپ

شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ

بہت بوڑھے ہیں۔ پس یہ (سن کر) موسیٰ نے اُن کیلئے پانی (کھینچ کر اُن کے جانوروں کو) پلایا پھر (وہاں سے) ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (دعاء کی کہ اے میرے پروردگار اس وقت جو نعمت بھی

فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ

آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا سخت حاجت مند ہوں۔ سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں

مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۣ نَجَوْتَ

جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا سو جب اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے تمام حال بیان کیا تو اُنہوں نے کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔

وَلَمَّا اور جب	تَوَجَّهَ اس نے رُخ کیا	تِلْقَآءَ طرف	مَدْيَنَ مدین	قَالَ کہا	عَسٰى امید ہے	رَبِّيْٓ میرا رب	اَنْ يَّهْدِيَنِيْ کہ مجھے دکھائے	
سَوَآءَ السَّبِيْلِ سیدھا راستہ	وَلَمَّا اور جب	وَرَدَ وہ آیا	مَآءَ پانی	مَدْيَنَ مدین	وَجَدَ اس نے پایا	عَلَيْهِ اس پر	اُمَّةً ایک گروہ	مِنَ سے۔ کا
النَّاسِ لوگ	يَسْقُوْنَ پانی پلا رہے ہیں	وَوَجَدَ اور اس نے پایا (دیکھا)	مِنْ دُوْنِهِمُ ان سے علیحدہ	امْرَاَتَيْنِ دو عورتیں	تَذُوْدٰنِ روکے ہوئے ہیں			
قَالَ اس نے کہا	مَا خَطْبُكُمَا تمہارا کیا حال ہے	قَالَتَا وہ دونوں بولیں	لَا نَسْقِيْ ہم پانی نہیں پلاتیں	حَتّٰى جب تک کہ	يُصْدِرَ واپس لے جائیں			
الرِّعَآءُ چرواہے	وَاَبُوْنَا اور ہمارے ابا	شَيْخٌ كَبِيْرٌ بہت بوڑھے	فَسَقٰى تو اس نے پانی پلایا	لَهُمَا ان کے لئے	ثُمَّ تَوَلّٰٓى پھر وہ پھر آیا	اِلَى الظِّلِّ سایہ کی طرف		
فَقَالَ پھر عرض کیا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّيْ بیشک میں	لِمَآ اس کا جو	اَنْزَلْتَ تو اُتارے	اِلَيَّ میری طرف	مِنْ خَيْرٍ کوئی بھلائی (نعمت)		
فَقِيْرٌ محتاج	فَجَآءَتْهُ پھر اسکے پاس آئی	اِحْدٰىهُمَا اُن دونوں میں سے ایک	تَمْشِيْ چلتی ہوئی	عَلَى اسْتِحْيَآءٍ شرم سے	قَالَتْ وہ بولی	اِنَّ بیشک		
اَبِيْ میرا والد	يَدْعُوْكَ تجھے بلاتا ہے	لِيَجْزِيَكَ تاکہ تجھے دے وہ	اَجْرَ صلہ	مَا سَقَيْتَ جو تو نے پانی پلایا	لَنَا ہمارے لئے	فَلَمَّا پس جب		

جَآءَهٗ اس کے پاس گیا	وَقَصَّ اور بیان کیا	عَلَیْهِ اس سے	الْقَصَصَ احوال	قَالَ اس نے کہا	لَا تَخَفْ ڈرو نہیں	نَجَوْتَ تم بچ آئے
	مِنَ سے	الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ظالموں کی قوم				

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ قبطی کے قتل کا راز معلوم ہوجانے پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم جاری کردیا اور مشورہ میں طے پایا کہ آپ کو قتل کردیا جائے۔ تو جس وقت فرعون کے دربار میں یہ مشورہ ہورہا تھا ایک نیک طینت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی پیدا فرمادی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلدی سے واقعہ کی اطلاع دے کر مشورہ دیا کہ آپ فوراً اب شہر سے کہیں نکل جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ تن وتنہا سفر وہ بھی پیادہ پا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ کانٹوں نے پاؤں چھلنی کردیئے پھر راستہ میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا۔ درختوں کے پتوں۔ پر گزر کی۔ راستہ معلوم نہ تھا سفر کے عادی نہ تھے۔ شدائد کو برداشت کرنے کے خوگر نہ تھے لیکن اللہ کا نام لے کر چل کھڑے ہوئے۔ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے وہی ہیں جو عیش وراحت میں پڑ کر نہ خدا کو بھولتے ہیں نہ رنج وغم میں اپنا مرکز توجہ اس سے ہٹاتے ہیں۔ سکھ میں یاد الٰہی اور دکھ میں صبر وامید قائم رکھتے ہیں۔ اور چونکہ مقبولین کا عیش وسرور اور غم والم مراتب اور درجات میں اضافہ کرنے کے لئے ہوتا ہے اس لئے ان کو نہ راحت میں غرور پیدا ہوتا ہے اور نہ دکھ میں شکوہ۔ پھر ایسے بندوں کی کارسازی عالم غیب سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ راہ نجات اور طریق کامرانی خود ان کو بتا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی حالت تھی۔ اگرچہ آپ نے فرعون کے محل میں شاہزادوں کی طرح پرورش پائی تھی لیکن فرعون کی پرجبروت طاقت اور شاہانہ عیش وآرام نے فرعونی مذہب کی طرف آپ کو مائل نہیں کیا۔ اور غیر اللہ کی پرستش سے آپ کو فطری نفرت رہی اور فرعون کی ظلم وزیادتی سے آپ بیزار ہوگئے تھے جس کی بنا پر آپ نے حق تعالیٰ سے عہد فرمایا تھا فلن اکون ظهيراً للمجرمين۔ سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا اور آپ نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کرلیا تھا کیونکہ وہ ظالم اور مجرم حکومت تھی تو اصل بات تو یہ تھی لیکن اتفاقاً قتل قبطی کا واقعہ پیش آگیا اور موسیٰ علیہ السلام نے ساری راحت ونعمت پر لات مار کر مصر سے روانہ ہوگئے۔ اس وقت ممکن تھا کہ نیچے کی جانب اتر کر افریقہ کے صحرا میں چلے جاتے یا کسی اور طرف کا رخ کر لیتے لیکن بمشیت الٰہی آپ مدین کے راستہ پر پڑ گئے۔ لکھا ہے کہ مصر سے مدین کو تین راستہ گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درمیانی راستہ اختیار کیا تھا اور یہ صرف غیبی رہنمائی تھی۔ اور آپ کا پیچھا کرنے والے فرعونی سپاہی دائیں بائیں کے راستوں پر گئے۔ الغرض آپ بھوکے پیاسے اور پریشان حالی میں مدین جو مصر سے آٹھ دس دن کی مسافت پر تھا پہنچے جب مدین کی سرزمین پر قدم رکھا تو ایک جگہ دیکھا کہ کنویں کے سامنے گڈریوں اور چرواہوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور جانوروں کو پانی پلایا جارہا ہے مگر اس جماعت اور بھیڑ سے ذرا فاصلہ پر دو لڑکیاں کھڑی ہیں جو اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی ہیں۔ اور خاموشی سے مجمع کے منتشر ہوجانے کا انتظار کر رہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر یہ بے چاری عورتیں نہ پانی نکال کر پلا سکتی ہیں اور نہ دوسرے چرواہوں میں سے کوئی اس کا روادار ہے کہ اپنے کھینچے ہوئے پانی میں سے ان کی بکریوں کو بھی پلا دے۔ تو آپ کو رحم وترس آیا اور آگے بڑھ کر لڑکیوں سے پوچھا کہ تم پانی کیوں نہیں پلاتیں۔ پیچھے کس لئے کھڑی ہو تو ان میں سے ایک نے دونوں کی طرف

سے جواب دیا کہ ہم تو پانی نکال نہیں سکتے۔ جب یہ دوسرے چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گے۔ ہمارے والد ہیں لیکن وہ بہت ہی بوڑھے ہیں اس لئے مجبوراً ہم کو خود یہ کام کرنا پڑتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترس آیا اور کمزور کی اعانت کا جذبہ کارفرما ہوا۔ آپ آگے بڑھے اور تمام بھیڑ کو چیرتے ہوئے کنویں پر جا پہنچے اور کنویں کا بڑا ڈول اٹھایا اور تنہا کھینچ کر لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلا دیا۔ لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع کو چیرتے ہوئے کنویں کے پاس جانے لگے تو اگرچہ لوگوں کو ناگوار گزرا مگر آپ کی پرجلال صورت اور جسمانی طاقت سے مرعوب ہو گئے اور ڈول کو تنہا کھینچتے دیکھ کر آپ کی قوت کو مان گئے۔ غرض ان لڑکیوں کے گلے نے پانی پی لیا تو وہ گھر کو واپس چلیں۔ گھر پہنچیں تو خلاف عادت جلد واپسی پر ان کے والد کو تعجب ہوا اور دریافت کرنے پر لڑکیوں نے تمام ماجرا کہہ سنایا کہ کس طرح ایک نوجوان نے جو نووارد اور مسافر معلوم ہوتا تھا ان کی مدد کی۔ ان کے والد نے کہا کہ جاؤ اور ان کو میرے پاس لے آؤ۔ اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ لڑکیوں کے باپ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ تو ادھر تو باپ بیٹی کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی پلانے کے بعد قریب ہی ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر سستانے لگے۔ مسافرت۔ غربت اور پھر بھوک پیاس۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر اے پروردگار تو جو عافیت اور بھلائی مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں یعنی غریب الوطن بھی ہوں۔ کوئی دوست یا رشتہ دار بھی ساتھ نہیں۔ مفلس بھی ہوں۔ فاقہ سے بھی ہوں۔ تھکا ماندہ بھی ہوں اس وقت جو بھی بہتر سامان تو اپنی قدرت سے کر دے میں اس کا ضرور تمند اور محتاج ہوں۔ ابھی موسیٰ علیہ السلام دعاء سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ شرم و حیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی۔ منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے۔ چنانچہ نیچی نظریں کئے ہوئے لڑکی نے کہا ''آپ ہمارے گھر چلئے۔ ہمارے والد بلاتے ہیں وہ آپ کے اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ خدا نے میری دعا سن لی اور یہ اسی کا پیش خیمہ ہے اس لئے چلنا ہی بہتر ہے اور اس دعوت کو رد کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ آپ چلنے کے لئے کھڑے ہوئے اور لڑکی کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے پیچھے چلو چنانچہ لڑکی پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی گھر لے کر پہنچی۔ موسیٰ علیہ السلام ان بزرگ صورت و سیرت انسان کی خدمت میں پہنچ کر شرف ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ان بزرگ نے پہلے کھانا کھلایا اور پھر اطمینان کے ساتھ بٹھا کر ان کے حالات سنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے من وعن اپنی ولادت و حسب نسب سے شروع کر کے آخر تک ساری داستان کہہ سنائی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اب تم کچھ اندیشہ نہ کرو۔ یہاں فرعون کی دسترس نہ ہوگی۔ تم ظالموں کے پنجہ سے نکل آئے۔ خدا کا شکر کرو اب کوئی خوف کا مقام نہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جن کے رتبہ ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ سب سے سخت امتحان اور ابتلاء انبیاء کا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لق و دق صحرا میں بھوکا پیاسا پیادہ پا حالت خوف میں سفر کرانا یہ آپ کی آزمائش تھی اس میں تعلیم اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر راحت و عیش کے بعد مصیبت آپڑے تو آدمی کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ سیدھا راستہ ملنے کی دعا اسی سے کرنا چاہئے۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ پھر یہاں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کمزوروں کی خدمت بغیر لالچ کے

کرنی اہل طاقت کا شعار ہونا چاہئے اور پھر خدمت کر کے احسان جتانا اہل ایمان وصلاح کا شیوہ نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی لڑکیوں پر اپنی خدمت کا احسان نہ رکھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر محرم سے بضرورت بخلوص نیت کلام کرنا جائز ہے لیکن بلا ضرورت ناجائز ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا اول لڑکیوں سے ان کا کام دریافت کیا پھر خاموشی سے کام کرنے کے بعد کوئی گفتگو نہ کی ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کمزور کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی پروردگار عالم غیب سے اجر عطا فرماتا ہے اور ایسا عظیم الشان اجر عطا فرماتا ہے کہ جو خدمت سے زیادہ ہوتا ہے مگر بیکسوں کی خدمت کے وقت معاوضہ کی خواہش دل میں نہ ہونی چاہئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس خدمت کے عوض وہ اجر ملا جس کا آپ کو گمان بھی نہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ اے میرے پروردگار آپ جو نعمت بھی عطا کریں میں اس کا حاجتمند ہوں۔ اس کے متعلق بزرگان دین نے لکھا ہے کہ سخت حاجت کی حالت میں بندہ کا اضطراری کیفیت سے اس دعا کا مانگنا تجربہ سے اکسیر ثابت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقبولین کی اتباع میں سخت حاجت کی حالت میں اس دعا کے ذریعہ اپنے طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اس دعا کے کیا برکات وثمرات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئے۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ ہم کو جس حال میں بھی رکھیں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو راحت یا تکلیف جو بھی پیش آئے ہر حال میں صبر وشکر کی توفیق نصیب ہو۔ اور آپ کی غیبی امداد اور نصرت ہمارے شامل حال ہو۔

یا اللہ آپ کی رضا کے لئے ہمیں بھی اپنے ضعیف اور کمزور بندوں کی خدمت کی توفیق اور مواقع نصیب فرما۔

یا اللہ آپ اپنے مقبولین ومحبوبین کا امتحان وآزمائش بھی سخت لیتے ہیں۔ ہم ضعیف الایمان ہیں کسی ابتلا اور آزمائش کی طاقت نہیں رکھتے۔

یا اللہ ہمارے ساتھ اپنے کرم سے احسان ہی کا معاملہ فرمائیں اور ہماری ہر مشکل کو آسان فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ

ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط امانت دار ہو۔وہ کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں

اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا

کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دُوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو، پھر اگر تم دس سال پُورے کردو

فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے،اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھ کو ان شاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

موسیٰ کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو بھی پوری کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا، اور ہم جو (معاملہ کی) بات چیت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ (کافی) ہے۔

قَالَتْ بولی وہ	اِحْدٰىهُمَا ان میں سے ایک	يٰٓاَبَتِ اے میرے باپ	اسْتَاْجِرْهُ اسے ملازم رکھ لو	اِنَّ بیشک	خَيْرَ بہتر	مَنِ جو۔ جسے
اسْتَاْجَرْتَ تم ملازم رکھو	الْقَوِيُّ طاقتور	الْاَمِيْنُ امانت دار	قَالَ (شعیبؑ نے) کہا	اِنِّيْٓ اُرِيْدُ بیشک میں چاہتا ہوں	اَنْ کہ	اُنْكِحَكَ نکاح کردوں تجھ سے
اِحْدَى ایک	ابْنَتَيَّ اپنی دو بیٹیاں	هٰتَيْنِ یہ دو	عَلٰٓى (اس شرط) پر	اَنْ کہ	تَاْجُرَنِيْ تم میری ملازمت کرو	ثَمٰنِيَ حِجَجٍ آٹھ سال	فَاِنْ پھر اگر
اَتْمَمْتَ تم پورے کرو	عَشْرًا دس	فَمِنْ عِنْدِكَ تو تمہاری طرف سے	وَ اور	مَآ اُرِيْدُ نہیں چاہتا میں	اَنْ اَشُقَّ کہ میں مشقت ڈالوں	عَلَيْكَ تم پر
سَتَجِدُنِيْٓ عنقریب تم پاؤ گے مجھے	اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ان شاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا)	مِنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ نیک (خوش معاملہ) لوگ	قَالَ اس نے کہا		
ذٰلِكَ یہ	بَيْنِيْ میرے درمیان	وَبَيْنَكَ اور تمہارے درمیان	اَيَّمَا جو	الْاَجَلَيْنِ مدت دونوں میں	قَضَيْتُ میں پوری کروں	فَلَا عُدْوَانَ کوئی جبر (مطالبہ) نہیں
	عَلَيَّ مجھ پر	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلٰي پر	مَا نَقُوْلُ جو ہم کہہ رہے ہیں	وَكِيْلٌ گواہ	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مصر سے نکل کر کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام قبیلہ مدین کے بزرگ میزبان حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے۔حضرت شعیب علیہ السلام نے سارا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سن کر اپنی پیغمبرانہ فراست سے سمجھ لیا ہوگا کہ آج مدین میں کس درجہ برگزیدہ مسافر وارد ہوا ہے یا الہام کے ذریعہ سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلیل القدر اور اولوالعزم ہونا معلوم ہو گیا ہو اور ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے حضرت شعیب علیہ السلام مامور ہو گئے ہوں کہ موسیٰ کو اپنے پاس رکھو تا کہ ان کی روح میں روشنی قلب میں سکون اور قوتوں میں اعتدال پیدا ہو جائے اور آپ کی فطرت اور طبیعت اس خاص معیار پر پہنچ جائے جس کے لئے مشیت ایزدی پہلے سے مقدر ہو چکی تھی اور جس کی بشارت آپ کی ولادت ہی کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کو دے دی گئی تھی یعنی منصب نبوت ملنے کی۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اب حضرت شعیب علیہ السلام کے مہمان تھے۔

اب آگے کے واقعات و حالات ان آیات میں بیان کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہی صاحبزادی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کنویں پر سے بلانے گئی تھیں انہوں نے اپنے والد

سے کہا آپ اس مہمان کو اپنے مویشیوں کے چرانے اور پانی وغیرہ پلانے کے لئے ملازم رکھ لیجئے اس وجہ سے کہ بہترین ملازم کی دو صفتیں ہیں۔قوت اور امانت اور یہ دونوں صفتیں ان میں موجود ہیں۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے بیٹی سے دریافت کیا کہ تم کو اس مہمان کی قوت و امانت کا حال کیا معلوم؟ تو لڑکی نے جواب دیا کہ مہمان کی قوت کا اندازہ تو اس سے کیا کہ پورے مجمع کو ہٹا کر کنویں کا بڑا ڈول جو کئی آدمی مل کر کھینچتے ہوں گے انہوں نے تنہا بھر کر کھینچ لیا اور امانت کا اندازہ اس طرح ہوا کہ جب میں ان کو بلانے گئی تو انہوں نے مجھے دیکھ کر نیچی نظریں کر لیں اور گفتگو کے دوران میں ایک مرتبہ بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا اور جب گھر آنے لگے تو مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے چلے اور صرف اشاروں سے میں ان کی رہنمائی کرتی رہی۔ بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سنا تو بہت مسرور ہوئے اور بیٹی کے مشورہ پر غور کرنے کے بعد آپ نے یہ رائے قائم کی کہ آدمی شریف سہی مگر جوان بیٹیوں کے گھر میں ایک جوان تندرست و توانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ چھوڑنا مناسب نہیں۔ جب یہ شریف تعلیم یافتہ، مہذب اور خاندانی آدمی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا قصہ سن کر انہیں سب معلوم ہو چکا تھا تو کیوں نہ انہیں داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے اس رائے پر پہنچنے کے بعد آپ نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم کم از کم آٹھ سال تک میری خدمت میں رہو اور اگر دو سال تم اپنی مرضی سے زائد کر دو تو یہ تمہارا احسان ہے۔اور میں کوئی سخت خدمت تم سے نہیں لوں گا تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں۔میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اس وقت کسی ٹھکانے کے طالب تھے آپ نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور کہا کہ میں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔اب یہ میری خوشی پر چھوڑ دیئے کہ میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو چاہوں پورا کر دوں یعنی ۸ سال کی مدت یا ۱۰ سال کی مدت۔اگر میں نے آٹھ سال آپ کا کام کیا اور پھر جانا چاہا تو آپ کو مزید دو سال روکنے کا حق نہ ہوگا اور ہماری اس قرارداد کا خدا کفیل ہے۔ یعنی خدا گواہ کر کے ہم یہ اقرار کرتے ہیں۔طرفین کی اس باہمی رضامندی کے بعد بزرگ میزبان نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر موسیٰ علیہ السلام سے اس بیٹی کا عقد کر دیا۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ۸ سال کے قیام کی شرط کیوں لگائی تھی؟ اس کے دو سبب ہیں اول تو وہی کہ جس کی آپ نے خود بھی صراحت کر دی تھی کہ مجھے کام کاج کی ضرورت ہے کہ میں کمزور بوڑھا ہوں گھر کی دیکھ بھال اور کاروبار کی سرانجام دہی نہیں کر سکتا۔دوسرا حقیقی سبب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی عزت و بزرگی اور صلاح و استعداد سے بفراست یا بالہام حضرت شعیب علیہ السلام واقف ہو چکے تھے اور پورا قصہ سننے کے بعد سمجھ گئے تھے کہ موسیٰ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے اس لئے اپنے دامن نبوت کے زیر سایہ ایک مدت تک موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنا ضروری سمجھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں کتنی مدت رہے؟ تو ۸ سال کی مدت تو بطور لزوم قرآن پاک سے ظاہر ہی ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کر لیا تو اس کو پورا بھی کیا ہوگا لیکن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے آٹھ کی بجائے دس سال کی مدت پوری کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ کامل اوران کے خسر کے لئے زیادہ خوشگوار تھی یعنی ۱۰ سال۔

اس موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وطن سے نکلے اورآٹھ برس پیچھے آکر مکہ فتح کیا اور اگر چاہتے تو اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرالیتے لیکن اپنی خوشی سے ۱۰ برس پیچھے کافروں سے پاک کیا۔'' بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہنا شروع کیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے بکریاں چرانے کی خدمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی۔ گویا فرعون کے محل سراؤں میں پلا ہوا شاہزادہ اب مدین کا ایک چرواہا تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد کرنے سے غالباً اس طرف ایماء ہے کہ آگے چل کر انسانوں کے ریوڑ کو چرانا ہوگا۔ بھیڑ بکری بہت ہی کم عقل جانور ہے۔ جدھر سے روکو پھر اسی طرف جاتی ہے۔ اور کمزور بھی ہے کہ ایک لٹھ میں مر بھی سکتی ہے اور بھیڑیا خصوصیت کے ساتھ اس کو شکار کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ چرواہے کو بہت ضبط و تحمل محبت اور چوکسی سے کام کرنا پڑتا ہے۔ نبی کو بھی انہی احوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ شیطان بھیڑیا ہے۔ ہر شخص کو شکار کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ اس سے حفاظت کرنی۔ نافرمان انسانوں کی نافرمانی پر ضبط کرنا اور باوجود ان کی مخالفت و عداوت کے ہر وقت ان کی اصلاح میں سرگرم رہنا معمولی کام نہیں۔ خواہش اور غیض وغضب کے تمام جذبات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ قوت عقلیہ کی روشنی میں انسانوں کی چوکسی کرنی پڑتی ہے۔ تو چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی ہونا تھا اس وجہ سے آپ کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد کی گئی۔ اور بکریاں چرانے کی یہ حکمت نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے بلکہ ہر نبی اور پیغمبر نے اسی حکمت کے ماتحت بکریاں چرائی ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی مزدوری پر چرائی ہیں۔

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے دس سال کی مدت کو پورا فرمایا اور پھر اس مدت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہونے کے ارادے سے مدین سے رخصت ہوئے تو بعد کے واقعات و حالات اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہماری ظاہری و باطنی تربیت و ہدایت کے سامان غیب سے فرمادیں۔ اور ہر حال میں کرم وفضل کا معاملہ ہم سے فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں ہم کو خوش معاملہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح سے ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت مطہرہ کا ظاہر میں اور باطن میں پابند بنائیں اور ہمارے دین کی حفاظت کاملہ فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیبؑ کے) اپنی بی بی کو لے کر روانہ ہوئے تو ان کو کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دکھلائی دی، انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا

امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

کہ تم (یہاں ہی) ٹھیرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (راستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارا لے آؤں

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ

تاکہ تم سینکو۔ سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی

يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ

کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو، سو انہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ ہوتا ہے

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ

تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن میں ہو۔ تم اپنا ہاتھ

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

گریبان کے اندر ڈالو وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان) سے ملا لینا

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

فَلَمَّا پھر جب	قَضٰى پوری کر دی	مُوْسٰى موسیٰ	الْاَجَلَ مدت	وَسَارَ اور چلا وہ	بِاَهْلِهٖ ساتھ اپنے گھر والی	اٰنَسَ اس نے دیکھی	مِنْ سے	
جَانِبِ طرف	الطُّوْرِ کوہ طور	نَارًا ایک آگ	قَالَ اس نے کہا	لِاَهْلِهِ اپنے گھر والوں سے	امْكُثُوْٓا تم ٹھہرو	اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ بیشک میں نے دیکھی		
نَارًا آگ	لَّعَلِّيْٓ شاید میں	اٰتِيْكُمْ میں لاؤں تمہارے لئے	مِّنْهَا اس سے	بِخَبَرٍ کوئی خبر	اَوْ جَذْوَةٍ یا چنگاری	مِّنَ النَّارِ آگ سے	لَعَلَّكُمْ تاکہ تم	
تَصْطَلُوْنَ آگ تاپو	فَلَمَّا پھر جب	اَتٰىهَا وہ آیا اسکے پاس	نُوْدِيَ ندا دی گئی	مِنْ شَاطِئِ کنارہ سے	الْوَادِ الْاَيْمَنِ میدان دایاں	فِي الْبُقْعَةِ جگہ میں		
الْمُبٰرَكَةِ برکت والی	مِنَ الشَّجَرَةِ ایک درخت سے	اَنْ کہ	يّٰمُوْسٰٓى اے موسیٰ	اِنِّيْٓ اَنَا بیشک میں	اللّٰهُ اللہ	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ جہانوں کا پروردگار		
وَاَنْ اور یہ کہ	اَلْقِ ڈالو	عَصَاكَ اپنا عصا	فَلَمَّا رَاٰهَا پھر جب اس نے اسے دیکھا	تَهْتَزُّ لہراتے ہوئے	كَاَنَّهَا گویا کہ وہ	جَاۗنٌّ سانپ	وَّلّٰى وہ لوٹا	
مُدْبِرًا پیٹھ پھیر کر	وَ اور	لَمْ يُعَقِّبْ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا	يٰمُوْسٰٓى اے موسیٰ	اَقْبِلْ آگے آ	وَ اور	لَا تَخَفْ تو ڈر نہیں	اِنَّكَ بیشک تو	مِنَ سے
الْاٰمِنِيْنَ امن پانے والے	اُسْلُكْ تو ڈال لے	يَدَكَ اپنا ہاتھ	فِيْ جَيْبِكَ اپنے گریبان	تَخْرُجْ وہ نکلے گا	بَيْضَاۗءَ روشن سفید	مِنْ سے۔ کے		

غَيْرِ سُوْٓءٍ بغیر کسی عیب	وَاضْمُمْ اور ملالینا	اِلَيْكَ اپنی طرف	جَنَاحَكَ اپنی بازو	مِنَ الرَّهْبِ خوف سے	فَذٰنِكَ پس یہ دونوں	بُرْهَانٰنِ دو دلیلیں	
مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب (کی طرف) سے	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	وَمَلَا۠ئِهٖ اور اسکے سردار	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا ہیں	قَوْمًا ایک گروہ	فٰسِقِيْنَ نافرمان

تفسیر وتشریح:۔ ابتدا سے اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کس قدر حیرت افزا اور تعجب خیز ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی سلطنت کا جابر وقاہر حکمراں نجومیوں کی دی ہوئی تعبیر پر کہ غلام قوم میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کی حکومت اور اس کی قوم کے لئے ہلاکت کا موجب ہوگا اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے شاہی فرمان سے غلام قوم میں پیدا ہونے والے ہزارہا معصوم بچے قتل کئے جا چکے ہیں لیکن جب یہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی پرورش اس کے سب سے بڑے دشمن سے کرائی جاتی ہے۔ اس طرح شاہانہ نوازشات میں نازونعم سے پل کر جوان ہوتے ہیں تو ایک دن ایک مصری کے قتل کا راز فاش ہونے سے آپ کو مجبوراً بالکل غیر متوقع طور پر ان تمام آسائشوں اور راحتوں کو خیر باد کہہ کر ایک اجنبی اور غیر ملک کی طرف تن تنہا جانا پڑتا ہے جہاں نہ کوئی مونس وغمگسار ہے۔ نہ کوئی ہمدرد و خیر خواہ۔ یہاں اتفاقیہ کنویں پر دو لڑکیاں دیکھتے ہیں جن کی بے بسی کمزوری اور لاچاری پر ترس کھا کر آپ ان کے لئے پانی کنویں سے کھینچ دیتے ہیں اور اس طرح ان لڑکیوں کے والد محترم تک آپ کی رسائی ہوتی ہے جو بالآخر اس اجنبی وطن میں صرف آپ کو مہمان ہی نہیں بلکہ اپنا داماد بھی بنا لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو پیغمبر اور اہل اللہ کی زندگی میں معجزوں اور عجوبوں کی تلاش میں بھٹکتے ہیں اگر وہ ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ خود ان کی زندگی ہی سراسر معجزہ اور عجوبہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اب تک اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر ظاہر ہو چکے تھے مگر ابھی سب سے بڑا انعام ظاہر ہونا باقی تھا اور وہ تھا ظہور منصب نبوت جس کی استعداد کی تکمیل کے لئے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں آپ کو رکھا گیا۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ دس سال کی موعودہ مدت پوری کرنے کے بعد آپ کو اپنے رشتہ داروں کو دیکھنے کا شوق ہوا تو مصر کو پھر آنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ اور کچھ بکریوں کو ساتھ لے کر پیادہ پا چلدیئے۔ دوران سفر ایک جگہ راستہ گم ہو گیا۔ رات کا وقت۔ سردی کا زمانہ مجبوراً کوہ طور کے پاس وادی طویٰ میں ایک گوشہ میں ٹھہر گئے۔ اب جو چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایک جانب سے آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ نے اس کو ظاہری دنیا کی آگ سمجھ کر اہلیہ سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے تاپنے کے لئے آگ لے آؤں اور وہاں کوئی رہبر مل گیا تو راستہ کا پتہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اسی موقع پر کسی شاعر نے کیا خوب کیا ہے۔

خدا کے فضل کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

تو جس روشنی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اس روشنی کے پاس پہنچے تو عجیب منظر دیکھا کہ ایک درخت سے عجیب وغریب اور پرہیبت شعلے بھڑک رہے ہیں اور آگ جس قدر بڑھتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز وشاداب ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی میں اضافہ ہوتا ہے آگ کا اشتعال بھی تیز ہوتا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب جانے کا قصد کرتے ہیں کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھا لائیں مگر جتنا وہ آگے بڑھتے ہیں آگ

پیچھے ہٹتی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف سا پیدا ہوا۔ ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں اور جوں ہی آپ پلٹنے لگے آگ قریب آ گئی۔ اسی حیرت کے عالم میں ایک آواز آتی ہے کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اس موقع کی تفصیلات سورۂ طٰہٰ سولھویں پارہ میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جہاں بتلایا گیا ہے کہ منصب نبوت ورسالت کے لئے منتخب کر لینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے خالص توحید کی تعلیم فرمائی گئی اور پھر ہر قسم کی بدنی و مالی عبادت کا حکم دیا گیا۔ نماز چونکہ اہم العبادات ہے اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا اور اس حقیقت پر بھی متنبہ فرما دیا گیا کہ نماز کا مقصود اصلی یاد خدا اور ذکر الٰہی ہے گویا نماز سے غفلت خدا کی یاد سے غفلت ہے۔ چونکہ تمام عبادات و اعمال کی جڑ بنیاد عقیدۂ آخرت ہے اس لئے توحید کی تعلیم اور عبادت کے حکم کے بعد قیامت پر ایمان لانے کا حکم ہوا تاکہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے ساتھ ہی یہ امر بھی واضح فرما دیا کہ مختلف مصالح اور حکمتوں کی بنا پر قیامت کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھا گیا ہے۔ الغرض عطائے نبوت ورسالت کے ساتھ اب اس کے لوازم یعنی معجزات عطا ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اول سب سے بڑا معجزہ یہ عطا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی زمین پر ڈالنے کا حکم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور جونہی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ ایک سانپ بن گئی اور سانپ بھی اژدہا۔ لیکن اژدہا حرکت نہیں کر سکتا اور وہ چھوٹے تیز سانپ کی طرح پھرتی سے کودتا پھرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام راز سے واقف نہ تھے اس لئے بتقاضائے بشریت خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے کہ **ولی مدبرًا ولم یعقب** یعنی وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانپ۔ شیر اور اژدھے وغیرہ زہریلے اور خطرناک

جانوروں سے ڈرنا بالکل ایک امر طبعی ہے اور بڑے سے بڑے کمالات ولایت یہاں تک کہ نبوت و رسالت کے بھی منافی نہیں اور حضرت کلیم اللہ کا یہ خوف تمام تر طبعی ہی تھا۔ یہاں سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ معجزہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہوتا ہے۔ پیغمبر اس کے اظہار کا صرف واسطہ ہوتا ہے۔ پیغمبر کو اس معجزہ کے پیدا کرنے میں مطلق دخل نہیں ہوتا ورنہ خود اپنے معجزہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف کیوں ہوتا۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی کا اژدہا بنتے ہوئے حیرت انگیز واقعہ کو دیکھا تو طبعاً گھبرا گئے اور بشریت کے تقاضہ سے متاثر ہو کر بھاگنے لگے تو فوراً حکم الٰہی ہوا کہ اے موسیٰ ڈرو مت۔ خوف نہ کرو۔ آگے آؤ تم ہر طرح امن میں ہو اور یہ کوئی ڈر کی بات نہیں بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور تم کو ایک دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر بغل سے ملا لو پھر نکالو تو سفید چمکتا ہوا اور روشن نکلے گا اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی طرح نہ ہوگی جو عیب سمجھا جائے۔ اور اگر مثل معجزۂ عصا کے اس معجزہ سے بھی طبعاً خوف و حیرت پیدا ہو تو خوف کو رفع کرنے کے واسطے اپنا وہ ہاتھ پھر گریبان میں داخل کر کے بغل سے ملا لو تو وہ پھر بدستور اپنی اصلی حالت پر ہو جاوے گا جیسا کہ اژدھے پر ہاتھ ڈالنے سے وہ پھر اپنی اصلی حالت یعنی لاٹھی کی شکل میں بن جاتا ہے۔ آگے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا گیا کہ یہ دو خاص معجزے آپ کی نبوت کی دو دلیل اور سند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کئے گئے اب آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیے اور اس کو راہ ہدایت دکھائیے۔ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور و تکبر اور انتہائی ظلم کے ساتھ بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو ان کو اس غلامی سے چھٹکارا دلائیے۔

الغرض اب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدائے تعالیٰ کے پیغمبر

اور جلیل القدر رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیاء کے سچے دین کی تلقین اور فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی رہائی کی اہم خدمات کے لئے چن لیا۔ وہ اب وادی مقدس میں حق تعالیٰ سے شرف کلامی حاصل کررہے ہیں۔ وہ موسیٰ علیہ السلام جو مدین کی راہ سے بھٹک گئے تھے اب مصر جیسے ملک اور اس کے سرکش ومغرور بادشاہ کی رہنمائی کرنے کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور جو کل تک اونٹوں اور بکریوں کی گلہ بانی کررہے تھے آج انسانوں کی قیادت کے فرض کو انجام دینے کے لئے چنے گئے اور جو نصاب زندگی کل بکریوں کے گلہ کی چرائی سے شروع ہوا تھا وہ آج وادی مقدس میں خدا کی اشرف المخلوقات حضرت انسان کی گلہ بانی پر تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ اب جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد رسالت کی خدمت سپرد کی گئی تو موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ فرعون کی فرعونیت معلوم تھی اس لئے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مصر پہنچتے ہی فرض رسالت کو ادا کرنے سے پہلے ہی مجھے قتل کردیا جائے خصوصاً جب کہ ایک ظاہری سبب موجود بھی تھا کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا۔

اس قبطی کے انتقال کا بہانہ فرعونیوں کے لئے کافی تھا اس خیال کو پیش نظر رکھ کر حق تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے کچھ معروضات پیش کیں اور ان کے جوابات حق تعالیٰ نے عنایت فرمائے جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی معرفت وہدایت کے نور سے ہمارے دلوں کو بھی منور فرمائیں اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی دولت سے ہم سب کو نوازیں۔ اور ظاہر اور باطن میں اپنے رضا کے طریق پر ہم سب کو چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور جو راہ ہدایت ہم کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دکھلائی ہے اس پر ہم کو جم جانے اور دوسروں کو بھی وہی راہ دکھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ

اُنہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اُن میں سے ایک آدمی کا خون کردیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کردیں۔اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے

لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ

تو اُن کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ میری تقریر کی تائید اور تصدیق کریں گے کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔ارشاد ہوا کہ ہم ابھی تمہارے بھائی کو

عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ

تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی، ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا

اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ

غالب رہو گے۔غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک جادو ہے کہ افترا کیا جاتا ہے

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ

اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سُنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو۔اور موسیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے

جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

جو صحیح دین اس کے پاس سے لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اِس عالَم سے اچھا ہونے والا ہے بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ قَتَلْتُ بیشک میں نے مار ڈالا	مِنْهُمْ ان (میں) سے	نَفْسًا ایک شخص	فَاَخَافُ سو میں ڈرتا ہوں		
اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ وہ مجھے قتل کردیں گے	وَاَخِیْ اور میرا بھائی	هٰرُوْنُ ہارونؑ	هُوَ وہ	اَفْصَحُ زیادہ فصیح	مِنِّیْ مجھ سے	لِسَانًا زبان	فَاَرْسِلْهُ سو بھیج دے اسے
مَعِیَ میرے ساتھ	رِدْاً مددگار	يُّصَدِّقُنِیْۤ اور تصدیق کرے میری	اِنِّیْۤ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اَنْ کہ	يُّكَذِّبُوْنِ وہ جھٹلائیں گے مجھے	قَالَ فرمایا	
سَنَشُدُّ ہم ابھی مضبوط کردیں گے	عَضُدَكَ تیرا بازو	بِاَخِيْكَ تیرے بھائی سے	وَنَجْعَلُ اور ہم عطا کریں گے	لَكُمَا تمہارے لئے	سُلْطٰنًا غلبہ		
فَلَا يَصِلُوْنَ پس وہ نہ پہنچیں گے	اِلَيْكُمَا تم تک	بِاٰيٰتِنَاۤ ہماری نشانیوں کے سبب	اَنْتُمَا تم دونوں	وَمَنِ اور جس	اتَّبَعَكُمَا پیروی کی تمہاری	الْغٰلِبُوْنَ غالب رہو گے	
فَلَمَّا پھر جب	جَآءَهُمْ آیا ان کے پاس	مُّوْسٰی موسیٰ	بِاٰيٰتِنَا ہماری نشانیوں کیساتھ	بَيِّنٰتٍ کھلی۔واضح	قَالُوْا وہ بولے	مَا هٰذَاۤ نہیں ہے یہ	
اِلَّا مگر	سِحْرٌ ایک جادو	مُّفْتَرًى افترا کیا ہوا	وَّ اور	مَا سَمِعْنَا نہیں سنا ہے ہم نے	بِهٰذَا یہ۔ایسی بات	فِیْۤ میں	اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ اپنے اگلے باپ دادا
وَقَالَ اور کہا	مُوْسٰی موسیٰ	رَبِّیْۤ میرا رب	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَنْ اس کو جو	جَآءَ لایا	بِالْهُدٰی ہدایت	مِنْ عِنْدِهٖ اسکے پاس سے
وَمَنْ اور جس	تَكُوْنُ ہوگا۔ہے	لَهٗ اس کیلئے	عَاقِبَةُ الدَّارِ آخرت کا اچھا گھر	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُفْلِحُ نہیں فلاح پائیں گے	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال کی مدت پوری کرکے مدین سے مصر کی طرف مع اپنی

اہلیہ محترمہ کے روانہ ہوئے۔ راستہ میں کوہ طور کے پاس رات کے وقت سردی کی حالت میں ٹھہرنا ہوا جبکہ راہ بھی بھول گئے تھے۔ کوہ طور کے دامن میں ایک روشنی نظر پڑی تو آپ اہلیہ کو وہیں بٹھا کر آگ لینے کی غرض سے روشنی کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ روشنی کوئی دنیا کی آگ کی روشنی نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر آپ کو حق تعالیٰ سے شرف مکالمہ نصیب ہوا اور منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے گئے اور فرعون کے پاس بحیثیت پیغمبر خدا جانے اور اسکو اور اس کی قوم کو ایمان و اسلام کی تلقین اور بنی اسرائیل کو غلامی سے رہائی دلانے کی خدمات سپرد ہوئیں اور آپ کو پیغمبری کی سند ودلالت میں دو معجزے عطا ہوئے۔ ایک تو لاٹھی کا معجزہ کہ جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتی تھی اور پھر ہاتھ ڈالنے سے لاٹھی ہو جاتی تھی۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضا یعنی بغل میں ہاتھ دے کر نکالنے سے روشن اور چمکدار ہو کر نکلتا اور پھر بغل میں دینے سے اپنی اصلی حالت پر ہو جاتا۔

جب وادیٔ مقدس میں آپ کو منصب نبوت عطا ہونے کے بعد فرعون کے پاس بغرض تبلیغ دین جانے کا حکم ہوا تو جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب میں فرعون کے پاس جانے کے لئے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے کیونکہ میرے ہاتھ سے ایک فرعونی کا خون ہو گیا تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے فرعون کے پاس پہنچتے ہی وہ مجھے قتل نہ کر دیں اور تبلیغ بھی نہ ہو سکے۔ یہاں مفسرین نے ایک شبہ نقل کر کے ساتھ ہی اس کا جواب بھی لکھا ہے۔ شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی کے شایان شان نہیں کہ اللہ کے سوا کسی سے خوف کرے تو پھر آپ کو اپنی جان کا خوف کیوں ہوا؟ اس کا جواب لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرض رسالت ادا کرنے کے مقابلہ میں اپنی جان عزیز نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام تو جلیل القدر نبی تھے ایک معمولی مجاہد بھی اللہ کے راستہ میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ تو دراصل موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنی جان عزیز نہ تھی۔ اندیشہ صرف اس بات کا تھا کہ تبلیغ حکم سے پہلے ہی اگر مجھے قتل کر دیا گیا تو ادائے فرض رسالت میں کوتاہی ہو جائے گی اور ممکن ہے مجھ سے اس کا مواخذہ کیا جائے۔ تو درحقیقت یہ قتل کا خوف نہ تھا بلکہ ادائے رسالت میں قصور کی بازپرس کا اندیشہ تھا اس لئے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ آپ کی طرف سے کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ جو میرے پہنچتے ہی تبلیغ اور ادائے رسالت کی نوبت آنے سے پہلے ہی وہ مجھے گرفتار کر کے قتل نہ کر دیں۔ دوسری عرض یہ کہ میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہیں۔ ان کو بھی میرا مددگار بنا دیجئے اور ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرما دیجئے تا کہ وہ میری تائید اور تصدیق کر سکیں اور اگر بحث و مناظرہ کی نوبت آ جائے تو بھائی ہارون کی رفاقت مفید ہوگی کیونکہ ان کی زبان زیادہ تیز اور صاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم تمہاری دونوں درخواستیں منظور کرتے ہیں تمہارے بھائی ہارون کو بھی تمہارا شریک کار بناتے ہیں وہ تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہوگی۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہماری مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہے اور جو نشانات ہم نے تم کو بخشے ہیں وہ تمہاری کامیابی کا باعث ہوں گے اور انجام کار تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب و منصور رہیں گے۔ اب جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز ہو چکے۔ کلام ربانی سے فیضیاب ہوئے اور دعوت و تبلیغ حق میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ پا چکے تو وادیٔ مقدس سے اُترے اور اپنی اہلیہ کے پاس پہنچے جو وادی کے سامنے جنگل میں ان کی منتظر اور چشم براہ تھیں۔ وہیں سے انکو ساتھ لیا اور بنیت تعمیل حکم الٰہی مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مصر پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ لکھا ہے کہ آپ خاموشی کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ یہ بنی اسرائیل میں مہمان نواز گھر تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر و مدارات کی گئی۔ اسی دوران میں آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آپہنچے۔ یہاں پہنچنے سے قبل ہی ہارون علیہ السلام کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا ہو چکا تھا اس لئے ان کو بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بتادیا گیا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی سے آکر لپٹ گئے اور پھر ان کو اور ان کی اہلیہ کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا۔ تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور والدہ کی دونوں آنکھوں نے ٹھنڈک حاصل کی۔ بہرحال حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان جب ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اب دونوں نے طے کیا کہ خدا تعالیٰ کے امتثال حکم کے لئے فرعون کے پاس چلنا اور اس کو پیغام الٰہی سنانا چاہئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت و تاج بھی ہے اور ظالم و مغرور بھی۔ وہاں نہ جاؤ۔ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا اور اس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ غرض دونوں بھائی خدا کے سچے پیغمبر اور نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف و خطر اندر داخل ہوگئے۔ جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور گفتگو شروع ہوئی۔ اس موقع کی تفصیلات سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں بیان ہو چکی ہیں یہاں اس سورۃ میں ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو معجزات دکھلائے تو فرعون اور اس کے درباری سب کہنے لگے کہ یہ سب محض ایک جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کرکے یہ کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کرکے لے آیا اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔ حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں محض ساحرانہ تخیل اور افترا ہے اور جو باتیں یہ کرتا ہے مثلاً خدا ایک ہے۔ اس نے ساری دنیا کو پیدا کیا۔ اور ایک وقت پھر سب کو فنا کردے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر حساب کتاب ہوگا اور مجھ کو اس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں اپنے بڑوں سے ہمارے کان میں کبھی نہیں پڑیں۔ تو گویا ان کافروں کو اپنی صداقت کا دعویٰ صرف اس بنا پر تھا کہ وہ باپ دادا کے طریقہ پر قائم تھے اور باپ دادا ہی کا طریقہ ان کی نظر میں طریقۂ ہدایت تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مقابلہ میں برہانی اور عقلی طور پر ہدایت و ضلالت اور صدق و کذب کا ایک معیار قائم فرمایا اور فرعونیوں کے اس قول کے جواب میں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کے وقت میں بھی ایسی بات نہیں سنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہدایت تو وہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور خدا ہی خوب واقف ہے اور خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے پیام ہدایت لے کر آیا ہے یعنی تمہارے باپ دادا خدا کی طرف سے پیام ہدایت لے کر نہ آئے تھے اور میں خدا کا فرستادہ ہوں۔ اس کی تعلیم کے مطابق راستہ بتا رہا ہوں اس لئے میرا بتایا ہوا راستہ صحیح اور تمہارے باپ دادا کا طریق زندگی غلط۔ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام میرا ہی بہتر ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر ناانصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ انجام کار کامیاب نہیں ہو سکتے اور ان کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اب فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے دلائل و معجزات دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے معتقدین فرعونی ان کی طرف مائل نہ ہوجاویں تو لوگوں کو جمع کرکے یا تو استہزا اور تمسخر کی راہ سے یا اس قدر بدحواس اور پاگل ہو گیا کہ مضحکہ خیز اور لچر پوچ تجویزیں سوچنے لگا جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى

اور فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا،تو اے ہامان تم ہمارے لئے

الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

مٹی کو آگ میں پکواؤ پھر میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تا کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا

اور فرعون اور اُس کے تابعین نے ناحق دُنیا میں سر اُٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ اُن کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے۔

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

تو ہم نے اُس کو اور اُس کے تابعین کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا(یعنی غرق کردیا)سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ

اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو(لوگوں کو)دوزخ کی طرف بُلاتے رہے،اور قیامت کے روز کوئی اُن کا ساتھ نہ دے گا۔اور دنیا میں بھی ہم نے

هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اُن کے پیچھے لعنت لگادی،اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ اور کہا فرعون نے	يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اے سردارو	مَا عَلِمْتُ نہیں جانتا میں	لَكُمْ تمہارے لئے	مِّنْ کوئی	اِلٰهٍ معبود	غَيْرِيْ اپنے سوا		
فَاَوْقِدْ لِيْ پس آگ جلا میرے لئے	يٰهَامٰنُ اے ہامان	عَلَى الطِّيْنِ مٹی پر	فَاجْعَلْ لِّيْ پھر میرے لئے بنا (تیار کر)	صَرْحًا ایک بلند محل	لَّعَلِّيْ تاکہ میں			
اَطَّلِعُ میں جھانکوں	اِلٰٓى طرف	اِلٰهِ معبود	مُوْسٰى موسیٰ	وَاِنِّيْ اور بیشک میں	لَاَظُنُّهٗ البتہ سمجھتا ہوں اسے	مِنَ سے	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے	
وَاسْتَكْبَرَ اور مغرور ہوگیا	هُوَ وہ	وَجُنُوْدُهٗ اور اس کا لشکر	فِي الْاَرْضِ زمین (دنیا) میں	بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق	وَظَنُّوْٓا اور وہ سمجھ بیٹھے	اَنَّهُمْ کہ وہ		
اِلَيْنَا ہماری طرف	لَا يُرْجَعُوْنَ نہیں لوٹائے جائیں گے	فَاَخَذْنٰهُ تو ہم نے پکڑا اسے	وَجُنُوْدَهٗ اور اس کا لشکر	فَنَبَذْنٰهُمْ پھر ہم نے پھینک دیا انہیں				
فِي الْيَمِّ دریا میں	فَانْظُرْ سو دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الظّٰلِمِيْنَ ظالم	وَ اور	جَعَلْنٰهُمْ ہم نے بنایا انہیں	اَئِمَّةً سردار
يَّدْعُوْنَ وہ بلاتے ہیں	اِلَى النَّارِ جہنم کی طرف	وَ اور	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	لَا يُنْصَرُوْنَ وہ مدد نہ دیے جائینگے	وَاَتْبَعْنٰهُمْ اور ہم نے لگادی انکے پیچھے			
	فِيْ میں	هٰذِهِ الدُّنْيَا اِس دنیا	لَعْنَةً لعنت	وَ اور	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	هُمْ وہ	مِّنَ سے	الْمَقْبُوْحِيْنَ بدحال لوگ

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل اور معجزات کے ساتھ اپنی حقانیت کو ثابت کیا تو معجزات کو دیکھ کر فرعونیوں نے کہہ دیا کہ ہم نے ایسی باتیں باپ دادا کے وقتوں سے بھی نہیں سنی تاہم فرعون کو اندیشہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ودلائل سے کہیں میرے معتقدین ان کی طرف مائل نہ ہوجائیں اور ارکان حکومت اور عام رعایا کہیں میرے خدائی کے اقرار سے نہ پھر

39

جائے اس لئے ایک طرف تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قید کرنے کی دھمکی دی جیسا کہ دوسری آیات میں تصریح ہے اور دوسری طرف اپنی الوہیت کو جمانے کے لئے اہل دربار سے کہنے لگا کہ مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا معلوم نہیں۔ اس سے مراد اس کی یہ تھی کہ چونکہ میں تم سے زیادہ عالم ہوں اور مجھے موسیٰ جسے رب العالمین کہتے ہیں اس کے ثبوت ووجود کا علم نہیں اس لئے تم کو میری خدائی کے اقرار اور موسیٰ کے خدا کے انکار میں کچھ تامل نہ ہونا چاہئے۔ اگر واقع میں موسیٰ کا کوئی خدا ہوتا اور جیسا موسیٰ نے بیان کیا وہ سچ ہوتا تو مجھے ضرور معلوم ہوتا پھر لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر اپنی الوہیت پر جمائے رکھنے کی ایک تجویز سوچی اور اپنے وزیر جس کا نام یا لقب ہامان تھا اس کو کہا کہ پختہ اینٹوں کی ایک بلند اور خوب اونچی عمارت بنواؤ تا کہ اس پر چڑھ کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے؟ کیونکہ زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی دوسرا خدا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ میرے خیال میں تو موسیٰ اس دعوے میں کہ کوئی اور خدا ہے جھوٹے ہیں یعنی جب عمارت پر چڑھ کر مجھے کوئی خدا نظر نہ آئے گا تو سمجھ لو کہ موسیٰ جھوٹا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ بات کہہ کر یا تو فرعون ملعون دانستہ دھوکہ دینا چاہتا تھا اپنے معتقدین کو یا واقع میں وہ اس قدر کوتاہ نظر تھا کہ مادیت سے بلند اس کی نگاہ کو رسائی نہ تھی اس لئے وہ خدا کو بلند منارہ سے جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا اور آنکھوں سے نظر نہ آنے سے وہ اللہ کے موجود نہ ہونے پر استدلال کرنا چاہتا تھا۔ (جیسا کہ روس کے خلابازوں نے چاند سے زمین پر واپس آ کر ماسکو ریڈیو سے اعلان کیا تھا کہ ہم تو اتنے ہزاروں لاکھوں میل بلندی پر ہو آئے ہم کو تو کہیں اللہ نظر آیا نہیں)۔ بہرحال مقصد ہر صورت میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب تھی اور تکذیب بھی غرور وتکبر کے ساتھ۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فرعون اور اس کے ساتھی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے اور یہ نہ سمجھا کہ ان کی گردن نیچے کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی کوئی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا کہ یادگار رہے کہ بدبخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ یہ فرعون اور اس کے ساتھی یہاں دنیا میں ضلالت وگمراہی اور سرکشی ونافرمانی میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے۔ قیامت میں بھی ان کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ یہاں کا لاؤ لشکر وہاں کچھ کام نہ دے گا نہ کسی کی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ وہاں کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور آخرت کی برائی اور بدانجامی جو انہیں نصیب ہوگی وہ تو الگ رہی دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے چنانچہ اہل اسلام ہوں یا یہود ونصاریٰ سب ہی اس ملعون فرعون پر لعنت ملامت کرتے ہیں اور رہتی دنیا کرتے رہیں گے۔

یہاں ان آیات میں فرعون کا انجام بتلا کر یعنی سمندر میں غرق کر کے دوزخ میں لے جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کم فہم اور بیوقوف انسان اس زندگی میں جس چیز کو سرمایۂ عیش و راحت سمجھے ہوئے ہے وہی اس کے لئے موجب ہلاکت ہے۔ شیطان دنیوی عیش وعشرت کی چیزوں میں انسان کو مشغول کر کے اللہ کا نافرمان بناتا ہے اور پھر یہی اسباب عیش وطرب آدمی کو ہلاک کر کے دارالعذاب میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی لیڈر یا پیشوائے قوم یا حاکم سلطنت اللہ کی نافرمانی کی طرف لے جائے تو اگرچہ اس کی پیروی میں تمام عیش وعشرت اور دولت وحشمت حاصل ہو لیکن سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انجام کے لحاظ سے بربادی کی طرف لئے جا رہے ہیں۔

ان آیات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ ختم ہوا۔ اب آگے اس قصہ کے اعظم مقاصد یعنی اثبات رسالت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مضمون مذکور ہے مع بعض شبہات واعتراضات کفار کے اور ان کے جوابات کے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اگلی اُمتوں کے ہلاک کے پیچھے کتاب دی تھی جو لوگوں کیلئے دانشمندیوں کا سبب

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى

اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے

مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ

اور آپ اُن لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے۔ ولیکن ہم نے موسیٰؑ کے بعد بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر اُن پر زمانہ دراز گذر گیا،

الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا

اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سُنا رہے ہوں ولیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں۔

مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

اور آپ طور کی جانب میں اس وقت (بھی) موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا ولیکن (اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کرلیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور تحقیق ہم نے عطا کی	مُوْسٰى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب (توریت)	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَآ اَهْلَكْنَا کہ ہلاک کیں ہم نے		
الْقُرُوْنَ اُمتیں	الْاُوْلٰى پہلی	بَصَآئِرَ بصیرت	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَهُدًى اور ہدایت	وَرَحْمَةً اور رحمت	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ
يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ مغرب جانب	اِذْ قَضَيْنَآ جب ہم نے بھیجا			
اِلٰى مُوْسٰى موسیٰ کی طرف	الْاَمْرَ حکم وحی	وَ اور	مَا كُنْتَ آپ نہ تھے	مِنَ سے	الشّٰهِدِيْنَ دیکھنے والے	وَلٰكِنَّآ اور لیکن ہم نے
اَنْشَاْنَا ہم نے پیدا کیں	قُرُوْنًا بہت سی امتیں	فَتَطَاوَلَ طویل ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان کی ان پر	الْعُمُرُ مدت	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	
ثَاوِيًا رہنے والے	فِيْ میں	اَهْلِ مَدْيَنَ اہلِ مدین	تَتْلُوْا تم پڑھتے	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتِنَا ہمارے احکام	وَلٰكِنَّا اور لیکن ہم
كُنَّا ہم تھے	مُرْسِلِيْنَ رسول بنا کر بھیجنے والے	وَمَا كُنْتَ اور آپ نہ تھے	بِجَانِبِ کنارہ	الطُّوْرِ طور	اِذْ نَادَيْنَا جب ہم نے پکارا	
وَلٰكِنْ اور لیکن	رَحْمَةً رحمت	مِّنْ رَّبِّكَ اپنے رب سے	لِتُنْذِرَ تاکہ ڈرسناؤ	قَوْمًا وہ قوم	مَآ اَتٰىهُمْ نہیں آیا انکے پاس	
مِّنْ کوئی	نَّذِيْرٍ ڈرانے والا	مِّنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کو بیان فرمایا گیا تھا۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت سے مقامات میں آیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے بیشتر حالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک

حالات سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان معرکہ ہے اور اس کے اندر عبرت و نصیحت کا نادر ذخیرہ جمع ہے اسی لئے قرآن کریم نے حسب ضرورت اور حسب موقع ومحل جگہ جگہ اس قصہ کے اجزاء کو کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس معرکہ میں ایک جانب غرور و تکبر۔ جبر وظلم۔ قہرمانیت اور انانیت کی ذلت و رسوائی ہے تو دوسری جانب مظلومیت۔ خدا پرستی اور صبر واستقامت کی فتح وکامرانی ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں اس قصہ کو بیان فرما کر فرعون اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت دنیوی کے بعد عبرت وبصیرت کے لئے اس طرف پھر توجہ دلائی کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے دنیا کی پھٹکار اور لعنت وملامت کے علاوہ آخرت اور ابدی زندگی میں سخت عذاب اور ذلت و رسوائی کے سامان مہیا ہیں تاکہ عقل وفہم رکھنے والا انسان اور سلیم و صالح طبائع رکھنے والی ہستیاں ان کا مطالعہ کریں اور ایسے اعمال بد اور انجام بد سے اپنے کو بچائیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ثبوت بھی قرار دیا جاتا ہے کہ آپ امی ہونے کے باوجود دو ہزار برس پہلے گزرا ہوا ایک تاریخی واقعہ کس تفصیل کے ساتھ سنا رہے ہیں اور بالکل سچے اور صحیح واقعات کو اس طرح بیان کر رہے ہیں جیسے کہ آپکے چشم دید ہوں اور جیسے کہ آپ اس وقت موجود ہوں تو کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ خدائے تعالیٰ آپ کو اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ تمام باتیں بتلاتے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ پر وحی آتی ہے۔

الغرض گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ تمام کر کے اب اس قصہ کے نتائج کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ رسالت کا سلسلہ اصلاح وہدایت کے لئے دنیا میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کہ جن کا قصہ گذشتہ میں بیان ہوا اگلی امتوں یعنی قوم نوح وعاد وثمود وغیرہ کے ہلاک ہوجانے کے بعد جب کہ ان زمانوں کے انبیاء کی تعلیم نایاب ہوگئی تھیں اور لوگ ہدایت کے سخت حاجتمند تھے تو موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی تھی کہ جو بصارت۔ ہدایت اور رحمت تھی سمجھ دار لوگوں کے لئے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب گمراہی کا ایک زمانہ دراز گزر گیا تو خلق کی ہدایت کے لئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبعوث کیا اور آپ پر قرآن نازل کیا جس میں گذشتہ انبیاء کے صحیح صحیح واقعات آپ پر ظاہر کئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو آپ کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی موجود تھے کہ جو اس وقت کے واقعات کو ایسی صحت وصفائی اور تفصیل سے بیان کر رہے ہیں جیسے کہ آپ کوہ طور کے پاس کھڑے دیکھ رہے ہوں۔ حالانکہ آپ کا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں کہ آپ اُمی ہیں یعنی ظاہری لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ علم کہاں سے آیا حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مدتیں اور قرن گزر گئے اور گذشتہ انبیاء کی ہدایات مٹتی جارہی تھیں لہٰذا اس علیم وخبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا مشاہدہ آپ نے نہیں فرمایا تو وہاں جو واقعات موسیٰ علیہ السلام کو پیش آئے ان کا اس خوبی اور صحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا آپ اس وقت وہیں سکونت پذیر تھے۔ حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا والوں کو غفلت سے

چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہے ہیں۔ اسی عام عادت کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آپ کو رسول بنا کر دنیا جہان والوں کے پاس بھیجا کہ خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کریں اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک ٹھیک واقعات کا صحیح علم آپ کو دیا جائے اور آپ کی زبان سے ادا کرایا جائے۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آواز دی انی انا اللہ رب العالمین تو آپ وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ جو آپ نبی بنائے گئے اور اللہ نے اپنے فضل سے آپ کو یہ باتیں وحی کے ذریعہ بتائیں تا کہ آپ لوگوں کو یہ چیزیں بتا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کردیں۔ ممکن ہے کہ وہ سن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔

یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوماً مآ اتٰھم من نذیر من قبلک۔ ولیکن آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام عالم کے لئے عام تھی لیکن آپ کی بعثت سرزمین عرب میں ہوئی اس لئے سب سے پہلے ایمان لانا عرب پر واجب ہوا یہی وجہ ہے کہ عرب کو جزیہ لے کر چھوڑنے کا حکم نہیں ہوا بلکہ ایمان لانا ان کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ اس آیت میں اس بات کا ثبوت ہے کہ عرب جس سے مراد سرزمین حجاز۔ نجد اور یمامہ ہے یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ تقریباً ۲۲۴۰ سال کی مدت میں دوسرے اطراف اور جگہوں کے انبیاء کی دعوتیں تو ضرور وہاں پہنچیں مثلاً حضرت موسیٰ۔ حضرت سلیمان۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی دعوتیں مگر کسی نبی کی بعثت خاص اس سرزمین حجاز۔ نجد اور یمامہ میں نہیں ہوئی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد آپ کی ہی نسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اور اس شان کی ہوئی کہ آپ تمام عالم کے لئے اور قیامت تک کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب آگے ایک وجہ اور بیان کی جاتی ہے جس بنا پر اتمام حجت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مکرم بنا کر بھیجا گیا جس کا اظہار اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت عظمیٰ کی حقیقی قدر اور شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت وعظمت کے ساتھ آپ کا اتباع کامل بھی ظاہر میں اور باطن میں نصیب فرمائیں۔ اور آپ کے ارشادات وہدایات کی تابعداری دل وجان سے نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ

اور ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا

اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

تاکہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔ سو جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق پہنچا تو کہنے لگے

عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی، کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی، اس کے قبل لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے

مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا

یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو

بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا

تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم سچے ہو۔

لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى

پھر اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں، اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو نفسانی خواہش پر چلتا ہو

مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾

بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو، اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

وَلَوْلَآ اور اگر نہ ہوتا	اَنْ تُصِيْبَهُمْ کہ پہنچے انہیں	مُّصِيْبَةٌ کوئی مصیبت	بِمَا قَدَّمَتْ اس کے سبب جو بھیجا	اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھ (ان کے اعمال)			
فَيَقُوْلُوْا تو وہ کہتے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	لَوْلَآ کیوں نہ	اَرْسَلْتَ بھیجا تو نے	اِلَيْنَا ہماری طرف	رَسُوْلًا کوئی رسول		
فَنَتَّبِعَ پس پیروی کرتے ہم	اٰيٰتِكَ تیرے احکام	وَنَكُوْنَ اور ہم ہوتے	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	فَلَمَّا پھر جب		
جَآءَهُمْ آیا ان کے پاس	الْحَقُّ حق	مِنْ عِنْدِنَا ہماری طرف سے	قَالُوْا کہنے لگے	لَوْلَآ اُوْتِيَ کیوں نہ دیا گیا	مِثْلَ جیسا		
مَآ اُوْتِيَ جو دیا گیا	مُوْسٰى موسیٰ	اَوَ کیا	لَمْ يَكْفُرُوْا نہیں انکار کیا انہوں نے	بِمَآ اُوْتِيَ اس کا جو دیا گیا	مُوْسٰى موسیٰ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	
قَالُوْا انہوں نے کہا	سِحْرٰنِ وہ دونوں جادو	تَظٰهَرَا ایک دوسرے کے پشت پناہ	وَقَالُوْٓا اور انہوں نے کہا	اِنَّا ہم بیشک	بِكُلٍّ ہر ایک کا		
كٰفِرُوْنَ انکار کرنے والے	قُلْ فرما دیں	فَاْتُوْا پس لاؤ	بِكِتٰبٍ کوئی کتاب	مِنْ سے	عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کے پاس	هُوَ وہ	اَهْدٰى زیادہ ہدایت
مِنْهُمَا ان دونوں سے	اَتَّبِعْهُ میں پیروی کروں اس کی	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	فَاِنْ پھر اگر	لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا وہ قبول نہ کریں		

لَکَ تمہارے لئے (تمہاری بات)	فَاعْلَمْ تو جان لو	اَنَّمَا کہ صرف	یَتَّبِعُوْنَ وہ پیروی کرتے ہیں	اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	وَمَنْ اور کون
اَضَلُّ زیادہ گمراہ	مِمَّنِ اتَّبَعَ اس سے جس نے پیروی کی	هَوٰىهُ اپنی خواہش	بِغَيْرِ هُدًى ہدایت کے بغیر	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے منجانب اللہ	
	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَا يَهْدِى ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم لوگ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت کے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے رسالت کا سلسلہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جب ایک نبی کی تعلیم اور ہدایت کو بھلا دیا گیا یا اللہ تعالیٰ کی کتاب یا قدسی صحیفہ جو عالم غیب سے نبی کو دیا گیا ہو اس میں تغیر وتبدل اور ترمیم وتحریف کر لی گئی ہو تو پھر دوسرے نبی کا اصلاح کے لئے آنا لازم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی۔ دور موسوی کے بعد لوگوں نے اس میں قدرے قدرے تغیر کرنا شروع کر دیا۔ مختلف انبیاء آئے انہوں نے آکر ان تغیرات کو اپنے اپنے زمانہ میں دور کر کے اصل کتاب کو پاک صاف شکل میں پھر پیش کر دیا۔ جب توراۃ میں تغیرات بہت زیادہ ہو گئے تو زبور اور زبور کے بعد انجیل کا نزول ہوا۔ یہ دونوں کتابیں بھی گویا توراۃ کی اصلاحی شکلیں تھیں۔ لیکن جب زمانہ بہت گزر گیا اور توراۃ کے پیغامات کو نہ صرف فراموش کر دیا بلکہ بالکل مسخ کر دیا گیا تو پروردگار عالم نے اپنی رحمت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور جدید ہدایت نامہ جس کا نام قرآن رکھا نازل کیا گیا۔ تو جیسا کہ اوپر بتلایا گیا جب آسمانی کتاب یا قدسی صحیفہ میں لوگ قدرے قدرے تغیر کر لیتے ہیں تو نبی کا آنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ تغیر کو دور کر کے اصلاح کی جا سکے اور جب تبدیلیاں کثرت سے ہو جاتی ہیں تو پھر نئی کتاب آتی ہے جو انسانوں کی ہر تراش وخراش سے پاک ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر آسمانی کتاب اصلی حالت میں موجود ہو اور اس میں کچھ تغیر نہ پیدا ہوا ہو اور عبارت میں تراش خراش اور مسخ و نسخ نہ کر لیا گیا ہو تو کسی آئندہ نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب کتاب اللہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہو تو پھر کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں۔ رہا موعظت۔ پند ونصیحت تو اس کے لئے کتابی امت میں سے علماء وصلحا کافی ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ قرآن اصلی شکل میں موجود ہے اور حسب صراحت اسی طرح قیامت تک باقی رہے گا جس طرح نازل ہوا پس نہ کسی جدید کتاب کی ضرورت رہی اور نہ کسی نئے نبی کی نہ اب۔ نہ آئندہ۔ رہی تلقین وتعلیم اور ہدایت وموعظت اس کے لئے علمائے ربانی وحقانی کافی ہیں۔

الغرض جب گذشتہ انبیاء کی تعلیم اور آسمانی کتب کے علوم نایاب ہوئے تو حق تعالیٰ کی رحمت مقتضی ہوئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ورسالت سے مشرف فرمایا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ پیغمبر کا بھیجنا یہ لوگوں کی خوش قسمتی ہے اگر بدوں پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ لوگوں کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگے تب بھی ظلم نہ ہوتا لیکن اس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی عذر داری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا سزا دہی کے وقت مجرمین کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم ازکم متنبہ کر دیتا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے اور اس عذاب کو نہ دیکھتے اس لئے کہ ہم پھر برے کام ہی نہ کرتے تو اس الزام اور عذر کو رفع کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تاکہ پھر کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے کہ رسول نہ بھیجتے تو کہتے کہ رسول کیوں نہ بھیجا اور اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان اور رتبہ میں

بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت اس کو مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح ''عصا'' اور ''ید بیضا'' وغیرہ کے معجزات ظاہری وحسی ظاہر ہوتے اور ان کے پاس بھی توراۃ کی طرح ایک دم لکھی لکھائی کتاب اترتی یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود مدینہ نے قریش کو سکھایا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی معجزات کے طلبگار ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے جیسے لاٹھی کا سانپ ہو جانا اور ہاتھ کا سورج کی طرح روشن اور چمکدار ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور کتاب الٰہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شبہے نکالنے والے ان کو بھی ساحر اور مفتری کہتے رہے۔ بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلویؒ لکھتے ہیں ''مکہ کے کافر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے۔ جب یہود سے پوچھا اور توراۃ کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے۔ آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے اور عرب میں ایک نبی آخرالزمان آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ تب لگے دونوں کو جواب دینے کہ توراۃ اور قرآن دونوں جادو ہیں اور موسیٰ اور محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس کا جواب تلقین ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ آسمانی کتابوں میں مشہور یہی دو کتابیں ہیں یعنی توراۃ اور قرآن۔ اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کرو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آؤ تو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا لیکن تم قیامت تک نہیں لا سکتے۔ اس سے زیادہ بدبختی کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے تو اسے جادو کہہ کر رد کر دیتے ہو۔ اس پر حق تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ نہ ہدایت قرآن کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں۔ محض اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ جس چیز کو دل چاہا مان لیا جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا تو بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور جو شخص خود قصد کرتا ہے گمراہ رہنے کا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتے اور ایسا شخص ہمیشہ گمراہ ہی رہتا ہے۔

یہاں آیت میں یہ ارشاد **ومن اضل ممن اتبع هوٰه بغير هدى من الله ان الله لايهدى القوم الظلمين**۔ جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی چاہت پر چلے اس سے زیادہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ تو اگرچہ یہ ارشاد یہاں کفار و مشرکین کے حق میں ہے مگر اس سے سبق اس وقت کے جدید تہذیب کے شیدائیوں کو بھی لینا چاہئے کہ جو خود ساختہ قوانین کو قرآنی احکام کے مقابلہ میں پسند کرتا ہے اور مغربی نظریات کو قرآنی اصول و ضوابط پر ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شریعت کے بعض قوانین اس زمانہ کے موافق تھے جب کہ تہذیب و تمدن اپنی انتہائی بلندی پر نہیں پہنچا تھا تو ایسے تمام لوگوں کو دل کے کان کھول کر یہ ارشاد ربانی سن لینا چاہئے کہ ''ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل اس کے پاس ہو اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔'' اسی مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا

ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جبھی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبوی کے تابع اور ماتحت ہوجائیں۔ لیکن آج قرآن و حدیث سے بغاوت قولاً یا فعلاً کے باوجود اسلام اور ایمان کے دعوے بلند کئے جاتے ہیں۔ شارحین نے اس حدیث شریف کی تشریح میں لکھا ہے کہ ہوٰی یعنی خواہشات نفس اور ہُدٰی یعنی اللہ و رسول کی ہدایات یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے۔ اور جس سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ہوٰی کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباع ہُدٰی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ہوٰی کو یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو ہُدٰی کے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے تابع کردیا جائے اور جس نے ہُدٰی کو چھوڑ کر ہوٰی کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہوگیا تو گویا خود ہی اس نے مقصد ایمان کو پامال کردیا۔ اور اسی کے متعلق دوسری جگہ قرآنی فیصلہ ہے۔ **فاما من طغٰی واثر الحیٰوۃ الدُّنیا فان الجحیم ھی الماوٰی واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی** یعنی جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہوگا۔ اب آگے کی آیات میں قرآن پاک کی صداقت و حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر منصف اہل کتاب کے ایمان لانے سے استدلال فرمایا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو ایمان و اسلام کی حقیقت نصیب فرماویں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی ظاہر میں اور باطن میں ہم کو اتباع اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو نفس کی بے جا خواہشات سے رکنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔ اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کے موافق زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آج ہماری اکثریت باوجود دعوئے اسلام و ایمان کے اتباع ہُوٰی میں گرفتار ہے۔ اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کو مقصد زندگی بنا رکھا ہے۔ اور دنیوی زندگی کو ترجیح دے رکھی ہے۔ اور ہدایات ربانی سے منہ موڑ رکھا ہے۔ یا اللہ! اس ظلم و ستم سے امت کے ایک ایک فرد کو بچا لیجئے۔ ہوٰی کی غلامی سے نکال کر ہم کو ہُدٰی کا اتباع نصیب فرما دیجئے۔ شقاوت کی راہ سے یا اللہ بچا کر سعادت کی راہ پر آجانا نصیب فرمائیے۔ یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنے سامنے کھڑا ہونے کا خوف و خشیت عطا فرمادے تاکہ ہم قرآنی فیصلہ **واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی** کے مصداق ہوجائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ

اور ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کیلئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔ جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو منصف ہیں)

هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ

وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس (کے آنے)

مُسْلِمِيْنَ ﴿٥٣﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

سے پہلے بھی مانتے تھے۔ ان لوگوں کو اُن کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کر دیتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اُس کو ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمہارا کیا

اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾

تمہارے سامنے آوے گا ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا اور البتہ ہم نے مسلسل بھیجا	لَهُمْ ان کیلئے	الْقَوْلَ (اپنا) کلام	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں	اَلَّذِيْنَ وہ لوگ جو
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ جنہیں ہم نے کتاب دی	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	هُمْ بِهٖ وہ اس (قرآن) پر	يُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں	وَاِذَا اور جب	
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ پڑھا جاتا ہے ان پر (سامنے)	قَالُوْٓا وہ کہتے ہیں	اٰمَنَّا بِهٖٓ ہم ایمان لائے اس پر	اِنَّهٗ بیشک یہ	الْحَقُّ حق	
مِنْ رَّبِّنَآ ہمارے رب (کی طرف) سے	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مِنْ قَبْلِهٖ اس کے پہلے ہی	مُسْلِمِيْنَ فرماں بردار	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	
يُؤْتَوْنَ دیا جائے گا انہیں	اَجْرَهُمْ ان کا اجر	مَّرَّتَيْنِ دُہرا	بِمَا صَبَرُوْا اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا	وَيَدْرَءُوْنَ اور وہ دُور کرتے ہیں	
بِالْحَسَنَةِ بھلائی سے	السَّيِّئَةَ برائی کو	وَمِمَّا اور اس سے جو	رَزَقْنٰهُمْ ہم نے دیا انہیں	يُنْفِقُوْنَ وہ خرچ کرتے ہیں	وَاِذَا اور جب
سَمِعُوْا وہ سنتے ہیں	اللَّغْوَ بیہودہ بات	اَعْرَضُوْا وہ کنارہ کرتے ہیں	عَنْهُ اس سے	وَقَالُوْا اور کہتے ہیں	لَنَآ اَعْمَالُنَا ہمارے لئے ہمارے عمل
وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	اَعْمَالُكُمْ تمہارے عمل	سَلٰمٌ سلام	عَلَيْكُمْ تم پر	لَا نَبْتَغِى ہم نہیں چاہتے	الْجٰهِلِيْنَ جاہل

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کا ایک الزام اور اعتراض نقل کیا گیا تھا کہ یہ قرآن مثل موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توراۃ کے یکبارگی پورے کا پورا کیوں نہیں نازل ہوا تو اس کا ایک الزامی جواب تو وہاں بیان ہوا تھا۔ اب ایک دوسرا تحقیقی جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے کہ جس میں قرآن کے دفعتہً پورے کا پورا نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس کلام یعنی قرآن کو وقتاً فوقتاً بتدریج ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت کو نازل کیا تا کہ بار بار تازہ بتازہ سننے سے غور کرنے اور سمجھنے کا کافی موقع ملے اور یاد رکھنے میں بھی سہولت ہو تو ان ہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کیا جاتا ہے۔ پھر غضب ہے کہ یہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے

ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان جاہل معاندین ومشرکین کا حال تو یہ ہے کہ یہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ پہلے سے توراۃ وانجیل پر یقین رکھتے تھے اب جب قرآن آیا تو اس پر بھی ایمان لائے اور کہا کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے اور ہمارے رب کی اتاری ہوئی ہے۔ ہم اس پر اپنے یقین واعتقاد کا اعلان کرتے ہیں اور ہم تو اس کے آنے سے پہلے بھی اس کو بر بنائے بشارات اپنی کتب کے مانتے تھے اب بھی قبول کرتے ہیں۔ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزمان اور ان کی کتاب قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں لہٰذا ان پیشین گوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے ایمان تھا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ اس پر ایمان لاتے ہیں بلکہ یہ اشارہ دراصل اس واقعہ کی طرف ہے جو اس سورۃ کے نزول کے زمانہ میں پیش آیا تھا اور اس سے کفار مکہ کو شرم دلانی مقصود ہے کہ تم کو اپنے گھر کی نعمت کی قدر نہیں حالانکہ دور دور کے لوگ اس نبی اور اس قرآن کی خبر سن کر آ رہے ہیں اور ان کی قدر پہچان کر ان پر ایمان لاکر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس واقعہ کو ابن ہشام وغیرہ نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ہجرت حبشہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کی خبریں ملک حبشہ میں پھیلیں تو وہاں سے تقریباً ۲۰ عیسائیوں کا ایک وفد تحقیق حال کے لئے مکہ معظمہ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد حرام میں ملا۔ کعبہ کے آس پاس جو قریش کے مشرک موجود تھے وہ بھی آ کھڑے ہوئے۔ وفد کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے جن کا آپ نے جواب دیا پھر انہوں نے ان تمام اوصاف کا بخوبی مطالعہ کیا جو کتب سابقہ میں آنے والے نبی کے متعلق انہوں نے پڑھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور پھر کچھ قرآن کریم کو پڑھ کر سنایا۔ قرآن سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے اس کے کلام الٰہی ہونے کی تصدیق کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں نے ان وفد کے لوگوں کو راستہ میں جا پکڑا اور انہیں سخت ملامت کی اور کہا کہ تم لوگ بڑے نامراد ہو۔ تمہارے ہم مذہب لوگوں نے تم کو اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے حالات تحقیق کر کے آؤ اور انہیں ٹھیک ٹھیک خبر دو مگر تم تھوڑی ہی دیر اس کے پاس بیٹھے تھے کہ اپنا دین چھوڑ کر اس پر ایمان لے آئے۔ تم سے زیادہ احمق وفد تو کبھی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ اس پر انہوں نے جواب دیا۔ ''سلام ہے بھائیو تم کو۔ ہم تمہارے ساتھ جہالت نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہمارے طریقہ پر چلنے دو اور تم اپنے طریقہ پر چلتے رہو۔ ہم اپنے آپ کو جان بوجھ کر بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔'' تو ان منصف اور حق شناس اہل کتاب کے ایمان لانے کی حق تعالیٰ تعریف فرماتے ہیں اور ان کی فضیلت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دوہرا اجر دیا جائے گا۔ یعنی ایک اجر اس ایمان کا جو وہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر رکھتے تھے اور دوسرا اجر اس ایمان کا جو وہ اب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے یا ایک اجر سابق کتب پر ایمان رکھنے اور ان پر عمل کرنے کا اور دوسرا اجر قرآن کو ماننے اور اس کے احکام پر چلنے کا۔ یہی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمائی ہے جو بخاری ومسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین فریق ہیں جن کو دوگونہ اجر ملے گا۔ ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لایا تھا پھر مجھ پر ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور

اپنے آقاؤں کا بھی تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی مسلمان باندی تھی پھر اس باندی کو ادب یعنی مسائل اسلام اچھی طرح سکھا کر آزاد کر کے اس کی رضامندی سے نکاح کر لیا۔ تو ان ایمان لانے والے اہل کتاب کی یہ جزا ہوگی کہ انہیں دوہرا ثواب ملے گا۔ اب آگے ان انصاف پسند۔ حق شناس اور صداقت شعار مسلمان ہو جانے والے اہل کتاب کے اعمال اور اخلاق کا بیان ہے اور ان کے تین خصوصی اوصاف اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بیان فرمائے۔

اول یہ کہ وہ نیکی اور تحمل سے بدی اور ایذاء کا دفعیہ کر دیتے ہیں یعنی وہ بدی کا جواب بدی سے نہیں بلکہ نیکی سے دیتے ہیں۔ ظلم کو ظلم سے نہیں بلکہ انصاف سے دفع کرتے ہیں شرارتوں کا سامنا شرارت سے نہیں بلکہ شرافت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ اخلاق حسنہ ہم کو بھی عطا فرمائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ راہِ حق میں مالی ایثار بھی کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ وہ لوگ محض حق کی تلاش میں حبش سے سفر کر کے مکہ آئے تھے۔ اس سفر کی مشقت اور صرف مال سے کوئی مادی منفعت ان کے پیش نظر نہ تھی بلکہ جب انہوں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص نے اللہ کا پیغمبر اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ خود جا کر تحقیق کریں تا کہ اگر وہ واقعی خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں تو پھر ان پر ایمان لانے اور ہدایت پانے سے محروم نہ رہ جائیں اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان اہل حبش نے مکہ میں آ کر مسلمانوں کو تنگدست اور خستہ حال دیکھا تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس بکثرت مال ہے اگر اجازت ہو تو ہم جا کر لے آئیں اور مسلمان بھائیوں کی کچھ ہمدردی کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور انہوں نے وعدہ کے مطابق تکمیل کی تو ممکن ہے کہ **مما رزقنهم ينفقون**۔ میں اشارہ اس طرف بھی ہو۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان سے کوئی شخص بیہودہ طور پر الجھتا ہے تو یہ اس سے نہیں الجھتے اور جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ کہتے ہوئے الگ ہو جاتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ تمہاری باتوں کو دور سے سلام۔ ہم کو بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں اشارہ ہے اس بیہودہ بات کی طرف جو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اس وفد سے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس نیک صفت کو اپنانے کی توفیق ہم کو بھی عطا فرمائیں۔

ان آیات میں اہل کتاب کے ایمان اور انقیاد کا بیان تھا اور اس سے اوپر گذشتہ آیات میں مشرکین قریش کا کفر و عناد مذکور تھا۔ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور اہل کتاب غیر قرابت دار تھے۔ اور غیر قرابت داروں کے ایمان لانے کو دیکھ کر قرابت داروں کے ایمان نہ لانے پر طبعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اور پھر ان قرابت داروں میں بھی بعض کے ایمان لانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اہتمام اور شوق غالب تھا۔ اس میں کامیابی نہ ہونے سے اور زیادہ رنج ہوتا تھا اس لئے آگے تسلی کا مضمون ارشاد ہے کہ کسی کو ایمان کی توفیق ہو جانا یہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں نہ کہ آپ کے تو پھر آپ کسی کے ایمان نہ لانے پر رنج کیوں کریں یہ مضمون اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی بدی کو نیکی سے اور برائی کو بھلائی سے دفع کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اُسی کو ہے۔

اِنَّکَ بیشک تم	لَا تَھْدِیْ ہدایت نہیں دے سکتے	مَنْ اَحْبَبْتَ جس کو تم چاہو	وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اور لیکن (بلکہ) اللہ	یَھْدِیْ ہدایت دیتا ہے
مَنْ یَّشَآءُ جس کو وہ چاہتا ہے	وَھُوَ اور وہ	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِالْمُھْتَدِیْنَ ہدایت پانے والوں کو	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کی صداقت وحقانیت کی ایک دلیل یہ دی گئی تھی کہ اہل کتاب میں سے جو منصف مزاج ہیں وہ کتب سابقہ کی بشارات کی بنا پر قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام سمجھ کراس پر ایمان لے آتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول وپیغمبر تسلیم کرلیتے ہیں۔ اسی بنا پر ایسے اہل کتاب کو جو اسلام لے آئیں دوہرے اجر وثواب کی بشارت سنائی گئی تھی۔ گذشتہ آیات میں جن اہل کتاب کے ایمان لے آنے کی طرف اشارہ تھا وہ حبشہ کی ایک عیسائیوں کی جماعت تقریباً ۲۰ نفر کی تھی جو تحقیق حال کے لئے مکہ معظمہ آئی تھی اور انہوں نے قرآن پاک کو سن کراس کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے جس پر قریش کے بعض مشرکین ابوجہل اوراس کے ساتھیوں نے ان اہل وفد کی بے عزتی کی اوران کو اسلام قبول کرلینے کے باعث برا بھلا بھی کہا۔ تو مشرکین قریش جو آپ کے قرابت دار بھی تھے ان کا تو یہ سلوک اور رویہ کہ اسلام دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں پیش پیش تھے اور باہر کے ملک سے آنے والے قرآن کریم کی صداقت پر ایمان لاویں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں تو اس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج ہوتا تھا اوران قریش میں سے بھی آپ بعض کے ایمان لے آنے کے بڑے خواہشمند تھے۔ اور بحکم قرآنی آپ نے تبلیغ اسلام کا آغاز بھی اپنے گھر والوں سے کیا اور پھر قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت دی۔ پھران رشتہ داروں میں بھی آپ کے چچا ابو طالب جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی وتربیت اپنی اولاد کی طرح کی تھی اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی دعوت کے بعد بھی مددگار رہے۔ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوی ترین خواہش یہی تھی اور قرابت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ابوطالب اسلام لے آئیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا انتقال آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہوگیا تھا اور جب آپ کی عمر چھ برس کی تھی تو والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش ونگرانی اپنے ذمہ لی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ برس ۱۰ دن کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی تو ابوطالب جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے وہ آپ کی نگرانی اور تربیت کے ذمہ دار بنے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی دعوت اور منادی شروع کی اور قریش واہل مکہ نے آپ کی مخالفت وعداوت کی تو ابوطالب برابر آپ کے مددگار رہے۔ سیرت ابن ہشام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت پر ایک مستند اور اولین تصنیف ہے اور عربی کتابوں میں اس کا درجہ اب تک خاصا بلند مانا جاتا ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابوطالب دونوں کا ایک ہی سال میں انتقال ہوگیا (گویا نبوت کے دسویں سال میں آپ کے چچا ابوطالب کی وفات ہوئی اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگئی۔ اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو غم کا سال فرمایا ہے) تو حضرت خدیجہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے سبب جو آپ کے لئے تبلیغ دین میں سچی مددگار تھیں اور آپ کے چچا ابو طالب کے انتقال کے باعث جو آپ کے کاموں میں قوت بازو اور قوم کے مقابلہ میں محافظ و مددگار تھے پے در پے مصیبتیں آنے لگیں۔ جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو قریش کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے لئے ایسے مواقع میسر آ گئے کہ ابو طالب کی زندگی میں ان کی امید بھی نہ ہو سکتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شریر نے آپ کے سر پر کیچڑ ڈال دی تو آپ اسی حالت میں گھر میں تشریف لائے تو صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی اٹھیں اور آپکے سر مبارک کی کیچڑ پانی سے دھونے لگیں اور وہ روتی جاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے جاتے تھے **لا تبکی یابنیة فان اللہ مانع اباک**۔ اے میری پیاری بیٹی روؤ مت۔ اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے جاتے کہ ابو طالب کے مرنے تک قریش مجھ سے ایسا کوئی برتاؤ نہ کر سکے۔ آگے لکھا ہے کہ ابو طالب جب بیمار ہوئے اور ان کی بیماری کی خبر قریش کو ہوئی تو ان میں سے بعض نے کہا کہ حمزہ اور عمر دونوں نے اسلام اختیار کر لیا ہے اور قریش کے تمام قبیلوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغ پھیل چکی ہے ہمیں چاہئے کہ ابو طالب کے پاس جائیں کہ وہ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق کوئی عہد لیں اور ہم سے کوئی عہد لے کر انہیں دیں کیونکہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ یہ لوگ ہماری امارت چھین لیں گے۔ چنانچہ ابو جہل۔ امیہ بن خلف۔ عتبہ۔ ابوسفیان۔ اور ان کے علاوہ قوم کے اور سربرآوردہ افراد بھی تھے۔ ان لوگوں نے کہا اے ابو طالب آپ سے جیسے ہمارے تعلقات ہیں آپ خوب جانتے ہیں اب آپ کے پاس وہ چیز آ چکی ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور ہمیں آپ کے متعلق مر جانے کا خوف ہے۔ آپ کے بھتیجے اور ہمارے درمیان جیسے تعلق ہیں ان سے بھی آپ واقف ہیں اس لئے انہیں بلائیے اور ان کے لئے ہم سے عہد لیجئے اور ہمارے لئے ان سے عہد لیجئے کہ وہ ہم سے دست کش رہیں اور ہم ان سے دست کش رہیں۔ ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا آپ آئے تو آپ سے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! یہ لوگ تمہاری قوم کے سربرآوردہ ہیں اور تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں کہ کچھ عہد تم سے لیں اور کچھ تمہیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا ایک بات کا تم مجھے قول دو جس کے عوض تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور اس کے سبب سے عجم بھی تمہاری اطاعت کرنے لگیں گے۔ ابو جہل بولا۔ بہت اچھا۔ تمہارے باپ کی قسم ایک نہیں دس باتوں کا قول لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اقرار کرو لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں کہو گے اور اس کے سوا جس کی بھی تم پرستش کرتے ہو اسے چھوڑ دو گے اس پر وہ تالیاں بجانے لگے اور اس کے بعد کہا واللہ ان باتوں میں سے جو تم چاہتے ہو کسی بات پر بھی یہ شخص تمہیں قول دینے والا نہیں۔ پس چلو اور اپنے بڑوں کے دین پر چلتے رہو۔ پھر وہ لوگ ادھر ادھر چلے گئے۔ اور ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ بھتیجے واللہ تم نے ان سے کوئی بعید بات کا سوال نہیں کیا۔ جب ابو طالب نے یہ بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان کے متعلق امید پیدا ہو گئی اور آپ نے ان سے فرمایا اے چچا جان تو آپ وہی بات کہہ دیجئے تا کہ اس کے سبب سے قیامت کے روز میری سفارش آپ کے لئے جائز ہو جائے۔ جب ابو طالب نے اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دیکھی تو کہا بھتیجے! اگر میرے بعد تم پر اور تمہارے بھائیوں پر طعنہ زنی کا اور قریش کی اس بدگمانی کا خوف نہ ہوتا کہ میں نے یہ الفاظ موت کی سختی پر صبر نہ کر کے کہہ دیئے تو ضرور کہتا اور یہ الفاظ بھی تم سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان سے تمہیں خوش کر دوں۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن اُبی بن مغیرہ کو بیٹھا پایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا چچا کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دو تا کہ میں اس کی حجت خدا کے سامنے پیش کرسکوں۔ ابوجہل نے کہنا شروع کیا۔ ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جاؤ گے۔ حضور برابر کلمہ پڑھنے کی تلقین فرمارہے تھے اور وہ دونوں بھی یعنی ابوجہل اور ابن مغیرہ اپنا قول دہرارہے تھے یہاں تک کہ ابوطالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دیں گے اور کہیں گے کہ موت کے ڈر سے ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا تو میں صرف تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے یہ کلمہ کہہ دیتا۔ اس کے بعد ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ حضور والا غمگین ہوکر یہ فرماتے ہوئے نکل آئے کہ میں اللہ سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا جب تک مجھے ممانعت نہ ہوجائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور پھر بعد میں سورۂ توبہ کی آیت ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولوکانوا اولی قربیٰ من بعد ماتبین لھم انھم اصحب الجحیم نازل ہوئی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ مشرکین رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہوچکے کہ وہ اہل دوزخ ہیں۔

تو ابوطالب کے احسانات اور شفقت کی بنا پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں شدید ترین تمنا ان کے مسلمان ہوجانے کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ آپ کو جس سے طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہوجائے تو لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہوکر رہے۔ آپ کا کام صرف راستہ بتانا ہے۔ آگے یہ کہ کون راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کو اختیار ہے جسے چاہے ایمان اور قبول حق کی توفیق بخشے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کو کسی کے راہ پر لانے کا اختیار تو کیا ہوتا یہ علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد ولیاقت رکھتا ہے۔ بہرحال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی کہ آپ جاہلوں کی لغوگوئی اور معاندانہ شوروشغب یا اپنے خاص اعزہ واقارب کے اسلام نہ لانے سے رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔ جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں آگے اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ ہدایت پر لایا جائے

اس آیت کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ صریح ہے اس میں کہ ہدایت کسی کی قدرت میں نہیں۔ بجز اللہ تعالیٰ کے تو جیسا کہ بعض جہلا کا گمان ہے کہ شیخ یا پیر جس کو چاہے اپنے تصرف سے واصل الی اللہ کردے یہ غلط ہے۔ کسی کو ہدایت یا ایمان کی توفیق ہوجانا یہ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

الغرض اوپر دور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے اور ان کے مختلف شبہات اور اعتراضات نقل کرکے ان کے جوابات دیئے گئے۔ اب آگے کفار مکہ کا ایک دوسرا بہانہ ایمان نہ لانے کا بیان کیا جاتا ہے اور اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے لئے ہدایت کے فیصلہ فرمادیں۔ اور ہم کو ایسی ہدایت نصیب فرمادیں کہ جس کے بعد کبھی گمراہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو صراط مستقیم پر جمائے رکھیں۔ اور ہر طرح کی کجروی سے محفوظ فرمائیں۔

اے اللہ اسلام اور ایمان کی زندگی نصیب فرما اور اسلام اور ایمان کے ساتھ موت نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگے تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جائیں، کیا ہم نے اُن کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی

يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ

جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں ولیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔اور ہم بہت سی

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا

ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے،سو (دیکھ لو) یہ اُن کے گھر ہیں کہ اُن کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر

قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا

تھوڑی دیر کیلئے،اور آخر کار (اُن کے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے۔اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے

رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ

کہ وہ ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سُنائے اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں۔

اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ

اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کیلئے ہے اور یہیں کی زینت ہے، اور جو (اجر و ثواب) اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

کیا تم لوگ نہیں سمجھتے۔

وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں	اِنْ نَّتَّبِعِ اگر ہم پیروی کریں	الْهُدٰى ہدایت	مَعَكَ تمہارے ساتھ	نُتَخَطَّفْ ہم اُچک لئے جائینگے		
مِنْ اَرْضِنَا اپنی سرزمین سے	اَوَ کیا	لَمْ نُمَكِّنْ نہیں دیا ٹھکانہ ہم نے	لَّهُمْ انہیں	حَرَمًا اٰمِنًا حرمت والا مقام امن	يُّجْبٰٓى کھنچے چلے آتے ہیں	
اِلَيْهِ اسکی طرف	ثَمَرٰتُ پھل	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے (قسم)	رِّزْقًا بطور رزق	مِّنْ لَّدُنَّا ہماری طرف سے	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں اکثر
لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے	وَكَمْ اور کتنی	اَهْلَكْنَا ہلاک کردیں ہم نے	مِنْ قَرْيَةٍ بستیاں	بَطِرَتْ اِتراتی	مَعِيْشَتَهَا اپنی معیشت	
فَتِلْكَ سو۔یہ	مَسٰكِنُهُمْ ان کے مسکن	لَمْ تُسْكَنْ نہ آباد ہوئے	مِّنْ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا قلیل	
وَكُنَّا اور ہوئے ہم	نَحْنُ ہم	الْوٰرِثِيْنَ وارث	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	رَبُّكَ تمہارا رب	مُهْلِكَ ہلاک کرنے والا	الْقُرٰى بستیاں
حَتّٰى جب تک	يَبْعَثَ بھیج دے	فِيْٓ اُمِّهَا اسکی بڑی بستی میں	رَسُوْلًا کوئی رسول	يَّتْلُوْا وہ پڑھے	عَلَيْهِمْ ان پر	اٰيٰتِنَا ہماری آیات
وَ اور	مَا كُنَّا ہم نہیں	مُهْلِكِي ہلاک کرنیوالے	الْقُرٰٓى بستیاں	اِلَّا مگر (جب تک)	وَاَهْلُهَا اس کے رہنے والے	ظٰلِمُوْنَ ظالم

وَ اور	مَآ اُوْتِیْتُمْ جو دی گئی تمہیں	مِّنْ شَیْءٍ کوئی چیز	فَمَتَاعُ سوسامان	الْحَیٰوةِ زندگی	الدُّنْیَا دنیا	وَزِیْنَتُهَا اور اسکی زینت
وَمَا اور جو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	خَیْرٌ بہتر	وَّاَبْقٰی اور باقی رہنے والا۔تادیر	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سو کیا تم سمجھتے نہیں؟		

تفسیر وتشریح:۔گزشتہ آیات میں دور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے۔انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں ایک ان میں سے نقصان کا اندیشہ اور جان و مال کا خوف بھی ہے۔ابتدائے اسلام کے زمانہ میں بھی بعض مشرکین کو اگر چہ اسلامی اصول کی حقانیت کسی قدر معلوم ہوگئی تھی لیکن یہ خیال پیش نظر رہتا کہ مسلمان مٹھی بھر ہیں ان کے پاس مال وجاہ نہیں۔شوکت وسطوت نہیں۔عزت وحکومت نہیں۔اگر ہم بھی مسلمان ہو گئے تو عرب کے لوگ ہمارے دشمن بن جائیں گے۔چاروں طرف سے ہم پر چڑھ آئیں گے۔مال اسباب لوٹ لیں گے۔ہمارا گھر برباد اور کاروبار تباہ ہوجائے گا۔روزی کے ذرائع مفقود ہوجائیں گے۔ چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اندیشہ کو ظاہر کیا اور کہا کہ بیشک ہم سمجھتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہوجائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہوجائے گا۔اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور سب مل کر ہمارا لقمہ کرلیں گے۔نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔تو ان کے اس اندیشہ کا ایک جواب حق تعالیٰ کی طرف سے ان آیات میں یہ دیا جاتا ہے کہ دوسروں سے خطرہ محسوس کر کے اور ظاہری طاقتوں سے مرعوب ہوکر اسلام سے منکر اور روگرداں ہونا سخت غلطی ہے۔کوئی دنیوی طاقت اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتی۔نہ فائدہ پہنچاسکتی ہے نہ نقصان۔جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ حرم کو اللہ نے امن کا مقام بنایا ہے اگرچہ تمام جزیرۂ نما عرب میں لوٹ مار۔جدال وقتال کا بازار گرم رہتا ہے لیکن حرم کے اندر کسی کی مجال نہیں کہ لشکر کشی یا قتل وغارت کرسکے باوجودیکہ کوئی دنیوی طاقت روکنے والی موجود بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی حرم کے اندر والے ہر خطرہ سے محفوظ ہیں یہاں تک کہ جو جانور حرم کے اندر رہتے ہیں یا بھاگ کر اندر چلے آتے ہیں ان کو بھی کوئی شکار نہیں کرتا۔ان کے لئے بھی حرم امن کا مقام ہے۔حرم کے اندر مقتول کے ورثہ قاتل سے ملتے ہیں اور ان کو انتقام لینے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوتا۔تو یہ حرم کا ادب ہی مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نہیں نکال دیتے۔پھر قدرت کی کارسازی یہ بھی عجیب ہے کہ سرزمین مکہ ہر قسم کی پیداوار سے خالی ہے۔کہیں کہیں کھجوروں کے علاوہ غلہ اور میوہ یہاں پیدا نہیں ہوتا تو بظاہر ایسے مقام پر لوگوں کو بھوکا مرجانا چاہئے تھا لیکن خدائے تعالیٰ نے ان کے رزق کا مکمل انتظام فرمادیا۔ہر اطراف سے ہر قسم کا غلہ اور پھل یہاں آتا ہے۔یہ قدرت کی کارسازی ہے۔مگر ناواقف نہیں سمجھتے وہ تو صرف ظاہری اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔حقیقت کا ان کو کیا علم۔تو جس خدا نے ایسی کارسازی کی کیا وہ یہ نہیں کرسکتا کہ اگر یہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو کافروں کے دست برد سے ان کے جان و مال اور اہل و عیال کو محفوظ رکھے۔پھر ان کے کفر وشرک کے باوجود تو انہیں امن اور پناہ دے رکھی ہے۔ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے پر کیا وہ پناہ نہ دے گا؟ ہاں ان کے ایمان کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہیں چاہئے اور بالفرض اسلام اور ایمان کی بدولت گھر بار چھوڑنا بھی پڑے تو ان کے مقدر کا رزق ہر جگہ ان کو پہنچے گا۔یہ وطن کو کیوں اپنا رزق سمجھے ہوئے ہیں۔یہاں تو کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہوتی۔مشرکین مکہ کے اسلام نہ لانے کے عذر کا ایک جواب تو یہ دیا گیا۔

آگے دوسرا جواب دیا جاتا ہے کہ عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو۔اللہ کے عذاب سے ڈرو۔دیکھتے نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہوگیا تھا۔جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی۔اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ وبرباد کرڈالا کہ آج صفحۂ ہستی پر ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ان کی بستیوں کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر

40 سستانے یا قدرت الٰہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جا اترے تو مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ جس مال و دولت اور خوشحالی پر اترائے ہوئے ہیں اور جس کے کھوئے جانے کے خطرہ سے باطل پر جمے رہنا اور حق سے منہ موڑنا چاہتے ہیں تو یہی چیز کبھی عاد و ثمود اور مدین اور قوم لوط کے لوگوں کو بھی حاصل تھی مگر باوجود مرفہ حالی اور خوش عیشی کے وہ کس طرح برباد کردی گئیں اور ان کی اس بربادی کا اصل سبب ان کا غرور و تکبر تھا کہ جس میں پڑ کر انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کی ہدایت سے منہ موڑا اور احکام الٰہیہ کو ٹھکرا دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو برباد کردیا تو معلوم ہوا کہ تباہی لانے والی چیز وہی ہے جس کو یہ لوگ سبب آبادی سمجھتے ہیں یعنی مال و جاہ قوت و طاقت پر غرور کرنا اور اللہ کے حکم کو نہ ماننا۔

آگے ان کے عذر کا تیسرا جواب دیا جاتا ہے کہ پہلی جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے باشندے ظالم ہو چکے تھے مگر خدا نے ان کو تباہ کرنے سے پہلے اپنے رسول بھیج کر متنبہ کیا اور جب خدا کے پیغمبروں کی تنبیہ پر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہ آئے تب پھر انہیں ہلاک کیا گیا۔ اب یہی معاملہ اے مشرکین مکہ تمہیں درپیش ہے کہ تم بھی ظالم ہو چکے ہو اور ایک رسول تمہیں بھی متنبہ کرنے کے لئے آ گئے ہیں اب تم کفر و انکار کی روش اختیار کر کے اپنے عیش اور اپنی خوشحالی کو بچاؤ گے نہیں بلکہ الٹا خطرہ میں ڈالو گے جس تباہی کا تمہیں اندیشہ ہے وہ ایمان لانے سے نہیں بلکہ انکار کرنے سے تم پر آئے گی۔

آگے ان کے عذر کا چوتھا جواب دیا جاتا ہے کہ آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل اور عیش و عشرت کا مزہ کب تک اٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض لاشے اور ہیچ ہے۔ دنیا کی ہر چیز ناپائیدار اور فنا پذیر ہے اور آخرت کی ہر نعمت ابدی۔ دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

لہٰذا دنیوی عیش پر ریجھنا یہ عقلمندی کا کام نہیں۔ لازوال نعمت پر ناپائیدار عیش کو ترجیح دینا یہ حماقت ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ اگر ہم اسلام لے آئیں گے تو چاروں طرف سے کفار چڑھائی کردیں گے اور ہمارا گھر لٹ جائے گا اور روزی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ بیوقوفی ہے آج بھی مادیت پر نظر رکھنے والے یہی شبہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام شریعت جاری ہو گیا تو امریکہ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔ روس ہم سے بگڑ جائے گا چین ہم سے خفا ہو جائے گا۔ ہندوستان تو ہمارا پہلے ہی سے دشمن ہے۔ تو ہم زندہ کیسے رہیں گے۔ **استغفر اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ**۔ بات یہ ہے کہ ایسے مادہ پرستوں کا قرآن اور اللہ کی قدرت پر صحیح ایمان ہی نہیں اس وجہ سے یہ خدشات مشرکین عرب کی طرح ان کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ غرضیکہ یہاں بتلایا گیا کہ یہاں کا عیش تو ناقابل توجہ ہے۔ راحت تو وہی ہے جو ناقابل زوال اور ابدی ہو اور وہ خدا کے پاس ہے جو آخرت میں نصیب ہوگی اور اس کے حصول کا ذریعہ صرف اسلام ہے۔ تو اگر ناپائیدار مال و دولت اور عیش کو کھو کر بھی لازوال سعادت و دولت مل جائے اور ایک روپیہ دینے سے لاکھوں کروڑوں بلکہ ان گنت دولت نصیب ہو جائے تو کیا نقصان ہے تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے کہ فانی کے بجائے باقی کو اختیار کرو۔

ان آیات سے نتیجہ کے طور پر مفسرین نے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی دنیوی لالچ یا خوف کی وجہ سے شریعت کے حکم سے سرتابی نہ کرنی چاہئے۔ کارساز حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھنا لازم ہے۔ نفع اور ضرر کا مالک اور قادر مطلق اسی کو یقین کرنا چاہئے۔ ملازمت یا تجارت یا دوسرے مشاغل حیات کی خرابی کا اندیشہ و خیال قبول حق سے ہرگز مانع نہ ہونا چاہئے۔ تو یہاں تک کفار کے مختلف اشکالات و اعتراضات نقل فرما کر ان کے جوابات دیئے گئے تھے اور ان کے اعتراضات کا رد فرمایا گیا تھا اب آگے کفر و ایمان اور ہدایت و ضلالت کے جو نتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے ان کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز کو) پانیوالا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

قیامت کے روز اُن لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے۔ اور جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (توبیخاً) پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے۔

تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا

جن پر خدا کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا وہ بول اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی (بلا جبر واکراہ) بہکایا جیسا

غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

ہم خود بہکے تھے اور ہم آپ کی پیشی میں ان سے دستبرداری کرتے ہیں یہ لوگ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہا جاوے گا کہ (اب) اپنے ان شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ اُن کو پکاریں گے

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾

سو وہ جواب ہی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) سے عذاب دیکھ لیں گے اے کاش یہ لوگ (دنیا میں) راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے)

اَفَمَنْ سو کیا جو	وَعَدْنٰهُ ہم نے وعدہ کیا اس سے	وَعْدًا حَسَنًا وعدہ اچھا	فَهُوَ پھر وہ	لَاقِيْهِ پانے والا اس کو	كَمَنْ اسکی طرح جسے		
مَتَّعْنٰهُ ہم نے بہرہ مند کیا اسے	مَتَاعَ سامان	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	ثُمَّ پھر	هُوَ وہ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	مِنَ سے	
الْمُحْضَرِيْنَ حاضر کئے جانیوالے	وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيْهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُوْلُ پس کہے گا وہ	اَيْنَ کہاں	شُرَكَآءِيَ میرے شریک		
الَّذِيْنَ وہ جنہیں	كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ تم گمان کرتے تھے	قَالَ کہیں گے	الَّذِيْنَ وہ جو	حَقَّ ثابت ہو گیا	عَلَيْهِمُ ان پر	الْقَوْلُ حکم عذاب	
رَبَّنَا اے ہمارے رب	هٰٓؤُلَآءِ یہ ہیں	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اَغْوَيْنَا ہم نے بہکایا	اَغْوَيْنٰهُمْ ہم نے بہکایا انہیں	كَمَا جیسے	غَوَيْنَا ہم بہکے	
تَبَرَّاْنَآ ہم بیزاری کرتے ہیں	اِلَيْكَ تیری طرف	مَا كَانُوْٓا وہ نہ تھے	اِيَّانَا صرف ہماری	يَعْبُدُوْنَ بندگی کرتے	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا		
ادْعُوْا تم پکارو	شُرَكَآءَكُمْ اپنے شریکوں کو	فَدَعَوْهُمْ سو وہ انہیں پکاریں گے	فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا تو وہ جواب نہ دیں گے	لَهُمْ انہیں			
	وَرَاَوُا اور وہ دیکھیں گے	الْعَذَابَ عذاب	لَوْ اَنَّهُمْ کاش وہ	كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ وہ ہدایت یافتہ ہوتے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مکہ کے بعض کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام قبول نہ کرنے کا یہ عذر اور بہانہ پیش کیا تھا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو عرب ہمیں مکہ سے نکل باہر کریں گے حالانکہ اب تک باوجود دشمنی کے وہ ایسا نہیں کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی سرزمین کو احترام والی اور قتل وغارتگری سے پاک بنایا ہے اور یہاں گھر بیٹھے سب جگہ کی پیداوار کھنچی چلی آرہی ہے مگر انہیں اللہ کا خوف نہیں جو پہلے بہت سی قوموں کو نافرمانی کی سزا میں تباہ وبرباد کر چکا ہے۔ پھر بتلایا گیا تھا کہ انہیں اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں موت ایک نہ ایک دن آنی ضرور ہے جو دنیا کے سارے عیش وعشرت کو ختم کر دینے والی ہے تو اس ناپائیدار اور فانی سامان عیش وعشرت پر یہ لٹو کیوں ہو رہے ہیں۔ یہ تو وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے دیا گیا ہے لیکن اللہ کے پاس اس سے بہتر عیش وراحت کا سامان ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا

ہے۔اس طرح آخرت کے مقابلہ میں دنیا تو کچھ بھی نہیں لیکن افسوس کہ لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اوپر کفر وضلالت پر توبیخ اور تنبیہ اور ہدایت وایمان کی ترغیب دی گئی تھی اب آگے کفر وایمان اور ہدایت وضلالت کے جوثمرات قیامت کے روز ظاہر ہوں گے ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومن اور کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہوسکتے ہیں۔ایک شخص جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت اچھا انعام دینے کا وعدہ کیا جو اسے قیامت کے دن یقیناً مل کر رہے گا کیا اس کے برابر وہ ہوسکتا ہے جس نے کچھ دن اللہ کے دیئے ہوئے مال متاع سے دنیا میں گلچھرے اڑائے اور پھر کفر پر مر گیا اور قیامت کے دن گرفتار ہو کر مجرم کی حیثیت سے پیش ہوگا۔اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے اور نوکر چاکر خدم وحشم سب میری خدمت کے لئے کھڑے ہیں اور محل میں شاہی دسترخوان بچھا ہوا ہے اور طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے ہیں جن سے میں لذت اندوز ہو رہا ہوں مگر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پولیس انسپکٹر گرفتاری کا وارنٹ اور ہتھکڑی بیڑی لئے کھڑا ہے بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیشی ہو کر حبس دوام کی سزا مل گئی تو بتلایئے اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔

آگے قیامت میں کفار ومشرکین اور ان کے معبودان باطل کا حال بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں مشرکوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وہ فرضی معبود جن کو تم لوگ اپنے زعم سے خدا کی صفات میں شریک سمجھتے تھے۔نفع نقصان۔کارسازی اور کاربرآری کا مالک جانتے تھے اور قیامت کے دن جن کی حمایت کرنے کا تم کو بھروسہ تھا آج وہ کہاں ہیں؟ اپنی حمایت کے لئے ان کو بلاؤ تو سہی۔یہ سوال تو ہوگا عام مشرکین سے مگر وہ شیاطین جن وانس اور مشرکین کے وہ لیڈر اور پیشوا جن کو دنیا میں خدا کا شریک اور خدائی حصہ دار بنایا گیا تھا اور جن کے حکم اور بات کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسولوں کی بات کو رد کیا گیا تھا اور جن کے کہنے پر صراط مستقیم اور راہ ہدایت کو چھوڑ کر زندگی کے غلط راستہ اختیار کئے گئے تھے اور جن کی اطاعت اس طرح کی گئی تھی جیسے خدا کی ہونی چاہئے اور اس طرح انہیں خدائی میں شریک کیا گیا تھا۔وہ سمجھ جائیں گے کہ اب ہماری بھی شامت آگئی یہ ہمارے پیرو ضرور کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری گمراہی کے اصل ذمہ دار ہیں اس لئے مشرکین کے بولنے سے پہلے وہ خود سبقت کر کے اپنی صفائی پیش کرنی شروع کر دیں گے۔اور کہیں گے کہ خداوند! بیشک ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا جیسے کہ ہم خود گمراہ تھے مگر ہم پر ان کے گمراہ کرنے کا الزام حقیقتاً عائد نہیں ہوتا کیونکہ ان پر ہمارا کوئی جبر واکراہ نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوالیتے ہم نے ان کی دیکھنے۔سننے اور سوچنے سمجھنے کی قوتوں کو چھین نہیں لیا تھا کہ یہ تو راہ راست کی طرف جانا چاہتے ہوں مگر ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر جبراً ان کو غلط راستہ پر لے گئے ہوں۔بلکہ جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ان کے سامنے بھی ہم نے گمراہی پیش کی اور انہوں نے اپنی مرضی سے اسے قبول کیا ورنہ ان کو اپنے خیال میں آزادی تھی۔یہ کیوں بغیر کسی دلیل وثبوت کے ہمارے اشارہ پر چلے یہ اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں ہم ان سے بیزار ہیں ان کا ہم سے اب کوئی تعلق نہیں۔یہ ہمارے پرستار نہ تھے بلکہ اپنے ہی نفس کے بندے بنے ہوئے تھے۔اگر ان کی نفسانی خواہشیں انہیں نہ ابھارتیں تو یہ ضرور ہمیں دھتا بتاتے اور سیدھا راستہ اختیار کرتے۔تو در اصل یہ ان کی خود کی ہوا اور نفس پرستی تھی کہ جو یہ ہمارے بہکائے میں آگئے اور اس طرح یہ ہماری پرستش نہ کرتے تھے بلکہ اپنے نفس وخواہشات اور تخیل کے پرستار تھے۔ہم ان کی عبادت اور بندگی سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔پس آپ ہمیں دعوے معبودیت کے جرم میں نہ پکڑیئے۔جب یہ بیان مشرکین کے پیشواؤں کا ہوگا اور اس طرح وہ مشرکین سے بیزاری اور بے رخی ظاہر کریں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ لو اب اپنی مدد اور بچانے کے لئے اپنے ان معبودوں کو پکارو اور ان سے کہو کہ آئیں اور تمہاری مدد کریں اور عذاب سے بچائیں۔چنانچہ وہ مشرکین حیرت سے بالاضطرار ان کو پکاریں گے مگر وہ جواب بھی نہ دیں گے اس لئے کہ وہ خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے اس وقت عذاب الٰہی کو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے پھر کہیں گے کہ اے کاش ہم دنیا میں راہ راست پر ہوتے تو آج یہ مصیبت نہ دیکھتے۔

ابھی اسی سلسلہ میں آگے بھی قیامت کے احوال کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ

اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ سو اُس روز اُن سے سارے مضامین گم ہوجاویں گے

فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ

تو وہ آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو شخص (کفر و شرک سے) توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ اُمید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ

اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا

پاک اور برتر ہے۔ اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾

حمد کے لائق دنیا اور آخرت میں وُہی ہے، اور حکومت بھی (قیامت میں) اُسی کی ہوگی تم سب اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُولُ تو فرمائے گا	مَاذَا کیا	أَجَبْتُمُ تم نے جواب دیا	الْمُرْسَلِينَ پیغمبر	
فَعَمِيَتْ پس نہ سوجھے گی	عَلَيْهِمُ ان کو	الْأَنْبَاءُ خبریں (باتیں)	يَوْمَئِذٍ اس دن	فَهُمْ پس وہ	لَا يَتَسَاءَلُونَ آپس میں سوال نہ کرینگے	
فَأَمَّا سو لیکن	مَنْ تَابَ جس نے توبہ کی	وَآمَنَ اور وہ ایمان لایا	وَعَمِلَ صَالِحًا اور اس نے عمل کئے اچھے	فَعَسَىٰ تو امید ہے	أَنْ يَكُونَ کہ وہ ہو	
مِنَ سے	الْمُفْلِحِينَ کامیابی پانے والے	وَرَبُّكَ اور تمہارا رب	يَخْلُقُ پیدا کرتا ہے	مَا يَشَاءُ جو وہ چاہتا ہے	وَيَخْتَارُ اور وہ پسند کرتا ہے	
مَا كَانَ نہیں ہے	لَهُمُ ان کیلئے	الْخِيَرَةُ اختیار	سُبْحَانَ اللَّهِ اللہ پاک ہے	وَتَعَالَىٰ اور برتر	عَمَّا يُشْرِكُونَ اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں	
وَرَبُّكَ اور تمہارا رب	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	تُكِنُّ چھپا ہے	صُدُورُهُمْ ان کے سینے	وَمَا اور جو	يُعْلِنُونَ وہ ظاہر کرتے ہیں
وَهُوَ اللَّهُ اور وہی اللہ	لَا إِلَٰهَ نہیں کوئی معبود	إِلَّا هُوَ اس کے سوا	لَهُ الْحَمْدُ اسی کیلئے تمام تعریفیں	فِي الْأُولَىٰ دنیا میں	وَالْآخِرَةِ اور آخرت	
وَلَهُ الْحُكْمُ اور اسی کیلئے فرمانروائی	وَإِلَيْهِ اور اسی کی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹ کر جاؤ گے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جب مشرکوں سے قیامت میں ان کے دنیا میں شرک کرنے کے متعلق پوچھا جائے گا تو کوئی جواب ان مشرکوں سے نہ بن پڑے گا سوائے اس کے کہ دنیا میں جوانہوں نے گمراہی اختیار کی تھی اس پر پچھتائیں اور حسرت وافسوس کریں کہ کاش ہم دنیا میں ہدایت حاصل کر لیتے اور سیدھا راستہ اختیار کر لیتے تو یہ مصیبت نہ دیکھنی پڑتی۔ تو قیامت میں جب مشرکین پر توحید اختیار نہ کرنے سے الزام قائم ہوجائے گا تو پھر دوسرا سوال پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارے رسولوں کی بات دنیا میں کیوں نہیں مانی؟ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن ان کفار ومشرکین سے بازپرس کی جائے گی کہ علاوہ عقل وفہم عطا کرنے اور دلائل فطرت پیدا کرنے کے جو پکار پکار کر توحید کی طرف بلا رہے تھے

اللہ نے جو تمہارے پاس پیغمبر بھیجے تھے اور انہوں نے تم کو راہ راست کی طرف بلایا تھا تو تم نے ان کی بات کیوں نہ سنی اور ان کے دعوت اور پیغام کا کیا جواب دیا تھا؟ یہ سوال بھی سن کر کفار ومشرکین کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور دنیا میں اگرچہ پیغمبروں کے مقابلہ میں وہ کٹ حجتیاں کرتے اور تکبر اور غرور سے سرمست ہو کر پیغمبروں کے ماننے والوں کو ذلیل اور رذیل کہتے لیکن قیامت کے دن ان کو کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ باہم پوچھ پاچھ کر کوئی جواب دے سکیں۔ کافروں اور مشرکوں کی قیامت کے دن یہ ناگفتہ بہ حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ آخرت میں نجات کا دارومدار صرف اس پر ہے کہ انسان دنیا ہی میں سرکشی چھوڑے۔ خواہشات کا بندہ نہ بنے۔ اللہ پر سچے دل سے ایمان لائے۔ کسی کو اس کی ذات و صفات میں شریک نہ کرے اور اس کے رسول جو نیک کام کرنے کو بتائیں انہیں بے چون و چرا اختیار کرے اور جن کاموں کو وہ برا کہیں ان سے رکیں ان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ ایسے لوگوں کو امید رکھنی چاہئے کہ انہیں آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔ تو مفلحین یعنی آخرت میں فلاح پانے والوں کی یہاں تین شرائط بیان کی گئیں۔ اول **من تاب** یعنی جو توبہ کرے۔ اس میں کفر وشرک اور تمام معاصی سے توبہ کرنا داخل ہے۔ دوسری شرط **اٰمن** فرمائی یعنی جو ایمان لے آئے اس میں توحید رسالت۔ قیامت۔ آخرت۔ جزا سزا سب پر ایمان لانا شامل ہے۔ تیسری شرط فرمائی **عمل صالحاً** اور جو نیک کام کیا کرے۔ اس میں تمام احکام۔ اوامر ونواہی سب پر عمل کرنا داخل ہے۔ تو ایسوں کے لئے فرمایا گیا **فعسٰی ان یکون من المفلحین** یعنی امید ہے کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔ یہاں لفظ **عسٰی** جس کے معنی امید کے ہیں لانے میں یہ تعلیم دی گئی کہ کسی کو اپنی توبہ اور عمل صالحہ پر مغرور نہ ہو جانا چاہئے اور یہ یقین نہ کر لینا چاہئے کہ چونکہ میرے اعمال اچھے ہیں اس لئے جنت کا ملنا لازم ہو گیا ایسا عقیدہ صحیح نہیں بلکہ یہ امید رکھنا چاہئے کہ میں اللہ کے احکام کو مانتا ہوں اس لئے پروردگار کی رحمت کی مجھے امید ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اعمال کے رد ہونے اور گرفت میں ماخوذ ہونے کا خوف بھی دل میں لگا رہے اس لئے ممکن ہے کہ توبہ نہ قبول ہوئی ہو یا اعمال نہ پسند آئے ہوں اور قیامت کے دن خالی ہاتھ رہنا پڑے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی اپنے اعمال کے سبب جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ اللہ کی رحمت شامل نہ ہو۔

الغرض یہاں تک شرک کی مذمت مذکور ہوئی اور کفر وشرک سے توبہ کی ترغیب دی گئی اب آگے توحید کا بیان ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنا اللہ کی مشیت اور اختیار سے ہے۔ یعنی کسی مخلوق کو تخلیق کا اختیار نہیں۔ نہ پیدائش میں کسی کی مشیت اور مرضی کو دخل ہے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے مگر افسوس ہے ہمارے خاندانی منصوبہ بندی والوں کی سمجھ پر جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اولاد کا پیدا کرنا نہ کرنا اپنے اختیار میں ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** اور جس طرح تکوینی اور تخلیقی اختیارات اللہ ہی کو حاصل ہیں اسی طرح تشریعی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں یعنی جس حکم کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور انبیاء کے ذریعہ سے نازل فرماتا ہے۔

یہ توحید کا مثبت پہلو تھا آگے منفی پہلو بھی واضح فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو تجویز احکام کا کوئی حق حاصل نہیں کہ جو حکم چاہیں تجویز کر لیں جیسے یہ مشرکین اپنی طرف سے شرک کو جائز تجویز کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے چند خصوصی اوصاف کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو واحد۔ منفرد۔ اور یگانہ ثابت کرتے ہیں چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا علم کامل رکھتا ہے کہ بندوں کے ہر فعل وعمل کو خواہ وہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر سب جانتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ دل میں جو خیالات اور عقیدے یا نیت رکھتے ہیں وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہی ہر شخص کی پوشیدہ استعداد و قابلیت سے آگاہ ہے اسی

کے موافق معاملہ کرے گا۔ اور چونکہ کسی کا ایسا علم نہیں ہے اس لئے اس سے بھی اس کا واحد و یکتا ہونا ثابت ہوا جس طرح تخلیق۔ اختیار اور علم میں وہ واحد ہے ایسے ہی اس کی ذات الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی ذات میں تمام کمالات و خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام پر رکھ کر کی جائے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے۔ اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے یعنی قیامت میں بھی حکومت اسی کی ہوگی یہ نہیں کہ کوئی اس کے سامنے حاضر ہونے سے بچ جائے یا کہیں چھپ کر پناہ لے لے پس فنا ہونے اور مرنے کے بعد بھی اسی سے واسطہ پڑنا ہے اس سے بھی ذات باری تعالیٰ منفرد ہونا ثابت ہوا۔

اب یہاں ظاہر ہے کہ کفار و مشرکین سے تو یہ سوال ہوگا کہ دنیا میں تم نے توحید و رسالت کو کیوں قبول نہ کیا تھا اور تمہارے پاس جو اللہ کے پیغمبر دعوت اور پیغام لے کر آئے تھے تو تم نے اس کا کیا جواب دیا تھا؟ مگر یہاں ذرا ان کے لئے بھی غور و فکر کی ضرورت ہے کہ جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں اور کتاب و سنت۔ قرآن و حدیث یعنی اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات اور تعلیمات سے نہ صرف نافرمانی بلکہ بغاوت برت رہے ہیں۔ تو اگر ان سے بھی پوچھا گیا اور یقیناً پوچھا جائے گا کہ تم نے توحید و رسالت کا اقرار کر کے اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریق سے بیزاری اور بغاوت پر کیوں کمربستہ رہے تو سوچ لیں کہ میدان حشر میں وہ کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ جواب دیں گے کہ بس ہمارا ایمان و اسلام تو یہی تھا۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

(استغفر اللہ و لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

ایسے مدعیان اسلام کے سنانے کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک عبارت آپ کی کتاب ''بوادر النوادر'' سے یاد آئی جو یہاں نقل کرتے ہوئے دل کانپتا ہے مگر موقع کی مناسبت سے ضرورتاً نقل کی جاتی ہے کہ شاید کسی کی آنکھ کھل جانے کا ذریعہ بن جائے۔ بوادر النوادر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے آخری تصنیف ہے اور مضامین کے اعتبار سے روح التصانیف ہے۔ اور یہ کتاب حضرت اقدسؒ کے مرض وفات میں آپ کی وفات سے صرف تقریباً بیس روز پہلے طبع ہو کر تھانہ بھون پہنچی تھی جس سے حضرت والا بہت ہی مسرور ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ تو اس کتاب بوادر النوادر میں نیز بیان القرآن میں سورۂ اعراف تیسرے رکوع کی آیت نمبر ۳۰ **فریقاً ھدیٰ وفریقاً حق علیھم الضللۃ انھم اتخذوا الشیطین اولیآء من دون اللہ ویحسبون انھم مھتدون** (بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے۔ ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں) کے تفسیر کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ ''جیسے قلب سے تکذیب کرنا کفر ہے۔ اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں مخالفت و عداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے۔ خوب سمجھ لو۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کرم سے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہم کو وہ ایمان و اسلام حقیقی نصیب فرمائیں کہ جو میدان حشر میں ہمیں ندامت و شرمندگی سے واسطہ نہ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب ہو۔ جس سے کہ کچھ نام نہاد امتی محروم رکھے جائیں گے جس کا کچھ بیان انشاء اللہ اگلے درس میں آئے گا۔ جہاں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اللہ ہی کے فضل و انعام سے ہیں بلکہ خود رات دن کا ادل بدل کرنا بھی اللہ کا ایک مستقل احسان ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ

آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ

جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے، تو کیا تم (توحید کے ایسے صاف دلائل کو) سنتے نہیں۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ، کیا تم (اس مشاہدہ قدرت کو) دیکھتے نہیں۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

اور اُس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور تاکہ (ان دونوں پر) تم شکر کرو۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ اُن کو پکار کر فرمادے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ

اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے، پھر ہم (ان مشرکین سے) کہیں گے کہ اپنی دلیل (صحت شرک کے دعوے پر) پیش کرو سو (اُس وقت) اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ سچی بات خدا ہی کی تھی

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہیگا۔

قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	اِنْ اگر	جَعَلَ کردے (رکھے)	اللّٰهُ اللہ	عَلَيْكُمُ تم پر	الَّيْلَ رات	سَرْمَدًا ہمیشہ
اِلٰى تک	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	مَنْ کون	اِلٰهٌ معبود	غَيْرُ اللّٰهِ اللہ کے سوا	يَاْتِيْكُمْ لے آئے تمہارے پاس	بِضِيَآءٍ روشنی	
اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ تو کیا تم سنتے نہیں؟	قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	اِنْ اگر	جَعَلَ اللّٰهُ بنائے (رکھے) اللہ	عَلَيْكُمُ تم پر	النَّهَارَ دن	
سَرْمَدًا ہمیشہ	اِلٰى تک	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	مَنْ کون	اِلٰهٌ معبود	غَيْرُ اللّٰهِ اللہ کے سوا	يَاْتِيْكُمْ لے آئے تمہارے لئے	
بِلَيْلٍ رات	تَسْكُنُوْنَ تم آرام کرو	فِيْهِ اس میں	اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟	وَ اور	مِنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت سے		
جَعَلَ لَكُمُ اس نے تمہارے لئے بنایا	الَّيْلَ رات	وَالنَّهَارَ اور دن	لِتَسْكُنُوْا تاکہ تم آرام کرو	فِيْهِ اس میں	وَلِتَبْتَغُوْا اور تاکہ تم تلاش کرو		
مِنْ فَضْلِهٖ اسکا فضل (روزی)	وَلَعَلَّكُمْ اور تاکہ تم	تَشْكُرُوْنَ تم شکر کرو	وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيْهِمْ وہ پکارے گا انہیں	فَيَقُوْلُ تو وہ کہے گا		
اَيْنَ کہاں؟ شُرَكَآءِيَ میرے شریک	الَّذِيْنَ وہ جو	كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ تم گمان کرتے تھے	وَ اور	نَزَعْنَا ہم نکال کر لائینگے	مِنْ سے		

كُلِّ أُمَّةٍ ہر امت	شَهِيدًا ایک گواہ	فَقُلْنَا پھر ہم کہیں گے	هَاتُوا تم لاؤ (پیش کرو)	بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل	فَعَلِمُوا سو وہ جان لیں گے
أَنَّ کہ	الْحَقَّ سچی بات	لِلَّهِ اللہ کی	وَضَلَّ اور گم ہوجائیں گی	عَنْهُمْ ان سے	مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ جو وہ گھڑتے تھے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی توحید کے متعلق مضمون بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جس طرح تخلیق۔ اختیار اور علم میں وہ منفرد ہے اسی طرح الوہیت اور معبودیت میں بھی یگانہ ہے۔ اسی کی ذات میں تمام کمالات اور خوبیاں جمع ہیں۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اب بھی اور قیامت میں بھی۔ اب آگے اسی سلسلہ میں اظہار قدرت کے لئے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی سلب کرلے تو تم اپنے کاروبار اور کام کاج کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لاسکتے ہو۔ یہ بات ایسی صاف اور توحید کے دلائل میں ایسی روشن ہے کہ ایک کم عقل کی بھی سمجھ میں آجائے۔ پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے اور ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رہے تو جو راحت اور سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کونسی طاقت کرسکتی ہے۔ یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ جو بیوقوف سے بیوقوف آدمی کو بھی نظر آتی ہے تو معلوم ہوا کہ شبانہ روز کا دور اور نور ظلمت کا چکر اسی کے دست قدرت میں ہے اور کسی دوسرے کو تصرف کائنات میں کوئی دخل نہیں۔ یہاں آیت میں یہ دلیل دے کر کہ اگر قیامت تک رات ہوجائے تو پھر کس میں طاقت ہے کہ دن نکال دے۔ **افلا تسمعون** فرمایا چونکہ رات میں صورت نہیں دکھائی دیتی اور آواز سنائی دیتی ہے اس لئے رات کے ساتھ **افلا تسمعون** فرمایا یعنی کیا تم سنتے بھی نہیں اور دن میں صورت دکھائی دیتی ہے اور آواز رات کی نسبت کم سنائی دیتی ہے اس لئے دن کے ساتھ **افلا تبصرون** فرمایا یعنی کیا اسی حقیقت بھی تم کو دکھلائی نہیں دیتی۔ آگے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے تاکہ رات کی تاریکی میں سکون وراحت حاصل کرو یعنی نیند سے حواس اور اعضاء کی تکان دور ہوجاتی ہے اور دماغی اور جسمانی راحت حاصل ہوتی ہے اور دن کے اجالے میں کاروبار جاری رکھ سکو اور اپنی روزی کو تلاش کرو۔ یہاں آیت میں دن میں روزی تلاش کرنے کو **لتبتغوا من فضله** فرمایا یعنی اس کے فضل میں سے کچھ تلاش کرو۔ اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ روزی ظاہر میں دینے والے کو حقیقۃً دینے والا نہ سمجھ لینا چاہئے بلکہ اس کو صرف دینے کا ذریعہ خیال کرنا چاہئے اور جو کوئی بھی کچھ دے دراصل اس کو فضل خداوندی یقین کرنا لازم ہے اس لئے آگے **لعلکم تشکرون** فرمایا یعنی جب اس روزی کو فضل الٰہی جان لو تو اللہ ہی کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت نہ کرو کہ عطا تو فرمائے خدا اور دینے والا سمجھو تم کسی اور کو۔ یہ دلائل توحید بیان فرما کر پھر شرک اور مشرکین کی مذمت فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ معبود حقیقی کو چھوڑ کر اور دوسرے معبود جو یہ مشرکین قرار دیتے ہیں اور جن کو یہ اپنے زعم میں اپنا حامی اور ناصر اور شفیع خیال کرتے ہیں قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہر امت کے پیغمبر کی شہادت طلب کی جائے گی اور وہ بتلائیں گے کہ ان کی امت نے آسمانی شریعت اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اس وقت کفار اور مشرکین سے سرکشی اور کفر وشرک کی دلیل طلب کی جائے گی کہ بتاؤ خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال وحرام وغیرہ کے احکام کہاں سے لئے۔ خدا کے پیغمبر کو تو تم نے مانا نہیں پھر کس

نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے اور یہ نہیں۔ لیکن کافروں کو کوئی جواب بن نہ پڑے گا اور اس وقت ان کو نظر آجائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہی ٹھیک تھا۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑ رکھی تھیں اس روز سب کافور ہو جائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شب و روز کا دورہ اگرچہ ظاہر میں سورج کے طلوع اور غروب کی وجہ سے ہے لیکن فی الحقیقت اذن خداوندی اور تاثیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے عارف کی نظر میں عالم میں جو انقلاب و تغیر ہوتا ہے اس سب کا بانی اور فاعل حقیقی خدا ہی ہے انسان جو متصرف یا حاکم نظر آتے ہیں وہ حقیقت میں متصرف اور حاکم نہیں بلکہ ذرائع اور آلات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یوں سمجھئے کہ ایک ہوشمند انسان ہتھیار والے سپاہی کو قاتل کہتا ہے نہ کہ تلوار کو جس سے سپاہی کسی کو قتل کرتا ہے۔ پس اگر خوشامد کرنی اور درگزر اور عفو کی طلب کرنی ہوتی ہے تو سپاہی سے کرتا ہے نہ کہ تلوار سے۔ اگر ڈرتا ہے تو سپاہی سے نہ کہ ہتھیار سے۔ ہاں عارضی خوف جو ہتھیار سے دل پر چھا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ کہیں سپاہی اس ہتھیار کو ہمارے خلاف نہ استعمال کرے۔ تو واقع میں ہتھیار نہ فاعل ہے۔ نہ مختار۔ نہ کوئی خوف کی چیز بلکہ اس سے ضرر سپاہی کے ارادے سے وابستہ ہے بس یہی حالت کل کائنات کی ہے۔ نہ کسی سے نفع وابستہ ہے نہ ضرر۔ حقیقی کارساز اور آلات و ذرائع پیدا کرنے والا حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور بغیر حکم الٰہی کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رات اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنائی ہے اس لئے جو لوگ رات کو کام کرتے ہیں بغیر کسی خاص مجبوری کے اور دن کو سوتے ہیں وہ خلاف فطرت عمل کرتے ہیں۔

ان آیات میں ایک اور اہم بات کی طرف بھی آپ کو توجہ دلانی ہے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا **ونزعنا من کل امۃ شھیداً** اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال کر لائیں گے اور مفسرین نے یہاں گواہ سے مراد پیغمبر امت کو لیا ہے۔ تو اگرچہ یہاں بیان کفار و مشرکین کے متعلق ہے کہ جن کے متعلق پیغمبر کی شہادت طلب کی جائے گی لیکن آپ یقین کیجئے کہ قیامت میں ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو حوض کوثر سے سیراب کرنے کے لئے ابتدائی انتظامات میں مصروف اور اپنی امت کے لوگوں کی آمد کے منتظر ہوں گے تو اس وقت کچھ لوگوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ یہ لوگ تو میرے امتی ہیں اور مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جواب ملے گا کہ ہیں تو بیشک یہ آپ کے امتی ہی لیکن آپ کو ان کے کرتوت معلوم نہیں کہ یہ لوگ دین میں طرح طرح کی بدعات نکالتے رہے ہیں۔ دین میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں اور صراط مستقیم سے ہمیشہ ہٹے رہے اس لئے حوض کوثر سے ان کو پانی نہیں ملے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پھر جھڑک دیں گے کہ دور ہوں مجھ سے یہ لوگ اور دور ہوں خدا کی رحمت سے کہ جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلی کی۔ اس کے متعلق صحیح احادیث جو بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت کی گئی ہیں سنیئے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض (کوثر) پر تم سے پہلے پہنچوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر ان کو میرے سامنے سے ہٹا دیا

جائے گا تو میں عرض کروں گا اے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں جو شر و فساد بپا کیا ہے آپ اسے نہیں جانتے۔(بخاری)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے کچھ لوگ حوض پر اتریں گے یہاں تک کہ میں ان کو پہچان لوں گا تو وہ میرے سامنے سے کھینچ کر لے جائے جائیں گے اس پر میں عرض کروں گا کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے جو دین میں بگاڑ پیدا کیا ہے۔(بخاری)

(۳) حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر تمہارا پیش خیمہ ہوں گا اور جو شخص میرے پاس سے گزرے گا وہ پیئے گا۔ اور جس نے پی لیا اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی کچھ لوگ میرے پاس ایسے بھی آئیں گے جن کو میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ یہ لوگ تو میری امت کے ہیں۔ پس کہا جائے گا کہ آپ کے بعد جو کچھ ان لوگوں نے کیا ہے آپ اسے نہیں جانتے تو اس وقت میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔(بخاری)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ میرے سامنے قیامت کے دن حوض پر اتریں گے پھر ان کو حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا یا رب یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو جواب ملے گا کہ آپ کو اس کا علم نہیں جو ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں نئی بات پیدا کی۔ وہ الٹے پاؤں دین سے پھر گئے تھے۔(بخاری)

(۵) حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ تم میں سے جو آئے گا اسے دیکھوں گا اور کچھ لوگوں کو مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے گا تو میں عرض کروں گا یا رب یہ تو میرے امتی ہیں اور میرے آدمی ہیں تو جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم بھی ہے کہ وہ آپ کے بعد کیا کرتے رہے۔ خدا کی قسم یہ لوگ الٹے پاؤں پھرتے رہے ہیں۔(بخاری)

(۶) ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں تشریف رکھتے ہوئے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہاری آمد کا منتظر ہوں گا۔ خدا کی قسم اس وقت یہ واقعہ رونما ہوگا کہ کچھ لوگوں کو مجھ سے ادھر ہی دور کر لیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ اے اللہ یہ تو میرے اپنے آدمی ہیں اور میرے امتی ہیں تو ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد انہوں نے جو کرتوت کئے ہیں وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں۔ یہ آپ کے بعد دین سے روگردانی کرتے رہے(صحیح مسلم)

آج دین کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے کہ طریقہ مسنونہ کو چھوڑ کر نئی نئی بدعات نکالی جا رہی ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا جا رہا ہے۔ سنن و مستحبات کا تو کیا ذکر۔ فرائض و واجبات کا جو حشر بن رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے اس لئے دین کا درد اور دین کا خیال رکھنے والوں کو ان احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف کھا کر اپنے دین و ایمان کو صحیح معنی میں سنبھالنے کی فکر رکھنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مشکوٰۃ شریف کی اور سن لیجئے۔

حضرت عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ ہماری طرف منہ

کر کے بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت مؤثر الفاظ میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا پس ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شاید یہ آخری وصیت ہے پس آپ ہم کو کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم للہ سے ڈرتے رہو اور نصیحت کرتا ہوں تم کو سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ تم کو حبشی غلام کی اطاعت کرنی پڑے۔ پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے وہ اختلاف کثیر کو دیکھے گا۔ ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو مضبوط پکڑ لے۔ اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اب اصل مضمون کی طرف آئیے۔ گذشتہ رکوع میں یہ بیان ہوا تھا کہ دنیا کے یہ ناز و نعم بے ثبات ہیں اور آخرت کی نعمتیں دائمی اور ابدی ہیں۔ پھر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے بیان ہوئے۔ اب پھر اسی بات کو سمجھانے کے لئے کہ یہ دنیا کا ساز و سامان اور مال دولت دنیا میں بھی ہمیشہ نہیں رہتا۔ ہمیشہ رہنے والی دولت وہ ہے کہ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کو عطا فرمائے گا۔ اسی بات کو سمجھانے کے لئے اب اگلی آیات سے قارون کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو بڑا مالدار تھا مگر جس نے مال کے غرور میں دارِ آخرت کی محرومی حاصل کی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یہ شب و روز کے انقلابات ہمارے لئے معرفت الٰہیہ کا باعث ہوں اور ہم شب و روز کی نعمتوں کو منعم حقیقی کی طرف سے جان کر ان نعمتوں پر حق تعالیٰ کے شکر گزار رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہم کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وہدایت پر چلنا نصیب فرمائیں تا کہ قیامت میں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندگی نہ ہو۔ بلکہ آپ کی شفاعت نصیب ہو اور آپ کے حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب ہو۔

یا اللہ! قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو احوال آخرت بتلائے گئے ہیں یقیناً ہونا تو وہی ہیں مگر آج امت پر کیسی غفلت چھائی ہوئی ہے کہ نہ آخرت کا فکر ہے۔ نہ خدا کے خوف سے دل لرزاں و ترساں ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا غم ہے۔ یا اللہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امت کو یہ وصیت و نصیحت فرمائی تھی کہ میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور دین میں نئی باتیں اور بدعات پیدا کرنے سے بچتے رہو مگر آج امت کی اکثریت بالکل حضور کی ہدایت کے خلاف چل رہی ہے۔ یا اللہ! اس کا نتیجہ ہے کہ جو آج دنیا میں امت بدحالی میں گرفتار ہے اور آخرت میں جو پیش آنا ہے وہ اس سے بھی سخت ہوگا۔ یا اللہ! ہم آپ کے رحم و کرم کے طالب ہیں۔ آپ سے ہدایت کے بھکاری ہیں۔ یا اللہ! ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما دے۔ اپنا فرمانبردار بندہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا امتی ہونا نصیب فرما دے۔ یا اللہ! آخرت کا فکر ہم کو نصیب فرما دے اور میدان حشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ

قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے تھا سو وہ (کثرتِ مال کی وجہ سے) ان لوگوں میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اُس کو اس قدر خزانے دیئے تھے

مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں، اُس کو اُس کی برادری نے کہا کہ تو اِترا مت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دُنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر

وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

اور جس طرح خداتعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا مت خواہاں ہو،

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾

بیشک اللہ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

إِنَّ بیشک	قَارُونَ قارون	كَانَ تھا	مِن سے	قَوْمِ مُوسَىٰ موسیٰ کی قوم	فَبَغَىٰ سو اس نے زیادتی کی	عَلَيْهِمْ ان پر
وَآتَيْنَاهُ اور ہم نے دیئے تھے اس کو	مِنَ الْكُنُوزِ خزانے	مَا إِنَّ اتنے کہ	مَفَاتِحَهُ اس کی کنجیاں	لَتَنُوءُ بھاری ہوتیں		
بِالْعُصْبَةِ ایک جماعت پر	أُولِي الْقُوَّةِ زور آور	إِذْ قَالَ جب کہا	لَهُ اس کو	قَوْمُهُ اس کی قوم	لَا تَفْرَحْ نہ خوش ہو (نہ اِترا)	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْفَرِحِينَ خوش ہونے (اترانے) والے	وَابْتَغِ اور طلب کر	فِيمَا اس سے جو	آتَاكَ اللَّهُ تجھے دیا اللہ نے		
الدَّارَ الْآخِرَةَ آخرت کا گھر	وَلَا تَنسَ اور نہ بھول تو	نَصِيبَكَ اپنا حصہ	مِنَ سے	الدُّنْيَا دنیا	وَأَحْسِن اور نیکی کر	كَمَا جیسے
أَحْسَنَ اللَّهُ اللہ نے نیکی کی	إِلَيْكَ تیری طرف (ساتھ)	وَلَا تَبْغِ اور نہ چاہ	الْفَسَادَ فساد	فِي الْأَرْضِ زمین میں	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْمُفْسِدِينَ فساد کرنے والے					

تفسیر وتشریح:۔ ایک کم ظرف چھوٹے حوصلہ اور بڑے دعوے والا انسان کبھی خیال کرنے لگتا ہے کہ اگر قوانین شریعت اور احکام الٰہیہ کی پابندی کی گئی تو مال و دولت سمیٹنے کے تمام ذرائع بند ہوجائیں گے حلال وحرام کی قید تحصیل مال سے روک دے گی۔ پھر صدقات و زکوٰۃ اور امداد کا قانون رہے سہے سرمایہ کو بھی ختم کردے گا اور میں تہی دست کنگال ہوکر رہ جاؤں گا۔ رہا اجر آخرت تو وہ کس نے دیکھا ہے۔ نقد چھوڑ کر ادھار کی امید پر جینا خام خیالی ہے۔ جب ایسے باطل خیالات رکھنے والے انسان سے کہا جاتا ہے کہ ذرا غور تو کر کہ یہ مال کہاں سے آیا؟ کیا یہ تمام دھن و دولت خداداد نہیں ہے؟ کیا تم ماں کے پیٹ سے دنیا میں یہ مال دولت ساتھ لے کر آئے تھے؟ اگر خداداد ہے تو حکم خدا کے موافق اس کو خرچ بھی کرو۔ بندگان خدا کو بھی اس میں سے دو تو وہ انتہائی سرکشی اور غرور سے کہنے لگتا ہے تم بیوقوف ہوا تنا نہیں سمجھتے کہ اگر یونہی خداداد دولت ہوتی تو دوسروں کے پاس بھی ہوتی۔

فی الحقیقت یہ میری کمائی ہوئی ہے۔ میری قوت بازو کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنے علم و ہنر اور پیہم محنت و مشقت سے اسے حاصل کیا ہے۔ دوسروں کا اس میں کیا حق ہے۔ میں کیوں کسی کو کچھ دوں۔ یہ ننگے بھوکے لوگ زکوٰۃ و صدقات کے بہانہ میری دولت کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ غرض ایسے کج فہم اور کوتاہ بصیرت آدمی کے نزدیک جاہ و جلال۔ حشم و خدم۔ شان و شوکت۔ مال و دولت اور نام و نمود ہی سرمایہ افتخار ہوتا ہے اور وہ کسی طرح یہ تصور اپنے دماغ میں نہیں آنے دیتا کہ یہ جاہ و مال زوال پذیر ہے ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں۔ یہ نفس کا بندہ مساوات و ہمدردی اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم کیا جانے۔ جو لوگ ظاہر پرست اور دنیا کی نمائش اور نام و نمود پر ریجھنے والے ہوتے ہیں وہ ایسے مغرور کی دولت کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں اور دل سے تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمارے پاس بھی اس کی طرح مال ہوتا تو ہم بھی ایسے ہی مزے اور گلچھرے اڑاتے لیکن جن کو اللہ نے دین کی سمجھ اور فہم عطا کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص اللہ کی آزمائش میں مبتلا ہے۔ اس کا مال وبال اور جی کا جنجال ہے۔ درحقیقت ثواب آخرت اور اجر الٰہی لازوال نعمت ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ دنیوی مال و دولت کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ آن کی آن میں یہ سرمایہ برباد اور جاہ و جلال تباہ ہوسکتا ہے۔ سرمایہ پر بھروسہ کر کے اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام بد ہوتا ہے۔ آخرت تباہ ہوتی ہے اور دنیا میں یونہی ایڑیاں رگڑ کر بصد حسرت و یاس جان دینی ہوتی ہے اور سب دنیا کا دنیا ہی میں دھرا رہ جاتا ہے۔ ایسے متکبر اور سرکش سرمایہ دار ہر زمانہ میں ہوتے رہے ہیں اور ان کا انجام انتہائی حسرت آمیز اور عبرت انگیز ہوتا ہے۔ اسی گروہ میں سے ایک قارون بھی تھا جس کا ذکر ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ قارون کا واقعہ بھی کفار مکہ کو اسی عذر کے جواب میں سنایا جا رہا ہے کہ جو قریش کے بڑے بڑے سرمایہ داروں نے اسلام قبول نہ کرنے کے لئے عذر کے طور پر پیش کیا تھا جس کا ذکر گذشتہ میں ہو چکا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ

اگر ہم اہل عرب کے آبائی دین کو چھوڑ کر اس نئے دین توحید کو قبول کرلیں تو اس زمین عرب میں ہمارے لئے کوئی جائے پناہ تک باقی نہ رہے گی۔ تمام قبائل ہمارے دشمن ہوجائیں گے۔ ہماری معاشی خوشحالی ختم ہوجائے گی۔ ہماری سرمایہ داری پر اثر پڑے گا اور کچھ بعید نہیں کہ ہمیں سرے سے مکہ ہی چھوڑنا پڑے۔ تو چونکہ سرداران قریش جو دراصل مکہ کے بڑے بڑے سیٹھ۔ ساہوکار۔ اور سرمایہ دار تھے اور سودخوری نے جنہیں قارون وقت بنا رکھا تھا ان کی حق دشمنی کا اصل سبب یہی زر پرستی تھا اس لئے حق تعالیٰ نے اس پر آخر سورۃ تک مفصل کلام فرمایا ہے اور اس کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈال کر نہایت حکیمانہ طریقہ سے ان تمام بنیادی امراض کا مداوا کیا ہے جن کی وجہ سے یہ لوگ حق و باطل کا فیصلہ دنیوی مفاد کے نقطۂ نظر سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور باوجود بنی اسرائیل ہونے کے فرعون کی پیشی میں رہتا تھا اور اپنی قوم سے باغی ہوکر اس دشمن طاقت کا پٹھو بن گیا تھا جو بنی اسرائیل کو جڑ سے ختم کردینے پر تلی ہوئی تھی۔ جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون قارون کو چن لیا تھا جو باوجود بنی اسرائیل ہونے کے فرعون کے ساتھ جاملا تھا اور اس کا مقرب بن کر اس درجہ کو پہنچ گیا تھا جیسا کہ ۲۴ ویں پارہ سورۂ مومن میں بتلایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں فرعون کے بعد مخالفت کے جو دو سب سے بڑے سرغنے تھے ان میں ایک فرعون کا وزیر ہامان تھا اور دوسرا یہی قارون تھا۔ تو قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع بھی ختم ہوگئے اور سرداری جاتی رہی اور یہ موسیٰ علیہ السلام سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور

کہتا کہ آخر میں بھی انہی کے چچا کا بیٹا ہوں یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا میرے پاس مال دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام لائے تھے ہم نے تم نے برداشت کئے مگر کیا تم یہ بھی برداشت کرلوگے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید میں کہا کہ نہیں ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام زنا کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ ان کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو شدید قسمیں دیں اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل کانپ اٹھا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھے بہکایا سکھلایا تھا اس وقت قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اپنے گھر اور خزانوں سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ اسی قارون کے قصہ کو یہاں ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قارون کا حال دیکھو کہ کفر و خلاف پیغمبر کرنے سے اس کو کیا ضرر پہنچا اور اس کا مال و متاع کچھ کام نہ آیا بلکہ اس کے ساتھ وہ مال و متاع بھی برباد ہو گیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری یعنی بنی اسرائیل میں سے بلکہ ان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور تکبر مال کی وجہ سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا مقابلہ کرنے لگا۔ مفسرین نے وجہ نزاع حکم زکوٰۃ کو قرار دیا ہے یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل کرنے پر کمر باندھی اور ایک فاحشہ عورت کو کچھ مال دے کر آمادہ کیا کہ وہ علی الاعلان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے لیکن بحکم الٰہی بوجہ ہیبت حضرت موسیٰ علیہ السلام عورت نے بھرے جلسہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاکدامن اور قارون کے اغوا کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا پر زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اور اس کے پاس مال کی اتنی کثرت تھی اور اتنے صندوق تھے کہ جن کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جائیں۔ قارون کو اپنے مال و دولت کے اوپر تکبر کرنے پر اس کی قوم اور برادری کے بعض سمجھ دار لوگوں نے اس کو سمجھانے کے طور پر کہا کہ اس فانی اور زائل ہو جانے والی دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں مچھر کے پر کی برابر بھی نہیں۔ اور یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی و ہلاکت کے کیا ہے۔ اور یہ خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے نہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہو کر غرور اور تکبر کی چال چلنے لگے۔ دیکھ ایک دن تجھے مرنا ہے۔ اس دولت سے کچھ آخرت بھی کما لے۔ اللہ نے تجھ پر یہ احسان کیا ہے تو بھی اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کر اور اس مال دولت سے ان کی امداد کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ضد نہ کر۔ اور خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ۔ خوامخواہ ملک میں ادھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔ اللہ کو فساد پھیلانے والے پسند نہیں۔

یہ سب نصیحت سمجھ دار لوگوں کی طرف سے ہوئی اور غالباً یہ مضامین اول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائے ہوں گے پھر مکرر دوسرے لوگوں نے ان کا اعادہ کیا ہوگا۔ بہر حال یہ سن کر قارون نے جو جواب دیا کہ وہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اپنے نیک مخلص اور اطاعت گزار بندوں سے ہم کو تعلق نصیب فرما۔ ان کے ادب۔ احترام و اکرام کی توفیق عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، کیا اُس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی) انکا زیادہ تھا، اور اہل جرم سے اُن کے گناہوں کا سوال نہ کرنا پڑے گا۔

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ

جیسا کہ قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ

ارے تمہارا ناس ہو (تم دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور (پھر) وہ ثواب کامل طور پر اُن ہی کو دیا جاتا ہے

اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

جو صبر کرنے والے ہیں

قَالَ کہنے لگا	اِنَّمَآ یہ تو	اُوْتِيْتُهٗ مجھے دیا گیا ہے	عَلٰى عِلْمٍ ایک علم (ہنر) سے	عِنْدِيْ میرے پاس	اَوَ کیا	لَمْ يَعْلَمْ وہ نہیں جانتا	
اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	قَدْ اَهْلَكَ بلا شبہ ہلاک کر دیا ہے	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	مِنَ سے (کتنی)	الْقُرُوْنِ جماعتیں	مَنْ جو	هُوَ اَشَدُّ وہ زیادہ سخت	
مِنْهُ اس سے جو	قُوَّةً قوت میں	وَّ اَكْثَرُ اور زیادہ	جَمْعًا جمعیت	وَلَا يُسْئَلُ اور نہ سوال کیا جائیگا	عَنْ سے (بابت)	ذُنُوْبِهِمُ انکے گناہ	
الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	فَخَرَجَ پھر وہ نکلا	عَلٰى پر (سامنے)	قَوْمِهٖ اپنی قوم	فِيْ میں (ساتھ)	زِيْنَتِهٖ اپنی زیب و زینت	قَالَ کہا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو
يُرِيْدُوْنَ چاہتے تھے طالب تھے	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	يٰلَيْتَ اے کاش	لَنَا مِثْلَ ہمارے پاس ہوتا ایسا	مَآ اُوْتِيَ جو دیا گیا			
قَارُوْنُ قارون	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَذُوْ حَظٍّ نصیب والا	عَظِيْمٍ بڑا	وَ قَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ دیا گیا تھا علم	
وَيْلَكُمْ افسوس تم پر	ثَوَابُ اللّٰهِ اللہ کا ثواب	خَيْرٌ بہتر	لِّمَنْ اس کیلئے جو	اٰمَنَ ایمان لایا	وَ اور	عَمِلَ اس نے عمل کیا	صَالِحًا اچھا
	وَلَا يُلَقّٰهَا اور وہ نصیب نہیں ہوتا	اِلَّا سوائے	الصّٰبِرُوْنَ صبر کرنے والے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قارون کو مال دولت کے اترانے پر بنی اسرائیل کے سمجھدار لوگوں نے سمجھایا کہ مال دولت پر اترانا شیخی بگھارنا اور تکبر و غرور کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہ دولت تو اللہ نے اس لئے دی ہے کہ اس سے آخرت کی کمائی کی جائے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے نہ یہ کہ اس دولت کے بل بوتہ پر فتنہ اور فساد برپا کیا جائے۔ قارون نے یہ سن کر وہی جواب دیا جو آج بھی اکثر سرمایہ داروں کی زبان پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔ قارون نے کہا کہ تم مجھے نصیحت کرنے والے کون ہوتے ہو۔ بس

اپنی نصیحت رہنے دو۔ یہ دولت تو میں نے اپنے علم و ہنر سے کمائی ہے۔ میں تجارت میں ماہر۔ ذی علم اور تجربہ کار ہوں۔ اس میں کسی کے احسان کی کیا بات اور اس میں کسی کا استحقاق کیسا۔ میں مالیات و معاشیات کا ماہر ہوں۔ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے یہ میں نے اپنے قوت بازو سے اپنے علم و ہنر کے زور سے کمایا ہے۔ اس میں کسی کا میرے اوپر کیا احسان۔ آگے قارون کی حماقت اور کج فہمی کا بیان ہوتا ہے کہ یہ نادان یہ نہ سمجھا کہ اللہ اس سے پہلے سرکشوں کو تباہ کر چکا ہے جو تخت و تاج کے مالک بھی تھے اور جن کے پاس دولت چاروں طرف سے کھچی چلی آتی تھی اور لشکر بھی بے شمار تھا اور مال سے خزانے اٹے پڑے تھے۔ آخر اللہ عزوجل کو ان کی سرکشی نہ بھائی اور چشم زدن میں ان کا تختہ الٹ دیا گیا۔ نہ وہ دولت رہی۔ نہ سلطنت نہ حکومت۔ سب کچھ یہیں چھوڑ کر چل بسے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے گناہ کو گناہ نہ سمجھا۔ احکام الٰہیہ کی نافرمانی کی اور رسولوں کی بات کو ٹھکرایا تو صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ بوجہ ان کے ارتکاب جرم کے اور اللہ تعالیٰ کو یہ جرم معلوم ہونے کے قیامت میں بھی عذاب دیئے جائیں گے اور ان اہل جرم سے ان کے گناہوں کی تحقیق کرنے کی غرض سے سوال نہ کرنا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہی ہے۔ پھر فرشتے ان کے ہر کام کو جو وہ کر رہے ہیں ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ پھر مجرموں سے سوال کی کیا ضرورت۔ ہاں اگر سوال ہوگا بھی تو جرم ثابت کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کو عار دلانے۔ شرمندہ کرنے اور ان کی یاس و حسرت بڑھانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگا تو مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی جہالت کی بات نہ کہتا۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ قارون نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق ہو کر عمدہ سواری پر سوار ہو کر۔ اپنے غلاموں کو بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے بڑے شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ سے اتراتا اور اکڑتا ہوا نکلا۔ اس کا یہ ٹھاٹھ باٹھ اور زینت و تجمل دیکھ کر دنیا داروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کہ کاش ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا اور ہم کو بھی ایسا ساز و سامان ملا ہوتا جیسا اس قارون کو ملا ہے۔ کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ واقعی یہ بڑا ہی صاحب اقبال، اور بڑا خوش نصیب ہے۔ اسکے سارے ارمان پورے ہوئے۔ بڑے مزے اور شان کی زندگی بسر کرتا ہے آج ہمارے اکثر مسلمان بھائی بھی شب و روز دوسرے بد دین اور کافر قوموں کو ظاہری مادی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اسی کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ انہیں جیسی مادی ترقیاں ہم کو بھی حاصل ہوں تو ان دنیا کے حریصوں اور ظاہری شان و شوکت کے لالچیوں کی باتیں سنکر بعض دین کا علم اور سمجھ رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ ارے کم بختو! تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ اس عارضی اور فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے۔ یہ کتنے دن کی بہار ہے۔ اللہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کے لئے اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے۔ اللہ نے اپنے مومن اور نیک بندوں کیلئے جو سامان تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کروڑہا درجہ بارونق عمدہ اور دیرپا ہے لیکن وہ تو ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو اس چند روزہ زندگی کو صبر و سہار سے گزارتے ہیں۔ جو دنیا میں مالداروں کو دیکھ کر بے صبری سے جزع فزع نہیں کرتے بلکہ صبر کیساتھ اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت کر کے اس کے احکام بجالانے میں لگے رہتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مال و دولت کو اپنی طاقت۔ ہنرمندی اور علم کا نتیجہ سمجھنا غلطی ہے۔ یہ خداداد نعمت ہے اور اس کے ذریعہ سے دین اور آخرت کو حاصل کرنا لازم ہے نہ کہ ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ۔ پھر اس میں ان دنیاداروں کی بھی مذمت آ گئی جو دین سے قطع نظر کر کے غیر مسلموں اور بد دینوں کی سی نام نہاد دنیوی مادی ترقی کے خواہشمند اور درپے ہیں۔ اور جس کے حصول میں دن رات سرگرداں ہیں اور جس کے پیچھے دین اور اللہ اور رسول کے احکام کو خیر باد کہنے اور قربان کرنے کو تیار ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اب آگے قارون کا انجام اور ایسی دنیا کہ جس سے اللہ کی نافرمانی سرزد ہو اور عالم آخرت کی بھلائی نصیب نہ ہو۔ اور ایسی نیکی اور تقویٰ کہ جس سے دار آخرت میں فلاح نصیب ہو اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ق 41

پھر ہم نے اُس قارون کو اور اُس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیتی

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ

اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا۔اور کل جو لوگ اُس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اُس کو زمین میں دھنستا دیکھ کر) کہنے لگے

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ

بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہے) تنگی سے دینے لگتا ہے، اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی

عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ط وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا

تو ہم کو بھی دھنسا دیتا۔بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔یہ عالمِ آخرت ہم اُن ہی لوگوں کیلئے خاص کرتے ہیں

لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ

جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ج وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ

اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا، اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔

فَخَسَفْنَا پھر ہم نے دھنسا دیا	بِهٖ اس کو	وَبِدَارِهِ اور اس کے گھر کو	الْاَرْضَ زمین	فَمَا كَانَ سو نہ ہوئی	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ فِئَةٍ کوئی جماعت
يَنْصُرُوْنَهٗ مدد کرتی اس کی	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے	وَمَا كَانَ اور نہ ہوا وہ	مِنَ سے	الْمُنْتَصِرِيْنَ بدلہ لینے والے	وَاَصْبَحَ اور صبح کے وقت	
الَّذِيْنَ جو لوگ	تَمَنَّوْا تمنا کرتے تھے	مَكَانَهٗ اس کا مقام	بِالْاَمْسِ کل	يَقُوْلُوْنَ کہنے لگے	وَيْكَاَنَّ ہائے شامت	اللّٰهَ اللہ
يَبْسُطُ فراخ کر دیتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ يَّشَآءُ جس کیلئے چاہے	مِنْ سے	عِبَادِهٖ اپنے بندے	وَيَقْدِرُ اور تنگ کر دیتا ہے	
لَوْلَا اگر نہ	اَنْ یہ کہ	مَنَّ اللّٰهُ احسان کرتا اللہ	عَلَيْنَا ہم پر	لَخَسَفَ بِنَا البتہ ہمیں دھنسا دیتا	وَيْكَاَنَّهٗ ہائے شامت	لَا يُفْلِحُ فلاح نہیں پاتے
الْكٰفِرُوْنَ کافر	تِلْكَ یہ	الدَّارُ الْاٰخِرَةُ آخرت کا گھر	نَجْعَلُهَا ہم کرتے ہیں اسے	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو	لَا يُرِيْدُوْنَ وہ نہیں چاہتے	
عُلُوًّا برتری	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَ اور	لَا فَسَادًا نہ فساد	وَالْعَاقِبَةُ اور انجام نیک	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	مَنْ جَآءَ جو آیا
بِالْحَسَنَةِ نیکی کیساتھ	فَلَهٗ تو اس کیلئے	خَيْرٌ مِّنْهَا اس سے بہتر	وَمَنْ اور جو	جَآءَ آیا	بِالسَّيِّئَةِ برائی کے ساتھ	فَلَا يُجْزَى تو بدلہ نہ ملے گا
الَّذِيْنَ ان لوگوں کو جنھوں نے	عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ انہوں نے برے کام کئے	اِلَّا مگر۔سوا	مَا جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قارون کی شان وشوکت دیکھ کر دنیا کے طلبگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ تمنا کرنے لگے کہ کاش ہمیں بھی ایسا ہی مال و دولت اور ساز وسامان نصیب ہوتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے۔ یہ ہے بڑا نصیبے والا۔ یہ تو دنیاداروں کا قول تھا۔ اور جو دین دار اور سمجھ دار لوگ تھے انہوں نے ان دنیا کے طلبگاروں کو سمجھایا کہ تم یہ کیا تمنا کر رہے ہو۔ ارے اس عارضی اور چندروزہ چمک دمک اور ٹھاٹھ باٹھ میں کیا رکھا ہے۔ یہ بہار کے دن کی ہے عیش و آرام تو آخرت ہی کا ہے اور وہاں جو سامان اللہ کے مومن اور نیک بندوں کو ملنے والا ہے اس کے سامنے یہ دنیا کے مال ودولت کی کیا حقیقت ہے۔

اب آگے ان آیات میں قارون کا انجام اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی بھلائی اور وہاں کا قانون اجر بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قارون کی شرارت بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔ قارون جس شرارت کی وجہ سے زمین میں دھنسا گیا اس کی نسبت محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کو احکام شرعیہ خصوصاً حکم زکوٰۃ کی وجہ سے عداوت تھی اس لئے قارون نے کسی فاحشہ عورت کو کچھ روپیہ دے کر بہکایا کہ تو مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگانا چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم میں کھڑے خطبہ دے رہے تھے اس عورت نے یہی کیا۔ مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس الزام کو سن کر کانپ اٹھے اور اسی وقت آپ نے نماز کی نیت باندھ لی دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تو جو کچھ سچا واقعہ ہے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور خدا سے استغفار کی اور سچے دل سے توبہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدے میں گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو قارون اور اس کے محل کو نگل لے۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قارون مع اپنے مال دولت کے زمین کے اندر دھنسا دیا گیا پھر اسے نہ تو اس کے حمایتی بچا سکے اور نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا اور وہ مال ودولت اور جاہ وحشم اس کے کچھ کام نہ آیا۔ سب مٹ گئے۔ جب قارون کا یہ حشر دیکھا تو اس وقت ان کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ جو قارون کے مال ودولت کو اور اس کی جاہ وحشم کو للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور اسے نصیبے والا سمجھ کر لمبے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کرتے تھے کہ کاش ہم بھی ایسے ہی دولت مند ہوتے اور ہمیں بھی ایسا ہی عروج اور ترقی حاصل ہوتی۔ قارون کا یہ انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے۔ کسی شخص کی دنیوی ترقی اور شان بان کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے ہاں بھی وہ کچھ عزت ووجاہت رکھتا ہے۔ یہ مال دولت کسی بندے کے مقبول ومردود ہونے کا معیار نہیں بس یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ جس پر اپنی حکمت سے مناسب چاہے روزی کے دروازے کھول دے اور جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اب وہی جو کل تک قارون جیسا بننے کی تمنا کر رہے تھے آج اس کا انجام دیکھ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا ورنہ یہی گت ہماری بنتی۔ اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے آرزو قارون جیسا بننے کی کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا اور نہ ہماری حرص پر سزا دی بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار کر دیا۔ اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال وزر کی ترقی سے حقیقی فلاح و

کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ناشکر گزار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔ اس پر آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کا مال و دولت جاہ و مرتبہ کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز آخرت ہے اور خوب سمجھ لو کہ آخرت کا گھر ہمیشہ کی مسرت والا ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت و بغاوت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور جو دنیا میں اوروں سے بڑا بن کر رہنے کی دھن میں نہیں رہتے بلکہ اللہ عزوجل کے ڈر سے بری باتوں سے بچتے ہیں اور تواضع و انکساری اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کے اونچا رکھنے کی یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں۔ حق کا بول بالا کریں اور دین کو سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں آگے آخرت کے جزا و سزا کا قانون بتلایا جاتا ہے کہ جو دنیا میں اچھے کام کرے گا اور آخرت میں نیکیاں اور بھلائیاں لے کر آئے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے کاموں سے بھی اچھا بدلہ دیں گے برخلاف ان کے جنہوں نے برے کام کئے ہیں ان کو صرف اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا کہ وہ کرتے تھے۔ گویا عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عمل بد کا مقتضا ہے اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملے گا جس کا کم از کم مرتبہ حدیث نبوی کے مطابق دس گنا ہے۔

ان آیات پر قصہ قارون ختم فرمایا گیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس قصہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو کفار اور بے دینوں کے جاہ و مال پر رشک کرتے ہیں اور ان کو ترقی یافتہ اقوام کہہ کر ہر وقت انہی جیسی ترقی کی دھن میں رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف مائل کرتے ہیں اور جو ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتے ان کو پست خیال۔ دقیانوس اور لکیر کے فقیر وغیرہ کہتے ہیں اس قصہ میں حق تعالیٰ نے قارون کی ترقی و عروج پر رشک کرنے والوں کو طالب دنیا قرار دیا اور ان کے مخالفین کو اہل علم و فہم بتلایا گیا۔

دوسری بات قابل عبرت یہ ہے کہ قارون کے جاہ و مال پر رشک کرنے والوں کو اس کا انجام دیکھ کر اپنی غلطی پر تنبہ تو ہو گیا۔ لیکن افسوس ہمارے تہذیب فرنگی کے فدائیوں اور مغرب کے شیدائیوں اور طالبان ترقی کے دلدادوں کو کسی طرح تنبہ نہیں ہوتا۔

تیسری بات قابل عبرت یہ ہے کہ جن لوگوں نے قارون پر رشک کیا تھا انہوں نے محض دنیاوی حیثیت سے کہا تھا اور اس کی حالت کو مطلوب شرعی نہیں بنایا تھا اور ہمارے طالبان ترقی اس ترقی کو نہ صرف مطلوب شرعی بلکہ اس کو اسلام کا مقصود اصلی قرار دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ سوئے فہم اور فتنۂ جہل سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ نیز یہاں جو یہ فرمایا گیا **تلک الدار الاخرۃ نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولافسادًا** یعنی یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا یعنی نہ تکبر کرتے ہیں جو باطنی گناہ ہے اور نہ کوئی ظاہری گناہ ایسا کرتے ہیں جس سے زمین میں فساد برپا ہو تو اس آیت میں دارِ آخرت کی نجات و فلاح کو ان لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا جو زمین میں علو اور فساد کا ارادہ نہ کریں۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ علو سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد ظلم و معصیت ہے۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اس آیت کے تحت ایک فائدہ یہ تحریر فرمایا کہ ”تکبر جس کی حرمت اور وبال آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو ورنہ اپنے لئے اچھے لباس۔ اچھی غذا۔ اور اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں سے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ان باتوں اور خصلتوں سے بچالیں جن پر دار آخرت سے محروم رہنے کی وعید ہے۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر نزول قرآن کا احسان خداوندی ہونا۔ اس کا تقاضہ اور رسالت و توحید کے مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ

جس خدانے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچادے گا۔آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے

بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ

کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ

مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے

آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾

تو ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیئے اور اُن مشرکوں میں شامل نہ ہوئیں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ

اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود نہیں (اس لئے کہ) سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

اُسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْ وہ اللہ	جس نے	فَرَضَ لازم کیا	عَلَیْكَ تم پر	الْقُرْاٰنَ قرآن	لَرَآدُّكَ ضرور پھیر لائے گا تمہیں	اِلٰی مَعَادٍ لوٹنے کی جگہ
قُلْ فرمادیں	رَبِّیْٓ میرارب	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	مَنْ کون	جَآءَ آیا	بِالْهُدٰی ہدایت کے ساتھ	وَمَنْ هُوَ اور وہ کون	
فِیْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کھلی گمراہی	وَمَا كُنْتَ اور تم نہ تھے	تَرْجُوْٓا امید رکھتے	اَنْ یُّلْقٰٓی کہ اتاری جائے گی	اِلَیْكَ تمہاری طرف		
الْكِتٰبُ کتاب	اِلَّا مگر	رَحْمَةً رحمت	مِّنْ سے	رَّبِّكَ تمہارا رب	فَلَا تَكُوْنَنَّ سوتو ہرگز نہ ہوتا	ظَهِیْرًا مددگار	لِّلْكٰفِرِیْنَ کافروں کیلئے
وَلَا یَصُدُّنَّكَ اور وہ تمہیں ہرگز نہ روکیں	عَنْ سے	اٰیٰتِ اللّٰهِ اللہ کے احکام	بَعْدَ بعد	اِذْ جبکہ	اُنْزِلَتْ نازل کئے گئے	اِلَیْكَ تمہاری طرف	
وَادْعُ اور آپ بلائیں	اِلٰی رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	وَ اور	لَا تَكُوْنَنَّ تم ہرگز نہ ہونا	مِنَ سے	الْمُشْرِكِیْنَ مشرک	وَلَا تَدْعُ اور نہ پکارو تم	
مَعَ اللّٰهِ اللہ کیساتھ	اِلٰهًا کوئی معبود	اٰخَرَ دوسرا	لَآ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	كُلُّ شَیْءٍ ہر چیز	هَالِكٌ فنا ہونے والی
اِلَّا سوا	وَجْهَهٗ اسکی ذات	لَهُ اسی کیلئے۔کا	الْحُكْمُ حکم	وَ اور	اِلَیْهِ اس کی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹ کر جاؤ گے	

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ قصص کی آخری آیات ہیں جن پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ دنیا چند روزہ ہے۔ہمیشہ رہنے کا گھر آخرت ہے اس لئے اسے حاصل کرنے کا فکر کرنا چاہئے اور آخرت کی کامیابی صرف انہی کو حاصل ہوگی جو اس دنیا میں ظلم وتکبر اور فساد سے بچیں گے اور اوروں سے بڑا بن کر رہنے کی دھن میں نہ لگے رہیں اور تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کریں۔تو گذشتہ آیت میں والعاقبة للمتقين فرمایا گیا تھا کہ

انجام بخیر آخرت میں پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اب یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی متقین کی ہوتی ہے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان آیات میں کہا جاتا ہے کہ آج کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر آپ کو مکہ چھوڑنے کی نوبت آ رہی ہے مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے لئے مکہ کو چھوڑا تو جحفہ پہنچ کر آپ کو مکہ کا جو کہ آپ کا وطن تھا اور جہاں خانہ کعبہ تھا اشتیاق ہوا وہاں بطور وعدہ کے یہ آیت ان الذی فرض علیک القرآن لرآدک الی معادٍ نازل ہوئی جس میں آپ کو مکہ میں دوبارہ جانے کی خبر دی گئی جو فتح مکہ کے دن نہایت خوبی وکامیابی کے ساتھ پوری ہوئی۔ پھر کفار باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عقلاً ونقلاً ثابت تھی معاذ اللہ آپ کو غلطی پر اور اپنے کو حق پر سمجھتے اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر منجانب اللہ آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے یعنی میرے حق پر ہونے اور تمہارے باطل پر ہونے کے دلائل قطعیہ موجود ہیں مگر جب تم ان سے کام نہیں لیتے اور ان کو نہیں سمجھتے تو اخیر جواب یہی ہے کہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی پر اور یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ ان کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی یہ دولت نبوت محض خداداد ہے حتیٰ کہ خود آپ کو نبی ہونے کے قبل یہ توقع نہ تھی یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے یہ تو محض عطائے خداوندی اور رحمت الٰہیہ ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو پیغمبری ووحی سے سرفراز فرمایا وہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا اور آخرت میں کامیاب فرمائے گا لہٰذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھئے اور آپ ان کفار ومشرکین کی خرافات کی طرف توجہ نہ دیجئے اور جس طرح ان سے اب تک الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔ یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو یہ احتمال ہی نہ تھا کہ آپ کافروں کی کفر میں پشت پناہی یا کوئی تائید فرمائیں گے یا کبھی خود معاذ اللہ شرک آمیز اعمال کے مرتکب ہوں گے در حقیقت یہاں کلام تعریض آمیز ہے یعنی خطاب گو آپ کی طرف ہے مگر مقصود اور غرض خطاب عام اہل اسلام کی طرف ہے اور مدعا یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے مقابلہ میں کافروں کی پشت پناہی نہ کرنا چاہئے۔ کافروں کی دوستی، قرابت اور رشتہ داری یا حکومت وتسلط کی وجہ سے کبھی ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے جو کفر نواز ہو بلکہ مشرکوں کے گروہ سے بھی الگ ہو جانا چاہئے۔ مسلمانوں کے لئے زیبا نہیں کہ ظاہراً یا باطناً کسی طرح کفر نوازی ہو اس لئے اہل کفر وشرک سے اجتناب ضروری ہے اور اللہ کے احکام کی تعمیل لازمی ہے اور یہ صرف اس لئے کہ دنیا کا ہر رشتہ ناطہ دوستی اور محبت فانی ہے۔ ہر لالچ اور خوف زوال پذیر ہے۔ ہر دکھ وسکھ ناپائیدار ہے۔ آخر میں کوئی کام آنے والا نہیں۔ حکومت اور قدرت تو اللہ ہی کو حاصل ہے۔ آخر میں اسی سے واسطہ پڑے گا پھر اسکے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے کہنے پر چلنا خود اپنے کو تباہی کے غار میں گرانا اور اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنا ہے۔ سب کو اسی کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا اور صورۃً اور ظاہراً بھی کسی کا اقتدار اور حکم باقی نہ رہیگا۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت اہل اسلام کو فتح مکہ کی بشارت اور بشارت میں اتباع قرآنی کی ضمنی ہدایت اور اس بات کی طرف نہایت لطیف اشارہ ہے کہ آئندہ کامرانی کا ذریعہ صرف تعمیل شریعت اور اتباع قرآنی ہے۔ یہاں یہ بھی تعلیم موجود ہے کہ کسی کو زیبا نہیں کہ خود ساختہ راہ زندگی کو موجب فلاح اور صحیح سمجھے۔ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتلایا۔ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی پشت پناہی ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دینی اور جہاں تک ممکن ہو اسلام کی طرف بلانا لازم ہے۔ اسلئے مسلمان پر ضروری ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ تبلیغ اسلام کو پیش نظر رکھے اور مسلمان کہلانے سے کبھی شرم نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا دنیا کی ہر چیز کو فنا پذیر اور ناپائیدار جانے۔

الحمد للہ آج کے درس میں سورۂ قصص کا بیان جس میں ۹ رکوع تھے ختم ہوا۔ اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً سَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ

الٓمّٓ۔ (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جاویں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جاوے گا

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

اور ہم تو اُن لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

الٓمّٓ الٓمّٓ	اَحَسِبَ کیا گمان کیا ہے	النَّاسُ لوگ	اَنْ يُّتْرَكُوْٓا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے	اَنْ کہ	يَّقُوْلُوْٓا انہوں نے کہہ دیا	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے
وَهُمْ اور وہ	لَا يُفْتَنُوْنَ وہ نہ آزمائے جائیں گے	وَ اور	لَقَدْ فَتَنَّا البتہ ہم نے آزمایا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	
فَلَيَعْلَمَنَّ تو ضرور معلوم کریگا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	صَدَقُوْا سچے ہیں	وَ اور	لَيَعْلَمَنَّ وہ ضرور معلوم کریگا	الْكٰذِبِيْنَ جھوٹے

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ اب بیسویں پارہ کی سورۂ عنکبوت کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین اور تعداد آیات۔ رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے چوتھے رکوع میں لفظ عنکبوت آیا ہے۔ عنکبوت کے معنی مکڑی کے ہیں۔ اس سورۃ کی ایک آیت میں کفار کے اعتقادات کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے جو نہایت کمزور اور بودا ہوتا ہے اس لئے اس سورۃ کا علامتی نام عنکبوت قرار دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور اس کے نزول کا زمانہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے لئے بڑے مصائب و شدائد کا زمانہ تھا۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی انتیسویں (۲۹) سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۱ لکھا ہے یعنی ۸۰ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۹ سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۶۹ آیات۔ سات رکوعات۔ ۹۹۰ کلمات اور ۴۴۱۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس زمانہ میں مکہ کے مسلمان مشرکوں اور کفار کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھا رہے تھے۔ کفار کی طرف سے اسلام کی مخالفت پورے زور شور سے ہو رہی تھی اور ایمان لانے والوں پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی تا کہ ایک طرف صادق الایمان لوگوں میں عزم و ہمت اور استقامت پیدا ہو اور دوسری طرف کفار مکہ کو سخت تنبیہ و تہدید کی گئی۔ مسلمان جو اس وقت سخت سے سخت تکالیف جھیل رہے تھے ان کو اس سورۃ میں صبر کی تلقین کی گئی اور ان سے کہا گیا کہ دنیا میں اللہ عزوجل اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ جو لوگ مصیبتیں جھیل کر ثابت قدم رہتے ہیں وہی آخر کامیاب ہوتے ہیں۔ مشقت اٹھائے بغیر راحت نہیں ملتی اور نہ کسوٹی پر گھسے بغیر کھوٹا کھرا پہچانا جاتا ہے۔ مسلمانو! جب زبان سے اللہ کا اقرار کیا ہے تو اب آزمائش کے لئے تیار رہو ایمان کوئی زبانی جمع خرچ نہیں ہے کہ زبان

سے کلمہ پڑھ لے اور پھر جو چاہے کرتا پھرے۔ یہ بات نہیں بلکہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کرے اور اس کے راستہ میں مشقتیں اور مصیبتیں پڑیں تو انہیں ثابت قدمی سے برداشت کرے اور لاکھ کوئی ہلائے مگر دین سے ہلنے کا نام نہ لے۔ ایمان کا امتحان ہر زمانہ کے لوگوں کا لیا گیا ہے جو امتحان میں پورے اترے وہ دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے مالا مال ہوئے۔ کفار مکہ کے متعلق بتلایا گیا کہ یہ نادان لوگ جو مسلمانوں کو ستا رہے ہیں ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے کفار کا ستانا مسلمانوں کے درجہ بڑھنے کا باعث بن رہا ہے۔ دیکھو ایسا ہرگز نہ ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرنے لگو۔ اگر ماں باپ بھی کہیں کہ ایمان چھوڑ دو اور کفر وشرک اختیار کرو تو انکا کہنا بھی اس بارے میں مت مانو۔ مشرکین تمہیں ہر طرح ورغلائیں گے کہ اسلام چھوڑ کر پرانا طریقہ کفر وشرک اختیار کرو لیکن تم ان کے کہنے میں نہ آنا۔ پچھلی قوموں کا حال دیکھو کہ اللہ کو نہ مان کر کیسی کیسی تباہیوں میں پھنسے اور کس بری طرح ہلاک و برباد ہوئے اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی نہ بچا سکا اور جو اللہ کے فرمانبردار ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازا اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑے درجہ ہیں۔ یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ کچھ دن کی چہل پہل ہے جو مٹ کر رہے گی اور جنہوں نے اس میں دل لگا رکھا ہے مرنے کے بعد ہی ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور ہاتھ ملتے رہ جائیں گے مگر اس وقت کی ندامت اور پچھتانے سے کیا فائدہ۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اگر ظلم وستم تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو جائے تو ایمان چھوڑنے کی بجائے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ۔ خدا کی زمین وسیع ہے جہاں خدا کی بندگی کرسکو وہاں چلے جاؤ۔ سورۃ کے اخیر میں یہ جان فزا پیغام ہے کہ جو ہمارے لئے محنت کرے گا ہم اس کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیں گے اور اللہ اپنے مخلص وفاداروں کے ساتھ ہے۔ الغرض مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورۃ میں توحید ورسالت وآخرت کو ذہن نشین کرایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شرک کی مذمت وابطال فرمایا گیا ہے۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاء اللہ آپ کے سامنے آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔

اس سورۃ کی بھی ابتدا حروف مقطعات الٓمٓ سے فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے متعدد بار عرض کیا جا چکا ہے ان کا حقیقی مطلب اور معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا پھر حق تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے۔ آگے سورۃ کی ابتدا اس ارشاد سے فرمائی گئی کہ بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو طرح طرح کے مصائب سے آزمایا نہ جائے گا۔ جن حالات میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے وہ یہ تھے کہ مکہ میں اس وقت جو بھی اسلام قبول کرتا تھا اس پر آفات اور مصائب کا ایک طوفان ٹوٹ پڑتا تھا۔ کوئی غلام یا غریب ہوتا تو اس کو بری طرح مارا پیٹا جاتا۔ تپتی ہوئی گرم ریت پر برہنہ بدن لٹا کر اوپر سے گرم اور بھاری پتھر سینہ پر رکھ دیا جاتا۔ کبھی دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ غریب بے کس مومنوں کی پشت ریت اور آگ کی گرمی سے جھلس جاتی اور زخمی ہو جاتی اور زمین پر مچھلی کی طرح تڑپتے۔ کوئی دکاندار یا کاریگر ہوتا تو اس کی روزی کے دروازے بند کر دیئے جاتے کہ فاقوں کی نوبت آتی۔ کوئی

باثر خاندان کا آدمی ہوتا تو اس کو اپنے خاندان کے لوگ طرح طرح سے تنگ کرتے اور اس کی زندگی دشوار بنا دیتے۔ ان حالات نے اگرچہ راسخ الایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عزم وثبات میں کوئی تزلزل پیدا نہ کیا تھا لیکن انسانی فطرت کے تقاضہ سے اکثر ان پر بھی شدید اضطراب کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور اپنے دکھ کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کرتے اور دعا کے ملتجی ہوتے۔ اسی کیفیت کا ایک نمونہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت پیش کرتی ہے جو بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ چادر مبارک کی ٹیک لگائے ہوئے کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے اور ہم لوگوں پر دن رات مشرکین کی جانب سے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ پاک سے ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ سنبھل کر بیٹھے اور آپ کا چہرہ مبارک جوش اور جذبہ سے سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا تم سے جو پہلے اہل ایمان گزر چکے ہیں ان پر اس سے زیادہ سختیاں توڑی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر بٹھا دیا جاتا اور اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا۔ ایسی سختیوں نے بھی ان کو ان کے دین سے نہ روکا۔ خدا کی قسم اللہ پاک اپنے اس دین کو پورا کر کے رہے گا تم لوگ دیکھ لوگے کہ اکیلا سوار صنعا یمن سے حضر موت تک آئے گا اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا ڈر و ہراس اس کے دل میں نہ ہوگا۔

لیکن تم لوگ ہر کام میں جلدی چاہتے ہو۔ تو اس اضطرابی کیفیت کو ٹھنڈے صبر اور تحمل میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو سمجھاتے ہیں کہ ہمارے جو وعدے دنیا اور آخرت کی کامرانیوں کے لئے ہیں وہ محض زبانی دعویٰ ایمان پر نہیں۔ زبان سے ایمان کا اقرار کرنے والوں کی آزمائش اور امتحان ہوگا۔ ہماری خاطر مشقتیں اٹھانی ہوں گی۔ جان و مال کا نقصان بھی برداشت کرنا ہوگا۔ طرح طرح کی سختیاں بھی جھیلنی ہوں گی۔ خطرات ومصائب ومشکلات کا مقابلہ بھی کرنا ہوگا۔ ہر چیز جسے عزیز ومحبوب رکھتے ہو ہماری رضا پر اسے قربان کرنا پڑے گا۔ ہر تکلیف جو تمہیں ناگوار ہے ہمارے لئے برداشت کرنا ہوگی تب کہیں یہ بات کھلے گی کہ ہمیں ماننے کا جو دعویٰ تم نے کیا تھا وہ سچا تھا یا جھوٹا۔ آزمائش ہی وہ کسوٹی ہے جس سے کھوٹا اور کھرا پرکھا جاتا ہے۔ حدیث میں بھی ارشاد ہے کہ ہر شخص کی آزمائش اس کے مرتبہ کے موافق کی جاتی ہے۔ سب سے سخت امتحان انبیاء کا لیا جاتا ہے۔ ان کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اسی قدر امتحان سخت ہوگا۔ پھر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے کہ جو تمہارے ہی ساتھ پیش آرہا ہو۔ پہلے زمانہ والوں کا بھی ایمان کا اقرار کرنے پر امتحان لیا گیا۔ گذشتہ انبیاء کی امتوں کے برگزیدہ انسان بھی گونا گوں اذیتیں اٹھا چکے ہیں۔ کسی کو آرہ سے چیرا گیا کسی کا گوشت قینچیوں سے کاٹا گیا۔ کسی کو آگ کے بھرے ہوئے گڑھوں میں ڈال کر جلایا گیا۔ کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکایا گیا۔ بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی ذبح کرا دیا گیا۔ وغیرہ

وغیرہ پس امت محمدیہ کے پرخلوص اہل ایمان کو بھی ضرور آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کر جانچا جائے گا مگر ان کو صبر واستقامت کے ساتھ دین کے لئے ہر تکلیف اٹھانی اور قربانی کرنی پڑے گی۔ اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اپنی صفات کمالیہ کے باعث ہر چیز سے واقفیت ہے لیکن وہ لوگوں کے امتحان کے بعد ان کے صداقت و کذب کا حال علانیہ ظاہر کرنا چاہتا ہے تاکہ امتیاز ہو سکے کہ کون دعوائے ایمان میں سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا اور پھر اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے۔

معلوم ہوا کہ حقیقی مسلمان ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے اور پھر چھٹی ہوئی جو جی چاہے کرتا پھرے۔ یہ بات نہیں بلکہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے جملہ احکام کی دیانت داری سے پابندی کرے اور اس کی اطاعت میں مشقتیں اٹھائے۔ مصیبتیں برداشت کرے اور دین پر پوری طرح ثابت قدم رہے۔ یہی اس کا امتحان ہے اور جو اس امتحان میں کامیاب ہوا اس کو اصلی کامیابی دنیا و آخرت میں دونوں جگہ نصیب ہوگی۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن پر بلاؤں کا نزول اس کے ایمان کے صدق اور کذب کی جانچ کے لئے ہوتا ہے۔ مومن صادق مصائب نازلہ کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر صبر کرتا اور اپنے دل میں طمانیت اور سکون پاتا ہے اور کچے ایمان والا جان و مال میں مصیبت۔ اہل وعیال کی ہلاکت۔ تجارت میں خسارہ اور جسمانی امراض میں اپنے کو گھرا ہوا دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ اور ناشکری اور کلمات نازیبا تک بکنے لگتا ہے۔ امتحان اور آزمائش کے بعد دونوں فریق الگ الگ سامنے آجاتے ہیں۔ ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو دین پر استقلال وثابت قدمی نصیب فرمائیں۔ اور ہر حال میں ہم کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور دین کے لئے ہم کو ہر طرح کی تکلیف ومشقت برداشت کرنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔

اے اللہ ہم تو بہت ہی کمزور ایمان والے ہیں ہم کسی ابتلا اور آزمائش کے لائق نہیں آپ اپنے فضل وکرم سے ہمارے ایمان واسلام کی حفاظت کا سامان عطا فرمائیں۔ اے اللہ ان صحابہ کرام کے ایمان اور اسلام کے طفیل میں جن کے عزم وثبات میں بڑے سے بڑے آفات ومصائب سے بھی لغزش نہ آئی ہم کو بھی ہر حال میں اپنا ایمان اور اسلام سنبھالنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴ مَنْ كَانَ

ہاں کیا جولوگ بُرے بُرے کام کررہے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے،اُن کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے۔جو شخص

يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاهَدَ

اللہ سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور آنے والا ہے،اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔اور جو شخص محنت کرتا ہے

فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے،خداتعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔اور جولوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

ہم اُن کے گناہ اُن سے دُور کردیں گے اور اُن کو اُن اعمال کا زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ کیا گمان کیا ہے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَعْمَلُوْنَ کرتے ہیں	السَّيِّاٰتِ بُرے کام	اَنْ کہ	يَّسْبِقُوْنَا وہ ہم سے باہر بچ نکلیں گے			
سَآءَ بُرا ہے	مَا يَحْكُمُوْنَ جو وہ فیصلہ کررہے ہیں	مَنْ جو	كَانَ يَرْجُوْا وہ امید رکھتا ہے	لِقَآءَ اللّٰهِ اللہ سے ملاقات کی	فَاِنَّ تو بیشک			
اَجَلَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	لَاٰتٍ ضرور آنے والا	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيْعُ سننے والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا	وَمَنْ اور جو	جَاهَدَ کوشش کرتا ہے		
فَاِنَّمَا تو صرف	يُجَاهِدُ کوشش کرتا ہے وہ	لِنَفْسِهٖ اپنی ذات کیلئے	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَغَنِىٌّ البتہ بے نیاز	عَنِ سے	الْعٰلَمِيْنَ جہان والے	
وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اورانہوں نے اچھے عمل کئے	لَنُكَفِّرَنَّ البتہ ہم ضرور دُور کردیں گے	عَنْهُمْ ان سے				
سَيِّاٰتِهِمْ ان کی بُرائیاں	وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اور ہم ضرور جزا دیں گے انہیں	اَحْسَنَ زیادہ بہتر	الَّذِىْ وہ جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے				

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں ان مسلمانوں سے خطاب تھا جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے کفار کے ہاتھوں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ان کو مصائب پر صبر کرنے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں استقامت سے دین پر جمے رہنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اوران کی تسلی اور ہمت بڑھانے کے لئے یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ اہل ایمان کا تکالیف میں مبتلا ہونا اور اللہ کی خوشنودی کے لئے مصائب کو برداشت کرنا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔گذشتہ انبیاء کی امتوں کے اہل ایمان بھی سخت سے سخت اذیتیں کفار کے ہاتھوں اٹھا چکے ہیں۔اب آگے ایک کلمۂ زجروتوبیخ ان لوگوں کو خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے جو حق پرستوں پر ظلم وستم ڈھارہے تھے۔یہ خطاب اگرچہ عام ہے اور اس سے مراد وہ تمام لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں لیکن یہاں خاص طور پر روئے سخن ان کفارومشرکین اور قریش کے ظالم سرداروں کی طرف ہے جو اسلام کی مخالفت میں اسلام قبول کرنے والوں پر ہرطرح کے مظالم ڈھارہے تھے۔ان کفارومشرکین کو سنایا جاتا ہے کہ ان کو یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ہمیشہ یونہی مسلمانوں پر ظلم وستم کرتے رہیں گے اور یونہی مسلمان مار کھاتے اور تکلیف اٹھاتے رہیں گے۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ان سے ضرور انتقام لیا جائے گا۔مسلمانوں کو ضرور ترقی اور غلبہ نصیب ہوگا اور اس سرزمین میں کافروں کو اپنی تباہی وبربادی سے دوچار

ہونا پڑے گا۔اس وقت کی عارضی مہلت سے ان کفار نے جو یہ رائے قائم کرلی ہے کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور خود ہمیشہ مامون رہیں گے تو حقیقت میں یہ نہایت احمقانہ فیصلہ ہے وہ ہم سے بچ کر کہاں جاسکتے ہیں اور ہماری گرفت سے نکل کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔آگے پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں ہر بات کی باز پرس ہوگی۔اگر میں ناکامیاب رہا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر وہاں سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی۔اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ایسا شخص یادرکھے کہ اللہ کا وعدہ آرہا ہے۔کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔تو اس کلام میں مسلمانوں کو مجاہدہ کرنے اور مصائب پر صبر کرکے دین پر جمے رہنے کی مزید تلقین وترغیب ہے کیونکہ جب موت ضرور آنے والی ہے اور اس کا وقت مقرر ہے تو اسلام سے روگرداں ہونے اور مصائب سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرنے کے بعد بھی موت کے پنجہ سے رہائی ناممکن ہے پھر قیامت ضرور ہونی ہے اللہ کے سامنے ضرور جانا ہے۔مصائب چندروزہ کا اختتام لازمی طور پر ہوگا۔اور آخرت میں حساب فہمی کے بعد عذاب ثواب بھی ضرور ہوگا لہٰذا آخرت کی فلاح کے اسباب حاصل کرنا اور اخروی سرخروئی کے موجبات کو فراہم کرنا لازمی ٹھہرا۔آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم جو تم کو مشقتوں کے برداشت کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں سو اس میں ظاہر اور مسلم ہے کہ ہماری کوئی منفعت نہیں۔اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور کسی کی معصیت سے کیا نقصان۔وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔اگر تمام عالم اس کی عبادت میں ہروقت غرق رہے تب اس کی ذات کو کوئی نفع نہیں پہنچتا اور سب نافرمان اور سرکش ہوجائیں تب بھی اس کا کوئی نقصان نہیں۔ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا اور آخرت میں اسی کو ملے گا پس مجاہدہ کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے راستہ میں اتنی محنت کرکے کچھ اس پر احسان کررہے ہیں۔(العیاذ باللہ) ارے یہ تو اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لئے طاعت اور ریاضت کی توفیق بخشی۔آگے ارشاد ہوتا ہے کہ تمام جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت وشفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے اور ایمان وعمل صالح کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی۔

یہاں ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' کی تعریف بھی مختصراً سمجھ لی جائے ایمان سے مراد ان تمام باتوں کو سچے دل سے ماننا ہے جنہیں تسلیم کرنے کی دعوت اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب نے دی ہے اور ''عمل صالح'' سے مراد اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کے موافق عمل کرنا ہے۔اس ایمان اور عمل صالح کے دو نتیجہ بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ آدمی کی برائیاں اس سے دور کردی جائیں گی اور دوسرے یہ کہ اس کے اعمال سے بہتر جزا دی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ بتلایا گیا کہ بدکردار لوگوں کو یہ خیال نہ کرلینا چاہئے کہ وہ اللہ کی گرفت سے باہر ہیں۔انسان کی کوششوں سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ انسان کی جدوجہد خود اسی کے لئے اچھا یا برا نتیجہ پیدا کرتی ہے عمل صالح سے اہل ایمان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔نیکیوں کی بھی پوری جزا ملتی ہے۔تو مقصود بیان یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح پر قائم رہو اور اسلام کے راستہ میں پیش آنے والی مصیبت کو استقلال کے ساتھ برداشت کرو اور اعانت دین کے لئے ہمہ تن کوشش کرو۔

اسی سلسلہ میں آگے بتلایا جاتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اگرچہ حسن سلوک کی اسلام تاکید کرتا ہے مگر شرک وکفر کے لئے اگر ماں باپ بھی زور ڈالیں تب بھی ان کا کہنا نہیں ماننا چاہئے اور ایمان وعمل صالح پر مستقیم رہنا چاہئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے،اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے

بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو توان کا کہنا نہ ماننا۔تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا۔جو لوگ ایمان لائے ہوں گے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝۹ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

اور نیک عمل کئے ہوں گے ہم اُن کو نیک بندوں میں داخل کردیں گے۔اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے

فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ

پھر جب اُن کو راہ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب،اور اگر کوئی مدد آپ کے رب کی طرف سے آپہنچتی ہے

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ

تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے،کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہاں والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں۔اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔

وَوَصَّيْنَا اور ہم نے حکم دیا	الْاِنْسَانَ انسان کو	بِوَالِدَيْهِ ماں باپ سے	حُسْنًا حسن سلوک کا	وَاِنْ اور اگر	جَاهَدٰكَ تجھ سے کوشش کریں		
لِتُشْرِكَ بِيْ کہ تو شریک ٹھہرائے میرا	مَا لَيْسَ جس کا نہیں	لَكَ تجھے	بِهٖ عِلْمٌ اسکا کوئی علم	فَلَا تُطِعْهُمَا تو کہا نہ مان ان کا			
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ میری طرف تمہیں لوٹ کر آنا	فَاُنَبِّئُكُمْ تو میں ضرور بتلاؤں گا تمہیں	بِمَا وہ جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ			
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا وہ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَنُدْخِلَنَّهُمْ ہم ضرور انہیں داخل کریں گے	فِي الصّٰلِحِيْنَ نیک بندوں میں				
وَمِنَ اور سے۔کچھ	النَّاسِ لوگ	مَنْ يَّقُوْلُ جو کہتے ہیں	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	فَاِذَا پھر جب	اُوْذِيَ ستائے گئے	
فِي اللّٰهِ اللہ (کی راہ) میں	جَعَلَ بنالیا	فِتْنَةَ ستانا	النَّاسِ لوگ	كَعَذَابِ جیسے عذاب	اللّٰهِ اللہ	وَلَئِنْ اور اگر	جَآءَ آئے
نَصْرٌ کوئی مدد	مِّنْ رَّبِّكَ تمہارے رب سے	لَيَقُوْلُنَّ تو وہ ضرور کہتے ہیں	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ			
اَوَلَيْسَ کیا نہیں ہے	اللّٰهُ اللہ	بِاَعْلَمَ خوب جاننے والا	بِمَا وہ جو	فِيْ صُدُوْرِ سینوں (دلوں) میں	الْعٰلَمِيْنَ جہان والے		
وَلَيَعْلَمَنَّ اور البتہ ضرور معلوم کریگا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَلَيَعْلَمَنَّ اور البتہ ضرور معلوم کریگا	الْمُنٰفِقِيْنَ منافق		

تفسیر وتشریح:۔جیسا کہ اس سورۃ کے ابتدائی درس میں بیان ہوا کفار مکہ طرح طرح سے مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کی فکر اور تدبیریں کرتے تھے۔بعضے سخت جسمانی ایذائیں پہنچاتے تھے۔بعضے دوسرے طریقوں سے مجبور کرتے تھے۔چنانچہ آیت ووصینا الانسان

بوالدیہ حسنا اور ۲۱ ویں پارہ سورۂ لقمان کی وہ آیت جس میں والدین کا حکم شرک اور کفر کا ماننے کی ممانعت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئیں۔ حضرت سعد ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جن کو سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل تھا اور جو عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی آپ کی عمر ۱۸، ۱۹ سال کی تھی جب آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ اپنی والدہ کی خدمت بہت زیادہ کرتے تھے اور ماں بھی دوسری اولاد سے زیادہ آپ کو چاہتی تھی۔ جب حضرت سعد نے اسلام قبول کرلیا اور ماں کو اطلاع ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوئی اور کہنے لگی کہ تو باپ دادا کے دین سے پھر گیا۔ واللہ جب تک اسلام سے نہ پھرے گا میں نہ کھاؤں گی۔ نہ پیوں گی نہ سایہ میں بیٹھوں گی یونہی مرجاؤں گی۔ تاکہ عمر بھر تو مطعون خلائق رہے اور لوگ تجھے ماں کا قاتل کہیں چنانچہ ایک رات دن وہ اسی حالت پر رہی۔ حالت بگڑنے لگی۔ دوسرے دن بھی بھوک ہڑتال قائم رکھی۔ لکھا ہے کہ یہ تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال بلکہ بھوک اور پیاس ہڑتال کی تھی جو خالص کافرانہ چیز تھی مگر اب ناواقف مسلمان بھی اسی کافرانہ ہتھیار کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ اسلام نے ہڑتال کا سبق نہیں دیا ہے۔ اسلام نے تو دو ہی باتیں بتلائی ہیں اگر قوت ہو تو ناحق اور ظلم کا مقابلہ قوت سے کیا جائے اگر قوت نہ ہو تو صبر کیا جائے جہاں تک کہ دین سالم رہ سکے اور اگر دین محفوظ نہ ہو تو پھر ہجرت کر جانے کا حکم ہے۔ الغرض حضرت سعد کی ماں نے دوسرے دن بھی بھوک ہڑتال قائم رکھی۔ آخر لوگوں نے زبردستی منہ چیر کر حلق میں کچھ کھانا پانی ڈالا مگر ضد پر قائم رہی اور کہنے لگی سعد! کیا تجھے اللہ نے ماں کی فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا ہے اگر اطاعت والدین کا حکم دیا ہے تو میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ اپنے سابق دین پر آجا۔ ماں کا حق ادا کرنا تو اللہ کا حکم ہے۔ تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی بھی نافرمانی کرے گا۔ حضرت سعد اس پر سخت پریشان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر تمام ماجرا عرض کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے ایسے ہی حالات سے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی دوچار ہوئے ہوں جو مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے اسی لئے اس مضمون کو سورۂ لقمان ۲۱ ویں پارہ میں بھی پورے زور کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ حضرت سعد کے متعلق بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ماں کا کہنا نہ مانا اور فرمایا اے ماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور اگر ایک ایک کر کے نکل جائیں تب بھی خدا کی قسم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت و ہدایت کا انکار نہ کروں گا۔ اب تیرا دل چاہے کھا اور تیرا دل نہ چاہے نہ کھا۔ یہ سن کر ماں مایوس ہوگئی اور بالآخر کھانے پینے لگی۔ تو یہاں آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے کہ والدین کے ساتھ دنیوی معاملات میں اچھا سلوک کیا جائے خواہ والدین کافر ہوں یا مسلم۔ لیکن اگر والدین شرک اور کفر کرنے کے لئے کتنے ہی اصرار سے کہیں تب بھی ہرگز ان کا کہنا نہ ماننا چاہئے۔ اس آیت میں اور قرآن پاک کی دوسری آیات میں نیز صحیح احادیث میں اطاعت والدین کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے مدنظر علما نے صراحت کی ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالی سلوک اور جسمانی خدمت کے لحاظ سے والدہ کا حق مقدم ہے اور ادب اور فرمان پذیری میں والد کا حق اول ہے۔ تو انسان پر مخلوقات میں سے کسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں لیکن ماں باپ بھی اگر انسان کو شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات قبول نہ کرنی چاہئے اور اس معاملہ میں ان کی بات نہ ماننے کے لئے مالیس لک بہ علم فرما کر ایک معقول دلیل بھی دے دی گئی یعنی بے شک ماں باپ کا یہ حق تو ہے کہ اولاد ان کی خدمت کرے۔ ان کا ادب و احترام کرے۔ ان کی جائز باتوں میں اطاعت بھی کرے لیکن یہ حق ان کو نہیں پہنچتا کہ آدمی کسی دلیل صحیح کے خلاف ان کی دین میں پیروی اور اندھی تقلید بھی کرے۔ یہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک بیٹا یا بیٹی صرف اس بنا پر ایک مذہب کی پیروی کئے جائے کہ اس کے ماں باپ کا

مذہب ہے یا طریقہ ہے اگر اولاد کو دلیل صحیح سے یہ علم حاصل ہو جائے کہ والدین کا مذہب یا دین غلط ہے تو اسے اس مذہب اور طریقہ کو چھوڑ کر صحیح مذہب اختیار کرنا چاہئے اور ان کے دباؤ ڈالنے اور اصرار کرنے پر بھی اس غلط طریقہ کی پیروی نہ کرنی چاہئے جس کی غلطی اور گمراہی اس پر دلائل سے واضح ہو۔ پھر جب یہ معاملہ والدین کے ساتھ ہے تو دنیا کے ہر شخص کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہئے کہ کسی کی اندھی تقلید اور پیروی جائز نہیں جب تک کہ آدمی یہ نہ جان لے کہ وہ حق پر ہے۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **لاطاعة المخلوق فی معصية الخالق** خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی رشتہ داریاں اور ان کے حقوق تو بس اسی دنیا تک ہیں آخر کار ماں باپ کو بھی اور اولاد کو بھی سب کو اپنے خالق کے حضور پلٹ کر جانا ہے یعنی سب کو عدالت خداوندی میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا کون ناحق پر تو جو لوگ اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ ان کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا۔ اب آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے کو مومن کہتے تھے مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا ان کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو اس آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے یعنی جس طرح آدمی عذاب الٰہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا ہے اور اپنے پہلے دعوؤں سے دست بردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا یہی حال بعض اسلام کا نام لینے والوں کا ہے کہ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعوئے ایمان سے دست بردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوائے میں غلطی پر تھے۔ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں بعض دیہاتی دوسروں کے دیکھا دیکھی یا کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ کر مسلمان ہو جاتے۔ مسلمان ہونے کے بعد اگر ان کی بیویوں کے نرینہ اولاد ہوتی۔ مویشیوں کی نسل بکثرت ہوتی۔ کھجوروں کی فصل اچھی ہوتی یا اور کوئی دنیوی فائدہ ہوتا تو کہتے یہ دین مبارک ہے اور اگر اتفاق سے لڑکی پیدا ہوئی یا فصل خراب ہوگئی یا نسل میں کمی ہوگئی تو منحوس سمجھ کر اسلام سے پھر جاتے اسی طرح بعض لوگ بے دلی سے مسلمان تو ہو جاتے لیکن جہاں دشمنان اسلام کی یورش کا خطرہ ہوا یا افلاس کا فقر کا حملہ ہوا یا اور کوئی سختی جھیلنی پڑی تو منہ موڑ کر چل دیتے اور مسلمان ہونے کو نزول مصائب کا موجب قرار دینے لگتے لیکن اگر کسی طرف سے مسلمانوں کی ترقی کی کوئی راہ دکھائی دی تو پھر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جاتے اور کہنے لگتے کہ ہم بغیر کسی شک کے تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عمل اور خیال کے رد میں فرماتے ہیں کہ جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعویٰ کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب ان کے اعمال اور افعال کو دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغاباز منافق ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دنیوی معاملات میں ماں باپ سے حسن سلوک کرنا واجب ہے۔ ان کی مالی امداد اور جسمانی خدمت لازم ہے اگرچہ وہ کافر ہوں لیکن کسی گناہ کے کام خصوصاً شرک وکفر کی تعلیم سے انحراف کرنا اور حکم نہ ماننا ضروری ہے خواہ کتنا ہی وہ اصرار سے حکم دیں۔ اللہ کے معاملہ میں کسی کے تعلقات کی پروا نہ ہونی چاہئے یہاں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ان لوگوں کو جو معمولی تعلقات کے نبھاؤ اور دنیوی شرم کا بہانہ کر کے رسم و رواج کے جال میں پھنس کر خلاف شرع امور کو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کریں بیوی بچوں اور دوستوں سے مجبور ہیں۔ جانتے ہیں کہ یہ کام اچھا نہیں مگر آخر دنیا میں رہ کر دنیاداری کرنی ہی پڑتی ہے۔ تو ان خیالات کا رد یہاں صاف صاف فرمایا گیا ہے۔ آگے کفر وشرک وعصیان ونافرمانی کا انجام بیان فرما کر اس سے ڈرایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ، حالانکہ یہ لوگ اُن کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞۱۲ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ

یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں۔اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ گناہ اور۔

وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۞۱۳ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ

اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں اُن سے باز پُرس ضرور ہوگی۔اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ اُن میں

اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۞۱۴ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ

پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے، پھر اُن کو طوفان نے آدبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔پھر ہم نے اُن کو اور کشتی والوں کو بچالیا

السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞۱۵

اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کیلئے موجب عبرت بنایا۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر) لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کو جو ایمان لائے	اتَّبِعُوْا تم چلو	سَبِيْلَنَا ہماری راہ					
وَلْنَحْمِلْ اور ہم اٹھالیں گے	خَطٰيٰكُمْ تمہارے گناہ	وَمَا هُمْ حالانکہ وہ نہیں	بِحٰمِلِيْنَ اٹھانے والے	مِنْ سے	خَطٰيٰهُمْ ان کے گناہ			
مِنْ شَیْءٍ کچھ	اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے	وَلَيَحْمِلُنَّ اور وہ البتہ ضرور اٹھائیں گے	اَثْقَالَهُمْ اپنے بوجھ	وَاَثْقَالًا اور بہت سے بوجھ			
مَعَ ساتھ	اَثْقَالِهِمْ اپنے بوجھ	وَلَيُسْئَلُنَّ اور البتہ ان سے ضرور باز پرس ہوگی	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	عَمَّا اس سے جو				
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ وہ جھوٹ گھڑتے تھے	وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوح کو	اِلٰى قَوْمِهٖ اس کی قوم کی طرف	فَلَبِثَ تو وہ رہے			
فِيْهِمْ ان میں	اَلْفَ سَنَةٍ ہزار سال	اِلَّا مگر کم	خَمْسِيْنَ پچاس	عَامًا سال	فَاَخَذَهُمُ پھر انہیں آ پکڑا	الطُّوْفَانُ طوفان	وَهُمْ اور وہ	ظٰلِمُوْنَ ظالم تھے
فَاَنْجَيْنٰهُ پھر ہم نے اسے بچالیا	وَ اور	اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ کشتی والوں کو	وَجَعَلْنٰهَا اور اسے بنایا	اٰيَةً ایک نشانی	لِلْعٰلَمِيْنَ جہان والوں کیلئے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے تو انہیں آزمائش اور امتحان سے بھی گزرنا ہوگا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں یا نہیں۔ پھر تلقین فرمائی گئی تھی کہ اگر اللہ کے دین پر قائم رہنے اور اسلام کے احکام بجالانے میں کفار و مشرکین کے ہاتھوں تکلیف اور ایذائیں اٹھانی پڑیں تو اسے جھیلنا اور برداشت کرنا چاہئے کیونکہ بہرحال یہ تکلیف دنیا کی اس عذاب سے یقیناً کم ہوگی جو اسلام اور ایمان سے منہ موڑنے پر آخرت میں مقرر ہے تو ایمان والوں کی یہ شان نہیں کہ تکلیفوں سے گھبرا کر دین سے بھاگیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمان پر مضبوط رہیں اور کوئی چیز اس کے پائے ثبات کو استقامت سے نہ ہٹا سکے۔ ماں۔ باپ جیسے قابل تکریم و تعظیم سرپرست بھی اگر دین سے ہٹنے کو کہیں تو ان کا کہنا بھی نہ ماننا چاہئے۔ اور کفار مکہ ہر طرح سے چاہتے تھے کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ دیں وہ انہیں ڈراتے دھمکاتے۔ مارتے

پیٹتے اور دوسرے طریقوں سے اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرتے۔ایسے ہی ایک طریقہ کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ کفار نومسلموں سے کہتے کہ اس نئے دین میں سب چیزیں جن کے تم خوگر رہے ہو حرام ہیں۔تم دنیا کی نعمتیں چھوڑ کر کس جنجال میں پھنس گئے۔کیسا گناہ کیسا عذاب۔دنیا ہی ہے جو کچھ ہے خوب گلچھرے اڑاؤ۔بے خوف وخطر جو چاہو کرو اول تو موت کے بعد زندگی اور حشر نشر اور جزاوسزا کہاں۔یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں لیکن اگر بالفرض کوئی دوسری زندگی بھی ہے اور اس میں کوئی باز پرس بھی ہونی ہے تو ہم ذمہ لیتے ہیں کہ ہم تمہارا سارا عذاب اپنی گردن پر لے لیں گے۔تم ہمارے کہنے سے اس نئے دین کو چھوڑ دو اور اپنے آبائی دین کی طرف واپس آ جاؤ۔چنانچہ یہاں ان آیات میں پہلے کفار کا قول نقل کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آملو اور ہماری راہ پر چلو۔تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے۔مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ فلانے نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیں گے۔حق تعالیٰ کفار کے اس قول کا رد فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار جھوٹے ہیں۔تمہارا ابوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔یہ جو دوسرے کے گناہوں کو اپنے اوپر اٹھانے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو قیامت کے دن ذرہ برابر دوسرے کے گناہوں کو اس طور پر نہ اٹھا سکیں گے کہ سب بار اپنے اوپر لے کر اصل خطا کاروں کو سبکدوش کر دیں۔ہاں یہ ضرور ہوگا کہ جن کو گمراہ کیا ہے ان کا بار بھی ان گمراہ کرنے والوں پر ڈالا جائے گا اور دونوں گروہ سزایاب ہوں گے اور جو جھوٹی باتیں یہ بناتے ہیں یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر یہ ماخوذ ہوں گے۔حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ دنیا میں جو کوئی کسی کو ناحق قتل کرے تو اس کے اس گناہ کا حصہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کو پہنچتا ہے کیونکہ ناحق قتل کرنے کا طریقہ اسی نے ایجاد کیا ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہ روم کو جو تبلیغی نامہ مبارک بھیجا تھا اس میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر تو نے میری ہدایت سے منہ موڑا تو تجھ پر تیری غریب رعایا کی گمراہی کا بھی بوجھ ہوگا۔جتنا ان میں سے ہر ایک پر ہوگا ان سب کا مجموعہ تیرے اوپر قیامت میں ہوگا کیونکہ ہدایت و ضلالت میں وہ تیرے تابع اور پیرو ہیں تو ہدایت پر ہوگا تو وہ بھی ہدایت پر آ جائیں گے تو گمراہی پر جمارہے گا تو وہ بھی جمے رہیں گے اور ان کا درحقیقت گمراہی پر جمنا تیری وجہ سے ہوگا لہٰذا تجھے ان سب کا بار اٹھانا پڑے گا۔ایک دوسری صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے ثوابوں میں سے گھٹ کر نہیں۔اسی طرح جس نے برائی پھیلائی اس پر بھی جو عمل پیرا ہوں ان سب کو جتنا گناہ ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔الغرض کفار کے اس قول کا کہ ہم تمہارا بار قیامت میں اٹھالیں گے تم بے کھٹکے اسلام سے ہٹ جاؤ۔صاف رد فرما دیا گیا اور ان کو اس بات میں جھوٹا قرار دیا گیا۔اب آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغوا اور شرارت کرتے رہے ہیں۔اور اہل ایمان کو مدتوں تک امتحان اور ابتلا کے دور میں گزرنا پڑا ہے مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا۔منکر اور شریر خائب و خاسر رہے۔سچے کامیاب اور سربلند ہوئے۔گویا ان قصص میں کافروں کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے درپئے آزار اسی طرح رہے اور ظلم وستم سے باز نہ آئے اور خود سچے دل سے مسلمان نہ ہوئے تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو گذشتہ اعدائے دین کا ہوا اور ان قصوں سے مسلمانوں کو صبر کی

تلقین برداشت مصائب کی حوصلہ افزائی اور انجام کار کامیابی کی بشارت بھی دینی مقصود ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس دعوت و تبلیغ اور سعی و اصلاح میں مصروف رہے۔ مشرک قوم کو توحید کی طرف بلایا شرک و کفر کے انجام بد سے ڈرایا۔ بدکاروں کو نیک اعمال کرنے کی نصیحت کی۔ لیکن قوم نے نہ مانا۔ اپنے کفر و شرک پر قائم رہے انجام کار طوفان عظیم آیا اور سب ظالموں کو پانی کے راستہ آگ میں لے گیا۔ صرف نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی جو کشتی میں سوار تھے وہ محفوظ رہے اور اس عظیم الشان واقعہ کو بعد والوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ۴۰ سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ نو سو پچاس برس دعوت و تبلیغ اور قوم کی اصلاح کی کوشش فرماتے رہے۔ جب قوم نے نہ مانا تو پھر طوفان آیا اور پھر طوفان کے بعد ۶۰ سال زندہ رہے گویا اس طرح کل عمر حضرت نوح علیہ السلام کی ۱۰۵۰ سال ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سورۂ ہود میں مفصلاً گزر چکا ہے۔ یہاں صرف اس قصہ کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔

خلاصہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کا جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے یہی ہے کہ نوح علیہ السلام نے اتنی طویل مدت تک تبلیغ کی اور روزانہ سینکڑوں برس تک کافروں کے پتھر کھائے اور ان کی ایذائیں برداشت کیں لیکن راہ حق پر جمے رہے اور جو چند اہل ایمان آپ کے ساتھ ہوگئے تھے وہ بھی کافروں کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے لیکن برداشت کرتے رہے اور کافروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر ڈھیل ملتی رہی کہ ایک ہزار سال تک خوب پھلے پھولے دولت اور مال کی فراوانی اور نسل کی افزونی رہی۔ طاقت اور شوکت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ بالآخر جب ان کی گرفت کا وقت آ گیا تو غیبی قہاریت نے طوفان کی شکل میں ظہور کیا جس نے کافروں کے وجود سے روئے زمین کو خالی کر دیا۔ صرف اہل حق بچ گئے۔ پس مسلمانوں کو نوح علیہ السلام اور اصحاب نوح علیہ السلام کے احوال پر غور کرنے کے بعد کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا اور اللہ کی غیبی مدد پر یقین رکھنا چاہئے۔

اب آگے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم کا سنایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آج ہم کو بھی ایسے معاشرہ سے واسطہ پڑ رہا ہے کہ دین اسلام کو سنبھالنا اور اس پر پوری طرح قائم رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ منکرات دن دگنے رات چوگنے بڑھتے جاتے ہیں۔ بے دینی کے اثرات پھیلتے جا رہے ہیں آخرت اور قیامت کا خوف اٹھتا جا رہا ہے۔

یا اللہ! ان صحابہ کرام کے طفیل اور صدقہ میں جنھوں نے بڑے بڑے شدائد و مصائب برداشت کر کے اپنے دین کو سنبھالا اور حق پر قائم رہے۔ یا اللہ ہماری امداد و نصرت فرما اور اسی دین حق پر ہم کو قائم رکھئے اور ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائیے اور دین حق کو لے کر اسے دربار میں حاضر ہونا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِبْرٰهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو۔تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو

اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ

وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر کرو اور تم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

تُرْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت سی اُمتیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں، اور پیغمبر کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

وَإِبْرٰهِيمَ اور ابراہیم	إِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِقَوْمِهِ اپنی قوم کو	اعْبُدُوا تم عبادت کرو	اللّٰهَ اللہ	وَاتَّقُوهُ اور اس سے ڈرو	ذٰلِكُمْ یہ
خَيْرٌ لَّكُمْ بہتر تمہارے لئے	إِنْ اگر	كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ تم جانتے ہو	إِنَّمَا اس کے سوا نہیں	تَعْبُدُونَ تم پرستش کرتے ہو	مِنْ سے	
دُونِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	أَوْثَانًا بتوں کو	وَتَخْلُقُونَ اور تم گھڑتے ہو	إِفْكًا جھوٹ	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ وہ جن کی تم	تَعْبُدُونَ پرستش کرتے ہو
مِنْ دُونِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	لَا يَمْلِكُونَ وہ مالک نہیں	لَكُمْ تمہارے لئے	رِزْقًا رزق کے	فَابْتَغُوا پس تم تلاش کرو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	
الرِّزْقَ رزق	وَ اور	اعْبُدُوهُ اس کی عبادت کرو	وَاشْكُرُوا اور شکر کرو	لَهُ اس کا	إِلَيْهِ اس کی طرف	تُرْجَعُونَ تمہیں لوٹ کر جانا ہے
وَإِنْ اور اگر	تُكَذِّبُوا تم جھٹلاؤ گے	فَقَدْ كَذَّبَ تو جھٹلا چکی ہیں	أُمَمٌ بہت سی امتیں	مِنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلی	وَمَا اور نہیں	
عَلَى الرَّسُولِ پر ذمے رسول	إِلَّا مگر	الْبَلٰغُ پہنچا دینا	الْمُبِينُ صاف طور پر			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کا اجمالاً ذکر فرمایا تھا اب یہاں سے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شروع کیا جاتا ہے۔ اس کی بھی وہی غرض ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی تھی یعنی مسلمانوں کو برداشت مصائب کی تلقین اور کافروں کو تباہی و بربادی کی وعید۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان میں قریب ایک ہزار سال کا فصل تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل طوفان کے بعد عراق وعرب میں آباد ہوگئی تھی۔ یہاں انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرلی تھی جس کا دارالسلطنت بابل شہر تھا۔ سام ہی کی نسل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی قوم صابی مذہب تھی یعنی ستارہ پرست تھی۔ بڑے بڑے مندر ستاروں کے نام پر بنا رکھے تھے اور ان میں ستاروں کی فرضی شکلوں میں مورتیاں ڈھال کر رکھ چھوڑی تھیں۔ بادشاہ وقت کے بت بھی مندروں میں نصب تھے۔ ان کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ ان بتوں کو یہ قاضی الحاجات رزاق۔ دافع البلیات وغیرہ جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نبوت سے سرفراز فرما کر قوم کو توحید کی دعوت کا حکم دیا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر ہر طرح برہان اور

دلائل سے قوم کو فہمائش کی۔ بت پرستی کی مذمت کی اور توحید اختیار کرنے کو کہا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ ایک اللہ کی پرستش کرو اور اس سے ڈر کر برے کاموں سے بچو۔ اگر تم میں سمجھ ہے تو سمجھ جاؤ کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے۔ یہ بت جن کو تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو اور جن کی پوجا میں تم دن رات مصروف ہو اور اپنے حقیقی معبود اللہ عزوجل کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ یہ تو خود تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ مٹی سے کوئی صورت بنالو تو وہ بھی مٹی ہی رہے گی۔ پتھر کو تراش کر کوئی مورت بنالو تو وہ بھی پتھر ہی رہے گا کچھ اور نہ بن جائے گا۔ ان کی بابت جو تم نے عقیدے بنا رکھے ہیں وہ محض تمہارے گھڑے ہوئے ہیں۔ بے بنیاد باتوں پر مبنی ہیں۔ یہ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجنے میں لگے ہوئے ہو تمہاری روزی کے ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں۔ یہ تمہیں کو کچھ جب ہی دیتے جب ان کے پاس کچھ ہوتا۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ دینے والا تو اللہ عزوجل ہے جس کے خزانہ میں ہر چیز ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی ہر ایک کو روزی دیتا ہے۔ تو تم فقط اللہ کی بندگی کرو۔ اسی کی حمد وثنا کرو۔ اسی سے روزی مانگو۔ یہ اللہ ہی نے سب کچھ دیا ہے اور وہی دے گا اس لئے اسی کا شکر کرو اور سن لو کہ ایک دن آنے والا ہے جب تم سب کے سب اس کے دربار میں حاضر ہو گے۔ تم کہیں رہو اور کچھ ہی کرو آخر لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ اگر یہاں اس کا حکم نہ مانا تو کل اس کے سامنے کس منہ سے حاضر ہو گے اور جب وہ تم سے پوچھے گا کہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف کیوں گئے تو کیا جواب دو گے۔ تو یہاں چند جملوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف تمام دلائل سمیٹ کر رکھ دیئے کہ کسی کو معبود بنانے کے لئے کوئی تو معقول وجہ ہونی چاہئے۔

ایک معقول وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی ذات میں معبودیت کا استحقاق رکھتا ہو۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ آدمی کا خالق ہو۔

تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ آدمی کا رازق ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آدمی کا مستقبل اس سے وابستہ ہو۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھایا کہ ان چاروں وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی بت پرستی کے حق میں نہیں بلکہ ہر ایک وجہ خالص اللہ کی پرستش کا تقاضہ کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہہ کر کہ یہ محض بت ہیں پہلی وجہ کو ختم کر دیا کیونکہ جو نرا بت ہو۔ نہ نفع نقصان کا مالک ہو۔ نہ کارسازی کر سکتا ہو۔ اور نہ حاجت روا ہو اس کو معبود ہونے کا حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے پھر یہ کہہ کر کہ تم ان کے خالق ہو دوسری وجہ بھی ختم فرمادی پھر یہ بتلا کر کہ یہ تمہیں کسی قسم کا رزق نہیں دے سکتے تیسری وجہ بھی ختم کر دی اور یہ بتلا کر کہ تمہیں خدا ہی کی طرف پلٹنا ہے نہ کہ ان بتوں کی طرف چوتھی وجہ بھی ختم فرمادی تو اس طرح شرک کا پورا ابطال کر کے یہ بات آپ نے واضح فرمادی کہ جتنے وجوہ سے بھی ایک انسان کسی کو معبود قرار دے سکتا ہے وہ سب اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی میں پائی نہیں جاتیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے اور مجھے جھوٹا سمجھو گے تو میرا کیا نقصان کرو گے۔ میرا کام تو پیام ہدایت پہنچا دینا ہے سو میں اپنا فرض ادا کر چکا۔ اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچا چکا۔ ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو پہلے بھی کتنی قومیں انبیاء کی تکذیب کر چکی ہیں۔ اللہ کے رسول انہیں سمجھانے کے لئے آئے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے تم یہ سب جھوٹ کہہ رہے ہو آخر اس جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ اب تم خود دیکھ لو کہ

انہوں نے جھٹلا کر ان نبیوں کا کچھ بگاڑا یا اپنا انجام خراب کیا۔

یہاں آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول **فابتغوا عنداللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون** ٥ سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے صاف بتا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی رزاق نہیں اور طلب رزق اللہ ہی سے کرنی چاہئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ رزق کا لفظ ہر نعمت و راحت کو شامل ہے۔ خواہ روحانی ہو یا جسمانی۔ علم و معرفت ہو یا قوانین زندگی یا کھانے پینے کی چیزیں یا پہننے کا لباس یا رہنے کے لئے مکان یا عزت و حکومت یا مال و دولت یہ سب رزق کے وسیع لفظ میں شامل ہیں تو **فابتغوا عنداللہ الرزق** (یعنی اللہ ہی کے پاس سے رزق طلب کرو) کے مطلب یہ ہوئے کہ روحانی نعمتوں کی طلب بھی اللہ ہی سے کرے اور جسمانی زندگی کے لئے جو چیزیں مطلوب ہوں ان کے حصول کے لئے بھی دست طلب خدا ہی کی طرف بڑھے۔ خلق میں سے کسی کو کارساز۔ معطی اور مالک عطا نہ سمجھے۔ پھر آگے **واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون** اسی کی عبادت کرو۔ اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے فرما کر یہ مزید واضح کر دیا کہ اس وقت بھی اللہ ہی کارساز و حاجت روا ہے اور آخر میں بھی لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے اور اسی سے واسطہ پڑنا ہے لہٰذا اسی کا شکر قولاً۔ اعتقاداً اور عملاً واجب ہوا اور اسی کی طاعت و عبادت اور بندگی لازم ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خطاب اپنی قوم کے کافروں سے تھا مگر آج اگر آپ یہی صدا مسجد سے باہر نکل کر لگائیں کہ بھائی اپنا رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے تو معلوم ہے کہ آپ کو کیا جواب ملے گا (الا ماشاءاللہ) کہ یہ کیا ملا گیری پھیلائی۔ کہیں اس ترقی کے زمانہ میں ہمارے مسئلہ رزق کا حل اس ملا پن میں ہے۔ مگر سبحان اللہ حق تعالیٰ کے کلام کا کیا اعجاز ہے کہ اس کا جواب آج بھی وہی مناسب و موزوں ہے جو آگے یہاں آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا یعنی **وان تکذبوا فقد کذب امم من قبلکم وما علی الرسول الا البلغ المبین** اور اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت امتیں اپنے پیغمبروں کو جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبر کے ذمہ تو صرف صاف طور پر احکام کا پہنچا دینا ہے۔ اب قوم نے جو جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا وہ آگے بیان کیا گیا ہے مگر اس قوم کے جواب سے پہلے درمیان میں کفار مکہ کو خطاب کیا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآن پر حقیقی ایمان نصیب فرمائیں اور ایمان کے ساتھ اس کی تعلیمات و ہدایات کا اتباع کامل نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری تمام دینی و دنیوی حاجات کو اپنی شان رزاقی و کارسازی سے پورا فرمائیں اور اس پر ہم کو شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جب ہم کو اس دنیا سے لوٹ کر یا اللہ آپ کے پاس پہنچنا ہو تو ہمارے ساتھ رحمت و مغفرت و کرم و رحم کا معاملہ فرمائیں۔ اور اپنی خوشنودی اور رضامندی سے نوازیں۔

یا اللہ! ہمیں دین کی فہم اور سمجھ عطا فرما اور ہمیں اپنا فرمانبردار اور شکرگزار اور عبادت گزار بندہ بن کر جینا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا

کیا اُن لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے۔ آپ کہئے

فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

کہ تم لوگ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا أَنْتُمْ

جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے رحمت فرماوے گا، اور تم سب اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور تم نہ زمین میں

بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾

ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَلِقَائِهِ أُولٰئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولٰئِكَ لَهُمْ

اور جو لوگ خدا کی آیتوں کے اور اُس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور یہی ہیں جن کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾

عذاب دردناک ہوگا۔

أَوَ کیا	لَمْ يَرَوْا نہیں دیکھا انہوں نے	كَيْفَ کیسے	يُبْدِئُ ابتداء کرتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الْخَلْقَ پیدائش	ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر دوبارہ پیدا کریگا اس کو	
إِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيرٌ آسان	قُلْ فرمادیں	سِيرُوا چلو پھرو تم	فِي الْأَرْضِ زمین میں	فَانْظُرُوا پھر دکھو
كَيْفَ بَدَأَ کیسے ابتدا کی	الْخَلْقَ پیدائش	ثُمَّ پھر	اللّٰهُ اللہ	يُنْشِئُ اٹھائے گا	النَّشْأَةَ اٹھان	الْآخِرَةَ آخری (دوسری)	إِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيرٌ قدرت رکھنے والا	يُعَذِّبُ وہ عذاب دیتا ہے	مَنْ يَشَاءُ جس کو چاہے	وَيَرْحَمُ اور رحم فرماتا ہے		
مَنْ يَشَاءُ جس پر چاہے	وَإِلَيْهِ اور اسی کی طرف	تُقْلَبُونَ تم لوٹائے جاؤ گے	وَمَا أَنْتُمْ اور نہ تم	بِمُعْجِزِينَ عاجز کرنے والے			
فِي الْأَرْضِ زمین میں	وَلَا اور نہ	فِي السَّمَاءِ آسمان میں	وَمَا اور نہیں	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْ دُونِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مِنْ وَلِيٍّ کوئی حمایتی	
وَلَا اور نہ	نَصِيرٍ کوئی مددگار	وَالَّذِينَ اور وہ لوگ جنہوں نے	كَفَرُوا انکار کیا	بِآيَاتِ اللّٰهِ اللہ کی نشانیوں کا	وَلِقَائِهِ اور اس کی ملاقات		
أُولٰئِكَ یہی ہیں	يَئِسُوا وہ ناامید ہوئے	مِنْ رَحْمَتِي میری رحمت سے	وَأُولٰئِكَ اور یہی ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	أَلِيمٌ دردناک	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب اپنی قوم سے نقل فرمایا گیا تھا۔ اس پر قوم نے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا وہ ان آیات کے بعد بیان فرمایا گیا ہے۔ درمیان میں یہاں یہ آیات بطور جملہ معترضہ کے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا سلسلہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے۔ بیچ میں یہ مضمون اس مناسبت

سے لایا گیا ہے کہ کفار مکہ جنہیں سبق دینے کے لئے یہ قصہ سنایا جا رہا ہے دو بنیادی گمراہیوں میں مبتلا تھے۔ ایک شرک و بت پرستی۔ دوسرے انکار آخرت۔ ان میں سے پہلی گمراہی یعنی شرک اور بت پرستی کا رد تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر میں آ چکا جو اوپر کی آیات میں نقل فرمائی گئی تھی۔ اب دوسری گمراہی یعنی انکار آخرت کے رد میں یہ چند فقرے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ارشاد فرما رہے ہیں تا کہ کفار مکہ کے باطل عقائد کی تردید ایک ہی سلسلہ کلام میں ہو جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مشرکین کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا کیسے ہوگا؟ آخر تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا میں بے شمار اشیاء عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ مشرکین مکہ کو اللہ کے خالق ہونے کا انکار نہ تھا وہ اس بات کو مانتے تھے کہ یہ عالم اور اس کی بے شمار چیزیں یہ سب اللہ کی صفت خلق اور ایجاد کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ان کی اپنی مانی ہوئی بات پر یہ دلیل قائم کی گئی کہ جو خدا تمہارے نزدیک اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور پھر ایک ہی دفعہ تخلیق کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے مٹ جانے والی اشیاء کی جگہ پھر ویسے ہی اشیاء پے در پے وجود میں لاتا چلا جاتا ہے تو اس خالق کے بارہ میں آخر تم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ تمہارے مر جانے کے بعد وہ پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے کھڑا نہیں کر سکتا جس طرح قادر مطلق کی قدرت سے عالم میں چیزوں کا بننا اور بگڑنا بار بار اپنے سامنے دیکھ رہے ہو اسی طرح اللہ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں پھر پیدا کر دے گا اور یہ اس قدرت والے کے لئے بہت آسان بات ہے۔ آگے اور زیادہ اہتمام کے لئے پھر یہی مضمون قدرے عنوان بدل کر سنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے کیسی کیسی مخلوق پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اس

کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہوگئی۔ اس طرح قیامت و آخرت کے امکان کو ثابت فرمایا گیا۔ اب آگے قیامت و آخرت کی ضرورت کو نہایت بلیغ طرز ادا کے ساتھ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا مختار مطلق ہونا بھی معلوم ہو جاتا ہے اور قیامت کی ضرورت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ دنیا دار العمل ہے اس لئے یہاں کے تمام اعمال کی جزا و سزا لازم ہے۔ کوئی عمل بے نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ کا مقام کوئی دوسرا ہونا لازمی ہوا۔ اور وہی دار آخرت ہے۔ تو جو شخص اللہ کے ماننے کا دعویٰ کرے لیکن قیامت کی جزا و سزا کا قائل نہ ہو اور آخرت کو نہ مانے تو اس نے دراصل اللہ کو جیسا ماننا چاہئے مانا ہی نہیں۔ اس لئے جب اللہ کو مانو تو اس کے قانون کو بھی مانو جس کی رو سے مقرر ہو چکا ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے بعد پھر کبھی نہ مرے گا لیکن اس دائمی زندگی کا عیش و آرام اس پر موقوف ہے کہ آدمی یہاں اس دنیا میں اللہ کے حکم کے مطابق چلے ورنہ وہاں کی زندگی دکھ اور مصیبت میں گزرے گی اور وہ زندگی موت سے بدتر ہوگی۔ تو یہاں بتایا جا رہا ہے کہ انسان پھر پیدا ہوگا اور اللہ عزوجل کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے حاضر کیا جائے گا۔ وہاں بجز اس احکم الحاکمین کے کسی کی کچھ نہ چلے گی وہ جسے چاہے گا اس کے کرتوتوں کے بدلے عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا اس کی نیکیوں کے عوض اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ ہر ایک کو اس کے پاس واپس آنا ضروری ہے۔ زمین اور آسمان میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی اس سے بھاگ کر چھپ جائے۔ اور اس کی گرفت سے بچ نکلے یہ ناممکن ہے۔ ہر جگہ سے بہر حال تمہیں پکڑ لایا جائے گا اور تم اپنے رب کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے پھر آگے بتایا گیا کہ نہ تمہارا اپنا اتنا زور ہے کہ خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ اور نہ تمہارا کوئی ولی یا سرپرست مددگار ایسا زور آور ہے کہ خدا کے مقابلہ میں تمہیں پناہ دے سکے اور اس کے مواخذہ سے تمہیں

بچالے۔ ساری کائنات میں یہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے کفروشرک کا ارتکاب کیا ہے۔ جنہوں نے احکام خداوندی کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے۔ جنہوں نے جرأت اور جسارت کے ساتھ خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اور اس کی زمین میں ظلم وفساد کے طوفان اٹھائے ہیں ان کا حمایتی بن کر اٹھ سکے اور خدا کے فیصلۂ عذاب کو ان پر نافذ ہونے سے روک سکے یا خدا کی عدالت میں کسی کو حاضر ہونے سے بچالے۔ اب جو لوگ آیات الٰہیہ یعنی توحید۔ الوہیت۔ ربوبیت اور دیگر احکام قطعیہ کے منکر ہیں خصوصاً اللہ کے پاس جانے اور قیامت بپا ہونے کو نہیں مانتے تو ان کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ ان کا کوئی حصہ میری رحمت میں نہیں ہے۔ ان کے لئے کوئی گنجائش اس امر کی نہیں ہے کہ وہ میری رحمت میں سے حصہ پانے کی امید رکھ سکیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ جب انہوں نے اللہ کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور آخرت کو تسلیم نہ کیا اور اللہ کے حضور میں پیش ہونے کو نہ مانا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے خدا کی بخشش ومغفرت کے ساتھ کوئی رشتۂ امید سرے سے وابستہ ہی نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے دن وہ اس کی رحمت سے مایوس بھی رہیں گے اور قطعاً بغیر شک وشبہ کے ان کو سخت ترین دکھ کی مار کھانی پڑے گی۔

یہاں آیت میں کافروں کے متعلق رحمت سے مایوس ہونے کی صراحت کردی گئی تو اس سے کافروں کے علاوہ دوسرے لوگ خواہ نیکوکار ہوں یا بداعمال بشرطیکہ عقیدۃً مومن ہوں۔ ضرور امیدوار رحمت قرار پائے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جس پر چاہے ابتداہی سے رحم فرمادے جس پر نہ چاہے کچھ سزا دے کر رحم فرمائے مگر کافر کے علاوہ کسی کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں فرمایا اسی مضمون کو ایک اور آیت میں بصراحت ذکر فرمایا ہے ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشآءُ۔ یعنی اللہ جرم شرک کو تو معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کے علاوہ ہر گناہ جس شخص کے لئے چاہے گا معاف کردے گا۔ تو معلوم ہوا کہ آخرت میں کفروشرک کے ساتھ اللہ کی رحمت ومغفرت سے قطعاً محرومی ہوگی۔

اب اوپر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو نصیحت فرمائی تھی اس پر قوم نے جو جواب دیا وہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو کفروشرک سے بچا کر ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم وفضل سے ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائیں اور اپنی نصرت وحمایت سے ہم کو کسی حال میں محروم نہ فرمائیں۔ اور قیامت کے عذاب وسختیوں سے ہم سب کو محفوظ ومامون فرمائیں۔ دار آخرت کے ابدی راحت وآرام ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ دنیا میں اپنے احکام کی پابندی اور اطاعت کاملہ ہم کو نصیب فرمائیں۔ اور آخرت میں اپنی رحمت سے اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔ یااللہ! اپنی نصرت اور کارسازی کا ہم کو یقین کامل عطا فرما کہ ہم آپ ہی کی امداد اور حمایت ونصرت پر بھروسہ کریں اور آپ ہی کی رحمت دین ودنیا دونوں جہان میں ہماری کارسازی فرمائے۔

یااللہ! ہمیں وہ نور ہدایت عطا فرما کہ جو ہم آپ کے سامنے آخرت میں کھڑے ہونے کو ہر وقت مدنظر رکھیں اور اس طرح ہم آپ کی رحمت کے مورد بن جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ

سو اُن کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے اُن کو یا تو قتل کر ڈالو یا اُن کو جلا دو سو اللہ نے اُن کو اس آگ سے بچالیا۔ بے شک اس واقعہ میں

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۴ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

اُن لوگوں کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے، بس یہ تمہارے باہمی دُنیا کے

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ

تعلقات کی وجہ سے ہے، پھر قیامت میں تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہوجاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا،

بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۵ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ

اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ سو صرف لوط علیہ السلام نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیمؑ نے فرمایا میں اپنے پروردگار کی طرف

مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۶ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا

ترکِ وطن کر کے چلا جاؤں گا، بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمایا اور ہم نے

فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷

اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے اُن کا صلہ اُن کو دنیا میں بھی دیا، اور وہ آخرت میں بھی نیک بندوں میں ہوں گے۔

فَمَا كَانَ سو نہ تھا	جَوَابَ جواب	قَوْمِهٖٓ اسکی قوم	اِلَّآ سوائے	اَنْ یہ کہ	قَالُوا انہوں نے کہا	اقْتُلُوْهُ قتل کردو اس کو	اَوْ یا
حَرِّقُوْهُ جلا دو اس کو	فَاَنْجٰىهُ سو بچالیا اس کو	اللّٰهُ اللہ	مِنَ النَّارِ آگ سے	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ نشانیاں ہیں	
لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُوْنَ جو ایمان رکھتے ہیں	وَ اور	قَالَ ابراہیمؑ نے	کہا	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اتَّخَذْتُمْ تم نے بنالئے ہیں	
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَوْثَانًا بت	مَّوَدَّةَ دوستی	بَيْنِكُمْ اپنے درمیان (آپس میں)	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی میں	ثُمَّ پھر		
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	يَكْفُرُ کافر (مخالف) ہوجائیگا	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	بِبَعْضٍ بعض (دوسرے) کا	وَيَلْعَنُ اور لعنت کریگا			
بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	بَعْضًا بعض (دوسرے) کا	وَ اور	مَاْوٰىكُمُ تمہارا ٹھکانا	النَّارُ جہنم	وَمَا لَكُمْ اور نہیں تمہارے لئے		
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ کوئی مددگار	فَاٰمَنَ پس ایمان لایا	لَهٗ اس پر	لُوْطٌ لوط	وَقَالَ اور اس نے کہا	اِنِّىْ بیشک میں	مُهَاجِرٌ ہجرت کرنیوالا	
اِلٰى رَبِّيْ اپنے رب کی طرف	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہ	الْعَزِيْزُ زبردست غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا فرمائے	لَهٗٓ اس کو	
اِسْحٰقَ اسحٰق	وَيَعْقُوْبَ اور یعقوب	وَجَعَلْنَا اور ہم نے رکھی	فِيْ ذُرِّيَّتِهِ اس کی اولاد میں	النُّبُوَّةَ نبوت	وَالْكِتٰبَ اور کتاب		
وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے دیا اسکو	اَجْرَهٗ اس کا اجر	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	فِي الْاٰخِرَةِ آخرت میں	لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ البتہ نیکوکاروں میں سے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ کو سمجھانے کے لئے آخرت کے متعلق مضمون درمیان میں آ گیا تھا۔ اس سے پہلے حضرت

براہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانے کا ذکر ہوا تھا کہ آپ نے اپنی قوم کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرنے کی دعوت دی اور سمجھایا کہ یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ نہ نفع نقصان کے مالک ہیں نہ کسی چیز کے خالق ہیں۔ نہ کسی کے رازق ہیں۔ یہ تو محض مٹی اور پتھر کے بت ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ایک اللہ کی پرستش کرو جو تمہارا خالق بھی ہے اور تمہارا رازق بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معقول دلائل کا کوئی جواب قوم والوں سے نہ بن پڑا اور جیسا کہ جہالت کا دستور ہے قوم والے آپ کی جان کے دشمن ہوگئے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس بدبخت قوم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کا کچھ اثر نہ پڑا سوائے اس کے کہ آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس شخص کو جو ہماری غلطی ہم پر واضح کرتا ہے اور ہم کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش سے باز رکھنا چاہتا ہے اس کو یا تو قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا کر ختم کردو اور بالآخر آگ میں جلا دینے پر اتفاق رائے ہوگیا اور ممکن ہے کہ اس اتفاق کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا تھا۔ اس لئے ضد میں آ کر انہوں نے آپ کو آگ میں جلا دینے کی ٹھان لی۔ تو جیسا کہ سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں مفصلاً بیان ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ ان بدبختوں نے یہ سمجھا تھا کہ حق مارنے سے مر جاتا ہے اور صداقت جلانے سے جل کر ختم ہو جاتی ہے مگر یہ ان کی خام خیالی تھی اسی لئے وہ اپنے مقصد کو پورا نہ کر سکے اور اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو ضرور گیا اور وہ بھی حقیقۃً اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان اور آزمائش حق تعالیٰ کو مقصود تھی چنانچہ آگ میں ڈالے جاتے ہی آپ کے ایمان اور صبر و استقامت کا امتحان ختم ہوا اور دور ابتلا و آزمائش گزر گیا فوراً ہی حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور آگ کو حکم ہوا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ خبردار ابراہیم کا بال بیکا نہ ہو۔ چنانچہ آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی اور غیر مضر ہوگئی۔ اس واقعہ کی صراحت سورۂ انبیاء میں قدرے تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے یہاں آیت میں صرف اتنی بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے بچالیا۔ اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوئی کہ تمام اسباب سے نتائج بغیر اذن الٰہی کے نہیں پیدا ہوتے اور تمام اشیاء کی خاصیتیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی ہیں۔ وہ جس وقت جس چیز کی خاصیت کو چاہے بدل سکتا ہے۔ معمول کے مطابق آگ کا عمل یہی ہے کہ وہ جلائے اور ہر آتش پذیر چیز اس میں پڑ کر جل جائے لیکن آگ کا یہ معمول اس کا اپنا قائم کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے اور اس معمول نے خدا تعالیٰ کو پابند نہیں کر دیا کہ وہ اس کے خلاف کوئی حکم نہ دے سکے۔ وہ اپنی آگ کا مالک ہے کسی وقت بھی وہ اسے حکم دے سکتا ہے کہ وہ جلانے کا عمل چھوڑ دے اور وہ اپنے ایک اشارہ سے آتش کدہ کو گلزار میں تبدیل کر سکتا ہے۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا جاتا ہے کہ بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔ اب مفسرین نے ان نشانیوں کی تشریح فرمائی ہے۔ یعنی اس واقعہ میں دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کی۔ ابراہیم علیہ السلام کے نبی ہونے کی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تک کو آزمائشوں سے گزارے بغیر نہ چھوڑا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے ڈالے ہوئے امتحان سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے تب اللہ کی مدد ان کے لئے آئی اور کیسے معجزانہ طریقہ سے آئی۔ پھر اس واقعہ سے ایمان والوں کو یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کافروں کو مومنوں پر عارضی تسلط عطا کرنا بھی خدائے حکیم و قدیر ہی

کا کام ہے اور اس میں بھی اس کی مصلحت و حکمت ہوتی ہے۔
کافروں کو ڈھیل دینے اور چیرہ دست بنانے سے کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی آزمائش ہو جائے ان کے مراتب میں اضافہ اور درجات میں ترقی دی جائے ورنہ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ اور فرمانروا بھی اللہ کے ایک دوست کی جان نہیں لے سکتا۔ جب تک اللہ ہی کا حکم نہ ہو۔ حق تعالیٰ کی ادنیٰ غیبی طاقت کے مقابلہ میں یہ تمام دنیوی مادی طاقتیں ہیچ ہیں۔ تو خلاصہ یہ کہ اس واقعہ سے مومن کو گوناگوں عبرتیں اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کو اللہ کی غیبی طاقت کا مشاہدہ۔ اہل حق کی نجات کا یقین۔ اور انجام کار حق کا باطل پر غالب آ جانا واضح ہو جاتا ہے اس لئے وہ راہ صداقت پر ہر سختی اور مصیبت پر صبر کرتے ہیں۔ کافروں سے کوئی خوف ان کو نہیں رہتا۔ ان کی نظر ہر وقت اللہ پر رہتی ہے اور آخر میں اپنے غالب ہونے کا یقین ان کو حاصل ہوتا ہے۔ تو آگ سے بسلامت نکل آنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر دعوت و تبلیغ کا سلسلہ قوم میں جاری رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں نے جو یہ بت پرستی آپس کے تعلقات کو قائم رکھنے اور میل و محبت کو برقرار رکھنے کے لئے اختیار کی ہے یعنی بت پرستی اور شرک پر جمے رہنے سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ آپس کی محبت اور یگانگت اور ربط و ضبط قائم رہے۔ اگر شرک چھوڑیں گے تو اپنے عزیزوں دوستوں اور پیشواؤں سے تعلقات ترک کرنے پڑیں گے تو خوب یاد رکھو کہ یہ تعلقات و روابط صرف دنیا میں ہیں۔
قیامت کے دن ان میں سے کوئی ساتھ نہ دے گا۔ نہ کوئی مدد کر سکے گا اور نہ آگ سے بچا سکے گا بلکہ ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرے گا اور جن کو تم دنیا میں اپنا عزیز اور مددگار سمجھے ہو وہ آخرت میں تمہاری مدد تو درکنار الٹے تم سے بیزار ہوں گے اور بڑے بڑے پیشوا اپنے تابعین کو کورا جواب دے دیں گے کہ ہم نے تم پر جبر نہ کیا تھا تم کیوں ہمارے راستہ پر چلے آج ہم تمہارے اعمال سے بری ہیں۔
الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکرر وعظ و نصیحت پر قوم نے دین ابراہیمی کو قبول نہ کیا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے صحیح و سالم نکل آنے پر کچھ لوگ دل میں آپ کی صداقت کے قائل ہو گئے ہوں لیکن پوری قوم اور سلطنت کی طرف سے دین ابراہیمی کے خلاف جس غضبناک رویہ کا اظہار اس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا اسے دیکھتے ہوئے کوئی دوسرا شخص حق کو ماننے اور اس کا ساتھ دینے کی جرأت نہ کر سکا بس یہ سعادت صرف ایک شخص کے حصہ میں آئی اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی اور پھر ہجرت میں بھی اپنے چچا اور چچی کا ساتھ دیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ قوم آپ کا دین الٰہی ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں تو پھر وطن سے آپ نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کر دیا کہ میں اپنے رب کی خاطر قوم اور وطن کو چھوڑ کر یہاں سے نکلتا ہوں۔ اب جہاں میرا رب لے جائے گا چلا جاؤں گا چنانچہ آپ نے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی جس میں صرف آپ کی بی بی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط شامل رہے۔ آخر میں بطور نتیجہ کلام کے یہ بتلایا جاتا ہے کہ بابل کے وہ حکمران اور مشرک جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نیچا دکھانا چاہا تھا وہ تو دنیا سے ایسے مٹ گئے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ مگر وہ شخص جسے اللہ کا کلمہ اور دین بلند کرنے کے جرم میں ان لوگوں نے جلا کر خاک کر دینا چاہا تھا اور جسے آخر کار وطن سے بے سروسامانی کے عالم میں نکل جانا پڑا تھا اللہ نے انہیں دنیا ہی میں یہ صلہ دیا کہ باوجود پیرانہ سالی کے ان کو اسحاق علیہ السلام بیٹا عطا کیا اور نہ فقط بیٹا بلکہ ایک پوتا حضرت یعقوب بھی دیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے تھے لیکن چونکہ آپ کی پیدائش

کسی غیر معمولی کرامت کے تحت نہ ہوئی تھی۔ نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت ایسی پیرانہ سالی کو پہنچے تھے۔ نہ حضرت ہاجرہ اس سن کو پہنچی تھیں کہ جو اولاد کی طرف سے مایوسی ہو جاتی اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ یہاں نہیں فرمایا۔ ہاں حضرت اسحاق کی ولادت خاص اہمیت رکھتی تھی اس لئے اسی کا ذکر فرمادیا۔

الغرض ایک انعام جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا گیا یہ تھا کہ باوجود اسباب ظاہری نہ ہونے کے ایک سعید بیٹا عنایت فرمایا بلکہ ایک پوتا بھی دیا۔ پھر دوسرا انعام یہ عطا فرمایا کہ آپ کی نسل میں نبوت کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت ہارون علیہ السلام۔ حضرت یوشع علیہ السلام۔ حضرت یونس علیہ السلام۔ حضرت زکریا علیہ السلام۔ حضرت داؤد علیہ السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں تک کہ افضل الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر تیسرا انعام یہ فرمایا گیا کہ آسمانی کتابیں بھی آئندہ آپ ہی کی نسل کو عطا کی گئیں۔ چنانچہ توراۃ۔ زبور۔ انجیل اور آخر میں قرآن بھی اولاد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اترا۔ اور چوتھا انعام یہ عطا فرمایا کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ نے ان کا اجر عطا فرمایا۔ اکثر مفسرین نے اس سے مراد آپ کا ذکر خیر اور نیک نامی کی شہرت کو قیامت تک قائم رکھنے کو لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سرفرازی آپ کو عطا فرمائی کہ چار ہزار برس سے دنیا میں آپ کا نام روشن ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ہر آسمانی کتاب والا خواہ وہ مسلمان ہو۔ یا عیسائی۔ یا یہودی اس خلیل رب العالمین کو سب اپنا پیشوا مانتے ہیں یہ عزت تو آپ کو دنیا ہی میں ملی اور آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا وہ تو ملے ہی گا۔

مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ جب آدمی اپنے سینہ میں دلائل و براہین کا جواب نہیں پاتا اور طاقت حق اس کو لاجواب کر دیتی ہے تو پھر باطل اہل حق کو دھمکیاں دینے پر اتر آتا ہے مگر جو حق کا حامی اور صداقت کا علمبردار ہوتا ہے اہل باطل کے مقابلہ میں اللہ اس کی حمایت کرتا ہے اور کوئی طاغوتی طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی مگر آزمائشی دور سے اس کو ضرور گزرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت فرمانا تعلیم دے رہا ہے کہ دین کو بچانے اور ایمان کو محفوظ رکھنے کے لئے اعزہ واحباب اور گھر بار چھوڑ کر کسی ایسے مقام پر چلا جانا جہاں آزادی سے دین برحق پر عمل کیا جا سکے ضروری ہے۔ دین کو بچانے کے لئے دنیا کو قربان کرنا لازم ہے۔ دین کو بچانے۔ ایمان پر استقامت رکھنے اور اعمال صالحہ پر کاربند رہنے سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اجر عنایت فرماتا ہے اور اخروی اجر تو بہر حال عطا فرمائے گا۔

اب آگے تیسرا قصہ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور باطل کے مقابلہ میں ہم کو استقامت نصیب فرمائیں۔ اور حق کو سربلند رکھنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کے مقابلہ میں دنیا قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے دین کو گھر بار ملک وطن دوست احباب عزیز واقارب سب سے زیادہ محبوب رکھنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے ہر حال میں ہماری تائید ونصرت فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ

اور ہم نے لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دُنیا جہاں والوں میں

مِّنَ الْعٰلَمِينَ ﴿۲۸﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي

نہیں کیا۔کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو

نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ

سو اُن کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ

إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۰﴾

اگر تم سچے ہو۔لوط علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اِن مفسد لوگوں پر غالب کردے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے، تو اُن فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں

إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظٰلِمِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ

(کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ابراہیم نے فرمایا کہ وہاں تو لوطؑ ہیں، فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں (رہتے) ہیں ہم کو سب معلوم ہیں،

لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِينَ ﴿۳۲﴾

ہم اُنکو اور اُن کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز اُن کی بی بی کے، کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔

وَلُوطًا اور لوطؑ	إِذْ یاد کرو	جب	قَالَ اس نے کہا	لِقَوْمِهِ اپنی قوم کو	إِنَّكُمْ بیشک تم	لَتَأْتُونَ تم کرتے ہو	الْفَاحِشَةَ بے حیائی
مَا سَبَقَكُمْ نہیں پہلے کیا تم نے	بِهَا اس کو	مِنْ أَحَدٍ کسی نے	مِنَ سے	الْعٰلَمِينَ جہان والے	أَئِنَّكُمْ کیا تم واقعی	لَتَأْتُونَ البتہ تم کرتے ہو	
الرِّجَالَ مرد	وَتَقْطَعُونَ اور مارتے ہو	السَّبِيلَ راہ	وَتَأْتُونَ اور تم کرتے ہو	فِي نَادِيكُمُ اپنی محفلوں میں	الْمُنْكَرَ ناشائستہ حرکات		
فَمَا كَانَ سو نہ تھا	جَوَابَ قَوْمِهِ اس کی قوم کا جواب	إِلَّا سوائے	أَنْ کہ	قَالُوا انہوں نے کہا	ائْتِنَا لے آ ہم پر	بِعَذَابِ اللَّهِ اللہ کا عذاب	
إِنْ كُنْتَ اگر تو ہے	مِنَ سے	الصّٰدِقِينَ سچے لوگ	قَالَ کہا	رَبِّ اے میرے رب	انْصُرْنِي میری مدد فرما	عَلَى پر	
الْقَوْمِ قوم۔لوگ	الْمُفْسِدِينَ مفسد	وَلَمَّا اور جب	جَاءَتْ آئے	رُسُلُنَا ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)	إِبْرٰهِيمَ ابراہیم		
بِالْبُشْرٰى خوشخبری لے کر	قَالُوا انہوں نے کہا	إِنَّا بیشک ہم	مُهْلِكُوا ہلاک کرنے والے	أَهْلِ لوگ	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اس بستی	إِنَّ بیشک	
أَهْلَهَا اسکے لوگ	كَانُوا ظٰلِمِينَ ظالم (بڑے شریر)	ہیں	قَالَ ابراہیم نے کہا	إِنَّ فِيهَا بیشک اس میں	لُوطًا لوط	قَالُوا وہ بولے	

نَحْنُ ہم	اَعْلَمُ خوب جانتے ہیں	بِمَنْ فِیْهَا اس کو جو اس میں	لَنُنَجِّیَنَّهٗ البتہ ہم بچالیں گے اس کو	وَ اَهْلَهٗ اور اس کے گھر والے	
اِلَّا سوا	امْرَاَتَهٗ اس کی بیوی	كَانَتْ وہ ہے	مِنَ سے	الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم کا حال بیان ہوا تھا اب یہاں تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا سنایا جاتا ہے۔ یہ گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور بابل سے ہجرت کر کے شام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ آئے تھے۔ شام پہنچ کر یہ قرار پایا کہ دونوں بزرگ بغرض تبلیغ جدا جدا رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں جا کر مقیم ہوئے اور حضرت لوط علیہ السلام نے شرق اردن کو اپنا مسکن بنایا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرما دیا گیا تھا اس لئے آپ اللہ کے پیغمبر کی حیثیت سے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ بغرض تبلیغ دین حنیف چلے گئے۔ اردن کی وہ جانب جہاں بحیرۂ مردار یا بحر لوط واقع ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سدوم اور عامورہ کی بستیاں واقع تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندہ حد درجہ فواحش اور معصیتوں میں مبتلا ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور ان سے کہا کہ تم نے ایسی بے حیائی پر کمر باندھی ہے جو تم سے پہلے جہان بھر میں کسی نے نہیں کی۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے انسانیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ یہ کیا حیا سوز حرکت ہے کہ تم مردوں کے پاس اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے آتے ہو اور تمہاری شیطانی حرکات کے ڈر سے لوگوں نے اس طرف کے راستوں سے گزرنا چھوڑ دیا ہے۔ تم اپنی بھری محفلوں میں بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم نے حیا و شرم کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ بہرحال لوط علیہ السلام نے ان کو جو ممکن طریقہ سمجھانے کے ہو سکتے تھے ان کو سمجھایا اور گذشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی مگر قوم پر شہوت پرستی کا بھوت سوار تھا۔ ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا اور آپ کی نصیحتوں کو سن کر غم و غصہ سے تلملا اٹھی۔ اور کہنے لگی کہ اے لوط بس یہ نصیحتیں ختم کرو۔ اگر ہمارے ان اعمال سے تمہارا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ۔ جس کا ذکر کر کے بار بار ہم کو ڈراتے ہو۔ اگر تم واقعی اپنے قول میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس منحوس قوم کی عقل پر چربی چھا گئی تھی۔ وہ عیش و عشرت کے نشہ سے مست تھے۔ ان کے دل و دماغ مسخ ہو چکے تھے۔ اچھے برے خیر و شر کا امتیاز ان سے اٹھ گیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور ان کے پیرو تھے۔ شرف نبوت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے اس لئے سدوم اور عامورہ میں ہمہ قسم کے مصائب اور دشمنوں کے نرغہ کی تکالیف کے باوجود انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور اپنے بزرگ چچا اور خاندان کی مدد کی طلب کے بجائے صرف خدائے عز و جل پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کے احکام کے سامنے رضا و تسلیم کا ثبوت دیا اور درگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ تباہی اور فساد پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں اور میری کچھ نہیں سنتے۔ میرے پروردگار سوائے تیرے کوئی نہیں۔ میں تیرے سوا کس سے کہوں۔ اے میرے رب! میری مدد فرما اور مجھے اس مفسد قوم پر غالب فرما۔ مراد یہ تھی کہ مجھے ان سے علیحدہ کر دے لیکن اس طور پر کہ ان کو بھی اپنی حرکات کی سزا مل جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ اور اس بدکار و بدعمل قوم کی تباہی کا وقت آ گیا۔ ادھر ملک شام میں رحمت کو نازل کرنا بھی مقصود تھا اس لئے فرشتوں کو حکم

ہوا کہ جاؤ ہمارے خلیل کو فرزند سعید کی بشارت سناؤ اور قوم لوط کو برباد کردو اور اہل ایمان کو بچالو۔ حسب الحکم فرشتے پہلے نوجوانوں کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت متواضع اور مہمان نواز تھے۔ ان تینوں نوجوانوں کو مسافر سمجھ کر خوش خلقی کے ساتھ ٹھہرایا۔ کھانے کے لئے روٹیاں اور بچھڑا ذبح کر کے بھنا ہوا گوشت مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر مہمانوں نے ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھایا اس زمانہ کا دستور تھا کہ دشمن کے گھر کا نمک نہ چکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ دشمن ہیں جو میری مہمانی کو قبول نہیں کرتے۔ مہمانوں نے جو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اضطراب دیکھا تو کہا آپ گھبرائیں نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں آپ کو فرزند کی بشارت دینے آئے ہیں اور قوم لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں اس لئے یہاں سے اب سدوم جارہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہوگیا کہ یہ کوئی دشمن نہیں ہیں بلکہ ملائکۃ اللہ ہیں تو اب قوم لوط کا خیال آیا اور فرمانے لگے کہ تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جارہے ہو جس میں لوط خدا کا برگزیدہ نبی موجود ہے اور میرا حقیقی بھتیجا بھی ہے اور دین حنیف کا پیرو بھی۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ سب کچھ ہم جانتے ہیں مگر خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ قوم لوط اپنی سرکشی۔ بدعملی۔ بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ضرور ہلاک کی جائے گی اور لوط اور ان کا خاندان اس عذاب سے محفوظ رہیں گے البتہ لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کی حمایت کی وجہ سے قوم لوط ہی کے ساتھ عذاب پائے گی۔

غرض کہ ملائکۃ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر سدوم پہنچے اور یہ اپنی شکل وصورت میں حسین خوبصورت نوجوانوں کی حیثیت میں تھے۔ سدوم پہنچ کر لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرائے اور ڈرے کہ بدبخت قوم نہ معلوم ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے کیونکہ ابھی تک لوط علیہ السلام کو یہ نہیں فرمایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔ بہرحال یہ فرشتے جب حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے تو پھر کیا صورت حال پیش آئی یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ظاہر میں اور باطن میں ہر طرح کے فسق وفجور سے پاک صاف رکھیں اور شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے ظاہری باطنی دینی فتنہ وفساد سے ہم کو محفوظ فرمائیں اور مفسدوں سے ہم کو علیحدہ رکھیں۔ اور اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں میں ہم کو شامل رکھیں۔ اور اپنی نصرت وحمایت کو ہمارے شامل حال رکھیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ

اور جب ہمارے وہ فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ اُن کی وجہ سے مغموم ہوئے اور اُن کے سبب تنگ دل ہوئے اور وہ فرشتے کہنے لگے آپ اندیشہ کریں

وَلَا تَحْزَنْ ۚ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ

اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی کے باشندوں پر

عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا

ایک آسمانی عذاب اُن کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان (اب تک)

مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

رہنے دیئے ہیں ان لوگوں (کی عبرت) کیلئے جو عقل رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا اور جب	اَنْ کہ	جَآءَتْ آئے	رُسُلُنَا ہمارے فرشتے	لُوْطًا لوطؑ کے پاس	سِیْٓءَ پریشان ہوا	بِهِمْ ان سے	وَضَاقَ اور تنگ ہوا
بِهِمْ ان سے	ذَرْعًا دل میں	وَقَالُوْا اور وہ بولے	لَا تَخَفْ ڈرو نہیں تم	وَلَا تَحْزَنْ اور نہ غم کھاؤ	اِنَّا مُنَجُّوْكَ بیشک ہم بچانے والے ہیں تجھے		
وَاَهْلَكَ اور تیرے گھر والے	اِلَّا سوا	امْرَاَتَكَ تیری بیوی	كَانَتْ وہ ہے	مِنَ سے	الْغٰبِرِيْنَ پیچھے رہ جانے والے	اِنَّا بیشک ہم	
مُنْزِلُوْنَ نازل کرنیوالے	عَلٰى پر	اَهْلِ لوگ	هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اس بستی	رِجْزًا عذاب	مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے	بِمَا اس وجہ سے کہ	
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ وہ بدکاری کرتے تھے	وَلَقَدْ تَّرَكْنَا اور البتہ ہم نے چھوڑا	مِنْهَا اس سے	اٰيَةً بَيِّنَةً کچھ واضح نشانی	لِّقَوْمٍ لوگوں کیلئے	يَّعْقِلُوْنَ وہ عقل رکھتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ پہلے عذاب کے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں بڑھاپے میں فرزند کی خوشخبری دی۔ اس وقت تک حضرت سارہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی ان فرشتوں نے یہ بتایا کہ ہم قوم لوط کی بستیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں کیونکہ وہاں کے لوگ برے کام سے باز نہیں آتے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت لوط علیہ السلام کا فکر ہوا کہ بروں کے ساتھ کہیں اچھے بھی نہ پس جائیں مگر فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین اور جو ان پر ایمان لائے ہیں وہ بچالئے جائینگے۔ بجز لوط علیہ السلام کی بی بی کے کہ وہ قوم کے ساتھ عذاب میں گرفتار ہوگی۔ یہ کہہ کر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوئے اور لوط علیہ السلام کے ہاں پہنچے۔ یہ اپنی شکل و صورت میں حسین خوبصورت جوانوں کی حیثیت سے تھے اور انہوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ ہم آج آپ کے مہمان ہوں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی حالت سے واقف تھے کہ وہ باہر سے آنے والے نو وارد مسافروں کو خاص طور پر ستاتے تھے اس لئے حضرت لوط علیہ السلام بجائے اس کے کہ مہمانوں کے آنے سے خوشی ہوتی جیسا کہ مہمان نواز لوگوں اور خاص کر اللہ والوں کو خوشی ہوا کرتی ہے ان کے آنے سے بڑے پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ قوم کے موذیوں سے ان شریف مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو ابھی تک یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔ حضرت

لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا کہ آپ ہماری ظاہر صورت کو دیکھ کر نہ گھبرائیں اور نہ پریشان خاطر ہوں۔ ہم ملائکہ عذاب ہیں اور خدا کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے وہ اب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں۔ اس بستی والوں کی شامت آ گئی ہے اور ہم ان لوگوں پر سخت عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ ان کی بے حیائی اور ان کے گندے کاموں کی نحوست ان پر پوری طرح چھا گئی ہے۔ آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا مگر آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور عذاب میں گرفتار ہوگی چنانچہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو ہدایت کی کہ رات ہوتے ہی آپ اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں اور کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے چنانچہ ابتدائے شب ہی میں حضرت لوط علیہ السلام بستی سے باہر چلے گئے لیکن آپ کی بیوی ان بستی والوں ہی میں رہ گئی اور آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا۔ پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ آخر میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے اس بستی کی ایک کھلی نشانی چھوڑ دی ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ اس کھلی نشانی سے مراد بحیرۂ مردار ہے جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اس ظالم قوم پر اس کے کرتوتوں کی بدولت جو عذاب آیا تھا اس کی ایک نشانی آج بھی شاہراہ عام پر موجود ہے جسے تم شام کی طرف اپنے تجارتی سفروں میں جاتے ہوئے شب و روز دیکھتے ہو۔ موجودہ زمانہ میں یہ بات قریب قریب یقین کے ساتھ تسلیم کی جا رہی ہے کہ بحیرہ مردار ایک ہولناک زلزلے کی وجہ سے زمین میں دھنس جانے کی بدولت وجود میں آیا ہے۔ اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلہ اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً ۴۰۰ میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا اسی لئے اس کا نام بحر لوط، بحیرۂ مردار یا بحر میت ہے۔ اس طرح یہ بحر لوط خود ایک عبرت کا نشان ہے۔ اس حصہ میں پانی کے نیچے کچھ ڈوبی ہوئی بستیوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ حال ہی میں جدید آلات غوطہ زنی کی مدد سے یہ کوشش شروع ہوئی ہے کہ کچھ لوگ نیچے جا کر ان آثار کی جستجو کریں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بھی یہاں ختم ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے ان واقعات سے بعض علمائے محققین نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء عالم الغیب ہوتے اور جمیع ما کان و یکون یعنی جو ہوا اور ہو گا سب کا علم ان کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم القدر پیغمبر تھے۔ مگر جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو وہ اس بنا پر گھبرائے کہ یہ مہمان ہیں اور میری قوم بدعادت میں مبتلا ہے۔ وہ ضرور اپنی نفسانی خواہش کے تحت ان سے چھیڑ چھاڑ کریں گے اور یہ چیز میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوگی اور باعث شرم ہوگی کیونکہ اس میں مہمانوں کی رسوائی ہے۔ تو یہ سارا خطرہ اور فکر حضرت لوط علیہ السلام کو اسی وجہ سے تھا کہ اس وقت تک آپ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ مہمانوں کی شکل میں اللہ کے فرشتے ہیں اگر آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ اللہ کے فرشتے ہیں تو اس قدر پریشان ہونے اور دل میں خطرہ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا اور وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے فرشتوں کو نہ پہچان سکے چنانچہ جب فرشتوں نے دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام ان کی وجہ سے بے چین و مضطرب ہیں تو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء و رسل میں افضل سمجھے جاتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ”خلیل“ کا لقب عطا

43

فرمایا انہیں بھی کلی علم غیب اور ما کان و یکون کا علم نہیں عطا کیا گیا تھا کہ جو صرف خاصۂ خداوندی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے جو گذشتہ آیات میں ذکر ہوا کہ آپ نے اللہ کے فرشتوں کو پہلے نہیں پہچانا اور آپ یہی سمجھے کہ یہ آدم زاد بشر ہیں کیونکہ وہ انسانی شکلوں میں آئے تھے اور ان کی ظاہری شکلوں سے یہی سمجھا کہ حقیقت میں یہ انسان ہیں چنانچہ آپ نے ان کے لئے کھانا تیار کرایا اور بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت وغیرہ بھونا اور فرشتوں کے سامنے لا کر رکھا۔ اگر آپ کو یہ علم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں کھانا نہیں کھائیں گے تو بچھڑے وغیرہ کو ذبح کر کے مہمانوں کے لئے گوشت بھوننے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے رویہ سے دل ہی دل میں ڈرے کہ مبادا یہ دشمن ہوں اور ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے آئے ہوں۔ حالانکہ وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری ولادت فرزند کی دینے آئے تھے نہ کہ کسی برے ارادے سے جب فرشتوں کے بتانے سے اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ فرشتے ہیں اور ان کو بیٹے کی خوشخبری دینے اور قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں تو آپ کا خوف جاتا رہا اور آپ مطمئن ہو گئے۔ تو اس سے بھی صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے ورنہ فرشتوں کو کم از کم آپ پہلے ہی پہچان لیتے۔ اور دل میں ان کی طرف سے کوئی اندیشہ لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ایسے ہی قرآن پاک سے دوسرے انبیاء و رسل کے واقعات و حالات سامنے آتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلی اور تفصیلی علم غیب سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ صفت غیب دان ہونے کی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہاں جو بات یا علم حق تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی یا مقبول بندے کو بذریعۂ کشف الہام یا وحی بتا دیں تو اس کو علم ہو جاتا ہے اور وہ پھر کسی اور کو خبر کر دے تو اس کو بھی علم ہو جاتا ہے مثلاً جیسا کہ جنت و دوزخ کا علم حق تعالیٰ نے انبیاء کو بتلا دیا اور پھر انہوں نے امت کو خبر دی ایسے ہی بعض گذشتہ دور کے واقعات یا آئندہ کے حالات اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بعض بندوں کو معلوم ہوتے ہیں اور اسی قدر معلوم ہوتے ہیں کہ جس قدر حق تعالیٰ بتلا دیں۔ تو اولیاء اللہ یا انبیاء کرام بعض مغیبات کے باعث کہ جن کا علم اللہ تعالیٰ ان کو بطور خرق عادت یا بذریعہ کشف و الہام القا فرما دے وہ "عالم الغیب" تو نہیں کہلائیں گے۔ اسی لئے شرعاً "عالم الغیب" کے الفاظ صرف حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اب آگے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اور پھر اجمالاً عاد و ثمود و قارون۔ فرعون و ہامان کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں حق کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ اور باطل سے علیحدہ رکھیں۔ حق تعالیٰ ہمارے اہل و عیال اور متعلقین کو بھی حق پر قائم رکھیں اور ہر طرح کی کجی اور گمراہی سے ان کی حفاظت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھی ہر طرح کے عذاب و سختی سے محفوظ و مامون فرمائیں اور آخرت میں بھی قیامت کی سختیوں کو ہم سے دور رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نافرمان قوموں کے واقعات سے ہمیں عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی ہر چھوٹی و بڑی نافرمانی سے بچنے کی ہمت و عزم عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا

اور مدین والوں کے پاس ہم نے اُن کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت سے ڈرو اور سرزمین

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۞ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۞

میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو ان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا پس زلزلہ نے اُن کو آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔

وَعَادًا وَثَمُودَ وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسَاكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تم کو اُن کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا

عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۞ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ

اور اُن کو راہ (حق) سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے۔ اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا، اور اُن کے پاس موسیٰ (علیہ السلام)

بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ۞ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ ۖ فَمِنْهُمْ

کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے۔ تو ہم نے ہر ایک کو اُس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو اُن میں

مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا

بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی، اور اُن میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آ دبایا، اور اُن میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا،

بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۞

اور اُن میں بعض کو ہم نے ڈبو دیا، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

وَ اور	اِلٰی مَدْیَنَ مدین کی طرف	اَخَاهُمْ انکا بھائی	شُعَیْبًا شعیبؑ کو	فَقَالَ پس اس نے کہا	یٰقَوْمِ اے میری قوم	اعْبُدُوا تم عبادت کرو
اللّٰہَ اللہ	وَارْجُوا اور امید وار رہو	الْیَوْمَ الْاٰخِرَ آخرت کا دن	وَ اور	لَا تَعْثَوْا نہ پھرو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	مُفْسِدِیْنَ فساد کرتے ہوئے
فَكَذَّبُوْهُ پھر انہوں نے جھٹلایا اسکو	فَاَخَذَتْهُمْ تو آ پکڑا انہیں	الرَّجْفَةُ زلزلہ	فَاَصْبَحُوْا پس وہ صبح کو ہو گئے	فِیْ دَارِهِمْ اپنے گھر میں		
جٰثِمِیْنَ اوندھے پڑے ہوئے	وَعَادًا اور عادؔ	وَثَمُوْدَا اور ثمودؔ	وَقَدْ اور تحقیق	تَبَیَّنَ واضح ہو گئے ہیں	لَكُمْ تم پر	
مِنْ مَّسٰكِنِهِمْ ان کے رہنے کے مقامات	وَزَیَّنَ اور بھلے کر دکھائے	لَهُمْ ان کیلئے	الشَّیْطٰنُ شیطان	اَعْمَالَهُمْ انکے اعمال		
فَصَدَّهُمْ پھر روک دیا انہیں	عَنِ سے	السَّبِیْلِ راہ	وَكَانُوْا حالانکہ یہ تھے	مُسْتَبْصِرِیْنَ سمجھ بوجھ والے	وَقَارُوْنَ اور قارون	وَ اور
فِرْعَوْنَ فرعون	وَهَامٰنَ اور ہامان	وَ اور	لَقَدْ جَآءَهُمْ اور البتہ آئے ان کے پاس	مُوْسٰی موسیٰؑ	بِالْبَیِّنٰتِ کھلی نشانیاں کے ساتھ	
فَاسْتَكْبَرُوْا تو انہوں نے تکبر کیا	فِی الْاَرْضِ زمین (ملک) میں	وَ اور	مَا كَانُوْا وہ نہ تھے	سٰبِقِیْنَ بچ کر بھاگ نکلنے والے	فَكُلًّا پس ہر ایک	
اَخَذْنَا ہم نے پکڑا	بِذَنْۢبِهٖ اسکے گناہ پر	فَمِنْهُمْ تو ان میں سے	مَنْ جو	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجی	عَلَیْهِ اس پر	حَاصِبًا پتھروں کی بارش
وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَنْ جو (بعض)	اَخَذَتْهُ اس کو پکڑا	الصَّیْحَةُ چنگھاڑ	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَنْ جو	خَسَفْنَا ہم نے دھنسا دیا

بِہٖ اس کو	الْاَرْضَ زمین	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ اَغْرَقْنَا جو ہم نے غرق کردیا	وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	اللّٰهُ اللہ	لِيَظْلِمَهُمْ ظلم کرتا ان پر
	وَلٰكِنْ اور لیکن (بلکہ)	كَانُوْا وہ تھے	اَنْفُسَهُمْ خود اپنی جانوں پر	يَظْلِمُوْنَ ظلم کرتے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں تین انبیاء کرام علیہم السلام کی اقوام کے قصہ بیان ہوئے یعنی نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے۔ اب چوتھا قصہ پہلے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم مدین والوں کا بیان فرمایا جاتا ہے اور پھر اجمالی تذکرہ قوم عاد کا جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اور قوم ثمود کا جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اور فرعون و ہامان و قارون کا جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قبیلۂ مدین میں شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ اسی نسل اور اسی قبیلہ سے تھے اس لئے آپ کی بعثت کے بعد آپ کے ہم وطن قوم شعیب کہلائے۔ شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ خدا کی نافرمانی اور معصیت کے ارتکاب میں ساری قوم مبتلا ہے اور اپنی بداعمالیوں میں اس قدر مست اور سرشار ہے کہ ایک لمحہ کے بھی انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے معصیت اور گناہ ہے بلکہ اپنے بداعمالی کو باعث فخر سمجھتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم والے مشرک بھی تھے۔ قیامت کے منکر بھی تھے۔ دوسری قوموں کی طرح یہ خیال کرلیا تھا کہ ہم اپنے کاموں کے مختار ہیں جو چاہیں کریں کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو رشد وہدایت کی تعلیم دیتے ہوئے انہی اصول کی طرف بلایا جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت وارشاد کا خلاصہ ہے۔ آپ نے قوم کو تین نصیحتیں فرمائیں۔ اول اللہ کی پرستش کا حکم دیا۔ اللہ کی ہستی کا اقرار تو قوم کو تھا اور وہ خالق عالم خدا ہی کو جانتے تھے مگر مشرک فی العبادۃ تھے۔ بتوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اس گمراہی سے روکا اور چونکہ وہ لوگ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے یا اگر قائل بھی ہوں تو ان کی بداعمالی انکار پر دلالت کرتی تھی اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو قیامت کا یقین کرنے اور اس کے امیدوار رہنے کی تلقین فرمائی اور قیامت سے ڈرتے رہنے کی نصیحت فرمائی اور تیسری نصیحت معاملات کے درست کرنے کی فرمائی یعنی خرید وفروخت میں کم دینا کم تولنا۔ اپنا حق پورا بلکہ زیادہ لینا اور دوسرے کو اس کے حق سے کم دینا۔ بے ایمانی۔ دغابازی۔ ڈاکہ زنی اور فریب اور جبر وظلم سے لوگوں پر دست درازی کرنا۔ ان سب سے باز رہنے کی نصیحت فرمائی۔ مگر قوم نے آپ کی کوئی بات نہ مانی۔ آپ کو جھوٹا سمجھا۔ حق کو ناحق جانا اور بداعمالیوں پر اصرار کے ساتھ جمے رہے۔ آخر وہی ہوا جو قانون الٰہی کا ابدی فیصلہ ہے۔ یعنی ہدایت اور حق کی روشنی آنے کے بعد بھی جب باطل پر اصرار ہو اور صداقت کا مذاق اڑایا جائے تو پھر ڈھیل اور مہلت کا وقت ختم ہونے پر خدا کا عذاب اس مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کردیتا ہے۔ چنانچہ سرکشی اور نافرمانی کی پاداش میں قوم شعیب علیہ السلام کو عذاب نے آگھیرا اور یک بیک ایک ہولناک زلزلہ نے ان میں تباہی پھیلادی اور ایک خوفناک آواز سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اوپر سے آگ برسنے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ کل کے سرکش آج اوندھے منہ جھلسے ہوئے مرے پڑے تھے۔

اس کے بعد قوم عاد وثمود کی ہلاکت کا ذکر فرمایا گیا۔ قوم عاد جو بڑے قدآور۔ طاقتور اور ملک ومال کے مالک تھے مگر شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے جن کی ہدایت کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان میں بھیجا گیا تھا مگر انہوں نے اپنے پیغمبر سے سرکشی کی اور بالآخر تباہ وبرباد کردیئے گئے۔ اسی طرح قوم ثمود بھی بہت پرانی عرب قوم تھی جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن جب قوم نے سرتابی کی اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کو نہ مانا تو پھر ان کو بھی ہلاک کرکے ختم کردیا گیا۔ آگے عبرت کے لئے بتلایا جاتا ہے کہ ان کی ویرانی وبربادی کے آثار ان کے رہنے کے مقامات سے ظاہر ہیں۔ کیونکہ ان ہلاک شدہ بستیوں کے کھنڈرات اور ان کے نشانات حجاز سے شام کو آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔ پھر یہ

ہلاک شدہ اقوام کوئی جاہل اور نادان نہ تھے اپنے دنیا کے کاموں میں بڑے ہوشیار تھے اور اپنے نزدیک بڑے عقلمند بنتے تھے۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں اپنے وقت کے بڑے ترقی یافتہ لوگ تھے اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ شیطان ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور ان کی عقل سلب کر کے اپنے راستہ پر کھینچ لے گیا۔ نہیں۔ انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر دیکھتی آنکھوں شیطان کے پیش کئے ہوئے راستہ کو اختیار کیا جس میں انہیں بظاہر بڑی لذتیں اور بڑی منفعتیں نظر آتی تھیں اور انبیاء کے پیش کئے ہوئے اس راستہ کو چھوڑ دیا جو انہیں خشک۔ بدمزہ اور اخلاقی پابندیوں کی وجہ سے تکلیف دہ نظر آتا تھا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ قارون۔ فرعون اور ہامان نے سرکشی پر کمر باندھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے سمجھانے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے اللہ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے ایسی صاف اور کھلی ہوئی نشانیاں پیش کیں جنہیں دیکھ کر کسی کو ان کے پیغمبر ہونے میں شبہ نہ ہونا چاہئے تھا لیکن منکرین کو اپنی قوت و دولت اور جاہ و حشمت کے آگے کچھ نہ سوجھا۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور اتنا مغرور و متکبر تھا کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا۔ ہامان اس کا وزیر تھا جس نے کہا کہ فرعون کے ہاں سے مجھے کیا نہیں ملتا جو میں دوسرے کی جانب دیکھوں۔ قارون اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھا اور بظاہر موسیٰ علیہ السلام کو نبی مان چکا تھا لیکن مال و دولت والا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے حکم کو ماننا ضروری نہ سمجھا اور اس خیال میں تھا کہ میں دولت مند ہوں۔ میری دولت مجھے سب آفتوں سے بچا لے گی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکا اور ان میں سے ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔ بعض پر تند اور تیز ہوا کا عذاب مسلط کیا گیا۔ بعض کو ہیبت ناک گرج اور کڑک نے تباہ کر دیا۔ اور بعض کو مع اپنے خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا اور بعض کو پانی میں ڈبو کر ختم کر دیا گیا۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ اللہ کا کام ظلم کرنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کوئی بے موقع یا ناانصافی کا کام کرے۔ اس کی ذات عیوب و نقائص سے بالکل مبرا و منزہ ہے۔ ہاں بندے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں کہ جن کا نتیجہ لامحالہ ان کے حق میں برا ہو۔ جب قانون خداوندی کا اعلان معتبر ذرائع سے کر دیا گیا تو نہ اب کسی کو لاعلمی کا عذر رہا اور ظاہر ہے کہ اعلان کے بعد جو کوئی خلاف ورزی کرے گا اس کو اس کی سزا جو مقرر ہو چکی ہے وہ ملے گی اور یہ سزا ظلم نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ مجرم خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کہ قانون توڑنے والے کی سزا مقرر ہو جانے کے بعد قانون کو جان بوجھ کو توڑتا ہے۔

اب یہ تمام قصے جو یہاں تک سنائے گئے ہیں ان سے ایک طرف تو اہل اسلام کو یہ تلقین کرنا ہے کہ وہ پست ہمت اور دل شکستہ اور مایوس نہ ہوں اور مشکلات و مصائب کے سخت سے سخت طوفان میں بھی صبر و استقلال کے ساتھ حق و صداقت پر جمے رہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں کہ آخر کار اس کی مدد اہل ایمان کے لئے ضرور آئے گی اور وہ ظالموں کو نیچا دکھائے گا اور کلمۂ حق کو سر بلند کر دے گا۔

دوسری طرف ان ظالم کفار مکہ کو بھی متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم جو اپنے دانست میں مسلمانوں کا قلع قمع کر دینے پر تلے ہوئے ہو اور ان پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہو اور تم کو جو تمہاری بغاوت و سرکشی اور ظلم و ستم پر پکڑا نہیں گیا ہے اور خدا نے از راہ عنایت مہلت دے رکھی ہے تو تم اس کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ سرے سے کوئی طاقت انصاف کرنے والی موجود ہی نہیں اور اس زمین پر جس کا جو جی چاہے کرتا چلا جائے تو سن لو کہ تم اس غلط فہمی میں نہ رہو۔ اگر تمہاری سرکشی اور بغاوت کا یہی عالم رہا تو تم بھی اسی انجام سے دوچار ہو کر رہو گے جو انجام تم سے پہلے قوم نوح اور قوم لوط اور قوم شعیب دیکھ چکی ہے اور جس طرح عاد و ثمود اور فرعون اور ہامان اور قارون تباہ و برباد ہو چکے ہیں اسی طرح تم کو بھی تباہی پیش آنی لازمی ہے۔

اب آگے شرک کی مذمت اور مشرکین کے عقائد کا بودا پن مکڑی کے جالے کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ

جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں اُن لوگوں کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں

اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ

کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے، اگر وہ جانتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جس جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ

رہے ہیں، اور وہ (اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے۔ اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں،

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے،

لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ ع

ایمان والوں کے لئے اس میں بڑی دلیل ہے۔

مَثَلُ مثال	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہوں نے	اتَّخَذُوْا بنائے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَوْلِيَآءَ مددگار	كَمَثَلِ مانند	الْعَنْكَبُوْتِ مکڑی	
اِتَّخَذَتْ اس نے بنایا	بَيْتًا ایک گھر	وَاِنَّ اور بیشک	اَوْهَنَ سب سے کمزور	الْبُيُوْتِ گھروں میں	لَبَيْتُ گھر ہے	الْعَنْكَبُوْتِ مکڑی کا	
لَوْ كَانُوْا کاش ہوتے وہ	يَعْلَمُوْنَ جانتے	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا يَدْعُوْنَ جو وہ پکارتے ہیں	مِنْ سے	دُوْنِهٖ اس کے سوا
مِنْ شَيْءٍ کوئی چیز	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب زبردست ہے	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَتِلْكَ اور یہ	الْاَمْثَالُ مثالیں	نَضْرِبُهَا ہم وہ بیان کرتے ہیں	
لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَمَا يَعْقِلُهَآ اور نہیں سمجھتے انہیں	اِلَّا سوا	الْعٰلِمُوْنَ جاننے والے	خَلَقَ اللّٰهُ پیدا کیا اللہ نے	السَّمٰوٰتِ آسمان		
وَالْاَرْضَ اور زمین	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيَةً البتہ نشانی	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کیلئے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں جتنی قوموں کا ذکر کیا گیا وہ سب شرک میں مبتلا تھیں اور اپنے باطل معبودوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ہمارے حامی اور مددگار اور سرپرست ہیں۔ ہماری قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی پوجا پاٹ کرکے اور انہیں نذر نیاز دے کر ہم ان کی خوشنودی حاصل کرلیں گے تو یہ ہمارے کام بنائیں گے اور ہم کو ہر طرح کی آفات سے محفوظ رکھیں گے لیکن جیسا کہ گذشتہ ذکر ہونے والے واقعات میں دکھایا گیا ان کے یہ تمام عقائد وگمان باطل اس وقت بالکل بے بنیاد ثابت ہوئے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا اور ان کی بربادی کا فیصلہ کردیا گیا۔ اس وقت کوئی دیوی دیوتا یا کوئی جن و فرشتہ جن کے بت بنا کر وہ پوجتے تھے ان کی مدد کو نہ آیا کہ جو عذاب الٰہی سے انہیں بچالیتا۔ تو گذشتہ واقعات کو بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ مشرکین کو متنبہ فرماتے ہیں کہ کائنات کے حقیقی مالک اور فرمانبردار کو چھوڑ کر بالکل بے اختیار اور خیالی معبودوں کے بھروسہ پر جو توقعات کا گھروندہ تم نے بنا رکھا ہے اس کی حقیقت بودے پن اور بے ثباتی میں مکڑی کے جالے سے کچھ زیادہ نہیں ہے جس طرح

مکڑی کا جالا نہایت کمزور اور بودا ہوتا ہے کہ ایک انگلی کی چوٹ بھی برداشت نہیں کرسکتا بلکہ زور کی پھونک مارنے سے بھی اڑ جاتا اور ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے یہی حالت مشرکوں کے معبودوں کی ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو کسی آفت سے نہیں بچا سکتے۔ حقیقت کا علم اگر کچھ بھی انہیں ہوتا تو یہ کبھی شرک نہ کرتے۔ حقیقت بس یہ ہے کہ اختیارات کا کلی مالک بس اس کائنات میں رب العالمین کے سوا کوئی نہیں۔ اگر یہ مشرکین اس بات کو نہ سمجھیں تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ کو تو ان سب چیزوں کی حقیقت خوب معلوم ہے جنہیں یہ معبود بنائے بیٹھے ہیں اور مدد کے لئے پکارتے ہیں کہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ طاقت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی تدبیر وحکمت اس کائنات کا نظام چلا رہی ہے۔ وہی مستقل طاقت اور قدرت رکھنے والا ہے۔ اور نفع ونقصان کا مالک ہے۔ اور ساری مخلوق کو ہر ہر چیز عطا کرنے والا ہے۔ عزیز وحکیم بس وہی ہے۔

مشرکین مکہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر قرآن خدا کا کلام ہوتا تو مکڑی۔ مچھر اور مکھی جیسے حقیر اور کمزور جانوروں کی باتیں اس میں نہ ہوتیں۔ یہ خدا کی عظمت شان کے مناسب نہیں۔ اس کا جواب بھی قرآن پاک میں کئی جگہ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ سمجھایا گیا کہ مثال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی حقیقت ظاہر ہو جائے جس کے لئے وہ مثال دی گئی ہے۔ اسے مثال دینے والے کی عظمت اور شان سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کی غرض اور اس کی اصل سے مناسبت ہی اصل چیز ہے جسے سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ احمقوں کو تو فقط اعتراض سے کام ہے وہ بات کی تہ کو پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ تو مشرکین جو یہ کہتے ہیں کہ ایسے حقیر جانوروں کی مثالیں اللہ کے عظمت شان کے مناسب نہیں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان تو اس سے ظاہر ہے کہ اس نے آسمان اور زمین جیسی عظیم الشان مخلوق پیدا کر دی اور سب کو ایک نظام کے اندر جکڑ دیا۔ ان کو دیکھ کر ایمان والے اپنا یقین مضبوط کرتے ہیں کہ ایک خدا ہی اس کا خالق ہے اور وہی ایک خدا اس کا مالک اور مدبر ہے۔

اسلام کا تو یہ عقیدہ ہی ہے کہ یہ سب کائنات اور زمین وآسمان کا کارخانہ از خود نہیں چل رہا بلکہ اس کا کوئی چلانے والا ہے۔ جس کے علم و قدرت وحکمت کی کوئی انتہا نہیں۔ قدیم ماہرین فلکیات وہیئت میں سے بہت سے محققین نے تمام عمر کی کاوش اور تحقیقات کے بعد کھلے لفظوں میں یہ اقرار کیا ہی تھا کہ ان معاملات میں جو کچھ غور و تحقیق کی گئی اور لکھا گیا وہ سب تخمینی قیاس آرائی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور یہ کائنات کا میدان اتنا وسیع ہے کہ ہمارے قیاس اور وہم و گمان کی بھی رسائی اس کی انتہا تک نہیں ہوسکتی۔ مگر اب جدید سے جدید ماہرین زمین پر بیٹھ کر نہیں بلکہ زمین سے ہزاروں میل کی بلندی پر پہنچنے اور اس زمین کی کشش سے باہر کی فضا جس کو آج کل خلاء کہا جاتا ہے اس میں پہنچنے اور جدید ترین دوربینوں اور جدید آلات کی مدد سے جو مشاہدات ہوئے ہیں اور جو معلومات حاصل کی گئی ہیں ان میں بھی ستاروں اور سیاروں کا ایسا ناپیدا کنار جہاں دکھائی دیتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور علم وحکمت کے سامنے انسانی بے بسی اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات اتنی پر حکمت اور اتنی منظم ہے کہ اس کا تصور بھی انسانی ذہن پوری طرح نہیں کرسکتا اور انسان یہ ماننے پر مجبور ہے کہ زمین پر جاندار چیزوں کی بقا کے لئے جو حالات ضروری ہیں وہ نہایت مکمل طور پر یہاں موجود ہیں مثال کے طور پر یہاں جو ارشاد فرمایا خلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق اس کی تصدیق میں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے۔ کائنات کے چند حقائق کو جدید سائنس کی روشنی میں سنئے اور غور کیجئے کہ خالق کائنات نے یہ کائنات کس درجہ بالحق پیدا فرمائی ہے۔

زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لٹو کی مانند گھومتی ہے۔ اگر زمین کی رفتار ایک سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو ہمارے دن اور رات اب کے دن اور رات سے دس گناہ زیادہ لمبے ہوتے یعنی قریب ۱۲۰ گھنٹہ کا طویل دن ہوتا اور اتنی ہی طویل رات ۱۲۰ گھنٹہ کی ہوتی گرمیوں کے موسم میں ۱۲۰ گھنٹہ کا طویل دن ہمیں جھلس دیتا اور سردیوں میں ۱۲۰ گھنٹہ کی طویل رات ہمیں منجمد کر دیتی۔ زمین کی تمام ہریالی اور ہماری بہترین فصلیں سو گھنٹے کی مسلسل دھوپ میں جھلس

جاتیں یا اتنی لمبی رات میں سردی کی نذر ہو جاتیں۔ اور اگر زمین کی رفتار موجودہ رفتار سے دس گنا زیادہ ہوتی تو زمین اپنے محور کے گرد قریب اڑھائی گھنٹہ میں گھوم جاتی تو سوا گھنٹہ کا دن اور سوا گھنٹہ کی رات ہوتی تو دنیا کے کاروبار کس طرح چلتے؟ سورج جو ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے اپنی سطح پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہیٹ سے دہک رہا ہے۔ یہ حرارت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اس کے سامنے جل کر راکھ ہو جائیں۔ مگر وہ ہماری زمین سے اتنے مناسب فاصلے پر ہے کہ یہ "دائمی انگیٹھی" ہمیں ہماری ضرورت سے ذرہ بھر زیادہ گرمی نہ دے سکے۔ اگر سورج دگنے فاصلہ پر چلا جائے تو زمین پر اتنی سردی پیدا ہوگی کہ ہم سب لوگ جم کر برف ہو جائیں اور اگر وہ آدھے فاصلہ پر آ جائے تو زمین پر اتنی حرارت پیدا ہوگی کہ تمام جاندار اور تمام پودے جل بھن کر خاک ہو جائیں۔ ہماری زمین ایک گولے کی شکل میں خلا میں معلق ہے زمین کا کرۂ فضا میں سیدھا کھڑا نہیں ہے بلکہ ساڑھے تئیس درجے کا زاویہ بناتا ہوا ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھتے ہوئے بخارات سیدھے شمال یا جنوب کو چلے جاتے اور ہمارے براعظم برف سے ڈھکے رہتے۔

چاند ہم سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بجائے اگر وہ صرف ایک لاکھ میل دور ہوتا تو سمندروں میں مدوجزر کی لہریں اتنی بلند ہوتیں کہ تمام کرۂ ارض دن میں دوبار پانی میں ڈوب جاتا اور بڑے بڑے پہاڑ موجوں کے ٹکرانے سے گھس کر ختم ہو جاتے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سورج اپنی غیر معمولی کشش سے ہماری زمین کو کھینچ رہا ہے، اور زمین ایک مرکز گریز قوت کے ذریعہ اس کی طرف کھنچ جانے سے اپنے آپ کو روکتی ہے اور اس طرح وہ سورج سے دور رہ کر فضا کے اندر اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے۔ اگر کسی دن زمین کی یہ قوت ختم ہو جائے تو وہ تقریباً چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھنچنا شروع ہو جائے، اور چند ہفتوں میں سورج کے اندر اس طرح جا گرے جیسے کسی بہت بڑے الاؤ کے اندر کوئی تنکا گر جائے۔ ظاہر ہے کہ زمین کو یہ طاقت ہم نے نہیں دی بلکہ اس خدا نے دی ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے۔

کائنات کے جس حصے میں ہم رہتے ہیں اس کا نام نظام شمسی ہے، اگر آپ کسی دور دراز مقام پر بیٹھ کر اس نظام کا مشاہدہ کر سکیں تو آپ دیکھیں گے کہ خلا کے اندر ایک آگ کا گولا بھڑک رہا ہے جو ہماری زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ جس سے اتنے بڑے بڑے شعلے نکلتے ہیں جو کئی کئی لاکھ میل فضا میں اڑتے چلے جاتے ہیں۔ اسی کا نام سورج ہے۔ پھر آپ ان سیاروں کو دیکھیں گے جو سورج کے چاروں طرف اربوں میل کے دائرے میں پروانوں کی طرح چکر لگا رہے ہیں ان دوڑتی ہوئی دنیاؤں میں ہماری زمین نسبتاً ایک چھوٹی دنیا ہے جس کی گولائی تقریباً پچیس ہزار میل ہے۔ یہ ہمارا نظام شمسی ہے جو بظاہر بہت بڑا معلوم ہوتا ہے، مگر کائنات کی وسعت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کائنات میں اتنے بڑے بڑے ستارے ہیں جن کے اوپر ہمارا پورا نظام شمسی رکھا جا سکتا ہے۔ اس بے انتہا وسیع اور عظیم کائنات میں ہماری زمین فضا میں اڑنے والے ذرے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ ہم ایک چھوٹے سے کیڑے کی مانند اس ذرے سے چمٹے ہوئے ہیں اور خلا میں ایک سفر میں مصروف ہیں۔

یہ کائنات کے اندر ہماری حیثیت ہے۔ پھر جب ہماری حیثیت یہ ہے تو ہم خالق کائنات سے مدد کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ جس طرح ایک چھوٹے بچے کی ساری کائنات اس کے ماں باپ ہوتے ہیں، اس کی زندگی، اس کی ضرورتوں کی تکمیل اور اس کے مستقبل کا انحصار بالکل اس کے والدین کے اوپر ہوتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ انسان اپنے رب کا محتاج ہے ہم خدا کی مدد اور اس کی رہنمائی کے بغیر اپنے لئے کسی چیز کا تصور نہیں کر سکتے وہی ہمارا سہارا اور اسی کی طرف ہمیں دوڑنا چاہئے۔ (خدا اور اس سے ہمارا تعلق۔ مجلّہ نمبر ۲۶ مطبوعہ عالمی ادارۂ اشاعت علوم الاسلامیہ۔ ملتان)

حال ہی میں یعنی ۱۹۶۸ء میں ایک امریکن خلانورد جو کامیابی کے ساتھ خلاء کا سفر کر کے واپس آ گیا اور جسکی کامیابی پر اس زمانہ کے موافق ومخالف سبھی نے اعتماد کیا اور خلا میں جو کچھ اس نے دیکھا اور بیان کیا اس کو قابل اعتماد سمجھا گیا اس کا ایک بیان

امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں چھپا ہے جس کے بعض اقتباسات آپ سنئے کہ یہ خلائی مسافر اپنی حیرانی کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جو اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ نظام کائنات از خود نہیں چل رہا بلکہ اس کی چلانے والی کوئی ایسی قدرت وطاقت ہے کہ جس کے حکمت وکمال کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

"مجھے خلائی پروگرام کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس موقع پر مجھے ایک کتابچہ دیا گیا جو خلائی معلومات پر مشتمل تھا۔ اس کتابچہ سے ان دو پیراگرافوں نے مجھے بے حد متاثر کیا جو کائنات کی وسعت سے متعلق تھا۔ ان تمام معلومات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ جان لیا جائے کہ شعاعیں سال کسے کہتے ہیں؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟ شعاع یعنی سورج کی روشنی ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی مسافت طے کرتی ہے۔ اگر روشنی کو ایک سیدھی مسافت پر متواتر ایک سال سفر کرنے دیا جائے تو ایسی صورت میں جتنی مسافت طے کرے گی اس کو اصطلاحاً شعاعی سال کہتے ہیں یعنی روشنی کی ایک سالہ مسافت۔ اب ہم کتابچہ کے اس ٹکڑے کو نقل کرتے ہیں جس میں کائنات کی وسعت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے کہکشانی نظام کا قطر تقریباً ایک لاکھ شعاعی سال کی مسافت کے مساوی ہے اور سورج اس کہکشانی مرکز سے تقریباً ۳۰ ہزار سال کی مسافت پر واقع ہے اور اپنے محور پر ۲۰۰ ملین سال (یعنی ۲۰ کروڑ سال) میں چکر لگاتا ہے اندازہ لگایئے کہ نظام شمسی کے پرے کی کائنات کے لئے کسی بڑے پیمانہ کا تصور کس قدر مشکل اور دشوار ہے۔ ہمارے اس کہکشانی نظام کی کوئی انتہا نہیں اس لئے کہ اس سے پرے دسیوں لاکھ دوسرے کہکشانی نظام ہیں بظاہر سب کے سب ایک تخیلی رفتار پر ایک دوسرے سے ایک خاص تناسب سے حرکت کررہے ہیں۔ وہ کائناتی حدود جو دوربین سے دیکھے جاسکتے ہیں ایک اندازے کے مطابق ہم سے تمام اطراف وجوانب میں تقریباً ۲۰۰۰ ملین یعنی دو ارب شعاعی سال کی مسافت تک ہیں۔ ان اعداد وشمار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کائنات کتنی عریض ووسیع ہے۔"

اس کے بعد معلومات کا کچھ اور تذکرہ کر کے لکھا ہے "کیا یہ تمام حقائق اتفاقیہ ہیں؟ یقیناً یہ سب کچھ ایک متعین منصوبے کے تحت ہے۔ یہی وہ ایک واحد شے ہے جو خلا میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ ہم مدار میں تقریباً ۱۸ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوپر جاتے یعنی ۵ میل فی سکنڈ کے حساب سے یہ ہمارے ارضی معیار کے حساب سے کافی تیز اور انتہائی بلند ہے۔ اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں سائنسی اصطلاحات اور پیمانوں میں خدا کی قدرت کی پیمائش ناممکن ہے...... اس کے آگے بہت کچھ لکھنے کے بعد اخیر میں کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مارچ ۱۹۶۸ء)

الغرض یہاں آیت میں یہ ارشاد خلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو مناسب طور پر مصلحت اور حکمت سے پیدا کیا ہے یہ دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی قادر مطلق۔ حکیم کامل۔ عالم کل اور خلاق عالم نہیں۔ اسی نے آسمان زمین اور ہر چیز کو اپنی حکمت سے بنایا۔ اسی کا تصرف اور اقتدار ہمہ گیر ہے اس لئے وہی قاضی الحاجات اور کارساز حقیقی ہوسکتا ہے۔ نہ کہ مشرکین کے معبودان باطلہ۔

اب یہاں تک شروع سورۃ سے مسلسل چار رکوعات میں اہل ایمان کو دین پر صبر وثبات اور استقامت اور توکل علی اللہ کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی اب آگے ان صفات کو حاصل کرنے کی بعض عملی تدابیر بتلائی جاتی ہیں یعنی تلاوت قرآن اور نماز کی پابندی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قرآن کریم کے معانی و مطالب سے واقف کرانے کیلئے
با محاورہ اور لفظی ترجمہ کے ساتھ آسان تعلیمی

درسِ قرآن

پارہ ۲۱ تا ۲۵

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلام پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے، اور اگر عمل کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعت نفل پڑھنے سے افضل ہے

تسہیل شدہ ترجمہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات
مولانا محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر ملخص از تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن و دیگر تفاسیر

اگر آپ روزانہ
پندرہ بیس منٹ "درسِ قرآن"
سے ایک درس پڑھیں تو ان شاء اللہ
آپ اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے
میں کامیاب ہو جائیں گے

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے، آپ اس کو پڑھا کیجئے، اور پابندی رکھیے نماز کی، بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے،

وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵

اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

اُتْلُ آپ پڑھیں	مَا جو	اُوْحِيَ وحی کی گئی	اِلَيْكَ آپ کی طرف	مِنَ الْكِتٰبِ کتاب سے	وَاَقِمِ اور قائم کریں	الصَّلٰوةَ نماز
اِنَّ بیشک	الصَّلٰوةَ نماز	تَنْهٰى روکتی ہے	عَنِ سے	الْفَحْشَاۗءِ بے حیائی	وَالْمُنْكَرِ اور برائی	وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اور البتہ اللہ کی یاد
اَكْبَرُ سب سے بڑی بات	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا تَصْنَعُوْنَ جو تم کرتے ہو			

یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہل ایمان کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں اور اوروں کو بھی سنائیں تاکہ اس کے احکام وہدایات کی تبلیغ و اشاعت ہو۔ اسی کے ساتھ دوسرا حکم **واقم الصلوٰۃ** فرمایا گیا یعنی نمازوں کی پابندی رکھیں اور اس کو اس کے جملہ احکام و شرائط کے ساتھ ادا کریں۔ اب نماز کیا ہے؟ صوفیائے کرام نے لکھا ہے کہ نماز حقیقت میں جل شانہ کے ساتھ مناجات کرنا اور ہمکلام ہونا ہے جو غفلت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جاندار مخلوق کی طرح حق تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور حضور قلب ہے اور قیام وقعود نماز کا بدن ہے اور رکوع وسجدہ نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جس قدر اذکار وتسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے آنکھ۔ کان وغیرہ ہیں اور اذکار وتسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوت سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع وخضوع سے ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ وروغن کا درست ہونا ہے۔ الغرض اس طرح پر نماز کے اجزاء اور ارکان کو بحضور قلب پورا کرنے سے نماز کی ایک حسین جمیل پیاری صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز میں جو تقرب نمازی کو حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی خدمت گار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت کنیز ہدیہ پیش کرے اور اس وقت اس کو بادشاہ سے تقرب حاصل ہو۔ پس اگر تمہاری نماز میں خلوص نہیں ہے تو گویا مردہ اور بیمار کنیز بادشاہ کے نذر کر رہے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی گستاخی اور بے باکی ہے کہ ایسا گستاخ شخص اگر قتل کر دیا جائے تو عجب نہیں۔ اور اگر نماز میں رکوع وسجدہ ٹھیک نہیں ہے تو گویا لنگڑی لولی اپاہج کنیز نذر سلطانی کرتے ہو۔ اور اگر ذکر وتسبیح اس میں نہیں تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہیں اور اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر وتسبیح کے معنی نہیں سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضا تو سب موجود ہیں لیکن ان میں حس وحرکت بالکل نہیں یعنی حلقۂ چشم موجود ہے مگر بینائی نہیں ہے اور کان موجود ہیں مگر بہری ہے کہ سنائی نہیں دیتا۔ ہاتھ پاؤں ہیں مگر شل وبے حس ہیں۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی بہری لولی لنگڑی کنیز شاہی نذرانہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ پیش کرنا گستاخی اور شاہی عتاب کا موجب ہے۔ اسی طرح اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو کچھ عجب نہیں کہ پھٹے پرانے کپڑے کی طرح لوٹا دی جائے اور منہ پر پھینک ماری جائے۔ الغرض نماز سے مقصود چونکہ حق تعالیٰ کی تعظیم ہے لہٰذا نماز کے سنن ومستحبات وآداب میں جس قدر بھی کمی ہوگی اسی قدر احترام وتعظیم میں کوتاہی سمجھی جائے گی۔"

معلوم ہوا کہ یہ بات نہایت اہم ہے کہ نماز اپنی وسعت اور ہمت کے موافق پوری توجہ اور شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جائے لیکن یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اگر جملہ آداب و کیفیت و حالات جو لکھے گئے ہیں اگر نہ بھی حاصل ہوں تب بھی نماز جس حال سے بھی ممکن ہو ضرور پڑھی جائے یہ بھی شیطان کا ایک سخت ترین مکر ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھائے کہ بری طرح پڑھنے سے تو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ یہ بالکل غلط اور شیطانی مکر ہے نہ پڑھنے سے جس طرح کا پڑھنا ہو بہرحال بہتر ہے اس لئے کہ نماز نہ پڑھنے کا جو عذاب ہے وہ نہایت ہی سخت ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے۔ الغرض یہاں آیت میں نماز قائم کرنے کے حکم کے بعد نماز کے بہت سے اوصاف میں سے ایک اہم وصف پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ اس آیت کی تشریح اور تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے لکھا ہے۔

''نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں آسکتا ہے۔ ایک بطریق تسبب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہے کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت اس پر مواظبت کی جائے اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی فرمانبرداری۔ خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت۔ الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے مسجد سے باہر آکر بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو گویا نماز کی ہر ایک ادا مصلی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے۔ واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت اور سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اُسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتے اور منع فرماتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتآءِ ذی القربیٰ وینھی عن الفحشآء والمنکر بلاشبہ اللہ تم کو انصاف۔ سلوک اور قرابتداروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأتِ قرآن یا دعا و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو متحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا اور اسی قدر اس کی نماز برائی کو چھڑانے میں مؤثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا لایذکرو االلّٰہ فیھا الاقلیلاً ایسی نماز کی نسبت حدیث میں وعید آئی ہے کہ جس کی نماز نے اسے برے اور فحش کاموں سے نہ روکا اس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد مروی ہے کہ اس شخص کی کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز کی اطاعت نہ کی۔ اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحشاء ومنکر سے رک جائے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز نماز نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی ہے یا نہیں اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کی نماز نے اسے فحشاء اور منکر سے کہاں تک باز رکھا۔ اگر نماز کے روکنے سے وہ برائیاں کرنے سے رک گیا ہے تو اس کی نماز قبول ہوئی ہے۔ آگے آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نماز برائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور یہ ذکر اللہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا۔ ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ یعنی خدا کی یاد سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔

اب یہاں ذکر اللہ کی حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے۔ لوگوں نے عام طور پر ذکر اور یاد کو زبانی ذکر میں منحصر کر رکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ اصل ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امرونہی کے ہر موقع پر یاد رکھا جائے یعنی جس وقت جو حکم دیا ہے اور جس کام سے منع کیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد کر کے اس کو بجالائیے۔ اور نہی کو یاد کر کے منع کئے ہوئے کام سے رک جائے۔ جو شخص امرونہی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے اس کی تعمیل نہیں کرتا وہ ذاکر نہیں گو زبان سے کتنا ہی ذکر کرتا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ مجھے اس طریقہ سے یاد کرو جس طرح میں نے بتلایا ہے۔ تو جو شخص نماز کے وقت نماز نہیں پڑھتا محض زبان یا دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے یاد نہیں کرتا جس طریقہ پر اس وقت وہ اپنی یاد چاہتے ہیں۔ اسی طرح جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔ اس کو سال تمام پر زکوٰۃ ادا کرنا چاہئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا طریقہ یہی ہے۔ جس پر رمضان کا روزہ فرض ہے۔ اس کو رمضان میں روزہ رکھنا چاہئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا یہی طریقہ ہے۔ جس وقت کوئی نامحرم عورت سامنے سے گزرے اس وقت اللہ کی یاد کا طریقہ یہی ہے کہ آنکھیں نیچی کر لے علیٰ ہذا ہر وقت کے متعلق جو بھی حکم ہے اس وقت اس کا بجالانا ہی ذکر ہے۔ اگر اس وقت حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو بڑا ذکر لسانی کرنے سے یہ شخص ذاکر نہ ہوگا بلکہ غافل اور نافرمان شمار ہوگا۔ اسی لئے محققین صوفیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا ہو وہ ذاکر ہے۔ گو زبان سے ذکر نہ کر رہا ہو۔ کیونکہ اطاعت میں لگا رہنا بدوں محبت یا خوف الٰہی کے نہیں ہوتا۔ اور محبت یا خوف ہی اصل ذکر ہے آیت کے اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ جو آدمی جس قدر خدا کو یاد کرتا ہے یا نہیں کرتا خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ذاکر اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جداگانہ ہوگا۔

اب تلاوت قرآن جس سے تبلیغ قولی بھی مقصود ہے اور اقامت صلوٰۃ جس میں تبلیغ فعلی بھی ہے ان پر اہل ایمان کے عامل ہونے سے منکرین اسلام اور منکرین توحید و رسالت اہل اسلام سے الجھیں گے۔ تکرار اور بحث مباحثہ بھی کریں گے اس لئے آگے منکرین جن میں اہل کتاب یعنی نصاریٰ و یہود اور مشرکین سب شامل ہیں ان سے گفتگو کا طریقہ اور بحث مباحثہ اور طرز کلام کا انداز بتلایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو اپنے کلام پاک کی شب وروز تلاوت نصیب فرمائیں اور اس کے احکام و ہدایات پر ہم کو دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی ہمت وتوفیق نصیب فرمائیں۔ حق تعالیٰ ہم کو ایسی نمازیں ادا کرنے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرمائیں کہ جو ہم کو ظاہری و باطنی تمام گناہوں اور برے کاموں سے روک دینے والی ہوں۔ یا اللہ ہم کو اپنے ذاکرین بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیے اور ہم کو ذکر اللہ کی حقیقت نصیب فرمائیے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو، ہاں جو اُن میں زیادتی کریں

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور اُن کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں، اور ہمارا معبود ایک ہے اور ہم تو اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ

اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ان لوگوں میں بھی بعض ایسے (منصف) ہیں

مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ہماری آیتوں سے بجز کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

وَ اور	لَا تُجَادِلُوْا تم نہ جھگڑو	اَهْلَ الْكِتٰبِ اہل کتاب	اِلَّا مگر	بِالَّتِيْ اس طریقہ سے جو	هِيَ اَحْسَنُ وہ بہتر	اِلَّا بجز
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا جن لوگوں نے ظلم کیا	مِنْهُمْ انمیں	سے	وَ اور	قُوْلُوْا تم کہو	اٰمَنَّا بِالَّذِيْ ہم ایمان لائے اس پر جو	اُنْزِلَ نازل کیا گیا
اِلَيْنَا ہماری طرف	وَاُنْزِلَ اور نازل کیا گیا	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	وَاِلٰهُنَا اور ہمارا معبود	وَاِلٰهُكُمْ اور تمہارا معبود	وَاحِدٌ ایک	
وَنَحْنُ اور ہم	لَهٗ اس کے	مُسْلِمُوْنَ فرمانبردار	وَ اور	كَذٰلِكَ اسی طرح	اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ ہم نے نازل کی تمہاری طرف	الْكِتٰبَ کتاب
فَالَّذِيْنَ پس جن لوگوں کو	اٰتَيْنٰهُمُ ہم نے دی انہیں	الْكِتٰبَ کتاب	يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان لاتے ہیں	بِهٖ اس پر	وَ اور	مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ ان (اہل مکہ) سے
مَنْ يُّؤْمِنُ بعض ایمان لاتے ہیں	بِهٖ اس پر	وَمَا يَجْحَدُ اور وہ نہیں انکار کرتے	بِاٰيٰتِنَآ ہماری آیتوں کا	اِلَّا مگر صرف	الْكٰفِرُوْنَ کافر	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے تمام اہل ایمان کو حکم ہوا تھا کہ کلام پاک کی تلاوت کرتے رہیں اور نماز آداب وشرائط کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔ظاہر ہے کہ منکرین جن میں اہل کتاب بھی ہیں اور مشرکین کفار بھی ہیں ان باتوں سے خصوصاً تبلیغ وتلاوت قرآن سے بدکیں گے اور اہل ایمان سے الجھیں گے اس لئے اہل ایمان کو ہدایات دی جارہی ہیں کہ منکرین سے کلام و بحث مباحثہ میں کیا انداز اختیار کریں۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں پہلے اہل کتاب سے گفتگو کا طریقہ بتلایا جاتا ہے۔ پھر آگے غیر اہل کتاب یعنی کفار ومشرکین کو بتلایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آگے اس سورۃ میں اہل ایمان کو مکہ سے ہجرت کی تلقین فرمائی گئی ہے۔اس وقت حبش ایک ایسا ملک تھا جہاں مسلمان ہجرت کر کے جاسکتے تھے اور حبش پر اس زمانہ میں عیسائیوں کا غلبہ اور ان کی حکومت تھی اس وجہ سے بھی ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایات دی جارہی ہیں کہ اہل کتاب سے جب سابقہ پیش آئے تو ان سے دین کے معاملہ میں کس طرح گفتگو کی جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اہل کتاب سے دینی بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی اور دینی حیثیت کا خیال رکھو۔ اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا۔ یہ مشرکوں کے دین کی طرح جڑ بنیاد سے غلط نہیں ہے اس لئے جوش مناظرہ اور مباحثہ میں صداقت اور اخلاق کی حد سے نہ نکلو۔ جہاں کہیں جتنی سچائی ہو اس کا اعتراف کرو اور نرمی۔ متانت۔ خیر خواہی اور صبر وتحمل سے واجبی بات سمجھاؤ۔ ان سے تیز اور دل دکھانے والی باتیں مت کرو۔ البتہ ان میں جو صریح بے انصافی۔ عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائیں اور خواہ مخواہ زیادتی پر اتر آئیں ان کے ساتھ سختی

اور تیزی کا برتاؤ کر سکتے ہو اور جو ایسے نہ ہوں اور تمہیں ستاتے نہ ہوں تو انہیں نرمی سے سمجھاؤ اور ان سے کہو کہ ہمارا جیسا قرآن پر ایمان ہے۔ اس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء ورسل پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ اپنے وقت میں بالکل سچی تھیں۔ایک حرف ان کا غلط نہ تھا۔گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت اور حقیقت میں باقی نہ رہیں۔ پھر ہمارا تمہارا دونوں کا معبود ایک ہی ہے۔بس فرق اتنا ہے ہم فقط اسی معبود حقیقی کے حکم پر چلتے ہیں تم نے اس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق و اختیارات دے دیئے۔ نیز ہم نے اس کے تمام احکام کو مانا۔سب پیغمبروں کی تصدیق کی۔سب کتابوں کو برحق سمجھا۔اس کے آخری حکم کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا۔تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔آخر ہماری کتاب میں تمہاری کتابوں سے کونسی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تمہیں تردد ہے۔جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اترتے رہے۔ پیغمبر آخرالزمان پر یہ کتاب اتری۔اس کے ماننے سے انکار کیوں ہے؟ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافا ماننا چاہئے چنانچہ ان میں کے جو منصف ہیں وہ اس قرآن کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ غیر اہل کتاب بھی جو آسمانی کتب سابقہ کا کچھ علم نہیں رکھتے مگر حق شناس ہیں وہ بھی اس قرآن کو مانتے جارہے ہیں۔ حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش نافرمان اور متعصب کے کوئی ان کی تسلیم سے انکار نہیں کرسکتا۔اس کا نفظ وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو خوامخواہ ضد اور عناد میں انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

یہ ہدایت اس مقام پر موقع کی مناسبت سے اہل کتاب کے ساتھ دین میں گفتگو ومباحثہ کرنے کے معاملہ میں دی گئی ہے مگر یہ اہل کتاب کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تبلیغ دین کے باب میں ایک عام ہدایت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے۔ یہاں جس عمدہ طریق بحث کی طرف حق تعالیٰ نے خود رہنمائی فرمائی ہے اسے تبلیغ دین کی خدمت انجام دینے والوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں یہ سکھایا گیا ہے کہ جس شخص سے تمہیں بحث کرنی ہو اس کی گمراہی کو بحث کا نقطۂ آغاز نہ بناؤ بلکہ بات اس سے شروع کرو کہ حق وصداقت کے وہ کون سے اجزاء ہیں جو تمہارے اور اس کے درمیان مشترک ہیں یعنی آغاز کلام نکات اختلاف سے نہیں بلکہ نکات اتفاق سے ہونا چاہئے پھر انہی متفق علیہ امور سے استدلال کر کے مخاطب کو یہ سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ جن امور میں تمہارے اور اس کے درمیان اختلاف ہے ان میں تمہارا مسلک متفق علیہ بنیادوں سے مطابقت رکھتا ہے اور مقابل کا مسلک ان سے متضاد ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے یہاں تلقین فرمایا کہ اہل کتاب سے جب سابقہ پیش آئے تو سب سے پہلے مثبت طور پر اپنا یہی موقف ان کے سامنے پیش کرو کہ جس خدا کو تم مانتے ہو اسی کو ہم مانتے ہیں۔اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔اس کی طرف سے جو احکام وہدایات وتعلیمات آئی ہیں ان سب کے آگے ہمارا سر تسلیم خم ہے خواہ وہ تمہارے ہاں آئی ہوں یا ہمارے ہاں۔ہم تو حکم کے بندے ہیں ملک۔قوم اور نسل کے بندے نہیں کہ ایک جگہ خدا کا حکم آئے تو مانیں اور اسی خدا کا دوسری جگہ حکم آئے تو نہ مانیں۔مگر یہ دلیل وہی پیش کرسکتا ہے جو خود پہلے اپنے آپ کو **نحن له مسلمون** کا مصداق بنالے کہ ہم تو اسی کے فرمانبردار اور تابعدار ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے سے تبلیغ دین کے معاملہ میں گفتگو کرنے سے پہلے خود پورا مسلم اور فرمانبردار اور تابعدار ہونا چاہئے ورنہ کس منہ سے کہے گا **نحن له مسلمون** کہ ہم تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔

یہاں منکرین میں سے اہل کتاب سے گفتگو کی ہدایت دی گئی۔ آگے عام منکرین توحید رسالت یعنی کفار ومشرکین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت اور دلیل دی جاتی ہے اور ان سے طرز گفتگو تلقین فرمایا جاتا ہے۔جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ حق ناشناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ انکار کئے جاتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں، اور میں تو صرف ایک صاف صاف

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جو اُن کو سنائی جاتی رہتی ہے، بلاشبہ اس کتاب میں

لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ

ایمان لانے والے لوگوں کیلئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے، اس کو سب چیز کی خبر ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

جو آسمانوں میں ہے، اور زمین میں ہے، اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں۔

وَ اور	مَا نہ	كُنْتَ تَتْلُوْا آپ پڑھتے تھے	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	مِنْ كِتٰبٍ کوئی کتاب	وَلَا تَخُطُّهٗ اور نہ اسے لکھتے ہیں	
بِيَمِيْنِكَ اپنے دائیں ہاتھ سے	اِذًا اس (صورت) میں	لَّارْتَابَ البتہ شک کرتے	الْمُبْطِلُوْنَ حق ناشناس	بَلْ هُوَ بلکہ وہ (یہ)	اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ واضح آیتیں	
فِيْ صُدُوْرِ سینوں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا	وَمَا يَجْحَدُ اور نہیں انکار کرتے	بِاٰيٰتِنَآ ہماری آیتوں کا	اِلَّا مگر (صرف)	
الظّٰلِمُوْنَ ظالم	وَقَالُوْا اور وہ بولے	لَوْلَآ کیوں نہ	اُنْزِلَ نازل کی گئی	عَلَيْهِ اس پر	اٰيٰتٌ نشانیاں	مِنْ رَّبِّهٖ اس کے رب سے
قُلْ آپ فرمادیں	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	الْاٰيٰتُ نشانیاں	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	وَ اور	اِنَّمَآ اَنَا اسکے سوا نہیں کہ میں	نَذِيْرٌ ڈرانیوالا
مُبِيْنٌ صاف صاف	اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ کیا ان کیلئے کافی نہیں	اَنَّآ اَنْزَلْنَا کہ ہم نے نازل کی	عَلَيْكَ آپ پر	الْكِتٰبَ کتاب	يُتْلٰى پڑھی جاتی ہے	
عَلَيْهِمْ ان پر	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَرَحْمَةً البتہ رحمت ہے	وَّذِكْرٰى اور نصیحت	لِقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُوْنَ وہ ایمان لاتے ہیں
قُلْ آپ فرمادیں	كَفٰى کافی ہے	بِاللّٰهِ اللہ	بَيْنِيْ وَ میرے درمیان اور	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	شَهِيْدًا گواہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے
مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین میں	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	بِالْبَاطِلِ باطل پر	وَكَفَرُوْا اور وہ منکر ہوئے
بِاللّٰهِ اللہ کے	اُولٰٓئِكَ وہی ہیں	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وہ گھاٹا پانے والے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین میں سے اہل کتاب سے مباحثہ اور دینی گفتگو کی ہدایات دی گئی تھیں اس کے بعد بتلایا گیا تھا کہ

جیسے پہلے آسمانی کتابیں تورات وانجیل وغیرہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں۔ اسی طرح یہ آخری کتاب یعنی قرآن حکیم بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے چنانچہ جو اہل کتاب انصاف پسند اور منصف مزاج ہیں وہ اپنی کتاب کی بشارات کی بنا پر قرآن کی صداقت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے سچا ماننے میں پس و پیش نہیں کرتے اور اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اب جو لوگ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عام منکرین ہیں یعنی کفار و مشرکین ان کے لئے قرآن کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل دی جاتی ہے۔ نزول قرآن سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے چالیس سال ان ہی مکہ والوں میں گزر چکے تھے اور سب جانتے تھے کہ اس مدت میں نہ آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے۔ نہ ظاہری پڑھنا لکھنا سیکھا۔ نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی گنجائش رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر ان کی باتیں نوٹ کر لی ہوں گی اور ان ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے۔ اور پوری کتاب تو درکنار اس جیسی ایک سورۃ یا چند آیتیں بھی نہیں لا سکتے تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمی ہونا مسلمات میں سے ہے اور مخالفین بھی اس کو مانتے ہیں تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی۔ اب یہ سچائی کے دشمن کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب نہیں اور بجز ہٹ دھرموں کے کسی کو اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہے۔ یہ کتاب تو حقیقت میں روشن اور واضح دلائل کا مجموعہ ہے ان لوگوں کے ذہنوں میں جن کو کہ علم عطا ہوا ہے۔ مضامین قرآن اپنے لئے آفتاب کی طرح اہل علم کے نزدیک آپ دلیل ہیں کہ یہ انسانی کلام نہیں لیکن پھر بھی جو ایسی کتاب کا انکار کرے تو بڑا بے انصاف ہے اور اس کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو ظلم پر کمر بستہ ہیں اور ضدی و ہٹ دھرم ہیں۔ تو ایسی

ناانصافی کا کیا علاج جب کہ ایک شخص یہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔ اس طرح تو وہ روشن سے روشن چیز کا انکار کر دے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ باوجود عطاء معجزۂ قرآن کے محض براہ عناد و ضد یوں کہتے ہیں کہ ہماری فرمائشی نشانیاں کیوں نہیں ظاہر کی جاتیں۔ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یوں کہہ دیجئے کہ فرمائشی نشانیاں لانا یا معجزات دکھانا میرے اپنے اختیار کی چیز نہیں۔ یہ تو خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ میں باری کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کر دوں اور عذاب الٰہی سے ڈراؤں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشانیاں چاہے دکھلا دے۔ یہ اس کے اختیار میں ہے یہ جواب تو منکرین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوایا گیا اب آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ نشان کافی نہیں جو کتاب ان کو رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اس سے بڑا نشان کونسا ہوگا۔ کیا یہ منکرین دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ تو اگر یہ منکرین ایسے کھلے ہوئے دلائل کے بعد بھی ایمان نہ لاویں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ آخری بات جواب کے طور پر کہہ دیجئے کہ تم مانو یا نہ مانو میری رسالت پر اللہ کی گواہی کافی ہے وہ تمہاری تکذیب و سرکشی کو اور میری سچائی و خیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس پر میری سچائی روشن ہے کہ میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں اور اسی کی کہی ہوئی تم سے کہتا ہوں۔ اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ باطل کو ماننے والے اور خدا کو نہ ماننے والے ہی نقصان اور خسارہ میں ہیں اور قیامت کے دن انہیں اپنی بد اعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ یہ انسان کی کتنی بڑی شقاوت اور خسران ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ وہ کتنی ہی ظاہر ہو اس کو قبول کر لے اور سچی بات سے گو کتنی ہی روشن ہو انکار کرتا ہے۔

ابھی اسی سلسلہ میں کفار و مشرکین کے متعلق مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضہ کرتے ہیں، اور اگر علمِ الٰہی میں عذاب آنے کی میعاد معین نہ ہوتی، تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا، اور وہ عذاب اُن پر دفعتہً آ پہنچے گا،

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

اور اُن کو خبر بھی نہ ہوگی، یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضہ کرتے ہیں، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیر لے گی۔

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ

جس دن کہ اُن پر عذاب اُن کے اُوپر سے اور اُن کے نیچے سے گھیر لے گا اور حق تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(اب اُس کا مزہ) چکھو۔اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے۔اور جو لوگ ایمان لائے، اور اچھے عمل کئے

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ

ہم اُن کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، (نیک) کام کرنے والوں کا

اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ

کیا اچھا اجر ہے۔جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے۔اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اُٹھا کر نہیں رکھتے،

رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے، اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ اور وہ آپ سے جلدی کرتے ہیں	بِالْعَذَابِ عذاب کی	وَلَوْلَا اور اگر نہ	اَجَلٌ میعاد	مُّسَمًّى مقرر	لَّجَاۗءَهُمْ تو آ چکا ہوتا ان پر	
الْعَذَابُ عذاب کی	وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ اور ضرور ان پر آئے گا	بَغْتَةً اچانک	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ انہیں خبر نہ ہوگی	يَسْتَعْجِلُوْنَكَ وہ آپ سے جلدی کرتے ہیں	
بِالْعَذَابِ عذاب کی	وَاِنَّ اور بیشک	جَهَنَّمَ جہنم	لَمُحِيْطَةٌ البتہ گھیرے ہوئے	بِالْكٰفِرِيْنَ کافروں کو	يَوْمَ (جس) دن	
يَغْشٰىهُمُ انہیں ڈھانپ لے گا	الْعَذَابُ عذاب	مِنْ فَوْقِهِمْ انکے اوپر سے	وَ اور	مِنْ تَحْتِ نیچے سے	اَرْجُلِهِمْ ان کے پاؤں	
وَيَقُوْلُ اور وہ کہے گا	ذُوْقُوْا چکھو تم	مَا جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے	يٰعِبَادِيَ اے میرے بندو	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا جو ایمان لائے	
اِنَّ بیشک	اَرْضِيْ میری زمین	وَاسِعَةٌ وسیع	فَاِيَّايَ پس میری ہی	فَاعْبُدُوْنِ پس تم عبادت کرو	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	ذَاۗىِٕقَةُ چکھنا

الْمَوْتِ موت	ثُمَّ إِلَيْنَا پھر ہماری طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹائے جاؤگے	وَ اور	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اورانہوں نے عمل کئے	
الصّٰلِحٰتِ نیک	لَنُبَوِّئَنَّهُمْ ہم ضرور انہیں جگہ دینگے	مِنَ سے	الْجَنَّةِ جنت	غُرَفًا بالاخانے	تَجْرِيْ جارہی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا اسکے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	نِعْمَ اَجْرُ (کیا ہی) اچھا اجر	الْعٰمِلِيْنَ کام کرنیوالے	الَّذِيْنَ صَبَرُوْا جن لوگوں نے صبر کیا	
وَعَلٰى رَبِّهِمْ اور وہ اپنے رب پر	يَتَوَكَّلُوْنَ وہ بھروسہ کرتے ہیں	وَكَاَيِّنْ اور بہت سے	مِنْ دَآبَّةٍ جانور جو	لَا تَحْمِلُ نہیں اٹھاتے		
رِزْقَهَا اپنی روزی	اَللّٰهُ اللہ	يَرْزُقُهَا انہیں روزی دیتا ہے	وَاِيَّاكُمْ اور تمہیں بھی	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيْعُ سننے والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایک اعتراض یہ نقل فرمایا گیا تھا کہ یہ کفار یوں کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں رسول جب مانیں جب ہمارے منہ مانگے معجزہ اور نشانیاں ہمیں دکھائیں اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا گیا تھا کہ یہ میرے قبضہ کی بات نہیں کہ جونشان تم طلب کیا کرو میں وہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہوسکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ تمہیں برے کاموں کے انجام سے صاف صاف ڈراؤں اور آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جونشان چاہے دکھلا دے یہ اس کے اختیار میں ہے۔ اب کفار مکہ کا ایک دوسرا قول نقل فرمایا جاتا ہے جو یہ کہتے کہ اگر ہم باطل پر ہیں تو جس عذاب سے ہمیں بار بار ڈرایا جاتا ہے وہ ہم پر کیوں نہیں آجاتا۔ کفار یہ بار بار چیلنج کے انداز میں مطالبہ کرتے کہ اگر تم واقعی سچے ہوتو وہ عذاب کیوں نہیں لے آتے جس سے ڈراوے دیتے ہو۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ یہ منکرین عذاب میں جلدی کررہے ہیں۔ ان کے کرتوت تو بیشک ایسے ہی ہیں کہ ان پر عذاب فوراً آجاتا۔ لیکن عذاب کا بھی اور چیزوں کی طرح ایک وقت معین ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو عذاب بھی اچانک آجائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد کفار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل وقید ہوئے۔ رہا آخرت کا عذاب تو اس عذاب میں تو یہ پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر وشرک اور ظلم جسے اس وقت معمولی بات سمجھ رہے ہیں مرنے کے بعد ہی حقیقت کھل جائے گی جب یہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے اور جس وقت ان سے کہا جاوے گا کہ لو اب اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو۔

اب جس وقت اس سورۃ اور ان آیات کا نزول ہوا ہے تو مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کا جینا دشوار کر رکھا تھا اس لئے مکہ کے مسلمانوں سے ان آیات میں کہا جاتا ہے کہ زندگی سے مقصود اللہ کی عبادت ہے اگر مکہ میں رہ کر خدا کی بندگی کرنی مشکل ہورہی ہے تو وطن اور قوم کو چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤ۔ خدا کی زمین تنگ نہیں ہے۔ جہاں بھی تم خدا کے مطیع بندے بن کر رہ سکتے ہو وہاں چلے جاؤ۔ یہ آیت **یعبادی الذین امنوآ ان ارضی واسعة فایای فاعبدون** (اے میرے ایماندار بندو! میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی بندگی کرو) صاف بتلا رہی ہے کہ اے اہل ایمان جہاں کافروں کے تسلط کی وجہ سے تم ارکان اسلام آزادی کے ساتھ ادا نہ کرسکو تو وہاں سے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے کہیں اور چلے جاؤ۔ اہل ایمان کو چاہئے کہ عبادت الٰہی کو مقصود اصل رکھیں اور آخرت کو اپنا وطن اصلی جانیں اس لئے جہاں عبادت میسر نہ آسکے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جائیں جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میسر آسکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کا یہ عذر قابل سماعت نہیں کہ فلاں شہر یا فلاں ملک میں کفار غالب تھے اس لئے ہم اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے مجبور رہے۔ ان کو چاہئے کہ اس سرزمین کو جہاں وہ کفر ومعصیت پر مجبور کئے جائیں اللہ کی رضا کے لئے چھوڑ دیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جہاں آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود بھی عمل کرسکیں۔ اور دوسروں کو بھی تلقین کرسکیں۔ وطن

مالوف کی اقامت کواللہ کی عبادت کے مقابلہ میں ترجیح نہ دیں۔

اب یہاں ترک وطن اور ہجرت کا جو حکم دیا گیا تو ظاہر ہے کہ ترک وطن میں دو قسم کے خطرات انسان کو عادۃً پیش آتے ہیں۔ ایک تو جان کی فکر اور خطرہ، دوسرے روزی کا فکر کہ دوسری نئی جگہ جا کر رزق کا کیا سامان ہوگا اس لئے پہلے یہاں بتلایا جاتا ہے کل نفس ذائقة الموت (ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے)۔ یعنی ایک نہ ایک دن تو اس دنیا سے مفارقت لازمی ہے۔ موت سے تو کسی کو کسی جگہ کسی حال میں مفر نہیں اس لئے موت سے خوف اور گھبراہٹ مومن کا کام نہیں۔ وہ تو ہر حال میں پیش آنی ہی ہے اور پھر مومن کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے موت ہرگز نہیں آسکتی۔ اس لئے اپنے وطن میں رہنے یا ہجرت کر کے دوسری جگہ جانے میں موت کا خوف حائل نہ ہونا چاہئے خصوصاً جبکہ احکام الٰہیہ کی اطاعت کرتے ہوئے موت آجائے جو دائمی راحتوں اور ابدی لازوال نعمتوں کا ذریعہ ہے جو آخرت میں ملیں گی جس کا ذکر آگے انہیں آیات میں فرمایا گیا ہے۔ اور جس کی طرف ثم الینا ترجعون میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ بالآخر سب کو دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف واپس آنا ہے۔ تو بہتر یہ ہے کہ ابھی سے ہمارے پاس آنے کی فکر کرلاؤ اور وطن اصلی کی تیاری کرلو۔ اگر ہمارے پاس نافرمان ہوکر آئے تو خوف سزا کا ہے اور اگر ہجرت ہماری رضا کے واسطے کی تو ہمارے پاس پہنچنے کے بعد ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اجر عظیم آخرت میں انہی ایمان والوں کو ملیں گے جو صبر اور استقلال سے اسلام اور ایمان کی راہ پر جمے رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کر کے ایمان کی خاطر ہر خطرہ سہنے کو تیار ہوگئے اور گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔

اب دوسرا خطرہ ہجرت کی راہ میں جو یہ ہوتا ہے کہ آگے گزارہ کس طرح ہوگا۔ تو اس کا بھی اطمینان دلایا جا رہا ہے اور ارشاد ہوتا ہے وکاین من دابة لاتحمل رزقها الله یرزقها وایاكم وهو السمیع العلیمo (اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے) یعنی اس پر غور کرو کہ زمین پر خشکی اور پانی میں کتنے بے شمار چرند۔ پرند اور درندے اور آبی حیوانات ہیں جو اپنے رزق جمع کرنے اور رکھنے کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ نہ تحصیل رزق کے اسباب جمع کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزانہ اپنے فضل سے رزق مہیا کرتے ہیں۔ اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے۔ اللہ کی قدرت سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے لہٰذا تم یہ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا وہ اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور سب کے حال جانتا ہے۔

اب چونکہ یہ سورۃ عنکبوت خاتمہ کے قریب ہے اس لئے اخیر میں اثبات توحید کا مضمون اگلی آیات میں بیان فرما کر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں ایمان کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمادیں جو دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں ہمیں عذاب الٰہی سے محفوظ رکھیں۔ حق تعالیٰ ہمیں اپنی عبادت اور شریعت مطہرہ کے موافق زندگی گزارنے کا ماحول نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ

اور اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور جس نے سُورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ

اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ

اللہ ہے پھر کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے، اور جس کیلئے چاہے تنگ کر دیتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً فَاَحْيَا بِهِ

بیشک اللہ ہی سب چیز کے حال سے واقف ہے۔ اور اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اسے

الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی تر و تازہ کر دیا۔ تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہے، آپ کہیے کہ الحمد للہ، بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ

اور یہ دُنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں، اور اصل زندگی عالم آخرت ہے،

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾

اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

وَلَئِنْ اور البتہ اگر	سَاَلْتَهُمْ تم پوچھو ان سے	مَنْ خَلَقَ کس نے بنایا	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَسَخَّرَ اور مسخر کیا کام میں لگایا		
الشَّمْسَ سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	لَيَقُوْلُنَّ وہ ضرور کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	فَاَنّٰى پھر کہاں	يُؤْفَكُوْنَ وہ الٹے پھرے جاتے ہیں	اَللّٰهُ اللہ	
يَبْسُطُ فراخ کرتا ہے	الرِّزْقَ روزی	لِمَنْ يَّشَاۤءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے	وَيَقْدِرُ اور تنگ کر دیتا ہے			
لَهٗ اس کیلئے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کا	عَلِيْمٌ جاننے والا	وَلَئِنْ اور البتہ اگر	سَاَلْتَهُمْ تم ان سے پوچھو	مَنْ کس نے	
نَزَّلَ اتارا	مِنَ السَّمَاۤءِ آسمان سے	مَاۤءً پانی	فَاَحْيَا پھر زندہ کر دیا	بِهٖ اس سے	الْاَرْضَ زمین	مِنْ بَعْدِ بعد	مَوْتِهَا اس کا مرنا
لَيَقُوْلُنَّ البتہ وہ کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	قُلِ آپ کہہ دیں	الْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ کیلئے	بَلْ لیکن	اَكْثَرُهُمْ ان میں اکثر		
لَا يَعْقِلُوْنَ وہ عقل سے کام نہیں لیتے	وَمَا اور نہیں	هٰذِهِ یہ	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	اِلَّا لَهْوٌ سوائے کھیل	وَلَعِبٌ اور کود		
وَاِنَّ اور بیشک	الدَّارَ الْاٰخِرَةَ آخرت کا گھر	لَهِىَ البتہ وہی	الْحَيَوَانُ زندگی	لَوْ کاش	كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہوتے		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو ہجرت کا حکم اور تلقین و ترغیب دی گئی تھی۔ اب بھی جہاں فرائض دینی ادا کرنے سے اہل اسلام کو مانع ہو تو وہاں سے ہجرت واجب ہے اور کس جگہ ہجرت کی جائے اس کی کوئی خصوصیت نہیں۔ جہاں آزادی سے ارکان اسلام ادا کر سکے وہاں چلا جاوے۔ اب آگے چونکہ مضمون توحید نہایت مہتم بالشان ہے اس لئے ختم سورۃ کے قریب پھر اسی مضمون کو بیان فرمایا جاتا ہے اور ثابت کیا جاتا ہے کہ معبود برحق صرف

ایک ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے تو قائل تھے۔ وہ بھی اس بات کو مانتے تھے کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا۔ چاند وسورج کو مسخر کرنے والا اور دن رات پے در پے لانے والی اللہ کی ذات ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں بکثرت توحید ربوبیت کے ساتھ توحید الوہیت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور مشرکین مکہ کو توحید ربوبیت سے توحید الوہیت کی طرف دعوت دی گئی ہے کہ جب تمام چیزوں کا خالق اور مالک اور رازق خدائے تعالیٰ ہے تو پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ مشرکین ایام جاہلیت میں حج وعمرہ میں لبیک پکارتے ہوئے بھی خدا کے شریک نہ ہونے کا اقرار کرتے تھے مگر اس کے ساتھ بت پرستی بھی ان میں رائج تھی چنانچہ وہ لبیک حج کے موقع پر اس طرح کہتے تھے۔ **لبیک لاشریک لک الا شریکا ہو لک تملکه وما ملک** یعنی خدایا ہم حاضر ہوئے تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک کہ جن کا مالک اور جن کے ملک کا مالک بھی تو ہی ہے۔ اس شرک آمیز لبیک کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ کے موقع پر اہل اسلام کو یہ لبیک سکھلائی۔ **لبیک اللھم لبیک. لبیک لاشریک لک لبیک. ان الحمد والنعمة لک والملک. لاشریک لک.** حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں حاضر ہوں تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں اور سب نعمتیں تیری ہی عطا کی ہوئی ہیں اور ملک بھی تیرا ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

الغرض ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان مشرکین سے جو کہ خود ہی شرک نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی بجبر مشرک بناتے ہیں یہ پوچھیں کہ آسمان وزمین غرض تمام جہان کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مقررہ کام پر لگایا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر یہ اقرار کرنے کے بعد ان کو اوندھی مت انہیں کہاں اٹھائے لئے جا رہی ہے اور وہ برخلاف اقرار کے کیوں شرک میں گرفتار ہیں۔ پھر رزق کا انتظام بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی جسے جتنا چاہتا ہے دیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے واقف ہے اور ہر بات کی مصلحت جانتا ہے۔ جس کو بہت دینا ہوتا ہے اس کے لئے ویسے ہی اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ جس کو کم دینا ہوتا ہے اس کے ویسے ہی سامان فرما دیتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کس کے لئے فراخی مناسب ہے اور کس کے لئے تنگی۔ اسی طرح اسے حال بدلتے بھی دیر نہیں لگتی جب چاہتا ہے مفلس کو مالدار اور مالدار کو مفلس اور خوشحال کو بدحال اور بدحال کو خوشحال بنا دیتا ہے۔ اس کا بھی ان مشرکین کو اقرار ہے۔ پھر اگر آپ ان مشرکین سے یہ پوچھیں کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ آسمان سے مینہ کون برساتا ہے جس سے خشک مردہ زمین ہری اور تروتازہ ہو جاتی ہے اور انواع واقسام کی چیزیں اس میں اگ آتی ہیں۔ وہ یہی جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کرتا ہے تو آپ کہئے کہ شکر ہے خدا کا کہ تم پر حجت تمام ہوگئی اور تم نے توحید کو تسلیم کر لیا۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے مذکورہ بالا اقراروں سے ثبوت توحید ایسا نہیں ہے کہ سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور توحید الوہیت سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور وجہ اس نہ سمجھنے کی دنیا کی محبت اور اس میں انہماک ہے لیکن یہ بھی ان کی غلطی ہے کیونکہ دنیاوی زندگی مثل تھوڑی دیر کی تفریح اور کھیل کود کی طرح ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس دنیاوی زندگی میں اس قدر انہماک کہ جس سے آخرت فوت ہو جاوے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی لہو ولعب میں مصروف ہو کر اپنی جان کی بھی پروا نہ کرے اور ظاہر ہے کہ یہ سراسر خلاف عقل ہے۔ اس لئے ان کا یہ انہماک فی الدنیا ضرور خلاف عقل ہے۔ کاش کہ وہ اس کو جانتے ہوتے اور ایسی غلطی نہ کرتے۔

یہاں یہ آیت **وما هذه الحيوٰة الدنيا الا لهو ولعب وان الدار الأخرة لهي الحيوان لوكانوا يعلمون** (اور یہ دنیوی زندگی بجز لہو ولعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے۔ اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے) دنیا کی بے ثباتی اور ترغیب وترجیح آخرت میں بالکل صریح ہے۔ اور یہ کفار ومشرکین کے حق میں لائی گئی ہے کہ یہ ان کی بے عقلی ہے کہ فانی دنیا میں منہمک ہو کر ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کو بھلا رہے ہیں مگر آج باوجود دعوائے ایمان قرآنی کے دن و رات دنیا کی ترقی کی رٹ لگانے والوں کے سامنے اگر آپ یہ آیت پڑھیں اور کہیں کہ دنیا کی ترقی کے بجائے آخرت کی ترقی کی بھی سوچو تو آپ خود اندازہ لگالیں کہ آپ کو کیا جواب ملے گا۔ بس سوائے **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھنے کے اور کیا کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس امت مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور اس کی غیب سے اصلاح کی صورتیں فرمائیں۔

ابھی آگے بھی خاتمہ کی آیات میں شرک اور مشرکین کی مذمت اور توحید کی حقانیت بیان فرمائی گئی ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ

پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں، تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی

يُشْرِكُوْنَ ۝٦٥ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٦٦ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا

شرک کرنے لگتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناقدری کرتے ہیں، اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کرلیں، پھر قریب ہی ان کو خبر ہوئی جاتی ہے۔

حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے، اور ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر ایمان لاتے اور ان اللہ کی نعمتوں کی

يَكْفُرُوْنَ ۝٦٧ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ

ناشکری کرتے ہیں اور اس شخص سے زیادہ کون ناانصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے وہ اس کو جھٹلا دے،

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝٦٨ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

کیا ان کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم اُن کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھادیں گے،

سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٦٩ ع

اور بیشک اللہ کی (رضا و رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

فَاِذَا پھر جب	رَكِبُوْا وہ سوار ہوتے ہیں	فِي الْفُلْكِ کشتی میں	دَعَوُا اللّٰهَ اللہ کو پکارتے ہیں	مُخْلِصِيْنَ خالص رکھ کر	لَهُ الدِّيْنَ اس کیلئے اعتقاد
فَلَمَّا پھر جب	نَجّٰىهُمْ وہ انہیں نجات دیتا ہے	اِلَى الْبَرِّ خشکی کی طرف	اِذَا هُمْ ناگہاں (فوراً) وہ	يُشْرِكُوْنَ شرک کرنے لگتے ہیں	
لِيَكْفُرُوْا تاکہ ناشکری کریں	بِمَا وہ جو	اٰتَيْنٰهُمْ ہم نے انہیں دیا	وَلِيَتَمَتَّعُوْا اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں	فَسَوْفَ پس عنقریب وہ	يَعْلَمُوْنَ جان لیں گے وہ
اَوَ کیا	لَمْ يَرَوْا انہوں نے نہیں دیکھا	اَنَّا جَعَلْنَا کہ ہم نے بنایا	حَرَمًا حرم سرزمین مکہ	اٰمِنًا امن کی جگہ	وَ جبکہ / يُتَخَطَّفُ اُچک لئے جاتے ہیں
النَّاسُ لوگ	مِنْ سے کے	حَوْلِهِمْ اس کے اردگرد	اَفَبِالْبَاطِلِ کیا پس باطل پر	يُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں	وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ اور اللہ کی نعمت کی
يَكْفُرُوْنَ ناشکری کرتے ہیں	وَمَنْ اور کون	اَظْلَمُ بڑا ظالم	مِمَّنِ اس سے جس نے	افْتَرٰى باندھا	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر / كَذِبًا جھوٹ
اَوْ كَذَّبَ یا جھٹلایا اس نے	بِالْحَقِّ حق کو	لَمَّا جب	جَآءَهٗ وہ آیا اس کے پاس	اَلَيْسَ کیا نہیں	فِيْ جَهَنَّمَ جہنم میں / مَثْوًى ٹھکانہ
لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کیلئے	وَ اور	الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا جن لوگوں نے کوشش کی	فِيْنَا ہماری (راہ) میں	لَنَهْدِيَنَّهُمْ ہم ضرور انہیں ہدایت دیں گے	
سُبُلَنَا اپنے راستے	وَاِنَّ اور بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ البتہ ساتھ ہے نیکوکاروں کے		

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۂ عنکبوت کی آخری آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور توحید کے اثبات کے سلسلہ میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہوا تھا کہ دنیوی زندگی تھوڑی دیر کے کھیل کود کی طرح ہے۔ اسے کوئی دوام نہیں اور اس کو کوئی ثبات نہیں البتہ دار آخرت کی زندگی دوام اور بقا کی زندگی ہے اور

وہ زوال اور فنا سے پاک ہے اور مشرکین کو سمجھایا گیا تھا کہ جب تم اللہ کو خالق ورازق جانتے ہو تو لازم ہے کہ کفر و شرک سے بچ کر اسی ایک ذات کی عبادت اور بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مشرکین کا رویہ یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بے بسی اور بے کسی کے وقت اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں اور ان معبودوں کو جن کی پوجا پاٹ میں دن رات لگے رہتے ہیں سب کو بھول جاتے ہیں۔ پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا تو اللہ کے احسانوں سے منہ موڑ کر پھر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ یہ مشرکین عرب کی عام حالت تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں مفسرین نے معتبر روایات سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ جو ابو جہل کے بیٹے تھے مکہ سے بھاگ نکلے اور کسی جگہ چلے جانے کے ارادہ سے کشتی میں بیٹھ گئے۔ اتفاقاً سمندر میں سخت طوفان آیا اور کشتی زیر وزبر ہونے لگی۔ جتنے مشرکین کشتی میں تھے سب کہنے لگے کہ یہ موقع صرف اللہ کو پکارنے کا ہے۔ اٹھو اور خلوص کے ساتھ دعائیں کرو۔ اس وقت نجات اسی کے ہاتھ ہے۔ یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا کہ خدا کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے بجز خدا کے اور کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا بھی وہی ہے۔ خدایا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا اور آپ کا کلمہ پڑھ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے اور مجھ پر رحم و کرم فرمائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ عکرمہ تو فتح مکہ کے موقع پر اپنی جان کے خوف سے مکہ سے بھاگ نکلے تھے لیکن ان کی بیوی ام حکیم فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عکرمہ ملک یمن بھاگ گئے۔ انہیں اپنے قتل کئے جانے کا بہت بڑا اندیشہ ہے لہٰذا آپ ان کو امن دے دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں میری طرف سے امن ہے۔ یہ اپنے ایک غلام کے ہمراہ اپنے شوہر کی طلب میں نکلیں آخر ام حکیم عکرمہ کے پاس جا پہنچیں اور ان سے کہا کہ میں تمہارے پاس ایک ایسی ذات کی جانب سے آ رہی

ہوں جو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ بھلے اور بہتر ہیں کیوں اپنے آپ کو تم نے ہلاکت میں ڈالا اور جلاوطنی کی مشقت برداشت کی۔ میں نے تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن طلب کر لیا ہے۔ عکرمہ نے تعجب سے کہا تم نے؟ ام حکیم بولیں ہاں میں نے تمہارے لئے امن طلب کر لیا ہے۔ چنانچہ عکرمہ وہیں سے بیوی کے ساتھ واپس ہو گئے۔ جب یہ مکہ کے قریب ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تم لوگوں کے پاس عکرمہ بن ابو جہل مومن اور مہاجر ہو کر آ رہے ہیں۔ تم ان کے باپ کو برا نہ کہنا۔ مرے ہوئے کو برا کہنے سے اس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ میت کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اللہ اکبر! کیا خلق عظیم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فداہ ابی وامی۔ جب یہ مکہ معظمہ پہنچے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے ہی لپکے اور آپ کے جسم اطہر پر چادر تک نہ تھی اور ان کی آمد سے انتہائی خوش ہوئے اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور عکرمہ آپ کے سامنے کھڑے تھے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام حکیم بھی نقاب ڈالے ہوئے تھیں۔ تو عکرمہ نے عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے یعنی بیوی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ نے میرے لئے امن کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا اور تمہارے لئے امن ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں بیشک اللہ کا رسول ہوں اور نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور یہ کرو اور یہ کرو چند اور اسلام کے فضائل و احکام آپ نے سمجھائے۔ عکرمہ نے کہا خدا کی قسم آپ نے حق ہی کی طرف بلایا ہے اور آپ نے اچھی ہی باتوں کی دعوت ہے۔ خدا کی قسم آپ تو دعوت حق کی طرف بلانے سے پہلے ہی ہم میں زیادہ صادق القول مشہور تھے اور ہم سب میں آپ زیادہ بھلے تھے اس کے بعد عکرمہ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے سے بہت ہی خوش ہوئے۔ اس کے بعد اور بھی گفتگو ہوئی جو طوالت کی وجہ سے یہاں چھوڑی جاتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج

جو کچھ بھی تم مجھ سے مانگو گے میں تم کو دے دوں گا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ آج تک جو عداوت میں نے آپ کے ساتھ برتی ہے یا جو جو باتیں آپ کے متعلق منہ در منہ یا پس پشت کہی ہیں ان سب کو آپ معاف فرما دیں اور ان کے بارے میں اللہ سے طلب مغفرت فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی یہ دعا دی۔ اے میرے اللہ عکرمہ کی ہر وہ عداوت جو انہوں نے میرے ساتھ برتی اور ہر وہ نقل وحرکت جس کے ذریعہ وہ ایسی جگہ چلے جس سے تیرے نور کے بجھانے کا ارادہ کیا ہو ان سب کو معاف کر دے اور جو کچھ انہوں نے میری آبرو ریزی میں مقابلہ میں یا پس پشت کیا ان سب کو معاف فرما دے۔ حضرت عکرمہ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب میں راضی ہو گیا اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان تمام اخراجات کو جن کو میں اللہ کی راہ میں رکاوٹ کے لئے خرچ کرتا تھا اب اس سے دگنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا نہ چھوڑوں گا اور جتنی لڑائیاں میں نے اللہ کے راستہ میں رکاوٹ کے لئے لڑیں اس سے دگنی اب اللہ کے راستہ میں لڑوں گا۔ اس کے بعد یہ جہاد میں لگ گئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں شہید کئے گئے۔ یہ درمیان میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ضمناً آ گیا تھا اوپر بیان یہ ہو رہا تھا کہ جب کسی ایسی مصیبت میں یہ مشرکین عرب پھنستے ہیں جہاں ظاہری اسباب سے مایوسی ہو جاتی تو پھر بڑی عقیدت مندی سے اللہ ہی کو مصیبت کے دور کرنے کے لئے پکارتے۔ پھر جہاں مصیبت دور ہوئی تو پھر غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دیا۔ آگے حق تعالیٰ مشرکین کی اس حالت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تو گویا ان کی یہ غرض ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اس بغاوت وشرارت احسان فراموشی اور ناسپاسی کا کیا نتیجہ ہے۔ آگے کفار مکہ کو ایک ایسی بات یاد دلائی جاتی ہے اور احسان جتلایا جاتا ہے کہ جو ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور وہ یہ کہ کفار مکہ کو اللہ نے اپنے حرم میں جگہ دی کہ جہاں وہ امن وامان سے رہتے ہیں اور کعبہ کی بدولت لوٹ مار سے محفوظ ہیں جبکہ سارے عرب میں کسی کی زندگی اور جان ومال محفوظ نہ تھا۔ جدال وقتال اور لوٹ مار ہوتی رہتی۔ لیکن کعبہ کی حرمت سب کرتے تھے اور مکہ کے لوگ اس کے محافظ سمجھے جاتے تھے جن کا سب احترام کرتے تھے تو یہ امن وامان کی جگہ جسے حرم کہتے ہیں یہ اللہ ہی نے تو بنائی کہ آس پاس چاروں طرف لوگ قتل وقتال کیے اور لوٹے مارے جاتے ہیں لیکن ادھر کا کوئی رخ نہیں کرتا۔ آخر اس جگہ کی عظمت کس نے ان کے دل میں بٹھائی۔ پھر یہ کیا بے انصافی ہے کہ اللہ کا احسان تو یکدم بھلا بیٹھے جس کا ماننا انصاف کی رو سے تم پر فرض تھا اور ہٹ دھرمی سے غلط اور جھوٹے معبودوں کی پرستش کرنے لگے۔ اس سے زیادہ احسان اور صریح ضلالت کیا ہوگی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان عالی کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ایسی بے باکی اور بے حیائی سے عقل و انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اب خاتمہ پر دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کو بشارت عظمیٰ دے کر سورۃ کو ختم فرمایا جاتا ہے۔ اوپر تو ان کا حال تھا جو اہل کفر اور نفس پرست ہوں اب خاتمہ پر ان کے مقابل وضد اہل ایمان کا بیان ہے کہ جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب و رضا کی راہیں سجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت ایسے مخلص بندوں کے ساتھ دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

اب یہاں ان خاتمہ کی آیات میں سے کئی باتیں قابل غور رہیں۔ یہاں آیت میں جو یہ فرمایا **فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجھم الی البر اذاھم یشرکون٥** کہ جب یہ یعنی مشرکین عرب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور کشتی طوفان یا بھنور میں پھنس کر زیر وزبر ہونے لگتی ہے تو اس وقت خالص

اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اس آفت سے نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو پھر فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں اور بتوں کو خدا کا شریک کہنے لگتے ہیں۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے بس۔ بے کس اور بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نجات نہیں دے سکتا تو اللہ تعالیٰ کافر کی بھی دعا قبول فرماتے ہیں کیونکہ وہ اس وقت مضطر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور قرآن کریم کی جو دوسری آیت میں ارشاد ہے **وما دعآء الکفرین الا فی ضلل**۔ یعنی کافروں کی دعا نا قابل قبول ہے تو یہ حال آخرت کا ہے کہ وہاں کافر عذاب سے رہائی کی دعا کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔ دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوئی کہ مصیبت کے وقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا اور اس سے فریاد کرنا اور پھر جب حق تعالیٰ اپنے کرم و رحم سے مصیبت کو دور فرمادیں تو پھر اس کریم محسن کو بھول جانا اور اس کی نافرمانی۔ اس سے اعراض اور انحراف کرنا یہ کافرانہ خصلت ہے جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین عرب کی حالت بتلائی۔ افسوس ہے کہ اب یہی کچھ حال مسلمانوں کا دیکھنے میں آتا ہے کہ جہاں کسی مصیبت سے دوچار ہوئے تو خدا کی یاد آئی اور جب مصیبت دور ہوئی تو پھر خدا کی نافرمانی۔ عصیان۔ فسق و فجور میں لگ کر خدا سے غافل اور بے تعلق ہو گئے اللہ تعالیٰ ہمیں اس حالت سے بچائیں اور ہر حال میں ہم کو اپنا صحیح اور قوی تعلق نصیب فرمائیں۔

سورۃ کی آخری آیت **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں یعنی مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب کے راستے ضرور دکھادیں گے تو اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ جہاد کے اصلی معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری قوت اور توانائی صرف کرنے کے ہیں۔ اس میں وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو کفار فجار کی طرف سے پیش آتی ہیں۔ کفار سے جنگ و مقاتلہ اس کی اعلیٰ فرد ہے۔ اور وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو اپنے نفس اور شیطان کی طرف سے پیش آتی ہیں۔ جہاد کی ان دونوں قسموں پر اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہم جہاد کرنے والوں کو اپنے راستوں کی ہدایت کردیتے ہیں یعنی جن مواقع میں خیر و شر یا حق و باطل یا نفع و ضرر میں التباس ہوتا ہے اور عقلمند انسان سوچتا ہے کہ کس راہ کو اختیار کروں۔ ایسے مواقع میں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو صحیح۔ سیدھی اور بے خطر راہ بتادیتے ہیں جس میں ان کے لئے خیر و برکت ہو اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم لوگوں کو دیا گیا ہے تو جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر دوسرے علوم بھی منکشف کردیتے ہیں جو اب تک حاصل نہیں اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ جو لوگ طلب علم میں کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے عمل بھی آسان کردیتے ہیں (المعارف القرآن جلد ششم) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے راستہ میں جہاد کرنے اور دین کیلئے مشقت برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمدللہ کہ اب سورۂ عنکبوت کا جس میں ۷ رکوع تھے بیان پورا ہوگیا۔ اس طرح قرآن پاک کے دوثلث کا بیان اختتام کو پہنچا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ان دوثلث کو قبول فرمائیں اور بقیہ ایک ثلث کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس کے بعد اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے توحید کاملہ نصیب فرمادیں کہ جو ہر آن اور ہر حال میں ہماری نظر اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پر ہو۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾

الٓمّٓ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لیکر نو سال کے اندر اندر غالب آجاویں گے

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾

پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے۔ اور وہ زبردست ہے رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آلٓمّٓ الٓمٓ	غُلِبَتِ مغلوب ہوگئے	الرُّوْمُ رومی	فِیْٓ میں	اَدْنَی الْاَرْضِ قریب کی زمین	وَھُمْ اور وہ	مِنْۢ بَعْدِ بعد
غَلَبِھِمْ اپنے مغلوب ہونے	سَیَغْلِبُوْنَ عنقریب غالب ہوں گے	فِیْ میں	بِضْعِ سِنِیْنَ چند سال	لِلّٰہِ الْاَمْرُ اللہ ہی کیلئے حکم		
مِنْ قَبْلُ پہلے	وَمِنْۢ بَعْدُ اور پیچھے	وَیَوْمَئِذٍ اور اس دن	یَّفْرَحُ خوش ہوں گے	الْمُؤْمِنُوْنَ اہل ایمان	بِنَصْرِ اللّٰہِ اللہ کی مدد سے	
یَنْصُرُ وہ مدد دیتا ہے	مَنْ یَّشَآءُ جس کو چاہتا ہے	وَھُوَ اور وہ	الْعَزِیْزُ غالب	الرَّحِیْمُ نہایت مہربان	وَعْدَ اللّٰہِ اللہ کا وعدہ ہے	
	لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ خلاف نہیں کرتا اللہ	وَعْدَہٗ اپنا وعدہ	وَلٰکِنَّ اور لیکن	اَکْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	لَا یَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے	

تفسیر و تشریح:۔ الحمد للہ اب اکیسویں پارہ کی سورۂ روم کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع و مباحث اور تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں غلبت الروم کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی رومی مغلوب ہوگئے۔ چونکہ اس سورۃ میں سلطنت روم کا جس کو انگریزی میں رومن ایمپائر Roman Empire کہتے ہیں ذکر کیا گیا ہے اس لئے نشانی کے طور پر اس سورۃ کا نام ہی سورۃ الروم مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور قیام مکہ کے درمیانی زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی تیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۸۴ لکھا ہے۔ یعنی ۸۳ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور چالیس سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورت میں ۶۰ آیات۔ ۶ رکوعات ۸۲۷ کلمات اور ۳۵۴۷ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورۃ میں بھی عقائد کے متعلق تعلیم ہے یعنی توحید و رسالت کا اثبات۔ شرک کی مذمت۔ قیامت آخرت۔ حشر

نشر۔ جزا وسزا۔ جنت وجہنم۔ بداعمالیوں کے نتائج۔ اللہ کی قدرت و نشانیوں کا ذکر اور قرآن کا مثل باران رحمت ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس سورۃ کے زمانۂ نزول کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ اس زمانہ کی دو بڑی بھاری سلطنتیں "فارس" اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں۔ شام۔ فلسطین۔ ایشیائے کوچک یہ رومی سلطنت میں شامل تھے۔ اور عیسائیوں کے قبضہ میں یہ حکومت تھی۔ اہل فارس آتش پرست مجوسی مذہب کے پیروکار تھے۔ ان دونوں سلطنتوں میں ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۵ء تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ۵۷۰ء میں ہوئی اور چالیس سال بعد یعنی ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم اور فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت اور دین اسلام کی تبلیغ نے مکہ کے لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کردی تھی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے اور روم کے عیسائی اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے قریبی دوست سمجھے جاتے تھے۔ جب فارس یعنی مجوسیوں کے غلبہ کی خبر آتی تو مشرکین مکہ خوش ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور آئندہ کے لئے خوش کن توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو اس بات سے طبعاً صدمہ ہوتا تھا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں۔ بالآخر ۶۱۴ء کے بعد جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ۵ سال گزر چکے تھے فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام۔ مصر۔ ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومی عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ بیت المقدس پر قبضہ کر کے ایرانیوں نے مسیحی دنیا پر قیامت ڈھادی۔ ۹۰ ہزار عیسائی اس شہر میں قتل کئے گئے ان کا سب سے مقدس کلیسہ برباد کردیا گیا اور تمام بڑے بڑے گرجوں کو انہوں نے مسمار کردیا۔ اس فتح کا نشہ خسرو پرویز بادشاہ فارس پر جو چڑھا تھا اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل نامی بادشاہ روم کو لکھا تھا۔ اس خط میں وہ لکھتا ہے۔ "سب خداؤں سے بڑے خدا تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا۔" یہ تھا اس مغرور خسرو پرویز کسریٰ ایران کا خط جو اس وقت تقریباً نصف مشرقی دنیا کا شہنشاہ تھا۔ یہاں موقع کی مناسبت سے وہ نامۂ اقدس بھی نقل کیا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خسرو پرویز شہنشاہ فارس کے نام مدینہ منورہ سے یکم محرم ۷ھ کو منجملہ دوسرے سلاطین دنیا کے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے روانہ فرمایا تھا۔ نامہ مبارک کا ترجمہ یہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام۔ سلام اس پر جو سیدھے راہ پر چلا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور یہ شہادت ادا کی کہ خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھے جملہ نسل آدم کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ جو کوئی زندہ ہے اسے عذاب الٰہی کا ڈر سنا دیا جائے اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا ہو۔ تو مسلمان ہو جا۔ سلامت رہے گا ورنہ سارے مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔"

خسرو پرویز نے اس نامۂ مبارک کو دیکھتے ہی غصہ سے چاک کر ڈالا اور زبان سے کہا کہ میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھے خط لکھتا ہے اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔ اس کے بعد خسرو نے باذان کو جو یمن میں اس کا وائسرائے یعنی نائب السلطنت تھا اور عرب کا تمام ملک اسی کے زیر اقتدار یا زیر اثر سمجھا جاتا تھا یہ حکم بھیجا کہ اس شخص یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے میرے پاس روانہ کردو۔ باذان نے ایک فوجی دستہ مامور کیا اور ایک ملکی افسر بھی ہمراہ روانہ کیا جسے یہ ہدایت کی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر گہری نظر ڈالے اور ان کو کسریٰ کے پاس پہنچادے لیکن اگر وہ جانے سے انکار کریں تو واپس آ کر رپورٹ کرے۔ جب یہ فوجی دستہ طائف پہنچا تو اہل طائف نے بڑی خوشیاں منائیں کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (نعوذ باللہ) ضرور تباہ ہوجائیں گے کیونکہ شہنشاہ کسریٰ نے انہیں گستاخی کی سزا دینے کا حکم دے دیا ہے جب یہ افسر مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کل کو پھر حاضر ہوں دوسرے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات

تمہارے بادشاہ کو خدا نے ہلاک کرڈالا جاؤ اور تحقیق کرو۔ افسر یہ خبر سن کر یمن کو لوٹ گیا وہاں سرکاری اطلاع آ چکی تھی کہ خسرو کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے اور خود تخت کا مالک بن گیا۔ اب یمن کے وائسرائے باذان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات تعلیم و ہدایات کے متعلق مکمل تحقیقات کی اور تحقیقات کے بعد مسلمان ہو گیا۔ اور اسکے درباری اور ملک کا اکثر حصہ مسلمان ہو گیا۔ ادھر جو سفیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خسرو کے پاس بھیجے تھے انہوں نے واپس آ کر عرض کیا کہ شاہ فارس نے نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ اس کی سلطنت کو اسی طرح پارہ پارہ کرے جس طرح اس نے ہمارے خط کو کیا ہے۔ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کیسے خالی جاتی۔ یہ خود اپنے بیٹے کے ہاتھ نہایت بے دردی سے مارا گیا اور وہ حکومت جو نصف دنیا پر شہنشاہی کرتی تھی آج اس کا نشان بھی نہیں ملتا۔ یہ تذکرہ بیچ میں ضمناً آ گیا تھا۔

بہرحال بیت المقدس کی فتح کے بعد قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا تھا۔ اور بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور ایرانیوں کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ اس وقت سلطنت روم پر فارس کے غلبہ کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے بھی خوب خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو چھیڑنا اور طعنہ دینا شروع کیا کہ دیکھو فارس کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور وحی اور رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھاتے چلے جا رہے ہیں اسی طرح ہم عرب کے بت پرست بھی تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے۔ مشرکین عرب مجوسیوں کے فتوحات اور عیسائیوں کے شکست سے بڑے بڑے حوصلہ اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی فارسی مجوسیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے ان حالات میں قرآن کریم کی یہ سورۃ نازل ہوئی اور ظاہری اسباب کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن ۹ سال کے اندر اندر پھر وہ غالب اور منصور ہوں گے اسی قرآنی پیشنگوئی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی۔ واضح رہے کہ اس وقت تک ایسی شرط لگانا اسلام میں حرام نہ ہوا تھا۔ کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں ۱۰۰ اونٹ تم کو دوں گا۔ ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایرانیوں پر فتح دی تو میں پیدل چل کر بیت المقدس تک پہنچوں گا خدا کی قدرت دیکھئے کہ قرآنی پیشینگوئی کے مطابق ٹھیک ۹ سال کے اندر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے ایک سال بعد عین معرکۂ بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین مکہ پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ اسی دن یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ قرآن پاک کی اس عظیم الشان پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین مکہ سے ۱۰۰ اونٹ وصول کئے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سب صدقہ کر دیئے جائیں۔

"الم" اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے جس سے مشرکین خوش ہوئے اور وہ رومی اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب اہل فارس پر دوسرے مقابلہ میں تین سال سے لے کر ۹ سال کے اندر اندر غالب آ جاویں گے اور یہ غالب اور مغلوب ہونا سب خدا کی طرف سے ہے کیونکہ مغلوب ہونے سے پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور مغلوب ہونے سے پیچھے بھی اللہ ہی کو اختیار ہے جس سے غالب کر دے گا اور اس روز یعنی جب اہل روم غالب آویں گے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے۔ (چنانچہ وہ وقت جنگ بدر میں منصور ہونے کا تھا) وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے۔ کفار کو جب چاہے مغلوب کر دے اور رحیم بھی ہے مسلمانوں کو جب چاہے غالب کر دے اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔ (اس واسطے یہ پیشین گوئی ضرور واقع ہو گی) ولیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو نہیں جانتے۔"

یہاں منکرین کا ایک جہل اس پیشین گوئی کے نہ ماننے کا بیان ہوا۔ آگے ان کا دوسرا جہل آخرت کے متعلق ظاہر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا

یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں کیا انھوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین کیلئے پیدا کیا ہے۔

مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جولوگ ان سے پہلے ہوگذرے ہیں

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا

ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بھی بویا جوتا تھا اور جتنا انہوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے

الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

اس سے زیادہ اُنہوں نے اس کو آباد کیا تھا اور اُن کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے سو خدا تعالیٰ ایسا نہ تھا

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى

کہ ان پر ظلم کرتا ولیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے پھر ایسے لوگوں کا انجام جنہوں نے بُرا کام کیا تھا بُرا ہی ہوا اس وجہ سے

اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾

کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اوران کی ہنسی اڑاتے تھے

يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہیں	ظَاهِرًا ظاہر کو	مِنَ سے	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَهُمْ اور وہ	عَنِ سے	الْاٰخِرَةِ آخرت	هُمْ وہ
غٰفِلُوْنَ غافل ہیں	اَوَ کیا	لَمْ يَتَفَكَّرُوْا وہ غور نہیں کرتے	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اپنے (جیدل) میں	مَا نہیں	خَلَقَ پیدا کیا	اللّٰهُ اللہ	
السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	اِلَّا مگر	بِالْحَقِّ وَ درست تدبیر کیساتھ	وَ اور	
اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مقررہ میعاد	وَاِنَّ اور بیشک	كَثِيْرًا اکثر	مِنَ النَّاسِ لوگوں سے	بِلِقَاۗئِ ملاقات سے	رَبِّهِمْ اپنا رب		
لَكٰفِرُوْنَ منکر ہیں	اَوَ کیا	لَمْ يَسِيْرُوْا انہوں نے سیر نہیں کی	فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَيَنْظُرُوْا جو وہ دیکھتے	كَيْفَ كَانَ کیسا ہوا		
عَاقِبَةُ انجام	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	كَانُوْا وہ تھے	اَشَدَّ بہت زیادہ	مِنْهُمْ ان سے	قُوَّةً قوت میں	
وَاَثَارُوا اور انہوں نے بویا جوتا	الْاَرْضَ زمین	وَعَمَرُوْهَا اور انہوں نے اس کو آباد کیا	اَكْثَرَ زیادہ	مِمَّا اس سے جو	عَمَرُوْهَا انہوں نے اسے آباد کیا		
وَجَاۗءَتْهُمْ اور انکے پاس آئے	رُسُلُهُمْ ان کے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ روشن دلائل کے ساتھ	فَمَا كَانَ پس نہ تھا	اللّٰهُ اللہ	لِيَظْلِمَهُمْ کہ ان پر ظلم کرتا		

وَلٰكِنْ اور لیکن	كَانُوْا وہ تھے	اَنْفُسَهُمْ اپنی جانیں	يَظْلِمُوْنَ ظلم کرتے	ثُمَّ پھر	كَانَ ہوا	عَاقِبَةَ انجام	الَّذِيْنَ جن لوگوں نے
اَسَآءُوا برے کام کئے	السُّوْٓاٰى برا	اَنْ كَذَّبُوْا کہ انہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتوں کو	وَكَانُوْا اور تھے وہ	بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ اس سے مذاق کرتے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ فتح شکست اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ آج آتش پرست مجوسی روم کے عیسائیوں پر غالب آئے ہیں تو تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے اور اسی زمانہ میں مسلمان بھی کفار پر ایک نمایاں غلبہ پائیں گے اوران کو دوہری خوشی نصیب ہوگی۔ یہ اشارہ تھا بدر کی فتح کی طرف چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ اللہ دنیا کی مصلحتوں سے خبردار ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس وقت کس کی مدد کرنی مناسب ہے اور کونسا موقع کس کے غالب آنیکا ہے اور کس کے مغلوب ہونے کا پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ تو یہ کفار ومنکرین نادان انسان کیا جانیں کہ اس نے کس مصلحت سے ایک کو ہرادیا اور ایک کو جتا دیا۔ اور دوسرے وقت وہ جیتنے والے کو ہارنے والا اور ہارنے والے کو جیتنے والا کردے اسی سلسلہ میں اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار منکرین فقط ظاہری اور مادی باتوں کو دیکھتے ہیں اور یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کی آسائش اور آرائش۔ کھانا پینا۔ پہننا اوڑھنا۔ بونا جوتنا۔ دولت کمانا۔ مزے اڑانا۔ بس یہی ان کے علم وتحقیق کی انتہائی جولانگاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دور ہے یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اس کا آخری انجام ذلت ونا کامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس عالم دنیا کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے یونہی بے معنی اور بیکار نہیں پیدا کیا۔ کچھ اس سے مقصود ضرور ہے اور وہ آخرت میں نظر آئے گا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات بھی تھی لیکن اس کے تغیرات واحوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔ یہ منکرین سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب کتاب دینا پڑے تو ساری خرابی یہیں سے پیدا ہوئی کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ انہیں اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔ پھر بھی دنیا کے عارضی ہونے کا علم اور یہاں بھی اللہ کے نافرمانوں کو سزا ملنے کا حال انہیں پچھلے لوگوں کے حالات سن کر معلوم ہو سکتا ہے کہ بڑی بڑی طاقتور قومیں جنہوں نے زمین کو بوجوت کر لالہ زار وگلزار بنایا اسے کھود کر چشمے۔ نہریں اور کانیں نکالیں۔ ان منکرین مکہ سے بڑھ کر اپنی دنیا کو ترقی دی۔ لمبی لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا ان منکرین نے نہیں سنا کہ ان کا انجام کیا ہوا؟ کس طرح تباہ و برباد کئے گئے۔ ان کے ویران کھنڈر اب بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں کیا ان میں ان بے فکروں کے لئے کوئی عبرت نہیں؟ پھر ان کی تباہی و بربادی میں اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان ہی نہیں۔ ہاں لوگ خود ہی اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا ورنہ اللہ تعالیٰ کے

عدل و احسان کی تو یہ کیفیت ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدوں پوری طرح ہوشیار کئے کسی کو پکڑتے بھی نہیں۔ پھر اپنے اعمال کی شامت سے دنیا میں جو بربادی دیکھی وہ تو دیکھی ہی آخرت میں تکذیب اور استہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ پس اللہ کی باتوں کو جھٹلانا اور ان کی ہنسی اڑانا کوئی معمولی بات نہیں اس کا انجام دنیا اور آخرت دونوں جگہ برا ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا ہے یعلمون ظاھراً من الحیٰوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غفلون۔ یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ منکرین اور کفار کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی ساری عقلیں اور ساری کوششیں بس اسی مادی کائنات اور اس کے آئین وقوانین اور اس کے ساز و سامان اور عیش و عشرت تک محدود ہیں۔ رہی آخرت تو اس کی طرف سے بے خبر ہی نہیں بے پروا بھی ہیں۔ کوئی فکر بھی اس کے علم کا نہیں کرتے۔ تو اس مذمت سے معلوم ہوا کہ مادیت اور آخرت فراموشی اس سے بڑھ کر اور کیا جہالت ہوگی۔ مگر آج اسلام اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کا حال (الا ماشاء اللہ) کیا اس سے کچھ مختلف ہے۔ شیطان نے آج اسی "جہل" کو "علم" کا رنگ دے دیا ہے۔ دنیوی زندگی کے لئے ظاہری ساز و سامان کی طلب یہ تو ہمارا مقصود زندگی بن گیا ہے۔ جبکہ آخرت اور دین سے جو غفلت ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ آخرت فراموشی کی خصلت تو قرآن نے منکرین کی بتلائی ہے نہ کہ مسلمین اور مؤمنین کی جن کی حالت تو اس کے برعکس ہونی چاہئے یعنی دنیوی زندگی کے ظاہر ساز و سامان سے غفلت اور آخرت کی ہمہ وقت فکر و طلب اور پھر ستم یہ کہ اگر آپ ان کی آخرت فراموشی کے باب میں زبان کھولیں تو اس کو ملاپن کہہ کر حقارت آمیز طعن و تشنیع سے ٹال دیا جاتا ہے۔ اس حالت میں سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے اور کیا کہا جائے اور کیا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمائیں۔

الغرض یہاں آخرت فراموشی کی مذمت فرمائی گئی۔ اب آگے وقوع آخرت۔ اور وہاں کا انجام جزا و سزا کی شکل میں جو ظاہر ہونا ہے وہ بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ دنیوی زندگانی اور آخرت کی حقیقت کو صحیح معنی میں ہمارے دلوں میں اتار دیں۔ تاکہ ہماری ساری فکر دنیا سے ہٹ کر آخرت پر لگ جائے اللہ تعالیٰ ہمیں ان خصائل اور بداعمالیوں سے بچائیں جن کی وجہ سے گذشتہ امتوں پر تباہی آئی۔ حق تعالیٰ آخرت کی غفلت کو ہمارے دلوں سے دور فرمائیں اور ہمہ وقت زادِ آخرت کی فکر اور تیاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١١﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٢﴾

اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کریگا۔ پھر اُس کے پاس لائے جاؤ گے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جاویں گے

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٣﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

اور ان کے شریکوں میں سے ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جاویں گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جدا جدا

يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿١٥﴾

ہوجاویں گے یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿١٦﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

اَللّٰهُ اللہ	يَبْدَؤُا پہلی بار پیدا کرتا ہے	الْخَلْقَ خلقت	ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر وہ اسے دوبارہ (پیدا) کریگا	ثُمَّ اِلَيْهِ پھر اسکی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے	
وَيَوْمَ اور جس دن	تَقُوْمُ السَّاعَةُ برپا ہوگی قیامت	يُبْلِسُ ناامید رہ جائیں گے	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	وَلَمْ يَكُنْ اور نہ ہوں گے	لَهُمْ ان کیلئے	
مِنْ شُرَكَآئِهِمْ انکے شریکوں میں سے	شُفَعٰٓؤُا کوئی سفارشی	وَكَانُوْا اور وہ ہو جائیں گے	بِشُرَكَآئِهِمْ اپنے شریکوں کے	كٰفِرِيْنَ منکر	وَيَوْمَ اور جس دن	
تَقُوْمُ السَّاعَةُ قائم ہوگی قیامت	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَتَفَرَّقُوْنَ متفرق ہو جائیں گے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ ایمان لائے			
وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک	فَهُمْ سو وہ	فِيْ رَوْضَةٍ باغ میں	يُحْبَرُوْنَ خوشحالی (آؤ بھگت) کئے جائیں گے		
وَاَمَّا الَّذِيْنَ اور جن لوگوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کو	وَ اور	لِقَآئِ ملاقات کو	الْاٰخِرَةِ آخرت
	فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ	فِي الْعَذَابِ عذاب میں	مُحْضَرُوْنَ حاضر (گرفتار) کئے جائیں گے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اکثر آدمی دنیا کی ظاہری چہل پہل پر لٹو ہو جاتے ہیں اور انہیں اس کی خبر نہیں کہ آخرت آنے والی ہے اور وہاں کی بہتری اور کامیابی ہی اصل چیز ہے جو دنیا کی لذتوں میں پھنسنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول اور کتاب یعنی قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس کے برخلاف یعنی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور اللہ کی باتوں کو جھٹلانا اور ان کی ہنسی اڑانا دنیا میں بھی تباہی و بربادی لاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا انجام سزائے جہنم ہے۔

اب اسی سلسلہ میں وقوع آخرت اور وہاں کی جزا وسزا کا بیان ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ منکرین آخرت کا انکار اس لئے کرتے ہیں کہ مرجانے اور فنا ہو جانے کے بعد یہ جسم پھر دوبارہ کیسے بنے گا۔ بقول ان کے جب سارے اعضاء مٹی ہوگئے اور مٹی میں مٹی مل گئی تو پھر بے شمار اجسام کا اپنی اپنی شکل میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا کتنا بعید ہے۔ اس کا جواب منکرین کو دیا جاتا ہے کہ اللہ ہی خلق کی ابتدا کرتا ہے اور وہی اس کا اعادہ کرے گا۔ یہ ارشاد اگرچہ دعوے کے انداز میں ہے مگر اس میں خود دلیل دعویٰ بھی موجود ہے اور وہ اس طرح کہ یہ تو کفار

مشرکین بھی مانتے ہیں کہ خلق کی ابتدا ایک امر واقعہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ انسان آنکھوں کے سامنے پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں ان کے جسم پہلے سے تو بنے ہوئے نہ تھے پھر یہ کیسے بن گئے۔ اس بات کے مان لینے میں کیا دشواری ہے کہ جیسے پہلے وجود نہ تھا اور پھر موجود ہو گئے۔ پہلے بالکل نہ تھے اور پھر بن گئے۔ ایسے ہی پیدا ہوا کہ مٹ جانے کے بعد دوبارہ بن جائیں گے۔ جب اللہ ہی ہر انسان کو پہلے اور ابتداء بناتا ہے تو وہی مرنے اور فنا ہونے کے بعد بھی بنا دے گا۔ تو یہ خیال کرنا سراسر نامعقول بات ہے کہ وہی خدا جس نے اس خلق کی ابتدا کی ہے اس کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ اس کو مانو اور یقین کرو کہ تم سب اللہ کی قدرت سے دوبارہ پیدا ہو گے اور قیامت قائم ہوگی اور اس روز مجرم یعنی کفار و مشرکین اللہ کے سرکش اور نافرمان بندے سخت مایوسی کا شکار ہوں گے اور باز پرس کے وقت یہ ایسے حیران و ششدر ہوں گے کہ کوئی معقول بات ان سے نہ بن پڑے گی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں جو یبلس المجرمون فرمایا ہے یعنی مجرم اس روز حیرت زدہ اور ہکا بکا رہ جائیں گے تو یہاں مجرمین سے وہ سب لوگ مراد ہیں جنہوں نے خدا سے بغاوت کی ہے۔ اس کے رسولوں کی ہدایت اور تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ آخرت کی جواب دہی کے منکر یا اس سے بے فکر رہے ہیں اور دنیا میں خدا کے بجائے دوسروں کی یا اپنے نفس کی بندگی کرتے رہے ہیں۔ اس میں یہود و نصاریٰ بھی شامل ہیں جنہوں نے خدا کو مان کر۔ اس کے بعض رسولوں پر ایمان لا کر آخرت کا اقرار کر کے پھر دانستہ اپنے رب کی نافرمانیاں کی ہیں اور آخر وقت تک اپنی اس باغیانہ روش پر قائم رہے ہیں۔ یہ سب جب اپنی توقعات کے بالکل خلاف عالم آخرت میں یکا یک جی اٹھیں گے اور دیکھیں گے کہ واقعی یہاں تو وہ دوسری زندگی پیش آ گئی جس کا انکار کر کے یا جسے نظر انداز کر کے وہ دنیا میں کام کرتے رہے تھے تو ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور وہ کیفیت ان پر طاری ہوگی۔ جس کا نقشہ یبلس المجرمون میں پیش کیا گیا ہے۔ ابلاس کے معنی ہیں سخت مایوسی اور صدمہ کی بنا پر کسی شخص کا گم سم ہو جانا۔ امید کے سارے راستہ بند پا کر حیران و ششدر رہ جانا۔ کوئی حجت نہ پا کر دم بخود رہ جانا۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں مجرم بننے سے ہم سب کو اپنی رحمت سے محفوظ و مامون فرماویں۔ آمین۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو آج مشرکین نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں جب یہ وقت پر قیامت میں کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین کے فرضی معبود اور شرکاء کا تین قسم کی ہستیوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

(۱) ایک ملائکہ۔ انبیاء۔ صالحین جن کو مختلف زمانوں میں مشرکین نے خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دے کر ان کی بندگی کی۔ وہ قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ یہ سب کچھ ہماری مرضی کے بغیر بلکہ ہماری تعلیم و ہدایت کے سراسر خلاف کرتے رہے ہیں اس لئے ہم سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔

(۲) دوسری قسم ان بے شعور اور بے جان چیزوں کی ہے جیسے چاند۔ سورج۔ ستارے۔ درخت۔ پتھر وغیرہ جن کو مشرکین نے خدا بنایا اور ان کی پرستش کی۔ تو ظاہر ہے کہ ان بے شعور چیزوں میں سے کوئی بھی قیامت کے دن ان مشرکین کی امداد کے لئے آگے بڑھنے والا نہ ہوگا۔

(۳) تیسری قسم ان اکابر مجرمین کی ہے جنہوں نے خود کوشش کر کے۔ مکر و فریب سے کام لے کر جھوٹ کے جال پھیلا کر۔ طاقت کو استعمال کر کے دنیا میں خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائی۔ مثلاً شیاطین۔ جھوٹے مذہبی پیشوا۔ ظالم و جابر حکمران تو یہ قیامت میں خود گرفتار بلا ہوں گے اپنے متبعین کے لئے سفارش کرنے کو آگے بڑھنا تو درکنار ان کی الٹی کوشش یہ ہوگی کہ یہ لوگ خود اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں ان کی گمراہی کا وبال ہم پر نہ پڑنا چاہئے۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ جس روز قیامت آئے گی اور آخرت

قائم ہوگی تو سب آدمی جدا جدا ہو جاویں گے اور الگ الگ گروہوں میں بٹ جاویں گے۔ یعنی دنیا کی وہ تمام جتھ بندیاں جو آج قوم۔ نسل۔ وطن۔ زبان۔ قبیلہ۔ برادری اور معاشی اور سیاسی مفاد کی بنا پر بنی ہوئی ہیں اس روز سب ٹوٹ جائیں گی اور خالص عقیدے۔ اعمال اور اخلاق و کردار کی بنا پر نئے سرے سے ایک دوسری گروہ بندی ہوگی ایک طرف تمام اگلی پچھلی قوموں میں سے مومن اور صالح انسان الگ چھانٹ لئے جائیں گے اور ان سب کا ایک گروہ ہوگا۔ دوسری طرف ایک ایک قسم کے گمراہانہ نظریات وعقائد رکھنے والے مجرمین چھانٹ چھانٹ کر الگ نکال لئے جاویں گے اور ان کے الگ الگ گروہ بن جائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ انسانوں کو جوڑنے اور علیٰحدہ کرنے والی اصل چیز عقیدہ اور اعمال و اخلاق ہیں۔ ایمان لانے والے اور خدائی ہدایات پر نظام زندگی کو قائم رکھنے والے ایک امت اور ملت ہیں خواہ وہ دنیا کے کسی ملک اور کسی نسل سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ اسی طرح کفر وفسق کی راہ اختیار کرنے والے ایک امت ہیں خواہ ان کا تعلق کسی نسل ملک اور وطن سے ہو ابوجہل۔ ابولہب اور دوسرے سرداران قریش بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر یہ الزام رکھتے تھے کہ (نعوذ باللہ) انہوں نے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ قرآن مجید یہاں متنبہ کر رہا ہے کہ تمہاری یہ تمام جتھ بندیاں جو دنیا میں تم نے غلط بنیادوں پر قائم کر رکھی ہیں آخر کار ٹوٹ جانے والی ہیں اور قیامت میں کام آنے والی نہیں سوائے اس جتھ بندی کے کہ جو عقیدے اور اعمال و اخلاق صالحہ کی بنا پر ہو۔

الغرض نیک و بد ہر قسم کے لوگ آخرت میں الگ الگ کر دیئے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیئے جائیں گے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو صاحب ایمان ہوں گے اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بھی کیئے ہوں گے وہ انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت اور سرور سے بہرہ اندوز ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہے اور اللہ کی آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ہے وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کے نتیجہ میں فی روضة یحبرون فرمایا یعنی وہ ایک باغ میں شادان و فرحان رکھے جائیں گے لیکن کفر کا انجام بد بیان کرتے ہوئے عمل بد کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفر بجائے خود آدمی کے انجام کو خراب کر دینے کے لئے کافی ہے خواہ مزید اعمال بد کی خرابی اس کے ساتھ شامل ہو یا نہ ہو لیکن بہشت کے باغ میں مسرور ہو کر پہنچنے کے لئے محض ایمان کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ایمان اور عمل صالح دونوں کو آخرت کی کامیابی کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ صرف یہیں نہیں بلکہ قرآن مجید میں کثرت سے بہت سے مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب اور محبوب ہے اور ایسی ہی زندگی گزارنے والوں کے لئے آخرت میں اللہ کی رحمت مغفرت اس کے فضل و بخشش اور نعمائے جنت کی بشارتیں ہیں۔ الغرض ایمان و عمل صالح کی فضیلت بیان فرما کر آگے ایمان اور عمل صالح کی ترغیب ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور قیامت میں اپنے مومنین۔ مخلصین اور مقبولین بندوں کے گروہ میں ہم کو شامل فرمائیں اور ان کے ساتھ اپنی جنت کے باغات میں ہمیں بھی شاداں و فرحان داخل ہونا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اس دنیا میں ہمیں ایمان و عمل صالح والی زندگی نصیب فرما اور ان تمام اعمال بد و احوال بد سے بچا کر جو آخرت میں باعث ذلت و رسوائی ہوں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِیًّا

سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمانوں و زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت وہ جاندار کو بے جان

وَّحِیۡنَ تُظۡہِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَیُحۡیِ الۡاَرۡضَ

سے باہر لاتا ہے اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے

بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ وَکَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ

اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے اور اسی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے ہی دنوں بعد تم

بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَجَعَلَ

آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو اُن کے پاس آرام ملے

بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّرَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں اُن لوگوں کے لئے قدرت کی نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

فَسُبۡحٰنَ پس پاکیزگی (بیان کرو)	اللّٰہِ اللہ	حِیۡنَ جب	تُمۡسُوۡنَ تم شام کرو شام کے وقت	وَحِیۡنَ اور جب	تُصۡبِحُوۡنَ تم صبح کرو (صبح کے وقت		
وَلَہُ اور اس کیلئے	الۡحَمۡدُ تمام تعریفیں	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالۡاَرۡضِ اور زمین	وَعَشِیًّا اور بعد زوال (تیسرے پہر)	وَحِیۡنَ اور جب		
تُظۡہِرُوۡنَ تم ظہر کرتے ہو	یُخۡرِجُ وہ نکالتا ہے	الۡحَیَّ زندہ	مِنَ الۡمَیِّتِ مُردے سے	وَیُخۡرِجُ اور نکالتا ہے وہ	الۡمَیِّتَ مُردہ	مِنَ الۡحَیِّ زندہ سے	
وَیُحۡیِ اور وہ زندہ کرتا ہے	الۡاَرۡضَ زمین	بَعۡدَ بعد	مَوۡتِہَا اس کا مرنا	وَکَذٰلِکَ اور اسی طرح	تُخۡرَجُوۡنَ تم نکالے جاؤ گے	وَ اور	
مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اسکی نشانیوں سے	اَنۡ کہ	خَلَقَکُمۡ اس نے پیدا کیا تمہیں	مِنۡ سے	تُرَابٍ مٹی	ثُمَّ پھر	اِذَاۤ اَنۡتُمۡ ناگہاں تم	بَشَرٌ آدمی
تَنۡتَشِرُوۡنَ پھیلے ہوئے	وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اور اس کی نشانیوں سے	اَنۡ کہ	خَلَقَ اس نے پیدا کیا	لَکُمۡ تمہارے لئے	مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ تمہاری جنس سے		
اَزۡوَاجًا جوڑے	لِتَسۡکُنُوۡۤا تا کہ تم سکون حاصل کرو	اِلَیۡہَا انکی طرف پاس	وَجَعَلَ اور اس نے کیا	بَیۡنَکُمۡ تمہارے درمیان	مَوَدَّۃً محبت		
وَرَحۡمَۃً اور مہربانی	اِنَّ بیشک	فِیۡ ذٰلِکَ اس میں	لَاٰیٰتٍ البتہ نشاں	لِقَوۡمٍ ان لوگوں کے لئے	یَتَفَکَّرُوۡنَ وہ فکر کرتے ہیں		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے دن تمام انسان الگ الگ گروہوں میں اپنے عقیدہ اور اعمال کے لحاظ سے بٹ جائیں گے۔ ان میں جو صاحب ایمان اور عمل صالح والے ہوں گے وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر و شرک اختیار کیا یعنی اللہ کی باتوں کو جھوٹا کہا اور آخرت کے آنے پر یقین نہ کیا وہ سب جہنم میں پھینکے جائیں گے۔ تو جبکہ ایمان اور عمل صالح کا انجام اور کفر و تکذیب کا انجام ظاہر کر دیا گیا تو اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب ایمان و عمل صالح کی فضیلت تم کو معلوم ہو گئی اور تم جنت میں جانا چاہتے ہو تو تم اللہ پاک کی عبادت اختیار کرو جو دل، زبان اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے اور عبادتوں میں نماز اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس میں تینوں قسم یعنی دل۔ زبان اور اعضاء کی یاد جمع کر دی گئی ہے۔ تو تم صبح و شام اور پچھلے وقت اور دو پہر کے وقت اللہ کی پاکی و بڑائی بیان

کیا کرو۔ یہی اوقات فرض نماز کے ہیں۔ صبح و شام میں فجر۔ مغرب اور عشا کی نماز آ گئی۔ پچھلے وقت میں عصر کی نماز اور دوپہر ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز آ گئی۔ اس لئے یہی پانچ وقت یعنی فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء اللہ کی عبادت یعنی نماز کے مقرر ہوئے۔ ان اوقات میں حق کی عظمت و قدرت اور رحمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں اس لئے عبادت کے خاص اوقات یہی مقرر کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام چونکہ ملت ابراہیمی ہے اس لئے عبادت کے خاص اوقات وہی مقرر کئے گئے جن میں اس دنیا کے سب سے بڑے روشن اور چمکدار کرہ یعنی آفتاب عالم تاب کی حالت کو متغیر ہوتے دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے معبود ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ آفتاب کے اندر نمایاں تغیر صبح و شام میں ظاہر ہوتے ہیں اور دوپہر ڈھلنے یعنی زوال کے وقت اور دن کے آخری حصہ یعنی عصر کے وقت بھی اس کی حالت میں تبدیلی ہوتی ہے۔ گویا اس آفتاب کے عجز و بیچارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہ ہو تو روشنی غائب۔ دوپہر ڈھلنے پر اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی۔ عصر کے وقت اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد اس کی نورانی شعاعوں سے اسکے پجاری بالکل محروم ہو گئے اور پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی تو روشنی کا کوئی ادنیٰ ترین نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس لئے موحدین کو ان اوقات میں دل و زبان اور بدن کی حرکت و سکنات یعنی نماز کے ذریعہ اللہ کے معبود حقیقی ہونے کا اقرار اور اس کی عظمت اور بڑائی کے اظہار اور اس کی قدرت و یکتائی کے اعتراف کے لئے خاص طور پر یہی اوقات مقرر ہوئے اور نماز کی ابتداء جو اللہ اکبر سے ہوتی ہے یہ اس بات کا اقرار ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ساری بڑائی۔ خوبی ثنا اور صفت اللہ ہی کے لئے ہے اور کوئی مجبور اور عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے حق تعالیٰ اپنی قدرت۔ حکمت اور صنعت کو جتلاتے ہیں کہ اس اللہ کی قدرت کو دیکھو جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے۔ مثلاً جاندار انسان کو بے جان نطفہ سے نکالتا ہے۔ بے جان نطفہ کو جاندار انسان سے نکالتا ہے یا زندہ جانور کو مردہ انڈے سے اور مردہ انڈے کو زندہ جانور سے۔ بعض مفسرین نے یہاں زندہ سے مراد مومن اور مردہ سے مراد کافر بھی لئے ہیں یعنی یہ اسی کی قدرت ہے کہ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے۔ پھر زمین جب خشک و مردہ ہو جاتی ہے تو بارانِ رحمت نازل کر کے مردہ زمین کو زندہ یعنی سرسبز ترو تازہ اور شاداب بنا دیتا ہے۔ غرض موت و حیات حقیقی ہو یا مجازی۔ حسی ہو یا معنوی سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اسی طرح وہ انسان کو اس کے مرجانے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ کر دے گا۔ گویا مادہ پرست منکرین کو قرآن بتلاتا ہے کہ جس شے کو تم ناممکن کہہ رہے ہو کہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا کیسے ممکن ہے تو اس کی نظیریں اور مثالیں اس زندگی میں اپنی آنکھ سے ہر روز دیکھتے ہو پھر بھی قیامت کے عدم امکان پر جمے ہوئے ہو۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی بعض نشانیاں بیان کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کائنات نہ بے خدا ہے اور نہ اس کے بہت سے خدا ہیں بلکہ اس کا مالک خالق مدبر اور فرمانروا صرف ایک تنہا خدا ہے اس لئے اس کے سوا انسانوں کا کوئی معبود بھی نہ ہونا چاہئے۔ یہاں سے مسلسل حق تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیوں کو یکے بعد دیگرے بیان فرماتے ہیں پہلی نشانی یہ بیان فرمائی کہ سب سے اول آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر انہی کے اندر سے ان کا جوڑا نکالا اور ان سے پھر نسل انسانی دنیا میں پھیلائی۔ دوسری قدرت کی نشانی یہ بیان فرمائی کہ اس نے تمہارے فائدے کے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان سے چین و سکون حاصل ہو اور پھر ان دونوں میاں بیوی میں اللہ تعالیٰ نے ایک فطری محبت اور لگاؤ پیدا فرما دیا جس سے آپس میں محبت اور ہمدردی قائم رہتی ہے۔

ابھی آگے مزید قدرت کی نشانیوں کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور اُسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے، اس میں دانشمندوں کیلئے نشانیاں ہیں

لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ

اور اُسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے، اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ

اُن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے

مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اُسی سے زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کردیتا ہے، اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ

اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان و زمین اُسی کے حکم سے قائم ہیں پھر جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلادے گا

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا

تو تم یک بارگی نکل پڑو گے۔ اور جتنے آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں سب اُسی کے ہیں، سب اُسی کے تابع ہیں اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک زیادہ آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے،

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع

اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

وَ اور	مِنْ اٰيٰتِهٖ اس کی نشانیوں سے	خَلْقُ اس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَاخْتِلَافُ اور مختلف ہونا
اَلْسِنَتِكُمْ تمہاری زبانیں	وَاَلْوَانِكُمْ اور تمہارے رنگ	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّلْعٰلِمِيْنَ عالموں (دانشمندوں) کیلئے
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اسکی نشانیوں سے	مَنَامُكُمْ تمہارا سونا	بِالَّيْلِ رات میں	وَالنَّهَارِ اور دن	وَابْتِغَاۗؤُكُمْ اور تمہارا تلاش کرنا	مِّنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل سے
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يَّسْمَعُوْنَ وہ سنتے ہیں	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اسکی نشانیوں سے
يُرِيْكُمُ وہ دکھاتا ہے تمہیں	الْبَرْقَ بجلی	خَوْفًا خوف	وَّطَمَعًا اور امید کیلئے	وَّيُنَزِّلُ اور وہ نازل کرتا ہے	مِنَ السَّمَاۗءِ آسمان سے
مَاۗءً پانی	فَيُحْيٖ بِهٖ پھر زندہ کرتا ہے اس سے	الْاَرْضَ زمین	بَعْدَ مَوْتِهَا اس کے مرنے کے بعد	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں

لَاٰیٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	یَّعْقِلُوْنَ عقل سے کام لیتے ہیں	وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اور اس کی نشانیوں سے	اَنْ کہ	تَقُوْمَ قائم ہیں	
السَّمَآءُ آسمان	وَالْاَرْضُ اورزمین	بِاَمْرِہٖ اس کے حکم سے	ثُمَّ پھر	اِذَا دَعَاکُمْ جب وہ تمہیں بلائے گا	دَعْوَۃً ایک ندا	مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے
اِذَآ اَنْتُمْ یکبارگی تم	تَخْرُجُوْنَ نکل آؤگے	وَلَہٗ اور اس کے لئے	مَنْ جو	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اورزمین میں	کُلٌّ لَّہٗ سب اسی کیلئے
قٰنِتُوْنَ فرمانبردار	وَھُوَ الَّذِیْ اور وہی ہے جو	یَبْدَؤُا پہلی بار پیدا کرتا ہے	الْخَلْقَ خلقت	ثُمَّ یُعِیْدُہٗ پھر اس کو دوبارہ پیدا کریگا	وَھُوَ اور وہ (یہ)	
اَھْوَنُ بہت آسان	عَلَیْہِ اس پر	وَلَہُ اور اسی کیلئے	الْمَثَلُ شان	الْاَعْلٰی بلندتر	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اورزمین
وَھُوَ اوروہ	الْعَزِیْزُ غالب	الْحَکِیْمُ حکمت والا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض قدرت کی نشانیوں کو بیان فرمایا تھا جس سے یہ جتلانا مقصود تھا کہ جب اس کی ایسی قدرت ہے تو پھر انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ قیامت میں پیدا کردینا کیا مشکل ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید قدرت کی نشانیوں کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے آسمان بنائے اور زمین پیدا کی یعنی ان کا عدم سے وجود میں لانا۔ پھر ایک اٹل ضابطہ پر ان کو قائم رکھنا۔ اور بے شمار قوتوں کا ان کے اندر انتہائی تناسب اور توازن کے ساتھ کام کرنا۔ آسمان کا اس قدر بلند اور کشادہ ہونا۔ پھر اس میں لاتعداد ستاروں اور سیاروں کا موجود ہونا جن میں بعض کا چلنا پھرنا ہونا اور بعض کا ایک جا ثابت رہنا۔ زمین کو ایک ٹھوس کثیف شکل میں بنانا پھر اس میں پہاڑ۔ میدان۔ جنگل۔ دریا۔ سمندر۔ ٹیلے۔ پتھر۔ درخت وغیرہ جمانا۔ یہ سب اس کی زبردست قدرت کی نشانی ہے۔ پھر اس دنیا میں لاتعداد آدمی پیدا ہوئے اور ہورہے ہیں لیکن ہر انسان کا رنگ روپ اور نقشہ الگ الگ ہے اور ہر ایک کا لب ولہجہ بھی جدا ہے۔ باوجودیکہ سب کے قویٰ یکساں ہیں نہ منہ اور زبان کی ساخت میں کوئی فرق ہے۔ نہ جسم اور دماغ کی ساخت میں کوئی فرق مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب ولہجہ بول چال۔ تلفظ۔ طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی کی شکل صورت اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز ہے ایسا ہی آواز۔ لب ولہجہ بھی بالکل الگ ہے لاکھوں آدمی اگر جمع ہوجائیں۔ ایک ملک کے۔ ایک زبان کے ایک کنبہ قبیلہ کے لیکن ناممکن ہے کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اختلاف موجود نہ ہو حالانکہ اعضائے جسمانی کے اعتبار سے سب یکساں ہیں سب کے ایک منہ۔ دو آنکھیں۔ ایک ناک دو کان ایک پیشانی۔ دو ہونٹ۔ دو ہاتھ دو پیر وغیرہ وغیرہ موجود ہیں تاہم ایک سے ایک علیحدہ ہے۔ تو یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔ آگے حق تعالیٰ اپنی قدرت کی ایک دوسری نشانی بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے سونے اور آرام کرنے کے لئے رات بنائی اور کام کرنے کے لئے دن بنایا۔ انسان دنیا میں مسلسل محنت نہیں کرسکتا بلکہ چند گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے چند گھنٹوں کا آرام درکار ہوتا ہے تاکہ پھر چند گھنٹے محنت کرنے کے لئے اسے قوت بہم پہنچ جائے۔ اس غرض کے لئے اس قادر مطلق نے ''نیند'' پیدا فرمائی جس سے تکان دور ہوجاتی ہے اور راحت وسکون حاصل ہوتا ہے اس لئے سونے کے لئے قدرت نے رات بنادی اور کام کاج وتلاش معاش کے لئے دن کو پیدا کردیا جو رات کے بالکل خلاف ہے۔ جس میں انسان اللہ کی دی ہوئی قوتوں سے کام لے کر اللہ کا فضل تلاش کرسکتا ہے۔ یقیناً سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے یہ چیزیں نشان قدرت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جارہی ہے۔ کہ آسمان پر اس کے حکم سے بجلی کوندتی ہے۔

اس کی گرج اور چمک سے لوگوں کو امید بھی بندھتی ہے کہ بارش ہوگی۔ فصلیں تیار ہوں گی مگر ساتھ ہی خوف بھی لاحق ہوتا ہے کہ کہیں بجلی نہ گر پڑے یا ایسی طوفانی بارش نہ ہو جائے جو سب کچھ بہالے جائے اور جان و مال تلف ہوں۔ پھر اللہ کی رحمت سے مینہ برستا ہے۔ سوکھی اور مرجھائی ہوئی زمین دوبارہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور گویا مردہ زمین میں پھر جان پڑتی ہے۔ زمین کی بے شمار مخلوقات کے رزق کا انحصار اس پیداوار پر ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ اور اس پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیت پر ہے اور اس صلاحیت کے روبکار آنے کا انحصار بارش پر ہے۔ خواہ وہ براہ راست زمین پر برسے یا اس کے ذخیرے سطح زمین پر جمع ہوں۔ یا زیرزمین چشمہ اور کنوؤں کی شکل اختیار کریں۔ یا پہاڑوں پر برف جم کر دریاؤں کی شکل میں بہیں۔ پھر اس بارش کا انحصار سورج کی گرمی۔ موسموں کا ردوبدل۔ ہواؤں کی گردش فضائی حرارت و برودت وغیرہ وغیرہ پر ہے۔ گویا زمین سے لے کر آسمان تک بے شمار مختلف چیزوں کے درمیان ربط و مناسبت قائم کرنا یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے اور یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

آگے قدرت کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ایک نشانی اور بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ وہ اس کے حکم سے ایک دفعہ وجود میں آ گئے بلکہ ان کا مسلسل قائم رہنا بھی اسی کے حکم کی بدولت ہے ایک لحہ کے لئے بھی اگر اس کا حکم انہیں برقرار نہ رکھے تو یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم ہو جائے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اس خدا کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین ٹھہرے ہوئے ہیں یہ اسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ یہ آسمان و زمین اس کے حکم اور ارادہ سے قائم ہیں۔ جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی تو وہ اپنی قدرت سے پھر زمین و آسمان کو بدل دے گا۔ مردے اپنی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاویں گے اور یہ اس قدرت والے کے لئے کوئی بڑا کام نہیں کہ جس کے لئے کوئی بڑی تیاری کرنی پڑے بلکہ اس کی صرف ایک پکار اس کام کے لئے کافی ہوگی کہ شروع دنیا سے آخر دنیا تک جتنے انسان پیدا ہوئے ہوں وہ سب ایک ساتھ زمین کے چپہ چپہ اور گوشے گوشے سے نکل کھڑے ہوں گے اور میدان حشر کی طرف چل پڑیں گے۔

تو ان دلائل کی قدرت سے معلوم ہو گیا کہ آسمان و زمین کے رہنے والے سب اسی کے مملوک بندے اور اس کی رعیت ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔ آخر کار سب اس کی گرفت میں پکڑے جائیں گے اور سب اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوں گے اس کی اس قدرت کاملہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ ہی نے سب کو اول بار پیدا کیا اور وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ قدرت الٰہی کے سامنے تو یہ سب برابر ہے لیکن اے منکرین تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اول بار پیدا کرنے سے دوسری بار دہرا دینا آسان ہونا چاہئے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اول پیدائش پر تو اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو بعید سمجھو۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کی شان و صفات اور قدرت کا کسی اور آسمانی یا زمینی مخلوق سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی شان سب سے بلند ہے۔ اور اس کی صفات سب سے نرالی ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور اونچی سے اونچی شان اسی کی ہے۔ وہی زبردست قادر مطلق ہے اور زبردست حکمت والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کفار و مشرکین جو وقوع آخرت سے انکار کرتے تھے تو اس کے ثابت کرنے کے لئے دلائل قدرت بیان فرمائے گئے کہ جو یہ سب امور اپنی قدرت سے واقع کر سکتا ہے تو اس کے قیامت واقع کرنے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اس کے لئے کیا مشکل بات ہے جس کا کفار انکار کرتے ہیں۔ اس میں قدرت کے ساتھ ساتھ توحید کا بھی بیان آ گیا۔

آگے اسی مضمون توحید کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِىْ

اللہ تعالیٰ تم سے ایک مضمون عجیب تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارا اُس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے

مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

شریک ہے کہ تم اور وہ اُس میں برابر ہوں اور تم ان کا ایسا ہی خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس کا خیال کیا کرتے ہو؟ ہم اسی طرح سمجھداروں کیلئے دلائل صاف صاف بیان کرتے رہتے ہیں۔

لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِىْ مَنْ

بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کررکھا ہے، سو جس کو خدا گمراہ کرے اُس کو کون راہ پر لاوے

اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ

اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ سو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے،

فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ۙ

اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ضَرَبَ اس نے بیان کی	لَكُمْ تمہارے لئے	مَثَلًا ایک مثال	مِنْ سے	اَنْفُسِكُمْ تمہاری جانیں (حال)	هَلْ لَّكُمْ کیا تمہارے لئے		
مِنْ سے	مَا مَلَكَتْ جو مالک ہوئے	اَيْمَانُكُمْ تمہارے داہنے ہاتھ (غلام)	مِنْ شُرَكَآءَ کوئی شریک	فِىْ میں	مَا رَزَقْنٰكُمْ جو ہم نے تمہیں رزق دیا		
فَاَنْتُمْ سو (تاکہ) تم	فِيْهِ اس میں	سَوَآءٌ برابر	تَخَافُوْنَهُمْ (کیا) تم ان سے ڈرتے ہو	كَخِيْفَتِكُمْ جیسے تم ڈرتے ہو	اَنْفُسَكُمْ اپنی جانیں (اپنوں سے)		
كَذٰلِكَ اسی طرح	نُفَصِّلُ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں	الْاٰيٰتِ نشانیاں	لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ عقل والوں کیلئے	بَلْ بلکہ	اتَّبَعَ پیروی کی		
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا جن لوگوں نے ظلم کیا (ظالم)	اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	بِغَيْرِ عِلْمٍ علم کے بغیر (بے جانے)	فَمَنْ يَّهْدِىْ تو کون ہدایت دے گا				
مَنْ جسے	اَضَلَّ اللّٰهُ گمراہ کرے اللہ	وَمَا اور نہیں	لَهُمْ ان کیلئے	مِنْ کوئی	نّٰصِرِيْنَ مددگار	فَاَقِمْ پس سیدھا رکھو تم	وَجْهَكَ اپنا چہرہ
لِلدِّيْنِ دین کیلئے	حَنِيْفًا یک رخ ہو کر	فِطْرَتَ اللّٰهِ فطرت اللہ کی	الَّتِىْ جو (جس)	فَطَرَ النَّاسَ لوگوں کو پیدا کیا اس نے	عَلَيْهَا اس پر		
لَا تَبْدِيْلَ تبدیلی نہیں	لِخَلْقِ اللّٰهِ اللہ کی خلق میں	ذٰلِكَ یہ	الدِّيْنُ الْقَيِّمُ دین سیدھا	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے نہیں	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وہ کھلی کھلی نشانیاں بیان ہوئی تھیں کہ جن میں اس کے خالق و رازق۔ قادر مطلق۔ واحد و یکتا اور قابل حمد و ستائش ہونے کے دلائل موجود تھے۔ اور ان ہی دلائل سے یہ بھی ثابت کیا گیا تھا کہ آخرت کا آنا یقینی ہے۔ تو اگرچہ گذشتہ آیات میں بیان کردہ نشانیوں میں توحید کے دلائل بھی موجود تھے اور وہ ردشرک کے لئے کافی تھے کہ عالم میں اور کوئی نہ اس کے برابر ہے نہ کوئی اس کا شریک و ساجھی ہے پھر بھی شرک کی مذمت و بطلان اور زیادہ واضح کرنے کے لئے ایک مثال بیان فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ غور کرو کہ کیا تمہارے وہ لونڈی غلام جو تمہاری ملکیت ہیں وہ تمہارے مال و دولت میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں یعنی باعتبار

اختیارات وتصرفات کیا تم ان کو اپنے برابر کا شریک تسلیم کر سکتے ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی مالک اس کے لئے تیار نہ ہوگا کہ اس کا غلام اس کی دولت میں برابر کا شریک بن جائے۔ تو سمجھنا چاہئے کہ جب ایک مجازی مالک کا یہ حال ہے کہ غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے حالانکہ دونوں غلام اور آقا خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ پھر خدا کی پیدا کی ہوئی کائنات میں خدا کی پیدا کردہ مخلوق کو بلکہ مخلوق در مخلوق کو خالق کی خدائی میں کیسے شریک ٹھہراتے ہو۔ ایسی مہمل بات کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بے انصاف ایسی صاف اور واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اپنی خواہشات اور باطل گمان کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔ تو جب کوئی شخص سیدھی سیدھی عقل کی بات نہ خود سوچے اور نہ کسی کے سمجھانے سے سمجھنے کے لئے تیار ہو تو پھر اسکی عقل پر اللہ کی پھٹکار پڑ جاتی ہے جس کے بعد ہر وہ چیز جو کسی معقول آدمی کو حق بات تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے وہ اس ضدی جہالت پسند انسان کو الٹی مزید گمراہی میں مبتلا کرتی چلی جاتی ہے اور حق سمجھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اب جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے جہل و بے انصافی اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی تو اور کون سی طاقت ہے جو اسے سمجھا کر راہ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچالے۔ تو اے مخاطبین جب تم پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تو تم میں سے ہر ہر شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ یکجہتی سے تھامے رکھو اور کسی دوسری طرف کا رخ نہ کرو۔ یعنی تمہاری فکر اور سوچ ہو تو وہی جو دین چاہتا ہے۔ تمہاری پسند اور ناپسند ہو تو وہی جو قرآن کہتا ہے۔ تمہاری رضا اور رغبت ہو تو وہی جو اسلام چاہتا ہے۔ تمہاری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات چلیں تو اسی طریقہ پر جو اسلام نے تمہیں بتائے ہیں۔ یہ نہیں کہ دعویٰ تو ہو دین اسلام کا اور اتباع ہو روس و امریکہ اور یہود و نصاریٰ کا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ نے ہر شخص میں خلقۃً یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سننا اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسی مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس طرح واضح فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ جو کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اصل انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ ماں باپ ہیں جو اسے بعد میں عیسائی، یہودی یا مجوسی وغیرہ بنا ڈالتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں روایت ہے کہ ایک جنگ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے بچوں تک کو قتل کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "لوگوں کو کیا ہو گیا کہ آج وہ حد سے گزر گئے اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ مشرکین کے بچے نہ تھے؟ آپ نے فرمایا تمہارے بہترین لوگ مشرکین ہی کی تو اولاد ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ خبردار، بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی زبان کھلنے پر آتی ہے تو ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنالیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ کے دوران میں فرمایا " میرا رب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف پیدا کیا تھا۔ پھر شیاطین نے آکر انہیں دین سے گمراہ کیا اور جو کچھ میں نے ان کے لئے حلال کیا تھا اسے حرام کیا اور انہیں ان شیاطین نے حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔"

الغرض یہاں بتلایا جاتا ہے کہ اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق۔ تغیر و تبدل نہیں پس اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے اس کو بگاڑنا اور مسخ کرنا درست نہیں۔ پس سیدھا راستہ دین کا یہی ہے لیکن اکثر لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے اس لئے اس دین حق کا اتباع نہیں کرتے۔

ابھی آگے اسی دین حنیف۔ دین قیم اور فطرت الٰہیہ کے اتباع کی تلقین کا مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا 3

تم خدا کی طرف رجوع ہو کر فطرت الٰہیہ کا اتباع کرو اُس سے ڈرو اور نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا

دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا

اور بہت سے گروہ ہوگئے ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو اُن کے پاس ہے۔ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو اُسی کی طرف

رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ

رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھادیتا ہے تو بس ان میں سے بعضے لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں

يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا

جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کرتے ہیں سو چند روز اور حظ حاصل کرلو پھر جلدی تم معلوم کرلوگے کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے

فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ

کہ وہ ان کو خدا کے ساتھ شرک کرنے کو کہہ رہی ہے۔ اور جب ہم لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھادیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کے ان اعمال کے بدلے

سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ

میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ لوگ ناامید ہوجاتے ہیں کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے

وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾

اور جس کو چاہے کم دیتا ہے اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

مُنِيبِينَ رجوع کرنے والے	إِلَيْهِ اس کی طرف	وَاتَّقُوهُ اور تم ڈرو اس سے	وَأَقِيمُوا اور قائم رکھو تم	الصَّلَاةَ نماز	وَلَا تَكُونُوا اور نہ ہو تم	
مِنَ سے	الْمُشْرِكِينَ شرک کرنے والے	مِنَ ان میں (سے)	الَّذِينَ جنہوں نے	فَرَّقُوا ٹکڑے ٹکڑے کرلیا	دِينَهُمْ اپنا دین	وَ اور
كَانُوا ہوگئے	شِيَعًا فرقے فرقے	كُلُّ حِزْبٍ سب گروہ	بِمَا اس پر	لَدَيْهِمْ ان کے پاس	فَرِحُونَ خوش ہیں	وَإِذَا اور جب
مَسَّ النَّاسَ پہنچتی ہے لوگوں کو	ضُرٌّ کوئی تکلیف	دَعَوْا وہ پکارتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنے رب کو	مُنِيبِينَ رجوع کرتے ہوئے		
إِلَيْهِ اس کی طرف	ثُمَّ إِذَا پھر جب	أَذَاقَهُمْ وہ انکو چکھادیتا ہے	مِنْهُ اپنی طرف سے	رَحْمَةً رحمت	إِذَا ناگہاں	فَرِيقٌ ایک گروہ
مِنْهُمْ ان میں سے	بِرَبِّهِمْ اپنے رب کے ساتھ	يُشْرِكُونَ شریک کرنے لگتے ہیں	لِيَكْفُرُوا کہ ناشکری کریں	بِمَا آتَيْنَاهُمْ اس کی جو ہم نے انہیں دیا		
فَتَمَتَّعُوا سو فائدہ اٹھالو تم	فَسَوْفَ پھر عنقریب	تَعْلَمُونَ تم جان لوگے	أَمْ أَنْزَلْنَا کیا ہم نے نازل کی	عَلَيْهِمْ ان پر	سُلْطَانًا کوئی سند	
فَهُوَ يَتَكَلَّمُ کہ وہ بتلاتی ہے	بِمَا وہ جو	كَانُوا ہیں	بِهِ اسکے ساتھ	يُشْرِكُونَ شریک کرتے ہیں	وَإِذَا اور جب	أَذَقْنَا ہم چکھائیں
النَّاسَ لوگ	رَحْمَةً رحمت	فَرِحُوا بِهَا تو وہ خوش ہوں اس سے	وَإِنْ اور اگر	تُصِبْهُمْ پہنچے انہیں	سَيِّئَةٌ کوئی برائی	بِمَا اسکے سبب جو

قَدَّمَتْ آگے بھیجا	اَیْدِیْهِمْ ان کے ہاتھ	اِذَا هُمْ ناگہاں وہ	یَقْنَطُوْنَ مایوس ہوجاتے ہیں	اَوَ کیا	لَمْ یَرَوْا انہوں نے نہیں دیکھا
اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	یَبْسُطُ کشادہ کرتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ یَّشَآءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	وَیَقْدِرُ اور تنگ کرتا ہے	اِنَّ بیشک / فِیْ ذٰلِكَ اس میں
	لَاٰیٰتٍ البتہ نشانیاں	لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں شرک کی مذمت عقلی طور پر سمجھائی گئی تھی کہ یہ مشرکین جب اپنے مال دولت میں اپنے لونڈی غلاموں کو برابر کا نہیں سمجھتے تو اللہ کی مخلوق اور غلاموں کو اس کا برابر کا شریک کیسے ٹھہراتے ہیں؟ یہ ہٹ دھرمی اور بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے ظالم اور بے انصاف لوگوں کو جو جہالت کے اندھیرے میں اپنی خواہشات کے پیچھے الل ٹپ شتر بے مہار کی طرح دوڑے چلے جارہے ہیں۔ نہ سمجھانے والوں کو سنتے ہیں نہ اپنے خیر خواہوں کی طرف نظر اٹھاتے ہیں انہیں کون ہدایت کرسکتا ہے۔ جو اللہ کے احکام کو نہ سنے نہ دیکھے وہ گمراہ نہ ہو تو کیا ہو۔ ایسی حالت میں مخاطبین کو سمجھایا گیا تھا کہ تم ایسے ہوا پرست ظالموں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنا منہ سیدھا دین حنیف یعنی اسلام کی طرف پوری توجہ سے رکھو اور بغیر ادھر ادھر مائل ہوئے دین کے سیدھے راستہ پر چلو اور فطرت الٰہی کو نہ بدلو اسی پر قائم رہو۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں دین فطرت کے چند اصول کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

پہلی چیز اتقا فرمائی یعنی خدا سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کے ڈر سے گناہوں سے اور اس کی نافرمانی سے بچنا۔ کسی کی جان پر ظلم و زیادتی نہ کرنا۔ کسی کو دکھ اور رنج نہ پہنچانا۔

دوسری چیز اقامت صلوٰۃ فرمائی یعنی نماز قائم رکھنا اس کی پابندی کرنا۔

پہلی چیز اتقا یعنی خدا سے ڈرنا یہ تو ایک ذہنی اور قلبی کیفیت ہے اس کے استحکام کے لئے جسمانی عمل یعنی اقامت الصلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ آدمی کے ذہن اور دل اور دماغ میں جب تک کوئی خیال محض خیال کی حد تک رہتا ہے تو اس کے بدل جانے اور ماند پڑ جانے کا بھی احتمال رہتا ہے لیکن جب وہ اس خیال کے مطابق کام کرنے لگتا ہے تو وہ خیال اس کے اندر جڑ پکڑ لیتا ہے اور جوں جوں وہ اس پر عمل کرتا جاتا ہے اس کا استحکام بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے خوف خدا کو مستحکم کرنے کے لئے ہر روز پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ نماز ایک ایسا عمل ہے جو ہر چند گھنٹوں کے بعد ایک ہی متعین صورت میں آدمی کو دائماً کرنا ہوتا ہے اور اس میں ایمان واسلام کا وہ پورا سبق جو قرآن نے اسے پڑھایا ہے بار بار دہرانا ہوتا ہے تاکہ وہ اسے بھولنے نہ پائے۔

تیسری چیز شرک سے بیزاری اور مشرکین سے علیحدہ رہنا فرمایا گیا۔ یوں تو شرک کی تفصیل اور توضیح میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں مختصراً شرک کی تعریف یہ ہے کہ:

''خدا تعالیٰ کی ذات اس کی صفات۔ اس کی عبادت اور اس کی حدود عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا۔''

قرآن و حدیث نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ کفر و شرک کا جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہوگا۔ اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی اور خدائے تعالیٰ کی پاک جنت میں مشرک و کافر کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ قرآن پاک میں کھلا ہوا اعلان ہے ان اللہ **لا یغفران یشرک به ویغفر مادون ذالک لمن یشآء** بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔ الغرض دین فطرت کے تین اہم اصول یعنی اتقا خدا سے ڈرنا۔ نماز قائم رکھنا۔ شرک جلی وخفی سے بیزاری اور مشرکین سے علیحدہ رہنا بتلا کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان مشرکین نے دین فطرت

کے اصول سے علیحدہ ہوکر اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی۔ بہت سے فرقہ بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ مذہب اور مشرب جدا۔ جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کرلیا ایک جماعت اس کے پیچھے ہوگئی۔ تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول و قواعد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے۔ اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔ اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں وہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی مگر افسوس کہ انسان اس حالت میں دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدائی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے گیت گانے لگا۔ گویا اس کے پاس سب کچھ ان ہی کا دیا ہوا ہے۔ خدا نے کچھ نہیں دیا (العیاذ باللہ تعالیٰ) آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا چند دن اور مزے اڑالو آگے جا کر معلوم ہو جائے گا کہ اس کفر و ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف یہ مشرکین کوئی سند و حجت رکھتے ہیں جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اس کے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا۔ ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سمائیں۔ ایسے اترانے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں اور کسی وقت شامت اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا آ پڑا تو بالکل آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہیں گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہو۔ مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ عیش و راحت میں محسن حقیقی کو یاد رکھتا ہے۔ اس کے فضل پر خوش ہو کر دل و زبان سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ کیسی ہی مصیبت ہو اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب فضا بدل جائے گی۔ ایمان اور یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر و شکر سے رضا بقضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے اور ڈرتا رہے کہ کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دور فرما دے گا۔

اب جب فطرت کی شہادت سے بھی ثابت ہوگیا کہ مالک حقیقی ایک ہی ہے تو اب آگے اس مالک حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو ہر طرح کے شرک سے بچا کر فطرت الٰہیہ کے اتباع کی توفیق کاملہ نصیب فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ ڈر اور خوف عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رک جائیں۔
اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنوں میں نمازوں کا قائم کرنے والا بنائیں اور دین حنیف کا اتباع ہم سب کو نصیب فرماویں۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں۔ ان کی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہر حال میں ہم کو صبر اور شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ

پس قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی یہ اُن لوگوں کیلئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا

اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہوگے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

فَاٰتِ پس دو تم	ذَا الْقُرْبٰى قرابت دار	حَقَّهٗ اس کا حق	وَالْمِسْكِيْنَ اور محتاج	وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسافر	ذٰلِكَ یہ	خَيْرٌ بہتر	لِّلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو	
يُرِيْدُوْنَ وہ چاہتے ہیں	وَجْهَ اللّٰهِ اللہ کی رضا	وَاُولٰٓئِكَ اور وہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانے والے	وَمَا اور جو	اٰتَيْتُمْ تم دو		
مِّنْ سے	رِّبًا سود	لِّيَرْبُوَا تا کہ بڑھے	فِيْٓ میں	اَمْوَالِ مال	النَّاسِ لوگ	فَلَا يَرْبُوْا تو نہیں بڑھتا	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے ہاں	وَمَآ اٰتَيْتُمْ اور جو تم دو
	مِّنْ سے	زَكٰوةٍ زکوٰۃ	تُرِيْدُوْنَ چاہتے ہوئے	وَجْهَ اللّٰهِ اللہ کی رضا	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُضْعِفُوْنَ چندر چند کرنیوالے	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے شرک کی مذمت اور توحید باری تعالیٰ کے اثبات کا مضمون بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔اسی سلسلہ میں دین حنیف دینِ فطرت اور دینِ قیم یعنی اسلام کی اتباع پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ کرنے کی تلقین گذشتہ آیات میں فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ اس دینِ فطرت کو چھوڑ کر لوگوں نے اپنا اپنا طریقہ الگ بنالیا اور بہت سے فرقے اور ادیان پیدا ہو گئے اور یہ سب فطرت کے خلاف ہیں۔انسانی فطرت میں ایک اللہ کی طرف رجوع کرنا داخل ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی ایسی مصیبت آتی ہے کہ جس میں ظاہری اسباب و ذرائع سب سے امید منقطع ہو جاتی ہے تو پھر اس کو سوائے اس کے کچھ نہیں سوجھتا کہ خالص ایک قادر مطلق کی طرف متوجہ ہو کر اس کو پکارنا شروع کر دے تو معلوم ہوا کہ ایک اللہ کو ماننا اور اس کی طرف رجوع کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے تو جو اس کے خلاف چل رہا ہے وہ خلاف فطرت کام کر رہا ہے۔پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ دنیا کی سختی نرمی۔روزی کا گھٹنا بڑھنا یہ سب اسی ایک رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔تو جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی مالک و رب وہی ایک اللہ ہے دنیا کی نعمتیں سب اسی کی عطا کی ہوئی ہیں تو اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اس کی خوشنودی اور رضامندی چاہتے ہیں۔اور آخرت میں اس کی لقاء اور دیدار کے آرزومند ہیں۔انہیں چاہئے کہ اس مالک کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کریں۔غریب رشتہ داروں کی خبر لیں۔اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں۔مسکین۔محتاج اور ناداروں کی بھی خبر رکھیں۔اور ان کے ساتھ احسان وسلوک کریں۔اور وہ مسافر جس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو اس کے ساتھ بھی امداد و اعانت کر کے بھلائی کریں۔ایسے ہی بندوں کو دنیا اور آخرت کی بھلائی اور فلاح نصیب ہوگی۔

یہاں آیت فاٰت ذالقربی حقہ والمسکین وابن السبیل میں لفظ حقہ قابل غور ہے۔یعنی یہ فرمایا کہ قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار مسکین کو خیرات دو بلکہ یہ فرمایا کہ یہ اس کا حق ہے جو تمہیں دینا

چاہیئے تو معلوم ہوا کہ کسی قرابت دار، مسکین یا مسافر کو کچھ دیتے ہوئے یہ خیال دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو میں اس پر کررہا ہوں بلکہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ مال کے مالک حقیقی نے اگر مجھے زیادہ دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال ان دوسروں کا حق ہے جو میری آزمائش کے لئے میرے ہاتھ میں دیا گیا تاکہ میرا مالک دیکھے کہ میں ان کا حق پہچانتا اور پہنچاتا ہوں یا نہیں پھر آگے یہ فرمایا واولٰئک ھم المفلحون اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ فلاح صرف مسکین و مسافر اور رشتہ دار کا حق ادا کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز حصول فلاح کے لئے درکار نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو لوگ ان حقوق کو نہیں پہچانتے اور نہیں ادا کرتے وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں بلکہ فلاح پانے والے وہ ہیں جو خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے یہ حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں۔

اس ارشادِ الٰہی کی حقیقت پر غور کرنے سے ایک بات یہ بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم انسان کے لئے جو اخلاقی اور روحانی ترقی اور بلندی کا راستہ تجویز کرتا ہے اور یہاں جو تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے تو یہ قرآنی تعلیم اسی جگہ چل سکتی ہے جہاں افراد کچھ وسائل مال و دولت کے مالک ہوں۔ ان پر ان کا آزادانہ تصرف اور اختیار ہو اور پھر اپنی رضا و رغبت سے خدا اور اس کے بندوں کے حقوق اخلاص کے ساتھ ادا کریں۔ اور جہاں لوگوں کے حقوق ملکیت ہی ساقط کردیئے جائیں اور ریاست و حکومت تمام ذرائع کی مالک ہوجائے اور افراد کے درمیان تقسیم رزق کا پورا کاروبار حکومت خود سنبھال لے۔ حتیٰ کہ نہ کوئی فرد اپنے اوپر کسی کا کوئی حق جان کردے سکے اور نہ کوئی دوسرا فرد کسی سے کچھ لے کر اپنے دل میں جذبۂ احسان مندی و شکر گزاری لاسکے تو اس طرح کا خالص کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظام تمدن و معیشت جسے بعض پاکستانی بھی بڑی للچائی ہوئی اور مستحسن نظروں سے دیکھتے ہیں قرآن کی تعلیم و ہدایات کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس میں انفرادی اخلاق اور سیرت کی تشکیل اور ترقی کا راستہ بالکل بند ہوجاتا ہے۔ قرآن کی یہ تعلیم تو اسی معاشرہ میں چل سکتی ہے کہ جہاں لوگ فرداً فرداً اپنے مال و دولت کے مالک ہوں۔ اور حق شناسی اور ادائے حقوق کے اوصاف اور ہمدردی رحم و شفقت اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے ماتحت اپنے اختیار اور رضامندی و رغبت سے بندوں کے حقوق اخلاص کے ساتھ ادا کرنے پر مائل ہوں اور دوسری طرف جن لوگوں کے ساتھ بھلائی کی جائے ان کے دلوں میں بھلائی کرنے والوں کے لئے خیر خواہی احسان مندی اور شکر گزاری کے پاکیزہ جذبات نشو ونما ہوں مگر اب ہمارا یہ حال ہے کہ ہمیں اپنے گھر کی دولت کا تو پتہ نہیں اور نہ اس کی قدر۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ہر نئی چیز جو سات سمندر پار یا یورپ سے آجائے وہ ہمارے دین و ایمان کا امتحان لینے کو تیار ہوجاتی ہے۔ ہماری مثال تو اب اس بھٹکے ہوئے راہ گیر کی سی ہے جو ذرا ذرا شبہ پر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتا ہے لیکن منزل مقصود کا پتہ نہیں لگتا۔ مسلمان کبھی روس کی تحریکوں کی اتباع اپنا فرض خیال کرتے ہیں تو کبھی یورپ کی تقلید میں ان کو اپنی نجات نظر آتی ہے۔ کبھی امریکہ اور جرمن کی حیرت انگیز ایجادوترقیاں ان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتی ہے غرض کہ جس کو کچھ دیکھا اس کے پیچھے ہولئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون o

درمیان میں بات لفظ حق پر کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ الغرض ان آیات میں ہدایت دی جاتی ہے کہ اے مسلمانو! قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور اسی طرح مسکین و مسافر کو بھی ان کے حقوق دیا کرو۔ آگے بتلایا گیا کہ یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں آیت میں یریدون وجہ اللہ کی قید یعنی جو مال اس طرح دینے سے اللہ کی رضا کے طالب ہیں اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں قبولیت سے سرفرازی پانے کے لئے

یہ شرط لازمی ہے کہ دینے والا جو کچھ بھی خرچ کرے یہ سب صرف رضائے الٰہی کی نیت سے ہو۔ محض جبری اور نمائشی چندے اور نام و نمود کے لئے دادودہش جو آج ہمارے معاشرہ کی جان بنی ہوئی ہے یہ سب اس قبولیت کی مد سے باہر ہیں۔ اور نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہیں۔ آگے اس مسئلہ کی اور وضاحت فرمائی جاتی ہے کہ محض دینا دلانا مطلقاً خواہ کسی خیال سے ہو یہ موجب فلاح اور عنداللہ مقبولیت کا باعث نہیں بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ جو چیز تم دنیا کی غرض سے خرچ کرو گے مثلاً کوئی عطیہ۔ یا ہدیہ یا تحفہ اس نیت سے دیا جائے کہ لینے والا بعد میں اس سے زیادہ واپس کرے۔ یا دینے والے کے لئے لینے والا کوئی مفید خدمات انجام دے۔ یا جیسے دنیوی رسوم میں نیوتہ وغیرہ دیا جاتا ہے کہ دینے والا یہ امید رکھتا ہے کہ ہمارے موقع پر یہ لینے والا کچھ اور شامل کر کے دے گا۔ تو ان جیسی اغراض اور نیت سے جو دیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں پہنچتا بلکہ خدا کے نزدیک پہنچنا اور بڑھنا اس مال کے ساتھ خاص ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے ایسے دیئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب میں بڑھاتے رہیں گے۔

صحیح احادیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ یعنی اس کو قبول فرمالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف پاک کمائی کو قبول کرتا ہے۔ پھر اس کو خیرات کرنے والے کے لئے پالتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ خیرات پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔

یہاں ان آیات میں اخلاص وللّٰہیت کی تعلیم دی گئی ہے اور روحانی اور اخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے وہ اگرچہ انفاق فی المال کے سلسلہ میں ہے مگر یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ تمام اچھے حسن و اخلاق کی روح اور جان یہی اخلاص وللّٰہیت ہے۔ اس لئے ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا رب کریم، خالق اور پروردگار ہم سے راضی ہو۔ ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال واخلاق اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام ونمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی اجر و ثواب ملنے والا نہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب اور مقصود ہونا چاہئے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال و اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ بھی کیا گیا ہو اور وہی ان کے لئے اصل محرک ہو اور جو لوگ اچھے اعمال واخلاق کا مظاہرہ دنیا والوں کی داد و تحسین اور نیک نامی و شہرت طلبی یا ایسے ہی دوسرے اغراض و مقاصد کے لئے کرتے ہیں ان کو یہ دوسرے مقاصد چاہے دنیا میں حاصل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور اجر آخرت سے محروم رہیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ اخلاص اور للّٰہیت سے قلب مزین کیسے ہو؟ تو برادران عزیز یہ دولت تو اہل اللہ کی صحبت۔ ان سے تعلق اور اپنے آپ کو ان سے وابستہ رکھنے اور تزکیۂ نفس سے نصیب ہوتی ہے۔

الغرض اصل مضمون شرک کی برائی اور مذمت اور اس کے بد انجامی کا اور توحید و دین فطرت اسلام کو قبول کرنے اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا اوپر سے بیان ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہی مضمون ابھی اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اخلاص کی دولت عطا فرمائیں تاکہ تمام اعمال وافعال سے ہمارا مطلوب و مقصود رضائے حق ہو۔ یا اللہ نام نمود۔ ریا۔ نمائش۔ شہرت وغیرہ مہلک امراض سے ہم کو بچا لیجئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ

اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا، کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے

مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۰ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا

کچھ بھی کرسکے وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں

كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۴۱ قُلْ سِيْرُوْا فِی

تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعضے اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ وہ باز آجاویں۔ آپ فرمادیجئے کہ ملک میں چلو پھرو

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝۴۲ فَاَقِمْ

پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہوگزرے ہیں ان کا اخیر کیسا ہوا ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔ سو تم اپنا رُخ

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِیَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝۴۳

اس دین راست کی طرف رکھو قبل اس کے کہ ایسا دن آجاوے جس کے واسطے پھر خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا اُس دن سب لوگ جُدا جُدا ہو جاویں گے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝۴۴ لِيَجْزِیَ

جو شخص کفر کررہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا، اور نیک عمل کررہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کررہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۵

جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے، واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ اللہ ہے جس نے	خَلَقَكُمْ پیدا کیا تمہیں	ثُمَّ رَزَقَكُمْ پھر اُس نے تمہیں رزق دیا	ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے	ثُمَّ پھر					
يُحْيِيْكُمْ وہ تمہیں زندہ کرے گا	هَلْ کیا	مِنْ سے	شُرَكَآئِكُمْ تمہارے شریک	مَنْ جو	يَّفْعَلُ کرے	مِنْ ذٰلِكُمْ ان (کاموں) میں سے			
مِنْ شَیْءٍ کچھ بھی	سُبْحٰنَهٗ وہ پاک ہے	وَتَعٰلٰى اور برتر	عَمَّا اس سے جو	يُشْرِكُوْنَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں	ظَهَرَ ظاہر ہوگیا	الْفَسَادُ فساد			
فِی الْبَرِّ خشکی میں	وَالْبَحْرِ اور دریا (تری)	بِمَا اس سے جو	كَسَبَتْ کمایا	اَيْدِی النَّاسِ لوگوں کے ہاتھ	لِيُذِيْقَهُمْ تاکہ وہ انہیں (مزہ) چکھائے				
بَعْضَ بعض	الَّذِیْ عَمِلُوْا انہوں نے کیا (اعمال)	لَعَلَّهُمْ شاید وہ	يَرْجِعُوْنَ باز آجائیں وہ	قُلْ آپ فرمادیں	سِيْرُوْا تم چلو پھرو	فِی میں			
الْاَرْضِ زمین	فَانْظُرُوْا پھر تم دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الَّذِيْنَ ان کا جو	مِنْ قَبْلُ پہلے (تھے)	كَانَ تھے	اَكْثَرُهُمْ ان کے اکثر	
مُّشْرِكِيْنَ شرک کرنیوالے	فَاَقِمْ پس سیدھا رکھو	وَجْهَكَ اپنا چہرہ	لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ دینِ راست کیلئے (طرف)	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ کہ				
يَّاْتِیَ آجائے	يَوْمٌ وہ دن	لَا مَرَدَّ ٹلنا نہیں	لَهٗ اس کے لئے وہ	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَّصَّدَّعُوْنَ جُدا جُدا ہوجائیں گے			

مَنْ كَفَرَ جس نے کفر کیا	فَعَلَيْهِ تو اسی پر	كُفْرُهٗ اس کا کفر	وَمَنْ عَمِلَ اور جس نے کئے	صَالِحًا اچھے عمل	فَلِاَنْفُسِهِمْ تو وہ اپنے لئے
يَمْهَدُوْنَ سامان کررہے ہیں	لِيَجْزِيَ تاکہ جزا دے وہ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کو جو ایمان لائے	وَ اور	عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے اچھے عمل کئے	
	مِنْ سے	فَضْلِهٖ اپنا فضل	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْكٰفِرِيْنَ کافر

تفسیر وتشریح:۔اصل مضمون گذشتہ آیات سے اثبات توحید اور ردشرک کا چل رہا ہے۔ درمیان میں تبعاً مضمون انفاق یعنی مال کو اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کا آ گیا تھا۔اب پھر کفار ومشرکین کو سمجھانے کے لئے سلسلۂ کلام توحید وآخرت کی طرف پھر جاتا ہے اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت روانہیں اوردلیل اس کی یہ ہے کہ تمہیں اللہ ہی نے پیدا کیا۔اسی نے تمہارے رزق کا سامان کیا۔پھروہی تمہیں موت دیتا ہے اور پھروہی قیامت میں تم کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ہر ایک کے اعمال کی جزا وسزا دے گا۔مشرکین کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ اے مشرکین ذرا سوچو تو سہی کہ تمہارے بنائے ہوئے مصنوعی معبودوں میں سے کوئی ان میں سے یہ ایک کام بھی کرسکتا ہے؟ تو مارنا۔جلانا۔روزی دینا سب کام تو تنہا اللہ کے قبضہ میں ہوئے پھر دوسرے شریک کدھر سے الوہیت کے مستحق ہوگئے؟ جب نہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اللہ ہی قادر مطلق سب سے بلند و برتر ہے۔ پھراس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے کے کیا معنی؟ پس توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہوگیا۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ شرک اور معصیت اور اللہ کی نافرمانی ایسی بری چیز ہے کہ خشکی وتری یعنی تمام دنیا میں لوگوں کے بداعمالیوں کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں۔آیت میں فساد کا لفظ آیا ہے۔جس کی مثالیں علماء نے لکھی ہیں مثلاً بارش نہ ہونا۔قحط پڑنا۔باغ اور کھیتوں کے پھل پھولوں پر آفت آنا۔آندھی کا آنا۔اولوں کا گرنا۔سیلاب کا پھیلنا پیداوار کم یا ناقص ہوجانا۔مویشیوں میں بیماری اور موت پڑنا۔ان کی نسل کم پھیلنا تجارت وکاروبار میں نفع کم ہونا۔مصارف کا بڑھ جانا۔ہر چیز کا گراں ہوجانا۔حاکم کا ظالم اور طماع ہونا۔قانون اور انصاف کے پیرایہ میں رعایا کو تباہ کردینا۔باہم بادشاہوں اورقوموں میں جنگ قائم ہوکر ہزاروں لاکھوں کا مارا جانا۔بیماریوں کی کثرت۔باہمی الفت ومحبت واتفاق کی جگہ عداوت وبغض ونفاق پھیلنا۔حیا اور شرم کا اٹھ جانا۔بے حیائی اور فحش کی ترقی ہونا۔چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب اور گستاخ ہوجانا۔باہم چوری اور زناکاری اور خون ریزی اور بدامنی کا پھیلنا یہ سب فساد یعنی بلاؤں ہی کی قسمیں ہیں جو انسان کے کرتوت سے پیدا ہوتی ہیں۔تولوگوں کے دین فطرت پر قائم نہ رہنے سے کفروشرک اورفسق وفجور دنیا میں پھیل پڑا اوراس کی شامت سے نہ خشکی میں امن سکون رہا۔نہ تری میں۔روئے زمین کو فتنہ فساد نے گھیرلیا۔اور یہ سب اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھادیا جائے۔پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلادیں۔ممکن ہے کہ بعض لوگ ڈر کر راہ راست پر آجائیں۔غرض جب اعمال بد مطلقاً سبب وبال ہیں تو کفروشرک تو سب سے بڑھ کر موجب وبال ہوگا اوراگر ان مشرکین کو اس کے ماننے میں کچھ تردد ہو تو روئے زمین پر چل پھر کر دیکھیں کہ جو کافرومشرک نافرمان لوگ پہلے ہوگزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا۔پچھلے نافرمانوں کے عبرتناک حالات ان کے سامنے ہیں اور دنیا میں ان کی تباہی کے آثار جابجا پھیلے پڑے ہیں۔تو دیکھ لو کہ وہ عذاب آسمانی سے کس طرح ہلاک ہوئے جس سے صاف واضح ہوا کہ شرک وکفرونافرمانی کا بڑا وبال ہے اوران تمام خرابیوں کا ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ دین قیم جو دین فطرت ہے اس پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی یعنی جیسے دنیا میں خاص عذاب کے وقت کو اللہ تعالیٰ قیامت کے وعدہ پر ہٹاتا جاتا ہے لیکن جب وہ موعود دن آجائے گا پھر نہ کوئی طاقت اسے پھیر سکتی ہے اور نہ خود اللہ تعالیٰ اس کو ملتوی کرے گا گویا وہ دن آنا اٹل ہے اور جب وہ دن ہوگا تو سب انسان باعتبار جزا کے جدا جدا ہوجاویں گے یعنی نیک جنت میں اور بد دوزخ میں بھیج دیئے جاویں گے۔جو شخص آج کفروشرک کررہا ہے اس پر تو اس کا وبال کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کررہا ہے یعنی اللہ ورسول کی فرمانبرداری اور ہدایت کے موافق اپنی زندگی دنیا میں گزار رہا ہے تو یہ لوگ اپنے نفع کے لئے سامان

کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالحہ کئے ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نیک جزا یعنی جنت عطا فرمائے گا اور کفار اس سے محروم رہیں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا بلکہ ان کے کفر پر ان سے ناخوش ہے اس لئے یہ اس دولت سے محروم رہیں گے جو ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے والوں کو عطا کی جائے گی۔

یہاں ان آیات میں حوادث و آفات کا راز بتلایا گیا کہ یہ بلائیں اس لئے آتی ہیں کہ انسان ان سے اللہ کی طرف توجہ کرنا سیکھے اور اپنی بداعمالیوں سے باز آجائے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل کے زمانہ میں آگے پیچھے قریب قریب وہ سب ہی فسادات اور خرابیاں ظاہر ہورہی ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا لیکن بجائے توبہ واستغفار کے دن بدن بے دینی کا سمندر موجزن ہے اور فسق و فجور بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور غیب سے امت مسلمہ کے اصلاح کی صورت ظاہر فرمائیں۔ تو گویا مقصود ان بلاؤں سے بھی اصلاح خلق ہی ہوئی اس لئے محقق مفسرین نے لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا اس کی حیثیت جراح کے نشتر کی سی ہے یعنی جس طرح نشتر کا زخم مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ مقصود و مطلوب تو صحت ہوتی ہے اور نشتر محض اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔

امام المفسرین امام رازیؒ نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ یہاں **من کفر فعلیه کفرہ** یعنی جو کافر رہا اس پر اس کا کفر پڑے گا۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کریم نے **من آمن** نہیں کہا بلکہ کافر کے مقابلہ میں **ومن عمل صالحاً** فرمایا یعنی جو نیک عمل کررہا ہے تاکہ مومن کو ساتھ ہی عمل صالحہ کی بھی ترغیب ہوجائے کیونکہ ایمان کی تکمیل عمل صالح ہی سے ہوتی ہے۔

اب یہاں ''ایمان'' کے متعلق ایک غلط فہمی بھی رفع کرلی جائے تاکہ ایمان کی حقیقت ان پر بھی واضح ہوجائے جو ایمان کو صرف اقرار و تصدیق تک محدود رکھتے ہیں اور عمل اس سے ایک بالکل جدا چیز سمجھتے ہیں ایمان کی تعریف اور اس کی حقیقت پر حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ترجمان السنہ میں لکھتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق نہیں ہے بلکہ انقیاد قلبی اور التزام طاعت بھی اس کا جزو اہم ہے۔ اگر ایک شخص صرف تصدیق رکھتا ہے مگر عہد وفاداری نہیں کرتا وہ مومن نہیں کہلا سکتا اور اسی طرح اگر فرمانبرداری کے لئے تو آمادہ ہے مگر قلب وزبان سے تصدیق کے لئے آمادہ نہیں تو بھی وہ مومن نہیں ہے۔ ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ قلب وزبان تصدیق سے مزین ہوں اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا عزم بھی مصمم ہو گویا شرعی تصدیق اسی کا نام ہے۔

آگے مولاناؒ نے حافظ ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت نقل فرمائی ہے جس میں وہ یعنی امام تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ فرض کرو ایک شخص دربار نبوت میں حاضر ہوتا ہے اور تصدیق کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نہ آپ کے احکام بجالاؤں گا۔ نہ جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے باز رہوں گا۔ نہ فرائض خمسہ ادا کروں گا۔ ہاں شراب پیوں گا۔ چوری زنا۔ نکاح محارم کروں گا غرض جو نا کردنی ہے وہ سب کروں گا۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص تصور کرسکتا ہے کہ محض لغوی تصدیق کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے ایمان کا پروانہ تحریر فرماویں گے۔ اس کی شفاعت کا وعدہ فرمالیں گے۔ جہنم سے نجات ابدی کی بشارت سنادیں گے۔ یا یہی جواب دیں گے کہ تو صرف کافر نہیں بلکہ بدترین کافر ہے۔ تیرا یہ ایمان ایمان نہیں استہزا ہے یہ تصدیق نہیں بلکہ تکذیب کا بدترین مظاہرہ ہے۔ اگر یہ بھی ایمان ہے تو پھر ابلیس کے ایمان میں کیا کسر تھی جس نے صرف ایک ہی سجدہ کا انکار کیا تھا۔ پھر قرآن کریم نے کیوں اس کو کافروں میں شمار کرلیا۔ آگے مولانا موصوفؒ لکھتے ہیں حضرت استاذ (یعنی حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ) فرماتے تھے کہ ایمان کا ترجمہ جاننا یا یقین کرنا یا تصدیق کرنا اچھا نہیں ہے۔ ان تراجم سے ایمان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوتی بلکہ صحیح ترجمہ ''ماننا'' ہے جس سے التزام طاعت کا مفہوم بھی ادا ہوجاتا ہے۔ اردو داں حضرات کو حضرت استاذؒ کا ایک یہ ترجمہ ہماری اس ساری تفصیل سے بے نیاز کرسکتا ہے۔ یہ ہے ایمان کا وجود ذہنی۔ یہی ایمان کا جزء اشرف ہے۔ نجات ابدی اسی پر دائر ہے اور آخرت کی ساری خوشیاں اسی کی ثمرات و برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو ایسا ہی ایمان نصیب فرمائے آگے اسی توحید کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کی مزید بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں اور تا کہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھادے اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

اور تا کہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر اُن کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ اُن کے پاس دلائل لے کر آئے

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے، اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا

اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ

پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے ان پر برسے ناامید تھے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى

سو رحمتِ الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے،

وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

وَ اور	مِنْ اٰيٰتِهٖ اس کی نشانیوں سے	اَنْ يُّرْسِلَ کہ وہ بھیجتا ہے	الرِّيَاحَ ہوائیں	مُبَشِّرٰتٍ خوشخبری دینے والی	وَ لِيُذِيْقَكُمْ اور تا کہ وہ تمہیں چکھائے	
مِّنْ رَّحْمَتِهٖ سے (کا) اپنی رحمت	وَلِتَجْرِيَ اور تا کہ	الْفُلْكُ کشتیاں	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے	وَلِتَبْتَغُوْا اور تا کہ تم تلاش کرو	مِنْ سے	
فَضْلِهٖ اس کا فضل	وَلَعَلَّكُمْ اور تا کہ تم	تَشْكُرُوْنَ تم شکر کرو	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور تحقیق ہم نے بھیجے	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	رُسُلًا بہت سے رسول	
اِلٰى طرف	قَوْمِهِمْ ان کی قومیں	فَجَآءُوْهُمْ پس وہ انکے پاس آئے	بِالْبَيِّنٰتِ کھلی نشانیوں کے ساتھ	فَانْتَقَمْنَا پھر ہم نے انتقام لیا	مِنَ سے	
الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وہ جنھوں نے جرم کیا	وَكَانَ اور ہے	حَقًّا حق ہے	عَلَيْنَا ہم پر (ہمارا)	نَصْرُ مدد	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	اَللّٰهُ اللہ
الَّذِيْ يُرْسِلُ جو بھیجتا ہے	الرِّيٰحَ ہوائیں	فَتُثِيْرُ تو وہ ابھارتی ہیں	سَحَابًا بادل	فَيَبْسُطُهٗ پھر وہ (بادل) پھیلاتا ہے	فِي السَّمَاۗءِ آسمان میں	

كَيْفَ جیسے	يَشَآءُ وہ چاہتا ہے	وَيَجْعَلُهٗ اور وہ اسے کر دیتا ہے	كِسَفًا ٹکڑے ٹکڑے	فَتَرَى پھر تو دیکھے	الْوَدْقَ مینہ	يَخْرُجُ نکلتا ہے
مِنْ خِلٰلِهٖ اس کے درمیان سے	فَإِذَآ پھر جب	أَصَابَ بِهٖ وہ اسے پہنچا دیتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے	مِنْ سے	عِبَادِهٖ اپنے بندوں	
إِذَا هُمْ اچانک وہ	يَسْتَبْشِرُوْنَ خوشیاں منانے لگتے ہیں	وَإِنْ اور اگر چہ	كَانُوْا تھے	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	أَنْ يُّنَزَّلَ کہ وہ نازل ہو	
عَلَيْهِمْ ان پر	مِنْ قَبْلِهٖ پہلے (ہی) سے	لَمُبْلِسِيْنَ البتہ مایوس	فَانْظُرْ پس دیکھو تو	إِلٰى طرف	أَثَرِ آثار	رَحْمَتِ اللّٰهِ اللہ کی رحمت
كَيْفَ يُحْيِ وہ کیسے زندہ کرتا ہے	الْأَرْضَ زمین	بَعْدَ مَوْتِهَا اسکے مرنے کے بعد	إِنَّ بیشک	ذٰلِكَ وہی	لَمُحْيِ البتہ زندہ کرنیوالا	
	الْمَوْتٰى مردے	وَ اور	هُوَ وہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ خشکی وتری میں انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے بلائیں آتی ہیں جس کی مثالیں گزشتہ درس میں یہ بتلائی گئی تھیں جیسے موقع پر بارش کا نہ ہونا۔ قحط پر قحط پڑنا۔ آندھی ہوا۔ بارش کا طوفان آنا۔ سیلاب کا پھیلنا۔ بیماریوں کی کثرت۔ وباؤں کا زور۔ موذی جانوروں کی کثرت۔ باہمی الفت ومحبت واتفاق کی جگہ عداوت بغض اور نفاق کا پھیلنا۔ حیا اور شرم کا اٹھ جانا۔ بے حیائی اور فحش کی ترقی ہونا۔ چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب اور گستاخ ہو جانا۔ باہم چوری۔ زنا کاری۔ خون ریزی۔ بدامنی کا پھیلنا۔ مصارف کا بڑھ جانا۔ ہر چیز کا گراں ہو جانا۔ یہ سب وہ بلائیں ہیں کہ جو انسانوں کے کرتوتوں سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ اس لئے آتی ہیں کہ انسانوں کو اپنی بدعملیوں سے تنبہ ہو اور اپنے افعال بد سے توبہ کریں اور باز آئیں۔ تو انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے خرابیاں ظاہر ہونے کا بیان فرما کر اب یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہیں اور نظام عالم کو باقی رکھتے ہیں۔ ہوائیں چلاتے ہیں جن پر بقائے انسانی موقوف ہے۔ پھر ہواؤں کے چند فوائد بیان فرمائے جاتے ہیں۔ ایک فائدہ مبشرات ہونا فرمایا یعنی وہ خوشی دیتی ہیں۔ انسان کے بدن پر جو ہوا لگتی ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے اور نیز بارش سے پہلے گرمی کی شدت کے بعد ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں تو گویا وہ مژدہ لاتی ہیں کہ اب باران رحمت کا نزول ہوگا۔ ایک فائدہ یہ بتلایا کہ ہواؤں کی وجہ سے انسان زندہ رہ کر دنیا میں اس کی رحمت اور نعمت کے مزے لیتا ہے اور انہیں سے پھول پھل کھیتی باڑی تیار ہوتی ہے۔ یہی ہوائیں ہیں جو تعفنات کو دور کرتی ہیں یہ باتیں تو بر یعنی خشکی کے متعلق ہیں۔ ایک فائدہ تری یعنی پانی سے متعلق بتلایا گیا کہ اسی ہوا سے دریا اور سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں قدیم زمانہ کی بادبانی کشتیوں اور جہازوں کا سفر زیادہ تر موافق ہوا ہی پر منحصر تھا۔ پھر بتلایا گیا کہ تم دریائی سفروں کی وجہ سے روزی تلاش کرتے ہو۔ یعنی کشتی اور جہازوں سے تجارتی مال دریا یا سمندر پار منتقل کر کے تجارت کرتے ہو۔ اس نعمت الٰہی کا تذکرہ کر کے کہا جاتا ہے کہ منکرین توحید کو چاہئے کہ شرارت۔ کفرانِ نعمت اور شرک سے باز آجائیں۔ اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گزار بندے بنیں۔ یہاں ہواؤں کے چلانے میں جس پر مدار زندگی ہے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ اسی کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے۔ مشرکین کے معبودوں میں سے کون ایسا کر سکتا ہے؟ یہ تو دلیل توحید و وجود باری تعالیٰ ہے۔ آگے مسئلہ نبوت کو نہایت لطیف پیرائے میں ثابت کیا جاتا ہے۔ کہ جس طرح نظام عالم جسمانی کے لئے ہوائیں چلاتے ہیں۔ اسی طرح نظام عالم روحانی کے لئے اپنے فضل سے انبیاء بھیجتے چلے آتے ہیں۔ جو اپنی قوموں کے پاس نشانیاں و معجزات لے کر آئے تھے پھر جس نے ہمارے پیغمبروں کی نافرمانی کی ہم نے اس سے انتقام لیا اور نافرمانوں کو سزائیں ملیں۔ اور ایمانداروں کی مدد کی۔ کیونکہ ایمانداروں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ

ہے۔ یہاں ایک جملہ میں نہایت اختصار کے ساتھ رسولوں کو بھیجنا اوران کی امتوں پر سرکشی سے عذاب آنا ایمان والوں کا نجات پانا بیان فرمادیا۔ آگے ایک دوسری نعمت کا اظہار فرمایا جاتا ہے جس پر نظام عالم منحصر ہے اور وہ ہے بارش کا برسانا۔ پھر اس سے زمین کا شاداب کرنا۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ گرمی اور خشکی کی شدت کے بعد باران رحمت کے نزول پر غور کرو۔ گرمی کی شدت سے بوکھلائے جارہے تھے۔ زمین جھلسی پڑی تھی کہ اللہ نے موسمی ہوائیں چلائیں اور وہ بادلوں کو ادھر ادھر سے گھیر کر لائیں۔ پھر وہ بادل ایک دوسرے پر تہ بہ تہ جم گئے۔ اوران کے اندر سے مینہ برسنا شروع ہوا۔ اس بارش سے تھوڑی ہی دیر پہلے اس بلا کی تپش تھی کہ ہوش وحواس گم تھے۔ کہ لوگ آس توڑے بیٹھے تھے۔ بارش آتے ہی چہروں پر رونق آ گئی اور لگے خوشیاں منانے۔ چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک بے رونق اور مردہ پڑی تھی۔ ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ یہی حال روحانی بارش کا سمجھو۔ اس سے مردہ دلوں میں جان پڑے گی۔ اور ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے۔ یہاں نبوت اور بارش کا ذکر یکے بعد دیگرے کرنے میں ایک لطیف اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ نبی کی آمد بھی انسان کی اخلاقی زندگی کے لئے ویسی ہی رحمت ہے جیسی بارش کی آمد اس کی مادی زندگی کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہے جس طرح آسمانی بارش کے نزول سے مردہ پڑی ہوئی زمین یکا یک جی اٹھتی ہے اور اس میں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ اسی طرح آسمانی وحی کا نزول اخلاق اور روحانیت کی ویران پڑی ہوئی دنیا کو نئی زندگی بخشتا ہے اس میں علاوہ دلیل وحدت کے دلیل قدرت بھی ہے کہ جس خدا نے مردہ زمین کو زندہ کردیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

ابھی یہی سلسلۂ مضمون یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نشانیوں کا حال اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیوں کو دیکھنے کے لئے ہم کو بھی بصیرت عطا فرمائیں۔ اور اپنی ان تمام نعمتوں کا جو ہم کو اس زندگی میں عطا فرما رکھی ہیں حقیقی شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور کفار ومشرکین کے مقابلہ میں جیسے پہلے حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو غالب اور منصور فرمایا۔ اب بھی اہل ایمان کو غالب اور منصور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آخرت و قیامت کا یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کی فکر نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! اس وقت ہم بھی اپنی بداعمالیوں کے شامت اعمال میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور طرح طرح کی بلاؤں اور فسادات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنی بداعمالیوں پر تنبہ نصیب فرما۔ اور سچی توبہ سے اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! آج قوم اور ملک مادیت کی طرف جھک پڑا ہے اور مادی ترقی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ روحانیت جو دین ودنیا دونوں کو سنوارنے والی ہے اس سے بیزاری بڑھتی جارہی ہے۔ یا اللہ! ہمیں دین اسلام کی حقیقی عظمت پھر عطا فرمادے اور اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کرلینے کی توفیق مرحمت فرمادے۔ یا اللہ! اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول کی دولت سے پھر ہماری قوم اور امت مسلمہ کو نواز دے۔ یا اللہ! آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ ہماری اصلاح اور اصلاح وفلاح دینی و دنیوی کے دروازہ ہم پر کھول دے اور آپ کی رحمت میں داخل ہوجانا ہمارے لئے مقدر اور آسان فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

اور اگر ہم ان پر اور ہوا چلادیں پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔ سو آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ

اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے، آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں

تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ

جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے ہیں۔ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر

جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ

ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا عطا کیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔

وَلَئِنْ اور اگر	اَرْسَلْنَا ہم بھیجیں	رِيْحًا ہوا	فَرَاَوْهُ پھر وہ اسے دیکھیں	مُصْفَرًّا زرد شدہ	لَّظَلُّوْا ضرور ہو جائیں	مِنْۢ بَعْدِهٖ اس کے بعد	
يَكْفُرُوْنَ ناشکری کرنے والے	فَاِنَّكَ پس بیشک آپ	لَا تُسْمِعُ نہیں سُنا سکتے	الْمَوْتٰى مُردوں	وَلَا اور نہیں	تُسْمِعُ سنا سکتے	الصُّمَّ بہروں	
الدُّعَآءَ آواز	اِذَا وَلَّوْا جب وہ پھر جائیں	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ دے کر	وَمَآ اَنْتَ اور آپ نہیں	بِهٰدِ ہدایت دینے والے	الْعُمْيِ اندھا		
عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اس کی گمراہی سے	اِنْ تُسْمِعُ آپ نہیں سنا سکتے	اِلَّا مگر	مَنْ يُّؤْمِنُ جو ایمان لاتا ہے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں پر	فَهُمْ پس وہ		
مُّسْلِمُوْنَ فرمانبردار	اَللّٰهُ اللہ	الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وہ جس نے تمہیں پیدا کیا	مِّنْ سے	ضُعْفٍ کمزوری	ثُمَّ پھر	جَعَلَ اس نے بنایا۔دی	
مِنْۢ بَعْدِ بعد	ضُعْفٍ کمزوری	قُوَّةً قوت	ثُمَّ جَعَلَ پھر اس نے کر دیا	مِنْۢ بَعْدِ بعد	قُوَّةٍ قوت	ضُعْفًا کمزوری	وَّشَيْبَةً اور بڑھاپا
يَخْلُقُ وہ پیدا کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے	وَهُوَ اور وہ	الْعَلِيْمُ علم والا	الْقَدِيْرُ قدرت والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں باران رحمت کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جب زمین گرمی کی شدت سے خشک اور مردہ ہو جاتی ہے اور ہر طرف خاک اڑتی نظر آتی ہے تو اللہ تعالیٰ بارش کو بھیج کر اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں پھر جان ڈال دیتے ہیں اور خشک اور مرجھائی ہوئی زمین ہری بھری اور تروتازہ ہو جاتی ہے۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو خدا مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے وہی خدا قیامت میں مردوں کو پھر زندہ کرنے والا ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ کوئی مشکل چیز نہیں۔ اب آگے انسان کی ناشکری کی عادت کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ اہل غفلت ایسے ناحق شناس اور ناسپاس ہیں کہ اتنی بڑی بڑی نعمتوں کے بعد جن کا ذکر اوپر ہوا اگر کوئی آفت آپڑے تو ناشکری کرنے لگتے ہیں مثلاً بارانِ رحمت کے بعد جب کھیتیاں اور باغات سرسبز ہو چکے ہوں اس وقت اگر کوئی ایسی سخت گرم یا سخت سرد ہوا چل پڑے کہ جو ہرے بھرے کھیتوں کو جھلس دے اور وہ سوکھ کر زرد پڑ جائیں اور ان کی سرسبزی اور شادابی جاتی رہے تو یہ لوگ پھر فوراً بدل جائیں اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں حالانکہ بندوں کو ہر حالت میں اپنے آقا کے حکم پر راضی اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے غضب سے خوفزدہ رہنا چاہیے۔ تو جب ان منکرین کی غفلت اور ناشکری اس درجہ پر ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ بالکل ہی بے حس ہیں

پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے کفرونا سپاسی سے ملول وغمگین نہ ہوں آپ صرف دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار ہیں۔کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے۔آپ کی بات وہی سنیں گے اور مانیں گے جو تسلیم اور انقیاد کی عادت رکھتے ہیں اور ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں اور جن کے ضمیر مرچکے ہیں اور ان کے اندر اخلاقی زندگی کی رمق بھی باقی نہیں رہی۔جن کی بندگی نفس۔ضد اور ہٹ دھرمی نے اس صلاحیت ہی کا خاتمہ کردیا ہے جو آدمی کو حق بات سمجھنے اور قبول کرنے کے قابل بناتی ہے تو ایسے مردہ دلوں کو آپ نہیں سنا سکتے۔اور ایسے ہی بہروں کو بھی آپ آواز نہیں سنا سکتے۔خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں کہ اشارہ کو بھی نہ دیکھیں۔مراد اس سے وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے دل پر ایسے قفل چڑھا رکھے ہیں کہ سب کچھ سن کر بھی وہ کچھ نہیں سنتے۔پھر جب ایسے لوگ یہ کوشش بھی کریں کہ دعوت حق کی آواز سرے سے ان کے کان میں پڑنے ہی نہ پائے اور داعی حق کی شکل دیکھ کر ہی دور بھاگنا شروع کردیں تو ظاہر ہے کہ کوئی انہیں کیا سنائے اور کیسے سنائے۔اور اسی طرح اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر آپ راہ راست پر نہیں لاسکتے یعنی جن لوگوں کی باطنی آنکھیں پھوٹ چکی ہوں اور جنہیں وہ راستہ نظر ہی نہ آتا ہو جو نبی انہیں دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسے لوگ رہنمائی کیسے حاصل کرسکتے ہیں۔یعنی جب یہ منکرین مردہ۔اور بہرے اور اندھے کے مشابہ ہیں پھر ان سے کیا توقع ایمان کی رکھی جائے۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو بس ان کو ہی سنا سکتے ہیں اور راستہ دکھا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں اور پھر وہ مانتے بھی ہیں یعنی جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مسلم کہلائے آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور تصرف کا اظہار فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ پیدائش کے وقت انسان کس قدر کمزور وناتواں ہوتا ہے کہ ایک جگہ پڑے رہنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔پھر رفتہ رفتہ اس میں قوت آنی شروع ہوتی ہے اور بچپن سے گزر کر جوانی کے دور میں آجاتا ہے تو رگ رگ میں زور اور قوت بھرا ہوتا ہے اس کے بعد پھر قوت گھٹنا شروع ہوتی ہے۔بڑھاپا آجاتا ہے۔دانت گرجاتے ہیں بال سفید ہوجاتے ہیں۔اعضا کمزور ہوجاتے ہیں۔تو بچپن۔جوانی بڑھاپا یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور یہ اسی کی مشیت پر موقوف ہے کہ جسے چاہے ضعف سے قوت دے اور جسے چاہے قوت سے ضعف دے۔انسان اپنی جگہ جس گھمنڈ میں چاہے مبتلا رہے مگر وہ خدا کے قبضہ قدرت میں اسی طرح بے بس ہے کہ جو حالت بھی خدا اس پر طاری کردے اسے وہ اپنی کسی تدبیر سے نہیں بدل سکتا۔گویا اثبات توحید کے سلسلہ میں یہاں دلائل النفس بیان فرمائے کہ جو انسان کی ذات اور اس کی حالت سے متعلق ہیں کہ انسان خود اپنے احوال مختلفہ پر غور کرے کہ اس کی کیسی مختلف صورتیں بنائیں اور پھر اس کو قوت اور ضعف کے میدان میں کیسی الٹی پلٹیاں دیں۔پھر اس کے علیم وقدیر ہونے میں کیا شک ہے۔تو ایسے علیم وقدیر کے نزدیک قیامت قائم کرکے مردوں کو زندہ کرنا اور ان سے حساب کتاب لینا اور ان کو جزا سزا دینا کیا بعید ہے؟

یہاں اس سورۃ میں فانک لاتسمع الموتی جیسی دو آیتیں سورۂ نمل بیسویں پارہ میں بھی گزر چکی ہیں۔ان آیات کے تحت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''یہاں تینوں جملے یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جارہے ہوں اور آپ اندھوں کو بھی ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لاسکتے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے۔پھر لوگ یہ کیسے گمان کرلیتے ہیں کہ کامل بنادینا شیوخ کے اختیار میں ہے۔'' الغرض مقصود اس تشبیہ سے اس کا اظہار ہے کہ جب کوئی نفع حاصل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کے برعکس کا ارادہ کرلے تو کوئی اسے نفع نہیں پہنچا سکتا۔اور یہ سنانے اور نفع پہنچانے کی نفی جب سید الرسل علیہ الصلوٰۃ سے کی جارہی ہے تو کسی بزرگ یا شیخ یا مرشد کے اختیار میں کب ہدایت کا دل میں اتار دینا ممکن ہے۔پھر اس کے ساتھ ہی دونوں جگہ یعنی سورۂ نمل میں بھی اور یہاں سورۂ روم میں بھی یہ تصریح فرمادی کہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہی ہوسکتے ہیں جو اللہ کی باتوں پر ایمان ویقین رکھتے ہوں اور ساتھ ہی حکمبردار بھی ہوں تو معلوم ہوا کہ نصیحت کا سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کرکے اس کے فرمانبردار بنیں۔

آگے خاتمہ کی آیات میں وقوع قیامت اور کفار ومشرکین کی اس دن حیرانی وپریشانی اور اخیر میں اہل ایمان کو بشارت دی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے اسی طرح یہ لوگ اُلٹے چلا کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ تم تو نوشتہ خداوندی کے موافق قیامت کے دن تک رہے ہو سو

يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ

قیامت کا دن یہی ہے ولیکن تم یقین نہ کرتے تھے۔ غرض اس روز ظالموں کو ان کا عذر کرنا نفع نہ دے گا

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَئِنْ

اور نہ اُن سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا۔ اور ہم نے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور اگر

جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

آپ انکے پاس کوئی نشانی لے آویں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب نرے اہل باطل ہو۔ جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

یوں ہی مُہر کردیا کرتا ہے۔ سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بد یقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پاویں۔

وَيَوْمَ اور جس دن	تَقُوْمُ قائم ہوگی	السَّاعَةُ قیامت	يُقْسِمُ قسم کھائیں گے	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	مَا لَبِثُوْا وہ نہیں رہے	
غَيْرَ سَاعَةٍ ایک گھڑی سے زیادہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	كَانُوْا وہ تھے	يُؤْفَكُوْنَ اوندھے جاتے	وَقَالَ اور کہا۔ کہیں گے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	
اُوْتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا	وَالْاِيْمَانَ اور ایمان	لَقَدْ لَبِثْتُمْ یقیناً تم رہے ہو	فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ میں (مطابق) نوشتۂ الٰہی	اِلٰى تک		
يَوْمِ الْبَعْثِ جی اٹھنے کا دن	فَهٰذَا پس یہ ہے	يَوْمُ الْبَعْثِ جی اُٹھنے کا دن	وَلٰكِنَّكُمْ اور لیکن تم	كُنْتُمْ تم	لَا تَعْلَمُوْنَ نہ جانتے تھے	
فَيَوْمَئِذٍ پس اس دن	لَا يَنْفَعُ نفع نہ دے گی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	ظَلَمُوْا جنہوں نے ظلم کیا	مَعْذِرَتُهُمْ ان کی معذرت	وَلَا هُمْ اور نہ وہ	
يُسْتَعْتَبُوْنَ راضی کرنا چاہا جائیگا	وَ اور	لَقَدْ ضَرَبْنَا تحقیق ہم نے بیان کیں	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	فِيْ میں	هٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن	مِنْ كُلِّ ہر قسم
مَثَلٍ مثالیں	وَلَئِنْ اور اگر	جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ تم لاؤ انکے پاس کوئی نشانی	لَيَقُوْلَنَّ تو ضرور کہیں گے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	اِنْ اَنْتُمْ تم (نہیں) ہو	
اِلَّا مُبْطِلُوْنَ مگر جھوٹ بناتے ہو	كَذٰلِكَ اسی طرح	يَطْبَعُ اللّٰهُ اللہ مہر لگا دیتا ہے	عَلٰى پر	قُلُوْبِ دل	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ سمجھ نہیں رکھتے
فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا	وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ اور وہ ہرگز (کسی طور) سُبک نہ کردیں گے آپکو		
الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يُوْقِنُوْنَ یقین نہیں رکھتے					

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ روم کی آخری آیات ہیں گذشتہ آیات میں دور سے اثبات توحید ونبوت وقیامت وآخرت وابطال شرک وغیرہ کے مضامین بیان ہوتے چلے آرہے ہیں اسی سلسلہ میں گذشتہ آیات میں منکرین توحید کو جتلایا گیا تھا کہ اے منکرو جس خدا کی اطاعت اور عبادت کے لئے تم سے کہا جاتا ہے وہ وہی تو ہے جس نے تم کو ابتدائے خلقت میں بالکل کمزور اور نادان بچہ بنا کر پیدا کیا پھر اس کے بعد جوانی میں تم کو قوت دی اور مضبوط بنادیا اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ جوانی کا نشہ ہرن ہوا تو بڑھاپا آ گیا کہ نہ وہ جوانی کی سی قوت رہی۔ نہ وہ تندرستی رہی۔ نہ وہ کھانا پینا رہا۔ دانتوں نے الگ جواب دے دیا۔ نگاہ جدا ضعیف ہوگئی ہاتھ پیروں میں سکت باقی نہ رہی۔ یہ سب کچھ ہو کر ایک سانس باقی تھا تھوڑے دنوں میں وہ بھی ندارد۔ تو اے منکرو اگر تم اپنے ہی احوال مختلفہ میں غور کر لو تو اس کے علیم وقدیر ہونے میں کیا شک رہتا ہے؟ تم سوچو کہ ایسے کامل العلم۔ کامل القدرت اور کامل الاختیار خدا کی مخالفت کر کے تم کس نتیجہ پر پہنچو گے جبکہ ایک روز قیامت ضرور آنے والی ہے۔ اب یہاں ان آیات میں وقوع قیامت کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جس روز قیامت قائم ہوگی تو مجرمین کے ہوش اڑ جائیں گے اور وہاں کی ہول وہیبت وپریشانی کو دیکھ کر قیامت کی آمد کو غایت درجہ ناگوار سمجھ کر قسم کھا کر کہیں گے کہ قیامت بہت جلدی آ گئی کہ وہ اس سے پہلے ایک ساعت سے زیادہ دنیا میں نہیں ٹھہرے۔ افسوس کہ بڑی جلدی دنیا کی زندگی ختم ہوگئی۔ کچھ بھی مہلت نہ ملی جو دنیا میں زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو اس دن کے لئے تیاری کرتے۔ یہ تو ایک دم مصیبت کی گھڑی سامنے آ گئی۔ یہاں دنیا میں بھی ایسا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اگر پھانسی کے مجرم کی میعاد ایک ماہ مقرر کی جاوے تو جب مہینہ گزر چکے گا اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا مہینہ نہیں گزرا اور مصیبت جلدی ہی آ گئی۔ اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جیسے اس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور حکم لگاتے تھے کہ قیامت ویامت کچھ نہیں آنی۔ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں اور کسی خدا کے سامنے حاضر ہو کر ہمیں حساب نہیں دینا۔

الغرض ان منکرین کا تو یہ بیان ہوگا کہ وہ ایک ساعت سے زیادہ دنیا میں نہیں ٹھہرے۔ لیکن جن کو علم صحیح اور ایمان دیا گیا ہے وہ مومنین اس وقت ان کی تردید کریں گے۔ کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کے خبر اور لوح محفوظ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے۔ ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا جسے تم جانتے یا مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے اور ایمان لے آتے تو تیار ہو کر آتے۔ اور اس کے وقوع کو جلدی نہ سمجھتے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس وقت یہ مجرمین نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کہ کچھ کام آئے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو۔ کیونکہ اس کا وقت گزر چکا۔ اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔ تو یہ منکرین اس وقت پچھتائیں گے اور آج اس دنیا میں جبکہ خدا کی خوشنودی کے حاصل کرنے کا موقع ہے اور قرآن کریم کیسی عجیب عجیب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح ان کو سمجھاتا ہے تو ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔ کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں یا صاف سے صاف معجزے دکھلائے جائیں یہ منکرین سن کر اور دیکھ کر یہی کہہ دیتے ہیں کہ سب مل کر جھوٹ بنالائے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنالیں۔ دوسروں نے تصدیق کر لیں۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے اس طرح ملی بھگت کر کے اپنا دین پھیلانا چاہتے ہو۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کی کوشش کرے اور ضد اور عناد سے حق کا انکار کرتا رہے تو اس طرح شدہ شدہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی

4

ہے۔اور آخر کار ضد اور عناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔سورۃ کے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان بدبختوں کا حال ضد اور عناد کے اس درجہ تک پہنچ گیا ہے تو آپ ان کی مخالفت اور شرارت اور ایذا رسانی اور بدکلامی وغیرہ پر صبر کیجئے اور پیغمبرانہ صبر اور تحمل کے ساتھ اپنی دعوت اور اصلاح کے کام میں لگے رہئے۔اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔اور یہ منکرین آخر میں ناکام اور اہل حق کامیاب ہوں گے۔پس آپ اپنے کام پر جمے رہئے۔یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔

اسی بشارت اور تلقین پر سورت کو ختم فرمایا گیا۔علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ روز حشر کا ہول اور انتشار کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا کہ جو ان کو یوم حشر کی انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی میں محسوس ہوگا کہ جیسے قیامت اپنے وقت سے بہت پہلے آگئی اور ان لوگوں کو کچھ مہلت ہی نہ ملی۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے والے اہل ایمان انشاء اللہ اس وقت تمام تر محفوظ اور باحواس رہیں گے اور وہ ان کفار کو ان کے غلط احساس پر متنبہ کریں گے۔سورۃ کے اخیر میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی کہ حالات کیسے ہی سخت اور صبر آزما ہوں آپ کے ہاتھ سے دامن صبر و متانت اور استقامت کسی حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔اس میں تعلیم ہے ساری امت کیلئے عموماً اور اکابر امت کو خصوصاً کہ اپنے حال کا بڑا ارکھنا چاہئے۔کہ حتیٰ الامکان بے عقیدہ اور بے ایمان لوگوں کو کوئی موقع ہنسی یا طنز کا نہ ملنے پائے۔اور کافروں اور فاجروں کو کوئی موقع اعتراض کا ہاتھ نہ لگنے پائے۔یہی وہ قرآن حکیم کی تعلیم تھی کہ اس وقت وہ مٹھی بھر مسلمان جو مکہ کے کافروں اور مشرکوں کے ہاتھ سے بڑی بڑی جسمانی اور روحانی اذیتیں جھیلتے رہے لیکن ایسا صبر و استقلال شاذونادر ہی نظر آتا ہے۔قرآن کریم کے وعدوں پر پورا بھروسہ کرنے کے طفیل انہیں یہ اطمینان تھا کہ انجام کار وہ غالب اور منصور اور یہ کفار مغلوب اور مردود ہو کر رہیں گے۔آج ہم بھی انہی آیتوں کو پڑھتے اور سنتے ہیں مگر یقین کی کمی کے باعث اس کے وہ اثرات ہمارے قلوب پر ظاہر نہیں ہوتے جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں اس قرآن پاک کے الفاظ و معنی پیوست ہو جاتے تھے۔اور اسی بنا پر دنیا نے دیکھا کہ وہ کیا تھے اور کیا ہو گئے۔مولائے کریم صحابہ کرام کے ایمان و یقین کے طفیل میں ہم کو بھی کوئی حصہ ان کے کامل ایمان و یقین کا نصیب فرمائیں۔آمین۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ صحابہ کرام کے ذوق وشوق قرآنی کے طفیل میں ہم کو اور ہماری نسلوں کو بھی قرآن پاک سے محبت و لگاؤ نصیب فرمائیں۔اور اس کے علم و عمل اور اتباع کا شوق عطا فرمائیں۔اور ہمارے ایمان و یقین کو اس قرآن پاک کی بدولت مضبوط ولازوال بنائیں۔اور آخرت کا فکر نصیب فرمائیں۔اور قیامت کے ہول و ہیبت سے ہم کو اس دن مامون فرمائیں اور اپنے ایماندار مخلص بندوں میں ہم کو شامل فرما کر ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیں اور انہی کے ساتھ ہم پر اپنی مغفرت و رحمت فرما کر اپنی جنت میں ابدالآباد کے لئے داخلہ نصیب فرمائیں۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

الم یہ آیتیں ہیں ایک پُر حکمت کتاب کی۔ جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیک کاروں کیلئے۔ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے راستہ پر ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

الٓمّٓ الم	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ پُر حکمت کتاب	هُدًى ہدایت	وَرَحْمَةً اور رحمت	لِّلْمُحْسِنِيْنَ نیکوکاروں کیلئے	
الَّذِيْنَ جو لوگ	يُقِيْمُوْنَ قائم کرتے ہیں	الصَّلٰوةَ نماز	وَيُؤْتُوْنَ اور ادا کرتے ہیں	الزَّكٰوةَ زکوۃ	وَهُمْ اور وہ	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	
هُمْ يُوْقِنُوْنَ وہ یقین رکھتے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	عَلٰى پر	هُدًى ہدایت	مِّنْ رَّبِّهِمْ اپنے رب سے	وَاُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ	هُمْ وہ	
الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانے والے							

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اکیسویں پارہ کی سورۂ لقمان کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصۂ مضامین تعداد آیات درکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں وہ نصیحتیں نقل کی گئی ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام لقمان مقرر ہوا۔ حضرت لقمان کے متعلق انشاء اللہ تفصیلی ذکر دوسرے رکوع کے شروع میں جہاں آپ کی نصیحتیں منقول ہیں وہاں کیا جائے گا۔ یہاں اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ اکثر علمائے مفسرین کی رائے یہی ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک صالح پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل وفہم اور دانائی عطا فرمائی تھی اور آپ کی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی تھیں جن کا تذکرہ اہل عرب میں بھی تھا۔ الغرض چونکہ اس سورۃ میں حضرت لقمان کی نصیحتوں کا ذکر آ گیا اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام لقمان معین کر دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور مکہ کے درمیانی زمانہ میں سورۂ عنکبوت جو بیسویں پارہ میں گزر چکی اس کے بعد نازل ہوئی۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۳۱ ویں سورت ہے۔ لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۸۲ لکھا ہے یعنی ۸۱ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں۔ اور ۳۲ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورت میں ۳۴ آیات۔ ۴ رکوعات۔ ۵۵۴ کلمات

اور ۲۲۱ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورت میں بھی عقائد کی تعلیم یعنی توحید و رسالت کا اثبات۔ شرک کی مذمت۔ قیامت و آخرت کا وقوع۔ حشر و نشر۔ جزا و سزا اور جنت و جہنم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سورۃ میں پہلے اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن کریم کی باتیں حکمت سے موافق ہیں یعنی اس کی ہر بات میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر کام کا آخری نتیجہ بہتر و درست ہو خواہ اس کی خاطر تھوڑا سا بظاہر ذاتی فائدہ شروع میں چھوڑنا پڑے اسی بنا پر اس قرآن کریم کی باتوں سے اصل فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جن کی طبیعت نیک کاموں کی طرف جھکی ہوئی ہے اور جو انجام پر نظر رکھتے ہیں اور جن کا یہ یقین ہے کہ یہ دنیا عارضی قیام کی جگہ ہے اور انسان کی عمر محدود ہے اور اس دنیا کے بعد آخری لازمی نتیجہ آخرت ہے۔ پھر کچھ ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کا انجام اچھا نہیں اور آخرت میں ان کی وجہ سے بڑے مصائب اور آفات میں مبتلا ہونا لازمی ہے۔ ان میں اکثر چیزیں وہی ہیں جن میں فقط دنیا کی کھیل تفریح مقصود ہوتی ہے اور یہ وہی باتیں ہیں جن میں دنیا کے اکثر لوگ آج بھی مبتلا نظر آتے ہیں۔ مثلاً فضول قصے کہانیاں ناول۔ من گھڑت خیالی افسانے۔ ناچ رنگ۔ گانا بجانا۔ تھیٹر سینما بائیسکوپ۔ عالی شان مکانات۔ تصویر کشی۔ لچر پوچ شاعری۔ اور وہ تمام کام جن کو فنون لطیفہ اور ثقافتی تہذیب جیسے نام دے کر اچھا بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ سب وہی باتیں ہیں جن کا انجام آخرت میں اچھا نہ ہوگا۔ بلکہ دنیا ہی میں بہت سی برائیاں پھیلنے کا باعث بن رہی ہیں۔ پھر ان باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی جن کا انجام ہر جگہ اچھا ہوگا مثلاً اللہ کی پہچان۔ توحید کا اعتقاد۔ شرک سے نفرت۔ بری عادتوں اور بری باتوں سے اجتناب۔ نیکی اور اچھائی کی پند و نصیحتوں پر عمل۔ اس سورۃ میں حضرت لقمان کی نصیحتیں بیان کر کے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیائے عقلمند ان باتوں کی اچھائی پر متفق ہیں جنہیں قرآن میں اچھا کہا گیا ہے اور ان باتوں کو برا جانتے ہیں جن کو قرآن میں برا بتایا گیا ہے۔ پھر جتلایا گیا کہ آنکھیں کھول کر انسان دیکھے تو اللہ کی قدرت کی نشانیاں تمام عالم میں ظاہر ہیں جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اخیر میں قیامت کی باز پرسی سے ڈرایا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کے مضامین کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آئیں گی۔

اس تمہیدی تشریح کے بعد ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات الم سے فرمائی گئی۔ حروف مقطعات کے متعلق پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کے حقیقی مطلب اور معنی حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا حق تعالیٰ کے بتلانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا حروف مقطعات پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے کہ یہ بھید ہے اللہ اور رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا گیا۔ آگے قرآن کی مدح و فوائد کے بیان سے مضمون سورۃ شروع کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ آیتیں جو تم کو سنائی جاتی ہیں یہ ایک پر حکمت کتاب یعنی قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔ جو کچھ اس میں ہے وہ بندوں کے لئے عین حکمت ہے۔ نیک بختوں کے لئے ہدایت ہے۔ ان کو مقاصد دینی و دنیوی میں راہ راست دکھاتی ہے اور نیز رحمت بھی ہے کہ بہ نسبت امم سابقہ کے اس امت کے لئے اس میں نہایت سہل احکام ہیں۔ نیز یہ بھی کہ اس کے ماننے والے پر اور تلاوت کرنے والے پر اور اس پر عمل کرنے والے پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ تو اگرچہ یہ کتاب نفس نصیحت و فہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن و انس کے حق میں ہدایت و رحمت بن کر آئی ہے مگر فائدہ اس سے وہی اٹھاتے ہیں جو محسنین ہیں یعنی نیکوکار ہیں۔ نیکی اختیار کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم کے ابتدا ہی میں یعنی سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی ایسی ہی آیت آئی ہے جہاں ھدی للمتقین فرمایا ہے یعنی یہ کتاب ہدایت نازل اگرچہ ساری دنیا کے لئے ہوئی ہے۔ خطاب سارے عالم سے کر رہی ہے لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر خوف خدا موجود ہو اور جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ لاکھ عالمتاب سہی لیکن جن کی بصیرت ہی ضائع ہو چکی ان کے لئے

تیز سے تیز شعاع بیکار ہے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ ہو مگر ہیضہ کے مریض کے لئے لا حاصل بلکہ مضر ہے۔ سی طرح قرآن مجید سے استفادہ کے لئے اولین شرط دل کے اندر کا تقویٰ اور خوف خداوندی ہے۔ اسی طرح یہاں فرمایا ھُدًی ورحمة للمحسنین یعنی یہ کتاب ہدایت ورحمت ہے محسنین کے لئے۔ اب محسنین کون ہیں اور ان کی کیا صفات ہوتی ہیں یہ آگے بتایا جاتا ہے۔

پہلی صفت بتائی گئی۔ یقیمون الصلوٰة قائم اور درست رکھتے ہیں نماز کو یعنی خشوع وخضوع اور تمام آداب وشرائط ظاہری و باطنی کے ساتھ نماز کو ٹھیک ادا کرتے ہیں۔ بدنی عبادات میں نماز سب سے اہم ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔

دوسری صفت ویؤتون الزکوٰة فرمائی یعنی جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ مالی عبادت میں اہم ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔

تیسری صفت فرمائی وھم بالاخرة ھم یوقنون۔ اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ صفت جمیع اجزاء کو شامل ہے اس لئے کہ جو دار آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ پر بجمیع صفات بھی ایمان رکھتا ہے جو دار آخرت میں جزاوسزا کا دینے والا ہے اور اسی طرح ملائکہ اور انبیاء اور کتب الٰہیہ پر بھی ایمان رکھتا ہے جو دار آخرت کے لئے سعادت کے ہادی ہیں اور شقاوت سے مانع ہیں۔ یہاں دار آخرت کا ذکر اس لئے ہوا کہ یہی مسئلہ اہم تھا مخالف زیادہ تر اسی کے منکر تھے۔

اور دین اسلام میں توحید کے بعد آخرت کا مسئلہ ہی بنیادی حیثیت کا ہے۔ اللہ کے سارے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی ساری کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان لانے اور یقین رکھنے کی دعوت دی اور قرآن کریم نے تو آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی گئی ہے کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے بیان سے متعلق ہے۔ اور آخرت پر ایمان ویقین کا مطلب یہی ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک دن قطعی طور پر فنا کردی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے پھر سارے از ابتدا تا انتہا دنیا میں مرنے والوں کو جلائے گا۔ اور ان کا حساب کتاب ہوگا اور یہاں دنیا میں جس نے جیسا کچھ کیا ہے اسی کے مطابق جزا یا سزا اس کو دی جائے گی اور اسی جزاوسزا کے نتیجہ میں تمام انسانوں کا آخری۔ اور ابدی ٹھکانا جنت یا دوزخ ہوگا۔ جنت اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ورافت اور فضل وکرم اور انعام واکرام کا انتہائی مظہر ہے اور اس کی خوشنودی کا مقام ہے جہاں اس کی صفات جمالیہ کا پورا پورا ظہور ہوگا اور اسی طرح دوزخ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا انتہائی مظہر ہے اور اسکی ناراضی اور غصہ وغضب کا مقام ہے جہاں اس کی صفات جلالیہ کا پورا پورا ظہور ہوگا۔ یہی عقیدہ آخرت کی جزاوسزا کا ہے کہ اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین ومذہب اور اس کی تعلیمات وہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا۔ تو محسنین یعنی نیکوکاروں کی تیسری اہم صفت بتلائی گئی کہ وہ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یعنی انہیں اس دنیا کی زندگی میں ہر حال میں اس کا احساس رہتا ہے کہ میں آزاد اور خودمختار نہیں ہوں بلکہ کسی آقا کا بندہ اور غلام ہوں اور اس کے احکام کا پابند ہوں اور اپنی ساری کارگزاریوں پر اپنے آقا کے سامنے مجھے جواب دہی کرنی ہے۔

آگے ان محسنین کیلئے دو باتیں انعام میں عطا کرنے کا اظہار فرمایا گیا ایک اولٰئک علی ھدی من ربھم یعنی یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہدایت پر قائم ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ جو کہ دیگر اعمال بد کر کے ان کو سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، گویا ان کے ہدایت پر ہونے کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دے دی اور پورا اطمینان دلا دیا۔ دوسری بات واولٰئک ھم المفلحون۔ فرمائی کہ یہی فلاح پانے والے ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ نہ کہ برخلاف لوگ۔ اس طرح نجات آخرت کا بھی پورا اطمینان دلا دیا۔

یہاں تو محسنین یعنی نیک کاروں اور نیک بختوں کا بیان ہوا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہیں۔ اب آگے ان کے برخلاف ان بدبختوں کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے اللہ کے دین اور اس کی کتاب سے خود برگشتہ ہیں اور دوسروں کو بھی برگشتہ رکھنا چاہتے ہیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ

اور بعضا آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے

وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا

اور اس کی ہنسی اڑاوے ایسے لوگوں کیلئے ذلت کا عذاب ہے۔اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے سو اس کو ایک درد ناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔البتہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور انہوں نے نیک کام کئے اُن کیلئے عیش کی جنتیں ہیں۔جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

وَمِنَ اور سے	النَّاسِ لوگ	مَنْ جو	يَّشْتَرِيْ خریدتا ہے	لَهْوَ الْحَدِيْثِ کھیل کی (بیہودہ) باتیں	لِيُضِلَّ تاکہ وہ گمراہ کرے
عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	بِغَيْرِ عِلْمٍ بے سمجھے	وَيَتَّخِذَهَا اور وہ اُسے ٹھہراتے ہیں	هُزُوًا ہنسی مذاق	اُولٰۗىِٕكَ یہی لوگ
لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ذلت کا عذاب	وَاِذَا اور جب	تُتْلٰى عَلَيْهِ پڑھی جاتی ہیں اس پر	اٰيٰتُنَا ہماری آیتیں	وَلّٰى وہ منہ موڑ لیتا ہے
مُسْتَكْبِرًا تکبر کرتے ہوئے	كَاَنْ گویا	لَّمْ يَسْمَعْهَا اُس نے اُسے سُنا نہیں	كَاَنَّ گویا	فِيْٓ اُذُنَيْهِ اس کے کانوں میں	وَقْرًا گرانی
فَبَشِّرْهُ پس اسے خوشخبری دو	بِعَذَابٍ عذاب کی	اَلِيْمٍ دردناک	اِنَّ الَّذِيْنَ بے شک جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے
الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَهُمْ ان کے لئے	جَنّٰتُ النَّعِيْمِ نعمتوں کے باغات	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ
	حَقًّا سچا	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں محسنین یعنی نیک کاروں اور نیک بختوں کا ذکر ہوا تھا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہیں اور اسے پڑھ کر یا سن کر نفع اٹھاتے ہیں۔اب ان کے مقابلہ میں ان بدبختوں کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر۔ ناچ رنگ۔ گانا بجانا۔ کھیل تماشے یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل اور تفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کردیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کا ایک خاص شان نزول ہے نضر بن حارث جو کفار مکہ میں ایک رئیس تھا بغرض تجارت وسوداگری فارس جاتا تو وہاں سے شاہانِ عجم کے قصے وکہانیاں خرید کر لاتا اور قریش مکہ سے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں۔ان میں عاد وثمود وغیرہ کی بربادی کیا سنتے ہو جس سے سوائے رنج وغم کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔لو یہ ایرانی بادشاہوں اور پہلوانوں اور سورماؤں کے قصے اور ان کی عشق ومحبت کی داستانیں سنو جن میں تمہارا جی لگے اور لطف حاصل ہو اور زندگی کے اصل مشغلے تمہارے سامنے آئیں۔تو بعض اہل مکہ ان کو دلچسپ سمجھ کر ادھر متوجہ ہو جاتے۔ علاوہ ازیں اس نضر بن حارث نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی جس کو دیکھتا کہ اس کا دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکنے لگا تو

اس کے پاس اس لونڈی کو لے جاتا اور دل بہلانے کے لئے شراب کباب بھی ساتھ رہتا۔ اس لونڈی سے کہہ دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا۔ پھر اس شخص سے کہتا کہ دیکھ یہ بہتر ہے یا وہ جس طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ اور جان مارو۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

پس شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ برخلاف محسنین کے بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ جو قرآن سے اعراض کر کے ایسی باتیں اختیار کرتے ہیں کہ جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں۔ یہاں آیت میں **لهو الحديث** کے الفاظ آئے ہیں جس سے مفسرین نے کئی معنی مراد لئے ہیں۔ یعنی غنا۔ موسیقی۔ گانا بجانا۔ بیہودہ فضول جھوٹے قصے لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ اس میں گانے کا حصر اور تعین نہیں بلکہ اس کے مشابہ چیزیں گویا ہر بیکار۔ غیر مفید مشغلہ اس کے تحت میں داخل ہے جو حق کی طرف سے غفلت اور بے رغبتی پیدا کرنے والا ہو۔ اس طرح وہ سارے کھیل تماشہ جو جدید تہذیب اور تمدن نے خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرنے کے لئے گھڑ لئے ہیں جیسے سینما۔ تھیٹر۔ پکچر۔ ٹیلیویژن۔ ناول قصے۔ ڈرامے۔ غزل وافسانے وغیرہ وغیرہ یہ سب ممنوع اور ناجائز اور لہو الحدیث کے تحت میں آجاتے ہیں۔ علمائے محققین نے یہاں لکھا ہے کہ جو لہو یا مشغلہ دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو وہ حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے ہاں جو لہو کسی امر واجب کا فوت کرنے والا نہ ہو اور کوئی شرعی غرض ومصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح ہے لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ۔ تیراندازی۔ یا نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت جو حد شریعت میں ہو چونکہ معتدبہ اغراض اور مصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں۔ الغرض ان آیات میں یہاں بتلایا گیا کہ بعض لوگ اللہ اور رسول اور دین و اسلام کی باتوں سے روک کر کھیل تماشہ۔ گانے بجانے اور دیگر خرافات مشاغل وتفریحات میں لگاتے ہیں جس سے مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی بتائی ہوئی باتوں سے روکیں اور جس راہ پر دین اور قرآن انہیں چلانا چاہتا ہے اس کی ہنسی اڑائیں اور کہیں کہ اس دین نے تو انسان کی تفریح اور دل لگی کی ساری باتیں بند کر دیں۔ ہر وقت قرآن سنو۔ نماز پڑھو۔ مستحقین کی مالی امداد کرو۔ اللہ کی اطاعت وبندگی کرو۔ بس یہی چرچا رہتا ہے یہ بھی کوئی زندگی میں زندگی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ سن لیں کہ جس زندگی کی طرف وہ بلا رہے ہیں اس کا نتیجہ سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں اور عذاب بھی ایسا جس میں سوائے ذلت کے کچھ نصیب نہ ہو۔ جو لوگ خدا کی راہ کو ہنسی بنا لیتے ہیں اور آیات خدا کو بھی مذاق میں اڑا دیتے ہیں اور زندگی بھر جنہوں نے دین حق کی تحقیر اور بے وقعتی کی وہ نالائق اسی قابل ہیں کہ کل یوم آخرت میں ان کی بھی ہر طرح ذلت ورسوائی ہو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بدنصیب جو کھیل تماشوں۔ باجوں گاجوں اور راگ راگنیوں پر ریجھے ہوئے ہیں اور قرآن کی آیتوں سے بھاگتے ہیں۔ ان سے کان بہرے کر لیتے ہیں۔ یہ انہیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں اور سن بھی لیا تو بے سنی کر کے ٹال دیتے ہیں چونکہ ان کی کوئی اہمیت اور عزت ان کے دل میں نہیں۔ ایسے لوگ سن لیں کہ یہاں آج دنیا میں وہ خدا کی آیتوں سے اکتاتے ہیں تو کل قیامت کے دن عذاب بھی وہ ہوں گے کہ جو یہ اکتا اکتا اٹھیں گے۔ یہاں آیات قرآنیہ سن کر انہیں دکھ ہوتا ہے۔ وہاں دکھ دینے والے عذاب اسے بھگتنے پڑیں گے۔ تو اگرچہ ان آیات میں کفار مکہ کی طرف روئے سخن ہے مگر اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلام اور کار خیر سے روکنے کی سینکڑوں تدبیریں کیا کرتے ہیں۔ کہیں اسلام پر جھوٹے اعتراضات کرتے ہیں کبھی اہل اسلام کے نماز روزہ پر تمسخر کیا جاتا ہے۔ کہیں ناچ رنگ کی مجلسیں کر کے صدہا بندگان خدا کو آلودہ کیا جاتا ہے کہیں علوم اسلام اور علمائے کرام کی توہین کر کے

علم دین سے روکا جاتا ہے اور کفار کے لایعنی علوم کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔تو اس میں کفار مکہ ہی کی خصوصیت نہیں جو کوئی بھی ان جیسا ہو ان سب کے لئے عذاب الیم کا مژدہ ہے۔

آگے قرآن کریم کی جیسے عادت ہے کہ جب اہل شقاوت کا ذکر اور ان کی سزا کا بیان ہوتا ہے تو اہل سعادت اور ان کے انعام واکرام کا ذکر بھی آتا ہے اس لئے آگے اہل سعادت کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جو لوگ قرآن کا اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کا یقین کریں گے اور وہ اچھے کام جو اس نے بتائے ہیں اختیار کریں گے۔ان کو آخرت میں نعمتوں سے بھرے ہوئے آرام وراحت کے باغ رہنے کو ملیں گے اور عارضی طور پر نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے کے لئے اور وہ سدا انہیں میں رہا کریں گے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور بالکل سچا ہے یہ پورا ہو کر رہے گا اور وہ زبردست حکمت والا ہے پس کمال قدرت سے وعدہ اور وعید کو واقع کرسکتا ہے اور حکمت سے اس کو حسب وعدہ واقع کرے گا۔

ان آیات میں ایک تعلیم تو یہ ملتی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ فضول باتوں اور تضیع اوقات سے بچے اور ان باتوں کو سنے جن میں اس کا سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور یہ باتیں وہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔انہیں چھوڑ کر بے کار قصہ کہانیوں۔ناچ گانوں اور واہ واہ کے شور وغل اور تفریح اور دل لگی کے کاموں میں لگنا عذاب آخرت کو دعوت دینا ہے جس کی سختی ناقابل برداشت ہوگی۔اگر ہمارا دل قرآن مجید کے سننے سنانے۔اللہ کی عبادت اور دین کے کاموں میں نہیں لگتا اس کے برخلاف ناول۔قصے۔ڈرامے۔غزل افسانے۔ناچ گانے اور تفریح کے سامان میں ہمیں دلچسپی ہے تو یہ آثار اچھے نہیں یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے اور صرف آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا کی بھی تباہی مول لینا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے حالات پر رحم فرمائیں۔

دوسری تعلیم یہ ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جو انعام و اکرام کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے ان کی امید رکھنا اور ایمان اور عمل صالحہ سے غافل رہنا یہ اول درجہ کی حماقت ہے۔یہ جنت نعیم کا وعدہ تو حق تعالیٰ کا مومنین مخلصین اور عاملین صالحین ہی کے لئے ہے نہ کہ صرف نام کے اور گوشت کھانے کے مسلمانوں کے لئے جن کا مسلک یہ ہو کہ۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

الغرض یہ آیات **وھو العزیز الحکیم** کے جملہ پر ختم فرمائی گئیں یعنی وہ بڑی قوت اور حکمت والا ہے اسی نسبت سے آگے اللہ کی قوت اور بعض حکمتوں کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جہاں ہم کو یہ توفیق اور سعادت اپنے قرآن پاک کے پڑھنے اور سننے سنانے کی نصیب فرمائی ہے وہیں حق تعالیٰ ہم کو قرآن پاک کے اتباع کا ذوق شوق بھی نصیب فرمادیں۔اور ہمارے قلوب کو ہدایات قرآنی سے منور فرمائیں۔اور دین سے غفلت پیدا کرنے والی ہر چیز سے بچائیں۔اس وقت جو ممنوعات شرعیہ کا طوفان امڈا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس وقت میں ہمیں دین کو مقدم رکھنے اور ہر چھوٹی بڑی معصیت ونافرمانی سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائیں۔

اے اللہ ہمارے لئے ان باتوں اور کاموں کو جو کہ آپ کے اور آپ کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے ہوں سہل اور آسان فرمادیجئے۔اور ان باتوں اور کاموں کو جو آپ کی ناراضی کا باعث ہوں ان کو ہمارے لئے محال اور ناممکن بنادیجئے۔

اے اللہ آخرت میں اپنے فضل وکرم سے ہم کو اور ہمارے والدین کو اور ہماری اولادوں اور نسلوں کو مومنین مخلصین اور عاملین صالحین کے گروہ میں شامل فرماکر جنت نعیم میں رہنا نصیب فرمائیں۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلاستون کے بنایا تم اُن کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواڈول نہ ہونے لگے اور اس میں

فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾

ہر قسم کے جانور پھیلار کھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اُگائے۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع

اب تم لوگ مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

اور ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو، اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کیلئے شکر کرتا ہے اور ناشکری کرے گا تو

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔

خَلَقَ اس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	بِغَيْرِ عَمَدٍ بغیر ستون	تَرَوْنَهَا تم انہیں دیکھتے ہو	وَاَلْقٰى اور اسنے ڈالے	فِى الْاَرْضِ زمین میں		
رَوَاسِىَ پہاڑ (جمع)	اَنْ کہ	تَمِيْدَ بِكُمْ جھک (نہ) جائے تمہارے ساتھ	وَبَثَّ اور پھیلائے	فِيْهَا اس میں	مِنْ كُلِّ ہر قسم	دَآبَّةٍ جانور	
وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	فَاَنْۢبَتْنَا پھر ہم نے اگائے	فِيْهَا اس میں	مِنْ كُلِّ ہر قسم	زَوْجٍ جوڑے	
كَرِيْمٍ عمدہ	هٰذَا یہ	خَلْقُ اللّٰهِ خلقت (بنایا ہوا) اللہ کا	فَاَرُوْنِىْ پس تم مجھے دکھاؤ	مَاذَا کیا	خَلَقَ پیدا کیا	الَّذِيْنَ وہ جو	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا
بَلِ بلکہ	الظّٰلِمُوْنَ ظالم (جمع)	فِىْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کھلی گمراہی	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور البتہ ہم نے دی	لُقْمٰنَ لقمان	الْحِكْمَةَ حکمت	اَنِ کہ
اشْكُرْ تم شکر کرو	لِلّٰهِ اللہ کا	وَمَنْ اور جو	يَّشْكُرْ شکر کرتا ہے	فَاِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں (صرف)	يَشْكُرُ وہ شکر کرتا ہے	لِنَفْسِهٖ اپنے لئے	
	وَمَنْ كَفَرَ اور جس نے ناشکری کی	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	غَنِىٌّ بے نیاز	حَمِيْدٌ تعریفوں کے ساتھ			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مومنین وصالحین اور انکا آخرت میں انجام اور منکرین ومخالفین قرآن کا انجام دونوں بیان فرمائے گئے تھے۔ مومنین وصالحین کے لئے انعام واکرام کا وعدہ اور دائمی جنت کی بشارت سنائی گئی تھی اسی طرح منکرین ومخالفین قرآن کو عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ اور یہ وعدہ اور وعید بیان فرما کر آگاہ کیا گیا تھا کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا اور اٹل ہے اور ساتھ ہی بتلایا گیا تھا کہ وہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔ اس لئے اس کا وعدہ پورا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جھوٹ وہ بولتا ہے جو عاجز ہو یا احمق اور خدا ان دونوں سے پاک ہے پھر وہ جھوٹا وعدہ کیوں کرے گا۔ گذشتہ آیات کا مضمون وھو العزیز الحکیم کے جملہ پر ختم فرمایا تھا یعنی وہ بڑی قوت اور حکمت والا ہے۔ اس کی قوت کے آگے کسی کی قوت نہیں چلتی اور اس کا کوئی کام یا حکم حکمت سے خالی نہیں۔ اب ان آیات میں اس کی قوت وحکمت کو ظاہر کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ تم اس کی قوت اور حکمت کا اندازہ اس سے کر سکتے ہو کہ نظر اٹھا کر آسمان کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان بلاستون کے بنائے یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان بلند اور

مضبوط چھت خدا نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون اور کھمبا دکھائی نہیں دیتا جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی ہو۔ بجز اس کے اور کیا کہا جاوے کہ محض اس کی قدرت کے سہارے اس کا قیام ہے۔ دوسری مثال اس کی قدرت کی یہ بیان فرمائی کہ زمین کو مضبوط کرنے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری بھاری پہاڑ رکھ دیئے تا کہ زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے زمین کی کپکپی بند ہوئی۔ آج کی جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ تیسری مثال قدرت الٰہیہ کی یہ بیان فرمائی کہ زمین پر قسم قسم کے جانور اس خالق حقیقی نے پیدا کئے کہ آج تک کوئی ان کا حصر و شمار نہ کر سکا۔ کوئی پاؤں سے چلنے والے کوئی بغیر پاؤں کے چلنے والے۔ کوئی دو پاؤں پر چلنے والے کوئی چار پاؤں پر اور کوئی اس سے بھی زیادہ چوتھی مثال بیان فرمائی کہ آسمان سے بارش اتار کر زمین میں سے طرح طرح کی پیداوار اگا دی۔ قسم قسم کی جڑی بوٹیاں۔ پودے اور خوش منظر نفیس اور کار آمد درخت۔ ترکاریاں میوے۔ غلہ وغیرہ پیدا کئے۔ قدرت خداوندی کی مثالیں بیان فرما کر مسئلہ توحید جو قرآن کریم کی اہم تعلیم ہے بیان کرنے کا قرینہ نکل آیا اس لئے اہل شرک کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ اللہ کی قدرت۔ صفت و حکمت پر تو آسمان زمین میں ایسے ایسے روشن دلائل اور نشانیاں موجود ہیں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اب تم ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیوی دیوتاؤں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان کے کون سے مخلوقات اور مصنوعات ہیں؟ دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے کیا کیا بنایا ہے؟ جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے ان کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جس کے دست قدرت میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ تمہارے معبودوں کو تو ایک ذرہ پیدا کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ تو باوجود اس قدر صاف اور واضح دلیل کے یہ بے انصاف لوگ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ صریح گمراہی اور جہالت کے اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ سبحان اللہ رد شرک کے لئے کیا عمدہ دلیل و برہان ہے۔ جس کو کہ ایک اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ اور ایک حکیم و دانا سے لے کر ایک جاہل گنوار تک برابر سمجھ سکتا ہے اس موقع پر حضرت علامہ عبدالحق محدث و مفسر دہلویؒ مؤلف تفسیر حقانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک پادری صاحب بڑے زور شور سے دعوے کر رہے تھے کہ عیسیٰ مسیح خدا ہے اور خدا کا بیٹا ہے۔ اتفاقاً وہاں ایک دیہاتی گنوار بھی موجود تھا۔ اس نے کہا پادری صاحب اگر عیسیٰ خدا کا سپوت یعنی لائق بیٹا ہے تو کوئی آسمان و زمین اس کا بنایا ہوا بھی دکھاؤ اور جو اس نے باپ کی طرح کوئی چیز نہیں بنائی تو کپوت یعنی نالائق بیٹے کا ذکر کیا ہے۔ پادری صاحب بغلیں جھانکنے لگے اور کچھ جواب نہ بن پڑا۔

آگے شرک و عصیان کی مذمت اور برائی ظاہر کرنے کے لئے حضرت لقمان اور ان کی نصیحتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان کے لئے جو مفید اور اچھی باتیں ہیں ان کی عقلمند انسانوں نے اپنی فطری سوچ و سمجھ سے ہمیشہ تصدیق اور تائید کی ہے اور خدائے تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا اعتقاد ان حکما کا بھی قول ہے کہ جن کی حکمت کے اہل عرب بھی قائل ہیں اور جن کے اقوال دلائل عقلیہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے یہاں آگے لقمان حکیم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک وضاحت یہ سمجھ لی جائے کہ حضرت لقمان کے ساتھ حکیم کا لفظ جو لگایا جاتا ہے تو یہ طبیب کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ہاں حکیم کو طبیب کا ہم معنی غلطی سے سمجھ لیا گیا ہے حکیم عقل اور دانش رکھنے والے کو کہتے ہیں اور اسی لئے حضرت لقمان کو حکیم کہا جاتا ہے۔

یہ حضرت لقمان کون تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کس زمانہ میں ہوئے؟ مفسرین میں ان کی شخصیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ کوئی مقبول اور صالح و برگزیدہ بندہ تھے اور ایسے کہ اہل عرب قرآن کے مخاطبین اول ان کے نام سے مانوس تھے اور انکی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی تھیں۔ یہاں رب العزت نے انکی نصائح کا ایک حصہ نقل فرما کر ان کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا۔ تو اہل عرب کے یہاں ان کی شخصیت مشہور ہونے کے باوجود انکے حالات۔ خاندان و نسب سے متعلق مختلف اقوال اور متضاد رائیں

پائی جاتی ہیں اور یہ اس لئے کہ قدیم تاریخ اور کلام جاہلیت میں ایک نہیں اس نام کے تین تین شخصوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت لقمان کے متعلق یہ اختلاف سلف سے چلا آ رہا ہے کہ آیا آپ نبی تھے یا محض ولی اور بندۂ صالح۔ دونوں قول منقول ہیں لیکن جمہور علمائے مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ آپ نبی نہ تھے صرف حکیم تھے۔ آپ کے زمانہ کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ ملک حبشہ کے رہنے والے تھے اور ایک آزاد شدہ غلام تھے لیکن علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جو تحقیق اپنی کتاب ارض القرآن اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے جو اپنی تحقیق قصص القرآن میں لکھی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا زمانہ 3000ء ق۔م۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی بہت پہلے کا ہے اور آپ قوم عاد ثانیہ کے ایک نیک نفس بادشاہ تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کے پیرو تھے اور عربی النسل تھے۔ بہر حال حضرت لقمان عرب میں نزول قرآن کے وقت تک اپنی فہم و فراست اور عقل و دانش کی بنا پر ''حکیم'' کے لقب سے مشہور تھے اسلئے مشرکین مکہ کو یاد دلایا جاتا ہے کہ جن کی حکمت کے تم بھی قائل ہو وہ بھی توحید کے قائل تھے اور شرک سے بیزار تھے چنانچہ انہی حضرت لقمان کی بعض نصیحتوں کو حق تعالیٰ نے یہاں اس سورۃ میں بیان فرمایا ہے۔ اب یہاں ایک تنبیہ مفسرین نے لکھی ہے کہ اگر کوئی معترض اشکال کرے کہ کتاب الٰہی میں کسی حکیم کی یونہی نصیحتیں نقل کر دی جاویں تو کتاب الٰہی پر دھبہ لگتا ہے کہ گویا خدا حکیموں سے نصیحتیں سیکھ کر بیان فرماتا ہے اس لئے اس رفع اعتراض کے لئے اس جگہ یہ اسلوب بدل دیا اور کلام اللہ ہونے کی اس میں بھی شان دکھلا دی اس لئے اول فرمایا ولقد اتینا لقمٰن الحکمۃ۔ اور بیشک ہمنے لقمان کو حکمت و دانائی عطا کی تا کہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ حضرت لقمان کی یہ نصیحتیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام یا تعلیم کی ہوئی ہیں۔ تو یہاں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی اور ساتھ ہی ان کو یہ حکم دیا کہ میری سب نعمتوں پر عموماً اور نعمت حکمت پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور اس کا حق ماننا ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکر گزاری سے خدائے قدوس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ جو کچھ فائدہ ہے خود شاکر کا ہے کہ دنیا میں شکر گزاری کی بدولت مزید انعام اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر کوئی ناشکری کرے گا تو خود اپنا نقصان کرے گا۔ کیونکہ اللہ کی ذات تو بے نیاز ہے اس کو کسی کے شکر کی کیا حاجت اور پرواہ ہو سکتی ہے۔ اس کی حمد و ثنا تو ساری مخلوق زبان حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی وہ جامع الصفات اور منبع کمالات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے کسی کے حمد و شکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔

یہاں دلائل توحید کے ساتھ یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر واجب ہے۔ اب شکر ادا کرنے کے لئے شکر کی ماہیت معلوم ہونی ضروری ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ شکر کے دو رکن ہیں۔ علم و عمل۔ اول علم ''یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا نیز یہ سمجھنا کہ تمام نعمتیں حق تعالیٰ ہی مرحمت فرماتا ہے اور جس قدر اسباب اور واسطے اس نعمت کے ہم تک پہنچنے میں پیش آئے ہیں وہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ میں ہیں کہ اس کے حکم بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کر سکتا ہے نہ کوئی چیز کسی کو مل سکتی۔ دوسرا رکن عمل یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرنا اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ کیا چیز کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین کی مخلوقات کو اس غرض سے دیکھنے میں صرف کرے کہ عبرت و نصیحت حاصل ہو اور خالق برتر کی معرفت و عظمت اور کبریائی سے آگاہی حاصل ہو اور ستر کو دیکھنے اور نامحرم پر نظر ڈالنے سے اسے روکے۔ اسی طرح کان ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دین اور لغو اور فضول، اور گناہ کی باتیں سننے سے روکے۔ اسی طرح زبان کو یاد خدا اور حمد و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور بے جا شکوہ و شکایت اور فضول گناہ کی باتوں سے سے باز رکھے۔ غرض کہ تمام اعضاء و جوارح و مال و متاع اور عزت و جاہ سب کا شکر یہ یہی ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کی طاعت میں مشغول رکھا جائے کیونکہ انسان پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے اور ان کو ان باتوں اور کاموں سے روکا جائے جن سے منع کیا گیا ہے۔

اب آگے حضرت لقمان نے جو اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔

وَاِذْ اور جب	قَالَ کہا	لُقْمٰنُ لقمان	لِابْنِهٖ اپنے بیٹے کو	وَهُوَ اور وہ	يَعِظُهٗ اسے نصیحت کررہا تھا	يٰبُنَيَّ اے میرے بیٹے	
	لَا تُشْرِكْ تو نہ شریک ٹھہرا	بِاللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِنَّ الشِّرْكَ بیشک شرک	لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ البتہ ظلم عظیم			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اثبات توحید اور مذمت شرک کے سلسلہ میں حضرت لقمان کا ذکر ہوا تھا جو بوقت نزول قرآن عرب میں اپنی فہم وفراست اور عقل و دانش کی بنا پر ''حکیم'' کے لقب سے مشہور تھے۔ قرآن کریم نے آپ کی عقل وفہم اور متانت و دانائی کی تعریف فرمائی۔ آپ نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں۔ یہاں حضرت لقمان کے ذکر سے مشرکین کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ شرک کا قبیح ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاء کی وحی سے ثابت ہے اسی طرح دنیا کے منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے شرک کی برائی کی تائید اور تصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا کھلی ہوئی گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ چنانچہ اب حضرت لقمان کی وہ نصیحتیں بیان کی جاتی ہیں جو انہوں نے بوقت فہمائش اپنے فرزند کو کی تھیں۔ یہ معلوم نہیں کہ بیٹا مشرک تھا اور سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا اور اسے مضبوط جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیتیں فرمائی تھیں۔ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو سب سے پہلی نصیحت جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے وہ شرک باللہ سے اجتناب اور توحید کے التزام کی ہے کیونکہ ''دین حق'' میں یہی وہ حقیقت ہے جو حنیف کو مشرک سے ممتاز کرتی ہے اور شرک ہی سب سے بڑا گناہ ہے کہ جو کسی حالت میں بھی قابل بخشش نہیں مگر یہ کہ اس سے صحیح اور سچی توبہ دنیا ہی میں کرلی جائے۔ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔ بیشک شرک کرنا ظلم عظیم یعنی بڑا بھاری ظلم ہے۔ حضرت لقمان نے شرک کو ''ظلم عظیم'' فرمایا۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ جب ساتویں پارہ سورۂ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی۔ **الذین اٰمنوا ولم یلبسوآ ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون ٥** (وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو۔ ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی سیدھی راہ پر چل رہے ہیں) یعنی خدا کی مغفرت اور رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بات بہت شاق گزری اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا تو کوئی شخص بھی نہ ہوگا جس نے خدائے تعالیٰ کے احکام کے پیش نظر کچھ نہ کچھ ظلم نہ کیا ہو تب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا **یبنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم ٥** (اے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے) تو مطلب یہ ہوا کہ آیت **لم یلبسوا ایمانھم بظلم** میں ظلم سے مراد شرک ہے نہ کہ معصیت۔ اسی بنا پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں

کرتے ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں۔تو یہاں سے معلوم ہوا کہ آدمی ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی شرک میں گرفتار ہوسکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ مسلمان کہلانے والے بھی شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔لیکن آیت مذکورہ میں ایمان وہی مطلوب ہے جس میں شرک کی ملاوٹ نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت کے تحت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرعی ہے نہ اس کے ذریعہ سے امن وہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔سورۂ یوسف تیرہویں پارہ میں ایک جگہ ارشاد ہے وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔اس آیت پر حضرت علامہ عثانی نے لکھا ہے کہ زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بنا رہا ہے۔کوئی اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے۔کسی نے احبار ورہبان کو خدائی اختیارات دے دیئے ہیں۔ بہت سے تعزیہ پرستی۔قبر پرستی کے خس وخاشاک سے توحید کے صاف چشمہ کو مکدر کر رہے ہیں۔ریا۔نام ونمود اور ہوا پرستی سے تو کتنے موحدین ہیں جو پاک ہوں گے۔غرض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے بہت کم ہیں جو عقیدہ یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا خفی کا ارتکاب نہیں کرتے۔'' اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے ہمیں اور آپ کو محفوظ فرمائیں۔

بہرحال یہاں معلوم ہوا کہ اخروی فلاح ونجات کے لئے خالص توحید الٰہی کو پکڑنا اور شرک سے بچنا کتنا اہم اور ضروری ہے۔اور اس اہمیت کی بنا پر مسئلہ توحید قرآن پاک کا خاص الخاص موضوع دعوت ہے اور قرآن کریم نے دوسرے تمام مسئلوں سے زیادہ زور اسی پر دیا ہے۔اور قرآن سے پہلے آنے والی تمام اللہ کی کتابوں اور تمام اللہ کے رسولوں کی تعلیم ودعوت کا مرکزی نقطہ بھی توحید ہی کا مسئلہ رہا ہے۔

قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آ گیا ہو کیونکہ اور امتوں قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائیں ہیں حالانکہ اللہ کے تمام پیغمبروں اور سچے داعیوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی تھی بلکہ قرآن مجید کا تو بیان ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو۔ الغرض شرک ہمیشہ سے انسانوں کی بڑی خطرناک اور بڑی عام بیماری رہی ہے اسی لئے قرآن مجید میں جو اللہ کی طرف سے آخری کتاب ہدایت ہے اور جس کے بعد انسانوں کے لئے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں توحید کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ واضح اور روشن کیا گیا ہے بلکہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے جس سے اگلی امتوں میں شرک آیا۔قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر توحید کا درس ختم نہیں کر دیا کہ خدا ایک ہے اس کے سوا کسی کی بندگی اور عبادت نہ کی جائے بلکہ توحید فی الذات کے علاوہ قرآن پاک نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کر کے بتلایا کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی میں ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے اسی طرح اپنے افعال واختیارات میں بھی وہ وحدہ لاشریک ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح وحدہ لاشریک ہے۔قرآن پاک نے توحید کے ان سب پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عملی۔جلی یا خفی شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ پھر علاوہ اس درس توحید کے جو قرآن عزیز نے پیش کیا ہے اگر ذخیرۂ حدیث پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا کہ خدا کے آخری پیغمبر۔اور توحید الٰہی کے آخری ناشر اور ملت آسمانی کے آخری معلم۔ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کتنی شدومد کے ساتھ توحید کی تعلیم دی ہے اور شرک کے استیصال میں کسی قدر جدوجہد فرمائی ہے۔ مگر اب جب کہ ہماری اکثریت قرآن و حدیث میں سے دست برداری اختیار کر لے تو ان کی تعلیمات کا علم کیسے حاصل ہو؟ اور اب تو سائنس اور ٹیکنالوجی کا وقت بتلایا جاتا ہے علم قرآن وحدیث حاصل کرنا تو درکنار اب تو کوئی سرے سے حدیث ہی کا منکر ہے تو کوئی قرآن کا مخالف ومحرف انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور پھر بھی دعوئے اسلام وایمان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک صحیح حدیث میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جبکہ آدمی کی تعریف صرف اس پر ہوا کرے گی کہ وہ کتنا بڑا عاقل۔ کیسا خوش مزاج اور کتنا قوی و بہادر ہے لیکن اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا پتہ نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

الغرض قرآن وحدیث کی روشنی میں اخروی فلاح ونجات کا مدار دو ہی چیزیں ہیں۔

(۱) ایک ایمان یعنی عقائد۔

(۲) دوسرے اعمال صالحہ۔ اور اعمال کو ایمان سے وہی رشتہ اور تعلق ہے جو شاخوں کو جڑ سے اور مکان کی دیواروں کو بنیادوں سے ہوتا ہے۔ شاخوں کی تروتازگی اور شادابی جڑ کی تروتازگی اور مضبوطی پر موقوف ہے اور دیواروں کی پائیداری اور چھت کا قیام بنیادوں کی مضبوطی اور استواری پر موقوف ہے اگر درخت کی جڑیں تندرست اور مضبوط ہوں گی تو اس کی شاخیں خوب پھولیں پھلیں گی اور اگر بنیادیں مضبوط ہوں گی تو دیواریں پائیدار اور چھت دیرپا ہوں گی لیکن اگر درخت کی جڑیں کرم خوردہ ہوں گی تو شاخیں مرجھا جائیں گی اور پھول پھل نہیں سکیں گی اور اگر مکان کی بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہوں تو دیواروں اور چھت کا بھی یہی حال ہوگا اور ایسا کمزور بنیادوں والا مکان رہائش کے قابل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی کا ایمان شرک کی ناپاکی سے ملوث ہوگا تو اس کے اعمال بھی بیکار اور بے نتیجہ ثابت ہوں گے۔ تو جب شرک ایسی لعنت اور بری بلا ہے اور ایسا سنگین جرم ہے جس سے دنیا میں اگر توبہ نہ کر لی جائے تو آخرت میں ہرگز معاف نہ ہوگا تو اس سے بچنا کس قدر ضروری ہوا۔ اور صحیح توحیدی عقائد کا حاصل کرنا کتنا لازم ہوا۔ اس لئے اسی درس کے سلسلہ میں توحید ذاتی۔ توحید الوہیت۔ توحید صفات و افعال و اختیارات اور توحید حقوق اور توحید فی الدعا اور توحید فی العبادہ کی تعلیم جو قرآن وحدیث نے پیش کی ہے اس کو آئندہ درس میں عرض کیا جائے گا تا کہ شرک کی تمام اقسام مثلاً شرک فی الذات شرک فی العلم شرک فی التصرف شرک فی الدعا اور شرک فی العبادہ وغیرہ کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے۔ اس لئے آئندہ درس بھی اسی آیت پر ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں توحید خالص کی دولت عطا فرمائیں اور ہر طرح کے خفی اور جلی شرک سے ہمارے اعمال وعقائد کو محفوظ رکھیں۔ اور ہم کو قرآن وحدیث سے تازندگی وابستہ رکھیں۔ اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق حسن عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ

اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اُس کا دودھ چھوٹتا ہے

اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ

تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے

عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ

جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اُن کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو، پھر تم سب کو

مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلادوں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔

وَوَصَّيْنَا اور ہم نے تاکید کردی	الْاِنْسَانَ انسان	بِوَالِدَيْهِ اسکے ماں باپ کے بارہ میں	حَمَلَتْهُ اسے پیٹ میں رکھا	اُمُّهٗ اسکی ماں	وَهْنًا کمزوری		
عَلٰى وَهْنٍ پر کمزوری	وَفِصٰلُهٗ اور اس کا دودھ چھڑانا	فِيْ عَامَيْنِ دوسال میں	اَنِ اشْكُرْ لِيْ کہ تو میرا شکر کر	وَلِوَالِدَيْكَ اور اپنے ماں باپ کا			
اِلَيَّ میری طرف	الْمَصِيْرُ لوٹ کر آنا	وَاِنْ اور اگر	جَاهَدٰكَ وہ تیرے ساتھ کوشش کریں	عَلٰى پر (کی)	اَنْ تُشْرِكَ کہ تو شریک ٹھہرائے	بِيْ میرا	
مَا لَيْسَ جس کا نہیں	لَكَ تجھے	بِهٖ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	فَلَا تُطِعْهُمَا تو ان دونوں کا کہنا نہ ماننا	وَصَاحِبْهُمَا اور انکے ساتھ بسر کر	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	
مَعْرُوْفًا اچھے طریقہ سے	وَاتَّبِعْ اور تو پیروی کر	سَبِيْلَ راستہ	مَنْ جو	اَنَابَ رجوع کرے	اِلَيَّ میری طرف	ثُمَّ پھر	اِلَيَّ میری طرف
	مَرْجِعُكُمْ تمہیں لوٹ کر آنا ہے	فَاُنَبِّئُكُمْ سو میں تمہیں آگاہ کروں گا	بِمَا جو کچھ	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم رتے تھے			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت ذکر فرمائی گئی تھی جو توحید باری تعالیٰ کے اختیار کرنے اور شرک کے نہ کرنے کے متعلق تھی۔ حضرت لقمان کی مزید نصیحتیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں وہ ان آیات کے بعد پھر آگے بیان کی گئی ہیں۔ درمیان میں توحید کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو ان آیات میں بطور جملہ معترضہ کے ہے جس میں ماں باپ کی اطاعت و شکر گزاری کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمائی گئی کہ شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب مفسر و محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ

حضرت لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد اور آئندہ آنے والی دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق بیان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق ہے گویا باپ نے یعنی حضرت لقمان نے اللہ کا حق بتلایا اور اللہ تعالیٰ نے باپ کا حق بتایا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات میرے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے خدا نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں

اور کہنے لگیں کہ بیٹا یہ نیا دین تو کہاں سے نکال لایا۔ سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی پیاسی مرجاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور چہار طرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا۔ اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا۔ خوشامدیں کیں سمجھایا کہ خدا کے لئے اپنی ضد سے باز آجاؤ۔ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی حیص بیص میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور ان کی حالت بہت ہی خراب ہوگئی تو میں ان کے پاس گیا اور میں نے کہا سنو اماں جان تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو مگر دین سے زیادہ عزیز نہیں ہو واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تب بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہوگئی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

مخالفین اسلام کہا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ کوئی ان کم بختوں سے پوچھے کہ یہاں کون سی تلوار تھی جس کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات صحابہ کو خوف وخطر تھا۔

اس روایت سے ''بھوک ہڑتال'' کی بھی حقیقت معلوم ہوگئی کہ یہ جاہلیت کی رسم تھی جس کو ہندوستان میں گاندھی نے انگریزوں کے خلاف بطور حربہ کے استعمال کیا اور اب دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی یہ چیز رائج ہوگئی چنانچہ آئے دن بھوک ہڑتالیں منائی جاتی ہیں جو شرعاً قطعاً ناجائز ہے۔

ان آیات کی تشریح سے پہلے ایک دلچسپ بات ملاحظہ ہو کہ روافض یعنی شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کے چالیس پارے تھے دس سنیوں نے حذف کر لئے (تاریخ قرآن اور موجودہ قرآن نعوذ باللہ بقول ان کے محرف ہے اور آیتیں الٹ پلٹ کر دی گئی ہیں کہیں کی آیتیں کہیں رکھ دی گئیں جس سے مطلب خبط اور بے ربط ہو گیا۔ چنانچہ آیتوں کے الٹ پلٹ کے ثبوت میں وہ ایک مثال ان آیات زیر تفسیر کی پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تذکرہ تو ہو رہا تھا لقمان کی نصیحتوں کا اپنے بیٹے کو اور بیچ میں ماں باپ کی اطاعت گزاری کا حکم آ گیا اور پھر لقمان کی نصیحتیں جاری ہوگئیں۔ تو شیعوں کے نزدیک موجودہ قرآن کی آیتوں کے بے ربط کر دینے کی ایک یہ مثال ہے جس کو وہ پیش کرتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اب یہ ہے تو دوسرا موضوع مگر چونکہ ان آیات کے سلسلہ میں ذکر آ گیا اس لئے مختصراً کچھ اس الزام کے متعلق بھی سن لیجئے۔

مخالفین و معاندین جو موجودہ قرآن کریم پر اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں تو ہمارے علمائے محققین نے ماشاء اللہ بڑے دندان شکن اور مفصل اور طول طویل جوابات ایسے الزامات کے دیئے ہیں۔ ابھی بالکل قریب ہی زمانہ میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مجددی لکھنویؒ گزرے ہیں انہوں نے ''حفاظت قرآن'' کے عنوان سے قرآن کریم کی آیات ہی سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف لفظی و معنوی سے بالکل پاک ہے اور یہ کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی تحریف ناممکن ہے جو قرآن کا ایک زندہ معجزہ ہے خیر ہمارا تو بحمداللہ یہ ایمان ہی ہے ہمیں تو اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ مگر مولانا موصوفؒ نے اس سلسلہ میں مخالفین کے الزام کے متعلق جو لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ مولاناؒ لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہور مخالفین (یعنی شیعہ صاحبان) کے عقیدہ میں یہ قرآن مجید جو آج مسلمانوں کے پاس ہے اور ہر زمانہ میں یہی قرآن مجید مسلمانوں کے پاس رہا محرف ہے اور تحریف کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں سب بقول ان کے اس قرآن میں ہوئی ہیں۔ جا بجا سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں اور اس میں زیادتی بھی ہوئی ہے۔ جا بجا انسانی کلام اس میں شامل کر دیا گیا اور اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی بھی

ہوئی ہے اوراس کی ترتیب بھی خراب کردی گئی ہے ترتیب کی چار قسمیں ہیں اول ترتیب سورتوں کی۔ دوم ترتیب آیتوں کی۔ سوم ترتیب کلمات کی۔ چہارم ترتیب حروف کی۔ کتب شیعہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ چاروں قسم کی ترتیب بگاڑ دی گئی ہے۔ اگر صرف سورتوں کی ترتیب میں کلام کیا جاتا تو چنداں خرابی نہ تھی کیونکہ ہر سورت بجائے خود مستقل چیز ہے اس کے تقدم وتاخر سے مقصود کلام پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ بخلاف باقی تین ترتیبوں کے کہ ان سے مقصود کلام کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ مخالفین کی کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے محرف ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کس قدر اہتمام کیا ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی کسی اور مسئلہ میں نہیں کیا اس اہتمام کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آج ان کی معتبر کتابوں میں، ائمہ معصومین سے زائد از دو ہزار روایت تحریف قرآن کی منقول ہیں اور تحریف کی نفی میں ایک روایت بھی ان کے کسی امام سے ان کی کسی کتاب میں نہیں۔ (بحوالہ تفسیر آیات قرآنی صفحہ ۶۴۶ از مولانا لکھنویؒ)

اب قرآن پر تو مخالفین نے یوں ہاتھ صاف کیا۔ اب اس ضمن میں حدیث کا حال بھی سن لیجئے۔ ائمہ محدثین حنفیہ میں ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت مشہور ومعروف ہے۔ احادیث کے پرکھنے۔ جرح اور تعدیل میں آپ کے کارنامے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علم حدیث کی تاریخ سے جو واقف ہیں ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ بدخواہاں ملت نے وضع احادیث کا فتنہ کھڑا کیا تھا یعنی بہت سے اقوال وافعال کا انتساب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردیا کہ آپ نے یہ کیا یا آپ نے یہ فرمایا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین حق کو قیامت تک باقی رکھنا تھا اس لئے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے والے علمائے محدثین بھی ہمیشہ موجود رہے جنہوں نے کھرا کھوٹا الگ کر دکھایا۔ ''موضوعات کبیر'' ملا علی قاریؒ کی کتاب اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے جس میں احادیث موضوعہ کو جمع کر کے امت کو ان کے فتنہ اور ضرر رساں اثرات سے محفوظ و مامون فرمایا۔ اسی کتاب ''موضوعات کبیر'' میں آپ نے دیگر محدثین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ روافض نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت کے فضائل میں ۳ لاکھ احادیث وضع کی ہیں یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑی ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اب یہاں جب معاندین کی طرف سے تحریف قرآن کا ذکر آ گیا تو مختصراً یہ بھی سن لیجئے کہ قرآن کیسے جمع ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے پورا قرآن شریف نازل کیا گیا۔ کیونکہ آپ امی تھے جو کچھ نازل ہوتا آپ زبانی یاد فرما لیتے اور اپنے صحابہ کو یاد کرا دیتے اور حکم دیتے کہ لکھ لیا جائے چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کاغذ کے ٹکڑوں۔ کھجوروں کے پتوں۔ لکڑی کے تختوں پتھر کے ٹکڑوں چمڑے کے غلافوں اور کپڑے کے تھیلوں وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ تو عام صحابہ کا حال تھا لیکن چند صحابہ رضوان اللہ علیہم یہ مخصوص تھے جو کتاب وحی کے نام سے پکارے جاتے تھے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے وحی لکھنے کے لئے مامور فرمایا تھا۔ ان کو آپ لکھنے کا حکم دیتے اور یہ بھی حکم دیتے کہ فلاں آیت کو فلاں سورۃ میں لکھو۔ یہ سب متفرق لکھے جاتے رہے مگر جب قرآن حکیم کا ایک معتد بہ حصہ آ چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اور بہ اشارۂ جبرئیل امین۔ اسی ترتیب سے حفظ کروانا شروع کیا جو ترتیب لوح محفوظ میں ہے اور جو آج تک موجود ہے۔ جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رمضان ۱۰ھ میں تو دو بار پورا قران شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سنایا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت ایک خاصی بڑی جماعت حفاظ قرآن کی موجود تھی جن کو پورے کا پورا

5 قران شریف اسی موجودہ ترتیب الحمد سے والناس تک حفظ تھا۔ لیکن اس موجودہ صورت میں صرف اس کی تحریر عمل میں نہیں آئی تھی ۱۱ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے آپ کے زمانہ خلافت میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی جنگ ہوئی اس میں ۷۰ سے زیادہ حفاظ قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم شہید ہوگئے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ قرآن شریف مطابق لوح محفوظ اور مطابق حفظ تحریر میں بھی لے آنا چاہئے۔ مبادا کہیں حفاظت قرآن کی شہادتوں سے قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوجائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے تو عذر کرتے رہے کہ جس کام کو حضور رسالتِ پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو میں کیسے کروں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ کو اس کام کے لئے کھول دیا آپ نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جوان خوش نصیب بزرگوں میں سے ایک ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد ان سے قرآن حاصل کرنا تحریر و تسوید کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ نے حفاظ صحابہ کی ایک جماعت کی مدد سے بڑی ہی احتیاط سے یعنی ہر نماز کے بعد مسجد نبوی میں دو دو گواہوں کی موجودگی میں آیات کی بموجب حفظ و بموجب ترتیبِ لوح محفوظ نقل کروانا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ سارا قرآن شریف یکجا جمع ہوگیا۔ اور اس طرح سارا قرآن شریف تحریر کے احاطہ میں آ گیا۔ جب یہ سب کچھ ہوگیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو محفوظ فرمادیا جو پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ آپ کو کثرت مشاغل و کثرت جہاد کی وجہ سے اس کی نقلیں کرانے کا موقع نہیں ملا البتہ اس کی تعلیم و تعلم اور اس کی نشر و اشاعت و تبلیغ کا اس قدر اہتمام فرمایا جس کی مثال کہیں اور نہ ملے گی۔ جب ۲۳ھ میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا تو آپ کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس امانت میں آیا۔ حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے اُس وقت اسلام دور دراز ممالک تک پہنچ چکا تھا۔ اور نو مسلموں کی آمیزش سے گمان ہونے لگا تھا کہ قرآن شریف کی قرأت اور تلاوت میں گڑبڑ نہ ہوجائے اور مسلمانوں میں قرأت کا اختلاف نہ پڑ جائے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ جو صحیفے آپ کے پاس امانتاً رکھے ہیں۔ انہیں بھیج دیجئے تاکہ میں ان کو نقل کرانے کے بعد پھر آپ کے پاس واپس بھیج دوں چنانچہ حضرت حفصہؓ نے وہ صحائف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قرآن کے ماہر اور عالم تھے۔ ان سب کو بلایا اور فرمایا کہ قرآن کریم قریش کی قرأت پر لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا تاکہ قرأت کے اختلافات نہ رہیں۔ ان بزرگوں نے اس کام کو نہایت احتیاط سے مکمل فرمادیا۔ تب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سات نقلیں کروائیں۔ ایک مدینہ منورہ میں روک لی۔ بقیہ چھ کو مکہ معظمہ، بصرہ، کوفہ، شام، یمن اور بحرین میں بھجوادیں۔ اور حکم دیا کہ ان کی متابعت کی جائے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف سے بچایا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف پر تمام صحابہ نے اجماع کرلیا اور امت متفق ہوگئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مصاحف نقل کروائے تھے ان میں سے بعض اب تک موجود ہیں۔ اور ان کے آخر میں یہ عبارت بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے یہ نقل ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں ماسکو میں مسلمانوں نے ایک کتب خانہ قائم کیا جس میں وہ مصحفِ عثمانی بھی موجود ہے جس کو پڑھتے ہوئے آپ شہید ہوئے تھے۔ اور اس پر آپ کے خون کے نشانات بھی ہیں (تاریخ قرآن) الغرض آج جس صورت میں ہمارے پاس قرآن موجود ہے بالکل یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔ اور یہی لوح محفوظ میں ہے اور قرآن حکیم میں ایک شوشے اور ایک حرف کا بھی اضافہ یا کمی یا تبدیلی نہیں کی گئی۔ نہ اس کا امکان ہی تھا اور نہ ہے کیونکہ حق جل علیٰ سبحانہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (سورۂ حجر)۔ بالتحقیق ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

الغرض یہ حفاظت قرآن کا ذکر اس بات پر آ گیا تھا کہ روافض نے ان آیات زیر تفسیر کو اس مقام سے غیر متعلق قرار دے کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن میں صحابہ رضوان اللہ علیہم نے تحریف کی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیات اس مقام سے قطعاً غیر متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کو اس مقام سے گہرا تعلق ہے جیسا کہ شروع درس میں عرض کیا گیا۔ اوپر حضرت لقمان نے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔ اب اس امر توحید کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ ان آیات میں ہدایت فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے کہ ان کی اطاعت اور خدمت کرے کیونکہ انہوں نے اس کے لئے بڑی مشقتیں جھیلی ہیں۔ باپ کے احسانات تو ہوش وحواس کے زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں کہ اولاد کو کھلاتا پہناتا ہے لیکن ماں کے احسانات اس کی عالم بےخبری میں اس سے بھی بڑھ کر تھے اس لئے حق تعالیٰ ان کو یاددلاتے ہیں کہ اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا۔ مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے اٹھائے پھری۔ ضعف پر ضعف اٹھائے اس لئے کہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے عورت کو ضعف زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر وضع حمل کی تکلیف برداشت کی۔ پھر دو برس تک دودھ پلایا۔ اس درمیان میں نہ معلوم کیسی کیسی سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو بچہ کے آرام پر قربان کیا لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی اولاً خداتعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا خصوصاً ماں کا حق پہچانے یعنی اللہ کی عبادت کرے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور ماں باپ کی خدمت واطاعت میں مشغول رہے جہاں تک کہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ کا حق سب سے مقدم ہے اور اسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔

یہاں آیت میں الی المصیر میری ہی طرف پھیر کر آنا ہے فرما کر یہ تنبیہ کر دی کہ نہایت سرگرمی اور تن دہی سے حقوق اللہ اور حقوق الوالدین ادا کیا کرے اور یہ نہ سمجھے کہ اب خدا سے کیا کام پڑے گا۔ نہیں پھر مجھ ہی سے کام پڑنا ہے اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو اس اطاعت کے حکم پر یہ خیال ہوسکتا تھا کہ ماں باپ خواہ بری بات کا حکم دیں خواہ بھلی بات کا ان کی اطاعت فرض ہے حالانکہ ان سے زیادہ ایک اور بھی قابل ادب واطاعت موجود ہے یعنی خدا تعالیٰ۔ تو اگر ماں باپ دین کے خلاف کرنے کو کہیں اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ تو اس کا بھی حکم فرما دیا کہ ایسی صورت میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہئے وہ ہزار زور ڈالیں اور کیسا ہی اصرار کریں کہ تو خدا کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کر، تو اس بات کو نہ ماننا چاہئے ہاں دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہے اور دین کے معاملہ میں پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چلے دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت نہ کرے۔ اخیر میں ارشاد ہوا کہ تم سب کو میرے ہی پاس واپس آنا ہے اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی اس لئے کسی امر میں میرے حکم کے خلاف مت کرو۔ تو گویا یہاں ضروری تنبیہ فرما دی کہ

شرک اتنی سخت اور قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے ان کی اطاعت اور خدمت کی۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور پھر دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر کیونکہ میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے اس وقت میں اعمال کی جزا و سزا دوں گا اس لئے احکام کی بجا آوری ضروری ہے اور باوجودیکہ ماں باپ کا اتنا بڑا حق ہے لیکن امر توحید ایسا عظیم الشان ہے کہ اگر تجھ پر وہ دونوں بھی اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل اور سند نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور ہاں یہ ضرور ہے کہ دنیا کے معاملات میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور دین کے بارہ میں صرف اس شخص کی راہ چلنا جو میری طرف رجوع ہو یعنی میرے احکام کا معتقد اور عامل ہو۔ پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر آنے کے وقت میں تم کو بتلادوں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔''

یہاں آیت میں جو دو سال میں دودھ چھڑانے کا ذکر ہے تو اس آیت سے امام شافعیؒ اور حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے استدلال کر کے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دودھ پینے کی مدت جس کو مدت رضاعت کہتے ہیں دو برس تک ہے اور اسی پر جمہور علماء کا فتویٰ ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مدت رضاعت اڑھائی برس تک ہے کیونکہ ۲۶ویں پارہ سورۂ احقاف میں فرمایا گیا ہے **وحمله وفصاله ثلثون شهراً** اس کا حمل اور اس کی دودھ بڑھائی تیس مہینوں میں ہوتی ہے۔

یہاں آیت میں والدین کے حقوق کا ذکر آ گیا اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ خدمت اور سلوک کا زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا پھر کون۔ فرمایا تیری ماں۔ پھر عرض کیا پھر کون۔ پھر ارشاد فرمایا تیرا باپ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کی خوشنودی میں خدا کی خوشنودی ہے اور ان کی ناراضی میں خدا کی ناراضگی ہے۔

اب اگلی آیات میں حضرت لقمان کی بقیہ نصیحتیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں ذکر کی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق نصیب فرمائیں اور جن کے ماں باپ حیاۃ ہیں ان کی خدمت واطاعت پوری طرح کرنے کا عزم وہمت نصیب فرمائیں اور جن کے ماں باپ گزر چکے ہیں ان کے ساتھ ایصال ثواب کر کے ان کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں احکام خداوندی کو ہر حال میں مقدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ بھی ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ

بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو

اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ؀ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کردے گا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین ہے باخبر ہے۔ بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ؀ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ

اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر، یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر

لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ؀ وَاقْصِدْ

اور زمین پر اترا کر مت چل، بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر

فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ؀

اور اپنی آواز کو پست کر بیشک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

یٰبُنَیَّ اے میرے بیٹے	اِنَّهَا بیشک وہ	اِنْ تَكُ اگر ہو	مِثْقَالَ حَبَّةٍ وزن (برابر) دانہ	مِنْ سے (کے)	خَرْدَلٍ رائی	فَتَكُنْ پھر وہ ہو	فِیْ میں	
صَخْرَةٍ سخت پتھر	اَوْ یا	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	اَوْ یا	فِی الْاَرْضِ زمین میں	يَاْتِ بِهَا لے آئیگا اسے	اللّٰهُ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَطِيْفٌ باریک بین
خَبِيْرٌ خبردار	يٰبُنَيَّ اے میرے بیٹے	اَقِمِ الصَّلٰوةَ قائم کر نماز	وَاْمُرْ اور حکم دے	بِالْمَعْرُوْفِ اچھے کام	وَانْهَ اور روک تو	عَنِ سے	الْمُنْكَرِ بری بات	
وَاصْبِرْ اور صبر کر	عَلٰی پر	مَآ اَصَابَكَ جو تجھ پر پہنچے	اِنَّ ذٰلِكَ بیشک یہ	مِنْ سے	عَزْمِ الْاُمُوْرِ بڑی ہمت کے کام	وَلَا تُصَعِّرْ اور تو ٹیڑھا نہ کر		
خَدَّكَ اپنا رخسار	لِلنَّاسِ لوگوں سے	وَلَا تَمْشِ اور نہ چل تو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	مَرَحًا اتراتا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا		
كُلَّ ہر کسی	مُخْتَالٍ اترانے والا	فَخُوْرٍ خود پسند	وَاقْصِدْ اور میانہ روی کر	فِیْ مَشْيِكَ اپنی رفتار میں	وَ اور	اغْضُضْ پست کر	مِنْ صَوْتِكَ اپنی آواز کو	
اِنَّ بیشک	اَنْكَرَ سب سے ناپسندیدہ	الْاَصْوَاتِ آوازیں	لَصَوْتُ آواز	الْحَمِيْرِ گدھا				

تفسیر وتشریح:۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں اور وصیتیں کی تھیں ان کا بیان ہو رہا ہے۔ سب سے پہلی نصیحت جو گذشتہ درس میں بیان ہوئی یہ تھی کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں۔

حضرت لقمان نے مزید نصیحتیں اور وصیتیں جو اپنے بیٹے کو فرمائیں وہ ان آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ یہ سب نصیحتیں حکمتوں سے پر ہیں اس لئے قرآن پاک ان کو نقل فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ پہلی نصیحت توحید کے متعلق تھی۔ اب دوسری نصیحت عقائد کے متعلق ہے اور حق تعالیٰ کے علم وقدرت کے متعلق وہ اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں کہ کوئی چیز ہو یا کوئی عمل ہو یا کوئی بات ہو اچھی یا بری۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور فرض کرو کہ پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا اس لئے آدمی کو چاہئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار

پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا وہ اللہ کے سامنے ہے۔ وہ باریک سے باریک شے کو دیکھ لیتا ہے اور جانتا ہے اور ہر چیز سے پوری طرح خبردار ہے اور ہر جگہ موجود ہے اس لئے انسان کو اس مغالطہ میں نہ رہنا چاہئے کہ جیسے آدمیوں کو چھپی باتوں اور پردے کے اندر کے کاموں سے واقفیت نہیں ہوتی اسی طرح چھپ کر کوئی گناہ کرلیا جائے تو اللہ کو خبر نہ ہوگی۔ ایسا سمجھنا نادانی ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جو اللہ سے چھپی ہو اور صرف یہی نہیں کہ اللہ کو اس کا علم ہے بلکہ وہ اپنی قدرت سے اس کو حاضر کردینے پر بھی قادر ہے۔ وہ اس کو ہر جگہ سے نکال لاوے گا اور قیامت میں سامنے کردے گا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ جو کام کرے اللہ کے علم وقدرت کو خیال رکھے۔

اب تصحیح عقائد کے بعد تیسری نصیحت اعمال کے متعلق ہے۔ چنانچہ انہوں نے نصیحت کی کہ بیٹا نماز ادا کرتا رہ۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت لقمان کے عہد میں نماز کا کیا طریقہ تھا۔ رکوع، سجود قیام وسلام کے ساتھ تھی یا کسی اور طرح سے۔ نماز درحقیقت اپنے خالق ومالک کے آگے عجز ونیاز کا نام ہے اور اس کے طریقے ہر نبی اور ہر زمانہ کے موافق مختلف رہے ہیں کہیں صرف دعا وگریہ زاری تھا کہیں سجدہ کرنا۔ کہیں اس کی تسبیح وتقدیس اور استغفار کرنا۔ امت محمدیہ کے عہد میں نماز کا وہ طریقہ قائم ہوا کہ جس میں سب باتیں آگئیں۔ آگے بیٹے کو تکمیل نفس کے بعد تکمیل غیر کی بھی نصیحت کرتے ہیں اس لئے دونوں باتیں ضروری ہیں خود بھی اچھا ہونا اللہ کی توحید وبندگی پر قائم رہنا اور دوسروں کو بھی راستی کی طرف لانا اس لئے نصیحت کی کہ نیک باتوں کی تعلیم کیا کر اور بری باتوں سے منع کیا کر۔ یہ تو اعمال کے متعلق نصیحت تھی آگے حسن معاشرت کی تعلیم دی اور کہا کہ تجھ پر اگر خدا کی طرف سے یا لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے اور دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں ان کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کرنا شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا یہ حوصلہ مندوں کا کام نہیں اس کے بعد تین باتیں اور تعلیم کیں اول یہ کہ لوگوں سے تکبر سے پیش نہ آنا یعنی لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح ان سے بات نہ کرنا اور غرور سے ان کی طرف مت دیکھنا بلکہ خندہ پیشانی سے ملنا۔ دوسرے یہ کہ زمین پر اترا کر مت چلنا۔ اترانے والے اور بڑائیاں مارنے والے کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ تیسرے یہ کہ تواضع۔ متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کرنا۔ بے ضرورت مت بولنا۔ کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلانا۔ چیخ چلا کر بات نہ کرنا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر کس قدر کریہہ اور کرخت ہوتی ہے۔ تو چیخ چلا کر بات کرنا گویا گدھے کی آواز کے مشابہ ہو جانا ہے۔

حضرت لقمان کے متعلق جن کی نصیحتیں یہاں منقول ہوئیں جمہور مفسرین اسلام کا مشہور قول یہی ہے کہ حضرت لقمان اللہ تعالیٰ کے ولی۔ حکیم دانا تھے۔ نبی نہیں تھے تو انسان اگر نبی معصوم اور پیغمبر خدا بھی نہ ہو مگر حکمت ودانائی سے مشرف ہو تب بھی خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ عظیم الشان ہے۔ اسی لئے حضرت لقمان کو یہ عزت ملی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی ثنا اور توصیف فرمائی اور امت مسلمہ کے لئے ان کی بعض ان نصائح اور وصایا کو نقل فرمایا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ حتیٰ کہ قرآن کی ایک سورۃ ان کے نام سے منسوب ہوئی۔

۱- گذشتہ اور ان آیات میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے جو اہم نصیحت کی وہ شرک باللہ سے اجتناب اور توحید کا التزام ہے۔ حضرت لقمان نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا اور شرک ایسا گناہ ہے جو کسی حالت میں بھی قابل بخشش نہیں۔ مگر یہ کہ اس سے سچی توبہ دنیا میں کرلی جائے اور شرک جلی کی طرح شرک خفی بھی اعمال انسانی کو برباد کر دیتا ہے اور اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھالیتی ہے۔ اور شرک خفی میں ریا۔ نمائش۔ شہرت پسندی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۲- حضرت لقمان کی بحیثیت شفیق باپ کے بیٹے کو نصیحت کی مناسبت سے حق تعالیٰ نے امت مرحومہ کو یہ نصیحت وہدایت فرمائی کہ جب باپ اور ماں کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ دنیوی اور اخروی کسی معاملہ میں بھی اولاد کو بے راہ دیکھنا نہیں چاہتے تا کہ انجام کار اولاد کو دکھ جھیلنا نہ

پڑے تو اولاد کے لئے بھی ازبس ضروری ہے کہ وہ خدا کی صحیح اور حقیقی معرفت کے بعد سب سے زیادہ والدین کی خدمت اور ان کی رضا جوئی کو مقدم سمجھے حتیٰ کہ اگر والدین کافر و مشرک بھی ہوں تب بھی اولاد کا فرض ہے کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک۔ تواضع اور نیازمندی کو ہاتھ سے نہ دے البتہ اگر وہ دین حق سے اعراض اور شرک کے اختیار پر اصرار کریں تو اس کو قبول نہ کرے اس لئے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت درست نہیں۔ لیکن اپنے اس انکار کے وقت بھی نرمی اور حسن خطابت کو نہ چھوڑے اور درشت کلامی نہ اختیار کرے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ اپنے حقوق یعنی توحید باللہ کے ساتھ ساتھ حقوق والدین کا ذکر کیا اور ان کو تمام حقوق پر مقدم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

۳- حضرت لقمان کی جو دوسری نصیحتیں مذکور ہوئیں ان میں اطاعت خداوندی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حسن خلق اور تواضع کی ترغیب اور کبر۔ شیخی اور بدخلقی کی مذمت کی گئی۔ حضرت لقمان نے امر و نہی میں ان باتوں کو خصوصیت کے ساتھ انتخاب فرمایا اس لئے کہ کائنات میں جس قدر بھی بھلائی اور برائی پیش آتی ہے ان سب کی جڑ و بنیاد یہی امور ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت مرحومہ کو ان امور کی اہمیت پر بہت زیادہ توجہ دلائی ہے۔

۴- حضرت لقمان نے درشت اور کرخت آواز سے بات چیت کرنے کو بھی منع فرمایا اس لئے کہ نرم گفتاری حسن خلق کا شعبہ اور درشت اور کرخت لہجہ بدخلقی کا جزو ہے۔ اور اسی بنا پر اس طرز گفتگو کو "صوتِ حمار" یعنی گدھے کی آواز سے مشابہ بتایا گیا ہے۔ اور گدھے کی آواز کے متعلق یہ حدیث مشہور و معروف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے فضل طلب کرو اور گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر آواز کرتا ہے۔ یعنی مُرغ کی آواز ملائکۃ اللہ کے نزول کی دلیل ہے کیونکہ وہ ملائکہ میں تسبیح کا عادی ہے اور گدھے کی آواز نزول شیاطین کا پتہ دیتی ہے۔

۵- حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "زمین پر اکڑ کر نہ چلو" اس مضمون کو قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل پندرہویں پارہ میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ **ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً** اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل تو اپنے اس انداز رفتار سے نہ زمین کو پھاڑ سکے گا نہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک طویل ہو جائے گا" یعنی مغرور انسان کے انداز رفتار کی مذمت فرمائی گئی کہ وہ قدم کو زمین پر اس طرح رکھتا ہے کہ گویا اس کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنی اکڑی ہوئی بلند گردن کے ذریعہ گویا پہاڑوں کی بلندی سے بھی اونچا ہو جانا چاہتا ہے مگر یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکے گا پھر بلاوجہ اکڑ کر چلنے کے کیا معنیٰ؟ اس کے برعکس متواضع اور بااخلاق انسانوں کی سورۂ فرقان انیسویں پارہ میں یہ کیفیت بیان کی گئی۔ ●**وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماًo** اور جو رحمان کے بندے (یعنی حکم بردار فرمانبردار بندے) ہیں وہ زمین پر وقار۔ اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ جہالت سے بچنے کے لئے سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

الغرض عرب میں نزول قرآن کے وقت حکمت لقمان کا کافی چرچا تھا اور وہ اکثر مجالس میں ان کے حکیمانہ اقوال کو نقل کرتے رہتے تھے ان کو ایمان اور عمل صالح سے متعلق حضرت لقمان کے یہ پند و نصائح سنائے گئے کہ اگر حضرت لقمان ہی کے معتقد ہو تو ان کی یہ نصیحتیں سن کر توحید اختیار کرو اور شرک و کفر سے باز آؤ۔

اسی سلسلہ میں آگے پھر اصل مضمون توحید یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال اور احسان و انعام یاد دلا کر توحید باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری

وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا

اور باطنی پوری کر رکھی ہیں اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بدوں واقفیت اور بدوں کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے کیا اگر شیطان

يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۲۱ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

اُن کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو تب بھی (انہی کا اتباع کریں گے)۔ اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲

تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا۔

الم تروا کیا تم نے نہیں دیکھا	ان اللہ کہ اللہ	سخر مسخر کیا	لکم تمہارے لئے	ما جو کچھ	فی السموت آسمانوں میں	وما اور جو کچھ	فی الارض زمین میں	
واسبغ اور بھرپور دیں	علیکم تم پر (تمہیں)	نعمہ اپنی نعمتیں	ظاہرۃ ظاہر	وباطنۃ اور پوشیدہ	و اور	من بعض	الناس لوگ	من جو
یجادل جھگڑتا ہے	فی اللہ اللہ (کے بارہ میں)	بغیر بغیر	علم علم	ولا ہدی اور بغیر ہدایت	ولا کتب منیر اور بغیر کتاب روشن	واذا اور جب		
قیل کہا جائے	لہم اُن سے	اتبعوا تم پیروی کرو	ما انزل جو نازل کیا	اللہ اللہ	قالوا وہ کہتے ہیں	بل نتبع بلکہ ہم پیروی کریں گے	ما وجدنا جو ہم نے پایا	
علیہ اس پر	اباءنا اپنے باپ دادا	اولو کیا اگر	کان ہو	الشیطن شیطان	یدعوہم ان کو بلاتا	الی طرف	عذاب عذاب	السعیر دوزخ
ومن اور جو	یسلم جھکا دے	وجہہ اپنا چہرہ	الی اللہ اللہ کی طرف	وہو اور وہ	محسن نیکوکار	فقد استمسک تو بیشک اس نے تھام لیا		
بالعروۃ الوثقی حلقہ مضبوط	و اور	الی اللہ اللہ کی طرف	عاقبۃ انتہا	الامور تمام کام (جمع)				

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں شروع سورۃ سے توحید کا مضمون بیان ہوتا آرہا تھا اور اسی کی مناسبت سے درمیان میں حضرت لقمان کی نصیحتوں اور وصیتوں کا ذکر آ گیا تھا اب آگے پھر مضمون توحید ہی کے متعلق ہے اور ان آیات میں حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور احسان و انعام یاد دلا کر توحید کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں تمام انسانوں کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ تمہیں یہ نہیں سوجھتا کہ آسمان اور زمین کی ساری مخلوق تمہارے کام میں لگی ہوئی ہے دیکھو آسمان کے ستارے تمہارے کام میں مشغول ہیں۔ چمک چمک کر تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں۔ بادل بارش گرمی سردی تمہارے نفع کی چیزیں ہیں۔ زمین کی نہریں۔ چشمے۔ دریا۔ سمندر۔ درخت۔ کھیتی پھول پھل یہ سب نعمتیں اسی نے دے رکھی ہیں۔ ہوا۔ روشنی۔ آگ۔ پانی غذا مکان لباس یہ سب نعمتیں ساری مخلوق بشری کے لئے عام ہیں ہاتھ پاؤں کان آنکھ ناک صحت تندرستی یہ تم سب کو دے رکھی ہیں پھر ان ظاہری بے شمار نعمتوں کے علاوہ باطنی بے شمار نعمتیں بھی اس نے دے

رکھی ہیں جیسے عقل فہم فراست سوچ سمجھ وغیرہ وغیرہ۔تو جس نے اتنی لاتعداد نعمتیں دے رکھی ہیں حق تو یہ تھا کہ اس کی ذات پر سب کے سب ایمان لاتے مگر ایسے کھلے ہوئے انعامات واحسانات کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اس کی صفات میں یا اس کے احکام وشرائع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں نہ کوئی علمی اور عقلی اصول ان کے پاس ہے۔نہ کسی ہادیٔ برحق کی ہدایت۔نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ۔ محض جہالت و ضلالت سے بغیر کسی سند اور دلیل کے اپنے کفر وشرک پر اڑے ہوئے ہیں۔جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی نازل کردہ وحی کا اتباع کرو اور اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ کو کیسے چھوڑ دیں ہم تو اپنے باپ دادا کے ہی طریقہ پر چلیں گے۔قرآن پاک نے محض باپ دادا کی اندھی تقلید کی بیسوں جگہ مذمت کی ہے۔آج ہمارے بہت سے کلمہ گو بھائی بھی اپنے افعال واعمال کی دلیل اسی باپ دادا کی ریت کو بتاتے ہیں اور خلاف شرع رسوم اور بدعات وغیرہ کی حمایت میں ایک یہی ان کا جواب ہے کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے آئے ہیں۔ہم اپنے باپ دادا سے ایسا ہی سنتے آئے ہیں ہم تو ان ہی کے راستہ پر چلیں گے۔تو اسلام اور ایمان کے مقابلہ میں کفار ومشرکین بھی یہی کہتے تھے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی لکیر کے فقیر ہیں۔تو ان منکرین کو حق تعالیٰ کی طرف سے کیا خوب جواب عنایت فرمایا جاتا ہے کہ اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لے جارہا ہو۔تب بھی تم ان ہی کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گریں گے وہیں جا کر گرو گے؟ آگے ان کجرووں کے مقابلہ میں سلامت روی کا نتیجہ ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کی فرمانبرداری صدق دل سے اختیار کی تو سمجھ لو کہ اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا۔جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں یعنی جس طرح کوئی پستی سے بلندی کی طرف چڑھنے والا کسی مستحکم اور مضبوط رسی کو تھام کر مطمئن ہو جاتا ہے یہی حال اس شخص کا ہے کہ جو دلی ارادت کے ساتھ اللہ کا فرمانبردار ہو جائے۔تو جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اسکے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور نجات کا بڑا قوی ذریعہ اس کے ہاتھ آ جائے گا اور خدا اس کا انجام درست کر دیگا۔

اب یہاں آیت میں اس جملہ پر غور کیجئے **واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله** اور جب ان سے یعنی منکرین سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو یعنی قرآن کریم کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔تو وہ منکرین اس کا جواب دیتے تھے **بل نتبع ما وجدنا علیه ابآءَ نا**۔نہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے یہ تو تھا منکرین قرآن کا جواب لیکن اگر آپ آج یہی مطالبہ اور یہی سوال اپنے ہم وطنوں سے کریں کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو معلوم ہے یورپی تہذیب کے دلدادہ اور مغربیت کے شیدائیوں کی طرف سے آپ کو کیا کیا جواب ملیں گے؟ پہلا جواب یہ ہوگا کہ یہ چودہ سو سال کا پرانا قانون اس ترقی کے زمانہ میں کیسے چل سکتا ہے؟ دوسرا جواب یہ ملے گا کہ قرآن نے جو سزائیں اور حدود مقرر کئے ہیں وہ یورپ کی نظر میں وحشیانہ سزائیں ہیں۔چور کے ہاتھ کاٹ دینا اور زانی کو کوڑے مارنا یا سنگسار کر دینا۔تو یہ سزائیں جاری کر کے ہم یورپ کی نظر میں غیر مہذب اور وحشی کیسے بنیں؟ تیسرا جواب یہ ملے گا کہ قرآنی اتباع میں شراب بند کر دی جائے اور شرابی کے کوڑے لگائے جائیں تو غیر ملکی مہمانوں کی شراب وکباب سے ضیافت کیسے ہو سکے گی جو ان کی مہمانداری کے لوازم میں سے ہے؟ چوتھا جواب یہ ملے گا کہ قرآنی اتباع میں سود کا لین دین ختم کر دیا جائے تو ساری غیر ملکی تجارت کاروبار اور لین دین سب ہی ٹھپ ہو جائے گا۔پانچواں جواب یہ ملے گا کہ قرآنی شرم وحیا اور پردہ ہماری مستورات کی ترقی اور جدید تہذیب میں رکاوٹ بنے گا۔ہم اپنی بہو۔بیٹیوں

کو غیروں کے بغل میں بٹھائے بغیر اور غیروں کی بہو بیٹیوں کو اپنے بغل میں بٹھائے بغیر اور یورپ کی تہذیب جدید کا مظاہرہ کئے بغیر یورپ والوں سے مہذب اور ترقی یافتہ کیسے کہلائیں گے؟ تو اس چیز کا اتباع کیسے کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ کفار و منکرین کو تو ایک ہی عذر تھا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف کیسے دوسرا طریقہ اختیار کریں اور یہاں بیسوں اور پچاسوں عذر ہیں اتباع قرآن کے لئے اور ساتھ ہی اسلام اور ایمان کے بلند دعوے بھی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دیکھئے سورۂ مائدہ چھٹے پارہ میں صاف فرمایا گیا ہے **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلٰئک ھم الکٰفرون**۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ کافر ہیں۔

(۲) پھر آگے اسی سورۂ مائدہ پ ۶ میں فرمایا گیا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفٰسقون**۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ فاسق ہیں یعنی بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں۔

(۳) پھر اسی سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلٰئک ھم الظٰلمون**۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ظالم ہیں۔

سورۂ مائدہ کی ان آیات کے تحت علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حکم خداوندی کو حقیر یا غلط یا خلاف مصلحت یا خلاف تہذیب سمجھ کر اس کا انکار کردے اور قانون شریعت اسلامیہ میں تغیر و تبدل کر کے اپنی طرف سے نیا حکم تجویز کردے تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے۔ اور اگر دل میں حکم خداوندی کی تصدیق اور اس کی عظمت اور اس کی حقانیت کا اعتراف موجود ہے اور محض غلبۂ نفس یا کسی دنیاوی مجبوری اور معذوری کی بنا پر بادل ناخواستہ حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ کردے تو شریعت اسلامیہ میں وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فقط گناہ گار ہوگا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتقاد کی غلطی عملی غلطی سے زیادہ سخت اور تباہ کن ہوتی ہے۔

تو جہاں حق تعالیٰ نے اس اندھی تقلید کی مذمت اور اس کی قباحت میں منکرین کے جواب پر ان کی ضلالت ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا **اولو کان الشیطن یدعوھم الی عذاب السعیر** ○ یعنی کوئی ان سے پوچھے کہ کیا وہ ہر حالت میں اپنے بڑوں ہی کی پیروی کریں گے اگرچہ ان کو شیطان عذاب جہنم کی طرف بلاتا رہا ہو۔ وہیں حق تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں اس سچے اسلام اور ایمان کی حقیقت کو بھی ظاہر فرمادیا کہ جو اسلام اور ایمان مطلوب ہے اور جو حقیقت میں کام آنے والا ہے۔ فرمایا **ومن یسلم وجھہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی**۔ اور جو شخص حق کا اتباع کر کے اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اعمال میں بھی اور اس کے ساتھ وہ محسن یعنی مخلص بھی ہو یعنی محض ظاہری اسلام نہ ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور یہ شخص ہلاکت و خسران سے محفوظ ہو گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ہلاکت اور خسرانِ آخرت سے بچنے کے لئے محض زبانی اور ظاہری اسلام کا دعویٰ کافی نہیں بلکہ حقیقی اسلام اور خالص ایمان پر یہ بشارت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ جو خدا کا سچا فرمانبردار بن جائے اور جو شریعت کا تابعدار ہو جائے خدا کے حکموں پر عمل کرے اور اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے۔ خدا کے منع کردہ کاموں سے باز آجائے اس نے مضبوط دستاویز لے لیا گویا خدا کا وعدہ لے لیا کہ وہ عذاب آخرت سے نجات یافتہ ہے۔ ابھی آگے بھی انہی منکرین کے متعلق مضمون جاری ہے کہ یہ جو حق کو نہیں سمجھتے اور اپنے انکار حق پر جمے ہوئے ہیں تو ابھی یہ چند روز مزے دنیا میں اڑالیں پھر ان کو ایک سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا یعنی آخرت میں عذاب جہنم سے واسطہ پڑنا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

اور جو شخص کفر کرے سو آپ کیلئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہیے ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم ان کو جتلا دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں

الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

خوب معلوم ہیں۔ ہم ان کو چندروزہ عیش دیئے ہوئے ہیں پھر ان کو کشاں کشاں ایک سخت عذاب کی طرف لے آویں گے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي

آسمانوں و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیئے کہ الحمدللہ۔ بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے۔ جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

آسمانوں اور زمین میں موجود ہے سب اللہ ہی کا ہے اور بیشک اللہ بے نیاز سب خوبیوں والا ہے۔ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ

اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اس میں اور شامل ہو جائیں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں، بیشک خدا تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ تم سب کا پیدا کرنا

وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

وَ اور	مَنْ كَفَرَ جس نے کفر کیا	فَلَا يَحْزُنْكَ تو آپ کو غمگین نہ کردے	كُفْرُهٗ اس کا کفر	اِلَيْنَا ہماری طرف	مَرْجِعُهُمْ اُن کا لوٹنا			
فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا پھر ہم انہیں ضرور جتلائیں گے وہ جو	عَمِلُوْا وہ کرتے تھے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سینوں (دلوں) کے بھید				
نُمَتِّعُهُمْ ہم نہیں فائدہ دینگے	قَلِيْلًا تھوڑا	ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ پھر ہم انہیں کھینچ لائینگے	اِلٰى طرف	عَذَابٍ عذاب	غَلِيْظٍ سخت	وَلَىِٕنْ اور اگر		
سَاَلْتَهُمْ تم ان سے پوچھو	مَنْ خَلَقَ کس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں کو	وَالْاَرْضَ اور زمین	لَيَقُوْلُنَّ تو وہ یقیناً کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	قُلِ فرمادیں		
الْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ کے لئے	بَلْ اَكْثَرُهُمْ بلکہ ان کے اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ جانتے نہیں	لِلّٰهِ اللہ کے لئے	مَا جو کچھ	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں			
وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	هُوَ وہ	الْغَنِيُّ بے نیاز	الْحَمِيْدُ تعریفوں کے ساتھ	وَلَوْ اور اگر	اَنَّ یہ ہو کہ	مَا جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں
مِنْ سے کوئی	شَجَرَةٍ درخت	اَقْلَامٌ قلمیں	وَالْبَحْرُ اور سمندر	يَمُدُّهٗ اسکی سیاہی	مِنْۢ بَعْدِهٖ اس کے بعد	سَبْعَةُ سات	اَبْحُرٍ سمندر (جمع)	
مَا نَفِدَتْ تو بھی ختم نہ ہوں	كَلِمٰتُ اللّٰهِ اللہ کی باتیں	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَزِيْزٌ غالب	حَكِيْمٌ حکمت والا	مَا خَلْقُكُمْ نہیں تم سب کا پیدا کرنا			
وَلَا بَعْثُكُمْ اور نہیں تمہارا جی اٹھانا	اِلَّا مگر	كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ جیسے ایک شخص	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	بَصِيْرٌ دیکھنے والا			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے یعنی پوری طرح اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں دے دے اور اس کی فرمانبرداری صدق دل سے اختیار کرلے اور اپنے سارے معاملات کو اس کے سپرد کردے اور اس کی دی

ہوئی ہدایات کو اپنی پوری زندگی کا قانون بنالے تو سمجھ لو کہ اس نے ایک مضبوط حلقہ تھام لیا اور اس شخص کے مشابہ ہو گیا جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں تھام کر بلندی پر چڑھنے میں گرنے سے مامون اور محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح یہ شخص ہلاکت اور خسران آخرت سے محفوظ و مامون ہو گیا۔ تو اس میں مومنین کو ترغیب و تعلیم تھی کہ تم اپنا علاقہ خدا سے اخلاص کے ساتھ جوڑے رکھو۔ اب آگے منکرین کے متعلق مضمون ہے اور ان آیات میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو منکرین کو سمجھانے کا حق ادا کر چکے قرآن کریم کی آیات انہیں سناویں اب بھی جو شخص آپ کی بات ماننے سے انکار کرتا ہے تو آپ غم نہ کریں۔ ان منکرین کو بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آجائے گا۔ کسی جرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے کیونکہ وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔ اور ان کے اعمال کا نتیجہ سامنے آجائے گا اور اگر یہ لوگ محض چند روزہ عیش پر بھول رہے ہیں تو ان کی بڑی غلطی ہے کیونکہ یہ دائمی نہیں بلکہ تھوڑے دن کا عیش و بےفکری ہے مہلت ختم ہو جانے پر سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ پھر چھوٹ کر کہیں بھاگ جائیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ گو یہ منکرین دلائل پر غور و فکر نہیں کرتے۔ محض باپ دادا کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور خالق ہونے کا و نیز قادر و مالک ہونے کا فطری طور پر ایسا علم ہے کہ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو شکر ہے کہ اتنی بات تو جانتے اور مانتے ہیں اور اس کا زبان سے اعتراف کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا بجز اللہ کے کسی اور کا کام نہیں تو پھر اب کونسی خوبی رہ گئی جو اس کی ذات میں نہ ہو۔ لامحالہ خالق السموٰت والارض میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے۔ جب یہ حقیقت ہے کہ خالق تنہا وہ ہے اور تخلیق کائنات میں کسی اور کا حصہ نہیں تو کوئی دوسری ہستی معبود ہونے کی کیسی مستحق ہو سکتی ہے اور دوسرے معبود کیونکر بن گئے۔ بات تو صاف ہے پر بہت سے لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں آکر اٹک جاتے ہیں۔ جب ایک شخص یہ مانتا ہے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق صرف اللہ ہے تو لازماً اس کو یہ بھی ماننا چاہئے کہ الٰہ اور رب بھی صرف اللہ ہی ہے۔ عبادت و طاعت و بندگی کا مستحق بھی تنہا وہی ہے۔ خالق ایک ہو اور معبود دوسرا یہ بالکل عقل کے خلاف ہے اور سراسر متضاد بات ہے جس کا قائل وہی ہو سکتا ہے جو جہالت ولاعلمی میں ڈوبا ہوا ہو اور پھر حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بلکہ درحقیقت وہی ان سب چیزوں کا مالک بھی ہے جو زمین اور آسمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ نے اپنی یہ کائنات بنا کر یونہی نہیں چھوڑ دی کہ جو چاہے اس کا یا اس کے کسی حصہ کا مالک بن بیٹھے بلکہ سب اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اور سب اسی کے محتاج ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ تو جو شخص کفر کرتا ہے اس کا کفر اسی کے لئے نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کا اس سے کوئی نقصان نہیں کیونکہ اس کی ذات جملہ صفات کمالیہ کا مخزن و منبع ہے اور وہ بالذات سب خوبیوں اور عزتوں کا مالک ہے پھر اسے کسی کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ پس سزاوار الوہیت وہی ہے۔ اور اس کی خوبیاں اور کمالات تو اس کثرت سے ہیں کہ فرض کرو کہ تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور موجودہ سمندروں کی روشنائی تیار کی جائے اور پھر مزید سات سمندر روشنائی بن کر اس میں شامل ہو جائیں اور تمام مخلوق اپنی اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کرے تب بھی حق تعالیٰ کے کمالات اور عظمت و جلال کی باتیں ختم نہ ہوں اور لکھنے والوں کی عمریں ختم ہو جائیں قلم گھس گھس کر ٹوٹ جائیں۔ روشنائی ختم ہو جائے گی پر اللہ کی

تعریفیں۔اس کی خوبیاں اور کمالات ختم نہ ہوں گے۔ بھلا محدود اور متناہی قوتوں سے لامحدود اور غیر متناہی کا سرانجام کیونکر ہوسکتا ہے۔ بظاہر ایک شخص یہ گمان کرسکتا ہے کہ شاید اس قول میں مبالغہ کیا گیا ہے لیکن درحقیقت اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں جتنے قلم اس زمین کے درختوں سے بن سکتے ہیں اور جتنی روشنائی زمین کے موجودہ سمندر اور ویسے ہی سات مزید سمندر فراہم کرسکتے ہیں ان سے اللہ کی قدرت وحکمت اور اس کے سارے کمالات تو درکنار شاید موجودات عالم کی مکمل فہرست بھی نہیں لکھی جاسکتی۔تو یہاں اس بیان سے دراصل یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ جو خدا ایسی قدرت اور ایسے کمالات والا ہے اور جو اتنی بڑی کائنات کو وجود میں لایا ہے اور جو ازل سے ابد تک اس کا سارا نظم ونسق چلا رہا ہے اس کی خدائی میں ان ہستیوں کی حیثیت ہی کیا ہے جنہیں یہ مشرکین معبود بنائے بیٹھے ہیں۔ آگے مسئلہ بعث یعنی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ یہ منکرین بدفہم اس کو دشوار اور محال سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ ایسا قادر ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو زندہ کرکے قیامت میں اٹھانا صرف ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا اور ظاہر ہے کہ ایک جان کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ پس تم سب کا بھی زندہ کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا کیونکہ اسے کسی کام کے لئے کوئی سامان نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہاں تو صرف حکم کی دیر ہے۔بس ادھر حکم ہوا ادھر وہ چیز موجود۔ اخیر میں ارشاد ہوا **ان اللہ سمیع بصیر** یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے اس لئے اس سے ان منکرین کا کوئی قول وفعل مخفی نہیں۔ پس جو لوگ باوجود ان دلائل کے بعث بعدالموت کا انکار کررہے ہیں اور اس جرأت پر کفر وشرک فسق وفجور پر جمے ہوئے ہیں وہ ان سب کو سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے اور ہٹ دھرموں کو سخت سزا دے گا جو خواہ مخواہ اس کے کمالات کا انکار کررہے ہیں۔

ابھی آگے بھی یہی مضمون توحید جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ اس نے کفر وشرک سے بچا کر ہم کو اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر استقامت عطا فرمادیں اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائیں۔اور اس زندگی میں ہم کو آخرت کا فکر اور وہاں کی ہمہ وقت کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ دنیا کا چندروزہ عیش وبہار ہم کو آخرت سے غفلت میں نہ ڈالنے پائے۔ یا اللہ! آپ کی عظمت اور کمالات کی باتیں لامحدود اور غیر متناہی ہیں ان کا حصر مخلوق سے کہاں ممکن ہے بیشک آپ سمیع بصیر ہیں سب کچھ آپ سنتے اور سب کچھ آپ دیکھتے ہیں موجودات کا کوئی ذرہ آپ کے عالم محیط سے غائب نہیں ہے۔

یا اللہ! بیشک ایک دن ہم کو آپ کے سامنے کھڑا ہونا اور اپنے اعمال دنیا کی جواب دہی دینا ہے۔ یا اللہ ہمیں اس دن کی فکر دائمی نصیب فرما اور دنیا ہی میں موت سے پہلے اپنی کوتاہیوں کا سچی توبہ اور استغفار سے تدارک کرلینے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقرر وقت تک

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ

چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں

مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ

بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ ہی عالی شان اور بڑا ہے۔ اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے

اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا

تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلا دے اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے شخص کیلئے جو صابر شاکر ہو۔ اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں، اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکر ہیں۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يُوْلِجُ داخل کرتا ہے	الَّيْلَ رات	فِي النَّهَارِ دن میں	وَيُوْلِجُ اور داخل کرتا ہے	النَّهَارَ دن	فِي الَّيْلِ رات میں	
وَسَخَّرَ اور اس نے مسخر کیا	الشَّمْسَ سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	كُلٌّ ہر ایک	يَّجْرِيْ چلتا رہے گا	اِلٰى طرف	اَجَلٍ مدت	مُّسَمًّى مقررہ	وَّاَنَّ اور یہ کہ
اللّٰهَ اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو	خَبِيْرٌ خبردار	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّ اللّٰهَ اس لئے کہ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی برحق	وَاَنَّ اور یہ کہ	مَا جو جس	
يَدْعُوْنَ وہ پرستش کرتے ہیں	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	الْبَاطِلُ باطل	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	هُوَ وہی	الْعَلِيُّ بلند مرتبہ	الْكَبِيْرُ بڑائی والا	
اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ کہ	الْفُلْكَ کشتی	تَجْرِيْ چلتی ہے	فِي الْبَحْرِ دریا میں	بِنِعْمَتِ اللّٰهِ اللہ کی نعمتوں کیساتھ	لِيُرِيَكُمْ تاکہ وہ تمہیں دکھادے		
مِنْ اٰيٰتِهٖ اسکی نشانیاں	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّكُلِّ واسطے ہر	صَبَّارٍ بڑے صبر والے	شَكُوْرٍ بڑے شکرگزار	وَاِذَا اور جب	
غَشِيَهُمْ اُن پر چھا جاتی ہے	مَّوْجٌ موج	كَالظُّلَلِ سائبانوں کی طرح	دَعَوُا اللّٰهَ وہ اللہ کو پکارتے ہیں	مُخْلِصِيْنَ خالص کر کے	لَهُ الدِّيْنَ اس کیلئے دین عبادت			
فَلَمَّا پھر جب	نَجّٰىهُمْ اس نے انہیں بچالیا	اِلَى الْبَرِّ خشکی کی طرف	فَمِنْهُمْ تو ان میں کوئی	مُّقْتَصِدٌ میانہ رو	وَمَا يَجْحَدُ اور انکار نہیں کرتا			
	بِاٰيٰتِنَآ ہماری آیتوں کا	اِلَّا سوائے	كُلُّ ہر	خَتَّارٍ عہد شکن	كَفُوْرٍ ناشکرا			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے کمالات کا ذکر ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب کے قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور پھر سات مزید سمندر روشنائی بن کر اس میں شامل ہو جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہوں۔ اسی سلسلہ میں آگے مزید توحید کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے اور تمام انسانوں کو خطاب کر کے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ہر شخص پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے اور چاند سورج جیسے عظیم کرات کو ایک مزدور کی طرح کام میں لگا رکھا ہے یہ رات اور دن کا پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ آنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ سورج اور چاند پوری طرح ایک

ضابطہ میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہاں صرف سورج اور چاند کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں عالم بالا کی وہ نمایاں چیزیں ہیں جن کو مشرکین قدیم زمانہ سے معبود بناتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی بہت سے انسان انہیں اپنا دیوتا تسلیم کرتے ہیں ورنہ در حقیقت اس زمین سمیت کائنات کے تمام ستارے اور سیارے اللہ تعالیٰ کے ایک اٹل ضابطہ میں کسے ہوئے ہیں جس سے وہ بال برابر ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتے پھر آگے یہ تصریح بھی فرمادی کہ ہر چیز کی مدت عمر مقرر کردی گئی ہے اسی وقت تک وہ چل رہی ہے۔ سورج ہو یا چاند یا کائنات کا کوئی اور ستارہ یا سیارہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ازلی ہے نہ ابدی۔ ہر ایک کا ایک وقت آغاز ہے۔ جس سے پہلے وہ موجود نہ تھی اور ایک وقت اس کے خاتمہ کا ہے جس کے بعد وہ موجود نہ رہے گی۔ اس تصریح سے مقصود یہ جتلانا ہے کہ ایسی حادث اور بے بس چیزیں آخر معبود کیسے ہوسکتی ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ صفات اور کمالات عظیمہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی ہی عبادت کرنا ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ لہٰذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل جس کا نام عبادت ہے اسی بلند اور برتر قدرت والے کے لئے ہونی چاہئے۔ آگے توحید کی ایک دوسری دلیل دی جاتی ہے اور یہاں بھی عام انسانوں کو مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ کیا تم کو توحید کی یہ دلیل معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی یا جہاز دریا یا سمندر میں چلتے ہیں اور اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں یعنی ایسی نشانیاں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اختیارات بالکل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان خواہ کیسے ہی مضبوط اور بحری سفر کے لئے موزوں جہاز بنالے اور جہاز رانی کے فن اور اس سے تعلق رکھنے والی معلومات اور تجربات میں کتنا ہی کمال حاصل کرلے لیکن سمندر میں جن ہولناک طاقتوں سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے ان کے مقابلہ میں وہ تنہا اپنی تدابیر کے بل بوتہ پر بخیریت سفر نہیں کرسکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم پھرتے ہی آدمی کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کے ذرائع و وسائل اور کمالات فن کتنے پانی میں ہیں۔ جن کو زندگی میں کبھی ایسا سابقہ پڑا ہے وہ اس کا احساس خوب کرسکتے ہیں۔ آدمی امن و اطمینان کی حالت میں چاہے کیسا ہی سخت دہریہ یا کٹر مشرک ہو لیکن سمندر کے طوفان میں جب اس کی کشتی ڈوبنے لگتی ہے اس وقت دہریہ کو بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ خدا ہے اور مشرک بھی جان لیتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا انسان کے لئے صبر و شکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ جب طوفان اٹھ رہے ہوں اور جہاز طوفانی موجوں کے تھپیڑوں میں گھرا ہو اس وقت بڑے صبر و تحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت وحیات سے صحیح سالم نکال دیا تو ضروری ہے کہ اس کا احسان مانا جائے اور شکر کیا جائے۔ ان دلائل اور شواہد سے سمجھایا گیا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے۔ اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ اب آگے بتلایا جاتا ہے کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدت مندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ قرآن پاک نے یہاں جس حقیقت کو ظاہر کیا ہے اس کی مثالیں اس وقت بھی سامنے آتی ہیں۔ جب روس کا سب سے پہلا خلاباز فضائے آسمانی میں روانہ کیا تو اس کی بیوی کو اس پرواز سے بے خبر رکھا گیا۔ جب اس کی بیوی کو اس کے عزم کی خبر ملی تو تمام رات سربسجود اپنے شوہر کی بہ سلامت واپسی کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتی رہی۔ یہ اس ملک کا حال ہے جو خدا کا نام دنیا سے مٹانے کے لئے ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ روس کی رسوائی عالم خدا دشمنی منظر عام پر آچکی ہے۔ آئے دن تحریر و تقریر کے ذریعہ اعلان ہوتے ہیں کہ مذہب کو صفحہ ارضی سے ختم

کردو۔ ایک دفعہ ایک خلاباز کی کامیاب پرواز کے بعد ماسکو ریڈیو سے اعلان کیا گیا کہ اتنے ہزار میل بلندی پر ہم ہو آئے ہیں ہمیں تو خدا کا کہیں کھوج نہ مل سکا۔ لیکن یہی خداوند عالم کا انکار کرنے والے روسی تھے کہ جب ہٹلر کی افواج قاہرہ کا اسٹیلن گراڈ Stelin Grad کی طرف پیش قدمی کا تصور ہوا تو روس کی طرف سے اعلان ہوا جس میں مساجد اور تمام معابد میں دعا مانگنے کی اپیل کی گئی تھی۔ سوویت روس کے یوم دعا کے اعلان پر کہ گرجوں مساجد اور دیگر مذہبی معابد میں صدق دل سے دعائیں مانگی جائیں۔ اس پر بمقام لاہور بیرون دہلی دروازہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک تقریر کی تھی جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شہر امرتسر میں ایک لڑکا اپنی ماں کا انتہائی گستاخ تھا۔ وہ اکثر ماں کے ساتھ غیر شریفانہ سلوک سے پیش آیا کرتا۔ گالی گلوچ کے علاوہ مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے محلّہ کے لڑکوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ آئے دن کے مظالم سے محلّہ کے لڑکے تنگ آ گئے تو انہوں نے مشورہ کر کے ایک دن اس ماں کے نافرمان بچے کو پکڑ کر ہڈی پسلی ایک کر دی۔ تو دردوکرب سے بے ساختہ وہ لڑکا پکار اٹھا کہ ''ہائے اماں'' اماں اپنے لال کی آواز سن کر بھاگی بھاگی آئی اور وہ آتے ہی مارنے والے لڑکوں کے ہاتھ چومنے لگ گئی۔ اور کہنے لگی کہ میں تمہارے صدقہ واری جاؤں۔ جنہوں نے ساری عمر میں اس کم بخت کے منہ سے ''ہائے اماں'' کہلوا دیا۔ تو سوویت روس کو بھی اس وقت خدا نظر آ گیا تھا۔ آج اگر اس کو خدا نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ خدا آئندہ پھر کوئی ہٹلر اس کے لئے کھڑا کر دے۔ اسی کو یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح محیط ہو کر گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد ہی کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف خدا تعالیٰ لے آتا ہے تو تھوڑے نفوس ہیں جو اعتدال اور توسط کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا یا سمندر سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول و اقرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے چند روز بھی اس کے انعام و احسان کا حق نہ مانا۔ اور اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔

ان آیات کے تحت ایک بات یہ بھی افسوس ناک کہنے کے لائق ہے کہ مشرکین کے متعلق بھی یہاں بتلایا گیا کہ جب وہ کسی سخت حادثہ میں گرفتار ہوتے تھے تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے تھے۔ لیکن آج آپ کو اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں ایسے افراد بھی ملیں گے کہ جو دریا کی موجوں اور سمندر کے طلاطم خیز تھپیڑوں میں اللہ کے نام کی بجائے دوسروں ہی کا نام لیتے ہیں۔ مثلاً یا علی مشکل کشا'' اور ''یا غوث'' اور ''یا قطب'' اور ''یا پیر دستگیر''

اب آگے خاتمہ کی آیات میں تمام انسانوں کو خطاب فرما کر انکی خیر خواہی کا حکم فرمایا جاتا ہے اور قیامت کے دن سے ڈرایا جاتا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ سچی اور پکی اور خالص توحید سے ہمارے دلوں کو منور فرما دیں۔ حق تعالیٰ اپنی ذات پاک کی صحیح معرفت اور توحید حقیقی ہم سب کو نصیب فرما دیں۔ اور ہر حال میں اپنا صابر شاکر بندہ بنا کر رکھیں۔ اور ہر حال میں اپنی ہی ذات پاک کی طرف رجوع ہونے کی ہم کو توفیق مرحمت فرما دیں۔ اور بدعہدی اور ناشکری کی بدخصلت سے ہم کو بچا دیں۔

یا اللہ! آپ نے بے شمار احسانات اور انعامات سے ہم کو نواز رکھا ہے چاند سورج سیاروں اور ستاروں کو ہماری خدمت کے کاموں میں اپنی قدرت سے لگا رکھا ہے۔ یا اللہ! اپنی بے شمار نعمتوں کا ہم کو احساس عطا فرما اور ان نعمتوں کی سچی شکر گزاری کی توفیق عطا فرما تا کہ ہم کو کسی آن آپ کے ذکر و فکر سے غفلت نہ ہو۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے

وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ تم کو وہ دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ

بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	النَّاسُ لوگو	اتَّقُوْا تم ڈرو	رَبَّكُمْ اپنا پروردگار	وَاخْشَوْا اور خوف کرو	يَوْمًا وہ دن	لَا يَجْزِيْ نہ کام آئے گا	وَالِدٌ کوئی باپ	عَنْ سے کے
وَلَدِهٖ اپنے بیٹے	وَلَا مَوْلُوْدٌ اور نہ کوئی بیٹا	هُوَ وہ	جَازٍ کام آئیگا	عَنْ وَّالِدِهٖ سے کے باپ	شَيْـًٔا کچھ	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا
فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ سو تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَ اور	لَا يَغُرَّنَّكُمْ تمہیں ہرگز دھوکہ نہ دے	بِاللّٰهِ اللہ سے				
الْغَرُوْرُ دھوکہ دینے والا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عِنْدَهٗ اس کے پاس	عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم	وَيُنَزِّلُ اور وہ نازل کرتا ہے	الْغَيْثَ بارش			
وَيَعْلَمُ اور وہ جانتا ہے	مَا جو	فِي الْاَرْحَامِ (حاملہ کے) رحم میں	وَمَا اور نہیں	تَدْرِيْ جانتا	نَفْسٌ کوئی شخص	مَاذَا کیا	تَكْسِبُ وہ کرے گا	
غَدًا کل	وَمَا تَدْرِيْ اور نہیں جانتا	نَفْسٌ کوئی شخص	بِاَيِّ کس	اَرْضٍ زمین	تَمُوْتُ وہ مرے گا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلِيْمٌ علم والا	خَبِيْرٌ خبردار

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ لقمان کی خاتمہ کی آیات ہیں گذشتہ آیات میں یہ سمجھایا گیا تھا کہ انسان کو چاہئے کہ اللہ کے لطف وکرم فضل واحسان کو دنیا میں ہر طرف پھیلا ہوا دیکھ کر اللہ کو پہچانے۔ اور توحید کو اختیار کرے لیکن انسان کا عجیب رویہ ہے۔ اللہ کی نعمتوں سے ہر وقت ہر لحظہ فائدہ اٹھاتا ہے لیکن اُسے بھول کر دوسروں کی معبودیت تسلیم کرتا ہے۔ مگر جب کوئی سخت مصیبت آپڑتی ہے کہ جہاں کوئی مدد کی شکل وصورت نظر نہیں آتی تو پھر اللہ ہی کی ذات عالی کی طرف متوجہ ہو کر اس کو پکارتا ہے لیکن غضب یہ کہ مصیبت کے ٹلتے ہی بدعہدی اور ناشکری اختیار کر لیتا ہے۔ اب چونکہ یہ سورۂ لقمان کی آخری آیات ہیں اس لئے انسانوں کو بغرض خیر خواہی اور اتمام حجت کے ایک ایسا حکم دیا جاتا ہے جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے اور وہ حکم یہ ہے یآیھا الناس اتقوا ربکم اے لوگو اپنے رب سے ڈرا کرو۔ ظاہر ہے کہ جو اپنے رب سے ڈرے گا وہ اس کی نافرمانی اور معصیت کے پاس بھی نہ جائے گا اور کسی حکم کے بجالانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ. میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں یعنی بتاکید حکم دیتا ہوں۔ اب چونکہ یہ انسانی خصلت ہے کہ ڈر وخوف اس کو جبھی پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ کسی خطرہ یا آنے والی بلائے عظیم کا احساس کرے اس لئے عام انسانوں کو خدا سے ڈرنے کے لئے قیامت کے واقعہ اور حادثہ عظیم کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ایک ایسا ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسروں کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ تیسویں پارہ سورۂ عبس میں بھی ایسا ہی فرمایا گیا ہے یوم یفر

6 المرءُ من اخیه وامه ابیه وصاحبته وبنیه. لکل امری منهم یومئذ شان یغنیه. جس روز انسان بھاگنے لگے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے۔ان میں سے ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ دوسروں سے بے توجہ کردینے والی یعنی اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی احباب عزیز واقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔ دنیا میں قریب ترین تعلق اگر کوئی ہے تو وہ اولاد اور والدین کا ہے مگر قیامت میں یہ حالت ہوگی کہ بیٹا پکڑا گیا تو باپ آگے بڑھ کر یہ نہیں کہے گا کہ اس کے گناہ میں مجھے پکڑ لیا جائے اور باپ کی شامت آرہی ہو تو بیٹے میں یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوگی کہ اس کے بدلے میں مجھے پکڑ لیا جائے اس حالت میں یہ توقع رکھنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ دوسرا شخص وہاں کسی کے کچھ کام آئے گا۔ لہٰذا نادان ہے وہ شخص جو دنیا میں دوسروں کی خاطر اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔ یا کسی کے بھروسہ پر گمراہی اور گناہ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ عام انسان سے ایسے سارے موقعوں پر اکثر مفسرین نے مراد کافر ہی لی ہے۔ اہل ایمان کی شفاعت کا مسئلہ اہل ایمان کے لئے اپنی جگہ علیحدہ ہے۔

یہاں انسان کو قیامت کی ہولناکی سے ڈرا کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرنے کی تاکید مقصود ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ دن یعنی قیامت کا دن یقیناً آکر رہے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے انسان دھوکا نہ کھائے کہ ہمیشہ یہ اسی طرح رہے گی۔ اور یہاں آرام سے ہے تو وہاں بھی آرام کرے گا۔ نیز سمجھایا جاتا ہے کہ اس دغا باز شیطان کے اغوا سے ہوشیار رہو۔ جو اللہ کا نام لے کر دھوکہ دیتا ہے اور مختلف قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا کرتا ہے۔

یہاں آیات میں ولا یغرنکم باللہ الغرور فرمایا ہے یعنی نہ تم کو وہ دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے تو یہاں غرور یعنی دھوکہ باز سے اکثر مفسرین نے مراد شیطان سے لی ہے لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور ان کا اپنا نفس امارہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اور یہاں آیت میں اللہ کے معاملہ میں دھوکہ دینے کے الفاظ بھی بہت وسیع ہیں جنہیں بے شمار مختلف قسم کے دھوکے آجاتے ہیں کسی انسان کو اس کا دھوکہ باز یہ یقین دلاتا ہے کہ خدا سرے سے ہے ہی نہیں کسی کو یہ سمجھاتا ہے کہ جو کچھ بھی تم چاہو کرتے رہو بخشش تمہاری یقینی ہے کسی کو اس دھوکہ میں رکھتا ہے کہ جینا مرنا جو کچھ ہے بس اسی دنیا کا ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں لہٰذا جو مزے اڑانے ہیں زندگی میں اڑالو۔ کسی کو اس دھوکہ میں مبتلا کرتا ہے کہ خدا غفور الرحیم ہے تم گناہ کرتے چلے جاؤ وہ بخشتا چلا جائے گا یا بوڑھے ہو کر اکٹھی توبہ کر لینا اللہ سب بخش دے گا۔ نہ معلوم کتنے اور کیسے کیسے دھوکہ ہیں جو انسان خدا کے بارے کھا رہا ہے۔ اس لئے ہدایت فرمائی کہ تم کو دنیاوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈالے کہ اس میں منہمک ہو کر اس دن سے غافل رہو اور نہ تم کو کوئی دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے کہ تم اس کے بہکائے میں آجاؤ۔ اب چونکہ قیامت کا ذکر فرمایا گیا تھا اور منکرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتے تھے کہ قیامت سے ہم کو ڈرایا جاتا ہے وہ کب آئے گی؟ اور کونسا اس کا وقت ہے؟ اس کا جواب آخری آیات میں دیا جاتا ہے کہ قیامت آکر رہے گی لیکن کب آئے گی اس کا علم خدا کے پاس ہے۔ نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد چار فقرے بطور دلیل کے ارشاد ہوتے ہیں۔ دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جن معاملات سے انسان کی قریب ترین دلچسپیاں وابستہ ہیں۔ انسان ان کے متعلق بھی علم نہیں رکھتا۔ پھر بھلا یہ جاننا اس کے لئے کیسے ممکن ہے کہ ساری دنیا کے انجام کا وقت کب آئے گا۔ تمہاری خوشحالی و بدحالی کا انحصار بارش پر ہے۔ اور زمین کی ساری رونق اور مادی برکت آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ مگر اس کا اختیار بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے جب جہاں جتنی چاہتا ہے برساتا ہے اور جب چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ تم قطعاً نہیں جانتے کہ کہاں کس وقت کتنی بارش ہوگی اور کون سی زمین اس سے محروم رہ جائے گی۔ یا کسی زمین پر بارش الٹی نقصان دہ ہوجائے گی۔ اسی طرح تمہاری اپنی بیویوں کے پیٹ میں تمہارے اپنے نطفہ سے حمل قرار پاتا ہے جس سے تمہاری نسل کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے۔ مگر تم نہیں جانتے کہ کیا اس

پیٹ میں پرورش پا رہا ہے۔ اور کس شکل میں کن بھلائیوں یا برائیوں کو لئے ہوئے برآمد ہوگا۔ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہوگی روزی کتنی ملے گی؟ سعید ہوگی یا شقی؟ مفلس ہوگی یا غنی؟ جنتی ہے یا دوزخی؟ ان چیزوں کا علم تو اسی علیم وخبیر کو ہی ہے۔ پھر تم کو یہ تک پتہ نہیں ہے کہ کل تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آنا ہے۔ ایک اچانک حادثہ تمہاری حالت بالکل بدل سکتا ہے۔ مگر ایک منٹ پہلے بھی تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تمہاری اس زندگی کا خاتمہ آخر کار کب کہاں اور کس طرح ہوگا۔ یہ ساری معلومات اللہ نے اپنے ہی پاس رکھی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کا علم بھی تم کو نہیں دیا۔ اس لئے تمہارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان معاملات میں اللہ ہی کی تدبیر اور اسی کی قضا پر بھروسہ کرو۔ اسی طرح دنیا کے خاتمہ کی ساعت یعنی قیامت کا معاملہ بھی اللہ کے فیصلہ پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اس کا علم بھی نہ کسی کو دیا ہے نہ دیا جائے گا۔

یہاں ایک بات اور بھی اچھی طرح سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہاں اس آخری آیت میں امور غیب کی کوئی فہرست نہیں دی گئی کہ جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ بلکہ یہاں یہ پانچ مسئلے صرف بطور مثال اور نمونہ کے بیان ہوئے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ان پانچ امور کی تخصیص کہ (۱) قیامت کب ہوگی۔ (۲) بارش کس جگہ کس مقدار میں ہوگی (۳) ماں بچے کو پیٹ میں کیا لئے ہوئے ہے لڑکا یا لڑکی (۴) کسی کا یہ نہ جانتا کہ کل میں کیا کام کروں گا۔ (۵) اور کسی کو یہ علم نہ ہونا کہ میری موت کب اور کہاں واقع ہوگی؟۔ ان پانچ امور کی تخصیص محض اس سوال کی بنا پر ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہوگی؟ میری بیوی لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ میں کل کیا کروں گا؟ اور میں کہاں مروں گا؟ تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفاتح الغیب پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (۱) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ (۲) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحموں میں کیا ہے۔ (۳) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔ (۴) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ (۵) اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مفاتح الغیب کی تفسیر فرماتے ہوئے سورۂ لقمان کی یہ آیت **ان اللہ عندہ علم الساعة وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما تدری نفس ماذاتکسب غدًا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر.** تلاوت فرمائی۔ آخیر میں **ان اللہ علیم خبیر.** فرما کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے بالتحقیق اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

قرآن کریم کی منجملہ دوسری بیسوں آیات کے یہ آخری آیت اس سورۃ کی بھی نص صریح ہے کہ تمام غیوب کا کلی اور تفصیلی علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل میں اس آخری آیت کی تفسیر کے ذیل میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب فیصلہ مذکور ہے لکھا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ منصور عباسی نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو ان سے اپنی بقیہ عمر کے بارہ میں سوال کیا کہ میری کتنی عمر باقی ہے؟ تو فرشتہ نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا اور غائب ہوگیا۔ خلیفہ منصور نے تعبیر دانوں کے سامنے اپنا خواب بیان کیا ان میں حضرت امام اعظم بھی شامل تھے۔ تعبیر دینے والوں نے مختلف تعبیریں بیان کیں کسی نے کہا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خلیفہ کی عمر ابھی ۵ سال باقی ہے۔ کسی نے کہا کہ اس سے مراد ۵ ماہ ہیں اور کسی نے ۵ دن بتائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ سورۂ لقمان کی آخری آیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ بات ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ تو گویا تعبیر آپ نے یہ دی کہ ملک الموت نے ۵ انگلیوں سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مجھے تمہاری بقیہ عمر کا پتہ نہیں کیونکہ یہ مفاتح الغیب میں سے ہے اور ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

الحمدللہ کہ اس درس پر سورۂ لقمان کا بیان ختم ہوا جس میں چار رکوعات تھے۔ اس کے بعد ان شاءاللہ تعالیٰ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ

الٓمٓ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ اپنے دل سے بنالیا ہے بلکہ یہ سچی کتاب ہے آپ کے

رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝٣

رب کی طرف سے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہ پر آجائیں۔

الٓمٓ الم	تَنْزِيْلُ نازل کرنا	الْكِتٰبِ کتاب	لَا رَيْبَ کوئی شبہ نہیں	فِيْهِ اس میں	مِنْ سے	رَبِّ پروردگار	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہان	اَمْ کیا
يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	افْتَرٰىهُ یہ اس نے گھڑ لیا ہے	بَلْ بلکہ	هُوَ یہ	الْحَقُّ حق	مِنْ سے	رَبِّكَ تمہارا رب	لِتُنْذِرَ تاکہ تم ڈراؤ	قَوْمًا اس قوم کو
	مَآ اَتٰىهُمْ ان کے پاس نہیں آیا	مِنْ کوئی	نَذِيْرٍ ڈرانے والا	مِنْ سے	قَبْلِكَ تم سے پہلے	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَهْتَدُوْنَ ہدایت پالیں	

تفسیر و تشریح:۔ الحمد للہ کہ اب ۲۱ ویں پارہ کی سورۂ سجدہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئیں ہیں۔ ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع و مباحث۔ تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع پندرہویں آیت میں سجدہ کا مضمون آیا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام سجدہ قرار دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کا زمانۂ نزول مکہ کا درمیانی دور ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی بتیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ستر ہے یعنی انہتر سورتیں مکہ معظمہ میں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور چوالیس سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۳۰ آیات۔ تین رکوعات۔ ۴۷۲ کلمات اور ۱۵۷۷ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورۃ میں بھی زیادہ تر عقائد ہی کے متعلق مضامین ہیں۔ سورۃ کا خاص موضوع توحید۔ آخرت و رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات کو دور کر کے ان تینوں حقیقتوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ سب سے پہلے اس سورۃ میں

اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی کہ قرآن مجید یقیناً اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا اور ان کا محافظ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس وقت کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپس میں چرچے کرتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ عجیب عجیب باتیں گھڑ گھڑ کر سنا رہے ہیں۔ کبھی مرنے کے بعد کی خبریں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرجانے اور مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد تم پھر زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور اس ساری دنیا کی زندگی میں کرے دھرے کا حساب کتاب ہوگا اور جزا و سزا ہوگی۔ دوزخ و جنت ہوگی۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ دیوی دیوتا کوئی چیز نہیں بس اکیلا ایک خدا ہی معبود ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسول اور پیغمبر ہوں۔ آسمان سے مجھ پر وحی آتی ہے اور یہ کلام جو میں تم کو سنا رہا ہوں میرا کلام نہیں بلکہ خدا رب العالمین کا کلام ہے۔ تو یہ عجیب عجیب باتیں ہیں جو ہم کو یہ سنا رہے ہیں۔ کفار کے انہی سب باتوں کے جواب اس سورت میں دیئے گئے ہیں اور پھر ان سے فرمایا گیا کہ یہ قرآن جن حقیقتوں کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہے۔ عقل سے

کام لے کر خود سوچو کہ ان میں کیا چیز اچنبھے کی ہے۔آسمان وزمین کے انتظام کو دیکھو۔خود اپنی پیدائش اور بناوٹ پر غور کرو کہ یہ نظام کائنات توحید پر دلالت کر رہا ہے یا شرک پر؟اور اس سارے نظام کو دیکھ کر اور خود اپنی پیدائش پر نگاہ ڈال کر کیا تمہاری عقل یہی گواہی دیتی ہے کہ جس نے اب تمہیں پیدا کر رکھا ہے پھر وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا۔پھر عالم آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ایمان کے ثمرات اور کفر کے نتائج بیان کر کے یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ لوگ برا انجام سامنے آنے سے پہلے کفر وشرک چھوڑ دیں اور قرآن کی اس تعلیم کو قبول کر لیں جسے مان کر خود ان کی اپنی ہی عاقبت درست ہوگی۔نیز سمجھایا گیا کہ دنیا میں ہر ایک کے لئے کچھ ہی عرصہ جینا ہے پھر ہر ایک کو موت آ کر دبوچ لے گی اور پھر اس کے بعد جب دوبارہ زندگی ہوگی اور اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور ان کے مطابق جزاوسزا ملے گی تو اس دن اللہ کے نافرمان بندے پچھتائیں گے اور دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست کریں گے۔لیکن اس وقت یہ درخواست منظور نہ ہوگی کیونکہ دنیا میں رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ پورے طور پر سمجھا دیا گیا تھا کہ نہ مانو گے تو جہنم ٹھکانا ہوگا جہاں سوائے عذاب کے کچھ نہیں۔پھر بتلایا گیا کہ دیکھو اچھی طرح سن لو ایمان والے بندے وہی ہیں جو اللہ کے کلام کی آیتیں سن کر اکڑفوں چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔اس کے سامنے راتوں کو اٹھ اٹھ کر گڑگڑاتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں۔اس سے ڈرتے بھی ہیں اور اسی سے بخشش کی امید بھی رکھتے ہیں۔پھر سمجھایا گیا کہ دیکھو یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ وہ انسانوں کے قصوروں پر فوراً اور یکا یک آخری گرفت اور فیصلہ کن عذاب میں نہیں پکڑ لیتا بلکہ پہلے انسانوں کو چونکانے کے لئے چھوٹی چھوٹی تکلیفیں، مصیبتیں آفات ونقصانات بھیجتا رہتا ہے تا کہ انہیں تنبیہ ہو اور ان کی آنکھیں کھل جائیں۔لیکن اگر ان سے سبق نہ لیا اور ہوش میں نہ آیا تو پھر آخرت کا بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا۔اور یاد رکھو قیامت برحق ہے اس دن سب جھگڑے قصے چکا دیئے جائیں گے۔پھر آگے فرمایا گیا کہ دنیا میں یہ کوئی پہلا اور انوکھا واقعہ تو نہیں ہے کہ

ایک شخص پر خدا کی طرف سے کتاب آئی ہو۔اس سے پہلے آخر موسیٰ علیہ السلام پر بھی کوئی کتاب آئی ہی تھی جسے تم لوگ جانتے ہو تو اب ایسی کیا بات ہے کہ جو تم لوگ یوں کان کھڑے کر رہے ہو۔یقین مانو کہ یہ کتاب بھی خدا ہی کی طرف سے آئی ہے اور خوب سمجھ لو کہ اب پھر وہی کچھ ہوگا جو موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہو چکا ہے۔امامت اور پیشوائی اور بڑائی اور بزرگی انہی کو نصیب ہوگی جو اس کتاب الٰہی کو مان لیں گے اور اسے رد کر دینے والوں کے لئے ناکامی اور نامرادی مقدر ہو چکی ہے پھر کفار مکہ سے یہ بھی کہا گیا کہ تم اپنے تجارتی سفروں کے درمیان میں جن پچھلی تباہ شدہ قوموں کی بستیوں پر سے گزرتے ہو ان کا انجام دیکھ لو۔کیا نافرمانی کر کے یہی انجام تم اپنے لئے پسند کرتے ہو؟ ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ آج تم دیکھ رہے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چند غلاموں اور غریب لوگوں کے سوا کوئی نہیں سن رہا ہے اور ہر طرف سے ان پر طعن و تشنیع ہو رہی ہے تو اس سے تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ چلنے والی بات نہیں۔چار دن چلے گی اور پھر ختم ہو جائے گی لیکن یہ محض تمہاری نظر کا دھوکہ ہے۔ابھی موقع ہے کہ اللہ اور رسول کے کہنے پر یقین کر لو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ اس دن کے آ جانے پر نہ ایمان لانا کام دے گا۔نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن ٹھیک کر کے درست ہو جاؤ۔اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔تمسخر اور مذاق اور تکذیب میں رائیگاں مت کرو۔قیامت آنے والی ہے اور یقیناً آ کر رہے گی پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ماننا ہے تو اب مان لو اور اگر اخیر فیصلہ ہی کا انتظار کرنا ہے تو پھر بیٹھے انتظار کرتے رہو۔یہ ہے اس ساری سورۃ کے مضامین کا خلاصہ جس کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

اب اس تمہیدی مضمون کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔اس سورۃ کی ابتداء بھی حروف مقطعات الم سے فرمائی گئی جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔حروف مقطعات کے متعلق اس سے پہلے کئی جگہ عرض کیا جا چکا ہے۔ان کے متعلق مشاہیر صحابہ کرام وتابعین اور جمہور مفسرین کا مسلک یہی ہے کہ

یہ حروف ان متشابہات قرآنی میں سے ہیں جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔اس کے بعد سورۃ کا آغاز اس اعلان سے ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ نہ اس میں کچھ دھوکہ ہے نہ شک وشبہ کی گنجائش۔ قرآن کریم کی جب کسی سورت کا آغاز اس غیر معمولی اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ پیغام پروردگار عالم اور فرمانروائے کائنات کی طرف سے آرہا ہے تو اس میں ایک بہت بڑا دعویٰ اور ایک عظیم چیلنج شامل ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ابتداء ہی اتنی بڑی خبر دیتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ خداوند عالم کا کلام ہے۔ یہ اعلان فوراً آدمی کے ذہن میں یہ سوال لا کھڑا کرتا ہے کہ اس دعوے کو تسلیم کروں یا نہ کروں۔ تسلیم کرتا ہوں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے آگے سر اطاعت جھکا دینا ہوگا پھر میرے لئے اس کے مقابلہ میں کوئی آزادی باقی نہیں رہ سکتی اور تسلیم نہیں کرتا تو یہ خطرۂ عظیم مول لیتا ہوں کہ اگر واقعی یہ خداوند عالم کا کلام ہے تو اسے رد کرنے کا نتیجہ مجھے ابدی شقاوت و بدبختی کی صورت میں دیکھنا پڑے گا۔اس بنا پر صرف یہ تمہیدی فقرہ اپنی اس غیر معمولی نوعیت ہی کی بنا پر آدمی کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ چوکنا ہو کر۔ ہوش وحواس سے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس کلام کو سنے اور یہ فیصلہ کرے کہ اس کو کلام الٰہی کی حیثیت سے تسلیم کرنا ہے یا نہیں۔ میرے عزیزو اور بزرگو۔ اس وقت ہم میں سے جو یہاں موجود ہیں آیئے ہم اور آپ اپنی اس میں انتہائی سعادت سمجھتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں سے حق تعالیٰ کو حاضر وناظر جانتے ہوئے اس کا فیصلہ کریں کہ ہم اس کو کلام الٰہی ہونے کی حیثیت سے دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں اور مولائے کریم سے ہمت اور توفیق طلب کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر حال میں اس کی سچی اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ آمین۔ پھر یہاں اس تمہیدی آیت میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے بلکہ مزید یہاں پورے زور کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ لاریب فیہ بیشک یہ خدا کی کتاب ہے۔اس کے منزل من اللہ ہونے میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس تمہیدی اعلان کے بعد مشرکین مکہ کے پہلے اعتراض کو لیا جا رہا ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کرتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ قرآن آپ نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے مرحمت فرمایا جاتا ہے کہ ان کا یہ کہنا محض لغو اور جھوٹ ہے یہ کلام کسی کا بنایا ہوا نہیں بلکہ یہ سچی کتاب ہے جو پروردگار کی طرف سے آئی ہے اور اس لئے آئی ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔

واضح رہے کہ عرب میں دین حق کی روشنی سب سے پہلے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے ذریعہ پہنچی تھی۔ پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام آئے جن کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب اڑھائی ہزار برس قبل گزرا ہے اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام عرب کی سرزمین میں آئے جن کی آمد کو بھی تقریباً دو ہزار برس گزر چکے تھے یہ اتنی طویل مدت ہے کہ اس کے لحاظ سے یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ اس قوم کے اندر کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اثبات رسالت کا مضمون بیان فرمایا گیا۔ آگے اثبات توحید کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو قرآن پاک جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سید الانبیاء والمرسلین پیغمبر عطا فرمائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا،

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى

بدوں اُس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے

الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤ ذٰلِكَ عٰلِمُ

پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ وہ ہی ہے جاننے والا

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ⑥

پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا زبردست رحمت والا۔

اَللّٰهُ اللہ	الَّذِيْ وہ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں کو	وَ الْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان کے درمیان	فِيْ میں	سِتَّةِ چھ(۶)
اَيَّامٍ دن	ثُمَّ پھر	اسْتَوٰى اس نے قرار کیا	عَلَى الْعَرْشِ عرش پر	مَا لَكُمْ تمہارے لئے نہیں	مِّنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	مِنْ سے۔کوئی	وَّلِيٍّ مددگار	
وَّلَا شَفِيْعٍ اور نہ سفارش کرنے والا	اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ سو کیا تم غور نہیں کرتے	يُدَبِّرُ وہ تدبیر کرتا ہے	الْاَمْرَ تمام کام	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان			
اِلَى الْاَرْضِ زمین تک	ثُمَّ پھر	يَعْرُجُ وہ رجوع کریگا	اِلَيْهِ اسکی طرف	فِيْ يَوْمٍ ایک دن میں	كَانَ ہے	مِقْدَارُهٗۤ اسکی مقدار	اَلْفَ سَنَةٍ ایک ہزار سال	
مِّمَّا اس سے جو	تَعُدُّوْنَ تم شمار کرتے ہو	ذٰلِكَ وہ	عٰلِمُ الْغَيْبِ جاننے والا پوشیدہ	وَالشَّهَادَةِ اور ظاہر	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بلاشک یہ کتاب قرآن کریم رب العالمین نے نازل فرمائی ہے اور اس لئے اتاری ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو ان کے برے اعمال کی سزا سے ڈراویں تاکہ وہ سیدھے راستہ پر آجائیں اور برے اعمال سے پرہیز کریں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ رب العالمین جس نے یہ کتاب اتاری ہے اللہ تعالیٰ ہے جس نے کہ آسمانوں وزمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق کو چھ روز کی مقدار میں پیدا فرمایا اور پھر عرش پر جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح قائم اور جلوہ فرما ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں بھی ایک ایسی ہی آیت آئی ہے جہاں ارشاد ہوا ان ربکم اللہ الذی خلق **السموت والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش.** بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز کے برابر وقت میں پیدا کیا پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس آیت کی تشریح میں سورۂ اعراف میں بتلایا گیا تھا کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہاں چھ دن سے دنیا کی مقدار کے چھ دن مراد ہیں یا عالم غیب کے چھ دن مراد ہیں جہاں کا ایک دن ایک ہزار برس کا ہے جیسا کہ ان ہی آیات میں فرمایا گیا ہے **فی یوم کان مقداره الف سنة مما تعدون** (ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی) یا جیسا سورۂ حج سترہویں پارہ میں ارشاد ہوا **وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون** (اور تمہارے پروردگار کے پاس کا ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے

شمار کے مطابق) بعض مفسرین نے یوم سے مراد مطلق زمانہ کے لئے ہیں یعنی چھ مختلف زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا کیونکہ یوم کے معنی مطلق مدت کے بھی محاورۂ عرب میں مستعمل ہوتے ہیں۔ بہرحال مقصود یہ ہوا کہ آسمانوں اور زمین اور اس کے درمیان کی ساری مخلوقات کو دفعۃً اور یکا یک بنا کر نہیں کھڑا کر دیا گیا۔ شاید اول ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو پھر استعداد کے موافق بتدریج مختلف اشکال اور صورتوں میں منتقل فرماتے رہے ہوں حتیٰ کہ چھ دن میں جو دنیا کے حساب سے عالم آخرت کے چھ ہزار سال بنے موجودہ شکل میں مع تمام متعلقات کے مرتب ہوئے ہوں جیسا کہ آج بھی انسان اور حیوانات اور نباتات وغیرہ کی پیدائش کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے۔ حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سارے آسمان اور زمین ایک آن اور ایک پل میں پیدا کر سکتا تھا مگر انسانوں کو ہر کام میں آہستہ روی اور ہر عمل کو بتدریج انجام دینے کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات ارضی وسماوی کو چھ روز میں بنایا۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آہستہ روی رحمٰن کی طرف سے ہے اور عجلت پسندی شیطان کی طرف سے ہے۔

الغرض آیت میں یہاں بتلایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے پیدا فرما چکا تو خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فرما اور متمکن ہو گیا یہ جملہ ثم استوٰی علی العرش یعنی عرش پر جلوہ فرما ہوا یا جا ٹھہرا یہ متشابہات قرآنی میں سے ہے۔ اور یہ جملہ قرآن پاک میں مختلف سورتوں میں ۷ جگہ آیا ہے۔ چونکہ متشابہات کا تعلق عقیدہ سے ہے اس لئے بعض فرقے ان کے مطالب کی وجہ سے کجی اور گمراہی میں گرفتار ہو گئے۔ علمائے اہل سنت والجماعت کا قول ایسی آیات کے متعلق جن کے اندر صفات متشابہات کا بیان ہے یہی ہے کہ ان کو اسی طرح بلا کیف ماننا چاہئے جس طرح وہ آئی ہیں۔

یہاں پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک وہ کہ جن کی مراد بالکل واضح اور متعین ہو اور جن کے مطالب ومعانی میں کوئی شبہ ابہام یا اجمال نہ ہو ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں۔ دوسری قسم آیات کی متشابہات کہلاتی ہیں یعنی ایسی آیتیں جن کا مفہوم ومطلب معلوم اور متعین کرنے میں کچھ شبہ واقع ہوتا ہو۔ اور جس سے باہم کئی ملتے جلتے مطلب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو اور اس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں اس لئے متشابہات میں اپنی رائے اور خواہش کے مطابق مطلب نکالنا گمراہی ہے کیونکہ ان کا حقیقی مطلب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ باقی عقیدہ دونوں کے متعلق یہی رکھنا چاہئے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں اس لئے متشابہات کو محکمات کی روشنی میں ہمیشہ سمجھنا چاہئے تو ثم استوٰی علی العرش کے متعلق سمجھئے کہ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے جس کے مفہوم ومطلب میں مختلف پہلو موجود ہیں اور اس کے کئی مطلب باہم ملتے جلتے نکلتے ہیں مگر جو حقائق اور مطالب انسانی حواس سے ادراک نہیں کئے جا سکتے اور عقل وشعور میں پوری طرح نہیں آ سکتے تو ان کے لئے پیرایۂ بیان تشبیہ ومجاز کا اختیار کیا جاتا ہے تا کہ کسی درجہ میں انسانی عقل وفہم کے لئے سمجھنے کے لائق ہو سکے۔ متشابہات گو خلاف عقل نہیں مگر پوری طرح اپنی حقیقت اصل کے ساتھ عقل میں نہیں سما سکتے اس لئے متشابہات پر بلا تفتیش کیفیت ایمان رکھنا چاہئے۔ استوٰی علی العرش کو بھی اسی طرح سمجھئے عرش

کے معنی تخت و بلند مقام کے ہیں اور استواء کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔ قرون ثلثہ اور ائمہ اربعہ اور تمام محدثین اور جمہور مفسرین اہل سنت والجماعت کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ مذہب ہے کہ وہ عرش پر مستوی یعنی ٹھہرا ہوا ہے اور وہ ٹھہرنا ایسا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور جس کی کیفیت اور حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے (اس جملہ کی تشریح میں سورۂ اعراف میں جو بیان کیا گیا ہے اس کو ایک مرتبہ قارئین پھر ملاحظہ فرمالیں۔ بس صحیح اور سلامتی کی راہ یہی ہے کہ متشابہات پر ایمان تو رکھے مگر بلاتفتیش کیفیات۔

الغرض مشرکین مکہ کا پہلا اعتراض جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کرتے تھے اس کا جواب گزشتہ آیات میں دیا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ بلاشک یہ کتاب اللہ رب العالمین نے نازل فرمائی ہے اب مشرکین کے دوسرے اعتراض کو لیا جاتا ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید پر کرتے تھے۔ ان کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دیوتاؤں کی معبودیت سے انکار کرتے ہیں اور ہمہ وقت یہی دعوت دیتے ہیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود۔ کوئی کارساز کوئی حاجت روا۔ کوئی دعائیں سننے والا اور بگڑی بنانے والا اور کوئی ذی اختیار نہیں ہے۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمہارا اصل خدا تو خالق زمین وآسمان ہے جو اس پوری کائنات اور اس کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور پھر تمام زمین وآسمان میں عرش سے فرش تک اللہ ہی کی حکومت ہے۔ وہی حاکم حقیقی اور فرمانروا ہے اگر اللہ تمہاری مدد نہ کرے تو کس کی یہ طاقت ہے کہ وہ تمہاری مدد کر سکے؟ اگر اللہ تمہیں پکڑ لے تو کس کا یہ زور ہے کہ تمہیں چھڑا سکے۔ اگر اللہ سفارش نہ سنے تو کون ایسا ہے کہ اس سے اپنی سفارش منوالے۔ تو تمہیں سوچنا چاہئے کہ جب واقعہ یہ ہے تو تمہارا اس کے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ پھر بھی تم ایسا دیدہ دلیری سے اس کا انکار کررہے ہو۔ نہ اس کے رسول کو مانتے ہو۔ نہ اس کی کتاب پڑھتے سنتے ہو۔ نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہو۔ تو یہ تمہاری سراسر نادانی نہیں تو کیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ چھوٹی بڑی ہر چیز کی تربیت۔ تدبیر وانتظام سب اس کے دست قدرت میں ہے۔ یہ نہیں کہ اس نے کائنات کو ایک بار پیدا کر کے اس کارخانہ کو یونہی معلق چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ ہر آن اس کا دخل وتصرف بھی جاری رہتا ہے اور آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہوگا جس کو قیامت کہتے ہیں۔ اور اس دن کی مقدار اور طول اس دنیا کے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ اخیر میں ارشاد ہے کہ ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام اور تدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر وپوشیدہ کی خبر رکھے اور جو ہر چیز پر غالب اور ہر شے اس سے مغلوب ہو اور کسی میں اس کے مقابلہ کا بل بوتا نہ ہو پھر اس غلبہ اور قوت قاہرہ کے باوجود وہ ظالم نہیں ہے بلکہ اپنی مخلوق پر رحیم وشفیق ہے۔

ابھی آگے بھی مضمون توحید جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی ذات پاک کی صحیح اور سچی معرفت ہم سب کو عطا فرمائیں کہ ہم ہر حال میں اسی کو اپنا مددگار اور حقیقی کارساز سمجھیں۔ حق تعالیٰ اپنی قدرت ورحمت سے ہمارے دین ودنیا کے تمام معاملات کی تدبیر وانتظام فرمائیں اور قیامت کے دن اپنی رحمت وشفقت کا معاملہ ہمارے ساتھ فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝٧ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ

جس نے (یعنی اللہ نے) جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ پھر اس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا۔

سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝٨ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

پھر اُس کے اعضا درست کئے اور اس میں اپنی رُوح پھونکی اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے،

وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝٩

تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (یعنی نہیں کرتے)۔

الَّذِیْ وہ جس نے	اَحْسَنَ بہت خوب بنائی	كُلَّ شَیْءٍ ہر شے	خَلَقَهٗ جو اس نے پیدا کی	وَبَدَاَ اور ابتدا کی	خَلْقَ پیدائش	الْاِنْسَانِ انسان	مِنْ سے
طِیْنٍ مٹی	ثُمَّ پھر	جَعَلَ بنایا	نَسْلَهٗ اس کی نسل	مِنْ سُلٰلَةٍ خلاصہ سے	مِنْ سے	مَّآءٍ مَّهِیْنٍ حقیر (بے قدر) پانی	ثُمَّ سَوّٰىهُ پھر اس (کے اعضا) کو ٹھیک کیا
وَنَفَخَ اور پھونکی	فِیْهِ اس میں	مِنْ سے	رُّوْحِهٖ اپنی روح	وَجَعَلَ اور بنائے	لَكُمُ تمہارے لئے	السَّمْعَ کان	وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں
وَالْاَفْئِدَةَ اور دل	قَلِیْلًا بہت کم	مَّا جو	تَشْكُرُوْنَ تم شکر کرتے ہو				

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ آیات میں اثبات توحید کے سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق تدریجاً پیدا فرمائی اور پھر اس ساری کائنات کو پیدا کر کے یونہی معلق نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز کی تربیت و تدبیر انتظام و تصرف و اختیار سب اپنے دست قدرت میں رکھا۔ کائنات میں ہر چیز پر وہ غالب ہے اور پھر اس غلبہ اور قوت قاہرہ کے باوجود وہ اپنی مخلوق پر رحیم اور شفیق بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس عظیم الشان کائنات میں اللہ تعالیٰ نے بے حد وحساب اور بے شمار چیزیں بنائی ہیں اور بڑی خوبی سے بنائی ہیں۔ ہر چیز موزوں ترین شکل اور مناسب ترین صفات کے ساتھ بنائی ہے۔ جس چیز کو جس مصلحت کے لئے پیدا کیا۔ ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت اور فطرت رکھی۔ ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جو بے ڈھنگی یا بے تکی ہو۔ پہلے انسان کی پیدائش کا حال بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست اپنے تخلیقی عمل سے پیدا کیا۔ اپنے کمال قدرت سے زمینی مادہ کو جمع کر کے اپنے تخلیقی حکم سے اس میں وہ زندگی اور شعور اور عقل پیدا کر دی جس سے انسان جیسی ایک حیرت انگیز مخلوق وجود میں آ گئی۔ یہاں آپ کی معلومات کے لئے حضرت سید عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ جو ۱۱۰۰ھ ہجری کی ابتدا میں مراکش (افریقہ) میں ایک بالکل اُمی مگر ولی کامل صاحب کشف و کرامات بزرگ گزرے ہیں ان سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق سوالات کئے گئے تو جو جوابات آپ نے دیئے وہ مشہور کتاب ابریز سے جو عربی سے اردو ترجمہ ہے آپ کے ملفوظات کا نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت عبدالعزیز دباغ بالکل اُمی تھے اور لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے علم لدنی ایسا عطا فرمایا تھا کہ اگر کسی گذشتہ پیغمبر یا نبی کے متعلق آپ سے دریافت کیا جاتا تو آپ اس طرح جواب دیتے جیسے کہ آپ اس پیغمبر کے زمانہ میں موجود رہے ہوں۔ کسی گذشتہ آسمانی کتاب کے متعلق پوچھا جاتا تو یہ معلوم ہوتا کہ آپ اس کے حافظ ہیں۔

جنت و دوزخ کے متعلق دریافت کیا جاتا تو اس طرح حال بیان فرماتے گویا کہ آپ گوشہ گوشہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں اسی طرح کسی قرآنی آیت یا حدیث کا مطلب آپ سے دریافت کیا جاتا تو باوجود ظاہری علم نہ ہونے کے ایسی تفسیر اور تشریح بیان فرماتے کہ بڑے بڑے علماء حیران رہ جاتے۔ غرض کہ اپنے وقت کے زبردست صاحب کشف و کرامات ولی اللہ تھے۔ کتاب ''ابریز'' آپ کے چند ماہ کے ملفوظات کا عربی سے اردو میں ترجمہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق آپ سے چند سوالات کئے گئے۔ وہ جوابات یہاں موقع کی مناسبت سے نقل کئے جاتے ہیں۔

''حضرت نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو دس دن میں ان کی مٹی کو جمع کیا گیا اور بیس دن تک اسے پانی میں چھوڑے رکھا۔ چالیس دن میں ان کی صورت بنائی گئی اور اس کے بعد بیس دن تک اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ وہ مٹی سے منتقل ہو کر جسمیت کی طرف آ گئے یہ تمام تین ماہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کی طرف اٹھالیا اور جنت ہی میں ان کی روح پھونکی گئی اور جنت ہی میں حضرت حوا ان سے پیدا کی گئیں۔ سائل کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ وہ کون سی مٹی تھی جس سے آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی؟ فرمایا یہ تمام کانوں کی مٹی تھی۔ سونے کے کان کی۔ چاندی کے کان کی۔ تانبے کے کان کی اور دیگر معدنیات کی۔ چنانچہ ان سب میں سے آپ کی مٹی لی گئی اور اسے ایک جگہ اکٹھا کر کے حضرت آدم کو پیدا کیا گیا میں نے دریافت کیا کہ اس مٹی کو کس نے جمع کیا؟ فرمایا فرشتوں نے اور جن سے اللہ نے اکٹھا کرانا چاہا مگر سب سے زیادہ مٹی جبرئیل علیہ السلام نے اٹھائی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ مٹی کی ایک مخلوق ہوگی جس سے بڑھ کر اللہ کے ہاں کوئی مخلوق نہ ہوگی اور جبرئیل علیہ السلام اس کے ساتھی اور رفیق ہوں گے اور اس سے جبرئیل کو بہت برکت ہوگی اور وہ مخلوق سیدالوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لہٰذا جبرئیل علیہ السلام اس امید پر کہ یہ مٹی اس مخلوق کے لئے جمع کی جارہی ہے جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے مٹی جمع کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا اس مٹی کی مقدار کتنی تھی؟ فرمایا اتنی تھی کہ ایک میل یا کچھ زمین آباد ہو جائے یعنی اس قدر کثیر مقدار میں مٹی جمع کی گئی۔ میں نے عرض کیا کہ اسے جمع کرنے میں دس دن کی ضرورت کیوں ہوئی حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ ایک لحظہ میں جمع کر سکتے تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو بھی تو ایک لحظہ میں پیدا کر سکتے تھے۔ انہیں پیدا کرنے میں چھ دن کیوں لگائے اور حضرت آدم کو مٹی کے سوا بھی پیدا کر سکتے تھے مٹی سے کیوں بنایا لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو پیدا کرتے ہیں اور ان کی پیدائش کو چند دنوں میں ترتیب دیتے ہیں اور اسے تھوڑا تھوڑا کر کے چلاتے ہیں جس سے ملاء اعلیٰ کو توحید عظیم حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اس مخلوق کے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے اور اس کے آہستہ آہستہ ظاہر ہونے میں ملاء اعلیٰ کی توجہ اس حادث مخلوق میں امر الٰہی پر تعجب کے ساتھ پڑتی رہتی ہے اور اس بارہ میں غور و فکر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کیسے پیدا کر رہا ہے اور اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا اور اس کا کیا انجام ہوگا لہٰذا جس حالت پر اس مخلوق کا خروج ہوتا ہے اور اسے ملاء اعلیٰ دیکھتے رہتے ہیں اور اس سے انہیں بے حد توحید حاصل ہوتی ہے لہٰذا اس زمانہ میں جب کہ وہ اس کی پیدائش کو دیکھتے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی معرفت اور اس کی قدرت کاملہ کا علم حاصل ہوتا جاتا ہے لہٰذا یہ تدریجی تخلیق اس حکمت کے لئے ہے۔ اس تدریجی تخلیق میں اور حکمتیں بھی ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ہر چیز میں اسرار اور حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ سائل کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ پانی کونسا

پانی تھا؟ جس میں یہ مٹی ڈالی گئی اور بیس دن اسی میں پڑی رہی۔ فرمایا یہ ایک خاص پانی تھا جس میں آدم اور ان کی ذریت کا نفع تھا کیونکہ یہ پانی اسی زمین کا پانی تھا جس کی طرف درحقیقت حضرت آدم کو نسبت دی جاتی تھی لہٰذا یہ ذات آدم کے مناسب اور موافق تھا۔ پھر سائل نے دریافت کیا کہ کیا یہ پانی زمین کی جڑ سے تھا یا کوئی اور۔ فرمایا یہ زمین کی جڑ میں سے تھا مگر اس کا گزر اکثر اجزاء ارض پر ہو چکا تھا اور یہ پانی ان چشموں میں سے ایک چشمے کا پانی ہے جو شام کی زمین میں سے نکلتا ہے اور وہیں حضرت آدم کی مٹی ایک پست زمین میں جمع کی گئی جس کی مسافت کا ذکر ہو چکا ہے اور اس پانی سے اس مٹی کو تر کیا گیا کیونکہ اسے اطراف زمین کے پانیوں سے مدد پہنچتی ہے چنانچہ یہ پانی تہہ زمین کے اجزا کو پھاڑتا ہوا نکل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس چشمہ تک پہنچ جاتا ہے اور یہ چشمہ اب تک موجود ہے جس کا پانی روئے زمین کے دیگر پانیوں کے مقابلہ میں ذات انسانی کے زیادہ موافق ہے۔ یہ مٹی پانی میں بیس دن تک پڑی رہی تب جا کر آدم کی شکل بننے لگی جب کہ ابھی تک وہ مٹی میں تھے ان کی شکل آہستہ آہستہ بنتی رہی تا آنکہ چالیس دن میں مٹی کے اندر ہی شکل مکمل ہوگئی مگر کوئی چیز نظر نہ آئی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے جسم کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو آدم کی انگلیوں میں پھنسی سی ظاہر ہوئی جو بھر کر پھٹ گئی اور اس کا مادہ انگلی پر جم کر ایسا سفید ہوگیا جیسے درخت کھجور کی چھال اتارنے کے بعد اندر کا گودا ہوتا ہے جسے شحم النخلہ کہتے ہیں اس کے بعد ایک ایک عضو اور ہر ہر جزو میں سرایت کرتا رہا حتیٰ کہ تمام کا تمام صفائی اور رطوبت کے اعتبار سے شحم النخلہ بن گیا یا ایسا جیسے خالص گیہوں کے آٹے کا گوندھا ہوا صاف پیڑا ہوتا ہے پس اس سے آدم کی شکل بنی پھر اس میں تھوڑا تھوڑا خونی مادہ پیدا ہوا۔ گارہ پھٹ کر جدا ہوگیا اور اس میں خشکی نمودار ہوگئی اس کے

بعد اس پر ہوائیں چلتی رہیں اور اجزا خشک ہوتے رہے اور اللہ کے حکم سے ہڈیاں بن گئیں جب بیس دن میں حضرت آدم کی تخلیق مکمل ہوگئی اور اللہ نے اس میں روح پھونکنے کا ارادہ کیا تو انہیں اٹھا کر جنت میں منتقل کر دیا۔ سائل نے پوچھا کہ یہ جنت کونسی تھی؟ فرمایا پہلی جنت۔ جب وہاں آ گئے تو اس میں روح داخل ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ عقل وعلم کا دخول ہوا اور ان کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی۔ اس وقت حضرت آدم نے کھڑا ہونا چاہا مگر انہیں لرزہ آیا اور گر پڑے۔ جس طرح کہ بچے اٹھنے لگتے ہیں تو گر پڑتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ مشاہدہ عطا کیا جس کا ذکر اسماء حسنیٰ میں کیا جا چکا ہے جب آپ کو یہ مشاہدہ حاصل ہوا تو آپ کی زبان سے اللہ اللہ اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نکلا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی جس سے آپ سیدھے کھڑے ہو کر جنت میں چلنے پھرنے لگے۔ جہاں چاہتے جاتے۔ اس کے بعد آپ کی پسلی میں ایک دنبل نمودار ہوا جس سے آدمی کے سر جتنا ایک بڑا پھوڑا سا بن گیا جس میں سے پھٹ کر ایک چھوٹا سا ڈھانچہ نکلا اور نیچے گر گیا۔ حضرت آدم نے اسے دیکھا تو اسے اپنی شکل کا پایا اور اسے ویسا ہی چھوڑ دیا۔ جنت کی ہوا اور جھونکے اس ڈھانچے کو لگتے رہے جس سے اس میں بہت جلد نشو ونما ہوا۔ حضرت آدم بھی اس کی دیکھ بھال کرتے رہے اور دیکھتے کہ ڈھانچہ بہت جلد بڑا ہو رہا ہے لہٰذا آپ اس سے مانوس ہونے لگ گئے۔ اللہ نے اس ڈھانچہ میں عقل ڈال دی اور اس نے حضرت آدم سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح حضرت بی بی حوا علیہا السلام پیدا ہوئی'' (ابریز)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت حوا علیہا السلام سے نکاح ہوا۔ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے مہر ادا کرنے کو کہا۔ آپ نے پوچھا مہر کیا ہے۔

فرشتوں نے کہا کہ رسول مقبول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھنا اور ایک روایت میں بیس بار آیا ہے۔

الغرض بیچ میں یہ مضمون حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق اس آیت زیر تفسیر پر آ گیا تھا الذی احسن کل شی خلقه وبدا اخلق الانسان من طین. اس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ تو ایک کمال تو قدرت الٰہی کا یہ تھا کہ زمین کے مواد کو جمع کر کے اپنے تخلیقی حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا آگے دوسرا کمال یہ بتلایا جاتا ہے کہ آئندہ مزید انسانوں کی پیدائش کے لئے ایک ایسی عجیب غریب مشینری خود انسانی ساخت کے اندر رکھ دی اور اس کی نسل ایک ایسے حقیر اور بے قدر پانی یعنی نطفہ سے جاری کی جو تمام انسانی اخلاط کا نچوڑ یا عطر ہوتا ہے اور باوجود اس کے ایسا بے قدر اور گندہ ہوتا ہے کہ بدن یا کپڑے کو لگ جائے تو دھونا پڑتا ہے۔ پھر نطفہ کو ماں کے پیٹ میں رکھ کر اسے پوری انسانی شکل تک پہنچایا اور اس کا جسم سارے اعضاء و جوارح کے ساتھ درست کر دیا اس گوشت کے لوتھڑے میں سر کی جگہ سر۔ کان کی جگہ کان۔ آنکھ کی جگہ آنکھ۔ ناک کی جگہ ناک۔ ہڈی پٹھے۔ بال کھال ایک خاص تناسب سے بنائیں اور ہر چیز کو اس انداز سے بنایا کہ علم بدن کی تشریح سے واقف ہونے کے بعد ایک عاقل کو اس بات کا اقرار ہی کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی بڑے مدبر حکیم کا فعل اور بڑے قادر و باکمال کی کاریگری ہے۔ پھر ماں کے پیٹ میں جسم کو ٹھیک کر کے اس میں روح پھونک کر زندہ کیا اور پھر سماعت بینائی اور دوسرے حواس و ادراکات ظاہرہ و باطنہ عطا کئے اور ان سب کا مقتضا یہ تھا کہ انسان خدا کا شکر کرتے اور اس کا احسان مانتے اور اپنی ظاہری و باطنی قوتوں کو اسی محسن اعظم کے کام میں لگاتے۔ ان جملہ نعمتوں کا شکر تو یہ تھا کہ آنکھوں سے اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے۔ کانوں سے احکام الٰہیہ کو توجہ اور شوق سے سنتے۔ اور دل سے ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر منکرین کی ناشکری کا تو یہ حال ہے کہ توحید تک سے انہیں انکار ہے۔

یہاں تک رسالت اور توحید پر کفار کے اعتراضات کے جواب تھے۔ اب اسلام کے تیسرے بنیادی عقیدے یعنی آخرت پر ان کے اعتراض کو نقل کر کے اس کا جواب اگلی آیات میں دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا اور ظاہری اور باطنی انعامات سے نوازا اور پھر سب سے بڑا انعام و احسان یہ فرمایا کہ ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس نعمت عظمیٰ کے قدر اور حقیقی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے شکر گزار بندوں میں ہم کو شامل ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہوگئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آویں گے، بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہی ہیں

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ

آپ فرمادیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے، ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے، سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کیا کریں گے

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

ہم کو پورا یقین آگیا۔ اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عطا فرماتے ولیکن میری یہ بات محقق ہوچکی ہے کہ میں جہنم کو جنات

وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا۔ تو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے، ہم نے تم کو بھلا دیا اور اپنے اعمال کی بدولت

الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔

وَقَالُوْٓا اور انہوں نے کہا	ءَاِذَا کیا جب	ضَلَلْنَا ہم گم ہوجائیں گے	فِی الْاَرْضِ زمین میں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَفِیْ تو۔ میں	خَلْقٍ جَدِیْدٍ نئی پیدائش	بَلْ بلکہ
هُمْ وہ	بِلِقَآئِ ملاقات سے	رَبِّهِمْ اپنا رب	كٰفِرُوْنَ منکر (جمع)	قُلْ فرمادیں	یَتَوَفّٰىكُمْ تمہاری روح قبض کرتا ہے	مَلَكُ الْمَوْتِ موت کا فرشتہ	
الَّذِیْ وہ جوکہ	وُكِّلَ مقرر کیا گیا ہے	بِكُمْ تم پر	ثُمَّ پھر	اِلٰى رَبِّكُمْ تم اپنے رب کی طرف	تُرْجَعُوْنَ لوٹائے جاؤ گے	وَلَوْ اور اگر	تَرٰٓى تم دیکھو
اِذِ جب	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم (جمع)	نَاكِسُوْا جھکائے ہوں گے	رُءُوْسِهِمْ اپنے سر	عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے سامنے	رَبَّنَآ اے ہمارے رب	اَبْصَرْنَا ہم نے دیکھ لیا	
وَسَمِعْنَا اور ہم نے سن لیا	فَارْجِعْنَا پس ہمیں لوٹا دے	نَعْمَلْ ہم کریں گے	صَالِحًا اچھے عمل	اِنَّا بیشک ہم	مُوْقِنُوْنَ یقین کرنے والے	وَلَوْ اور اگر	
شِئْنَا ہم چاہتے	لَاٰتَیْنَا ہم ضرور دیتے	كُلَّ نَفْسٍ ہر شخص	هُدٰىهَا اس کی ہدایت	وَلٰكِنْ اور لیکن	حَقَّ ثابت ہوچکی ہے	الْقَوْلُ بات	مِنِّیْ میری طرف سے
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ البتہ میں ضرور بھردوں گا جہنم	مِنَ سے	الْجِنَّةِ جنوں	وَالنَّاسِ اور انسان	اَجْمَعِیْنَ اکٹھے	فَذُوْقُوْا پس چکھو تم	بِمَا وہ جو	
نَسِیْتُمْ تم نے بھلا دیا تھا	لِقَآءَ ملاقات	یَوْمِكُمْ اپنے دن	هٰذَا اس	اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ بیشک ہم نے تمہیں بھلا دیا	وَذُوْقُوْا اور چکھو تم		
	عَذَابَ الْخُلْدِ ہمیشہ کا عذاب	بِمَا اس کا بدلہ جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں رسالت اور توحید پر کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد اب کفار کے تیسرے اعتراض کو ان آیات میں بیان کرکے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ منکرین قیامت کہتے ہیں اور تعجب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ بھلا ایسا بھی کبھی ممکن ہے کہ جب

ہمارے جسم مردہ ہو کر خاک میں رل مل جائیں اور بدن کے اجزا گل سڑ کر نیست نابود ہو جائیں تو پھر کیونکر زندہ ہو جاویں گے؟ تو ان کے اس خیال کا رد فرمایا جاتا ہے کہ ان کا زمین میں مل جانے کے بعد زندہ ہونے ہی پر تعجب نہیں بلکہ وہ دراصل اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانے ہی کے منکر ہیں گویا سرے ہی سے عقیدۂ حشر ہی سے انکار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ اول تو تمہیں وہ فرشتۂ موت اپنے قبضہ میں لے گا جو اس کام کے لئے تم پر مقرر کیا گیا ہے اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ مرنے پر تو تمہارا ابھی یقین ہے۔ اب رہا دوسری بار زندہ ہونا سو جس نے اول بار نیست سے ہست کر دیا کیا وہ دوسری بار زندہ نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے اور کرے گا۔ آگے اس حالت کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جب اپنے رب کی طرف پلٹ کر یہ مجرمین قیامت میں حساب دینے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ مجرمین ذلت وندامت سے شرمندگی اور خوف سے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب اب ہم نے آنکھ سے حشر کا معاملہ دیکھ لیا۔ اور ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر ہمیں دنیا میں بھیج دیجئے پھر دیکھئے کہ ہم کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ اب ہمیں پورا یقین آ گیا اور اب ہم دنیا میں واپس جا کر آخرت سے بالکل غافل نہ ہوں گے۔ جواب ارشاد ہوگا کہ تم جھوٹے ہو۔ اگر دنیا کی طرف لوٹائے جاؤ تو پھر وہی شرارتیں کرو گے۔ تمہاری طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کو قبول کرے اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگے۔ بیشک ہم کو قدرت تھی۔ چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور وطریق اختیار کر لینے کے لئے مضطر اور مجبور کر دینا ہماری حکمت کے خلاف تھا۔ تم کو رسولوں نے بہت کچھ سمجھایا پر تم نے نہ مانا اس لئے اللہ کا نوشتۂ ازلی اور وہ قول پورا ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم میں جاویں گے۔ یہاں اشارہ اس قول کی طرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ سورۂ ص ۲۳ویں پارہ کے آخری رکوع میں اس وقت کا پورا قصہ بیان کیا گیا ہے جب کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا جس پر وہ راندۂ درگاہ ہوا اور اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی اور نسل آدم کو بہکانے کے عزم کا اظہار کیا تو جواب میں حق تعالیٰ نے بھی فرمادیا **فالحق والحق اقول لاملئن جهنم منک وممن تبعک منهم اجمعين.** (پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں جہنم کو بھردوں گا تجھ سے اور ان لوگوں سے جو تیری پیروی کریں گے) پس حکم ہوگا کہ اے منکرین دنیا کے عیش میں گم ہو کر تم نے اس بات کو بالکل بھلا دیا تھا کہ کبھی اپنے رب کے سامنے بھی جانا ہے۔ پس آج کے دن کو فراموش کرنے کا مزہ چکھو۔ تم نے ہم کو بھلا دیا تھا۔ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ اب تم اپنے کرتوتوں کے سبب جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے ہو عذاب ابدی کا مزہ چکھو۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو آخرت کا یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کے تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ حق تعالیٰ قیامت کے روز ندامت اور شرمندگی سے ہم سب کو بچاویں اور اس زندگی میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماویں کہ جو میدان حشر میں ہمیں سرخروئی اور کامیابی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر وفکر کی دائمی توفیق عطا فرمائیں اور ہمارے دلوں کو ایمان ویقین والے راستہ پر اپنی زندگی گزارنے کا عزم وہمت نصیب فرمائیں۔ اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا

بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُن کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ

يَسْتَكْبِرُونَ ۝۱۵ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

السجدة

لوگ تکبر نہیں کرتے۔اُن کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے

يُنفِقُونَ ۝۱۶ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۷

خرچ کرتے ہیں۔سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کیلئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ اُن کو اُن کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

إِنَّمَا اسکے سوانہیں	يُؤْمِنُ ایمان لاتے ہیں	بِآيَاتِنَا ہماری آیتوں پر	الَّذِينَ وہ جو	إِذَا جب	ذُكِّرُوا یاد دلائی جاتی ہیں	بِهَا وہ		
خَرُّوا سُجَّدًا گر پڑتے ہیں سجدہ میں	وَسَبَّحُوا اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں	بِحَمْدِ تعریف کے ساتھ	رَبِّهِمْ اپنا رب	وَهُمْ اور وہ				
لَا يَسْتَكْبِرُونَ تکبر نہیں کرتے	تَتَجَافَىٰ الگ رہتے ہیں	جُنُوبُهُمْ ان کے پہلو	عَنِ سے	الْمَضَاجِعِ خوابگاہوں (بستروں)	يَدْعُونَ وہ پکارتے ہیں			
رَبَّهُمْ اپنا رب	خَوْفًا ڈر	وَطَمَعًا اور امید	وَمِمَّا اور اس سے	رَزَقْنَاهُمْ ہم نے انہیں دیا	يُنفِقُونَ وہ خرچ کرتے ہیں	فَلَا تَعْلَمُ سو نہیں جانتا	نَفْسٌ کوئی شخص	
مَا جو	أُخْفِيَ چھپا رکھا گیا	لَهُم ان کے لئے	مِّن سے	قُرَّةِ أَعْيُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک	جَزَاءً جزا	بِمَا اس کا	كَانُوا يَعْمَلُونَ جو وہ کرتے تھے	

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں منکرین قیامت وآخرت کا ذکر ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ ابھی تو یہ منکرین یوں کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں رل مل جائیں گے تو پھر دوبارہ زندگی اور حشر نشر اور جزا وسزا اور عذاب وثواب کا کیا سوال۔ایسے منکرین کے متعلق بتلایا گیا کہ ابھی تو باتیں بناتے ہیں لیکن میدان حشر میں جب یہ دوبارہ زندہ کر کے کھڑے کئے جائیں گے تو اس وقت ان کے سر شرم وندامت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور پھر اس وقت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اب ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا اور اب ہم کو پورا یقین آپ کی اور آپ کے رسولوں کی باتوں کا آ گیا۔اب آپ ہمیں پھر دنیا میں بھیج دیں۔اب ہم ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کریں گے مگر اس وقت ان کی یہ درخواست محض بیکار ہوگی اور بطور سرزنش کے ان سے کہا جائے گا کہ اس آخرت فراموشی اور اس کے جھٹلانے کا اب خمیازہ بھگتو اور اپنے کرتوتوں کا نتیجہ عذاب ابدی کی صورت میں چکھو۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بدنصیب منکرین اور نالائق مکذبین کیا ایمان لاویں گے اور کیا ہماری آیتوں کو مانیں گے۔ہماری آیتوں کو تو وہی لوگ مانتے ہیں جو ازلی نیک بخت ہیں اور پھر ان کی علامات اور صفات حمیدہ بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلی صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ جب ان کو آیاتِ الٰہی سنا کر سمجھایا جاتا ہے تو خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ زبان سے اللہ کی حمد وتسبیح کرتے ہیں مثلاً سبحان اللہ. والحمدللہ یاسبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہتے ہیں۔امام بخاریؒ نے آخری حدیث جو بخاری شریف میں روایت کی اس میں ان الفاظ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں اور زبان پر نہایت ہلکے ہیں

مگر میزان میں بہت بھاری ہیں وہ کلمات یہ ہیں **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم**۔ اکثر بزرگان دین ایک تسبیح یعنی سو مرتبہ فرض نماز فجر سے پہلے ان کلمات کی یعنی سبحان اللہ وبحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم پڑھنے کی تلقین فرماتے ہیں اور بہت اس کے برکات وفوائد بیان کرتے ہیں قارئین بھی اس کو اپنا معمول بنالیں۔ چند منٹ ۱۰۰ مرتبہ پڑھنے میں خرچ ہوتے ہیں مگر اجروثواب اور دینی ودنیوی فوائد بے حد ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ تیسری صفت ان صاحب ایمان بندوں کی یہ فرمائی کہ دل میں کبروغرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے۔ نہ تو اللہ کے بندوں سے تکبر کرتے ہیں نہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے تکبر کر کے سرتابی کرتے ہیں یعنی اپنے غلط خیالات کو چھوڑ کر اللہ کی بات مان لینے اور اللہ کی بندگی اختیار کر کے اس کی عبادت کو بجا لانے میں اپنی کسر شان نہیں سمجھتے اور نفس کی بڑائی انہیں آیات اللہ اور احکام الٰہیہ کے آگے جھکنے سے مانع نہیں ہوتی۔

چوتھی صفت یہ بتلائی کہ وہ راتوں کو اپنے بستروں اور خواب گاہوں سے اٹھ کر تہجد کی ماز پڑھتے ہیں۔ اس میں خوف اور امید کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں۔ دعا و ذکر کرتے ہیں اور مناجات میں مشغول ہوتے ہیں۔

یہاں آیت میں میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے اکثر مفسرین نے نماز تہجد مراد لی ہے جس کی احادیث صحیحہ میں بڑے فضائل و برکات و تاکید وارد ہے۔ بعض مفسرین نے صبح کی یا عشا کی نماز۔ یا مغرب اور عشاء کے درمیان کے نوافل بھی مراد لئے ہیں مگر راجح تفسیر نماز تہجد ہی کے متعلق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام اور صالحین امت کا ہمیشہ سے دستور ہے کہ وہ نصف شب کے بعد اخیر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو نماز تہجد فرض تھی اور تمام امت کے لئے مسنون ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ضرور تہجد پڑھا کرو۔ کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ وشعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ وذریعہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ بعض احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس وشعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں اور حضرت اسما بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو قیامت کے روز جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی کھڑا ہوگا جس کی آواز تمام مخلوقات سنے گی۔ وہ ندا دے گا کہ اہل محشر آج جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون لوگ عزت وآرام کے مستحق ہیں۔ پھر وہ فرشتہ ندا دے گا کہ اہل محشر میں سے وہ لوگ کھڑے ہوں جن کی صفت یہ تھی **تتجا فی جنوبھم عن المضاجع** یعنی ان کے پہلو بستروں سے الگ ہوجاتے ہیں۔ اس آواز پر یہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی تعداد قلیل ہوگی۔ (ابن کثیر) اور اسی روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد اور تمام لوگ کھڑے ہوں گے ان سے حساب لیا جائے گا (مظہری) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ان حقائق کا ہم کو بھی ایسا یقین نصیب فرمائیں کہ جو اس وقت بے چین کر کے اللہ کے سامنے حاضری۔ دعا۔ سوال اور استغفار کے لئے کھڑا کردیا کرے۔

پانچویں صفت **وممّا رزقنھم ینفقون** کی فرمائی یعنی ہمارے دیئے ہوئے رزق سے تھوڑا یا بہت جس کو ہم نے جتنا دیا

7

ہے اس میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں رزق سے مراد ہے رزق حلال کیونکہ مال حرام کو اللہ تعالیٰ اپنے دیئے ہوئے رزق سے تعبیر نہیں فرماتا آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان ایمان لانے والے بندوں کا ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہے تو ہمارا برتاؤ بھی ان کے ساتھ یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ ان کے ان نیک کاموں کے بدلہ میں کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ جس کو ان کے لئے قیامت میں ظاہر کیا جائے گا۔ ایک حدیث قدسی میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے مروی ہوئی ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کوئی انسان کبھی اس کا تصور کر سکا ہے گویا جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ان دنیوی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین عزوجل سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ ادنیٰ جنتی کا درجہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ ادنیٰ جنتی وہ شخص ہے جو کل جنتیوں کے جنت میں چلے جانے کے بعد آئے گا اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا خدایا کہاں جاؤں۔ ہر ایک نے اپنی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اپنی چیزیں سنبھال لی ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر خوش ہے کہ تیرے لئے اتنا ہو جتنا کہ دنیا کے کسی بہت بڑے بادشاہ کے پاس تھا وہ کہے گا پروردگار میں اس پر خوش ہوں اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تیرے لئے اتنا ہی اور۔ اتنا ہی اور۔ اور اتنا ہی اور۔ اور اتنا ہی اور۔ اور پانچ گنا۔ یہ کہے گا بس بس اے رب میں راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ سب ہم نے تجھے دیا اور اس کا دس گنا اور بھی دیا اور بھی جس چیز کو تیرا دل چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ یہ کہے گا کہ میرے پروردگار میری تو باچھیں کھل گئیں اور میرا جی خوش ہو گیا۔

تو گویا آیت میں یہاں یہ بتلا کر جزآء بما کانو یعملون کہ یہ انتہائی نعمتیں صلہ میں اعمال حسنہ کی خاص ترغیب دلائی گئی جو یہاں پانچ صفات اہل ایمان کی بیان فرمائیں۔

یہ انجام بیان ہوا مومنین کا اور گذشتہ درس میں ذکر کفار مجرمین کا ہو چکا ہے۔ اس طرح دونوں کا حال و مآل بتلا کر آگے بتلایا جاتا ہے کہ دونوں آخرت میں برابر کیسے ہو سکتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔ چونکہ ان تلاوت کردہ آیات میں پہلی آیت آیت سجدہ ہے۔ اس لئے سب قارئین و سامعین پر اس آیت کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہو گیا ہے۔ اس لئے سب صاحبان ایک سجدہ تلاوت ادا کر لیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو بھی قرآنی انوار سے منور فرما دیں اور قرآن پاک پڑھ کر اور سن کر ہمارے خشوع وخضوع میں بھی ترقی عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر وفکر۔ حمد وثنا تسبیح وتحمید کی دائمی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔ اور اپنے احکام کی پوری پوری اطاعت نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تو جو شخص مومن ہو کیا وہ اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم ہو وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

سو ان کیلئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کے بدلہ میں بطور ان کی مہمانی کے ہیں۔

اَفَمَنْ تو کیا جو	كَانَ ہو	مُؤْمِنًا مومن	كَمَنْ اس کے مانند جو	كَانَ ہو	فَاسِقًا فاسق نافرمان	لَا يَسْتَوٗنَ وہ برابر نہیں ہوتے	اَمَّا رہے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	فَلَهُمْ تو ان کیلئے	جَنّٰتُ الْمَاْوٰى باغات رہنے کے	نُزُلًا مہمانی		
	بِمَا اسکے (صلہ میں) جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے					

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں پہلے منکرین قیامت کا بیان ہوا تھا کہ آج تو وہ بے دھڑک آخرت کی زندگی کا انکار کر رہے ہیں۔لیکن قیامت میں جب ان کی آنکھیں کھلیں گی تو اس وقت انہیں یقین ہوگا کہ واقعی جو اللہ کے رسول کہتے تھے سب سچ اور امر حق تھا۔مگر اس وقت سوائے ندامت اور شرمندگی اور عذاب الیم کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔منکرین کے بعد ایمان والوں کا ذکر فرمایا گیا تھا اور ان کی صفات و حالات بتلائے گئے تھے کہ اللہ کی وہ آیات سنتے ہیں تو خشوع وخضوع سے ان کے دل لبریز ہو جاتے ہیں اور زبان سے وہ اللہ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔تکبر ان میں نام کو نہیں ہوتا۔اور راتوں میں نیند چھوڑ کر بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کی یاد اور اس سے داد فریاد میں لگ جاتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈر کر اور اس کی رحمت کے امیدوار ہو کر اسے پکارتے ہیں اور جو اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔تو اللہ نے بھی بڑی بڑی نعمتیں ان کی راحت اور سرور کی مہیا کر رکھی ہیں جن کو قیامت میں ان کے لئے ظاہر کیا جائے گا۔ اس طرح مومنین ومنکرین دونوں کا انجام ذکر فرمایا گیا تھا۔

اب آگے ان آیات میں فرمایا جاتا ہے کہ تمہی بتلاؤ جو شخص خدا کی باتوں کو ماننے والا ہے کیا وہ اس جیسا ہے جو کہ نافرمان ہے۔ ہرگز نہیں اور جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو دونوں کے ساتھ برتاؤ بھی یکساں نہیں ہوسکتا۔ یہاں آیت افمن کان مومنا کمن کان فاسقاً میں مومن اور فاسق کے دو مقابل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔مومن سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود واحد مان کر اس قانون کی اطاعت اختیار کرے جو اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دنیا میں بھیجا ہے اس کے برعکس فاسق یعنی کافر وہ ہے جو اللہ کے حکم کے خلاف چلے۔ اللہ کے قانون سے بغاوت اور نافرمانی برتے۔خودمختاری اور اطاعت غیر اللہ کا رویہ اختیار کرے تو جب دنیا میں ان دونوں کا طرز فکر اور طرز حیات یکساں نہیں تو آخرت میں ان کے ساتھ خدا کا معاملہ یکساں کیوں ہونے لگا۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بڑے لوگوں کے نوکر چاکر کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کہ جو مالک نے حکم دیا دوڑ کر بسر وچشم بجالائے اور فوراً تعمیل کر دی دوسرے وہ جو ڈھیٹ بن کر بیٹھ گئے لیکن پھر بادل ناخواستہ اٹھے اور ادھورا سدھورا کام کر کے جان چھڑائی اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حکم کو خاطر ہی میں نہیں لاتے۔ مالک کچھ ہی کہا کرے مگر وہ کریں گے وہی جو ان کا دل چاہے تو ایک خبردار اور ہوشیار مالک کے نزدیک یہ سب یکساں نہیں ہو سکتے تو اللہ کے نزدیک جو دلوں کے راز اور بھیدوں تک سے واقف ہے مومن اور فاسق کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ پھر آگے اس کی مزید وضاحت فرمائی جاتی ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور صرف ایمان لانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اعمال

صالحہ بھی کئے جن کی تشریح گذشتہ آیات میں ہوچکی ہے ان کا ٹھکانہ جنت میں ہے کہ وہی ان کا اصلی مقام ہے اور دنیا تو ایک کوچ کر جانے کی منزل ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے انکی دنیا میں اطاعت وفرمانبرداری جنت کی مہمانی کا سبب بن جائے گی۔ یعنی جنت کی نعمتیں اہل ایمان کو مثل مہمان کے اکرام کے ساتھ ملیں گی نہ کہ سائل محتاج کی طرح بے قدری اور بے وقعتی کے ساتھ۔

اب یہاں مناسب معلوم ہوا کہ جنت کی مہمانی اور وہاں کی نعمتوں کا کچھ حال بیان کر دیا جائے۔ مگر حقیقتاً جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اس دنیا میں اپنے ان ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا تاہم قرآن اور حدیث میں جس طرح جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کا مختصر احوال حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں اس طرح لکھا ہے کہ جب تمام لوگ دوزخ اور جنت میں داخل ہوچکیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان منادی ہوگی کہ اے اہل جنت جنت کے کناروں پر آ جاؤ۔ اور اے اہل دوزخ دوزخ کے کناروں پر آ جاؤ۔ اہل جنت کہیں گے ہم کو تو ابدالآباد کا وعدہ دلا کر جنت میں داخل کیا ہے اب کیوں طلب کیا ہے اور اہل دوزخ نہایت خوش ہو کر کناروں کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کہیں گے شاید ہماری مغفرت کا حکم ہوگا پس جس وقت سب کناروں پر آ جائیں گے تو ان کے مابین موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں حاضر کر دیا جائے گا اور لوگوں سے کہا جائے گا کہ کیا اس کو پہچانتے ہو سب کہیں گے کہ ہاں جانتے ہیں کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے موت کا پیالہ نہ پیا ہو۔ اس کے بعد اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ اس کو حضرت یحییٰ علیہ السلام ذبح کریں گے پھر وہ منادی آواز دے گا اے اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں اور اے اہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں۔ اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ خوشی شادی مرگ ہو جاتی اور اہل دوزخ اس قدر رنجیدہ ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ غم کے مارے مر جاتے۔ اس کے بعد حکم ہوگا کہ دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اس کے پیچھے بڑے بڑے آتشی شہتیر بطور پشتبان لگا دو تا کہ دوزخیوں کو نکلنے کا خیال بھی نہ رہے اور اہل جنت کو جنت میں ابدالآباد تک رہنے کا یقین واطمینان ہو جائے۔ جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک وزعفران کے گارے سے بنی ہوئی ہیں اس کی سڑکیں اور پٹریاں زمرد۔ یاقوت اور بلور سے۔ اس کے باغیچے نہایت پاکیزہ ہیں جن میں بجائے بجری زمرد یاقوت اور موتی وغیرہ پڑے ہیں۔ اس کے درختوں کی چھالیں طلائی ونقرئی ہیں۔ شاخیں بے خار وبے خزاں۔ اس کے میووں میں دنیا کی نعمتوں کی گوناگوں لذتیں ہیں۔ ان کے نیچے ایسی نہریں ہیں جن کے کنارے پاکیزہ جواہرات سے مرصع ہیں۔ ان نہروں کی چار قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کا پانی نہایت شیریں وٹھنڈا ہے۔ دوسری وہ جو ایسے دودھ سے لبریز ہیں جس کا مزا نہیں بگڑتا۔ تیسری ایسی شراب کی ہیں جو نہایت فرحت افزا وخوش رنگ ہے۔ چوتھی نہایت صاف وشفاف شہد کی ہیں علاوہ اس کی تین قسم کے چشمے ہیں ایک کا نام کافور ہے جس کی خاصیت خنکی ہے۔ دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثل چاء وقہوہ۔ تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے۔ ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے لیکن اصحاب یمین کو بھی جو ان سے کمتر ہیں ان میں سر بمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے اس میں سے تھوڑا تھوڑا ملا کر پیا کریں گے۔ اور دیدار الٰہی کے وقت ایک اور چیز عنایت ہوگی جس کا نام شراب طہور ہے جو ان تمام چیزوں سے افضل واعلیٰ ہے جنت کے درخت باوجود نہایت بلند وبزرگ اور سایہ دار ہونے کے اس قدر باشعور ہیں کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کرے گا۔ جنت

کے فرش وفروش ولباس وغیرہ نہایت پاکیزہ اور عمدہ ہیں اور ہر شخص کو وہی لباس عطا کئے جائیں گے جو اس کو مرغوب ہوں گے ریشمین۔ اطلس۔ زربفت وغیرہ اور بعض ان میں ایسے نازک وباریک ہوں گے کہ ستر تہوں میں بھی بدن نظر آئے گا۔ جنت میں نہ سردی ہے نہ گرمی۔ نہ آفتاب کی شعاعیں نہ تاریکی بلکہ ایسی حالت ہے جیسا کہ طلوع آفتاب سے کچھ پیشتر ہوتی ہے مگر روشنی میں ہزار ہا درجہ اس سے برتر ہوگی جو عرش کے نور کی ہوگی نہ کہ چاند سورج کی چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر جنت کا لباس وزیور زمین پر لایا جائے تو وہ اپنی چمک دمک سے جہان کو اس قدر روشن کردے گا کہ آفتاب کی روشنی اس کے سامنے ماند ہوجائے گی۔ جنت میں ظاہری کثافت وغلاظت یعنی پیشاب، پاخانہ۔ تھوک۔ بلغم۔ ناک کا رینٹ۔ پسینہ ومیل بدن وغیرہ بالکل نہ ہوں گے۔ صرف سر پر بال ہوں گے اور داڑھی مونچھ اور دیگر قسم کے بال جو جوانی میں پیدا ہوتے ہیں بالکل نہ ہوں گے اور نہ کوئی بیماری ہوگی اور باطنی کثافتوں یعنی کینہ۔ بغض۔ حسد۔ تکبر۔ عیب جوئی۔ غیبت وغیرہ سے دل پاک صاف ہوں گے۔ سونے کی حاجت نہ ہوگی۔ اور خلوت واستراحت کے لئے پردہ والے مکان ومحلات ہوں گے۔ ملاقات اور مجلس کے وقت صحن اور میدانوں میں جمع ہوں گے۔ ان کی غذاؤں کا فضلہ خوشبودار ڈکاروں اور معطر پسینوں سے رفع ہوا کرے گا۔ جس قدر کھائیں گے فوراً ہضم ہوجایا کرے گا۔ بدہضمی اور گرانی شکم کا نام تک نہ ہوگا۔ سیر وتفریح کے واسطے ہوائی سواریاں اور تخت ہوں گے جو ایک گھنٹہ میں ایک مہینہ کا راستہ طے کرتے ہوں گے۔ جنت میں ایسے قبے۔ برج اور بنگلے ہوں گے جو ایک ہی یاقوت یا موتی یا زمرد یا دیگر جواہرات سے رنگ برنگ بنے ہوں گے جن کی بلندیاں اور عرض ۶۰-۶۰ گز ہوں گی۔ اہل جنت کی خدمت۔ راحت۔ آسائش وآرام وغیرہ کے لئے حور وغلمان و ازواج موجود ہوں گے۔ جنت آٹھ ہیں۔ جن میں سے سات تو سکونت کے لئے مخصوص ہیں اور آٹھویں دیدار الٰہی کے لئے جس کو بارگاہِ الٰہی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اہل جنت میں سے ادنیٰ شخص کو دنیاوی آرزوؤں سے دس گنا زیادہ مرحمت ہوگا اور بعض روایتوں میں ہے کہ ادنیٰ اہل جنت کی ملک حشم خدم۔ اسباب۔ سامان راحت وغیرہ وغیرہ اسی سال کی مسافت کے برابر پھیلاؤ میں ہوں گے۔ اور جنت کے بعض بڑے بڑے میوے ایسے ہوں گے کہ جس وقت اس کو جنتی توڑے گا تو اس میں سے نہایت خوبصورت پاکیزہ حور مع لباس فاخرہ وزیور کے برآمد ہوگی اور اپنے مالک کی خدمت گزار ہوگی اہل جنت کے قد وقامت مانند حضرت آدم علیہ السلام کے ۶۰-۶۰ ہاتھ ہوں گے اور دیگر اعضا بھی انہی قد وقامت کے مناسب ہوں گے۔ بلحاظ صورت نہایت حسین وجمیل ہوں گے اور ہر ایک عین شباب کی حالت میں ہوگا۔ ذکر الٰہی بے تکلف اس طرح دل اور زبانوں پر جاری ہوگا جیسا کہ دنیا میں سانس آتا جاتا ہے اور جیسا کہ جنت کی نعمتوں سے بدن کو لذت حاصل ہوگی اسی طرح سے باطنی لذات یعنی انوار وتجلیات الٰہی بھی حاصل ہوتی رہیں گی اور جنت کی سب سے بہتر اور افضل نعمت دیدارِ الٰہی ہے۔

الغرض مومنین کاملین کا ٹھکانا آخرت میں جنت ہوگا جس کا مختصر ذکر اوپر ہوا اب آگے مومنین کے مقابلہ میں فاسقین کافرین کا انجام جہنم بتلایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔ جہاں جہنم کا کچھ حال بیان کیا جائے گا۔ جس سے فاسقین کافرین کو واسطہ پڑتا ہے۔

دعا کیجئے: یا اللہ جس جنت کا حال اس وقت ہم نے پڑھا اور سنا ہے اے اللہ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بے حساب وہاں داخل ہونا نصیب فرمائیے۔ اور وہاں کی مہمانی ہمارے لئے مقدر فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ

اور جولوگ بے حکم تھے سواُن کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور ان کو کہا جاوے گا

لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۰

کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

وَاَمَّا اور رہے	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	فَسَقُوْا نافرمانی کی	فَمَاْوٰىهُمُ تو ان کا ٹھکانا	النَّارُ جہنم	كُلَّمَآ جب بھی	اَرَادُوْٓا وہ ارادہ کریں گے
اَنْ يَّخْرُجُوْا کہ وہ نکلیں	مِنْهَآ اس سے	اُعِيْدُوْا لوٹا دیئے جائیں گے	فِيْهَا اس میں	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	لَهُمْ انہیں	ذُوْقُوْا تم چکھو
عَذَابَ النَّارِ دوزخ کا عذاب	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ تم تھے	بِهٖ اس کو	تُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں مومن اور فاسق ہرگز برابر نہیں ہوسکتے اور اس لئے دونوں کے ساتھ برتاؤ بھی یکساں نہیں ہوسکتا اس کے بعد ایک حقیقی مومن کو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی وجہ سے آخرت میں جنت کی دائمی اور ابدی نعمتیں جو ملنے والی ہیں اس کی بشارت سنائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں جنت کی نعمتوں کا کچھ حال جو قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں گذشتہ درس میں بیان کیا گیا تھا۔

اب مومن اور اس کے انجام آخرت کے مقابلہ میں فاسق یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی۔ ان سے بغاوت وسرتابی۔ خودمختاری اور اطاعت غیر اللہ کو اختیار کرنے والے کا انجام آخرت اس آیت میں بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ ایمان کے ثمرات کے مقابلہ میں کفر وفسق کے نتائج بھی انسانوں کے سامنے آجائیں جس سے مقصود یہ ترغیب دلانا ہے کہ لوگ برا انجام سامنے آنے سے پہلے کفر وفسق چھوڑ دیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت فرمانبرداری قبول کرلیں۔ چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں کفر وفسق کا راستہ اختیار کیا ان کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم ہے۔ اب جہنم کیا ہے؟ کتنے اس کے طبقات ہیں؟ کیا وہاں کے حالات ہیں؟ ان کو بھی مختصرا

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ''قیامت نامہ'' سے نقل کئے جاتے ہیں۔

''جب کفار آگ میں مجتمع ہوجائیں گے تو شیطان یعنی ابلیس آگ کے منبر پر چڑھ کر سب کو اپنی طرف بلائے گا اور جہنمی اس گمان سے کہ یہ ہمارا سردار ہے کسی نہ کسی مکر وحیلہ سے ہم کو نجات دلائے گا سب اس کے پاس آجائیں گے۔ پس شیطان کہے گا کہ خدا کے تمام احکام بجا اور درست تھے میں تمہارا اور تمہارے باپ کا دشمن تھا مگر یہ یاد رہے کہ میں نے تم میں سے کسی کو زبردستی اپنی طرف نہیں کھینچا۔ البتہ برے کاموں کی ترغیب میں نے دی۔ تم نے بسبب کم عقلی اور خام طبعی میرے وسوسوں کو سچا جان کر اختیار کیا پس اس وقت تم سب اپنے آپ ہی پر ملامت کرو نہ کہ مجھ پر۔ علاوہ ازیں مجھ سے کسی قسم کی نجات وخلاصی دلانے کی امید نہ رکھنا۔ اس یاس وناامیدی کے جواب کو سن کر آپس میں لعن طعن کرنے لگیں گے۔ بڑے اور چھوٹے سب چاہیں گے کہ اپنے وبال کو دوسرے پر ڈال کر خود سبکدوش ہوجائیں مگر یہ خیال محال اور بے سود ہوگا اور قہر کے فرشتے ان کو کشاں کشاں اس مقام تک پہنچادیں گے جو ان کے اعمال وعقائد سے مناسبت رکھتا ہوگا۔ دوزخ کی آگ یہاں کی آگ سے ۷۰ فیصد زیادہ گرم ہے۔ اس

کا رنگ شروع میں سفید تھا۔ پھر ہزار برس اس کو جلایا گیا تو رنگ سرخ ہوگیا۔ اور پھر ہزار برس جلایا گیا تو اب سیاہ ہے۔ اس کے سات طبقہ ہیں جن میں ایک ایک بڑا پھاٹک ہے۔ اول طبقہ گنہگار مسلمانوں اور ان کفار کے لئے ہے جو باوجود شرک پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے مخصوص ہے۔ بخاری و مسلم کی صحیح روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اوران چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا کہ جس طرح چولہے پر دیگچی کھولتی ہے اور اس میں جوش آتا ہے اور وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔ اس پہلے طبقہ کے علاوہ جہنم کے دیگر طبقات کفارومشرکین۔ آتش پرست۔ دھریئے۔ یہود نصاریٰ اور منافقین کے لئے مقرر ہیں ان طبقات میں سے ہر ایک میں نہایت سخت اور قسم قسم کے عذاب اور عجب طرح کے مکانات ہیں مثلاً ایک مکان ہے جس کا نام غی ہے جس کی سختی سے باقی دوزخ بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے ایک اور مکان ہے جس میں بے انتہا سردی ہے جس کو زمہریر کہتے ہیں اور یہ سردی کا عذاب جنات کے لئے ہوگا ایک اور مکان ہے جس کو جب الحزن کہتے ہیں یعنی غم کا کنواں۔ ایک کنواں ہے جس کو طینۃ الخبال یعنی راد۔ پیپ کی کیچڑ کہتے ہیں۔ ایک پہاڑ ہے جس کو صعود کہتے ہیں اس کی بلندی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے جس پر کفار کو چڑھا کر دوزخ کی تہہ میں پھینکا جائے گا۔ ایک تالاب ہے جس کا نام حمیم ہے۔ اس کا پانی اتنا گرم ہے کہ لبوں تک پہنچنے سے اوپر کا ہونٹ اس قدر سوج جائے گا کہ ناک اور آنکھیں تک ڈھک جائیں گی اور نیچے کا ہونٹ سوج کر سینے اور ناف تک پہنچے گا۔ یہ آبِ حمیم جو دوزخیوں کو پینے کو ملے گا حلق سے نیچے اترتے ہی پھیپھڑے معدہ اور انتڑیوں کو پھاڑ دے گا۔ ایک اور تالاب ہے جس کو غساق کہتے ہیں اس میں کفار کا پسینہ، پیپ اور لہو بہ کر جمع ہوتا ہے ایک چشمہ ہے جس کا نام غسلین ہے اس میں کفار کا میل کچیل جمع ہوتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے خوفناک مکانات ہیں۔ اہل دوزخ کے جسم بہت چوڑے چکلے بنا دیئے جائیں گے تاکہ سختی عذاب زیادہ ہو اور ان کے ہر ایک رگ و ریشہ کو ظاہراً و باطناً طرح طرح کے عذاب پہنچائے جائیں گے مثلاً جلانا۔ کچلنا۔ سانپ بچھوؤں کا کاٹنا۔ کانٹوں کا چبھونا۔ کھال کا چیرنا۔ مکھیوں کا زخم پر بٹھانا وغیرہ وغیرہ اور جہنم کے سانپ بچھو الامان الحفیظ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا تو ۴۰ سال کی مدت تک وہ اس کے زہر کے اثر سے تڑپے گا اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں جو اپنی جسامت میں خچروں کی مانند ہیں وہ بھی ایسے زہریلے ہیں کہ ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفع ڈنک مارے گا تو چالیس سال تک وہ اس کے زہر کی تکلیف پائے گا جہنم کی شدت گرمی سے ان کے جسم جل کر نئے جسم پیدا ہو جایا کریں گے۔ مگر یہ واضح رہے کہ جسم کے اصلی اجزا برقرار رہیں گے صرف گوشت اور پوست جل کر دوبارہ پیدا ہوتا رہے گا اور غم وحسرت۔ ناامیدی وغیرہ کی تکلیفات بقدر جسامت علیحدہ برداشت کریں گے۔ بعض کافروں کی کھال ۴۲-۴۲ ہاتھ موٹی ہوگی۔ دانت پہاڑ کے مانند۔ بیٹھنے میں تین تین منزل کی مسافت اور ایک روایت میں ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان کی برابر جگہ گھیریں گے دوزخ میں کفار کے دونوں مونڈھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ تیز روسوار کے تین دن کی مسافت علاوہ دیگر عذابوں کے بھوک کا عذاب اس قدر سخت کر دیا جائے گا کہ جو تمام عذابوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا۔ دوزخی جب بھوک کی شدت سے فریاد کریں گے تو

کھانے کے لئے ان کو ضریع یعنی خاردار اور سخت بدبودار گھاس دی جائے گی۔ جس سے نہ ان کا پیٹ بھرے گا اور نہ ان کی بھوک دفع ہوگی پھر بے چین اور بے قرار ہو کر غذا طلب کریں گے تو زقوم یعنی جہنم میں پیدا ہونے والا نہایت تلخ خاردار پھل دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کردے پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ پھر غساق یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی وہی انتہائی بھوک میں ان کی غذا ہوگی جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ اسقدر بدبودار ہوگی کہ ایک ڈول اس دنیا میں بہادیا جائے تو ساری دنیا اس کی سرانڈ سے بدبودار ہو جائے پھر جہنمی جب زقوم کو کھانا شروع کریں گے تو وہ گلے میں پھنس جائے گا تو کہیں گے کہ دنیا میں جب ہمارے گلے میں لقمہ اٹک جاتا تھا تو پانی سے نگل لیا کرتے تھے لہٰذا طالب آب ہوں گے تو حکم ہوگا جحیم سے پانی پلا دو۔ اس پانی کے منہ تک پہنچتے ہی ہونٹ جل کر اتنے سوج جائیں گے پیشانی اور سینہ تک پہنچ جائیں گے۔ حلق ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا انتڑیاں پھٹ کر پاخانہ کے راستہ سے نکل پڑیں گی۔''

دوزخ کی آگ۔ اس کی گرمی۔ سانپ۔ بچھو۔ کھانے پینے کی چیزیں یہ سب کچھ عذاب ہی عذاب ہوگا مگر یہ جو کچھ اب تک ذکر کیا گیا ہے یہ دوزخ کے عذاب کا تھوڑا سا حصہ ہے۔ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی بہت سے طریقوں سے عذاب دیا جائے گا۔ مثلاً دوزخی کے جکڑنے کی زنجیریں جو آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلہ سے بھی لمبی ہوں گی یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرودی جائیں گی پاخانہ کے راستہ سے ڈالی جائیں گی پھر اسے آگ میں اس طرح بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی بھونی جاتی ہے (ابن کثیر) دوزخیوں کو مارنے کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب بھی دوزخ کی گھٹن سے نکلنا چاہیں گے تو لوہے کے گرزوں سے مار کر واپس کیے جائیں گے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر دوزخ کے لوہے کا ایک گرز زمین پر رکھ دیا جائے تو اس کو تمام جنات وانسان مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم کا لوہے کا گرز اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ یقیناً ریزہ ریزہ ہو کر راکھ ہو جائے۔ اس مختصر درس میں عذاب جہنم کی مزید تفصیلات کی گنجائش نہیں بس اس کو ایک حدیث پر ختم کیا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ اے لوگو! اللہ اور اس کے عذاب کے خوف سے خوب روؤ اور اگر تم یہ نہ کر سکو یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو تو پھر اللہ کے قہر اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تکلف سے روؤ اور رونے کی شکل بناؤ۔ کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر ان کے آنسو ایسے بہیں گے کہ گویا وہ بہتی ہوئی نالیاں ہیں یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے اور پھر آنسوؤں کی جگہ خون بہے گا اور پھر اس خون بہنے سے آنکھوں میں زخم پڑ جائیں گے اور پھر ان زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہوگا اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہوگی کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے جنت میں نظر ڈالی تو اکثر کم مایہ بے پیسہ والے دیکھے اور میں نے دوزخ میں نظر ڈالی تو اکثر عورتیں دیکھیں۔

میرے عزیزو اب یہاں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس دنیا کی معمولی سردی وگرمی کو انسان کا برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے تو پھر بھلا دوزخ کی گرمی اور سردی کو برداشت کرنے اور وہاں

کا عذاب بھگتنے کی ہمت کسی کو کس بل بوتے پر ہے؟ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ کروڑوں انسان ایسے ہیں جو اس دنیا کی گرمی سردی اور تکلیف سے بچنے کا کتنا اہتمام کرتے ہیں مگر دوزخ سے بچنے کا ان کو کچھ بھی دھیان نہیں۔ پھر جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے قرآن وحدیث کے الفاظ سے جنت کے عیش وراحت اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کا جو تصور اور نقشہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے وہ اصل حقیقت سے بہت کمتر ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ سے بھی جنت و دوزخ کی چیزوں کی اصل کیفیت اور اصل حقیقت کو ہم یہاں پورے طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ بس وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا کہ جنت کے عیش وراحت کے بارہ میں جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا تھا ہمارا وہ علم بہت ہی ناقص تھا اسی طرح دوزخ کے دکھ اور عذاب کے بارہ میں جو کچھ ہم نے سنا تھا اصل حقیقت کے مقابلہ میں وہ بہت ہی ناقص تھا قران وحدیث میں دوزخ وجنت کے بارہ میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہے ہی نہیں کہ جو کچھ وہاں پر پیش آنے والا ہے اس کو ہم پوری پوری طرح یہاں سمجھ لیں اور جان لیں بلکہ اس بیان کا اصل مقصد تبشیر اور انذار ہے یعنی جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا اور اس مقصد کے لئے جنت و دوزخ سے متعلق قرآن وحدیث کا یہ بیان بالکل کافی ہے۔

الغرض اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جنھوں نے دنیا میں کفر وفسق کا راستہ اختیار کیا اللہ کے احکامات سے بغاوت کی۔ اللہ کے قانون کو ٹھکرادیا۔ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف چلے تو ایسے نافرمانوں کا ٹھکانا آخرت میں جہنم ہوگا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو جہنم کے دروازہ کی طرف پھینکیں گے اس وقت شاید وہ جہنم سے نکلنے کا خیال کریں تو فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو۔

یہ تو کافروں اور نافرمانوں کے لئے عذاب آخرت کا حال بیان فرمایا گیا۔ لیکن کبھی کبھی عذاب آخرت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب الٰہی کا مزہ چکھنا پڑتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے اللہ! جہاں آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا ہے اے اللہ ہم کو ایمان کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمائیے کہ جو آپ راضی کرنے والے ہوں۔

اے اللہ! ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرمادیجئے کہ جو آخرت میں ہماری سرخروئی اور کامرانی کا باعث بنیں اور اے اللہ ہمیں ان تمام اعمال سے بچالیجئے جن کے باعث آخرت میں ندامت وشرمندگی اٹھانی پڑے۔

اے اللہ! عذاب جہنم سے ہمیں دور رکھئے اور ہمیں آخرت کا وہ خوف عطا فرمائیے کہ ہم سے آپ کی کوئی چھوٹی بڑی نافرمانی سرزد نہ ہو۔ یا اللہ! آج اس دنیا میں آپ کے عذاب اور قہر سے بچنے کے لئے ہمیں رونا نصیب ہوجائے۔ اور ہمارے اس رونے کو آپ قبول فرمالیں تاکہ ہمیں آخرت میں رونا نصیب نہ ہو۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار وقنا عذاب الحشر وقنا عذاب یوم القیمٰة آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ

اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دُنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھاویں گے، تاکہ یہ لوگ باز آویں۔ اور اس شخص سے زیادہ

اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

کون ظالم ہوگا جس کو اُس کے رب کی آیتیں یاددلائی جاویں پھر وہ ان سے اعراض کرے، ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ اورالبتہ ہم انہیں ضرور چکھائیں گے	مِنَ کچھ	الْعَذَابِ عذاب	الْاَدْنٰى نزدیک	دُوْنَ سوائے (پہلے)	الْعَذَابِ عذاب
الْاَكْبَرِ بڑا	لَعَلَّهُمْ شاید وہ	يَرْجِعُوْنَ لوٹ آئیں	وَمَنْ اور کون	اَظْلَمُ بڑا ظالم	مِمَّنْ اس سے جو
ذُكِّرَ اسے نصیحت کی گئی	بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اسکے رب کی آیات سے	ثُمَّ پھر	اَعْرَضَ اس نے منہ پھیرلیا	عَنْهَا اس سے	اِنَّا بیشک ہم
مِنَ سے	الْمُجْرِمِيْنَ جمع	مُنْتَقِمُوْنَ انتقام لینے والے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اہل ایمان کے مقابلہ میں منکرین وفساق کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ آخرت میں ان کے فسق وانکار کے نتیجہ میں ان کا ٹھکانا نارِ جہنم ہوگا۔ جہاں طرح طرح کے سخت عذاب ہوں گے اور کبھی دوزخ کا جوش اور جہنم کا شعلہ انہیں دروازہ کی طرف پھینکیں گے تو اس وقت شاید ان کے دل میں خیال آئے کہ دروازہ میں سے نکل بھاگیں تو جہنم کے دربان فرشتے انہیں دھکے دیکر پھر اندر پھینک دیں گے اور کہیں گے کہ باہر جانے کے کیا معنی جس آگ کے عذاب کو تم دنیا میں جھوٹا سمجھتے تھے اور اللہ کے رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو جھٹلاتے تھے اب اس عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

اب آگے ان آیات میں پہلے یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین وفساق اس خیال میں نہ رہیں کہ آخرت ہی میں عذاب آئے گا دنیا میں تو مزے سے گزرتی ہے۔ جیسا کہ اب بھی بعض بدکردار اور آزاد طبع کہہ دیا کرتے ہیں

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

تو یہاں بتلایا جاتا ہے کہ آخرت کے عذاب اکبر سے قبل دنیا میں بھی ذرا کم درجہ کا عذاب ہم ان کو دیتے رہیں گے اور دنیا میں کم درجہ کے عذاب یہی دنیا کے مصائب۔ بیماری۔ قحط۔ طوفان۔ زلزلہ۔ قتل وقید وغیرہ ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ جملہ ولنذیقنھم من العذاب الا دنیٰ دون العذاب الاکبر۔ (اس بڑے عذاب یعنی عذاب آخرت سے پہلے ہم اس دنیا میں بھی کسی نہ کسی چھوٹے عذاب کا مزا انہیں چکھاتے رہیں گے (اہل مکہ کے متعلق خاص لیا ہے کہ جن کی طرف آیت میں روئے سخن ہے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے موافق اہل مکہ پر عذاب ادنیٰ آیا اور سات برس تک وہ قحط پڑا کہ مردار اور کتوں کے کھانے کی نوبت آ گئی۔ یا جنگ بدر میں ان کو قتل وقید نصیب ہوا۔ مگر اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ آیت میں روئے سخن اہل مکہ کی طرف ہے مگر یہ حکم عام ہے اور جملہ کفار وفساق کی طرف اشارہ ہے چنانچہ تاریخ بھی اس کی شاہد ہے کہ دنیا میں جس قوم نے اللہ اور رسول سے بغاوت۔ اور احکام الٰہیہ کی نافرمانی اور بدکاری اور شہوت پرستی اور فسق وفجور اختیار کیا وہ دنیا میں بھی تباہ و برباد ہوئے۔ ذلیل وخوار ہوئے سلطنتیں چھین لی گئیں۔ لوگوں کے ہاتھوں سے قتل وقید ہوئے۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ تو اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں آیت میں "عذاب اکبر" سے مراد آخرت کا عذاب ہے کہ جو کفر وفسق کی پاداش میں دیا جائے گا۔ اور اس کے مقابلہ میں "عذاب ادنیٰ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد وہ سختیاں ومصائب وتکالیف ہیں جو اسی دنیا میں انسان کو بداعمالی اور بدکرداری کی وجہ سے پہنچتی ہیں مثلاً افراد کی زندگی میں سخت بیماریاں۔ المناک حادثہ۔ جانی مالی نقصانات و دیگر ناکامیاں وغیرہ اور اجتماعی زندگی میں طوفان۔

زلزلے۔ سیلاب۔ وبائیں۔ قحط۔ فسادات۔ لڑائیاں اور اسی طرح کی دوسری بلائیں و آفات جو معاصی کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ تو ان کو یہاں آیت میں ''عذاب ادنیٰ'' یعنی قریب کا عذاب یا کم درجہ کا عذاب فرمایا گیا۔ آگے ان آفات یعنی عذاب ادنیٰ کے نازل کرنے کی مصلحت بیان کی گئی ہے اور وہ مصلحت فرمائی **لعلھم یرجعون**۔ (تاکہ یہ لوگ باز آجائیں) گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ وہ انسان کی نافرمانیوں اور ان کے کفر و فسق پر یکایک اور فیصلہ کن عذاب میں نہیں پکڑ لیتا بلکہ پہلے دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکالیف۔ آفات و مصائب و نقصانات بھیجتا رہتا ہے تاکہ انسان کو تنبیہ ہو اور اس کی آنکھیں کھل جائیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ اس کے اوپر کوئی بالاتر طاقت موجود نہیں ہے کہ جو اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ وقتاً فوقتاً افراد پر بھی اور قوموں پر بھی اور ملکوں پر بھی ایسے حوادث و آفات بھیجتا رہتا ہے کہ جو انہیں اپنی بے بسی اور اپنے سے بالاتر ایک ہمہ گیر قوت کی فرمانروائی کا احساس دلاتی ہیں۔ یہ آفات و حوادث ایک ایک شخص کو۔ ایک ایک گروہ کو اور ایک ایک قوم کو یہ یاد دلاتی ہیں کہ تمہاری قسمتوں کو کوئی اور قوت بالا کنٹرول کر رہی ہے۔ سب کچھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دے دیا گیا ہے۔ اصل طاقت اسی کارفرما اقتدار کے دست قدرت میں ہے۔ اسی کی طرف سے جب کوئی آفت تمہارے اوپر آجائے تو نہ تمہاری کوئی تدبیر اسے دفع کر سکتی ہے اور نہ کوئی دیوی دیوتا۔ اس لحاظ سے یہ آفات محض آفات نہیں بلکہ خدا کی تنبیہات ہیں۔ ان سے سبق لے کر دنیا ہی میں آدمی اپنا عقیدہ اور عمل ٹھیک کر لے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر لے تو آخرت میں خدا کا بڑا عذاب جس کو آیت میں عذاب اکبر فرمایا گیا دیکھنے کی نوبت ہی کیوں آئے۔

یہاں ایک بات ضمناً یہ بھی عرض کر دی جائے کہ اگرچہ بعض اوقات مصائب اور حوادث کے اسباب کچھ اور بھی ہوتے ہیں اور ان میں حق تعالیٰ کی حکمتیں اور راز کچھ اور پنہاں ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اللہ کے مقبولین اور معصوم بچوں کو بھی ابتلا ہوتا ہے مگر اس جگہ ان آیات و احادیث کی شرح کرنا مقصود نہیں۔ تذکرۃً رفع اشکال کے لئے یہ ذکر کر دیا گیا کہ انبیاء اولیاء اللہ پر جو ظاہری آفات یا مصائب آتے ہیں وہ ان کے امتحان اور امتحان کے ذریعہ رفع درجات کے لئے ہوتے ہیں۔

تو بیان یہ ہو رہا تھا کہ آخرت کا عذاب تو فساق و منکرین کے لئے بہت بڑا عذاب ہے اس سے پہلے دنیا ہی میں چھوٹے اور ہلکے عذاب دیئے جاتے ہیں اور اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ شاید وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ توبہ کر کے صلاحیت کو اختیار کریں۔ ایمان اور عمل صالح والی زندگی اپنالیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کو اختیار کر لیں اور بغاوت اور خود مختاری کو ترک کر دیں۔ مگر جو اس پر بھی باز نہ آویں اور خدا کی طرف رجوع نہ کریں تو پھر اس کے لئے عذاب اکبر ہی ہے اور ایسے لوگوں پر عذاب اکبر ہونے سے کچھ تعجب نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے زیادہ بدبخت ظالم کون ہوگا جس کو اللہ کی آیات سے سمجھایا جاتا ہے اس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں اور پھر وہ ان سے اعراض کرے اور منہ موڑے تو پھر ایسے مجرموں سے کیوں نہ بدلہ لیا جائے۔

یہاں **ومن اظلم ممن ذکر بایٰت ربہ ثم اعرض عنھا** یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ ان سے منہ پھیر لے تو یہاں رب کی آیات کے الفاظ بہت جامع ہیں۔ آیات کے لفظی معنی نشانیوں کے ہیں اور اس کے اندر تمام قسم کی نشانیاں آجاتی ہیں۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں چھ قسموں پر مشتمل ہیں۔

(۱) وہ نشانیاں جو زمین سے لے کر آسمان تک ہر چیز میں اور کائنات کے مجموعی نظام میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) وہ نشانیاں جو انسان کی اپنی پیدائش اور اس کی ساخت اور اس کے وجود میں پائی جاتی ہیں۔

(۳) وہ نشانیاں جو انسان کی فطرت۔ شعور اور وجدان میں پائی جاتی ہیں۔

(۴) وہ نشانیاں جو انسانی تاریخ کے مسلسل تجربات میں پائی جاتی ہیں۔

(۵) وہ نشانیاں جو انسان پر آفاتِ ارضی وسماوی کے نزول میں پائی جاتی ہیں۔ اور ان سب کے بعد۔

(۶) وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے بھیجیں تاکہ انسان کو معقول طریقہ سے ان حقائق سے آگاہ کیا جائے جن امور کی طرف یہ تمام مذکورہ نشانیاں دلالت کرتی ہیں۔

تو یہ ساری نشانیاں یعنی رب کی آیات انسان کو یہ بتارہی ہیں۔

(۱) تیرا خدا صرف ایک ہی خدا وحدہٗ لاشریک ہے جس کی اطاعت وعبادت کے سوا تیرے لئے کوئی دوسرا صحیح راستہ نہیں ہے۔

(۲) اے انسان تو اس دنیا میں آزاد اور خود مختار اور غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تجھے اپنے کارنامۂ حیات ختم کرنے کے بعد اپنے پیدا کرنے والے خالق اور رازق اور مالک کے سامنے حاضر ہوکر جواب دہی کرنی ہے اور اپنے ایک ایک رتی اور رائی برابر عمل کے لحاظ سے جزا وسزا پانی ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جس انسان کو اتنے مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہو۔ جسکی فہمائش کے لئے لاتعداد طرح طرح کی نشانیاں فراہم کی گئی ہوں۔ اور جنہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں۔ اور سننے کے لئے کان اور سوچنے سمجھنے کے لئے دل ودماغ جیسی نعمتیں بھی دی گئی ہوں پھر بھی وہ اگر ان ساری نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور منہ موڑ لیتا ہے۔ سمجھانے والوں کو تذکیر ونصیحت کے لئے بھی اپنے کان بند کر لیتا ہے تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ وہ پھر اسی کا مستحق ہے کہ دنیا میں اپنے امتحان کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو تو اپنی بغاوت کی بھرپور سزا پائے اور عذاب اکبر سے دوچار ہو۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے آیت کے اخیر میں بتلایا کہ ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔

اب یہاں ہم میں سے بھی ہر ایک کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ خدانخواستہ ہم تو کسی درجہ میں اپنے رب کی آیات سے اعراض کے مجرم نہیں ہیں؟ اعراض کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ایک اعراض وہ ہے کہ جو کافر برتتا ہے۔ ایک اعراض وہ ہے کہ جو مشرک برتتا ہے۔ ایک اعراض وہ ہے کہ جو فاسق وفاجر برتتا ہے مگر ایک کلمہ گو کہ جس کو اپنے رب کی آیات سننے سنانے۔ پڑھنے پڑھانے کے لئے کوئی دن رات کا وقفہ نصیب نہیں ہوتا وہ بھی ایک درجہ میں اعراض کا مجرم ہے۔ ایک کلمہ گو جسے اپنی آخرت سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اپنے رب کی آیات کو سیکھنے اور سکھانے اور ان کا علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کا وقت نہیں ملتا وہ بھی ایک درجہ میں اعراض کا مجرم ہے۔ ایک کلمہ گو جو اپنی اولاد کو دنیا کی موہومہ بہتری اور عزت کے حصول کے لئے جان مال دولت وقت سب کچھ کھپانے کے لئے تیار ہے مگر اسی اولاد کو آخرت کی نجات اور صلاح وفلاح کے لئے اپنے رب کی آیات سے بے خبر۔ غافل۔ اور لاعلم رکھتا ہے وہ بھی ایک درجہ میں اعراض کا مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ وفہم عطا فرمائیں اور اپنی آیات کے اعراض سے کامل طور پر بچائیں۔

اب چونکہ کفار کے اعراض اور منکرین کی تکذیب ومخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج وملال ہوتا تھا اس لئے آگے خاتمہ کی آیات میں آپ کے اور مومنین کی تسلی کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: مولائے کریم ہمیں اور ہماری نسلوں کو اپنی آیات کے اعراض کے جرم سے بچالیں۔ اور ہم سے جو تقصیر و کوتاہی اس معاملہ میں اب تک ہوئی ہو اس کو اپنے کرم سے معاف فرماویں۔ اور آئندہ کے لئے دین کو سنبھالنے اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا عزم نصیب فرماویں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۳

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے، اور ہم نے اُس کو بنی اسرائیل کیلئے موجب ہدایت بنایا تھا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝۲۴ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنادیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جبکہ وہ لوگ صبر کیے رہے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔ آپ کا رب

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا

قیامت کے روز ان سب کے آپس میں فیصلے ان اُمور میں کردے گا جن میں یہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ کیا ان کو یہ امر موجب رہنمائی نہیں ہوا کہ ہم

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝۲۶

ان سے پہلے کتنی اُمتیں ہلاک کرچکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں، اس میں صاف نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ

کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعے سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں،

اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۷ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۸ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ

تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو فیصلہ کب ہوگا۔ آپ فرمادیجئے کہ اس فیصلہ کے دن کافروں کو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۲۹ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝۳۰

ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ اور ان کو مہلت بھی نہ ملے گی۔ سو ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ منتظر رہیے یہ بھی منتظر ہیں۔

وَ اور	لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق ہم نے دی	مُوْسٰى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب (توریت)	فَلَا تَكُنْ تو تم نہ رہو	فِيْ مِرْيَةٍ شک میں	مِنْ سے متعلق	لِقَآئِهٖ اس کا ملنا	
وَجَعَلْنٰهُ اور ہم نے بنایا اسے	هُدًى ہدایت	لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل کیلئے	وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	مِنْهُمْ ان سے	اَئِمَّةً جمع امام (پیشوا)			
يَهْدُوْنَ وہ رہنمائی کرتے	بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے	لَمَّا جب	صَبَرُوْا انہوں نے صبر کیا	وَ اور	كَانُوْا وہ تھے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں پر	يُوْقِنُوْنَ یقین کرتے	
اِنَّ بیشک	رَبَّكَ تمہارا رب	هُوَ وہ	يَفْصِلُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	فِيْمَا اُس میں	كَانُوْا وہ تھے	فِيْهِ اس میں
يَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے	اَوَ کیا	لَمْ يَهْدِ ہدایت نہ ہوئی	لَهُمْ ان کیلئے	كَمْ اَهْلَكْنَا ہم نے کتنی ہلاک کیں	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	مِنَ سے		
الْقُرُوْنِ اُمتیں	يَمْشُوْنَ وہ چلتے ہیں	فِيْ میں	مَسٰكِنِهِمْ ان کے گھر	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ تو کیا وہ سنتے نہیں	اَوَ کیا
لَمْ يَرَوْا انہوں نے نہیں دیکھا	اَنَّا نَسُوْقُ کہ ہم چلاتے ہیں	الْمَآءَ پانی	اِلَى طرف	الْاَرْضِ زمین	الْجُرُزِ خشک	فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی		
تَاْكُلُ کھاتے ہیں	مِنْهُ اس سے	اَنْعَامُهُمْ ان کے مویشی	وَاَنْفُسُهُمْ اور وہ خود	اَفَلَا تو کیا	يُبْصِرُوْنَ دیکھتے نہیں وہ	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں		

مَتٰی کب	هٰذَا یہ	الْفَتْحُ فتح (فیصلہ)	اِنْ اگر	کُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِیْنَ سچے	قُلْ فرمادیں	یَوْمَ الْفَتْحِ فتح (فیصلے) کے دن	لَا یَنْفَعُ نفع نہ دیگا
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا (کافر)	اِیْمَانُهُمْ ان کا ایمان	وَلَا اور نہ	هُمْ وہ	یُنْظَرُوْنَ مہلت دیئے جائیں گے	فَاَعْرِضْ پس منہ پھیرلو تم			
	عَنْهُمْ ان سے	وَانْتَظِرْ اور تم انتظار کرو	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مُنْتَظِرُوْنَ منتظر ہیں				

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورۃ کا آخری رکوع اور خاتمہ کی آیات ہیں۔ شروع سورۃ میں کفار ومنکرین کی تکذیب ومخالفت کا ذکر ہوا تھا کہ کفار مکہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر خدا کی طرف سے کوئی کتاب نہیں آئی بلکہ (نعوذ باللہ) انہوں نے خود اسے گھڑلیا ہے اور دعویٰ یہ کررہے ہیں کہ خدا نے اسے نازل کیا ہے۔ اس کا جواب بھی ابتدائی آیات میں دیا گیا تھا۔ چونکہ ان کفار ومنکرین کی تکذیب اور مخالفت اور اعراض عن الحق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج وملال ہوتا تھا اور مخالفت کے بعض آثار مثل ایذا وغیرہ مومنین کے لئے بھی موجب اذیت ہوتے تھے اس لئے خاتمہ پر آپ کے اور مومنین کے لئے تسلی کا مضمون بیان فرمایا گیا اور اسی سلسلہ میں کفار کے بعض مزید شبہات وسوالات کے جواب دے کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

گذشتہ آیات میں نافرمانوں اور ظالم مجرموں کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ ان مجرمین سے بدلہ لیا جائے گا تو پھر یہ کیوں کر بچ سکتے ہیں۔ اب ان آیات میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ ان منکرین کے ظلم اور اعراض سے دلگیر اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں پہلے بھی موسیٰ علیہ السلام کو آپ ہی کی طرح کتاب دی گئی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہوگزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام وسردار اٹھیں گے رہے منکرین ان کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کردے گا۔ تو اس میں ایک تسلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ہوئی کہ آپ صاحب کتاب اور صاحب خطاب ہیں پس جب آپ اللہ کے نزدیک ایسے مقبول ہیں تو اگر یہ منکرین احمق آپ کو قبول نہ کریں تو کوئی غم کی بات نہیں۔ دوسری تسلی یہ ہوئی کہ جس طرح کتاب موسوی کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا اسی طرح آپ کی کتاب سے بہتوں کو ہدایت ہوگی آپ خوش رہئے۔ آگے مومنین کی تسلی کا مضمون ہے کہ جیسے ہم نے ان بنی اسرائیل میں بہت سے دین کے پیشوا بنادیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور دنیا کے شدائد اور منکرین کے جور وستم پر صبر کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے اسی طرح اہل اسلام اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کرکے اپنے کام پر جمے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہی معاملہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُن کو ائمہ دین بنادیں گے۔ چنانچہ الحمدللہ یہ ہوا اور خوب ہوا۔ یہ تو تسلی تھی اہل اسلام کو دنیا کے اعتبار سے اور ایک تسلی آخرت کے اعتبار سے دی گئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ فرمادے گا یعنی مومنین کو جنت میں اور کفار کو دوزخ میں ڈال دے گا اور قیامت بھی کچھ دور نہیں اس سے بھی تسلی حاصل کرنی چاہئے۔

اس مضمون کو سن کر کفار دو شبہے کرسکتے تھے ایک یہ کہ ہم اسی کو نہیں مانتے کہ خدا کو ہمارا کفر ناپسند ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم قیامت ہی کو ناممکن سمجھتے ہیں اس لئے آگے ان دونوں شبہات کے دفع کے لئے دو مضمون بیان فرمائے اول یہ کہ ان کو جو کفر کے مبغوض اور مردود ہونے میں شبہ ہے تو کیا ان منکروں نے ان سے پہلے جو امتیں کفر وشرک ہی کے سبب ہلاک ہوچکی ہیں جیسے عاد وثمود وغیرہ تو ان

کی ہلاکت کی داستانیں انہوں نے نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ آدمی ان تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے مگر وہ چیزیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ان کو تنبہ نہ ہوا اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔ دوسرا مضمون یہ کہ ان کو جو قیامت میں شبہ عدم امکان کا ہے تو کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ بارش یا نہروں اور دریاؤں کے ذریعہ سے خشک مردہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں اور پھر وہ اس پانی پہنچنے سے مردہ زمین زندہ یعنی سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ یہ دیکھ کر انہیں حق تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا قائل ہونا چاہئے تھا اور سمجھنا چاہئے تھا کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ مشکل اور بعید امر نہیں۔ پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا اس پر منکرین کہتے کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو۔ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ دن کب آئے گا۔ مطلب یہ کہ صرف قیامت کی خالی دھمکیاں ہیں۔ قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ اے منکرین تم اس کا تقاضہ تو عبث کرتے ہو کہ وہ فیصلہ کا دن کب آئے گا۔ جب وہ دن آپہنچے گا تو پھر اس دن نہ تمہارا ایمان لانا کام دے گا۔ نہ سزا میں ڈھیل ہوگی۔ نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ۔ لہٰذا اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ ابھی موقع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پر یقین کر لو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو اور اس استہزا اور تکذیب کو چھوڑ دو۔ جو گھڑی آنے والی ہے وہ یقیناً آ کر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ سورۃ کے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑاتے ہیں تو ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے لہٰذا آپ فرض دعوت و تبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑ دیئے اور آپ فیصلہ موعود کے منتظر رہئے جیسے وہ اپنے زعم میں (معاذ اللہ: معاذ اللہ) آپ کی تباہی کے منتظر ہیں مگر معلوم ہو جاوے گا کہ کس کا انتظار مطابق واقعہ کے ہے اور کس کا نہیں۔ چنانچہ الحمدللہ دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح سرزمین عرب کفار کے وجود سے پاک کر دی گئی اور ان شاء اللہ قیامت تک پاک رہے گی۔ الحمدللہ اس درس پر سورۂ سجدہ کا بیان پورا ہو گیا اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو یہ کتاب قرآن کریم اور نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے ہیں۔ تو ان نعمت عظمیٰ کی ہم کو قدردانی اور شکر گزاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور ایمان واسلام پر ہم کو استقامت عطا فرمائیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ اور آخرت کا ہم کو یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ ①

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیئے اور کافروں کا اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ ② وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے، بیشک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے۔ اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ③

اور اللہ کافی کارساز ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبیؐ!	اتَّقِ اللّٰهَ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں	وَلَا تُطِعِ اور کہنا نہ مانیں	الْكٰفِرِیْنَ کافروں	وَالْمُنٰفِقِیْنَ اور منافقوں	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
كَانَ ہے	عَلِیْمًا جاننے والا	حَكِیْمًا حکمت والا	وَّاتَّبِعْ اور پیروی کریں آپ	مَا یُوْحٰٓى جو وحی کیا جاتا ہے	اِلَیْكَ آپ کی طرف
مِنْ رَّبِّكَ آپ کے رب (کی طرف) سے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	بِمَا اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	خَبِیْرًا خبردار
	وَّتَوَكَّلْ اور بھروسہ رکھیں آپ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	وَكَفٰى اور کافی ہے	بِاللّٰهِ اللہ	وَكِیْلًا کارساز

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ اب اکیسویں پارہ کی ''سورۃ احزاب'' کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ میں غزوۂ احزاب جو ہجرت کے بعد ۵ھ میں پیش آیا اس کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام احزاب مقرر ہوا۔ احزاب کے لفظی معنی ہیں گروہ۔ جماعتیں۔ ٹولیاں۔ اسلام کی مخالفت میں متعدد جماعتوں نے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر چڑھائی کی تھی اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ اور اس غزوہ کے موقع پر حفاظت کے خیال سے مدینہ کے ان اطراف میں خندق کھودی گئی تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا راستہ تھا۔ اسی بنا پر اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں تین اہم واقعات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک غزوۂ احزاب جو شوال ۵ھ میں پیش آیا۔ دوسرے غزوۂ بنی قریظہ جو ذی القعدہ ۵ھ میں پیش آیا اور تیسرے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح جو مدینہ منورہ میں اسی ماہ ذی القعدہ ۵ھ میں ہوا۔ اس لئے یہی اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔ اور یہ سورۃ مدنی ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی تینتیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۰۳ لکھا ہے۔ یعنی صرف ۱۱ سورتیں مزید مدینہ منورہ میں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۷۳ آیات۔ ۹ رکوعات۔ ۱۲۱۰ کلمات اور ۵۹۰۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بتلایا گیا اس سورۃ کے مضامین تین اہم واقعات سے متعلق ہیں۔ ایک غزوۂ احزاب جو شوال ۵ھ میں پیش آیا۔ غزوہ اس جنگ یا مہم کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرما کر قیادت فرمائی۔ اور ایسی جنگ یا

فوجی مہم جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہ ہوتے تھے اس کو سریہ کہتے ہیں۔ اس غزوۂ احزاب یا جنگ خندق کی تفصیلات انشاء اللہ دوسرے رکوع میں سامنے آئیں گی۔ اس کے بعد غزوۂ بنی قریظہ کے متعلق جو یہود مدینہ کے ساتھ جنگ احزاب کے فوراً بعد ہی پیش آیا اس پر تبصرہ فرمایا گیا ہے جس کی تفصیلات انشاء اللہ تیسرے رکوع میں بیان ہوں گی۔ اس سورۃ کے زمانہ نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو تنگی اور عسرت کا سامنا پیش تھا اور سب نہایت تنگی سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے کہا گیا کہ دنیا اور اس کی زینت اور خدا و رسول اور آخرت میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں اگر دنیا کی عیش و بہار مطلوب ہے تو صاف کہہ دیں۔ اور اگر اللہ اور رسول کی خوشنودی پسند ہے تو صبر کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا ساتھ دیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس فرمان پر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے فوراً خدا اور رسول اور آخرت کو منتخب کر لیا۔ اسی سلسلہ میں ایک معاشرتی اصلاح کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے ابتدا فرماتے ہوئے ازواج مطہرات اور ان کے توسط سے مسلمان عورتیں کو جاہلیت کی بے پردگی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا اور وقار کے ساتھ گھر میں بیٹھنے اور غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں سخت احتیاط کی تعلیم دی گئی۔ گویا یہ پردے کے حکم کا آغاز تھا۔ اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے سلسلہ میں جو ذی قعدہ ۵ھ میں ہوا مخالفین کی طرف سے اس پر اعتراضات و شبہات کئے گئے جس پر تمام اعتراضات کے جواب دیئے گئے اور مسئلہ تبنیت یعنی گود لینے یا بیٹا بنانے کی رسم کی اصلاح فرمائی گئی۔ عرب کے لوگ جس بچہ کو متبنی بنا لیتے تھے جس طرح کے ہنود گود لے لیتے ہیں وہ بالکل ان کی حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اسے وراثت ملتی تھی۔

اس سے منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں بالکل وہی خلا ملا رکھتی تھیں جو حقیقی بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے جب منہ بولا بیٹا مر جائے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو منہ بولے باپ کے لئے وہ عورت سگی بہو کی طرح سمجھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ یہ جاہلیت کی رسم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس توڑیں تا کہ جو کام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اور اللہ کے حکم سے کیا ہو پھر اس کے متعلق کسی مسلمان کے ذہن میں کراہت کا تصور باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطلقہ بیوی سے خود نکاح کر لیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل آپ نے محاصرہ بنی قریظہ کے زمانہ میں فرمائی جس پر منافقین اور یہود نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے کی کوشش کی جس پر مسلمانوں کو بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام کیا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و منافقین کے جھوٹے پروپیگنڈے پر صبر کی تلقین فرمائی گئی۔ انہی واقعات کے سلسلہ میں طلاق کے قانون کی ایک دفعہ بیان ہوئی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ضابطہ بیان کیا گیا اور اس میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان متعدد پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں جو ازدواجی زندگی کے معاملہ میں عام مسلمانوں پر عائد کی گئی ہیں۔ اسی سلسلہ میں بعض احکام معاشرتی اصلاح کے لئے نازل فرمائے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں غیر مردوں کی آمد و رفت پر پابندی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات و دعوت وغیرہ کا ضابطہ بتلایا گیا۔ نیز بتلایا گیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن عزت و حرمت میں مسلمانوں کے لئے بمنزلۂ ماں کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح پر جو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

8

کے ساتھ ہوا تھا چہ میگوئیوں پر سخت تنبیہ کی گئی اور اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ وہ دشمنوں کی اس عیب چینی سے اپنے دامن بچائیں اور اپنے نبی مکرم پر درود بھیجیں۔ نیز یہ تلقین بھی کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو درکنار اہل ایمان کو تو عام مسلمانوں پر بھی تہمتیں لگانے اور الزامات لگانے سے کلی اجتناب کرنا چاہئے ساتھ ہی مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ جب گھروں سے باہر نکلیں تو چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانک کر اور گھونگھٹ ڈال کر نکلیں۔ اخیر میں بیش بہا نصیحتیں ایمان والوں کو دی جاتی ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ کے غضب سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اس سے ڈر کر اپنے آپ کو بری باتوں سے دور رکھو اور منہ سے جو بات نکالو وہ سچی۔ سیدھی اور راست ہونی چاہئے پھر ایسے لوگوں کو آخرت کی کامیابی کی بشارت دی گئی خاتمہ پر تمام انسانوں کو یاد دلایا گیا کہ تمام مخلوقات میں یہ انسان ہی ہے کہ جس نے امانت الٰہی کا بار اٹھانا اپنے ذمہ لیا ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کروں گا ورنہ سزا بھگتوں گا۔ یہ عہد و پیمان ایک امانت ہے جس کی حفاظت اور نگہبانی ہر انسان کے ذمہ واجب ہے۔ اس سے غفلت۔ انکار۔ بے پروائی کرنے والے سزا کے مستحق ہیں۔ یہ ہے اس پوری سورۃ کا اجمال اور خلاصہ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

اب اس تمہیدی بیان کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کمال عزت ہے کہ قرآن مجید میں کسی جگہ آپ کا نام لے کر نہیں پکارا گیا بلکہ کہیں خطاب بلقب نبی ہوا کہیں بلقب رسول۔ کہیں یا مزمل فرمایا۔ کہیں یا مدثر فرمایا۔ تو ان ابتدائی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند ہدایات ربانی دی جا رہی ہیں اور فرمایا جا تا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اب تک آپ کا معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کہا کبھی نہ مانئے۔ یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا بنالیں۔ سازشیں کریں۔ جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں۔ عیارانہ مشورہ دیں اپنی طرف جھکانا چاہیں۔ آپ بالکل پروانہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانئے۔ اسی کے آگے جھکئے۔ خواہ ساری مخلوق اکٹھا ہو کر آ جائے حکم خداوندی کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے وہ جس وقت جو حکم دے گا۔ نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں اصل بہتری ہوگی جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے۔ تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا تنہا اسی کی ذات عالی بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔

یہاں ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر چار باتوں کا حکم دیا گیا (۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا۔ (۲) کافروں اور منافقوں کے کہنا نہ ماننے کا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم بذریعہ وحی بھیجا جائے اس کے اتباع کا اور (۴) اللہ پر بھروسہ و توکل رکھنے کا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر ان ہی باتوں کی طرف مائل تھے اور ان سب امر و نہی پر آپ پہلے ہی سے عامل تھے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اس خطاب سے زیادہ مقصود آپ کے ذریعہ سے آپ کے ماننے والوں کو ہدایت دینا ہے کہ فقط اللہ ہی کی رضامندی تلاش کرو اور اسی کی ناراضی سے ڈرو۔ کافروں اور منافقوں کی باتیں ماننے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ وہ جہالت میں مبتلا ہیں ان کی باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں۔ اللہ عزوجل سب چیزوں کے حالات اور ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے اس لئے وہ جو حکم دے گا وہ حقیقت پر مبنی ہوگا اور پھر جب پورا علم۔ مصلحت شناسی اور ہر چیز پر پوری قدرت اللہ ہی کو حاصل ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف دیکھنا بیکار و لاحاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ

تمہارے ہر کام مکمل کر دینے کے لئے بالکل کافی ہے۔

مفسر علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ تنبیہ کی ایک مؤثر صورت یہ بھی ہے کہ بڑے کو کہا جائے تا کہ چھوٹا چوکنا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ اوروں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہے۔ یہاں پہلی تقویٰ کی تاکید فرمائی۔ تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہدایات کے موافق ثواب کے طلب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی جائے اور فرمان باری تعالیٰ کے مطابق اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کی نافرمانیاں ترک کی جائیں۔ دوسری تاکید یہ فرمائی کہ کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننا۔ نہ ان کے مشوروں پر کاربند ہونا۔ نہ ان کی باتیں قبولیت کے ارادہ سے سننا۔ تیسری تاکید اتباع وحی کی فرمائی یعنی قرآن وسنت کی پیروی کی۔ اور چوتھی تاکید تمام امور و احوال میں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر بھروسہ رکھنے کی فرمائی۔ ان چار تاکیدات کے بعد ان کے عاملین کے لئے وکفٰی باللہ وکیلا کی بشارت اور وعدہ فرمایا گیا۔

اب یہاں ذرا ہمیں بھی اپنی حالت پر انفراداً اور اجتماعاً غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم ان تاکیدات ربانی اور ان تنبیہات قرآنی پر کس درجہ عامل ہیں۔ پہلی تاکید اللہ سے ڈرنے کی لیجئے۔ دیکھ لیجئے کہ آج دین کے معاملہ میں کتنا خوف خداوندی ہے۔ کتنے فی صدی نمازی ہیں؟ کتنے فی صدی روزہ رکھتے ہیں؟ کتنے فی صدی شریعت کے دوسرے احکام کی پابندی کرتے ہیں؟ دوسری تاکید کافروں منافقوں کے کہنا نہ ماننے کی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ آج ہماری اکثریت بے دینوں مغربی دھریوں۔ یورپ کے یہود ونصاریٰ کی تقلید کو فخر سمجھتی ہے چہ جائیکہ ان کا کہنا نہ سننا باتیں نہ ماننا اور ان کے مشوروں پر کاربند نہ ہونا۔ تیسری تاکید اتباع وحی یعنی قرآن وسنت کی پابندی کو دیکھ لیجئے۔ آج ہر بد دینی ترقی کا راستہ ہے۔ ہر معصیت قابل فخر ہے اور ہر کفریات بکنے والا روشن خیال ہے۔ اور قران وسنت سے کوئی نکیر کردے تو وہ کٹھ ملا ہے۔ ضروریات زمانہ سے بے خبر۔ ترقی کا دشمن اور حالات دنیا سے جاہل ہے۔ چوتھی تاکید تمام امور و احوال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ رکھنا ہے۔ بس اس کے متعلق تو کیا عرض کیا جائے سوائے اکبر الہ آبادی کے اس شعر کے پڑھ دینے کے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اللہ تعالیٰ ہی اپنے کرم و رحم سے امت مسلمہ کے اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمادیں۔ آمین۔

اب آگے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا ان کے متعلق ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! ہمیں اپنا وہ خوف وڈر عطا فرمائیے کہ جو ہم کو آپ کی اطاعت پر آمادہ رکھے اور آپ کی نافرمانی سے بچائے رکھے۔

یا اللہ! ہمیں بے دینوں کی تقلید سے محفوظ رکھئے اور قرآن وسنت کا دلدادہ اور عاشق بنا کر زندہ رکھئے۔

یا اللہ! ہمیں اپنے تمام معاملات میں اپنی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیے اور اپنی رحمت سے ہمارے تمام دین ودنیا کے معاملات میں ہماری وکالت وکفالت فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنادیا

اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ

اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنادیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی

يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔تم اُن کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے،اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہوتو وہ تمہارے دین کے

فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ

بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہوجاوے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا، لیکن ہاں

قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

جو دل سے ارادہ کر کے کرو، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

مَا جَعَلَ نہیں بنائے	اللّٰهُ اللہ	لِرَجُلٍ کسی آدمی کیلئے	مِّنْ قَلْبَيْنِ دو دل	فِيْ جَوْفِهٖ اس کے سینے میں	وَمَا جَعَلَ اور نہیں بنایا	اَزْوَاجَكُمُ تمہاری بیویاں	
الّٰٓـِٔيْ وہ جنہیں	تُظٰهِرُوْنَ تم ماں کہہ بیٹھتے ہو	مِنْهُنَّ ان سے انہیں	اُمَّهٰتِكُمْ تمہاری مائیں	وَمَا جَعَلَ اور نہیں بنایا	اَدْعِيَآءَكُمْ تمہارے منہ بولے بیٹا		
اَبْنَآءَكُمْ تمہارے بیٹے	ذٰلِكُمْ یہ تم	قَوْلُكُمْ تمہارا کہنا	بِاَفْوَاهِكُمْ اپنے منہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَقُوْلُ فرماتا ہے	الْحَقَّ حق	وَهُوَ اور وہ
يَهْدِي ہدایت دیتا ہے	السَّبِيْلَ راستہ	اُدْعُوْهُمْ انہیں پکارو	لِاٰبَاۗىِٕهِمْ انکے باپوں کی طرف	هُوَ یہ	اَقْسَطُ زیادہ انصاف	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	
فَاِنْ پھر اگر	لَّمْ تَعْلَمُوْٓا تم نہ جانتے ہو	اٰبَاۗءَهُمْ ان کے باپوں کو	فَاِخْوَانُكُمْ تو وہ تمہارے بھائی	فِي الدِّيْنِ دین میں دینی	وَمَوَالِيْكُمْ اور تمہارے رفیق		
وَلَيْسَ اور نہیں	عَلَيْكُمْ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ گار	فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ اس میں جو تم سے بھول چوک ہو چکی	بِهٖ اس سے	وَلٰكِنْ اور لیکن		
مَّا تَعَمَّدَتْ جو ارادے سے	قُلُوْبُكُمْ اپنے دل	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَّحِيْمًا مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ ان آیات میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس لئے ان آیات کی تشریح سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ آگے قریب نصف سورۃ پر پھر دوبارہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مزید تفصیل انشاء اللہ وہاں ذکر کی جائے گی۔ حضرت زید عربی الاصل قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شرحبیل کے بیٹے تھے ان کی والدہ سعدی بن ثعلبہ قبیلے طے کی شاخ بنی معن سے تھیں۔ جب زید آٹھ سال کے بچہ تھے اس وقت ان کی ماں انہیں میکہ لے کر گئیں۔ وہاں ایک دوسرے قبیلہ کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو وہ پکڑ کر لے گئے ان میں یہ حضرت زید بھی تھے پھر ان حملوں آوروں نے انہیں طائف کے قریب عکاظ کے میلہ میں ان کو لے جا کر بیچ دیا خریدنے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام

تھے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو ایک ہوشیار غلام خرید کرنے کو کہا تھا۔انہوں نے ان کو خرید کر مکہ لا کر اپنی پھوپھی صاحبہ کے حوالہ کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں زید کو دیکھا اور ان کی عادات واطوار آپ کو اس قدر پسند آئیں کہ آپ نے انہیں حضرت خدیجہ سے مانگ لیا۔ اس طرح یہ خوش قسمت لڑکا اس خیر الخلائق ہستی کی خدمت میں پہنچ گیا جسے چند سال بعد اللہ تعالیٰ نبوت سے سرفراز فرمانے والے تھے۔اس لئے یہ سب واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا ہے۔اس وقت زید کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ زید مکہ میں ہے وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ لینا چاہیں وہ ہم دینے کے لئے تیار ہیں آپ ہمارا بچہ ہم کو دے دیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور معاملہ اس کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرتا ہے یا میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے۔اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں کوئی فدیہ تم سے نہیں لوں گا اور اسے یونہی چھوڑ دوں گا لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا نہیں ہوں کہ جو میرے پاس رہنا چاہے میں اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔انہوں نے کہا یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر بات کہی ہے۔آپ بچے کو بلا کر پوچھ لیجئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں۔آپ نے فرمایا اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔اب تمہیں پوری آزادی ہے کہ چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو۔انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ان کے باپ اور چچا نے کہا کہ زید کیا تو آزادی کو غلامی پر ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے جو اوصاف ان کے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھے ہیں۔ان کا تجربہ کر لینے کے بعد اب میں دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔غور کیجئے یہ نبوت سے پہلے کے واقعات ہیں۔زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا بخوشی راضی ہو گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان فرما دیا کہ تم سب لوگ گواہ رہو آج سے زید میرا بیٹا ہے۔اسی بنا پر لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تو چار ہستیاں ایسی تھیں جنہوں نے ایک لمحہ شک وتردد کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اسے تسلیم کر لیا۔ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تیسرے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چوتھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔یعنی بڑوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔آزاد غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید ایمان لائے اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے۔اس وقت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۳۰ سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوئے ۱۵ سال گزر چکے تھے۔مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد ۴ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا اور اپنی طرف سے ان کا مہر ادا کیا اور گھر بسانے کے لئے ان کو کچھ سامان بھی عطا فرمایا اس نکاح سے آپ کا یہ بھی مقصود تھا کہ غلام آزاد مذہب اسلام میں حقیر نہ سمجھے جائیں اور ان کی عزت بھی احرار کی طرح کی جائے یعنی آزاد اور غلام میں جو اہل عرب امتیاز کرتے ہیں وہ مسلمانوں میں نہ ہو۔مگر

اتفاق امر کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں موافقت پیدا نہ ہوئی۔ آخر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر پر مجبور ہوئے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد ہوا کیونکہ آپ یہی چاہتے تھے کہ زینب زید ہی کی زوجیت میں رہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی فکر ہوا کہ ان میاں بیوی میں علیحدگی واقع ہوئی تو زینب کے بارہ میں بڑی مشکل آئے گی کہ زید کی زوجیت میں رہ چکنے کے سبب لوگ زینب کے اعزاز و احترام میں کمی کریں گے اور یہ بات بھی آپ کو منظور نہ ہوسکتی تھی۔ جب آپ حضرت زید کی توقیر کرتے اور لوگوں سے کرانی چاہتے تھے تو حضرت زینب کی تحقیر کیونکر گوارا فرما سکتے تھے۔ مگر آخرالامر حضرت زید اور حضرت زینب کا تعلق منقطع ہو کر رہا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو تین اصلاحیں مدنظر ہوئیں ایک یہ کہ اسلام میں متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے جس کو لے پالک یا گود لیا ہوا بیٹا بھی کہتے ہیں اس کا وہ درجہ اور حق نہ سمجھا جائے جو حقیقی اور صلبی اولاد کا ہوتا ہے اور دونوں قسم کے تعلقات میں جو فرق ہے وہ ظاہر کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویاں صلبی اولاد کی بیویوں کی طرح حرام نہ سمجھی جائے۔ تیسرے یہ کہ آزاد غلاموں کی مطلقہ عورتوں کی حیثیت جن کو شریف اہل عرب اپنی زوجیت میں لینے سے دریغ کرتے تھے ان کی وہی حیثیت قرار دی جائے جو احرار کی مطلقہ عورتوں کی ہے یعنی ان سے بے پس و پیش نکاح کر لیا جائے اور یہ تینوں اصلاحیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے شروع کرانا حق تعالیٰ کو مقصود ہوئیں۔ حق تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بعد عدت نکاح کر لیا۔ غرض جب آپ نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا تو مخالفین نے طعن کیا کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا تو اس طعن کی بنا پر ایک جواب اجمالاً ان آیات میں دینا مقصود ہے اور تفصیلاً یہ مضمون اسی سورۃ میں آگے پانچویں رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی تقویت جواب کے لئے جاہلیت کی دو اور نظیریں ان آیات میں بیان فرما کر ان کی تردید کر دی گئی۔ جاہلیت میں عرب میں تینوں باتیں غلط مشہور تھیں کہ ذہین اور عقیل آدمی کے دو دل سمجھا کرتے تھے اور بیوی سے لڑتے ہوئے کبھی کوئی عرب یہ کہہ بیٹھتا کہ تیری پشت میرے لئے ماں کی پشت کی طرح ہے تو اس بات کے منہ سے نکل جانے سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اب یہ عورت اس پر حرام ہوگئی۔ کیونکہ وہ اسے ماں سے تشبیہ دے چکا ہے گویا ان الفاظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ ایسے ہی کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیا جاتا تو وہ سچ مچ کا حقیقی بیٹا جیسا سمجھا جاتا اور سب احکام اس پر حقیقی بیٹے جیسے جاری ہوتے تھے۔ تو یہاں خاص مقصود اسی تیسری غلطی کا رفع کرنا ہے مگر تقویت کے لئے دو غلطیاں اور رفع کر دی گئیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ متبنیٰ کو حقیقی بیٹا سمجھنا اور اس بنا پر اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے پر طعن کرنا ایسا ہی غلط مشہور ہو گیا ہے جیسا زوجہ کو زبان سے ماں قرار دینا اور اس بنا پر اس کو نکاح سے خارج سمجھنا یا کسی شخص کو عقلمندی اور ہوشیاری کے سبب یہ سمجھنا کہ اس کے دو قلب ہیں۔ قرآن کریم نے اس لفظی اور مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم اور مفروضات کی بڑی شد و مد سے تردید فرمائی اور بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ ایک وہ کہ جس نے اول جنا تھا اور دوسری یہ کہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنا لیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے کیا واقعی اب یہ ماننا چاہئے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جا سکتے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ٹھیک اور منصفانہ بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے۔ کسی نے منہ بولا بیٹا بنا لیا تو وہ واقعی باپ

نہیں بن گیا۔ یوں شفقت و محبت سے کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکار لے وہ دوسری بات ہے غرض یہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں خلط ملط اور اشتباہ واقع نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں سب سے پہلے جو اصلاح نافذ کی گئی وہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی بجائے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا گیا۔ مزید براں ان آیات کے نزول کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے۔ بخاری و مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا درآنحالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ کسی مسلمان کا باپ کون ہے تو بہرحال وہ تمہارا دینی بھائی اور رفیق ہے اسی لقب سے یاد کیا کرو۔ اور اگر اس میں تم کو بھول چوک ہو جائے یعنی نادانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ نہیں۔ ہاں جو دل سے ارادہ کر کے کہے تو گناہ ہوگا اور اس سے بھی اگر استغفار کر لیا جائے تو پھر معاف ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

ان آیات کے تحت نسب کے متعلق ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اب اس وقت جہاں اور دوسری بے اعتدالیاں پیدا ہو رہی ہیں اور ہو گئی ہیں ان میں ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کوئی سید بننے کے درپے ہے تو کوئی اپنے آپ کو انصاری ثابت کرتا ہے۔ کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے کو صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی۔ علوی ظاہر کرے کوئی اس کے درپے ہے کہ اپنے کو قریش میں داخل کر کے قریشی کہلائے۔ اور منشا اس کا تکبر اور غرور ہے جو فی نفسہٖ بھی گناہ کبیرہ ہے اور نسب بدلنا یہ مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے۔ احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تفاخر بالانساب کا سب سے زیادہ چرچا جاہلیت میں تھا جس کو اسلام نے آ کر مٹایا۔ لیکن قرون مابعد میں مسلمانوں میں یہ بلا پھر پیدا ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ شرافت نسب فضائل غیر اختیاریہ میں سے ہے اور جس کو یہ حاصل ہو نعمت الٰہیہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور جس کو حاصل نہ ہو وہ اس کے پیچھے نہ پڑے اس لئے کہ نسب بدلنا گناہ کبیرہ ہے اور اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ انسان کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسبت سے تبریٰ کرے اگرچہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو اور ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس میں اس کا ہونا معروف نہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لئے معروف نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا یعنی نافرمانی کی۔ تو جن کو اپنے آبائی نسب سے صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی۔ انصاری۔ قریشی وغیرہ ہونا ثابت ہو وہ اظہار نعمت کے لئے نہ کہ فیشن اور فخر و غرور کے لئے اگر اس کو ظاہر کریں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت نسب کی نعمت عطا فرمائے اس کو بہ نسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ اصلاحِ اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہئے کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضا اور شکر یہ یہی ہے۔ دوسرے بزرگوں کی نسبت جتنی زیادہ ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں کہ کم از کم اس نسبت کی لاج رکھنے کے لئے اپنے آبائی بزرگوں کے خلاف نہ چلے۔

الغرض ان آیات کے نزول پر حضرت زید کو اب تک جو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہے جاتے تھے اب ان کو ہدایت ربانی کے ماتحت زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ اس سے ایک وہم کسی کو یہ ہو سکتا تھا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ تو اس وہم کو اگلی آیات میں دور کیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

نبیؐ مومنین کے ساتھ خود اُن کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ میں

اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ

ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو

مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔

اَلنَّبِيُّ نبیؐ	اَوْلٰى زیادہ (حقدار)	بِالْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیساتھ	مِنْ سے	اَنْفُسِهِمْ ان کی جانیں	وَاَزْوَاجُهٗ اوراس کی بیبیاں
اُمَّهٰتُهُمْ اُن کی مائیں	وَ اور	اُولُوا الْاَرْحَامِ قرابت دار	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض	اَوْلٰى نزدیک تر	بِبَعْضٍ بعض (دوسروں) سے
فِيْ میں	كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ کی کتاب	مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں	وَالْمُهٰجِرِيْنَ اور مہاجروں	اِلَّآ اَنْ مگر یہ کہ
تَفْعَلُوْٓا تم کرو	اِلٰٓى طرف (ساتھ)	اَوْلِيٰٓئِكُمْ اپنے دوست	مَّعْرُوْفًا حسنِ سلوک	كَانَ ہے	ذٰلِكَ یہ
فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مَسْطُوْرًا لکھا ہوا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں جاہلیت کے زمانہ کی بعض رسوم کی تردید فرمائی گئی تھی اور اس سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے اگر کسی نے کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا۔ اسی حکم کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کے بجائے ان کے حقیقی باپ کی نسبت سے زید بن حارثہ کہنا شروع کردیا گیا تھا۔ تو اس سے بظاہر کسی کو یہ وہم گزر سکتا تھا کہ اب حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے نبی اور امتی کے تعلق کو واضح کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق ہے وہ تو تمام دوسرے انسانی تعلقات سے بالاتر نوعیت رکھتا ہے۔ کوئی رشتہ اس رشتہ سے اور کوئی تعلق اس تعلق سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے درمیان ہے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ دنیا میں بظاہر سب سے بڑا تعلق انسان کا ماں باپ سے ہے۔ ماں باپ ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی۔ تو باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسمانی وجود سے نکلا ہے اور باپ کی طبعی تربیت وشفقت اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفقت و رحمت کا ہے۔ یقیناً امتی کا ایمانی اور روحانی وجود نبی کے طفیل میں ہے۔ جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوئی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امتی کی وہ ہمدردی۔ اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود اس کا نفس بھی اپنی نہیں کرسکتا۔ تمہارے ماں باپ تمہارے بیوی بچے تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تمہارے ساتھ خودغرضی برت سکتے ہیں۔ تم کو گمراہ کرسکتے ہیں۔ تم سے غلطیوں کا ارتکاب کراسکتے ہیں مگر نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے حق میں صرف وہی بات کرنے والے ہیں جس میں تمہاری حقیقی فلاح ہو۔تم خود اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار سکتے ہو۔ حماقتیں کر کے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر سکتے ہو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے وہی کچھ تجویز کریں گے جو فی الواقع تمہارے حق میں نافع ہی نافع ہو اور جب معاملہ یہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اہل ایمان پر یہ حق ہے کہ وہ آپ کو اپنے ماں باپ اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز سمجھیں اور عزیز رکھیں۔ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپ کی محبت رکھیں۔ اپنی رائے پر آپ کی رائے کو۔ اپنے فیصلے پر آپ کے فیصلہ کو۔ اپنی چاہت پر آپ کی چاہت کو مقدم رکھیں اور آپ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ اسی مضمون کو ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ احادیث میں مشہور ہے کہ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی کیفیت فوراً بدل دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے ان کا حال اسی وقت بدل گیا اور عرض کیا کہ خدا کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر اب تم مومن کامل ہو۔ تو معلوم ہوا کہ کامل ایمان دراصل اسی کا نام ہے کہ آدمی بالکل اللہ و رسول کا ہو جائے اور اپنے سارے تعلقات و خواہشات کو اللہ اور رسول کے تعلق پر اللہ و رسول کے دین کی راہ میں قربان کر سکے جس طرح کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کر دکھایا۔ اور آج بھی اللہ کے سچے اور صادق بندوں کا یہی حال ہے اگر چہ ان کی تعداد اب بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول پاک سے سچا تعلق ہم کو نصیب فرماویں۔ تو اس خصوصیت کی بنا پر جو اوپر مذکور ہوئی ایک خصوصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آگے یہ بھی بیان ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امتیوں کی دینی مائیں ہیں اور ان کی تکریم و تعظیم مسلمانوں پر مثل ماں کے واجب ہے۔ اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کا کبھی نکاح نہیں ہوسکتا تو ازواج مطہرات مومنین کے لئے مثل ماں کے عزت و حرمت میں ہیں باقی دوسرے احکام میں مثل پردہ وغیرہ کے وہ ماں کی طرح نہیں یعنی علاوہ حقیقی رشتہ داروں کے باقی سب مسلمان ان کے لئے غیر محرم تھے جن سے پردہ واجب تھا۔ آگے بتلایا گیا کہ جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے تو آپ کے ساتھ تو مسلمانوں کے تعلق کی نوعیت سب سے الگ ہے لیکن عام مسلمانوں کے درمیان آپس کے تعلقات اس اصول پر قائم ہوں گے کہ رشتہ داروں کے حقوق ایک دوسرے پر عام لوگوں کی بہ نسبت مقدم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا اور مدینہ کو ہجرت کی اپنے عزیز و اقارب سے علیحدہ ہوئے گھر بار چھوڑا اور بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ پہنچے تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر کا ایک انصار مدینہ سے بھائی چارہ قائم فرمادیا جس کی رو سے محض دینی برادری کے تعلق کی وجہ سے مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے بعد میں جب مہاجرین کے دوسرے قرابت دار مسلمان ہو گئے تو ان آیات کی رو سے اللہ تعالیٰ نے صاف حکم فرمادیا کہ قدرتی رشتہ ناتا اس بھائی چارہ سے مقدم ہے۔ میراث وغیرہ رشتہ ناطہ کے موافق تقسیم ہوگی۔ سلوک واحسان کوئی اپنے دینی بھائی سے کرنا چاہے تو وصیت کے ذریعہ سے کرسکتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ حکم اب ہمیشہ کے لئے جاری رہا۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کی رو سے اور یہاں آیت میں وازواجہ اُمھٰتھم کے ارشاد سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ تمام ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جن میں بغیر کسی شک وشبہ کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل ہیں۔ لیکن روافض جو خلفائے ثلثہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ہدف لعن طعن بناتے ہیں اس بنا پر کہ وہ خلیفہ اول حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تھیں۔ بہرحال مخالفین کچھ کہیں جملہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن قرآن کی شہادت سے امہات المومنین ہیں۔ اور ان کی تعظیم وتکریم۔ عزت وحرمت اہل اسلام پر واجب ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق ایک امتی پر ہیں ان کو یہاں بتلا کر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بلند درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے انبیاء کو اپنے امتیوں پر ان کی ذمہ داری کی بنا پر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف بخشا ہے تو ہم کو اس نعمت عظمیٰ کے قدر کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور عظمت کے ساتھ آپ کا سچا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔

اللہ پاک ہم کو اپنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لائی ہوئی جملہ ہدایات پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں اور آپ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ازواج مطہرات واہل بیت کو اپنے قرب خاص کے درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے بھی

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾

اور ہم نے اُن سب سے خُوب پختہ عہد لیا۔ تا کہ ان سچوں سے ان کے سچ کی تحقیقات کرے، اور کافروں کیلئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَاِذْ اور جب	اَخَذْنَا ہم نے لیا	مِنَ سے	النَّبِيّٖنَ نبیوں	مِيْثَاقَهُمْ ان کا عہد	وَمِنْكَ اور تم سے	وَمِنْ نُّوْحٍ اور نوحؑ سے	وَّاِبْرٰهِيْمَ اور ابراہیم
وَمُوْسٰى اور موسیٰ	وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ	وَاَخَذْنَا اور ہم نے لیا	مِنْهُمْ ان سے	مِّيْثَاقًا عہد	غَلِيْظًا پختہ	لِّيَسْـَٔلَ تا کہ وہ سوال کرے	
الصّٰدِقِيْنَ سچے	عَنْ سے	صِدْقِهِمْ ان کی سچائی	وَاَعَدَّ اور اُس نے تیار کیا	لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کیلئے	عَذَابًا عذاب	اَلِيْمًا دردناک	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل ایمان سے اور اہل ایمان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق ہے اس کی نوعیت ظاہر فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کی وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت وتربیت فرماتے ہیں کہ جو خود اپنا انکا نفس بھی نہیں کر سکتا اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اہل اسلام کی جان مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ وہ آپ کو اپنے ماں باپ اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز سمجھیں۔ اور آپ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم رکھیں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ بلند درجہ انبیاء کو اس لئے ملا کہ ان پر محنت اور ذمہ داری بھی سب سے زیادہ ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے پختہ اقرار کر لیا ہے کہ وہ بے غرضی کے ساتھ انسانوں کو سچی سچی باتیں بتائیں گے اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اور کسر نہ اٹھا رکھیں گے اور اللہ کے بندوں کو اعتقاد اور عمل کے صحیح راستہ پر ڈالنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اور پھر یہ عہد و پیمان بھی کوئی ایسا ویسا نہیں بلکہ بڑا سخت اور پکا قول وقرار لیا گیا۔ تو یہاں اول تو جمیع انبیاء کا ذکر عام طور سے فرمایا گیا اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد اور قول وقرار لیا تھا

پھر ان میں سے پانچ نبیوں کے نام لئے جو بڑے اولوالعزم اور صاحب شریعت پیغمبر تھے۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا حالانکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب انبیاء کے بعد ہوا مگر درجہ میں آپ سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے جیسا کہ احادیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ کو نبوت کب ملی فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی یعنی گارے کی شکل ہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اس حدیث شریف کا ذکر آجانے پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فیوض الحرمین" سے ایک واقعہ یاد آیا۔ حرمین شریفین کے زمانہ قیام میں حضرت شاہ صاحبؒ پر جو حق تعالیٰ کی جانب سے الہامات یا روح پرفتوح سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو افاضات آپ پر ہوئے اور

خاص تعلیم وتلقین کی گئی اور جو بشارتیں منجانب اللہ تعالیٰ القاء ہوئیں اور جن اسرار دین متین سے آپ کو آگاہ کیا گیا یا جو وصیتیں اور نصیحتیں آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمائی گئیں ان کو آپ نے بڑے عجیب اور دلکش انداز اور علمی حقائق و دقائق کے ساتھ ایک عربی کتاب فیوض الحرمین میں جمع فرمادیا جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ فیوض و برکات تقریباً ۴۷ مشاہد پر مشتمل ہیں۔ ایک مشہد میں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی ہی میں تھے اور میں نبی ہو چکا تھا اور میرا یہ سوال زبان کے مقال اور دل کے خطرات سے نہ تھا بلکہ اس سر اور راز کی آرزو اور شوق سے میری روح لبریز تھی۔ اس کے بعد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قوت اور طاقت تھی آپ کی صورت مثالیہ کے قریب ملا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی وہ صورت کریمہ مثالیہ دکھائی جو پہلے عالم اجسام کے پائی جاتی تھی۔ اس کے بعد مجھے عالم مثال سے اس عالم میں آنے کی کیفیت بتلائی اور مجھے انبیاء مبعوثین کی شکلیں بتلائیں۔ آگے اس مشاہدہ میں بڑی دقیق علوم ومعارف کی باتیں لکھی ہیں جو ہم کم علموں کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتیں۔ یہ تذکرہ حضرت شاہ صاحبؒ کا درمیان میں ضمناً آ گیا تھا۔ ایک طویل حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تمہاری امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا ہے اور وہ حساب میں سب سے پہلے ہوگی اور میں نے تم کو نبیوں میں سب سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا ہے۔ تم کو میں نے فاتح یعنی دورۂ نبوت شروع کرنے والا بنایا ہے اور تم کو اس کا ختم کرنے والا بنایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفاعت کی ایک طویل حدیث ذکر کرتے ہیں کہ قیامت میں شفاعت کیلئے مخلوق تمام اولوالعزم انبیاء کے پاس سے ناکارہ ہو کر آخر کار لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجئے تا کہ ہمارا حساب لے لے وہ فرمائیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میرے امتیوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا بنالیا تھا۔ لیکن بتلاؤ اگر کسی برتن کو بند کر کے اس پر مہر لگادی جائے کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو جب تک کہ اس کی مہر نہ توڑو۔ لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہوسکتا عیسیٰ علیہ السلام پھر فرمائیں گے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مہر ہیں آج موجود ہیں ان کی آئندہ اور گذشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں ان کے پاس جاؤ۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نوازش الٰہیہ کی طرف اشارہ فرمایا جو ازل میں خلعت نبوۃ پہنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معراج کی حدیث میں روایت فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ وہ بولے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ جب آپ کی دربار الٰہی میں رسائی ہوئی تو ارشاد ہوا کہ میں نے پیدائش کے لحاظ سے آپ کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر میں بھیجا۔ نبوت کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا آپ ہی کو بنایا ہے۔ خود ان آیات کریمہ کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **واذا اخذنا من النبیین میثاقھم** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا میں باعتبار پیدائش کے سب سے پہلا اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی ہوں۔ یہاں متعدد احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت و ابتدائے نبوت اور ختم نبوت کے متعلق اس لئے گوش گزار کی گئیں کہ ایک گمراہ اور ملعون فرقہ باوجود کھلی اور واضح تصریحات کے ''نبوت'' کے دروازہ کو کھلا رکھتا ہے تا کہ اس چودھویں صدی میں بھی غلام احمد قادیانی جیسے نبوت کے دعویدار پیدا ہوتے رہیں۔ مگر جیسا کہ ہر باطل کے خاتمہ کا ایک وقت ہوتا ہے۔ الحمد للہ کہ اس فرقہ قادیانی کو جو اہل اسلام

کے لئے قریب ایک صدی سے مارآستین بنا ہوا تھا۔ ماہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں حکومت پاکستان اور پاکستان کے اہل اسلام نے بالاتفاق اس فرقہ کے بانی غلام احمد کو کافر خارج از اسلام قرار دیا اور جو بھی اس کی نبوت کا قائل۔ معتقد یا متبع ہوا اس کو بھی کافر قرار دے کر کم از کم پاکستان سے تو قادیانیت کا جنازہ نکل گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فتنہ عظیم کی سرکوبی کے لئے پاکستان کو منتخب فرما کر ایک بڑا عزوشرف عطا فرمایا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اہل پاکستان کو اس دین اسلام کی خدمت اور اپنے پیارے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کے اس جرأت مندانہ اعلان کے صلہ میں اہل پاکستان کو اسلام سے سچا اور صحیح تعلق نصیب فرمادے اور اس سرزمین سے اسلام کی عظمت کا آفتاب چمکنے اور تمام دنیا کو روشن کرنے کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

ذکر یہ ہورہا تھا کہ یہاں آیت میں اول تو اجمالاً تمام انبیاء کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد وقول وقرار لیا تھا اور پھر ان میں سے پانچ اولوالعزم انبیاء کے نام لئے جن میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ تو یہاں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا اگر چہ اس دنیا میں ظہور آپ کا سب انبیاء کے بعد ہوا۔ اب یہ عہد کیا تھا اور کب لیا گیا تھا؟ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں اس میثاق کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا کہ جب عالم ارواح میں روز میثاق میں تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام کی پشت سے باہر نکالا تھا اور تمام بنی آدم سے عہد لیا تھا اور انبیاء سے بالخصوص عہد موثق لیا گیا تھا اور وہ اس بات کا عہد تھا کہ دین الٰہی کو قائم رکھیں۔ احکام الٰہی لوگوں کو سنائیں۔ خدا تعالیٰ کی رضامندی ہر بات پر مقدم رکھیں۔ باہم اتفاق رکھیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔

آیت میں آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض عہد لے کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس عہد کے بارہ میں قیامت میں وہ سوال کرنے والا ہے اور سوال اس لئے ہوگا تا کہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور ان کو انعام واکرام سے مالا مال فرمایا جائے اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔

یہاں آیت میں لفظ صادقین استعمال کر کے انبیاء علیہم السلام کا اپنے عہد کو پورا کرنا ظاہر فرمادیا پس ان کا تو اپنے عہد کو عملاً پورا کرنا ثابت ہوگیا۔ اب رہ گئے وہ کہ جن کو اتباع کا حکم تھا اور ان کو ترک اتباع پر وعید سنائی گئی کہ منکروں کو دردناک عذاب ہوگا اور اصحاب اتباع کو انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

اب آگے جنگ احزاب کے موقع پر جو اہل ایمان پر انعام فرمایا گیا وہ اہل ایمان کو یاد دلایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو افضل الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نبی رسالت کا حق ادا فرمادیا اور امانت کا حق ادا کردیا اور امت کی پوری خیر خواہی فرمادی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا

اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی

وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ

جوتم کو دکھائی نہ دیتی تھی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔ جبکہ وہ لوگ تم پر آچڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی

مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾

اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو	اذْكُرُوْا یاد کرو	نِعْمَةَ اللّٰهِ اللہ کی نعمت	عَلَيْكُمْ اپنے اوپر	اِذْ جَآءَتْكُمْ جب تم پر (چڑھ) آئے	جُنُوْدٌ لشکر		
فَاَرْسَلْنَا ہم نے بھیجی	عَلَيْهِمْ ان پر	رِيْحًا آندھی	وَّجُنُوْدًا اور لشکر	لَّمْ تَرَوْهَا تم نے انہیں نہ دیکھا	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	بِمَا اسے جو
تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	بَصِيْرًا دیکھنے والا	اِذْ جب	جَآءُوْكُمْ وہ تم پر آئے	مِّنْ سے	فَوْقِكُمْ تمہارے اوپر	وَ اور	مِنْ اَسْفَلَ نیچے سے
مِنْكُمْ تمہارے	وَاِذْ اور جب	زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کج ہوئیں (چندھیا گئیں) آنکھیں	وَبَلَغَتِ اور پہنچ گئے	الْقُلُوْبُ دل	الْحَنَاجِرَ گلے		
	وَتَظُنُّوْنَ اور تم گمان کرتے تھے	بِاللّٰهِ اللہ کے بارے میں	الظُّنُوْنَا بہت سے گمان				

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں اس عہد و پیمان اور قول وقرار کا بیان تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے لیا تھا اور اس عہد و پیمان کا نتیجہ بھی بتلایا گیا تھا تا کہ قیامت میں جب ہر ایک سے پوچھ پاچھ ہوتو سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزادی جائے۔ اس میں ایک طرح اطاعت الٰہیہ اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید تھی۔ اب آگے اللہ تعالیٰ اپنے ایک احسان اور فضلِ عظیم یعنی دوغزووں میں کامیابی اور بڑی پریشانی کا رفع ودفعہ ہونا یاد دلاتے ہیں تا کہ تذکرۂ نعمت سے اطاعتِ الٰہیہ اور اتباع رسول کی ترغیب ہو نیز سچے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین اور ان کے بالمقابل منکرین ومنافقین کے کچھ احوال اور ان کے ظاہری ثمرات ونتائج ذکر کئے جاتے ہیں۔ پہلے اس پورے رکوع میں غزوۂ احزاب جس کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں اس کا واقعہ یاد دلایا گیا اور پھر اگلے رکوع میں غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر فرمایا گیا۔ ان آیات کی تشریح سے پہلے جن میں جنگ احزاب کی طرف اشارہ ہے مناسب معلوم ہوگا کہ اس جنگ کے اسباب وحالات ونتائج وغیرہ کو مختصراً بیان کر دیا جائے تا کہ اس کی روشنی میں ان اور آئندہ آیات کا مطلب بخوبی سمجھا جا سکے۔ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال یہود کا ایک قبیلہ بنی النضیر مسلمانوں کے ہاتھوں مدینہ سے نکالا گیا اور اس کا واقعہ یوں پیش آیا کہ یہود بنی النضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی اور جب یہ راز فاش ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نوٹس دے دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ ورنہ اس کے بعد تم میں سے جو یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ منافقین مدینہ کے سردار عبداللہ بن اُبی نے ان یہود کو در پردہ شہ دی کہ تم ڈٹ جاؤ اور مدینہ چھوڑنے سے انکار کر دو۔ میں دو ہزار آدمیوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ دوسرے یہود قبیلہ بنی قریظہ وغیرہ تمہاری مدد کریں گے عرب کے دوسرے قبائل بھی تمہاری مدد کے لئے آ جائیں گے۔ چنانچہ یہود بنی النضیر نے اس کی باتوں میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم اپنا علاقہ نہیں چھوڑیں گے آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوٹس کی میعاد ختم ہوتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے حامیوں میں سے

کسی کی ہمت نہ پڑی کہ مدد کو آتا۔ آخر کار انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ ان میں سے ہر تین آدمی ایک اونٹ پر جو کچھ لاد کر لے جاسکتے ہیں لے جائیں گے اور باقی سب کچھ مدینہ ہی میں چھوڑ جائیں گے اس طرح مضافات مدینہ کا وہ محلّہ جس میں یہود بنی نضیر رہتے تھے۔ ان کے باغات اور سروسامان سمیت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا اور اس بدعہد قبیلہ کے لوگ ادھر ادھر تتر بتر ہو گئے۔ اس قبیلہ کے لوگ مخالفین اسلام کے ہر قبیلہ میں پھرے اور دورہ کر کے قریش اور دوسرے عرب قبائل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سب مل کر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ پر ٹوٹ پڑیں اور مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں۔ چنانچہ شوال ۵ھ مطابق ماہ فروری ۶۲۷ء میں ابوسفیان تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے ساز وسامان سے آراستہ۔ طاقت کے نشہ میں چور مدینہ پر چڑھائی کے لئے مکہ سے نکلا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی اس نقل وحرکت کا علم ہوا تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا یہ تھا **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** یعنی اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ہم اہل فارس کا دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر خندق کھود کر دشمن سے خود کو محفوظ کر لیتے اور اس کو مجبور بنا دیتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳ ہزار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر خندق کھودنے کے لئے خود بھی کمر بستہ ہو گئے۔ شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا تقریباً ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی گئی۔ یہ کام دس دس افراد کی ٹولیوں پر تقسیم کر دیا گیا اور ہر ٹولی نے ۴/۴ گز خندق تیار کی۔ چھ دن میں یہ پانچ گز گہری خندق اس طرح تیار ہوئی کہ اس کے کھودنے پتھر توڑنے اور مٹی ہٹانے میں خود سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا ایک بڑا حصہ تھا۔ اور روایات میں آتا ہے کہ سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے۔ کائناتِ انسانی کی تاریخ میں آقا اور غلام۔ حاکم اور محکوم۔ مخدوم اور خادم کے درمیان یہ وہ منظر تھا جو آنکھوں نے دیکھا اور کانوں سے سنا کہ دو جہان کے سردار ہاتھ میں کدال لئے تین دن کے فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے مہاجرین اور انصار کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف ہیں اور برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ یہ کس کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے جان نثار خادم اور عاشق صادق تھے کہ جو کسی حال بھی یہ نہ ہونا چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس خندق کے کھودنے اور مٹی کے اٹھانے کی محنت شاقہ میں ان کے شریک ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کے لئے اس محنت شاقہ میں برابر کا حصہ لیا اور آپ کی یہی عادت مبارکہ تھی کہ ہر محنت ومشقت اور تنگی وتکلیف میں آپ سب عوام مسلمین کی طرح ان میں شریک ہوتے تھے۔ **اللھم رب صلی وسلم علی رسول اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ۔**

ایک جگہ خندق کھودتے ہوئے پتھر کی ایک چٹان نکل آئی جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عاجز آ گئے۔ خدمت اقدس میں اس واقعہ کو پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی مشورہ یا حکم دینے کی بجائے خود ان کے ساتھ موقع پر تشریف لائے اور خندق کے اندر اتر کر اور کدال اپنے دستِ مبارک میں لے کر اس چٹان پر بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی اور ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا۔ اس کے بعد آپ نے دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی۔ تیسری مرتبہ پھر آپ نے ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہو گئی۔ اور پھر آپ خندق سے باہر تشریف لائے۔ **اللھم رب صلی وسلم علی رسول اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ۔**

الغرض سخت جاڑے کا موسم تھا۔ غلہ کی گرانی تھی۔ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے مگر دین حق کی حمایت اور عشق الٰہی میں سرشار زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے۔ صحابہ خندق کھودتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن الذین بایعو محمداً　　علی الجھاد مابقینا ابداً

(ہم وہ ہیں جنہوں نے زندگی بھر کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرلی ہے۔)

دوسری جانب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ دعائیہ کلمہ جاری تھا۔

اللهم ان العيش عيش الأخرة فاغفر الانصار والمهاجره

(خدایا عیش تو آخرت کا عیش ہے۔ پس تو انصار ومہاجرین کو مغفرت سے نواز)

الغرض اس طرح چھ روز میں ساڑھے تین میل لمبی خندق تیار ہوگئی۔ اور ادھر کفار کا لشکر آ پہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جمادیئے تقریباً ۲۰۔ ۲۵ روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ درمیان میں خندق حائل تھی۔ عرب کے لئے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی اور قریش اس پر دنگ رہ گئے۔ دور سے تیراندازی ہوتی تھی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میں دو دو ہاتھ ہوجاتے تھے۔ کفار کے یہ خیال میں ہی نہ تھا کہ مدینہ کے باہر خندق سے سابقہ پیش آئے گا کیونکہ اہل عرب اس وقت تک اس طریق دفاع سے ناآشنا تھے۔ ناچار انہیں جاڑے کے زمانہ میں ایک طویل محاصرہ کے لئے تیار ہونا پڑا جس کے لئے وہ گھروں سے تیار ہوکر نہ آئے تھے۔ بہرحال مسلمانوں کی جمعیت مدینہ میں محصور تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو مدینہ کے ایک محلّہ میں کردیا تھا۔ اسی عرصہ میں کفار نے ایک تدبیر یہ کہ کہ بنوقریظہ کے یہودی قبیلہ کو جو مدینہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں رہتا تھا انہیں غداری پر آمادہ کیا۔ چونکہ اس قبیلہ بنوقریظہ سے مسلمانوں کا باقاعدہ حلیفانہ معاہدہ تھا جس کی رو سے مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کرنے کا پابند تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے اس طرف سے بے فکر ہوکر اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک محلّہ میں جمع کردیا جو بنوقریظہ کی جانب تھا اور ادھر مدافعت کا کوئی انتظام بھی نہ کیا گیا تھا۔ کفار کے حملہ آور لشکریوں میں سے بنی نضیر کا ایک یہودی سردار قبیلہ بنوقریظہ کے پاس بھیجا گیا تاکہ انہیں کسی طرح معاہدہ توڑ کر جنگ میں شامل ہونے کے لئے آمادہ کرے۔ ابتداء تو بنوقریظہ نے انکار کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہے اور آج تک ہمیں کبھی ان سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی لیکن جب اس بنی نضیر کے یہودی سردار نے کہا کہ دیکھو میں اس وقت تمام عرب قبائل کی متحدہ طاقت مسلمانوں پر چڑھا لایا ہوں۔ یہ انہیں ختم کرنے کا نادر موقع ہے اس کو اگر تم نے کھو دیا تو پھر دوسرا ایسا موقع کوئی نہ مل سکے گا۔ تو یہودی ذہنیت کی اسلام دشمنی اخلاق کے پاس ولحاظ پر غالب آ گئی اور بنوقریظہ عہد توڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ سے بھی بے خبر نہ تھے۔ آپ کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی اور آپ نے فوراً انصار کے چند سرداروں کو بنوقریظہ کے پاس تحقیق حال اور فہمائش کے لئے بھیجا۔ یہ حضرات وہاں پہنچے تو بنوقریظہ کو پوری خباثت پر آمادہ پایا اور انہوں نے برملا ان انصار سرداروں سے کہہ دیا کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی عہد وپیمان نہیں ہے۔ یہ خبر بہت جلد مدینہ کے مسلمانوں میں پھیل گئی اور ان کے اندر اس سے سخت اضطراب پیدا ہوگیا کیونکہ اب وہ دونوں طرف سے گھیرے میں آ گئے تھے اور مدینہ کا وہ حصہ اب خطرہ میں پڑ گیا تھا جدھر دفاع کا بھی کوئی انتظام نہ تھا اور سب کے بال بچے بھی اسی جانب تھے۔ اس پر منافقین جو مسلمانوں میں ملے جلے ہوئے تھے ان کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور انہوں نے اہل ایمان کے حوصلہ پست کرنے کے لئے طرح طرح کے نفسیاتی حملے شروع کردیئے۔ کسی نے کہا کہ ہم سے وعدہ تو قیصر اور کسریٰ کے ملک کے فتح ہوجانے کے کئے جارہے تھے اور حال یہ ہے کہ اب ہم رفع حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے۔ کسی نے یہ کہہ کر خندق کے محاذ سے رخصت مانگی کہ اب تو ہمارے گھر اور بال بچے ہی خطرہ میں پڑ گئے ہیں ہمیں جاکر ان کی حفاظت کرنی ہے۔ کسی نے یہاں تک خفیہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ حملہ آوروں سے اپنا معاملہ درست کرلو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ کردو۔ یہ ایسی شدید آزمائش کا وقت تھا کہ صرف صادق اور مخلص اہل ایمان ہی تھے جو اس نازک اور کڑے وقت میں فداکاری کے عزم پر ثابت قدم رہے۔ محاصرہ کی وجہ سے مدینہ میں سخت بے چینی پھیل گئی تھی۔ رسد کی قلت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تین تین فاقہ گزر گئے۔

ایک روز مضطر ہو کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹ کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے کہ سب نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ادھر محاصرین جب خندق عبور نہ کر سکے تو وہیں سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ جانبین سے مسلسل تیراندازی ہوئی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو دن بھر ایسا مشغول رہنا پڑا کہ نماز کے لئے بھی ذرا سی مہلت نہ ملی۔ چار نمازیں قضا ہوئیں۔ جو عشا کے وقت پڑھی گئیں۔ اب محاصرہ ۲۵ دن سے زیادہ طویل ہو چکا تھا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ بالآخر خداوند تعالیٰ نے اس بے سروسامان جماعت کی امداد فرمائی ایک نومسلم صحابی کے ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے حملہ آور مشرکین اور یہودی بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر کفار کے دلوں کو خداتعالیٰ کا نہ دکھائی دینے والا فرشتوں کا لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات لشکر کفار پر برفانی ہوا کا ایک ایسا طوفان چلا دیا جس سے ریت اور سنگریزے اڑ اڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولہے بجھ گئے۔ دیگچے زمین پر اوندھے جا پڑے۔ کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ رہی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے۔ لشکر پریشان ہو گیا۔ سردی اور آندھی ناقابل برداشت بن گئی۔ آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی وہاں سے کوچ کر جانے کا حکم دیا اور ناچار سب ناکام و نامراد راتوں رات واپس ہو گئے۔ صبح جب مسلمان اٹھے تو میدان میں ایک دشمن بھی نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کو دشمنوں سے خالی دیکھ کر فوراً ارشاد فرمایا کہ اب قریش کے لوگ تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔ غزوۂ خندق سے پلٹ کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے تو ظہر کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر حکم سنایا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولے جائیں۔ بنی قریظہ کا معاملہ باقی ہے۔ ان سے بھی اسی وقت نمٹ لینا چاہئے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ کوئی عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک دیار بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے۔ غزوۂ احزاب کی کچھ تفصیلات تو آپ کے سامنے آ گئیں اب غزوۂ بنی قریظہ کی تفصیلات انشاء اللہ تیسرے رکوع میں جہاں ان کا ذکر فرمایا گیا ہے وہاں بیان ہوں گی۔ اب غزوۂ احزاب کی ان تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

جیسا کہ ابتدا میں اوپر عرض کیا گیا...... اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی ترغیب کے لئے اہل ایمان کو خطاب کر کے اپنا احسان اور فضل یاد دلاتے ہیں کہ اے ایمان والو اس سخت وقت کو یاد کرو جب کہ تمہارے اوپر لشکر چڑھ آئے تھے اور جب تم ہر طرف سے گھر گئے تھے اور تمہاری سخت حالت ہو گئی تھی۔ مراد اس سے جنگ احزاب ہے تو ہم نے دشمنوں کو ہزیمت دے کر تم سے ٹال دیا اور سخت ٹھنڈی ہوا چلا دی اور فرشتوں کا لشکر جو تمہیں دکھائی نہ دیتا تھا بھیج دیا تمہاری حالت یہ تھی کہ مدینہ کی مشرق کی طرف سے جو اونچا علاقہ تھا اور مغرب کی طرف سے جو نیچا حصہ تھا تمہیں دشمنوں نے اکٹھے ہو کر گھیر لیا تھا اور دہشت کے مارے تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ جیسا کہ خوف کے وقت ہوا کرتا ہے اور تمہارے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ گئے تھے۔ یہ ایک محاورہ عرب کی بات ہے جو شدت خوف کے وقت کہا کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں کہ ناک میں دم آ گیا تھا یا کہا کرتے ہیں کہ دل باہر نکل پڑا اور تم اللہ تعالیٰ سے طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے یعنی سچے اور ایمان دار تو یہی کہتے تھے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اسلام ضرور فتحیاب ہو گا مگر منافقین کہتے کہ ہم مصیبت میں پڑ گئے۔ بس اب کے خاتمہ ہے۔ ایسی مصیبت پہلے کبھی نہ آئی تھی۔ اب کے شاید ہی بچیں۔ کوئی کہتا کہ اس دل بادل فوج سے جیتنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کمزور یقین والوں کے منہ سے بھی یاس و ہراس کے کلمے نکل جاتے تھے۔

مزید واقعات و حالات اسی جنگ احزاب کے اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور اس جنگ میں منافقین کا کیا طرز عمل رہا وہ بتلایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي 9

اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔ اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے

قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ

یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور جب کہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو!

يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ

تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو لوٹ چلو اور بعض لوگ ان میں نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ محض بھاگنا ہی چاہتے تھے۔ اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے اُن پر کوئی آگھسے پھر اُن سے فساد کی درخواست کی جائے

الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ

تو یہ اُس کو منظور کرلیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔

لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ

اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی۔ آپ فرما دیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہوسکتا اگر تم

مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ

موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچا سکے،

مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ

اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل سے تم کو روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے اور خدا کے سوا نہ کوئی

دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾

اپنا حامی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

هُنَالِكَ یہاں	ابْتُلِيَ آزمائے گئے	الْمُؤْمِنُونَ مومن	وَزُلْزِلُوا اور وہ ہلائے گئے	زِلْزَالًا ہلایا جانا	شَدِيدًا شدید	وَإِذْ اور جب	يَقُولُ کہنے لگے
الْمُنَافِقُونَ منافق	وَالَّذِينَ اور وہ جن کے	فِي قُلُوبِهِمْ دلوں میں	مَرَضٌ روگ	مَا وَعَدَنَا جو ہم سے وعدہ کیا	اللَّهُ اللہ	وَرَسُولُهُ اور اس کا رسول	
إِلَّا مگر (صرف)	غُرُورًا دھوکہ دینا	وَإِذْ اور جب	قَالَتْ کہا	طَائِفَةٌ ایک گروہ	مِنْهُمْ ان میں سے	يَا أَهْلَ يَثْرِبَ اے یثرب (مدینہ) والو	

لَا مُقَامَ کوئی جگہ نہیں	لَکُمْ تمہارے لئے	فَارْجِعُوْا لہٰذا تم لوٹ چلو	وَيَسْتَاْذِنُ اور اجازت مانگتا تھا	فَرِيْقٌ ایک گروہ	مِّنْهُمُ ان میں سے	النَّبِيَّ نبی سے	
يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے تھے	اِنَّ بیشک	بُيُوْتَنَا ہمارے گھر	عَوْرَةٌ غیر محفوظ	وَمَا هِيَ حالانکہ وہ نہیں	بِعَوْرَةٍ غیر محفوظ	اِنْ يُّرِيْدُوْنَ وہ نہیں چاہتے	
اِلَّا مگر (صرف)	فِرَارًا فرار	وَلَوْ اور اگر	دُخِلَتْ داخل ہو جائیں	عَلَيْهِمْ ان پر	مِّنْ سے	اَقْطَارِهَا اس (مدینہ) کے اطراف	ثُمَّ پھر
سُئِلُوا ان سے چاہا جائے	الْفِتْنَةَ فساد	لَاٰتَوْهَا تو وہ ضرور اسے دیں گے	وَ اور	مَا تَلَبَّثُوْا نہ دیر لگائیں گے	بِهَا اس (گھر) میں		
اِلَّا مگر (صرف)	يَسِيْرًا تھوڑی سی	وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا حالانکہ وہ عہد کر چکے تھے	اللّٰهَ اللہ	مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے	لَا نہ		
يُوَلُّوْنَ پھیریں گے	الْاَدْبَارَ پیٹھ	وَكَانَ اور ہے	عَهْدُ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	مَسْئُوْلًا پوچھا جانیوالا	قُلْ فرمادیں	لَنْ يَّنْفَعَكُمُ تمہیں ہرگز نفع نہ دیگا	
الْفِرَارُ فرار	اِنْ اگر	فَرَرْتُمْ تم بھاگے	مِّنَ الْمَوْتِ موت سے	اَوِ یا	الْقَتْلِ قتل	وَاِذًا اور اس صورت میں	لَا تُمَتَّعُوْنَ نہ فائدہ دیئے جاؤ گے
اِلَّا قَلِيْلًا مگر (صرف) تھوڑا	قُلْ فرمادیں	مَنْ ذَا کون جو	الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ وہ جو تمہیں بچائے	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے	اِنْ اگر		
اَرَادَ بِكُمْ وہ چاہے تم سے	سُوْٓءًا برائی	اَوْ یا	اَرَادَ بِكُمْ چاہے تم سے	رَحْمَةً مہربانی	وَ اور	لَا يَجِدُوْنَ وہ نہ پائیں گے	
لَهُمْ اپنے لئے	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	وَلِيًّا کوئی دوست	وَلَا نَصِيْرًا اور نہ مددگار				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے اپنا وہ احسان اور فضل یاد دلایا تھا جو غزوۂ احزاب یا جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں پر فرمایا جبکہ کفار ومشرکین و یہود نے مل کر پوری طاقت اور پورے جتھے سے مسلمانوں کو مٹانے کے ارادہ سے زبردست لشکر لے کر حملہ کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اہل ایمان کے لئے واقعی یہ بڑی سخت آزمائش کا وقت تھا۔ اہل ایمان کی پختگی اور استقامت کا زبردست امتحان تھا۔ شدید سردی کا موسم۔ غلہ کی گرانی وکمیابی۔ صحابہ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ اس پر بھی ہمت اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ پتھریلی زمین کی کھدائی شب و روز اپنے ہاتھوں سے جاری تھی۔ بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب خندق کھودی جارہی تھی تو میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ تین دن سے آپ نے کچھ نہ کھایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں گھر آیا اور بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے معلوم ہوتے ہیں۔ بیوی نے بوری سے جو نکالے جو ایک صاع تھے (یعنی ہمارے وزن سے قریب ساڑھے تین سیر) گھر میں بکری کا ایک بچہ پلا ہوا تھا۔ وہ میں نے ذبح کیا اتنے میں بیوی نے آٹا پیس لیا اور گوشت کاٹ کر ہانڈی میں چڑھا دیا۔ پھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بیوی نے چلتے وقت کہا کہ دیکھو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ مت کرنا کہ بہت سے آدمی آجائیں اور کھانا تھوڑا ہو جائے۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے عرض کیا۔ میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع کا آٹا پیسا ہے۔ آپ اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر چلئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اے خندق والو! جلدی چلو۔ جابر نے کھانا پکایا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم چلو مگر میرے آنے تک نہ ہانڈی اتارنا اور نہ خمیر کی روٹیاں پکانا۔ میں چلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو لے کر آنے کے لئے تیار ہونے لگے میں نے آکر بیوی سے سب باتیں کہہ دیں تو وہ گھبرا گئی اور کہا تم نے یہ کیا کیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تمہاری بات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دی تھی۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خمیر میں لعاب دہن ملایا اور دعائے برکت فرمائی پھر فرمایا اے جابر روٹی پکانے والی کو بلاؤ وہ میرے سامنے روٹی پکائے اور ہانڈی سے گوشت نکالے اور اسے چولہے سے نہ اتارے آخر سب نے پیٹ بھر کر کھالیا۔ ہانڈی اسی طرح پک رہی اور ابل رہی تھی اور روٹیاں پکائی جارہی تھیں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں خدا کی قسم کھانے والے ایک ہزار تھے سب نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا ہانڈی میں گوشت بھرا ہوا تھا اور روٹیاں برابر پک رہی تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی سے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ

اور اپنے آدمیوں کو بھی حصہ روانہ کرو کیونکہ آج کل بھوک سے سب پریشان ہو رہے ہیں۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ ورنہ بخاری ہی کی ایک حدیث ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک ایک مٹھی جو آتے پھر ان کو بدمزہ چربی میں پکا کر سب مل کر کھا لیتے حالانکہ وہ حلق کو پکڑتی تھی اور اس میں سے بو آتی تھی غرض کہ سردی کے علاوہ کھانے پینے کی بھی تنگی تھی اور پھر بنی قریظہ کے یہودیوں نے دفعتہً معاہدہ توڑ کر سخت بے چینی پیدا کر دی تھی۔ پھر منافقین دل کے کھوٹے جو بظاہر مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے وہ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ کوئی کہتا کہ اب وہ اللہ اور اس کے رسول کے وعدہ کہاں گئے۔ ہمیں تو بڑا سخت دھوکہ دیا گیا۔ بعض منافقین مسلمانوں کو بہکانے لگے اور ان کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ اے یثرب کے باشندو! یثرب مدینہ طیبہ کا پرانا نام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ''مدینۃ النبی'' کہلایا جانے لگا پھر بعد میں اختصار کر کے مدینہ کہنے لگے۔ تو منافقین اہل ایمان سے کہتے کہ دیکھتے ہو کہ صورت حال کیا ہے؟ سارے عرب اکٹھا ہو کر ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ بنو قریظہ نے بھی جو اپنا عہد و پیمان ہم سے کر رکھا تھا توڑ دیا ہے اب ہم خندق پر اس عرب کے جم غفیر اور عظیم لشکر کے سامنے پڑے رہیں تو اس سے کیا فائدہ اب ہمارے یہاں ٹھہرنے کا کچھ کام نہیں صاف ظاہر ہے کہ کیا انجام ہونے والا ہے چلو گھر لوٹ چلیں۔ یہاں رہنا موت کے منہ میں جانا ہے۔ چنانچہ بعض منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور عرض کیا کہ شہر میں ہمارے گھر کھلے ہوئے غیر محفوظ پڑے ہیں۔ خبر نہیں کیا ہو جائے۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ شہر جا کر گھروں کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں صرف عورتیں بچے رہ گئے ہیں دیواریں قابل اطمینان نہیں کبھی چور وغیرہ نہ گھس آئیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے حتیٰ کہ آپ کے ساتھ صرف مخلص اہل ایمان ہی رہ گئے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب بھاگ جانے کے بہانے تھے۔ گھروں کی حفاظت کا بہانہ ایک جھوٹا بہانہ ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کے دل اسلام کی طرف پورے جھکے ہی نہیں۔ اس وقت جو کفار کا ہجوم دیکھا اور بظاہر مسلمانوں کی فتح کا کوئی نشان نظر نہ آیا تو میدان جنگ سے بھاگ کر گھر میں جا کر بیٹھ رہنے کی سوجھی بالفرض مدینہ کے باہر سے کوئی غنیم ادھر ادھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر ان سے لڑو اور فتنہ فساد برپا کرو تو یہ فوراً ان کا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں اور ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکل پڑیں۔ اسلام کے ظاہری دعوے سے دست بردار ہو کر فوراً فتنہ فساد کی آگ میں کود پڑیں اس وقت تو فوراً گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔ نہ گھروں کی حفاظت کا بہانہ کریں اور نہ شکست کا خیال دل میں لائیں۔ منافقین کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ وہی تو ہیں جنہوں نے جنگ اُحد کے بعد عہد کیا تھا کہ آئندہ کبھی میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر نہ بھاگیں گے۔ اب یہ اس عہد کی خلاف ورزی کیسی۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کے ساتھ جو عہد کیا جائے گا اللہ کی طرف سے اس کی پوچھ ہوگی۔ اور عہد توڑنے پر اس کی سزا ملے گی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو بتلا دیں کہ تم جو بھاگے بھاگے پھرتے ہو تو موت یا قتل کئے جانے کے ڈر سے بھاگنا بے سود ہے جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی۔ اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہو گیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اللہ کے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ نہ کوئی تدبیر و حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی و نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو۔ ہر چیز اللہ کے اختیار اور ارادہ کے تحت ہے اگر اس نے حکم دے دیا ہے کہ تمہیں برائی پہنچے تو وہ پہنچ کر رہے گی اگر اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہیں اچھائی اور خوشی نصیب ہو تو ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ اس کے فیصلہ کے بعد نہ کوئی برائی سے بچا سکے اور نہ کوئی اس کی رحمت سے روک سکے۔ انہیں ماننا پڑے گا کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی نہ ساتھی ہے نہ حمایتی اور نہ مددگار۔

ابھی منافقین کی مذمت اور تشنیع اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ

اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے (نسبی یا وطنی) بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ، اور لڑائی میں

الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ

بہت ہی کم آتے ہیں۔ تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے سو جب خوف پیش آتا ہے تو اُن کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں

اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ

کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، پھر جب وہ خوف دور ہوجاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں

اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

مال پر حرص لئے ہوئے، یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کررکھے ہیں، اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي

ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (ابھی تک) یہ لشکر گئے نہیں، اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (پھر لوٹ کر) آجاویں تو (پھر تو) یہ لوگ (اپنے لئے) یہی پسند کریں

الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع

کہ کاش ہم دیہاتوں میں باہر جا رہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔

قَدْ يَعْلَمُ خوب جانتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الْمُعَوِّقِيْنَ روکنے والے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالْقَآئِلِيْنَ اور کہنے والے	لِاِخْوَانِهِمْ اپنے بھائیوں سے		
هَلُمَّ آجاؤ	اِلَيْنَا ہماری طرف	وَلَا يَاْتُوْنَ اور نہیں آتے	الْبَاْسَ لڑائی	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا بہت کم	اَشِحَّةً بخل کرتے ہوئے	عَلَيْكُمْ تمہارے متعلق
فَاِذَا جَآءَ پھر جب آئے	الْخَوْفُ خوف	رَاَيْتَهُمْ تم دیکھو گے انہیں	يَنْظُرُوْنَ وہ دیکھنے لگتے ہیں	اِلَيْكَ تمہاری طرف	تَدُوْرُ گھوم رہی ہیں		
اَعْيُنُهُمْ انکی آنکھیں	كَالَّذِيْ اس شخص کی طرح	يُغْشٰى غشی آتی ہے	عَلَيْهِ اس پر	مِنَ الْمَوْتِ موت سے	فَاِذَا پھر جب	ذَهَبَ چلا جائے	
الْخَوْفُ خوف	سَلَقُوْكُمْ تمہیں طعنے دینے لگیں	بِاَلْسِنَةٍ زبانوں سے	حِدَادٍ تیز	اَشِحَّةً بخیلی (لالچ) کرتے ہوئے	عَلَى الْخَيْرِ مال پر	اُولٰۗىِٕكَ یہ لوگ	
لَمْ يُؤْمِنُوْا نہیں ایمان لائے	فَاَحْبَطَ اللّٰهُ تو اکارت کردیئے اللہ نے	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل	وَكَانَ اور ہے	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرًا آسان	
يَحْسَبُوْنَ وہ گمان کرتے ہیں	الْاَحْزَابَ لشکر	لَمْ يَذْهَبُوْا نہیں گئے ہیں	وَاِنْ يَّاْتِ اور اگر آئیں	الْاَحْزَابُ لشکر	يَوَدُّوْا وہ تمنا کریں	لَوْ اَنَّهُمْ کہ کاش وہ	
بَادُوْنَ باہر نکلے ہوئے	فِي الْاَعْرَابِ دیہات میں	يَسْاَلُوْنَ پوچھتے رہتے	عَنْ سے	اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ تمہاری خبریں	وَلَوْ اور اگر	كَانُوْا ہوں	
فِيْكُمْ تمہارے درمیان	مَا قٰتَلُوْا جنگ نہ کریں	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا بہت کم				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مومنین مخلصین کے مقابلہ میں منافقین کی حالت جنگ احزاب کے موقع پر بیان کی گئی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے غلبہ و اثرات کو دیکھ کر بعض یہود وغیرہ محض پالیسی کے ماتحت ظاہراً مسلمان بن گئے تھے اور مسلمانوں کی طرح ان میں مل کر نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور دوسرے سب اسلامی اعمال بجالاتے تھے۔اور جہاد میں بھی دکھلاوے کے لئے شریک ہوجاتے تھے مگر جنگ سے جان بچانے کے لئے حیلہ بہانہ ڈھونڈتے تھے تو ایسے لوگوں کی جن کے دلوں میں نفاق اور شک کا مرض بھرا ہوا تھا اور صدق دل سے اخلاص کے ساتھ اسلام قبول نہیں کیا تھا ان کی مذمت فرمائی گئی تھی۔

انہیں منافقین کے بعض احوال اور اقوال جو ان سے اس جنگ احزاب کے موقعہ پر ظاہر ہوئے ان آیات میں بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں گھسے ہوئے ہیں اور ظاہری وضع داری اور دکھاوے کو شرماشرمی کبھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے مزا اڑاتے ہیں اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں جانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لشکر کو چھوڑو اور ہمارے پاس آ جاؤ وہاں اپنی جان کیوں کھوتے ہو۔روایات میں آتا ہے کہ ایک منافق نے یہ بات اپنے حقیقی بھائی سے کہی تھی اور اس وقت یہ کہنے والا بھنا ہوا گوشت اور روٹیاں کھا رہا تھا۔مسلمان بھائی نے کہا کہ افسوس تو اس چین میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تکلیف میں۔تو اس پر وہ بولا کہ تم بھی یہیں چلے آؤ۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں۔اپنی محنت۔اپنے اوقات۔اپنی فکر۔اپنے مال کوئی چیز بھی وہ جہاد اور مسلمانوں کی ہمدردی اور بہی خواہی میں صرف کرنے کے لئے بخوشی تیار نہیں ہیں جبکہ مومنین صادقین اپنا سب کچھ جھونکے دے رہے ہیں اور جان کی بازی لگانا تو بڑی چیز ہے وہ کسی کام میں بھی کھلے دل سے اہل ایمان کا ساتھ دینا نہیں چاہتے۔ان کی بزدلی۔حرص اور بخیلی کی تو یہ کیفیت ہے کہ وہ جنگ میں آتے ہی نہیں مگر کبھی کبھی کہ جس میں ذرا نام ہوجاوے اور مسلمان ان سے بالکل ہی بدک نہ جائیں۔ہاں مال غنیمت حاصل کرنے کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہمیں سمیٹ کر لے جائیں۔جب کوئی خوف اور خطرہ کا وقت آجاتا ہے تو چہرہ پر مردنی چھا جاتی ہے اور ایسے اڑے وقت میں رفاقت سے جی چراتے ہیں۔ڈر کے مارے جان نکلتی ہے۔اور خوف وخطر کا وقت جاتا رہا تو آ کر باتیں بناتے ہیں۔اور زبان کی بڑی تیزی دکھاتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر مطالبہ کرتے ہیں کہ لاؤ ہمارا حصہ۔ہم نے بھی خدمات انجام دی ہیں۔ہماری ہی پشت پناہی سے یہ فتح حاصل ہوئی ہے۔اپنے مصنوعی کارنامے جتانے لگتے ہیں اور دوسروں کو طعنے دیتے ہیں کہ واہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ان لوگوں کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے دل میں ایمان کا نام نہیں۔اور جب اللہ ورسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں یعنی ظاہراً اسلام قبول کر لینے کے بعد جو نمازیں انہوں نے پڑھیں یا جو روزے رکھے یا جو زکوتیں دیں اور بظاہر جو نیک کام بھی کئے ان کاموں کی اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں۔ان سب کو اللہ تعالیٰ کالعدم قرار دے گا اور ان کا کوئی اجر وثواب آخرت میں نہ ملے گا۔بغیر ایمان کچھ بھی کرے سب اکارت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ اعمال کی ظاہری شکل پر نہیں ہوتا بلکہ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ اس ظاہر کی تہ میں ایمان وخلوص ہے یا نہیں تو جب یہ چیز سرے سے ان کے اندر موجود ہی نہیں تو یہ دکھاوے کے اعمال سراسر بے معنی ہیں۔

آیت کا یہ حصہ **اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم.** یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔پس اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کر رکھے ہیں۔غور کا مقام ہے کہ اس وقت کے منافقین یعنی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منافقین جو اللہ اور رسول کا ظاہراً اقرار کرتے تھے۔نمازیں بھی پڑھتے تھے۔روزے بھی رکھتے تھے۔اور مسلمانوں کے ساتھ دوسرے نیک کاموں میں بھی ظاہراً شریک

ہوتے تھے ان کے بارے میں صاف صاف فیصلہ دیا گیا کہ یہ لوگ سرے سے ایمان لائے ہی نہیں اور بے ایمان کچھ ہی کرے سب اکارت ہے۔ اس کے اعمال کوئی وزن اور قیمت نہیں رکھتے ان پر کوئی اجر وثواب آخرت میں نہیں۔ رہے اس وقت کے منافقین وہ تو نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں نہ ظاہراً شریعت کے احکام کی پابندی کریں لیکن پھر بھی اسلام اور ایمان کے لمبے چوڑے دعوے ہیں۔ لیکن وہ اپنی حقیقت کو سن لیں اُولٰئِک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم سورۂ بقرہ میں منافقین کے ذکر کے سلسلہ میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخرۃ وما ھم بمؤمنین یخٰدعون اللہ والذین اٰمنوا.

اور لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان والے ہیں)

تو جیسے پہلے منافقین اسلام کا لیبل لگا کر اسلام کو جڑ بنیاد سے اکھیڑنا اور ختم کرنا چاہتے تھے اسی طرح موجودہ دور کے منافقین جو بظاہر اسلام کا نام لیتے ہیں مگر دل سے حقیقی اسلام کو مسخ کر کے ایک ماڈرن اسلام کے خواہشمند ہیں کہ جس میں نہ حلال حرام کی تمیز ہو۔ نہ جائز و ناجائز کی قید ہو۔ نہ نماز روزہ کی پابندی ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے مار آستینوں سے اس ملک کو پاک فرمائیں۔

آگے انہی منافقین مدینہ کی بزدلی کی حالت بیان کی گئی کہ کفار کی فوجیں ناکام واپس جا چکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا اور بالفرض کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو ان کی تمنا یہی ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں اور کہیں دور دیہات میں چلے جائیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتاویں اور لڑائی میں کام نہ دیں۔ محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔

تو جنگ احزاب کے موقع پر منافقوں کی کفار کے لشکر عظیم کو دیکھ کر جو حالت ہوئی اور جو ان کے منہ سے باتیں نکلیں اس کا بیان ہوا۔ اب آگے اس کا بیان ہے کہ ایماندار مخلص مومنین کی دشمنوں کو دیکھ کر کیا حالت ہوئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ شک ونفاق کی بیماریوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں اور حقیقی ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائیں۔ اور دکھانے سنانے کے لئے اعمال کرنا جو منافقوں کی خصلت ہے اس سے ہم کو محفوظ رکھیں اور ہر حال میں ہم کو اخلاص کے ساتھ دین سے وابستہ رہنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔ یا اللہ! اپنے دین کی خدمت کے لئے ہم کو بھی توفیق عطا فرما اور کسی نہ کسی درجہ میں دین کے لئے ہمیں بھی جانی مالی قربانی کی سعادت نصیب فرما۔ یا اللہ! اب باطل اور کفار ومشرکین سے جنگ وجہاد کا جذبۂ ایمانی امت مسلمہ کے دلوں میں بھی سرد پڑ گیا ہے۔ دنیا کی محبت اور مال کی حرص پیدا ہوگئی ہے۔

یا اللہ! ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طفیل میں جنہوں نے دین اسلام کے لئے ہر طرح کی جان ومال کی قربانی دے کر اسلام کی حفاظت فرمائی اور دنیا میں پھیلا دیا۔ ہمیں بھی اپنے دین اسلام کے لئے جانی ومالی قربانی جس کا اسلام مطالبہ کرے دینے کا عزم وہمت عطا فرما۔ یا اللہ! ہمیں اپنے دین اسلام کا سچا وفادار سپاہی بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہمیں موت نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

تم لوگوں کیلئے یعنی ایسے شخص کیلئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا

وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ

ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ اور جب ایمانداروں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ ورسول نے خبر دی تھی اور اللہ ورسول نے سچ فرمایا تھا

وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا

اور اس سے ان کے ایمان اور طاعت میں ترقی ہوگئی۔ ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا

مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾

اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے، پھر بعضے تو اُن میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے اُن میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر وتبدل نہیں کیا۔

لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ

یہ واقعہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے

إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى

بیشک اللہ غفور الرحیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کی کچھ بھی مُراد پُوری نہ ہوئی اور جنگ میں

اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٥﴾

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کیلئے آپ ہی کافی ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے۔

لَقَدْ كَانَ البتہ ہے یقیناً	لَكُمْ تمہارے لئے	فِي میں	رَسُولِ اللَّهِ اللہ کا رسول	أُسْوَةٌ مثال (نمونہ)	حَسَنَةٌ اچھا بہترین	لِّمَنْ اس کیلئے جو		
كَانَ يَرْجُوا امید رکھتا ہے	اللَّهَ اللہ	وَالْيَوْمَ الْآخِرَ اور روز آخرت	وَذَكَرَ اللَّهَ اور اللہ کو یاد کرتا ہے	كَثِيرًا کثرت سے	وَلَمَّا اور جب			
رَأَ الْمُؤْمِنُونَ مومنوں نے دیکھا	الْأَحْزَابَ لشکروں کو	قَالُوا وہ کہنے لگے	هَٰذَا یہ ہے	مَا وَعَدَنَا جو ہم کو وعدہ دیا	اللَّهُ اللہ	وَرَسُولُهُ اور اس کا رسول		
وَصَدَقَ اور سچ کہا تھا	اللَّهُ اللہ	وَرَسُولُهُ اور اس کا رسول	وَمَا اور نہ	زَادَهُمْ ان کا زیادہ کیا	إِلَّا مگر	إِيمَانًا ایمان	وَتَسْلِيمًا اور فرماں برداری	
مِنَ سے (میں)	الْمُؤْمِنِينَ مومن	رِجَالٌ ایسے آدمی	صَدَقُوا انہوں نے سچ کر دکھایا	مَا عَاهَدُوا جو انہوں نے عہد کیا	اللَّهَ اللہ	عَلَيْهِ اس پر	فَمِنْهُمْ سو ان میں سے	
مَنْ جو	قَضَىٰ پورا کر چکا	نَحْبَهُ نذر اپنی	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَنْ جو	يَنتَظِرُ انتظار میں ہے	وَمَا بَدَّلُوا اور انہوں نے تبدیلی نہیں کی		
تَبْدِيلًا کچھ بھی تبدیلی	لِّيَجْزِيَ تاکہ جزا دے	اللَّهُ اللہ	الصَّادِقِينَ سچے لوگ	بِصِدْقِهِمْ ان کی سچائی کی	وَيُعَذِّبَ اور وہ عذاب دے			
الْمُنَافِقِينَ منافقوں	إِن شَاءَ اگر وہ چاہے	أَوْ یا	يَتُوبَ عَلَيْهِمْ وہ ان کی توبہ قبول کرلے	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	غَفُورًا بخشنے والا		
رَّحِيمًا مہربان	وَرَدَّ اور لوٹا دیا	اللَّهُ اللہ	الَّذِينَ كَفَرُوا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کافر	بِغَيْظِهِمْ انکے غصے میں بھرے ہوئے	لَمْ يَنَالُوا انہوں نے نہ پائی			
خَيْرًا کوئی بھلائی	وَكَفَى اور کافی ہے	اللَّهُ اللہ	الْمُؤْمِنِينَ مومن	الْقِتَالَ جنگ	وَكَانَ اور ہے	اللَّهُ اللہ	قَوِيًّا توانا	عَزِيزًا غالب

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منافقین جو مسلمانوں میں ملے جلے ہوئے تھے ان کا رویہ اور ان کے اقوال واحوال کا بیان تھا جو انہوں نے جنگ احزاب کے موقع پر ظاہر کیا۔ منافقین کی مذمت فرماتے ہوئے یہ صاف صاف اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمادیا گیا کہ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار اور ضائع کر دیئے اور آخرت میں انہیں کوئی اجر وثواب کسی عمل پر نہیں ملے گا۔ آگے اب ان آیات میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو ایک بہترین نمونہ ہونا بتلایا گیا کہ اس جنگ احزاب کے موقع پر بھی جو صبر وتحمل اور استقامت اور عدیم المثال شجاعت اور اخوت ومساوات کی مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیں وہ اس قابل ہیں کہ ہر مدعی اسلام انہیں اپنی زندگی کا جزو عظیم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی متصف ہونے کی کوشش کریں۔ جو لوگ اس موقع پرست پٹار ہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کر رہے تھے ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم نے میرے نبی کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو تم میں موجود تھے ان کا نمونہ تمہارے سامنے موجود تھا تمہیں صبر واستقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ استقامت اور ثابت قدمی اور استقلال واطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے نمونہ اور نظیر نہ بناتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ ہر مشقت جس کا آپ نے دوسروں سے مطالبہ کیا اسے برداشت کرنے میں آپ خود بنفس نفیس سب کے ساتھ شریک تھے۔ بلکہ دوسروں سے بڑھ کر ہی آپ نے حصہ لیا۔ کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اٹھائی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اٹھائی ہو۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کے کھودنے ۔ پتھر کے توڑنے اور مٹی کے اٹھانے میں آپ خود شامل تھے۔ بھوک اور سردی کی تکلیف اٹھانے میں ایک ادنیٰ مسلمان کے ساتھ آپ کا حصہ بالکل برابر کا تھا۔ محاصرے کے دوران میں آپ ہر وقت محاذ جنگ پر موجود رہے اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس جہاد کے ادائے فرض، اور مشغولیت میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جیسا فریضہ قضا ہو گیا اور ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عصر کی نماز مغرب کے وقت ادا فرمائی۔ بنی قریظہ کی غداری کے بعد جس خطرے میں تمام مسلمانوں کے بال بچے مبتلا تھے اسی حال میں آپ کے گھر والے بھی مبتلا تھے۔ آپ نے اپنی حفاظت اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لئے کوئی خاص اہتمام نہ فرمایا کہ جو دوسرے مسلمانوں کے لئے نہ ہو۔ جس مقصد عظیم کے لئے آپ دوسروں سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اسی پر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر آپ خود اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار تھے۔ اس لئے جو کوئی بھی آپ کے اتباع کا مدعی تھا اسے یہ نمونہ دیکھ کر اس کی پیروی کرنی چاہئے تھی۔ یہ تو اس ارشاد **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** (بالیقین تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ تھا) موقع اور محل کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم ہوا جو اوپر عرض کیا گیا مگر آیت کے الفاظ عام ہیں اور اس کے منشا کو صرف اسی معنی تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف اسی لحاظ سے اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے بلکہ مطلقاً آپ کی ذات کو نمونہ قرار دیا لہٰذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک کلمہ گو ہر معاملہ میں آپ کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ کی زندگی سمجھے اور اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال واحوال کا اقتدا اور پیروی اور تابعداری کرے اور ہر معاملہ میں اور ہر حرکت وسکون اور نشست و

برخاست میں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ظاہراً وباطناً تمام احوال میں نصیب فرمائیں۔ آمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد آگے اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طرزِ عمل اور ان کے اقوال واحوال کو بیان فرماتے ہیں تاکہ ایمان کے جھوٹے مدعیوں اور سچے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والوں کا کردار ایک دوسرے کے مقابلہ میں پوری طرح نمایاں ہوجائے اور یہ صاف معلوم ہوجائے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص وفادار کون ہیں اور محض نام کے مسلمان کون ہیں۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ مومنین مخلصین نے جب دیکھا کہ اعدائے دین اور کفار ومشرکین کی ٹڈی دل فوج اکٹھی ہوکر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے ان کی اطاعت شعاری اور اللہ کی فرمانبرداری کا جذبہ اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر انکا یقین اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ اور رسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق انکا وعدہ ہوچکا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ کے جن وعدوں کی طرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذہن گیا وہ وہ وعدے ہیں کہ سخت آزمائشوں سے تم کو گزرنا ہوگا۔ مصائب کے پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑیں گے گراں ترین قربانیاں تمہیں دینی ہوں گی پھر اللہ تعالیٰ کی بھی عنایات خاصہ تم پر ہوں گی اور تمہیں دنیا وآخرت کی وہ کامیابیاں اور سرفرازیاں بخشی جائیں گی جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے جیسے کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ام حسبتم ان تدخلو االجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستھم الباسآء والضرآء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین اٰمنوا معه متٰی نصراللہ ط الا ان نصراللہ قریبo کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ بس جنت میں یونہی داخل ہوجاؤ گے حالانکہ وہ حالات تو ابھی تم پر گزرے ہی نہیں جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکے ہیں۔ انہیں سختیاں اور مصیبتیں پیش آئیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ پیغمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سن لو اللہ کی مدد یقیناً قریب ہی ہے۔'' یا جیسا سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے ''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر وہ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم نے ان سب لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔'' تو اس کفار ومشرکین کے سیلاب بلا کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان اور بڑھ گئے اور وہ اور زیادہ جذبۂ یقین واطمینان کے ساتھ سب کچھ جان ومال کی قربانیاں دینے پر آمادہ ہوگئے۔ آگے انہیں مومنین مخلصین کے بعض اوصاف اور بیان کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ منافقین کے برعکس جو بے حیائی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے اور اپنے عہد کو توڑ دیا ان مومنین نے اپنا عہد وپیمان سچا کر دکھایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زبان دے چکے تھے پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔ اور ان مومنین میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کرچکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی اور شہید ہوگئے اور بہت سے مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کررہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ صحابۂ

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جذبہ جہاد اور شہادت کا شوق اللہ اکبر! تاریخ ایسے واقعات سے لبریز ہے یہاں صرف ایک واقعہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تبرکاً بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاؤں سے لنگڑے تھے غزوۂ اُحد میں شوق ہوا کہ میں بھی میدان جنگ میں جاؤں۔ لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو۔ لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ انہوں نے فرمایا کیسی بری بات ہے کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں اور میں رہ جاؤں۔ بیوی صاحبہ نے بھی ابھارنے کے لئے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر ہتھیار لئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی اللّٰھم لاتردنی الی اھلی اے اللہ مجھے اپنے گھر والوں کی طرف نہ لوٹائیو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنت میں چلوں پھروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہے تو نہ جانے میں کیا حرج ہے۔ انہوں نے پھر خواہش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی دوڑتا ہوا ان کے پیچھے جاتا تھا۔ دونوں لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہو گئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو لاد کر دفن کے لئے مدینہ لانے لگیں تو اونٹ بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو مار کر اٹھایا اور مدینہ لانے کی کوشش کی مگر وہ اُحد کی طرف منہ کرتا تھا۔ ان کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے عمرو گھر سے چلتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی اللّٰھم لاتردنی الی اھلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی وجہ سے یہ اونٹ اس طرف نہیں جاتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کے خلوص اور دین سے عشق کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمادیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ جہاد صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی پر فرض نہ تھا بلکہ اس کا وجوب اسلام میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس لئے جذبۂ جہاد سے کسی زمانہ میں کسی مسلمان کا دامن خالی نہیں رہنا چاہئے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس نے اللہ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گزرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔ اس حدیث شریف پر حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے ''ترجمان السنۃ'' میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں غزوات ہی سے مومن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا جو مومن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مومن کی شان یہی ہونی بھی چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بے چین نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا نادر موقع اس کے ہاتھ نہ آئے تو کم از کم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ رہنا چاہئے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٰ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے۔ اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لئے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تصدیق فرمارہے ہیں کہ ان مومنین میں سے بعضے تو وہ ہیں جو اپنے عہد و پیمان پورے کر چکے مطلب یہ کہ شہید ہو چکے اور اخیر دم تک منہ نہیں موڑا اور بعضے وہ ہیں جو اس شہادت کے مشتاق ہیں اور اپنے عزم پر قائم ہیں۔ آگے اس غزوۂ احزاب کی ایک حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ جو عہد کے پکے اور قول وقرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بدعہد دغاباز منافقوں کو اللہ تعالیٰ چاہے سزا دے اور یا توبہ کی توفیق دے کر معاف فرمادے۔ آگے دشمنانِ دین کی حالت کا ذکر ہے کہ کفار کا لشکر ذلت وناکامی سے پیچ وتاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیتا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا۔ نہ فتح ملی۔ نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدود جیسا ان کا نامور سوار جسے کفار ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عمرو نے کوشش کر کے ایک جگہ سے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق کو پار کرلیا تھا جس پر فوراً مقابلہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور اس مقابلہ میں یہ کافر مارا گیا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار درہم لے کر عمرو کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاش دے دو ہمیں قیمت درکار نہیں۔

اخیر میں اس جنگ احزاب کے واقعہ کو اس پر ختم فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا فرمادیا کہ کفار ازخود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے اور اس طرح کافروں کا ہٹادینا کچھ عجیب نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست قوت والا ہے۔

یہاں تک تو جنگ احزاب کا ذکر تھا۔ اب دوسرا گروہ مخالفین میں یہود بنی قریظہ کا تھا آگے ان کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع ظاہراً و باطناً تمام احوال میں نصیب فرمائیں اور آپ کی سچی محبت وعظمت کے ساتھ سچا اتباع وپیروی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے عہد و پیمان کا جو ہم نے کلمہ پڑھ کر اللہ اور رسول سے باندھ لیا ہے اس کو پورا کرنے اور اس پر سچی طرح قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان کے طفیل میں ہم کو بھی دین پر استقامت نصیب فرما۔ اور دین کے لئے جان مال کی قربانی پیش کرنے کا عزم عطا فرما۔ یا اللہ! اب حقیقی اسلامی جذبۂ جہاد سے ہمارے دل خالی ہوتے جارہے ہیں۔ اور آپ کی قوت اور قدرت کا یقین اٹھتا جارہا ہے۔ اور اسی وجہ سے کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ کا غلبہ ہم پر چھاتا جارہا ہے۔ اور ہم ذلت اور رسوائی کے شکار ہورہے ہیں۔ یا اللہ! آپ نے اپنی رحمت وقدرت سے عرب کے کفار ومشرکین ہی کو ہدایت سے نواز کر اسلام کا سچا خادم بنادیا اور ان حضرات کو جہاد کی وہ توفیق عطا فرمائی کہ دنیا پر ان کی ڈھاک بیٹھ گئی۔

یا اللہ! ہم ان ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام کے سچے عاشقین کے نام لیوا ہیں۔ اس نسبت سے ہم پر اور ہماری قوم پر اور عالم اسلام پر اپنے کرم ورحم کی نظر فرمادے اور ہم کو حقیقی اور اسلامی جذبہ جہاد پھر عطا فرمادے۔ اور اپنی ہدایت۔ نصرت اور امداد سے نواز دے۔ اور دین اسلام کے لئے ہم کو بھی جان ومال کی قربانی پیش کرنے کی سعادت عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے نیچے اتاردیا اور اُن کے دلوں میں

الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

تمہارا رعب بٹھادیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا۔ اور اُن کی زمین اور اُن کے گھر اور اُن کے مالوں کا تم کو مالک بنادیا

وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَاَنْزَلَ اور اتار دیا	الَّذِيْنَ ان لوگوں کو	ظَاهَرُوْهُمْ جنہوں نے ان کی مدد کی	مِنْ سے	اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	مِنْ سے	صَيَاصِيْهِمْ انکے قلعے
وَقَذَفَ اور ڈال دیا	فِيْ میں	قُلُوْبِهِمْ ان کے دل	الرُّعْبَ رعب	فَرِيْقًا ایک گروہ	تَقْتُلُوْنَ تم قتل کرتے ہو	وَتَاْسِرُوْنَ اور تم قید کرتے ہو
فَرِيْقًا ایک گروہ	وَ اور	اَوْرَثَكُمْ تمہیں وارث بنا دیا	اَرْضَهُمْ ان کی زمین	وَدِيَارَهُمْ اوران کے گھر	وَاَمْوَالَهُمْ اور ان کے مال	
وَاَرْضًا اور وہ زمین	لَمْ تَطَئُوْهَا تم نے وہاں قدم نہیں رکھا	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہرشے	قَدِيْرًا قدرت رکھنے والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ دوسرے رکوع کی ابتدا سے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے اپنا ایک احسان اور فضل جنگ احزاب کے متعلق یاد دلایا تھا جس کی تفصیلات گذشتہ درس تک بیان ہوتی رہیں۔ جنگ احزاب کا ذکر گذشتہ آیات پر اس طرح ختم فرمایا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے کفار کو ناکام ونامراد میدان جنگ سے بھگا دیا اب آگے ان آیات میں ایک دوسرے فضل واحسان کو یاد دلایا جاتا ہے جو غزوۂ بنی قریظہ سے متعلق ہے اور جو یہود کے ساتھ پیش آیا۔ لفظ ''یہود'' سے اگرچہ صرف وہی ایک قبیلہ مراد ہونا چاہئے جو یہودا ابن یعقوب کی نسل سے تھا لیکن اصطلاحاً بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل ہی کا نام یہود ہو گیا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے ابتدائی زمانہ میں خدا کی مقبول اور برگزیدہ قوم تھی لیکن آخر میں وہ خدا سے اس قدر دور ہوتے گئے کہ خدا کے غضب کی مستحق ٹھہری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مکہ میں تو صرف ایک قوم قریش کا زور اور حکومت تھی اور سب کا مذہب بھی زیادہ تر بت پرستی تھا۔ مدینہ مختلف اقوام اور مذاہب کا مجموعہ تھا وہاں بت پرست بھی تھے۔ اور یہودی بھی۔ اور کم تعداد میں عیسائی بھی۔ یہودیوں کے زبردست قبیلے بنونضیر بنوقینقاع۔ بنوقریظہ تھے جو اپنے جداگانہ قلعوں میں مضافات مدینہ میں رہا کرتے۔ تجارت اور سودخوری کی وجہ سے بہت مال دار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کرلیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف میں بھی سب کو تمدن اور تہذیب اور معاشرت میں ایک دوسرے سے مدد واعانت ملتی رہے۔ چنانچہ ایک معاہدہ پر مدینہ کی تمام آباد قوموں اور قبیلوں کے دستخط ہوئے۔ یہود اگرچہ ہجرت کے پہلے ہی سال معاہدہ کر کے امن عامہ کا پیمان باندھ چکے تھے لیکن ان کی فطری شرارت اور خباثت نے زیادہ دیر تک چھپا رہنا پسند نہ کیا اور معاہدہ سے ڈیڑھ سال ہی کے بعد یہود کی شرارتوں کا آغاز ہوگیا۔ جب مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں بدر کی جانب گئے ہوئے تھے انہی دنوں میں ایک مسلمان عورت قبیلہ بنو قینقاع کے محلّہ میں دودھ بیچنے گئی۔ چند یہودیوں نے شرارت کی اور

اسے سر بازار برہنہ کردیا۔عورت کی چیخ پکار سن کر ایک مسلمان موقع پر جا پہنچا اس نے طیش میں آ کر فساد انگیز یہودیوں کو قتل کردیا۔اس پر اس قبیلہ کے سب یہودی جمع ہو گئے اس مسلمان کو بھی شہید کردیا اور بلوہ بھی کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے واپس آ کر یہودیوں کو اس بلوہ کے متعلق دریافت کرنے کے لئے بلایا جس پر انہوں نے معاہدہ کا کاغذ بھیج دیا اور خود جنگ پر آمادہ ہو گئے یہ حرکت اب بغاوت تک پہنچ گئی تھی اس لئے ان کو یہ سزا دی گئی کہ مدینہ چھوڑ دیں اور خیبر میں جا آباد ہوں۔یہود کی دوسری شرارت قبیلہ بنونضیر سے ہوئی۔قریش مکہ نے بدر میں شکست کھانے کے بعد یہود مدینہ کو لکھا کہ تم جائیدادوں اور قلعوں کے مالک ہو۔تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو۔ورنہ ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے تمہاری عورتوں کی پازیبیں تک اتارلیں گے۔اس خط کے ملنے پر بنونضیر نے عہد شکنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فریب کرنے کا ارادہ کیا۔انہوں نے سازش کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بہانہ سے اپنے ہاں بلایا اور جبکہ آپ ایک یہودی کے مکان کی دیوار کے نیچے بیٹھے تھے تو انہوں نے یہ تدبیر کرنی چاہی کہ دیوار کے اوپر جا کر ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر گرا کر آپ کی زندگی کا خاتمہ کردیں۔آپ کو باعلان ربانی اس شرارت کا علم ہو گیا اور حفاظت الٰہی سے بچ کر چلے آئے۔آپ نے ان کی اس شرارت کی بنا پر ان کو نوٹس دے دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ ورنہ پھر سزا دی جائے گی۔پہلے تو بنونضیر نے مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ محاصرہ کرلیا گیا اور بالآخر ان کو یہ سزا دی گئی کہ یہ مدینہ سے نکل جائیں چنانچہ چھ سو اونٹوں پر انہوں نے سباب لادا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو گرا کر وہاں سے نکلے اور خیبر وغیرہ میں جا بسے یہ خیبر پہنچ کر بھی امن سے نہیں بیٹھے کہ انہوں نے یہ عزم کیا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک متفقہ کوشش کی جائے جس میں عرب کے تمام قبائل اور جملہ مذاہب کے جنگجو شامل ہوں۔

انہوں نے ۲۰ سردار مقرر کئے کہ جو عرب کے تمام قبائل کو حملہ کے لئے آمادہ کریں۔یہود کی اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس بارہ ہزار کا خونخوار لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا۔اور وہ یہی جنگ احزاب تھی جس کا گذشتہ آیات میں بیان ہوا جب کہ قریب ایک ماہ کے مدینہ کا محاصرہ رہا۔یہود بنی قریظہ جس کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی مشرقی جانب تھا اور جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے اور جن پر بربنا پابندئ معاہدہ مسلمانوں کا ساتھ دینا ضروری تھا وہ بھی نضیری یہود کی ترغیب وترہیب سے نقض عہد پر آمادہ ہو گئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار باران کے پاس سمجھانے کو آدمی بھیجے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں کہ ہم ان کی بات مانیں۔ان کا ہم سے کوئی عہد وپیمان نہیں۔اس کے بعد بنو قریظہ نے شہر مدینہ کے امن میں بھی خلل ڈالنا شروع کردیا۔اور مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو خطرہ میں ڈال دیا۔بنو قریظہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جب باہر سے دس بارہ ہزار کا جرار لشکر حملہ آور ہوگا اور شہر کے اندر غدر پھیلا کر ہم مسلمانوں کی عافیت تنگ کردیں گے تو دنیا میں مسلمانوں کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا مگر اسی اثناء میں ایک رات اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر سخت طوفان ہوا کا مسلط فرمادیا جس کی وجہ سے لشکر پریشان ہو گیا۔سردی اور آندھی ناقابل برداشت بن گئی اور مجبوراً تمام لشکر اپنے ڈیرے ڈنڈے اٹھا کر رفو چکر ہو گیا۔جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو بنو قریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے اور غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ ظہر کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔چہرہ پر غبار کا اثر تھا۔فرمایا یا رسول اللہ آپ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ فرشتہ ہنوز ہتھیار بند ہیں۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کیا جائے اور ان سے بھی اسی وقت نمٹ لیا جائے۔یہ حکم پاتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اعلان فرمادیا کہ جو کوئی سمع وطاعت پر قائم ہو وہ عصر

کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک دیار بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کس قدر جذبۂ اطاعت وتسلیم تھا کہ بعض صحابہ کو راستہ ہی میں نماز عصر کا وقت ہوگیا تو کچھ حضرات نے کہا کہ ہم تو وہیں پہنچ کر نماز عصر پڑھیں گے بعض نے کہا کہ ہم تو پڑھ لیتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ نہ تھا کہ نماز قضا کردی جائے چنانچہ بعض صحابہ نے نماز عصر پڑھ لی اور بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ کہ "ہر کوئی نماز عصر بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے"۔ اس کی پابندی کی اور وہیں جاکر نماز عصر پڑھی اگرچہ قضا ہوگئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ نے کسی سے بھی کچھ نہ فرمایا یعنی کسی پر نکیر نہیں کی۔ الغرض نہایت سرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے بدعہد یہودی بنی قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا جو ۲۵ دن جاری رہا۔ محاصرہ کی سختی سے بنو قریظہ تنگ آگئے اور انہوں نے قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو جن سے ان کا پہلے سے ربط ضبط تھا بیچ میں ڈالا اور اس شرط پر اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردیا کہ قبیلہ اَوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے حق میں جو بھی فیصلہ کردیں گے اسے فریقین مان لیں گے۔ یہود نے حضرت سعد کو اس امید پر حکم یعنی منصف سرپنچ بنایا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ اَوس اور بنی قریظہ کے درمیان جو دوستانہ تعلقات مدتوں سے چلے آرہے تھے وہ ان کا لحاظ کریں گے۔ اور انہیں بھی اسی طرح مدینہ سے نکل جانے دیں گے جس طرح پہلے یہود بنی النضیر اور یہود بنی قینقاع کو نکل جانے دیا گیا تھا۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو قبول فرمالیا ادھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ احزاب میں آپ کے دشمنوں کا ایک تیر رگ میں لگا تھا جس سے خون جاری تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر داغ لگوایا تھا۔ آپ کو آدمی بھیج کر مدینہ سے بلوایا گیا بمشکل سواری پر سوار ہوکر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ دیا کہ۔

(۱) بنو قریظہ کے جنگجو مرد قتل کئے جائیں۔

(۲) عورتیں اور بچے سب قید غلامی میں لائے جائیں۔

(۳) ان کے اموال اور جائیداد کے مالک مہاجرین ہوں۔

اگر یہود بنی قریظہ اپنا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کردیتے تو شاید ان کو زیادہ سے زیادہ جو سزا ہوتی وہ یہی ہوتی کہ مدینہ چھوڑ کر کہیں اور آباد ہوجاؤ۔ مگر اللہ کی مرضی اور ان کی بدعہدی کی سزا یہی تھی اور حضرت سعد نے یہ فیصلہ ٹھیک ان کی آسمانی کتاب توراۃ کے موافق دیا چنانچہ توراۃ کتاب استثناء میں ہے "جب کسی شہر پر تو حملہ کرنے کے لئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازہ کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہوجائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردے باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔" حضرت سعد کے اس فیصلہ کے مطابق سو یہودی جوان قتل کئے گئے کئی سو عورتیں اور لڑکے قید ہوئے اور ان کے املاک و اموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ جب مسلمان ان کے قلعوں میں داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ جنگ احزاب میں حصہ لینے کے لئے ان غداروں نے ۱۵ سو تلواریں...... ۳۰۰ زرہیں۔ ۲۰۰۰ نیزے اور ۱۵۰۰ ڈھالیں فراہم کی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تائید اہل اسلام کے شامل حال تھی یہ سارا جنگی سامان جو مسلمانوں پر حملہ کے لئے استعمال ہوتا وہ اب مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ انہی واقعات کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جن اہل کتاب یعنی یہود نے کافروں یعنی قریش مکہ کے لشکر کی ہمت افزائی کی تھی اور انکا ساتھ دیا تھا ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرادیئے اور یہود کے دل میں مسلمانوں کا رعب بٹھادیا اور خود ان کے تسلیم و تجویز کئے ہوئے حکم کے ذریعہ سے انکے جوان قتل

کئے گئے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا گیا اور ان کے مال و جائیداد پر مہاجرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبضہ کرلیا اور انصار پر سے ان کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور ساتھ ہی فتح خیبر کی خصوصاً یا فتوحات مستقبلہ کی عموماً بشارت بھی اس جملہ میں سنادی و ارضــالم تــطوهـا. اور ایسی زمین کا بھی تم کو اللہ نے اپنے علم ازلی میں مالک بنا رکھا ہے جس پر تم نے ابھی قدم تک نہیں رکھا۔ اکثر مفسرین نے اس زمین سے مراد خیبر کی زمین لی ہے جو مدینہ سے یہود کے نکلنے کے بعد۔ یہودیت کا مرکز بن گیا تھا جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی۔ اور بعض مفسرین نے فتح مکہ یا بعد کی اسلامی فتوحات فارس و روم وغیرہ مراد لیا ہے۔

یہاں موقع کی مناسبت سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان یہود مدینہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوئی تھی اگلے زمانہ میں حجاز میں آ کر مدینہ میں اس امید سے آباد ہوئے تھے کہ جس نبی آخر الزمان کی پیشینگوئی ان کی کتابوں میں موجود تھی وہ اسی جگہ آنے والے ہیں تو ان کے بڑے اس امید پر کہ ہم سب سے پہلے اس نبی پر ایمان لانے اور اس کا اتباع کرنے کی سعادت حاصل کرنے والے ہوں مدینہ کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو بعض اہل انصاف یہود تو ایمان لے آئے مگر اکثر ناخلفوں نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی جس کی وجہ سے خدا کی لعنت ان پر نازل ہوئی اور ذلت و رسوائی کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل۔ قید اور دربدر کئے گئے۔ مگر کتنے عبرت کے آنسو بہانے کی جگہ ہے کہ وہی مردود۔ ومغضوب اور لعین قوم یہود آج عربوں پر اس طرح مسلط ہے کہ ان کا قبلہ اول بیت المقدس جو ۸۰۰ سال سے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا ان کے ہاتھوں سے چھن گیا اور فلسطین کی وہ مقدس سرزمین جہاں کم وبیش ایک لاکھ انبیاء علیہم السلام کے قدم پڑے ہیں وہ اس بدطینت اور مردود قوم یہود کی شکارگاہ بنی ہوئی ہے اور جو آج اسلام کا نام لینے والوں کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے جہاں مسلمانوں کے گھر بار چھینے گئے اور ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کئے گئے۔ اخبار بین حضرات جانتے ہیں کہ جو مظالم وہاں عربوں اور اسلام کا نام لینے والوں پر کئے جا رہے ہیں۔ یہ قدرت کا ایک تازیانہ ہے جو تمام عالم کے مسلمانوں کو بیدار ہونے کی دعوت دے رہا ہے ہم نے تعلیمات اسلام سے منہ موڑا۔ قرآنی احکامات کو چھوڑا۔ اللہ اور رسول سے رشتہ توڑا اور یہود و نصاریٰ کی تہذیب۔ ان کی معاشرت۔ ان کا لباس۔ ان کا طور و طریق سب اپنایا۔ وہی عریانی۔ وہی فحاشی وہی عیش پرستی اور وہی خدا اور رسول کے احکام سے دوری۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہم نے اپنے آپ کو خود محروم کرلیا تو پھر جو کچھ بھی سامنے آئے وہ تھوڑا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اب بھی ہمیں سوچنے۔ سمجھنے اور سنبھلنے کی صلاحیت عطا فرماویں۔ ان آیات پر غزوۂ بنی قریظہ جو یہود کے ساتھ ہوا تھا اس کا بیان ختم ہوا اب آگے دوسرا مضمون ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے متعلق شروع فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی رحمت سے امت مسلمہ کے ان تمام گناہوں کو معاف فرماویں جن کی بدولت عالم اسلامی کو یہ ذلت دیکھنی پڑی کہ آج بیت المقدس یہود کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں مسلمان بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور باطل کی طاغوتی طاقتوں کو پاش پاش کرنے کی ہمت و عزم عطا فرمائیں اور اپنی حمایت و نصرت و تائید سے ہم کو دنیا میں بھی سربلندی اور آخرت میں بھی سرخروئی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اس امت مسلمہ میں پھر جہاد کا سچا جذبہ عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ

اے نبیؐ آپ اپنی بیبیوں سے فرمادیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال ومتاع (دنیوی) دے دوں

وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٢٨﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں۔ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں نیک کرداروں کیلئے

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کررکھا ہے۔ اے نبیؐ کی بیبیو! جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی،

يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾

اس کو دوہری سزا دی جائے گی، اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبیؐ	قُلْ فرمادیں	لِّاَزْوَاجِكَ اپنی بیبیوں سے	اِنْ اگر	كُنْتُنَّ تم ہو	تُرِدْنَ چاہتی ہو	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی
وَزِيْنَتَهَا اور اس کی زینت	فَتَعَالَيْنَ تو آؤ	اُمَتِّعْكُنَّ میں تمہیں کچھ دے دوں	وَ اور	اُسَرِّحْكُنَّ تمہیں رخصت کردوں	سَرَاحًا رخصت کرنا	
جَمِيْلًا اچھی	وَاِنْ اور اگر	كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ تم چاہتی ہو اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسول	وَ اور	الدَّارَ الْاٰخِرَةَ آخرت کا گھر	فَاِنَّ اللّٰهَ پس بیشک اللہ
اَعَدَّ تیار کیا ہے	لِلْمُحْسِنٰتِ نیکی کرنے والیوں کیلئے	مِنْكُنَّ تم میں سے	اَجْرًا عَظِيْمًا اجر عظیم	يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ اے نبی کی بیبیو	مَنْ جو کوئی	
يَّاْتِ لائے (مرتکب ہو)	مِنْكُنَّ تم میں سے	بِفَاحِشَةٍ بیہودگی کے ساتھ	مُّبَيِّنَةٍ کھلی	يُّضٰعَفْ بڑھایا جائے گا	لَهَا اس کیلئے	
الْعَذَابُ عذاب	ضِعْفَيْنِ دوچند	وَكَانَ اور ہے	ذٰلِكَ یہ	عَلَى پر	اللّٰهِ اللہ	يَسِيْرًا آسان

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات کی تشریح میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مدینہ کے یہودی بنی قریظہ کی زمینیں اور ان کے املاک واموال سب مسلمانوں کے ہاتھ آ گئیں جو مہاجرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تقسیم کردی گئیں۔ اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جواب تک اکثر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خرچ اٹھا رہے تھے ان پر سے مہاجرین صحابہ کا خرچ ہلکا ہوگیا۔ بنو قریظہ کے بعد خیبر کی فتوحات ہوئیں اور وہاں کی زمینیں وغیرہ مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آسودہ حال ہوگئے۔ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو مالی وسعت اچھی خاصی حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو قدرۃً یہ خیال گزرا کہ اب عام مسلمان آسودہ حال ہوگئے ہیں اب ہمارے خرچ اور نفقہ میں بھی اضافہ اگر ہوجائے تو کچھ آرام وراحت کی زندگی بسر کرسکیں۔ سب نے اس خواہش کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور ذرا تقاضہ کے ساتھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی اذیت کے لئے دنیا طلبی کی اتنی جھلک بھی بہت تھی۔ اس لئے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزریں اور آپ نے قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں علیحدہ مقیم ہوگئے حضرات صحابہ اس معاملہ کی وجہ سے مضطرب تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ معاملہ سلجھ جائے۔ 10
ان حضرات کو اپنی اپنی صاحبزادیوں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فکر تھی کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ ان دونوں حضرات نے اپنی اپنی صاحبزادیوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو کچھ انشراح ہوا تو ایک ماہ بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں پہلے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حکم دیتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دیں کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کے عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دیجئے کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا میں کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں یعنی شرعی طریقہ سے اپنے نکاح سے الگ کر دوں اور اگر اللہ کی خوشی۔ رسول کی رضامندی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب پسند ہیں تو صبر و سہار سے میرے ساتھ زندگی گزارو اللہ تمہیں آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ سب سے اول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں۔ تم جواب میں جلدی نہ کرنا۔ اپنے والد اور والدہ سے مشورہ کر کے جواب دینا پھر آپ نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہ اس میں والد اور والدہ سے مشورہ کرنے کی کونسی بات ہے۔ مجھے خدا پسند ہے اس کے رسول پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر جب حضور نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے۔ پھر آپ دوسری ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اُن سے پہلے ہی فرما دیتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو یہ جواب دیا ہے وہ کہتیں کہ یہی جواب ہمارا بھی ہے چنانچہ تمام ازواجِ مطہرات نے اللہ اور رسول کی مرضی اختیار کی اور دنیا کی عیش و عشرت کا تصور بھی دلوں سے نکال ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا آپ کے جود و کرم اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ سائل کو کبھی رد ہی نہ فرماتے تھے اگر اس وقت پاس کچھ نہ ہوا تو آئندہ کا وعدہ فرما لیا یا کہہ دیا کہ تم میرے نام پر قرض لے لو میں پھر اسے اتار دوں گا۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میرے پاس اس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تین رات اس میں سے بجز قرض کی ادائیگی کے ایک دینار بھی میرے پاس رہے بلکہ اس کو اللہ کے بندوں میں اس طرح اور اس طرح خرچ کر دوں۔ آپ نے دائیں بائیں اور پیچھے اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے متعلق یہ دعا منقول ہے کہ اے رب میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے تضرع و عاجزی کیا کروں اور تجھ سے مانگا کروں اور کھا کر تیری حمد و ثنا کیا کروں۔ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ اے اللہ آل محمد کو صرف اتنا دے کہ جس سے ان کا گزر ہو سکے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ آپ کو دنیا کی عیش و بہار اپنے متعلقین اور گھر والوں کے لئے کب پسند آ سکتی تھی۔ چنانچہ زندگی مبارک کے اخیر وقت تک آپ کے زہد کا یہی حال رہا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے آپ مدینہ میں تشریف لائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے سیر ہو کر تین رات متواتر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دن دو کھانے نہیں کھائے مگر یہ کہ ایک وقت کھجور یا چھوارے ہوتے تھے۔حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بیان کیا کہ ہم لوگوں کو آگ جلائے ہوئے ایک مہینہ گزر جاتا تھا۔صرف کھجوریں اور پانی استعمال کرتے تھے مگر یہ کہ تھوڑا سا گوشت ہم لوگوں کے پاس آجاتا تو اس کو پکا لیتے تھے۔ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے میرے بھانجے ہم لوگ دو مہینوں میں تین چاند دیکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں سلگتی تھی۔حضرت عروہ کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا پھر زندگی کس طرح گزرتی تھی انہوں نے کہا کہ کھجور اور پانی سے مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند انصاری پڑوسی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ ہدیۃً بھیجا کرتے تھے اور آپ وہ ہم لوگوں کو پلا دیتے تھے۔اس دنیا سے رحلت مبارک فرمانے سے ایک روز قبل سب غلاموں کو آزاد فرمادیا اور گھر میں جو نقد سات دینار موجود تھے وہ غربا کو تقسیم کر دیئے گئے۔اسی دن کی شام کو یعنی اس دنیا میں آخری شب کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چراغ کا تیل ایک پڑوسن سے عاریۃً منگوایا تھا۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے انتقال فرمایا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلہ جو رہن تھی۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان آیات میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو خطاب ہوا اس کے بعد خود حق تعالیٰ ازواج مطہرات کو خطاب فرماتے ہیں کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیبیو تم سمجھ لو کہ بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اگر بالفرض تم میں سے کسی سے کوئی بداخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو مانع نہیں ہوسکتی۔

یہاں آیت میں غلطی پر دوہری سزا کا حکم سنایا گیا آگے آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ان کو دوہرے اجر کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنا اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آخرت کا طالب بنا کر زندہ رکھیں۔

یا اللہ! ہم کو اس زندگی میں ان اعمال کی توفیق عطا فرمائیے کہ جو ہم آخرت میں آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہوسکیں۔یا اللہ! ہم کو ان اعمال سے بچا لیجئے کہ جو آپ کی اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہوں۔

یا اللہ! جس حال میں بھی آپ ہم کو رکھیں صبر وشکر کے ساتھ دین پر استقامت نصیب فرمائیں۔یا اللہ! دنیا کی عیش وعشرت اور بہار کی طرف سے ہمارے دل سرد فرما دے اور آخرت کی کامیابی اور سرخروئی پر ہماری نظریں جما دے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

وَمَنْ يَّقْنُتْ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا

اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا دیں گے، اور ہم نے اس کیلئے

لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ

ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔اے نبی کی بیبیو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ بضرورت بولنا پڑے)

بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٣٢﴾ ۚ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ

نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص کو (طبعًا) خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو۔اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ

اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

کہنا مانو، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دُور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک صاف رکھے۔

تَطْهِيْرًا ﴿٣٣﴾ ۚ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ ع

اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے۔

وَمَنْ اور جو	يَّقْنُتْ اطاعت کرے	مِنْكُنَّ تم میں سے	لِلّٰهِ اللہ کی	وَرَسُوْلِهٖ اور اس کا رسول	وَتَعْمَلْ اور عمل کرے	صَالِحًا نیک	
نُّؤْتِهَآ ہم دینگے اسکو	اَجْرَهَا اسکا اجر	مَرَّتَيْنِ دوہرا	وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا	لَهَا اسکے لئے	رِزْقًا كَرِيْمًا عزت کا رزق	يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ اے نبی کی بیبیو	
لَسْتُنَّ نہیں ہو تم	كَاَحَدٍ کسی ایک کی طرح	مِّنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے	اِنِ اگر	اتَّقَيْتُنَّ تم پرہیزگاری کرو	فَلَا تَخْضَعْنَ تو ملائمت نہ کرو	بِالْقَوْلِ گفتگو میں	
فَيَطْمَعَ کہ لالچ کرے	الَّذِيْ وہ جو	فِيْ قَلْبِهٖ اس کے دل میں	مَرَضٌ روگ (کھوٹ)	وَّقُلْنَ اور بات کرو تم	قَوْلًا بات	مَّعْرُوْفًا اچھی (معقول)	
وَقَرْنَ اور قرار پکڑو	فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اپنے گھروں میں	وَلَا تَبَرَّجْنَ اور بناؤ سنگھار کا اظہار کرتی نہ پھرو	تَبَرُّجَ بناؤ سنگھار	الْجَاهِلِيَّةِ (زمانۂ) جاہلیت	الْاُوْلٰى اگلا		
وَ اور	اَقِمْنَ قائم کرو	الصَّلٰوةَ نماز	وَاٰتِيْنَ اور دیتی رہو	الزَّكٰوةَ زکوٰۃ	وَاَطِعْنَ اور اطاعت کرو	اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسول
اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	يُرِيْدُ اللّٰهُ اللہ چاہتا ہے	لِيُذْهِبَ کہ دُور فرمادے	عَنْكُمُ تم سے	الرِّجْسَ آلودگی	اَهْلَ الْبَيْتِ اے اہلِ بیت		
وَيُطَهِّرَكُمْ اور تمہیں پاک وصاف رکھے	تَطْهِيْرًا خوب پاک	وَاذْكُرْنَ اور تم یاد رکھو	مَا يُتْلٰى جو پڑھا جاتا ہے	فِيْ میں	بُيُوْتِكُنَّ تمہارے گھر		
	مِنْ سے	اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتیں	وَالْحِكْمَةِ اور حکمت	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	لَطِيْفًا باریک بین	خَبِيْرًا باخبر

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو خطاب کرکے بطور

نصیحت ارشاد فرمایا تھا کہ تم اپنے مرتبہ کا خیال رکھو۔ بڑوں کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے کیونکہ اس کا اثر انہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان کے پیرووں تک پہنچتا ہے اس لئے اگر بالفرض تم میں سے کسی سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو سزا بھی اوروں سے دگنی ہوگی اس تنبیہ کے ساتھ آگے ان آیات میں بشارت بھی دی جاتی ہے کہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گی اور عمل صالح و نیکی اختیار کریں گی تو اس نیکی اور اطاعت پر تم کو دوسروں سے اجر و ثواب بھی دوگنا ملے گا اور تمہارے لئے جنت میں ایک خاص عزت کی روزی ہوگی۔ تو گذشتہ اور ان آیات سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ جہاں جتنی حرمت ہوگی وہاں جرم و برائی بھی ویسی ہی شدید ہوگی۔ مثال کے طور پر مکہ معظمہ کا قیام۔ جیسے وہاں کی ایک نیکی دوسرے جگہ کی نیکی سے کئی گنا درجہ زیادہ اجر و ثواب رکھتی ہے اسی طرح وہاں کوئی گناہ کرنا بھی دوسری جگہ کے گناہ سے کئی گنا اشد ہوتا ہے۔ اسی بنا پر بعض بزرگوں نے مکہ معظمہ کے مستقل قیام سے گریز کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طائف میں قیام کیا اور فرمایا کرتے تھے اگر میں طائف میں پچاس گناہ کروں وہ مکہ میں ایک گناہ کرنے سے میرے نزدیک اچھے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شہر میں صرف ارادہ پر عمل کرنے سے پہلے مواخذہ نہیں ہوتا ہے لیکن مکہ معظمہ میں ارادہ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاشرہ میں کسی بلند مرتبہ پر سرفراز فرماتا ہے اور وہ بالعموم لوگوں کے رہنما بن جاتے ہیں اور بندگان خدا کی بڑی تعداد انہی کی پیروی کرتی ہے تو ان کی برائی تنہا انہی کی برائی نہیں رہتی اور ان کی بھلائی صرف انہی کی انفرادی بھلائی نہیں رہتی اس لئے جب کوئی مقتدا ہو کر برا کام کرتا ہے تو وہ اپنے بگاڑ کے ساتھ دوسروں کے بگاڑ کی بھی سزا پاتا ہے۔ اور جب وہ نیک کام کرتا ہے تو اپنی نیکی کے ساتھ دوسروں کو بھی بھلائی کی راہ دکھلانے کی جزا پاتا ہے۔ اسی بنا پر جہاں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو تنبیہ فرمائی گئی تھی کہ تم کو اس پر ناز نہ ہونا چاہئے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں ہیں بلکہ تم میں سے اگر کسی سے کوئی برائی ہوگی تو اس کو دوہری سزا دی جائے گی۔ اسی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بشارت اور خوشخبری دی گئی کہ تم میں سے جو خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری اور عمل صالح اختیار کرے گی تو اس کو اجر و صلہ بھی دوگنا دیا جائے گا۔ آگے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو خطاب کر کے چند ہدایات ربانی دی جاتی ہیں۔

پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور امہات المومنین بنایا تو تمہارا درجہ عام مومنات سے ممتاز رہے گا۔ لہٰذا اگر تقویٰ و طہارت اور زہد و عبادت کا بہترین نمونہ پیش کرو گی جیسا کہ تم سے متوقع ہے تو اس کا وزن اور اجر و ثواب اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔

دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ اگر تم تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں اور نامحرموں سے بات چیت کرتے ہوئے جس کی ضرورت اکثر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو پیش آتی تھی اور عام عورتوں کو بھی یہ ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے۔ نرم اور نزاکت کے لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہئے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں جب کہ بضرورت ایسا کرنا پڑے تو بہ تکلف ایسا لب و لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو تا کہ کوئی بدباطن اور روگی دل کا آدمی دل میں کوئی خیال فاسد نہ لانے پائے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ اگرچہ ان آیات میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے فرمایا گیا ہے لیکن یہ احکام تمام

مسلمان عورتوں کے لئے ہیں۔تو اس ہدایت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان عورت کو اگر بضرورت اجنبیوں سے بولنا پڑ جائے تو پوری احتیاط کے ساتھ بات کرے۔ علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اس ہدایت میں اسباب فتنہ سے بچنے کا ارشاد ہے اگرچہ اسباب بعید ہی ہوں۔ خصوصاً عورتوں کے باب میں۔اسی بنا پر شریعت اسلامیہ نے

۱-عورت کی اذان اور اقامت اور اس کی امامت کو ممنوع قرار دیا۔

۲-عورت کا جہری نماز میں جہراً پڑھنا ممنوع قرار دیا۔

۳-عورت کا حج میں آواز کے ساتھ لبیک کہنا ممنوع قرار دیا۔

۴-جوان عورت کا نامحرم مرد کو محض سلام کرنا ناجائز قرار دیا۔

۵-امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کی بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کریں زبان سے کچھ نہ کہیں جب آواز اور گفتگو کے باب میں یہ اہتمام ہے تو نغمہ اور موسیقی اور عورت کا گانا بجانا ظاہر ہے کہ نامحرم کے حق میں کیا حکم رکھے گا۔ اسی ہدایت کے ذیل میں فقہا نے لکھا ہے کہ عورت کے لئے اتنی بلند آواز سے گفتگو کرنی درست نہیں جسے غیر محرم سنیں۔اب یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ جو دین عورت کو غیر مرد سے بات بضرورت کرتے ہوئے بھی نرمی و نزاکت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور غیر مردوں کے سامنے بلاضرورت آواز نکالنے اور بلند کرنے سے بھی روکتا ہے کیا وہ کبھی اس کو پسند کرسکتا ہے اور اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر عورت عاشقانہ گیت اور غزلیں گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا کر لوگوں میں فسق و فجور کے جذبات پھیلائے؟ کیا وہ اسے جائز رکھ سکتا ہے کہ عورتیں اجتماعی تقریبات اور مخلوط مجالس میں بن ٹھن کر آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت اور ہنسی مذاق کریں؟ مگر آج آپ دیکھ لیجئے کہ تہذیب وتمدن کے دعوے دار اور آزادیٔ نسواں کے علمبردار اسی تہذیب و کلچر کو قوم اور ملک کی ترقی کا زینہ اور ذریعہ قرار دیتے ہیں اور کیا مجال کوئی قرآن و سنت سے نکیر کرسکے۔خدا غریق رحمت فرمائے مولانا محمد علی جوہرؒ کو ان کا ایک شعر ہے۔

حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا
اب بھی احساس ہو اس کا تو ابھرنا ہے یہی

تیسری ہدایت ربانی یہ دی جاتی ہے کہ اپنے گھروں میں قرار سے رہو یعنی بلاضرورت گھروں سے باہر مت نکلو۔شرعی یا دنیوی ضرورتوں سے پابندیٔ ستر وحجاب سے گھر سے نکلنا اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور اس کی شریعت میں اجازت ہے۔ احادیث میں ہے کہ ایک موقع پر عورتوں نے حاضر ہو کر رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت پاسکیں۔آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور اللہ کی رحمت سے وہ قریب تر اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر میں ہو۔ابوداؤد وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت کی اپنے گھر کے اندرونی کوٹھڑی کی نماز۔گھر کے برآمدہ کی نماز سے افضل ہے۔اور برآمدہ کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔عورت کا گھر میں نماز پڑھنا بہ نسبت مسجد کے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔حتیٰ کہ مسجد حرام جو تمام مسجدوں سے افضل ہے اور جس میں نماز پڑھنے کا بڑا ثواب ہے کہ ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے لیکن یہ ثواب کی زیادتی صرف فرض نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے نیز یہ

ثواب صرف مردوں کو ہوتا ہے۔ عورتوں کو نہیں ہوتا۔ ان کو اپنے گھر میں نماز پڑھنی افضل ہے (معلم الحجاج صفحہ ۱۱۸) اور اسی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نماز کا ثواب بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ ہے اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب مذکور ہے (معلم الحجاج ص ۳۴۲) مگر مسند احمد میں ایک صحابیہ ام حمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کیا کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ یعنی میرے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے مگر تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں پڑھو وہ اس نماز سے افضل و بہتر ہے جو تم اپنے بیرونی دالان میں پڑھو اور بیرونی دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو کہ تمہارے مکان سے قریب ہے) نماز پڑھو اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آ کر نماز پڑھو (معارف القرآن جلد سوم)

چوتھی ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ کی طرح بے پردہ باہر بناؤ سنگار کے ساتھ نہ پھریں۔ اس سلسلہ میں آیت کے دو لفظ یعنی تبرج اور جاہلیۃ الاولیٰ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تبرج کے لفظی معنی عربی زبان میں ظہور اور نمایاں ہونے۔ ابھرنے اور کھل کر سامنے آنے کے ہیں۔ عورت کے لئے جب لفظ تبرج استعمال کیا جائے تو اس کے تین مطلب ہوں گے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے چہرہ اور جسم کا حسن لوگوں کو دکھائے دوسرے یہ کہ وہ اپنے زیور ولباس کی شان دوسروں کے سامنے نمایاں کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ اپنی چال ڈھال سے اپنے آپ کو نمایاں کرے یہ سب صورتیں تبرج میں داخل ہیں۔

جاہلیت کا لفظ قرآن میں چار جگہ استعمال ہوا ہے۔ ایک تو یہاں انہی آیات میں جہاں ارشاد ہے عورتوں کو کہ زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق بے پردگی سے باہر مت پھرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دین اسلام سے پہلے کے حالات اور زمانے کو جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہاں جاہلیت اولیٰ آیت میں ارشاد فرمانے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس پہلی جاہلیت کے بعد کوئی دوسری جاہلیت بھی آنے والی ہے جس میں اسی طرح کی بے حیائی۔ بے پردگی اور بے شرمی پھیل جائے گی اور وہ شاید اس زمانہ کی جاہلیت ہے جس کا اب مشاہدہ ہر جگہ ہو رہا ہے (معارف القرآن جلد ہفتم)

الغرض جاہلیت سے مراد دین اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرز عمل ہے جو اسلامی تعلیم۔ اسلامی تہذیب۔ اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت اور قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو یہاں آیت میں جاہلیۃ الاولیٰ کا مطلب وہ برائیاں ہیں جن میں اسلام سے پہلے عرب یا دنیا کے لوگ مبتلا تھے۔ اسلام سے پہلے عورتیں عرب میں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن ولباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بداخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کرسکتا تھا۔ اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ باقی کسی دینی یا دنیوی ضرورت کی بنا پر بغیر زیب و زینت کے حیا اور پردہ کے ساتھ احیاناً باہر نکلنا ہو بشرطیکہ کسی فتنہ کا ماحول کے اعتبار سے خطرہ نہ ہو تو بلاشبہ اس کی اجازت شریعت سے ملتی ہے اور خاص ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ یہاں آیت میں جاہلیت کے بناؤ سنگار سے باہر بے پردہ پھرنے سے روکا گیا ہے۔ اب یہاں ہر شخص خود

فیصلہ کرسکتا ہے کہ جو ثقافت۔ اور تہذیب اور کلچر ہمارے ہاں رائج کی جارہی ہے اور جس کو ترقی کا زینہ سمجھا جاتا ہے وہ قرآن کی رو سے اسلام کی ثقافت ہے یا جاہلیت کی ثقافت۔ یہ بے پردگی اور بے حیائی کی فرنگی تہذیب اسلام کی تہذیب ہے یا جاہلیت کی تہذیب ہے۔ مگر ان مغرب زدہ ذہنیتوں کو کون اور کس طرح قرآن وحدیث کو سمجھائے۔

پانچویں ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ تم نمازوں کی پابندی رکھو۔

چھٹی ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ اگر نصاب کی مالک ہو تو زکوٰۃ دیا کرو۔

ساتویں ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ جتنے شریعت کے احکام ہیں سب میں اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔

ان ہدایات واحکام کو دینے کے بعد کہ جو دین و دنیا کی صلاح وفلاح۔ اور حسن معاشرت کے اصل الاصول اور تہذیب وشائستگی کا عطر ہیں اللہ تعالیٰ ان احکام کو دینے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے جو تم کو ان احکام کے التزام اور اہتمام کا مکلّف فرمایا ہے تو اس میں تمہارا ہی نفع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان احکام کے بتانے سے یہ منظور ہے کہ اے پیغمبر کے گھر والو تم سے معصیت ونافرمانی کی گندگی اور آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ظاہراً وباطناً عقیدۃً وعملاً بالکل پاک صاف رکھے اور چونکہ ان احکام پر عمل واجب ہے اور عمل موقوف ہے احکام کے جاننے اور ان کے یاد رکھنے پر اس لئے تم قرآن اور سنت میں جو اللہ کے احکام اور دین کی باتیں ہیں انہیں سیکھو۔ یاد کرو۔ دوسروں کو سکھاؤ بتاؤ اور اللہ کے اس احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

اخیر میں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا۝ فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ یہ بھی پیش نظر رکھو کہ بیشک اللہ تعالیٰ رازداں ہے کہ اعمال قلوب کو بھی جانتا ہے اور پورا خبردار ہے کہ پوشیدہ اعمال کو بھی جانتا ہے اس لئے ظاہراً وباطناً اور سراً وعلانیۃً جو احکام دیئے گئے ان کا امتثال امر اور اہتمام واجب وضروری ہے۔

یہاں آیات میں اگرچہ مخاطب حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔ مگر یہ احکام عام ہیں سب عورتوں کیلئے۔ اور جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ان احکام کی مکلّف بنائی گئیں تو دوسری مسلمات ومومنات عورتوں کے لئے تو یہ احکام بدرجہ اولیٰ ہوئے۔ اب اگر ہم اپنی حماقت اور جہالت سے ان خدائی احکام کی قدر ووقعت نہ کریں تو پھر اس کے جو نتائج ہیں وہ شب وروز ہم اور آپ سب ہی دیکھتے اور سنتے ہیں اور جو آخرت کی تباہی ہونی ہے وہ تو ہے ہی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اور ہماری عورتوں کو اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں اور اس وقت جو ایام جاہلیت کی بے پردگی اور بے حیائی کا ماحول پھیلتا جارہا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بداثرات سے ہماری عورتوں کو محفوظ فرماویں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری عورتوں کو احکام شرعیہ کی پابندی ظاہراً وباطناً نصیب فرمائیں اور ہم کو ہماری عورتوں کو قرآن وسنت سے وابستگی اور لگاؤ عطا فرمائیں آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ

بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنیوالی عورتیں

وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ

اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد

وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ

اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت

كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾

خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرعظیم تیار کر رکھا ہے۔

اِنَّ بیشک	الْمُسْلِمِيْنَ مسلمان مرد	وَالْمُسْلِمٰتِ اور مسلمان عورتیں	وَالْمُؤْمِنِيْنَ اور مومن مرد	وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتیں		
وَالْقٰنِتِيْنَ اور فرماں بردار مرد	وَالْقٰنِتٰتِ اور فرماں بردار عورتیں	وَالصّٰدِقِيْنَ اور راست گو مرد	وَالصّٰدِقٰتِ اور راست گو عورتیں			
وَالصّٰبِرِيْنَ اور صبر کرنے والے مرد	وَالصّٰبِرٰتِ اور صبر کرنے والی عورتیں	وَالْخٰشِعِيْنَ اور عاجزی کرنیوالے مرد	وَالْخٰشِعٰتِ اور عاجزی کرنیوالی عورتیں			
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ اور صدقہ کرنیوالے مرد	وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور صدقہ کرنیوالی عورتیں	وَالصَّآئِمِيْنَ اور روزہ رکھنے والے مرد	وَالصّٰٓئِمٰتِ اور روزہ رکھنے والی عورتیں			
وَالْحٰفِظِيْنَ اور حفاظت کرنیوالے مرد	فُرُوْجَهُمْ اپنی شرمگاہیں	وَالْحٰفِظٰتِ اور حفاظت کرنے والی عورتیں	وَالذّٰكِرِيْنَ اور یاد کرنے والے مرد	اللّٰهَ اللہ		
كَثِيْرًا بکثرت	وَالذّٰكِرٰتِ اور یاد کرنے والی عورتیں	اَعَدَّ اللّٰهُ اللہ نے تیار کیا	لَهُمْ ان کیلئے	مَغْفِرَةً بخشش	وَ اور	اَجْرًا عَظِيْمًا اجرِ عظیم

تفسیر و تشریح:۔ اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے کئی روایات لکھی ہیں۔ گذشتہ آیات میں جو احکام اور اوامر و نواہی بیان فرمائے گئے تھے ان میں اصل روئے سخن حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرف تھا اور ان کے لئے اعمال صالحہ پر بشارت اور اجر و ثواب کا ذکر فرمایا گیا تھا اس پر بعض نیک بخت عورتیں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس جا کر کہنے لگیں کہ اس موقع پر تمہارا ذکر تو قرآن میں آیا ہے اور ہمارا نہیں آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن میں مردوں ہی کا ذکر ہے عورتوں کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کا ذکر تو قرآن میں آتا رہتا ہے لیکن عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ بہرحال اس آیت میں عام مسلمان مرد اور عام عورتوں کی تسلی فرمائی گئی کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت اور کمائی اللہ کے ہاں ضائع نہیں جاتی۔ مرد ہو یا عورت اجر و ثواب میں یکساں ہیں۔ جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔

یہاں اس آیت میں مسلمان اور ایماندار مرد اور عورتوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر فرما کر دونوں کے لئے مغفرت اور اجرعظیم کا وعدہ فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ اگر یہ دس اوصاف مرد اور عورت دونوں میں یکساں موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں دونوں کا

مرتبہ یکساں اور دونوں کا اجر برابر ہوگا۔اب وہ دس صفات کیا ہیں کہ جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا اور ایسے صفات رکھنے والے مرد اور عورتوں کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ان کی تشریح اور تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلی صفت مُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ کی فرمائی گئی۔یعنی جن مردوں اور عورتوں نے دین ''اسلام'' کو اپنے لئے ضابطہ حیات کی حیثیت سے قبول کرلیا اور یہ سوچ سمجھ کر طے کرلیا کہ اب وہ اسی کی پیروی میں زندگی بسر کریں گے۔''اسلام'' کے اصل معنی ہیں اپنے کو کسی کے سپرد کردینا۔اور بالکل اسی کے تابع فرمان ہوجانا۔ اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے دین کا نام ''اسلام'' اسی لئے ہے کہ اس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل اپنے مولا کے سپرد کردیتا ہے اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے اور یہی ہے اصل حقیقت اور روح دین اسلام کی بندہ اپنے کو کُلی طور پر اللہ کے سپرد کردے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔تو اسلام دنیا میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام لائے اور اب اخیر میں اسلام نام ہے اس دین کا اور اس طریقہ پر زندگی گزارنے کا جو اللہ کے سچے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جو قرآن اور سنت میں بتلایا گیا ہے۔ پس جو کوئی اس دین کو اختیار کرے اور اس طریقہ پر چلے وہی ''مسلم'' ہے اور اس ''اسلام'' کا دروازہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔اس کلمہ کو قبول کرکے اور اعتقاد کے ساتھ پڑھ کر عمر بھر کا غیر مسلم ''مسلم'' بن جاتا ہے۔اب اس کلمہ کی حقیقت کو سمجھئے کہ یہ دراصل ایک اقرار نامہ اور عہد نامہ ہے اس بات کا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو خدائے برحق اور معبود و مالک مانتا ہوں جو دنیا و آخرت کی ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور وہی مجھ کو پیدا کرنے والا۔مجھ کو روزی دینے والا۔مجھ کو مارنے اور جلانے والا ہے اور نفع اور نقصان سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔میں اسی ایک اکیلی ہستی کی عبادت و بندگی کروں گا۔اور بندہ کو جس طرح اپنے آقا اور مولا کے حکموں پر چلنا چاہئے اسی طرح میں اس کے حکموں پر چلوں گا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں خدا کا برحق رسول تسلیم کرتا ہوں۔ اب میں ایک امتی کی طرح ان کی اطاعت اور پیروی کروں گا اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرتا رہوں گا۔دراصل اسی عہد اور اقرار کا نام ''اسلام'' ہے اور یہی اس کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مقصد اور مطلب ہے پس جس مرد اور عورت نے اس کلمہ کو دل سے قبول کیا۔زبان سے اقرار کیا اور عمل سے اس کی شہادت دی وہ اللہ کے نزدیک سچا ''مسلم'' ہے اور اس کی مغفرت و نجات کا وعدہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

دوسری صفت مُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کی فرمائی یعنی ایمان رکھنے والے مرد اور ایمان رکھنے والی عورتیں ایمان کے اصل معنی ہیں کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننا۔اور دین کی اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک سے باہر ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم و ہدایات اللہ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں مثلاً اللہ اور اس کی صفات آخرت۔حشر و نشر۔جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ کے متعلق جتنی باتیں اللہ کے رسول بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر دل سے ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں '......ایمان'' ہے۔اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قسم کی غیبی حقیقتوں میں سے کسی ایک بات کو نہ ماننا اور اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کردیتی ہے۔تو آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے تو ایسے مومن مرد اور عورت کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا۔

تیسری صفت قَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ کی فرمائی یعنی فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں۔ اوپر عقائد و اعمال دونوں کا ذکر اسلام اور ایمان میں آ گیا اب تیسری صفت قنوت یعنی فرمانبرداری کی بتلائی گئی مطلب یہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ و رسول کے حکم کے مطابق بغیر پس و پیش جذبۂ اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ کرتے ہیں۔ ایسے فرمانبردار مرد و عورت کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا۔

چوتھی صفت صَادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ کی فرمائی یعنی سچے وراست باز مرد اور سچے وراست باز عورتیں۔ اس میں قول کی سچائی۔ عمل کی سچائی۔ نیت کی سچائی وغیرہ سب آ گئی یعنی جو اپنی گفتار میں بھی سچے ہیں۔ اپنے معاملات میں بھی سچے ہیں۔ جھوٹ فریب۔ بدنیتی۔ دغابازی ان کی زندگی میں نہیں پائے جاتے وہ وہی کام کرتے ہیں جو ایمانداری کے ساتھ ان کے نزدیک راستی وصداقت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ جس سے بھی معاملہ کرتے ہیں دیانت وراستی کے ساتھ کرتے ہیں تو ایسے صادق مرد اور ایسی صادق عورتوں کے لئے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا۔

پانچویں صفت صَابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ کی فرمائی یعنی صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ اس میں ہر قسم کا صبر۔ ثبات اور استقامت داخل ہے۔ طاعت پر بھی معاصی سے باز رہنے پر بھی۔ اور مصائب کو برداشت کرنے میں بھی یعنی جو مرد اور عورتیں خدا اور رسول کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر چلنے اور خدا کے دین کو قائم کرنے اور اس کی تبلیغ واشاعت میں جو مشکلات بھی پیش آئیں۔ جو خطرات بھی درپیش ہوں۔ جو تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں۔ اور جن نقصانات سے بھی دوچار ہونا پڑے سب کو برداشت کرتے ہیں اور ان کا پوری ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں کوئی خوف۔ کوئی لالچ۔ کوئی طمع اور خواہشات نفس کا کوئی تقاضہ ان کو سیدھی راہ اور شریعت کے حکم سے ہٹا دینے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ ایسے مرد اور ایسی عورتوں کے لئے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا۔

چھٹی صفت خَاشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ کی بیان فرمائی یعنی خشوع وخضوع کرنے والے مرد اور خشوع وخضوع کرنے والی عورتیں۔ یہ خشوع عبادات میں اور عادات میں دونوں کو شامل ہے یعنی جو تکبر۔ بڑائی اور غرور نفس سے خالی ہیں اور وہ اس حقیقت کا پورا احساس رکھتے ہیں کہ ہم بندے ہیں اور بندگی ہی ہم کو سزاوار ہے۔ اس لئے ان کے دل اور جسم دونوں ہی اللہ کے آگے عاجزی و تواضع سے جھکے رہتے ہیں۔ ان پر خدا کا خوف غالب رہتا ہے وہ اپنی نمازوں اور عبادات میں خشوع وخضوع کرنے والے ہیں ایسے مرد اور ایسی عورتوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا۔

ساتویں صفت مُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ کی فرمائی گئی یعنی صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور صدقہ وخیرات کرنے والی عورتیں۔ اس میں فرض زکوٰۃ اور تمام صدقات وخیرات سب شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ جو اللہ کی راہ میں کھلے دل سے اپنا مال صرف کرتے ہیں اللہ کے بندوں کی مدد کرنے میں اپنی حدِ استطاعت تک کوئی دریغ نہیں کرتے یتیموں۔ بیماروں۔ ضعیفوں معذوروں غریبوں اور محتاجوں کو اپنی امداد واعانت اور خبرگیری سے محروم نہیں رکھتے۔ اور اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لئے ضرورت پیش آ جائے تو وہ اس پر اپنا مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ ایسے صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا۔

آٹھویں صفت صَائِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ کی فرمائی یعنی روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ اس میں فرض اور نفلی روزے دونوں قسم کے شامل ہیں۔

نویں صفت حَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ اور حافظات کی فرمائی یعنی اپنے شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی حفاظت کرنے والی عورتیں اس میں دو مفہوم شامل ہیں ایک یہ کہ وہ زنا سے پرہیز کرتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ برہنگی اور عریانی سے

اجتناب کرتے ہیں اور برہنگی اور عریانی صرف اسی چیز کا نام نہیں ہے کہ آدمی لباس کے بغیر ننگا ہو جائے بلکہ ایسا لباس پہننا بھی برہنگی ہی ہے جو اتنا باریک ہو کہ جسم اس میں جھلکتا ہو یا اتنا چست ہو کہ جسم کی ساخت اس سے نمایاں ظاہر ہو۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مردوں کے لئے حَافِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ فرمایا اور عورتوں کے لئے صرف حافظات فرمایا۔ گویا مردوں کے لئے شرمگاہ کی حفاظت کی تصریح فرمادی اور عورتوں کے لئے صرف حفاظت کا اشارہ فرمایا۔ مفسرین نے اس کی توجیہ دو طرح پر کی ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عورتوں کو تعلیم ہے حیا کی۔ وہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعلیم تک میں اشارہ و کنایہ پر کفایت کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرد کے لئے شرمگاہ کا تحفظ کافی ہے۔ بخلاف اس کے عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے۔ اسے اپنے تحفظ کے لئے احتیاط اپنی رفتار۔ گفتار۔ لباس اور آواز ہر چیز میں رکھنا لازمی ہے۔

آخری اور دسویں صفت ذَاكِرِيْنَ وَالذّٰكِرَاتِ کی فرمائی یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں۔ اسلام کے خاص ارکان عبادت پانچ ہیں یعنی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج و جہاد لیکن پورے قرآن کریم میں ان میں سے کسی عبادت کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم نہیں مگر ذکر اللہ کے متعلق قرآن کریم کی متعدد آیات میں بکثرت کرنے کا ارشاد ہے اور اس کی حکمت غالباً یہ ہے کہ اول تو ذکر اللہ سب عبادات کی اصل روح ہے جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا۔ کسی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجاہدین میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کس کا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جوان میں سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے۔ پھر پوچھا کہ روزہ داروں میں کس کا ثواب سب سے زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے۔ پھر اسی طرح نماز۔ زکوٰۃ۔ حج وصدقہ کے متعلق سوال کئے ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ جو اللہ کا ذکر زیادہ کرے وہی زیادہ مستحق اجر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جہاد۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ صدقہ خیرات وغیرہ جملہ عبادات میں اجر و ثواب ذکر کی کثرت سے بڑھتا ہے۔ پھر علاوہ ذکر کے جتنی بھی عبادات ہیں ان کے لئے بہرحال کوئی وقت اور کوئی موقع اور محل ہوتا ہے جب کہ وہ ادا کی جاتی ہیں لیکن ذکر اللہ کی وہ عبادت ہے جو سب عبادات میں سب سے زیادہ سہل ہے اور ہر وقت ہر حال میں جاری رہ سکتی ہے۔ شریعت نے اس کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی۔ وضو۔ بے وضو۔ لیٹے۔ بیٹھے۔ چلتے پھرتے۔ غریبی میں امیری میں۔ دکھ میں سکھ میں۔ حضر میں سفر میں۔ ہر وقت میں ذکر اللہ کیا جا سکتا ہے۔ کثرت ذکر کا اثر اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ذاکر کسی وقت حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا۔ یہ امر و نہی کے موقع پر ظاہراً و باطناً تعلق مع اللہ کی برکت سے حق تعالیٰ کے احکام کا دھیان رکھے گا۔ اور پھر نتیجہ میں ذاکر اپنے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگے گا۔ ہر نعمت ملنے پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔ ہر حاجت پیش آنے پر حق تعالیٰ سے دعا مانگے گا۔ ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہوگا۔ ہر خطا اور قصور سرزد ہو جانے پر حق تعالیٰ سے استغفار کرے گا اور معافی چاہے گا۔ اس طرح ذاکر اپنے رب سے کسی آن غافل نہ رہے گا اور اس کے دنیا کے کام بھی دین اور عبادت بن جائیں گے۔

یہ دس صفات بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے جو انہیں آخرت میں ملے گا۔

دُعا کیجئے: کہ حق تعالیٰ ہمیں بھی اسلام کامل اور ایمان حقیقی نصیب فرمائیں۔ اور اپنے قانتین۔ صادقین صابرین خاشعین۔ متصدقین۔ صائمین۔ حافظین اور ذاکرین بندوں میں ہم کو بھی شامل فرماویں آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) اُن (مومنین) کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے

مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ

اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	لِمُؤْمِنٍ کسی مومن مرد کیلئے	وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اور نہ کسی مومن عورت کیلئے	اِذَا جب	قَضَى فیصلہ کردیں	اللّٰهُ اللہ	وَرَسُوْلُهٗ اور اس کا رسول
اَمْرًا کسی کام کا	اَنْ يَّكُوْنَ کہ (باقی) ہو	لَهُمُ ان کیلئے	الْخِيَرَةُ کوئی اختیار	مِنْ اَمْرِهِمْ ان کے کام میں	وَمَنْ اور جو	يَّعْصِ نافرمانی کریگا
اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسول	فَقَدْ ضَلَّ تو البتہ گمراہی میں جا پڑا	ضَلٰلًا گمراہی	مُّبِيْنًا صریح		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں مسلمین اور مسلمات اور مومنین اور مومنات کی صفات بیان فرما کر ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ اب اس آیت میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایمان اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ اور سپرد کردے اور خدا اور رسول جو حکم دیں دل و جان سے بسر وچشم اس کو قبول کرے اور بجالائے مرد ہو یا عورت جب خدا کا رسول کوئی حکم دے تو ایمان اور اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے سامنے سر جھکا دیں۔

اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے رشتہ داروں نے اس پیغام کو نامنظور کردیا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اسی سورۃ کے پچھلے رکوع میں ذکر آچکا ہے۔ جہاں صاف صاف یہ حکم سنایا گیا تھا کہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو اللہ نے تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنادیا اور پھر یہ بھی حکم ہوا تھا کہ تم ان کو یعنی منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو۔

چنانچہ ان ابتدائی آیات کے نزول کے بعد سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بجائے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جانے لگا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات کا خلاصہ بھی ان ہی مذکورہ آیات کے ضمن میں بیان کیا گیا تھا کہ کس طرح بچپن میں حضرت زید جو قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے اپنی نانہال گئے ہوئے تھے کہ وہاں لوٹ مار ہوئی اور یہ گرفتار ہو کر طائف کے قریب عکاظ کے بازار میں بحیثیت غلام فروخت کئے گئے۔ خریدنے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے خرید کر ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی ۸ سال ہی کے تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہونے کا شرف حاصل ہوگیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زید کو حضور اقدس کی خدمت میں ہبہ کردیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت زید کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ مکہ میں ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ زید کو ہمارے حوالہ کردیجئے اور جو رقم فدیہ کی آپ لینا چاہیں لے لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ زید کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ چاہیں تو

اپنے باپ اور چچا کے ساتھ چلے جائیں اور اگر چاہیں تو میرے ساتھ رہیں۔ زید نے عرض کیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتا۔ باپ اور چچا نے کہا بھی کہ تم غلامی کو پسند کرتے ہو اور اپنے خاندان باپ دادا کو چھوڑ کر اجنبی جگہ پر رہنا چاہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس ہستی کے ساتھ رہ کر میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے بعد میں دنیا میں کسی کو آپ پر ترجیح نہیں دے سکتا اور میں کسی حال آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ان کو آزاد کر دیا اور اپنا متبنیٰ یعنی اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور اسی وقت سے یہ زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے لگے۔ اور جب اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو پھر زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے محبوب صحابی تھے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ قرآن کریم میں یعنی اس سورۃ میں اگلی آیات میں ان کا نام بصراحت مذکور ہے یہ شرف صرف انہی کے حصہ میں آیا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان چار افراد میں سے ایک ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو ایک لحہ کے شک و تردد کے بغیر نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اسے تسلیم کرلیا۔ حضرت زید کی توقیر بڑھانے کے لئے اور نیز اس خیال سے کہ آزاد غلام مذہب اسلام میں حقیر نہ سمجھے جائیں اور ان کی عزت بھی احرار کی طرح ہو آپ نے ارادہ کیا کہ حضرت زید کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کر دیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میں ان سے نسب میں بہتر ہوں۔ اسی طرح کا اظہار نارضامندی حضرت زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کیا تھا اس لئے کہ حضرت زید گو نسلاً عربی الاصل تھے مگر غلامی کا داغ اٹھا چکے تھے۔ ان کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اتنے اونچے گھرانہ کی لڑکی۔ ہاشمی خاندان کی بیٹی ان کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے ہو۔ اس لئے حضرت زینب کے بھائی بھی اس عقد پر راضی نہ تھے اس پر یہ آیت زیر تفسیر نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ جس بات کا حکم اور فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کر دیں پھر اس کی خلاف ورزی کسی کے لئے جائز نہیں۔

اس وحی الٰہی کے نزول پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامل سر اطاعت خم کر دیا اور اپنی مرضی کو اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کر دیا۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوگیا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھایا اور خود حضرت زید کی طرف سے مہر کی رقم ادا کی اور کچھ کپڑے اور سامان خوراک گھر کے لئے بھجوا دیا۔ اور اس طرح آپ نے اپنے خاندان ہی سے عملی طور پر فخر بالانساب کی جڑ کاٹ دی تا کہ آپ کا عمل اسوۂ حسنہ بنے۔ پس یہ آیت گو شان نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان ہوتے ہوئے نہ تو کوئی مخالفت کر سکتا ہے نہ اسے ماننے نہ ماننے کا اختیار کسی کو باقی رہتا ہے۔ نہ رائے اور قیاس کرنے کا حق۔ جو حکم اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے اور اس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اس آیت کی رو سے کسی مسلم و مومن فرد کو یا قوم کو یا حکومت یا ریاست کو یا عدالت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم صراحت سے ثابت ہو اس میں وہ خود اپنی آزادیٔ رائے استعمال کرے۔ مومن اور مسلم ہونے کے معنی ہی خدا اور رسول کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے

دستبردار ہوجانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مومن بھی ہونا اور اپنے لئے اس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ جسے مومن رہنا ہو اس کو لازماً حکم خدا اور رسول کے آگے جھک جانا ہوگا اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو صاف ماننا پڑے گا کہ وہ مومن نہیں۔ قرآن پاک نے اسی مضمون کو اور بھی کئی جگہ بیان کیا ہے چنانچہ پانچویں پارہ سورۂ نسآء میں ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ لوگ اس اختلاف میں جو ان کے آپس میں ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں۔ تو آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کا حکم بننا ظاہر ہی تھا۔ بعد وفات شریف آپ کی شریعت حکم بننے کے لئے کافی ہے۔ فقہا نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اس کے رسول کے کسی حکم صریح میں شک و شبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اٹھارویں پارہ سورۂ نور کے اخیر میں ارشاد ہے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ پس جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت نازل ہوجائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب آ پکڑے۔ ایسا ہی مضمون صحیح حدیث میں آیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ بن جائے جو میں لایا ہوں۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا یا رسول اللہ وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔

الغرض اس آیت اور ان تمام ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں جب کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر اللہ و رسول کے تابع و ماتحت ہوجائیں۔ الحاصل اس آیت میں خدا اور رسول کے فیصلہ سے اعراض و انحراف اور عدول کو حرام اور ممنوع قرار دیا اس لئے کہ وہ ایمان و اسلام کے منافی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں اسلام اور حقیقی معنی میں ایمان نصیب فرمائیں۔ اور ہمیں ظاہراً و باطناً شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نصیب فرمائیں اللہ تعالیٰ ہماری خواہشوں کو اپنے رسول پاک کے لائے ہوئے دین کے تابع بنادیں اور قرآن و سنت کے احکام کو ہمارے ملک میں رائج ہونے کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ

اور جب آپ اس شخص سے فرمار ہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر

اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا

اور آپ اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے سزاوار ہے، پھر

قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ

جب زید کا اس سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے (نکاح کے) بارہ میں کچھ تنگی نہ رہے

اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا

جب وہ (منہ بولے بیٹے) اُن سے اپنا جی بھر چکیں، اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا ہی تھا۔ اور ان پیغمبر کیلئے جو بات (تکوینا یا تشریعا) خدا تعالیٰ نے مقرر کر دی تھی

فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿٣٨﴾

اس میں نبی پر کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ نے ان (پیغمبروں) کے حق میں (بھی) یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گذرے ہیں، اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا (پہلے سے) ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٣٩﴾

یہ سب (پیغمبران گذشتہ) ایسے تھے کہ اللہ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور (اس باب میں) اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے، اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔

وَاِذْ اور (یاد کرو) جب	تَقُوْلُ آپ فرماتے تھے	لِلَّذِيْٓ اس شخص کو	اَنْعَمَ اللّٰهُ اللہ نے انعام کیا	عَلَيْهِ اس پر	وَاَنْعَمْتَ اور آپ نے انعام کیا		
عَلَيْهِ اس پر	اَمْسِكْ روکے رکھ	عَلَيْكَ اپنے پاس	زَوْجَكَ اپنی بیوی	وَاتَّقِ اللّٰهَ اور ڈر اللہ سے	وَتُخْفِيْ اور آپ چھپاتے تھے	فِيْ نَفْسِكَ اپنے دل میں	
مَا اللّٰهُ جو اللہ	مُبْدِيْهِ اس کو ظاہر کرنے والا	وَتَخْشَى اور آپ ڈرتے تھے	النَّاسَ لوگ	وَاللّٰهُ اور اللہ	اَحَقُّ زیادہ حقدار	اَنْ کہ	
تَخْشٰىهُ تم اس سے ڈرو	فَلَمَّا پھر جب	قَضٰى پوری کرلی	زَيْدٌ زید	مِّنْهَا اس سے	وَطَرًا اپنی حاجت	زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے اسے تمہارے نکاح میں دیدیا	
لِكَيْ تاکہ	لَا يَكُوْنَ نہ رہے	عَلَى پر	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں	حَرَجٌ کوئی تنگی	فِيْٓ اَزْوَاجِ بیویوں میں	اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اپنے لے پالک	اِذَا جب وہ
قَضَوْا پوری کرچکیں	مِنْهُنَّ ان سے	وَطَرًا اپنی حاجت	وَكَانَ اور ہے	اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا حکم	مَفْعُوْلًا ہو کر رہنے والا	مَا كَانَ نہیں ہے	
عَلَى النَّبِيِّ نبی پر	مِنْ حَرَجٍ کوئی حرج	فِيْمَا اس میں جو	فَرَضَ اللّٰهُ مقرر کیا اللہ نے	لَهٗ اس کیلئے	سُنَّةَ اللّٰهِ اللہ کا دستور	فِي میں	الَّذِيْنَ وہ جو
خَلَوْا گزرے	مِنْ قَبْلُ پہلے	وَكَانَ اور ہے	اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا حکم	قَدَرًا مقرر کیا ہوا	مَّقْدُوْرَا اندازہ سے	الَّذِيْنَ وہ جو	يُبَلِّغُوْنَ پہنچاتے ہیں
رِسٰلٰتِ اللّٰهِ اللہ کے پیغامات	وَيَخْشَوْنَهٗ اور اس سے ڈرتے ہیں	وَلَا يَخْشَوْنَ اور وہ نہیں ڈرتے	اَحَدًا کسی سے	اِلَّا اللّٰهَ اللہ کے سوا	وَكَفٰى اور کافی ہے		
بِاللّٰهِ اللہ	حَسِيْبًا حساب لینے والا						

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ عام حکم نازل ہوا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول کسی بات کو طے کر دیں یا کسی امر کا فیصلہ دے دیں تو پھر کسی مسلم اور مومن مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں رہتی کہ اگر چاہیں تو اس کام کو کریں اور چاہیں تو نہ کریں بلکہ ان کو اس کا ماننا ضروری ہے اور اس پر بے چوں وچرا عمل کرنا چاہئے۔ چنانچہ گذشتہ آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے بھائی وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو منظور کرلیا اور نکاح ہو گیا۔ اب آگے اس نکاح کے بعد کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے۔ جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آگئیں تو اتفاق امر کہ میاں بیوی میں مزاج کی موافقت نہ ہوئی۔ آئے دن جھگڑے ہونے لگے۔ جب آپس میں بدمزگی اور لڑائی ہوتی تو حضرت زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کرتے کہ ان روزانہ کے جھگڑوں سے تو بہتر یہ ہے کہ میں زینب کو طلاق دے دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کو سمجھاتے کہ زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور جہاں تک ہو سکے نباہ کرنے کی کوشش کرو۔ مگر دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی ہی چلی گئیں اور ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت زید کو سمجھایا کہ دیکھو میری خاطر اور اللہ ورسول کے حکم سے زینب نے تم کو اپنی منشا کے خلاف قبول کیا۔ اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے اس لئے بیوی کو اپنے پاس رکھو اور طلاق دینے کا خیال چھوڑ دو اور خدا سے ڈرو کیونکہ حق تعالیٰ کو طلاق پسند نہیں ہے اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرو مگر جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا اور شکایتیں اور رنجشیں حد سے بڑھ گئیں اور آپ کو خواہ وحی سے خواہ قرائن سے اور خواہ دونوں سے یہ یقین ہو گیا کہ اب یہ تعلق ازدواج نبھ نہیں سکتا تو قدرتاً آپ کو اس کی فکر پیدا ہوئی کہ اگر ان میاں بیوی میں علیحدگی واقع ہوئی تو زینب کے بارہ میں بڑی مشکل پیش آئے گی کہ زید کی زوجیت میں رہ چکنے کے سبب لوگ زینب کے اعزاز واحترام میں کمی کریں گے ایک تو زینب نے اپنی مرضی کے خلاف میرے کہنے سے آزاد شدہ غلام سے نکاح منظور کیا تھا پھر طلاق کے بعد اسے دوسرا صدمہ ہوگا اور کہیں ساری زندگی ایک آزاد شدہ غلام کی مطلقہ ہی کہلا کر نہ بسر کرنا پڑے اور یہ جس قدر شاق ہوگا ظاہر ہے۔ تو اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ اگر ناچار ہو کر زید چھوڑ ہی دیں گے تو زینب کی دلجوئی اور قدر افزائی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کرلوں۔ میرا اس سے نکاح کر لینا ایک قسم کی معذرت ہوگا کہ اگر زید نے نہ نباہا تو نہ سہی میں تمہیں نباہوں گا۔ مگر اس خیال کے ساتھ آپ کو یہ بھی اندیشہ ہوا کہ مخالفین میری طرف سے غلط اور جھوٹے چرچے کریں گے اور کہیں گے کہ لو جی! بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی۔ اس طرح لوگوں کو میری طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کریں گے اور اسلام کو اس بہانہ بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔ حالانکہ یہ حکم پہلے آچکا ہے کہ اللہ کے نزدیک منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے کے حکم میں نہیں آپ اس فکر ہی میں تھے کہ حضرت زید اور حضرت زینب کی ناچاقی نے صورت حال بدل دی اور وحی الٰہی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ وقت آ گیا ہے کہ اب متبنیٰ کی رسم جاہلیت کا خاتمہ کر دیا جائے اور جس طرح آپ نے فخر بالانساب کے پہلو کو اپنے خاندان ہی میں سب سے پہلے توڑا اسی طرح اس "منہ بولے بیٹے" کی رسم کے توڑنے کی ابتدا بھی خود ذات اقدس ہی کے عمل سے ہو اور یہ اس طرح کہ زید جب طلاق دے دیں تو پھر زینب کا عقد آپ سے ہو جائے اس طرح اس واقعہ سے ایک طرف جہاں زینب اور ان کے خاندان کو جو صدمہ پہنچے اس کا اندمال ہو سکے اور دوسری جانب یہ تین اصلاحیں خود آپ کی ذات بابرکات سے شروع ہوں۔ ایک اسلام میں متبنیٰ یعنی لے پالک یا منہ بولے بیٹے کا وہ حق نہ سمجھا جائے جو صلبی بیٹوں کا ہے اور دونوں قسم کے تعلقات میں جو فرق ہے وہ ظاہر کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ منہ بولے بیٹوں کی عورتیں صلبی بیٹوں کی عورتوں کی طرح حرام سمجھی جائیں۔ تیسرے یہ کہ آزاد غلاموں کی مطلقہ عورتوں کی حیثیت جن کو شرفائے اہل عرب اپنی زوجیت میں لینے سے انکار کرتے تھے ان کی وہی حیثیت قرار دی جائے جو احرار کی مطلقہ عورتوں کی ہے یعنی ان سے بے پس وپیش نکاح کرلیا جائے۔ چنانچہ وحی الٰہی کی تعمیل میں حضرت زید کے طلاق دینے اور عدت گزر جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت زینب سے نکاح فرمالیا۔ اور یہ نکاح خود حضرت زینب کے بھائی نے پڑھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر ۴۰۰ درہم کا رکھا اور گوشت روٹی سے دعوت ولیمہ فرمائی۔ جب حضرت زینب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح ہو چکا تو اس پر منافقین۔ یہود اور مشرکین نے آپ کے خلاف اعتراضات اور طعن کا طوفان اٹھایا اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی شک اور الجھن پیدا کرنا چاہی اس لئے ان آیات میں اور آگے اللہ تعالیٰ نے تمام امکانی شبہات کا ازالہ فرمایا اور دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بتلایا کہ ان حالات میں کیا رویہ ہونا چاہئے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ آپ فہمائش اور مشورہ کے طور سے اس شخص کو سمجھا رہے تھے کہ جس پر اللہ نے بھی انعام کیا کہ اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے چھڑایا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ تعلیم دین فرمائی۔ آزاد کیا۔ اور پھوپھی زاد بہن سے نکاح کرایا۔ مراد اس سے حضرت زید ہیں کہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھاتے تھے کہ اپنی بیوی زینب کو اپنی زوجیت میں رکھو اور ان کی معمولی خطاؤں پر نظر نہ کرو کہ گاہے اس سے ناموافقت ہو جاتی ہے اور خدا سے ڈرو اور اس کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو۔ لیکن جب شکایتیں حد سے متجاوز ہو گئیں اور آپ کو اصلاح اور موافقت کی امید نہ رہی تو اس وقت فہمائش کے ساتھ آپ اپنے دل میں وہ بات بھی چھپائے ہوئے تھے کہ جس کو اللہ تعالیٰ آخر میں ظاہر کرنے والا تھا (مراد اس سے وہی خیال تھا کہ اگر زید نے طلاق دے دی تو پھر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اشک شوئی اور تلافی میرے ہی نکاح سے ہو سکتی ہے) اور اس نکاح کے خیال کے ساتھ آپ لوگوں کے طعن سے بھی اندیشہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اندیشہ پر کہ مخالفین طعن و تشنیع کریں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے کہنے سننے کا کیا ڈر۔ ڈرنا تو بس ایک خدا ہی سے سزاوار ہے۔

آگے آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب زید کا جی بھر گیا یعنی انہوں نے طلاق دے دی اور زمانۂ عدت بھی گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں لانے کا فیصلہ اور حکم فرما دیا اور یہ فیصلہ اس وجہ سے فرمایا تا کہ عرب میں جو غلط رسوم منہ بولے بیٹوں کے بارہ میں رائج ہو گئی تھیں وہ توڑی جائیں اور اسلامی شریعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے یہ ظاہر کر دیا جائے کہ اسلام میں اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں سے نکاح درست ہے اگر وہ منہ بولے بیٹے انہیں طلاق دے دیں۔

یہاں آیت میں فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا فرمایا پھر جب زید کا دل اس عورت سے بھر گیا۔ تو تمام صحابہ میں یہ شرف حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کا نام قرآن میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اور کسی صحابی یا صحابیہ کا نام صراحت سے قرآن پاک میں نہیں آیا۔ آگے لوگوں کے طعن و اعتراض کے بارہ میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہو گیا۔ انبیاء و رسل جتنے بھی پہلے گزرے ہیں ان کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی معمول کر رکھا تھا کہ ان کو جس امر کی اجازت ہوتی ہے بے تکلف وہ اس امر کو کرتے ہیں چنانچہ آپ بھی کسی کے کہنے سننے کی پروا نہ کیجئے اور اللہ کا حکم حکمت و مصلحت پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے آپ بھی اندیشہ نہ کیجئے۔ آگے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا یعنی حساب لینے کے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی اور کی باز پرس سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ان آیات میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر کیا تھا۔ (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی ضرورت و مصلحت کی خاطر کرایا تھا کہ جو خاطر خواہ اسی تدبیر سے پوری ہو سکتی تھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسولؐ ہیں اور نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۟

ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

مَاكَانَ نہیں ہیں	مُحَمَّدٌ محمد	اَبَآ باپ	اَحَدٍ کسی کے	مِنْ رِّجَالِكُمْ تمہارے مَردوں میں سے	وَلٰكِنْ اور لیکن	رَسُوْلَ اللّٰهِ اللہ کے رسول
وَخَاتَمَ اور مُہر	النَّبِيّٖنَ نبیوں	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	بِكُلِّ شَیْءٍ ہر شے کا	عَلِيْمًا جاننے والا	

(حصہ اول)

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب سے نکاح کے سلسلہ میں بصراحت فرمایا گیا تھا کہ یہ کام آپ نے خداوند ذوالجلال کے حکم سے کیا اور یہ بھی بتلایا گیا کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے ایک اہم ضرورت کی خاطر کرنے کا حکم دیا اور وہ یہ کہ جاہلیت کی رسم کو گود لئے ہوئے بیٹے مثل حقیقی اور صلبی بیٹوں کے تصور کئے جاتے تھے توڑے۔ اس سلسلہ میں مخالفین نے جو طعن اور اعتراض اٹھائے اس کا ایک جواب تو گذشتہ آیات میں مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ فرما کر دے دیا گیا تھا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی ایسے کام میں کوئی الزام نہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہو۔ یعنی یہ نکاح کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک فرض تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر عائد کیا تھا۔ تو یہ کام آپ نے خدا کے حکم سے کیا اس میں آپ پر طعن کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ اب آگے اس آیت میں اعتراض کرنے والوں کو خطاب کر کے ان کے تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دی گئی جو مخالفین اس نکاح پر کر رہے تھے چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اے معترضو! تمہارے اعتراضات محض لغو اور لایعنی ہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔ نہ زید کے اور نہ کسی کے پس انہوں نے ہرگز اپنے بیٹے کی مطلقہ بہو سے شادی نہیں کی۔ جب ان کے کوئی بیٹا ہی نہیں ہے تو بہو کے ساتھ نکاح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد بلوغت کو پہنچی ہی نہیں۔ قاسم۔ طیب اور طاہر تین بچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئے لیکن تینوں بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ پھر حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے جن کا نام ابراہیم تھا یہ بھی دودھ پینے ہی کے زمانہ میں انتقال فرما گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چار صاحبزادیاں۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں ان میں تین صاحبزادیاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں رحلت فرما گئی تھیں۔ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد ہوا۔ تو معترضین کا اعتراض یہ تھا کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد ہی نہیں یعنی جس شخص کی مطلقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ جو اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہوتا؟ تم لوگ سب جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بیٹا موجود ہی نہیں۔ اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ یہ نکاح ناجائز تو

نہیں لیکن اگر نہ ہوتا تو بہتر تھا کہ اعتراض کا موقع ہی نہ ہوتا تو اس کے جواب میں فرمایا گیا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارہ میں تمام جہالت کے تعصبات وخیالات باطلہ کا خاتمہ کر دیں اور ایک حلال چیز کی ملت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں پھر مزید تاکید کے لئے آگے فرمایا وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی وہ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہیں یعنی ان کے بعد کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک آنے والا نہیں۔ آپ سب نبیوں کے ختم پر ہیں تو اگر قانون ومعاشرہ کی کوئی اصلاح آپ کے زمانہ میں نافذ ہوجانے سے رہ جائے تو بعد میں کوئی نبی آنے والا نہیں کہ جو یہ کسر پوری کردے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ وہ اس رسمِ جاہلیت کا خاتمہ خود ہی کریں۔ اس کے بعد مزید زور دیتے ہوئے فرمایا گیا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس رسم جاہلیت کو ختم کرانا کیوں ضروری تھا اور ایسا نہ ہونے میں کیا خرابی تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اب اس کی طرف سے دنیا میں کوئی اور نبی آنے والا نہیں لہٰذا (اگر اپنے آخری نبی کے ذریعہ اس رسم کا خاتمہ نہ کرایا تو پھر کوئی دوسری ہستی دنیا میں ایسی نہ ہوگی کہ جس کے توڑنے سے یہ رسم تمام دنیا کے مسلمانوں سے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے تو خلاصہ یہ کہ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہش سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اس لئے اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ علیم ہیں یعنی ہر چیز کی مصلحت سے پوری طرح واقف ہیں اس لئے یہ مصلحت اپنے نبی کے لئے تجویز کی۔ غرضیکہ معترضین کے اعتراضات بالکل لغو ہیں۔

یہاں اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدائشی نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کا یہ اسم گرامی ۴ جگہ آیا ہے۔ ایک اسی آیت زیر تفسیر میں اور دوسرے چوتھے پارہ سورۂ آل عمران میں۔ تیسرے ۲۶ ویں پارہ سورۂ محمد میں اور چوتھے سورۂ فتح میں۔ اس کے علاوہ دوسرا اسم گرامی احمد ہے جو قرآن کریم میں صرف ایک ۲۸ ویں پارہ سورۂ صف میں آیا ہے۔ ان دو ناموں کے علاوہ باقی آپ کے اسمائے صفات والقاب ہیں۔ جن کے شمار میں اختلاف ہے۔ مشہور محدث ابوبکر بن عربی نے شرح ترمذی میں آپ کے اسمائے صفات والقاب کا شمار ۶۴ کرایا ہے۔ بعض محدثین نے ۹۹ اور بعض نے ۳۰۰ اور بعض اہل علم نے ان کو ایک ہزار تک پہنچایا ہے۔ بہرحال اسمائے اعلام صرف دو ہیں محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور باقی اسمائے صفات اور القاب ہیں۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک بے نظیر تھی آپ کے یہ اسماء بھی بے مثل تھے۔ آپ سے پہلے کسی کے ذہن میں ان اسماء کا وہم وگمان بھی نہ ہوا تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ کی ولادت مبارک کا زمانہ نزدیک آگیا تو کاہنوں منجموں اور اہل کتاب نے نام لے کر آپ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس نبی منتظر کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد واحمد رکھنا شروع کردیا۔ جہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے جن کے نام محمد واحمد رکھے گئے تھے ان کی کل تعداد چھ تک ہے۔ محمد کے لفظی معنی ہیں جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں اور لفظ احمد اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

(۱) تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔

(۲) تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثنا کا مستحق۔

توراۃ میں آپ کا نام محمد ذکر کیا گیا کیونکہ آپ کے اوصاف حمیدہ۔ آپ کی امت۔ آپ کے دین کے فضائل وکمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول کو بھی آپ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے

لگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بشارت میں لفظ احمد فرمایا یعنی میرے بعد وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ الغرض لفظ محمد اور احمد کے مفہوموں کے لحاظ سے آپ سطح عالم پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ کی ذات مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں اس لئے محمد اور احمد نام پانے کے لئے بھی آپ کی ذات مبارک منتخب ہوئی۔ اس لئے آپ سے پہلے بھی جس نے یہ نام رکھا آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں بھی جس نے اس نام کو اختیار کیا آپ ہی کے اتباع میں کیا۔ **اللھم صل وسلم علی رسول اللہ وبارک علیه.**

یہاں موقع کی مناسبت سے محمد یا احمد نام رکھنے کی برکت وفضیلت بھی ذکر کردی جائے۔ مولانا محمد اسحاق صاحبؒ جو نواسے اور جانشین تھے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ دہلوی کے۔ وہ لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھنے کے بارہ میں اپنی تالیف رفاہ المسلمین میں لکھتے ہیں۔

لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھنا مستحب ہے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکوں کا نام میرے نام پر رکھو اور سنن ابوداؤد میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکوں کا نام پیغمبروں کے نام پر رکھا کرو اور طبرانی نے جامع کبیر میں اور عدیؒ نے کامل میں بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس شخص کے تین لڑکے ہوں پھر اس نے ان میں سے ایک کا بھی نام محمد نہ رکھا تو بڑی نادانی کی یعنی بسبب اپنی نادانی کے ایسی بڑی نعمت و برکت سے محروم رہا...... احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جس لڑکے کا نام محمد ہو اس کی تعظیم وتکریم کرنی چاہئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم کیا کرو...... اور اخبار اور روایات میں وارد ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس کی شفاعت فرما کر بہشت میں لاویں گے اور اشرف الوسائل شرح الشمائل میں لکھا ہے کہ انسان کو چاہئے اپنی اولاد کا نام قصداً اور تاکیداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے رکھے اس واسطے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے رسول قسم کھاتا ہوں میں اپنی عزت اور جلال کی کہ جس شخص کا نام تیرے نام سے موسوم ہوگا میں اس کو ہرگز آتش دوزخ سے عذاب نہ دوں گا اور ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر عہد کرلیا ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا میں اس کو ہرگز دوزخ میں نہ ڈالوں گا پس آدمی کو چاہئے کہ اپنی اولاد کا نام بہت اچھا اور بہتر رکھے اس واسطے کہ قیامت کے دن آدمی کو اس کے نام سے اور اس کے باپ کے نام سے پکاریں گے اور صحیح ترمذی میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکوں کا نام ان کے پیدا ہونے سے ساتویں دن رکھا کرو۔ (رفاہ المسلمین فی شرح مسائل اربعین ص ۹۸)

(دعاء اے اللہ یہ حقیر فقیر (مؤلف درس قرآن ہذا) کس قدر خوش نصیب ہے کہ آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھ کو دنیا میں موسوم کئے جانے کے لئے کیسا پیارا۔ بزرگی اور عظمت والا نام محمد احمد عطا فرمایا اور کیسی بڑی غیر اختیاری نعمت سے نوازا۔

اللھم ربنا لک الحمد ولک الشکر ارجو رضاک فلا تحرم نوالک من بدعی باسم حبیبک فی البلدان والرفق.

(یہ ناچیز آپ کی رضا کا امیدوار ہے۔ اپنی بخشش اور عنایت سے اس غلام کو محروم نہ فرمائیے جو تمام بلاد اور احباب میں آپ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے)

یہ مضمون اور دعا درمیان میں اضطراری طور پر آ گیا۔

قرآن کریم نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ کو خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرما کر آپ کی ختم نبوت کا اعلان فرمایا یعنی آپ رسول اللہ ہونے کے علاوہ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ بھی ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ دو باتوں کا تصور ضروری ہے۔ ایک یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں دوسرے یہ کہ آپ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ہیں اور ان دو تصورات میں آپ کا امتیازی تصور خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ہی ہے۔ قرآن، حدیث اور اجماع تینوں لحاظ سے امت کا یہ عقیدہ ہے کہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عقیدہ کے خلاف اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ نبوت کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی ہو سکتا ہے تو تمام محدثین ومفسرین اور علمائے امت کے نزدیک وہ قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے (کہ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت پر شکر کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے رحم وکرم سے ایسے عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف بھیجا اور انہیں خَتَمَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیۡنَ بنایا اور آسان۔ سچا دینِ حنیف آپ کے ہاتھوں کمال کو پہنچایا۔ رب العالمین نے اپنی کتاب میں اور رحمۃ للعالمین نے اپنی متواتر حدیثوں میں یہ خبر دے دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ پس جو شخص بھی آپ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا۔ مفتری۔ دجال گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے گو وہ شعبدے دکھائے۔ جادوگری کرے۔ اور بڑے کمالات اور عقل کو حیران کر دینے والی چیزیں پیش کرے اور طرح طرح کی نیرنگیاں دکھائے لیکن عقلمند جانتے ہیں کہ یہ سب فریب دھوکہ اور مکاری ہے۔ ہر اس شخص کا جو قیامت تک اس دعوے سے مخلوق کے سامنے آئے گا اس کا جھوٹ اور اس کی گمراہی سب پر کھل جائے گی یہاں تک کہ سب سے آخری دجال مسیح دجال آئے گا۔''

الغرض پہلی صدی سے آج تک پوری دنیائے اسلام متفقہ طور پر ''خاتم النبیین'' کے معنی آخری نبی ہی سمجھتی رہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے دروازہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند تسلیم کرنا ہر زمانہ میں تمام اہل اسلام کا متفق علیہ عقیدہ رہا ہے اور اس امر میں اہل اسلام کے درمیان کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا جو اس کے دعوے کو مانے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ اس عقیدۂ اسلام کی بنا پر مرزا غلام قادیانی اور اس کے متبعین کو پاکستان میں ستمبر ۱۹۷۴ء میں بالاتفاق کافر اور خارج از اسلام قرار دیا گیا اور تمام اسلامی دنیا کو اس امر سے آگاہ کر دیا گیا مگر افسوس ہے کہ اس کے باوجود اس چودھویں صدی میں گمراہ قادیانیوں نے اس آیت زیر تفسیر کی غلط تاویلات کر کے نہ صرف نبوت کا دروازہ کھول رکھا ہے بلکہ عقیدہ ختم نبوت کے رکھنے والے کو وہ معاذ اللہ لعنتی اور مردود قرار دیتے ہیں۔ اور پھر اپنی گمراہی میں بعض سیدھے سادے مسلمانوں کو بھی شکار کر کے پھانستے ہیں اور دین ایمان سے کھوتے ہیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو خاتم الانبیاء والمرسلین کی امت میں پیدا فرمایا اور دین اسلام کی دولت سے نوازا۔ حق تعالیٰ ہمیں اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے رسول پاک کا سچا و پکا متبع اور وفادار امتی ہونا نصیب فرمائیں۔ اس وقت جو طرح طرح کی گمراہیاں اور فتنے پھیل رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہماری اور پوری امت مسلمہ کی حفاظت فرمائیں اور مضبوطی سے دین کو پکڑنے اور اس پر جمے رہنے کی ہمت۔ توفیق اور استقامت عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ

اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔اور صبح و شام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح (تقدیس) کرتے رہو۔وہ ایسا (رحیم) ہے

يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

کہ وہ (خود بھی) اوراس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے، اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم اور اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے عمدہ صلہ (جنت میں) تیار کر رکھا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ایمان والو	اذْكُرُوا یاد کرو تم	اللّٰهَ اللہ	ذِكْرًا یاد	كَثِيْرًا بکثرت	وَ سَبِّحُوْهُ اور پاکیزگی بیان کرو اسکی	بُكْرَةً صبح
وَاَصِيْلًا اور شام	هُوَ الَّذِيْ وہی جو	يُصَلِّيْ بھیجتا ہے	عَلَيْكُمْ تم پر	وَمَلٰٓئِكَتُهٗ اور اس کے فرشتے	لِيُخْرِجَكُمْ تاکہ وہ تمہیں نکالے	مِّنَ سے	
الظُّلُمٰتِ اندھیروں	اِلَى النُّوْرِ نور کی طرف	وَكَانَ اور ہے	بِالْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں پر	رَحِيْمًا مہربان	تَحِيَّتُهُمْ اُن کی دعا	يَوْمَ جس دن	
يَلْقَوْنَهٗ وہ ملیں گے اس کو	سَلٰمٌ سلام	وَاَعَدَّ اور تیار کیا اس نے	لَهُمْ ان کیلئے	اَجْرًا اجر	كَرِيْمًا بڑا اچھا		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیت جو مخالفین اور منافقین کے طعن واعتراض بسلسلہ نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفع کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی اس میں ضمناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت رسالت وختم نبوت کا ذکر فرمایا گیا تھا۔تو چونکہ حق تعالیٰ نے یہ ایک بہت بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر اور پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کے لئے بھیجا اس لئے آگے ان آیات میں اہل اسلام کو خطاب کر کے اس احسانِ عظیم کے شکریہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر و طاعت کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر اس ذکر وطاعت کی مزید ترغیب کے لئے حق تعالیٰ اپنے بھی دنیوی و اخروی احسانات کا ذکر فرماتے ہیں چنانچہ ان آیات میں ایمان والوں کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو تم احسانات الٰہیہ کو عموماً اور ایسے عظیم الشان رسول کی بعثت کو خصوصاً یاد کر کے حق تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔اور وہ شکر اس طرح ادا کرو کہ منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو۔اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے رات دن۔صبح شام ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو اور اس کے ذکر وطاعت پر دوام رکھو۔اور اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرتے رہو۔یہاں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کی حقیقی شکر گزاری یہی ہے کہ حق تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا جائے۔اور یہ ذکر کرنا عام ہے یعنی زبان سے بھی دل سے بھی اور اعضا و جوارح سے بھی اور اس کی طاعت پر دوام رکھا جائے اس میں ہر طرح کے اعمال صالحہ جانی و مالی سب آگئے۔آگے حق تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے۔یہ ہی رحمت و برکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے علم وہدایت کے اجالے میں لاتی ہے۔اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔اسی کی مہربانی سے مومنین رشد وہدایت اور ایمان واحسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں یہ تو دنیا میں ان کا حال ہوا۔آگے آخرت کا اعزاز واکرام ذکر فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجے گا۔اور فرشتے سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آئیں گے اور مومنین کی آپس میں بھی یہی دعاء سلام ہوگی۔اللہ تعالیٰ آخرت میں جن کا خود سلام سے استقبال فرمائیں ان کے اعزاز واکرام کا

کیا کہنا۔ ٢٣ویں پارہ سورۂ یٰس میں فرمایا گیا ہے

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ حدیث شریف میں ایک روایت ہے کہ بلا واسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائینگے۔ سبحان اللہ اس وقت کے عزت اور لذت کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی یہ نعمت عظمیٰ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

ملائکہ کے سلام کے متعلق سورۂ نحل چودھویں پارہ میں ارشاد ہے۔

يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

یعنی فرشتے کہیں گے تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے نیک اعمال کی بدولت جو دنیا میں کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا یہ سلام مومنین کی تعظیم و اکرام کے لئے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ فرشتوں کا سلام ہم سب کو بھی سننا نصیب فرمائیں۔ پھر خود آپس میں مومنین ایک دوسرے کو سلام کریں گے جیسا سورۂ یونس گیارہویں پارہ میں ارشاد ہوا۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یعنی جنتی جنت کی نعمتوں اور خدا کے فضل و احسان کو دیکھ کر سبحان اللہ پکاریں گے۔ اور جنتی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں گے جیسے دنیا میں مسلمانوں کا دستور ہے اور جنت میں پہنچ کر جب دنیا کی فانی لذتوں کا مقابلہ وہاں کے دائمی عیش و سرور سے کریں گے تو الحمد للہ رب العٰلمین کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ کلمہ کہنا نصیب فرمائیں تو آخرت میں یہ سلام کا اعزاز و اکرام تو روحانی انعام ہے آگے جسمانی انعام کی خبر دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کے لئے نہایت عمدہ صلہ جنت میں تیار کر رکھا ہے کہ ان کے جانے کی دیر ہے یہ گئے اور وہ ملا۔

یہاں ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے ذکر کی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن پاک میں اور بھی بیسوں جگہ ذکر اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ چونکہ اسلام کی تعلیم اور اس کا مطالبہ یہ ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ اسلام درحقیقت نام ہی اس کا ہے کہ اللہ کے بندے اپنی پوری زندگی احکام الٰہی کے ماتحت گزاریں اور ہر حال اور ہر معاملہ میں وہ اللہ کی فرمانبرداری کریں اور چونکہ یہ بات کامل طور پر جبھی ہو سکتی ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ کا خیال رہے اور اس کے دل میں اللہ کی عظمت و محبت پوری طرح بیٹھ جائے۔ ہر وقت اللہ کا اور اس کے حکموں کا خیال رہے اور آدمی کا دل اللہ سے غافل نہ ہو۔ یہی حقیقت ہے ذکر کی اور اسی لئے قرآن کریم کی ایک خاص تعلیم یہ ہے کہ بندے کثرت سے اللہ کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا سے اپنی زبانیں تر رکھیں۔ دل میں اللہ کی محبت اور عظمت پیدا کرنے کا یہ ایک خاص ذریعہ اور آزمودہ نسخہ ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ آدمی جس کی عظمت و کمال کے خیال میں ہر وقت ڈوبا رہے اور جس کی یاد و دھیان سے دل و دماغ بسا رہے اس کی عظمت و محبت ضرور پیدا ہو جائے گی اور برابر ترقی کرتی رہے گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ذکر کی کثرت عشق و محبت کے چراغ کو روشن کرتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کامل اطاعت و بندگی کی وہ زندگی جس کا نام اسلام ہے وہ صرف محبت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ صرف محبت ہی وہ چیز ہے جو محب صادق کو محبوب کا کامل مطیع اور فرمانبردار بنا دیتی ہے۔ اسلئے قرآن پاک میں ذکر کی کثرت کی سخت تاکید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو ظاہراً و باطناً زندگی کے ہر شعبہ میں شریعت اسلامیہ کی پابندی نصیب فرماویں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ

اے نبیؐ ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں،

وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔ اور مومنین کو بشارت دیجئے کہ اُن پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے۔

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں اور اُن کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، اور اللہ کافی کارساز ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبیؐ	اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بیشک ہم نے آپ کو بھیجا	شَاهِدًا گواہی دینے والا	وَّمُبَشِّرًا اور خوشخبری دینے والا	وَّنَذِيْرًا اور ڈرسنانے والا	
وَّدَاعِيًا اور بُلانے والا	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	بِاِذْنِهٖ اس کے حکم سے	وَسِرَاجًا اور چراغ	مُّنِيْرًا روشن	وَبَشِّرِ اور خوشخبری دیں
الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں	بِاَنَّ یہ کہ	لَهُمْ ان کیلئے	مِّنَ اللّٰهِ اللہ (کی طرف) سے	فَضْلًا فضل	كَبِيْرًا بڑا
وَلَا تُطِعِ اور کہنا نہ مانیں	الْكٰفِرِيْنَ کافر	وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور منافق	وَدَعْ اور خیال نہ کریں	اَذٰىهُمْ ان کا ایذا دینا	وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ کریں
عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	وَكَفٰى اور کافی	بِاللّٰهِ اللہ	وَكِيْلًا کارساز		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے مضمون بسلسلۂ نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ پہلے مخالفین ومعترضین کو خطاب کر کے بتلایا گیا تھا کہ تمہارے اعتراضات محض لغو اور لایعنی ہیں اور یہ نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اس لئے آپ پر کسی کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اور خاتم النبیین ہونا بتلایا گیا تھا۔ اس کے بعد اہل ایمان کو گذشتہ آیات میں خطاب فرمایا گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا لہٰذا اس نعمت کو یاد کر کے حق تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کے ذکر واطاعت پر دوام رکھو اور ہمہ وقت اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرتے رہو۔ اس خطاب سے درپردہ اہل ایمان کو یہ تلقین کرنا بھی مقصود تھی کہ جب دشمنوں کی طرف سے اللہ کے رسول پر طعن وتشنیع کیا جارہا ہے تو ایسی حالت میں تمہارا نہ تو یہ کام ہے کہ ایسی بیہودگیوں کو سنو اور نہ یہ کہ دشمنوں کے پھیلائے ہوئے شک وشبہات میں مبتلا ہو اور نہ یہ کہ جواب میں ان سے بدکلامی اور بدزبانی کرو بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو اپنے حق میں اللہ کا بہت بڑا انعام واحسان سمجھو اور اس نعمت کے شکر میں ہمہ وقت اللہ کے ذکر وطاعت میں لگو اور جب اس کے ذکر وطاعت میں لگو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں تم پر دنیا میں بھی نازل فرمائے گا کہ جس کی بدولت تمہیں جہالت وضلالت کی تاریکیوں کی بجائے علم وہدایت کا نور نصیب ہوگا۔ اور آخرت میں بھی انعام واکرام سے نوازے جاؤ گے۔ اہل ایمان کو خطاب کے بعد اب ان آیات میں حق تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے چند کلمات تسکین ارشاد فرماتے ہیں جن سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان چند معترضین کے طعن سے مغموم نہ ہوں۔ اگر یہ احمق آپ کو نہ جانیں تو کیا ہوا ہم نے تو آپ کو بہت کچھ مراتب عالیہ بخشے ہیں اور آپ کی شخصیت اس سے بہت بلند ہے کہ یہ مخالفین اپنے بہتان وافترا کے طوفان سے آپ کا

کچھ بگاڑ سکیں لہٰذا نہ آپ ان کی شرارتوں سے رنجیدہ ہوں نہ ان کی بکواس کو کوئی وقعت دیں آپ اپنے فرائض منصبی ادا کئے جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ وہ کافی کارساز اور حامی و مددگار ہے وہ آپ کو مخالفین کے ہر ضرر سے بچاوے گا۔

یہاں ان آیات میں خطاب کر کے پہلی بات یہ فرمائی جاتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو شاہد یعنی گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کے روز اللہ کی عدالت قائم ہوگی تو آپ امت کے اعتبار سے گواہ ہوں گے کہ آپ کے بیان کے موافق ان کا فیصلہ ہوگا۔ آپ کی شہادت پر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ ماننے والے کس جزا کے اور نہ ماننے والے کس سزا کے مستحق ہیں۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ آپ مبشر ہیں یعنی مومنین کو بشارت دینے والے ہیں اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سنانے والے ہیں۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ آپ نذیر ہیں یعنی کفار اور نافرمانوں کو ڈرانے والے ہیں

چوتھی بات یہ فرمائی کہ آپ داعی الی اللہ ہیں یعنی اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔

یہاں آیت میں دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ کے ساتھ باذنہ بھی فرمایا گیا یعنی آپ سب کو اللہ کی طرف اللہ کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ دعوت الی اللہ تو ہر مبلغ دے سکتا ہے مگر وہ اللہ کی طرف سے اس کام پر مامور نہیں ہوتا۔ برخلاف نبی اللہ کے اذن سے دعوت دینے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اس لئے نبی کی دعوت کے پیچھے اس کے بھیجنے والے اللہ رب العالمین کی فرمانروائی کا زور ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ کے بھیجے ہوئے داعی کی مخالفت و مزاحمت خود اللہ رب العالمین کے خلاف جنگ قرار دی جاتی ہے۔ جس طرح دنیوی حکومتوں میں سرکاری کام انجام دینے والے سرکاری ملازم کی مزاحمت خود حکومت کے خلاف جنگ سمجھی جاتی ہے۔

پانچویں بات یہ فرمائی کہ آپ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ہیں۔ یعنی آپ سرتا پا نمونۂ ہدایت ہونے میں بمنزلۂ ایک روشن چراغ کے ہیں یا مثل آفتاب کے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو اور مدغم ہو گئیں۔

چھٹی بات یہ فرمائی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایمانداروں کو خوشخبری دیجئے کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہونے والا ہے یعنی آپ کے واسطہ سے دنیا میں انہیں سرفرازی اور غلبہ و نصرت دے گا اور آخرت میں عفو و مغفرت اور اجر عظیم اور دائمی نعمتیں عطا فرمائے گا اب رہ گئے کافر اور منافق جو آپ کی تصدیق نہیں کرتے اور آپ پر بہتان باندھتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں اور آپ کو اپنی مرضی کے موافق کرنا چاہتے ہیں تو آپ ان کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے یعنی ایسا نہ ہو کہ ان کے طعن پیہم سے آزردہ ہو کر ان پر تبلیغ ہی ترک کر دیں۔ آپ حسب معمول فریضۂ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہئے اور اللہ جو حکم دے اس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کے کہنے کی پروا نہ کیجئے۔ پس اگر یہ بدبخت زبان یا عمل سے آپ کو ستائیں جیسا کہ اس واقعۂ نکاح میں کہ آپ کی طرف سے تبلیغ فعلی تھی اور ان کی طرف سے اذیت قولی آپ کو پہنچی تو اس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اللہ کافی کارساز ہے وہ آپ کو ہر ضرر سے بچاوے گا۔

یہاں ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ اسمائے صفات کا ذکر فرمایا گیا یعنی شاھدٌ- مُبشرٌ- نذيرٌ- داعٍ- سراجٌ- منيرٌ. (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے علاوہ مندرجہ ذیل اسمائے صفات بھی مختلف سورتوں میں آئے ہیں۔

عبدالله بشيرٌ- عزيزٌ- حريصٌ- رؤف رحيمٌ -اَمينٌ
مزملٌ- مدثرٌ- مذكرٌ- منذرٌ- هاديٌ- يٰس
رَحمتٌ- طٰهٰ- نُورٌ- حقٌ- شهيدٌ- نبيٌ -امّيٌ
رسولٌ- برهانٌ خاتم النبيين- رحمة للعٰلمين.
(صلی اللہ علیہ وسلم)

انکے علاوہ احادیث میں بھی اور اسمائے صفات آئے ہیں بعض محدثین نے ۹۹۔ بعض نے ۳۰۰ اور بعض اہل علم نے ۱۰۰۰ تک نام آپ کے گنائے ہیں۔ اللهم صلى وسلم وبارک علیه.

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نَكَحْتُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ

اے ایمان والو تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق سے) طلاق دے دو

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾ يَٰٓأَيُّهَا

تو تمہاری ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو، تو اُن کو کچھ (مال) متاع دے دو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔ اے نبیؐ

ٱلنَّبِىُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَٰجَكَ ٱلَّٰتِىٓ ءَاتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَيْكَ

ہم نے آپ کیلئے آپ کی یہ بیبیاں جن کو آپ اُن کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں آپ کو دلوادی ہیں

وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّٰتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَٰلَٰتِكَ ٱلَّٰتِى هَاجَرْنَ مَعَكَ

اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو،

وَٱمْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِىِّ إِنْ أَرَادَ ٱلنَّبِىُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن

اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اُس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ سب آپ کیلئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور

دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِىٓ أَزْوَٰجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ لِكَيْلَا

مومنین کیلئے، ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے اُن پر اُن کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں

يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٠﴾

تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا اے	ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ایمان والو	إِذَا جب	نَكَحْتُمُ تم نکاح کرو	ٱلْمُؤْمِنَٰتِ مومن عورتوں	ثُمَّ پھر	طَلَّقْتُمُوهُنَّ تم انہیں طلاق دو	
مِن قَبْلِ پہلے	أَن کہ	تَمَسُّوهُنَّ تم انہیں ہاتھ لگاؤ	فَمَا لَكُمْ تو نہیں تمہارے لئے	عَلَيْهِنَّ ان پر	مِنْ عِدَّةٍ کوئی عدت		
تَعْتَدُّونَهَا کہ پوری کراؤ تم اس سے	فَمَتِّعُوهُنَّ پس تم انہیں کچھ متاع دو	وَسَرِّحُوهُنَّ اور انہیں رخصت کردو	سَرَاحًا رخصت	جَمِيلًا اچھی طرح			
يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ اے نبی!	إِنَّآ أَحْلَلْنَا ہم نے حلال کیں	لَكَ تمہارے لئے	أَزْوَٰجَكَ تمہاری بیبیاں	ٱلَّٰتِىٓ وہ جو کہ	ءَاتَيْتَ تم نے دے دیا	أُجُورَهُنَّ اُن کا مہر	
وَمَا اور جو	مَلَكَتْ مالک ہوا	يَمِينُكَ تمہارا دایاں ہاتھ	مِمَّآ ان سے جو	أَفَآءَ ٱللَّهُ اللہ نے ہاتھ لگا دیں	عَلَيْكَ تمہارے	وَ اور	
بَنَاتِ عَمِّكَ تمہارے چچا کی بیٹیاں	وَ اور	بَنَاتِ عَمَّٰتِكَ تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں	وَبَنَاتِ خَالِكَ اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں				
وَبَنَاتِ خَٰلَٰتِكَ اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں	ٱلَّٰتِى وہ جنھوں نے	هَاجَرْنَ انہوں نے ہجرت کی	مَعَكَ تمہارے ساتھ	وَٱمْرَأَةً اور عورت			
مُّؤْمِنَةً مومن	إِن اگر	وَهَبَتْ وہ بخشدے (نذر کردے)	نَفْسَهَا اپنے آپ کو	لِلنَّبِىِّ نبی کیلئے	إِنْ اگر	أَرَادَ ٱلنَّبِىُّ چاہے نبی	أَن کہ
يَسْتَنكِحَهَا اسے نکاح میں لے لے	خَالِصَةً خاص	لَّكَ تمہارے لئے	مِن دُونِ علاوہ	ٱلْمُؤْمِنِينَ مومنوں	قَدْ عَلِمْنَا البتہ ہمیں معلوم ہے		

مَا فَرَضْنَا جوہم نے فرض کیا	عَلَيْهِمْ اس پر	فِيْ میں	اَزْوَاجِهِمْ ان کی عورتیں	وَمَا اور جو	مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ مالک ہوئے انکے داہنے ہاتھ (کنیزیں)		
لِكَيْلَا يَكُوْنَ تاکہ نہ رہے	عَلَيْكَ تم پر	حَرَجٌ کوئی تنگی	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَحِيْمًا مہربان	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ میں مضمون حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح سے متعلق مذکور ہوا تھا۔ اسی سلسلہ میں آگے کچھ احکام نکاح۔ طلاق وعدت کے متعلق بیان فرمائے جاتے ہیں پہلے احکام عام مسلمانوں سے متعلق بیان فرمائے گئے اس کے بعد بعض احکام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھے ان کا بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے عام اہل ایمان کو خطاب کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہو چکے ہیں وہ سن لیں کہ جب ان میں سے کوئی مرد کسی مسلمان عورت سے شادی کرے اور پھر اس سے پہلے کہ عورت کی رخصتی ہو یعنی قبل اس کے کہ میاں بیوی کی تنہائی میں ملاقات ہو اتفاق سے کوئی ایسی وجہ پیش آ جائے کہ مرد کو طلاق دینی پڑ جائے تو ایسی صورت میں ایک حکم تو یہ ہے کہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں وہ چاہے تو فوراً دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عدت کے ساقط ہونے کا حکم طلاق قبل خلوت کی صورت میں ہے۔ اگر نکاح ہو جانے کے بعد خلوت سے پہلے عورت کا شوہر مر جائے تو اس صورت میں عورت کو عدت وفات پوری کرنی لازمی ہے۔ اور اسے چار ماہ دس دن کی عدت گزارنی واجب ہے۔ اس کے بعد دوسرا نکاح جائز ہوسکتا ہے۔ یہاں آیت میں عورت پر کسی عدت کے واجب نہ ہونے کا جو حکم ہے وہ اسی صورت میں ہے کہ ابھی عورت کی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور طلاق مرد نے دے دی۔ اگر رخصتی کے بعد یعنی میاں بیوی میں خلوت کے بعد طلاق دی تو اس صورت میں پورے تین حیض ختم ہونے تک عدت گزارنا لازمی ہے۔ اور اگر عورت حاملہ ہو اور اس حالت میں طلاق مل گئی تو بچہ پیدا ہونے تک عدت کا زمانہ رہے گا۔ اگر طلاق ملنے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں بچہ پیدا ہو گیا تو عدت ختم ہوگئی۔ تو ایک حکم عام جس میں سارے مسلمان شامل ہیں یہ ہوا کہ اگر رخصتی سے قبل ہی طلاق دی گئی تو عورت پر کوئی عدت لازم نہیں۔

دوسرا حکم عام یہ ہے کہ ایسی مطلقہ عورتوں کو کچھ مال ومتاع دے دو اور خوبی سے علیحدہ کر دو یہ حکم دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر مرد کو پورا کرنا ہوگا۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا تھا اور پھر خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی تو اس صورت میں مرد کو نصف مہر دینا واجب ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۷۔ میں ارشاد ہوا ہے۔ لیکن اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور نہ خلوت کی نوبت آئی تو اس صورت میں عورت کو کچھ دے کر رخصت کرنا واجب ہے اور یہ کچھ دینا آدمی کی حیثیت اور مقدرت کے موافق ہونا چاہئے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۶ میں فرمایا گیا جو کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا ہے۔ اور خوبی سے رخصت کرنے کا مطلب یہ کہ کسی تکا فضیحتی اور لڑائی جھگڑے کے بغیر شریفانہ طریقہ پر علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ یہ احکام تو عام مسلمین سے متعلق تھے۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف وامتیاز نیز آپ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آپ کو ازدواجی زندگی سے متعلق بعض مخصوص احکام بیان فرمائے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر پہلا حکم مخصوص یہ دیا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کے لئے یہ بیبیاں جو کہ اس وقت آپ کی خدمت میں موجود ہیں اور جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں باوجود چار سے زیادہ ہونے کے حلال کی ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن موجود تھیں۔ یعنی ایک حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، تیسری حضرت

حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، چوتھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات میں پانچویں تھیں تو اس مخصوص حکم کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیک وقت چار تک کی قید لگائی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قید سے مستثنیٰ فرمایا۔

دوسرا مخصوص حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ فرمایا گیا کہ وہ عورتیں بھی آپ کے لئے خاص طور پر حلال کی گئی ہیں جو آپ کی مملوکہ ہوں اور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوادیں اس اجازت کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو جنگ میں گرفتار ہوکر آئی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔اور آزاد کردی گئیں۔اور آزاد ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں۔

تیسرا مخصوص حکم یہ دیا گیا کہ چچا۔ پھوپھی۔ ماموں اور خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں کی جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں مگر جنہوں نے ہجرت کی ہو ان سے بھی نکاح کی اجازت دی گئی چنانچہ اس آیت کے موافق حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔

چوتھا مخصوص حکم یہ فرمایا کہ وہ مسلمان عورت جو بلاعوض یعنی بغیر کسی مہر کے اپنے آپ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردے اور بشرطیکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نکاح میں لانا چاہیں تو وہ بھی حلال ہے۔اس اجازت کی بنا پر حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہ فرمایا کہ مہر کے بغیر ان کے ہبہ سے فائدہ اٹھائیں۔ اس لئے آپ نے ان کی کسی خواہش اور مطالبہ کے بغیر ان کو مہر عطا فرمایا۔

پانچواں حکم یہ کہ یہ سب احکام آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں دوسرے مومنین کے لئے نہیں ہیں۔عام مومنین کے لئے ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں جو احکام اور حدود مقرر کئے گئے ہیں وہ دوسری آیات و روایات میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور جو اوروں کو بھی معلوم کرا دیئے گئے ہیں۔

آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مخصوص احکام دیئے جانے کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ مخصوص احکام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیئے ہیں یہ اس مصلحت کے لئے ہیں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور کوئی حرج واقع نہ ہو بلکہ سہولت اور وسعت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے کہ بندوں سے جو احکام کی تعمیل میں کبھی کوئی قصور ہو جاوے تو اس پر بھی معاف کرتے ہیں اور یہ اللہ کی رحمت و مہربانی تھی جو سہل احکام نازل کئے۔

یہاں جو مصلحت بیان فرمائی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو مخصوص احکام دیئے گئے وہ اس لئے کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور حرج واقع نہ ہو۔تو اس کی وضاحت میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد جو دین کا کام کیا گیا تھا۔اور ہر شعبہ زندگی میں تعلیم و تربیت دے کر ایک اعلیٰ درجہ کی مہذب۔ شائستہ اور پاکیزہ ملت بنانا تھا اس غرض کے لئے مردوں کو تعلیم و تربیت دینا کافی نہ تھا بلکہ عورتوں کی تعلیم و تربیت بھی اتنی ہی ضروری تھی اور جو اسلامی تہذیب آپ نے سکھائی تھی اس کے مطابق عورتوں کو براہ راست خود تربیت و تعلیم دینا ممکن نہ تھا۔اس بنا پر عورتوں میں کام کرنے اور ان کی تعلیم و تربیت کے لئے یہی ایک صورت آپ کے لئے ممکن تھی کہ مختلف عمروں، اور ذہنی صلاحیتوں کے متعدد خواتین آپ کی ازواج میں شامل ہوں۔ان کو آپ براہ راست تعلیم و تربیت دے کر اپنی مدد کے لئے تیار کریں اور پھر ان ازواج مطہرات کے ذریعہ سے شہری بدوی۔ جوان و بوڑھی ہر قسم کی عورتوں کو دین سکھانے اور اخلاق و تہذیب

کے اصول سمجھانے کا کام لیں۔ چنانچہ صرف ایک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کتب احادیث میں ۲۲۱۰ مرویات منقول ہیں علاوہ فتاویٰ شرعیہ اور جوابات علمیہ کے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب کوئی نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ صحابہ میں آپڑتا تھا تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب رجوع کرتے تھے اور ان کے پاس اس کے متعلق ضرور علم پایا جاتا تھا۔ ۲۰۰ سے زیادہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شاگرد ہیں۔ جنہوں نے حدیث اور فقہ فتاویٰ آپ سے سیکھے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۳۷۶ احادیث کی روایت معتبر کتب حدیث میں جمع ہیں تو ان مخصوص احکام کی یہی مصلحت تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے معاملہ میں کوئی تنگی باقی نہ رکھی جائے تاکہ جو کار عظیم دین کی اشاعت کا آپ کے سپرد کیا گیا تھا اس کی ضروریات کے لحاظ سے آپ ان مخصوص احکام کے ماتحت جتنے نکاح کرنے چاہیں کرلیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ نکاح فرمائے جن میں سے دو ازواج مطہرات یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ کی وفات آپ کے سامنے ہوئی اور باقی نو ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد موجود تھیں۔یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

یہاں عام معلومات کے لئے اتنا اور عرض کردیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ شباب کا بڑا حصہ تو محض تجرد اور خلوت گزینی میں گزرا۔ جب عمر شریف ۲۵ سال میں پہنچی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے نکاح کی درخواست ہوئی جو بیوہ اور صاحب اولاد ہونے کے ساتھ اس وقت ۴۰ سال کی عمر میں بڑھاپے کا زمانہ گزار رہی تھیں اور آپ سے پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر عمر اسی ایک نکاح پر گزری اور وہ بھی اس طرح کہ آپ حرا کے لق و دق غار میں ایک ایک مہینہ تک عبادت الٰہی میں مصروف رہتے اور یہ اللہ کی نیک بندی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے لئے توشہ تیار کرتیں اور عبادت الٰہی اور سکون طلبی میں آپ کی اعانت و امداد کیا کرتیں۔ عمر کا بڑا حصہ یعنی ۲۵ سال اسی نکاح پر گزرا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۵۰ سال سے تجاوز کرجاتی ہے تو یہ سارے نکاح ظہور میں آتے ہیں اور خاص خاص شرعی ضرورتوں کے ماتحت دس خواتین تک آپ کے نکاح میں داخل ہوتی ہیں جو سب کی سب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا بیوہ ہیں اور بعض صاحب اولاد بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پاک زندگی کے ہر ایک دور میں پاکباز متقیوں کے لئے کچھ نمونہ رکھ دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی عملی رہبری کرسکیں اللهم صل وسلم وبارك عليه.

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ نے جو احکام ازدواجی زندگی کے ہم کو عطا فرمائے ہیں ہم کو ان کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر کام ہمارا قانون الٰہیہ کے ماتحت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ظاہراً و باطناً زندگی کے ہر شعبہ میں شریعت اسلامیہ کی پابندی نصیب فرماویں۔ اور تعمیل احکام میں ہم سے جو کوتاہیاں سرزد ہوچکی ہیں ان کو اپنی رحمت اور شان غفور الرحیمی سے معاف فرماویں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جبتک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں، اور جن کو دور کر رکھا تھا اُن میں سے پھر کسی کو طلب کر لیں

فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَآ اٰتَیْتَهُنَّ

تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں، اس میں زیادہ توقع ہے کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ اُن کو دے دیں گے اُس پر سب کی سب راضی رہیں گی

كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ

اور خدا تعالیٰ کو تم لوگوں کے دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں، اور اللہ تعالیٰ (یہی کیا) سب کچھ جاننے والا اُبردبار ہے۔ ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کیلئے

النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا

حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں اگر چہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حُسن اچھا معلوم ہو مگر

مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾

جو آپ کی مملوکہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز (کی حقیقت اور آثار ومصالح) کا پورا نگران ہے۔

تُرْجِیْ دور رکھیں	مَنْ تَشَآءُ جس کو آپ چاہیں	مِنْهُنَّ ان میں سے	وَتُـْٔوِیْٓ اور پاس رکھیں	اِلَیْكَ اپنے پاس	مَنْ تَشَآءُ جسے آپ چاہیں		
وَمَنْ اور جس کو	ابْتَغَیْتَ آپ طلب کریں	مِمَّنْ ان میں سے جو	عَزَلْتَ دور کر دیا تھا آپ نے	فَلَا جُنَاحَ تو کوئی تنگی نہیں	عَلَیْكَ آپ پر		
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى یہ زیادہ قریب ہے	اَنْ تَقَرَّ کہ ٹھنڈی رہیں	اَعْیُنُهُنَّ ان کی آنکھیں	وَلَا یَحْزَنَّ اور وہ آزردہ نہ ہوں	وَیَرْضَیْنَ اور وہ راضی رہیں			
بِمَآ اٰتَیْتَهُنَّ اس پر جو آپ نے انہیں دیں	كُلُّهُنَّ وہ سب کی سب	وَاللّٰهُ اور اللہ	یَعْلَمُ جانتا ہے	مَا جو	فِیْ قُلُوْبِكُمْ تمہارے دلوں میں		
وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	عَلِیْمًا جاننے والا	حَلِیْمًا بُردبار	لَا یَحِلُّ حلال نہیں	لَكَ آپ کیلئے	النِّسَآءُ عورتیں	مِنْۢ بَعْدُ اس کے بعد
وَلَآ اور نہ	اَنْ تَبَدَّلَ یہ کہ بدل لیں	بِهِنَّ ان سے	مِنْ سے اور	اَزْوَاجٍ عورتیں	وَّلَوْ اگرچہ	اَعْجَبَكَ آپ کو اچھا لگے	حُسْنُهُنَّ انکا حسن
اِلَّا سوائے	مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ جس کا مالک ہو تمہارا ہاتھ (کنیزیں)	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰی پر	كُلِّ شَیْءٍ ہر شے	رَقِیْبًا نگہبان	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے متعلق چند مخصوص احکام بیان فرمائے گئے تھے اور ان مخصوص احکام عطا کرنے کی حکمت و مصلحت کو بھی ظاہر فرمایا گیا تھا کہ یہ خاص رعایتیں اور خصوصی احکام آپ کو اس لئے دیئے گئے کہ آپ کے اصل فرائض اور ذمہ داریوں میں کوئی حرج واقع نہ ہو۔ اسی لئے بحکم خداوندی چار سے زائد ازواج مطہرات کا رکھنا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ٹھہری تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے حالات جوامت کے لئے تمام دین ودنیا کے معاملات میں دستور العمل ہیں صرف ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ سے امتیوں کو مرجع کر سکتے تھے چنانچہ جیسا کہ پہلے درس میں بیان ہوا۔ صرف ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۲۲۱۰ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہیں علاوہ فتاویٰ شرعیہ اور جوابات علمیہ کے جو تبلیغ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے امت کو فرمائی۔ اور علم نبوت کی اشاعت میں حصہ لیا اور علمی فوائد آپ نے فرزندان توحید کو پہنچائے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ ایسے ہی دوسری ازواج مطہرات سے بھی روایات احادیث پائی جاتی ہیں۔

پھر بعض ازواج مطہرات کو حرم نبوی میں داخل کرنے میں ان کے خاندان کو اسلام کی طرف لانے کی حکمت بھی تھی۔ الغرض یہ متعدد نکاح نہ معلوم کتنے اسلامی اور شرعی ضرورتوں پر مبنی تھے۔ جن عظیم مصالح کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج کی تعداد کے معاملہ میں عام قاعدہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا انہی مصالح کا تقاضا یہ بھی تھا کہ آپ کو خانگی زندگی کا سکون بہم پہنچایا جائے اور ایسے اسباب کا سدباب کیا جائے جو آپ کے لئے پریشان خاطری کا موجب ہو سکتے ہوں اس لئے چھٹا مخصوص حکم ان آیات میں یہ دیا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اور جب تک چاہیں اپنے ساتھ رکھیں اور جسے جب تک چاہیں الگ رکھیں اور پھر الگ رکھنے کے بعد جب چاہیں ساتھ رکھ لیں۔ غرض ازواج کے بارے میں آپ پر کوئی پابندی نہیں کہ ہر ایک کے پاس باری باری سے برابر مدت تک رہیں جیسا کہ عام مومنین کے لئے کئی بیویوں والے کے لئے لازم ہے۔ آپ کو اپنی ازواج کے بارے میں پورا اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں رکھیں۔ لیکن اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ حق تعالیٰ کی طرف سے پوری رخصت تھی پھر بھی آپ ہر ایک کے ساتھ برابر عدل و انصاف فرماتے اور سب کے حقوق برابر پورے فرماتے۔ آگے اس مخصوص حکم کی علت اور حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا تا کہ آپ کی ازواج کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو اور سب ہنسی خوشی رہیں۔ رنج و غم نہ کریں۔ جو آپ کی طرف سے انہیں ملے اس پر راضی رہیں۔ کیونکہ کسی کو علیحدہ کرنے کسی کو پاس رکھنے کسی کی باری میں دوسرے گھر چلے جانے میں رات دن رنجش اور جھگڑے رہتے لیکن جب سب کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اختیار کلی دے دیا کہ جس طرح چاہیں ازواج کے ساتھ سلوک کریں تو اب شکایت کا کوئی موقع نہ رہا۔ اس صورت میں انہیں شکایت پیدا ہی نہیں ہو سکتی جو کچھ آپ کریں گے وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہو گا اس لئے یہ ان کو خوش رکھنے ان کے غمگین نہ ہونے اور جو ملے اور جس طرح رہیں اس پر راضی رہنے کا کارگر ذریعہ ہو گا۔ کیونکہ بناء رنج کی عادۃً دعوئے استحقاق ہوتا ہے اور جب معلوم ہو گیا کہ جو کچھ مال یا توجہ مبذول ہو گی وہ محض احسان ہی ہے تو کسی کو شکایت نہ ہو گی۔ ازواج مطہرات کے لئے یہ ایک بہت بڑا شرف تھا کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کی زوجیت حاصل ہوئی اور اس کی بدولت ان کو یہ موقع نصیب ہوا کہ دعوت و اصلاح اور تعلیم و تربیت کے اس عظیم الشان کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیق کار بنیں۔ جو رہتی دنیا تک انسانیت کی فلاح کا ذریعہ بننے والا تھا اور اس مقصد کے لئے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر معمولی ایثار و قربانی سے کام لے رہے تھے اور تمام صحابہ کرام اپنی حد استطاعت تک قربانیاں کر رہے تھے اسی طرح ازواج مطہرات کا بھی فرض تھا کہ ایثار سے کام لیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو تمام ازواج مطہرات نے بخوشی قبول کیا۔ اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مل جاتا اس پر صبر و شکر سے قناعت فرماتیں۔ مہینوں ازواج مطہرات کے گھروں میں دھواں نہیں نکلتا تھا اور کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی دولت حاصل ہونے کی وجہ سے کبھی تنگی ترشی پر آزردہ خاطر نہیں ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

آگے عام اہل اسلام کو تنبیہ ہے کہ یہ احکام مخصوصہ سن کر دل میں یہ خیال مت پکا لینا کہ یہ احکام عام کیوں نہ ہوئے۔ اگر ایسا کرو گے تو خدا تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں۔ ایسا خیال کرنے پر تمہاری گرفت ہو گی کیونکہ یہ در پردہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد ہے جو موجب تعذیب ہے اس کے بعد ایک اور مخصوص حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ کی ازواج مطہرات اس بات کے لئے راضی ہو گئیں کہ وہ تنگی ترشی ہر حال میں آپ کا ساتھ دیں اور آخرت کے لئے انہوں نے دنیا کو قربان کر دیا اور وہ اس پر بھی خوش ہیں کہ آپ جو برتاؤ بھی چاہیں ان کے ساتھ کریں تو اب آپ کے لئے بھی یہ حلال نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کوئی اور بیوی نکاح میں لائیں۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت فرما دی گئی کہ موجودہ بیویوں میں سے کسی کو اس لئے نہ چھوڑا جائے کہ اس کے بدلے کسی اور سے نکاح کیا جائے خواہ صورت شکل کے لحاظ سے وہ کتنی ہی اچھی ہو۔ ہاں شرعی کنیز اور باندیوں میں تبدل آپ کے لئے جائز ہے اور اس کی اجازت ہے۔ اخیر میں فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حقیقت و مصالح کا پورا نگران ہے اس لئے ان سب احکام میں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔ اس واسطے کسی کو ان پر سوال یا اعتراض کا منصب و استحقاق نہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

12

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ

اے ایمان والو نبیؐ کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کیلئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو،

نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

لیکن جب تم کو بلایا جاوے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو،

لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ

اس بات سے نبیؐ کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا،

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ

اور جب تم اُن سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات (ہمیشہ کیلئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے

وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ

پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے، اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہؐ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپؐ کے بعد آپؐ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو،

اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ

یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے۔ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اُس کو پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ

كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لَا تَدْخُلُوْا تم نہ داخل ہو	بُيُوْتَ گھر	النَّبِيِّ نبیؐ	اِلَّاۤ سوائے	اَنْ یہ کہ	يُّؤْذَنَ اجازت دی جائے
لَكُمْ تمہارے لئے	اِلٰى طرف (لئے)	طَعَامٍ کھانا	غَيْرَ نٰظِرِيْنَ نہ راہ تکو	اِنٰىهُ اس کا پکنا	وَلٰكِنْ اور لیکن	اِذَا جب	دُعِيْتُمْ تمہیں بلایا جائے
فَادْخُلُوْا تو تم داخل ہو	فَاِذَا پھر جب	طَعِمْتُمْ تم کھالو	فَانْتَشِرُوْا تو تم منتشر ہو جایا کرو	وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ اور نہ جی لگا کر بیٹھے رہو	لِحَدِيْثٍ باتوں کیلئے		
اِنَّ بیشک	ذٰلِكُمْ یہ تمہاری بات	كَانَ يُؤْذِي ایذا دیتی ہے	النَّبِيَّ نبیؐ	فَيَسْتَحْيٖ پس وہ شرماتے ہیں	مِنْكُمْ تم سے	وَاللّٰهُ اور اللہ	لَا يَسْتَحْيٖ نہیں شرماتا
مِنَ الْحَقِّ حق (بات) سے	وَاِذَا اور جب	سَاَلْتُمُوْهُنَّ تم ان سے مانگو	مَتَاعًا کوئی شے	فَسْـَٔلُوْهُنَّ تو ان سے مانگو	مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ پردہ کے پیچھے سے		
ذٰلِكُمْ تمہاری یہ بات	اَطْهَرُ زیادہ پاکیزگی	لِقُلُوْبِكُمْ تمہارے دلوں کیلئے	وَقُلُوْبِهِنَّ اوران کے دل	وَمَا كَانَ اور (جائز) نہیں	لَكُمْ تمہارے لئے		
اَنْ تُؤْذُوْا کہ تم ایذا دو	رَسُوْلَ اللّٰهِ اللہ کا رسولؐ	وَلَاۤ اور نہ	اَنْ تَنْكِحُوْۤا یہ کہ تم نکاح کرو	اَزْوَاجَهٗ اس کی بیبیاں	مِنْۢ بَعْدِهٖۤ ان کے بعد		
اَبَدًا کبھی	اِنَّ بیشک	ذٰلِكُمْ تمہاری یہ بات	كَانَ ہے	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	عَظِيْمًا بڑا	اِنْ تُبْدُوْا اگر تم ظاہر کرو	شَيْـًٔا کوئی بات
اَوْ تُخْفُوْهُ یا اسے چھپاؤ	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	كَانَ ہے	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے	عَلِيْمًا جاننے والا			

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں احکام متعلقہ نکاح وغیرہ کا بیان ہوا تھا۔ بعض احکام اہل اسلام کے لئے عموماً اور بعض احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خصوصاً بیان فرمائے گئے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض حقوق جو ازواج مطہرات پر تھے اور ازواج مطہرات کے بعض حقوق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھے بیان فرمائے گئے۔ اب آگے بعض دیگر احکام وحقوق حسن معاشرت کے متعلق بیان ہے۔ یہ آیت آیت حجاب کے نام سے مشہور ہے اور یہ اس حکم عام کی تمہید ہے جو تقریباً ایک سال کے بعد سورۂ نور میں نازل ہوا جس میں اہل اسلام کو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی صریح ممانعت فرمائی گئی۔ تمام جاہلیت کے ناجائز رسوم اور غلط باتیں جن کے عادی اہل عرب عرصہ سے تھے ان کو مٹانے اور ان کی اصلاح کا قرآن کریم نے یہی طریقہ رکھا کہ پہلے شروع میں ان کی برائی بتلا کر آسان حکم دیئے جاتے پھر آخر میں ان کی قطعی ممانعت وغیرہ کے احکام آتے۔ قدیم زمانے میں اہل عرب بے تکلف ایک دوسرے کے گھروں میں چلے جاتے تھے کسی شخص کو دوسرے شخص سے ملنا ہوتا تو وہ دروازہ پر کھڑے ہو کر پکارنے اور اجازت لے کر اندر جانے کا پابند نہ تھا بلکہ اندر جا کر عورتوں بچوں سے پوچھ لیتا کہ صاحب خانہ گھر میں ہے یا نہیں۔ یہ جاہلانہ طریقہ بہت سی خرابیوں کا موجب تھا اور بسا اوقات اس سے بہت سے اخلاقی مفاسد کا بھی آغاز ہو جاتا تھا اس لئے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ کوئی شخص خواہ وہ قریبی دوست یا دور کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو آپ کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔ پھر سورۂ نور میں جس کا نزول اس سورۂ احزاب کے کچھ عرصہ بعد ہوا اس قاعدے کو تمام مسلمانوں کے گھروں میں رائج کرنے کا حکم عام دے دیا گیا۔ تو یہاں اس آیت حجاب میں پہلا حکم اہل ایمان کو مخاطب کر کے یہ دیا جاتا ہے کہ اے لوگو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بے بلائے مت جاؤ۔ یعنی بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ اسی سلسلہ میں دوسرا حکم یہ دیا جاتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تم کو کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے تو پھر جانے میں مضائقہ نہیں مگر تب بھی ایسے طور سے جانا چاہئے کہ اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ رہو یعنی بے دعوت تو جاؤ مت اور دعوت ہو تب بھی بہت پہلے سے مت جا بیٹھو لیکن جب تم کو بلایا جاوے کہ اب کھانا تیار ہے تب جایا کرو۔ جاہلیت کے زمانہ کی جو غیر مہذب عادات اہل عرب میں پھیلی ہوئی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کسی دوست یا ملاقاتی کے گھر کھانے کے وقت تاک کر پہنچ جاتے۔ یا اس کے گھر آ کر بیٹھے رہتے یہاں تک کہ کھانے کا وقت ہو جائے۔ اس حرکت کی وجہ سے صاحب خانہ اکثر عجیب مشکل میں پڑ جاتا تھا منہ پھٹ ہو کر کہے کہ میرے کھانے کا وقت ہے آپ تشریف لے جائیے تو سخت بے مروتی ہے کھلائے تو اچانک آئے ہوئے کتنے آدمیوں کو کھلائے۔ ہر وقت ہر آدمی کے بس میں نہیں ہوتا کہ جب جتنے بھی آدمی اس کے پاس آ جائیں فوراً کھانے کا انتظام کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسم سے منع فرمایا اور یہاں حکم اگرچہ خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لئے دیا کہ جب کھانے کے لئے بلایا جائے تو جاؤ اور وہ بھی اس وقت پر جبکہ کھانے کے لئے بلایا گیا ہو۔ بہت پہلے سے جا کر مت بیٹھ جاؤ لیکن جب اس نمونہ کے گھر میں یہ قواعد جاری ہو جائیں گے تو مسلمانوں کے ہاں بھی عام تہذیب کا یہی ضابطہ بن جائے گا۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ اس میں بھی ایک غلط عادت کی اصلاح تھی۔ بعض لوگ کھانے کی دعوت میں بلائے جاتے تو کھانے سے فارغ ہو جانے کے بعد بیٹھک لگا دیتے اور باتوں کا ایسا سلسلہ چھیڑ دیتے کہ جو ختم ہی ہونے میں نہ آتا۔ انہیں اس بات کی پروا نہ ہوتی کہ صاحب خانہ کو اس سے اذیت ہوگی۔

چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر بھی یہی صورت پیدا ہوئی اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی تو یہ آیات نازل ہوگئیں اور صاف صاف حکم دیا گیا کہ اہل ایمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھانے کا اتفاق ہو تو کھانا کھا چکنے کے بعد اٹھ کر چلے جایا کرو یہ نہیں کہ وہیں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگو۔ آگے فرمایا کہ اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوتی ہے گو آپ لحاظ فرماتے ہیں اور زبان سے یہ نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ۔ مگر یہ آپ کے اخلاق اور مروت کی بات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو تو مسلمانوں کی تادیب و اصلاح منظور ہے اس لئے صاف صاف حکم دے دیا کہ کھانا کھاؤ اس کے بعد اٹھ کر چلے جاؤ۔ اس کے بعد ایک حکم یہ ہوا کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پردہ کیا کریں گی تو اب جب تم کوئی چیز ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگو تو پردہ کے باہر کھڑے ہو کر وہاں سے مانگا کرو یعنی بے ضرورت تو پردہ کے پاس جانا اور بات کرنا بھی نہ چاہئے۔ لیکن ضرورت میں کلام کر سکتے ہو مگر رویت اور ازواج مطہرات کا سامنا نہ ہونا چاہئے۔ اس آیت کو آیت حجاب کہا جاتا ہے بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے نزول سے پہلے متعدد مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر چکے تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاں سب ہی قسم کے لوگ آتے ہیں کاش آپ اپنی ازواج کو پردہ کرنے کا حکم دے دیتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ الٰہی کے منتظر رہے آخر کار یہ حکم آ گیا کہ محرم مردوں کے علاوہ جیسا کہ آگے کی آیت میں آ رہا ہے کوئی مرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہ آئے اور جس کو بھی ازواج مطہرات سے کوئی کام ہو وہ پردے کے پیچھے سے بات کرے۔ اس حکم کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردہ لٹکا دیئے گئے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تمام مسلمانوں کے لئے نمونہ کا گھر تھا اس لئے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردہ لٹک گئے۔ پھر آگے اس حجاب یعنی پردہ کے حکم کی علت بھی بیان فرما دی گئی کہ یہ بات ہمیشہ کے لئے جانبین کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ اب غور کرنے کی بات ہے کہ یہ قانون الٰہی جو غیر مردوں کو عورتوں سے رو در رو بات کرنے سے روکتا ہے اور پردے کے پیچھے سے بات کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کی مصلحت یہ بتائی جاتی ہے کہ جانبین کے لئے اس میں دلوں کی پاکیزگی ہے تو اس قانون الٰہی کے خلاف مغربی تہذیب کے دلدادوں کی یہ مخلوط عورتوں مردوں کی مجالس۔ اور یہ لڑکیوں اور لڑکوں کی مخلوط کالجوں کی تعلیم اور یہ دفاتر میں مردوں عورتوں کا بے تکلف میل جول۔ کیا اس سے دلوں کی پاکیزگی قائم رہ سکتی ہے۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ مگر کیا مجال جو قرآن و سنت سے کوئی نکیر کر سکے۔ اور پھر یہ رونا کہ ملک اور قوم میں اغوا کا بازار گرم ہے۔ زنا کی کثرت ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں فسق و فجور پھیل رہا ہے۔ حماقت نہیں تو اور کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت کے احکام کی قدر نصیب فرمائیں اور ان کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس آیت حجاب کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ۔

''اس جگہ یہ بات قابل نظر ہے کہ یہ پردے کے احکام جن عورتوں مردوں کو دیئے گئے ہیں ان میں عورتیں تو ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں جن کے دلوں کو پاک صاف رکھنے کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لیا جس کا ذکر اس سے پہلے اسی سورۃ میں آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو پاک صاف رکھے) میں تفصیلاً آ چکا ہے۔ دوسری طرف جو مرد مخاطب ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں جن میں بہت سے حضرات کا مقام فرشتوں سے بھی آگے ہے۔ لیکن

ان سب امور کے ہوتے ہوئے ان کی طہارت قلب اور نفسانی وساوس سے بچنے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ مرد وعورت کے درمیان پردہ کرایا جائے۔ آج کون ہے جو اپنے نفس کو صحابہ کرام کے نفوس سے زیادہ پاک سمجھے اور اپنی عورتوں کے نفوس کو ازواج مطہرات کے نفوس سے زیادہ پاک ہونے کا دعویٰ کر سکے اور یہ سمجھے کہ ہمارا اختلاط عورتوں کے ساتھ کسی خرابی کا موجب نہیں ہے؟ (معارف القرآن جلد ۷)

اور شیخ التفسیر والحدیث حضرت کاندھلویؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت حجاب کی تشریح کے بعد بطور خلاصہ کلام لکھا ہے کہ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ پردہ متعارفہ جو قدیم اہل اسلام میں رائج ہے وہ غایت درجہ ضروری ہے اور نہایت قابل اہتمام ہے۔ نفسانی وسوسوں اور خطروں سے حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ آیت اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حق میں ہے لیکن اس حکم کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ عام ہے یعنی ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (یعنی یہ بات ہمیشہ کے لئے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے)۔ یعنی یہ حجاب طہارت قلوب کا بہترین ذریعہ ہے اور بلاشبہ حق اور درست ہے اور یہ علت صراحۃً دلالت النص سے ثابت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بے حجابی اور بے پردگی قلب کی نجاست اور گندگی کا سبب ہے اور حجاب اور پردہ قلب کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہے اور ازواج مطہرات تو بوجہ امہات المومنین ہونے کے ان کی عظمت اور حرمت دلوں میں ایسی راسخ تھی کہ جہاں فتنہ کا احتمال نہیں لہٰذا جہاں فتنہ کا احتمال غالب بلکہ فتنہ یقینی ہو وہاں حجاب قطعی طور پر فرض اور لازم ہوگا۔'' (معارف القرآن جلد ۹)

غرض کہ اوپر یہ حکم دیا گیا تھا کہ اہل ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جم کر نہ بیٹھ جایا کریں کہ یہ چیز باعث اذیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اب آگے علی الاطلاق حکم دیا جاتا ہے کہ صرف اسی معاملہ میں نہیں بلکہ کسی امر میں بھی اہل ایمان کے لئے جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلفت پہنچائیں۔ یعنی کفار و منافقین تو جو چاہیں بکتے پھریں یا کرتے رہیں لیکن مومنین کو یہ ہرگز لائق نہیں کہ حضور کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو ضعیف سے ضعیف درجہ میں آپ کی ایذا کا سبب بن جائے۔ مومنین پر لازم ہے کہ اپنے محبوب ومقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں کہ کہیں غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت نہ صادر ہو جائے کہ جو دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کے احکام کی مخالفت کی جائے یا آپ کی یا آپ کے اہل بیت کی کوئی اہانت یا توہین کی جائے۔ یا ازواج مطہرات پر کوئی عیب لگایا جائے یا آپ کے پاک دین میں بد دینی پھیلائی جائے۔ یا بدعات کو رواج دیا جائے یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور دکھ دینے کی صورتیں ہیں جس کی سزا بڑی سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح سے اس بات سے محفوظ رکھیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب تاریخ مدینہ منورہ جس کا نام جذب القلوب الی دیار المحبوب ہے اس میں ایک حدیث حضرت شیخ نے لکھی ہے کہ بسند صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں سیر کرنے والے زمین میں کہ میری امت کے اعمال مجھے پہنچاتے ہیں اور فرمایا کہ میرا وفات کرنا بہتر ہے تمہارے واسطے اس واسطے کہ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اگر بہتر ہوں گے تو میں اس میں خدا تعالیٰ کا شکر کروں گا اگر بد اعمال دیکھوں گا تو تمہارے حق میں طلب مغفرت کروں گا۔ آگے لکھتے ہیں کہ محققین و متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بعد وفات کے اور خوش ہوتے ہیں طاعت امت سے اور انبیاء علیہم السلام کے

بدن شریفہ قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتے۔''اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جب آپ امت کی طاعت سے خوش ہوتے تو امت کی بداعمالی سے رنجیدہ بھی ہوتے ہوں گے۔ اسی کے مطابق حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ آداب التبلیغ میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ نصیحت اور عبرت آموز بھی ہے۔حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''کوئی بھی معصیت ایسی نہ ہوگی جس سے کسی نہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ شاید آپ سوچتے ہوں گے کہ ہمارے گناہوں سے کس کو آزار پہنچتا ہے تو آپ ایک حکایت سے اس کا اندازہ کر لیجئے مرزا بیدل دہلوی شاعر کی حکایت ہے کہ ان کے اشعار تصوف کا رنگ لئے ہوئے تھے۔کسی ایرانی نے ان کے اشعار کو دیکھ کر پسند کیا اور ان کو بزرگ سمجھ کر ان کے پاس آیا جب ان کے پاس پہنچا تو یہ مرزا بیدل شاعر حجام سے داڑھی منڈوا رہے تھے۔ایرانی کو یہ دیکھ کر غصہ آ گیا اور جھلا کر اس نے پوچھا آغا ریش میتراشی۔شاعر نے جواب دیا آرے ریش می تراشم و لے دلے کسی نمی خراشم۔وہ بیچارہ مخلص تھا اس نے آزادانہ جواب دیا آرے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میخراشی۔تو شاعر نے جواب دیا تھا کہ دلے کسی نمی خراشم ایرانی نے جواب دیا کہ ظالم تو تو سب سے بڑے دل کو چھیل رہا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ دلے کسی نمی خراشم۔تم یہ داڑھی پر استرہ نہیں پھرا رہے ہو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر چھری چلا رہے ہو۔حضور کی خدمت میں جب اعمال پیش ہوتے ہیں اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ میری امت کا ایک شخص یہ حرکت کرتا ہے کیا اس سے آپ کا دل نہیں دکھتا اور کیا آپ کا دل دکھانا چھوٹی بات ہے آپ کا قلب تو سید القلوب ہے جب تم سید القلوب کو تکلیف دیتے ہو پھر یہ دعویٰ کیسے کرتے ہو کہ ہم کسی کا دل نہیں دکھاتے ہیں۔ یہ سن کر مرزا شاعر کی آنکھیں کھلی اور چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ہوش میں آیا تو توبہ کی اور بزبان حال یا قال یہ کہتا تھا

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرابا جان جان ہمراز کردی

یعنی میں تو اندھا تھا میری کبھی نظر ہی ادھر نہیں گئی کہ مجھ سے اتنے بڑے قلب کو ایذا ہو رہی ہے۔ یہاں تک میرے ذہن کی رسائی نہیں ہوئی۔تو نے میری آنکھیں کھول دیں خدا تجھ کو اس کی جزا دے۔آگے حضرتؒ فرماتے ہیں اب اس حکایت سے سمجھ لیجئے کہ جب آپ سے کوئی امر غیر مشروع سرزد ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آزار ہوگا یا نہیں۔''

یہ واقعہ درمیان میں ضمناً آ گیا مگر اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو خوش کرنے یا آپ کو رنج وایذا دینے کا عمل اب بھی ہر امتی سے جاری ہے۔تو یہاں آیت میں صاف حکم دیا گیا کہ تم کو کسی امر میں بالکل جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلفت پہنچاؤ اور ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کو دل میں لائے یا زبان سے ذکر کرے یہ سب گناہ ہے۔سو اگر اس کے متعلق کسی چیز کو زبان سے ظاہر کرو گے یا اس ارادہ کو دل میں پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کی خبر ہوگی کیونکہ وہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں پس تم کو اس پر سزا دیں گے۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو قرآنی احکام پر دل وجان سے عمل کرنے کا جذبہ عطا فرمائیں اور اب تک ہم سے جو اس معاملہ میں کوتاہیاں سرزد ہو چکی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیں اور آئندہ کے لئے ہم کو عزم و ہمت اطاعت قرآنی کی نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ

پیغمبر کی بیبیوں پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے

اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ

بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے اور خدا سے ڈرتی رہو، بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے۔

شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر۔اے ایمان والوتم بھی آپؐ پر رحمت بھیجا کرو

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا

اور خوب سلام بھیجا کرو۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر دُنیا

وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُن کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے،اور جو لوگ ایمان والے مَردوں کو اور ایمان والی عورتوں

بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

کو بدوں اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔

لَاجُنَاحَ گناہ نہیں	عَلَيْهِنَّ عورتوں پر	فِيْ میں	اٰبَآئِهِنَّ اپنے باپ	وَلَآ اور نہ	اَبْنَآئِهِنَّ اپنے بیٹوں	وَ اور	لَآ اِخْوَانِهِنَّ نہ اپنے بھائی	وَلَآ اور نہ
اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ اپنے بھائیوں کے بیٹے	وَلَآ اور نہ	اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ اپنی بہنوں کے بیٹے	وَلَآ اور نہ	نِسَآئِهِنَّ اپنی عورتیں	وَلَآ اور نہ			
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ جس کے مالک ہوئے ان کے ہاتھ (کنیزیں)	وَاتَّقِيْنَ اور ڈرتی رہو	اللّٰهَ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	عَلٰى پر			
كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	شَهِيْدًا گواہ (موجود)	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	وَمَلٰٓئِكَتَهٗ اور اسکے فرشتے	يُصَلُّوْنَ درود بھیجتے ہیں	عَلَى النَّبِيِّ نبی پر	يٰٓاَيُّهَا اے		
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	صَلُّوْا درود بھیجو	عَلَيْهِ اس پر	وَسَلِّمُوْا اور سلام بھیجو	تَسْلِيْمًا خوب سلام	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ		
يُؤْذُوْنَ ایذا دیتے ہیں	اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسولؐ	لَعَنَهُمُ ان پر لعنت کی	اللّٰهُ اللہ	فِي الدُّنْيَا دنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت		
وَاَعَدَّ اور تیار کیا اس نے	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابًا مُّهِيْنًا رسوا کرنے والا عذاب	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	يُؤْذُوْنَ ایذا دیتے ہیں	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن مرد			
وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتیں	بِغَيْرِ بغیر	مَا اكْتَسَبُوْا کہ انہوں نے کمایا کیا	فَقَدِ احْتَمَلُوْا البتہ انہوں نے اٹھایا	بُهْتَانًا بہتان	وَاِثْمًا اور گناہ	مُّبِيْنًا صریح		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت حجاب میں اہل ایمان کو خطاب کر کے حق تعالیٰ نے علاوہ دوسرے احکام کے حجاب یعنی پردہ کا حکم بھی دیا تھا کہ ازواج مطہرات اب تم سے پردہ کیا کریں گی اس لئے کوئی مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں نہ آئے اور جس کو بھی ازواج مطہرات سے کوئی کام ہو وہ پردہ کے پیچھے سے بات کرے۔اب آگے اس حکم سے جو مستثنیٰ ہیں یعنی قریبی رشتہ دار اور محرم ان کو

ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کوئی پردہ نہیں اور ان کے سامنے آسکتی ہیں یعنی باپ۔ بیٹے۔ بھائی۔ بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے۔ بہنوں کے بیٹے یعنی بھانجے۔ ان کے علاوہ مسلمان عورتیں اور اپنی لونڈیاں یا باندیاں بھی اندر آجاسکتی ہیں۔ پردہ کے یہی تفصیلی احکام پھر سورۂ نور میں نازل ہوئے۔ آگے تاکید کے لئے فرمایا جاتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوان احکام مذکورہ میں خدا سے ڈرتی رہو یعنی کسی حکم کے خلاف نہ ہونے پائے اس لئے کہ اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے۔ گذشتہ درس میں ایک حکم مسلمانوں کو یہ بھی ہوا تھا کہ کوئی بات اور کوئی کام تم سے ایسا نہ ہونے پائے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلفت یا ایذا پہنچے یعنی ایک طریقہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کا یہ بتلایا گیا تھا کہ اپنے محبوب اور مقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور ضعیف سے ضعیف کام آپ کی ایذا کا نہ کریں۔ دوسرا طریقہ آپ کی تعظیم وتکریم اور عظمت کا یہاں یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت وشفقت کے ساتھ آپ کی ثنا اور اعزاز واکرام کرتا ہے اور اللہ کے فرشتے بھی رحمت بھیجتے ہیں اس لئے اے ایمان والو تم بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و رحمت بھیجا کرو تاکہ آپ کا جو حق عظمت تمہارے ذمہ ہے ادا ہوسکے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے احکامات ارشاد فرمائے۔ نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ اور بہت سے انبیاء کرام کی توصیفیں اور تعریفیں بھی فرمائیں۔ ان کے بہت سے اعزاز واکرام بھی بیان فرمائے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ تعظیمی کیا جائے لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز واکرم میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہ اعزاز صرف سید الکونین فخر دوعالم اشرف الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے صلوٰۃ کی نسبت اولاً اپنی طرف اس کے بعد اپنے پاک فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے مومنو تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ مومنین کی شرکت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ پر بے حد مہربان ہے۔ آپ کی تعریف فرماتا ہے۔ آپ کا نام بلند کرتا ہے۔ آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے۔ ملائکہ کی طرف سے آپ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ سے غایت درجہ کی محبت رکھتے ہیں اور آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبے عطا فرمائے۔ آپ کے دین کو سربلند کرے۔ آپ کی شریعت کو فروغ بخشے اور آپ کو مقام محمود پر پہنچائے تو اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کیساتھ ایمان والوں کو بھی دو چیزوں کا حکم دیا گیا ایک صَلُّوْا عَلَيْهِ دوسرے سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا - صَلُّوْا عَلَيْهِ . کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو تم اپنے نبی کے گرویدہ ہوجاؤ۔ آپ کی مدح وثنا کرو۔ آپ کے لئے خاص رحمتوں اور برکتوں کی دعا کرو اور آپ کے لئے اس طرح دعائیں کرکے اپنی نیازمندی اور شکرگزاری کا ثبوت دو۔ اسی قسم کی دعاء کو "درود" کہتے ہیں۔ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کا مطلب یہ ہے کہ تم آپ کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو پوری طرح دل و جان سے آپ کا ساتھ دو۔ آپ کی مخالفت سے پرہیز کرو اور آپ کے سچے فرمانبردار بن کر رہو۔ فقہاء اور علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کے حکم کے مطابق عمر بھر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نال ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہوچکا

یعنی نماز میں تشہد میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں اب آپ ہمیں یہ بھی بتادیجئے کہ ہم آپ پر "صلوٰۃ" یعنی درود کیسے بھیجا کریں۔ آپ نے فرمایا یوں کہا کرو

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید.
اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجیدo

یعنی اے اللہ اپنی خاص رحمت فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر جیسا کہ آپ نے رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور ان کی آل پر۔ ساری حمد وستائش کے سزاوار اور بزرگی وعظمت والے آپ ہی ہیں۔ اے اللہ خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر جیسا کہ آپ نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور ان کی آل پر ساری حمد وستائش کے سزاوار اور عظمت وبزرگی والے آپ ہی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد درود شریف احادیث میں آئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمائے (ایسے ۲۵ صیغۂ صلوٰۃ کے اور ۱۵ صیغۂ سلام کے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں وہ ایک رسالہ زاد السعید میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے جمع کر دیئے ہیں جو تاج کمپنی سے مل سکتا ہے۔ یوں تو صدہا صیغے درود شریف کے مشائخ کرام سے منقول ہیں مگر ظاہر ہے کہ جو صیغے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں ان کی افضلیت اور بابرکت ہونے میں کیا کلام ہے۔ پھر دین وایمان کی نعمت جو اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے یہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور طفیل میں ملی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے سب سے بڑے مشفق ومحسن ہیں ہم آپ کے احسان کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتے۔

بس زیادہ سے زیادہ جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے دعائیں کریں۔ یعنی دوسرے الفاظ میں آپ پر زیادہ سے زیادہ درود وسلام بھیجیں۔ پھر جب کہ درود شریف کے فضائل بھی بکثرت احادیث میں آئے ہیں تو اس سعادت سے محروم رہنا کسی امتی کے لئے مناسب نہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ جل شانہٗ اس پر دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ آئے اس کو چاہئے کہ مجھ پر درود بھیجے۔ اللہ جل شانہٗ اس پر درود بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اس کے دس درجات بلند کرے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں کہ جن کا خاص کام یہی ہے کہ وہ روئے زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور میرا جو امتی مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے وہ اس کو مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ سبحان اللہ کتنی بڑی دولت ہے کہ ہمارا صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے اور اس بہانہ ہمارا ذکر وہاں ہو جاتا ہے۔ سینکڑوں احادیث درود شریف کی فضیلت میں وارد ہیں جو اس مختصر درس میں جمع نہیں کی جا سکتیں ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص روزانہ مجھ پر ہزار دفعہ درود پڑھے تو اس کو موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ اپنی جگہ جنت میں نہ دیکھ لے گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھنے پر سخت وعید بھی فرمائی گئی ہے۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ حاضر ہو گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ جب دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین۔ جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین۔ جب آپ

خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔ میں نے کہا آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔ میں نے کہا آمین۔

اب غور کیجئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے کی بد دعا ہی کیا کم تھی اور پھر اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آمین فرمانا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو ان تینوں ہلاکتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الغرض اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب نہ بنیں بلکہ آپ کی انتہائی تعظیم و تکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہے۔ مگر ایک بات یہاں ذہن میں یہ بھی رکھی جائے کہ جیسے ہر عبادت صرف طریق سنت پر ادا کرنے سے مقبول ہوتی ہے اور خلاف سنت طریقہ پر کرنے سے نہ صرف مردود بلکہ قابل مواخذہ ہو جاتی ہے اسی طرح درود وسلام کا حال ہے۔ جو طریقہ سنت میں تعلیم فرمایا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس طرح درود بھیجا۔ اور تابعین۔ تبع تابعین۔ ائمہ دین نے جس طریقہ کا اتباع کیا وہی طریقہ مقبول ہے اور باعث اجر وثواب۔ باقی من گھڑت طریقہ جو رائج کر لئے جائیں وہ قابل اتباع نہیں۔ آگے بتلایا کہ اللہ و رسول کو ایذا دینے والے دنیا و آخرت میں ملعون اور سخت رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے سے مراد دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔ اس کے مقابلہ میں کفر و شرک اور دہریت کا رویہ اختیار کیا جائے اور اس کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لیا جائے دوسرے یہ کہ اس کے رسول کو اذیت دی جائے کیونکہ جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اسی طرح رسول کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے اور رسول کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذا پہنچائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحتہً یا کنایتہً وہ کافر ہو گیا اور اس آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا کی رو سے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہو گی اور آخرت میں بھی۔ اللہ اور رسول کی ایذا کے بعد مومنین و مومنات کو بلا وجہ ایذا دینے پر وعید سنائی گئی اور فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا اس میں اشارہ ہے منافقین کی طرف کہ پیٹھ پیچھے مسلمانوں کی برائیاں کرتے اور غلط باتیں ان کی طرف منسوب کرتے۔ ان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ ایسا کر کے گناہ عظیم کا بار اپنے سر پر لے رہے ہیں۔ اس آیت کی رو سے کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی کے کسی قسم کی ایذاء اور دکھ پہنچانے کی حرمت ثابت ہوئی لہٰذا کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی دکھ پہنچانا گو وہ کسی نوعیت کا ہو حرام ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"مسلمان تو صرف وہ آدمی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں (یعنی کسی کو تکلیف نہ پہنچے) اور مومن تو صرف وہی ہے جس سے لوگ اپنے خون اور مال کے مقابلہ میں محفوظ و مامون ہوں۔"

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

اے پیغمبرؐ اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی

جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ

اپنی چادریں، اس سے جلدی پہچان ہوجایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ منافقین

لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے

ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۚۛ ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا

پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔ وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔

تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اللہ تعالیٰ نے اُن (مفسد) لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گذرے ہیں، اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے ردّ و بدل نہ پاویں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبیؐ	قُلْ فرمادیں	لِّاَزْوَاجِكَ اپنی بیبیوں کو	وَبَنٰتِكَ اور بیٹیوں کو	وَنِسَآءِ اور عورتوں کو	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں			
يُدْنِيْنَ ڈال لیا کریں	عَلَيْهِنَّ اپنے اوپر	مِنْ سے	جَلَابِيْبِهِنَّ اپنی چادریں	ذٰلِكَ یہ	اَدْنٰۤى قریب تر	اَنْ کہ	يُّعْرَفْنَ اُن کی پہچان ہوجائے	
فَلَا يُؤْذَيْنَ تو انہیں نہ ستایا جائے	وَكَانَ اللّٰهُ اور اللہ ہے	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَّحِيْمًا مہربان	لَئِنْ اگر	لَّمْ يَنْتَهِ باز نہ آئے	الْمُنٰفِقُوْنَ منافق		
وَالَّذِيْنَ اور وہ جو	فِيْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں	مَّرَضٌ روگ	وَّالْمُرْجِفُوْنَ اور جھوٹی افواہیں اُڑانے والے	فِى میں	الْمَدِيْنَةِ مدینہ			
لَنُغْرِيَنَّكَ ہم ضرور تمہیں پیچھے لگا دیں گے	بِهِمْ ان کے	ثُمَّ پھر	لَا يُجَاوِرُوْنَكَ تمہارے ہمسایہ نہ رہیں گے وہ	فِيْهَاۤ اس (شہر) میں				
اِلَّا سوائے	قَلِيْلًا چند دن	مَّلْعُوْنِيْنَ پھٹکارے ہوئے	اَيْنَمَا جہاں کہیں	ثُقِفُوْۤا وہ پائے جائیں گے	اُخِذُوْا پکڑے جائیں گے			
وَقُتِّلُوْا اور مارے جائینگے	تَقْتِيْلًا بُری طرح مارا جانا	سُنَّةَ اللّٰهِ اللہ کا دستور	فِى الَّذِيْنَ ان لوگوں میں جو	خَلَوْا گذرے	مِنْ قَبْلُ فرمادیں			
	وَلَنْ تَجِدَ اور تم ہرگز نہ پاؤ گے	لِسُنَّةِ اللّٰهِ اللہ کے دستور میں	تَبْدِيْلًا کوئی تبدیلی					

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے اور اذیت پہنچانے پر وعید سنائی گئی تھی اس کے بعد عام مومنین و مومنات کو بلاوجہ ستانا اور ایذا دینے پر وعید بیان کی گئی تھی۔ آگے ان آیات میں بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا جو مسلمان عورتوں کو منافقین کی طرف سے پہنچتی تھی۔ روایت میں ہے کہ مسلمان عورتیں جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں تو بدطینت منافقین تاک میں رہتے اور چھیڑ چھاڑ کرتے۔ پھر پکڑے جاتے تو کہتے کہ ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ہمیشہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے کہ فلاں غنیم چڑھ کر آنا چاہتا ہے۔ مخالفوں کی قوت اور مسلمانوں کے ضعف و شکست کے چرچے کرتے اور ان دونوں امور سے عام مومنین و مومنات کو کلفت ہوتی۔ اس امر کے انتظام کے لئے حق

تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں حکم دیا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج اور صاحبزادیوں اور دوسرے مسلمان عورتوں کو فرما دیجئے کہ جب بضرورت گھر سے باہر نکلیں تو ایک چادر سے بدن ڈھانپ لیں اور چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیویں۔ روایات میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ لونڈیوں اور باندیوں کو اس حکم کا مکلّف نہیں کیا گیا تا کہ کام کاج میں حرج واقع نہ ہو۔ اسی لئے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی لونڈی کو چادر میں لپٹے ہوئے جاتے دیکھ کر فرمایا کہ کم بخت بیبیوں کے مشابہ ہونا چاہتی ہے۔ اس کپڑے کو اتار تو گویا آزاد عورتوں اور شریف حیادار مومنات کی یہ پہچان ہوگئی کہ وہ بدن اور چہرہ ایک حیادار لباس سے چھپا کر باہر نکلتیں اور اس طرح وہ پہچانی جاتیں کہ لونڈی یا باندی نہیں ہیں تا کہ کوئی ان سے تعرض یا چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ تو آزاد مسلمان عورتوں کے متعلق یہ انتظام فرمایا گیا تا کہ انہیں پہچان کر کسی منافق وغیرہ کا حوصلہ چھیڑنے کا نہ ہو اور جھوٹے عذر کرنے کا موقع نہ رہے۔ اس حکم کے بعد فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی باوجود اہتمام پردہ کے اگر کچھ تقصیر رہ جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ آگے عام چھیڑ چھاڑ خواہ آزاد عورتوں سے ہو یا لونڈیوں سے اس کے متعلق بدطینت منافقین یا یہود کو تنبیہ فرمائی جاتی ہے جن کا ایک کام ایذا رسانی کا یہ بھی تھا کہ مدینہ میں طرح طرح کی جھوٹی خوفناک خبریں اڑا کر لوگوں کو پریشان کیا کرتے کہ فلاں غنیم چڑھ کر آنا چاہتا ہے۔ فلاں قوم آتی ہے وہ یوں حملہ آور ہوں گے اور یوں قتل عام کریں گے۔ تو ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے تا کہ یہ مدینہ سے نکال باہر کئے جاویں اور چند دن جو یہاں رہیں تو ذلیل وخوار ہو کر رہیں جہاں کہیں پکڑے جاویں قتل کئے جاویں چنانچہ یہود تو نکالے گئے اور منافقین نے یہ دھمکی سن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہوگا اس لئے سزا سے بچے رہے۔ آگے فرمایا جاتا ہے کہ فساد اور شورش پر سزا کا مشروع کرنا کچھ ان ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان مفسد لوگوں میں اپنا یہی دستور جاری رکھا ہے جو ان سے پہلے بھی ہو گزرے ہیں کہ ان کو آسمانی سزائیں دی ہیں یا انبیاء کے ہاتھوں سزائیں دلوائی ہیں۔ پس اگر پہلے ایسا نہ ہو چکتا تو ان کو اس وعید میں شک وشبہ بھی ہوتا مگر اب تو گنجائش ہی نہیں اور آپ خدا کے دستور میں ردوبدل نہ پائیں گے کہ خدا کوئی بات جاری کرنا چاہے اور کوئی اس کو روک سکے۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی لیا ہے کہ عادت اللہ یہ ہی رہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کی اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل وخوار یا ہلاک کئے گئے۔

تو یہاں اس ارشاد باری تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ سے یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ جب ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو نیچی کر لیا کریں سر سے اپنے چہرہ کے اوپر اپنی چادریں۔ تو اس حکم سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان عورت کو جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلنا پڑے تو لمبی چادر سے تمام بدن چھپا کر نکلیں اور اس چادر کو سر کے اوپر سے لٹکا کر چہرہ بھی چھپا کر چلیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مروجہ برقع بھی جلباب کے قائم مقام ہے اور یہی پردہ مروجہ ہے جو شروع اسلام سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے جس کو اس زمانہ کے یورپ پرست دین سے آزاد ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور ان کے فتنہ سے مسلمانوں کو بچائے۔

آیت میں لفظ جلابیب کا استعمال ہوا ہے جو جمع ہے جلباب کی جو ایک خاص لمبی چادر کو کہا جاتا ہے جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے۔ اس چادر کی ہیئت کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر ہے جو دوپٹہ کے اوپر اوڑھی جاتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ہیئت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے

نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے یہ چادر لٹکا کر چہروں کو چھپالیں اور صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کیلئے کھلی رکھیں۔ (ابن کثیر)

قرآن کریم میں پردہ نسواں اور اس کی تفصیلات کے متعلق ۷ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ چار اسی سورۂ احزاب میں اور تین اٹھارویں پارہ کی سورۂ نور میں اور قریب ۷۰ روایات حدیث ہیں جن کا حاصل اور اصل مطلوب یہی ہے کہ عورتوں کا وجود اور ان کی نقل و حرکت غیر مردوں کی نظروں سے مستور ہو۔ باقی شریعت اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام زندگی ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات کی رعایت پوری کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگزیر ہے کہ وہ کسی وقت گھروں سے نکلیں تو اس کے لئے قرآن اور سنت کی رو سے پردہ کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن اور سنت نے جس نظام معاشرت کی دنیا کو تعلیم دی ہے وہ طہارت وتقویٰ اور عفت وعصمت و پاک دامنی اور عزت و آبرو اور امن و عافیت کا ضامن ہے۔ مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے اسلام ہی کی بدولت عزت عطا فرمائی ہے مسلمان کی ایمانی غیرت اور دینی جذبہ حمیت کو ہرگز یہ گوارا نہ ہونا چاہئے کہ وہ اسلامی طرز معاشرت چھوڑ کر غیروں کی وضع وقطع اور طور وطریق اور تمدن و معاشرت اختیار کرے۔ یورپ اور مغرب کے یہود ونصاریٰ اور بے دین دہریے اسلام اور مسلمانوں کے نہایت خطرناک دشمن ہیں۔ انہوں نے ہم میں سے ناقص الفہم لوگوں کو آزادئ نسواں کا سبق رٹا کر۔ بے حجابی۔ بے حیائی۔ عریانیت اور بدکاریوں میں مبتلا کر دیا اور طرح طرح کی گندگیاں اسلام کے عفت وعصمت مآب نظام معاشرت میں پیدا کرنے کے لئے مختلف قسم کے جال پھیلا دیئے جس میں اسلام اور قرآن وسنت سے قوی محبت نہ رکھنے والے لوگ بڑی تیزی سے پھنستے جارہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آج یورپ و امریکہ وغیرہ مغربی ممالک جس اخلاقی تباہی و بربادی اور فواحش اور بدکاریوں میں گرفتار ہیں اس کی ابتدا بے پردگی سے ہی ہوئی بے پردگی نے جسمانی زیبائش کا راستہ کھولا۔ پھر اس نے بے حیائی کی صورت اختیار کی اور پھر بے حیائی نے عریانی اور بدکاری کے سارے دروازہ کھول دیئے۔ وہ یورپ جس نے آزادئ نسواں کے پرفریب نام سے دنیا میں گندگی پھیلائی اس کے متعلق غیر نہیں ایک انگلستان ہی کی شریف نفس عورت نے جس حسرت وندامت سے اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ المنار میں شائع ہوا تھا جس میں وہ لکھتی ہے کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت وعصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم وحیا نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے۔ ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا۔ وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آرہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے۔

(ماخوذ از معارف القرآن جلد نہم از حضرت کاندھلویؒ)

بہرکیف قرآن وحدیث نے مسئلہ حجاب کو روشن اور واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمادیا ہے جس میں کسی قسم کے شک وتردد کی گنجائش نہیں۔

ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کی اطاعت و پابندی لازم ہے ہمیں چاہئے کہ اپنی معاشرت اور زندگی پوری طرح احکام اسلام کے تابع بنائیں اور مغربی تہذیب وتمدن جس میں ہمارے لئے دین و دنیا۔ اور اخلاق و ایمان کی تباہی و بربادی ہے۔ اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ اس بے حجابی اور آزادئ نسواں کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائیں اور اسلامی قوانین اور قرآنی احکام اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

دعا کیجئے: یا اللہ! ہر ایسے قول وفعل سے جو آپ کی اور آپ کے رسول پاک کی ناراضگی کا باعث ہو ہم کو کامل طور پر اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

یہ (منکر) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی

تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ

واقع ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور اُن کیلئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے،

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ

نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کئے جاویں گے یوں کہتے ہوں گے اے کاش ہم نے

اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا

اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی، اور یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں کا اور بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انہوں نے ہم کو

السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع

(سیدھے) راستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے۔

يَسْـَٔلُكَ آپ سے سوال کرتے ہیں	النَّاسُ لوگ	عَنِ سے (متعلق)	السَّاعَةِ قیامت	قُلْ فرما دیں	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	عِلْمُهَا اس کا علم	
عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	وَمَا اور کیا	يُدْرِيْكَ تمہیں خبر	لَعَلَّ شاید	السَّاعَةَ قیامت	تَكُوْنُ ہو	قَرِيْبًا قریب	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
لَعَنَ لعنت کی	الْكٰفِرِيْنَ کافروں پر	وَاَعَدَّ اور تیار کیا اس نے	لَهُمْ ان کیلئے	سَعِيْرًا بھڑکتی ہوئی آگ	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَآ اس میں	
اَبَدًا ہمیشہ	لَا يَجِدُوْنَ وہ نہ پائیں گے	وَلِيًّا کوئی دوست	وَّلَا اور نہ	نَصِيْرًا کوئی مددگار	يَوْمَ جس دن	تُقَلَّبُ الٹ پلٹ کئے جائیں گے	
وُجُوْهُهُمْ انکے چہرے	فِى النَّارِ آگ میں	يَقُوْلُوْنَ وہ کہیں گے	يٰلَيْتَنَآ اے کاش ہم	اَطَعْنَا ہم نے اطاعت کی ہوتی	اللّٰهَ اللہ		
وَاَطَعْنَا اور اطاعت کی ہوتی	الرَّسُوْلَا رسول	وَقَالُوْا اور وہ کہیں گے	رَبَّنَآ اے ہمارے رب	اِنَّآ بیشک ہم	اَطَعْنَا ہم نے اطاعت کی		
سَادَتَنَا اپنے سردار	وَكُبَرَآءَنَا اور اپنے بڑوں	فَاَضَلُّوْنَا تو انہوں نے بھٹکایا ہمیں	السَّبِيْلَا راستہ	رَبَّنَآ اے ہمارے رب			
	اٰتِهِمْ دے انہیں	ضِعْفَيْنِ دوگنا	مِنَ الْعَذَابِ عذاب	وَالْعَنْهُمْ اور لعنت کر ان پر	لَعْنًا لعنت	كَبِيْرًا بڑی	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ سے مضمون اللہ اور رسول کی مخالفت پر تنبیہ و وعید کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ گذشتہ ایک آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے قیامت میں عذاب مہین تیار کر رکھا ہے۔ اس میں علاوہ دنیوی لعنت کے عذاب سے بھی ڈرایا گیا تھا تو اللہ و رسول کی مخالفت کرنے والے منافقین و یہود وغیرہ اس آخرت کے عذاب کو کب یقین میں لاتے اور اس قسم کی وعیدیں سن کر بطور انکار اور ہنسی و تمسخر کے قیامت کا وقت وغیرہ پوچھا کرتے تھے۔ اس لئے اس کا جواب اور عذاب مذکورہ کی کسی قدر تفصیل اور کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق منکرانہ سوال کرتے ہیں کہ وہ قیامت کب آوے گی؟ یہ سوال کرنے والے وہی بدباطن منافق تھے اور ان کے ساتھ یہود بھی

شریک تھے قیامت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کا ذکر قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے لیکن قیامت کا وقت مصلحت الٰہی کی وجہ سے مخفی رکھا گیا ہے اس لئے اس کا تو کچھ جواب نہ یہاں دیا گیا اور نہ قرآن مجید میں کسی اور جگہ البتہ اس آنے والی مصیبت کا حال بیان کر دیا اور اشارۃً یہ بتلا دیا کہ اس کا وقت بہت دور نہیں بلکہ قریب ہی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی اٹھا کر دکھایا یعنی جس طرح یہ دونوں ملی ہوئی ہیں اور ان میں تھوڑا ہی فصل ہے اسی طرح قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہیں۔ غرض یہ کہ قیامت قریب ہی آ لگی ہے تو اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا سامان کرو اور اس کی تیاری کرو۔ تم سارے جہاں کی قیامت کو کیا پوچھتے ہو۔ تمہاری قیامت یعنی تمہاری موت کہیں سر پر نہ کھڑی ہو۔ آگے قیامت کے منکروں اور ان غفلت شعار لوگوں کا وہ معاملہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ جو آخرت میں بہت جلد ان کے سامنے آنے والا ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور وہاں نہ وہ کوئی اپنا یار پائیں گے نہ مددگار اور اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے اور ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ جس طرح کہ کباب کو بھونتے وقت الٹا پلٹا کرتے ہیں۔ اس وقت غایت حسرت سے یوں کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ اور رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ وقت دیکھنا نہ پڑتا۔ اور حسرت کے ساتھ اپنے گمراہ کرنے والوں پر غیض وغضب پیدا ہوگا اور یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں کا یعنی اہل حکومت کا اور اپنے بڑوں اور لیڈروں کا کہنا مانا تھا۔ انہوں نے دھوکہ دے کر اور جھوٹ وفریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے بہکانے پر ہم راہ حق سے بھٹکے رہے اس لئے ان کو دوہری سزا دیجئے اور جو پھٹکار ہم پر ہے۔ اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہئے۔ گویا ان کو دوگنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں گزر چکی ہے جہاں ان بڑوں اور سرداروں کا جواب بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ان چھوٹوں اور اپنے پیرووں سے کہیں گے کہ ہماری سزا میں اضافہ کی درخواست کر کے تمہیں کیا مل گیا؟ کیا تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہوگئی؟ نہیں تم کو بھی اپنے کرتوت کا مزہ چکھنا ہے۔ غرض کہ اہل جہنم باہم ایک دوسرے پر لعن طعن اور الزام سے کام لیں گے اور یہ بجائے خود ایک عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ہم سب کو جہنم کے آزار سے دور رکھیں اور وہاں کی ہوا بھی نہ لگنے دیں۔ آمین۔

اب یہاں کفار ومنکرین کا جو یہ قول نقل فرمایا گیا یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا یعنی جب کفار جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے اس وقت حسرت وندامت سے کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ وقت دیکھنا نہ پڑتا مگر پھر اس وقت ان کے پچھتانے سے کیا بنے گا۔ تو کیا اس سے کوئی نصیحت وعبرت ان لوگوں کو نہیں لینی چاہئے کہ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور اسلام کا لیبل لگا کر دن اور رات اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور خلاف ورزی میں لگے ہوئے ہیں بلکہ قرآن وسنت سے ایک درجہ میں بغاوت برت رہے ہیں تو کیا انہوں نے سورۂ فرقان ۱۹ ویں پارہ کی آیت وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا نہیں سنی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے قیامت کے روز شکایت کے طور پر کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو جو کہ واجب العمل تھا بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ: ''اس سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مہجور ومتروک کر دینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا

ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی نہ اس کے احکام میں غور کیا قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرما دیں۔'' (معارف القرآن جلد ۶ ص ۴۷۱)

ایسے مسلمان آج غور کر لیں کہ کل میدان حشر میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ پاک کی کتاب قرآن مجید شکایت اور فریاد کریں گے تو حق تعالیٰ کا ان کے لئے کیا فیصلہ ہوگا؟ پھر کیا ایسے مسلمانوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا جو بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے۔ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا (ترجمان السنۃ جلد اول ص ۳۴۷) (اس حدیث شریف پر مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ نے یہ شرح لکھی ہے۔

''انکار دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ زبان سے انکار کرے۔ ایسا منکر کافر ہے اور کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرز عمل میں کھلے منکر کے مشابہ ہے۔ یہ گو اقرار کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں یہ بھی گویا منکر ہے لہٰذا اسے بھی ان منکرین کے ساتھ کچھ دن رہنا ہوگا۔ گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر کبھی نجات ہو جائے۔ رسول کے لائے ہوئے دین کو ماننا ایمان ہے اور اس کی اطاعت کرنا اس قلبی ایمان کی علامت ہے۔ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہیں۔'' (ترجمان السنۃ جلد ا صفحہ ۳۴۷)

تو ایسے مسلمان جو دن رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں لگے ہوئے ہیں وہ اپنا انجام اس ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سوچ لیں۔ پھر بخاری شریف میں حوض کوثر کے باب میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ جن کا مشترک مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو حوض کوثر سے سیراب کرنے کے لئے ابتدائی انتظامات میں مصروف اور اپنی امت کے لوگوں کی آمد کے منتظر ہوں گے تو اس وقت کچھ لوگوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا اور ان کو جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ یہ لوگ تو میرے امتی ہیں اور مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جواب ملے گا کہ ہیں تو بے شک یہ آپ کے امتی ہی۔ لیکن آپ کو ان کے کرتوت معلوم نہیں یہ لوگ دین میں طرح طرح کی بدعات نکالتے رہے۔ اس لئے حوض کوثر سے ان کو پانی نہیں ملے گا۔ (توحیدی پاکٹ بک صفحہ ۲۱۳ حصہ اول)

اور انہی احادیث میں سے ایک حدیث میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آئے ہیں۔ **فاقول سحقاً سحقاً لمن غير بعدی** یعنی اس وقت میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں وہ لوگ دور ہوں جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا تو آج بے دینی کے راستوں پر چلنے والے مسلمان میدان حشر کے اس وقت کو یاد کر لیں جبکہ حوض کوثر سے سیراب نہ ہو سکیں گے اور شافع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں جھڑک کر دور کر دیں گے پھر ان کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

میرے عزیز و اور دوستو آج ہر مسلمان کو موقع حاصل ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کرے اور ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے جو وہ قصداً کر رہا ہے باز آ جائے اور سچی توبہ سے گذشتہ گناہوں کی تلافی کر لے تاکہ روز قیامت میں حسرت و ندامت سے واسطہ نہ پڑے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا رحم و کرم ہم پر فرمائیں اور اپنی توفیق حسن ہم کو نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ

اے ایمان والوتم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے (کچھ تہمت تراش کر) موسیٰ کو ایذا دی تھی سوان کو خدا تعالیٰ نے بری ثابت کر دیا، اور وہ

عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝٦٩ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٧٠ لا يُّصْلِحْ

اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں)

لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧١

تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور جو شخص اللہ اور اُس کے رُسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سوانہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا

مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝٧٢ لا لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ ظالم ہے جاہل ہے۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین و منافقات

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

اور مشرکین و مشرکات کو سزا دے گا اور مومنین و مومنات پر توجہ (ورحمت) فرمائے گا،

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٧٣ ع

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لَا تَكُوْنُوْا تم نہ ہو	كَالَّذِيْنَ ان لوگوں کی طرح	اٰذَوْا انہوں نے ستایا	مُوْسٰى موسیٰ	فَبَرَّاَهُ تو بری کر دیا اسکو	
اللّٰهُ اللہ	مِمَّا اس سے جو	قَالُوْا انہوں نے کہا	وَكَانَ اور وہ تھے	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	وَجِيْهًا باآبرو	يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو
اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرو	وَقُوْلُوْا اور کہو	قَوْلًا بات	سَدِيْدًا سیدھی	يُّصْلِحْ وہ سنوار دے گا	لَكُمْ تمہارے لئے	اَعْمَالَكُمْ تمہارے عمل	
وَيَغْفِرْ اور بخشدے گا	لَكُمْ تمہارے لئے	ذُنُوْبَكُمْ تمہارے گناہ	وَمَنْ اور جو۔جس	يُّطِعِ اللّٰهَ اللہ کی اطاعت کی	وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسول		
فَقَدْ فَازَ تو وہ مراد کو پہنچا	فَوْزًا عَظِيْمًا بڑی مراد	اِنَّا بیشک ہم	عَرَضْنَا ہم نے پیش کیا	الْاَمَانَةَ امانت	عَلَى پر	السَّمٰوٰتِ آسمان	
وَالْاَرْضِ اور زمین	وَالْجِبَالِ اور پہاڑ	فَاَبَيْنَ تو انہوں نے انکار کیا	اَنْ يَّحْمِلْنَهَا کہ وہ اسے اٹھائیں	وَاَشْفَقْنَ اور وہ ڈر گئے	مِنْهَا اس سے		
وَحَمَلَهَا اور اسے اٹھالیا	الْاِنْسَانُ انسان نے	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	ظَلُوْمًا ظالم	جَهُوْلًا بڑا نادان	لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ تا کہ اللہ عذاب دے	
الْمُنٰفِقِيْنَ منافق مردوں	وَالْمُنٰفِقٰتِ اور منافق عورتوں	وَالْمُشْرِكِيْنَ اور مشرک مردوں	وَالْمُشْرِكٰتِ اور مشرک عورتوں	وَيَتُوْبَ اور توبہ قبول کرے			
اللّٰهُ اللہ	عَلَى پر۔کی	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن مردوں	وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتوں	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَحِيْمًا مہربان

تفسیر وتشریح:- یہ سورۂ احزاب کا آخری رکوع اور خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں اللہ ورسول کی مخالفت احکام جس کو ایذا سے تعبیر فرمایا گیا تھا اس پر وعید سنائی گئی تھی اور ایسے لوگوں کو قیامت میں جو حسرت وندامت ہوگی اس کو بیان فرمایا گیا تھا کہ اس دن غایت حسرت سے یوں کہیں گے کہ کاش ہم نے دنیا میں اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی تو آج اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے اس کے بعد مسلمانوں کو عام ہدایت کی جاتی ہے کہ تم اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کوئی برتاؤ ایسا نہ کرنا جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ جھوٹے الزامات لگائے اور بے سروپا تہمتیں آپ کے سر پر تھوپیں۔ تو جنہوں نے تہمت تراش کر موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑے معزز پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت ظاہر فرمادی اور ان کا بے عیب و بے خطا ہونا سب پر ظاہر کردیا لیکن ستانے والوں نے اپنی عاقبت خراب کرلی تو مطلب یہ کہ اے مسلمانو! تم اپنے رسول کو آپ کی مخالفت کرکے ایذا مت دینا بلکہ ہر امر میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا جس کا حکم آگے دیا جاتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ کے غضب سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اس سے ڈر کر بری باتوں سے اپنے آپ کو دور رکھو اور بالخصوص کلام کرنے میں اس کی بہت رعایت رکھو کہ جب بات کرنا ہو راستی کی بات کہو کہ جس میں عدل واعتدال سے تجاوز نہ ہو۔ یعنی منہ سے جو بات نکالو وہ سچی۔ سیدھی اور راست ہونی چاہئے۔ یہاں مفسرین نے ایک واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں کچھ مال تقسیم کررہے تھے۔ اس مجلس سے جب لوگ باہر نکلے تو کسی نے کہا کہ یہ تقسیم اللہ کے لئے نہیں کی یعنی اس میں رورعایت کی گئی ہے۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن لی اور جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آج آپ پر یہ بات بنائی گئی ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا اللہ کی رحمت ہو موسیٰ علیہ السلام پر انہیں اس سے زیادہ اذیتیں دی گئیں اور انہوں نے صبر کیا۔ الغرض یہاں عام مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ تم یہودیوں کی سی حرکت نہ کرنا۔ تمہاری روش اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ نہ ہونی چاہئے جو بنی اسرائیل کی روش موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ تم اللہ سے ڈرو یعنی ہر امر میں اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کا خیال رکھو اور بالخصوص زبان سے کلام کرنے میں اس کا بہت ہی خیال رکھو اور ہمیشہ اللہ کے خوف وڈر سے منہ سے سیدھی۔ سچی راست اور دیانت داری کی بات کہو۔ اور جب تم تقویٰ اور راستی اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تمہارے اعمال کو قبول کرے گا۔ اور تمہارے کام سنوار دے گا اور تمہاری خطائیں اور لغزشیں معاف کردے گا اور یہ ثمرات اطاعت پر ہیں اور اطاعت وہ چیز ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔ سورۃ کے آخر میں انسان کا مکلف باحکام شرعیہ ہونا اور ان کو امانت کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کے ادائے حق کرنے والوں کا مورد عنایت ہونا اور اس حق کو ادا کرنے والوں کا مستحق عذاب ہونا بیان فرمایا جاتا ہے چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت یعنی احکام بجالانے کی ذمہ داری اپنی بڑی زبردست و طاقتور مخلوق آسمانوں۔ زمین۔ اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی مگر وہ اس ذمہ داری سے ڈر گئے اور انکار کردیا۔ اب یہاں یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ پہاڑ۔ زمین اور آسمان تو بظاہر بے حس و بے شعور ہیں تو ان سے سوال جواب کیسے ہوسکتا ہے تو اس کی وضاحت میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کا یہ واضح ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں

جواللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح نہ پڑھتی ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی ذات عالی کو پہچاننا اور اس کو خالق و مالک اور سب سے اعلیٰ اور برتر جان کر اس کی حمد و تسبیح کرنا بغیر ادراک و شعور کے ممکن نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ ادراک و شعور تمام مخلوقات میں یہاں تک کہ جمادات میں بھی موجود ہے۔ اسی ادراک و شعور کی بناء پر ان کو مخاطب بھی بنایا جاسکتا ہے اور وہ جواب بھی دے سکتے ہیں اس لئے جمہور امت کے نزدیک آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں پر عرض امانت حقیقی طور پر کیا گیا اور انہوں نے حقیقی طور پر ہی اپنا اس بار سے عاجز ہونا ظاہر کیا۔ (معارف القرآن جلد ۷ ص ۲۴۶) علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد اسناد کے ساتھ اس عرض امانت کی یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمانوں پر پھر زمین پر پھر پہاڑوں پر اختیاری صورت میں یہ پیش کیا کہ ہماری امانت یعنی اطاعت احکام شرعیہ بالاختیار کا بار اٹھالو اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لئے مقرر ہے۔ ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہے تو بتلایا گیا کہ امانت یعنی اطاعت احکام شرعیہ تم نے پوری طرح کی تو تمہیں جزا و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا اور اگر تعمیل احکام شرعیہ نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو عذاب اور سزا ملے گی۔ ان سب بڑے بڑے اجسام نے یہ سن کر جواب دے دیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان چل رہے ہیں لیکن جب ہمیں اختیار دیا گیا تو ہم اس بار کو اٹھانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں۔ ہم نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب کے متحمل ہیں۔ (یعنی آپ کے اوامر ونواہی کی بجا آوری کی ذمہ داری قبول کرنے کی ہم میں طاقت و ہمت نہیں۔ پس اس امانت کے بوجھ سے اس قدر ڈرے کہ عذاب کے خوف سے ثواب سے بھی دست بردار ہو گئے کہ خدا جانے بعد میں کیا انجام ہو۔ ہم سے اس امانت کی حفاظت ہو سکے یا نہ ہو سکے اور ہم اس کے حقوق ادا کرسکیں یا نہ کرسکیں پس ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کا یہ انکار ابلیس کی طرح سجدۂ تعظیم سے نہ تھا۔ بلکہ اپنے کو صغیر اور حقیر سمجھا اور اپنی کمزوری کے اظہار سے یہ نیاز مندانہ عذر پیش کر دیا۔ پھر انکو اختیار دیا گیا تھا کہ قبول کریں یا نہ کریں۔

پھر ایک حدیث کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آسمان زمین اور پہاڑوں پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان و زمین کے ساتھ پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے تو آپ اس بار امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے۔ آدم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کیساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر حمل امانت میں پورے اترے یعنی اطاعت مکمل کی تو آپ کو جزا ملے گی (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی۔ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں اس کو اٹھالیا۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے تقدیر ازلی میں آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا طے فرمایا تھا اور یہ خلافت اسی کو سپرد کی جاسکتی تھی جو احکام الٰہیہ کی اطاعت کا بار اٹھائے کیونکہ اس خلافت کا حاصل ہی یہ ہے کہ زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرے۔ خلق خدا کو احکام الٰہیہ کی اطاعت پر آمادہ کرے اس لئے تکوینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام اس امانت کے اٹھانے کے لئے آمادہ ہو گئے حالانکہ دوسری بڑی بڑی مخلوقات کا اس سے عاجز ہونا بھی معلوم ہو چکا تھا۔ (معارف القرآن جلد ۷ ص ۲۴۸)

اب جب کہ انسان اتنی بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور پھر بھی یہ بے فکر ہو کر رہتا ہے اور اعمال و عقائد دونوں میں خلاف ورزی احکام الٰہیہ کی کرتا ہے تو اسی بنا پر اس

انسان کو باعتبار حالت اکثر افراد کے ظالم اور جاہل قرار دیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جملہ انه کان ظلوما جهولاً مطلقاً انسان کی مذمت میں نہیں آیا بلکہ اکثر افرادنوع انسانی کے اعتبار سے واقعہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نوع انسانی کی اکثریت ظلوم وجہول ثابت ہوئی جس نے امانت کا حق ادا نہ کیا اور خسارہ میں پڑی اور چونکہ اکثریت کا یہ حال تھا اس لئے اس جملہ کو نوع انسانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ بالآخر اس ذمہ داری کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات کہ جنہوں نے ظاہری اسلام رکھتے ہوئے در پردہ مخالفت کی اور مشرکین ومشرکات کہ جنہوں نے علی الاعلان اور کھلم کھلا مخالفت احکام الٰہیہ کی انکو اس امانت کی خیانت اور احکام کے ضائع کرنے پر سزا وعذاب دے گا اور مومنین ومومنات جنہوں نے صدق دل سے ایمان اختیار کیا اور خدا کے احکام کی اطاعت کی ان پر توجہ اور رحمت فرمائے گا اور اگر مخالفت کے بعد بھی کوئی باز آ جائے تو مومنین ومومنات کے زمرہ میں شامل کرلیا جائے گا۔ یعنی ہر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحمت کرنے کو تیار ہے جو اس سے معافی اور رحم کا خواستگار ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اس خاتمہ کے رکوع کی ابتدائی آیات یعنی یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۭ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾ (یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو یعنی ہر امر میں اس کی اطاعت کرو اور بالخصوص کلام کرنے میں اس کی بہت رعایت رکھو کہ جب بات کرنا راستی کی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تمہارے اعمال کو قبول کرلے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور یہ ثمرات اطاعت کے ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔) اس پر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں اصل حکم سب مسلمانوں کو یہ دیا گیا ہے کہ اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی تقویٰ اختیار کرو جس کی حقیقت تمام احکام الٰہیہ کی مکمل اطاعت ہے کہ تمام اوامر کی تعمیل کرے اور تمام منہیات و مکروہات سے اجتناب کرے اور ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں اس لئے اتَّقُوا اللّٰهَ کے بعد ایک خاص عمل کی ہدایت کی جاتی ہے یعنی اپنے کلام کی درستی اور اصلاح۔ یہ بھی اگرچہ تقویٰ ہی کا ایک جزو ہے مگر ایسا جزو ہے کہ اس پر قابو پالیا جائے تو باقی اجزاء تقویٰ خود بخود حاصل ہوتے چلے جائیں گے جیسا کہ خود آیات مذکور میں قول سدید اختیار کرنے کے نتیجہ میں یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ کا وعدہ ہے یعنی اگر تم نے اپنی زبان کو غلط باتوں سے روک لیا اور کلام درست اور بات سچی سیدھی صاف کہنے کے خوگر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی اصلاح فرمائیں گے اور سب کو درست کر دیں گے اس طرح وہ سب قبول ہوں گے۔ اور یہ بھی وعدہ فرمایا یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ یعنی جو لغزشیں تم سے سرزد ہوئی ہیں ان کو معاف فرما دیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک صرف زبان اور کلام کی درستی دین دنیا دونوں کے کام درست کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی زبانوں کی حفاظت اور کلام کی درستگی کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے قول وفعل سے بچائیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور اذیت کا باعث ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچے ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اتباع بھی نصیب فرمائیں اور ہمیں ہر حال میں راستی اور صداقت پر قائم رکھیں۔ اور ہم سے جو کوتاہیاں سرزد ہو چکی ہیں انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ سَبَإٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ

تمام تر حمد (ثنا) اسی اللہ کو سزاوار ہے جس کی مِلک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اُسی کو حمد (ثنا) آخرت میں بھی (سزاوار) ہے

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱﴾ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ

اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو

السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے، اور وہ (اللہ) رحیم (اور) غفور (بھی) ہے۔

اَلْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِيْ لَهٗ وہ جس کیلئے	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں
وَلَهُ اور اسی کیلئے	الْحَمْدُ ہر تعریف	فِي الْاٰخِرَةِ آخرت میں	وَهُوَ اور وہ	الْحَكِيْمُ حکمت والا	الْخَبِيْرُ خبر رکھنے والا	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے
مَا يَلِجُ جو داخل ہوتا ہے	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَمَا اور جو	يَخْرُجُ نکلتا ہے	مِنْهَا اس سے	وَمَا اور جو	يَنْزِلُ نازل ہوتا ہے
مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	وَمَا اور جو	يَعْرُجُ چڑھتا ہے	فِيْهَا اس میں	وَهُوَ اور وہ	الرَّحِيْمُ مہربان	الْغَفُوْرُ بخشنے والا

تفسیر وتشریح:- الحمدللہ اب ۲۲ ویں پارہ کی سورۂ سبا کا بیان شروع ہورہا ہے۔ تلاوت کردہ ابتدائی آیات کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ حسب معمول بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں قوم سبا کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۂ سبا قرار پایا۔ یہ سورہ مکی ہے اور مکی دور کے تقریباً درمیانی زمانہ میں اس کا نزول ہوا ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی چونتیسویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۵ لکھا ہے یعنی ۸۴ سورتیں اس سے قبل نازل ہوچکی تھیں اور ۲۹ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۵۴ آیات۔ ۶ رکوعات۔ ۸۹۲ کلمات اور ۳۶۳۶ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

اس سورۃ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر سے کیا گیا اور بتلایا گیا کہ حمد وشکر کی مستحق صرف وہی ایک ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے سب کا مالک ہے اللہ تعالیٰ سب کی حقیقت سے آگاہ اور سب کے حالات سے خوب واقف ہے۔ قیامت اور خدائی فیصلوں کے اٹل ہونے کو مختلف انداز سے سمجھایا اور بتلایا کہ انسان بلامقصد نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے اور یہ جواب دہی قیامت میں ہوگی۔ عالم الغیب کے علم سے بھاگ کر انسان کا کوئی ایسا عمل نہیں ہوسکتا جس کا بدلہ اس کے سامنے قیامت میں نہ آئے۔ سب کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس لکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پھل ملنا ہے۔ کفار اور مشرکین کو اعتراضات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتوحید وآخرت اور خود آپ

کی نبوت ورسالت پر کرتے ان کے جوابات دیتے ہوئے کفار کو ان کی ہٹ دھرمی کے برے انجام سے ڈرایا گیا اور بتلایا گیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو دبا دینے کی کوششیں کرتے ہیں ان کے ہاتھ بجز دردناک عذاب کے کچھ نہ آئے گا جاننے والے خوب سمجھتے ہیں کہ قرآن حق ہے۔ جو لوگ مر کر دوبارہ زندہ ہونے میں شک کرتے ہیں اور اللہ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی باتوں کا یقین نہیں کرتے وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے حالات اور قوم سبا کا قصہ بیان فرمایا گیا اور جتلایا گیا کہ انسانوں کے لئے اس میں دو نمونہ موجود ہیں۔ ایک نمونہ تو اللہ کے شکر گزار اور منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہ ہونے والے بندے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوتیں اور طاقتیں بخشیں اور ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائیں۔ نبوت کے ساتھ ان کو بے مثال سلطنت بھی ملی۔ اور وہ شوکت وحشمت عطا کی کہ جو پہلے کسی کو کم ہی نصیب ہوئی۔ جن کی شان وشوکت دنیاوی کا یہ حال تھا کہ جن وانس اور چرند و پرند اور بر و بحر۔ اور ہوا اور فضا سب ان کے لئے مسخر تھے۔ مگر باوجود دین و دنیا کی نعمتوں کے جمع ہونے کے وہ کبر وغرور میں مبتلا نہ ہوئے اور اپنے رب کے شکر گزار بندے ہی بنے رہے۔ اگر کسی وقت غفلت ہوئی تو سجدہ میں اپنے معبود حقیقی کے آگے گر گئے اور استغفار کرنے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی ان کے شامل حال رہا۔ دوسری طرف سبا کی قوم کا نمونہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جب دنیوی نعمتوں سے نوازا تو وہ دنیاوی عیش وعشرت میں ایسے مست ہوئے اور کبر وغرور میں مبتلا ہو کر کہ اپنے رب سے بغاوت اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اور کفران نعمت کیا جس کے نتیجہ میں وہ اس طرح تباہ و برباد ہوئے کہ دنیا جو ان کے لئے جنت بنی ہوئی تھی مبدل بہ جہنم ہوگئی اور رحمت وراحت مبدل بہ لعنت و زحمت ہوگئی اور عزت مبدل بہ ذلت ہوگئی اور اس طرح تباہ و برباد ہوئے کہ بس اب دنیا میں ان کے افسانے ہی باقی رہ گئے۔ ان دونوں نمونوں کو بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ دنیا والے دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ توحید اور آخرت کے یقین پر اور اپنے رب۔ خالق اور مالک کی اطاعت و بندگی کی حالت اور منعم حقیقی کی نعمتوں کے شکر کے جذبے سے جو زندگی بنتی ہے وہ بہتر ہے یا جو زندگی کفر وشرک اور انکار آخرت اور دنیا پرستی پر مبنی ہے؟ قوم سبا کے تذکرہ میں بتلایا گیا کہ وہ شیطان ابلیس لعین کے جال میں پھنس گئے حالانکہ ابلیس کو اتنی طاقت اور قدرت نہیں کہ وہ انسان کو خواہ وہ سبا والے ہوں یا کوئی اور زبردستی سیدھی راہ سے پکڑ کر کھینچ لے وہ فقط ورغلاتا اور بہکاتا ہے۔ اور شیطان کو صرف وسوسہ ڈالنے کی قدرت بھی اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے عطا کی کہ اس سے مقصود بندوں کا امتحان اور آزمائش ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت۔ وحدانیت کو دکھلایا گیا کہ وہ مالک مطلق ہے۔ اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں۔ نہ اس کے آگے بغیر اجازت کے کوئی سفارش کرسکتا ہے۔ فرشتے تک بغیر اس کے حکم کے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اپنی قدرت کمالیہ کا اظہار کر کے آگے بتلایا کہ اس نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا بھر کے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ کفار جو آج قیامت کو نہیں مانتے وہ قیامت کے دن آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ چھوٹے اور ماتحت بڑوں اور اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا۔ تم نہ ہوتے تو ہم عذاب میں نہ پھنستے وہ کہیں گے کہ ہم نے کیا کیا تم خود ہی گمراہ ہوئے۔ مگر اس وقت یہ جھگڑا بیکار ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی سزا و جزا مل کر رہے گی۔ دنیا میں مال و اولاد پر اترانے والوں کو بتلایا گیا کہ آخرت میں ایمان اور نیک اعمال کام آئیں گے۔ یہ دنیا کا مال دولت اور کثرت اولاد اللہ کے ہاں تمہارے درجے بلند نہیں کرسکتا مشرکوں کے معبود قیامت میں اپنے پجاریوں کو دھتا بتائیں گے کہ تم ہمارے نہیں اپنی ہوا اور ہوس کے بندے تھے اس لئے اپنے کئے کا پھل بھگتو۔ اخیر میں سمجھایا گیا کہ ہر انسان کو چاہئے کہ اللہ کے رسول

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سمجھے اور آپ کی پیروی کرے ایمان وہی کام آئے گا جو دنیا میں لایا جائے ورنہ آخرت کا عذاب دیکھ کر تو ہر شخص ایمان لاوے ہی گا مگر اس وقت کا ایمان کچھ فائدہ مند نہ ہوگا۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کے مضامین کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں زیر نظر آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد اب ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتداء الحمدللہ سے ہوئی ہے۔ اور ایسی کل پانچ سورتیں قرآن کریم میں ہیں جن کی ابتداء الحمدللہ سے ہوئی ہے۔ ایک سورۂ فاتحہ۔ دوسری سورۂ انعام۔ تیسری سورۂ کہف۔ چوتھی یہی سورۃ سبا اور پانچویں اگلی سورۂ فاطر اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بیشمار نعمتیں دوقسم کی ہیں۔ ایک نعمت ایجاد ہے کہ اس نے ہم کو اور کائنات کی تمام چیزوں کو معدوم سے موجود کیا۔ دوسری نعمت بقا ہے کہ ہم کو باقی رکھا اور زندہ رہنے کے سامان عطا کئے اور بندہ کی بھی دو ہی حالتیں ہیں ایک ابتدا جو اس عالم دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور ایک انتہا جو عالم آخرت سے تعلق رکھتی ہے۔ پس ان پانچ سورتوں میں کہیں ایجاد کی نعمتیں یاد دلائی ہیں کہیں بقا کی کہیں اس عالم کی اور کہیں اس عالم کی۔ تو سورۃ کی ابتدا الحمدللہ سے فرمائی گئی۔ حمد کا لفظ عربی زبان میں تعریف اور شکر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ساری خوبیاں اور تعریفیں اس ایک اللہ ہی کے لئے ہیں جو اکیلا بلاشرکت غیرے تمام آسمانی اور زمینی چیزوں کا مالک و خالق ہے تو اس کائنات میں جو حکمت و قدرت۔ اور صناعی اور کاریگری کی شان بھی نظر آتی ہے اس پر تعریف کا مستحق وہی خدا ہے۔ آگے فرمایا کہ جس طرح اس دنیا کی ساری نعمتیں اسی کی بخشش ہیں اسی طرح آخرت میں جو کچھ کسی کو ملے گا اسی کے خزانوں سے اور اسی کے عطا سے ملے گا اس لئے عالم آخرت میں بھی تعریف اور شکر کی مستحق اسی کی ذات ہے۔ آگے فرمایا

وھو الحکیم الخبیر یعنی اس کے سارے کام کمال درجہ حکمت ودانائی پر مبنی ہیں۔ جو کچھ کرتا ہے بالکل ٹھیک کرتا ہے اور اسے ہر مخلوق کے متعلق پورا علم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ کس حال میں ہے۔ کیا کچھ اس کی ضرورت ہے۔ کیا کچھ اس کی مصلحت کے مناسب ہے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا سے بے خبر نہیں ہے بلکہ اسے ذرہ ذرہ کی حالت پوری طرح معلوم ہے۔ آگے بتلایا گیا کہ زمین وآسمان کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے مثلاً کیڑے مکوڑے۔ بارش کا پانی مردہ کی لاش۔ یا درختوں پودوں کے بیج وغیرہ ان سب پر اللہ کا علم محیط ہے۔ اسی طرح جو زمین کے اندر سے نکلتی ہیں مثلاً کھیتی۔ سبزہ۔ معدنیات وغیرہ۔ اسی طرح جو آسمان کی طرف سے اترتی ہیں۔ مثلاً بارش۔ وحی۔ فرشتے وغیرہ۔ اسی طرح جو اوپر آسمان پر چڑھتی ہیں مثلاً روح۔ دعا۔ عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب جزئیات کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور چونکہ ان سب چیزوں میں جسمانی یا روحانی منافع ہیں اس لئے مقتضا ان کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا پورا پورا شکر ادا کیا جائے اور جو کوتاہی کرے وہ مستحق سزا ہو لیکن اللہ تعالیٰ رحیم اور غفور بھی ہے پس اپنی رحمت سے صغیرہ کوتاہیوں کو نیکیوں سے اور کبیرہ کوتاہی کو توبہ سے۔ اور کبھی صغیرہ اور کبیرہ کو اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے اور جو کوتاہی حد کفر وشرک تک پہنچی ہو اس کو ایمان لانے سے معاف فرما دیتا ہے۔ اسی طرح عاصی اور خاطی کو قصور سرزد ہوتے ہی پکڑ لینا۔ اس کا رزق بند کر دینا۔ اس کو آناً فاناً ہلاک کر دینا یہ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے مگر وہ اپنی شان رحیمی سے ایسا نہیں کرتا اور باوجود قادر مطلق ہونے کے نافرمان بندوں کو ڈھیل دیتا ہے اور سنبھلنے کی مہلت عطا کرتا ہے اور جب بھی باز آجائیں تو معاف فرما دیتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ

اور یہ کافر کہتے ہیں ہم پر قیامت نہ آئے گی، آپ فرما دیجئے کہ کیوں نہیں قسم ہے اپنے پروردگار عالم کی وہ ضرور تم پر آئے گی

الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ

اس (کے علم) سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس (مقدار مذکور) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز

ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰٓئِكَ

(اس سے) بڑی ہے مگر سب کتاب مبین میں (مرقوم) ہے۔ تا کہ ان لوگوں کو صلہ (نیک) دے جو ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک کام کئے تھے، ایسے لوگوں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

کیلئے مغفرت اور (بہشت میں) عزت کی روزی ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کی تھی ہرانے کیلئے ایسے لوگوں کے واسطے سختی کا

مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿٥﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ

دردناک عذاب ہوگا۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے

وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٦﴾

اور وہ خدائے غالب محمود (کی رضا) کا راستہ بتلاتا ہے۔

وَقَالَ اور کہا (کہتے ہیں)	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	لَا تَاْتِيْنَا ہم پر نہیں آئے گی	السَّاعَةُ قیامت	قُلْ فرمادیں	بَلٰى ہاں			
وَرَبِّيْ قسم میرے رب کی	لَتَاْتِيَنَّكُمْ البتہ تم پر ضرور آئے گی	عٰلِمِ جاننے والا	الْغَيْبِ غیب	لَا يَعْزُبُ پوشیدہ نہیں	عَنْهُ اس سے			
مِثْقَالُ ذَرَّةٍ ایک ذرہ کے برابر	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَلَا اور نہ	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَلَا اور نہ	اَصْغَرُ چھوٹا	مِنْ ذٰلِكَ اس سے	وَلَا اور نہ	
اَكْبَرُ بڑا	اِلَّا مگر	فِيْ میں	كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ روشن کتاب	لِيَجْزِيَ تا کہ جزا دے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کو جو ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے		
الصّٰلِحٰتِ نیک	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	لَهُمْ ان کیلئے	مَّغْفِرَةٌ بخشش	وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ اور عزت کی روزی	وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ جو	سَعَوْ انہوں نے کوشش کی		
فِيْٓ اٰيٰتِنَا ہماری آیتوں میں	مُعٰجِزِيْنَ ہرانے کیلئے	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	مِّنْ سے	رِّجْزٍ اَلِيْمٌ سخت درد ناک		
وَيَرَى اور وہ دیکھتے ہیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا دیا گیا	الْعِلْمَ علم	الَّذِيْٓ وہ جو کہ	اُنْزِلَ نازل کیا گیا	اِلَيْكَ تمہاری طرف		
مِنْ رَّبِّكَ تمہارے رب کی طرف سے	هُوَ الْحَقَّ وہ حق	وَيَهْدِيْٓ اور وہ رہنمائی کرتا ہے	اِلٰى طرف	صِرَاطِ راستہ	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَمِيْدِ سزاوار تعریف		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں حق تعالیٰ کی بعض صفات کمالیہ بیان فرمائی گئی تھیں اور بتلایا گیا تھا کہ اس عالم دنیا میں بھی اور عالم آخرت میں بھی تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں اور ساری حمد وثنا کی سزاوار اسی کی ایک ذات عالی ہے۔ ان تمام صفات اور کمالات کا مقتضا یہ تھا کہ اس کو اپنا خالق و مالک سمجھ کر اس کی اطاعت کی جائے اس کی تعریف کی جائے۔ اس کی تصدیق کی جائے اور اس سے رحم

ومغفرت کی درخواست کی جائے اور قیامت کا اقرار کیا جائے کیونکہ انکار قیامت میں اول تو تکذیب ہے خدا کی۔ پھر انکار ہے اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا۔ مگر اس کے برخلاف ان آیات میں کفار کی حالت بتلائی جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کوئی چیز ہی نہیں اس لئے اس کے آنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے اور اپنے پروردگار عالم الغیب کی قسم کھا کر کہہ دیجئے کہ قیامت ضرور آ کر رہے گی۔

تمام قرآن کریم میں تین آیتیں ہیں جہاں قیامت کے آنے پر قسم کھا کر بیان فرمایا گیا ہے ایک سورۂ یونس میں جہاں ارشاد ہے وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڼ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کا آنا حق ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں میرے رب کی قسم وہ یقیناً حق ہے اور تم خدا کو مغلوب نہیں کر سکتے) دوسرے یہی سورۂ سبا کی آیات اور تیسرے سورۂ تغابن میں جہاں ارشاد ہے زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ (کفار کا خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن اٹھائے نہ جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ضرور اور قسم ہے میرے پروردگار کی ضرور تم اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم کر چکے ہو اس کی تم کو خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے)

تو یہاں بھی کافروں کا انکار قیامت ذکر کر کے جواب تلقین فرمایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ تم مانو یا نہ مانو قیامت آ کر رہے گی اور میں اپنے اس رب کی قسم کھا کر جو عالم الغیب ہے کہتا ہوں کہ وہ ضرور آئے گی اور آ کر تمہیں اپنی گرفت میں لے گی پھر آگے اسی کی تائید میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ خدا جو عالم الغیب ہے جس سے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں یا زمین میں پوشیدہ نہیں۔ سب اس کے علم میں ہے۔ گو ہڈیاں سڑ گل جائیں۔ ان کے ریزے ریزے متفرق ہو جائیں۔ لیکن وہ کہاں ہیں؟ کتنے ہیں؟ وہ سب جانتا ہے اور ان کے جمع کرنے پر قادر بھی ہے۔ اور کوئی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں کہ جو بوجہ احاطہ علم الٰہی کے کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں مندرج نہ ہو یعنی منکرین آخرت جس وجہ سے مابعد الموت کو بعید از عقل سمجھتے تھے وہ یہ تھی کہ جب انسان مر کر مٹی میں رل مل جائیں اور انکا ذرہ ذرہ منتشر ہو جائے گا تو کس طرح یہ ممکن ہے کہ یہ بے شمار اجزا پھر سے اکٹھے ہوں اور ان کو جوڑ کر ہم دوبارہ پھر اسی جسم کے ساتھ پیدا کر دیئے جائیں۔ اس شبہ کو یہ بتلا کر رفع کیا گیا کہ ہر ذرہ جو کہیں گیا ہے خدا کے دفتر میں اس کا اندراج موجود ہے اور خدا کو معلوم ہے کہ کیا چیز کہاں گئی ہے اس لئے جب وہ دوبارہ پیدا کرنے کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ایک انسان کے اجزائے جسم کو سمیٹ لانے میں زحمت پیش نہ آئے گی۔ آگے قیامت کے آنے کی غرض و غایت بتلائی جاتی ہے کہ قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کو مانا اور اس کی مرضی کے مطابق نیک کام کئے ان کو اس کا اچھا بدلہ دیا جائے اور انہیں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ انہیں اپنی مغفرت سے نوازے اور بہشت میں عزت کی روزی عطا کرے اور جن لوگوں نے دنیا کے اندر اس کوشش میں عمر بسر کی کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں اور ان کے خلاف عمل کریں اور اپنے قول و فعل سے ظاہر کریں کہ (معاذ اللہ) اللہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا انہیں سخت دردناک عذاب دیا جائے اور قیامت کا اس لئے بھی آنا ضروری ہے کہ جنہوں نے دنیا میں اپنی سمجھ سے کام لیا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ قرآن کی خبریں بالکل صحیح و سچی تھیں اور قرآن نے جس ثواب و عذاب کی خبر دی تھی وہ بالکل حق تھیں۔ اور بیشک قرآن ہی وہ کتاب تھی جو اس زبردست خوبیوں والے خدا تک پہنچانے کا ٹھیک راستہ بتاتی تھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ

اور کافر (آپس میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایک ایسا شخص بتائیں جو تم کو یہ عجیب خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اس کے بعد قیامت کو) ضرور تم ایک نئے جنم میں آؤ گے۔

اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۷ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

معلوم نہیں اس شخص نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے، بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ۸ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

(وہی) عذاب اور دور دراز گمراہی میں مبتلا ہیں۔ تو کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو اُن کے آگے بھی اور اُن کے پیچھے (بھی) موجود ہیں،

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ

اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں، اس (دلیل مذکور) میں (قدرت الٰہیہ) کی پوری دلیل ہے

السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۹ ع

(مگر) اس بندہ کیلئے جو متوجہ ہو۔

وَقَالَ اور کہا کہتے ہیں)	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	هَلْ کیا	نَدُلُّكُمْ ہم بتلائیں تمہیں	عَلٰی پر۔کا	رَجُلٍ ایسا آدمی			
یُنَبِّئُكُمْ وہ خبر دیتا ہے تمہیں	اِذَا جب	مُزِّقْتُمْ تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے	كُلَّ مُمَزَّقٍ پوری طرح ریزہ ریزہ	اِنَّكُمْ بیشک تم	لَفِیْ البتہ میں			
خَلْقٍ جَدِیْدٍ زندگی نئی	اَفْتَرٰی اس نے باندھا	عَلَی اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	اَمْ یا	بِهٖ اسے	جِنَّةٌ جنون	بَلْ بلکہ	الَّذِیْنَ وہ لوگ جو
لَا یُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں رکھتے	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	فِی الْعَذَابِ عذاب میں	وَالضَّلٰلِ اور گمراہی	الْبَعِیْدِ دور	اَفَلَمْ یَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا!			
اِلٰی طرف	مَا جو	بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ان کے آگے	وَمَا اور جو	خَلْفَهُمْ ان کے پیچھے	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنْ نَّشَاْ اگر ہم چاہیں	
نَخْسِفْ بِهِمُ انہیں دھنسا دیں	الْاَرْضَ زمین	اَوْ نُسْقِطْ یا گرا دیں	عَلَیْهِمْ ان پر	كِسَفًا ٹکڑا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	اِنَّ بیشک		
	فِیْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰیَةً البتہ نشانی	لِكُلِّ لئے۔ہر	عَبْدٍ بندہ	مُّنِیْبٍ رجوع کرنے والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار کا انکار قیامت کا ذکر کر کے اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوایا گیا تھا اور ساتھ ہی قیامت آنے کی غرض وغایت بھی بیان کی گئی تھی کہ ایمان والوں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے وہ مغفرت اور رزق کریم سے نوازے جائیں اور جنہوں نے خدا کی باتوں سے ضد وانکار کیا اور رسولوں کا کہنا نہ مانا انہیں بدترین اور سخت سزائیں دی جائیں۔ پھر قیامت کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی گئی تھی کہ ایماندار بھی قیامت کے دن نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو علم الیقین سے عین الیقین حاصل کر لیں گے اور اس وقت کہہ اٹھیں گے کہ ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے۔ تو کفار ومشرکین مکہ جو قیامت کے آنے کو محال جانتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے ان کے بعض کفریہ کلمات کا ذکر

ان آیات میں کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ لو اور سنو! ہم میں سے ایک صاحب ہیں جو فرماتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور چورہ چورہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اس کے بعد بھی ہم زندہ کئے جاویں گے۔ تو بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کر سکتا ہے کہ جو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہیں کہ اس نے ایسی خبر دی ہے۔ اور اگر یہ بات نہیں تو پھر ان کا دماغ خراب ہے دیوانوں کی سی باتیں کرتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں نہیں یعنی نہ جھوٹ ہے نہ جنون بلکہ خود یہ منکرین عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں اور بیہودہ بکواس کر کے اپنے کو آفت میں پھنسا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑا عذاب ہے کہ آدمی کا دماغ اس قدر مختل ہو جائے کہ وہ خدا کے پیغمبر کو مفتری یا مجنون کہنے لگے (العیاذ باللہ تعالیٰ) آگے ارشاد ہوتا ہے کہ کیا یہ لوگ اندھے ہو گئے ہیں کہ آسمان و زمین بھی انہیں نظر نہیں آتے جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آ سکتے ہیں۔ ان کو تو یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے بنایا ہے۔ پھر جس نے بنایا اسے توڑنا کیا مشکل ہے اور جو ایسے عظیم الشان اجسام کو بنا سکتا اور توڑ پھوڑ سکتا ہے اسے انسانی جسم کا بگاڑ دینا اور بنانا کیا مشکل ہوگا۔ آخر ان منکرین نے خالق ارض و سما کو کیا سمجھ رکھا ہے کہ مرے ہوئے انسانوں کے دوبارہ پیدا کئے جانے کو اس کی قدرت سے باہر خیال کر رہے ہیں۔ جو لوگ مرتے ہیں ان کے جسم پارہ پارہ ہو کر خواہ کتنے ہی منتشر ہو جائیں رہتے تو اسی آسمان زمین کے حدود میں ہیں اس سے کہیں باہر تو نہیں چلے جاتے۔ پھر جس خدا کے یہ زمین و آسمان ہیں اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مٹی پانی اور ہوا میں جو چیز جہاں بھی ہے اسے وہاں سے نکال لائے۔ ان منکرین کے جسم میں اب زندہ ہونے کی حالت میں جو کچھ موجود ہے وہ بھی تو اسی کا جمع کیا ہوا ہے اور اسی مٹی۔ پانی اور ہوا میں سے نکال کر لایا گیا ہے ان اجزا کی فراہمی اگر آج ممکن ہے تو کل کیوں غیر ممکن ہو جائے گی؟ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار و منکرین اسی کے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر رہ کر ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں حالانکہ خدا چاہے تو ابھی ان کو زمین میں دھنسا کر یا آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر نیست و نابود کر دے اور قیامت کا چھوٹا سا نمونہ دکھلا دے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو بندے عقل و انصاف سے کام لے کر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ خدا سے طالب ہدایت ہوئے ہیں ان کے لئے اسی آسمان و زمین میں بڑی بھاری نشانی موجود ہے۔ وہ اس منتظم اور پر حکمت نظام کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ضرور یہ ایک دن کسی اعلیٰ اور اکمل نتیجہ پر پہنچنے والا ہے جس کا نام دار الآخرۃ ہے۔ یہ تصور کر کے وہ بیش از بیش اپنے مالک و خالق کی طرف جھکتے ہیں اور جو آسمانی و زمینی نعمتیں ان کو پہنچتی ہیں تہہ دل سے اس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو دین و ایمان کی باتوں پر یقین کامل نصیب فرماویں اور ہر طرح کی گمراہی و شک و شکوک سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں اپنی طرف متوجہ ہونے والے بندوں میں شامل رکھیں اور حق کی طلب کے ساتھ حق کا اتباع کامل بھی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! کفار و مشرکین تو قیامت و آخرت کے پہلے بھی منکر رہے اور اب بھی ہیں۔ مگر افسوس اور تعجب تو ان پر ہے جو باوجود مسلمان کہلانے کے آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ اور شب و روز آپ کی نافرمانی میں لگے ہوئے ہیں۔

یا اللہ! ہمیں جب اسلام کی دولت سے نوازا ہے تو دین حق پر استقامت بھی نصیب فرما۔ اور فکر آخرت کے ساتھ زندہ رہنا نصیب فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾

اور ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی، اے پہاڑو! داؤدؑ کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا، اور ہم نے اُن کے واسطے لوہے کو نرم کر دیا۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾

(اور یہ حکم دیا) کہ تم پوری زرہیں بناؤ (اور کڑیوں کے) جوڑنے میں انداز ہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو، میں تمہارے سب کے اعمال دیکھ رہا ہوں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور تحقیق ہم نے دیا	دَاوٗدَ داؤدؑ	مِنَّا اپنی طرف سے	فَضْلًا فضل	يٰجِبَالُ اے پہاڑو	اَوِّبِيْ تسبیح کرو	مَعَهٗ اس کیساتھ
وَالطَّيْرَ اور پرندو	وَاَلَنَّا اور ہم نے نرم کردیا	لَهُ اس کے لئے	الْحَدِيْدَ لوہا	اَنِ کہ	اعْمَلْ بناؤ	سٰبِغٰتٍ کشادہ زرہیں	وَقَدِّرْ اور انداز رکھو
فِي السَّرْدِ (کڑیوں کے) جوڑنے میں	وَ اور	اعْمَلُوْا عمل کرو	صَالِحًا اچھے	اِنِّيْ بیشک	بِمَا تَعْمَلُوْنَ تم جو کچھ کرتے ہو اسکو	بَصِيْرٌ دیکھ رہا ہوں

تفسیر وتشریح:- گذشتہ آیات میں کفار کا قول نقل فرمایا گیا تھا جو کہتے تھے کہ مر کر دوبارہ قیامت میں زندہ ہونا ایک محال امر ہے۔ ان کے قول کا رد فرماتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا تھا کہ ان منکرین کو قدرت الٰہیہ کی دلیل دیکھنے کے لئے آسمان اور زمین پر نظر کرنی چاہئے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ اس آسمان وزمین میں دلیل تو موجود ہے مگر اس بندہ کے لئے جو خدا کی طرف متوجہ بھی ہو اور حق کی طلب بھی ہو۔ تو اس میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے بندوں کی فضیلت کا اجمالاً ذکر تھا۔ آگے اسی کی تفصیل کے لئے بعض اعلیٰ درجہ کے منیب حضرات یعنی داؤد وسلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ انابت یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا سرمایۂ سعادت ہونا معلوم ہوا اور ہر شخص اپنی استعداد کے موافق اس سے بہرہ ور ہو۔ نیز اس قصہ میں منکرین قیامت کا بھی اس طرز پر جواب ہے کہ جب خدائے برتر اپنے کسی بندے کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر سکتا ہے اور لوہے کو موم کی طرح نرم بنا سکتا ہے۔ تو کیا وہ خدائے قادر انسانی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں۔

پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان دو حضرات کا ذکر اس وجہ سے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زبردست دنیوی شوکت وحشمت اور حکومت وسلطنت بھی عطا کی تھی اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کے اولوالعزم انبیاء میں سے تھے مگر باوجود دین ودنیا کی ظاہری وباطنی نعمتوں کے جمع ہونے کے منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہیں ہوئے اور اگر کسی وقت ذرا غفلت ہوئی تو سجدہ میں گر گئے اور استغفار کرنے لگے۔

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو بڑی نعمتیں دی تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ آپ کا زمانہ قریب ایک ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔ کتب سِیر میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ابتدا میں بنی اسرائیل کے لشکر میں بحیثیت ایک سپاہی کے ملازم تھے اس وقت کوئی بظاہر نمایاں شخصیت آپ کی نہ تھی۔ نہ شجاعت و بہادری میں کوئی خاص شہرت تھی۔ عمالقہ اور بنی اسرائیل میں جنگ ہوئی تو دشمنوں کی فوج کا سردار اس زمانہ کا مشہور جنگ آزما اور زبردست پہلوان جالوت تھا کہ جس کے نام سے لوگ کانپ اٹھتے تھے۔ اسرائیلیوں کو اس سے مقابلہ میں پس پیش ہو رہا تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے طالوت سے جو بنی اسرائیل کے حاکم اور فرمانروا تھے اجازت چاہی کہ جالوت کے مقابلہ کے لئے ان کو موقع دیا جائے۔ طالوت نے کہا کہ تم ابھی ناتجربہ کار جوان ہو اس لئے تمہارا جالوت سے مقابلہ ٹھیک نہیں۔ مگر حضرت داؤد کا اصرار بڑھتا رہا اور آخر کار طالوت نے اجازت

دے دی۔ حضرت داؤد مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور جالوت کو للکارا۔ جالوت نے ایک نوجوان کو مقابل سمجھا تو حقیر سمجھ کر زیادہ توجہ نہ دی مگر جب دونوں کے درمیان نبردآزمائی شروع ہوگئی تو اب جالوت کو حضرت داؤد کی بے پناہ شجاعت کا اندازہ ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے لڑتے لڑتے اپنی گوپھن سنبھالی اور تاک کر پے در پے تین پتھر اس کے سر پر مارے اور جالوت کا سر پاش پاش کر دیا اور پھر آگے بڑھ کر اس کی گردن کاٹ لی۔ جالوت کے قتل کے بعد جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور بنی اسرائیل کی جنگ جارحانہ حملہ میں تبدیل ہوگئی اور بنی اسرائیل فاتح و کامران ہو کر لوٹے۔ اس واقعہ نے حضرت داؤد کی شجاعت کا سکہ دوست دشمنوں دونوں کے قلوب پر بٹھا دیا اور آپ بنی اسرائیل میں ہر دلعزیز ہوگئے اور آپ کی شخصیت بہت نمایاں اور ممتاز نظر آنے لگی۔ بعض اسرائیلی روایت میں یہ بھی ہے کہ جالوت کی زبردست طاقت اور بنی اسرائیل کے اس کے مقابل ہونے میں جھجک کو دیکھ کر طالوت نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا اس سے اپنی بیٹی کی شادی کروں گا اور اس کو حکومت میں بھی حصہ دار بناؤں گا چنانچہ جب حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا تو طالوت نے وفائے عہد کے پیش نظر اپنی لڑکی سے شادی کر دی اور حکومت میں بھی حصہ دار بنا لیا حضرت داؤد کے ساتھ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی محبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ طالوت کی موجودگی میں ہی یا اس کی موت کے بعد عنان حکومت حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں آگئی اور اس عرصہ میں آپ پر خدا کا ایک زبردست انعام یہ ہوا کہ آپ منصب نبوت ورسالت سے بھی سرفراز فرمائے گئے اس طرح آپ صاحب تخت وتاج بھی تھے اور خدا کے پیغمبر اور رسول بھی۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کی خدمت بھی سرانجام دیتے اور ان کی اجتماعی زندگی کی نگرانی کا فرض بھی ادا فرماتے بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے اصل کتاب توراۃ تھی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی لیکن حالات و واقعات اور زمانہ کے تغیرات کے پیش نظر حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی خدا کی جانب سے زبور عطا ہوئی جو توراۃ کے قوانین و اصول کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں بہت زیادہ مصروف رہتے تھے اور اس قدر خوش الحان تھے کہ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوتے تو ان کے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور وجد میں آجاتے اور آپ کے اردگرد جمع ہو کر اللہ کی تسبیح اور حمد کرنے لگتے اور انسان وحیوان ہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے اور اللہ کے ذکر میں باآواز بلند مشغول ہو جاتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حسن صوت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا تھا اور ان کا خصوصی شرف و امتیاز یہ تھا کہ جب وہ صبح وشام خدا کی حمد وثنا کرتے تو وحشی جانور اور چرند پرند اور پہاڑ بھی آپ کے ساتھ بلند آواز سے خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے اور وہ سب ایک دوسرے کی تسبیح وتحمید کو سنتے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام باوجود بادشاہی کے سلطنت و مملکت کے مالیہ میں سے ایک حبہ نہیں لیتے اور اپنا اور اہل وعیال کی معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے تھے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو ایک حدیث صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت سے روزی کماتے تھے۔ مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے تھے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے۔ لیکن ہر شخص کو

تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے۔ کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو انسانی صورت میں نازل فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ان سے بھی ملاقات ہوئی تو جیسے اوروں سے پوچھتے تھے ان سے بھی سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ داؤد ہیں تو اچھے آدمی لیکن ایک کمی ان میں نہ ہوتی تو کامل بن جاتے۔ آپ نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ تو اس فرشتہ جو بہ شکل انسان تھا کہا کہ وہ اپنا بوجھ رعیت کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہیں۔ خود بھی اس میں سے لے لیتے ہیں اور اہل وعیال کو بھی اس میں سے کھلاتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں یہ بات گڑ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے۔ اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ خدایا مجھے کوئی ایسا کام سکھا دے کہ جس سے میں اتنا حاصل کرلیا کروں کہ وہ مجھے اور میرے بال بچوں کو کافی ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول فرمائی اور آپ کو زِرہ بنانا سکھادی اور اپنی رحمت سے لوہے کو آپ کے لئے بالکل نرم کردیا گیا۔ نہ لوہے کو بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت نہ ہتھوڑے مارنے کی حاجت ہاتھ میں آتے ہی ایسا نرم ہوجاتا جیسا موم۔ لکھا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے آپ ہی نے زرہ بنانا ایجاد کی۔ ایک زرہ بنا کر آپ فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصہ کرلیتے۔ ایک حصہ اپنے کھانے پینے وغیرہ کے لئے۔ ایک حصہ صدقہ کے لئے اور ایک حصہ رکھ چھوڑتے تاکہ دوسری زِرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں۔

ان آیات کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اشیاء ضرورت کی ایجاد وصنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا۔ اور اپنے عظیم الشان پیغمبروں کو سکھلایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھانا انہی آیات سے ثابت ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کی صنعت اسی طرح سکھائی گئی تھی۔ اسی طرح بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختلف صنعتیں سکھانا بعض روایات سے ثابت ہے (معارف القرآن جلد ۷) پھر انہی آیات کے تحت حضرت مفتی صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس طرز عمل سے کہ اپنے اعمال و عادات کے متعلق لوگوں کی رائیں بے تکلف آزادانہ معلوم کرنے کا اہتمام فرماتے تھے یہ ثابت ہوا کہ اپنے عیوب چونکہ آدمی کو خود معلوم نہیں ہوتے اس لئے دوسروں سے تحقیق کرنا چاہئے۔ حضرت امام مالکؒ بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ یہ معلوم کریں کہ عام لوگ ان کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں بھی اپنی عطا کردہ دینی ودنیوی نعمتوں پر صحیح شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہر حال میں ہمیں اپنی طرف رجوع اور متوجہ رہنے کی دولت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہمیں بھی حلال روزی کمانے اور اکل حلال کھانے کی توفیق مرحمت فرما اور اعمال صالحہ کرنے کی سعادت نصیب فرما۔ یا اللہ اپنے ذکر وفکر اور حمد وتسبیح کی نعمت ہم سب کو عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ

اور سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی اور ہم نے ان کیلئے تانبے کا چشمہ بہادیا

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ

اور جنات میں بعضے وہ تھے جو ان کے آگے کام کرتے تھے اُن کے رب کے حکم سے، اور ان میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا ہم اس کو (آخرت میں)

عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ

دوزخ کا عذاب چکھادیں گے۔ وہ جنات اُن کیلئے وہ وہ چیزیں بناتے ہیں جو اُن کو (بنوانا) منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو

وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ

ایک ہی جگہ جمی رہیں، اے داؤدؑ کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو، اور میرے بندوں میں شکرگذار کم ہی ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم نے اُن پر

الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ

موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے اُن کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ گر پڑے

الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ اور سلیمان کے لئے	الرِّيْحَ ہوا	غُدُوُّهَا اسکی صبح کی منزل	شَهْرٌ ایک ماہ	وَرَوَاحُهَا اور شام کی منزل	شَهْرٌ ایک ماہ		
وَاَسَلْنَا لَهٗ اور ہم نے بہایا اس کیلئے	عَيْنَ الْقِطْرِ تانبے کا چشمہ	وَمِنَ اور سے	الْجِنِّ جن	مَنْ يَّعْمَلُ وہ کام کرتے	بَيْنَ يَدَيْهِ اس کے سامنے		
بِاِذْنِ اذن (حکم) سے	رَبِّهٖ اسکے رب کے	وَمَنْ اور جو	يَّزِغْ کجی کرے گا	مِنْهُمْ ان میں سے	عَنْ اَمْرِنَا ہمارے حکم سے		
نُذِقْهُ ہم اس کو چکھائیں گے	مِنْ سے۔ کا	عَذَابِ عذاب	السَّعِيْرِ آگ (دوزخ)	يَعْمَلُوْنَ وہ بناتے	لَهٗ اس کیلئے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتے	
مِنْ سے	مَّحَارِيْبَ بڑی عمارتیں (قلعے)	وَتَمَاثِيْلَ اور تصویریں	وَجِفَانٍ اور لگن	كَالْجَوَابِ حوض جیسے	وَ اور	قُدُوْرٍ دیگیں	رّٰسِيٰتٍ ایک جگہ جمی ہوئی
اِعْمَلُوْٓا تم عمل کرو	اٰلَ دَاوٗدَ اے خاندان داود	شُكْرًا شکر بجالا کر	وَقَلِيْلٌ اور تھوڑے	مِّنْ سے	عِبَادِيَ میرے بندے	الشَّكُوْرُ شکرگزار	
فَلَمَّا پھر جب ہم نے	قَضَيْنَا حکم جاری کیا	عَلَيْهِ اس پر	الْمَوْتَ موت	مَا دَلَّهُمْ انہیں پتہ نہ دیا	عَلٰى مَوْتِهٖٓ اس کی موت کا	اِلَّا مگر	
دَآبَّةُ الْاَرْضِ گھن کا کیڑا	تَاْكُلُ وہ کھاتا تھا	مِنْسَاَتَهٗ اس کا عصا	فَلَمَّا پھر جب	خَرَّ وہ گر پڑا	تَبَيَّنَتِ حقیقت کھلی	الْجِنُّ جن	اَنْ اگر
	لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہوتے	الْغَيْبَ غیب	مَا لَبِثُوْا وہ نہ رہتے	فِي میں	الْعَذَابِ عذاب	الْمُهِيْنِ ذلت	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں ان کا ذکر فرما کر حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے متعلقین کو حکم ہوا تھا کہ تمہیں بھی چاہئے کہ نیک اعمال کرتے رہو اور میرے فرمان کا ذرا خلاف نہ کرو کیونکہ یہ بہت ہی بے جابات

ہے کہ جس کے اتنے بڑے اور بے پایاں احسان ہوں پھر اس کی فرمانبرداری ترک کردی جائے پھر جبکہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال کا نگراں بھی ہے کہ کوئی چھوٹا یا بڑا عمل اس سے پوشیدہ نہیں۔

اب داؤد علیہ السلام کے بعد آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں ان کا بیان ان آیات میں ہو رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر پہلے بھی سورۂ انبیاء اور سورۂ نمل میں آچکا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا جب انتقال ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سن رشد کو پہنچ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت وحکومت دونوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کا جانشین بنا دیا اور اس طرح فیضان نبوت کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں آ گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بعض خصوصیات وامتیازات سے نوازا اور اپنی نعمتوں میں سے بعض ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جو آپ کے لئے طغرائے امتیاز بنیں۔

یہاں ان آیات میں جن انعامات کا ذکر فرمایا گیا اس میں پہلا انعام تسخیر ریاح کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا اور وہ آپ کے زیر فرمان کردی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب چاہتے تو صبح کو ایک مہینہ کی مسافت اور شام کو ایک مہینہ کی مسافت کی مقدار سفر فرمالیتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت شاہی جس پر آپ مع اہل دربار کے سوار ہوتے۔ فضا میں مثل ہوائی جہاز کے اڑتا ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے جاتی اور اس طرح ایک ماہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ تھوڑی دیر میں طے ہوتی تھی۔

بعض مفسرین نے حضرت حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ آپ کی عصر کی نماز کا وقت ختم ہو گیا اور نماز قضا ہوگئی۔ جب تنبہ ہوا کہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے تو اس سبب غفلت کو ختم کرنے کیلئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر کے قربان کر دیا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گائے بیل کی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز تھی چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی سواری کے جانور قربان کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر سواری عطا فرمادی۔ یہ گھوڑوں کے قربان کرنے کی تفصیل سورۂ ص ۲۳ ویں پارہ میں ذکر فرمائی گئی ہے۔

دوسری نعمت یہاں یہ بیان فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا یعنی زمین سے ایک چشمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پھوٹ نکلا تھا جس میں سے پانی کے بجائے پگھلا ہوا تانبہ بہتا تھا۔ اس پگھلے ہوئے تانبہ کو سانچوں میں ڈال کر جنات بڑے بڑے برتن تیار کرتے تھے جن میں ایک لشکر کا کھانا پکتا اور کھلایا جاتا۔ پھر چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عظیم الشان عمارات اور پرشوکت قلعوں کی تعمیر کرائی۔ اور ایسی تعمیرات کے استحکام کے لئے ضرورت تھی کہ گارے چونے کی بجائے پگھلی ہوئی دھات گارے کی طرح استعمال کی جائے۔ لیکن اس قدر کثیر مقدار میں یہ کیسے میسر آئے۔ حق تعالیٰ نے اس ضرورت کو اس طرح حل کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ مرحمت فرما دیا۔

تیسری نعمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ جنات جیسی طاقت ور قوم حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے معمولی قلیوں اور خدمت گاروں کی طرح آپ کے کام میں لگے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ جنات سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کریں۔ ذرا سرکشی کی تو آگ میں پھونک دیا جائے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان جنات سے بڑے بڑے محل۔ مسجدیں۔ اور قلعے

تعمیر کراتے اور مجسمے بنواتے۔ اور تانبہ کے بڑے بڑے لگن جیسے حوض یا تالاب اور بڑی بڑی دیگیں جو اپنی جگہ سے نہ ہل سکتی تھیں یہ جنات بناتے۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام کے کنبے اور گھرانے کو ان عظیم الشان انعامات و احسانات کو یاد دلا کر حق تعالیٰ حکم فرماتے ہیں اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا اے داؤد کے خاندان والو یعنی حضرت سلیمان اور ان کے متعلقین تم سب ان نعمتوں کے شکریہ میں نیک کام کیا کرو یعنی محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکر گزاری ٹپکتی ہو۔ حدیث میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت آئی ہے کہ جب یہ آیت اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف لائے اور اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کرلے تو جو فضیلت آلِ داؤد کو عطا کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تین کام کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رضا اور غضب کی دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا۔ اور غنا اور فقر کی دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا اور خفیہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں اللہ سے ڈرنا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ احسان تو خدا کم و بیش سب ہی پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ یہاں جو شکر گزاری کا حکم عمل کے ذریعہ سے ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات محض زبان سے مانتا ہو مگر اس کی نعمتوں کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہو تو یہ زبانی شکر بے معنی ہے۔ اصل شکر گزار بندہ وہی ہے جو زبان سے بھی نعمت کا اعتراف کرے اور اس کے ساتھ منعم کی عطا کردہ نعمتوں سے وہی کام لے جو منعم حقیقی کے مرضی کے مطابق ہو۔

حضرت شاہ عبدالقادر مفسر و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کئے اور پھر یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت و ثروت کے صرف و خرچ اور داد و دہش پر تم سے کوئی باز پرس بھی نہیں مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے "امانت الٰہی" سمجھ کر ایک حبہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔ یہ تھی عمل سے حق تعالیٰ کی کامل شکر گزاری۔

الغرض یہ تو زندگی کے احسانات تھے اب آگے موت کے بعد کا ایک احسان بیان فرمایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کے ہاتھوں بیت المقدس تعمیر کرا رہے تھے اور جنات کی ایک بہت بڑی جماعت اس عظیم الشان عمارت بنانے میں مصروف تھی کہ سلیمان علیہ السلام کو پیغام اجل آ پہنچا۔ جب معلوم ہوا کہ میری موت آ پہنچی تو جنات کو تعمیر کا نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں دروازہ بند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کرلی اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہوسکا۔ وفات کے بعد مدت تک جنات بدستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہوگئی تو جس عصا پر ٹیک لگا رکھی تھی گھن کے کیڑے کے کھانے سے وہ عصا ٹوٹ گیا تب نعش مبارک گر پڑی۔ اس وقت سب کو وفات کا حال معلوم ہوا۔ تب جنات کو بھی علم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا عرصہ ہوا انتقال ہو گیا تھا اور وہ افسوس کرنے لگے کہ ہم نہ معلوم کر سکے اور کاش کہ ہم علم غیب رکھتے تو عرصہ تک اس مشقت و محنت میں نہ پڑے رہتے جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے مبتلا رہے۔ اگر ہمیں علم ہو جاتا تو ہم اس سے بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے اور حضرت سلیمان کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا

14

ہے کہ مشرکین عرب جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے اور یہ مشرکین جنات کو عالم الغیب جانتے تھے اور غیب کی باتیں جاننے کے لئے ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی عقیدہ کی تردید میں بھی یہ واقعہ سنا دیا جس سے جنات کی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد مشرکین کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر ہوتی تو اس ذلت آمیز تکلیف میں کیوں پڑے رہتے۔

یہاں ان آیات میں کچھ ان کاموں کی بھی تفصیل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے لیتے تھے۔ ان کاموں میں جنات سے مجسمے۔ مورتیں اور تصاویر بھی بنوانا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جان داروں کے مجسمے اور تصاویر بنانا اور استعمال کرنا جائز تھا مگر شریعت اسلامیہ میں جانداروں کے مجسمے۔ مورتیں اور تصاویر بنانا اور استعمال کرنا حرام ہے اور ان کی سخت ممانعت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں جانداروں کی تصاویر اور مجسمے بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعت اسلامیہ کو چونکہ اللہ تعالیٰ کو قیامت تک قائم رکھنا تھا اس لئے اس شریعت میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا کہ جس طرح حرام چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آ سکتی تھی ان کو بھی حرام اور ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی طرح مثلاً شراب نوشی حرام کی گئی تو اس کی خرید و فروخت۔ اس کا لانا لے جانا۔ اس کی مزدوری اس کا بنانا سب حرام کر دیا گیا۔ جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ الغرض ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا ہماری شریعت میں حرام کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ جس کے احکام تفصیل سے علماء نے مستقل تصانیف میں جمع کر دیئے ہیں۔ یہ وضاحت یہاں اس لئے عرض کی گئی کہ آج کل تصاویر کے بنانے اور اس کے استعمال کرنے کا گناہ وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ جبکہ احادیث میں اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب میں تصویر بنانے والے ہوں گے اور صحیحین ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مصور جہنم میں جائے گا۔ اور بعض روایات حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لعنت سے مسلمانوں کو بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الغرض یہاں تک حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام یعنی اللہ تعالیٰ کے دو خاص منیب اور شاکر بندوں کا ذکر ہوا کہ جن کو نبوت و رسالت کے علاوہ ایسی دنیاوی سلطنت و بادشاہت نصیب ہوئی کہ جس کی نظیر نہیں مگر یہ دونوں کیسے خدا کے پسندیدہ اور برگزیدہ بندے تھے کہ باوجود اس بے مثال بادشاہت کے شب و روز خدا کی نعمتوں کے شکر گزار رہے۔ خدا کی طرف خاص طور پر متوجہ اور ملتفت ہوئے تو اللہ نے بھی کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی مرضیات کے موافق ان تمام نعمتوں کو استعمال کرنے کی سعادت عطا فرمائیں۔ یا اللہ شریعت مطہرہ کی ہم کو ظاہراً و باطناً پابندی نصیب فرما اور ہر منکر و معصیت سے بچنے کی ہمت و توفیق عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ

سبا (کے لوگوں کیلئے) اُن کے وطن میں نشانیاں موجود تھیں، دو قطاریں تھیں باغ کے دائیں اور بائیں اپنے رب کا رزق کھاؤ

رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

اور اس کا شکر کرو، (کہ رہنے کو) عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار۔سو انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ

اور ہم نے اُن کے اُن دو رویہ باغوں کے بدلہ اور دو باغ دیدیئے جن میں یہ چیزیں رہ گئیں بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری۔ اُن کو یہ سزا ہم نے

جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

اُن کی ناسپاسی کے سبب دی، اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ البتہ تھی	لِسَبَاٍ (قوم) سبا کیلئے	فِيْ میں	مَسْكَنِهِمْ اُن کی آبادی	اٰيَةٌ ایک نشانی	جَنَّتٰنِ دو باغ	عَنْ يَّمِيْنٍ دائیں سے	
وَّشِمَالٍ اور بائیں	كُلُوْا تم کھاؤ	مِنْ سے	رِزْقِ رَبِّكُمْ اپنے رب کے رزق	وَاشْكُرُوْا اور شکر ادا کرو	لَهٗ اس کا	بَلْدَةٌ شہر	طَيِّبَةٌ پاکیزہ
وَّرَبٌّ اور پروردگار	غَفُوْرٌ بخشنے والا	فَاَعْرَضُوْا پھر انہوں نے موڑ لیا	فَاَرْسَلْنَا تو ہم نے بھیجا	عَلَيْهِمْ ان پر	سَيْلَ الْعَرِمِ سیلاب بند سے (رکا ہوا)		
وَبَدَّلْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں بدل دیئے	بِجَنَّتَيْهِمْ انکے دو باغوں کے بدلے	جَنَّتَيْنِ دو باغ	ذَوَاتَيْ والے	اُكُلٍ میوہ	خَمْطٍ بدمزہ	وَّاَثْلٍ اور جھاڑ	
وَّشَيْءٍ اور کچھ	مِّنْ سِدْرٍ بیریاں	قَلِيْلٍ تھوڑی	ذٰلِكَ یہ	جَزَيْنٰهُمْ ہم نے انکو سزا دی	بِمَا اس کے سبب جو	كَفَرُوْا انہوں نے ناشکری کی	
وَهَلْ اور نہیں	نُجٰزِيْٓ ہم سزا دیتے	اِلَّا مگر۔صرف	الْكَفُوْرَ ناشکرا				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی نعمتوں پر شکر گزاری کے برکات و ثمرات ظاہر کرنے کے لئے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصے بیان فرمائے گئے تھے۔ اب آگے اللہ تعالیٰ سے اعراض اور اس کے احکام کی نافرمانی کا نتیجہ و وبال ظاہر کرنے کے لئے قوم سبا کا قصہ مذکور ہوتا ہے تاکہ مخالفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عموماً اور کفار کو خصوصاً تنبیہ ہو۔ چونکہ اہل مکہ میں اہل سبا اور ان کے قصہ کی شہرت تھی اس لئے کفار مکہ کو خاص طور سے اہل سبا کا واقعہ سنایا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے متاثر ہوں۔ قوم سبا کا وہ عبرتناک سانحہ اور ان کے عروج و زوال کا وہ بصیرت افروز واقعہ جو قرآن پاک نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے تاریخی واقعات میں بہت اہمیت رکھتا ہے اور قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ میں ہزاروں عبرت و نصیحت مہیا کرتا ہے۔

ان آیات کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قوم سبا کے متعلق کچھ ضروری معلومات پیش کر دی جائیں۔ قوم سبا کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سورۂ نمل ۱۹ ویں پارہ میں بھی آ چکا ہے جبکہ ملکہ سبا بلقیس نے حاضر خدمت ہو کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے قبول ایمان کیا۔ یہ زمانہ سبا کی حکومت کا زمانہ عروج ہے۔ اور یہ زمانہ تاریخ کے لحاظ سے ۹۵۰ ق۔م کا تھا۔ قوم سبا کی حکومت موجودہ یمن کے جنوبی حصہ پر تھی جو بعد میں وسیع ہو کر حضرموت اور حبش تک پھیل گئی تھی۔ مورخین نے حکومت سبا کو چار

طبقات پر تقسیم کیا ہے۔ پہلا طبقہ ۱۱۰۰ق۔م سے شروع ہوکر ۵۵۰ ق۔م پر ختم ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کی ملکہ سبا کا تعلق اسی طبقہ سے ہے۔ دوسرا طبقہ ۵۵۰ ق۔م سے شروع ہوکر ۱۱۵ق۔م پر ختم ہوتا ہے۔ سیل عرم یعنی بند کے سیلاب کا واقعہ جس کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے۔ اسی دور سے متعلق ہے۔ تیسرا طبقہ ۱۱۵ق۔م سے شروع ہوکر ۳۰۰ء پر ختم ہوتا ہے۔ اور چوتھا یعنی آخری دور ۳۰۰ء سے شروع ہوکر ۵۲۵ء پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں اہل حبش آخری مرتبہ یمن پر قابض ہوئے۔ (قصص القرآن) بالآخر ظہور اسلام یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے بعد اسلام کی صداقت سے متاثر ہوکر سارا یمن یکدم ایمان لے آیا۔ اس قوم سبا میں بہت سے سلاطین ہوئے بعضے اچھے بھی ہوئے اور بعضے بت پرست ہوئے۔ جب ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ایمان قبول کیا تو صدیوں تک انہوں نے اس امانت الٰہی کو سینے سے لگائے رکھا لیکن گذشتہ قوموں کی طرح جب انہوں نے ایمان سے روگردانی شروع کی اور دوبارہ شرک اختیار کیا تب خدا کے پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانہ میں آکر ان کو رشد وہدایت کی جانب متوجہ کیا۔ غالباً یہ انبیاء بنی اسرائیل ہیں جو بذات خود اپنے نائبوں کے ذریعہ ان کو ہدایت کی جانب بلاتے رہے مگر انہوں نے عیش وعشرت۔ دولت وثروت۔ حکومت وشوکت کے نشہ میں کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ بنی اسرائیل کی طرح خدا کی نعمتوں کو ٹھکرانے لگے تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک صدی پہلے خدا کی جانب سے سیل عرم کی تباہی کا عذاب آیا اور اس نے قوم سبا کو پارہ پارہ کردیا۔ (قصص القرآن) اہل سبا ایک تاجر قوم تھی اور یہ وصف ان کا قومی مزاج بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حدودِ حکومت میں جو خزانے مدفون کررکھے تھے وہ ان کے لئے تائید غیبی بن گئے تھے۔ سونے وجواہرات کی بکثرت کانیں موجود تھیں۔ یمن کا علاقہ خوشبودار اشیاء کی پیداوار کے لئے مشہور تھا۔ عرب میں مستقل دریا تو ناپید ہیں۔ اکثر بارش کے پانی پر گزر رہے اور کہیں

کہیں پہاڑی چشمہ بھی ہیں۔ بارش کا پانی ہو یا پہاڑی چشموں کا۔ تمام پانی بہہ کر وادی کے ریگستانوں میں جذب ہوکر ضائع ہوجاتا۔ قوم سبا نے اس پانی کو کام میں لانے اور باغات وزراعت کو سرسبز و شاداب بنانے کے لئے یمن میں ایک سو سے زائد بند باندھے تھے اور ان کی وجہ سے تمام ملک سرسبز اور بہارستان بنا ہوا تھا۔ انہیں بندوں میں سب سے بڑا اور عظیم الشان بند ''سد مارب'' تھا جو دارالحکومت میں بنایا گیا تھا۔ یہ بند کئی میل مربع میں بنایا گیا تھا۔ دور دور کا پانی وہاں جمع ہوتا اور اس سے پھر چھوٹی شاخیں اور نہریں نکالی گئی تھیں اور ان کے ذریعہ سے سال بھر تک کھیتیاں و باغات سیراب کئے جاتے اور یہ باغات دورویہ سڑکوں پر منزلوں تک چلے گئے تھے۔ لکھا ہے کہ اس عظیم الشان بند کی وجہ سے تین سو مربع میل تک داہنے اور بائیں۔ کھجوروں کے نخلستان۔ میووں اور پھلوں کے حسین وجمیل باغ خوشبوؤں کے کھیت۔ دارچینی۔ عود وغیرہ کے گنجان باغات اس کثرت سے ہوگئے تھے کہ تمام علاقہ چمنستان اور فردوس بنا ہوا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے روایت لکھی ہے کہ پھلوں اور میووں کی یہ کثرت تھی کہ اگر ایک عورت کسی موسم میں بھی سر پر ٹوکری رکھ کر ان باغات کے اندر گزر جاتی تو ہاتھ لگائے بغیر ہی اس کی ٹوکری پختہ پھلوں کے ٹپکنے سے بھر جاتی۔ آب وہوا ایسی فرحت بخش روح پرور اور صحت افزا تھی کہ اہل سبا موذی جانور کیڑے مکوڑے۔ مچھر۔ مکھی۔ پسو وغیرہ سے پاک اور محفوظ تھے۔ الغرض اس بند کی وجہ سے ملک میں عظیم الشان اضافہ اور ترقی اور تجارتی کاروبار اور معدنیات کی کثرت کی وجہ سے سونا چاندی اور جواہرات کی بہتات نے قوم سبا میں اس درجہ خوش عیشی۔ رفاہیت اور فارغ البالی اور اطمینان پیدا کردیا تھا کہ وہ ہر وقت مسرت اور شادمانی کے ساتھ خدا کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے اور شب وروز مرفہ حالی میں زندگی بسر کرتے۔ اہل سبا ایک عرصہ تک تو اس جنت ارضی کو خدا کی ایک عظیم الشان آیت ونعمت ہی سمجھتے رہے اور ایمان پر قائم رہتے ہوئے احکام الٰہی کی تعمیل اپنا فرض یقین کرتے رہے لیکن

تمول۔خوش عیشی اور ہر قسم کے راحت وآرام نے آہستہ آہستہ ان میں وہی اخلاق اور رویے پیدا کردیئے جو گذشتہ متکبر اور مغرور قوموں میں موجود تھے اور بداخلاقی میں اہل سبا یہاں تک ترقی کرتے رہے کہ انہوں نے دین حق کو بھی خیرباد کہہ دیا اور کفر وشرک کی سابق زندگی کو دوبارہ اپنالیا۔تاہم رب غفور نے فوراً گرفت نہیں کی بلکہ اس کی وسعت رحمت نے مہلت کے قانون سے کام لیا اور انبیاء علیہم السلام نے ان کو راہ حق کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ ان نعمتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم دولت وثروت اور جاہ وحشمت کے نشہ میں چور ہو کر مست ہوجاؤ اور نہ یہ کہ اخلاق کریمانہ کو چھوڑ بیٹھو اور کفر وشرک اختیار کر کے خدا کے ساتھ بغاوت اختیار کرو۔ایک روایت میں ہے کہ اس درمیان میں ان کے پاس خدا تعالیٰ کے تیرہ نبی آئے مگر انہوں نے مطلق توجہ نہ کی اور اپنی موجودہ خوش عیشی کو دائمی وراثت سمجھ کر شرک وکفر کی بدمستیوں میں مبتلا رہے آخر قانونِ قدرت نے خود کو دہرایا اور ان کا انجام بھی وہی ہوا جو گذشتہ زمانہ میں خدائے برحق کی نافرمان قوموں کا ہو چکا تھا۔چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان پر دو قسم کا عذاب مسلط کردیا جس کی بدولت ان کے جنت مثال باغات برباد ہوگئے اور ان کی جگہ جنگلی بیری۔خاردار درخت۔اور بدمزہ پھل اگ کر یہ شہادت دینے اور عبرت کی کہانی سنانے لگے کہ خدا کی پیہم نافرمانی اور سرکشی کرنے والی قوم کا یہ حشر ہوتا ہے۔پہلی سزا یہ ہوئی کہ وہ "بند" جس کی تعمیر پر ان کو بے حد ناز تھا اور جس کی بدولت ان کا دارالحکومت خوبصورت اور حسین باغات اور سرسبز شاداب کھیتوں سے گلزار بنا ہوا تھا وہ خدا کے حکم سے ٹوٹ گیا اور اچانک اس کا پانی زبردست سیلاب بن کر پھیلا اور اس تمام زمین پر جن میں فرحت بخش باغات تھے سب کو غرق آب کر کے برباد کرڈالا۔جب پانی آہستہ آہستہ خشک ہوگیا تو اس پورے علاقہ میں باغات کی بجائے جھاؤ کے درخت۔جنگلی بیری اور پیلو کے درخت جس کا پھل بد ذائقہ اور بکسا ہوتا ہے جگہ لے لی۔اور خدا کے اس عذاب کو قوم سبا کی کوئی قوت وسطوت نہ روک سکی اور اہل سبا کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ اپنے بلدۂ طیبہ اور اس کے قرب وجوار کو چھوڑ کر منتشر ہوجائیں۔کچھ ہلاک ہوئے کچھ پریشان ہو کر منتشر ہوگئے غرض کہ اہل سبا اپنے غرور وتکبر اور غفلت وسرکشی اور کفر وشرک پر اصرار کے سبب سیل عرم کے ذریعہ تباہ وبرباد ہوئے۔اخیر میں فرمایا کہ ایسی سخت سزا بڑے درجہ کے ناشکروں ہی کو دی جاتی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم کو جو دینی اور دنیوی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ نصیب فرمائیں۔یا اللہ کفران نعمت کے وبال سے ہم سب کو بچائیے اور ہم سے اس معاملہ میں گذشتہ زندگی میں جو کوتاہیاں سرزد ہوگئی ہوں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے۔اور دین ودنیا دونوں جہان میں اپنی گرفت اور سزا سے ہم کو محفوظ ومامون فرمائیے۔یا اللہ اس ملک پاکستان کو جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور جہاں آپ کے احکام کی بہت کچھ خلاف ورزیاں اور نافرمانیاں ہوتی رہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں۔یا اللہ اس ملک اور قوم کو ہدایت بخش دے کہ آپ کے اور آپ کے مقدس ومعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے غفلت اور نافرمانی سے باز آجائے اور آپ نے جو اپنے احکام کی اطاعت کے ذریعہ اپنی نعمتوں کے شکر کا حکم دیا ہے اس کو بجالانے پر کمربستہ ہوجائے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ؕ

اور ہم نے اُن کے اور ان بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے برکت کر رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک

سِيْرُوْا فِيهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

خاص انداز رکھا تھا کہ بے خوف وخطر ان میں راتوں کو اور دنوں کو چلو۔ سو وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کردے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

سو ہم نے ان کو افسانہ بنادیا اور ان کو بالکل تتر بتر کردیا، بیشک اس (قصہ) میں ہر صابر وشاکر کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

وَجَعَلْنَا اور ہم نے (آباد) کردیئے	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	وَبَيْنَ اور درمیان	الْقُرَى بستیاں	الَّتِي وہ جنہیں	بٰرَكْنَا ہم نے برکت دی
فِيهَا اس میں	قُرًى بستیاں	ظَاهِرَةً ایکدوسرے سے متصل	وَقَدَّرْنَا اور ہم نے مقرر کردیا	فِيهَا السَّيْرَ ان میں آمدورفت	سِيْرُوْا تم چلو (پھرو)
فِيهَا ان میں	لَيَالِيَ راتوں	وَاَيَّامًا اور دنوں	اٰمِنِيْنَ امن سے (بے خوف وخطر)	فَقَالُوْا وہ کہنے لگے	رَبَّنَا اے ہمارے رب
بٰعِدْ دوری پیدا کردے	بَيْنَ اَسْفَارِنَا ہمارے سفروں کے درمیان	وَظَلَمُوْٓا اور انہوں نے ظلم کیا	اَنْفُسَهُمْ اپنی جانوں پر	فَجَعَلْنٰهُمْ تو ہم نے بنادیا انہیں	
اَحَادِيْثَ افسانے	وَمَزَّقْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں پراگندہ کردیا	كُلَّ مُمَزَّقٍ پوری طرح پراگندہ	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ نشانیاں
لِّكُلِّ صَبَّارٍ ہر بڑے صبر کرنے والے	شَكُوْرٍ شکرگزار				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قوم سبا کو اللہ تعالیٰ نے کس درجہ دنیوی نعمتیں عطا فرمائی تھیں کہ ہروقت مسرت اور شادمانی کی زندگی بسر کرتے تھے اور شب وروز خدا کی نعمتوں سے بہرہ اندواز تھے مگر جب اس قوم نے خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے غرور وتکبر کے ساتھ کفران نعمت کیا۔ نبیوں اور پیغمبروں کے بار بار رشد وہدایت پہنچانے کے باوجود شرک وکفر پر اصرار پر اصرار کیا تو اچانک عذاب الٰہی نے آ کر ان کو تباہ وبرباد کیا اور وہی بند جس کی تعمیر پر ان کو ناز تھا اور جس کی بدولت یمن گلزار بنا ہوا تھا جب خدا کے حکم سے ٹوٹ گیا اور اچانک اس کا پانی زبردست سیلاب بن کر بہا تو وہی ان کی تباہی وبربادی کا سبب بن گیا۔ سارے سرسبز کھیتوں۔ خوشبودار درختوں۔ عمدہ میووں اور پھلوں کے شاداب باغوں سے محروم ہوگئے اور اہل سبا کچھ ہلاک ہوئے اور کچھ منتشر ہوکر ادھر ادھر کے ملکوں میں چلے گئے۔ تو یہ پانی کا بند ٹوٹنے کی پہلی سزا تھی جو اس قوم کو قدرت الٰہی کی طرف سے کفران نعمت کے وبال میں پہنچی مگر عذاب الٰہی کی تکمیل ہنوز باقی تھی اس لئے کہ اہل سبا نے صرف غرور وسرکشی اور کفر وشرک ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں ٹھکرایا تھا بلکہ ان کو یمن سے شام تک راحت رساں آبادیوں اور کارواں سراؤں اور مسافر خانوں کی وجہ سے وہ سفر بھی ناپسند تھا جس میں ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ سفر کی صعوبتیں کیا ہوتی ہیں۔ پانی کی تکلیف اور خوردونوش کی ایذا کس شے کا نام ہے۔ قدم قدم پر میلوں تک سرسبز شاداب باغات کی وجہ سے گرمی اور تپش کی زحمت سے بھی ناآشنا تھے۔ انہوں نے ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے بنی

اسرائیل کی طرح ناک بھوؤں چڑھا کر یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ انسان سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور یہ بھی نہ معلوم ہو کہ حالت سفر میں ہے یا اپنے گھر میں۔ سفر کا لطف تو وہ انسان اٹھاتے ہیں جو سفر کی ہمہ قسم کی تکلیف اٹھاتے ہیں پانی اور کھانے پینے کے لئے آزار سہتے ہیں اور اب راحت اور آرام کے نہ ملنے کی وجہ سے سفر میں تکالیف کا ذائقہ چکھتے ہیں۔ اے کاش ہمارا سفر بھی ایسا ہو جائے کہ ہم یہ محسوس کرنے لگیں کہ وطن سے کسی دور دراز جگہ کا سفر کرنے نکلے ہیں اور دوریٔ منزل کی تکالیف کو سہتے ہوئے ہم حضر اور سفر میں امتیاز کر سکیں۔ یہ اس قوم کی بدبختی۔ ناسپاسی اور ناشکری تھی کہ اللہ کی نعمتوں سے اکتا کر خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے تھے۔ تو اس قوم نے جب اس طرح کفران نعمت کی تکمیل کر دی تو اب خدائے تعالیٰ نے بھی ان کو دوسری سزا یہ دی کہ یمن سے شام تک ان کی تمام ان آبادیوں کو ویران کر دیا جو نزدیک نزدیک مسلسل چھوٹے چھوٹے قصبوں۔ گاؤں۔ گاؤں۔ کارواں سراؤں۔ اور تجارتی منڈیوں کی صورت میں آباد تھیں اور اس طرح اس پورے علاقہ میں خاک اڑنے لگی اور یمن سے شام تک یہ آبادیوں کا سلسلہ ویرانوں میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔

قرآن کریم کی یہ آیات اسی حقیقت کا اعلان کرتی ہیں جن میں بتلایا جاتا ہے کہ علاوہ اور نعمتوں کے جو اہل سبا کو حاصل تھیں ایک خاص نعمت سفر کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی تھی اور وہ یہ کہ ان کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے سڑک کے کنارے کنارے دیہات اور آبادیوں کا سلسلہ ایسے اندازہ اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا۔ پانی اور آرام کا موقع ملتا تھا۔ آبادیوں کے قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا دل نہیں گھبراتا نہ چوروں ڈاکوؤں کا خوف تھا۔ سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر و تفریح تھی۔ سو اس نعمت کی بھی انہوں نے جس کی حقیقی شکر گزاری کہ طاعت الٰہیہ تھی نہ کی ایسے ہی ظاہری شکر گزاری بھی نہ کی کہ اس نعمت الٰہیہ کو غنیمت سمجھتے اور اس کی قدر کرتے وہ بھی نہ کی چنانچہ کہنے لگے کہ اے اللہ! اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا منزلیں دور دور ہوں۔ آس پاس آبادی نہ ملے۔ لطف تو اس میں ہے کہ کہیں زاد راہ ختم ہو گیا کہیں پیاس ہے اور پانی نہیں ملتا۔ کہیں چوروں کا اندیشہ ہے اور نوکر ہتھیار بند پہرے دے رہے ہیں۔ پھر اس موجودہ حالت میں ہم کو اپنی بڑائی اور سرداری کے اظہار کا موقع بھی نہیں ملتا۔ امیر غریب سب یکساں سفر کر سکتے ہیں اس لئے دل یہ چاہتا ہے کہ ہمارے سفروں میں درازی اور فاصلہ کر دے یعنی بیچ کے دیہات اور آبادیاں اجاڑ دے تاکہ منزلوں میں خوب فاصلہ ہو جاوے۔ تو بجائے اس نعمت سہولت سفر کی قدر کرنے کے اس کی بے قدری کرنے لگے اور علاوہ اس ناشکری کے اور بھی انہوں نے نافرمانیاں کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا جس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا۔ آبادیوں کے نام و نشان حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اب ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں کہ لوگ سنیں اور عبرت پکڑیں۔ ان کا وہ عظیم الشان تمدن اور شان و شکوہ سب خاک میں مل گیا۔ اور ان کے وہ عالی شان مساکن و باغات اور آس پاس کی آبادیاں سب ویران ہو گئے اور ان کی حالت لائق عبرت ہو گئی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں موعظت و نصیحت کے چار طریقہ بیان فرمائے ہیں۔

ایک تذکرہ بالآء اللہ یعنی خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو انعامات و احسانات فرمائے ہیں ان کو یاد کر کے خدا کے احکام کی پیروی کی جانب متوجہ ہونا۔

دوسرے تذکیر بایام اللہ یعنی ان گذشتہ قوموں کے حالات

بیان کر کے نصیحت وعبرت دلانا جنہوں نے یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کی وجہ سے کامرانی وفلاح دارین حاصل کی اور یا سرکشی وطغیان کی انتہا پر پہنچ کر ہلاکت وتباہی مول لی۔ بالفاظ دیگر قوموں کے عروج وزوال کو پیش کر کے سامان عبرت مہیا کرنا۔

تیسرے تذکیر بآیات اللہ یعنی مظاہر قدرت کی جانب توجہ دلا کر خالق کائنات کی ہستی اور اس کی وحدت وقدرت کا اعتراف کرانا اور تصدیق حق کے لئے اپنی نشانیوں کے ذریعہ چشم بصیرت کھولنا۔

چوتھے تذکیر بما بعد الموت۔ یعنی موت کے بعد۔ برزخ۔ قیامت۔ حشر ونشر۔ جزا سزا۔ عذاب ثواب۔ جنت دوزخ کے حالات سنا کر عبرت دلانا۔

قوم سبا کا واقعہ تذکرہ بایام اللہ سے تعلق رکھتا ہے اور ہم کو یہ عبرت دلاتا ہے کہ جب کوئی قوم عیش و راحت اور ثروت و طاقت۔ یا حکومت وسلطنت کے گھمنڈ میں آ کر نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ ہو جاتی ہے تو اول خدائے تعالیٰ اس کو مہلت دیتے ہیں اور اس کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنی حجت کو آخری حد تک پورا فرماتے ہیں پس وہ اگر اس پر بھی قبول حق کی دشمن رہی اور بغاوت وسرکشی پر جمی رہی اور خدا کی نعمتوں کا نہ صرف کفران نعمت بلکہ اللہ کی عطا کردہ سہولتیں بھی ناگوار گزرنے لگیں اور وہ ان کو ٹھکرانے لگے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قانون گرفت آگے بڑھتا ہے اور ایسی بدبخت قوم کو پارہ پارہ کر کے ان کا سارا کروفر مٹا دیتا ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں ان قرآنی واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا دل ودماغ عطا فرمائیں۔ اور اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کاملہ نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ نے جو دینی اور دنیوی نعمتیں ہم کو اور ہماری قوم کو اور ہمارے ملک کو عطا فرمائی ہیں ان پر ہمیں حقیقی شکرگزاری کی توفیق نصیب فرما اور ان نعمتوں کو اپنی مرضیات میں استعمال کرنے کا عزم عطا فرما۔

یا اللہ ہمیں اور ہمارے ملک کو اور ہماری قوم کے ہر چھوٹے بڑے کو حاکم اور محکوم کو کفران نعمت۔ قبول حق سے انحراف۔ قانون الٰہیہ سے بغاوت اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکشی جیسی کافرانہ خصلتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اور ہر طرح کے دنیوی واخروی عذاب وگرفت سے محفوظ ومامون فرما دے۔

یا اللہ ہم سوائے اس کے کہ آپ کی طرف رجوع ہوں اور آپ کی پناہ طلب کریں اور آپ سے ہدایت کے طالب ہوں اور کوئی چارہ ہمارے لئے نہیں یا اللہ اس ملک اور قوم کے لئے ہدایت کے فیصلہ فرما دے اور یہاں اسلام وایمان کے پھیلنے اور چمکنے کے راستہ کھول دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَمَا

اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارہ میں اپنا گمان صحیح پایا کہ یہ سب اُسی راہ پر ہو لئے مگر ایمان والوں کا گروہ۔ اور ابلیس کا

كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ

اُن لوگوں پر تسلط بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کر کے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں،

وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ

اور آپ کا رب ہر چیز کا نگران ہے۔ آپ فرمائیے کہ جن کو تم خدا کے سوا سمجھ رہے ہو اُن کو پکارو، وہ ذرّہ برابر

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ

اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

مِّنْ ظَهِيرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ

اور خدا کے سامنے سفارش کسی کیلئے کام نہیں آتی مگر اس کیلئے جس کی نسبت وہ اجازت دیدے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے

قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۲۳﴾

تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالیشان سب سے بڑا ہے۔

وَلَقَدْ اور البتہ	صَدَّقَ سچ کر دکھایا	عَلَيْهِمْ اُن پر	اِبْلِيْسُ ابلیس	ظَنَّهُ اپنا گمان	فَاتَّبَعُوْهُ پس انہوں نے اسکی پیروی کی	اِلَّا سوائے	
فَرِيْقًا ایک گروہ	مِّنَ سے۔کا	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	وَمَا كَانَ اور نہ تھا	لَهُ اسے (ابلیس کو)	عَلَيْهِمْ ان پر	مِنْ سُلْطٰنٍ کوئی غلبہ	اِلَّا مگر
لِنَعْلَمَ تاکہ ہم معلوم کرلیں	مَنْ يُّؤْمِنُ جو ایمان رکھتا ہے	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	مِمَّنْ اس سے جو	هُوَ وہ	مِنْهَا اس سے	فِيْ شَكٍّ شک میں	
وَرَبُّكَ اور تیرا رب	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	حَفِيْظٌ نگہبان	قُلِ فرمادیں	ادْعُوا پکارو	الَّذِيْنَ ان کو جنہیں	زَعَمْتُمْ گمان کرتے ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	لَا يَمْلِكُوْنَ وہ مالک نہیں ہیں	مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ایک ذرہ کے برابر	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَلَا اور نہ	فِي الْاَرْضِ زمین میں		
وَمَا اور نہیں	لَهُمْ ان کا	فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ ان (آسمان وزمین) میں کوئی ساجھا	وَمَا لَهُ اور نہیں اس (اللہ) کا	مِنْهُمْ ان میں سے			
مِنْ ظَهِيْرٍ کوئی مددگار	وَلَا تَنْفَعُ اور نفع نہیں دیتی	الشَّفَاعَةُ شفاعت	عِنْدَهُ اس کے پاس	اِلَّا سوائے	لِمَنْ اَذِنَ جسے وہ اجازت دے		
لَهُ اس کو	حَتّٰى یہاں تک	اِذَا جب	فُزِّعَ دور کردی جاتی ہے	عَنْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں سے	قَالُوْا کہتے ہیں	مَاذَا کیا	قَالَ کہا
رَبُّكُمْ تمہارے رب نے	قَالُوا وہ کہتے ہیں	الْحَقَّ حق	وَهُوَ اور وہ	الْعَلِيُّ بلند مرتبہ	الْكَبِيْرُ بزرگ قدر		

تفسیر وتشریح:- گذشتہ میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصوں سے اللہ کے ماننے والوں اور اس کے شکر گزار بندوں کا حال سنانا مقصود تھا کہ انہوں نے دنیا اور آخرت میں اس کا پھل کیا پایا اور اہل سبا کے قصہ سے یہ جتلانا مقصود تھا کہ اللہ کے

فرمان سے منہ پھیرنے والوں اور اس کی ناشکری کرنے والوں اور کفران نعمت کرنے والوں کا دنیا میں بھی بھلا نہیں ہوتا اور آخر کار وہ ہلاکت و بربادی سے دوچار ہوتے ہیں۔ اب سبا والوں نے جو شیطان کے فریب میں پھنس کر اپنی دین و دنیا دونوں کو خراب کیا اس کے متعلق اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ شیطان کو یہ تو قدرت نہ تھی کہ لاٹھی لے کر ان کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا۔ ہاں شیطان بہکاتا پھسلاتا ہے اور لوگ اپنے اختیار سے اس کے دام فریب میں پھنستے ہیں۔ اب اگر کسی کو شبہ پیدا ہو کہ شیطان کو اتنی قدرت اغوا اور بہکانے کی کیوں دی تو اس کی حکمت اور راز بتلایا جاتا ہے کہ اس کو یہ قدرت بہکانے کی اس لئے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کو امتحان منظور تھا کہ دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو اور اس کے احکام کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا اور بیوقوف بن کر شک یا دھوکہ میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کی حکمت کا مقتضا ہی یہ تھا کہ دنیا میں انسان کے لئے دونوں طرف جانے کے راستہ کھلے رکھیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون رحمٰن کی اتباع کرتا ہے اور کون شیطان کی۔ آخرت کو ماننے والے شیطان کی نہیں مانیں گے۔ اور رحمٰن کی نہ ماننے والے شیطان کی پیروی کریں گے۔ یہ شیطان ابلیس جب آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم نہ کر کے راندہ درگاہ ہوا تھا تو اس نے اسی وقت کہا تھا کہ میں آدم کی اولاد کو ہر طرح برباد کرنے کی کوشش کروں گا اور بجز تھوڑی سی جماعت کے باقی سب لوگوں کو راہ حق سے بھٹکا دوں گا چنانچہ جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام جنت سے دنیا میں اتارے گئے تو ابلیس لعین بھی ان کے ساتھ اترا اور اس وقت وہ خوش تھا کہ جب میں نے آدم اور حوا کو بہکا لیا تو ان کی اولاد کو تباہ کر دینا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں ابن آدم کو سبز باغ دکھاتا رہوں گا۔ غفلت میں رکھوں گا۔ طرح طرح سے دھوکے دوں گا اور اپنے جال میں پھنسائے رکھوں گا۔ تو شیطان نے اسی وقت اپنی اٹکل اور تخمینہ سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ میں ابن آدم میں سے بہت سوں کو

بآسانی بہلا پھسلا کر سیدھے راستہ سے ہٹا دوں گا چنانچہ ابلیس نے اپنا یہ گمان اولاد آدم کے بارے میں پورا کر دکھایا اور وہ سچ مچ اس کی چال میں آ گئے اور جو ابلیس نے تخمینہ کر کے کہا تھا ویسے ہی نکلے۔ بس فقط وہی لوگ اس کی چالوں سے بچ سکے جو اللہ عزوجل پر ایمان لے آئے اور اس کے احکامات سر آنکھوں پر رکھے اور اس کے رسولوں کی ہدایات پر عمل کیا یعنی ابلیس کو یہ طاقت نہیں کہ کسی کا ارادہ تو خدا کی فرمانبرداری کرنے کا ہو اور وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر نافرمانی کی راہ پر کھینچ کر لگا دے۔ صرف اس کو اغوا یعنی بہکانے اور پھسلانے کی طاقت دی گئی ہے اور یہ اغوا کے مواقع بھی ابلیس کو اس لئے عطا کئے گئے تاکہ آخرت کے ماننے والوں اور اس کی آمد میں شک رکھنے والوں کا فرق کھل کر ظاہر ہو جائے۔

اہل سبا کی ناشکری کا حال سنا کر اب اہل عرب و اہل مکہ کی ناشکری کا ذکر کیا جاتا ہے جو اپنے معبود حقیقی اور منعم و محسن کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اور شرک سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہوگی۔ مشرکین مکہ کا شرک کئی طرح پر تھا اس لئے یہاں ہر طرح کے شرک کا رد فرما کر مشرکین کو تنبیہ فرمائی گئی۔ بعض مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا تو اللہ ہی نے کیا ہے مگر ان میں تصرفات کے اختیارات ہمارے معبودوں کو دے رکھے ہیں اس لئے ہم ان کو دہائی دیتے۔ نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اس خیال باطل کے رد میں فرمایا جاتا ہے لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وہ نہ تو آسمانوں ہی میں ذرہ برابر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں بعض مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ آسمان تو خدائے تعالیٰ نے خود بنائے ہیں اور زمین اور وہاں کی چیزیں چاند سورج اور ستاروں کی حرکت وغیرہ کے وسیلہ سے بنی ہیں اس کے رد میں فرمایا گیا وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے۔ بعض یہ خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اور ارواح عالیہ خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے وغیرہ میں مددگار ہیں۔ ان کی اعانت کی خدا کو حاجت پڑتی اس لئے ان چیزوں کے نام سے پیتل۔ تانبے اور پتھر وغیرہ کے

بت بنا رکھے تھے اور ان کی پرستش اور نذر نیاز کے دستور بھی قائم کر رکھے تھے۔ ان کے رد میں فرمایا گیا وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ یعنی نہ ان میں سے خدا کا کوئی مددگار ہے اس کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں۔ وہ سب کچھ آپ ہی کرتا ہے۔ بعض مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ یہ ملائکہ اور فرشتے بلند مرتبہ ہیں خدا تعالیٰ سے کہہ کر ہماری حاجات کو روا کرا دیتے ہیں اس لئے ان کی نذر نیاز اور پکارنا ضروری ہے۔ اس کے رد میں فرمایا گیا وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ یعنی خدا کے سامنے سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت اجازت دے دے یعنی خدا تعالیٰ کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن و رضا کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں۔ انبیاء۔ اولیاء اور ملائکۃ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہیں کے حق میں نافع ہوگی جن کے لئے ادھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔ قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ورحمۃ للعالمین کو شفاعت کبریٰ کی اجازت ہوگی۔ اس کے بعد انبیاء اور صلحاء اور ملائکہ کو مختلف قسم کی شفاعت کی اجازت ہوگی۔ لیکن جو بھی شفاعت ہوگی وہ خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام کی اجازت سے ہوگی۔ بالآخر گناہ گار مسلمانوں کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی اور جس کے دل میں کچھ بھی ایمان ہوگا وہ انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جو کفر و شرک میں مبتلا رہے ان کے لئے اجازت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

آگے فرشتوں کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ یہ فرشتے جو ہمہ وقت اس کی بارگاہ کے حاضر باش ہیں یہ بلا اذن سفارش کرنے کی کب جرأت کر سکتے ہیں۔ ان کا تو غلبۂ ہیبت اور عظمت الٰہی سے یہ حال ہے کہ جب ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم ہوتا ہے تو اسی میں ہیبت کے مارے گھبرا اٹھتے ہیں اور دہشت اور خوف رعب سے تھرا جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ جب یہ حالت رفع ہو کر دل کو تسکین ہوئی اور کلام الٰہی اتر چکا تو ایک دوسرے سے فرشتے پوچھتے ہیں کہ کیا حکم ہوا اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ بتلاتے ہیں جب وہ حکم اس طرح محقق ہو چکتا ہے پھر اس پر عمل کرتے ہیں پس جب حق تعالیٰ کی جانب سے جو ابتدائی خطاب معمولی احکام کا ہوتا ہے اس میں ان ملائکہ کی یہ حالت ہے تو خود ان کا ابتداء کرنا ایک نئی بات کے متعلق اس کی تو کیا گنجائش ہے۔ پس جب ملائکہ مقربین کی یہ حالت ہو تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ اور اس کے روبرو فرشتوں کا ایسا حال ہو جانا کیا عجب ہے۔ واقعی وہ ایسا ہی عالیشان اور سب سے بڑا ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ابلیس لعین کے فریب اور جالوں سے ہمیں محفوظ رکھیں اور ہم کو ان ایمان والوں کے گروہ میں شامل فرمائیں کہ جن پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کی صحیح معرفت ہم سب کو نصیب فرمادیں اور توحید حقیقی سے ہمارے سینوں کو منور فرمائیں اور شرک کے ہر شائبہ سے ہمیں محفوظ رکھیں۔

یا اللہ اس دنیا کی امتحان گاہ میں اب ہم کو آپ نے اتار دیا ہے۔

یا اللہ ہمیں اس دنیا میں آنے کی غرض و غایت اور حقیقت کو سمجھ لینے کی توفیق عطا فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ

آپ پوچھیئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ (روزی) دیتا ہے) اور (یہ بھی کہیئے کہ اس مسئلہ توحید میں) بیشک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ

یا صریح گمراہی میں ہیں۔ آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ اگر ہم مجرم ہیں (تو) تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔ (اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ ہمارا رب

بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ

ہم سب کو جمع کرے گا۔ پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا، اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔ آپ (یہ بھی) کہیئے کہ مجھ کو ذرا وہ تو دکھلاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر

بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ہرگز (اس کا کوئی شریک) نہیں بلکہ وہی ہے اللہ زبردست حکمت والا۔ اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

قُلْ فرما دیں	مَنْ کون	يَرْزُقُكُمْ تمہیں رزق دیتا ہے	مِنَ السَّمٰوٰتِ آسمانوں سے	وَالْاَرْضِ اور زمین	قُلِ فرما دیں	اللّٰهُ اللہ	وَاِنَّآ اور بیشک ہم
اَوْ یا	اِيَّاكُمْ تم ہی	لَعَلٰى هُدًى البتہ ہدایت پر	اَوْ یا	فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں	مُبِيْنٍ کھلی	قُلْ فرما دیں	لَا تُسْـَٔلُوْنَ تم سے نہ پوچھا جائیگا
عَمَّآ اسکی بابت	اَجْرَمْنَا جو ہم نے گناہ کیا	وَلَا نُسْـَٔلُ اور نہ ہم سے پوچھا جائیگا	عَمَّا اسکی بابت	تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	قُلْ فرما دیں آپ	يَجْمَعُ وہ جمع کریگا	
بَيْنَنَا ہم سب کو	رَبُّنَا ہمارا رب	ثُمَّ پھر	يَفْتَحُ فیصلہ کرے گا	بَيْنَنَا ہمارے درمیان	بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک	وَهُوَ اور وہ	الْفَتَّاحُ فیصلہ کرنیوالا
الْعَلِيْمُ جاننے والا	قُلْ فرما دیں	اَرُوْنِيَ مجھے دکھاؤ	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	اَلْحَقْتُمْ تم نے ساتھ ملا دیا ہے	بِهٖ اس کیساتھ	شُرَكَآءَ شریک	كَلَّا ہرگز نہیں
بَلْ بلکہ	هُوَ اللّٰهُ وہ اللہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَمَا اور نہیں	اَرْسَلْنٰكَ آپ کو بھیجا ہم نے	اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ مگر تمام لوگوں (نوعِ انسانی) کیلئے	
	بَشِيْرًا خوشخبری دینے والا	وَّنَذِيْرًا اور ڈر سنانے والا	وَّلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ اکثر لوگ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں توحید کا مضمون بیان ہوا تھا جس میں مشرکین کے ہر طرح کے شرک کا رد فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو چھوڑ کر مشرکین نے اور معبود بنا رکھے ہیں تو انہیں کسی شے کے اوپر ذرا سی بھی قدرت حاصل نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ کے برابر چیز بھی ان کے قبضہ میں نہیں۔ یہ نہ کسی چیز کو بنا سکیں نہ کسی کو نفع دے سکیں۔ نہ ضرر پہنچا سکیں۔ اللہ عزوجل نے یہ سب کچھ بنایا ہے اور اسی کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے اور اس کو نہ کسی کام میں کسی کی مدد کی ضرورت ہے اور نہ کسی سہارے کی ضرورت ہے۔

اب آگے ان آیات میں مشرکین کو ایک دوسرے پیرایہ میں توحید کی راستی اور شرک کی گمراہی سمجھائی جاتی ہے۔ مشرکین عرب اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے اور وہ یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ رزق کا دینے والا بھی اللہ ہی ہے مگر اس کے باوجود وہ دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اور بتوں کے آگے

نذر نیاز پیش کرتے اور ان کی عبادت کرتے۔ تو ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین میں سے رزق کون دیتا ہے؟ اس کا اقرار تو مشرکین کو بھی تھا کہ آسمان اور زمین سے روزی کے سامان بہم پہنچانا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے چونکہ اس کا جواب مشرکین کے نزدیک بھی متعین و مسلم ہے اس لئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ خود ہی اس کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ روزی دیتا ہے۔ یعنی جب خالق بھی وہی اور رازق بھی وہی تو پھر الوہیت اور معبودیت میں دوسرے شریک کہاں سے ہو گئے۔ تو اس سوال اور جواب کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ جو صرف اللہ ہی کی بندگی و پرستش کرتا ہے وہ ہدایت پر ہوا اور جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی بجالاتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہوا۔ مگر ایک جاہل مخاطب کو اگر یوں صاف صاف کہا جاوے کہ تو گمراہی اور غلطی پر ہے تو اس طرح دوٹوک بات کہہ دینا اگرچہ حق گوئی کے اعتبار سے کتنا ہی درست ہو اس کو جوش آجاوے گا اور وہ حق بات کی تحقیق کو چھوڑ کر مقابلہ کو آمادہ ہو جاوے گا۔ برخلاف اس کے جب حکمت تبلیغ کے ماتحت اس کو یوں کہا جائے کہ ہم میں سے ایک فریق ضرور ہدایت پر ہے اور ایک فریق گمراہی پر کیونکہ دونوں فرقے نہ ہدایت پر ہو سکتے ہیں اور نہ گمراہی پر۔ یقیناً دونوں میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے۔ تو اب سوچنا چاہئے کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہی پر کون؟ یعنی یہاں یہ بتلا دیا گیا کہ ایک فریق یقیناً خطا کار اور گمراہ ہے باقی تعین نہ کرنے میں حکیمانہ حسن خطاب ہے کہ لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ اوپر کے دلائل سن کر تم خود ہی فیصلہ کر لو کہ کون غلطی پر ہے۔ گویا مخالف کو نرمی سے بات کر کے اپنے نفس میں غور کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا

ہے کہ آپ ان سے یہ بھی فرما دیجئے کہ جب تم باوجود وضوح حق کے حق کو قبول نہیں کرتے تو اخیر درجہ کی بات یہی ہے کہ اگر ہم خطاپر اور مجرم ہیں تو تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔ اس خطاب میں بھی غایت نرمی ہے کہ مخاطبین کے اعمال کو جرائم سے تعبیر نہیں کیا۔ مطلب یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنا چاہئے۔ کوئی شخص دوسرے کے قصور اور غلطی کا جواب دہ نہ ہوگا۔ اگر اتنی صاف باتیں سننے کے بعد بھی تم اپنی حالت میں غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو یاد رکھو کہ ہم حجت تمام کر چکے۔ اب تم اپنے اعمال کے خود جواب دہ ہو گے ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی نہ ایسی حالت میں ہمارا تمہارا کوئی واسطہ۔ خدا کے یہاں حاضر ہونے کے لئے ہر ایک اپنی اپنی فکر کر رکھے۔ وہ سب کو اکٹھا کر کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دے گا۔ اس کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی کہئے کہ بعد اس کے کہ تم نے حق تعالیٰ کی شان اور اُس کے مقابلہ میں دوسرے معبودوں کے عجز کا حال سن لیا تو ذرا مجھ کو دکھلاؤ تو سہی اور سامنے تو کرو وہ کونسی ہستی ہے جو اس کی خدائی میں ساجھا رکھتی ہے؟ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کے کیا کچھ اختیارات ہیں؟ کیا ان بے جان پتھر کی مورتیوں کو پیش کرو گے؟ ہرگز تم ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتے۔ بس وہ تو اکیلا ایک ہی خدا ہے جو زبردست۔ غالب و قاہر اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی رکھنے والا ہے۔ سب اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔ یہ تو ذکر توحید کا تھا۔ آگے رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ساتھ ہی فرما دیا کہ ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے خواہ وہ جن ہوں یا انسان۔ عرب ہوں یا عجم۔ موجود ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں سب کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا

ہے۔آپ کو بعثت کی غرض یہ ہی ہے کہ نہ صرف عرب کو بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں۔اس کے بعد بھی جو نہیں سمجھتے تو وہ جانیں۔سمجھدار آدمی تو اپنے نفع نقصان کو سوچ کر آپ کی بات کو ضرور مان لے گا۔مگر دنیا میں کثرت ناسمجھوں کی ہے۔ان کے دماغوں میں کہاں گنجائش ہے کہ کارآمد باتوں کی قدر کریں۔

یہاں اس جگہ یہ ارشاد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ملک یا اپنی قوم یا اپنے زمانہ کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوع انسانیت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں قرآن پاک میں اور بھی متعدد مقامات پر یہ بات کہی گئی ہے اور یہی مضمون خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں مختلف طریقوں پر ارشاد فرمایا ہے۔اتنی صراحت کے ساتھ اپنے پیام ہدایت کی عالمگیری کا دعویٰ دنیا کے کسی دین نے بھی نہیں کیا ہے۔یہ خصوصیت آسمانی کتابوں میں صرف قرآن کریم کی ہے۔قرآن کریم ہی اعلان کے ساتھ کہتا ہے کہ پیام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ملک۔ہر قوم۔ہر طبقۂ انسانیت اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لئے ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو توحید سے نوازا۔اللہ تعالیٰ ہمیں توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور ہر چھوٹے اور بڑے شرک سے ہمارے ایمان کو محفوظ رکھیں۔

حق تعالیٰ کا اس پر بھی بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور پکا امتی بنا کر زندہ رکھیں۔اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ (مقرر) ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو

عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي

اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔ اور یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لاویں گے اور نہ اس سے پہلے کتابوں پر، اور اگر

بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ

آپ اس وقت کی حالت دیکھیں جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہوگا

بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ

ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ یہ بڑے لوگ اُن ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم

کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا بعد اس کے کہ وہ تم کو پہنچ چکی تھی نہیں بلکہ تم ہی قصوروار ہو۔

بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور یہ کم درجہ کے لوگ اُن بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ نہیں بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا

إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ

جب تم ہم کو فرمائش کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کیلئے شریک قرار دیں اور وہ لوگ (اپنی) پشیمانی کو (ایک دوسرے سے) مخفی رکھیں گے جبکہ عذاب دیکھیں گے

وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾

اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے، جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا۔

وَيَقُولُونَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا الْوَعْدُ وہ وعدہ (قیامت)	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلْ فرمادیں	لَكُمْ تمہارے لئے
مِيْعَادُ وعدہ	يَوْمٍ ایک دن	لَا تَسْتَاْخِرُوْنَ نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو	عَنْهُ اس سے	سَاعَةً ایک گھڑی	وَلَا اور نہ	تَسْتَقْدِمُوْنَ تم آگے بڑھ سکتے ہو	
وَقَالَ اور کہتے ہیں	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	لَنْ نُّؤْمِنَ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے	بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن پر	وَلَا اور نہ			
بِالَّذِيْ اس پر جو	بَيْنَ يَدَيْهِ اس سے پہلے	وَلَوْ تَرٰى اور کاش تم دیکھو	اِذْ جب	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	مَوْقُوْفُوْنَ کھڑے کئے جائیں گے		
عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے سامنے	يَرْجِعُ لوٹائے گا (رد کریگا)	بَعْضُهُمْ ان میں سے ایک	اِلٰى طرف	بَعْضٍ دوسرے	الْقَوْلَ بات	يَقُوْلُ کہیں گے	
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا جو کمزور کئے گئے (ناتوان)	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کو جو	اسْتَكْبَرُوْا تکبر کرتے تھے (بڑے لوگ)	لَوْلَا اَنْتُمْ اگر نہ تم ہوتے	لَكُنَّا ضرور ہم ہوتے			

مُؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے	قَالَ کہیں گے	الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا جولوگ تکبر کرتے تھے(بڑے لوگ)	لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا ان سے جو کمزور کئے گئے(ناتواں)				
اَنَحْنُ کیا ہم	صَدَدْنٰكُمْ ہم نے روکا تمہیں	عَنِ سے	الْهُدٰى ہدایت	بَعْدَ اس کے بعد	اِذْ جَآءَكُمْ جب آگئی تمہارے پاس	بَلْ بلکہ	كُنْتُمْ تم تھے
مُجْرِمِيْنَ مجرم	وَقَالَ اور کہیں گے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اسْتُضْعِفُوْا کمزور کئے گئے(ناتوان)	لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا ان لوگوں سے جو تکبر کرتے تھے(بڑے)			
بَلْ بلکہ	مَكْرُ چال	الَّيْلِ وَالنَّهَارِ رات اور دن	اِذْ تَاْمُرُوْنَنَا جب تم حکم دیتے تھے ہمیں	اَنْ نَّكْفُرَ کہ ہم انکار کریں	بِاللّٰهِ اللہ کا		
وَنَجْعَلَ اور ہم ٹھہرائیں	لَهٗ اس کیلئے	اَنْدَادًا شریک	وَاَسَرُّوا اور وہ چھپائیں گے	النَّدَامَةَ شرمندگی	لَمَّا رَاَوُا جب وہ دیکھیں گے		
الْعَذَابَ عذاب	وَجَعَلْنَا اور ہم ڈالیں گے	الْاَغْلٰلَ طوق	فِيْٓ اَعْنَاقِ گردنوں میں	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا(کافر)			
	هَلْ يُجْزَوْنَ وہ سزا نہ دیئے جائیں گے	اِلَّا مگر	مَا جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں توحید و رسالت کی تحقیق تھی۔اب قیامت وحشر نشر اوراس کے بعض واقعات کا ذکر ہے۔

گذشتہ آیات میں اثبات توحید اور رد شرک کے سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ مشرکین یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اعمال کی باز پرس ہی نہیں ہونی جیسا منکرین قیامت کہتے ہیں بلکہ ایک وقت ضرور آنے والا ہے جس میں پروردگار عالم اگلوں اور پچھلوں سب کو جمع کرے گا۔سب مردہ زندہ کئے جاویں گے اور ایک جگہ جمع کر کے سب کے درمیان ٹھیک ٹھیک عملی فیصلہ ہوگا۔تو منکرین جو مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے قائل ہی نہ تھے از راہِ طنز و تمسخر پوچھتے کہ وہ قیامت کب آئے گی جس سے ہم کو ڈرایا جاتا ہے۔اگر سچے ہو تو جلد لا کر دکھاؤ۔اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ گھبراؤ نہیں جس دن کا وعدہ ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔اور جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی۔تو جلدی مچانے کی بجائے اس کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کچھ تیاری کرلو۔ آگے ان منکرین کی سرکشی اور ضد وعناد کا بیاں کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ گو وہ حقانیت قرآن کی ہزارہا دلیلیں دیکھ لیں لیکن ہرگز مان کر نہیں دیں گے چنانچہ وہ کہتے کہ نہ ہم قرآن کو مانیں اور نہ اگلی کتابوں کو جنہیں تم آسمانی کتاب بتلاتے ہو مثلاً تورات وانجیل وغیرہ کی ہر ایک میں جہاں دیکھو وہی حساب کتاب اور قیامت و آخرت کا مضمون۔سو ان چیزوں کو ہم ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں۔مشرکین عرب کی طرح آج کا دہریہ بھی یہی کہتا ہے۔اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کو اپنے قول کا مزہ اس وقت آئے گا جب خدا کے سامنے جہنم کے کنارے کھڑے کھڑے۔چھوٹے بڑوں کو اور بڑے چھوٹوں کو الزام دیں گے اور ہر ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرائے گا۔جیسے ناکامیابی کے وقت ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ناکامیابی کا سبب گردانتا ہے۔ اسی طرح محشر میں بھی کفار ایک دوسرے کو موردالزام بتائیں گے جس کی تفصیل آگے بتلائی جاتی ہے کہ دنیا میں جو لوگ نیچے کے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے بڑے سرداروں اور پیشواؤں کو الزام دیں گے کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوایا۔اگر تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے اور پیغمبروں کی بات مان لیتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔اس پر ان کے بڑے اور سردار جواب میں کہیں گے کہ جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی اور سمجھ میں آ گئی تھی تو کیوں قبول نہ کی؟ کیا ہم نے زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان ویقین سے روک دیا تھا؟ تمہیں چاہئے تھا کہ کسی کی پروانہ کر کے حق کو قبول کر لیتے اب اپنا جرم دوسروں کے سر کیوں رکھتے ہو؟ یہ تو تمہاری خود اپنی بے عقلی تھی۔تم خود شہوت پرست تھے۔تمہارے اپنے دل خدا کی باتوں

سے بھاگتے تھے۔ رسولوں کی تابعداری خود تمہاری طبیعتوں پر شاق گزرتی تھی۔ سارا قصور تمہارا اپنا ہے۔ ہمیں کیا الزام دے رہے ہو؟ اس پر پھر وہ چھوٹے درجہ والے اپنے بڑوں کو جواب دیں گے بیشک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا مگر رات دن مکروفریب اور مغویانہ تدابیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہتے تھے۔ جب ملتے یہی تلقین کہ ہم پیغمبروں کے ارشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں۔ تمہارا رات دن کا یہ کہنا اور ہمیں اطمینان دلانا کہ ہمارے اعمال وعقائد ٹھیک ہیں ہم سے بار بار کفروشرک کے نہ چھوڑنے کو اور پرانے دین کے نہ بدلنے کی اور باپ دادا کی روش پر قائم رہنے کو کہتے اور ہماری کمر تھپکتے۔ آخر تمہاری شب و روز کی ترغیب وترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا۔ یہی سبب ہوا ہمارے ایمان سے رک جانے کا۔ تمہیں آ آ کر عقلی ڈھکوسلے سنا کر اسلام سے پھیرتے تھے۔ تو دونوں چھوٹے بڑے ایک دوسرے پر الزام بھی دیں گے اپنی برأت بھی کریں گے۔ لیکن دل میں اپنے کئے پر سب پچھتا رہے ہوں گے اور تابعین ومتبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں یہ محسوس کریں گے کہ واقعی ہم مجرم اور قصوروار ہیں لیکن شرم وندامت کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان سب کے ہاتھوں کو گردنوں سے ملا کر طوق وزنجیر سے جکڑ دیا جائیگا اور کہا جائے گا کہ اب ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی۔ ہر ایک کو پورا پورا عذاب ہوگا۔ جیسا کرنا ویسا بھرنا۔ جو عمل کئے تھے وہی آج سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

قرآن مجید میں قیامت میں اس قسم کے جھگڑے کا ذکر جیسا کہ تابع اور متبوع اور حاکم اور محکوم۔ اور پیشواؤں اور ان کے پیروؤں کے درمیان ان آیات میں ذکر فرمایا گیا۔ مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے بیان فرمایا گیا ہے۔ اس میں عوام الناس کے لئے اور ان کے دنیوی لیڈروں۔ سرداروں۔ حاکموں اور پیشواؤں کے لئے عبرت ونصیحت ہے۔ عوام الناس جو آج اپنے بڑے دنیاداروں اور پیشواؤں کے پیچھے آنکھ بند کئے چلے جارہے ہیں اور ان کے خلاف کسی ناصح کی بات کو سننے کے لئے تیار نہیں اس کی حقیقت انہیں اس وقت کھلے گی جس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ ان غلط رہنماؤں کی پیروی نے انہیں کس انجام سے دوچار کیا۔ اس وقت چیخ چیخ کر الزام اپنے ان اونچی ناک والے بڑوں پر رکھنا اور یہ کہنا کہ تم ہمیں نہ بہکاتے تو ہم خدا اور رسول کی بات مان لیتے کیا کام آئے گا؟ بلکہ اس کے جواب میں ان بڑوں سے یہی سننا پڑے گا کہ دراصل تم خود اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلنا نہ چاہتے تھے۔ تم خود اپنی اغراض اور خواہشات کے بندے تھے۔ تم خود حرام وحلال سے بے نیاز ہو کر عیش دنیا کے طالب تھے۔ اب تم خود معصوم بنتے ہو اور الزام اپنے بگڑنے کا ہم پر رکھتے ہو۔ ہم نے کیا زبردستی تم کو بگاڑ دیا تھا۔ غرض کہ اس طرح نہ دوسرے پر الزام ڈالنے سے کام بنے گا اور نہ برأت ہوگی۔ اس لئے ہر شخص اپنے دین کے متعلق سوچنے اور سمجھنے اور راہ حق پر چلنے کا خود ذمہ دار ہے۔ آج طرح طرح کے رسومات شرک۔ بدعات۔ اور ناجائز امور کے ارتکاب کی دلیل اکثر عوام الناس کے پاس یہی ہے کہ ہمارا فلاں لیڈر یہ کہتا ہے۔ ہمارا فلاں پیشوا یہ کہتا ہے۔ اور ہمارا فلاں پیر یہ کہتا ہے۔ ہم اس طریقہ کو چھوڑنے والے نہیں۔ تو یہ آیات صاف بتلا رہی ہیں کہ یہ جواب اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں چلے گا۔ دیکھنا ہر شخص کو یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول کیا فرما رہے ہیں۔ قرآن کیا تعلیم دے رہا ہے۔ حدیث کیا تلقین کر رہی ہے جواب دہی اس پر کرنا ہوگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

15

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۴

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۳۵ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا۔ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۶ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ

زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے ولیکن اکثر لوگ واقف نہیں۔ اور تمہارے اموال اور اولاد

بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ

ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ہمارا مقرب بنادے مگر ہاں جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے، سو ایسے لوگوں کیلئے ان کے (نیک) عمل کا دُونا صلہ ہے

بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ

اور وہ (بہشت کے) بالاخانوں میں چین سے ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کیلئے ایسے لوگ

فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝۳۸

عذاب میں لائے جاویں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا اور ہم نے نہیں بھیجا	فِیْ قَرْيَةٍ کسی بستی میں	مِّنْ نَّذِيْرٍ کوئی ڈرانے والا	اِلَّا مگر	قَالَ کہا	مُتْرَفُوْهَآ اسکے خوشحال لوگ		
اِنَّا بیشک ہم	بِمَآ اُرْسِلْتُمْ تم جو دے کر بھیجے گئے ہو	بِهٖ اس کے	كٰفِرُوْنَ منکر ہیں	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	نَحْنُ ہم	اَكْثَرُ زیادہ	
اَمْوَالًا مال میں	وَّاَوْلَادًا اور اولاد میں	وَمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمُعَذَّبِيْنَ عذاب دیئے جانے والے	قُلْ فرمادیں	اِنَّ بیشک	رَبِّيْ میرا رب
يَبْسُطُ وسیع فرماتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ يَّشَآءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	وَيَقْدِرُ اور تنگ کردیتا ہے	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ		
لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے	وَمَآ اور نہیں	اَمْوَالُكُمْ تمہارے مال	وَلَآ اور نہ	اَوْلَادُكُمْ تمہاری اولاد	بِالَّتِیْ وہ جو کہ	تُقَرِّبُكُمْ تمہیں نزدیک کردے	
عِنْدَنَا ہمارے نزدیک	زُلْفٰٓی درجہ	اِلَّا مگر	مَنْ جو	اٰمَنَ ایمان لایا	وَ اور	عَمِلَ صَالِحًا اس نے اچھے عمل کئے	فَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ
لَهُمْ ان کیلئے	جَزَآءُ جزا	الضِّعْفِ دوگنی	بِمَا عَمِلُوْا اس کے بدلے جو انہوں نے کیا	وَهُمْ اور وہ	فِی الْغُرُفٰتِ بالاخانوں میں		
اٰمِنُوْنَ امن سے ہوں گے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	يَسْعَوْنَ کوشش کرتے ہیں	فِیْٓ اٰيٰتِنَا ہماری آیتوں میں	مُعٰجِزِيْنَ عاجزی کرنے (ہرانے) والے			
	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	فِی الْعَذَابِ حاضر کئے جائیں گے	مُحْضَرُوْنَ عاجزی کرنیوالے				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے انکار قیامت کا حال بیان ہوا تھا اور ان کا یہ قول بھی نقل فرمایا گیا تھا کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہ لاویں گے۔ کفار کے ان اقوال جہالت اور افعال ضلالت سے طبعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس لئے آگے ان آیات میں پہلے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ روسائے مکہ کے انحراف وسرکشی سے مغموم نہ ہوں کیونکہ یہ معاملہ انوکھا آپ ہی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بدبخت رئیسوں اور سرداروں نے کیا ہے۔ دولت وثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے گردن جھکانا اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا۔ اسی لئے انبیاء کے اول متبعین عموماً غریب ومسکین لوگ ہی ہوئے ہیں۔ کفار مکہ میں جو سردار اور رئیس بنے ہوئے تھے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ آپ کے خلاف کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ ہمارے پاس مال اولاد۔ دھن۔ دولت۔ سرداری اور پیشوائی سب کچھ موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا ہم سے خوش اور راضی ہے ورنہ اتنا مال ودولت کیوں دیتا۔ پھر جب خدا خوش ہے تو ہم کو کسی آفت ومصیبت کا اندیشہ نہیں۔ تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔ ہم کو عذاب وزاب کچھ نہیں ہوگا۔ کفار ومنکرین کی اس بات کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے قول کو رد کیجئے اور ان سے یوں کہہ دیجئے کہ روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں۔ کسی کا مالدار کرنا یا مفلس کرنا اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے اور اس میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے مال ودولت یا افلاس وتنگی کسی کے عنداللہ مقبول اور محبوب ہونے کی دلیل نہیں۔ مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے آگے کفار کو مخاطب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے منکرین وکفار یہ بھی سن رکھو کہ جس طرح تمہارے اموال واولاد دلیل مقبولیت عنداللہ کے نہیں اسی طرح تمہارے اموال واولاد ایسی چیز نہیں کہ جو تم کو درجہ میں اللہ کا مقرب بنادے اس لئے تمہارے انواع واقسام کے مال اور اولاد کی کثرت اس کی علامت نہیں کہ تم اللہ کے مقرب ہو۔ اللہ کے نزدیک مقرب اور بڑا درجہ حاصل کرنا ان شرائط پر موقوف ہے کہ ایمان لاؤ اور عمل صالح یعنی نیک کام کرو۔ سنو! جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے انہیں ان کے کئے کا صلہ وبدلہ بہت ملے گا یعنی کام پر جتنا اجر کا استحقاق ہوسکتا ہے اس سے زائد بدلہ ملے گا۔ کم از کم دس گنا زیادہ اور زیادہ ہو تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اونچے اونچے جنت کے بالاخانہ تیار ہیں جن میں یہ آرام اور اطمینان سے رہیں گے۔ اور جو لوگ ان کے خلاف محض مال واولاد پر مغرور ہیں اور ایمان عمل صالح کو اختیار نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اللہ کی آیات کی طرف نہ خود توجہ کریں اور نہ اوروں کو متوجہ ہونے دیں۔ تو ان بدبختوں نے گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کی ٹھان لی ہے اور نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ مقابلہ میں ہم اللہ اور اس کے رسول کو ہرا دیں گے ایسے لوگ سب عذاب میں گرفتار ہو کر حاضر کئے جائیں گے۔ ایک بھی نہ چھوٹ سکے گا۔

یہ بات قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقابلہ اور انکار سب سے پہلے اور سب کے آگے بڑھ کر ان خوشحال طبقوں نے کیا ہے جو دولت وحشمت اور ثروت واقتدار کے مالک تھے۔ عموماً یہی خوشحال طبقہ ہر قوم میں اور ہر دور میں خدائی تعلیمات سے انکار میں آگے رہا ہے۔ اور اپنی دولت وحشمت اور سروسامان اور مرفہ حالی پر یقین کرتا رہا ہے کہ ہمیشہ یونہی اقبال مند بنا رہے گا قرآن کریم نے بھی ایسے دنیا پرستوں کی اس غلط فہمی کا جگہ جگہ ذکر فرما کر اس کی تردید فرمائی ہے۔ اور بار بار یہ بتلایا کہ یہ دنیا کی ظاہری خوشحالی ہرگز دلیل صدق وحقانیت نہیں۔ آسمانی بادشاہت میں قدر وقیمت تو صرف سچے ایمان اور عمل صالح کی ہے اور یہی قرب خداوندی کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال اور اولاد بلکہ بعض اوقات مال ودولت اور اولاد تو عذاب اور مصیبت بن جاتے ہیں۔ ایمان ہی سے حق تعالیٰ سے تعلق درست ہوتا ہے اور عمل صالح سے عبدیت کا تعلق درست ہوتا ہے ہاں اگر مال ودولت کو اللہ کی راہ میں لگا وے تو اس سے اللہ کے ہاں عزت حاصل ہوسکتی ہے باقی محض مال اور اولاد کو عزت کا ذریعہ سمجھنا خیال خام ہے۔ اسلام نے افضلیت کا اصل اصول ایمان اور اعمال صالحہ کو قرار دیا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ

آپ فرمادیجئے کہ میرارب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دیتا ہے، اور جو چیز تم خرچ کروگے

فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ

سو وہ اس کا عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اور جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو قیامت میں جمع فرماوے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرماوے گا کہ

اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ

یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں ہمارا تو آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے، بلکہ یہ لوگ شیاطین کو پوجا کرتے تھے،

الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ

ان میں اکثر لوگ انہیں کے معتقد تھے۔ سو آج تم میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا،

وَ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور (اُس وقت) ہم ظالموں سے کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔

قُلْ فرمادیں	اِنَّ بیشک	رَبِّیْ میرارب	یَبْسُطُ وسیع فرماتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ یَّشَآءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے
وَیَقْدِرُ اور تنگ کردیتا ہے	لَهٗ اس کیلئے	وَمَآ اور جو	اَنْفَقْتُمْ تم خرچ کروگے	مِنْ شَیْءٍ کوئی شے	فَهُوَ تو وہ	یُخْلِفُهٗ اس کا عوض دے گا
وَهُوَ اور وہ	خَیْرُ بہترین	الرّٰزِقِیْنَ رزق دینے والا	وَیَوْمَ اور جس دن	یَحْشُرُهُمْ وہ جمع کرے گا ان کو	جَمِیْعًا سب	ثُمَّ یَقُوْلُ پھر فرمائے گا
لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ فرشتوں کو	اَهٰۤؤُلَآءِ کیا یہ لوگ	اِیَّاكُمْ تمہاری ہی	كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ پرستش کرتے تھے	قَالُوْا وہ کہیں گے	سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے	
اَنْتَ تو	وَلِیُّنَا ہمارا کارساز	مِنْ دُوْنِهِمْ انکے سوائے (نہ کہ وہ)	بَلْ بلکہ	كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ وہ پرستش کرتے تھے	الْجِنَّ جن	
اَكْثَرُهُمْ ان میں سے اکثر	بِهِمْ ان پر	مُّؤْمِنُوْنَ اعتقاد رکھتے تھے	فَالْیَوْمَ سو آج	لَا یَمْلِكُ اختیار نہیں رکھتا	بَعْضُكُمْ تم میں سے بعض (ایک)	
لِبَعْضٍ بعض (دوسرے) کیلئے	نَفْعًا نفع کا	وَلَا ضَرًّا اور نہ نقصان کا	وَنَقُوْلُ اور ہم کہیں گے	لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کو	ظَلَمُوْا جنہوں نے ظلم کیا	
	ذُوْقُوْا تم چکھو	عَذَابَ النَّارِ آگ (جہنم) کا عذاب	الَّتِیْ وہ جس	كُنْتُمْ تم تھے	بِهَا اس کو	تُكَذِّبُوْنَ تم جھٹلاتے تھے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کے باطل خیالات کے رد میں فرمایا گیا تھا کہ رزق کی زیادتی یا کمی محض اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیت پر موقوف ہے اور کفار کے یہ مال واولاد ایسی چیز نہیں کہ جوان کو اللہ کا مقرب بنادے۔ اللہ کا مقرب بننے کے لئے ایمان اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔ یہ تو ارشاد ہوا تھا کفار کے اس زعم باطل کے تردید میں جو کہتے کہ دنیا میں جب ہمیں مال دولت زیادہ ملا ہے تو آخرت میں بھی ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ اب یہاں اسی مال دولت اور رزق سے متعلق مومنین کو ایک نصیحت فرمائی جاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب رزق ومال دولت کی کمی بیشی محض مشیت الٰہیہ پر مبنی ہے تو مومن کو چاہئے کہ مال ودولت کے ساتھ قلب کو زیادہ متعلق

نہ کرے اور کفار کی طرح اس کو مقصود نہ سمجھے بلکہ اس کو آلہ اور ذریعۂ حصول رضائے حق اور قرب الٰہی کا بنائے جو اصل مقصود ہے۔ چنانچہ ان آیات میں مومنین کو بتلایا جاتا ہے کہ تم نیکی کے کاموں میں اور اللہ کی رضا میں مال خرچ کرتے وقت تنگی اور افلاس سے نہ ڈرا کرو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رزق و مال کم نہیں ہو جاتا۔ جو رزق مقدر ہے وہ پہنچ کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت سے جس کو جتنا دینا چاہے اس میں تمہارے خرچ کرنے نہ کرنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ خیر کے مواقع میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض مرحمت فرماتے ہیں خواہ مال کی صورت میں یا قناعت وغنائے قلبی کی شکل میں اور آخرت میں اس کا اجر و عوض ملنا تو یقینی ہے غرض اس کے ہاں کچھ کمی نہیں۔ مومن کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کی مرضی میں خرچ کرنے میں فقر و فاقہ کا اندیشہ دل میں نہ لائے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر روز جب لوگ صبح میں داخل ہوتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں ''یا اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور بخل کرنے والے کا مال ضائع کر دے۔'' اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ لوگوں پر خرچ کریں میں آپ پر خرچ کروں گا۔ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نیک کام صدقہ ہے اور کوئی آدمی جو اپنے نفس یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے اور موجب اجر و ثواب ہے۔ اور جو شخص کچھ خرچ کر کے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ اور جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق کچھ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ اس کا بدل اس کو دے گا مگر وہ خرچ جو تعمیر میں (یعنی فضول اور زائد از ضرورت تعمیر میں) یا کسی گناہ کے کام میں کیا ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر ہم کو بھی یقین کامل نصیب فرمائیں اور اپنی رضا کے لئے شریعت کے مطابق خرچ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

آگے پھر شرک کی مذمت اور مشرکین کا انجام بد سنایا جاتا ہے۔

اسی سورۃ میں گذشتہ میں یہ ذکر آچکا ہے کہ بعض مشرکین عرب فرشتوں کو نعوذ باللہ خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور ان کی مورتیں بنا کر پرستش کرتے تھے اور ان پر نذر و نیاز چڑھاتے تھے اس خیال سے کہ یہ ہم سے خوش ہوں تو یہ ہماری شفاعت اور سفارش کریں گے۔ اس کے متعلق ایک جواب تو قریب ہی گذشتہ میں گزر چکا کہ ملائکہ باوجود مقربین ہونے کے اللہ تعالیٰ کی ہیبت۔ عظمت وجلال سے ایسے رہتے ہیں کہ ان کی ہمت ہی نہیں کہ از خود سعی و سفارش کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اسی کے متعلق اب یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں ان ملائکہ کے بتوں کو پوجنے والے کفار و مشرکین کو سنا کر فرشتوں سے اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے کہ یہ لوگ کیا تم کو پوجتے تھے؟ اور تم ان کے معبود بن بیٹھے تھے؟ یہ سوال ملائکہ سے ایسے ہی ہوگا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت میں سوال ہوگا جیسا کہ سورۂ مائدہ ساتویں پارہ میں بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو بھی معبود بنا لینا؟ تو دراصل اللہ تعالیٰ کو تو حقیقت کا علم ہے۔ سوال سے مقصود استفہام و استفسار نہیں بلکہ مشرکین پر مزید حجت قائم کرنا اور انہیں اپنے شرک پر اور زیادہ نادم و لاجواب کرنا اور انہیں ان کی نظروں میں ذلیل کرنا مقصود ہوگا۔ تو جس وقت ملائکہ سے محشر میں مشرکین کے سامنے سوال ہوگا کہ کیا یہ لوگ تم کو

پوجا کرتے تھے اور تمہاری عبادت کرتے تھے؟ تو ملائکہ جواب دیں گے کہ آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی درجہ میں آپ کا شریک ہو۔ ہم کیوں ان کو ایسی بات کہتے یا ایسی واہیات حرکت سے خوش ہوتے۔ ہماری رضا تو آپ کی رضا کے تابع ہے۔ ہم کو ان مجرموں سے کیا واسطہ۔ ہم تو آپ کے فرمانبردار تابعدار ہیں۔ پھر یہ بدبخت تو حقیقت میں ہماری پرستش بھی نہیں کرتے تھے۔ نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش تھی۔ فی الحقیقت ان کی عقیدت مندی انہیں کے ساتھ ہے۔ شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ادھر ہی مڑ جاتے۔ اس وقت ان مشرکین اور ملائکہ کے پوجاریوں سے کہا جائے گا کہ لو جن سے تم امیدیں رکھتے تھے انہوں نے بھی اپنی برأت و عجز ظاہر کر دیا جن معبودین کا تم بڑا سہارا سمجھتے تھے انہوں نے بھی اس وقت پر بیزاری ظاہر کر دی اور یہ واضح ہو گیا کہ کوئی کسی کو ذرہ بھر نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس وقت ان ظالموں یعنی کفار و مشرکین اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔ اب کوئی نہیں جو تمہیں اس نار جہنم میں جلنے سے بچا سکے۔

یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے متعلق وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ فرما کر مومن کو خبردار کر دیا کہ خدائے تعالیٰ صرف آخرت ہی کا حاکم نہیں بلکہ دنیا میں اِلٰہ المعاش بھی ہے یعنی وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ پس ہماری ساری معاشی تدبیروں اور اسباب کا آخری سرا اس کے دست قدرت میں ہے اس لئے کسی مومن اور مسلم کو معاشی فکر اور تدبیر میں پڑ کر اللہ تعالیٰ سے بے تعلقی اور بے نیازی کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں اور اپنا صحیح و قوی تعلق نصیب فرمائیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو رزق اپنے فضل سے عطا کر رکھا ہے اس سے اپنی مرضیات حاصل کرنے کی توفیق ہمیں مرحمت فرمائیں۔

یا اللہ! اپنے راستہ میں مال کو خرچ کرنے سے کمی کے اندیشہ کو ہمارے دلوں سے دور فرما دیجئے اور جو کچھ ہم کو توفیق آپ کی خوشنودی میں خرچ کرنے کی نصیب ہو اس کا اجر دنیا و آخرت میں مرحمت فرمائیے۔

یا اللہ! قیامت کی ذلت و رسوائی سے ہر طرح ہم کو بچائیے اور مومنین مخلصین میں ہمارا حشر و نشر فرمائیے۔

یا اللہ بخل اور کنجوسی کے باطنی مرض سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے اور اپنی رضا میں دل کھول کر آپ ہی کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرنے کی توفیق نصیب فرمائیے۔

یا اللہ اب اس مادی دنیا میں اور اس خدا فراموش معاشرہ میں ہم آپ کی شان خیر الرزقین کو بھول گئے اور مادی ذرائع رزق کو اپنا رزاق سمجھ لیا۔ اور ان کے پیچھے پڑ گئے۔ یا اللہ ہماری آپ کی ذات سے اس بے تعلقی کی اصلاح فرما دیجئے اور ہم کو اپنی ذات عالی سے صحیح و قوی تعلق نصیب فرمائیے اور اپنی شان رزاق کی صحیح معرفت ہم کو نصیب فرمائیے اور اپنی ذات گرامی پر سچا توکل اور بھروسہ عطا فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو صاف صاف پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں (کہ نعوذ باللہ) یہ محض ایک ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں (کی عبادت)

یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ج وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًی ط وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ لا

سے باز رکھے جن کو تمہارے بڑے پوجتے تھے، اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ (قرآن) محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے، اور یہ کافر اس امر حق (یعنی قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان کے پاس

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ

پہنچا یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے۔ اور ہم نے انکو کتابیں نہیں دی تھیں کہ انکو پڑھتے پڑھاتے ہوں اور ہم نے آپ سے پہلے انکے پاس ڈرانے والا نہیں بھیجا۔

مِنْ نَّذِیْرٍ ط ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ لا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ قف

اور ان سے پہلے جو (کافر) لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی، اور یہ (مشرکین عرب) تو اس سامان کے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، غرض انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی،

فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۵﴾ ع

سو (دیکھو) میرا (اُن پر) کیسا عذاب ہوا۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰی پڑھی جاتی ہیں	عَلَیْهِمْ ان پر	اٰیٰتُنَا ہماری آیات	بَیِّنٰتٍ واضح	قَالُوْا وہ کہتے ہیں	مَا هٰذَآ نہیں ہے یہ	اِلَّا مگر۔صرف
رَجُلٌ ایک آدمی	یُرِیْدُ وہ چاہتا ہے	اَنْ یَّصُدَّكُمْ کہ روکے تمہیں	عَمَّا اس سے جو	كَانَ یَعْبُدُ پرستش کرتے تھے	اٰبَآؤُكُمْ تمہارے باپ دادا		
وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں	مَا هٰذَآ نہیں یہ	اِلَّا مگر	اِفْكٌ مُّفْتَرًی جھوٹ گھڑا ہوا	وَقَالَ اور کہا	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	لِلْحَقِّ حق کے بارے میں	
لَمَّا جَآءَهُمْ جب وہ آیا ان کے پاس	اِنْ هٰذَآ یہ نہیں	اِلَّا مگر	سِحْرٌ مُّبِیْنٌ جادو کھلا	وَمَا اور نہ	اٰتَیْنٰهُمْ دیں ہم نے انہیں	مِنْ كُتُبٍ کتابیں	
یَدْرُسُوْنَهَا کہ انہیں پڑھیں	وَمَآ اور نہ	اَرْسَلْنَآ بھیجا ہم نے	اِلَیْهِمْ ان کی طرف	قَبْلَكَ آپ سے پہلے	مِنْ نَّذِیْرٍ کوئی ڈرانے والا	وَكَذَّبَ اور جھٹلایا	
الَّذِیْنَ انہوں نے جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	وَمَا بَلَغُوْا اور وہ نہ پہنچے	مِعْشَارَ دسواں حصہ	مَآ اٰتَیْنٰهُمْ جو ہم نے انہیں دیا	فَكَذَّبُوْا سو انہوں نے جھٹلایا		
رُسُلِیْ میرے رسولوں کو	فَكَیْفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	نَكِیْرِ میرا عذاب				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات سے مشرکین عرب کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ساتھ ہی ان کے مشرکانہ عقائد کا ابطال اور ان کے اقوال جاہلانہ کی تردید بھی فرمائی گئی تھی۔ اب ان آیات میں ان مشرکین عرب اور کفار مکہ کی ایک اور ہٹ دھرمی اور حماقت کا بیان کیا جاتا ہے کہ جس کے باعث وہ خدائی عذاب کے مستحق بن رہے تھے اور وہ ہٹ دھرمی اور حماقت یہ ہے کہ جب خدا کا کلام اور اللہ کی آیات اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنتے ہیں تو قبول کرنا۔ ماننا اور اس کے مطابق عقیدہ اختیار کرنا اور عمل کرنا تو ایک طرف الٹا جاہلانہ طریقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تمہیں تمہارے آبائی اور پرانے دین سے روک رہا ہے۔ یہ نبی رسول کچھ نہیں بس ان کی تو یہ غرض ہے کہ ہمارے باپ دادوں کا طریقہ چھڑا کر جس کو ہم قدیم سے حق جانتے چلے آئے ہیں اپنے ڈھب اور طریقہ پر لے آئیں اور خود حاکم و سردار بن کر بیٹھ جائیں گویا صرف

حکومت وریاست مطلوب ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور کہتے کہ یہ قرآن کیا ہے؟ یہ ان کا تراشیدہ ہے اور چند جھوٹی باتیں ہیں جو خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ (العیاذ باللہ) اور کہتے کہ یہ نبوت کا دعویٰ اور قرآن جس کی تاثیر لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی ہوتی ہے صریح جادو کے سوا اور کچھ نہیں اور اس کا جادو ہونا کچھ ڈھکا چھپا نہیں بالکل ظاہر ہے کہ اس کو سن کر لوگ مغلوب العقل اور فریفتہ ہو جاتے ہیں (العیاذ باللہ) یہ تھے وہ احمقانہ اقوال اور الزامات کہ جو کفار قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے تھے۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان مشرکین عرب کو تو اس قرآن کی اور اس نبی کی بڑی قدر کرنا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان پیغمبر اور ایسی جلیل القدر کتاب مرحمت فرمائی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انہیں نعمت غیر مترقبہ سمجھتے اور اس انعام الٰہی کی قدر کرتے خصوصاً جب کہ پہلے سے کہا بھی کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی پیغمبر آتا یا کوئی کتاب ہم پر اتاری جاتی تو اوروں سے بڑھ کر ہم فرمانبردار ہوتے۔ سورہ فاطر پارہ ۲۲ میں مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ کہ کفار قریش نے قبل بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا یعنی پیغمبر آوے تو وہ ہر ہر امت سے زیادہ قبول کرنے والے ہوں۔ اب جب خدا کی طرف سے ان کے پاس ایک کامل ترین نذیر آ گیا تو لگے انکار اور استکبار کرنے اور بجائے قدر کرنے کے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین تکذیب کر کے بے فکر نہ ہو بیٹھیں کیونکہ تکذیب کا وبال بڑا سخت ہے۔ چنانچہ ان سے پہلے جو کفار امتیں گزری ہیں انہوں نے انبیاء اور وحی کی تکذیب کی تھی پھر وہ کیسے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ اور پھر وہ گذشتہ امتیں تو قوت و طاقت اور مال و متاع اور دنیوی ساز و سامان ان مشرکین عرب سے بہت زیادہ رکھتے تھے۔ یہ تو ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے لیکن جب انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کی تو ان کا سب ساز و سامان دھرا رہ گیا اور ایک منٹ کو بھی عذاب الٰہی کو نہ روک سکے۔ نہ ان کے مال کام آئے اور نہ ان کی اولاد اور کنبے قبیلے اور نہ قوت و طاقت نے انہیں بچایا اور نہ مال و دولت نے فائدہ دیا۔ سب برباد کر کے رکھ دیئے گئے۔ تو پھر یہ مشرکین عرب جو ان جیسی نہ لمبی عمریں رکھتے ہیں نہ جسمانی قوتیں نہ ان گذشتہ کفار جیسا مال دولت نہ عیش و ترفہ یہ کیسے اس تکذیب کے وبال سے بچ سکے۔

اب یہاں ان آیات کے سلسلہ میں ایک طرف تو آپ کفار مکہ اور مشرکین عرب منکرین اسلام کے اقوال اور اعتراضات اور الزامات کو دیکھیں کہ کتنے سخت اور شدید ہیں قران کریم کے متعلق کہا کہ "یہ محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے۔" (معاذ اللہ) اور "یہ محض ایک صریح جادو ہے۔" گویا ان الزامات کے ساتھ کفار مکہ و مشرکین عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔ مگر اس کا کیسا فیصلہ کن جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا کہ پہلے بھی جنھوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تھی سو دیکھو کہ اللہ کا ان پر تکذیب کی بدولت کیسا عذاب اسی دنیا میں ہوا۔ کہ نیست نابود کر دیئے گئے۔ چنانچہ کفار مکہ اور مشرکین عرب بھی اپنی تکذیب کی بدولت اسی طرح نیست و نابود کر دیئے گئے کہ کفر و شرک کی جڑ جزیرۃ العرب سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی نہ وہ اور ان کے بت رہے نہ ان کے پجاری رہے۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم کو قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی اور اسلام جیسا دین عطا فرمایا۔ تو ہم کو ان نعمتوں کی قدردانی کی توفیق بھی عطا فرمائیے۔ یا اللہ ہم کو قرآن پاک کا علم و عمل اور اس کی تعلیمات کا اتباع نصیب فرما اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا سچا اور پکا امتی ہونا اور آپ کا مطیع و فرمانبردار ہونا نصیب فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ

آپ کہیئے کہ میں تم کو صرف ایک بات سمجھاتا ہوں، وہ یہ کہ تم خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے اس ساتھی کو

مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ

جنون (تو) نہیں ہے، وہ تم کو ایک سخت عذاب آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو

اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ

وہ تمہارا ہی رہا، میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور وہی ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب

يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾

حق بات غالب کر رہا ہے وہ علام الغیوب ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ (دین) حق آ گیا اور (دین) باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ؕ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (مثلاً وفرضاً) میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی پر وبال ہوگی، اور اگر میں راہ (راست) پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے،

اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے۔

قُلْ فرمادیں	اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ میں صرف نصیحت کرتا ہوں تمہیں	بِوَاحِدَةٍ ایک بات کو	اَنْ تَقُوْمُوْا کہ تم کھڑے ہو جاؤ	لِلّٰهِ اللہ کے واسطے	مَثْنٰى دو، دو		
وَفُرَادٰى اور اکیلے اکیلے	ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا پھر تم غور کرو	مَا بِصَاحِبِكُمْ نہیں تمہارے اس ساتھی کو	مِّنْ جِنَّةٍ کوئی جنون	اِنْ نہیں	هُوَ وہ		
اِلَّا مگر۔صرف	نَذِيْرٌ ڈرانے والے	لَّكُمْ تمہیں	بَيْنَ يَدَيْ آگے (آنے سے پہلے)	عَذَابٍ شَدِيْدٍ سخت عذاب	قُلْ فرمادیں		
مَا سَاَلْتُكُمْ جو میں نے مانگا ہو تم سے	مِّنْ اَجْرٍ کوئی اجر	فَهُوَ تو وہ	لَكُمْ تمہارا ہے	اِنْ نہیں	اَجْرِيَ میرا اجر	اِلَّا مگر۔صرف	
عَلَى اللّٰهِ اللہ کے ذمے	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر۔کی	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	شَهِيْدٌ اطلاع رکھنے والا ہے	قُلْ فرمادیں	اِنَّ بیشک	رَبِّيْ میرا رب
يَقْذِفُ ڈالتا (اوپر سے اتارتا ہے)	بِالْحَقِّ حق کو	عَلَّامُ الْغُيُوْبِ سب غیبوں کا جاننے والا	قُلْ فرمادیں	جَآءَ الْحَقُّ حق آ گیا			
وَمَا يُبْدِئُ اور نہ پیدا کریگا	الْبَاطِلُ باطل	وَمَا يُعِيْدُ اور نہ لوٹائے گا	قُلْ فرمادیں	اِنْ اگر	ضَلَلْتُ میں بہکا ہوں	فَاِنَّمَآ تو اس کے سوا نہیں	
اَضِلُّ میں بہکا ہوں	عَلٰى نَفْسِيْ اپنی جان پر (اپنے نقصان کو)	وَاِنِ اور اگر	اهْتَدَيْتُ میں ہدایت پر ہوں	فَبِمَا تو اسکی بدولت	يُوْحِيْٓ وہ وحی کرتا ہے		
اِلَيَّ میری طرف	رَبِّيْ میرا رب	اِنَّهٗ بیشک وہ	سَمِيْعٌ سننے والا	قَرِيْبٌ قریب			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کو تکذیب نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر وعید سنائی گئی تھی کہ اے مشرکین عرب تمہاری تو کیا حیثیت ہے۔ گذشتہ امتوں کے منکرین نبوت جو تم سے ساز وسامان اور دولت وثروت میں کہیں زیادہ تھے وہ اس تکذیب کی بدولت عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر تباہ وبرباد ہوئے تو تم تکذیب نبوت پر کیسے بچ جاؤ گے۔ اب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت وتصدیق نبوت

کا ایک طریقہ بتلایا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں خطاب ہو رہا ہے کہ یہ کفار جو نعوذ باللہ آپ کو مجنون بتا رہے ہیں تو آپ ان سے کہیئے کہ آؤ میں تمہیں اپنے دعویٰ رسالت کی جانچ کا ایک آسان سا مختصر طریقہ بتاؤں۔ تم اخلاص نیت کے ساتھ خدا کو حاضر ناظر جان کر انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی سوچو کہ میں جو تمہارے درمیان ۴۰ سال سے ہر وقت رہتا ہوں اور جس کی امانت کا دیانت کا۔ اصابت رائے کا فہم و دانش کا تم خود براہ راست تجربہ رکھتے ہو اور قائل رہے ہو۔ کبھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا خود غرضی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھا۔ اب کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ (العیاذ باللہ) اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا جو خواہ مخواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنالیا۔ کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور ان کی اخروی صلاح و فلاح کی ایسی زبردست ہدایات پیش کر سکتا ہے۔ وہ تم کو آئندہ کی ہلاکت کے خطرات سے آگاہ کر رہا ہے۔ دلائل و شواہد سے تمہارا برا بھلا سمجھاتا ہے کیا یہ کام دیوانوں کے ہیں؟ پھر میں تم سے اپنی اس محنت و خیر خواہی کا کچھ صلہ تو نہیں چاہتا۔ اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو تو وہ تم سب اپنے ہی پاس رکھو۔ مجھے ضرورت نہیں۔ میرا صلہ تو خدا کے یہاں ہے۔ میں تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان و اسلام وہ صرف تمہارے نفع کی خاطر ہے۔ اس سے زائد میری کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ میری سچائی اور نیت اللہ کے سامنے ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی اتر رہی ہے اور دین حق کی بارش ہو رہی ہے۔ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو اس سے فائدہ اٹھاؤ جس زور سے اب اللہ تعالیٰ حق کو باطل کے سر پر پھینک کر مار رہا ہے اس سے اندازہ کرو کہ باطل کہاں ٹھہر سکے گا۔ ضرور ہے کہ ملیامیٹ ہو کر رہے اور دین حق کا ڈنکا بجے۔ اس علام الغیوب نے خوب دیکھ بھال کر عین موقع پر حق کو باطل کا سر کچلنے کے لئے بھیجا ہے۔ دین حق آ پہنچا۔ اب اس کا زور رکنے والا نہیں۔ یہ سب پر غالب ہو کر اور باطل کو زیر کر کے رہے گا۔ جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے چل سکے۔ باطل تو اب کرنے کا رہا نہ دھرنے کا سمجھ لو کہ باطل یقینی آیا گیا ہوا۔

فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہی آیت تھی قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔

آگے مزید تلقین ہوتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر نعوذ باللہ میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کتنے دن چلے گا۔ اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے۔ دنیا کی عداوت مول لینا۔ آخرت کی رسوائی قبول کرنا۔ العیاذ باللہ۔ لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الٰہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور وہ بالکل نزدیک ہے وہ ہمیشہ میری مدد فرمائے گا اور اپنے پیغام کو دنیا میں روشن کرے گا تم مانو یا نہ مانو۔ اگر تم نے حق کا اتباع نہ کیا تو تم خود بھٹکو گے میرا کیا بگڑے گا اور اگر راہ پر آ گئے تو یہ راہ پر آنا اسی دین حق کے اتباع کی بدولت ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے ہم کو ایمان واسلام کی دولت سے نوازا اللہ تعالیٰ ہم کو ہر حال میں حق کا اتباع کرنے والوں میں شامل رکھیں اور قرآنی ہدایات کی بدولت راہ راست پر مستقیم رکھیں۔

یا اللہ جیسے آپ نے ابتدا میں اسلام کو غلبہ دیا اور باطل کو مغلوب فرمایا۔ یا اللہ اب بھی اور آئندہ بھی اپنی تائید و نصرت سے اسلام کو غلبہ اور نصرت عطا فرمائیے اور باطل کو مغلوب اور ملیامیٹ فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى

اور اگر آپ، وہ وقت ملاحظہ کریں جبکہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس ہی پکڑ لئے جاویں گے۔ اور کہیں گے ہم دین حق پر ایمان لے آئے

لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ

اور اتنی دُور جگہ سے (ایمان کا) ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے حالانکہ پہلے سے (دنیا میں) یہ لوگ اس کا انکار کرتے رہے، اور بے تحقیق باتیں دُور ہی دُور

مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ

سے ہانکا کرتے تھے۔ اور ان میں اور ان کی آرزو میں ایک آڑ کردی جائے گی جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ (بھی) یہی (برتاؤ) کیا جاوے گا جو ان سے پہلے تھے،

اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردّد میں ڈال رکھا تھا۔

وَلَوْ تَرٰۤى اے کاش تم دیکھو	اِذْ جب	فَزِعُوْا وہ گھبرائیں	فَلَا فَوْتَ اور نہ بچ سکیں گے	وَاُخِذُوْا اور پکڑ لئے جائیں گے	مِنْ سے	
مَكَانٍ قَرِيْبٍ قریب جگہ (پاس)	وَقَالُوْۤا اور کہیں گے	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِهٖ اس پر	وَاَنّٰى اور کہاں	لَهُمُ ان کیلئے	
التَّنَاوُشُ پکڑنا (ہاتھ آنا)	مِنْ سے	مَكَانٍ جگہ	بَعِيْدٍ دُور دراز	وَقَدْ كَفَرُوْا اور تحقیق انہوں نے کفر کیا	بِهٖ اس سے	
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَ اور	يَقْذِفُوْنَ وہ پھینکتے ہیں	بِالْغَيْبِ بن دیکھے	مِنْ سے	مَكَانٍۢ بَعِيْدٍ دُور جگہ	وَحِيْلَ اور آڑ کردی گئی
بَيْنَهُمْ اُن کے درمیان	وَبَيْنَ اور درمیان	مَا يَشْتَهُوْنَ جو وہ چاہتے تھے	كَمَا جیسے	فُعِلَ کیا گیا	بِاَشْيَاعِهِمْ ان کے ہم جنسوں کیساتھ	
	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	فِيْ میں	شَكٍّ شک	مُّرِيْبٍ تردّد میں ڈالنے والے

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ سبا کی خاتمہ کی آیات ہیں گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے بعض وہ جاہلانہ اور احمقانہ اقوال بیان فرمائے گئے تھے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور قرآن کریم پر لگاتے تھے۔ اس لئے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وقت یہ کفار جتنی چاہیں باتیں بنائیں اور جو ڈینگیں چاہیں ماریں لیکن وہ وقت قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے اور ان کے ہوش وحواس اڑ جائیں گے۔ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگیں گے کہ کہیں پناہ کی جگہ مل جائے تو چھپ کر اپنی جان بچائیں لیکن بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ نہ بھاگ کر۔ نہ چھپ کر۔ نہ کسی کی حمایت سے نہ کسی کی پناہ سے۔ غرض کہ یہ کہیں بھاگ نہ سکیں گے۔ اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہ پڑے گا بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور کہیں گے کہ ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا ان کی باتیں بالکل سچ تھیں اب ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن اس وقت تو ایمان لانے کا موقع ہی جا چکا ہوگا۔ اب وہ وقت کہاں کہ ایمان لا کر اپنے کو بچا سکیں۔ ایمان تو وہی مقبول ہے کہ جو موت سے پہلے اس دنیا میں نصیب ہو آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر سب ہی کو یقین آ جائے گا۔ جب دنیا میں ایمان لانے کا وقت تھا تو انکار پر تلے رہے اور ان باتوں کا جو اللہ کے پیغمبر نے انہیں بتائیں رد کرتے رہے اور اپنی ہی اٹکل پچو باتیں ہانکتے

رہے اور اللہ کے رسول کو کبھی ساحر اور کبھی شاعر اور کبھی مجنون بتلاتے رہے اور آخرت و حشر و نشر کا انکار کرتے رہے۔ اب آنکھیں کھلیں تو ایمان کی سوجھی۔ غرض دنیا میں رہ کر جو ایمان کی جگہ تھی ہمیشہ بے تحقیق باتیں کیں۔ سچی بات کے قریب نہ پھٹکے اب پچھتانے اور ایمان لانے سے کیا حاصل۔ سیدھی بات یہ تھی کہ دنیا ہی میں یہ اللہ کے پیغمبروں کی بات مان لیتے اور ایمان لے آتے تو اس وقت کے مان لینے سے اس وقت عذاب سے نجات مل سکتی تھی۔ اب یہاں نجات کی آرزو بالکل بیکار ہے۔ اور دنیا میں دوبارہ جا کر ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے کا ارمان پورا نہیں ہوسکتا۔ اب عیش و آرام کی تمنا بھی فضول ہے۔ ان کفار اور ان کی سب آرزوؤں اور تمناؤں کے درمیان سخت روک قائم کردی جائے گی۔ اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو ان جیسا خیال کرنے والے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا گیا۔ وہ لوگ بھی پیغمبروں کی بتائی ہوئی باتوں میں ایسا ہی شک و شبہ نکالا کرتے تھے اور ایسے ہی مہمل شبہات اور بے جا شک و ترددات میں گھرے ہوئے تھے جو کسی طرح ان کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ آخر ایمان سے محروم مرے اور سزا کے مستحق ٹھہرے۔ ایسا ہی ان کا بھی حشر ہوگا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کفار و مشرکین کے ایمان سے محروم رہنے کی بڑی وجہ ان کا شک و تردد ہی ہے۔ برخلاف ان کے مومن کو دین کے معاملہ میں یقین حاصل ہوتا ہے۔ درحقیقت شرک و کفر اور دہریت اور انکار آخرت کے عقائد کوئی شخص بھی یقین کی بنا پر اختیار نہیں کرتا اور نہ کرسکتا ہے۔ جس نے دنیا میں یہ عقائد اختیار کیے کہ خدا نہیں ہے۔ یا بہت سے خدا ہیں۔ یا خدائی اختیارات میں بہت سی ہستیوں کو دخل ہے یا آخرت حشر و نشر و جزا و سزا نہیں ہے تو یہ اس نے محض وہم اور گمان کی بنا پر ایسے عقائد قائم کرلئے جن کی اصل بنیاد حق سے شک و تردد کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ شک ہی انہیں گمراہی کی طرف لے گیا۔ انہیں خدا کے وجود میں شک ہوا۔ انہیں توحید کی صداقت میں شک ہوا۔ انہیں آخرت کے آنے میں شک ہوا۔ غرض کہ جب تک دنیا میں رہے دریائے شک میں غرق رہے۔ اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہا اور ان کی کوئی بات نہ مانی اور اپنی دنیوی زندگی کی پوری مہلت عمل اسی شک و تردد اور اضطراب میں گزار دی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شبہات اور شکوک سے بچو۔ اس پر جس کی موت آئی وہ قیامت کے دن بھی اسی پر اٹھایا جائے گا اور جو یقین پر مرا اسے یقین ہی پر اٹھایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ دین کی باتوں میں شکوک و شبہات کے مرض سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں اور دین کی ہر بات پر ہم کو جزم اور یقین کامل نصیب فرمائیں۔ اس موقع پر ایک دلچسپ حکایت یاد آئی۔ جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔

ایک زبردست فلسفی دہریہ خدا کے وجود کا منکر حضرت جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ دوران گفتگو حضرت جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بوقت ضرورت ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں تو ناممکن الوقوع بھی وقوع میں آجاتا ہے۔ اس پر اسی دہریہ نے کہا کہ یہ کس کا نام آپ نے لیا۔ اللہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟' وہ کیا کرتا ہے؟ اللہ کا وجود ثابت کیجئے؟ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عقلی طریقہ سے یا نقلی طریقہ سے یعنی کتابوں سے؟ کہنے لگا کہ جناب عقل سے ثابت فرمائیے کتابوں کو میں نہیں مانتا۔ حضرت جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ اس پر خوش ہوئے کہ اس نے عقلی طریقہ کو پسند کیا۔ جب دہریہ نے خوش ہونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عقلی یا نقلی طریقہ کو پسند کرنا تمہارا اختیاری امر تھا۔ میں تم کو کسی طریقہ پر مجبور نہ کرسکتا تھا اگر تم نقلی ثبوت کتابوں سے چاہتے تو ذرا مشکل پڑتی اور آج اسی وقت منٹوں میں یہ مرحلہ طے نہ ہوسکتا جواب انشاء اللہ ہوجائے گا ورنہ کئی دن بحث چلتی کیونکہ کتابیں بہت ہیں اور ہر ایک میں گو نتیجہ واحد ہے اور دلائل مختلف اس لئے میں نے یہ التجا اللہ تعالیٰ سے کی کہ تم کو یہ توفیق دے کہ تم عقلی طریقہ پسند کرو۔ اب تو معاملہ آسان ہوگیا۔ اور فرمایا یہ بتلاؤ کہ ایک عقل مند انسان کے لئے وہ کون سا امر لازمی ہے جو اس کو آئندہ کی ندامت اور مصیبت سے مامون اور محفوظ رکھے۔ اس

کا جواب اس وقت اس فلسفی دہریئے کی سمجھ میں نہ آیا تو حضرت نے فرمایا کہ کیا "احتیاط" ایسا امر ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں صحیح ہے۔ عقل مند آدمی کے لئے ہر معاملہ میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا تو اچھا اب ایک حکایت سن لو۔ حمید اور ولید دو دوست بغداد میں ہیں۔ اور بصرہ جانا چاہتے ہیں جہاں وہ کبھی نہیں گئے تھے۔ نہ راہ کی کیفیت جانتے تھے۔ نہ حالات سفر سے انہیں خبر تھی۔ متفکر بیٹھے تھے کہ ایک مسافر کو بصرہ کی راہ سے آتا دیکھا پوچھا بھائی ذرا مہربانی کر کے بتا دینا کہاں سے آرہے ہو؟ کہا بصرہ سے۔ پوچھا کیسی راہ ہے؟ حالات سفر کیا ہیں؟ کہا کہ راستہ تو اچھا ہے مگر ایک گھاٹی ہے جہاں قزاق تاک میں لگے رہتے ہیں قابو مل گیا تو مار لیتے ہیں اس لئے ہتھیار رکھ لو پھر اطمینان ہے پھر شہر پناہ بصرہ پر محصول لے کر اندر جانے دیتے ہیں ورنہ باہر ہی باہر ہنکا دیتے ہیں اس محصول کی ادائیگی کے لئے کچھ رقم بھی ساتھ لے لو۔ اس پر وہ دونوں دوست متفق ہو گئے۔ اسی اثنا میں ایک دوسرا مسافر اسی بصرہ کی راہ سے آرہا تھا۔ اس سے بھی وہی سوالات کئے گئے۔ اس نے جواب دیا راستہ بالکل صاف ہے۔ ناک کی سیدھی راہ پر چلے جاؤ۔ کھلے ہاتھ سونا لے جاؤ کچھ خطرہ نہیں۔ حمید نے کہا کہ کیا حرج ہے احتیاطاً ہتھیار رکھ لیں مگر ولید نے کہا کہ اس مخبر کو صحیح سمجھنا چاہیئے۔ کون فضول بوجھ ہتھیار کا باندھے۔ خلاصہ یہ حمید مسلح اور ولید نہتہ چلے۔ اتفاق سے راہ میں وہ گھاٹی آئی اور دو تین آدمی ان پر ٹوٹ پڑے اب حمید نے تلوار چمکائی اس پر حملہ کرنے والا جھجکا ادھر دیکھا کہ ولید نہتہ کھڑا ہے۔ اس پر جھپٹے۔ حمید بھاگا۔ جان بھی بچی۔ اپنا مال بھی سلامت لے گیا۔ محصول بھی لیا جاتا تھا وہ ادا کیا اور بصرہ میں داخل ہو گیا۔ ولید کی جان مال قزاقوں کے نذر ہوگئی۔ اتنا فرما کر حضرت جعفر صادقؒ خاموش ہو گئے۔ دہریہ نے کہا کہ ہاں بچوں کے لئے اچھی حکمت آموز نقل ہے۔ حضرت نے فرمایا نہیں بڑوں کے لئے بھی ہدایت حق کرتی ہے۔ دہریہ نے کہا یہ کیونکر؟ فرمایا کہ تم اور میں دونوں مرنے والے ہیں۔ اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے رہنے والے نہیں۔ اس لئے ہم دونوں اس دنیا سے سفر کرنے والے ہیں اور ایسی دنیا کو جہاں اب تک ہم نہیں گئے۔ نہ وہاں کا حال ہمیں معلوم۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ خدا کا وجود نہیں۔ اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہے اور واقعیت میں واقعی خدا نہیں ہے تو میں جو خدا کے وجود کا قائل ہوں مجھ کو اس اعتقاد کی سزا دینے والا وہاں کوئی نہ ہوگا۔ پس باوجود مختلف اور متضاد عقیدوں کے تمہاری اور میری حالت بعالم ثانیہ ایک سی رہے گی لیکن بحسب دعویٰ میرے اگر خدا کا وجود ہے تو تم پھنسے اور میں بچا۔ پس اس امر پر میں نے احتیاط پر عمل کیا یا تم نے؟ انسانی شیوۂ عقل میرا رہا یا تمہارا؟ آئندہ مصائب سے عقلاً میرا عمل محفوظ رکھے گا یا تمہارا؟ فلسفی دہریہ قائل ہو گیا اور ایمان لے آیا۔

یہاں اس حکایت سے جہاں نفس مضمون یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنا عقلاً بھی انسانی شیوۂ عقل ثابت ہوا وہیں ایک بڑے کام کی بات یہ گرہ میں باندھ لینے کی ہے کہ دنیا کے معاملات میں "احتیاط" جیسے انسانی شیوۂ عقل ہے اسی طرح دین کے معاملات میں بھی اس "احتیاط" کے پہلو پر عمل پیرا ہونا عقل کا تقاضہ ہے مثلاً رمضان المبارک کے مہینہ میں ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور جس پر چاروں ائمہ کا اجماع ہے اور جس کے نقلاً اثبات میں علمائے محققین نے دسیوں اور بیسیوں کتب تحریر فرمائی ہیں جب کہ بعض افراد خصوصاً غیر مقلدین صرف آٹھ رکعت پڑھنے پر اصرار کرتے ہیں تو یہ انسانی شیوۂ عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر میدان حشر میں حق تعالیٰ کی طرف سے ۲۰ رکعت کا مطالبہ ہوا تو ۸ رکعت پڑھنے والے قابل مواخذہ ہوں گے اور اس وقت بری طرح اس معاملہ میں اپنے کو پھنسا ہوا پائیں گے اور اگر مطالبہ ۲۰ کا نہ بھی ہوا تب بھی ۲۰ رکعت والوں کو کوئی خدشہ اور نقصان نہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ و فہم ہم کو عطا فرمائیں اور دینی معاملات میں بھی احتیاطی پہلو کو مدنظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اس سورۃ کو اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ کے جملہ پر ختم فرمایا گیا یعنی یہ منکرین آخرت سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ دین میں شک و تردد یہ خالص کافرانہ خصلت ہے اور اس کے مقابل یقین یہ خالص مومنوں کا سرمایۂ آخرت ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ فَاطِرٍ مَّکِّیَّۃٌ وَّھِیَ خَمْسٌ ‌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ‌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی

تمام تر حمد اللہ کو لائق ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رسا بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین

وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ①

اور چار چار پر دار بازو ہیں، وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کردیتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَلْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰہِ اللہ کیلئے	فَاطِرِ پیدا کرنے والا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	جَاعِلِ بنانے والا	الْمَلٰٓئِکَۃِ فرشتے
رُسُلًا پیغام بر	اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ پروں والے	مَثْنٰی دو،دو	وَثُلٰثَ اور تین، تین	وَرُبٰعَ اور چار،چار	یَزِیْدُ زیادہ کردیتا ہے	فِی الْخَلْقِ پیدائش میں
مَا یَشَآءُ جو وہ چاہے	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	عَلٰی پر	کُلِّ شَیْءٍ ہرشے	قَدِیْرٌ قدرت رکھنے والا		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب ۲۲ ویں پارہ کی سورۃ فاطر کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس وقت صرف ایک ابتدائی آیت کا انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا۔ جس کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ سورۃ کی ابتداہی اس جملہ سے ہوتی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ساری تعریفیں اس اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے) اس جملہ میں فاطر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام فاطر مقرر رہوا۔ فاطر کے معنی ہیں نیست سے ہست کرنے والا۔ عدم سے وجود میں لانے والا۔ بغیر نمونہ اور مثال کے کوئی نئی چیز بنانے والا۔ اس سورۃ کا نام سورۃ الملائکہ بھی ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں ملائکہ کا ذکر ہے اس لئے اس سورۃ کو سورۃ الملائکہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے پینتیسویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۶ لکھا ہے یعنی ۵۷ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوچکی تھیں اور ۲۸ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۴۵ آیات۔ ۵ رکوعات۔ ۷۹۲ کلمات اور ۳۲۸۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے اس میں بھی مثل دوسری مکی سورتوں کے عقائد سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں جس میں توحید کو ثابت کیا گیا ہے اور شرک کو باطل قرار دیا گیا۔ اہل مکہ اور ان کے سرداروں نے دعوت توحید کے مقابلہ میں جو رویہ اختیار کررکھا تھا اس پر ناصحانہ انداز میں ان پر تنبیہ وملامت بھی کی گئی ہے اور معلمانہ انداز میں فہمائش بھی۔ سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے بیان سے فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس زمین پر انسانوں کو بسایا اور ان کی ہدایت کے لئے رسول بھیجے اور ان رسولوں کے پاس اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے پیغام ہدایت بھیجا۔ پھر جس طرح انسان کی جسمانی پرورش اور تربیت کے بے شمار سامان دنیا میں پیدا کئے۔ اسی طرح روحانی اور اخلاقی تربیت کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم کیا گیا اور کتابیں نازل کی گئیں۔ اسی سلسلۂ رسالت کی آخری رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آخری کتاب قرآن کریم ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانے۔ اور زمین وآسمان میں بے شمار پھیلے ہوئے آثار سے

توحید کا سبق حاصل کرے۔ وہ نعمتیں جو اللہ نے دے رکھی ہیں ان کی ناشکری کفر و سرکشی انسان کا شیوہ نہ ہونا چاہئے۔ مزید براں انسانوں کو یہ قرآن اور رسالت محمدیہ کی یہ عظیم نعمتیں ملیں پھر بھی اکثر لوگ اس سے اعراض و سرکشی کرتے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی انبیاء کی تکذیب ہوتی رہی ہے۔ پھر بتلایا گیا کہ اللہ نے جو پیغام قرآن کی شکل میں دیا ہے وہ حق ہے۔ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اس کو نہ بھول جانا۔ اور شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کا کہنا مانو گے تو تمہیں آگ یعنی نار جہنم کی طرف لے جائے گا۔ جو لوگ شیطانی دھوکہ میں آ جاتے ہیں ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ بری باتوں کو اچھا اور اپنے کو اچھوں کے برابر سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ برے ہیں۔ کافروں کے لئے آخرت میں سخت عذاب ہے اور ایماندار نیکوکار بڑا اجر پائیں گے اس لئے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کی نشانیاں دیکھ کر پہچانو جو دنیا میں پھیلی پڑی ہیں۔ انسان کی اپنی پیدائش پھر اس کی پرورش کا انتظام سب ایک اللہ عز و جل کے دست قدرت میں ہے اس لئے انسان سراسر اسی کا محتاج ہے اور ہر ایک اپنے اپنے کام کا ذمہ دار ہے کوئی اپنے سوا اور کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ برے اعمال کی سزا بعض وقت دنیا میں بھی مل جاتی ہے لیکن قیامت میں تو ضرور ملے گی۔ یہ سنت اللہ ہے کہ سرکشی اور نافرمانی پر فوراً گرفت نہیں ہوتی۔ مہلت ملتی ہے اگر مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو پھر نتائج بھگتنے پڑیں گے اس لئے جسے سنبھلنا ہے وہ سنبھل جائے آخر وہ مقررہ گھڑی آ کر رہے گی اور جب آ جائے گی تو پھر کسی کی کچھ نہ چلے گی اور فیصلہ اللہ عز و جل کے ہاتھ میں ہوگا اور چونکہ وہ اپنے بندوں کے حال سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے ہر کسی کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کے خاص مضامین کا جن کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

اب اس تمہید کے بعد اس ابتدائی آیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی الحمدللہ سے ہوئی ہے اور یہ ان پانچ سورتوں میں سے آخری سورۃ ہے جن کی ابتدا الحمدللہ سے فرمائی گئی ہے۔ سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد سے فرمائی جاتی ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر وقت حمد و ثنا بیان کرنے کے لئے اس کی قدرت کے نمونہ ہر وقت ہر کسی کے سامنے موجود ہیں۔ انسان آنکھ اٹھا کر آسمان کو دیکھے یا نیچے نگاہ ڈال کر زمین کو دیکھے یہ سب اسی نے بنائے ہیں اور پھر ان کے درمیان طرح طرح اور قسم قسم کی مخلوقات پیدا کی منجملہ ان کے فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے مامور فرمایا وہ اللہ کے پیغمبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں۔ علاوہ پیغام رسانی کی خدمت کے بعض فرشتوں کے سپرد اللہ جل شانہ کے احکام لے جانا اور دنیا میں ان کو نافذ کرنا بھی ہے۔ ان فرشتوں میں طاقت پرواز ہے۔ یہاں آیت میں بتلایا گیا کہ ان فرشتوں کے پردار بازو ہیں بعض کے دو۔ بعض کے تین اور بعض کے چار اور بعض کے اس سے بھی زائد۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک مرتبہ اس شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے ان کے ۶۰۰ بازو تھے اور وہ پورے افق پر چھائے ہوئے تھے۔ اصل حقیقت اور کیفیت ان فرشتوں کے بازوؤں اور پروں کی تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو بیان کرنے کے لئے وہ لفظ استعمال فرمایا جو انسانی زبان اور فہم میں پرندوں کے بازوؤں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ہماری زبان کا یہی لفظ اصل کیفیت سے قریب تر ہے غرض یہ کہ فرشتوں کے پر اور بازو ہیں اور یہ پر

اور بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں۔ جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے پر اور بازو بھی نورانی ہیں چونکہ فرشتے اللہ کا پیغام لے کر زمین میں آسمان سے اترتے ہیں اور پھر زمین سے آسمان پر چڑھتے ان کو اللہ نے پروں اور بازوؤں والا بنایا تاکہ وہ اللہ کا حکم لے کر آسمان سے زمین پر جلد پہنچیں اور پھر عالم بالا کی پرواز کرسکیں۔ فرشتوں کے دو دو تین تین اور چار چار بازوؤں کے ذکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف درجہ کی طاقتیں عطا فرمائی ہیں۔ جس سے جیسی خدمت لینی مطلوب ہے اس کو ویسی ہی زبردست سرعت رفتار اور قوت کار سے آراستہ فرمایا گیا ہے۔ آیت کے اخیر میں اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔ اس کا ایک مطلب تو مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وسائط کا محتاج ہے۔ ہرگز نہیں وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے۔ محض حکمت کی بنا پر یہ اسباب و وسائط کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ یہ فرشتے جن کو بعض مشرکین دیوی دیوتا بنائے ہوئے ہیں ان کی حیثیت وحدہٗ لاشریک کے فرمانبردار اور حکم بردار کی سی ہے کہ جس طرح کسی بادشاہ کے خدام اس کے احکام کی تعمیل کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اسی طرح یہ فرشتے کائنات کے فرمانروائے حقیقی کے احکام بجالانے کے لئے اڑتے پھرتے ہیں۔ ان حکم بردار فرشتوں کے اختیار میں کچھ نہیں ہے سارے اختیارات اصل فرمانروا کے دست قدرت میں ہیں۔

اب یہاں آیت میں چونکہ ملائکہ یعنی فرشتوں کا ذکر آ گیا ہے اور آج کل کے دہریئے فلسفی اور نیچری سرے سے وجود ملائکہ کے منکر ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن و حدیث سے صراحۃً ثابت ہے لہٰذا فرشتوں کا انکار یا فرشتوں کے نزول کا انکار سب کفر ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام ہے جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ ایک ایسی لطیف اور نورانی مخلوق ہے جو عالم مادی کے ظلمات سے پاک اور منزہ ہے۔ اللہ کی مخلوقات کی کوئی شمار نہیں۔ اس کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک نوع فرشتوں کی بھی ہے جو تمام انواع مخلوقات سے علیحدہ اور جدا ہے۔ یہ کھانے پینے اور توالد و تناسل سے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی سے بالکل پاک اور منزہ ہیں۔ ذکر الٰہی ان کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو افعال قویہ پر قدرت دی ہے۔ یہ ہر صورت اور شکل میں نمودار ہوسکتے ہیں۔ اور یہ سب باتیں قرآن کریم کی کثیر آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر تعداد اور صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہیں اور تمام کتب سماویہ مثل توریت۔ انجیل۔ زبور وغیرہ سب کی سب فرشتوں کے اقرار اور اعتراف اور ان پر ایمان کے بارہ میں متفق ہیں لہٰذا فرشتوں کا انکار کفر ہے۔ انبیائے کرام نے فرشتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور مرنے کے وقت ہر شخص فرشتوں کو دیکھتا ہے اور حدیث میں ہے کہ مرغ فرشتے کو دیکھ کر اذان دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق جل شانہٗ نے ان کا ادراک اور احساس عام انسانوں کو عطا نہیں فرمایا ہے۔ اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ فرشتوں کا ادراک واحساس حضرات انبیاء کرام کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو ان کا ادراک نہ عطا کیا ہو۔ رہا منکرین ملائکہ کا یہ شبہ کہ اگر فرشتے کوئی مخلوق موجود ہے تو ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتی تو یہ بالکل احمقانہ شبہ ہے۔ ہوا اپنی لطافت کی وجہ سے کسی کو نظر نہیں آتی تو کیا ہوا کے نظر نہ آنے سے کوئی فلسفی اور نیچری ہوا کے وجود کا انکار کرسکتا ہے۔ (معارف القرآن از کاندھلویؒ)

الغرض ملائکہ کے وجود پر ہمارا اسی طرح ایمان ہے جس طرح توحید و رسالت. اور تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتب اور قیامت وآخرت اور حشر ونشر اور جنت وجہنم پر ایمان ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان واسلام کو زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رکھیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

اللہ جو رحمت لوگوں کیلئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں، اور جس کو بند کردے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ

اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ اے لوگو تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں اُن کو یاد کرو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ

جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہو، اُن کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم (شرک کرکے) کہاں اُلٹے جارہے ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾

آپ سے پہلے بھی بہت پیغمبر جھٹلائے جاچکے ہیں، اور سب امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جائیں گے۔

مَا يَفْتَحِ جو کھول دے	اللّٰهُ اللہ	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	مِنْ رَّحْمَةٍ رحمت سے	فَلَا مُمْسِكَ تو بند کرنیوالا نہیں	لَهَا اسکا	وَمَا يُمْسِكْ اور جو وہ بند کردے
فَلَا مُرْسِلَ تو کوئی بھیجنے والا نہیں	لَهٗ اس کا	مِنْ بَعْدِهٖ اس کے بعد	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو
اذْكُرُوْا تم یاد کرو	نِعْمَتَ اللّٰهِ اللہ کی نعمت	عَلَيْكُمْ اپنے اوپر	هَلْ کیا	مِنْ خَالِقٍ کوئی پیدا کرنے والا	غَيْرُ اللّٰهِ اللہ کے سوا	
يَرْزُقُكُمْ وہ تمہیں رزق دیتا ہے	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	وَ اور	الْاَرْضِ زمین	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اُس کے سوا
فَاَنّٰى تو کہاں	تُؤْفَكُوْنَ اُلٹے پھرے جاتے ہو تم	وَاِنْ اور اگر	يُّكَذِّبُوْكَ وہ تجھے جھٹلائیں	فَقَدْ كُذِّبَتْ تو تحقیق جھٹلائے گئے		
رُسُلٌ رسول	مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے	وَ اور	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	تُرْجَعُ لوٹتا	الْاُمُوْرُ تمام کام	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت کے خاتمہ پر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ سب کچھ اس کی قدرت میں ہے اور ہر چیز پر اسے پورا پورا اختیار ہے۔ اب آگے اس کی قدرت واختیار کا اندازہ کرنے کے لئے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے کوئی جسمانی یا روحانی نعمت دینا چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ اسے روک لے اور اگر وہی روک لے تو کوئی اور اس کے سوا کسی کو کچھ دے نہیں سکتا۔ ساری قدرت واختیار کا وہی مالک ہے اور یہ بھی وہی جانتا ہے کہ کس کو کیا دینا چاہئے۔ گویا کامل اقتدار کے ساتھ عزیز وحکیم بھی ہے۔ عزیز یعنی زبردست ہے کہ کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتا اور اس کے ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے کہ جو فیصلہ کرتا ہے سراسر حکمت کی بناء پر کرتا ہے۔ کسی کو دیتا ہے تو اس لئے دیتا ہے کہ حکمت اسی کو مقتضی ہے اور کسی کو نہیں دیتا تو اس لئے نہیں دیتا کہ اسے دینا حکمت کے خلاف ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہ علاوہ کامل القدرت ہونے کے کامل النعمت بھی ہے۔ چنانچہ بے شمار نعمتیں اس نے انسانوں کو دے رکھی ہیں۔ اس لئے تمام انسانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کے احسانات کو یاد کریں اور اس کی نعمتوں کو نہ بھولیں۔ اور ان نعمتوں کے یاد کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کیا جائے۔ اور سب سے بڑا شکر یہ ہے کہ توحید اختیار کی جائے اور شرک چھوڑ دیا جائے۔ گویا یہاں انسانوں

16

کو احسان فراموش نہ ہونے کی تعلیم دی گئی کہ اس حقیقت کو کوئی نہ بھولے کہ جو کچھ بھی اسے حاصل ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ اب اگر کوئی کسی نعمت کو اللہ کے سوا دوسری ہستی کی عطا سمجھتا ہے یا کسی نعمت کے ملنے پر اللہ کے سوا کسی اور کا شکر بجالاتا ہے یا کوئی نعمت مانگنے کے لئے اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرتا ہے تو یہ انسان کی غلطی اور احسان فراموشی ہے۔ آگے دو بڑی نعمتوں پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ اے انسانو غور کرو کہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور تمہارا خالق ہے اور رزاق ہے؟ یعنی اسی خالق بے مثال نے تمہیں پیدا کر کے تمہارے واسطے آسمان اور زمین سے رزق پہنچانے کا سامان مہیا کر دیا۔ آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ زمین سے گھاس۔ غلہ۔ سبزی۔ ترکاری پھل پھلا روغیرہ سب کچھ پیدا ہوتا ہے۔ تو جب تم یہ مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہے پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا؟ جو خالق و رازق حقیقی ہے وہی معبود ہونا چاہئے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد بھی اگر یہ مشرکین و منکرین آپ کی بات نہیں مانتے۔ آپ کو اللہ کا رسول نہیں تسلیم کرتے بلکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ غم نہ کیجئے انبیائے سابقین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ متعصب اور ضدی لوگ کبھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے۔ ایسوں کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہیں پہنچ کر سب باتوں کا دوٹوک عملی فیصلہ ہو جائیگا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں کتنی خوبی کے ساتھ اثبات توحید فرمایا گیا اور عام تعلیم اور سبق یہ دیا گیا کہ اللہ کے بندے غیر اللہ سے نفع و ضرر کی کوئی امید یا خوف نہ رکھیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھیں۔ بزرگان دین لکھتے ہیں کہ دین و دنیا کی درستی اور دائمی راحت اور چین و سکون کا یہ اکسیری نسخہ ہے۔ اور اللہ پر توکل اور اعتماد ہزاروں غموں اور فکروں سے نجات دینے والا ہے۔

حضرت عامر بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب میں صبح کو قرآن کریم کی چار آیتیں پڑھ لیتا ہوں تو مجھے یہ فکر نہیں رہتی کہ اب صبح کو کیا ہوگا اور شام کو کیا ہوگا۔ وہ آیتیں یہ ہیں۔

(۱) ایک تو یہی پہلی آیت یعنی

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

یعنی اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے تو اس کے بند کرنے کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

(۲) دوسری آیت۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (پ ۱۱ سورۂ یونس)

اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے مبذول فرمادے وہ غفور الرحیم ہے۔

(۳) تیسری آیت سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا

اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد فراغت بھی دے گا۔ (پ ۲۸ سورۂ طلاق)

(۴) اور چوتھی آیت۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورۂ ہود)

اور روئے زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ (معارف القرآن حضرت مفتی صاحب" جلد ہفتم)

اللہ تعالیٰ اپنی ذات عالی اور قدرت کاملہ پر ہم کو بھی توکل اور اعتماد کامل نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

اے لوگو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ضرور سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے

الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ

یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن (ہی) سمجھتے رہو۔ وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ

اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶ۭ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دوزخیوں میں سے ہو جاویں۔ جو لوگ کافر ہوگئے اُن کیلئے سخت عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

اُن کیلئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ تو کیا ایسا شخص جس کو اُس کا عمل برا اچھا کر کے دکھایا گیا پھر وہ اُس کو اچھا سمجھنے لگا (اور ایسا شخص جو قبیح کو قبیح سمجھتا ہے کہیں برابر ہو سکتے ہیں) سو اللہ تعالیٰ

مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے، سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے، اللہ کو اُن کے

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸

سب کاموں کی خبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا	فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ پس ہرگز تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی		
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ اور تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے	بِاللّٰهِ اللہ سے	الْغَرُوْرُ دھوکہ باز	اِنَّ الشَّيْطٰنَ بے شک شیطان	لَكُمْ تمہارے لئے			
عَدُوٌّ دشمن	فَاتَّخِذُوْهُ پس اسے سمجھو	عَدُوًّا دشمن	اِنَّمَا يَدْعُوْا وہ تو بلاتا ہے	حِزْبَهٗ اپنے گروہ کو	لِيَكُوْنُوْا تاکہ وہ ہوں	مِنْ سے	
اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ جہنم والے	اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ شَدِيْدٌ سخت عذاب	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو لوگ ایمان لائے			
وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	مَّغْفِرَةٌ بخشش	وَّاَجْرٌ اور اجر	كَبِيْرٌ بڑا	اَفَمَنْ سو کیا جس	زُيِّنَ آراستہ کیا گیا
لَهٗ اس کیلئے	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ اس کا برا عمل	فَرَاٰهُ پھر اس نے دیکھا اسے	حَسَنًا اچھا	فَاِنَّ اللّٰهَ پس بیشک اللہ	يُضِلُّ گمراہ ٹھہراتا ہے		
مَنْ يَّشَاۗءُ جس کو وہ چاہتا ہے	وَيَهْدِيْ اور ہدایت دیتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ جس کو وہ چاہتا ہے	فَلَا تَذْهَبْ پس نہ جاتی رہے	نَفْسُكَ تمہاری جان			
	عَلَيْهِمْ ان پر	حَسَرٰتٍ حسرت کر کے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	بِمَا اسے جو	يَصْنَعُوْنَ وہ کرتے ہیں	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے خالق ورازق ہونے سے اس کے معبود ہونے پر دلالت کی گئی تھی کیونکہ کفار ومشرکین کو بھی اس امر کا اقرار تھا کہ خالق ورزاق اللہ کے سوا کوئی نہیں اس پر بتلایا گیا تھا کہ جب خالق ورازق اللہ کے سوا کوئی نہیں تو پھر معبود بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا مگر چونکہ بعض کفار ومشرکین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھے اور توحید رسالت کی تکذیب پر جمے ہوئے تھے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج ہوتا تھا تو اس پر آپ کی تسلی فرمائی گئی تھی کہ ان کفار ومشرکین کی تکذیب کرنا کوئی نئی بات نہیں

گذشتہ انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا ہے۔ بہر حال تمام معاملات آخرت میں حق تعالیٰ کے حضور پیش ہونے والے ہیں اور وہاں عملی اور قطعی فیصلہ فرما دیا جائے گا۔

چونکہ گذشتہ آیات میں آخرت کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے ان آیات میں تمام انسانوں کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت آنی ہے اور یقیناً سب کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عدالت میں حاضر ہونا ہے اور سب کو اپنے اپنے کاموں اور باتوں کی جزا وسزا ملنی ہے۔ اللہ نے جن باتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ ہو کر رہیں گی۔ ان کے ٹل جانے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تو اے انسانو! دنیا کی ٹیپ ٹاپ فانی عیش و بہار پر نہ پھولو اور اس دھوکہ میں نہ رہو کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے۔ اور اسی کو سب کچھ سمجھنے لگو۔ دیکھو تمہارے پیچھے ایک دغاباز پڑا ہوا ہے اور وہ تمہیں دنیا میں پھنسا کر رکھنا چاہتا ہے۔ اور طرح طرح سے فریب تمہیں دیتا ہے۔ کسی کو اس دھوکہ میں رکھتا ہے کہ میاں کیسی قیامت و آخرت اور کہاں کی جزا وسزا۔ یہ دنیا کا کارخانہ جیسا چلتا رہا ہے ایسے ہی چلتا رہے گا۔ لہٰذا دنیا کے عیش کو آخرت کی فکر سے کیوں کرکرا کیا جائے کسی کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اب تو عیش کرو۔ اور گناہ و معصیت کرنے سے نہ ڈرو۔ ابھی بہت عمر پڑی ہے۔ جوانی کی بہاریں دیکھو۔ پھر بڑھاپے میں توبہ کر لینا۔ خدا بڑا کریم و رحیم ہے۔ سب گناہ بخش دے گا۔ اور یہ دھیان نہیں آنے دیتا کہ شاید موت توبہ کرنے سے پہلے ہی آ پہنچے۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ کسی کے پاس تریاق ہو اور اس کے بھروسہ زہر کھا لے۔ اس لئے تمام انسانوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ اس مشہور دغاباز شیطان کے دھوکہ میں مت آؤ۔ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے کبھی اچھا مشورہ نہیں دے گا اور یہی کوشش کرے گا کہ اپنے ساتھ تمہیں بھی جہنم میں پہنچا کر چھوڑے۔ طرح طرح کی باتیں بنا کر خدا اور آخرت سے غافل کرتا رہے گا۔ چاہئے کہ تم دشمن کو دشمن سمجھو اور اس کی بات ہرگز نہ مانو اور اس پر ثابت کر دو کہ ہم تیری مکاری کے جال میں پھنسنے والے نہیں خوب سمجھتے ہیں کہ تو دوستی کے لباس میں بھی دشمنی کرتا ہے۔ الغرض شیطان اپنے متبعین کو محض اس لئے باطل کی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ جہنمیوں میں شامل ہو جاویں پس اے انسانو! خوب سمجھ لو کہ اللہ کے رسول کی دعوت اور اس کے مقابل شیطان لعین کی دعوت دونوں تمہارے سامنے ہیں۔ اور ان کا قبول کرنا اور قبول نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ اس لئے آگے تنبیہ فرمائی جاتی ہے کہ جو لوگ شیطان کی دعوت اور دھوکہ میں پھنسیں گے اور کفر و شرک اختیار کریں گے اور اللہ کی معصیت اور نافرمانی میں لگے رہیں گے تو پھر ان کے لئے آخرت میں سخت عذاب کی سزا ہے۔ اور جو اس کی دعوت اور دھوکہ میں نہ پھنسیں گے اور اللہ کے رسول کی دعوت کو قبول کر کے ایمان لے آئیں گے اور اچھے کام کریں گے تو ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ آگے سمجھایا جاتا ہے کہ جب کفر و معصیت و نافرمانی کا انجام عذاب شدید اور ایمان و عمل صالح کا انجام مغفرت اور اجر کبیر ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا نظر آئے اور وہ اس کو اچھا سمجھنے لگے کہیں ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو برے کام کو برا سمجھے اور نیکی کو نیکی جانے اور بدی کو بدی جانے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو پھر انجام بھی دونوں کا یکساں نہیں ہو سکتا۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کوئی کیوں سمجھ لے گا۔ تو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو سوء استعداد اور سوء اختیار کی بنا پر بھٹکانا چاہے تو اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تو کسی شیطان کی طاقت نہیں کہ اسے غلط راہ پر ڈال سکے یا الٹی بات سجھا دے۔ الغرض جو شخص شیطانی اغوا سے برائی کو بھلائی۔ اور بدی کو نیکی اور زہر کو تریاق سمجھ لے کیا

اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کوئی توقع ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی اور سلسلۂ ہدایت وضلالت اللہ کی مشیت کے تابع ہے تو اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں۔ اور اس حسرت میں کہ یہ بدبخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے۔ آپ صبر سے بیٹھئے اور ان پر افسوس نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کرتوتوں کی خبر ہے وہ خود ان کا بھگتان کر دے گا اور وقت آنے پر ان سے سمجھ لے گا۔ آپ دلگیر اور غمگین نہ ہوں۔

یہاں ان آیات میں کئی اہم نصیحتیں کی گئی ہیں اور ان سے کئی امور معلوم ہوتے ہیں۔

۱- ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول یا اپنی کتاب کے ذریعہ جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب حق ہیں سچے اور یقینی ہیں۔ ان کے خلاف میں دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔

۲- دوسرے یہ کہ انسان کو دنیوی زندگی کے دھوکہ میں نہ پڑنے کی ہدایت کی گئی۔ اور دنیوی زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ یہی ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں منہمک ہو کر آخرت سے غافل ہو جائے۔

۳- تیسرے یہ کہ شیطان انسانوں کا ازلی اور قدیمی دشمن ہے۔ اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنے وسوسوں سے دھوکہ اور فریب دیتا رہے لہٰذا ایک عاقل انسان کو ہمیشہ شیطانی وسوسوں سے چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ اور شیطان کے بہکانے سے ہرگز قصد کر کے کوئی گناہ اور معصیت و نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نہ کرے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی گناہ یا معصیت ہو جائے تو اس پر جلد پشیمانی اور ندامت کے ساتھ توبہ کر لے کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔

۴- چوتھے یہ کہ شیطان کو چونکہ اپنا انجام معلوم ہے کہ وہ جہنمی ہے اس لئے وہ یہی چاہتا ہے کہ انسانوں میں سے جس کو ہو سکے اپنے ساتھ وہ جہنم میں لے جائے۔ اس لئے شیطانی اغوا سے بہت سے انسان برائی کو اچھائی۔ اور بدی کو بھلائی۔ اور حق کو باطل اور باطل کو حق۔ اور نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع سمجھنے لگتے ہیں اور اچھے اور برے میں تمیز کی صلاحیت ان میں باقی نہیں رہتی گویا یہ دل کی موت ہے اور آدمی کا اس حال پر پہنچ جانا نہایت خطرناک ہے کہ جس کی نگاہ میں ہدایت گمراہی اور گمراہی ہدایت بن جاتی ہے۔ پھر اس کا اپنی حماقت پر متنبہ ہونا اور کسی کی نصیحت کا اس پر کارگر ہونا مشکل ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ایک آدمی جو کوئی برا کام تو کرتا ہے مگر یہ سمجھتا ہے اور مانتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے برا کر رہا ہے اور اس کے قلب میں نیکی اور بدی کی تمیز باقی ہے تو ایسا شخص کبھی خود اپنے ضمیر کی ملامت سے یا کسی کے سمجھانے سے درست ہو سکتا ہے اور راہ راست پر آ سکتا ہے۔

۵- پانچویں یہ کہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ آخرت میں انسان کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

۶- چھٹے یہ کہ ہدایت وضلالت حقیقت میں حق تعالیٰ جل شانہ کی مشیت کے تابع ہے۔ نیکی اور بدی اور حق و باطل میں تمیز من جانب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہی میں پڑا رہنے دیں اور جس کو چاہیں ہدایت سے نوازیں۔ اس لئے ہدایت کا طالب ہر کسی کو اللہ پاک ہی سے ہونا چاہئے۔ اور اسی سے ہدایت اور صراط مستقیم کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ اور اس کی تاکید خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہر اہل ایمان کو اس طرح کی گئی ہے کہ ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہنے کی تلقین فرمائی گئی یعنی اے اللہ ہم کو سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔ حق تعالیٰ ہمیں حق و باطل کی تمیز اور حق پر قائم رہنے اور باطل سے گریز اور بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ

اور اللہ ایسا ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو خشک قطعۂ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے (پانی کے)

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ۭ

ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اسی طرح (قیامت میں آدمیوں کا) جی اُٹھنا ہے۔ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو تمام تر عزت خدا ہی کیلئے ہے،

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ

اچھا کلام اُسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے، اور جو لوگ بُری بُری تدبیریں کررہے ہیں ان کو

عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ ۝۱۰

سخت عذاب ہوگا، اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست و نابود ہو جائے گا۔

وَاللّٰهُ اور اللہ	الَّذِیْ وہ جس نے	اَرْسَلَ بھیجا	الرِّیٰحَ ہوائیں	فَتُثِیْرُ پھر وہ اٹھاتی ہیں	سَحَابًا بادل	فَسُقْنٰهُ پھر ہم اسے لے گئے	اِلٰی طرف
بَلَدٍ مَّیِّتٍ مردہ شہر	فَاَحْیَیْنَا پھر ہم نے زندہ کیا	بِهٖ اس سے	الْاَرْضَ زمین	بَعْدَ مَوْتِهَا اسکے مرنے کے بعد	كَذٰلِكَ اسی طرح		
النُّشُوْرُ جی اٹھنا	مَنْ جو کوئی	كَانَ یُرِیْدُ چاہتا ہے	الْعِزَّةَ عزت	فَلِلّٰهِ تو اللہ کیلئے	الْعِزَّةُ عزت	جَمِیْعًا تمام تر	اِلَیْهِ اس کی طرف
یَصْعَدُ چڑھتا ہے	الْكَلِمُ الطَّیِّبُ کلام پاکیزہ	وَالْعَمَلُ اور عمل	الصَّالِحُ اچھا	یَرْفَعُهٗ وہ اس کو بلند کرتا ہے	وَالَّذِیْنَ اور جو لوگ	یَمْكُرُوْنَ تدبیریں کرتے ہیں	
	السَّیِّاٰتِ بری	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ شَدِیْدٌ عذاب سخت	وَمَكْرُ اور تدبیر	اُولٰٓئِكَ ان لوگوں	هُوَ یَبُوْرُ وہ اکارت جائیگی	

تفسیر و تشریح:۔ شروع سورت میں توحید کا مضمون تھا اسی سلسلہ میں گذشتہ آیات میں آخرت و قیامت کا ذکر فرمایا گیا تھا ساتھ ہی منکرین و مکذبین توحید و رسالت و آخرت کا ذکر ہوا تھا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی تھی۔ اب آگے پھر وہی مضمون توحید و آخرت بیان ہو رہا ہے اور منکرین کو سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ کس طرح دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور وہ مردہ زمین جو گرمی کی شدت سے سوکھی پڑی تھی اور چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی۔ بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے اور جہاں کھیتی و سبزہ کچھ نہ تھا وہ زمین یکا یک لہلہا اٹھتی ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی مرے پیچھے جلا کر کھڑا کر دے گا۔ روایات میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنا چاہے گا تو عرش کے نیچے سے ایک خاص قسم کی بارش ہوگی جس کا پانی پڑتے ہی مُردے اس طرح جی اٹھیں گے جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اگ آتا ہے تو منکرین آخرت کو یہاں بتلایا گیا کہ تم جو اس خیال میں ڈوبے ہوئے ہو کہ دنیا میں جو کچھ بھی من مانی کرتے رہیں وہ وقت کبھی نہیں آنا کہ جب اپنے دنیا میں کئے ہوئے اعمال و افعال کی جوابدہی کے لئے خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ تو یہ خیال بالکل غلط ہے۔ قیامت و آخرت ضرور آنی ہے جبکہ تمام اگلے پچھلے مرے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ کے دربار میں دوبارہ زندہ کر کے حاضر کر دیئے جائیں گے اور بالکل اسی طرح جی اٹھیں گے جس طرح ایک بارش ہوتے ہی سوتی اور مردہ زمین یکا یک لہلہا اٹھتی ہے۔ آگے اس نشور یعنی مرکر دوبارہ زندہ ہونے کی مناسبت سے ایک اور مضمون بیان فرمایا جاتا ہے اور

وہ یہ کہ جب قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا ہے تو وہاں کی ذلت و خواری سے بچنے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص آخرت میں عزت حاصل کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی کو دنیا میں لازم پکڑے اور لباس تقویٰ اختیار کرے۔ جو جس درجہ کی اطاعت و بندگی اختیار کرے گا اور جس درجہ کا تقویٰ اور پرہیز گاری لازم پکڑے گا اسی درجہ کی عزت اس کو آخرت میں حاصل ہوگی۔ تو منکرین توحید ورسالت وآخرت کو بتلایا گیا کہ سچی عزت جس میں ذلت کا شائبہ نہ ہوگا وہ تو اللہ کی اطاعت سے ملے گی اور اس کے رسول سے کفر و بغاوت کر کے جو عزت تم نے دنیا میں بنا رکھی ہے یہ تو ایک جھوٹی عزت ہے جس کو دیر یا سویر خاک ہی میں ملنا ہے۔ حقیقی عزت اور پائیدار عزت جو دنیا سے لے کر عقبیٰ تک کبھی ذلت آشنا نہیں ہوسکتی وہ صرف خداوند قدوس سے حاصل ہوسکتی ہے اور خدا کی بندگی سے میسر آسکتی ہے۔ اس کے ہو جاؤ گے تو وہ تمہیں مل جائے گی اور اس سے منہ موڑو گے تو انجام کار ذلیل وخوار ہونا پڑے گا۔ پس اس عزت حقیقی کو خدائے ذوالجلال والاکرام سے حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ قولاً اور فعلاً اس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی جائے کہ خدا کے نزدیک یہی چیزیں پسندیدہ ہیں چنانچہ اچھا کلام یعنی کلمۂ توحید ذکر اللہ اور تلاوۃ القرآن۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ تسبیح تہلیل۔ تحمید اور تمجید۔ علم و نصیحت کی باتیں۔ یہ سب چیزیں بارگاہ رب العزت کی طرف چڑھتی ہیں اور قبولیت کی عزت حاصل کرتی ہیں اور اچھے کلام کے ساتھ اچھے کام بھی ہوں تو وہ اس کو سہارا دے کر اور زیادہ ابھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔ غرض کہ بھلے کام اور اچھے کلام یہ دونوں اللہ کو پسندیدہ ہیں لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے۔

یہاں یہ بات لائق غور ہے کہ قرآن کریم نے کلم الطیب اور عمل الصالح لازم ملزوم کی حیثیت سے بتلائے ہیں۔ تو جو شخص ان دونوں کو اختیار کرے گا وہ اللہ کے نزدیک پوری طرح معزز ہوگا۔ اور جو لوگ اس کے خلاف طریقہ اختیار کر کے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بری بری تدبیریں سوچتے اور حق کے خلاف داؤ گھات میں رہتے ہیں ان کو آخرت میں کوئی عزت نہیں اور سخت عذاب ہوگا جو کہ موجب ان کی ذلت کا ہوگا۔ یہ تو آخرت کا خسران ہوا۔ لیکن دنیا میں بھی ان کو یہ خسران ہوگا کہ ان کی یہ تدبیریں خلاف حق کامیاب نہ ہوں گی اور ان کا مکر نیست و نابود ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کفار عرب اسلام کو مٹانا چاہتے تھے وہ خود ہی مٹ گئے۔ یا قریش نے ''دارالندوہ'' میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنے یا قتل کرنے یا وطن سے نکالنے کے مشورہ کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ بدر کے موقع پر وہی لوگ وطن سے نکلے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل وقید ہوئے۔

دعا کیجئے:

حق تعالیٰ ہم کو ایمان واسلام کے ساتھ کلمہ طیب اور عمل صالحہ نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! جن اعمال صالحہ کی ہم کو توفیق نصیب ہو جائے ان کو اپنی قبولیت سے بھی سرفرازی بخشئے۔

یا اللہ! دنیا کی ذلت اور رسوائی سے ہم کو بچایئے اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بھی ہم کو بچا لیجئے۔

یا اللہ! جو امور آپ کو پسند ہیں اور جس سے دونوں جہاں میں عزت نصیب ہوتی ہے ان کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ اور جو امور آپ کو ناپسند ہیں اور جو ذلت کا باعث ہیں ان سے ہمیں دور رکھئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا، اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ

تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے، اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے، یہ سب

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ

اللہ کو آسان ہے۔ اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں، ایک تو شیریں پیاس بجھانے والا ہے جس کا پینا آسان ہے اور ایک شور تلخ ہے،

وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ

اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور (یعنی موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو، اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھتا ہے

مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي

پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کی روزی ڈھونڈو اور تاکہ تم شکر کرو۔ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے،

الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ

اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے،

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ

اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار سنیں گے نہیں،

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع

اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کرینگے، اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے، اور تجھ کو خبر رکھنے والے کے برابر کوئی نہیں بتلا وے گا۔

وَاللّٰهُ اور اللہ	خَلَقَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	مِنْ تُرَابٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر	مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے	ثُمَّ جَعَلَكُمْ پھر اس نے تمہیں بنایا		
اَزْوَاجًا جوڑے جوڑے	وَمَا اور نہ	تَحْمِلُ حاملہ ہوتی ہے	مِنْ اُنْثٰى کوئی عورت	وَلَا تَضَعُ اور نہ جنتی ہے	اِلَّا مگر	بِعِلْمِهٖ اسکے علم میں ہے	
وَمَا اور نہیں	يُعَمَّرُ عمر پاتا	مِنْ مُّعَمَّرٍ کوئی بڑی عمر والا	وَلَا يُنْقَصُ اور نہ کمی کی جاتی ہے	مِنْ عُمُرِهٖ اس کی عمر سے	اِلَّا مگر	فِيْ كِتٰبٍ کتاب میں	
اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرٌ آسان	وَمَا يَسْتَوِيْ اور برابر نہیں	الْبَحْرٰنِ دونوں دریا	هٰذَا یہ	عَذْبٌ فُرَاتٌ شیریں پیاس بجھانے والا
سَآئِغٌ شَرَابُهٗ آسان اس کا پینا	وَهٰذَا اور یہ	مِلْحٌ اُجَاجٌ شور تلخ	وَمِنْ كُلٍّ اور ہر ایک سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	لَحْمًا گوشت	طَرِيًّا تازہ	
وَتَسْتَخْرِجُوْنَ اور تم نکالتے ہو	حِلْيَةً زیور	تَلْبَسُوْنَهَا جس کو پہنتے ہو تم	وَتَرَى اور تو دیکھتا ہے	الْفُلْكَ کشتیاں	فِيْهِ اس میں		
مَوَاخِرَ چیرتی ہیں پانی کو	لِتَبْتَغُوْا تاکہ تم تلاش کرو	مِنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل سے روزی	وَلَعَلَّكُمْ اور تاکہ تم	تَشْكُرُوْنَ تم شکر کرو			

يُوْلِجُ الَّيْلَ وہ داخل کرتا ہے رات	فِی النَّهَارِ دن میں	وَيُوْلِجُ النَّهَارَ اور داخل کرتا ہے دن کو	فِی الَّيْلِ رات میں	وَسَخَّرَ اور اس نے مسخر کیا		
الشَّمْسَ سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	كُلٌّ يَّجْرِیْ ہر ایک چلتا ہے	لِاَجَلٍ ایک وقت	مُّسَمًّى مقررہ	ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہی ہے اللہ	رَبُّكُمْ تمہارا پروردگار
لَهُ الْمُلْكُ اس کیلئے بادشاہت	وَالَّذِيْنَ اور جن کو	تَدْعُوْنَ تم پکارتے ہو	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	مَا يَمْلِكُوْنَ وہ مالک نہیں	مِنْ قِطْمِيْرٍ کھجور کی گٹھلی کا چھلکا	
اِنْ اگر	تَدْعُوْهُمْ تم ان کو پکارو	لَا يَسْمَعُوْا وہ نہیں سنیں گے	دُعَآءَكُمْ تمہاری پکار (دعا)	وَ اور	لَوْ اگر	سَمِعُوْا وہ سن لیں
مَا اسْتَجَابُوْا وہ حاجت پوری نہ کرسکیں گے	لَكُمْ تمہاری	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور روز قیامت	يَكْفُرُوْنَ وہ انکار کریں گے	بِشِرْكِكُمْ تمہارے شرک کرنیکا		
وَلَا يُنَبِّئُكَ اور تجھ کو خبر نہ دے گا	مِثْلُ مانند	خَبِيْرٍ خبر دینے والا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اثبات توحید اور رد شرک کے سلسلہ میں حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ایک مظہر یعنی بعث بعد الموت اور حشر ونشر بیان فرمایا گیا تھا۔ اب آگے ان آیات میں قدرت خداوندی کے بعض دوسرے مظاہر جو توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں بیان فرمائے گئے ہیں اور ان آیات میں تمام انسانوں کو خطاب کر کے پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی کہ انسان کی پیدائش پہلے براہ راست مٹی سے کی گئی یعنی حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اور پھر نسل انسانی کو ایک حقیر پانی یعنی نطفہ سے جاری رکھا۔ اللہ نے مرد وعورت کے جوڑے بنادیئے جس سے نسل انسانی دنیا میں پھیلی یہ تو اس کی قدرت عظیمہ کا بیان ہوا۔ آگے اس کے علم کا بیان ہے کہ ہر حاملہ کے حمل کی اور ہر بچہ کے تولد ہونے کا علم اس کو ہے اور اس عالم الغیب کو یہ بھی علم ہے کہ کس نطفہ کو لمبی عمر ملنے والی ہے کس کو کم عمر ملنے والی ہے اور استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو دور اس پر گزرتے ہیں جس کو ماں باپ بھی نہیں جانتے سب کا علم خدا ہی کو ہے۔ پھر جس کی جتنی عمر ہے وہ سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اللہ نے اپنے علم قدیم کے موافق لوح محفوظ میں سب ثبت فرمادیا ہے۔ اور اللہ کو ان جزئیات پر احاطہ رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ اس کو تو تمام ماکان ویکون۔ جزئی۔ کلی اور غیب وشہادت کا علم ازل سے حاصل ہے۔ آگے اللہ کی قدرت کے اور دلائل بیان فرمائے جاتے ہیں کہ دیکھو۔ اللہ نے اپنی قدرت سے دو قسم کے پانی پیدا کردیئے۔ ایک تو صاف ستھرا۔ میٹھا عمدہ پانی جو پینے میں لذیذ اور تسکین دہ ہے جیسے دریاؤں اور نہروں وچشموں کا اور دوسرا کھاری کڑوا اور تلخ پانی جیسے سمندروں کا۔ پھر یہ بھی اس کی قدرت ہے کہ اس نے پانی میں مچھلیاں پیدا کردیں جس کو انسان نکال کر انکا گوشت کھاتے ہیں۔ پھر اسی پانی میں موتی۔ مونگا۔ مرجان وغیرہ پیدا کئے جسے انسان نکال کر زیورات یعنی سامان آرائش بناتے ہیں اور پہنتے ہیں۔ پھر اسی پانی میں کشتیاں اور جہازوں سے انسان سفر کرتے ہیں جو پانی کو چیر کر اور کاٹ کر چلتے ہیں اور اس طرح بڑے بڑے تجارتی سفران پر طے ہوتے ہیں اور سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتے ہیں۔ انسانوں کے لئے یہ سب چیزیں نفع حاصل کرنے کے لئے اللہ نے بنادی ہیں تا کہ انسان اللہ کا فضل اور روزی تلاش کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔ آگے اور اپنی قدرت کاملہ کا بیان اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے رات کو اندھیرے والی اور دن کو روشنی والا بنایا۔ کبھی راتیں بڑی۔ کبھی دن بڑے۔ کبھی دونوں یکساں۔ کبھی جاڑے۔ کبھی گرمیاں۔ اسی نے سورج اور چاند کو اور ایک جگہ جمے ہوئے اور چلتے پھرتے سیاروں اور ستاروں کو مطیع کر رکھا ہے کہ مقدار معین پر خدا کی طرف سے مقرر شدہ چال پر چلتے رہتے ہیں۔ یہ نظام اس قدرت والے اور علم والے خدا نے قائم کر رکھا ہے اور مقررہ

وقت یعنی قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ تو جس اللہ نے یہ سب کچھ کیا ہے اور مقررہ وقت یعنی قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ تو جس اللہ نے یہ سب کچھ کیا ہے اور جیسا علم اور قدرت والا ہے جس کے نمونہ اوپر بیان کئے گئے وہی دراصل لائق عبادت ہے اور اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت و بندگی نہیں۔ اب ان مشرکین نے جو دیوی اور دیوتا بنا رکھے ہیں یا جن بتوں کی یہ پرستش کرتے ہیں یا جن جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں خواہ وہ فرشتے ہی کیوں نہ ہوں لیکن یہ سب کے سب محض مجبور اور خدائی قدرت کے سامنے بالکل بے بس و بے کس ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک چھلکے جیسی چیز کا بھی انہیں اختیار نہیں۔ آسمان و زمین کی حقیر سے حقیر چیز کے بھی وہ مالک نہیں، جن کو یہ مشرکین خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی آواز تک تو سنتے نہیں اور اگر بالفرض وہ ان کی پکار سن بھی لیں تو چونکہ ان کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں اس لئے وہ ان کی حاجت براری نہیں کر سکتے بلکہ قیامت کے دن اس شرک سے وہ انکاری ہو جائیں گے اور مشرکین کی ان مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔ تو بھلا بتلاؤ کہ خدا جیسی سچی خبریں اور کون دے سکتا ہے۔ اور اللہ سے زیادہ احوال کو کون جاننے والا ہے۔ جب وہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آ سکتے تو ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائے گا۔ مطلب یہ کہ جو اس نے فرمایا وہ یقیناً ہو کر ہی رہے گا اور جو کچھ ہونے والا ہے اس سے خدا تعالیٰ پورا خبردار ہے اس جیسی خبر کوئی اور نہیں دے سکتا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں تمام انسانوں کو بتلایا گیا کہ جس خدا نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تم کو ایک مقررہ عمر عطا فرمائی۔ اور جس نے اپنی قدرت سے دریا و سمندر کا میٹھا اور شیریں پانی بھی بنایا اور کڑوا و تلخ بھی۔ جس میں سے انسان مچھلیاں اپنی غذا کے لئے پکڑتے ہیں اور موتی وغیرہ جیسے قیمتی سامان آرائش حاصل کرتے ہیں۔ اور جس خدا نے یہ چاند۔ سورج اور دن رات کا نظام مقرر کیا اور اس کو قائم رکھا۔ اسی پروردگار عالم کو سب قدرت و سلطنت حاصل ہے اور سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو ایسے خدا کے ساتھ ایسوں کو معبود بنانا کہ جو نہ کسی شے کے مالک ہیں نہ خالق ہیں۔ اور نہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں کہاں کی عقل ہے اور کس طرح یہ انسان کے لئے زیبا ہے کہ خدائے واحد کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کر کے شرک و کفر میں گرفتار ہو۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا۔ اور پھر ہم کو زندگی عطا فرمائی تاکہ ہم حق تعالیٰ کی عبادت و بندگی کر سکیں۔

حق تعالیٰ ہم کو توحید کے ساتھ اسلام و ایمان کامل بھی نصیب فرمائیں۔ اور اپنی جملہ عطا کردہ نعمتوں کی شکر گزاری اور ان کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ

اے لوگو تم خدا کے محتاج ہو، اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تم کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق پیدا کردے۔

بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ

اور یہ بات خدا کو کچھ مشکل نہیں۔ اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اُٹھاوے گا، اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا

مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَىْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰٓ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ

کسی کو اپنا بوجھ اُٹھانے کیلئے بلاوے گا (بھی) تب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ بٹایا جاوے گا اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو آپ تو صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں

رَبَّهُم بِٱلْغَيْبِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ وَمَن تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِۦ ۚ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٨﴾

جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِى ٱلْأَعْمَىٰ وَٱلْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا ٱلظُّلُمَٰتُ وَلَا ٱلنُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا ٱلظِّلُّ وَلَا ٱلْحَرُورُ ﴿٢١﴾

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہوسکتے۔ اور نہ تاریکی اور روشنی۔ اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ۔

وَمَا يَسْتَوِى ٱلْأَحْيَآءُ وَلَا ٱلْأَمْوَٰتُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَآءُ ۖ وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن

اور زندے اور مُردے برابر نہیں ہوسکتے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے سُنوا دیتا ہے، اور آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو

فِى ٱلْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ

قبروں میں ہیں۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ ہم نے ہی آپ کو (دین) حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی

إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم

جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہوگذرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا (اور) ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر

بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَبِٱلزُّبُرِ وَبِٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾ ع

معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ پھر میں نے اُن کافروں کو پکڑ لیا سو میرا کیسا عذاب ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اَنْتُمْ تم	الْفُقَرَآءُ محتاج	اِلَى اللّٰهِ اللہ کے	وَاللّٰهُ اور اللہ	هُوَ وہ	الْغَنِىُّ بے نیاز	الْحَمِيْدُ سزاوار حمد	اِنْ يَّشَاْ اگر وہ چاہے
يُذْهِبْكُمْ تمہیں لے جائے	وَيَاْتِ اور لے آئے وہ	بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ نئی خلقت	وَمَا اور نہیں	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	بِعَزِيْزٍ دشوار		
وَلَا تَزِرُ اور نہیں اٹھائے گا	وَازِرَةٌ کوئی اٹھانے والا	وِزْرَ اُخْرٰى بوجھ دوسرے کا	وَاِنْ اور اگر	تَدْعُ بلائے	مُثْقَلَةٌ کوئی بوجھ لدا ہوا			
اِلٰى حِمْلِهَا طرف لئے اپنا بوجھ	لَا يُحْمَلْ نہ اٹھائے گا وہ	مِنْهُ اس سے	شَىْءٌ کچھ	وَلَوْ كَانَ خواہ ہوں	ذَا قُرْبٰى قرابت دار	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں (صرف)		

تُنْذِرُ آپ ڈراتے ہیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَخْشَوْنَ ڈرتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنا رب	بِالْغَيْبِ بن دیکھے	وَاَقَامُوا اور قائم رکھتے ہیں	الصَّلٰوةَ نماز	
وَمَنْ اور جو	تَزَكّٰى پاک ہوتا ہے	فَاِنَّمَا تو صرف	يَتَزَكّٰى وہ پاک صاف ہوتا ہے	لِنَفْسِهٖ خود اپنے لئے	وَاِلَى اللّٰهِ اور اللہ کیطرف	الْمَصِيْرُ لوٹ کر جانا	
وَمَا يَسْتَوِي اور برابر نہیں	الْاَعْمٰى اندھا	وَالْبَصِيْرُ اور آنکھوں والا	وَلَا الظُّلُمٰتُ اور نہ اندھیرے	وَلَا النُّوْرُ اور نہ روشنی	وَلَا الظِّلُّ اور نہ سایہ		
وَلَا الْحَرُوْرُ اور نہ جھلتی ہوا	وَمَا يَسْتَوِي اور نہیں برابر	الْاَحْيَآءُ زندے	وَلَا اور نہ	الْاَمْوَاتُ مُردے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	يُسْمِعُ سنا دیتا ہے	
مَنْ يَّشَآءُ جس کو وہ چاہتا ہے	وَمَآ اَنْتَ اور تم نہیں	بِمُسْمِعٍ سنانے والے	مَنْ جو	فِي الْقُبُوْرِ قبروں میں	اِنْ اَنْتَ تم نہیں	اِلَّا مگر۔ صرف	
نَذِيْرٌ ڈرانے والے	اِنَّآ بیشک ہم	اَرْسَلْنٰكَ ہم نے آپ کو بھیجا	بِالْحَقِّ حق کیساتھ	بَشِيْرًا خوشخبری دینے والا	وَنَذِيْرًا اور ڈر سنانے والا	وَاِنْ اور نہیں	
مِنْ اُمَّةٍ کوئی اُمت	اِلَّا خَلَا مگر گزرا	فِيْهَا اس میں	نَذِيْرٌ کوئی ڈرانے والا	وَاِنْ اور اگر	يُّكَذِّبُوْكَ وہ تمہیں جھٹلائیں	فَقَدْ كَذَّبَ تو تحقیق جھٹلایا	
الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے اگلے	جَآءَتْهُمْ آئے انکے پاس	رُسُلُهُمْ انکے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ روشن دلائل کیساتھ	وَبِالزُّبُرِ اور صحیفوں کیساتھ		
وَبِالْكِتٰبِ اور کتابوں کیساتھ	الْمُنِيْرِ روشن	ثُمَّ پھر	اَخَذْتُ میں نے پکڑا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا	فَكَيْفَ پھر کیسا	كَانَ ہوا	نَكِيْرِ میرا عذاب

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے مضمون اثبات توحید اور ردِ شرک کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں حق تعالیٰ کی قدرت کا بیان گذشتہ آیات میں ہوا۔ چونکہ کفار توحید الٰہی سے انکار کرتے تھے اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس انکار سے حق تعالیٰ کا کچھ ضرر نہیں بلکہ ان کفار ہی کا ضرر ہے۔ پھر اس ضرر سے کفار کو ڈرایا گیا۔ پھر چونکہ کفار کے انکار اور ان کی تکذیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوتا تھا اس لئے چند مثالیں بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین وتسلی کا مضمون بیان فرمایا گیا۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے تمام انسانوں کو خطاب فرمایا اور سمجھایا گیا کہ تم کو جو یہ توحید کی باتیں اور شرک کی برائی بتلائی جاتی ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان میں حق تعالیٰ کی کوئی غرض ہے۔ حق تعالیٰ تو ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں۔ وہ بے پروا ہے اور سب اس کے حاجتمند ہیں۔ اور انسان تو سب سے زیادہ حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اگر ہوا۔ پانی۔ روشنی۔ حیوانات۔ نباتات میں سے کسی کی کمی ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور خداوند ذوالجلال غنی مطلق اور بے نیاز مطلق ہے۔ اسے نہ کسی کے مال ودولت کی حاجت ہے اور نہ کسی کی عبادت کی حاجت ہے وہ سب سے بے نیاز ہے لہٰذا اس غلط فہمی میں کوئی نہ رہے کہ ہم اسے خدا نہ مانیں گے تو اس کی خدائی نہ چلے گی اور تم اس کی طاعت وبندگی نہ کرو گے تو اس کا کوئی نقصان ہو جائے گا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اس کے محتاج ہو۔ تمہاری زندگی ایک لمحہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی اگر وہ تمہیں زندہ نہ رکھے۔ لہٰذا تمہیں جو توحید اختیار کرنے اور اس کی عبادت وطاعت کرنے کی تاکید کی جاتی ہے اس میں خود تمہارا ہی نفع ہے تمہاری احتیاج دیکھ کر تمہارے نفع کے لئے یہ توحید کی تعلیم کی گئی ہے۔ اگر تم نہیں مانو گے تو تم اپنا ہی ضرر کرو گے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہارے کفر وشرک کی سزا میں تم کو فنا کر دے اور صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور ایک نئی مخلوق کو وجود میں تمہارے بدلہ میں لے آئے جو ہر طرح اس کی فرمانبردار اور اطاعت گزار ہو جیسے آسمانوں پر فرشتے اور ایسا کرنا اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔ لیکن اس نے اپنی مصلحت سے مہلت دے رکھی ہے۔ غرض کفر وعصیان کی سزا کا امکان اور اس وقت یہ حالت ہوگی کہ نہ کوئی از خود دوسرے کا بوجھ اپنے سر رکھے گا کہ اس کے گناہ اپنے اوپر لے لے اور نہ دوسرے کے پکارنے پر اس کا ہاتھ بٹا سکے گا۔ خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں یہ بات

اس بنا پر بھی فرمائی جارہی ہے کہ مکہ معظمہ میں جولوگ اسلام قبول کررہے تھے تو ان سے ان کے مشرک رشتہ دار اور برادری کے لوگ کہتے تھے کہ تم ہمارے کہنے سے اس نئے دین کو چھوڑ دو اور دین آبائی پر قائم رہو اگر تمہیں کچھ عذاب یا سزا ہو تو ہماری گردن پر۔ اس لئے یہاں بتلا دیا گیا کہ قیامت کے دن کوئی اپنے گناہوں کا بوجھ دوسرے پر لادنا چاہے تو یہ چاہت اس کی پوری نہ ہوگی اور نہ کوئی اسے ملے گا کہ اس کا بوجھ اٹھالے۔ عزیز واقارب بھی منہ موڑلیں گے اور پیٹھ پھیرلیں گے۔ سب کو نفسی نفسی پڑی ہوگی۔ اور ہر شخص اپنے حال میں مشغول ہوگا پس اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہی سے اس دن بیڑا پار ہوگا۔ پس اے لوگو تم ہوش میں آؤ اور کفر و معصیت کو چھوڑ دو۔ ورنہ اس کفر و بدعملی کا خمیازہ خود ہی بھگتنا ہوگا۔ یہ تو تنبیہ منکرین کو تھی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر آپ کی تسلی کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین کے انکار و تکذیب پر جس کی سزا یہ ایک دن ضرور بھگتیں گے اس قدر غم وافسوس کیوں کرتے ہیں۔ آپ کے ڈرانے سے وہی اپنا رویہ درست کر کے نفع اٹھائے گا جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور ڈر کر اس کی بندگی میں لگا رہتا ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہوگا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ آپ کی نصیحت سن کر جو شخص مان لے اور اپنا حال درست کر لے تو کچھ آپ پر یا خدا پر احسان نہیں۔ بلکہ اسی کا فائدہ ہے اور یہ فائدہ پوری طرح اس وقت ظاہر ہوگا جب سب اللہ کے ہاں لوٹ کر جائیں گے پس اگر ایمان لائیں گے تو ان کا اپنا نفع ہے اور کفر پر جمے رہیں گے تو بھی ان کا اپنا نقصان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اس قدر غم فرماتے ہیں۔ آگے بعض مثالوں کے ذریعہ مومن اور کافر کے حال و مستقبل کا فرق بتایا گیا

ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ضد ہیں یعنی مومن جس کو اللہ نے دل کی آنکھیں دی ہیں۔ حق کے اجالے اور وحی الٰہی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا جنت کے باغوں اور رحمت الٰہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ کیا اس کی برابری وہ کافر کر سکے گا جو دل کا اندھا ہو اور ہوا و ہوس کی ضلالت و اندھیروں میں بھٹکتا ہو اور جہنم کی آگ اور اس کی جھلس دینے والی لپٹوں کی طرف بے تحاشہ چلا جارہا ہے۔ ہرگز نہیں ایسا ہو تو یوں سمجھو کہ مردہ اور زندہ برابر ہوگیا۔ حالانکہ فی الحقیقت مومن اور کافر میں اس سے بھی زیادہ فرق ہے۔ کہ جو ایک زندہ تندرست آدمی اور مردہ لاش میں ہوتا ہے۔ اصلی اور دائمی زندگی صرف روح ایمان سے ملتی ہے بدوں اس کے انسان کو ہزار مردوں سے بدتر مردہ سمجھنا چاہئے۔

یہاں چار مثالیں دی گئیں جس سے مومن اور کافر کے فرق کو سمجھایا گیا۔ پہلی مثال اعمٰی اور بصیر سے دی گئی یعنی کافر کی مثال اندھے کی سی ہے اور مومن کی مثال آنکھوں والے کی سی ہے اور ظاہر ہے کہ اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر نہیں سمجھے جاتے۔ دوسری مثال ظلمت اور نور سے دی گئی یعنی کافر کی مثال ظلمت اور تاریکی کی سی ہے اور مومن کی مثال نور اور روشنی کی سی ہے اور ظاہر ہے کہ اندھیرا اور روشنی یکساں نہیں ہو سکتے۔ تیسری مثال ظل اور حرور یعنی ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش سے دی گئی یعنی مومن کے ایمان پر جو ثمرہ جنت وغیرہ مرتب ہوگا اس کی مثال ٹھنڈے سایہ کی سی ہے اور کافر کے کفر پر جو ثمرۂ جہنم مرتب ہوگا اس کی مثال جلتی ہوئی دھوپ کی سی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں یکساں نہیں۔ چوتھی مثال زندہ اور مردہ کی دی گئی یعنی مومن مثل زندہ شخص کے ہے اور کافر مثل مردہ لاش کے ہے۔ اور دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ کافر مثل مردہ کے ہیں تو مردوں کو زندہ کرنا خدا کی قدرت میں تو ہے

بندہ کی قدرت میں نہیں پس اگر خدا ہی ان کو ہدایت کرے تب تو اور بات ہے باقی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی کوشش سے یہ لوگ ایمان قبول کرنے والے نہیں کیونکہ ان کی مثال مردوں کی سی ہے۔اسی طرح سمجھ لیا جائے کہ پیغمبر کا کام پیغام پہنچا دینا اور بھلے اور برے سے آگاہ کر دینا ہے۔کوئی مردہ کافر اگر پیغمبر کی بات نہ سنے تو یہ پیغمبر کے بس کی بات نہیں کہ زبردستی ان سے بات منوالیں اور ایمان ان کے دلوں میں اتار دیں۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کام لوگوں کو خبردار کرنے کا ہے اس کے بعد اگر کوئی ہوش میں نہیں آتا اور گمراہیوں میں بھٹکتا رہتا ہے تو اس کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور اہل ایمان کو ایمان لانے کی وجہ سے خوشخبری سنانا اور کافروں کو کفر کی سزا سے ڈرانا یہ آپ کا کام ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر امت میں نبی یا رسول آتا رہا تا کہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور باایں ہمہ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں۔تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کے لئے کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی خدا کے رسولوں کو جھٹلایا جو بڑے بڑے معجزات اور کھلی کھلی دلیلیں۔صاف صاف آیتیں اور نورانی صحیفے لے کر آئے تھے۔آخر ان کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں عذاب وسزا میں گرفتار کر لیا گیا اور آپ دیکھ لیجئے کہ پھر وہ کس طرح تباہ و برباد ہوئے۔اسی طرح ان کفار کو تکذیب کرنے پر وقت آنے پر سزا مل جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں کفار ومشرکین کو سمجھایا گیا کہ اگر تم توحید کو اختیار نہیں کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے اور امکان ہے کہ دنیا میں بھی اس کفر و نافرمانی کی سزا بھگتو اور آخرت میں تو یقیناً بھگتنا ہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کفار کے ایمان نہ لانے سے جو صدمہ اور رنج وغم ہوتا تھا اس پر آپ کی تسلی کی گئی اور گذشتہ امتوں اور پیغمبروں کا حال اجمالاً سنایا گیا کہ گذشتہ کفار بھی اپنے پیغمبر کی نافرمانی وتکذیب پر پکڑے گئے اسی طرح وقت آنے پر ان کفار مکہ کو بھی سزا ملے گی۔اب ان آیات میں مومن اور کافر کے فرق کے سلسلہ میں کفار کی مثال مردوں سے اور مومنین کی مثال زندوں سے دی گئی ہے اور اسی سلسلہ میں ایک جملہ

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ

فرمایا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔"

اسی مضمون کا ایک جملہ ۲۱ ویں پارہ سورۂ روم کی آیت نمبر ۵۲ میں فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (سو آپ مردوں کو تو نہیں سنا سکتے) آیا ہے اور ایسا ہی بیسویں پارہ سورۂ نمل کی آیت نمبر ۸۰ میں اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے) گزر چکا ہے جہاں ان جملوں کی ضروری تشریح ہو چکی ہے۔ جہاں ان مردوں سے مراد زندہ کفار ہیں۔اسی طرح یہاں آیت میں بھی مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ سے مراد زندہ کفار ہیں اور یہاں سنانے سے مراد وہ سنانا ہے جو مفید۔ موثر اور نافع ہو ورنہ مطلق سنانا تو کفار کو ہمیشہ ہوتا ہی رہا اور مشاہدہ میں آتا رہا کہ ان کو تبلیغ ہوتی تھی اور وہ سنتے تھے اس لئے مراد اس جملہ کی یہ ہے کہ جس طرح آپ مردوں کو کلام حق سنا کر راہ حق پر نہیں لا سکتے کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے آخرت کے دارالجزاء میں منتقل ہو چکے ہیں۔وہاں اگر وہ ایمان کا اقرار بھی کر لیں تو معتبر نہیں اسی طرح کفار کا حال ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ مردوں کے سنانے کی جو نفی اس جملہ میں کی گئی ہے اس سے مراد خاص اسماع نافع ہے جس کی وجہ سے سننے والا باطل کو چھوڑ کر حق پر آ جائے۔اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مسئلہ سماع موتی سے یعنی مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔

(معارف القرآن صفحہ ۳۴۴ جلد ہفتم از حضرت مفتی صاحبؒ)

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور اس کے متعلق ''مسئلہ سماع اموات'' کے زیر عنوان جو تحقیق حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا باہم اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لئے دوسرے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہوگئے۔ بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ مذکورہ بالا تینوں مواقع میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں جگہ (یعنی یہاں سورۂ فاطر میں۔ سورۂ روم اور سورۂ نمل میں) نفی اس کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں جگہ اسی تعبیر اور عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہوسکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو سنا نہیں سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارہ میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۶۹۔۱۷۰)

(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے) یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے اموات کے لئے نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوگیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسری اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سماع اموات کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے۔

''جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردہ کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔''

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کی روح اس دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا سننا اور ہمارا سنانا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں۔ جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلا دیا کہ حق تعالیٰ مردہ کی روح واپس لا کر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔ باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ مردہ ان کو سنے گا یا نہیں اسی لئے امام غزالیؒ اور علامہ سبکیؒ وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیح اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے۔ اس طرح آیات و روایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں۔ بعض کے کلام کو نہ سنیں۔ یا بعض مردے سنیں۔ بعض نہ سنیں۔ کیونکہ سورۂ نمل، سورۂ روم، سورۂ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں۔ اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے۔ نہ قطعی نفی کی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔'' (معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۶۰۲ تا ۶۰۴)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو جو توحید کی دولت عطا فرمائی اس پر ہمیں شکر گزاری کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہم کو دین اسلام پر استقامت اور مضبوطی سے جمنا نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے مومنین ومخلصین بندوں میں شامل رکھیں اور کفر وشرک کی باتوں سے ہمیں کامل طور پر بچا دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کی جو خوشخبریاں مومنین کے لئے سنائی ہیں۔ یا اللہ اپنے فضل سے ہمیں بھی ان خوشخبریوں کا مصداق بنا دیجئے اور جن باتوں سے آپ نے ڈرایا ہے اور منع فرمایا ہے ان سے ہمیں باز رہنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ

(اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے، اور

الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ

پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعضے) سفید (بعضے) سُرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بعضے بہت گہرے سیاہ۔ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں

وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿٢٨﴾

اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں، خدا سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں، واقعی اللہ زبردست بخشنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	اَنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	اَنْزَلَ اُتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	فَاَخْرَجْنَا پھر ہم نے نکالے	بِهٖ اس سے		
ثَمَرٰتٍ پھل	مُّخْتَلِفًا مختلف	اَلْوَانُهَا ان کے رنگ	وَ اور	مِنَ الْجِبَالِ پہاڑوں سے۔ میں	جُدَدٌۢ بِيْضٌ قطعات سفید	وَّحُمْرٌ اور سُرخ		
مُّخْتَلِفٌ مختلف	اَلْوَانُهَا ان کے رنگ	وَغَرَابِيْبُ گہرے رنگ	سُوْدٌ سیاہ	وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں سے۔ میں	وَالدَّوَآبِّ اور جانور			
وَالْاَنْعَامِ اور چوپائے	مُخْتَلِفٌ مختلف	اَلْوَانُهٗ ان کے رنگ	كَذٰلِكَ سی طرح	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	يَخْشَى ڈرتے ہیں	اللّٰهَ اللہ	مِنْ سے	
عِبَادِهِ اسکے بندے	الْعُلَمٰٓؤُا علم والے	اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ	عَزِيْزٌ غالب	غَفُوْرٌ بخشنے والا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے مضمون توحید کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی شان خلاقی ورزاقی اور اس کے کمالات وانعامات واحسانات کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے اسی سلسلہ میں ان آیات میں بعض عجائبات قدرت کو ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات کو دیکھو کہ ایک ہی قسم کی چیزوں میں گوناگوں نمونے نظر آتے ہیں۔ ایک زمین۔ ایک پانی ایک ہوا اسی سے مختلف قسم کے رنگ برنگ کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی سرخ۔ کوئی سبز کوئی سفید اور پھر ہر ایک کی خوشبو الگ اور ہر ایک کا ذائقہ جداگانہ۔ تو انسان غور وفکر سے دیکھے تو نباتات میں اللہ کی قدرت کے کرشمہ نظر آئیں گے۔ پھر جمادات کی طرف نظر کرے مثلاً پہاڑوں کو دیکھے تو یہاں بھی قدرت کی نیرنگی نظر آتی ہے۔ پہاڑوں کی یہ پیدائش بھی قسم قسم کی ہے کوئی سفید ہے۔ کوئی سرخ ہے کوئی سیاہ ہے۔ کسی میں راستے اور گھاٹیاں ہیں۔ کوئی سرسبز ہے کوئی بنجر ہے۔ کوئی لمبا ہے۔ کوئی ناہموار ہے۔ غرض کہ طرح طرح کے پتھر۔ چٹانیں طرح طرح کی شکلوں اور رنگوں کے کس نے بنائے؟ نباتات اور جمادات کے بعد حیوانات پر غور کرو۔ تو یہاں بھی انسانوں۔ جانوروں چوپایوں۔ درندوں پرندوں۔ چرندوں۔ کیڑوں مکوڑوں میں مختلف اور رنگ برنگ کی مخلوق موجود ہے۔ انسانوں میں کوئی حبشی بالکل سیاہ فام ہوتے ہیں تو کوئی گورے سفید رنگ کے۔ تو کوئی درمیانی۔ پھر رنگتوں کے ساتھ انسان کی بول چال کا اختلاف۔ پھر انسان کی طبائع۔ خواہشات۔ جذبات ومیلانات کا اختلاف۔ کوئی ایک بات پسند کرتا ہے تو دوسرا اسے ناپسند کرتا ہے کوئی اللہ کو مانتا ہے تو کوئی اس کا انکار کرتا ہے۔ کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو کوئی اس سے نڈر ہے۔ پھر انسانوں کے بعد دیگر حیوانات پر نظر ڈالی جائے تو ان میں بھی رنگ وروپ علیحدہ علیحدہ۔ بلکہ ایک ہی قسم کے جانوروں میں ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں بلکہ ایک ہی جانور کے جسم پر کئی کئی قسم کے رنگ ہوتے ہیں۔ الغرض کائنات کی ہر چیز اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ اس کا خالق کوئی زبردست حکیم ہے۔ اس کا بنانے والا کوئی بے نظیر خلاق اور کوئی بے مثل صانع ہے۔ انسان غور تو کرے کہ اس سے حق تعالیٰ کا کس قدر کمال قدرت وصنعت ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیا خدا کے سوا کسی اور میں یہ بات ہے؟ ہر گز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ معبود ہونے کے لائق صرف

17 اسی کی ایک ذات ہے جو اس درجہ کا خالق۔ رازق اور حکیم ہو۔ مقصود یہاں یہ سمجھانا ہے کہ انسانوں کو خدا کی ذات کو پہچاننا چاہئے اور اس کی توحید کو اختیار کرنا چاہئے اور کفر و شرک سے توبہ کر کے باز رہنا چاہئے۔ آگے ایک حقیقت کا اظہار فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ بات دراصل یہ ہے کہ خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اور جو جاہل ہیں۔ جیسے یہ مشرکین وہ کیا ڈریں گے۔ یعنی جو شخص اللہ کی صفات و کمالات سے جتنا زیادہ ناواقف ہوگا وہ اس سے اتنا ہی بے خوف اور نڈر ہوگا اور جس شخص کو اللہ کی قدرت۔ اس کے علم۔ اس کی حکمت اس کی قہاری اور جباری اور اس کی دوسری صفات کی جتنی معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی وہ اس کی نافرمانی سے خوف کھائے گا۔ اور اسی قدر اس عظیم قدیر اور علیم و حکیم خدا کی عظمت اور ہیبت اس کے دل میں بڑھے گی۔ اور اسی قدر اس کی خشیت اس کے دل میں زیادہ ہوگی۔ جو جانے گا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے وہ قدم قدم پر اس سے ڈرتا اور خوف کھاتا رہے گا۔ جو اللہ کی عظمت و جلال اور آخرت کے بقا و دوام اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھے گا اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھے گا تو جس میں یہ فکر و سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرنے والا ہوگا۔ اور جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہاں آیت میں اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں) اس جملہ کی تشریح میں علامہ مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ خدا کے ساتھ سچا علم اسے حاصل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتائے ہوئے کاموں کو حرام جانے اس کے فرمان پر یقین کرے۔ اس کی وصیت کی نگہبانی کرے۔ اس کی ملاقات کو برحق جانے۔ اپنے اعمال کے حساب کو سچ سمجھے۔ خوف و خشیت ایک قوت ہوتی ہے جو بندے کے اور خدا کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ آگے علامہؒ لکھتے ہیں کہ عالم کہتے ہی اسے ہیں جو درپردہ بھی خدا سے ڈرتا ہے اور خدا کی رضامندی کی رغبت رکھتا ہے اور اس کی ناراضگی کے کاموں سے نفرت رکھتا ہے۔ محققین و مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں علما یعنی علم والوں سے مراد اصطلاحی علماء نہیں ہیں جو فلاں فلاں کتابیں پڑھ چکے ہیں یا فلاں امتحان کی سند رکھتے ہیں بلکہ وہ اشخاص مراد ہیں جن کے دلوں میں خدا ترسی موجود ہو جو اللہ اور اس کے احکام کی معرفت رکھتے ہوں اور ان کا عمل بھی ان کے مرتبہ علم و معرفت کے متناسب رہتا ہو اس لئے یہاں آیت میں علم سے مراد۔ فلسفہ اور سائنس اور تاریخ اور ریاضی وغیرہ درسی علوم سے نہیں بلکہ صفات و احکام الٰہی کا علم مراد ہے۔ اس موقع پر حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ یاد آئے کہ یہ آزادی کا زمانہ ہے اور ہر بددین کے ہاتھ میں قلم اور سامنے لاوارث قرآن ہے جس کا جی چاہتا ہے اس کے مطلب پر حکومت کرتا ہے۔ اگر خود خداوند عالم نے اس کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا ہوتا تو بعید نہ تھا کہ یہ بے خوف بہادر اس کی لفظی اور معنوی تحریف میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے (ختم نبوت ص ۱۱۶) حضرت مفتی صاحبؒ کے ان الفاظ کی تائید میں اور یہاں آیت کے اس جملہ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا کے مطلب کے سلسلہ میں آپ کو حال ہی کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ گذشتہ ماہ فروری ۶۸ء میں آپ کے پاکستان میں وزارت قانون کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں تمام اسلامی ممالک سے اہم شخصیتوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اخبار میں حضرات نے اس عالمی اسلامی کانفرنس کی روئیداد اخباروں یا رسالوں وغیرہ میں پڑھی ہوگی۔ اسی کانفرنس کے اخیر دن ہمارے مملکت کے ایک وزیر صاحب نے اپنے صدارتی مقالہ میں فرمایا۔ ''مسلمانوں کے زوال کا سبب ان کا مغربی اطوار کو اپنا لینا۔ رقص و سرود کو اختیار کر لینا وغیرہ نہیں ہے جیسا کہ عام طور سے بیان کیا جاتا ہے بلکہ اس کا اصل سبب قرآن کریم میں تدبر اور تفکر کو چھوڑ دینا ہے۔ قرآن کی بنیادی دعوت یہ ہے کہ کائنات میں غور و فکر کیا جائے اسی لئے قرآن کریم علماء ان لوگوں کو کہتا ہے جو صحیح فکر کے ساتھ سائنس کا علم حاصل کریں۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا میں علما سے مراد یہی لوگ ہیں۔'' (البلاغ محرم ۱۳۸۸ھ)

یہ ہمارے ایک منسٹر صاحب کا ارشاد ہے جو یہاں آپ کو یہ نقل کر کے ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ ''یہ آزادی کا زمانہ ہے اور سامنے

لاوارث قرآن ہے۔ جس کا جس طرح جی چاہتا ہے اس کے مطلب پر حکومت کرتا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ذکر اس جگہ میں ضمناً اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا پر آ گیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ باتوں کی زیادتی کا نام علم نہیں۔ علم نام ہے بکثرت خدا سے ڈرنے کا۔ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے کہ کثرت روایات کا نام علم نہیں۔ علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت احمد بن صالح مصریؒ جو ایک مشہور عالم دین گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ علم نام ہے اس کا جس کی تابعداری خدا کی طرف سے فرض ہے یعنی کتاب اور سنت اور جو صحابہ سے پہنچا ہو۔ پھر ان سب سے بالاتر مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ علم تین قسم پر مشتمل ہے۔ ایک آیت محکمہ دوسرے سنت قائمہ۔ تیسرے فریضۂ عادلہ۔ اور ان کے سوا جو کچھ ہے وہ سب زائد ہے۔ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہاں علم سے مراد علم دین ہے۔ آیت محکمہ کتاب اللہ ہے۔ اور سنت قائمہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی اسناد صحیح ہوں اور جن پر صحابہ۔ تابعین اور جمہور امت کا عمل ہو۔ اور فریضۂ عادلہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن پر مسلمان جمع ہو جائیں یعنی اجماع امت۔ الغرض تمام محدثین۔ مفسرین اور علمائے محققین نے اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا کو خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ یہاں علم سے مراد حق تعالیٰ کی صفات۔ عظمت وجلال۔ اور احکام الٰہیہ کا علم مراد لیا ہے۔ نہ کہ سائنس کا علم۔ اخیر میں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست اور بخشنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی بندوں کے ساتھ دو طرح سے ہے۔ وہ زبردست بھی ہے کہ نافرمانوں کو جب چاہے پکڑ لے پھر کسی میں قوت نہیں کہ اس کی پکڑ سے بچ نکلے اور وہ بڑا بخشنے والا بھی ہے کہ اپنے ڈرنے والوں کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

یہاں آخری آیت کے اس جملہ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (یعنی اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں) کے تحت علمائے محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس جملہ میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اور اس کے احکام اور اوامر ونواہی کا علم ہو اور پھر وہ اللہ کے حکموں پر چلتے ہوں۔ جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کا ان کو خوف وخشیت ہوگا۔ خشیت خداوندی علم اور معرفت پر موقوف ہے۔ علم خشیت کے لئے شرط ہے۔ جیسے طہارت نماز کے لئے شرط ہے۔ اور جس علم کے بعد خوف خداوندی حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ علم اللہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اور ایسے عالم جو خدا سے نہ ڈرتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک عالم نہیں اگر چہ دنیا ان کو علامہ کہتی ہو۔ نیز علم سے وہ علم مراد نہیں جو محض قال کے درجہ میں ہو بلکہ وہ علم مراد ہے جو حال کے درجہ میں ہو۔ علم دین سے مقصود تزکیۂ نفس اور اصلاح عمل ہے ورنہ ہیچ ہے۔

حدیث شریف میں ہے **اللھم انی اسئلک من خشیتک ما تحول بینی وبین معاصیک** یا اللہ میں آپ سے آپ کی اتنی خشیت طلب کرتا ہوں کہ جو حائل ہو جائے میرے اور آپ کے معاصی کے درمیان میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان رکاوٹ واقع ہو جائے اور جسے یہ خشیت حاصل نہیں کہ جو عاصی اور معاصی کے درمیان حائل ہو تو سمجھ لو کہ اسے صحیح علم بھی حاصل نہیں۔ اور علمائے ربانی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور انبیاء سب سے زیادہ خداوند ذوالجلال سے ڈرنے والے ہوتے ہیں پس جس عالم میں خوف خداوندی نہ ہو وہ انبیاء کا وارث نہیں۔ اللہ تعالیٰ علم حقیقی کی دولت سے ہم سب کو سرفراز فرمائیں اور اپنی وہ خشیت ہم کو عطا فرمائیں کہ جو ہر طرح کے معاصی سے ہم کو روک دے۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے اُس میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں

يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

وہ اسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی۔ تاکہ اُن کو اُن کی اجرتیں پوری (پوری) دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (بھی) دیں، بیشک وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَتْلُوْنَ جو پڑھتے ہیں	كِتٰبَ اللّٰهِ اللہ کی کتاب	وَ اَقَامُوا اور قائم رکھتے ہیں	الصَّلٰوةَ نماز	وَ اَنْفَقُوْا اور خرچ کرتے ہیں
مِمَّا اس سے جو	رَزَقْنٰهُمْ ہم نے انہیں دیا	سِرًّا پوشیدہ	وَ اور	عَلَانِيَةً علانیہ (ظاہر)	يَرْجُوْنَ وہ امید رکھتے ہیں	تِجَارَةً ایسی تجارت
لَنْ تَبُوْرَ ہرگز گھاٹا نہیں	لِيُوَفِّيَهُمْ تاکہ وہ پورے پورے دے دے	اُجُوْرَهُمْ ان کے اجر	وَ يَزِيْدَهُمْ اور وہ انہیں زیادہ دے	مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے		
اِنَّهٗ بیشک وہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	شَكُوْرٌ قدر دان				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں اور خوف وخشیت رکھتے ہیں جو اللہ کی عظمت وجلال اور صفات وکمال کا علم رکھتے ہیں۔ اب آگے ایسے ہی بندوں کی صفات یعنی خشیت رکھنے والے اہل علم کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ پہلی صفت یہ بتلائی گئی کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تلاوت کتاب اللہ سے مراد یہی ہے کہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ ہمارے پروردگار کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس کے موافق عمل کرتے ہیں۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی ہدایات وتعلیمات کا اتباع کرتے ہیں۔ ورنہ اگر محض تلاوت ہو اور عمل یا عقیدہ اس کے خلاف ہو تو یہ تو اور سخت جرم ہے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ ان کو دنیا وآخرت میں رفعت وعزت عطا فرماتے ہیں اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ حق سبحانہٗ ان کو ذلیل کرتے ہیں امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ بندہ ایک سورت کلام پاک کی پڑھنا شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ تلاوت سے فارغ ہو اور دوسرا شخص ایک سورۃ شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے ختم تک اس پر لعنت کرتے ہیں اور بعض علماء سے منقول ہے کہ آدمی تلاوت کرتا ہے اور خود اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی مثلاً قرآن شریف میں پڑھتا ہے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ اور خود ظالم ہونے کی وجہ سے اس لعنت میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں پڑھتا ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے نیچے ہوں گی۔ ایک کلام پاک کہ جھگڑے گا بندوں سے۔ دوسری چیز امانت ہے۔ تیسری چیز رشتہ داری ہے جو پکارے گی کہ جس شخص نے مجھ کو جوڑا اللہ اس کو رحمت سے ملا دے

اور جس نے مجھ کو توڑا اللہ اپنی رحمت سے اس کو جدا کرے۔ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ ان تین چیزوں کے عرش کے نیچے ہونے سے مقصود ان کا کمال قرب ہے یعنی حق تعالیٰ جل شانہٗ کے عالی دربار میں بہت ہی قریب ہوں گی۔اور قرآن پاک کے جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی رعایت کی۔ اس کا حق ادا کیا۔اس پر عمل کیا۔ان کی طرف سے دربار حق میں کلام پاک سفارش اور شفاعت کرے گا اور ان کے درجہ بلند کرائے گا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اس کو جوڑا مرحمت فرمائیں تو حق تعالیٰ شانہٗ کرامت کا تاج عطا فرمائیں گے۔پھر اور زیادتی کی درخواست کرے گا تو حق تعالیٰ اکرام کا جوڑا عنایت فرمائیں گے پھر درخواست کرے گا کہ یا اللہ آپ اس شخص سے راضی ہوجائیں تو حق سبحانہٗ تعالیٰ اس شخص سے رضا کا اظہار فرمائیں گے اور جن لوگوں نے اس کی حق تلفی کی ہے ان سے قرآن کریم مطالبہ کرے گا کہ میری کیا رعایت کی؟ میرا کیا حق ادا کیا؟اس رعایت اور حق کی ادائیگی پر یاد آیا کہ ہمارے پاکستانی تو کہہ دیں گے کہ ہم نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے سونے کے دھاگہ اور زری سے قرآن پاک لکھوایا۔ یہ لاہور کی ۱۷ جون ۱۹۶۸ء ہی کی خبر ہے کہ محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام زری سے قرآن پاک لکھا جارہا ہے جس کے ۱۱ پارہ مکمل ہو چکے ہیں اور اس پر اب تک ۶۷ ہزار ۱۹۷ روپیہ صرف ہو چکے ہیں اور ۱۹ پارہ جو باقی ہیں اور اسی طرح سنہرے دھاگہ سے لکھے جانے والے ہیں ان پر ایک لاکھ ۴۴ ہزار روپیہ صرف ہوں گے (حریت ۱۹-۶-۶۸) ماشاء اللہ کیا خوب قرآن کا حق ادا کیا جارہا ہے۔ پھر پاکستانی صاحبان کہہ دیں گے کہ ہم نے صد سالہ جشن نزول قرآن منایا تھا۔ چراغاں کئے۔ کانفرنسیں کیں۔ تقریریں ہوئیں۔پھر یہ بھی کہہ دیں گے کہ ہم نے قرآن کے ذریعہ لوگوں کو سینما بینی کی دعوت دی اور قرآن کا حکم وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا یاد دلا کر سینما اور بائیسکوپ میں فلم ''خانہ خدا'' دیکھنے کو جمع کیا اور حج کا شوق دلایا۔ یہ قرآن کا حق ادا کیا جارہا ہے یا اس کی حق تلفی کی جارہی ہے اس کا پتہ دنیا میں نہ سہی تو آخرت میں سامنے آ ہی جائے گا۔الغرض اللہ سے ڈرنے والے بندوں کی پہلی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ دوسری صفت یہ بتائی گئی کہ وہ خصوصیت و اہتمام کے ساتھ نماز کی پابندی رکھتے ہیں تیسری صفت یہ بتائی گئی کہ جو کچھ اللہ نے ان کو دنیا میں رزق و مال دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے پوشیدہ اور علانیہ جیسا موقع ہوتا ہے اور جس طرح بن پڑتا ہے خرچ کرتے ہیں۔گویا ان تین خصوصیات میں سارے ہی دین کا احاطہ ہوگیا۔ قرآن کا علم وعمل۔بدنی عبادات۔مالی عبادات۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے لوگ جو اس کتاب کو عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ نیز بدنی اور مالی عبادات بجا لاتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ایسی زبردست تجارت سوداگری اور بیوپار کے امیدوار ہیں کہ جس میں خسارے اور ٹوٹے کا کوئی احتمال نہیں۔کیونکہ اس سودے کا خریدار کوئی مخلوقات میں سے نہیں ہے کہ جو کبھی تو سودے کی قدر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا بلکہ اس کے خریدار خود حق تعالیٰ ہوں گے جو ضرور حسب وعدہ اس کی قدر فرمائیں گے۔اس لئے اس تجارت میں نقصان کا کسی طرف سے اندیشہ نہیں۔سرتاپا نفع ہی نفع ہے۔تو یہاں آیت میں اہل ایمان کے عمل کو تجارت سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ آدمی تجارت میں اپنا سرمایہ محنت۔ وقت اس امید پر صرف کرتا ہے کہ نہ صرف اصل واپس ملے گا اور نہ صرف وقت اور محنت کی اجرت ملے گی بلکہ کچھ مزید نفع بھی حاصل ہوگا اسی طرح ایک مومن بھی خدا کی فرمانبرداری میں۔اس کی بندگی و طاعت

میں اوراس کے دین کی خاطر جدوجہد میں اپنا مال اپنے اوقات اپنی محنت اور قابلیت اس امید پر کھپا دیتا ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ سے اس کا پورا پورا اجر ملے گا بلکہ وہ خوش ہوکر اپنے فضل سے مزید بہت کچھ عنایت فرمائے گا۔ اخیر میں انه غفورٌ شکورٌ فرمایا یعنی بے شک وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ یعنی اہل ایمان کے اعمال میں جو کوتاہی ہو جائے تو وہ فیاض اور کریم آقا ان کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے اور ان کے اعمال کی ایسی قدر فرماتا ہے کہ علاوہ اجرت کے انعام بھی دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں آخرت کی تجارت کے نفع اور کامیابی کا طریقہ بتلایا کہ ان تین کاموں کے کرنے سے آخرت کی تجارت میں کامیابی کی توقع ہے۔

ایک تلاوت قرآن جو تمام اذکار اور عبادات نافلہ کی جڑ ہے اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے اور اس کی تلاوت گویا خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کو میں نے ۹۹ بار خواب میں دیکھا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اب کی سوویں مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھوں گا تو معلوم کروں گا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کونسا ہے یعنی مقربین جن چیزوں سے آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سے سب سے افضل کونسی چیز ہے۔ چنانچہ جب سوویں مرتبہ امام احمدؒ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو یہی دریافت کیا کہ یا رب۔ وہ کون سی چیز سب سے افضل ہے جس سے مقربین آپ کی قربت حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ تلاوت قرآن یعنی میرے کلام قرآن کا پڑھنا۔ اس پر امام صاحب نے عرض کیا۔ بفھم او بلافھم یعنی مطلب اور معنی سمجھ کر پڑھنا یا بغیر مطلب اور معنی سمجھے ہوئے پڑھنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا بفھم او بلافھم یعنی معنی سمجھ کر ہو یا بلا معنی سمجھے ہوئے ہو۔ دونوں طرح موجب قرب ہے۔ سبحان اللہ۔ الغرض آخرت کی کامیاب تجارت کے لئے پہلی چیز تلاوت قرآن بتلائی گئی۔ دوسرے نماز کی درستی اور پابندی جو تمام فرائض اور جسمانی عبادتوں کی جڑ ہے اور دین کا ستون ہے۔ تیسرے ظاہر اور پوشیدہ طور پر خیرات کرنا جس میں تمام مالی عبادتیں آ گئیں۔ سو جو لوگ یہ تین کام کرتے ہیں وہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی تجارت میں آخرت میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آخرت کی کامیاب تجارت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی اس کتاب قرآن کریم کی شب وروز تلاوت کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔ اور اس کے احکام وہدایات پر عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ یا اللہ قیامت میں اس کتاب کو ہمارے لئے سفارشی بنائیے اور اس کے مطالبات اور حجت قائم کرنے سے ہم کو اور ساری امت مسلمہ کو بچائیے۔ یا اللہ اس ملک اور قوم کو قرآن پاک کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما اور اس کی حق تلفی سے ہم سب کو بچنا نصیب فرما۔ یا اللہ آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو جن عبادات بدنیہ و مالیہ کی توفیق عطا فرمائی ہے ان اعمال کو اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیے۔ بیشک آپ بڑے بخشنے والے اور بڑے قدردان ہیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں

لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ

کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ پھر یہ کتاب ہم نے اُن لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا، پھر بعضے تو اُن میں اپنی جانوں پر

لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ؕ

ظلم کرنیوالے ہیں، اور بعضے اُن میں متوسط درجے کے ہیں، اور بعضے اُن میں خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں، یہ بڑا فضل ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا

وہ باغات میں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے، اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی۔

حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ لا الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا

اور کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے (رنج و) غم دُور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے

دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اُتارا، جہاں ہم کو نہ کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی۔

وَالَّذِیْٓ اور وہ جو	اَوْحَیْنَآ ہم نے وحی بھیجی ہے	اِلَیْكَ تمہاری طرف	مِنَ الْكِتٰبِ کتاب	هُوَ وہ	الْحَقُّ حق	مُصَدِّقًا تصدیق کرنے والی	لِّمَا اس کی جو	
بَیْنَ یَدَیْهِ ان کے پاس	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	بِعِبَادِهٖ اپنے بندوں سے	لَخَبِیْرٌ البتہ باخبر	بَصِیْرٌ دیکھنے والا	ثُمَّ پھر	اَوْرَثْنَا ہم نے وارث بنایا		
الْكِتٰبَ کتاب	الَّذِیْنَ وہ جنہیں	اصْطَفَیْنَا ہم نے چنا	مِنْ سے۔کو	عِبَادِنَا اپنے بندے	فَمِنْهُمْ پس ان سےکوئی	ظَالِمٌ ظلم کرنے والا		
لِّنَفْسِهٖ اپنی جان پر	وَ اور	مِنْهُمْ ان سے (کوئی)	مُّقْتَصِدٌ میانہ رو	وَمِنْهُمْ اور ان سے (کوئی)	سَابِقٌ سبقت لیجانے والا	بِالْخَیْرٰتِ نیکیوں میں		
بِاِذْنِ اللّٰهِ حکم سے اللہ کے	ذٰلِكَ یہ	هُوَ وہ (یہی)	الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ فضل بڑا	جَنّٰتُ عَدْنٍ باغات ہمیشگی کے	یَدْخُلُوْنَهَا وہ ان میں داخل ہوں گے			
یُحَلَّوْنَ وہ زیور پہنائے جائیں گے	فِیْهَا ان میں	مِنْ سے۔کا	اَسَاوِرَ کنگن	مِنْ سے	ذَهَبٍ سونا	وَلُؤْلُؤًا اور موتی	وَلِبَاسُهُمْ اور ان کا لباس	
فِیْهَا اس میں	حَرِیْرٌ ریشم	وَقَالُوا اور وہ کہیں گے	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِیْٓ وہ جس نے	اَذْهَبَ دُور کردیا	عَنَّا ہم سے	الْحَزَنَ غم
اِنَّ بیشک	رَبَّنَا ہمارا رب	لَغَفُوْرٌ البتہ بخشنے والا	شَكُوْرٌ قدردان	الَّذِیْٓ وہ جس	اَحَلَّنَا ہمیں اتارا	دَارَ الْمُقَامَةِ ہمیشہ رہنے کا گھر	مِنْ سے	
فَضْلِهٖ اپنا فضل	لَا یَمَسُّنَا اور نہ ہمیں چھوئے گی	فِیْهَا اس میں	نَصَبٌ کوئی تکلیف	وَلَا یَمَسُّنَا اور نہ ہمیں چھوئے گی	فِیْهَا اس میں	لُغُوْبٌ تھکاوٹ		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور منجملہ اعمال کے بدنی عبادات میں سے نماز جو سب کا اصل الاصول ہے اس کو پابندی سے ادا کرتے ہیں اور مالی عبادات بھی ادا کرتے ہیں تو یہ لوگ ایک ایسا سودا یا تجارت کر رہے ہیں کہ جس میں کبھی نقصان نہ ہوگا۔ تو وہاں چونکہ تلاوت قرآن کا ذکر آ گیا تھا

اس لئے اب ان آیات میں پہلے قرآن کریم کی حقانیت اور فضیلت بیان فرمائی گئی پھر اس کتاب کی وارث۔ حامل اور امین امت مسلمہ کی بزرگی اور مقبولیت کا ذکر فرمایا گیا پھر امت مسلمہ کے افراد کی تین قسموں کا بیان فرما کر ان کو جو اجر کبیر اور فضل عظیم ملنے والا ہے یعنی جنت کے باغات رہنے کو۔ اور عمدہ پوشاک پہننے کو اس کا ذکر فرمایا گیا۔ چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے وحی کے ذریعہ جو کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے وہ سراسر راست درست اور حق ہے۔ اور جس طرح اگلی کتابیں اس کی خبر دیتی رہیں یہ بھی ان اگلی سچی کتابوں کی سچائی ثابت کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے اور ان کی مصلحتیں اس کی نگاہ میں ہیں۔ جن حالات میں جو چیز قرین مصلحت ہوتی ہے اسی کا حکم فرماتا ہے۔ اب اس قرآن حکیم میں ہر وقت کے لئے جو چیز اس وقت کی مصلحت کے لحاظ سے مناسب ہے ملے گی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کتاب کا وارث امت محمد یہ کو بنایا اور اس امت کا اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں میں سے انتخاب کر کے اس کتاب کا وارث قرار دیا جو مجموعی حیثیت سے تمام امتوں سے بہتر اور برتر ہے۔ اس امت مسلمہ کا لقب ''خیر امت'' ہے اور ان کا کام ہی یہ ہے کہ یہ خود اس کے عامل ہوں اور نیز ساری دنیا میں اس کا پیغام پھیلا دیں۔ اس امت کا قیام ہی دنیا میں قرآن کے احکام کی قولاً اور فعلاً تبلیغ کے لئے ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ گو یہ امت مجموعی حیثیت سے تمام امتوں سے بہتر اور افضل ہے مگر اس امت کے سب افراد یکساں اور ایک ہی طرح کے نہیں ہیں بلکہ ان کی تین قسمیں ہیں۔

ایک ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ دوسرے مُّقْتَصِدٌ تیسرے سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ اب ان تینوں طبات کی تشریح اس طرح ہے کہ پہلا طبقہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ فرمایا یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کہ جو باوجود ایمان کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یعنی ہیں تو مسلمان مگر گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سچے دل سے اللہ کی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمانداری کے ساتھ اللہ کا رسول تو مانتے ہیں مگر عملاً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی اتباع اور پیروی میں کوتاہی کرتے ہیں ایماندار ہیں مگر گناہ گار ہیں۔ اسی لئے ان کو ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ہونے کے باوجود وارثین کتاب میں داخل فرمایا گیا۔

دوسری قسم امت مسلمہ کی مقتصد فرمائی یعنی جو درمیانی درجہ میں ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک نہ بڑے درجہ کے بزرگ اور ولی۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اس وراثت کا حق کم و بیش ادا تو کرتے ہیں۔ مگر پوری طرح نہیں۔

تیسری قسم سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ فرمائی یعنی نیکیوں میں سبقت کرنے والے۔ یہ وارثین کتاب میں صف اول کے لوگ ہیں اور وہ کامل بندے ہیں جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے ہیں اور فرائض و واجبات کے علاوہ مستحبات کو بھی نہیں چھوڑتے اور گناہ کے خوف سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو حاصل ہے۔ یہ اتباع کتاب وسنت میں بھی پیش پیش ہیں۔ خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں بھی پیش پیش۔ دین حق کی خاطر قربانیاں کرنے میں بھی پیش پیش۔ اور بھلائی و نیکی کے ہر کام میں پیش پیش۔ اور چونکہ ان کی تعداد امت میں دونوں گروہوں سے کم ہے اس لئے ان کا آخر میں ذکر کیا گیا اگرچہ وراثت کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں ان کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ تو امت میں اعلیٰ درجہ کی افضلیت تو انہی سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کو حاصل ہے ویسے چنے ہوئے بندوں اور وارث کتاب اللہ میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا گیا۔ یعنی ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کو بھی اور مقتصد کو بھی کیونکہ درجہ بدرجہ جنتی سب ہیں۔ گناہ گار بھی اگر مومن ہے تو بہر حال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ یہ تینوں

طبقات اہل جنت ہی کے ہیں اور امت کے یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے خواہ محاسبہ کے بغیر یا محاسبہ کے بعد اور خواہ مواخذہ سے محفوظ رہ کر یا کوئی سزا پانے کے بعد۔ اس کی تائید خود قرآن پاک سے ہوتی ہے کیونکہ اگلی آیات میں وارثین کتاب کے بالمقابل دوسرے گروہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ "جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لئے جہنم کی آگ ہے" اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس کتاب کو مان لیا ان کے لئے بالآخر جنت ہے اور جنہوں نے اس پر ایمان لانے سے انکار کیا ان کے لئے جہنم ہے۔ اس آیت کی تفسیر خود حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے اور جو مقتصد یعنی بیچ کے لوگ ہیں ان سے محاسبہ ہوگا مگر ہلکا محاسبہ رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک کر رکھے جائیں گے۔ پھر انہیں اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طبقوں کا حال الگ الگ بتا دیا۔ آگے آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی کامل کتاب کا امت کو پہنچا دینا یہ خدا کا بڑا فضل ہے کیونکہ اس پر ایمان اور عمل کی بدولت انہیں قیامت کے دن ہمیشگی اور دائمی اور ابدی نعمتوں والی جنتوں میں پہنچایا جائے گا جہاں انہیں سونے اور موتیوں کے مثل بادشاہوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ مومن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک کہ اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ اس کا لباس خالص ریشمی ہوگا جس سے وہ دنیا میں منع کر دیئے گئے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہاں دنیا میں حریر اور ریشم پہنے گا وہ اسے آخرت میں نہیں پہنایا جائے گا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ یہ ریشم کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور تم مومنوں کے لئے آخرت میں اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے زیوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں سونے چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے جو موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہوں گے اور ان کے سروں پر موتیوں اور یاقوت کے تاج ہوں گے۔ بالکل شاہانہ ہوں گے۔ نوجوان ہوں گے۔ سرمئی آنکھوں والے۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ اہل جنت جناب باری تعالیٰ عزوجل کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جس نے ہم سے خوف و رزائل کر دیا اور دنیا و آخرت کی پریشانیوں اور پشیمانیوں سے ہمیں نجات دے دی۔ ہمارے قصور اس نے معاف فرما دیئے اور ایمان و عمل کی جو تھوڑی سی پونجی ہم لائے تھے اس کی ایسی قدر فرمائی کہ اپنی جنت اس کے بدلہ میں عطا فرما دی۔ دنیا کی حیات ایک منزل تھی جس سے ہم گزر آئے۔ عالم برزخ اور میدان حشر بھی ایک مرحلہ تھا جس سے ہم گزر آئے۔ اب ہم اس کے فضل سے اس جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں سے نکل کر پھر کہیں جانا نہیں۔ اب ہماری تمام محنتوں اور مشقتوں کا خاتمہ ہو چکا ہے اب یہاں جنت میں نہ ہمیں کسی طرح کی مشقت و محنت ہے نہ تکان و کلفت۔ روح الگ خوش جسم الگ راضی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اس امت کی فضیلت کتاب اللہ کی وراثت سے ہے اور اسی بنا پر اس امت کو دوسری جگہ "خیر امت" فرمایا گیا۔ اہل اسلام کو یہ کتاب پہنچا دینا اللہ نے اس کو اپنا بڑا فضل فرمایا ہے۔ اب امت کو بھی اپنی اس شرافت و کرامت اور عزت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور قرآن کریم کے ساتھ سچا تعلق نصیب فرمائیں اور اس کے حقوق کی خاطر خواہ ادائیگی کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ

اور جو لوگ کافر ہیں ان کیلئے دوزخ کی آگ ہے، نہ تو اُن کی قضا آوے گی کہ مر ہی جاویں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جاوے گا۔

عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۳۶ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ اس (دوزخ) میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (یہاں سے) نکال لیجئے ہم اچھے (اچھے) کام کریں گے

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا

برخلاف اُن کاموں کے جو کیا کرتے تھے، کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا سو (اس نہ ماننے کا)

فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۳۷ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۳۸

مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیشک اللہ (ہی) جاننے والا ہے آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا، بے شک وہی جاننے والا ہے دل کی باتوں کا۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ

وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا، سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا، اور کافروں کیلئے ان کا کفر

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۳۹

ان کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کیلئے ان کا کفر خسارہ ہی پڑنے کا باعث ہوتا ہے۔

وَ اور	الَّذِيْنَ وہ جن لوگوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا انہوں نے	لَهُمْ ان کیلئے	نَارُ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ	لَا يُقْضٰى نہ قضا آئے گی	عَلَيْهِمْ ان پر		
فَيَمُوْتُوْا کہ وہ مرجائیں	وَلَا يُخَفَّفُ اور نہ ہلکا کیا جائے گا	عَنْهُمْ ان سے	مِّنْ سے۔کچھ	عَذَابِهَا اس کا عذاب	كَذٰلِكَ اسی طرح			
نَجْزِيْ ہم سزا دیتے ہیں	كُلَّ كَفُوْرٍ ہر ناشکرے	وَهُمْ اور وہ	يَصْطَرِخُوْنَ چلائیں گے	فِيْهَا دوزخ میں	رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار	اَخْرِجْنَا ہمیں نکال لے		
نَعْمَلْ ہم عمل کریں	صَالِحًا نیک	غَيْرَ برعکس	الَّذِيْ اس کے جو	كُنَّا نَعْمَلُ ہم کرتے تھے	اَوَ کیا	لَمْ نُعَمِّرْكُمْ ہم نے تمہیں عمر نہ دی تھی		
مَّا يَتَذَكَّرُ کہ نصیحت پکڑلیتا	فِيْهِ اس میں	مَنْ جو۔جس	تَذَكَّرَ نصیحت پکڑتا	وَجَآءَكُمُ اور آیا تمہارے پاس	النَّذِيْرُ ڈرانے والا	فَذُوْقُوْا سو چکھو تم		
فَمَا پس نہیں	لِلظّٰلِمِيْنَ ظالموں کیلئے	مِنْ نَّصِيْرٍ کوئی مددگار	اِنَّ اللّٰهَ بےشک اللہ	عٰلِمُ جاننے والا	غَيْبِ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کی پوشیدہ باتیں	وَالْاَرْضِ اور زمین		
اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلِيْمٌ باخبر	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سینوں (دلوں) کے بھیدوں سے	هُوَ وہی	الَّذِيْ جس نے	جَعَلَكُمْ تمہیں بنایا	خَلٰٓئِفَ جانشین		
فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَمَنْ كَفَرَ سو جس نے کفر کیا	فَعَلَيْهِ تو اسی پر	كُفْرُهٗ اس کا کفر	وَ اور	لَا يَزِيْدُ نہیں بڑھاتا	الْكٰفِرِيْنَ کافر	كُفْرُهُمْ ان کا کفر	
عِنْدَ نزدیک	رَبِّهِمْ انکا رب	اِلَّا سوائے	مَقْتًا ناراضی (غضب)	وَلَا يَزِيْدُ اور نہیں بڑھاتا	الْكٰفِرِيْنَ کافر	كُفْرُهُمْ انکا کفر	اِلَّا سوائے	خَسَارًا خسارہ

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اہل اسلام کہ جو کتاب اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کا انجام بیان فرمایا گیا تھا کہ وہ اس قرآن پر ایمان وعمل کی بدولت جنت کے دائمی باغات میں رہیں گے جہاں ان کو شاہانہ لباس پہنچایا جائے گا اور وہاں کسی طرح کی کوئی کلفت اور آزار نہ ہوگی۔ اور وہ وہاں کی راحت وآرام دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ ساری مصیبتوں اور مشقتوں سے پیچھا چھوٹا اور اب

آرام کی دائمی زندگی نصیب ہوئی۔

اب آگے اہل اسلام کے مقابل یعنی کفار جن کا قرآن پر نہ ایمان ہوتا ہے نہ عمل ان کا حال بیان کیا جاتا ہے اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں اللہ کا انکار کردیا۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کا انکار کردیا ان کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ تیار ہے کہ جس میں وہ ہمیشہ جلتے اور جھلستے رہیں گے۔ انہیں وہاں موت بھی نہ آئے گی کہ مرکر ہی عذاب سے نجات پائیں اور نہ ان کے عذاب میں کچھ تخفیف ہی ہوگی۔ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو ابدی جہنمی ہیں انہیں وہاں نہ موت آئے گی اور نہ اچھائی کی زندگی ملے گی'' جہنمی کہیں گے کہ اے داروغۂ جہنم تم ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں موت دے دے لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے پس وہ تو موت کو اپنے لئے راحت سمجھیں گے لیکن موت آئے گی ہی نہیں نہ مریں گے نہ عذابوں میں کمی دیکھیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار ومنکرین جہنم میں چیخ پکار کریں گے اور فریاد کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس جہنم سے نکال کر پھر دنیا میں بھیج دیجئے اب کے ہم وہاں جاکر خوب نیک کام کریں گے اور جو کام ہم پہلے کرتے رہتے تھے اس کے پاس بھی نہ پھٹکیں گے۔ اب بالکل آپ کی مرضی پر چلیں گے اور جو کچھ آپ کے رسول نے بتایا ہے وہی کریں گے۔ گناہوں سے دور بھاگیں گے اور نیکیاں سمیٹیں گے۔ اس فریاد اور چیخ وپکار کا جواب انہیں دیا جائے گا کہ اللہ نے تو تمہیں دنیا میں خاصی لمبی عمر دی تھی جو سوچنے سمجھنے کے لئے کافی تھی۔ اگر چاہتے تو سوچ سمجھ کر حق کو اختیار کرلیتے اور اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے تابعدار بن جاتے۔ پھر یہی نہیں بلکہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ڈرانے والے بھی پہنچے تھے جو اچھے برے انجام سے آگاہ کرتے رہے اور خواب غفلت سے بیدار کرتے رہے۔ اس وقت تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے جو تم نے نہ عقل سے کام لیا اور نہ ڈرسنانے والے خواہ وہ نبی ہو یا اس کا قائم مقام نبی کی راہ پر بلانے والا ہوا اس کی بات سن کر نہ دی۔ نہ کسی کی نصیحت پر کان دھرا۔ نہ کسی بات سے عبرت پکڑی اب اپنے کئے کا پھل بھگتو اور سرکشی کا مزہ چکھو۔ تم جیسے ظالموں کا اب کوئی مددگار نہیں اور اب کوئی مدد کی توقع مت رکھو۔ اس طرح ایمان واسلام اور کفر وانکار دونوں کا انجام بتلا کر آگے سمجھایا جاتا ہے کہ اس بات کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اور اسرار سے واقف ہے۔ آسمان اور زمین کی ہر چیز کا اسے علم ہے۔ اسے اپنے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے اندر جو اعتقادات اور نیتیں پوشیدہ ہیں ان کو بھی اچھی طرح جانتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال و افعال اور اعتقادات اور نیتوں کے مطابق سلوک کرے گا۔ سنو! تم سے پہلے یہاں دنیا میں اور لوگ بستے تھے اب وہ یہاں موجود نہیں ہیں اپنے اپنے اعمال وعقائد کا گٹھر سر پر اٹھائے اس دنیا سے چلے گئے۔ اب ان کی جگہ دنیا میں تم موجود ہو آنکھ کھول کر ہوشیاری کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اگر تم نے کفر وناشکری اور اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اس سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں اس کا وبال تمہارے ہی دم پر پڑے گا اور تمہاری ہی جان پر بن آئے گی۔ کفر کا انجام بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کی طرف سے برابر ناراضی اور بیزاری بڑھتی جائے اور کافر کے نقصان اور خسران میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔

یہاں ان آیات میں اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ (کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس نذیر یعنی ڈرانے والا بھی پہنچا

تھا) یہ خطاب اگرچہ کفار کو ہے مگر مقصود سب کو سنانا ہے اس لئے کہ اصل علت غفلت ہے جس میں دوسرے بھی شریک ہیں اگرچہ مراتب غفلت میں فرق ہے تا کہ سب سن لیں اور متنبہ ہو جائیں۔ دیکھئے عدالت میں جب مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو اس کا اعلان کیا جاتا ہے جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ مجرم نہیں وہ بھی سن لیں اور متنبہ ہو جائیں اور غفلت میں نہ رہیں۔غرض یہ کہ اس جملہ سے مقصود یہ ہے کہ عمر کے ہر حصہ کو عمر کا اخیر حصہ سمجھو اور غفلت سے تنبہ کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ یہاں اس جملہ میں اجمالاً اس طریق کی طرف اشارہ فرمایا کہ غفلت سے تنبہ کا طریقہ یہ سوچ بچار ہے کہ عمر کے ہر حصہ کو عمر کا اخیر حصہ سمجھے اور حدیث میں اس کا صراحتہً حکم دیا گیا چنانچہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو ایسی طرح نماز پڑھو جیسے دنیا کو رخصت کر رہے ہو یعنی یہ سمجھو کہ میری عمر کا اخیر وقت ہے اور یہ میری گویا آخری نماز ہے۔ تو اس حدیث شریف میں اگرچہ نماز کا ذکر ہے مگر یہ علت غفلت ہر عمل میں پائی جاتی ہے اس لئے نماز کے علاوہ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ صدقہ خیرات وغیرہ سب میں یہی مضمون پیش نظر رہنا چاہئے کہ یہ میرا زندگی کا آخری عمل ہے۔ اس تنبہ اور استحضار کا فائدہ یہ ہوگا کہ طول امل یعنی لمبی چوڑی آئندہ کی امیدیں باندھنا اس سے محفوظ ہو جائے گا یا کم از کم کمی ہی آ جائے گی۔ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا کہ جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کے منصوبوں کی باتیں نہ کرنا اور جب تو شام کرے تو صبح کے منصوبوں کی باتیں نہ کرنا۔ خلاصہ یہ کہ انسان موت کو یاد رکھے جو دنیوی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اور اس خطاب میں جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ میں کہ تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کو حق و باطل کو جاننے اور اپنے خالق و مالک کو پہچاننے کے لئے حق تعالیٰ نے نہ صرف عقل و تمیز عمر بلوغ کے وقت سے عطا کی بلکہ اس عقل کی امداد کے لئے دنیا میں نذیر بھی بھیجے۔ نذیر کے معنی اردو میں ڈرانے والے کے کئے جاتے ہیں۔ درحقیقت نذیر وہ ہے کہ جو اپنی رحمت و شفقت کے سبب لوگوں کو ایسی چیزوں سے بچنے کی ہدایت کرے جو اس کو ہلاکت یا مضرت میں ڈالنے والی ہیں۔ تو معروف معنی کے اعتبار سے نذیر سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے نائبین۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسرے اکابر سلف نے یہاں نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب بڑھاپا آ جائے اور سفید بال ظاہر ہو جائیں تو وہ انسان کو اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ اب رخصت کا وقت قریب آن پہنچا ہے اگر اب بھی غفلت نہ گئی اور آنکھ نہ کھلی کہ آخرت کا سامان کرے تو بڑھاپا آ جانے کے بعد کس چیز کا انتظار رہ گیا۔ اللہ کی حجت تو بلوغ سے بھی پوری ہو جاتی ہے کیونکہ نصیحت کے لئے بلوغ کا زمانہ بھی کافی ہے۔ جوانی میں جب آدمی معاش کو سمجھ سکتا ہے تو معاد کو کیوں نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تو نصیحت اور سوچ بچار کی مدت انتہا کو پہنچ گئی اور حجت بالکل پوری ہوگئی۔

یا اللہ ہم کو عقل و تمیز اور عمر کی مہلت عطا فرما کر آپ نے بے شک حجت پوری فرما دی۔ یا اللہ اب آخرت کی طرف سے غفلت کو ہم سے دور فرما دیجئے اور حق کو جاننے اور پہچاننے اور آپ کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی توفیق مرحمت فرما دیجئے۔ آمین۔

اصل اور مرکزی مضمون سورۃ کا شروع ہی سے اثبات توحید اور رد شرک کا چل رہا ہے۔ درمیان میں ضمناً دیگر مضامین متعلقہ بھی آ گئے تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ

آپ کہیئے کہ تم اپنے قرار داد شریکوں کا حال تو بتاؤ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو، یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا جزو بنایا ہے

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ

یا اُن کا آسمانوں میں کچھ ساجھا ہے، یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں، بلکہ یہ ظالم

بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ

ایک دوسرے سے نری دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو نہ چھوڑ دیں،

اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی اُن کو تھام بھی نہیں سکتا، وہ حلیم غفور ہے۔

قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا	شُرَكَآءَكُمْ اپنے شریک	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	تَدْعُوْنَ تم پکارتے ہو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا			
اَرُوْنِيْ تم مجھے دکھاؤ	مَاذَا کیا	خَلَقُوْا انہوں نے پیدا کیا	مِنَ سے	الْاَرْضِ زمین	اَمْ یا	لَهُمْ ان کیلئے	شِرْكٌ ساجھا	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں
اَمْ یا	اٰتَيْنٰهُمْ ہم نے دی انہیں	كِتٰبًا کوئی کتاب	فَهُمْ پس (کہ) وہ	عَلٰى بَيِّنَتٍ دلیل (سند) پر	مِّنْهُ اس سے۔کی	بَلْ بلکہ	اِنْ نہیں	
يَعِدُ وعدے کرتے	الظّٰلِمُوْنَ ظالم	بَعْضُهُمْ ان کے بعض (ایک)	بَعْضًا بعض (دوسرے) سے	اِلَّا سوائے	غُرُوْرًا دھوکہ	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	
يُمْسِكُ تھام رکھا ہے	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	اَنْ کہ	تَزُوْلَا ٹل جائیں وہ	وَلَئِنْ اور اگر وہ	زَالَتَا ٹل جائیں	اِنْ نہ	
اَمْسَكَهُمَا تھامے گا انہیں	مِنْ اَحَدٍ کوئی بھی	مِّنْ بَعْدِهٖ اس کے بعد	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ ہے	حَلِيْمًا حلم والا	غَفُوْرًا بخشنے والا		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار کے متعلق بیان تھا اور بتلایا گیا تھا کہ ان کے کفر پر مصر رہنے سے کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ جو شخص کفر کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور اس کو آخرت میں جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ آپ ان مشرکوں سے فرمائیے کہ خدا کے سوا اور جن جن کو تم پکارا کرتے ہو تو مجھے ذرا دکھلاؤ کہ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ زمین کا کونسا حصہ انہوں نے بنایا ہے؟ یا آسمانوں کے بنانے اور تھامنے میں ان کی کس قدر شرکت ہے؟ اگر کچھ نہیں تو آخر خدا کس طرح بن بیٹھے؟ کچھ تو عقل سے کام لو۔ اور اگر عقلی نہیں تو کوئی معتبر کتابی یعنی نقلی دلیل ہی پیش کرو جس کی سند پر مشرکانہ دعوے کرتے ہو۔ لیکن تم یہ بھی نہیں کرسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اپنی نفسانی خواہشوں اور اپنی رائے کے پیچھے لگ گئے ہو۔ دلیل عقلی یا نقلی کچھ بھی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے اغوا سے یہ وعدہ بتاتے چلے آئے کہ یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے اور اس کا قرب عطا کریں گے۔ حالانکہ یہ خالص دھوکہ اور فریب ہے۔ یہ تو کیا شفیع بنتے۔ بڑے سے بڑا مقرب بھی کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلاسکتا۔ اپنے ان جھوٹے معبودوں کی کمزوری اپنے سامنے رکھ کر خدا

تعالیٰ کی جو سچا معبود ہے قدرت وطاقت دیکھو کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ ہر ایک اپنی جگہ رکا ہوا اور تھما ہوا ہے۔ ادھر ادھر جنبش بھی تو نہیں کھا سکتا اور کوئی اپنے مقام و نظام سے ادھر ادھر سرک نہیں سکتا اور اگر بالفرض یہ چیزیں اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو پھر بجز خدا کے کس کی طاقت ہے کہ ان کو قابو میں رکھ سکے چنانچہ جب قیامت میں یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ درہم برہم فرمادیں گے تو کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی۔ اس حلیم و غفور خدا کو دیکھو کہ مخلوق و مملوک کی نافرمانی۔ سرکشی۔ کفروشرک دیکھتے ہوئے بھی حلم و بردباری اور بخشش سے کام لے رہا ہے۔ ڈھیل اور مہلت دیئے ہوئے ہے ورنہ کفروعصیان کا اقتضا تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام ایک دم میں تہ وبالا کردیا جائے لیکن اس کے تحمل اور بردباری سے تھما ہوا ہے۔ اس کی بخشش نہ ہو تو سب دنیا ویران ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ شرک پر کوئی دلیل نہیں بلکہ شرک تو فساد عالم اور اس کی تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ کفروشرک کا مقتضی تو یہی تھا کہ ان پر قہر الٰہی نازل ہوتا لیکن حکم الٰہی کی وجہ سے قہر خداوندی کا نزول رکا ہوا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کی ذات بڑی بردبار ہے کہ مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اور آمرزگار ہے کہ کفرومعصیت کو دیکھتا ہے مگر عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔

نافرمانوں کو چاہئے کہ عذاب نہ آنے کو اللہ کے حلم اور بردباری کی دلیل سمجھیں۔ اس کے عفو کلی یا غفلت یا سہو ونسیان کی دلیل نہ سمجھیں۔ روایات میں ہے کہ منجانب اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو تین راتیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح گزار دیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! اگر بالفرض مجھ پر نیند اور اونگھ آتی (اور ایک آن بھی دنیا جہان سے غفلت ہوتی) تو شیشہ کی طرح یہ آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ جاتے (تفسیر عزیزی بحوالہ معارف القرآن حضرت کاندھلویؒ) پس آسمان اور زمین کا قیام اور بقا یہ محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ اور وہ اپنی قدرت وحکمت سے ان کو روکے اور تھامے ہوئے ہے۔ چنانچہ یہ آسمان و زمین اپنی جگہ قائم ہیں اور جب قیامت ہوگی تو اپنی جگہ سے ہٹ کر سب درہم برہم ہو جائیں گے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان اور جود وکرم ہے کہ جو یہ زمین اور زمین والے قائم ہیں جس پر اس کی شکرگزاری لازم ہے نہ کہ اس کی توحید ہی سے انکار کر کے کفروشرک اور معصیت وعصیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور اس پر شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو توحید کی دولت عطا فرمائی اور کفروشرک سے بچا کرامت مسلمہ میں شامل فرمایا۔ یا اللہ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرما اور اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔

یا اللہ! یہ آپ کا محض کرم ورحم اور حلم وبردباری ہے جو نافرمان سرکش انسانوں کو مہلت اور ڈھیل ملی ہوئی ہے اور عذاب خداوندی ان پر آنے سے رکا ہوا ہے۔ یا اللہ ہم کو اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرمادے کہ جو ہم کو آپ کا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھے اور اسی حالت میں ہم کو اس دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کرنا نصیب ہو۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ

اور ان کفار نے بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آوے تو وہ ہر ہر اُمت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں،

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝٤٢ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۗ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ

پھر جب ان کے پاس ایک پیغمبر آ پہنچے تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی۔ دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور ان کی بُری تدبیروں کو ترقی ہوئی اور بُری تدبیروں کا وبال

السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۗ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ

اُن تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے سو کیا یہ اُسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے سو آپ خدا کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پاویں گے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝٤٣ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

اور آپ خدا کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پاویں گے۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (منکر) لوگ ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا

پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا حالانکہ وہ قوت میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے اور خدا ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اُس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ

فِي الْاَرْضِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝٤٤ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا

زمین میں وہ بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً) دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک

مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝٤٥

متنفس کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے، سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی (اس وقت) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔

وَاَقْسَمُوْا اور انہوں نے قسم کھائی	بِاللّٰهِ اللہ کی	جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اپنی سخت قسمیں	لَئِنْ اگر	جَآءَهُمْ انکے پاس آئے	نَذِيْرٌ کوئی ڈرانے والا		
لَيَكُوْنُنَّ البتہ وہ ضرور ہوں گے	اَهْدٰى زیادہ ہدایت پانیوالے	مِنْ اِحْدَى ہر ایک سے	الْاُمَمِ امت	فَلَمَّا پھر جب	جَآءَهُمْ ان کے پاس آیا		
نَذِيْرٌ ایک نذیر	مَا زَادَهُمْ نہ ان (میں) زیادہ ہوا	اِلَّا مگر۔ سوائے	نُفُوْرًا بدکنا	اِسْتِكْبَارًا اپنے کو بڑا سمجھنے کے سبب	فِي الْاَرْضِ زمین (دنیا) میں		
وَمَكْرَ اور چال	السَّيِّئِ بُری	وَلَا يَحِيْقُ اور نہیں اُلٹا پڑتا	الْمَكْرُ چال	السَّيِّئُ بُری	اِلَّا صرف	بِاَهْلِهٖ اسکے کرنیوالے پر	فَهَلْ تو کیا
يَنْظُرُوْنَ وہ انتظار کررہے ہیں	اِلَّا مگر صرف	سُنَّتَ دستور	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	فَلَنْ تَجِدَ سو تم ہرگز نہ پاؤ گے	لِسُنَّتِ اللّٰهِ اللہ کے دستور میں		
تَبْدِيْلًا کوئی تبدیلی	وَلَنْ تَجِدَ اور تم ہرگز نہ پاؤ گے	لِسُنَّتِ اللّٰهِ اللہ کے دستور میں	تَحْوِيْلًا کوئی تغیر	اَوَ کیا	لَمْ يَسِيْرُوْا وہ چلے پھرے نہیں		
فِي الْاَرْضِ زمین دنیا میں	فَيَنْظُرُوْا سو وہ دیکھتے	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ عاقبت (انجام)	الَّذِيْنَ ان لوگوں کا جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	
وَكَانُوْا اور وہ تھے	اَشَدَّ بہت زیادہ	مِنْهُمْ ان سے	قُوَّةً قوت میں	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہے	اللّٰهُ اللہ	لِيُعْجِزَهٗ کہ اسے عاجز کردے
مِنْ شَيْءٍ کوئی شے	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَلَا اور نہ	فِي الْاَرْضِ زمین میں	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ ہے	عَلِيْمًا علم والا	قَدِيْرًا بڑی قدرت والا

وَلَوْ اور اگر	يُؤَاخِذُ اللهُ اللہ پکڑ کرے	النَّاسَ لوگ	بِمَا كَسَبُوا انکے اعمال کے سبب	مَا تَرَكَ وہ نہ چھوڑے	عَلٰی پر	ظَهْرِهَا اسکی پشت
مِنْ دَابَّةٍ کوئی چلنے پھرنے والا	وَلٰكِنْ اور لیکن	يُؤَخِّرُهُمْ وہ انہیں ڈھیل دیتا ہے	إِلٰی تک	أَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مدتِ معین	فَإِذَا پھر جب	
جَآءَ آجائے گی	أَجَلُهُمْ اُن کی اجل	فَإِنَّ تو بیشک	اللهَ اللہ	كَانَ ہے	بِعِبَادِهٖ اپنے بندوں کو	بَصِيْرًا دیکھنے والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں توحید ورسالت کے اثبات کے سلسلہ میں کفار کی تکذیب کا متعدد جگہ بیان ہوا اور اس کا انجام انہیں بتلایا گیا۔ گذشتہ آیات میں یہ جتلایا گیا تھا کہ یہ مشرکین کفر وشرک کی وجہ سے ہیں تو قہر الٰہی کے مستحق لیکن حق تعالیٰ کے حلم اور بردباری کے باعث بچے ہوئے ہیں اور مہلت ملی ہوئی ہے۔ اب اخیر میں کفار کے اسی انکار وتکذیب پر مزید وعید سنائی جاتی ہے اور اسی تنبیہ پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ عرب کے اندر یہود ونصاریٰ باہر سے آ کر آباد ہو گئے تھے اور اپنے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے بہت دانا۔ صاحب علم اور مہذب لوگ سمجھے جاتے تھے اور عرب عام طور پر اپنے کو ان سے کم مرتبہ سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب کبھی یہودی اور عیسائی ان مشرکین عرب کو عار دلاتے کہ تمہارے پاس نہ کوئی کتاب اور نہ رسول۔ تم تو یونہی بے سری قوم ہو تو یہ عرب آرزو کرتے کہ کاش ہم میں بھی کوئی نبی آتا تو ہم ان کی قیادت میں بڑے بڑے کام کر دکھاتے اور بڑے زور سے قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ اگر ہمارے اندر کوئی نبی آیا تو ہم ان ساری امتوں سے بڑھ کر جواب اپنے اہل کتاب ہونے کی بدولت ہم پر فخر اور بڑائی جماتے ہیں۔ اپنے رسول کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر دکھائیں گے اور ان سے زیادہ مہذب اور شائستہ ہو کر بتائیں گے۔ افسوس ہے کہ اب تک ہم میں کوئی نبی آیا ہی نہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے عرب ایسی آرزو کیا کرتے تھے اور قسمیں کھاتے کہ اگر کوئی نبی ہم میں آئے تو ہم سب سے زیادہ اس کی تابعداری کریں گے۔ قرآن پاک میں علاوہ ان آیات کے یہ بات اور بھی کئی جگہ بیان فرمائی گئی ہے۔ سورۂ انعام آٹھویں پارہ میں ان مشرکین عرب کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم ان سے یعنی گروہ یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر راہ پر ہوتے سورۂ صفات تیسویں پارہ میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ لوگ پہلے تو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت کی کتاب پہلے لوگوں کی طرح آتی تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے۔ اسی طرح یہاں سورۂ فاطر میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کفار یعنی مشرکین عرب نے بڑی زوردار قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا یعنی پیغمبر آئے تو ہم ہر گروہ سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ پہلے تو ایسی قسمیں کھایا کرتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان میں نبی بھیجا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اعلان نبوت فرمایا تو یہ حق سے اور زیادہ بدکنے لگے اور بجائے مطیع وفرمانبردار ہونے کے اپنے رسول کے دشمن ہو گئے۔ ان کے غرور اور تکبر نے اجازت نہ دی کہ نبی کے سامنے گردن جھکائیں اور الٹا آپ کی ایذا رسانی کی فکر میں لگ گئے اور طرح طرح کی مکروہ تدبیریں اور داؤ گھات شروع کر دیئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ جو لوگ برے داؤ گھات کر رہے ہیں ان کے یہ داؤ گھات اور بری تدبیریں انہی پر الٹ پڑیں گی۔ جو دوسروں کو ناحق ستاتا ہے وہ انجام کار آپ ہی تباہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ تھوڑے دن کچھ عارضی فائدہ اٹھالے اور دل میں خوش ہولے کہ میں نے اپنے مقابل اور مخالف کو کیسا جیت کیا اور کیسا نیچا دکھلایا اور تدبیریں کر کے یوں نقصان پہنچادیا لیکن درحقیقت وہ اپنے ہی حق میں کانٹے بورہا ہے اور انجام کار دیکھ لے گا کہ واقع میں نقصانِ عظیم کس کو اٹھانا پڑا۔ ظالم وناحق کی کامیابی عارضی ہوتی ہے اور آخرکار اس کے ظلم کا

وبال اول تو دنیا ہی میں ورنہ آخرت میں تو یقیناً اس پر پڑ کر رہتا ہے تو یہاں کفار مکہ کو جتلایا جا رہا ہے کہ تم جو اللہ کے رسول کے ساتھ داؤ گھات کر رہے ہو اور مسلمانوں کو بے جا ستا رہے ہو تو یہ تم اپنی ہی تباہی کا بیج بو رہے ہو۔ کیا تم نے پہلے لوگوں کا حال نہیں سنا؟ کیا تم اسی کے منتظر ہو جو گذشتہ مجرموں کے ساتھ معاملہ ہوا؟ یاد رکھو کہ اگر تم باز نہ آئے تو وہی ہو کر رہے گا۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت دینے کا رہا ہے وہ نہ بدلنے والا ہے کہ بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر انعام و اکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا ہے کہ مجرم سے سزا ٹل کر غیر مجرم کو دے دی جائے۔ جس طرح اللہ نے ساری کائنات کے لئے قاعدے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں اِسی طرح انسانوں کیلئے بھی قاعدے اور قانون مقرر ہیں جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا اس لئے یقین کر و کہ جیسے پہلوں کو قانون الٰہی کی خلاف ورزی کی سزائیں ملیں اسی طرح تمہیں بھی ملیں گی اس لئے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ قانون مکافاتِ عمل کو سمجھ لو اور اس قانون کے جاری کئے جانے کی نشانیاں پچھلے لوگوں کی تاریخ میں دیکھ لو۔ بڑی بڑی عزت اور قوت رکھنے والی قومیں اور بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ تو یہ بے چارے کفار مکہ تو کیا چیز ہیں۔ خوب سمجھ لو اور کان کھول کر سن لو کہ آسمان اور زمین میں کوئی طاقت اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر وہ نافرمانوں کو سزا دینا چاہے تو انہیں کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سب پر حاوی ہے اور سب اس کے سامنے عاجز ہیں اس کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ باوجود سمجھانے کے درست ہونے کا نام نہیں لیتے اگر اللہ تعالیٰ ان کی ہر ایک بات کی فوراً گرفت کرنے لگے تو یہ اپنے کردار کے باعث فوراً ہی تباہ ہو جائیں اور ان کی شامت اعمال سے کوئی جاندار دنیا میں نہ بچے لیکن یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ایک مقررہ وقت تک انسان کو مہلت دے رکھی ہے اور ڈھیل دے رکھی ہے کہ جسے سنبھلنا ہو سنبھل جائے۔ جب وہ وقت موعود آ جائے گا تو پھر کسی کی بھی کچھ نہ چلے گی۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔ سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں۔ کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اس کے علم سے باہر نہیں پس ہر ایک کا اپنے علم کے موافق ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرما دے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے اور نہ مطیع فرمانبردار کا حق مارا جائے۔

اسی تنبیہ پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ اب غور کیجئے کہ اگر ان آیات کو کوئی اچھی طرح سمجھ لے تو ممکن نہیں کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار نہ ہو جائے۔ ان آیات میں انسان کے سامنے دنیا کی اور خود اس کی اپنی حقیقت کو بتلا دیا گیا کہ اس دنیا میں بہت سے آئے اور چلے گئے بہت سی قومیں ابھریں اور پست ہوئیں اور بہت سے تو ایسے تھے کہ اپنے زور کے آگے کسی کو کچھ سمجھتے نہ تھے مگر بالآخر وہ لوگ قانون الٰہی کی گرفت میں آ کر ذلیل و خوار ہوئے اور دنیا سے تباہ کر کے نکال دیئے گئے۔ اب موجودہ انسان انہیں کی جگہ آباد ہیں۔ انہیں ان کے حالات سن کر عبرت حاصل کرنا چاہئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم و قدرت کا اندازہ لگا کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں مشغول ہونا چاہئے اگر کوئی نافرمانی کرے گا تو اس کی سزا پائے گا اور کوئی اس بات پر مغرور نہ ہو کہ وہ اللہ کو نہ مان کر بھی دنیا میں بڑی شان و شوکت سے بسر کر رہا ہے اور باوجود کفر و عصیان کے اسے ہر چیز ملتی جا رہی ہے۔ یہ محض ایک عارضی بات ہے۔ انجام کار انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ اللہ کو نہ مان کر سخت نقصان میں رہے اور دنیا میں بچ گئے تو کیا مرنے کے بعد پکڑے جائیں گے۔ بہر حال اس وقت انسان کے لئے دنیا میں موقع ہے اس کے بعد پھر کوئی موقع نہیں۔ اگر دنیا میں ایمان اور عمل صالح کو اختیار نہ کیا تو آخرت میں عذاب دیکھ کر تو ہر شخص ایمان لا وے ہی گا مگر اس وقت کا ایمان نہ کچھ نفع دے گا اور نہ پچھتانا سود مند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور دنیا کی حقیقت کو ہمارے دلوں پر کھول دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

18

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ④

یٰس قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں۔ سیدھے راستہ پر ہیں۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥

یہ قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے سو اسی سے یہ بے خبر ہیں۔

يٰسٓ یٰسین	وَالْقُرْاٰنِ قسم ہے قرآن	الْحَكِيْمِ باحکمت	اِنَّكَ بیشک آپ	لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں میں سے	عَلٰى پر	صِرَاطٍ راستہ
مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا	تَنْزِيْلَ نازل کیا	الْعَزِيْزِ غالب	الرَّحِيْمِ مہربان	لِتُنْذِرَ تا کہ آپ ڈرائیں	قَوْمًا وہ قوم	مَّآ اُنْذِرَ نہیں ڈرائے گئے
اٰبَآؤُهُمْ انکے باپ (دادا)	فَهُمْ پس وہ	غٰفِلُوْنَ غافل				

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب سورۂ یٰسین شریف کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس وقت اس سورۂ مبارکہ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں۔ ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کے فضائل۔ وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے فضائل میں احادیث میں روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر شے کا دل ہوتا ہے۔ قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے۔ جو شخص اس سورۃ کو ایک بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دس قرآن کا ثواب عطا کرے گا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سورۃ کو قرآن کا دل اس لئے فرمایا گیا کہ یہ سورۃ قرآن کی خاص دعوت یعنی توحید۔ رسالت وآخرت کو نہایت پرزور طریقہ سے پیش کرتی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کو قرآن کریم کا قلب یعنی دل فرمایا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار دل پر ہے۔ اور روحانی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے۔ جس کے خاص اور اہم ترین اصول تین ہیں۔ توحید۔ رسالت اور آخرت۔ اس سورۃ میں ایمان کے ان تین اہم اصول کو جو دین کا دل و جان ہیں نہایت مدلل اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور ان سب کی جڑ حشر ونشر کا اقرار اور آخرت کی فکر وتیاری ہے جو اس سورۃ میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے اور منکرین حشر کے شبہ کا نہایت مدلل۔ مکمل اور مفصل جواب دیا گیا ہے۔ پس ایمانی حیات کا سارا دارومدار خوف خدا اور آخرت کے یقین اور اس کی فکر پر ہے اور یہی سارے دین کا دل ہے جس پر روحانی زندگی کا دارومدار ہے۔ تو جس دل کو آخرت کا فکر ہے وہ دل تو زندہ ہے ورنہ مردہ ہے۔ حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کو اپنے مرنے والوں پر پڑھا کرو۔ علمائے کرام اور بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ہر سختی کے وقت یٰسین شریف پڑھنی چاہئے کہ اس کی برکت سے وہ سختی دفع ہوتی ہے۔ حاجت پوری ہوتی ہے اور موت کے وقت پڑھنے سے میت کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان نصیب ہوتا ہے اور رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ میری چاہت ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کے دل میں یہ سورۃ ہو۔ ایک حدیث میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو شروع دن میں پڑھے۔ اس کی تمام دن کی حوائج پوری ہو جائیں اور بھی احادیث میں اس سورۃ کے فضائل آئے ہیں۔

اس سورۃ کی ابتدا ہی میں دو حرف یٰسین آئے ہیں۔ اسی بنا پر علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام یٰسین مقرر رہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ ۳۶ ویں سورت ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۶۰ لکھا ہے یعنی ۵۹ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۳۰ سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں اور پھر ۲۴ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۸۳ آیات۔ ۵ رکوعات۔ ۷۲۹ کلمات اور ۳۰۹۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے مثل دوسری مکی سورتوں کے اس میں بھی عقائد سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔ یعنی توحید۔ رسالت۔ آخرت۔ قیامت۔ جزا و سزا وغیرہ کا بیان ہے۔

اس سورۃ میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو برحق کہا گیا یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ منکروں کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس دنیا کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے کہ اس میں سے کچھ لوگ آپ کا رسول ہونا تسلیم کریں گے اور کچھ آپ کی رسالت کے قائل نہ ہوں گے اور ایمان نہ لاویں گے۔ بلکہ الٹے مخالف ہو جائیں گے۔ ایسے لوگوں کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں جو ڈر کر آپ کی نصیحت مان لیں گے وہ سعادت مند ہیں اور انہیں آخرت میں بڑی راحت و آسائش نصیب ہوگی۔ ایمان لانے والوں اور انکار کرنے والوں کا رویہ ایک خاص مثال سے واضح کیا گیا اور رسولوں کے انکار کرنے والوں پر افسوس کیا گیا کہ وہ اپنے بے باکانہ رویہ سے آخرت کا سخت عذاب مول لے رہے ہیں۔ رسالت کی اہمیت جتلانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی معرفت کی طرف توجہ دلائی گئی اور بتلایا گیا کہ اس عالم میں اس کی قدرت کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ سب اس دنیا کے بنانے والے اور پالنے والے کا پتہ بتا رہی ہیں اس کے بعد قیامت کا نقشہ کھینچا گیا اور آخرت میں ایمان لانے والوں کے انعام و اکرام اور انکار کرنے والوں کی سزا کا بیان ہوا پھر قرآن کریم کی اہمیت جتلائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ کوئی شاعرانہ خیال اور فرضی باتوں کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ہر چیز اور ہر بات کی اصل حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ پھر سمجھایا گیا کہ انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ موڑنا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صحیح اندازہ کر کے اس کی طاعت و بندگی بجالائے اور خوب سمجھ لے کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ اللہ کے نزدیک نیست و نابود ہو جانے کے بعد کسی کا دوبارہ بنا دینا کچھ مشکل نہیں۔ دنیا کی ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ جس چیز کا بھی ارادہ کرتا ہے وہ چیز اس کا حکم دیتے ہی موجود ہو جاتی ہے۔ وہ ہر برائی۔ عیب۔ کمزوری اور بے چارگی سے پاک و مبرا ہے اور بالآخر تمام انسانوں کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کے خاص مضامین کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

اب ان ابتدائی آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات یٰسین سے فرمائی گئی۔ حروف مقطعات کی تشریح پہلے پارہ الم کی ابتدا ہی میں ہو چکی ہے کہ ان کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان حروف مقطعات کا علم عام بندوں کو نہیں دیا گیا۔ ان کے متعلق اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد کلام کی ابتدا قسم سے فرمائی گئی کہ قسم ہے اس قرآن باحکمت کی۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں جن میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنے مخلوق کی اور صرف سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ اس سلسلہ میں علما نے لکھا ہے کہ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے قسمیں اسی لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں کا طریقہ تھا کہ کوئی کلام اور بیان اس وقت تک فصیح اور بلیغ نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں قسمیں نہ ہوں۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی قسمیں کھائی گئیں کہ فصاحت عرب کی یہ قسم بھی رہنے نہ پائے۔ اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی کیوں قسم کھائی ہیں۔ اس کا جواب مختلف وجوہ سے دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ مضاف پوشیدہ ہے مثلاً جہاں قسم ہے آفتاب و ماہتاب کی وہاں آفتاب و ماہتاب کے رب کی قسم سمجھا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ عرب ان اشیاء کی تعظیم کرتے تھے اس لئے قرآن نے قسمیں کھائیں۔ تیسرے یہ کہ اس وجہ سے قسمیں کھائی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے خالق و صانع کی عظمت کا اظہار کیا جا سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں آغاز کلام قرآن حکیم کی قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو بیان فرمایا گیا کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ تو اس قسم سے ایک تو کفار کا رد مقصود ہے کہ جو قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ رسول نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں قسم کھا کر آپ کی نبوت و رسالت کو بیان فرمایا اور قرآن کی جو قسم کھائی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے رسول ہونے کا سب سے بڑا ثبوت اور سب سے بڑی دلیل یہ قرآن حکیم ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کیا۔ آپ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا۔

یہاں آیت میں اگرچہ خطاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن در حقیقت سنانا اوروں کو مقصود ہے کہ جس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور بے شک و شبہ سیدھی راہ پر ہیں یعنی جو پیغام ہدایت یہ اللہ کی طرف سے انسانوں کے پاس لے کر آئے ہیں یقیناً وہ انسان کو اصل کامیابی اور منزل مقصود تک سیدھا پہنچاتا ہے۔ اس راستہ پر چلنے والا کبھی ادھر ادھر بھٹکتا نہیں پھرتا۔ آگے فرمایا گیا تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ یعنی یہ قرآن پاک خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نازل کرنے کے سلسلہ میں اپنی دو صفات بیان فرمائی ہیں ایک عزیز یعنی وہ غالب اور زبردست ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ رحیم ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی صفت عزیز بیان کرنے سے مقصود اس حقیقت پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ قرآن کسی کمزور اور بے زور ہستی کا بھیجا ہوا نہیں ہے کہ جسے تم نظر انداز کر دو تو تمہارا کچھ نہ بگڑے بلکہ یہ اس مالک کائنات کا فرمان ہے جو سب پر غالب ہے اور جو نافرمانوں کو پوری پوری سزا دینے کی طاقت رکھتا ہے اور جس کی پکڑ سے بچ جانے کی کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے۔ دوسری صفت رحیم بیان کرنے سے یہ احساس دلانا ہے کہ یہ سراسر اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنا رسول بھیجا اور یہ کتاب عظیم نازل کی تا کہ تم گمراہیوں سے بچ کر اس راہ راست پر چل سکو جس سے تمہیں دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل ہوں۔ اب آگے آپ کی رسالت اور قرآن کے نزول کی ایک حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ آپ پیغمبر اس لئے بنائے گئے ہیں تا کہ اولاً آپ اس قوم عرب کو برے اعمال کے نتائج سے خبردار کریں کہ جن کے پاس مدت سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اور جن کے باپ دادا تک نے بھی کبھی ایسی باتیں نہ سنی۔ اس لئے وہ خواب غفلت میں گرفتار ہیں اور اب انہیں اس خواب غفلت سے جگانا ہے۔ یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ صرف عرب ہی کے لئے رسول تھے۔ اولاً ڈرانا آپ کا قریش عرب کے لئے تھا اور پھر عام لوگوں کو بھی آپ نے دعوت فرمائی کیونکہ بعثت آپ کی عام تمام سارے عالم کے لئے ہے۔ آپ کی عموم بعثت کے لئے بہت سی قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ

ان میں سے اکثر لوگوں پر (تقدیری) بات ثابت ہوچکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں

اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا

پھر وہ ٹھوڑیوں تک (اَڑ گئے) ہیں جس سے ان کے سر اُوپر کو اُٹھے رہ گئے ہیں۔ اور ہم نے ایک آڑ اُن کے سامنے کردی

وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی جس سے ہم نے اُن کو گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔ اور ان کے حق میں آپ کا

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ

ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں یہ ایمان نہ لاویں گے۔ پس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدا سے

الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَكْتُبُ

بے دیکھے ڈرے، سو آپ اس کو مغفرت اور عمدہ عوض کی خوشخبری سنا دیجئے۔ بیشک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں

مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ع

وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اوران کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کردیا تھا۔

لَقَدْ حَقَّ تحقیق ثابت ہوگئی	الْقَوْلُ بات	عَلٰی پر	اَكْثَرِهِمْ ان میں سے اکثر	فَهُمْ پس وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہ لائیں گے		
اِنَّا جَعَلْنَا بیشک ہم نے کئے (ڈالے)	فِیْ میں	اَعْنَاقِهِمْ ان کی گردنیں	اَغْلٰلًا طوق	فَهِیَ پھر وہ	اِلَی تک	الْاَذْقَانِ ٹھوڑیاں	فَهُمْ تو وہ
مُقْمَحُوْنَ سر اونچا کئے (سر الل رہے ہیں)	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کردی	مِنْ سے	بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ ان کے آگے	سَدًّا ایک دیوار	وَ اور		
مِنْ خَلْفِهِمْ ان کے پیچھے	سَدًّا ایک دیوار	فَاَغْشَيْنٰهُمْ پھر ہم نے انہیں ڈھانپ دیا	فَهُمْ پس وہ	لَا يُبْصِرُوْنَ دیکھتے نہیں	وَسَوَآءٌ اور برابر		
عَلَيْهِمْ ان پر۔ان کیلئے	ءَاَنْذَرْتَهُمْ خواہ تم انہیں ڈراؤ	اَمْ یا	لَمْ تُنْذِرْهُمْ تم انہیں نہ ڈراؤ	لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہ لائیں گے			
اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	تُنْذِرُ تم ڈراتے ہو	مَنِ جو	اتَّبَعَ پیروی کرے	الذِّكْرَ کتاب نصیحت	وَخَشِیَ اور ڈرے	الرَّحْمٰنَ رحمٰن (اللہ)	
بِالْغَيْبِ بن دیکھے	فَبَشِّرْهُ پس اسے خوشخبری دیں	بِمَغْفِرَةٍ بخشش کی	وَاَجْرٍ اور اجر	كَرِيْمٍ اچھا	اِنَّا نَحْنُ بیشک ہم	نُحْیِ زندہ کرتے ہیں	
الْمَوْتٰی مُردے	وَنَكْتُبُ اور ہم لکھتے ہیں	مَا قَدَّمُوْا جو انہوں نے آگے بھیجا (عمل)	وَاٰثَارَهُمْ اور انکے اثر (نشانات)	وَكُلَّ اور ہر			
شَیْءٍ شے	اَحْصَيْنٰهُ ہم نے اسے شمار کر رکھا ہے	فِیْ میں	اِمَامٍ مُّبِيْنٍ کتاب روشن (لوح محفوظ)				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق اور قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر فرما کر نزول قرآن کی ایک وجہ بتلائی گئی تھی کہ اس کے ذریعہ سے اولاً آپ اس قوم عرب کو ہوشیار اور بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں آیا تھا اس لئے وہ تاریکی کی جہالت وغفلت میں پڑے ہوئے تھے اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس

قوم میں بہت سے افراد آپ کو ایسے بھی ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں یعنی کچھ لوگ تو آپ کی بات کو مان لیں گے اور ایمان لے آویں گے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ جو آپ کی دعوت کے مقابلہ میں ضد۔ عناد۔ اور ہٹ دھرمی سے کام لیں گے اور جنہوں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ آپ کی بات بہرحال کسی صورت مان کر نہیں دینی ہے۔ ایسے سخت بدکیش اور سرکش کفار کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ فیصلہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اور یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں۔ اور ان بدنصیبوں کو ہدایت کا پہنچنا بہت مشکل بلکہ محال ہے۔ یہ لوگ جو دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو اپنا قبلہ مقصود بنائے ہوئے ہیں اور موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے۔ نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کرتے ہیں۔ انہیں کیسے ہی معقول دلائل سنائے جائیں اور کھلے کھلے نشانات دکھلائے جائیں یہ سب کو جھٹلاتے رہیں گے اور فضول حجتیں نکالتے رہیں گے۔ انہوں نے محض ہوا و ہوس کو اپنا معبود ٹھہرالیا ہے۔ یہ نہ عقل سے کام لیں اور نہ آنکھوں سے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعراض اور عناد کے نتیجہ میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے پھر ان کے دلوں میں خیر کے جانے کی ذرا گنجائش نہیں رہتی جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازہ بند کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے یا ایک بیمار دوا پینے کی قسم کھالے۔ طبیب سے دشمنی کرلے اور ہر قسم کی بد پرہیزی پر تیار ہو جائے تو پھر اللہ بھی اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے حال کی ایک مثال یہاں یہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی کی گردن میں ایسے طوق ڈال دیئے گئے ہوں کہ جو خوب اچھی طرح اس کی گردن میں پھنسے ہوئے ہوں اور وہ ٹھوڑیوں تک خوب ان سے جکڑا ہوا ہو جس سے کہ اس کا چہرہ اور سر اوپر کو اٹھارہ جائے اور وہ اپنا سر نیچے نہ جھکا سکے اور اپنی گردن نہ ہلا سکے اور اس کی آنکھیں اوپر ہی کو رہ جائیں کہ وہ نیچے راستہ کی طرف دیکھ ہی نہ سکے تو ایسا شخص ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کھڈ یا گڑھے میں گرنے اور ہلاک ہونے سے بچا نہیں سکتا۔ تو دراصل ایسے ضدی اور معاند کفار جنہوں نے حق کو پہچان لیا اور پھر بجائے اس کے قبول کرنے کے الٹے عداوت اور دشمنی پر تل گئے ان کے گلوں میں کوئی ظاہری طوق نہیں پہنائے گئے تھے بلکہ یہ کلام اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا کہ ہم نے ان کی گردنوں میں بھاری بھاری طوق ڈال دیئے ہیں بطور تشبیہ کے ہے اور ان کے حال کو تشبیہ دی گئی اس شخص کے حال سے جس کے گلے میں طوق ڈال دیا گیا ہو جو اس کی گردن کو جکڑ دے اور سر نیچا نہ ہو سکے یہی حال ان معاندین کفار کا ہے جو نفسانیت۔ اور ضد و عناد کے طوقوں میں ایسے جکڑ دیئے گئے ہیں کہ وہ حق کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے۔

دوسری مثال ایسے لوگوں کی یہاں یہ دی گئی کہ جیسے کسی شخص کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کر دی جائیں اور وہ چار دیواری میں محصور ہو کر باہر کی چیزوں سے بے خبر ہو جائے اور کسی طرف سے کچھ نظر نہ آئے اسی طرح ان معاند اور ضدی کافروں کے گرد بھی ان کی جہالت اور ہٹ دھرمی نے محاصرہ کرلیا ہے کہ باہر سے اب حق کی باتیں ان تک گویا پہنچتی ہی نہیں۔ تو یہاں ان دونوں تشبیہات اور مثالوں سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس دنیا میں کفر و ایمان، حق و باطل اور جنت و جہنم کے دونوں راستے انسان کے سامنے کر دیئے ہیں۔ اور ایمان کی دعوت و تعلیم کے لئے انبیاء کرام و کتابیں بھی بھیج دیں۔ پھر انسان کو یہ اختیار بھی عطا کر دیا کہ وہ بھلے برے۔ نیکی و بدی کو پہچان کر اپنے لئے کوئی راستہ اختیار کرے۔ اب جو بدنصیب نہ غور و فکر سے کام لے نہ دلائل قدرت میں غور کرے۔ نہ انبیاء کی دعوت پر کان دھرے۔ نہ اللہ کی کتاب

میں غور کرے تو اس نے اپنے اختیار سے جو راہ اختیار کر لی تو قدرت کی طرف سے اس کے لئے اسی راہ کے سامان جمع فرما دیئے جاتے ہیں یعنی جو کفر میں لگ گیا تو پھر اس کے واسطے کفر بڑھانے ہی کے سامان ہو جاتے ہیں۔ اسی کو یہاں آیت میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی ان میں سے اکثر لوگوں پر ان کے سوء اختیار کی بنا پر یہ قول حق جاری ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور عالم اسباب میں اس کی وجہ اور علت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عناد کی وجہ سے توفیق خداوندی سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔

یا اللہ آپ اپنے کرم سے اپنی توفیق حسن کو ہر حال میں ہمارے شامل حال رکھئے اور کسی آن ہم کو اس سے محروم نہ فرمائیے۔ امین۔

یہاں کفار کی اس کیفیت اور حالت کو جوان دو مثالوں کے ذریعہ بیان کی گئی اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی مقصود ہے کہ جب یہ ضد و ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ گئے تو ایسوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے۔ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ ان میں ایمان کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی۔ اللہ کے علم ازلی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر ہی پر مریں گے۔

آگے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ڈرانے کا فائدہ تو اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت کو سن کر اور مان کر اس پر چلے اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتا ہو۔ پس ایسے خدا ترس بندوں کو گذشتہ تقصیرات پر خداوند کریم کے مغفرت کی اور طاعات پر آخرت میں بڑے اچھے ثواب اور انعام کی خوش خبری سنا دیجئے جو ان کو اس عالم سے گزرنے کے بعد ملے گا۔ جس کو خدا کا ڈر ہی نہیں۔ نہ نصیحت کی کچھ پروا۔ وہ نبی کی تنبیہ و تذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے لوگ بجائے مغفرت و عزت کے سزا اور ذلت کے مستحق ہوں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فریقین کے اس عزت و ذلت کا پورا اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا جو کہ موت کے بعد سے شروع ہو جاتی ہے یعنی موت کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے جہاں سب اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔ انسان کے اعمال جو اس نے زندگی میں کئے یا جن کا اثر اس کے مرنے کے بعد بھی پھیلتا رہا سب کے سب دفتر غیب میں لکھے جا رہے ہیں۔ اس کے ہاں چونکہ ہر کام ضابطہ اور انتظام کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس نے ہر ہر چیز لوح محفوظ میں لکھ دینے کا حکم جاری کر رکھا ہے چنانچہ کوئی چیز چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں کہ جو اس میں لکھی ہوئی نہ ہو خواہ اس کا تعلق حال سے ہو یا ماضی سے مستقبل سے پس اس کے مطابق وہاں جزا و سزا ملے گی۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا گیا وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اعمال خیر و شر کا سلسلہ زندگی ختم ہو جانے اور مرنے کے بعد بھی چلتا رہتا ہے۔ اور اس دنیا میں اچھے یا برے کئے ہوئے اعمال بس زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتے بلکہ زندگی کے اعمال کی طرح مرنے کے بعد اعمال کے اثرات بھی لکھے جاتے ہیں اس کی تفصیل و تشریح یوں سمجھئے مثلاً کسی نے لوگوں کو دین کی تعلیم دی۔ یا دینی احکام بتلائے۔ یا کوئی علم دین کے بارہ میں کتاب لکھی جس سے لوگوں نے دین کا نفع اٹھایا۔ یا کوئی وقف دینی فائدہ کے لئے کیا جس سے لوگوں نے دین کا نفع اٹھایا۔ جیسے مسجد بنائی۔ یا دینی مدرسہ بنایا۔ یا اور کوئی ایسا کام کیا کہ جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا تو جہاں تک ان اعمال خیر کے اثرات پہنچیں گے اور جب تک پہنچتے رہیں گے وہ سب زندگی کے بعد بھی اس شخص کے اعمال نامہ میں لکھے جاتے رہیں گے۔ اسی طرح برے اعمال جن کے برے اثرات اور

ثمرات دنیا میں باقی رہے اور ان سے دوسروں میں برائی اور معصیت پھیلتی رہی مثلاً کسی نے فحش ناول۔ افسانے یا ڈرامے لکھے۔ یا کسی نے اپنی زندگی میں ظالمانہ قوانین جاری کردیئے۔ یا ایسی چیز رائج کردی یا ایسے ادارہ قائم کردیئے کہ جو انسانوں کے اخلاق واعمال کو خراب کریں۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی کا ذریعہ لوگوں کے لئے بنیں۔ یا جن سے لوگ غلط اور برے راستہ پر پڑیں جیسے سینما' تھیٹر' بائیسکوپ' ناچ گانے کے اڈے' فحاشی اور عریانی اور بے حیائی پھیلانے والے ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ وغیرہ تو جب تک اور جہاں تک کسی کے عمل کے برے نتائج اور فتنے اور مفاسد وجود میں آتے رہیں گے اور دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوتے رہیں گے تو وہ اس شخص کے نامہ اعمال میں مرنے کے بعد بھی برابر لکھے جاتے رہیں گے۔ جیسا کہ اس جملہ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ کی تفسیر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو اس کا بھی ثواب ملے گا اور جتنے آدمی اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا بھی ثواب اس کو ملے گا بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی آوے۔ اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس کو اس کا بھی گناہ ہوگا اور جتنے آدمی جب تک اس برے طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے ان کا گناہ بھی اس کو ہوتا رہے گا بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کمی آوے۔''

اور ایک دوسری صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال کٹ جاتے ہیں مگر تین عمل۔ ایک وہ علم جس سے اس کے بعد نفع حاصل کیا جائے۔ دوسرے وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا خیر کرے۔ اور تیسرے صدقہ جاریہ جو اس کے بعد بھی باقی رہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے اعمال وافعال کے نیک اثرات ہمارے مرنے کے بعد بھی قائم رکھیں اور ان کے ثواب ہمارے اعمال ناموں میں برابر لکھے جاتے رہیں۔ آمین۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے گناہوں کی شامت اعمال سے محفوظ رکھیں اور جو نصیحت وہدایت ہم کو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچے اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ اور حق تعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف وخشیت نصیب فرمائیں کہ جو ہم کو اطاعت وبندگی پر آمادہ رکھے۔ اور عصیان ونافرمانی سے بچالے۔

یا اللہ ہم کو اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمایئے کہ جو مرنے کے بعد بھی ہم دوسروں کے لئے نیکی اور بھلائی کا ذریعہ بن جائیں۔

یا اللہ ہمارے لئے خیر ہی مقدر فرمایئے اور اس کے ثمرات وبرکات ہم کو زندگی میں بھی نصیب فرمایئے اور مرنے کے بعد بھی مغفرت ورحمت نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ

اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ یعنی ایک بستی والوں کا قصہ اس وقت کا بیان کیجئے جبکہ اس بستی میں کئی رسول آئے۔یعنی جبکہ ہم نے اُن کے پاس (اول)

اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا

دو کو بھیجا سو اُن لوگوں نے دونوں کو جھوٹا بتلایا پھر تیسرے (رسول) سے تائید کی سو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ان لوگوں نے کہا کہ تم تو

بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ

ہماری طرح معمولی آدمی ہو، اور خدائے رحمٰن نے (تو) کوئی چیز نازل نہیں کی تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار علیم ہے

اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ

کہ بیشک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر (حکم کا) پہنچا دینا تھا۔وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے

تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ

تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کردیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے

ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاوے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔

وَاضْرِبْ اور بیان کریں آپ	لَهُمْ ان کیلئے	مَثَلًا مثال (قصہ)	اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ بستی والے	اِذْ جب	جَآءَهَا انکے پاس آئے	الْمُرْسَلُوْنَ رسول		
اِذْ جب	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجے	اِلَيْهِمُ انکی طرف	اثْنَيْنِ دو	فَكَذَّبُوْهُمَا تو انہوں نے جھٹلایا انہیں	فَعَزَّزْنَا پھر ہم نے تقویت دی	بِثَالِثٍ تیسرے سے		
فَقَالُوْا پس انہوں نے کہا	اِنَّا بیشک ہم	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	مُرْسَلُوْنَ بھیجے گئے	قَالُوْا وہ بولے	مَآ اَنْتُمْ تم نہیں ہو	اِلَّا مگر۔محض	بَشَرٌ آدمی	
مِثْلُنَا ہم جیسے	وَمَآ اور نہیں	اَنْزَلَ اُتارا	الرَّحْمٰنُ رحمٰن (اللہ)	مِنْ شَيْءٍ کچھ	اِنْ نہیں	اَنْتُمْ تم	اِلَّا مگر۔محض	تَكْذِبُوْنَ جھوٹ بولتے ہو
قَالُوْا انہوں نے کہا	رَبُّنَا ہمارا پروردگار	يَعْلَمُ جانتا ہے	اِنَّا بیشک ہم	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	لَمُرْسَلُوْنَ البتہ بھیجے گئے	وَمَا اور نہیں	عَلَيْنَا ہم پر	
اِلَّا مگر	الْبَلٰغُ پہنچادینا	الْمُبِيْنُ صاف صاف	قَالُوْا وہ کہنے لگے	اِنَّا تَطَيَّرْنَا ہم نے منحوس پایا	بِكُمْ تمہیں	لَئِنْ اگر	لَمْ تَنْتَهُوْا تم باز نہ آئے	
لَنَرْجُمَنَّكُمْ ضرور ہم سنگسار کردیں گے تمہیں	وَلَيَمَسَّنَّكُمْ اور ضرور پہنچے گا تمہیں	مِنَّا ہم سے	عَذَابٌ عذاب	اَلِيْمٌ دردناک	قَالُوْا انہوں نے کہا			
طَآئِرُكُمْ تمہاری نحوست	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	اَئِنْ کیا	ذُكِّرْتُمْ تم سمجھائے گئے	بَلْ بلکہ	اَنْتُمْ تم	قَوْمٌ لوگ	مُسْرِفُوْنَ حد سے بڑھنے والے	

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قرآن کے ذریعہ سے انسانوں کو سیدھا راستہ بتاتے آئے ہیں تا کہ مدتوں سے جو خواب غفلت میں گرفتار ہیں وہ بیدار ہوں پھر بتایا گیا کہ بعض بدبخت رسول اور قرآن کا انکار کریں گے۔ان پر کوئی نصیحت اثر نہ کرے گی وہ ایمان نہ لاویں گے۔لیکن جو اللہ سے ڈریں گے وہ ضرور اسے مانیں گے اور پھر ماننے والوں کو مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دی گئی

تھی۔ اسی کی تشریح میں آگے ان آیات اور اگلی آیات میں اصحاب قریہ کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ مومنین کے لئے باعث بشارت اور مکذبین کے لئے باعث عبرت ونصیحت ہو۔ یہ کس بستی کا قصہ ہے؟ کس زمانہ کا ہے؟ اور کن رسولوں سے متعلق ہے؟ اس کا تعین نہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ نہ کسی صحیح حدیث میں۔ اس لئے اصحاب قریہ کی تفصیلی جزئیات کچھ بھی ہوں قرآن پاک نے جو حصہ نقل کیا ہے وہ اپنے مقصد عظمٰی ''عبرت و نصیحت'' کے پیش نظر ایک صاحب بصیرت کے لئے کافی وشافی ہے اور اہل مکہ اور قریش کو دعوت دیتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رشد وہدایت سے فائدہ اٹھائیں اور اصحاب قریہ کی طرح منہ موڑ کر دنیا اور آخرت کی تباہی مول نہ لیں۔ قرآن کریم نے اصحاب قریہ کے متعلق صرف اس قدر بتلایا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ایک بستی میں کفر وشرک اور شر وفساد کو دور کرنے اور رشد وہدایت کا سبق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبروں کو مامور کیا۔ انہوں نے اہل قریہ کو حق کی تلقین کی اور صراط مستقیم کی جانب دعوت دی لیکن بستی والوں نے ان دونوں پیغمبروں کو جھٹلایا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک اور پیغمبر کا اضافہ کر دیا اور وہ تین مل کر ایک جماعت ہو گئے۔ اب ان تینوں پیغمبروں نے بستی والوں کو یقین دلایا کہ بے شبہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں مگر انہوں نے نہ مانا اور ان کا مذاق اڑایا کہ تم بھی آدمی ہم بھی آدمی۔ پھر تمہارے اندر وہ کون سی بات ہے کہ تم پیغمبر بنا دیئے گئے۔ یہ سب تمہارا جھوٹ اور تمہاری سازش ہے۔ (العیاذ باللہ) اس پر ان پیغمبروں نے کہا کہ خدا اس کا شاہد ہے کہ ہم جھوٹے نہیں۔ وہ دانا وبینا اس کو خوب جانتا ہے مگر تم پھر بھی نہیں مانتے تو ہمارا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیں اور راہ حق دکھا دیں بستی والے کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں کہ تم نے خواہ مخواہ ہمارے یہاں آ کر گڑبڑ پیدا کر دی اگر تم اس سے باز نہ آئے تو ہم تم تینوں کو مار ڈالیں

گے یا سخت قسم کی تکلیف میں مبتلا کر دیں گے۔ ان پیغمبروں نے جواب دیا کہ خدا کی نافرمانی کر کے نحوست تو تم خود اپنے اوپر لا چکے ہو۔ اس سے زیادہ نحوست اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم نصیحت اور خیر خواہی تک کو قبول نہیں کرتے اور حد سے زیادہ گزرتے جاتے ہو۔ اسی بستی کے آخری کنارہ پر ایک نیک مرد رہتا تھا اس نے جب سنا کہ بستی والے خدا کے رسولوں کو جھٹلا رہے ہیں اور طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے ہیں تو وہ نیک مرد عجلت کے ساتھ وہاں آ پہنچا جس جگہ یہ گفتگو ہو رہی تھی اور کہنے لگا کہ اے قوم خدائے تعالیٰ کے پیغمبروں کی پیروی کرو۔ ان مقدس لوگوں کی پیروی سے کیوں منہ موڑتے ہو جو تم سے اس خدمت حق اور تبلیغ دین کا کوئی معاوضہ تک طلب نہیں کرتے۔ بتاؤ کہ میں کیوں اس ایک خدا کی ہی پرستش نہ کروں جس نے مجھ کو نیست سے ہست کیا ہے اور مرنے کے بعد پھر میں اور تم سب اسی کی جانب لوٹ جانے والے ہیں۔ تم جوان۔ برگزیدہ انسانوں کی تکذیب کر رہے ہو تو میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا مجھ کو خدائے واحد کے سوائے معبودان باطلہ کو اپنا خدا مان لینا چاہیے۔ اگر تمہارا مقصد یہ ہے تو ایسی صورت میں بلاشبہ میں تو سخت گمراہی میں پھنس جاؤں گا لہٰذا کان کھول کر سن لو کہ تم ان مقدس انسانوں کی بات مانو۔ میں تو اس ذات پر ایمان لے آیا جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ قوم نے جو اس نیک مرد کی یہ پر از ہدایت گفتگو سنی تو غیض وغضب میں آ گئی اور اس نیک مرد کو شہید کر ڈالا۔ اس کے بعد ان بستی والوں پر ایک ہولناک چیخ کا عذاب نازل ہوا اور سب کا کام تمام کر دیا۔ یہ ہے اصحاب قریہ کا پورا قصہ جو ان آیات میں اور اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار مکہ اور مشرکین عرب کو ایک بستی کے لوگوں کا قصہ مثال کے طور پر سنایئے کہ اس بستی میں پہلے ہم نے دو رسول بھیجے۔ بستی والوں نے ان دونوں

پیغمبروں سے کہا کہ تم جھوٹے ہو ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ پھر ان کی تائید کے لئے ایک تیسرا رسول مزید بھیجا گیا اور تینوں نے مل کر کہا کہ ہم تمہارے پاس اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ اللہ نے جو پیغام دیا ہے وہ ہم تمہیں پہنچانے آئے ہیں لہٰذا ہم جو کچھ کہیں اللہ کا پیغام سمجھو اور مانو اس پر بستی والوں نے جو جواب ان پیغمبروں کو دیا وہ قرآن پاک نے نقل فرمایا

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ

یعنی تم میں کوئی سرخاب کا پر نہیں جو اللہ تمہیں بھیجتا۔ ہم سے تم کس بات میں بڑھ کر ہو۔ جیسے ہم انسان ایسے ہی تم انسان۔ بس رہنے دو خواہ مخواہ خدا کا نام نہ لو۔ اس نے کچھ نہیں اتارا اور پیغام دیا۔ تم تینوں سازش کر کے ایک جھوٹ بنا لائے اور اسے خدا کی طرف نسبت کر دیا۔ استغفر اللہ والعیاذ باللہ قرآن پاک نے متعدد جگہ بتلایا کہ قوم نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت تک ہر ایک گروہ نے پہلے اسی پر تعجب یا نفرت کا اظہار کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری ہی طرح کا انسان اور لوازمات بشری کا محتاج انسان خدا کا پیغمبر ہو۔ ان تمام باطل گروہوں کا ہمیشہ سے جیسا کہ قرآن کریم نے بتلایا یہ عقیدہ رہا ہے کہ خدا کا پیغمبر انسان و بشر نہیں ہونا چاہئے بلکہ کسی مافوق الفطرۃ ہستی کو اللہ کا رسول ہونا چاہئے۔ چنانچہ اصحاب قریہ نے بھی اپنے رسولوں کے متعلق یہی کہا کہ تم ہماری طرح انسان ہو۔ کون سی ایسی تم میں خوبی ہے کہ تم خدا کے رسول ہو۔ اور اصحاب قریہ کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین مکہ نے بھی یہی کہا تھا کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ ہماری طرح کھاتے پیتے اور ہماری طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ مگر منکرین کے اس جاہلانہ سوال کا قرآن کریم نے وہ فیصلہ کن جواب ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے اس بحث کا خاتمہ کر دیا۔ پندرہویں پارہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ اگر ایسا ہوتا کہ زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے۔ یعنی اس سوال کی بنیاد ہی بے وقوفی پر مبنی ہے اس لئے کہ جب دنیا میں انسان بس رہے ہیں اور فرشتوں کی آبادیاں نہیں ہیں تو پھر ان کی ہدایت کے لئے رسول اور پیغمبر بھی انسان ہی ہونا چاہئے نہ کہ نوری فرشتہ۔

تو اصحاب قریہ کے اس قول کے جواب میں کہ جو انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ تم کچھ نہیں مگر ہمیں جیسے انسان ہو اور خدا نے ہرگز کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم محض جھوٹ بولتے ہو اس کا جواب اس بستی والوں کو ان پیغمبروں نے یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہمارا کام یہی ہے کہ جو پیغام تم تک پہنچانے کے لئے رب العالمین نے ہمارے سپرد کیا ہے وہ ہم تمہیں پہنچا دیں اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ مانو یا نہ مانو۔ یہ ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی گئی کہ ہم زبردستی تم سے منوا کر ہی رہیں۔ ہم اپنا فرض ادا کر چکے۔ خدا کا پیغام خوب کھول کر واضح۔ معقول اور دلنشین طریقہ سے تم کو پہنچا دیا اب اتمام حجت کے بعد تم خود سوچ لو کہ تکذیب وعداوت کا انجام کیا ہونا چاہئے رسولوں کی یہ بات بالکل صاف اور بے لاگ تھی۔ اس کا جواب وہ کیا دیتے مگر جیسا باطل کا دستور ہے کہ زچ ہو کر

دھمکیوں پر اتر آتا ہے اور بے تکی باتیں کرنے لگتا ہے اسی طرح اصحاب قریہ نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جب سے تم آئے ہو بستی میں ایک ہلچل مچ گئی ہے۔ جب تک تم نہ آئے تھے ہماری زندگی مزے سے کٹ رہی تھی۔ اب یہ تمہاری نحوست ہے کہ بارش موقوف ہے قحط کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ پھر آپس میں اختلاف ہو گیا تو تمہارے قدم کیا آئے قحط و نااتفاقی کی وبا ہم پر ٹوٹ پڑی۔ یہ سب تمہاری نحوست ہے۔ (العیاذ باللہ) بس اب تم اپنی زبان کو روکو اور اس وعظ و نصیحت کو بند کرو ورنہ ہم تم پر ایسا پتھراؤ کریں گے کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اور ہم تمہیں اتنا دق کریں گے اور ایسی دکھ بھری اذیت دیں گے کہ تم سب بھول جاؤ گے استغفر اللہ! یہ غفلت و جہالت اور بداعمالیوں کی مستی ایسی ہی ہے اور بس وہ اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ ہم طاقت ور ہیں۔ ہمارے پاس مادی ذرائع و وسائل ہیں۔ ہم اپنے مقابل و مخالف کو سخت سزا دے سکتے ہیں اور یہ ان کی کھوپڑی میں بات آتی ہی نہیں کہ ہم سے زیادہ طاقت ور بھی کوئی ہے اور وہ ہمیں سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے۔ الغرض اللہ کے ان پیغمبروں نے اصحاب قریہ کی نادانی پر افسوس کیا اور تحمل کے ساتھ پھر سمجھایا کہ یہ نحوست تو تم پر تمہارے اعمال کی شامت سے آئی ہے اگر تم ہماری بات پر غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں تمہارے ہی بھلے اور خیر خواہی کی کہہ رہے ہیں اور جو نصیحت کر رہے ہیں وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے کر رہے ہیں۔ کیا ہماری نصیحت اور خیر خواہی کا بدلہ یہی ہے کہ تم ہمیں منحوس سمجھو اور خواہ مخواہ ہم سے دشمنی کرنے لگو اور ہمارے ستانے پر کمر باندھ لو۔ اور ہم کو قتل کی دھمکیاں دینے لگو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل اور انسانیت کی حدود سے خارج ہوئے جاتے ہو۔ نہ عقل سے سمجھتے ہو نہ انسانیت کی بات کرتے ہو۔

اب جہاں شر و فساد اور فتنہ و گمراہی کے جراثیم بکثرت موجود ہوتے ہیں وہاں خیر و سعادت کی بھی کوئی روح ضرور نکل آتی ہے چنانچہ اسی بستی میں سے ایک نیک مرد مومن نکل آیا اور اس نے اپنی گمراہ قوم کو کیا نصیحت کی یہ انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ اور فہم نصیب فرمائیں اور ہم کو جو تعلیمات و ہدایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہنچی ہیں ان پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم و ہمت عطا فرمائیں۔ اور ہم کو ظاہراً و باطناً ہر حال میں شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں اور قرآن کے مطابق صحیح عقائد رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہر طرح جہالت۔ غفلت اور گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ

اور ایک شخص اس شہر کے کسی دُور مقام سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم ان رسولوں کی راہ پر چلو۔ (ضرور) ایسے لوگوں کی راہ پر چلو

لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہِ راست پر بھی ہیں۔

وَجَآءَ اور آیا	مِنْ سے	اَقْصَا پرلا سرا	الْمَدِيْنَةِ شہر	رَجُلٌ ایک آدمی	يَّسْعٰى دوڑتا ہوا	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اتَّبِعُوا تم پیروی کرو		
الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں کی	اتَّبِعُوْا تم پیروی کرو	مَنْ جو	لَّا يَسْـَٔلُكُمْ تم سے نہیں مانگتے	اَجْرًا کوئی اجر	وَّهُمْ اور وہ	مُّهْتَدُوْنَ ہدایت یافتہ				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں ''اصحاب قریہ'' کے قصہ کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جب اُس بستی والوں کی طرف اللہ کے رسول آئے اور ان کو خدائی پیغام پہنچایا تو تکذیب کی بلکہ جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی لیکن قدرت خداوندی ہے کہ جہاں شر و فساد اور فتنہ و گمراہی کا کیسا ہی بازار گرم ہو وہیں حق تعالیٰ خیر و سعادت والی روح بھی کوئی پیدا فرما دیتے ہیں جو کلمۂ حق کی تائید میں جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ارادہ سے مطلع کر کے حفاظت جان کیلئے نیک صلاح دی تھی کہ وہ مصر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں ایسے ہی اصحاب قریہ نے جب سرکشی پر اصرار کیا ور پوشیدہ طور پر نبیوں کے قتل کا ارادہ کر لیا تو اُسی بستی کے آخری حصہ سے ایک نیک مرد مومن نکل آیا اور اُس نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اس صلہ میں اپنی جان دی۔ چنانچہ اِن آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اُسی بستی کے آخری کنارہ پر ایک مرد صالح رہتا تھا جو کسب حلال سے کماتا تھا اور عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ جب اپنی قوم کے بد ارادے کا اُسے علم ہوا تو اُس سے صبر نہ ہو سکا اور اس کی فطری صلاحیت نے اُسے چپ نہ بیٹھنے دیا اور وہ رسولوں کی تائید و حمایت اور مکذبین کی نصیحت و فہمائش کیلئے دوڑتا ہوا موقع پر آیا کہ کہیں بستی والے اپنی دھمکیوں کو جو انہوں نے رسولوں کو جان سے مار ڈالنے کی دی تھیں پورا نہ کرنے لگیں۔ یہاں آیت میں ہے وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى یعنی ایک شخص اس بستی کے آخری سرے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن رسولوں کے پیغام اور آواز کا اثر بستی کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔ تو اس مرد مومن نے آ کر اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا اور پہلی بات یہ کہی يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

یعنی اے میری قوم والو یہ رسول اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اخلاق اعمال۔ اور عادات و اطوار سب ٹھیک ہیں بے غرضی اور خیر خواہی کرتے ہیں۔ تم سے کوئی معاوضہ و صلہ نہیں چاہتے۔ جو کچھ کہہ رہے ہیں تمہارے ہی بھلے کی کہہ رہے ہیں۔ تو ایسے بے لوث اور بے غرض بزرگوں کا اتباع کیوں نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ اُن کے ذریعہ سے جو پیغام بھیجے اُسے قبول کیوں نہ کیا جائے۔ یہ سیدھے راستہ پر ہیں تمہیں بھی سیدھے راستہ پر چلانا چاہتے ہیں۔ تمہیں ضرور اِن کی دعوت پر لبیک کہنا چاہیئے اور ان کی اطاعت کرنا چاہیئے۔ تو یہاں اس مرد مومن نے اپنی قوم کے سامنے نبوت کی صداقت کے سارے دلائل سمیٹ کر اس ایک جملہ میں رکھ دیئے۔ ایک نبی کی صداقت دو ہی باتوں سے جانچی جا سکتی ہے ایک اس کا قول دوسرے اس کا فعل تو اس بندۂ خدا نے اپنی قوم سے یہی کہا کہ اول تو یہ لوگ سراسر معقول بات کہہ رہے ہیں دوسرے یہ کہ ان کی سیرت و کردار بالکل بے داغ ہے۔ یہ دین کی دعوت اپنی کسی ذاتی مفاد اور غرض کی خاطر تو نہیں دے رہے۔ یہ تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ یہ اپنی نصیحت و خیر خواہی کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کر رہے۔ اس کے بعد کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان کی بات کیوں نہ مانی جائے۔ یہاں اس شخص کا استدلال نقل کر کے قرآن کریم نے لوگوں کے سامنے ایک معیار رکھ دیا کہ نبی کی دعوت کو پرکھنا ہو تو اس کسوٹی پر پرکھ لو۔ اس میں کفار مکہ کو اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل بتا رہا ہے کہ یہ راہ راست پر ہیں اس لئے کسی معقول انسان کو آپ کی بات رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ آگے وہی نیک بخت شخص جس نے اپنی قوم کو رسولوں کی تابعداری کی رغبت دلائی تھی وہ اب اپنے عمل اور عقیدہ کو اُن کے سامنے پیش کر رہا ہے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کر کے ایمان کی دعوت دے رہا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

وَمَالِیَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ

اور میرے پاس کونسا عذر ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں خدا کو چھوڑ کر اور ایسے ایسے معبود قرار دے لوں

الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

کہ اگر خدائے رحمٰن مجھ کو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ اُن معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آوے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا۔

اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سُن لو۔ ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو۔ کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی۔

بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ

کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ اور ہم نے اس (شہید) کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر

جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

آسمان سے نہیں اُتارا اور نہ ہم کو اُتارنے کی ضرورت تھی۔ وہ سزا بس ایک آواز سخت تھی اور وہ سب اُسی دم بجھ کر (یعنی مر کر) رہ گئے۔

وَمَا اور کیا ہوا	لِیَ مجھے	لَآ اَعْبُدُ میں نہ عبادت کروں	الَّذِیْ وہ جس نے	فَطَرَنِیْ پیدا کیا مجھے	وَاِلَیْهِ اور اسی کی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹ کر جاؤ گے	
ءَاَتَّخِذُ کیا میں بنالوں	مِنْ دُوْنِهٖٓ اسکے سوا	اٰلِهَةً ایسے معبود	اِنْ اگر	یُّرِدْنِ وہ چاہے	الرَّحْمٰنُ رحمٰن۔ اللہ	بِضُرٍّ کوئی نقصان	
لَا تُغْنِ عَنِّیْ نہ کام آئے میرے	شَفَاعَتُهُمْ انکی سفارش	شَیْئًا کچھ بھی	وَ اور	لَا یُنْقِذُوْنِ نہ چھڑا سکیں وہ مجھے	اِنِّیْٓ بیشک میں	اِذًا اس وقت	
لَفِیْ ضَلٰلٍ البتہ گمراہی میں	مُّبِیْنٍ کھلی	اِنِّیْٓ بیشک میں	اٰمَنْتُ میں ایمان لایا	بِرَبِّكُمْ تمہارے پروردگار پر	فَاسْمَعُوْنِ پس تم میری سنو		
قِیْلَ ارشاد ہوا	ادْخُلِ تو داخل ہوجا	الْجَنَّةَ جنت	قَالَ اس نے کہا	یٰلَیْتَ اے کاش	قَوْمِیْ میری قوم	یَعْلَمُوْنَ وہ جانتی	بِمَا اس بات کو
غَفَرَ لِیْ اس نے بخش دیا مجھے	رَبِّیْ میرا رب	وَجَعَلَنِیْ اور اس نے کیا مجھے	مِنَ سے	الْمُكْرَمِیْنَ نوازے ہوئے لوگ	وَمَآ اَنْزَلْنَا اور نہیں اتارا ہم نے		
عَلٰی پر	قَوْمِهٖ اس کی قوم	مِنْۢ بَعْدِهٖ اس کے بعد	مِنْ جُنْدٍ کوئی لشکر	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان	وَمَا كُنَّا اور نہ تھے ہم	مُنْزِلِیْنَ اتارنے والے
اِنْ كَانَتْ نہ تھی	اِلَّا مگر	صَیْحَةً چنگھاڑ	وَّاحِدَةً ایک	فَاِذَا پس اچانک	هُمْ وہ	خٰمِدُوْنَ بجھ کر رہ گئے	

تفسیر وتشریح: اس مردمومن کا قول قرآن پاک نے نقل فرمایا کہ اس نے کہا وما لی لااعبدالذی فطرنی و الیه ترجعون اور میرے پاس کونسا عذر ہے کہ میں اس معبود کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس جملہ میں دو حصہ ہیں پہلے حصہ میں یہ دلیل اختیار کی گئی ہے کہ اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کی بندگی وطاعت کرنا تو سراسر عقل اور فطرت کا تقاضا ہے۔ نامعقول بات اگر ہے تو وہ یہ کہ آدمی ان کی بندگی کرے جنہوں نے اسے پیدا نہیں کیا یعنی اس مردمومن نے اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا کہ تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اس کی بندگی نہ کرو۔ دوسرے حصہ میں وہ مردمومن اپنی قوم کے

لوگوں کو احساس دلاتا ہے کہ یہ مت سمجھنا کہ تم کو پیدا کر کے تمہارے مالک نے آزاد چھوڑ دیا اور اب اس سے کچھ مطلب نہ رہا۔ نہیں سب کو مرے پیچھے اسی کے پاس جانا ہے۔ سب کو یہاں سے لوٹ کر اسی کے سامنے جمع ہونا ہے اس وقت وہ ہر بھلائی و برائی کا بدلہ دے گا۔ تو اب تم خود سوچ لو کہ اس سے منہ موڑ کر تم کس بھلائی کی توقع کر سکتے ہو۔ آگے اس مرد مومن کی مزید تقریر نقل فرمائی گئی کہ یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ میں اس خالق و قادر کو چھوڑ کر اوروں کی بندگی و طاعت کروں اور انہیں پوجوں جو نہ تو یہ طاقت رکھیں کہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی کسی مصیبت کو مجھ پر سے ٹال دیں نہ یہ کہ ان کے کہنے سننے کی وجہ سے مجھے کوئی ضرر پہنچے ہی نہیں۔ خدا اگر مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اس کو نہ وہ دفع کر سکتے ہیں اور نہ روک سکتے ہیں نہ مجھے اس سے بچا سکتے ہیں اگر میں ایسے کمزوروں کی عبادت کرنے لگوں تو مجھ سے بڑھ کر بہکا ہوا اور گمراہ کون ہوگا۔ تو یہاں اس مرد مومن نے بات کو اپنے اوپر رکھتے ہوئے قوم کو بتلایا کہ کس قدر صریح گمراہی ہے کہ اس مہربان اور قادر مطلق پروردگار کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی تکلیف سے نہ بذات خود چھڑا سکیں نہ سفارش کر کے نجات دلا سکیں۔ اس کے بعد مجمع میں اس مرد مومن نے بے کھٹکے اعلان کیا کہ میں خدائے واحد پر ایمان لا چکا اسے سب سن رکھیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس مرد خدا کا اپنے ایمان کے متعلق سنانا رسولوں کو تو شاید اس لئے ہو کہ وہ اللہ کے ہاں گواہ رہیں اور قوم کو سنانا اس لئے ہو کہ شاید وہ کچھ متاثر ہوں یا دنیا کم از کم ایک مومن کی قوت ایمان کا مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس مرد مومن کو نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ ادھر شہادت واقع ہوئی ادھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ علامہ مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کفار نے اس مرد اس مومن کامل کو بری طرح مارا پیٹا اور اس کو گرا کر اس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اسے روندنے لگے یہاں تک کہ پیٹ کی آنتیں پیچھے کے راستہ سے باہر نکل آئیں۔ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کے رنج و غم سے آزاد کر دیا اور امن و چین کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا جیسا کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل ہوتی ہیں۔ قوم نے تو اس مرد مومن سے دشمنی کی کہ انہیں جان سے مار ڈالا لیکن اس بندۂ خدا کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا اور ان کی زبان سے نکلا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے ایمان اور اتباع رسل کی برکت سے مجھ کو بخش دیا اور میرا بڑا ہی اکرام فرمایا کہ مجھ کو عزت والوں میں شامل فرمایا تو اگر یہ حال میری قوم کو معلوم ہو جاتا تو وہ بھی ایمان لے آتے اور اسی طرح وہ بھی مغفور و مکرم ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں وہ دھوکہ باز اور بدخواہ نہیں ہوتے۔ اس باخدا شخص نے زندگی میں بھی قوم کی خیر خواہی کی اور مرنے کے بعد بھی ان کے خیر خواہ رہے اس مرد مومن کے کمال اخلاق کے نمونہ کو ملاحظہ کیجئے کہ جن قوم والوں نے اسے ابھی ابھی قتل کیا تھا ان کے خلاف غصہ اور جذبۂ انتقام ان کے دل میں نہ تھا کہ وہ اللہ سے ان کے حق میں بددعاء کرتے۔ اس کے بجائے وہ اب بھی ان کی خیر خواہی چاہتے تھے۔ مرنے کے بعد اگر ان کے دل میں کوئی تمنا پیدا ہوئی تو وہ یہی تھی جیسا کہ قرآن کریم نے بتلایا کہ کاش میری قوم میرے اس انجام خیر سے باخبر ہو جائے اور میری زندگی سے نہیں تو میری موت ہی سے سبق لے کر راہ راست اختیار کر لے۔ وہ اس وقت بھی اپنے قاتلوں کے لئے جہنم نہ چاہتے تھے بلکہ یہی چاہتے تھے کہ وہ ایمان لا کر جنت کے مستحق بنیں۔ اسی تعریف میں حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ ''اس شخص نے جیتے جی بھی

اپنی قوم کی خیرخواہی کی اور مرکر بھی"۔

قرآن پاک نے یہاں اس مردمومن کا قول یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی و جعلنی من المکرمین نقل فرما کر اوراس واقعہ کو بیان کر کے در پردہ کفار مکہ کواس حقیقت پر متنبہ فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے ساتھی اہل ایمان بھی اسی طرح تمہارے سچے خیرخواہ ہیں جس طرح وہ مردمومن اپنی قوم کا خیرخواہ تھا۔ان کو دشمنی تم سے نہیں صرف تمہاری گمراہی اورعقائد سے ہےاور وہ صرف تم سے یہی چاہتے ہیں کہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔

یہاں ان آیات کے تحت علامہ ابن کثیرؒ نے ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور اگر اجازت دیں تو میں اپنی قوم میں تبلیغ دین کے لئے جاؤں اورانہیں دعوت اسلام دوں؟ آپ نے فرمایا "ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دیں"۔ حضرت عروہؓ نے جواب دیا کہ حضور اس بات کا تو احتمال ہی نہیں کیونکہ انہیں مجھ سے اس قدر الفت وعقیدت ہے کہ اگر میں سویا ہوا ہوں تو وہ مجھے جگائیں گے بھی نہیں۔آپ نے فرمایا کہ اچھا پھر جاؤ۔ یہ چلے لات وعزیٰ بتوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کہنے لگے اب تمہاری شامت آ گئی اس بات پر پورا قبیلہ ثقیف بگڑ بیٹھا۔انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اے میری قوم کے لوگو تم ان بتوں کو ترک کرو یہ لات وعزیٰ دراصل کوئی چیز نہیں اسلام قبول کرو تو سلامتی حاصل ہوگی۔اے میرے بھائی بندو یقین مانو کہ یہ بت کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ ساری بھلائی اسلام میں ہے۔ ابھی تین ہی مرتبہ اس کلمہ کو دہرایا تھا کہ ایک بدنصیب جلے تن نے دور ہی سے ایک تیر چلا دیا جوان کے پیوست ہو گیا اور آپ اسی وقت شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ ایسا ہی تھا جیسے سورۃ یٰسین والا جس نے کہا تھا یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی و جعلنی من المکرمین غرض اصحاب قریہ کا اس حد تک ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں پر جو غضب خدا نازل ہوا اور جس عذاب کی وجہ سے وہ غارت کر دیئے گئے اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے چونکہ انہوں نے خدا کے رسولوں کو جھٹلایا اور ایک مردمومن اللہ کے ولی کو قتل کیا اور شاید ان لوگوں نے خدا کے رسولوں کو بھی شہید کر ڈالا ہو جیسا کہ انہوں نے ان کو دھمکی دی تھی۔ اگرچہ قرآن کریم میں یہ مذکور نہیں اس لئے ان پر عذاب اترا اور ہلاک کر دیئے گئے اور انہیں برباد کرنے کے لئے خدا نے نہ تو کوئی لشکر آسمان سے بھیجا۔ نہ کوئی خاص اہتمام کرنا پڑا۔ نہ کسی بڑے سے بڑے کام کے لئے اسے اس کی ضرورت اس کا تو صرف ایک حکم کر دینا کافی ہے۔ چنانچہ اس قوم کا بھی حال یہی ہوا کہ فرشتہ نے ایک چیخ ماری ان کے دل دہل گئے۔ کلیجے پاش پاش ہو گئے اور سب اسی دم مر کر رہ گئے۔

روایات میں ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے شہر کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک سخت ہیبت ناک آواز لگائی جس کے صدمہ کو کسی کی روح برداشت نہ کر سکی سب کے سب مر کر رہ گئے۔ ان کے فنا ہو جانے کو قرآن کریم نے خَامِدُوْنَ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔خمود آگ بجھ جانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہی حال اصحاب قریہ کا ہوا کہ سب کے کلیجے پھٹ گئے اور سب بجھی آگ کی طرح ٹھنڈے ہو گئے حیاۃ کی حرارت ختم ہوئی اور کوئی باقی نہ بچا اور فرشتہ کی ایک چیخ سب کی ہلاکت کے لئے کافی ہوگئی۔

اب آگے اس قصہ کے نتیجہ کے طور پر مکذبین کی مذمت فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں بھی حق کی تائید اور تبلیغ کی ہمہ وقت توفیق وہمت نصیب فرمائیں اور ہم اپنے خالق ومالک کے اطاعت گزار بندے بن کر زندہ رہیں اور اسی پر مریں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی گمراہی اور کجی سے ہماری حفاظت فرمائیں اور دنیا میں ہم کو حق کا وہ اتباع نصیب فرمائیں کہ آخرت میں ہم کو مغفرت اور عزت نصیب ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا 19

افسوس ایسے بندوں کے حال پر، کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ کیا اُن لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی

كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا

کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر چکے کہ وہ (پھر) ان کی طرف (دُنیا میں) لوٹ کر نہیں آتے۔ اور ان میں کوئی ایسا نہیں جو مجتمع طور پر ہمارے روبرو حاضر نہ کیا جاوے۔

مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾ وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ أَحْيَيْنٰهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿۳۳﴾

اور ایک نشانی اُن لوگوں کیلئے مُردہ زمین ہے، ہم نے اُس کو (بارش سے) زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلے نکالے سو اُن میں سے لوگ کھاتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ

اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں چشمے جاری کیے۔ تاکہ لوگ باغ کے پھلوں میں سے کھائیں اور اس (پھل اور غلہ) کو

ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ

ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، سو کیا شکر نہیں کرتے۔ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی

الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

اور (خود) ان آدمیوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے۔

يٰحَسْرَةً ہائے حسرت	عَلَى الْعِبَادِ بندوں پر	مَا يَأْتِيهِمْ نہیں آیا ان کے پاس	مِنْ رَّسُولٍ کوئی رسول	إِلَّا مگر	كَانُوا وہ تھے	بِهٖ اس سے		
يَسْتَهْزِءُونَ ہنسی اڑاتے	أَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا	كَمْ کتنی	أَهْلَكْنَا ہلاک کیں ہم نے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِنَ الْقُرُونِ بستیاں	أَنَّهُمْ کہ وہ		
إِلَيْهِمْ ان کی طرف	لَا يَرْجِعُونَ لوٹ کر نہیں آئیں گے وہ	وَإِنْ اور نہیں	كُلٌّ سب	لَمَّا مگر	جَمِيعٌ سب کے سب	لَدَيْنَا ہمارے رُوبرو		
مُحْضَرُونَ حاضر کیے جائیں گے	وَآيَةٌ ایک نشانی	لَهُمُ ان کیلئے	الْأَرْضُ زمین	الْمَيْتَةُ مُردہ	أَحْيَيْنٰهَا ہم نے زندہ کیا اسے	وَأَخْرَجْنَا اور نکالا ہم نے		
مِنْهَا اس سے	حَبًّا اناج	فَمِنْهُ پس اس سے	يَأْكُلُونَ وہ کھاتے ہیں	وَجَعَلْنَا اور بنائے ہم نے	فِيهَا اس میں	جَنّٰتٍ باغات	مِنْ سے۔کے	نَخِيلٍ کھجور
وَأَعْنَابٍ اور انگور	وَفَجَّرْنَا اور جاری کیے ہم نے	فِيهَا اس میں	مِنَ سے	الْعُيُونِ چشمے	لِيَأْكُلُوا تاکہ وہ کھائیں	مِنْ ثَمَرِهٖ اسکے پھلوں سے	وَمَا اور نہیں	
عَمِلَتْهُ بنایا اسے	أَيْدِيهِمْ ان کے ہاتھوں	أَفَلَا يَشْكُرُونَ تو کیا وہ شکر نہ کریں گے	سُبْحٰنَ پاک	الَّذِي وہ ذات جس نے	خَلَقَ پیدا کیے	الْأَزْوَاجَ جوڑے		
كُلَّهَا ہر چیز	مِمَّا اس سے جو	تُنْبِتُ اگاتی ہے	الْأَرْضُ زمین	وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ اور اُنکی جانوں سے	وَمِمَّا اور اس سے جو	لَا يَعْلَمُونَ وہ نہیں جانتے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اصحاب قریہ کا ذکر فرما کر اہل مکہ اور ارباب بصیرت کو دعوت دی گئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رشد وہدایت سے فائدہ اٹھائیں اور اصحاب قریہ کی طرح منہ موڑ کر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق نہ بنیں۔ اس قصہ کو بیان فرما کر اب آگے ان آیات میں عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لئے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ومکذبین دیکھتے اور سنتے ہیں کہ

دنیا میں کتنی قومیں پہلے پیغمبروں کے ساتھ استہزا وتکذیب کر کے غارت ہو چکی ہیں۔ جن کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔ کوئی ان میں سے لوٹ کر دنیا میں واپس نہیں آئی۔ عذاب کی چکی میں سب پس کر برابر ہوگئیں۔ اس پر بھی انسانوں کو عبرت نہیں ہوتی اور اللہ کی نافرمانی پر کمر باندھتے ہیں اور جب کوئی نیا رسول آتا ہے وہی تمسخر اور استہزا شروع کر دیتے ہیں جو پہلے کفار کی عادت تھی چنانچہ ان کفار مکہ کا یہی معاملہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ پھر اس تکذیب انبیاء اور نافرمانی کا جو خمیازہ یہاں بھگتا وہ تو دنیا کا عذاب تھا اور آخرت کی سزا الگ رہی۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ مر گئے تو بس قصہ ختم ہوا۔ نہیں سب کو پھر ایک دن خدا کے ہاں حاضر ہونا ہے جہاں بلا استثنا سب مجرم پکڑے ہوئے آئیں گے۔ یہاں تک ابتدائی دور کوعات میں کفار مکہ کو انکار و تکذیب اور مخالفت حق کے رویہ پر ملامت کی گئی جو کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اختیار کر رکھا تھا۔ اب کلام کا رخ اس بنیادی نزاع کی طرف پھرتا ہے جو منکرین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اختلاف کی اصل وجہ تھی یعنی توحید و آخرت کا عقیدہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرما رہے تھے اور کفار ماننے سے انکار کر رہے تھے اس سلسلہ میں پے درپے چند دلائل دے کر اور نشانیاں بیان کر کے لوگوں کو دعوت غور وفکر کی دی جا رہی ہے کہ دیکھو کائنات کے یہ آثار جو علانیہ تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں ان سے حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت اور اس کے انعامات واحسانات اور بعث بعد الموت کے مسائل بخوبی سمجھے جا سکتے ہیں چنانچہ ایک نشانی یہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ تم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی اور خشک پڑی ہوتی ہے زندگی کے آثار اس میں کچھ نظر نہیں آتے تھے۔ پھر جب بارش ہوتی ہے زمین ہری بھری ہو جاتی ہے۔ غلہ پیدا ہوتا ہے اور انسان کی خوراک کا سامان مہیا ہو جاتا ہے۔ پھر کچھ حصہ زمین میں باغات لگ جاتے ہیں جن میں کھجوریں لگتی ہیں اور انگور پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اللہ نے ان کو تروتازہ رکھنے کے لئے جگہ جگہ چشمے بہا کر پانی پہنچانے کا بندوبست کر دیا تو یہ پھل اور میوہ قدرت الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسان میں طاقت نہیں کہ ایک انگور یا کھجور کا دانہ پیدا کر لے۔ یہ سب خدا کی رحمت اور اس کی قدرت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ انسان کے بس اور اختیار میں ان کو اگانے کی طاقت نہیں نہ انسان میں ان کو بچانے کی قدرت۔ نہ ان کو پکانے اور تیار کرنے کا اختیار یہ صرف خدا کے کام ہیں اور اسی کی مہربانی ہے کہ اس نے زمین کو پیداوار کے حصول کا ذریعہ بنایا جو بے شمار مخلوقات کے لئے رزق کا ذریعہ ہے۔ اور پھر یہ سلسلہ ہزاروں لاکھوں برس سے مسلسل جاری ہے۔ تو کیا یہ امر اس بات کی رہنمائی نہیں کرتا کہ خالق کائنات رب قدیر کا ہر کام ایک قانون قدرت اور ایک جامع ہمہ گیر حکمت کے مطابق قائم وجاری ہے۔ لہٰذا ہر حیثیت سے انسان پر اس خدا رب قدیر کی شکر گزاری اور احسان شناسی واجب ہوئی۔ مگر اس پر بھی لوگوں کو کیا ہوگا جو خدا کی شکر گزاری نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا اور ان گنت نعمتیں اپنے پاس ہوتے ہوئے اس کا احسان نہیں مانتے۔ اس کی وحدانیت اور توحیدی کمالات کو قبول نہیں کرتے۔

گذشتہ آیات میں تو ترہیب کا پہلو نمایاں تھا کہ عذاب الٰہی سے ڈر کر منکرین راہ ہدایت اختیار کریں اور اب ان آیات میں ترغیب کی صورت اختیار فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر اس کی توحید اور شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ پاک ہے وہ ذات اور بے مثل اور بے نظیر ہے وہ ہستی جس نے اپنی قدرت کاملہ سے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا نوع انسانی میں

سے ہوں یا اور دوسری مخلوقات میں سے ہوں۔ یہاں آیت میں لفظ ازواج فرمایا گیا ہے۔ ازواج جوزوج کی جمع ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسرے سے ملتی جلتی ہو یا اس کی ضد ہو چنانچہ زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں یکساں شکل اور مزے والی بھی ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف شکل اور مزے والی بھی ہیں جیسے کھٹی میٹھی، سیاہ سفید وغیرہ ایسے ہی خود انسانوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے افراد بھی ہیں اور ایک دوسرے سے مخالف صفتوں والے بھی ہیں مرد۔ عورت، کالے، گورے وغیرہ بہرحال نباتات میں انسانوں میں حیوانوں میں اور دوسری مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے ہیں جن کی انسانوں کو پوری خبر بھی نہیں۔ اب تو جدید سائنس کا بھی مشہور اور مسلمہ مسئلہ ہے کہ نر و مادہ کا وجود کائنات کی ہر صنف میں پایا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان و حیوانات سے گزر کر نباتات بلکہ جمادات میں بھی۔ الغرض مخلوقات میں کوئی مخلوق نہیں جس کا زوج یعنی مماثل یا مقابل نہ ہو۔ یہ صرف خدا کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل و مماثل نہیں وہی لائق پرستش و بندگی ہے۔ زوجیت مخلوق کی صفت ہے اور فردیت خدائے وحدہ لاشریک کی صفت ہے۔

الغرض ان آیات میں تو زمینی مخلوقات میں قدرت خداوندی کی نشانیاں بیان فرمائی گئیں۔ آگے آسمانی اور آفاقی مخلوقات میں بعض دوسری نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں جن سے توحید خداوندی پر دلالت ہو جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ گذشتہ نافرمان قوموں کی دنیا ہی میں ہلاکت و تباہی و بربادی سے ہمیں عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری نصیب فرما۔

یا اللہ کائنات کی ہر چیز آپ کی وحدانیت اور قدرت لازوال کی شاہد ہے آپ کی ربوبیت اور حکمت عظیمہ کا درس دے رہی ہے۔ یا اللہ ہم کو بھی وہ بصیرت عطا فرما کہ کائنات کی ہر شے سے ہم کو آپ کی معرفت نصیب ہو۔

یا اللہ آپ کی بے شمار ظاہری و باطنی، حسی و معنوی، نعمتیں جو ہم کو ہمہ وقت حاصل ہیں ان کا ہمیں احساس عطا فرما اور ان پر شکر گزاری کی توفیق نصیب فرما۔

یا اللہ ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے جبکہ ہم سب کو آپ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ جس سے ہم غفلت میں پڑ گئے ہیں۔

یا اللہ ہماری اس غفلت کو دور فرما دے تاکہ ہم ہمہ وقت آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگے رہیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچ جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ

اورایک نشانی ان لوگوں کیلئے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں سو یکا یک وہ لوگ اندھیروں میں رہ جاتے ہیں اور (ایک نشانی) آفتاب (ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ

یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس (خدا) کا جو زبردست علم والا ہے۔ اور چاند کیلئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔

يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

وَاٰيَةٌ اور ایک نشانی	لَهُمُ اپنے	الَّيْلُ رات	نَسْلَخُ ہم کھینچتے ہیں	مِنْهُ اس سے	النَّهَارَ دن	فَاِذَا تو اچانک	هُمْ وہ	مُّظْلِمُوْنَ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں	
وَالشَّمْسُ اور سورج	تَجْرِيْ چلتا رہتا ہے	لِمُسْتَقَرٍّ ٹھکانہ مقررہ راستہ	لَهَا اپنے	ذٰلِكَ یہ	تَقْدِيْرُ نظام	الْعَزِيْزِ غالب	الْعَلِيْمِ جاننے والا (دانا)		
وَالْقَمَرَ اور چاند	قَدَّرْنٰهُ ہم نے مقرر کیں اسکو	مَنَازِلَ منزلیں	حَتّٰى یہانتک کہ	عَادَ ہوجاتا ہے	كَالْعُرْجُوْنِ کھجور کی شاخ کی طرح	الْقَدِيْمِ پرانی			
لَا نہ	الشَّمْسُ سورج	يَنْۢبَغِيْ لائق (مجال)	لَهَآ اس کیلئے	اَنْ کہ	تُدْرِكَ جا پکڑے وہ	الْقَمَرَ چاند	وَلَا اور نہ	الَّيْلُ رات	سَابِقُ پہلے آسکے
النَّهَارِ دن	وَكُلٌّ اور سب	فِيْ فَلَكٍ دائرہ میں	يَّسْبَحُوْنَ تیرتے (گردش کرتے) ہیں						

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی زبردست قدرت۔ اور اس کی خلاقی ورزاقی پر بعض نشانیاں بیان کی گئی تھیں کہ جن سے توحید پر بھی دلالت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کی بعض مزید نشانیاں ان آیات میں بیان فرمارہے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ منجملہ نشانہائے قدرت کے ایک نشانی دن ورات ہیں کہ جو برابر ایک دوسرے کے پیچھے آ جارہے ہیں۔ دن اور رات کی آمد ورفت جسے انسان اس دنیا میں ایک معمولی بات سمجھ کر کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن اگر انسان غور وخوض کرے کہ رات اور دن کے الٹ پھیر میں کیا حکمتیں پنہاں ہیں؟ مقررہ وقت پر دن کا ختم ہونا اور رات کا آ جانا اور اسی طرح مقررہ وقت پر رات کا ختم ہونا اور دن کا آ جانا اس میں کیسی باقاعدگی پائی جاتی ہے تو اسے یقین ہو جائے کہ یہ ایک واحد رب قدیر وحکیم کے وجود کی روشن دلیل ہے۔ جس نے شمس وقمر اور ستاروں اور سیاروں کو ایک حکیمانہ نظام میں جکڑ رکھا ہے اور ان میں سے کسی کو بھی سرکشی کی مجال نہیں۔ اس دنیا کی زمین پر رات ودن کا تعلق سورج سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس دنیا کو سورج سے ایسے فاصلہ پر رکھا ہے کہ جس کے نتیجہ میں اس زمین پر انسان وحیوان اور نباتات کا وجود قائم ہے۔ سورج کی چال اور راستہ مقرر ہے۔ ایک انچ یا ایک سیکنڈ کے لئے اس سے ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ جس کام پر قدرت خداوندی نے لگا دیا ہے بس ہر وقت اس میں مشغول ہے۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانے پر اسے پہنچنا ہے وہاں پہنچتا ہے اور پھر وہاں سے باذن خداوندی نیا دور شروع کرتا ہے۔ قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہوگا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے۔ ادھر ہی سے الٹا واپس آئے۔ یہ ہی وہ وقت ہے کہ جب باب توبہ دنیا والوں کے لئے بند کر دیا جائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔ تو سورج کے طلوع وغروب کا یہ نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام

کو کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا اور نہ اس کی حکمت اور دانائی پر کوئی حرف گیری کر سکتا ہے ہاں وہ خود جب چاہے الٹ پلٹ کرے۔ کسی کو مجال انکار و سرکشی کی نہیں ہو سکتی۔ الغرض یہ آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے اور اس حساب سے چلتا ہے جو ایک زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔

یہاں آیت میں صاف فرمایا گیا ہے **والشمس تجری لمستقر لھا** یعنی آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔ سورج کے متعلق قدیم زمانے کے لوگ عینی مشاہدہ کی بناء پر یہ یقین کرتے تھے کہ وہ زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ سورج اپنی جگہ ساکن ہے اور نظام شمسی کے سیارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ پھر مزید تحقیقات اور سائنسی مشاہدات سے یہ نظریہ بھی غلط ثابت ہوا اور موجودہ زمانہ کے ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ سورج اپنے پورے نظام کو لئے ہوئے ایک معین اور مقررہ رفتار سے حرکت کر رہا ہے۔ یورپ کے ماہرین آفتاب کو ساکن قرار دے کر صدیوں تک یہی کہتے رہے کہ یہ امر قرآن کی اس تصریح کے خلاف ہے جو سورۂ یٰس میں موجود ہے۔ **والشمس تجری لمستقرلھا** جس سے آفتاب کا حرکت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ مگر اٹھارویں صدی عیسوی میں ہیئت جدید کے ماہرین کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ آفتاب خود اپنے طور پر حرکت کرتا ہے اور بعد کی تحقیقات نے اس کو بھی تسلیم کر لیا کہ آفتاب اپنے محور کی حرکت کے علاوہ پورے نظام شمسی کے ساتھ حرکت کرتا ہے الحمد للہ جتنی سائنس میں ترقی ہو رہی ہے اسلامی اور قرآنی نظریات کی سائنسدان تائید کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ مثلاً سارا قرآن قیامت کے نظریہ سے پر ہے۔ ابھی کچھ تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے ہمبرگ جرمنی کے سائنسدانوں کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں وفاقی جمہوریہ جرمنی کے ایک ماہر فلکیات پروفیسر بوشکے نے اپنی سائنسی مشاہدات کی بناء پر لکھا ہے کہ

قیامت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ اس وقت انسانی نگاہیں نہایت ہی حیرت انگیز منظر دیکھیں گی۔ افق پر ایک نئے سورج کے مانند چمکتا ہوا آگ کی طرح بھڑکتا ہوا سرخ کرہ نمودار ہو گا جس کی نیلی پیلی آتش بار کرنیں پھلجھڑی کی مانند چاروں طرف بکھرتی چلی جائیں گی یا کسی دن اچانک بے ابر آسمان سے بجلی کا ایک صاعقہ سطح زمین پر لاکھوں کروڑوں چنگاریوں اور بھڑکتے کڑکتے آتشین لاوے کی ایک بوچھاڑ برسا جائے گا جس سے ارضی زندگی کی تمام شکلیں خس و خاشاک کی مانند راکھ ہو کر رہ جائیں گی۔ (روزنامہ حریت (۲۸-۶-۱۴ء) دیکھئے قدرت نے ان یورپ کے دہریوں سے قیامت کا اعتراف کرالیا یا نہیں گو وہ اس نظریہ کو مذہب کے ماتحت نہ سہی سائنس ہی کے تحت مانیں۔ مگر ماننا تو پڑا کہ سائنس کی رو سے بھی قیامت کسی وقت آ سکتی ہے۔ خیر یہ بات درمیان میں ضمناً آ گئی تھی تو ان آیات میں قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتلائی گئی کہ آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے آگے فرمایا کہ ایک اور نشانی چاند ہے کہ اس کی چال کے لئے قدرت نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ ان کو ایک معین نظام کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے۔ چاند کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا ہے اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا ہے اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا خم دار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے (فوائد از علامہ عثمانیؒ) پھر یہ شمس و قمر کی حرکت دائمی نہیں بلکہ ایک میعاد معین تک کے لئے ہے جیسا ۲۳ ویں پارہ سورۂ زمر میں ارشاد ہے **و سخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی** (یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے کہ ان میں ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا) اور یہ میعاد معین روز

قیامت پر پہنچ کر ختم ہو جائے گی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ سورج اور چاند کی چال اور رات و دن کی آمد و رفت ایسے انداز اور انتظام سے رکھی گئی ہے کہ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے یعنی قبل از وقت خود طلوع ہو کر چاند کو اور اس کے رات کے وقت کو ختم کر دے یہ ممکن نہیں اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ چاند بھی آفتاب کو اس کے ظہور کے وقت پکڑ سکے کہ دن ختم ہو کر رات ہو جاوے اور اسی طرح نہ رات دن کے زمانہ مقررہ کے ختم ہونے سے پہلے آ سکتی ہے اور نہ دن رات کے مقررہ زمانہ سے پہلے آ سکتا ہے اور چاند و سورج دونوں ایک دائرہ میں حساب سے اس طرح چل رہے ہیں گویا تیر رہے ہیں اور حساب سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں خلل واقع ہو سکے۔ تو سمجھ لو کہ جو ہستی رات و دن اور چاند سورج کا ادل بدل کرتی ہے تو کیا وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد پھر دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہوگی؟ (العیاذ باللہ)

خلاصہ یہ کہ ان آیات کا اصل مقصد انسان کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھے اور عقل سے کام لے تو زمین سے لے کر آسمان تک جدھر بھی وہ نگاہ ڈالے گا اس کے سامنے خدا کی ہستی اور اس کی یکتائی کے بے حد و حساب دلائل آئیں گے۔

یہاں ایک تحقیق جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ماہنامہ البلاغ ماہ شوال ۱۳۸۷ھ میں شائع فرمائی تھی اس کا ایک حصہ موقع کی مناسبت سے یہاں نقل کرنا بڑا کارآمد معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

”یہاں ایک بات اصولی طور پر سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کوئی فلسفہ یا ہیئت کی کتاب نہیں جس کا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہیئت و حرکات وغیرہ کا بیان ہو مگر اس کے ساتھ ہی وہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کائنات کا ذکر بار بار کرتا ہے ان میں غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے قرآن کریم کی ان تمام آیات میں غور کرنے سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز ان حقائق کونیہ کے متعلق انسان کو صرف وہ چیزیں بتلانا چاہتا ہے جن کا تعلق ان کے عقیدے اور نظریہ کی درستی سے ہو یا اس کے دینی اور دنیوی منافع ان سے متعلق ہوں۔ مثلاً قرآن کریم نے آسمان و زمین اور ستاروں، سیاروں کا اور ان کی حرکات اور حرکات سے پیدا ہونے والے آثار کا ذکر بار بار ایک تو اس مقصد سے کیا ہے کہ انسان اس کی عجیب و غریب صنعت اور مافوق العادت آثار کو دیکھ کر یہ یقین کرے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہوگئیں ان کو پیدا کرنے والا کوئی سب سے بڑا حکیم۔ سب سے بڑا علیم اور سب سے بڑا صاحب قدرت و قوت ہے اور اس یقین کے لئے ہرگز اس کی ضرورت نہیں کہ آسمانوں اور فضائی مخلوقات اور ستاروں و سیاروں کے مادے کی حقیقت اور ان کی اصل ہیئت اور صورت اور ان کے پورے نظام کی پوری کیفیت اس کو معلوم ہو بلکہ اس کے لئے صرف اتنا بھی کافی ہے جو ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلابات پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب و غریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا۔ سب امور سے ایک ادنیٰ عقل و بصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یونہی خود بخود نہیں چل رہا کوئی اس کو چلانے والا باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصدیہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اسی حد تک ان چیزوں میں غور و فکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے آلات رصدیہ بنانے یا مہیا کرنے اور اجرام سماویہ کی ہیئتیں

دریافت کرنے کا مطلقاً کوئی اہتمام نہیں فرمایا۔ اگر ان آیات کونیہ میں تدبر اور غور وفکر کا یہ مطلب ہوتا کہ ان کی حقائق اور ہیئات اور ان کی حرکات کا فلسفہ معلوم کیا جائے تو یہ ناممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اہتمام نہ فرماتے خصوصاً جبکہ ان فنون کا رواج اور تعلیم و تعلم دنیا میں اس وقت موجود بھی تھا۔ مصر، شام، عرب، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کے جاننے والے اور ان پر کام کرنے والے موجود تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۵۰۰ سال پہلے فیثاغورس اور اس کے بعد بطلیموس کا نظریہ دنیا میں شائع و رائج ہو چکا تھا اور اس زمانہ کے حالات کے مناسب آلات رصدیہ وغیرہ ایجاد بھی ہو چکے تھے مگر جس ذات قدسی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں اور جن صحابہ کرامؓ نے بلاواسطہ آپ سے ان کو پڑھا انہوں نے کبھی اس طرف التفات نہیں فرمایا۔ اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ان آیات کونیہ میں تدبر اور غور وفکر کا وہ منشا ہرگز نہ تھا جو آج کل کے بعض تجدد پسندوں نے یورپ اور اس کے معاملات سے متاثر ہو کر اختیار کیا ہے کہ یہ خلائی سفر چاند، مریخ و زہرہ پر کمندیں پھینکنے کی مساعی قرآن کریم کے تقاضہ کو پورا کرنا ہے۔ بس صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم نہ ان فلسفی اور سائنسی تحقیقات قدیمہ یا جدیدہ کی طرف دعوت دیتا ہے نہ ان سے بحث کرتا ہے اور نہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن کریم کا حکیمانہ اصول و اسلوب کائنات ومخلوقات سے متعلقہ تمام فنون کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ہر فن کی چیزوں سے صرف اسی قدر لیتا اور بیان کرتا ہے جس قدر انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت سے متعلق ہے اور جس کو انسان آسانی سے حاصل بھی کر سکتا ہے۔ فلسفیانہ دوراز کار بحثوں سے اور ایسی تحقیقات سے جو عام انسانوں کے قابو سے باہر ہیں اور جن کو کچھ حاصل کر لینے کے بعد بھی قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہی صحیح ہیں بلکہ حیرانی اور شکوک بڑھتے ہیں ایسی بحثوں میں انسان کو نہیں الجھاتا کیونکہ قرآن کی نظر میں انسان کی منزل مقصود ان تمام زمینی اور آسمانی کائنات ومخلوقات سے آگے اپنے خالق کی مرضیات پر چل کر جنت کی دائمی نعمتوں اور آخرت کی ابدی راحتوں کو حاصل کرنا ہے۔ حقائق کائنات کی بحث نہ اس کے لئے ضروری ہے اور نہ اس پر پورا عبور انسان کے بس میں ہے"۔ (البلاغ ماہ شوال ۱۳۸۷ھ)

ابھی قدرت کی بعض نشانیوں کا بیان اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو کائنات کی ہر چیز سے اپنی معرفت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں اور زندگی کا صحیح مقصد یعنی مرضیات الٰہیہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر حال میں ہم کو شریعت مطہرہ کی ظاہراً و باطناً پابندی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور مقاصد قرآن کو حاصل کرنے کی فہم عطا فرمائیں۔

یا اللہ! قرآن حکیم ہم کو جن امور میں تدبر و تفکر کرنے کو کہتا ہے ہمیں انہی امور میں تدبر اور فکر کرنا نصیب فرما تا کہ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب ہو اور آپ کی مرضیات کے موافق اس دنیا میں زندگی گزارنا نصیب ہو۔ یا اللہ! اس انسان کو دنیا میں بھیجنے کا جو مقصد اور غرض ہے ہمیں اس مقصد کو پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرما تا کہ ہم اس دنیا دار الامتحان سے کامیابی کے ساتھ گزر کر دار الجزاء یعنی آخرت میں آپ کی رضا اور خوشنودی کے حاصل کرنے والے ثابت ہوں۔ یا اللہ! جس صراط مستقیم پر چلنے کی قرآن کریم نے دعوت دی ہے اسی صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ چلنے کی ہم کو سعادت نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور ایک نشانی اُن کیلئے یہ ہے کہ ہم نے اُن کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔اور ہم نے اُن کیلئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

اور اگر ہم چاہیں تو اُن کو غرق کردیں پھر نہ تو کوئی ان کا فریادرس ہو اور نہ یہ خلاصی دیئے جاویں۔مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا (منظور) ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے (مرے) پیچھے ہے تا کہ تم پر رحمت کی جاوے۔تو وہ اصلاً پروا نہیں کرتے

اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ

اور ان کے رب کے آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آتی جس سے وہ سرتابی نہ کرتے ہوں۔اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو

اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِىْ

تو یہ کفار مسلمانوں سے یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اگر خدا چاہے تو کھانے کو دیدے، تم نری

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

صریح غلطی میں ہو۔

وَاٰيَةٌ اورایک نشانی	لَّهُمْ ان کیلئے	اَنَّا کہ ہم	حَمَلْنَا ہم نے سوار کیا	ذُرِّيَّتَهُمْ ان کی اولاد	فِى الْفُلْكِ کشتی میں	الْمَشْحُوْنِ بھری ہوئی	وَخَلَقْنَا اورہم نے پیدا کیا	
لَهُمْ ان کیلئے	مِّنْ مِّثْلِهٖ اس (کشتی) جیسی	مَا جو۔جس	يَرْكَبُوْنَ وہ سوار ہوتے ہیں	وَاِنْ اوراگر	نَّشَاْ ہم چاہیں	نُغْرِقْهُمْ ہم غرق کریں انہیں	فَلَا صَرِيْخَ تو نہ فریادرس	
لَهُمْ ان کیلئے	وَلَا هُمْ اورنہ وہ	يُنْقَذُوْنَ چھڑائے جائیں	اِلَّا مگر	رَحْمَةً رحمت	مِّنَّا ہماری طرف سے	وَمَتَاعًا اورفائدہ دینا	اِلٰى حِيْنٍ ایک وقت معین تک	
وَاِذَا اور جب	قِيْلَ کہا جائے	لَهُمْ ان سے	اتَّقُوْا تم ڈرو	مَا جو	بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ تمہارے سامنے	وَمَا اور جو	خَلْفَكُمْ تمہارے پیچھے	لَعَلَّكُمْ شاید تم
تُرْحَمُوْنَ پر رحم کیا جائے	وَمَا اورنہیں	تَاْتِيْهِمْ ان کے پاس آتی	مِّنْ اٰيَةٍ کوئی نشانی	مِّنْ اٰيٰتِ نشانیوں میں سے	رَبِّهِمْ ان کا رب	اِلَّا مگر	كَانُوْا وہ ہیں	
عَنْهَا اس سے	مُعْرِضِيْنَ روگردانی کرتے	وَاِذَا اور جب	قِيْلَ کہا جائے	لَهُمْ ان سے	اَنْفِقُوْا خرچ کرو تم	مِمَّا اس سے جو	رَزَقَكُمُ تمہیں دیا	
اللّٰهُ اللہ	قَالَ کہتے ہیں	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ان لوگوں سے جو ایمان لائے (مومن)	اَنُطْعِمُ کیا ہم کھلائیں	مَنْ (اسکو) جسے			
لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اگر اللہ چاہتا	اَطْعَمَهٗ اسے کھانے کو دیتا	اِنْ نہیں	اَنْتُمْ تم	اِلَّا مگر۔صرف	فِىْ میں	ضَلٰلٍ گمراہی	مُّبِيْنٍ کھلی	

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی حقانیت کے سلسلہ میں اس کی قدرت کی نشانیوں کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔اسی سلسلہ میں مزید اس کی قدرت کی ایک نشانی کا بیان ان آیات میں فرمایا جاتا ہے اور انسان کی توجہ اس واقعہ کی طرف دلائی گئی ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی کا طوفان آیا تو اس وقت نسل انسانی فقط ایک کشتی کے ذریعہ محفوظ رہی جسے

الہام خداوندی کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے بنایا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون (ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا) یہاں بھری ہوئی کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسانی نسل کو اللہ تعالیٰ نے ایک کشتی کے ذریعہ جو بھری ہوئی تھی طوفان میں غرق ہونے سے بچالیا اور پھر انہی سے دنیا میں انسانی نسل پھیلی کیونکہ طوفان نوح میں حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کے سوا باقی پوری اولاد آدم کو غرق کر دیا گیا تھا اور بعد کی انسانی نسل صرف انہی کشتی والوں سے چلی۔ تو یہاں جتلایا گیا کہ جب طوفان آیا تو نسل آدم کو اس بھری ہوئی کشتی پر سوار کر لیا جو حضرت نوحؑ نے بنائی تھی ورنہ انسان کا تخم باقی نہ رہتا پھر اس کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز وغیرہ تمہارے لئے بنا دیئے جن پر آج تم لدے پھرتے ہو آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ انسان زبردست دریاؤں اور سمندروں کو کشتی اور جہازوں کے ذریعہ عبور کرتا ہے جہاں بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکے کے برابر نہیں۔ اگر اللہ اس وقت غرق کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کون ہے جو فریاد کو پہنچے مگر یہ اسی کی مہربانی اور مصلحت ہے کہ تم اس طرح لمبے چوڑے سفر بہ بآرام و راحت طے کر رہے ہو اور قدرت کے ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک یعنی دنیوی زندگی تک تم سلامت رہتے ہو مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ ان قدرت کی نشانیوں کو نہیں سمجھتے اور نہ اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں یہ بحری سفر میں غرق سے بچے رہنا یہ خدا ہی کی قدرت و رحمت و عنایت سے ہے ورنہ تو کفر و شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔

الغرض یہاں تک قدرت خداوندی کی متعدد اور مختلف نشانیاں ظاہر کرنے کے بعد منکرین و مکذبین کی سرکشی عناد اور تکبر کا بیان فرمایا جاتا ہے کہ جب ان سے گناہوں سے بچنے کو کہا جاتا ہے کہ جو کچھ کر چکے اس پر نادم ہو جاؤ اور اس سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے ان کفریہ اور شرکیہ عقائد و اعمال سے احتیاط کرو جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا اور تمہیں اپنے عذابوں سے بچالے گا تو ان کا اس پر کاربند ہونا تو ایک طرف اور منہ پھلا لیتے ہیں اور سب سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور ذرا نصیحت پر کان نہیں رکھتے اور خدائی احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں اور یہی ایک بات کیا ان کی تو عادت ہوگئی ہے کہ خدا کی ہر بات سے منہ پھیر لیں نہ اس کی توحید کو مانتے ہیں نہ اس کے رسول کو سچا جانتے ہیں۔ نہ ان میں غور و فکر کی عادت۔ نہ ان میں قبولیت کا مادہ۔ اور نہ نفع کو حاصل کرنے کا ملکہ یہ تو اپنی جہالت و ضلالت پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ نہ آگے کی فکر ہے نہ پیچھے کا خیال ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہ اور احکام الٰہی تو کیا مانتے فقیروں مسکین اور محتاجوں پر خرچ کرنا تو وہ بھی اچھی بات کہتے ہیں لیکن یہی بات جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقہ سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں خدا کا ارادہ ہوتا تو ان غریبوں کو خود ہی دیتا جب خدا ہی کا ارادہ ان کو دینے کا نہیں تو ہم اس کے خلاف کیوں کریں تم جو ہمیں خیر خیرات کی نصیحت کر رہے ہو اس میں بالکل غلطی پر ہو۔

اب یہاں آخری آیت میں کفار کا جو قول نقل فرمایا گیا ہے تو ظاہراً تو کفار کا یہ کہنا کہ جن کو خدا چاہے تو کھانے کو دے دے ہم کیوں غرباء اور فقراء پر خرچ کریں خدا خود قادر ہے وہ خود صاحب احتیاج کی حاجت کو پورا کر سکتا ہے۔ فی نفسہٖ تو یہ بات صحیح ہے مگر کفار کی ناسمجھی اور نادانی یہ ہے کہ یہ سارا عالم عالم اسباب ہے۔ سارا عالم اسباب و سائل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اسباب و وسائل کو خدا تعالیٰ نے اپنی داد و دہش کا روپوش

واسطہ اور ذریعہ بنایا ہے عام طور سے اس عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کو رزق کسی واسطہ ہی سے دیتے ہیں اسی طرح اللہ نے حکم دیا کہ غربا اور فقرا کو دیا کریں تو اصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اغنیاء کے ہاتھ اللہ کی عطا کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ ان کے واسطہ سے فقراء کو رزق پہنچتا ہے دولتمندوں کو جو رزق مل رہا ہے وہ بھی اسباب و وسائل ہی کے واسطہ سے مل رہا ہے۔ بلاواسطہ خدا تعالیٰ ان کو رزق نہیں دے رہا اور آسمان سے کوئی خوان ان کے گھر میں نہیں اتر رہا ہے۔ بادشاہ بعض وقت خزانچی سے کسی کو کچھ دلواتا ہے تو وہ دراصل بادشاہ ہی کی عطا ہے۔ خزانچی عطا شاہی کا ایک واسطہ ہے اب رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو مختلف قسم پر جو پیدا فرمایا ہے کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصود بندوں کا امتحان ہے کہ کون اس کی دی ہوئی نعمت اور دولت کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے اور کون اس میں بخل کرتا ہے تو کسی انسان کا اپنے بخل کے لئے خدا کی مشیت کو بہانہ بنانا یہ صرف سنگدلی ہے بلکہ حکم خداوندی کے بھی خلاف ہے خدا نے جو امیروں کو فقیروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو میں نے تم کو جو مال و دولت دیا ہے اس کا اصل مالک میں ہوں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اس دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ غریب محتاج بندوں کی مدد میں خرچ کرو جس طرح میں تمہاری ذات کا مالک ہوں اسی طرح تمہارے پاس جو دولت ہے اس کا حقیقی مالک بھی میں ہی ہوں اور یہ تمام مال و دولت جو تمہارے ہاتھ میں ہے یہ سب میری امانت ہے جب چاہوں اپنی امانت واپس لے سکتا ہوں تم میرے حکم کے مطابق خرچ کرو اور میری مشیت کو بہانہ نہ بناؤ۔ نیک کام نہ کرنے کے لئے خدا کی تقدیر اور مشیت کو بہانا بنایا یہ صریح گمراہی ہے بندہ کا کام یہ ہے کہ خدا کے حکم پر چلے نہ کہ اس کی قدرت اور مشیت کو اپنے برے فعل کے لئے بہانہ بنائے۔

اب یہاں ایک شبہ اور سوال یہ ہوسکتا ہے کہ اہل ایمان نے کفار کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم کس بناء پر دیا اور کیوں ان سے کہا کہ اللہ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین پر خرچ کرو جبکہ کفار کا ایمان ہی اللہ تعالیٰ پر نہیں اور جیسا کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے شریعت کے احکام اوامر فرعیہ کے کفار مخاطب اور مکلّف بھی نہیں۔ سو اس کا جواب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہاں اہل ایمان کا یہ کہنا کسی تشریعی حکم کی تعمیل کرانے کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض انسانی ہمدردی اور شرافت کے مروجہ اصول کی بناء پر تھا۔

الغرض یہاں تک تو مسئلہ توحید کے متعلق بیان تھا اب آگے مسئلہ آخرت کے متعلق بیان ہے تاکہ کفار کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ جس چیز کا انکار کر رہے ہیں وہ ان کے انکار سے ٹلنے والی نہیں اور انہیں ایک دن اس سے سابقہ پڑنا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمیں جو یہ زندگی کی مہلت عطا فرما رکھی ہے اس میں ہمیں اپنی مرضیات کے موافق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور کفر و شرک سے بچا کر توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور جو احکام الٰہیہ ہمارے سامنے آئیں ان پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ اور گذشتہ میں ہم سے جو تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ہمیں ندامت اور توبہ نصیب فرمائیں۔ اور ہمارے تمام چھوٹے بڑے ظاہری و باطنی گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً

اور یہ لوگ (بطور انکار) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں جو اُن کو آ پکڑے گی

تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي

اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔ سو نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاسکیں گے۔ اور (پھر دوبارہ) صور پھونکا جاوے گا

الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن

سو وہ سب یکا یک قبروں سے اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اُٹھایا،

مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا

یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے۔ بس وہ ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہو کر

هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

ہمارے پاس حاضر کردیئے جائیں گے۔ پھر اُس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے

وَيَقُولُونَ اور وہ کہتے ہیں	مَتَىٰ کب	هَٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ	إِنْ اگر	كُنتُمْ تم ہو	صَادِقِينَ سچے	مَا يَنظُرُونَ وہ انتظار نہیں کررہے ہیں	
إِلَّا مگر	صَيْحَةً چنگھاڑ	وَاحِدَةً ایک	تَأْخُذُهُمْ وہ انہیں آپکڑے گی	وَهُمْ اور وہ	يَخِصِّمُونَ باہم جھگڑ رہے ہوں گے	فَلَا يَسْتَطِيعُونَ پھر نہ کرسکیں گے	
تَوْصِيَةً وصیت کرنا	وَلَا اور نہ	إِلَىٰ طرف	أَهْلِهِمْ اپنے گھر والے	يَرْجِعُونَ وہ لوٹ سکیں گے	وَنُفِخَ اور پھونکا جائے گا	فِي الصُّورِ صور میں	
فَإِذَا هُمْ تو یکا یک وہ	مِنَ سے	الْأَجْدَاثِ قبریں	إِلَىٰ رَبِّهِمْ اپنے رب کی طرف	يَنسِلُونَ دوڑیں گے	قَالُوا وہ کہیں گے	يَا وَيْلَنَا اے وائے ہم پر	
مَن بَعَثَنَا کس نے اٹھادیا ہمیں	مِن سے	مَّرْقَدِنَا ہماری قبریں	هَٰذَا یہ	مَا وَعَدَ جو وعدہ کیا	الرَّحْمَٰنُ رحمٰن۔ اللہ	وَصَدَقَ اور سچ کہا تھا	
الْمُرْسَلُونَ رسولوں	إِن نہ	كَانَتْ ہوگی	إِلَّا مگر	صَيْحَةً ایک چنگھاڑ	وَاحِدَةً ایک	فَإِذَا پس یکا یک	هُمْ وہ	جَمِيعٌ سب	لَّدَيْنَا ہمارے سامنے
مُحْضَرُونَ حاضر کئے جائیں گے	فَالْيَوْمَ پس آج	لَا تُظْلَمُ نہ ظلم کیا جائے گا	نَفْسٌ کسی شخص	شَيْئًا کچھ	وَلَا تُجْزَوْنَ اور نہ تم بدلہ پاؤ گے		
إِلَّا مگر۔ بس	مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ جو تم کرتے تھے						

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اثبات توحید کے سلسلہ میں قدرت کی کئی نشانیوں کا ذکر ہوا تو حید ورسالت کے بعد منکرین و مکذبین جس بات کا انکار کرتے تھے وہ مسئلہ آخرت وحشر ونشر تھا۔ چنانچہ کفار ومنکرین کا ایک سوال نقل کیا جاتا ہے۔ ویقولون متیٰ ھٰذا الوعدان کنتم صٰدقین یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اس کے وقت کے اظہار سے مصلحتاً اعراض فرمایا اور اجمالی طور پر عالم آخرت کا نقشہ ان کے سامنے کھینچا گیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب اللہ کے رسول انہیں اللہ کا کلام پڑھ کر سناتے ہیں اور اس میں کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور قیامت قائم ہوگی اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو دنیا میں نہیں مانا انہیں قیامت کے روز ان کی بداعمالیوں کی سزا دی جائے گی اور وہ بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو یہ کفار اور منکرین ہنستے

ہیں اور بطور تمسخر کہتے ہیں کہ یہ وعدے وعید آخر کب پورے ہوں گے۔ یہ قیامت اور عذاب کی دھمکیاں جو دی جاتی ہیں اگر سچی ہیں تو انہیں جلد پورا کر کے دکھلاؤ۔ ہم کوئی ناسمجھ بچے ہیں جو ہمیں باتیں بنا کر ڈرانا چاہتے ہو۔ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا اور سب کا جمع ہونا اور اعمال کا حساب کتاب ہونا یہ سب فرضی کہانیاں ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت جس کا یہ انکار کر رہے ہیں ان کو ناگہاں آ پکڑے گی اور یہ اپنے معاملات میں غرق ہوں گے۔ جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا سب کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے اور آخر مر کر ڈھیر ہو جائیں گے۔ اتنی بھی فرصت نہ ملے گی کہ فرض کرو مرنے سے پہلے کسی سے کچھ کہنا سننا چاہیں کہ کہہ سن گزریں یا جو گھر سے باہر ہے وہ گھر واپس جا سکے۔

مسلم شریف کی ایک حدیث ہے حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم ہو جائے گی حالانکہ آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہتا ہوگا اس کے منہ تک اس کے دودھ کا برتن نہ پہنچا ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور دو آدمی کپڑا خرید و فروخت کرتے ہوں گے۔ ان کی بیع پوری ہونے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی۔ اور کوئی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا اور ابھی ہٹا نہ ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ الغرض کفار پوری بے جگری کے ساتھ اپنے دنیا کے دھندوں میں مشغول ہوں گے اور ان کے خیال میں بھی یہ وہم و گمان نہ ہوگا کہ دنیا کے خاتمہ کا وقت آن پہنچا ہے۔ اسی حالت میں صور پھونکا جائے گا جو جہاں ہوگا وہیں مر کر ڈھیر ہو جائے گا یہ تو پہلے نفخ یعنی صور پھونکنے کا اثر ہوگا آگے دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے کا حال بتلایا جاتا ہے کہ ایک مدت کے بعد جب اللہ کو منظور ہوگا اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر یہ نہیں کہ اٹھنے کے بعد تتر بتر ہو جائیں یا جس کا جدھر منہ اٹھے چل دے نہیں۔ سب کے سب بے تحاشا ایک ہی طرف یعنی میدان حشر کی طرف دوڑیں گے اور فرشتے کشاں کشاں میدان حشر کی طرف جمع کر دیں گے۔ خوف کے مارے بدحواس ہوں گے۔ اس سراسیمگی کے مقابلہ میں اپنی موت کی حالت انہیں آرام دہ نظر آئے گی اور کہیں گے کہ ہائے یہ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ فرشتے انہیں جواب دیں گے کہ کیا پوچھتے ہو کہ کس نے اٹھا دیا۔ ذرا آنکھیں کھولو یہ وہی اٹھانا ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن کی طرف سے کیا گیا تھا اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔

بعض روایات کی بناء پر مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے اور دوسرے صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس سال کی مدت ہوگی اور اس مدت میں کافروں سے عالم برزخ میں عذاب اٹھا لیا جائے گا اور وہ اس عرصہ میں آرام سے سوتے رہیں گے جب نفخہ ثانیہ یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور میدان حشر اور حساب کتاب کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے جگا دیا ہم تو آرام سے پڑے سو رہے تھے۔ کس نے ہم کو جگایا اور اس مصیبت کے میدان میں لا کھڑا کیا تو اس وقت فرشتے یا اہل ایمان ان کو جواب دیں گے کہ یہ وہی قیامت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور جس کی پیغمبروں نے سچی خبر دی تھی اور پھر سب کے سب دربار خداوندی میں حاضر کر دیئے جائیں گے (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس روز نہ کوئی متنفس بھاگ سکے گا نہ روپوش ہو سکے گا۔ پھر نہ کسی کی کوئی نیکی ضائع ہوگی نہ جرم کی حیثیت سے زیادہ سزا ملے گی۔ ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا اور جو نیک و بد لوگ دنیا میں کرتے تھے فی الحقیقت وہی عذاب و ثواب کی صورت میں سامنے آ جائے گا ایمان نماز روزہ حج زکوٰۃ صدقات خیرات اعمال صالحہ یہ سب جنت بن جائیں گے۔ کفر و شرک نافرمانی شرارت فساد یہ سب دوزخ کی شکل میں نمودار ہوں گے۔

یہ تو کفار منکرین کا حال بیان ہوا آگے ان کے مقابلہ میں اہل جنت کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ

اہل جنت بے شک اُس دن اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾

اُن کیلئے وہاں میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا۔ ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ

اور اے مجرمو آج الگ ہوجاؤ۔ اے اولاد آدمؑ کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کردی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا

إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ

وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری (ہی) عبادت کرنا' یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور وہ (شیطان) تم میں ایک

جِبِلًّا كَثِيْرًا أَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ

کثیر مخلوق کو گمراہ کرچکا' سو کیا تم نہیں سمجھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ آج اپنے کفر کے بدلہ میں

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾

اس میں داخل ہو۔

إِنَّ بیشک	أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اہل جنت	الْيَوْمَ آج	فِيْ شُغُلٍ ایک شغل میں	فٰكِهُوْنَ باتیں خوش طبعی کرتے	هُمْ وہ	وَأَزْوَاجُهُمْ اوران کی بیویاں		
فِيْ ظِلٰلٍ سایوں میں	عَلَى پر	الْأَرَآئِكِ تختوں پر	مُتَّكِـُٔوْنَ تکیہ لگائے ہوئے	لَهُمْ ان کیلئے	فِيْهَا اس میں	فَاكِهَةٌ میوہ	وَلَهُمْ اوران کیلئے	
مَا يَدَّعُوْنَ جو وہ چاہیں گے	سَلٰمٌ سلام	قَوْلًا فرمایا جائے گا	مِنْ سے	رَبٍّ رَّحِيْمٍ مہربان، پروردگار	وَامْتَازُوا اور الگ ہوجاؤ تم	الْيَوْمَ آج		
أَيُّهَا اے	الْمُجْرِمُوْنَ مجرمو	أَلَمْ أَعْهَدْ کیا میں نے حکم نہیں بھیجا تھا	إِلَيْكُمْ تمہاری طرف	يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اے اولادِ آدم	أَنْ کہ	لَا تَعْبُدُوا پرستش نہ کرنا		
الشَّيْطٰنَ شیطان	إِنَّهٗ بیشک وہ	لَكُمْ تمہارا	عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ دشمن کھلا	وَأَنِ اور یہ کہ	اعْبُدُوْنِيْ تم میری عبادت کرنا	هٰذَا یہی	صِرَاطٌ راستہ	مُّسْتَقِيْمٌ سیدھا
وَ اور	لَقَدْ أَضَلَّ تحقیق گمراہ کردیا	مِنْكُمْ تم میں سے	جِبِلًّا مخلوق	كَثِيْرًا بہت سی	أَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟	هٰذِهٖ یہ ہے	جَهَنَّمُ جہنم	
الَّتِيْ وہ جس کا	كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ تم سے وعدہ کیا گیا تھا	اِصْلَوْهَا اس میں داخل ہو جاؤ	الْيَوْمَ آج	بِمَا اس کے بدلے	كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ تم کفر کرتے تھے			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار اور منکرین قیامت کا ذکر ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ ہر شخص کو اس کے دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا بدلہ آخرت میں ملے گا کوئی یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں جو جی چاہے کرلو۔ آگے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ انسان کے لئے ایک قانون ہے جس کے مطابق اسے دنیا میں چلنا ہے اگر اس کے خلاف کیا تو سزا ملے گی اور اس کے موافق کیا تو اچھا بدلہ ملے گا۔ اب آگے مومنین اہل جنت کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو میدان قیامت سے فارغ ہو کر جنتوں میں بصد اکرام و تعظیم پہنچائے جائیں گے اور بتلایا

جاتا ہے کہ یہ اہل جنت ہر قسم کے عیش ونشاط ونعمت وراحت میں مشغول ہوں گے۔ وہ اوران کی بیبیاں جنتی میوے دار درختوں کے ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور بے غمی اور بے فکری کے ساتھ خدا کی مہمانداری سے لطف لے رہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوہ بکثرت ان کے پاس موجود ہوں گے اور بھی جس چیز کو جی چاہے گا وہ دی جائے گی اور جو خواہش ہوگی وہ پوری کی جائے گی اور منہ مانگی مرادیں ملیں گی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ازواج میں جنت کی حوریں بھی داخل ہیں اور دنیا کی بیبیاں بھی یہ تو جسمانی لذائذ کا حال ہوا۔ آگے روحانی نعمتوں کی طرف اشارہ **سلام قولاً من رب رحیم** میں فرمایا جاتا ہے۔ یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام فرمایا جائے گا خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ ایک ابن ماجہ کی حدیث میں ہے بلاواسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے۔ سبحان اللہ اس وقت کی عزت اور لذت کا کیا کہنا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے مجھے اور آپ کو بھی یہ نعمت نصیب فرمائیں۔ سنن ابن ماجہ کی کتاب الذہد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس جنت میں جانے کا خواہشمند اور اس کے لئے تیاریاں کرنے والا اور مستعدی ظاہر کرنے والا ہے جس میں کوئی خوف وخطر نہیں رب کعبہ کی قسم وہ سراسر نور ہی نور ہے۔ اس کی تازگیاں بے حد ہیں۔ اس کا سبزہ لہلہا رہا ہے اس کے بالا خانہ مضبوط بلند اور پختہ ہیں اس کی نہریں پر ہیں اور رواں ہیں اس کے پھل ذائقہ دار پکے ہوئے اور بکثرت ہیں اس میں خوبصورت حوریں ہیں ان کے لباس ریشمی اور بیش قیمت ہیں۔ ان کی نعمتیں ابدی اور لازوال ہیں۔ وہ سلامتی کا گھر ہے۔ وہ سبز اور تازے پھلوں کا باغ ہے اس کی نعمتیں بکثرت اور عمدہ ہیں اور اس کے محلات بلند بالا اور مزین ہیں۔ یہ سن کر جتنے صحابہ موجود تھے۔ سب نے کہا یا رسول اللہ ہم اس کے لئے تیاریاں کرنے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا "انشاء اللہ کہو" چنانچہ انہوں نے کہا "ان شاء اللہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنتی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اوپر کی جانب سے ایک نور چمکے گا۔ یہ اپنا سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور رب فرمائیں گے **السلام علیکم یآاھل الجنة** یہی معنی ہیں اس آیت **سلام قولاً من رب رحیم** کے جنتی خاص طور سے خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو دیکھیں گے۔ اس وقت وہ کسی دوسری نعمت کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائیں گے یہاں تک کہ حجاب حائل ہو جائے گا اور نور و برکت ان کے پاس باقی رہ جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں بھی اس دیدار کی نعمت عظمیٰ سے سرفرازی بخشیں۔ اہل جنت کے بعد پھر مجرموں کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں اللہ کے احکام کو جو اس نے اپنے رسول کے ذریعہ انسانوں پر واضح کر دیئے ہیں نہیں مانتے وہ اللہ کے مجرم ہیں۔ پہلے فرمانبردار اطاعت گزار بندوں کا بیان ہوا اس کے بعد بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے احکام سے منہ موڑنے والے مجرموں سے خطاب کیا جائے گا میدان حشر میں اول جب لوگ اپنی قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے تو سب گڈمڈ منتشر ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا **کانھم جراد منتشر** یعنی وہ منتشر ٹڈیوں کے دل کی طرح ہوں گے مگر پھر اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے گروہ الگ الگ کر دیئے جائیں گے کفار ایک جگہ مومن دوسری جگہ فجار فساق الگ صلحاء اور مقبولین الگ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے **واذاالنفوس زوجت** یعنی جبکہ نفوس جوڑ جوڑ کر دیئے جائیں گے تو مجرموں سے خطاب فرمایا جائے گا کہ اے مجرمو! جنتیوں کے عیش وآرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ تمہارا مقام دوسرا ہے جہاں تمہیں رہنا ہوگا۔ جنتیوں پر جس طرح طرح طرح کی نوازشیں ہو رہی ہوں گی۔ اسی طرح جہنمیوں پر طرح طرح کی سختیاں ہو رہی ہوں گی اور ان کو بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ اسی دن کے لئے تم کو انبیاء کی زبانی بار بار سمجھایا گیا تھا کہ شیطان لعین کی

پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے وہ جہنم میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا اس کے آگے کبھی نہ جھکنا اور اس سے منہ موڑ کر تم میری عبادت اور فرمانبرداری میں لگے رہنا اور میرے احکام سے ذرا بھی منہ نہ موڑنا۔ بس یہی ایک سیدھا راستہ ہے اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو اسی راستہ پر چلنا لیکن اس کے باوجود تم نے مجھ رحمٰن کی نافرمانی کی۔ تمہارا خالق رازق اور مالک میں اور فرمانبرداری کی جائے میرے راندۂ درگاہ کی۔ میں کہہ چکا تھا کہ ایک میری ہی ماننا اور صرف میری ہی بندگی کرنا لیکن تم الٹے چلے اب یہاں بھی الٹے ہی جاؤ۔ ان نیک بخت اہل جنت کی اور تمہاری راہ الگ الگ ہے۔ وہ جنتی ہیں تم دوزخی ہو۔ آگے انہیں مجرموں کو خطاب جاری ہے جن سے کہا جائے گا کہ افسوس اتنی نصیحت اور فہمائش پر بھی تم کو عقل نہ آئی اور اس ملعون نے ایک خلقت کو گمراہ کر چھوڑا۔ کیا تمہیں اتنی سمجھ نہ تھی کہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے اور اپنے نفع ونقصان کو پہچانتے دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہوشیاری اور ذہانت دکھلاتے تھے مگر آخرت کے معاملہ میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہ رہی اور خواب غفلت میں ایسے سرشار ہوئے کہ آج ہمارے پاس آ کر ہی آنکھ کھلی۔ اب کیا ہوسکتا ہے عمل کا وقت گیا یہ تو بدلہ کا دن ہے اس لئے آج تم اپنے کفرو بددینی اور سرکشی و نافرمانی کے بدلے جہنم میں جاؤ اور اپنی دنیا کی بدمستیوں کی سزا بھگتو۔ تم سے اسی ٹھکانے کا وعدہ کیا گیا تھا سو تم اب اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کی اس ذلت و رسوائی سے مجھے اور آپ کو سب کو بچائیں۔

اب غور کیجئے کہ یہاں جو خطاب حق تعالیٰ نے مجرمین سے فرمایا ہے جس سے بظاہر کفار ومنکرین مراد ہیں مگر ہم کیا نام کے مسلمین کے لئے اس تنبیہ وتاکید اور زجر وتوبیخ سے جو حق تعالیٰ نے ان آیات میں شیطان کے اتباع کرنے میں فرمائی ہے اور جس کا انجام بتلایا گیا کیا اس میں ہمارے لئے کوئی عبرت و نصیحت نہیں اگر ہمارا حق تعالیٰ کی ذات پاک پر ایمان ہے اور ہم اس قرآن کریم کو حق تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں اور اس پر یقین ہے کہ جو آخرت اور وہاں کی جزا وسزا کے متعلق بتلایا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے وہ یقیناً بلاکسی شک وشبہ کے پیش آنا ہے تو ہم میں اگر ایمان واسلام کے دعوے کے ساتھ کچھ بھی عقل اور فہم موجود ہے تو ہم کیسے جرات و ہمت کرتے ہیں کہ بے باکانہ حق تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی شب وروز کرتے رہیں اور اس طرح اپنے کو مجرمین کے زمرہ میں جان بوجھ کر شامل رکھیں۔ کیا کوئی ایسا بھی اسلام اور ایمان کا دعویدار ہوسکتا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کی رضا وانعام و دیدار کا مقام جنت پسند نہ ہو اور اللہ کے غصہ اور غضب کا مقام جہنم پسند ہو۔ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم شیطان کی اتباع کر کے مولائے کریم کی نافرمانیوں میں پیش پیش ہوں اور پھر سچی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر بھی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہی جہل اور غفلت کے پردوں کو ہمارے دلوں پر سے دور فرمائیں اور اپنی صراط مستقیم پر چلنا ہم کو نصیب فرمائیں اور اپنے کرم سے اہل جنت میں ہم کو شامل ہونا نصیب فرمائیں اور مجرمین کے گروہ میں شامل ہونے سے بچائیں۔

ابھی آگے انہی مجرمین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں آئے گا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو اصحاب الجنۃ میں شامل فرما کر اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں اور وہاں کی ابدی راحتوں سے سرفراز فرمائیں اور اپنے دیدار کا شرف نصیب فرمائیں اور مجرموں کے گروہ سے ہم کو علیحدہ رکھیں۔ یا اللہ اس دنیا میں ہماری نفس وشیطان سے حفاظت فرمایئے اور ہم کو اپنے احکام کے موافق زندگی گزار کر اس دنیا سے جانا نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى

اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا ہی میں) ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کردیتے پھر یہ راستہ کی طرف دوڑتے پھرتے سو اُن کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بدل ڈالتے

مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے جس سے یہ لوگ نہ آگے کو چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔ اور ہم جس کی عمر زیادہ کردیتے ہیں تو اس کو طبعی حالت میں اُلٹا کردیتے ہیں سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے

اَلْيَوْمَ آج	نَخْتِمُ ہم مہر لگادینگے	عَلٰى پر	اَفْوَاهِهِمْ اُنکے مُنہ	وَتُكَلِّمُنَا اور ہم سے بولیں گے	اَيْدِيْهِمْ انکے ہاتھ	وَتَشْهَدُ اور گواہی دینگے
اَرْجُلُهُمْ ان کے پاؤں	بِمَا اس کی جو	كَانُوْا وہ تھے	يَكْسِبُوْنَ کماتے (کرتے تھے)	وَلَوْ نَشَآءُ اور اگر ہم چاہیں	لَطَمَسْنَا تو مٹادیں (ملیامیٹ کردیں)	
عَلٰى پر	اَعْيُنِهِمْ ان کی آنکھیں	فَاسْتَبَقُوا پھر وہ سبقت کریں	الصِّرَاطَ راستہ	فَاَنّٰى تو کہاں	يُبْصِرُوْنَ وہ دیکھ سکیں گے	وَلَوْ نَشَآءُ اور اگر ہم چاہیں
لَمَسَخْنٰهُمْ ہم مسخ کردیں انہیں	عَلٰى پر۔ میں	مَكَانَتِهِمْ ان کی جگہیں	فَمَا اسْتَطَاعُوْا پھر نہ کرسکیں	مُضِيًّا چلنا	وَلَا يَرْجِعُوْنَ اور نہ وہ لوٹیں	وَمَنْ اور جس
	نُعَمِّرْهُ ہم عمر دراز کردیتے ہیں	نُنَكِّسْهُ اوندھا کردیتے ہیں	فِى الْخَلْقِ خلقت (پیدائش) میں	اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ تو کیا وہ سمجھتے نہیں؟		

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں مجرمین کے متعلق بیان ہوا تھا کہ یوم محشر میں ان سے اس طرح خطاب ہوگا کہ اے اولاد آدم کیا تم کو تاکید دنیا میں نہیں کردی گئی تھی کہ خبردار شیطان کے کہنے میں نہ آنا اور اللہ ہی کی عبادت میں لگے رہنا مگر تم کچھ نہ سمجھے اور کفر وگمراہی میں پڑے رہے۔ تو اب یہ جہنم جس کا وعدہ کیا جاتا تھا اب اس کا مزہ چکھو اور اس میں داخل ہو۔ انہی مجرمین کے متعلق آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن یہ مجرم اگر اپنے جرم کا انکار بھی کریں تو ان کا انکار کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ان مجرمین کا منہ تو مہر لگا کر بند کردیا جائے گا اور ان کے ہاتھ پیر آنکھ کان ان کی زبانیں اور ان کی کھالوں کو حکم ہوگا کہ تم بولو اس مجرم نے تمہاری مدد سے کیا کیا برے کام کئے۔ حکم پاتے ہی ہاتھ پیر وغیرہ بولنا شروع کردیں گے۔ یہ حکم ان مجرمین کے معاملہ میں دیا جائے گا جو اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کریں گے۔ گواہیوں کو بھی جھٹلادیں گے۔ نامۂ اعمال کی صحت بھی تسلیم نہ کریں گے اور قسمیں کھالیں گے کہ ہم نے یہ گناہ اور جرم دنیا میں نہیں کئے تھے تب اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ اچھا منہ بند کرو اور سنو کہ تمہارے اعضائے بدن تمہارے کرتوتوں کی کیا روداد سناتے ہیں اور تمہارے جرموں کی کیا شہادت دیتے ہیں۔ اس وقت بدن کے اعضاء سچی سچی گواہی دینا شروع کردیں گے۔ مثلاً ہاتھ کہیں گے کہ اس نے ہم سے مارنے پیٹنے اور دوسروں پر ظلم وستم کرنے کا کام لیا۔ چوری کا مال چھینا اور یہ یہ ناجائز کام کئے۔ اسی طرح پاؤں کہیں گے کہ یہ فلاں فلاں بری جگہوں پر گیا ناچ گانے اور رقص وسرور اور بیکار باتوں کی مجلسوں میں پہنچا اور فلاں ناجائز کاموں کی طرف چل کر گیا۔ یہاں آیت میں تو صرف تکلمنآ ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون فرمایا یعنی ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے ان کاموں کی جنہیں وہ دنیا میں کرتے تھے مگر قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر بتایا گیا ہے کہ بدن کے دوسرے اعضاء بھی گواہی دیں گے کہ وہ ان سے دنیا میں کیا کام لیتے

رہے ہیں مثلاً سورۂ نور اٹھارویں پارہ ۲۴ویں آیت میں فرمایا گیا۔

"اس دن ان کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے پیران کاموں کی جو یہ کیا کرتے تھے۔"

سورۂ حم سجدہ ۲۴ ویں پارہ میں ارشاد ہے ....."تو ان کے کان، اوران کی آنکھیں اوران کی جلدیں ان پران کے اعمال کی گواہی دیں گے اوروہ لوگ اپنی اپنی جلد سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دے دی؟....."

مسلم شریف کی ایک حدیث ہے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ یکا یک ہنسے پھر ہم سے دریافت کرنے لگے کہ جانتے ہو میں کیوں ہنسا؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اوراس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا میں بندہ اور خدا کے درمیان منہ در منہ گفتگو ہونے کا خیال کر کے ہنسا قیامت کے دن بندہ اپنے پروردگار سے کہے گا کہ کیا آپ نے مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں دی ہے تو پھر یہ کہے گا کہ میں کسی گواہ کی گواہی اپنے خلاف منظور نہیں کروں گا۔ بس میرا بدن تو میرا ہے باقی سب میرے دشمن ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا یونہی سہی تو ہی اپنا گواہ سہی اور میرے بزرگ فرشتہ گواہ نہ سہی۔ چنانچہ اسی وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء بدن سے فرمایا جائے گا کہ بولو تم خود ہی گواہی دو کہ اس نے تم سے کیا کیا کام لئے؟ وہ صاف صاف کھول کھول کر سچ سچ ایک ایک بات بتلا دیں گے۔ پھر اس مہر کو جو منہ پر لگائی گئی تھی توڑ دیا جائے گا اور بندہ بدستور سابق باتیں کرنے لگے گا اور اپنے اعضاء سے کہے گا تمہارا ستیاناس ہو جائے تم ہی میرے دشمن بن بیٹھے میں تو تمہارے ہی بچاؤ کی کوشش کررہا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد ساتھ ہی ایک دوسری حدیث مومن سے حساب لئے جانے کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومن کو بلا کر اس کے گناہ اس کے سامنے پیش کر کے فرمائے گا کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ مومن بندہ کہے گا ہاں خدایا سب درست ہے۔ بے شک مجھ سے یہ خطائیں سرزد ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا ہم نے سب بخش دیں لیکن یہ گفتگو اس طرح ہوگی کہ کسی ایک اور کو بھی اس کا مطلق علم نہ ہوگا۔ اس کا ایک گناہ بھی مخلوق میں سے کسی پر ظاہر نہ ہوگا۔ اب اس کی نیکیاں لائی جائیں گی اور کھول کھول کر ساری مخلوق کے سامنے جتا جتا کر رکھی جائیں گی ان دونوں احادیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ حالات حشر سے اتنے متاثر ہوئے کہ حق تعالیٰ سے مناجات فرمانے لگے۔ ہم بھی اسی مناجات کو یہاں دہراتے ہیں اور علامہ کے پردرد الفاظ میں مولائے کریم سے فریاد کرتے ہیں۔"اے ستار العیوب! اے غفار الذنوب!! تو ہم گنہگاروں کی بھی پردہ پوشی فرمالے اور ہم مجرموں سے بھی درگزر فرمادے۔ خدایا اس دن ہمیں ذلت و رسوائی سے بچائیے گا اوراپنے دامن رحمت سے ہمیں ڈھانپ لیجئے گا۔ اے ذرہ نواز خدا اپنی بے پایاں بخشش کی موسلا دھار بارش کا ایک قطرہ ادھر بھی برسا دے جو ہمارے تمام گناہوں کو دھو کر صاف کر دے پروردگار ایک نظر کرم و رحمت ادھر بھی۔ یا مالک الملک ہم بھی تیری چشم رحمت کے منتظر ہیں۔ اے غفور الرحیم خدا کیا تیرے در سے بھی کوئی سوالی خالی جھولی لے کر نا امید ہو کر آج تک لوٹا ہے؟ اپنا کرم کر دے۔ اے مالک و خالق رحم فرمادے۔ اپنے انتقام سے بچالے۔ اپنے غصہ سے نجات دے دے۔ اپنی رحمتوں سے نواز دے۔ اپنے عذابوں سے چھٹکارہ دے دے۔ اے مولا اپنی جنت میں پہنچا دے اوراپنے دیدار کی دولت سے مشرف فرمادے"۔ یا اللہ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے اپنے کرم سے یہ دعا اپنے مقبول ولی حضرت علامہ کے حق میں ضرور قبول فرمائی ہوگی۔ یا اللہ انہیں کے اتباع اور نقل میں ہمارے حق میں بھی اس دعا کو قبول فرمالیجئے۔ آمین۔

یہاں ان آیات میں میدان حشر کا نقشہ کھینچنے کے بعد بتلایا جاتا ہے کہ جیسے ان منکرین ومکذبین نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے دنیا

میں آنکھیں بند کر لی ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو دنیا ہی میں بطور سزا کے ان کی ظاہر بینائی چھین کر نپٹ اندھا کر دیں کہ پھر ادھر ادھر چلنے کا انہیں راستہ بھی نہ سوجھے اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ پر چلنا نہیں چاہتے تو اللہ کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنا دیں کہ پھر یہ کسی ضرورت کے لئے اپنی جگہ سے نہ ہل سکیں۔ پر اللہ نے ایسا نہ چاہا اور ان جوارح وقویٰ سے ان کو محروم نہ کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت اور ڈھیل ہے۔ اور یہ آنکھیں چھین لینا اور صورت بگاڑ کر اپاہج بنا دینا کچھ قابل تعجب اور بعید مت سمجھو۔ دیکھتے نہیں ایک تندرست اور مضبوط آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر کس طرح سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا جاتا ہے گویا بچپن میں جیسا کمزور و ناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج تھا بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے۔ تو کیا جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں ان کی قوتیں سلب کر لیتا ہے جوانی میں نہیں کر سکتا؟ کیا اس تغیر اور تبدل کو دیکھ کر لوگ سمجھتے نہیں کہ انسانوں کے وجود کی باگ ڈور حق تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے وہ جب چاہے انسان کی صورت اور ہیئت کو تبدیل کر سکتا ہے۔ کیا ان کفار کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھتے کہ جو خدا صورت بنانے پر قادر ہے وہی خدا صورت کے بدلنے پر بھی قادر ہے اور جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان وحیوان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہے۔ قدرت کا عمل اس میں مسلسل جاری ہے۔ ایک گندے اور ناپاک قطرہ سے اس کا وجود شروع ہوا۔ نو ماہ بطن مادر میں رکھ کر اور اس کی تربیت فرما کر اور اس میں روح ڈال کر جیتا جاگتا انسان بنا کر اس کو دنیا میں لایا گیا پھر اس کو تدریجی توانائی ملی اور جوان ہونے پر اس کے سب قویٰ مضبوط ہو گئے بالآخر جب بڑھاپا شروع ہوا تو سب طاقتوں اور قوتوں میں کمی شروع ہو گئی حتیٰ کہ اخیر عمر میں شنوائی اور بینائی کی طاقتیں بھی جواب دینے لگیں اور نکما اور اپاہج بنا دیا گیا تو انسان کے وجود میں یہ انقلابات قدرت حق تعالیٰ شانہ کا عجیب وغریب مظہر ہی تو ہے جس کی طرف غافل انسانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ خدا کی قدرت پر نظر کریں اور اس سے ڈر کر اس کی اطاعت اختیار کریں۔

اب یہاں تک جو توحید و رسالت قیامت و آخرت جزا وسزا جنت و دوزخ اور حکمت اور عقل و دانائی اور نصیحت وموعظت کا قرآن کریم میں بیان ہوا تو کفار ومنکرین ان باتوں کو محض شاعرانہ تخیلات قرار دے کر بے وزن ٹھہرانے کی کوشش کرتے اسلئے آگے بتلایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر وشاعری سے کوئی تعلق اور نسبت ہی نہیں اور یہ قرآن کوئی شعر وشاعری کا دیوان نہیں بلکہ یہ خالص نصیحت اور آسمانی کتاب ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ اپنی رحمت سے ہمیں معاف فرما دیجئے۔ اور ہم کو اس زندگی میں اپنی مرضیات کے اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے اور مرتے دم تک ہمارے اعضا وجوارح کو اپنی عبادت وطاعت میں ظاہراً و باطناً مشغول رکھئے اور زندگی کے ہر لمحہ میں ہمیں آخرت کی تیاری کا ذکر وفکر نصیب فرمائیے۔ یا اللہ ہم سے جو تقصیرات گذشتہ میں سرزد ہو چکی ہیں ہم کو ان کی تلافی کی توفیق عطا فرمائیے۔ تاکہ ہم میدان حشر میں آپ کی مغفرت ورحمت کے مورد بن جائیں اور آپ کی رضا کے مقام جنت میں بغیر کسی مواخذہ کے پہنچ جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا

اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپ کیلئے شایان بھی نہیں وہ تو محض نصیحت اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام کو ظاہر کرنے والی ہے۔ تاکہ ایسے شخص کو ڈراوے جو زندہ ہو

وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا

اور تاکہ کافروں پر (عذاب کی) حجت ثابت ہو جاوے۔ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے (نفع کے) لئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مواشی پیدا کئے

فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا

پھر یہ لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں۔ اور ہم نے ان مواشی کو ان کا تابع بنا دیا سو ان میں بعضے تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں۔ اور ان میں ان لوگوں کے

مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۚ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾

اور بھی منافع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور انہوں نے خدا کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں اس امید پر کہ ان کو مدد ملے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا

(لیکن) وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ اُن کے حق میں ایک فریق (مخالف) ہو جاویں گے جو حاضر کئے جاویں گے۔ تو ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہ ہونا چاہئے بیشک ہم سب جانتے ہیں

يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

جو کچھ یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو	الشِّعْرَ شعر	وَ اور	مَا يَنْۢبَغِىْ نہیں شایان	لَهٗ اس کیلئے	اِنْ نہیں	هُوَ وہ یہ	اِلَّا مگر	ذِكْرٌ نصیحت
وَ اور	قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ قرآن واضح	لِّيُنْذِرَ تاکہ (آپ) ڈرائیں	مَنْ جو	كَانَ ہو	حَيًّا زندہ	وَ اور	يَحِقَّ ثابت ہوجائے	الْقَوْلُ بات حجت
عَلَى پر	الْكٰفِرِيْنَ جمع کافر	اَوَلَمْ يَرَوْا کیا وہ نہیں دیکھتے؟	اَنَّا خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا	لَهُمْ ان کیلئے	مِّمَّا اس سے جو			
عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ بنایا اپنے ہاتھوں (قدرت) سے	اَنْعَامًا چوپائے	فَهُمْ پس وہ	لَهَا ان کے	مٰلِكُوْنَ مالک ہیں	وَذَلَّلْنٰهَا اور ہم نے فرمانبردار کیا انہیں			
لَهُمْ ان کیلئے	فَمِنْهَا پس ان سے	رَكُوْبُهُمْ ان کی سواری	وَمِنْهَا اور ان سے	يَاْكُلُوْنَ وہ کھاتے ہیں	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	فِيْهَا ان میں		
مَنَافِعُ فائدے	وَمَشَارِبُ اور پینے کی چیزیں	اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ کیا پھر وہ شکر نہیں کرتے؟	وَاتَّخَذُوْا اور انہوں نے بنالئے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا				
اٰلِهَةً اور معبود	لَّعَلَّهُمْ شاید وہ	يُنْصَرُوْنَ مدد کئے جائیں	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ وہ نہیں کرسکتے	نَصْرَهُمْ ان کی مدد	وَهُمْ اور وہ	لَهُمْ ان کیلئے		
جُنْدٌ لشکر	مُّحْضَرُوْنَ حاضر کئے جائیں گے	فَلَا يَحْزُنْكَ پس آپ کو مغموم نہ کرے	قَوْلُهُمْ ان کی بات	اِنَّا نَعْلَمُ بیشک ہم جانتے ہیں				
مَا يُسِرُّوْنَ جو وہ چھپاتے ہیں	وَمَا اور جو	يُعْلِنُوْنَ وہ ظاہر کرتے ہیں						

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں قیامت و آخرت کا ذکر تھا اور بتلایا گیا تھا کہ اہل جنت کو وہاں کیسے کیسے آرام و راحت نصیب ہوں گے اور ساتھ ہی منکرین کو جہنم کے کیسے سخت عذاب ہوں گے۔ تو موت کے بعد کی زندگی اور عالم آخرت میں جنت و جہنم اور وہاں دنیا کے کاموں کی جزا و سزا کا ملنا یہ سب منکرین و مکذبین کے نزدیک من گھڑت بناوٹی اور خیالی باتیں تھیں اور ان باتوں کو شاعرانہ تخیلات اور خیالی تک بندیاں قرار دے کر ان کو بے وزن ٹھہراتے

اس کے جواب میں ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہیں سناتے ہیں اور بیان کرتے ہیں یہ سب حقائق واقعیہ ہیں۔ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں ہم نے جو قرآن اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے وہ آسمانی نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے یہ کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں کہ جس میں نری طبع آزمائی اور خیالی تک بندیاں ہوں بلکہ آپ کو تو فطری طور پر اس فن شعر و شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اس وقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ یوں کسی موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبان مبارک سے مقفیٰ عبارت نکل کر بے ساختہ شعر کے ڈھانچہ میں ڈھل گئی ہو وہ الگ بات ہے۔ اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں کہتے۔ غرض کہ آپ کی طبیعت شریفہ کو شاعری سے نسبت ہی نہیں دی گئی تھی کیونکہ یہ آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدوں ادنیٰ ترین غلو اور کذب کے روشناس کرانا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہوسکتا کیونکہ شاعریت کا حسن و کمال کذب و مبالغہ خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں تو شعر و شاعری کو قرآن سے اور رسول سے کیا نسبت؟ اللہ کے رسول تو جو کلام سناتے ہیں اس میں سراسر نصیحت اور انسانی خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں وہ لوگوں کو حقیقی اور اصلی باتیں بتاتے ہیں اور وہ قرآن سناتے کہ جس میں انسان کی بھلائی کی ساری باتیں جمع کر دی گئی ہیں تاکہ وہ ہر اس شخص کو جو زندہ دل ہو اور سوچنے سمجھنے والا انسان ہو اس کو خبردار کر دیں اور منکرین پر حجت قائم ہو جائے کہ قیامت کے دن وہ یہ عذر نہ کر سکیں گے کہ ہمیں کسی نے نہیں سمجھایا اور نہیں بتلایا آگے بتلایا جاتا ہے کہ انسان اگر غور کرے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ کا اقرار نہ کرے دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے لیکن وہ اس نے خود نہیں بنائیں اور نہ اس کے کسی ہم جنس نے انہیں تیار کیا۔ آخر سوچنے کی بات ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ مثال کے طور پر یہ اونٹ گھوڑے گائے بکری گدھے و خچر وغیرہ جانوروں کو انسانوں نے نہیں بنایا۔ اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا۔ پھر انسانوں کو اپنے فضل سے ان کا مالک بنا دیا کہ ان سے جو چاہے کام لو۔ دیکھو کتنے بڑے عظیم الجثہ قوی ہیکل جانور اس ضعیف انسان کے سامنے عاجز و مسخر کر دیئے۔ سینکڑوں اونٹوں کی قطار کو ایک چھوٹا سا بچہ نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لے جائے ذرا کان نہیں ہلاتے۔ کیسے کیسے شہ زور جانوروں پر آدمی سواری کرتا ہے اور بعض کو ذبح کر کے اپنی غذا بناتا ہے۔ علاوہ گوشت کھانے کے ان کی کھال ہڈی اون وغیرہ سے کس قدر فوائد حاصل کیے جاتے ہیں ان کے تھن کیا ہیں گویا دودھ کے چشمے ہیں کہ کتنے آدمی سیراب ہوتے ہیں لیکن شکر گزار بندے اس کے تھوڑے ہی ہیں ورنہ اکثر عقل سے کام نہیں لیتے کہ اپنے رب اور منعم حقیقی کو اس کی نشانیاں اور انعامات و احسانات دیکھ کر پہچانیں اور اس کے رسول کی باتیں سنیں اور جو وہ کہیں وہ کریں جس خدا نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں اس کا شکر ادا کیا تو یہ کیا کہ اس کے مقابل دوسرے معبود اور حاکم ٹھہرا لئے جنہیں سمجھتے ہیں کہ اڑے وقت میں کام آویں گے اور مدد کریں گے سو یاد رکھو وہ تمہاری تو کیا اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی تو اس وقت گرفتار ضرور کرا دیں گے تب پتہ چلے گا کہ جن کی حمایت میں عمر بھر لڑتے رہے وہ آج کس طرح آنکھیں دکھانے لگے۔ ہر جھوٹے معبود کے پوجنے والے اس کی شکست خوردہ فوج کی طرح پکڑے ہوئے آئیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنے باطل معبودوں سے کہو کہ تمہیں عذاب الٰہی سے بچا لیں۔ اس وقت وہ فرضی معبود سب کانوں پر ہاتھ رکھیں گے کہ ہم ان کے خدا ہرگز نہیں اور نہ ہم نے کہا تھا کہ ہمیں خدا مانو آج یہ جانیں اور ان کا کام ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں اس وقت ان مشرکوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خود ہمارے ساتھ ان مشرکین کا یہ معاملہ ہے تو اگر آپ کی بات نہ مانیں تو آپ اس سے غمگین اور دلگیر نہ ہوں اپنا فرض ادا کر کے ان کو ہمارے حوالہ کریں۔ ہم ان کے ظاہری و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں ٹھیک ٹھیک بھگتان کر دیں گے۔

اب سورۃ کے اخیر میں مرکر دوبارہ زندہ ہونے پر استدلال فرمایا جاتا ہے اور اس کے لئے عقلی دلیل دی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔ اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا

خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ

کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا۔ آپ جواب دے دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اول بار میں پیدا کیا ہے اور وہ

بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ

سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ اور ایسا (قادر) ہے کہ ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو۔

تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ

اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو (دوبارہ) پیدا کردے ضرور قادر ہے

وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي

اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہیں۔ تو اس کی پاک ذات ہے

بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اَوَ کیا	لَمْ یَرَ نہیں دیکھا	اَلْاِنْسَانُ انسان	اَنَّا خَلَقْنٰهُ کہ ہم نے پیدا کیا اس کو	مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے	فَاِذَا پھر ناگہاں	هُوَ وہ	خَصِیْمٌ جھگڑالو		
مُبِیْنٌ کھلا	وَضَرَبَ اور اس نے بیان کی	لَنَا ہمارے لئے	مَثَلًا ایک مثال	وَنَسِیَ اور بھول گیا	خَلْقَهٗ اپنی پیدائش	قَالَ کہنے لگا			
مَنْ یُّحْیِ کون پیدا کریگا	الْعِظَامَ ہڈیاں	وَهِیَ جبکہ وہ	رَمِیْمٌ گل گئیں	قُلْ فرمادیں	یُحْیِیْهَا اسے زندہ کرے گا	الَّذِیْ وہ جس نے			
اَنْشَاَهَا اسے پیدا کیا	اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار	وَهُوَ اور وہ	بِكُلِّ ہرطرح	خَلْقٍ پیدا کرنا	عَلِیْمٌ جاننے والا	الَّذِیْ جس نے	جَعَلَ پیدا کیا		
لَكُمْ تمہارے لئے	مِنَ سے	الشَّجَرِ درخت	الْاَخْضَرِ سبز	نَارًا آگ	فَاِذَا پس اب	اَنْتُمْ تم	مِنْهُ اس سے	تُوْقِدُوْنَ سلگاتے ہو	
اَوَ کیا	لَیْسَ نہیں	الَّذِیْ وہ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	بِقٰدِرٍ قادر	عَلٰٓی پر	اَنْ کہ	یَّخْلُقَ وہ پیدا کرے
مِثْلَهُمْ ان جیسا	بَلٰی ہاں	وَهُوَ اور وہ	الْخَلّٰقُ بڑا پیدا کرنیوالا	الْعَلِیْمُ دانا	اِنَّمَآ اس کے سوا نہیں	اَمْرُهٗٓ اس کا کام	اِذَا جب		
اَرَادَ شَیْئًا وہ ارادہ کرے کسی شے کا	اَنْ کہ	یَّقُوْلَ وہ کہتا ہے	لَهٗ اس کو	كُنْ ہوجا	فَیَكُوْنُ تو وہ ہوجاتی ہے	فَسُبْحٰنَ سو پاک ہے	الَّذِیْ وہ جس		
بِیَدِهٖ اسکے ہاتھ میں	مَلَكُوْتُ بادشاہت	كُلِّ شَیْءٍ ہر شے	وَاِلَیْهِ اور اسی کی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹ کر جاؤ گے					

تفسیر و تشریح: یہ سورۃ یٰس شریف کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ تیسرے رکوع کے اخیر میں کفار کا ایک اعتراض نقل فرمایا گیا تھا ویقولون متیٰ هٰذا الوعد ان کنتم صٰدقین یعنی وہ کہتے تھے کہ یہ قیامت کی دھمکی کب پوری ہوگی؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو؟ ان کا یہ سوال کچھ اس غرض کے لئے نہ تھا کہ وہ قیامت کے آنے کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے تھے بلکہ اس بناء پر تھا کہ وہ مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کو بعید از امکان اور بعید از عقل سمجھتے

تھے۔تو اوپر اس سوال کے جواب میں قیامت کے عبرتناک منظر کا نقشہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا کہ جس قیامت کا منکرین انکار کر رہے ہیں وہ ایسے شان اور ان حالات کے ساتھ آ کر رہے گی۔ان کے اسی سوال کے جواب میں قیامت اور حشر ونشر کے اب دلائل ارشاد ہو رہے ہیں۔

مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ اس موقع پر کفار مکہ کے سرداروں میں سے ایک شخص قبرستان سے کسی مردہ کی ایک بوسیدہ ہڈی لئے ہوئے آ گیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے چورا کر کے اس کے اجزا کو ہوا میں اڑا کر آپ سے کہا کہ تم کہتے ہو کہ مردے پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے بتاؤ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اس کا جواب فوراً ان آیات کی صورت میں دیا گیا اور بتلایا گیا کہ اس انسان کو یہ نہیں سوجھتا کہ پہلے یہ کیا تھا؟ اس کو اپنی اصلیت یاد نہیں کہ وہ ایک ناچیز قطرہ تھا جس کو خدا نے کیا سے کیا بنا دیا۔اس قطرہ کو اس کی ماں کے پیٹ میں پرورش کیا اور یہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔پھر ماں کے پیٹ سے نکل کر بھی اس کی پرورش کا سامان کر دیا پھر رفتہ رفتہ یہ اس قابل ہوا کہ اس کو زور اور قوت گویائی عطا کی کہ بات بات پر جھگڑنے اور باتیں بنانے لگا اور اپنی ناچیز اصلیت کو بھول گیا۔حتیٰ کہ آج اپنی حد سے بڑھ کر اپنے خالق ورازق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا اور خدا پر کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے گویا اس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کر لیا ہے جو کہتا ہے کہ جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ پرانی اور کھوکھری تو انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا۔ایسا سوال کرتے وقت اسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرۂ ناچیز نطفۂ حقیر سے پیدا ہونے والے کو ایسے الفاظ کی جرات نہ ہوتی۔بہرحال اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے سوال کے جواب میں کہہ دیجئے کہ جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہئے اور اس قادر مطلق کے لئے تو سبھی چیز آسان ہے۔پہلی مرتبہ ہو یا دوسری مرتبہ وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہوں ان کا ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ بعض ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے اور تم پھر اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو؟ چنانچہ عرب میں ایک درخت تھا جس کو مرخ کہتے تھے اور دوسرا درخت جس کو عفار کہتے تھے ان سے اہل عرب چقماق کا کام لیتے تھے۔ان دونوں درختوں کی ہری بھری ٹہنیاں مثل مسواک کے لے کر اہل عرب ایک دوسرے پر مارتے تھے تو ان سے آگ جھڑنے لگتی تھی۔قدیم زمانہ میں عرب کے بدوی آگ جلانے کے لئے یہی طریقہ استعمال کرتے تھے تو جس قادر کو ہرے درخت سے آگ پیدا کرنا مشکل نہیں اسے بوسیدہ ہڈی سے دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔جس خدا نے یہ عظیم الشان آسمان بنا کر کھڑے کر دیئے اور زمین کو پیدا کر دیا اسے ان کافروں جیسی چھوٹی چیز کا دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔اس کی قدرت تو ایسی ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔وہ فوراً ہو جاتی ہے ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں مرے ہوؤں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ان سب مقدمات ودلائل سے ثابت ہو گیا کہ اس کی ذات پاک ہے اور وہ اعلیٰ ترین ہستی ہے۔جس کے دست قدرت میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے یعنی وہ کسی طرح کے عجز وغیرہ کے نقص سے بالکل پاک ومنزہ ہے فی الحال بھی تمام مخلوقات کی زمام حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے اور آئندہ بھی سب کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے یعنی خاتمہ کلام پر والیہ ترجعون فرما کر نتیجہ کے طور پر ثابت فرما دیا گیا کہ حشر ضرور برپا ہو گا۔مرنے کے بعد سب کو زندہ ہونا ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے سب کو کھڑا ہونا ہے۔

ان آیات کے تحت علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی بات تو ان آیات سے اور دوسری قرآنی آیات واحادیث میں جس معاد اور حشر ونشر کی خبر دی گئی ہے یہ معلوم ہوئی کہ وہ حشر جسمانی ہے اسی جسم انسانی کی بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ کی جائیں گی اور روح کا دوبارہ تعلق انہی اجزاء ترابیہ کے ساتھ ہو گا جن سے دنیاوی جسم مرکب ہے۔یعنی اسی بدن عنصری کے ساتھ علی وجہ الکمال والاتمام انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حشر کے بعد جو جسم عطا ہو گا وہ ہو بہو پہلے جسم کے پورا مشابہ ہو گا جو اس کو دنیا میں حاصل تھا اور اسی حشر جسمانی پر تمام انبیاء ومرسلین کا اور تمام صحابہ وتابعین کا اور تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے جبکہ فلاسفہ معاد جسمانی کے منکر ہیں اور معاد روحانی کے قائل ہیں۔

یہاں ان خاتمہ کی آیات میں منکرین حشر ونشر کے شبہات کا جو مکمل مفصل اور مدلل جواب دیا گیا ہے وہ چار دلائل پر مبنی ہے:۔

پہلی دلیل بعث بعد الموت یعنی دنیا میں مرکر دوبارہ زندہ ہونے کی یہ دی گئی کہ جس علیم وحکیم وقدیر خدا نے انسان کو دنیا میں ایک حقیر ناپاک اور گندے قطرہ سے پیدا کیا جو بظاہر ایک بے روح چیز ہے اور اس میں ہوش وحواس اور اعضاء وجوارح کچھ بھی نظر نہیں آتے۔ پس جب انسان قدرت الٰہی سے پیدا اور زندہ ہو گیا حالانکہ وہ اس سے پہلے کچھ نہ تھا تو وہی قادر انسان کے مرنے کے بعد بھی گلی اور سڑی ہڈیوں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے اس کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا خدا کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہے۔

دوسری دلیل یہ دی گئی کہ جو قادر خدا تمہارے لئے سرسبز اور ہرے بھرے درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کرسکتا ہے کہ آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد ہیں اور مرخ اور عفار کی دوسرسبز ٹہنیوں سے جن سے پانی ٹپکتا ہو آپس میں رگڑنے سے آگ نکل پڑتی ہے تو وہی خدا دوسری بار انسان کو گلی سڑی ہڈیوں سے بھی پیدا کرسکتا ہے۔

تیسری دلیل یہ دی گئی کہ وہ خدا جس نے آسمان اور زمین جیسے اجسام عظیمہ پیدا کئے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک پانچ فٹ کے انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کردے۔

چوتھی دلیل یہ دی گئی کہ جس خدا کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو اس کا صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ''ہوجا'' بس وہ چیز فوراً ہوجاتی ہے اور عدم سے نکل کر وجود میں آجاتی ہے پس جو خدا اس غیر محدود قدرت کا مالک ہو اسے روئے زمین کے انسانوں کو دوبارہ پیدا کردینا کیا مشکل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم وقدرت ہر ہر ذرہ کو محیط ہے۔ تو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پہلی بار وجود عطا کیا اور زندگی بخشی اور جب تک چاہا اس کو زندہ رکھا اسی طرح مرنے کے بعد جب چاہے گا اس کو زندہ کردے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کے ہر ہر ذرہ کو خوب جانتا ہے جہاں وہ متفرق پڑا ہے۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (گذشتہ امتوں میں سے) اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا کہ اللہ کی نافرمانی والی زندگی گزارتا رہا) جب اس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا اور آخرت کے برے انجام سے وہ بہت ڈرا۔ یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلا کر راکھ کردینا پھر تم میری اس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا اور آدھی کہیں دریا یا سمندر میں بہا دینا۔ خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دے گا۔ اس کے بعد جب وہ مرگیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (یعنی جلا کر اس کی راکھ کو کچھ خشکی میں ہوا میں اڑا دیا اور کچھ پانی میں بہا دیا) پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خشکی اور تری سے اس کے اجزاء جمع ہوئے (اور اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا شارحین نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی زمانے کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے وہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا اور اعمال بھی اچھے نہ تھے لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی کہ اس نے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کردی اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی وتری میں منتشر ہوجانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہ رہے گا۔ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشا اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کردیا اور اس کو بخش دیا۔ (معارف الحدیث جلد دوم صفحہ ۴۶-۴۷)

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو عقل سلیم دی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہزار بار پیدا کرنے اور ہزار بار موت دینے اور ہزار بار پھر زندہ کرنے پر قادر ہے اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے نہ محال ہے اور نہ بعید ہے۔ الحمد للہ اس درس پر سورۂ یٰسین شریف کا بیان ختم ہوا جس میں ۵ رکوع تھے۔ اس کے بعد اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔ انشاء اللہ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہے وہ پروردگار ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا

وَ قسم	الصّٰٓفّٰتِ صف باندھنے والے	صَفًّا پرا جما کر	فَالزّٰجِرٰتِ پھر ڈانٹنے والے	زَجْرًا جھڑک کر	فَالتّٰلِيٰتِ پھر تلاوت کرنے والے	ذِكْرًا ذکر (قرآن)
اِنَّ بیشک	اِلٰهَكُمْ تمہارا معبود	لَوَاحِدٌ البتہ ایک	رَبُّ پروردگار	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو انکے درمیان
		وَرَبُّ اور پروردگار	الْمَشَارِقِ مشرقوں			

تفسیر وتشریح

الحمدللہ قرآن کریم کی پانچ منزلوں کا بیان سورۂ یٰسین پر ختم ہو گیا تھا۔ اب چھٹی منزل کی ابتداء ۲۳ ویں پارہ کی سورۂ صٰفّٰت سے ہو رہی ہے جس کی چند ابتدائی آیات اس وقت زیر تفسیر ہیں۔ ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام نزول خلاصہ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا ہی لفظ والصّٰفّٰت سے ہوئی ہے۔ صفت کے معنٰی ہیں صف باندھنے والے۔ اس لئے اس سورۃ کا نام علامت کے طور پر صفت مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ ۳۷ ویں سورت ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۰ ہے یعنی ۴۹ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۶۴ سورتیں اس سورۃ کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۱۸۲ آیات ۵ رکوعات ۸۷۳ کلمات اور ۳۹۵۱ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے اس میں عقائد سے متعلق مضامین توحید رسالت آخرت وغیرہ خاص طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ جس وقت اس سورۃ کا نزول ہوا ہے وہ وہ وقت تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید واسلام کا انکار ومخالفت پوری شدت کے ساتھ کفار مکہ کر رہے تھے اس لئے اس سورۃ میں کفار مکہ کو نہایت پرزور طریقہ سے تنبیہ کی گئی اور آخیر میں انہیں صاف صاف خبردار کر دیا گیا کہ عنقریب یہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کا تم مذاق اڑا رہے ہو تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے تم پر غالب آ جائیں گے اور تم اللہ کے لشکر کو اپنے گھر کے صحن میں اترا ہوا پاؤ گے۔ یہ پیشین گوئی اس زمانہ میں کی گئی تھی جبکہ مخالفین کو اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی اور غلبہ کے ظاہری آثار دور دور بھی کہیں نظر نہ آتے تھے۔ جس وقت اہل اسلام بری طرح ظلم وستم کا نشانہ بن رہے تھے اور مسلمانوں کی قریب تین چوتھائی تعداد مکہ چھوڑ کر ہجرت کر چکی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بمشکل ۴۰-۵۰ صحابہؓ مکہ میں رہ گئے تھے اور انتہائی بے بسی کے ساتھ کفار کی زیادتیاں برداشت کر رہے تھے ان حالات میں ظاہر اسباب کو دیکھتے ہوئے اہل مکہ کسی طرح باور نہ کر سکتے تھے کہ غلبہ آخر کار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مٹھی بھر بے سروسامان جماعت کو نصیب ہوگا۔ بلکہ دیکھنے والے تو یہ ہی سمجھ رہے تھے کہ یہ

دین اسلام مکہ کی گھاٹیوں ہی میں ختم ہو کر رہ جائے گا۔لیکن تاریخ گواہ ہے کہ صرف ۱۵-۱۶ سال کے عرصہ میں فتح مکہ کے موقع پر ٹھیک وہی کچھ پیش آیا جس سے کفار کو خبردار کیا گیا تھا۔تنبیہ کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے اس سورۃ میں تفہیم اور ترغیب کا حق بھی پورا پورا ادا فرمایا اور توحید وآخرت کے عقیدہ کی صحت پر مختصر مگر دل نشین دلائل دیئے گئے اور مشرکین کے عقائد کا رد فرمایا گیا اور ان کی گمراہیوں کے برے نتائج سے انہیں آگاہ کیا گیا۔ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ ایمان اور عمل صالح کے نتائج کس قدر شاندار ہیں اسی سلسلہ میں گذشتہ انبیائے کرام کا ذکر فرمایا گیا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء کے ساتھ اور ان کی تکذیب کرنے والی قوم کے ساتھ کیا معاملہ رہا ہے کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار بندوں کو نوازا اور کس طرح ان کے جھٹلانے والوں کو سزا دی۔

جو تاریخی واقعات اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ سبق آموز واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا وہ اہم واقعہ ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم پاتے ہی اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔اس میں نہ صرف کفار مکہ ہی کے لئے سبق تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنے نسبی تعلقات پر فخر کرتے تھے بلکہ ان مسلمانوں کے لئے بھی سبق تھا جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے اور یہ واقعہ سنا کر انہیں تعلیم دی گئی کہ ایک مومن صادق کو کس طرح اللہ کی رضا پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔سورۃ کے آخر میں جہاں کفار کو تنبیہ دی گئی وہیں اہل ایمان کو بشارت سنائی گئی اور خوشخبری دی گئی کہ اس وقت جن مصائب سے انہیں سابقہ پڑ رہا ہے ان پر گھبرائیں نہیں آخر کار غلبہ انہی کو نصیب ہو گا اور باطل کے علمبردار جو اس وقت غالب نظر آ رہے ہیں یہ انہی کے ہاتھوں مغلوب اور مفتوح ہو کر رہیں گے۔چنانچہ چند ہی سال بعد واقعات نے بتلا دیا کہ یہ محض وقتی تسلی نہ تھی بلکہ ایک ہونے والا واقعہ تھا جس کی پیشین گوئی فرما کر ان کے دل مضبوط کئے گئے تھے۔

اللہ اللہ ایک وہ وقت تھا جبکہ صحابہ کرامؓ نے اپنی جانی و مالی قربانیاں دے کر اس اسلام کے باغ کو لگایا تھا اور اسکے پودے کو اپنے خون سے سینچا تھا۔ایک یہ زمانہ ہے اس لگے ہوئے باغ کو اجاڑنے اور ویران کرنے کی فکر میں غیر نہیں اپنے لگے ہوئے ہیں۔یہ خصوصاً پاکستان میں چند سال پہلے کا کبھی نہ بھولنے والا زمانہ رہا ہے جبکہ کوئی قرآن پر ہاتھ صاف کرتا رہا تو کوئی حدیث کا انکار کرتا رہا۔کوئی ارکان اسلام نماز روزہ حج زکوٰۃ کو "مولویوں" کی پیداوار کہہ کر ان سے آزاد ہو رہا تھا تو کوئی مذہب ہی کے نام سے بیزار اور مسلمانوں کو ذلت وخواری سے بچانے کے لئے مذہب اور دقیانوسیت کو چھوڑنے کی تلقین کرتا رہا۔کوئی قمار جوئے اور سود کو حلال کرنے کی فکر میں لگا رہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔یہ بات ضمناً بیچ میں صحابہ کرامؓ کی قربانیوں پر آ گئی تھی۔

خلاصہ یہ کہ اصل موضوع اس سورۃ کا توحید وآخرت ہے اور اسی کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی کے تقاضوں کے مطابق زندگی سنوارنے والوں کو کامیابی کی بشارت اور اس کے خلاف کرنے والوں کو بدانجامی سے ڈرایا گیا ہے۔اب اس تمہید کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔

سورۃ کی ابتدا تین قسمیہ جملوں سے فرمائی جاتی ہے:۔

(۱) قسم ہے ان فرشتوں کی جو عبادت میں یا حق تعالیٰ کا حکم سننے کے وقت صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(۲) قسم ہے ان فرشتوں کی جو آسمانی خبریں لانے سے شیاطین کی بندش کرنے والے ہیں۔(۳) قسم ہے ان فرشتوں کی جو ذکر الٰہی تسبیح وتقدیس کی تلاوت کرنے والے ہیں۔

پچھلی سورۃ میں بھی کہا جا چکا ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے متعدد جگہ قسمیں کھائی ہیں جن میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق اور صرف سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن شریف عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربوں کا طریقہ تھا کہ کوئی کلام اور بیان اس وقت فصیح بلیغ نہیں سمجھا جاتا تھا جب کہ اس میں قسمیں نہ ہوں اس لئے قرآن پاک میں بھی قسمیں کھائی گئیں کہ فصاحت عرب کی یہ قسم بھی رہنے نہ پائے۔اور بھی وجوہات علماء نے لکھی ہیں۔الغرض

مخاطبین کو پختہ وثوق و یقین دلانے کے لئے کلام کو قسم کے ساتھ شروع فرمایا گیا اور تین چیزوں کی قسم کھائی گئی۔ اول والصّٰفّٰت صفاً۔ جس کے لفظی معنیٰ ہیں صف باندھنے والے۔ مفسرین نے اس سے مراد وہ فرشتہ لئے ہیں جو حق تعالیٰ کی عبادت میں یا حق تعالیٰ کا حکم سننے کے وقت صف باندھ کر قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں۔

دوسرے فالزّٰجرٰت زجراً جس کے لفظی معنی ہیں بندش کرنے والے ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے پھٹکارنے والے۔ مراد اس سے وہ فرشتے ہیں جو آسمانی خبریں لانے سے شیاطین کی بندش کرنے والے ہیں۔ تیسری فالتّٰلیٰت ذکراً یعنی ذکر کرنے والے مراد اس سے وہ فرشتے ہیں جو ذکر الٰہی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔

اب یہاں اس سورۃ کی ابتدا میں فرشتوں کی قسم کھانے کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ اس سورۃ کا مرکزی مضمون توحید اور رد شرک ہے اور شرک میں بھی اس خاص شرک کی تردید ہے جس کے تحت اہل مکہ اور مشرکین عرب فرشتوں کو (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ کی ابتداء ہی میں فرشتوں کی قسم کھا کر ان کے وہ اوصاف بیان کر دیئے گئے جن سے ان کی مکمل بندگی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بات غور کرنے سے صاف سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتوں کا رشتہ باپ بیٹی کا (معاذ اللہ) نہیں بلکہ خالق و مخلوق اور آقا و بندہ کا ہے غرض کہ ان تینوں قسموں کے بعد جو بات کہی جاتی ہے وہ یہ کہ تمہارا معبود برحق ایک ہے۔ آگے دلیل اس توحید کی دی جاتی ہے اور وہ یہ کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا یعنی ان کا مالک اور متصرف ہے اور جو مالک ہے مشارق کا۔ مشارق سے مراد آفتاب کے طلوع ہونے کے مواقع ہیں۔ سورج ہمیشہ ایک ہی مطلع سے نہیں نکلتا بلکہ ہر روز ایک نئے زاویہ سے طلوع ہوتا ہے اور اس طرح سال کے ۳۶۵ مشرق ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے مشرق کی بجائے جمع کا صیغہ یعنی مشارق استعمال کیا گیا۔

اب یہاں فرشتوں کی صفت ''صف بندی'' کی جو ذکر فرمائی گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں نظم و ضبط اور ترتیب و سلیقہ کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کو سن کر ان کی تعمیل ہو یہ مقاصد اس طرح بھی حاصل ہو سکتے تھے کہ فرشتے بجائے صف باندھنے کے ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہو جایا کرتے۔ اس بدنظمی کی بجائے اللہ تعالیٰ نے انہیں صف بندی کی توفیق عطا فرمائی اور یہاں فرشتوں کے اوصاف میں سے سب سے پہلے اسی وصف کو ذکر فرمایا۔ اسی طرح انسانوں کو بھی عبادت کے لئے صف بندی کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نماز میں اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا۔ وہ صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں پیوست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے) نماز میں صفوف کی درستی یعنی صفوں کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی بہت ہی تاکید احادیث میں وارد ہوئی ہے اور اس کے خلاف کرنے اور صفوں کو آگے پیچھے رکھنے میں دلوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں جو حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کا مالک اور فرمانروا ہی انسانوں کا اصل معبود ہے اور وہی درحقیقت معبود ہو سکتا ہے اور اسی کو معبود ہونا چاہئے۔ یہ بات سراسر عقل کے خلاف ہے کہ رب یعنی مالک، حاکم، مربی و پروردگار کوئی اور ہو اور عبادت کا مستحق یعنی الٰہ کوئی اور ہو جائے عبادت کا استحقاق پہنچتا ہی اس کو ہے جو کامل اقتدار رکھتا ہے اور کامل اقتدار کا مالک چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے وہی تنہا معبود حقیقی ہے۔ اس طرح سورۃ کی ابتدا توحید کے مضمون سے فرمائی گئی جو کہ قرآن پاک کا خاص الخاص موضوع دعوت ہے اور جس پر تمام مسئلوں سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اب آگے اسی وحدانیت کی دلیل دی گئی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ﴿٧﴾ لَّا يَسَّمَّعُونَ

ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے

إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿٩﴾ إِلَّا مَنْ

اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دیدیئے جاتے ہیں اور ان کیلئے دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے

خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَم مَّنْ خَلَقْنَا ۚ

تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے۔ تو آپ ان سے پوچھئے کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں

إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا رَأَوْا

(کیونکہ) ہم نے ان لوگوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں

آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿١٤﴾ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے

إِنَّا زَيَّنَّا بیشک ہم نے مزین کیا	السَّمَاءَ الدُّنْيَا آسمانِ دنیا	بِزِينَةٍ زینت سے	الْكَوَاكِبِ ستارے	وَحِفْظًا اور محفوظ کیا	مِنْ سے	كُلِّ شَيْطَانٍ ہر شیطان	
مَارِدٍ سرکش	لَا يَسَّمَّعُونَ کان نہیں لگا سکتے	إِلَى طرف	الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ ملائے اعلیٰ	وَيُقْذَفُونَ اور مارے جاتے ہیں	مِنْ سے	كُلِّ جَانِبٍ ہر طرف	
دُحُورًا بھگانے کو	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ وَاصِبٌ عذابِ دائمی	إِلَّا سوائے	مَنْ جو	خَطِفَ لے بھاگا	الْخَطْفَةَ اُچک کر	فَأَتْبَعَهُ تو اسکے پیچھے لگا
شِهَابٌ ثَاقِبٌ ایک انگارا دہکتا ہوا	فَاسْتَفْتِهِمْ پس ان سے پوچھیں	أَهُمْ کیا اُن	أَشَدُّ خَلْقًا زیادہ مشکل پیدا کرنا	أَمْ یا	مَنْ جو	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا	
إِنَّا خَلَقْنَاهُم بیشک ہم نے پیدا کیا انہیں	مِنْ سے	طِينٍ لَّازِبٍ مٹی چپکتی ہوئی	بَلْ بلکہ	عَجِبْتَ آپ نے تعجب کیا	وَيَسْخَرُونَ اور وہ مذاق اڑاتے ہیں		
وَإِذَا اور جب	ذُكِّرُوا نصیحت کی جائے	لَا يَذْكُرُونَ وہ نصیحت قبول نہیں کرتے	وَإِذَا اور جب	رَأَوْا وہ دیکھتے ہیں	آيَةً کوئی نشانی		
	يَسْتَسْخِرُونَ وہ ہنسی میں اڑا دیتے ہیں	وَقَالُوا اور انہوں نے کہا	إِنْ نہیں	هَٰذَا یہ	إِلَّا مگر۔صرف	سِحْرٌ مُّبِينٌ جادو کھلا	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی توحید کے بیان سے فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کے درمیان کی چیزوں کا۔ اب آگے ان آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی ایک دلیل دی جاتی ہے کہ نظر اوپر اٹھاؤ تو اندھیری رات میں یہ آسمان بے شمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے دیکھنے والوں کو کیسا خوبصورت مزین اور پررونق معلوم ہوتا ہے۔ یہ دنیا کا آسمان ہے۔ دنیا کے معنیٰ سب سے قریب کے ہیں۔ اس سے بلند تر آسمان اور بھی ہیں تو اس آسمان دنیا کو اللہ تعالیٰ نے تاروں سے کیسی زینت وآرائش دی۔ یہاں آیت میں کواکب یعنی ستاروں کے دو کام بتلائے گئے ایک تو آسمان کی زیب وزینت اور دوسرے شیاطین سے حفاظت یعنی بعض تاروں کے ذریعہ جو ٹوٹتے ہیں شیطانوں کو روکنے اور دفاع کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ سورۂ حجر چودھویں پارہ میں بھی یہی فرمایا گیا "بلاشبہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے ان سے آراستہ کیا اور ہم نے اسے یعنی آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا۔ ہاں مگر کوئی بات فرشتوں کی چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے

پیچھے ایک شہاب ثاقب یعنی روشن شعلہ ہو لیتا ہے''۔ستاروں کے یہی دو کام یہاں آیت میں بھی بتلائے گئے۔ایک تو زیب وزینت آسمان کی دوسرے شیاطین کا دفاع۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ فرشتوں کی عالم بالا میں کوئی بات وحی الٰہی کی سن آئیں۔جب یہ شیاطین ایسا ارادہ کر کے اوپر آسمانوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو جس طرف سے جاتے ہیں ادھر ہی سے فرشتہ دھکے دے کر اور مار مار کر بھگا دیتے ہیں اور دنیا میں ہمیشہ ان پر یونہی مار پڑتی رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔اور اس فرشتوں کی مار دھاڑ اور بھاگ دوڑ میں اگر شیاطین فرشتوں کی کوئی ایک آدھ بات اچک لائے اور کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے اور اس کو جلا کر پھونک دیتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ عالم بالا کا انتظام اور وہاں کی بندش ایسی مضبوط ہے کہ کسی شیطان سرکش کا وہاں تک گزر نہیں اور وہ اس پر قادر نہیں کہ ملاء اعلیٰ یعنی گروہ ملائکہ کی باتیں سن سکے اور اس کی خبر دنیا میں لا کر کسی کو دے سکے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس وقت عرب میں کہانت کا بڑا چرچا تھا۔جگہ جگہ کاہن موجود تھے جو پیشین گوئیاں کرتے۔غیب کی خبریں بتاتے اور لوگ اپنے اگلے پچھلے احوال دریافت کرنے کے لئے ان سے رجوع کرتے اور ان کاہنوں کا دعویٰ یہ تھا کہ جن اور شیاطین ان کے قبضہ میں ہیں اور وہ انہیں ہر طرح کی خبریں لا لا کر دیتے ہیں۔ان حالات کی موجودگی میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر سرفراز ہوئے اور آپ نے قرآن مجید کی آیات سنانی شروع کیں جن میں پچھلے اور آئندہ کے پیش آنے والے حالات کی خبریں بھی دی گئیں اور ساتھ ہی آپ نے یہ بتایا کہ ایک فرشتہ یہ آیات میرے پاس لاتا ہے تو منکرین ومکذبین نے آپ کو کاہن کہنا شروع کر دیا کہ ان کا تعلق بھی دوسرے کاہنوں کی طرح کسی جن یا شیطان سے ہے جو عالم بالا سے کچھ خبریں ان کے پاس لاتا ہے اور یہ اسے وحی الٰہی بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔تو اس الزام کے رد میں بھی یہاں یہ حقیقت ظاہر فرمائی گئی شیاطین کی تو رسائی ہی عالم بالا تک نہیں ہو سکتی اور وہ اس پر قادر ہی نہیں کہ آسمان پر جا کر ملائکہ کی باتیں سن سکیں۔الغرض اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو مزین اور محفوظ بنایا ہے اور یہ دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی اور تمام انتظامات وتصرفات اس کے دست قدرت میں ہونے کی اور اس طرح اس کے واحد ہونے کی۔اب اثبات توحید کے بعد آگے اثبات بعث بعد الموت کے متعلق فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین جو قیامت کو نہیں مانتے اور اپنے دوبارہ پیدا کئے جانے کو تسلیم نہیں کرتے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ آسمان، زمین، ستارے، فرشتے، جنات و شیاطین وغیرہ ساری مخلوقات بنائی ہے تو ان کا بنانا زیادہ مشکل ہے یا ان منکرین کا پیدا کرنا۔یقیناً اتنی بڑی بڑی چیزیں بنانے کے مقابلہ میں انسان کا بنا دینا کچھ مشکل نہیں اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں انسان اول یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو ایک لیس دار چپکتے ہوئے گارے سے بنا کر تیار کر دیا اور پھر اس میں روح ڈال دی تو کیا اسی طرح دوبارہ مٹی سے انسانوں کو پیدا نہیں کیا جا سکتا۔یقین کرو کہ ضرور ایسا کیا جائے گا اور اللہ کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تو ان منکرین پر تعجب ہوتا ہے کہ ایسی صاف باتیں کیوں نہیں سمجھتے اور وہ تمسخر کرتے ہیں کہ یہ کس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔آخر میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین نصیحت سن کر غور وفکر نہیں کرتے اور جو معجزات ونشانات دیکھتے ہیں تو بجائے اس کے کہ ان سے نصیحت حاصل کریں انہیں جادو کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہاں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو توحید کا اثبات ہے اور وہ اس طرح کہ جس ذات عالی نے تنہا اپنی قدرت سے ایسے زبردست آفاقی انتظام کئے ہوئے ہیں وہی لائق عبادت وبندگی بھی ہے۔

دوسرے مشرکین کے باطل عقائد کی تردید بھی ہوگئی کہ جو شیاطین کو دیوی دیوتا یا معبود قرار دیتے ہیں اور یہاں جتلا دیا گیا کہ یہ شیاطین تو ایک مردود ومقہور مخلوق ہیں ان کو خدائی سے کیا واسطہ۔

اس کے علاوہ اسی مضمون میں ان مشرکین کی بھی تردید ہوگئی جو قرآن کریم کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کو کاہنوں کی کہانت سے تعبیر کرتے تھے اور معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کاہن ہونے کا الزام لگاتے تھے۔تو یہاں یہ بتلا دیا گیا کہ شیاطین کی عالم بالا تک رسائی ممکن ہی نہیں اور وہ غیب کی سچی خبریں سن ہی نہیں سکتے تو وہ کاہنوں کو غیب کی خبریں کیسے لا کر دے سکتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کہانت کا الزام معاندین کیسے چسپاں کرتے ہیں۔

آگے مر کر دوبارہ زندہ نہ ہونے کے متعلق منکرین کا قول نقل فرما کر اس کا رد کیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

(کیونکہ) بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم (پھر) زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (ضرور زندہ ہوگے) اور تم ذلیل بھی ہوگے

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ

پس قیامت تو بس ایک للکار ہوگی سو سب یکا یک دیکھنے بھالنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کمبختی یہ تو وہی روز جزا (معلوم ہوتا) ہے۔ (ارشاد ہوگا کہ ہاں) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے

الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾

جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے جمع کرلو ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ

پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ اور (اچھا) ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جاویگا کہ اب تم کو کیا ہوا ایک دوسرے کی

لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

مدد نہیں کرتے بلکہ وہ سب کے سب اس روز سر افگندہ (کھڑے) ہونگے

ءَاِذَا کیا جب	مِتْنَا ہم مرگئے	وَكُنَّا اور ہم ہوگئے	تُرَابًا مٹی	وَعِظَامًا اور ہڈیاں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَمَبْعُوْثُوْنَ پھر اٹھائے جائیں گے	اَوَ کیا
اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ہمارے باپ دادا پہلے	قُلْ فرمادیں	نَعَمْ ہاں	وَاَنْتُمْ اور تم	دَاخِرُوْنَ ذلیل وخوار	فَاِنَّمَا هِيَ پس اس کے سوا نہیں وہ	زَجْرَةٌ للکار	
وَّاحِدَةٌ ایک	فَاِذَا پس ناگہاں	هُمْ وہ	يَنْظُرُوْنَ دیکھنے لگیں گے	وَقَالُوْا اور وہ کہیں گے	يٰوَيْلَنَا ہائے ہماری خرابی	هٰذَا یہ	يَوْمُ الدِّيْنِ بدلے کا دن
هٰذَا یہ	يَوْمُ الْفَصْلِ فیصلے کا دن	الَّذِيْ وہ جس	كُنْتُمْ تم تھے	بِهٖ اس کو	تُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے	اُحْشُرُوا تم جمع کرو	الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وہ جنھوں نے ظلم کیا (ظالم)
وَاَزْوَاجَهُمْ اور ان کے جوڑے (ساتھی)	وَمَا اور جس	كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ وہ پرستش کرتے تھے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	فَاهْدُوْهُمْ پس تم ان کو دکھاؤ			
اِلٰى طرف	صِرَاطِ راستہ	الْجَحِيْمِ جہنم	وَقِفُوْهُمْ اور ٹھہراؤ ان کو	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مَسْئُوْلُوْنَ ان سے پرسش ہوگی	مَا لَكُمْ کیا ہوا تمہیں	
لَا تَنَاصَرُوْنَ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	الْيَوْمَ آج	مُسْتَسْلِمُوْنَ سر جھکائے فرمانبردار				

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں منکرین قیامت و مکذبین آخرت کا ذکر ہوا تھا کہ جب ان کو قرآن کے ذریعہ سے آخرت وقیامت اور وہاں کی جزا وسزا کے متعلق بتلایا اور سمجھایا جاتا ہے تو ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور اللہ کے رسول ؐ کی باتوں کو ہنسی اور مذاق میں ٹال دیتے ہیں اب آگے انہی منکرین ومکذبین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور تمہارے اعمال کی بابت تم سے باز پرس ہوگی اور اس کی جزا وسزا تم کو بھگتنا ہوگی تو یہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد تو ہم مٹی ہو جائیں گے۔ بدن گل سڑ کر خاک میں مل جائے گا۔ شاید ہڈیاں کچھ روز رہیں۔ پھر ہمارے باپ دادا کو مرے ہوئے مدتیں گزر گئیں۔ ان کی تو ہڈیوں تک کا بھی نشان نہ رہا ہوگا۔ تو ہم کس طرح مان لیں کہ ہمارا اور ہمارے باپ دادا کے بدن مٹی ہو جانے کے بعد پھر بن جائیں گے اور سب از سر نو زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جائیں گے؟ ہماری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوتی ہے کہ آپ ان منکرین سے

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا مرنے کے بعد سارے انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس لئے تم بھی ضرور اٹھائے جاؤ گے اور یہ بھی یاد رکھو کہ آج جو اس بات کا انکار کر رہے ہیں اس وقت دوسری زندگی میں ذلیل و رسوا ہو کر اس انکار کی سزا بھگتیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ دوبارہ زندہ ہونا ہوگا کس طرح؟ اس کی بابت بتلایا جاتا ہے کہ صور کی آواز سے سب کو جھنجھوڑ دیا جائے گا۔ ایک جھڑکی سب کو زندہ کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ سنتے ہی سب جہاں کہیں بھی ہوں گے اٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت و دہشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے کہ یہ کیسی آواز تھی کہ جس نے ہمیں اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ آگے قیامت کے دن کفار کا اپنے تئیں ملامت کرنا پچھتانا اور حسرت و افسوس کرنا بیان ہو رہا ہے کہ وہ نادم ہو کر قیامت کے دہشت خیز اور وحشت انگیز امور کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہائے کمبختی یہ تو وہی دن آ پہنچا جس کی خبر ہمیں دنیا میں اللہ کے رسولؐ دیا کرتے تھے اور ہم جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ افسوس ہمارے حال پر آج ہمیں صاف نظر آ رہا ہے کہ وہ بالکل سچ کہتے تھے اس پر ارشاد ہوگا کہ ہاں یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے اور سچا نہ مانتے تھے۔ اسی دن کے لئے تو ہم نے تمہارے پاس رسول بھیجے تھے کہ ہمارا پیغام تم تک پہنچادیں اور ڈراویں کہ اگر ہمارے رسول اور ہماری کتاب کے کہنے پر نہ چلے تو تمہارا برا حشر ہوگا۔ تمہیں چاہئے تھا کہ دنیا ہی میں قیامت پر ایمان لے آتے۔ آج جب وہ تمہارے سر پر آ ہی گئی تب تمہاری آنکھیں کھلی ہیں۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان ظالموں کافروں اور بے ایمانوں کو اور ان کے ساتھیوں اور جھوٹے معبودوں کو اکٹھا جمع کرو اور دوزخ کی طرف ہانک کر لے جاؤ۔ یہاں آیت میں **احشروا الذین ظلموا وازواجھم وما کانوا یعبدون من دون اللہ** فرمایا یعنی جمع کر لو سب ظالموں اور ان کی ازواج کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے۔ تو یہاں لفظ ازواج استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد ان کی وہ بیویاں بھی ہو سکتی ہیں جو کفر و شرک میں ان کی رفیق تھیں اور اس سے وہ سب لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو انہی کی طرح باغی۔ نافرمان اور سرکش تھے اور اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک قسم کے مجرم و ظالم الگ الگ جتھوں کی شکل میں جمع کئے جائیں مثلاً زانی زانیوں کے ساتھ' سود خوار سود خواروں کے ساتھ' شرابی شرابیوں کے ساتھ' بت پرستوں کو بت پرستوں کے ساتھ وغیرہ وغیرہ پھر اس جگہ جو ان ظالموں کے ساتھ ان کے معبودوں کو بھی جمع کرنے کا حکم دیا گیا تو یہاں معبودوں سے مراد دو قسم کے معبود ہیں۔ ایک تو وہ جن و انس و شیاطین جن کی اپنی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی بندگی کریں۔ دوسرے وہ بت و صنم اور شجر و حجر وغیرہ جن کی پرستش کفار و مشرکین دنیا میں کرتے تھے۔ ان میں سے پہلی قسم کے معبود تو خود مجرمین میں شامل ہوں گے اور انہیں سزا کے طور پر جہنم کا راستہ دکھایا جائے گا اور دوسری قسم کے معبود اپنے پرستاروں کے ساتھ اس لئے جہنم میں ڈالے جائیں گے کہ وہ انہیں دیکھ کر ہر وقت شرمندگی محسوس کریں اور اپنی حماقت پر حسرت و افسوس کریں۔ آگے ارشاد ہے کہ دوزخ کی طرف لے جانے کے حکم کے بعد فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ان کو ذرا ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔ چنانچہ ان سے یہ سوال ہوگا کہ آج تمہیں کیا ہو گیا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ فرشتے تمہیں گرفتار کئے ہوئے ہیں اور ہر ایک کان دبائے گرفتار ہے۔ کوئی کسی کی مدد کو نہیں بڑھتا دنیا میں تو تم اپنے مددگاروں اور ساتھیوں کے بل پر بہت کودتے تھے اور فوراً ایک دوسرے کی مدد کو تیار ہو جاتے تھے آج کیا ہوا کہ خاموش سر جھکائے کھڑے ہو۔ کسی میں ہمت نہیں کہ اپنے ساتھی کی مدد کر سکے۔ یہ خطاب بتلا رہا ہے کہ اس وقت بڑے بڑے ہیکڑ مجرمین کے کس اور بل نکل چکے ہوں گے اور کسی مزاحمت کے بغیر وہ کان دبائے جہنم کی طرف جا رہے ہوں گے۔ تو اس حالت کا نقشہ کھینچ کر یہاں یہ بات ذہن نشین کرائی ہے کہ دنیا میں جو لوگ گمراہی کا شکار ہیں اور ساتھ ہی ہمچو ما دیگرے نیست کے غرور میں مبتلا ہیں وہاں ان کا تکبر کس طرح خاک میں مل جائے گا اور کیسی ذلت و رسوائی ان کو نصیب ہوگی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کی ذلت و رسوائی سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔

اب آگے بتلایا جاتا ہے کہ بجائے ایک دوسرے کی مدد کرنے کے باہم ان ظالموں میں تنافر اور تنازع ہوگا اور باہم ایک دوسرے کو ملزم گردانیں گے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۲۷ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۲۸ قَالُوْا

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر جواب سوال (یعنی اختلاف) کرنے لگیں گے (چنانچہ) تابعین کہینگے کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی

بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۲۹ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۳۰ فَحَقَّ

متبوعین کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا ہی نہیں بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے سو ہم سب پر ہی

عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۳۱ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۳۲ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ

ہمارے رب کی یہ (ازلی) بات تحقیق ہو چکی تھی کہ ہم سب کو مزہ چکھنا ہے تو ہم نے تم کو بہکایا ہم خود بھی گمراہ تھے تو وہ سب کے سب اس روز عذاب میں (بھی) شریک رہیں گے

مُشْتَرِكُوْنَ ۳۳ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۳۴ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(اور) ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں

يَسْتَكْبِرُوْنَ ۳۵ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۳۶ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ

تو تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔ بلکہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں

وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۳۷ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۳۸ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ

اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور تم کو اُسی کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے

تَعْمَلُوْنَ ۳۹ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۴۰

ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں۔

وَاَقْبَلَ اور رُخ کریگا	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض (ایک)	عَلٰى بَعْضٍ بعض پر دوسرے کی طرف	يَتَسَآءَلُوْنَ باہم سوال کرتے ہوئے	قَالُوْا وہ کہیں گے					
اِنَّكُمْ بیشک تم	كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا تم ہم پر آتے تھے	عَنِ الْيَمِيْنِ دائیں طرف سے	قَالُوْا وہ کہیں گے	بَلْ بلکہ	لَمْ تَكُوْنُوْا تم نہ تھے	مُؤْمِنِيْنَ ایمان لانیوالے			
وَمَا اور نہ	كَانَ تھا	لَنَا ہمارا	عَلَيْكُمْ تم پر	مِنْ سُلْطٰنٍ کوئی زور	بَلْ بلکہ	كُنْتُمْ تم تھے	قَوْمًا ایک قوم	طٰغِيْنَ سرکش	فَحَقَّ پس ثابت ہوگئی
عَلَيْنَا ہم پر	قَوْلُ بات	رَبِّنَا ہمارا رب	اِنَّا بیشک ہم	لَذَآئِقُوْنَ البتہ چکھنے والے	فَاَغْوَيْنٰكُمْ پس ہم نے بہکایا تمہیں	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	غٰوِيْنَ گمراہ		
فَاِنَّهُمْ پس بیشک وہ	يَوْمَئِذٍ اس دن	فِي الْعَذَابِ عذاب میں	مُشْتَرِكُوْنَ مشترک (شریک)	اِنَّا بیشک ہم	كَذٰلِكَ اسی طرح	نَفْعَلُ کرتے ہیں			
بِالْمُجْرِمِيْنَ مجرموں کے ساتھ	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	اِذَا جب	قِيْلَ کہا جاتا	لَهُمْ ان کو	لَآ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا اللّٰهُ اللہ کے سوا	
يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ تکبر کرتے تھے	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	اَئِنَّا کیا ہم	لَتَارِكُوْا چھوڑ دینے والے	اٰلِهَتِنَا اپنے معبود	لِشَاعِرٍ ایک شاعر کی خاطر				
مَّجْنُوْنٍ دیوانے	بَلْ بلکہ	جَآءَ وہ آئے	بِالْحَقِّ حق کیساتھ	وَصَدَّقَ اور تصدیق کی	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں کی	اِنَّكُمْ بیشک تم	لَذَآئِقُوا ضرور چکھنے والے		

الْعَذَابِ عذاب	الْاَلِيْمِ درد ناک	وَمَا تُجْزَوْنَ اور تمہیں بدلہ نہ دیا جائے گا	اِلَّا مگر	مَا جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے	اِلَّا مگر
عِبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بندے	الْمُخْلَصِيْنَ خاص کئے ہوئے					

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں منکرین قیامت اور مکذبین آخرت کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ جب قیامت قائم ہوگی اور یوم محشر ہوگا اور صور پھونکنے پر سب دوبارہ زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے تو اس وقت انہیں حسرت و افسوس ہوگا کہ یہ تو وہی روز جزا اور فیصلہ کا دن آ گیا جس کا ہم زندگی میں انکار کیا کرتے تھے۔ پھر فرشتے ایسے تمام مجرمین کو جمع کر لیں گے اور ان کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا۔ اس وقت ان مجرمین اور کفار و مشرکین میں باہم سوال و جواب ہوں گے اور ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام ڈالیں گے جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگیں گے کمزور اور چھوٹے بڑوں اور زبردستوں سے کہیں گے کہ تمہاری وجہ سے آج یہ دن دیکھنا پڑا۔ یہ تمہیں ہو جو دنیا میں بڑے زور سے ہم پر چڑھے چلے آتے تھے اور زور دے دے کر ہمیں بھلی باتوں سے روکتے اور برے کاموں کے کرنے کو کہا کرتے تھے۔ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار بن جاتے۔ جب بڑے چھوٹوں کا یہ الزام اور لعن طعن سنیں گے تو جواب دیں گے کہ تم ہمیں کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ ایمان لانا نہ لانا تمہارا اپنا کام تھا۔ تم خود ہی بے ایمان تھے۔ ہم نے کیا کیا۔ ہمارا تم پر ایسا زور تو نہ تھا کہ جو تمہارے دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے۔ تمہارے دل پر ہمیں اختیار نہ تھا کہ ہم جدھر چاہتے اسے موڑ دیتے۔ یہ تو تم خود ہی بدطینت اور سرکش واقع ہوئے تھے کہ ہمارے اشاروں پر چل پڑے اور ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ آخر دنیا میں ہم ہی تو صرف نہ تھے اچھی باتوں کے سمجھانے والے بھی

تو موجود تھے۔ تم نے ان کا سمجھانا کیوں نہ مانا۔ اگر فرض کرو ہم تمہیں زور و شور سے بہکا رہے تھے تو وہ بھی تو پورے خلوص اور خیر خواہی کے جذبہ سے تمہیں سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے تھے۔ پھر کیوں تم نے ان کی نہ سنی اور ہماری سن لی ہم تو ظاہر ہے خود گمراہ تھے اور ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے ہم نے وہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تمہیں کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ جو تم ہمارے چکموں میں آ گئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم خود ہی بد باطن ظالم اور بے انصاف تھے۔ اگر تم خود دل سے برائی کی طرف مائل نہ ہوتے تو اچھوں کی سنتے اور بروں کو دھتا بتاتے۔ اب ہمیں الزام دینے سے کیا فائدہ۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا۔ خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی۔ ہمارے رب نے جو اچھے اور بروں کے لئے فیصلہ کر رکھے تھے اور جزا و سزا کے جو احکام جاری کر رکھے تھے آج وہ پورے ہو کر رہیں گے اور ہم سب کو اپنی اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں اور غلط کاریوں کا مزہ چکھنا ہے۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سب مجرم درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے۔ جیسے جرم میں شریک تھے اور ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور نافرمانوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں آگے ان کے جرم کا بیان ہے کہ جب ہمارے رسول نے ان سے کہا لا الٰہ الا اللہ کہو تو انہیں تکبر نے یہ نہ کہنے دیا یعنی توحید کے بھی منکر تھے اور رسالت کے بھی اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کے کہنے کی وجہ سے چھوڑ دیں گے (العیاذ باللہ) حق تعالیٰ منکرین کے اس قول کی تردید میں آگے فرماتے ہیں کہ ہمارے رسول تو بالکل سچے ہیں۔ سچ لے کر آئے ہیں ساری

21

شریعت سراسر حق ہے یہ گذشتہ رسولوں کو بھی سچا مانتے ہیں اوران رسولوں نے جو صفتیں اور پاکیزگیاں آپ کی بیان کی تھیں ان کے صحیح مصداق آپ ہی ہیں۔اس انکار توحید اوران گستاخیوں کا مزہ چکھو گے جو بارگاہ رسالت میں کر رہے ہو اور اس پر اے منکرین تم سب تابع اور متبوع کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہاں جو اللہ کے خاص بندے صاحب ایمان اور حق کا اتباع کرنے والے ہیں وہ عنایات ونوازش وکرم سے نوازے جائیں گے۔

یہاں جو آیات میں تابعین ومتبوعین منکرین ومکذبین کے متعلق یہ فرمایا گیا **فانهم يومئذ فى العذاب مشتركون** پس وہ سب کے سب اس روز عذاب میں شریک رہیں گے تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور اسے گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے تو اسے دعوت گناہ کا عذاب تو بے شک ہوگا لیکن جس شخص نے اس کی دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کرلیا وہ بھی اپنے عمل کے گناہ سے بری نہیں ہوسکتا وہ آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا ہاں اگر اس نے گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے نہ کیا ہو بلکہ جبر واکراہ کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے کرلیا ہو تو ایسی حالت میں اس کی معافی کی امید ہے۔(معارف القرآن جلد ۷ ص ۴۳۲)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت کی ندامت وشرمندگی سے ہم سب کو محفوظ فرمائیں۔

یا اللہ ہمارے بڑوں اور چھوٹوں کو سب کو ہدایت سے نواز دیجئے اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی گمراہی سے ہم سب کو بچا لیجئے۔

یا اللہ مجرمین کے گروہ سے ہمیں دنیا میں بھی علیحدہ رکھئے اور آخرت میں بھی علیحدہ رکھئے اور ہمیں اپنے مخلصین ایماندار بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیے۔دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى

اُن کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال (دوسری سورتوں میں) معلوم (ہو چکا) ہے یعنی میوے اور وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے

سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا

ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائیگا۔ سفید ہوگی۔ پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی نہ اُس میں

غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

دردِ سر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آوے گا اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہونگی گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾

پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر بات چیت کریں گے ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ (دنیا میں) میرا ایک ملاقاتی تھا

يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ

وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بعث کے معتقدین میں سے ہے کیا جب ہم مرجاویں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاویں گے تو کیا ہم جزا و سزا دیئے جاویں گے ارشاد ہوگا کہ کیا تم

اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا

جھانک کر (اُس کو) دیکھنا چاہتے ہو سو وہ شخص جھانکے گا تو اس کو وسط جہنم میں دیکھے گا کہے گا کہ خدا کی قسم تو تو مجھ کو تباہ ہی کرنے کو تھا اور اگر

نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ

میرے رب کا (مجھ پر) فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا کیا ہم بجز پہلی بار کے مرچکنے کے اب نہیں مریں گے اور نہ ہم کو عذاب ہوگا

بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

یہ بے شک بڑی کامیابی ہے ایسی ہی کامیابی کیلئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے

اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	لَهُمْ ان کیلئے	رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ رزق معلوم	فَوَاكِهُ میوے	وَهُمْ اور وہ	مُّكْرَمُوْنَ اعزاز والے ہوں گے	فِيْ میں	
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمت کے باغات	عَلٰى پر	سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (جمع)	تخت آمنے سامنے	يُطَافُ دورہ ہوگا	عَلَيْهِمْ ان پر۔ انکے آگے	بِكَاْسٍ جام	
مِنْ سے۔ کا	مَعِيْنٍ بہتا ہوا مشروب	بَيْضَآءَ سفید	لَذَّةٍ لذت	لِّلشّٰرِبِيْنَ پینے والوں کیلئے	لَا فِيْهَا نہ اس میں	غَوْلٌ خرابی (دردسر)	وَ اور
لَا هُمْ نہ وہ	عَنْهَا اس سے	يُنْزَفُوْنَ بہکی باتیں کریں گے	وَعِنْدَهُمْ اور انکے پاس	قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ نیچی نگاہوں والیاں	عِيْنٌ بڑی آنکھوں والیاں		
كَاَنَّهُنَّ گویا وہ	بَيْضٌ انڈے	مَّكْنُوْنٌ پوشیدہ رکھے ہوئے	فَاَقْبَلَ پس رخ کریگا	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض ایک	عَلٰى بَعْضٍ بعض پر (دوسرے کی طرف)		
يَّتَسَآءَلُوْنَ باہم سوال کرتے ہوئے	قَالَ کہے گا	قَآئِلٌ ایک کہنے والا	مِّنْهُمْ ان میں سے	اِنِّيْ بیشک میں	كَانَ تھا	لِيْ میرا	قَرِيْنٌ ایک ہم نشین

يَقُوْلُ وہ کہتا تھا	اَئِنَّكَ کیا تو	لَمِنَ سے	الْمُصَدِّقِيْنَ سچے جاننے والے	ءَاِذَا کیا جب	مِتْنَا ہم مر گئے	وَكُنَّا اور ہو گئے	تُرَابًا مٹی	وَعِظَامًا اور ہڈیاں
ءَاِنَّا کیا ہم	لَمَدِيْنُوْنَ البتہ بدلہ دیئے جائیں گے	قَالَ وہ کہنے لگا	هَلْ کیا	اَنْتُمْ تم	مُطَّلِعُوْنَ جھانکنے والے ہو	فَاطَّلَعَ تو وہ جھانکے گا	فَرَاٰهُ تو اسے دیکھے گا	
فِيْ میں	سَوَآءِ درمیان	الْجَحِيْمِ دوزخ	قَالَ وہ کہے گا	تَاللّٰهِ اللہ کی قسم	اِنْ كِدْتَّ تو قریب تھا	لَتُرْدِيْنِ کہ تو مجھے ہلاک کر ڈالے	وَلَوْ اور اگر	لَا نہ
نِعْمَةُ نعمت	رَبِّيْ میرا رب	لَكُنْتُ تو میں ضرور ہوتا	مِنَ سے	الْمُحْضَرِيْنَ حاضر کئے جانے والے	اَفَمَا نَحْنُ کیا پس نہیں ہم	بِمَيِّتِيْنَ مرنے والوں میں سے		
اِلَّا سوائے	مَوْتَتَنَا ہماری موت	الْاُوْلٰى پہلی	وَ اور	مَا نہیں	نَحْنُ ہم	بِمُعَذَّبِيْنَ عذاب دیئے جانیوالوں میں سے	اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ
لَهُوَ البتہ وہ	الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ کامیابی عظیم	لِمِثْلِ هٰذَا اس جیسی (نعمت) کیلئے	فَلْيَعْمَلِ پس چاہیے ضرور عمل کریں	الْعٰمِلُوْنَ عمل کرنیوالے				

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں کفار و منکرین کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ قیامت میں یہ مجرمین ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں گے چھوٹے بڑوں سے کہیں گے کہ تمہاری وجہ سے ہم گمراہ ہوئے بڑے چھوٹوں کو جواب دیں گے کہ تم اپنے اختیار سے اپنی بدعقلی سے گمراہ ہوئے۔ تم نے کیوں ہمارا کہنا مانا اور سیدھے راستہ پر بلانے والوں کا کہنا کیوں نہ سنا۔ اپنی گمراہی کے تم خود ذمہ دار ہو۔ الغرض چھوٹے ہوں یا بڑے تابع ہوں یا متبوع جیسے دنیا میں جرم میں شریک تھے ایسے ہی درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے اور اپنے دنیا کی کرتوتوں کی بنا پر وہاں عذاب جہنم بھگتیں گے یہ تو قیامت میں انجام ہوگا کفار و مشرکین کا۔ اب ان کے مقابلہ میں جو صاحب ایمان اور اللہ کے مخلص بندے ہوں گے ان کا حال ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے کہ ان پر اللہ کا خاص فضل و کرم ہوگا۔ ان کو کھانے پینے کی چیزیں ملیں گی جن کی پوری صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے۔ نہایت نفیس قسم کے عجیب و غریب میوے کھانے کو ملیں گے جن سے جنتی لذت اندوز ہوں گے۔

امام المفسرین امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ جنت میں جنتی غذائیں جنتیوں کو دی جائیں گی وہ سب لذت بخشنے کے لئے دی جائیں گی بھوک کی حاجت رفع کرنے کے لئے نہیں اس لئے کہ جنت میں جنتی کو بھوک پیاس کی حاجت نہ ہوگی وہاں اسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے غذا کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں خواہش ہوگی اور اس خواہش کے پورا ہونے سے لذت حاصل ہوگی۔ اور جنت کی تمام نعمتوں کا مقصد لذت عطا کرنا ہوگا اور اس کی عزت و خاطر داری کی جائے گی اور نہ معلوم کیا کیا اعزاز و اکرام ہوں گے۔ دل کو مسرور کرنے والے سرسبز باغوں کے اندر شاندار تخت بچھے ہوں گے اور وہ ان پر آرام سے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ پاکیزہ اور ستھرے خدام شراب طہور سے بھرے ہوئے جام ہاتھوں میں لئے ان کے سامنے پھر رہے ہوں گے اور یہ شراب یعنی پینے کی چیز ایک عجیب قسم کی ہوگی۔ بہتے ہوئے چشموں میں سے لی جائے گی۔ سفید رنگ کی صاف شفاف ہوگی۔ پینے والے جب اس کو پئیں گے تو اس میں سرور ہی سرور۔ لذت ہی لذت اور لطافت ہی لطافت ہوگی۔ دنیا کی شراب کی طرح نشہ خمار دوران سر وغیرہ ساری تکلیف و کیفیت سے وہ شراب طہور یکسر خالی ہوگی یعنی دنیا کی شراب میں جو بہت سی خرابیاں ہیں جیسے بیہوشی' عقل جاتی رہنا' دردشکم' دردسر پیشاب کی زیادتی' قے' متلی' بدن ٹوٹنا' پاگلوں کی سی حرکت کرنا۔ جنت کی پاک شراب میں ایسی کوئی خرابی نہ ہوگی۔ پھر ان کے لئے پاک صاف بیویاں یعنی جنت کی حوریں جن کی شرمیلی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی جو اپنے ازواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں گی۔ ان کا رنگ صاف شفاف ہوگا جیسا کہ پر کے نیچے چھپے ہوئے انڈے کہ وہ گرد و غبار اور داغ سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں۔ پھر جب یہ جنتی آرام سے مسندوں پر بیٹھے ہنسی خوشی باتیں کر رہے ہوں گے اس وقت اپنے بعض دنیا کے گذشتہ حالات کا مذاکرہ کریں گے۔ ایک جنتی اپنے ہم مجلسوں سے کہے گا کہ مجھے اس وقت ایک شخص یاد آیا جو دنیا میں میرا ساتھی اور ملاقاتی تھا اور جو مجھے آخرت پر یقین

رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا تھا اور مجھے احمق بنایا کرتا تھا اور مجھ سے کہا کرتا تھا کہ تم ایسے نادان ہو گئے کہ آخرت پر یقین رکھتے ہو اور مر کر پھر دوبارہ جی اٹھنے اور جزا و سزا کو سچی بات سمجھتے ہو۔ تمہاری عقل کو کیا ہوا۔ تم اتنا نہیں سوچتے کہ جب آدمی مر گیا اور اس کا بدن مٹ مٹا کر مٹی میں مل گیا۔ کچھ تھوڑی سی ہڈیاں رہ گئیں پھر وہ بھی مٹی میں پڑے پڑے گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو گئیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ پھر اسے زندہ کر کے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے اٹھایا جائے گا۔ ایسی بے تکی باتوں پر کون یقین کر سکتا ہے۔ تو میرا وہ ساتھی جو مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا منکر تھا ضرور دوزخ میں گیا ہوگا۔ اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اے اہل جنت کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو اگر چاہو تو تم کو اجازت ہے سو وہ شخص جس نے اپنے ملاقاتی کا قصہ بیان کیا تھا اس کو اپنے ملاقاتی کا حال دکھلایا جائے گا کہ وہ ٹھیک بیچ جہنم میں آگ میں پڑا ہوا ہے یہ حال دیکھ کر اس جنتی کو عبرت ہوگی اور اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یاد آئے گا اور اس ملاقاتی سے جو جہنم میں نظر آئے گا کہے گا کمبخت تو نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا یہ تو اللہ کے فضل و احسان نے میری دستگیری فرمائی تھی جو مجھے اس مصیبت سے بچا لیا اور میرا قدم راہ ایمان سے ڈگنے نہ دیا اور مجھ کو خدا نے صحیح اعتقاد پر قائم رکھا ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا ہوتا اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔ اس وقت وہ جنتی فرط مسرت سے اپنے دوسرے یاران جلسہ اہل جنت سے کہے گا کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آ چکی اب ہم کو کبھی مرنا نہیں اور نہ کبھی اس عیش و بہار سے نکل کر تکلیف و عذاب کی طرف جانا ہے خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت سے انہی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے اس پر حق تعالیٰ کا آگے ارشاد ہے کہ اے سامعین جو کچھ جنت کی جسمانی و روحانی نعمتوں کا ذکر ہوا یہ بے شک بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی حاصل کرنے کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے یعنی ایمان لانا اور اطاعت کرنا چاہئے۔

یہاں ان آیات میں اہل جنت کے عمومی حالات کے بیان میں جو ایک جنتی کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا کہ وہ جنت میں اپنے دنیا کے ایک کافر ساتھی اور ملاقاتی کو یاد کرے گا جو دنیا میں آخرت اور حشر و نشر جزا و سزا کا منکر تھا اور یہ خیال کر کے کہ وہ آخرت کا منکر ہونے کی وجہ سے ضرور جہنم میں گیا ہوگا اور پھر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وہ جنتی اس کافر دنیا کے ساتھی کو جہنم کے بیچ میں پڑا ہوا دیکھے گا اور اس کافر سے اس جنتی کی گفتگو ہوگی۔ جو ان آیات میں نقل فرمائی گئی تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ اور اس جنتی اور دوزخی کے درمیان گفتگو کو ذکر کرنے سے قرآن حکیم کا اصل منشا لوگوں کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ ہر شخص دنیا میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کا بڑی احتیاط اور فکر کے ساتھ جائزہ لے اور یہ دیکھے کہ اس کے ساتھیوں اور دوستوں اور ملاقاتیوں میں کوئی ایسا تو نہیں ہے کہ جس کی دوستی دوزخ کے انجام کی طرف لے جانے والی ہو۔ دنیا میں بری صحبت سے جو آخرت کی تباہی و بربادی آ سکتی ہے اس کا صحیح اندازہ تو آخرت ہی میں ہوگا اور اس وقت اس تباہی سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا اس لئے دنیا ہی میں دوستی اور تعلقات بہت دیکھ بھال کر قائم کرنے چاہئیں۔ بسا اوقات کسی کافر یا نافرمان شخص سے دوستی کے تعلقات قائم کرنے کے بعد انسان غیر محسوس طریقہ پر اس کے افکار و نظریات اور عقائد اور خیالات اور طرز زندگی سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ چیز آخرت کے انجام کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوگی۔ اسی لئے بری صحبت سے بچنے اور اچھی صحبت اختیار کرنے کی تعلیم و تاکید قرآن و حدیث میں نہایت تاکید کے ساتھ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں اپنے محبین اور مخلصین و مقبولین کی صحبت اور ان سے تعلق نصیب فرمائیں اور بری صحبت اور فجار فساق بے دینوں کی دوستی سے بچنا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الغرض ان آیات میں تو جنتیوں کی مہمانی اور اعزاز و اکرام کا ذکر تھا اب آگے دوزخیوں کی مہمانی کا حال سنایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ

بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت ہم نے اس درخت کو ظالموں کیلئے موجب امتحان بنایا ہے وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے

فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِــُٔوْنَ

اُس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن تو وہ لوگ اُس سے کھاویں گے اور اُسی سے پیٹ بھریں گے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاۡاِلَی الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾

پھر اُن کو کھولتا ہوا پانی (پیپ میں) ملا کر دیا جاوے گا پھر اخیر ٹھکانہ اُن کا دوزخ ہی کی طرف ہوگا

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷۱﴾

کیونکہ انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا پھر یہ بھی انہیں کے قدم بقدم تیزی کے ساتھ چلتے تھے اور اُن سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۷۴﴾

اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے

اَذٰلِكَ کیا یہ	خَیْرٌ بہتر	نُزُلًا ضیافت	اَمْ یا	شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ درخت تھوہر	اِنَّا بیشک ہم	جَعَلْنٰهَا ہم نے اس کو بنایا	فِتْنَةً ایک آزمائش			
لِلظّٰلِمِیْنَ ظالموں کیلئے	اِنَّهَا بیشک وہ	شَجَرَةٌ ایک درخت	تَخْرُجُ وہ نکلتا ہے	فِیْٓ میں	اَصْلِ جڑ	الْجَحِیْمِ جہنم	طَلْعُهَا اس کا خوشہ			
كَاَنَّهٗ گویا کہ وہ	رُءُوْسُ سر	الشَّیٰطِیْنِ شیطانوں	فَاِنَّهُمْ پس بیشک وہ	لَاٰكِلُوْنَ کھانے والے ہیں	مِنْهَا اس سے	فَمَالِــُٔوْنَ سو بھرنے والے				
مِنْهَا اس سے	الْبُطُوْنَ پیٹ	ثُمَّ پھر	اِنَّ بیشک	لَهُمْ ان کیلئے	عَلَیْهَا اس پر	لَشَوْبًا ملا ملا کر	مِّنْ سے	حَمِیْمٍ کھولتا ہوا پانی	ثُمَّ پھر	
اِنَّ بیشک	مَرْجِعَهُمْ ان کی بازگشت	لَاۡ البتہ	اِلَی طرف	الْجَحِیْمِ جہنم	اِنَّهُمْ بیشک ان	اَلْفَوْا انہوں نے پایا	اٰبَآءَهُمْ اپنے باپ دادا	ضَآلِّیْنَ گمراہ		
فَهُمْ سو وہ	عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ ان کے نقشِ قدم پر	یُهْرَعُوْنَ دوڑتے جاتے تھے	وَلَقَدْ ضَلَّ اور تحقیق گمراہ ہوئے	قَبْلَهُمْ ان سے پہلے						
اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ اگلوں میں سے اکثر	وَ اور	لَقَدْ اَرْسَلْنَا تحقیق ہم نے بھیجے	فِیْهِمْ ان میں	مُّنْذِرِیْنَ ڈرانے والے	فَانْظُرْ سو دیکھیں	كَیْفَ کیسا				
كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُنْذَرِیْنَ جنہیں ڈرایا گیا	اِلَّا مگر	عِبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بندے	الْمُخْلَصِیْنَ خاص کئے ہوئے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں جنتیوں کی حالت۔ ان کو کھانے پینے کی نعمتیں اوران کے راحت وآرام کا بیان فرما کر بتلایا گیا تھا کہ جنت میں پہنچ جانا بڑی کامیابی ہے اور ایسی کامیابی حاصل کرنے کے لئے کوشش اور سعی کرنا چاہیے۔ یعنی ایمان اور عمل صالحہ کا اہتمام کرنا چاہئے اب آگے ان اہل جنت کے مقابلہ میں اہل جہنم کا حال ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور تمام لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم نے جنتیوں کا حال سنا کہ ان کی مہمانی کس طرح کی جائے گی۔ ان کو کیسے خوش رنگ اور خوش ذائقہ میوے کھانے کو اور کیسے دل خوش کرنے والے شربت پینے کو ملیں گے۔ اب بتاؤ یہ مہمانی بہتر ہے جو اہل ایمان کے لئے ہے یا وہ سلوک جو اللہ کے نافرمانوں کفار ومشرکین کے ساتھ کیا جائے گا وہ بہتر ہے جن کو زقوم کا درخت جہنم میں کھانے کو ملے گا۔ زقوم کسی درخت کا نام ہے

جو سخت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے اور جسے حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے جہنم کے اندر آگ میں پیدا فرمایا ہے۔ وہ ایک بلا ہے ظالموں کے واسطے آخرت میں کیونکہ جب دوزخی بھوک سے بے قرار ہوں گے تو یہ ہی کھانے کو دیا جائے گا۔ اول تو اس کا نگلنا ہی مشکل ہوگا اور نگل لیا تو پیٹ میں سخت تکلیف کا باعث ہوگا اور یہ ایک مستقل عذاب ہوگا۔ اور یہ زقوم دنیا میں بھی ایک طرح کی بلا اور آزمائش ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر سن کر منکر گمراہ ہنستے ہیں کہ سبز درخت آگ میں کیونکر ہوگا؟ آگ کا کام تو جلانے کا ہے اور یہ نبی کہتے ہیں کہ آگ میں درخت ہوگا۔ اس پر آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ہاں یہ درخت آگ ہی سے پیدا ہوگا اور اس کی غذا بھی آگ ہی ہوگی اس درخت کی اصل جڑ جہنم کی تہہ میں ہے اور اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپوں کے پھن ہوں ہمارے ہاں بھی ایک درخت کو اسی تشبیہ سے "ناگ پھن" کہتے ہیں۔ یہ۔ زقوم کس قدر گندی اور زہریلی چیز ہوگی اس کا اندازہ ایک حدیث سے لگائیے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اتقوا اللہ حق تقاته و لاتموتن الا و انتم مسلمون (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مرو گے مگر اس حال میں کہ تم مسلم یعنی اللہ کے فرمانبردار بندے ہوگے) اور اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرنے کے سلسلے میں آپ نے بیان فرمایا کہ زقوم اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کردے۔ پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا ہی زقوم ہوگا۔ الامان والحفیظ۔ الغرض یہ جہنمی بھوک سے مجبور ہو کر زقوم کو کھائیں گے اور اس سے اپنا پیٹ بھریں گے۔ اس کو کھا کر پیاس بے انتہا لگے گی پھر پانی کی فریاد کریں گے۔ اس پر فرشتے انہیں کھولتے ہوئے پانی کے چشمہ پر لے جائیں گے اور یہ گرم پانی وہ ہوگا جو جہنمیوں کے زخموں سے لہو اور پیپ وغیرہ کی شکل میں نکلا ہوگا جس کو غساق کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ غساق اس قدر بدبودار ہوگی کہ اگر اس کا ایک ڈول اس دنیا میں بہا دیا جائے تو ساری دنیا اس کی سڑاند سے بدبودار ہو جائے۔ الامان والحفیظ۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب یہ پانی ان کے سامنے لایا جائے گا تو انہیں سخت ایذا ہوگی اور بڑی کراہت آئے گی پھر جب وہ ان کے منہ کے پاس لایا جائے گا تو اس کی بھاپ سے ان کے چہروں کی کھالیں جھلس کر رہ جائے گی اور جب اس کا گھونٹ پیٹ میں جائے گا تو ان کی آنتیں کٹ کر پاخانہ کے راستہ سے باہر آ جائیں گی۔ غرض کھانا اور پینا سب کچھ ان کے لئے عذاب جان ہوگا لیکن اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا اس لئے مجبوراً یہی کھانا پینا پڑے گا۔ موت سے بدتر زندگی ہوگی لیکن موت بھی نہ آئے گی۔ ایسی زندگی کو بھگتنا پڑے گا۔ یہاں آیت میں جو فرمایا کہ کھانے اور پینے کے بعد ان کی واپسی اسی آتش دوزخ کی طرف ہوگی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دوزخ جب بھوک پیاس سے بے تاب ہونے لگیں گے تو انہیں اس مقام کی طرف ہانک دیا جائے گا جہاں زقوم کے درخت اور کھولتے ہوئے پانی کے چشمے ہوں گے۔ پھر جب وہاں سے کھا پی کر فارغ ہو جائیں گے تو پھر انہیں دوزخ کی آگ کی طرف واپس لایا جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ جہنمی وہی ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنے گمراہ باپ دادا کے قدم بقدم چلنا پسند کیا تھا۔ یعنی خود اپنی عقل سے کام لے کر کبھی نہ سوچا کہ باپ دادا سے جو طریقہ چلا آ رہا ہے وہ درست بھی ہے یا نہیں۔ بس آنکھیں بند کر کے اسی ڈگر پر ہو لئے جس پر دوسروں کو چلتے دیکھا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اسی آفت میں مبتلا ہو کر ان سے پہلے اکثر لوگ سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں۔ انہوں نے وہی راہ کفر وشرک کی اختیار کی جو ان کے باپ دادا اختیار کیے ہوئے تھے اور ذرا نہ سوچا کہ ان کے لئے ٹھیک راستہ کونسا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ان کے پاس بھیجے جو انہی کے کنبہ قبیلہ کے تھے لیکن انہوں نے ان کی ایک نہ سنی آخر جنہوں نے نہ مانا نہ سنا تو دیکھ لو کہ ان کا کیا انجام ہوا۔ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے اور فقط وہی لوگ بلا سے محفوظ رہے جو اللہ کے مخلص بندے تھے۔ جن کو خدا کا ڈر اور عاقبت کی فکر تھی۔

ان آیات میں کفار و مشرکین کو تو تنبیہ ہی ہے لیکن ان اہل بدعت کے لئے بھی تعلیم اور سبق ہے جنہوں نے ہر بدعت کو اس دلیل کی بناء پر اپنا رکھا ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ یہاں حق تعالیٰ نے ان کفار و مشرکین کو یہی الزام دیا اور ان کے جہنم میں جانے کی یہی وجہ بتلائی کہ وہ گمراہی اور غلط بات میں اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ باپ دادا کی ریت اور رسم یہ کوئی دلیل نہیں ہے حق ہونے کی اس لئے ہم کو حق کی جستجو کرنی چاہئے۔ اور شریعت کا حکم معلوم کرنا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے نہ کہ محض باپ دادا کی تقلید۔

الغرض ان آیات کے خاتمہ پر اللہ کے مخلص بندوں کا ذکر آ گیا تھا۔ اس لئے آگے بعض مشہور پیغمبروں کا ذکر فرمایا جاتا ہے جن میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ بیان فرمایا گیا ہے جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ نے اپنے عباد مخلصین کو اور ان کے پیروؤں کو دنیا کے عذاب سے بچا لیا اسی طرح وہ ان کو عذاب آخرت سے بھی بچا لے گا۔ جس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اپنے مخلص بندوں میں شامل فرماویں۔ دنیا میں بھی ان کا ساتھ رکھیں اور آخرت میں بھی ان ہی کا ساتھ نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو مجرمین اور ظالمین کے گروہ سے دنیا میں بھی علیحدہ رکھیں اور آخرت میں بھی علیحدہ رکھیں۔ یا اللہ آخرت کی ذلت و رسوائیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھئے اور عذاب جہنم سے ہم کو دور رکھئے۔ یا اللہ ہمارا حشر اہل جنت کے ساتھ فرمایئے اور ان ہی کے ساتھ جنت کی اعزاز و اکرام والی مہمانی ہم سب کو نصیب فرمایئے اور اس دنیا میں آخرت کی تیاری کی فکر نصیب فرمایئے۔ یا اللہ! پہلوں سے دیکھا دیکھی اب امت میں بھی بہت سی غلط اور خلاف شرع و سنت رسمیں چل گئی ہیں دین کے رنگ میں بھی اور دنیا کے رنگ میں بھی۔ یا اللہ! ہمیں شریعت کے احکام کی پابندی اور سنت کا اتباع نصیب فرمایئے اور پرانی غلط رسموں کو ترک کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ یا اللہ! دین کے رنگ میں جو طرح طرح کی بدعات پیدا ہو گئی ہیں ان سے ہم کو بچئے اور اتباع سنت اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا

اور ہم کو نوحؑ نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں اور ہم نے اُن کو اور اُن کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔ اور ہم نے

ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

باقی اُنہیں کی اولاد کو رہنے دیا اور ہم نے اُن کیلئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نُوحؑ پر سلام ہو عالم والوں میں ہم

نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

مخلصین کو ایسا ہی صِلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو (یعنی کافروں کو) غرق کر دیا۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا اور تحقیق ہمیں پکارا	نُوْحٌ نوحؑ	فَلَنِعْمَ سو ہم البتہ خوب	الْمُجِيْبُوْنَ دعا قبول کرنے والے	وَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے نجات دی اسے			
وَاَهْلَهٗ اور اسکے گھر والے	مِنَ سے	الْكَرْبِ مصیبت	الْعَظِيْمِ بڑی	وَجَعَلْنَا اور ہم نے کیا	ذُرِّيَّتَهٗ اس کی اولاد	هُمُ وہ	الْبٰقِيْنَ باقی رہنے والی
وَتَرَكْنَا اور ہم نے چھوڑا	عَلَيْهِ اس پر۔اس کا	فِى میں	الْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنیوالے	سَلٰمٌ سلام ہو	عَلٰى پر	نُوْحٍ نوحؑ	فِى الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں میں
اِنَّا بیشک ہم	كَذٰلِكَ اسی طرح	نَجْزِى ہم جزا دیتے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ نیکوکاروں	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنْ سے	عِبَادِنَا ہمارے بندے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن
ثُمَّ پھر	اَغْرَقْنَا ہم نے غرق کر دیا	الْاٰخَرِيْنَ دوسرے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ کفار مکہ کی طرح گذشتہ امتوں میں بھی اکثر لوگ گم کردہ راہ تھے اور خدا کے ساتھ کفر وشرک کرتے تھے جبکہ سمجھانے اور کفر وشرک سے باز رکھنے کے لئے اللہ کے رسول ان میں آئے تھے مگر انہوں نے انبیاء کا کہنا نہ مانا اور اپنے اعمال بد سے باز نہ آئے۔ تو اس اللہ کی نافرمانی اور تکذیب انبیاء کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا ہی میں تہس نہس کر دیئے گئے اور تباہ و برباد ہوئے۔ ہاں جو اللہ کے مخلص ایماندار بندے تھے وہ تباہی سے بچا لئے گئے اور عزت کے ساتھ رکھے گئے۔ اسی بات کی تائید میں آگے اب چند انبیاء کے قصہ بیان کئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنایا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ رسولوں کا کہنا نہ ماننے والوں کو کیسی سزا ملی اور ان کا اتباع کرنے والوں کو کیسی جزا ملی۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نوسو برس تک رہے اور ہر وقت انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن قوم اپنی گمراہی پر جمی رہی۔ سوائے چند پاک باز لوگوں کے اور کوئی ایمان نہ لایا بلکہ الٹا اللہ کے رسول اور ان کے متبعین کو ستاتے اور تکلیفیں دیتے رہے۔ آخر اللہ کے رسول حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آکر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور کہا کہ اے پروردگار میں ان سے عاجز آ چکا ہوں ہدایت اور فہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اب آپ اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لے لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ پھر دیکھ لو اللہ نے ان کی پکار کیسی سنی اللہ تعالیٰ تو بہترین طور پر دعاؤں کے قبول کرنے والے ہیں۔ فوراً ان کی دعا قبول کر لی اور نوح علیہ السلام کو مع ان کے گھرانے اور متبعین کے رات دن کی ایذاء کفار سے بچالیا۔ پھر ہولناک طوفان کے وقت ان کی حفاظت کی اور پھر انہی کی اولاد سے دنیا بسی کیونکہ وہی باقی بچے تھے۔

اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ آج تمام دنیا کے آدمی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سامؔ حامؔ اور یافثؔ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث سے بھی اس کا

ثبوت ملتا ہے غرض کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بھلائی اوران کا ذکر خیران کے بعد کے لوگوں میں خدا کی طرف سے زندہ رہا۔ آج دنیا میں حضرت نوحؑ کی برائی کرنے والا کوئی نہیں طوفان نوح کے بعد سے آج تک ہزار ہا برس سے دنیا ان کا ذکر خیر ہی کرتی چلی آ رہی ہے۔ یہودھوں یا نصاریٰ یا اہل اسلام ہر امت ان پر سلام بھیجتی رہتی ہے اور سارے جہان میں نوح علیہ السلام کہہ کر یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کے مخلص اور نیک بندوں کا حال ہوا دوسری طرف ان کے دشمنوں کا حال دیکھو کہ سب کے سب زبردست طوفان کی نذر کردیئے گئے۔ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں اپنی حماقت اور شرارتوں کی بدولت دنیا کا بیڑہ غرق کرا کر رہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تو یہ عادت ہے کہ جو خلوص کے ساتھ اللہ کی طاعت وعبادت پر جم جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا ذکر جمیل بعد والوں میں ہمیشہ باقی رکھتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام یقین و ایمان رکھنے والے اور توحید پر جم جانے والوں میں سے تھے تو ان کا اور ان کی دعوت قبول کرنے والوں کا تو یہ انجام خیر ہوا اور مخالفین نوح علیہ السلام غارت اور غرق کردیئے گئے کہ دنیا میں ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ ہاں ان کی بدیاں اور برائیوں کے افسانے مخلوق کی زبان پر باقی رہ گئے۔

یہاں ان آیات میں جو یہ فرمایا گیا **وجعلنا ذریته هم الباقین** اور ہم نے باقی انہی کی اولاد کو رہنے دیا تو اکثر حضرات مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا۔ اس میں دنیا کی اس وقت کی اکثر آبادی پانی میں غرق ہوکر ہلاک ہوگئی تھی اور اس کے بعد ساری دنیا کی نسل حضرت نوح علیہ السلام ہی کے تین بیٹوں سے چلی ایک بیٹے جن کا نام سام تھا ان کی اولاد سے اہل عرب اور فارس وغیرہ کی نسل چلی دوسرے بیٹے حام تھے ان سے افریقی ممالک کی آبادیاں دنیا میں پھیلیں اور تیسرے بیٹے یافث تھے ان سے ترک منگول وغیرہ کی نسلیں نکلیں طوفان نوح کے متعلق جمہور علماء کا یہی قول ہے اور دوسری آیات اور احادیث سب اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ طوفان عام تھا اور تمام آبادی نوع انسانی کو شامل تھا۔ اہل ایمان کے سوا کافروں میں سے کوئی نہ بچا تھا۔ سب کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کردیا گیا تھا۔

یہاں اس قصہ میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اس کرب عظیم سے بچالیا گیا اسی طرح آخر کار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو بھی اس کرب عظیم سے بچالیں گے جس میں اس وقت اہل مکہ نے ان کو مبتلا کر رکھا ہے۔ چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔ کفار عرب اور مشرکین مکہ اس سرزمین سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیئے گئے اور وہاں کا مالک اہل اسلام کو بنا دیا گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ تو ان آیات میں ختم ہوا اب آگے دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے جیسے نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کی مدد فرمائی اور ان کے مخالفین کو غرق کر کے ختم کیا اسی طرح اہل ایمان کی اب بھی مدد فرمائیں اور مخالفین اسلام کو تہ و بالا فرمائیں۔ یا اللہ! روئے زمین پر اعدائے دین نے جہاں جہاں اہل اسلام اور اہل ایمان کو اذیت دے رکھی ہے آپ ان کی نصرت فرمائیں اور اہل اسلام کو غلبہ اور مخالفین کو مغلوب فرمائیں اے اللہ جیسے آپ نے دین حق کی ہمیشہ مدد فرمائی اور حفاظت فرمائی اب بھی اس کی حفاظت فرمائیں اور غیب سے اس کی امداد کی صورتیں ظاہر فرماویں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ

اور نوحؑ کے طریقہ والوں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے جب کہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا

مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کیا کرتے ہو کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو تو تمہارا رب العالمین کے ساتھ کیا خیال ہے

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ

سو ابراہیمؑ نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہ اُن کے بتوں میں جا گھسے

فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ

اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو تم کو کیا ہوا تم تو بولتے بھی نہیں ہو پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے

يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ

ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیمؑ کیلئے

بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾

ایک آتش خانہ تعمیر کرو اور اس کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو غرض ان لوگوں نے ابراہیمؑ کے ساتھ بُرائی کرنا چاہا تھا سو ہم نے اُنہی کو نیچا دکھایا

وَاِنَّ اور بیشک	مِنْ سے	شِيْعَتِهٖ اسکے طریقہ پر چلنے والے	لَاِبْرٰهِيْمَ البتہ ابراہیم	اِذْ جَآءَ یاد کرو	جب وہ آیا	رَبَّهٗ اپنا رب	بِقَلْبٍ دل کے ساتھ
سَلِيْمٍ صاف	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِاَبِيْهِ اپنے باپ کو	وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم	مَاذَا کس چیز	تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو		
اَئِفْكًا کیا جھوٹ موٹ کے	اٰلِهَةً معبود	دُوْنَ اللّٰهِ اللہ کے سوا	تُرِيْدُوْنَ تم چاہتے ہو	فَمَا سو کیا	ظَنُّكُمْ تمہارا گمان	بِرَبِّ پروردگار کے بارے میں	
الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں	فَنَظَرَ پھر اس نے دیکھا	نَظْرَةً ایک نظر	فِيْ میں۔کو	النُّجُوْمِ ستارے	فَقَالَ تو اس نے کہا	اِنِّيْ بیشک میں	
سَقِيْمٌ بیمار ہوں	فَتَوَلَّوْا پس وہ پھر گئے	عَنْهُ اس سے	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ پھیر کر	فَرَاغَ پھر پوشیدہ گھس گیا	اِلٰٓى طرف۔میں	اٰلِهَتِهِمْ ان کے معبودوں	
فَقَالَ پھر کہنے لگا	اَلَا تَاْكُلُوْنَ کیا تم نہیں کھاتے	مَا لَكُمْ کیا ہوا تمہیں؟	لَا تَنْطِقُوْنَ تم بولتے نہیں	فَرَاغَ پھر جا پڑا وہ	عَلَيْهِمْ ان پر	ضَرْبًا مارتا ہوا	
بِالْيَمِيْنِ اپنے دائیں ہاتھ (قدرت سے)	فَاَقْبَلُوْٓا پھر وہ متوجہ ہوئے	اِلَيْهِ اس کی طرف	يَزِفُّوْنَ دوڑتے ہوئے	قَالَ اس نے فرمایا			
اَتَعْبُدُوْنَ کیا تم پرستش کرتے ہو	مَا تَنْحِتُوْنَ جو تم تراشتے ہو	وَاللّٰهُ حالانکہ اللہ	خَلَقَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	وَمَا اور جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو		
قَالُوْا انہوں نے کہا	ابْنُوْا بناؤ	لَهٗ اس کیلئے	بُنْيَانًا ایک عمارت	فَاَلْقُوْهُ پھر ڈال دو اسے	فِي الْجَحِيْمِ آگ میں	فَاَرَادُوْا پھر انہوں نے چاہا	
	بِهٖ اس پر	كَيْدًا داؤ	فَجَعَلْنٰهُمُ تو ہم نے کر دیا انہیں	الْاَسْفَلِيْنَ زیر			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو بچا لیا اور پانی کا زبردست طوفان بھیج کر سارے نافرمانوں اور سرکشوں کو غرق کر کے ختم کر دیا اب آگے ان

آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس سے قریش اور مشرکین عرب کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ تم جو حضرت ابراہیم کو اپنا جدامجد مانتے ہو تو دیکھو وہ کیسے موحد اور بت شکن تھے۔تم ان کی اولاد کہلا کر الٹے بت پرست بن گئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے تو قوم کو بت پرستی پر ملزم گردانا اور خدا پرستی اختیار کی اور اسی کی تلقین فرمائی۔قرآن کریم کے رشد و ہدایت کا پیغام چونکہ ملت ابراہیمی کا پیغام ہے اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے کسی جگہ اختصار کیساتھ کسی جگہ تفصیل کے ساتھ۔کسی جگہ مختلف حالات واوصاف کے پیش نظر۔ یہاں ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اس طرح شروع فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ بھی حضرت نوح علیہ السلام کے طریقہ ہی کے پیرو تھے کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح کے پیغمبر تھے۔انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں۔اور سب پیغمبروں کا شروع سے آخر تک ایک ہی اصول دین رہا ہے اس لئے وہ سب ایک ہی گروہ کے افراد ہیں۔اسی لئے یہاں حضرت ابراہیمؑ کو حضرت نوحؑ کے گروہ سے فرمایا۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب سلیم کی تعریف فرمائی یعنی ہر قسم کے اعتقادی اور اخلاقی روگ سے دل کو پاک صاف کر کے دنیوی حرکتوں سے آزاد ہو کر انکسار اور تواضع کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑے اور اپنی قوم کو بت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور ساری قوم کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا تو ان کو ٹوکا اور کہا کہ تمہارا طرز عمل تو سراسر غلط ہے۔آخر یہ پتھر کی مورتیاں ہیں کیا چیز؟ جنہیں تم اس قدر چاہتے ہو کہ ایک اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لئے۔کیا سچ مچ ان کے ہاتھوں میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر سچے مالک اور معبود کو چھوڑ کر ان جھوٹے معبودوں کی اتنی خوشامد اور بندگی کیوں ہے؟ تم نے جو اللہ کے سوا ان کو معبود بنایا ہے تو رب العالمین کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اس کے وجود میں شبہ ہے؟ یا اس کی شان اور رتبہ کو نہیں سمجھتے جو پتھر کی مورتیوں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہو یا اس کے غضب اور انتقام کی خبر نہیں جو ایسی گستاخی پر جری ہو گئے ہو؟ آخر بتاؤ تو سہی تم نے پروردگار عالم کو کیا خیال کر رکھا ہے؟ غرض آپ قوم کو اسی طرح بہت دنوں تک سمجھاتے رہے لیکن ان کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی اور یونہی بحث مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔اسی درمیان میں ان کا کوئی میلہ یا تہوار آ پہنچا جس کا سب کو شہر کے باہر جا کر منانا ضروری تھا۔قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی زور دیا کہ ہمارے میلہ میں چلو اور شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے جانے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ ہماری شان وشوکت دیکھ کر ہمارے طریقہ کی کچھ وقعت ان کے دل میں پیدا ہو جائے اور آپ کو منظور یہ تھا کہ میں یہاں اکیلا رہ جاؤں تو بتوں کی مرمت کروں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں نجوم کا بہت زور تھا اور وہ کواکب پرست بھی تھے۔تو آپ نے ان کو دکھانے کو ستاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں میں بیمار ہونے کو ہوں اس لئے میلہ میں نہیں جا سکتا۔علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کی طرف دیکھ کر انی سقیم فرمانا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں اپنی جگہ بالکل صحیح تھا کیونکہ یہ صیغہ بمعنی مستقبل ہے مطلب یہ میں آئندہ کبھی بیمار ہوں گا اور بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا تو موت سے پہلے ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں یہ بھی ایک طرح بالکل درست تھا اس وجہ سے کہ ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبیعت ہر وقت ہر طرح ٹھیک رہے۔ کچھ نہ کچھ عوارض اندرونی بیرونی لگے ہی رہتے ہیں اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہی تکلیف اور بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی ردی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے۔غرض کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد اپنی جگہ صحیح تھی لیکن قوم والے یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم کے انہوں نے معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے

والے ہیں اس لئے یہ عذر سن کر آپ کو چھوڑ کر اپنے میلہ میں چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض پہلے ہی سے یہ تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔ چنانچہ قوم والے تو باہر شہر کے میلہ میں گئے اور آپ ان کے بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں کو خطاب کر کے کہا کہ یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے جب بتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ تم بولتے کیوں نہیں یعنی اعضاء اور صورت تو تمہاری انسانوں کی سی بنا دی لیکن انسانوں کی سی روح تم میں نہ ڈال سکے تو پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان بے حس و حرکت مورتیوں کے سامنے سربسجود ہوں پھر تبر وغیرہ سے مار مار کر ان بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔ اب لوگ جب اپنے میلہ ٹھیلہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ قرائن سے سمجھ گئے کہ یہ کام ابراہیم کے سوا کسی اور کا نہیں چنانچہ سب ان کی طرف جھپٹ پڑے اور غصہ میں دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو۔ کیا پتھر کی بے جان مورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی پرستش اور عبادت کے لائق ہوگئی اور جو اللہ تمہارا اور ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے اس سے کوئی سروکار نہ رہا؟ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے عبادت تو اس کی ہونی چاہئے جو سب کا خالق مالک اور رازق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان معقول باتوں کا جواب تو ان سے کچھ بن نہ پڑا غصہ میں باہم جھلا کر یہ تجویز کی کہ ایک بڑا زبردست آتش خانہ بنا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو تا کہ اس دہکتی ہوئی آگ میں یہ جل کر خاک سیاہ ہو جائیں۔ اور انہوں نے یہ سوچا کہ اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور ہیبت بیٹھ جائے گی کہ ان کی مخالفت کا انجام یہ ہوتا ہے تا کہ آئندہ کوئی ایسی جرات نہ کرے چنانچہ جیسا کہ سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لئے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو نیچا دکھلایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار کر دی گئی جس سے سب پر یہ ثابت ہو گیا کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب مل کر خدائے واحد ذوالجلال والاکرام کے ایک مخلص بندے کا بال بیکا نہیں کر سکتے آگ کی مجال نہیں کہ رب ابراہیم کی اجازت کے بغیر ایک بال بھی جلا سکے۔ تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف جو کارروائی کرنی چاہی تھی اللہ نے ان مشرکین ہی کو اس میں نیچا دکھایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برتری ہی ثابت ہوئی۔

اس واقعہ کو یہاں بیان کرنے سے مقصود قریش کے لوگوں کو متنبہ کرنا ہے کہ جن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر تم فخر کرتے ہو ان کا طریقہ وہ نہ تھا جو تم نے اختیار کر رکھا ہے بلکہ وہ وہ تھا جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ اب اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچا دکھانے کے لئے وہ چالیں چلو گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کے ساتھ چلی تھی تو آخر کار نیچا تم ہی دیکھو گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تم نیچا نہیں دکھا سکتے اور ان کی صداقت اور سچائی ایسی ہی ثابت ہوگی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سچائی ثابت ہوئی تھی اور مشرکین نے نیچا دیکھا تھا۔

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ سے بسلامت نکل آئے اور قوم نے آپ کی تبلیغ اور دعوت کا کوئی اثر نہ لیا تو آپ نے اس جگہ سے ہجرت کر جانے کا فیصلہ کیا جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ

اور ابراہیمؑ کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے سو ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند

بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ

کی بشارت دی سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیمؑ نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامر الٰہی) ذبح کر رہا ہوں

مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ

سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے پائیں گے غرض جب

اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ ۚ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ

دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کیلئے) کروٹ پر لٹایا اور (چاہتے تھے گلا کاٹ ڈالیں اس وقت) ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیمؑ (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا

(وہ وقت بھی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دے دیا اور ہم نے پیچھے

عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ ۖ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

آنے والوں میں یہ بات ان کیلئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اِسْحٰقَ ؕ

اور ہم نے (ایک انعام ان پر یہ کیا کہ) ان کو اسحاقؑ کی بشارت دی کہ نبی اور نیک بختوں میں سے ہوں گے اور ہم نے ابراہیمؑ پر اور اسحاقؑ پر برکتیں نازل کیں

وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع

(اور پھر آگے) ان دونوں کی نسل میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعضے ایسے بھی جو (بدیاں کر کے) صریح اپنا نقصان کر رہے ہیں۔

وَقَالَ اور اس (ابراہیم) نے کہا	اِنِّیْ بیشک میں	ذَاهِبٌ جانے والا ہوں	اِلٰی رَبِّیْ اپنے رب کی طرف	سَیَهْدِیْنِ عنقریب وہ مجھے راہ دکھائے گا			
رَبِّ اے میرے رب	هَبْ لِیْ مجھے عطا فرما	مِنَ سے	الصّٰلِحِیْنَ نیک صالح	فَبَشَّرْنٰهُ پس بشارت دی ہم نے اسے	بِغُلٰمٍ ایک لڑکا		
حَلِیْمٍ بردبار	فَلَمَّا پھر جب	بَلَغَ وہ پہنچا	مَعَهُ اس کے ساتھ	السَّعْیَ دوڑنے	قَالَ اس نے کہا	یٰبُنَیَّ اے میرے بیٹے	اِنِّیْۤ اَرٰی بیشک میں دیکھتا ہوں
فِی میں	الْمَنَامِ خواب	اَنِّیْ کہ میں	اَذْبَحُكَ تجھے ذبح کر رہا ہوں	فَانْظُرْ اب تو دیکھ	مَاذَا کیا	تَرٰی تیری رائے	قَالَ اس نے کہا
یٰۤاَبَتِ اے میرے ابا جان	افْعَلْ آپ کریں	مَا تُؤْمَرُ جو آپ کو حکم کیا جاتا ہے	سَتَجِدُنِیْ آپ جلد ہی مجھے پائیں گے	اِنْ اگر			
شَآءَ اللّٰهُ اللہ نے چاہا	مِنَ سے	الصّٰبِرِیْنَ صبر کرنیوالے	فَلَمَّا پس جب	اَسْلَمَا دونوں نے حکم الٰہی	مان لیا	وَتَلَّهٗ (باپ نے بیٹے کو) لٹایا	
لِلْجَبِیْنِ پیشانی کے بل	وَنَادَیْنٰهُ اور ہم نے اسکو پکارا	اَنْ کہ	یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ اے ابراہیمؑ	قَدْ صَدَّقْتَ تحقیق تو نے سچ کر دکھایا	الرُّءْیَا خواب		

اِنَّا كَذٰلِكَ بیشک ہم اسی طرح	نَجْزِي ہم جزا دیا کرتے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ نیکو کاروں	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ	لَهُوَ البتہ وہ	الْبَلٰٓؤُا آزمائش		
الْمُبِيْنُ کھلی	وَفَدَيْنٰهُ اور ہم نے اس کا فدیہ دیا	بِذِبْحٍ ایک ذبیحہ	عَظِيْمٍ بڑا	وَتَرَكْنَا اور ہم نے باقی رکھا	عَلَيْهِ اس پر اس کا ذکر خیر		
فِي الْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنیوالوں میں	سَلٰمٌ سلام	عَلٰى پر	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	كَذٰلِكَ اسی طرح	نَجْزِي ہم جزا دیا کرتے ہیں		
الْمُحْسِنِيْنَ نیکو کاروں	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنْ سے	عِبَادِنَا ہمارے بندے	الْمُؤْمِنِيْنَ جمع	وَبَشَّرْنٰهُ اور ہم نے اسے بشارت دی	بِاِسْحٰقَ اسحٰق کی	
نَبِيًّا ایک نبی	مِنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ جمع صالح	وَبٰرَكْنَا اور ہم نے برکت نازل کی	عَلَيْهِ اس پر۔اس کو	وَ اور	عَلٰى پر	اِسْحٰقَ اسحٰقؑ
وَ مِنْ اور سے۔میں	ذُرِّيَّتِهِمَا ان دونوں کی اولاد	مُحْسِنٌ نیکوکار	وَظَالِمٌ اور ظلم کرنیوالا	لِنَفْسِهٖ اپنی جان پر	مُبِيْنٌ صریح		

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام عرصہ تک قوم کو''توحید الٰہی'' کی دعوت دیتے رہے اوران کو شرک وبت پرستی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے مگر بدبخت قوم نے کسی طرح آپ کی رشد وہدایت کو قبول نہیں کیا۔اور جب ایک موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا تو تمام قوم نے عداوت کے جذبہ میں آپ کو آگ میں ڈال کر جلادینے کا فیصلہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ارادوں کو ناکام فرمایا اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نار کو گلزار بنا دیا۔ اس کھلی ہوئی نشانی اور معجزہ کو دیکھ کر بھی قوم کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے علیحدہ ہو جانا پسند فرمایا اور ارادہ کیا کہ وطن سے ہجرت کر کے کسی دوسری جگہ پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت حق پہنچائیں چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا کہ اب میں تم میں سے ہجرت کر کے کہیں اور جہاں میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا چلا جاؤں گا۔بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے جدا ہو کر ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ کے ہمراہ آپ کی بی بی حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط نے بھی ہجرت فرمائی کیونکہ ساری قوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے صرف یہی دو نفر تھے۔اس وقت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں تھی۔اس لئے آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی رب هب لی من الصلحین یعنی اے میرے پروردگار مجھ کو کوئی نیک صالح اولاد عطا فرما جو دینی کام میں میری مدد کرے اور اس سلسلہ کو باقی رکھے۔اس دعائے ابراہیمی پر علماء نے لکھا ہے کہ فرزند صالح کی دعا مانگتے رہنا کسی کمال روحانی کے منافی نہیں بلکہ عین سنت انبیاء ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ایک حلیم المزاج لڑکے کی بشارت دی گئی جس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو سب سے پہلے اور سب سے بڑے فرزند ہیں اب جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور والد کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اس پیارے بچہ کو ذبح کر رہے ہیں۔حضرات انبیاء کا خواب بھی وحی کی ایک قسم ہوتا ہے اس لئے آپ اسے امر الٰہی سمجھے اور تعمیل حکم پر آمادہ ہو گئے لکھا ہے کہ تین رات آپ مسلسل یہی خواب دیکھتے رہے۔ تیسرے روز آپ نے اپنا خواب بیٹے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سنایا تا کہ بیٹے کا خیال معلوم کریں کہ وہ خوشی سے آمادہ ہیں یا نہیں اور اس لئے بھی کہ اچانک ذبح کرنے سے وہ گھبرا نہ جائیں اپنا ارادہ اور رویاء صادقہ حضرت اسماعیل پر ظاہر کیا۔حضرت اسماعیل آخر تو حضرت ابراہیمؑ جیسے مجدد انبیاء کے فرزند ارجمند تھے کہنے لگے ابا جان پھر دیر کیا ہے مالک کا جو حکم ہوا ہے فوراً کر ڈالئے۔ایسے کام میں مشورہ کی کیا ضرورت۔رہا میں سو آپ ان شاء اللہ دیکھ لیں گے

کہ کس صبر وتحمل سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ انشاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کر دے گا۔ سبحان اللہ ہزار ہزار رحمتیں ہوں ایسے بیٹے اور باپ پر۔ آخر باپ بیٹے دونوں حکم خداوندی کی اطاعت کے لئے جاں بکف تیار ہو جاتے ہیں۔ باپ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے اور بیٹا راہ خدا میں اپنے باپ کے ہاتھوں اپنا گلا کٹوانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔

بعض روایات میں آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے ارادہ سے مکہ سے لے کر چلے اور منیٰ کی حدود میں پہنچے تو ایک جگہ شیطان سامنے آیا اور اس نے اس ارادہ سے آپ کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مردود کے سات کنکریاں ماریں جس سے وہ زمین میں دھنس گیا اور آپ آگے روانہ ہو گئے۔ کچھ دور چلے تھے کہ اللہ والوں کا وہ دشمن ابلیس پھر سامنے آیا اور اس نے آپ کو حضرت اسماعیلؑ کی قربانی سے روکنا چاہا آپ نے پھر اس کو سات کنکریاں ماریں جس سے وہ دفع ہو گیا۔ آپ آگے چل دیئے کچھ دور کے بعد وہ تیسری دفعہ پھر نمودار ہوا اور پھر اس نے ورغلایا آپ نے پھر اس کو کنکریاں ماریں جس سے پھر وہ زمین میں دھنس گیا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ عاشقانہ ادا ایسی پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے اس کی نقل بھی حج کا جزو بنا دی گئی ہے۔ جن تین جگہوں پر شیطان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سنگ باری کی تھی ان جگہوں پر بطور نشان کے تین ستون بنے ہوئے ہیں جن کو جمرات کہتے ہیں اور اب حجاج ان نشانوں پر کنکریاں مارتے ہیں۔ الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بچے کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذبح کرنے کے لئے لٹاتے ہیں۔ یہاں آیت میں یہ الفاظ ارشاد ہیں **فلمآ اسلما و تله للجبين**

پس جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرایا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے چت نہیں لٹایا بلکہ اوندھے منہ لٹایا تاکہ ذبح کرتے وقت بیٹے کا چہرہ دیکھ کر کہیں محبت اور شفقت پدری جوش نہ مارنے لگے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں فرمایا کہ کیا ماجرا گزرا کیونکہ بات اتنی بڑی تھی کہ اسے الفاظ میں بیان کرنے کی بجائے ذہن میں تصور ہی کے لئے چھوڑ دینا زیادہ مناسب تھا۔ ایک بوڑھا باپ اپنے ارمانوں سے مانگے ہوئے بیٹے کو محض اللہ کی خوشنودی پر قربان کر رہا ہے اور بیٹا بھی گلے پر چھری چلوانے کے لئے تسلیم و رضا سے راضی ہے تو کیا حال اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر گزر رہا ہوگا۔ اور کیا کچھ فرشتوں پر گزر رہی ہوگی۔ اور کیسا کچھ اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں جوش آیا ہوگا۔ بس اس کا کچھ تصور ہی کیا جا سکتا ہے الفاظ میں ان کیفیات کا بیان مشکل ہے۔ یہاں اس موقع پر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پہنچے تو حضرت اسماعیل نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیجئے تاکہ میں زیادہ تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑوں کو بھی مجھ سے بچایئے ایسا نہ ہو کہ ان پر میرے خون کی چھینٹیں پڑیں تو میرا ثواب گھٹ جائے اس کے علاوہ میری والدہ خون دیکھیں گی تو انہیں غم زیادہ ہوگا اور اپنی چھری بھی تیز کر لیجئے اور اسے میرے حلق پر ذرا جلدی جلدی پھیریئے گا تاکہ آسانی سے میرا دم نکل سکے کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو ان کو میرا سلام کہہ دیجئے گا اور اگر آپ میرا قمیص والدہ کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جائیں۔ شاید انہیں اس سے کچھ تسلی ہو۔ اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گزر سکتی ہے؟ (اللہ علیم خبیر ہی واقف

ہے) لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام استقامت کے پہاڑ بن کر جواب دیتے ہیں کہ بیٹا! تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے میرے کتنے اچھے مددگار ہو۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیٹے کو بوسہ دیا اور پرنم آنکھوں سے انہیں باندھا۔ آگے بعض تاریخی روایات کی بناء پر حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کو سیدھا لٹایا تھا لیکن جب چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کر دیا تھا تو اس موقع پر بیٹے نے باپ سے خود یہ فرمائش کی تھی ابا جان! مجھے چہرہ کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے اس لئے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقت پدری جوش مارنے لگتی ہے اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح لٹا کر چھری چلانی شروع کی۔'' مگر حضرت اسماعیلؑ کی گردن تو قدرت خداوندی سے تانبے کی سی ہوگئی کہ چھری سے بالکل نہ کٹی اور فوراً وحی الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ **ونادینٰہ ان یاابراھیم قدصدقت الرء یا** اور ہم نے ان کو آواز دی کہ ابراہیم (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچا کر دکھایا۔ مقصود بیٹے کا ذبح کرانا نہیں۔ محض تمہارا امتحان منظور تھا سو اس میں تم پوری طرح کامیاب ہوئے بیشک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی۔ اب لڑکے کو چھوڑ و اور تمہارے پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلہ میں ذبح کرو اور قربان کرو۔

علامہ حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ میں نے اسماعیل کو ذبح کر دیا بلکہ یہ دیکھا تھا کہ میں ذبح کر رہا ہوں یعنی ذبح کا جو فعل ہے گردن پر چھری چلانا وہ کر رہا ہوں۔ سو اتنا کرنے سے وہ خواب میں سچے ہو گئے جتنا خواب دیکھا تھا اتنا پورا ہو گیا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیل حکم الٰہی سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو ذبح سے بچا لیا (معارف القرآن از حضرت کاندھلوی)

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔ یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملت ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی اسی دن یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کو آیت میں **ان ھٰذا لھو البلو المبین** فرمایا گیا یعنی حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان۔ مقربین بارگاہ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ وہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہے۔ ان کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر جان نثاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی چونکہ جلیل القدر نبی اور پیغمبر تھے اس لئے آپ کو بھی مختلف آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا اور آپ ہر دفعہ امتحان میں کامل اور مکمل ثابت ہوئے۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت جس صبر و رضا کا ثبوت دیا اور جس عزم و استقامت کو پیش کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اس کے بعد جب حضرت اسماعیل شیر خوار بچہ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو فاران کے بیابان جہاں دانہ پانی کا نام و نشان نہ تھا چھوڑ آنے کا حکم ملا تو وہ بھی معمولی امتحان نہ تھا۔ شیر خوار بچہ اور ان کی والدہ کو ایک بے آب و گیاہ جنگل بیابان میں چھوڑتے ہیں جہاں اب مکہ آباد ہے اور پیچھے پھر کر بھی نہیں دیکھتے کہ امتثال امر الٰہی میں لغزش نہ ہو جائے اور ان دونوں منزلوں سے کٹھن یہ تیسرا امتحان تھا جب کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل یہ خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابراہیم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دو۔ جس کی تفصیلات اوپر بیان ہوئیں تو جیسا یہ بڑا امتحان تھا جس کو سوا مخلص کامل کے دوسرا برداشت نہیں کر سکتا تو ایسے امتحان میں پورا اترنے پر اللہ تعالیٰ نے صلہ بھی بڑا بھاری عطا فرمایا۔

یہاں ایک بات یہ اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ شریعت محمدیہ میں اپنے لڑکے کو ذبح کرنے کی نذر یا خود اپنے کو راہ خدا میں ذبح کرنے کی نذر و منت بہرصورت اور بالاتفاق ناجائز ہے۔ لیکن اگر کوئی بدعقل ایسی نذر مان لے تو امام مالکؒ کے نزدیک اس کے بدلہ بکری قربان کر دے لیکن امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ ایسی نذر سرے سے معصیت ہے جس پر اسے استغفار کرنا چاہئے حنفیہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ بکری کی قربانی دینی چاہئے کہ یہ شریعت ابراہیمی سے ثابت ہے اور اس کا نسخ منقول نہیں۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ ایسی نذر ہی سرے سے باطل ہے اس لئے اس کا کچھ کفارہ اور بدلہ بھی نہیں۔ مفسر ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے آپ کو راہ خدا میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباسؓ نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا تھا لیکن پھر حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑ ذبح کرنے کو کہتا تب بھی کافی تھا کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا فدیہ اسی سے دیا گیا تھا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے شریعت محمدیہ میں اپنے ہاتھوں اپنے کی یا اپنے اولاد کی قربانی جائز نہیں فرمائی اور یہ اس لئے ظاہر کیا گیا کہ کافی عرصہ ہوا اخبارات میں اسی کراچی کی خبر یہ پڑھنے میں آئے تھی کسی نے خواب کی بناء پر اپنی بچی کو ذبح کر ڈالا تھا جس پر اس نیم پاگل کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

الغرض یہاں آیات میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر فرمانے کے بعد اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوگئے تو آپ کو ایک اور بیٹے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دیگئی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی جب اللہ تعالیٰ نے بشارت سنائی کہ حضرت سارہ کے بطن سے بھی ایک بیٹا ہوگا اور ان کا نام اسحاق رکھنا اور وہ بھی نبی اور نیک بختوں میں سے ہوں گے چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے جن کی نسل سے سینکڑوں بادشاہ اور ہزاروں نبی بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے توحید اخلاص اور ایمان کے نتیجہ میں برکت عطا فرمائی۔ اب اخیر میں یہ سب بیان کرنے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کا ذکر کرنے کے بعد جو مقصد اس قصہ کو ذکر فرمانے سے ہے وہ ظاہر فرمایا جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ عرب یہود و نصاریٰ جو اپنے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور ان کی ذریت کہلانے پر فخر کرتے تھے انہیں سنایا جاتا ہے **ومن ذریتهما محسن و ظالم لنفسه مبين** اور ان دونوں کی نسل میں سے بعضے اچھے اور نیک بھی ہیں جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرو کار اور بعضے ایسے بھی ہیں جو اپنی جان پر صریح ظلم کر رہے ہیں اور اس ظلم کا وبال انہی پر پڑے گا۔ اس جملہ میں تعریض ہے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کے طریقہ پر نہیں وہ ان کی نسل سے ہونے کے فخر کو محض بیکار جانے۔ نہ وہ اس برکت کے وعدہ کا شریک ہے نہ وہ ان عنایات کا مستحق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات بھی نہیں مانتے کہ خدا پرستی اختیار کریں بدکاری اور بت پرستی کفر و شرک کو چھوڑ کر توحید الٰہی اختیار کریں ان کے ایک بیٹے نے تو ان کی راہ حق میں یہاں تک اطاعت کی کہ

جان دینے پر آمادہ ہو گئے تم کیسے فرزند ہو کہ الٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کہنے کے خلاف بت پرستی اور کفر و شرک اختیار کرتے ہو اور خدا پرستی کو ترک کرتے ہو۔

یہاں ان آیات کے تحت اور اس واقعہ سے جس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبۂ جان نثاری کی شہادت ملتی ہے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کم سنی ہی میں اللہ نے حضرت اسماعیل کو کیسی ذہانت اور علم ادب عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا بلکہ محض اپنے خواب کا تذکرہ فرمایا تھا۔ لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اور یہ خواب بھی در حقیقت حکم الٰہی کی ہی ایک شکل ہے چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا اور کہا یآ ابت افعل ما تؤمر اے ابا جان جس بات کا آپ کو خدا کی طرف سے حکم کیا گیا ہے آپ اسے کر گزریئے اور والد بزرگوار کو یقین دلایا کہ ستجدنی ان شآء الله من الصٰبرین یعنی ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایت تواضع اور ادب ہے۔ ایک تو آپ نے انشاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں جو دعوے کی ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملہ میں اپنے اوپر خواہ کتنا ہی اعتماد ہو لیکن اسے ایسے بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں۔ جن سے غرور و تکبر ٹپکتا ہو اگر کہیں ایسی کوئی بات کہنے کی ضرورت ہو تو الفاظ میں اس کی رعایت ہونی چاہئے کہ ان میں اپنے بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا اظہار ہو اور جس حد تک ممکن ہو تواضع اور انکساری کے دامن کو نہ چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے متواضع اور مخلصین بندوں کے طفیل میں ہمیں بھی تواضع اور انکساری کی دولت عطا فرمائیں۔

یہاں تک دو انبیاء یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہوا اب آگے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے حکم بردار اور اطاعت گزار بندوں میں شامل فرماویں۔

یا اللہ ہم کو ہر حال میں ظاہراً اور باطناً شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرما اور اپنی مرضیات کی ہر آن میں سعادت حاصل کرنے کی دولت عطا فرما۔ یا اللہ ہم تو عاجز ضعیف الایمان ہیں ہم کسی امتحان کے لائق نہیں۔ اپنے ان مخلص اور کامیاب بندوں کے طفیل میں جو آپ کی ہر آزمائش اور امتحان میں کامیاب رہے۔ اے اللہ ہم کو دین پر استقامت اور کامیابی نصیب فرما اور اپنی برکتوں اور رحمتوں سے ہمیں اور ہماری نسلوں کو دین و دنیا میں سرفراز فرما۔

اے اللہ ہم کو اپنے محسن اور مخلص بندوں میں شامل فرمائیے اور ہم کو ظالموں میں شامل ہونے سے بچا لیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١١٤﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿١١٥﴾

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر بھی احسان کیا اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿١١٧﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ

اور ہم نے ان سب کی (فرعون کے مقابلہ میں مدد کی سو یہی لوگ غالب آئے اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستہ

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١١٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي

پر قائم رکھا اور ہم نے ان دونوں کیلئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٢﴾

بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایماندار بندوں میں سے تھے۔

وَلَقَدْ اور تحقیق البتہ	مَنَنَّا اور ہم نے احسان کیا	عَلٰى مُوْسٰى موسیٰؑ پر	وَهٰرُوْنَ اور ہارونؑ	وَنَجَّيْنٰهُمَا اور ان دونوں کو نجات دی			
وَقَوْمَهُمَا اور ان کی قوم	مِنَ سے	الْكَرْبِ غم	الْعَظِيْمِ بڑا	وَ اور	نَصَرْنٰهُمْ ہم نے مدد کی ان کی	فَكَانُوْا تو وہ رہے	هُمُ وہی
الْغٰلِبِيْنَ غالب	وَاٰتَيْنٰهُمَا اور ہم نے ان دونوں کو دی	الْكِتٰبَ کتاب	الْمُسْتَبِيْنَ واضح	وَ اور	هَدَيْنٰهُمَا اور ہم نے ان دونوں کو ہدایت دی		
الصِّرَاطَ راستہ	الْمُسْتَقِيْمَ سیدھا	وَتَرَكْنَا اور ہم نے باقی رکھا	عَلَيْهِمَا ان دونوں پر انکا ذکر خیر	فِي الْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنیوالوں میں			
سَلٰمٌ سلام	عَلٰى مُوْسٰى موسیٰ پر	وَهٰرُوْنَ اور ہارون	اِنَّا كَذٰلِكَ بیشک ہم اسی طرح	نَجْزِي ہم جزا دیتے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ نیکوکاروں		
اِنَّهُمَا بیشک وہ دونوں	مِنْ سے	عِبَادِنَا ہمارے بندے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن				

تفسیر و تشریح

گذشتہ آیات میں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کا ذکر ہوا تھا اب آگے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ سورتوں میں متعدد جگہ بیان ہو چکا ہے۔ حضرت موسیٰ اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام مصر کے سرکش اور باغی بادشاہ فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ اسے سمجھائیں کہ وہ اپنی سرکشی سے باز آئے اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہائی دے مگر اس ظالم اور متکبر فرعون کی سمجھ میں کہاں کوئی بات آنے والی تھی۔ اس نے اور زیادہ بنی اسرائیل کو ستانا شروع کر دیا۔ ان کے بچوں کو قتل کرا دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ ان سے ذلیل خدمات لیتا تھا اور تمام قوم بنی اسرائیل کو پست و ذلیل اور بے حیثیت بنا کر رکھا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے ظلم و ستم سے نجات ملی۔ مصر سے نکل کر بنی اسرائیل نے بحر قلزم کو نہایت آسانی سے پار کر لیا اور فرعونیوں کو اسی سمندر میں غرق کر کے بنی اسرائیل کو غالب و منصور کیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک واضح روشن اور بین کتاب یعنی توراۃ عطا فرمائی جو حق و باطل میں فرق و فیصلہ کرنے والی تھی اور نور و ہدایت دکھانے والی تھی۔

ان واقعات کی طرف یہاں اجمالاً اشارہ فرما کر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی تعریف فرمائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں افعال میں اقوال میں استقامت بخشی اور ہر معاملہ میں سیدھی راہ پر چلایا جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے لوازم میں سے ہے اور ان کے بعد والوں میں بھی ان کا ذکر خیر اور ثناء و صفت باقی رکھی کہ آج

تک زبانیں ان پر سلام بھیجتی ہیں اس کے بعد بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور نیک کار بندوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں کہ ان کو مستحق ثناء وصفت کا بناتے ہیں اور چونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی اللہ تعالیٰ کے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے اس لئے صلہ بھی کامل عطا ہوا۔

یہاں اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد بھی یہی فرمایا گیا انا کذالک نجزی المحسنین انه من عبادنا المؤمنین بیشک ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کر کے بھی یہی فرمایا گیا انا کذالک نجزی المحسنین انه من عبادنا المؤمنین ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں تھے۔اب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر کر کے بھی یہی فرمایا گیا انا کذالک نجزی المحسنین انهما من عبادنا المؤمنین ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔اور آگے حضرت الیاس علیہ السلام کا بھی ذکر کر کے بھی یہی فرمایا گیا انا کذالک نجزی المحسنین انه من عبادنا المؤمنین ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔تو قرآن کریم میں انبیاء کے ذکر میں جو بار بار اس قسم کی تصریحات ہیں ان سے بظاہر دو خاص مقصد معلوم ہوتے ہیں ایک تو انبیاء علیہم السلام کی مدح وتعریف ان کا مستحق ثناء ہونا ان کا قابل تقلید ہونا اہل کتاب کی بدگوئی اور اتہام تراشیوں سے انہیں محفوظ رکھنا اور دوسرا مقصد اس کے بالمقابل یہ بھی ہے کہ انبیاء کو ان کے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھایا جائے۔انہیں بہرحال اللہ تعالیٰ کا بندہ ہی سمجھا جائے اور الوہیت کا کوئی جزو بھی ان کے شامل نہ ہونا سمجھا جائے۔اسی لئے انبیاء کے عبد مومن اور عبد کامل ہونے کی بار بار تصریح فرمائی۔تو جس طرح اوپر حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ اور ذکر ایک خاص مقصد اور غرض سے سنائے گئے جس کی طرف اشارہ گذشتہ درس میں ہو چکا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے مناسبت رکھتا ہے اور اہل عرب کو حضرت موسیٰ وہارون کا قصہ سنا کر یہ جتلانا مقصود ہے کہ تمہاری بہتری بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے۔نیز اہل ایمان کو یہ بشارت بھی ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکت سے ملکوں کے مالک ہو جاؤ گے اور جس طرح ان دونوں حضرات کو ایک روشن کتاب یعنی تورات دی تھی اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دیا گیا جس کا اتباع اب لازم ہے اور جس طرح ان دونوں حضرات یعنی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے راہ راست کی ہدایت فرمائی۔اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صراط مستقیم دکھائی جس پر چلنا اب لازم ہے۔

اسی سلسلہ میں آگے چوتھا قصہ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو سید الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔حق تعالیٰ ہم کو اس نعمت عظمیٰ کی صحیح قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو اپنے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں۔اور آپ ہی کی لائی ہوئی صراط مستقیم پر ہم کو بھی چلنا نصیب فرمائیں۔یا اللہ! جیسے آپ نے اپنے کرم سے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات بخشی اور فرعون کو بمعہ اس کے لشکر کے تباہ و برباد فرمایا اسی طرح اب بھی جو اہل اسلام اس وقت کے ملعون فرعون کے ظلم وستم سے دبے ہوئے ہیں یا اللہ مظلوم اہل اسلام کو ظالموں کے تسلط سے نجات عطا فرما۔اور ظالموں پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا کر تباہ و برباد فرما۔یا اللہ! کمزور اور مظلوم اہل اسلام کی مدد فرما دے اور ظالموں کے ظلم سے بچالے۔آمین

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ

اورالیاس بھی (بنی اسرائیل کے) پیغمبروں میں سے تھے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور اُس کو چھوڑے بیٹھے ہو

اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

جوسب سے بڑھ کر بنانے والا ہے (اور وہ) معبود برحق ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے سواُن لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جاویں گے

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

مگر جو اللہ کے خاص بندے تھے اور ہم نے الیاسؑ کیلئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ الیاسینؑ پر سلام ہو

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے (کامل) ایماندار بندوں میں سے تھے۔

وَاِنَّ اور بیشک	اِلْيَاسَ الیاسؑ	لَمِنَ البتہ۔ سے	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں	اِذْ قَالَ جب اس نے کہا	لِقَوْمِهٖ اپنی قوم کو	اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم نہیں ڈرتے
اَتَدْعُوْنَ کیا تم پکارتے ہو	بَعْلًا بعل	وَتَذَرُوْنَ اور تم چھوڑ دیتے ہو	اَحْسَنَ سب سے بہتر	الْخَالِقِيْنَ پیدا کرنے والا	اللّٰهَ اللہ	
رَبَّكُمْ تمہارا رب	وَرَبَّ اور رب	اٰبَآئِكُمُ تمہارے باپ دادا	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	فَكَذَّبُوْهُ پس انہوں نے جھٹلایا	فَاِنَّهُمْ تو بیشک وہ	
لَمُحْضَرُوْنَ وہ ضرور حاضر کئے جائینگے	اِلَّا سوائے	عِبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بندے	الْمُخْلَصِيْنَ مخلص	وَتَرَكْنَا اور ہم نے باقی رکھا	عَلَيْهِ اس پر اسکا ذکر خیر	
فِى الْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنے والوں میں	سَلٰمٌ سلام	عَلٰى پر	اِلْ يَاسِيْنَ الیاسینا الیاسؑ	اِنَّا كَذٰلِكَ بیشک ہم اسی طرح	نَجْزِى جزا دیا کرتے ہیں	
الْمُحْسِنِيْنَ نیکوکاروں	اِنَّهٗ بیشک وہ	مِنْ سے	عِبَادِنَا ہمارے بندے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن		

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اس کے بعد اب حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام ایک مشہور اسرائیلی نبی گزرے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد مبعوث ہوئے تھے۔ بیشتر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آپ کا زمانہ قریب ۸۵۰ سال قبل مسیح ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ سے قریب ۵۰۰ سال بعد قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ انعام ساتویں پارہ میں اور ایک موجودہ سورۃ میں ان آیات زیر تفسیر میں۔ سورۂ انعام میں تو آپ کو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں شمار کیا ہے مگر یہاں آپ کی نبوت ورسالت کا بھی اعلان ہے۔ آپ کی قوم کی گمراہی اور بت پرستی کا بھی ذکر ہے۔ آپ کی تبلیغ اور ارشاد کا بھی تذکرہ ہے اور آپ کی فضیلت اور برگزیدگی کا بھی بیان ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت کے متعلق مفسرین و مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ شام کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور بعلبک کا مشہور شہر آپ کی رسالت و ہدایت کا مرکز تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم مشہور بت ''بعل'' کی پرستار اور توحید سے بیزار شرک میں مبتلا تھی۔ کتب تفسیر میں منقول ہے کہ

''بعل'' اس قوم کا سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ یہ سونے کا بت تھا اور بیس گز کا قد تھا اور اس کے چار منہ تھے اور اس کی خدمت پر چار سو خادم مقرر تھے۔ ایک پر تکلف درگاہ بنا رکھی تھی اور اس کی تعظیم وادب کے قاعدے مقرر کر رکھے تھے۔ اس بت کے مجاور نئی نئی اس کی کرامات وحکایات لوگوں کو سناتے کہ فلاں کی یہ مراد ''بعل'' نے دی اور فلاں نے نذرانہ نہ دیا تھا تو اس کو یوں برباد کیا۔ اس کو سجدہ کیا کرتے تھے اور اس کے آگے قربانی ہوتی تھی اور باجے گاجے بجا کرتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم دوسرے بتوں کے ساتھ خصوصیت سے ''بعل'' کی پرستار تھی خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو سمجھایا اور راہ ہدایت دکھائی صنم پرستی کے خلاف وعظ ونصیحت کرتے ہوئے توحید خالص کی جانب دعوت دی جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت الیاس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت و بندگی کرتے ہو۔ تم نے خود ایک بت گھڑ کر اس کا نام ''بعل'' رکھ لیا۔ (عبرانی زبان میں بعل کے معنی مالک، سردار، حاکم اور رب کے ہیں) اور اللہ کو بھول گئے۔ تعجب ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جو خالق کل ہے اور بہترین خالق ہے ایک بت کو پوج رہے ہو اور اس کو پکارتے رہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تم سے پہلے تمہارے باپ دادا کا رب اور پروردگار ہے اور وہی مستحق عبادت ہے اس کے سوا کسی قسم کی عبادت کسی کے لئے لائق نہیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسول کی اس صاف اور خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا اور اس دعوائے توحید میں ان کو جھٹلایا جس کی شامت اور وبال میں قیامت میں ان سے سخت باز پرس ہوگی اور ان پر سخت عذاب ہوں گے جبکہ وہ گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ اس روز صرف وہی لوگ پکڑ اور عذاب سے بچیں گے جنہوں نے رسولوں کا کہنا مانا اور توحید پر قائم رہے۔ وہی اللہ کے مخلص بندے ہیں وہ اجر وثواب میں ہوں گے آگے بتلایا جاتا ہے کہ مثل دیگر انبیاء کے اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کی ثنا وصفت اور ذکر خیر پچھلے لوگوں میں باقی رکھا کہ ہر مومن ومسلم کی زبان سے ان پر سلام بھیجا جاتا ہے اور ان کو علیہ السلام کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین اور نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ اور بدلہ عطا فرماتے ہیں کہ دنیا میں نیک نامی اور ذکر خیر اور آخرت میں کامیابی وکامرانی بیشک حضرت الیاس علیہ السلام اللہ کے کامل ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

یہاں ان آیات میں حضرت الیاس علیہ السلام نے جو اللہ رَبّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے متعلق فرمایا "اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ" یعنی سب سے بہتر بنانے والا تو اس کے متعلق مفسرین نے ایک نکتہ اور تنبیہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ معاذ اللہ احسن الخالقین کے یہ معنی نہیں کہ خالق تو بہت ہیں مگر اللہ سب سے بہتر ہے بلکہ لفظ خلق کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک ایجاد اور اختراع کے معنیٰ ہیں یعنی کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود میں لانا۔ اس معنیٰ میں تو خالق کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔ عدم سے وجود میں لانا اور جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں تو یہاں آیت میں خالقین کے یہ معنیٰ مراد نہیں دوسرے معنیٰ خلق کے تقدیر اور اندازہ کرنے اور صنعت اور کاریگری کے ہیں اس معنیٰ میں "اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ" کے مطلب یہ ہوں گے کہ سب اندازہ کرنے والوں اور تمام صناعوں اور کاریگروں میں اللہ سب سے بہتر اور بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اندازہ ہمیشہ بالکل ٹھیک اور درست ہوتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کا اندازہ کبھی درست ہوتا ہے اور کبھی غلط اور دنیا میں اگرچہ صناع اور کاریگر بہت ہیں مگر خداوند قدوس کی صنعت اور کاریگری کو کسی کی کاریگری

نہیں پہنچتی۔ تو اس آیت میں خالقین کے یہی دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ اس طرح خالق کا اطلاق بمعنی صناع اور کاریگر بندہ پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ بندہ بھی اپنے علم و قدرت کے مطابق صنعت اور کاریگری پر قدرت رکھتا ہے تو "اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ" یعنی اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے اسی دوسرے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

الغرض حضرت الیاس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا واقعہ اگرچہ قرآن کریم میں بہت مختصر مذکور ہے تاہم اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل یعنی یہود ذہنیت کس درجہ مسخ تھی کہ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی کہ جس کے کرنے پر یہ حریص نہ رہے ہوں۔ باوجود انبیاء اور رسل کے ایک طویل اور پیہم سلسلہ کے بت پرستی عناصر پرستی کواکب پرستی غرض غیر اللہ کی پرستش کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے یہ پرستار نہ بنے ہوں۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل سے متعلق ان واقعات میں جہاں ان کی بدبختی اور کجروی پر روشنی پڑتی ہے وہیں ہم کو یہ موعظت اور عبرت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اب جبکہ انبیاء ورسل کا سلسلہ منقطع ہو چکا اور خاتم النبیین کی بعثت اور قرآن کریم کے آخری پیغام نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا ہے تو ہمارے لئے ازبس ضروری ولازمی ہے کہ بنی اسرائیل کی مسخ فطرت اور تباہ ذہنیت کے خلاف خدائی احکام کو مضبوطی سے پکڑیں اور کتاب وسنت میں کجروی سے کام لے کر ان کی خلاف ورزی کی جرات نہ کریں۔ گویا ہمارا شیوہ سپردو تسلیم ہو۔ انکار وانحراف نہ ہو کہ اسلام کے یہی معنیٰ ہیں مگر افسوس ہے کہ کیسا پرفتن وقت آ گیا ہے کہ کسی نے اسلام کا لیبل لگا کر قرآن کی معنوی تحریف کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے تو کسی نے انکار حدیث کا فتنہ کھڑا کر رکھا ہے۔ کوئی مذہب سے بیزار ہے تو کوئی اللہ اور رسول کے خلاف ہے کہیں سوشلزم کی پکار ہے تو کہیں کمیونزم کا پرچار ہے۔ اس امت میں فتنوں کے دروازے نت نئے کھلتے چلے جا رہے ہیں اور وہ تمام گمراہیاں جن کا شکار یہود ونصاریٰ ہوئے تھے اس امت میں بھی راہ پاتی جا رہی ہیں۔ کوئی غلو اور افراط میں نصاریٰ کے قدم بقدم چلا تو کسی نے تفریط میں یہود کی روش اختیار کی۔ اور اس پر کچھ حیرت اور تعجب بھی نہیں۔ صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے متعلق پہلے ہی پیشین گوئی فرما دی تھی کہ ایسا وقت اور ایسے حالات اس امت پر آ کر رہیں گے۔ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ ضرور بالضرور پیروی کرو گے اگلی امتوں کی یعنی یہود و نصاریٰ کی بالشت برابر بالشت اور ہاتھ برابر ہاتھ یعنی بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم فرمائیں اور ان کو اپنا اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب اور اپنے احکام کا متبع اور شیدائی بننا نصیب فرمائیں اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے پانچواں قصہ حضرت لوط علیہ السلام اور چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان واسلام کی حفاظت فرمائیں اور اس پرفتن وقت میں ہم کو صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو اسلام اور ایمان اور کتاب وسنت کی دولت عطا فرمائی ہے اس کی قدر اور سچی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی کتاب کا سچا مطیع اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو اپنے عباد اللہ المخلصین میں تا زندگی شامل ہونا نصیب فرما اور اپنے مخلصین ہی کے ساتھ ہمارا حشر ونشر فرما اور انہی کے ساتھ ہمیں اپنے رضا کے مقام جنت میں جانا نصیب فرما۔ یا اللہ! ہم کو بھی یہ سعادت نصیب فرما کہ ہمارے اس دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد ہمارا ذکر اس جہان میں نیک نامی سے ہو اور آخرت میں آپ کے اجر وثواب اور مغفرت ورحمت کے مورد ہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور بیشک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز اُس بڑھیا (یعنی ان کی زوجہ) کے کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّیْلِ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کردیا۔ اور تم تو اُن (کے دیار و مساکن) پر صبح ہوتے اور رات میں گزرا کرتے ہو۔ کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ

اور بے شک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے سو یونسؑ شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے

الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ

پھر ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کررہے تھے سو اگر وہ (اُس وقت) تسبیح کرنیوالوں میں سے نہ ہوتے

فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً

تو قیامت تک اُسی کے پیٹ میں رہتے۔ سو ہم نے اُن کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمحل تھے اور ہم نے اُن پر ایک بیل دار درخت بھی اُگا دیا تھا

مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۴۸﴾

اور ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا

وَاِنَّ اور بیشک	لُوْطًا لوط	لَمِنَ البتہ۔ سے	الْمُرْسَلِیْنَ رسول	اِذْ جب	نَجَّیْنٰهُ ہم نے اسے نجات دی	وَ اور	اَهْلَهٗ اس کے گھر والے	
اَجْمَعِیْنَ سب	اِلَّا سوائے	عَجُوْزًا ایک بڑھیا	فِی الْغٰبِرِیْنَ پیچھے رہ جانے والے	ثُمَّ پھر	دَمَّرْنَا ہم نے ہلاک کیا	الْاٰخَرِیْنَ اوروں کو		
وَاِنَّكُمْ اور بیشک تم	لَتَمُرُّوْنَ البتہ گزرتے ہو	عَلَیْهِمْ ان پر	مُّصْبِحِیْنَ صبح کرتے ہوئے (صبح ہوتے)	وَبِالَّیْلِ اور رات میں				
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے	وَ اور	اِنَّ بیشک	یُوْنُسَ یونس	لَمِنَ البتہ۔ سے	الْمُرْسَلِیْنَ رسولوں	اِذْ جب	اَبَقَ بھاگ گئے وہ	
اِلَی طرف	الْفُلْكِ کشتی	الْمَشْحُوْنِ بھری ہوئی	فَسَاهَمَ تو قرعہ ڈالا	فَكَانَ سو وہ ہوا	مِنَ سے	الْمُدْحَضِیْنَ دھکیلے گئے	فَالْتَقَمَهُ پھر اسے نگل لیا	
الْحُوْتُ مچھلی	وَهُوَ اور وہ	مُلِیْمٌ ملامت کرنیوالا	فَلَوْلَا پھر اگر نہ	اَنَّهٗ یہ کہ وہ	كَانَ ہوتا	مِنَ سے	الْمُسَبِّحِیْنَ تسبیح کرنے والے	لَلَبِثَ البتہ رہتا
فِیْ بَطْنِهٖ اسکے پیٹ میں	اِلٰی تک	یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ بعثت کے دن (روز حشر)	فَنَبَذْنٰهُ پھر ہم نے اسے پھینک دیا	بِالْعَرَآءِ چٹیل میدان میں	وَهُوَ اور وہ			
سَقِیْمٌ بیمار	وَاَنْۢبَتْنَا اور ہم نے اُگایا	عَلَیْهِ اس پر	شَجَرَةً ایک پودا	مِّنْ سے	یَّقْطِیْنٍ بیلدار (کدو)	وَاَرْسَلْنٰهُ اور ہم نے بھیجا اس کو	اِلٰی طرف	
مِائَةِ اَلْفٍ ایک لاکھ	اَوْ یا	یَزِیْدُوْنَ اس سے زیادہ	فَاٰمَنُوْا سو وہ ایمان لائے	فَمَتَّعْنٰهُمْ تو ہم نے انہیں بہرہ مند کیا	اِلٰی حِیْنٍ ایک مدت تک			

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر رہا تھا اس کے بعد پانچواں قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا اور چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ان آیات میں ذکر فرمایا جاتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ کئی جگہ گذشتہ سورتوں میں تفصیلاً بیان ہو

چکا ہے یہاں اجمالاً ذکر فرمایا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور آپ کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ ہی گزرا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت فرمائی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو بھی پیغمبری سے نوازا اور آج جہاں بحر لوط یا بحر میت جس کو بحیرۂ مردار Dead Sea بھی کہتے ہیں واقع ہے۔ یہاں اس وقت سدوم و عامورہ وغیرہ کی بستیاں تھیں۔ جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور بدکاری میں بری طرح مبتلا ہیں۔ اور ان کی خباثت اور بے حیائی اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ اپنی بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر و مباہات کے ساتھ بدکاری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت و طہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور ہر ممکن طریقہ جو سمجھانے کے ہو سکتے تھے ان کو سمجھایا مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ پڑا بلکہ الٹے حضرت لوط علیہ السلام کے دشمن بن گئے اور آپ کو بستی سے نکال دینے اور پتھروں سے مار مار کر جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو بالآخر قانون جزا کا فیصلہ ان کے حق میں نازل ہوا اور عذاب الٰہی کا وقت آ پہنچا۔ ملائکہ عذاب انسانی شکل و صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں پہنچے اور آپ کو بتلایا کہ ہم ملائکہ عذاب ہیں اور اب یہ خدائی فیصلہ اس قوم کے سر سے ٹلنے والا نہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا مگر آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور آپ کا ساتھ نہ دے گی اور سب کے ساتھ ہلاک ہو گی۔ ملائکہ کے اشارہ پر ابتدائے شب میں حضرت لوط علیہ السلام مع اپنے گھر والوں کے سدوم سے رخصت ہو گئے مگر آپ کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا اور پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ انہی واقعات کی طرف اجمالی طور پر ان آیات میں ذکر فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

''اور بیشک لوط علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ ان کا اس وقت کا قصہ قابل ذکر ہے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو نجات دی بجز اس بڑھیا یعنی ان کی زوجہ کے کہ وہ عذاب کے اندر رہ جانے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے اور سب کو یعنی لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل کے سوا جو تھے ہلاک کر دیا اس کے بعد اہل مکہ سے خطاب ہوتا ہے کہ اے اہل مکہ تم تو ان کے دیار و مساکن پر شام کی طرف سفر کرتے ہوئے کبھی صبح اور کبھی رات میں گزرا کرتے ہو اور آثار بربادی دیکھتے ہو تو کیا اس کو دیکھ کر پھر بھی نہیں سمجھتے ہو کہ کفر و نافرمانی کا کیا انجام ہوتا ہے یعنی تم کو عبرت حاصل کرنی چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آ جانا چاہئے''۔

اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے جس کی تفصیلات سورۂ یونس گیارہویں پارہ اور سورۃ انبیاء سترہویں پارہ میں گزر چکی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جو انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا اور اہل نینوا کی رشد و ہدایت کے لئے مامور فرمایا۔ وہاں کے لوگ جو شرک اور بت پرستی میں گرفتار تھے ان کو یونس علیہ السلام لگاتار سات سال تک پند و نصیحت کرتے رہے اور توحید کی دعوت دیتے رہے مگر انہوں نے آپ کی ایک نہ سنی اور اعلان حق پر مطلق

کان نہ دھرا اور یوماً فیوماً ان کا انکار و تکذیب بڑھتا ہی رہا۔ آخر ان کی مخالفت و معاندت سے متاثر ہو کر حضرت یونس علیہ السلام قوم سے خفا ہو گئے اور ان کو آگاہ کیا کہ باز نہ آئے تو تین دن کے اندر عذاب الٰہی نازل ہو گا۔ چنانچہ جب تیسری شب ہوئی تو یونس علیہ السلام بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ دریائے فرات کے کنارہ پر پہنچے تو ایک کشتی کو مسافروں سے بھرا ہوا تیار پایا۔ حضرت یونس علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ راستہ میں طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آگھیرا جب کشتی ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق ہونے کا یقین ہونے لگا تو اپنے عقیدہ کے مطابق وہ کہنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائے گا نجات مشکل ہے"۔ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ کو تنبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نینوی سے وحی کا انتظار کئے بغیر اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں۔ یہ سوچ کر آپ نے اہل کشتی سے فرمایا کہ وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے، مجھ کو کشتی سے باہر دریا میں پھینک دو مگر ملاحوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور پھر یہ طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کے نام پر قرعہ نکلا۔ تب مجبور ہو کر انہوں نے یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا یا خود آپ دریا میں کود گئے۔ اسی وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو اپنے پیٹ میں رکھ اس طرح کہ ان کے جسم کو مطلق گزند نہ پہنچے۔ یہ تیری غذا نہیں ہیں بلکہ تیرا پیٹ ہم نے ان کا قید خانہ بنایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں خود کو زندہ پایا تو درگاہ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ وہ وحی الٰہی کا بغیر انتظار کئے اور اللہ تعالیٰ سے اجازت لئے بغیر امت کی دعوت سے ناراض ہو کر نینوی سے نکل آئے اور عفو تقصیر کے لئے اس طرح دعا گو ہوئے۔ **لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظّٰلمین** الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی یکتا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں بلاشبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی درد بھری آواز کو سنا اور ان کے عذر کو قبول فرمایا اور مچھلی کو حکم ہوا کہ تیرے پاس جو ہماری امانت ہے وہ اگل دے۔ چنانچہ مچھلی نے کنارہ پر جا کر حضرت یونس علیہ السلام کو اگل دیا۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنی مدت رہے اس کے جواب میں متعدد قول سلف سے نقل ہوئے ہیں۔ بعض نے صرف ایک دن یا ایک رات لکھا ہے۔ بعض نے تین دن یا سات دن یا چالیس دن تک لکھے ہیں۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ کسی بھی مدت کے تعین پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ الغرض جب مچھلی نے آپ کو بحکم خداوندی ساحل پر اگل دیا تو آپ نے اپنے کو ایک چٹیل میدان میں پایا آپ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے بہت کمزور و ناتواں ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے پاس ایک بیل دار درخت اگا دیا گیا تا کہ اس سے گھنا سایہ مل سکے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ کدو کی بیل تھی اور ایک پہاڑی بکری آپ کو دودھ پلا جایا کرتی تھی۔ ادھر تو یہ ہوا ادھر جب یونس علیہ السلام اہل نینوی سے جدا ہوئے تو قوم نے آپ کی بددعا کے آثار محسوس کئے آسمان پر ایک نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا اور وہ ان کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا۔ یہ آثار دیکھ کر جب انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو یونس علیہ السلام کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آپ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں، بچوں سمیت بلکہ اپنے مویشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے۔

اور گریہ زاری اور آہ بکا کے ساتھ بڑے اخلاص اور تضرع سے خدا کو پکارنے لگے اور سب کہنے لگے کہ اے پروردگار یونس علیہ السلام جو تیرا پیغام ہمارے پاس لے کر آئے تھے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو دولت ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب سے محفوظ کر دیا۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام کو دوبارہ حکم خداوندی ہوا کہ وہ نینویٰ جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی رہنمائی کریں۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے اس حکم کا امتثال کیا اور نینویٰ واپس تشریف لے آئے قوم نے جب ان کو دیکھا تو بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور ان کی رہنمائی میں دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی دنیا میں جتنی بستیاں اور قوم تکذیب انبیاء کی وجہ سے مستوجب عذاب ٹھہریں۔ ان میں سے کسی کو اس طرح ایمان لانے کی نوبت نہ آئی جو عذاب الٰہی سے نجات مل جاتی۔ صرف یونس علیہ السلام کی قوم کی ایک مثال ہے کہ جس نے ایمان لا کر اپنے کو آسمانی عذاب سے بال بال بچا لیا جو بالکل ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بدولت ان پر سے آنے والی بلا ٹال دی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کے انہی واقعات کی طرف ان آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

مخاطبین قرآن کو جہاں حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ و ہارون حضرت الیاس حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات ذکر کر کے یہ بتلایا گیا کہ اللہ نے اہل ایمان کی اور اپنے مخلص بندوں کی ہمیشہ مدد فرمائی۔ اہل باطل پر ان کو غلبہ عطا فرمایا کفر و شرک پر اصرار ہمیشہ تباہی کا باعث ہوا۔ تکذیب انبیاء کی سزا قوموں نے اس دنیا ہی میں بھی اٹھائی وہیں حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر کر کے یہ بتلایا کہ زندگی میں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اگر کوئی فرد یا قوم کیسا ہی جرم کر چکے لیکن اگر وہ خلوص اور عجز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنے کئے پر ندامت ظاہر کر کے معافی کا طالب اور خواستگار ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے گذشتہ سے درگزر فرما کر معافی عطا فرما دیتے ہیں جیسا کہ یونس علیہ السلام کی قوم کی مثال موجود ہے یہاں ان آیات میں جو یہ فرمایا گیا **فلولآ انه کان من المسبحین للبث فی بطنه الیٰ یوم یبعثون** سو اگر وہ اس وقت تسبیح اور استغفار کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے یعنی مچھلی کے پیٹ سے نکلنا میسر نہ ہوتا بلکہ اس کی غذا بنا دیئے جاتے تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ مصائب اور آفتوں کو دور کرنے میں تسبیح اور استغفار خاص اثر رکھتے ہیں اور جیسا کہ سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں بیان ہو چکا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں **لا الٰه الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین** پڑھا تو اس کلمہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش سے حضرت یونس علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی۔ اور وہ مچھلی کے پیٹ سے صحیح سالم نکل آئے۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے جو دعاء مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی **لا الٰه الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین** اسے جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا اس کی دعا قبول ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس آیت کریمہ کے ورد کی سعادت عطا فرمائیں اور اس کے ذریعہ سے توبہ اور استغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یہاں جو یہ فرمایا گیا **وارسلنٰه الیٰ مائة الف او یزیدون** (اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف

پیغمبر بنا کر بھیجا تھا) یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہیں ان کو اس شک کے اظہار کی کیا ضرورت تھی کہ ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمی تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ عام لوگوں کی مناسبت سے کہا گیا ہے۔یعنی ایک عام آدمی انہیں دیکھتا تو یہ کہتا کہ ان کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے کچھ اوپر ہے۔(تفسیر مظہری) اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں شک کا اظہار مقصود ہی نہیں ہے۔انہیں ایک لاکھ بھی کہا جاسکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی اور وہ اس طرح کہ اگر کسر کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان کی تعداد ایک لاکھ تھی اور اگر کسر کو بھی شمار کیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ۔اور ترمذی میں مرفوعاً آیا ہے کہ ۲۰ ہزار زیادہ تھے (بیان القرآن بحوالہ معارف القرآن جلد ہفتم)

ان آیات کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن جلد ہفتم میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ بات سورۂ یونس کی تفسیر میں بھی واضح کی جاچکی ہے اور اس آیت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر سے جو عذاب ٹلایا گیا وہ اس لئے کہ آپ کی قوم بروقت ایمان لے آئی تھی اس سے پنجاب کے جھوٹے نبی مرزا غلام قادیانی کی اس تلبیس کا خاتمہ ہوجاتا ہے کہ جب اس نے اپنے مخالفوں کو یہ چیلنج کیا کہ اگر وہ اسی طرح مخالفت کرتے رہے تو خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ فلاں وقت تک عذاب الٰہی آجائے گا۔لیکن مخالفین کی جدوجہد اور تیز ہوگئی پھر بھی عذاب نہ آیا۔تب ناکامی کی ذلت سے بچنے کے لئے قادیانی نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ مخالفین دل میں ڈر گئے ہیں اس لئے ان پر سے عذاب ٹل گیا جس طرح یونس علیہ السلام کی قوم پر سے ٹل گیا تھا۔لیکن قرآن کریم کی یہ آیت اس تاویل باطل کو مردود قرار دیتی ہے اس لئے کہ قوم یونس علیہ السلام تو ایمان کی وجہ سے عذاب سے بچی تھی اس کے برعکس مرزا قادیانی کے مخالفین نہ صرف یہ کہ اس پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کی مخالفانہ جدوجہد اور تیز ہوگئی۔(معارف القرآن جلد ہفتم صفحہ ۴۸۰-۴۸۱)

یہ واقعات انبیاء کرام علیہم السلام کے سنا کر اب اصل مقصد یعنی توحید کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور شرک کی مذمت فرمائی جاتی ہے۔جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے اس کی برکت سے حق تعالیٰ کی مدد و نصرت ہر حال میں ہمارے شامل حال ہو۔

حق تعالیٰ ہم کو اپنے مومن اور مخلص بندوں میں شامل فرماویں اور ہر حال میں ہم کو اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرماویں ہم سے جو گذشتہ میں تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر توبہ کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رحمت سے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ

سو ان لوگوں سے پوچھئے کہ کیا خدا کیلئے تو بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ (ان کے بننے کے وقت) دیکھ رہے تھے

شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ

خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً (بالکل) جھوٹے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں

عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾

بیٹیاں زیادہ پسند کیں تم کو کیا ہوگیا تم کیسا (بیہودہ) حکم لگاتے ہو پھر کیا تم (عقل اور) سوچ سے کام نہیں لیتے ہو ہاں کیا تمہارے پاس (اس پر) کوئی واضح دلیل موجود ہے

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ

سو تم اگر (اس میں) سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو اور اُن لوگوں نے اللہ میں اور جنات میں رشتہ داری قرار دی ہے اور جنات کا خود یہ عقیدہ ہے کہ

اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا

(اُن میں جو کافر ہیں وہ عذاب میں) گرفتار ہوں گے۔ اللہ اُن باتوں سے پاک ہے جو جو یہ بیان کرتے ہیں۔ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) سو تم

تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ

اور تمہارے سارے معبود خدا سے کسی کو نہیں پھیر سکتے مگر اسی کو کہ جو کہ جہنم رسید ہونے والا ہے۔ اور ہم میں سے (یعنی ملائکہ میں سے) ہر ایک کا

مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

ایک معین درجہ ہے۔ اور ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ہم پاکی بیان کرنے میں بھی لگے ہوئے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ پس پوچھیں اُن سے	اَلِرَبِّكَ کیا تیرے رب کیلئے	الْبَنَاتُ بیٹیاں	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	الْبَنُوْنَ بیٹے	اَمْ کیا	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا	
الْمَلٰٓئِكَةَ فرشتے	اِنَاثًا عورت	وَهُمْ اور وہ	شٰهِدُوْنَ دیکھ رہے تھے	اَلَا یاد رکھو	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مِنْ سے	اِفْكِهِمْ اپنی بہتان طرازی
لَيَقُوْلُوْنَ البتہ کہتے ہیں	وَلَدَ اللّٰهُ اللہ صاحب اولاد	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ	لَكٰذِبُوْنَ بالتحقیق جھوٹے	اَصْطَفَى کیا اس نے پسند کیا	الْبَنَاتِ بیٹیاں		
عَلَى الْبَنِيْنَ بیٹوں پر	مَا لَكُمْ تمہیں کیا ہوگیا	كَيْفَ کیسا	تَحْكُمُوْنَ تم فیصلہ کرتے ہو	اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تو کیا تم غور نہیں کرتے؟	اَمْ کیا		
لَكُمْ تمہارے پاس	سُلْطٰنٌ کوئی سند	مُّبِيْنٌ کھلی	فَاْتُوْا تو لے آؤ	بِكِتٰبِكُمْ اپنی کتاب	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے
وَجَعَلُوْا اور انہوں نے ٹھہرایا	بَيْنَهٗ اسکے درمیان	وَبَيْنَ اور درمیان	الْجِنَّةِ جنات	نَسَبًا ایک رشتہ	وَ اور	لَقَدْ عَلِمَتِ تحقیق جان لیا	الْجِنَّةُ جنات
اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَمُحْضَرُوْنَ حاضر کئے جائیں گے	سُبْحٰنَ اللّٰهِ پاک ہے اللہ	عَمَّا اس سے جو	يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	اِلَّا مگر		
عِبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بندے	الْمُخْلَصِيْنَ خاص کئے ہوئے (چنے ہوئے)	فَاِنَّكُمْ تو بیشک تم	وَمَا اور جو	تَعْبُدُوْنَ تم پرستش کرتے ہو			
مَآ اَنْتُمْ نہیں ہو تم	عَلَيْهِ اس کے خلاف	بِفٰتِنِيْنَ بہکانے والے	اِلَّا سوائے	مَنْ هُوَ جو۔ وہ	صَالِ جانے والا	الْجَحِيْمِ جہنم	وَمَا اور نہیں

مِنَّا ہم میں سے	اِلَّا لَہٗ مگر اس کیلئے	مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ایک معین درجہ	وَّاِنَّا اور بیشک ہم	لَنَحۡنُ البتہ ہم	الصَّآفُّوۡنَ صف بستہ ہونے والے
	وَّاِنَّا اور بیشک ہم	لَنَحۡنُ البتہ ہم	الۡمُسَبِّحُوۡنَ تسبیح کرنے والے		

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں بعض انبیاء علیہم السلام کے واقعات سنائے گئے تھے جن میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء کے ساتھ اور ان کی قوموں کے ساتھ کیا معاملہ رہا ہے۔ کس کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور وفادار بندوں کو نوازا اور کس طرح ان کے جھٹلانے والوں کو سزا دی۔ ان قصوں کے قبل شروع سورت میں توحید اور آخرت کے متعلق عقلی دلائل مذکور ہوئے تھے اور مشرکین کے عقائد پر تنقید کر کے بتلایا گیا تھا کہ وہ کیسی لغو باتوں پر ایمان لائے بیٹھے ہیں اور ان کی گمراہیوں کے برے نتائج سے انہیں آگاہ کیا گیا تھا۔ اب سورت کے خاتمہ کے قریب پھر ابطال کفر وشرک کا بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ توحید کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔

عرب کے بعض قبائل کا عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان کے اس جاہلانہ عقیدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب ان مشرکین سے پوچھا جاتا کہ فرشتے اگر خدا کی بیٹیاں ہیں تو ان کی مائیں کون ہیں۔ تو جواب میں وہ بڑے بڑے جنات کی لڑکیوں کو بتلاتے اس طرح (نعوذ باللہ) مشرکین نے خدا کا رشتہ جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا۔ اس لئے ان آیات میں دونوں یعنی جنات اور فرشتوں کا حال ذکر کیا جاتا ہے اور مشرکین عرب کے ان احمقانہ عقائد کا رد فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ اتنی بڑی عظمت اور قدرت والا خدا اپنے لئے اولاد بھی تجویز کرتا تو (معاذ اللہ) بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔ ایک تو یہ گستاخی کہ خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کی پھر اولاد بھی کمزور اور گھٹیا۔ اس پر طرہ یہ کہ فرشتوں کو مونث یعنی عورت تجویز کیا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو پیدا کیا تھا یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اس جہالت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ کچھ تو سوچو اے مشرکین عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے۔ ایک غلط عقیدہ بنانا تھا تو ایسا بالکل ہی بے تکا تو نہ ہونا چاہئے تھا یہ کونسا انصاف ہے کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرو اور خدا سے بیٹیاں پسند کراؤ۔ آخر یہ مہمل اور بے تکی بات تم نے نکالی کہاں سے۔ عقل وفہم اور علمی اصول سے تو اسے لگاؤ نہیں پھر کیا کوئی نقلی اور کتابی سند اس عقیدہ کی تم رکھتے ہو ایسا ہے تو وہی دکھلاؤ۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان احمقوں نے (معاذ اللہ) جنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا رشتہ جوڑ دیا۔ سبحان اللہ! کیا باتیں کرتے ہیں۔ ان مشرکین سے ہو سکے تو ذرا ان جنات ہی سے پوچھ آئیں کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ جنات کو معلوم ہے اور وہ اس کو خوب جانتے ہیں کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے۔ اور جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے اللہ کے چنے ہوئے بندے ہی اس پکڑ دھکڑ سے محفوظ رہیں گے تو معلوم ہوا کہ وہاں کسی کا رشتہ ناطہ نہیں صرف بندگی اور اخلاص کی پوچھ ہے عرب کے لوگ جنات کو بڑی طاقتور مخلوق مانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ جسے چاہیں ستا سکتے ہیں اور بہکا کر راستہ سے دور ہٹا سکتے ہیں۔ پھر بعض یہ بھی سمجھتے تھے کہ جنات کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ فرشتے جس کو چاہیں بھلائی پہنچائیں اور خدا کا مقرب بنا

دیں اور جنات جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں۔ ان تمام باطل عقائد کا رد فرمایا جاتا ہے اور جواب دیا جاتا ہے کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور تمہارے جھوٹے معبود خواہ وہ جنات ہوں یا شیاطین یہ سب مل کر بھی اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ بدوں مشیت ایزدی ایک متنفس کو بھی زبردستی گمراہ کر سکیں۔ گمراہ وہی ہوگا جو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے دوزخ میں بہرحال جانے والا ہی ہے یہ تو جنات کا حال ہوا۔ اب رہے فرشتے تو ان کے منہ سے سن لو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم میں سے ہر فرشتہ کی ایک حد اور درجہ مقرر ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اپنی حد سے باہر نکل سکے یا اپنے درجہ سے آگے بڑھ سکے۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ صف باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ ہر ایک اس انتظار میں رہتا ہے کہ اسے جو حکم ملے وہ پورا کرے۔ ہم سب زبان اور عمل سے اللہ کی تسبیح اور تعریف کرتے رہتے ہیں ہمارا ہر وقت کا یہی کام ہے۔ ہم کوئی کام بغیر اللہ کے حکم کے نہیں کرتے۔ تو مطلب یہ نکلا کہ جب جن اور فرشتے سب اللہ کے سامنے عاجز ہیں تو ان کا اس کی خدائی میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شرک کی قباحت اور مشرکین کی جہالت اور حماقت یہاں ظاہر کی گئی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے بارہ میں کیسے بہتان باندھتے ہیں مثلاً اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے اور بیٹیاں ناپسند کرتے حتیٰ کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے اور خدا کے لئے معاذ اللہ بیٹیاں پسند کرتے پھر فرشتوں کو مونث یعنی عورتیں قرار دیا اور خدا تعالیٰ کو معاذ اللہ صاحب اولاد قرار دیا اور جنات کو خدا تعالیٰ کے درمیان رشتہ ٹھہرایا اور ذرا نہ خیال کیا کہ کتنی بیہودہ عقل اور نقل کے خلاف بات بک رہے ہیں۔

اب آگے سورۃ کی آخری آیات میں کفار مکہ کو تنبیہ اور اہل ایمان کے لئے بشارت اور غلبہ کی پیشین گوئی فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے کفر و شرک سے بچا کر ہم کو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس انعام و احسان کی قدر شناسی کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے مخلص تابعدار بندوں میں شامل فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں کہ باطل اور نفس و شیطان کا کوئی حربہ ہم پر نہ چل سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اہل جنت میں سے ہونا مقدر فرمائیں اور اہل نار ہونے سے بچائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں کی (کتابوں کے) طور پر آتی تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾

پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے سو (خیر) اب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہوا جاتا ہے۔ اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کیلئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے۔ کہ بے شک وہی غالب کئے جاویں گے

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَا

اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے تو آپ (تسلی رکھیئے اور) تھوڑے زمانہ تک (صبر کیجئے اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی کا) خیال نہ کیجئے اور (ذرا)

بِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾

ان کو دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کیا ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں۔ سو وہ (عذاب) جب اُن کے رُوبرُو آ نازل ہوگا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی برا ہوگا (ٹل نہ سکے گا)

وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾

اور آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾

اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

وَاِنْ اور بیشک	كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ وہ کہا کرتے تھے	لَوْاَنَّ اگر ہوتی	عِنْدَنَا ہمارے پاس	ذِكْرًا کوئی نصیحت	مِّنَ سے	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگ	
لَكُنَّا ضرور ہم ہوتے	عِبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بندے	الْمُخْلَصِيْنَ خاص کئے (منتخب)	فَكَفَرُوْا پھر انہوں نے انکار کیا	بِهٖ اس کا	فَسَوْفَ تو عنقریب		
يَعْلَمُوْنَ وہ جان لیں گے	وَ اور	لَقَدْ سَبَقَتْ پہلے صادر ہو چکا ہے	كَلِمَتُنَا ہمارا وعدہ	لِعِبَادِنَا اپنے بندوں کیلئے	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں		
اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَهُمُ البتہ وہی	الْمَنْصُوْرُوْنَ فتح مند	وَاِنَّ اور بیشک	جُنْدَنَا ہمارا لشکر	لَهُمُ البتہ وہی	الْغٰلِبُوْنَ غالب	فَتَوَلَّ پس اعراض کریں
عَنْهُمْ ان سے	حَتّٰى تک	حِيْنٍ ایک وقت تک	وَاَبْصِرْهُمْ اور انہیں دیکھتے رہیں	فَسَوْفَ پس عنقریب	يُبْصِرُوْنَ وہ دیکھ لیں گے		
اَفَبِعَذَابِنَا تو کیا ہمارے عذاب کیلئے	يَسْتَعْجِلُوْنَ وہ جلدی کر رہے ہیں	فَاِذَا تو جب	نَزَلَ وہ نازل ہوگا	بِسَاحَتِهِمْ انکے میدان میں	فَسَآءَ تو بُری		
صَبَاحُ صبح	الْمُنْذَرِيْنَ جنکو ڈرایا جاچکا ہے	وَتَوَلَّ اور اعراض کریں	عَنْهُمْ ان سے	حَتّٰى تک	حِيْنٍ ایک مدت	وَاَبْصِرْ اور دیکھتے رہیں	
فَسَوْفَ پس عنقریب	يُبْصِرُوْنَ وہ دیکھ لیں گے	سُبْحٰنَ پاک ہے	رَبِّكَ تمہارا رب	رَبِّ الْعِزَّةِ عزت والا رب	عَمَّا اس سے جو		
يَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	وَسَلٰمٌ اور سلام	عَلَى پر	الْمُرْسَلِيْنَ رسولوں	وَالْحَمْدُ اور تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا رب	

تفسیر وتشریح: یہ سورۂ والصّٰفّٰت کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ میں کفار ومشرکین کے کفریات اور ان کے باطل عقائد کا رد فرمایا گیا تھا۔ اب خاتمہ پر مشرکین عرب کی مذمت ایک دوسرے طریقہ سے فرمائی جاتی ہے اور انہیں تنبیہ کی جاتی ہے ساتھ ہی

23 ان اہل ایمان کے لئے جو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور حمایت میں ہر طرح کے مصائب برداشت کر رہے تھے اور مخالفین اسلام کے غلبہ کے باعث نہایت سخت حالات کا مقابلہ کر رہے تھے انہیں بشارت اور خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ جن مصائب سے انہیں سابقہ پڑ رہا ہے ان پر گھبرائیں نہیں آخر کار غلبہ انہی کو نصیب ہوگا اور باطل کے وہ علمبردار جو اس وقت غالب نظر آ رہے ہیں انہی کے ہاتھوں مغلوب اور مفتوح ہو کر رہیں گے۔ اس طرح ان کی تسلی فرمائی گئی اور ان کے دل مضبوط کئے گئے خاتمہ سورت پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت اور اس کی ذات پاک کا تمام عیوب و نقائص سے پاک و مبرا ہونا بیان فرما کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مشرکین عرب جب یہود و نصاریٰ کے منہ سے پہلے انبیاء کا حال سنتے تو کہتے کہ کاش ہمارے پاس بھی کوئی نبی اللہ کی کتاب لے کر آیا ہوتا تو ہم خوب اس پر عمل کرتے اور اللہ کے پسندیدہ بندوں میں ہوتے۔ مشرکین کے اس قول و اقرار کا ذکر سورۂ انعام آٹھویں پارہ میں بھی آیا ہے جہاں ان کا قول اس طرح نقل فرمایا گیا ہے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم ان سے بھی یعنی یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر راہ پر ہوتے اور سورۂ فاطر ۲۲ ویں پارہ میں بھی ان کے اس اقرار کا ذکر فرمایا گیا کہ ان کفار نے اللہ کی بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو ہم ہر امت سے بڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ ان خاتمہ کی آیات میں بھی کفار مکہ کو ان کا یہ قول و قرار یاد دلایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ کوئی نبی اگر ہم میں پیدا ہوا ہوتا اور اس پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی تو یقیناً ہم تصدیق کرنے والوں میں ہوتے اور اس پر خوب عمل کر کے دکھلاتے اور اطاعت الٰہی میں ترقی کر کے اللہ کے مخصوص اور منتخب بندوں میں شامل ہو جاتے تو اب جبکہ ان کی تمنا کے مطابق رسول اور صاحب کتاب و شریعت رسول ان کی قوم میں آ گئے تو یہ اپنے سب پچھلے قول و قرار بھول بیٹھے اور تکذیب و انکار میں پچھلی قوموں سے بھی بازی لے گئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید ان کے پاس آئے تو ان کے منکر ہو گئے۔ اب اس انکار اور انحراف کا نتیجہ ان کو عنقریب معلوم ہو جاوے گا اور جو ان کا انجام ہونے والا ہے یہ عنقریب دیکھ لیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں اور آخری فتح و کامیابی مخلص بندوں ہی کے لئے ہے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تسلی رکھئے اور تھوڑے زمانہ تک صبر کیجئے اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی کا خیال نہ کیجئے اور ان کا حال دیکھتے رہئے اور یہ اپنا انجام بھی عنقریب دیکھ لیں گے۔ چنانچہ الحمد للہ مشرکین نے دیکھ لیا کہ یہ بات جس طرح فرمائی گئی تھی اسی طرح پوری ہوئی ان آیات کے نزول پر چند ہی سال گزرے تھے کہ کفار مکہ نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کا فاتحانہ داخلہ اپنے شہر میں دیکھ لیا اور پھر اس کے چند سال بعد انہی لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اسلام نہ صرف عرب پر بلکہ روم اور ایران وغیرہ جیسی عظیم سلطنتوں پر بھی غالب آ گیا۔ تو یہاں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ اہل ایمان کو تسلی فرمائی گئی اور **ابصرھم فسوف یبصرون** فرمایا یعنی آپ ان مشرکین کا حال دیکھتے رہئے اور عنقریب اپنا انجام یہ بھی دیکھ لیں گے تو شاید اس کو سن کر کافروں نے کہا ہو کہ پھر دیر کیا ہے ہم کو ہمارا انجام جلدی دکھلاؤ اس کے

متعلق آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار اللہ کے عذاب کا کیا تقاضہ کر رہے ہیں اور اس کے آنے کی کیا جلدی مچا رہے ہیں۔ جب وہ آئے گا تو وہ بہت برا وقت ہوگا اور عذاب الٰہی اس طرح آئے گا جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہوا ہو اور صبح کے وقت یکا یک میدان میں اتر کر چھاپہ مار جائے۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ تھوڑا زمانہ صبر کیجئے اور منتظر رہئے عنقریب یہ کفار بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ اس بشارت کے بعد سورت کے خاتمہ پر بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک اور تمام محاسن و کمالات کی جامع ہے اور حق تعالیٰ پاک اور منزہ ہیں ان تمام لغویات اور خرافات سے جو اہل کفر و شرک اس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں اس کا سلام و رحمتیں و برکتیں اس کے رسولوں پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اور حق تعالیٰ جن بندوں پر سلام بھیجیں ان کی عظمت اور ان کا واجب الاتباع ہونا بالکل ظاہر ہے اخیر میں وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا کہ تمام تر خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں۔ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

اس سورۃ کی خاتمہ کی تین آیات یعنی سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ان تین مختصر آیات میں سورۃ کے جملہ مضامین کو بڑی خوبی سے سمیٹ دیا گیا ہے۔ سورۃ کی ابتدا توحید کے بیان سے ہوئی تھی جس کا حاصل یہ تھا کہ مشرکین جو جو باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ ان سب سے پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ پہلی آیت سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد سورۃ میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے تھے۔ چنانچہ دوسری آیت وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد نہایت وضاحت سے کھول کھول کر کفار و مشرکین کے عقائد اور ان کے شبہات و اعتراضات کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل ٹھہرایا گیا اور یہ پیشین گوئی فرمائی گئی کہ غلبہ بالآخر اہل حق ہی کو حاصل ہوگا اور جو انسان بھی عقل و فہم سے کام لے گا وہ بالآخر حق تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مجبور ہوگا چنانچہ اسی حمد و ثنا یعنی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

ان خاتمہ کی آیت سے یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ ایک مومن کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ہر مضمون ہر خطاب اور مجلس کا خاتمہ باری تعالیٰ کی کبریائی اور بزرگی اور اس کی حمد و ثنا پر کرے۔ چنانچہ حدیث میں ان خاتمہ کی تین آیات یعنی سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کو بعد نماز اور ختم مجلس پڑھنے کی فضیلت آئی ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار سنا کہ آپ نماز ختم ہونے کے بعد یہ تین آیات تلاوت فرماتے تھے اور حضرت علیؓ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن اسے بھرپور پیمانے سے اجر و ثواب ملے اسے چاہئے کہ وہ اپنی ہر مجلس کے اخیر میں یہ پڑھا کرے یعنی سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الحمد للہ کہ اس درس پر سورۂ صٰفّٰت مکیہ کا بیان ختم ہوا جس میں ۵ رکوع تھے۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے جیسی تائید و حمایت ابتدا میں اسلام کی فرمائی اب بھی اپنی رحمت سے ایسی ہی تائید و حمایت فرمائیں اور اسلام کو غلبہ اور نصرت عطا فرمائیں۔ اور مخالفین اسلام کو ذلت و خواری نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲

صٓ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پُر ہے بلکہ یہ کفار (ہی) تعصب اور (حق) کی مخالفت میں ہیں۔

صٓ صاد	وَالْقُرْاٰنِ قرآن کی قسم	ذِی الذِّکْرِ نصیحت دینے والا	بَلْ بلکہ	الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	فِیْ عِزَّۃٍ گھمنڈ میں	وَشِقَاقٍ اور مخالفت	

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب ۲۳ ویں پارہ کی سورۂ ص کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ زیر تفسیر دو ابتدائی آیات تشریح سے پہلے اس سورۃ کا مقام نزول وجہ تسمیہ خلاصہ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ حسب معمول بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات میں سے حرف ص سے ہوئی ہے۔ اس لئے بطور علامت کے اس سورۃ کا یہی نام قرار دے دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ ۳۸ ویں سورت ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار انسٹھ ہے یعنی ۵۸ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور پھر ۵۵ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورت میں ۸۸ آیات ۵ رکوعات ۷۳۸ کلمات اور ۳۱۰۷ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے مثل دوسری مکی سورتوں کے اس میں بھی عقائد سے متعلق مضمون بیان فرمایا گیا ہے خصوصاً زیادہ تر مضمون متعلق رسالت کے ہے کیونکہ جس زمانہ میں یہ سورت نازل ہوئی اس وقت کفار مکہ اور سرداران قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذا دہی اور مخالفت پر کمر باندھ رکھی تھی تا کہ آپ کسی طرح تبلیغ دین کو چھوڑ دیں اس لئے سورۃ کی ابتدا میں قرآن کریم کے نصیحت والی کتاب ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کفار کو ان کی ہٹ دھرمی پر اللہ عزوجل کے غضب سے ڈرایا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ جو لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں اور کفر وانکار پر اصرار کر رہے ہیں اس کا انجام خود ان کے حق میں برا ہوگا کیونکہ جب فیصلہ کا وقت آ جاتا ہے تو پھر نجات کی راہ باقی نہیں رہتی۔ پہلے بھی جن قوموں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ برباد ہوگئیں۔ اس بات کے ثبوت کے طور پر اجمالی طور سے قوم نوح عاد وثمود وغیرہ کا ذکر فرمایا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے تسلی دی گئی کہ یہ نادان لوگ ہیں۔ ان کی جہالت کی باتوں کو صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کریں اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر سنایا گیا کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور ان کے مخالفوں پر انہیں فتح دی اور وہ سارے ملک کے بادشاہ ہوئے اس کے بعد ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام بھی بادشاہ ہوئے اور اللہ کے حکموں کی تعمیل کرتے رہے۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے انہوں نے مصیبت میں بڑے صبر سے کام لیا اور اللہ سے آس نہ توڑی آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی اور دنیا میں بھی خوش حالی عطا فرمائی اور آخرت میں بھی اپنی رحمت سے سرفراز کرے گا۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ذکر سے منکرین قرآن کو جتلایا گیا کہ وہ اپنی جاہ ودولت اور دنیوی شان وشوکت کے لحاظ سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اقتدار کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں مگر اتنے زبردست اقتدار اور شان وشوکت کے باوجود حضرت داؤد اور

حضرت سلیمانؑ ہر وقت اور ہر قدم پر اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے خدا کے شکر گزار بندے تھے دنیاوی جاہ وحشمت نے ان کو اللہ سے غافل نہیں بنایا پے در پے نو پیغمبروں کا ذکر کر کے فرمانبردار بندوں اور نافرمانبردار سرکش بندوں کے اس انجام کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو وہ عالم آخرت میں دیکھنے والے ہیں۔ دوزخیوں کا حال اور جنتیوں کی کیفیت بڑے پر اثر انداز سے بیان کی گئی ہے۔ اخیر میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا ذکر فرمایا گیا ہے جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ابلیس اور حضرت آدمؑ کے درمیان ازلی عداوت ہے۔ خدا نے جو مرتبہ آدم علیہ السلام کو دیا تھا اس پر ابلیس نے حسد کیا اور حکم خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کر کے لعنت کا مستحق ہوا اسی طرح جو لوگ حق سے کفر وانکار کی سرگرمیاں کر رہے ہیں وہ دراصل ابلیس کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور ابلیس جس طرح مردود بارگاہ ہوا اسی طرح منکرین بھی اپنے حق میں مردود بارگاہ ہونے کی راہ ہموار کر رہے ہیں اس کے برخلاف جو لوگ قرآن کو اپنا رہنما بنا رہے ہیں وہ آدمیت اور انسانیت کی راہ ہے گویا قرآن کی مخالفت سے انسان آدمیت سے نکل کر ابلیسیت کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ شیطان کے ہتھکنڈوں اور چالوں سے بچو رسول کی نصیحت مانو اگر اسے نہ سنا اور نہ مانا تو پھر بری طرح پچھتاؤ گے یہ ہے خلاصہ مضامین اس پوری سورت کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اس سورت کی ابتدائی آیات کے سبب نزول کے متعلق لکھا ہے کہ جب ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے والد بیمار ہوئے اور قریش کے سرداروں نے محسوس کیا کہ اب یہ ان کا آخری وقت ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ چل کر ابوطالب سے بات کرنی چاہئے وہ ہمارا اور اپنے بھتیجے کا جھگڑا چکا جائیں تو اچھا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا انتقال ہو جائے اور ان کے بعد ہم ان کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کوئی سخت معاملہ کریں تو عرب کے لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ جب تک ابو طالب زندہ تھے یہ لوگ ان کا لحاظ کرتے رہے اب ان کے مرنے کے بعد ان لوگوں نے ان کے بھتیجے پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اس رائے پر متفق ہو کر تقریباً ۲۵ سرداران قریش جن میں ابوجہل' ابوسفیان' امیہ بن خلف' عاص بن وائل' اسود بن مطلب' عقبہ' عتبہ' شیبہ شامل تھے ابو طالب کے پاس پہنچے ان سرداران قریش نے پہلے تو حسب معمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی شکایات بیان کیں پھر کہا کہ ہم آپ کے سامنے ایک انصاف کی بات پیش کرنے آئے ہیں۔ آپ کا بھتیجا ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دے اور ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑے دیتے ہیں۔ وہ جس معبود کی عبادت کرنا چاہیں کریں مگر وہ ہمارے معبودوں کی برائی اور مذمت نہ کریں اور یہ کوشش نہ کریں کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اس شرط پر آپ ہم سے ان کی صلح کرا دیں۔ ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا کہ بھتیجے یہ تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے ہیں ان کی خواہش ہے کہ تم ایک منصفانہ بات پر ان سے اتفاق کر لو تاکہ تمہارا اور ان کا جھگڑا ختم ہو جائے۔ پھر انہوں نے وہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی جو سرداران قریش نے ان سے کہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا چچا جان میں تو ان کے سامنے ایک ایسا کلمہ پیش کرتا ہوں جسے اگر یہ مان لیں تو تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کا باج گزار ہو جائے سرداران قریش بولے بتاؤ کہ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر

وہ سب یکبارگی ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ باتیں کرتے ہوئے وہاں سے چل دیئے جو اس سورۃ کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہیں۔ اس شان نزول کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔

سورۃ کی ابتداء ص جو حروف مقطعات میں سے ہے فرمائی گئی۔ حروف مقطعات کے متعلق پہلے کئی جگہ کہا جا چکا ہے کہ اس کے حقیقی معنیٰ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا اس کے بعد کلام کی ابتدا قرآن کی قسم سے فرمائی گئی قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ایمان و عقائد کے بہت سے اصولی مسائل کی تاکید کیلئے مختلف طرح کی قسم کھائی ہے کبھی اپنی ذات پاک کی کبھی اپنی مخلوقات میں سے خاص خاص اشیاء کی تو حق تعالیٰ کو تو کوئی ضرورت قسم کھانے کی نہ تھی مگر جس طرح دنیا میں جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ دعوے پر شہادت پیش کی جائے۔ شہادت نہ ہو تو قسم کھائی جائے اسی طرح حق تعالیٰ نے انسانوں کے اس مانوس طریقہ کو اختیار فرمایا ہے اور کہیں تو شہادت کے الفاظ سے کسی مضمون کی تاکید فرمائی اور کہیں قسم کے الفاظ سے باقی یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی قسم عام مخلوق کی قسم کی طرح نہیں ہو سکتی۔

(بہشتی زیور) انسانوں کے لئے تو خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی قسم کھانا شرک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنی مخلوقات میں جس چیز کی چاہے قسم کھا لے۔ الغرض تاکید کے لئے کلام کی ابتدا قرآن کریم کی قسم سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ عظیم الشان اور عالی مرتبہ قرآن جو عمدہ نصیحتوں سے پر اور نہایت موثر طرز میں لوگوں کو ہدایت اور معرفت کی باتیں سمجھانے والا ہے آواز بلند شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ قرآنی صداقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ قرآن کی تعلیم یا تفہیم میں کچھ قصور ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں معاذ اللہ کوئی کمی ہے بلکہ ان منکرین کے انکار اور انحراف کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی شیخی جاہلانہ غرور و نخوت اور معاندانہ مخالفت کے جذبات میں پھنسے ہوئے ہیں یہ اس دلدل سے نکلیں تو حق و صداقت کی راہ صاف نظر آئے۔

معلوم ہوا کہ جب تک انسان تکبر اور ضد سے کام لے گا حق تعالیٰ کو کبھی نہیں پا سکتا اور کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ ابھی ان کفار منکرین ہی کے متعلق مضمون اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قرآن پاک کی ہدایت اور نور سے ہمارے دلوں کو معمور فرمائیں اور اس کی تعلیمات و نصائح سے ہم کو پوری طرح فیض یاب فرمائیں۔ تعصب اور ضد جو کافرانہ خصلتیں ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔ اور قرآن پاک نے جو راستہ دکھلایا ہے اس پر ہم کو چلنے اور اس پر مستقیم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ ہمیں دنیا میں قرآن پاک کا متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمایئے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ

ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں نے (ہلاکت کے وقت) بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُن (ہی)

مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾

میں سے ایک ڈرانیوالا آ گیا۔ اور کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر اور (دعویٰ نبوت میں) جھوٹا ہے (اور) کیا (یہ شخص سچا ہو سکتا ہے کہ) اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔ واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا

اور ان کفار میں کے رئیس یہ کہتے ہوئے چلے کہ (یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت پر) قائم رہو یہ کوئی مطلب کی بات ہے ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں نہیں سنی

فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ

ہو نہ ہو یہ گھڑت ہے کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا بلکہ یہ لوگ (خود) میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں

مِّنْ ذِكْرِیْ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾

بلکہ انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا

كَمْ کتنی ہی	اَهْلَكْنَا ہم نے ہلاک کر دیں	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	مِّنْ قَرْنٍ امتیں	فَنَادَوْا تو وہ فریاد کرنے لگے	وَّلَاتَ اور نہ تھا	حِیْنَ وقت			
مَنَاصٍ چھٹکارا	وَعَجِبُوْٓا اور انہوں نے تعجب کیا	اَنْ کہ	جَآءَهُمْ ان کے پاس آیا	مُّنْذِرٌ ایک ڈرانے والا	مِّنْهُمْ ان میں سے	وَقَالَ اور کہا			
الْكٰفِرُوْنَ کافر	هٰذَا سٰحِرٌ یہ جادوگر	كَذَّابٌ جھوٹا	اَجَعَلَ کیا اس نے بنا دیا	الْاٰلِهَةَ معبود	اِلٰهًا معبود	وَّاحِدًا ایک	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ		
لَشَیْءٌ ایک شے (بات)	عُجَابٌ بڑی عجیب	وَانْطَلَقَ اور چل پڑے	الْمَلَاُ سردار	مِنْهُمْ ان کے	اَنِ کہ	امْشُوْا چلو	وَ اور	اصْبِرُوْا جمے رہو	
عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ اپنے معبودوں پر	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ	لَشَیْءٌ کوئی شے (بات)	یُّرَادُ ارادہ کی ہوئی (مطلب کی)	مَا سَمِعْنَا ہم نے نہیں سنا	بِهٰذَا ایسی				
فِیْ میں	الْمِلَّةِ مذہب	الْاٰخِرَةِ پچھلا	اِنْ نہیں	هٰذَا یہ	اِلَّا مگر محض	اخْتِلَاقٌ من گھڑت	ءَاُنْزِلَ کیا نازل کیا گیا	عَلَیْهِ اس پر	الذِّكْرُ ذکر (کلام)
مِنْۢ بَیْنِنَا ہم میں سے	بَلْ بلکہ	هُمْ وہ	فِیْ شَكٍّ شک میں	مِّنْ ذِكْرِیْ میری نصیحت سے	بَلْ بلکہ	لَمَّا نہیں	یَذُوْقُوْا چکھا انہوں نے	عَذَابِ میرا عذاب	

تفسیر و تشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ قرآن تو اپنی ذات میں نہایت عظیم الشان عالی مرتبہ وعظ و نصیحت سے پر اور عزت و عظمت والا ہے اس کے باوجود جو کافر اس کا انکار اور اس سے انحراف کر رہے ہیں اس کی وجہ محض ان لوگوں کی ضد عناد ہٹ دھرمی اور تکبر ہے اب ان آیات میں ان ہی متکبر منکرین کو سنایا جا رہا ہے کہ ان کو معلوم رہنا چاہئے کہ اسی غرور اور تکبر کی بدولت۔ اللہ کے رسولوں سے مقابلہ اور مخالفت ٹھان کر بہت امتیں اور جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ لوگ بھی مدتوں خدا کے پیغمبروں سے لڑتے رہے پھر جب ان کی پکڑ کا وقت آ گیا اور عذاب الٰہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر ہائے واویلا اور شور و غل مچانے لگے۔ مگر اس وقت فریاد کرنے اور ہائے پکار سے کیا بنتا ہے؟ اس وقت کی چیخ و پکار بیکار

تھی۔عذاب سے بچ کر بھاگنے کا وقت ہی نہ رہا تھا اور رہائی اور خلاصی کا موقع گزر چکا تھا۔آگے بتلایا گیا کہ ان کفار قریش نے اس بات پر تعجب کیا اور ان کو یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ ایک پیغمبر ان ہی کی جنس ان ہی کی قوم اور ان ہی کی برادری میں سے ان کو خبردار کرنے کے لئے مقرر کیا گیا حالانکہ عجیب بات اگر ہوتی تو یہ ہوتی کہ انسانوں کو خبردار کرنے کے لئے کوئی مخلوق آسمان سے بھیج دی جاتی یا ان کے درمیان اچانک ایک اجنبی کہیں باہر سے آ کھڑا ہوتا اور نبوت کا اعلان کرتا تو اس صورت میں تو بلاشبہ ان کو تعجب ہوسکتا تھا۔پھر ان کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ کا رسول ہونے ہی پر تعجب نہیں بلکہ یہ کافر تو یہ کہتے ہیں کہ یہ (نعوذ باللہ) کوئی جادوگر ہیں کہ جو اپنے دل سے کچھ باتیں گھڑ لی ہیں اور اللہ کے رسول بن بیٹھے ہیں اور لوگوں کو جادو اور منتر کے زور سے اپنے قابو میں لے آتے ہیں اور یہ کفاریوں کہتے ہیں کہ کیا غضب کی بات ہے کہ ہمارے سارے دیوتاؤں اور معبودوں کے بدلے فقط ایک خدا کو ماننے کو کہتے ہیں یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ سارے جہان کا انتظام فقط ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے اور جن دیوتاؤں کی بندگی قرنوں اور پشتوں سے ہوتی چلی آئی ہے وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے گویا ہمارے باپ دادا سب نرے جاہل اور بیوقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ان آیات کے شان نزول میں گذشتہ درس میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس سرداران قریش جمع ہوئے اور ابوطالب سے شکایت کی کہ یہ آپ کے بھتیجے ہماری اور ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہیں اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں آپ ان کو سمجھایئے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا میں تو صرف ان سے ایک کلمہ چاہتا ہوں اور وہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ سرداران قریش یہ سن کر طیش میں آ کر کھڑے ہوگئے تو کہنے لگے کہ ہم اپنے سارے جانے بوجھے پرانے معبودوں کو چھوڑ کر بس ان کے کہنے سے ایک خدا کو مان لیں۔چلو جی یہاں سے یہ کبھی اپنے منصوبہ سے باز نہ آئیں گے۔یہ تو ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت وحمایت پر جمے رہو۔یہ تو ہم سب پر اپنا حکم چلانا چاہتے ہیں اور ہم سب کا بڑا بن کر رہنا چاہتے ہیں۔یہی ان کا مطلب ہے جو بات یہ کہتے ہیں ہم نے تو یہ بات اپنے پچھلے مذہب میں کبھی سنی نہیں۔یہ انہوں نے اپنے دل سے ایک بے اصل بات گھڑی ہے جو بالکل انوکھی ہے (العیاذ باللہ) ہم ان کی من گھڑت بات کیسے مان لیں اور اگر خیر فرض بھی کر لیں کہ یہ جو کچھ سنا رہے ہیں یہ اللہ کا کلام ہے تو یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے انہی کا انتخاب ہوا۔کیا سارے ملک اور قوم میں بس یہی اس منصب کے لئے رہ گئے تھے۔ان کو کیا فوقیت اور فضیلت حاصل تھی کہ جو انہی کو نبوت ملی۔کیا کوئی بڑا رئیس مالدار خدا کو نہ ملتا تھا جس پر اپنا کلام نازل کرتا (معاذ اللہ) کفار کی اس تمام بکواس اور خرافات کے جواب میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی یہ خرافات کچھ نہیں۔بات حقیقت میں یہ ہے کہ ابھی ان کو ہماری نصیحت کے متعلق دھوکہ لگا ہوا ہے۔وہ یقین نہیں رکھتے کہ جس خوفناک مستقبل سے آگاہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور پیش آ کر رہے گا کیونکہ ابھی تک انہوں نے خدائی مار کا مزہ نہیں چھکا۔جس وقت خدائی مار پڑے گی اور عذاب کا کوڑا برسے گا اس وقت سارے شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔

اب غور کیجئے کہ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے ۴۰ سال اپنی عمر مبارک کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اپنی

قوم کے درمیان گزار دے۔اس وقت تک آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بامروت سب سے زیادہ خلیق سب سے زیادہ ہمسایوں کے خبر گیران۔ سب سے زیادہ حلیم اور بردبار سب سے زیادہ سچے اور امانت دار سب سے زیادہ خصومت اور دشنام اور فحش اور ہر بری بات سے زیادہ دور تھے اسی وجہ سے آپ کی قوم نے آپ کا لقب امین رکھا تھا (سیرۃ مصطفیٰ جلد اول) بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی تو خانہ کعبہ کی دیواریں مرور زمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکی تھیں تو قریش اس بات پر متفق ہوئے کہ بیت اللہ کو منہدم کر کے از سر نو بنایا جائے چنانچہ جب تعمیر مکمل ہوگئی اور حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو قبائل قریش میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔تلواریں کھنچ گئیں اور لوگ جنگ وجدال اور قتل وقتال پر آمادہ ہو گئے جب چار پانچ روز اسی طرح گزر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی تو ابو امیہ بن مغیرہ جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھا اس نے یہ رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے میں داخل ہو اسی کو اپنا حکم بنا کر فیصلہ کرالو۔سب نے اس رائے کو پسند کیا صبح ہوئی اور تمام لوگ حرم میں پہنچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔آپ کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے **ھذا محمد الامین . رضینا ھذا محمد** (یہ محمد امین ہیں ہم ان کے حکم بنانے پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں)۔

آپ نے ایک چادر منگائی اور حجر اسود کو اس میں رکھ کر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار اس چادر کو تھام لے تا کہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے۔اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اٹھائی جب سب کے سب اسی چادر کو اٹھائے اس جگہ پہنچے جہاں اس کو رکھنا تھا تو آپ بنفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا اور اس طرح یہ اختلاف اور قضیہ طے ہوا تو اعلان نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عزت وحرمت قبائل قریش اور اہل مکہ میں تھی۔ جب آپ چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز فرمائے گئے تو تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے تین سال کے بعد جب یہ حکم نازل ہوا کہ علی الاعلان اسلام کی طرف بلائیں تو آپ ایک دن کوہ صفا پر چڑھے اور قبائل قریش کو نام بنام پکارا جب سب جمع ہو گئے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے۔تو اس وقت بھی سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بے شک ہم نے تو آپ سے سوائے صدق اور سچائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔تو بتلانا یہاں یہ مقصود ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو صرف اسلام کی دعوت دیتے رہے اس وقت تک قریش نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔لیکن جب علی الاعلان بت پرستی کی برائی بیان کرنا شروع کی اور کفر وشرک سے روکنا شروع کیا تب قریش عداوت اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔اور ضد اور عناد اور ہٹ دھرمی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ایسے اتہامات اور الزامات رکھنے لگے کہ کبھی آپ کو معاذ اللہ ساحر کہتے کبھی شاعر کہتے کبھی کاہن کہتے کبھی دیوانہ اور مجنون کہتے اور آپ کی دشمنی عداوت اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور جیسا کہ یہاں ان آیات میں بتلایا گیا معاذ اللہ کفار عداوت میں آپ کو ساحر کذاب کہنے لگے۔کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت بڑا

جھوٹا (العیاذ باللہ تعالیٰ) اب اس وقت کو ذرا ذہن میں لائیے کہ ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قوم کو دین و دنیا کی صلاح و فلاح کے لئے اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے ان کی خیر خواہی میں دن رات کوشاں ہیں۔ دوسری طرف قوم کے افراد آپ کو ساحر کذاب کے لقب سے یاد کرتے ہیں تو کفار کے ان اتہامات اور الزامات سے آپ کو کس قدر قلبی اور ذہنی اذیت پہنچتی ہوگی اور آپ کو کتنا حزن و ملال ہوتا ہوگا جس کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے بار بار تسلی کا مضمون اور صبر کی تلقین فرمائی جاتی۔ چنانچہ اسی سورۃ میں چند آیات آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا اصبر علیٰ مایقولون. اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے۔ اب یہاں ایک فلسفہ قدرت اور حکمت خداوندی کا یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے جس طرح نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بلندی کے مقابلہ میں پستی کو پیدا فرمایا اسی طرح خیر کے مقابلہ میں شر اور ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت کو اور ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین کو پیدا فرمایا کہ حق و باطل کا مقابلہ اور معرکہ دنیا میں جاری رہے اور لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی ایک جانب کو قبول کریں۔ یہ نہ ہو کہ کسی ایک جانب کے قبول کرنے میں مجبور ہو جائیں اگر فقط حق اور اہل حق کو پیدا کیا جاتا اور باطل بالکل نیست و نابود ہوتا تو لوگ حق کے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے جو سراسر حکمت خداوندی کے خلاف ہے۔ شریعت اسلامیہ کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ لوگ جبراً وقہراً اسلام لائیں۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے جب حضرات انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا تو ان کے مقابلہ کے لئے شیاطین الانس والجن کو بھی پیدا فرمایا تا کہ دنیا حق اور باطل کا معرکہ اور ہدایت و گمراہی کی جنگ اور مقابلہ کو خوب دیکھ لے اور پھر اپنے ارادے اور اختیار سے حق اور باطل میں سے جس جانب کو چاہے قبول کرے۔ یہ دنیا دار ابتلا اور امتحان ہے اور بعثت انبیاء سے مقصود یہی ہے کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں۔ اور جو تصدیق و ایمان اپنے ارادہ سے ہو شریعت میں اسی کا اعتبار ہے اور عنداللہ وہی مطلوب ہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر کفار و مشرکین محض ضد و عناد سے جو الزامات و اتہامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگا کر آپ کی دعوت حق کو رد کرنے کی فکر اور کوشش میں رہتے تو کفار کے اقوال کا ایک جواب تو ان آیات میں دیا گیا آگے ایک دوسرے طرز پر جواب دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جب اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے تو ہم کو اس نعمت کی قدر شناسی کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور اس قرآن پاک کی ہدایات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کامل اتباع نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور ہر طرح کی کج روی اور گمراہی سے اپنی حفاظت میں رکھیں۔ حق کا اتباع اور باطل سے گریز نصیب فرمائیں اور اپنے ہر طرح کے چھوٹے بڑے عذاب سے دین و دنیا میں محفوظ و مامون فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

کیاان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں یا کیاان کو آسمان وزمین اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں ان کا اختیار حاصل ہے

فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ

(اگر اختیار ہے) تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھ جاویں۔ اس مقام پر ان لوگوں کی یونہی ایک بھیڑ ہے منجملہ گروہوں کے جو شکست دیئے جاویں گے ان سے پہلے بھی قوم نوح

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِنْ

اور عاد اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے اور ثمود نے اور قوم لوطؑ نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی۔ وہ گروہ یہی لوگ ہیں

كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنظُرُ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن

ان سب نے صرف رسُولوں کو جھٹلایا تھا سو میرا عذاب (ان پر) واقع ہوگیا اور یہ لوگ بس ایک زور کی چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی

فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارا حصہ ہم کو روز حساب سے پہلے دے دے۔

اَمْ کیا	عِنْدَهُمْ اُن کے پاس	خَزَآئِنُ خزانے	رَحْمَةِ رَبِّكَ تمہارے رب کی رحمت	الْعَزِيزِ غالب	الْوَهَّابِ بہت عطا کرنیوالا	اَمْ لَهُمْ کیاان کیلئے	
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ بادشاہت آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	فَلْيَرْتَقُوا تو وہ چڑھ جائیں				
فِي الْاَسْبَابِ رسیوں میں (رسیاں تان کر)	جُندٌ ایک لشکر	مَا جو	هُنَالِكَ یہاں	مَهْزُومٌ شکست خوردہ	مِنَ الْاَحْزَابِ گروہوں میں سے	كَذَّبَتْ جھٹلایا	
قَبْلَهُمْ ان سے پہلے	قَوْمُ قوم	نُوحٍ نوح	وَعَادٌ اور عاد	وَفِرْعَوْنُ اور فرعون	ذُو الْاَوْتَادِ میخوں والا	وَثَمُودُ اور ثمود	وَقَوْمُ لُوطٍ اور قوم لوط
وَ اور	اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ایکہ والے	اُولٰٓئِكَ یہی وہ	الْاَحْزَابُ گروہ	اِنْ نہیں	كُلٌّ سب	اِلَّا مگر	كَذَّبَ جھٹلایا
الرُّسُلَ رسولوں	فَحَقَّ پس آپڑا	عِقَابِ عذاب	وَمَا يَنظُرُ اور وہ انتظار نہیں کرتے	هٰٓؤُلَآءِ یہ لوگ	اِلَّا مگر	صَيْحَةً چنگھاڑ	وَاحِدَةً ایک
مَا لَهَا جس کیلئے نہیں	مِنْ کوئی	فَوَاقٍ ڈھیل	وَقَالُوا اور انہوں نے کہا	رَبَّنَا اے ہمارے رب	عَجِّلْ جلدی دے	لَنَا ہمیں	قِطَّنَا ہمارا حصہ
قَبْلَ پہلے	يَوْمِ الْحِسَابِ روزِ حساب						

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار مکہ کے بعض کافرانہ اقوال اور ان کے اعتراضات نقل فرمائے گئے تھے جو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے دعوے میں ساحر اور کذاب کہتے۔ کبھی یہ الزامات لگاتے کہ اس تبلیغ دین سے آپ کا مقصد اپنی جاہ وحکومت قائم کرنا ہے۔ کبھی یہ اعتراض کرتے کہ خدا کو سوائے ان کے اور کوئی شخص نبی بنانے کے لئے نہ ملا۔ کفار کی ان خرافات کا ایک جواب تو گذشتہ آیات میں دیا گیا تھا کہ یہ جو بکواس کر رہے ہیں اور الزامات اور اتہامات لگا رہے ہیں یہ اس لئے ہیں کہ ابھی انہوں نے خدائی مار کا مزہ نہیں چکھا۔ جس وقت خدائی مار پڑے گی تو عقل ٹھکانے آ جائے گی اور یہ تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔ دوسرا جواب ان آیات میں دیا جا رہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ رحمت کے خزانے اور آسمان وزمین کی حکومت سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہی زبردست اور بڑی بخشش والا ہے جس پر جو انعام چاہے کرے۔

کون روک سکتا ہے یا نکتہ چینی کرسکتا ہے اگر وہ اپنی حکمت و دانائی سے کسی کو منصب نبوت و رسالت پر سرفراز فرماتا ہے تو یہ کفار منکرین دخل دینے والے کون ہیں کہ جو یہ کہیں کہ فلاں پر تو یہ مہربانی فرمائی اور ہم پر نہ فرمائی۔ کیا اللہ کی رحمت کے خزانوں اور زمین و آسمانوں کی حکومت کے یہ مالک و مختار ہیں جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے ہیں۔ اگر ہیں تو اپنے تمام اسباب و وسائل کو کام میں لے آئیں اور رسیاں تان کر یا سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں تا کہ وہاں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا آنا بند کرسکیں اور اپنی مرضی اور منشاء کے موافق آسمان اور زمین کے انتظام انجام دے سکیں۔ اگر اتنا نہیں کر سکتے تو آسمان اور زمین کی حکومت اور خزائن رحمت کی مالکیت کا دعویٰ عبث ہے۔ پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا بجز بے حیائی اور جنون کے اور کیا ہوگا۔

آگے بتایا جاتا ہے کہ زمین و آسمان کی حکومت اور خزانوں کے مالک تو یہ بیچارے کیا ہوتے چند شکست خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح تباہ و برباد ہوتی نظر آتی ہے (چنانچہ یہ منظر "بدر" سے لے کر "فتح مکہ" تک لوگوں نے دیکھ لیا) ان کفار مکہ اور مشرکین عرب سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے جس کی سلطنت کے کھونٹے گڑے ہوئے تھے یعنی بہت زور قوت اور لاؤ لشکر والا تھا اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور اصحاب ایکہ نے جن کے قصے متعدد جگہ آچکے ہیں ان سب نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تھی پھر ان کی کیسی پکڑ ہوئی بڑی بڑی طاقتور فوجیں بھی رسولوں کو جھٹلا کر سزا سے نہ بچ سکیں تو ان کفار مکہ اور مشرکین عرب کی تو حیثیت اور حقیقت ہی کیا ہے۔ جب وہ تکذیب انبیاء کے جرم کی سزا سے نہ بچ سکے تو پھر یہ کیوں مطمئن ہیں اور یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں تو کیا ایک زور کی چیخ کے منتظر ہیں کہ جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین وعید عذاب سن کر استہزا اور تمسخر کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم کو آخرت اور قیامت کے عذاب کی دھمکیاں سنائی جاتی ہیں تو اس وقت کا حصہ ہم کو ابھی دے دو۔ ہاتھ کے ہاتھ ہم سزا و جزا سے فارغ ہو جائیں۔ اس مطالبہ اور استہزا سے منکرین کا مطلب یہ تھا کہ قیامت و آخرت کچھ نہیں ہے اور اگر ہے تو ہم کو ابھی عذاب مطلوب ہے اور جب فوری عذاب نہیں تو معلوم ہوا نہ قیامت ہے نہ آخرت۔ خواہ مخواہ کی دھمکی ہے۔

چونکہ ان امور سے اور ان کفار کے ان اقوال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن و ملال ہوتا تھا اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے صبر کا حکم دیا جاتا ہے اور بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جو کمال صبر کے ساتھ موصوف تھے۔

جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجیے: اللہ تعالیٰ ہم کو ایمان کامل اور اسلام صادق نصیب فرمائیں اور شکوک و شبہات کے فتنوں اور گمراہیوں سے ہم کو محفوظ رکھیں۔ یا اللہ آپ نے جیسے پہلے گمراہ قوموں اور اعدائے دین واسلام کو ہلاک و تباہ فرمایا اسی طرح اب بھی دشمنان دین واسلام کو ہلاک فرمایئے اور اسلام کو غلبہ و نصرت عطا فرمایئے۔ اور ہمیں حق کی پیروی اس کا اتباع اور اس کی حمایت کرنا نصیب فرمایئے۔

یا اللہ اگر کفار مشرکین نے ضد و عناد سے دین اسلام کی قدر نہ کی اور اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کا استہزا اور تکذیب کی تو یہ اتنا تعجب خیز نہیں جتنا اس امر پر تعجب ہوتا ہے کہ جو باوجود دعوائے اسلام کے شریعت اسلامیہ سے نہ صرف منحرف ہیں بلکہ استہزا کا برتاؤ تک برتنے کی جرات کرتے ہیں۔ یا اللہ! رحمت کے خزانے آپ کے دست قدرت میں ہیں۔ امت مسلمہ پر نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اپنی رحمت کے دروازہ کھول دے۔ اور ان کو دین و دنیا کی صلاح و فلاح سے نواز دے اور ہر طرح کی کجروی اور گمراہی سے بچالے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ

آپ ان لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داوٗدؑ کو یاد کیجئے جو بڑی قوت والے تھے وہ بہت رجوع ہونے والے تھے ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ

یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَاٰتَیۡنٰہُ

شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی جو کہ جمع ہو جاتے تھے سب انکی (تسبیح کی) وجہ سے مشغول ذکر رہتے اور ہم نے ان کی سلطنت کو بڑی قوت دی تھی

الۡحِکۡمَۃَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَھَلۡ اَتٰىکَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰی

اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا فرمائی تھی اور بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر بھی پہنچی ہے جبکہ وہ لوگ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر

دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡہُمۡ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ۚ خَصۡمٰنِ بَغٰی بَعۡضُنَا عَلٰی بَعۡضٍ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ وَلَا تُشۡطِطۡ

داوٗدؑ کے پاس آئے تو وہ گھبرا گئے وہ کہنے لگے کہ آپ ڈریں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے

وَاھۡدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجئے

اِصۡبِرۡ آپ صبر کریں	عَلٰی اس پر	مَا یَقُوۡلُوۡنَ جو وہ کہتے ہیں	وَاذۡکُرۡ اور یاد کریں	عَبۡدَنَا ہمارے بندے	دَاوٗدَ داوٗدؑ	ذَا الۡاَیۡدِ قوت والا
اِنَّہٗ بیشک وہ	اَوَّابٌ خوب رجوع کرنیوالا	اِنَّا سَخَّرۡنَا بیشک ہم نے مسخر کردیئے	الۡجِبَالَ پہاڑ	مَعَہٗ اس کے ساتھ	یُسَبِّحۡنَ وہ تسبیح کرتے تھے	
بِالۡعَشِیِّ شام کے وقت	وَالۡاِشۡرَاقِ اور صبح کے وقت	وَالطَّیۡرَ اور پرندے	مَحۡشُوۡرَۃً اکٹھے کئے ہوئے	کُلٌّ سب	لَہٗ اسکی طرف	اَوَّابٌ رجوع کرنیوالے
وَشَدَدۡنَا اور ہم نے مضبوط کی	مُلۡکَہٗ اس کی بادشاہت	وَاٰتَیۡنٰہُ اور ہم نے اسکو دی	الۡحِکۡمَۃَ حکمت	وَ اور	فَصۡلَ فیصلہ کن	الۡخِطَابِ خطاب
وَھَلۡ اور کیا	اَتٰىکَ آپکے پاس آئی (پہنچی)	نَبَؤُا الۡخَصۡمِ خبر جھگڑنے والے	اِذۡ جب	تَسَوَّرُوا وہ دیوار پھاند کر آئے	الۡمِحۡرَابَ محراب (مسجد)	
اِذۡ دَخَلُوۡا جب وہ داخل ہوئے	عَلٰی پر۔ پاس	دَاوٗدَ داوٗدؑ	فَفَزِعَ تو وہ گھبرایا	مِنۡہُمۡ ان سے	قَالُوۡا انہوں نے کہا	لَا تَخَفۡ خوف نہ کھاؤ
خَصۡمٰنِ ہم دو جھگڑنے والے	بَغٰی زیادتی کی	بَعۡضُنَا ہم میں سے ایک	عَلٰی بَعۡضٍ دوسرے پر	فَاحۡکُمۡ تو آپ فیصلہ کردیں	بَیۡنَنَا ہمارے درمیان	
بِالۡحَقِّ حق کے ساتھ	وَلَا تُشۡطِطۡ اور زیادتی (بے انصافی) نہ کریں	وَاھۡدِنَا اِلٰی اور ہماری رہنمائی کریں طرف	سَوَآءِ سیدھا	الصِّرَاطِ راستہ		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں کفار و مشرکین کے بعض اقوال ذکر فرمائے گئے تھے جن کی بناء پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تکذیب کرتے تھے۔ کفار کے ان الزامات اور اعتراضات کے جواب بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمائے گئے تھے۔ چونکہ کفار کی ان بے باکانہ باتوں اور بے جا الزامات اور اعتراضات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی اور طبیعت پر حزن و ملال ہوتا تھا اس لئے آگے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور بعض انبیائے سابقین کے حالات سنائے جاتے ہیں تاکہ ان کے حالات و واقعات کے معلوم ہونے سے آپ کو تقویت حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں پہلا قصہ حضرت داوٗد علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا جو ان آیات اور اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے ان آیات زیر تفسیر میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار و مشرکین کے اقوال نازیبا پر کہ جو آپ کو (معاذ اللہ) ساحر اور کذاب تک کہتے ہیں صبر کیجئے اور ہمارے بندہ داوٗد

علیہ السلام کو یاد کیجئے۔اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی دو صفات بیان کی گئیں ایک صفت ذاالاید کی فرمائی اس کے لفظی معنی ہیں ''ہاتھوں والا'' مگر محاورہ میں اس سے مراد ''قوت والے'' کے لئے جاتے ہیں یعنی داؤد علیہ السلام بڑی قوت کے مالک تھے۔اب قوتوں سے بہت سی قوتیں مراد ہوسکتی ہیں مثلاً جسمانی طاقت جس کا مظاہرہ آپ نے جالوت سے جنگ کے موقع پر کیا تھا۔فوجی اور سیاسی طاقت جس سے اردگرد کی مشرک قوموں کو شکست دے کر ایک مضبوط دینی سلطنت قائم فرمائی۔اخلاقی طاقت جس کی بدولت آپ نے بادشاہی میں فقیری کی کہ باوجود سلطنت اور مملکت کے اپنا اور اپنے اہل وعیال کی معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اس کو ذریعہ معاش بناتے۔عبادت کی طاقت جس کا یہ حال تھا کہ حکومت اور فرمانروائی اور جہاد فی سبیل اللہ کی مصروفیتوں کے باوجود صحیح احادیث کی روایات کے مطابق آپ ہمیشہ ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھتے تھے اور روزانہ ایک تہائی رات نماز میں گزارتے تھے جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزے داؤد علیہ السلام کے ہیں۔وہ آدھی رات سوتے ایک تہائی رات عبادت کرتے اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سو جاتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب دشمن سے ان کا مقابلہ ہو جاتا تو فرار اختیار نہ کرتے اور بلاشبہ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔'' اس حدیث پر شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ عبادت کے اس طریقہ کو جو حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ایک تو اس طریقہ میں مشقت ومجاہدہ زیادہ ہے۔اگر کوئی روزانہ ساری عمر روزہ رکھنے کا طریقہ اختیار کرے تو اس سے وہ روزے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس میں زیادہ مشقت نہیں رہتی۔لیکن ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے میں تکلیف ومجاہدہ مسلسل رہتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس طریقہ عبادت سے انسان عبادت کے ساتھ اپنے نفس اہل وعیال اور متعلقین کے حقوق بھی پوری طرح ادا کرسکتا ہے۔

تو ایک صفت آپ کے قوت والے ہونے کی فرمائی دوسری صفت اواب کی فرمائی یعنی اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والے تھے۔ اس کے بعد اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر فرمائی تھیں۔چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک نعمت ان کو یہ عطا فرمائی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز میں ایسا اثر بخشا تھا کہ صبح وشام جب باہر میدان میں جا کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح بلند آواز سے کرتے اور زبور پڑھتے تو آپ کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرنے لگتے تھے۔پرندے اڑتے اڑتے ٹھہر جاتے اور آپ کے اردگرد جمع ہو کر حمد خدا کے ترانے گاتے اور آپ کی تسبیح کی نقل کرتے اور ہمنوائی کرتے۔ دوسری نعمت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع اور پرشوکت سلطنت عطا فرمائی تھی۔لکھا ہے کہ آپ کی مملکت میں شام، عراق، فلسطین، شرق اردن اور حجاز کا ایک حصہ شامل تھے۔تیسری نعمت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت یعنی نبوت عطا کی تھی اور صحیح فیصلہ کی قوت بخشی تھی لکھا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے سامنے کوئی ایسا معاملہ رکھ دیا جائے یا ایسی کوئی مہم پیش کردی جائے جو انتہائی پیچیدہ ہو یا کذب وافترا نے اس پر زیادہ سے زیادہ ملمع کر دیا ہو تب بھی وحی الٰہی کے ذریعہ ان پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی اس لئے جن وانس کسی کو یہ حوصلہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے احکام کی خلاف ورزی کریں۔ابن جریر نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ دو آدمی ایک بیل کا جھگڑا لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوئے۔ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ بیل میرا ہے دوسرا غاصب ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے قضیہ کا فیصلہ دوسرے دن پر مؤخر کر دیا۔ دوسرے دن آپ نے مدعی سے فرمایا کہ رات میں مجھ پر خدا نے وحی کی ہے کہ تجھ کو قتل کر دیا جائے لہٰذا تو صحیح صحیح بات بیان کر۔مدعی نے کہا کہ خدا کے سچے نبی! اس مقدمہ میں تو میرا بیان قطعاً حق اور سچ ہے لیکن اس واقعہ سے قبل میں نے اس یعنی مدعا علیہ کے باپ کو دھوکہ دے کر مار ڈالا تھا۔یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو قصاص میں قتل کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔اسی قسم کے واقعات ہوتے تھے جن کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم اور ان کی عظمت وشوکت

کے سامنے سب پست اور فرمانبردار تھے تو باوجود اس بڑی سلطنت اور نعمتوں کے جو اکثر احوال میں آدمی کو ازخود رفتہ کر دیتی ہے یہ برکت نور نبوت کے آپ نہایت ضابط اور صابر تھے۔ آپ کے اسی ضبط وصبر کو ظاہر کرنے کے لئے آگے ایک واقعہ اہل مقدمہ کا بیان فرمایا جاتا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے تین دن کی باری رکھی تھی ایک دن دربار اور مقدمات وغیرہ کے فیصلہ۔ ایک دن اپنے اہل وعیال کے پاس رہنے کا ایک دن خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اس دن خلوت میں رہتے تھے دربان کسی کو اندر جانے نہ دیتے۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ دو شخص عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر آپ کے پاس آ کھڑے ہوئے کیونکہ دروازہ میں سے پہرہ داروں نے اس وجہ سے آنے نہ دیا تھا کہ وہ وقت خاص آپ کی عبادت کا تھا۔ مقدمات کے فیصلہ کا نہ تھا۔ تو ان کے اس طرح بے قاعدہ آ جانے سے حضرت داؤد علیہ السلام گھبرا گئے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق۔ آدمی ہیں تو ناوقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اتنی اونچی دیوار کو پھاندنے کی کیا سبیل کی؟ خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں۔ غرض اچانک یہ عجیب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف ہٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے قائم نہ رہ سکی۔ آنے والوں نے کہا کہ آپ گھبرایئے نہیں ہم سے خوف نہ کھایئے۔ ہم دو فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ چونکہ پہرہ داروں نے دروازہ سے آنے نہیں دیا اس لئے اس طرح آنے کے مرتکب ہوئے اب آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کر دیجئے کوئی بے راہی اور ٹالنے کی بات نہ ہو عدل وانصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں۔

مفسرین نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ آپ کیسے صابر اور متحمل تھے کہ ایسے بڑے جلیل القدر سلطنت کے خلوت خانہ خاص میں کسی کا بے اجازت پھر اس بے ڈھنگے پن سے آ گھسنا پھر بات چیت اس طرز سے کرنا کہ اول تو یہ کہنا کہ **لاتخف** یعنی ڈرومت پھر یہ کہنا کہ انصاف سے فیصلہ کرنا۔ اس پر مزید یہ کہنا کہ بے انصافی مت کرنا غرض ان کا مجموعہ اقوال وافعال بظاہر گستاخی در گستاخی تھا اور اس میں داؤد علیہ السلام کے تحمل اور صبر کا امتحان تھا کہ آیا زور سلطنت میں ان متواتر گستاخیوں پر دارو گیر کرتے ہیں اور اس مقدمہ کو ملتوی کر کے ان پر دوسرا مقدمہ قائم کرتے ہیں یا غلبۂ نور نبوت سے عفو فرماتے ہیں اور اس مقدمہ کو کمال عدل سے بلا شائبہ غیظ وغضب فیصل کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نہایت صابر ثابت ہوئے اور مقدمہ کو نہایت ٹھنڈے دل سے سماعت اور فیصل فرمایا۔ جس سے مفسرین کرام نے بطور نتیجہ یہ بیان کیا کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے کوئی بڑا رتبہ یا منصب دیا ہو اور عام مخلوق کی ضروریات اس سے متعلق ہوں تو اس کو چاہئے کہ وہ اہل حاجت کی بے قاعدگیوں اور غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے اور صبر سے کام لے کہ اس کے مرتبہ اور منصب کا یہی تقاضا ہے خاص طور سے حکام کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے مگر یہ باتیں تو وہ حکام برت سکتے ہیں جو قرآنی ہدایات اور اسلامی اخلاق کے طالب ہوں اور جو یورپ کے فرنگیوں کی تقلید پر نازاں ہوں اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوں انہیں ان قرآنی ہدایات وتعلیمات سے کیا سروکار؟ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم پاکستانیوں کو بھی وہ دن دیکھنا نصیب فرمائیں کہ جو اسلامی اور قرآنی اخلاق کا حامل اور عامل حکام کو اپنے ملک میں حکمرانی کرتے دیکھ لیں۔

الغرض حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے آنے والوں نے جو صورت مقدمہ بیان کی اور اس پر جو فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اور پھر فیصلہ فرمانے کے بعد خود اپنے فیصلہ سے جو اپنے آپ کو تنبہ ہوا اور اس قصہ کو اپنے لئے ایک فتنہ اور امتحان سمجھا اور اس پر عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک پڑے وہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی

یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ

داؤد نے کہا یہ جو تیری دُنبی اپنی دُنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں

عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ

مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے سو انہوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی

رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ السجدۃ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ یٰدَاوٗدُ

اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے سو ہم نے ان کو وہ معاف کردیا اور ہمارے یہاں ان کیلئے قرب اور (اعلیٰ درجہ کی) نیک انجامی ہے۔ اے داؤد

اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ

ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے راستہ سے تم کو بھٹکا دے گی

سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع

جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں اُن کیلئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روزحساب کو بھولے رہے۔

اِنَّ هٰذَآ بیشک یہ	اَخِیْ میرا بھائی	لَهٗ اسکے پاس	تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ ننانوے (۹۹)	نَعْجَةً دُنبیاں	وَلِیَ اور میرے پاس	نَعْجَةٌ دُنبی	وَاحِدَةٌ ایک
فَقَالَ پس اس نے کہا	اَكْفِلْنِیْهَا وہ میرے حوالے کردے	وَعَزَّنِیْ اور اس نے مجھے دبایا	فِی الْخِطَابِ گفتگو میں	قَالَ داؤدؑ نے (کہا)			
لَقَدْ ظَلَمَكَ واقعی اس نے ظلم کیا	بِسُؤَالِ مانگنے سے	نَعْجَتِكَ تیری دُنبی	اِلٰی طرف ساتھ	نِعَاجِهٖ اپنی دُنبیاں	وَاِنَّ اور بیشک	كَثِیْرًا اکثر	
مِّنَ سے	الْخُلَطَآءِ شرکاء	لَیَبْغِیْ زیادتی کیا کرتے ہیں	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض	عَلٰی پر	بَعْضٍ بعض	اِلَّا سوائے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے عمل کئے درست	وَقَلِیْلٌ اور بہت کم	مَّا هُمْ وہ۔ ایسے	وَ اور	ظَنَّ خیال کیا	دَاوٗدُ داؤدؑ	اَنَّمَا کہ کچھ	
فَتَنّٰهُ ہم نے اسے آزمایا ہے	فَاسْتَغْفَرَ تو اس نے مغفرت طلب کی	رَبَّهٗ اپنا رب	وَخَرَّ اور گر گیا	رَاكِعًا جھک کر	وَّاَنَابَ اور اس نے رجوع کیا		
فَغَفَرْنَا پس ہم نے بخش دی	لَهٗ اس کی	ذٰلِكَ یہ	وَاِنَّ اور بیشک	لَهٗ اس کیلئے	عِنْدَنَا ہمارے پاس	لَزُلْفٰی البتہ قرب	وَحُسْنَ اور اچھا
مَاٰبٍ ٹھکانا	یٰدَاوٗدُ اے داؤدؑ	اِنَّا بیشک ہم نے	جَعَلْنٰكَ ہم نے تجھے بنایا	خَلِیْفَةً نائب	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَاحْكُمْ سو تو فیصلہ کر	
بَیْنَ النَّاسِ لوگوں کے درمیان	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَلَا تَتَّبِعِ اور نہ پیروی کر	الْهَوٰی خواہش	فَیُضِلَّكَ کہ وہ تجھے بھٹکا دے	عَنْ سے		
سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ جو لوگ	یَضِلُّوْنَ بھٹکتے ہیں	عَنْ سے	سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب
شَدِیْدٌ شدید	بِمَا اس پر کہ	نَسُوْا انہوں نے بھلادیا	یَوْمَ الْحِسَابِ روزحساب				

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ایک دن جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے عبادت خانہ میں عبادت الٰہی میں مشغول تھے تو دو فریق ایک مقدمہ میں جھگڑنے والے اچانک دیوار پھاند کر آپ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کی اس طرح اچانک ناوقت آمد سے گھبرا گئے اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے قائم نہ رہ سکی اور ان آنے والوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا کہ آپ گھبرایئے نہیں ہم دو فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے ہیں۔ آپ ہم میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے۔ اب مقدمہ اور جھگڑے کی جو صورت حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی وہ ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہے اور بتلایا گیا کہ ایک فریق نے کہا کہ جھگڑا ہمارے درمیان یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے ہاں صرف ایک دنبی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کرلے اور جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے۔ بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے۔ جب بولتا ہے تو مجھ کو دبا لیتا ہے اور لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لئے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی شریعت کے قاعدہ کے مطابق ثبوت وغیرہ طلب کیا ہوگا اور پھر فرمایا کہ یہ اس کی زیادتی اور ناانصافی ہے چاہتا ہے کہ اس طرح اپنے غریب بھائی کا مال ہڑپ کر جائے اور عام لوگوں میں ایسا ہی ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کی عادت ہے کہ قوی چاہتا ہے کہ ضعیف کو کھا جائے۔ ہاں اللہ کے نیک اور ایمان دار بندے اس سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ ایسی ظلم و زیادتی نہیں کرتے مگر وہ دنیا میں تھوڑے ہی ہیں۔ الغرض حضرت داؤد علیہ السلام نے انصاف پر مبنی فیصلہ کر کے قضیہ کو ختم کر دیا۔ اس تمام قصہ کے بعد جب فریقین چلے گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو احساس اور تنبہ ہوا کہ میرے حق میں یہ قصہ ایک فتنہ اور امتحان تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اپنی خطا معاف کرانے کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ درگاہ الٰہی میں سربسجود ہو گئے اور طلب مغفرت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی استغفار کو شرف قبولیت بخشا اور آپ کی خطا معاف فرما دی۔ اور آپ کی عظمت اور قرب کو اور دوبالا کر دیا اور پھر یہ نصیحت فرمائی کہ اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ خدا کی اس نیابت کا پورا پورا حق ادا کرو اور معاملات کے فیصلہ شریعت الٰہی کے موافق انصاف کے ساتھ کرتے رہو اور جس طرح اب تک کبھی نفسانی خواہش کی پیروی نہیں کی آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کیونکہ یہ چیز انسان کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے اور جب انسان اللہ کی راہ سے بھٹکا تو پھر ٹھکانہ کہاں۔ اور عموماً خواہش نفسانی کی پیروی اسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی نفسانی خواہش کو مقدم نہ رکھے۔

اب یہاں اس آیت کے سلسلہ میں **وظن داود انما فتنه فاستغفر ربه و خر راكعاً و اناب** اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے سو انہوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور ہماری طرف رجوع ہوئے سو ہم نے ان کو وہ معاف کر دیا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی وہ کیا خطا تھی جس کی آپ نے مغفرت طلب کی اور جس کی طرف یہاں آیت میں اشارہ فرمایا گیا تو چونکہ نہ قرآن مجید میں کہیں اس کی تفصیل کی طرف اشارہ ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی تفسیر ہے اس لئے مفسرین نے اپنی اپنی علیحدہ رائے کا اظہار کیا ہے اس سلسلہ میں مفسرین کا ایک گروہ تو وہ ہے کہ جو اسرائیلی اور اہل کتاب کی روایات سے متاثر ہوئے اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جنہوں نے ان اسرائیلی روایات کے ماخذ کو سراسر بہتان الزام اور قطعاً غلط ٹھہرایا ہے۔ موجودہ بائبل میں تو حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی عجیب مٹی پلید کی گئی ہے اور اس میں جو کور کسر رہ گئی تھی وہ تالمود وغیرہ یہود کے

24 مذہبی نوشتوں نے پوری کر دی۔ بنی اسرائیلی انبیاء میں سے خصوصاً حضرت داؤد اور آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہما السلام کے خلاف تو ایسے سخت الزامات لگائے گئے ہیں کہ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ اسرائیلی روایات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی ذات قدسی صفات کی جانب ایسی بے ہودہ اور مضحکہ خیز حکایات اور قصص منسوب کرتی ہے جن کو پڑھ کر ان مقدس ہستیوں کے متعلق نبی یا رسول اللہ ہونے کا تو کیا یقین ہو سکتا ہے یہ بھی باور نہیں ہوتا کہ وہ بااخلاق بزرگ ہستیاں ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ یہودی علماء کا ایک گروہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا سخت مخالف رہا ہے اور اسی دشمنی کے زیر اثر یہودیوں کے خبیث ذہن نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے خلاف افسانہ تراشی کی ہے۔ اسی لئے قرآن پاک نے انبیاء خصوصاً انبیاء بنی اسرائیل کی مقبولیت و صالحیت کا پرزور اثبات بار بار اہل کتاب کے اتہامات کی تردید میں فرمایا ہے۔ اور یہ قرآن کریم کا بنی اسرائیل پر کتنا بڑا احسان ہے کہ ان کے اکابر کا دامن خود ان کی پھینکی ہوئی گندگیوں سے صاف کیا۔ انبیاء کرام کے اوپر الزامات اور اتہامات کی داستانیں موجودہ بائبل اور تورات میں ان کے محرف ہونے کی بڑی دلیل ہیں چنانچہ انہی داستان اور حکایات میں سے ایک خرافی روایت حضرت داؤد علیہ السلام سے تعلق رکھتی ہے جو موجودہ تورات کے صحیفہ سموئیل دوم باب ۱۱ و ۱۲ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایک طویل داستان بیان کی گئی ہے۔ اس لغو اور ناگفتہ بہ داستان میں حضرت داؤد علیہ السلام کا جو اخلاقی نقشہ یہودیوں کی موجودہ توراۃ میں پیش کیا گیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد ان کو نبی اور پیغمبر تو کجا کسی ایک صحیح اخلاق کا انسان بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ نبی کا دامن ہر قسم کے صغیرہ کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے جو قوموں کا ہادی اور رہبر ہوتا ہے اور جس کی ذات انسان کے لئے ایک مثال اور نمونہ بن کر آتی ہے اور پھر ایسے معصوم اور جلیل القدر نبی کے متعلق کسی قسم کی شرمناک اور حیا سوز حرکت کا احتمال کس قدر خلاف عقل ہے۔ جس کی برگزیدگی و

فضل کا قرآن پاک میں اس طرح اعلان کیا گیا ہے۔ سورۂ سبا ۲۲ ویں پارہ میں ارشاد ہوا۔ **و لقد اٰتینا داؤد منا فضلا** اور یالیقین ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے فضیلت اور برگزیدگی بخشی تھی اور یہاں ان آیات میں فرمایا گیا **انه اواب** بے شک وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ **و ان له عندنا لزلفیٰ و حسن مآب**۔ اور بے شک ان کے لئے ہمارے یہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی لغو اسرائیلی قصہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کرے گا اس کو ۱۶۰ کوڑے لگائے جائیں گے جو کسی نبی پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔ درمیان میں یہ بیان حضرت داؤد علیہ السلام پر یہود کے بہتان کا ضمناً آ گیا تھا۔ وہ سوال کہ یہاں آیت **وظن داؤد انما فتنٰه فاستغفر ربه و خر راکعاً و اناب** میں کس خطا سے مغفرت کی طرف اشارہ ہے یہ تحقیق طلب رہ گیا۔ اس کے متعلق بھی تحقیق مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ احقر مولف کو بہترین تحقیق شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی معلوم ہوئی جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت علامہؒ لکھتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلا ایک طرح کے عجب کی بناء پر پیش آیا۔ صورت یہ ہوئی کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار رات و دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت میں مشغول نہ رہتا ہو اور یہ اس لئے کہا کہ آپ نے روز و شب کے ۲۴ گھنٹہ اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تاکہ آپ کی عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر میری مدد نہ ہو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتے۔ قسم ہے اپنے جلال کی کہ میں ایک روز تم کو تمہارے

نفس کے سپرد کردوں گا یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا۔ دیکھیں اس وقت تم کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتے ہو۔ حضرت علامہ عثمانیؒ آگے لکھتے ہیں کہ یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہئے کہ جس وقت داؤد علیہ السلام عبادت میں مشغول ہوں تو باوجود پوری کوشش کے مشغول نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں چنانچہ آپ سن چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے فریقین مقدمہ نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کو گھبرا دیا اور آپ کو شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔ بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤدؑ کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے۔ تو جب اہل معاملہ آپ کے پاس سے رخصت ہو گئے تو آپ کو تنبہ ہوا کہ یہ میری آزمائش تھی اللہ نے مجھے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔ لفظ فتنہ کا اطلاق اس جگہ تقریباً ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ بچپن میں قمیص پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر سے دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان کو اوپر اٹھا لیا اور فرمایا صدق اللہ انمآ اموالکم واولادکم فتنة بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے کہتا ہے کہ اے پروردگار میں نے یہ کام کیا میں نے صدقہ کیا میں نے نماز پڑھی میں نے کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور میں نے تیری مدد کی اور تجھ کو توفیق دی اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار تو نے مدد کی تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور تو نے عمل کیا۔ تو نے ارادہ کیا تو نے یہ نیکی کمائی اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں میں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشغول نہ رہتے ہوں کیسے پسند آ سکتا تھا۔ بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے اسی لئے ایک آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے تا کہ متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف و تدارک کریں۔ چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے نزدیک یعنی حضرت علامہ عثمانیؒ کہتے ہیں آیت کی بے تکلف تقریر یہی ہے''۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے یہ دو فریق دیوار پھاند کر اندر عبادت خانہ میں داخل ہوئے اور طرز مخاطبت بھی انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم و زیادتی نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دی۔ اس انداز کی گستاخی کی بناء پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کی بجائے الٹی سزا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آ کر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل اور ضبط و صبر سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے لیکن اتنی سی فروگذاشت ہوگئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کی بجائے مظلوم کو خطاب فرمایا جس سے ایک صورت جانبداری کی متوہم ہوتی ہے اور گو مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرفداری بھی عبادت ہے مگر حضرت داؤدؑ غایت تقویٰ سے اتنی بات کو بھی کمال صبر کے خلاف اور ثبات فی الامتحان کے منافی سمجھے جس پر فوراً انہیں تنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے (بیان القرآن)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کے متعلق بطور نتیجہ کے لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے متعلق ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش خواہ کچھ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعہ بھی آپ کو اس پر متنبہ فرما سکتے تھے۔ لیکن اس کے بجائے ایک مقدمہ بھیج کر تنبیہ کے لئے یہ خاص طریقہ کیوں اختیار کیا گیا؟ تو درحقیقت اس طریقہ پر غور کرنے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لئے حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ

اچھا ہے جس سے متعلقہ شخص خود بخود اپنی غلطی کو محسوس کر لے اور اسے زبانی تنبیہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اور اس کے لئے ایسی تمثیلات سے کام لینا زیادہ موثر ہوتا ہے جس سے کسی کی دلآزاری بھی نہ ہو اور ضروری بات بھی واضح ہو جائے۔ (معارف القرآن جلد ۷)

الغرض ان آیات کی تشریح کے سلسلہ میں بعض محقق اور محتاط مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش اور امتحان کی تفصیل کو کھول کر بیان نہیں فرمایا اس لئے ہمیں بھی اس کی کاوش میں پیچھے نہیں پڑنا چاہئے اور جتنی بات قرآن کریم میں مذکور ہے صرف اسی پر ایمان رکھنا چاہئے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیلات سے خاموشی اختیار کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہی محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔ اسی لئے بعض علمائے سلف سے منقول ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اس کو مبہم رہنے دو۔ اسی میں حکمت و مصلحت ہے۔

ان آیات کے سلسلہ میں ایک دوسری بحث یہ ہے کہ جو فریقین مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے تھے وہ فرشتے تھے یا آدمی اور جو واقعہ بیان کیا گیا ہے کیا وہ واقعی تھا یا محض فرضی۔ تو اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں کوئی صاف تصریح نہیں اس لئے امکان دونوں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے اور کفار مکہ کے اقوال و حرکات سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو رنج پہنچتا تھا اس کو صبر و تحمل سے برداشت کر لینے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا تا کہ آپ کو تقویت حاصل ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام باوجود اتنے بڑے جلیل القدر بادشاہ ہونے کے کس قدر صابر اور متحمل تھے کہ اہل مقدمہ کا اول تو آپ کے عبادت خانہ میں بے اجازت اور نہایت بے ڈھنگے پن سے دیوار پھاند کر گھس آنا۔ پھر بات چیت کا طرز بھی گستاخانہ تھا کہ پہلے تو یہ کہا کہ ڈرو مت۔ پھر یہ کہا کہ انصاف سے فیصلہ کرنا پھر مزید یہ کہا کہ ناانصافی مت کرنا۔ ان تمام گستاخیوں پر حضرت داؤد علیہ السلام نے صبر و تحمل فرمایا اور ان اہل مقدمہ پر کوئی غیظ و غضب ظاہر نہیں فرمایا اور ان کا مقدمہ نہایت ٹھنڈے دل سے سماعت فرما کر فیصل فرمایا۔ اب آگے حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا گیا ہے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کو ذکر کرنے سے پہلے تین آیات میں بطور تاکید اور اہتمام کے یوم حساب اور آخرت کی جزا وسزا کے متعلق ذکر فرمایا گیا جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

یہاں چونکہ سجدہ کی آیت آ گئی ہے اس لئے اس کے پڑھنے اور سننے سے سب پر سجدہ تلاوت لازم ہو گیا۔ اس لئے جملہ قارئین وسامعین دعاء کے بعد ایک سجدہ تلاوت کر لیں گو یہ سجدہ کی آیت کئی مرتبہ پڑھی گئی مگر ایک ہی مجلس میں آیت سجدہ اگر بار بار بھی پڑھی جائے تو ایک ہی سجدہ لازم آتا ہے۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہماری شب و روز کی غلطیوں پر گرفت نہ فرمائیں اور ہمہ وقت ہم کو اپنی کوتاہیوں پر ندامت و مغفرت طلب کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو کسی پر ظلم و زیادتی کرنے اور نفسانی خواہشات کے اتباع سے کامل طور پر بچائیں۔ اور ہر حال میں ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ یا اللہ! روز حساب کو دنیا کی زندگی میں بھولے رہنے پر آپ نے عذاب شدید کی وعید ارشاد فرمائی ہے۔ یا اللہ! ہمیں اس وعید کا مورد بننے سے بچا لیجئے اور ہمیں روز حساب کو ہمہ وقت یاد رکھنے اور اس روز کی تیاری میں لگے رہنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نے آسمان وزمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان موجود ہیں ان کو خالی از حکمت پیدا نہیں کیا یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں سو کافروں کیلئے (آخرت) میں

مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ ہاں تو کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو

كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

بدکاروں کے برابر کردیں گے یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

وَ اور	مَا خَلَقْنَا نہیں پیدا کیا ہم نے	السَّمَآءَ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان کے درمیان	بَاطِلًا باطل	ذٰلِكَ یہ	ظَنُّ گمان
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	فَوَيْلٌ پس خرابی ہے	لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان کیلئے جنھوں نے کفر کیا (کافر)	مِنَ سے	النَّارِ آگ	اَمْ کیا	نَجْعَلُ ہم کردینگے		
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	كَالْمُفْسِدِيْنَ انکی طرح جو فساد پھیلاتے ہیں	فِى الْاَرْضِ زمین میں	اَمْ کیا			
نَجْعَلُ ہم کردینگے	الْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں	كَالْفُجَّارِ فاجروں (بدکرداروں) کی طرح	كِتٰبٌ ایک کتاب	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا	اِلَيْكَ آپکی طرف			
مُبٰرَكٌ مبارک	لِيَدَّبَّرُوْٓا تا کہ وہ غور کریں	اٰيٰتِهٖ اسکی آیات	وَلِيَتَذَكَّرَ اور تا کہ نصیحت پکڑیں	اُولُوا الْاَلْبَابِ عقل والے				

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں خاتمہ پر یوم الحساب کا ذکر آ گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں یقیناً ان کے لئے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے یعنی جنھوں نے دنیا میں اللہ کے احکام سے منہ موڑا وہ یقیناً آخرت کو بھول گئے۔ انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ آخرت میں رائی رائی کا حساب دینا ہوگا اس آخرت فراموشی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اب آگے ان آیات میں یوم حساب کے ذکر کی مناسبت سے یوم حساب کا ثبوت اور اس کے وقوع پر دلائل دیئے جاتے ہیں کہ یوم حساب ضرور ہونے والا ہے کیونکہ اگر روز حساب نہ ہو تو آسمان، زمین وغیرہ کی پیدائش بے نتیجہ ہوئی جاتی ہے۔ اور اللہ نے یہ آسمان زمین اور ان کے درمیانی چیزوں کو بے نتیجہ پیدا نہیں کیا کہ اس میں کوئی حکمت نہ ہو۔ کوئی غرض اور مقصد نہ ہو اور کسی اچھے یا برے فعل کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ اس ارشاد سے مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں پیدا کر کے شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑ دیا گیا ہے کہ یہاں جس کا جو جی چاہے کرتا رہے اور اس پر کوئی باز پرس نہ ہو۔ یقیناً اس دنیا کا کچھ نتیجہ نکلنا ہے اور وہ نتیجہ ہے آخرت لہٰذا یہاں اس دنیا میں رہ کر وہاں یعنی آخرت کے لئے کام کرنا چاہئے اور وہ کام یہی ہے کہ انسان اپنی بے جا خواہشات کی پیروی چھوڑ کر حق وعدل کے اصول پر کاربند ہو اور خالق ومخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس دنیا کی زندگی ہے کھا پی کر اور مزہ اڑا کر ختم کردیں گے۔ آگے حساب کتاب کچھ نہیں یہ خیالات تو ان کے ہیں جنہیں موت کے بعد دوسری زندگی سے انکار ہے جو جزا سزا کے قائل نہیں اور جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ نیک وبد سب آخر کار مٹی ہو جائیں گے اور کسی سے کوئی باز پرس اور محاسبہ نہیں۔ نہ کسی کو بھلائی یا برائی کا بدلہ ملے گا۔ ایسے لوگوں نے دراصل دنیا کو ایک کھلونا سمجھا ہے اور ان کا خیال ہے کہ خالق کائنات نے دنیا ومافیہا کو یونہی کھیل کے طور پر فضول اور عبث پیدا کر دیا ہے تو ایسے منکروں کے لئے جہنم کی آگ کا عذاب آخرت میں تیار ہے۔ آگے آخرت کے وقوع ہونے کی ایک دوسری دلیل دی جاتی ہے اور وہ یہ کہ کسی کے نزدیک یہ معقول

بات نہیں کہ نیک اور بد دونوں آخر کار یکساں ہو جائیں اور کسی نیک انسان کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ اور کسی بد آدمی کو اس کی بدی کا کوئی بدلہ نہ ملے۔اسی طرح حق تعالیٰ کے عدل وحکمت کا یہ اقتضا نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا متقی پرہیز گاروں کو اور بدکاروں کو ایک جیسا کر دیں۔اس لئے ضروری ہوا کہ کوئی وقت حساب کتاب جزا سزا کا رکھا جائے لیکن اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار بندے قسم قسم کی آفات اور مصائب میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدکردار بے حیا بدمعاش مزے چین اڑاتے ہیں۔تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو خبر دی گئی ہے وہ عین اقتضائے حکمت ہے وہاں ہی ہر نیک و بد کو اس کے برے بھلے کاموں کا بدلہ ملے گا اور یہی یوم الحساب ہے اور یہی دار آخرت میں ہونا ہے تو جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں وہ گویا زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ کائنات بے مقصد اور خالی از حکمت پیدا کر دی گئی ہے کہ اچھے اور برے سب زندگی گزار کر مر جائیں اور ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو۔تو اللہ تعالیٰ کی حکمت پر ایمان رکھنے والا اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔آگے ارشاد ہے کہ جب نیک و بد کا انجام ایک نہیں تو ضروری تھا کہ کوئی کتاب ہدایت مآب حق تعالیٰ کی طرف سے آئے جو لوگوں کو خوب معقول طریقہ سے ان کے انجام پر آگاہ کر دے چنانچہ یہ کتاب قرآن کریم نازل کی گئی جس کے الفاظ' حروف' نقوش' معانی اور مضامین ہر چیز میں برکت ہے اور جو اسی غرض سے اتاری گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس کی نصیحتوں سے منتفع ہوں اور اس پر عمل کر کے اس کی ہدایتوں سے فائدہ اٹھائیں۔

یہاں اس آخری آیت کتاب انزلنٰہ الیک مبٰرک لیدبروا اٰیٰتہ ولیتذکر اولوا الالباب میں صاف تصریح ہے کہ یہ بابرکت کتاب یعنی قرآن کریم اس واسطے نازل کی گئی ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔اس کے علاوہ اور بھی قرآن پاک کی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں غور وفکر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔تو معلوم ہوا کہ قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کی آیات اور ان کے مطالب میں غور کرے مگر یہاں بالفاظ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھ لیا جائے کہ تدبر اور تفکر کے درجات علم وفہم کے درجات کی طرح مختلف ہوں گے۔ائمہ مجتہدین کا تفکر ایک ایک آیت سے ہزاروں مسائل نکالے گا عام علماء کا تفکر ان مسائل کے سمجھنے تک پہنچے گا۔عوام جو عربی زبان کے سمجھنے میں مہارت نہ رکھتے ہوں وہ اگر قرآن کریم کا معتبر ترجمہ اور تفسیر اپنی زبان میں پڑھ کر تدبر کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت اور آخرت کی فکر پیدا ہوگی جو کلید کامیابی ہے۔البتہ عوام کے لئے غلط فہمی اور مغالطوں سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی عالم سے قرآن کو سبقاً سبقاً پڑھیں اور اس کا مطلب سمجھیں۔یہ نہ ہو سکے تو کوئی مستند اور معتبر تفسیر کا از خود مطالعہ کریں اور جہاں کوئی شبہ پیش آئے تو اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں بلکہ ماہر علماء سے رجوع کریں۔'' (معارف القرآن جلد دوم) الغرض اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو قرآن کی آیتوں میں غور وفکر نہیں کرتے وہ اس کے نزول کا مقصد پورا نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے نزول کے مقصد کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔آمین۔

آیت کا آخری جملہ ولیتذکر اولوا الالباب اور تا کہ عقل مند اہل فہم واہل دانش نصیحت حاصل کریں یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سمجھ دار عقلمند اہل فہم واہل دانش وہی ہیں جو قرآن کریم سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں جو ایسا نہیں کرتے تو وہ اولوا الالباب کے مقابل یعنی احمق بیوقوف کم عقل نادان ٹھہرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اولوا الالباب میں شامل ہونا نصیب فرمائیں۔آمین۔

الغرض اوپر حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر تھا بیچ میں یہ مضمون آخرت کے متعلق آ گیا۔اب آگے حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمانؑ عطا کیا بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے جبکہ شام کے وقت اُن کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے

فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ

تو کہنے لگے کہ میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہوگیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ

مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾

سو انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار) سے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا اور ہم نے سلیمانؑ کو امتحان میں ڈالا اور ہم نے اُن کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا پھر انہوں نے (خدا کیطرف) رجوع کیا دعا مانگی

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾

کہ اے میرے رب میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانے میں) کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾

سو ہم نے ہوا کو اُن کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ (جانا) چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَاِنَّ لَهٗ

اور غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ (کسی کو) دو یا نہ دو تم سے کچھ دارو گیر نہیں۔ اور اُن کیلئے

عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾

ہمارے یہاں قرب اور نیک انجامی ہے۔

وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لِدَاوٗدَ داؤد کو	سُلَيْمٰنَ سلیمان	نِعْمَ الْعَبْدُ بہت اچھا بندہ	اِنَّهٗ بیشک وہ	اَوَّابٌ رجوع کرنیوالا	اِذْ جب	عُرِضَ پیش کئے گئے
عَلَيْهِ اس پر۔سامنے	بِالْعَشِيِّ شام کے وقت	الصّٰفِنٰتُ اصیل گھوڑے	الْجِيَادُ عمدہ	فَقَالَ تو اس نے کہا	اِنِّيْ بیشک میں	اَحْبَبْتُ میں دوست رکھا	
حُبَّ الْخَيْرِ مال کی محبت	عَنْ سے	ذِكْرِ رَبِّيْ اپنے رب کی یاد	حَتّٰى یہاں تک کہ	تَوَارَتْ چھپ گیا	بِالْحِجَابِ پردہ میں	رُدُّوْهَا پھیر لاؤ انہیں	
عَلَيَّ میرے سامنے	فَطَفِقَ پھر شروع کیا	مَسْحًا ہاتھ پھیرنا صاف کرنا	بِالسُّوْقِ پنڈلیوں پر	وَالْاَعْنَاقِ اور گردنوں	وَلَقَدْ اور البتہ		
فَتَنَّا ہم نے آزمائش کی	سُلَيْمٰنَ سلیمان	وَاَلْقَيْنَا اور ہم نے ڈالا	عَلٰي كُرْسِيِّهٖ اس کے تخت پر	جَسَدًا ایک دھڑ	ثُمَّ اَنَابَ پھر اس نے رجوع کیا		
قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اغْفِرْ لِيْ مجھے بخش دے تو	وَهَبْ لِيْ اور عطا فرمادے مجھے	مُلْكًا ایسی سلطنت	لَا يَنْۢبَغِيْ نہ سزاوار ہو		
لِاَحَدٍ کسی کو	مِّنْۢ بَعْدِيْ میرے بعد	اِنَّكَ بیشک تو	اَنْتَ تو	الْوَهَّابُ عطا فرمانے والا	فَسَخَّرْنَا پھر ہم نے مسخر کردیا	لَهُ اس کیلئے	الرِّيْحَ ہوا
تَجْرِيْ وہ چلتی تھی	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے	رُخَاۗءً نرمی سے	حَيْثُ جہاں	اَصَابَ وہ پہنچنا چاہتا	وَالشَّيٰطِيْنَ اور دیو (جنات)	كُلَّ تمام	
بَنَّاۗءٍ عمارت بنانے والا	وَّ اور	غَوَّاصٍ غوطہ مارنے والا	وَّاٰخَرِيْنَ اور دوسرے	مُقَرَّنِيْنَ جکڑے ہوئے	فِي الْاَصْفَادِ زنجیروں میں	هٰذَا یہ	

عَطَآؤُنَا ہمارا عطیہ	فَامْنُنْ اب تو احسان کر	اَوْ یا	اَمْسِكْ روک رکھ	بِغَيْرِ حِسَابٍ حساب کے بغیر	وَاِنَّ لَهٗ اور بیشک اس کیلئے	عِنْدَنَا ہمارے پاس
لَزُلْفٰى البتہ قرب	وَحُسْنَ اور اچھا	مَاٰبٍ ٹھکانا				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا۔ اب حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر اور آپ کے بعض واقعات ان آیات میں بیان فرمائے جاتے ہیں۔ ان آیات میں جو قرآن کریم کے مشکل ترین مقامات میں سے ایک ہے اس لئے اس کے ترجمہ اور تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے چونکہ یہاں اس مختصر درس میں علمی بحث اور مختلف تفاسیر اور ہر ایک کے دلائل بیان کرنا نہ مقصود ہے نہ اس کی گنجائش اس لئے ان آیات کا جو ترجمہ اور تشریح حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بیان کی ہے وہی اس درس میں اختیار کی گئی ہے۔

یہاں ان آیات میں پہلے بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام فرزند عنایت فرمایا جو انہی کی طرح نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی دو صفات بیان فرمائی گئیں۔ ایک نعم العبد فرمایا بہت اچھے بندے تھے۔ دوسری صفت فرمائی انه اواب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع ہونے والے تھے۔ اللہ کے سچے پرستار اور موحد تھے نہ کہ معاذ اللہ جیسا کہ بائبل اور اسرائیلی نوشتوں میں آپ کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہود میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مخالف رہے انہوں نے تو آپ پر گھناؤنے الزامات واتہامات لگائے ہیں جو آج بھی یہود کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہود کے اسی ناپاک پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ بائبل حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی کے بجائے محض ایک بادشاہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے یہود و نصاریٰ نے آپ کو دل کھول کر بدنام کیا ہے اور ہر طرح کی بدعقیدگی و برگشتگی وغیرہ کے الزامات آپ پر تھوپ دیئے ہیں۔ معاذ اللہ قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مقبولیت و برگزیدگی کی بار بار تصریح کی ہے۔ چنانچہ علاوہ دوسرے مقامات کے ان آیات میں شروع میں فرمایا نعم العبد انه اواب وہ بہت اچھے بندے تھے اور بہت اللہ کی طرف رجوع ہونے والے تھے۔ اور آخر میں فرمایا وان له عندنا لزلفیٰ و حسن مآب اور یقیناً ان کے لئے ہمارے ہاں خاص قرب اور نیک انجامی ہے۔ آگے ایک واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ قصہ بھی قابل ذکر ہے کہ نہایت اصیل، شائستہ اور تیز وسبک رفتار گھوڑے جو جہاد کے لئے پرورش کئے گئے تھے وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ گئی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا اور اس وقت کا کچھ معمول از قسم نماز یا وظیفہ وغیرہ فوت ہو گیا اور بوجہ ہیبت وجلالت کے کسی خادم وغیرہ کی جرات نہ ہوئی کہ مطلع ومتنبہ کرے۔ پھر جب خود ہی تنبہ ہوا تو فرمانے لگے کہ افسوس میں اس مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا حتیٰ کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ نہ ادا کر سکا۔ تو اگرچہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت اور خدا کی یاد کا تھا مگر خواص اور مقربین کو یہ فکر بھی رہتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلف نہ ہو اور ہوتا ہے تو صدمہ اور قلق سے بے چین ہو جاتے ہیں گو عذر ہی سے ہو۔ غزوۂ خندق یعنی جنگ احزاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔ باوجودیکہ آپ عین جہاد میں مشغول تھے اور کسی قسم کا گناہ آپ پر نہ تھا۔ لیکن جن کفار کے سبب سے ایسا پیش آیا آپ ان کے حق میں ملأ الله بيوتهم و قبورهم ناراً وغیرہ الفاظ سے بددعا فرما رہے تھے تو حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک موقوت عبادت کے فوت ہو جانے سے بیتاب ہو گئے۔

حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ جو یادالٰہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں۔ جب لائے گئے تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنی شروع کردیں تا کہ سبب غفلت کو اپنے سے اس طرح علیحدہ کریں کہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے۔ شاید اس وقت کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی اور آپ کے پاس گھوڑے وغیرہ اس کثرت سے ہوں گے کہ چند گھوڑوں کے قربان کر لینے سے مقصد جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہوگا تو ایک واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان آیات میں یہ بیان ہوا جس سے ظاہر ہوا کہ اتنے مال کثیر کی کچھ پروانہ کی بوجہ غایت ثبات فی الدین کے۔

اس واقعہ سے ایک تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی وقت اللہ کی یاد سے غفلت ہو جائے تو نفس کو سزا دینے کے لئے اسے کسی فعل مباح سے محروم کر دینا جائز ہے (معارف القرآن) اور حضرات صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے ''غیرت'' کہا جاتا ہے (بیان القرآن) اور اس کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوجہمؓ نے ایک شامی چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی جس پر کچھ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ آپ نے اس چادر میں نماز پڑھی اور واپس آ کر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ چادر ابوجہمؓ کو واپس کر دو کیونکہ نماز میں میری نگاہ اس کے نقش و نگار پر پڑ گئی تو قریب تھا کہ یہ نقش و نگار مجھے فتنہ میں ڈال دیں (معارف القرآن) اسی طرح حضرت ابوطلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے ہوئے ایک پرندہ کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے جس سے نماز کی طرف سے دھیان کچھ ہٹ گیا تو آپ نے وہ پورا باغ صدقہ کر دیا۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ موقوت عبادت کے وقت میں کسی دوسری عبادت میں بھی وقت صرف نہ کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جہاد کے گھوڑوں کا معائنہ خود ایک عبادت تھی لیکن چونکہ وہ وقت اس عبادت کے بجائے نماز یا کسی وظیفہ کا وقت تھا اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا جن کی وجہ سے یادالٰہی میں خلل واقع ہوا تھا۔ اور آپ نے اپنے بلند منصب کے پیش نظر اس کا تدارک فرمایا۔ شریعت اسلامیہ میں بھی فقہا نے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد جس طرح خرید و فروخت میں مشغولیت جائز نہیں اسی طرح نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا بھی جائز نہیں خواہ وہ تلاوت قرآن یا نفل پڑھنے کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ (معارف القرآن جلد ۷)

دوسرا واقعہ یہاں ان آیات میں یہ بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو ایک اور طرح سے بھی امتحان میں ڈالا کہ آپ کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا۔ یہاں آیت میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو یہ آزمائش پیش آئی تو وہ کیا تھی؟ صرف اس قدر اشارہ ہے کہ ان کی کرسی یا تخت پر ایک جسد یعنی جسم یا دھڑ لا ڈالا گیا۔ حدیث میں روایت ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے امرائے لشکر پر ان کی کسی کوتاہی جہاد پر خفا ہوئے اور جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ایک صحیح حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے فرمایا کہ آج کی رات میں اپنی ستر بیبیوں کے پاس جاؤں گا تا کہ ان میں سے ہر ایک بیوی ایک شہ زور لڑکا جنے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے لیکن یہ خیال ظاہر کرتے وقت آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے اور اس جملہ کو ادا نہ کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بیوی بھی حاملہ نہ ہوئی۔ البتہ ایک بیوی کے ناقص مردہ بچہ پیدا ہوا جس کا ایک پہلو ندارد تھا۔ اس کے بعد نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو ہر ایک حرم کے بطن سے مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوتا۔ تو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی ناقص الخلقت بچہ کو دایہ نے آپ کے سامنے تخت پر لا رکھا کہ یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ اسی کی نسبت آیت میں کہا گیا کہ ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ الا ڈالا۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو تنبیہ ہوا اور خدا کی طرف رجوع کیا اور ترک انشاء اللہ سے توبہ کی اور اس وقت آپ کے دل میں خیال آیا کہ یہ دو لغزشیں مجھ سے جو جہاد کے متعلق ہوئیں۔ ایک سواریوں کے سامان جمع کرنے میں دوسری سواروں کو مہیا کرنے میں تو گذشتہ لغزشوں سے توبہ کر کے ایسی دعا کرنی چاہئے کہ اس معتاد سامان کی ضرورت ہی نہ پڑے اس لئے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی کہ اے میرے رب میرا پچھلا قصور معاف فرما دیجئے اور آئندہ کے لئے مجھ کو ایسی سلطنت دیجئے کہ میرے سوا میرے زمانہ میں کسی کو میسر نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خطا بھی معاف کر دی اور آپ کی دعا بھی لا ثانی سلطنت ملنے کی قبول فرمائی۔ چنانچہ ہوا کو آپ کے تابع حکم کر دیا گیا کہ وہ آپ کے حکم سے جہاں جانا چاہتے چلتی اس سے گھوڑوں سے استغناء ہو گیا اور جنات کو بھی آپ کا تابع کر دیا کہ جو آپ کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بناتے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لئے سمندروں میں غوطہ لگاتے اور بہت سے جنات جو خدمت میں کوتاہی یا گریز کرتے تو ان کو سرکشی اور شرارت کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا جاتا تھا پس ان جنات کے تابع کر دینے سے آدمیوں اور سواروں سے استغناء ہو گیا اور پھر یہ تمام سامان عطا کر کے حق تعالیٰ نے ایک عظیم الشان احسان یہ فرمایا کہ اس نے انتہا دولت وثروت کے صرف وخرچ اور داد و دہش پر کوئی حساب کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ مگر لکھا ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت اور حکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔ آخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ علاوہ اس سامان کے جو دنیا میں ان کو عطا ہوا اُن کیلئے ہمارے یہاں خاص قرب اور اعلیٰ درجہ کی نیک انجامی ہے جس کا ثمرہ آخرت میں ظاہر ہوگا۔

الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ قصہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کے سلسلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ کے بعد سنایا گیا۔ اب آگے حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے نیک اور تابعدار بندوں میں شامل فرمائیں اور ہر معاملہ میں ہم کو اپنی ہی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ جو کچھ اس دنیا میں ہمیں مال و دولت آپ نے عطا فرمایا ہے اس کو اپنے راستہ میں لگانے اور اپنی مرضیات کے حاصل ہونے میں معین و مددگار بنا دیجئے۔ یا اللہ ہمارے دلوں کو دنیوی مال و دولت کے پیچھے اپنی یاد سے غافل نہ ہونے دیجئے اور ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائیے اور ہم سب کو انجام کی خیر و خوبی اور کامیابی اور کامرانی نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ

اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے۔ اپنا پاؤں مارو

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى

یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی (دیئے) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کیلئے

الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

یادگار رہنے کے سبب سے اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو اور اس سے مارلو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے ان کو صابر پایا اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے۔

وَاذْكُرْ اور آپ یاد کریں	عَبْدَنَآ ہمارا بندہ	اَيُّوْبَ ایوب	اِذْ نَادٰى جب اس نے پکارا	رَبَّهٗٓ اپنا رب	اَنِّىْ بیشک میں	مَسَّنِىَ مجھے پہنچایا	الشَّيْطٰنُ شیطان	
بِنُصْبٍ ایذا	وَّعَذَابٍ اور دکھ	اُرْكُضْ (زمین پر)	مار	بِرِجْلِكَ اپنا پاؤں	هٰذَا یہ	مُغْتَسَلٌ غسل کیلئے	بَارِدٌ ٹھنڈا	وَّشَرَابٌ اور پینے کیلئے
وَوَهَبْنَا اور ہم نے عطا کیا	لَهٗٓ اس کو	اَهْلَهٗ اسکے اہل خانہ	وَمِثْلَهُمْ اور ان جیسے	مَّعَهُمْ ان کیساتھ	رَحْمَةً ایک رحمت	مِّنَّا ہماری (طرف) سے		
وَذِكْرٰى اور نصیحت	لِاُولِى الْاَلْبَابِ عقل والوں کیلئے	وَخُذْ اور تو لے	بِيَدِكَ اپنے ہاتھ میں	ضِغْثًا جھاڑو	فَاضْرِبْ بِّهٖ اس سے مار اس کو			
وَلَا تَحْنَثْ اور قسم نہ توڑ	اِنَّا بیشک ہم	وَجَدْنٰهُ ہم نے اسے پایا	صَابِرًا صابر	نِعْمَ الْعَبْدُ اچھا بندہ	اِنَّهٗٓ بیشک وہ	اَوَّابٌ (اللہ کی طرف) رجوع کرنیوالا		

تفسیر و تشریح: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اب حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔ اس سے پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں تین جگہ آچکا ہے۔ ایک سورۂ نسآء میں دوسرے سورۂ انعام میں۔ اور ان دونوں جگہ فقط انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں نام مذکور ہے۔ تیسرے سورۂ انبیآء میں اور چوتھے یہاں ان آیات میں جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر آزمائش اور امتحان کا ایک سخت وقت آیا اور بلایا و مصائب نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا مگر آپ نہایت صابر و شاکر رہے۔ آخر کار حق تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور مصائب کے بادل سب دور ہو گئے اور حق تعالیٰ کے فضل و عطا نے دوبارہ ہر طرح مالا مال کر دیا۔ یہ تو ہے آپ کے واقعہ کا اجمال جس کی کچھ تفصیل سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں بیان ہو چکی ہے۔ باقی آپ کی شخصیت اور زمانہ کے متعلق تو اس میں مورخین کے مختلف اقوال ہیں اور علماء یہود و نصاریٰ کے درمیان تو سخت اختلاف ہے حتیٰ کہ ان میں سے تو بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ فرضی نام ہے اور ایوب کسی شخصیت کا نام نہیں ہے ہمارے علمائے محققین کا کہنا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام عرب ہیں اور آپ کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درمیانی عہد ہے۔ یعنی تقریباً ۱۵۰۰ ق م اور ۱۳۰۰ ق م کے درمیان۔

موقع کے مناسبت سے جو تفصیل حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعات کی سترہویں پارہ سورۂ انبیاء کی آیات کی تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں ذکر کی گئی ہے اس کا کچھ حصہ یہاں دہرایا جاتا ہے جو پہلے ملاحظہ کر لیا جائے۔

"بندگان خدا میں سے جس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ جس قدر تقرب حاصل ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ بلایا اور مصائب کی بھٹی میں تپایا جاتا ہے اور جب وہ ان کے پیش آنے پر صبر و استقامت سے کام لیتا ہے تو وہی مصائب اس کے درجات تقرب کی رفعت اور بلندی کے سبب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ

ایک حدیث میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مصائب میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد صلحا کا اور پھر حسب مراتب و درجات ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے پس اگر اس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔ وجاہت و عزت دولت و ثروت خوشحالی اور رفاہیت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اور احسان شناسی اتنی مشکل نہیں جتنا مصیبت و بلا رنج و غم عسرت و تنگ حالی میں رضا بالقضاء رہ کر صبر و استقامت پر قائم رہنا کٹھن ہے اس لئے جب کوئی خدا کا نیک بندہ شدت و سختی میں صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و شکر کا مسلسل مظاہرہ کرتا رہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آجاتی ہے اور اس پر فضل و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ غیر متوقع طور پر افضال و اکرام سے نوازا جاتا ہے اور دین و دنیا دونوں کی کامرانی کا حقدار بن جاتا ہے چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال اس کے لئے ایک روشن شہادت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا سلسلہ نسب اکثر مورخین کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے اور آپکا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے زمانہ کے درمیان ہونا بتلایا گیا ہے مختصراً صحیح روایات کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں ہر طرح آسودہ اور خوشحال رکھا تھا۔ مویشی باغات' کھیتیاں' کوٹھیاں' زمینیں' لونڈی غلام' اور اولاد صالح وغیرہ سب کچھ مرضی کے موافق عطا کئے تھے حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گزار اللہ کے نبی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا۔ بحکم الٰہی چند ہی روز میں تمام اولاد مر گئی۔ کوئی ڈوبا' کوئی مکان کے نیچے دب گیا کوئی کسی مرض سے ختم ہو گیا۔ تمام

جانور گھوڑے اونٹ گائے بھینس بکریاں وغیرہ سب مر گئے کھیتیاں اور باغات جل گئے اور اجڑ گئے مکانات گر پڑے تمام سونا چاندی تلف ہو گیا لیکن حضرت ایوب علیہ السلام برابر صبر کے ساتھ شکر کرتے رہے۔ مصائب کا اس پر بھی خاتمہ نہ ہوا خود بیمار پڑ گئے اور سخت جسمانی اذیت اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ شہر کے باہر ایک جھونپڑی میں جا کر پڑ گئے۔ لیکن صبر و شکر سے کسی وقت اور کسی حال میں غافل نہ رہے۔ آپ کے ساتھ آپ کی غمگسار صرف ایک بیوی رہ گئیں جو آپ کی ہر طرح کی خدمت کرتیں اور محنت و کام کاج کر کے پیٹ پالنے کو بھی لایا کرتیں۔ مدتوں تک آپ ان بلایا اور مصائب میں گرفتار رہے۔ ایک قول میں ہے کہ آپ ۱۸ برس مصائب میں مبتلا رہے۔ ایک روایت میں تیرہ سال اور ایک میں سات سال آپ کے مصائب کا زمانہ رہا۔ لکھا ہے کہ جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی۔ اہل و عیال مر گئے۔ مال فنا ہو گیا۔ کوئی چیز ہاتھ میں باقی نہ رہی تو آپ ذکر خدا میں اور بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کئے۔ مال دیا' اولاد دی۔ اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو فارغ کر دیا اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خدایا تو نے جب مجھے تونگر اور اولاد اور اہل و عیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا نہ کبھی کسی پر ظلم و ستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادت اور بندگی میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو آرام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ تیری رضا مندی کی طلب میں اپنے راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا تھا۔ غرض کہ مدتوں آپ بلاؤں کی آزمائش میں مبتلا رہے۔ جب تکلیف و اذیت اور دشمنوں کے

طعن وتشنیع حد سے گزر گئے بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوبؑ نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی تو آپ بہت بے چین اور مضطرب ہوئے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دعا گو ہوئے اور مصائب کے دور ہونے کی دعا کی رب کو اس طرح پکارنا تھا کہ دریائے رحمت اللہ پڑا۔ خدائے ذوالجلال والاکرام نے پھر پہلا سا مال ومنال دے دیا۔ نئی اولاد بھی پہلے سے زائد ہوگئی۔ زمین سے چشمہ نکلا اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوگئے۔ آن کی آن میں سارا مرض جاتا رہا اور سب طرح درست ہوگئے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت ایوبؑ ایک مرتبہ غسل کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں۔ ایوب علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو مٹھی بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پکارا ایوب! کیا ہم نے تم کو دھن دولت دے کر غنی نہیں بنا دیا؟ پھر یہ کیا؟ ایوب علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار یہ صحیح اور درست ہے مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کب کوئی بے پرواہ ہوسکتا ہے۔''

الغرض یہاں اس سورت میں ان آیات میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے بندہ ایوب کو یاد کیجئے جبکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھ کو رنج وآزار پہنچایا ہے اور یہ رنج وآزار حسب قول بعض مفسرین وہ ہے جو امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک بار شیطان بہ شکل طبیب کے ایوب علیہ السلام کی بی بی کو راستہ میں ملا۔ انہوں نے اس کو طبیب سمجھ کر حضرت ایوب علیہ السلام کے علاج کی جن کے جسم کو کوئی سخت بیماری لگ گئی تھی درخواست کی۔ اس نے کہا کہ اس شرط سے علاج کرنے کو تیار ہوں کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی۔ میں اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا۔ آپ کی بی بی نے آ کر آپ سے ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو شیطان تھا اور آپ کو اس سے سخت رنج پہنچا کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے جو ظاہراً موجب شرک ہیں۔ اس پر آپ نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دے دے تو میں تم کو ۱۰۰ قمچیاں ماروں گا تو ازالۂ مرض کے لئے آپ پہلے بھی دعا کیا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں آیا ہے **انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین**۔ یعنی میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں۔ مگر اس واقعہ کے بعد اور زیادہ ابتہال اور تضرع سے دعا کی کہ کمبخت شیطان نے مجھے اس واقعہ سے رنج وآزار پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو چنانچہ انہوں نے تعمیل ارشاد کی تو وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا حکم ہوا کہ اسی چشمہ کے پانی سے غسل کرو اور اسی کو پیو۔ چنانچہ آپ نہائے اور پانی پیا اور بالکل اچھے تندرست ہوگئے اور آپ کے گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے یا آپ سے غائب ہوگئے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان سے دگنے عطا کر دیئے اس طرح کہ یا تو وہ آپ کے پاس آ گئے اور یا اتنے ہی اور پیدا ہوگئے۔ یہاں ان آیات میں اور سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں دونوں جگہ حضرت ایوب علیہ السلام کو انتہائی آزمائش وامتحان کے بعد تندرستی اولاد واموال دوبارہ عطا کرنے میں حق تعالیٰ نے دو وجوہات بیان فرمائیں ایک وجہ تو یہ کہ اپنی رحمت خاصہ فرمائی' یعنی حضرت ایوب علیہ السلام نے رحم کی درخواست کی اور ان کی حالت قابل رحم ہوگئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی طرف سے رحمت نازل فرمائی۔ اور دوسری وجہ یہ فرمائی کہ اہل عقل کے لئے یہ ایک یادگار رہے گی یعنی اہل عقل یاد

رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صابروں کو کیسی جزا دیتے ہیں اور جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا ہے اور خدائے واحد کی طرف رجوع کرتا ہے تو حق تعالیٰ کس طرح اس کی وکالت و کفالت فرماتے ہیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ صحت و عافیت کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام نے جو بیماری کی حالت میں قسم کھائی تھی کہ تندرست ہو گئے تو بیوی کے ۱۰۰ قمچیاں ماریں گے کیونکہ شیطان نے بیوی سے شرک کے کلمات کہلوانے چاہے تھے تو اب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پورا کرنے کا ارادہ کیا مگر چونکہ ان بی بی نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور مصائب کے زمانہ میں بڑی وفاداری اور غمخواری کے ساتھ خدمت کی تھی اور وہ چنداں قصوروار بھی نہ تھیں اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان نیک بی بی کی نیکی اور شوہر کے ساتھ وفاداری کے صلہ میں قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ حضرت ایوب علیہ السلام کو تلقین فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اے ایوب تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو جس میں ۱۰۰ سینکیں ہوں۔ اس سے اپنی بی بی کو ایک مرتبہ مار لو قسم پوری ہو جائے گی چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اس موقع پر حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس طرح قسم پورا ہو جانا یہ مخصوص تھا ایوب علیہ السلام کے ساتھ اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ و غرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے۔ جیسے اسقاط زکوٰۃ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں کہ جب مال پر سال گزرنے کا وقت آیا تو اس کو کسی اور کی ملک میں دے دیا اور پھر بعد میں اپنی ملک میں لے لیا گویا اس طرح نہ پورا سال مال کا مالک رہا نہ زکوٰۃ فرض ہوئی تو ایسا حیلہ جس سے حکم شرعی اور مقصد دینی کا ابطال ہو جائز نہیں اور جس میں یہ نہ ہو بلکہ کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے یعنی جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی نیکی کا ذریعہ بنتا ہو اس کی اجازت ہے۔ آیات کے اخیر میں پھر حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا صابر اور اچھا بندہ پایا کہ جو خدا کی طرف رجوع ہوتے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قرآنی واقعہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ کسی حالت میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس لئے کہ مایوسی اور ناامیدی کفر کا شیوہ ہے۔ عیش و راحت میں تواضع اور شکر اور رنج و مصیبت میں ضبط و صبر دو ایسی بیش بہا نعمتیں ہیں کہ جس کو یہ نصیب ہو جائیں وہ دین و دنیا میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہر حال میں اس کی رفیق رہتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت اور بلا محض گناہوں کی پاداش ہی میں وجود پذیر نہیں ہوتی بلکہ کبھی آزمائش اور امتحان بھی بن کر آتی ہے اور انبیاء و صالحین و متقین و صابرین و شاکرین کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت ہوا کرتی ہے۔ اس لئے ہر کسی کو ابتلا میں دیکھ کر یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا **رب انی مسنی الضروانت ارحم الراحمین**۔ جو سورۂ انبیاء میں آئی ہے اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب ''اعمال قرآنی'' میں لکھا ہے کہ یہ دعا بلا اور مصیبت کے وقت پڑھے تو انشاء اللہ نجات ہوگی۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کی طرف سے جو دکھ اور رنج پہنچتا تھا اس پر صبر کی تلقین فرمائی گئی تھی اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت اور تسلی کے لئے تیسرا قصہ حضرت ایوب علیہ السلام کا سنایا گیا اس کے بعد آگے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ حضرت اسماعیلؑ حضرت یسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا اجمالاً ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ

اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ

ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ

یاد آخرت کی ہے اور وہ ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے تھے اور اسمٰعیلؑ اور یسعؑ اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے

وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ

اور یہ سب بھی سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا اور پرہیزگاروں کیلئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانہ ہے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات

الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ

جن کے دروازے اُن کے واسطے کھلے ہوں گے وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی

اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

(اے مسلمانو) یہ وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے روزِ حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے بے شک یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم ہی نہیں۔

وَاذْكُرْ اور یاد کریں	عِبٰدَنَا ہمارا بندوں	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	وَ اور	اِسْحٰقَ اسحٰقؑ	وَيَعْقُوْبَ اور یعقوبؑ	اُولِي الْاَيْدِيْ ہاتھوں والے	
وَالْاَبْصَارِ اور آنکھوں والے	اِنَّا بیشک ہم	اَخْلَصْنٰهُمْ ہم نے انہیں ممتاز کیا	بِخَالِصَةٍ خاص صفت	ذِكْرَى یاد	الدَّارِ گھر (آخرت کا)	وَ اور	
اِنَّهُمْ بیشک وہ	عِنْدَنَا ہمارے نزدیک	لَمِنَ البتہ۔ سے	الْمُصْطَفَيْنَ چنے ہوئے	الْاَخْيَارِ سب سے اچھا	وَاذْكُرْ اور یاد کریں	اِسْمٰعِيْلَ اسمٰعیل	
وَ اور	الْيَسَعَ الیسعؑ	وَذَا الْكِفْلِ اور ذوالکفل	وَكُلٌّ اور یہ تمام	مِنَ سے	الْاَخْيَارِ سب سے اچھے لوگ	هٰذَا ذِكْرٌ یہ ایک نصیحت	وَاِنَّ اور بیشک
لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	لَحُسْنَ البتہ اچھا	مَاٰبٍ ٹھکانا	جَنّٰتِ باغات	عَدْنٍ ہمیشہ رہنے کے	مُفَتَّحَةً کھلے ہوئے	لَّهُمُ ان کیلئے	
الْاَبْوَابُ دروازے	مُتَّكِـِٕيْنَ تکیہ لگائے ہوئے وہ	فِيْهَا ان میں	يَدْعُوْنَ منگوائیں گے	فِيْهَا ان میں	بِفَاكِهَةٍ میوے	كَثِيْرَةٍ بہت سے	
وَشَرَابٍ اور شراب (مشروبات)	وَعِنْدَهُمْ اور ان کے پاس	قٰصِرٰتُ نیچے رکھنے والیاں	الطَّرْفِ نگاہ	اَتْرَابٌ ہم عمر	هٰذَا یہ	مَا جو۔ جس	
تُوْعَدُوْنَ وعدہ کیا جاتا ہے تم سے	لِيَوْمِ الْحِسَابِ روزِ حساب کیلئے	اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	لَرِزْقُنَا یقیناً ہمارا رزق	مَا لَهٗ اس کیلئے۔ اسکو نہیں	مِنْ نَّفَادٍ ختم ہونا	

تفسیر و تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کی طرف سے جو قولی اور فعلی ایذائیں اور دکھ و رنج پہنچتا تھا اس پر گذشتہ میں صبر کرنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اور اسی سلسلہ میں آپ کی تقویت و تسلی کے لئے پہلے انبیاء میں سے حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بعض واقعات وحالات سنائے گئے تھے۔ گذشتہ درس میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا کہ آپ نے بھی طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں اور مصائب جھیلے لیکن ہر حال میں صبر وشکر سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے رہے اور سوائے اللہ کے کسی سے مدد طلب نہ کی۔

اب آ گے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ گذشتہ پیغمبروں میں سے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کیجئے۔ ان کے حالات و واقعات سے دل کو تسلی اور تقویت حاصل ہو گی کہ کس طرح ان سب نے مشکلات کے اندر پھنس کر صحیح علم وعمل سے کام لیا کہ ان کے اعمال بھی بہت بہتر تھے اور صحیح علم بھی رکھتے تھے ساتھ ہی عبادت خدا میں قوی تھے اور قدرت کی طرف سے ان کو بصیرت عطا فرمائی گئی تھی کہ دین میں سمجھ دار تھے۔ اطاعت خدا میں نہایت بلند درجہ استقامت رکھتے تھے۔ حق کو دیکھنے والے تھے اور ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی صرف آخرت ہی کا خیال ہر وقت بندھا رہتا تھا ہر عمل آخرت ہی کیلئے ہوتا تھا۔ دنیا کی محبت سے وہ الگ تھے اور آخرت کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے وہ اعمال اختیار کرتے تھے جو جنت کا مستحق بنا دیں اور دوسروں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دیتے تھے انہیں اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن بہترین بدلہ اور افضل مقامات عطا فرمائے گا۔ یہ سب اللہ کے مخلص اور خاص الخاص بندے تھے۔ یہاں ان آیات میں تینوں انبیائے کرام علیہم السلام کی خاص صفت ذکری الدار بیان کی گئی یعنی دار آخرت کی یاد۔ ظاہر ہے کہ انبیائے کرام میں یہ صفت سب سے زیادہ تام اور کامل ہوتی ہے اور یہ شاید اس لئے جتلایا گیا کہ اہل غفلت کے بھی کان کھلیں کہ جب حضرات انبیاء اس فکر سے خالی نہ تھے اور ان کی ساری سعی اور فکر آخرت کے لئے تھی تو ہم کس شمار میں ہیں۔ یہاں آخرت کے لئے صرف الدار یعنی گھر کا لفظ استعمال فرمایا گیا جس سے یہ حقیقت ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ دنیا سرے سے انسان کا گھر ہے ہی نہیں بلکہ یہ صرف ایک گزرگاہ یا مسافر خانہ ہے کہ جس سے آدمی کو بہر حال بعد چندے رخصت ہو جانا ہے۔ اصل اور دائمی گھر وہی آخرت کا گھر ہے جو شخص اس کو سنوارنے کی فکر کرتا ہے وہی صاحب بصیرت اور صاحب عقل و فہم ہے۔ رہا وہ شخص جو اس مسافر خانے میں اپنے عارضی اور چند روزہ قیام گاہ کی فکر میں اس طرح رہتا ہے کہ جس سے آخرت کا اصل گھر اس کے لئے ویران اور اجاڑ ہو جائے تو وہ عقل کا پورا اندھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسماعیل علیہ السلام اور یسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے کہ یہ سب بھی ہمارے پسندیدہ اور خاص بندوں میں سے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو مشہور و معروف نبی ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے اور جو ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں اور آپ کا ذکر متعدد بار گذشتہ سورتوں میں آ چکا ہے۔ حضرت یسع اور ذوالکفل علیہما السلام کے حالات پر قرآن کریم نے زیادہ روشنی نہیں ڈالی صرف انبیاء کی فہرست میں ان کے نام مذکور ہیں۔ حضرت یسع کا ذکر ایک تو سورۂ انعام ساتویں پارہ میں دوسرے انبیاء کرام کے ناموں کے ساتھ آیا ہے اور دوسری جگہ اسی سورۂ ص میں یہاں ان آیات میں ذکر فرمایا گیا۔ علماء نے کتب تواریخ سے یہ لکھا ہے کہ حضرت یسع حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اور ابتداء عمر میں آپ حضرت الیاس کی رفاقت میں رہتے تھے۔ حضرت الیاسؑ کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے حضرت یسع کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ نے حضرت الیاسؑ کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی رہنمائی فرمائی۔ حضرت ذوالکفلؑ کا ذکر بھی قرآن پاک میں دو سورتوں میں آیا ہے ایک سورۂ انبیاء سترہویں پارہ میں اور دوسرے اسی سورۂ ص میں اور دونوں جگہ سوائے نام کے ذکر کے اور کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ اسی طرح احادیث میں بھی کوئی تفصیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں لہذا قرآن حدیث کی روشنی میں اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ ذوالکفل علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے اور کسی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ امام طبری نے اپنی تاریخ طبری میں آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام کا بیٹا بتایا ہے۔ بہر حال حضرت ذوالکفل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ الغرض حضرت اسماعیل حضرت یسع اور حضرت

ذوالکفل تینوں حضرات کے متعلق فرمایا کہ یہ اخیار یعنی نیکوکاروں اور اچھے لوگوں میں سے تھے۔آ گے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تو انبیاء کا ذکر تھا کہ جن کے واقعات و حالات ذکر کرنے سے نیک باتوں اور اچھی صفتوں کو اختیار کرنے کا شوق ہوتا ہے۔آ گے ان کا حال سنو کہ جو نبیوں کی پیروی کر کے اللہ کے آگے جھکے اور اس کے عذاب سے ڈر کر دنیا میں بری باتوں سے بچتے رہے جن کو متقی اور پرہیز گار کہا جاتا ہے۔ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کتنا پاک بدلہ اور اچھا ٹھکانا اور کیسی پیاری جگہ یعنی ہمیشگی کی جنت تیار کر رکھی ہے اور آگے کچھ جنت کے حالات بیان فرمائے جاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جس کے اندر اچھے اچھے مکانات اور محلات بنے ہوئے ہیں جن کے دروازے ان متقین کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنے اپنے مکان پہچان کر بلا روک ٹوک اندر چلے جائیں گے۔

مسندوں پر تکیے لگے لگائے تیار ہوں گے ان پر آرام سے بیٹھ جائیں گے اور میوؤں اور کھانے پینے کی چیزوں کی جنت کے خادموں سے فرمائش کریں گے جو فوراً خدام باسلیقہ حاضر کر دیں گے اور ان کے پاس عفیفہ، پاک دامن، نیچی نگاہوں والی اور ان سے محبت رکھنے والی حوریں ہوں گی جن کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اٹھیں اور ان کی ہم عمریا سب ایک ہی عمر کی ہوں گی تو ان صفات والی جنت کا وعدہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے ایمان دار بندوں سے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔قیامت کے دن یہ اس کے وارث اور مالک ہوں گے اور اللہ کا یہ عطیہ کبھی ختم نہ ہونے والی لازوال نعمتیں ہوں گی۔نہ ان میں کبھی کمی آئے گی نہ گھاٹا آئے گا اور نہ کبھی وہ ختم اور فنا ہوں گی۔مولائے کریم اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی یہ لازوال نعمتیں آخرت میں عطا فرمائیں۔آمین۔

اب یہ تو ذکر اہل ایمان اور اہل سعادت متقی پرہیزگاروں کا ہوا آگے ان کے مقابل اہل شقاوت کفار و مشرکین و منکرین کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا اور انہیں کن حالات سے سابقہ پڑے گا جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آخرت کے ذکر و فکر کی توفیق عطا فرمائیں کہ ہم ہر حال میں دنیا سے آخرت کو مقدم رکھیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی اپنے متقین بندوں میں شامل فرماویں اور جس ٹھکانے کا متقین سے ان آیات میں وعدہ فرمایا گیا ہے وہ ٹھکانا ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے ہم سب کو سرفراز فرمائیں اور دنیا میں ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو آخرت میں ہم کو اللہ کے فضل سے جنت کی راحتیں نصیب ہوں۔

یا اللہ! آخرت سے غفلت کا مرض جو اب امت مسلمہ میں بھی گھس آیا ہے اس کو ہمارے دلوں سے دور فرما دیجئے اور آخرت کو سنوارنے کی فکر نصیب فرما دیجئے۔یا اللہ ہم اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھ کر یہاں اپنی زندگانی گزاریں اور جو آخرت ہمارا اصلی اور دائمی گھر ہے اس کو سنوارنے اور بنانے کی فکر میں لگے رہیں۔

یا اللہ! آخرت کو بگاڑ کر دنیا کے سنوارنے کی جو مذموم خصلت اب امت میں پھیل گئی ہے اس سے ہم کو محفوظ فرمایئے اور جو اس میں گرفتار ہیں ان کی بھی آنکھیں کھول دیجئے اور ہدایت نصیب فرمایئے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطّٰغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ

یہ بات تو ہو چکی اور سرکشوں کیلئے برا ٹھکانہ ہے یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو بہت ہی بری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے سو یہ لوگ اس کو چکھیں

وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخَرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُقْتَحِمٌ مَعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُو

اور بھی اسی قسم کی طرح طرح کی چیزیں ہیں یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ گھس رہے ہیں ان پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں آ رہے ہیں

النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ

وہ کہیں گے بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار (کیونکہ) تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے آگے لائے سو (جہنم) بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو شخص اس (مصیبت) کو

لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾

ہمارے آگے لایا ہو اس کو دوزخ میں دُونا عذاب دیجئے اور وہ لوگ کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (دوزخ میں) نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے

أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾

کیا ہم نے اُن لوگوں کی ہنسی کر رکھی تھی یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں چکرا رہی ہیں یہ بات یعنی دوزخیوں کا لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے۔

هٰذَا یہ	وَاِنَّ اور بیشک	لِلطّٰغِيْنَ سرکشوں کیلئے	لَشَرَّ البتہ بُرا	مَاٰبٍ ٹھکانا	جَهَنَّمَ جہنم	يَصْلَوْنَهَا وہ اس میں داخل ہونگے	فَبِئْسَ سو بُرا	
الْمِهَادُ بچھونا	هٰذَا یہ	فَلْيَذُوْقُوْهُ پس اس کو چکھو تم	حَمِيْمٌ کھولتا ہوا پانی	وَغَسَّاقٌ اور پیپ	وَاٰخَرُ اور اس کے علاوہ	مِنْ شَكْلِهٖ اس کی شکل کی		
اَزْوَاجٌ کئی قسمیں	هٰذَا یہ	فَوْجٌ ایک جماعت	مُقْتَحِمٌ گھس رہے ہیں	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	لَا مَرْحَبًا نہ ہو کوئی فراخی	بِهِمْ انہیں	اِنَّهُمْ بیشک وہ	
صَالُوا النَّارِ داخل ہونے والے جہنم میں	قَالُوْا وہ کہیں گے	بَلْ اَنْتُمْ بلکہ تم	لَا مَرْحَبًا کوئی فراخی نہ ہو	بِكُمْ تمہیں	اَنْتُمْ بیشک تم			
قَدَّمْتُمُوْهُ تم ہی یہ آگے لائے	لَنَا ہمارے لئے	فَبِئْسَ سو بُرا	الْقَرَارُ ٹھکانا	قَالُوْا وہ کہیں گے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	مَنْ قَدَّمَ جو آگے لایا		
لَنَا ہمارے لئے	هٰذَا یہ	فَزِدْهُ تو زیادہ کر دے	عَذَابًا عذاب	ضِعْفًا دو چند	فِي النَّارِ جہنم میں	وَقَالُوْا اور وہ کہیں گے	مَا لَنَا کیا ہوا ہمیں	
لَا نَرٰى ہم نہیں دیکھتے	رِجَالًا وہ لوگ	كُنَّا نَعُدُّهُمْ ہم شمار کرتے تھے انہیں	مِنَ سے	الْاَشْرَارِ شریر بہت بُرے	اَتَّخَذْنٰهُمْ کیا ہم نے انہیں پکڑا تھا			
سِخْرِيًّا ٹھٹھے میں	اَمْ یا	زَاغَتْ کج ہو گئی ہیں	عَنْهُمُ ان سے	الْاَبْصَارُ آنکھیں	اِنَّ ذٰلِكَ بیشک یہ	لَحَقٌّ بالکل سچ	تَخَاصُمُ باہم جھگڑنا	اَهْلِ النَّارِ اہل دوزخ

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان متقی پرہیزگار اہل سعادت کا ذکر ہوا تھا کہ آخرت میں ان کا ٹھکانا جنت ہوگا جہاں ہر طرح کا عیش راحت آرام اور اللہ کی دی ہوئی لازوال اور ابدی نعمتیں میسر ہوں گی جو نہ کبھی کم ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔ نہ فنا ہوں گی۔ اب ان اہل سعادت کے مقابلہ میں اہل شقاوت یعنی کفار و مشرکین وغیرہ کا حال بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ ترغیب کے بعد ترہیب اور وعدہ کے بعد وعید مذکور ہو کر دارالجزاء کا بیان پورا ہو جائے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو خدا کا حکم نہیں مانتے سرکش اور نافرمان ہیں ان کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم ہوگا جو بہت بری جگہ ہے آگے جہنم کا کچھ حال سنایا جاتا ہے کہ جب جہنمی اس میں داخل ہوں گے اور چاروں طرف سے آتش دوزخ انہیں گھیر لے گی تو گرمی کے مارے ان کا برا حال ہوگا۔ اوپر سے بھوک پیاس ستائے گی تو جیسا کہ دوسری آیات میں بتلایا گیا جہنمیوں کو کھانے کو زقوم ملے گا جسے کھا کر نہ نگلتے بنے گا نہ اگلتے بنے گا۔ پھر زقوم کھا کر پیاس

سے بے تاب ہوں گے تو حمیم اور غساق پینے کو دیا جائے گا۔ حمیم کہتے ہیں گرم کھولتے ہوئے پانی کو جس کی حرارت اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ غساق سے بعض نے کہا ہے کہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور ان کی آلائشیں مراد ہیں جس میں کہ سانپوں اور بچھوؤں کا زہر ملا ہوا ہوگا اور بعض کے نزدیک غساق حد سے زیادہ ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جس کے پینے سے سخت اذیت ہو گویا ایک طرف آگ کا گرم عذاب دوسری جانب ٹھنڈ کا سرد عذاب غساق کے تیسرے معنیٰ انتہائی بدبودار متعفن چیز کے ہیں۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غساق کا ایک ڈول اس دنیا میں بہا دیا جائے تو ساری دنیا اس کی سڑاند سے بدبودار ہو جائے۔ الغرض جہنمیوں کو پیاس کی بے تابی میں حمیم پینے کو دیا جائے گا جو اتنا گرم ہوگا کہ لبوں تک پہنچنے سے اوپر کا ہونٹ اس قدر سوج جائے گا کہ ناک اور آنکھیں تک ڈھک جائیں گی اور نیچے کا ہونٹ سوج کر سینے اور ناف تک پہنچے گا اور حلق سے نیچے اترتے ہی پھیپھڑے معدہ اور انتڑیوں کو پھاڑ دے گا اور غساق دیا جائے گا جس کی بدبوگندگی اور سڑاہند کا حال حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایک ڈول غساق اگر اس دنیا میں بہا دیا جائے تو ساری دنیا کو سڑا دے اور بدبودار کردے تو جن کو یہ پینا پڑے گا ان پر کیا گزرے گی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے ہم سب کو عذاب جہنم سے بچاویں۔ آمین۔ اسکے بعد بتلایا گیا کہ جہنمیوں کا آپس میں جھگڑا اور تنازع ہوگا ایک دوسرے کو برا کہیں گے اور لعنت ملامت کرینگے اور آپس میں ایک دوسرے پر الزام رکھیں گے جس وقت فرشتے ان کو یکے بعد دیگرے لا لاکر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے تو پہلا گروہ سرداروں اور بڑوں کا ہوگا۔ مقلدین اور متبعین کی جماعت آئیگی۔

ایک جماعت جو جہنم میں جاچکے گی وہ دوسری جماعت کو جہنم کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر کہے گی کہ لو دیکھو ایک اور فوج جہنم میں دھنسنے اور گرنے کے لئے چلی آرہی ہے۔ خدا کی مار ان پر۔ یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے۔ خدا کرے انہیں کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو! تم ہی پر خدا کی مار ہو۔ خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے۔ تم ہی تھے جن کے بہکانے اور گمراہ کرنے کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی۔ اب بتاؤ کہاں جائیں یہی جگہ ہم سب کے ٹھہرنے کی ہے۔ جس طرح ہو یہاں ہی مرو کھپو۔ اس طرح آپس میں لعن طعن کرکے پھر حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار جو اپنی شقاوت سے یہ بلا اور مصیبت ہمارے سر پر لایا اس کو جہنم میں دوگنا عذاب دیجئے۔ شاید سمجھیں گے کہ اس کا دگنا عذاب دیکھ کر اپنا دل ذرا ٹھنڈا ہوجائے گا مگر وہاں تسلی کا سامان کہاں۔ ایک دوسرے کو کوسنا۔ پھٹکارنا لعنت ملامت کرنا یہ بھی ایک مستقل عذاب ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے اس حالت سے ہم سب کو بچاویں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان جہنمیوں کے لئے ایک اور بڑی یاس اور حسرت کی بات یہ ہوگی کہ وہ حیران ہو کر ہر طرف دیکھیں گے کہ اس جہنم میں ہم اور ہمارے پیشوا اور جان پہچان والے ادنیٰ اور اعلیٰ تو سب موجود ہیں لیکن کیا بات ہے کہ ہمیں وہ لوگ اس دوزخ میں نظر نہیں آتے جنہیں ہم دنیا میں بُرا سمجھتے تھے اور ان کی تحقیر اور استہزا کرتے تھے اور خدا۔ رسول۔ آخرت کی باتیں کرنے پر جن کا ہم مذاق اُڑاتے تھے اور آجکل کے متکبرین کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ جنہیں مُلا ہٹے اور مسجد کے مینڈھے کہتے تھے۔ لکیر کے فقیر۔ دقیانوسی خیال والے سمجھتے تھے وہ اس جگہ نظر نہیں آتے تو حیران ہوکر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا وہ اس لائق نہ تھے کہ آج دوزخ کے قریب رہیں۔ یا اسی جگہ کہیں ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں کہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس جگہ لکھا ہے کہ اسی وقت اہل بہشت کی جانب سے آواز آئے گی کہ اے اہل جہنم ادھر دیکھو ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا تم اپنی کہو کیا خدا کے وعدے تمہارے حق میں بھی سچے نکلے؟ یہ اہل جہنم جواب دیں گے کہ ہاں بالکل سچے نکلے۔ اسی وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو اخیر میں فرمایا گیا کہ یہ جو کچھ بتلایا گیا کہ جہنمی آپس میں لڑے جھگڑیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔ یہ سب سرتاسر حقائق ہیں اور بالکل سچی۔ واقعی اور ٹھیک خبریں۔ بالکل یقینی ایسا ہی ہونا اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو (تم کوعذاب خداوندی سے) ڈرانیوالا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا

بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ

جو ان کے درمیان میں ہیں (اور وہ) زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے۔ جس سے تم بے پرواہو رہے ہو مجھ کو عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی

الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ

جبکہ وہ گفتگو کررہے تھے میرے پاس وحی محض اس سبب سے آتی ہے کہ میں (منجانب اللہ) صاف صاف ڈرانیوالا ہوں جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں

خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾

گارے سے ایک انسان کو بنانے والا ہوں سو میں جب اُس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾

سو سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم کو) سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔

قُلْ فرمادیں	اِنَّمَآ اسکے سوانہیں	اَنَا کہ میں	مُنْذِرٌ ڈرانے والا	وَّمَا اور نہیں	مِنْ اِلٰهٍ کوئی معبود	اِلَّا اللّٰهُ اللہ کے سوا	الْوَاحِدُ واحد (یکتا)
الْقَهَّارُ زبردست	رَبُّ پروردگار	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	الْعَزِيْزُ غالب	
الْغَفَّارُ بڑا بخشنے والا	قُلْ فرمادیں	هُوَ وہ۔یہ	نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ایک خبر بڑی	اَنْتُمْ تم	عَنْهُ اس سے	مُعْرِضُوْنَ منہ پھیرنے والے (بے پرواہ ہو)	
مَا كَانَ نہ تھا	لِيَ میرے پاس (مجھے)	مِنْ عِلْمٍ کچھ خبر	بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى عالم بالا کی	اِذْ جب	يَخْتَصِمُوْنَ وہ باہم جھگڑتے تھے	اِنْ يُّوْحٰٓى نہیں وحی کی جاتی	
اِلَيَّ میری طرف	اِلَّآ سوائے	اَنَّمَآ یہ کہ	اَنَا نَذِيْرٌ میں ڈرانے والا	مُّبِيْنٌ صاف صاف	اِذْ قَالَ جب کہا	رَبُّكَ تمہارا رب	لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں کو
اِنِّيْ کہ میں	خَالِقٌ پیدا کرنیوالا	بَشَرًا ایک بشر	مِّنْ طِيْنٍ مٹی سے	فَاِذَا پھر جب	سَوَّيْتُهٗ میں درست کر دوں اسے	وَنَفَخْتُ اور میں پھونکوں	
فِيْهِ اس میں	مِنْ سے	رُّوْحِيْ اپنی روح	فَقَعُوْا تو تم گر پڑو	لَهٗ اس کیلئے آگے	سٰجِدِيْنَ سجدہ کرتے ہوئے	فَسَجَدَ پس سجدہ کیا	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے
كُلُّهُمْ سب	اَجْمَعُوْنَ اکٹھے	اِلَّآ سوائے	اِبْلِيْسَ ابلیس	اِسْتَكْبَرَ اس نے تکبر کیا	وَكَانَ اور وہ ہوگیا	مِنَ سے	الْكٰفِرِيْنَ کافروں

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس سورۃ کا بنیادی اور اصل مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اثبات اور کفار ومشرکین کی تردید ہے اسی ضمن میں کئی انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر فرمائے گئے دو خاص مقاصد کے لئے۔ اول یہ کہ کفار مکہ کے افعال و اقوال سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا آپ کو تسلی اور تقویت ہو اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ بھی کفار ومنکرین کی بے ہودہ باتوں پر صبر کریں۔ دوسرے یہ کہ انبیائے سابقین کے واقعات سے خود کفار ومنکرین عبرت حاصل کریں کہ نبی برحق کے انکار وتکذیب کا کیا انجام ونتیجہ ہوتا ہے۔ پھر ایک اور طریقہ سے کفار ومنکرین کو دعوت ایمان و اسلام دی گئی اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان کی نیک انجامی اور

کافروں کی بدانجامی کا نقشہ کھینچا گیا اور بتایا گیا کہ اہل ایمان فرمانبردار متقی و پرہیزگار بندوں کا ٹھکانا آخرت میں جنت ہوگا جو آرام وسکون راحت اور آسائش کا خزانہ ہے اور بے ایمان سرکش اور نافرمانوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو بے انتہا دکھ درد اور مصیبت کا گھر ہے جس سے یہی سمجھانا مقصود تھا کہ انسان کو لازم ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندگی دنیا میں بسر کرے تا کہ آخرت میں جنت اس کا ٹھکانہ ہو اور کفر وشرک نافرمانی و سرکشی سے باز آئے ورنہ آخرت میں پچھتائے گا اور سر پکڑ کر روئے گا اور جہنم جیسی بری جگہ ٹھکانا نصیب ہوگا۔ ان تمام مضامین کے بعد اب اخیر میں یہاں سے پھر اصلی مدعا یعنی توحید و رسالت پر کلام فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ سنانے کے بعد آپ ان منکرین سے جو توحید ورسالت کے مسئلہ میں تکذیب و انکار کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ تم جو میری رسالت اور توحید الٰہی کا انکار کر رہے ہو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے میرا کچھ ضرر نہیں کیونکہ میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ میں تم کو اُس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں۔ اور برے انجام سے تم کو ڈرادوں باقی واسطہ اور سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ تو وہی اکیلا خدا ہی جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم نہیں مار سکتا وہی ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز اس کے ماتحت ہے۔ آسمان زمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو۔ جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے ان کو توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس عزیز و غالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے اور اس کے زبردست قبضہ سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ وحدہٗ لاشریک بڑا رحم کرنے والا اور بخشنے والا ہے بندہ سے کوئی گناہ ہو جائے اور اس کے آگے سچے دل سے توبہ کر کے معافی مانگ لے تو وہ غفار اس کا گناہ بخش دیتا ہے اور میں جو تمہیں توحید و رسالت قیامت و آخرت اور جزا و سزا اور جنت و جہنم سے متعلق جو خبریں سنا رہا ہوں تو یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی بھاری اور یقینی خبر ہے جو میں تم کو دے رہا ہوں مگر افسوس ہے کہ تم ان باتوں کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ جو کچھ تمہاری خیر خواہی میں کہا جاتا ہے دھیان میں نہیں لاتے بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہو۔ میں جو یہ کہتا ہوں کہ مر کر دوبارہ جینا ہوگا۔ قیامت قائم ہوگی عملوں کا حساب ہوگا نافرمانوں کو جہنم میں فرمانبرداروں کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ مجھے ملاء اعلیٰ یعنی ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس کہ جہاں نظام عالم کے فنا و بقاء و تدابیر الٰہیہ کے متعلق گفتگو یا قیل وقال ہوتی ہے مجھے اس کی کیا خبر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وحی کے ذریعہ سے جن باتوں پر مطلع فرما دیا وہ بیان کر دیئے جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی اور بتلانے سے کہتا ہوں مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ یہ انذار یعنی ڈرانے کے لئے نہ ضروری ہے نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی ہے۔ میرے پاس جو وحی آتی ہے جس سے احوال ملاء اعلیٰ بھی معلوم ہوتے ہیں تو محض اس سبب سے آتی ہے کہ منجانب اللہ صاف صاف ڈرانے والا کر کے بھیجا گیا ہوں یعنی چونکہ مجھ کو پیغمبری عنایت کی گئی ہے اس لئے وحی نازل ہوتی ہے پس واجب ہے کہ تم میری رسالت کی تصدیق کرو اور میرے کہنے اور بتلانے کے موافق اپنا عقیدہ اور ایمان رکھو۔ آگے سورۃ کے اخیر میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ سنایا جاتا ہے جس سے عام انسانوں کو تو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ ابلیس لعین حضرت آدم علیہ السلام کا اور آپ کی اولاد کا قیامت تک کا دشمن ہے لہٰذا اس

کے ہتھکنڈوں سے بچو۔ رسول کی نصیحت بے غرض ہے اسے مانو اگر نہ مانا تو پچھتاؤ گے اور کفار مکہ کو یہاں قصہ آدم وابلیس سنا کر یہ جتلانا مقصود ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے اور آپ کے سامنے جھکنے سے جو تکبر تمہیں مانع ہورہا ہے وہی تکبر ابلیس کو حضرت آدم کے آگے جھکنے سے مانع ہوا تھا جس پر ابلیس خدا کے حکم کے مقابلہ میں سرکشی کر کے لعنت کا مستحق ہوا اسی طرح تم جو اللہ ورسول کے معاملہ میں تکبر برت رہے ہو اگر اس سے باز نہ آئے تو پھر آخر کار تمہارا بھی وہی انجام ہونا ہے جو ابلیس لعین کا ہوا۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں بے شمار نصائح' عبرتیں اور مسائل کا ذخیرہ موجود ہے اس لئے قرآن پاک نے اس واقعہ کو مختلف سورتوں میں ان سورتوں کے مضامین کے مناسب بار بار بیان فرمایا ہے۔ کہیں واقعہ کی تفصیل ہے کہیں اجمال ہے۔ کسی مقام پر ایک پہلو نظرانداز کر دیا گیا تو دوسرے مقام پر اسی کو نمایاں فرمایا گیا۔ اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ سورۂ بقرہ۔ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں مضمون کی مناسبت سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں کو یہ اطلاع دی کہ میں عنقریب مٹی سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جو بشر کہلائے گی تو جب میں اس کو بنا سنوار لوں اور اس میں روح پھونک دی جائے اور جان پڑ جائے تو تم سب اس بشر کے آگے تعظیم کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔ ابلیس جو خلقت میں جنات میں سے تھا اور کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا اس کو بھی فرشتوں میں شامل ہونے کی وجہ سے اس حکم خداوندی کی تعمیل کرنا تھی۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا اور جب یہ مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس جسد خاکی میں روح پھونکی اور حضرت آدم علیہ السلام ایک گوشت پوست ہڈی پٹھے وغیرہ کے زندہ انسان ارادہ شعور حس وعقل کیفیات اور جذبات کے حامل نظر آنے لگے۔ ارشاد خداوندی کے موافق تمام فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ تعظیمی کیا مگر ابلیس نے غرور اور تمکنت کے ساتھ صاف انکار کر دیا۔

اب جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو اس کی باز پرس ہوئی اور حق تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ ابلیس نے کیا جواب دیا اور پھر اس کا کیا انجام ہوا یہ اگلی خاتمہ کی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو دولت اسلام اور ایمان کی عطا فرمائی ہے اس پر حقیقی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنا تابعدار اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات اور تعلیمات اور جو احکام خداوندی ہم کو پہنچائے ہیں ان پر ہم کو ایمان صادق کے ساتھ اتباع کامل بھی نصیب ہو۔ تکبر اور غرور جو شیطانی خصلت ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں اور ہم کو اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ کاملہ عطا فرمائیں۔ یا اللہ ابلیس آپ کے حکم کے مقابلہ میں سرکشی کرنے سے جو کافر ہو گیا تو اس کے انجام بد سے نہ صرف کفار مشرکین بلکہ اہل اسلام کو بھی عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما دے اور ہم کو ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کی توفیق نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون چیز مانع ہوئی کیا تو غرور میں آ گیا یا یہ کہ تو بڑے درجہ والوں میں ہے

أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ

کہنے لگا کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس (آدمؑ) کو خاک سے پیدا کیا ہے ارشاد ہوا کہ تو آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا۔ اور بیشک

عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٨٠﴾

تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک کہنے لگا تو پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک ارشاد ہوا تجھ کو وقت معین کی تاریخ تک

إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾

مہلت دی گئی کہنے لگا سو تیری عزت کی قسم کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ

ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو (ہمیشہ) سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن (کی تبلیغ) پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں سے ہوں یہ قرآن تو (اللہ کا کلام اور) دنیا جہان والوں کیلئے بس ایک نصیحت ہے اور تھوڑے دنوں پیچھے تم کو اس کا حال معلوم ہو جاوے گا۔

قَالَ اس نے فرمایا	يَا إِبْلِيسُ اے ابلیس	مَا مَنَعَكَ کس نے منع کیا تجھے	أَنْ تَسْجُدَ کہ تو سجدہ کرے	لِمَا اس کو جسے	خَلَقْتُ میں نے پیدا کیا		
بِيَدَيَّ اپنے ہاتھوں سے	أَسْتَكْبَرْتَ کیا تو نے تکبر کیا	أَمْ كُنْتَ یا تو ہے	مِنَ سے	الْعَالِينَ بلند درجہ والے	قَالَ اس نے کہا	أَنَا میں	خَيْرٌ بہتر
مِنْهُ اس سے	خَلَقْتَنِي تو نے پیدا کیا مجھے	مِنْ نَارٍ آگ سے	وَ اور	خَلَقْتَهُ تو نے پیدا کیا اسے	مِنْ سے	طِينٍ مٹی	قَالَ اس نے فرمایا
فَاخْرُجْ پس نکل جا	مِنْهَا یہاں سے	فَإِنَّكَ کیونکہ تو	رَجِيمٌ راندۂ درگاہ	وَإِنَّ اور بیشک	عَلَيْكَ تجھ پر	لَعْنَتِي میری لعنت	إِلَىٰ تک
يَوْمِ الدِّينِ روز قیامت	قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	فَأَنْظِرْنِي پس تو مجھے مہلت دے	إِلَىٰ تک	يَوْمِ يُبْعَثُونَ جس دن اٹھائیں جائیں گے		
قَالَ اسنے فرمایا	فَإِنَّكَ پس بیشک تو	مِنَ سے	الْمُنْظَرِينَ مہلت دیئے جانیوالے	إِلَىٰ تک	يَوْمِ دن	الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ وقت معین	قَالَ اس نے کہا
فَبِعِزَّتِكَ سو تیری عزت کی قسم	لَأُغْوِيَنَّهُمْ میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا	أَجْمَعِينَ سب	إِلَّا سوائے	عِبَادَكَ تیرے بندے	مِنْهُمُ ان میں سے		
الْمُخْلَصِينَ مخلص	قَالَ اس نے فرمایا	فَالْحَقُّ یہ حق (سچ)	وَالْحَقَّ اور سچ	أَقُولُ میں کہتا ہوں	لَأَمْلَأَنَّ میں ضرور بھر دوں گا	جَهَنَّمَ جہنم	
مِنْكَ تجھ سے	وَمِمَّنْ اور ان سے جو	تَبِعَكَ تیرے پیچھے چلیں	مِنْهُمْ ان سے	أَجْمَعِينَ سب	قُلْ فرما دیں	مَا نہیں	أَسْأَلُكُمْ میں مانگتا تم سے
عَلَيْهِ اس پر	مِنْ أَجْرٍ کوئی اجر	وَمَا أَنَا اور نہیں میں	مِنَ سے	الْمُتَكَلِّفِينَ بناوٹ کرنے والے	إِنْ نہیں	هُوَ إِلَّا یہ مگر	ذِكْرٌ نصیحت
لِلْعَالَمِينَ تمام جہانوں کیلئے	وَلَتَعْلَمُنَّ اور تم ضرور جان لوگے	نَبَأَهُ اس کا حال	بَعْدَ بعد	حِينٍ ایک وقت			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر اپنا ارادہ ظاہر فرمایا کہ میں مٹی سے آدم کو پیدا کرنے والا ہوں اور جب میں اس کو پیدا کردوں تو تم سب اسے سجدہ کرنا تا کہ میری فرمانبرداری کے ساتھ ہی آدم کی شرافت و بزرگی کا بھی اظہار ہو جائے چنانچہ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی تو تمام فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی۔ ابلیس جس کا نام عزازیل تھا اور مردود ہونے کے بعد لقب ابلیس پڑا جو اصل میں جنات میں سے تھا اور اپنی گذشتہ کثرت عبادت کی وجہ سے آسمان پر فرشتوں کے ساتھ شامل کرلیا گیا تھا وہ اپنی جگہ پر تنا کھڑا رہا اور آدمؑ کو سجدہ نہ کیا۔

اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب ابلیس نے تکبر برتا اور فرشتوں کے ساتھ حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا تو حق تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا یعنی جس کے ایجاد کی طرف خاص عنایت ربانیہ متوجہ ہوئی اور اپنی قدرت کاملہ سے بنایا اور پھر اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا تو تجھ کو کونسی چیز آدم کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی؟ کیا تو غرور میں آ گیا اور جان بوجھ کر اپنے کو بڑا بنانا چاہا یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ اگرچہ عالم الغیب اور دلوں کے بھید تک سے واقف ہیں مگر ابلیس کے امتحان اور آزمائش کے لئے یہ سوال کیا گیا کہ کس بات نے تجھے آدم کے سامنے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا۔ اس پر ابلیس لعین کیا منطقی جواب دیتا ہے کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ مجھے آپ نے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی کے گارے سے پیدا کیا مطلب یہ کہ میں آدم سے افضل ہوں پس مجھ کو حکم دینا کہ اس کے سامنے سجدہ کروں خلاف حکمت ہے۔ دیکھئے یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے صاف اور صریح حکم کے سامنے اپنی عقل دوڑانا کم بختی کی نشانی ہے۔ جب آقا نے حکم صادر فرمادیا کہ یہ کرو پھر بندہ کے لئے حجت کی گنجائش کہاں باقی رہی اب اگر بندہ اپنے آقا و مالک کے حکم کی فوراً تعمیل نہ کرے تو وہ یقیناً نافرمان ہے۔ اس کا یہ بہانا قابل سماعت نہ ہوگا کہ آپ کا حکم میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میری عقل میں تو یہی آتا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ بندہ کی یہ ٹال مٹول یا تو جہالت کی وجہ سے ہوگی یا پھر بے جا اکڑفوں ہے اس کے کیا معنیٰ کہ بندہ اپنے آقا و مالک سے حجت کرے۔ ابلیس کا جواب چونکہ غرور اور تکبر کی جہالت پر مبنی تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر واضح کردیا کہ جہالت سے پیدا شدہ کبر وغرور نے تجھ کو اس قدر اندھا کردیا کہ تو اپنے خالق کے حقوق اور احترام خالقیت سے بھی منکر ہوگیا اور میرے حکم کو خلاف حکمت قرار دیا پس تو اب اس سرکشی کی وجہ سے ابدی ہلاکت کا مستحق ہے اس لئے حکم ہوا کہ میرے دربار میں تجھ جیسے نافرمانوں کی رسائی نہیں۔ یہاں سے نکل۔ دور ہو تو میری رحمت سے دور ہوگیا۔ اب تجھ پر ابدی لعنت نازل ہوئی۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ خالق کائنات کے حکم کی خلاف ورزی اور تکبر وغرور برتنے پر مجھ کو رب العالمین کی آغوش رحمت سے مردود اور جنت سے محروم کردیا تو بجائے توبہ اور ندامت کے اور عاجزی اور خاکساری کے اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کی کہ تا قیام قیامت مجھ کو مہلت عطا کردی جائے اور اس طویل مدت کے لئے میری زندگی کی رسی کو دراز کردیجئے۔ حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی تھا لہٰذا اس کی درخواست منظور کرلی گئی۔ یہ سن کر اس نے پھر ایک مرتبہ اپنی خباثت وشیطنت کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگا کہ جب آپ نے مجھ کو راندہ درگاہ کر ہی دیا تو جس آدم کی بدولت مجھے یہ رسوائی نصیب ہوئی میں بھی اس کی اولاد سے خوب بدلہ لوں گا اور ان کو آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے ہر جانب ان کو گمراہ کروں گا اور ان کی اکثریت

کو تیرا ناسپاس اور ناشکر گزار بنا کر چھوڑوں گا اور جہاں تک میرا بس چلے گا کسی کو اس راستہ پر نہ چلنے دوں گا جو آپ نے ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ میرے حملہ سے کوئی بچ نہ سکے گا سوائے ان لوگوں کے جو آپ کے مخلص بندے ہوں گے۔ ان پر البتہ میرا زور نہ چل سکے گا اور وہ بچ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کو ایسا ہی حاکمانہ جواب ملا کہ ہم کو اس کی کیا پروا۔ جو بنی آدم مجھ سے روگردانی کر کے تیری پیروی کرے گا وہ تیرے ہی ساتھ جہنم میں جھونکا جائے گا اور میں سب کو دوزخ میں بھر دوں گا۔ ایک بھی میری پکڑ سے بچ کر نکل نہ سکے گا۔ یہ بالکل حقیقت ہے کیونکہ میری سب باتیں سچی اور ٹھیک ہی ہوا کرتی ہیں۔ تو گویا یہاں حق تعالیٰ نے بنی آدم کو سنا دیا کہ تمہارے دشمن نے تمہارے بہکانے اور گمراہ کرنے کی قسم کھائی ہے اور میں نے بھی وعدہ کر لیا ہے کہ بنی آدم میں سے جو بھی اس کا کہنا مانے گا ان سب سے شیطان کے ہمراہ جہنم بھر دوں گا۔ تو خبردار اور ہوشیار رہنا چاہئے اور شیطانی چالوں میں ہرگز نہ آنا چاہئے۔

اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ بطور اتمام حجت کے اور قول اخیر کے ان منکرین سے یہ کہہ دیجئے کہ میری اس نصیحت سے غرض یہ ہے کہ اپنے دشمن اور دوست میں تمیز کرو۔ شیطان لعین جو ازلی دشمن ہے اس کی راہ مت چلو اور اللہ کے رسول کا کہنا مانو میں اس نصیحت تبلیغ دین اور احکام قرآن پر تم سے کوئی بدلہ اور اجرت تو نہیں مانگتا۔ اس سے میرا مقصود کوئی دنیوی نفع حاصل کرنا تو نہیں۔ اور نہ میں خوانخواہ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فہمائش ہوتی ہے اور احکام آتے ہیں وہ بلا کمی بیشی کے تم تک پہنچا دیتا ہوں۔ اب اس پر بھی جو شخص کفر کرے اور انکار و تکذیب پر جما رہے تو تھوڑی مدت کے بعد یعنی مرتے ہی میری باتوں کی حقیقت میرے کلام کی تصدیق میرے بیان کی سچائی۔ میری زبان کی صداقت معلوم ہو جائے گی۔ اس وقت تمہیں یقین آ جائے گا اور میری کہی ہوئی خبریں سب دیکھ لو گے اور حق و باطل سب کھل جائے گا مگر اس وقت معلوم ہونے سے کچھ نفع نہیں۔

ایک تو اس مسئلہ کی طرف کہ ابلیس لعین کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں کیونکہ کسی فرض کو عملاً ترک کر دینا اصول شریعت میں فسق و گناہ ہے کفر نہیں۔ ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ کرنا ہے کہ جو اس لعین نے یہ کہہ کر کیا کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں کیونکہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ یہ معارضہ اور مقابلہ بلاشبہ کفر ہے۔ (معارف القرآن جلد اول)

اب غور کیجئے کہ آج اس بے دینی کے دور میں یہ مہلک مرض یعنی حق تعالیٰ کے احکام سے مقابلہ و معارضہ کس درجہ میں عام ہوتا جا رہا ہے اور ہم اسلام کا ظاہری لیبل لگا کر اپنے ایمان اور اسلام پر مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور اپنے احکام کی بلا چوں و چرا اتباع و اطاعت نصیب فرمائیں آمین۔

(۲) دوسرے اپنی شریعت اسلامیہ میں سجدہ تعظیمی کے متعلق جو حکم ہے اس کو ذرا وضاحت سے ظاہر کرنا ہے کیونکہ اس جہل اور بے دینی کے دور میں یہ مرض بھی موجود ہے۔ آج بعض جہلاء اپنے پیروں کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں اور اولیاء اللہ اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرنا تو ہندوستان پاکستان میں اکثر نے دیکھا ہی ہو گا۔ یہاں اس سورۃ میں اور سورۃ بقرہ وغیرہ میں فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور سورۂ یوسف تیرہویں پارہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور

ہے۔اب یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ غیر اللہ کی عبادت کفر وشرک ہے اور اصول ایمان کے خلاف ہے اور وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں رہی۔ سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا اور قدیم انبیاء کے زمانہ میں اس سجدہ تعظیمی کا وہی درجہ تھا جو ہماری شریعت محمدیہ میں سلام' مصافحہ' معانقہ اور دست بوسی یا تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانے کا ہے۔اس طرح انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیۃ کے لئے سجدہ مباح تھا لیکن شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گیا اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام اور مصافحہ و معانقہ کی اجازت دی گئی۔رکوع' سجدہ اور بہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دیا گیا۔اسی طرح جانداروں کی تصویر بنانا اور استعمال کرنا پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سورۂ سبا ۲۲ویں پارہ میں مذکور ہے کہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تصویریں اور مجسمے بنایا کرتے تھے مگر شریعت محمدیہ چونکہ اب دائمی شریعت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم ہو چکی۔اس لئے اس شریعت مطہرہ کو مسخ اور تحریف سے بچانے کے لئے ہر ایسے سوراخ کو بند کر دیا گیا جہاں سے شرک و بت پرستی آ سکتی تھی۔اس طرح اس شریعت میں وہ تمام چیزیں حرام قرار دے دی گئیں جو گذشتہ انبیاء کے زمانوں میں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بنی تھیں۔تصویر سازی اور اس کے استعمال کو اسی وجہ سے حرام کیا گیا اور سجدۂ تعظیمی بھی اس شریعت میں اسی وجہ سے حرام ہوا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ مشہورہ سے سجدہ تعظیمی کا حرام اور ناجائز ہونا ثابت ہے۔

خلاصہ یہ کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ جو قرآن کریم میں مذکور ہے یہ سجدہ تعظیمی تھا جو اب شریعت محمدیہ میں اس کو شرک و کفر کے شائبہ سے بھی پاک رکھنے کے لئے ناجائز قرار دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بقصد تعظیم بھی سجدہ یا رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی شریعت اسلامیہ کی قدر منزلت نصیب فرمائیں اور اس کی ہر چھوٹی بڑی ظاہری و باطنی نافرمانی سے بچائیں۔آمین۔

الحمدللہ اس درس پر سورۃ ص کا بیان ختم ہوا۔جس میں ۵ رکوع تھے۔اس کے بعد انشاءاللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جو شرف وعزت بنی آدم میں پیدا فرما کر ہم کو بخشا ہے ہمیں اس شرف کی لاج کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنا تابعدار اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی حالت پر موت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہمارے دین اسلام کی حفاظت کا سامان فرمایئے اور نفس و شیطان کی چالوں سے ہماری حفاظت فرمایئے۔یا اللہ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنے مخلص بندوں میں شامل فرما لیجئے اور انہیں کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمایئے۔یا اللہ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی ہدایات و تعلیمات کا متبع اور پیروکار بنا دیجئے اور قرآنی نصائح سے ہمارے قلوب کو منور و مزین فرما دیجئے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی

لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا

عبادت کرتے رہئے یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کیلئے سزاوار ہے اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف

لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں تو اُن کے باہمی اختلافات کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا

مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

جو (قولاً) جھوٹا اور (اعتقاداً) کافر ہو۔

تَنْزِيْلُ نازل کیا جانا	اَلْكِتٰبِ یہ کتاب	مِنَ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَكِيْمِ حکمت والا	اِنَّآ اَنْزَلْنَآ بیشک ہم نے نازل کی		
اِلَيْكَ تمہاری طرف	الْكِتٰبَ یہ کتاب	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	فَاعْبُدِ اللّٰهَ پس اللہ کی عبادت کرو	مُخْلِصًا خالص کر کے	لَهُ اسی کیلئے	الدِّيْنَ عبادت	
اَلَا یاد رکھو	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الدِّيْنُ عبادت	الْخَالِصُ خالص	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اتَّخَذُوْا بناتے ہیں	مِنْ دُوْنِهٖ اسکے سوا	اَوْلِيَآءَ دوست
مَا نَعْبُدُهُمْ نہیں عبادت کرتے ہم انکی	اِلَّا مگر	لِيُقَرِّبُوْنَا اسلئے کہ وہ مقرب بنادیں ہمیں	اِلَى اللّٰهِ اللہ کا	زُلْفٰى قرب کا درجہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ		
يَحْكُمُ فیصلہ کردیگا	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	فِيْ مَا جس میں	هُمْ وہ	فِيْهِ اس میں	يَخْتَلِفُوْنَ وہ اختلاف کرتے ہیں	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	
لَا يَهْدِيْ ہدایت نہیں دیتا	مَنْ هُوَ جو ہو	كٰذِبٌ جھوٹا	كَفَّارٌ ناشکرا				

تفسیر و تشریح: الحمد للہ اب تیئسویں پارہ کی سورہ زمر کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی ابتدائی تین آیات تلاوت کی گئی ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کا مقام نزول وجہ تسمیہ خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے آخری رکوع میں لفظ زمر استعمال کیا گیا ہے۔ زمر کے لفظی معنی ہیں گروہ در گروہ جوق جوق جھتے جھتے جیسا کہ اس سورۃ کے آخری رکوع میں بتایا گیا کفار کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائے گا، ایسے ہی مومنین کو بھی جنت کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائے گا۔ اس لئے بطور علامت کے اس سورۃ کا نام زمر (یعنی گروہ در گروہ) مقرر کیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کا زمانہ نزول ہجرت حبشہ سے قبل کا بتلایا گیا ہے موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ ۳۹ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۸۰ لکھا ہے۔ یعنی ۷۹ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۳۴ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔

اس سورۃ میں ۷۵ آیات ۸ رکوعات ۱۱۸۴ کلمات اور ۴۹۶۵

حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے مثل دوسری مکی سورتوں کے اس میں بھی عقائد کا بیان ہے اور پوری سورۃ توحید کے دلائل اس کی تعلیم اور اس کے تقاضوں اور ان پر عمل کے نتیجہ میں ملنے والے انعامات اور اس کے مقابلہ میں کفر و شرک کا رد۔ اس کی برائیوں اور اس کے نتیجہ میں ملنے والی سزاؤں کے بیان پر مشتمل ہے۔

سورۃ کی ابتداء قرآن کریم کے حقانیت کے بیان سے فرمائی گئی اور انسانوں کو تعلیم دی گئی کہ ہر طرف سے منہ موڑ کر خالص اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف جھکو اور اسی کی طاعت و بندگی کرو۔ زمین و آسمان کی پیدائش دن رات کا باقاعدہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہنا سورج اور چاند کی باقاعدہ ایک نظام میں بندھی ہوئی گردش حیوانات اور انسان کی پیدائش یہ سب اللہ کی قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں اور اس کی توحید پر دلالت ہیں۔ پھر اس کو وحدہ لاشریک نہ ماننے کے کیا معنی پھر انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا گیا اگر کسی کو از خود نہیں سوجھتا اور توحید باری تعالیٰ کے کائنات میں پھیلے ہوئے بے شمار دلائل نظر نہیں آتے تو وہ اس قرآن کے بتانے ہی سے اللہ کو جانے اور اسے ایک مانے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی قدرت اور بڑی طاقت والی ہے اور وہ بڑا دانا بینا ہے۔ اس لئے اس کا کلام یعنی یہ قرآن زور و قوت اور علم و حکمت کا خزانہ ہے۔ اس لئے انسان کی بھلائی صرف اسی میں ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ اس کے حکموں پر عمل کرے اور دنیا میں اس قرآن کریم کی بتلائی ہوئی راہ پر چل کر پرہیزگاری کی زندگی بسر کرے۔ اللہ کی اطاعت میں ہر وقت سرگرم رہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی پروا نہیں کہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔ انسان کا اپنا بھلا خود اسی میں ہے کہ وہ اللہ کو اپنا رب اور معبود مانے۔ جو نہ مانے گا اور ناشکری کرے گا اس کی سزا اسے خود ملے گی پھر عام انسانوں کی حالت بتلائی گئی کہ انسان کی بھی عجیب حالت ہے جب اس پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو اللہ کو پکارنے لگتا ہے اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر بھول کر بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا اور اسے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے مگر سب انسان برابر نہیں۔ بعض لوگ ہر حال میں اللہ ہی کو یاد رکھتے ہیں اور اسی کی عبادت اور شکر گزاری میں اپنا دن رات گزارتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا انجام بھی یکساں نہیں ہو گا۔ نیک لوگوں کا انجام دنیا و آخرت دونوں میں اچھا ہو گا۔ وہ بے شمار انعامات کے مستحق ہوں گے اور ان کو یقیناً جنت میں بڑے آرام و راحت کی زندگی نصیب ہو گی لیکن اللہ سے منہ موڑنے والے دوزخ کے اندر آگ میں جلیں گے اور وہاں کے عذاب بھگتیں گے اور انتہائی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اور شامت اعمال کہ ہم غفلت میں پڑے رہے۔ اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے اور انہوں نے سمجھانے کا حق ادا کیا لیکن ہم دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے تھے۔ ان کی ایک نہ سنی مگر وہاں اس اقرار اور پچھتانے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ الغرض خلاصہ اس سورۃ کی تمام تعلیمات کا یہی ہے کہ سچی بات کی پیروی کرو اور کفر و شرک کر کے اللہ کے سر جھوٹی باتیں مت لگاؤ۔ اللہ ہی کے ہو کر رہو۔ مرنے کے بعد اسی کے پاس جانا ہو گا۔ وہی سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا اور قیامت میں اس کی قدرت سب پر علانیہ ظاہر ہو جائے گی اور سب کی زبان پر اسی کی حمد و ثنا ہو گی۔ ہر ایک انصاف کے ساتھ اپنا حق پائے گا۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درس میں سامنے آئیں گی۔

اب ان ابتدائی آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا اس تمہید سے ہوتی ہے کہ یہ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کی

طرف سے نازل فرمایا گیا ہے اور جو عزیز و حکیم ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفات عزیز و حکیم یعنی جو سب سے زبردست ہے اور ساتھ ہی بڑی حکمت والا ہے بیان فرمائی گئی ہیں اور جن سے مقصود یہ جتلانا ہے کہ چونکہ یہ کتاب اللہ تبارک وتعالیٰ زبردست کی طرف سے ہے اس لئے اس کتاب کے احکام پھیل کر اور نافذ ہو کر رہیں گے۔ کوئی طاقت اس کے نفاذ اور شیوع کو روک نہیں سکتی دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے اس لئے دنیا کی کوئی کتاب اس کی خوبیوں اور حکمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جو تعلیمات و ہدایات اس کتاب میں دی گئی ہیں وہ سراسر حکمت و دانائی پر مبنی ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے یعنی جو کچھ اس میں ہے حق اور سچائی ہے سو آپ اس قرآن کی تعلیم کے موافق خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیئے جیسا کہ اب تک آپ کرتے رہے ہیں اور اسی کی طرف قولاً اور فعلاً لوگوں کو دعوت دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ اسی بندگی کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو یعنی جس میں کوئی شریک یا ریا۔ نمود و دکھاوا نہ ہو بلکہ خالص اللہ کے لئے اور اسی کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو۔ آگے مشرکین کا ناپاک عقیدہ بیان کیا جاتا ہے کہ عموماً یہ مشرک لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ ان چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا کے نزدیک ہو جائیں گے۔ اور ان دیوتاؤں کی سفارش سے ہمارے کام بن جائیں گے۔ اس کا جواب ارشاد ہوا کہ ان لچر پوچ حیلوں سے جو یہ مشرکین خالص توحید کے عقیدہ میں جھگڑے ڈال رہے ہیں اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہیں تو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے ہو جائے گا۔ یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عملی فیصلہ اس طرح کر دیں گے کہ اہل توحید کو جنت میں اور اہل شرک کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔ تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے نہ ماننے سے آپ غم نہ کریں ان کا فیصلہ وہاں ہوگا اور اس کا بھی تعجب نہ کریں کہ باوجود ایسے واضح دلائل اور کھلی ہوئی براہین کے یہ راہ حق پر کیوں نہیں آتے تو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ ہدایت دیکھنا نصیب نہیں فرماتے جو قولاً جھوٹا اور اعتقاداً کافر ہو اور اس سے باز نہ آئے اور طلب حق کا قصد ہی نہ کرتا ہو تو اس کے اس عناد سے اللہ تعالیٰ بھی اس کو ہدایت کی توفیق نہیں بخشتے۔

ان ابتدائی آیات سے معلوم ہوا اور قرآن کریم کی دوسری متعدد آیات اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کی مقبولیت بقدر اخلاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہونی چاہئے جس میں کسی غیر اللہ کے شرک یا ریاء و نمود و نمائش کا شائبہ نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ و خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف اور ثنا کریں گے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو۔ پھر آپؐ نے بطور استدلال کے ان ابتدائی آیات میں سے تلاوت فرمایا۔ **فاعبدالله مخلصاً له الدين ○ الالله الدين الخالص** (سو خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہو۔ اے لوگو یاد رکھو عبادت جو کہ شرک و ریاء سے خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کی قدر اور وزن بقدر اخلاص ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کمال اخلاص بدوں کمال ایمان حاصل نہیں ہوتا اور اخلاص کامل یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی کو نفع وضرر کا مالک سمجھے نہ اپنے کاموں میں کسی غیر اللہ کو متصرف جانے۔ نہ کسی طاعت وعبادت میں غیر اللہ کا اپنے قصد سے تصور و دھیان آنے دے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اخلاص وللّٰہیت روحانی اور اخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے۔ اسی لئے بزرگان دین اور مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ سلوک کے تمام منازل طے کر لینے کے بعد آخری منزل اخلاص وللّٰہیت کی ہے۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اخلاص کے لفظی معنیٰ تو یہ ہیں کہ نیت صرف ایک ہی شے کی ہو کیونکہ خالص اسی شے کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو۔ مگر اصطلاح شریعت میں اخلاص کے یہ معنیٰ ہیں کہ محض حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو اور اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے تو اخلاص وللّٰہیت کا مطلب یہ ہوا کہ اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس لئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق و پروردگار اللہ جل شانہ ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ اسی طرح عبادت سے مقصود اگر محض عبادت ہے تب تو اخلاص کہلائے گا اور اگر اس میں ریا یعنی دکھاوے کی آمیزش یا نام و نمود یا دنیا کے کسی فائدہ کا بھی ارادہ شامل ہو تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود یہ ہو کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ کھانے پینے کے پرہیز کرنے سے بیماری کو بھی نفع ہوگا پس ایک کام میں دو نیتیں شامل ہوئیں تو اس کو اخلاص نہ کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اخلاص نصیب فرمائیں اور اپنا مخلص بندہ بن کر زندہ رہنا نصیب فرمائیں۔

الغرض سورۃ کی ابتداء حقانیت قرآن اور توحید کی تعلیم اور خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی بجالانے کی ہدایت فرمائی۔ اب آگے مضمون توحید ہی کے سلسلہ میں مشرکین کے بعض عقائد کا رد فرمایا جاتا ہے اور توحید باری تعالیٰ کے عقلی دلائل دیئے جاتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر اسلام جیسا دین اور قرآن جیسی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی عطا فرمائے۔

یا اللہ ہم کو ان نعمتوں کی قدر دانی اور شکر گزاری کی توفیق عطا فرما اور اخلاص کے ساتھ اپنی بندگی اور طاعت کی توفیق مرحمت فرما۔

یا اللہ نام و نمود اور ریا اور دکھاوے جیسی بد خصلتوں سے اور بری نیتوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾

اگر (بالفرض) اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ

اُس نے آسمان و زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

کہ ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا یاد رکھو کہ وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا (بھی) ہے اُس نے تم لوگوں کو تن واحد

وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ؕ یَخْلُقُكُمْ فِیْ

(یعنی آدمؑ) سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چارپایوں کے پیدا کئے وہ تم کو

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ

ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾

اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو تم کہاں (حق سے) پھرے چلے جا رہے ہو۔

لَوْ اگر	اَرَادَ اللّٰهُ چاہتا اللہ	اَنْ یَّتَّخِذَ کہ بنائے	وَلَدًا اولاد	لَّاصْطَفٰی البتہ وہ چن لیتا	مِمَّا اس سے جو	یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وہ پیدا کرتا ہے (مخلوق) جسے وہ چاہتا ہے	
سُبْحٰنَهٗ وہ پاک ہے	هُوَ اللّٰهُ وہی اللہ	الْوَاحِدُ واحد یکتا	الْقَهَّارُ زبردست	خَلَقَ اس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	
بِالْحَقِّ حق (درست تدبیر) کے ساتھ	یُكَوِّرُ وہ لپیٹتا ہے	الَّیْلَ رات	عَلَی النَّهَارِ دن پر	وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ اور دن کو لپیٹتا ہے	عَلَی الَّیْلِ رات پر		
وَسَخَّرَ اور اس نے مسخر کیا	الشَّمْسَ سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	كُلٌّ یَّجْرِیْ ہر ایک چلتا ہے	لِاَجَلٍ ایک مدت	مُّسَمًّی مقررہ	اَلَا یاد رکھو	
هُوَ الْعَزِیْزُ وہ غالب	الْغَفَّارُ بخشنے والا	خَلَقَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	مِّنْ سے	نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ نفس واحد	ثُمَّ جَعَلَ پھر اس نے بنایا		
مِنْهَا اس سے	زَوْجَهَا اس کا جوڑا	وَاَنْزَلَ اور اس نے بھیجے	لَكُمْ تمہارے لئے	مِّنَ الْاَنْعَامِ چوپایوں سے	ثَمٰنِیَةَ آٹھ	اَزْوَاجٍ جوڑے	
یَخْلُقُكُمْ وہ پیدا کرتا ہے تمہیں	فِیْ بُطُوْنِ پیٹ (جمع) میں	اُمَّهٰتِكُمْ تمہاری مائیں	خَلْقًا ایک کیفیت	مِّنْ بَعْدِ کے بعد	خَلْقٍ دوسری کیفیت		
فِیْ ظُلُمٰتٍ تاریکیوں میں	ثَلٰثٍ تین	ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ تمہارا اللہ	رَبُّكُمْ تمہارا پروردگار	لَهُ اس کیلئے	الْمُلْكُ بادشاہت	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود
اِلَّا هُوَ اس کے سوا	فَاَنّٰی تو کہاں	تُصْرَفُوْنَ تم پھرے جاتے ہو					

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں مشرکین کا قول نقل کیا گیا تھا کہ جو یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے دیوی اور دیوتاؤں یعنی چھوٹے خداؤں کی اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جائیں گے یعنی کفار و مشرکین جو غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے تو ان کو وہ وسیلہ

جانتے تھے اور وجہ وسیلہ ہونے کی یہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود دیوی دیوتا خدا کی اولاد ہیں (نعوذ باللہ تعالیٰ) اور باپ و اولاد میں بڑا رابطہ اور تعلق ہوتا ہے اولاد باپ سے کہہ کر ہماری حاجتیں روا کروا دیتے ہیں چنانچہ مکہ کے مشرکین فرشتوں کو پوجتے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اپنے عقیدہ میں قرار دیتے تھے۔ شرک کی یہ قسم کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی جائے دنیا کی دوسری قوموں میں بھی پائی جاتی تھی۔ یہود میں ایک فرقہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتا تھا۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ اب تک رکھتے ہیں۔ یونانی زہرہ اور مشتری ستاروں کو ایک دوسرے کا خاوند اور بیوی اور اولاد بناتے بناتے خدا تعالیٰ سے نسب ملا دیتے تھے۔

ان آیات میں مشرکین کے انہی عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ کے رد میں بتلایا جاتا ہے کہ بفرض محال اگر اللہ تعالیٰ کو اولاد ہی بنانا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے عمدہ اور بہتر ہی کو نہ پسند کر لیتا تمہارے معبودوں میں کیا بات ہے اگر خدا کو اولاد بنانا منظور ہوتا تو بیٹیاں کیوں بناتا جو کہ خود ان مشرکین کو بھی ناپسند ہیں۔ بیٹے کیوں نہ بناتا اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے تو گھٹیا چیز کا انتخاب کرے اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے۔ مگر اسے یہ منظور ہی نہ تھا کیونکہ وہ پاک ہے اولاد بنانے سے وہ ایسا خدا ہے کہ جو اکیلا ہے اور زبردست ہے۔

یہاں آیت میں اس عقیدۂ ولدیت کی تردید میں ایک چھوٹے سے جملہ **سبحانہ ھو اللہ الواحد القھار** میں تین دلائل دیئے گئے۔

پہلی دلیل لفظ سبحانہ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر نقص۔ عیب اور کمزوری سے پاک منزہ اور مبرہ ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد کی ضرورت ناقص اور کمزور اور حاجتمند کو ہوا کرتی ہے تاکہ اس کی نسل باقی رہے اور اس کی امداد و اعانت کا ذریعہ ہو پیری اور ضعیفی میں اس کے کار آمد ہو تو حق تعالیٰ ان انسانی کمزوریوں سے پاک ہیں پھر آخر اولاد بنانا کس غرض سے ہوگا؟

دوسری دلیل لفظ واحد میں ہے کہ وہ اکیلا اور اپنی ذات میں واحد ہے۔ کسی جنس کا فرد نہیں اور ظاہر ہے کہ اولاد لازماً ہم جنس ہوا کرتی ہے تو اس یکتا و یگانہ ہستی کے لئے اولاد کیسے تجویز ہو سکتی ہے؟

تیسری دلیل لفظ قہار میں دی گئی یعنی جو بھی اس کی مخلوق ہے اس سے مغلوب ہے اور اس کی مملوک اور محکوم ہے اور اس کی قاہرانہ گرفت میں جکڑی ہوئی ہے تو جب ہر چیز اس کے سامنے دبی ہوئی ہے اور اس پر کسی کا دباؤ نہیں اس کی قوت سب پر غالب وہ کسی کا محتاج نہیں تو اُسے اولاد کی کیا حاجت؟

آگے اللہ تعالیٰ کے واحد و قہار ہونے کی دلیل دی جاتی ہے کہ اس کی قوت اِسی سے ظاہر ہے کہ اس نے آسمان اور زمین چاند سورج ستارے اور جملہ مخلوقات کو پیدا کیا اور بنایا اور بنایا بھی تو بڑی حکمت اور بجا طور پر مناسب شکل و صورت کے مطابق پھر تمام مخلوقات پر اسی کا تصرف اور دست قدرت ہے۔ وہی رات دن کا الٹ پھیر کرتا ہے اسی کے حکم سے انتظام کے ساتھ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ سورج اور چاند کو اسی نے مسخر کر رکھا ہے کہ وہ اپنے دورے کو پورا کر رہے ہیں۔ ان کے لئے جو طریق کار اور نظام مقرر کر دیا ہے اس کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جو نظام اور قانون قاعدہ ان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے اسے کوئی چیز اور طاقت بدل نہیں سکتی تو ان عظیم الشان چیزوں کے بنانے اور ان کو اپنے حکم کے نیچے رکھنے ہی سے اس کی شان و بڑائی اور قوت و حکومت ظاہر ہے۔ انسان کا علم و دخل کچھ ہے تو وہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے قاعدہ اور قانون کے ماتحت ہی چل سکتا ہے۔ کائنات کے انتظام کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی نئے قاعدہ قانون بنا سکتا ہے اور نہ بنائے ہوئے قاعدہ کو بدل سکتا ہے۔ جب یہ باتیں کسی اور میں نہیں تو اس کا واحد اور قہار ہونا ثابت ہو گیا۔ ان دلائل

کے بعد بھی اگر کوئی انکار توحید کرے تو لوگوں کی یہ گستاخی اور شرارتیں تو ایسی ہیں کہ یہ سب نظام درہم برہم کر دیا جائے اور بصورت انکار سخت سزا دی جائے لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے اور اپنی شان عفو ومغفرت سے ایسا یکدم نہیں کرتا اور اگر کوئی انکار کے بعد بھی اقرار کر لے تو گذشتہ انکار پر عذاب وسزا نہیں دیتا کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا بھی ہے۔

آگے مزید دلائل اپنی وحدانیت اور کامل القدرت ہونے کے دیئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ آسمان' زمین' چاند' سورج وغیرہ تو اللہ نے پیدا ہی کئے تھے۔ لیکن خود تمہیں بھی اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے۔ پہلے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا اور پھر اس جوڑے سے تمام انسانی نسل دنیا میں پھیلی۔ پھر انسانوں کے نفع کے لئے چار قسم کے چوپائے اونٹ گائے بھیڑ بکری اپنی حکمت سے بنائے اور ہر قسم میں نر و مادہ کا جوڑا برقرار رکھا اس طرح چوپایوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کئے۔ یہاں ان چوپایوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ زیادہ کام میں یہی آتے ہیں۔ آگے انسانوں کی پیدائش کی کیفیت بتائی گئی کہ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں رفتہ رفتہ تین تاریکیوں میں پیدا کرتا ہے۔ یعنی پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر خون پھر لوتھڑا پھر گوشت پوست ہڈی رگ پٹھے اور پھر روح کا ڈالا جانا یہ جملہ کیفیات تین تاریکیوں میں ہوتی ہیں۔ ایک تاریکی ماں کے پیٹ کی۔ دوسری تاریکی رحم کی تیسری اس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

آگے جتلایا جاتا ہے کہ جب تم نے آسمان' زمین' چاند سورج' دن رات کو دیکھ لیا اور ان کو جس نظام اور قانون کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اس کو بھی سن لیا اور پھر انسان کی پیدائش اور اس کے فائدہ کے لئے حیوانات کے پیدا کئے جانے پر بھی غور کر لیا تو اب اس نتیجہ پر پہنچنے میں کیا دیر ہے کہ یہ سب اللہ کی قدرت کے کارنامے ہیں اور اللہ ہی کی وہ ذات ہے کہ جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور پھر سب کی دیکھ بھال اور پرورش و تربیت کا انتظام کرتا ہے ساری حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر چیز اسی کے زیر فرمان ہے۔ تو جب خالق' رازق اور مالک وہی ہے تو معبود اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ خدائے واحد کے لئے ان صفات کے اقرار کر لینے کے بعد دوسرے کی بندگی کیسی؟ خوب سمجھ لو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جب یہ دلائل سے ثابت ہوا تو افسوس نہ معلوم تمہاری سمجھ اور عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت و بندگی کرنے لگے اور اسے چھوڑ کر دوسروں کی طرف جھکے اور ان کو پوجنے لگے۔ کیسی انتہائی نادانی کی بات ہے۔

ابھی آگے کفر و شرک کی برائی اور اس کا ناپسندیدہ ہونا اور اہل کفر کی مذمت کا مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ توحید کی حقیقت ہم کو نصیب فرمائیں۔ اور ہم کو اپنا تابع دار اور اطاعت گزار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آپ نے اپنی قدرت سے ہم کو دنیا میں پیدا فرما کر اتنی عمر عطا فرمائی۔ یا اللہ ہم کو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنی مرضیات میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرما اور اپنی صحیح معرفت اور تعلق قوی نصیب فرما۔ یا اللہ یہ کائنات کا نظام جو ایک اٹل قانون کے اندر چل رہا ہے اس میں غور و فکر کر کے ہم کو اپنی توحید کامل کرنے کی توفیق و صلاحیت عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنۡكُمۡ ۟ وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ ۚ وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ ؕ

اگر تم کفر کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارا حاجتمند نہیں اور وہ اپنے بندوں کیلئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ

اور کوئی کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اُٹھاتا۔ پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہوگا۔ سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا۔ وہ

بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۷

دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

اِنۡ تَكۡفُرُوۡا اگر تم ناشکری کرو گے	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	غَنِىٌّ بے نیاز	عَنۡكُمۡ تم سے	وَلَا يَرۡضٰى اور وہ پسند نہیں کرتا	لِعِبَادِهِ اپنے بندوں کیلئے	
الۡكُفۡرَ ناشکری	وَاِنۡ اور اگر	تَشۡكُرُوۡا تم شکر کرو گے	يَرۡضَهُ لَكُمۡ وہ اسے پسند کرتا ہے تمہارے لئے	وَلَا تَزِرُ اور نہیں اٹھاتا	وَازِرَةٌ کوئی بوجھ اٹھانیوالا	
وِزۡرَ بوجھ	اُخۡرٰى دوسرے کا	ثُمَّ پھر	اِلٰى طرف	رَبِّكُمۡ اپنا رب	مَّرۡجِعُكُمۡ لوٹنا ہے تمہیں	فَيُنَبِّئُكُمۡ پھر وہ جتلا دے گا تمہیں	بِمَا وہ جو
كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ تم کرتے تھے	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلِيۡمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ سینہ (دلوں) کی پوشیدہ باتیں			

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں بعض حقائق و دلائل توحید بیان فرما کر فانی تصرفون (اے مشرکین تم کہاں بہکے جا رہے ہو) فرمایا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اس پر مشرکین کا گمان جا سکتا تھا کہ اللہ کو ہماری بڑی ضرورت ہے اور ہمارے ایمان اور شکر گزاری کی بڑی حاجت ہے جو ہم کو اپنی طرف بلاتا ہے اس خیال کے دفعیہ اور اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروا نہیں کہ اسے کوئی مانے یا نہ مانے۔ کسی کے کفر سے اس کی خدائی میں ذرہ برابر کمی نہیں آ سکتی۔ مانو گے تب بھی وہی خدا ہے اور نہ مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور رہے گا لیکن خود انسان کا بھلا اسی میں ہے کہ اللہ کو اپنا رب اور معبود مانے۔ اگر کافر بن کر اس کے انعامات اور حقوق کا انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اپنے بندوں کے کافر اور منکر بننے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس چیز کو ان کے لئے ناپسند کرتا ہے اور جو بندے اس کا حق مان کر مطیع اور شکر گزار بنیں۔ یہ بات اس کو پسند ہے۔ جس کا نفع انہیں کو پہنچتا ہے۔ اس طرح ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو۔ یہ نہ ہوگا کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ ہر شخص اپنے اپنے کام کا ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائے گا اور وہ اس دن صاف صاف بتا دے گا کہ کون شخص کیا کام کرتا رہا ہے کیونکہ وہ ہر ایک کے کاموں سے خوب واقف ہے بلکہ وہ سب کے دلوں تک کے بھید اچھی طرح جانتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سارا جہان اگر متقی ہو جائے تو اس سے اللہ کو کچھ نفع نہیں پہنچتا اور اگر سارا جہان نافرمان ہو جائے تو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ جیسا جو عمل کرتا ہے لکھا جاتا ہے۔ اگر نیک عمل ہے تو اللہ اپنے فضل سے عمل سے بڑھ کر جزا دے گا اور عمل بد ہے تو بدی کے حیثیت کے موافق سزا ہوگی یا معاف کر دیا جائے گا بغیر ہدایت اور توفیق الٰہی کے آدمی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اس کو چاہئے اللہ سے ہدایت کی التجا کرے۔ اللہ اس کو نیک راستہ پر لگا دے گا۔ (ربنا اهدنا الصراط المستقيم) اس صحیح حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ نہ اللہ کو نیک کام کی حیثیت سے بڑھ کر جزا دینے میں کچھ دریغ ہے نہ بدی کے بخش دینے میں کچھ دریغ نہ سارے جہان کے نیک ہو جانے سے اس کا کچھ نفع۔ نہ سارے جہان کے بدبن جانے سے اس کا کوئی ضرر۔ تو اسی غنا

اور بے پروائی کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اگر سب لوگ منکر ہو جاویں تو اللہ کو ان کے منکر ہونے کی کچھ پروا نہیں۔ خدا کی بادشاہی دنیا کے بادشاہوں جیسی نہیں ہے کہ ان کی سلطنت کو فوج یا رعیت کے منحرف ہو جانے سے ضرر پہنچ جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ خود بندوں کے مفاد کی خاطر یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کفر کریں کیونکہ کفر خود انہیں کے لئے نقصان دہ ہے۔

یہاں ایک ضروری بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا دوسری چیز ہے دنیا کا کوئی کام بھی اللہ کی مشیت کے خلاف نہیں ہو سکتا مگر اس کی رضا کے خلاف بہت سے کام ہو سکتے ہیں اور رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً دنیا میں ظالموں کا حکمران ہونا چوروں اور ڈاکوؤں کا پایا جانا قاتلوں' زانیوں اور شرابیوں کا موجود ہونا اگر اللہ تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے نظام قدرت میں سرے سے ان کاموں کی گنجائش ہی نہ رکھتا تو دنیا میں کبھی کوئی برائی ظاہر نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ یہ دنیا دارالامتحان ہے اس لئے خیر اور شر دونوں کا وجود دنیا میں انسانوں کی آزمائش کے لئے رکھا گیا اور یہ سب کچھ بربنائے مشیت ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو کچھ مشیت کے تحت صدور ہو رہا ہے اللہ کی رضا بھی اس کو حاصل ہے۔ مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص اگر حرام و ناجائز راستہ سے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اسی ذریعہ سے اس کو رزق دیتا ہے۔ یہ تو ہے اس کی مشیت۔ مگر مشیت کے تحت چور ڈاکو رشوت خور اور کافر مشرک کو رزق دینے کا یہ مطلب نہیں کہ چوری ڈاکے رشوت کو اللہ تعالیٰ پسند بھی کرتا ہے۔ مشیت الٰہی کا قانون تکوینی دوسرا ہے اور مرضیات الٰہی کا قانون تشریعی جدا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ یہاں آیت میں فرما رہے ہیں کہ تم کفر کرنا چاہو تو کرو۔ ہم تمہیں زبردستی اور جبراً قہراً اس سے روک کر مومن نہیں بنائیں گے۔ مگر یہ ہمیں پسند نہیں ہے کہ تم بندے ہو کر اپنے خالق و پروردگار سے کفر کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے ہی لئے نقصان دہ ہے ہماری خدائی کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔

یہاں آیت میں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ **ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم** اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اس کے مقابلہ میں **و ان تشکروا یرضہ لکم** فرمایا گیا یعنی اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے تو یہاں کفر کے مقابلہ میں ایمان کے لفظ کی بجائے شکر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ کفر درحقیقت احسان فراموشی اور حق ناشناسی ہے اور ایمان فی الحقیقت شکر گزاری اور احسان مندی اور حق شناسی ہے۔ جس شخص میں اللہ جل شانہ کے احسانات کا کچھ بھی احساس ہوگا وہ ایمان کے سوا دوسری راہ اختیار نہیں کر سکتا اس لئے شکر و ایمان ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ جہاں شکر ہوگا وہاں ایمان ضرور ہوگا۔ اور اس کے برعکس جہاں کفر ہوگا وہاں شکر کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ کفر کے ساتھ شکر کے کوئی معنی نہیں۔

ان آیات کے تحت مفسرین نے اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ کی تصریح کی ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایمان یا کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت یا ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے ہر چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ جل شانہ کا ارادہ شرط ہے۔ البتہ رضا اور پسندیدگی حق تعالیٰ کی صرف ایمان اور اعمال صالحہ سے متعلق ہوتی ہے۔ کفر و شرک اور معاصی اس کو پسند نہیں۔ (معارف القرآن جلد ۷) اسی بنا پر علمائے اہل حق نے لکھا ہے کہ اہل حق کا مذہب تقدیر پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ تمام کائنات اچھی ہو یا بری سب اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے وجود میں آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق کا ارادہ بھی کرتا ہے مگر وہ معاصی کو مکروہ و ناپسند سمجھتا ہے اگرچہ ان کی تخلیق کا ارادہ کسی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے جس کو حق تعالیٰ جل علاہ ہی جانتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۷) اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور پسندیدگی کے اعمال کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی ناراضگی اور ناپسندیدگی والے اعمال سے ہم کو بچائیں۔

ابھی اہل کفر و شرک کی مذمت اور اس پر تردید اور ایمان کا پسندیدہ ہونا اور اہل ایمان کی تعریف کا مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا

اور آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے تو جس کیلئے پہلے سے (خدا کو) پکارا تھا

اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ

اس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) گمراہ کرتا ہے آپ (ایسے شخص سے) کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں اور لوٹ لے

اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ

(پھر آخر کار) تو دوزخیوں میں سے ہونیوالا ہے بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ وقیام کی حالت میں عبادت کررہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی

رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑨

رحمت کی امید کررہا ہو آپ کہئے کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔

وَاِذَا اور جب	مَسَّ لگے پہنچے	الْاِنْسَانَ انسان	ضُرٌّ کوئی سختی	دَعَا رَبَّهٗ وہ پکارتا ہے اپنا رب	مُنِيْبًا رجوع کرکے	اِلَيْهِ اس کی طرف	
ثُمَّ اِذَا پھر جب	خَوَّلَهٗ وہ اسے دے	نِعْمَةً نعمت	مِّنْهُ اپنی طرف سے	نَسِيَ وہ بھول جاتا ہے	مَا جو	كَانَ يَدْعُوْٓا وہ پکارتا تھا	اِلَيْهِ اسکی طرف۔ لیئے
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَجَعَلَ اور وہ بنالیتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	اَنْدَادًا شریک	لِّيُضِلَّ تاکہ گمراہ کرے	عَنْ سَبِيْلِهٖ اسکے راستے سے	قُلْ فرمادیں	
تَمَتَّعْ فائدہ اٹھالے	بِكُفْرِكَ اپنے کفر سے	قَلِيْلًا تھوڑا	اِنَّكَ بیشک تو	مِنْ سے	اَصْحٰبِ النَّارِ آگ (دوزخ) والے	اَمَّنْ یا جو	هُوَ وہ
قَانِتٌ عبادت کرنیوالا	اٰنَآءَ الَّيْلِ گھڑیوں میں رات کی	سَاجِدًا سجدہ کرنیوالا	وَّقَآئِمًا اور قیام کرنیوالا	يَّحْذَرُ وہ ڈرتا ہے	الْاٰخِرَةَ آخرت		
وَيَرْجُوْا اور امید رکھتا ہے	رَحْمَةَ رحمت	رَبِّهٖ اپنا رب	قُلْ فرمادیں	هَلْ کیا	يَسْتَوِي برابر ہیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَعْلَمُوْنَ وہ علم رکھتے ہیں
وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ جو علم نہیں رکھتے ہیں	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	يَتَذَكَّرُ نصیحت قبول کرتے ہیں	اُولُوا الْاَلْبَابِ عقل والے			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفرو ناشکری کی مذمت میں بتلایا گیا تھا کہ اگر تم ناشکری کروگے تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا اور اس کو تمہاری شکر گزاری کی حاجت بھی نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ بندے اگر اس کی ناشکری و کفران نعمت کرتے ہیں تو وہ اس کو پسند نہیں فرماتا اور ناخوش ہوتا ہے اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اس کو پسند کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے انسان کی جس سے مراد یہاں کافر اور مشرک انسان ہے اس کی ناشکری کا حال ان آیات میں بیان کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کافر انسان کی بھی عجیب حالت ہے کہ جب کوئی سختی اور مصیبت آپڑتی ہے تو پھر رب حقیقی کو یاد کرنے لگتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کہ کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ مشرکین عرب کے متعلق دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب دریا یا سمندر میں ہوتے ہیں اور وہاں کوئی آفت آتی دیکھتے ہیں تو جن جن کو خدا کے سوا پکارا کرتے تھے اس وقت سب کو بھول جاتے ہیں اور صرف خدا کو پکارنے لگتے ہیں۔ لیکن نجات پاتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔ جہاں درد دکھ ٹل گیا پھر تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا مصیبت کے وقت اس نے رب حقیقی کو پکارا ہی نہ تھا۔ انسان کی اس حالت کو ایک دوسری آیت میں اس طرح ظاہر فرمایا گیا ہے کہ تکلیف کے وقت تو انسان ہمیں اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر وقت پکارتا ہے لیکن اس تکلیف کے ہٹتے ہی وہ بھی ہم سے ہٹ جاتا ہے گویا اس نے دکھ درد کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ بلکہ عافیت کے وقت خدا

کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے اسی حالت کو یہاں آیت میں بیان کیا گیا کہ کیسا ناشکرا انسان ہے کہ جب مصیبت آ پڑے تو ہمیں یاد کرتا ہے۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ذرا آرام واطمینان نصیب ہوا تو معاً وہ پہلی حالت بھول جاتا ہے اور پھر عیش وعشرت کے نشہ میں ایسا غافل اور مست ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ کافر کی اس ناشکری پر آگے فرمایا جاتا ہے کہ اچھا کافر رہ کر چند روزہ یہاں دنیا میں عیش اڑا لے اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ یہ تو ایک کافر اور مشرک انسان کی حالت بیان ہوئی اس کے مقابلہ میں ایک اہل ایمان کی حالت بیان کی جاتی ہے کہ جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا۔ کبھی سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بیقرار کئے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے تو کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت تو خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسا ہو تو گویا ایک عالم وجاہل یا ایک سمجھ دار اور ایک بیوقوف میں کچھ فرق ہی نہ رہا مگر اس بات کو بھی وہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔

یہاں مشرکین عرب کا حال بتلایا گیا اور ان کی اس خصلت کی مذمت کی گئی کہ جب مصیبت پڑی تو رب حقیقی کی طرف رجوع ہو کر اس کو پکارنے لگے اور جب مصیبت خدا کی مہربانی سے ٹل گئی تو پھر حق تعالیٰ سے انحراف اور غفلت اور غیر اللہ کی بندگی میں لگ گئے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خصلت کہ جب مصیبت پڑی تو اللہ یاد آ گیا اور جب مصیبت دور ہوئی تو پھر حق تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے انحراف اختیار کر لینا یہ حالت جب کافر اور مشرک کے لئے ناپسندیدہ اور باعث مذمت ہے تو ایک مسلمان کے لئے کیسے پسندیدہ ہو سکتی ہے۔

پھر ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ کے مشرکین عرب جن کی مذمت فرمائی گئی آج کے دہریوں اور مادہ پرستوں سے تو بہتر تھے۔ آج کے مادہ پرست دہریئے اور کفار خدا تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں براہ راست گستاخیاں کرتے ہیں اب خواہ یورپ کے دہریئے ہوں یا روس کے کمیونسٹ ہوں وہ تو اس کے قائل ہیں کہ معاذ اللہ خدا کوئی چیز نہیں ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ہم سے ہمارے اعمال کی باز پرس کرنے والا کوئی نہیں۔ اسی بدترین کفر وناشکری کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا سے امن واطمینان چین وسکون مفقود ہو چکا ہے عیش وآرام کے نئے نئے سامان بہت مگر جس کا نام راحت قلب ہے وہ غائب علاج کے جدید آلات اور تحقیقات کی بہتات ہے مگر امراض کی اتنی کثرت ہے کہ جو پہلے کسی زمانہ میں سنی نہیں گئی۔ تو اس کفر وشرک کی سزا تو آخرت میں سب ہی کفار دہریوں اور کمیونسٹوں وغیرہ کے لئے دائمی جہنم ہے مگر اس اندھی ناشکری اور کفران نعمت کی سزا کچھ دنیا میں بھی بھگتنی پڑتی ہے کہ جس کی دی ہوئی نعمتوں میں تصرفات کر کے چاند اور ستاروں میں پہنچنے کے حوصلے پیدا ہوئے اسی کا انکار ناشکری اور ناسپاسی۔

حق تعالیٰ غفلت اور انحراف کے مہلک امراض سے ہماری حفاظت فرمائیں اور اپنے شکر گزار اور فرمانبردار بندوں میں ہم کو شامل ہونا نصیب فرمائیں اور ہر حال میں اپنے ذکر وفکر اور ہمیشہ اپنی طرف رجوع رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے اہل ایمان کو حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگے رہنے کی ترغیب اور اپنے رب حقیقی کی عبادت کرتے رہنے کی تلقین فرمائی جاتی ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ

آپ کہئے کہ اے میرے ایمان والے بندو تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جولوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کیلئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین

اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا

فراخ ہے۔ مستقل رہنے والوں کو اُن کا صِلہ بے شمار ہی ملے گا آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو (منجانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اسی کیلئے

لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۲ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

خالص رکھوں۔ اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول میں ہوں آپ یہ (بھی) کہہ دیجئے اگر (بفرض محال) میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۳ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝۱۴ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اسی کیلئے خالص رکھتا ہوں۔ سو خدا کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے اسکی عبادت کرو۔ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ پورے زیانکار

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۵ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ

وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے یاد رکھو کہ صریح خسارہ یہ ہے۔ ان کیلئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے

ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝۱۶

اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو مجھ سے ڈرو

قُلْ فرمادیں	يٰعِبَادِ اے میرے بندو	الَّذِيْنَ جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	اتَّقُوْا تم ڈرو	رَبَّكُمْ اپنا رب	لِلَّذِيْنَ ان کیلئے جنہوں نے	اَحْسَنُوْا اچھے کام کئے
فِيْ میں	هٰذِهِ الدُّنْيَا اس دنیا	حَسَنَةٌ بھلائی	وَاَرْضُ اللّٰهِ اور اللہ کی زمین	وَاسِعَةٌ وسیع	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	يُوَفَّى پورا بدلہ دیا جائیگا	
الصّٰبِرُوْنَ صبر کرنیوالے	اَجْرَهُمْ ان کا اجر	بِغَيْرِ حِسَابٍ بے حساب	قُلْ فرمادیں	اِنِّيْٓ اُمِرْتُ بیشک مجھے حکم دیا گیا	اَنْ کہ		
اَعْبُدَ اللّٰهَ میں اللہ کی عبادت کروں	مُخْلِصًا خالص کرکے	لَهُ اسی کیلئے	الدِّيْنَ عبادت	وَاُمِرْتُ اور مجھے حکم دیا گیا	لِاَنْ اس کا	اَكُوْنَ کہ میں ہوں	
اَوَّلَ پہلا	الْمُسْلِمِيْنَ (جمع) مسلم۔فرمانبردار	قُلْ فرمادیں	اِنِّيْٓ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اِنْ اگر	عَصَيْتُ میں نافرمانی کروں	رَبِّيْ اپنا پروردگار	
عَذَابَ عذاب	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک بڑا دن	قُلِ فرمادیں	اللّٰهَ اَعْبُدُ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں	مُخْلِصًا خالص کرکے	لَهٗ اسی کیلئے	دِيْنِيْ اپنی عبادت	
فَاعْبُدُوْا پس تم پرستش کرو	مَا شِئْتُمْ جس کی تم چاہو	مِّنْ دُوْنِهٖ اس کے سوائے	قُلْ فرمادیں	اِنَّ بیشک	الْخٰسِرِيْنَ گھاٹا پانے والے	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	
خَسِرُوْٓا گھاٹے میں ڈالا	اَنْفُسَهُمْ اپنے آپ کو	وَاَهْلِيْهِمْ اور اپنے گھر والے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	اَلَا خوب یاد رکھو	ذٰلِكَ یہ	هُوَ وہ	الْخُسْرَانُ گھاٹا
الْمُبِيْنُ صریح	لَهُمْ ان کیلئے	مِّنْ فَوْقِهِمْ ان کے اوپر سے	ظُلَلٌ سائبان (چادریں)	مِّنَ النَّارِ آگ کے	وَ اور	مِنْ تَحْتِهِمْ ان کے نیچے سے	
ظُلَلٌ سائبان (چادریں)	ذٰلِكَ یہ	يُخَوِّفُ اللّٰهُ ڈراتا ہے اللہ	بِهٖ اس سے	عِبَادَهٗ اپنے بندوں	يٰعِبَادِ اے میرے بندو	فَاتَّقُوْنِ پس مجھ سے ڈرو	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ایک کافر ومشرک کا حال بیان ہوا تھا کہ وہ دنیا کے عیش وآرام میں پھنس کر اللہ سے بالکل

غافل رہتا ہے اور کسی بڑی آفت میں پھنستا ہے اور دیکھتا ہے کہ اب مصیبت کو ہٹانے والا کوئی نہیں تو پھر اس کو خدا یاد آتا ہے اور اس وقت اسے اور کوئی یاد نہیں آتا لیکن مصیبت ٹلتے ہی وہ پہلی حالت بھول جاتا ہے اور پھر بدستور عیش وعشرت کے نشہ میں ایسا غافل ہوتا ہے کہ گویا کبھی خدا سے واسطہ ہی نہ تھا اور بھول کر بھی اس کو یاد نہیں کرتا۔ بلکہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اس کے برخلاف اللہ کے فرمانبردار بندے کی حالت بھی بیان ہوئی تھی جو راتوں کو اٹھ کر اللہ کے آگے جھکتا ہے کبھی اپنے مالک کے آگے دست بستہ کھڑا رہتا ہے اور کبھی سجدہ میں گرتا ہے ایک طرف اس کے دل میں آخرت کا کھٹکا لگا رہتا ہے تو دوسری طرف اللہ کی رحمت کا سہارا اور آسرا بندھا ہوتا ہے مصیبت میں بھی اسی کو پکارتا ہے اور راحت میں بھی اسی کا شکر ادا کرنے میں لگا رہتا ہے تو اس طرح کفر اور اہل کفر کی مذموم اور ایمان اور اہل ایمان کا محمود ہونا ثابت فرمایا گیا تھا۔ اب جب اہل ایمان کا عنداللہ محمود ہونا معلوم ہو گیا تو ایسے ایماندار بندوں کو اطاعت کی ترغیب اور اپنے رب کی عبادت پر جمے رہنے کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ مومنین کو میری طرف سے کہہ دیجئے کہ میرے ایمان والے بندو تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو یعنی صرف ایمان لا کر نہ رہ جاؤ بلکہ اس کے ساتھ تقویٰ یعنی خدا کا خوف بھی اختیار کرو اور جن چیزوں کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو بجالاؤ اور ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکا اور منع کیا ہے ان سے بچو۔ آگے اس تقویٰ اور خوف خداوندی اختیار کرنے کا ثمرہ اور نفع بتلایا گیا کہ جس نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا اس کے لئے نیک صلہ ہے آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔ اس کی دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت میں بھی بھلائی حاصل ہوگی۔ آگے انہی ایماندار بندوں کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ اگر تم ایک جگہ اپنے وطن میں یا شہر میں یا ملک میں خدا کی عبادت استقلال سے نہ کر سکو اور لوگ تمہیں نیک راہ چلنے سے مانع ہوں تو خدا کی زمین کشادہ ہے دوسری جگہ چلے جاؤ جہاں آزادی سے اس کے احکام بجالا سکو۔ بلاشبہ اس ترک وطن کرنے میں مصائب بھی برداشت کرنا پڑیں گے۔ اور طرح طرح کے خلاف عادت وطبیعت امور پر صبر بھی کرنا پڑے گا لیکن ثواب بھی بے شمار ایسوں ہی کو ملے گا جس کے مقابلہ میں دنیا کی سب سختیاں اور تکلیفیں ہیچ ہیں۔ گویا یہاں اہل ایمان کو مکہ سے ہجرت کی ترغیب ہے کہ جن پر کفار مکہ نے اس وقت ظلم وستم ڈھا رکھا تھا اور دین اسلام پر زندگی گزارنا دشوار بنا رکھا تھا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید تلقین فرمائی جاتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں فقط تمہیں ہی زبانی پیغام پہنچانے نہیں آیا ہوں بلکہ وہ پیغام خود میرے لئے بھی حکم کی صورت رکھتا ہے اور مجھ کو منجانب اللہ حکم ہوا ہے کہ میں بھی فقط اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کروں اور اس طرح عبادت کروں کہ اس میں شائبہ شرک کا نہ ہو اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں خود اسلام کو حق ماننے والا اور اسلام کے احکام پر چلنے والا ہو جاؤں اور دوسروں کے لئے اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ بن کر دکھاؤں۔ نیز یہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی لوگوں سے کہہ دیجئے کہ بفرض محال اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں اور اس کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی قیامت کے دن اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ کا اندیشہ ہے مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی اور اس پر سزا کے قاعدہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی معصوم اور مقرب اور محبوب ذات بھی مستثنیٰ نہیں تو دوسرے لوگ تو کس شمار میں ہیں۔اس لئے دوسروں کو تو اللہ کی نافرمانی سے بہت ہی زیادہ اجتناب کرنا چاہئے آگے ارشاد ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ جس بات کا مجھ کو حکم ہوا ہے جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا میں تو اسی پر کاربند بھی ہوں چنانچہ میں تو صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری میں کسی اور کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ خالص اسی کی بندگی کرتا ہوں اسی کے آگے جھکتا ہوں اور جو کچھ مانگتا ہوں اسی سے مانگتا ہوں۔تمہیں میرے طریقہ پر چلنا ہے تو تم بھی وہی کرو جو میں کرتا ہوں اور اگر تم میری بات نہیں سنتے اور میرے عمل کے مطابق عمل نہیں کرتے تو تم جانو اور تمہارا کام ایک خدا کو چھوڑ کر تمہارا دل جس کی عبادت کو چاہے کرو قیامت کے دن اس کا نقصان خود بھگتو گے اور اپنی جان کے لئے بھی اور اپنے گھر والوں کے لئے بھی آفت مول لو گے۔اور یاد رکھو کہ قیامت کا نقصان سب سے زیادہ زبردست نقصان ہے۔اس کے بعد حق تعالیٰ متنبہ فرماتے ہیں کہ کیا ان مشرکین کو دکھائی نہیں دیتا کہ یہ نقصان سب سے زیادہ کھلا خسارہ ہے اور اس خسارہ کی کیفیت یہ ہوگی کہ ان مشرکین کے لئے سر کے اوپر آگ کی تہ بتہ چادریں بادلوں کی طرح چھائی ہوں گی اور ان کے نیچے بھی آگ کی تہ بتہ چادریں بچھی ہوں گی۔غرض ہر طرف سے نار جہنم ان کو محیط ہوگی۔یہی وہ عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور اس سے بچنے کی تدبیریں بتلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جو اتنا بندوبست کیا کہ اپنے رسول بھیجے ان پر اپنی کتابیں نازل کیں۔یہ سارا بندوبست اسی لئے ہے کہ وہ اپنے بندوں کو نافرمانی کے انجام سے ڈراوے۔اب سمجھ لو کہ یہ چیز ڈرنے کے قابل ہے یا نہیں۔اگر ہے تو اللہ کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے اور کفر وشرک سے بچنا چاہئے اور خالص اللہ ہی کی عبادت وبندگی کرنا چاہئے۔

یہاں وارض اللہ واسعۃ سے یعنی اللہ کی زمین فراخ ہے معلوم ہوا کہ یہ عذر کوئی نہیں کرسکتا کہ میں جس شہر یا ملک میں رہتا ہوں یا جس ماحول میں پھنسا ہوا ہوں اس کا ماحول مجھے اعمال صالحہ سے روکتا ہے۔دین کی پابندی اور اللہ کی بندگی میں مانع ہے اس جملہ میں بتلا دیا گیا کہ اگر کسی خاص شہر ملک یا خاص ماحول میں رہتے ہوئے کسی مسلمان اور اہل ایمان کے لئے احکام شرعیہ کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔کسی ایسی جگہ اور ماحول میں جا کر رہو جو اطاعت الٰہیہ کے لئے سازگار ہو۔اس میں ترغیب ہے ایسی جگہ سے ہجرت کی جس میں رہتے ہوئے ایک مسلمان احکام دینیہ کی پابندی نہ کرسکے۔اور اگلے جملہ میں انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب جو فرمایا یعنی اگر ترک وطن میں کچھ تکلیف پہنچے اور ان تکالیف پر صبر کرنے والوں اور دین میں مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بغیر حساب ملے گا۔

بغیر حساب سے مراد یہ ہے کہ صبر کرنے والوں کا ثواب کسی مقرر اندازے اور پیمانے سے نہیں بلکہ بے اندازہ و بے حساب دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میزان عدل قائم کی جائے گی۔اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب سے پورا پورا اجر دے دیا جائے گا۔اسی طرح نماز اور حج وغیرہ عبادات والوں کی عبادات کو تول کر حساب سے پورا پورا اجر دے دیا جائے گا۔پھر جب بلا اور مصیبت میں صبر کرنے والے آئیں

گے تو ان کے لئے کوئی پیمانہ اور وزن نہیں ہوگا۔ بلکہ بغیر حساب اور بغیر اندازہ کے ان کی طرف ثواب بہا دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب.** یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی دنیاوی زندگی عافیت میں گزری تھی تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش دنیا میں ان کے بدن قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے تو آج ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی بغیر حساب صلہ ملتا۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں آیت میں صابرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا کے مصائب اور تکلیف اور رنج وغم پر صبر کرنے والے ہیں اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی اور گناہوں سے اپنے نفس کو روکیں اور گناہوں سے باز رکھنے کی مشقت پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین حق پر قائم رہنے کی مشقت اور مشکلات پر صبر کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے صابرین بندوں میں شامل فرمائیں۔ آمین۔

الغرض یہاں آخری آیات میں کفار ومشرکین کے متعلق بتلایا گیا کہ قیامت میں پورے خسارے اور نقصان میں پڑنے والے یہی ہوں گے اور اس خسارہ کی کیفیت یہ ہوگی کہ جہنم کی آگ کے محیط شعلے ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوں گے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اب آگے اہل ایمان کو جو اپنے رب کے احکام کان لگا کر سنتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں ان کو بشارت اور خوشخبری سنائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ایمان کے ساتھ ہمیں اپنا وہ خوف وخشیت بھی عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹے بڑے گناہ اور نافرمانی سے بچ جائیں۔

یا اللہ ہم کو دین پر استقامت عطا فرما اور دین پر قائم رہنے کے لئے ہر مشقت کو برداشت کرنے کی توفیق نصیب فرما۔

یا اللہ قیامت میں خسارہ اور نقصان سے ہم کو بچا لیجئے۔

یا اللہ ہمیں ایسا ماحول عطا فرمائیے جو دین میں ہمارے لئے معین ومددگار ہو اور اطاعت احکام الٰہیہ کے لئے سازگار ہو۔

یا اللہ اب ہمارے معاشرہ میں جو منکرات اور ممنوعات پھیلتے جارہے ہیں ان کی اصلاح کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمائیے اور معاشرہ میں دینداری تقویٰ اور پرہیزگاری پھیلنے اور پھیلانے میں ہماری مدد فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ

اور جولوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوشخبری سنانے کے ہیں سو آپ میرے اُن بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو

يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ (علم الٰہی میں) دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں

لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

ان کیلئے (جنت کے) بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا

وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اجْتَنَبُوا بچتے رہے	الطَّاغُوْتَ سرکش شیطان	اَنْ کہ	يَعْبُدُوْهَا اسکی پرستش کریں	وَاَنَابُوْٓا اور انہوں نے رجوع کیا		
اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	لَهُمُ ان کیلئے	الْبُشْرٰى خوشخبری	فَبَشِّرْ سو خوشخبری دیں	عِبَادِ میرے بندوں	الَّذِيْنَ وہ جو	يَسْتَمِعُوْنَ سنتے ہیں	الْقَوْلَ بات
فَيَتَّبِعُوْنَ پھر پیروی کرتے ہیں	اَحْسَنَهٗ اسکی اچھی باتیں	اُولٰٓئِكَ وہی لوگ	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	هَدٰىهُمُ اللّٰهُ انہیں ہدایت دی اللہ نے	وَاُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ		
هُمْ وہ	اُولُوا الْاَلْبَابِ عقل والے	اَفَمَنْ کیا۔تو۔جو۔جس	حَقَّ ثابت ہوگیا	عَلَيْهِ اس پر	كَلِمَةُ حکم۔وعید	الْعَذَابِ عذاب	
اَفَاَنْتَ کیا پس۔تم	تُنْقِذُ بچالوگے	مَنْ جو	فِى النَّارِ آگ میں	لٰكِنِ لیکن	الَّذِيْنَ اتَّقَوْا جو لوگ ڈرے	رَبَّهُمْ اپنا رب	لَهُمْ ان کیلئے
غُرَفٌ بالاخانے	مِنْ فَوْقِهَا ان کے اوپر سے	غُرَفٌ بالاخانے	مَّبْنِيَّةٌ بنے بنائے	تَجْرِيْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	
	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	لَا يُخْلِفُ خلاف نہیں کرتا	اللّٰهُ اللہ	الْمِيْعَادَ وعدہ			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار مشرکین کو توحید اور دین حق کی تلقین فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کے ساتھ اور کسی کی عبادت کو نہ ملاؤ اور جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو انہوں نے اپنا اور ساتھ ہی اپنے گھر والوں کا ناس کر لیا اور قیامت کے دن یہ سب سے زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھانے والے ہوں گے جس کی شکل یہ ہوگی کہ اوپر اور نیچے ہر چہار طرف سے ان کو نار جہنم کے شعلے گھیرے ہوں گے گویا اوڑھنا بچھونا سب آگ کا ہوگا۔ یہ حال تو کفار و مشرکین کا بیان ہوا تھا اب ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کو اختیار کرنے والوں کو خوشخبری اور بشارت سنائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بت پرستی اور شیطانی طریقوں سے بچتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع بھی ہوتے ہیں ان کے لئے بڑی بھاری خوشخبری ہے اور وہ مستحق خوشخبری سنانے کے ہیں اس لئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے ایسے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے یہاں جس خوشخبری کا ذکر فرمایا گیا ہے حدیث شریف میں اس خوشخبری کے بہت سے مواقع بیان فرمائے گئے ہیں مثلاً قبض روح کے وقت فرشتوں کا جنت اور اللہ کی خوشنودی کی خوشخبری

دینا۔ قبر میں راحت و آرام کے ساتھ رہنے کی خوشخبری ملنا قبر سے نکلنے کے وقت اور میدان حشر میں ملائکہ کا جنت و مغفرت کا مژدہ سنانا۔

آگے ایسے بندوں کی جو مستحق خوشخبری سنانے کے ہیں ایک صفت بیان کی جاتی ہے جو دل کے کانوں سے سننے کے لائق ہے۔ صفت یہ بیان کی گئی **الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه** جو اس کلام الٰہی کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں تو معلوم ہوا کہ قرآن وسنت اور دین کی باتیں محض سن لینا کافی نہیں بلکہ سن کر ان پر عمل کی نیت اور کوشش بھی کرنا چاہئے آگے ایسے لوگوں کی یعنی جو دین کی باتیں سنتے ہیں اور پھر اس پر عمل بھی کرتے ہیں تعریف فرمائی جاتی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔ یعنی کامیابی کا راستہ ان ہی کو ملا ہے کیونکہ انہوں نے عقل سے کام لے کر توحید خالص اور انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا۔ قرآن کریم نے بار بار اور متعدد جگہ اہل عقل و فہم انہی کو قرار دیا ہے جو راہ ہدایت اختیار کرتے ہیں اور اس پر قائم رہتے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جن لوگوں کو آخرت اور وہاں کے نجات کی فکر نہ ہو اور دل میں تحقیق حق کا اہتمام نہ ہو ان سے بڑھ کر کم عقل اور کم فہم اور زیاں کار اور خسارہ و نقصان اٹھانے والا اور کون ہوگا۔

آگے ان خوشخبری کے قابل راہ یافتہ اور صاحب عقل لوگوں کے مقابل ازلی بدبختوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جن پر ان کی ضدو عناد اور بداعمالیوں کی بدولت عذاب کا حکم ثابت ہو چکا کیا وہ کامیابی کا راستہ پاسکتے ہیں بھلا ایسے بدبختوں کو جو شقاوت ازلی کے سبب آگ میں گر چکے ہوں کون ان کو راہ پر لاسکتا ہے اور کون ان کو آگ سے نکال سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو ایمان کا قصد ہی نہ کرے اور اپنے کو اسباب ہلاکت سے بچانے کی فکر ہی نہ کرے تو اسے ایمان پر مجبور اور نقطۂ ایمان پر لے آنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امکان واختیار سے بھی خارج ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی آرزو تھی کہ سب قریش مسلمان ہو جاویں اس لئے قریش کی سرکشی کے سبب سے جب آپ کی اس آرزو کے خلاف کوئی بات قریش کی جانب سے ظہور میں آتی تو آپ کو رنج ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آپ کی تسکین فرمائی کہ بعض لوگ قریش میں ایسے ہیں کہ خدا کے ازلی علم میں جہنمی قرار پاچکے ہیں ان لوگوں کے لئے یہ چاہنا کہ وہ اسلام لے آویں اور ضلالت سے نکل آویں تو ایسے لوگ کوشش سے بھی ضلالت سے نہ نکلیں گے اس لئے ان پر تاسف اور غم بے سود ہے۔ ہاں جو لوگ ایسے ہیں کہ ان کے حق میں کلمۃ العذاب محقق نہیں ہوا اور اس وجہ سے وہ آپ سے احکام سن کر اپنے رب سے ڈرتے رہے جن کے صفات اوپر آچکے ہیں تو ایسوں کے لئے جنت کے اعلیٰ درجات ہیں جہاں ان کو ایسے بالا خانہ عطا ہوں گے کہ جو ایک کے اوپر دوسرے بنتے چلے گئے ہیں۔ یعنی کئی منزلوں کے مکانات و محلات ہوں گے اور جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ سب جنت کے محلات اور بالا خانے بنے بنائے تیار ہیں جن کا اللہ نے وعدہ کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ یعنی یہ ضرور سب کچھ ملے گا۔

اب یہاں آخرت کی جو لازوال نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا تو ان کے حصول سے مانع انہماک فی الدنیا ہے اس لئے آگے دنیا کی زندگی کی حقیقت کو سمجھایا گیا ہے کہ جس کا آخر فنا ہے اور جس میں منہمک ہو کر ابدی راحت سے محروم رہنا ابدی مصیبت کو سر پر لینا نہایت درجہ کی حماقت ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا

(اے مخاطب) کیا تونے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے پھر اُس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جسکی مختلف

أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾ أَفَمَن

قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر (اللہ تعالیٰ) اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں اہل عقل کیلئے بڑی عبرت ہے۔

شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کیلئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے (کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں) سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے

أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ

ان کیلئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے

جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ

جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ (قرآن)

هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾

اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

أَلَمْ تَرَ کیا تونے نہیں دیکھا	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	أَنزَلَ اتارا	مِنَ السَّمَاءِ آسمان سے	مَاءً پانی	فَسَلَكَهُ پھر چلایا اسکو	يَنَابِيعَ چشمے	فِي الْأَرْضِ زمین میں	
ثُمَّ پھر	يُخْرِجُ وہ نکالتا ہے	بِهِ اس سے	زَرْعًا کھیتی	مُّخْتَلِفًا مختلف	أَلْوَانُهُ اس کے رنگ	ثُمَّ يَهِيجُ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے	فَتَرَاهُ پھر تو دیکھے اسے	
مُصْفَرًّا زرد	ثُمَّ يَجْعَلُهُ پھر وہ کر دیتا ہے اسے	حُطَامًا چورا چورا	إِنَّ بیشک	فِي ذَٰلِكَ اس میں	لَذِكْرَىٰ البتہ نصیحت	لِأُولِي الْأَلْبَابِ عقل والوں کیلئے		
أَفَمَن کیا۔ پس جس	شَرَحَ اللَّهُ اللہ نے کھول دیا	صَدْرَهُ اس کا سینہ	لِلْإِسْلَامِ اسلام کیلئے	فَهُوَ تو وہ	عَلَىٰ پر	نُورٍ نور	مِّن رَّبِّهِ اپنے رب کی طرف سے	
فَوَيْلٌ سو خرابی	لِّلْقَاسِيَةِ ان کیلئے۔ سخت	قُلُوبُهُم ان کے دل	مِّن سے	ذِكْرِ اللَّهِ اللہ کی یاد	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	فِي میں	ضَلَالٍ گمراہی	مُّبِينٍ کھلی
اللَّهُ اللہ	نَزَّلَ نازل کیا	أَحْسَنَ الْحَدِيثِ بہترین کلام	كِتَابًا ایک کتاب	مُّتَشَابِهًا ملتی جلتی (آیات والی)	مَّثَانِيَ دُہرائی گئی	تَقْشَعِرُّ بال کھڑے ہو جاتے ہیں		
مِنْهُ اس سے	جُلُودُ جلدیں	الَّذِينَ جو لوگ	يَخْشَوْنَ وہ ڈرتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنا رب	ثُمَّ پھر	تَلِينُ نرم ہو جاتی ہیں	جُلُودُهُمْ ان کی جلدیں	
وَقُلُوبُهُمْ اور انکے دل	إِلَىٰ طرف	ذِكْرِ اللَّهِ اللہ کی یاد	ذَٰلِكَ یہ	هُدَى اللَّهِ اللہ کی ہدایت	يَهْدِي بِهِ ہدایت دیتا ہے اس سے			
مَن يَشَاءُ جسے وہ چاہتا ہے	وَمَن اور۔ جو۔ جس	يُضْلِلِ اللَّهُ گمراہ کرتا ہے اللہ	فَمَا تو نہیں	لَهُ اس کیلئے	مِنْ هَادٍ کوئی ہدایت دینے والا			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ شیطانی کاموں سے بچے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور قرآن وسنت کی باتوں کو سن کر ان پر عمل پیرا ہوئے اور تقویٰ اختیار کیا تو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خوشخبری دی تھی کہ دار آخرت میں ان کے لئے جنت کی راحتیں ہیں جہاں ان کے رہنے کو اونچے اونچے محلات تیار ہیں جن کی منزلوں پر منزلیں چلی گئی ہیں اور

جن کے نیچے صاف شفاف نہریں بہہ رہی ہیں اس طرح دار آخرت کی نعمتوں کا ذکر کر کے آخرت کی رغبت دلائی گئی تھی اس کے بعد دنیا کی بے ثباتی کہ جس میں منہمک ہو کر انسان آخرت سے غافل ہوتا اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے اور یہ سبق دیا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی زندگی اور اس کی بہاریں سب عارضی ہیں آخر اس کو فنا ہے اور یہ دنیا وہ چیز نہیں ہے کہ جس کے حسن اور ظاہری ٹیپ ٹاپ پر فریفتہ ہو کر انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جائے اور اس دنیا کی چند روزہ بہار کے پیچھے اپنی عاقبت کو برباد کرے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان اس بات کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر سے پانی بارش کا برساتا ہے پھر وہ پانی زمین میں پیوست ہو جاتا ہے اور زمین اس کو پی جاتی ہے۔ پھر وہی پانی چشموں سے اور کنوؤں سے نکل کر بہتا ہے اور زمین اس سے سیراب ہوتی ہے اور پھر اس سے رنگ برنگ اور قسم قسم کی کھیتیاں نکلتی ہیں اور یہ کھیتیاں رفتہ رفتہ بڑھتی رہتی ہیں۔ بالآخر جب یہ کھیتیاں بڑھ چکتی ہیں تو ان کی سرسبزی زردی سے بدل جاتی ہے یہاں تک کہ خشک ہو جاتی ہے اور پھر اس کو کاٹ کر ڈال دیتے ہیں اور پھر اسے روند کر چورا چورا کر ڈالتے ہیں۔ تو ایک عقلمند آدمی اس کھیتی کا آغاز و انجام دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی اور انجام میں بالکل خشک ہو کر چورہ چورہ ہو گئی یہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہے تو انسان کو چاہئے کہ اس کی بہار پر فریفتہ ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے۔ عقلمند انجام پر نظر رکھیں قرآن کریم میں اکثر جگہ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے پیدا شدہ کھیتی سے دی گئی ہے کہ جس کے آغاز اور انجام پر انسان غور کرے تو ایک کھلا ہوا نمونہ حیات انسانی کے آغاز و انجام کا مل جاتا ہے۔ دنیوی زندگی کے مثل کھیتی کے کیسے کیسے دور گزرتے ہیں لیکن سب کا انجام و حاصل فنا اور آخر فنا تو اس عارضی دنیوی حیات میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ ابدی راحت سے محروم رہے اور ابدی مصیبت کو مول لے یہ ایک عقلمند کا کام تو ہے

نہیں۔ اب یہاں تک حق کے اثبات اور اس کے قبول کرنے اور باطل کی نفی اور اس سے گریز کرنے کے نہایت شافی وکافی اور بلیغ وجوہ بیان فرما کر یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان بیانات سے وہی لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور ہدایت پاتے ہیں جن کے اللہ نے سینے کھول دیئے اور دل روشن کر دیئے ہیں۔ یعنی جنہیں اللہ نے یہ توفیق بخشی کہ ان حقائق سے سبق لیں اور اسلام کے حق ہونے پر مطمئن ہو جائیں اور کتاب وسنت میں جو عقائد اور اعمال اور اصول وقواعد بتلائے گئے انہیں برضا ورغبت قبول کریں اور جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا اور جس کو ان باتوں سے بھی شفا حاصل نہ ہوئی تو اب اس کے علاج کی کوئی توقع نہیں اور پھر اس کے لئے کامل تباہی ہی ہے۔ تو یہاں دو گروہوں کا ذکر فرمایا ایک تو وہ کہ جس کا سینہ اللہ نے قبول اسلام کے لئے کھول دیا۔ نہ اُسے اسلام کے حق ہونے میں کچھ شک وشبہ ہے۔ نہ احکام اسلام کے تسلیم وقبول سے انقباض۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت افمن شرح الله صدره للاسلام فهو علیٰ نور من ربه تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے) ہم نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شرح صدر کی علامت کیا ہے تو آپ نے فرمایا "ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا (کے لذائذ اور زینت) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔" تو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور حق تعالیٰ نے اس کو توفیق وبصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا فرمائی کہ جس کے اجالے میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کے راستہ پر اڑا جا رہا ہے تو کیا ایسا شخص اور اہل قساوت برابر ہو سکتے ہیں۔ اہل قساوت وہ بدبخت گروہ ہے جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو نہ کوئی

نصیحت اس پر اثر کرے نہ کوئی خیر کی بات اس کے اندر گھسے۔کبھی خدا کی یاد کی توفیق نہ ہو یونہی ضلالت کی اندھیریوں میں بھٹکتا پھرے۔تو کہیں یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں آگے نتیجہ بیان فرمایا کہ جن کے دل خدا کے ذکر سے نرم نہیں پڑتے اور احکام الٰہیہ کو ماننے کے لئے نہیں کھلتے رب کے سامنے عاجزی نہیں کرتے بلکہ سنگدل اور سخت دل ہیں ان کے لئے بڑی خرابی ہے اور یہ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔اب چونکہ قرآن کریم اس خبیث مرض سے شفا حاصل ہونے کا بڑا قوی نسخہ ہے اور دل میں نور پیدا کرنے کے لئے نہایت روشن شمع ہے اس لئے آگے قرآن مجید کے فضائل اور اس کا منزل من اللہ ہونا بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ قرآن مجید جو سب کلاموں سے عمدہ کلام ہے اس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے گویا پہلا وصف قرآن کریم کا **احسن الحدیث** فرمایا یعنی دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔دوسرا وصف اس کا مُتَشَابِهاً فرمایا یعنی اس کے مضامین میں کوئی اختلاف اور تعارض نہیں۔پوری کتاب اول سے آخر تک ایک ہی مدعا ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی نظام فکر و عمل پیش کرتی ہے اس کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی تصدیق و تائید اور ایک جزو دوسرے جزو کی توضیح و تشریح کرتا ہے اور معنی و بیان دونوں لحاظ سے اس میں کامل یکسانیت پائی جاتی ہے۔تیسرا وصف مثانی فرمایا یعنی اس میں بہت سے احکام مواعظ اور قصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے اور بار بار نئے اسلوب سے بیان کیا گیا ہے تاکہ اچھی طرح دلنشین ہو جائیں بعض علماء نے مثانی سے یہ مراد لیا ہے کہ قرآن بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس کی تلاوت مکرر پڑھنے کی طرف مجبور کرتی ہے اور دل پر گراں نہیں گزرتا اور کلاموں میں یہ بات نہیں ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا برخلاف قرآن مجید کے۔آگے کلام اللہ کی تلاوت اور اس کی سماعت کے اثرات مومنوں کے قلب پر جو پیدا ہوتے ہیں وہ بیان فرمائے گئے کہ کتاب اللہ کو سن کر اللہ کے خوف اور اس کے کلام کی عظمت سے مومنین کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور خوف و رعب کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے اور اللہ کی یاد ان کے بدن و روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے اور جس کو خدائے تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہ دے تو آگے کون ہے جو اس کی دستگیری کر سکے اور راہ ہدایت دکھا سکے۔

اب باوجود ان قرآنی صفات کے جو اوپر بیان ہوئیں قرآن سے جو نفع نہیں اٹھاتا اس کو قیامت میں جو عذاب جھیلنا پڑے گا اس کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ دنیوی زندگی اور آخرت کی حقیقت کو ہمارے دلوں پر بھی کھول دیں اور ہم کو اس دنیا کی فانی زندگی میں آخرت کی باقی زندگی کا سامان جمع کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں یا اللہ ہمارے سینوں کو اسلام اور ایمان کے لئے کشادہ فرما دے اور ہمارے قلوب کو اپنے نور ہدایت سے منور فرما دے۔یا اللہ ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرما لے کہ جن کے جسم اور روح آپ کے خوف و خشیت سے متاثر ہو کر آپ کے ذکر و فکر کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ان بندوں میں ہمیں شامل ہونے سے بچا لے کہ جن کے دل آپ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے اور جو قرآن کریم کی ہدایت اور نور سے محروم ہیں۔یا اللہ اپنی ہدایت کے نور سے ہم سب کو نواز دے اور ضلالت و گمراہی کی تاریکی سے ہم سب کو بچا لے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَمَن يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾

بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب کی سپر بنادے گا۔ اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو تو کیا یہ اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں

كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ

جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا سو ان پر (خدا کا) عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس دنیوی زندگی میں بھی رسوائی کا مزہ چکھایا

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ

اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھ جاتے۔ اور ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں

فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ

تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا کجی نہیں تاکہ یہ لوگ ڈریں۔

يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ

اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضدا ضدی (بھی) ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا (غلام) ہے

يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ

(تو) کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے۔ الحمدللہ بلکہ ان میں اکثر سمجھتے نہیں۔ آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر

يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣١﴾

قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کروگے۔

أَفَمَنْ کیا۔ پس۔ جو	يَتَّقِي بچاتا ہے	بِوَجْهِهِ اپنا چہرہ	سُوءَ الْعَذَابِ بُرے عذاب سے	يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن	وَقِيلَ اور کہا جائے گا		
لِلظَّالِمِينَ ظالموں کو	ذُوقُوا تم چکھو	مَا جو	كُنتُمْ تَكْسِبُونَ تم کماتے (کرتے) تھے	كَذَّبَ جھٹلایا	الَّذِينَ جو لوگ	مِن قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	
فَأَتَاهُمْ تو ان پر آگیا	الْعَذَابُ عذاب	مِنْ حَيْثُ جہاں سے	لَا يَشْعُرُونَ انہیں خیال نہ تھا	فَأَذَاقَهُمُ پس چکھایا انہیں	اللَّهُ اللہ	الْخِزْيَ رسوائی	
فِي میں	الْحَيَاةِ زندگی	الدُّنْيَا دنیا	وَلَعَذَابُ اور البتہ عذاب	الْآخِرَةِ آخرت	أَكْبَرُ بہت ہی بڑا	لَوْ کاش	كَانُوا يَعْلَمُونَ وہ جانتے ہوتے
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا اور تحقیق ہم نے بیان کی	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	فِي میں	هَٰذَا الْقُرْآنِ اس قرآن	مِن كُلِّ ہر قسم کی	مَثَلٍ مثال	لَّعَلَّهُمْ تاکہ وہ	
يَتَذَكَّرُونَ نصیحت پکڑیں	قُرْآنًا قرآن	عَرَبِيًّا عربی	غَيْرَ ذِي عِوَجٍ کسی کجی کے بغیر	لَّعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَتَّقُونَ پرہیزگاری اختیار کریں		
ضَرَبَ اللَّهُ بیان کی اللہ نے	مَثَلًا ایک مثال	رَّجُلًا ایک آدمی	فِيهِ اس میں	شُرَكَاءُ کئی شریک	مُتَشَاكِسُونَ آپس میں ضدی		
وَرَجُلًا اور ایک آدمی	سَلَمًا سالم (خالص)	لِّرَجُلٍ ایک آدمی	هَلْ کیا	يَسْتَوِيَانِ دونوں کی برابر ہے	مَثَلًا مثال (حالت)	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	
لِلَّهِ اللہ کیلئے	بَلْ بلکہ	أَكْثَرُهُمْ ان میں اکثر	لَا يَعْلَمُونَ علم نہیں رکھتے	إِنَّكَ بیشک تم	مَيِّتٌ مرنے والے	وَإِنَّهُمْ اور بیشک وہ	مَّيِّتُونَ مرنے والے
ثُمَّ پھر	إِنَّكُمْ بیشک تم	يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن	عِندَ پاس	رَبِّكُمْ اپنا رب	تَخْتَصِمُونَ تم جھگڑوگے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ایک ہدایت یافتہ اور خدا سے ڈرنے والے مؤمن اور اس کے مقابلہ میں ایک بد بخت گمراہ جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو دونوں کا حال بیان فرما کر ان کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک اسلام وایمان اور قرآن و سنت کا کیا اثر لیتا ہے اور دوسرا منکر ایمان خدا کے ذکر اور احکام الٰہیہ سے ذرا متاثر نہیں ہوتا۔ یہ فرق تو دونوں کی حالتوں میں باعتبار تاثر اور عدم تاثر عن الحق کے مذکور ہوا تھا اب آگے دونوں میں فرق انجام اور ثواب وعذاب آخرت کے لحاظ سے بیان فرمایا گیا ہے اور ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہ بدقسمت جو راہ راست سے بھٹک گئے قیامت میں یہ عذاب اپنے منہ پر جھیلیں گے اور ان بدبختوں سے کہا جائے گا کہ آج اپنے دنیا میں کئے ہوئے کرتوتوں کا مزہ چکھو۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے سے کوئی حملہ ہو یا ضرب لگائے تو ہاتھوں پر روکتا ہے اور چہرہ کو بچاتا ہے لیکن محشر میں مجرموں اور ظالموں کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوں گے اس لئے عذاب کی تھپڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی تو ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ یہ اس کام کا مزہ ہے جو دنیا میں کئے تھے کیا اس مومن کی طرح ہوسکتا ہے جسے آخرت میں اعزاز واکرام سے نوازا جائے گا اور وہ اللہ کے فضل سے مطمئن اور تکلیف وگزند سے بےفکر ہوگا۔ ہرگز دونوں انجام کے لحاظ سے برابر نہ ہوں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین توحید ورسالت کو جو ہمارے رسول کو جھٹلا رہے ہیں اور ہماری نازل کی ہوئی کتاب کو خاطر میں نہیں لا رہے ان کو پہلے زمانہ کے لوگوں کے حالات سے سبق اور نصیحت حاصل کرنا چاہئے ان سے پہلے ایسے منکرین اور مکذبین گزرے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے رسولوں کا کہنا نہ مانا اور سمجھے کہ ہم اپنی ڈھٹائی پر قائم رہ کر مزہ سے زندگی بسر کرتے رہیں گے اور اللہ کی پکڑ سے بچے رہیں گے لیکن انکا یہ خیال غلط تھا۔ اللہ کے عذاب نے انہیں اچانک اس طرح آ پکڑا کہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ عذاب اس طرح بھی آسکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا میں ذلیل وخوار اور تباہ وبرباد ہوئے اور آخرت کا عذاب الگ مول لیا جو اس دنیا کے عذاب سے بہت بڑھ چڑھ کر ہوگا۔ اگر ان منکرین میں جو اس وقت اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ اور فہم ہوتی تو یہ پہلے منکرین اور مکذبین کے حالات سے سبق حاصل کرتے اور نتیجہ پر نظر کرتے اور انجام کی کچھ فکر کرتے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا نہ سمجھنا یہ اپنی ہی غفلت اور حماقت سے ہے ورنہ اس قرآن کریم کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں۔ قرآن تو بات بات کو مثالوں اور دلیلوں سے واضح اور روشن طور پر سمجھاتا ہے تاکہ لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں۔ قرآن تو ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی اور اینچ پینچ کی بات نہیں کہ عام آدمی کے لئے اس کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آئے بلکہ صاف اور سیدھی بات کہی گئی ہے جس سے ہر آدمی جان سکتا ہے کہ یہ کتاب کیا منوانا چاہتی ہے اور کس چیز کا انکار کرانا چاہتی ہے۔ کس چیز کو صحیح بتلاتی ہے اور کس بات کو غلط کہتی ہے کن کاموں کا حکم دیتی ہے اور کن کاموں سے منع کرتی ہے۔ اس کی سیدھی اور سچی باتیں ایسی ہیں کہ جن کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اور اس میں کسی طرح کی کجی اور تضاد نہیں۔ غرض اس میں تو شافی اور کافی سامان موجود ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں۔ اعتقادی اور عملی غلطیوں سے بچیں اور اس کی صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔ چونکہ مثالوں کے ذریعہ باتیں ٹھیک طور پر سمجھ میں آجاتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بھی بیان فرمائی

ہیں تا کہ لوگ اس کے مضمون کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ آگے اللہ تبارک وتعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ جس سے شرک اور توحید کے فرق اور انسان کی زندگی پر دونوں کے اثرات کو نہایت مختصر مگر بہت موثر طریقہ سے سمجھایا گیا ہے۔ مثال یہ بیان فرمائی گئی کہ ایک غلام تو وہ ہے جس کے بہت سے مالک یا آقا ہوں اور ہر مالک نہایت ضدی کج خلق اور بے مروت واقع ہوا ہو اور چاہتا ہو کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے۔ دوسرے مالک سے سروکار نہ رکھے۔ اس کھینچ تان میں ظاہر ہے کہ غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا۔ برخلاف اس کے جو غلام پورا ایک ہی مالک کا ہو اسے ایک طرح کی یکسوئی اور اطمینان حاصل ہوگا اور کئی مالکوں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مشرک اور موحد کو سمجھ لو۔ مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات وخیالات کا ایک ہی مرکز ہے اور وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اسی ایک ذات واحد کو خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی غیر کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔ تو کہاں یہ مخلص موحد اور کہاں یہ در بدر بھٹکنے والا مشرک؟ ان دونوں میں کوئی نسبت نہیں۔ الحمد للہ۔ ساری خوبی اور تعریفیں اس ذات واحد کے لئے ہیں کہ کیسے اعلیٰ مطالب اور حقائق کو کیسی صاف اور دلنشین مثال سے سمجھا دیا مگر اس پر بھی بہت بدنصیب ایسے ہیں کہ ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی شرک کریں گے جو یکسر بے علم ہوں اور جن میں عقل وفہم اور سمجھ بوجھ بالکل ہی نہ ہو۔ اب جب ہر پہلو سے حق کو ثابت فرما دیا گیا اور بحث کا فیصلہ ہو گیا اور معاندین نے اس فیصلہ کو قبول نہ کیا تو اب آگے فیصلہ قیامت کا جو کہ آخری فیصلہ ہوگا اور جس سے کوئی سرتابی کر ہی نہیں سکتا بیان فرمایا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس عقلی اور نقلی فیصلہ کو جو معاندین دنیا میں نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ اس دنیا سے آپ کو بھی گزر کر جانا ہے اور ان معاندین کو بھی مر کر جانا ہے پھر قیامت کے روز جب تمام مقدمات اور دنیا کے اختلافات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو اس وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا اور حق وباطل صاف صاف ظاہر ہو جائے گا۔ ایمان واخلاص اور توحید وسنت والے نجات پائیں گے شرک وکفر اور انکار وتکذیب کرنے والے سخت سزائیں اٹھائیں گے۔ اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا قیامت کے روز وہ خدائے عادل ذوالجلال کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہوگا۔

اس آخری آیت **انک میت وانھم میتون ○ ثم انکم یوم القیٰمۃ عند ربکم تختصمون** کے نازل ہونے پر احادیث میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دہرائے جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ ضرور دہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا پورا پورا بدلہ دلوایا جائے گا ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس کے جھگڑے پیش ہوں گے اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسرے کو سینگ مارے ہوں گے ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا یارسول اللہؐ مجھے کیا خبر۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس

2

کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان دونوں میں انصاف کرے گا علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل فرمایا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہر سچا جھوٹے سے ہر مظلوم ظالم سے ہر ہدایت یافتہ گمراہی میں مبتلا ہونے والے سے ہر کمزور زور آور سے اس روز جھگڑے گا۔ اور حضرت ابن عباسؓ ہی سے یہ روایت لائے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا کہ ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔ ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا وہ کہے گا سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج بالکل لولا لنگڑا چلنے پھرنے سے معذور دوسرا ایک آدمی اندھا ہے لیکن پیر اس کے سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے یہ دونوں ایک باغ میں ہیں۔ لنگڑا اندھے سے کہتا ہے بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں ہیں جو میں چل کر یہ پھل توڑلوں اندھا جواب دیتا ہے آؤ میرے پاؤں ہیں میں تجھے اپنی چڈھی پر چڑھالیتا ہوں اور لے چلتا ہوں چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور خوب مرضی کے مطابق باغ سے پھل توڑے۔ بتلاؤ کہ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم روح دونوں جواب دیں گے کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہے گا کہ بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے کیونکہ آخرت میں درہم اور دینار تو ہوں گے نہیں اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بمقدار ظلم یہ اعمال صالحہ اس سے لے کر مظلوم کو دے دیئے جاویں گے اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی برائیاں اور گناہوں کو اس سے لے کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو مفلس اس کو جانتے ہیں جس کے پاس نہ کوئی نقد رقم ہو نہ ضروریات کا سامان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اصلی اور حقیقی مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت سے نیک اعمال نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی۔ کسی پر تہمت باندھی کسی کا مال ناجائز طور پر کھا گیا۔ کسی کو قتل کرایا کسی کو مار پیٹ سے ستایا تو یہ سب مظلوم اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے اپنے مظالم کا مطالبہ کریں گے اور اس کی حسنات ان میں تقسیم کر دی جائے گی پھر جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور مظلوم کے حقوق ابھی باقی ہوں گے تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تو گویا یہ شخص سب کچھ سامان ہونے کے باوجود قیامت میں مفلس وقلانچ رہ گیا۔ یہی اصلی مفلس ہے یا اللہ ایسی مفلسی سے ہم سب کو اپنی رحمت سے بچائیے گا۔ مگر ایک بات یہاں یہ سمجھ لی جائے کہ قیامت میں سارے نیک اعمال مظالم اور حقوق العباد کے بدلے میں مظلوموں کو دے دیئے جائیں گے مگر ایمان نہیں دیا جائے گا جب ظالم کے تمام اعمال صالحہ علاوہ ایمان کے سب مظلوموں کو دے کر ختم ہو جائیں گے اور صرف ایمان رہ جائے گا تو ایمان اس سے سلب نہیں کیا جاوے گا بلکہ مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال کر حقوق کی ادائیگی کی جائے گی جس کے نتیجہ میں یہ گناہوں کا عذاب بھگتنے کے بعد بالآخر کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جائے گا اور پھر یہ حال اس کا دائمی ہوگا۔ اللہ اکبر! یہ ہے ایمان کی قدر وقیمت مگر افسوس کہ آج اس بے دینی کے زمانہ میں ہر چیز قابل وقعت اور

قابل قدر ہے۔ اگر نہیں ہے تو ایمان صادق کی کچھ وقعت اور پروا نہیں ۔ الا ماشآء اللہ اور ابھی کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ وقت نہ دکھلائیں جب کہ کفر اتنا سستا ہو جائے گا کہ صبح کو آدمی مسلمان ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مسلمان ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا۔ معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کر دے گا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث میں بروایت مسلم بتلادیا گیا ہے۔ (العیاذ باللہ) مشکوٰۃ شریف ہی کی ایک دوسری حدیث بروایت ابی داؤد میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسے سخت فتنے برپا ہوں گے جیسا اندھیری رات کے ٹکڑے صبح کو آدمی ان میں مسلمان ہوگا شام کو کافر شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر۔ ان میں بیٹھنے والا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس وقت اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جانا۔ یعنی ٹاٹ کی طرح گھر کے ایک کونے میں پڑے رہنا (الاعتدال فی مراتب الرجال) ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ پاک ایسے وقت سے ہمیں بچائیں اور اسلام پر قائم رکھیں اور ایمان پر موت نصیب فرمائیں۔

میرے عزیزو اور دوستو وقت کی اور اپنے ایمان و اسلام کی قدر کیجئے اور حق تعالیٰ کا اسی قرآن کریم میں وعدہ ہے لئن شکرتم لازیدنکم (پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم) یعنی اگر تم اللہ کی کسی نعمت پر شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس نعمت میں زیادتی عطا فرمائیں گے تو اسلام اور ایمان سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ ہم کم از کم صبح و شام حق تعالیٰ کا اسی نعمت اسلام و ایمان پر شکر ادا کرنے کا معمول بنالیں تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ہمارے اسلام اور ایمان میں ترقی و زیادتی اور اضافہ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق نصیب فرمائیں۔

الغرض ان آیات کا خلاصہ یہی ہے کہ قیامت کے روز تمام دنیا کے اختلافات کا آخری عملی فیصلہ ہوگا اور اس فیصلہ کا کیا نتیجہ ہوگا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان آئندہ درس میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قیامت کے دن مجرموں اور ظالموں کے گروہ سے ہم کو علیحدہ رکھیں اور اپنے مومنین مخلصین کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیں۔ یا اللہ ہمیں دنیا اور آخرت دونوں جہان میں اپنے عذاب سے محفوظ و مامون فرمایئے۔ اور اس قرآن پاک کے ذریعہ جو آپ کے احکام ہم کو پہنچے ہیں ان پر ہم کو دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمایئے۔

یا اللہ ہمارے اس پاکستان میں اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی قرآن پاک کے احکام کا بول بالا ہو۔

یا اللہ ہم کو قرآن پاک کا متبع اور فرمانبردار بنا کر زندہ رکھئے اور اس کی نافرمانی اور خلاف ورزی سے ہم کو ہمارے ملک کو اور تمام امت مسلمہ کو بچا لیجئے۔ یا اللہ ہمیں اپنے اختلافات اس دنیا ہی میں ختم کر لینے کی توفیق عطا فرمایئے۔ تا کہ قیامت میں جواب دہی نہ کرنا پڑے۔ یا اللہ ہمارے اسلام کی مرتے دم تک حفاظت فرمایئے اور ایمان پر ہم سب کو خاتمہ بالخیر نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

فَمَنْ اَظْلَمُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ

سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات کو جبکہ وہ اس کے پاس پہنچی جھٹلاوے۔

اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ

کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانہ نہ ہوگا اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور (خود بھی) اس کو سچ جانا

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾

تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں وہ جو کچھ چاہیں گے ان کیلئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ صلہ ہے نیک کاروں کا۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ

تاکہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کے بُرے عملوں کو دور کردے اور ان کے نیک کاموں کے عوض اُن کو ان کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ

ثواب دے۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہٗ (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت) کیلئے کافی نہیں اور یہ لوگ آپ کو اُن (جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں

دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ

جو خدا کے سوا (تجویز کررکھے) ہیں اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو وہ ہدایت دے اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا نہیں

فَمَنْ پس کون	اَظْلَمُ بڑا ظالم	مِمَّنْ سے۔جس	كَذَبَ جھوٹ باندھا	عَلٰى پر	اللّٰهِ اللہ	وَكَذَّبَ اور اس نے جھٹلایا	
بِالصِّدْقِ سچائی کو	اِذْ جب	جَآءَهٗ وہ اسکے پاس آئی	اَلَيْسَ کیا نہیں	فِىْ جَهَنَّمَ جہنم میں	مَثْوًى ٹھکانا	لِّلْكٰفِرِيْنَ کافروں کیلئے	
وَالَّذِىْ اور جو شخص	جَآءَ آیا	بِالصِّدْقِ سچائی کے ساتھ	وَصَدَّقَ اور اس نے اسکی تصدیق کی	بِهٖٓ اس کو	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمْ وہ	
الْمُتَّقُوْنَ جمع (متقی)	لَهُمْ ان کیلئے	مَا يَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے	عِنْدَ ہاں۔پاس	رَبِّهِمْ ان کا رب	ذٰلِكَ یہ	جَزٰٓؤُا جزا	
الْمُحْسِنِيْنَ (جمع) نیکوکاروں	لِيُكَفِّرَ تاکہ دور کردے	اللّٰهُ اللہ	عَنْهُمْ ان سے	اَسْوَاَ برائی	الَّذِىْ وہ جو	عَمِلُوْا انہوں نے کئے (اعمال)	
وَيَجْزِيَهُمْ اور انہیں جزا دے	اَجْرَهُمْ ان کا اجر	بِاَحْسَنِ بہترین (اعمال)	الَّذِىْ وہ جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے			
اَلَيْسَ کیا نہیں	اللّٰهُ اللہ	بِكَافٍ کافی	عَبْدَهٗ اپنے بندے کو	وَيُخَوِّفُوْنَكَ اور وہ خوف دلاتے ہیں آپ کو	بِالَّذِيْنَ ان سے جو		
مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	وَمَنْ اور جس	يُّضْلِلِ گمراہ کردے	اللّٰهُ اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ کوئی	هَادٍ ہدایت دینے والا	
وَمَنْ اور جس	يَّهْدِ اللّٰهُ اللہ ہدایت دے	فَمَا تو نہیں	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ کوئی	مُّضِلٍّ گمراہ کرنیوالا	اَلَيْسَ کیا نہیں	اللّٰهُ اللہ
بِعَزِيْزٍ غالب	ذِى انْتِقَامٍ بدلہ لینے والا						

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اس سورۃ میں دور سے توحید وشرک اور حق و باطل کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ مشرک و موحد دونوں فریقوں کا فرق اور ان کے حالات بیان کرتے ہوئے اخیر میں گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ معاندین اور منکرین و مکذبین اس وقت جو توحید کو نہیں مانتے اور اس میں جھگڑے نکالتے ہیں اور حجتیں کرتے ہیں تو ان کو بہر حال مر کر ایک دن حق تعالیٰ کے ہاں پیش ہونا ہے۔ اس دن تمام جھگڑوں کا عملی فیصلہ پروردگار فرما دے گا اور فیصلہ یہ ہوگا کہ ناحق پرستوں کو عذاب جہنم نصیب ہوگا اور حق پرستوں کو اجر عظیم ملے گا۔

اب ان آیات میں بھی انہی دو فریقوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ کون حق پر اور مستحق نجات و درجات ہے اور کون ناحق پر مستحق عذاب ہے۔ قرآن نے اور اللہ کے رسول نے تو یہی تعلیم دی کہ اللہ کو ایک مانو اور اسی کو اپنا خالق رازق اور مالک جانو اور اس پروردگار عالم کو اسی طرح سمجھنے کی کوشش کرو جس طرح اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اللہ کو اپنے خیال کے مطابق ماننا انسان کی نجات کے لئے کافی نہیں۔ اللہ کی سچی باتیں اور اس کی صفتیں وہی ہیں جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول نے بتلا دی ہیں۔ ان کے خلاف نعوذ باللہ اللہ کی اولاد ماننا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا اوروں کو اس کا شریک ٹھہرانا اس کی خدائی میں دوسروں کا حصہ ماننا جیسا کہ مشرکوں کے عقائد تھے یہ سب اللہ پر جھوٹ گھڑنا اور بہتان لگانا ہے۔ قرآن کریم میں جو اللہ کی صفات آئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اللہ کی عبادت و بندگی اور اس کے آداب وطریقے بتلائے ہیں وہ سراسر سچائی پر مبنی ہیں۔ جو لوگ ان کو نہیں مانتے وہ سچائی کے نہ ماننے والے اور منکر ہیں۔ ان سے زیادہ بڑھ کر کون ظالم۔ بے انصاف اور ناحق پرست ہوگا کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور اس کے شریک ٹھہرائے اور جب سچی بات اس کے پاس اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کے ذریعہ پہنچی تو اس کو بھی جھٹلایا تو جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے اور ایسے ظالموں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا تو اس ناحق پرست فریق کا تو یہ فیصلہ ہوا اور اس فریق کے خلاف دوسرا فریق جو سچی بات لے کر خدا کی طرف سے یا رسول کی طرف سے لوگوں کے پاس آئے اور خود بھی اس کو سچ جانا یعنی صادق بھی ہیں اور مصدق بھی تو یہ لوگ واقعی اللہ سے ڈرنے والے اور متقی کہلانے کے لائق ہیں اور ان کے متعلق فیصلہ یہ ہوگا کہ ان کو اپنے رب کے ہاں وہ سب کچھ ملے گا جو یہ چاہیں گے اور ان کا انجام یہ ہوگا کہ بربنائے بشریت جو ان سے قصور اور برائیاں سرزد ہوئی ہوں گی وہ بھی معاف کر دی جائیں گی اور ان کی نیکیاں قبول کر لی جائیں گی۔ ان پاکباز لوگوں کا یہی بدلہ ہوگا۔ تو اوپر کے مضامین اور قرآنی آیات کہ جس میں توحید کی حقانیت اور شرک و بت پرستی کی مذمت و بطلان بیان فرمایا گیا کفار مکہ جب سنتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکاتے اور کہتے کہ آپ ہمارے معبودوں سے گستاخی نہ کیجئے ورنہ ہم ان سے درخواست کر کے آپ کو سزا دلوادیں گے اور وہ آپ کے ہوش و حواس چھین لیں گے اور (معاذ اللہ) دیوانہ اور پاگل بنادیں گے۔ اس کا جواب ارشاد فرمایا گیا کہ کیا خوب گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی حفاظت کے لئے کافی نہیں۔ جو ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا اسے عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز و منتقم یعنی زبردست بدلہ لینے والے اللہ کی امداد وحمایت اس بندہ کو کافی نہیں جو کسی دوسرے سے ڈرے؟ یہ بھی ان مشرکین کا خبط باطل عقیدہ اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کے مقابلہ میں اپنے بتوں اور خداؤں کو کھڑا کرتے ہیں۔ ان کی اللہ کے سامنے کیا حقیقت ہے؟ ان کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت اور ٹھیک راستہ پر لگا دینا یا نہ لگانا سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جب کسی شخص کو اس کی کجروی اور بدتمیزی کی بناء پر اللہ تعالیٰ ہدایت اور کامیابی کا راستہ نہ دے تو وہ اسی طرح خبطی اور احمق

ہو جاتا ہے اور موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی بھی قوت اس میں نہیں رہتی۔ کیا ان احمقوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ جو بندہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ گیا کونسی طاقت ہے جو اس کا بال بیکا کر سکے۔ جو طاقت مقابل ہوگی پاش پاش کر دی جائے گی۔ غیرت خداوندی مخلص وفاداروں کا بدلہ لئے بدوں نہیں چھوڑے گی۔ اس سے بڑھ کر زبردست اور انتقام لینے کی قدرت والا کوئی نہیں۔ اس کے رسول سے جو لڑتے بھڑتے ہیں وہ انہیں سخت سزائیں دے گا۔

ان آیات میں ایک جملہ **ویخوفونک بالذین من دونه** آیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ یہ کفار آپ کو ان جھوٹے معبودوں سے ڈراتے ہیں جو خدا کے سوا انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں تو اس پر حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اس آیت کو پڑھنے والے عموماً یہ خیال کر کے گزر جاتے ہیں کہ یہاں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے جس کا تعلق کفار کی دھمکیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے۔ اس طرف دھیان نہیں دیتے کہ اس میں ہمارے لئے کیا ہدایت ہے۔ حالانکہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ جو شخص بھی کسی مسلمان کو اس لئے ڈرائے کہ تم نے فلاں ناجائز یا حرام کام یا گناہ نہ کیا تو تمہارے حکام اور افسر یا جن کے تم محتاج سمجھے جاتے ہو تم سے خفا ہو جائیں گے اور تکلیف پہنچائیں گے تو یہ بھی اسی میں داخل ہے اگرچہ ڈرانے والا مسلمان ہی ہو اور جس کو ڈرایا جائے وہ بھی مسلمان ہی ہو۔ اور یہ ایسا عام ابتلاء ہے کہ دنیا کی اکثر ملازمتوں میں لوگوں کو پیش آتا ہے کہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائیں یا پھر اپنے افسروں اور حاکموں کے عتاب وعقاب کے مورد بنیں۔ آیت نے ان سب کو یہ ہدایت دی کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لئے کافی نہیں۔ اگر تم نے خالص اللہ کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کا عزم کر لیا اور احکام خداوندی کے خلاف کسی حاکم وافسر کی پرواہ نہ کی تو خدا تعالیٰ کی امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔ زائد سے زائد یہ ملازمت چھوٹ بھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کا دوسرا انتظام کر دیں گے اور مومن کا کام تو یہ ہے کہ ایسی ملازمت کو چھوڑنے کی خود ہی کوشش کرتا رہے کہ کوئی دوسری مناسب جگہ مل جائے تو اس کو فوراً چھوڑ دے۔ (معارف القرآن جلد ۷)

آگے مزید دلائل سے یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی حفاظت اور امداد کے لئے بالکل کافی ہے اور ہر حال میں اللہ ہی مددگار ہو سکتا ہے دوسرے کسی گنتی میں نہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

جو کچھ ہم کو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ہم کو ایمان صادق اور یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہم کو بھی اپنے ان متقی بندوں میں شامل فرمائیں کہ جن کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازیں گے۔

یا اللہ! آپ ہماری دین ودنیا میں کفالت فرمائیں اور اپنی ہدایت سے ہم سب کو نوازیں۔ اور ہر طرح کی کجی وگمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ یا اللہ ہمارے حاسدین اور دشمنوں سے آپ اپنی قدرت سے انتقام لے لیں اور آپ اپنی حفاظت میں ہم کو رکھیں۔

یا اللہ! ہم کو وہ ایمان ویقین عطا فرما کہ ہم اس بات کو دل میں رکھ لیں کہ ہرگز ہرگز ہم کو کوئی نقصان اور تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور ہمارے دشمن ہم کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے مگر وہی کہ جو ہمارے اللہ کو منظور ہو۔ یا اللہ اپنی نصرت اور حمایت پر ہم کو بھروسہ عطا فرما اور ہر حال میں ہمارے ناصر اور مددگار رہیے۔ یا اللہ! ہمیں ایسے حکام اور افسران عطا فرمائیے کہ جو ہمارے دین داری میں مددگار ومعاون ہوں اور ایسے حکام سے بچائیے جو آپ کے احکام کے خلاف ورزی پر آمادہ کرنے والے ہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۗ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا

اور اگر ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہئے کہ بھلا پھر یہ تو بتلاؤ

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ

کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف دور کرسکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۗ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۗ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے خدا کافی ہے۔ توکل کرنے والے اُسی پر توکل کرتے ہیں۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کررہا ہوں سو اب جلدی تمکو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب

يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ

آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کردیگا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا۔ ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے (نفع کے) لئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے

فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

سو جو شخص راہ راست پر آوے گا تو اپنے نفع کے واسطے اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے۔

وَلَئِنْ اور اگر	سَاَلْتَهُمْ تم پوچھو اُن سے	مَنْ کون۔کس	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین		
لَيَقُوْلُنَّ تو وہ ضرور کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	قُلْ فرمادیں	اَفَرَءَيْتُمْ کیا پس دیکھا تم نے	مَا تَدْعُوْنَ جن کو تم پکارتے ہو	مِنْ سے		
دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوائے	اِنْ اگر	اَرَادَنِيَ چاہے میرے لئے	اللّٰهُ اللہ	بِضُرٍّ کوئی ضرر	هَلْ کیا	هُنَّ وہ سب	كٰشِفٰتُ دور کرنیوالے ہیں
ضُرِّهٖٓ اس کا ضرر	اَوْ یا	اَرَادَنِيْ وہ چاہے میرے لئے	بِرَحْمَةٍ کوئی رحمت	هَلْ کیا	هُنَّ وہ سب	مُمْسِكٰتُ روکنے والے ہیں	
رَحْمَتِهٖ اسکی رحمت	قُلْ فرمادیں	حَسْبِيَ اللّٰهُ کافی ہے میرے لئے اللہ	عَلَيْهِ اس پر	يَتَوَكَّلُ بھروسہ کرتے ہیں	الْمُتَوَكِّلُوْنَ بھروسہ کرنیوالے		
قُلْ فرمادیں	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اعْمَلُوْا تم کام کئے جاؤ	عَلٰى پر	مَكَانَتِكُمْ اپنی جگہ	اِنِّيْ بیشک میں	عَامِلٌ کام کرتا ہوں	
فَسَوْفَ پس عنقریب	تَعْلَمُوْنَ تم جان لوگے	مَنْ کون	يَّاْتِيْهِ آتا ہے اُس پر	عَذَابٌ عذاب	يُّخْزِيْهِ رسوا کردے اس کو		
وَيَحِلُّ اور اُترآتا ہے	عَلَيْهِ اس پر	عَذَابٌ عذاب	مُّقِيْمٌ دائمی	اِنَّآ اَنْزَلْنَا بیشک ہم نے نازل کی	عَلَيْكَ آپ پر	الْكِتٰبَ کتاب	
لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	فَمَنْ پس جس	اهْتَدٰى ہدایت پائی	فَلِنَفْسِهٖ تو اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جو	ضَلَّ گمراہ ہوا	
فَاِنَّمَا تو اسکے سوانہیں	يَضِلُّ وہ گمراہ ہوتا ہے	عَلَيْهَا اپنے لئے	وَمَا اور نہیں	اَنْتَ آپ	عَلَيْهِمْ ان پر	بِوَكِيْلٍ نگہبان	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہوا تھا کہ جب مشرکین اور کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کی مذمت اور برائی سنتے تو یہ مشرکین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے اور کہتے کہ تم ہمارے دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ اور ان کی برائی کرنا

چھوڑ دو ورنہ وہ تمہیں اس کی سخت سزا دیں گے اور تمہاری عقل اور ہوش و حواس چھین لیں گے۔ اس کا جواب دیا گیا تھا کہ کیا اللہ اپنے بندہ خاص کی حفاظت کے لئے کافی نہیں؟ جو خداوند قدوس کی حفاظت میں آ چکا تو اسے ان عاجز اور بے بس بتوں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ زبردست قوتوں کا مالک ہے اس کے سامنے کیا مجال ہے کہ کوئی دم مار سکے۔ پھر ان کے یہ بت تو سرے سے کچھ ہیں ہی نہیں۔ انسان تو انسان یہ تو مکھی اور مچھر جیسی حقیر چیزوں کے آگے بھی بے بس ہیں۔

اسی سلسلہ میں ان آیات میں ایک اور دلیل سے سمجھایا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو نفع و نقصان دے سکے تو پھر ان بتوں سے کیا ڈرنا اور ڈرانا۔ مشرکین بھی اپنے عقیدہ میں اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اور بنانے والا اللہ ہی ہے تو ایک طرف تو خداوند قدوس جو خود مشرکین کے اقرار کے موافق تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیں یا عاجز مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف کو دور نہ کر سکیں اور اسی طرح اللہ اپنی رحمت سے کسی کو راحت پہنچانا چاہے تو کوئی اس کی رحمت کو روک نہ سکے تو مشرکین ہی بتلائیں کہ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے؟ اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ بالکل کافی ہے۔ وہی میرے سب کام اپنی رحمت سے بنائے گا۔ ہر حالت میں اللہ ہی مددگار ہو سکتا ہے اور اسی کی ذات عالی بھروسہ کرنے کے لائق ہے دوسرے کس گنتی میں ہیں اس لئے میں بھی اسی پر توکل رکھتا ہوں اور تمہاری مخالفت اور عناد کی کچھ پروا نہیں کرتا اور چونکہ کفار و مشرکین ان کھلی ہوئی دلیلوں اور صاف صاف بیانات کے بعد بھی اپنی اسی جہالت اور ضلالت پر مصر تھے اس لئے آگے آخری جواب کی تعلیم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے صاف کہہ دیجئے کہ اگر اس پر بھی تم نہیں مانتے تو تم جانو جو چاہو کرو اور جیسے تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے میں اپنا طریقہ نہیں چھوڑتا میں تو اسی راستہ پر قائم رہوں گا اور جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مقرر کر دیا ہے۔ سو جلدی ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کی شامت آنے والی ہے اور کون دنیا ہی میں ذلیل و خوار اور آخرت میں ہمیشہ کے عذاب کا مستحق ہونے والا ہے۔ الغرض یہاں تک جو مضامین بیان ہوئے ان میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے مذہب کو کبھی تو دلائل بینات سے باطل کیا کبھی امثال بیان کر کے اس کی خرابی ظاہر فرمائی اور کبھی دنیا و آخرت میں بلائیں اور عذاب کی سزا سے ڈرایا مگر اس پر بھی وہ کور باطن نہ مانتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان نہ لانے سے رنج ہوتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتے ہیں اور تسلی فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر لوگوں کی رہنمائی کے لئے دنیا میں کتاب نازل کر دی ہے یعنی قرآن مجید جو سعادت و شقاوت بیان کرنے میں صاف صاف ہے اور جمیع ضروریات کے لئے دستور العمل آسمانی ہے اس کتاب کے ذریعہ سے سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک بتلا دیا گیا۔ آگے ہر انسان اپنا نفع نقصان خود سوچ لے۔ نصیحت پر چلے گا تو اسی کا دین و دنیا کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئیں۔ صرف پیغام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا۔ وہ آپ نے ادا کر دیا اور کر رہے ہیں آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے پھر ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔

دعا کیجئے

یا اللہ امت مسلمہ پر رحم و کرم فرما دے اور ہمیں اپنے کلام کی پھر سچی محبت اور عظمت عطا فرما دے۔ اس کے اتباع کی توفیق نصیب فرما دے تا کہ ہم کو پھر دین و دنیا کی کامرانی نصیب ہو جائے اور ہماری بدحالی دور ہو جائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ

اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو اُن کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی اُن کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے

قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کیلئے رہا کردیتا ہے اس میں اُن لوگوں کیلئے جو کہ

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

سوچنے کے عادی ہیں دلائل ہیں۔

اَللّٰهُ اللہ	يَتَوَفَّى قبض کرتا ہے	الْاَنْفُسَ (جمع) جان۔روح حِيْنَ وقت	مَوْتِهَا اس کی موت	وَ الَّتِيْ اور جو	لَمْ تَمُتْ نہ مرے
فِيْ میں	مَنَامِهَا اپنی نیند	فَيُمْسِكُ تو روک لیتا ہے	الَّتِيْ وہ جس	قَضٰى فیصلہ کیا اس نے	عَلَيْهَا اس پر
الْمَوْتَ موت	وَيُرْسِلُ وہ چھوڑ دیتا ہے	الْاُخْرٰۤى دوسروں کو	اِلٰۤى تک	اَجَلٍ ایک وقت	مُّسَمًّى مقررہ
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ لوگوں کیلئے	يَّتَفَكَّرُوْنَ غوروفکر کرتے ہیں	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات سے خاص اور مرکزی مضمون توحید کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے مثالوں اور دلیلوں اور صاف اور واضح بیانات سے ہر طرح یہ بتا دیا گیا کہ اللہ کے سوا نہ کوئی قادر مطلق ہے اور نہ کوئی معبود اور نہ کسی کو انتظام عالم میں دخل دینے کی قدرت اور نہ کوئی نفع ونقصان کا مالک۔غرض کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہے جدھر دیکھو ہر جگہ اس کی نشانی نظر آتی ہے۔سوچنے اور غور وفکر کرنے والے انسان ہر واقعہ میں اللہ کی معرفت کی نشانی دیکھتے ہیں۔چنانچہ اللہ کی قدرت کے دلائل میں ایک بڑی چیز انسان کا سونا اور جاگنا بھی ہے جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا جاتا ہے اور جس سے انسان کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ موت اور زیست کس طرح اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے کوئی شخص یہ ضمانت نہیں رکھتا کہ رات کو جب وہ سوئے گا تو صبح وہ لازماً زندہ ہی اٹھے گا۔کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ ایک گھڑی بھر میں اس پر کیا گزر سکتا ہے اور دوسرا لمحہ اس پر زندگی کا لمحہ ہوتا ہے یا موت کا۔ہر وقت سوتے جاگتے چلتے پھرتے گھر میں یا باہر کسی وقت بھی وہ گھڑی آ سکتی ہے جو اس کے لئے پیام موت ثابت ہو۔جو انسان اس طرح خدا کے ہاتھ میں بے بس ہے وہ کیسا سخت نادان ہے اگر وہ اسی خدا سے غافل یا اسی کا منکر ہے۔چنانچہ اس آیت میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ وہ اللہ ہی کی ذات ہے جو موت کے وقت روحوں کو قبض کرتا ہے اور بدن سے نکالتا ہے۔اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے نیند کی حالت میں روح قبض کرنے سے مراد یہ ہے کہ ظاہری تصرفات جیسے کھانا پینا دیکھنا سننا چلنا پھرنا لینا دینا کچھ انسان سے نہیں ہوتا۔ظاہری احساس وشعور فہم وادراک اور اختیار وارادہ کی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں۔نیند میں بھی مردہ کی طرح پڑے رہتے ہیں۔اسی حالت کے متعلق اردو زبان میں بھی یہ کہاوت مشہور ہے کہ سویا اور مرا برابر ہے۔آگے ارشاد ہے کہ پھر جس پر اللہ تعالیٰ موت کا فیصلہ نافذ فرما دیتا ہے تو اس کی روح

روک لیتا ہے۔ پھر اس بدن کی طرف دنیا میں نہیں آنے پاتی اور دوسری روحوں کو جن کو خواب یعنی نیند میں قبض کیا تھا ایک وقت معین تک چھوڑ دیتا ہے یعنی بیدار ہو کر انسان بدن سے پھر تصرفات کرنے لگتا ہے تو جب زندگی اور موت سب کچھ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اور کسی اور کو دنیا جہاں کی پیدائش اور موت اور اس کے قائم رکھنے میں کوئی دخل نہیں تو اس میں ان لوگوں کے لئے جو کہ عقل وفکر سے سوچنے اور سمجھنے کے عادی ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کے تصرفات پر ایسے دلائل ہیں کہ جن سے اس کی توحید پر استدلال کر سکتے ہیں۔

یہاں آیت میں اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ جو فرمایا یعنی اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے۔ تو علما نے لکھا ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک تو نفس حیاتی جو موت کے وقت اس سے سلب ہو جاتا ہے کہ اس کے جانے سے جان چلی جاتی ہے اور دوسرا نفس شعور وادراک ہے وہ نیند کے وقت انسان سے جدا ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں واپس آ جاتا ہے تو گویا ایک وفات کبریٰ ہوئی جس میں روح من کل الوجوہ سلب ہو جاتی ہے جس کے بعد نہ حیات جسمانی باقی رہ جاتی ہے نہ شعور و ادراک اور دوسری وفات صغریٰ ہے کہ جس میں سلب روح صرف جزئی حیثیت سے ہوتا ہے کہ جس سے حیات جسمانی تو باقی رہتی ہے لیکن شعور وادراک باقی نہیں رہتا نیند کے وقت سلب صرف حیات شعوری کا ہوتا ہے تو اس طرح جن معطل روحوں کی موت کا وقت نہیں آتا نیند سے جاگ کر بدستور تصرفات جسمی میں مصروف ہو جاتی ہیں اور جن روحوں کو اللہ تعالیٰ روک لیتے ہیں پھر وہ تصرفات جسمانی کی طرف واپس نہیں آتیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اصل روح تو نیند کے وقت بھی جسم سے نکل جاتی ہے لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے (جیسے آفتاب کا شعاعی تعلق کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود زمین سے قائم رہتا ہے) اور سوتا ہوا انسان اسی جزئی تعلق کی بناء پر خواب دیکھتا رہتا ہے پھر جب بیداری کا وقت آتا ہے تو یہ روح چشم زدن سے بھی کم میں جسم میں واپس آ جاتی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابن آدم میں نفس بھی ہوتا ہے اور روح بھی اور دونوں کا ایک شعاعی تعلق مثل شعاع آفتاب کے ہوتا ہے۔ پس نفس تو وہ ہے جو ادراک وشعور کا مبداء ہے اور روح وہ ہے جس سے تنفس اور حرکت قائم ہے اور انسان جب سوتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے نہ کہ اس کی روح کو۔ تو خلاصہ یہ نیند کے وقت بھی اللہ تعالیٰ بدن سے ایک طرح سے روح الگ کر دیتے ہیں مگر اتنا تعلق اور اثر اس کا جسم سے باقی رہتا ہے کہ سانس چلتا رہے۔ اب یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ روح کو بدن میں واپس بھیجے یا نہ بھیجے۔ اگر واپس بھیج دیا تو آدمی جاگ اٹھتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ابھی اسے دنیا میں کچھ دن اور رہنا ہے اور اگر واپس نہ بھیجا اور روح کو اپنے پاس ہی روک لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مر گیا یعنی روح کا جسم پر اتنا اثر بھی نہ رہا کہ آدمی کا سانس چلتا رہے تو معلوم ہوا کہ یہ بالکل حق تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے کہ بدن میں جب روح چاہے داخل کر دے اور جب چاہے اسے بدن سے جدا کر دے۔ اگر جدائی پوری ہے تو اس کا نام بدن کی موت ہے اور اگر جدائی ادھوری ہے تو اس کا نام نیند ہے تو ایک غور وفکر کرنے والے کے لئے یہ انسان کا سونا اور جاگنا کتنی بڑی اللہ کی معرفت کی نشانی ہے۔

جو مضمون یہاں اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے اسی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ سونے کے وقت اور سونے سے جاگنے کے وقت کی دعائیں احادیث میں منقول ہیں۔ چنانچہ سوتے وقت کی ایک دعا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے تعلیم فرمائی وہ یہ ہے۔

(۱) **باسمک اللّٰھم اموت و احیٰ**

(اے اللہ تیرے نام کی برکت سے میں مرتا ہوں اور جیتا ہوں) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں کوئی اپنے بستر پر سونے کے خیال سے جائے تو اسے جھاڑ لے اس لئے کہ نہ جانے اس پر کیا کچھ ہو پھر یہ دعا پڑھے۔ **باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعه ان امسک نفسی فاغفرلها و ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادک الصالحین** (یعنی اے میرے پالنے والے رب تیرے ہی پاک نام کی برکت سے میں لیٹتا ہوں اور تیری ہی رحمت سے میں جاگوں گا۔ اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے بھیج دے تو اس کی ایسی ہی حفاظت کرنا جیسی تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے)

اسی طرح نیند سے بیدار ہوتے ہی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی ہے۔ **الحمد للّٰہ الذی احیانا بعدما اماتنا و الیه النشور** (شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں زندہ کیا بعد ہمارے مرجانے کے اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے)۔

غور کیجئے کہ ایک غافل انسان کے لئے ساری زندگی کا سونا اور جاگنا ایک معمولی انسانی عادت ہے مگر ایک اہل ایمان کو کتاب وسنت یہ تعلیم دیتی ہے کہ جب سونے لگے تو یہ متحضر کر لے کہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہے اور حق تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اس کے بعد روح کو لوٹا کر زندگی بخشیں یا نہ بخشیں اسی طرح جب نیند سے جاگے تو سب سے پہلی دعا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ جس کے فضل سے نیند سے جاگنا اور ایک طرح سے مر کر نئی زندگی پانا نصیب ہوا۔ اگر یہ مسنون دعائیں عربی میں یاد کر کے پڑھی جائیں تو کامل اتباع سنت ہے ورنہ کم از کم اپنی ہی زبان میں سوتے و جاگتے وقت مذکورہ دعائیں توجہ کے ساتھ مانگ لی جائیں۔

ابھی آگے مشرکین کے بعض خیالات باطلہ کا رد جاری ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا یہ ایک بڑا فضل و احسان ہے کہ جو ہم کو یہ زندگی اس نے عطا فرما رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب تک ہم کو زندہ رکھیں اپنی مرضیات کے موافق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جب ہمارے لئے موت مقدر فرمائیں تو ایمان اور اسلام کی موت نصیب فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں شب و روز ایک ایک لمحہ کی قدر کرنے اور اس دنیا میں آخرت کا سامان جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾

ہاں کیا ان (مشرک) لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو (معبود) قرار دے رکھا ہے جو (انکی) سفارش کریں گے آپ کہہ دیجئے اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں

قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾

آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اُسی کی ہے۔ پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ

اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا

الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ

اوروں کا ذکر آتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہوجاتے ہیں۔ آپ کہئے کہ اے اللہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٤٦﴾

باطن اور ظاہر کے جاننے والے آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن امور میں فیصلہ فرماویں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔

أَمِ کیا	اتَّخَذُوا انہوں نے بنالیا	مِن دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا	شُفَعَاءَ شفاعت کرنیوالے	قُلْ فرمادیں	أَوَلَوْ یا اگر	
كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ وہ نہ اختیار رکھتے ہوں	شَيْئًا کچھ	وَ اور	لَا يَعْقِلُونَ نہ وہ سمجھ رکھتے ہوں	قُلْ فرمادیں	لِلَّهِ اللہ کیلئے	
الشَّفَاعَةُ شفاعت	جَمِيعًا تمام	لَهُ اسی کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمَاوَاتِ آسمانوں	وَالْأَرْضِ اور زمین	ثُمَّ پھر
إِلَيْهِ اس کی طرف	تُرْجَعُونَ تم لوٹو گے	وَإِذَا اور جب	ذُكِرَ اللَّهُ ذکر کیا جاتا ہے اللہ	وَحْدَهُ ایک۔ واحد	اشْمَأَزَّتْ تنفر ہوجاتے ہیں	
قُلُوبُ دل	الَّذِينَ وہ لوگ جو	لَا يُؤْمِنُونَ ایمان نہیں رکھتے	بِالْآخِرَةِ آخرت پر	وَإِذَا اور جب	ذُكِرَ ذکر کیا جاتا ہے	الَّذِينَ ان کا جو
مِن دُونِهِ اس کے سوا	إِذَا تو فوراً	هُمْ وہ	يَسْتَبْشِرُونَ خوش ہوجاتے ہیں	قُلِ فرمادیں	اللَّهُمَّ اے اللہ	فَاطِرَ پیدا کرنے والا
السَّمَاوَاتِ آسمانوں	وَالْأَرْضِ اور زمین	عَالِمَ اور جاننے والا	الْغَيْبِ پوشیدہ	وَالشَّهَادَةِ اور ظاہر	أَنتَ تو	تَحْكُمُ تو فیصلہ کرے گا
بَيْنَ درمیان	عِبَادِكَ اپنے بندوں	فِي مَا اس میں جو	كَانُوا وہ تھے	فِيهِ اس میں	يَخْتَلِفُونَ اختلاف کرتے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیت میں توحید کے دلائل میں یہ بتلایا گیا تھا کہ زندگی اور موت یہ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اسی کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا ہے۔ تو جب دنیا جہاں والوں کی حیات وممات قائم رکھنے میں کسی کا دخل نہیں تو مشرکین پھر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کی طرف کیوں جھکتے ہیں۔ اب آگے ان آیات میں اللہ تعالیٰ مشرکوں اور بت پرستوں کی مذمت فرماتے ہیں کہ وہ بتوں کو اور معبودان باطل کو اپنا سفارشی اور شفیع سمجھے بیٹھے ہیں اور بتوں کی نسبت مشرکین یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ یہ بت اللہ کی درگاہ میں ہماری سفارش کرتے ہیں اور انہی کی سفارش سے ہمارے سارے کام بنتے ہیں۔ اسی لئے ان بتوں کی عبادت کی جاتی ہے مشرکین کے ان عقائد باطلہ کی تردید میں بتلایا جاتا ہے کہ اول تو شفیع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جسے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو اور وہ بھی صرف اس کے حق میں شفاعت کر سکتا ہے جس کو خدا پسند کرے تو ان بتوں کے پاس نہ اللہ کا اجازت نامہ ہے کہ وہ کسی کی سفارش کر سکتے ہیں اور نہ یہ کفار و مشرکین سفارش چاہنے والے اس قابل ہیں کہ ان کی سفارش کی جائے۔ تو مشرکین کا ان بتوں کو اپنا سفارشی سمجھنے میں نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے نہ حجت اور دراصل نہ ان بتوں کو کچھ اختیار ہے نہ عقل و شعور۔ یہ پتھر کی بے جان مورتیاں جو کسی چیز کی بھی مالک نہیں اور جو عقل و شعور سے بھی بالکل بے بہرہ ہیں پھر یہ کیا کسی کی سفارش کر سکتی ہیں اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ کوئی نہیں جو خدا کے سامنے لب ہلا سکے اور آواز نکال سکے جب تک کہ اس کی مرضی اور اجازت نہ پالے۔ زمین اور آسمان میں اسی کی سلطنت ہے ہر جگہ اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور پھر قیامت کے دن سب کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے۔ اس دن وہ عدل کے ساتھ تم سب میں سچے فیصلے کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ آگے کفار و مشرکین کی ایک حالت بیان کی جاتی ہے کہ ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ توحید کا کلمہ سننا انہیں ناپسند ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر سن کر ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے سوا کسی میں طاقت نہیں کہ کچھ کر سکے تو ان کے دل بھچ کر سکڑ جاتے ہیں اور جہاں بتوں کا اور دوسرے خداؤں کا ذکر آیا تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ "مشرک کا خاصہ ہے کہ گو بعض وقت زبان سے اللہ کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کا دل اکیلے خدا کے ذکر اور حمد و ثنا سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس یہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت و عظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آئے اور جھوٹی سچی کرامات اناپ شناپ بیان کر دی جائیں تو چہرہ کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت و انبساط جوش مارنے لگتے ہیں بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔"

مشہور مفسر علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس مقام پر خود اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنی کسی مصیبت میں ایک وفات یافتہ بزرگ کو مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ میں نے کہا اللہ کے بندے اللہ کو پکار وہ خود فرماتا ہے **واذا سئالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان** میری یہ بات سن کر اس کو سخت غصہ آیا اور بعد میں لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ کہتا تھا کہ یہ شخص اولیاء کا منکر ہے اور بعض لوگوں نے اس کو یہ کہتے بھی سنا کہ اللہ کی نسبت ولی جلدی سن لیتے ہیں۔ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

آخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ مشرکین اس پر بھی نہیں مانتے اور توحید میں بھی جھگڑتے ہیں تو آپ ان کی شدت عناد سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا میں یہ کہئے کہ اے اللہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے باطن و ظاہر کے جاننے والے آپ ہی قیامت کے روز اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرما دیں گے جن میں وہ باہم دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔

اب آگے ان مشرکین کی فیصلہ کے وقت جو حالت قیامت میں ہوگی اس کو بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ

اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور اُن چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے

الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ

چھوٹ جانے کیلئے ان کو دینے لگیں۔ اور خدا کی طرف سے اُن کو وہ معاملہ پیش آویگا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کو تمام اپنے بُرے

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ

اعمال ظاہر ہوجاویں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا۔ پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے

ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ

تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو (میری) تدبیر سے ملی ہے۔ بلکہ وہ ایک آزمائش ہے۔

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى

لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں سو ان کی کارروائی

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ

ان کے کچھ کام نہ آئی۔ پھر اُن کی تمام بداعمالیاں اُن پر آپڑیں۔ اور ان میں بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی

هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ

اُن کی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ (خداتعالیٰ کو) ہرا نہیں سکتے۔ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی

اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع

جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی (جس کیلئے چاہتا ہے) تنگی بھی کر دیتا ہے، اس میں ایمان والوں کے واسطے نشانیاں ہیں۔

وَلَوْ اور اگر	اَنَّ ہو	لِلَّذِيْنَ ان کیلئے جنہوں نے	ظَلَمُوْا ظلم کیا	مَا فِی الْاَرْضِ اور جو کچھ زمین میں	جَمِيْعًا سب کا سب	وَمِثْلَهٗ اور اتنا ہی	
مَعَهٗ اسکے ساتھ	لَافْتَدَوْا بدلہ میں دیں وہ	بِهٖ اس کو	مِنْ سے	سُوْٓءِ بُرے	الْعَذَابِ عذاب	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	
وَبَدَا لَهُمْ اور ظاہر ہوجائیگا ان پر	مِنَ اللّٰهِ اللہ (کی طرف) سے	مَا جو	لَمْ يَكُوْنُوْا نہ تھے وہ	يَحْتَسِبُوْنَ گمان کرتے			
وَبَدَا لَهُمْ اور ظاہر ہوجائیں ان پر	سَيِّاٰتُ بُرے کام	مَا كَسَبُوْا جو وہ کرتے تھے	وَحَاقَ اور گھیر لے گا	بِهِمْ ان کو	مَا جو	كَانُوْا وہ تھے	
بِهٖ اس کا	يَسْتَهْزِءُوْنَ مذاق اُڑاتے	فَاِذَا پھر جب	مَسَّ پہنچتی ہے	الْاِنْسَانَ انسان	ضُرٌّ کوئی تکلیف	دَعَانَا وہ ہمیں پکارتا ہے	
ثُمَّ اِذَا پھر جب	خَوَّلْنٰهُ ہم عطا کرتے ہیں اسکو	نِعْمَةً کوئی نعمت	مِّنَّا اپنی طرف سے	قَالَ وہ کہتا ہے	اِنَّمَا یہ تو	اُوْتِيْتُهٗ مجھے دی گئی ہے	عَلٰى پر
عِلْمٍ علم	بَلْ هِیَ بلکہ یہ	فِتْنَةٌ ایک آزمائش	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ جانتے نہیں	قَدْ قَالَهَا یقیناً یہ کہا تھا	

اَلَّذِيْنَ جولوگ	مِنْ سے	قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	فَمَآ اَغْنٰى تو وہ نہ دور کیا	عَنْهُمْ ان سے	مَا جو	كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وہ کرتے تھے
فَاَصَابَهُمْ پس انہیں پہنچیں	سَيِّاٰتُ برائیاں	مَا كَسَبُوْا جو انہوں نے کمائی	وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اور جن لوگوں نے ظلم کیا	مِنْ هٰٓؤُلَآءِ ان میں سے		
سَيُصِيْبُهُمْ جلد پہنچیں گی انہیں	سَيِّاٰتُ برائیاں	مَا كَسَبُوْا جو انہوں نے کمایا	وَمَا هُمْ اور وہ نہیں	بِمُعْجِزِيْنَ عاجز کرنے والے		
اَوَ کیا	لَمْ يَعْلَمُوْٓا وہ نہیں جانتے	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	يَبْسُطُ فراخ کرتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ جس کیلئے	يَّشَآءُ وہ چاہتا ہے
وَيَقْدِرُ اور تنگ کردیتا ہے	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُوْنَ وہ ایمان لائے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے جہل واصرار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرنے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمانے کی تلقین کی گئی تھی کہ اے آسمان وزمین کے خالق اور ہر چھپی اور کھلی چیز کے جاننے والے۔ دلوں کے راز تجھ پر آشکار ہیں۔ آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان کہ جن باتوں میں وہ جھگڑتے اور اختلاف کرتے ہیں قیامت کے روز فیصلہ فرمادیں گے۔

اب یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کے دن ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا تو اس وقت جو ظالم آج شرک وکفر میں گرفتار ہیں ان کا برا حال ہوگا۔ اگر اس روز فرض کرو کہ تمام دنیا کی دولت اور کل روئے زمین کے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد ان کے پاس موجود ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر اپنی جان کو سخت عذاب سے چھڑالیں۔ لیکن یہ کہاں ممکن ہوگا اور ان پر وہ آفتیں نازل ہوں گی اور ایسے قسم قسم کے ہولناک عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے خیال اور گمان میں بھی نہ گزرے ہوں گے۔ جو جو بداعمالیاں اور بدکرداریاں دنیا میں کی تھیں سب ایک ایک کرکے ان کے سامنے آجائیں گی۔ اور دنیا میں جو توحید اور دین حق سے ٹھٹھا کرتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر ٹوٹ پڑے گا اور چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ **اللّٰھم انا نعوذبک من خزی الدنیا والعذاب الاخرۃ** آمین۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یوں تو مشرک غیر اللہ کے ذکر سے مسرور اور صرف اللہ کے ذکر سے نفور رہتا ہے مگر جس وقت اس مشرک کو کوئی سخت تکلیف یا مصیبت پہنچتی ہے تو سب کو چھوڑ کر صرف خدا کو پکارتا ہے جس سے مشرک کی صاف حماقت وجہالت ظاہر ہونے کے علاوہ اس کا مسلک بھی باطل قرار پاتا ہے کہ جس کے ذکر سے چڑتا تھا مصیبت کے وقت اسی کو پکارتا ہے اور جن کے ذکر سے خوش ہوتا تھا ان کو بھول جاتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو اس توحید پر، جس کا حق ہونا خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا تھا قائم نہیں رہتا۔ چنانچہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ یوں کہتا ہے کہ یہ جو کچھ مجھ کو ملا ہے یہ میری تدبیر سے ملا ہے مجھ میں اس کی لیاقت تھی اور اس کمائی کے ذرائع کا علم رکھتا تھا۔ یہ میری استعداد اور اہلیت تھی پھر مجھے کیوں نہ ملتی۔ حق تعالیٰ اس کے قول کو رد فرماتے ہیں کہ وہ اس کی تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ نعمت خدا ہی کی دی ہوئی ہے اور یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ اسے لے کر کہاں تک منعم حقیقی کو پہچانتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے یا اللہ کی دی ہوئی نعمت کو اپنی لیاقت یا عقل وہنر کی طرف منسوب کرکے منعم حقیقی کی ناشکری کرتا ہے۔ تو یہ مال دولت دراصل انسان کی آزمائش اور امتحان کے لئے ہے مگر افسوس کہ اکثر لوگ اس کو سمجھتے نہیں یا جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں اور یہی بات بعض لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہوگزرے ہیں جیسے قارون جس کا حال سورۂ قصص میں بیان ہو چکا ہے اس نے بھی یہی کہا تھا کہ یہ دولت میں نے اپنے علم ولیاقت سے کمائی ہے آخر جو اس کا حشر ہوا وہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جب اللہ کے غضب نے پکڑا تو کچھ کرتے دھرتے نہ بنا۔ وہ خوش حالی بھی گئی مال دولت بھی گیا اور خود بھی تباہ ہوا تو پہلے لوگوں نے جو برے کام کئے ان کے نتیجہ انہیں بھگتنے پڑے اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر بڑی بڑی آفتیں آئیں تو جیسے پہلے مجرموں پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا

موجودہ مشرکین پر بھی پڑنے والا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینا چاہے گا تو یہ روپوش ہو کر یا کسی اور تدبیر سے جان نہیں بچا سکتے۔ اور نہ انکی مجال ہے کہ اپنے فریب اور چھل بٹوں سے خدا کو عاجز کر سکیں اور یہ جو بعض احمق رزق کی فراخی اور مال دولت کی زیادتی کو اپنی تدبیر و ہنر کی طرف منسوب کرتے ہیں تو کیا ان لوگوں کو احوال میں غور کرنے سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگی پیدا کر دیتا ہے تو دنیا میں روزی کا کشادہ ہونا کچھ عقل و ذہانت اور علم ولیاقت پر منحصر نہیں۔ دیکھ لو کتنے احمق بیوقوف یا بدچلن بدمعاش مزے اڑا رہے ہیں اور کتنے عقلمند اور نیک آدمی فاقے کھینچ رہے ہیں۔ یہ تو عقل کا کام نہیں کہ اپنے اوپر روزی کشادہ کر لے بلکہ یہ تقسیم رزاق حقیقی کی حکمت و مصلحت کے تابع اور اسی کے دست قدرت میں ہے جس کیلئے چاہے کشادگی کرے اور جس پر چاہے تنگی کرے اس میں ایمان والوں کیلئے طرح طرح کی عبرتیں اور دلیلیں ہیں۔

یہاں اس آخری آیت **اولم یعلموا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشآء و یقدر**

(کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دے دیتا ہے اور وہی تنگی بھی کر دیتا ہے) میں جو عقیدہ تعلیم کیا گیا ہے یہ قرآن پاک میں ایک دو جگہ نہیں دسیوں اور بیسیوں جگہ بیان فرمایا گیا ہے کہ رزق کا معاملہ کلیۃً حق تعالیٰ کی مشیت و حکمت پر موقوف و منحصر ہے کہ باسط اور قابض وہی ہے حسن تدبیر و سوء تدبیر اس میں علت حقیقیہ نہیں مگر اس صریح اور واضح قرآنی تعلیم و عقیدہ کے باوجود آج کوئی تو منصوبہ بندی ''خوشحالی کا ذریعہ بتاتا ہے تو کوئی سائنس اور ٹیکنالوجی کو فراخی اور کشادگی اور زیادتی رزق کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

آیت مذکورہ پر حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں جس استدلال کی طرف اشارہ قریب بصراحت ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ ہم بسا اوقات دیکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے پاس ایک سا سرمایہ ایک سا سلیقہ ایک سی تدبیر و تجربہ پھر ایک پر فراخی ایک پر تنگی۔ اگر کہا جائے کہ ایک کی تدبیر بن آئی ایک کی نہ بن پڑی تو اس کا بطلان یہ ہے کہ بن پڑنا اگر اختیار میں تھا تو دوسرے نے کیوں نہ بنا لیا اگر یہ اختیار میں نہیں ہے تو ہمارا مطلوب ثابت ہو گیا کہ موثر بسط و قدر میں کسی فاعل مختار کی مشیت ہے کہ جس طرح چاہے اس کو متعلق کر دے۔

الغرض یہاں شرک کی مذمت اور اس پر وعید ہے جس سے مقصود دعوت الی التوحید ہے تو ایسے مضامین سن کر بعض کو شبہ ہوا کہ جب کفر و شرک کی بناء پر ایسے وعید شدید کے مستحق ہیں تو اگر آئندہ کے لئے ایمان و توحید بھی اختیار کر لیا تب بھی گذشتہ شرک کا وبال تو بھگتنا پڑے گا پھر اسلام لانے سے کیا فائدہ ہوا؟

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو توحید سے نوازا اور کفر و شرک سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دینی اور دنیوی نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور کفران نعمت کے وبال سے بچائیں۔ یا اللہ قیامت کی ذلت اور رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھئے اور اپنی شان رزاقی پر ہم کو ایمان صادق اور یقین کامل نصیب فرمایئے اور ہم کو اپنے عقائد و ایمان کو قرآنی تعلیم کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گذشتہ)

الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ

گناہوں کو معاف فرمادے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جاوے اور تم (کو چاہئے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو

مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ

قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو (اس کا) خیال بھی نہ ہو۔ کبھی (کل قیامت کو)

تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی اور میں تو (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ

یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے

لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جاوے پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں۔

قُلْ فرمادیں	يٰعِبَادِيَ اے میرے بندو	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	اَسْرَفُوْا زیادتی کی	عَلٰٓى پر	اَنْفُسِهِمْ اپنی جانیں	لَا تَقْنَطُوْا مایوس نہ ہو تم	
مِنْ سے	رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ کی رحمت	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	يَغْفِرُ بخش دیتا ہے	الذُّنُوْبَ گناہ (جمع)	جَمِيْعًا سب	اِنَّهٗ بیشک وہ	
هُوَ وہی	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الرَّحِيْمُ مہربان	وَاَنِيْبُوْٓا اور رجوع کرو	اِلٰى طرف	رَبِّكُمْ اپنا رب	وَاَسْلِمُوْا لَهٗ اور فرمانبردار ہو جاؤ اسکے	
مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ کہ	يَّاْتِيَكُمُ تم پر آئے	الْعَذَابُ عذاب	ثُمَّ پھر	لَا تُنْصَرُوْنَ تم مدد نہ کئے جاؤ گے	وَاتَّبِعُوْٓا اور پیروی کرو	
اَحْسَنَ سب سے بہتر	مَآ اُنْزِلَ جو نازل کی گئی	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	مِّنْ سے	رَّبِّكُمْ تمہارا رب	مِّنْ قَبْلِ اس سے قبل		
اَنْ يَّاْتِيَكُمُ کہ تم پر آئے	الْعَذَابُ عذاب	بَغْتَةً اچانک	وَّاَنْتُمْ اور تم	لَا تَشْعُرُوْنَ تم کو شعور (خبر) نہ ہو	اَنْ تَقُوْلَ کہ کہے		
نَفْسٌ کوئی شخص	يّٰحَسْرَتٰى ہائے افسوس	عَلٰي اس پر	مَا فَرَّطْتُّ جو میں نے کوتاہی کی	فِيْ میں	جَنْۢبِ اللّٰهِ اللہ کا حق	وَ اور	
اِنْ كُنْتُ اور یہ کہ میں	لَمِنَ البتہ۔ سے	السّٰخِرِيْنَ ہنسی اڑانے والے	اَوْ یا	تَقُوْلَ وہ کہے	لَوْ اگر	اَنَّ اللّٰهَ یہ کہ اللہ	
هَدٰىنِيْ مجھے ہدایت دیتا	لَكُنْتُ میں ضرور ہوتا	مِنَ سے	الْمُتَّقِيْنَ پرہیزگار (جمع)	اَوْ یا	تَقُوْلَ وہ کہے	حِيْنَ جب	تَرَى تو دیکھے
الْعَذَابَ عذاب	لَوْ اَنَّ کاش اگر	لِيْ میرے لئے	كَرَّةً دوبارہ	فَاَكُوْنَ تو میں ہو جاؤں	مِنَ سے	الْمُحْسِنِيْنَ نیکوکار (جمع)	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفر وشرک کی مذمت اور اس پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ جو ظالم آج کفر وشرک میں گرفتار ہیں قیامت کے روز ان پر ایسی آفتیں نازل ہوں گی اور ایسے ہولناک عذابوں کا وہ مزہ چکھیں گے کہ جو کبھی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ گزرا ہوگا اور ان کی یہ حالت ہوگی کہ اگر تمام دنیا کی دولت اور کل روئے زمین کے خزانے بھی ان کے پاس موجود ہوں تو وہ یہ چاہیں گے کہ یہ سب دے دلا کر اپنی جان کو عذاب سے چھڑا لیں لیکن اس وقت یہ کہاں ممکن ہوگا تو جیسا کہ قرآن کریم کی عادت ہے وعید کے بعد حق تعالیٰ اپنے بندوں سے مغفرت کا وعدہ بھی فرماتے ہیں اس لئے بتلایا جاتا ہے کہ گنہگار یہ نہ سمجھیں کہ اب کسی طرح سے ہمارے گناہوں کی خدا تعالیٰ کے یہاں معافی ہی نہیں اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے جو کوئی گناہ کر چکا صغیرہ یا کبیرہ کفر ہو یا شرک سب کو توبہ کے بعد وہ معاف بھی فرما دیتا ہے۔

یہاں پہلی آیت ہے **قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً انه ھو الغفور الرحیم**

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری جانب سے کہہ دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے) اس آیت کے شان نزول کے متعلق صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ بعض مشرکین جو اور گناہوں کے علاوہ قتل وزنا کے بھی مرتکب تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کی باتیں اور آپ کا دین ہر لحاظ سے ہمیں اچھا اور سچا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بڑے بڑے گناہ جو ہم سے سرزد ہو چکے ہیں ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی مسند احمد کی ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز کے ملنے سے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔ تو یہ آیت ارحم الرحمین کی رحمت بے پایاں اور عفوو درگزر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت گنہگار اور مایوس العلاج مریض کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ کافر' مشرک' ملحد' زندیق' مرتد' یہودی' نصرانی' مجوسی' بت پرست' بدعتی' بدمعاش' فاسق فاجر کوئی ہو اس آیت کو سننے کے بعد خداوند قدوس کی رحمت سے مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لئے کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا پھر بندہ ناامید کیوں ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہی دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی ہے کہ کفر وشرک کا جرم بدوں توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ تو اس آیت میں تمام نافرمانوں کو گو وہ مشرک وکافر بھی ہوں توبہ کی دعوت دی گئی ہے اور بتلایا گیا کہ خدا کی ذات غفور الرحیم ہے وہ ہر تائب کی توبہ قبول کرتا ہے۔ ہر جھکنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والے کے تمام گذشتہ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے خواہ کیسے ہی ہوں۔ کتنے ہی ہوں کبھی کے ہوں تو بندوں کی مایوسی کو توڑ کر اور انہیں مغفرت کی امید دلا کر آگے توبہ کی طرف متوجہ فرمایا یعنی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اور اللہ کے بے پایاں جودوکرم سے شرما کر کفر وعصیان کی راہ چھوڑو اور اس رب کریم کی طرف رجوع ہو کر اپنے کو اس کے سپرد کردو اور اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز واخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو لیکن یہ سب اس کا عذاب آنے سے پہلے کرنا چاہئے ورنہ جب عذاب آ گیا تو پھر اس سے بچانے والا کوئی نہیں۔ جب سر پر عذاب آ گیا یا موت نظر آنے لگی تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے آگے ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ قرآنی ہدایات وتعلیمات پر چل کر اور اس قرآن پاک میں جو اچھی باتیں بتائی گئی ہیں ان پر عمل کر کے عذاب آنے سے

پہلے اپنے مستقبل کی روک تھام کرلو ورنہ معائنہ عذاب کے بعد نہ کچھ تدارک ہو سکے گا نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی۔ عذاب الٰہی اس طرح آ کر یکدم دبالے گا کہ خبر بھی نہ ہوگی کہ کہاں سے آ گیا اس وقت نہ پھر پچھتانے سے کچھ بنے گا اور نہ حسرت و افسوس سے کچھ نتیجہ نکلے گا۔ اس وقت تو ہر گنہگار کے منہ سے حسرت بھرے الفاظ نکلنے لگیں گے کہ افسوس صد افسوس میں اللہ کے ماننے اور اس کے احکام کے بجالانے میں قصوروار رہا۔ دنیا کے مزوں میں پڑا رہا اور اسی کو سب کچھ سمجھتا رہا۔ میں نے خدا کو اس کے دین کو اور اس کے پیغمبر کو کچھ سمجھا ہی نہیں اور جس ہولناک انجام سے پیغمبر ڈرایا کرتے تھے سب کی ہنسی اڑاتا رہا اور ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ افسوس خدا کو پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں میں نے کس قدر کوتاہی کی جس کے نتیجہ میں آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔ پھر جب حسرت و افسوس سے کوئی کام نہ چلے گا تو اپنا دل بہلانے کے لئے یہ عذر لنگ پیش کرے گا کہ کیا کہوں خدا نے مجھ کو ہدایت نہ کی وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متقین کے درجہ پر پہنچ جاتا اللہ نے ہمیں دنیا میں ہدایت نہ کی ورنہ ہم ضرور برائیوں سے بچتے اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتے۔ جب حسرت اور عذر کرنا دونوں بیکار ثابت ہوں گے اور محشر میں دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آ جائے گا اس وقت شدت اضطراب سے مجرم کہنے لگیں گے کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو پھر دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔ دنیا میں خوب نیک کام کروں گا۔ نیکوں میں نام لکھواؤں گا اور اچھے لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

خلاصہ ان آیات کا یہ ہوا کہ اس دنیا کی زندگی میں مرنے سے پہلے پہلے ہر بڑے سے بڑے گناہ یہاں تک کہ کفر و شرک سے بھی جو سچی توبہ کرلے تو وہ قبول ہو جاتی ہے اور سچی توبہ سے گذشتہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس لئے کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیات گنہگاروں کے لئے قرآن کریم کی سب آیتوں سے زیادہ امید افزا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مغفرت و رحمت بہت وسیع ہے مگر وہ جب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلی جائے اس لئے پہلے ہی سے حق تعالیٰ نے بتلادیا کہ ایسا نہ ہو کہ تم مرنے کے بعد پچھتاؤ اور آخرت میں اس طرح کی فضول حسرت و تمنا میں مبتلا ہو کہ کاش میرا جانا پھر دنیا میں ہو جاوے تو پھر میں نیک اور صالح بندوں میں ہو جاؤں اور اللہ کے احکام کی پوری اطاعت کروں مگر اس وقت کفار و مشرکین اور توبہ نہ کرنے والوں کی یہ حسرت و ندامت اور بیکار تمنائیں کچھ کام نہ آئیں گی اور ان کے اقوال کے رد میں حق تعالیٰ کی طرف سے کیا جواب ارشاد ہوگا۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم و معصیت کر کے زیادتی کی ہے۔ آپ الرحم الراحمین ہیں ہم آپ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اپنے کرم سے ہمارے تمام گذشتہ ظاہری و باطنی چھوٹے و بڑے صغیرہ و کبیرہ دانستہ یا نادانستہ تمام خطاؤں اور گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔ اے اللہ آپ ہی اپنے فضل و کرم سے ہم کو سچی توبہ کی توفیق اور اپنی طرف رجوع ہونے کا عزم عطا فرمائیں۔ اے اللہ ہم کو آج اس دنیا میں اور اس زندگی میں اپنے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق نصیب فرما دیجئے اور قیامت کی ذلت و رسوائی اور وہاں کی حسرت و ندامت سے بچا لیجئے۔

یا اللہ جب کفار و مشرکین تک کے لئے سچی توبہ پر آپ نے رحم و کرم اور معافی کا وعدہ فرمایا ہے تو امت مسلمہ کے لئے جو آپ کے نبی الرحمۃ کا نام لینے والے ہیں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پڑھنے والے ہیں ان کی خطاؤں اور گناہوں سے آپ کیوں نہ درگزر فرماویں گے اگر آپ کی طرف رجوع ہو کر آپ کی فرمانبرداری اختیار کرلیا اور گذشتہ پر ندامت کے چند آنسو اگر بہالیں یا اللہ جب آپ نے کفار و مشرکین کو بھی اپنی رحمت سے ناامید نہیں کیا تو آپ ہم کے کرم و رحم کے امیدوار کیوں نہ ہوں یا اللہ ہم کو اپنی شان غفور الرحیمی کا مورد بنا لیجئے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ

ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں سو تو نے اُن کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور کافروں میں شامل رہا اور آپ قیامت کے روز

الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا۔ کیا ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے

لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ

اور جو لوگ بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اُن کو (ذرا) تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ

غمگین ہوں گے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

آسمانوں اور زمین کی۔ اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے۔

بَلٰى ہاں	قَدْ جَآءَتْكَ تحقیق تیرے پاس آئیں	اٰيٰتِىْ میری آیات	فَكَذَّبْتَ تو تُو نے جھٹلایا	بِهَا انہیں	وَاسْتَكْبَرْتَ اور تو نے تکبر کیا		
وَكُنْتَ اور تو تھا	مِنَ سے	الْكٰفِرِيْنَ کافروں	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت کے دن	تَرٰى تم دیکھو گے	الَّذِيْنَ كَذَبُوْا جن لوگوں نے جھوٹ بولا		
عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	وُجُوْهُهُمْ ان کے چہرے	مُسْوَدَّةٌ سیاہ	اَلَيْسَ کیا نہیں	فِيْ میں	جَهَنَّمَ جہنم	مَثْوًى ٹھکانا	
لِلْمُتَكَبِّرِيْنَ تکبر کرنیوالے	وَيُنَجِّي اور نجات دے گا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وہ جنہوں نے پرہیزگاری کی	بِمَفَازَتِهِمْ ان کی کامیابی کیساتھ			
لَا يَمَسُّهُمْ نہ چھوئے گی انہیں	السُّوْۗءُ برائی	وَلَا هُمْ اور نہ وہ	يَحْزَنُوْنَ غمگین ہوں گے	اَللّٰهُ اللہ	خَالِقُ پیدا کرنے والا		
كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر	كُلِّ ہر	شَيْءٍ شے	وَكِيْلٌ نگہبان	لَهٗ مَقَالِيْدُ اسکے پاس کنجیاں	السَّمٰوٰتِ آسمانوں
وَالْاَرْضِ اور زمین	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	كَفَرُوْا منکر ہوئے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات کے	اُولٰۗىِٕكَ وہی لوگ	هُمْ وہ	الْخٰسِرُوْنَ خسارہ پانیوالے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں جہاں کفر و شرک اور عصیان و نافرمانی پر اللہ کے غضب اور انتقام سے ڈرایا گیا تھا وہیں یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ اللہ کی رحمت سے کسی کو مایوس اور ناامید بھی نہ ہونا چاہئے وہ ہر گناہ تو بہ کرنے پر بخش دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں کی خطائیں معاف کر دیتا ہے۔ فقط اس غفور الرحیم کی طرف رجوع کرنے اور اس کے احکام بجالانے کی دیر ہے لیکن یہ اس زندگی میں ہونا چاہئے ورنہ پھر آخرت میں سوائے پچھتانے اور حسرت وافسوس کرنے کے سوا کچھ نہ بنے گا اور اس وقت پچھتانا بھی بیکار ہوگا۔ قیامت کے روز تو ہر مجرم کہنے لگے گا کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کے جناب میں کی اور احکام خداوندی کی ہنسی اڑاتا رہا۔ اور دنیا میں پڑ کر اللہ کو بھول گیا۔ کوئی کہے گا کہ اللہ ہی نے دنیا میں ہمیں ہدایت نہ دی ورنہ ہم بھی متقی پرہیزگار بن جاتے۔ کوئی کہے گا کہ کسی طرح پھر میں دنیا میں واپس پہنچ جاؤں تو خوب نیک کام کروں اور اچھے لوگوں میں شامل

ہو جاؤں۔ غرض کہ مجرمین اسی طرح کی حسرت وندامت اور بیکار تمنائیں کریں گے جوان کے کچھ کام نہ آئیں گی بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے ان اقوال کا رد فرمایا جائے گا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا گیا کہ جب گناہ گار دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کریں گے اور خدائی احکام پر نہ چلنے کی حسرت کریں گے اور خدا کے رسولوں کی بات نہ ماننے پر کڑھیں گے تو حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ اب ندامت لاحاصل ہے اور پشیمانی بے سود ہے ہدایت کا سامان تو دنیا میں پورا مل چکا تھا دنیا میں میں اپنی آیات اتار چکا تھا اپنی دلیلیں قائم کر چکا تھا۔ اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دیکر بھیجا تھا مگر تم نے تو ان کی کوئی بات ہی نہ سنی جو کچھ کہا گیا غرور اور تکبر سے جھٹلاتے رہے اور ہمارے رسولوں کے سمجھانے بجھانے کو خاطر ہی میں نہ لائے اور اپنی شرارت نفس اور خباثت سے ایمان نہ لائے اور گمراہی ہی کو اختیار کیا۔ پس تمہارا عذر بالکل باطل ہے اور اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اور تم کو کوئی عذر کرنے کی اب گنجائش نہیں ہے۔

تو یہاں کفار کی اس بات کا جواب بھی ہو گیا کہ جو قیامت میں یوں بھی کہیں گے کہ دنیا میں اللہ اگر ہم کو ہدایت کر دیتا تو صالح متقی پرہیز گار نیک بندے بن جاتے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے تو دنیا میں پوری ہدایت کا سامان کر دیا تھا اپنی کتابیں بھیجیں اپنے رسول بھیجے اس لئے کوئی یہ غلط اور لغو بات نہیں کہہ سکتا کہ اللہ نے ہمیں دنیا میں ہدایت نہیں کی ہاں ہدایت کرنے کے بعد نیکی اور اطاعت پر اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا بلکہ بندہ کو دنیا میں یہ اختیار دے دیا کہ وہ جس راستہ حق یا باطل کو اختیار کرنا چاہے اپنے ارادہ سے اس کو اختیار کرے اور یہی بندہ کا امتحان تھا۔ جس نے اپنے اختیار سے گمراہی کا راستہ اختیار کیا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اور جواب دہ ہے آگے ایسے لوگوں کے کفر وشرک پر مصر رہنے اور اس سے توبہ نہ کرنے کی سزا کا حال مختصراً ذکر فرمایا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قیامت کے روز ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا خدا پر جھوٹ بولنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی وہ اس کی جانب منسوب کر دی جائے دوسری یہ کہ جو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اسے اس کی جانب نسبت دینے سے انکار کر دیا جائے۔ تو قیامت میں ایسے لوگوں کے چہرے جنہوں نے دنیا میں اللہ پر جھوٹ بولا تھا اس کی سزا میں سیاہ ہوں گے۔ یہ چہرہ کی سیاہی آگ سے جلنے کا اثر بھی ہوسکتی ہے اور خوف ورسوائی کا نتیجہ بھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سیاہی ان کے قلوب کی ہو جو چہرہ پر منعکس ہو گئی ہو۔ تو ان کفار ومشرکین کے چہرے جھوٹ اور بہتان کی وجہ سے کالے سیاہ ہوں گے اور حق کو قبول نہ کرنے اور تکبر اور بڑائی کرنے کے وبال میں جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے جہاں بڑی ذلت کے ساتھ سخت ترین اور بدترین سزائیں بھگتیں گے۔ (اللھم انا نعوذبک من عذاب الآخرۃ)

آگے ان کفار ومشرکین اور منکرین ومتکبرین کے مقابلہ میں کفر وشرک سے توبہ کرنے والے اور ایمان واسلام لانے والے اور اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی فرمانبرداری کرنے والے اور اس کے احکام پر چلنے والے ان کی جزا کا مختصراً حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ اپنی کامیابی اور سعادت مندی کی وجہ سے ان عذابوں سے اور اس ذلت اور مار پیٹ سے بالکل بچے ہوں گے۔ کوئی برائی ان کے پاس بھی نہ پہنچے گی۔ گھبراہٹ اور پریشانی جو قیامت کے دن عام ہوگی وہ ان سے مبرا ہوں گے۔ ہر غم سے بے غم اور ہر ڈر سے بے ڈر اور ہر سزا سے بے سزا اور ہر دکھ سے بے دکھ ہوں گے۔ امن وامان کے ساتھ راحت وچین کے ساتھ خدا کی تمام نعمتیں حاصل کئے ہوئے ہوں گے۔

(اللھم اجعلنامنھم بمنک و فضلک)

آخر میں اس تمام مضمون کا خلاصہ اورلب لباب یہ فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا اور پھر پیدا کرنے کے بعد اس کی بقاء وحفاظت کا ذمہ دار بھی وہی ہوا اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف واقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزائن کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے خدا کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے چاہئیے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانا نہیں کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی انجام و آخرۃ کی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے؟ اس پر بھی جو لوگ اللہ کی آیتوں کو اللہ کی توحید کو اور اللہ کے احکام کو نہیں مانتے وہ بڑے ہی گھاٹے خسارہ اور نقصان میں رہیں گے۔

قرآن پاک کا یہ جملہ کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے تو جہاں تک اللہ کی آیتوں کا نہ ماننا کفار ومشرکین سے متعلق ہے تو وہ تو ظاہر ہے کہ وہ نہ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں نہ اس کے عقائد کو مانتے ہیں نہ اس کے احکام پر چلتے ہیں نہ اس کی ہدایات کو آسمانی ہدایت اور نہ اس کے قوانین کو خداوندی قوانین تصور کرتے ہیں نہ اس کی جزا وسزا کو مانتے ہیں تو ان کے حق میں **اولٰئک ھم الخٰسرون** وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے بالکل ظاہر ہے مگر یہاں ہم بعض مدعیان اسلام کے ماننے کو بھی ذرا غور کرلیں۔ اسلام اور ایمان کے بعد سب سے بڑا درجہ نماز کا ہے۔ قرآن پاک میں کم وبیش ۷۰۰ جگہ نماز کا حکم ہے۔ کہیں ترہیب کے ساتھ کہیں ترغیب کے ساتھ۔ مگر آج کتنے مدعیان اسلام ہیں جو اس اہم فریضہ کا خاطر خواہ اہتمام کرتے ہیں اور اہتمام تو درکنار نماز کی اہمیت مٹانے کے لئے یہاں تک کہا گیا کہ نماز خدا کی پرستش کی رسم ہے جو ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے اور پارسیوں کے ہاں اس کا نام تک بھی یہی ہے۔ (قرآنی فیصلے صف ۲۷ ماخذ حقیقت حدیث) قرآن صاحب نصاب اور مال داروں پر زکوٰۃ فرض کرتا ہے مگر ایک طبقہ کے علامہ فرماتے ہیں ۔''میرے نزدیک مسلمانوں کی زکوٰۃ کا پیسہ آج ٹھکانے نہیں لگتا۔ خدا کے نزدیک کسی معنوں میں قبول نہیں۔ گناہ محض ہے حرام ہے۔ بیت المال نہیں تو زکوٰۃ نہیں (میری سخت گیریاں صف ۱۴' ۱۵ ماخذ مشرقی اور اسلام) ایک دوسرے نام نہاد محقق صاحب فرماتے ہیں آج کل زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حکومت ٹیکس وصول کر رہی ہے۔ اگر یہ حکومت اسلامی ہوگئی تو یہی ٹیکس زکوٰۃ ہو جائے گا۔ ایک طرف ٹیکس اور دوسری طرف زکوٰۃ۔ قیصر اور خدا کی غیر اسلامی تفریق ہے اور مسلمانوں جیسی مفلس قوم کو مفلوک تر بنانے کا ذریعہ۔'' قرآنی فیصلے ص ۳۷ ماخذ حقیقت حدیث) قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ ہے اس مکان کا حج کرنا جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کے سبیل کی مگر اس کے متعلق بھی کہا گیا کہ یہ بھی رسم ہے اسلامی معاشرہ کا جزو نہیں ہے (قرآنی فیصلے) اور کہا گیا کہ اب تو حج اپنے مقصد کو چھوڑ کر محض ''یاترا'' بن کر رہ گیا ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۶۲) نیز یہ بھی کہا گیا کہ قوم اور ملک کی اتنی کثیر رقم غیر ملک میں خرچ کرنا قومی مفاد کے خلاف ہے چنانچہ ان اسلامی ارکان کی ادائیگی پر یہاں تک کہا گیا کہ جب تک دین کی باگ مولوی کے ہاتھ میں ہے صدقات نکلتے رہیں گے۔ زکوٰۃ دی جاتی رہے گی۔ قربانیاں ہوتی رہیں گی لوگ حج بھی کرتے رہیں گے اور قوم بدستور بے گھر' بے در' بھوکی ننگی اسلام کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کا موجب بنی رہے گی۔ یہ تو نمونہ قرآن کے ماننے کے آپ نے بعض مدعیان اسلام سے سن لئے۔ اب دوسری جانب محرمات کو دیکھئے۔ قرآن شراب نوشی کو حرام قرار دیتا ہے مگر کیا ہم اس لعنت کو ملک سے یکسر ختم کر سکے؟ قرآن کس سختی سے سود کی حرمت اور ممانعت کو ظاہر کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ

اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو اعلان جنگ فرما دیا ہے جو سود کو نہ چھوڑیں مگر آج سودی لین دین نہ صرف کھلم کھلا ہو رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کو جائز ترقی کا ذریعہ بتلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ سودی لین دین کو چھوڑ کر آج کی دنیا میں ترقی کیسے کی جاسکتی ہے تجارت کو فروغ کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن حکم دیتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے زانی اور زانیہ کو سنگسار کیا جائے یا کوڑے لگائے جائیں۔ ہم اس حکم کو کیسے قبول کر سکتے ہیں جبکہ نام نہاد مغربی مہذب حکومتیں اس کو وحشیانہ سزا قرار دیتے ہیں۔ قرآن پردہ حیا اور شرم و عفت کا حکم دیتا ہے اور کسی غیر محرم عورت کو بدنیتی سے دیکھنے تک کی اجازت نہیں دیتا مگر اس ترقی کے زمانہ میں غیر عورتوں کے ساتھ دوش بدوش بیٹھے ہوئے کیسے ترقی ہو سکتی ہے۔ الغرض آپ قرآن کے ایک ایک اوامر کو دیکھئے اور ایک ایک نواہی کو دیکھئے کہ من حیث القوم کتنے قرآنی احکام پر عمل ہو رہا ہے اور اب تو نوبت بایں جا رسید کہ یہ قرآن ۱۴۰۰ سال کی پرانی کتاب ہے۔ اس ترقی کے وقت میں اس پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہا گیا اور یہ کسی غیر مسلم کی زبان سے نہیں بلکہ اسلام کے دعویداروں ہی کی زبان سے تو یہ ہے ہمارے من حیث القوم قرآن کے ماننے کا حال اور اس پر ہم خواب دیکھیں اس رفعت و عزت کا۔ اس بلندی اور غلبہ کا اس نصرت اور تائید الٰہی کا کہ جو قرآن کے ماننے والوں کے لئے قرآن نے وعدہ کیا ہے تو سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

نوٹ:۔ واضح ہو یہ درس اب سے ٹھیک سولہ سال پہلے کا تحریر کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور احسان ہے کہ اب ملک کی فضا کچھ بدلی ہوئی ہے اور اسلامی نظام کے نفاذ کی حکومت کی سطح پر مبارک کوشش اور سعی کی جا رہی ہے اور اس سلسلہ میں بعض اقدام بھی ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کی قسمت کو چار چاند لگنا نصیب فرمائیں اور یہاں اسلامی حکومت کے برکات و ثمرات ہم کو دیکھنا نصیب فرمائیں آمین۔ (احقر مولف) ماہ اکتوبر ۱۹۸۴ء

ابھی آگے مزید شرک کی مذمت اور توحید باری تعالیٰ کے اثبات کا مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پر ایمان کے ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور عالم اسلام نے آج جو قرآن کی اتباع اور پیروی کے حقوق میں کوتاہی برت رکھی ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرماویں اور دنیا میں قرآنی احکام کا بول بالا فرمائیں۔ یہ قرآن جو آسمانی رحمت سرچشمہ ہدایت اور ذریعہ سعادت دارین ہے اس کی عظمت و وقعت حق تعالیٰ ہمارے قلوب میں عطا فرمائیں اور اپنی اس کتاب کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق نصیب فرمائیں۔ یا اللہ قیامت کی ذلت و رسوائی اور نقصان و خسارہ سے ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں اور ہم سے اب تک جو آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوتاہیاں ہوئی ہیں ان پر سچی توبہ کی توفیق طلب کرتے ہیں۔

یا اللہ ہمارے بگڑتے ہوئے معاشرہ کو سنبھل جانے کی توفیق و سعادت عطا فرمادے اور اسلام کو بدنام کرنے کے جرم عظیم سے ہم کو بچالے۔ یا اللہ یہ ملک جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اس کو صحیح معنیٰ میں اسلام کا سچائی کے ساتھ پیرو کار بنادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو۔ اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہوگذرے ہیں انکی طرف بھی

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ

یہ (بات) وحی میں بھیجی جاچکی ہے کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام (سب) غارت ہوجائے گا اور تو خسارہ میں پڑیگا۔ تو اے مخاطب بلکہ

فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ

اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا شکر گذار رہنا) اور ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیے تھی۔ حالانکہ ساری زمین اسکی مٹھی میں ہوگی

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي

قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے اور (قیامت کے روز) صور میں

الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ

پھونک ماری جائے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اُڑ جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جاوے گی

فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

تو دفعتاً سب کے سب کھڑے ہوجاویں گے دیکھنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوجاوے گی اور نامۂ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھدیا جاوے گا

وَجِايْۗءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ

اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔ اور ہر شخص کو

كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاویگا اور وہ سب کاموں کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ فرمادیں	اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تو کیا اللہ کے سوا	تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ تم مجھے کہتے ہو	اَعْبُدُ میں پرستش کروں	اَيُّهَا اے	الْجٰهِلُوْنَ جاہلو (جمع)	وَ اور	
لَقَدْ اُوْحِيَ یقیناً وحی بھیجی گئی ہے	اِلَيْكَ آپ کی طرف	وَاِلَى اور طرف	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	لَئِنْ البتہ اگر		
اَشْرَكْتَ تو نے شرک کیا	لَيَحْبَطَنَّ البتہ اکارت جائینگے	عَمَلُكَ تیرے عمل	وَلَتَكُوْنَنَّ اور تو ہوگا ضرور	مِنَ سے	الْخٰسِرِيْنَ خسارہ پانیوالے		
بَلِ بلکہ	اللّٰهَ اللہ	فَاعْبُدْ پس عبادت کرو	وَكُنْ اور ہو	مِنَ سے	الشّٰكِرِيْنَ شکرگزاروں	وَ اور	مَا قَدَرُوا انہوں نے قدر شناسی نہ کی
اللّٰهَ اللہ	حَقَّ حق	قَدْرِهٖ اس کی قدر شناسی	وَالْاَرْضُ اور زمین	جَمِيْعًا تمام	قَبْضَتُهٗ اس کی مٹھی	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	
وَالسَّمٰوٰتُ اور تمام آسمان	مَطْوِيّٰتٌ لپٹے ہوئے	بِيَمِيْنِهٖ اسکے دائیں ہاتھ میں	سُبْحٰنَهٗ وہ پاک ہے	وَتَعٰلٰى اور برتر	عَمَّا اس سے جو		
يُشْرِكُوْنَ وہ شریک کرتے ہیں	وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور پھونک ماری جائے گی صور میں	فَصَعِقَ تو بیہوش ہوجائے گا	مَنْ جو				

فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَنْ اور جو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	اِلَّا سوائے	مَنْ جسے	شَآءَ اللّٰهُ چاہے اللہ	ثُمَّ پھر
نُفِخَ فِیْهِ پھونک ماری جائیگی اسمیں	اُخْرٰی دوبارہ	فَاِذَا تو فورا	هُمْ وہ	قِیَامٌ کھڑے	یَّنْظُرُوْنَ دیکھنے لگیں گے	وَاَشْرَقَتِ اور چمک اٹھے گی
الْاَرْضُ زمین	بِنُوْرِ رَبِّهَا اپنے رب کے نور سے	وَوُضِعَ اور رکھ دی جائیگی	الْکِتٰبُ کتاب	وَجِایْٓءَ اور لائے جائیں گے		
بِالنَّبِیّٖنَ نبی (جمع)	وَالشُّهَدَآءِ اور گواہ (جمع)	وَقُضِیَ اور فیصلہ کیا جائیگا	بَیْنَهُمْ انکے درمیان	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَهُمْ اور وہ اُن پر	
لَا یُظْلَمُوْنَ ظلم نہ کیا جائے گا	وَوُفِّیَتْ اور پورا پورا دیا جائے گا	کُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	مَّا عَمِلَتْ جو اس نے کیا اسکے اعمال	وَهُوَ اور وہ		
اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَا یَفْعَلُوْنَ جو کچھ وہ کرتے ہیں					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید کی تائید میں یہ بتلایا گیا تھا کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر پیدا کرنے کے بعد اس کی بقا و حفاظت کا سامان بھی اسی نے کیا پھر زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف اختیار و اقتدار بھی اسی کو حاصل ہے تو جو خدا خالق بھی ہو موجد بھی ہو حافظ بھی ہو وکیل بھی ہو اور متصرف بھی ہو تو ایسے اوصاف کمال رکھنے والا جو قیامت میں جزا و سزا کا بھی مالک ہوگا تنہا معبود حقیقی ہوسکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

اب یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار و مشرکین خود تو کفر و شرک میں مبتلا تھے ہی مگر ان کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ نعوذ باللہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کو اپنے طریقہ پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آؤ تم ہمارے معبودوں کی پرستش کرو ہم تمہارے معبود کی پرستش کریں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی کہ آپ ان مشرکین سے جواب میں کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! بعد اس کے کہ توحید ہر طرح عقلاً و نقلاً ثابت ہو چکی ہے اور شرک کا رد و بطلان ہو چکا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی پرستش کی فرمائش کرتے ہو یہ تو انسان کی انتہائی نادانی حماقت و جہالت ہے کہ وہ ایک خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرے اور معاذ اللہ تم پیغمبر خدا سے یہ طمع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے راستہ پر آ جائیں گے عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اور ان میں ہر قسم کا تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتا اور نقلی حیثیت سے دیکھو تو تمام خدا کے رسول پیغمبر اور تمام آسمانی ادیان توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ آخرت میں مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام سوائے حرمان اور خسران کے کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کی بندگی کرے اور اس کا شکرگزار اور وفادار بندہ بنے۔ اس کی عظمت و جلال کو سمجھے۔ عاجز اور حقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کو اسی طرح بزرگ و برتر مانے جیسا وہ واقع میں ہے۔ مشرکین نے تو اس کی عظمت وجلال اور بزرگی و برتری کو سمجھا ہی نہیں اور انہوں نے اللہ کو جیسا چاہئے پہچانا ہی نہیں۔ ورنہ اللہ کے سامنے کسی کی کیا ہستی ہے جو کسی کو کچھ دے سکے یا کسی سے کچھ چھین سکے۔ اس خداوند قدوس کی عظمت و بڑائی کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔ بھلا اس سے ان مشرکوں کے گھڑے ہوئے معبودوں کو کیا نسبت۔ وہ ان مشرکین کے ہر طرح کے شرک سے پاک و برتر ہے۔

یہاں آیت میں الفاظ قبضتہ یعنی مٹھی اور یمین یعنی داہنے ہاتھ کا استعمال جو حق تعالیٰ کے لئے ہوا ہے تو معتزلہ اس کے یہ

معنی لیتے ہیں کہ قبضہ سے مراد تصرف ہے نہ کہ مٹھی میں ہونا اور داہنے ہاتھ میں آسمانوں کے لپیٹنے سے مراد اس کی قدرت میں ہونا ہے لیکن اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ یمین وغیرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے کہ ان کی حقیقت وہی جانتا ہے اور اس کی ذات کے لائق جو قبضہ اور یمین ہے اس کو ہم اس عقل سے نہیں سمجھ سکتے۔

گزشتہ آیات میں چونکہ قیامت کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے کچھ قیامت کا احوال بیان کیا جاتا ہے کہ قیامت کے روز جب صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان و زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اکثر علمائے محققین کے نزدیک نفخ صور دو مرتبہ ہوگا پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے پھر زندہ تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جاوے گی مگر اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے وہ اس بیہوشی اور موت سے محفوظ رہے گا۔ اب یہ کون ہوں گے۔ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت حضرت عزرائیل مراد لئے ہیں۔ بعض نے ان کے ساتھ ملائکہ حملۃ العرش کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض کے نزدیک انبیاء و شہداء مراد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب بہرحال یہ استثنا پہلے نفخہ صور کے وقت ہوگا اس کے بعد ممکن ہے کہ ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے۔ جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو مردوں کی ارواح اپنے بدنوں کی طرف واپس آ جائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے۔ پھر خداوند قدوس کی پیشی میں حاضر کئے جاویں گے۔ پھر جب حق تعالیٰ حساب کے لئے زمین پر اپنی شان کے مناسب نزول اجلال فرمائیں گے اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی۔ حساب کا دفتر کھلے گا سب کے اعمال سامنے رکھ دیئے جاویں گے انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار الٰہی میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا۔ کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی جس کا جتنا اچھا یا برا عمل ہے سب خدا کے علم میں ہے اسی کے موافق بدلہ ملے گا۔

اب آگے کس کو کیا جزا یا سزا دی جائے گی اس کا بیان فرمایا گیا ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر طرح کے خفی و جلی شرک سے بچا کر توحید پر قائم رکھیں اور اپنے عبادت گزار اور شکر گزار بندوں میں شامل فرماویں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولنا کیوں سے ہمیں محفوظ و مامون فرماویں اور ہمارے حساب کتاب کو آسان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ٹوٹے پھوٹے اعمال کو اپنی رحمت سے قبول فرمالیں اور ہماری خطاؤں اور گناہوں کو اپنے کرم سے بخش دیں۔ اور نجات و مغفرت سے ہم سب کو نواز دیں۔ یا اللہ اب ہم مشرکین کی کیا شکایت کریں جنہوں نے آپ کی عظمت، جلال، بزرگی و برتری کو نہ سمجھا اور نہ جانا اب تو امت مسلمہ کے اکثر افراد کا رونا ہے کہ جنہوں نے آپ کی عظمت کا حق بھلا رکھا ہے اور آپ کے احکام کے خلاف زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کی نافرمانی میں لگے ہوئے ہیں۔

یا اللہ! میدان حشر میں آپ کے سامنے حاضری کا خوف ان کے دلوں میں ایسا ڈال دے کہ یہ ہر نافرمانی سے رک جائیں اور آپ کی سچی اطاعت میں لگ جائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جاویں گے۔ یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ (فرشتے)

خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ

کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔

هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ

کافر کہیں گے کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا۔ (پھر ان سے) کہا جاوے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو

جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾

ہمیشہ اس میں رہا کرو غرض (خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔

وَسِيقَ اور ہانکے جائیں گے	الَّذِينَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوا کفر کیا (کافر)	إِلَىٰ طرف	جَهَنَّمَ جہنم	زُمَرًا گروہ در گروہ		
حَتَّىٰ إِذَا یہاں تک کہ جب	جَاءُوهَا وہ آئیں گے وہاں	فُتِحَتْ کھول دیئے جائیں گے	أَبْوَابُهَا اسکے دروازے	وَقَالَ اور کہیں گے			
لَهُمْ ان سے	خَزَنَتُهَا اس کے محافظ	أَلَمْ يَأْتِكُمْ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس	رُسُلٌ رسول (جمع)	مِّنكُمْ تم میں سے	يَتْلُونَ وہ پڑھتے تھے		
عَلَيْكُمْ تم پر	آيَاتِ رَبِّكُمْ تمہارے رب کی آیتیں (احکام)	وَيُنذِرُونَكُمْ اور تمہیں ڈراتے تھے	لِقَاءَ ملاقات	يَوْمِكُمْ تمہارا دن	هَٰذَا یہ		
قَالُوا وہ کہیں گے	بَلَىٰ ہاں	وَلَٰكِنْ اور لیکن	حَقَّتْ پورا ہوگیا	كَلِمَةُ حکم	الْعَذَابِ عذاب	عَلَى پر	الْكَافِرِينَ کافروں
قِيلَ کہا جائیگا	ادْخُلُوا تم داخل ہو	أَبْوَابَ دروازے	جَهَنَّمَ جہنم	خَالِدِينَ ہمیشہ رہنے کو	فِيهَا اس میں	فَبِئْسَ سو بُرا ہے	مَثْوَى ٹھکانا
الْمُتَكَبِّرِينَ تکبر کرنیوالے							

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں احوال قیامت کے سلسلہ میں میدان حشر کا نقشہ کھینچا گیا تھا کہ جب صور میں پہلی بار پھونک ماری جائے گی تو اس کی ہیبت ناک آواز سے زمین اور آسمان میں جتنے جاندار ہیں سب کے ہوش اڑ جائیں گے اور اس صور کے اثر سے کوئی نہ بچے گا مگر وہی جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بچالیں پھر ایک عرصہ کے بعد جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے دوسری بار صور پھونکا جاوے گا تو سب مردے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر میدان حشر میں اللہ رب العزت کا جلوہ ظاہر ہوگا اور ساری زمین اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور سب کے اعمال ناموں کا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا اور ہر ایک کے عملوں کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ اور اجر دیا جائے گا جو جس نے اس دنیا میں کیا ہوگا اس کا پور پورا بدلہ پائے گا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے عمل کا ذرہ ذرہ پتہ ہے اور ہر ایک کا پورا پورا حال اس پر ظاہر ہے اس لئے ہر ایک کا پور پورا حساب چکا دیا جائے گا جو جس جگہ کے لائق ہوگا وہاں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ان آیات اور اگلی آیات میں حساب کتاب کے بعد جو فیصلہ کا نتیجہ نکلے گا وہ ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ جہنمی جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے اور جنتی جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

ان آیات میں پہلے بدنصیب منکرین حق کا انجام بیان ہو رہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح رسوائی اور ذلت

سے ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکیوں کے ساتھ جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے۔قرآن پاک کی بعض دوسری آیات میں ہے کہ اس وقت یہ جہنمی پیاسے بھی ہوں گے اور وہ اندھے بہرے اور گونگے بھی ہوں گے۔اور بہتوں کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ پھران کافروں میں سینکڑوں گروہ ہوں گے چونکہ کفر کے اقسام اور مراتب بہت ہیں ہرقسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا مثلاً بت پرستوں کا ایک گروہ ستارہ پرستوں کا ایک گروہ چاند وسورج کو پوجنے والوں کا ایک گروہ منافقوں کا ایک گروہ وغیرہ وغیرہ۔پھر جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے پھاٹک کھول کر داخل کرتے اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازہ کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا اوراس کے بعد پھر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو فرشتے دوزخ کے محافظ اور نگران ہیں جن کے سردار کا نام مالک ہوگا وہ ان دوزخیوں سے بطور ملامت اوران کوشرمندہ کرنے کے لئے اور ندامت بڑھانے کے لئے بطور زجر وتوبیخ کے کہیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمہارے پاس نہیں پہنچے تھے جو تم ہی سے تھے اور تمہاری ہی جنس کے تھے۔جن سے تم سوال جواب کر سکتے تھے ان کی صحبت میں بیٹھ سکتے تھے انہوں نے خدائے تعالیٰ کی آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائیں اپنے لائے ہوئے سچے دین پر دلیلیں قائم کر دیں۔تمہیں اس دن کی برائیوں سے آگاہ کر دیا۔آج کے عذابوں سے ڈرا دیا تو پھر تم نے ان کی بات کیوں نہیں مانی۔کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ تمہارا ایک رب ہے جو ظاہر و باطن تمہاری پرورش کرتا ہے کیا اس رب کے کھلے ہوئے احکام پیغمبروں نے تمہیں نہیں پہنچائے اور کیا تم کو نہیں ڈرایا کہ قیامت کا دن پیش آنے والا ہے جس میں اچھے برے کی جزا سزا ملے گی۔وہ دوزخی انتہائی حسرت اورافسوس کے ساتھ جواب دیں گے کہ پیغمبر کیوں نہیں آئے ضرور آئے ہم کو اللہ کی باتیں سنائیں اور آج کے دن سے بھی ڈرایا لیکن ہماری بدبختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کا کہنا نہ مانا۔ ہم غفلت اور جہالت میں پڑے رہےاور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے رہے اللہ کے رسولوں کی بات نہ سنی اوران کی نصیحت کواس کان سنا تو اس کان اڑا دیا آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم پر ثابت ہو کر رہا۔کافروں کے لئے جو سزا اللہ نے مقرر کی تھی اس کے حق دار ہوئے اور وہ سزا بھگتنے کے لئے یہاں بھیج دیئے گئے ۔اس پران سے کہہ دیا جائے گا کہ تم نے شیخی اور غرور میں آ کر اللہ کی بات نہ مانی اب ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہو اوراس کا مزہ چکھتے رہو۔یہیں جلتے اور بھنتے رہنا۔نہ یہاں سے کسی طرح کسی وقت چھٹکارا ملے نہ تمہیں موت ہی آئے گی۔یہ کیا برا ٹھکانہ ہے کہ دن رات تمہیں جلنا ہی جلنا ہے اور یہ تمہارے تکبر کا اور حق کو نہ ماننے کا بدلہ ہے جس نے تمہیں ایسی بری جگہ پہنچایا اور یہیں کا کر دیا۔اے اللہ آپ ہمیں عذاب جہنم سے ہر طرح اور بالکلیہ اپنی رحمت سے بچائیے گا۔

یہاں آیت میں ابواب جہنم جو فرمایا گیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے دروازے مقرر ہیں اور باضابطہ ان دروازوں ہی سے جہنم کے اندر داخلہ ہوگا۔اب جہنم کیا ہے؟ کہاں ہے؟ اس کے کتنے طبقات ہیں؟ اس میں کس قسم کے عذاب دکھ اور آزار ہیں؟ تو اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ غیب اور عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلم اور مومن نہیں ہوسکتا ان ہی میں

سے جہنم اور جنت بھی ہے مگر ہم اس دنیا میں اس عقل کے ساتھ دوزخ یا جنت کی اصل کیفیت اور اصل حقیقت پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ بس اس پر قرآن وحدیث کے فرمان کے مطابق عقل سے بالاتر قلبی ایمان رکھنا ضروری ہے اور جو کچھ قرآن وحدیث میں جہنم یا جنت کے متعلق فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ جو کچھ وہاں پیش آنے والا ہے اس کو ہم یہاں پوری طرح سمجھ لیں جان لیں اور وہاں کے حالات کا صحیح اور اصل نقشہ ہمارے سامنے آ جائے بلکہ اس بیان کا اصل مقصد تبشیر اور انذار ہے یعنی جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کا آمادہ کرنا اور ایسی احادیث اور آیات قرآنی کا حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی کیفیتیں پیدا ہوں۔ اسی حصول مقصد کے لئے قرآن اور حدیث میں جو جہنم کے متعلق بتلایا گیا ہے اس کو مختصراً یہاں بیان کیا جاتا ہے اور اس کو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب قیامت نامہ جو اصل میں فارسی میں ہے اور جس کے مضامین کی بنیاد آیات قرآنیہ اور صحیح احادیث پر ہے اس کا ترجمہ عرض کیا جاتا ہے لکھا ہے کہ دوزخ کی آگ یہاں دنیا کی آگ سے ستر حصے زیادہ گرم ہے۔ اس کا رنگ شروع میں سفید تھا پھر ہزار برس بعد سرخ ہوگیا اب سیاہ ہے اس کے سات طبقے ہیں جن میں ایک ایک بڑا پھاٹک ہے اول طبقہ گنہگار مسلمانوں اور ان کفار کے لئے ہے جو باوجود شرک کے پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے۔ دوسرے طبقات مشرکین آتش پرست دہریئے یہود نصاریٰ منافقین وغیرہ کے لئے مقرر ہیں۔ ان طبقوں کے نام جو قرآن مجید میں جابجا مذکور ہیں یہ ہیں۔ پہلا جحیم' دوسرا جہنم' تیسرا سعیر' چوتھا سقر' پانچواں لظی' چھٹا ہاویہ' ساتواں حطمہ۔ ان طبقات میں سے ہر ایک میں نہایت وسعت قسم قسم کے عذاب اور رنگ برنگ کے مکانات ہیں مثلاً ایک مکان ہے جس کا نام غی ہے جس کی سختی سے باقی دوزخ بھی ہر روز ۴۰۰ مرتبہ پناہ مانگتی ہے ایک اور مکان ہے جس میں بے انتہا سردی ہے جس کو زمہریر کہتے ہیں ایک مکان ہے جس کو جب الحزن کہتے ہیں یعنی غم کا کنواں اور ایک کنواں ہے جس کو طینۃ الخبال یعنی لہو اور پیپ کی کیچڑ کہتے ہیں۔ ایک پہاڑ ہے جس کو صعود کہتے ہیں اس کی بلندی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے جس پر کفار کو چڑھا کر دوزخ کی تہہ میں پھینکا جائے گا۔ ایک تالاب ہے جس کا نام حمیم ہے جس کا پانی اتنا گرم ہے کہ لبوں تک پہنچنے سے اوپر کا ہونٹ اس قدر سوج جائے گا کہ ناک اور آنکھیں تک ڈھک جائیں گی اور نیچے کا لب سوج کر سینہ اور ناف تک پہنچے گا زبان جل جائے گی اور منہ تنگ ہو جائے گا۔ حلق سے نیچے اترتے ہی معدہ اور انتڑیوں کو پھاڑ دے گا۔ ایک اور تالاب ہے جس کو غساق کہتے ہیں اس میں کفاروں کا پسینہ پیپ اور لہو بہہ کر جمع ہوگا۔ ایک چشمہ ہے جس کا نام غسلین ہے اس میں کفاروں کا میل کچیل جمع ہوگا یہ جہنمیوں کو کھانے اور پینے کو ملے گا۔ اہل دوزخ کے جسم بہت لمبے چوڑے بنا دیئے جائیں گے تاکہ سختی عذاب زیادہ ہو اور ہر ایک رگ و ریشہ کو ظاہراً و باطناً طرح طرح کے عذاب پہنچائے جائیں گے۔ مثلاً جلانا' کچلنا' سانپ اور بچھوؤں کا کاٹنا' کانٹوں کا چبھونا' کھال کا چیرنا' مکھیوں کو زخم پر بٹھانا وغیرہ وغیرہ بسبب شدت گرمی کے پہنچتے ہی ان کے جسم جل کر نئے جسم پیدا ہو جایا کریں گے یہاں تک کہ ایک گھڑی میں ۷۰۰ جسم بدلتے رہیں گے۔ مگر جسم کے اصلی اجزاء برقرار رہیں گے صرف گوشت

اور پوست جل کر دوبارہ پیدا ہوتا رہے گا۔ غم اور حسرت ناامیدی وغیرہ کی تکالیف علیٰحدہ برداشت کریں گے۔ بعض کافروں کی کھال ۴۲'۴۲ گز موٹی ہوگی۔ دانت پہاڑوں کی مانند بیٹھنے میں تین تین منزل کی مسافت گھیریں گے۔ دیگر عذابوں کے علاوہ بھوک کا عذاب اس قدر سخت کر دیا جائے گا کہ جو تمام عذابوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا۔ جب نہایت بے چین اور بے قرار ہو کر غذا طلب کریں گے تو درخت زقوم کے پھل جو نہایت تلخ خاردار اور سخت ہے اور جو جحیم کی تہہ میں پیدا ہوتا ہے ان کو کھانے کو دیا جائے گا۔ جب اس کو کھانا شروع کریں گے تو گلے میں پھنس جائے گا لہذا طالب آب ہوں گے۔ حکم ہوگا کہ جحیم میں سے پانی پلا دو۔ پانی کے منہ تک پہنچتے ہی ہونٹ جل کر سوج جائیں گے۔ زبان سکڑ جائے گی حلق ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ انتڑیاں پھٹ کر پاخانہ کے راستہ سے نکل پڑیں گی۔ اس حالت سے بے قرار ہو کر داروغہ جہنم جن کا نام مالک ہے کے سامنے آہ و زاری کریں گے کہ ہم کو تو مار ڈال تاکہ ان مصائب سے نجات پا لیں۔ ہزار سال کے بعد وہ جواب دیں گے کہ تم تو ہمیشہ اسی میں رہو گے پھر ہزار سال کے بعد خداوند کریم سے دعا کریں گے کہ اے خدا قدوس ہماری جان لے لے اور اس عذاب سے نجات دے دے۔ ہزار سال کے بعد بارگاہ ایزدی سے جواباً ارشاد ہوگا کہ خبردار خاموش رہو۔ ہم سے استدعا نہ کرو۔ تم کو یہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ **اللّٰھم انا نعوذبک من غضبک والنار** یہ مختصر سا کچھ حال ہے جو قرآن و حدیث سے دوزخ کے بارے میں بتلایا گیا ہے۔ اب ان جہنمیوں کے مقابلہ میں اگلی آیات میں مومنین و متقین کا جنت میں داخل ہونے کا حال ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں خاتمہ کی آیات میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو نار جہنم سے بچاویں اور میدان حشر کی ذلت و رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیں اور اپنے غضب اور ناراضگی سے مامون و محفوظ فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو اس دنیا میں فکر آخرت نصیب فرمایئے اور وہاں کی تیاری کی توفیق عطا فرمایئے۔ ربنآ اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقناعذاب النار آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ

اور جولوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کیے جاویں گے یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے

لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝۷۳ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا

اور وہاں کے محافظ (فرشتے) ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہو سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کیلئے داخل ہو جاؤ۔ اور (داخل ہو کر) کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے

وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۷۴

اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں غرض (نیک) عمل کرنے کا اچھا بدلہ ہے

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک فیصلہ کردیا جائے گا

بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۵

اور کہا جاوے گا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

وَسِيْقَ ہانکا (لیجایا)	جائے گا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اتَّقَوْا وہ ڈرے	رَبَّهُمْ اپنا رب	اِلَى الْجَنَّةِ جنت کی طرف	زُمَرًا گروہ در گروہ	
حَتّٰٓى یہانتک کہ	اِذَا جب	جَآءُوْهَا وہ وہاں آئینگے	وَفُتِحَتْ اور کھول دیئے جائیں گے	اَبْوَابُهَا اس کے دروازے	وَقَالَ اور کہیں گے		
لَهُمْ ان سے	خَزَنَتُهَا اس کے محافظ	سَلٰمٌ سلام	عَلَيْكُمْ تم پر	طِبْتُمْ تم اچھے رہے	فَادْخُلُوْهَا سو اس میں داخل ہو	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہنے کو	
وَقَالُوا اور وہ کہیں گے	اَلْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الَّذِیْ وہ جس نے	صَدَقَنَا ہم سے سچا کیا	وَعْدَهٗ اپنا وعدہ	وَاَوْرَثَنَا اور ہمیں وارث بنایا	
الْاَرْضَ زمین	نَتَبَوَّاُ ہم مقام کریں	مِنَ سے	الْجَنَّةِ جنت	حَيْثُ جہاں	نَشَآءُ ہم چاہیں	فَنِعْمَ سو کیا ہی اچھا	اَجْرُ اجر
الْعٰمِلِيْنَ عمل کرنے والے	وَتَرَى اور آپ دیکھیں گے	الْمَلٰٓئِكَةَ فرشتے	حَآفِّيْنَ حلقہ باندھے	مِنْ سے	حَوْلِ الْعَرْشِ عرش کے گرد		
يُسَبِّحُوْنَ پاکیزگی بیان کرتے ہوئے	بِحَمْدِ تعریف کے ساتھ	رَبِّهِمْ اپنا رب	وَقُضِيَ اور فیصلہ کردیا جائیگا	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان			
بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	رَبِّ پروردگار	الْعٰلَمِيْنَ سارے جہان (جمع)		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین حق اور بدبختوں کا انجام بیان فرمایا گیا تھا کہ وہ جانوروں کی طرح گروہ درگروہ رسوائی اور ذلت سے جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے اور پھر عذابوں سے بھری ہوئی جہنم میں داخل کردیا جائے گا اور ساتھ ہی کہہ دیا جائے گا کہ اب اس جہنم میں ہمیشہ کے لئے جلتے رہو اور یہ برا ٹھکانہ تم کو تمہارے تکبر اور حق کو نہ ماننے کا بدلہ ہے۔ اب ان کے مقابل یہاں خاتمہ کی آیات میں سعادت مند مومنین ومتقین کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے ماننے والے اور اس کے فرمانبردار بندے جو دنیا میں اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے اور ڈر کر برے کاموں اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچتے تھے ان کی بھی ایمان اور عمل کے درجوں کے لحاظ سے جماعتیں بن جائیں گی۔ مفسرین نے ان مومنین کی جماعتوں کی مختلف صورتیں لکھی ہیں۔ مثلاً مقربین خاص کی جماعت پھر ابرار کی جماعت پھر ان سے کم درجہ والوں کی جماعت پھر ان سے کم درجہ والوں کی یا مثلاً کثرت سے نفلی نماز پڑھنے والوں کی

جماعت علیحدہ ہوگی اور اسی طرح کثرت سے نفلی روزہ داروں کی علیحدہ اور نفلی صدقہ دینے والوں کی علیحدہ مجاہدین کی علیحدہ۔ سخاوت کرنے والوں کی علیحدہ یا مثلاً انبیاء کے گروہ میں انبیاء صدیقوں کے گروہ میں صدیق، شہیدوں کے گروہ میں شہید، مقربین کے ساتھ مقربین۔ ابرار کے ساتھ ابرار۔ الغرض ہر درجہ کے مومنین متقین کی جماعت علیحدہ ہوگی اور ان سب جماعتوں کو نہایت شوق دلا کر جلدی جلدی عمدہ سواریوں پر اعزاز واکرام کے ساتھ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ احادیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں گے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سب سے پہلے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا وہ میں ہوں گا حضرت انسؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں کھلواؤں گا خازن جنت پوچھے گا کہ آپ کون ہیں میں جواب دوں گا محمدؐ دربان کہے گا بہت خوب مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں داخل ہونے والے سب سے پہلے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ جنت میں ان کو نہ تھوکنے کی ضرورت ہوگی نہ ناک کی ریزش نہ بول براز اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ان کے قد اونچائی میں ۶۰ ہاتھ ہوں گے۔ صحیح بخاری ومسلم کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے جنت میں جس گروہ کا داخلہ سب سے پہلے ہوگا وہ تعداد میں ۷۰ ہزار ہوگا اور ان کے چہرے بدر کی طرح چمکتے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہؓ بن محصن اسدی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کو بھی انہیں میں شامل فرمادے۔ اس کے بعد ایک انصاری نے کھڑے ہو کر یہی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

الغرض یہ جماعتیں جنت کے پاس پہنچیں گی تو جس طرح مہمانوں کے لئے ان کی آمد سے پہلے گھر کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے اسی طرح جنتی وہاں پہنچ کر جنت کے دروازے کھلے پائیں گے اور فرشتے نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ کلمات سلام وثنا وغیرہ سے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ تم پاکیزہ لوگ ہو۔ تم گناہوں کی گندگی سے بچتے رہے اور اللہ عزوجل کے خوف سے برے کاموں کو چھوڑ کر اور صاف ستھری زندگی دنیا میں بسر کی۔ اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کے بجالانے میں دل وجان سے لگے رہے آج تمہارے لئے جنت ہے اس کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ اس کے اندر داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو۔

یہاں آیت میں **فتحت ابوابھا** فرمایا یعنی اس کے دروازے کھلے ہوئے پائیں گے ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور حضرت عمرؓ فاروق سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح پورا وضو کرے پھر کہے **اشھد ان لآ الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ** تو اس کا مرتبہ یہ ہوگا کہ جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھول دیئے جائیں گے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ یعنی اجازت ہر دروازہ سے جانے کی ہوگی اگرچہ بطور اعزاز خاص خاص دروازوں سے اس کو دعوت دی جائے گی۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں روایت ہے کہ جنت کے دروازے بہت ہیں۔ نمازی کو باب الصلوٰۃ سے، خیرات کرنے والے کو باب الصدقہ سے مجاہدین کو باب الجہاد سے اور روزہ داروں کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یوں تو کسی کا زور نہیں جس دروازہ سے بلوالیا جائے لیکن کیا کوئی شخص ایسا بھی ہوگا جس کو سب دروازوں سے بلایا جائے۔ فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہوگے۔ ابوداؤد کی ا

29

ایک صحیح حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا (یہ واقعہ شب معراج کا ہے) اور مجھ کو جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت جنت کے اندر داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا کہ اس دروازہ کو دیکھ لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر آگاہ ہو کہ میری امت میں سے سب سے پہلے شخص تم ہوگے جو جنت میں داخل ہوگے۔

الغرض جنت کے نگران فرشتے جنتیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے بشارت دیں گے کہ تم اس شان سے جنت میں داخل ہو کہ وہاں تمہارا قیام دوامی ہوگا۔ یعنی نہ کبھی وہاں سے نکالے جاؤ گے اور نہ کبھی وہاں رہتے رہتے تمہارا دل اکتائے گا۔ جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور آرام وسکون اور راحت کی فضا انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ تو وہاں کی نعمتیں دیکھ کر بے ساختہ ان کے منہ سے نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ اس نے جو وعدے دنیا میں ہم سے اپنے انبیاء کی معرفت کئے تھے وہ سب پورے کر دیئے اور ہمیں اس سرزمین جنت کا مالک بنا دیا کہ جہاں جی چاہے آئیں جائیں رہیں سہیں اس کی راہ میں محنت کرنے والوں کا صلہ کیسا اچھا ہے۔ **فنعم اجر العاملین** سو کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس جملہ کو اہل جنت کی حمد وثنا کا اخیر قرار دیا ہے یعنی اللہ نے ہمارے عمل کی قدر دانی فرمائی۔ ان کو قبول فرما کر اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ اس کا شکر ہے کہ عمل کرنے والوں کا اجر کیسا اچھا ہے۔ مگر بعض علمائے مفسرین نے اس فقرہ کو اللہ تعالیٰ کا کلام قرار دیا ہے یعنی جنتیوں کی حمد وثنا کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ ہم نے جو کچھ مومنوں کو دیا وہ ان کی نیکوکاری کا نتیجہ ہے۔ کام کرنے والوں کی مزدوری اور اجر بہت اچھا دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ امر واضح ہوگیا کہ مومنوں کو جنت میں ان کے مقام پر اور کافروں کو جہنم میں ان کی جگہ بھیج دیا جائے گا اور جزا سزا کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ تو سورۃ کی آخری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان جبروتی اور پرجلال ہیبت کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جب حق تعالیٰ حساب کتاب کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے اس وقت فرشتے عرش کے چاروں طرف حلقہ باندھے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس پر ہر طرف سے جوش وخروش کے ساتھ **الحمد للہ رب العالمین** کا نعرہ بلند ہوگا یعنی ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہیں جو تمام عالم کے پروردگار ہیں اور جس نے سارے جہان کا فیصلہ ایسا عمدہ اپنی قدرت سے فرمایا۔

اب یہاں چونکہ جنت کا ذکر آ گیا ہے اس لئے جنت کا کچھ احوال حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلویؒ کے قیامت نامہ سے جو صحیح احادیث اور آیات قرآنیہ پر مبنی ہے نقل کیا جاتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "حاصل کلام جب تمام اہل جنت اپنے اپنے مقاموں پر برقرار ہو جائیں گے تو ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے کہیں گے کہ فلاں جہنمی ہم سے حق باتوں میں جھگڑتا تھا۔ نہ معلوم اب وہ کس حالت میں ہے پس ایک کھڑکی کھول دی جائے گی اور بینائی میں قوت عطا کی جائے گی کہ جس سے وہ دوزخی کو دیکھ لیں گے۔ دوزخی بہت آہ وزاری کر کے جنت کے کھانے اور پانی کو طلب کرے گا لیکن یہ جواب دیں گے کہ جنت کی نعمتوں کو خدا نے تم پر حرام کر دیا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو کیونکر تم نے سچا پایا۔ ہم نے تو تمام وعدوں کو بے کم وکاست بجا اور درست پایا۔ وہ نہایت ہی پشیمانی اور عاجزی ظاہر کرے گا اس کے بعد اہل جنت کھڑکی بند کر لیں گے پھر اہل جنت اپنے اہل وعیال کی حالت دریافت کریں گے فرشتے جواب دیں

گے کہ وہ سب حسب اعمال جنت میں اپنے اپنے مکانوں میں موجود ہیں۔ اہل جنت کہیں گے کہ ہم کو بغیر ان کے کچھ لطف نہیں آتا۔ ان کو ہم تک پہنچاؤ۔ ملائکہ جواب دیں گے کہ یہاں ہر شخص اپنے عمل کے موافق رہ سکتا ہے۔ اس سے تجاوز کا حکم نہیں۔ پس وہ خدائے قدوس کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ خداوندا تجھ پر روشن ہے کہ ہم جب تک دنیا میں تھے تو کسب معاش کرتے تھے اور اس سے اپنے اہل وعیال کی پرورش ہوتی تھی اور وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوتے تھے۔ اب جب آپ نے بلامشقت ایسی ایسی نعمت عطا فرمائیں تو ہم ان کو کیونکر محروم کر سکتے ہیں۔ امیدوار ہیں کہ ہم کو ان سے ملا دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ ان کی اولادوں کو ان تک پہنچادو اور ان کو عیش و آرام کے سامان بھی ساتھ ہی پہنچادو۔ پس اہل وعیال کو ان سے ملا دیا جائے گا اور ان کو اصلی اعمال کی جزا کے علاوہ والدین کے طفیل سے بہت کچھ عطا ہوگا۔ اندرون جنت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درجات عالیہ کے لئے شفاعت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور لوگ جتنی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہوں گے اتنے ہی مراتب اپنے استحقاق سے زیادہ حاصل کریں گے جب تمام لوگ جنت و دوزخ میں داخل ہوچکیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان منادی ہوگی کہ اے اہل جنت! جنت کے کناروں پر آ جاؤ۔ اور اہل دوزخ دوزخ کے کناروں پر آ جاؤ۔ اہل جنت کہیں گے ہم کو تو ابدالآباد کا وعدہ دلا کر جنت میں داخل کیا ہے اب کیوں طلب کرتے ہو اور اہل دوزخ نہایت خوش ہو کر کناروں کی طرف دوڑیں گے اور سمجھیں گے شاید ہماری مغفرت کا حکم ہوگا۔ پس جس وقت سب کناروں پر آ جائیں گے تو ان کے مابین موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں حاضر کر دیا جائے گا اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس کو پہچانتے ہو سب کہیں گے کہ ہاں جانتے ہیں کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے موت کا پیالہ نہ پیا ہو اس کے بعد اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ اسکو حضرت یحییٰ علیہ السلام ذبح کریں گے پھر وہ منادی آواز دے گا اے اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں اور اے اہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں۔ اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ شادی مرگ ہو جاتی اور اہل دوزخ اس قدر رنجیدہ ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ غم کے مارے مر جاتے اس کے بعد حکم ہوگا کہ دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اس کے پیچھے بڑے بڑے آتشی شہتیر بطور پشتیبان لگا دو تا کہ دوزخیوں کو نکلنے کا خیال بھی نہ رہے اور اہل جنت کو جنت میں ابدالآباد تک رہنے کا یقین واطمینان ہو جائے۔

جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک و زعفران کے گارے سے بنی ہوئی ہیں۔ اس کی سڑکیں اور پٹڑیاں زمرد یاقوت اور بلور سے۔ اس کے درختوں کی چھالیں سونے اور چاندی کی ہیں۔ شاخیں بے خار و بے خزاں اس کے میووں میں گونا گوں لذتیں ہیں۔ ان کے نیچے ایسی نہریں ہیں جن کے کنارے پاکیزہ جواہرات سے مرصع ہیں۔ ان نہروں کی چار قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کا پانی نہایت شیریں اور خنک ہے دوسری وہ جو ایسے دودھ سے لبریز ہیں جن کا مزہ نہیں بگڑتا۔ تیسری ایسی شراب کی ہیں جو نہایت فرحت افزا اور خوش رنگ ہے چوتھی نہایت صاف وشفاف شہد کی ہیں۔ علاوہ ان کے تین قسم کے چشمہ ہیں ایک کا نام کافور ہے جس کی خاصیت خنکی ہے دوسری کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثل چائے وقہوہ تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن اصحاب یمین کو بھی جوان سے کمتر ہیں ان میں سے سربمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے تھوڑا

تھوڑا املا کر پیا کریں گے۔اور دیدار الٰہی کے وقت ایک اور چیز عنایت ہوگی جس کا نام شراب طہور ہے جوان تمام مشروبات سے افضل و اعلیٰ ہے جنت کے درخت باوجود نہایت بلند و بزرگ وسایہ دار ہونے کے اس قدر باشعور ہیں کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ نیچے کو اس قدر جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کرے گا۔ جنت کے فرش وفروش ولباس وغیرہ نہایت عمدہ و پاکیزہ ہیں اور ہر شخص کو وہی لباس عطا کئے جائیں گے جو اس کو مرغوب ہوں گے اور بعض ان میں سے ایسے نازک و باریک ہوں گے کہ ستر تہوں میں سے بھی بدن نظر آئے گا۔ جنت میں نہ سردی ہے نہ گرمی۔ نہ آفتاب کی شعاعیں نہ تاریکی بلکہ ایسی حالت ہے جیسے طلوع آفتاب سے کچھ پیشتر ہوتی ہے مگر روشنی میں ہزار ہا درجے اس سے برتر ہوگی جو عرش کے نور کی ہوگی نہ کہ چاند سورج کی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر وہاں کا لباس اور زیور زمین پر لایا جائے تو وہ اپنی چمک دمک سے جہان کو اس قدر روشن کردے گا کہ آفتاب کی روشنی اس کے سامنے ماند ہو جائے گی۔ جنت میں ظاہری کثافت و غلاظت یعنی پیشاب پاخانہ' حدث' تھوک' بلغم' ناک کا رینٹ' پسینہ' بدن کا میل کچیل وغیرہ بالکل نہ ہوں گے۔صرف سر پر بال ہوں گے اور داڑھی مونچھ اور دیگر قسم کے بال جو جوانی میں پیدا ہوتے ہیں بالکل نہ ہوں گے اور نہ کوئی بیماری ہوگی اور باطنی کثافتوں یعنی کینہ' بغض' حسد' تکبر' عیب جوئی' غیبت وغیرہ سے دل صاف ہوں گے۔سونے کی حاجت نہ ہوگی اور خلوت اور استراحت کے لئے پردہ والے مکان ہوں گے ملاقات اور ترتیب مجلس کے وقت صحن اور میدانوں میں میلان کریں گے۔ جنتیوں کی غذاؤں کا فضلہ خوشبودار ڈکاروں سے دفع ہوا کرے گا۔جس قدر کھائیں گے فوراً ہضم ہوجایا کرے گا۔ بدہضمی اور گرانی شکم کا نام تک نہ ہوگا۔سیر وتفریح کے واسطے سواریاں اور تخت ہوں گے جو ایک گھنٹہ میں ایک مہینہ کا راستہ طے کرتے ہوں گے۔ جنت میں ایسے ایسے قبے برج اور بنگلے ہوں گے جو ایک ہی یاقوت یا موتی یا زمرد یا دیگر جواہرات سے رنگ برنگ بنے ہوں گے۔ اہل جنت کی خدمت وراحت آسائش و آرام کے لئے حور وغلمان و ازواج موجود ہوں گے۔ جنت آٹھ ہیں جن میں سے سات تو سکونت کے لئے مخصوص ہیں اور آٹھویں دیدار الٰہی کیلئے۔جنتوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ جنت الماویٰ۔ دارالمقام۔ دارالسلام۔ دارالخلد۔ جنت النعیم۔ جنت العدن۔ جنت الفردوس' یہ جنت الفردوس تمام جنتوں سے برتر واعلیٰ ہے۔بعض روایتوں میں ہے کہ ادنیٰ اہل جنت کی ملک حشم وخدم اسباب لذت وراحت وغیرہ وغیرہ ۸۰ سال کی مسافت کے برابر پھیلاؤ میں ہوں گے اور جنت کے بعض بڑے بڑے میوے ایسے ہوں گے کہ جس وقت ان کو جنتی توڑے گا تو اس میں سے نہایت خوبصورت پاکیزہ عورت مع لباس فاخرہ زیور کے برآمد ہوگی اور اپنے مالک کی ہمنشین و خدمت گزار ہوگی۔ اہل جنت کے قد وقامت مانند حضرت آدم علیہ السلام کے ساٹھ ساٹھ ہاتھ ہوں گے اور دیگر اعضاء بھی انہیں قد وقامت کے مناسب ہوں گے۔ بلحاظ صورت نہایت حسین وجمیل ہوں گے اور ہر ایک عین شباب کی حالت میں ہو گا۔ ذکر الٰہی اس طرح بے تکلف دل وزبانوں پر جاری ہوگا جیسے کہ دنیا میں سانس اور جیسا کہ جنت کی نعمتوں سے بدن کو لذت حاصل ہوگی اسی طرح سے باطنی لذات یعنی انوار و تجلیات الٰہی بھی حاصل ہوتی رہیں گی اور جنت کی سب سے افضل وبہتر نعمت دیدار الٰہی ہے۔ دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کی حیثیت سے جنتیوں کی چار قسمیں ہوں گی ایک تو وہ جو سال بھر میں ایک مرتبہ دوسرے وہ جو ہر جمعہ کو تیسرے وہ جو دن میں

دو دفعہ مشرف ہوں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صبح وعصر کی نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھنے سے اس دیدار میں بڑی مدد ملتی ہے۔ چوتھی جماعت اخص الخاص ہروقت بارگاہ الٰہی میں حاضر رہیں گے۔ طریقہ دیدار یہ ہوگا کہ سات طبقوں کے اوپر آٹھویں طبقہ میں ایک کشادہ وسیع میدان زیر عرش موجود ہے۔ وہاں نور' زمرد یاقوت' موتی' سونے اور چاندی وغیرہ کی کرسیاں حسب مراتب رکھی جائیں گی اور جن لوگوں کے لئے کرسیاں نہیں ہیں ان کو مشک وعنبر کے ٹیلوں پر بٹھائیں گے اور ہر شخص اپنی جگہ نہایت خوش وخرم ہوگا دوسروں کے مراتب کی افزونی کی وجہ سے اس کو کسی طرح کا خیال نہ ہوگا اور اسی اثناء میں ایک نہایت فرحت افزا ہوا چل کران پر ایسی ایسی پاکیزہ خوشبوئیں چھڑک دے گی جوانہوں نے نہ کبھی دنیا میں اور نہ بہشت میں دیکھی ہوں گی اس وقت خداوند کریم رب العزت ان پر اس طور سے جلوہ افروز ہوگا کہ کوئی شخص ایک دوسرے کے درمیان حائل نہ ہوگا اور ہر شخص کو اس قدر قرب حاصل ہوگا کہ وہ اپنے دل کے رازوں کو اس طرح عرض کرے گا کہ دوسرے کو خبر نہ ہوگی اور خداوند قدوس کے خطاب سراً وجہراً سنے گا۔ اسی اثناء میں حکم ہوگا کہ شراب طہور اور نہایت لذیذ نعمتوں سے ان کو سرفراز کرو۔ دیدار الٰہی دیکھنے والوں کو اس قدر استغراق ہوگا کہ لذت دیدار کے سوا تمام چیزوں کو بھول جائیں گے۔ جب یہاں سے رخصت ہوں گے تو راستہ میں ایک بازار دیکھیں گے کہ جس میں ایسے ایسے تحفے تحائف مہیا ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے ہوں گے نہ کان نے سنے ہوں گے جو شخص جس کا طالب ہوگا مرحمت کی جائے گی۔ جنت میں تین قسم کے راگ ہوں گے ایک تو یہ کہ جس وقت ہوا چلے گی تو درخت طوبیٰ کے ہر پتے وشاخ سے خوش الحان آوازیں سنائی دیں گی کہ جس سے سامعین محو ہو جایا کریں گے اور جنت میں کوئی گھر ایسا نہ ہوگا کہ جس میں درخت طوبیٰ کی شاخ نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس طرح شادی بیاہ وغیرہ میں ترتیب اجتماع و سماع کرتے ہیں اسی طرح جنت میں حوریں اپنی خوش الحانیوں سے ہر روز اپنے شوہروں کو محظوظ کریں گی۔ تیسرے یہ کہ دیدار الٰہی کے وقت بعض خوش الحان بندوں کو جیسے حضرت اسرافیل وحضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ خدا کی پاکی بیان کرو۔ اس وقت ایک ایسا عجیب لطف حاصل ہوگا کہ تمام سامعین پر وجد طاری ہو جائے گی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی اپنے اس رضا کے مقام جنت میں داخل ہونا نصیب فرمائیں۔

الحمدللہ اس درس پر سورۂ زمر کا بیان ختم ہوا جس میں ۸ رکوع تھے۔

دعا کیجئے: مولائے کریم اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی اپنے ان مومنین ومتقین بندوں میں شامل فرمالیجئے جن کو جماعت بنا بنا کر جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا اور جن کو فرشتے بشارت سنائیں گے۔ یا اللہ! اپنے جن مقربین کو اپنی جنتوں میں آپ بے حساب داخل فرمائیں گے مولائے کریم ہم کو بھی ان مقربین کا کفش بردار بنا کران کے ہمراہ جنت میں بے حساب داخل فرما دیجئے گا۔ یا اللہ! جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر آپ کے دیدار پرانوار کی نعمت ہوگی۔ یا اللہ اس نعمت عظمیٰ سے ہم کو بھی مشرف فرمایا جائے۔ یا اللہ! یہ جنت آپ کی رضا کا مقام جس کو نصیب ہوگا آپ کے فضل وکرم ہی سے ملے گا۔ یا اللہ ہم بھی اس فضل وکرم کے محتاج ہیں اور خواستگار ہیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ

حٰمٓ یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے۔

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾

قدرت والا ہے اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے۔

حٰمٓ حا میم	تَنْزِيْلُ اتارا جانا	الْكِتٰبِ کتاب (قرآن)	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	الْعَزِيْزِ غالب	الْعَلِيْمِ ہر چیز کا جاننے والا	غَافِرِ بخشنے والا
الذَّنْۢبِ گناہ (جمع)	وَقَابِلِ اور قبول کرنیوالا	التَّوْبِ توبہ	شَدِيْدِ الْعِقَابِ شدید عذاب والا	ذِي الطَّوْلِ بڑے فضل والا	لَآ نہیں کوئی	
اِلٰهَ معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	اِلَيْهِ اسی کی طرف	الْمَصِيْرُ لوٹ کر جانا			

تفسیر و تشریح: الحمدللہ اب چوبیسویں پارہ کی سورۂ مومن کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے حسب معمول سورۃ کی وجہ تسمیہ، مقام و زمانۂ نزول خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے چوتھے رکوع میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے سلسلہ میں ایک مومن شخص جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے اور پوشیدہ طور پر ایمان لے آئے تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی تھی اور اس مردمومن نے فرعون کو بھی سمجھایا تھا اسی فرعونی مومن کے تذکرہ کی نسبت سے سورۃ کا نام مؤمن قرار دیا گیا اس سورۃ کا نام غافر بھی ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے اور قیام مکہ کے درمیانی زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے جن حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے ان حالات کی طرف اشارات اس سورۃ کے مضامین میں موجود ہیں۔ کفار مکہ نے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف علاوہ دیگر کارروائیوں کے دو مہم خاص طور سے اٹھا رکھی تھیں ایک تو یہ کہ قرآن کی تعلیم اسلام کی دعوت اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں طرح طرح کے الزامات اور شبہات پیدا کر کے لوگوں کو بدظن کرنا اور ہر طرف جھگڑے اور رنجشیں چھیڑ کر الٹے سیدھے سوالات اٹھانا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل ایمان زچ اور پریشان ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ قتل کر کے دین و اسلام کی تبلیغ کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس کے لئے کفار طرح طرح کی سازشیں کر رہے تھے اور ایک مرتبہ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے ظاہر ہے عملاً اس کا اقدام بھی کر ڈالا تھا۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ مجھ سے وہ سب سے زیادہ سخت حرکت بیان کیجئے جو مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ بن معیط آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک کو پکڑ کر اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر مروڑنے لگا اور گلا گھونٹنے لگا۔ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ پہنچ گئے اور عقبہ کی

گردن پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹایا اور کہا اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ و قد جآء کم باالبینٰت من ربکم کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کے پاس سے کھلی دلیلیں لے کر آیا ہے۔ یہ اسی سورت کے چوتھے رکوع کی شروع کی آیت ہے اور یہی فرعون کے خاندان کے مؤمن مرد جن کا ذکر اوپر ہوا انہوں نے فرعونیوں سے کہا تھا جبکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کر رہے تھے تو یہ وہ حالات تھے جبکہ اس سورۃ کا مکہ میں نزول ہوا۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن کی چالیسویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۷۸ لکھا ہے یعنی ۷۷ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۳۶ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں اس سورۃ میں ۸۵ آیات ۹ رکوعات ۱۲۴۲ کلمات ۵۲۱۳ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں یہ قرآن پاک کی ان سات سورتوں میں سے پہلی سورۃ ہے جو حٰم سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ ساتوں سورتیں ایک ہی جگہ مسلسل ایک دوسرے کے بعد آتی ہیں اور ۲۶ ویں پارہ سورۂ احقاف پر ختم ہوئی ہیں۔ بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حٰم سات ہیں۔ یعنی حٰم والی سات سورتیں ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازہ ہیں۔ ہر حٰم جہنم کے کسی ایک دروازہ پر ہوگی اور کہے گی یا اللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازہ سے نہ داخل کریو۔ یہ ساتوں مکی سورتیں ہیں جن میں صحیح عقائد کی تعلیم ہے۔

اس سورۂ مومن کا بھی خاص حاصل مضمون توحید و رسالت ہی ہے اور اسی کی تاکید و تائید کے لئے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ کسی قدر تفصیلاً اور بعض دوسرے انبیائے کرام کا اجمالاً ذکر فرمایا گیا ہے۔ خلاصہ مضامین تمام سورۃ کا یہ ہے کہ شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے چند صفاتی نام بتلا کر کہا گیا کہ یہ قرآن اسی اللہ نے نازل کیا ہے جس کی یہ صفات ہیں۔ یہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اتارا ہے۔ اب جو لوگ اس کو نہیں مانتے اس میں شک کرتے ہیں اور جھگڑے نکالتے ہیں اور پھر بھی مال و جاہ کے مالک بنے ہوئے ہیں تو ان کی اس حالت سے کسی کو دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ اللہ نے ان کو مہلت دی ہوئی ہے ورنہ ان کی کیا ہستی ہے جو وہ اس ذات پاک کا مقابلہ کریں ان سے پہلے بھی بہت سے سرکش ایسے ہوئے ہیں کہ جو نہ اللہ کو مانتے تھے نہ اس کے رسولوں کو کچھ گردانتے تھے اللہ نے انہیں دنیا میں بھی سزا دی آخر تباہ ہوئے اور پھر آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ان کے لئے موجود ہے۔ برخلاف ان کے اللہ کے ایماندار اور فرمانبردار بندوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اللہ کے مقرب فرشتے ان کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بخشش و مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔ بدکاروں کو قیامت کے دن ان کے برے عملوں کی سزا ملے گی۔ ان کے عمل اللہ کے پاس سب محفوظ ہیں اور قیامت میں ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ اس وقت وہ اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہوں گے اور افسوس کریں گے اور تمنا کریں گے کہ اب دنیا میں ہمیں دوبارہ بھیجا جائے تو ہم اچھے کام کر کے دکھائیں گے مگر اس وقت ان کی وہ تمنا پوری نہ ہوگی۔ اس لئے آگے تنبیہ فرمائی گئی کہ اللہ کی قدرت کو دنیا ہی میں پہچان لو ورنہ آخرت میں سوائے دکھ درد کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا اور وہ سزا ملے گی کہ یاد ہی کرو گے آگے عبرت کے لئے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا گیا ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا بلکہ خود اس کے خاندان کے اپنے ایک آدمی نے بھی جو خفیہ طور پر ایمان لے آئے تھے خوب سمجھایا اور سمجھانے کا حق ادا کر دیا لیکن وہ نہ مانا بالآخر اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو دنیا ہی میں تباہ کر دیا اور آخرت میں وہ دوزخ کے اندر جھونکے جائیں گے۔ پھر سمجھایا گیا

کہ لوگ اللہ کو کیوں نہیں مانتے؟ اس کی قدرت تو دنیا جہان کی پیدائش اور خود انسان ہی کی پیدائش سے ظاہر ہے۔ آخر میں منکرین ومکذبین کو بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول اور ان پر ایمان لانے والوں کی مدد کریں گے اور جو منکر اور غلط باتوں پر اڑا رہے گا ان لوگوں کا انجام بہت برا ہوگا۔ عذاب الٰہی کو دیکھ کر پھر ایمان لانا کسی کام کا نہ ہوگا اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ پہلے ہی سمجھ جائیں ورنہ انجام کار بڑے خسارہ اور گھاٹے میں رہیں گے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

اب زیر تفسیر آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات حٰم سے فرمائی گئی جس کے حقیقی مطلب ومعنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ اس کے بعد بطور تمہید کے فرمایا گیا کہ اس کتاب یعنی قرآن کریم کا نزول اس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے جس کی یہ صفات ہیں جو آگے بیان فرمائی گئی ہیں گویا سامعین کو پہلے ہی خبردار کر دیا گیا کہ یہ کلام جو ان کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے یہ کسی معمولی ہستی کا کلام نہیں ہے بلکہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جس کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ عزیز ہے یعنی وہ زبردست ہے۔ سب پر غالب ہے۔ غلبہ اور اقتدار سب کچھ اسی کو حاصل ہے۔ ساری کائنات اس کے سامنے مقہور ومغلوب ہے۔ کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔ لہذا اس کے فرمان سے منہ موڑ کر اگر کوئی شخص کامیابی کی توقع رکھتا ہو اور اس کے رسول سے جھگڑا کر کے اگر کامیاب ہونا چاہتا ہو تو اس کی یہ حماقت ہے اس کی توقعات کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ کوئی خدا سے مقابلہ کر کے نہ جیت سکتا ہے اور نہ اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔

دوسری صفت علیم فرمائی یعنی یہ کہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے اس کا کوئی حکم قیاس اور گمان کی بناء پر نہیں بلکہ ہر چیز کا علم براہ راست رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان کی فلاح اور بہبود کس چیز میں ہے۔ اس لئے اس کی ہر تعلیم حکمت اور علم صحیح پر مبنی ہے لہذا اس کی ہدایات کو قبول نہ کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان خود اپنی تباہی کے راستہ پر جانا چاہتا ہے پھر انسانوں کی حرکات وسکنات میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی حتیٰ کہ وہ نیتوں ارادوں اور دلوں کے راز تک سے واقف ہے اس لئے انسان کسی طرح سے اس کی سزا سے بچ کر بھی نہیں نکل سکتا۔

تیسری صفت غافر الذنب فرمائی یعنی وہ گناہ معاف کرنے والا ہے۔ یہ صفت اس لئے سنائی گئی کہ جو لوگ اب تک سرکشی کرتے رہے ہیں وہ مایوس نہ ہوں بلکہ اگر وہ اپنی حالت کو درست کر لیں اور غلط روش سے باز آ جائیں تو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ پا سکتے ہیں۔

چوتھی صفت قابل التوب فرمائی یعنی وہ توبہ قبول کرنے والا ہے توبہ کے معنیٰ ہیں گناہوں اور نافرمانیوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا سچائی کے ساتھ وعدہ کرنا تو اگر کوئی سچے دل سے آئندہ گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرے یہاں تک کہ وہ کفر وشرک ہی کیوں نہ ہو اگر ان کو بھی ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے وعدہ کو قبول کر لیتا ہے اور توبہ سے پہلے کا ماضی جیسا بھی ہو معاف کر دیا جاتا ہے۔

پانچویں صفت شدید العقاب فرمائی یعنی سخت سزا دینے والا ہے۔ اگر کوئی توبہ نہ کرے نافرمانیوں پر جما رہے۔ سرکشی سے باز نہ آئے تو پھر اللہ کی سزا بھی سخت ہے۔ گویا اس صفت کا ذکر کر کے انسانوں کو متنبہ کیا گیا کہ فرمانبرداری اور اطاعت اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ جتنا رحیم ہے۔ بغاوت اور سرکشی کا رویہ اختیار کرنے والوں کے لئے اتنا ہی سخت ہے اور اس کی سزا نہایت ہولناک ہے۔

چھٹی صفت ذی الطول فرمائی یعنی بڑا صاحب فضل اور بڑی قدرت والا ہے۔ اس کی نعمتیں اور اس کے احسانات تمام مخلوقات پر ہر آن ہیں۔ بندوں کو جو کچھ بھی مل رہا ہے اسی کے فضل و کرم سے مل رہا ہے۔ پھر اس کے ہاں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں۔

ان چھ صفات کو بیان فرما کر دو حقیقتوں کا اظہار فرمایا ایک تو یہ کہ معبود فی الحقیقت اس کے سوا کوئی نہیں خواہ لوگوں نے کتنے ہی جھوٹے معبود بنا رکھے ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ پلٹ کر یعنی اس دنیا سے گزر کر جانا سب کو آخر کار اسی کے پاس ہے۔ وہی حساب کتاب لینے والا ہے اور جزا سزا دینے والا ہے لہذا اگر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسروں کو معبود بنائے گا تو اپنی اس غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا۔

تو مقصود یہ ہے کہ قرآن توحید و رسالت کا مقتضا یہ ہے کہ ان کو قبول کیا جائے اور اس میں انکار اور اعراض اور جدال نہ کیا جائے اگر پھر بھی کوئی ایسا کرے گا تو اس کی سزا اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو قرآن اور توحید اور رسالت کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان نعمتوں کا قدر دان بنائیں اور ان نعمتوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام ظاہری و باطنی چھوٹے اور بڑے تمام گناہوں کو اپنی شان غفور الرحیمی سے معاف فرمادیں اور ہمیں سچی توبہ کی توفیق نصیب کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی گرفت اور عقاب سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور اپنے خزانہ غیب سے ہمارے دین و دنیا کی کفالت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝٤ كَذَّبَتْ

اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو منکر ہیں سو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے۔ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ

اور دوسرے گروہوں نے بھی جو ان کے بعد ہوئے جھٹلایا تھا۔اور ہر امت (میں سے جو ایمان نہ لائے تھے انہوں) نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا

وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٥ وَكَذٰلِكَ

اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق سے حق کو باطل کردیں۔سو میں نے (آخر) ان پر دارو گیر کی۔سو (دیکھو) میری طرف سے کیسی سزا ہوئی۔اور اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝٦

تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ (آخرت میں) دوزخی ہوں گے۔

مَا يُجَادِلُ وہ نہیں جھگڑتے	فِيٓ میں	اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات	اِلَّا مگر	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا	فَلَا يَغْرُرْكَ سو تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالدے		
تَقَلُّبُهُمْ ان کا چلنا پھرنا	فِي الْبِلَادِ شہروں میں	كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ نوح کی قوم	وَّالْاَحْزَابُ اور گروہ (جمع)		
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	وَهَمَّتْ اور ارادہ باندھا	كُلُّ اُمَّةٍ ہر امت	بِرَسُوْلِهِمْ اپنے رسول کے متعلق	لِيَاْخُذُوْهُ کہ وہ اسے پکڑلیں			
وَجٰدَلُوْا اور جھگڑا کریں	بِالْبَاطِلِ ناحق	لِيُدْحِضُوْا تاکہ ناچیز کردیں/دبا دیں	بِهٖ اس سے	الْحَقَّ حق	فَاَخَذْتُهُمْ تو میں نے انہیں پکڑ لیا		
فَكَيْفَ سو کیسا	كَانَ ہوا	عِقَابِ میرا عذاب	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	حَقَّتْ ثابت ہوگئی	كَلِمَتُ بات	رَبِّكَ تمہارے رب کی	عَلَى پر
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	اَنَّهُمْ کہ وہ	اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ قرآن حکیم اس اللہ پاک کا نازل کیا ہوا ہے جو نہایت زبردست ہے اور جو قوت وشوکت میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور جو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اور جو اپنے بندوں کی غلطیاں، خطائیں اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور جو بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے لیکن جو سرکشی و نافرمانی سے باز نہ آئیں تو سزا بھی سخت دیتا ہے اور جس کے پاس ہر چیز کے خزانہ موجود ہیں اور جو اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو سب کچھ عنایت کرتا ہے تو جب ان صفات والا کوئی دوسرا نہیں اس لئے اس کے سوا کوئی عبادت کے بھی لائق نہیں اور آخر کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دے گا۔ جب یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کو ایسے بزرگ و برتر اور اعلیٰ صفات کے مالک نے اتارا ہے تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ کوئی عقل رکھنے والا انسان اس کے ماننے میں ذرا بھی دیر نہ لگاتا اور اس میں انکار و جدال نہ کیا جاتا مگر پھر بھی جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اس قرآن کریم میں لوگ جھگڑے نکالتے ہیں اختلاف کرتے ہیں اور اس کی سچائی میں شک وشبہ کرتے ہیں۔تو یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے اور اس کے منکر ہیں۔ وہ اس کی آیتوں اور کلام کو کیا مانیں گے۔ اور اس انکار کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کو فوراً سزا مل جاتی۔مگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ڈھیل اور مہلت ہے کہ جو ان کی فوری پکڑ نہیں ہوتی اور یہ دنیا میں دندناتے پھر رہے ہیں اور ایک شہر سے دوسرے شہر آتے جاتے ہیں اور بے فکری سے کھا کما رہے ہیں اور مال دار اور ذی عزت بنے ہوئے ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ سزا سے ہمیشہ کے لئے بچے رہیں گے اس انکار اور نافرمانی کا نتیجہ تو بھگتنا پڑے گا اور کسی نہ کسی وقت ان کی پکڑ اور دارو گیر ضرور ہوگی۔ چنانچہ ان منکرین سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے اور اس کے بعد اور بہت سی قوموں نے اللہ کے رسولوں کی بات نہ مانی اور ان کو جھوٹا ٹھہرایا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان مفسد سرکشوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو ستانا شروع کیا اور اپنے اپنے زمانہ کے نبی کو قید کرنا اور مار ڈالنا چاہا اور بعض تو ایسا کر بھی گزرے اور اپنے دل سے گھڑی ہوئی بے بنیاد جھوٹی باتوں کے سامنے رسولوں کی بتائی ہوئی سچی باتوں کو نہ مانا اور یہی کہتے رہے کہ جو ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے اور رسولوں کا کہنا اس کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ آخر اس کا انجام کیا ہوا؟ دیکھ لو کہ اللہ نے انہیں پکڑ کر کیسی سخت سزائیں دیں کہ ان کی جڑ بنیاد بھی باقی نہ چھوڑی۔ آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار کہیں کہیں موجود ہیں۔ ان ہی کو دیکھ کر انسان ان کی تباہی کا تصور کر سکتا ہے تو جس طرح اگلی قوموں پر عذاب آنے کی بات پوری اتر چکی ان موجودہ منکروں پر بھی اتری ہوئی سمجھو۔

یہاں آیت میں **فلا یغررک تقلبھم فی البلاد** (سو ان لوگوں کا یعنی منکرین کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے) یہ خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر سنانا یہ اوروں کو مقصود ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی تو کیا صحابہ کرام کی ذات بھی اس سے اونچی تھی کہ وہ کافروں کے اس چند روزہ عیش وتنعم اور خوشحالی کو دیکھ کر کوئی دھوکہ کھاتے مگر قرآن کی ہدایات تو قیامت تک کے لئے ہیں۔ آج یہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ منکروں، ملحدوں، اور مشرکوں اور مغرب کے دہریوں کی دنیا میں ظاہری کامیابیاں اور مادی ترقیاں اور ان کے عیش و آرام دیکھ کر آج کتنے مسلمانوں کے منہ میں پانی آتا ہے اور جنہوں نے کفار و مشرکین اور بے دینوں کی اونچی کوٹھیاں سونے چاندی کے ڈھیر۔ حشم وخدم کا ہجوم اور بادرفتار سواریاں اور سبزہ زار تفریح گاہیں اور لہلہاتے باغ غرض ہر طرح تن آسانی اور عیش وعشرت کے اسباب کی فراہمی دیکھ کر یہی عروج ترقی اور معیار زندگی کا ماحصل اور مقصد سمجھ لیا ہے اور دن رات ان کو یہی دھن سوار ہے کہ کافروں جیسی خوشحالی اور عیش و آرام اور مال دولت ہم کو بھی حاصل ہو جائے اور یہی ان کی نظروں میں کامیابی و کامرانی کا معیار ہے۔ مگر قرآن کا یہ جملہ متنبہ کرتا ہے کہ یہ کیا عیش ہے؟ بے حقیقت یہ کیا راحت ہے وتنعم ہے؟ بے اصل یہ کیا حکومت اور اقتدار ہے؟ زوال پذیر کیا اس پر پھولنا جھومنا اور مست ہونا یہ دنیا فانی ہے اور اس کی ہر مصیبت وراحت آنی جانی ہے زلزلہ کا ایک جھٹکا اونچی کوٹھیوں کو زمین پر گرا دیتا ہے۔ ایک رات میں چاندی سونے کے ڈھیر چور لے جاتا ہے چند منٹ میں ملک میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو شاہی فوج خود شاہی اقتدار کو مٹا دیتی ہے آدمی تخت سے تختہ پر اور زرین کرسی سے آہنی دار پر پہنچ جاتا ہے۔ قانون الٰہی اٹل ہے اس کا پیام لازوال ہے۔ سو ڈرنا اسی کی نافرمانی سے چاہئے کفر وانکار پر جس طرح دنیا میں سزا ملتی ہے آخرت میں بھی مل کر رہے گی۔

یہ حال تو منکرین کا بیان ہوا اب ان کے مقابل جو اہل ایمان ہیں ان کا حال اور ان کے متعلق اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

جو فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے استغفار کیا کرتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا

کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے۔ سو ان لوگوں کو بخش دیجئے (جنہوں نے) توبہ کر لی ہے اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں

سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ

اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیجئے۔ اے ہمارے پروردگار ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے اُن سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے۔

صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ ۙ وَقِهِمُ

اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق ہوں ان کو بھی داخل کر دیجئے۔ بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔ اور ان کو (قیامت کی)

السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ۧ

تکالیف سے بچائیے۔ اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے (بہت) مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اَلَّذِيْنَ وہ جو (فرشتے)	يَحْمِلُوْنَ اٹھائے ہوئے ہیں	الْعَرْشَ عرش	وَمَنْ حَوْلَهٗ اور جو اس کے اردگرد	يُسَبِّحُوْنَ وہ پاکیزگی بیان کرتے ہیں			
بِحَمْدِ تعریف کے ساتھ	رَبِّهِمْ اپنا رب	وَيُؤْمِنُوْنَ اور ایمان لاتے ہیں	بِهٖ اس پر	وَيَسْتَغْفِرُوْنَ اور مغفرت مانگتے ہیں	لِلَّذِيْنَ ان کیلئے جو		
اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	رَبَّنَا اے ہمارے رب	وَسِعْتَ سمولیا ہے	كُلَّ شَيْءٍ ہر شے	رَّحْمَةً رحمت	وَّعِلْمًا اور علم	فَاغْفِرْ سو تو بخش دے	
لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی	وَاتَّبَعُوْا اور انہوں نے پیروی کی	سَبِيْلَكَ تیرا راستہ	وَقِهِمْ اور تو انہیں بچالے	عَذَابَ عذاب			
الْجَحِيْمِ جہنم	رَبَّنَا اے ہمارے رب	وَاَدْخِلْهُمْ اور انہیں داخل کرنا	جَنّٰتِ عَدْنِ ہمیشگی کے باغات	الَّتِيْ وہ جن کا	وَعَدْتَّهُمْ تو نے ان سے وعدہ کیا		
وَمَنْ اور جو	صَلَحَ صالح ہیں	مِنْ سے	اٰبَآئِهِمْ انکے باپ دادا	وَاَزْوَاجِهِمْ اور اُن کی بیویوں	وَذُرِّيّٰتِهِمْ اور اُن کی اولاد	اِنَّكَ بیشک تو	
اَنْتَ تو ہی	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	وَقِهِمُ اور تو انہیں بچالے	السَّيِّاٰتِ بُرائیوں	وَمَنْ اور جو	تَقِ بچا	السَّيِّاٰتِ برائیوں
يَوْمَئِذٍ اس دن	فَقَدْ رَحِمْتَهٗ تو یقیناً تو نے اس پر رحم کیا	وَذٰلِكَ اور یہ	هُوَ وہ (یہی)	الْفَوْزُ کامیابی	الْعَظِيْمُ عظیم		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ عزوجل کو نہ ماننے والوں اور قرآن کے منکرین ومکذبین کا حال بیان ہوا تھا اور ان کے متعلق یہ فیصلہ بھی سنا دیا گیا تھا کہ موجودہ منکرین جو آج اللہ کے انکار پر تلے ہوئے ہیں اور اس کے کلام میں طرح طرح کے اختلافات شک وشبہ اور جھگڑے نکالتے ہیں ان کا بھی عنقریب گذشتہ امتوں کے مجرموں کا سا حال ہوگا اور مرنے کے بعد آخرت میں پھر جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ اب آگے ان آیات میں منکرین ومکذبین کے مقابلہ میں ان کا فضل وشرف بیان کیا جاتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان ویقین رکھتے ہیں۔ اس کی وحدانیت کے مقر ہیں۔ اس کے کلام کو سچا جانتے ہیں اور جو اللہ کی طرف توبہ کے ذریعہ سے رجوع ہوتے ہیں اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں کہ وہ ایسے مکرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ

کے ملائکہ مقربین بھی ان کے لئے دعا اور استغفار کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ عرش عظیم کو اٹھانے والے اور اس کے گرد طواف کرنے والے بے شمار فرشتے جن کی غذا صرف حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید ہے اور جو مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان ویقین رکھتے ہیں وہ بھی پروردگار سے مومنین کے لئے دعاء واستغفار کرتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حاملان عرش فرشتے اب چار ہیں اور قیامت کے روز آٹھ ہو جائیں گے اور عرش کے گرد کتنے فرشتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے بعض روایات میں ان کی صفوں کی تعداد لاکھوں تک بیان کی گئی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں اور یہ سب مومنین کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ ہے اس عزت افزائی اور شرف واحترام کا کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہو جائیں اللہ کے ملائکہ مقربین بارگاہ احدیت میں ان کے لئے غائبانہ معافی چاہیں۔

قرآن پاک میں دوسری جگہ ملائکہ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ **ویفعلون مایؤمرون** اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے۔ یہاں آیت میں حاملین عرش اور ملائکہ مقربین کے متعلق جو یہ فرمایا گیا **ویؤمنون بہ و یستغفرون للذین اٰمنوا** یعنی یہ ملائکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں تو اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے مقرب فرشتوں کا ایمان بھی اللہ تعالیٰ پر غائبانہ ہے رویت ومشاہدہ ان ملائکہ کو بھی نصیب نہیں دوسرے یہ کہ ایمان کا تعلق ہی وہ اصل تعلق ہے کہ جس نے حاملین عرش اور ملائکہ مقربین کو زمین پر بسنے والے ان خاکی انسانوں سے وابستہ کر دیا۔ اللہ اکبر یہ ہے ہم خاکی انسانوں کے ایمان کی قدر ومنزلت اب آگے ان فرشتوں کے استغفار اور دعاء کی صورت بتلائی جاتی ہے یعنی وہ بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ کا علم ورحمت ہر چیز کو محیط ہے یعنی آپ کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ باہر نہیں اور آپ کی رحمت بھی ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے پس جو کوئی آپ کے علم محیط میں برائیوں کو چھوڑ کر سچے دل سے آپ کی طرف رجوع ہوا اور آپ کے راستہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہوا اگر اس سے بمقتضائے بشریت کچھ کمزوریاں اور خطائیں سرزد ہو جائیں تو آپ اپنے فضل ورحمت سے اس کو معاف فرما دیں نہ دنیا میں ان پر داروگیر ہو نہ آخرت میں جہنم کا منہ دیکھنا پڑے۔ اب یہاں ملائکہ کی دعا پر غور کیجئے کہ ان کی دعاء مغفرت ان مومنین کے لئے ہے جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور جو اللہ کے راستہ پر چلتے ہیں۔ **للذین تابوا واتبعوا سبیلک** ایسوں کے لئے دعا ہے کہ ان کو جہنم کے عذاب سے بچا دے۔ تو معلوم ہوا کہ جو مسلمان توبہ وانابت کی راہ اختیار نہ کرے اس کا اس ملائکہ کی دعا میں ذکر نہیں ہے۔ جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بظاہر حاملین عرش ان کے حق میں دعا نہیں کرتے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے والوں اور اس کی راہ پر برضا ورغبت چلنے والوں کا درجہ سمجھ لیا جائے۔ یہ تو ملائکہ کی دعا کا ایک جزو ہوا آگے دوسرا جزو بتلایا جاتا ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل فرما دیجئے جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو لائق ہوں انہیں بھی داخل فرما دیجئے بیشک آپ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔ اس دعا میں **من صلح** کے الفاظ قابل غور ہیں یعنی ملائکہ کی دعا مومنین کے والدین بیویوں اور اولاد کے حق میں اس شرط کے ساتھ ہے کہ جن میں جنت میں داخل ہونے کی صلاحیت وقابلیت موجود ہو یعنی جو اہل ایمان ہوں کافر ومشرک تو جنتی ہونے کی صلاحیت ہی کو فنا کر دیتا ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آخرت میں کسی کا نسب اس کے کام نہ آئے گا وہاں مراد ہے کہ عدم ایمان کی حالت میں تو یہاں فرشتوں کی دعا ایسے اعزہ کے لئے ہے جو ایمان تو رکھتے ہوں مگر اس درجہ کے نہ ہوں سورۂ رعد تیرہویں پارہ اور سورۂ طور ۲۷ ویں پارہ میں یہ تصریحات آئی ہیں کہ اگر ایک مومن متقی جنت میں

بلند درجے کا مستحق ہو اور اس کے والدین اور بال بچے اس درجہ کے مستحق بوجہ قلت اعمال کے نہ ہوں مگر ہوں اہل ایمان یا جنت کے کمتر درجہ میں ہوں تو اللہ تعالیٰ مومن متقی کے اکرام اور اس کے ازدیاد لطف کے لئے ان کی ذریات کو باوجود ان کے درجہ عمل کی پستی کے ان کے ساتھ ملحق اور ہم مرتبہ کر دیا جائے گا تو مومن متقی کو اپنے بلند درجہ سے نیچے نہیں لایا جائے گا بلکہ اس کے اعزہ یعنی والدین' اولا د' بیوی کو نیچے کے درجہ سے اس متقی کے بلند درجہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اسی انعام واحسان کی طرف ملائکہ کی اس دعا میں اشارہ ہے آگے ملائکہ کی دعا کا تیسرا جزو بیان فرمایا جاتا ہے کہ وہ یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو قیامت کے دن ہر طرح کی تکلیف سے بچایئے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ کی یہ بڑی رحمت ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ آیت میں لفظ سیئات آیا ہے جس کے معنی برائی اور تکالیف کے ہیں۔ ان سے مراد محشر اور یوم قیامت کی تکالیف ہیں۔ قیامت کے روز جہنم کے علاوہ اور بھی دوسری تکالیف اور طرح طرح کی ہولناکیاں ہوں گی۔ میدان حشر میں سورج کی نزدیکی کی وجہ سے انتہائی گرمی حساب فہمی میں سختی تمام خلائق کے سامنے زندگی کی بداعمالیاں اور راز فاش ہونے کی رسوائی پل صراط سے گزر وغیرہ وغیرہ تو ملائکہ مومنین کو انہی شدائد اور محشر کی گھبراہٹ اور پریشانیوں سے بچانے کی درخواست کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ملائکہ کی دعا میں **فوز العظیم** یعنی بڑی کامیابی جس کو کہا گیا ہے وہ نجات اخروی اور دخول جنت ہے جس کے سامنے ساری دنیاوی کامیابیاں پست عارضی اور ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی آخرت کی کامیابی نصیب فرماویں۔ آمین۔

یہاں ملائکہ نے اپنی دعا میں ربنا کے لفظ کو مکرر استعمال کیا ہے اور قرآن کریم میں تمام جلیل القدر انبیاء کی دعائیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دعائیں بھی رب یا ربنا سے شروع ہوتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کے منہ سے لفظ رب سننا بہت پسند ہے۔

یہ تو بیان تھا مومنین کے متعلق آگے پھر ان کے مقابلہ میں کفار کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے اور ان پر جو آخرت میں گزرے گی اس کا بیان فرما کر ان کو پھر توحید کی دعوت دی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے ہمارے رب ہم کو بھی حاملین عرش اور ملائکۃ المقربین کی دعاؤں میں شامل فرمالیا جائے اور ان کی دعاؤں کی مقبولیت اور برکت سے ہماری مغفرت فرما دیجائے اور عذاب جہنم سے بچالیا جائے اور ہمیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرمالیا جائے۔

اے اللہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں سچی توبہ اور اپنے راستہ پر چلنا نصیب فرما۔

اے اللہ اے ہمارے رب ہمارے ماں باپ اور ہمارے اہل وعیال کو بھی جنت میں داخلہ نصیب فرما اور اپنے فضل وکرم ورحم وعنایت سے قیامت اور محشر کی دکھ اور تکالیف سے بچا کر آخرت کی کامل کامیابی اور کامرانی ہم سب کو نصیب فرما۔

یا اللہ! مومنین صادقین کو آپ نے کیسی عزت عطا فرمائی ہے کہ بمقتضائے بشریت ان سے جو تقصیرات اور لغزشیں دنیا میں سرزد ہو جائیں تو آپ کے ملائکہ مقربین اور حاملان عرش عظیم آپ کی بارگاہ عالی میں مومنین کی مغفرت ورحمت کی دعا فرماتے رہتے ہیں۔

یا اللہ ہمیں ملائکہ کی دعاؤں کا مورد بنا دے اور دنیا وآخرت دونوں جہان میں اپنے فضل وکرم اور رحم سے نوازے جانے کی سعادت عطا فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى

جو لوگ کافر ہوئے ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو (اس وقت اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جبکہ تم (دنیا میں)

الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝١٠ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ

ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے۔ پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دو بار مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی۔ سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا

اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝١١ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا

(یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝١٢ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا

سو (اس پر) یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالیشان (اور) بڑے رتبہ والا ہے وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝١٣ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝١٤

اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو (خدا کی طرف) رجوع (کرنے کا ارادہ کرتا ہے سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کرکے پکارو گو کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو)

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	يُنَادَوْنَ وہ پکارے جائیں گے	لَمَقْتُ اللّٰهِ البتہ اللہ کا بیزار ہونا	اَكْبَرُ بہت بڑا	مِنْ سے	
مَّقْتِكُمْ تمہارا بیزار ہونا	اَنْفُسَكُمْ اپنے تئیں	اِذْ جب	تُدْعَوْنَ تم بلائے جاتے تھے	اِلَى الْاِيْمَانِ ایمان کی طرف	فَتَكْفُرُوْنَ تو تم کفر کرتے تھے	
قَالُوْا وہ کہیں گے	رَبَّنَآ اے ہمارے رب	اَمَتَّنَا تو نے ہمیں مردہ رکھا	اثْنَتَيْنِ دوبارہ	وَاَحْيَيْتَنَا اور زندگی بخشی ہمیں تو نے	اثْنَتَيْنِ دو بار	
فَاعْتَرَفْنَا پس ہم نے اعتراف کرلیا	بِذُنُوْبِنَا اپنے گناہوں کا	فَهَلْ تو کیا	اِلٰى طرف	خُرُوْجٍ نکلنا	مِّنْ سے۔ کوئی	سَبِيْلٍ سبیل	ذٰلِكُمْ یہ تم (پر)
بِاَنَّهٗ اس لئے کہ جب	دُعِيَ اللّٰهُ پکارا جاتا اللہ	وَحْدَهٗ واحد	كَفَرْتُمْ تم کفر کرتے	وَاِنْ اور اگر	يُّشْرَكْ بِهٖ اس کا شریک کیا جاتا	تُؤْمِنُوْا تم مان لیتے
فَالْحُكْمُ پس حکم	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الْعَلِيِّ بلند	الْكَبِيْرِ بڑا	هُوَ وہ	الَّذِيْ جو کہ	يُرِيْكُمْ تمہیں دکھاتا ہے	اٰيٰتِهٖ اپنی نشانیاں	وَيُنَزِّلُ اور اتارتا ہے
لَكُمْ تمہارے لئے	مِّنَ السَّمَآءِ آسمانوں سے	رِزْقًا رزق	وَمَا يَتَذَكَّرُ اور نہیں نصیحت قبول کرتا	اِلَّا سوائے	مَنْ جو	يُّنِيْبُ رجوع کرتا ہے
فَادْعُوا اللّٰهَ پس پکارو اللہ	مُخْلِصِيْنَ خالص کرتے ہوئے	لَهُ اس کیلئے	الدِّيْنَ عبادت	وَلَوْ خواہ	كَرِهَ برا مانیں	الْكٰفِرُوْنَ کافر (جمع)

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں ملائکہ مقربین کی دعا جو وہ مومنین کے لئے کرتے رہتے ہیں اس کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ وہ مومنین کے لئے عذاب جہنم سے بچانے کی دعا کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ مومنین کو اللہ تعالیٰ قیامت کے لئے بڑی کامیابی کا حاصل ہونا کہا گیا تھا۔ اب آگے پھر کفار کا بیان ہے کہ جو اس مغفرت اور حفاظت عذاب کی کامیابی سے قیامت میں محروم رہیں گے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب کفار جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں پہنچ کر وہ اپنے کفر و شرک کے اختیار کرنے پر نہایت حسرت و افسوس کریں گے اور خود ان کو اپنے وجود سے

نفرت ہو گی حتیٰ کہ غصہ کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاویں گےاس وقت فرشتے ان سے کہیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہواور جتنی دشمنی تمہیں خوداپنی ذات سے ہےاور جس قدر برا آج تم اپنے آپ کو کہہ رہے ہواس سے زیادہ برے تم خدا کے نزدیک دنیا میں تھے جبکہ تمہیں ایمان واسلام کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے تم کو دنیا میں بار بار ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم بار بار کفر کرتے تھے آج اس کی سزا بھگتنے کے وقت جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہورہے ہو اللہ تعالیٰ تم سے اس سے زیادہ بیزار ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہ کفار جو جہنم میں پڑے ہوں گے وہ دعا کریں گے کہ اے پروردگار آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی عطا کی۔ گویا کفار سوال کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کررہے ہیں کہ پہلے یعنی پیدائش سے قبل ہم مردہ تھے پھر آپ نے جان ڈالی پھر زندگی ختم ہونے پر موت دی اور پھر آخرت میں زندہ کر دیا مطلب یہ کہ آپ ہر اس چیز پر جیسے آپ چاہیں قادر ہیں۔ ہم دنیا میں انکار کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں۔ نہ حساب کتاب ہے نہ جزا و سزا نہ اور کوئی قصہ اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر جری ہوتے تھے اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا اور عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا دوسری موت کے بعد بھی پیغمبروں کے ارشاد کے موافق دوبارہ زندگی بخشی اور اس آخرت کی زندگی میں وہ سب مناظر جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اب ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ یقیناً ہم نے اپنی جانوں پر بڑی ظلم و زیادتی کی۔ افسوس ہے کہ اب بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی تو کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت و حیات دے چکے ہیں تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں جو یقیناً آپ کے بس میں ہے۔ اب ہم دنیا میں واپس جا کر اپنے پہلے اعمال کے خلاف کریں گے تا کہ خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں اس پر انہیں جواب دیا جائے گا کہ اب دوبارہ دنیا میں جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اب تو تم کو اپنے اعمال سابقہ کا خمیازہ بھگتنا ہے تمہارے متعلق ہلاکت ابدی کا یہ فیصلہ اس لئے ہوا کہ تم نے واحد سچے خدا کی پکار پر کبھی دنیا میں کان نہ دھرا۔ ہمیشہ اس کا یا اس کی وحدانیت کا انکار ہی کرتے رہے ہاں کسی جھوٹے معبود کی طرف بلائے گئے تو فوراً آمنا و صدقنا کہہ کر اس کے پیچھے ہو لئے تم نے تو اپنی طبیعت اور دل و دماغ ہی کو الٹا کر رکھا تھا۔ تم اگر دوبارہ دنیا میں چلے بھی جاؤ گے تو پھر وہی کرو گے جس سے منع کئے جاؤ گے اور پھر وہی کفر و شرک کما کر لاؤ گے بس اب تمہارے جرم کی ٹھیک سزا یہی حبسِ دوام ہے جو اس بڑے زبردست خدا کی عدالت عالیہ سے جاری کی گئی جس کی آگے کوئی اپیل نہیں۔ اب اس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔ آگے پھر توحید کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے کہ اس کی عظمت اور وحدت کی نشانیاں کائنات کی ہر چیز میں ظاہر ہیں۔ ایک انسان اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو سمجھ لے جس کا سامان آسمان سے ہوتا رہتا ہے یہاں اس طرف انسان کی توجہ دلائی گئی کہ صرف اسی ایک اپنی روزی کے انتظام پر تم غور کرو تو سب کچھ سمجھ میں آ جائے۔ مثلاً ایک گیہوں کا دانہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ کائنات کی لاتعداد اللہ کی مقرر کردہ غیبی طاقتیں مقررہ نظام کے تحت کام کرتی ہیں۔ زمین' پانی' ہوا' چاند' سورج' روشنی' سردی گرمی کا یہ سارا نظام جس کو خدا نے ایک باقاعدگی کے ساتھ جاری کر رکھا ہے۔ یہ اپنے اپنے حصہ کی

خدمات بجالاتے ہیں اور لاکھوں تدریجی مدارج طے ہوتے ہیں تب جا کر ایک گیہوں کا دانہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ سارا نظام صرف اسی صورت میں باقاعدگی کے ساتھ چل سکتا ہے جبکہ وہی ازلی اور ابدی خدا اس کو جاری رکھے تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اس ایک پروردگار عالم کا انکار کرے۔ یا اس کے ساتھ کچھ دوسری ہستیوں کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہرائے۔ مگر ان مشاہدات سے وہی سب کچھ سمجھ سکتا ہے جو ادھر رجوع ہوا اور غور و فکر سے کام لے اور جو غور و فکر سے کام ہی نہ لے تو اسے کیا خاک سمجھ حاصل ہو سکتی ہے۔ اس پر آگے سمجھایا جاتا ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ سمجھ سے کام لیں اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں۔ بیشک مخلص اور موحد بندوں کے اس طرز عمل سے کافر اور مشرک ناک بھوں چڑھائیں گے کہ سارے دیوتا اڑا کر صرف ایک ہی خدا رہنے دیا مگر پکا اور سچا موحد وہی ہے جو مشرک کے مجمع ہی میں توحید کا نعرہ بلند کرے اور ان کے برا ماننے کی کوئی پروانہ کرے۔

ابھی آگے یہی توحید کا مضمون جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اس زندگی میں دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور ہم کو جو احکام خداوندی پہنچیں ان پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم و ہمت عطا فرمائیں۔

یا اللہ قیامت کی ندامت و حسرت سے ہم سب کو بچایئے اور اس زندگی میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمایئے کہ جو قیامت میں ہم کو پچھتانا نہ پڑے۔

یا اللہ ہر حال میں ہم کو توحید پر قائم رکھئے اور اپنی عبادت کی اخلاص کے ساتھ توفیق نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ 3

وہ رفیع الدرجات ہے وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ (وہ صاحب وحی لوگوں کو) اجتماع کے دن

يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ

(یعنی قیامت کے دن) سے ڈرائے جس دن سب لوگ (خدا کے) سامنے آموجود ہوں گے۔ ان کی بات خدا سے مخفی نہ رہے گی۔ آج کے روز کس کی حکومت ہوگی

الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا اور غالب ہے آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا آج ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

رَفِيْعُ بلند	الدَّرَجٰتِ درجے	ذُو الْعَرْشِ عرش کا مالک	يُلْقِي الرُّوْحَ وہ ڈالتا ہے روح	مِنْ اَمْرِهٖ اپنے حکم سے	عَلٰى مَنْ جس پر	
يَّشَآءُ وہ چاہتا ہے	مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں (میں) سے	لِيُنْذِرَ تاکہ وہ ڈرائے	يَوْمَ التَّلَاقِ ملاقات (قیامت) کا دن	يَوْمَ جس دن		
هُمْ وہ	بٰرِزُوْنَ ظاہر ہوں گے	لَا يَخْفٰى نہ پوشیدہ ہوگی	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	مِنْهُمْ ان سے۔کی	شَيْءٌ کوئی شے	لِمَنِ کس کیلئے
الْمُلْكُ بادشاہت	الْيَوْمَ آج	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	الْوَاحِدِ واحد	الْقَهَّارِ زبردست قہر والا ہے	اَلْيَوْمَ آج	تُجْزٰى بدلہ دیا جائے گا
كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	بِمَا كَسَبَتْ وہ جو اس نے کمایا (اعمال)	لَا ظُلْمَ نہیں ظلم	الْيَوْمَ آج	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	سَرِيْعُ جلد	الْحِسَابِ حساب لینے والا

تفسیر وتشریح: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور شان ربوبیت کے استدلال میں کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں میں سے تنہا صرف ایک نشانی کو پیش کر کے انسانوں کو توحید کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ دور کیوں جاؤ اپنے رزق ہی کی فراہمی کے مسئلہ پر غور کرو اور سمجھ بوجھ سے کام لو کہ کس طرح وہ تمہاری روزی کا سامان کرتا ہے تو یہی بات اللہ کو پہچاننے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد آگے ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی مزید چند صفات بیان فرماتے ہیں جو اس کی شان الوہیت کی دلیل ہیں۔

پہلی صفت رفیع الدرجات فرمائی یعنی تمام موجودات میں اس کا مقام بدرجہا بلند ہے وہ جمیع صفات کمال میں سب سے بلند رتبہ ہے۔ اس کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ سب اس کے ذات و صفات میں محتاج ہیں وہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں۔

دوسری صفت فرمائی ذو العرش یعنی وہ عرش کا مالک ہے۔ عرش کے معنی ہیں تخت شاہی کے اور کبھی عرش عزت غلبہ اور سلطنت سے بھی کنایہ ہوتا ہے تو ذو العرش کے لفظی معنی ہوئے عرش والا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ ہر جسمیت اور ہر مکانیت سے پاک و برتر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عرش کا بھی مالک۔ اس کا خالق اور اس پر ہر طرح قادر ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق عظیم ہے مگر ہم کو بجز نام کے اس کی کچھ حقیقت معلوم نہیں۔ امام بیہقی اپنی کتاب الاسماء والصفات میں لکھتے ہیں۔ ”مفسرین کے اقوال یہی ہیں کہ عرش سے مراد تخت ہی ہے اور یہ ایک جسم مجسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے اٹھائے رکھیں اور اس کی تعظیم اور طواف کے ذریعہ عبادت کو بجا لائیں جس طرح سے کہ زمین میں اس نے ایک گھر پیدا فرمایا (مراد خانہ کعبہ ہے) اور بنی آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اور نماز میں اس کی طرف منہ کریں۔“ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عرش فلک اعلیٰ یعنی آسمان نہم ہے اور کرسی فلک ثوابت یعنی آسمان ہشتم ہے اور یہ استدلال اس حدیث سے کیا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ساتوں آسمان

اور ساتوں زمین کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے جنگل بیابان میں کوئی انگوٹھی پڑی ہو اور یہی حال کرسی کا عرش کے مقابلہ میں ہے۔ قرآن کریم میں عرش کا تین صفات یعنی عظیم کریم اور مجید سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ گیارہویں پارہ سورۃ توبہ میں فرمایا وھو رب العرش العظیم اٹھارویں پارہ سورۂ مومنوں میں فرمایا رب العرش الکریم. اور تیسویں پارہ سورۂ بروج میں فرمایا ذو العرش المجید امام عبدالوہاب شعرانی اس پر لکھتے ہیں کہ ''اگر تم یہ سوال کرو کہ عرش کو عظیم کریم اور مجید تین ناموں سے موسوم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ الفاظ مترادف ہیں یا نہیں؟ تو یہ جواب ہے کہ یہ مترادف نہیں ہیں بلکہ عرش کو اگر اس کے احاطہ کی حیثیت سے دیکھو تو وہ عظیم ہے کیونکہ سب اجسام سے بڑا ہے اور اس حیثیت سے کہ عرش کو ان سب پر فوقیت دی گئی ہے کہ جن کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے وہ کریم ہے اور اس حیثیت سے کہ کوئی اور جسم اس کا احاطہ کر سکے اس سے وہ بالا ہے وہ مجید ہے۔'' علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے جس کے دو کناروں کی وسعت پچاس ہزار سال کی ہے اور جس کی اونچائی ساتویں زمین سے پچاس ہزار سال کی ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ جلال الوہیت کے مظہر دو طرح کے ہیں مادی اور غیر مادی۔ مادی مظاہر میں سب سے بڑی جلوہ گاہ صفات عرش ہے۔ الغرض عرش کی عظمت پر سوائے غائبانہ ایمان رکھنے کے ہم اس کی اصلیت وحقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو عرش کے مالک ہونے کی یہ دوسری صفت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے الوہیت کے دلائل میں یہاں بیان فرمائی۔

تیسری صفت یلقی الروح کی فرمائی یعنی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے روح کا القا کرتا ہے۔ روح سے مراد یہاں مفسرین نے وحی لیا ہے جس طرح روح جسد انسانی کو زندہ کرتی ہے وحی ایمان کی زندگی پھونکتی ہے اس لئے وحی کو بھی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو یہاں بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے اس غرض سے وحی نازل کرتا ہے تاکہ وہ صاحب وحی لوگوں کو قیامت کے دن سے یعنی آخرت کے حساب کتاب اور جزا و سزا سے ڈرائے اور وہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ سب آدمی نکل کر سامنے آ جائیں گے۔ کوئی بات بھی خدا سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔ یوں تو اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ہر بات کو جانتے ہیں اور کسی کی کوئی بات ان سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہاں آدمی کی آنکھوں پر غفلت و جہالت کے پردے پڑے ہوئے ہیں جس بناء پر وہ نہیں سمجھتا کہ میں ہر وقت اور ہر لحہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں لیکن قیامت کے دن یہ پردے ہٹ جائیں گے اور ہر شخص کو یقین ہو جائے گا کہ میں بارگاہ عدالت میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں اور یہ میرے سامنے میرے اچھے برے عمل ہیں ان میں سے کچھ بھی اللہ سے چھپا ہوا نہیں ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس قیامت کے دن اعلان کیا جائے گا اور کہا جاوے گا کہ بتلاؤ آج کس کی حکومت ہے؟ یعنی دنیا میں تو بہت لوگ حکومت کے مدعی تھے اور بہتیروں کے دماغ میں یہ خناس سمایا ہوا تھا کہ ہمچو من دیگرے نیست لیکن آج وہ مدعی کہاں گئے اور وہ دعوے کیا ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے قائم ہونے کے وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ لوگو قیامت آ گئی اس ندا کو مردہ زندہ سب سنیں گے پھر فناء خلق کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا لمن الملک الیوم آج کس کی حکومت اور بادشاہی ہے۔ اس سوال کا جواب کوئی نہ دے سکے گا سب پر ہیبت چھائی ہوگی جب کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی حق تعالیٰ فرمائیں گے للہ الواحد القھار آج حکومت صرف واحد قہار اللہ کی ہے اس موقع پر ایک تاریخی واقعہ قابل ذکر ہے کہ خاندانِ سامان کے فرمانروا نصر بن احمد

جب نیشا پور میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک دربار منعقد کیا اور تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمائش کی کہ دربار کی کارروائی کا افتتاح قرآن کریم کی تلاوت سے ہو۔ چنانچہ ایک بزرگ آگے آئے اور انہوں نے یہی رکوع تلاوت کیا جس وقت وہ اس آیت پر پہنچے لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار تو بادشاہ پر ہیبت طاری ہوگئی لرزتے ہوئے تخت سے اترے تاج سر سے اتار کر سجدے میں گر گئے اور بولے کہ اے رب بادشاہی تیری ہی ہے۔ نہ کہ میری۔ اللہ اکبر الغرض کہ جب یوم قیامت میں تمام حالات سامنے آ جائیں گے اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی تو جزا و سزا کا وقت آئے گا اور جو کچھ کسی نے نیکی بدی کی ہوگی اس کا بدلہ ملے گا اور جزا و سزا میں کسی کی حق تلفی اور ظلم و زیادتی نہ ہوگی نہ جرم سے زیادہ سزا ملے گی نہ نیکی سے کم جزا رہا یہ کہ جرم سے کم سزا دی جائے یا بالکل معاف کر دیا جائے یا نیکی سے زیادہ ثواب دیا جائے تو یہ اللہ کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ یہاں آیت میں اس کی نفی نہیں ہے۔ صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث قدسی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر بھی حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے۔ پس تم میں سے کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ آخر میں ہے اے میرے بندو یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جنہیں میں نگاہ رکھتا ہوں اور جن کا پورا بدلہ دوں گا پس جو شخص بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے سوا پائے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ اخیر میں ان اللہ سریع الحساب فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ حق تعالیٰ کو ساری مخلوق سے حساب لینا ایسا آسان ہے جیسا ایک شخص سے حساب لینا۔ یعنی کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ لاتعداد مخلوق اور پھر ذرہ ذرہ کا حساب فہمی ایک شخص کی ساری عمر کی نقل و حرکت نشست و برخاست خواب و بیداری بلکہ ہر سانس کا حساب کتاب اور پھر حساب فہمی بھی ایسی کہ جسمیں ذرا حق تلفی اور ظلم و زیادتی نہ ہو اس کا تصور کسی انسان کا دماغ نہیں کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اللہ سریع الحساب اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب فہمی کر لے گا۔ اس کو حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگے گی اس سرعت حساب فہمی کو اسی پر قیاس کر لیا جائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر مخلوق کو بیک وقت رزق دے رہے ہیں اور کسی ایک کو رزق رسانی کے انتظام میں حق تعالیٰ کو ایسی مشغولیت نہیں ہوتی کہ دوسرے کو رزق دینے میں دیر لگے یا جس طرح کائنات کی ہر چیز کو حق تعالیٰ بیک وقت دیکھ رہے ہیں۔ اور ساری آوازوں کو بیک وقت سن رہے ہیں اور تمام چھوٹے بڑے معاملات کی بیک وقت تدبیر فرما رہے ہیں کوئی چیز اُس کی توجہ اس طرح جذب نہیں کر لیتی کہ وہ اسی آن دوسری چیزوں کی طرف توجہ نہ کر سکے اسی طرح وہ ہر ہر فرد کا بیک وقت محاسبہ بھی کر لے گا اور اسے حساب کتاب کرنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

دعا کیجئے:

حق تعالیٰ ہمارے دلوں سے بھی غفلت کو دور فرماویں اور ہمہ وقت ہم کو آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری نصیب فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا سے اسلام و ایمان کے ساتھ آخرت کی طرف کوچ کرنا نصیب فرمائیں اور قیامت کے دن ہمارا حساب کتاب آسان فرمائیں۔ ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائیں اور آخرت کی کامیابی اور سرخروئی نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَـنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ

اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والے مصیبت کے دن سے ڈرائیے جس وقت کلیجے منہ کو آجاویں گے (اور غم سے) گھٹ گھٹ جاویں گے (اس روز) ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا

وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ ؕ ۱۸ يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ۱۹ وَاللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَـقِّ ؕ

اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جاوے وہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ٹھیک فیصلہ کردے گا۔

وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَىۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ۲۰

اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کرسکتے اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

وَاَنۡذِرۡهُمۡ اور آپ انہیں ڈرائیں	يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ قریب آنے والا روز (قیامت)	اِذِ الۡقُلُوۡبُ جب دل (جمع)	لَدَى الۡحَـنَاجِرِ گلوں کے نزدیک				
كٰظِمِيۡنَ غم سے بھرے ہوئے	مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نہیں ظالموں کیلئے	مِنۡ سے۔کوئی	حَمِيۡمٍ دوست	وَلَا شَفِيۡعٍ اور نہ کوئی سفارش کرنیوالا			
يُطَاعُ جسکی بات مانی جائے	يَعۡلَمُ وہ جانتا ہے	خَآئِنَةَ خیانت	الۡاَعۡيُنِ آنکھوں	وَمَا اور جو	تُخۡفِى چھپاتے ہیں	الصُّدُوۡرُ سینے (جمع)	
وَاللّٰهُ اور اللہ	يَقۡضِىۡ فیصلہ کرتا ہے	بِالۡحَـقِّ حق کے ساتھ	وَالَّذِيۡنَ اور جو لوگ	يَدۡعُوۡنَ پکارتے ہیں	مِنۡ دُوۡنِهٖ اس کے سوا		
	لَا يَقۡضُوۡنَ نہیں فیصلے کرتے	بِشَىۡءٍ کچھ بھی	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	هُوَ وہی	السَّمِيۡعُ سننے والا	الۡبَصِيۡرُ دیکھنے والا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور شان الوہیت کے سلسلہ میں کچھ احوال قیامت اور جزاوسزا کا ذکر ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ قیامت میں جزاوسزا بغیر کسی کی حق تلفی اور ظلم وزیادتی کے دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لے لیں گے۔ اب ایک کوتاہ بین اور غافل انسان سمجھتا ہے کہ ابھی تو قیامت بہت دور ہے اس طرح اس میں لاپرواہی پیدا ہو جاتی ہے اور باوجود قیامت کا منکر نہ ہونے اور اس کو یقینی الوقوع جاننے کے دل ودماغ پر غفلت اور ذہول کے پردے چھا جاتے ہیں اور اعمال صالحہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے یہاں ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حکم دیا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو قریب آنے والے قیامت کے دن سے ڈرائیے۔ یعنی قیامت کا دن لوگوں کی نظروں میں بعید ہے۔ مگر چونکہ یقیناً آنے والا ہے اور آنے والی چیز قریب ہی سمجھی جاتی ہے عقلمند سوکوس پرے کی بھی بلا کو آنکھوں کے سامنے ہی دیکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں لوگوں کو بار بار یہ احساس دلایا گیا ہے کہ قیامت ان سے کچھ دور نہیں ہے بلکہ قریب ہی لگی کھڑی ہے۔ سترہویں پارہ سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا **اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون** (قریب آ لگا لوگوں سے ان کے حساب کا وقت یعنی یوم قیامت اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں اعراض کئے ہوئے) ستائیسویں پارہ سورۂ قمر میں فرمایا گیا **اقترب الساعة** (قیامت نزدیک آ پہنچی) پھر سورۂ نجم میں فرمایا گیا **ازفت الأزفة** (وہ قریب آ جانے والی چیز قریب آ گئی) تو ان بار بار کی تنبیہات سے مقصود لوگوں کو متنبہ کرنا ہے کہ قیامت کو دور کی چیز سمجھ کر بے خوف نہ رہیں اور ہوش میں آ جائیں۔ جو وقت ابھی توبہ اور رجوع الی اللہ کے لئے ملا ہوا ہے اسے غنیمت سمجھیں۔ تو یہاں بھی فرمایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس قریب آنے والے قیامت کے دن سے ڈرائیے۔

آگے اس دن کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ دن ان منکرین و مکذبین ظالموں کے لئے بڑی سختی اور مصیبت کا ہوگا کہ خوف کی وجہ سے کلیجے منہ کو آئے ہوئے ہوں گے اور دم گھٹ رہے ہوں گے اور حیران و پریشان ہوں گے اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کا اس دن کوئی دوست اور غمگسار نہ ہوگا جو ان کے کام آئے اور نہ کوئی شفیع اور سفارشی ہوگا کہ جو ان کی شفاعت کے لئے زبان ہلائے۔ یہاں ظالمین جس سے مراد کفار ہیں ان کے لئے شفاعت کی نفی ہے مومن گنہگار کے لئے شفاعت کی نفی اس سے نہیں نکلتی۔ آگے ایک اور دہشت ناک بات بیان کی جاتی ہے کہ اس قیامت کے دن جس حاکم کا سامنا ہوگا وہ ایسا ہے کہ جس سے چھوٹی سے چھوٹی چیز یہاں تک کہ دزدیدہ نگاہ چشم اور پوشیدہ سے پوشیدہ بات یہاں تک کہ وہ خیال جو سینوں میں چھپا ہوتا ہے وہ بھی اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ تو مقصد اس سے یہ ہے کہ اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں سب کو ڈرنا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں بلکہ ہر وقت یہ یقین کرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اس کا علم میرے ساتھ ہے اس لئے اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رکا رہے اور اس کے احکام کی بجا آوری کرتا رہے۔ آگے بات یہ فرمائی کہ اس روز فیصلہ و انصاف اللہ ہی کرے گا اور انصاف بھی کیسا کہ جس میں کوئی رورعایت نہ ہوگی۔ بڑے چھوٹے امیر غریب شاہ و گدا سب کے ساتھ عادلانہ حق کے ساتھ انصاف ہوگا۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ اللہ کے سوا کفار و مشرکین کے جھوٹے معبود جن کو یہ لوگ اس دن کی امید پر پکارتے ہیں کچھ بھی فیصلہ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ ان کو اختیار ہی نہ ہوگا کہ کسی قسم کا فیصلہ کرسکیں خواہ عادلانہ ہو یا ظالمانہ۔ آخر میں فرمایا ان اللہ ھو السمیع البصیر اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے جس سے کسی کا کوئی قول و فعل مخفی نہیں اس لئے فیصلہ کرنا اسی کا کام ہوسکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔ یہ کفار و مشرکین کے معبود پتھر کی بے جان مورتیں جنہیں وہ معبود کہہ کر پکارتے ہیں جو اندھے بھی ہیں اور بہرے بھی ہیں وہ کیا خاک فیصلہ کریں گے جن سے یہ کفار و مشرکین امید لگائے ہوئے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ خدائے واحد ہی معبود ہے اور کوئی نہیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت و آخرت کا حقیقی فکر ہم کو نصیب فرمائیں۔ اور اس زندگی میں آخرت کا سامان جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ قیامت کی ہولناکیوں سے ہماری حفاظت فرمائیے۔ اور ہم کو اس گروہ میں شامل نہ فرمائیے کہ جن کا نہ کوئی دوست قیامت میں ہوگا نہ سفارشی۔

یا اللہ ہمارا حساب کتاب آسان فرمائیے اور آخرت کی کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ط

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا

كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ط وَمَا كَانَ

وہ لوگ قوت اوران نشانیوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سواُن کے گناہوں کے وجہ سے خدا نے ان پر دارو گیر فرمائی اوران کا کوئی

لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ

خدا سے بچانے والا نہ ہوا یہ (مؤاخذہ) اس سبب سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مؤاخذہ فرمایا

اللّٰهُ ط اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ

بیشک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون

وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا

اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے۔ پھر جب وہ لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا لیکر آئے تو ان لوگوں نے کہا

اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ط وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی۔

اَوَ کیا	لَمْ يَسِيْرُوْا وہ چلے پھرے نہیں	فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَيَنْظُرُوْا تو وہ دیکھتے	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	
الَّذِيْنَ ان لوگوں کا جو	كَانُوْا تھے	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	كَانُوْا وہ تھے	هُمْ وہ	اَشَدَّ زیادہ سخت	مِنْهُمْ ان سے	قُوَّةً قوت
وَّاٰثَارًا اور آثار	فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَاَخَذَهُمُ تو انہیں پکڑا	اللّٰهُ اللہ	بِذُنُوْبِهِمْ انکے گناہوں کے سبب	وَمَا اور نہیں	كَانَ ہے	
لَهُمْ ان کیلئے	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے	مِنْ سے۔کوئی	وَّاقٍ بچانے والا	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ ان کے پاس آتے تھے	
رُسُلُهُمْ ان کے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ کھلی نشانیوں کے ساتھ	فَكَفَرُوْا تو انہوں نے کفر کیا	فَاَخَذَهُمُ پس پکڑا انہیں	اللّٰهُ اللہ	اِنَّهٗ بے شک وہ		
قَوِيٌّ قوی	شَدِيْدُ الْعِقَابِ سخت عذاب والا	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور تحقیق ہم نے بھیجا	مُوْسٰى موسیٰ	بِاٰيٰتِنَا اپنی نشانیوں کے ساتھ	وَسُلْطٰنٍ اور سند		
مُّبِيْنٍ روشن	اِلٰى فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف	وَهَامٰنَ اور ہامان	وَقَارُوْنَ اور قارون	فَقَالُوْا تو انہوں نے کہا	سٰحِرٌ جادوگر	كَذَّابٌ بڑا جھوٹا	
فَلَمَّا پھر جب	جَآءَهُمْ وہ آئے ان کے پاس	بِالْحَقِّ حق کیساتھ	مِنْ عِنْدِنَا ہمارے پاس (طرف) سے	قَالُوْا انہوں نے کہا			
اقْتُلُوْا تم قتل کردو	اَبْنَآءَ انکے بیٹے	الَّذِيْنَ وہ جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	مَعَهٗ اسکے ساتھ	وَاسْتَحْيُوْا اور زندہ رہنے دو		
نِسَآءَهُمْ ان کی عورتیں (بیٹیاں)	وَ اور	مَا كَيْدُ اور نہیں داؤ	الْكٰفِرِيْنَ کافروں	اِلَّا سوائے	فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور شان الوہیت کے ثبوت میں بتلایا گیا تھا کہ قیامت میں جزا وسزا کا

مالک و حاکم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی جس کی یہ صفات ہیں کہ وہ پوشیدہ سے پوشیدہ قول وفعل حتیٰ کہ دل کے اندر کے وسوسے اور خیالات تک سے واقف ہے اور وہ قیامت کے دن انصاف کے ساتھ ہر ایک کا فیصلہ فرماویں گے۔ تو جولوگ باوجود ان دلائل توحید کے کفر وشرک پر اصرار کرتے ہیں ان کو مزید ڈرایا جاتا ہے اور یہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کو نہ ماننے اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے کے سبب گذشتہ دور میں بہت سی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں تو ان کے انجام سے ان مشرکوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے جس سے کفار مکہ اور مشرکین عرب کو یہ جتلایا گیا کہ تم جو کچھ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرنا چاہتے ہو یہی کچھ اپنی طاقت اور حکومت کے بل بوتا پر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کرنا چاہتا تھا مگر آخر تقدیر الٰہی کے آگے کوئی تدبیر نہ چل سکی اور انجام کار فرعون ہلاک ہوا تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اسی انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہو جس سے فرعون موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کر کے دوچار ہوا۔ ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل اسلام کو سبق دیا گیا کہ یہ ظالم کفار مکہ بظاہر اس وقت کیسے ہی بالا دست اور چیرہ دست ہوں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان خواہ کتنے ہی کمزور اور بے بس ہوں مگر آخر کار اللہ تعالیٰ کی نصرت اپنے رسول اور ان کے متبعین کے ساتھ آ کر رہے گی اور ان کو کامیابی وغلبہ نصیب ہوگا اور وہ وقت آنے تک ظلم وستم کے جو طوفان بھی سامنے آئیں انہیں صبر وضبط کے ساتھ برداشت کرنا ہوگا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان کفار مکہ ومشرکین عرب نے جو ملک شام اور یمن وغیرہ تجارت کے لئے آیا جایا کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا اور سنا کہ ان منکروں کا جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں کیا

انجام ہوا حالانکہ وہ ان سے زیادہ طاقت ور بھی تھے اور بڑے بڑے نشان دنیا میں چھوڑ گئے یعنی ان کے مکانات اور مستحکم قلعوں کے کھنڈرات اور ان کے آثار شکستہ جو اس وقت تک موجود تھے ان کی یادگار ہیں۔ پھر ان کو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور ان کو کوئی نہ بچا سکا جیسا کہ قوم عاد وثمود وقوم لوط وغیرہ اور یہ مصیبت ہلاکت کی ان پر صرف اس لئے آئی کہ اللہ کے رسول ان کے پاس نشانیاں ومعجزات و آیات لے کر آئے تھے مگر وہ انکار ہی کرتے رہے اور تکذیب سے باز نہ آئے پھر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو پکڑ لیا اور سزا دی کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست اور بڑی قوت والا ہے۔ اس کی پکڑ اور سزا سے پھر کوئی بچ نہیں سکتا گویا یہاں یہ صاف صاف بتلا دیا گیا کہ جو احکام خداوندی کے خلاف کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائیں گے اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانیں گے ان کا وہی حشر ہوگا جو پہلوں کا ہوا کہ جن میں سے کچھ تو اپنی حکومت سلطنت پر پھولے ہوئے تھے۔ جیسے فرعون اور بعض اپنے انتظام وتدبیر پر مغرور تھے جیسے ہامان اور بعض کو دولت کی کثرت پر گھمنڈ تھا جیسے قارون تو ان سب کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہو کر آئے اور کھلی ہوئی نشانیاں معجزات اور حجت وصداقت کے دلائل لے کر آئے مگر ان سب نے اللہ کے رسول کو معاذ اللہ جھوٹا اور جادوگر ہی بتایا۔ فرعون اور اس کے وزیر اعظم ہامان نے تو کھلم کھلا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تھی اور آپ کو جادوگر بھی ٹھہرایا تھا مگر قارون جو بنی اسرائیل ہی میں سے تھا اس نے بظاہر یہ الفاظ نہ کہے تھے مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کیا۔ آپ پر الزامات اور تہمت لگائی اور آپ کے اتباع سے انکار کیا تو گویا بزبان حال اس نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ہی کی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قوم فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام دین حق اور پیغام الٰہی لے کر

آئے تو بجائے اس کے کہ ان کا کہنا مانتے فرعون نے یہ حکم دے دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرو تا کہ بنی اسرائیلیوں کا زور اور قوت نہ بڑھنے پائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دو تا کہ وہ فرعونیوں کی خدمت گزاری کے کام میں آئیں۔ بنی اسرائیل کے متعلق یہ حکم فرعون کا دوبارہ تھا۔ پہلے یہی حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت نجومیوں کے کہنے سے فرعون نے صادر کیا تھا۔ اب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہو کر آئے اور فرعون زچ ہوا تو پھر اس لعین نے یہی حکم صادر کیا مگر حق تعالیٰ اس پر فرماتے ہیں کہ ان سب تدبیروں سے کیا ہوتا ہے۔ کفار کے سب داؤ پیچ خدا تعالیٰ کی مشیت کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتے۔ سب بیکار اور ضائع جاتے ہیں۔ آخر کار ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ فرعون اور اس کے سردار اور لشکر سب غارت ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مع تمام بنی اسرائیل کے سلامت رہے۔

کفار کا اپنے انبیاء کے ساتھ ہمیشہ یہ رویہ رہا کہ پہلے تو اللہ کے پیغمبر کو ڈرا دھمکا کر تبلیغ حق سے باز رہنے کی کوشش کی اور جب یہ حربہ کارگر نہ ہوا تو پھر قتل پیغمبر کے منصوبہ باندھتے تا کہ تبلیغ کی جڑ بنیاد ہی ختم کر دی جائے۔ چنانچہ فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اخیر میں قتل کرنا چاہا۔

دعا کیجئے

یا اللہ نافرمانوں کے انجام دیکھ کر ہم کو بھی عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما اور اپنی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو کامل طور پر بچنے کی ہمت و توفیق نصیب فرما۔

یا اللہ جو دین حق کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس پر ہم کو استقامت اور اس کا اتباع نصیب فرمایئے اور کفار و مشرکین کے سارے وہ ارادے اور تدبیریں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہ کر رہے ہیں۔

یا اللہ ان کی ساری تدبیریں بے اثر فرما دیجئے اور اہل ایمان کو غلبہ اور شوکت اور کفار کو ذلت و خواری نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ

اور فرعون نے کہا کہ مجھ کو چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہیے کہ اپنے رب کو (مدد کیلئے) پکارے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل ڈالے

یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ

یا ملک میں کوئی خرابی پھیلا دے اور موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خردماغ شخص (کے شر) سے

مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗٓ

جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا۔ اور ایک مؤمن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ

کہا کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں (بھی) لے کر آیا ہے۔اور اگر

یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا۔اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر (ضرور ہی) پڑیگا۔اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو

لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ

مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گذر جانے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔اے میرے بھائیو آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو

یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ

سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر وہ ہم پر آپڑا فرعون نے کہا کہ میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں اور میں

اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

تم کو عین طریق مصلحت بتلاتا ہوں۔

وَقَالَ اور کہا	فِرْعَوْنُ فرعون	ذَرُوْنِیْ مجھے چھوڑ دو	اَقْتُلْ میں قتل کروں	مُوْسٰی موسیٰ	وَلْیَدْعُ اور اسے پکارنے دو	رَبَّهٗ اپنا رب
اِنِّیْ اَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں	اَنْ یُّبَدِّلَ کہ وہ بدل دے	دِیْنَكُمْ تمہارا دین	اَوْ یا	اَنْ یُّظْهِرَ یہ کہ ظاہر کردے (پھیلادے)		
فِی الْاَرْضِ زمین میں	الْفَسَادَ فساد	وَقَالَ اور کہا	مُوْسٰی موسیٰ	اِنِّیْ بیشک میں	عُذْتُ پناہ لے لی	بِرَبِّیْ اپنے رب سے۔کی
وَرَبِّكُمْ اور تمہارے رب سے۔کی	مِنْ سے	كُلِّ ہر	مُتَكَبِّرٍ مغرور	لَا یُؤْمِنُ جو ایمان نہیں رکھتا	بِیَوْمِ الْحِسَابِ روز حساب پر	وَقَالَ اور کہا
رَجُلٌ ایک مرد	مُّؤْمِنٌ مؤمن	مِنْ سے	اٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون کے لوگ	یَكْتُمُ وہ چھپائے ہوئے تھا	اِیْمَانَهٗ اپنا ایمان	
اَتَقْتُلُوْنَ کیا تم قتل کرتے ہو	رَجُلًا ایک آدمی	اَنْ یَّقُوْلَ کہ وہ کہتا ہے	رَبِّیَ اللّٰهُ میرا رب اللہ	وَقَدْ جَآءَكُمْ اور وہ تمہارے پاس آیا ہے		
بِالْبَیِّنٰتِ کھلی نشانیوں کیساتھ	مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب کی طرف سے	وَاِنْ اور اگر	یَّكُ وہ ہے	كَاذِبًا جھوٹا	فَعَلَیْهِ تو اس پر	

کَذِبُهٗ اس کا جھوٹ	وَاِنْ يَّكُ اور اگر ہے وہ	صَادِقًا سچا	يُّصِبْكُمْ تمہیں پہنچے گا	بَعْضُ کچھ	الَّذِیْ وہ جو	يَعِدُكُمْ تم سے وعدہ کرتا ہے	
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَا يَهْدِیْ ہدایت نہیں دیتا	مَنْ هُوَ جو ہو	مُسْرِفٌ حد سے گزرنے والا	كَذَّابٌ سخت جھوٹا	يٰقَوْمِ اے میری قوم		
لَكُمُ تمہارے لئے	الْمُلْكُ بادشاہت	الْيَوْمَ آج	ظٰهِرِيْنَ غالب	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَمَنْ تو کون	يَّنْصُرُنَا ہماری مدد کریگا	
مِنْۢ سے	بَاْسِ اللّٰهِ اللہ کا عذاب	اِنْ جَآءَنَا اگر وہ آجائے ہم پر	قَالَ کہا	فِرْعَوْنُ فرعون	مَآ نہیں	اُرِيْكُمْ میں دکھاتا (رائے دیتا) تمہیں	اِلَّا مگر
مَآ اَرٰى جو میں دیکھتا ہوں	وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اور راہ نہیں دکھاتا تمہیں	اِلَّا مگر	سَبِيْلَ راہ	الرَّشَادِ بھلائی			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ذکر فرمایا گیا تھا جس سے کفار مکہ اور مشرکین عرب کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ تم بھی اللہ کے رسول کی تکذیب کر کے فلاح نہیں پا سکتے آخر ذلیل وخوار ہو گے اور دین ودنیا دونوں جہان کی رسوائی مول لو گے اور خداوند قدوس اپنی تائید وحمایت سے اپنے پیغمبر کو غالب اور منصور فرمائے گا۔ نیز یہ بتلایا گیا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بغرض تبلیغ دین فرعون کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کی نبوت کی تکذیب اور معجزات کو دیکھ کر جادوگر بتلایا۔

انسان کو عموماً بگاڑنے والی تین ہی چیزیں ہوتی ہیں۔

(اول) یا تو اس کو اپنی قوت وطاقت پر ناز۔

دوسرے یا اپنے علم وقابلیت یا ہنر پر گھمنڈ

تیسرے یا دولت وثروت کی زیادتی اور اس پر بھروسہ۔

اور اگر ان تینوں باتوں کا گٹھ جوڑ ہو جائے اور اس کے ساتھ خوف خدا نہ ہو تو پھر انسان تباہی کی طرف تیزی سے جاتا ہے۔ فرعون بجائے اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا۔ آپ کی نبوت کو تسلیم کرتا آپ کے حکم کا اتباع کرتا آپ کی مخالفت اور دشمنی پر اتر آیا اور بنی اسرائیل کی تذلیل وتوہین کے لئے اور ان کی تعداد اور قوت گھٹانے کے لئے یہ حکم دیا کہ ان کے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اور بیٹیوں کو خدمت گزاری کے لئے زندہ رہنے دیا جائے اور ممکن ہے کہ یہ دہشت انگیزی کی پالیسی اس نے اس لئے بھی اختیار کی ہو کہ بنی اسرائیلیوں کے دل میں یہ خیال جم جائے کہ یہ سب مصیبت ان پر موسیٰ علیہ السلام کی بدولت آئی اس لئے ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ لیکن مشیت خداوندی کے آگے کفار کی کوئی تدبیر کارآمد نہیں ہوتی۔ کافروں کا فریب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا تو جیسا کہ منکرین ومکذبین کا ہمیشہ وطیرہ رہا کہ دعوت حق کو روکنے اور ختم کرنے کا آخری حربہ یہی خیال کرتے رہے کہ داعی حق کو قتل کر دیا جائے جس سے سارا قصہ ہی ختم ہو جائے ایسا ہی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے متعلق خیال کیا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم لوگ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں موسیٰ کو جان سے مار دوں۔ فرعون تھا بڑا فریبی گویا اس وقت تک موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کی وجہ اپنے درباریوں کی روک تھام اور ان کی ممانعت کو قرار دے رہا تھا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالنے سے خود دل میں سہا اور ڈرا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر مگر اپنی قوت اور شجاعت کا اظہار کرنے کے لئے بے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں اور اس کے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ تو اہل دربار سے فرعون نے اپنی شقاوت کی بنا پر کہا کہ مجھ کو چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں گا اور وہ اپنے خدا کو اپنی مدد پر پکارے تب بھی مجھے کوئی پروا نہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو تمہارا مذہبی طور وطریق جو پہلے سے چلا آ رہا ہے بگاڑ ڈالے یا سازش وغیرہ کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی وفساد پھیلا دے جس کا انجام یہ ہو کہ تمہاری حکومت کا خاتمہ ہو کر ملک بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے ان مشوروں کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق

پروانہیں۔فرعون اکیلا تو کیا ساری دنیا کے متکبرین و جبارین جمع ہو جائیں تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار ان کے شر سے بچانے کے لئے کافی ہے میں اپنے کو تنہا اسی کی پناہ میں دیتا ہوں وہی میرا حامی و مددگار ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب وحی تھے۔ اللہ کی ہمہ گیر طاقت پر ان کو یقین کامل تھا اس کی ربوبیت پر ایمان تھا اور کھلی آنکھوں اللہ کی مہربانی اور امدادی طاقت کو دیکھ رہے تھے اس لئے بجائے خوفزدہ ہونے اور اپنی طاقت پر بھروسہ کر کے اپنے بچاؤ کا سامان فراہم کرنے کے آپ نے اللہ کے دامن ربوبیت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اعلان کر دیا کہ ان مغرور ظالموں سے مجھے کچھ اندیشہ نہیں۔مجھے اپنی رب کی اعانت کا یقین ہے۔ میں اسی کی پناہ چاہتا ہوں۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قوم یا دشمن سے اندیشہ ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے۔ **اللھم انا نعوذبک من شرورھم و ندرء بک فی نحورھم** یعنی اے اللہ ان کے شر اور برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھے ان کے مقابلہ میں کرتے ہیں الغرض دربار فرعون میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورہ ہوئے تو اس وقت وہاں ایک مرد مومن جس نے فرعون اور قوم فرعون سے اب تک اپنا ایمان مخفی رکھا تھا فرعون کی یہ گفتگو سن کر کہا کہ کیا تم ناحق ایک شخص کا خون کرنا چاہتے ہو محض اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے حالانکہ وہ اپنے دعوے کی صداقت میں کھلے کھلے نشان تم کو دکھلا چکا اور اس کے قتل کی تم کو کچھ ضرورت بھی نہیں بلکہ ممکن ہے تمہارے لئے مضر ہو۔ فرض کرو اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہوا تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ستایا یا دکھ پہنچایا تو جیسا وہ کہہ رہا ہے تم پر یقیناً عذاب پڑے گا۔پس عقلاً لازم ہے کہ تم لوگ اسے چھوڑ دو۔جو اس کی مان رہے ہیں مانیں تم کیوں درپئے آزار ہوتے ہو۔مسرف اور جھوٹے آدمی راہ یافتہ نہیں ہوتے دنیا کا کوئی اسراف اور کذب اور جھوٹے دعوائے نبوت سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔تو موسیٰ اگر دعوائے نبوت میں جھوٹے ہیں تو خود انہیں اس کی سزا ملے گی لیکن اگر ان کا دعوئے نبوت سچ نکلا تو تم اپنی خبر لو تمہارا انجام کیا ہوگا۔اس مومن مرد نے مزید سمجھایا کہ اے میرے بھائیو۔آج تمہاری حکومت و سلطنت ہے لیکن اپنے سامانوں اور لشکروں پر مغرور مت ہو۔آج تمہاری یہ شان و شوکت ہے لیکن اگر کل خدا کے عذاب نے آ گھیرا تو کوئی بچانے والا نہ ملے گا اور یہ سب ساز و سامان یوں ہی رکھے رہ جاویں گے۔لکھا ہے کہ یہ مرد مومن فرعون کے خاندان سے تھے اور بعض مفسرین نے ان کو فرعون کا چچا زاد بھائی لکھا ہے مگر یہ اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آل فرعون میں سے ایک تو یہ مرد ایماندار تھے اور دوسرے فرعون کی بیوی اور تیسرا وہ شخص کہ جس نے ایک فرعونی نادانستہ قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوڑ کر خبر دی تھی کہ تمہارے قتل کے دربار فرعون میں مشورہ ہو رہے ہیں لہٰذا تمہارا مصر سے کہیں اور چلا جانا اس وقت مناسب ہے تمام قوم فرعون میں صرف یہی تین حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔تو فرعون نے پوشیدہ ایمان رکھنے والے اس مرد مومن سے جو یہ تقریر سنی تو اس نے جواب دیا کہ میرے خیالات تمہاری باتوں سے تبدیل نہیں ہوئے۔جو کچھ میرے نزدیک مصلحت و راستی ہے وہی تم کو سمجھا رہا ہوں۔میرے خیال میں بہتری کا راستہ یہی ہے کہ اس شخص کا قصہ ختم ہی کر دیا جائے۔فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر دل میں اتنا ڈرا ہوا تھا کہ اس کی خدائی کا نشہ بھی کافور ہو چکا تھا اور اب وہ اپنی رعونت کو بھول گیا اور خدائی غرور کو چھوڑ کر لیڈری کے عجز پر اتر آیا کہ میں تو تم کو سیدھا راستہ ہی بتا رہا ہوں اور وہی رائے دے رہا ہوں جس کو ٹھیک سمجھتا ہوں۔یہاں بھی کمبخت نے جھوٹ ہی بولا حضرت موسیٰ علیہ السلام جو شرک اور دہریت کو چھوڑنے اور خدا کے وجود اور توحید اختیار کرنے کا طریقہ بتلاتے تھے اس کو تو جیسا کہ اوپر بیان ہوا فرعون نے بدامنی اور فساد

کا طریقہ بتلایا اور جس دہریہ طریقہ پر آپ تھا اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا اور لوگوں کو بت پرستی سکھاتا تھا اس کو اس نے کہا کہ یہی بھلائی کی راہ ہے۔ یہ باتیں فرعون کی کچھ اس سبب سے نہ تھیں کہ فرعون یا اس کی قوم کو خدا کی خدائی یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا یقین نہ آیا تھا بلکہ متواتر معجزے دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے دلوں میں یہ بات یقینی طور پر آ چکی تھی کہ جو باتیں موسیٰ علیہ السلام سے ظہور میں آتی ہیں وہ بڑے بڑے جادوگروں سے جب نہیں ہو سکتیں تو بلاشک بغیر تائید غیبی کے نہیں ہیں لیکن نخوت اور تکبر کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع منظور نہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو فساد کی باتیں بتلاتا تھا۔ اسی لئے جب سمندر میں غرق ہونے لگا تو جیسا سورۂ یونس گیارھویں پارہ میں ذکر ہوا اس وقت خدا کی خدائی کا اقرار کیا لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں مٹی بھر دی کہ عمر بھر تو جان بوجھ کر خدا کا منکر رہا اب ایسے وقت خدا کی خدائی کا اقرار کرتا ہے۔

الغرض اس مومن کی نصیحت پر فرعون نے کہا کہ میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جس کو خود ٹھیک سمجھ رہا ہوں اور میں تو تم کو عین طریق مصلحت بتلاتا ہوں کہ ان کا قتل ہی مناسب ہے گویا اب یہاں اس کا حاکمانہ طرز کلام نہیں رہا۔ بلکہ بے جان واعظانہ نصیحت اور رائے دینے پر اتر آیا۔

یہاں ان آیات میں اس خفیہ ایمان رکھنے والے مرد مومن نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ کہا **اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ و قدجآء کم بالبینت من ربکم** کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے اس دعوے پر دلیلیں بھی لے کر آیا ہے روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے بھی کفار مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے وقت یہی کہا تھا۔ بخاری وغیرہ میں ایک واقعہ کئی روایتوں سے مروی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ مشرکوں نے مکہ میں سب سے زیادہ برا سلوک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہو مجھے بتایئے۔ آپ نے فرمایا سنو ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ کو پکڑ لیا اور اپنی چادر میں بل دے کر آپ کی گردن میں ڈال کر مروڑنے لگا جس سے کہ آپ کا گلا مبارک گھٹنے لگا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ دوڑے بھاگے آئے اور اسے دھکا دے کر دور پھینکا اور فرمانے لگے۔ **اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ وقد جآء کم بالبینت من ربکم** کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے اس دعوے پر دلیلیں بھی لے کر آیا ہے۔

ابھی آگے اس مرد مومن کی نصیحت اور تقریر جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ دشمنان دین سے ہماری اور امت مسلمہ کی حفاظت فرمائیں اور حق کی حمایت کے لئے اور باطل سے مقابلہ کے لئے ہم کو عزم واستقلال نصیب فرمائیں۔ اس وقت جہاں جہاں روئے زمین پر اہل اسلام کفار ومشرکین کے نرغہ میں ہیں یا اللہ اہل اسلام کی حمایت فرما اور ان کو غلبہ عطا فرما اور کفار ومشرکین کو پست ومغلوب فرما۔ یا اللہ! اب قرب قیامت کا زمانہ ہے۔ باطل نے سر اٹھا رکھا ہے اور حق کو کچلنے کی کوشش ہو رہی ہے یا اللہ حق کی ناصر اور مددگار آپ کی قدرت ہو جائے۔ یا اللہ! اپنی قدرت جباری وقہاری سے باطل کو ملیا میٹ فرما دے اور حق کو غلبہ اور فتح ونصرت عطا فرما دے آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ

اور اس مومن نے کہا صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اور امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے۔ جیسا قوم نوح

نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَیٰقَوْمِ اِنِّیْٓ

اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اس دن کا اندیشہ ہے

اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ

جس میں کثرت سے ندائیں ہونگی۔ جس روز (موقف حساب سے) پشت پھیر کر (دوزخ کی طرف) لوٹو گے اس وقت تم کو خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور جس کو

یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ

خدا ہی گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ اور اس کے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف (علیہ السلام) دلائل (توحید و نبوت کے) لے کر آ چکے ہیں۔ سو تم ان امور میں بھی

مِّمَّا جَاۗءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ یُضِلُّ

برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لیکر آئے تھے حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ سے باہر

اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ

ہو جانے والوں (اور) شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتے ہیں۔ جو بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس موجود ہو۔ خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اس (کج بحثی) سے خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنین کو بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِیْ وہ شخص جو	اٰمَنَ ایمان لے آیا	یٰقَوْمِ اے میری قوم	اِنِّیْٓ اَخَافُ میں ڈرتا ہوں	عَلَیْكُمْ تم پر	مِثْلَ مانند	
یَوْمِ الْاَحْزَابِ سابقہ گروہوں کا دن	مِثْلَ جیسے	دَاْبِ حال	قَوْمِ نُوْحٍ قوم نوح	وَّعَادٍ اور عاد	وَّثَمُوْدَ اور ثمود	وَالَّذِیْنَ اور جو لوگ	
مِنْۢ بَعْدِهِمْ انکے بعد	وَمَا اور نہیں	اللّٰهُ اللہ	یُرِیْدُ چاہتا	ظُلْمًا کوئی ظلم	لِّلْعِبَادِ اپنے بندوں کیلئے	وَیٰقَوْمِ اور اے میری قوم	
اِنِّیْٓ اَخَافُ میں ڈرتا ہوں	عَلَیْكُمْ تم پر	یَوْمَ التَّنَادِ دن چیخ و پکار	یَوْمَ جس دن	تُوَلُّوْنَ تم پھر جاؤ گے (بھاگو گے)	مُدْبِرِیْنَ پیٹھ پھیر کر		
مَا لَكُمْ نہیں تمہارے لئے	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے	مِنْ کوئی	عَاصِمٍ بچانے والا	وَمَنْ اور جس کو	یُّضْلِلِ گمراہ کردے	اللّٰهُ اللہ	
فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ هَادٍ کوئی ہدایت دینے والا	وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ اور تحقیق آئے تمہارے پاس	یُوْسُفُ یوسف	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل			
بِالْبَیِّنٰتِ واضح دلائل کیساتھ	فَمَا زِلْتُمْ سو تم ہمیشہ رہے	فِیْ شَكٍّ شک میں	مِّمَّا جَاۗءَكُمْ اس سے آئے تمہارے پاس	بِهٖ اسکے ساتھ	حَتّٰی یہاں تک		
اِذَا جب	هَلَكَ وہ فوت ہوگئے	قُلْتُمْ تم نے کہا	لَنْ یَّبْعَثَ ہرگز نہ بھیجے گا	اللّٰهُ اللہ	مِنْۢ بَعْدِهٖ اسکے بعد	رَسُوْلًا کوئی رسول	كَذٰلِكَ اسی طرح
یُضِلُّ اللّٰهُ گمراہ کرتا ہے اللہ	مَنْ هُوَ جو وہ	مُسْرِفٌ حد سے گزرنے والا	مُّرْتَابٌ شک میں رہنے والا	الَّذِیْنَ جو لوگ	یُجَادِلُوْنَ جھگڑا کرتے ہیں		

فِیْ میں	اٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ کی آیتیں	بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ بغیر کسی دلیل	اَتٰىھُمْ آئی اُنکے پاس	کَبُرَ مَقْتًا سخت ناپسند	عِنْدَ اللّٰہِ اللہ کے نزدیک	
وَعِنْدَ اور نزدیک	الَّذِیْنَ ان لوگوں کے جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	کَذٰلِکَ اسی طرح	یَطْبَعُ اللّٰہُ مہر لگا دیتا ہے اللہ	عَلٰی پر	کُلِّ قَلْبٍ ہر دل
مُتَکَبِّرٍ مغرور	جَبَّارٍ سرکش					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات کا ذکر ہوا تھا اور یہ بتلایا گیا تھا کہ جب فرعون نے اپنے اہل دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا خیال ظاہر کیا تو فرعون کے خاندان کے ایک مومن شخص نے جواب تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے حاضرین دربار سے کہا کہ کیا تم ایک شخص کے محض اس بات پر قتل کے درپے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور حالانکہ وہ اپنے دعوائے نبوت پر دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور اس مومن شخص نے مزید یہ کہا تھا کہ تم کو قتل کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ یا تو اپنے دعوے میں جھوٹا ہے یا سچا ہے۔ اگر بالفرض جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو پھر جس عذاب کی وہ پیشین گوئیاں کر رہا ہے وہ تم پر پڑ کر رہے گا اور اس صورت میں قتل کرنے سے اور زیادہ بلا اپنے سر مول لینا ہے حالانکہ آج تمہاری حکومت وسلطنت ہے اور تم اس سرزمین مصر کے حاکم ہو لیکن وہ شخص اگر سچا ہے تو پھر اس کے قتل کرنے سے ہم پر جو عذاب الٰہی آ پڑے گا تو اس وقت کون تمہاری مدد کرے گا۔ یہاں تک مضمون گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا تھا۔

اب آگے ان آیات میں اسی مومن شخص کی بقیہ تقریر بیان فرمائی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے جب اس مومن نے دیکھا کہ نصیحت میں نرمی سے کام نہیں چلتا تو اب ان نے ڈراوے اور خوف دلانے سے کام لیا اور کہا کہ اے صاحبو اگر تم اسی طرح تکذیب اور عداوت پر جمے رہے تو مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تم کو بھی کہیں وہی دن دیکھنا نہ پڑے جو پہلی قومیں اپنے انبیاء کی تکذیب اور مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہیں۔ مجھے تو یہی نظر آ رہا ہے کہ اللہ اپنے پیغمبر ہی کی مدد کرے گا اور اس کے ستانے والوں کو سخت سزا دے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری وہی گت بنے جیسا قوم نوح اور قوم عاد وثمود وغیرہ کی بنی۔ اللہ تو ایسا نہیں کہ بندوں پر ظلم کرے اور بلا وجہ سزا دے مگر انسان آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے اگر تم وہی حرکتیں کرو گے تو پھر ضرور اپنی سزا کو پہنچو گے۔ یہ تو اس مومن نے اپنے ساتھیوں اور قوم کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا۔ آگے عذاب آخرت کا خوف دلایا اور کہا کہ دیکھو ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ تم بڑی مصیبت میں پھنسو گے ہر طرف چیخ وپکار ہائے واویلا کے سوا کچھ نہ سنائی دے گا۔ اور تم پیٹھ پھیر کر مصیبت سے بھاگ کر نکلنا چاہو گے مگر نکل نہ سکو گے۔ یاد رکھو اللہ کے عذاب سے تمہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ میں تو تمہیں سب نشیب وفراز پوری طرح سمجھا چکا اب اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری عناد اور کجروی کی شامت سے تم پر اللہ کی پھٹکار ہے اگر وہ کسی کو غلط راستہ پر چلنے سے نہ بچائے تو اس شخص کی سمجھ الٹی اور مت اوندھی ہو جاتی ہے پھر کوئی نہیں جو ایسے شخص کو سیدھی بات سمجھائے یا سیدھا راستہ بتائے۔ اے میری قوم کے لوگو تم پہلے بھی ایک بڑی غلطی کر چکے ہو دیکھو پہلے تمہارے ملک میں حضرت یوسف علیہ السلام آئے اور انہوں نے ایسی صاف نشانیاں دکھائیں کہ اگر مصری عقل سے کام لیتے تو سمجھ جاتے کہ یہ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ تم مانتے ہو کہ انہوں نے بادشاہ وقت کے خواب کی صحیح تعبیر دے کر تمہاری قوم کو سات برس کے اس خوفناک قحط کی تباہ کاریوں سے بچا لیا جو ان کے دور میں تم پر آیا تھا اور تمہاری ساری قوم اس بات کی بھی معترف ہے کہ ان کے دور حکومت سے بڑھ کر عدل وانصاف اور خیر وبرکت کا زمانہ بھی

مصریوں نے نہیں دیکھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے مصریوں کو بہت کچھ سمجھایا اور بت پرستی سے منع کیا لیکن لوگ ان کی زندگی میں ان کے منکر ہی رہے۔ یعنی مصریوں نے عقیدہ توحید و رسالت میں ان کی اطاعت نہ کی ہاں بوجہ دنیوی جاہ وعزت کے تو انہیں یوسف علیہ السلام کی ماتحتی کرنی پڑتی تھی مگر مصریوں نے ان کی نبوت کو من حیث القوم تسلیم نہیں کیا اور جب آپ کا انتقال ہو گیا تو اس وقت مصریوں نے بطور شرارت کہا کہ بس اب خدا کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔ مطلب مصریوں کا یہ تھا کہ اول تو یوسف بھی خدا کے رسول نہ تھے اور اگر بالفرض تھے بھی تو جب ایک کو نہ مانا تو اب خدا کو دوسرے کے بھیجنے کی کیا ضرورت ہے ہمیشہ کے لئے یہ قصہ پاک ہو گیا۔ یہ سورۂ یوسف بارہویں اور تیرہویں پارہ میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح سب سے پہلے بنی اسرائیل میں حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیوی دونوں وجاہتوں سے آپ کو نوازا۔ اور پھر تقریباً ۲۷ سال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندان اور گھرانے کے باقی افراد جو ستر سے زیادہ تھے فلسطین سے مصر میں آ گئے جہاں یہ قوم پہلے پھلی پھولی اور یوسف علیہ السلام کی وفات کے تقریباً ۴۰۰ سال بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہو کر مصر میں تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر آپ نکلے ہیں تو بنی اسرائیل کی تعداد قریب چھ لاکھ کے تھی تو مصریوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات اچھی طرح معلوم تھے اس لئے اس مرد مومن نے حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد دلا کر یہ جتلانا چاہا کہ نعمت کی قدر بعد زوال کے ہوا کرتی ہے۔ فی الحال تم کو موسیٰ کی قدر نہیں۔ ان کی بات مانو ورنہ پچھتاؤ گے جو لوگ اللہ کی نشانیاں نہیں پہچانتے اور شک وشبہ میں پھنسے رہتے ہیں انہیں اللہ اپنی ہدایت سے محروم کر دیتا ہے کیونکہ وہ بدوں حجت عقلیہ ونقلیہ کے اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں۔ ان کی یہ بے باکی اور سرکشی نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ ان کو جو اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ اس لئے اللہ اور اس کے ایماندار بندے ایسے لوگوں سے سخت بیزار ہیں جو حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سن کر سر نیچا نہ کریں۔ آخر کار ان کے دلوں پر اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے کہ پھر سچی بات ان کے دل میں گھسنے ہی نہیں پاتی اور پھر قبول حق کی ان میں گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

الغرض ان مومن کی اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ اب ان کا ایمان پوشیدہ نہیں تھا۔ یہاں آخری آیت کے جملہ **کذٰلک یطبع اللہ علیٰ کل قلب متکبر جبار** یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کر دیتا ہے ہر متکبر اور جبار کے دل پر یعنی جس طرح فرعون اور اس کے متبعین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مومن آل فرعون کی نصیحتوں سے کوئی اثر نہیں لیا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ایسے مغرور و متکبر اور جابر یعنی ظالم کے دل پر مہر کر دیتے ہیں کہ پھر اچھے برے اور حق و باطل کی تمیز نہیں رہتی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ تمام اخلاق و اعمال کا منبع اور سرچشمہ انسان کا دل ہی ہے ہر اچھا برا عمل انسان کے دل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا (یعنی دل) ایسا ہے کہ جس کے درست ہونے سے سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائیں اور اس کو نور ایمان سے منور رکھیں۔ آمین۔ الغرض فرعون نے جو یہ لاجواب تقریر سنی تو اس مومن کو تو کچھ جواب نہ دے سکا لیکن اپنی جہالت قدیمہ پر حجت قائم کرنے کے لئے اپنے وزیر ہامان سے مخاطب ہوا اور کیا کہا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى

اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں

اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۚ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ

اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کی (اور) بدکرداریاں بھی اس کو مستحسن معلوم ہوئی تھیں اور (سیدھے) راستہ سے رُک گیا

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ

اور فرعون کی (ہر) تدبیر غارت ہی گئی۔ اور اس مومن نے کہا کہ اے بھائیو! تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک راستہ بتلاتا ہوں۔

الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ

اے بھائیو! یہ دنیاوی زندگی محض حظ چند روزہ ہے۔ اور اصل ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے۔ (جہاں جزا کا یہ قانون ہے کہ)

سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے۔ اور جو نیک کام کرتا ہے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

ایسے لوگ جنت میں جاویں گے وہاں بے حساب اُن کو رزق ملے گا۔

وَقَالَ اور کہا	فِرْعَوْنُ فرعون	يٰهَامٰنُ اے ہامان	ابْنِ بنادے تو	لِيْ میرے لئے	صَرْحًا ایک (بلند) محل	لَعَلِّيْ شاید کہ میں	اَبْلُغُ پہنچ جاؤں
الْاَسْبَابَ راستے	اَسْبَابَ راستے	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	فَاَطَّلِعَ پس جھانک لوں	اِلٰى طرف۔کو	اِلٰهِ معبود	مُوْسٰى موسیٰ	وَاِنِّيْ اور بیشک میں
لَاَظُنُّهٗ اسے البتہ گمان کرتا ہوں	كَاذِبًا جھوٹا	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	زُيِّنَ آراستہ دکھائے گئے	لِفِرْعَوْنَ فرعون کو	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ اس کے برے عمل		
وَصُدَّ اور وہ روک دیا گیا	عَنِ سے	السَّبِيْلِ سیدھا راستہ	وَمَا كَيْدُ اور نہیں تدبیر	فِرْعَوْنَ فرعون	اِلَّا مگر۔صرف	فِيْ تَبَابٍ تباہی میں	
وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْٓ اٰمَنَ وہ جو ایمان لے آیا تھا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اتَّبِعُوْنِ تم میری پیروی کرو	اَهْدِكُمْ میں تمہیں راہ دکھاؤنگا	سَبِيْلَ راستہ		
الرَّشَادِ بھلائی	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	هٰذِهِ یہ	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	مَتَاعٌ (تھوڑا) فائدہ	وَاِنَّ اور بیشک	الْاٰخِرَةَ آخرت
هِيَ یہ	دَارُ الْقَرَارِ (ہمیشہ) رہنے کا گھر	مَنْ جو۔جس	عَمِلَ عمل کیا	سَيِّئَةً برا	فَلَا يُجْزٰٓى اسے بدلہ نہ دیا جائیگا	اِلَّا مگر	مِثْلَهَا اسی جیسا
وَمَنْ اور جو۔جس	عَمِلَ عمل کیا	صَالِحًا اچھا	مِّنْ سے۔خواہ	ذَكَرٍ مرد	اَوْ اُنْثٰى یا عورت	وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور (بشرطیکہ) وہ مومن	
فَاُولٰٓئِكَ تو یہی لوگ	يَدْخُلُوْنَ داخل ہوں گے	الْجَنَّةَ جنت	يُرْزَقُوْنَ وہ رزق دیئے جائیں گے	فِيْهَا اس میں	بِغَيْرِ حِسَابٍ بے حساب		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں قوم فرعون میں سے ایک مرد مومن کی تقریر نقل فرمائی گئی تھی جس نے بلا رورعایت اور خوف وخطر حق کو فرعون اور اس کے درباریوں اور اپنی قوم کے سامنے پیش کیا تھا۔ تقریر سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ وہ مرد مومن

3 فرعون کی سلطنت میں کوئی اہم شخصیت کا مالک تھا کہ جو بھرے دربار میں فرعون کے رو در رو اس طرح حق گوئی کی جرأت کی اور اس کو فوراً اس علانیہ حق گوئی کے باوجود فوری سزا دینے کی جرات نہ کی جا سکتی تھی۔ اسی وجہ سے جیسا کہ آئندہ آیات سے اندازہ ہوتا ہے فرعون اور اس کے حامیوں نے اس مرد مومن کو ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیریں کیں مگر ان تدبیروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے نہ چلنے دیا۔ الغرض فرعون نے جو اس مرد مومن کی تقریر لاجواب سنی تو کچھ جواب نہ دے سکا اور اپنے وزیر ہامان کو مخاطب کر کے بات کچھ اس انداز میں کرنے لگا گویا کہ وہ اس مرد مومن کے کلام کو کسی التفات کے قابل نہیں سمجھتا۔ اس لئے متکبرانہ شان کے ساتھ اس مرد مومن کی طرف سے منہ پھیر کر ہامان وزیر سے کہتا ہے کہ میرے لئے ایک بلند اور اونچی عمارت اینٹوں اور چونے کی پختہ تعمیر کراؤ تا کہ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ یہ موسیٰ جس خدا کی باتیں کر رہا ہے وہ کہاں رہتا ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ موسیٰ جھوٹے (نعوذ باللہ) اور وہ جو کہتے ہیں کہ خدا نے انہیں بھیجا ہے بالکل غلط ہے۔ دراصل یہ بھی فرعون کا ایک مکر اور وہ اپنی رعایا پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو میں ایسا کام کرتا ہوں کہ جس سے کہ موسیٰ کا جھوٹ بالکل کھل جائے اور میری طرح تمہیں بھی یقین آ جائے کہ موسیٰ دعوائے نبوت میں (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں قرآن کریم نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ ہامان نے عمارت تیار کرائی یا نہیں اور پھر فرعون نے اس پر چڑھ کر کیا کیا؟ البتہ مفسرین نے یہ قصہ ضرور نقل کیا ہے کہ جب ہامان نے ایک بہت اونچا مینارہ تیار کرا کے فرعون کو اطلاع دی تو فرعون اس پر چڑھا اور تیر کمان لے کر آسمان کی طرف پھینکا قدرت الٰہی کے مطابق وہ تیر خون آلود ہو کر واپس ہوا۔ فرعون نے یہ دیکھ کر غرور اور شیخی کے ساتھ مصریوں سے کہا کہ لو اب میں نے موسیٰ کے خدا کا بھی قصہ تمام کر دیا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ برے کام کرتے کرتے آدمی کی یونہی عقل ماری جاتی ہے اور ایسی ہی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ جس کے بعد پھر راہ پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہی حال فرعون کا تھا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ فرعون کے جس قدر مکر و فریب اور داؤ پیچ اور منصوبے یا مشورے تھے سب بے حقیقت تھے اور خود اپنی ہی تباہی کے لئے تھے۔ اس کی ہر تدبیر الٹی ہی رہی اور وہ موسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ آگے اسی مرد مومن کی مزید تقریر بیان فرمائی جاتی ہے کہ اس مرد مومن نے فرعون کی بات کا کچھ خیال نہ کیا اور اپنی قوم کو سمجھانے لگے کہ اے لوگو تم میری بات مانو اور میری راہ پر چلو میں تمہیں راہ راست پر ڈال دوں گا۔ پھر انہیں دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ اس دنیا کی فانی اور زائل ہونے والی زندگی ہے اور چندروزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہ بھولو۔ دنیا کی زندگی بہرحال بھلی بری ختم ہونے والی ہے۔ اس کے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جس کا کبھی خاتمہ نہیں۔ تو عاقل کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے وہاں کی درستی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ پھر آگے اس مرد مومن نے اخروی زندگی کی تھوڑی سی تفصیل بتلا دی کہ وہ کس طرح درست ہو سکتی ہے اور جہاں کی رحمت و زحمت ابدی اور غیر فانی ہے جہاں برائی کا بدلہ تو اس کے برابر ہی دیا جاتا ہے ہاں نیکی کا بدلہ بے حساب دیا جاتا ہے نیکی کرنے والا چاہے مرد ہو چاہے عورت شرط یہ ہے کہ ہو صاحب ایمان اسے اس کی نیکیوں کا ثواب اس قدر دیا جائے گا جو بے حد و حساب ہوگا۔

ابھی اس مرد مومن کی تقریر جاری ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ

اور اے میرے بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم کو (طریق) نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھ کو اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ کفر کروں

وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ

اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدائے زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں۔ یقینی بات ہے کہ تم جس چیز (کی عبادت) کی طرف مجھ کو بلاتے ہو

اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ

وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے اور جو لوگ دائرہ (عبودیت) سے نکل رہے ہیں

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٤٣﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ

وہ سب دوزخی ہوں گے۔ سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا

بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ

نگران ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اُس (مومن) کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا۔ اور فرعون والوں پر موذی عذاب نازل ہوا۔ وہ لوگ (برزخ میں)

عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾

صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کرو۔

وَيٰقَوْمِ اور اے میری قوم | مَا لِيْ کیا ہوا مجھے | اَدْعُوْكُمْ میں بلاتا ہوں تمہیں | اِلَى طرف | النَّجٰوةِ نجات | وَتَدْعُوْنَنِيْ اور بلاتے ہو تم مجھے
اِلَى طرف | النَّارِ آگ (جہنم) | تَدْعُوْنَنِيْ تم بلاتے ہو مجھے | لِاَكْفُرَ کہ میں انکار کروں | بِاللّٰهِ اللہ کا | وَاُشْرِكَ اور میں شریک ٹھہراؤں
بِهٖ اسکے ساتھ | مَا جو | لَيْسَ نہیں | لِيْ مجھے | بِهٖ اس کا | عِلْمٌ کوئی علم | وَاَنَا اور میں | اَدْعُوْكُمْ بلاتا ہوں تمہیں | اِلَى طرف | الْعَزِيْزِ غالب
الْغَفَّارِ بخشنے والا | لَا جَرَمَ کوئی شک نہیں | اَنَّمَا یہ کہ | تَدْعُوْنَنِيْ تم بلاتے ہو مجھے | اِلَيْهِ اس کی طرف | لَيْسَ لَهٗ نہیں اس کیلئے
دَعْوَةٌ بُلانا | فِي الدُّنْيَا دنیا میں | وَلَا اور نہ | فِي الْاٰخِرَةِ آخرت میں | وَاَنَّ اور یہ کہ | مَرَدَّنَا پھر جانا ہے ہمیں | اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف
وَاَنَّ اور یہ کہ | الْمُسْرِفِيْنَ حد سے بڑھنے والے | هُمْ وہ۔وہی | اَصْحٰبُ النَّارِ آگ والے جہنمی | فَسَتَذْكُرُوْنَ سو تم جلد یاد کرو گے
مَا اَقُوْلُ جو میں کہتا ہوں | لَكُمْ تمہیں | وَاُفَوِّضُ اور میں سونپتا ہوں | اَمْرِيْ اپنا کام | اِلَى اللّٰهِ اللہ کو | اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ | بَصِيْرٌ دیکھنے والا
بِالْعِبَادِ بندوں کو | فَوَقٰىهُ سو اسے بچالیا | اللّٰهُ اللہ | سَيِّاٰتِ برائیاں | مَا مَكَرُوْا داؤ جو وہ کرتے تھے | وَحَاقَ اور گھیرلیا | بِاٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون والوں کو
سُوْۗءُ الْعَذَابِ برا عذاب | اَلنَّارُ آگ | يُعْرَضُوْنَ وہ حاضر کئے جاتے ہیں | عَلَيْهَا اس پر | غُدُوًّا صبح | وَعَشِيًّا اور شام | وَيَوْمَ اور جس دن
تَقُوْمُ قائم ہوگی | السَّاعَةُ قیامت | اَدْخِلُوْا داخل کرو تم | اٰلَ فِرْعَوْنَ فرعون والے | اَشَدَّ شدید ترین | الْعَذَابِ عذاب

تفسیر و تشریح: فرعون کی قوم کے ایک مرد مومن کا ذکر گذشتہ آیات سے ہوتا چلا آ رہا ہے جنہوں نے پہلے تو اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا مگر ان کی حق گوئی اور تقریر سے بالآخر ان کا ایمان سب پر ظاہر ہو گیا تھا۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انہوں نے اپنی قوم کے سرکشوں اور متکبروں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم میری بات مانو اور میری راہ پر چلو میں تمہیں راہ راست پر ڈال دوں گا پھر انہوں نے دنیا سے بے

رغبتی کے لئے قوم کو بتلایا کہ یہ دنیوی زندگی فانی ہے اور لازوال اور ہمیشگی والی جگہ تو آخرت ہے جہاں ایمان رکھنے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے بے حد وحساب اجر وثواب ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس مرد مومن کی یہ حق گوئی فرعون کے لئے بڑے تعجب اور حیرت کا باعث بنی ہوگی تو جب اس مرد مومن نے فرعونیوں کے حال وقال سے محسوس کیا کہ یہ میری باتوں پر سخت متعجب ہیں اور خود مجھ ہی کو اپنے طریقہ کفریہ کی طرف بلانا چاہتے ہیں تو اس مرد مومن نے مزید قوم سے خطاب کیا جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے اور اس مرد مومن نے کہا کہ میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستہ پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی جہنم کی آگ میں دھکیل دو۔ میں تو تم کو بچانا چاہتا ہوں اور تمہیں توحید کی طرف بلا رہا ہوں۔ میں تمہیں خدا کے رسول کی تصدیق کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے کفر وشرک کی طرف بلا رہے ہو جس کا نتیجہ سوائے اس کے کہ آگ میں داخل ہوں اور کچھ نہیں۔ تم چاہتے ہو کہ میں جاہل بن جاؤں اور بے دلیل خدا کے اور اس کے رسول کے خلاف کروں۔ تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں معاذ اللہ خدائے واحد کا انکار کردوں۔ اس کے پیغمبروں کو اور ان کی باتوں کو نہ مانوں اور نادان جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو خدا جاننے لگوں جن کی خدائی کسی دلیل اور علمی اصول سے ثابت نہیں۔ میں تو تمہیں اسی خدا کی طرف لے جانا چاہتا ہوں جو بڑی عزت اور کبریائی والا ہے۔ اور باوجود اس کے وہ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف جھکے اور اس سے معافی کا خواستگار ہو اور تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو یعنی بتوں اور سوائے خدائے واحد کے اوروں کی عبادت کی طرف وہ ایسے ہیں کہ ان میں نفع پہنچانے یا ضرر سے بچانے کی طاقت ہی نہیں۔ جنہیں نفع نقصان پر کوئی قابو نہیں یاد رکھو! میں اسی خدا کی پناہ میں آچکا ہوں جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں۔ انجام کار ہر پھر کر سب کو اسی خدائے واحد کی طرف جانا ہے۔ وہاں ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ بھگتنا ہوگا اور وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ تم اس وقت گو میری باتوں کی قدر نہ کرو لیکن آگے چل کر جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھو گے اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے کہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا وہ ٹھیک کہتا تھا۔ لیکن اس وقت یاد کر کے پشیمان ہونے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس وقت ندامت وحسرت وافسوس کرو گے لیکن وہ محض بے سود ہوگا۔ مرد مومن کے اس خطاب اور صاف گوئی سے فرعونیوں نے جو کچھ پیچ وتاب نہ کھایا ہو وہ کم ہے۔ اس حق پرست کو ڈرانے دھمکانے پر اتر آئے جس پر اس مرد مومن نے کہا کہ میں خدا کی حجت تم پر تمام کر چکا اور نصیحت کی بات سمجھا چکا۔ تم نہیں مانتے تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں۔ اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ اگر تم مجھے ستانا چاہو گے تو وہی خدا میرا حامی اور ناصر ہے۔ سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے۔ کسی کی کوئی حرکت اس پر پوشیدہ نہیں۔ مجھے تمہاری دھمکیوں کی پروا نہیں۔ تم اپنی طاقت سطوت حکومت فوج اور کثرت سے کیا ڈراتے ہو۔ میری نظر میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ حقیقی کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے وہ جو کچھ چاہے گا کرے گا۔ اس طرز بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس مرد مومن کی حق گوئی سے فرعون کو یہ خطرہ بھی لاحق ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کی حکومت اور سلطنت کی اہم شخصیتیں بھی متاثر ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ اب ان تدبیروں میں لگا ہی ہوا تھا کہ سلطنت کے امراء اور اعلیٰ عہدہ دار جو موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت سے متاثر ہو چکے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ساتھ ان کی بھی سرکوبی کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو ہجرت کا حکم دے دیا اور ان کا پیچھا کرتے ہوئے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق آب ہو کر ہلاک ہوا۔ تو اس مرد مومن کی تقریر کے خاتمہ پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حق وباطل کی کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں جن میں یہ

مومن آل فرعون بھی شامل تھے فرعونیوں کے منصوبوں سے محفوظ رکھا اور کوئی داؤ ان کا چلنے نہ دیا بلکہ ان کے داؤ پیچ خود انہی پر الٹ پڑے۔ جس نے حق پرستوں کا تعاقب کیا مارا گیا اور قوم کی قوم کا بیڑا بحر قلزم میں غرق ہوا۔ اس طرح اس مرد مومن کو بھی خدا تعالیٰ نے فرعونیوں کے مکر سے بچالیا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ رہتی دنیا تک ہر صبح وشام فرعونیوں کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ بدکارو! تمہاری اصلی جگہ یہی ہے تا کہ ان کے رنج وغم بڑھیں ان کی ذلت وتوہین ہو اور نمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں یہ عالم برزخ کا حال بیان ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا النار یعرضون علیھا غدواً و عشیاً وہ لوگ یعنی فرعونی صبح وشام آگ یعنی جہنم کے سامنے لائے جاتے ہیں تو یہ ثبوت عالم برزخ اور اثبات عذاب قبر میں ایک نص صریح ہے جس کا ذکر احادیث میں بکثرت آیا ہے۔ یہاں حق تعالیٰ نے عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر صاف فرمایا ہے۔ ایک کمتر درجہ کا عذاب جو قیامت کے آنے سے پہلے فرعون اور آل فرعون کو برابر دیا جارہا ہے اور وہ یہ کہ انہیں صبح و شام جہنم کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ لرزتے اور ہول کھاتے رہتے ہیں کہ یہ ہے وہ نار جہنم جس میں آخر کار ہمیں جانا ہے۔ اس کے بعد جب قیامت آجائے گی اور عالم برزخ ختم ہو کر عالم آخرت شروع ہو گا تو انہیں وہ اصلی اور بڑی سزا دی جائے گی جو ان کے لئے مقرر ہے یعنی وہ اسی نار جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے جس کا نظارہ انہیں قیامت کی گھڑی تک کرایا جاتا رہے گا اور یہ معاملہ صرف فرعون اور آل فرعون ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جیسا کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے تمام مجرموں کو موت کی گھڑی سے لے کر قیامت تک یعنی عالم برزخ یا عالم قبر میں برابر وہ انجام بد نظر آتا رہتا ہے جس سے عالم آخرت میں انہیں دوچار ہونا ہے اور اسی طرح تمام نیک لوگ اور صالحین کو وہ انجام خیر نظر آتا رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عالم آخرت میں مہیا کر رکھا ہے۔ بخاری اور مسلم کی صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی مرتا ہے اسے صبح وشام اس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی رہتی ہے خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں تو اس وقت جائے گا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تجھے دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور بلائے گا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت مذکورہ سے برزخ میں ارواح پر عذاب ثابت ہوتا ہے باقی ان روحوں کے سبب سے قبور میں جسموں کا بھی معذب ہونا تو اس کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے اور احادیث اس بات میں بکثرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے عذاب قبر سے بچاویں اور قبر کو ہمارے لئے راحت وآرام کی جگہ بنادیں۔ آمین۔

اب چونکہ یہاں فرعون اور آل فرعون کے لئے عذاب جہنم کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے جہنم میں کفار کا جو جھگڑا چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان ہو گا اس کا حال ظاہر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! ہماری ہر طرح سے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حفاظت ونگرانی فرمایئے اور اپنے ہر معاملہ کو آپ کے سپرد کرنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔ یا اللہ! ایمان واسلام کی برکت سے ہمیں دنیا میں بھی امن وعافیت نصیب فرمایئے۔ اور موت کے بعد عالم برزخ میں بھی راحت نصیب فرمایئے اور پھر آخرت میں اپنی دائمی نعمتوں کی جگہ جانا نصیب فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

اور جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ

سے آگ کا کوئی جزو ہٹا سکتے ہو۔ وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ

قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ

بندوں کے درمیان فیصلہ کرچکا۔ اور جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے موکل فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو

عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ

کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے۔ فرشتے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے تھے (دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے۔

قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

فرشتے کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے۔

وَاِذْ اور جب	يَتَحَآجُّوْنَ وہ باہم جھگڑیں گے	فِي النَّارِ آگ (جہنم) میں	فَيَقُوْلُ تو کہیں گے	الضُّعَفٰٓؤُا کمزور	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کو جو		
اسْتَكْبَرُوْا وہ بڑے بنتے تھے	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	لَكُمْ تمہارے	تَبَعًا تابع	فَهَلْ تو کیا	اَنْتُمْ تم	مُّغْنُوْنَ دُور کردو گے	
عَنَّا ہم سے	نَصِيْبًا کچھ حصہ	مِّنَ سے۔کا	النَّارِ آگ	قَالَ کہیں گے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اسْتَكْبَرُوْا بڑے بنتے تھے	اِنَّا بیشک ہم
كُلٌّ سب	فِيْهَآ اس میں	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	قَدْ حَكَمَ فیصلہ کرچکا ہے	بَيْنَ الْعِبَادِ بندوں کے درمیان	وَقَالَ اور کہیں گے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	
فِي النَّارِ آگ میں	لِخَزَنَةِ نگہبان۔داروغہ (جمع) کو	جَهَنَّمَ جہنم	ادْعُوْا تم دعا کرو	رَبَّكُمْ اپنے رب سے	يُخَفِّفْ ہلکا کردے		
عَنَّا ہم سے	يَوْمًا ایک دن	مِّنَ الْعَذَابِ سے۔کا عذاب	قَالُوْٓا وہ کہیں گے	اَوَ کیا	لَمْ تَكُ نہیں تھے	تَاْتِيْكُمْ تمہارے پاس آتے	
رُسُلُكُمْ تمہارے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ نشانیوں کے ساتھ	قَالُوْا وہ کہیں گے	بَلٰى ہاں	قَالُوْا وہ کہیں گے	فَادْعُوْا تو تم پکارو	وَمَا اور نہ	
دُعٰٓؤُا پکار	الْكٰفِرِيْنَ جمع (کافر)	اِلَّا مگر	فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں (بے سود)				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں یہ بتایا گیا تھا کہ جب وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کو سمندر میں غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ یہ انجام تو متکبر فرعون اور اس کے ساتھیوں کا دنیا میں ہوا۔ اور مرنے کے بعد اب عالم برزخ میں حشر تک ان سب کو روزانہ صبح وشام وہ نار جہنم دکھائی جاتی رہے گی جس میں بالآخر ان کو جانا ہے اور جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں یہ حکم صادر فرمائیں گے کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں سمیت اس نار جہنم میں جو سخت ترین عذاب ہے داخل کر دو۔ اب چونکہ عذاب جہنم کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جہنمی جہنم میں داخل ہو کر جہاں اور عذابوں کو برداشت کریں گے وہاں ایک عذاب ان فرعونیوں کو دوسرے جہنمیوں کو آپس کی تکا فضیحتی اور لڑائی جھگڑے کا بھی ہوگا۔ دنیا میں عموماً اور

اکثر و بیشتر دو ہی طبقات کے آدمی ہیں۔ امیر اور غریب۔ بادشاہ اور رعایا۔ زردار و نادار۔ مالک و مملوک۔ کمزور وطاقتور۔ استاد وشاگرد۔ گرو اور چیلے۔ لیڈر اور پیشوا اور ان کے پیچھے چلنے والے غرض ایک گروہ اونچا ہے دوسرا نیچا ہے۔ ایک بالادست ہے تو دوسرا زیردست ہے۔ نچلا طبقہ عموماً بالا طبقہ کی برتری کا قائل ہو کر اس کا ساتھ دیتا ہے اور بے چوں و چرا اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اب اگر بالا گروہ واقعی حق پرست ہادی اور مہدی ہے تو پیچھے چلنے والا سارا گروہ ہدایت یافتہ بن جاتا ہے اور اگر پیشوا اور رہنما حاکم اور لیڈر گمراہ ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنے متبعین کو بھی گمراہ کرتا ہے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن حق و باطل کے فیصلہ کے بعد جب ان تمام گمراہ لیڈروں اور جھوٹے پیشواؤں اور ان کے ساتھ ان کے پیروکاروں کا اجتماع جہنم میں ہوگا تو اس وقت اس بہکی ہوئی رعایا اور نادان چیلوں اور بے عقل پیروؤں کو اپنی غلط روی کا یقین آئے گا اور اپنے پیشواؤں سے مدد کی درخواست کریں گے۔ چھوٹے بڑوں سے یعنی تابعداری کرنے والے اور حکم و احکام کے ماننے والے جن کی بڑائی اور برتری کے قائل تھے اور جن کی باتیں دنیا میں تسلیم کیا کرتے تھے اور جن کے کہے ہوئے پر عامل تھے۔ ان سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تو تمہارے تابع فرمان رہے جو تم نے کہا ہم بجا لائے۔ کفر و گمراہی کے جو احکام بھی تمہاری بارگاہ سے صادر ہوئے تمہاری حکومت اور سرداری کی بناء پر ہم سب کو مانتے رہے جس کی بدولت آج ہم بھی پکڑے گئے اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ۔ دنیا میں تو تم بڑے طنطنے سے اپنی سرداری ہم پر چلاتے تھے اب یہاں اس آفت میں پھنسے ہیں جو تمہاری ہی بدولت ہم پر آئی ہے تو اب یہاں کچھ تو ہمارے کام آؤ۔ ان بیچاروں کو یہ کہنے کی جرأت تو نہ ہوگی کہ تم دوزخ سے ہمیں بالکل بچالو ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے تابع اور پیرو تھے۔ آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر لینی چاہئے۔

دیکھتے نہیں آج ہم کس قدر مصیبت میں ہیں کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اس مصیبت کا کوئی حصہ ہم سے ہلکا کردو۔ اب دنیا میں جو بڑے بنتے تھے اور لیڈری اور پیشوائی کا دم بھرتے تھے۔ اس وقت خود بے بس ہوں گے۔ دنیوی وجاہت اور اقتدار ان کے پاس نہ ہوگا۔ ان کی بڑائی اور تکبر کی قلعی کھل چکی ہوگی وہ جواب دیں گے کہ آج ہم اور تم سب اسی مصیبت میں مبتلا ہیں ہم بھی تو تمہارے ساتھ جل بھن رہے ہیں۔ ہمیں جو عذاب ہو رہے ہیں وہ کیا کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فیصل کر چکا جو بالکل قطعی اور اٹل ہے اب موقع نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے جب ہم اپنی تکلیف ہی کم نہیں کر سکتے تو تمہارے دکھ میں کیا تخفیف کر سکتے ہیں۔ اب تو ہم سب ایک ناؤ میں سوار ہیں۔ جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا۔ اس میں کمی ناممکن ہے پھر جس طرح دنیا کے جیل خانوں کے نگہبان اور داروغہ اور محافظ سپاہ ہوتے ہیں اسی طرح فرشتے جہنم کے انتظامات پر مسلط ہوں گے۔ جب جہنمی چھوٹے اور بڑے، نیچے اور اونچے، کمزور اور قوی، راجہ اور پرجا سب بے کسی کی حالت میں مجبور ہوں گے تو جہنم کے نگران فرشتوں سے سفارش کی درخواست کریں گے کہ تم ہی اپنے رب سے درخواست کر کے کوئی دن تعطیل کا کرا دو جس میں ہم پر سے کچھ تو عذاب ہلکا ہو جایا کرے۔ یہاں آیت میں یوما کا لفظ آیا ہے یعنی جہنمی درخواست کریں گے کہ کسی طرح ایک دن کا عذاب ہی ہلکا ہو جائے۔ تو اس جگہ دن سے مراد نہ قیامت کا دن ہے اور نہ دنیا کا دن مراد ہے۔ دوزخ میں سورج کا طلوع اور غروب کہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ یوماً سے قلیل مدت مراد ہے یعنی کبھی ذرا سی دیر کے لئے تو عذاب ہم سے ہلکا ہو جائے۔ جہنم کے نگران اور عذابوں پر مسلط فرشتے ان کو کورا جواب دیں گے بلکہ اور مزید شرمندہ کرنے کے لئے کہیں گے کہ کیا اللہ کے پیغمبر اللہ کے احکام واضحہ لے کر تمہارے پاس نہیں پہنچے تھے۔ یعنی اب تم کو معذرت کا کیا موقع ہے کیا تم اللہ کے احکام اور احکام کی

خلاف ورزی کی سزا سے ناواقف تھے کیا قانون الٰہیہ کا تم کو علم نہ ہوا تھا اس وقت ان پیغمبروں کی بات نہ مانی اور انجام کی فکر نہ کی کہ کچھ کام آتا۔ اب موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ کوئی سعی یا سفارش یا خوشامد درآمد کام نہیں دے سکتی بس اب پڑے چیختے چلاتے رہو نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں نہ تمہاری چیخ و پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ جہنمی اس سے تو انکار نہ کر سکیں گے کہ رسولوں کے زبانی خدائی احکام دنیا میں نہ پہنچے تھے اس لئے جواباً کہیں گے کہ ہاں احکام تو ضرور پہنچے تھے اس پر فرشتے بطور تشنیع کہیں گے کہ اب تم خود دعا کرو، ہم تو تمہاری طرف سے کوئی عرض جناب باری تعالیٰ کی درگاہ میں نہیں کر سکتے۔ بلکہ اب ہم تمہاری ہائے واویلا کا بھی خیال نہیں کریں گے۔ ہم خود تم سے بیزار اور تمہارے دشمن ہیں۔ اور ہم تمہیں بتلائے دیتے ہیں کہ خواہ تم دعا کرو خواہ تمہارے لئے کوئی اور دعا کرے ناممکن ہے کہ تمہارے عذابوں میں کمی ہو۔ کافر کی دعا نامقبول اور مردود ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا وما دعٰٓؤا الکٰفرین الا فی ضلٰل. کافروں کی دعا محض بے اثر ہے تو یہ آخرت کے متعلق ہے کہ جہاں کافروں کی دعاؤں کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ باقی دنیا میں کافر کے مانگنے پر کوئی چیز اللہ تعالیٰ دے دیں وہ دوسری بات ہے اور آیت میں اس کی نفی نہیں جیسے ابلیس کو قیامت تک کی مہلت دے دی۔ یا جیسے دنیا میں مظلوم کافروں کی بھی دعا سنی جاتی ہے تو یہاں اس آیت میں کافر کی دعا کی نا قبولیت کی تصریح قیامت کے دن کی دعاؤں سے ہے۔

اب جس مقصد کے لئے یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا سنایا گیا اس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اس دنیا میں ہمیں حق پر قائم رکھیں اور حق کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو بھی ہدایت نصیب فرمایئے اور ہمارے بڑوں اور چھوٹوں کو بھی ہدایت عطا فرمایئے۔

یا اللہ ہم کو اور ہمارے بڑوں اور چھوٹوں کو سب کو عذاب آخرت سے دور رکھئے اور ہم کو رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی شریعت کا ظاہر اور باطن میں متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ! جہنم تو دراصل کافروں ہی کے لئے تیار کی گئی ہے اپنی رحمت سے ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو عذاب جہنم سے محفوظ فرمایئے۔

یا اللہ! کفار سے جو جہنم میں گرفتار عذاب ہوں گے فرشتے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کے پیغمبر نہیں آئے تھے اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلا۔ تے تھے ان کا کہنا نہ ماننے ہی سے تم کو جہنم میں آنا پڑا۔

یا اللہ! آج امت مسلمہ کے ان افراد کے لئے جو اپنے نبی علیہ السلام کا کہنا نہیں مان رہے یہ کتنا بڑا عبرت و نصیحت کا موقع ہے۔

یا اللہ! ہم کو اور امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پکا و سچا تابعدار امتی بنا کر زندہ رہنا نصیب فرما۔

یا اللہ! ہمارے مقتدا اور پیشوا خواہ دینی ہوں یا دنیاوی سب کو ہدایت سے نواز دے اور سب کو اپنے متبعین کو نیک راستہ دکھانے اور نیکی پر چلانے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝۵۱ يَوْمَ

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اعمال نامے لکھتے تھے) گواہی کیلئے کھڑے ہونگے۔ جس دن

لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۵۲ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

کہ ظالموں (یعنی کافروں) کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی۔ اور ان کیلئے لعنت ہوگی اور ان کیلئے اس عالم میں خرابی ہوگی۔ اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ (یعنی توریت) دے چکے ہیں۔

الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝۵۳ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۵۴

اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت (کی کتاب) تھی اہل عقل (سلیم) کیلئے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۵۵

سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے (اس) گناہ کی (جس کو مجازاً گناہ کہہ دیا) معافی مانگیئے۔ اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ

(اور) جو لوگ بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس موجود ہو خدائی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں ان کے دلوں میں نری بڑائی (ہی بڑائی) ہے

مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۵۶

کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہیئے۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔

اِنَّا بیشک ہم	لَنَنْصُرُ ضرور مدد کرتے ہیں	رُسُلَنَا اپنے رسول (جمع)	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	فِي میں	الْحَيٰوةِ زندگی	
الدُّنْيَا دنیا	وَيَوْمَ اور جس دن	يَقُوْمُ کھڑے ہونگے	الْاَشْهَادُ گواہی دینے والے	يَوْمَ جس دن	لَا يَنْفَعُ نفع نہ دے گی	الظّٰلِمِيْنَ جمع ظالم	
مَعْذِرَتُهُمْ انکی عذرخواہی	وَلَهُمُ اوران کیلئے	اللَّعْنَةُ لعنت	وَلَهُمْ اوران کیلئے	سُوْٓءُ الدَّارِ برا گھر (ٹھکانا)	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور تحقیق ہم نے دی		
مُوْسَى موسیٰ	الْهُدٰى ہدایت	وَاَوْرَثْنَا اور ہم نے وارث بنایا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	الْكِتٰبَ کتاب توریت	هُدًى ہدایت		
وَذِكْرٰى اور نصیحت	لِاُولِي الْاَلْبَابِ عقل مندوں کیلئے	فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا		
وَاسْتَغْفِرْ اور مغفرت طلب	لِذَنْبِكَ اپنے گناہوں کیلئے	وَسَبِّحْ اور پاکیزگی بیان کریں	بِحَمْدِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کی تعریف کیساتھ				
بِالْعَشِيِّ شام	وَالْاِبْكَارِ اور صبح	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يُجَادِلُوْنَ جھگڑتے ہیں	فِيْٓ میں	اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات	بِغَيْرِ بغیر
سُلْطٰنٍ کسی سند	اَتٰهُمْ ان کے پاس آئی ہو	اِنْ نہیں	فِيْ میں	صُدُوْرِهِمْ ان کے سینے (دل)	اِلَّا سوائے	كِبْرٌ تکبر	مَا هُمْ نہیں وہ
بِبَالِغِيْهِ اس تک پہنچنے والے	فَاسْتَعِذْ پس آپ پناہ چاہیں	بِاللّٰهِ اللہ کی	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ السَّمِيْعُ وہی سننے والا	الْبَصِيْرُ دیکھنے والا		

تفسیر و تشریح: گذشتہ تین رکوعات میں مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جو قصہ سنایا گیا وہ عین ان کے حالات کے مطابق تھا جن حالات میں کہ اس سورۃ کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا۔ اس سورۃ کے ابتدائی درس میں یہ بتلایا جاچکا ہے کہ جن حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی

ہے اس وقت کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اسلام کے خلاف نہ صرف یہ کہ طرح طرح کے الزامات لگائے۔ الٹے سیدھے سوالات کرتے اور بیکار کے جھگڑے اور بحثیں نکالتے اور شکوک و شبہات پیدا کرتے بلکہ اس کی بھی سازشیں ہو رہی تھیں کہ معاذ اللہ آپ کو قتل کر کے اس تمام قصہ کی بنیاد ہی کو ختم کر دیں۔ اسی صورت حال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مذکور قصہ سنایا گیا جس میں تین مختلف سبق دیئے گئے۔

اول کفار مکہ کو بتایا گیا کہ تم جو کچھ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرنا چاہتے ہو یہی اپنی طاقت کے بھروسے پر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کرنا چاہتا تھا مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا اور تکذیب رسول اور عداوت پیغمبر کے باعث بالآخر ہلاکت سے دوچار ہوا تو کیا تم بھی اللہ کے رسول کے ساتھ وہی حرکتیں کر کے اسی انجام بد سے دوچار ہونا چاہتے ہو۔

دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو سبق دیا گیا کہ یہ مخالفین بظاہر کتنے ہی بالا دست ہوں اور ان کے مقابلہ میں اہل اسلام خواہ کتنے ہی کمزور اور بے بس ہوں مگر یہ یقین رکھنا چاہئے کہ جس خدا کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے اہل اسلام کھڑے ہوئے ہیں اس خدا کی نصرت آ کر رہے گی اور آج کے فرعونی بھی وہی کچھ دیکھ لیں گے جو گذشتہ فرعونی دیکھ چکے ہیں مگر وہ وقت آنے تک جو ظلم و ستم بھی معاندین و مخالفین کی طرف سے آئے اس کو صبر و ہمت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرنا ہوگا اور بالآخر کامیابی اور کامرانی اللہ کے رسول اور اُن کے متبعین ہی کو نصیب ہوگی۔

تیسرے اس گروہ کو بھی اس میں سبق دیا گیا کہ جو دلوں میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو مان چکے تھے مگر کفار قریش کی زیادتیوں کے خوف سے خاموشی کے ساتھ اس حق و باطل کی کشمکش کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہیں آل فرعون کے مرد مومن کے واقعات سنا کر جتلایا گیا کہ کس طرح اس مرد مومن نے فرعون کے بھرے دربار میں حق کا ساتھ دیا اور ساری مصلحتوں کو ٹھکرا کر حق کا اعلان کیا اور اس کے بعد دیکھ لو کہ فرعون اس مرد مومن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ میں فرعونیوں کی بربادی اور موسیٰ علیہ السلام کی سلامتی و کامیابی کا ذکر کرنے کے بعد آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد غیبی کچھ موسیٰ علیہ السلام ہی کے ساتھ موقوف نہ تھی بلکہ وہ اپنے سب رسولوں اور ان کے ماننے والوں کی مدد فرماتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ان کے دشمنوں کو دنیا میں بھی ذلیل ہونا پڑتا ہے اور قیامت کے دن بھی ظالموں کو کوئی عذر و معذرت فائدہ نہ دے گی۔ جب میدان حشر میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے تو حق تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے انبیاء و رسل اور ان کے متبعین کی سر بلندی عزت و رفعت کو ظاہر فرماویں گے۔ یہاں پہلی ہی آیت میں جو یہ فرمایا گیا **انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد** ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی جس میں کہ گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے مراد یوم قیامت ہے۔ اب یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ آیت میں رسولوں اور ان کے متبعین کی مدد کرنے کا خدا کا وعدہ ہے پھر بھی بعض انبیاء مخالفین کے ہاتھوں شہید ہوئے جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہم السلام اور بعض انبیاء کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ انہیں خدائے تعالیٰ نے آسمان کی طرف ہجرت کرائی۔ پھر اہل حق بکثرت میدان

جنگ میں شہید بھی ہوئے۔ جنگ احد میں صحابہ کرام نے نقصان اٹھایا۔ یزیدی فوجوں کے ہاتھوں حضرت حسینؓ اور آپ کے رفقاء کو شہادت ملی۔ تو اس آیت کے موافق ہر ایک کو فتحیاب ہونا چاہئے۔ کسی پیغمبر صحابی یا ولی کی شہادت تو ایک طرف رہی کسی کو عارضی شکست بھی نہ ہونا چاہئے تھی۔ ان مذکورہ حالات میں یہ وعدہ پورا کیوں نہیں ہوا؟ اس شبہ کے ازالہ میں مفسرین نے متعدد جوابات دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ آیت میں عمومی ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے اور پیغمبروں ہی کو اللہ کی طرف سے نصرت ملتی ہے لیکن نصرت الٰہی دو طرح سے حاصل ہوئی ہے ایک تو یہ کہ پیغمبروں پر کافروں کو غالب نہ کیا جائے بلکہ ان کے دشمنوں اور ایذا پہنچانے والوں کو ہلاک کر دیا جائے تو ایسا بھی بکثرت ہوا ہے دوسرے یہ کہ بعض انبیاء کو کافروں کے ہاتھوں شہادت ملی یا ترک وطن کرنا پڑا یا کسی اور طرح سے جدا کیا گیا تو پھر اس قوم پر تباہی بھیجی گئی یعنی بدلہ لیا گیا۔ تو یہ بدلہ لینا بھی نصرت الٰہی ہی کی شکل ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جیسے ایذا پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو چنانچہ بنی اسرائیلیوں نے جب بعض پیغمبروں کو شہید کر دیا تو بنی اسرائیل کے دشمن (بخت نصر وغیرہ) ان پر چڑھ آئے اور اتنی خون ریزی بربادی اور بیخ کنی کی کہ جس کا تصور بھی مشکل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد آپ کے مخالف بادشاہ نمرود کو حقیر ترین مخلوق کے ذریعہ سے برباد کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی مگر حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو یہودیوں پر مسلط کر دیا اور یہودیوں کی سخت ذلت اہانت اور تباہی و بربادی ہوئی۔ اور اب جب قیامت کے قریب آپ اتریں گے تو دجال کے ساتھ ان یہودیوں کو جو اس کے لشکری ہوں گے قتل کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مسلمانوں کو پیہم فتوحات حاصل ہوئیں یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا اور کفر کی جڑا کھڑ گئی۔ اسی طرح حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد مختار ثقفی نے قاتلان حسین اور طرفداران یزید کا تختہ تاراج کر دیا۔ تو یہ ہے خدا تعالیٰ کی عظیم الشان مدد اور یہی دستور قدرت ہے جو اب تک جاری ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں کی دنیوی امداد بھی فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں سے خود انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ اس موقع پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ انجام کار مومنین قائمین کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا انتقام لئے بدوں نہیں چھوڑتا۔ لیکن واضح رہے کہ آیت میں جن مومنین کے لئے وعدہ کیا گیا ہے شرط یہ ہے کہ وہ حقیقی مومن اور رسول کے سچے متبع ہوں جیسا کہ سورۂ آل عمران چوتھے پارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا۔ **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم سچے مومن ہو اور مومنین کی خصلتیں قرآن میں جا بجا مذکور ہیں۔ تو چاہئے کہ مسلمان اس کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لیں کہ ہم نصرت خداوندی کے کتنے مستحق ہیں۔

الحاصل گذشتہ آیات میں قدرے تفصیلی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف اور دشمن فرعون اور آل فرعون کی تباہی اور حضرت موسیٰ اور ان کے متبعین کی کامرانی کو بیان فرما کر یہاں ان آیات میں ایک عمومی ضابطہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والواں کی دنیا میں بھی مدد کرتا ہے اور آخرت میں بھی مدد فرمائے گا اور ان کے دشمنوں کو دنیا میں بھی ذلیل ہونا پڑتا ہے اور قیامت کے دن ان پر لعنت اور اللہ کی پھٹکار ہوگی۔ تو اس میں تسلی بھی ہے اور پیشنگوئی بھی ہے کہ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبع بھی منصور

ہوں گے اور آپ کے دشمن مقہور و مغلوب ہوں گے اور الحمد للہ دنیا نے اس پیشین گوئی کی حقانیت کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ سے قبل ہم موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت نامہ یعنی توریت دے چکے ہیں تا کہ دوسرے بنی اسرائیلیوں کو بھی احکام الٰہیہ پہنچ جائیں اور ان کے ہاتھوں میں بھی مکمل حیاۃ دنیوی آ جائے تو اگر چہ احکام الٰہیہ اور کتب سماویہ کی رہنمائی عمومی ہوتی ہے مگر ان سے فائدہ صرف سمجھ دار اور اہل عقل ہی اٹھاتے ہیں اسی طرح قرآن بھی اگر چہ سب لوگوں کے لئے پیام ہدایت ہے مگر نفع اندوز صرف اہل تقویٰ ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے شروع قرآن ہی میں **ذٰلک الکتٰب لاریب فیه هدیً للمتقین** خصوصیت کے ساتھ فرمادیا۔ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی تسلی رکھئے جو وعدہ آپ کے ساتھ ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خداوند قدوس دارین میں آپ کو اور آپ کے طفیل میں آپ کے متبعین کو سربلند کرے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے شدائد ومصائب پر صبر کریں اور جن سے جس درجہ کی تقصیر کا امکان ہو اس کی معافی خدا سے چاہتے رہیں اور ہمیشہ رات دن صبح وشام اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کا قولاً اور فعلاً ورد رکھیں ظاہر و باطن میں اس کی یاد سے غافل نہ ہوں پھر اللہ کی مدد یقینی ہے۔

یہاں آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا **واستغفر لذنبک** اور اپنے گناہ کی معافی چاہئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پیغمبر معصوم تھے آپ کا کوئی گناہ موجود ہی نہ تھا پھر گناہ کی معافی چاہنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ تو علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہاں اگر چہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اس سے مقصود امت کو استغفار کی تلقین دینی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث و مفسر دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سوسو بار استغفار کرتے۔ ہر بندے کی تقصیر اس کے موافق ہے اس لئے ہر کسی کو استغفار ضروری ہے۔

الغرض صبر واستغفار اور تسبیح وتحمید کا حکم دے کر آگے منکرین پر رد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید اور آسمانی کتاب یعنی قرآن کریم اور اس کے پیغمبر کے معجزات و ہدایات میں خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں ان کے ہاتھ میں کوئی حجت اور دلیل نہیں نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی چیزوں میں شک وشبہ کا موقع ہے۔ صرف شیخی اور غرور مانع ہے کہ حق کے سامنے گردن جھکائیں اور پیغمبر کا اتباع کریں۔ وہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں اور کسی کے سامنے جھکنا نہ پڑے لیکن یاد رکھیں کہ وہ اس مقصد کو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ یا پیغمبر کے سامنے سراطاعت جھکانا پڑے گا ورنہ سخت ذلیل وخوار ہوں گے الحمد للہ کہ اس پیشین گوئی کے موافق کفار مکہ اور مشرکین عرب میں سے جس نے اسلام سے اور پیغمبر اسلام سے انحراف برتا وہ ذلیل وخوار ہی ہوئے تاریخ گواہ ہے کہ مشرکین کا سارا زور بدر کی لڑائی میں ڈھے گیا کفر کے تمام وزنی ستون اس لڑائی میں یا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن کر نامرادی کے ساتھ گردن جھکائے نظر آنے لگے۔ قید و بند میں جکڑے ہوئے ذلت واہانت کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں لائے گئے پھر وہ وقت بھی آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور دشمنان رسول گردن پر ہاتھ باندھے ہوئے سامنے لائے گئے اور تمام شرک وکفر اور ہر طرح کی بے ادبیوں سے بیت اللہ کو صاف کر دیا گیا اور بالآخر پورا جزیرۂ عرب قبضۂ رسولؐ میں آ گیا اور پھر آپؐ

کے بعد آپ کے سچے اور پکے متبع صحابہ کرام آپ کے جانشین بنے جنہوں نے خدا کی توحید کی طرف خلق خدا کو بلایا اور جو روڑا راہ میں آیا اسے الگ کیا اور جو خار چمن میں نظر پڑا اسے کاٹ ڈالا۔ گاؤں گاؤں شہر شہر ملک ملک دعوت اسلام پہنچا دی مشرق و مغرب میں اسلامی سلطنت پھیل گئی اور زمین پر اور زمین والوں کے جسموں ہی پر صحابہ کرام نے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کے دلوں پر بھی فتح حاصل کی اور اسلامی نقوش دلوں میں جما دیئے اور دین محمدی نے زمین کے کونہ کونہ اور چپہ چپہ میں اپنی دعوت پہنچا دی الغرض منکرین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی پیشین گوئی فرما دی گئی کہ یہ جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور اتباع رسول سے انہیں عار آتا ہے اور خود اوروں ہی کو اپنا تابع بنانے کی ہوس رکھتے ہیں لیکن یہ بڑائی ان کو نصیب نہ ہوگی یا تو پیغمبر کے سامنے ان کا سر اطاعت جھکے گا یا پھر ذلیل وخوار ہوں گے۔

اخیر میں فرمایا کہ جب یہ خود بڑائی چاہتے ہیں تو آپ سے یہ حسد وعداوت سب کچھ کریں گے لیکن آپ اندیشہ نہ کیجئے بلکہ ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے اور حقیقت حال سے پورا واقف ہے۔

اب جن باتوں میں منکرین جھگڑتے تھے مثلاً مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کے آنے میں اس کا رد اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پکا اور سچا متبع بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے دنیا میں بھی ہماری نصرت اور امداد فرمائیں اور آخرت میں بھی ہماری مغفرت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے وعدوں پر یقین نصیب فرمائیں اور ہم کو دین کے لئے مشقت اٹھانے میں صبر واستقلال نصیب فرمائیں اور اپنے گناہوں اور تقصیرات پر استغفار کرنا اور دائمی حق تعالیٰ کا ذکر وفکر اور تسبیح وتہلیل کرنا نصیب فرمائیں اور کبر اور بڑائی چاہنا جو کافروں کی خصلت ہے اس سے ہمارے قلوب کو پاک فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

بالیقین آسمانوں اور زمین کا (ابتداء) پیدا کرنا آدمیوں کے (دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر آدمی (اتنی بات) نہیں سمجھتے

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا

اور بینا نابینا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور (دوسرے) بدکار باہم برابر نہیں ہوتے تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔

مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

قیامت تو ضرور ہی آکر رہے گی اس (کے آنے) میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں مگر اکثر لوگ نہیں مانتے

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ

اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں۔

سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

لَخَلْقُ یقیناً پیدا کرنا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	اَكْبَرُ بہت بڑا	مِنْ سے	خَلْقِ النَّاسِ لوگوں کو پیدا کرنا	وَلٰكِنَّ اور لیکن	
اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ جانتے (سمجھتے) نہیں	وَمَا يَسْتَوِي اور برابر نہیں	الْاَعْمٰى نابینا	وَالْبَصِيْرُ اور بینا			
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو لوگ ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے عمل کئے	وَلَا الْمُسِيْٓءُ اور نہ بدکار	قَلِيْلًا بہت کم					
مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ جو تم غور و فکر کرتے ہو	اِنَّ بیشک	السَّاعَةَ قیامت	لَاٰتِيَةٌ ضرور آنے والی	لَا رَيْبَ نہیں شک	فِيْهَا اس میں	وَلٰكِنَّ اور لیکن	
اَكْثَرَ اکثر	النَّاسِ لوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لاتے	وَقَالَ اور کہا	رَبُّكُمُ تمہارے رب نے	ادْعُوْنِيْٓ تم دعا کرو مجھ سے		
اَسْتَجِبْ میں قبول کروں گا	لَكُمْ تمہاری	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	يَسْتَكْبِرُوْنَ تکبر کرتے ہیں	عَنْ سے	عِبَادَتِيْ میری عبادت	
سَيَدْخُلُوْنَ عنقریب وہ داخل ہوں گے	جَهَنَّمَ جہنم	دٰخِرِيْنَ خوار ہو کر					

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں منکرین حق کا ذکر ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں اور ان پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں تو ان کے ایسا کرنے کی کوئی معقول وجہ ان کے پاس نہیں۔ وہ اپنے اس طور طریقہ کی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ ان پر فقط یہ خبط سوار ہے کہ ہم بڑے بن کر رہیں اور دوسروں کو اپنا تابع بنا کر رکھیں لیکن ان کو یہ بڑائی کبھی نصیب نہ ہوگی بلکہ جلدی ہی وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ اب آگے ان آیات میں ان امور میں منکرین کا رد فرمایا گیا جن امور میں وہ جھگڑتے تھے اور ان کو ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ مثلاً ان کا جھگڑا ایک تو بعث بعد الموت کے متعلق تھا یعنی مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونے کو وہ نہیں مانتے تھے دوسرے قیامت کے متعلق وہ انکار کرتے تھے اور تیسرے توحید کے متعلق ان کا جدال تو مشہور تھا کہ وہ خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے تھے آج بھی ایسے بے بہرہ اور کم فہم موجود ہیں کہ جن کی ساری معلومات حسی دائرہ کے اندر بند ہیں جو چیز ان کے حسی ادراک سے خارج ہو وہ ان کے لئے نا قابل قبول ہے اسی لئے وہ دوسری زندگی کے امکان کو

اچنبھے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور قیامت اور اسکی جزا وسزا کو تو حقیقت واقعیہ نہیں جانتے اسی طرح غیر محسوس خدا کی ہستی کا اقرار ان کو بعید از فہم معلوم ہوتا ہے تو قدیم زمانہ کے کفار ومشرکین ہوں یا جدید وقت کے کمیونسٹ دہریئے بے دین ہوں ان کا سرمایہ جدال آخرت وقیامت کا انکار ہے اور بقول ان کے جب قیامت وآخرت کا امکان نہیں تو اخروی جزا وسزا کا کیا امکان اور جب جزا وسزا سے بے نیاز ہو گئے تو خیر وشر اور اچھے برے عمل کی کیا تمیز اور کیا ضرورت اور جب اعمال صالحہ اور فاسدہ کی تمیز ضروری نہیں تو رسالت اور کتب سماویہ اور شریعت الٰہیہ اور خود خدا کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ غرض اس طرح کوتاہ فہم انسان مطلق العنان اور باعث فساد جہان بن کر آزاد رہنا چاہتا ہے۔

الغرض اس وقت کے منکرین نے جو تخلیق ثانی یعنی آخرت کی زندگی اور قیامت کے منکر تھے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت سے اعراض کر کے شرک کرتے تھے ان کے اس تمام خرافات کی تردید اور عقائد باطلہ کا بطلان ان آیات سے شروع کیا گیا ہے اور پورے اگلے رکوع میں بھی یہی مضمون بیان ہوتا چلا گیا ہے۔ پہلے امکان آخرت کی دلیل بیان فرمائی گئی کفار کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد پھر انسانوں کا دوبارہ جی اٹھنا غیر ممکن ہے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ درحقیقت نادان ہیں۔ اگر عقل سے کام لیں تو یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہ ہو کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان کائنات پیدا فرمائی ہے اس کے لئے ایک مرے ہوئے انسان کو دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل بات ہے۔ انسان اگر غور کرے کہ جب یہ کائنات اور زمین وآسمان کچھ بھی نہ تھے تو پھر یہ سنسار کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ کون اس کو لایا؟ اور کس طاقت کے ساتھ لایا؟ ان کا مادہ پہلے کیا تھا اور پھر کیا بنا دیا گیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ مادہ کو عدم سے وجود میں لا کر جب ایسی عظیم الشان کائنات کو اللہ نے پیدا کر دیا تو ایک انسان کے موجودہ مادہ کے پراگندہ ذرات کو اکٹھا کر کے جوڑنا اور جیتا جاگتا انسان دوبارہ بنا دینا کیا دشوار ہے یہ تو مشرکین عرب بھی تسلیم کرتے تھے کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا خداوند قدوس ہے تو پھر جس نے اتنی بڑی مخلوق کو پیدا کیا جس کے سامنے مادی حیثیت سے انسان کی کیا حقیقت ہے تو انسانوں کا پہلی بار یا دوسری بار پیدا کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ تعجب ہے کہ ایسی صاف بات کو بھی بہت سے لوگ نہیں سمجھتے۔ آگے ارشاد ہے کہ ایک اندھے کو جیسے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوجھتا اور وہ خوبصورتی اور بدصورتی میں کوئی فرق نہیں کر سکتا اور سیدھا اور ٹیڑھا راستہ اس کی نظر میں ایک جیسا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ ٹیڑھے راستہ پر چل کر کہیں کھائی اور خندق میں گر کر ہلاک ہو جائے یا کوئی موذی جانور اس کو کاٹ لے یا کوئی درندہ اس کو پھاڑ لے اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے اور اچھے برے کی تمیز کرتا ہے خوبصورت خوش رنگ اور بدصورت بدرنگ میں امتیاز کر سکتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح کیا ایک نیکوکار مومن اور بدکار کافر کا انجام یکساں ہوسکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہئے جب ان کا باہمی فرق کھلے اور دونوں کے علم وعمل کے ثمرات اپنی صورت میں ظاہر ہوں اور اسی کو یوم قیامت کہا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ منکرین صرف عناد وشرارت سے وجود قیامت کا انکار کرتے ہیں آگے حق تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ قیامت تو ضرور ہی آکر رہے گی۔ اس کے آنے میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں۔ مگر اکثر لوگ اس کو نہیں مانتے اب قیامت وآخرت کے بعد توحید پر کلام شروع ہو رہا ہے کہ جس میں منکرین جدال اور نزاع کرتے تھے اور خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے اس کے متعلق ارشاد ہے کہ تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ غیروں کو حوائج کے لئے مت پکارو بلکہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست کو قبول کروں گا اور جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں جس میں مجھ سے دعا مانگنا بھی داخل ہے اور غیروں کو پکارتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں یعنی جو لوگ توحید سے اعراض کر کے شرک کرتے ہیں وہ عنقریب مرنے کے بعد ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے (نفع کے) لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اُسی نے دن کو (دیکھنے کیلئے) روشن بنایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ

بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی (ان نعمتوں کا) شکر نہیں کرتے یہ اللہ ہے تمہارا رب وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

اسکے سوا کوئی لائق نہیں سو (بعد اثبات توحید کے) تم لوگ شرک کر کے کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔ اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور آسمان کو (مثل) چھت (کے) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ

اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں (پس) یہ اللہ ہے تمہارا رب سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ وہی زندہ رہنے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں

اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾

سو تم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارا کرو۔ تمام خوبیاں اسی اللہ کیلئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا

اَللّٰهُ اللہ	الَّذِیْ وہ جس نے	جَعَلَ بنائی	لَكُمْ تمہارے لئے	الَّیْلَ رات	لِتَسْكُنُوْا تاکہ تم سکون حاصل کرو	فِیْهِ اس میں	وَالنَّهَارَ اور دن
مُبْصِرًا دکھانے کو	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَذُوْ فَضْلٍ فضل والا	عَلَى النَّاسِ لوگوں پر	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	
لَا یَشْكُرُوْنَ شکر نہیں کرتے	ذٰلِكُمُ یہ ہے	اللّٰهُ اللہ	رَبُّكُمْ تمہارا پروردگار	خَالِقُ پیدا کرنیوالا	كُلِّ شَیْءٍ ہر شے	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود
اِلَّا هُوَ اس کے سوا	فَاَنّٰى تو کہاں	تُؤْفَكُوْنَ تم اُلٹے پھرے جاتے ہو	كَذٰلِكَ اسی طرح	یُؤْفَكُ اُلٹے پھر جاتے ہیں	الَّذِیْنَ وہ لوگ جو		
كَانُوْا تھے	بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات سے۔کا	یَجْحَدُوْنَ وہ انکار کرتے	اَللّٰهُ اللہ	الَّذِیْ وہ جس نے	جَعَلَ اس کو بنایا	لَكُمْ تمہارے لئے	
الْاَرْضَ زمین	قَرَارًا قرار گاہ	وَالسَّمَآءَ اور آسمان	بِنَآءً چھت	وَصَوَّرَكُمْ اور تمہیں صورت دی	فَاَحْسَنَ تو بہت ہی حسین		
صُوَرَكُمْ تمہیں صورت دی	وَرَزَقَكُمْ اور تمہیں رزق دیا	مِنَ سے	الطَّیِّبٰتِ پاکیزہ چیزیں	ذٰلِكُمْ یہ ہے	اللّٰهُ اللہ	رَبُّكُمْ تمہارا پروردگار	
فَتَبٰرَكَ سو برکت والا	اللّٰهُ اللہ	رَبُّ پروردگار	الْعٰلَمِیْنَ سارے جہان	هُوَ وہی	الْحَیُّ زندہ رہنے والا	لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود
اِلَّا هُوَ سوائے اس کے	فَادْعُوْهُ پس تم پکارو اسے	مُخْلِصِیْنَ خالص کر کے	لَهُ الدِّیْنَ اس کیلئے عبادت	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ کیلئے			
رَبِّ پروردگار	الْعٰلَمِیْنَ سارے جہان						

تفسیر وتشریح: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے لئے استحقاق الوہیت ثابت کرنے کے لئے جا بجا اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا تذکرہ کرتا ہے اور اس کی شان الوہیت کو بیان فرما کر اس کی وحدت اور معبودیت پر استدلال کرتا ہے۔ یہاں ان آیات میں رات اور

دن کو دلیل توحید کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور دن و رات کے فوائد بیان فرما کر اپنی شان ربوبیت کا اظہار فرمایا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے رات و دن بنائے اور ان کا باقاعدگی کے ساتھ آنا اور جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ زمین اور سورج پر ایک ہی خدا حکومت کر رہا ہے پھر یہ شب و روز اور لیل ونہار کا چکر اس نے کیوں بنایا؟ کیا اس سے کوئی اس کا ذاتی مفاد وابستہ ہے نہیں بلکہ اس سارے چکر کی غرض صرف یہ ہے کہ اس کی مخلوق انسان کو فائدہ پہنچے۔ رات کی ٹھنڈ اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں اور جسمانی راحت حاصل کرتے ہیں۔ دل کو چین وسکون میسر ہوتا ہے بدن اور اعضاء کی تھکاوٹ دور ہوتی ہے اور جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اس کے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لئے مصنوعی روشنی کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ تو یہ رات اور دن کا الٹ پھیر انسان اور دوسری زمینی مخلوقات کے لئے نفع بخش اور فائدہ مند ہونا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس خالق اور مالک اور منعم نے یہ سارا نظام کمال درجہ حکمت کے ساتھ اس طرح بنایا ہے کہ وہ اس کی مخلوقات کے لئے نافع ہو۔ تو منعم حقیقی کی حق شناسی یہ تھی کہ قول و فعل اور جان و دل سے اس کا شکر ادا کرتے اس کا احسان مانتے ۔اس کی توحید قبول کرتے۔ نہ کہ الٹا اس سے بغاوت و سرکشی اور شرک و کفر کئے چلے جائیں۔ گویا خدا کے منکر اور اس کے ساتھ شرک کرنے والے انسان کو احساس دلایا گیا کہ خدا نے رات اور دن کی شکل میں یہ کتنی بڑی نعمت ان کو عطا کی ہے اور وہ کتنے بڑے ناشکرے ہیں کہ اس کی اس نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی کی عبدیت سے باہر قدم نکالتے ہیں اور اس کے سامنے سر نیاز نہیں جھکاتے اور تکبر اور غرور کے بلند دعوے کرتے

ہیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہی اللہ جس نے تمہارے لئے سب کچھ پیدا کیا ہے تمہارا رب ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے اور مالک ومنعم ہے۔ رات اور دن کی سب نعمتیں اس کی طرف سے مانتے ہو تو بندگی بھی صرف اسی کی ہونی چاہئے۔ تم اس مقام پر پہنچ کر کہاں بھٹک جاتے ہو کہ مالک حقیقی تو کوئی ہو اور بندگی کسی کی کی جائے۔ تم کو یہ الٹی پٹی کون پڑھا رہا ہے کہ جو نہ خالق ہیں نہ پروردگار وہ تمہاری عبادت کے مستحق ہیں؟ اس ایک واحد ذات اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ مالک ہے تو اے اللہ کی توحید میں جدال کرنے والے بیوقوفو تمہارے یہ گمراہ کن پیشوا اور یہ نافہم لیڈر اور یہ کوتاہ بین سردار تمہاری زندگی کے رخ کو کس کی طرف گھما رہے ہیں اور تم کو کہاں لئے جا رہے ہیں۔ پہلے کے مشرکین بھی اسی طرح بہکے اور بے دلیل و حجت غیر خدا کی عبادت کرنے لگے۔ خواہش نفسانی کو سامنے رکھ کر دلائل الٰہیہ کی تکذیب کی اور جہالت کو آگے رکھ کر بہکتے اور بھٹکتے رہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تو ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے قرارگاہ بنایا یعنی ٹھہری ہوئی اور فرش کی طرح بچھی ہوئی کہ اس پر تم اپنی زندگی گزارو آؤ جاؤ چلو پھرو پہاڑوں کو اس زمین پر میخوں کی طرح گاڑ کر اسے ہلنے جلنے سے محفوظ کر دیا پھر اسی زمین کے لئے آسمان کو مثل چھت کے بنا دیا جو ہر طرح محفوظ ہے۔ یعنی تمہارے پیدا کرنے سے پہلے تمہارے لئے کس قدر محفوظ اور پرامن جائے قیام مہیا کی پھر تمہیں پیدا کیا۔ تو اس طرح کہ بہترین صورت عطا فرمائی اور نہایت موزوں جسم اور اعضا عطا کئے۔ یہ سڈول بدن یہ خوبصورت چہرہ یہ موزوں قامت اور یہ مناسب اعضا یہ دیکھنے والی آنکھ یہ سننے والے کان یہ بولتی ہوئی زبان اور یہ بہترین صلاحیتوں کا دماغ تم خود بنا کر نہیں لے آئے تھے نہ تمہارے ماں باپ نے

3 انہیں بنایا تھا نہ کسی دیوی دیوتا اور تمہارے فرضی معبود میں یہ طاقت تھی کہ انہیں بنا تا ان کا بنانے والا وہی ایک حکیم ورحیم اور قادر مطلق ہے پھر تمہیں پیدا کر کے نفیس اور بہترین چیزیں کھانے پینے کو دیں یہ پانی یہ غلے یہ ترکاریاں یہ پھل یہ میوے یہ دودھ یہ گوشت یہ شہد یہ نمک اور مرچ مسالے اور یہ بے شمار اشیاء آخر یہ کس نے زمین پر مہیا کیں اور کس نے یہ انتظام کیا کہ غذا کے یہ بے حساب خزانے زمین سے پے در پے نکلتے چلے آئیں اور ان کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ تمہارا پیدا کرنے والا صرف خالق ہی نہیں رازق اور رب رحیم بھی ہے۔ تو پیدا اس نے کیا۔ بسایا اس نے کھلایا پلایا اس نے پہنایا اڑھایا اس نے۔ پس صحیح معنیٰ میں خالق و رازق وہی رب العالمین ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور سارے جہان کا رب بھی وہی ہے جو بابرکت ہے۔ بلندی پاکیزگی برتری اور بزرگی والا ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ زندہ ہے جس پر کبھی موت وفنا نہیں وہی اول اور آخر ظاہر و باطن ہے۔ اس کا کوئی وصف کسی دوسرے میں نہیں۔ اس کا نظیر اور عدیل کوئی نہیں تو تمہیں چاہیئے کہ اس کی توحید کو مانتے ہوئے اس سے دعائیں کرتے رہو اس کی عبادت میں مشغول رہو۔ اپنی حاجات میں اسی کو پکارو۔ تمام تر تعریفوں اور حمدوں کا مالک و مستحق اللہ رب العالمین ہی ہے۔

غور کیجئے کہ مسئلہ توحید باری تعالیٰ کیسے موثر اور لاجواب عقلی دلائل سے ثابت فرمایا گیا ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ توحید کی حقیقت ہم سب کو نصیب فرمائیں اور اپنی نعمتوں کی سچی قدردانی اور صحیح شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ کفران نعمت کی خصلت سے ہم سب کو بچایئے اور جو یہ جسم و جان و زندگی ہم کو جو آپ نے عطا فرمائی ہے اس کو اپنی مرضیات و طاعت وعبادت میں لگائے رکھنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

یا اللہ بیشک ہمارے خالق و رازق اور مربی آپ ہی ہیں یا اللہ اپنا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا کر ہم کو زندہ رکھئے اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ

آپ (ان مشرکوں کو سنانے کیلئے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کردی گئی ہے کہ میں اُن (شرکاء) کی عبادت کروں جن کو خدا کے سوا تم پکارتے ہو۔ جبکہ میرے پاس

رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

میرے رب کی نشانیاں آچکیں۔ اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں (صرف) رب العالمین کے سامنے گردن جھکالوں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تاکہ تم

شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

بوڑھے ہوجاؤ اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مرجاتا ہے۔ اور تاکہ تم سب (اپنے اپنے) وقت مقرر تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم لوگ سمجھو۔

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع

وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر جب وہ کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہوجاتا ہے۔

قُلْ آپ فرمادیں	اِنِّیْ بیشک میں	نُهِیْتُ مجھے منع کردیا گیا ہے	اَنْ اَعْبُدَ کہ پرستش کروں میں	الَّذِیْنَ وہ جن کی	تَدْعُوْنَ تم پوجا کرتے ہو		
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	لَمَّا جب	جَآءَنِیَ وہ میرے پاس آگئیں	الْبَیِّنٰتُ کھلی نشانیاں	مِنْ رَّبِّیْ میرے رب سے	وَاُمِرْتُ اور مجھے حکم دیا گیا		
اَنْ اُسْلِمَ کہ میں اپنی گردن جھکا دوں	لِرَبِّ پروردگار کیلئے	الْعٰلَمِیْنَ تمام جہان	هُوَ الَّذِیْ وہ جس نے	خَلَقَكُمْ پیدا کیا تمہیں			
مِنْ تُرَابٍ مٹی سے	ثُمَّ پھر	مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے	ثُمَّ پھر	مِنْ عَلَقَةٍ لوتھڑے سے	ثُمَّ پھر	یُخْرِجُكُمْ تمہیں نکالتا ہے وہ	
طِفْلًا بچہ سا	ثُمَّ پھر	لِتَبْلُغُوْٓا تاکہ تم پہنچو	اَشُدَّكُمْ اپنی جوانی	ثُمَّ پھر	لِتَكُوْنُوْا تاکہ تم ہوجاؤ	شُیُوْخًا بوڑھے	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے
مَنْ یُّتَوَفّٰی جو فوت ہوجاتا ہے	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	وَلِتَبْلُغُوْٓا اور تاکہ پہنچو تم	اَجَلًا مُّسَمًّی وقت مقررہ	وَّلَعَلَّكُمْ اور تاکہ تم			
تَعْقِلُوْنَ سمجھو	هُوَ الَّذِیْ وہی ہے جو	یُحْیٖ زندگی عطا کرتا ہے	وَیُمِیْتُ اور مارتا ہے	فَاِذَا پھر جب	قَضٰٓی وہ فیصلہ کرتا ہے	اَمْرًا کسی امر	
فَاِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں	یَقُوْلُ لَهٗ وہ کہتا ہے اس کیلئے	كُنْ تو ہوجا	فَیَكُوْنُ سو وہ ہوجاتا ہے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات سے اثبات توحید اور رد شرک کا مضمون بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشرکین خود اپنے ہی شرک پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ آپ کو بھی شرک کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ ان مشرکین سے صاف کہہ دیجئے کہ مجھے اس کی ممانعت کردی گئی ہے کہ میں ان چیزوں کی پرستش کروں جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے اس معاملہ میں صاف احکام اور دلائل عقلیہ ونقلیہ آ چکے ہیں اور مجھے شرک سے قطعاً ممانعت کردی گئی ہے اور مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں صرف پروردگار عالم رب العالمین کی عبادت کروں اور اسی کے سامنے اپنے سر کو جھکاؤں لہٰذا میں تمہاری درخواست کسی طرح منظور نہیں کرسکتا۔ اے شرک کی دعوت دینے

والو! دیکھو میرا خدا تو وہ ہے جس نے اول تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر آگے ان کی نسل کو نطفہ سے چلایا جو رحم مادر میں جا کر خون کے لوتھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر تم کو ماں کے پیٹ سے بچہ ہونے کی حالت میں نکالتا ہے پھر وہ تم کو بڑھاتا ہے تا کہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ گویا بچپن سے جوان بناتا ہے پھر تم کو اور زندہ رکھ کر بڑھاتا ہے یہاں تک کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو اور کچھ تم میں سے وہ بھی ہوتے ہیں جو اس سے پہلے ہی لے لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی کو جوانی میں موت آ جاتی ہے اور کسی کو بچپن میں۔ بہر حال سب کو ایک مدت معین اور لکھے ہوئے وعدہ تک پہنچنا ہے تا کہ اس میعاد معین پر پہنچ کر تم کو موت دے دی جائے اس میعاد معین سے پہلے ساری دنیا بھی مل کر کسی کو مارنا چاہے تو نہیں مار سکتی اور مقررہ وقت آ جانے کے بعد دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی کسی کو زندہ رکھنا چاہیں تو نہیں کر سکتیں اور یہ سب کچھ اس لئے کیا اور زندگی کے مختلف مراحل سے تم کو گزارا کہ تم ان امور میں غور کر کے خدا تعالیٰ کی توحید کو سمجھو کہ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہاری حیات و ممات کا سرشتہ اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ تو جب تمہاری موت و حیات پر کوئی اور حکمران نہیں تو بندگی و عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیسے ہو گیا۔ پھر مارنے اور جلانے ہی پر کچھ منحصر نہیں وہ ہر کام کو جب وہ کوئی بات طے کر چکتا ہے تو بس اس کی نسبت اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے یعنی کسی کام کے ہونے میں صرف اس کے ارادہ کی دیر ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً ہو جاتا ہے اس کے لئے اس کو کوئی انتظام اور اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔ پس جبکہ خدا کی یہ صفت ہے اور یہ صفات کسی اور میں نہیں تو تمہیں کب زیبا ہے کہ تم اس کے لئے شریک ٹھہراؤ اور خود بھی شرک کرو اور دوسروں کو بھی شرک کی دعوت دو۔ یہ ہرگز زیبا نہیں تو گویا یہاں انسان کو خود اس کی اپنی پیدائش اور موت و حیات کو جتلا کر توحید باری تعالیٰ کی طرف دعوت دی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی پیدائش اور موت و حیات کا مسئلہ اللہ کی قدرت کی کھلی ہوئی نشانیوں میں سے ہے۔ انسان اگر عقل سے کام لے تو اس نشانی کے ذریعہ اللہ کو پہچان سکتا ہے اور اس کی توحید کا مقر اور معترف ہو سکتا ہے۔ صحیح احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ صرف انسان کی پیدائش ہی میں خدا کی قدرت کے اس قدر نمونے ہیں کہ اور مخلوقات کے سوا انسان اپنی ہی پیدائش کو نظر غور سے دیکھے تو خدا کی ذات اور قدرت کا پورا یقین ہو سکتا ہے اگر غور کیا جائے تو فقط نطفہ کے رحم میں ٹھہرنے سے بچہ کے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تک ایسے قدرت کے نمونے ہیں جن کا بیان انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ نطفہ سے خون بننا اور پھر خون کا گوشت پھر اس گوشت سے ہڈیاں پھر ان ہڈیوں کے اوپر گوشت کا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ چار مہینہ میں یہ سب کچھ ہو کر اس پتلے میں اللہ کے حکم سے روح پھونکی جاتی ہے۔ اللہ کے حکم سے عورت کے رحم پر جو فرشتہ تعینات ہے وہ نطفہ سے خون اور خون سے گوشت بننے کے وقت تک اللہ کا حکم حاصل کرتا رہتا ہے اگر حکم ہوتا ہے تو پورا پتلا تیار ہوتا ہے ورنہ حمل ساقط ہو جاتا ہے گوشت سے جب پتلا بننے لگتا ہے تو فرشتہ یہ بھی پوچھتا ہے کہ یا اللہ لڑکے کا پتلا تیار ہو گا یا لڑکی کا۔ خدا کے حکم کے موافق وہ فرشتہ عمل کرتا ہے اسی وقت یہ چار باتیں بھی لکھی جاتی ہیں کہ اس بچہ کی عمر کتنی ہو گی تمام عمر کتنا رزق ملے گا اور وہ رزق کس طرح حاصل کرے گا اور تمام عمر کیسے عمل کرے گا اور پھر خاتمہ کس طرح کے عمل پر ہو گا۔ اسی کو تقدیر کہتے ہیں۔ اسی کے موافق مرنے کے وقت آدمی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اب باوجود اس طرح سمجھانے کے پھر بھی مشرک اگر اپنی ہٹ دھرمی سے شرک پر قائم رہے تو پھر اس کو اس جرم کی کیا سزا ملے گی یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ

کیا آپ نے ان لوگوں (کی حالت) کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں۔ (حق سے) کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں۔ جن لوگوں نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو جھٹلایا

وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ

اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دیکر بھیجا تھا سو ان کو ابھی (یعنی قیامت میں جو قریب ہے) معلوم ہوا جاتا ہے۔ جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے

يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۥ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

اور زنجیریں ان کو گھسیٹتے ہوئے۔ کھولتے پانی میں لے جاویں گے پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جاویں گے پھر ان سے پوچھا جاوے گا کہ (وہ معبود) غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم

تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ

شریک (خدائی) ٹھہراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے غائب ہوگئے بلکہ ہم اس کے قبل کسی کو نہیں پوجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح

يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ

کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے۔ یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلہ میں تم اتراتے تھے۔

تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ

جہنم کے دروازوں میں گھسو (اور) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو سو متکبرین کا وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ تو آپ (چندے) صبر کیجئے

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا

بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پھر جس (عذاب) کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا (اس کے نزول کے قبل ہی) ہم آپ کو وفات دیدیں سو ہمارے ہی

يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ

پاس انکو آنا ہوگا۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعضے تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعضے وہ ہیں

مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

جن کا ہم نے آپ سے قصہ بیان نہیں کیا۔ اور کسی رسول سے یہ نہ ہوسکا کہ کوئی معجزہ بدون اذن الٰہی کے ظاہر کر سکے۔

فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع

پھر جس وقت اللہ کا حکم آویگا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جاوے گا۔ اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جاویں گے۔

اَلَمْ تَرَ کیا نہیں دیکھا تم نے	اِلٰى طرف	الَّذِيْنَ جو لوگ	يُجَادِلُوْنَ جھگڑتے ہیں	فِيْ میں	اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات	اَنّٰى کہاں

يُصْرَفُوْنَ پھرے جاتے ہیں | اَلَّذِيْنَ جولوگوں نے | كَذَّبُوْا جھٹلایا | بِالْكِتٰبِ کتاب کو | وَبِمَآ اور اس کو جو | اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجا | بِهٖ اس کے ساتھ

رُسُلَنَا اپنے رسول | فَسَوْفَ پس جلد | يَعْلَمُوْنَ وہ جان لیں گے | اِذِ جب | الْاَغْلٰلُ طوق (جمع) | فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ان کی گردنوں میں

وَ اور | السَّلٰسِلُ زنجیریں | يُسْحَبُوْنَ وہ گھسیٹے جائیں گے | فِي الْحَمِيْمِ کھولتے ہوئے پانی میں | ثُمَّ پھر | فِي النَّارِ آگ میں

يُسْجَرُوْنَ وہ جھونک دیئے جائیں گے | ثُمَّ پھر | قِيْلَ کہا جائے گا | لَهُمْ ان کو | اَيْنَ کہاں | مَا كُنْتُمْ جن کو تم تھے | تُشْرِكُوْنَ شریک کرتے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا | قَالُوْا وہ کہیں گے | ضَلُّوْا وہ گم ہوگئے | عَنَّا ہم سے | بَلْ بلکہ | لَمْ نہیں | نَكُنْ نَّدْعُوْا پکارتے تھے ہم

مِنْ قَبْلُ اس سے قبل | شَيْئًا کوئی چیز | كَذٰلِكَ اسی طرح | يُضِلُّ گمراہ کرتا ہے | اللّٰهُ اللہ | الْكٰفِرِيْنَ کافروں | ذٰلِكُمْ یہ | بِمَا اس کا بدلہ جو

كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ تم خوش ہوتے تھے | فِي الْاَرْضِ زمین میں | بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق | وَبِمَا اور بدلہ اس کا جو | كُنْتُمْ تم تھے | تَمْرَحُوْنَ اتراتے

اُدْخُلُوْا تم داخل ہوجاؤ | اَبْوَابَ دروازے | جَهَنَّمَ جہنم | خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہنے کو | فِيْهَا اس میں | فَبِئْسَ سو برا | مَثْوَى ٹھکانا

الْمُتَكَبِّرِيْنَ تکبر کرنے (بڑا بننے) والوں کا | فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں | اِنَّ بیشک | وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ | حَقٌّ سچا | فَاِمَّا پس اگر

نُرِيَنَّكَ ہم آپکو دکھادیں | بَعْضَ بعض (کچھ حصہ) | الَّذِيْ وہ جو | نَعِدُهُمْ ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں | اَوْ یا | نَتَوَفَّيَنَّكَ ہم آپکو وفات دیدیں

فَاِلَيْنَا پس ہماری طرف | يُرْجَعُوْنَ وہ لوٹائے جائیں گے | وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور تحقیق ہم نے بھیجے | رُسُلًا بہت سے رسول | مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے

مِنْهُمْ ان میں سے | مَنْ جو۔جن | قَصَصْنَا ہم نے حال بیان کیا | عَلَيْكَ آپ پر۔سے | وَمِنْهُمْ اور ان میں سے | مَنْ جو۔جن

لَمْ نَقْصُصْ ہم نے حال نہیں بیان کیا | عَلَيْكَ آپ پر۔سے | وَمَا كَانَ اور نہ تھا | لِرَسُوْلٍ کسی رسول کیلئے | اَنْ کہ | يَّاْتِيَ وہ لائے

بِاٰيَةٍ کوئی نشانی | اِلَّا مگر۔بغیر | بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ کے حکم سے | فَاِذَا سو جب | جَآءَ آگیا | اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا حکم | قُضِيَ فیصلہ کردیا گیا

بِالْحَقِّ حق کے ساتھ | وَ اور | خَسِرَ گھاٹے میں رہ گئے | هُنَالِكَ اس وقت | الْمُبْطِلُوْنَ اہل باطل

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں انسان کی پیدائش اور اس کی موت وحیات کو سمجھا کر اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات اور شرک کا رد فرمایا گیا تھا۔ اب باوجود ایسی صاف اور صریح دعوت کے اور دلائل توحید باری تعالیٰ کے جولوگ راہ حق سے فرار اختیار کرتے ہیں اور توحید کو قبول نہ کرکے کفروشرک پر جمے رہتے ہیں اور اللہ کے کلام میں ناحق حجتیں نکالتے ہیں اور اللہ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں تو ان کی اس تکذیب کا نتیجہ اور ان کا انجام ان آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ مدعی شرک اور منکرین توحید جو خود بھی شرک کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی شرک کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہاں اور کیسے برے راستہ کی طرف پھرے جارہے ہیں کہ جو کتب الٰہیہ کو جھٹلاتے ہیں اور جو پیغام وتعلیم اللہ کے رسول لائے اس کا بھی انکار کرتے ہیں تو اس سرکشی اور انکار کا نتیجہ ان کو آگے چل کر معلوم ہوجائے گا جبکہ طوق ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے اور ان میں زنجیریں بندھی ہوں گی جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوں گی جو ان مجرمین ومکذبین کو گھسیٹے گھسیٹے پھر رہے ہوں گے اور کبھی حمیم میں اور کبھی جحیم میں گرم کھولتے ہوئے پانی میں سے گھسیٹے جائیں گے اور آگ جہنم میں جھلسائے جائیں گے اور طرح طرح کے عذاب دیئے جائیں گے پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ آج تمہارے وہ معبود اور دیوتا کہاں گئے جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے اب وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے وہ مشرکین جواب دیں گے کہ وہ تو ہم سے سب غائب ہوگئے بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ ہم اس سے قبل جو دنیا میں بتوں کو پوجتے تھے تو اب معلوم ہوا کہ وہ درحقیقت لاشئی محض تھے اور ہم دراصل کسی کو بھی نہ پوجتے تھے یہ کہنا ان کا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص تجارت میں نقصان اٹھاوے اور اس سے پوچھا جائے کہ تم فلاں مال کی تجارت کیا کرتے

ہوا اور وہ کہے کہ میں تو کہیں کی تجارت نہیں کرتا یعنی اس کا ثمرہ حاصل نہ ہو تو یوں سمجھنا چاہئے کہ گویا وہ عمل ہی نہ ہوا۔ اس پر آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے کہ جس چیز کے لاشئ اور غیر نافع ہونے کا وہاں یعنی قیامت میں خود مشرکین اقرار کریں گے آج یہاں دنیا میں ان کی عبادت میں مشغول ہیں الغرض ان مشرکین ومنکرین ومکذبین سے کہا جائے گا کہ تم جوز مین پر ناجائز طور پر خوشیاں مناتے تھے اور اترایا کرتے تھے اور بلاوجہ اینڈتے اور اکڑتے پھرتے تھے تو دیکھ لو یہ ہے اس ناحق کی شیخی غرور اور تکبر کا انجام۔ لو اب جہنم میں پڑے رہو اور تم جیسے اینٹھنے والوں کی یہی بدمنزل اور بری جائے قرار ہے۔ جس قدر دنیا میں تکبر کیا تھا اتنا ہی ذلیل وخوار آج بنو گے اور اس جگہ سے تم کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہو گا۔

اب جب اللہ اور رسول اور قرآن کے نہ ماننے والوں کا حشر اور ان کا انجام بد سنا دیا گیا تو اب کلام کا رخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی ڈھٹائی کا یہ حال ہے کہ لاکھ سناؤ ایک نہیں سنتے تو آپ صبر کیجئے خدا کا وعدہ ضرور سچا ہے اور جو کچھ اس نے کہہ دیا ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گا اور ان منکرین کو ضرور سزا دے گا اور ان پر عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اب خواہ یہ وعدہ آپ کی حیاۃ اور موجودگی میں پورا ہو یا آپ کی وفات کے بعد بہر حال یہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے سب کا انجام ہمارے ہاتھ میں ہے۔ سب کو ہمیں سے واسطہ پڑنا ہے۔ مر کر بھی ہمارے ہی پاس آئیں گے۔ چھٹکارا کسی صورت سے نہیں۔ پھر مشرکین ومکذبین یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں اور جس عذاب کی دھمکیاں آپ دیتے ہیں تو آپ اس عذاب کو لے کیوں نہیں آتے؟ اس کے جواب میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے اور خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول دنیا میں بھیجے ہیں جن میں سے بعض کا تفصیلی یا اجمالی حال آپ سے بیان کر دیا اور بعض کا نہیں تو ان تمام رسولوں میں کسی رسول کو یہ بات حاصل نہ تھی کہ وہ کوئی نشانی عذاب ہو یا غیر عذاب از خود لے آئے اور امت کی ہر فرمائش پوری کر سکے ہاں جو نشانیاں رسول لائے تھے خدا کے حکم اور اجازت سے لائے تھے تو آپ تسلی رکھئے جس وقت خدا کا حکم یعنی عذاب آئے گا اس وقت صحیح فیصلہ ہو جائے گا اور اس موقع پر اہل باطل سراسر گھاٹے میں رہیں گے۔ کیونکہ اس وقت انہیں اپنے زعم باطل کی غلطی معلوم ہو گی مگر اس کی تلافی پر ان کو قدرت نہ ہو گی تو مقصد یہ کہ لوگوں کو چاہئے کہ اس وقت سے پہلے ہی اپنے خیالات اور اوہام باطلہ کی اصلاح کر لیں اور خسارہ سے بچ جائیں۔

اب آگے خاتمہ کی آیات میں پھر توحید کی دلیل اور پھر اس کے انکار پر توبیخ اور پھر مشرکین امم سابقہ کا حال یاد دلا کر تہدید فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے

ہم کو جو کچھ احکام الٰہیہ اور پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر ایمان ویقین کے ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا فرمائیں اپنی اور اپنے رسول پاک کی نافرمانی سے ہم کو بچا لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں توحید کی حقیقت کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت کی ناکامی اور خسارہ سے ہم سب کو اور امت مسلمہ کو بچائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مواشی بنائے تا کہ ان میں بعض سے سواری لو اور ان میں بعض (ایسے ہیں کہ اُن) کو کھاتے بھی ہو۔ اور تمہارے لئے اُن میں اور بھی بہت فائدے ہیں

وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ یُرِیْكُمْ

اور (اس لئے بنائے) تا کہ تم ان پر اپنے مطلب تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے اور ان پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے لدے پھرتے ہو۔ اور تم کو اپنی اور

اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ

بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نشانیوں کا انکار کرو گے۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ

ان سے پہلے ہو گذرے ہیں اُن کا کیسا انجام ہوا (حالانکہ) وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت میں اور نشانیوں میں (بھی) جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں

فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا

بڑھے ہوئے تھے سو ان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی۔ غرض جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر

عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا

بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا۔ اور ان پر وہ عذاب آپڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ

تو کہنے لگے (اب) ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں سے ہم منکر ہوئے جن کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے سو اُن کو ان کا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا

لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔

اَللّٰهُ اللہ	الَّذِیْ وہ جس نے	جَعَلَ بنائے	لَكُمْ تمہارے لئے	الْاَنْعَامَ چوپائے	لِتَرْكَبُوْا تا کہ تم سوار ہو	مِنْهَا ان سے	وَ مِنْهَا اور ان سے
تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو	وَ لَكُمْ اور تمہارے لئے	فِیْهَا ان میں	مَنَافِعُ بہت سے فائدے	وَ لِتَبْلُغُوْا اور تا کہ تم پہنچو	عَلَیْهَا ان پر	حَاجَةً حاجت	
فِیْ صُدُوْرِكُمْ تمہارے سینوں (دلوں) میں	وَ عَلَیْهَا اور ان پر	وَ اور	عَلَی الْفُلْكِ کشتیوں پر	تُحْمَلُوْنَ لدے پھرتے ہو			
وَ یُرِیْكُمْ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں	اٰیٰتِهٖ اپنی نشانیاں	فَاَیَّ تو کن کن	اٰیٰتِ اللّٰهِ اللہ کی نشانیوں کا	تُنْكِرُوْنَ تم انکار کرو گے			
اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا پس کیا وہ چلے پھرے نہیں	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَیَنْظُرُوْا تو وہ دیکھتے	كَیْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام		
الَّذِیْنَ ان لوگوں کا جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	كَانُوْا وہ تھے	اَكْثَرَ بہت زیادہ	مِنْهُمْ اُن سے	وَ اَشَدَّ اور بہت زیادہ	قُوَّةً قوت	
وَ اٰثَارًا اور آثار	فِی الْاَرْضِ زمین میں	فَمَا سو نہ	اَغْنٰی وہ کام آیا	عَنْهُمْ اُن کے پاس	مَا جو	كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ وہ کماتے (کرتے) تھے	

فَلَمَّا پھر جب	جَآءَتْهُمْ انکے پاس آئے	رُسُلُهُمْ انکے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ کھلی نشانیوں کیساتھ	فَرِحُوْا بِمَا خوش ہوئے (اترانے لگے اس پر جو)			
عِنْدَهُمْ ان کے پاس	مِّنَ الْعِلْمِ علم سے	وَحَاقَ اور گھیرلیا	بِهِمْ انہیں	مَّا جو وہ	كَانُوْا تھے	بِهٖ اس کا	يَسْتَهْزِءُوْنَ مذاق اڑاتے
فَلَمَّا پھر جب	رَاَوْا انہوں نے دیکھا	بَاْسَنَا ہمارا عذاب	قَالُوْا وہ کہنے لگے	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَحْدَهٗ وہ واحد	
وَكَفَرْنَا اور ہم منکر ہوئے	بِمَا وہ جس	كُنَّا ہم تھے	بِهٖ اس کے ساتھ	مُشْرِكِيْنَ شریک کرتے	فَلَمْ يَكُ تو نہ ہوا	يَنْفَعُهُمْ ان کو نفع دیتا	
اِيْمَانُهُمْ ان کا ایمان	لَمَّا رَاَوْا جب انہوں نے دیکھ لیا	بَاْسَنَا ہمارا عذاب	سُنَّتَ اللّٰهِ اللہ کا دستور	الَّتِيْ وہ جو	قَدْ خَلَتْ گزر چکا ہے		
فِيْ عِبَادِهٖ اس کے بندوں میں	وَخَسِرَ اور گھاٹے میں رہ گئے	هُنَالِكَ اس وقت	الْكٰفِرُوْنَ کافر (جمع)				

تفسیر وتشریح: یہ سورۂ مومن کی آخری آیات ہیں گذشتہ سے اثبات توحید اور ردشرک کا مضمون بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ان آیات میں بھی پہلے توحید کی دلیل دی گئی۔ پھر اس کے انکار پر ڈرایا گیا اور گذشتہ امتوں کے منکرین ومکذبین کا حال بیان فرما کر موجودہ منکرین کو اس انجام بد سے بچنے کی تلقین کی گئی۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو خدا وہ ہے کہ جس نے انسانوں کے لئے مویشی بنائے جن سے انسان طرح طرح کے کام اور نفع حاصل کرتے ہیں۔ سواریوں کے کام میں بھی آتے ہیں۔ ان کے گوشت بھی کھائے جاتے ہیں۔ مثلاً اونٹ سواری کا کام بھی دیتا ہے بار برداری بھی کرتا ہے اور اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور دودھ بھی پیا جاتا ہے گائے بیل گوشت کھانے کے کام میں بھی آتے ہیں دودھ بھی دیتے ہیں۔ ہل میں بھی جوتے جاتے ہیں۔ بھیڑ بکری کا دودھ بھی پیا جاتا ہے۔ گوشت بھی کھایا جاتا ہے پھر اور بھی بیسیوں کام اور فائدے ان سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً دودھ سے دہی گھی مکھن کھویا پنیر وغیرہ بناتے کھاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ علاوہ گوشت کے چربی اون بال کھال وغیرہ سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ ہڈی اور سینگوں وغیرہ سے مختلف چیزیں بناتے ہیں۔ تو انسانوں کی بے شمار ضروریات ان جانوروں سے پوری ہوتی ہیں۔ پھر جس طرح خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر لدے پھندے سفر کرتے ہو اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہو اسی طرح پانی میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو تو یہ خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بے شمار نشانیاں ہیں جنہیں وہ انسانوں کو دکھلاتا ہے۔ تو اس قدر کھلے ہوئے نشانات دیکھنے پر بھی آدمی کہاں تک انکار ہی کرتا چلا جائے گا۔ مطلب یہ تم خدا کی نشانیوں کا انکار نہیں کر سکتے تو پھر اس کی ذات اور توحید کا انکار سراسر ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی ان گنت نشانیوں میں سے ایک کا بھی کوئی شخص صحیح معنیٰ میں انکاری نہیں ہوسکتا یہ اور بات ہے کہ کوئی اپنے دیدہ ہی پھوڑ لے اور آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔ انسان کو اللہ نے عقل دی ہے اور اس کا پہلا کام یہ ہے کہ دنیا کے حالات واقعات اور اس کے عجیب وغریب انتظام پر نظر کر کے اس کے بنانے والے کو پہچانے اور اللہ کو پہچان کر اس کا شکر ادا کرے اس کا احسان مانے اور اس کی توحید قبول کر کے اس کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے نعمتوں اور احسانات کی ناقدری اور ناسپاسی اور ناشکری اور اس کی نافرمانی کی سزا دنیا میں بھی ملا کرتی ہے انسان اس روئے زمین پر چل پھر کر دیکھے کہ پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو ان منکرین اور مشرکین مکہ سے زیادہ زور اور قوت والی تھیں اور جتھے اور تعداد میں بھی زیادہ تھیں اور انہوں نے ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر اپنی یادگاریں اور نشانیاں قائم کر رکھی تھیں۔ بڑی بڑی عمارات رکھنے والے تھے اور بڑے مال دار تھے۔ لیکن ان پر جب خدا کا عذاب آیا تو وہ زور وطاقت اور ساز وسامان کچھ بھی کام نہ آ سکا۔ یونہی تباہ وبرباد ہو کر رہ گئے۔ کسی سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو نہ دفع کرتے بنا۔ نہ ٹال سکے۔ نہ کم کر سکے۔ آگے بتلایا

جاتا ہے کہ وہ تھے ہی غارت کئے جانے کے قابل کیونکہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صاف صاف دلیلیں روشن حجتیں اور کھلے معجزات اور پاکیزہ تعلیمات لے کر آئے تو انہوں نے آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھا اور جن مادی ترقیات کا علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر دل جمائے ہوئے تھے۔ اسی پر اتراتے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ ہم ہی زیادہ عالم ہیں۔ یہ حساب کتاب عذاب ثواب جنت دوزخ کوئی چیز نہیں۔ سب من گھڑت خیالات ہیں۔ آخر ایک وقت آیا جب ان کو اپنی ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی جب خدا کا وہ عذاب کہ جسے جھٹلاتے تھے آیا تو ان کے بنائے کچھ نہ بنی۔ جس عذاب پر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور جسے مذاق میں اڑاتے تھے اسی نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ بھرکس نکال ڈالا۔ تہہ و بالا کر دیا۔ روئی کی طرح دھن دیا اور بھوسی کی طرح اڑا دیا جس وقت آفت آنکھوں کے سامنے آ گئی اور عذاب الٰہی کا معائنہ ہونے لگا تب ہوش آیا اور اس وقت ایمان اور توبہ کی سوجھی اب پتہ چلا کہ اکیلے خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے جن ہستیوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا سب عاجز اور بیکار ہیں لیکن معائنہ عذاب کے وقت پچھتانے اور تقصیر کا اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ایمان اور توبہ کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ عذاب دیکھ لینے پر تو ہر کسی کو بے اختیار یقین آ جاتا ہے مگر اس وقت کا یقین اور ایمان کا اقرار اور توحید کی تسلیم موجب نجات نہیں۔ فرعون جیسے متکبر نے بھی غرق ہوتے ہوئے کہا تھا کہ میرا اس خدا پر ایمان ہے جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے اور میں اس کے سوا کسی کو لائق عبادت نہیں سمجھتا مگر خدا کی طرف سے اسے جواب ملا تھا کہ اب ایمان لانا بے سود ہے ساری زندگی تو نافرمانی اور شرانگیزی میں لگا رہا اب عذاب الیم دیکھ کر ایمان لاتا ہے تو یہاں بھی یہی ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ عذابوں کا معائنہ کرنے پر ایمان کی قبولیت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ہمیشہ سے یونہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ اول انکار اور استہزاء سے پیش آتے ہیں۔ پھر جب عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اس وقت واویلا مچاتے ہیں اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اللہ کی عادت یہ ہے کہ اس بے وقت کی توبہ کو قبول نہیں فرماتا۔ آخر منکرین اپنے جرائم کی پاداش میں خراب و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس موقع پر کافر سراسر نقصان اور گھاٹے ہی میں رہے کہ عذاب ابدی میں مبتلا ہوئے اللہ تعالیٰ اس خسران اور اپنے عذاب و ناراضگی سے دین و دنیا دونوں جہان میں ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

یہاں سے فقہا نے یہ مسئلہ نکالا کہ جب کافر کو عذاب آخرت و ملائکہ عذاب نظر آ جاویں تو پھر اس وقت کا ایمان مقبول نہیں اور مسلمان کے لئے حدیث شریف میں ہے کہ غرغرہ سے پہلے تک کی توبہ قبول ہے۔ جب دم سینہ میں اٹکا روح حلقوم تک پہنچ گئی فرشتوں کو دیکھ لیا تو اس کے بعد کوئی توبہ نہیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہم کو جو نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں ان کی شکر گزاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائیں۔ کائنات اور دنیا کے واقعات و حالات میں جو عبرتیں اور اللہ پاک کی نشانیاں موجود ہیں ان کو سمجھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو علم و نصیحت ہم کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے پہنچی ہے اس کو اپنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ

حٰمٓ یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کیلئے ہے

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ

جو دانشمند ہیں۔ بشارت دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے سو اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل

مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾

اس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کئے جایئے۔ ہم اپنا کام کررہے ہیں۔

حٰمٓ حٰم	تَنْزِيْلٌ نازل کیا ہوا	مِنَ سے	الرَّحْمٰنِ نہایت رحم کرنیوالا	الرَّحِيْمِ مہربان	كِتٰبٌ ایک کتاب	فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ جدا جدا (واضح) کردی گئیں اسکی آیتیں	
قُرْاٰنًا قرآن	عَرَبِيًّا عربی (زبان) میں	لِقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يَّعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہیں	بَشِيْرًا خوشخبری دینے والا	وَّنَذِيْرًا اور ڈرسنانے والا		
فَاَعْرَضَ سو منہ پھیرلیا	اَكْثَرُهُمْ ان میں سے اکثر	فَهُمْ پس وہ	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ سنتے نہیں	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	قُلُوْبُنَا ہمارے دل		
فِيْٓ اَكِنَّةٍ پردوں میں	مِمَّا اس سے جو	تَدْعُوْنَآ تم بلاتے ہو ہمیں	اِلَيْهِ اس کی طرف	وَ اور	فِيْٓ اٰذَانِنَا ہمارے کانوں میں	وَقْرٌ بوجھ۔ گرانی	
وَمِنْۢ بَيْنِنَا اور ہمارے درمیان	وَبَيْنِكَ اور تمہارے درمیان	حِجَابٌ ایک پردہ	فَاعْمَلْ سو تم کام کرو	اِنَّنَا بیشک ہم	عٰمِلُوْنَ کام کرتے ہیں		

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب چوبیسویں پارہ کی سورۃ حٰمٓ سجدۃ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس سورۃ کو سورۃ سجدہ اور سورۂ فصلت بھی کہتے ہی۔ یہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات ہیں جن کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ' مقام وزمانہ نزول' خلاصہ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

گذشتہ سورۂ مومن کی طرح یہ سورۃ بھی حروف مقطعات حٰمٓ سے شروع ہوئی ہے۔ اور چونکہ اس سورۃ میں ایک جگہ سجدۂ تلاوت آیا ہے۔ اس لئے بطور علامت اس کا نام حٰمٓ سجدہ مقرر ہوا۔ قرآن پاک کی حٰمٓ سے شروع ہونے والی سات سورتوں میں سے یہ دوسری سورۃ ہے۔ گذشتہ سورۂ مومن میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حٰمٓ سات ہیں یعنی حٰمٓ سے شروع ہونے والی سات سورتیں ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازہ ہیں۔ ہر حٰمٓ جہنم کے کسی ایک دروازہ پر ہوگی اور کہے گی یا اللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازہ سے نہ داخل کریو۔ یہ ساتوں سورتیں مکی ہیں۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۱ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۷۱ ہے۔ یعنی ۷۰ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں۔ اور ۴۳ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۵۴ آیات ۶ رکوعات ۸۰۹ کلمات اور ۳۴۰۶ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں چونکہ یہ بھی مکی سورۃ ہے اس لئے اس میں بھی عقائد ہی سے متعلق مضامین ہیں یعنی توحید ورسالت قرآن وآخرت قیامت حشر ونشر جزاوسزا جنت وجہنم وغیرہ کا بیان ہے۔

اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے انسانوں کو ہدایت کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے اگر اس کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے پڑ جاتا اور شیطان اس کو بہکا کر ادھر ادھر لئے پھرتا اسی لئے یہ ہدایت نامہ نازل کیا گیا۔ اس میں انسانوں کو نیک و بد، بھلے اور برے، صحیح وغلط، حق و باطل کاموں میں فرق کرنا خوب کھول کر واضح طریقہ پر سمجھایا گیا ہے اس میں خوشخبری بھی دی گئی ہے ڈراوا بھی دیا گیا ہے تا کہ علم اور عقل رکھنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اس کی باتوں سے کتراتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ قرآن انسانوں کے پاس بھیجا گیا اور آپ کے ذریعہ سے بتلایا گیا کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اسی کی طرف منہ سیدھا کر کے چلو۔ اسی سے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی مغفرت طلب کرتے رہو۔ جو لوگ ایک اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ ان کی خیر نہیں۔ ان پر شیطان کا قابو چل گیا ہے کہ جو احکام الٰہیہ سے منہ موڑتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ بھلائی صرف انہی کی ہے جو اللہ پر ایمان لا کر اچھے اعمال کریں گے اور وہ اس کی بدولت ہمیشہ آرام سے زندگی بسر کرنے کی نعمت و راحت حاصل کریں گے۔ پھر توحید کے مضمون کو سمجھایا گیا کہ آخر تم اللہ کو کیوں نہیں مانتے؟ آسمان اور زمین میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں پھیلی ہوئی پڑی ہیں زمین اسی نے بنائی۔ آسمان اس نے بنائے پھر آسمانوں کو ستاروں سے اسی نے مزین کیا۔ ان سب کا خالق وہی ایک زبردست یکتا ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔ اگر اس کو نہ مانا تو یاد رکھو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو تم سے پہلے لوگوں کا ہوا۔ جنہوں نے اس کے رسول کی باتیں نہ سنی اور ضد و عناد سے اپنے کفر و شرک پر جمے رہے۔ ان پر طرح طرح کی آفتیں مثلاً طوفان، زلزلہ، کڑک، وغیرہ آئیں اور وہ تباہ و برباد ہوئے اور صرف وہی بچے کہ جو ایماندار اور پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ منکرین و مکذبین کو اپنی قوت و طاقت اور ساز و سامان پر غرور تھا یہ نہ سمجھا کہ اللہ ان سے زیادہ طاقتور ہے یاد رکھو کہ اللہ کے دشمن قیامت کے دن آگ میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں وہ طرح طرح کے عذاب بھگتیں گے اور ان کے برے کاموں کی گواہی خود ان کے ہاتھ پیر دیں گے اس لئے اپنے دنیا میں کئے ہوئے اعمال سے مکرنا کسی سے ممکن نہ ہوگا اس لئے اس نار جہنم سے جسے بچنا ہے دنیا ہی میں بچ لے اور بچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ کے حکموں کے موافق گزارے اور وہ احکام اس قرآن کریم میں موجود ہیں اور ان پر عمل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا ہے۔ اب تم میں اچھا اور بہتر وہی ہے جو دوسروں کو بھی اللہ کی طرف بلائے۔ اپنی عادتیں اور اخلاق بھی درست کرے نیک کام اختیار کرے تا کہ دوسرے بھی اسے دیکھ کر ویسا ہی کریں۔ جو لوگ اللہ کے حکموں کو ٹھکرا رہے ہیں ان کا رتی اور رائی حال اللہ کو معلوم ہے۔ اچھے لوگوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ انجام میں بروں کو سزا اور اچھوں کو جزا دے گا اخیر میں عام انسانوں کی خصلت بیان کی گئی کہ انسان کا بھی عجب حال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں عطا کرتے ہیں اور وہ خوش حال اور مالدار

ہو جاتا ہے تو ہماری طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور دوسری طرف کی کروٹ بدل لیتا ہے ہمارے حکموں کی پروانہیں کرتا اور جب کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر اللہ کے سامنے لمبی چوڑی دعائیں مانگنے بیٹھ جاتا ہے پھر تمام انسانوں کو دعوت دی گئی کہ تم نے کبھی یہ سوچا بھی کہ اگر یہ قرآن سچ مچ انسان کی ہدایت کے لئے اللہ کی طرف سے آیا ہے جیسا کہ وہ حقیقت میں آیا ہے تو اس کے انکار کرنے والوں اور اس کی ہدایات کو نہ ماننے والوں کی کیا گت بنے گی۔ کیا کوئی اس سے زیادہ گمراہ ہوسکتا ہے جو اس کی باتوں سے دور ہو اور نافرمانی میں دن بدن بڑھتا ہی چلا جائے۔ خاتمہ پر بتلایا گیا کہ سمجھ لو قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ جنہوں نے اس کی سچائی سنتے ہی مان لی وہ بڑے سمجھ دار ہیں ورنہ رفتہ رفتہ اس کی سچائی بعد میں آنے والے واقعات سے ظاہر ہوتی چلی جائے گی۔ عجب حال ہے کہ اس قرآن کی سچائی پر لوگ اللہ کی گواہی کو کافی نہیں سمجھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی حقیقت معلوم ہے اور وہ سب کا حال جانتا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو یہ دھوکہ لگ گیا ہے کہ انہیں اللہ کے سامنے حاضر نہیں ہونا۔ یاد رکھو کہ اللہ کی قدرت کے اندر ہر چیز گھری ہوئی ہے اور اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ کے بس میں ہے اور سب کو اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ یہ ہے مختصر خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آپ کے سامنے آدیں گی۔

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا حٰمٓ حروف مقطعات سے فرمائی گئی جس کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے حقیقی معنیٰ سے واقف ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوگا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اظہار نہیں فرمایا اس کے بعد بطور تمہید کے فرمایا گیا کہ یہ قرآن رحمٰن اور رحیم کی طرف سے اتارا گیا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی مہربانی اور رحمت بندوں پر ہے جو ان کی ہدایت کے لئے ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب نازل فرمائی۔ آگے قرآن کریم کی ایک صفت بیان فرمائی گئی فصلت اٰیٰتہ، یعنی جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ یعنی اس میں کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں کہ کوئی شخص اس بنا پر اسے قبول کرنے سے اپنی معذوری ظاہر کر دے کہ اس کی سمجھ میں اس کتاب کی باتیں اور مضامین آتے ہی نہیں۔ اس میں تو صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ صحیح عقائد کیا ہیں اور غلط کیا ہیں۔ اچھے اخلاق کیا ہیں اور برے اخلاق کیا ہیں۔ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے۔ کن باتوں میں نجات ہے اور کن میں ہلاکت ہے۔ کس طریقہ میں انسان کا نفع ہے اور کس میں نقصان ہے۔ کیا جائز ہے کیا ناجائز۔ کیا حلال ہے اور کیا حرام۔ کیا کھرا ہے اور کیا کھوٹا غرضیکہ اس کی ہدایات صاف اور کھلی ہوئی ہیں۔ پھر بتلایا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم اعلیٰ درجہ کی صاف شستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی تاکہ ان لوگوں کو اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں مگر اس کے باوجود بھی ظاہر ہے کہ وہی لوگ اس سے نفع اٹھا سکتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہوں۔ ناسمجھ جاہل کو اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر ہوسکتی ہے۔ پھر یہ کتاب بشارت دینے والی بھی ہے اور ڈرانے والی بھی ہے۔ مومنوں اور فرمانبرداروں کو بشارت دینے والی ہے منکروں اور نافرمانوں کو ڈرانے والی ہے۔

قرآن اپنے ماننے والوں کو نجات و فلاح کی خوشخبری سناتا ہے اور منکروں کو ان کے برے انجام سے ڈراتا ہے پھر بھی بہت سے لوگ اس کتاب کی بیش قیمت ہدایات وتعلیمات پر دھیان نہیں کرتے اور جب ادھر دھیان ہی نہیں تو سننا کیوں چاہیں گے اور اگر ان ظاہری کانوں سے سن بھی لیں مگر دل کے کانوں سے نہ سنا اور قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی اور سن کر اثر نہ لیا تو سنا ان سنا برابر ہے اور پھر اسی قدر نہیں کہ ان قرآنی نصیحتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے یا کان نہیں دھرتے بلکہ ایسی الٹی باتیں کرتے ہیں کہ جن کو سن کر ناصح بالکلیہ مایوس ہو جائے اور آئندہ نصیحت سنانے کا ارادہ بھی ترک کر دے مثلاً یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو تمہاری باتوں کی طرف سے غلاف چڑھا ہوا ہے۔ یعنی ہمارے دل تمہاری دعوت کی طرف توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے ہم تمہاری بات سنتے ہی نہیں۔ تمہاری آواز ہمارے کانوں میں پہنچ ہی نہیں سکتی۔ اور ہمارے تمہارے درمیان ایک حجاب حائل ہے اور پردہ پڑا ہوا ہے۔ یعنی دشمنی بغض اور عداوت کی ایک دیوار ہمارے اور تمہارے درمیان کھڑی ہے۔

غرض علم کے تین ہی ذریعہ ہیں۔ دل سے سوچنا' کانوں سے سننا اور آنکھوں سے دیکھنا تو ان منکرین نے تینوں علمی ذرائع کی نفی کر دی نہ حقانیت کو آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا اور نہ دل سے سوچا۔ اس لئے کہتے ہیں کہ تم اپنا کام کئے جاؤ ہم اپنا کام کئے جائیں یعنی تم اپنے دین پر عمل کرو ہم اپنے مذہب پر عمل کر رہے ہیں مراد یہ کہ ہمارے مذہب سے ہمارے معبودوں سے کچھ تعرض مت کرو۔

منکرین کے ان اقوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دینے کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے تلقین فرمایا گیا یہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اس کلام پاک جیسی نعمت عظمیٰ کی قدر دانی ہم کو نصیب فرماویں اور اس کی ہدایات وتعلیمات سے ہمارے قلوب کو منور فرمائیں اور اس کے احکام وقوانین پر ہم کو عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ کفار نے تو اس سے روگردانی کی ہی تھی لیکن آج اس پر ایمان رکھنے والوں نے بھی اس کے احکام کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنا چھوڑ دیا ہے یا اللہ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما دے اور قرآن پاک کی ناقدری اور نافرمانی سے بچالے۔

یا اللہ اپنے اس کلام پاک کی سچی محبت وعظمت عطا فرما دے اور اس کی محبت کے ساتھ اس کا اتباع بھی نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ

آپ فرمادیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اس کی طرف سیدھ باندھ لو اور اس سے معافی مانگو،

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷ اِنَّ

اور ایسے مشرکوں کیلئے بڑی خرابی ہے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لے آئے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ

اور انہوں نے نیک کام کئے ان کیلئے ایسا اجر ہے جو موقوف ہونے والا نہیں۔ آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے

خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ وَجَعَلَ فِيْهَا

زمین کو دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، یہی سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور اُس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنادیئے

رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۱۰

اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کردیں چار دن میں پُوچھنے والوں کیلئے جواب پورا ہوا۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ

پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھوُاں سا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا

اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝۱۱ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا

کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنادیئے اور آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو) بھیج دیا اور ہم نے

السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۲

اس قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اس کی حفاظت کی، یہ تجویز ہے (خدائے) زبردست واقف الکل کی۔

قُلْ فرمادیں	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اَنَا بَشَرٌ کہ میں ایک بشر	مِّثْلُكُمْ تم جیسا	يُوْحٰى وحی کی جاتی ہے	اِلَيَّ میری طرف	اَنَّمَا یہ کہ	اِلٰهُكُمْ تمہارا معبود
اِلٰهٌ معبود	وَّاحِدٌ یکتا	فَاسْتَقِيْمُوْٓا پس سیدھے رہو	اِلَيْهِ اسکی طرف (اس کے حضور)	وَاسْتَغْفِرُوْهُ اور اس سے مغفرت مانگو	وَوَيْلٌ اور خرابی		
لِّلْمُشْرِكِيْنَ مشرکوں کیلئے	الَّذِيْنَ وہ جو	لَا يُؤْتُوْنَ نہیں دیتے	الزَّكٰوةَ زکوٰۃ	وَهُمْ اور وہ	بِالْاٰخِرَةِ آخرت کا	هُمْ وہ	كٰفِرُوْنَ منکر ہیں
اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جولوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے عمل کئے اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	اَجْرٌ اجر	غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ختم نہ ہونیوالا	
قُلْ فرمادیں	اَئِنَّكُمْ کیا تم	لَتَكْفُرُوْنَ انکار کرتے ہو	بِالَّذِيْ اس کا جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	الْاَرْضَ زمین	فِيْ يَوْمَيْنِ دو دنوں میں	
وَتَجْعَلُوْنَ اور تم ٹھہراتے ہو	لَهٗٓ اس کے	اَنْدَادًا شریک (جمع)	ذٰلِكَ یہ	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں کا رب	وَجَعَلَ اور اس نے بنائے	فِيْهَا اس میں	
رَوَاسِيَ پہاڑ	مِنْ فَوْقِهَا اسکے اوپر	وَبٰرَكَ اور برکت رکھی	فِيْهَا اس میں	وَقَدَّرَ اور مقرر کیں	فِيْهَا اس میں	اَقْوَاتَهَا انکی خوراکیں	فِيْٓ میں

اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ چار دن (جمع)	سَوَآءً یکساں	لِلسَّآئِلِيْنَ تمام سوال کرنیوالوں کیلئے	ثُمَّ اسْتَوٰى پھر اس نے توجہ فرمائی	اِلَى السَّمَآءِ آسمان کی طرف				
وَهِيَ اور وہ	دُخَانٌ ایک دھواں	فَقَالَ تو اس نے کہا	لَهَا اس سے	وَلِلْاَرْضِ اور زمین سے	ائْتِيَا تم دونوں آؤ	طَوْعًا خوشی سے	اَوْ یا	كَرْهًا ناخوشی سے
قَالَتَا ان دونوں نے کہا	اَتَيْنَا ہم دونوں آئے (حاضر ہیں)	طَآئِعِيْنَ خوشی سے	فَقَضٰهُنَّ پھر اس نے بنائے	سَبْعَ سَمٰوَاتٍ سات آسمان				
فِيْ يَوْمَيْنِ دو دنوں میں	وَاَوْحٰى اور وحی کردی	فِيْ میں	كُلِّ سَمَآءٍ ہر آسمان	اَمْرَهَا اس کا کام	وَزَيَّنَّا اور ہم نے زینت دی	السَّمَآءَ آسمان		
الدُّنْيَا دنیا	بِمَصَابِيْحَ چراغوں (ستاروں) سے	وَحِفْظًا اور حفاظت کیلئے	ذٰلِكَ یہ	تَقْدِيْرُ اندازہ (فیصلہ)	الْعَزِيْزِ غالب	الْعَلِيْمِ علم والا		

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ قرآن کریم رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس کے الفاظ اور مضامین خوب کھلے ہوئے اور واضح ہیں۔ مومنوں کو بشارت دینے والا اور کافروں کو ڈرانے والا ہے لیکن اکثر لوگوں کی یہ کم نصیبی ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اس کے سننے تک سے انکار کرتے ہیں اور یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں یعنی رسول کی دعوت پر ان کے دل توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے یعنی دعوت رسول کی طرف سے ہمارے کان بہرے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک حجاب حائل ہے اور پردہ پڑا ہوا ہے۔ کافروں کے ان اقوال کے جواب میں جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان منکرین سے جواب میں کہہ دیں کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں تمہاری نوع اور جنس ہی کا ایک انسان ہوں اس لئے ہم جنس کی بنا پر میری بات تو آسانی سے تمہاری سمجھ میں آ جانا چاہئے اور بات بھی بالکل صاف ہے اس کے سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے بذریعہ وحی یہ حکم ملا ہے کہ سوائے ایک اللہ کے اور کوئی اس قابل نہیں کہ اس کی بندگی کی جائے۔ بس تم سب کا معبود اور حاکم ایک ہی ہے۔ جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ لہٰذا سب کو لازم ہے کہ اسی خدائے واحد کی طرف رخ کر کے چلیں۔ اس کے راستہ سے ذرا ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں اور اگر پہلے غلط راستہ پر چل چکے ہیں تو اپنے پروردگار سے اس کی معافی چاہیں اور پچھلے گناہوں کو بخشوائیں اور یہ بھی سن رکھو کہ ان لوگوں کی بڑی شامت آئے گی جن لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ عاجز مخلوق کو اس کی بندگی میں شریک کرتے ہیں اور بندوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ صدقہ اور خیرات کا بیسہ کسی محتاج مسکین پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ساتھ ہی انجام کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں کیونکہ انہیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے اور اچھے برے کا حساب بھی ہوگا۔ ایسوں کا مستقبل بجز ہلاکت اور خرابی اور بربادی کے کیا ہونا ہے۔

یہاں آیت میں زکوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی بڑی کمبختی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے تو یہاں زکوٰۃ فقہی اصطلاح میں نہیں۔ بلکہ لفظی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی نیک راہ میں خرچ کرنا کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ کے احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کے معنیٰ پاکی کے لئے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ مشرکین اپنے آپ کو نجاست شرک اور اپنے نفس کو عقائد فاسدہ سے پاک اور صاف نہیں کرتے۔ برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے کام کریں ان کو ہمیشہ رہنے والا اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا اور ابدالآباد تک جاری رہے گا۔ چنانچہ جنت میں مومنین کو پہنچ کر نہ ان کو فنا نہ ان کے اجر وثواب کو آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے توحید کا مضمون بیان کرنے کی تلقین کی جاتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے کہئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کی توحید کا انکار کرتے ہو جس

نے زمین کو باوجود اتنی وسعت کے دو روز کی مقدار کے وقت میں پیدا کر دیا۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات عالیہ کا انکار کرتے ہو اور دوسری چیزوں کو اس کے برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ بھی پیدا کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اور پھر اس خدا نے اس زمین کو پیدا کرنے کے بعد اس کے اوپر پہاڑ قائم کئے جس سے کہ زمین کو قرار اور ٹھہراؤ دیا گیا کہ اب وہ ہل جل نہیں سکتی پھر اس زمین کو پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کے اندر ایسی برکت رکھی کہ زمین پر بسنے والوں کی ضروریات کا سلسلہ برابر پورا ہوتا چلا جا رہا ہے چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع اور خصوصیات کے موافق قدرت نے ان کا رزق اور خوراک مہیا کر رکھا ہے اور یہ سب کام چار دن میں قدرت نے کر دیا دو روز میں زمین پیدا کی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ زمین اور آسمان کی پیدائش کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال پیش کیا گیا تھا اور اس کا جواب قرآن پاک نے یہاں دیا اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ زمین اور اس کے متعلقات کو چار دن کے وقفہ میں پیدا کر چکا تو اللہ عزوجل نے آسمان کی طرف توجہ کی جو اس وقت سارا ایک دھوئیں کی طرح تھا۔ اس سے سات آسمان دو دن میں بنا دیئے جیسا کہ آگے بتلایا جاتا ہے پس زمین بناتے وقت زمین سے اور آسمان بناتے وقت آسمان سے فرمایا گیا کہ تم دونوں کو ہمارے حکم کی طرف آنا تو ضرور پڑے گا اب تم کو اختیار ہے خواہ خوشی سے آؤ یا زبردستی سے مطلب یہ ہے کہ ہمارے احکام تکوینیہ تم دونوں میں جاری ہوا کریں گے اور قیامت تک زمین میں بے انتہا تغیرات ہوتے چلے جاویں گے۔ سو تم دیکھ لو کہ تم ہمارے ان احکام پر راضی رہو گے یا کراہت رکھو گے۔ دونوں زمین و آسمان نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے ان احکام کے لئے حاضر ہیں

سو دو روز میں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنا دیئے اور ہر ایک آسمان کا انتظام جو اس کے مناسب تھا مقرر کر دیا۔ اور زمین سے قریب کے آسمان کو چمکدار اور روشن ستاروں سے مزین کر دیا اور ان میں حفاظت کے بھی سامان کر دیئے کہ کسی کی وہاں تک دست رس نہیں۔ فرشتوں کے وہاں پہرے لگے ہوئے ہیں۔ کوئی طاقت اس نظام محکم میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ سب سے زبردست اور باخبر ہستی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

سورۂ یونس گیارہویں پارہ میں فرمایا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا۔ ایسے ہی سورۂ ہود بارہویں پارہ میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ ایسا ہے کہ سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا تو اس چھ دن کی تفصیل ان آیات سے معلوم ہوئی کہ دو دن میں زمین پیدا کی گئی اور دو دن میں زمین سے متعلقات اور دو دن میں آسمان اس طرح زمین و آسمان کی خلقت چھ دن میں ہوئی۔

ان آیات سے متعلق حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک تنبیہ لکھی ہے کہ یہاں "دنوں" سے مراد ظاہر ہے معروف و متبادر دن (یعنی ۲۴ گھنٹے دن رات) نہیں ہو سکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں۔ لامحالہ ان دنوں کی مقدار کچھ اور مراد ہو گی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت سترہویں پارہ سورۂ حج میں فرمایا و ان یوماً عند ربک کالف سنة مما تعدون اور ایک دن تمہارے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر ہوتا ہے جو تم گنتے ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آگے کفار مکہ کو وعید سنائی جاتی ہے کہ اگر ایسی عظیم الشان آیات سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے اور توحید و اسلام کی راہ اختیار کرنے سے اعراض ہی کرتے رہے تو پھر ان کا انجام بد ہو گا۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُودَ ﴿١٣﴾ إِذْ جَاءَتْهُمُ

پھر اگر یہ لوگ (توحید سے) اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آفت آئی تھی۔ جب کہ ان کے پاس

الرُّسُلُ مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوٓا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا

اُن کے آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے کہ بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت مت کرو، انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو منظور ہوتا

لَأَنزَلَ مَلَٰٓئِكَةً فَإِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُم بِهِۦ كَٰفِرُونَ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِى الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

تو فرشتوں کو بھیجتا سو ہم اس (توحید) سے منکر ہیں جس کو دیکر (بزعم خودتم) بھیجے گئے ہو۔ پھر وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق کا تکبر کرنے لگے

وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِى خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ

اور کہنے لگے وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے اُن کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے،

وَكَانُوا بِـَٔايَٰتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٥﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِىٓ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ

اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔ تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے تاکہ ہم ان کو اس دنیوی حیات میں

عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْءَاخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ﴿١٦﴾

رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور اُن کو مدد نہ پہنچے گی۔

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَٰعِقَةُ الْعَذَابِ

اور وہ جو ثمود تھے تو ہم نے ان کو راستہ بتلایا سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا پس ان کو عذاب سراپا ذلّت کی آفت نے پکڑ لیا

الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ ءَامَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٨﴾

اُن کی بدکرداریوں کی وجہ سے۔ اور ہم نے اُن کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے۔

فَإِنْ پھر اگر	أَعْرَضُوا وہ منہ موڑ لیں	فَقُلْ تو فرمادیں	أَنذَرْتُكُمْ میں ڈراتا ہوں تمہیں	صَاعِقَةً ایک چنگھاڑ	مِّثْلَ جیسی	صَاعِقَةِ چنگھاڑ		
عَادٍ وَّثَمُودَ عاد اور ثمود	إِذْ جَاءَتْهُمُ جب آئے انکے پاس	الرُّسُلُ رسول	مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ انکے آگے سے	وَمِنْ خَلْفِهِمْ اور انکے پیچھے سے				
أَلَّا تَعْبُدُوٓا کہ تم نہ عبادت کرو	إِلَّا اللَّهَ سوائے اللہ	قَالُوا انہوں نے جواب دیا	لَوْ شَآءَ اگر چاہتا	رَبُّنَا ہمارا رب	لَأَنزَلَ تو ضرور اتارتا			
مَلَٰٓئِكَةً فرشتے	فَإِنَّا پس بیشک	بِمَآ اس کا جو	أُرْسِلْتُم تم بھیجے گئے ہو	بِهِۦ اس کے ساتھ	كَٰفِرُونَ منکر ہیں	فَأَمَّا پھر جو	عَادٌ عاد	
فَاسْتَكْبَرُوا تو وہ تکبر (غرور) کرنے لگے	فِى الْأَرْضِ زمین (ملک) میں	بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق	وَقَالُوا اور وہ کہنے لگے	مَنْ کون	أَشَدُّ بہت زیادہ			
مِنَّا ہم سے	قُوَّةً قوت	أَوَ کیا	لَمْ يَرَوْا وہ نہیں دیکھتے	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	الَّذِى وہ جس نے	خَلَقَهُمْ پیدا کیا انہیں	هُوَ وہ	أَشَدُّ بہت زیادہ
مِنْهُمْ ان سے	قُوَّةً قوت	وَكَانُوا اور وہ تھے	بِـَٔايَٰتِنَا ہماری آیتوں کا	يَجْحَدُونَ انکار کرتے	فَأَرْسَلْنَا پس ہم نے بھیجی	عَلَيْهِمْ ان پر		

رِيْحًا ہوا	صَرْصَرًا تندوتیز	فِيْٓ اَيَّامٍ دنوں میں	نَّحِسَاتٍ نحوست	لِّنُذِيْقَهُمْ تاکہ ہم چکھائیں انہیں	عَذَابَ عذاب / الْخِزْيِ رسوائی
فِي میں	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَلَعَذَابُ اور البتہ عذاب	الْاٰخِرَةِ آخرت	اَخْزٰى زیادہ رسوا کرنیوالا	وَهُمْ اور وہ
لَا يُنْصَرُوْنَ مدد نہ کئے جائیں گے	وَاَمَّا اور رہے	ثَمُوْدُ ثمود	فَهَدَيْنٰهُمْ سو ہم نے راستہ دکھایا انہیں	فَاسْتَحَبُّوا تو انہوں نے پسند کیا	
الْعَمٰى اندھا رہنا	عَلَى الْهُدٰى ہدایت پر	فَاَخَذَتْهُمْ تو انہیں آ پکڑا	صٰعِقَةُ چنگھاڑ	الْعَذَابِ عذاب / الْهُوْنِ ذلت	بِمَا اسکی سزا میں جو
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وہ کماتے (کرتے تھے)	وَنَجَّيْنَا اور ہم نے بچالیا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَ اور	كَانُوْا يَتَّقُوْنَ وہ پرہیزگاری کرتے تھے

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں زمین وآسمان کی پیدائش کا ذکر فرما کر حق تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت پر استدلال فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ خدائی کے لائق وہ ہے کہ جس نے دو دن کے وقفہ میں زمین اور دو دن کے وقفہ میں زمین سے متعلق تمام چیزوں کو پیدا کیا اور پھر دو دن کے وقفہ میں آسمانوں کو پیدا کیا گویا چھ دن میں آسمانوں زمین اور زمین سے متعلق چیزوں کو پیدا کر دیا اور مشرکین جن کو خدائی میں شریک اور حصہ دار بناتے ہیں۔ وہ نہ ایک ذرہ پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس عالم کی پیدائش اور نظام میں ان کا کچھ دخل واختیار ہے تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ جو زمین وآسمان کا خالق ہے وہی معبود اور الٰہ بھی ہے۔ اب آگے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ یہ کفار ومشرکین اگر ایسے واضح دلائل سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے سے انکار ہی کرتے ہیں اور توحید و اسلام کی راہ سے اعراض ہی برتتے ہیں اور اس بات کو نہیں مانتے کہ خدا اور معبود بس وہی ایک ہے جس نے یہ زمین اور ساری کائنات بنائی ہے اور اپنی جہالت پر اصرار ہی کئے چلے جاتے ہیں تو فرما دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا انجام بھی عاد وثمود وغیرہ اقوام معذبین کی طرح ہوسکتا ہے جن کے پاس اللہ کے پیغمبر آئے اور ان کو ماضی ومستقبل کی باتیں سمجھائیں اور کوئی جہت اور پہلو نصیحت وفہمائش کا نہیں چھوڑا اور انہوں نے یہی سمجھایا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت وبندگی مت کرو جس کا جواب ان منکرین نے پیغمبروں کو یہی دیا کہ خدا کا رسول بشر کیسے ہوسکتا ہے اگر خدا کو واقعی اپنا رسول بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتا تم چونکہ فرشتے نہیں بلکہ ہم ہی جیسے انسان ہو اس لئے ہم یہ نہیں مانتے کہ تم کو خدا نے بھیجا ہے۔ اس لئے تم اپنے زعم کے موافق جو باتیں خدا کی طرف سے لائے ہو ہم ان کے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ پھر اللہ کے رسولوں نے جو عذاب کی دھمکی دی تو اس کے جواب میں کہا کہ ہم سے زیادہ کون زور آور اور قوت والا ہے کہ جس سے ہم خوف کھائیں قوم عاد کے لوگ چونکہ بڑے جسیم اور تندومند تھے تو انہوں نے اپنے بدن کی قوت پر غرور کیا اور شیخی بگھارنے لگے کہ ہم سے زیادہ زور والا کون ہے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نادان اتنا نہ سمجھے کہ اللہ ان سے زیادہ قوت والا ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور لگے جان بوجھ کر اللہ کی نشانیوں کا انکار کرنے تو ان کے غرور توڑنے کو اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ہوا کو ان پر مسلط کر دیا اور سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا طوفان چلتا رہا اور سب کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ یہ تو ان کو اس دنیا میں رسوائی کا عذاب چکھنا پڑا اور آخرت کا عذاب اور رسوائی تو بہت بڑی چیز ہے جو نہ کسی کے ٹالے ٹلے گا اور نہ وہاں کوئی مدد کر سکے گا یہ تو انجام ہوا عاد کا اور جو قوم ثمود والے تھے ان کی یہ کیفیت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی زبانی جو انہیں سیدھی راہ بتائی اور نجات کا راستہ دکھایا اس سے تو آنکھیں بند کر لیں اور راہ حق سے اندھا ہی رہنے کو پسند کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی پسند کی ہوئی حالت میں چھوڑ دیا اور ان کا

انجام یہ ہوا کہ سخت زلزلہ آیا اور اس کے ساتھ سخت ہیبت ناک کڑک سنائی دی جس سے ان کے جگر پھٹ گئے اور سب اوندھے منہ گر گر کر ہلاک ہو گئے اور ساری اکڑ فوں دم بھر میں جاتی رہی پھر خدا کی قدرت اور اس کی امداد و حمایت کا حال دیکھو کہ انہی بستیوں میں جو لوگ ایمان لائے۔ جنھوں نے اللہ کی وحدانیت کو قبول کیا۔ اور اللہ کے رسول کو مان کر ان کا اتباع اختیار کیا اور تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی اختیار کی۔ ان کو اللہ نے صاف بچا لیا اور نزول عذاب کے وقت ان پر ذرا آنچ بھی نہ آئی۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا گیا **فارسلنا علیھم ریحاً صرصراً فیؔ ایام نحسات** تو ہم نے ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے۔ تو شریعت اسلامیہ کے اصول کی بنا پر جیسا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کوئی دن یا رات اپنی ذات میں منحوس نہیں ہے۔ تو یہاں قوم عاد پر ہوا کے طوفان کے ایام کو نحسات یعنی منحوس فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایام قوم عاد کے حق میں ان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے سبب منحوس ہو گئے تھے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایام سب کے لئے منحوس ہوں۔ کیونکہ یہی ایام قوم عاد کے ایمانداروں کے لئے باعث نجات تھے اور ان پر اس طوفانی ہوا کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اس لئے کسی دن یا رات کو اپنی ذات میں منحوس نہیں کہا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ وہی دن یا رات کسی کی بداعمالی کی بنا پر اس کے حق میں منحوس ہو اور کسی کے نیک عمل کی وجہ سے وہی دن رات اس کے لئے باعث سعادت و خیر ہو۔ یہ بات چونکہ عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ضروری تشریح کی گئی۔

الغرض یہاں تک تو عذاب دنیوی کا ذکر تھا اب آگے عذاب آخرت کا ذکر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو ہدایت کے راستہ پر مستقیم رکھیں اور اعراض عن الحق سے بچائیں اور جو تعلیمات و ہدایات ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچی ہیں ان پر ہم کو دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں اور دین میں حجت بازی سے ہم کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور ایمان کی بدولت ہم کو دین و دنیا دونوں جہاں میں نجات و عافیت عطا فرمائیں اور دنیا کی رسوائی اور عذاب آخرت سے بالکلیہ بچائیں۔ یا اللہ آپ نافرمانوں کی تنبیہ کے لئے گاہے بگاہے عذاب اور پکڑ کے نمونے دنیا میں دکھاتے رہتے ہیں تاکہ لوگ آپ کی نافرمانی سے باز آجائیں اور صراط مستقیم کو اختیار کر لیں اور اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ یا اللہ اب امت مسلمہ میں بھی منکرات اور ممنوعات پھیلتے جا رہے ہیں اور طرح طرح کے دینی و دنیوی فتنے پیدا ہو رہے ہیں اور عافیت سلب ہوتی جا رہی ہے۔

یا اللہ ہم کو دین اسلام مضبوطی سے تھام لینے کی توفیق عطا فرما اور ہر حال میں اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب فرما۔ سچی توبہ و استغفار سے آپ کو راضی کر لینے کی سعادت عطا فرما تاکہ ہم کو دنیا و آخرت کی عافیت نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ

اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کر کے لائے جاویں گے، پھر وہ روکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آجاویں گے تو ان کے

سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ

کان اور آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور (اس وقت) وہ لوگ اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی،

عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾

وہ (اعضا) جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی، اور اُسی نے تم کو اوّل بار پیدا کیا تھا

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ

اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو۔ اور تم (دنیا میں) اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف میں گواہی دیں

وَلَٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي

ولیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں۔ اور تمہارے اسی گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا

ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ۖ

تم کو برباد کیا پھر تم (ابدی) خسارہ میں پڑ گئے۔ سو یہ لوگ صبر کریں تب بھی دوزخ ہی اُن کا ٹھکانہ ہے،

وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ

اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے تو بھی مقبول نہ ہوگا۔ اور ہم نے (دنیا میں) ان کیلئے کچھ ساتھ رہنے والے شیاطین مقرر کر رکھے تھے

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ

سوانہوں نے اُن کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں مستحسن کر رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے

الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿٢٥﴾

جن وانسان (کفار) ہو گذرے ہیں، بے شک وہ (سب) بھی خسارہ میں رہے۔

وَيَوْمَ اور جس دن	يُحْشَرُ جمع کئے جائینگے	أَعْدَاءُ اللَّهِ اللہ کے دشمن	إِلَى النَّارِ جہنم کی طرف	فَهُمْ تو وہ	يُوزَعُونَ گروہ گروہ کئے جائیں گے
حَتَّىٰ یہانتک کہ	إِذَا جب	مَا جَاءُوهَا وہ آئینگے اسکے پاس	شَهِدَ گواہی دیں گے	عَلَيْهِمْ ان پر	سَمْعُهُمْ ان کے کان
وَأَبْصَارُهُمْ اور ان کی آنکھیں	وَجُلُودُهُمْ اور انکی جلدیں (گوشت پوست)	بِمَا اس پر	كَانُوا يَعْمَلُونَ جو وہ کرتے تھے	وَقَالُوا اور وہ کہیں گے	
لِجُلُودِهِمْ اپنی جلدوں (گوشت پوست) سے	لِمَ کیوں	شَهِدْتُمْ تم نے گواہی دی	عَلَيْنَا ہم پر (ہمارے خلاف)	قَالُوا وہ جواب دیں گے	

اَنْطَقَنَا ہمیں گویائی دی	اللّٰہُ اللہ	الَّذِیْ وہ جس نے	اَنْطَقَ گویا فرمایا	کُلَّ شَیْءٍ ہر شے	وَهُوَ اور وہ۔اس	خَلَقَكُمْ تمہیں پیدا کیا	
اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار	وَ اور	اِلَیْهِ اسی کی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے	وَمَا اور جو	كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ تم چھپاتے تھے		
اَنْ یَّشْهَدَ کہ گواہی دیں گے	عَلَیْكُمْ تم پر تمہارے خلاف	سَمْعُكُمْ تمہارے کان	وَلَا اَبْصَارُكُمْ اور نہ تمہاری آنکھیں				
وَلَا جُلُوْدُكُمْ اور نہ تمہاری جلدیں (گوشت پوست)	وَلٰكِنْ اور لیکن (بلکہ)	ظَنَنْتُمْ تم نے گمان کرلیا تھا	اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	لَا یَعْلَمُ نہیں جانتا			
كَثِیْرًا بہت کچھ	مِمَّا اس کے	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	وَذٰلِكُمْ اور اس	ظَنُّكُمُ تمہارا گمان	الَّذِیْ وہ جو	ظَنَنْتُمْ تم نے گمان کیا تھا	
بِرَبِّكُمْ اپنے پروردگار کے متعلق	اَرْدٰىكُمْ ہلاک کیا تمہیں	فَاَصْبَحْتُمْ سو تم ہوگئے	مِنَ سے	الْخٰسِرِیْنَ خسارہ پانیوالے	فَاِنْ پھر اگر	یَّصْبِرُوْا وہ صبر کریں	
فَالنَّارُ تو جہنم	مَثْوًى ٹھکانہ	لَّهُمْ ان کیلئے	وَاِنْ اور اگر	یَّسْتَعْتِبُوْا وہ معافی چاہیں	فَمَا هُمْ تو نہ وہ	مِّنَ سے	الْمُعْتَبِیْنَ معافی قبول کئے جانیوالے
وَقَیَّضْنَا اور ہم نے مقرر کئے	لَهُمْ ان کیلئے	قُرَنَآءَ کچھ ہم نشین	فَزَیَّنُوْا لَهُمْ تو انہوں نے آراستہ کردکھایا ان کیلئے	مَّا جو	بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اُنکے آگے		
وَ اور	مَا خَلْفَهُمْ جو اُن کے پیچھے	وَحَقَّ اور پورا ہوگیا	عَلَیْهِمُ ان پر	الْقَوْلُ قول	فِیْٓ اُمَمٍ ان اُمتوں میں	قَدْ خَلَتْ جو گزر چکیں	
مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	مِّنَ الْجِنِّ جنات میں سے۔کی	وَالْاِنْسِ اور انسان	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا خٰسِرِیْنَ خسارہ پانے والے تھے			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں عاد وثمود نافرمان قوموں کا ذکر ہوا تھا کہ وہ اپنی نافرمانی وسرکشی اور تکذیب انبیاء اور کفر و شرک کی بدولت اسی دنیا میں گرفتار عذاب ہوئیں اور اپنے اعمال کی سزا میں تباہ و برباد ہوئیں۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو سزا ان کفار ومشرکین کو ملی وہ تو ملی ہی لیکن آخرت کی سزا جو کہیں زیادہ سخت اور سارے اہل محشر کی نظر میں ہونے کے باعث زیادہ رسوا کن ہوگی اس کا حال بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو قیامت کے دن فرشتے جہنم کی طرف ہنکا کر لے جائیں گے اور ان مجرموں کی ان کے جرموں کے مطابق الگ الگ جماعتیں بنا دی جائیں گی اور یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے انتظار میں جہنم کے قریب روکی جائیں گی۔ اور جب سب اگلے پچھلے جمع ہو جائیں گے تو فیصلہ اور عدالت کا کام شروع ہوگا پرسش جرائم ہوگی تو وہ انکار کریں گے اعمال ناموں کی شہادت تسلیم نہ کریں گے پڑوسیوں اور گھر والوں کی گواہی کی بھی تکذیب کریں گے۔ فرشتوں کی شہادت بھی ان کے لئے قابل قبول نہ ہوگی۔ صحاح کی حدیث ہے حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے یا ہنس دیئے اور کسی کو جرات نہ ہوئی کہ ہنسی کا سبب دریافت کرتا خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے میرے ہنسنے کی وجہ دریافت نہیں کی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور کی ہنسی کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس بات پر تعجب کر کے مسکرایا کہ قیامت کے دن کافر بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا اور کہے گا پروردگار تو نے وعدہ کرلیا ہے کہ ظلم نہ ہوگا ارشاد ہوگا بیشک ظلم نہ ہوگا تو بندہ کہے گا کہ آج میں اپنے خلاف سوائے اپنی شہادت کے کسی کی شہادت قبول نہیں کرسکتا ارشاد ہوگا کہ کیا میری اور میرے ملائکہ کی شہادت کافی نہیں۔ بندہ بار بار اپنی وہی بات کہے جائے گا آخر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء اور جوارح اس کی بداعمالیاں بیان کرنے لگیں گے۔ جو کچھ اس نے کیا ہوگا ایک ایک کر کے بیان کردیں گے پھر جب اس کا منہ کھلے گا تو وہ اپنے اعضا سے کہے گا کہ کم بختو تم پر خدا کی لعنت تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑ رہا تھا (مسلم ونسائی وغیرہ) حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ایک وقت تو وہ ہوگا کہ نہ کسی کو بولنے کی اجازت ہوگی نہ عذر معذرت کی۔ پھر جب اجازت ہوگی تو بولنے لگیں گے اور

جھگڑے کریں گے یہاں تک کہ مشرک اپنے شرک ہی سے انکار کر جائیں گے اور جھوٹی قسمیں کھا جائیں گے آخر ان کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور خود اعضائے بدن ان کے ہاتھ پاؤں آنکھ کان ان کے افعال پر شہادت دیں گے پھر جب ان کا منہ کھول دیا جائے گا تو وہ اپنے اعضاء سے لڑنے لگیں گے آخر کار انکار کے بعد اقرار ہوگا۔ اسی کے متعلق یہاں آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان مجرمین کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اور اس وقت وہ لوگ متعجب ہو کر اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف میں کیوں گواہی دی۔ ہم تو دنیا میں تمہارے ہی لئے سب کچھ کرتے تھے جب میں زبان، سے انکار کر رہا تھا تو تم پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ خوانخواہ سب کچھ بتلانا شروع کر دیا۔ آخر یہ بولنا تم کو کس نے سکھلایا؟ وہ اعضاء جواب دیں گے کہ جس کی قدرت نے ہر بولنے والی چیز کو بولنے کی قدرت دی آج اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا اور بولنے کی قوت دی۔ اور نہ بولتے اور بتلاتے تو کیا کرتے جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ نہ بولے۔ اسی قادر مطلق نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر دوبارہ زندہ کر کے لائے گئے ہو۔ گو تم اس کے منکر تھے پس جو خدا ایسا قادر اور عظیم الشان ہو اس کے سامنے اس کے حکم پر ہم حق کو کیسے چھپا سکتے تھے۔ اس لئے ہم نے صاف صاف اور سچی گواہی دے دی۔ آگے حق تعالیٰ ان منکروں کو خطاب فرمائیں گے کہ تم غیروں سے چھپ کر گناہ کرتے تھے یہ خبر نہ تھی کہ خود اپنے ہاتھ پاؤں بتلا دیں گے ان سے بھی پردہ کریں اور کرنا بھی چاہتے تو اس کی قدرت کہاں تھی۔ اصل میں تمہارے طرز عمل سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گویا تم کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کا یقین ہی نہ تھا۔ سمجھتے تھے کہ جو چاہو کرتے رہو کون دیکھ بھال کرتا ہوگا۔ اگر پوری طرح یقین ہوتا کہ خدا ہماری تمام حرکات سے باخبر ہے اور اس کے ہاں ہمارا پورا ریکارڈ موجود ہے تو ہرگز ایسی شرارتیں نہ کرتے۔ تم کو تو یہی یقین تھا کہ اللہ تمہاری بداعمالیوں کو نہیں جانتا اور تمہارے اسی خیال نے جو تم نے اپنے رب کے متعلق کر رکھا تھا تم کو تباہ کیا اور تم ابدی خسارہ اور نقصان میں پڑ گئے اب صبر کرو یا نہ کرو ٹھکانا تمہارا یہی جہنم ہے۔ اب اگر گناہوں کی تم معافی چاہو اور کیسے ہی عذر معذرت کرو یا خوشامد درآمد کرو سب بیکار ہے اس کا وقت گیا آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں ان پر شیاطین تعینات تھے کہ ان کو برے کام بھلے کر کے دکھائیں اور تباہ کن ماضی اور مستقبل کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کریں اور یہ شیطانوں کا تعینات کیا جانا بھی ان کے اعراض عن الحق کا نتیجہ تھا تو ان کے رفیقوں نے ان کے دلوں میں بری باتیں رچا دیں اور ان کے حق میں بھی اللہ کا قول یعنی وعدہ عذاب پورا ہو کر رہا۔ اور یقیناً یہ خسارہ میں رہے۔

اللہ تعالیٰ آخرت کے خسارہ سے ہم سب کو بچائیں۔ ایک حدیث میں جو حضرت معقل بن یسارؓ سے مروی ہے آخرت کے خسارہ سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر آنے والا دن انسان کو یہ ندا دیتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور جو کچھ تو میرے اندر عمل کرے گا قیامت میں میں اس پر گواہی دوں گا اس لئے اے انسان تجھے چاہئے کہ میرے ختم ہونے سے پہلے پہلے نیک عمل کر لے کہ میں اس کی قیامت میں گواہی دوں۔ اور اگر میں ختم ہو گیا اور چلا گیا تو پھر تو مجھے کبھی نہ پائے گا اسی دن کی طرح ہر رات بھی انسان کو یہی ندا دیتی ہے۔

اب آگے کفار مکہ اور منکرین قرآن و رسالت کی مذمت اور ان کے اعراض عن الحق کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾

اور یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو، شاید تم ہی غالب رہو۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا

سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے، اور ان کو ان کے بُرے بُرے کاموں کی سزا دیں گے۔

يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءً

یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ، ان کیلئے وہاں ہمیشگی کا مقام ہوگا، اس بات کے بدلہ میں کہ وہ

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ

ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور وہ کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان

اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّ

دکھا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا ہم اُن کو اپنے پیروں کے تلے مل ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔ جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا

اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے، اُن پر فرشتے اُتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم

تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ اور ہم تمہارے رفیق تھے دُنیوی زندگی میں بھی

الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ ۭ

اور آخرت میں بھی رہیں گے، اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ ع

یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ ان لوگوں نے جو	كَفَرُوْا انہوں نے کفر کیا	لَا تَسْمَعُوْا تم مت سنو	لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن کو	وَالْغَوْا اور غل مچاؤ		
فِيْهِ اس میں	لَعَلَّكُمْ شاید کہ تم	تَغْلِبُوْنَ تم غالب آجاؤ	فَلَنُذِيْقَنَّ پس ہم ضرور چکھائینگے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا (کافر)			
عَذَابًا شَدِيْدًا سخت عذاب	وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اور ہم انہیں ضرور بدلہ دینگے	اَسْوَاَ بدترین	الَّذِيْ وہ جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے (اعمال)			
ذٰلِكَ یہ	جَزَآءُ بدلہ	اَعْدَآءِ اللّٰهِ اللہ کے دشمن (جمع)	النَّارُ جہنم	لَهُمْ ان کیلئے	فِيْهَا اس میں	دَارُ الْخُلْدِ ہمیشگی کا گھر	جَزَآءً بدلہ

بِمَا اسکا جو	كَانُوْا وہ تھے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کا	يَجْحَدُوْنَ انکار کرتے	وَقَالَ اور کہیں گے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا (کافر)	
رَبَّنَا اے ہمارے رب	اَرِنَا ہمیں دکھا دے	الَّذَيْنِ وہ دونوں	اَضَلّٰنَا جنھوں نے گمراہ کیا ہمیں	مِنَ الْجِنِّ جنات میں سے	وَ اور	
الْاِنْسِ انسانوں	نَجْعَلْهُمَا ہم ان دونوں کو ڈالیں	تَحْتَ تلے	اَقْدَامِنَا اپنے پاؤں	لِيَكُوْنَا تاکہ وہ ہوں	مِنَ سے	الْاَسْفَلِيْنَ انتہائی ذلیل (جمع)
اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ وہ جنھوں نے	قَالُوْا انہوں نے کہا	رَبُّنَا اللّٰهُ ہمارا رب اللہ	ثُمَّ پھر	اسْتَقَامُوْا وہ ثابت قدم رہے	تَتَنَزَّلُ اُترتے ہیں
عَلَيْهِمُ ان پر	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	اَلَّا تَخَافُوْا کہ نہ تم خوف کھاؤ	وَلَا تَحْزَنُوْا اور نہ غمگین ہو	وَاَبْشِرُوْا اور تم خوش رہو	بِالْجَنَّةِ جنت پر	الَّتِيْ وہ جو
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا	نَحْنُ ہم	اَوْلِيٰٓؤُكُمْ تمہارے رفیق	فِي الْحَيٰوةِ زندگی میں	الدُّنْيَا دنیا	وَفِي الْاٰخِرَةِ اور آخرت میں	
وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	مَا تَشْتَهِيْٓ جو چاہیں	اَنْفُسُكُمْ تمہارے دل	وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	فِيْهَا اسمیں	مَا جو
تَدَّعُوْنَ تم مانگو گے	نُزُلًا ضیافت	مِنْ سے	غَفُوْرٍ بخشنے والا	رَّحِيْمٍ مہربان		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں کفار و مشرکین کا حال قیامت کے روز بوقت حساب کتاب بیان فرمایا گیا تھا کہ جب محشر میں کفار اپنے جرائم کا زبان سے انکار کریں گے اس وقت حکم ہوگا کہ ان کے اعضاء کی شہادت پیش کی جائے جن کے ذریعہ سے گناہ کئے تھے۔ چنانچہ ہر ایک عضو مجرم کے خلاف سچی اور صحیح شہادت دے گا اور بالآخر کفار و مشرکین کو اپنے جرائم کا اقرار کرنا پڑے گا اور جہنم ان کا ٹھکانہ بنایا جائے گا۔ اب آگے ان آیات میں کفار مکہ کا ایک طرز عمل بیان فرما کر ان کی مذمت کی جاتی ہے۔ کفار مکہ نے جب دیکھا کہ قرآن سن کر لوگوں کے دل ادھر کھنچتے ہیں اور دل متاثر ہوتے ہیں تو اس کی تدبیر کفار نے یہ نکالی اور آپس میں طے کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھا کریں تو اس وقت قرآن نہ خود سنو اور نہ کسی اور کو سننے دو اس قدر شور وغل مچاؤ اور تالیاں اور سیٹیاں بجاؤ کہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں پہنچنے ہی نہ پائے۔ جب قرآن لوگ نہ سن سکیں گے تو ان کا میلان بھی اس طرف نہ ہوگا اور اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کی آواز دب جائے گی۔ اہل باطل کے پاس حق کے مقابلہ میں جب کوئی دلیل باقی نہیں رہتی اور ان کو اپنی مغلوبیت نظر آتی ہے تو وہ لوگوں کو حق سے روکنے کے لئے جاہلانہ تدبیریں کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ کوئی حق کی آواز ہی نہ سن سکے لیکن حق و صداقت کی کڑک مچھروں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے کہاں مغلوب ہو سکتی ہے تو کفار مکہ نے آپس میں مشورہ کر کے اس پر اتفاق کیا کہ نہ خود وہ قرآن کو سنیں گے نہ دوسروں کو سننے دیں گے اور جب قرآن پڑھا جائے تو خوب شور وغل کر و سیٹیاں اور تالیاں بجاؤ چنانچہ کفار دین کی دشمنی میں یہی کرتے تھے اور اس تدبیر کو اپنے غلبہ کا باعث جانتے تھے اور یہ حال کفار مکہ ہی کا نہیں بلکہ ہر جاہل کافر کا رہا ہے کہ اسے قرآن کا سننا اچھا نہیں لگتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس حالت کے برخلاف مومنوں کو حکم فرمایا ہے **واذاقرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون** جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ تلاوت قرآن کے وقت غور و فکر کرے دل نرم رکھے اگر کوئی دوسرا پڑھتا ہو تو خاموشی اور ادب کے ساتھ سنے۔ کان لگائے رکھے۔ ایسی کوئی بات یا حرکت نہ کرے کہ پڑھنے والے کے پڑھنے میں کوئی خرابی آئے اور اس کی توجہ بٹے۔ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس موقع پر اپنی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"کہ تلاوت قرآن میں خلل ڈالنے کی نیت سے شور وغل کرنا تو کفر کی علامت ہے اور خاموش ہو کر سننا واجب اور ایمان کی علامت ہے۔ آج کل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت

اختیار کر لی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے مواقع میں ریڈیو کو کھولا جاتا ہے جس میں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور ہوٹل والے خود اپنے دھندوں میں لگے رہتے ہیں اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں اس کی صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرماویں کہ یا تو ایسے مواقع میں تلاوت قرآن کے لئے ریڈیو نہ کھولیں اور اگر کھولنا ہے اور برکت حاصل کرنا ہے تو چند منٹ سب کام بند کر کے خود بھی اس طرف متوجہ ہو کر سنیں۔ دوسروں کو بھی اس کا موقع دیں''۔

تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ برا کام کونسا ہوگا خود نصیحت کی بات نہ سنے اور دوسروں کو بھی سننے نہ دے اس لئے کفار کو ان کی اس حرکت پر وعید سنائی جا رہی ہے کہ قرآن کریم سے مخالفت کرنے کی بنا پر انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ اور ان کی اس بدعملی کا مزہ انہیں ضرور چکھایا جائے گا۔ ایسے دشمنان خدا کا بدلہ جہنم کی آگ ہے جس میں ان کے لئے ہمیشگی کا گھر ہے اور وہ سدا اسی میں رہیں گے اور یہ سزا اس کا بدلہ ہوگا کہ وہ جان بوجھ کر اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے تمام نشانیاں ان سے یہ کہہ رہی تھیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ بشر ایسا کلام ہرگز نہیں بنا سکتا اور دل میں یہ کفار بھی یہی سمجھتے تھے لیکن ضد تعصب اور عناد سے انکار ہی کرتے رہتے تھے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ کفار جہنم میں مبتلائے عذاب ہوں گے تو انتہائی جھنجھلاہٹ اور جوش غضب میں یہی چاہیں گے کہ اپنے گمراہ کرنے والے لیڈروں اور پیشواؤں اور فریب دینے والے شیاطین کو اپنے قریب موجود پائیں تو اپنے پیروں سے روند اور کچل کر رکھ دیں چنانچہ جہنمی دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم تو آفت اور مصیبت میں پھنسے ہی ہیں لیکن انسانوں اور شیاطین جنات میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کرایا ہے ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجئے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں تا کہ انتقام لے کر ہمارا دل تو کچھ ٹھنڈا ہو۔

غور کیجئے کہ وہی گمراہ عوام جو آج دنیا میں اپنے گمراہ لیڈروں اور پیشواؤں اور فریب دینے والے شیاطین کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں کل جب قیامت میں اس گمراہی کی سزا میں گرفتار ہوں گے اور انہیں پتہ چلے گا کہ ان کے رہنماؤں نے انہیں اس آفت میں گرفتار کرایا ہے تو یہی عوام انہیں کوسیں گے اور چاہیں گے کہ وہ ان کے ہاتھ آ جائیں تو پیروں تلے روند ڈالیں۔ اب یہاں تک تو کفار کی بدحالی اور بدانجامی مذکور تھی اور ان کو وعید سنائی گئی تھی آگے اہل ایمان کو ان کی خوش انجامی کی بشارت دی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا اور اس کی ربوبیت اور الوہیت کا دل سے اقرار کیا اور اس یقین و اقرار سے مرتے دم تک نہ ہٹے اس کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کیا۔ جو کچھ زبان سے کہا تھا اس کے مقتضا پر اعتقاداً اور عملاً جمے رہے اللہ کی ربوبیت کاملہ کا حق پہچانا جو عمل کیا خالص اس کی خوشنودی اور شکر گزاری کے لئے کیا۔ اپنے رب کے عائد کئے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھا اور ادا کیا۔ غرض ماسوا سے منہ موڑ کر سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی کے راستہ پر چلے ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اسکے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں جو تسکین و تسلی دیتے ہیں اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب تم کو ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ دنیائے فانی کے سب فکر و غم ختم ہوئے اور کسی آنے والی آفت کا اندیشہ بھی نہیں رہا۔ اب ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی و روحانی خوشی اور عیش تمہارے لئے ہے اور جنت کے جو وعدے اللہ کے پیغمبر کی زبانی کئے گئے تھے وہ اب تم سے پورے کئے جانے والے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں کہ اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی

چل خدا کی بخشش انعام اوراس کی نعمت کی طرف چل اس خدا کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں قبر سے اٹھتے ہوئے ہر جگہ ملائکہ رحمت مومن کے ساتھ رہیں گے اور ہر جگہ بشارتیں سناتے رہیں گے۔ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ متقین اور ابرار پر اس دنیوی زندگی میں بھی ایک قسم کا نزول فرشتوں کا ہوتا ہو جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے دینی اور دنیوی امور میں بہتری کی باتیں الہام کرتے ہوں جو ان کے شرح صدر اور تسکین و اطمینان کا موجب ہو جاتا ہے جیسا کہ انہی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتے مومنین سے یہ کہیں گے کہ ہم دنیا کی زندگانی میں بھی تمہارے رفیق اور ساتھی تھے۔ تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے خیر کی رہنمائی کرتے تھے ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تمہاری وحشت اور دہشت دور کرتے رہیں گے اور تمہاری شفاعت اعزاز و اکرام کا انتظام کریں گے یہاں تک کہ نعمتوں والی جنت میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے اور جنت میں پہنچ کر جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا۔ جو خواہش و رغبت دل یا زبان سے کرو گے سب کچھ ملے گا۔ اور یہ مہمانی یہ عطا اور یہ انعام یہ ضیافت اس خدا کی طرف سے ہو گی جو غفور الرحیم ہے جو بڑا بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے جس کا لطف و کرم اور بخشش و رحم بہت وسیع ہے۔ یہ تو اہل ایمان کی تسلی و تسکین کا بیان ہوا اس کے بعد ان کو اصل کام یعنی حسن اعمال کی طرف ترغیب دلائی جا رہی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو قرآن پاک کی دولت عطا فرمائی ہے اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق بھی نصیب فرمائیں اور اس کے خلاف چلنے اور قدم اٹھانے سے ہم کو بچائیں۔

یا اللہ دنیا میں انسانوں اور شیطانوں کی گمراہی سے ہماری کامل طور پر حفاظت فرمائیے اور ہم کو اسلام اور ایمان پر استقامت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ ہمیں بھی اپنے ان مومن بندوں میں شامل فرما لیجئے جن پر ملائکہ کا نزول ہو گا اور جنت کی خوشخبری اور بشارت سنیں گے۔

یا اللہ اپنے کرم سے ہمیں بھی مومنین کاملین کے طفیل میں ان کے ساتھ جنت کی مہمانی نصیب فرمائیے اور اپنی مغفرت و رحمت سے نواز دیجئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿٣٣﴾

اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں سے ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے، پھر یکایک آپ میں

وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ

اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے، اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں، اور یہ بات اُسی کو نصیب ہوتی ہے

اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿٣٥﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ

جو بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے،

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٣٦﴾

بلاشبہ وہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔

وَمَنْ اور کس	اَحْسَنُ بہترین	قَوْلًا قول	مِمَّنْ اس سے جو	دَعَا بلائے	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	وَعَمِلَ اور عمل کرے	صَالِحًا اچھے		
وَقَالَ اور وہ کہے	اِنَّنِیْ بیشک میں	مِنَ سے	الْمُسْلِمِیْنَ مسلمانوں	وَلَا تَسْتَوِی اور برابر نہیں ہوتی	الْحَسَنَةُ نیکی	وَلَا السَّیِّئَةُ اور نہ برائی			
اِدْفَعْ دور کردیں آپ	بِالَّتِیْ اس سے جو	هِیَ وہ	اَحْسَنُ بہترین	فَاِذَا تو یکایک	الَّذِیْ وہ جو شخص	بَیْنَكَ آپکے درمیان	وَ اور	بَیْنَهٗ اس کے درمیان	
عَدَاوَةٌ عداوت	كَاَنَّهٗ گویا کہ وہ	وَلِیٌّ دوست	حَمِیْمٌ قرابتی (جگری)	وَمَا یُلَقّٰىهَا اور نہیں ملتی یہ	اِلَّا مگر	الَّذِیْنَ وہ جنھوں نے	صَبَرُوْا صبر کیا		
وَمَا اور نہیں	یُلَقّٰىهَا ملتی یہ	اِلَّا مگر	ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ بڑے نصیب والے	وَاِمَّا اور اگر	یَنْزَغَنَّكَ تمہیں وسوسہ آئے	مِنَ سے			
الشَّیْطٰنِ شیطان	نَزْغٌ کوئی وسوسہ	فَاسْتَعِذْ تو پناہ چاہیں	بِاللّٰهِ اللہ کی	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	السَّمِیْعُ سننے والا	الْعَلِیْمُ جاننے والا		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے مقابلہ میں ان مخصوص بندوں یعنی اہل ایمان کا ذکر ہوا تھا جنھوں نے صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔ ایسے بندوں کے لئے اللہ کے فرشتوں کی رفاقت و حمایت کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری سنائی گئی تھی اور جنت جو دائمی آرام وراحت اور چین وسکون کی جگہ ہے اس کی بشارت دی گئی تھی اب آگے ان آیات میں انہی اہل ایمان کے ایک اعلیٰ مقام اور بہترین عمل کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ

بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے اور خدا کے بندوں کو خدا کی طرف بلائے۔ اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے۔ اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اس کا قول وفعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں موثر ہو۔ جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود بھی اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طغرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو اور ہر قسم کی ملکی اور قومی اور فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو

بلائے جس کی دعوت دینے کے لئے خاتم الانبیاء نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے تو اگرچہ یہ آیت **و من احسن قولاً ممن دعآ الی اللہ و عمل صالحاً و قال اننی من المسلمین** عام ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی اس لئے سب سے اولیٰ طور پر اس آیت کے مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ پھر حضرات صحابہ کرامؓ اس شرف سے ممتاز ہوئے۔ پھر درجہ بدرجہ آنے والے لوگوں کو یہ نیابت حاصل ہوئی۔ اس آیت کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس ماحول کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے جس ماحول میں کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت مکہ کے حالات یہ تھے کہ جو شخص بھی اپنا دین اسلام اور اپنے کو مسلمان ہونا ظاہر کرتا تو گویا وہ اپنے کو دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا پاتا ان حالات میں فرمایا گیا کہ کمال درجہ کی نیکی یہ ہے کہ اللہ کی توحید اور بندگی کی طرف خلق خدا کو دعوت دے اور بے دھڑک اٹھ کر کہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس دعوت الی اللہ کے کام کو کرتے ہوئے اپنا عمل اور اخلاق اتنا صاف اور پاکیزہ رکھے کہ کسی کو اسلام اور اس کے علمبرداروں پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ ملے۔ یہاں آیت میں **دعآ الی اللہ** فرمایا ہے یعنی جو اللہ کی طرف بلائے۔ ان ظاہر الفاظ سے بعض علماء نے اشارہ اذان کی طرف سمجھا ہے اور اس سے عمل اذان کی فضیلت پر استدلال کیا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اذان جو اللہ کی طرف بلانے کی دعوت ہے اس کی فضیلت اپنی جگہ بالکل مسلم ہے۔ احادیث میں موذن کے لئے یہ بشارت آچکی ہے کہ اللہ نے اس کا گوشت پوست آگ پر حرام کر دیا ہے۔ مگر یہ فضیلت اسی کے لئے ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے اذان دے۔ اجرت و معاوضہ پیش نظر نہ ہو۔ صحیح مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن موذن سب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں موذن ہوتا تو پھر مجھے حج و عمرے اور جہاد کی اتنی زیادہ پرواہ نہ رہتی۔ (ابن کثیر) اور حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اگر میں موذن ہوتا تو میری آرزو پوری ہو جاتی۔ اور میں رات کے نفلی قیام کی اور دن کے نفلی روزوں کی اس قدر تنگ و دو نہ کرتا میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے تین بار موذنوں کی بخشش کی دعا مانگی (ابن کثیر) حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں موذنوں کی بھی تعریف ہے کیونکہ اس کا **حی علی الصلوٰۃ** کہنا خدا کی طرف بلانا ہے لیکن عام علمائے مفسرین کا کہنا یہی ہے کہ اس آیت کا مفہوم دعا الی اللہ عام ہے اور ہر داعی الی اللہ اس کے تحت میں آجاتا ہے خواہ وہ حاکم عادل ہو یا فوجی مجاہد ہو یا مدرسہ کا معلم و مدرس ہو۔ یا واعظ ہو یا شیخ طریقت ہو یا دینی کتابوں کا مصنف و مولف ہو۔ اسی آیت سے فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہی ہے اور اسی سے بعض علماء نے یہ بھی مرتب کیا ہے کہ دعوت الی اللہ فرض ہے ورنہ اگر یہ فرض نہ ہو بلکہ صرف نفل ہو تو نفل کا فرض سے بہتر ہونا لازم آتا ہے الغرض یہ آیت صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعوت ایمانی اور تبلیغ اعمال صالحہ اللہ کی نظر میں بہت پسندیدہ ہے۔ لیکن داعی الی اللہ کے لئے بھی ایک شرط **و عمل صالحاً** کی فرمائی گئی ہے یعنی جہاں دوسروں کو دعوت دی جائے وہاں اپنے اعمال کو بھی صالحہ بنایا جائے اس آیت کا آخری فقرہ **و قال اننی من المسلمین** اور کہے کہ میں مسلمان ہوں یہ ظاہر کر رہا ہے کہ داعی الی اللہ کا طغرائے قومیت صرف اسلام اور مسلمان ہونا ہو اور وہ اپنے مسلم ہونے کی منادی کرے۔ اس قرآنی ہدایت اور وصف کے خلاف آج امت مسلمہ میں کہیں عربی اور غیر عربی کا دعویٰ بلند کیا جا رہا ہے تو کہیں پاکستانی اور غیر پاکستانی کا یا بنگالی سندھی پنجابی بلوچی اور دوسرے فرقہ وارانہ نسبتوں کی طرف اپنے کو منسوب کرنا فخر سمجھا جا رہا ہے جو سراسر قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایک کلمہ گو کا طغرائے امتیاز ''مسلمان'' ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام عالم کے اہل اسلام کو اس طغرائے امتیاز کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

شاعر مشرق مرحوم علامہ اقبال نے اسی کے متعلق کیا خوب کہا ہے:۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں
منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟
شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں ''مسلم'' موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں ! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلماں بھی ہو
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

آگے ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن و اخلاق کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دی جاتی اور سمجھایا جاتا ہے کہ خوب سمجھ لو نیکی بدی کے اور بدی کے برابر نہیں ہوسکتی۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے لہذا ایک مسلم و مومن اور خصوصاً ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے اس طرز عمل کے نتیجہ میں سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں کے بعد سچے دل سے دوست بن جائے دشمنی اور عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں ہاں کسی شخص کی طبیعت سانپ اور بچھوؤں کی طرح ہے کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں بہرحال دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر و استقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔ یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہئے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے یہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے یہاں تک اس مقابل اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنا سکھلایا گیا جو حسن معاملہ اور خوش اخلاقی سے متاثر ہوسکتا ہو۔ لیکن ایک دشمن وہ ہے جو کسی حال میں اور کسی نہج سے دشمنی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کتنی ہی خوشامد نرمی برتو اس کا نصب العین یہی ہو کہ تم کو ہر طرح نقصان پہنچائے تو ایسے پکے دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے تدبیر آگے تلقین فرمائی جاتی ہے۔ اور بتلایا جاتا ہے کہ ایسے شیطان کے مقابلہ میں نرمی اور عفو و درگزر سے کام نہیں چلتا اور اس سے بچنے کے لئے ایک ہی تدبیر ہے کہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ جاؤ یہ وہ مضبوط قلعہ ہے جہاں پر شیطان کی رسائی نہیں اگر تم واقعی اخلاص اور تضرع سے اللہ کو پکارو گے تو وہ تم کو ضرور پناہ دے گا کیونکہ وہ ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور خوب سنتا ہے کہ کس نے اس کو کتنے اخلاص اور تضرع سے پکارا ہے۔

یہاں ان آیات میں جس حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی اس کی بہترین تفسیر ایک وہ واقعہ ہے جو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابو بکر

صدیقؓ کو بے تحاشا برا بھلا کہنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ خاموشی کے ساتھ اس کا سب وشتم سنتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکراتے رہے۔ آخر کار جناب صدیقؓ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو آپ نے بھی اسے جواب میں ایک سخت بات کہہ دی۔ ان کی زبان سے وہ بات نکلتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید انقباض طاری ہوا جو چہرۂ مبارک پر نمایاں ہونے لگا اور آپ فوراً اٹھ کر تشریف لے چلے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اٹھ کر آپؐ کے پیچھے ہو لئے اور راستہ میں عرض کیا کہ حضور وہ مجھے برا بھلا کہتا رہا اور آپؐ خاموش مسکراتے رہے جب میں نے اسے ایک جواب دیا تو آپ ناراض ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم خاموش تھے تو ایک فرشتہ تمہارے ساتھ رہا اور تمہاری طرف سے اس کو جواب دیتا رہا اور جب تم بول پڑے تو فرشتہ کی جگہ شیطان آ گیا۔ میں شیطان کے ساتھ تو نہیں بیٹھ سکتا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کریم کا تو کیا ہی کہنا اس لئے گو خطاب یہاں آپ کی طرف ہے مگر مقصود عام تعلیم ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس قرآنی اخلاق کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اعلیٰ مظہر ہو کر چمکے اور جدھر گئے غیر مسلموں کو اپنے اخلاق سے متاثر کیا اور ان کے اعلیٰ اخلاق تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنتے تھے۔ افسوس ہے کہ آج بھی وہی قرآن موجود ہے مگر اس وقت کا مسلمان قرآنی اخلاق سے اتنا دور ہو گیا ہے الا ماشاء اللہ کہ آج ہم اپنی بدخلقی اور بداطواری سے اسلام کو بدنام کرنے والے ثابت ہو رہے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

الغرض دعوت الی اللہ کی فضیلت کے ساتھ داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے اس کو بیان فرما کر آگے جس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بلایا جاتا ہے اس کی شان عظمت و قدرت اور وحدانیت کو ظاہر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اور تمام امت مسلمہ کو قرآنی ہدایات وتعلیمات کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حق تعالیٰ ہم کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں داعی الی اللہ کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعادت عطا فرمائیں ہم کو بھی یا اللہ اپنے راستہ پر چلنا نصیب فرما اور ساتھ ہی دوسروں کو بھی چلانا نصیب فرما۔

یا اللہ ہمیں قرآنی اخلاق سے مزین فرما اور شیطانی وساوس سے ہماری حفاظت فرما اور اپنی پناہ میں داخل فرما۔

یا اللہ! سلف صالحین کے قرآنی اخلاق تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنتے تھے۔ لیکن آج ہم اپنی بدخلقی اور بداعمالی سے بدنام کنندۂ اسلام ثابت ہو رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یا اللہ ہماری اور تمام امت مسلمہ کی حالت اس وقت قابل رحم ہے۔ آپ ہی کے فضل وکرم سے آپ ہی کی تائید وتوفیق سے آپ ہی کی نصرت وحمایت سے ہماری حالت بدل سکتی ہے۔

یا اللہ ہم آپ کے کرم ورحم کے طالب ہیں۔ آپ ہی کی طرف رجوع ہو کر آپ سے ہدایت کے بھکاری ہیں۔ آپ ہی سے توفیق حسن کے خواستگار ہیں۔ آپ کے بندے ہیں۔ آپ کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ آپ ہی ہماری مدد فرمائیں اور ہمارے منجدھار میں ڈوبتے ہوئے بیڑے کو پار لگا دیں اور ہمیں پھر سے اسلام کا وفادار اور جانثار بنا دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ

اور منجملہ اس کی (قدرت وتوحید کی) نشانیوں کے رات اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے، (پس) تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا

اور (صرف) اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۩ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ

توجو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ شب وروز اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ (اس سے ذرا) نہیں اکتاتے۔ اور منجملہ اس کی (قدرت وتوحید کی)

اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ

نشانیوں کے ایک یہ ہے (کہ اے مخاطب) تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے، (اس سے ثابت ہوا کہ)

اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

جس نے اس زمین کو زندہ کردیا وہی مردوں کو زندہ کردے گا، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں

لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا

وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں، سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جاوے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن وامان کے ساتھ (جنت میں) آئے، جو جی چاہے کرلو،

شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

وہ تمہارا سب کیا ہوا دیکھ رہا ہے۔

وَمِنْ اور سے	اٰيٰتِهِ اسکی نشانیاں	الَّيْلُ رات	وَالنَّهَارُ اور دن	وَالشَّمْسُ اور سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	لَا تَسْجُدُوْا تم نہ سجدہ کرو	لِلشَّمْسِ سورج کو	
وَلَا اور نہ	لِلْقَمَرِ چاند کو	وَاسْجُدُوْا اور تم سجدہ کرو	لِلّٰهِ اللہ کو	الَّذِيْ وہ جس نے	خَلَقَهُنَّ پیدا کیا انہیں	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	
اِيَّاهُ صرف اسکی	تَعْبُدُوْنَ عبادت کرتے	فَاِنِ پس اگر وہ	اسْتَكْبَرُوْا تکبر کریں	فَالَّذِيْنَ سو وہ جو	عِنْدَ رَبِّكَ آپ کے رب کے نزدیک			
يُسَبِّحُوْنَ وہ تسبیح کرتے ہیں	لَهٗ اسکی	بِالَّيْلِ رات	وَالنَّهَارِ اور دن	وَهُمْ اور وہ	لَا يَسْـَٔمُوْنَ نہیں اکتاتے	وَ اور	مِنْ اٰيٰتِهٖ اسکی نشانیوں میں سے	
اَنَّكَ کہ تو	تَرَى تو دیکھتا ہے	الْاَرْضَ زمین	خَاشِعَةً دبی ہوئی سنسان	فَاِذَا پھر جب	اَنْزَلْنَا ہم نے اتارا	عَلَيْهَا اس پر	الْمَآءَ پانی	
اهْتَزَّتْ وہ لہلہانے لگتی ہے	وَرَبَتْ اور پھولتی ہے	اِنَّ بیشک	الَّذِيْ وہ جس نے	اَحْيَاهَا اس کو زندہ کیا	لَمُحْيِ الْمَوْتٰى البتہ زندہ کرنیوالا مردوں کو			
اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ہر شے پر	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	يُلْحِدُوْنَ کج روی کرتے ہیں	فِيْ اٰيٰتِنَا ہماری آیات میں		
لَا يَخْفَوْنَ وہ پوشیدہ نہیں	عَلَيْنَا ہم پر	اَفَمَنْ تو کیا جو	يُلْقٰى ڈالا جائے	فِي النَّارِ آگ میں	خَيْرٌ بہتر	اَمْ مَّنْ یا جو	يَّاْتِيْٓ آئے	اٰمِنًا امن کیساتھ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روز قیامت	اِعْمَلُوْا تم کرو	مَا شِئْتُمْ جو تم چاہو	اِنَّهٗ بیشک وہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	بَصِيْرٌ دیکھنے والا			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں دعوت الی اللہ کی فضیلت کے ساتھ داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے اس کا بیان فرمایا گیا تھا۔ اب یہاں سے آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ گویا اس میں یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول و فعل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری جانب چاند سورج اور آسمان و زمین کا عظیم الشان نظم سوچنے اور سمجھنے والوں کو اسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ جیسے بہت سی قومیں انہی میں الجھ کر رہ گئی ہیں۔ بلکہ لازم ہے کہ اس لامحدود قدرت والے مالک کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ سب نشانیاں ہیں اور جس کے حکم سے یہ نشانیاں یعنی دن رات اور چاند اور سورج ایک مقررہ نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ سورج اور چاند اور دن اور رات اس کی قدرت کاملہ کے نشانات ہیں رات کو اس کے اندھیروں سمیت اور دن کو اس کے اجالے سمیت اسی نے بنایا ہے جو یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں چونکہ آسمان اور زمین میں زیادہ خوبصورت اور منور سورج اور چاند تھا اس لئے اسی خصوصیت سے اپنا مخلوق ہونا فرمایا اور فرمایا کہ اگر خدا کے بندے ہو تو سورج اور چاند کے آگے ماتھا نہ ٹیکنا اس لئے کہ وہ مخلوق ہیں اور مخلوق سجدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ سجدہ کئے جانے کے لائق وہی ایک خدا ہے۔ جو سب کا خالق ہے پس تم صرف خدا کی عبادت کئے جاؤ سورج اور چاند وغیرہ کے پوجنے والے بھی زبان سے یہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ اس لئے یہاں بتلا دیا گیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے جو لوگ صرف اس کی عبادت نہیں کرتے اور غرور اور تکبر حق کے قبول کرنے سے مانع ہے۔ اور باوجود واضح دلائل کے توحید الٰہی کی طرف آنا نہیں چاہتے تو نہ آئیں اپنا ہی نقصان کریں گے اللہ کو ان کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے جس کی بڑائی اور بزرگی اور عظمت اور جبروت کا یہ حال ہو کہ بے شمار ملائکہ مقربین شب و روز اس کی عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں نہ کبھی تھکتے ہیں اور نہ کبھی اکتاتے ہیں۔ تو ایسے بزرگ اور مقدس فرشتوں کے سامنے یہ مشرکین بے چارے کیا چیز ہیں اور ان کا غرور کیا چیز ہے۔ خوامخواہ کی جھوٹی شیخی کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ زمین کو دیکھو بے چاری کیسی چپ چاپ ذلیل وخوار بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ خشکی کے وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں آسمانی بارش کا ایک چھینٹا پڑا پھر اس کی تروتازگی رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتی ہے۔ کھیتیاں، سبزے، گھاس، پات، پھل، پھول وغیرہ اُگ آتے ہیں اور وہ ایک عجیب انداز سے اپنے سبزے کے ساتھ لہلہانے لگتی ہے۔ آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے؟ جس خدا نے اس مردہ زمین کو زندہ کر دیا کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا۔ بے شک وہ سب کچھ کر سکتا ہے اس کی قدرت کے سامنے کوئی مانع و مزاحم نہیں۔ تو قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھ کر اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی زبان سے اللہ کی آیات سن کر بھی جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی باتوں میں واہی تباہی شبہات کو پیدا کر کے ٹیڑھی بناتے ہیں یا خوامخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب غلط لیتے ہیں یا یونہی جھوٹ موٹ کے عذر اور بہانے تراش کر آیات اور احکام الٰہیہ کے ماننے میں ہیر پھیر کرتے ہیں ایسی ٹیڑھی چال چلنے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے اور خدا سے ان کی کوئی چال پوشیدہ نہیں جس وقت سامنے جائیں گے نتیجہ دیکھ لیں گے فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی

ہے کہ مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا۔ یہ سب کچھ سمجھانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اب جو تمہاری سمجھ میں آئے کئے جاؤ۔ مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں۔ ایک دن ان کا اکٹھا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اب خود سوچ لو اور سمجھ لو کہ ایک شخص جو اپنی شرارتوں کی بدولت جلتی آگ میں گرے اور ایک جو اپنی شرافت اور سلامت روی کی بدولت ہمیشہ امن وچین سے رہے دونوں میں کون بہتر ہے؟ 3

ان آیات سے ایک بات یہ ثابت ہوئی جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”سجدہ صرف حق تعالیٰ خالق کائنات کا حق ہے اس کے سوا کسی ستارے یا انسان وغیرہ کو سجدہ کرنا حرام ہے خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو یا محض تعظیم وتکریم کی نیت سے دونوں صورتیں اب باجماع امت حرام ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے کسی کو سجدہ کرے گا وہ کافر ہو جاوے گا اور جس نے محض تعظیم وتکریم کے لئے سجدہ کیا اس کو کافر نہ کہیں گے مگر ارتکاب حرام کا مجرم اور فاسق کہا جائے گا۔ سجدۂ عبادت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی امت وشریعت میں حلال نہیں رہا کیونکہ وہ شرک میں داخل ہے اور شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام رہا ہے البتہ کسی کو تعظیماً سجدہ کرنا یہ پچھلی شریعتوں میں جائز تھا دنیا میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سب فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم ہوا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے والد اور بھائیوں نے سجدہ کیا جس کا ذکر قرآن کریم میں سورۂ یوسف میں موجود ہے مگر باتفاق فقہائے امت یہ حکم ان شریعتوں میں تھا۔ اسلام میں منسوخ قرار دیا گیا اور غیر اللہ کو سجدہ مطلقاً حرام قرار دیا گیا“۔ (معارف القرآن)

افسوس ہے کہ بعض جاہل پیروں اور مریدوں میں یہ سجدہ بازی کی رسم اب بھی پائی جاتی ہے اور بزرگان دین کی قبروں کو سجدہ کرنا تو اس ملک پاکستان اور ہندوستان میں تو اکثر صاحبان نے دیکھا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور ہر طرح کے منکرات سے بچا کر دین خالص پر ہم کو استقامت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے قرآن کریم جو حق تعالیٰ حکیم وحمید کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی حقانیت اور شان عظمت کو بیان کیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

ان تلاوت کردہ آیات میں چونکہ آیت سجدہ بھی تلاوت کی گئی ہے اس لئے پڑھنے اور سننے والوں پر ایک سجدہ تلاوت واجب ہو گیا ہے جس کو ادا کر لیا جائے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو توحید کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ ہمیں شب وروز اپنی عبادت اور اپنی پاکی وبڑائی بیان کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اور قیامت وآخرت پر ہم کو ایسا یقین کامل نصیب فرما کہ ہم آخرت سے کسی لحظہ غافل نہ ہوں۔ یا اللہ اپنے کرم سے قیامت کے دن نار سے ہم کو بچایئے اور اپنی امن وامان والی جنت میں ہمیں داخل ہونا نصیب فرمایئے یا اللہ! ہم کفار ومشرکین کی کیا حکایت وشکایت کریں جو قیامت وآخرت کے منکر ہیں۔ اب تو ہمیں رونا بعض اہل اسلام ہی کے لئے ہے کہ جو دنیا میں من مانی اور دل چاہی زندگی بسر کر رہے ہیں اور قیامت وآخرت سے بالکل بے پرواہ ہو کر ممنوعات ومنکرات شرعیہ میں گرفتار ہیں آپ کے احکام سے انحراف واعراض برت رہے ہیں۔

یا اللہ! اس غفلت وجہالت کو اہل اسلام سے دور فرما دے اور ہم کو اپنا وفادار فرمانبردار بندہ بن کر زندہ رہنا اور اسی حالت پر مرنا نصیب فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ

جولوگ اس قرآن کا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے انکار کرتے ہیں، اور یہ (قرآن) بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے

بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ

اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ آپ کو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو کہی گئی ہیں

قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے۔ اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے

قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں، یہ کیا بات کہ عجمی کتاب اور عربی رسول، آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کیلئے

هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ

تو راہ نما اور شفا ہے، اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں ڈاٹ ہے، اور وہ قرآن ان کے حق میں نابینائی ہے، یہ لوگ (ایسے ہیں کہ گویا)

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٤٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْ

کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جارہے ہیں۔ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اس میں بھی اختلاف ہوا، اور اگر ایک بات نہ ہوتی

لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿٤٥﴾

جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے (کہ پورا عذاب آخرت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا، اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾

جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے، جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کیلئے اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں،

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	كَفَرُوْا انکار کیا	بِالذِّكْرِ ذکر (قرآن) کا	لَمَّا جب	جَآءَهُمْ وہ آیا ان کے پاس	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ
لَكِتٰبٌ البتہ کتاب ہے	عَزِيْزٌ گرامی قدر	لَا يَاْتِيْهِ اسکے پاس نہیں آتا	الْبَاطِلُ باطل	مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ اس کے سامنے سے	وَلَا اور نہ	
مِنْ خَلْفِهٖ اس کے پیچھے سے	تَنْزِيْلٌ نازل کیا گیا	مِنْ سے	حَكِيْمٍ حکمت والے	حَمِيْدٍ سزاوار	مَا يُقَالُ نہیں کہا جاتا	لَكَ آپ کو
اِلَّا سوائے	مَا قَدْ قِيْلَ جو کہا جاچکا ہے	لِلرُّسُلِ رسولوں کو	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے قبل	اِنَّ بیشک	رَبَّكَ آپ کا رب	لَذُوْ مَغْفِرَةٍ بڑی مغفرت والا
وَذُوْ عِقَابٍ اور سزا دینے والا	اَلِيْمٍ دردناک	وَلَوْ جَعَلْنٰهُ اور اگر ہم بناتے اُسے	قُرْاٰنًا قرآن کو	اَعْجَمِيًّا عجمی زبان کا	لَقَالُوْا تو وہ کہتے	
لَوْ کیوں	لَا فُصِّلَتْ نہ صاف بیان کی گئیں	اٰيٰتُهٗ اسکی آیتیں	ءَاَعْجَمِيٌّ کیا عجمی (کتاب)	وَّعَرَبِيٌّ اور عربی (رسول)	قُلْ فرمادیں	
هُوَ وہ۔یہ	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	هُدًى ہدایت	وَّشِفَآءٌ اور شفاء	وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لائے

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ ان کے کانوں میں	وَقْرٌ گرانی	وَهُوَ اور وہ۔ یہ	عَلَيْهِمْ ان پر	عَمًى اندھاپن	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	يُنَادَوْنَ پکارے جاتے ہیں
مِنْ سے	مَكَانٍ کسی جگہ	بَعِيْدٍ دور	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور تحقیق ہم نے دی	مُوْسَى موسیٰ	الْكِتٰبَ کتاب	فَاخْتُلِفَ تو اختلاف کیا گیا
فِيْهِ اس میں	وَلَوْ اور اگر	لَا كَلِمَةٌ نہ ہوتی ایک بات	سَبَقَتْ پہلے ٹھہر چکی	مِنْ رَّبِّكَ آپ کے رب کی طرف سے	لَقُضِيَ تو فیصلہ ہو چکا ہوتا	
بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ	لَفِيْ شَكٍّ ضرور شک میں	مِنْهُ اس سے	مُرِيْبٍ تردد میں ڈالنے والے شک میں		
مَنْ جو۔جس	عَمِلَ عمل کیے	صَالِحًا اچھے	فَلِنَفْسِهٖ تو اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جس	اَسَآءَ برائی کی	فَعَلَيْهَا تو اس پر اس کا وبال
وَمَا اور نہیں	رَبُّكَ آپ کا رب	بِظَلَّامٍ مطلق ظلم کرنے والا	لِلْعَبِيْدِ اپنے بندوں پر			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ان لوگوں کو جو اللہ کی نشانیاں دیکھ کر اس کو نہیں پہچانتے۔ اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی زبان سے آیات الٰہیہ سن کر ان کو نہیں مانتے اور سیدھی سادھی دین کی باتوں میں شک وشبہات کرتے ہیں اور عذر و بہانہ تراش کر احکام خداوندی ماننے سے انکار کرتے ہیں ان کو جتلایا گیا تھا کہ تم جو چاہے کیے جاؤ اللہ تمہارے سب کام دیکھ رہا ہے ایک دن ان کا خمیازہ اکٹھا بھگتنا ہوگا اور پوچھا گیا تھا کہ بتلاؤ قیامت کے دن نار جہنم میں پڑنے والا اچھا ہے یا وہ جو خوش اور بے غم ہو کر امن وامان حاصل کرنے والا ہے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ خواہ مخواہ اپنی کجروی سے نصیحت کی بات میں شبہات پیدا کر دیتے ہیں اور بھولی ہوئی نیک باتوں کے یاد دلانے والے تذکرہ سے منہ موڑتے ہیں وہ بڑا غضب کر رہے ہیں یہ تذکرہ تو ایک بڑی عزت اور شان والی کتاب ہے جس کے پیچھے جھوٹ کہیں پھٹک بھی نہیں سکتا اور جس میں جھوٹ کی کسی طرف سے کوئی گنجائش ہی نہیں تو ایسی صاف واضح اور محکم کتاب کا انکار ایک احمق یا شریر آدمی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ کتاب تو اس کی اتاری ہوئی ہے جو ساری حقیقتوں سے واقف اور تمام کا مالک ہے تو باطل کی کیا مجال ہے کہ جو اس کتاب کے پاس بھی پھٹک سکے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ منکرین کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے یہی رویہ ہر زمانے کے منکرین کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ رہا ہے۔ پیغمبروں نے ہمیشہ خیر خواہی کی ہے لیکن منکرین نے اس کے جواب میں ہر طرح کی اذیت اور تکلیفیں پہنچائیں۔ پھر جس طرح گذشتہ پیغمبروں نے سختیوں پر صبر کیا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی صبر کرتے رہیے۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ کچھ لوگ توبہ کر کے راہ راست پر آ جائیں گے اور کچھ اپنی کجروی اور ضد پر قائم رہیں گے جو آپ کی بات مان لیں گے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور جو نہ مانے گا وہ سزا پائے گا کیونکہ اللہ سزا بھی سخت دینے والا ہے۔ آگے کفار مکہ کے ایک خاص حیلے بہانے کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جو یہ کہتے تھے کہ عربی پیغمبر کا معجزہ تو ہم اس وقت سمجھتے جب قرآن عربی کے سوا کسی اور زبان میں آتا۔ عربی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مادری زبان ہے۔ یہ جو عربی میں قرآن پیش کرتے ہیں تو کیسے یقین کیا جائے کہ یہ انہوں نے خود اپنی طرف سے نہیں گھڑ لیا (العیاذ باللہ تعالیٰ) ہاں اگر کسی دوسری زبان میں جس کو یہ نہیں جانتے خدا کا کلام پیش کیا ہوتا تو اس وقت مانا جا سکتا تھا کہ یہ ان کا اپنا بنایا ہوا نہیں ہے۔ اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ جسے ایک بات نہ ماننا ہو تو ہزار حیلے بہانے نکال سکتا ہے اب تو کفار مکہ یوں کہتے ہیں کہ عربی کے سوا اور کسی زبان میں قرآن آتا تو ہم مان لیتے کہ یہ معجزہ ہے لیکن فرض کرو اگر ایسا ہوتا تو اس وقت ان کو یہ اعتراض ہوتا کہ عربوں کے لئے عربی زبان میں یہ کلام کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ بھلا یہ کیسی بے جوڑ بات کہ رسول عربی اور اس کی قوم جو اولین مخاطب ہے عرب اور کتاب بھیجی جائے ایسی

زبان میں جس کا ایک حرف بھی عرب لوگ نہ سمجھ سکیں۔ تو منکرین ومعاندین کے یہ لغواور بیہودہ شبہات تو کبھی ختم نہ ہوں گے۔ ہاں اس قدر تجربہ ہر ایک آدمی کر سکتا ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو کیسی عجیب اور نافع ہدایات اور بصیرت اور سوجھ بوجھ عطا کرتی ہے کہ ان کے قرنوں اور صدیوں کے روگ مٹا کر کس طرح بھلا چنگا کر دیتی ہے اور کیسی بداخلاقیوں اور بدکرداریوں سے نکال کر حسن اخلاق اور نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف لے آتی ہے۔ اس پر بھی ان منکرین کو اگر قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا تو اس میں قرآن کا کیا قصور ہے۔ ان منکروں کو چاہئے کہ اپنی نگاہ کا ضعف وقصور محسوس کر کے اپنی آنکھوں کا علاج کریں جیسے کسی کو دور سے آواز دی جائے تو وہ نہیں سنتا اور اگر سنے بھی تو اچھی طرح سمجھتا نہیں اسی طرح منکرین قرآن بھی صداقت اور منبع صداقت سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ حق کی آواز ان کے دل کے کانوں تک نہیں پہنچتی اور کبھی کچھ پہنچتی ہے تو اس کا ٹھیک مطلب نہیں سمجھتے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید تسلی کے لئے فرمایا جاتا ہے کہ جیسے آج قرآن کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں اختلاف پڑ رہا ہے پہلے توریت کے متعلق جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی ایسا ہی اختلاف پڑ چکا ہے بعض نے مانا بعض نے نہ مانا۔ پھر دیکھ لو کہ وہاں نہ ماننے والوں کا انجام کیا ہوا تھا۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی ان کے اختلافات سے متاثر نہ ہو جایئے اور یہ سب اختلافات محض اس وجہ سے ہیں کہ انہیں مہلت دی جا رہی ہے اور مہلت اس وجہ سے دی جا رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی طے کر چکے ہیں کہ وہ کسی کو پورے طور پر اتمام حجت سے پہلے سزا نہ دیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ کا یہ حکم جاری نہ ہو چکا ہوتا تو اب تک ان منکرین کے درمیان کبھی کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور یقیناً یہ لوگ اس فیصلہ کی جانب سے بھی ایسے شک میں مبتلا ہیں جو ان کو خلجان اور تردد میں مبتلا کئے ہوئے ہے کہ ان کو عذاب کا یقین ہی نہیں آتا حالانکہ وہ فیصلہ ضرور واقع ہوگا اور اس فیصلہ کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی اچھا اور نیک کام کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے یعنی وہ اسی کا نفع اور ثواب پاوے گا اور جو شخص برا کرتا ہے اس کا وبال اس پر پڑے گا اور اس کو سزا دی جائے گی اللہ کے ہاں بندوں پر کوئی ظلم وستم نہیں کہ وہ کسی کو ناحق سزا دے گا بلکہ جس کو سزا دے گا وہ خود اس کے کرتوتوں پر دے گا پس اگر کسی کو سزا سے بچنا ہے تو وہ اپنی حالت درست کر کے بچ سکتا ہے۔

اب یہاں ان آیات میں جو یہ فرمایا گیا **لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه** یعنی اس قرآن کریم میں باطل یعنی غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آ سکتی ہے نہ اس کے پیچھے کی طرف سے اس میں صاف تصریح ہے کہ شیطان یا باطل کا کوئی تصرف اور تدبیر اس کتاب میں نہیں چل سکتی کہ وہ اس کتاب میں کمی بیشی یا کوئی تحریف کر سکے کسی اہل باطل کی مجال نہیں کہ سامنے آ کر اس کتاب میں کوئی تغیر یا تبدل کر سکے اور نہ اس کی یہ مجال ہے کہ پیچھے سے چھپ کر اس کے الفاظ یا معانی میں تحریف اور الحاد کر سکے۔ یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی باعزت اور باوقعت ہے کہ نہ اس کے الفاظ میں کمی بیشی کی کسی کو قدرت ہے نہ معانی میں تحریف کر کے اس کے احکام بدل دینے کی مجال ہے جب کبھی کسی بدبخت ملعون نے اس کا ارادہ کیا وہ ہمیشہ رسوا اور ذلیل ہوا۔ اور قرآن اس کی ناپاک تدبیر و تحریف وغیرہ سے پاک رہا۔ دنیا اس کا کھلا ہوا مشاہدہ کر چکی ہے۔

الحمد للہ اس درس پر ۲۴ واں پارہ ختم ہوا۔ اب آئندہ سے انشاء اللہ ۲۵ واں پارہ شروع ہوگا اب چونکہ نیکی و بدی کا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا تو کفار اکثر سوال کرتے تھے کہ قیامت کب آوے گی اس لئے آگے اسی کا جواب ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

اِلَیۡهِ يُرَدُّ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا

قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جا سکتا ہے، اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے

تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۴۷ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ

مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (مشرکین) کو پکارے گا میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں (اس عقیدہ کا) کوئی مدعی نہیں

مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۴۸ لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ز

اور جن جن کو یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جاویں گے اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کیلئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں۔ آدمی کا ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا،

وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ۴۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو نا امید ہراساں ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ

هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ

یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہیئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے اُس کے پاس بھی بہتری ہی ہے،

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ز وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۵۰

سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کردار ضرور بتلا دیں گے، اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے۔

اِلَيْهِ اس کی طرف	يُرَدُّ لوٹایا (حوالے کیا) جاتا ہے	عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم	وَمَا تَخْرُجُ اور نہیں نکلتا	مِنْ کوئی	ثَمَرٰتٍ پھل	مِنْ سے
اَكْمَامِهَا اسکے غلافوں گابھوں	وَمَا تَحْمِلُ اور نہیں حاملہ ہوتی ہے	مِنْ اُنْثٰى کوئی عورت	وَلَا تَضَعُ اور نہ وہ بچہ جنتی ہے	اِلَّا مگر	بِعِلْمِهٖ اس کے علم میں	
وَيَوْمَ اور جس دن	يُنَادِيْهِمْ وہ پکارے گا انہیں	اَيْنَ کہاں	شُرَكَآءِيْ میرے شریک	قَالُوْٓا وہ کہیں گے	اٰذَنّٰكَ اطلاع دیدی ہم نے تجھے	
مَا مِنَّا نہیں ہم سے	مِنْ شَهِيْدٍ کوئی شاہد	وَضَلَّ اور کھویا گیا	عَنْهُمْ ان سے	مَا كَانُوْا يَدْعُوْنَ جو وہ پکارتے تھے	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	
وَظَنُّوْا اور انہوں نے سمجھ لیا	مَا لَهُمْ نہیں ان کیلئے	مِنْ مَّحِيْصٍ کوئی بچاؤ (خلاصی)	لَا يَسْئَمُ نہیں تھکتا	الْاِنْسَانُ انسان	مِنْ سے	
دُعَآءِ الْخَيْرِ بھلائی مانگنے	وَاِنْ اور اگر	مَسَّهُ اسے لگ جائے	الشَّرُّ برائی	فَيَئُوْسٌ تو مایوس ہو جاتا ہے	قَنُوْطٌ نا اُمید	وَلَئِنْ اور البتہ اگر
اَذَقْنٰهُ ہم چکھائیں اسے	رَحْمَةً رحمت	مِّنَّا اپنی طرف سے	مِنْ بَعْدِ کے بعد	ضَرَّآءَ کسی تکلیف	مَسَّتْهُ جو اس کو پہنچی	لَيَقُوْلَنَّ تو وہ ضرور کہے گا
هٰذَا لِيْ یہ میرے لئے	وَمَآ اَظُنُّ اور میں خیال نہیں رکھتا	السَّاعَةَ قیامت	قَآئِمَةً قائم ہونے والی	وَلَئِنْ اور البتہ اگر	رُّجِعْتُ مجھے لوٹایا گیا	
اِلٰى رَبِّيْٓ اپنے رب کی طرف	اِنَّ بیشک	لِيْ میرے لئے	عِنْدَهٗ اس کے پاس	لَلْحُسْنٰى البتہ بھلائی	فَلَنُنَبِّئَنَّ پس ہم ضرور آگاہ کر دیں گے	
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا کافر	بِمَا عَمِلُوْا اس سے جو انہوں نے کیا (اعمال)	وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ اور البتہ ہم ضرور چکھائیں گے انہیں	مِنْ سے			
	عَذَابٍ ایک عذاب	غَلِيْظٍ سخت				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ خدا کے ہاں ظلم نہیں ہر آدمی اپنے عمل کو آخرت میں دیکھ لے گا اور جیسا دنیا میں کرے گا ویسا ہی آخرت میں سامنے آئے گا۔ نہ کسی کی نیکی وہاں ضائع ہوگی۔ نہ ایک کی بدی دوسرے پر ڈالی جائے گی۔ تو جب کفار مکہ سے کہا جاتا کہ نیکی اور بدی کا پورا بدلہ قیامت میں ملے گا۔ تو کفار اکثر سوال کرتے کہ قیامت آئے گی کب؟ اس کا جواب ان آیات میں دیا جا رہا ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف خدا کو ہے۔ کسی مخلوق کو اس کا علم نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت ہی کی کیا تخصیص ہے۔ اللہ کا علم تو ہر شے کو محیط ہے حتیٰ کہ کوئی پھل اپنے خول میں سے۔ اور کوئی دانہ اپنے خوشہ میں سے اور کوئی میوہ اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو۔ نیز کسی عورت کو جو حمل رہتا ہے یا کسی مادہ جانور کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے۔ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اسی طرح سمجھ لو کہ موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی خدا ہی کو معلوم ہے۔ کوئی انسان یا فرشتہ اس کی خبر نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کو اس کی خبر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ آدمی قیامت کی خبر اللہ کے فرمانے کے موافق یقین رکھے اور اس دن کی فکر کرے۔ آگے اس قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ جب وہ دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرمائے گا کہ دنیا میں تم نے جن کو میرا شریک قرار دے رکھا تھا اب ان کو بلاؤ کہ تم کو اس مصیبت سے بچاویں۔ مشرکین جواب میں کہیں گے کہ اب تو ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی اس عقیدہ کا مدعی نہیں۔ یعنی اپنی غلطی کے ہم مقر ہیں۔ چونکہ وہاں سب حقائق منکشف ہو جائیں گے پس یہ اقرار یا تو اضطراری ہوگا یا ممکن ہے اس سے کچھ توقع مشرکین کو نجات کی بھی ہو۔ تو مشرکین دنیا میں جنہیں خدا کا شریک بنا کر پکارتے تھے قیامت میں ان کا پتہ نہ ہوگا کہ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو آئیں۔ اور پرستاروں کے دلوں سے بھی وہ پکارنے کے خیالات اس وقت غائب ہو جائیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ خدائی سزا سے بچنے کی اب کوئی سبیل نہیں اور گلوخلاصی کا اب کوئی ذریعہ نہیں۔ آخر آس توڑ کر بیٹھے رہیں گے اور جن کی حمایت میں دنیا میں پیغمبروں سے لڑتے تھے قیامت میں ان سے قطعاً بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگیں گے۔ آگے کفر وشرک کا ایک بڑا اثر طبیعت انسانی پر بیان فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص توحید وایمان سے بے بہرہ ہے اُس آدمی کے اخلاق واعمال وعقائد ایسے برے ہوتے ہیں کہ ایک تو کسی حالت میں یعنی خواہ آرام ہو یا تنگی دونوں میں ترقی کی خواہش سے اُس کا جی نہیں بھرتا اور یہ کمال حرص ہے۔ کہ کسی حد پر بھی پہنچ کر اس کی حرص کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت لے کر اپنے گھر میں ڈال لے۔ یہ تو ایک کافر و مشرک بد دین، بد اخلاق، بد اعمال کی حالت بتلائی گئی جبکہ اسے کچھ عیش وآرام وتندرستی نصیب ہو تو مارے حرص کے یہی چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے۔ لیکن اگر اس پر کوئی خاص حالت تنگی کی یا افتاد پڑنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو اس وقت اس کا دل فوراً آس توڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور ناامید وہراساں ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر صرف اسباب پر محدود ہوتی ہے۔ اس قادر مطلق مسبب الاسباب پر اعتماد نہیں رکھتا کہ جو چاہے تو ایک آن میں سلسلہ اسباب کو الٹ پلٹ کر رکھ دے۔ یہ دوسری حالت بھی کافر ومشرک کی بیان ہوئی۔ آگے اس کی ایک تیسری حالت کا بیان ہے کہ مایوسی کے بعد اگر تکلیف یا مصیبت دور کر کے خدا اپنی مہربانی سے پھر عیش وراحت کا سامان کر دے تو یہ کہنے لگتا ہے کہ میں نے فلاں تدبیر کی تھی۔

میری تدبیر لیاقت اور فضیلت سے یونہی ہونا چاہئے تھا اور اب عیش و آرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہوتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا۔ سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا اور یہاں تک پھولتا اور بھولتا ہے کہ اس حالت میں اگر کبھی قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو خیال نہیں کرتا کہ قیامت بھی کوئی ہونے والی چیز ہے۔ اور فرض کر و ایسی نوبت آ ہی گئی تب بھی مجھے یہی یقین ہے کہ وہاں بھی میرا انجام بہتر ہوگا۔ اگر میں خدا کے نزدیک برا اور نا لائق ہوتا تو دنیا میں مجھے یہ عیش و بہار کے مزے کیوں ملتے۔ جب میرے ساتھ یہاں یہ معاملہ ہے تو وہاں بھی یہی معاملہ میرے ساتھ ہوگا اس پر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ خوب خوش ہو لے کہ اس کفر و غرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے۔ وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے اور کس طرح عمر بھر کے کرتوت سب سامنے آتے ہیں۔

اب یہاں یہ قابل غور ہے کہ یہ کافر و مشرک اور بے دین بد خلق انسان کی خصلت بیان فرمائی گئی ہے کہ دنیا میں اس کا دنیوی ترقی کی خواہش سے جی نہیں بھرتا اور دن رات ترقی ترقی کی رٹ اور اس کا خبط ہی اس کا عین مقصود زندگی ہوتا ہے۔ آج کافر اور مشرک اور بے دین قوموں کا سامان عشرت دیکھ کر اکثر مسلمانوں کی بھی رال ٹپکتی ہے اور انہیں بے دینوں کے نقش قدم پر چلنے کو ترقی کا معیار سمجھ رکھا ہے۔ جس کا حاصل فقط کمال حرص۔ حب مال اور حب جاہ ہے جب کہ شریعت نے ان چیزوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اب یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا اسلام اور علماء اسلام دنیوی ترقی سے مانع ہیں۔ اور اگر مانع نہیں تو پھر وہ کونسی ترقی ہے جو اسلام کو مطلوب ہے اور جو شریعت میں محمود ہے۔ اس کے جواب میں ایک مضمون ''اسلام اور ترقی'' حضرت حکیم الامّت مجدد الملۃ مولانا تھانویؒ کا فرمودہ ہے جو موقع کی مناسبت سے اگلے درس میں نقل کیا جائے گا انشاء اللہ جس سے اسلام میں ترقی کا صحیح مفہوم اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ بھی معلوم ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم کے ساتھ دین کا علم نصیب فرمائیں اور ہم کو قرآن پاک کی بتلائی ہوئی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اس دنیا کی زندگی میں آخرت کی زندگی بنانے اور سنوارنے کی توفیق عطا فرمائیں اور کفار و مشرکین کی خصلت دنیوی حرص سے ہم کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی نعمتوں کا شکر گذار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اب ہم کفار و مشرکین کی حالت پر کہ دنیا کی ترقی اور حرص سے ان کا دل کبھی نہیں بھرتا کیا حکایت اور شکایت کریں۔ ہم کو رونا اب ان اہل اسلام ہی کے لئے ہے کہ جنہوں نے مقصد حیاۃ دنیا ہی کی ترقی کو بنالیا ہے۔ جس کے سامنے نہ حلال کی پرواہ ہے نہ حرام کا خیال۔ نہ فرائض کی ادائیگی ہے نہ ممنوعات سے اجتناب بس یہود و نصاریٰ کی معاشرت کے دلدادہ ہو رہے ہیں۔ مغربی ذہنیت سے دل و دماغ کو رچاتے جا رہے ہیں۔ نہ انجام کی فکر۔ نہ آخرت کا خیال۔ نہ خدا کا خوف۔ گویا اللہ اور اس کے رسول سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

یا اللہ! ہم سوائے آپ کی ذات عالی کے اور کس سے فریاد کریں؟ کون ہماری حالت کو بدل سکتا ہے؟ کون ہمارے دلوں کو پھیر سکتا ہے؟ یا اللہ ہدایت آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے آپ ہی سے فریاد اور التجا ہے کہ امّت مسلمہ کو بھولا ہوا سبق پھر یاد کر لینے کی توفیق عطا فرمادے اور صراط مستقیم پر آ جانے اور اس پر قائم رہنے کی سعادت عطا فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ

اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو ہم سے منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے، آپ کہئے کہ

اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرْتُمْ بِہٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ ھُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾

بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کے یہاں سے آیا ہو پھر تم اس کا کروانکار سوایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو (حق سے) ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو۔

سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِہِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ

ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد ونواح میں بھی دکھادیں گے، اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جاوے گا کہ وہ قرآن حق ہے، (تو) کیا آپ کے رب کی

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّہِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾

یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ یاد رکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں، یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے

وَاِذَا اور جب	اَنْعَمْنَا ہم انعام کرتے ہیں	عَلَی الْاِنْسَانِ انسان پر	اَعْرَضَ وہ منہ موڑ لیتا ہے	وَنَا اور بدل لیتا ہے	بِجَانِبِہٖ اپنا پہلو	وَاِذَا اور جب		
مَسَّہُ آ لگے اسے	الشَّرُّ برائی	فَذُوْ دُعَآءٍ تو دعاؤں والا	عَرِیْضٍ لمبی	چوڑی	قُلْ آپ فرمادیں	اَرَءَیْتُمْ کیا تم نے دیکھا	اِنْ کَانَ اگر ہو	
مِنْ سے	عِنْدِ اللّٰہِ اللہ کے پاس	ثُمَّ پھر	کَفَرْتُمْ بِہٖ تم نے کفر کیا اس سے	مَنْ کون	اَضَلُّ بڑا گمراہ	مِمَّنْ اس سے جو	ھُوَ وہ	فِیْ میں
شِقَاقٍ ضد	بَعِیْدٍ دور دراز	سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا ہم جلد دکھادیں گے انہیں اپنی آیات	فِی الْاٰفَاقِ اطراف عالم میں	وَ اور	فِیْ اَنْفُسِہِمْ ان کی ذات میں			
حَتّٰی یہاں تک	یَتَبَیَّنَ ظاہر ہو جائے	لَہُمْ ان کیلئے	اَنَّہُ کہ وہ	الْحَقُّ حق	اَوَلَمْ یَکْفِ کیا کافی نہیں	بِرَبِّکَ آپ کے رب کیلئے	اَنَّہٗ کہ وہ	
عَلٰی پر۔کا	کُلِّ شَیْءٍ ہر شے	شَہِیْدٌ شاہد	اَلَا خوب یاد رکھو	اِنَّہُمْ بیشک وہ	فِیْ مِرْیَۃٍ شک میں	مِنْ لِّقَآءِ ملاقات سے	رَبِّہِمْ اپنا رب	
اَلَا یاد رکھو	اِنَّہٗ بیشک وہ	بِکُلِّ شَیْءٍ ہر شے پر۔کا	مُحِیْطٌ احاطہ کئے ہوئے					

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورہ حٰمٓ سجدۃ کی آخری آیات ہیں۔

گذشتہ آیات میں کفر وشرک کی مذمت کے سلسلے میں شرک وکفر کا ایک بڑا اثر طبیعت انسانی پر بیان فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جو شخص توحید اور ایمان سے بے بہرہ ہے اس کے اخلاق۔ اعمال اور عقائد ایسے برے ہوتے ہیں کہ جب اسے عیش وآرام وصحت وتندرستی نصیب ہو تو بھی دنیوی حرص سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور دنیا کی ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا۔ بس چلے تو ساری دنیا کی دولت اپنے پاس جمع کرلے۔ اور اس پر جہاں کوئی افتاد پڑی اور ظاہری اسباب اپنے مخالف دیکھے تو پھر مایوس اور نا امید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی کیونکہ اس کا تعلق قادر مطلق خدائے ذوالجلال والاکرام سے تو ہے نہیں کہ اس کے دل کو اعانت خداوندی کی سہارا اور قوّت ہو۔ اور اگر تکلیف ومصیبت کے بعد پھر اس کو عیش وراحت مل جاتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا۔ میری تدبیر میرا ہنر اور میری لیاقت اسی کو مقتضی تھی۔ ایسے ہی انسان کے متعلق آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ایسا شخص اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو منعم حقیقی کی حق شناسی اور شکر گذاری سے اعراض کرتا ہے اور بالکل بے پرواہو کر ادھر سے کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اس کو

تکلیف پہنچتی ہے یا مصیبت پیش آتی ہے اور نعمت چھن جاتی ہے تو ظاہرا اسباب پر نظر کر کے اگر چہ دل کے اندر مایوسی ہوتی ہے مگر اس حالت میں بھی بدحواس اور پریشان ہو کر دعا کے لئے ہاتھ بے اختیار خدا کی طرف اٹھ جاتے ہیں اور یہ جزع وفزع کی راہ سے ہے نہ کہ منعم کی طرف توجہ اور التجا کے طور پر تو یہ غایت درجہ کی بے صبری اور حبّ دنیا میں انہاک ہے۔ غرض یہ مفاسد جو اوپر مذکور ہوئے سب مفاسد کفرو شرک سے ہیں بخلاف ایمان کے کہ اس کے آثار ہیں حریص نہ ہونا۔ حالت امن اور عیش میں کفر اور کفران نعمت نہ کرنا اور حالت ضرر اور تنگی میں مایوسی اور جزع فزع نہ کرنا۔ غرض کہ انسانی کمزوری کا نقشہ کھینچ کر مفاسد کفرو شرک کی طرف اوپر توجہ دلائی گئی تھی اب آگے تنبیہ کی جاتی ہے کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں اور روحانی بیماریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے اگر خدا کے پاس سے آئی ہو جیسا کہ یہ واقع میں ہے اور پھر تم نے اس کو نہ مانا۔ اس کے دلائل حق کو تسلیم نہ کیا۔ اس کی خبروں پر یقین نہ کیا اس کی اعلیٰ اور بیش قیمت نصائح و ہدایات سے منکر رہ کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی نقصان اور خسارہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔ آگے بطور پیشین گوئی کے فرمایا جاتا ہے کہ قرآن کی حقانیت کے دوسرے دلائل و براہین تو اپنی جگہ رہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان منکروں کو خود ان کی جانوں میں اور ان کے چاروں طرف سارے عرب بلکہ ساری دنیا میں اپنی قدرت کے وہ نمونہ اور نشانیاں دکھلائیں گے جن سے قرآن اور حامل قرآن کی صداقت بالکل روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے یہاں لکھا ہے کہ وہ نمونے اور نشانیاں وہی اسلام کی عظیم الشان اور محیر العقول فتوحات ہیں جو سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف۔ اور قرآنی پیشگوئیوں کے عین مطابق وقوع پذیر ہوئیں چنانچہ معرکہ ''بدر'' میں کفار مکہ نے خود اپنی جانوں کے اندر اور ''فتح مکہ'' میں مرکز عرب کے اندر اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں تمام جہان کے اندر یہ نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں ''آیات'' سے عام نشانہائے قدرت مراد ہوں جو غور کرنے والوں کو اپنے وجود میں اور اپنے وجود سے باہر تمام دنیا کی چیزوں میں نظر آتے ہیں جن سے حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ حکمت خدا کی ہزار ہا نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں اس کی صنعت و بناوٹ اس کی ترکیب وجبلت اس کے جداگانہ اخلاق اور مختلف صورتیں اور رنگ وروپ آواز لہجہ وغیرہ اس کے خالق وصانع کی بہترین نشانیاں ہیں جو ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قرآن کی حقانیت کو فرض کر و کوئی نہ مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا تھوڑی ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز میں غور کرنے سے اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ سورۃ کے اخیر میں بتلایا گیا کہ یہ کفار ومنکرین اس دھوکہ میں ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا اور اس سے ملنا نہیں ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کسی وقت بھی اس کے قبضہ اور احاطہ سے نکل کر نہیں جا سکتے اگر مرنے کے بعد ان کے بدن کے ذرات مٹی میں مل جائیں۔ یا پانی میں بہ جائیں یا ہوا میں منتشر ہو جائیں تب بھی ایک ایک ذرہ پر اللہ کا علم اور قدرت محیط ہے۔ ان کو جمع کر کے از سرنو زندہ کر دیا جائیگا۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا گیا واذآ انعمنا علی الا نسان اعرض و نا بجانبه واذا مسه الشر فذوا دعآء عریض یعنی ایک بے دین۔ ناشکر گذار کافر مشرک کی خصلت

بیان فرمائی گئی کہ جب اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اللہ سے اور اللہ کے احکام سے منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے جو انتہا درجہ کی ناشکری اور کفران نعمت ہے اور حالت تنگی وضرر میں ایسے آدمی کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔ یعنی مقصود ایک کافر انسان کی خصلت کو بیان کرنا ہے کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو کوئی نعمت و دولت مثل عزت وصحت وعافیت۔ فراوانی مال ودولت ملتی ہے تو ان میں ایسا مگن اور مست ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ سے اس کی غفلت اور بڑھ جاتی ہے اور منعم حقیقی سے اور دور ہو جاتا ہے اور جب کوئی دکھ درد۔ مصیبت یا رنج وغم پیش آتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے تو حق تعالیٰ سے طویل دعائیں مانگنا اگرچہ فی نفسہ امر محمود ومستحسن ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں دعا کے آداب میں ذکر کیا گیا ہے کہ دعاء میں الحاح وزاری اور بار بار تکرار کرنا بہتر ہے۔ لیکن یہاں آیت میں کافر انسان کی جو مذمت کی گئی ہے وہ درحقیقت طول دعا پر نہیں بلکہ اس کی اس مذموم خصلت پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نعمت کی ارزانی اور کثرت فرماویں تو تکبر اور غرور میں مدہوش ہو جاوے اور جب مصیبت آ جائے تو اپنے دکھ اور پریشانی کو پکارتا اور بار بار کہتا پھرے اور اپنا دکھڑا لوگوں کے سامنے روتا رہے۔ تو غور کرنے کی بات یہاں یہ ہے کہ جس خصلت کی مذمت فرمائی گئی۔ وہ خصلت اب اس وقت عام مسلمانوں میں الا ما شآء اللہ تو کسی درجہ میں نہیں پائی جاتی ؟ اگر پائی جاتی ہے تو کس درجہ عبرت کی بات ہے کہ کافروں اور مشرکوں کی اس مذکورہ بد خصلت سے بھی آج کا مسلمان نہ بچ سکا الا ما شآء اللہ۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور ہمیں کفار ومشرکین کی خصلتوں سے نجات عطا فرما کر اپنے محبوبین ومقبولین کی صفات محمودہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ حم سجدہ کا بیان ختم ہوا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ وفہم عطا فرمائیں اور قرآن پاک پر ایمان کے ساتھ یقین کامل بھی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنی قدرت سے ہمارے دین ودنیا کے معاملات کو درست وراست فرمائیں۔

اور اپنی شان رزاقی سے ہمارے رزق میں وسعت عطا فرمائیں۔ بے دینوں کے اقتدا سے ہم کو بچائیں اور اپنی مرضیات والے طریقہ پر چلنا نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهٗ

حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ اسی طرح آپ پر اور جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ جو زبردست حکمت والا ہے، وحی بھیجتا رہا ہے۔

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان ہے۔

حٰمٓ حا۔میم	عٓسٓقٓ عین۔سین۔قاف	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُوْحِيْٓ وحی فرماتا ہے	اِلَيْكَ آپ کی طرف	وَاِلَى اور طرف	الَّذِيْنَ وہ جو	
مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	اللّٰهُ اللہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	لَهٗ اسی کیلئے	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو
فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَهُوَ اور وہ	الْعَلِيُّ بلند	الْعَظِيْمُ عظمت والا				

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ اب ۲۵ ویں پارہ کی سورہ شوریٰ کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ' مقام نزول' خلاصہ مضامین' تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں لفظ شوریٰ جس کے معنی مشورہ کے ہیں اس سورۃ کی ۳۸ ویں آیت میں آیا ہے جہاں اہل ایمان کی کچھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ انہی میں سے ایک صفت وامرھم شوریٰ بینھم فرمائی گئی یعنی مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام شوریٰ قرار پایا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس دور میں نازل ہوئی جبکہ مادی حیثیت سے مسلمان بہت کمزور تھے۔ کفار کی ظلم و زیادتی کے شکار بنے ہوئے تھے۔ یہ ان سات سورتوں میں سے جو حم سے شروع ہوتی ہیں تیسری سورۃ ہے۔ حم سے شروع ہونے والی سات سورتوں کی فضیلت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازہ ہیں۔ ہر حم جہنم کے کسی ایک دروازہ پر ہوگی اور کہے گی کہ یااللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازہ سے داخل نہ کیجیو۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۲ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۳ لکھا ہے یعنی ۸۲ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۳۱ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۵۳ آیات ۵ رکوعات' ۸۶۹ کلمات اور ۳۵۸۸ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

چونکہ یہ سورۃ بھی مکی ہے اس لئے اس میں بھی عقائد ہی سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں جیسے توحید و رسالت کا اثبات' دین اسلام کی حقانیت' آخرت کی زندگی کی کامیابی کے طریقے' دنیا پرستی کے بدنتائج' کفر و شرک اور انکار حق کا انجام آخرت کی جزا و سزا' ایک مسلمان کی صفات اور ذمہ داری اور زندگی بسر کرنے کا طریقہ جس سے دونوں جہان میں کامیابی ہو وغیرہ کا بیان ہے۔ خلاصہ اس تمام سورۃ کا یہ ہے کہ اس میں اللہ عزوجل کی اعلیٰ صفات کی طرف توجہ دلا کر خبردار کیا گیا ہے کہ اس کی طرف سے غافل نہ رہو اور اس کی نافرمانی اختیار نہ کرو۔ اللہ کے نہ ماننے والے اس سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ وہ ان کی ساری باتیں سنتا ہے اور جانتا ہے اس لئے جو اللہ کو چھوڑ کر اوروں کی طرف جھکے ہوئے ہیں ان کو پوری پوری سزا دے گا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ذمہ ان منکرین و مکذبین کو زبردستی راہ راست پر لانا نہیں۔ آپ کا کام فقط تبلیغ کر دینا اور سمجھنا دینا ہے۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے یہاں لوگ مختلف طریقے اختیار کرتے رہیں گے اور ان سب کا فیصلہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے یہاں ہوگا جہاں سب جمع ہوں گے اور سب کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی کچھ لوگ جنت میں اور کچھ لوگ اپنے عملوں کی بدولت دوزخ میں جائیں گے اللہ کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ تمام انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ انسانوں کا دنیا میں امتحان لیا جائے۔ اور ان میں سے جو کامیاب ہوں انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے اور جو امتحان میں ناکام رہ جائیں انہیں سزا دی جائے۔ اگر انسان غور کرے تو اللہ کا پہچاننا کوئی مشکل نہیں خود آسمان اور زمین اس کے ایک ہونے پر گواہ ہیں اور ان کے سارے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں وہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا چاہے عطا فرماتا ہے۔ انسانوں کے لئے دنیا میں اللہ نے ایک ہی دین بنایا ہے۔ اور اسی کو تمام انبیاء اور پیغمبر سکھاتے اور سمجھاتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے اس دین کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس پر قائم رہنا چاہئے اور اس میں پھوٹ اور اختلاف نہ ڈالنا چاہئے۔ دین اتفاق کے لئے آیا ہے۔ لیکن انسان اپنی غلط خواہشوں اور جذبات کا غلط شکار ہو کر اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ جنہیں پہلے اللہ کی کتاب مل چکی ہے۔ وہ دنیا کے بکھیڑوں میں پھنس کر اس کو بھلا بیٹھے۔ اب یہ قرآن آخری کتاب ہے اور اس میں محمد رسول اللہ کو ارشاد ہے کہ آپ تمام انسانوں کو اصلی دین کی طرف دعوت دیں اور خود بھی اس پر چل کر اور عمل کر کے لوگوں کے لئے مثال قائم کریں۔ اس کے بعد جو نہ مانے اس کے لئے اللہ کا عذاب تیار ہے۔ دنیا آخر فنا ہو جائے گی اور قیامت ضرور آئے گی جو اس کو بھلا بیٹھا وہ انتہائی گمراہی میں پھنس گیا۔ قرآن کریم ایک کسوٹی ہے۔ اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے ترازو کی مانند ہے جو اسے مانیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور منہ مانگی مرادیں پائیں گے اور جو دنیا میں اس کا انکار کریں گے ان کا انجام برا ہو گا۔ افسوس کہ انسان دنیا میں مال و دولت پر مغرور ہو جاتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے ظلم و ستم پر اتر آتا ہے۔ یاد رکھو انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اس کے برے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو اللہ تعالیٰ معاف کرتا رہتا ہے۔ ورنہ بالکل تباہی پھیل جائے اس لئے انسانوں کو چاہئے کہ توبہ کریں اور ایمان لا کر خدا کی حمایت میں آ جائیں۔ اور اس طرح سزا سے بچ جائیں۔ دنیا میں کیا دھرا ہے۔ دنیا کی چیزیں عارضی و فانی دنیا ہی تک ہیں اور خدا کے یہاں آخرت کی دولت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے اور وہ انہی کو نصیب ہوگی۔ جو دنیا میں ایمان لائیں گے اور اعمال صالحہ اختیار کریں گے' جو گناہوں اور بے حیائیوں کی باتوں سے علیحدہ رہنے والے ہوں۔ جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والے ہوں۔ جب کسی پر غصہ ہوں تو معذرت پر معافی دینے والے ہوں۔ اپنی نمازوں کو باقاعدہ ادا کرتے ہوں۔ اور ان کے کام آپس میں مشورہ سے ہوتے ہوں اور جو کچھ انہیں اللہ نے دیا ہے اس میں سے خدا کے لئے خرچ کرتے ہوں۔ اور جن کی یہ حالت ہے کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ صرف انتقام لے لیتے ہیں اور زیادتی نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا کے یہاں دائمی نعمتیں ہیں۔ ان کے برخلاف وہ لوگ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں ایسے گمراہ لوگ کوئی اپنا حامی اور سرپرست نہ پائیں گے اور جب یہ جہنم میں عذاب کا معائنہ کریں گے تو غایت بے بسی اور بے کسی سے تباہ حال ہوں گے اخیر میں سمجھایا گیا کہ اے انسانو! دیکھو اللہ تعالیٰ تمہاری خیر خواہی سے کہتے ہیں کہ تم

کفر وعناد اور ظلم وفساد کو چھوڑ و اور اپنے پروردگار کی بات مانو قبل اس کے کہ خدا کی جانب سے وہ دن آئے کہ جس سے نہ ہٹنا ممکن ہوگا اور نہ کوئی پناہ مل سکے گی اور نہ کوئی تمہارے بارے میں خدا سے روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔خلاصہ یہ کہ سارا زور اس پر ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ رسول اللہؐ کے کہنے پر چلو۔قرآن حکیم کی بتلائی ہوئی ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی گزارو۔یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کے مضامین کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات حٰم عسق سے فرمائی گئی۔حروف مقطعات کے متعلق گذشتہ سورتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ اسرار الٰہی میں سے ہیں اور ان کے صحیح وحقیقی مطلب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔کفار مکہ کو اس بات سے بڑا تعجب تھا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات نئی اور عجیب سی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو میں تمہیں سنا رہا ہوں تو کفار تعجب کرتے کہ یہ بات کیسے مان لی جائے۔کیا خدا ان کے پاس آتا ہے؟ یا یہ خدا کے پاس جاتے ہیں؟ یا ان کی اور خدا کی بات چیت ہوتی ہے؟ بہر حال ان کا خیال تھا کہ یہ نرالی بات ہے۔سورۃ کی ابتدا اسی ارشاد سے ہوتی ہے کہ یہ کوئی نرالی بات نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء ورسول آئے ہیں ان سب کو بھی خدا کی طرف سے ایسی ہی ہدایات دی جاتی رہی ہیں۔تو اگر چہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح آپ پر قرآن کی وحی نازل ہوتی ہے اسی طرح سے آپ سے پہلے پیغمبروں پر بذریعہ وحی کتابیں اور صحیفے اللہ تبارک وتعالیٰ زبردست حکمت والے کی طرف سے نازل ہو چکے ہیں مگر دراصل کفار کو سنایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے کسی خاص بندہ کو چن لیتا ہے تو اس میں کسی کے اللہ کے پاس آنے یا اس کے پاس کسی کے جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اپنی حکمت سے اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے ''وحی'' کا طریقہ اختیار فرماتے ہیں۔حضرت حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی سی مسلسل آواز کی طرح جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے جب وہ ختم ہوتی ہے تو مجھے جو کچھ کہا گیا وہ سب یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے۔مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد رکھ لیتا ہوں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سخت جاڑوں کے ایام میں بھی جب آپ پر وحی اترتی تھی تو شدت وحی سے آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے یہاں تک کہ پیشانی مبارک سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگتی تھیں۔الغرض یہاں بتلایا گیا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان پیغمبروں پر کہ جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں وحی بھیجتا رہا ہے اور اس اللہ زبردست حکمت والے کی شان یہ ہے کہ اسی کی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان ہے۔

اب آگے حق تعالیٰ کی عظمت شان کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! اس سورۃ میں جو مومنین صالحین کی صفات بتلائی گئی ہیں وہ اپنی رحمت سے ہم سب کو نصیب فرمایئے اور کسی صفت سے اپنے کرم سے محروم نہ فرمایئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ

کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کیلئے معافی مانگتے ہیں

فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ

خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں

حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ

اللہ ان کو دیکھ بھال رہا ہے اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اور ہم نے اسی طرح آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے تاکہ آپ (سب سے پہلے)

اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي

مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں ان کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں ذرا شک نہیں، ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک دوزخ میں ہوگا۔

السَّعِيْرِ ﴿٧﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے،

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٨﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ

اور ظالموں کا (قیامت کے روز) کوئی حامی مددگار نہیں۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں سو اللہ ہی کارساز ہے

وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٩﴾

اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تَكَادُ قریب ہے	السَّمٰوٰتُ آسمانوں (جمع)	يَتَفَطَّرْنَ پھٹ پڑیں	مِنْ فَوْقِهِنَّ ان کے اوپر سے	وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے	يُسَبِّحُوْنَ تسبیح کرتے ہیں
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ	وَيَسْتَغْفِرُوْنَ اور وہ مغفرت طلب کرتے ہیں	لِمَنْ اس کیلئے جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	اَلَآ یاد رکھو	
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	هُوَ وہ۔ وہی	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الرَّحِيْمُ مہربان	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اتَّخَذُوْا ٹھہراتے ہیں
مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	اَوْلِيَآءَ رفیق				
اَللّٰهُ اللہ	حَفِيْظٌ - عَلَيْهِمْ دیکھنے والا۔ ان پر انہیں دیکھ رہا ہے	وَمَآ اَنْتَ اور آپ نہیں	عَلَيْهِمْ اُن پر	بِوَكِيْلٍ ذمہ دار	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح
اَوْحَيْنَآ ہم نے وحی کیا	اِلَيْكَ آپ کی طرف	قُرْاٰنًا قرآن	عَرَبِيًّا عربی زبان	لِّتُنْذِرَ تاکہ آپ ڈرائیں	اُمَّ الْقُرٰى ام القریٰ (اہل مکہ)
وَمَنْ اور جو					
حَوْلَهَا اس کے اردگرد	وَتُنْذِرَ اور آپ ڈرائیں	يَوْمَ الْجَمْعِ جمع ہونے کا دن	لَا رَيْبَ نہیں شک	فِيْهِ اس میں	فَرِيْقٌ ایک فریق
فِي الْجَنَّةِ جنت میں	وَفَرِيْقٌ اور ایک فریق	فِي السَّعِيْرِ دوزخ میں	وَلَوْ اور اگر	شَآءَ اللّٰهُ چاہتا اللہ	لَجَعَلَهُمْ ضرور بنادیتا انہیں
اُمَّةً وَّاحِدَةً ایک امت					
وَّلٰكِنْ اور لیکن	يُّدْخِلُ وہ داخل کرتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہتا ہے	فِيْ رَحْمَتِهٖ اپنی رحمت میں	وَالظّٰلِمُوْنَ اور ظالم (جمع)	مَا لَهُمْ نہیں ان کیلئے
مِّنْ کوئی	وَّلِيٍّ کارساز	وَّلَا نَصِيْرٍ اور نہ مددگار	اَمِ کیا	اتَّخَذُوْا انہوں نے ٹھہرالئے	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا
اَوْلِيَآءَ کارساز (جمع)	فَاللّٰهُ پس اللہ				
هُوَ الْوَلِيُّ وہی کارساز	وَهُوَ اور وہی	يُحْيِ زندہ کرتا ہے	الْمَوْتٰى مُردوں	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر
كُلِّ ہر	شَيْءٍ چیز	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا بیان تھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ وہی سب سے اعلیٰ اور بڑائی والا ہے۔ تمام زمین و آسمان کی مخلوق اس کی غلام ہے۔ اس کی ملکیت ہے اس کے ماتحت اور اس کے سامنے عاجز و مجبور ہے۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس کی عظمت وجلال کا یہ حال ہے کہ کہیں آسمان نہ پھٹ پڑیں۔ فرشتے اس کی عظمت سے کپکپائے ہوئے اس کی پاکی اور تعریف اور تسبیح وتحمید بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے خدا کی بخشش طلب کرتے رہتے ہیں۔ یہاں آیت میں جو یہ فرمایا کہ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں تو مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آسمان کا پھٹ جانا یا تو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے زور سے ہو۔ یا بیشمار فرشتوں کے بوجھ سے یا ان کے ذکر کی کثرت سے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔ اور بعض مفسرین نے آسمان کے پھٹ پڑنے کا یہ مطلب لیا ہے کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتے ہیں۔ اس کے لئے شریک اور بیٹے و بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں یہ ایسی گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے جیسا کہ سولہویں پارہ سورہ مریم میں بھی ارشاد ہوا تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا. ان دعوا للرحمٰن ولدا یعنی یہ ایسی بھاری بات کہی گئی اور ایسا گستاخانہ کلمہ منہ سے نکالا گیا کہ خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کی کہ جس کی وجہ سے اگر آسمان، زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں۔ اس گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ وبالا ہو جائے اور آسمان زمین تک کے پرخچے اڑ جائیں۔ یہ محض اس کا حلم مانع ہے کہ ان بیہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کرتا۔ تو یہاں بھی یہی فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی شان مغفرت و رحمت اور ملائکہ کی تسبیح و استغفار کی برکت سے یہ نظام عالم تھما ہوا ہے اور اللہ کے فرشتے اللہ کی تسبیح وتحمید کے ساتھ زمین والوں کے لئے خدا سے بخشش مانگتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان پر دنیا میں کوئی سخت عذاب نہ آجائے جس سے سب ہی ہلاک ہو جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی اور شان غفور رحیمی سے فرشتوں کی دعا قبول کر کے مومنین کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے اور کافروں کو ایک عرصہ کے لئے مہلت دیتا ہے ورنہ دنیا کا سارا کارخانہ چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔ آگے فرمایا جاتا ہے کہ دنیا میں کفار و مشرکین کو وہ مہلت تو دیتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔ ان کے سب اعمال و احوال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے۔ اس لئے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ منکرین مانتے کیوں نہیں اور نہ ماننے کی صورت میں فوراً تباہ کیوں نہیں کر دیئے جاتے۔ آپ ان باتوں کے ذمہ دار نہیں۔ آپ تو صرف پیغام حق پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ آگے ہمارا کام ہے وقت آنے پر ہم ان سب کا حساب چکا دیں گے۔ آگے مسئلہ نبوت کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جس طرح انبیائے سابقین پر وحی نازل کی گئی تھی اسی طرح اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن وحی کیا تا کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والوں کو خدائی احکام اور خدا کے عذابوں سے آگاہ کر دیں اور اس کے آس پاس رہنے والوں کو ڈرائیں۔ یہاں آیت میں ام القریٰ کا لفظ آیا ہے یعنی ساری بستیوں اور شہروں کی اصل اور بنیاد جس سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں سارے عرب کا مجمع ہوتا ہے۔ اور ساری دنیا میں اللہ کا گھر وہیں ہے اور وہی گھر روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ قرار پائی بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو

3 اسی جگہ سے پھیلانا شروع کیا جہاں خانہ کعبہ واقع ہے تو مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگ یعنی ملک عرب اور پھر ساری دنیا کو یہ آگاہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب تمام اگلے پچھلے خدا کی پیشی میں حساب کتاب کے لئے جمع ہوں گے یہ ایک بالکل یقینی اور طے شدہ بات ہے جس میں کوئی دھوکہ فریب اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں لہٰذا چاہئے کہ اس دن کے لئے انسان تیار ہو جائے اور اس وقت تمام انسان دو فریقوں میں تقسیم ہوں گے۔ ایک فرقہ جنتی اور ایک جہنمی۔ اب ہر ایک خود سوچ لے کہ اس کو کس فرقہ میں شامل ہونا چاہئے اور اس میں شامل ہونے کے لئے کیا سامان کرنا چاہئے۔ تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کام محض ایسے دن سے ڈرا دینا ہے آگے ان کا ایمان لانا یا نہ لانا یہ آپ کے ذمہ نہیں۔ وہ مشیت الٰہی پر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت تھی کہ اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کا بنا دیتا اور ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا لیکن اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت وغضب دونوں قسم کی صفات کا اظہار فرمائے اس لئے بندوں کے احوال میں اختلاف وتفاوت رکھا کسی کو اس کی فرمانبرداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مورد بنایا۔ کسی کو اس کے ظلم وعصیان کی بنا پر اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور جو لوگ رحمت سے دور ہو کر غضب کے مستحق ہوئے اور حکمت الٰہیہ ان پر سزا جاری کرنے کو مقتضی ہوئی ان کا ٹھکانا کہیں نہیں۔ نہ کوئی رفیق ومددگار ان کو مل سکتا ہے جو اللہ کی گرفت اور سزا سے انہیں بچاوے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر رفیق ومددگار بنانا ہے تو اللہ کو بناؤ جو سارے کام بنا سکتا ہے حتیٰ کہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یہ بیچارے عاجز ومجبور رفیق جن کو تم نے بنا رکھا ہے وہ تمہارا کیا ہاتھ بٹائیں گے۔

ابھی اگلی آیات میں بھی توحید کا مضمون جاری ہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات کے راستہ پر چلنا نصیب فرمائیں اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیں۔ اور اپنے کرم سے ہم کو جنتی گروہ میں شامل فرمائیں اور دین ودنیا میں ہمارے حامی ومددگار رہیں۔

یا اللہ! حقیقی کارساز آپ ہی کی ذات پاک ہے ہمیں وہ ایمان اور تعلق نصیب فرمایئے کہ ہم آپ کی کارسازی پر بھروسہ رکھیں اور ہر معاملہ میں آپ ہی کی ذات عالی کی طرف رجوع کریں۔

یا اللہ! ہر مشکل اور دشواری میں ہماری نظریں آپ ہی کی طرف اٹھیں اور آپ ہی اپنی شان کارسازی سے ہماری مشکلات ودشواریوں کو اپنی رحمت سے حل فرمائیں۔

یا اللہ! ہم کو ایسا قوی ایمان عطا فرما کہ جو ہر حال میں آپ ہی کی حمایت ونصرت کو طلب کریں اور آپ اپنے کرم سے ہمارے ولی اور ناصر ہو جائیں۔ یا اللہ! ہم کو وہ ایمان واسلام عطا فرما کہ جو ہم آپ کی رحمت میں داخل ہو کر جنت کے فریق بن جائیں اور دوزخ کے فریق ہونے سے بچ جائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

اور جس جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے، یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں

وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ

اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے

الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾ لَهُ

اور مواشی کے جوڑے بنائے ، اس کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے، کوئی چیز اس کے مثل نہیں، اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس کے اختیار میں ہیں

مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾

کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی، جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے) کم دیتا ہے، بیشک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔

وَمَا اور جو۔جس	اخْتَلَفْتُمْ اختلاف کرتے ہو تم	فِيهِ اس میں	مِنْ شَيْءٍ کسی چیز	فَحُكْمُهُ تو اس کا فیصلہ	إِلَى اللَّهِ طرف۔پاس اللہ	
ذَٰلِكُمُ اللَّهُ وہی ہے اللہ	رَبِّي میرا رب	عَلَيْهِ اس پر	تَوَكَّلْتُ بھروسہ کیا میں نے	وَإِلَيْهِ اور اس کی طرف	أُنِيبُ میں رجوع کرتا ہوں	
فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ پیدا کرنے والا آسمانوں	وَالْأَرْضِ اور زمین	جَعَلَ اس نے بنائے	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْ أَنْفُسِكُمْ تمہاری ذات (جنس) سے		
أَزْوَاجًا جوڑے	وَمِنَ اور سے۔کے	الْأَنْعَامِ چوپایوں	أَزْوَاجًا جوڑے	يَذْرَؤُكُمْ وہ پھیلاتا ہے تمہیں	فِيهِ اس (دنیا) میں	لَيْسَ نہیں
كَمِثْلِهِ اس کی۔مثل	شَيْءٌ کوئی شے	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيعُ سننے والا	الْبَصِيرُ دیکھنے والا	لَهُ اس کیلئے۔پاس	مَقَالِيدُ کنجیاں
السَّمَاوَاتِ آسمانوں	وَالْأَرْضِ اور زمین	يَبْسُطُ وہ فراخ کرتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ جس کیلئے	يَشَاءُ وہ چاہتا ہے	وَيَقْدِرُ اور تنگ کرتا ہے
إِنَّهُ بیشک وہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	عَلِيمٌ جاننے والا				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی مذمت بیان کی گئی تھی کہ جو وہ خدا کے ساتھ شرک کیا کرتے تھے اور دوسروں کی پرستش کیا کرتے تھے اور بتلایا گیا تھا کہ حقیقی کارساز تو حق تعالیٰ ہی ہیں جو ہر چیز پر قدرت اور قابو رکھتے ہیں حتیٰ کہ مردوں کو بھی وہ زندہ کر سکتے ہیں تو رفیق و مددگار اللہ تعالیٰ ہی کو بنانا چاہئے جو سارے کام بنا سکتا ہے۔

اب مشرکین جو توحید خداوندی میں اہل حق سے جھگڑتے تھے اس کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ سب جھگڑوں کے فیصلے اسی ایک اللہ کے سپرد ہونا چاہئیں۔ عقائد ہوں یا احکام عبادات ہوں یا معاملات۔ جس چیز میں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے وہ اپنی کتاب میں یا اپنے رسول کی زبان پر صراحتہً یا اشارۃً جس معاملہ میں جو فیصلہ فرمادے بندہ کو حق نہیں کہ اس میں چون وچرا کرے۔ توحید جو اصل اصول ہے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق برابر حکم دیتے رہے ہیں پھر یہ کیونکر درست ہوگا کہ بندہ ایسے قطعی اور محکم فیصلہ میں جھگڑا ڈالے۔ یا بیہودہ شک وشبہات نکال کر اس کے فیصلہ اور حکم سے سرتابی کرے۔ اس لئے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ وہ اللہ جس کی شان اوپر بیان ہوئی میرا رب وہی ہے۔ میں اسی پر ہمیشہ سے بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع ہوتا رہتا ہوں پس نہ تمہاری مخالفت اور معاندت سے ڈرتا ہوں اور نہ توحید میں جس کو اس نے حق کہہ دیا کوئی شک وشبہ کرتا ہوں۔ میرا رب تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارا بھی پیدا کرنے والا وہی

ہے کہ تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی شکل کے تمہارے جوڑے بنائے یعنی مرد وعورت اور چوپایوں کے بھی جوڑے پیدا کئے اور نر و مادہ بنائے پھر آدمیوں اور جانوروں کی کتنی نسلیں روئے زمین پر پھیلا دیں۔ تو حق یہ ہے کہ اس خالق جیسا کوئی اور نہیں۔ نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں کوئی شریک ہے۔ نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے۔ نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے۔ نہ اس کا کوئی جوڑا ہے۔ نہ ہمسر۔ نہ ہم جنس۔ وہ احد وصمد ہے۔ بے نظیر ہے بے مثیل ہے اور سمیع و بصیر ہے۔ ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے مگر اس کا دیکھنا سننا بھی مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں پر کوئی کمال ایسا نہیں کہ جس کی پوری حقیقت وکیفیت بیان کی جا سکے کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکلیہ پاک ہے اور مقدس ومنزہ ہے۔ تمام خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اور یہ اسی کے قبضہ قدرت اور اختیار میں ہے کہ جس خزانہ میں سے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائیے۔ سارے عالم کا متصرف مالک وحاکم وہی یکتا لاشریک ہے وہی تمام جانداروں کو روزی دیتا ہے اور رزق کی کمی زیادتی کا تعین اپنی حکمت سے کرتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کون کتنی عطا کا مستحق ہے اور اس کے حق میں کس قدر دینا مصلحت ہوگا اور جو حال روزی کا ہے وہی دوسری عطایا میں سمجھو اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے کہ کس کے لئے کیا مصلحت ہے۔

اب یہ قرآن کریم کی بالکل کھلی ہوئی آیت ہے **له مقالید السمٰوٰت والارض یبسُطُ الرزق لمن یشآء ویقدر انه بکل شیء علیم** (اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے) اور اسی ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ صاف صاف قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ رزق کا معاملہ بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے رزق کے کفیل ہیں جتنی مخلوق پیدا فرمائیں گے اس کا رزق بھی پیدا کریں گے۔ اب رہا کسی کو کمی اور کسی کو زیادتی۔ کسی کو فراخی اور کسی کو تنگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیت پر موقوف ہے مگر آج قرآن کے منکرین نہیں قرآن پر ایمان رکھنے والوں کا اس معاملہ رزق میں کیا عقیدہ ہے؟ مغرب کے بے دین ماہر معاشیات نے ایک اصول بتایا کہ انسان کی پیدائش کی شرح۔ اشیاء خوراک کے پیداوار کی شرح سے زیادہ تیزی اور سرعت کے ساتھ دنیا میں بڑھ رہی ہے۔ اگر کسی سبب سے آبادی میں اضافہ کی یہ رفتار ست نہ ہوئی تو ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں کثیر تعداد فاقہ کشی پر مجبور ہوگی کیونکہ اشیاء خوراک ان کی آبادی کے لئے کفایت نہ کرے گی۔ اس موہوم نظریہ کی روشنی میں شرح پیدائش اور شرح اموات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان بزعم خود ماہرین معاشیات نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے اس لئے اگر آبادی کے اضافہ پر کنٹرول نہ کیا گیا تو اشیاء خوردنی اور دیگر ضروریات زندگی کی کمی روز بروز بڑھتی ہی جائے گی اور بہت جلد نوبت فاقہ کشی تک پہنچ جائے گی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مختلف طریقوں سے شرح پیدائش کم کرنے کا پرزور مشورہ دنیا والوں کو دیا ہے اور اسی کے ماتحت "خاندانی منصوبہ بندی" کی تحریک ملکوں میں رائج کرائی گئی ہے کہ ایسی تدابیر کی جائیں کہ زائد اولاد پیدا ہی نہ ہو۔ چنانچہ ان تدابیر میں سے ایک تدبیر نسل بندی کی ہے جو شرعی اعتبار سے اور انجام اور نتیجہ کے لحاظ سے اختصاء یعنی خصی ہو جانے کے مترادف ہے اور خصی ہونے کی صریح ممانعت حدیث میں وارد ہے۔

الغرض ہمارے ملک میں بھی قوم کی بہبودی اور رزق کی فی کس ترقی اور افلاس اور تنگی رزق سے بچنے کی تدابیر اب خاندانی منصوبہ بندی جیسی تحریکات سے وابستہ سمجھی جاتی ہیں جس پر ہزاروں نہیں لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ اس تحریک پر خرچ ہو رہے ہیں۔ بس یورپ وامریکہ نے جو سبق دے دیا اس پر آمنا وصدقنا کہنا گویا ہمارے لئے لازم ہو گا۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**۔ قرآن وحدیث کچھ ہی کہے لیکن اس کو کون مانتا ہے؟ **انا للہ وانا الیه راجعون**۔

الغرض قانون الٰہیہ اور ضابطہ خداوندی اور دین حق کی مخالفت پر آگے کفار کی مذمت فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ

وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ

اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا اور ان کی امم کو یہ کہا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا، مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں،

اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے اور وہ لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا تھا

مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ

آپس کی ضدا ضدی سے باہم متفرق ہوگئے، اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک ایک بات پہلے قرار نہ پا چکتی تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا،

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ اس کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہیں جس نے (ان کو) تردد میں ڈال رکھا ہے۔

شَرَعَ اس نے مقرر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنَ الدِّيْنِ وہی دین	مَا وَصّٰى اس نے جس کا حکم دیا	بِهٖ اس کا	نُوْحًا نوحؑ	وَالَّذِيْٓ اور وہ جس
اَوْحَيْنَآ ہم نے وحی کی	اِلَيْكَ آپ کی طرف۔ کو	وَمَا وَصَّيْنَا اور جس کا حکم دیا ہم نے	بِهٖ اس کا	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ	وَمُوْسٰى اور موسیٰؑ	
وَعِيْسٰٓى اور عیسیٰؑ	اَنْ اَقِيْمُوْا کہ تم قائم کرو	الدِّيْنَ دین	وَلَا تَتَفَرَّقُوْا اور تفرقہ نہ ڈالو تم	فِيْهِ اس میں	كَبُرَ گراں	عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مشرکوں پر
مَا تَدْعُوْهُمْ جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں	اِلَيْهِ اس کی طرف	اَللّٰهُ اللہ	يَجْتَبِيْٓ چن لیتا ہے	اِلَيْهِ اپنی طرف	مَنْ يَّشَاۗءُ جسے وہ چاہتا ہے	
وَيَهْدِيْٓ اور ہدایت دیتا ہے	اِلَيْهِ اس کی طرف	مَنْ يُّنِيْبُ جو رجوع کرتا ہے	وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اور انہوں نے تفرقہ نہ ڈالا	اِلَّا مگر	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	
مَا جَاۗءَهُمُ کہ آگیا ان کے پاس	الْعِلْمُ علم	بَغْيًۢا ضد	بَيْنَهُمْ آپس کی	وَلَوْلَا اور اگر نہ	كَلِمَةٌ فیصلہ	سَبَقَتْ گزر چکا ہوتا
مِنْ رَّبِّكَ آپ کے رب کی طرف سے	اِلٰٓى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مدت مقررہ	لَّقُضِيَ تو فیصلہ کردیا جاتا	بَيْنَهُمْ ان کے درمیان	وَاِنَّ اور بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ
اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ کتاب کے وارث بنائے گئے	مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد	لَفِيْ شَكٍّ البتہ وہ شک میں	مِّنْهُ اس سے	مُرِيْبٍ تردد میں ڈالنے والے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بعض صفات بیان ہوئی تھیں کہ جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ ہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ وہی انسانوں کا حقیقی کارساز اور ولی ہے۔ انسانوں کے عقائد واعمال میں جو اختلافات ہیں اس کا فیصلہ کرنا اسی کا کام ہے وہی سب سے اعلیٰ بزرگ اور برتر ذات ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے۔ نہ اس کی صفات میں کوئی اس جیسا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ رزق اور روزی کا معاملہ اسی کے اختیار میں ہے اور سمیع وبصیر ہے۔ ہر ایک کا حال جانتا ہے پس اپنی مشیت سے جس کو چاہتا ہے زیادہ اور فراخ روزی عنایت فرماتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے کمی اور تنگی سے رزق عطا فرماتا ہے۔ تو جب اصولاً اللہ ہی انسانوں کا حقیقی مالک، ولی اور حاکم، رازق، فاطر،

قادر اور متصرف ہے تو یہ اسی کا حق ہے کہ وہ انسانوں کے لئے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ مقرر کرے اور قانون وضابطہ بنائے چنانچہ اس نے وہ طریقہ' قانون اور ضابطہ مقرر کر کے اپنے رسولوں کے ذریعہ دنیا میں بھیجا۔ اسی کو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ کے لئے جو دین' شریعت اور آئین الٰہی مقرر کیا وہ وہی ہے جو حضرت آدمؑ کے بعد دنیا کے سب سے پہلے پیغمبر اور دنیا کے سب سے آخری پیغمبر اور ان کے درمیان دوسرے اولوالعزم پیغمبر کا دین آئین تھا۔ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں اس لئے فی الحقیقت تشریح احکام کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام ہی سے شروع ہوا اور آخری نبی سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر سلسلہ نبوت ورسالت ختم ہو گیا۔ درمیان میں جو انبیاء ورسل آئے ان میں حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ تین زیادہ مشہور ومعروف ہوئے ہیں جن کے نام لیوا ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہے ہیں اس لئے آیت میں یہاں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے لوگو تمہارے لئے کوئی نیا دین نہیں نازل کیا گیا بلکہ وہی دین قدیم کہ جس پر حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام مامور تھے اسی پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامور کئے گئے ہیں۔ تو اصل دین حق ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ کیونکہ عقائدؔ اخلاقؔ اور اصول دین میں تمام انبیاء ورسل متفق رہے ہیں۔ البتہ بعض فروع میں حسب مصلحت زمانہ کچھ تفاوت ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک ہی دین ہے اور اس کے اصول ہمیشہ سے ایک ہی رہے ہیں۔ انہی اصولوں کے مطابق چلنا ہر زمانے میں انسان کے لئے دین ودنیا دونوں جہان کی کامیابی کے لئے ضروری ٹھہرا اور ان کی مخالفت ہمیشہ شر وفساد کا باعث رہی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء ورسل اور ان کی امتوں کو حق تعالیٰ کا یہی حکم ہوا کہ دین الٰہی کو اپنے قول وعمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق اور اختلاف کو روا نہ رکھیں۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ جس دین توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ مشرکین پر وہ بہت بھاری ہے اور یہ توحید کی صدائیں ان مشرکین کو بڑی ناگوار گزرتی ہیں۔ گویا ان کے خیال میں آپ کوئی نئی اور انوکھی چیز پیش کر رہے ہیں جو کسی نے پہلے پیش نہ کی تھی۔ بھلا توحید وآخرت اور کتاب ونبوت جیسی صاف معقول اور متفق علیہ چیز بھی جب لوگوں کو بھاری معلوم ہونے لگے اور اس میں بھی لوگ بدوں اختلاف ڈالے اور جھگڑا کئے نہ رہیں تو جہالت اور بدبختی کی حد ہو گئی۔ آگے حقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے وہ چاہے بندوں میں سے چن کر اپنی طرف کھینچ لے یعنی دین حق قبول کرنے کی توفیق دے دے اور جو لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور اپنے حسن استعداد سے محنتیں کریں تو ان کو حق تعالیٰ اپنے تک رسائی دے دیتے ہیں۔ اور ان کی محنت کو ٹھکانے لگا کر دستگیری فرماتے ہیں اور کامیابی بخشتے ہیں اور جو از خود برے راستہ کو اختیار کر لیتا ہے اور صاف راہ کو چھوڑ دیتا ہے تو خدا بھی ان کو ضلالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ بہرحال حکمت الٰہی جس کی ہدایت کو مقتضی ہو وہی ہدایت پاتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ توحید اور اصول دین میں جنھوں نے اختلاف ڈالا اور کتب الٰہیہ میں تحریف کی مثلاً یہود نے کہا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب انجیل کو کیوں مانیں۔ نصاریٰ نے کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی کتاب قرآن کو کیوں مانیں۔ تو ان کا یہ اختلاف کچھ غلط فہمی یا اشتباہ کی وجہ سے نہ تھا۔ ایسی صاف وصریح تعلیمات میں کیا شک وتردد ہو سکتا تھا یہ تو محض نفسانیت' ضد وعناد' عداوت اور طلب مال وجاہ وغیرہ اسباب ہیں جو فی الحقیقت اس تفریق اور اختلاف مذموم کا باعث بنے۔ جب اختلافات قائم

ہوئے اور مختلف مذاہب نے الگ الگ مورچہ بنالئے تو پیچھے آنے والی نسلیں خبط اور دھوکہ میں پڑ گئیں اور ایسے شکوک وشبہات پیدا کر لئے جو کسی حال ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بندوں کو ڈھیل اور مہلت دی اگر وہ چاہتا تو سارے اختلافات کو ایک دم میں ختم کر دیتا لیکن اس کی حکمت بالغہ اسی کو مقتضی تھی کہ ان اختلافات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ ایک وقت معین پر زندگی کے دوسرے دور میں کیا جائے تو اگر یہ بات پہلے سے حق تعالیٰ نے طے نہ فرمادی ہوتی تو دین میں سب جھگڑے قصے اور اختلافات کا فیصلہ دنیا میں لگے ہاتھ ہو جاتا۔

تو یہاں ان آیات میں کفار ومشرکین کی مذمت اس بات پر کی گئی ہے کہ انہوں نے دین حق سے اختلاف محض نفسانیت، ضد وعناد اور عداوت کی بنا پر کیا ورنہ علم صحیح ان تک بھی پہنچ چکا تھا لیکن آج دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذموم حرکت خود اس امت میں اس بری طرح آچکی ہے کہ اس پر آشوب دور میں بھی جبکہ ہمارے دشمنان دین نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، ہم آپس میں فروعی مسائل پر جھگڑنے اس پر کیچڑ اچھالنے اور ایک دوسرے کو طعن وتشنیع کا ہدف بنانے میں اس طرح محو ہیں کہ ملت اسلامیہ کے اصل مسائل اور دین کے بنیادی مقاصد بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ کہیں اشتراکیت یعنی کمونزم کے فتنے آرہے ہیں۔ کہیں عیسائیت اور دہریت کا بازار گرم ہے کہیں قادیانیت اور پرویزیت کا زور ہے تو کہیں انکار حدیث اور تجدد وتحریف دین کی شکل میں براہ راست دین کی بنیادوں پر حملہ ہے تو بجائے اصل دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے امت فروعی مسائل پر جھگڑنے اور ایک دوسرے کا گریبان تھامنے میں مصروف ہے جبکہ اس امت کی رہنمائی کے لئے قرآن وحدیث اور سنت رسول اللہ اور عمل صحابہ سب ہی کچھ موجود ہے۔ جب کافروں اور مشرکوں کے حق میں دین الٰہی میں جھگڑنے اور اختلاف کرنے کی مذمت بیان فرمائی گئی تو یہ چیز خود اہل اسلام کے لئے کس درجہ قابل مذمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔

اب کفار ومشرکین اور مخالفین واعدائے دین کی مخالفت اور انکار اور دین حق میں جھگڑنے کے باوجود جو تعلیم وطریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطے سے امت مسلمہ کو تلقین فرمایا گیا وہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی حقیقی فہم اور سمجھ نصیب فرمائیں اور جو دین شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو پہنچا ہے اس پر ہم کو پوری طرح عامل بنائیں۔ اور دین میں جھگڑنے اور ناحق اختلافات پیدا کرنے کی بدخصلت سے ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو حق تعالیٰ اپنے کرم سے بچائیں۔

یا اللہ اپنے کرم سے ہمارے لئے ہدایت کے فیصلہ فرما دیجئے اور اپنے راستہ پر ہم کو چلنے اور چلانے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔ اور باطل سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کا عزم نصیب فرما دیجئے۔

یا اللہ آپ نے جس طرح ابتدا میں دین اسلام کی حفاظت فرمائی اور دشمنان دین کو مغلوب فرمایا۔ اسی طرح اب بھی دین حق کی مدد فرمائیں اور دشمنان دین اور بدخواہان اسلام کو تباہ وبرباد فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ

سو آپ اسی طرف بلاتے رہیئے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے (اس پر) مستقیم رہیئے، اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیئے، اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں

كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ

میں سب پر ایمان لاتا ہوں، اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان میں عدل رکھوں، اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے،

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵ۭ

ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے۔

فَلِذٰلِكَ پس اسی کیلئے	فَادْعُ آپ بُلائیں	وَاسْتَقِمْ اور قائم رہیں	كَمَآ اُمِرْتَ جیسا کہ میں نے حکم دیا ہے آپ کو	وَلَا تَتَّبِعْ اور آپ نہ چلیں
اَهْوَآءَهُمْ ان کی خواہشات	وَقُلْ اور کہیں	اٰمَنْتُ میں ایمان لے آیا	بِمَآ اس پر جو	اَنْزَلَ اللّٰهُ نازل کی اللہ نے	مِنْ كِتٰبٍ سے۔ ہر کتاب
وَاُمِرْتُ اور مجھے حکم دیا گیا	لِاَعْدِلَ کہ میں انصاف کروں	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	اَللّٰهُ اللہ	رَبُّنَا ہمارا رب	وَرَبُّكُمْ اور تمہارا رب
لَنَا ہمارے لئے	اَعْمَالُنَا ہمارے اعمال	وَلَكُمْ اور تمہارے لئے	اَعْمَالُكُمْ تمہارے اعمال	لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا کوئی حجت (جھگڑا) نہیں ہمارے درمیان
وَبَيْنَكُمْ اور تمہارے درمیان	اَللّٰهُ اللہ	يَجْمَعُ جمع کریگا	بَيْنَنَا ہمارے درمیان (ہمیں)	وَاِلَيْهِ اور اسی کی طرف	الْمَصِيْرُ بازگشت (لوٹنا)

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتایا گیا تھا کہ تمام نوع انسانی کا اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور ہر زمانہ میں اللہ کے رسول اور پیغمبر اسی کو سمجھاتے اور بتلاتے چلے آئے ہیں اور وہی دین الٰہی اب اخیر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں مگر ہمیشہ سے یہ بھی ہوتا رہا کہ خود غرض اور مفاد پرست خود غرضی اور ضدو عناد میں پڑ کر حق کو جانتے اور پہچانتے ہوئے توحید اور اصول دین میں جھگڑتے۔ اختلاف کرتے اور تفرقے ڈالتے رہے ہیں اور اس طرح دنیا میں مختلف اور جدا جدا مذاہب بنا لئے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں آنے والوں کو دین حق میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اس لئے آگے اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دین حق کے متعلق تفریق اور اختلاف کے طوفان چاروں طرف سے اٹھ رہے ہیں تو آپ کا بھی یہ فرض ہے کہ غیر متزلزل عزم کے ساتھ اسی دین و آئین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیئے جس کی دعوت پہلے تمام انبیاء علیہم السلام دیتے رہے ہیں۔

آپ اپنے پروردگار کے حکم سے ذرا ادھر ادھر نہ ہوں۔ قولاً اور فعلاً علماً اور حالاً برابر اسی راستہ پر گامزن رہیں جس پر اب تک رہے ہیں۔ مکذبین اور معاندین کی خواہشات کی ذرا پروا نہ کریں اور صاف اعلان کر دیں کہ میں اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر خواہ وہ کسی پیغمبر پر اتری ہو۔ توراۃ ہو یا انجیل ہو یا قرآن ہو یا کوئی صحیفہ ہو جو کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوا ہو سچے دل سے اس کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے پر یقین رکھتا ہوں۔ میرا کام پہلی صداقتوں کو جھلانا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کرنا اور باقی رکھنا ہے اور مجھ کو حکم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں جو اختلافات تم نے ڈالے ہیں ان کا منصفانہ فیصلہ دوں اور تبلیغ احکام و شرائع یا فصل خصومات میں عدل و مساوات کا اصول قائم رکھوں۔ اور جس طرح تم کو خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں۔ تم سے پہلے میں خود احکام الٰہی کی پوری پوری تعمیل کر کے اس کا کامل فرمانبردار بندہ ہونا ثابت کروں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے اس لئے ہم سب کو اسی کی خوشنودی کے لئے کام کرنا چاہئے اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہمارا تم سے

کچھ تعلق نہیں۔ ہم دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کر کے سبکدوش ہو چکے۔ ہم میں سے کوئی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے اور وہی اس کے آگے آئے گا۔ تو چاہئے کہ اس کے نتائج برداشت کرنے کے لئے تیار رہے۔ آگے ہم کو تم سے جھگڑنے اور بحث وتکرار کی ضرورت نہیں۔ سب کو بالآخر خدا کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں جا کر ہر ایک کو پورا پتہ لگ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کچھ کما کر لایا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ آیات اور سورۃ مکی ہے قتال اور جہاد کی آیتیں اور احکام بعد میں مدینہ میں نازل ہوئے ہیں مکی دور میں تو صبر وضبط و تحمل ہی کی تلقین ہوتی رہی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے یہاں لکھا ہے کہ اس آیت میں ایک لطیفہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے باقی کسی اور آیت میں نہیں۔ وہ یہ کہ اس آیت میں دس کلمہ ہیں جو سب مستقل ہیں الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی ذات میں ایک مستقل حکم ہے اور یہی بات دوسری آیت یعنی آیۃ الکرسی میں بھی ہے تو اس آیت میں دس احکام یہ ہیں۔

پہلا حکم تو یہ ہوتا ہے کہ جو وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی وہی وحی آپ سے پہلے تمام انبیاء پر آتی رہی اس لئے تمام لوگوں کو آپ اس کی دعوت دیں اور ہر ایک کو اسی کی طرف بلاویں۔

دوسرا حکم یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت۔ وحدانیت اور اس کے احکام پر مستقیم رہیے۔

تیسرا حکم یہ ہوا کہ آپ ہرگز ہرگز ان مشرکین کی خواہشات پر نہ چلیں اور ایک بات بھی ان کی نہ مانیں۔

چوتھا حکم یہ ہوا کہ آپ علی الاعلان اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ کریں کہ خدا کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے یہ نہیں کہ میں ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں۔

پانچواں حکم یہ ہوا کہ آپ اعلان کر دیں کہ میں تم میں وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔

چھٹا حکم یہ ہوا کہ آپ اعلان کر دیں کہ معبود برحق صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ہمارا اور تمہارا سب کا معبود برحق ہے۔

ساتواں حکم یہ ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ ہمارے عمل ہمارے ساتھ تمہاری کرنی تمہارے ساتھ۔

آٹھواں حکم یہ ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ ہم سے کوئی جھگڑا اور کسی بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں (یہ حکم مکہ کا تھا پھر مدینہ میں جہاد کی آیتیں واحکام نازل ہوئے)

نواں حکم یہ ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور پھر حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

دسواں حکم یہ ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ لوٹنا سب کو خدا ہی کی طرف ہے۔ کوئی بچ کر نکل نہیں سکتا۔ تو اگرچہ آیت میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر یہ تعلیمات واحکام امت مسلمہ کے لئے عام ہیں یعنی اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ:۔

پہلے خود قرآن کریم کے حکموں پر پوری طرح عمل کرو اور ساتھ ہی دوسروں کو بھی ان حکموں پر عمل کرنے کے لئے کہتے رہو۔ دشمنان دین کی خواہشات کی پیروی مت کرو۔ تمہیں زبانی اور عملی دونوں طرح پر لوگوں کو بتا دینا چاہئے کہ ہم ہر آسمانی کتاب پر، جو منجانب اللہ نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور اس کو منزل من اللہ ہونے میں سچا جانتے ہیں۔ تمہارا کام دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب سب اللہ عزوجل کو اپنا معبود اور پروردگار مانیں۔ پھر تم میں سے ہر ایک اپنے عملوں کا خود ذمہ دار ہے آخر سب کو قیامت کے دن اللہ کے دربار میں جمع ہونا ہے اور سب کا ٹھکانہ وہی ہے۔ وہاں سب کے عملوں کا فیصلہ ہو جائے گا یہ ہیں عام تعلیمات اس آیت مبارکہ کی۔

اب دین حق کی تبلیغ ودعوت کے بعد بھی جو اس کے منکر رہیں گے تو ان کی سزا کا حال اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور جولوگ اللہ تعالیٰ (کے دین) کے بارہ میں جھگڑے نکالتے ہیں، بعد اس کے کہ وہ مان لیا گیا ان لوگوں کی حجت اُن کے رب کے نزدیک باطل ہے

وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا

اور ان پر غضب ہے اور ان کیلئے (قیامت کو) سخت عذاب (ہونیوالا) ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے (اس) کتاب یعنی قرآن کو اور انصاف کو نازل فرمایا، اور آپ کو

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ

کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔ جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے اس کا تقاضہ کرتے ہیں، اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں

اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ

وہ اس سے ڈرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے، یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ بڑی گمراہی میں ہیں۔

ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو (جس قدر) چاہتا ہے روزی دیتا ہے، اور وہ قوت والا اور زبردست ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	يُحَآجُّوْنَ جھگڑا کرتے ہیں	فِي اللّٰهِ اللہ کے بارے میں	مِنْ بَعْدِ اس کے بعد	مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ کہ قبول کرلیا گیا اس کیلئے۔اس کو				
حُجَّتُهُمْ اُن کی حجت	دَاحِضَةٌ لغو	عِنْدَ ہاں	رَبِّهِمْ ان کا رب	وَعَلَيْهِمْ اور اُن پر	غَضَبٌ غضب	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	
شَدِيْدٌ سخت	اَللّٰهُ اللہ	الَّذِيْٓ وہ جس نے	اَنْزَلَ نازل کی	الْكِتٰبَ کتاب	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَالْمِيْزَانَ اور میزان	وَمَا اور کیا	يُدْرِيْكَ تجھے خبر
لَعَلَّ شاید	السَّاعَةَ قیامت	قَرِيْبٌ قریب	يَسْتَعْجِلُ وہ جلدی مچاتے ہیں	بِهَا اسکی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں رکھتے		
بِهَا اس پر	وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	مُشْفِقُوْنَ وہ ڈرتے ہیں	مِنْهَا اس سے	وَيَعْلَمُوْنَ اور وہ جانتے ہیں	اَنَّهَا کہ یہ	الْحَقُّ حق	
اَلَآ یادرکھو	اِنَّ الَّذِيْنَ بیشک جولوگ	يُمَارُوْنَ جھگڑتے ہیں	فِي السَّاعَةِ قیامت کے بارے میں	لَفِيْ ضَلٰلٍ البتہ گمراہی میں	بَعِيْدٍ دور	اَللّٰهُ اللہ		
لَطِيْفٌ مہربان	بِعِبَادِهٖ اپنے بندوں پر	يَرْزُقُ وہ رزق دیتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جس کو چاہے	وَهُوَ اور وہ	الْقَوِيُّ قوی	الْعَزِيْزُ غالب		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسی دین کی طرف لوگوں کو بلایئے جس دین حق کی تمام انبیاء اب تک تعلیم دیتے چلے آئے ہیں اور خود آپ اس دین پر پکے ارادہ کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق جمے رہیئے اور ان منکرین ومعاندین کی دین کے بارے میں کوئی بات نہ مانیئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ نے وقتاً فوقتاً جتنی کتابیں نازل کیں جو اصول کے لحاظ سے ایک ہیں میں سب کو مانتا ہوں کسی کا انکار نہیں کرتا اور مجھے حکم ہے کہ میں کسی کی بیجا طرف داری نہ کروں بلکہ عدل وانصاف کے ساتھ معاملہ اور فیصلہ کروں کیونکہ رب ہمارا اور تمہارا سب کا ایک ہے اور ہر ایک کا کیا ہوا عمل اس کے آگے آئے گا جبکہ قیامت میں سب اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ نیز بتلایا گیا تھا کہ انسان کے لئے سچا دین فقط ایک ہی ہے اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا ہے۔ اس نے اس دنیا اور اس

کی ساری چیزوں کو بنایا اور وہی دنیا والوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس کے ایک اور سب کا رب ہونے پر گواہ ہے اور تمام اللہ کے رسول اور پیغمبر اسی عقیدہ اور تعلیم کو دنیا میں لے کر آئے۔ تو اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ایسے واضح اور روشن دلائل کے بعد بھی جو اس عقیدہ توحید میں شک وشبہ کرے۔ اللہ کے دین میں جھگڑا کرے۔ اللہ کی ذات و صفات میں اختلاف کرے۔ اور دین حق کے خلاف زہر اگلے اور خواہ مخواہ دین کی باتوں میں جھگڑا ڈالے خصوصاً جبکہ اللہ کا دین اس کی کتاب اور اس کی باتوں کی سچائی علانیہ ظاہر ہو چکی۔ حتیٰ کہ بہت سے سمجھدار لوگ اسے قبول کر چکے تو ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب کے مستوجب ہیں اور ان کے سب جھگڑے جھوٹے اور باطل ہیں۔ اور قیامت کے روز انہیں سخت نا قابل برداشت مار ماری جائے گی۔ تو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کو اور اس کے دین کو مانو اور اس کے دین کا ماننا یہی ہے کہ کتاب اللہ کو سچ اور واجب العمل جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو انصاف کے ساتھ نازل فرمایا ہے جو خالق ومخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے۔ پھر منکرین جو واقعات قیامت کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قیامت کی گھڑی کی کیا خبر۔ عجب نہیں کہ قیامت کی گھڑی بالکل قریب ہی آ لگی ہو۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جن کو قیامت پر یقین نہیں وہ ہنسی مذاق کے طور پر نہایت بےفکری سے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت آخر کب آئے گی؟ اس کے آنے میں دیر کیا ہے؟ جلدی کیوں نہیں آ جاتی؟ لیکن جس کو اللہ نے ایمان اور یقین عطا کیا ہے وہ تو اس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے۔ کسی کے ٹلائے ٹل نہیں سکتی۔ اسی لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ ان جھگڑنے والے مشرکین کا کیا حشر ہونا ہے۔ جب ایک شخص کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں تو وہ اس کی تیاری کیا خاک کرے گا۔ ہاں جتنا اس حقیقت کا مذاق اڑائے گا گمراہی میں اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی صحابی نے ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ قیامت کب ہو گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں وہ یقیناً آنے والی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اس کیلئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس پر ان صحابی نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ یعنی میرا قیامت کا سامان بس یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم ان ہی کے ساتھ ہو گے جن سے محبت رکھتے ہو۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں قیامت کے وقت کی تعین نہیں کی بلکہ سائل کو اس دن کی تیاری کرنے کو فرمایا۔ یہاں آیت میں یہ جملہ جو فرمایا گیا **وما یدریک لعل الساعة قریب**۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی ہو۔ ایسا ہی سُوْرَۃُ احزاب ۲۲ ویں پارہ میں بھی فرمایا گیا ہے کہ لوگ آپ سے قیامت کے بارہ میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے **قل انما علمها عند الله وما یدریک لعل الساعة تکون قریباً** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور آپ کیا جانیں شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو"۔ مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ حق

تعالیٰ نے قرآن عزیز سے پہلے بھی تمام آسمانی کتابوں میں علم قیامت کو پوشیدہ ہی رکھا ہے۔ الغرض قیامت کے آنے کے وقت کا علم بجز خدا کے اور کسی کو نہیں۔ آگے فرمایا گیا کہ قیامت کے آنے میں جو لوگ جھگڑ رہے ہیں اور اس کے منکر ہیں۔ اسے محال جانتے وہ نرے جاہل ہیں سیدھے راستہ سے بھٹک کر دور گمراہی میں جا پڑے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے کہ باوجود تکذیب و انکار کے روزی کسی کی بند نہیں کرتا بلکہ ایک کو دوسرے کے ہاتھ روزی پہنچا رہا ہے اور بندوں کے باریک سے باریک احوال کی رعایت کرتا اور تدبیر لطیف سے ان کی تربیت فرماتا ہے گو حسب مصلحت اس روزی دینے میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے کہ جس کو جس قدر چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔

یہاں آخری آیت ہے **اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشآء وھو القوی العزیز** اس آیت کو پڑھنا بزرگان دین نے زیادتی رزق کے لئے مجرب لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ نے اعمال قرآنی میں لکھا ہے کہ اس آیت کو بعد نماز کے زیادتی رزق کے لئے کثرت سے پڑھا کرے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ مہاجر مکی سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کو پابندی سے ۷۰ مرتبہ یہ آیت پڑھا کرے وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا اور فرمایا کہ یہ نہایت مجرب عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت کی برکت سے ہم سب کو تنگی رزق سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے دنیا کے ناز و نعمت پر پھولنے اور اس میں منہمک ہو کر آخرت کو بھولنے پر تنبیہ فرمائی جاتی ہے۔ اور طالب دنیا اور طالب آخرت کا انجام بتلایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جہاں اپنے فضل و کرم سے ہم کو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے وہیں اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ اس زندگی میں اپنی مرضیات والے عمل ہمارے لئے آسان فرما دیجئے اور ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرما لیجئے جو آخرت میں انعامات اور فضل کبیر سے نوازے جائیں گے۔

یا اللہ ہمیں اپنے دین اسلام کی سچی قدر نصیب فرما دے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہمیں بھی اس دین کی خدمت کی توفیق کسی درجہ میں نصیب فرما دے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو، ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے، اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا (اگر چاہیں) دے دیں گے

مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ

اور آخرت میں اس کا کچھ نہیں۔ کیا ان کے کچھ شریک (خدائی) ہیں جنہوں نے ان کیلئے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی

يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

خدا نے اجازت نہیں دی، اور اگر (خدا کی طرف سے) ایک قول فیصل نہ ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا۔

مَنْ جو شخص	كَانَ يُرِيْدُ چاہتا ہے	حَرْثَ کھیتی	الْاٰخِرَةِ آخرت	نَزِدْ لَهٗ ہم اضافہ کردیتے ہیں اس کیلئے	فِيْ حَرْثِهٖ کھیتی میں اس کی	وَمَنْ اور جو
كَانَ يُرِيْدُ چاہتا ہے	حَرْثَ الدُّنْيَا دنیا کی کھیتی	نُؤْتِهٖ ہم اسے دیتے ہیں	مِنْهَا اس میں سے	وَمَا لَهٗ اور نہیں اس کیلئے	فِي الْاٰخِرَةِ آخرت میں	
مِنْ نَّصِيْبٍ کوئی حصہ	اَمْ لَهُمْ کیا ان کیلئے	شُرَكٰٓؤُا کچھ شریک (جمع)	شَرَعُوْا انہوں نے مقرر کیا	لَهُمْ ان کیلئے	مِنَ سے۔ایسا	
الدِّيْنِ دین	مَا لَمْ جو۔جس نہیں	يَاْذَنْ اجازت دی	بِهِ اس کی	اللّٰهُ اللہ	وَلَوْ اور اگر	لَا نہ
كَلِمَةُ الْفَصْلِ ایک قول فیصل						
لَقُضِيَ تو فیصلہ ہوجاتا	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	وَاِنَّ اور بیشک	الظّٰلِمِيْنَ ظالموں	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	اَلِيْمٌ دردناک

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسانوں میں ایک تو وہ ہیں کہ جنہیں قیامت کا یقین ہی نہیں وہ تو بے پرواہی اور تمسخرو ہنسی کی راہ سے کہہ دیتے ہیں کہ قیامت کو آنا ہے تو ابھی آجائے مگر جو اللہ اور رسول کے کہنے پر اس کا یقین کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ایک واقعی چیز ہے اور وہ آکر رہے گی۔ اس کا برپا ہونا حق ہے وہ تو اس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہی رہتے ہیں اور اس لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں اور جس کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں ظاہر ہے کہ وہ اس کی تیاری ہی کیا کرے گا بلکہ الٹا مذاق اڑا کر اور گمراہی میں بڑھتا جائے گا۔ مگر اس تکذیب و انکار کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے کہ وہ دنیا میں ہر ایک نیک و بد کافر و مومن کو روزی دیتا ہے اور ان کی تربیت فرماتا ہے۔ منکرین قیامت تو اس دنیا کے عیش و نشاط میں مست رہتے ہیں اور اسی عالم دنیا کو رنج و راحت کا اصلی مقام جانتے ہیں۔ اور اپنی دنیاوی کامیابیوں کو خدا کی خوشنودی کا باعث سمجھتے ہیں حالانکہ دنیا میں تو اللہ اپنی رحمت عامہ کے سبب ہر جاندار کو روزی پہنچا رہے ہیں نہ یہ اس کے رضامندی کی دلیل ہے اور نہ یہ کہ یہی عالم دنیا اصلی مقام ہے۔ اس دنیا میں بھی دشمن کو باوجود ناراضگی کے کھانا پینا قید میں دے دیا کرتے ہیں تو کیا یہ قیدی سے رضامندی کی دلیل ہو سکتی ہے؟ الحاصل سمجھایا یہ گیا تھا کہ دنیا انسان کا مقام اصلی نہیں بلکہ یہ آئندہ کے لئے یعنی آخرت کے واسطے نیکی یا بدی حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ اب اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ زندگیاں دو ہیں ایک اس دنیا کی زندگی جو بالآخر ختم ہو جائے گی اور ایک آخرت کی زندگی جو کبھی ختم نہ ہوگی اور آدمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جس زندگی کے لئے چاہے دنیا میں دوڑ دھوپ کرتا رہے۔ جو آخرت کی زندگی سنوارنی چاہتا ہے اور آخرت کے اعمال کی طرف توجہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں اسے اعمال خیر کی توفیق دیتے ہیں۔ اس کی نیکیوں کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ کسی نیکی کو دس گنا کر دیتے ہیں کسی کو سات سو ۷۰۰ گنا اور کسی کو اس سے بھی زیادہ۔ الغرض آخرت کی چاہت جس دل میں ہوتی ہے اس شخص کو نیک اعمال کی توفیق خدا کی طرف سے عطا فرمائی جاتی ہے اور جس کی تمام کوشش دنیا ہی حاصل کرنے کی ہوتی ہے آخرت کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی تو اسے

تھوڑا بہت یہاں مل رہے گا وہ بھی جس کے لئے اور جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں گے دیدیں گے لیکن آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا۔ دنیا کا ملنا خدا کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے ممکن ہے کہ ایک دنیادار ہزاروں جتن کرے اور دنیا سے بھی محروم رہ جائے اور بدنیتی کے باعث عقبیٰ تو برباد کر ہی چکا تھا۔ تو اگر دنیا بھی نہ ملی تو دونوں جہان سے گیا گذرا ہوا اور اگر تھوڑی بہت دنیا مل بھی گئی تو یہ نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا کی حرص کرے سب ہی اس کو مل جائے اور وہ بھی عارضی چندروزہ زندگی کے لئے لیکن اس کی محنت کا فائدہ آخرت میں کچھ نہ ہوگا۔ یہاں یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ جس حصول دنیا کی مذمت کی جارہی ہے وہ وہ ہے کہ جو خدا سے غافل کرے اور جس دنیا سے دین برباد ہو اور آخرت کا منکر ہو کر دنیا حاصل کرے جو آخرت سے بے نصیب کر دیتا ہے ورنہ کسب معاش حلال طور پر اور جائز طریقوں سے اپنے نفس کے لئے۔ اہل وعیال کی پرورش کے لئے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے۔ یہ بقدر ضرورت ضروری ہے اور یہ عین دین ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔

یہاں آیت میں حرث الاخرۃ اور حرث الدنیا فرمایا گیا ہے حرث کے لغوی معنیٰ کسب اور کمانے کے ہیں لیکن محاورہ میں حرث کھیتی کو کہتے ہیں اور حارث کسان اور کھیتی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ تو یہاں آیت میں آخرت ودنیا دونوں کے لئے سعی اور عمل کرنے والوں کو کھیتی کرنے یعنی کسان سے تشبیہ دی گئی ہے جو زمین کے جوتنے بونے سے لے کر کھیتی کے تیار ہونے تک مسلسل محنت وجانفشانی کرتا ہے اور اس غرض کے لئے کرتا ہے کہ وہ اخیر میں اپنی کھیتی کاٹے اور غلہ حاصل کرے۔ تو آخرت کی کھیتی بونے والے کسان اور دنیا کی کھیتی بونے والے کسان ان دونوں میں نیت اور مقصد کے لحاظ سے فرق عظیم واقع ہو جاتا ہے اس لئے دونوں کی محنتوں کے نتائج اور ثمرات بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف رکھے ہیں حالانکہ دونوں کے کام کرنے کی جگہ یہی دنیا اور زمین ہے۔ پھر آیت میں غور کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی کھیتی بونے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ دنیا اسے نہیں ملے گی۔ دنیا تو کم یا زیادہ اس کو بہر حال ملنی ہی ہے کیونکہ اللہ جل شانہٗ کے لطف عام میں اس کا بھی حصہ ہے اور رزق نیک و بد سبھی کو یہاں دنیا میں مل رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو خوشخبری اس بات کی سنائی ہے کہ اس کی آخرت کی کھیتی بڑھائی جائے گی اس کی کھیتی میں اللہ تعالیٰ ترقی دیں گے کیونکہ وہ اسی کا طالب ہے اور اسی کے انجام کی اسے فکر لاحق ہے۔ رہا دنیا کی کھیتی بونے والا یعنی جو سب کچھ دنیا ہی کے لئے کرتا ہے اور آخرت نہیں چاہتا اسے اللہ تعالیٰ نے اس کی محنت کے دو نتیجہ صاف صاف سنا دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خواہ کتنا ہی سر مارے دنیا کا اسے وہی حصہ ملے گا جتنا اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ دوسرے یہ اسے جو کچھ ملنا ہے بس دنیا ہی میں مل جائے گا۔ آخرت کی بھلائیوں میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت آخرت اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔ اب یہ مشرکین اور منکرین دین خدا کے احکام کی تو پیروی کرتے نہیں بلکہ جنات و شیاطین اور بعض انسانوں کو انہوں نے اپنا بڑا سمجھ رکھا ہے۔ یہ جو احکام انہیں بتاتے ہیں یہ انہی احکام کے مجموعے کو دین سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جسے کوئی دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہراوے پھر آخران مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتائی تھی دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں۔ ان کی اس گستاخی کی سزا انہیں مل چکی ہوتی اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی کہ مجرمین کو اصل عذاب بعد مرگ ہوگا اور ان کا آخری فیصلہ قیامت میں ہوگا اب جو ٹیڑھے چلیں گے انہیں قیامت کے دن جہنم کے المناک اور بڑے سخت عذاب ہوں گے۔

تو ان آیات سے اہل ایمان کو سبق لینا چاہئے اور اپنا مرکز توجہ صرف آخرت کو قرار دینا چاہئے اور زندگی کی ہر حرکت وسکون کو درستی اور ذخیرہ آخرت کی نیت سے کرنا چاہئے۔

نیت جس کے معنیٰ ہیں دل میں کسی کام کا ارادہ کرنا تو اس طرح ہر عمل کی تعمیر نیت پر ہوتی ہے۔ نیت کی خرابی سے عبادت تک فاسد اور بے کار ہو جاتی ہے اور نیت کی خوبی سے دنیاوی کام بھی عبادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک مشہور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عمل کا اعتبار نیتوں کے ساتھ ہے۔ اور آدمیوں کو دراصل اپنی نیت ہی کا صلہ ملتا ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے تو اس کی نیت کے مطابق اس کی ہجرت اللہ اور رسول ہی کے لئے ہے اور جو شخص دنیا حاصل کرنے کے لئے ہجرت کرتا ہو یا کسی عورت کو نکاح میں لانے کے لئے ہجرت اختیار کرے تو اس کی ہجرت اسی مقصد کی خاطر سمجھی جائے گی جس کے لئے اس نے گھر بار چھوڑا۔ بعض محدثین نے اس حدیث شریف کو نصف علم کہا ہے تو معلوم ہوا کہ اسلام جس نیت کا طلب گار ہے وہ نیت وہ ہے جو خالص اور بے میل ہو۔ جس میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر ہو اور جس میں کسی دنیاوی غرض کا شائبہ تک نہ ہو۔ ایسی ہی نیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔ تو ہر عمل کا دارمدار نیت پر ہے اس لئے ہر کام سے پہلے نیت کی درستگی اور ارادہ کی صحت ضروری ہے۔ اور ایک عمل میں کئی کئی نیتیں کی جا سکتی ہیں اور ہر نیت پر اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اجروثواب ہے۔ مثلاً مسجد میں جانے کا ایک عمل ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس ایک عمل میں پندرہ نیتیں ہو سکتی ہیں اور ہر نیت پر جدا اجروثواب ملتا ہے۔ چونکہ ہر نمازی بفضلہ مسجد میں پانچ مرتبہ آتا ہے اس لئے مسجد میں جانے کی یہ پندرہ نیتیں قابل ذکر ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسجد کو اللہ تعالیٰ کا گھر ہونے کی نسبت حاصل ہے اس طرح مسجد میں ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے آتا ہے اور اس کی ذات عالی کریم ہے اور ہر کریم اپنے مہمان کی خاطر کرتا ہے۔ تو مسجد جاتے وقت یہ نیت کرے کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا مہمان ہونے اور اس کے گھر سے مہمانی کا حق یعنی اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل اجروثواب حاصل کرنے جا رہا ہوں۔ (۲) دوسرے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جماعت کے انتظار کی نیت کرے کہ حدیث میں نماز کی جماعت کا انتظار کرنے والا بھی گویا نماز ہی میں ہوتا ہے۔ (۳) تیسرے اس کی نیت کرے کہ اعضائے جسمانی مسجد میں جا کر دنیا کی آلودگیوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ (۴) چوتھے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرے۔ (۵) پانچویں یہ کہ مسجد سے متعلق منقولہ دعائیں پڑھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا موقع مل جائے۔ (۶) چھٹے یہ کہ ذکر اللہ۔ تلاوت قرآن اور وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کا موقع ملے حدیث میں آیا ہے کہ مسجد میں صبح کو ذکر و نصیحت کے لئے جانا مجاہدہ فی سبیل اللہ کے برابر ہے اور جو جماعت اللہ تعالیٰ کے گھر میں تلاوت قرآن اور پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو اس کو فرشتہ گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ (۷) ساتویں یہ کہ وضو کر کے مسجد میں نماز کے لئے جانے سے حج اور عمرہ کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (۸) آٹھویں یہ مسجد میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور علمی مذاکرہ کا موقع ملتا ہے۔ (۹) نویں یہ کہ اپنے مومن بھائیوں سے ملاقات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (۱۰) دسویں یہ مومن بھائیوں کو سلام کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (۱۱) گیارہویں یہ کہ آخرت کی یاد تازہ کرنے اور توبہ و استغفار کے لئے مسجد میں بڑی یکسوئی ہوتی ہے۔ اس کی نیت بھی باعث اجروثواب ہے۔ (۱۲) بارہویں یہ کہ قلبی توجہ اور اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور تعلق مع اللہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ (۱۳) تیرہویں یہ کہ اپنے مسلمان بھائی کے دکھ تکلیف اور ضرورتوں کا علم ہوگا۔ (۱۴) چودھویں یہ کہ مسجد میں جمع ہونے سے اسلام کا ایک شعار زندہ ہوگا۔ (۱۵) پندرھویں یہ کہ بموجب آیت قرآنی **ان الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشآء والمنكر** اپنی اصلاح ہوگی۔ گویا ایک عمل میں ۱۵ نیتوں کا اجروثواب مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کا علم اور دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور ہر عمل میں حسن نیت کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب آگے طالب دنیا اور طالب آخرت دونوں کا اخروی انجام ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

(اس روز) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ (وبال) ان پر پڑ کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے، وہ جس چیز کو چاہیں ان کے رب کے پاس ان کو ملے گی، یہی بڑا انعام ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ قُلْ لَّآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ

یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، آپ یوں کہئے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا

اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۗ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

بجز رشتہ داری کی محبت کے، اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کردیں گے، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔

تَرٰی تم دیکھو گے	الظّٰلِمِیْنَ ظالموں	مُشْفِقِیْنَ ڈرتے ہوں گے	مِمَّا کَسَبُوْا وَهُوَ اس سے جوانہوں نے کمایا (اعمال) اور وہ	وَاقِعٌ واقع ہونیوالا			
بِهِمْ ان پر	وَالَّذِیْنَ اور جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	فِیْ میں	رَوْضٰتِ باغات	
الْجَنّٰتِ جنتوں	لَهُمْ ان کیلئے	مَا یَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے	عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے ہاں	ذٰلِکَ یہ	هُوَ وہ۔یہی	الْفَضْلُ فضل	الْکَبِیْرُ بڑا
ذٰلِکَ یہی	الَّذِیْ وہ جس	یُبَشِّرُ اللّٰهُ اللہ بشارت دیتا ہے	عِبَادَهٗ اپنے بندے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وہ جو ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے عمل کئے		
قُلْ فرمادیں	لَآ اَسْئَلُکُمْ میں تم سے نہیں مانگتا	عَلَیْهِ اس پر	اَجْرًا کوئی اجر	اِلَّا سوائے	الْمَوَدَّةَ محبت	فِی الْقُرْبٰی قرابتداری میں۔کی	وَمَنْ اور جو
یَقْتَرِفْ کمائے گا	حَسَنَةً کوئی نیکی	نَزِدْ لَهٗ ہم بڑھادیں گے اس کیلئے	فِیْهَا اس میں	حُسْنًا خوبی	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	شَکُوْرٌ قدردان

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جو اس دنیا کی زندگی میں آخرت کی زندگی بنانے اور سنوارنے کی سعی اور کوشش کرے گا یعنی اللہ اور رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ کے موافق چلے گا تو اسے آخرت میں اس کے کاموں کا اجرا تنا ملے گا جو اس کی محنت سے کہیں زیادہ ہوگا اور جس کی زندگی میں تمام کوشش دنیا ہی حاصل کرنے کی رہے گی اور آخرت کی طرف اس کی توجہ نہ ہوگی تو اسے تھوڑا یا بہت جتنا بھی اس کے لئے مقدر ہے دنیا مل جائے گی لیکن آخرت میں اس کی اس دوڑ دھوپ کا کوئی صلہ نہ ہوگا۔ تو پہلی حالت یعنی آخرت طلبی اہل ایمان کی بیان ہوئی تھی اور دوسری حالت یعنی دنیا طلبی کفار ومشرکین کی بیان ہوئی تھی اور یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ آج جو یہ کفار ومشرکین قیامت و آخرت کا انکار کر رہے ہیں تو انہیں اس گستاخی اور تکذیب کی سزا یہیں دنیا میں مل چکی ہوتی اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی کہ اصل عذاب مجرمین کو قیامت ہی میں ہوگا۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ظالم کفار ومشرکین اپنے کرتوتوں کے نتائج سے خواہ نہ ڈریں مگر اس فیصلہ کے دن یعنی قیامت میں یہ اپنے عملوں کے ڈر سے تھر تھر کانپتے ہوں گے اور یہ ڈر و خوف ان پر ضرور پڑ کر رہے گا۔ اس دن کوئی سبیل رہائی اور فرار کی نہ ہوگی اور ان کا خوف کرنا بھی سودمند نہ ہوگا۔ عذاب تو ان پر آ کر رہے گا کوئی بچا نہ سکے گا۔ اور یہ اپنے اعمال کا مزہ چکھ کر ہی رہیں گے اور ان کے برخلاف ایماندار اور نیکوکاروں یعنی مومنین صالحین جو دنیا میں اللہ پر یقین کر کے اس کی کتاب اور اس کے

رسول کے بتائے ہوئے حکموں کو مانتے تھے اور اسی بتلائے ہوئے طریقہ پر چلتے تھے ان کا یہ حال ہوگا کہ وہ امن وچین سے بہشت کے باغات میں مزے کر رہے ہوں گے۔ یہ کفار ومشرکین طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں ہوں گے اور یہ مومنین وصالحین طرح طرح کی لذتوں اور راحتوں میں ہوں گے۔ بہترین غذائیں بہترین مکانات۔ بہترین لباس، بہترین ساز وسامان جن کا یہاں دیکھنا اور سننا تو کہاں کسی انسان کے ذہن اور تصور میں بھی وہ چیزیں نہیں آسکتیں۔ پھر ان کے لئے ہر چیز جو وہ چاہیں گے اور جس کی خواہش کریں گے جنت میں موجود ہوگی۔ دنیا کے عیش جس پر کافر پھولا ہوا ہے اس کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ دنیا میں تو یہ بات کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی میسر نہیں کہ جونہی جو خواہش دل میں پیدا ہوئی فوراً وہ حاصل ہوگئی لیکن اہل جنت کی یہ حالت ہوگی کہ ان کو ہر نعمت میسر ہوگی۔ ادھر خواہش پیدا ہوئی ادھر وہ چیز موجود ہوگی۔ سبحان اللہ! حقیقت میں بڑا انعام اور فضل کبیر یہی ہے نہ کہ وہ جو دنیا میں عیش وعشرت موجود ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ فضل کبیر اور جنت کے انعامات جس کی بشارت اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں جو لامحالہ واقع ہو کر رہیں گے۔ یہ بشارت ان اہل ایمان کے لئے ہے جو ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کرنے والے ہیں۔ یہاں آیت مقدسہ میں فضل کبیر یعنی جنت کی جسمانی اور روحانی نعمتوں، لذتوں اور راحتوں کی بشارت اور خوشخبری ان بندوں کو دی جا رہی ہے جو ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کرنے والے ہیں۔ یہاں یہ قابل غور ہے کہ یہ بشارت نہ صرف ایمان پر ہے اور نہ بغیر ایمان کے ظاہری نیکی کرنے والے کے لئے ہے۔ بلکہ ایمان اور عمل صالح دونوں چیزوں کو اکٹھا کرنے پر ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ قرآن پاک میں بکثرت مقامات پر آخرت کی لازوال نعمتوں کے لئے یہ دونوں شرائط یعنی ایمان اور عمل صالح بیان فرمائے گئے ہیں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ یہ جملہ بشارتیں مومنین صالحین کے لئے ہیں رہا معاملہ ان لوگوں کا جو ایمان تو کسی درجہ میں رکھتے ہیں مگر اعمال صالحہ سے تہی دست ہیں ان کا معاملہ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا اس کی مشیت ہوگی تو مغفرت ہو جائے گی ورنہ سزا برداشت کرنی ہوگی مگر ایمان کی بدولت کبھی نہ کبھی نجات مل ہی جائے گی۔ مگر جتنا زبان سے یہ کہہ دینا آسان ہے کہ ایمان کی بدولت آخر جہنم سے نجات مل ہی جائے گی اتنی آسان نجات نہ ہوگی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ نے ایک حدیث ''فضائل نماز'' میں نقل فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مدار اسی برس کی ہوتی ہے اور ایک برس ۳۶۰ دن کا ہوتا ہے اور قیامت کا ایک دن دنیا کے ایک ہزار برس کے برابر ہوگا (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ ۸۸ لاکھ برس ہوئی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہ مضمون حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرما کر کہتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی ۲ کروڑ ۸۸ لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا وہ بھی جب ہی کہ اور کوئی وجہ زیادہ جہنم میں پڑے رہنے کی نہ ہو۔ العیاذ باللہ اور حضرت ابواللیث سمرقندیؒ نے قرۃ العیون میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے۔ اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اب غور کیجئے کہ ایک فرض نماز کو قصداً اور عمداً قضا کر دینے کی قانونی سزا جو حقب جہنم میں پڑے رہنے کی فرمائی گئی جس کی مقدار ۲ کروڑ ۸۸ لاکھ برس کا زمانہ ہماری دنیا کے حساب سے ہوتا ہے۔ تو اگر کسی نے ساری زندگی نمازیں قضا کیں یا دس بیس برس یا دو چار سال یا ایک ہی دن کی ۵ فرائض قضا کئے تو اس کا کتنا طویل عرصہ جہنم میں پڑے رہنے کا بنتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہ بہرحال قانونی سزا ہے جس کی معافی اللہ تعالیٰ سے اگر مانگی گئی اور اللہ تعالیٰ نے معافی

قبول فرمالی تو یہ قانونی سزا بھی معاف ہوسکتی ہے۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار مکہ اور مشرکین عرب جو دور یا نزدیک آپ سے رشتہ داری اور برادری کا تعلق بھی رکھتے ہیں اور اس کے باوجود نہ صرف آپ کے ساتھ تکذیب بلکہ ظلم اذیت کا معاملہ بھی کرتے ہیں اور آپ کی بات اور آپ کا پیغام بھی سننے کے لئے تیار نہیں تو ان منکرین سے آپ یوں کہئے کہ میں اس تبلیغ دین پر اور تمہاری خیر خواہی پر کچھ تم سے طلب تو نہیں کر رہا۔ میں قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں۔ اور ابدی نجات اور فلاح کا راستہ دکھا رہا ہوں۔ یہ سب محض بوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی اور خاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو تو نظر انداز نہ کرو۔ آخر تمہارا معاملہ اپنے اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو تو کیا مجھ سے برادری اور رشتہ داری کے تعلق کا یہ حق نہیں کہ مجھ سے عداوت میں جلدی نہ کرو۔ بلکہ سادہ دل سے سہولت اور اطمینان کے ساتھ میری پوری بات تو سن لو اور اس کو میزان عقل اور دلیل صحیح سے جانچو اور اگر معقول ہو تو قبول کرلو۔ اگر کچھ شبہ ہو تو صاف کرلو۔ اور بفرض محال اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھ کو سمجھا دو اور راہ پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو خیر خواہی سے ہو۔ یہ نہیں کہ میری پوری بات بھی نہ سنو اور فوراً بھڑک اٹھو بلکہ سمجھ جانے پر بھی مخالفت سے باز نہ آؤ۔ اور الٹا ظلم واذیت پر کمربستہ ہو جاؤ۔ مجھ کو اتنی آزادی تو دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں۔ اللہ اکبر! غور کیجئے کہ یہ ایمان اور اسلام جو آج ہم ناقدروں کو مفت میں مل گیا ہے اس کی تبلیغ ودعوت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالہا سال کیسی مشقتیں۔ کتنی صعوبتیں اور کس قدر مخالفتیں برداشت فرمائی ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہی دل وجگر تھا جو ہر طرح کی قربانیاں دے کر اس اسلام کے چمن کو سرسبز وشاداب بنایا جس کو کہ آج ہم کلمہ گو ہونے کے باوجود اجاڑنے اور ویران کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی سچی قدر نصیب فرمائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لگائے ہوئے چمن کی حفاظت اور خبر گیری کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ بات بیچ میں اضطراراً آ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے اوپر جو تلقین فرمائی گئی اس کے بعد حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کو بڑھاتا ہے آخرت میں تو اجر وثواب کے اعتبار سے اور دنیا میں نیک خوئی اور نیک نامی عطا فرما کر اور ایسے آدمی کی لغزشوں کو بھی معاف فرماتا ہے اور اس کی نیکی کا بڑا قدردان ہوتا ہے۔ یہاں یہ مضمون شاید اس لئے ذکر فرمایا گیا کہ اوپر جو تلقین فرمائی گئی تھی جس سے قرابت کی محبت وتعلق مطلوب تھا اور جس کا حاصل ظلم اور ایذا اسے روکنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا کہ جو زائد نیکی اور بھلائی دکھلائے تو وہ خوب سمجھ لے کہ خدا بڑا قدردان ہے وہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا بلکہ بڑھاتا ہی رہتا ہے۔

اب آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا مضمون بیان فرما کر منکرین کو کفر وشرک سے توبہ کرنے اور ایمان لے آنے کی ترغیب دی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے، سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے، اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹایا کرتا ہے

الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ

اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے، وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ

اور وہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے۔ اور ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾

جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب) دیتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے۔

اَمْ کیا	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	افْتَرٰى اس نے باندھا	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	فَاِنْ سو اگر	يَّشَاِ اللّٰهُ چاہتا اللہ	يَخْتِمْ وہ مہر لگا دیتا
عَلٰى قَلْبِكَ تمہارے دل پر	وَيَمْحُ اور مٹاتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الْبَاطِلَ باطل	وَيُحِقُّ اور ثابت کرتا ہے	الْحَقَّ حق	بِكَلِمٰتِهٖ اپنے کلمات سے	
اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں کی باتوں کو	وَهُوَ اور وہی	الَّذِيْ يَقْبَلُ جو قبول فرماتا ہے	التَّوْبَةَ توبہ		
عَنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں سے	وَيَعْفُوْا اور معاف کردیتا ہے	عَنِ سے۔کو	السَّيِّاٰتِ برائیاں	وَيَعْلَمُ اور وہ جانتا ہے	مَا تَفْعَلُوْنَ جو تم کرتے ہو		
وَيَسْتَجِيْبُ اور قبول کرتا ہے	الَّذِيْنَ وہ جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَ اور	عَمِلُوا انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	وَيَزِيْدُهُمْ اور ان کو زیادہ دیتا ہے	
مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے	وَالْكٰفِرُوْنَ اور کافروں	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	شَدِيْدٌ سخت			

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات سے کفار و مشرکین کی مذمت اور کفر و شرک کے رد میں مضمون بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ کفار مکہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر طرح طرح کے الزامات اور تہمتیں لگاتے وہیں۔ ایک تہمت یہ بھی لگاتے کہ (معاذ اللہ) یہ کلام جس کو قرآن کہہ کر پیش کرتے ہیں اس کو خود بنا کر جھوٹ موٹ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔ کفار کے اس الزام کی تردید میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر بفرض محال ان کفار کا خیال ٹھیک ہوتا اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلام آپ نے ان کے کہنے کے مطابق خود گھڑا ہوتا اور اللہ کی طرف جھوٹ موٹ منسوب کیا ہوتا تو کیا اللہ کی غیرت اس کو برداشت کرتی؟ اللہ کو تو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے یعنی خدانخواستہ اگر آپ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے یا خدا کی طرف غلط بات منسوب کرتے تو وہ خدا تو اس پر قادر تھا کہ سلسلہ وحی کا بند ہو جاتا بلکہ پہلے دیا ہوا کلام بھی سلب کر لیا جاتا مگر واقع میں چونکہ ان کا الزام قطعاً کذب و افترا ہے اس لئے محض ان بدبختوں کی قدر ناشناسی اور طعن و تشنیع کی بنا پر یہ فیض وحی منقطع نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک اللہ اس کو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری

کون ہے۔اللہ کی عادت یونہی ہے کہ وہ باطل کو مٹایا اور حق کو غلبہ دیا کرتا ہے۔ سچ تو سچ ہی ہے گو کوئی اسے لاکھ جھوٹ سمجھے چنانچہ ایک وقت آئے گا کہ یہ منکرین و مکذبین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جھوٹ غارت ہوا اور سچ کا بول بالا ہوا۔ انہیں جلدی واقعات سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کلام جسے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سنا رہے تھے بالکل سچ اور درست تھا اور واقعی اللہ ہی کی طرف سے نازل کیا ہوا تھا کیونکہ جو کچھ اس میں کہا گیا تھا وہ رفتہ رفتہ بالکل سچ ثابت ہوتا چلا جائے گا۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین کے جھوٹے الزامات کی ذرہ برابر پروہ نہ کیجئے اور اپنا کام کئے جایئے۔اللہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ الزامات آپ پر کیوں لگائے جارہے ہیں اور اس کے پیچھے ان منکرین کی کیا غرض اور نیت کام کر رہی ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اس سے خوب واقف ہے کیونکہ وہ ہر ایک کی دل کی چھپی ہوئی بات بھی خوب جانتا ہے۔ اب چونکہ کفار و مشرکین کی اس مذمت سے مقصود یہی ہے کہ وہ کفر و شرک سے توبہ کرلیں اور ایمان لے آویں اس لئے آگے توبہ کی برکت اور ایمان کی فضیلت بیان فرمائی جاتی ہے اور جو اس پر بھی کفر و شرک پر مصر رہیں تو انہیں وعید بھی سنائی جاتی ہے۔یعنی منکرین کو جتلایا جاتا ہے کہ اب بھی اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ اور کفر و شرک سے سچی توبہ کر کے اسلام لے آؤ۔ وہ خدا ایسا رحیم و کریم ہے کہ توبہ کرنے والے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اس توبہ کی برکت سے تمام گذشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سب کو جانتا ہے پس اس کو یہ بھی خبر ہے کہ توبہ خالص اور سچی کی ہے یا نہیں۔ مطلب یہ کہ تم کو خالص توبہ کرنا چاہئے اور جب کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئے تو تمہارے اعمال جو پہلے مقبول نہ ہوتے تھے اب مقبول ہونے لگیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی عبادت قبول فرماتا ہے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے۔ان کی طاعات کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور جس قدر اجر و ثواب کے وہ عام ضابطہ سے مستحق ہوں اپنے فضل سے اس سے کہیں زائد مرحمت فرماتا ہے۔اور اس پر بھی جو کفر سے تائب نہ ہوئے اور مرتے دم تک رجوع اور توبہ کی توفیق میسر نہ ہوئی تو پھر ان کے لئے سخت عذاب مقرر ہے۔

ان آیات میں جب کہ ایک کافر و مشرک کو بھی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری دی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ ایک کلمہ گو اور مومن گو وہ کیسا ہی عاصی اور گناہ گار اور نافرمان کیوں نہ رہا ہو اس کی توبہ تو بدرجہ اولیٰ لائق قبولیت ہوگی۔ بشرطیکہ سچی توبہ ہو۔قرآن پاک میں بہت سے مواقع پر اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بکثرت سچی توبہ کی قبولیت کی بشارت دی گئی ہے۔ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی وہ گویا بے گناہ ہو گیا۔حق تعالیٰ کو بندہ کی سچی توبہ سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ''اگر کوئی شخص کسی بے آب و گیاہ اور دہشت ناک جنگل میں پہنچ جائے اور اس کو سواری مع کھانے پینے کے سامان کے جو اس پر رکھا ہوا تھا گم ہو جائے اور اس کو ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا تھک جائے اور آخر میں اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ توشہ کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے زندگی سے مایوس ہو جائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے اور نہ وہاں آب و دانہ میسر آنے کی امید اس لئے مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے آ لیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر اس فکر میں ڈوبا ہوا سو جائے کہ اب موت آیا

چاہتی ہے اور پھر دفعۃً اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ دیکھے کہ اس کی کھوئی ہوئی سواری اس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہ موجود ہے تو اس کی ایسی حالت میں اپنی زندگی سے نا امید ہونے کے بعد سرمایہ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی دفعۃً حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب بندہ اس کی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے''۔ مگر یہاں توبہ کی حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے کہ گذشتہ گناہ پر خوف وندامت ہو اور جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دینے کا عزم اور اس سے آئندہ پرہیز کرنے کا قصد مصمم ہو اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گذشتہ تقصیر وکوتاہی کا تدارک کرے۔ جب ماضی۔ حال اور مستقبل تینوں زمانہ کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہو تو وہ توبہ کامل ہے۔ نہ کہ محض زبان سے استغفار یا توبہ توبہ کہنا۔ روایات میں ہے کہ مدینہ کی مسجد مبارک میں ایک بار کوئی اعرابی آیا اور نماز پڑھ کر اس نے معمول کے موافق بار بار کہا الٰہی میں تجھ سے توبہ استغفار کرتا ہوں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ارے زبان سے جلدی جلدی استغفار کرنا جھوٹے آدمیوں کی توبہ ہوتی ہے۔ اس نے عرض کیا یا امیر المومنین پھر توبہ کیسی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ چھ باتیں ہوں تو توبہ ہوتی ہے۔

۱- گذشتہ گناہوں پر ندامت وشرمندگی۔

۲- ترک شدہ فرائض کی دوبارہ ادائیگی۔

۳- اگر کسی بندہ کا حق تائب کے ذمہ ہو تو اس کی واپسی

۴- دل نے گناہ کا جو مزہ اٹھایا اسکے عوض نیکی کی تلخی اسکو چکھائی جائے۔

۵- جس طرح بدکاری نے اسے موٹا کیا تھا اسی طرح نیکی کر کے اسکو پگھلایا جائے۔

۶- گناہ میں غافل ہو کر جتنا ہنسا تھا اب اتنا ہی روئے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسی ہی سچی توبہ نصیب فرمائیں۔

الغرض شروع سورۃ میں توحید کا مضمون تھا۔ پھر اس کی تاکید اور اس کی دلیل اور تائید تھی اور اسی سلسلہ میں کفر وشرک کی مذمت اور ان کے رد کا بیان ہوا اب آگے اسی توحید کے اثبات میں حق تعالیٰ اپنے بعض صفات وافعال کا اظہار فرماتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں آخرت کا طالب بنا کر زندہ رکھیں اور اس دنیا میں جو کچھ مال دولت ساز وسامان حق تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس کو آخرت کی کمائی کا ذریعہ بنائیں۔ یا اللہ! اس غفلت اور بے دینی سے ان کو چھٹکارا نصیب فرمادے۔ دنیا کی محبت ان کے دلوں سے دور فرمادے اور آخرت کا فکر نصیب فرمادے۔

یا اللہ! جو اجر وثواب آپ نے آخرت میں اپنے صالح بندوں کے لئے رکھا ہے اس کا حریص بنادے۔

آخرت کے خسران اور ناکامی سے بچالے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ

اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کیلئے روزی فراخ کردیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز (مناسب) سے (ہر ایک کیلئے) اتارتا ہے، وہ اپنے

بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۷ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ

بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔ اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔ اور وہ

الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۸ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ

کارساز قابل حمد ہے۔ اور منجملہ اس (کی قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے آسمان وزمین میں پھیلا رکھے ہیں،

وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹

اور وہ اُن (خلائق) کے جمع کرلینے پر بھی جب وہ چاہے قادر ہے۔

وَلَوْ اور اگر	بَسَطَ اللّٰهُ کشادہ کردیتا اللہ	الرِّزْقَ رزق	لِعِبَادِهٖ اپنے بندوں کیلئے	لَبَغَوْا تو وہ سرکشی کرتے	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَلٰكِنْ اور لیکن	
يُنَزِّلُ وہ اتارتا ہے	بِقَدَرٍ اندازے سے	مَا يَشَآءُ جس قدر وہ چاہتا ہے	اِنَّهٗ بیشک وہ	بِعِبَادِهٖ اپنے بندوں سے	خَبِيْرٌ باخبر	بَصِيْرٌ دیکھنے والا	
وَهُوَ اور وہی	الَّذِيْ وہ جو	يُنَزِّلُ نازل فرماتا ہے	الْغَيْثَ بارش	مِنْ بَعْدِ بعد	مَا قَنَطُوْا جب وہ مایوس ہوگئے	وَيَنْشُرُ اور پھیلاتا ہے	رَحْمَتَهٗ اپنی رحمت
وَهُوَ اور وہی	الْوَلِيُّ کارساز	الْحَمِيْدُ ستودہ صفات	وَمِنْ اور سے	اٰيٰتِهٖ اسکی نشانیاں	خَلْقُ پیدا کرنا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَمَا اور جو	بَثَّ اس نے پھیلائے	فِيْهِمَا ان کے درمیان	مِنْ دَآبَّةٍ چوپائے	وَهُوَ اور وہ	عَلٰي جَمْعِهِمْ ان کے جمع کرنے پر		
اِذَا يَشَآءُ جب وہ چاہے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا						

تفسیر وتشریح:۔ اس سورۃ کی ابتدا ہی سے توحیدی مضمون شروع ہوا تھا اور پھر توحید کے دلائل دے کر اس کی تاکید اور شرک وکفر کا رد فرمایا گیا تھا اور اسی توحید کے سلسلہ میں شروع سورت سے یہاں تک اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات اور افعال بیان فرمائے گئے۔ ابتدائی آیت میں فرمایا گیا اللہ العزیز الحکیم اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ پھر چوتھی آیت میں فرمایا گیا وھو العلی العظیم وہی سب سے برتر عظیم الشان ہے پھر پانچویں آیت میں فرمایا گیا ھو الغفور الرحیم وہ معاف کرنے والا رحمت کرنے والا ہے پھر نویں ۹ آیت میں فرمایا گیا ھو الولی وھو یحی الموتیٰ وھو علیٰ کل شیء قدیر۔ اللہ ہی کارساز ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ گیارھویں آیت میں فرمایا گیا فاطر السمٰوٰت والارض وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا لیس کمثلہ شیء کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ پھر فرمایا وھو السمیع البصیر وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔ پھر بارھویں ۱۲ آیت میں فرمایا انہ بکل شیء علیم۔ بے شک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔ پھر انیسویں آیت میں فرمایا وھو القوی العزیز وہ قوت والا اور زبردست ہے۔ پھر ۲۳ ویں آیت میں فرمایا ان اللہ غفور شکور بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا قدردان ہے۔ پھر ۲۴ ویں آیت میں فرمایا انہ علیم بذات الصدور وہ دلوں کی باتیں جاننے والا ہے پھر ۲۵ ویں آیت میں فرمایا وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفوا عن السیئات ویعلم ما تفعلون وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور تمام

گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو جانتا ہے۔

غرض کہ شروع سورۃ سے یہاں تک توحید کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات اور افعال بیان کئے گئے۔ اسی سلسلہ میں ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حکمت اور اس کے آثار کو بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تونگر بنا دے لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دے کر خوش عیش رکھا جائے۔ ایسا کیا جاتا تو عموماً لوگ طغیان و سرکشی اختیار کر کے دنیا میں اودھم مچاتے اور فتنہ فساد برپا کرتے۔ نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اس کی مخلوق کو خاطر میں لاتے۔ جتنا دیا جاتا اتنا ہی حرص اور بڑھتی۔ اب بھی عموماً خوش حال لوگوں میں یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ جتنا بھی ان کے پاس آ جائے اس سے زیادہ ہی کے طالب رہتے ہیں اور کوشش اور تمنا یہی ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ اگر اپنے سب بندوں کو غنی بنا دیتا تو لوگ ملک میں فساد برپا کر دیتے اور معاشرہ انسانی کا نظم قائم نہ رہتا کیونکہ جب سب مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام نہ کرتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی ضرورت نہ رہتی۔ یہ صنعت و حرفت۔ زراعت۔ ملازمت۔ تجارت وغیرہ سب کچھ انسانی طبقات کے مختلف المعاش ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر مال و دولت کی کثرت عموماً فسق و فجور۔ اللہ کی نافرمانی عیش پرستی۔ راحت پسندی اور طرح طرح سے معصیت کے سامان لاتی ہے۔ بہر حال دنیا کو بحالت موجودہ جس نظام پر چلانا ہے اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ غنا اور مالداری عام نہ کی جائے بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کر دیا جائے اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت اصلح ہے کیونکہ اللہ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں۔ صلاحیتوں اور استعدادوں کا جاننے والا اور ان کے احوال و اعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا۔ وہ ہر بندہ کو اس کے ظرف۔ ضرورت اور مصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میرے بندے ایسے بھی ہیں جن کی صلاحیت اور بہتری مالداری میں ہے۔ اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو وہ دین داری سے بھی جاتے رہیں گے اور بعض میرے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کے لائق فقیری ہی ہے اگر وہ مال حاصل کر لیں اور تونگر ہو جائیں تو اپنا دین کھو بیٹھیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح رزق اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اسی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ بعض مرتبہ ظاہری اسباب و حالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتا ہے اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف عالم میں پھیلا دیتا ہے غرض کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت و صواب ہے کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اسی کی ذات میں جمع ہیں اور ہر قسم کی کارسازی۔ امداد و اعانت وہیں سے ہو سکتی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطابؓ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ امیر المومنین قحط سالی ہوگئی اور اب تو لوگ بارش سے بالکل مایوس ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا جاؤ اب بارش انشاء اللہ ضرور ہو گی اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی **وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا** اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ منجملہ قدرت کی نشانیوں کے آسمانوں کا زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے زمین و آسمان میں پھیلا رکھے ہیں پیدا کرنا ہے اور باوجود ان سب کو پھیلا دینے کے ان کو جمع کرنا چاہے تو اس وقت وہ ان کو اکٹھا کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے چنانچہ وہ قیامت میں سب کو اکٹھا کرے گا۔

یہاں ان آیات میں ایک تو صراحت اس بات کی ہے کہ رزق تمام بندوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنا مقدر اور مقرر جس کے لئے فرمایا ہے وہی اترتا ہے۔ رزق کی کمی زیادتی یہ بالکل قبضہ قدرت میں ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا کہ ''منصوبہ بندی'' جیسی تحریکات سے ملک والوں کا رزق بڑھ جائے گا اور اس پر عمل درآمد نہ کرنے سے ملک والوں کا رزق گھٹ جائے گا اور فاقہ کشی کی نوبت آ جائے گی اس کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ ایں خیال است محال است وجنوں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دنیا کے تمام انسانوں کا مال و دولت میں مساوی اور برابر ہونا نہ ممکن ہے۔ نہ مطلوب ہے اور نہ نظام عالم کو چلانے اور عدل وانصاف کو قائم رکھنے کی مصلحتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں۔ دنیا کا نظام معیشت قدرت خداوندی نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور اپنی حکمت سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص کی ضروریات و حاجات دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور ہر شخص اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے دوسرے کا محتاج ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے نظام معیشت میں تفاوت رکھا تاکہ ایک شخص دوسرے شخص سے کام لے سکے۔ اگر سب کی آمدنی برابر ہوتی تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا۔ لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آمدنی اور مال و دولت میں مساوات' نہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ نہ عملاً یہ صورت کہیں قائم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اور نہ یہ اسلام کو مطلوب ہے۔

تیسری بات یہاں یہ سمجھائی گئی کہ کوئی جاندار آسمان یا زمین میں خدا کے قابو سے باہر نہیں اور سب کو زندہ ہو کر قیامت میں اس کے سامنے حاضر ہونا ہے تو کتنا کم عقل ہے وہ انسان جو اللہ کے احکام سے دنیا میں سرتابی کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ خدا کی دست رس سے باہر ہو جائے گا یا کوئی مدد کرنے والا اس کی مدد کر سکے گا اور اس کو خدا کی گرفت اور سزا سے بچا لے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔ اب جس طرح نعمت رزق اور روزی کے معاملہ میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت حکمت کا بیان ان آیات میں فرمایا اسی طرح انسانوں کو جو سختی و مصیبت پیش آتی ہے اس کا نزول بھی خاص اندازہ اور اسباب وضوابط کے ماتحت ہوتا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو جس حال میں رکھیں اپنا صابر و شاکر بندہ بنا کر رکھیں۔ دنیا میں اپنے فضل سے جو رزق ہم کو عطا فرمائیں اس سے اپنی طاعت وفرمانبرداری کے حصول کی سعادت نصیب فرمائیں۔ اور مال و دولت کے فتنوں سے ہم کو محفوظ رکھیں۔

یا اللہ اپنی کارسازی پر ہم کو ایمان کامل اور یقین محکم نصیب فرما اور اپنی شان کارسازی سے ہمارے دین و دنیا کے تمام معاملات کو درست وراست فرمادے اور ہر حال میں اپنی ہی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب فرمادے

یا اللہ! آپ اپنے بندوں کے خالق و رازق ہیں۔ آپ ہی اپنے بندوں کے مصالح کو خوب جانتے ہیں اس لئے امیری یا غریبی جس حال میں جس کو رکھا ہے آپ کی مشیت و مصلحت پر مبنی ہے۔ یا اللہ! مال و دولت کے فتنہ سے جو طرح طرح سے آپ کی نافرمانی کے سامان لاتے ہیں' ہمیں اپنی رحمت سے بچالیجئے اور جو مال و دولت آپ ہم کو عطا فرمائیں اس سے اپنی مرضیات کے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما کر ہماری آخرت کا سامان اور مغفرت کا ذریعہ بنادیجئے آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ

اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سے تو درگذر ہی کردیتا ہے۔ تم زمین میں

بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهِ

(پناہ لے کر اس کو) ہرا نہیں سکتے، اور خدا کے سوا تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں۔ اور منجملہ اس کی نشانیوں کے

الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ

جہاز ہیں سمندر میں جیسے پہاڑ۔ اگر وہ چاہے ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ (بحری جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جاویں،

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝

بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کیلئے۔ یا ان جہازوں کو ان کے اعمال کے سبب تباہ کردے اور بہت سے آدمیوں سے درگزر کرجاوے۔

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝

اور ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہوجاوے کہ ان کیلئے کہیں بچاؤ نہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ اور جو پہنچی تمہیں	مِّنْ مُّصِيْبَةٍ کوئی مصیبت	فَبِمَا تو اس کے سبب جو	كَسَبَتْ کمایا	اَيْدِيْكُمْ تمہارے ہاتھوں
وَيَعْفُوْا اور وہ معاف فرمادیتا ہے	عَنْ كَثِيْرٍ بہت سے	وَمَا اور نہیں	اَنْتُمْ تم	بِمُعْجِزِيْنَ عاجز کرنیوالے / فِى الْاَرْضِ زمین میں
وَمَا لَكُمْ اور نہیں تمہارے لئے	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مِنْ وَّلِيٍّ کوئی کارساز	وَّ اور / لَا نَصِيْرٍ نہ کوئی مددگار	وَمِنْ اٰيٰتِهِ اور اس کی نشانیوں سے
الْجَوَارِ جہاز / فِى الْبَحْرِ سمندر میں	كَالْاَعْلَامِ پہاڑوں جیسے	اِنْ يَّشَاْ اگر وہ چاہے	يُسْكِنِ وہ ٹھہرا دے / الرِّيْحَ ہوا	فَيَظْلَلْنَ تو وہ رہ جائیں
رَوَاكِدَ کھڑے ہوئے	عَلٰى ظَهْرِهٖ اس کی پیٹھ (سطح) پر	اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ بیشک اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّكُلِّ صَبَّارٍ ہر صبر کرنیوالے کیلئے
شَكُوْرٍ شکر کرنیوالے / اَوْ یا	يُوْبِقْهُنَّ وہ انہیں ہلاک کردے	بِمَا كَسَبُوْا ان کے اعمال کے سبب	وَيَعْفُ اور (یا) معاف کردے	عَنْ كَثِيْرٍ بہتوں کو
وَيَعْلَمَ اور جان لیں / الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يُجَادِلُوْنَ جھگڑتے ہیں	فِىْٓ اٰيٰتِنَا ہماری آیات میں	مَا لَهُمْ نہیں ان کیلئے	مِّنْ کوئی / مَّحِيْصٍ خلاصی

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ دنیا میں رزق کی تقسیم تمام تر قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خبیر و بصیر ہے۔ وہ اپنے بندوں کے احوال و مصالح کو جاننے والا اور دیکھنے والا ہے اس لئے جتنا رزق جس کے لئے اس کی مشیت میں مناسب ہوتا ہے اتنا ہی اتارا جاتا ہے۔ انسانی تدابیر جو ظاہری اسباب کے درجہ میں رزق کے کمی وزیادتی کا سبب ہوسکتی ہیں سب اسی مشیت الٰہیہ کے ماتحت کام کرتی ہیں۔ پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی مثل بارش وغیرہ یہ بھی سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جیسے روزی حق تعالیٰ بندوں کو ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے اسی طرح بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جیسے نعمتیں یعنی رزق و روزی ایک خاص اندازہ سے دی جاتی ہیں اسی طرح مصائب کا نزول بھی خاص اسباب وضوابط کے ماتحت ہوتا ہے

مثلاً انسانوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا جیسے بعض اوقات ماں کی بد پرہیزی شیر خوار بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا شہر والوں کی بد تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ یا شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے یہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لیجئے۔ گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت سے گناہوں سے درگذر کرتی ہے۔ اگر ہر ایک جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس باقی نہ رہتا جیسا کہ قرآن پاک میں ۲۲ ویں پارہ سورہ فاطر میں ارشاد ہے **ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیٰ ظھر ھا من دآبۃ** اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب فوراً دار و گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا۔ اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے۔ کہ آیت کے عموم سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت ذنوب یعنی گناہ ہی سے آتی ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر بڑی بڑی بلائیں اور مصیبتیں آئی ہیں اور ان کا گناہوں سے پاک ہونا معلوم ہے۔ تو حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ یہاں خطاب عام نہیں بلکہ صرف اہل ذنوب مخاطب ہیں۔ دوسرے یہ کہ انبیاء پر جو بلائیں آئیں۔ وہ گو صورۃ مصیبت ہیں مگر معناً و حقیقتاً مصیبت نہیں۔ بلکہ وہ نعمتیں ہیں۔ کہ وہ ان سے پریشان نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے علوم و احوال و مدارج قرب میں اس سے ترقی کا مشاہدہ کر کے اس پر راضی رہتے ہیں۔ تو یہاں

آیت میں گناہ گاروں کے گناہ کی پاداش میں جو مصیبت آتی ہے اس کا بیان ہے اور نیکوں پر آئی ہوئی تکلیف اور مصیبت ان کے لئے سزا نہیں بلکہ کفارہ ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مومن بندہ کو جو سختی اور تکلیف پہنچتی ہے۔ یا فکر و اندوہ آتا ہے اللہ اس کو مومن کے گناہ کا کفارہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی لگتا ہے تو اللہ اس کی کسی نہ کسی خطا کا کفارہ بنا دیتا ہے"۔ رہے وہ مصائب جو اللہ کی راہ میں اللہ کے دین کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کوئی مومن برداشت کرتا ہے۔ تو وہ اللہ کے یہاں ترقی درجات کا سبب بنتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ صابر بندوں کو صبر کے عوض آخرت میں جو نعمتیں و مرتبے عنایت ہوں گے ان کو دیکھ کر عافیت میں زندگی گذارنے والے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں اللہ کے لئے قینچی سے ہماری بوٹیاں کاٹی جاتیں۔ تو یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے گناہ گارو تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے۔ اور بہت سی باتیں تو اللہ تعالیٰ درگذر ہی کر دیتا ہے۔ اور محض اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے ورنہ جس جرم پر سزا دینا چاہے مجرم بھاگ کر کہیں روپوش نہیں ہو سکتا اور نہ اللہ کی پکڑ سے بچ سکتا ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا حمایت اور امداد کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے۔ آگے اللہ کی قدرت کے دلائل اور نشانیوں میں سے سمندر میں جہازوں کا چلنا اور تیرنا بیان فرمایا گیا ہے کہ جیسے زمین کی سطح پر پہاڑ ابھرے ہوتے ہیں۔ سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں اللہ نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے اور بادبانی جہاز جو اس زمانہ میں رائج تھے۔ ہوا کے

ذریعہ سے چلتے اور ادھر ادھر جاتے۔ تو ان بادبانی جہازوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والی ہوائیں اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے اور بادبان بے کار ہو جائیں اور کشتیاں و جہاز رک کر کھڑے ہو جائیں۔ غرض پانی اور ہوا سب اسی کے زیرِ فرمان ہیں۔ تو ایک وہ انسان جو سختیوں میں صبر اور راحت و آسانیوں میں خدا کے شکر کا عادی ہو وہ ربّ کی عظیم الشان قدرت اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانیوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں اور بادبان جہازوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑوں جیسے جہاز کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو اہلِ کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے یا اگر وہ چاہے تو اسی موافق ہوا کو ناموافق اور تند و تیز طوفان بنا دے جس سے کشتی اور جہاز سنبھالے نہ سنبھل سکے اور یونہی سرگشتہ و حیران ہو کر اہلِ کشتی تباہ ہو جائیں تو یہ اسی کا لطف و کرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں سمندر میں چلاتا ہے اور لمبے لمبے سفر ان کشتیوں و جہازوں کے ذریعہ انسان طے کرتا ہے ورنہ ان جہازوں کی تباہی کے وقت ان لوگوں کو بھی جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہو جاوے کہ اب ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں اور خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اب گذشتہ آیات سے جو دنیا طلبی کی مذمت اور طلب آخرت کی ترغیب اور رزق کے کمی زیادتی کی حکمت بیان ہوئی اور ان آیات میں گناہوں کی شامت و مضرت کا جو بیان ہوا ان سب سے کیا نتیجہ نکلا اور کیا ثابت ہوتا ہے یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہماری دن رات کی تقصیرات وسیئات سے درگذر فرمائیں۔ ہمارے ظاہری و باطنی گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف فرما دیں۔ اے کریم رب ہماری بد اعمالیوں پر داروگیر نہ فرمائیے۔ اور ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

اے اللہ! آپ ہر حال میں ہمارے حامی اور مددگار رہئے۔ اور آپ کی نصرت و حمایت سے ہمارے دین و دنیا کے سارے کام درست و راست ہو جائیں۔ اور ہر حال میں ہم کو اپنا صابر و شاکر بندہ بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سو جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض (چندروزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کیلئے ہے، اور جو (اجر وثواب آخرت میں) اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائدار وہ ان لوگوں

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ۳۶

کیلئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ پس جو کچھ دی گئی تمہیں	مِنْ شَيْءٍ کوئی شے	فَمَتَاعُ تو فائدہ	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دُنیاوی زندگی	وَمَا اور جو	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس
خَيْرٌ بہتر	وَّاَبْقٰى اور ہمیشہ باقی رہنے والا	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے	وَعَلٰى رَبِّهِمْ اور اپنے رب پر وہ	يَتَوَكَّلُوْنَ وہ بھروسہ کرتے ہیں	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا کہ طالب دنیا کی دنیا میں تو حرص تمنا پوری نہیں ہوتی اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور طالب آخرت کو اجر وثواب بڑھا کر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ دنیا میں زیادہ مال دولت کا انجام بالعموم اچھا نہیں اکثر اس سے خدا کی نافرمانی اور دنیا میں فتنہ فساد ہی ہوتا ہے۔ یہ سب سنا کر انسانوں کو متنبہ کیا گیا تھا کہ مطلوب و مقصود بنانے کے لائق دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔

اب دنیا کی زندگی اور اس کے مال ودولت کی حقیقت اور فلسفہ کو بتلایا جاتا ہے کہ جس کے غرور میں انسان خدا سے سرکشی کرتا ہے اور جس کے تلف ہو جانے یا نہ ملنے پر کیسا بے چین ہوتا ہے۔ ساتھ ہی دنیا کی زندگی کا آخرت کی زندگی سے مقابلہ وموازنہ فرمایا جاتا ہے تاکہ آدمی دنیا یا آخرت کے مطلوب ہونے پر فیصلہ کرے اور زندگی کے مقصود کو سمجھے۔ انسانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے کہ جس کے نزدیک جو کچھ ہے بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ تکلیف ہو یا راحت۔ ذلت ہو یا عزت۔ ناداری ہو یا زرداری۔ اس کے نزدیک جو کچھ اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہو بس یہی ہے آگے کچھ نہیں۔ ایسے دنیا کے پجاری اور آخرت کے منکر کے نزدیک انسان نام ہے صرف پیٹ کا۔ پیٹ میں روٹی۔ بدن پر بوٹی۔ برق رفتار موٹر۔ اونچی کوٹھی۔ رقص وسرود کی محفلیں۔ عیش ونشاط کے جلسے۔ نوکر چاکر حشم خدم اس کا مقصود حیات ہے اور اس کے خیال میں جس کے پاس یہ نہیں وہ بدنصیب ہے۔ ذلیل وخوار ہے۔ زمین کی پشت پر بار ہے۔ قابل شمشیر ودار ہے۔ اس کی نظر میں جائز ونا جائز اور حلال وحرام کی بحث بے سود ہے بلکہ تباہ کن قید ہے۔ اس کے مقابل ایک دوسرا طبقہ انسانوں کا وہ بھی ہے جو اس دنیا کی زندگی کو فانی اور اس کے مال ومتاع کو حقیر جانتا ہے اس کے لئے اس میں کوئی کشش نہیں اور وہ اس دنیا کی زندگی کو آئندہ زندگی کے رنج وراحت کا سبب جانتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جیسا یہاں بویا جائے گا۔ آگے ویسا ہی کاٹا جائے گا۔ اس لئے وہ دنیوی زندگی میں ایسے اعمال وضوابط کو اختیار کرتا ہے جو اگلی زندگی میں اس کے لئے سودمند اور ایسے اطوار وافکار سے بچتا ہے جو آگے اس کو تباہ کرنے والے ہوں۔ تو ہر طبقہ ایک نظریہ کا قائل ہے اور اپنے عقیدہ ونظریہ کے موافق زندگی دنیا میں گذار رہا ہے۔ تو ایک نظریہ کی تردید اور دوسرے نظریہ کی تصدیق میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے انسانو! دنیا کی چیزوں میں سے جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض چندروزہ دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے۔ یعنی یہ مال دولت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس پر آدمی پھول جائے اور چندروزہ زندگانی اور عیش فانی پر مغرور ہو جائے۔ بڑی سے بڑی دولت بھی جو کسی شخص کو دنیا میں ملی ہے وہ ایک عارضی اور تھوڑی سی ہی مدت کے لئے ملی ہے۔ کچھ عرصہ میں اس کو برت لیتا ہے اور پھر سب کو چھوڑ کر دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہو جاتا ہے۔ اور خاتمہ عمر کے ساتھ اس مال ودولت کا بھی گویا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تو اس فنا پذیر نا قابل اعتماد اور قریب الزوال ساز

وسامان پر ریجھنا اور اس پر غرور وتکبر کرنا اور اس پر بھروسہ کرنا اور اس سے دل لگانا انسان کی حماقت ہے۔ ہاں جو ساز وسامان۔ جو دولت۔ جو عیش وآرام۔ جو اجر وثواب۔ جو جزا۔ جو نعمت اللہ کے ہاں ہے وہ اپنی نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے بھی دنیا کے عیش وآرام اور مال دولت سے بہتر ہے اور اعلیٰ درجہ کی ہے اور پھر وقتی اور عارضی بھی نہیں بلکہ ابدی اور لازوال ہے۔ نہ اس میں کسی طرح کی کدورت ہوگی نہ فنا اور زوال کا کھٹکا ہوگا اور بے مشقت حاصل ہوگی۔ تو کجا عالم قدس کی چیزیں اور کجا اس عالم خسیس کی چیزیں۔ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ وہ باقی یہ فانی۔ وہاں کی جوانی اور حسن دائمی۔ وہاں کے اسباب معیشت ابدی۔ مگر یہ اخروی نعمتیں کس کے لئے ہوں گی؟ کیا وہ آخرت کی نعمتیں دنیا کے دولت مند کافروں کو ملیں گی۔ یا مومن اور غیر مومن دونوں ان میں شریک ہوں گے یا صرف اہل ایمان کیلئے وہ مخصوص ہوں گی اور اہل ایمان میں سے بھی کن صفات اور کن خصائل کے لوگوں کو دینے کا قطعی وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل آگے بیان فرمائی جاتی ہے جو اس رکوع کے اخیر تک بیان ہوتی چلی گئی ہے۔

پہلی اور دوسری صفت جو اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے وہ للذین اٰمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون فرمائی۔ یعنی اللہ کے پاس کی آخرت کی نعمتیں ان کے لئے ہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ وتوکل رکھے۔ پہلی صفت للذین اٰمنوا یعنی جو ایمان لے آئے فرمائی۔ اس میں اللہ کی ذات وصفات پر ایمان لانا۔ اللہ کے فرشتوں پر یمان لانا۔ اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔ اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا۔ اللہ کی تقدیر پر ایمان لانا۔ اللہ کے احکام پر ایمان لانا۔ اللہ کے اوامر ونواہی پر ایمان لانا سب شامل ہیں۔ تو پہلی صفت آخرت کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے ایمان کی بتلائی گئی۔ دوسری صفت ایمان کے بعد توکل کی فرمائی جو جمیع حسنات کا اصل اصول ہے۔ نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ جہاد۔ صدقہ۔ خیرات وغیرہ سب حسنات توکل ہی پر مبنی ہیں کہ ان سب پر اللہ ہی پر بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی جزائے خیر دے گا۔ آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لئے ایمان کے بعد ضروری وصف توکل بیان فرمایا گیا اس لئے توکل کی صحیح تشریح بھی سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ جاہلوں کا تو خیال ہے کہ توکل محنت۔ مزدوری اور کسب کے چھوڑ دینے کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے کار بن کر بیٹھ جائے۔ اگر بیمار ہو تو دوا علاج نہ کرے۔ اور بے سوچے سمجھے اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا کرے۔ کہیں آگ میں گھس جائے اور کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دے دے تب متوکل کہلائے تو یہ خیال بالکل غلط ہے اس لئے توکل کے صحیح معنیٰ اور مطلب سمجھ لینا چاہئے۔ توکل کے ایک معنیٰ تو یہ ہیں کہ آدمی کا بھروسہ اپنی طاقت۔ قابلیت۔ اپنے ذرائع و وسائل۔ اپنی تدابیر اور اللہ کے سوا دوسروں کی امداد واعانت پر نہ ہو بلکہ وہ دل سے اس بات کا یقین رکھے کہ دین ودنیا کے ہر معاملہ میں اس کی کامیابی کا اصل انحصار اللہ کی توفیق اور تائید پر ہے۔

دوسرے معنیٰ توکل کے یہ ہیں کہ آدمی کو ان وعدوں پر پورا بھروسہ اور اطمینان ہو جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے اور دوسری طاعات وحسنات پر بندوں سے کئے ہیں۔ اور انہی وعدوں پر وہ اعتماد کرتے ہوئے حق پر استقامت کے ساتھ قائم رہے۔

تیسرے معنیٰ توکل کے یہ ہیں کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی پر کامل اعتماد وبھروسہ ہو اور وہ یہ یقین جانے کہ جو احکام۔ جو اصول۔ جو حلال وحرام کے حدود۔ جو اوامر ونواہی۔ اور جو زندگی بسر کرنے کے ضوابط وقواعد اللہ نے دیئے ہیں وہی برحق ہیں اور انہی کا اتباع اور پیروی میں انسان کی خیر ہے اور اس کے خلاف میں ہلاکت وخسران اور ناکامی اور بدانجامی ہی ہے۔ تو یہ ہے توکل کا صحیح مفہوم اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لئے ایمان کے بعد توکل کی صفت ہونا بتلائی گئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جو کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کردیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	يَجْتَنِبُوْنَ وہ بچتے ہیں	كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ کبیرہ (بڑے) گناہ	وَالْفَوَاحِشَ اور بے حیائیاں
وَاِذَا اور جب	مَا غَضِبُوْا هُمْ وہ غصے میں ہوتے ہیں	يَغْفِرُوْنَ وہ معاف کردیتے ہیں	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں بتلایا گیا تھا کہ دنیا کا مال دولت اور ساز سامان تو آنی جانی چیز ہے۔ یہ بہار عارضی اور چند روزہ ہے۔ اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کے آخرت کے انعامات ہیں کہ جو دائمی اور ابدی ہیں اور دنیا کی چیزوں اور عیش وآرام کے مقابلہ میں وہ بدر جہا بہتر اور ساتھ ہی لازوال ہیں اور وہ نعمائے آخرت انہی لوگوں کو ملیں گی جن میں یہ صفات ہوں۔ پہلی اصفت یہ بتلائی گئی تھی کہ وہ ایمان لانے والے ہوں۔ دوسری صفت یہ بتائی گئی تھی کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ اور توکل کرنے والے ہوں۔

اب آگے اس آیت میں تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کی آخرت کی نعمتیں ان کو ملیں گی جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور چوتھی صفت یہ بتلائی گئی کہ نہ صرف کبیرہ بلکہ دوسرے بھی فحش اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔ اور پانچویں صفت یہ بتائی گئی کہ جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔ ان میں سے ہر صفت تفصیل طلب ہے اس لئے اس درس میں صرف آیت کے اس حصہ کی تشریح کی جائے گی جو **والذین یجتنبون کبٰئر الا ثم** سے تعلق رکھتی ہے۔ اور آیت کے دوسرے اجزا کا بیان انشاء اللہ اگلے درسوں میں علیحدہ ہوگا۔ تو آیت کے اس جزو میں **والذین یجتنبون کبٰئر الاثم** میں فرمایا گیا کہ اللہ کی آخرت کی نعمتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔

علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ ہر گناہ کبیرہ ہی ہے کوئی صغیرہ نہیں کیونکہ ہر گناہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مخالفت ہے اور مخالفت اللہ اور رسول کی کتنی ہی کم ہو وہ بھی سخت اور بڑا گناہ ہے اس لئے ہر گناہ بڑا ہی ہے چھوٹا کوئی نہیں۔ انہی علماء کا کہنا ہے کہ کبیرہ اور صغیرہ کی تقسیم درحقیقت محض نام کا اختلاف ہے۔ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ وہ علماء جو بعض گناہوں کو صغیرہ کہتے ہیں اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ان کے کرنے میں کوئی برائی نہیں یا معمولی خرابی ہے بلکہ اللہ اور رسول کی مخالفت کی حیثیت سے ہر گناہ بڑا اور سخت وبال ہے۔ آگ کا بڑا انگارا جیسا تباہ کن ہے ویسے ہی چھوٹی چنگاری بھی ہے۔ بچھو چھوٹا ہو یا بڑا انسان کے لئے دونوں مصیبت ہیں۔ بہرحال پھر بھی اصطلاح میں گناہوں کی کبیرہ وصغیرہ کی تقسیم مشہور و معروف ہے پھر اصطلاحی کبیرہ وصغیرہ گناہوں کی تعریف میں علما کے اقوال مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ جامع اور صحابہ وتابعین سے منقول تعریف یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن یا حدیث میں آگ اور جہنم کی وعید بصراحت آئی ہو وہ کبیرہ ہے اور جس پر اس کی تصریح منقول نہیں۔ محض ممانعت وارد ہوئی ہے وہ صغیرہ ہے۔ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ جس گناہ پر انسان بے پروائی کے ساتھ ڈھیٹ ہوکر اقدام کرے وہ کبیرہ ہے خواہ کتنا ہی چھوٹا گناہ ہو اور جو گناہ اتفاقی سرزد ہوگیا اور اس کے ساتھ وہ دل میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ ندامت اور افسوس ساتھ ساتھ ہیں۔ وہ صغیرہ ہے خواہ کتنا ہی بڑا ہو۔

امام رافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس گناہ کو صغیرہ کہا جاتا ہے وہ اسی وقت تک صغیرہ ہے جب تک اس پر اصرار اور دوام نہ کرے۔ احیاناً صادر ہوجائے۔ اور جو شخص کسی صغیرہ گناہ پر اصرار اور دوام

کرے وہ مثل مرتکب کبیرہ کے ہے۔ معاصی کبائر وصغائر کے بیان میں علماء کی مستقل تصانیف بھی موجود ہیں۔ یہاں اس درس میں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ انذار العشائر من الصغائر والکبائر سے کبیرہ گناہوں کی فہرست نقل کی جاتی ہے:۔

کبیرہ گناہوں کی فہرست

۱۔ زنا۔

۲۔ لواطت۔

۳۔ شراب پینا اگرچہ ایک قطرہ ہو۔ اسی طرح تاڑی۔ گانجہ۔ بھنگ وغیرہ نشہ کی چیزیں پینا۔

۴۔ چوری کرنا۔

۵۔ پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

۶۔ ناحق کسی کو قتل کرنا۔

۷۔ شہادت کو چھپانا جبکہ اس کے سوا اور کوئی شاہد نہ ہو۔

۸۔ جھوٹی گواہی دینا۔

۹۔ جھوٹی قسم کھانا۔

۱۰۔ کسی کا مال غصب کرنا۔

۱۱۔ میدان جہاد سے بھاگنا (جبکہ مقابلہ کی قدرت موجود ہو)۔

۱۲۔ سود کھانا۔

۱۳۔ یتیم کا مال ناحق کھانا۔

۱۴۔ رشوت لینا۔

۱۵۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

۱۶۔ قطع رحمی کرنا۔ (قریبی رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنا۔)

۱۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی قول یا فعل کو بالقصد جھوٹ منسوب کرنا۔

۱۸۔ رمضان میں بلا عذر کے قصداً روزہ توڑنا۔

۱۹۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔

۲۰۔ کسی فرض نماز کو اپنے وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا۔

۲۱۔ زکوٰۃ یا روزہ کو اپنے وقت پر ادا نہ کرنا۔ (عذر اور مرض کی صورتیں مستثنیٰ ہیں)

۲۲۔ حج فرض ادا کئے بغیر مر جانا۔ اگر موت کے وقت وصیت کر دی اور حج بدل کا انتظام چھوڑا تو اس گناہ سے نکل گیا۔

۲۳۔ کسی مسلمان کو ظلماً نقصان پہنچانا۔

۲۴۔ کسی صحابی کو برا کہنا۔

۲۵۔ علمائے حقانی اور حفاظ قرآن کو برا کہنا اور ان کو بدنام کرنے کے درپے ہونا۔

۲۶۔ کسی ظالم کے پاس کسی کی چغل خوری کرنا۔

۲۷۔ دیاثت یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کو باختیار خود حرام میں مبتلا کرنا یا اس پر راضی ہونا۔

۲۸۔ قیادت یعنی کسی اجنبی عورت کو حرام پر آمادہ کرنا اور اس کے لئے دلالی کرنا۔

۲۹۔ باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا۔

۳۰۔ جادو سیکھنا اور سکھانا یا اس کا عمل کرنا۔

۳۱۔ قرآن کو یاد کر کے بھلا دینا۔ یعنی باختیار خود لاپرواہی سے بھلا دینا۔ کسی مرض وضعف وغیرہ سے ایسا ہو جائے وہ اس میں داخل نہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ نسیان قرآن جو گناہ کبیرہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا بھول جائے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔

۳۲۔ کسی جاندار کو آگ میں جلانا۔ (سانپ بچھو تیتے کی ایذا سے بچنے کی اگر کوئی اور صورت جلانے کے سوا نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔)

۳۳۔ کسی عورت کو اس کے شوہر کے پاس جانے اور حقوق

شوہری ادا کرنے سے روکنا۔

۳۴۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا۔

۳۵۔اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔

۳۶۔مردار جانور کا گوشت کھانا (حالت اضطرار مستثنیٰ ہے)

۳۷۔خنزیر کا گوشت کھانا (حالت اضطرار مستثنیٰ ہے)

۳۸۔چغل خوری کرنا۔

۳۹۔کسی مسلمان یا غیر مسلم کی غیبت کرنا۔

۴۰۔جوا کھیلنا۔

۴۱۔مال میں اسراف کرنا یعنی مصلحت وضرورت سے زائد خرچ کرنا۔

۴۲۔زمین میں فساد پھیلانا۔

۴۳۔کسی حاکم کا حق سے عدول کرنا۔

۴۴۔اپنی بیوی کو ماں بیٹی کے مثل کہنا جس کو عربی میں ظہار کہا جاتا ہے۔

۴۵۔ڈاکہ زنی کرنا۔

۴۶۔کسی صغیرہ گناہ پر مداومت کرنا۔

۴۷۔عورت کو گانا اور لوگوں کو گانا سنانا۔

۴۸۔معاصی پر کسی کی اعانت کرنا یا گناہ پر آمادہ کرنا۔

۴۹۔لوگوں کے سامنے ستر کھولنا (حالت ضرورت مستثنیٰ ہے) مرد کے لئے ناف سے نیچے گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے۔عورت کا سارا بدن غیر محرم کے لئے ستر ہے۔

۵۰۔کسی کے حق واجب کے ادا کرنے میں بخل کرنا۔

۵۱۔حضرت علیؓ کو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے افضل کہنا۔

۵۲۔خودکشی کرنا یا اپنے کسی عضو کو باختیار خود تلف کرنا۔اور یہ دوسرے کو قتل کرنے سے زیادہ گناہ ہے۔

۵۳۔پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا۔

۵۴۔صدقہ دے کر احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا۔

۵۵۔قضاوقدر یعنی تقدیر کا انکار کرنا۔

۵۶۔اپنے امیر سے غداری کرنا۔

۵۷۔نجومی یا کاہن کی تصدیق کرنا۔

۵۸۔لوگوں کے نسب پر طعنے دینا۔

۵۹۔کسی مخلوق کے لئے بطور نذر تقرب جانور کی قربانی کرنا۔

۶۰۔تہبند یا پاجامہ وغیرہ کو از راہ تکبر ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔

۶۱۔کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو بلانا یا کوئی بری رسم نکالنا۔

۶۲۔اپنے بھائی مسلمان کی طرف تلوار یا چاقو وغیرہ سے مارنے کا اشارہ کرنا۔

۶۳۔جھگڑے لڑائی کا خوگر ہونا۔

۶۴۔احسان کرنے والے کی ناشکری کرنا۔

۶۵۔ضرورت سے زائد پانی میں بخل کرنا۔

۶۶۔غلام کو خصی بنوانا یا اس کے کسی عضو کو کٹوانا یا اس کو سخت تکلیف دینا' خصی بنانے کی ممانعت غلاموں تک کے لئے ہے اور اب تو آزادوں کی بھی نسل بندی کی جا رہی ہے جو مترادف ہے خصی بنانے کے۔

۶۷۔حرم محترم میں الحاد و گمراہی پھیلانا (یہ ہر جگہ گناہ ہے مگر حرم میں اشد ہے)

۶۸۔لوگوں کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرنا اور ان کے درپے ہونا۔

۶۹۔چوسر کھیلنا یا طبلہ سارنگی وغیرہ بجانا۔

۷۰۔مسلمان کا کسی مسلمان کو کافر کہنا۔

۷۱۔ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے حقوق میں برابری نہ کرنا۔

۷۲۔ استمنا بالید یعنی اپنے ہاتھ سے مشت زنی کر کے شہوت پوری کرنا۔

۷۳۔ حائضہ عورت سے جماع کرنا۔

۷۴۔ مسلمانوں پر اشیاء کی گرانی سے خوش ہونا۔

۷۵۔ عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔

۷۶۔ کسی کھانے کو برا کہنا (بنانے یا پکانے کی خرابی کو بیان کرنا اس میں داخل نہیں)

۷۷۔ گانے بجانے کے ساتھ رقص کرنا۔

۷۸۔ دنیا کی محبت یعنی دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا۔

۷۹۔ کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنا۔

۸۰۔ دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا۔

۸۱۔ بے ریش لڑکے کی طرف شہوت سے نظر کرنا۔

۸۲۔ لڑکیوں کو حصہ میراث سے نہ دینا۔

۸۳۔ امانت میں خیانت کرنا۔

۸۴۔ خدا کا کوئی فرض مثل نماز روزہ حج زکوٰۃ چھوڑ دینا۔

۸۵۔ خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانا۔

۸۶۔ کافروں کی رسمیں پسند کرنا۔

بعض علماء نے اس سے بھی زائد کبائر کی تعداد لکھی ہے اور یہ بظاہر صغیرہ و کبیرہ کی تعریف کے اختلاف پر مبنی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے ہم کو بچنے کی توفیق و ہمت نصیب فرمائیں۔ الغرض جن کو آخرت کی نعمتیں ملنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے ان کی پہلی صفت یہ بتلائی گئی تھی کہ وہ ایمان لانے والے ہوں اور دوسری صفت یہ بتائی گئی تھی کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ اعتماد اور توکل کرنے والے ہوں۔ جس کا بیان گذشتہ درس میں ہوا تھا۔ تیسری صفت جس کا اس درس میں بیان ہوا یہ بتلائی گئی کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوں۔

چوتھی صفت یہ بتلائی گئی کہ نہ صرف کبیرہ بلکہ فواحش یعنی بے حیائی کی باتوں یا صغیرہ گناہوں سے بھی بچتے ہیں۔ اب وہ کون سے گناہ ہیں جو علماء نے صغیرہ کی فہرست میں شمار کئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ہر چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں اور گذشتہ زندگی میں جو گناہ ہم سے سرزد ہو چکے ہیں ان پر ہمیں سچی توبہ کی توفیق نصیب فرمائیں اور اپنی رحمت سے ہماری توبہ کو قبول فرمائیں۔

یا اللہ ہم میں وہ صفات پیدا فرما دے جن پر آخرت کی نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے۔

یا اللہ ہمارے لئے وہ اعمال آسان فرما دیجئے جو جنت آپ کی رضا کے مقام میں لے جانے والے ہیں اور وہ اعمال جو آپ کی ناراضی کا باعث ہیں ہمارے لئے محال بنا دیجئے اور ہمیں ان سے بچا لیجئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

اور جن لوگوں نے کہ اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں، اور ان کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے، اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں

يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اور جن لوگوں نے	اسْتَجَابُوْا قبول کیا	لِرَبِّهِمْ اپنے رب کا (فرمان)	وَاَقَامُوا اور انہوں نے قائم کی	الصَّلٰوةَ نماز	وَاَمْرُهُمْ اور ان کا کام
شُوْرٰى مشورہ	بَيْنَهُمْ باہم	وَمِمَّا اور اس سے جو	رَزَقْنٰهُمْ ہم نے عطا کیا انہیں	يُنْفِقُوْنَ وہ خرچ کرتے ہیں	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ
اِذَا جب	اَصَابَهُمْ انہیں پہنچے	الْبَغْيُ کوئی ظلم وتعدی	هُمْ وہ	يَنْتَصِرُوْنَ بدلہ لیتے ہیں	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ سے یہ مضمون بیان ہو رہا ہے کہ آخرت کا اجر وثواب اور وہاں کی دائمی اور ابدی نعمتیں ان لوگوں کے لئے ہیں کہ جو (۱) دنیا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے (۲) اور جو اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں اور (۳) جو کہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ اور (۴) جو کہ فواحش اور بے حیائی کی باتوں سے بھی بچتے ہیں۔ اور (۵) جب ان کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ اب آگے ان آیات میں مزید چند صفات انہی لوگوں کی بیان فرمائی گئی ہیں یعنی چھٹی صفت یہ بتلائی گئی والذین استجابوا لربھم اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا یعنی کسی لیڈر پیشوا۔ سردار۔ باپ دادا کا رسم ورواج شاہی حکم۔ یا خود اپنی رائے اور خواہش غرض کسی کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں نہ ماننا۔ اور ہر ایک کے حکم پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دینا۔ جن کاموں کا اللہ نے اپنے رسول اور اپنی کتاب کے ذریعہ کرنے کا حکم دیا ہے ان کو بجالاتے ہیں اور جن کاموں کی ممانعت فرمائی ان سے رکتے اور باز رہتے ہیں۔ تو گویا آخرت کی نعمتوں کو حاصل کرنے والوں کی چھٹی ۶ صفت یہ ہوئی کہ وہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا کوئی حکم ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتے خواہ وہ کوئی ہو۔ اپنا باپ ہو۔ حاکم وقت ہو۔ یا برادری کا چودھری ہو یا کوئی پیارا دوست ہو یا خود اپنے دل کی خواہش اور چاہت ہو۔

آگے ساتویں ۷ صفت بیان فرمائی گئی واقامو الصلوٰۃ۔ اور جنہوں نے قائم کیا نماز کو۔ قرآن پاک میں نماز کے متعلق جہاں بھی حکم دیا گیا ہے وہ اقامت صلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز کے قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز اور نماز سے متعلق تمام ضروریات کی پوری رعایت اور نگہداشت ہو اس طرح اقامت صلوٰۃ میں وضو۔ غسل۔ طہارت۔ بدن کی پاکی کپڑوں کی پاکی۔ جگہ کی پاکی۔ اذان۔ اقامت۔ جماعت سب کی نگہداشت شامل ہوئی۔ پھر نماز کے جملہ شرائط وارکان کی نگہداشت اور ہر ایک شرط ورکن کو قاعدہ اور اطمینان سے فرائض۔ واجبات۔ سنن۔ مستحبات کے ساتھ ادا کرنا۔ پھر نماز کی روح یعنی اخلاص۔ خشوع۔ خضوع اور اللہ کی طرف دل کا متوجہ ہونا یہ سب اقامت صلوٰۃ میں شامل ہوئے۔

آگے آٹھویں صفت بیان فرمائی گئی وامر ھم شوریٰ بینھم اور ان کے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مشورہ سے کام کرنا خواہ دین کا ہو یا دنیا کا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے جب ہی تو اہل ایمان کی بہترین صفات میں اس کو شامل کیا گیا ہے۔ آپس میں مشورہ کرنا یہ دلیل ہے سلامتی طبع کی۔ تو جو لوگ سلیم الطبع ہوتے ہیں وہ جو بھی مہتم بالشان کام ہوتا ہے خواہ وہ ذاتی معاملات میں سے ہو یا ملی قومی اور ملکی اور امور سلطنت سے ہو اس میں ایسے لوگوں سے رائے لیتے ہیں جن کی عقل وفہم پر انہیں اعتماد ہوتا کہ ان کو اپنی رائے کی صحت یا غلطی معلوم ہو جائے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاص امور میں برابر

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے جیسا کہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہے وشاور ھم فی الا مر اور صحابہ کرام آپس میں مشورہ کرتے تھے اور خلافت راشدہ کی تو بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ یہ صفت مشورہ کی جو اہل ایمان کی بیان کی گئی ہے یہ انہی کاموں کے متعلق ہے جو کہ مہتم بالشان ہوں اور قرآن وحدیث میں منصوص نہ ہوں ورنہ اگر کسی بات کے متعلق قرآن اور سنت میں صاف اور صریح حکم موجود ہے تو اس میں رائے اور مشورہ کے کوئی معنی نہیں۔ وہ تو اسی طرح ہونا چاہئے جیسے قرآن وسنت میں منصوص ہے۔ اسی طرح ہر وقت اٹھتے بیٹھتے ہر چھوٹے بڑے کام میں مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام ہی نہ ہو سکے اس لئے یہ حکم مشورہ کا انہیں امور میں ہے جو معتد بہ اور مہتم بالشان ہوں اور جن کا صاف وصریح حکم قرآن وحدیث میں نہ موجود ہو ورنہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف سے کر دیا گیا ہو اس میں آزادی اور رائے کا کوئی سوال ہی نہیں پھر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل اور دین دار ہو ورنہ بیوقوف اور بے دین اور بددیانت شخص سے مشورہ ورائے لینے میں کام کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور باہم مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید صورت کی ہدایت مل جاتی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مال دار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدترین افراد ہوں اور تمہارے مال دار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہوگا۔

ایک حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ عقل مند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو ورنہ ندامت اٹھانا ہوگی۔

آگے نویں صفت بیان فرمائی گئی ومما رزقنھم ینفقون اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنی اللہ کے دیئے ہوئے مال دولت اور رزق کو سینت سینت کر سب اپنی ہی ذات کے لئے نہیں رکھتے بلکہ اس میں سے راہ خدا میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

جو حقوق مال کے اللہ نے رکھے ہیں اس کی ادائیگی کرتے ہیں اور محتاج ومساکین۔ ضرورت مندوں وغیرہ کے ساتھ درجہ بدرجہ اپنی استطاعت کے موافق احسان وسلوک کرتے رہتے ہیں۔

آگے دسویں صفت بیان فرمائی گئی والذین اذآ اصابھم البغی ھم ینتصرون اور جن کی یہ حالت ہے کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ برابر کا بدلہ لے لیتے ہیں زیادتی نہیں کرتے یعنی جہاں معاف کرنا مناسب ہو وہاں تو معاف کر دیتے ہیں مثلاً ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا اور اس نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز وقصور کا اعتراف کر لیا۔ انہوں نے معاف کر دیا مگر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم و زیادتی سے دبانے کی کوشش کرے۔ یا جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ زیادتی میں بڑھتا جائے یا شخصی حیثیت سے قطع نظر کر کے دین کی اہانت یا جماعت مسلمین کی تذلیل ہوتی ہو تو ایسی حالت میں بدلہ لے لیتے ہیں لیکن بقدر اس کی زیادتی کے۔ جرم سے زائد نہ بدلہ لیتے ہیں نہ سزا دیتے ہیں یعنی یہ بھی اہل ایمان کی ایک بہترین صفت ہے کہ ظالموں اور جباروں کے سامنے پست وذلیل اور بے ہمت نہیں ہوتے کہ ظالم کے ظلم کی کوئی روک تھام نہ کر سکیں بلکہ اتنی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ظالموں سے انتقام لیں اور مظلوم کو اس کے پنجہ سے نجات دلائیں۔ لیکن اس انتقام میں وہ کوئی زیادتی نہیں کرتے۔

اب یہ آخری صفت یعنی بدلہ میں زیادتی نہیں کرتے اس کی مزید تشریح اور تفصیل اگلی آیات میں فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی، پھر جو شخص معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾ اِنَّمَا

ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو اپنے اوپر ظلم ہوچکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام صرف

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دُنیا میں سرکشی کرتے ہیں، ایسوں کیلئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾

دردناک عذاب ہے۔اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَجَزٰٓؤُا اور بدلہ	سَيِّئَةٍ برائی	سَيِّئَةٌ برائی	مِّثْلُهَا اس جیسی	فَمَنْ سو۔جس	عَفَا معاف کردیا	وَاَصْلَحَ اور اصلاح کردی	فَاَجْرُهٗ تو اس کا اجر
عَلَى اللّٰهِ اللہ پر۔ذمے	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُحِبُّ دوست نہیں رکھتا	الظّٰلِمِيْنَ (جمع) ظالم	وَلَمَنِ اور البتہ۔جس	انْتَصَرَ اس نے بدلہ لیا		
بَعْدَ ظُلْمِهٖ اپنے اوپر ظلم کے بعد	فَاُولٰٓئِكَ سو یہ لوگ	مَا عَلَيْهِمْ نہیں ان پر	مِّنْ سَبِيْلٍ کوئی راہ	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	السَّبِيْلُ راہ/الزام		
عَلَى پر	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَظْلِمُوْنَ وہ ظلم کرتے ہیں	النَّاسَ لوگ	وَيَبْغُوْنَ اور وہ فساد کرتے ہیں	فِي الْاَرْضِ زمین میں	بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق	
اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب	وَلَمَنْ اور البتہ۔جس	صَبَرَ صبر کیا	وَغَفَرَ اور معاف کردیا	اِنَّ بیشک	
ذٰلِكَ یہ	لَمِنْ البتہ۔سے	عَزْمِ الْاُمُوْرِ بڑی ہمت کے کام					

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات سے یہ مضمون بیان ہوتا چلا آرہا ہے کہ دنیا کا ساز وسامان اور مال دولت تو فانی اور آنی جانی چیز ہے۔اصل چیز تو اللہ کا انعام اور آخرت کی دولت ہے اور یہ آخرت کی لازوال دولت ان ہی کو ملے گی جو دنیا میں ایمان لائے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں لگے رہے۔جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اپنے مال دولت۔حکومت سلطنت اور علم وہنر پر نازاں اور مغرور نہیں ہوتے۔جو بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور جو بے حیائی اور گندی باتوں سے بھی علیحدہ رہتے ہیں اور جو غصہ اور غضب کی حالت میں قابو سے باہر نہیں ہوتے اور لوگوں کا قصور معاف کردیا کرتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کی حکم برداری میں لگے رہتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ تمام شرائط کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور جن کاموں کا حکم صاف وصریح قرآن وحدیث میں نہیں ان میں باہم مشورہ کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں مال ودولت دنیا میں دیا ہے اس میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں اور جن کی یہ حالت ہے کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں اور ظلم وزیادتی کے جواب اور انتقام میں خود بھی ظلم وزیادتی نہیں کرتے۔

اب آگے ان آیات میں برابر کا بدلہ لینے کی مزید تشریح فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدلہ لینے کی اجازت تو ضرور دے رکھی ہے مگر قانون عدل کے ساتھ یعنی جتنی برائی کسی کے ساتھ کی گئی ہو اتنی ہی برائی وہ اس کے ساتھ کرلے اس سے زیادہ برائی کرنے کا وہ حق نہیں رکھتا مثلاً دانت کا بدلہ دانت اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔کان کے بدلہ میں کان۔ہاتھ کے

بدلہ میں ہاتھ اور قتل کے بدلہ میں قتل اور نقصان کے بدلہ میں اس کا معاوضہ جیسا کہ اسلامی فقہ میں اس بدلہ لینے کی تشریح اور تفسیر موجود ہے۔ لیکن ایک بڑی شرط انتقام اور بدلہ لینے میں یہ ہے کہ کسی برائی کا بدلہ کسی گناہ اور ناجائز صورت سے لینا درست نہیں اور نہ اس کی اجازت ہے۔ مثلاً کسی شخص کے لڑکے کو اگر کسی ظالم نے قتل کیا ہے تو بدلہ لینے والے کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ یہ جا کر اس کے بیٹے کو قتل کردے۔ یا اگر کسی بدذات انسان نے کسی کی بہن یا بیٹی کو خراب کیا ہے تو بدلہ میں یہ حلال اور جائز نہ ہوگا کہ اس کی بیٹی اور بہن کو خراب کیا جائے۔ پھر یہاں انتقام کا صرف جواز نکلتا ہے یعنی اجازت دی گئی ہے لازمی حکم بدلہ لینے کا نہیں دیا گیا ہے اس لئے آگے فرمایا جاتا ہے کہ اگرچہ عدل و انصاف کے ساتھ بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن بہترین خصلت یہ ہے کہ آدمی جتنا بدلہ لے سکتا ہے اس سے بھی درگزر کرے۔ بشرطیکہ درگذر کرنے میں بات سنورتی ہو اور باہمی معاملہ کی اصلاح ہوتی ہو تو ایسا کرنے پر اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے یعنی اس کا ثواب حسب وعدہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے اور اگر کوئی بدلہ لینے میں زیادتی کرنے لگے تو صاف بتلا دیا گیا کہ ظلم و زیادتی اللہ کے ہاں کسی صورت میں بھی پسند نہیں۔ مظلوم اگر ظالم سے بدلہ لینا چاہے تو اس میں الزام اور گناہ کچھ نہیں۔ ہاں معاف کردینا افضل و احسن ہے۔ الزام اور گناہ تو ان پر ہے جو ابتداءً ظلم کرتے ہیں یا انتقام و بدلہ میں حد استحقاق سے بڑھ جاتے ہیں۔ اور جو صبر و تحمل سے غصہ کو پی جائیں اور ایذائیں برداشت کر کے ظالم کو معاف کردیں تو یہ بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے حدیث میں ہے کہ جس بندہ پر ظلم ہو اور وہ محض اللہ کے واسطے اس سے درگزر کرے تو ضرور ہے کہ اللہ اس بندہ کی عزت بڑھائے گا اور اس کی مدد فرمائے گا۔

اب اس خدائی قانون کے عدل و انصاف کو دیکھئے کہ کس طرح مختلف انسانوں کی طبائع کی رعایت رکھی گئی ہے اور یہ کلام منجانب اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے ظاہر ہے کہ دنیا میں مختلف الطبائع لوگ پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ ایک دو بار کوئی ان پر زیادتی کر لیتا ہے تو برداشت کر لیتے ہیں مگر پھر کوئی ایسا کرتا ہے تو ان کا حلم غیظ و غضب کی صورت اختیار کر لیتا ہے بعض ایسے ہیں کہ نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں نہ اور کی زیادتی ان کو مطلقاً برداشت ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ کبھی ان سے بمقتضائے بشریت زیادتی ہو جاتی ہے تو اس پر خود ہی نادم ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں کوئی نرمی برتتا ہے تو وہ ندامت سے ڈوب جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو زیادتی پر معافی دینا اور نیکی و نرمی سے پیش آنا بہت ہی مناسب ہے۔ لیکن بعض ایسے بھی بدخصلت ہوتے ہیں کہ زیادتی کر کے فخر کرتے ہیں اور ان سے بدلہ نہ لیا جائے تو ان کو ہر کسی پر زیادتی کرنے کا حوصلہ ہو جاتا ہے تو جو علام الغیوب تمام طبائع بشریہ سے واقف ہے اس نے جہاں درگزر اور عفو کا حکم دیا وہیں بدلہ لینے کی بھی اجازت دی مگر بدلہ بھی عدل و انصاف کے ساتھ کہ زیادتی نہ ہونے پائے۔ تو اہل ایمان کی ان دسوں قرآنی صفات پر غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی کیسے گزارنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سے بہتر اس وقت اور تا قیامت انسان کی ہدایت کے لئے دنیا میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں نہ ہو سکتی ہے جس میں زندگی گزارنے کی پوری پوری ہدایتیں ہر اس معاملہ کے متعلق بتائی گئی ہوں جو انسان کو پیش آ سکتا ہے۔ اس لئے اگر قرآن پر ہمارا ایمان ہے تو اس کے بتلائے ہوئے طریقہ ہی پر چل کر ہم اس آخرت کی زندگی میں ابدی راحتیں اور لازوال نعمتیں حاصل کر سکتے ہیں ورنہ انسان کو دنیا میں گمراہی اور آخرت میں خسارہ و عذاب ہی سے واسطہ پڑتا ہے اس وقت پھر یہ پچھتائے گا اور حسرت و ندامت سے دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا جیسا کہ اگلی آیات میں بتلایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں، اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جس وقت کہ ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا

يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ

کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟۔ اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ دوزخ کے رُوبرُو لائے جاویں گے مارے ذلت کے جھکے ہوئے

يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

ہوں گے سُست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے، اور (اس وقت) ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارہ والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ

اور اپنے متعلقین سے (آج) قیامت کے روز خسارہ میں پڑے یادرکھو کہ ظالم لوگ عذاب دائمی میں رہیں گے۔ اور اُن کے کوئی

اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

مددگار نہ ہوں گے جو خدا سے الگ اُن کی مدد کریں، اور جس کو خدا گمراہ کردے اس کیلئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

وَمَنْ اور جس کو	يُضْلِلِ گمراہ کردے	اللّٰهُ اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ وَّلِيٍّ کوئی کارساز	مِنْۢ بَعْدِهٖ اسکے بعد	وَتَرَى اور تم دیکھو گے		
الظّٰلِمِيْنَ (جمع) ظالم	لَمَّا جب	رَاَوُا وہ دیکھیں گے	الْعَذَابَ عذاب	يَقُوْلُوْنَ وہ کہیں گے	هَلْ کیا	اِلٰى طرف۔ کا	مَرَدٍّ لوٹنا	مِنْ سَبِيْلٍ کوئی راہ
وَتَرٰىهُمْ اور تو دیکھے گا انہیں	يُعْرَضُوْنَ پیش کئے جائینگے وہ	عَلَيْهَا اس دوزخ پر	خٰشِعِيْنَ عاجزی کرتے ہوئے	مِنَ الذُّلِّ ذلت سے	يَنْظُرُوْنَ وہ دیکھتے ہونگے			
مِنْ سے	طَرْفٍ گوشۂ چشم	خَفِيٍّ پوشیدہ (نیم کشادہ)	وَقَالَ اور کہیں گے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے مومن	اِنَّ بیشک	الْخٰسِرِيْنَ خسارہ پانے والے		
الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	خَسِرُوْا خسارہ میں ڈالا	اَنْفُسَهُمْ اپنے آپ کو	وَاَهْلِيْهِمْ اور اپنے متعلقین	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	اَلَآ خوب یاد رکھو			
اِنَّ بیشک	الظّٰلِمِيْنَ (جمع) ظالم	فِيْ میں	عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ہمیشہ رہنے والا عذاب	وَمَا كَانَ اور نہیں ہیں	لَهُمْ ان کیلئے	مِنْ اَوْلِيَاۗءَ کوئی کارساز		
يَنْصُرُوْنَهُمْ وہ مدد دیں انہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	وَمَنْ اور جس	يُضْلِلِ اللّٰهُ گمراہ کردے اللہ	فَمَا لَهٗ تو نہیں اس کیلئے	مِنْ سَبِيْلٍ کوئی راستہ			

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں جو صفات اہل ایمان کی بیان فرمائی گئی تھیں وہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگیوں میں موجود تھیں اور جن کو کہ کفار مکہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کو بھی یہ جتلا دیا کہ یہ دنیا کی چندروزہ بہار اور ساز وسامان پر جو تم پھولے ہوئے ہو اور جس بنا پر تم انکار حق پر تلے ہوئے ہو تو اصل دولت یہ ساز سامان نہیں بلکہ اصل دولت یہ اخلاق اور اوصاف ہیں جن کی رہنمائی قرآن نے کی ہے اور جن کی بدولت اہل ایمان کو آخرت کی ایسی لازوال اور ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی جو تمہارے اس فانی مال ودولت اور عیش وبہار سے بدرجہا بہتر اور برتر ہیں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی بہترین کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجی جو نہایت مؤثر طریقہ سے زندگی کا صحیح راستہ بتا رہی ہے اور محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی ان کی رہنمائی کے لئے بھیجے کہ جن کی تعلیم وتربیت کے نتائج بھی ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں یہ سب دیکھ کر بھی اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کا منکر رہتا ہے اور ہدایت سے منہ موڑتا ہے تو پھر اللہ بھی اسے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے جس سے کہ وہ نکلنے کا خواہشمند نہیں ہے اور جب اللہ ہی کی توفیق اور دستگیری کسی کو نہ ملے تو پھر وہ کون ہے جو ایسوں کو ہاتھ پکڑ کر اخلاقی پستی اور گمراہی کے گڑھے سے نکال کر راہ راست پر لے آئے۔ ایسے منکرین کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے کہ میدان حشر میں جب یہ ظالم عذاب کا معائنہ کریں گے تو یہ کہیں گے کہ کیا کوئی ایسی سبیل بھی ہے کہ ہم دنیا کی طرف پھر واپس کر دیئے جائیں اور پھر وہاں سے خوب نیک بن کر حاضر ہوں۔

قرآن پاک کی مختلف آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین اور ظالم نافرمان ومجرمین تین مواقع میں دنیا میں دوبارہ آنے کی اور نیک عمل کرنے کی تمنا کریں گے۔

ایک تو موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کی خوفناک حالت دیکھ کر جیسا کہ ۱۸ ویں پارہ سورہ مؤمنون میں فرمایا گیا **حتیٰ اذا جآء احدھم الموت قال رب ارجعون. لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا**۔ یعنی جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے پھر واپس بھیج دے تا کہ جس دنیا کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں جس کا جواب ہوگا کہ اجل آ جانے کے بعد اس کام کے لئے ہرگز واپس نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے میدان حشر میں جب جہنم کو اس طرح لایا جاوے گا کہ اس کی ہزار نکیلیں اونٹ کی طرح سے ہوں گی اور ہر ہر نکیل کو ستر ستر ہزار فرشتے پکڑے کھینچ رہے ہوں گے تو جہنم کو اس حالت میں دیکھ کر قیامت کے منکرین بہت گھبرائیں گے اور تمنا کریں گے کہ ان کو دوبارہ دنیا میں جانے کی پروانگی مل جائے تا کہ دوبارہ دنیا میں جا کر نیک کام کریں۔ اسی دوسری تمنا کا ذکر اس آیت **لما را واالعذاب یقولون ھل الی مرد من سبیل** میں فرمایا گیا۔ یعنی جس وقت ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا تو کہتے ہوں گے کہ دنیا میں واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ یا جیسا سورہ انعام ساتویں پارہ میں فرمایا گیا **ولو تریٰ اذ وقفوا علی النار فقالوا یلیتنا نرد ولانکذب باٰیات ربنا ونکون من المؤمنین**۔ اور اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں جبکہ یہ منکرین دوزخ کے پاس کھڑے کئے جاویں گے تو اس کی ہول وہیبت کو دیکھ کر کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم دنیا میں پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم پھر اپنے رب کی آیات مثل قرآن وغیرہ کو کبھی جھوٹا نہ بتاویں اور ہم ضرور ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ یہ تو نافرمانوں اور مجرموں کی دو دفعہ کی تمنا دنیا میں دوبارہ آنے کی اور نیک عمل کرنے کی ہوئی۔ پھر جب یہ اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور عذاب جہنم کی تکلیف کو برداشت نہ کرسکیں گے۔

پھر تیسری دفعہ یہی خواہش اور تمنا کریں گے جیسا کہ سورۃ فاطر ۲۲ ویں پارہ میں فرمایا گیا **وھم یصطر خون فیھا. ربنآ اخرجنا نعمل صالحاً غیر الذی کنا نعمل** یعنی وہ لوگ اس دوزخ میں چلاویں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو یہاں سے نکال لیجئے۔ ہم اب خوب اچھے اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ یہ ظالم منکرین قیامت کے عذابوں کو دیکھ کر دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے مگر پھر اس کا موقع

کہاں۔ پھر بتلایا گیا کہ جب یہ ظالم جہنم کے پاس لائے جائیں گے اور خدا کی نافرمانیوں کے باعث ان پر ذلت برس رہی ہوگی تو عاجزی سے مجرم کی طرح خوف وذلت وندامت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نظریں بچا کر جہنم کو تک رہے ہوں گے لیکن جس سے خوف کرر ہے ہیں اس سے بچ نہ سکیں گے اس وقت اہل ایمان اپنے بچنے پر شکر کرنے کے لئے اوران ظالموں پر ملامت کرنے کے لئے کہیں گے کہ پورے خسارہ والے اور حقیقی نقصان والے وہ لوگ ہیں کہ جو اپنی جانوں سے اور بدبخت اپنے ساتھ اپنے متعلقین اور گھر والوں سے آج قیامت کے روز خسارہ میں پڑے اور آخرت کی ابدی نعمتوں سے خود بھی محروم رہے اور اپنے متعلقین کو بھی محروم رکھا اور سب دائمی عذاب میں گرفتار رہیں گے اور کوئی ان کا حامی اور مددگار نہ ہوگا۔ آخر میں نتیجہ کے طور پر فرمایا جاتا ہے کہ جس کو خدا گمراہ کردے اس کی نجات کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

تو یہاں ایمان نہ لانے پر کفار ومشرکین کو عذاب قیامت کی وعید سنائی گئی تھی آگے ان کو ایمان لے آنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ان کے ایمان نہ لانے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے حد شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارا حشر نشر اپنے نیک اور مومن بندوں کے ساتھ فرمائیں اور وہاں کی ذلت ورسوائی سے اپنی پناہ میں رکھیں اور دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حق تعالیٰ ہماری چارہ سازی اور مدد فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ

تم اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کیلئے خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا، نہ تم کو اس روز کوئی پناہ ملے گی

وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا

اور نہ تمہارے بارہ میں کوئی (خدا سے) روک ٹوک کرنے والا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران کر کے نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف (حکم کا) پہنچا دینا ہے،

الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اور ہم جب آدمی کو اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے، اور اگر (ایسے) لوگوں پر ان کے ان اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں،

اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ

کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے

اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ

اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔ یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی، اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے،

عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

اِسْتَجِیْبُوْا تم قبول کرلو	لِرَبِّکُمْ اپنے رب کا فرمان	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ یَّاْتِیَ کہ آئے	یَوْمٌ وہ دن	لَا مَرَدَّ پھیرنے والا نہیں	لَهٗ اس کیلئے		
مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	مَا لَکُمْ نہیں تمہارے لئے	مِنْ کوئی مَلْجَاٍ کوئی پناہ	یَوْمَئِذٍ اس دن	وَمَا لَکُمْ اور نہیں تمہارے لئے	مِنْ کوئی			
نَکِیْرٍ انکار (روک ٹوک کرنیوالا)	فَاِنْ پھر اگر	اَعْرَضُوْا وہ منہ پھیرلیں	فَمَا تو نہیں	اَرْسَلْنٰکَ ہم نے بھیجا تمہیں	عَلَیْهِمْ ان پر	حَفِیْظًا نگہبان		
اِنْ نہیں	عَلَیْکَ آپ پر۔ذمے	اِلَّا سوا	الْبَلٰغُ پہنچانا	وَاِنَّا اور بیشک	اِذَا جب	اَذَقْنَا چکھاتے ہیں ہم	الْاِنْسَانَ انسان	مِنَّا اپنی طرف سے
رَحْمَةً رحمت	فَرِحَ بِهَا خوش ہو جاتا ہے اس سے	وَاِنْ اور اگر	تُصِبْهُمْ پہنچے انہیں	سَیِّئَةٌ کوئی برائی	بِمَا اس کے بدلے	قَدَّمَتْ آگے بھیجا		
اَیْدِیْهِمْ ان کے ہاتھوں	فَاِنَّ الْاِنْسَانَ تو بیشک انسان	کَفُوْرٌ بڑا ناشکرا	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	مُلْکُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین		
یَخْلُقُ وہ پیدا کرتا ہے	مَا یَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے	یَهَبُ وہ عطا کرتا ہے	لِمَنْ یَّشَآءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	اِنَاثًا بیٹیاں	وَیَهَبُ اور عطا کرتا ہے			
لِمَنْ یَّشَآءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	الذُّکُوْرَ بیٹے	اَوْ یا	یُزَوِّجُهُمْ جمع کر دیتا ہے انہیں	ذُکْرَانًا بیٹے	وَاِنَاثًا اور بیٹیاں	وَیَجْعَلُ اور کر دیتا ہے		
مَنْ یَّشَآءُ جس کو وہ چاہتا ہے	عَقِیْمًا بانجھ	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلِیْمٌ جاننے والا	قَدِیْرٌ قدرت رکھنے والا ہے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار ومشرکین کو دنیا میں ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب قیامت کی وعید سنائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ قیامت میں جب یہ ظالم عذاب کا معائنہ کریں گے تو پھر پچھتائیں گے اور دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوگی اور جس وقت جہنم کے سامنے لا کر کھڑے کئے جائیں گے تو شرم کے مارے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے اور

ذلت اور ندامت سے ان کی نظریں نیچی ہوں گی۔ کسی سے پوری طرح آنکھ نہ ملا سکیں گے اور اس آخرت کے عذاب سے ان کو کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا وہاں دوست ملاقاتی۔ یار مددگار کوئی بھی کام نہ آ سکے گا۔ یہ وعید سنانے کے بعد آگے ان آیات میں تمام لوگوں کو خطاب فرمایا جاتا ہے اور سمجھایا جاتا ہے کہ اے لوگو تم نے یہ وعید سن لی۔ دیکھو ہم تمہاری خیر خواہی سے کہتے ہیں کہ تم کفر وعناد اور ظلم وفساد کو چھوڑو اور اپنے پروردگار کا حکم ایمان وغیرہ لانے کے بارے میں مان لو اور اللہ کے تابع اور فرمانبردار بن جاؤ اور مرنے سے پہلے اس کے بندے بن جاؤ ورنہ قیامت کے دن تباہ ہو گے اور اس دن نافرمانوں کے سر سے اللہ کا عذاب ٹل نہیں سکتا۔ اللہ کی جانب سے وہاں کوئی مہلت نہ ملے گی اور نہ عذاب میں تاخیر ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے وہاں اس کا کوئی موقع نہیں۔ مجرموں کو وہاں پناہ کی کوئی جگہ نہ مل سکے گی اور نہ وہ گناہوں سے مکر سکیں گے اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ وہاں انجان بن کر چھپ جائیں اور نظر نہ پڑیں اور نہ اس روز کوئی خدا سے روک ٹوک کرنے والا ہے کہ اتنا ہی پوچھ لے کہ ان کا یہ حال کیوں بنایا گیا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ باتیں ان لوگوں کو سنا دیجئے اور بتلا دیجئے۔ اگر یہ لوگ یہ سب سن کر بھی اعراض کریں اور ایمان نہ لائیں اور روگردانی ہی کرتے رہیں تو آپ کا کچھ حرج نہیں آپ فکر رنج میں نہ پڑیں آپ ان پر کوئی نگران اور داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں کہ ان کو زبردستی سیدھے راستہ پر لے ہی آویں اور آپ سے ان کے اعمال کی باز پرس ہو۔ آپ کا فرض پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے جسے آپ ادا کر رہے ہیں۔ پس آپ بری الذمہ ہیں۔ اب یہ نہ مانیں تو جائیں جہنم میں۔ اس قسم کے انسانوں کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ اللہ انعام واحسان فرمائے اور خوشحالی اور خوش عیشی دے تو اکڑنے اور اترانے لگتے ہیں پھر جہاں اپنے کرتوتوں کی بدولت کوئی افتاد پڑ گئی اور مصیبت آپڑی تو منہ سے کفر کے کلمے نکلنے لگتے ہیں اور سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکرا بن جاتا ہے گویا اس پر کبھی اچھا وقت ہی نہ آیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ فراخی یا عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی حق تعالیٰ سے بے تعلقی ایسے لوگوں کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ پس ان سے آپ ایمان کی توقع کیوں رکھیں جو موجب غم ہو۔ یہ تو مومنین اور قانتین ہی کا شیوہ ہے کہ سختی پر صبر اور فراخی میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال میں اس کے انعامات اور احسانات کو فراموش نہیں کرتے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کفر وشرک کی حماقت میں جو لوگ مبتلا ہیں وہ اگر سمجھانے سے نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔ زمین اور آسمان کی بادشاہی اور تمام کائنات کی سلطنت کا مالک صرف ایک اللہ ہی ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کا حکم چلتا ہے اور اللہ کی مطلق بادشاہی ہونے کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ وہ جو چیز چاہے پیدا کرے اور جو چیز جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے چنانچہ دنیا کے حالات میں دیکھ لو کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی۔ کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں، کسی کو صرف بیٹے کسی کو دونوں، جڑواں یا الگ الگ۔ اس میں کسی کا کچھ دعویٰ نہیں۔ وہ اپنے علم وحکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ کو روک دے یا اس کی تخلیق وتقسیم پر حرف گیری کر سکے۔ **انه علیم قدیر**۔ بے شک وہی سب کچھ جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔

یہاں یہ آیات **لله ملک السمٰوٰت والارض ط یخلق مایشآء ط یھب لمن یشآء اناثاً ویھب لمن یشآء الذکور ج اویزوجھم ذکراناو اناثاً ج ویجعل من یشاء عقیماً ط انه علیم قدیر**۔ (اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا

ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے بیشک وہی بڑا جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے) قابل غور ہیں اس لحاظ سے کہ کوئی انسان خواہ وہ بڑے سے بڑا دنیوی اقتدار کا مالک بنا ہوا ہو کبھی اس پر قادر نہیں ہو سکا کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کر سکے جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی تدبیر سے اولاد والا نہ بن سکا جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیئے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پا سکا اس معاملہ میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے بلکہ بچہ کی پیدائش سے پہلے کوئی یہ تک معلوم نہ کر سکا کہ رحم مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی یہ سب دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی خدائی اور اس کے اختیارات میں کسی تدبیر کو دخیل سمجھے کہ جس کے باعث اولاد پیدا کرنے نہ کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ اور قدرت میں سمجھے تو کیا یہ قرآنی تعلیم اور عقیدہ سے ٹکراؤ اور اس کے مقابل نہیں۔ آپ کے ملک میں جس خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک چلائی جا رہی ہے اس میں کیا نظریہ کام کر رہا ہے؟ یہی نا کہ اپنے اختیار سے اولاد پیدا نہ کرو۔ **استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔**

ان آیات میں اولاد کی قسمیں بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ لڑکوں کا ذکر بعد میں فرمایا۔ اسی بنا پر بعض اکابر سلف نے فرمایا کہ جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہوتی ہے وہ مبارک ہوتی ہے۔

اب آگے خاتمہ کی آیات میں کفار کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایک اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے عقیدہ اور عمل قرآن پاک کی تعلیمات کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو اپنے علیم وقدیر ہونے کا یقین کامل نصیب فرما۔ اور اپنی نعمتوں کا شکر گزار بندہ بنا اور کفران نعمت سے بچایئے۔

یا اللہ اس زندگی میں اپنے احکام کی فرمانبرداری کی توفیق نصیب فرما اور آخرت کی ذلت ورسوائی سے اپنی پناہ بخشئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے

بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا

جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے، وہ بڑا عالیشان ہے بڑی حکمت والا ہے۔اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے،

كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا ہے ولیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے

عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں۔یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

اور جو کچھ زمین ہے، یادرکھو سب اُمور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔

وَمَا كَانَ اور نہیں ہے	لِبَشَرٍ کسی بشر کو	اَنْ يُّكَلِّمَهُ کہ اس سے کلام کرے	اللّٰهُ اللہ	اِلَّا وَحْيًا مگر وحی سے	اَوْ یا	مِنْ وَّرَآئِ پیچھے سے	
حِجَابٍ ایک پردہ	اَوْ يُرْسِلَ یا وہ بھیجے	رَسُوْلًا کوئی فرشتہ	فَيُوْحِيَ پس وہ وحی کرے	بِاِذْنِهٖ اس کے حکم سے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہے	اِنَّهٗ بیشک وہ	
عَلِيٌّ بلندتر	حَكِيْمٌ حکمت والا	وَ اور	كَذٰلِكَ اسی طرح	اَوْحَيْنَآ ہم نے وحی کیا	اِلَيْكَ تمہاری طرف	رُوْحًا قرآن	مِّنْ اَمْرِنَا اپنے حکم سے
مَا كُنْتَ تَدْرِيْ تم نہ جانتے تھے	مَا الْكِتٰبُ کیا ہے کتاب	وَلَا الْاِيْمَانُ اور نہ ایمان	وَلٰكِنْ اور لیکن	جَعَلْنٰهُ ہم نے بنادیا اسے	نُوْرًا نور		
نَّهْدِيْ بِهٖ ہم ہدایت دیتے ہیں اس سے	مَنْ نَّشَآءُ جس کو ہم چاہتے ہیں	مِنْ عِبَادِنَا اپنے بندوں میں سے	وَاِنَّكَ اور بیشک تم				
لَتَهْدِيْٓ ضرور رہنمائی کرتے ہو	اِلٰى طرف	صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا	صِرَاطِ اللّٰهِ راستہ اللہ کا	الَّذِيْ لَهٗ وہ جس کیلئے	مَا جو کچھ	
فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَ اور	مَا جو کچھ	فِي الْاَرْضِ زمین میں	اَلَآ یادرکھیں	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	تَصِيْرُ بازگشت	الْاُمُوْرُ تمام کام

تفسیر وتشریح: یہ سورہ شوریٰ کی آخری اور خاتمہ کی آیات ہیں۔سورۃ کے خاتمہ پر پھر بھی اسی مضمون کو لیا گیا ہے جو سورۃ کی ابتدا میں ارشاد ہوا تھا۔کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر جہاں اور طرح طرح کے اعتراضات وشبہات کرتے تھے منجملہ ان کے کفار کا ایک شبہ یہ بھی تھا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ یا فرشتہ بالمشافہ رو در رو کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ رسول ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کی دعوت یہ کہہ کر پیش فرماتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو میں تمہیں سنا رہا ہوں تو کفار اعتراضاً کہتے ہیں کہ آخر یہ بات کیسے مان لی جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔کیا خدا ان کے پاس آتا ہے؟ یا یہ خدا کے پاس جاتے ہیں؟۔یا ان کی اور خدا کی بات چیت ہوتی ہے؟ اگر یہ واقعی رسول ہیں اللہ کے تو خدا یا اس کے فرشتے ہم سے رو در رو یعنی آمنے سامنے ہو کر کیوں نہیں ایسا کہہ دیتے۔کفار کے اس شبہ کا جواب دیا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کوئی بشر

یا انسان اپنی دنیوی اور فطری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے اس لئے کسی بشر سے خدا کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک الہام سے یعنی قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے بلا واسطہ خواہ سوتے میں یا جاگتے میں۔ دوسرے ۲ حجاب یا پردہ کے باہر سے کہ بندہ آواز تو سنے مگر بولنے والا اسے نظر نہ آئے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر ہوا تھا کہ ایک درخت سے انہیں یکا یک آواز آنی شروع ہوئی مگر بولنے والا ان کی نگاہ سے اوجھل تھا۔ یہ دوسرا طریقہ ہوا۔ تیسری ۳ صورت یہ کہ خدا کسی فرشتے کو بھیج دے اور وہ خدا کے حکم سے اس کا کلام اور پیام بندہ کو پہنچا دے۔ اس طریق کے وحی کے مخاطب حضرات انبیاء تو قطعی ہوتے ہیں اور غیر انبیاء کے لئے بھی اس کی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت مریم کے بارہ میں قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔ الغرض خدا کے کلام کی بشر سے یہ تین صورتیں ہیں اور خدا کی ذات اس سے بہت بالا اور برتر ہے کہ وہ کسی بشر سے رودر رو کلام کرے اس لئے یہ عادت اللہ کے خلاف ہے کہ خود انسان موجودہ حالت میں اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ کلام کے تین ممکن طریقہ بیان فرما کر ارشاد ہوا انہ علی حکیم۔ وہ بڑا عالیشان ہے کہ اس سے جب تک وہ خود تحمل نہ دے کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ اس کا علو مانع ہے کہ بے حجاب کلام کرے مگر اس کے ساتھ ہی وہ بڑی حکمت والا بھی ہے اس لئے بندوں کی رعایت سے تین طریقے کلام کے مقرر فرما دیئے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح بشر کے ساتھ ہم کلام ہونے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اسی طرح یعنی اسی قاعدہ کے موافق ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی اور آپ کو نبی بنایا اور آپ کی نبوت کا ثبوت اس پر موقوف نہیں کہ ہم لوگوں سے رودر رو یہ آ کر کہیں۔ اور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب آپ سے باوجود صلاحیت رسالت کے بالمشافہ رودر رو کلام نہیں ہوتا بلکہ بطریق مذکورہ کلام ہوتا ہے تو یہ معترضین کس شمار میں ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہم نے آپ پر وحی کی ہے۔ اس میں شبہ اور اعتراض کی کیا بات ہے اور اس سے قبل یعنی نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ کتاب کیا چیز ہے۔ گو نفس ایمان ہر نبی کو ہر وقت قبل نبوت بھی حاصل ہوتا ہے مگر کمال ایمان نبوت سے ہوتا ہے تو اس طرح خدا کی طرف سے آپ کو یہ قرآن اور نبوت دی گئی اور اس قرآن کو آپ کے لئے اولا اور بعد کو دوسروں کے لئے ایک نور اور روشنی بنا دیا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں راہ حق دکھاتے ہیں۔ پس اس کتاب کے نور عظیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اب جو اندھا ہی ہو وہ اس نور کے نفع سے محروم بلکہ اس کا منکر ہے جیسے یہ معترضین اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ اس قرآن اور وحی کے ذریعہ سے عام لوگوں کو ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں آگے اس راستہ کا بیان ہے جس کی طرف آپ ہدایت فرماتے ہیں یعنی آپ اس خدا کے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی کسی کی شرکت نہیں ہے۔ لہٰذا لوگوں کو لایعنی شبہات سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس راستہ پر چلنا چاہئے۔ اس کے بعد آخری تنبیہ کفار و مشرکین کو دی جاتی ہے کہ خوب سن لو تمام معاملات بالآخر خدا تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سب کو اسی کے حضور میں پیش ہونا ہے پس وہ سب پر جزا و سزا جاری فرمائے گا۔

حاصل ان آیات کا یہ ہے کہ کسی انسان کے لئے اس دنیا میں بالمشافہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنا ممکن نہیں۔ اور شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تعالیٰ سے کلام فرمانا

۰۰اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ وہ کلام اس عالم دنیا میں نہیں تھا بلکہ عالم ساوات میں تھا۔اسی طرح جنت میں پہنچ کر ہر جنتی حق تعالیٰ کی زیارت و دیدار سے مشرف ہوگا جو اس عالم دنیا میں ممکن نہیں کیونکہ انسان کی قوّت بینائی کا ضعف اس کیلئے زیارت حق سے حجاب بن جاتا ہے۔اور جنت میں جنتی کی قوت بینائی قوی کردی جائے گی اس لئے ہر جنتی حق تعالیٰ کے دیدار و زیارت سے مشرف ہو سکے گا۔نیز ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ قبل وحی یعنی نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ ایمان کیا چیز ہے تو مفسرین نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایمان سے واقفیت نہ ہونے کے مطلب یہ ہیں کہ ایمان کی تفصیلات اور شرائع ایمان یا ایمان کا اعلیٰ مقام جو بعد وحی و نبوت حاصل ہوتا ہے۔وحی سے پہلے اس سے واقفیت نہیں ہوتی ۔ ورنہ باجماع امت یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو رسالت و نبوت کے شرف سے نوازتے ہیں اس کو ابتدا ہی سے ایمان پر پیدا فرماتے ہیں۔ان کی فطرت ایمان پر مبنی ہوتی ہے۔عطاء نبوت اور نزول وحی سے پہلے بھی وہ پکے مومن و موحد ہوتے ہیں ۔ اصول ایمان ان کی فطرت و خلقت میں داخل ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے جب ان کی قوموں نے مخالفت کی تو ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے مگر کسی پیغمبر پر کسی امت نے یہ الزام نہیں لگایا کہ تم بھی تو نبوت کے دعوے سے پہلے ہماری طرح بتوں کی پوجا و پرستش کرتے تھے ۔ (معارف القرآن) عصمت انبیاء یہ امّت کا اصولی مسئلہ ہے جس کے مطابق تمام انبیاء جب سے پیدا ہوئے وہ توحید اور ایمان ہی پر قائم رہے نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی ہاں یہ ضرور ہے کہ ایمان کی تفصیلات کا وہ علم اور ایمان کا اعلیٰ اور اکمل مقام جو بعد نبوت حاصل ہوتا ہے وہ نبوت اور نزول وحی سے قبل نہیں ہوتا ۔ اسی کو یہاں آیت میں فرمایا گیا۔ما کنت تدری ما الکتٰب و لا الا یمان یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل نزول وحی آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ کتاب اللہ کیا ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا کمال اقصیٰ جو کہ اب حاصل ہے کیا چیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و قرآن عطا کیا۔

دعا کیجئے

اس قرآنی نور عظیم سے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بھی منور فرمائیں اور اس قرآن پاک کے ذریعہ سے حق تعالیٰ ہم کو ہدایت کے راستہ پر چلنا نصیب فرمائیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صراط مستقیم دکھائی ہے حق تعالیٰ اس پر چلنا ہمارے لئے آسان فرمائیں اور ہم کو انجام کی خیر خوبی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! ہدایت کے خزانہ آپ ہی کے دست قدرت میں ہیں۔ آپ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت عطا فرماتے ہیں اور صراط مستقیم پر چلنا نصیب فرماتے ہیں۔

یا اللہ! ہم آپ ہی سے ہدایت کے طالب ہیں۔اپنے فضل و کرم سے ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت نصیب فرما اور پھر اس پر استقامت نصیب فرما۔ یا اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صراط مستقیم کی تلقین فرمائی ہے۔اسی صراط مستقیم پر ہم کو چلنا اور قائم رہنا نصیب فرما اور اسی صراط مستقیم پر زندہ رہنا اور مرنا نصیب فرما۔آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ

حٰمٓ. قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو۔ اور وہ ہمارے پاس

الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾

لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے۔

حٰمٓ حٰم	وَالْكِتٰبِ قسم ہے کتاب	الْمُبِيْنِ واضح	اِنَّا بیشک ہم	جَعَلْنٰهُ ہم نے اسے بنایا	قُرْءٰنًا قرآن	عَرَبِيًّا عربی زبان	لَعَلَّكُمْ تا کہ تم
تَعْقِلُوْنَ سمجھو	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	فِيْ میں	اُمِّ الْكِتٰبِ اصل کتاب لوح محفوظ	لَدَيْنَا ہمارے پاس	لَعَلِيٌّ بلند مرتبہ	حَكِيْمٌ باحکمت	

تفسیر وتشریح

الحمدللہ اب پچیسویں ۲۵ پارہ کی سورہ زخرف کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں۔ ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ' مقام نزول' خلاصہ مضامین' تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ۳۵ ویں آیت میں لفظ زخرف آیا ہے۔ زخرف کے معنیٰ ہیں سنہرا' آراستہ' زینت اور کسی شے کے کمال حسن کو زخرف کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے سونے کو زخرف کہا جاتا ہے۔ اس سورۃ کے تیسرے رکوع میں دنیوی مال ودولت۔ سونا چاندی کی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ دنیا کی جاہ ودولت اللہ کے نزدیک کس قدر حقیر ہے۔ اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام زخرف قرار پایا۔

قرآن پاک کی حم سے شروع ہونے والی سات سورتوں میں سے یہ چوتھی سورۃ ہے۔ اور حم سے شروع ہونے والی سورتوں کی فضیلت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازہ ہیں۔ ہر حم جہنم کے کسی ایک دروازہ پر ہوگی اور کہے گی کہ یا اللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازے سے داخل نہ کیجیو۔

موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۳ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۶۱ بیان کیا گیا یعنی ۶۰ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھی اور ۵۳ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۸۹ آیات ۷ رکوعات ۸۴۸ کلمات اور ۳۶۵۶ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور قیام مکہ کے درمیانی زمانہ میں نازل ہوئی۔ اس لئے اس میں بھی عقائد ہی سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں مثلاً اثبات توحید۔ ابطال شرک۔ اثبات وحی ورسالت۔ بعض اعتراضات مشرکین اور ان کے جوابات۔ تسلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تحقیر دنیا۔ تہدید منکرین۔ توحید ورسالت کی تائید میں حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے۔ مومنین صادقین کے لئے قیامت کے وعدے اور منکرین ومکذبین کے لئے قیامت کی وعیدیں۔ مکی دور میں جس قدر قرآن کی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں عملیات واحکامات کا بہت کم حصہ ہے۔ زیادہ تر اعتقادیات کی تعلیم ہے۔ اور مدنی دور کی سورتوں میں

زیادہ تر احکام وعملیات کی تعلیم ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ ایک نہایت واضح اور روشن کتاب ہے۔ اس کا مرتبہ نہایت بلند ہے اور اس میں سراسر دانائی کی باتیں بھری ہوئی ہیں پھر اہل مکہ کو تنبیہ کی گئی کہ تم جتنی چاہے زیادتیاں اور شرارتیں کرو مگر یہ خدا کی کتاب پوری کی پوری نازل ہو کر رہے گی اور ساری دنیا میں اس کا پیغام پھیل کر رہے گا۔ تم نہ مانو گے تو جو تم سے زیادہ سمجھدار ہیں وہ مانیں گے خدا نے پہلی قوموں میں بھی اپنے رسول بھیجے تھے۔ احمقوں نے ان انبیاء کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا لیکن پھر کیا ہوا خدا نے ان کو ان کی گستاخی کی سزا دی اور اب صرف ان کی کہانیاں ہی باقی رہ گئیں اور ان کے حالات منکرین کو اس کتاب میں سنا دیئے گئے تا کہ وہ عبرت پکڑیں۔ منکرین سے پھر پوچھا جاتا ہے کہ تم آخر اللہ تعالیٰ کو مانتے کیوں نہیں؟ اتنا تو تم بھی اقرار کرتے ہو کہ یہ ساری کائنات اللہ نے پیدا کی۔ پھر اللہ کی ہدایات پر کیوں نہیں چلتے؟ آسمان سے مینہ وہ برساتا ہے۔ خشکی وتری میں چلنے پھرنے کے ذرائع کشتیاں۔ بوجھ اٹھانے والے جانور سب تمہارے لئے اس نے بنائے۔ تو کیا تمہیں اس کا شکر ادا کرنا نہیں چاہئے اور الٹا اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ یہ کتنی بے عقلی ہے کہ یہ کفار ومشرکین اللہ کی اولاد مانتے ہیں اور وہ بھی بیٹیاں حالانکہ خود اپنے لئے بیٹیاں بری سمجھتے ہیں۔ پھر بتلایا گیا کہ اللہ کے کوئی اولاد نہیں۔ جو ہے اس کا بندہ ہے۔ اور وہ سب کا خالق و مالک ہے۔ کفار ومشرکین کو سمجھایا گیا کہ تم اپنے باپ دادا کے دین کی پچ مت کرو بلکہ سچائی کے طلب گار بنو اور قرآن کی پیروی کرو۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کو اور قوم کو گمراہ پا کر ان کا طریقہ چھوڑا اور اللہ کو اپنا اکیلا معبود مانا اور توحید کا ڈنکا بجایا اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کر گئے مگر بعد کے لوگ دنیا کی بیہودہ باتوں میں پڑ کر توحید کو چھوڑ بیٹھے اور جب اللہ کے رسول انہیں سمجھانے آئے تو ان کا کہنا ماننے سے انکار کیا۔ اب یہ کفار مکہ بھی رسول اللہ کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں اور بہانہ انکار کا یہ بناتے ہیں کہ رسول تو کوئی مشہور اور مال و دار دولت مند کو ہونا چاہئے تھا۔ اس کا جواب دیا گیا کہ کوئی ان منکرین سے پوچھے کہ کیا تم اللہ کی رسالت کے ٹھیکے دار ہو کہ اپنی مرضی کے مطابق اسے بانٹو۔ دنیا کے مال و دولت پر کیا فخر کرتے ہیں۔ خدا کے ہاں دولت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ رسالت دنیا کی ساری دولتوں سے بڑھ کر حیثیت رکھتی ہے اور وہ اس کو ملتی ہے جو خدا کے نزدیک اس لائق ہو۔ دنیا کی دولت جو خدا کے نزدیک نہایت حقیر اور صغیر چیز ہے وہ کافروں کو بہت کچھ دے ڈالتے یہاں تک کہ وہ سونے چاندی کے گھر بنا لیتے لیکن اتنی دولت اس لئے نہیں دی کہ کہیں وہ لوگ کفر کو اچھا نہ سمجھ بیٹھیں کہ اس سے دولت ملتی ہے اور اس لئے سب کفر ہی کو اختیار کر لیں۔ نادانو دنیا کے مال و دولت میں کچھ نہیں دھرا اصل چیز عاقبت و آخرت ہے اور وہ مومن متقی پرہیز گاروں کے لئے ہے جو جنت میں دائمی عیش کریں گے۔ جو دنیا ہی کو سب کچھ جان بیٹھا اور اللہ کی طرف سے منہ پھیرا وہ شیطان کا ساتھی بن جائے گا اور آخرت میں دکھ درد اٹھائے گا۔ دیکھو مصر کے فرعون نے سرکشی کی اور ملک و مال پر مغرور ہو کر خدائی تک کا دعوی کر بیٹھا اور خدا کے رسول موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔ آخر اس کا انجام کیا ہوا۔ ذلت کی موت مارا گیا اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی بابت بتلایا گیا کہ وہ اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ ہیں جن کو لوگ عجائبات قدرت سمجھ کر انہی کی پوجا کرنے لگے حالانکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے بندہ ہونے کا اقرار تھا اور ان کی تعلیم یہی تھی کہ میرا اور سب کا پالنے والا صرف ایک اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر بتلایا گیا کہ جو لوگ دنیا میں اللہ کے بندے بن کر رہے اور اس کا حکم بجالاتے رہے ان کو قیامت میں جنتوں میں داخل کیا جائے گا جہاں ہر طرح کا چین سکھ اور آرام نصیب ہوگا اور جو ان کی آرزو ہوگی سب پوری کی جائے گی۔ ان کے برخلاف مجرمین جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور ہمیشہ طرح طرح کے عذاب بھگتتے رہیں گے۔ اخیر

میں بتلایا گیا کہ ان کفار نے اس قدر ڈھٹائی اور بے پروائی اختیار کی کہ ہمارے رسول کو ہماری جناب میں کہنا پڑا کہ اے میرے رب میں نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اس کا مطلب سمجھایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ غرض ہر طرح انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر یہ ایسے ضد وعناد میں ڈوبے ہیں کہ میری بات ہی نہیں سنتے اور ایمان سے دور بھاگتے ہیں تو ہم نے اپنے رسول کی یہ بات سن لی اور ہم اپنے رسول کی ان سرکش لوگوں کے مقابلہ میں ضرور مدد کریں گے۔ اور وقت عنقریب ہے کہ جب ان کی جلدی ہی بری گت بننے والی ہے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور حقیقت معلوم ہوگی۔ یہ ہے خلاصہ مضامین اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اس تمہید کے بعد اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات حم سے فرمائی گئی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے حروف مقطعات اسرار الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کے صحیح مطلب اور معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد فرمایا گیا قسم ہے اس واضح کتاب یعنی قرآن کریم کی۔ کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ قسمیں کھائی ہیں جن میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنے مخلوق کی اور صرف سات ۷ مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے قسمیں اسی لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔ بعض علما نے فرمایا کہ قرآن شریف عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں کا طریقہ تھا کہ کوئی کلام اور بیان اس وقت تک فصیح و بلیغ نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں قسمیں نہ ہوں اس لئے قرآن میں بھی قسمیں کھائی گئیں تا کہ فصاحت عرب کی یہ قسم بھی رہنے نہ پائے۔ مگر یہاں یہ بھی ذہن نشین کرلیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ صرف اللہ پاک کے ذات اور نام کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ پھر عرب میں گو ایام جاہلیت میں صد ہا قبائح موجود تھے مگر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر قسم کھانا بہت ہی سخت بات سمجھی جاتی تھی اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا کبھی سر سبز نہ ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ کتاب مبین کی قسم کھا کر یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا تا کہ اے اہل عرب تم باسانی سمجھ سکو۔ تو یہاں قسم جس بات پر کھائی گئی وہ یہ کہ یہ خداوند عالم کا کلام ہے اور یہ جو فرمایا کہ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ تم اسے سمجھ سکو تو اگر چہ قرآن کا نزول تمام اقوام عالم کے لئے ہوا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عرب تھے اس لئے عربی میں اس کا ہونا ضروری تھا کیونکہ اگر یہ کسی عجمی زبان میں ہوتا تو عرب جو مخاطبین اوّل تھے وہ یہ عذر کر سکتے تھے کہ ہم اس کے کلام الٰہی ہونے نہ ہونے کی جانچ کیسے کریں جبکہ یہ ہماری سمجھ ہی میں غیر عربی ہونے کی وجہ سے نہیں آ رہا۔ تو چونکہ عرب قوم میں اس کا نزول ہوا اس لئے عربی ہی میں نازل کیا گیا تا کہ مخاطبین اوّلین کو اس کے سمجھنے میں عذر باقی نہ رہے۔ آگے بتلایا گیا کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے ہاں لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے۔ تو مقصود یہاں قرآن کی فضیلت کا اظہار ہے کہ جب یہ کتاب اہل عرب کے لئے سمجھنے میں بھی آسان ہے اور خاص اللہ تعالیٰ کے زیر حفاظت ہے اور پھر نہایت عظیم المرتبہ بھی ہے جس کے مضامین بھی نہایت نافع اور حکیمانہ ہیں تو پھر ایسی کتاب کو ضرور ماننا چاہئے۔ اب اگر کوئی اپنی نادانی سے یا حماقت سے اس کتاب کی قدر و منزلت نہ پہچانے اور اس کی حکیمانہ تعلیمات سے فائدہ نہ اٹھائے تو یہ اس کی اپنی بدبختی اور بدقسمتی ہے۔

ابھی آگے بھی قرآن کریم ہی کے متعلق مضمون جاری ہے نیز مضمون رسالت و توحید کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ ﴿٥﴾ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيٍّ فِي 3

کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی

الْأَوَّلِينَ ﴿٦﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٧﴾ فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ

بھیجتے رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔ پھر ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ ان سے زیادہ زور آور تھے

بَطْشًا وَمَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ

غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی ہے۔ اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ

الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ

ان کو زبردست جاننے والے (خدا) نے پیدا کیا ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں اس نے تمہارے لئے راستے بنائے تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾

اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا، پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو زندہ کیا، اسی طرح تم (بھی اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔

أَفَنَضْرِبُ کیا ہم ہٹالیں	عَنْكُمُ تم سے	الذِّكْرَ نصیحت	صَفْحًا اعراض کرکے	أَنْ کہ	كُنْتُمْ تم ہو	قَوْمًا لوگ	مُسْرِفِينَ حد سے گزرنے والے	
وَكَمْ أَرْسَلْنَا اور بہت بھیجے ہم نے	مِنْ نَبِيٍّ نبی	فِي الْأَوَّلِينَ پہلے لوگوں میں	وَمَا يَأْتِيهِمْ اور نہیں آیا ان کے پاس	مِنْ نَبِيٍّ کوئی نبی	إِلَّا مگر			
كَانُوا وہ تھے	بِهِ اس سے	يَسْتَهْزِئُونَ ٹھٹھا کرتے	فَأَهْلَكْنَا پس ہم نے ہلاک کیا	أَشَدَّ سخت	مِنْهُمْ ان سے	بَطْشًا پکڑ	وَمَضَى اور گزر چکی	مَثَلُ مثال حالت
الْأَوَّلِينَ پہلے	وَلَئِنْ اور اگر	سَأَلْتَهُمْ تم ان سے پوچھو	مَنْ کس	خَلَقَ السَّمَاوَاتِ پیدا کیا آسمانوں کو	وَالْأَرْضَ اور زمین	لَيَقُولُنَّ تو وہ ضرور کہیں گے		
خَلَقَهُنَّ انہیں پیدا کیا	الْعَزِيزُ غالب	الْعَلِيمُ علم والا	الَّذِي وہ جس	جَعَلَ بنایا	لَكُمُ تمہارے لئے	الْأَرْضَ زمین	مَهْدًا فرش	وَجَعَلَ اور بنائے
لَكُمْ تمہارے لئے	فِيهَا اس میں	سُبُلًا راستے۔ جمع سبیل	لَعَلَّكُمْ تا کہ تم	تَهْتَدُونَ تم راہ پاؤ	وَالَّذِي اور وہ جس	نَزَّلَ اتارا	مِنَ السَّمَاءِ آسمان سے	
مَاءً پانی	بِقَدَرٍ ایک اندازہ سے	فَأَنْشَرْنَا پھر زندہ کیا ہم نے	بِهِ اس سے	بَلْدَةً مَيْتًا شہر مردہ	كَذَٰلِكَ اسی طرح	تُخْرَجُونَ تم نکالے جاؤ گے		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں سورۃ کی ابتدا قسمیہ کلام سے فرمائی گئی تھی اور عام اہل عرب کو مخاطب کر کے بتلایا گیا تھا کہ یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تا کہ تم اسے باسانی سمجھ لو۔ پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ قرآن پاک بڑی بلند مرتبہ اور پراز حکمت کتاب ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے وقت سے لے کر تمام ۱۳ سالہ قیام مکہ کے دور میں کفار مکہ ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑے رہے۔ ہر طرح کی مخالفت اور عداوت برتی۔ آپ کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے حتیٰ کہ آپ کو قتل تک کر دینے کی ٹھان لی اس حالت میں منکرین کو خطاب فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمہاری زیادتیوں اور شرارتوں کی وجہ سے اس بیش قیمت اور عظیم المرتبت اور نصیحانہ و حکیمانہ کتاب کو روکا نہیں جا سکتا کہ تم قرآن کو جھٹلاؤ اور نہ مانو تو اس درس نصیحت کا سلسلہ بند کر دیا جائے اور تم کو مخاطب بنانا چھوڑ دیا جائے۔ خواہ تم مانو یا نہ مانو

نصیحت تو برابر کی جاوے گی اور یہ سلسلہ فیض کامل ہو کر رہے گا۔ تمہارے ایمان نہ لانے اور اس قرآن کا انکار کرنے سے نزول قرآن اور تبلیغ قرآن موقوف نہیں کی جائے گی۔ اللہ کی رحمت و حکمت دونوں کا تقاضہ ہے کہ یہ فیض کامل جاری رہے چنانچہ ۲۳ سال کے عرصہ تک یہ قرآن نازل ہوتا رہا اور نہ ماننے والوں کے انکار اور بد باطن لوگوں کی شرارت کی وجہ سے انہیں نصیحت اور موعظت کرنی نہیں چھوڑی گئی۔ جو ان میں نیکی والے اور سمجھ دار تھے وہ درست ہوئے اور جنہوں نے باطل پر اصرار کیا ان پر حجت تمام ہوئی۔ اگر منکرین کی شرارت اور بیہودگی نبی اور کتاب بھیجنے میں مانع ہوتی تو کسی قوم میں بھی کوئی نبی نہ آتا اور نہ کتاب بھیجی جاتی مگر گذشتہ امتوں اور پہلے لوگوں میں بھی باوجود ان کی تکذیب کے اللہ تعالیٰ نبی بھیجتے رہے۔ یہ نہیں ہوا کہ کسی کی تکذیب سے سلسلہ نبوت بند ہو جاتا آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا اور ان کی تعلیمات کو بھی جھٹلایا گیا لیکن انبیاء کا مقابلہ اور ان سے عداوت کرنے میں بڑے بڑے مغرور اور ظاہری طاقت رکھنے والے بھی آخر برباد ہوئے۔ عبرت کے لئے گذشتہ مکذبین کی تباہی کی مثالیں مذکور ہو چکیں جو زور اور قوت میں ان کفار مکہ سے کہیں زیادہ تھے۔ جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو اے کفار مکہ تم کاہے پر مغرور ہوتے ہو۔ آگے اللہ تعالیٰ کی توحید عظمت و قدرت اور کمال تصرف کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو ایک حد تک منکرین و مشرکین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ مشرکین عرب اکثر اور عموماً اللہ کی ذات کا اقرار کرتے تھے اور ان کا بھی خیال تھا کہ دنیا اور زمین و آسمان کا پیدا کرنا تو اللہ ہی کا کام ہے لیکن وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے کہ انسانی ضروریات اور چھوٹے موٹے روز مرہ کے کام دیوی دیوتاؤں اور ستارہ۔ شمس۔ وقمر وغیرہ کے حوالہ ہیں۔ اس لئے ان کو خوش رکھنا اور ان کی پوجا پاٹ کرنا بھی ضروری ہے۔ تو ان کے اس خیال کی تردید میں اور ابطال شرک اور اثبات توحید کے لئے فرمایا جاتا ہے کہ اگر ان مشرکین سے کوئی پوچھے کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے تو فوراً ان کے منہ سے یہی نکلے گا کہ ان کو زبردست جاننے والے خدا نے پیدا کیا ہے تو وہ یہ مان کر پھر بھی شرک کرتے ہیں کیونکہ اللہ کو خالق ماننے میں یہ اقرار پوشیدہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ اختیار اور قوت والا ہے۔ وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اس کے سوا اس جیسی قوت اور علم کسی میں نہیں۔ آگے مشرکین کو قائل کرنے کے لئے ذات خالق واحد کی بعض دوسری صفات اور قدرت کا بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ زمین و آسمان اسی نے پیدا کیا ہے جس نے تمہارے آرام کے لئے اس زمین کو مثل فرش کے بنایا کہ اس پر آرام کرتے ہو۔ یعنی اس زمین کو نہ اتنا زیادہ نرم بنایا کہ انسان زمین میں دھنس جائیں۔ نہ اتنا سخت بنایا کہ اس کا کھودنا مشکل ہو نہ اتنا چکنا بنایا کہ لیٹنا اور کھڑا ہونا ناممکن ہو۔ نہ اتنا گرم بنایا کہ تپش سے جلا دے۔ نہ اتنا سرد کہ ٹھٹھرا دے۔ اور اس زمین میں اس نے راستے بنا دیئے کہ ان راستوں میں چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ پہاڑوں کے بیچ میں درے۔ اور پھر دریا۔ ندی۔ نالے وغیرہ وہ قدرتی راستے ہیں جو اللہ نے زمین کی پشت پر بہا دیئے ہیں تا کہ ان قدرتی راستوں کی مدد سے اپنا راستہ معلوم کر سکو اور جہاں جانا چاہتے ہو وہاں پہنچ سکو۔ پھر آسمان سے مینہ برسانے کا جس نے انتظام فرما دیا کہ ایک خاص انداز کے موافق حسب مشیت و حکمت پانی برستا ہے یعنی ہر علاقے کے لئے بارش کی ایک اوسط مقدار مقرر کی کہ جو سال

بسال اسی طریقہ سے چلتی رہتی ہے پھر اس پانی کے ذریعہ سے مردہ اور خشک زمین ہری بھری ہو جاتی ہے۔ کھیتیاں اور باغات سرسبز ہو جاتے ہیں۔ جنگل لہلہا اٹھتے ہیں۔ اسی سے یہ بھی سمجھ لو کہ اسی طرح انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا جس طرح کہ مردہ زمین کو بذریعہ بارش کے زندہ اور آباد کر دیتا ہے ایسے ہی تمہارے مردہ جسموں میں خدا جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔ پس اس نظیر کے مشاہدہ کے بعد بعث بعد الموت کا انکار نہ کرنا چاہئے۔

یہاں پہلی آیت **افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین** جس میں حق تعالیٰ کفار مکہ سے خطاب فرما رہے ہیں کہ کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹا لیں گے کہ تم حد سے گذرنے والے ہو؟ یعنی تم اپنی سرکشی اور نافرمانی میں خواہ کتنے ہی حد سے گذر جاؤ لیکن ہم تمہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کرنا نہیں چھوڑیں گے تو اس آیت کے ماتحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مبلغ دین کو مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ جو بھی دعوت اور تبلیغ کا کام کرتا ہوا سے ہر شخص کے پاس پیغام حق لے کر جانا چاہئے اور کسی گروہ یا جماعت کو تبلیغ کرنا محض اس بنا پر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہ تو انتہا درجہ کے ملحد۔ بے دین یا فاسق و فاجر ہیں انہیں کیا تبلیغ کی جائے۔ مگر ایک بات یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے جس کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ نے اپنے رسالہ فضائل تبلیغ میں لکھا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں جب کہ بخل کی اطاعت ہونے لگے اور خواہشات نفسانیہ کا اتباع کیا جائے۔ دنیا کو دین پر ترجیح دی جائے ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے۔ دوسرے کی نہ مانے اس وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کی اصلاح چھوڑ کر یکسوئی کا حکم فرمایا ہے مگر مشائخ کے نزدیک ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے اس لئے جو کچھ کرنا ہے کر لو خدا نہ کرے کہ وہ وقت دیکھتی آنکھوں آن پہنچے کہ اس وقت کسی قسم کا اصلاح ممکن نہ ہوگی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو یہ کتاب مبین ہم کو عطا فرمائی ہے اور اس پر ہم کو ایمان رکھنے کی دولت نصیب فرمائی ہے تو اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس قرآن کریم کی ہم کو حقیقی قدر و منزلت نصیب فرما۔ اور تمام امت مسلمہ کو اس کے احکام کے موافق دنیا میں زندگی گذارنا نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے ملک میں بھی قرآنی احکام کے نفاذ کی صورتیں غیب سے ظاہر فرما تا کہ اس کی پوری برکات و سعادتیں نصیب ہوں۔ اور اللہ کی کتاب سے اعراض کر کے جو پہلے ہلاکت میں پڑ چکے ہیں ان سے ہم کو عبرت و نصیحت عطا فرما۔

یا اللہ ہم کو سچی توحید اور اپنی معرفت نصیب فرما اور اسی پر جینا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْکِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا

اور جس نے تمام اقسام بنائیں اور تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو پھر

عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ

جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو دل سے یاد کرو اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے

سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ

ان چیزوں کو ہمارے بس میں کردیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو اُن کو قابو میں کرلیتے۔ اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور لوگوں نے

عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

خدا کے بندوں میں سے خدا کا جز ٹھہرادیا، واقعی انسان صریح ناشکرا ہے۔

وَالَّذِیْ اور وہ جس	خَلَقَ پیدا کئے	الْاَزْوَاجَ جوڑے	کُلَّهَا ان سب کے	وَجَعَلَ اور بنائی	لَکُمْ تمہارے لئے	مِنَ الْفُلْکِ کشتیاں		
وَالْاَنْعَامِ اور چوپائے	مَا جس	تَرْکَبُوْنَ تم سوار ہوتے ہو	لِتَسْتَوٗا تاکہ تم ٹھیک بیٹھو	عَلٰی ظُهُوْرِهٖ اُنکی پیٹھوں پر	ثُمَّ پھر	تَذْکُرُوْا تم یاد کرو		
نِعْمَةَ نعمت	رَبِّکُمْ اپنا رب	اِذَا جب	اسْتَوَیْتُمْ تم ٹھیک بیٹھ جاؤ	عَلَیْهِ اس پر	وَتَقُوْلُوْا اور تم کہو	سُبْحٰنَ پاک ہے	الَّذِیْ وہ ذات جس	
سَخَّرَ لَنَا مسخر کیا ہمارے لئے	هٰذَا اس	وَ اور	مَا کُنَّا نہ تھے	لَهٗ ہم اسکو	مُقْرِنِیْنَ قابو میں لانیوالے	وَاِنَّا اور بیشک ہم	اِلٰی طرف	رَبِّنَا اپنا رب
لَمُنْقَلِبُوْنَ ضرور لوٹ کر جانیوالے	وَجَعَلُوْا اور انہوں نے بنالیا	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ عِبَادِهٖ اس کے بندوں میں سے	جُزْءًا جزولختِ جگر	اِنَّ بیشک			
الْاِنْسَانَ انسان	لَکَفُوْرٌ ناشکرا	مُّبِیْنٌ صریح						

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اثبات توحید کے سلسلہ میں فرمایا گیا تھا کہ اگر ان مشرکین سے دریافت کیا جائے تو اس بات کا یہ بھی اقرار کریں گے کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو جب مشرکین اس کی خالقیت کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر اس کی الوہیت اور عبادت میں دوسروں کو شریک کیوں ٹھہراتے ہیں۔ نیز تقویت توحید کے لئے بتلایا گیا تھا کہ اسی خدا نے جس نے یہ زمین آسمان پیدا کئے ہیں تمہارے لئے اس زمین کو آرام گاہ بنادیا اور اُسی خدا نے اس زمین میں راستہ بنادیئے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکو۔ اور اسی خدا نے آسمان سے اس انداز سے بارش برسائی کہ زمین سرسبز ہوجائے غلہ۔ پھل پھول سبزی۔ ترکاریاں جڑی بوٹیاں جو انسانوں کے لئے اسباب زندگی ہیں پیدا فرمائیں۔ اس سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اسی نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے۔ یعنی نہ صرف انسانوں میں زن ومرد کے جوڑے بنائے اور حیوانات میں نر و مادہ پیدا کئے اور نباتات یعنی درختوں اور پودوں میں نر و مادہ رکھے بلکہ دنیا کی دوسری بے شمار چیزوں کو بھی خالق نے ایک دوسرے کا جوڑ بنایا ہے۔ مثال کے طور پر بجلی میں منفی اور مثبت بجلیاں یعنی Negative اور Positive ایک دوسرے کا جوڑ بنائیں۔ اور ان کی باہمی کشش ہی سے دنیا میں بجلی کے عجیب عجیب کرشمہ نمودار ہیں۔ تو اس طرح ان گنت جوڑے قسم قسم کے مخلوقات کے اندر اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے اور اسی خدا نے انسانوں کو پانی اور خشکی میں سفر کرنے کے لئے سواریاں پیدا کرکے ان کو

انسان کی خدمت میں لگا دیا۔ کشتیاں اور جہاز پانی کے سفر کے لئے بنائے اور چوپائے جانور خشکی کے سفر کو مہیا کئے کہ انسان جہاں پیادہ نہ جاسکتا ہو وہاں سوار ہو کر چلا جائے۔ کیا یہ اللہ کی نعمت اور احسان نہیں کہ سرکش اور نافہم جانور انسان کے اشاروں پر کام کرتا ہے اور باوجود زیادہ طاقتور ہونے کے انسان کا تابع فرمان بن جاتا ہے کہ اس پر سوار ہو کر یا سامان لاد کر جہاں چاہتا ہے اور جدھر چاہتا ہے لئے پھرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان سواریوں کی تسخیر نہ کرتا۔ جانوروں کو فرمان پذیری کی صلاحیت اور انسان کو دانش و تدبیر کی عقل نہ دیتا تو کس طرح ایک حقیر انسان اپنے سے بدرجہا زیادہ طاقتور جانوروں سے کام لے سکتا۔ یہ اللہ ہی کی عنایت ہے۔ اس لئے آگے تعلیم دی جاتی ہے کہ تم جب ان سواریوں پر بیٹھو تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے کیسے کیسے طاقتور وجود تمہارے قابو میں کر دیئے۔ دل سے اللہ کا شکر ادا کرو اور زبان سے کہو کہ اس نے ہم پر بڑا احسان کیا جو ان چیزوں کو ہمارے اختیار میں دے دیا اور یوں شکر کرو کہ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں دے دیا ورنہ ہم میں کیا طاقت تھی کہ جو ہم انہیں قابو میں لاتے۔

تو یہاں جانوروں اور کشتیوں و جہازوں کا اللہ کی نعمت ہونا یاد دلا کر تعلیم دی گئی کہ انسان اپنی عبدیت اور خدا کی الوہیت کی طرف سے کسی حال میں غافل نہ رہے۔ سواری گھوڑے کی ہو۔ اونٹ یا ہاتھی کی ہو۔ یا جہاز۔ کشتی۔ ریل۔ موٹر وغیرہ کی ہو۔ انسان جب کبھی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے تو پہلے دل میں خدائی نعمتوں کا استحضار کرے اور یہ خیال تازہ کرے کہ جو کچھ بھی مل رہا ہے سب عنایت اور فضل الٰہی سے مل رہا ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جانے کے لئے سواری پر بیٹھتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں اور پھر یہ آیت یعنی سبحٰن الذی سخرلنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الیٰ ربنا لمنقلبون پڑھتے اس کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ ”اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اس سفر میں مجھے نیکی اور تقوی اور ایسے عمل کی توفیق دے جو تجھے پسند ہو۔ اے اللہ ہمارے لئے سفر کو آسان کر دے اور لمبی مسافت کو لپیٹ دے اے اللہ تو ہی سفر کا ساتھی اور ہمارے پیچھے ہمارے اہل و عیال کا نگہبان ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہمارے ساتھ اور پیچھے ہمارے گھروں کی خبر گیری فرما“۔ سفر کے وقت خواہ وہ پانی میں کشتی اور جہازوں کے ذریعہ ہو یا خشکی میں جانوروں اور سواریوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہو ایک تعلیم تو یہاں یہ دی گئی کہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے والا منعم حقیقی کو فراموش نہ کرے بلکہ اس کی پاکی اور بڑائی بیان کرے۔

آگے ایک دوسری تعلیم وانا الیٰ ربنا لمنقلبون میں دی گئی کہ انسان اس مختصر سے دنیا کے سفر سے آخرت کو یاد کرے اور کہے کہ ہم اپنی موت کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور ہم سب کو اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ ایک دن اس دنیا سے کوچ کر کے ہم اسی طرح اپنے رب کی طرف جائیں گے۔ مطلب یہ کہ ہر سفر پر انسان جاتے ہوئے یہ یاد کرلے کہ آگے ایک بڑا اور آخری سفر بھی درپیش ہے۔ پھر ہر سواری کو استعمال کرنے میں یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ شاید کوئی حادثہ یا واقعہ اسی سفر کو آدمی کا آخری سفر بنا دے اس لئے بھی تعلیم دی گئی کہ ہر مرتبہ وہ اپنے رب کی طرف واپسی کو یاد کر کے چلے کہ اگر مرنا ہی ہے تو غفلت کی موت تو نہ مرے۔ اب آپ اس قرآنی تعلیم کے نتیجہ کا اندازہ لگائیں کہ ایک شخص کے اخلاق پر اس کا کیا اثر پڑے گا جب وہ کسی سواری پر بیٹھتے وقت سمجھ بوجھ کر پورے شعور کے ساتھ اس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور اس کے حضور میں حاضر ہونے اور اپنے اعمال کی باز پرسی اور جواب دہی کو یاد کر کے چلے گا۔ تو وہ اس دھیان کے ساتھ چل کر کیا کسی فسق و فجور اور ظلم و ستم اور ناجائز اور حرام کا مرتکب ہوگا؟

کوئی حاکم ہو۔ یا افسر ہو۔ یا تاجر ہو۔ یا فوجی ہو۔ کوئی بھی ہو جو یہ سوچ کر اور اپنے منہ سے یہ کلمات نکال کر گھر سے نکلے گا کیا وہ کسی معصیت اور گناہ کی طرف چلے گا؟ کیا کسی فاحشہ اور بازاری عورت سے ملاقات کے لئے۔ یا کسی کلب میں شراب خواری اور قمار بازی کے لئے۔ یا کسی بے گناہ کا خون بہانے کے لئے۔ یا کسی کا مال لوٹنے اور ڈاکہ ڈالنے کے لئے۔ یا کسی کمزور کو ستانے اور اس پر ظلم کرنے کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت یہ الفاظ زبان پر اور یہ دھیان دماغ میں لاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو یہی ایک تعلیم ہر اس نقل و حرکت پر بندش لگانے کے لئے کافی ہے جو کسی معصیت۔ گناہ اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے لئے ہو۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اب قرآن تدبیر و تفکر اور عمل کے لئے تو ہے نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بس زبانی دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اوپر اپنی متعدد نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے انسانوں کو کیا کیا نعمتیں عطا کیں۔ زمین کو پیدا کر کے قابل سکونت بنایا۔ آمد و رفت کی سہولت کے لئے زمین میں راستے بنائے۔ آسمان سے مینہ برسا کر زمین سے طرح طرح کی چیزوں کو برآمد کیا۔ پانی اور خشکی میں سفر کرنے کے لئے سواریاں پیدا کیں تو چاہئے تو یہ تھا کہ انسان ان نعمتوں پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے مگر انسان کی حماقت اور کفران نعمت کہ الٹا اس کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگے۔ اسی کے بندوں میں سے بعض کو اس کی اولاد بنانے لگے۔ بعض نے پیغمبروں کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ بعض نے فرشتوں کو اس کی بیٹیاں قرار دیا۔ یہ تو کھلا ہوا انکار اور ناشکری ہے اس خالق اور منعم حقیقی کی کہ کسی کو اس کا مددگار مانا جائے اور اس کو اولاد کا محتاج قرار دیا جائے۔ بے شک یہ انسان کھلا ہوا ناسپاس اور صریح ناشکرا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنا بڑا کفر کرتا ہے کہ اس کو صاحب اولاد قرار دیتا ہے۔

یہاں ان آیات سے ایک خاص تعلیم تو یہ ملتی ہے کہ ایک صاحب عقل و فہم انسان کا کام یہ ہے کہ وہ منعم حقیقی کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے۔ جہل و غفلت۔ بے پروائی اور استغنا کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس بات پر دھیان دے اور غور و فکر کرے کہ یہ مجھ پر حق تعالیٰ کا انعام و احسان ہے لہذا مجھ پر اس کے شکر کی ادائیگی دل و زبان سے واجب ہے۔ ایک کافر اور ایک مومن میں درحقیقت یہی بڑا فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں۔

لیکن کافر انہیں غفلت اور بے پروائی سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ کے انعام اور احسان کو یاد کر کے اس کا شکر گذار اور احسان مند بندہ بنتا ہے۔

دوسری تعلیم یہ دی گئی کہ انسان کو اپنے ہر دنیوی سفر کے وقت آخرت کے سفر کو یاد کرنا چاہئے۔ جو ہر حال میں ضرور پیش آ کر رہے گا۔ دنیا کے سفر میں سواری کی نعمت و سہولت کو حاصل کر کے آخرت کی نعمت و سہولت کو مستحضر کرے اور یاد کرے کہ آخرت کے سفر کو سہولت کے ساتھ طے کرنے کے لئے ایمان و اعمال صالحہ کے سوا کوئی اور سواری نہ ہوگی۔ لہذا ایمان اور اعمال صالحہ کے لئے ہر آن کوشاں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شب و روز کے ہر لمحہ اور ہر آن کی نعمتوں پر ہم کو شکر کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور اپنے شکر گذار بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں۔

ابھی مشرکین کے اس شرک کی مذمت اور اس کی تردید اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی نعمتوں کا ہم کو شکر گزار بندہ بنائیں اور کفران نعمت سے بچائیں۔ قرآن پاک کی تعلیمات کا ہم کو قدر دان اور عامل بنائیں اور کوئی سواری ہو اس پر بیٹھ کر منعم حقیقی کی یاد اور ذکر کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور دنیا میں سفر کر کے ہم آخرت کا سفر یاد کرنے والے ہو جائیں۔ یا اللہ ہم کو توحید حقیقی نصیب فرما اور ہر طرح کے شرک و کفر اور گمراہی سے بچنا نصیب فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ

کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا۔ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے، جس کو خدا رحمٰن

مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ

کا نمونہ (یعنی اولاد) بنا رکھا ہے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ کیا جو کہ آرائش میں نشوونما پائے اور وہ مباحثہ میں

غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

قوت بیانیہ (بھی) نہ رکھے۔ اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے، کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے،

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے باز پرس ہوگی۔

اَمِ اتَّخَذَ کیا اس نے بنالیں	مِمَّا يَخْلُقُ اس سے جو اس نے پیدا کیا (مخلوق)	بَنٰتٍ بیٹیاں	وَّاَصْفٰكُمْ اور تمہیں مخصوص کیا	بِالْبَنِيْنَ بیٹوں کے ساتھ			
وَاِذَا اور جب	بُشِّرَ خوشخبری دی جائے	اَحَدُهُمْ ان میں سے ایک	بِمَا اس کی جو	ضَرَبَ اس نے بیان کیں	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ) کیلئے		
مَثَلًا مثال	ظَلَّ وَجْهُهٗ ہوجاتا ہے اس کا چہرہ	مُسْوَدًّا سیاہ	وَهُوَ اور وہ	كَظِيْمٌ پُرازغم	اَوَ کیا	مَنْ جو	يُّنَشَّؤُا پرورش پائے
فِي الْحِلْيَةِ زیور میں	وَهُوَ اور وہ	فِي الْخِصَامِ جھگڑے (بحث مباحثہ) میں	غَيْرُ مُبِيْنٍ غیر واضح	وَجَعَلُوا اور انہوں نے ٹھہرایا	الْمَلٰٓئِكَةَ فرشتے		
الَّذِيْنَ وہ جو	هُمْ وہ	عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ) کے بندے	اِنَاثًا عورتیں	اَشَهِدُوْا کیا تم موجود تھے	خَلْقَهُمْ ان کی پیدائش		
	سَتُكْتَبُ ابھی لکھ لیا جائے گا	شَهَادَتُهُمْ انکی گواہی (دعویٰ)	وَيُسْــَٔلُوْنَ اور ان سے پوچھا جائے گا				

تفسیر وتشریح: اوپر اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا ذکر فرما کر بتلایا گیا تھا کہ انسان کو چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر اس کا شکر ادا کرے لیکن یہ انسان کفر وشرک کر کے صریح ناشکری پر اتر آیا اور اللہ کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا اور اس سے بڑھ کر گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کی جائے جیسا کہ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ فرشتوں کو عورتیں اور (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اسی لئے ان کے بت انہوں نے عورتوں کی شکل کے بنا رکھے تھے اور ان کو اپنی دیویاں سمجھ کر پرستش کرتے تھے۔ ان کے اس عقیدہ کی نا معقولیت کو ظاہر کر کے اس کا رد فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ایک تو خالق مطلق کو باپ اور مخلوق کو اولاد قرار دینا ہی خالقیت اور تقاضائے خالقیت کے خلاف ہے۔ کفر بھی ہے اور ناسپاسی بھی اور اس سے بڑھ کر یہ حماقت کہ مشرک اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لئے وہ اولاد تجویز کی کہ جسے خود اپنے لئے ننگ وعار سمجھتے ہیں۔ اگر اپنے گھر میں بیٹی پیدا ہوجائے تو اس کی اطلاع ملتے ہی منہ فق پڑ جاتا ہے۔ رنج سے چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور دل میں گھٹ کر رہ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو زندہ بچی کو دفن کر دیتا ہے۔ جیسا کہ چودھویں پارہ سورہ نحل میں ارشاد فرمایا گیا واذا بشر احدهم بالانثیٰ ظل وجهه مسودا وهو كظيم يتوارىٰ من القوم من سوٓء ما بشر به ایمسكه على هون ام يدسه في التراب الا سآء ما يحكمون (اور جب ان میں کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی

جائے تو اس قدر ناراض ہو کہ سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے اور جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے یعنی تولد دختر اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے اور دل میں اتار چڑھاؤ کرے کہ آیا اس مولود جدید کو ذلت کی حالت پر لئے رہے یا اس کو زندہ یا مار کر مٹی میں گاڑ دے)۔

اسلام کی برکت سے یہ بدرسم جہلائے عرب سے مٹی۔ تو جو اولاد یعنی بیٹی مشرکین کے زعم میں ایسی عیب دار حقیر اور ذلیل ہے۔ وہ اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ گویا معاذ اللہ خدا نے اپنے لئے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا اور ناقص۔ اے مشرکین کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں تو عمدہ اور بڑھیا چیز لگاتے ہو اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز۔ پھر جو کوئی اولاد چاہتا ہے وہ اس لئے چاہتا ہے کہ ہماری اولاد ہمارے کام آئے پس اگر بفرض محال خدا کو اولاد کی ضرورت ہوئی تو اس کا بھی یہی مقصد ہوتا اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اولاد دشمن کے مقابلہ میں باپ کی مدد کرے تو عورتیں نہ باپ کی تلوار سے مدد کرنے کے قابل ہیں۔ نہ زبان سے تو پھر خدا اپنے لئے ایسی ناکارہ اولاد کیسے تجویز کرسکتا ہے کہ جو عادۃً آرائش و زیبائش میں نشو و نما پائے اور گہنے زیور کے شوق میں مستغرق رہے۔ تو ان مشرکین کا یہ کہنا کہ خدا نے (معاذ اللہ) فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے نہ صرف غلط بلکہ سخت حماقت بھی ہے۔ آگے مشرکین کا ایک اور جھوٹ بیان فرمایا جاتا ہے کہ جو فرشتوں کو عورتوں کی جنس میں سے خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ نہ مرد ہیں۔ نہ عورت۔ ان کی جنس ہی علیحدہ ہے۔ پھر مشرکین جو یہ دعویٰ کرتے ہیں تو کیا جب اللہ نے فرشتوں کو بنایا تھا تو یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مرد نہیں عورت بنایا ہے۔ کیا انہوں نے خود دیکھا ہے کہ وہ زنانہ ہیں۔ اگر نہیں تو ان کو زنانہ کیسے کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مشرکوں کی یہ دوسری حماقت ہے کہ وہ ملائکہ کو جو اللہ تعالیٰ کی خالص نورانی مخلوق ہیں ان کو عورت قرار دیتے ہیں۔ ان کی یہ جھوٹی شہادت دفتر اعمال میں لکھی جائے گی اور خدائی عدالت میں جس وقت پیش ہوں گے تب اس کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کہا تھا؟ اور کہاں سے کہا تھا۔

یہاں ان آیات میں مشرکین عرب کی دو خصلتوں پر مذمت کی گئی:۔

اوّل تو یہ کہ وہ اپنے گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو اتنا برا جانتے کہ شرمندگی کے سبب چہرہ کا رنگ بدل جاتا اور دل میں اس کی پیدائش سے گھٹتا اور سوچ میں پڑ جاتا کہ لڑکی پیدا ہونے کی ذلت کو برداشت کروں یا اس کو زندہ درگور کر کے پیچھا چھڑاؤں۔

دوسرے یہ جہالت کہ مشرکین جس اولاد کو اپنے لئے پسند نہ کریں اللہ جل شانہٗ کی طرف اسی کو منسوب کریں اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیں۔

یہاں سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت و ذلت سمجھنا جائز نہیں۔ یہ کفار کا فعل ہے اور جاہلیت کی بری رسم تھی۔ علما نے لکھا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی پیدا ہونے سے زیادہ خوشی کا اظہار کرے تا کہ اہل جاہلیت کے فعل پر رد ہو جائے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پیٹ سے پہلے لڑکی پیدا ہو۔ (معارف القرآن جلد ۵۔ سورہ نحل)

اب آگے مشرکین اپنی مشرکانہ گستاخیوں کے جواز میں ایک دلیل عقلی بھی پیش کرتے جو اگلی آیات میں نقل فرما کر پھر اس کا رد بھی فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ؕ﴿۲۰﴾

اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، ان کو اس کی کچھ تحقیق نہیں، محض بے تحقیق بات کر رہے ہیں۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ

کیا ہم نے اُن کو اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے

وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا

اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے راستہ چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا

قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ

کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں۔ ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسم آبائی ہی کا اتباع کیے جاؤ گے)

جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا

اگرچہ میں اس سے اچھا منزل مقصود پر پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے وہ کہنے لگے کہ ہم تو اس دین کو مانتے ہی نہیں جس کو دے کر تم کو بھیجا گیا ہے۔

مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ النصف ع

سو ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

وَقَالُوْا اور وہ کہتے ہیں	لَوْ شَآءَ اگر چاہتا	الرَّحْمٰنُ رحمٰن (اللہ)	مَا عَبَدْنٰهُمْ ہم نہ عبادت کرتے ان کی	مَا لَهُمْ انہیں نہیں	بِذٰلِكَ اس کا	مِنْ عِلْمٍ کچھ علم	
اِنْ نہیں	هُمْ وہ	اِلَّا مگر صرف	يَخْرُصُوْنَ اٹکل دوڑاتے ہیں	اَمْ کیا	اٰتَيْنٰهُمْ ہم نے دی انہیں	كِتٰبًا کوئی کتاب	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل
فَهُمْ بِهٖ سو وہ اس کو	مُسْتَمْسِكُوْنَ تھامے ہوئے ہیں	بَلْ بلکہ	قَالُوْٓا وہ کہتے ہیں	اِنَّا وَجَدْنَآ بیشک ہم نے پایا	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا		
عَلٰٓى اُمَّةٍ ایک طریقہ پر	وَّاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ ان کے نقش قدم پر	مُّهْتَدُوْنَ راہ پانے والے چل رہے ہیں	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح			
مَآ اَرْسَلْنَا نہیں بھیجا ہم نے	مِنْ قَبْلِكَ اس سے پہلے	فِيْ قَرْيَةٍ کسی بستی میں	مِّنْ نَّذِيْرٍ کوئی ڈر سنانے والا	اِلَّا مگر	قَالَ کہا		
مُتْرَفُوْهَآ اس کے خوشحال	اِنَّا وَجَدْنَآ بیشک ہم نے پایا	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا	عَلٰٓى اُمَّةٍ ایک طریقہ پر	وَّاِنَّا اور بیشک ہم	عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ انکے نقش قدم پر		
مُّقْتَدُوْنَ پیروی کرتے ہیں	قٰلَ نبی نے کہا	اَوَ کیا	لَوْ جِئْتُكُمْ اگرچہ میں تمہارے پاس لایا ہوں	بِاَهْدٰى بہتر راہ بتانے والا	مِمَّا اس سے جو		
وَجَدْتُّمْ تم نے پایا	عَلَيْهِ اس پر	اٰبَآءَكُمْ اپنے باپ دادا	قَالُوْٓا وہ بولے	اِنَّا بیشک ہم	بِمَآ اس پر	اُرْسِلْتُمْ بِهٖ جس کے ساتھ تم بھیجے گئے	
كٰفِرُوْنَ انکار کرنیوالے	فَانْتَقَمْنَا تو ہم نے بدلہ لیا	مِنْهُمْ ان سے	فَانْظُرْ سو دیکھو	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں مشرکین کے اس عقیدہ کا ردّ فرمایا گیا تھا کہ جو معاذ اللہ فرشتوں کو عورتیں اور اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کے بت بنا کر ان کی پرستش کرتے۔ اب آگے ان آیات میں مشرکین کا قول جو وہ شرک اور بت پرستی کے جواز میں پیش

کرتے نقل فرما کر اس کا رڈ فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مشرکین اپنی مشرکانہ گستاخیوں اور بت پرستی کے جواز میں ایک عقلی دلیل بھی پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شرک و بت پرستی اگر ایسی ہی بری چیز تھی تو خدا نے ہمیں اس پر قدرت کیوں دی؟ اسے منظور ہوتا تو وہ ہمیں شرک و بت پرستی کرنے ہی نہ دیتا۔ خدا اگر چاہتا تو ہم کو اپنے سوا دوسری چیزوں کی پرستش سے جبراً روک دیتا۔ جب ہم برابر کرتے رہے اور نہ روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام اس کو پسند ہے۔ گویا مشرکین کا استدلال یہ تھا کہ چونکہ اس نے ہمیں بت پرستی پر قادر کر دیا اس لئے وہ اس سے راضی بھی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ انسان کو دنیا میں اختیار جو ملا ہے وہ اسے مکلّف بنانے ہی کے لئے ملا ہے۔ اسی اختیار کے باعث یہ مستوجب عذاب وثواب ہوتا ہے۔ ورنہ اگر اسے اختیار ہی نہ ہوتا تو انسان کی بالکل ایک مشین کی سی حالت ہوتی اور عذاب وثواب کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہتا۔ تو مشرکین نے اپنی جہالت سے یہ سمجھا کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ چونکہ خدا کی مشیت کے تحت ہو رہا ہے اس لئے ضرور اس کی رضا سے بھی ہو رہا ہے۔ حالانکہ اگر یہ استدلال صحیح ہو تو دنیا میں کوئی کام اور کوئی چیز بری ہی نہ رہے۔ ہر ایک چور۔ ڈاکو۔ قاتل۔ زانی۔ راشی۔ ظالم یہ ہی کہہ دے کہ خدا چاہتا تو مجھے ظلم وستم۔ چوری۔ ڈاکہ۔ قتل۔ زنا نہ کرنے دیتا جب کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کام سے خوش اور راضی ہے۔ جن برائیوں اور جرموں کو کوئی بھی دنیا میں نیکی اور بھلائی نہیں سمجھتا اس طرز استدلال کی بنا پر تو سب افعال حلال۔ طیب اور خیر ہی ہو جاتے اور سارا عالم خیر محض ہو جاتا۔ اور شر اور برائی کا بیج نہ رہتا۔ الغرض محض دنیا میں اللہ کا کسی کام کو ہونے دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اس کام سے راضی

اور خوش بھی ہے۔ چنانچہ مشرکین کی اس دلیل کو اس طرح رڈ فرمایا جاتا ہے کہ یہ جو دلیل بک رہے ہیں یہ کوئی علمی اصول اور تحقیقی بات نہیں یہ محض ان کی اٹکل پچو بات اور بے بنیاد قیاس ہے۔ یہ تو ان مشرکین کے عقلی دلیل کا رڈ ہوا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان کے پاس شرک و بت پرستی کی کوئی نقلی یعنی کتابی دلیل بھی ہے جو یہ اپنے دعوٰی پر رکھتے ہوں؟ کیا خدا کی اتاری ہوئی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے جس میں شرک کا پسندیدہ ہونا لکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی سند ان کے پاس نہیں بجز باپ دادا کی رسم کی اندھی تقلید کے۔ ان کے پاس دلیل کے نام سے کوئی چیز نہیں نہ عقلی۔ نہ نقلی۔ بس ان کی سب سے بڑی دلیل جس کو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں یہی باپ دادا کی اندھی تقلید ہے۔ امام رازیؒ نے یہاں لکھا ہے کہ باپ دادا کی کورانہ تقلید کی مذمت میں قرآن کریم میں اگر کسی اور جگہ بھی کچھ نہ فرمایا گیا ہوتا جب بھی یہی آیات بالکل کافی تھیں۔ آج مسلمانوں میں غیر شرعی رسموں کی پابندی محض اس بنا پر کی جاتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا سے اس رسم کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ کسی کام کے اچھے برے ہونے کی یہ دلیل کافی نہیں کہ محض باپ دادا کے وقت سے یہ کام ہوتا آ رہا ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اس کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جس طرح یہ مشرکین بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل اپنی رسم قدیم کو سند لاتے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے بھی جس بستی میں جس پیغمبر کو بھیجا گیا تو اس بستی کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس طریق پر پایا اسی راستہ پر ان کے پیچھے ہم چل رہے ہیں۔ جس پر

اس بستی میں آنے والے پیغمبر نے کہا کہ تم رسم آبائی ہی کا اتباع کئے جاؤ گے اگر چہ تمہارے باپ دادا کا طریق زندگی غلط رہا ہو۔ میں تو تمہارے پاس ایسی صحیح تعلیم لے کر آیا ہوں اور وہ ضابطۂ حیات بتا رہا ہوں اور وہ طریقۂ زندگی سکھا رہا ہوں جو تمہارے باپ دادا کے طریقہ سے کہیں زیادہ بہتر اور منزل مقصود پر پہنچانے والا ہے۔ کیا ایسی صورت میں بھی تم باپ دادا ہی کے طریقہ پر چلتے رہو گے اور میری ہدایت اور تعلیم کو نہیں مانو گے۔ جس پر مشرکوں نے پیغمبر کو جواب دیا کہ کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔ تم جس پیام ہدایت کے لانے والے ہو ہم کو اس سے انکار ہے یعنی نہ ہم کو اس کا یقین ہے کہ خدا نے تم کو یہ پیام پہنچانے اور اس طرح ہدایت کرنے پر مقرر کیا ہے نہ اس تعلیم کو ہم باپ دادا کے طریقہ کے مقابلہ میں صحیح اور مفید سمجھتے ہیں۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ اس سرکشی اور غلط روی کا نتیجہ آخر یہی نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور انبیاء کا مقابلہ کرنے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے آخر ہلاک۔ تباہ و برباد کئے گئے۔ ان کی حکومت۔ ان کی طاقت۔ ان کی کثرت۔ ان کی صنعت۔ ہر چیز تباہ ہو کر رہ گئی۔

اب یہاں چونکہ باپ دادا کی تقلید اور ان کے طریقہ پر چلنے کا ذکر آ گیا اس لئے آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ مشرکین کو سنایا جاتا ہے کہ اگر باپ دادا ہی کی تقلید کرنی ہے تو اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید کرو جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو جو تعلیم وہدایت کتاب وسنت سے ملی ہے اسی کے موافق ہم کو اپنا عقیدہ اور عمل رکھنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور دین میں بے تحقیق باتوں پر عمل کرنے سے بچائیے۔ دین میں جو غلط باتیں محض باپ دادا کی رسم کی بنیاد پر چل گئی ہیں۔ یا اللہ ان کی تقلید سے ہم کو بچائیے اور کتاب وسنت کی تعلیم کے موافق چلنا نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! دین میں جو طرح طرح کی بدعات اور رسوم غیر شرعی اب ایجاد کر لئے گئے ہیں ان کے اتباع سے ہم کو بچائیے اور وہ صراط مستقیم جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا اور جس پر خود چل کر دکھلا دیا اور جس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتباع کیا۔ اور ائمہ دین۔ سلف صالحین نے جس کا اتباع کیا۔

یا اللہ ہم کو بھی اسی صراط مستقیم پر چلنا نصیب فرما تا کہ ہم آپ کی اور آپ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ

اور جبکہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں (کی عبادت سے) بیزار ہوں جنکی تم عبادت کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا

سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ

پھر وہی مجھ کو راہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تا کہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں۔ بلکہ میں نے ان کو

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا

اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سا سامان دیا یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا۔ اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾

اور ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

وَاِذْ اور جب	قَالَ کہا	اِبْرٰهِیْمُ ابراہیم	لِاَبِیْهِ اپنے باپ کو	وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم	اِنَّنِیْ بیشک میں	بَرَآءٌ بیزار
مِمَّا تَعْبُدُوْنَ اس سے جس کی تم پرستش کرتے ہو	اِلَّا الَّذِیْ مگر وہ جس نے	فَطَرَنِیْ مجھے پیدا کیا	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	سَیَهْدِیْنِ جلد مجھے ہدایت دیگا		
وَجَعَلَهَا اور اس نے کیا اس کو	كَلِمَةً بات	بَاقِیَةً باقی رہنے والی	فِیْ عَقِبِهٖ اپنی نسل میں	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	یَرْجِعُوْنَ رجوع کرتے ہیں	
بَلْ مَتَّعْتُ بلکہ میں نے سامانِ زیست دیا	هٰۤؤُلَآءِ انکو	وَاٰبَآءَهُمْ اور انکے باپ دادا	حَتّٰى یہاں تک کہ	جَآءَهُمُ آ گیا انکے پاس	الْحَقُّ حق (قرآن)	
وَرَسُوْلٌ اور رسول	مُّبِیْنٌ صاف صاف بیان کرنیوالا	وَلَمَّا اور جب	جَآءَهُمُ آ گیا انکے پاس	الْحَقُّ حق قَالُوْا وہ کہنے لگے	هٰذَا یہ	سِحْرٌ جادو
وَاِنَّا اور بیشک ہم	بِهٖ اس کے	كٰفِرُوْنَ انکار کرنیوالے	وَقَالُوْا اور وہ بولے	لَوْلَا نُزِّلَ کیوں نہ اتارا گیا	هٰذَا الْقُرْاٰنُ یہ قرآن	عَلٰى رَجُلٍ کسی آدمی پر
مِنَ سے	الْقَرْیَتَیْنِ دو بستیاں	عَظِیْمٍ بڑے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ شرک اور بت پرستی کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ان کفار مکہ ومشرکین عرب کے پاس نہیں بجز اس کے کہ وہ اپنے باپ دادا کے پرانے طریقہ پر چلتے ہیں اور پہلی قوموں کے مشرکین نے بھی اپنے اپنے پیغمبروں سے یہی کہا کہ ہم تو وہی کرتے ہیں جو ہمیشہ سے ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ تو اس کورانہ باپ دادا کے رسم کی تقلید کی مذمت فرمائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ عقلمند آدمی باپ دادا کے غلط راستہ پر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اور اس کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور مشرکین عرب کو جتلایا جاتا ہے کہ دیکھو حضرت ابراہیمؑ جو تمہارے مسلم پیشوا ہیں انہوں نے اپنے باپ کی غلط راہ دیکھ کر چھوڑ دی تھی۔ تم اگر اپنے باپ دادا کی تقلید ہی پر مرتے ہو تو اپنے اس جدامجد کی راہ پر چلو جس نے دنیا میں حق وصداقت کا جھنڈا گاڑ دیا تھا اور نہ صرف اپنی ذات سے توحید پر عامل تھے بلکہ اپنی اولاد کو بھی وصیت کر گئے تھے کہ میرے بعد ایک خدا کی بندگی کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ تو کفار مکہ اور مشرکین عرب کو یہ جتلایا جا رہا ہے کہ تم نے اپنے بڑوں کی تقلید اختیار بھی کی تو اس کے لئے اپنے بہترین اسلاف کو چھوڑ کر بدترین اسلاف کا انتخاب کیا کہ حضرت ابراہیم واسماعیلؑ کی اولاد ہوتے ہوئے ان کے طریقہ کو چھوڑ کر بت پرست قوموں

سے شرک و بت پرستی سیکھ لی۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ عقیدہ اور قول بیان فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنے باپ اور قوم سے صاف کہہ دیا تھا کہ تم جن بتوں کی پرستش کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ میرا تعلق صرف اس ایک وحدہ لا شریک سے ہے کہ جو میرا پیدا کرنے والا ہے اور وہی انسان کی صحیح رہنمائی کرنے والا ہے۔ ان بتوں نے نہ مجھے پیدا کیا اور نہ کسی معاملہ میں رہنمائی کر سکتے ہیں اس لئے ان سے میرا کوئی تعلق نہیں اس لئے میں تمہارے جاہلانہ مذہب کی پیروی نہیں کر سکتا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے یہ جتلایا گیا کہ دیکھو اگر آنکھ بند کر کے حق و باطل کی تمیز کئے بغیر باپ دادا کی تقلید کرنا درست ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ بھی اس آبائی تقلید کی پیروی کرتے جس کا انہوں نے صاف انکار کر دیا جس سے ظاہر ہوا کہ باپ دادا کی پیروی کرنے سے پہلے آدمی کو آنکھیں کھول کر دیکھ لینا اور عقل سے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ باپ دادا صحیح راستہ پر بھی ہیں یا نہیں۔ اگر معقول دلیل سے یہ ظاہر ہو کہ باپ دادا غلط راستہ پر تھے تو ان کی پیروی چھوڑ کر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ جو دلیل کی رو سے حق ہو غرض کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خود بھی توحید کے معتقد تھے اور اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدہ کو قائم رکھنے کی وصیت کر گئے تھے مگر افسوس کہ ان کی نسلوں نے ان کی میراث توحید تو حاصل نہ کی اور ان کی وصیت پر نہ چلے بلکہ اللہ نے جو دنیا کا سامان اور مال و دولت دیا تھا اس کے مزوں میں پڑ کر خداوند قدوس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے یہاں تک کہ ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اپنا وہ پیغمبر بھیجا جس کی پیغمبری بالکل روشن اور واضح ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے سچا دین پہنچایا۔ قرآن پڑھ کر سنایا۔ اللہ کے احکام سے مطلع کیا۔ کھلے ہوئے معجزات دکھلا کر راہ حق پیش کی مگر بدبختوں نے اللہ کے رسول کو جادوگر قرار دیا۔ قرآن کو جادو بتلایا اور پیغمبر خدا کی

بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تو ان منکرین نے قرآن کی نسبت تو یہ کہا کہ یہ جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہنے لگے کہ یہ قرآن اگر کلام الٰہی ہے اور واقعی خدا کو کوئی رسول بھیجنا تھا تو ہمارے مرکزی شہر مکہ و طائف میں سے کسی بڑے رئیس دولت مند آدمی کو اس غرض کے لئے منتخب ہونا تھا۔ سارے عرب میں رسول بنانے کے لئے کیا خدا کو ایسا ہی ایک شخص ملا جو یتیم پیدا ہوا۔ جس نے بکریاں چرائیں۔ جس کے کوئی مال و دولت کا انبار یا سرداری بھی نہیں۔ گویا کافروں کو اوّل تو نبوت تسلیم ہی نہ تھی قومی رسم و رواج۔ اجتماعی دستور۔ اور باپ دادا کی تقلید اور طریقہ زندگی ان کی نظر میں معیار صداقت تھی لیکن بادل ناخواستہ اگر وہ ضرورت نبوت کو تسلیم کر بھی لیتے تو استحقاق نبوت اور محل نبوت ہونے کا معیار ان کے نزدیک صرف مال و دولت کی کثرت۔ قوم کی سیادت اور دنیوی وجاہت تھی اس لئے مکہ کے کافر کہتے تھے کہ طائف یا مکہ کے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل ہوا اور دونوں بستیوں کے مشہور و معروف سرداروں میں سے کسی کو پیغمبر کیوں نہیں بنایا گیا۔

ان آیات کے تحت علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی گمراہ۔ بدعمل یا بدعقیدہ جماعت یا گروہ کے درمیان رہتا ہے اور خاموش رہنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہے کہ اس کو بھی اس گروہ یا جماعت کا ہم خیال اور ہم عقیدہ سمجھا جائے گا تو محض اپنے عقیدے اور عمل کا درست کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس گروہ اور جماعت کے بدعقائد اور بداعمال سے اپنی براءت کا اظہار بھی ضروری ہے جیسا کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول و فعل سے ظاہر ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے عقائد و اعمال کو مشرکین سے عملاً ممتاز کر لیا بلکہ زبان سے بھی براءت کا برملا اظہار فرمایا (معارف القرآن) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس اتباع کی توفیق نصیب فرمائیں۔

پھر جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو یہ فرمایا

وجعلها کلمة باقیة فی عقبه یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس عقیدہ توحید کو جس کے وہ معتقد تھے وصیت کے ذریعہ اس عقیدہ کو اپنی اولاد میں بھی ایک قائم رہنے والی بات کر گئے۔ مطلب یہ کہ اپنے عقیدہ توحید کو انہوں نے اپنی ذات ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدہ پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کاربند کرنے اور قائم رکھنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن کریم نے بتایا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو دین صحیح پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی لہٰذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال واخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ضروری بھی ہے اور انبیاء کی سنت بھی اور یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقہ ہیں جنہیں حسب موقع اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لئے دعاء کا اہتمام کریں افسوس ہے کہ اس آسان تدبیر سے آج کل غفلت عام ہوتی جارہی ہے اور اس کے انجام بد کا مشاہدہ خود والدین کرتے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس غفلت سے بچائیں اور اپنی اولاد کی اصلاح کے لئے دل سے دعائیں کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

خلاصہ یہ کہ اوّل تو مشرکین عرب یہی باور کرنے پر تیار نہ تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہوسکتا ہے چنانچہ ان کا یہ اعتراض قرآن کریم نے متعدد جگہ ذکر فرمایا کہ کفار کہتے ہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول کیسے تسلیم کرلیں جب کہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں اپنی ضروریات کے لئے چلتے پھرتے ہیں لیکن جب حق تعالیٰ نے اس اعتراض کے جواب میں متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ واضح کردیا کہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ دنیا میں جتنے بھی اللہ کے انبیاء اور رسول آئے وہ سب انسان ہی تھے۔ تو اب مشرکین یہ اعتراض کرنے لگے کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت خدا کو سونپنی تھی اور اپنی کتاب اس پر نازل کرنی تھی تو یہ منصب مکہ یا طائف کے کسی بڑے دولت مند۔ اور صاحب جاہ وریاست کو کیوں نہیں دیا گیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مالی اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں؟ یہ چونکہ مال وریاست نہیں رکھتے اس لئے پیغمبر نہیں ہوسکتے۔ کفار کے اس شبہ کی تردید اور ان کے اس اعتراض کا جواب حق تعالیٰ نے اگلی آیات میں ظاہر فرمایا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو جو توحید کی نعمت عطا فرمائی ہے تو زندگی کے آخری لمحہ تک ہم کو سچی توحید پر قائم رکھیں۔

یا اللہ اپنے کرم سے ہماری نسلوں کو بھی توحید خالص پر قائم رکھئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم تک جو یہ قرآن عظیم پہنچا ہے تو اس پر ایمان کے ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا فرمایئے۔ یا اللہ ہم کو اور ہماری نسلوں کو قرآنی تعلیمات اور ہدایات نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پورا پورا متبع اور تابعدار بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا

کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر

بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہوجاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کیلئے ان کے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کردیتے

وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ

اور زینے بھی جن پر وہ چڑھا کرتے ہیں۔ اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور (یہی چیزیں) سونے کی بھی، اور یہ سب کچھ بھی نہیں

ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

صرف دنیوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے، اور آخرت آپ کے رب کے ہاں خداترسوں کیلئے ہے۔

اَهُمْ کیا وہ	يَقْسِمُوْنَ تقسیم کرتے ہیں	رَحْمَتَ رحمت	رَبِّكَ تمہارا رب	نَحْنُ ہم	قَسَمْنَا ہم نے تقسیم کی	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	مَّعِيْشَتَهُمْ انکی روزی
فِي میں	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَرَفَعْنَا اور ہم نے بلند کئے	بَعْضَهُمْ ان میں سے بعض (ایک)	فَوْقَ بَعْضٍ بعض (دوسرے) پر	دَرَجٰتٍ درجے		
لِيَتَّخِذَ تاکہ بنائے	بَعْضُهُمْ بَعْضًا ان میں سے بعض (ایک) دوسرے کو	سُخْرِيًّا خدمتگار	وَرَحْمَتُ رَبِّكَ اور تمہارے رب کی رحمت	خَيْرٌ بہتر			
مِّمَّا اس سے جو	يَجْمَعُوْنَ وہ جمع کرتے ہیں	وَلَوْلَا اور اگر (یہ) نہ ہوتا	اَنْ يَّكُوْنَ کہ ہوجائیں گے	النَّاسُ تمام لوگ	اُمَّةً وَّاحِدَةً ایک امت (طریقہ)		
لَجَعَلْنَا تو ہم بناتے	لِمَنْ يَّكْفُرُ ان کیلئے جو کفر کرتے ہیں	بِالرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ) کا	لِبُيُوْتِهِمْ ان کے گھروں کیلئے	سُقُفًا چھت	مِّنْ فِضَّةٍ چاندی سے۔کی		
وَمَعَارِجَ اور سیڑھیاں	عَلَيْهَا جن پر	يَظْهَرُوْنَ وہ چڑھتے	وَلِبُيُوْتِهِمْ اور ان کے گھروں کیلئے	اَبْوَابًا دروازے	وَّسُرُرًا اور تخت	عَلَيْهَا جن پر	
يَتَّكِـُٔوْنَ وہ تکیہ لگاتے	وَزُخْرُفًا اور آرائش کرتے	وَاِنْ اور نہیں	كُلُّ ذٰلِكَ یہ سب	لَمَّا مگر	مَتَاعُ پونجی	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	
وَالْاٰخِرَةُ اور آخرت	عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے نزدیک	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار مکہ کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا اور اس کا اعجاز ظاہر ہوا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔ یہ تو انہوں نے قرآن کی نسبت کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے کہ یہ قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو عرب کی مشہور دو بستیاں یعنی مکہ و طائف کے رہنے والے کسی مشہور بڑے آدمی اور سردار پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ یعنی ان کے نزدیک رسول کے لئے دنیوی وجاہت اور مال و دولت کی کثرت اور قوم کی سرداری و سیادت کا مالک ہونا ضروری تھا اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً مال و دولت اور ریاست نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے کفار شبہ کرتے کہ آپ پیغمبر نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ کفار کے اس شبہ کا رد فرماتے ہیں اور ان آیات میں اس کے جواب میں بتلایا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تقسیم ان کے قبضہ میں ہے کہ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں؟ کیا منصب نبوت و

رسالت کی تقسیم ان کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے کہ جو انتخاب پر بحث کر رہے ہیں؟ یعنی ان کو وہ حق کہاں سے پہنچ گیا کہ یہ جس کو تجویز کریں اس کو نبوت دی جائے اور جس کو یہ تجویز نہ کریں اس کو نہ دی جانی چاہئے؟ مطلب یہ کہ ان منکرین کو یہ کہنے کا کوئی حق ہی نہیں کہ فلاں پر قرآن کیوں اتارا گیا اور فلاں پر کیوں نہ اتارا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت و رحمت ہے اور اسے وہی خوب جانتا ہے کہ اس کی رسالت کا صحیح معنیٰ میں کون حق دار ہے۔ یہ نعمت و رحمت اسی کو دی جاتی ہے جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پاک دل اور سب سے بڑھ کر پاک نفس ہو۔ نبوت جو اللہ کا سب سے بڑا عطیہ ہے اور خاص الخاص رحمت و عنایت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ہی اپنے ہمہ گیر علم کی مناسبت سے موزوں ترین شخصیت کو اس منصب پر مامور فرماتا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ نبوت و رسالت تو خیر بہت ہی بڑی چیز ہے۔ دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع۔ سامان زندگی اور مال و دولت کی تقسیم ہے وہ بھی کسی اور کے حوالہ یا اور کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا گیا۔ اس کا انتظام اور تقسیم بھی قدرت نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ کسی کو مال دار بنایا تو کسی کو غریب رکھا۔ کسی کو خوبصورت بنایا تو کسی کو بدصورت بنایا۔ کسی کو قوت و طاقت دے کر قوی ہیکل بنایا تو کسی کو ناداری اور کمزوری دے کر کمزور و ضعیف بنایا۔ کسی کو صحیح و سالم اعضاء دیئے تو کسی کو اپاہج۔ لولا۔ لنگڑا گونگا بہرا بنایا کوئی امیر زادہ ہے تو کوئی فقیر زادہ۔ کوئی حاکم ہے تو کوئی محکوم۔ کوئی آقا ہے تو کوئی خدمت گار۔ غرض کہ فرق و تفاوت کے ساتھ انسانوں کو معاشی حیثیت سے مختلف درجات کا رکھا اور جس کو جتنا اور جو چاہا عطا کیا اور جس سے جو اور جب چاہا چھین لیا اس طرح ایک کو دوسرے پر رفعت دی اور حکمت اس میں یہ ہے کہ عالم کا انتظام قائم رہے اور ایک دوسرے کا کام کرتا رہے۔ الغرض کہ دنیوی معیشت اور سامان زندگی کی تقسیم بھی حق تعالیٰ نے اپنی ہی قدرت میں رکھی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کہہ سکے کہ فلاں کو اتنا کیوں دیا اور فلاں کو اتنا کیوں نہ دیا پس اسی طرح رسالت کے باب میں یہ حق نہیں ہوسکتا کہ کوئی یوں کہے کہ فلاں کو پیغمبری کیوں دی اور فلاں کو کیوں نہ دی۔ جب اللہ نے دنیا کی روزی اور دنیا کا مال و جاہ اور ساز و سامان کسی کی تجویز پر نہیں بانٹا۔ تو نبوت و رسالت کا شرف تو کہیں اعلیٰ ہے اس میں کسی کے اختیار کو کیا دخل ہوسکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی حکمت و دانائی سے جانتے ہیں کہ ان بستیوں میں کون ایسے مرتبہ والا شخص ہے کہ جسے رسالت کا عہدہ دیا جا سکے۔ آگے دنیا کے مال و دولت اور مادّی ساز و سامان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بے وقعت اور حقیر ہونا بیان فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس دنیوی مال و دولت کی کوئی وقعت وقدر نہیں نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب الٰہی کی دلیل ہے یہ تو عند اللہ ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں یہ مال و دولت کافروں کو اتنا دے دیتا کہ ان کے پاس سونے اور چاندی کا انبار لگا دیتا۔ ان کے مکان کی چھتیں۔ دروازہ اور چوکھٹ اور تخت اور چوکیاں سب سونے اور چاندی کی بنا دیتا مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا ہے۔ عموماً لوگ کفر کا راستہ اختیار کر لیتے اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی قدر ایک مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ سرد پانی کا نہ دیتا۔ آگے اس دنیا کے مال و دولت کے حقیر ہونے کی ایک وجہ جو نہایت ظاہر ہے وہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ سب دنیا کا ساز سامان جس کا ذکر ہوا یہ صرف دنیا کی چند روزہ زندگی کی بہار کے لئے ہے۔ پھر فنا اور آخر فنا ہے۔ قابل قدر اور قابل طلب تو صرف آخرت ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور جو تقویٰ یعنی ایمان اور عمل صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔ آخرت کی بھلائیاں انہی کے لئے ہیں جو دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں اور ڈر ڈر کر زندگی گذارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے متقی بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیں۔آمین۔اب ان آیات سے بعض امور خاص طور پر ظاہر ہوتے ہیں:۔

ایک تو یہ کہ دنیا میں معاشی تقسیم یونہی الللپ اور انکل پچو نہیں۔ بلکہ ایک خاص نظام تکوینی اور مشیت الٰہی کے ماتحت چل رہی ہے۔

دوسرے معاشی حیثیت سے بھی مراتب و درجات کا فرق بالکل طبعی وفطری ہے کوئی دولت مند ہوگا کوئی نادار۔کوئی حاکم ہو گا کوئی محکوم۔کوئی افسر و آقا ہوگا تو کوئی ماتحت اور خادم۔

تیسرے یہ کہ دنیا اور اس کا سارا ساز و سامان اللہ کے ہاں نہایت حقیر اور بے وقعت ہے اور مال وزر کی افراط و کثرت اکثر و بیشتر نقصان اور حرمان آخرت ہی کا باعث ہوتی ہے۔

چوتھے چاندی اور سونے کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز دنیا میں کافروں کے لئے سزاوار ہے وہ مومن کی پسند نہ ہونا چاہئے۔چنانچہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ریشم اور دیباج نہ پہنو اور نہ سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پیو۔اور نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ۔اس لئے کہ یہ دنیا میں کفار کا سامان ہے اور ہمارے لئے آخرت میں ہے ان آیات سے قوم کے ان نام نہاد ''مصلحین'' اور بہی خواہان ترقی کے دل دادوں کی روش پر بھی روشنی پڑگئی جو دن رات اپنی تحریر و تقریر میں اٹھتے اور بیٹھتے یورپ اور امریکہ کے مال و دولت اور ساز سامان زندگی کا ذکر للچائی ہوئی زبان میں کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرح ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ جیسے زرداری ہی ترقی کی معراج ہے۔ان کے عیش و آرام اور ان کی دولت مندی کو دیکھ کر للچانا اور اس کی حرص کرنا یہ ایک مسلمان کے لئے حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پتھوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں۔اور اس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے۔اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں۔اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔یہ حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے۔روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے۔حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں۔آپ نے فرمایا اے ابن خطاب! تم ابھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو! یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں۔اور اس لئے ان کی وہ لذتیں جو اللہ ان کو دینا چاہتا تھا اسی دنیا میں ان کو دے دی گئی ہیں۔اور ایک روایت میں حضورؐ کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا اے عمرؓ تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا کا عیش ہو۔اور ہمارے لئے آخرت کا عیش۔(بخاری ومسلم)

معلوم ہوا مسلمان کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہئے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام۔مگر یہ تو اسی کی سمجھ میں بات آسکتی ہے جو دین و آخرت کو اپنا مقصد زندگی سمجھتا ہو۔اور جس نے مقصد زندگی روٹی کپڑا مکان بنالیا وہ تو ان آخرت کے متوالوں کو احمق اور دیوانہ ہی کہے گا۔لیکن ان دنیا کے پرستاروں کا انجام اگلی آیات میں کھول کر بیان فرمایا گیا ہے جو ہوش کے کانوں سے سننے کے قابل ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ

اور جو شخص اللہ کی نصیحت سے اندھا بن جاوے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔اور وہ ان کو راہ (حق) سے روکتے رہتے ہیں،

عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۷ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ

اور یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ (راست) پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آوے گا تو (اس شیطان سے) کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان میں

بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝۳۸ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ

مشرق ومغرب کے برابر فاصلہ ہوتا کہ تو بُرا ساتھ تھا۔اور جب کہ تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آوے گی کہ تم سب عذاب میں

مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۹ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۰

شریک ہو۔ سو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں راہ پر لا سکتے ہیں۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ

پس اگر ہم (دنیا سے) آپ کو اُٹھالیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں یا اگر ان سے جو ہم نے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ کو (بھی) دکھلا دیں تب بھی ہم کو ان پر

مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ

ہر طرح کی قدرت ہے۔تو آپ اس قرآن پر قائم رہیئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا گیا ہے، آپ بیشک سیدھے راستہ پر ہیں۔اور یہ قرآن آپ کیلئے اور آپ کی

وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۴۴ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا

قوم کیلئے بیشک بڑے شرف کی چیز ہے،اور عنقریب تم سب پوچھے جاؤ گے۔اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے

مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝۴۵

خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جاوے۔

وَمَنْ اور جو	يَّعْشُ شب کوری کرے	عَنْ سے	ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ) کی یاد	نُقَيِّضْ ہم مقرر (مسلط) کر دیتے ہیں	لَهٗ اس کیلئے	
شَيْطٰنًا ایک شیطان	فَهُوَ تو وہ	لَهٗ اس کا	قَرِيْنٌ ساتھی	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ	لَيَصُدُّوْنَهُمْ البتہ وہ روکتے ہیں انہیں	عَنِ السَّبِيْلِ راستہ سے
وَيَحْسَبُوْنَ اور وہ گمان کرتے ہیں	اَنَّهُمْ کہ وہ	مُّهْتَدُوْنَ ہدایت یافتہ	حَتّٰى یہاں تک	اِذَا جب	جَآءَنَا وہ آئیں گے ہمارے پاس	قَالَ وہ کہے گا
يٰلَيْتَ اے کاش	بَيْنِيْ میرے درمیان	وَبَيْنَكَ اور تیرے درمیان	بُعْدَ دُوری	الْمَشْرِقَيْنِ مشرق ومغرب	فَبِئْسَ تو بُرا	الْقَرِيْنُ ساتھی
وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ اور ہرگز نفع نہ دیگا تمہیں	الْيَوْمَ آج	اِذْ ظَّلَمْتُمْ جب ظلم کیا تم نے	اَنَّكُمْ یہ کہ	تم فِى الْعَذَابِ عذاب میں	مُشْتَرِكُوْنَ مشترک ہو	
اَفَاَنْتَ تو کیا آپ	تُسْمِعُ سنائیں گے	الصُّمَّ بہروں	اَوْ تَهْدِى یا راہ دکھائیں گے	الْعُمْىَ اندھوں	وَمَنْ كَانَ اور جو ہو	فِىْ میں
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ صریح گمراہی	فَاِمَّا پھر اگر	نَذْهَبَنَّ لے جائیں	بِكَ آپ کو	فَاِنَّا تو بیشک ہم	مِنْهُمْ اُن سے	مُّنْتَقِمُوْنَ انتقام لینے والے

اَوْ نُرِیَنَّكَ یا ہم دکھادیں تمہیں	الَّذِیْ وہ جو	وَعَدْنٰھُمْ ہم نے وعدہ کیا ان سے	فَاِنَّا تو بیشک ہم	عَلَیْھِمْ ان پر	مُّقْتَدِرُوْنَ قدرت رکھنے
والے (قادر) ہیں	فَاسْتَمْسِكْ پس آپ مضبوطی سے تھام لیں	بِالَّذِیْ وہ جو	اُوْحِیَ وحی کیا گیا	اِلَیْكَ آپ کی طرف	اِنَّكَ بیشک آپ ‏| عَلٰی پر
صِرَاطٍ راستہ	مُّسْتَقِیْمٍ سیدھا	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَذِكْرٌ نصیحت (نامہ)	لَّكَ آپ کیلئے	وَلِقَوْمِكَ اور آپ کی قوم کیلئے ‏| وَسَوْفَ اور عنقریب
تُسْئَلُوْنَ تم سے پوچھا جائیگا	وَسْئَلْ اور پوچھ لیں	مَنْ جو	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجے	مِنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے	مِنْ رُّسُلِنَا ہمارے رسولوں میں سے
	اَجَعَلْنَا کیا ہم نے مقرر کئے	مِنْ سے	دُوْنِ الرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ) کے سوا	اٰلِهَةً کوئی معبود	یُّعْبَدُوْنَ اُن کی عبادت کی جائے

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں کفارومشرکین کا تذکرہ ہوا تھا جن کے نزدیک دنیوی مال و دولت ہی عزت وافتخار کی چیز ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مال ودولت ایک بے حقیقت اور حقیر چیز ہے جو دنیا میں اللہ کے نہ ماننے والوں کوافراط کے ساتھ مل جاتی ہے اور جتنا اب اللہ نے کافروں کودنیا میں دے رکھا ہے اس سے بھی زیادہ زرو دولت کی بارش کافروں پر کردی جاتی حتیٰ کہ ان کے گھر چھتیں اور دروازہ اور دوسرا ساز وسامان سونے چاندی کا بنادیا جاتا مگراس لئے ایسانہیں کیا گیا کہ پھراکثر لوگ مال ودولت کے لالچ میں کفرہی کو اختیار کرنے لگتے۔ نیز بتلایا گیا تھا کہ نادانو یہ دنیوی ساز وسامان فقط دنیا ہی میں گزارے کے لئے ہےاور آخرت کی زندگی اصل ہے جو دائمی اورابدی ہےاور وہاں کا آرام وراحت انہی کونصیب ہوگا جودنیا میں تقویٰ یعنی پرہیز گاری کی زندگی بسر کرتے ہیں۔اسی سلسلہ میں آگےان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا ہی کوسب کچھ سمجھ کراس کے پیچھے پڑ جانا اور آخرت اوراللہ کی طرف سے اندھے بن جانا یہ گمراہی کی جڑ اورانتہا ہے۔ چنانچہ خدا کی یاداوراس کی نصیحتوں سے غفلت کا قانونی انجام یہ بتلایا جاتا ہے کہ جوشخص بھی سچی نصیحت اور یادالٰہی سے اعراض کرتا رہتا ہےتو اس پرایک شیطان خصوصی طور سے مسلط کردیا جاتا ہے جو ہروقت اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے اس کے دل میں ڈالتا رہتا ہےاور راہ حق سے روکتا رہتا ہےاور یہ شیطان پھر جہنم تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ شیاطین ان نادانوں کونیکی اورحق کی راہ سے روکتے رہتے ہیں مگران کی عقلیں ایسی مسخ ہوجاتی ہیں کہ اسی کوٹھیک راستہ سمجھتے ہیں اور نیکی و بدی کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ ایسے غافل لوگوں پرشیطان ایسا قابو کرلیتا ہےاوران کے دل میں ایسا خیال جما دیتا ہے کہ وہ باوجود راہ حق سے دور ہونے کے یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری روش بہت اچھی ہےاور ہم صحیح راہ پر قائم ہیں اورراہ راست پر چل رہے ہیں ایسے غافل اور نادانوں کوسمجھایا جاتا ہے کہ خدا کے ہاں پہنچ کر قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے حاضری ہوگی تو وہاں معاملہ کھل جائے گا اوراس وقت اپنی غلطی معلوم ہوجائے گی کہ دنیا میں وہ شیطان جواس کا ہروقت کا ساتھی تھا اس وقت حسرت اور ندامت سے یہ نادان غافل کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا۔یعنی بےانتہادوری ہوتی میں دنیامیں تیری کوئی بات نہ سنتااورایک لحہ تیری صحبت میں نہ گزرتا۔یعنی دنیا میں توغافل انسان شیطان کے مشورہ پر چلتا ہےاور قیامت میں اس کی صحبت اور رفاقت سے پچھتائے گا آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیامیں تو یہ حال ہے کہ جس مصیبت میں سب چھوٹے بڑے شریک ہوں تو وہ مصیبت کچھ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے جیسا کہ ایک ضرب المثل ''مرگ انبوہ جشن دارد'' مشہور ہے مگرجہنم میں تمام شیاطین الانس والجن اور تابع ومتبوع اور چھوٹے بڑے سب کا جمع ہونا اور عذاب میں شریک ہونا کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ہرایک کے لئے عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ کسی کواپنے لئے کوئی تسلی اورتخفیف کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ کسی کوکسی کی طرف التفات بھی نہ ہوگا۔ ہرشخص اپنے حال میں مبتلا ہوگا اور اپنے ہی کوسب سے زیادہ مبتلائے عذاب سمجھے گا تو منکرین کے اس کفروضلالت سے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو جو حزن و ملال ہوتا تھا اس کے ازالہ اور آپ کی تسلی کے لئے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین جو مثل بہرے اور اندھوں کے ہیں تو ایسے اندھوں کو راہ حق دکھلا دینا اور ایسے بہروں کو حق کی آواز سنا دینا جو صریح غلطی اور گمراہی میں پڑے بھٹک رہے ہوں اور ان کو تاریکی سے نکال کر سچائی کی صاف سڑک پر چلا دینا یہ آپ کے اختیار سے خارج ہے۔ جب ان کی ہدایت آپ کے اختیار سے خارج ہے تو آپ اس غم میں نہ رہیئے کہ یہ سب لوگ حق اور ہدایت کو قبول کیوں نہیں کرتے اور کیونکر اپنا انجام خراب کر رہے ہیں؟ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے اور ان کے غم میں اپنی جان کو نہ گھلایئے کہ یہ کیوں راہ راست پر نہیں آتے؟ اللہ ان کے اعمال کی سزا ان کو دے گا۔ ان کا یہ عصیان اور طغیان خالی جانے والا نہیں ان کو اس پر ضرور سزا ہونے والی ہے خواہ آپ کی حیات میں ہو خواہ آپ کی وفات کے بعد۔ بہرصورت نہ یہ خدا کے قابو سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہیں۔ نہ خدا انہیں بدوں سزا دیئے چھوڑیں گے۔ تو جب یہ صورت ہے تو آپ تسلی رکھیئے اور اطمینان سے اس قرآن پر قائم رہیئے جو آپ پر نازل کیا جا رہا ہے اور جو حکم ربانی آئے اس پر مضبوطی سے جمے رہیئے اور اپنا فرض برابر ادا کئے جایئے۔ کیونکہ دنیا کہیں اور کسی راستہ پر جائے۔ آپ اللہ کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں جس سے ایک قدم ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ نہ کسی ہوا پرست کی خواہش و آرزو کی طرف التفات کرنے کی حاجت ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن کریم آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے خاص فضل و شرف کا سبب ہے اس سے بڑی عزت اور خوش نصیبی کیا ہوگی کہ اللہ کا کلام اور ساری دنیا کی نجات و فلاح کا ابدی دستور العمل آپ پر نازل ہوا۔ آپ کی زبان میں اترا۔ اور آپ کی قوم کے لوگ اس کے اولین مخاطب قرار پائے۔ اگر عقل ہو تو یہ لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں اور قرآن جو ان سب کے لئے بیش بہا نصیحت نامہ ہے اس کی ہدایت پر چل کر سب سے پہلے دنیوی و اخروی سعادتوں کے مستحق ہوں۔ اور عنقریب قیامت کے روز پوچھ ہوگی کہ اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر کی تھی اور اس فضل و شرف کا کیا شکر ادا کیا تھا؟ آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا راستہ وہی ہے جو پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کا تھا۔ یعنی توحید کا۔ شرک کی تعلیم کبھی کسی نبی نے نہیں دی نہ اللہ تعالیٰ نے کسی دین حق میں اس بات کو کبھی جائز رکھا کہ اس کے سوا دوسروں کی پرستش کی جائے۔ یہ خطاب گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا اوروں کو مقصود ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے کسی پیغمبر نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی بندگی کے لائق ہے۔

ان آیات سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ کی یاد اور اس کے ذکر و فکر سے اعراض کی اتنی سزا تو دنیا ہی میں مل جاتی ہے کہ انسان خراب صحبت میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں شیاطین خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے اس کو بھلائیوں اور نیکیوں سے دور اور برائیوں سے قریب کرتے رہتے ہیں اور اس شیطانی تسلط کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کام تو ایسا انسان سارے گمراہی اور بدی کے کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ بہت اچھا کر رہا ہے یہ تو ہوئی اللہ کے ذکر سے اعراض کی سزا دنیا میں اور مرنے کے بعد عالم برزخ میں اور آخرت کی سزا وہ الگ رہی جس کا اعلان ۲۹ ویں پارہ سورہ جن میں اس طرح فرمایا ہے۔ **ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذاباً صعدًا** ط اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی اور اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔ یا جیسا سولھویں پارہ سورہ کہف میں فرمایا **وعرضنا جھنم یومئذ للکافرین عرضا ن الذین کانت اعینھم فی غطآء عن ذکری**۔ اور ہم دوزخ کو اس روز یعنی قیامت کے دن کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھوں پر ہمارے ذکر یعنی ہماری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

الغرض یہ تو بیان ہوا ذکر اللہ سے اعراض کا جس کا نتیجہ دنیا

میں شیاطین کا تسلط ہونا بتلایا گیا اور آخرت میں نار جہنم کی سزا۔
اسی سے اس کی ضد بھی سمجھی جاسکتی ہے یعنی ذکر اللہ کی پابندی شیاطین سے دوری کا باعث ہے اب یہاں ذکر اللہ کے معنی اور مطلب بھی سمجھ لئے جائیں۔ ذکر کے لفظی معنی یاد کے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا نام ذکر اللہ ہے اور یاد کا اصل تعلق انسان کے دل سے پھر زبان سے ہے اور افضل یہ ہے کہ اللہ کا ذکر دل اور زبان دونوں سے کیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی ذکر کی فضیلت کو زیادہ بیان فرمایا ہے جس میں دل کے ساتھ زبان بھی شریک ہو۔ علمائے محققین و محدثین ومفسرین کا کہنا ہے کہ ذکر اللہ صرف تسبیح وتہلیل اور زبانی ذکر پر منحصر نہیں بلکہ ہر عمل جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے۔ وہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ نیت اطاعت کی ہو اس طرح دنیا کے تمام کاروبار بھی ذکر اللہ میں داخل ہیں اگر ان میں شرعی حدود کی پابندی کا دھیان رہے کہ جہاں تک جائز ہے کیا جائے اور جس حد پر پہنچ کر ممنوع ہے اس کو چھوڑ دیا جائے تو یہ سارے اعمال بظاہر دنیوی کام ہیں وہ بھی ذکر اللہ میں شمار ہوں گے اس طرح جس مجلس میں احکام شرعیہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تحقیق وتعلیم و بحث ہو وہ بھی مجالس ذکر ہیں (ذکر اللہ از حضرت مفتی صاحبؒ)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ذکر فکر کی توفیق دائمی نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الغرض کفار مکہ کا شبہ اور اعتراض کہ جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر آپ کے مال دار اور صاحب جاہ وریاست نہ ہونے کی بنا پر کرتے تھے اس کا پوری طرح رد فرمایا گیا۔ اسی سلسلہ میں آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ان کی نبوت پر بھی فرعون نے یہی اعتراض کیا تھا کہ میں ملک مصر کا مالک ہوں میرے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہیں نبوت کیونکر مل سکتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نفس وشیطان کی گمراہیوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔
اور اپنے ذکر وفکر کی دائمی توفیق نصیب فرماویں۔
یا اللہ قیامت کی حسرت وندامت سے ہم سب کو محفوظ فرمایئے اور اپنے عذابوں سے دونوں جہاں میں محفوظ اور مامون فرمایئے۔
یا اللہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی صراط مستقیم پر چلنا نصیب فرما۔ اور تازندگی اسی پر قائم رکھیے اور اسی پر موت نصیب فرمایئے۔
یا اللہ آپ نے اپنے فضل وکرم سے جو یہ قرآن پاک کی نعمت ہم کو بخشی ہے تو اس کے حقوق کی ادائیگی اور اس نعمت کی حقیقی شکرگزاری کی بھی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تھا سو انہوں نے فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے ہوں۔ پھر جب

جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا

موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ یکا یک (ان) پر لگے ہنسنے۔ اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی،

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

اور ہم نے ان لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا، تا کہ وہ باز آجاویں۔ اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے،

اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم ضرور راہ پر آجاویں گے۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب اُن سے ہٹا دیا تب ہی انہوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور تحقیق ہم نے بھیجا	مُوْسٰى موسیٰ	بِاٰيٰتِنَآ اپنی نشانیوں کے ساتھ	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	وَمَلَا۠ئِهٖ اور اس کے سردار	فَقَالَ تو اس نے کہا	
اِنِّيْ رَسُوْلُ بیشک میں رسول	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا پروردگار	فَلَمَّا پھر جب	جَآءَهُمْ وہ آیا	بِاٰيٰتِنَآ ہماری نشانیوں کیساتھ	اِذَا ناگہاں	هُمْ وہ	
مِنْهَا يَضْحَكُوْنَ اس سے (اُن نشانیوں پر) ہنسنے لگے	وَمَا نُرِيْهِمْ اور ہم انہیں دکھاتے تھے	مِّنْ اٰيَةٍ کوئی نشانی	اِلَّا هِيَ مگر وہ	اَكْبَرُ بڑی	مِنْ سے		
اُخْتِهَا وَ اسکی بہن دوسری نشانی اور	اَخَذْنٰهُمْ ہم نے گرفتار کیا انہیں	بِالْعَذَابِ عذاب میں	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَرْجِعُوْنَ وہ رجوع کریں	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا		
يٰۤاَيُّهَ اے	السّٰحِرُ جادوگر	ادْعُ دعا کر	لَنَا ہمارے لئے	رَبَّكَ اپنا رب	بِمَا عَهِدَ اس عہد کے سبب جو	عِنْدَكَ تیرے پاس	اِنَّنَا بیشک ہم
لَمُهْتَدُوْنَ البتہ ہدایت پانیوالے	فَلَمَّا پھر جب	كَشَفْنَا ہم نے کھولا (ہٹادیا)	عَنْهُمْ اُن سے	الْعَذَابَ عذاب	اِذَا هُمْ ناگہاں وہ	يَنْكُثُوْنَ عہد توڑ گئے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ وہی ہے جو پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کا تھا۔ سارے ہی پیغمبروں نے دین حق کی تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی۔ شرک کی تعلیم کبھی کسی نبی نے نہیں دی اور نہ اللہ تعالیٰ نے کسی دین حق میں کبھی اس بات کو جائز رکھا کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی پرستش کی جائے۔ تو تحقیق وتفتیش کے جو ذرائع ہو سکتے ہیں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ کسی آسمانی دین میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔ اسی کی تائید میں اب یہاں سے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے جو کئی وجوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات وحالات سے مناسبت رکھتا تھا جس طرح کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دنیوی مال ودولت ووجاہت نہ ہونے سے اعتراض اور طعن کیا تھا اسی طرح فرعون نے باوجود معجزات دیکھنے کے ایسا ہی طعن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا تھا کہ یہ ذلیل وحقیر ہیں (معاذ اللہ) اور ان کے پاس سونے کے کنگن پہننے کو نہیں جو تاجداری اور سرداری کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ یہاں بیان فرما کر اہل عرب کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اپنا نبی بھیج کر انہیں موقع عطا فرماتا ہے کہ سعادت اخروی حاصل کریں اور قوم نبی کی قدر کرنے اور اس کی ذات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے نبی کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے جیسا کہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا تو پھر اس کا نہایت عبرتناک انجام ہوتا ہے جیسا کہ فرعونیوں کا حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں ہوا۔ اس قصہ سے کفار مکہ

کو یہ بھی جتلایا گیا کہ جس طرح تم اپنے سرداروں اور دولت مندوں کے مقابلہ میں اللہ کے رسول کو حقیر سمجھ رہے ہو ایسا ہی فرعون نے بھی اپنی بادشاہی شان وشوکت اور مال ودولت پر فخر کر کے موسیٰ علیہ السلام کو حقیر سمجھا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ اصل میں حقیر وذلیل کون تھا اور کس کا کیا انجام ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ میں کفار مکہ کے لئے یہ بھی تنبیہ موجود تھی کہ تم جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تکبر اور ہیکڑی برت رہے ہو تو یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کا وہی خمیازہ تم بھگت کر رہو گے جس کی مثال حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے قصہ میں موجود ہے۔

الغرض ان متعدد مقاصد کے ماتحت ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ نے اپنا رسول و نبی بنا کر فرعون اور اس کے امرا اور اس کی رعایا کی طرف بھیجا تا کہ آپ انہیں توحید الٰہی کا سبق دیں اور شرک وکفر سے منع کریں۔ منصب نبوت کے ثبوت میں آپ کو بڑے بڑے معجزات بھی عطا فرمائے گئے جیسے ہاتھ کا روشن ہو جانا۔ اور لاٹھی کا اژدھا بن جانا وغیرہ لیکن فرعونیوں نے اپنے نبی کی کوئی قدر نہ کی بلکہ الٹا تکذیب کی اور تمسخر اڑایا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ تک دین کی دعوت دیتے رہے مگر فرعونیوں نے مان کر نہ دیا تو پھر متعدد باران پر اللہ کے عذاب آئے تا کہ انہیں عبرت بھی ہو اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی حقانیت پر دلیل بھی ہو۔ وہ متعدد قسم کے عذاب جو فرعونیوں پر آئے تھے ان کا ذکر سورہ اعراف نویں پارہ میں آچکا ہے۔ کبھی ان پر ہولناک بارش اور سیلاب کا طوفان آیا۔ کبھی ٹڈی دلوں کا خوف اور تباہ کن حملہ ہوا۔ کبھی چیچڑیاں۔ جوئیں یا سرسلیوں کے پھیلنے کی وبا آئی۔ کبھی مینڈکوں کا سیلاب امنڈ آیا جس سے فرعونیوں کا کھانا پینا حتیٰ کہ بولنا چالنا اور رہنا سہنا دوبھر ہو گیا۔ کبھی خون کا عذاب رونما ہوا کہ فرعونیوں کے تمام نہر۔ کنویں' چشمے۔ تالاب۔ حوض۔ دریا سب خون میں تبدیل ہو گئے کہ جس سے صاف پانی کو ترس گئے۔ جب کوئی عذاب آتا تو فرعونی تلملا اٹھتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشامد کرتے۔ انہیں رضامند کرتے ان سے قول وقرار کرتے اور عذاب کے دفع ہونے کی دعا کراتے جب آپ کی دعا پر عذاب ہٹ جاتا تو پھر سرکشی پر اتر آتے اور وعدہ سے مکر جاتے۔ پھر عذاب آتا۔ پھر یہی ہوتا۔ یہاں ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ فرعونی جب دفع عذاب کی درخواست موسیٰ علیہ السلام سے کرتے تو آپ کو یا یھا السٰحر اے جادوگر کہہ کر خطاب کرتے۔ اس پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ "ساحر" ان کے محاورات میں "عالم" کو کہتے تھے کیونکہ بڑا علم ان کے نزدیک یہی سحر تھا۔ تو شاید اس خوشامد ولجاجت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بظاہر تعظیمی لقب سے پکارا ہو اور خبث باطن سے اشارہ اس طرف بھی ہو کہ ہم تم کو نبی اب بھی نہیں سمجھتے صرف ایک ماہر جادوگر سمجھتے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے ساحر یعنی جادوگر سے وہ بڑا عالم مراد لیتے تھے۔ ان کے زمانہ کے علما کا یہی لقب تھا اور انہی لوگوں میں علم تھا اور یہ علم مذموم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پس ان کا جناب موسیٰ علیہ السلام کو "اے ساحر" کہہ کر خطاب کرنا بطور عزت کے تھا۔ اعتراض کے طور پر نہ تھا کیونکہ اس وقت تو انہیں اپنا کام نکالنا تھا۔ تو جب کوئی عذاب فرعونیوں پر آتا اور وہ زچ ہوتے اور موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے اور کہتے کہ تمہارے رب نے جو طریقہ دعا کا بتلایا ہے اور جو کچھ آپ سے عہد کر رکھا ہے اس کے موافق ہمارے حق میں دعا کرو کہ یہ عذاب ہم سے دفع ہو۔ اگر تمہاری دعا سے ایسا ہو گیا تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے یعنی تمہارا بتلایا ہوا دین قبول کر لیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر اس قول وقرار کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جب عذاب ہٹ جاتا اور مصیبت ختم ہوتی تو ایک دم اپنے قول وقرار سے پھر جاتے جیسے کوئی وعدہ کیا ہی نہ تھا۔

ابھی آگے فرعون کے کبر وغرور۔ اپنے کو بڑا سمجھنا اور موسیٰ علیہ السلام کی تحقیر کرنا۔ بالآخر فرعونیوں کی شرارت سے حق تعالیٰ کا غصہ بھڑکنا اور ان سے انتقام لیا جانا اور فرعونیوں کو غرق کر کے ہلاک کر دینا اور اس واقعہ کو آگے آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمونہ بنا دینا اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ

اورفرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی یہ بات کہی کہ اے میری قوم کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے (محل کے) پائیں میں بہ رہی ہیں،

تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَا

کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ بلکہ میں (ہی) افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے۔ اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا۔ تو اس کے

اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ

سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا فرشتے اس کے جلو میں پرا باندھ کر آئے ہوتے غرض اس نے اپنی قوم کو مغلوب کردیا اور وہ اس کے کہنے میں آ گئے

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾

وہ لوگ شرارت کے بھرے تھے۔ پھر جب ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم نے ان کو آئندہ آنے والوں کیلئے خاص طور پر متقدمین اور نمونہ (عبرت) بنا دیا۔

وَنَادٰى اور پکارا	فِرْعَوْنُ فرعون	فِىْ میں	قَوْمِهٖ اپنی قوم	قَالَ يٰقَوْمِ اس نے کہا اے میری قوم	اَلَيْسَ لِىْ کیا نہیں میرے لئے	مُلْكُ مِصْرَ مصر کی بادشاہت	
وَهٰذِهِ اور یہ	الْاَنْهٰرُ نہریں	تَجْرِىْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِىْ میرے نیچے سے	اَفَلَا تو کیا نہیں	تُبْصِرُوْنَ دیکھتے تم	اَمْ اَنَا کیا۔ بلکہ میں	خَيْرٌ بہتر
مِنْ هٰذَا اس سے	الَّذِىْ وہ جو	هُوَ وہ	مَهِيْنٌ کم قدر	وَلَا يَكَادُ اور وہ معلوم نہیں ہوتا	يُبِيْنُ صاف گفتگو کرتا	فَلَوْ تو کیوں	لَا اُلْقِىَ نہ ڈالے گئے
عَلَيْهِ اس پر	اَسْوِرَةٌ کنگن	مِنْ ذَهَبٍ سونے کے	اَوْ جَآءَ یا آئے	مَعَهُ اسکے ساتھ	الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	مُقْتَرِنِيْنَ پرا باندھ کر	
فَاسْتَخَفَّ پس اس نے بے عقل کردیا	قَوْمَهٗ اپنی قوم	فَاَطَاعُوْهُ تو انہوں نے اسکی اطاعت کی	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا تھے	قَوْمًا لوگ	فٰسِقِيْنَ نافرمان	
فَلَمَّا پھر جب	اٰسَفُوْنَا انہوں نے غصہ دلایا ہمیں	انْتَقَمْنَا ہم نے انتقام لیا	مِنْهُمْ اس سے	فَاَغْرَقْنٰهُمْ پس ہم نے غرق کردیا انہیں			
اَجْمَعِيْنَ سب	فَجَعَلْنٰهُمْ تو ہم نے کردیا انہیں	سَلَفًا وَّمَثَلًا پیش رو (گئے گزرے) اور مثال (داستان)	لِّلْاٰخِرِيْنَ بعد میں آنے والے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے تذکرہ میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا اور موسیٰ علیہ السلام نے ثبوت نبوت میں فرعونیوں کو معجزہ دکھلائے مگر وہ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ہی کرتے رہے۔ بالآخر ان کی تنبیہ کے لئے متعدد قسم کے عذاب فرعونیوں پر نازل ہوئے۔ جب وہ مصیبت میں گرفتار ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچتے اور درخواست عذاب کے دفعیہ کی کرتے اور وعدہ کرتے کہ اگر آپ کی دعا سے یہ عذاب دور ہو گیا تو ہم پھر آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ جب موسیٰ کی دعا سے عذاب ہٹ جاتا تو فرعونی پھر اپنے قول وقرار سے ہٹ جاتے۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ فرعون نے یہ سوچ کر کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر عام فرعونی ان پر ایمان نہ لے آویں اور موسیٰ علیہ السلام کے پیرو نہ بن جائیں تو روک تھام کے لئے اس نے اپنے ملک میں ساری قوم میں منادی کرائی اور ایک اعلان کرایا اور اس اعلان میں یہ قوم سے کہا کہ کیا میں تنہا ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میرے باغات ومحلات میں نہریں جاری نہیں؟

کیا تم میری عظمت وسلطنت اور دبدبہ کو دیکھ نہیں رہے ہو؟ پھر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو کہ نہ ان کے پاس ملک نہ مال نہ دولت نہ ثروت نہ حکومت تو ہم ایک معمولی حیثیت والے شخص کے سامنے کیسے گردن جھکا دیں جس کے پاس نہ کوئی ظاہری کمال ہے۔ نہ حکومت وسلطنت ہے نہ ملک و مال ہے حتیٰ کہ بات کرتے ہوئے بھی پوری طرح زبان صاف نہیں چلتی۔ اور یہ فرعون نے اس وجہ سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ لکنت تھی اور یہ لکنت ممکن ہے کہ پیدائشی ہو یا ممکن ہے کہ بچپن میں فرعون کے ہاں آگ کا انگارا منہ میں رکھ لینے سے پیدا ہوئی ہو جیسا کہ اکثر مفسرین میں مشہور ہے۔ تو فرعون نے قوم سے کہا کہ میں ان سے ہر طرح بہتر و اعلیٰ ہوں اور یہ بالکل بے وقعت شخص ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں تمام دنیا کے مالک و حاکم کا ایلچی اور پیغامبر ہوں اگر ایسا تھا تو اس پر سونے کے کنگن آسمان سے کیوں نہ اتارے گئے۔ لکھا ہے کہ فرعون خود جواہرات کے کنگن پہنتا تھا اور جس امیر وزیر پر مہربان ہوتا اسے سونے کے کنگن پہناتا اور فرعون کے سامنے فوج صف باندھ کر کھڑی ہوتی تھی تو اس نے قوم کو یہ سمجھایا کہ جب ہم کسی کو عزت دیتے ہیں تو ایسا کرتے ہیں تو اگر اس کا خدا ایسا ہی رعب داب اور شان وشوکت والا ہے جیسا کہ یہ کہتا ہے تو پھر اس کا ایلچی ہونے کے باعث اس کے ہاتھ میں کنگن پڑے ہوتے اور اس کے ساتھ فرشتوں کے پرے کے پرے ہوتے اور یہ ان کے بیچ میں بڑی شان وشوکت سے آتے اور اس کا پیغام پہنچاتے۔ تو فرعون نے ان ابلہ فریب باتوں سے قوم کو الو بنالیا اور سب احمق اسی کی بات ماننے لگے اور اسی کا کلمہ پڑھنے لگے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہ فرعونی اصل میں تھے ہی بدکار اور ان کی طبیعتوں میں خدا کی نافرمانی وسرکشی پہلے سے رچی ہوئی تھی۔ اس لئے فرعون کی باتوں نے اور ان پر رنگ چڑھا دیا اور ان کو بیوقوف بنالیا۔ پھر جب فرعون اور اس کی قوم نے ان کاموں پر اصرار کیا جن پر عادۃً خدا کا غضب نازل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور سب کو سمندر میں ڈبو کر ہلاک کر دیا اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرت کا نمونہ بن گئے اور ان کا قصہ ایک عبرتناک نظیر کے طور پر بیان ہوتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو کوئی نعمت دے اور بندہ گناہ اور نافرمانی کرتا جاوے تو یہ خدا تعالیٰ کا اس کے لئے داؤ ہے کہ خدا نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت فرمائی۔ **فلما اسفونا انتقمنا منهم فاغرقنهم اجمعين**۔ (پھر جب ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ ختم فرما کر آگے اصل مقصود توحید کی تائید اور ابطال شرک کی غرض سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ مال ودولت کے اور جاہ وسطوت کے فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائیں اور مال ودولت کی وجہ سے جو تکبر پیدا ہوتا ہے اس سے ہمیں بچائیں۔ یا اللہ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمایئے اور ہر طرح کی گمراہی اور بے دینی سے ہم کو بچایئے۔

یا اللہ ہمیں اس دنیا میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جن سے آپ راضی ہو جائیں اور ان بداعمالیوں سے بچا لیجئے کہ جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ یا اللہ! ہم کو ایسے مخلص۔ دین دار صاحب حکومت عطا فرما جو خود بھی دین پر چلنے والے ہوں اور اپنے محکوموں اور رعایا کو بھی دین پر چلانے والے ہوں؛ جن کا اعزاز واکرام ہم کریں۔ یا اللہ! ہماری تقصیرات پر گرفت نہ فرما۔ ہمیں اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور ہمیں اپنا تابعدار بندہ بن کر زندہ رہنا نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ

اور جب عیسیٰ ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلانے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ،

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

ان لوگوں نے جو یہ آپ سے بیان کیا ہے تو محض جھگڑنے کی غرض سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو

مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ

بنی اسرائیل کیلئے ہم نے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کردیتے کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے۔ اور وہ

لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ

(یعنی عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اس میں شک مت کرو اور تم لوگ میرا اتباع کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور تم کو شیطان (اس راہ پر آنے سے) روکنے نہ پائے

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے۔

وَلَمَّا اور جب	ضُرِبَ بیان کی گئی	ابْنُ مَرْيَمَ عیسیٰ ابن مریم	مَثَلًا مثال	اِذَا یکایک	قَوْمُكَ تمہاری قوم مِنْهُ يَصِدُّوْنَ اس سے (خوشی سے) چلانے لگتے ہیں		
وَقَالُوْٓا اور وہ بولے	ءَاٰلِهَتُنَا کیا ہمارے معبود	خَيْرٌ بہتر	اَمْ یا	هُوَ وہ	مَا ضَرَبُوْهُ نہیں وہ بیان کرتے اسکو	لَكَ تمہارے لئے	
اِلَّا جَدَلًا مگر (صرف) جھگڑنے کو	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	قَوْمٌ لوگ	خَصِمُوْنَ جھگڑالو	اِنْ نہیں	هُوَ وہ (عیسیٰ)	اِلَّا صرف	عَبْدٌ ایک بندہ
اَنْعَمْنَا ہم نے انعام کیا	عَلَيْهِ اس پر	وَجَعَلْنٰهُ اور ہم نے بنایا اس کو	مَثَلًا ایک مثال	لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل کیلئے	وَلَوْ نَشَآءُ اور اگر ہم چاہتے		
لَجَعَلْنَا البتہ ہم کرتے	مِنْكُمْ تم میں سے	مَّلٰٓئِكَةً فرشتے	فِي الْاَرْضِ زمین میں	يَّخْلُفُوْنَ (وہ تمہارے) جانشین ہوتے	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ		
لَعِلْمٌ ایک نشانی	لِّلسَّاعَةِ قیامت کی	فَلَا تَمْتَرُنَّ تو ہرگز شک نہ کرو تم	بِهَا اس میں	وَاتَّبِعُوْنِ اور میری پیروی کرو	هٰذَا یہ		
صِرَاطٌ راستہ	مُّسْتَقِيْمٌ سیدھا	وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ اور روک نہ دے تمہیں	الشَّيْطٰنُ شیطان	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَكُمْ تمہارے لئے	عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ دشمن کھلا	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات سے مضمون جابجا اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اسی کی تائید میں گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر فرمایا گیا تھا اسی سلسلہ میں اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے۔ ان آیات کی ابتداء اس طرح فرمائی گئی کہ ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک مضمون بیان کیا گیا تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلانے لگے۔ تو یہاں مضمون بیان کرنے والے کا نام ظاہر نہیں فرمایا گیا مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ وہ مشرکین میں سے عبداللہ بن زبعریٰ تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے پاس تشریف فرما تھے کہ مشرکین میں سے نضر بن حارث بھی آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں کرنے لگا جس میں وہ لاجواب ہو گیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ انبیاء سترھویں پارہ کی آیت انکم وماتعبدون من دون اللہ حصب جھنم پڑھ کر سنائی۔ یعنی تم اور تمہارے معبود جن کو تم پوجتے ہو سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وہاں سے تشریف لے گئے۔تھوڑی دیر میں عبداللہ بن زبعریٰ آیا تو اس سے کہا گیا کہ نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا اور بالآخر وہ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن کہتے ہوئے چلے گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو انہیں لاجواب کر دیتا۔ جاؤ ذرا ان سے پوچھو تو کہ جب ہم اور ہمارے معبود جہنمی ہیں تو لازم آیا کہ سارے فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح بھی جہنم میں جائیں (معاذ اللہ معاذ اللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد) کیونکہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں۔ یہود عزیرؑ کی پرستش کرتے ہیں۔ اور نصاریٰ عیسیٰؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس پر مجلس کے کفار بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ہاں یہ جواب بہت ٹھیک ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور ہر وہ شخص جو اپنی عبادت اپنی خوشی کرائے یہ دونوں عابد و معبود جہنمی ہیں۔ فرشتوں یا نبیوں نے نہ اپنی عبادت کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش۔ ان کے نام سے دراصل یہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں وہی انہیں شرک کا حکم دیتا ہے اور یہ بجالاتے ہیں۔ اس پر قرآن پاک کی کئی آیات نازل ہوئیں (جو دوسری سورتوں میں ہیں) اور ان کے یعنی مشرکین کے عقائد کی تردید کی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں مشرکین میں سے عبداللہ بن زبعریٰ نے جو جواب دیا تھا جس کا ذکر اوپر ہوا اور جس پر مشرکین بڑے خوش ہوئے تھے یہ اس سے متعلق آیات زیر تفسیر نازل ہوئیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ آپ کے اس قول کو سنتے ہی کہ معبودان باطل بھی اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے ان مشرکین نے جھٹ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیش کر دیا اور مارے خوشی کے آپ کی قوم کے مشرک اچھل پڑے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک بار ابطال شرک کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر** کسی معبود غیر اللہ میں کچھ خیر نہیں تو کفار قریش کہنے لگے کیا مسیح میں بھی کوئی خیر اور بھلائی نہیں حالانکہ آپ ان کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے اور عبد صالح تھے اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ نے ان کی عبادت کی ہے پس اگر آپ کا یہ کہنا کہ کسی معبود غیر اللہ میں کچھ خیر نہیں قول صادق ہے تو اس عموم میں عیسیٰ (علیہ السلام) بھی داخل ہیں۔ تو وہ بھی مثل الٰہ مشرکین کے ہوئے۔ غرض حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا ذکر آتا تو عرب کے مشرکین خوب شور مچاتے اور قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ تو معترضین کو پہلے تو اجمالاً جواب دیا جاتا ہے اور پھر تفصیلاً۔ اجمالاً جواب یہ کہ ان لوگوں نے جو یہ مضمون عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے بیان کیا تو ان کا منشا محض جھگڑنا ہے اور کٹ حجتی کر کے حق کو دبانا ہے اور ان لوگوں کا جھگڑنا کچھ مخصوص اسی مضمون کے ساتھ نہیں بلکہ یہ لوگ اپنی عادت ہی سے جھگڑالو ہیں۔ سیدھی اور صاف بات کبھی ان کے دماغوں میں نہیں اترتی۔ یونہی مہمل بحثیں اور دوراز کار جھگڑے نکالتے رہتے ہیں اور تفصیلاً جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے مقبول بندے ہیں جن پر اللہ نے خاص فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے واسطے کھڑا کیا جن کو اپنے بندہ ہونے کا اقرار تھا اور جو اپنی امت کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے تھے تو کیا اس مقبول بندہ کو العیاذ باللہ **حصب جهنم** کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں یہ تو پتھر کی وہ مورتیاں جن کو مشرکین دیوتا اور معبود بنا کر پوجتے ہیں اپنے پوجنے والوں کے ساتھ جہنم میں ڈالی جائیں گی۔ قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا اس کا تو سارا جہاد ہی اس مضمون کے خلاف ہے ہاں یہ بھی نہیں کر سکتا کہ محض احمقوں کے خدا بنا لینے سے ایک مقرب اور مقبول بندہ کو پتھروں اور شریروں کے برابر کر دے آگے بتلایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام محض اس بنا پر کہ وہ بغیر باپ کے عام عادت کے خلاف پیدا ہوئے لائق عبادت نہیں ہو سکتے۔ ان کی ولادت اس طرح بغیر باپ کے یہ تو

اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت تھی کہ جس سے حق تعالیٰ کی قدرت پر استدلال ہو کہ خدا سب کچھ کرسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب امور پر قادر ہیں۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو انسانوں سے فرشتوں کو پیدا کردیتے اور وہ زمین پر مثل انسانوں کے رہا کرتے یا انسانوں کی جگہ آسمان سے فرشتے ہی لا کر زمین پر آباد کردیتے۔ یہ سب قدرت ان کو حاصل ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا کہ بدوں باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب و غریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ دنیا میں آنا قرب قیامت کا نشان ہوگا۔ ان کے نزول سے لوگ معلوم کرلیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آ لگی ہے اب چونکہ مشرکین خود توحید کی طرح قیامت میں بھی کلام رکھتے تھے اس لئے مناسبت مضمون سے قیامت کی صحت پر بھی بطور جملہ معترضہ کے ذکر فرمایا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کا خطاب تمام انسانوں سے ہوتا ہے کہ اے لوگو تم قیامت کے آنے میں شک نہ کرو اور جو سیدھی راہ ایمان و توحید کی بتلائی جا رہی ہے اس پر چلے آؤ۔ مبادا تمہارا ازلی دشمن شیطان تم کو اس راستہ سے روک دے۔

اب دیکھ لیجئے کہ باوجود حق تعالیٰ کی اس کھلی ہوئی تنبیہ و دعوت کے تم قیامت میں شک مت کرو آج ہمارے یقین آخرت کے متعلق کس درجہ میں ہیں اور شب و روز ہم اس کا کتنا اہتمام اور فکر کررہے ہیں اور اس دعوت الٰہی کے جواب میں کہ تم لوگ میرا اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے آج کتنے نفوس صدق دل سے یہ اعلان کرنے کو تیار ہیں کہ ہم دل و جان سے۔ عقائد میں۔ افعال میں اعمال میں۔ اخلاق میں خصائل میں۔ معاملات میں غرض ہر چیز میں اتباع حکم الٰہیہ کے لئے تیار ہیں۔ پھر اس تنبیہ الٰہیہ کے باوجود کہ دیکھو شیطان تمہارا صریح دشمن ہے وہ تم کو اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے سے روکنے نہ پاوے آج کتنے ہیں جو شیطان کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اس کے دھوکہ میں نہیں آتے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے ہمارے دین ایمان کی حفاظت فرمائیں اور اس پرفتن زمانہ میں ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ آمین۔

اب چونکہ یہاں اثبات توحید اور ابطال شرک کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ گیا تھا۔ آگے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال نقل فرمائے جاتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ ہی کہا تھا اور اللہ ہی کی عبادت کا حکم لوگوں کو دیا تھا اور اللہ کی توحید ہی کی طرف سب کو بلایا تھا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و کرم سے توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور قیامت و آخرت پر یقین کامل عطا فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں آخرت کا فکر اور وہاں کا اہتمام نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ہر کام میں ہر عمل میں اور ہر آن میں اپنے احکام پر عمل پیرا ہونے اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور شیطان کے مکروفریب اور گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ

اور جب عیسیٰ معجزے لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں اور تا کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کردوں،

فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾

تو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ

سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا۔ سو ان ظالموں کیلئے ایک پردرد دن کے عذاب سے بڑی خرابی ہے۔ یہ لوگ بس

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ

قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر دفعتہً آپڑے اور اُن کو خبر بھی نہ ہو۔ تمام دوست اس روز

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ ع

ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے۔

وَلَمَّا اور جب	جَآءَ آئے	عِيْسٰى عیسیٰ	بِالْبَيِّنٰتِ کھلی نشانیوں کیساتھ	قَالَ انہوں نے کہا	قَدْ جِئْتُكُمْ تحقیق میں آیا ہوں تمہارے پاس	بِالْحِكْمَةِ حکمت کیساتھ
وَلِاُبَيِّنَ اور اسلئے کہ بیان کردوں	لَكُمْ تمہارے لئے	بَعْضَ بعض	الَّذِيْ وہ جو کہ	تَخْتَلِفُوْنَ تم اختلاف کرتے ہو	فِيْهِ اس میں	فَاتَّقُوا اللّٰهَ سو ڈرو اللہ سے
وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	هُوَ وہ	رَبِّيْ میرا رب	وَرَبُّكُمْ اور تمہارا رب	فَاعْبُدُوْهُ سو تم اس کی عبادت کرو	هٰذَا یہ
صِرَاطٌ راستہ	مُّسْتَقِيْمٌ سیدھا	فَاخْتَلَفَ پھر اختلاف ڈال لیا	الْاَحْزَابُ گروہ (جمع)	مِنْ بَيْنِهِمْ آپس میں	فَوَيْلٌ سو خرابی	لِّلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے
ظَلَمُوْا جنہوں نے ظلم کیا	مِنْ عَذَابِ عذاب	يَوْمٍ اَلِيْمٍ دن دکھ دینے والا	هَلْ کیا	يَنْظُرُوْنَ وہ انتظار کرتے ہیں	اِلَّا صرف	السَّاعَةَ قیامت
اَنْ کہ	تَاْتِيَهُمْ وہ ان پر آجائے	بَغْتَةً اچانک	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُوْنَ شعور نہ رکھتے ہوں	اَلْاَخِلَّآءُ تمام دوست	يَوْمَئِذٍ اس دن
بَعْضُهُمْ ان کے بعض (دوسرے)	لِبَعْضٍ بعض سے ایک	عَدُوٌّ دشمن	اِلَّا سوا	الْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید باری تعالیٰ کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محض ایک بندے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت اور کمالات نبوت سے سرفراز فرمایا تھا یعنی (معاذ اللہ) نہ وہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے جیسا کہ جاہلوں نے ان کو بے باپ کی پیدائش کی بنا پر سمجھ لیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت دکھلانا تھی کہ وہ اس پر بھی قادر ہے اس کے بعد ان آیات میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال نقل فرمائے جاتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ ہی بتلایا تھا اور خدا پرستی ہی کا حکم دیا تھا اور اللہ کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا تھا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھلے کھلے معجزات لے کر بنی اسرائیل کی طرف آئے اور لوگوں کو اپنی نبوت کی نشانیاں دکھائیں اور آپ نے لوگوں سے کہا کہ میں تمہیں علم وحکمت اور دانائی وسمجھ کی باتیں بتانے آیا ہوں تا کہ تم اپنے عقیدہ کو ان کی روشنی میں صحیح ودرست کرو۔ نیز اس لئے آیا ہوں کہ میں تمہیں احکام الٰہیہ بتاؤں کہ جن کی بابت تمہارے اندر اختلاف پڑ چکا ہے اور

اس لئے حلال و حرام کی تمیز مشکل ہو گئی ہے۔ میں تمہیں صاف صاف بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ کیا حلال ہے اور کیا حرام۔ کیا جائز ہے کیا ناجائز۔ پس تمہیں چاہئے کہ اللہ کا خوف دل میں پیدا کرو جس نے مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور جس طرح میں چلاؤں اسی طرح چلو۔ میرا ہی کہنا مانو اور میرے حکم کے خلاف یا اس سے انحراف نہ کرو۔ سب سے پہلے میں تمہیں دین کی بنیادی بات بتلاتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا سب کا رب ہے اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو اور توحید کا یہی سیدھا راستہ ہے۔ تو یہ تھی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔ دیکھو کیسی صفائی سے خدائے واحد کی ربوبیت اور معبودیت کو بیان فرمایا اور اسی توحید کو صراط مستقیم قرار دیا۔ تو اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بالکل صاف تھی اور انہوں نے برملا کہہ دیا تھا کہ میرا اور تمہارا سب کا پالنے والا ایک اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر اتنی صاف اور کھلی بات بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت آپس میں مختلف فرقے بن گئے۔ یہود نے تو صاف انکار کر دیا کہ ہم انہیں رسول ہی نہیں مانتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں اس قدر بڑھ گئے کہ آپ پر ناجائز ولادت کی تہمت لگائی اور اپنے گمان کے موافق آپ کو سولی پر چڑھا کر چھوڑا۔ نصاریٰ نے آپ کو مانا لیکن آگے چل کر عقیدت میں بے انتہا غلو کیا اور کسی نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بتلایا تو کسی نے ان کو تین خداؤں میں کا ایک کہا اور کسی نے کہا کہ وہ ایک راز ہیں جن کا سمجھنا آسان نہیں مگر خدائی میں حصہ دار ضرور ہیں۔ الغرض کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ تو ایسے ایسے کھلے بیانات اور واضح ہدایات کے باوجود بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانتے تو ایسے ظالموں کے لئے قیامت کے دن جو بڑا ہولناک دن ہے بری گت بنے گی اور عذاب الیم سے واسطہ پڑے گا یہ سب بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اب بھی اگر یہ لوگ نہ مانیں تو ان کے احوال کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ بس قیامت ہی ایک دم ان کے سر پر آ کھڑی ہو تب مانیں گے حالانکہ اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ دے گا اس دن کا تو یہ حال ہوگا کہ دوست دوست سے بھاگے گا کہ اس کے سبب سے کہیں میں نہ پکڑا جاؤں۔ دنیا کی سب دوستیاں اور محبتیں منقطع ہو جائیں گی اور آدمی پچھتائے گا کہ فلاں شریر سے دوستی کیوں کی تھی اس کی رفاقت سے میں بھی گرفتار مصیبت ہوا۔ ہاں البتہ جن کی محبت و دوستی دنیا میں اللہ کے واسطے تھی اور اللہ کے تعلق پر مبنی تھی وہ کام آئے گی علامہ ابن کثیرؒ نے اس موقع پر ایک روایت نقل کی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو ایماندار جو آپس میں دوست ہوتے ہیں جب ان میں سے ایک کا انتقال ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے جنت کی خوشخبری ملتی ہے تو وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدایا فلاں شخص میرا دلی دوست تھا جو مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا۔ بھلائی کی ہدایت کرتا تھا برائی سے روکتا تھا اور مجھے یقین دلایا کرتا تھا کہ ایک روز خدا سے ملنا ہے پس اے باری تعالیٰ تو اسے راہ حق پر ثابت رکھ یہاں تک کہ اسے بھی تو وہ دکھائے جو تو نے مجھے دکھایا ہے اور اس سے بھی تو اسی طرح راضی ہو جائے جس طرح مجھ سے راضی ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملتا ہے تو ٹھنڈے کلیجوں چلا جا۔ اس کے لئے جو کچھ میں نے تیار کیا ہے اگر تو اسے دیکھ لیتا تو تو بہت خوش ہوتا اور بالکل آزردہ نہ ہوتا پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں ملتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا تعلق بیان کرو۔ پس ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ میرا بڑا اچھا بھائی تھا اور نہایت نیک ساتھی تھا اور بہت بہتر دوست تھا ان کے خلاف دو کافر جو آپس میں ایک دوسرے کے دوست تھے جب ان میں سے ایک مرتا ہے اور جہنم کی خبر دیا جاتا ہے تو اسے بھی اپنا دوست یاد آتا ہے اور کہتا ہے باری تعالیٰ فلاں شخص میرا دوست تھا تیری اور

تیرے نبی کی نافرمانی کی مجھے تعلیم دیتا تھا برائیوں کی رغبت دلاتا تھا پس تو اسے میرے بعد ہدایت نہ کرتا کہ وہ بھی وہی دیکھے جو میں نے دیکھا اور اس پر تو اسی طرح ناراض ہو جس طرح مجھ پر غضبناک ہوا۔ پھر جب دوسرا مرتا ہے اور ان کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔تو کہا جاتا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے اوصاف بیان کرو۔تو ہر ایک کہتا ہے تو بڑا برا بھائی تھا اور برا ساتھی تھا اور بدترین دوست تھا۔ الغرض قیامت کے دن تمام دنیوی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے بجز اہل ایمان متقین کے۔

یہاں آخری آیت الاخلآء یومئذ بعضھم لبعض عدو الاالمتقین تمام دنیا کے دوست اس روز یعنی قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے یعنی اہل ایمان متقین کے تو اس میں اس امر کی صاف تصریح ہے اور یہ بات کھول کر بتا دی گئی کہ یہ دنیا کے دوستانہ تعلقات جن پر آج انسان ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام ایک کر ڈالتا ہے قیامت کے روز نہ صرف یہ کہ کچھ کام نہ آئیں گے بلکہ ان کی دوستی الٹی دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔اس لئے دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لئے ہو۔ اور اللہ کے لئے محبت و دوستی کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بنا پر تعلق ہو کہ وہ اللہ کے دین کا سچا پیرو ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھتا ہے اس طرح علمائے حقانی و ربانی۔ مشائخ طریقت۔ بزرگان دین اور اہل اللہ نیز عالم اسلام کے تمام مسلمانوں سے بے لوث محبت جو صرف دین کے تعلق سے ہے وہ سب اللہ کے لئے محبت میں داخل ہے اور اللہ کے لئے محبت کے بڑے فضائل اور درجات احادیث میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ آواز دیں گے کہ کہاں ہیں وہ جو خاص میرے واسطے محبت باہم رکھتے تھے۔آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہیں ہے میں ان کو اپنے سایہ میں لوں گا (تبلیغ دین بحوالہ مسلم) ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عرش کے گرد نور کے ممبر ہیں جن پر ایک جماعت بیٹھے گی جن کے لباس اور چہرے سرتاپا نور ہوں گے اور وہ لوگ نہ نبی ہیں نہ شہید۔مگر انبیاء وشہداء ان کی حالت پر رشک کریں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ کے وہ مخلص بندے جو باہم اللہ کے واسطے محبت کرتے اور اللہ کے واسطے ایک دوسرے کے پاس اٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے ہیں"۔ (تبلیغ دین بحوالہ سنن اکبری نسائی) بخاری و مسلم کی مشہور حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات گروہوں کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جس دن اس سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔وہ سات گروہ یہ ہوں گے۔

ایک عادل بادشاہ

دوسرے وہ نوجوان جو اپنی جوانی خدا کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گزارے۔

تیسرے وہ دو شخص جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھیں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں۔

چوتھے وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے نکلنے کے وقت سے مسجد میں پھر جانے کے وقت تک۔

پانچویں وہ شخص جو خلوت اور تنہائی میں اللہ کا ذکر کر کے رو دے۔

چھٹے وہ شخص جسے کوئی منصب اور جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

ساتویں وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔امام غزالی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے بعد اللہ کے واسطے کی محبت کا مرتبہ ہے اور اس میں بھی دو درجہ ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ تم کو کسی شخص سے اس بنا پر محبت ہو کہ دنیا میں تم کو اس کے ذریعہ سے ایسی چیز حاصل ہوئی ہے جو آخرت میں مفید ہے مثلاً شاگرد کو اپنے استاد کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کے سبب محبت ہے اور مرید کو اپنے مرشد سے راہ طریقت معلوم کرنے کی وجہ سے محبت ہے پس یہ سب اللہ ہی کے واسطے کی محبت ہے کیونکہ کوئی دنیاوی غرض اس محبت سے مقصود نہیں مگر پھر بھی چونکہ خاص اللہ تعالیٰ کی ذات مطلوب نہیں اس لئے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی اللہ کے پیارے اور نیک بندے سے بغیر کسی دینی غرض کے صرف اس وجہ سے محبت ہو کہ یہ شخص حق تعالیٰ کا محبوب ہے...... بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہیں حق تعالیٰ سے محبت ہو اور اس کے محبوب بندوں سے محبت نہ ہو؟...... جس مسلمان کو اپنے مولا سے اتنی بھی محبت نہیں جس کا یہ اثر ہو کہ اللہ کے محبوب بندے اس کے محبوب بن جائیں اور یہ خدا کے دشمنوں کو وہ اپنا دشمن سمجھے تو سمجھنا چاہئے کہ اس شخص کے ایمان میں ضعف ہے اور اس کو اپنے خدا کی محبت نہیں ہے۔ (تبلیغ دین)

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و مقبول بندوں کی سچی محبت اور اپنے دشمنوں کی دشمنی ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

اب آگے متقین اہل ایمان کو جو جزا قیامت کے روز ملے گی اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

ہمارے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حکمت کی باتیں ہمارے طرف لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کا پورا اتباع نصیب فرمائیں اور دین میں بیجا اور ناحق اختلافات سے ہم کو بچائیں اور صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے صالح و متقی اہل ایمان کی رفاقت و دوستی دنیا میں نصیب فرمائیں تا کہ وہ آخرت میں کام آئے۔ اور بے دینوں کی رفاقت و دوستی سے ہم کو بچائیں تا کہ ہمارا دین ایمان محفوظ رہے۔

یا اللہ! اختلاف اور افتراق کی وبا اور بیماری اب اہل اسلام میں بھی گھس آئی ہے جس کے بدنتائج ہم دیکھ رہے ہیں۔

یا اللہ اس لعنت کو امت مسلمہ میں سے دور فرمادے اور ان کو آپس میں اتحاد اتفاق کے ساتھ رہنا نصیب فرمادے۔

یا اللہ ہمارے اختلافات سے دشمنان دین فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور ہمیں نقصان پہنچا رہے ہیں یا اللہ ہمیں قرآن و سنت کی تعلیمات اپنا لینے کی توفیق عطا فرما تا کہ اختلاف کی لعنت ہم میں سے دور ہو اور آپس کے اتفاق و اتحاد کی برکت و سعادت نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو اپنی محبت۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اپنے اولیاء کی محبت نصیب فرما اور اسی محبت کو ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ بنا۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

4 يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

(اور مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔ یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور فرمانبردار تھے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ

تم اور تمہاری بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جاویں گے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ

جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی۔ اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

بنادئے گئے ہو اپنے اعمال کے عوض میں۔ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو۔

يٰعِبَادِ اے میرے بندو	لَا خَوْفٌ کوئی خوف نہیں	عَلَيْكُمْ تم پر	الْيَوْمَ آج	وَلَآ اَنْتُمْ اور نہ تم	تَحْزَنُوْنَ غمگین ہو گے	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے
بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات پر	وَكَانُوْا اور وہ تھے	مُسْلِمِيْنَ (جمع) مُسلم	اُدْخُلُوا تم داخل ہو جاؤ	الْجَنَّةَ جنت	اَنْتُمْ تم	وَاَزْوَاجُكُمْ اور تمہاری بیویاں
تُحْبَرُوْنَ تم خوش بخت کئے جاؤ گے	يُطَافُ لئے پھریں گے	عَلَيْهِمْ ان پر	بِصِحَافٍ رکابیاں	مِّنْ ذَهَبٍ سونے کی	وَّاَكْوَابٍ اور آبخورے	
وَفِيْهَا اور اس میں	مَا تَشْتَهِيْهِ وہ جو چاہیں گے	الْاَنْفُسُ جی (جمع)	وَتَلَذُّ اور لذت ہوگی	الْاَعْيُنُ آنکھوں	وَاَنْتُمْ اور تم	فِيْهَا اس میں
خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہو گے	وَتِلْكَ اور یہ	الْجَنَّةُ جنت	الَّتِيْ وہ جس	اُوْرِثْتُمُوْهَا تم وارث بنائے گئے اس کے	بِمَا اس کے بدلے	
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے تھے	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْهَا اس میں	فَاكِهَةٌ میوے	كَثِيْرَةٌ بہت	مِّنْهَا اس سے	تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے ہو

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں قیامت کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ وہ ایسا دن ہوگا کہ دوست دوست سے بھاگے گا اور افراتفری پڑی ہوگی اور ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے گا۔ بجز خدا سے ڈرنے والے اہل ایمان کے کہ جن کا تعلق اور دوستی دنیا میں اللہ کے واسطے تھی۔ ان کو دوستی کا نفع و ثواب محسوس ہوگا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان اہل ایمان متقین کو قیامت کے دن حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی اور اس طرح خطاب فرمایا جائے گا کہ اے میرے بندو آج تمہارے لئے نہ آئندہ کا ڈر ہے نہ پچھلی باتوں کا غم۔ تم غم و ہراس سے دور رہو۔ اور تمہارے لئے ہر طرح امن و چین ہوگا۔ یہ خطاب کن سے ہوگا؟ یہ ان لوگوں سے کہا جائے گا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے اور اس کے احکام بجا لانے پر کمر بستہ رہتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جبکہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے کھڑے کئے جائیں گے تو سب کے سب گھبراہٹ اور بے چینی میں ہوں گے۔ اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے بندو! آج کے دن تم پر نہ خوف ہے نہ ہراس سارے کے سارے اسے عام اعلان سمجھ کر خوش ہو جائیں گے تو منادی اسی وقت کہے گا وہ بندے جو دل سے ایمان لائے تھے اور جسم سے نیک کام کئے تھے۔ اس وقت سوائے سچے اور پکے مسلمانوں کے باقی سب مایوس ہو جائیں گے۔ تو مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے میدان حشر میں ندا دی جائے گی

اوریعباد اے میرے بندو کے لقب سے خطاب فرمایا جائے گا اور بشارت سنائی جائے گی کہ نہ تم آئندہ کی کسی تکلیف کا اندیشہ کرو اور نہ اب ماضی کے متعلق کوئی غم وفکر رکھو۔

اب یہاں یہ قابل غور ہے کہ یہ بشارت جن کو سنائی جائے گی ان کی دو صفات بیان کی گئی ہیں ایک الذین ا منوا باٰ یٰتنا جو دنیا میں ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے۔ جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے تھے۔ دوسری صفت فرمائی وکانو ا مسلمین اور وہ علماً وعملاً ہمارے فرمانبردار تھے۔ حکم بردار تھے یہیں سے ایمان اور اسلام کا فرق بھی معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور یہ مژدہ اور بشارت انہی کو سنایا جائے گا جو ایمان بھی رکھتے ہوں گے اور اسلام بھی رکھتے ہوں گے۔ تو معلوم ہوا کہ فلاح ونجات آخرت کے لئے جیسا ایمان ضروری ہے ایسا ہی اسلام بھی ضروری ہے اور دونوں کے مجموعہ ہی پر یہ بشارت سنائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا میں ایمان صادق کے ساتھ اسلام کامل بھی نصیب فرمائیں۔ آمین۔ تو میدان حشر میں پہلے تو اے میرے بندو کے پیارے لقب سے بشارت سنائی جائے گی پھر اس کے بعد حکم فرمایا جائے گا کہ تم اور تمہاری ایماندار بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن ومسلم نہیں ہوسکتا ان ہی میں سے جنت وجہنم بھی ہیں اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانہ ہیں۔ جنت کیا ہے؟ اللہ کے انعام اور رضا کی جگہ جہنم کیا ہے؟ اللہ کے غصہ اور ناراضگی کی جگہ۔ قرآن وحدیث میں جو جنت وجہنم کا ذکر بکثرت فرمایا گیا ہے اس سے مقصد یہی ہے کہ انسانوں میں جہنم اور اس کے عذاب کا خوف پیدا ہو اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو جہنم میں لے جانے والی ہیں اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق ابھرے تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں جو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں۔ تو ایسی آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی کا اصلی حق یہی ہے کہ ان کو پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی کیفیتیں پیدا ہوں جن سے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں مدد ملے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کا عزم و ہمت پیدا ہو۔ اہل ایمان کو میدان حشر میں حکم ہوگا کہ تم اور تمہاری بیبیاں جنت میں جاؤ۔ اب آگے ان اہل ایمان کے جنت میں جانے کے بعد کیا ہوگا کچھ تھوڑا سا اس کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جنت میں داخل ہونے پر ان اہل ایمان کے پاس سونے کی رکابیاں کھانوں سے بھری ہوئی اور سونے کے گلاس مشروبات سے بھرے ہوئے لائے جاویں گے۔ گویا ہر چہار طرف سے ان کے سامنے طرح طرح کے ملذز خوش ذائقہ مرغوب کھانوں کی کشتیاں۔ رکابیاں اور قابیں پیش ہوں گی اور غلمان خوش رو اور نوعمر خادم کی حیثیت سے سونے کی پلیٹیں اور گلاس لئے ادھر ادھر ارد گرد گھوم رہے ہوں گے۔ غلمان جنت میں حوروں کی طرح ایک جدا مخلوق ہیں۔ وہ ہمیشہ ایک عمر کے رہیں گے اور مثل بکھرے ہوئے موتیوں کے چاروں طرف اہل جنت کی خدمت کرتے پھریں گے اور صرف کھانے پینے ہی کی نہیں بلکہ ان اہل جنت کو وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کو راحت اور سرور حاصل ہوگا پھر مزید براں ان سے یہ کہا جاوے گا کہ اب تم اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو گے یعنی یہ راحت وآرام اور نعمتیں عارضی نہیں ہیں بلکہ دائمی اور ابدی ہیں اور بطور اعزاز واکرام کے یہ بھی کہا جاوے گا کہ یہ جنت تمہارے باپ آدم کی میراث تم کو واپس مل گئی۔ تمہارے اعمال کے سبب سے اور اللہ کے فضل سے۔ اللہ

تعالیٰ یہ جنت کی نعمتیں اپنے فضل سے مجھ کو اور آپ کو بھی اپنی رحمت سے عطا فرمائیں۔ آمین۔

جس جنت کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے اس کی بابت کچھ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جان لیجئے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں سب سے نیچے درجہ کا جنتی جو سب سے آخر جنت میں جائے گا اس کی نگاہ سو سال کے راستے تک جاتی ہوگی لیکن برابر وہاں تک اسے اپنے ہی ڈیرے خیمے اور محل سونے کے اور زمرد کے نظر آئیں گے جو تمام کے تمام قسم قسم اور رنگ برنگ کے ساز و سامان سے پر ہوں گے۔ صبح و شام ستر ستر ہزار رکابیا لے الگ الگ وضع کے کھانے سے پر اس کے سامنے ر ائیں گے جن میں سے ہر ایک اس کی خواہش کے مطابق اور اوّل سے آخر تک اس کی اشتہا برابر اور یکساں رہے گی۔ اگر وہ روئے زمین والوں کی دعوت کر دے تو سب کو کفایت ہو جائے اور کچھ نہ گھٹے۔ ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جنتی ایک لقمہ اٹھائے گا اور اس کے دل میں خیال آئے گا کہ فلاں قسم کا کھانا ہوتا تو اچھا ہوتا چنانچہ وہ نوالہ اس کے منہ میں وہی چیز بن جائے گا جس کی اس نے خواہش کی تھی پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر ہر شخص کی ایک جگہ جنت میں ہے اور ایک جگہ جہنم میں۔ پس کافر۔ مومن کی جہنم کی جگہ کا وارث ہوگا اور مومن۔ کافر کی جنت کی جگہ کا وارث ہوگا۔ جہنمی اپنی جنت کی جگہ جہنم میں سے دیکھیں گے اور حسرت و افسوس سے کہیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہدایت کرتا تو میں بھی متقیوں میں ہوتا اور ہر ایک جنتی بھی اپنی جہنم کی جگہ جنت میں سے دیکھے گا اور اللہ کا شکر کرتے ہوئے کہے گا کہ ہم خود اپنے طور پر راہ راست کے حاصل کرنے پر قادر نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ خود ہماری رہنمائی نہ فرماتا۔ غرض کہ یہاں آیت میں جنت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہاں قیمتی سے قیمتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے پینے کے برتن ہوں گے۔ اور خادم کھانے پینے کی چیزیں لئے حسب منشا ان کے سامنے حاضر رہیں گے اور جو دل میں آرزو اور چاہت پیدا ہوگی وہ پوری ہوگی اور جو چاہیں گے وہ فوراً ملے گا اور پھر یہ حالت کبھی ختم نہ ہونے والی ہوگی۔

یہ تو حال اہل ایمان کا بیان ہوا ان کے مقابلہ میں آگے مجرموں اور نافرمانوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمالیں جن کو میدان حشر میں کسی خوف اور غم نہ ہونے کی بشارت دی جائے گی۔ یا اللہ آپ نے جہاں اس دنیا میں اپنے فضل سے ہم کو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے وہیں ہم کو کامل طور پر اسلام اور فرمانبرداری کی دولت بھی نصیب فرمایئے۔ یا اللہ اپنی دائمی جنتوں میں ہم کو بھی بے حساب داخل ہونا نصیب فرمایئے۔ اور وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمایئے۔ یا اللہ ساتھ ہی ہمارے اہل و عیال کو بھی جنت نصیب فرمایئے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا

بیشک نافرمان (یعنی کافر) لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ (عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جاوے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ اور ہم نے

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ

ان پر ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم تھے۔ اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار (ہم کو موت دیکر) ہمارا کام ہی تمام کردے وہ (فرشتہ) جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں

مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

رہو گے۔ ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے دین سے نفرت رکھتے ہیں۔ ہاں کیا انہوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کیا ہے۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

ہاں کیا ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی چپکی چپکی باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے، ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں۔

اِنَّ بیشک	الْمُجْرِمِيْنَ مجرم (جمع)	فِيْ میں	عَذَابِ جَهَنَّمَ عذاب جہنم	خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہیں گے	لَا يُفَتَّرُ ہلکا نہ کیا جائے گا	عَنْهُمْ ان سے
وَهُمْ فِيْهِ اور وہ اس میں	مُبْلِسُوْنَ ناامید پڑے رہیں گے	وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ اور ہم نے ظلم نہیں کیا اُن پر	وَلٰكِنْ اور لیکن (بلکہ)	كَانُوْا وہ تھے		
هُمْ وہ	الظّٰلِمِيْنَ ظالم (جمع)	وَنَادَوْا اور وہ پکاریں گے	يٰمٰلِكُ اے مالک	لِيَقْضِ عَلَيْنَا اچھا ہو کہ موت کا فیصلہ کردے ہم پر (ہماری)		
رَبُّكَ تیرا رب	قَالَ وہ کہے گا	اِنَّكُمْ بیشک تم	مّٰكِثُوْنَ ہمیشہ رہنے والے	لَقَدْ جِئْنٰكُمْ تحقیق ہم آئے تمہارے پاس	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	
وَلٰكِنَّ لیکن	اَكْثَرَكُمْ تم میں سے اکثر	لِلْحَقِّ حق سے۔ کو	كٰرِهُوْنَ ناپسند کرنے والے	اَمْ کیا	اَبْرَمُوْٓا انہوں نے ٹھہرالی	اَمْرًا کوئی بات
فَاِنَّا تو بیشک ہم	مُبْرِمُوْنَ ٹھہرانے والے	اَمْ يَحْسَبُوْنَ کیا وہ گمان کرتے ہیں	اَنَّا کہ ہم	لَا نَسْمَعُ ہم نہیں سنتے	سِرَّهُمْ ان کی پوشیدہ باتیں	
وَنَجْوٰىهُمْ اور انکی سرگوشیاں	بَلٰى ہاں	وَرُسُلُنَا اور ہمارے فرشتے	لَدَيْهِمْ ان کے پاس	يَكْتُبُوْنَ لکھتے ہیں		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان کی جزاء کا بیان ہوا تھا کہ قیامت میں اہل ایمان متقین کو خطاب ہوگا کہ اے میرے بندو آج تم کو نہ خوف ہے نہ غم۔ تم خوش خوش اپنی جنتی بیبیوں کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔ چنانچہ جب وہ جنت میں چلے جائیں گے تو ان کے سامنے کھانے پینے کا دور ہوگا۔ اور ان کو ہر وہ چیز جس کا دل چاہے وہ ان کو ملے گی اور پھر یہ بھی بتلا دیا جاوے گا کہ یہ جنت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ابدالآباد تک کے لئے ہیں۔ نیکو کار اہل ایمان کی جزا بیان کردینے کے بعد آگے ان آیات میں بدکار کافروں اور مجرموں کی سزا کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کفار مجرمین جہنم میں جائیں گے اور اسی میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اور ان پر سے عذاب جہنم ذرا بھی نہ ہٹایا جائے گا۔ نہ کم کیا جائے گا۔ اور وہ اسی عذاب میں مایوس پڑے رہیں گے اور ناامید ہوجائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ یہاں آیت میں لفظ مجرمین کا آیا ہے جس سے مراد مشرک وکافر ہیں کیونکہ دوسری آیات اور بکثرت احادیث اس کی دلالت کررہی ہیں کہ عاصی اور گناہ گار مومن اگر بغیر توبہ کے بھی مرجائیں اور ان کے گناہوں کی مغفرت بھی نہ ہو تب بھی وہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد کبھی نہ کبھی جنت میں چلے ہی جائیں گے اور یہاں آیت میں دوامی عذاب میں مبتلا ہونے اور رہائی بلکہ تخفیف عذاب سے بھی ناامید ہوجانے کی صراحت

موجود ہے اس لئے یہاں مجرمین سے مقصود صرف کفار ہی ہیں ۔آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کفار کو جہنم رسید کر کے ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوا کہ ناحق عذاب دیا گیا ہو بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے کہ کفر و شرک کر کے اپنا نقصان کر لیا۔ان کو دنیا میں بھلائی برائی کے سب پہلو سمجھا دیئے گئے تھے اور پیغمبروں کو بھیج کر حجت تمام کر دی تھی ۔کوئی معقول عذر ان کے لئے باقی نہ چھوڑا تھا۔اس پر بھی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے ۔ پھر ایسوں کو سزا دی جائے تو اسے ظلم کون کہہ سکتا ہے؟ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے فائدہ اندوز ہونے کے باوجود اس کو معبود یکتا نہ مانا اور اس کے احکام کی تعمیل نہ کی پھر خداداد قوتوں کا غلط استعمال کیا۔علمی اور عملی طاقت کا بے محل استعمال کیا۔فکر و اعتقاد کو غلط رو بنایا۔یہی زندگی کا غلط استعمال اور بے راہ روی دوامی جہنم کی شکل میں ان کے سامنے آئی آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ مجرمین نجات سے بالکل مایوس ہو جاویں گے تو اس وقت موت کی تمنا کریں گے اور جہنم کے داروغہ مالک نامی فرشتے کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ہم نہ یہاں سے چھوٹتے ہیں۔اور نہ مرتے ہی ہیں۔اپنے رب سے تم ہی دعاء کرو کہ تمہارا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارا کام تمام کر دے ۔لکھا ہے کہ جہنمی ہزار برس چلائیں گے تب مالک فرشتہ جواب دے گا کہ چلانے سے کچھ فائدہ نہیں تم کو اسی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے یعنی کبھی نہ مرو گے کہ عذاب سے نجات مل جائے نہ یہاں سے نکلو گے ۔ اہل جہنم کی یہ حالت بیان کر کے آگے کفار مشرکین سے خطاب ہوتا ہے کہ ہم نے تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کر دیا ہے اور سچی باتیں بتادی ہیں لیکن تم میں سے بہت سوں کو سچ سے تو نفرت ہے ۔اس کو قبول کرنا تو درکنار اسے سننا بھی پسند نہیں کرتے پھر انہیں کفار مشرکین کی طرف اشارہ کر کے بتلایا جاتا ہے کہ ان کفار نے اللہ کے رسول کے مقابلہ میں طرح طرح کے خفیہ منصوبے گانٹھتے اور پوشیدہ تدبیریں کرتے ہیں مگر اللہ کی خفیہ تدبیریں ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی ہیں۔انہوں نے اسلام سے لوگوں کو روکنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ اسلام دنیا بھر میں پھیل کر رہے گا اور ان کی سب تدبیریں ناکام ہو کر رہیں گی ۔ پھر کفار مکہ نے آپس میں مشورہ سے یہ بھی طے کیا تھا کہ ہم میں جو اسلام قبول کر چکا ہے اگر وہ آزاد ہے تو اس کے ساتھی اور رشتہ دار اور اگر وہ غلام ہے تو اس کا آقا اور مالک اس پر سختی کرے۔اسے ڈانٹے ڈپٹے۔مارے پیٹے ۔سزائیں دے تا کہ وہ دق ہو کر اور تنگ ہو کر اسلام چھوڑ دے اور باہر سے آنے والوں کو مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ ایک شخص جو نئے دین کی دعوت اور تعلیم پیش کرتا ہے اس کے پاس بھی نہ پھٹکنا ورنہ تم (نعوذ باللہ) گمراہ ہو جاؤ گے اور ان کی باتوں میں جادو کا اثر ہے چنانچہ ان کفار مکہ نے قول و قرار کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔اسی کے متعلق یہاں اشارہ ہے کہ اللہ نے بھی پکا فیصلہ کر لیا ہے کہ کفار مکہ کی یہ ساری تدبیریں ناکام ہو کر رہیں گی اور اسلام کا بول بالا اس سرزمین پر ہو کر رہے گا چنانچہ الحمد للہ یہ قرآنی پیشین گوئی اسی طرح ثابت ہوئی آگے ارشاد ہوتا ہے کہ کیا یہ کفار جو ہمارے رسول اور ہمارے دین اسلام کو مٹانے اور نقصان پہنچانے کی خفیہ تدبیریں کر رہے ہیں تو کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی چھپی چھپی کہی ہوئی باتوں اور ان کے خفیہ مشوروں کو نہیں سنتے ۔ہم ضرور سنتے ہیں اور ان کے دلوں کے بھید تک ہم جانتے ہیں اور انتظامی ضابطہ کے موافق ہمارے فرشتے کراماً کاتبین ان کے سب اعمال و افعال لکھتے جاتے ہیں۔ان کا سارا کچا چٹھا قیامت میں پیش ہوگا۔

اب آگے مشرکین کے اس عقیدہ شرکیہ کے متعلق کہ (نعوذ باللہ) اللہ اولاد رکھتا ہے اس کا رد فرمایا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی پاکی بڑائی وعظمت وشان بیان فرما کر خاتمہ سورۃ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ ان منکرین سے جو توحید و رسالت کا محض عناد و ہٹ دھرمی کی بنا پر انکار کر رہے ہیں ان سے اعراض فرما لیا جائے جس کا بیان انشاء اللہ خاتمہ کی اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ۝۸۱ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ

آپ کہیئے اگر خدائے رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں۔ آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے

الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۸۲ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ۝۸۳

ان باتوں سے منزہ ہے جو یہ (مشرک) لوگ بیان کررہے ہیں۔ تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝۸۴ وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ

اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے، اور وہی بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے۔ اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کیلئے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۵ وَلَا یَمْلِكُ

آسمانوں اور زمین کی اور جو مخلوق اس کے درمیان میں ہے اس کی سلطنت ثابت ہے، اور اس کو قیامت کی (بھی) خبر ہے، اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور خدا کے سوا

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۸۶ وَلَئِنْ

جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش (تک) کا اختیار نہ رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے حق بات کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ ۝۸۷ وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸

کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے سو یہ لوگ کدھر الٹے جاتے ہیں۔ اور اس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝۸۹

تو آپ ان سے بے رخ رہیئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں، سو ان کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔

قُلْ فرمادیں	اِنْ كَانَ اگر ہوتا	لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ) کا	وَلَدٌ کوئی بیٹا	فَاَنَا تو میں	اَوَّلُ پہلا	الْعٰبِدِیْنَ عبادت کرنیوالا	سُبْحٰنَ پاک ہے		
رَبِّ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کا رب	وَالْاَرْضِ اور زمین	رَبِّ الْعَرْشِ عرش کا رب	عَمَّا اس سے جو	یَصِفُوْنَ وہ بیان کرتے ہیں	فَذَرْهُمْ پس چھوڑ دیں انکو				
یَخُوْضُوْا وہ بیہودہ باتیں کریں	وَیَلْعَبُوْا اور کھیلیں	حَتّٰی یہاں تک	یُلٰقُوْا وہ پالیں	یَوْمَهُمُ اس دن کو	الَّذِیْ وہ جس	یُوْعَدُوْنَ ان کو وعدہ کیا جاتا ہے			
وَهُوَ اور وہ	الَّذِیْ وہ جو	فِی السَّمَآءِ آسمانوں میں	اِلٰهٌ معبود	وَفِی الْاَرْضِ اور زمین میں	اِلٰهٌ معبود	وَهُوَ اور وہی	الْحَكِیْمُ حکمت والا	الْعَلِیْمُ علم والا	
وَ اور	تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِیْ وہ جو	لَهٗ اس کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا بَیْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان		
وَعِنْدَهٗ اور اسکے پاس	عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم	وَاِلَیْهِ اور اسکی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹ کر جاؤ گے	وَلَا یَمْلِكُ اور اختیار نہیں رکھتے	الَّذِیْنَ وہ جن کو				
یَدْعُوْنَ وہ پکارتے ہیں	مِنْ دُوْنِهٖ اسکے سوا	الشَّفَاعَةَ شفاعت	اِلَّا سوائے	مَنْ شَهِدَ جس نے گواہی دی	بِالْحَقِّ حق کی	وَهُمْ اور وہ	یَعْلَمُوْنَ جانتے ہیں		
وَلَئِنْ اور اگر	سَاَلْتَهُمْ آپ ان سے پوچھیں	مَنْ کس	خَلَقَهُمْ پیدا کیا انہیں	لَیَقُوْلُنَّ تو وہ ضرور کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	فَاَنّٰی تو کدھر			
یُؤْفَكُوْنَ وہ الٹے پھرے جاتے ہیں	وَقِیْلِهٖ قسم اس کے کہنے کی	یٰرَبِّ اے میرے رب	اِنَّ بیشک	هٰٓؤُلَآءِ یہ	قَوْمٌ لوگ	لَا یُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لائیں گے			
فَاصْفَحْ تو آپ منہ پھیر لیں	عَنْهُمْ ان سے	وَقُلْ اور کہیں	سَلٰمٌ سلام	فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ پس جلد انہیں معلوم ہو جائے گا					

تفسیر و تشریح

یہ سورہ زخرف کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ کفار و مشرکین کے انہی جرائم کے سلسلہ میں گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا گیا تھا کہ "ہم نے ان پر ذرا ظلم نہیں کیا کہ ناحق عذاب دیا ہو لیکن یہ خود ہی ظالم تھے"۔ اس ارشاد کے بعد کفار و مشرکین کے ظلم کی چند مثالیں بیان فرمائی گئی تھیں۔ پہلی بات تو ان کفار و مشرکین کے ظلم کی یہ تھی کہ اللہ نے سچا دین ان کے پاس پہنچایا لیکن اکثر کفار نے اس سچے دین سے نفرت ہی کی۔ کفار کے دوسرے مظالم یہ تھے کہ وہ اللہ کے سچے رسول اور اللہ کے سچے دین کے نقصان کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورہ کرتے تھے۔ جس پر انہیں تنبیہ کی گئی تھی کہ اللہ کو ان کی خفیہ تدبیروں اور مشوروں کا سب علم ہے اور اس کے فرشتے ان کے یہ سب اعمال و افعال لکھتے جا رہے ہیں جس کا حال ان پر قیامت میں سب کھل جائے گا۔ اسی سلسلہ میں کفار و مشرکین کا ایک اور ظلم ان آیات میں بیان کر کے اس کا رد فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ ان کفار و مشرکین نے اللہ کے لئے (نعوذ باللہ) بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی ہیں۔ اس عقیدہ کی تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ مشرکین کے اس عقیدہ کے رد میں یوں کہیں کہ تم جو حق تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو تو اگر بالفرض محال ایسا ہوتا یعنی نعوذ باللہ خدائے رحمٰن کے اولاد ہوتی تو سب سے اول اس بات کو تسلیم کرنے والا میں ہوتا یعنی مجھ کو تمہاری طرح حق بات کے ماننے سے انکار اور ضد نہیں۔ میں جس بنا پر اس سے انکار کرتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ حقیقت میں خدا کا کوئی بیٹا یا بیٹی نہیں ہے اور تمہارا یہ عقیدہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے ورنہ میں تو اللہ تعالیٰ کا ایسا مطیع اور فرمانبردار بندہ ہوں کہ اگر بالفرض یہ حقیقت ہوتی تو میں تم سے پہلے اس معاملہ میں بندگی میں سر جھکا دیتا اور اس کی اولاد کی ویسی ہی عزت اور عبادت کرتا جیسے کہ ان کے شایان شان ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بابت جو غلط بیانیاں تم کرتے ہو وہ ان سے بالکل پاک ہے۔ وہ تو آسمانوں اور زمین اور عرش عظیم کا مالک و مختار ہے۔ اس اکیلے کا حکم سب پر چلتا ہے۔ اسے نہ اولاد کی ضرورت نہ مددگار کی حاجت۔ وہ تنہا سب پر حاوی اور قابض ہے اور جو ہے اس کا بندہ اور مملوک ہے تو اس کی ذات میں یہ امکان ہی نہیں کہ معاذ اللہ وہ کسی کا باپ بنے یا اس کا کوئی بیٹا بنے۔ آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ یہ منکرین جہل و غفلت کے نشہ میں جو کچھ بکتے ہیں بکنے دیجئے۔ یہ لوگ اور چند روز دنیا کے کھیل تماشہ میں گزار لیں آخر وہ یوم موعود یعنی روز قیامت آنا ہے جس میں ایک ایک کر کے ان کی گستاخیوں اور شرارتوں کا مزہ چکھایا جائے گا۔ خدا تو وہی ایک اکیلا خدا ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ ساری خلقت زمین سے آسمان تک اس کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے اور اس کے سامنے پست و عاجز ہے۔ زمین و آسمان میں ہر جگہ وہی اکیلا معبود ہونے کا حق دار ہے اور کوئی نہیں کیونکہ فقط وہی کامل حکمت والا اور علم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات بابرکات ہے جو ساری خوبیوں کا سرچشمہ اور جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے سب کی بادشاہت ہے۔ فرش سے عرش تک اسی کا راج ہے اور یہ بھی اسی کو خبر ہے کہ قیامت آئے گی جس دن سارے مردے زندہ کر کے کھڑے کئے جاویں گے اور سب اسی کی طرف لوٹ کر جاویں گے اور ہر ایک کے عملوں کے مطابق فیصلہ فرمایا جائے گا۔ اور یہ جو کفار و مشرکین نے غلط خیال قائم کر رکھا ہے کہ ان کے معبودان باطل جن کی یہ پرستش کرتے ہیں یہ اللہ

سے ان کی سفارش کر کے دنیا میں جو چاہیں دلوا دیں گے اور قیامت کے دن ان کی سفارش کر کے عذاب سے بچالیں گے تو یہ سب بالکل بے بنیاد خیال ہیں وہ بالکل بے اختیار ہیں وہ سفارش کا کوئی اختیار نہ رکھیں گے ہاں البتہ جن لوگوں نے دنیا میں کلمہ حق یعنی ایمان کا اقرار کیا تھا اور وہ دل سے تصدیق بھی کیا کرتے تھے جیسے انبیاء۔اولیاء۔صلحاء مومنین وہ باذن الٰہی اہل ایمان کی سفارش کر سکیں گے مگر اس سے کفار کو کیا فائدہ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ان مشرکین سے پوچھا جائے کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ نے مشرکین عرب کو نزول قرآن کے زمانہ میں یہ اقرار تھا کہ تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔تو جب یہ مشرکین کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ خالق اور ان کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے تو پھر عبادت اور بندگی کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہو گیا۔ ان کی جہالت اور حماقت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ایسی سیدھی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی اور بلکہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔عجیب بات ہے کہ مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ سے انکار۔ان کی مت کیسی اوندھی ہو رہی ہے۔تو اس سے ان کا جرم صاف ظاہر ہے کہ ان کا یہ انکار محض عناد سے ہے اور ظاہر ہے کہ معاند زیادہ مجرم ہوتا ہے ۔پھر ان کا جرم اللہ کے رسول کی فریاد اور نالش سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اس قدر ڈھٹائی اور بے پروائی اختیار کی کہ ہمارے رسول کو ہماری جناب میں کہنا پڑا کہ اے میرے رب میں نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔اس کا مطلب سمجھایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا غرض ہر طرح سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن باوجود میری اس درجہ فہمائش کے یہ ایمان نہیں لاتے اور میری بات نہیں مانتے تو ہم نے اپنے رسول کی یہ فریاد سن لی ہے پس ایسی حالت میں ان سرکشوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ کیسا سخت عذاب ہوگا۔سورۃ کے خاتمہ پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان معاندین سے درگذر کریئے اور اگر وہ آپ سے مخالفت اور جہالت اور شر کی باتیں کریں تو آپ رفع شر کے لئے یوں کہہ دیجئے کہ میں تم کو سلام کرتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا۔آپ چندے صبر کیجئے۔عنقریب ان کو پتہ لگ جائے گا اور مرتے ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔

اب یہاں یہ امر قابل غور وفکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار ومشرکین کے ایمان نہ لانے اور کفر وشرک پر اصرار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد و نالش کرنا پڑی تو جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے اور آپ کا کلمہ پڑھتے ہوئے اسلام سے درپردہ بغاوت پر کمربستہ ہیں۔حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کے درپے ہیں جو احکام الٰہیہ کے مقابلہ میں یورپ اور امریکہ کے بے دینوں کے قانون کو ترجیح دیتے ہیں۔جو قرآنی قوانین کو ۱۴۰۰ سال پرانے اور اس ترقی کے زمانہ میں نہ چل سکنے کا الزام لگاتے ہیں جو قرآن میں اپنے اقتصادی مسائل کا حل نہیں پاتے۔ جو رسول اللہ کی سنتوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو مغرب کے بے دینوں اور یہود ونصاریٰ کے قدم بقدم چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں جو دین پر چلنے کو دقیانوسیت خیال کرتے ہیں۔ جو اس سائنس اور ٹیکنالوجی کے زمانہ میں قرآن وحدیث کی بات کرنا جرم سمجھتے ہیں۔ جو دین اور مذہب اور اللہ ورسول سے آزاد ہو کر ترقی کی رٹ لگاتے ہیں۔اور جو اس کے خلاف زبان کھولے اس کو ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے والا اور زمانہ سے ناواقف گردانتے ہیں تو کیا ایسوں کے خلاف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جناب میں شکایت کی نوبت نہ آئے گی؟ پھر جب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ہی شکایت فرمائیں تو

پھر ٹھکانہ کہاں اور کیا انجام ہونا ہے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

سورۃ کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقل سلام کی جو تلقین فرمائی گئی اور یہ جو فرمایا کہ کہہ دیجئے کہ میں تم کو سلام کرتا ہوں تو اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ ان معاند کفار و مشرکین کو ''السلام علیکم'' کے الفاظ کہیں جائیں کیونکہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کسی شخص سے قطع تعلق کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ میری طرف سے سلام ہے۔ یا تمہیں سلام کرتا ہوں۔ اس سے حقیقی طور پر سلام کرنا مقصود نہیں ہوتا جو ایک دعائیہ کلمہ ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں خوبصورتی کے ساتھ تم سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہوں۔ اور تم سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتا۔ (معارف القرآن جلد ۷)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حقیقی اسلام اور کامل ایمان نصیب فرمائیں اور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور آپ کے ارشاد کی تعمیل نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو قرآنی اور اسلامی حکومت نصیب فرمائیں۔ اور اس کی برکات سے دین و دنیا دونوں جہان میں مالا مال فرمائیں۔

یا اللہ! اس پرفتن دور میں ہم ان کفار و مشرکین کی کیا شکایت کریں کہ جنہوں نے اس آسمانی کتاب رحمت کی قدر نہ کی اور اس پر ایمان لانے کی سعادت حاصل نہ کی۔ ہمیں تو رونا ان اہل اسلام ہی کے لئے ہے کہ جو اس قرآن کریم پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر نہ صرف اس کی تعلیمات سے انحراف اور تغافل برت رہے ہیں بلکہ اب تو اس سے بغاوت تک کی نوبت دیکھنے اور سننے میں آرہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور اس ملک پر جو اسلام کے نام سے دنیا کے نقشہ میں نمودار ہوا تھا ہم کو اسلام کی سچی وقعت و عظمت عطا فرمائیں یا اللہ! ہماری آنکھیں قرآن کریم کے حقوق کی طرف سے کھول دے اور اس کی سچی عظمت کے ساتھ اس کا اتباع بھی نصیب فرمادے۔ اور گذشتہ میں ہم سے جو اس سلسلہ میں تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان کے تدارک کی اور اس جرم عظیم سے توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ

حم۔قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے۔اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے

كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿٤﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦﴾

حکم ہوکر طے کیا جاتا ہے، ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوتی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے، بیشک وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

حٰمٓ حٰم	وَالْكِتٰبِ قسم۔کتاب	الْمُبِيْنِ واضح	اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ بیشک ہم نے نازل کیا اسے	فِيْ میں	لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ایک مبارک رات	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم میں		
مُنْذِرِيْنَ ڈرانے والے	فِيْهَا اس میں	يُفْرَقُ فیصل کیا جاتا ہے	كُلُّ اَمْرٍ ہر امر	حَكِيْمٍ حکمت والا	اَمْرًا حکم ہوکر	مِّنْ عِنْدِنَا ہمارے پاس سے		
اِنَّا كُنَّا بیشک ہم ہیں	مُرْسِلِيْنَ بھیجنے والے	رَحْمَةً رحمت	مِّنْ سے	رَّبِّكَ تمہارا رب	اِنَّهٗ هُوَ بیشک وہی	السَّمِيْعُ سننے والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا	

تفسیر وتشریح: بفضلہ تعالیٰ اب ۲۵ ویں پارہ کی سورہ دخان کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں۔اس کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔مقام نزول۔خلاصہ مضامین ۔تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔اس سورۃ کی دسویں آیت میں لفظ دخان آیا ہے۔دخان کے لفظی معنیٰ ہیں دھواں ۔ جس دخان یعنی دھویں کا ذکر اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے اس کی تفصیل وتشریح انشاءاللہ آئندہ درس میں آئے گی۔ بہرحال جس دخان کا ذکر اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے اس سے مراد ایک خاص دھواں ہے اس لئے بطور علامت اس سورۃ کا نام ہی دخان مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کا زمانہ نزول بھی وہی دور ہے جبکہ کفار مکہ کی مخالفت نہایت شدید ہوگئی تھی۔اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے دعا کی تھی کہ اللہ یوسفؑ کے قحط جیسے ایک قحط سے میری مدد فرما۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اس خیال سے کی تھی کہ جب ان کفار پر مصیبت پڑے گی تو ان کی اکڑی ہوئی گردنیں ڈھیلی پڑ جائیں گی اور ان کے دل نصیحت قبول کرنے کے لئے نرم ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور مکہ کے علاقہ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ اہل مکہ بلبلا اٹھے اور بڑے بڑے ہیکڑ دشمنان حق اور سرداران قریش جن میں اس وقت ابو سفیان بھی شامل تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے درخواست کی کہ اپنی قوم کو اس بلا سے نجات دلانے کے لئے اللہ سے دعا کریں ۔ نیز انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ یہ عذاب قحط پرورگار ہم پر سے ٹال دے تو ہم ایمان لے آویں گے۔ یہی موقع ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ مکہ میں نازل فرمائی۔ یہ ان سات سورتوں میں سے جو حم سے شروع ہوتی ہیں۔ پانچویں سورۃ ہے اور حم سے شروع ہونے والی سورتوں کی فضیلت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حم سات ہیں اور جہنم کے بھی ۷ دروازے ہیں۔ ہر حم جہنم کے کسی ایک دروازہ پر ہوگی اور کہے گی کہ یا اللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازہ سے داخل نہ کیجیو۔ نیز اس سورۃ کی فضیلت میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات میں سورہ دخان پڑھ لے تو صبح کو اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۴ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۵۳ ہے یعنی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۵۲ سورتیں اس سورہ دخان سے

قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۶۱ سورتیں اس سورت کے بعد نازل ہوئیں۔اس سورت میں ۵۹ آیات۔تین ۳ رکوعات ۳۴۹ کلمات اور ۱۴۹۵ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔چونکہ یہ سورۃ بھی مکی ہے اس لئے اس میں بھی عقائد ہی سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔مثلاً اثبات توحید و رسالت۔منکرین پر وعید۔اور تاکید۔وعید کے لئے بعض اقوام سابقہ کے واقعات۔قیامت اور حشر نشر کا ہونا۔اور اپنے اعمال کی جزا و سزا میں بالآخر جنت یا جہنم میں جانا اور وہاں کے عیش و آرام یا دکھ و آزار کا بیان۔سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے تذکرہ سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ تو ایک بہت ہی صاف اور واضح کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی برکت والی رات میں نازل کیا جس رات میں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے کیونکہ اس کی رحمت انسان کو دنیا میں بے یار و مددگار کیسے چھوڑ سکتی تھی۔اللہ تعالیٰ ہی آسمان زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کا خالق ہے اور وہی سب کی پرورش اور دیکھ بھال کرتا ہے اور زندگی و موت دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔پھر ان منکرین کو جو دین حق کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور کھیل کود میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں تنبیہ کی گئی اور بتلایا گیا کہ اس وقت کا انتظار کرو جب دھواں ہی دھواں آسمان پر ہوگا اور لوگ سخت دکھ اور تکلیف میں ہوں گے اور گھبرا کر کہیں گے کہ اے رب اس عذاب کو ہم سے دور کر دے ہم ایمان لے آئیں گے۔اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بھلا وہ کب ایمان لانے والے ہیں۔ان کے پاس اللہ کے سچے رسول کھلی اور واضح باتیں لے کر آئے لیکن انہوں نے انہیں جھٹلا دیا۔اچھا کچھ مدت کے لئے عذاب روک دیتے ہیں لیکن یہ پھر وہی کریں گے جو پہلے کیا تھا۔اس لئے تنبیہ کی گئی کہ یاد رکھو قیامت کے دن بڑی سخت پکڑ ہوگی اور تمہاری ڈھٹائی کا بدلہ دیا جائے گا۔پھر مثال کے لئے فرعون کا قصہ سنایا گیا کہ فرعون نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو بڑے مکرم رسول تھے جھٹلایا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معجزات دکھلائے اور اللہ کی نشانیاں پیش کیں مگر فرعون نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔آخر فرعونیوں پر طرح طرح کے عذاب آئے لیکن ان کا حال یہ تھا کہ عذاب آتا تو کہتے کہ اے موسیٰ! اس عذاب کو اپنے رب سے دعا مانگ کر دور کرا دو تو ہم تمہاری بات ماننے کو تیار ہیں لیکن جب عذاب ہٹ جاتا تو پھر ویسے ہی ڈھیٹ بن جاتے۔آخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے جانے کا حکم ملا تو فرعون نے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا جس کے نتیجہ میں فرعونی سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوئے اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم و ستم سے نجات ملی اور قیامت میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔تو عرب کے یہ مشرک بھی ان ہی مغروروں کی چال چل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا۔بس مر گئے سو مر گئے اور کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے کو مانتے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ہم زبانی دعوے کو تو ہرگز نہیں مانتے۔اس پر منکرین سے کہا گیا کہ نادانو! تم کیا ہو۔تم سے پہلے تم سے زبردست لوگوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے اس لئے سمجھ سے کام لو۔یہ دنیا۔یہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے یہ یونہی کوئی کھیل تو نہیں بنایا۔اس کا بڑا زبردست نتیجہ نکلنا ہے جو قیامت کو معلوم ہوگا پھر سمجھایا گیا کہ لوگو قیامت میں شک مت کرو۔یہ دنیا کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ یہ ایک دن فنا ہو کر رہے گی اور سارے انسان اللہ کے سامنے حاضر کئے جائیں گے ان کے عملوں کا حساب ہوگا۔اچھے عمل والے جنت میں جائیں گے جہاں راحت ہی راحت ہے اور برے عمل والے جہنم میں جائیں گے جہاں دکھ ہی دکھ ہے۔اب اگر تمہیں یہ نصیحت ماننی ہے تو مانو ورنہ وقت آنے پر ساری حقیقت کھل جائے گی۔یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں آئیں گی۔

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات حم سے فرمائی گئی۔جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے حروف مقطعات اسرار الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کے صحیح مطلب و معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔حروف مقطعات کے متعلق یہی عقیدہ

رکھنا چاہئے۔اس کے بعد مضمون قرآن مجید کی تعظیم سے شروع ہوتا ہےاور فرمایا جاتا ہے کہ قسم ہے اس کتاب مبین کی کہ ہم نے اس کوایک خیرو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں برکت والی رات سے مراد لیلۃ القدر ہے جیسا کہ تیسویں پارہ سورہ قدر میں فرمایا گیا انا انزلنه فی لیلة القدر ہم نے اس کو یعنی قرآن کریم کو اتارا لیلۃ القدر میں۔ دوسری جگہ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن۔ رمضان کے مہینہ میں قرآن نازل کیا گیا۔اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتدائے دنیا سے آخر تک اپنے انبیا علیہم السلام پر نازل فرمائیں وہ سب کی سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں۔

اب یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ باتفاق مورخین قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یک بارگی نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا مکہ اور مدینہ میں ۲۳ برس کے عرصہ میں نازل ہوا پھر یہ کیسے فرمایا جاتا ہے کہ قرآن کریم ایک برکت والی رات میں نازل ہوا تو علما نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ پورا قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر لیلۃ القدر میں نازل ہوا جو رمضان کے مہینہ میں واقع ہوئی تھی یا ہمیشہ رمضان ہی میں واقع ہوتی ہے۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسب حاجت دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا شروع ہوا۔اس لئے آیت انا انزلنه فی لیلة مبارکة کا ترجمہ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم نے اس کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ایک برکت والی رات یعنی شب قدر میں اتارا ہے۔

اب یہ کتاب کیوں اتاری گئی اس کے متعلق فرمایا انا کنا منذرین یعنی ہم کو منظور ہوا کہ اپنے بندوں کو مضرت اور نقصان سے بچانے کے لئے خیر وشر اور نیک و بد کی اطلاع کر دیں تو مقصد نزول بندوں کو خبردار اور ہوشیار کر دینا اور ان کے اعمال بد کی سزا سے آگاہ کر دینا مقصود تھا۔اس کے بعد لیلۃ المبارکۃ یعنی برکت والی رات کی عظمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ اس رات میں سال بھر کے معاملات جس طور پر حق تعالیٰ کو کرنا منظور ہے اس طور کو متعین کر کے ان کی اطلاع کارکن ملائکہ کو کر دی جاتی ہے۔ یعنی سال بھر کے متعلق قضاوقدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالہ کئے جاتے ہیں۔آگے بتلایا گیا کہ یہ قرآن اس لئے نازل کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ بوجہ اپنی رحمت کے جو اس کو اپنے بندوں پر ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنانے والے تھے تاکہ آپ کی معرفت بندوں کو آگاہ وخبردار کر دیں۔

اب آگے توحید کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو قرآن کریم عطا فرمایا۔

یا اللہ اپنی اس کتاب کے انوار سے ہمارے قلوب کو منور فرما اس کے اتباع کی سعادت نصیب فرما۔اور اس کے اتباع کی برکت سے دین ودنیا کی بھلائی نصیب فرما۔یا اللہ شب قدر کی برکت وفضیلت ہم کو بھی زندگی میں بار بار نصیب فرما۔نیز اس سورۃ کو شب جمعہ میں تلاوت کی سعادت اور توفیق عطا فرما۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۷ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ

جو کہ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو (مخلوق) ان دونوں کے درمیان ہے اس کا بھی، اگر تم یقین لانا چاہو۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں وہی جان ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے، وہ تمہارا پروردگار ہے

اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝۹ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔ بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں مصروف ہیں۔ سو آپ اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو۔

يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۱ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى

جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، یہ (بھی) ایک دردناک سزا ہے۔ اے ہمارے رب ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آویں گے۔ ان کو کب نصیحت ہوتی ہے

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝۱۴ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ

حالانکہ ان کے پاس ظاہر شان کا پیغمبر آیا۔ پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ (کسی کا) سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے۔ ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے،

قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝۱۵ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝۱۶

تم پھر اپنی اُسی حالت پر آ جاؤ گے، جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے، (اس روز) ہم بدلہ لے لیں گے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ رب ہے آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	مُّوْقِنِيْنَ یقین کرنے والے		
لَا نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وہ جان ڈالتا ہے اور جان نکالتا ہے	رَبُّكُمْ تمہارا رب	وَرَبُّ اور رب	اٰبَآئِكُمُ تمہارے باپ دادا	
الْاَوَّلِيْنَ پہلے	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	فِيْ شَكٍّ شک میں	يَّلْعَبُوْنَ کھیلتے ہیں	فَارْتَقِبْ تو تم انتظار کرو	يَوْمَ اس دن	تَاْتِي السَّمَآءُ آسمان لائے	
بِدُخَانٍ دھواں	مُّبِيْنٍ ظاہر	يَّغْشَى وہ ڈھانپ لے گا	النَّاسَ لوگوں	هٰذَا یہ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ عذاب دردناک	رَبَّنَا اے ہمارے رب	
اكْشِفْ کھول (دور) کردے	عَنَّا ہم سے	الْعَذَابَ عذاب	اِنَّا بیشک ہم	مُؤْمِنُوْنَ ایمان لے آئیں گے	اَنّٰى کہاں	لَهُمُ ان کو	الذِّكْرٰى نصیحت
وَقَدْ جَآءَهُمْ اور تحقیق آچکا انکے پاس	رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ رسول کھول کر بیان کرنیوالا	ثُمَّ پھر	تَوَلَّوْا وہ پھر گئے	عَنْهُ اس سے	وَقَالُوْا اور کہنے لگے		
مُعَلَّمٌ سکھایا ہوا	مَّجْنُوْنٌ دیوانہ	اِنَّا بیشک ہم	كَاشِفُوا کھولنے والے	الْعَذَابِ عذاب	قَلِيْلًا تھوڑا	اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ تم بیشک واپس حالت پر لوٹ آنیوالے ہو	
يَوْمَ جس دن	نَبْطِشُ ہم پکڑیں گے	الْبَطْشَةَ پکڑ	الْكُبْرٰى بڑی سخت	اِنَّا بیشک ہم	مُنْتَقِمُوْنَ انتقام لینے والے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اس کتاب واضح یعنی قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ایک برکت والی رات یعنی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل فرمایا اور پھر وہاں سے بتدریج ۲۳ سال میں حسب ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اور یہ لیلۃ المبارکہ یعنی برکت والی رات ایسی عظمت والی ہے کہ اسی عظیم الشان رات میں ایک سال کے متعلق قضا و قدر کے فیصلہ لوح محفوظ سے نقل کر کے ملائکہ کے حوالہ کئے جاتے ہیں نیز یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ قرآن کریم اس لئے نازل کیا گیا تا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے بندوں کو خیر و شر کی اطلاع کر دیں تا کہ وہ شر سے بچ سکیں اور خیر حاصل کر سکیں۔ اب آگے اس کے بعد چند اوصاف الٰہی کا بیان ہوتا ہے تا کہ اس کا معبود حقیقی ہونا ذہن نشین ہو کر اس

کی طرف بندے رجوع کریں اور اس کی وحدانیت و الوہیت اور معبودیت کو تسلیم کریں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس قرآن کریم کو اتارنے والا اور رسولوں کو بھیجنے والا وہ خدا ہے جو آسمان زمین اور اس کے درمیان کی کل چیزوں کا خالق و مالک ہے انسان میں اگر کسی چیز پر یقین کرنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلی چیز یقین رکھنے کے قابل اللہ کی ربوبیت عامہ ہے جس کے آثار کائنات میں روشن ہیں پھر معبود برحق بھی وہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پھر ہر ایک کی موت و زیست اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور سب اولین و آخرین کا پالنے پوسنے والا وہی ہے تو جس کے قبضہ میں پیدا کرنا' مارنا جلانا اور سب کو روزی دینا اور ان کی پرورش کرنا ہو۔ کیا اس کے سوا کسی دوسرے کی بندگی و عبادت جائز ہو سکتی ہے؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ تو ان واضح نشانات اور قطعی دلائل کا اقتضا تو یہ تھا کہ یہ منکرین توحید الٰہی کو تسلیم کر لیتے مگر وہ پھر بھی نہیں مانتے اور توحید وغیرہ دین حق کی طرف سے شک میں پڑے ہیں اور دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں آخرت کی فکر نہیں جو حق کو طلب کریں اور اس میں غور و فکر سے کام لیں۔ یہ اسی دھوکہ میں ہیں کہ ہمیشہ یونہی رہنا ہے خدا کے سامنے کبھی پیشی نہ ہوگی۔ اس لئے نصیحت کی باتوں کو ہنسی کھیل میں اڑا دیتے ہیں۔ اس کے بعد مشرکین و منکرین کو ایک دنیاوی مصیبت کے پیش آنے کی خبر دے کر متنبہ کیا جاتا ہے کہ جو لوگ غفلت میں پھنسے ہوئے ہیں یہ تو جب ہی چونکیں گے جب وہ آفت بھرا دن آئے گا جبکہ ہر طرف آسمان پر دھواں چھا جائے گا اور وہ دھواں لوگوں کو گھیر لے گا اور وہ بڑا دکھ بھرا عذاب ہوگا۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں ''دھویں'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں سلف کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور ان کے ۴۰ سالہ قیام پھر انتقال فرما جانے کے بعد اور آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے اس زمانہ میں ایک زبردست دھواں نمودار ہوگا جو تمام زمین پر چھا جائے گا اور تمام لوگوں کو گھیر لے گا جس سے آدمی تنگ آ جائیں گے نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا جس سے مسلمان کو ایک زکام کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ اور کافر و منافق کے دماغ میں دھواں گھس کر بیہوش کر دے گا۔ بعض ایک دن میں بعض دو دن میں اور بعض تین دن میں ہوشیار ہوں گے اور یہ دھواں ۴۰ روز تک مسلسل رہے گا پھر مطلع صاف ہو جائے گا تو حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے مطابق یہ قیامت کے قریب والا دھواں یہاں آیت میں مذکور ہے لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامات قیامت میں سے ہے بلکہ قریش مکہ کی مخالفت اور ایذا دہی سے تنگ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ ان پر بھی ایسا شدید قحط مسلط کر دے جیسا یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا۔ چنانچہ قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو مردار اور چمڑے ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ غرض اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ شدت کی بھوک اور مسلسل خشک سالی کے زمانہ میں فضا یعنی زمین و آسمان کے درمیان دھواں سا آنکھوں کے سامنے نظر آیا کرتا ہے اور ویسے بھی مدت دراز تک بارش بند رہنے سے گرد و غبار وغیرہ آسمان پر چڑھ جاتا ہے اور دھواں سا معلوم ہونے لگتا ہے اس کو یہاں آیت میں دخان سے تعبیر فرمایا ہے۔ سلف اور متقدمین کے اختلاف کی بنا پر علمائے متاخرین میں بھی دخان کی تفسیر میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر قریش مکہ کے قحط سے متعلق اختیار کی ہے اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحب محدث ومفسرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اختیار کیا ہے اور قیامت کے قریب جو دھواں ظاہر ہوگا وہ مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں دخان کو اہل مکہ کے قحط سے متعلق ہونا بیان فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ جب اہل مکہ اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور لگے عاجزی کرنے اسی کو آیت میں آگے بطور پیشین گوئی کے فرمایا گیا کہ یہ اس وقت جناب باری میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آویں گے چنانچہ یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ابوسفیان اور دیگر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا بھی اور آئے بھی کہ آپ دعا کریں اور بعض مفسرین نے ابوسفیان کا وعدہ ایمان بھی نقل کیا ہے تو اسی کو یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان باتوں سے ماننے والے کہاں ہیں۔ جو چیز بالکل کھلی ہوئی آفتاب سے زیادہ روشن تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری اسی کو نہ مانا اور سرتابی کرتے رہے۔کوئی آپ کو مجنون بتلانے لگا۔کوئی کہنے لگا کہ یہ کسی دوسرے کے سکھائے ہوئے ہیں۔ پس جب اتنے عظیم الشان رسول کے آنے پر کہ جس کے دلائل رسالت میں کوئی تاویل ہی نہیں ہوسکتی۔ یہ معاندین لوگ ایمان نہ لائے تو قحط کے ہونے نہ ہونے پر کب امید ایمان لانے کی ہے یہ ان کا کہنا محض دفع الوقتی ہے کہ کسی طرح کام نکل جائے اور مصیبت ٹل جائے۔مگر خیر حجت تمام کرنے کے لئے چندے اس عذاب کو ہٹا دیا جائے گا مگر یہ پھر اپنی اسی پہلی حالت پر آجاویں گے چنانچہ یہ پیشین گوئی اسی طرح پوری ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش وغیرہ ہوئی اور غلہ بھی آنے لگا اور اہل مکہ کو فارغ البالی میسر ہوئی مگر ایمان تو کیا لاتے وہ نرمی اور شکستگی بھی جاتی رہی پھر وہی زور اور وہی شور اور وہی عناد و مخالفت۔ آگے فرمایا گیا کہ آخرت میں ان کی بڑی سخت پکڑ ہوگی اور اس روز ان سے پورا بدلہ لے لیا جائے گا یعنی پوری سزا ملے گی۔

اب یہ وعید جو منکرین کو سنائی گئی اس وعید کی تائید میں آگے فرعون اور اس کی قوم کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ تکذیب نبی کی وجہ سے اس قوم کا کیا انجام ہوا جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ایمان صادق اور اسلام کامل نصیب فرمائیں اور توحید کی حقیقت ہم پر منکشف فرمائیں کہ حق تعالیٰ ہی کو ہم اپنا معبود حقیقی اور کارساز سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں لہو ولعب کی مشغولیت سے ہم سب کو بچائیں اور دین و دنیا کے عذابوں سے ہمیں محفوظ رکھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کے ساتھ ہم کو آپ کا اتباع کامل نصیب فرمائیں۔ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی ظاہر و باطن میں اخلاص کے ساتھ پابندی نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ

اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا کہ ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے۔ کہ ان اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کردو، میں تمہاری طرف

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ

(خدا کا) فرستادہ (ہو کر آیا) ہوں، دیانتدار ہوں، اور یہ (بھی فرمایا) کہ تم خدا سے سرکشی مت کرو۔ میں تمہارے سامنے ایک واضح دلیل پیش کرتا ہوں۔ اور میں اپنے پروردگار

وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ

اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر سے قتل کرو۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو۔ تب موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ

مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾

بڑے سخت مجرم لوگ ہیں۔ تو اب میرے بندوں کو تم رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ۔ تم لوگوں کا تعاقب ہوگا۔ اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا، ان کا سارا لشکر ڈبو دیا جاوے گا۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ

وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جس میں خوش رہا کرتے تھے، چھوڑ گئے۔ (یہ قصہ) اسی طرح ہوا

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا۔ سو نہ تو ان پر آسمان اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا اور ہم آزما چکے ہیں	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمَ فِرْعَوْنَ قوم فرعون	وَجَآءَهُمْ اور آیا انکے پاس	رَسُوْلٌ ایک رسول	كَرِيْمٌ کریم (عالی قدر)		
اَنْ اَدُّوْٓا کہ سپرد کردو	اِلَيَّ میرے	عِبَادَ اللّٰهِ بندے اللہ کے	اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ایک رسول امین	وَاَنْ اور یہ کہ	
لَا تَعْلُوْا تم سرکشی نہ کرو	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر۔ مقابل	اِنِّيْ بیشک میں	اٰتِيْكُمْ آیا ہوں تمہارے پاس	بِسُلْطٰنٍ دلیل کیساتھ	مُّبِيْنٍ واضح		
وَاِنِّيْ اور بیشک میں	عُذْتُ پناہ چاہتا ہوں	بِرَبِّيْ اپنے رب کی	وَرَبِّكُمْ اور تمہارا رب	اَنْ کہ	تَرْجُمُوْنِ تم مجھے سنگسار کردو	وَاِنْ اور اگر	
لَّمْ تُؤْمِنُوْا تم ایمان نہیں لاتے	لِيْ مجھ پر	فَاعْتَزِلُوْنِ تو ایک کنارے ہو جاؤ مجھ سے	فَدَعَا رَبَّهٗ تو اس نے دعا کی اپنے رب سے	اَنَّ کہ	هٰٓؤُلَآءِ یہ		
قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ مجرم لوگ	فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ تو لے جا میرے بندوں کو	لَيْلًا رات میں	اِنَّكُمْ بیشک تم	مُّتَّبَعُوْنَ پیچھا کئے جاؤ گے (تعاقب ہوگا)			
وَاتْرُكِ اور چھوڑ جاؤ	الْبَحْرَ دریا	رَهْوًا ٹھہرا ہوا	اِنَّهُمْ بیشک وہ	جُنْدٌ ایک لشکر	مُّغْرَقُوْنَ ڈوبنے والے	كَمْ تَرَكُوْا وہ کتنے (ہی) چھوڑ گئے	مِنْ سے
جَنّٰتٍ باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	وَّزُرُوْعٍ اور کھیتیاں	وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ اور مکان نفیس	وَّنَعْمَةٍ اور نعمتیں	كَانُوْا وہ تھے	فِيْهَا اس میں	
فٰكِهِيْنَ مزے اڑاتے	كَذٰلِكَ اسی طرح	وَاَوْرَثْنٰهَا اور ہم نے وارث بنایا انکا	قَوْمًا قوم	اٰخَرِيْنَ دوسرے	فَمَا بَكَتْ سو نہ روئے	عَلَيْهِمْ ان پر	
السَّمَآءُ آسمان	وَالْاَرْضُ اور زمین	وَمَا كَانُوْا اور نہ ہوئے وہ	مُنْظَرِيْنَ ڈھیل دیئے گئے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا تھا کہ یہ معاندین کفار مکہ قحط جیسی مصیبت سے کہاں سبق لینے والے ہیں۔ انہوں نے جب اللہ کے رسول کی طرف سے منہ موڑ لیا جبکہ ان کی زندگی سے ان کے کردار و اخلاق سے ان کے

41 کام اور کلام سے یہ صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ یقیناً اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں تو اب محض ایک قحط ان کی غفلت کیسے دور کر دے گا دوسری طرف کفار سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا تھا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ یہ عذاب قحط تم سے ٹال دیا جائے تو تم ایمان لے آؤ گے تو تم ماننے والے تو ہو نہیں لیکن حجت پوری کرنے لئے ہم اس عذاب قحط کو ہٹائے دیتے ہیں اور ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ تم اپنے قول و قرار میں کتنے سچے ہو۔ مصیبت ہٹنے پر تم پھر وہی کرو گے جو پہلے کر رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں آگے فرعون اور اس کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی ٹھیک یہی آزمائش پیش آئی تھی جس آزمائش میں کہ اب کفار قریش پڑے ہیں۔ فرعونیوں کے پاس بھی ایک معزز رسول آئے تھے اور باوجود کھلے ہوئے نشانیاں اور معجزات کے وہ فرعونی اپنی ضد و عناد سے باز نہ آئے حتیٰ کہ اپنے رسول کی جان کے دشمن بن گئے پھر اس کا جو نتیجہ دیکھا وہ ہمیشہ کے لئے سامان عبرت بن گیا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ پہلے قوم فرعون کی بھی آزمائش ہو چکی ہے اور وہ آزمائش یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام آئے تھے اور پیغمبر کے آنے سے امتحان و آزمائش یہ ہوتی ہے کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون نہیں لاتا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور قوم فرعون کے پاس پہنچے تو ان سے فرمایا کہ تم نے ان اللہ کے بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو جو غلامی میں پھانس رکھا ہے اور طرح طرح کی تکالیف میں گرفتار کر رکھا ہے تو ان کو آزاد کرو اور میرے حوالہ کرو میں جہاں اور جس طرح مناسب ہوگا ان کو آزاد کر کے رکھوں گا پھر یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور بحیثیت ایک امین اور دیانت دار رسول کے میں تم سے کوئی بات وحی الٰہی سے کم و بیش نہیں کرتا ہوں۔ جو حکم الٰہی ہوتا ہے وہی پہنچاتا ہوں۔ پس تم کو میری اطاعت کرنا چاہئے اور کہنا ماننا چاہئے اور خدا کے احکام سے سرکشی مت کرو اور میں اپنی نبوت پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔ مراد اس سے معجزات "عصا" و "ید بیضا" وغیرہ تھے کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات قرآن پاک میں متعدد سورتوں میں بیان فرمائے گئے ہیں کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً۔ ہر جگہ موقع کی مناسبت سے واقعہ کی جزئیات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہاں ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب ایک عرصہ تک موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا فرعونیوں پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ الٹا آپ کے قتل کا مشورہ طے پایا اور آپ کو علم ہوا تو آپ نے فرعونیوں سے فرمایا کہ میں تمہارے ظلم اور ایذا سے خدا کی پناہ لیتا ہوں۔ یعنی اس کی حفاظت وحمایت پر میں بھروسہ کرتا ہوں۔ تم اگر میری بات نہیں مانتے تو کم از کم مجھے ایذا دے کر اپنے جرم کو سنگین تو مت کرو۔ مگر ان مجرمین کی سمجھ میں موسیٰ علیہ السلام کی خیر خواہی کی بات کہاں آنے والی تھی اور وہ کب باز آنے والے تھے۔ آخر میں مجبور ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ یہ لوگ اپنے جرائم سے باز آنے والے نہیں۔ اب آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ وہاں کیا دیر تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعونیوں کو اطلاع کئے بدوں بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے چلے جائیے اور دن ہونے پر جب انہیں اطلاع ہو گی اس وقت تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن آپ کے راستہ میں سمندر پڑے گا۔ اس پر عصا مارنے سے پانی ادھر ادھر ہٹ جائے گا اور درمیان میں خشک راستہ نکل آئے گا۔ اسی راستہ سے بنی اسرائیل کو لے کر گذر جائیں اور پار ہو جانے کے بعد اس کی فکر مت کرنا کہ سمندر میں جو راستہ بن گیا تھا وہ باقی نہ رہے۔ اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیں۔ اس راستہ ہی کو دیکھ کر فرعونی اس میں گھسنے کی ہمت کریں گے اور جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے تو پھر

خدا کے حکم سے سمندر کا پانی چاروں طرف سے مل جائے گا اور فرعون مع اپنے لاؤلشکر کے سب غرق ہو کر ہلاک ہوں گے۔

چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پار ہو گئے اور فرعونی غرق ہوئے اور وہ باغات، چشمے، نہریں، کھیتیاں، مکانات اور عیش و آرام کے ساز و سامان سب چھوڑ گئے اور پھر دوسری قوم کو اس کا مالک بنا دیا گیا اور فرعونیوں کی اس ہلاکت پر نہ تو آسمان و زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو عذاب سے مہلت دی گئی۔

یہاں یہ جو فرمایا گیا کہ ان فرعونیوں کی ہلاکت پر نہ تو آسمان کو رونا آیا نہ زمین کو تو حدیث میں مومن کے اوپر آسمان اور زمین کا رونا بتلایا گیا ہے چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن جب مر جاتا ہے تو آسمان کا ایک وہ دروازہ جس میں سے اس کا عمل اوپر چڑھتا تھا اور ایک وہ دروازہ جس میں سے اس کے رزق کا نزول ہوتا تھا اس پر روتے ہیں اور اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زمین مومن کے مرنے پر چالیس دن تک روتی ہے اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب مومن مرتا ہے تو زمین اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں اس کے عمل اوپر چڑھنے کی جگہ اس پر روتی ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر شے احساس و شعور کسی نہ کسی درجہ میں ضرور رکھتی ہے۔ اسی طرح آسمان اور زمین میں بھی ان کے مرتبہ کے لائق شعور موجود ہے جس کی وجہ سے وہ مومن کے مرتبہ کا ادراک کر کے غمگین ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ آسمان و زمین کا رونا ویسا ہی ہو جیسے انسانوں کا رونا ہوتا ہے۔ ان کے رونے کی کیفیت یقیناً مختلف ہوگی جس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں اور چونکہ کافر کے پاس عمل صالح کا سوال ہی نہیں اس لئے آسمان یا زمین اس پر کیوں روئیں بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو پاپ کٹا ''خس کم جہاں پاک'' تو یہ اثر تھا ان فرعونیوں کی کمال مبغوضیت کا کہ زمین و آسمان کسی کو ان پر رونا نہ آیا اور ساتھ ہی کمال مغضوبیت کا اثر یہ تھا کہ ان کی جب پکڑ ہوئی تو پھر ذرا بھی مہلت نہ پائی۔

ابھی آگے فرعون اور بنی اسرائیل کے متعلق مضمون اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں اپنی آزمائشوں میں نہ ڈالیں اور صراط مستقیم پر قائم رکھیں اور استقامت بخشیں۔

یا اللہ ہم کو جب اشرف الانبیاء اور سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی ہونا نصیب فرمایا تو ہم کو آپ کا مطیع اور فرمانبردار امتی بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ آپ نے جس طرح اپنے مقبولین کی حمایت و نصرت فرمائی اسی طرح آج بھی امت مسلمہ کی حمایت و نصرت فرمادیں اور کفار و مشرکین پر غلبہ و نصرت عطا فرمائیں۔

یا اللہ کفار و مشرکین میں جن کے لئے ہدایت مقدر ہے ان کو نور ایمان سے منور فرمادے اور جن کفار و مشرکین کو ان کی شرارت اور دین حق سے عداوت کی بنا پر گمراہی میں گرفتار رہنا مقدر ہے ان پر اپنا غیبی عذاب مسلط فرمادے کہ جن کی ہلاکت پر نہ آسمان کو رونا آئے نہ زمین کو۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذِلّت کے عذاب یعنی فرعون (کے ظلم وستم) سے نجات دی واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی اور ہم نے اُن کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔

مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاْتُوْا

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی ہمارا دنیا کا مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے۔ سو اے مسلمانو! اگر تم سچے ہو تو

بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کرکے) لا موجود کرو۔ یہ لوگ (قوت وشوکت میں) زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (شاہ یمن) کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے ہوگذری ہیں، ہم نے ان کو بھی ہلاک کر ڈالا

مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ

وہ نافرمان تھے۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى

اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ بیشک فیصلہ کا دن ان کا سب کا وقت مقرر ہے۔ جس دن کوئی علاقہ والا کسی علاقہ والے کے ذرا کام نہ آوے گا

شَيْـــًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾

اور نہ اُن کی کچھ حمایت کی جاوے گی۔ ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے، وہ (اللہ) زبردست ہے مہربان ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا اور تحقیق ہم نے نجات دی	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	مِنَ سے	الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ عذاب ذلت والا	مِنْ سے	فِرْعَوْنَ فرعون		
اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	عَالِيًا سرکش	مِنَ الْمُسْرِفِيْنَ حد سے بڑھ جانے والوں میں سے	وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ اور البتہ ہم نے انہیں پسند کیا	عَلٰي عِلْمٍ دانستہ		
عَلَي الْعٰلَمِيْنَ تمام جہان والوں پر	وَ اور	اٰتَيْنٰهُمْ ہم نے انہیں دیں	مِنَ الْاٰيٰتِ نشانیاں	مَا فِيْهِ وہ جن میں	بَلٰٓؤٌا آزمائش	مُّبِيْنٌ کھلی	اِنَّ بیشک
هٰٓؤُلَاۗءِ یہ لوگ	لَيَقُوْلُوْنَ البتہ کہتے ہیں	اِنْ هِيَ نہیں یہ	اِلَّا مگر۔صرف	مَوْتَتُنَا ہمارا مرنا	الْاُوْلٰى پہلی (ایک ہی بار)	وَمَا نَحْنُ اور ہم نہیں	
بِمُنْشَرِيْنَ دوبارہ اٹھائے جانیوالے	فَاْتُوْا تو لے آؤ	بِاٰبَاۗىِٕنَآ ہمارے باپ دادا	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	اَهُمْ کیا وہ	خَيْرٌ بہتر	اَمْ یا
قَوْمُ تُبَّعٍ قوم تبع	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	اَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے ہلاک کیا انہیں	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا تھے	مُجْرِمِيْنَ مجرم (جمع)	
وَمَا اور نہیں	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	لٰعِبِيْنَ کھیلتے ہوئے		
مَا خَلَقْنٰهُمَآ ہم نے نہیں پیدا کیا انہیں	اِلَّا مگر	بِالْحَقِّ حق کیساتھ ٹھیک طور پر	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَهُمْ ان میں سے اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے		
اِنَّ بیشک	يَوْمَ الْفَصْلِ فیصلہ کا دن	مِيْقَاتُهُمْ ان سب کا وقتِ مقرر	اَجْمَعِيْنَ سب	يَوْمَ جس دن	لَا يُغْنِيْ نہ کام آئے گا	مَوْلًى کوئی ساتھی	

عَنْ مَّوْلًى کسی ساتھی کے	شَیْئًا کچھ	وَلَاهُمْ اور نہ وہ	يُنْصَرُوْنَ مدد کئے جائیں گے	اِلَّا مگر	مَنْ جس	رَّحِمَ اللّٰهُ رحم کیا اللہ نے	
اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ الْعَزِيْزُ وہ غالب	الرَّحِيْمُ رحم کرنیوالا					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جب فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول تسلیم نہ کیا اور نہ آپ کی بات کو مانا تو بالآخران کی سزا کا وقت آیا۔ اوراس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی بنی اسرائیل کوراتوں رات مصر سے لے کرنکل گئے۔ صبح کو جب فرعونیوں کو معلوم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے اللہ کے حکم سے سمندر میں ۱۲ راستہ پیدا ہو گئے تھے اور وہ ان پر چل کر پار ہو گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر نے بھی چاہا کہ انہی راستوں پر چل کر بنی اسرائیل کو گرفتار کریں مگر جب وہ بیچ سمندر میں تھے تو سمندر کا پانی چاروں طرف سے مل گیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا نتیجہ تھا فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی کا۔ آگے اسی سلسلہ میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون جیسے متکبر۔ ظالم اور سرکش کے عذابوں سے بنی اسرائیل کونجات دی۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو پست وخوار کر رکھا تھا۔ ذلیل خدمتیں ان سے لیتا تھا اور سخت بیگاری کے کام بغیر معاوضہ کے ان سے کراتا تھا۔ خدا کی زمین میں سرکشی کئے ہوئے تھا اوران بدکاریوں میں اس کی قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ ایک نعمت اور احسان بنی اسرائیل پر یہ جتلایا گیا کہ ان کو اللہ نے فرعون جیسے موذی سے نجات بخشی ۔ دوسرا احسان بنی اسرائیل پر یہ تھا کہ اس زمانہ کے تمام لوگوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ تیسرا احسان یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں یعنی معجزات وکرامات وغیرہ عطا فرمائے تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے ''من وسلویٰ'' کا اتارنا۔ بادل کا سایہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے آگے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا تذکرہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کی وعیدیں سن کر قیامت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم دنیا میں مر گئے تو بس فنا ہو جائیں گے اس کے بعد پھر کوئی زندگی نہیں۔ بس آخری حالت یہی دنیا کی موت ہے اس کے بعد سب قصہ ختم' آگے نہ حشر نشر' نہ حساب کتاب۔ یہ منکرین قیامت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو کر مرنے کے بعد سب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ تب ہمیں زندگی بعد موت کا یقین آجائے گا۔ کفار کے ان اقوال کا جواب دیا جاتا ہے۔ پہلا جواب یہ دیا گیا کہ انکار آخرت وہ جرم ہے کہ جس قوم نے بھی اسے اختیار کیا وہ آخر کار تباہ ہو کر رہی۔ مثال کے طور پر دیکھو تبع کی قوم۔ تبع لقب تھا یمن کے بادشاہ کا اور اس سے پہلے قوم سبا اور قوم فرعون کیسی خوشحالی اور شان وشوکت کو پہنچی ہوئی تھیں۔ ان سب کو اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر کے چھوڑا۔ تو یہ کفار مکہ تو اس خوش حالی اور شان وشوکت کو پہنچ بھی نہ سکے یہ کیسے ہلاکت سے بچ جائیں گے؟ دوسرا جواب منکرین کو یہ دیا گیا کہ یہ کارخانہ عالم یعنی زمین آسمان اوران کے درمیان کی چیزیں یہ اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ یونہی فعل عبث کے طور پر کھڑا کر دیا گیا ہو کہ انسان دنیا میں جیسا جی چاہے زندگی گذار کر مٹی میں رل مل جائے اور اس کے کسی اچھے یا برے کام کا کوئی نتیجہ نہ نکلے تو ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ نے یہ کارخانہ عالم بڑی حکمت سے دارالامتحان بنایا ہے جس کا نتیجہ ایک دن ضرور نکل کر رہے گا اور وہی نتیجہ آخرت ہے۔ تیسرا جواب کفار کے اس مطالبہ

کا''کہ مسلمان اگر دعوئے آخرت میں سچے ہیں تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لا کھڑا کریں'' یہ دیا گیا کہ اس کے لئے تو رب العالمین نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جبکہ تمام اوّلین و آخرین کو وہ دوبارہ زندہ کر کے اپنی عدالت میں جمع کرے گا اور سب کے مقدّمات کا فیصلہ بصورت جزا یا سزا صادر فرمائے گا۔ منکرین خواہ اسے مانیں یا نہ مانیں یہ کام بہر حال اپنے وقت مقرر ہی پر ہو کر رہے گا۔ اگر یہ مانیں گے تو اپنا ہی بھلا کریں گے کیونکہ اس طرح قبل از وقت اس عدالت سے کامیاب نکلنے کی تیاری کر سکیں گے۔ نہ مانیں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے کیونکہ اس صورت میں یہ اپنی ساری زندگی بس اسی دنیا کی بھلائی برائی دوڑ دھوپ میں کھپا دیں گے کہ آگے تو کوئی عدالت ہی نہیں کہ دنیا کے اچھے برے کا کوئی نتیجہ نکلے اس لئے وہاں کی کامیابی کی کوئی فکر ہی نہ کریں گے۔ بہر حال ان سب کے لئے ایک فیصلہ کا دن مقرر ہے۔ آگے اس فیصلہ کے دن کی کچھ کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے کہ اس فیصلہ کے دن کیا رنگ ہوگا۔ تو بتلایا جاتا ہے کہ اس دن ایک دوسرے سے جدا ہو جائے گا۔ رشتہ دار رشتہ دار کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ کوئی دوست اپنے دوست کی پریشان حالی میں اس کا کچھ حال نہ پوچھ سکے گا۔ اس دن کسی کی مدد یا حمایت کسی مجرم کو نہ چھڑا سکے گی نہ کسی کے لئے کوئی بیرونی مدد آئے گی۔ اس روز کلی اختیارات بس اس حاکم اور مالک حقیقی کے ہاتھ میں ہوں گے جس کے فیصلے کے نافذ ہونے کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ الغرض کسی کو کسی سے کوئی مدد نہ مل سکے گی ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس کا بیڑا پار ہے۔ جس پر اللہ کی رحمت وہاں ہو جائے گی وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اخیر میں فرمایا گیا انه هو العزيز الرحيم وہ اللہ زبردست ہے کافروں سے انتقام لے گا اور وہ مہربان ہے اہل ایمان پر رحمت فرمائے گا۔

اب آگے اس فیصلہ کے دن اس عدالت میں جو لوگ مجرم ثابت ہوں گے ان کا کیا انجام ہوگا اور جن لوگوں کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں خدا سے ڈر کر نافرمانیوں سے پرہیز کرتے تھے ان کو کن انعامات سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ اس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں اس فیصلہ کے دن کو یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس دن میں اپنے کرم و رحم سے ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائیں اور ہمارا حساب آسان فرمائیں

یا اللہ گذشتہ نافرمان قوموں کی تباہی و ہلاکت سے ہم کو سبق عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمادے اور ہم کو ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمادے۔

یا اللہ اس وقت روئے زمین پر جہاں جہاں اہل اسلام کفار و مشرکین اور بے دینوں کے ہاتھوں ظلم و ستم اٹھا رہے ہیں۔

یا اللہ مظلوم اہل اسلام کی حمایت و نصرت فرمادے اور ان کو کفار کے مظالم سے نجات عطا فرمادے اور اسلام کو غلبہ و شوکت نصیب فرمادے اور اعدائے دین کو ہلاک و برباد فرمادے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾

بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے۔

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ

(اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو۔ لے چکھ تو

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

بڑا معزز و مکرم ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

إِنَّ بیشک	شَجَرَتَ الزَّقُّومِ درخت تھوہر	طَعَامُ الْأَثِيمِ کھانا گنہگاروں کا	كَالْمُهْلِ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح	يَغْلِي کھولتا ہے	فِي الْبُطُونِ پیٹوں میں		
كَغَلْيِ جیسے کھولتا ہوا	الْحَمِيمِ گرم پانی	خُذُوهُ تم پکڑلو اسے	فَاعْتِلُوهُ پھر کھینچو اسے	إِلَىٰ تک	سَوَاءِ الْجَحِيمِ بیچوں بیچ جہنم	ثُمَّ صُبُّوا پھر ڈالو	
فَوْقَ پر۔اوپر	رَأْسِهِ اس کا سر	مِنْ سے	عَذَابِ الْحَمِيمِ عذاب کھولتا ہوا پانی	ذُقْ چکھ	إِنَّكَ بیشک تو	أَنْتَ تو	الْعَزِيزُ زور آور
الْكَرِيمُ عزت والا	إِنَّ هَٰذَا بیشک یہ	مَا كُنْتُمْ جو تم تھے	بِهِ اس میں	تَمْتَرُونَ شک کرتے			

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں منکرین کے شبہات آخرت کے جواب میں بتلایا گیا تھا کہ رب العالمین نے قیامت حشر ونشر کا ایک وقت معین ومقرر فرمایا ہے جبکہ شروع دنیا سے آخر دنیا تک تمام انسانوں کو وہ دوبارہ زندہ کر کے اپنی عدالت میں جمع فرمائے گا اور سب اولین و آخرین کے مقدمات کا فیصلہ بصورت جزا یا سزا صادر فرمائے گا اور وہ فیصلہ کا دن ایسا ہوگا کہ کوئی کسی کی مدد یا حمایت نہ کر سکے گا ہاں مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس کی ہر طرح کی نصرت وحمایت ہوگی اور اعزاز واکرام ہوگا۔ اب آگے ان آیات میں اس فیصلہ کے دن کی عدالت میں جو مجرم ثابت ہوں گے ان کا کیا انجام وحشر ہوگا یہ بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ بڑے مجرموں یعنی کفار ومشرکین کا کھانا زقوم کا درخت ہوگا جو کہ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند یا تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا جو کھانے کے بعد وہ ان کے پیٹ میں یوں جوش کھائے گا اور ایسا کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے اور فرشتوں کو جو تعذیب مجرمین پر مامور ہیں حکم ہوگا کہ ان مجرمین کو پکڑو اور پھر گھسیٹتے ہوئے آتش سوزاں کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ اور پھر اس کے سر کے اوپر تیز گرم پانی چھوڑو جس کا یہ اثر لکھا ہے کہ وہ گرم پانی دماغ سے اتر کر نیچے آنتوں تک پہنچے گا اور آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے بڑے عذاب سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں۔ پھر انہیں شرمسار اور زیادہ پشیمان کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ تو وہی تو ہے جو دنیا میں بڑا معزز ومکرم سمجھا جاتا تھا اور اپنے کو سردار ثابت کیا کرتا تھا۔ جیسا تو دنیا میں اپنے کو مکرم ومعظم سمجھ کر ہمارے احکام سے عار کیا کرتا تھا آج ویسی ہی تیری تعظیم ہو رہی ہے تم کو کہاں یقین تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا نصیب ہوگا۔ اسی دھوکہ میں تھے کہ بس یونہی کھیلتے کودتے گذر جائے گی۔ آخر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ آگے کچھ بھی نہیں۔ اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سب سچی تھیں جو پیغمبروں نے بیان کی تھیں۔ جس چیز میں تم شک اور انکار کرتے تھے وہی سب سامنے آیا یا نہیں۔

علاوہ اس مقام کے قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں جہنم کے دردناک عذاب کی اس سے بہت زیادہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر بیان ہو چکیں۔ یا انشاء اللہ آئندہ بیان ہوں گی۔ پھر علاوہ قرآن کریم کے احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جہنم کے

عذابوں کے متعلق بھی بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ یہاں موقع کی مناسبت سے چند ارشادات احادیث نبوی سے نقل کئے جاتے ہیں:-

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ زقوم (جس کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا) اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو اور گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہو جائیں اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہو جائیں۔ پس سوچنے کی بات ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے اس پر کیا گذرے گی۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اور ان چپلوں کے تسمہ آگ کے ہوں گے۔ ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا کہ جس طرح چولھے پر دیگچی کھولتی ہے اور اس میں جوش آتا ہے اور وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا سمجھے گا حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سے جو اپنے کفر و شرک یا فسق و فجور کی وجہ سے جہنم میں جانے والے ہوں گے۔ ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے اپنی دنیا کی زندگی نہایت عیش و آرام کے ساتھ گذاری ہوگی اور پھر اس کو جہنم کی آگ میں ایک غوطہ دلایا جائے گا (یعنی جس طرح کپڑے کو رنگتے وقت رنگ میں ڈال کر ایک ڈوب دے کر نکال لیتے ہیں) اسی طرح اس شخص کو جہنم کی آگ میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے فرزند کیا تو نے کبھی خیریت اور اچھی حالت بھی دیکھی ہے۔ اور کیا کبھی عیش و آرام کا کوئی دور تجھ پر گذرا ہے؟ وہ کہے گا خدا کی قسم اے پروردگار کبھی نہیں۔ مطلب یہ کہ جہنم کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ عمر بھر کے عیش و راحت کو یکسر بھلا دے گا۔ اے اللہ آپ ہم کو اور سب ایمان والوں کو جہنم کے ہر چھوٹے بڑے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھیں۔

عزیزو! قرآن و حدیث میں قیامت۔ حشر و نشر۔ جزا و سزا۔ جنت و جہنم کا ذکر اتنی کثرت سے بار بار اسی لئے کیا گیا ہے کہ ہم جہنم کے عذاب اور قیامت کی ذلت اور رسوائیوں سے بچنے کی فکر آج اس دنیا میں کر لیں۔ یہ دنیا بہرحال چند روزہ ہے ایک نہ ایک دن ہم سب کو یقیناً اس جہان سے گذرنا ہے اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اور ہم سب کو اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے میدان حشر میں کھڑا ہونا ہے اور پھر اس کے بعد ہر کسی کا دائمی ٹھکانہ جنت یا جہنم بننا ہے۔ ابھی وقت ہے اور موقع ہے کہ ہم آخرت کی فکر کر لیں اور جہنم سے بچنے کی کوشش کر لیں اور مولائے کریم کو راضی کرنے کی سعی کر لیں۔ اگر خدانخواستہ زندگی یونہی غفلت اور معاصی میں گذر گئی تو مرنے کے بعد حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

یہاں ان آیات میں مجرموں یعنی کفار و مشرکین کا ذکر ہوا اور ان کا انجام بد بتلایا گیا۔ آگے اہل ایمان کا ذکر ہے کہ ان کا ٹھکانہ آخرت میں کیسا ہوگا۔ ان کا لباس اور ان کے ساز و سامان راحت کے کیسے ہوں گے اور کن نعمتوں سے ان کو سرفراز فرمایا جائے گا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو آخرت کا فکر نصیب فرمائیں اور اس دنیا میں اس طرح زندگی گذارنا نصیب فرمائیں کہ ہمیں آخرت میں دائمی راحتیں اور نعمتیں نصیب ہوں۔ اور قیامت کی ذلت و رسوائیوں سے ہم کو واسطہ نہ پڑے۔

یا اللہ میدان حشر کی ہولناکیوں سے ہماری حفاظت فرمایئے اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے عذاب جہنم سے اپنی پناہ میں رکھئے۔

یا اللہ! آخرت کی طرف سے ہم جو غافل ہیں ہماری غفلت کو دور فرما دیجئے اور ہمہ وقت آخرت کی درستگی کا فکر نصیب فرما دیجئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

بے شک خدا سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے یعنی باغوں میں اور نہروں میں۔ وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا

بیٹھے ہوں گے۔ یہ بات اسی طرح ہے، اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کریں گے۔ وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے۔

يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ

وہاں وہ بجز اس موت کے جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا،

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

بڑی کامیابی یہی ہے۔ سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔ تو (اگر یہ لوگ نہ مانیں تو) آپ منتظر رہیے یہ لوگ بھی منتظر ہیں۔

اِنَّ بیشک	الْمُتَّقِيْنَ متقی (جمع)	فِيْ میں	مَقَامٍ اَمِيْنٍ امن کا مقام	فِيْ میں	جَنّٰتٍ باغات	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	يَّلْبَسُوْنَ پہنے ہوئے	مِنْ سے۔کے
سُنْدُسٍ باریک ریشم	وَّاِسْتَبْرَقٍ اور دبیز ریشم	مُّتَقٰبِلِيْنَ ایکدوسرے کے آمنے سامنے	كَذٰلِكَ اسی طرح	وَزَوَّجْنٰهُمْ اور ہم جوڑے بنادینگے انکے				
بِحُوْرٍ عِيْنٍ خوبرو بڑی بڑی آنکھوں والیاں	يَدْعُوْنَ وہ مانگیں گے	فِيْهَا اس میں	بِكُلِّ فَاكِهَةٍ ہر قسم کا میوہ	اٰمِنِيْنَ اطمینان سے	لَا يَذُوْقُوْنَ وہ نہ چکھیں گے			
فِيْهَا وہاں	الْمَوْتَ موت	اِلَّا سوائے	الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى پہلی موت	وَ اور	وَقٰهُمْ اس اللہ نے بچالیا انہیں	عَذَابَ الْجَحِيْمِ جہنم کا عذاب		
فَضْلًا فضل سے	مِنْ سے۔کے	رَبِّكَ تمہارا رب	ذٰلِكَ یہ	هُوَ یہی	الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ کامیابی بڑی	فَاِنَّمَا اس کے سوا نہیں	يَسَّرْنٰهُ ہم نے اسے آسان کردیا	
بِلِسَانِكَ آپ کی زبان پر	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَتَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑیں	فَارْتَقِبْ پس آپ انتظار کریں	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مُّرْتَقِبُوْنَ انتظار میں ہیں			

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورہ دخان کی آخری اور خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اس فیصلہ کے دن کی عدالت میں جو مجرم ثابت ہوں گے ان کا انجام یہ ہوگا کہ زقوم کا درخت ان کو کھانے کو ملے گا اور وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے اور فرشتے گھسیٹتے ہوئے لے جا کر انہیں جہنم میں پھینکیں گے جہاں انہیں طرح طرح کے عذاب ہوں گے اور ان کو مزید پشیمان کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز تو ہے جس میں تم دنیا میں شک و انکار کیا کرتے تھے۔ یہ تو کفار مشرکین جہنمیوں کا حال بتلایا گیا اب آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان اور متقین یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو اللہ سے ڈرتے رہے یعنی اس کے احکام کے مطابق اپنی زندگی گذاری۔ اس کی نافرمانی سے بچے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلے وہ وہاں یعنی آخرت میں نہایت امن چین سے ہوں گے۔ کسی طرح کا رنج و غم پاس نہ آئے گا یعنی نہ مشکلات تکالیف اور مشقت سے واسطہ پڑے گا۔ نہ درد دکھ رنج و غم پہنچے گا۔ نہ کسی آفت و مصیبت کا خوف ہوگا۔ نہ شیطان اور اس کے مکر سے بچنے کی فکر ہوگی۔ نہ رب کی ناراضگی کا اندیشہ ہوگا۔ غرضیکہ تمام باتوں سے نڈر۔ بے فکر۔ مطمئن اور بے اندیشہ ہوں گے جیسا کہ ایک حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو

گے۔ ہمیشہ خوشحال رہو گے کبھی خستہ حال نہ ہو گے۔ ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے (مسلم شریف) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس امن وچین کی جگہ جانا نصیب فرمائیں۔آمین۔

غرض کہ متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے پہلی بشارت مقام امین کی دی گئی یعنی ایسی جگہ جو ہر طرح کی مصیبت ۔دکھ درد اور ناخوشگواری سے محفوظ ہو۔اب آگے اسی مقام امین کی کچھ تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں۔اول فرمایا **فی جنت و عیون** یعنی عالیشان باغات جن میں نہریں و چشمے بہتے ہوں گے۔پھر لباس کے متعلق فرمایا کہ ان کی پوشاک باریک اور دبیز ریشم کی ہوگی۔پھر یہ تختوں اور مسہریوں پر بڑے طمطراق سے تکئے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کی بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے شادیاں ہو جائیں گی جن کے پاک جسموں کو پہلے کسی نے چھوا بھی نہ ہوگا۔حوران بہشت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص مخلوق ہے۔جن کے متعلق قرآن کریم اور احادیث نبوی میں کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔قرآن کریم میں مختلف سورتوں میں حوروں کی صفات حسب ذیل بتلائی گئی ہیں:۔

۱۔شرم وحیاء سے نگاہ نیچی رکھنے والی۔(سورۃ الصٰفّٰت)

۲۔بڑی آنکھوں والی۔(سورۃ الصٰفّٰت)

۳۔صاف وشفاف رنگ والی۔(سورۃ الصٰفّٰت)

۴۔اہل جنت سے پہلے ان کو کسی نے چھوا تک نہیں۔(سورہ رحمٰن)

۵۔وہ ایسی خوش رنگ اور بیش بہا ہیں جیسے یاقوت ومرجان (سورہ رحمٰن)

۶۔وہ اچھے اخلاق کی خوب صورت اور خوب سیرۃ ہیں۔(سورہ رحمٰن)

۷۔وہ گورے رنگ والیاں خیموں میں محفوظ ہوں گی۔(سورہ رحمٰن)

احادیث میں آیا ہے کہ اگر ان حوروں میں سے کوئی کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا سارا پانی میٹھا ہو جائے۔ایک حدیث میں ہے کہ اگر ان میں سے کوئی زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان روشنی ہی روشنی ہو جائے اور مہک وخوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔الغرض اہل جنت کا بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے نکاح کر دیا جائے گا پھر وہاں کھانے پینے کی چیزوں کا یہ حال ہوگا کہ جس میوے یا پھل کی طلب ہوگی وہ موجود ہوگا۔جو مانگیں گے وہ ملے گا اور اس شان سے ملے گا کہ ادھر ارادہ کیا ادھر وہ چیز موجود۔ادھر خواہش ہوئی ادھر وہ چیز حاضر۔پھر نہایت بے فکری سے سب کچھ ملے گا کہ نہ کمی کا خوف نہ ختم ہو جانے کا کھٹکا۔پھر وہاں انہیں کبھی موت نہ آئے گی۔بس ایک موت جو دنیا میں پہلے آ چکی وہ آ چکی۔آگے کبھی موت وفنا نہیں۔دائماً اسی عیش ونشاط میں رہنا ہے۔نہ ان کو فنا نہ ان کے سامانوں کو فنا۔تو یہاں جنت کی سرمدی اور ابدی نعمتوں کی تقریباً تمام قسموں کو جمع کر دیا گیا ہے کیونکہ انسانی ضروریات کی چیزیں عموماً یہی ہوتی ہیں:۔

۱۔عمدہ مکان۔ ۲۔اچھا لباس۔ ۳۔بہترین شریک زندگی۔

۴۔بہترین کھانے پینے کی چیزیں۔

۵۔پھر ان نعمتوں کے دائمی اور ابدی ہونے کی ضمانت۔

۶۔اور ہر طرح کے رنج وغم۔دکھ آزار وتکالیف و پریشانی سے بچے رہنے کا یقین۔

تو یہاں ان آیات میں ان تمام باتوں کو اہل جنت کے لئے ثابت کر دیا گیا۔سبحان اللہ! پھر جنت کی نعمتوں کے متعلق احادیث میں بھی بہت کچھ وارد ہوا ہے۔ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گذرا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ

جنتیوں کو جو نفیس و لذیذ کھانے ملیں گے اسی طرح پینے کی جو نہایت خوشگوار چیزیں ملیں گی اور پہننے کو جو اعلیٰ درجہ کے خوشنما لباس دیئے جائیں گے اور جو عالیشان خوبصورت محلات اور خوش منظر باغات عطا ہوں گے اور جنت کی جو حسین و جمیل حوریں دی جائیں گی اور ان کے سوا بھی لذت و راحت اور لطف و مسرت کے جو اور سامان عطا فرمائے جائیں گے تو واقعہ یہ ہے بس اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتے ہیں۔ البتہ ان سب پر ہمارا غائبانہ ایمان ہے۔ اور سب سے بڑی نعمت جو جنت میں پہنچنے کے بعد جنتیوں کو ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب جنتی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کیا تم چاہتے ہو کہ جو نعمتیں تم کو دی گئی ہیں ان سے زائد کوئی اور چیز میں تمہیں عطا کروں۔ وہ عرض کریں گے خداوندا آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے۔ ہم کو جہنم سے بچایا اور جنت عطا کی جس میں سب کچھ ہے اب ہم اور کیا مانگیں؟۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر حجاب اٹھا دیا جائے گا اور اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بے پردہ کریں گے اور پھر جنت اور اس کی ساری نعمتیں جو اب تک ان کو مل چکی تھیں ان سب سے زیادہ پیاری نعمت ان کے لئے یہ دیدار الٰہی کی نعمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل و کرم سے اپنے دیدار کی نعمت عظمٰی عطا فرمائیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان متقین اہل جنت کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جہنم کے عذاب سے بچاوے گا۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اب دیکھئے قرآن پاک **فوز العظیم** یعنی بہت بڑی کامیابی انسانوں کے لئے کس چیز کو بتلاتا ہے؟ آخرت میں نجات پا کر اللہ کی رضا و خوشنودی کے مقام یعنی جنت میں داخل ہو جانا اور اس کے غصہ اور غضب کے مقام یعنی جہنم سے بچ جانا یہی انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ مگر آج منکرین اسلام و قرآن نہیں بلکہ اسلام اور ایمان کے دعوے دار مگر دنیا کے دلدادہ اور پرستار اپنی کامیابی کا ہے میں سمجھتے ہیں' بس یہی نا کہ مغرب کے بے دینوں کی طرح بے لگام ہو کر' مذہب سے آزاد' حلال و حرام سے آزاد' دنیوی مال و دولت کی بہتاط ہو' عیش و عشرت کی محفلیں ہوں' رقص و سرود اور گانے بجانے کی مجلسیں ہوں' عیاشی کے اڈے ہوں' یہود و نصاریٰ کا تمدن و معاشرت ہو' اونچی کوٹھی ہو' اعلیٰ سواری ہو' مال و زر کی آمد ہو' ہوا و ہوس کے پورے کرنے کے سامان ہوں' بے حیائی' بے شرمی' فسق و فجور میں بے لگام ہوں' بس یہی ہے ان کا معیار کامیابی۔ **استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔ لیکن قرآن پاک اسی ایک جگہ نہیں بلکہ مزید ۱۵ جگہ کہیں **فوز العظیم** ۔ کہیں **فوز الکبیر** ۔ کہیں **فوز المبین** صرف آخرت کی کامیابی کو بڑی کامیابی بتلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ متقین اہل ایمان کے لئے جنت کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اخیر میں انہیں جہنم سے بچا لینے کا ذکر بھی خاص طور پر الگ فرمایا۔ ورنہ کسی کا جنت میں پہنچ جانا اس سے خود لازم آتا ہے کہ وہ جہنم میں جانے سے بچ گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو انعامات کی پوری قدر اس وقت محسوس ہو سکتی ہے جب اس کے سامنے یہ بات بھی ہو کہ وہ کس برے انجام سے بچ گیا۔ پھر یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے جنت میں پہنچنے اور جہنم سے بچ جانے کو محض اپنے فضل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آخرت کی کامیابی کسی شخص کو نصیب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اللہ کا فضل شامل حال نہ ہو۔ اگرچہ اہل ایمان کو انعام اپنے حسن عمل ہی پر ملے گا لیکن اول تو حسن عمل ہی کی توفیق انسان کو اللہ کے فضل سے نصیب ہوتی ہے پھر جو بہتر سے بہتر عمل انسان کر

بھی سکتا ہے وہ بھی اتنا کامل اور اکمل نہیں ہوتا کہ جس کے متعلق دعوے سے یہ کہا جا سکے کہ اس میں نقص کا کوئی ادنیٰ سے ادنی پہلو بھی موجود نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ وہ بندے کی کمزوری اور اس کے عمل کی خامی کو نظر انداز کر کے اس کی خدمات کو قبول فرما لے اور اسے انعامات سے سرفراز فرمائے۔ ورنہ اگر گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ کسی کا حساب اللہ تعالیٰ لینے پر آ جائیں تو کس کی ہمت ہے کہ وہ اپنے اعمال کے زور پر جنت حاصل کر لینے کا دعویٰ کر سکے۔ یہی بات ایک حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ عمل کرو اور اپنی حد استطاعت تک زیادہ سے زیادہ ٹھیک کام کرنے کی کوشش کرو مگر یہ جان لو کہ کسی شخص کو محض اس کا عمل ہی جنت میں نہ داخل کر دے گا اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کا عمل بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں میں بھی محض اپنے عمل کے زور سے جنت میں نہ پہنچ جاؤں گا الا یہ کہ مجھے میرا رب اپنی رحمت سے ڈھانک لے۔

اخیر میں بطور تمام سورۃ کے خلاصہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ آپ کا کام اتنا ہے کہ آپ ان منکرین کو کہتے رہیئے اور اسی غرض سے یہ قرآن کریم بہت سہل بالکل آسان۔ بہت واضح اور مدلل کر کے آپ کی عربی زبان ہی میں نازل کیا گیا ہے تا کہ یہ لوگ اس کو باسانی سمجھ کر اس سے نصیحت قبول کریں اور اگر اس پر بھی یہ لوگ نہ مانیں تو آپ چندے انتظار کیجئے ان کا بدانجام سامنے آ جائے گا۔ یہ کفار تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے لیکن آپ دیکھتے جایئے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں تا کہ ہماری زندگی احکام الٰہیہ کے مطابق گزرے۔

یا اللہ اپنے کرم سے ہم کو قیامت کے دن اپنے متقین بندوں میں شامل فرما لیجئے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر ونشر اور جنت میں داخلہ نصیب فرمایئے۔

یا مولائے کریم اپنے فضل و کرم سے اپنے رضا کی جگہ ہم کو پہنچنا نصیب فرمایئے اور جنت کی دائمی نعمتوں سے ہم کو سرفراز فرمایئے اور جنت کی سب سے اعلیٰ نعمت یعنی اپنے دیدار کی دولت ہم سب کو نصیب فرمایئے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوۡرَۃُ الۡجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سَبۡعٌ وَّثَلٰثُوۡنَ اٰیَۃً وَّاَرۡبَعُ رُکُوۡعَاتٍ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

حٰم۔ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے۔ آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کیلئے بہت سے دلائل ہیں۔

وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ

اور خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں۔ اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں

اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾

اور اس رزق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اس (بارش) سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہواؤں کے بدلنے میں دلائل ہیں اُن لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں۔

حٰمٓ حٰم	تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ نازل کی ہوئی کتاب	مِنَ اللّٰہِ اللہ کی طرف سے	الۡعَزِیۡزِ غالب	الۡحَکِیۡمِ حکمت والا	اِنَّ بیشک	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں
وَالۡاَرۡضِ اور زمین	لَاٰیٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اہلِ ایمان کیلئے	وَ اور	فِیۡ خَلۡقِکُمۡ تمہاری پیدائش میں	وَمَا اور جو	یَبُثُّ وہ پھیلاتا ہے
مِنۡ دَآبَّۃٍ جو جانور	اٰیٰتٌ نشانیاں	لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ یقین کرنیوالے لوگوں کیلئے	وَاخۡتِلَافِ اور تبدیلی	الَّیۡلِ رات	وَالنَّہَارِ اور دن	وَمَاۤ اور جو
اَنۡزَلَ اللّٰہُ اللہ نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مِنۡ رِّزۡقٍ رزق	فَاَحۡیَا پھر زندہ کیا	بِہٖ اس سے	الۡاَرۡضَ زمین	
بَعۡدَ مَوۡتِہَا اس کے مرنے (خشک ہونے) کے بعد	وَتَصۡرِیۡفِ اور گردش	الرِّیٰحِ ہوائیں	اٰیٰتٌ نشانیاں	لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ عقل (سلیم والوں کیلئے)		

تفسیر و تشریح: بفضلہٖ تعالیٰ اب ۲۵ ویں پارہ کی آخری سورۃ الجاثیۃ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ ابتدائی آیات کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

اس سورۃ کے آخری رکوع میں اہل باطل اور غیر مقبولین فرقوں کے تذکرہ کے سلسلہ میں لفظ جاثیہ استعمال ہوا ہے۔ جاثیہ کے معنیٰ ہیں خوف سے زانو کے بل گر پڑنا۔ یعنی آخری رکوع میں تمام اہل باطل فرقوں اور امتوں کے بارہ میں بتلایا گیا کہ قیامت میں یہ اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے اور مارے خوف کے زانو کے بل گر پڑیں گے۔ اسی تذکرہ کی بنا پر سورۃ کا نام ہی جاثیہ قرار پایا۔ حٰم سے شروع ہونے والی سات سورتوں میں سے یہ چھٹی سورۃ ہے اور موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۵ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۶۲ ہے یعنی ۱۷ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۴۲ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۳۷ آیات۔ ۴ رکوعات۔ ۴۹۲ کلمات۔ اور ۲۱۳۱ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور قیام مکہ کے درمیانی زمانہ میں اس کا نزول روایت کیا گیا ہے اس لئے اس میں بھی عقائد ہی سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں اثبات توحید و نبوت و آخرت سورۃ کے مرکزی مضامین ہیں اور دوسرے بعض مضامین ان ہی کی مناسبت سے آ گئے ہیں۔

سورۃ کی ابتدا توحید کے دلائل سے فرمائی گئی ہے اس سلسلے میں انسانوں کو بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی نشانیاں آسمان

زمین اور خود انسانوں اور جانوروں کی پیدائش میں موجود ہیں۔ جن میں عقل وفہم ہے وہ کائنات کے حالات سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کائنات بے خدا نہیں ہے نہ بہت سے خداؤں کی خدائی میں چل رہی ہے۔ بلکہ ایک ہی خدا نے اسے بنایا ہے اور وہی اکیلا اس کا فرمانروا ہے۔ اسی کے مقرر کردہ نظام عالم کے مطابق یہ کارخانہ چل رہا ہے۔ رات و دن کا باقاعدہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہنا۔ پھر وقت پر بارش ہونا اور مینہ برسنا اور پھر بارش کے ذریعہ مردہ زمین میں تروتازگی پیدا ہو جانا اور اس سے انسانوں اور جانوروں کے کھانے پینے کی چیزوں کا پیدا ہونا۔ یہ سب اللہ کی قدرت کو ظاہر کرتا ہے اور اس کی توحید کی نشانیاں ہیں۔ پھر بتلایا گیا کہ قرآن مجید کی آیتوں میں جو سچی باتیں بتائی گئی ہیں وہ حقیقت کو بالکل کھول دیتی ہیں اور ان میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ ان کو نہیں مانتے تو پھر اس سے زیادہ اور کوئی سچی اور سیدھی بات ان کے پاس کہاں سے آئے گی جسے یہ مانیں گے۔ پھر تنبیہ فرمائی گئی کہ جنہوں نے یہ آیتیں سن کر ان سے منہ موڑا اور اپنی ہی رائے پر اڑے رہے۔ ان کی شامت آنی یقینی ہے اور نتیجہ میں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اس قرآن سے منہ موڑ کر جو کچھ یہ منکرین اس دنیا میں کر رہے ہیں مرنے کے بعد یہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ مال و دولت سب یہیں پڑا رہ جائے گا اور یہ خود سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ قرآن مجید سیدھا راستہ بتا رہا ہے جو اس پر نہ چلیں گے وہ دردبھری آفتوں کا شکار ہوں گے۔ پھر انسانوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کا پہچاننا کچھ مشکل نہیں۔ اپنے اوپر اس کے احسانات دیکھو۔ گہرے سمندر اور دریاؤں میں تمہیں جہاز و کشتیاں چلانے کا سلیقہ عطا کر کے تمہارے لئے راستے کھول دیئے کہ ان کے ذریعہ تجارت وغیرہ کر کے بڑے بڑے فائدہ اٹھاتے ہو اور ایک سمندر ہی کیا آسمان۔ زمین کی ساری چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ وہ تمہاری خدمت گزاری میں لگی رہیں۔ پس انسانوں کو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ بہرحال ایمان والوں کو ان منکرین کے جال میں نہ پھنسنا چاہئے۔ یہ عمل صالحہ کی کوشش میں لگے رہیں انہیں اس کا بہت بہتر بدلہ ملے گا اور ان نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ سخت سزا دے گا۔ پھر مسلمانوں کو نصیحت فرمائی گئی کہ تمہارے لئے یہ قرآن کافی ہے اسے چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی جو ہوا ہوس میں گرفتار ہیں ہرگز پیروی مت کرو۔ اچھے اور برے ایک جیسے نہیں ہو سکتے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے والے اور آخرت کا انکار کرنے والے نادان اور گمراہ ہیں۔ ان کی نظر آگے نہیں جاتی یہ مرکر جینے کو نہیں مانتے۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ حقیقت یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس قرآن میں ظاہر کر دی ہے اور جو کچھ اس میں کہا گیا ہے وہ سب ہو کر رہے گا۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا۔

اب ان آیات زیر تفسیر کی تشریح کی جاتی ہے۔ سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات حٰمٓ سے فرمائی گئی جس کے حقیقی مطلب و معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گا۔ گذشتہ حٰمٓ سے شروع ہونے والی سورتوں کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی قرآن کریم کے ذکر سے فرمائی گئی ہے اور بتلایا گیا کہ اس کتاب کا نزول اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہے جو زبردست بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ یعنی یہاں دو باتوں سے خبردار کیا گیا ایک تو یہ کہ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہیں گھڑی ہے جیسا کہ معاذ اللہ کفار الزام لگاتے تھے بلکہ اس کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو رہا ہے دوسرے یہ کہ اسے وہ خدا

نازل کر رہا ہے جو زبردست بھی ہے اور حکیم بھی ہے اس کے زبردست ہونے سے یہ بات جتلائی جاتی ہے کہ انسان اس کے فرمان سے سرتابی کی جرأت نہ کرے کیونکہ نافرمانی کر کے وہ اس کی سزا سے کسی طرح بچ نہیں سکتا اور اس کے حکیم ہونے سے یہ جتلایا ہے کہ انسان پورے اطمینان کے ساتھ رضا اور رغبت سے اس کی ہدایت اور احکامات کی پیروی کرے کیونکہ اس کی تعلیم و ہدایت میں کسی غلطی یا نامناسب یا نقصان وغیرہ کا کوئی امکان قطعاً نہیں اس تمہیدی مضمون کے بعد اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کریں۔ خدا کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں۔ پھر اس کا شکر بجالائیں اور انسان اس کی ذات کو پہچاننا چاہے تو اسی آسمان وزمین کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کر کے جان سکتا ہے کہ ضرور کوئی ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ہے جس نے کمال حکمت وخوبی سے انہیں بنایا اور لامحدود قدرت سے ان کی حفاظت کی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ انسان خود اپنی پیدائش اور بناوٹ اور دوسرے حیوانات کی ساخت میں غور کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا یقین دلانے کے لئے ہزارہا نشانیاں ملیں گی۔ اسی طرح دن رات کے ادلنے بدلنے اور آسمان سے بارش کے برسنے اور پھر خشک زمین کے سرسبز شاداب ہو جانے میں نشانیاں اس کی قدرت اور معرفت کی موجود ہیں۔ تو انسان اگر ذرا بھی سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ امور بجز اس زبردست قادر وحکیم کے اور کسی کے بس میں نہیں۔

یہ تو مضمون توحید ہوا آگے مضمون نبوت ورسالت بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی معرفت کاملہ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ تاکہ کائنات کی ہر شے سے ہم کو توحید کا سبق ملے۔

یا اللہ ہم کو صحیح ایمان یقین کی دولت نصیب فرما اور اسی پر زندہ رہنا اور مرنا نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَيْلٌ لِّكُلِّ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد اور کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے۔ بڑی خرابی ہوگی ہر ایسے شخص کیلئے

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٧ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ

جو جھوٹا نافرمان ہو۔ جو خدا کی آیتوں کو سنتا ہے جب کہ اُس کے رُوبرو پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ تکبر کرتا ہوا اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اُس نے ان کو سنا ہی نہیں، سو ایسے شخص

اَلِيْمٍ ۝٨ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ

کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اُڑاتا ہے، ایسے لوگوں کیلئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب ہے۔

جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠

ان کے آگے جہنم ہے اور (اس وقت) نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام آویں گی جو (دنیا میں) کما گئے تھے اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا، اور ان کیلئے بڑا عذاب ہوگا۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝١١

یہ قرآن سرتاسر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کو نہیں مانتے ان کیلئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔

تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ اللّٰهِ اللہ کے احکام	نَتْلُوْهَا ہم وہ پڑھتے ہیں	عَلَيْكَ آپ پر	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	فَبِاَيِّ پس کس	حَدِيْثٍ بات	بَعْدَ اللّٰهِ اللہ کے بعد
وَاٰيٰتِهٖ اور اس کی آیات	يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان لائیں گے	وَيْلٌ خرابی	لِّكُلِّ اَفَّاكٍ ہر جھوٹ باندھنے والے کیلئے	اَثِيْمٍ گنہگار	يَّسْمَعُ وہ سنتا ہے		
اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات	تُتْلٰى عَلَيْهِ پڑھی جاتی ہیں اس پر	ثُمَّ يُصِرُّ پھر اڑا رہتا ہے	مُسْتَكْبِرًا تکبر کرتا ہوا	كَاَنْ گویا کہ	لَّمْ يَسْمَعْهَا اس نے نہیں سُنا اسے		
فَبَشِّرْهُ پس اسے خوشخبری دو	بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب کی	وَاِذَا اور جب وہ	عَلِمَ واقف ہو	مِنْ اٰيٰتِنَا ہماری آیات میں سے	شَيْئًا کسی شے		
اتَّخَذَهَا وہ اس کو پکڑتا ہے	هُزُوًا ہنسی مذاق	اُولٰۗىِٕكَ یہی لوگ	لَهُمْ اُن کیلئے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ عذاب رسوا کرنیوالا	مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ ان کے دوسری طرف (آگے)		
جَهَنَّمُ جہنم	وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ اور نہ کام آیگا ان کے	مَا كَسَبُوْا جو انہوں نے کمایا	شَيْئًا کچھ	وَلَا مَا اتَّخَذُوْا اور نہ جو انہوں نے ٹھہرایا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا		
اَوْلِيَاۗءَ کارساز	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ عَظِيْمٌ بڑا عذاب	هٰذَا هُدًى یہ (قرآن) ہدایت	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جن لوگوں نے کفر کیا (نہ مانا)			
بِاٰيٰتِ آیات کو	رَبِّهِمْ اپنا رب	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ ایک عذاب	مِنْ سے	رِّجْزٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب		

تفسیر و تشریح: اس سورۃ کی گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا ہے پھر عام انسانوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کریں۔ خدا کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں اور اس کو اپنا منعم حقیقی جان کر اس کا شکر بجالائیں۔ پھر بتلایا گیا تھا کہ انسان اگر ماننا چاہے تو اسی آسمان و زمین کی پیدائش اور جس محکم نظام میں یہ جکڑے ہوئے ہیں ان پر غور کر کے جان سکتا ہے کہ ضرور کوئی ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر انسان اپنی پیدائش اور بناوٹ اور دوسرے چوپائے چرند پرند درند کیڑے مکوڑوں کی خلقت میں غور کرے تو اس میں بھی اللہ کی معرفت کی ہزارہا نشانیاں ملیں گی اور ہر چیز اسی کی توحید کی شہادت دیتی ہوئی نظر آئے گی۔ پھر فرمایا گیا کہ انسان اس دنیا میں جتنی چیزوں سے کام لیتا ہے اور جو لاتعداد اور ان گنت اشیاء اور قوتیں اس کائنات میں انسان کے مفاد کی خدمت کر رہی

ہیں اور جنہیں قدرت نے انسان کے لئے مسخر کر رکھا ہے یہ سب ایک عقل وفہم رکھنے والے انسان کو بتلا رہی ہیں کہ وہی ایک خدا انسانوں کا محسن اور مربی ہے گذشتہ ابتدائی آیات میں توحید کا مضمون بیان فرمایا گیا تھا۔ اب آگے مضمون نبوت کا بیان ہے چنانچہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو صحیح صحیح طور پر آپ کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں جن میں غلطی کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ تو یہ منکرین اگر اللہ تعالیٰ کی بات نہیں سنتے اور اس کی آیات کو نہیں مانتے تو پھر اس سے زیادہ اور کوئی سچی اور سیدھی بات ان کے پاس کہاں سے آئے گی جسے یہ مانیں گے۔ آگے آیات قرآنی سے انحراف وانکار کا انجام بتلایا جاتا ہے کہ جو ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ کی بات نہیں سنتا ہے اس کی شیخی اور ہیکڑی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی جہالت سے ہٹے۔ حق کو سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا سنا ہی نہیں تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔ ایسوں کے لئے آخرت میں خدا کے ہاں دکھ کی مار ہے اور عذاب الیم تیار ہے اور ایسوں کا طرز عمل یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جائیں تو اس کو مذاق بنا لے اور ان کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت سزا ہے اور آج جس طرح وہ آیات اللہ کے ساتھ اہانت کا معاملہ کر رہا ہے ایسے ہی اہانت وذلت کی سخت سزا بھی اسے آخرت میں ملے گی۔ جس سے اس کی ساری شیخی کر کری ہو جائے گی۔ وہ دنیا میں کیا بڑا بنا پھرتا ہے۔ آخرت میں انہیں سخت ذلت سے واسطہ پڑے گا۔ چنانچہ ان کے سامنے جہنم ہے اور وہ اس میں عنقریب ذلیل ہو کر داخل ہوں گے ایسے سرکش لوگ آخرت میں بالکل خالی ہاتھ ہوں گے۔ دنیا میں اکٹھا کیا ہوا مال ودولت وہاں کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ معبودان باطلہ جن کو انہوں نے خدا کے سوا اپنا سرپرست اور حامی بنا رکھا ہے کچھ کام آئیں گے انہیں زبردست اور بہت بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے اور وجہ اس عذاب کی یہ ہے کہ یہ قرآن سرتاسر ہدایت اور واجب التسلیم ہے۔ پس لوگوں کو چاہئے کہ اب بھی مان لیں ورنہ جو لوگ اب بھی خدا کی آیات کا انکار کریں ان کے لئے ایک سخت مصیبت کا نہایت تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

یہاں ان آیات میں قرآن کے منکرین کی دو قسمیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ایک قسم تو منکر کی وہ بتلائی گئی کہ جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر پھر بھی اپنے کفر وانکار پر اڑا رہتا ہے جیسا کہ اس نے آیات اللہ کو سنا ہی نہیں اور تکبر کی وجہ سے ان کی کچھ پروا نہ کی۔ دوسری قسم منکرین کی وہ بتلائی کہ جو آیات اللہ کو سن کر صرف انکار ہی نہیں کرتا بلکہ اس پر تمسخر اور مذاق بھی کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جرم پہلے سے زیادہ سخت ہے اس لئے ایسوں کی سزا بھی زیادہ بتلائی گئی۔ پہلی قسم کے منکرین کے لئے صرف **بعذاب الیم** فرمایا گیا جبکہ دوسری قسم کے منکرین کے لئے **عذاب مھین** اور **من و رآئھم جھنم** اور **عذاب عظیم** فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن یا دین کی بات سن کر پھر نہ سننے کے برابر کر دینا یہ منکرین کی خصلت ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور دین کی باتوں کا مذاق اور تمسخر اڑانا یہ اور بھی زیادہ منکرین کی بدترین خصلت وجرم ہے مگر اب اس وقت کفار ومنکرین کا تو کیا ذکر اب تو اسلام کا لیبل لگا کر اور ایمان کے دعوے رکھ کر نہ صرف قرآنی تعلیمات اور احکام الٰہیہ سے انحراف ہے بلکہ غضب در غضب یہ کہ قرآن کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنایا جا رہا ہے اور دین کی باتوں کا اور دین داروں کا مذاق اور تمسخر اڑانا اور ان پر طعن تشنیع کرنا یہ تو ہمارے وقت کے ''ترقی یافتہ روشن خیالوں'' کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں ان کی نام نہاد ترقی کے راستہ میں سب سے زیادہ رکاوٹ ڈالنے والی چیز ''دین'' ہی ہے جس کا نام ان متکبرین نے ملا پن رکھا ہے **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ بہرحال ایسے متکبرین کو بدترین انجام سے سابقہ پڑنا ہے جس کے لئے وہ تیار رہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پرفتن وقت میں ہمارے ''دین'' کی حفاظت کا سامان غیب سے فرمائیں۔

اب آگے پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

4

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ان سب کو تمہارے لئے اپنی طرف سے مسخر بنایا، بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کیلئے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں

یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا

آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگذر کریں جو خدا کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مومنوں کو) اُن کے عمل کا صلہ دے۔

یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَیْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کیلئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اُسی پر پڑتا ہے، پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اَللّٰهُ اللہ	الَّذِیْ وہ جس	سَخَّرَ مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	الْبَحْرَ دریا	لِتَجْرِیَ تا کہ چلیں	الْفُلْكُ کشتیاں	فِیْهِ اس میں	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے
وَلِتَبْتَغُوْا اور تا کہ تم تلاش کرو	مِنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل سے	وَلَعَلَّكُمْ اور تا کہ تم	تَشْكُرُوْنَ شکر کرو	وَسَخَّرَ اور اس نے مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے			
مَا جو	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِی الْاَرْضِ زمین میں	جَمِیْعًا سب	مِّنْهُ اپنے حکم سے	اِنَّ بیشک	فِیْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰیٰتٍ نشانیاں
لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	یَّتَفَكَّرُوْنَ غور وفکر کرتے ہیں	قُلْ فرما دیں	لِّلَّذِیْنَ ان لوگوں کو جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	یَغْفِرُوْا وہ درگزر کریں			
لِلَّذِیْنَ ان لوگوں سے جو	لَا یَرْجُوْنَ امید نہیں رکھتے	اَیَّامَ اللّٰهِ اللہ کے ایام	لِیَجْزِیَ تا کہ وہ بدلہ دے	قَوْمًا ان لوگوں کو	بِمَا اس کا جو			
كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ وہ کماتے تھے (اعمال)	مَنْ جس	عَمِلَ صَالِحًا عمل کیا نیک	فَلِنَفْسِهٖ تو اپنی ذات کیلئے	وَمَنْ اور جس	اَسَاۗءَ برا کیا			
فَعَلَیْهَا تو اس پر	ثُمَّ پھر	اِلٰى رَبِّكُمْ تم اپنے رب کی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں اثبات توحید کے سلسلہ میں انسانوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کریں اور خدا کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں اور اس منعم حقیقی کا شکر بجالائیں۔ پھر منکرین اور مخالفین حق کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جو آیات اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور تکبر سے اپنے انکار پر اڑے رہتے ہیں اور دین حق کا تمسخر اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کا انجام آخرت میں نہایت دردناک ہو گا اور ان کو جہنم کے عذاب بھگتنے ہوں گے۔

اب آگے پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بعض نعمتیں جتلاتے ہیں تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات دیکھ کر اس پر ایمان لائیں چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے سمندر جیسی مخلوق کو ایسا مسخر کر دیا کہ انسان بے تکلف کشتیاں اور جہاز اس میں لئے پھرتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق میلوں گہرے پانی میں سفر طے کرتے ہیں۔ بڑی بڑی کشتیاں و جہاز مال اور سواریوں سے لدے ہوئے ادھر سے ادھر لے جاتے ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ بحری تجارت کرتے ہیں بلکہ سمندر اور دریا میں مچھلیاں شکار کرتے ہیں اور اس کی تہ سے موتی نکالتے ہیں اور بھی سمندر میں بہت سی نفع بخش چیزیں قدرت نے انسانوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں اور اب تو جدید

سائنسی تحقیقات کی رو سے یہ معلوم ہوا کہ سمندر میں جس قدر معدنی ذخائر اور زمین کی پوشیدہ دولتیں موجود ہیں اتنی خشکی میں نہیں ہیں۔ تو سمندروں سے یہ سب منافع و فوائد حاصل کرتے وقت انسانوں کو چاہیے کہ منعم حقیقی کو نہ بھولیں۔ اس کا حق پہچانیں۔ زبان و دل و قلب و قالب سے اس کا شکر ادا کریں اور صرف ایک سمندر ہی پر کیا موقوف ہے جتنی چیزیں آسمان و زمین میں ہیں جیسے چاند۔ سورج۔ ستارے۔ پہاڑ۔ نہریں۔ حجر۔ شجر۔ حیوانات۔ سب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و قدرت سے انسانوں کے کام میں لگا دیں کہ وہ تمام چیزوں سے فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ تو انسان اگر غور و فکر کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ زمین سے لے کر آسمان تک کی تمام اشیاء اور قوتیں جو اللہ کی عطیہ ہیں اس کے بس کی نہ تھیں۔ محض اللہ کے فضل اور اس کی قدرت کاملہ سے یہ جملہ اشیاء انسان کے کام میں لگی ہوئی ہیں تو انسان کو بھی لامحالہ کسی کے کام میں لگنا چاہئے اور وہ کام یہی ہے کہ اپنے منعم حقیقی۔ محسن اور مربی کو پہچانے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگا رہے۔ یہاں تک روئے سخن مشرکین کی طرف تھا جن کی نافرمانی تکبر۔ استہزا وغیرہ کا ذکر ہوا تھا اب آگے مومنوں کو نصیحت فرمائی جاتی ہے۔ کفار مکہ جو اسلام کو جھٹلاتے۔ مسلمانوں سے سختی سے پیش آتے۔ سخت کلام۔ بدگوئی۔ بدمزاجی۔ بدمعاملگی۔ دست درازی کرتے تو آخر اہل ایمان بھی انہیں کے ملک اور انہیں کے قوم کے لوگ تھے۔ کفار کی شرارتوں پر غصہ آتا تھا کہ ان سے لڑ مریں۔ انہیں ماریں یا خود مر جائیں۔ اس لئے اہل ایمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تلقین عفو و درگذر کر دی گئی کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں۔ منکرین کی سخت باتیں سن کر ٹال دیا کریں اور کفار کی ایذاؤں کو سہار لیں اور مسلمان ان سے بدلہ اور انتقام لینے کی فکر نہ کریں۔ اللہ پر معاملہ چھوڑ دیں۔ وہ ان کی شرارتوں پر کافی سزا اور مومنین کے صبر و تحمل اور عفو درگذر کا مناسب صلہ دے گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا لیکن بعد میں کفار سے جہاد اور ان کی جلاوطنی کے احکام نازل ہوئے۔ لیکن اکثر محقق مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں ایمان والوں کو جو درگذر کرنے کا حکم ہے اس کا جہاد کے حکم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو عام معاشرت میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا انتقام و بدلہ نہ لینے کی تعلیم ہے جو ہر زمانے کے لئے اہل اسلام کے لئے عام ہے اور اس طرح آج بھی اس کا حکم باقی ہے۔ اور حضرت اقدس حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس درگذر کے حکم سے جہاد کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہاں اس انتقام اور بدلہ سے روکا ہے جس سے اصل مقصود اعلائے کلمۃ اللہ نہ ہو بلکہ محض اپنے غیظ و غضب کی تسکین ہو اور اسلامی جہاد میں اصل مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہے گو تبعاً تسکین غیظ بھی حاصل ہو جائے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ بھلے اور نیک کام کا فائدہ اسی نیک کام کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ اور بدی کرنے والا خود اپنے حق میں برا بیج بوتا ہے۔ ایک کی برائی دوسرے پر نہیں پڑتی۔ غرض ہر شخص اپنے نفع و نقصان کی فکر کرے جو جیسا عمل کرے گا اس کا نفع و نقصان اسی کی ذات کو پہنچے گا۔ آخر ایک دن قیامت کا آنا ہے جبکہ سب اللہ کے ہاں حاضر ہوں گے وہاں پہنچ کر سب برائی بھلائی سامنے آجائے گی اور ہر ایک اپنے اعمال کی جزا و سزا پالے گا۔

اب آگے بنی اسرائیل کے کچھ حالات سنائے جاتے ہیں تاکہ ان کے حالات و واقعات سے لوگ نصیحت حاصل کریں جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی، اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں، اور ہم نے ان کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

اور ہم نے اُن کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں، سو انہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضد اضدی کے،

بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ

آپ کا رب ان کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں (عملی) فیصلہ کرے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص

عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ

طریقہ پر کردیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیئے۔ یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ

آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے، اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا، یہ قرآن عام لوگوں کیلئے دانشمندیوں کا سبب

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین لانے والوں کیلئے بڑی رحمت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور تحقیق ہم نے دی	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل	الْكِتٰبَ کتاب	وَالْحُكْمَ اور حکومت	وَالنُّبُوَّةَ اور نبوت	وَرَزَقْنٰهُمْ اور ہم نے عطا کیں انہیں	
مِنَ الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ چیزیں	وَفَضَّلْنٰهُمْ اور ہم نے فضیلت دی انہیں	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ جہان والوں پر	وَاٰتَيْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں دیں	بَيِّنٰتٍ واضح نشانیاں		
مِنَ الْاَمْرِ امر سے (دین کے بارے میں)	فَمَا اخْتَلَفُوْٓا تو انہوں نے اختلاف کیا	اِلَّا مگر	مِنْ بَعْدِ اس کے بعد	مَا جَآءَهُمُ جب آگیا ان کے پاس		
الْعِلْمُ علم	بَغْيًا ضد سے	بَيْنَهُمْ آپس کی	اِنَّ رَبَّكَ بیشک تمہارا رب	يَقْضِيْ فیصلہ کرے گا	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن
فِيْمَا اس میں	كَانُوْا وہ تھے	فِيْهِ اس میں	يَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے	ثُمَّ پھر	جَعَلْنٰكَ ہم نے کردیا آپ کو	عَلٰى شَرِيْعَةٍ شریعت (خاص طریقہ) پر
مِنَ الْاَمْرِ دین سے۔ کے	فَاتَّبِعْهَا تو آپ اس کی پیروی کریں	وَلَا تَتَّبِعْ اور نہ پیروی کریں	اَهْوَآءَ خواہشات	الَّذِيْنَ ان لوگوں کو جو		
لَا يَعْلَمُوْنَ علم نہیں رکھتے	اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَنْ يُّغْنُوْا ہرگز کام نہ آئیں گے	عَنْكَ آپ کے	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے۔ سامنے	شَيْـًٔا کچھ	وَاِنَّ اور بیشک
الظّٰلِمِيْنَ ظالم (جمع)	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض (ایک)	اَوْلِيَآءُ رفیق (جمع)	بَعْضٍ بعض (دوسرے)	وَاللّٰهُ اور اللہ	وَلِيُّ رفیق	الْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں
هٰذَا یہ	بَصَآئِرُ دانائی کی باتیں	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَهُدًى اور ہدایت	وَرَحْمَةٌ اور رحمت	لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ یقین رکھنے والے لوگوں کیلئے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ دنیا میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں اور اس کے انعامات واحسانات ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں جن میں غور وفکر کرنے سے ایک عقل وفہم والا انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچان سکتا ہے لیکن اس کے باوجود بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کی وحدانیت کو نہیں مانتے۔ اسی سلسلہ میں کفار مکہ کو ان کی ہٹ دھرمی۔ تکبر۔ دین حق سے استہزا اور اصرار علی الکفر پر تنبیہ و

ملامت کی گئی اور انہیں آخرت کے عذاب کی وعید سنائی گئی تھی۔ اور اہل اسلام کو صبر وتحمل تلقین اور اس پر اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی تھی۔

اب آگے انہی کفار مکہ اور مشرکین عرب کو جو کہ قرآن اور اسلام کی دعوت کا مقابلہ کر رہے تھے خبردار کیا جاتا ہے کہ یہ قرآن وہی نعمت لے کر آیا ہے جو کبھی پہلے بنی اسرائیل کو دی گئی تھی جس کی بدولت بنی اسرائیل کو طرح طرح کی دینی اور دنیوی نعمتیں عطا فرمائی گئی تھیں اور ان کے زمانہ میں انہیں سارے جہان والوں پر فضیلت اور فوقیت بخشی گئی تھی لیکن جب بنی اسرائیل نے اس نعمت کی ناقدری کی اور دین میں اختلاف کر کے اسے کھو دیا اور احکام الٰہیہ سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عطاء ان سے چھین لی اور نبوت وحکمت بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسماعیل میں دے دی گئی۔ اب جو لوگ اپنی جہالت وحماقت سے اس نعمت عظمٰی یعنی قرآنی ہدایت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے روگردانی کر کے اس کو رد کریں گے وہ اپنی ہی تباہی کا سامان کریں گے اور خدا کی تائید ورحمت نصرت وحمایت کے مستحق صرف وہی لوگ ہوں گے جو اس قرآن کریم کی پیروی قبول کر کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی روش پر قائم رہیں گے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آسمانی کتاب یعنی توراۃ عطا فرمائی تھی اور حکومت وسلطنت اور حکمت بھی عنایت کی تھیں اور ان میں بکثرت پیغمبر بھی مبعوث فرمائے تھے اور پاکیزہ چیزیں یعنی دنیوی بھی مرحمت کی تھیں حتیٰ کہ من وسلویٰ ان پر اتارا گیا تھا اور اس زمانہ کے سارے انسانوں پر ان کو برتری اور فوقیت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ انہیں نہایت واضح اور مفصل احکام اور کھلے کھلے معجزات عطا کئے تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب۔ نبوت۔ حکمت۔ حکومت مال ودولت ملنے کے بعد ہوا پرستی ان پر مسلط ہوگئی اور محض عناد وفساد کے زیر اثر ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔ آپس کی ضد اور نفسانیت سے اصل کتاب کو چھوڑ کر گروہ در گروہ فرقے بن گئے۔ احکام الٰہیہ کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے لگے اور دین میں پھوٹ ڈال کر مختلف گروہ بن گئے جن کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا اس وقت حقیقت کھلے گی اور پتہ چلے گا کہ ان کا منشا نفس پروری اور ہوا پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب بنی اسرائیل نے دنیا میں باہمی فرقہ بندی اور خواہشات کی پیروی کا دروازہ کھول دیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اپنی نعمت چھین لی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب انسانوں کو دین کا صحیح راستہ دکھلانے اور سمجھانے کے لئے آپ کو نبی بنایا گیا اور دین حق کا راستہ دکھایا گیا تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اور آپ کی امت کو چاہئے کہ اس راستہ پر برابر مستقیم رہیں اور کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کا یعنی کفار ومشرکین کی جن میں اہل کتاب بھی شامل ہیں خواہشات اور میلان طبع پر نہ چلیں مثلاً ان کی خواہش یہ ہے کہ آپ ان کے طعن وتشنیع اور ظلم وتعدی سے تنگ آ کر دعوت وتبلیغ ترک کریں یا مسلمانوں میں ویسا ہی اختلاف وتفریق پڑ جائے جس میں وہ لوگ خود مبتلا ہیں تو ایسی صورت میں واجب ہے کہ ان کی خواہشات کو بالکل پامال کر دیا جائے۔ اور گو آپ سے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ احتمال نہیں کہ آپ ان جہلا کی خواہشات پر چلنے لگیں گے مگر اہتمام اور مزید تقویت کے لئے آپ کو پھر اس کا حکم دیا جاتا ہے۔ آگے اس حکم کی علت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے پس ان کا اتباع ہرگز نہ ہونے پائے۔

اب غور کیجئے کہ جب یہاں تاکید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع شریعت اسلامیہ کا حکم ہے تو دوسرا کس شمار میں ہے کہ شرع کی مخالفت کرے۔ معلوم ہوا کہ غیروں کے طریقوں پر چل کر دعویٰ کمال ایمان اور اسلام کا کرنا کس قدر لغو اور باطل ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ یہ سارا ناحق شناس گروہ متحد ہے۔ ایک دوسرے کا حامی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان کا ساتھی۔ مددگار اور حمایتی ہے جو اس سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور تقویٰ وپرہیزگاری کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے متقین کا حامی وناصر

ہے اور اس کی حمایت و مدد کے مقابلہ میں کفارو مشرکین کی اجتماعی طاقت کچھ کام نہ دے گی اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کی رفاقت اور مدد کو حاصل کریں اور اسی کی راہ پر چلیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم مجموعہ بصیرت و ہدایت ہے۔ تمام انسانوں کو کام کی باتیں اور کامیابی کی راہیں سمجھاتا ہے اور جو خوش قسمت اس کی ہدایات ونصائح پر یقین کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے حق میں یہ قرآن خصوصی طور پر رحمت و برکت ہے۔

ان آیات کے ماتحت علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے واقعات کو نقل کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے کتاب عنایت کی اور نبوت اعلیٰ سے سرفراز کیا اور واضح احکام اور محکم ضابطے شریعت اسلامیہ کے بتا دیئے اس لئے انہیں نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور سبق لینا چاہئے کہ بنی اسرائیل کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ آپس میں دینی اختلاف اور پھوٹ پیدا نہ کریں۔ کتاب الٰہی کو اپنی خواہشات کے سانچے میں نہ ڈھالیں۔ احکام الٰہیہ سے کسی حال میں روگردانی نہ کریں۔ غیر مسلموں کی اتباع اور پیروی ہرگز نہ کریں۔ ان کی تہذیب۔ رسم و رواج۔ تمدن و معاشرت کسی چیز کو اختیار نہ کریں۔ کفارو مشرکین تو باہم متحد اور مددگار رہوں گے لیکن ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو متحد ہو کر اللہ کی نصرت و حمایت کے بھروسہ پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔ اب غور کیجئے کہ کیا سبق یہ آیات دیتی ہیں اور کیا حکم یہ اللہ کی کتاب دیتی ہے اپنے ماننے والوں کو اور آج کیا طرز عمل ہے اس پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں کا۔ بس اس کی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ سمجھنے والوں کے لئے اس وقت مسلمانوں کی زبوں حالی روز روشن کی طرح عیاں ہے اور نہ سمجھنے والوں کو تو اپنی ہر برائی بھلائی ہی نظر آتی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اس پر فتن زمانہ میں ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائیں۔ اور اسلام کی جو دولت ہم کو عطا فرمائی ہے اس کے قدر دانی کی توفیق عطا فرمائیں۔

ان آیات میں جو فرمایا گیا **ثم جعلنک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا سو آپ اسی طریقے پر چلیئے۔ اس کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ دین اسلام کے کچھ تو اصولی عقائد ہیں مثلاً توحید و آخرت وغیرہ اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔ جہاں تک اصولی احکام کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں اور ان میں کبھی ترمیم اور تبدیلی نہیں ہوئی لیکن عملی احکام مختلف انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں۔ آیت مذکورہ میں انہی دوسری قسم کے احکام کو "دین کے ایک طریقے" سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اسی وجہ سے فقہا نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امت محمدیہ کے لئے صرف شریعت محمدی ہی کے احکام واجب العمل ہیں پچھلی امتوں کو جو احکام دیئے گئے تھے وہ ہمارے لئے اس وقت تک واجب العمل نہیں ہیں جب تک قرآن وسنت سے ان کی تائید نہ ہو جائے۔ پھر تائید کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قرآن یا حدیث میں صراحۃً یہ فرمایا گیا ہو کہ فلاں نبی کی امت کا یہ حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پچھلی امت کا کوئی حکم بطور تحسین و مدح بیان فرمائیں اور اس کے بارہ میں یہ نہ فرمائیں کہ یہ حکم ہمارے زمانہ میں منسوخ ہو گیا ہے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حکم ہماری شریعت میں بھی جاری ہے۔ یہاں اتنی بات مسئلہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں"۔ (معارف القرآن جلد ہفتم)

آگے منکرین اسلام اور مکذبین آخرت نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد جزا و سزا کچھ نہیں تو ان کے اس خیال باطل اور عقیدہ فاسد کی تردید فرمائی گئی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ

یہ لوگ جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا، کہ ان سب کا جینا اور مرنا

وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا

یکساں ہو جاوے، یہ بُرا حکم لگاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا، اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰي عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰي

اور اُن پر ذرا ظلم نہ کیا جاوے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے

سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰي بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾

گمراہ کر دیا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیاۃ نہیں ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آجاتی ہے، اور ان لوگوں کے پاس

عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا

اس پر کوئی دلیل نہیں، محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں۔ اور جس وقت ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے

بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

باپ دادوں کو (زندہ کر کے) سامنے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر (جب چاہے گا) تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن

لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

جس (کے وقوع) میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

اَمْ حَسِبَ کیا گمان کرتے ہیں	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	اجْتَرَحُوا کمائیں (کیں)	السَّيِّاٰتِ برائیاں	اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کہ ہم کر دیں گے انہیں			
كَالَّذِيْنَ ان لوگوں کی طرح جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	سَوَآءً برابر	مَّحْيَاهُمْ ان کا جینا	وَ اور	مَمَاتُهُمْ ان کا مرنا
سَآءَ بُرا	مَا يَحْكُمُوْنَ جو وہ حکم لگاتے ہیں	وَخَلَقَ اور پیدا کیا	اللّٰهُ اللہ	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَ اور	الْاَرْضَ زمین	بِالْحَقِّ حق (حکمت) کے ساتھ
وَلِتُجْزٰى اور تا کہ بدلہ دیا جائے	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	بِمَا اس کا	كَسَبَتْ جو اس نے کمایا (اعمال)	وَهُمْ اور وہ	لَا يُظْلَمُوْنَ ظلم نہ کئے جائیں گے		
اَفَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا	مَنِ جو۔ جس	اتَّخَذَ بنا لیا	اِلٰهَهٗ اپنا معبود	هَوٰىهُ اپنی خواہش	وَاَضَلَّهُ اور گمراہ کر دیا اسے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰي عِلْمٍ علم پر۔ باوجود
وَخَتَمَ اور اس نے مُہر لگا دی	عَلٰي سَمْعِهٖ اس کے کان	وَقَلْبِهٖ اور اس کے دل	وَجَعَلَ اور کر دیا ڈال دیا	عَلٰي بَصَرِهٖ ان کی آنکھ پر	غِشٰوَةً پردہ		
فَمَنْ تو کون	يَّهْدِيْهِ اسے ہدایت دے گا	مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اللہ کے بعد	اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تو کیا تم غور نہیں کرتے؟	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	مَا هِىَ نہیں یہ		

اِلَّا صرف	حَيَاتُنَا ہماری زندگی	الدُّنْيَا دنیا	نَمُوْتُ ہم مرتے ہیں	وَنَحْيَا اور ہم جیتے ہیں	وَمَا يُهْلِكُنَا اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں	اِلَّا مگر۔صرف			
الدَّهْرُ زمانہ	وَمَا اور نہیں	لَهُمْ انہیں	بِذٰلِكَ اس کا	مِنْ سے۔کوئی	عِلْمٍ علم	اِنْ نہیں	هُمْ وہ	اِلَّا مگر۔صرف	يَظُنُّوْنَ انکل دوڑاتے ہیں
وَاِذَا اور جب	تُتْلٰى عَلَيْهِمْ پڑھی جاتی ہیں ان پر	اٰيٰتُنَا ہماری آیات	بَيِّنٰتٍ واضح	مَا كَانَ نہیں ہوتی	حُجَّتَهُمْ ان کی حجت	اِلَّآ اَنْ سوا یہ کہ			
قَالُوا وہ کہتے ہیں	ائْتُوْا تم لے آؤ	بِاٰبَآئِنَآ ہمارے باپ دادا کو	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلِ فرمادیں	اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ اللہ تمہیں زندگی دیتا ہے			
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ وہ پھر تمہیں موت دیگا	ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ وہ پھر تمہیں جمع کرے گا	اِلٰى طرف	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کا دن	لَا رَيْبَ کوئی شک نہیں					
	فِيْهِ اس میں	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ جانتے نہیں					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ دنیا میں جب بنی اسرائیل نے دین میں اختلاف پیدا کر کے فرقہ بندی اختیار کی اور گروہ در گروہ ہو گئے اور احکام الٰہیہ کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عطاء نبوت کو چھین لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرما کر دنیا میں بھیجا تا کہ انسانوں کو سیدھا راستہ بتلائیں اور جو کتاب و شریعت آپ کو عطا کی گئی وہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے فکری و عملی راہ نجات بتانے والی اور حق و باطل کا فرق نمایاں کرنے والی ہے مگر اس سے ہدایت وہی لوگ پاتے ہیں جو اس کی صداقت پر یقین لائیں اور انہی کے حق میں یہ رحمت ہے۔

مسئلہ توحید و رسالت کی دعوت کے بعد اب یہاں سے آخرت کے متعلق کلام فرمایا جاتا ہے۔ منکرین آخرت نزول قرآن کے وقت کہتے جیسا کہ اب بھی لا مذہب دہریہ و نیچری کہتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد دوسری کوئی اور زندگی نہیں۔ دین مذہب کی قید۔ جائز۔ ناجائز۔ کی پابندی اور بدکاری۔ نیکوکاری کوئی چیز نہیں۔ نہ آئندہ کسی کی سزا ہے نہ جزا۔ بس زندگی یہی ہے جو چل رہی ہے۔ آئندہ کوئی زندگی ہی نہیں ہے۔ پیدائش اور موت زمانہ کی رفتار کا ایک سلسلہ ہے۔ باپ کے بعد بیٹا آتا ہے۔ پہلے مرتے ہیں دوسرے ان کے جانشین ہوتے ہیں۔ اگر باپ دادا ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی اب تک زندہ نہ ہوئے تو آئندہ کیا زندہ ہوں گے نیک ہو یا بد۔ صالح ہو یا بد معاش۔ کافر ہو یا مومن سب کا انجام مرنے کے بعد برابر ہے۔ منکرین آخرت کے ان خیالات باطلہ کی اس پورے رکوع میں مدلل تردید فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے برائی پر کمر باندھ رکھی ہے اور گناہ سمیٹنے میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ دین کے احکام سے منہ موڑ لیا ہے۔ اللہ اور رسول اور قرآن کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ نیک و بد میں کوئی تمیز نہیں کرتے تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ یونہی چھوٹ جائیں گے اور ان کے برے کاموں کی سزا انہیں نہ ملے گی اور ان کا مرنا جینا بھی انہی لوگوں کا سا ہو جائے گا جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرمانبردار بن کر رہے اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ جن باتوں کے کرنے کو کہا گیا ان کو کیا اور جن باتوں سے روکے گئے ان سے باز رہے۔ تو ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا اور خداوند عالم کی حکمت اور اس کے عدل سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ نیک و بد سے ایک جیسا معاملہ کرے۔ منکرین آخرت کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور یہ خیال بالکل مہمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدوں کا مرنا جینا برابر کر دے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص عمر بھر اپنے اوپر دین و مذہب کی پابندیاں عائد کرے۔ جائز۔ ناجائز اور حلال و حرام کے قیود برداشت کرے۔ حق والوں کے حق ادا کرتا رہے ناجائز فائدوں اور لذتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھے اور حق و صداقت کی خاطر طرح طرح کے مصائب اور نقصانات برداشت کرتا رہے ہر بات میں خوف خدا رکھتے ہوئے اللہ و رسول کے احکامات کو سامنے رکھے اور دوسرا شخص جو ہر طرح کی قیود سے آزاد ہو جو اپنی خواہشات کو ہر ممکن طریقہ سے پورا کرنے کے درپے رہا ہو۔ جس نے نہ خدا کا حق پہچانا نہ بندوں کے حقوق کو جانا جس طرح ہوا اپنے لئے فائدہ اور لذتیں سمیٹتا رہا تو کیا خدا سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ دونوں قسم کے آدمیوں

کا مرنا جینا یکساں کر دے گا اور دونوں کا انجام مرنے کے بعد برابر کر دے گا۔ اگر ایسا ہو تو خدا کی خدائی میں معاذ اللہ اس سے بڑھ کر اور کیا بے انصافی ہو سکتی ہے الغرض اس کی حکمت اس کو ہرگز مقتضی نہیں بلکہ ضرور ہے کہ دونوں کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ ظاہر ہو کر رہے اور ہر ایک کی نیکی یا بدی کے آثار یہاں دنیا میں بھی مشاہد ہوں اور ان کا پوری طرح مکمل معائنہ موت کے بعد ہو۔ آگے عالم آخرت کے ضروری واقع ہونے پر ایک دوسری دلیل دی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین و آسمان یعنی سارا جہاں محض کھیل کے طور پر بے کار پیدا نہیں کیا ہے بلکہ نہایت حکمت سے کسی خاص مقصد کے لئے بنایا ہے اور ضرور ہے کہ ایک دن اس کارخانہ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلے اور اسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اس کی کمائی کا پھل ملے گا اور جو دنیا میں بویا تھا وہی آخرت میں کاٹنا پڑے گا اور وہاں اس بدلہ میں ذرا ظلم نہ کیا جائے گا کہ کسی نیک انسان کو اس کی نیکی کا اجر نہ ملے۔ یا حق سے کم اجر دیا جائے یا ظالم کو سزا نہ دی جائے۔ ایسا ظلم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز نہ ہوگا۔ اب اتنے بلیغ بیانات کے بعد بھی اگر کوئی شخص آخرت کا قائل نہ ہو اور اس پر یقین نہ لائے اور اس کا منکر ہی رہے تو ایسے شخص کے متعلق فرمایا جاتا ہے کہ اس نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا ہے۔ جس چیز کی نفس نے خواہش کی اس کا ارتکاب کر گذرا۔ نہ اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حرام جانا۔ نہ اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھا۔ بس اپنے خواہش نفس کا فرمانبردار ہے۔ جدھر اس کا نفس اسے بلاتا ہے اسی طرف وہ چلا جاتا ہے۔ تو ایسا بدبخت جو محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرا لے اور جدھر اس کی خواہش لے چلے ادھر ہی چل پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اس کے پاس یہی خواہش رہ جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے پھر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ کان نصیحت کی بات سنتے ہیں۔ نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے۔ نہ آنکھ سے حق کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اس کی کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر چھوڑے تو اس کے بعد کونسی طاقت ہے جو اسے راہ راست پر لے آئے۔ اب آگے

ان منکرین آخرت کے اقوال نقل فرمائے جاتے ہیں اور پھر ان کا رد فرمایا جاتا ہے چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین آخرت یوں کہتے ہیں۔ کہ اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں۔ بس یہی ایک جہان ہے جس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ آدمی پیدا ہوتا ہے۔ پھر معین وقت تک اس دنیا میں زندہ رہتا ہے۔ آخر زمانہ کا چکر اسے ختم کر دیتا ہے۔ یہی سلسلہ موت و حیاۃ دنیا میں چلتا رہتا ہے۔ آگے کچھ نہیں منکرین آخرت کے ان اقوال کے رد میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو کچھ بک رہے ہیں اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور بجز وہم و خیال کے وہ کوئی سند اپنے قول پر پیش نہیں کر سکتے۔ ان کے پاس کوئی ذریعہ علم ایسا نہیں ہے جس سے ان کو تحقیق یہ معلوم ہو گیا ہو کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں۔ یہ محض ان کا اٹکل پچو گمان ہے۔ پھر آگے ان بے علموں منکرین قیامت و آخرت کی کٹ حجتی بیان ہوتی ہے کہ قیامت قائم ہونے کی اور دوبارہ زندہ کئے جانے کی بالکل واضح اور صاف دلیل جب ان کو دی جاتی ہیں اور قرآن کی آیات سنائی جاتی ہیں اور قائل معقول کر دیا جاتا ہے تو چونکہ کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو کہتے ہیں کہ ہم کسی دلیل کو نہیں مانیں گے اگر مسلمان اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔ تب ہم تسلیم کریں گے کہ بے شک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔ تو اس کے جواب میں بتلایا جاتا ہے کہ تم اپنا پیدا کیا جانا اور مر جانا تو اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہو کہ تم کچھ نہ تھے اور اس نے تمہیں موجود کر دیا۔ پھر وہ تمہیں مار ڈالتا ہے۔ تو جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جی اٹھانے پر قادر کیسے نہ ہوگا؟ بلکہ عقلاً یہ بات بداہت کے ساتھ ثابت ہے کہ جو شروع شروع کسی چیز کو بنا دے اس پر دوبارہ اس کا بنانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے بہت ہی آسان ہوتا ہے پس وہ تمہیں قیامت کے دن کہ جس کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں زندہ کر کے جمع کرے گا۔ تو تم اپنی بے علمی کی بنا پر قیامت و آخرت کا انکار نہ کرو۔ تم گو اسے دور جان رہے ہو لیکن دراصل وہ قریب ہی ہے اور تم گو اس کا آنا محال سمجھ رہے ہو لیکن فی الواقع اس کا آنا یقینی ہے

اب یہاں جو یہ فرمایا گیا من اتخذ الٰھہ ھوٰہ یعنی وہ شخص جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدایا معبود بنا لیا تو اس کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی کافر بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدایا معبود نہیں کہتا مگر قرآن کریم نے یہاں یہ بتلایا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے۔ جو شخص خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے وہ ہی اس کا معبود کہلائے گا۔ جس شخص کو حلال و حرام اور جائز ناجائز کی پروا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے جس کو حرام کہا ہے وہ اس میں خدا کا حکم ماننے کی بجائے اپنے نفس کی پیروی کرے تو گو وہ اپنے نفس کو زبان سے اپنا معبود نہ کہے مگر حقیقۃً وہی اس کا معبود ہوا......

حضرت ابو امامہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہوٰی ہے یعنی خواہش نفسانی۔ حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانش مند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے واسطے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے چھوڑ دے اور اس کے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرتا رہے۔ اور حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ نے فرمایا کہ تمہاری بیماری تمہاری نفسانی خواہشات ہیں۔ ہاں اگر تم ان کی مخالفت کرو تو یہ بیماری ہی تمہاری دوا بھی ہے۔ (معارف القرآن جلد ہفتم)

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے چلنے سے کامل طور پر بچائیں۔ اور شریعت اسلامیہ کا ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے ان منکرین آخرت کو جو قیامت میں واقعات پیش آئیں گے اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت و آخرت کا ایسا یقین نصیب فرمائیں کہ ہم اس زندگی میں ہمہ وقت اس کی تیاری میں لگے رہیں۔

یا اللہ ہمیں آخرت کی طرف سے غفلت میں رہنے سے بچائیے۔

یا اللہ اس دنیا کی زندگی میں ہمیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے ہم کو بچائیے۔

یا اللہ ایمان کے ساتھ ہم کو ان اعمال صالحہ کی بھی اس زندگی میں توفیق عطا فرمائیے جو آپ کی رضا کا باعث ہوں اور ہمارے لئے ذخیرہ آخرت اور نجات کا سبب ہوں۔ یا اللہ اس وقت امت مسلمہ میں سب سے بڑا مرض یہی پیدا ہو چلا ہے کہ ہم خواہشات نفس کے پیرو ہوتے جا رہے ہیں۔ دین و شریعت کی قیود جائز و ناجائز کی پابندی سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں فسق و فجور اور ممنوعات اور مکروہات کے سیلاب میں بہتے جا رہے ہیں۔

یا اللہ! اس امت مسلمہ پر رحم و کرم فرما دے اور ان کی ہدایت و اصلاح کے سامان غیب سے فرما دے۔ دین کی عظمت عطا فرما دے۔ اپنا اطاعت گذار اور فرمانبردار بندہ بنا لے اور دین و دنیا کی تباہی و بربادی سے بچا لے۔

یا اللہ آپ ہی کی ہدایت بخشنے سے ہم ہدایت پا سکتے ہیں اس لئے آپ ہی سے ہدایت کے طالب اور فریادی ہیں۔

یا اللہ! صراط مستقیم کی ہدایت ہم کو نصیب فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں، اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے۔ اور (اس روز)

كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (مارے خوف کے) زانو کے بل گر پڑیں گے، ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال (کے حساب) کی طرف بلایا جائے گا، آج تم کو تمہارے کیے کا بدلہ ملے گا۔ یہ (نامۂ اعمال)

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے، اور ہم (دنیا میں) تمہارے اعمال کو (فرشتوں سے) لکھواتے جاتے تھے۔ سو جو لوگ ایمان لائے تھے

الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾

اور انہوں نے اچھے کام کیے تھے تو اُن کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، اور یہ صریح کامیابی ہے۔

وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ بادشاہت آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَيَوْمَ اور جس دن	تَقُوْمُ قائم ہوگی	السَّاعَةُ قیامت	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	
يَخْسَرُ خسارہ پائیں گے	الْمُبْطِلُوْنَ باطل پرست	وَتَرٰى اور تم دیکھو گے	كُلَّ اُمَّةٍ ہر امت	جَاثِيَةً گھٹنوں کے بل گرے ہوئے	كُلُّ ہر		
اُمَّةٍ امت	تُدْعٰى پکاری جائے گی	اِلٰى كِتٰبِهَا اپنی کتاب (نامۂ اعمال) کی طرف	اَلْيَوْمَ آج	تُجْزَوْنَ تمہیں بدلہ دیا جائے گا	مَا جو		
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے	هٰذَا كِتٰبُنَا یہ ہماری کتاب (تحریر)	يَنْطِقُ بولتی ہے	عَلَيْكُمْ تم پر (تمہارے متعلق)	بِالْحَقِّ حق کیساتھ	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم		
نَسْتَنْسِخُ لکھاتے تھے	مَا جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ پس جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے عمل کیے نیک		
فَيُدْخِلُهُمْ تو وہ داخل کریگا انہیں	رَبُّهُمْ ان کا رب	فِيْ رَحْمَتِهٖ اپنی رحمت میں	ذٰلِكَ یہ	هُوَ وہ (یہی)	الْفَوْزُ کامیابی	الْمُبِيْنُ کھلی	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین آخرت کا ذکر فرمایا گیا تھا جو یہ کہتے تھے کہ زندگی صرف دنیوی زندگی ہی ہے۔ ہم صرف زمانہ کے اثر سے مرتے جیتے رہتے ہیں۔ اس کی تردید میں فرمایا گیا تھا کہ ان منکرین کو کوئی صحیح علم نہیں جو کسی حجت یا دلیل پر مبنی ہو بلکہ وہ محض ایک خیال باطل پکار رہے ہیں اور ان کے اس مطالبہ کے جواب میں کہ اگر واقعی قیامت ہونی ہے اور آخرت آنی ہے اور سب مرے ہوؤں کو زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادا جو مر چکے ہیں ان کو زندہ کر کے ہمارے پاس لاؤ تو ہمیں یقین آئے کہ قیامت میں پھر مردے زندہ ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں منکرین آخرت سے کہا گیا تھا کہ نادانو! زمانہ کیا چیز ہے کہ جو تم کہتے ہو کہ ہمیں صرف زمانہ مارتا ہے۔ تم کو اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی تمہیں موت دیتا ہے اور اس کے بعد جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا تھا یونہی دوبارہ زندہ کر کے تم کو قیامت کے دن جمع کیا جاوے گا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اب آگے اس کے ثبوت میں کہ اللہ تعالیٰ سب کو قیامت کے دن جمع کر لے گا ان آیات میں فرمایا جاتا ہے **وللہ ملک السموٰت والارض** اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں سارے جہان کی حکومت اسی کی ہے۔ اسی کے قبضہ میں آسمان وزمین ان کی تخلیق وانتظام ہے۔ وہ جو چاہے تصرف کرے اس لئے اس کو قیامت کے قائم کرنے اور سب انسانوں کو زندہ کر کے جمع کرنے پر پوری قدرت ہے۔ آگے قیامت کے بعض واقعات کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل اور تکذیب کرنے والے سراسر گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنے زعم کی بنا پر اس دن کے لئے کوئی تیاری ہی نہ کی ہوگی اور محاسبہ

کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ نکلے گا بجز برائیوں کے دنیا کی زندگی میں جن افکار اور اعمال کی انہوں نے خرید وفروخت کی تھی اس کا خسران اور دیوالیہ پن قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا۔ دنیا میں جنہوں نے اللہ کے رسول کی بات نہ مانی اور اللہ کی کتاب کے حکموں پر عمل نہ کیا وہ قیامت میں سخت نقصان میں رہیں گے ایسے لوگوں کی ساری ٹولیاں اور گروہ قیامت کے دن خوف زدہ ہو کر گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ پھر ہر گروہ کے ہر شخص کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا تا کہ وہ اس کو پڑھ کر اپنے اعمال کے متعلق جواب دہی کرے اور جب وہ آ جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ آج تم کو ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو دنیا میں کئے تھے اور دیکھو ہماری یہ کتاب یعنی فرشتوں کی لکھی ہوئی تحریر اعمال کچی کچی سرگذشت بیان کر دے گی۔ تمہارا چھوٹا بڑا ہر کام اس میں درج ہے۔ یہ تمہارے کاموں کا بھی کھاتہ ہے اور تمہارے کرتوتوں کا کچا چٹھا ہے جو ہمارے حکم سے ہمارے مقرر کئے ہوئے فرشتوں نے لکھا ہے۔ اس میں ذرا کمی بیشی نہیں۔

یہ ٹھیک ٹھیک وہی بتاتا ہے جو تم نے دنیا میں کیا۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر شخص کو بلایا جاوے گا اور دائیں بائیں ہاتھ میں ہر ایک کے اعمال کے موافق نامہ اعمال دیا جائے گا۔ جس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا چہرہ نورانی ہوگا اور جس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کے چہرہ پر سیاہی چھا جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا نامہ اعمال ہم کو داہنے میں ملنا نصیب فرمائیں۔

یہاں جو آیت میں یہ فرمایا گیا **انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون** ۔ ہم تمہارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے احادیث کی روایات میں آتا ہے کہ انسان کے اعمال کئی دفعہ لکھے گئے ہیں سب سے پہلے جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا ہے تو لوح محفوظ میں قلم نے اللہ کے حکم سے تمام دنیا کے موجودات کے ساتھ ہر انسان کے عمل لکھے۔ اور اس عمل کے لکھنے میں فرشتوں کا کچھ دخل نہیں ہے۔

پھر جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو ہر بچہ کی عمر بھر کے عمل فرشتہ لکھتا ہے پھر شب قدر میں سال بھر تک کے ہر شخص کے عمل لوح محفوظ سے فرشتے نقل کر لیتے ہیں۔ کراماً کاتبین زمین پر سے ہر شخص کے جو عمل لکھ کر روزانہ آسمان پر لے جاتے ہیں اس سے وہ فرشتے لوح محفوظ سے سال بھر کے عمل کی نقل جو لے کر رکھ لیتے ہیں اس کے ساتھ ہر اٹھواڑے میں مقابلہ کیا کرتے ہیں۔ اب یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ لکھوانے کی صورت صرف یہی ایک ممکن صورت نہیں کہ کاغذ پر سیاہی سے لکھ دیا جائے انسانی اقوال وافعال کو ثبت کرنے اور دوبارہ ان کو بعینہ اسی شکل میں پیش کر دینے کی متعدد دوسری صورتیں اسی دنیا میں خود انسان دریافت کر چکا ہے جس کی مثالیں ریڈیو۔ ٹیپ رکارڈنگ۔ گراموفون۔ ٹیلی ویژن وغیرہ ہیں۔ اور ابھی نہ معلوم آئندہ اس قسم کی اور کیا ایجادات دنیا والوں کے سامنے آ جائیں۔ یہ کون جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح انسان کی ایک ایک بات۔ اور اس کی حرکات وسکنات میں سے ایک ایک چیز اور اس کی نیت اور ارادہ اور خواہشات وخیالات میں سے ہر مخفی سے مخفی شے کو ثبت کرا رہے ہیں اور کس طرح وہ ہر انسان کا پورا کارنامہ زندگی بے کم وکاست اس کے سامنے میدان قیامت میں لا رکھیں گے اب اس اعمال نامہ کی تحریر اور کچی سرگذشت سے جو نتیجہ برآمد ہوگا آگے اس کو بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں ایمان لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے مقر تھے۔ اس کے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔ اس کی کتابوں کو سچا جان کر اس کے مطابق عمل کیا تھا۔ احکام الٰہیہ کے مطابق اپنی زندگی دنیا میں بسر کی تھی۔ رسول کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلے تھے تو انہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا اور یہی وہ سب سے بڑی کامیابی وکامرانی ہے جسے انسان حاصل کرسکتا ہے۔

یہاں آیت فاما الذین اٰمنو اوعملواالصٰلحٰت فیدخلھم ربھم فی رحمتہ ذلک ھو الفوز المبین میں آخرت میں اللہ کی رحمت میں داخل ہونے اور صریح کامیابی حاصل کرنے کی جو بشارت دی گئی ہے اور وعدہ فرمایا گیا ہے وہ قرآن پاک کی متعدد دوسری آیات کے موافق ایمان اور عمل صالح دونوں کے مجموعہ پر ہے۔ اب یہاں ایمان اور عمل صالح کے تعلق کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے (ترجمان السنۃ جلد اول صفحہ ۴۹۴) اس حدیث اور دوسری متعدد احادیث کی روشنی میں ائمہ اہل سنت والجماعت نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ جب تک اقرار و تصدیق کے ساتھ التزام طاعت اور انقیاد قلبی نہ ہو ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق نہیں ہے بلکہ انقیاد قلبی اور التزام طاعت بھی اس کا جز واہم ہے۔ اگر ایک شخص صرف تصدیق رکھتا ہے مگر عہد وفا داری نہیں کرتا وہ مومن نہیں کہلا سکتا اور اسی طرح اگر فرمانبرداری کے لئے تو آمادہ ہے مگر قلب وزبان سے تصدیق کے لئے آمادہ نہیں تو وہ بھی مومن نہیں ہے۔ پس ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ قلب اور زبان تصدیق سے مزین ہوں اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا عزم بھی مصمم ہو۔ شرعی تصدیق اسی کا نام ہے۔ (ترجمان السنۃ جلد اوّل صفحہ ۴۷۶)

شیخ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ترجمان السنۃ میں اسی ایمان کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''فرض کرو ایک شخص دربار نبوت میں حاضر ہوتا ہے اور تصدیق کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نہ آپ کے احکام بجا لاؤں گا۔ نہ جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے باز رہوں گا۔ نہ فرائض خمسہ ادا کروں گا۔ ہاں شراب پیوں گا۔ چوری۔ زنا۔ نکاح محارم کروں گا۔ غرض جو نا کرنی ہے وہ سب کچھ کروں گا۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص یہ تصور کرسکتا ہے کہ محض لغوی تصدیق کے بعد رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے لئے ایمان کا پروانہ تحریر فرمادیں گے۔ اس کی شفاعت کا وعدہ فرمالیں گے۔ جہنم سے نجات ابدی کی بشارت سنا دیں گے۔ یا یہی جواب دیں گے کہ تو صرف کافر نہیں بلکہ بدترین کافر ہے۔ تیرا یہ ایمان۔ ایمان نہیں۔ استہزا ہے۔ یہ تصدیق نہیں بلکہ تکذیب کا بدترین مظاہرہ ہے۔ اور اگر یہ بھی ایمان ہے تو پھر ابلیس کے ایمان میں کیا کسر تھی جس نے صرف ایک ہی سجدہ کا انکار کیا تھا۔ پھر قرآن کریم نے کیوں اس کو کافروں میں شمار کرلیا ہے۔ اور فرمایا استکبر و کان من الکفرین۔ (ترجمان السنۃ جلد اوّل صفحہ ۴۷۷)

الغرض ایمان جس پر دین کی تمام بنیاد قائم ہے کوئی معمولی متاع نہیں۔ کوئی شخص صرف ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے خواہ وہ عذاب الٰہی کی دائمی اور ابدی گرفت سے نجات پانے کا مستحق ہو جائے لیکن ''مومن'' کے معزز خطاب کا اس وقت تک مستحق نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی نظری اور عملی دونوں قوتیں کامل نہ ہو جائیں یعنی وہ دین اسلام کے عقائد اور اعمال کا پورے طور پر پابند نہ ہو جائے۔ (ترجمان السنۃ جلد اوّل صفحہ ۵۰۶)

اللہ پاک ہمیں ایمان کامل و عمل صالح کی دولت سے دنیا میں مالا مال فرمائیں کہ جو ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جائیں۔ آمین۔

الغرض دنیا میں ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں سے آخرت میں سرخروئی اور کامیابی کا وعدہ فرمایا گیا۔ اور جو لوگ کافر اور منکرین آخرت ہوں گے ان کے ساتھ کیا معاملہ آخرت میں ہوگا یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جاوے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا تھا اور تم بڑے مجرم تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِىْ مَا السَّاعَةُ اِنْ

اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے، تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے،

نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔ اور (اس وقت) ان کو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ

وہ اُن کو آگھیرے گا۔ اور (اُن سے) کہا جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے

مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ

اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ (سزا) اس وجہ سے ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو آج

لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ

نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جاویں گے اور نہ ان سے خدا (کی خفگی) کا تدارک چاہا جاوے گا۔ سو تمام خوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

تمام عالم کا۔ اور اسی کو بڑائی ہے آسمانوں و زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اور وہ لوگ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	اَفَلَمْ تَكُنْ سو کیا نہ تھیں	اٰيٰتِىْ میری آیات	تُتْلٰى پڑھی جاتیں	عَلَيْكُمْ تم پر		
فَاسْتَكْبَرْتُمْ تو تم نے تکبر کیا	وَكُنْتُمْ اور تم تھے	قَوْمًا لوگ	مُّجْرِمِيْنَ مجرم (جمع)	وَاِذَا اور جب	قِيْلَ اِنَّ کہا جاتا تھا بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	
حَقٌّ سچ	وَّالسَّاعَةُ اور قیامت	لَا رَيْبَ کوئی شک نہیں	فِيْهَا اس میں	قُلْتُمْ تم نے کہا	مَّا نَدْرِىْ ہم نہیں جانتے	مَا السَّاعَةُ کیا ہے قیامت	
اِنْ نَّظُنُّ نہیں ہم گمان کرتے	اِلَّا مگر۔صرف	ظَنًّا تو ہم جیسا	وَّمَا اور نہیں	نَحْنُ ہم	بِمُسْتَيْقِنِيْنَ یقین کرنے والے	وَبَدَا اور کھل گئیں	
لَهُمْ ان پر	سَيِّاٰتُ برائیاں	مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے کیا (اعمال)	وَحَاقَ اور گھیر لیا	بِهِمْ انہیں	مَّا كَانُوْا جسکا وہ تھے	بِهٖ اس کا	يَسْتَهْزِءُوْنَ وہ مذاق اڑاتے
وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	الْيَوْمَ آج	نَنْسٰىكُمْ ہم نے بھلا دیا تمہیں	كَمَا جیسے	نَسِيْتُمْ تم نے بھلا دیا	لِقَآءَ ملنا	يَوْمِكُمْ اپنے دن	هٰذَا اس
وَ اور	مَاْوٰىكُمُ تمہارا ٹھکانا	النَّارُ جہنم	وَمَا لَكُمْ اور نہیں تمہارے لئے	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ کوئی مددگار (جمع)	ذٰلِكُمْ یہ	بِاَنَّكُمُ اس لئے کہ تم	
اتَّخَذْتُمْ تم نے بنالیا	اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات	هُزُوًا ایک مذاق	وَّغَرَّتْكُمُ اور فریب دیا تمہیں	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	فَالْيَوْمَ سو آج		
لَا يُخْرَجُوْنَ وہ نہ نکالے جائیں گے	مِنْهَا اس سے	وَلَا هُمْ اور نہ انہیں	يُسْتَعْتَبُوْنَ رضامندی حاصل کرنیکا موقع دیا جائیگا	فَلِلّٰهِ پس اللہ کیلئے			

وَلَهُ اور اس کیلئے	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا رب	وَرَبِّ الْاَرْضِ اور زمین کا رب	رَبِّ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کا رب	الْحَمْدُ تمام تعریفیں
الْحَكِيْمُ حکمت والا	الْعَزِيْزُ غالب	وَهُوَ اور وہ	وَالْاَرْضِ اور زمین	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	الْكِبْرِيَآءُ کبریائی

تفسیر وتشریح

یہ سورہ جاثیہ کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا کہ جب قیامت بپا ہوگی تو اس روز اہل باطل اور تکذیب کرنے والے سراسر گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے جب حساب کتاب کے لئے بلائے جائیں گے اور ان کے اعمال سامنے رکھے جائیں گے تو بارگاہ خداوندی سے حکم صادر ہوگا کہ آج تم کو تمہارے دنیا میں کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا اور یہ اعمال نامہ یعنی فرشتوں کی لکھی ہوئی تحریر سچی سچی سرگذشت بیان کردے گی۔ پھر حساب فہمی کا نتیجہ بیان فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں جو ایمان لائے تھے اور عمل صالح کئے تھے ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لے لے گا اور مقام قرب اور رضا الٰہی یعنی جنت میں داخل فرمائے گا اور یہی انسان کے لئے سب سے بڑھ کر اور زبردست کامیابی ہے۔ یہ تو معاملہ قیامت میں ہوگا نیکوکار مومنوں کے ساتھ اب آگے جو معاملہ کفار ومنکرین کے ساتھ ہوگا وہ ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا۔ اس کے رسولوں کی تکذیب کی۔ اس کی کتابوں کو جھٹلایا اور ان سے منہ موڑا۔ جنہوں نے دین مذہب کے قیود سے آزاد ہو کر من مانی زندگی گذاری۔ دنیا کی لذات وشہوات کے پیچھے پڑے رہے اور آخرت کی زندگی کا انکار کیا۔ اور اللہ کے سامنے پیش ہونے کو فراموش کردیا اور احکام الٰہیہ کی توہین کی اور دین کی باتوں کا مذاق اڑایا اور دنیا کی زندگی پر ریجھے رہے ان سے قیامت کے دن بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمہارے سامنے نہیں پڑھی جاتی تھیں یعنی یقیناً پڑھی جاتی تھیں اور تمہیں سنائی جاتی تھیں مگر تم نے نہ مانا۔ تم نے تو سرکشی کی اور غرور سے انکار کیا۔ تم نے اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھا اور احکام الٰہیہ کے آگے گردن جھکانے کو تمہارا جی نہ چاہا۔ تم نے آسمانی کتاب کی اتباع نہ کی بلکہ اس سے منہ پھیرے رہے۔ تم نے ظاہراً بھی اپنے افعال میں اس کی نافرمانی کی اور گناہوں پر دلیری کرتے چلے گے اور باطناً بھی تم اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تکذیب لئے ہوئے تھے۔ تم تھے ہی بڑے مجرم اور جب اللہ کے رسول اور اس کے ایماندار بندے تم سے کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ ضرور بالضرور قائم ہوگی۔ تو تم پلٹ کر جواب دے دیا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کسے کہتے ہیں؟ یہ محض ایک فرضی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ قیامت آئے ہی گی۔ بھلا ہم ایسی زبانی باتوں کا کیسے یقین کرلیں۔ کفار مکہ عموماً تو قیامت کا بالکل انکار ہی کرتے تھے اور زندگی صرف دنیوی زندگی کو کہتے تھے جیسا کہ گذشتہ آیات میں ظاہر فرمایا گیا لیکن بعض کو کچھ شبہ اور شک وتردد بھی پیدا ہوگیا تھا کہ شاید یہ عالم فنا ہی ہو جائے تو ایسے منکرین کا ذکر یہاں ان آیات میں فرمایا گیا کہ جنہیں کہنے سننے سے کچھ ضعیف سا امکان اور دھندلا سا وہم گمان کبھی قیامت کا آجاتا تو بظاہر گو ان دونوں قسم کے منکرین میں فرق نظر آتا ہے کہ ایک تو قیامت اور آخرت کا قطعی اور کھلا انکار کرنے والے تھے دوسرے جو وہم کی حد تک قیامت کے امکان کا گمان تو رکھتے مگر یقین کے درجہ میں نہیں۔ لیکن نتیجہ اور انجام کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت اور آخرت پر ایمان یقین کے درجہ میں مطلوب ہے۔ کیونکہ صرف آخرت کا یقین ہی دنیا میں انسان کے رویہ کو درست رکھ سکتا ہے۔ جس کا جتنا پختہ یقین آخرت وقیامت پر ہو

گا اسی قدر اس کو وہاں کی فکر دامن گیر ہوگی۔اور جس کا جتنا کمزور اور ضعیف یقین ہوگا اتنا ہی وہ آخرت سے لاپروا اور غافل ہوگا۔ غرضکہ جب قیامت آئے گی تو ان منکرین کی تمام بدکاریاں اور ان کے نتائج سامنے آجائیں گے اور اپنی آنکھوں سے اپنے دنیا کے کرتوتوں کا بدلہ دیکھ لیں گے اور جس عذاب کے دنیا میں انکاری تھے۔اور جسے مذاق میں اڑاتے تھے اور جس کا ہونا ناممکن سمجھ رہے تھے وہی ان پر آپڑے گا اور انہیں چہار طرف سے گھیر لے گا اور ان کو ہر قسم کی بھلائی سے مایوس کرنے کے لئے ارشاد خداوندی ہوگا کہ دنیا میں تم نے آج کے دن کو یاد نہ رکھا تھا اور ہمارے سامنے پیشی اور ملاقات کو بھلا رکھا تھا اس لئے آج ہم تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں گے جیسے کوئی کسی کو بھول جاتا ہے آج ہم تم کو مہربانی سے یاد نہ کریں گے اور ہمیشہ کے لئے عذاب میں پڑا چھوڑ دیں گے جیسے تم نے اپنے کو دنیا کے مزوں میں پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور کوئی نہیں جو تمہاری کسی قسم کی مدد کر سکے۔تو اس عتاب آمیز کلام میں جس سے منکرین کے لئے ابدی مایوسی ٹپکتی ہے تین باتیں فرمائی گئیں:۔

ایک الیوم ننسٰکم آج ہم تم کو بھول جائیں گے یعنی بمنزلہ بھولے ہوئے کر دیں گے۔

دوسرے و ماوٰکم النار اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تیسرے و ما لکم من نصرین۔تمہارا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا کہ تم کو اس عذاب سے چھڑائے۔

اس کے بعد ان کے وہ جرم بھی بیان ہوتے ہیں جس پر ان کو یہ سزا آخرت میں دی جائے گی:۔

پہلا جرم یہ کہ تم نے اللہ کی آیات کو سنا اور سن کر ہنسی میں اڑا دیا۔دین حق کا انکار کیا اور پھر اس انکار پر اصرار کیا۔

دوسرے یہ کہ تم دنیا کی ظاہری چہل پہل اور رونق پر ریجھ گئے اور اس کی بہکانے والی ٹیپ ٹاپ پر لٹو ہو گئے۔حب دنیا میں ایسے ڈوبے کہ آخرت سے مطلقاً غافل ہو گئے۔تو یہاں سے معلوم ہوا کہ اس جہان فانی کی زیب و زینت اور لذات و شہوات پر ایسا مبتلا ہونا کہ انہی کو باقی سمجھ لینا اور ان کے مقابلہ میں عالم آخرت کی پروا تو کیا اس سے منکر ہو جانا۔یہی دنیا کا دھوکہ ہے جس میں لاکھوں مبتلا ہیں۔بوڑھے ہو گئے ہیں سفر در پیش ہے اور ایسا سفر کہ جو پھر کر کبھی واپس نہیں آنا مگر دنیاوی مال و جاہ اور اس کے فراہم کرنے میں ایسے مدہوش ہیں کہ آگے کی کچھ خبر نہ رہی۔اسی کو یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ تم کو حیات دنیا نے فریب اور دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔آگے اس کا انجام سنایا جاتا ہے کہ نہ ان کو کبھی جہنم سے چھٹکارا نصیب ہوگا اور نہ یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دور کر سکیں۔عذر معذرت کے قبول کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔

اخیر میں سورۃ کو حمد باری تعالیٰ پر تمام فرمایا جاتا ہے کہ ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین یعنی تمام جہانوں کا خالق اور پرورش کرنے والا ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے عزت اور بڑائی ہے کیونکہ وہی سب سے بڑا۔سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے کہ دنیا اور آخرت کی زندگی اپنی حکمت سے مقرر کی ہے۔یہاں خاتمہ پر جو حمد باری بیان فرمائی گئی اس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اسی رب کی طرف متوجہ ہو۔اس کے احسانات اور انعامات کی دنیا میں قدر کرے۔اس کی ہدایات اور احکام پر چلے۔سب کو چھوڑ کر اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کرے اور اس کی بزرگی اور عظمت کے سامنے ہمیشہ باختیار خود مطیع و فرمانبردار رہے اور کبھی نافرمانی اور سرکشی کا خیال بھول کر دل میں نہ لائے۔اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسا ہی بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یہاں ان آیات میں کفار و منکرین قیامت وحشر نشر کا ذکر فرمایا

گیا ہے اور دنیا میں آخرت کو بھلانے اور انکار کرنے کی سزا سنائی گئی ہے۔ اہل ایمان اور اہل اسلام کا ان آیات وعید سے بظاہر کوئی تعلق نہیں مگر یہاں منکرین آخرت کو عذاب جہنم بھگتنے کی جو دوو ...ان کی گئی ہیں وہ اہل اسلام کے لئے بھی قابل غور ہیں:۔

ای... تو یہ فرمائی بانکم اتخذتم ایٰت اللہ ھزوا کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیات کی ہنسی اڑائی تھی۔

اور دوسری وجہ یہ فرمائی و غرتکم الحیوٰۃ الدنیا اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ کیا آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں مدعیان اسلام ان دونوں وجوہ سے بالکل مبرا ومنزہ ہیں؟ اگر نہیں تو خوف کرنے کی بات ہے کہ میدان حشر میں کہیں یہ خطاب الیوم ننسٰکم کما نسیتم لقاء یومکم ھذا نہ سننا پڑے یعنی باری تعالیٰ کا ارشاد کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ افسوس ہے کہ آج کتنے ہی مدعیان اسلام ہیں کہ جنہوں نے آخرت کے معاملہ میں اپنا مسلک یہ بنا رکھا ہے کہ

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے آخرت کی طرف سے غفلت اور لاپروائی کو دور فرمائیں۔ اور ہمیں اپنے ذاکر وشاغل بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیں۔

الحمد للہ اس درس پر سورہ جاثیۃ کا بیان ختم ہوا۔ اور ساتھ ہی بفضلہٖ تعالیٰ ۲۵ ویں پارہ کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد ۲۶ ویں پارہ سے سورہ احقاف کا بیان آئندہ درس سے شروع ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو جو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے تو اسی پر تا زندگی ہم کو قائم رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ کفار ومنکرین کی بدخصلتوں سے ہم کو بچایئے اور ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو محفوظ رکھئے۔

یا اللہ ہم کو آخرت کا یقین کامل نصیب فرمایئے تاکہ وہاں کی تیاری سے ہم کسی حال میں غافل نہ ہوں۔

یا اللہ اپنے فضل وکرم سے آخرت میں ہمارے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمایئے اور نافرمان بندوں سے ہم کو علیحدہ رکھئے۔ اور وہاں کی ذلت اور رسوائیوں سے اپنی پناہ بخشئے۔

یا اللہ اس دنیوی زندگی کی حقیقت کو ہمارے دلوں پر بھی کھول دیجئے اور اس کے فریب ودھوکہ سے ہم کو محفوظ رکھئے۔

اے اللہ ہم سے جو تقصیرات اور کوتاہیاں سرزد ہو چکی ہیں ان پر توبہ اور ان کا تدارک کر کے آپ کو راضی کرنے کی توفیق اس زندگی میں نصیب ہو جائے۔ تاکہ آخرت میں ہم مواخذہ سے بری ہو جائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جدید ایڈیشن

قرآن کریم کے معانی ومطالب سے واقف کرانے کیلئے
بامحاورہ اور لفظی ترجمہ کے ساتھ آسان تعلیمی

درسِ قرآن

پارہ ۲۶ تا ۳۰

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت کلام پاک کی سیکھ لے
تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے اور اگر عمل کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعت نفل پڑھنے سے افضل ہے

تسہیل شدہ ترجمہ
حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات
مولانا محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر ملخص از تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن، بیان القرآن ودیگر تفاسیر

اگر آپ روزانہ
پندرہ بیس منٹ "درسِ قرآن"
سے ایک درس پڑھیں تو ان شاء اللہ
آپ اس کے معانی ومطالب کو سمجھنے
میں کامیاب ہو جائیں گے

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

1

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲

حٰم ۔ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

حٰمٓ حامیم	تَنْزِيْلُ نازل کرنا	الْكِتٰبِ کتاب	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَكِيْمِ حکمت والا	

تفسیر وتشریح: الحمد للہ اب ۲۶ ویں پارہ کی ابتدا سے سورۃ احقاف کا بیان شروع ہورہا ہے۔ تلاوت کردہ ابتدائی آیت کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام و زمانہ نزول' تاریخی پس منظر خلاصہ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے تیسرے رکوع کی ابتدا میں لفظ احقاف آیا ہے۔ احقاف حقف کی جمع ہے اس کے لفظی معنیٰ ہیں ریت کے لمبے لمبے بلند ٹیلے لیکن اصطلاحاً یہ صحرائے عرب کے جنوبی مغربی حصہ کا نام ہے جہاں اس وقت کوئی آبادی نہیں اور بجز ریت کے ٹیلوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا لیکن قدیم زمانہ میں یہاں قوم عاد آباد تھی۔ جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا چونکہ اس سورۃ میں اسی بڑے حادثہ کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام احقاف مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی باتفاق جمہور مکہ میں نازل ہوئی تھی اور سرکش قوم یعنی کفار قریش کو قوم عاد کی تباہی و بربادی یاد دلا کر خوف دلانے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہ ان سات سورتوں میں سے جو حٰم سے شروع ہوتی ہیں ساتویں اور آخری سورۃ ہے۔ ان سات سورتوں کی فضیلت پہلے بیان ہو چکی ہے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ حٰم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازہ ہیں۔ ہر حٰم جہنم کے کسی ایک دروازہ پر ہوگی اور دربار الٰہی میں عرض کرے گی کہ یا اللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازہ سے داخل نہ کیجیو۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۴۶ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۸۸ بیان کیا گیا ہے یعنی قرآن پاک کی ۸۷ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۲۶ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۳۵ آیات' ۴ رکوعات' ۶۵۰ کلمات اور ۲۷۰۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول نبوت کے دسویں سال کے آخر یا گیارہویں سال کی ابتدا بیان کیا گیا ہے جو اس تاریخی واقعہ سے متعین ہوتا ہے جو اس سورۃ کے آخری رکوع میں جنات کے آنے اور قرآن سن کر اس سے متاثر ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حدیث اور سیرۃ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ یعنی جنات کی ایک جماعت کا حاضر ہونا اور قرآن پاک کو سن کر اس سے متاثر ہو کر اپنی قوم جنات میں جا کر ایمان و اسلام کی تبلیغ کرنا اس وقت پیش آیا تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں طائف بغرض تبلیغ و دعوت اسلام تشریف لے گئے تھے اور بظاہر وہاں سے ناکامی اور خستہ دلی کے ساتھ واپس مکہ تشریف لا رہے تھے کہ رات کے وقت نخلہ کے مقام پر آپ نے قیام فرمایا تھا اور صبح کی نماز میں باآواز بلند قرآن کریم پڑھ رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ قرآن سننے لگے جس کا مفصل بیان سورۃ جن ۲۹ ویں پارہ میں آیا ہے اور تمام معتبر تاریخی روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف بغرض تبلیغ تشریف لے جانے کا واقعہ مکہ سے ہجرت سے ۳ سال پہلے

کا واقعہ ہے۔ اس طرح اس سورۃ کے نزول کا زمانہ نبوت کے دسویں سال کا متعین ہو جاتا ہے اور یہ ۱۰ نبوی کا وہ سال ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ میں انتہائی سختی کا سال تھا۔ اس سال کو آپ نے غم کا سال فرمایا ہے۔ یوں تو کفار مکہ قریش کی مخالفت اعلان نبوت کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی مگر جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ان کی اذیتوں اور تکلیفوں کے اپنی دعوت اور تبلیغ دین پر قائم ہیں اور بے نظیر جرات سے اپنا کام برابر کئے جا رہے ہیں تو تمام قریش نے یہ طے کیا کہ بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں ورنہ ہم ان سے بالکل قطع تعلق کر دیں گے۔ مگر بنی عبدالمطلب نے اس کو منظور نہ کیا تو باتفاق رائے قریش میں یہ عہد نامہ لکھا گیا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا مکمل مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جائے۔ رشتے، ناطے، نکاح بیاہ خرید وفروخت، لین دین حتیٰ کہ کھانے پینے کی چیزیں سب بند کر دیئے جائیں اور یہ عہد نامہ لکھ کر بیت اللہ کے اندر معلق کر دیا گیا یہ نبوت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام رفقاء اور اقربا مجبور ہو گئے اور گھر بار چھوڑ کر پہاڑ کی ایک گھاٹی میں محبوس اور محصور ہو کے رہنے لگے۔ بنی ہاشم کے تمام افراد سوائے ابولہب کے بلا امتیاز مسلم و کافر سب کے سب ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ساتھ اس گھاٹی میں مقید اور محصور رہے۔ سب طرف کے آمد و رفت کے راستے بند تھے۔ خورد و نوش کا جو سامان ساتھ تھا وہ ختم ہو گیا تو سخت اضطراب پیش آیا۔ شدت بھوک کی وجہ سے درختوں کے پتے کھانے کی نوبت آئی۔ سوکھا چمڑا ملتا تو اسے بھون کر کھاتے۔ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس قدر رویا کرتے کہ ان کی آواز گھاٹی کے باہر سنائی دیتی۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے فرمایا اور اس مرتبہ ایک بڑے

قافلہ نے ہجرت کی جس کی تعداد ۸۳ مرد اور ۱۲ عورتیں بیان کی جاتی ہے۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی آل اصحاب نے تقریباً تین سال انہی مظالم اور مصائب کے ساتھ بسر کئے۔ آخر ان ظالموں میں سے کچھ کو رحم آیا اور اس عہد کے توڑنے اور آپ سے محاصرہ اٹھانے پر آمادہ ہوئے۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ قریش کے عہد نامہ کو دیمک نے کھا لیا ہے اور بجز خدا کے نام کے اس میں کوئی حرف نہیں چھوڑا۔ آپ نے لوگوں سے بیان کیا۔ دیکھا گیا تو ٹھیک اسی طرح نکلا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ الغرض اس وقت آپ سے محاصرہ اٹھا دیا گیا۔ اب گھاٹی سے نکل کر اپنے گھروں میں آئے تو چند ہی دن گزرے تھے کہ اسی نبوت کے دسویں سال آپ کے چچا ابوطالب نے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد تھے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر مددگار رہے تھے وفات پائی جن کے انتقال کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوا۔ آپ کے چچا کی وفات کے تین ہی دن بعد آپ کی غمگسار زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ نے انتقال فرمایا۔ یہ وہ زوجہ مطہرہ ہیں کہ جنہوں نے اپنا سارا مال و دولت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی پر قربان اور راہ خدا میں صرف کر دیا تھا۔ یہ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ آپ کی دو مونس و غمگسار اسی سال آگے پیچھے چل بسے۔ قریش کے ظالموں کو آپ کے چچا ابوطالب کے رعب داب اور حضرت خدیجہ کی خاطر سے کچھ رکاوٹ تھی وہ بھی ان دونوں کے اٹھ جانے پر دور ہو گئی اور آپ کی ایذا رسانی میں اب کوئی دقیقہ کفار نے نہ چھوڑا۔ اور اب قریش نے زیادہ تر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے کسی شریر نے آپ کے سر مبارک پر کیچڑ پھینک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح گھر میں داخل ہوئے۔ صاحبزادیوں میں سے ایک اٹھیں پانی لے کر آئیں سر مبارک دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا اے پیاری بیٹی روؤ نہیں۔ اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے۔ ایک دفعہ آپ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش کے سردار بھی جلسہ

جمائے بیٹھے تھے۔ نماز پڑھتے دیکھ کر کہنے لگے کہ کوئی اونٹ کی اوجھڑی لاکران کی گردن پر رکھ دے۔ چنانچہ ایک شریر نے یہ کام کیا۔ اس بوجھ سے آپ کی پشت مبارک دب گئی۔ کسی نے آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے جا کر اس کی خبر کی وہ آئیں تو کسی طرح اس گندگی کو ہٹا کر دور کیا۔ ایک دفعہ ایک شریر نے آپؐ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر چاہا کہ گلا گھونٹ دے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دوڑ کر آپ کو بچایا۔ مکہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر طائف کا سرسبز اور شاداب شہر تھا۔ آپ نے مکہ کے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر طے کیا کہ طائف جائیں اور وہاں کے سرداروں کو اسلام کا پیغام سنائیں۔ آپ اسی سال یعنی ۱۰ نبوی میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے اور یہ سارا سفر مکہ سے طائف تک پیدل طے فرمایا اور اہل طائف کو دین حق کی طرف دعوت دی اور ایک ماہ تک متواتر ان کی تبلیغ و ہدایت میں مصروف رہے۔ ایک ایک سردار ورئیس کے پاس جا کر بات کی مگر افسوس کہ ان میں سے ایک نے بھی آپ کی بات نہ مانی بلکہ آپ کو صاف صاف نوٹس دے دیا کہ آپ ان کے شہر سے نکل جائیں اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ظالموں نے اپنے شہر کے چند اوباش لوگوں کو ابھار دیا کہ وہ آپ کو دق کریں۔ وہ راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور جب آپ ادھر سے گزرنے لگے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارے جس سے آپ کے پاؤں مبارک لہولہان ہو گئے۔ آپ درد کے مارے کہیں بیٹھ جاتے تو وہ شریر بازو تھام کر اٹھا دیتے۔ یہ سنگدل بدنصیب اس سرور کائنات کے درپے تھے کہ اگر شان رحمت للعالمین مانع نہ ہوتی تو آپ کی ایک جنبش لب میں ان کی ساری بدمستیوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا اور طائف کے بسنے والوں کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا تھا۔ آپ زخموں سے چور تھے اور جوتیاں آپ کی خون سے بھر گئی تھیں۔ اس حالت میں آپ نے طائف کے باہر ایک باغ کی دیوار کے سایہ میں پناہ لی اور وہاں بیٹھ کر رب العالمین سے فریاد کی۔ آپ کی اس وقت کی دعا احادیث میں منقول ہے جس کا اردو میں ترجمہ یہ ہے۔

''اے اللہ! میں اپنی کمزوری، بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کی فریاد تیرے حضور میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو سارے کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے؟ کیا ایسے بیگانہ کے حوالہ جو مجھ سے ترش رو ہو کر پیش آئے یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ پر قابو پالے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں ہے مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لئے زیادہ کشادگی ہے۔ میں تیری ذات کے اس نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جو دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس بات سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری ہی رضامندی کی طلب ہے حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے''۔

احادیث میں روایت ہے کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے آئے اور عرض کیا کہ آپ کی قوم نے جو کچھ آپ کو جواب دیا ہے اور آپ کے ساتھ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا اور دیکھ لیا۔ اب یہ پہاڑوں کا منتظم فرشتہ اللہ نے بھیجا ہے آپ جو حکم دینا چاہیں اسے دے سکتے ہیں۔ پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو سلام کر کے عرض کیا کہ اللہ کے رسول اگر آپ فرمائیں تو دونوں طرف کے پہاڑ ان لوگوں پر الٹ دوں اور یہ پس کر رہ جائیں۔ آپ کی ذات تو رحمۃ للعالمین تھی آپ نے فرمایا ''نہیں۔ بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کریں گے''۔

اب یہاں ہمیں بھی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہئے کہ یہ ''اسلام'' جو ہمیں ورثہ میں بیٹھے بٹھائے مفت مل گیا ہے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے کتنی قربانیوں سے پھلا پھولا ہے۔ اور اس کی تبلیغ و دعوت میں کیسی کیسی مشقتیں ایذائیں اور صعوبتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم نے برداشت کی ہیں۔ اسی اسلام کی آج ہم چودھویں صدی والے یہ قدردانی کررہے ہیں کہ گویا الٹی چھری سے بے دریغ اسلام کو ذبح کرنے کو تیار ہیں۔ اس کی جڑوں پر کلہاڑیاں چل رہی ہیں۔ اسی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو پامال کیا جارہا ہے آپ کے ایک ایک ارشاد سے نہ صرف مقابلہ بلکہ تحقیر اور تمسخر کا معاملہ برتا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرمادیں اور اسلام کے پھلنے پھولنے اور سربلندی کے سامان اپنی رحمت سے پھر فرمادیں۔ آمین۔

الغرض اللہ کے محبوب رحمت عالم سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ بعد طائف سے اس طرح واپس ہوئے کہ آپ کے پاؤں مبارک لہولہان تھے مگر زبان پر کوئی حرف بددعا اس وقت بھی نہ آتا تھا۔ طائف سے واپسی پر چند روز آپ نخلہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ یہیں ایک روز نماز فجر میں آپ قرآن کریم کی تلاوت فرمارہے تھے کہ جنات کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے قرآن سنا۔ ایمان لائے اور واپس جا کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ شروع کردی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری سنائی کہ انسان چاہے آپ کی دعوت سے بھاگ رہے ہوں مگر بہت سے جنات جو طبعاً انسانوں سے بھی زیادہ سرکش ہوتے ہیں اس کے گرویدہ ہوگئے ہیں اور اسے وہ اپنی قوم میں پھیلا رہے ہیں۔ یہ تھے وہ حالات جن میں کہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس سورۃ میں بتایا گیا کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو بڑی عزت قوت اور حکمت والا ہے اور جس نے یہ زمین وآسمان یعنی کل جہان ایک مقررہ نظام کے تحت پیدا فرمایا ہے اور ایک معین میعاد تک یہ نظام چلتا رہے گا۔ اور بالآخر ایک دن ختم ہو کر قیامت قائم ہوگی اس دن ان لوگوں کا جنہوں نے اللہ اور رسول اور قرآن کے ماننے سے دنیا میں انکار کردیا تھا اور دوسرے معبودان باطل کو پکارتے تھے ان کا برا حال ہوگا اور قیامت کے دن جھوٹے معبودان کے دشمن ہوں گے اور کہیں گے کہ تم نے ہماری عبادت ہی نہیں کی۔ پھر جتلایا گیا کہ منکرین قرآن کو سن کر اور اس کے اثرات کو دیکھ کر اسے جادو یا گھڑا ہوا کلام بتلاتے اور کہتے کہ نعوذ باللہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے آپ بنا کر خدا کے نام لگا دیا ہے۔ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا گیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں ایسا کرتا تو مجھے اللہ کی گرفت سے نہ تم بچا سکتے نہ کوئی اور۔ میں تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا نہ میں کوئی انوکھا رسول ہوں میں بھی پہلے رسولوں ہی کی طرح ہوں اور جس بات کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اسی کے مطابق میں احکام پہنچاتا ہوں۔ اہل کتاب میں سے بعض اپنی کتابوں کی پیشین گوئی کے مطابق مجھے اللہ کا رسول مان چکے ہیں اور وہ ایمان بھی لا چکے ہیں اس پر بھی تم مجھے اللہ کا رسول نہ مانو تو تم بہت بڑے ہٹ دھرم ہو اور گویا کہ تم فیصلہ کر چکے ہو کہ کچھ بھی ہو ہم اسلام کو نہ مانیں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس میں اسلام کا راستہ صاف کھول کر بتا دیا گیا ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ جو اللہ کو دنیا میں اپنا رب مان کر اس پر جمے رہیں گے وہ آخرت میں خوف وغم سے نجات پائیں گے اور جو نہ مانیں گے وہ پچھتائیں گے۔ پھر بتلایا گیا کہ سعادت مند انسان دنیا میں اللہ کا اور ماں باپ کا حق ادا کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور بدبخت لوگ وہ ہیں جو اللہ کو نہیں مانتے اور ماں باپ کے سمجھانے سے بگڑ کر ان سے بھی سخت کلامی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بڑے نقصان میں رہیں گے اور آخرت میں سوائے عذاب جہنم کے اور کچھ نہ ملے گا۔ اس کے بعد مشرکین عرب اور کفار مکہ کو قوم عاد کے حال سے عبرت دلائی گئی اور بتلایا گیا کہ وہ تم سے قوت میں زیادہ زبردست تھے۔ مگر اللہ کی نافرمانی کرکے تباہ ہوئے اور اللہ کے عذاب کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی۔ اس کے بعد قوم جنات پر قرآن کا اثر ہونے کا ذکر فرمایا گیا اور انسان کو سمجھایا گیا کہ وہ اللہ کو مانے۔ قیامت کو برحق سمجھے ورنہ آخرت میں سخت سزا ملے گی۔ اور یہ قرآن کا پیغام ہے جو اس کی نہ سنے گا آخر تباہ ہوگا۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا

جن کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاء اللہ بیان ہوں گی۔

اب اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات حٰمٓ سے فرمائی ہے۔ حروف مقطعات کے متعلق پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ اسرار الٰہیہ میں سے ہیں۔ ان کے حقیقی معنیٰ و مطلب کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ یہ اصل میں طویل عبارتوں کے مخففات ہیں اور کلام عرب میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ قرآن حکیم چونکہ اہل عرب کی زبان میں نازل ہوا اس لئے قرآن نے بھی ان کو استعمال کیا تاکہ عربی زبان کی کوئی خوبی یا کوئی شق ایسی نہ رہے جو قرآن میں استعمال نہ کر لی جائے۔ گو بعض مفسرین نے اپنے اپنے گمان کے مطابق ان کے مطلب بیان کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا حقیقی مطلب صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں چونکہ کفار مکہ یہ الزام لگاتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ کلام خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے یا کسی کے سکھانے سے یہ کہتے ہیں اور اس کی نسبت خدا کے کلام کی طرف کرتے ہیں تو اس الزام کی تردید میں گذشتہ متعدد سورتوں میں ابتدا ہی میں یہ فرمایا گیا کہ اس کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزیز بھی ہے یعنی زبردست ہے اور حکیم بھی ہے یعنی دانا اور حکمت والا ہے۔ گویا منکرین کے الزام کی ابتدا ہی میں تردید فرما دی گئی کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام نہیں ہے جیسا کہ منکرین کہتے ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے خود نازل فرمایا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی دو صفات یعنی عزیز اور حکیم بیان فرما کر اس امر پر متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ زبردست ہے۔ دوسرا کوئی ایسا نہیں کہ جو اس کے احکام ارادے اور فیصلوں میں مزاحمت کر سکے دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے یعنی جو ہدایات وہ اس کتاب میں دے رہا ہے وہ سراسر دانائی پر مبنی ہیں اور انسانوں کی فلاح و بہبود دونوں جہاں میں اس کے ماننے اور ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے ہی میں ہے۔

اس کے بعد توحید کا مضمون اگلی آیات میں شروع فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمام امت مسلمہ کو اس کتاب قرآن کریم پر ایمان کے ساتھ اس کا سچا اور پکا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس کتاب کا اور اپنے احکام کا اور شریعت کا اور اپنے رسول پاک کا سچا احترام نصیب فرمائیں تاکہ ہم کو آخرت میں فلاح و صلاح نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو اُن کے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ ایک میعاد معین کیلئے پیدا کیا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں

كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

انکو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں آپ کہیئے کہ یہ تو بتلاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ

یا اُن کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے، میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ

عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ

اگر تم سچے ہو۔ اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے

لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً

اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو۔ اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ ان کے دشمن ہوجائیں

وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾

اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں۔

مَا خَلَقْنَا نہیں پیدا کیا ہم نے	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	اِلَّا مگر			
بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَ اور	اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک میعاد مقرر	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جن لوگوں نے کفر کیا	عَمَّا جس سے			
اُنْذِرُوْا وہ ڈرائے جاتے ہیں	مُعْرِضُوْنَ رُوگردانی کرنیوالے	قُلْ فرما دیں	اَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو	مَا تَدْعُوْنَ جن کو تم بلاتے ہو			
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَرُوْنِيْ دکھاؤ مجھے تم	مَاذَا کیا	خَلَقُوْا انہوں نے پیدا کیا	مِنَ الْاَرْضِ زمین سے	اَمْ یا	لَهُمْ ان کیلئے	
شِرْكٌ کچھ ساجھا	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	اِيْتُوْنِيْ لے آؤ میرے پاس	بِكِتٰبٍ کوئی کتاب	مِنْ قَبْلِ سے پہلے	هٰذَا اس	اَوْ یا	
اَثٰرَةٍ آثار	مِنْ عِلْمٍ علم سے۔ کی	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	وَمَنْ اور کون	اَضَلُّ بڑا گمراہ	مِمَّنْ يَّدْعُوْا اس سے جو وہ پکارتا ہے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	مَنْ جو	لَا يَسْتَجِيْبُ جواب نہ دے گا	لَهٗ اس کو	اِلٰى تک	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کا دن	وَهُمْ اور وہ	
عَنْ سے	دُعَآئِهِمْ ان کا پکارنا	غٰفِلُوْنَ بے خبر ہیں	وَاِذَا اور جب	حُشِرَ النَّاسُ جمع کئے جائیں گے لوگ	كَانُوْا وہ ہوں گے		
لَهُمْ انکے	اَعْدَآءً دشمن	وَكَانُوْا اور وہ ہوں گے	بِعِبَادَتِهِمْ ان کی عبادت سے	كٰفِرِيْنَ منکر (جمع)			

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں بطور تمہید کے قرآن کریم کی حقانیت کو بتلایا گیا تھا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے یعنی نہ کسی انسان کی تصنیف ہے نہ جن کا الہام' نہ سحر' نہ کہانت' نہ فرشتہ کا کلام بلکہ یہ کتاب اپنے پورے الفاظ اور عبارت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عزیز و حکیم ہے یعنی جو غلبہ والا زبردست بھی ہے اور حکیم و دانا بھی۔ اس تمہید سے ذہن میں یہ

بات بتائی گئی کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی تو اس کے احکام اس کے پند ونصائح اس کے مضامین سب قابل غور وفکر اور لائق اہتمام کے ہیں۔ اس تمہید کے بعد سب سے زیادہ مہتم بالشان مضمون یعنی توحید باری تعالیٰ کو بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ آسمان وزمین اور سب کارخانہ عالم اللہ تعالیٰ نے بیکار اور عبث نہیں بنایا بلکہ کسی خاص غرض ومقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور نہایت اعلیٰ حکمت اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنایا ہے جو ایک معین میعاد اور مقررہ وعدہ تک یونہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اور اسی نتیجہ کو آخرت کہتے ہیں۔ یہاں آیت میں واجل مسمی فرمایا یعنی ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے یہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ زمین وآسمان اور سارا کارخانہ عالم دائمی اور ابدی نہیں بلکہ عارضی اور فانی ہے۔ ایک وقت مقررہ تک کے لئے یہ سب کچھ پیدا کیا گیا ہے جس کے بعد یہ سب فنا اور ختم ہو جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے خدا کے رسول اور اس کی کتاب کو ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ ان حقائق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس بات کی کچھ فکر ہی نہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب انہیں اپنے اعمال دنیا کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ وہ چونکہ برے انجام سے ڈرتے نہیں اس لئے آخرت کی تیاری بھی نہیں کرتے۔ جب آخرت کی بات سنی ایک کان سنی دوسرے کان نکال دی۔ آگے دلائل توحید میں یہ فرمایا جاتا ہے کہ خداوند قدوس نے تو یہ آسمان وزمین اور کل مخلوقات بنائی۔ اب کوئی ان مشرکین سے پوچھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش و بندگی کرتے ہیں کیا ان کے معبودوں نے زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ بنایا ہے یا بنا سکتا ہے؟ جب یہ ہے کہ اس کائنات کے جز و کل کا خالق ایک ہی ہے اور ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بجز اس کے کسی کو ایک ذرہ کا بھی اختیار نہیں تو معبودیت الوہیت اور ربوبیت میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہو جائے گا؟ مشرکین اس ایک اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہیں؟ انہیں یہ تعلیم کس نے دی اور کس نے یہ شرک سکھایا؟ شرک کے جواز کی تو کوئی عقلی یا نقلی شہادت نہیں۔ اگر یہ مشرکین اپنے دعوئے شرک میں سچے ہیں تو کسی آسمانی کتاب کی سند لائیں یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کریں جو عقلا کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو تمام کتب آسمانی وہی توحید پیش کرتی ہیں جس کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے اور علوم اولین میں سے بھی کہیں اس امر کی شہادت نہیں ملتی کہ کسی نبی ولی یا مرد صالح نے کبھی لوگوں کو خدائے واحد کے سوا کسی اور کی بندگی کی تعلیم دی ہو تو جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو اسے کیسے تسلیم کیا جائے۔ تو جب کوئی عقلی ونقلی دلیل پیش نہ کر سکے اور اپنے شرک سے بھی باز نہ آئے تو ایسے شخص سے بڑھ کر اور زیادہ کون گمراہ ہوگا۔ اس سے بڑی حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ ایک خدا کو چھوڑ کر ایسی بے جان اور بے اختیار مخلوق کو اپنی حاجت براری کے لئے پکارا جائے جو اپنے مستقل اختیار سے کسی کی پکار کو نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو پکارنے کی خبر بھی ہو۔ پتھر کی بے جان مورتوں کا تو کہنا ہی کیا۔ فرشتے اور پیغمبر بھی وہی کام کر سکتے ہیں جس کی اجازت وقدرت حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی گم کردہ راہ نہیں جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور ان سے حاجات طلب کرے اور ان کی پرستش اور بندگی کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یوم محشر میں جبکہ امداد و اعانت کی زیادہ حاجت ہوگی تو یہ معبودان باطل اپنے عابدین کی مدد تو کیا کر سکیں گے ہاں اور الٹے دشمن بن کر ان کے مقابل کھڑے ہوں گے اور سخت بیزاری کا اظہار کریں گے بلکہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ یہ لوگ ہماری پرستش کرتے ہی نہ تھے۔ تو اے مشرکین ذرا سوچو اس وقت کیسی ندامت وحسرت کا سامنا ہوگا۔

یہ توحید کے اثبات کا مضمون تھا۔ آگے تحقیق رسالت کا مضمون ہے جو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اُس سچی بات کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے یوں کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے

مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا ۭ هُوَ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے۔آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے ، وہ

اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ

خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو، میرے اور تمہارے درمیان میں وہ کافی گواہ ہے۔اور وہ بڑی مغفرت والا رحمت والا ہے۔آپ کہہ دیجئے

مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

کوئی میں انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور نہ (یہ معلوم کہ) تمہارے ساتھ (کیا کیا جائے گا) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ

وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

آتا ہے،اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔آپ یہ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ

مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ۧ

اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے اور تم تکبر ہی میں رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

وَاِذَا اور جب	تُتْلٰى عَلَيْهِمْ پڑھی جاتی ہیں ان پر	اٰيٰتُنَا آیات ہماری	بَيِّنٰتٍ واضح	قَالَ کہتے ہیں وہ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے انکار کیا		
لِلْحَقِّ حق کا	لَمَّا جب	جَآءَهُمْ انکے پاس آگیا وہ	هٰذَا سِحْرٌ یہ جادو	مُّبِيْنٌ کھلا	اَمْ کیا	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	افْتَرٰىهُ اس نے خود بنالیا ہے اسے
قُلْ فرمادیں	اِنِ اگر	افْتَرَيْتُهٗ میں نے خود بنالیا ہے اسے	فَلَا تَمْلِكُوْنَ تو تم اختیار نہیں رکھتے	لِيْ میرے لئے	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	شَيْــًٔا کچھ بھی	
هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَا وہ جو	تُفِيْضُوْنَ تم باتیں بناتے ہو	فِيْهِ اس میں	كَفٰى بِهٖ وہ کافی ہے اس کا	شَهِيْدًۢا گواہ	بَيْنِيْ میرے درمیان	
وَبَيْنَكُمْ اور تمہارے درمیان	وَهُوَ اور وہ	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الرَّحِيْمُ رحم کرنیوالا	قُلْ فرمادیں	مَا كُنْتُ نہیں ہوں میں	بِدْعًا نیا	مِّنَ الرُّسُلِ رسولوں میں سے
وَمَآ اَدْرِيْ اور نہیں جانتا	مَا يُفْعَلُ کیا کیا جائے گا	بِيْ میرے ساتھ	وَلَا بِكُمْ اور نہ تمہارے ساتھ	اِنْ اَتَّبِعُ نہیں پیروی کرتا میں	اِلَّا سوائے۔صرف		
مَا يُوْحٰٓى جو وحی کیا جاتا ہے	اِلَيَّ میری طرف	وَمَآ اَنَا اور نہیں ہوں میں	اِلَّا مگر۔صرف	نَذِيْرٌ ڈر سنانے والا	مُّبِيْنٌ صاف صاف	قُلْ فرمادیں	
اَرَءَيْتُمْ بھلاتم دیکھوتو	اِنْ اگر	كَانَ ہے	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کے پاس سے	وَكَفَرْتُمْ اور تم نے انکار کیا	بِهٖ اس کا	وَشَهِدَ اور گواہی دی	
شَاهِدٌ ایک گواہ	مِّنْ سے	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ بنی اسرائیل	عَلٰي مِثْلِهٖ اس جیسی (ایک کتاب) پر	فَاٰمَنَ پھر وہ ایمان لے آیا	وَاسْتَكْبَرْتُمْ اور تم نے تکبر کیا		
اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَا يَهْدِيْ ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ لوگ	الظّٰلِمِيْنَ ظالم (جع)			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید کے سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح مانو کہ اس کے ساتھ کسی بات میں کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور جو باوجود واضح دلائل کے توحید سے انکار کرے اور شرک پر مصر رہے تو ایسے شخص کو حد درجہ گمراہ بتلایا گیا تھا کہ جو ایک خدا کو چھوڑ کر ایسے معبودان باطل کو اپنی حاجت روائی کے لئے پکارے کہ

جونہ اس کی پکار سنے اور نہ کوئی چیز بھی عطا کر سکے اور بتلایا گیا تھا کہ یہ مشرکین آج دنیا میں تو ان معبودان باطلہ کی پرستش کر رہے ہیں لیکن کل قیامت میں ان کے یہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور الٹا انہی کو ملزم گردانیں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔اب آگے ان آیات میں انہی مشرکین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے انجام کی کچھ فکر نہیں۔کسی نصیحت اور فہمائش پر کان ہی نہیں دھرتے۔ بلکہ جب قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں بالکل سچی سچی باتیں بتائی جاتی ہیں تو یہ اسے جادو اور سحر کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ایام جاہلیت میں عرب اپنی طاقت وقدرت سے بڑھ کر ہر چیز کو سحر کہتے تھے۔چونکہ قرآن مجید کی خوبیاں اس کی فصاحت و بلاغت اس کے مضامین کی لطافت اس کے اثرات اہل زبان ہونے کے سبب کفار ومشرکین کے ذہن میں آتیں اور وہ اس کو اپنی طاقت وقدرت سے بالا پاتے کہ ایسے مضمون اور الفاظ سے وہ عاجز ہیں تو الزام لگاتے کہ یہ کلام تو سحر ہے اور بعض مشرکین اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ الزام لگاتے کہ (معاذ اللہ) یہ کلام تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود بنالائے ہیں اور خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔کفار و مشرکین کے اس الزام کی تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے جواب میں ان سے کہہ دیجئے کہ خدا پر جھوٹ لگانا اور افترا باندھنا انتہائی جرم ہے۔اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں جیسا کہ تم الزام لگاتے ہو تو گویا جان بوجھ کر میں اپنے کو اللہ کے غضب اور اس کی سخت ترین سزا کے لئے پیش کر رہا ہوں۔بھلا خیال کرو جو ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے ڈرتا ہو وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایک عظیم ترین آفت ومصیبت میں پھنسائے گا جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔اگر میں خدا پر جھوٹ باندھوں تو کیا تم خدا کے غضب وقہر سے جو جھوٹے مدعی نبوت پر ہوتا ہے مجھ کو نجات دلا سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا تو تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ میری چالیس سال کی زندگی سے جو تمہارے ہی درمیان میں گزری ہے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بے باک نہیں ہوں اور نہ ایسا بے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کر کے خداوند قدوس کا غصہ مول لوں۔بہرحال اگر میں (معاذ اللہ) مفتری ہوں اور غیر اللہ کے کلام کو اللہ کی طرف نسبت دوں تو اس کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا۔لیکن یاد رکھو کہ جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اور جو الزامات تم لگاتے ہو۔اللہ تعالیٰ ان کو بھی خوب جانتا ہے اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا اور مفتری کہا تو سمجھ لو کہ اس کا کیا حشر ہوگا خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں اس لئے میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں۔وہی بتلا دے گا اور ظاہر فرما دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے اور افترا کر رہا ہے۔دیکھو اگر اپنے افعال واقوال سے اب بھی باز آ جاؤ تو اللہ غفور الرحیم ہے وہ بخش دے گا اور یہ اس کی بردباری اور مہربانی سمجھو کہ باوجود جرائم پر مطلع ہونے اور کامل قدرت رکھنے کے تم کو ہلاک نہیں کر دیتا۔اب بھی اس ہٹ دھرمی سے باز آ جاؤ تو خدا کی رحمت کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے اور جو کچھ اب تک تم نے کیا یا کہا ہے وہ معاف ہو سکتا ہے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے یوں بھی کہئے کہ آخر تم میری رسالت پر اتنا شدید انکار کیوں کر رہے ہو؟ میری باتوں سے تم اس قدر کیوں بدکتے ہو؟ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور کوئی انوکھی چیز تو لے کر نہیں آیا ہوں۔مجھ سے پہلے بھی دنیا میں اور رسول ہو چکے ہیں۔جو وہ کہتے تھے وہی میں کہتا ہوں میں کسی اور عجیب بات کا دعویٰ نہیں کرتا اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا اس لئے میں اپنی طرف سے عذاب وثواب کی خبریں نہیں دے سکتا۔بلکہ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے اس لئے جو مجھے حکم ربی ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کئے دیتا ہوں۔دیکھو تم بنی اسرائیل کو بڑا پڑھا لکھا سمجھتے ہو ان کے علم وفضل سے مرعوب ہو۔ان کو آسمانی کتاب وعلم کا حامل سمجھتے ہو تم نے ان کے عالموں سے بھی پوچھ کر دیکھ لیا اور انہوں نے گواہی دی کہ ہاں آخری رسول آخری کتاب لے کر آنیوالا ہے۔

تو اب وہ قرآن جس کو تم تراشیدہ بتاتے ہو اگر خدا کی طرف سے ہے جیسا کہ درحقیقت وہ ہے اور تم اسے نہ مانو تو پھر کیا ہوگا؟ کیا تمہیں سزا نہ دی جائے گی۔ضرور دی جائے گی۔پس تم عناد سے کام نہ لو اور خالی الذہن ہو کر اس میں غور کرو۔اگر بنی اسرائیل میں سمجھدار علمائے یہود تو اس کے صدق کی گواہی دیں اور تم اس کتاب کے ماننے سے انکار کرو اور اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو کہ اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہوگا۔بالخصوص جبکہ تم گذشتہ میں یہ بھی کہہ چکے تھے کہ اگر ہمیں کتاب دی جاتی تو ہم ان سے یعنی اہل کتاب سے زیادہ راہ پر ہوتے۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گو یہ باتیں بہت صاف ہیں مگر یہ منکرین ہٹ دھرم انہیں بھی نہ مانیں گے کیونکہ وہ سراسر ظلم پر کمربستہ ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ حق تعالیٰ ظلم پر کمربستہ لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا (تو ایسے ظالم کی نجات وفلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے)

ابھی آگے منکرین کے بعض اقوال جو وہ اہل ایمان کے متعلق کہتے نقل فرما کر اس کی تردید کی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ

اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کرتے، اور جب اُن لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ

کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو راہ نما اور رحمت تھی، اور یہ ایک کتاب ہے جو اس کو سچا کرتی ہے

لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

عربی زبان میں ظالموں کے ڈرانے کیلئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کیلئے۔

وَقَالَ اور کہا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان کیلئے جو ایمان لائے (مومن)	لَوْ كَانَ اگر ہوتا	خَيْرًا بہتر				
مَا سَبَقُوْنَا نہ وہ پہل کرتے ہم پر	اِلَيْهِ اس کی طرف	وَاِذْ اور جب	لَمْ يَهْتَدُوْا نہ ہدایت پائی انہوں نے	بِهٖ اس سے	فَسَيَقُوْلُوْنَ تو اب کہیں گے	هٰذَا یہ		
اِفْكٌ جھوٹ	قَدِيْمٌ پرانا	وَ اور	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے پہلے	كِتٰبُ کتاب	مُوْسٰى موسیٰ	اِمَامًا رہنما۔امام	وَرَحْمَةً اور رحمت	وَهٰذَا اور یہ
كِتٰبٌ کتاب	مُصَدِّقٌ تصدیق کرنیوالی	لِسَانًا زبان	عَرَبِيًّا عربی	لِيُنْذِرَ تاکہ وہ ڈرائے	الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا (ظالم)			
	وَبُشْرٰى اور خوشخبری	لِلْمُحْسِنِيْنَ نیکو کاروں کیلئے						

تفسیر وتشریح: زمانہ جاہلیت میں عرب کے جاہل مشرک اہل کتاب بنی اسرائیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے اور یہود کو آسمانی کتاب کے عالم اور پہلے زمانہ کے حالات سے بڑا باخبر جانتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس معاملہ میں علمائے بنی اسرئیل کا عندیہ لینا چاہا اور امید ان کو یہ تھی کہ وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائیں گے اور آپ کی علانیہ تکذیب کر دیں گے تو کہنے کو ان مشرکین کے یہ بات ہاتھ آ جائے گی کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو (نعوذ باللہ) جھوٹا کہتے ہیں لیکن مشرکین کی یہ امید بر نہ آئی۔ یہود کے عالموں نے صاف کہہ دیا کہ ہاں ایک آخری رسول آخری کتاب لے کر آنے والے ہیں۔ جن کی آمد کی خبر توراۃ میں ہے اور یہ رسول وہی معلوم ہوتے ہیں علمائے یہود کی یہ شہادتیں فی الحقیقت ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو ان کی کتابوں میں منقول چلی آتی تھیں۔ تو کفار ومشرکین اس مقصد میں بھی ناکام رہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وتائید کرادی۔ مشرکین عرب یہاں بھی مایوس ہوئے تو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار اور قرآن کے نہ ماننے کا ایک نیا بہانہ تراشا جیسا کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور اس میں کچھ بہتری ہوتی تو کیا ہم سے پہلے غریب کمزور نادار لوگ اور لونڈی وغلام اس کو قبول کرتے۔ بلکہ سب سے پہلے ہم مانتے اگر یہ دین بہتر ہوتا تو بہتر لوگ اس کی طرف جھپٹتے کیا یہ چیز اچھی ہوتی تو اس کے حاصل کرنے میں ہم جیسے عقلمند عزت اور دولت والے سردار ان لونڈی غلاموں سے پیچھے رہ جاتے۔ مکہ میں سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے تھے منجملہ ان کے حضرت عمرؓ کے ایک لونڈی بھی تھی جس کو دین اسلام قبول کرنے پر مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر وہ دین اسلام سے پھرنے پر تیار نہ تھی۔ تو اس بات پر کفار قریش تمسخر کرتے اور کہتے کہ اگر یہ قرآن حق ہوتا تو سب سے پہلے ہم قبول کرتے۔ کیا فلاں لونڈی ہم سے پہل کر جاتی؟ اور گرے پڑے غلام جیسے بلال عمار صہیب خباب وغیرہ جیسے سبقت کر جاتے؟ گویا قریش کے سردار

عوام الناس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہکانے کے لئے یہ پرفریب دلیل استعمال کرتے کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی صحیح بات پر دعوت دے رہے ہوتے تو قوم کے بڑے سردار اور معززین اور مال دار آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے یہ کیا بات ہوئی کہ چند ناتجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجہ کے غلام اور مفلس کم حیثیت لوگ ایک بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ رئیس سردار اور معزز مال دار اور جہاں دیدہ جن کی عقل وتدبیر پر قوم اعتماد کرتی رہی وہ اس کو رد کردیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے لہذا عوام بھی اس سے دور بھاگیں۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان منکرین کو تکبر اور عناد کے سبب قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ یہی کہیں گے کہ یہ بھی ایک قدیم جھوٹ ہے۔ (معاذ اللہ) پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں۔ کفار ومشرکین کا یہ قول بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ آج کل کے نام نہاد ''ترقی پسند'' اور ''تجدد پسند'' اور ''مغرب زدہ'' بے دین دین داروں کو لکیر کے فقیر پرانے دقیانوسی خیالات والے ترقی کے دشمن زمانہ سے ناواقف ہونے کا طعنہ دیتے ہیں تو سنئے حق تعالیٰ کفار کے اس الزام میں کہ معاذ اللہ یہ قرآن بھی ایک قدیمی جھوٹ اور پرانی غلط بات ہے کیا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ پرانا جھوٹ نہیں بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی یہی اصولی تعلیم دی تھی جس کی انبیاء اور اولیاء اقتدا کرتے رہے اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تعلیمات وبشارات سے راستی وہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ اب قرآن اترا تو اس کو سچا ثابت کرتا ہوا غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے غرض کہ اس قرآن سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات امام اور رحمت تھی اور اب یہ کتاب یعنی قرآن مجید جو اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے عربی زبان میں نازل ہوا ہے تاکہ شریروں اور ظالموں کو انجام بد سے خبردار کردے اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنادے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا اچھا ہونا ہے۔

اب چونکہ یہاں ظالمین کے حق میں وعید اور محسنین یعنی نیک کاروں کے حق میں بشارت کا ذکر ہوا ہے۔ آگے اسی وعدہ ووعید کی کسی قدر تفصیل ہے جس کا بیان انشاءاللہ تعالیٰ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اس امت مسلمہ کو قرآن کی حق شناسی اور قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں۔ آج بھی جو غافل قرآن کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ چودہ سو سال پرانی کتاب کے احکام وقوانین اس ترقی کے زمانہ میں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں کیسے چل سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں کھول دے اور ان کے قلوب میں قرآن پاک کی عظمت وسچائی اتار دے۔

اے اللہ پھر اس دنیا میں قرآنی تعلیمات کا دور دورہ زندہ فرمادے اور اس امت حامل قرآن کو قرآن پر ایمان کے ساتھ عمل بھی نصیب فرمادے۔ یا اللہ قرآن کریم کے متعلق کفار ومشرکین نے جو کچھ کہا یا اب بھی کہتے ہیں اس کی حکایت شکایت ہم کیا کریں ہمیں تو رونا اب یہ ہے کہ بعض مدعیان اسلام ہی قرآن کی خوبیوں سے بے بہرہ ہوگئے ہیں اور اس آسمانی کتاب کی بے قدری قولاً نہ سہی عملاً تو یقینی کر رہے ہیں۔ یا اللہ ہماری حالت پر رحم وکرم فرما اور ہم کو اپنی کتاب قرآن عظیم پر ایمان کے ساتھ اور عمل کی توفیق بھی نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے، اُن لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ

اہل جنت ہیں جو اُس میں ہمیشہ رہیں گے، بعوض ان کاموں کے جو وہ کرتے تھے۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے،

اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا

اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا، اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے (میں پورا ہوتا ہے) یہاں تک کہ جب

بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ

وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے، اور چالیس برس کو پہنچتا ہے، تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں

اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ

جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں، اور میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے،

اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ

میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے کاموں کو قبول کرلیں گے

مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ان کے گناہوں سے درگذر کریں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے، اس وعدۂ صادقہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ قَالُوْا جن لوگوں نے کہا	رَبُّنَا اللّٰهُ ہمارا رب اللہ	ثُمَّ پھر	اسْتَقَامُوْا وہ قائم رہے	فَلَا خَوْفٌ تو کوئی خوف نہیں	عَلَیْهِمْ ان پر
وَلَا هُمْ اور نہ وہ	یَحْزَنُوْنَ غمگین ہوں گے	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اہل جنت	خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَا اس میں	جَزَآءً جزا
بِمَا اس کی جو	كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ وہ عمل کرتے تھے	وَوَصَّیْنَا اور ہم نے حکم دیا	الْاِنْسَانَ انسان	بِوَالِدَیْهِ ماں باپ کیساتھ	اِحْسٰنًا حسن سلوک کا	
حَمَلَتْهُ وہ اس کو اٹھائے رہی	اُمُّهٗ اس کی ماں	كُرْهًا تکلیف کے ساتھ	وَ اور	وَضَعَتْهُ كُرْهًا اس نے اس کو جنا تکلیف کیساتھ	وَحَمْلُهٗ اور اس کا حمل	
وَفِصٰلُهٗ اور اسکا دودھ چھڑانا	ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا تیس مہینے	حَتّٰۤى یہانتک	اِذَا جب	بَلَغَ وہ پہنچا	اَشُدَّهٗ اپنے زور (جوانی) کو	وَبَلَغَ اور وہ پہنچا (ہوا)
اَرْبَعِیْنَ چالیس	سَنَةً سال	قَالَ اس نے عرض کیا	رَبِّ اے میرے رب	اَوْزِعْنِیْۤ توفیق دے مجھے	اَنْ اَشْكُرَ کہ میں شکر کروں	
نِعْمَتَكَ تیری نعمت	الَّتِیْۤ وہ جو	اَنْعَمْتَ عَلَیَّ تو نے انعام فرمائی مجھ پر	وَ اور	عَلٰى وَالِدَیَّ میرے ماں باپ پر	وَاَنْ اور یہ کہ	اَعْمَلَ میں عمل کروں
صَالِحًا نیک عمل	تَرْضٰىهُ تو پسند کرے اسے	وَاَصْلِحْ اور اصلاح کردے	لِیْ میرے لئے	فِیْ ذُرِّیَّتِیْ میری اولاد میں	اِنِّیْ تُبْتُ بیشک میں نے توبہ کی	
اِلَیْكَ تیری طرف	وَاِنِّیْ اور بیشک میں	مِنَ سے	الْمُسْلِمِیْنَ مسلمانوں (فرمانبرداروں)	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	الَّذِیْنَ وہ جو کہ	

نَتَقَبَّلُ ہم قبول کرتے ہیں	عَنْھُمْ ان سے	اَحْسَنَ بہترین(عمل)	مَا جو	عَمِلُوْا انہوں نے کئے	وَ اور	نَتَجَاوَزُ ہم درگزر کرتے ہیں	
عَنْ سے	سَیِّاٰتِہِمْ انکی برائیوں	فِیْ میں	اَصْحٰبِ الْجَنَّۃِ اہل جنت	وَعْدَ الصِّدْقِ سچا وعدہ	الَّذِیْ وہ جو	کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ انہیں وعدہ دیا جاتا تھا	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آسمانی دین کو پہلے توراۃ نے پھیلایا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے اور ہدایت ورحمت کا راستہ انسانوں کے لئے کھولا اور اب اسی کی تائید اور تصدیق کرتا ہوا یہ قرآن کریم نازل ہوا۔ عربی زبان میں تا کہ ان ظالموں کو خطرہ سے آگاہ کرے اور ان کے انجام بد سے ڈراوے جو اس کا انکار کرتے ہیں اور نیک لوگوں کو جو اس کو مان کر اس کی ہدایات پر چلیں ان کو خوشخبری وبشارت سنا دے کہ ان کا انجام کیسا اچھا ہوگا۔ تو گویا اس وعدہ وعید میں یہ جتلا دیا گیا تھا کہ جو لوگ اس دین کو نہ مانیں گے جسے قرآن کریم نے انسانوں کے سامنے صاف صاف پیش کیا ہے وہ لوگ ظالم ہیں اور ان کا وہی حشر ہوگا جس سے قرآن مجید نے انہیں ڈرایا ہے اور جو لوگ اس کو مان کر اس راستہ پر چلیں گے جس کا قرآن مطالبہ کرتا ہے تو ان کو وہ سب انعامات ملیں گے جن کی قرآن کریم نے بشارت وخوشخبری دی ہے اسی وعدہ ووعید کی مزید تشریح ان اور اگلی آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہے اور سمجھایا گیا کہ انسان اگر چاہتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد اس کا انجام اچھا ہو اور وہ ناگوار اور رنج وغم کی باتیں پیش آنے سے نجات پا جائے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے جو کوئی اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو اس دنیا کی زندگی کے بعد وہ رنج وغم سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اب وہ راستہ کیا ہے یہ یہاں پہلی مختصری آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ دو باتیں اس دنیا میں اختیار کرے۔ ایک تو سچے دل سے اقرار کرے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اس پر ایمان اس کی الوہیت وربوبیت سب کا اقرار آ گیا یعنی اللہ کی ربوبیت والوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور دل سے یقین کرے کہ میں ہر حال اور ہر آن میں اور ہر قدم میں اللہ تعالیٰ کے زیر تربیت ہوں۔ مجھے ایک سانس کے بعد دوسرا سانس بھی بغیر اس کی رحمت کے نہیں آ سکتا۔ اور دوسری بات یہ کہ اس قول واقرار پر تازندگی قائم اور ثابت قدم رہے یعنی اس یقین اور اقرار سے مرتے دم تک نہ

ہٹے جو کچھ زبان سے کہا ہے اس کے مقتضا پر اعتقاداً اور عملاً جما رہے یعنی اللہ کی ربوبیت کا حق پہچانے اور اپنے رب کے عائد کئے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھے اور ادا کرے۔ یہ نہیں کہ ابن الوقت بن کر گرگٹ کی طرح رنگ بدلا کرے کہ دعویٰ تو ایمان اور اسلام کا اور اتباع ہو کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ کا تو گویا اس مختصر سے جملہ میں یعنی قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا یعنی جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے بڑی بلاغت کے ساتھ پورے اسلام اور ایمان اور اعمال صالحہ سب کو جمع کر دیا گیا ہے اسی کی تشریح اور تائید مسلم شریف کی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جب حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کی ایک ایسی جامع بات بتلا دیجئے کہ جس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ نہ پوچھنا پڑے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قل اٰمنت باللہ ثم استقم یعنی تم اللہ پر ایمان لانے کا اقرار کرو پھر اس پر مستقیم رہو تو لفظ مستقیم یا استقامت ایک لفظ مختصر ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے جس میں تمام احکام الٰہیہ پر عمل اور تمام محرمات ومکروہات ومنہیات سے اجتناب وپرہیز دائمی طور پر شامل ہے۔ اسی لئے لفظ استقامت کی تفسیر میں حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے ادھر ادھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو (تفسیر مظہری) اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ ہمیں بھی اس پر مستقیم رہنا نصیب فرمائیں آمین۔

تو جس نے دنیا میں یہ دو باتیں پوری کر دیں یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور توحید کا اقرار کیا اور پھر اس پر تازندگی وہ مستقیم بھی رہا وہ یقیناً اس دنیا کی زندگی کے بعد خوف اور رنج وغم سے نجات پا جائے گا اور یہی وہ لوگ جنہیں آخرت میں جنت میں جگہ ملے گی اور وہ بھی عارضی نہیں بلکہ دائمی ہمیشہ کے لئے جہاں نہ کسی قسم کا خوف اور فکر اس کے پاس پھٹکے گا اور نہ کوئی غم وہراس ان پر آئے گا کیونکہ ہر

چیز خواہش کرتے ہی فوراً ملے گی۔ ایسی ہی بشارت چوبیسویں پارہ سورۃ حم سجدہ میں ذکر ہو چکی ہے جہاں ارشاد ہوا تھا ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور خوش ہو جنت کے ملنے پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے واسطے اس جنت میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کو تمہارا جی چاہے اور تمہارے واسطے موجود ہے جو کچھ بھی تم مانگو۔ یہ بطور مہمانی کے خدائے غفور الرحم کی طرف سے (آیات ۳۰،۳۲)۔''

خلاصہ یہ کہ یہ آیات مومن کے حق میں بہت بڑی بشارت ہیں اور وعدہ ہے کہ اس بات کا کہ اسے کوئی غم و رنج نہ موت کے وقت ہوگا نہ برزخ میں نہ آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے کرم سے اپنے ایسے ہی مومنین بندوں میں شامل فرماویں۔ آمین۔ تو اوپر چونکہ خدائے تعالیٰ کی توحید و ربوبیت والوہیت کا اس کی عبادت و فرمانبرداری کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا جس میں تمام حقوق اللہ کی بجا آوری آ گئی تو مناسب ہوا کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی حکم کر دیا جائے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے کیونکہ موجد حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس عالم اسباب میں ماں باپ اولاد کے وجود کا سبب ظاہری اور حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کا مظہر خاص بنتے ہیں اس لئے یہاں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذکر فرما کر والدین کا حق بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین یعنی ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے ان کی تعظیم و محبت اور خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھے۔ دوسری جگہ بتلایا گیا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تب بھی ان کے ساتھ دنیا میں معاملہ اچھا رکھنا چاہئے۔ خصوصاً ماں کی خدمت گزاری کہ بعض وجوہ سے اس کا حق اولاد پر باپ سے بھی زائد ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بھی اس امر کی طرف اشارہ ہے اور صحیح احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایسا ہی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں عرض کیا کہ پھر کون۔ آپ نے فرمایا تمہاری ماں پوچھا پھر کون آپ نے پھر فرمایا تمہاری ماں پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ۔ گویا ۳ مرتبہ ماں کے حق کی طرف اشارہ فرمایا اور چوتھی مرتبہ باپ کے حق کی طرف۔ یہاں آیت میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پہلے یہ کہ انسان کو اس کی ماں نے اسے مشقت اٹھا کر پیٹ میں رکھا۔ یعنی حمل جب کئی ماہ کا ہو جاتا ہے تو اس کا ثقل وگرانی اور بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے جس کو ماں برداشت کرتی ہے۔ دوسرے مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنتی ہے۔ بچہ کی پیدائش کے وقت ماں کیسی سختی برداشت کرتی ہے۔ تیسرے دودھ پلانے اور بچہ کی نگہداشت کرنے میں صعوبت برداشت کرتی ہے۔ ماں اپنی آسائش اور راحت کو بچہ کی آسائش اور راحت پر قربان کر دیتی ہے اور اس حمل اور دودھ پلانے کے زمانہ میں ۳۰ ماہ یعنی اڑھائی سال لگ جاتے ہیں۔ حمل اور دودھ پلانے کی مدت جو ۳۰ مہینہ یہاں فرمائی گئی سو جمہور کے نزدیک اس حساب پر مبنی ہے کہ کم از کم ۶ ماہ مدت حمل اور زیادہ سے زیادہ مدت رضاعت یعنی دودھ پلانا دو سال اس طرح مجموعہ اڑھائی سال یعنی ۳۰ ماہ ہو گیا یا یہ حساب رکھا جائے کہ طبعی مدت حمل ۹ مہینہ اور طبعی مدت رضاعت ۲۱ مہینہ یوں بھی اڑھائی برس ہو گئے۔ اتنے دنوں تک ماں طرح طرح کی مصیبت اٹھاتی ہے اور کم و بیش ان مصیبتوں میں باپ کی بھی شرکت ہوتی ہے بلکہ اکثر امور کا انتظام عادۃً باپ ہی کو کرنا پڑتا ہے اس لئے بھی ماں باپ کا حق انسان پر زیادہ واجب کیا گیا۔ غرض کہ اس کے بعد بچہ نشو و نما پاتے پاتے اپنی جوانی یعنی بلوغ کو پہنچ جاتا ہے اور پھر بلوغ کے بعد ایک زمانہ میں چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو جو انسان سعید ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کو پہچانتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے جو احسانات اس پر اور اس کے ماں باپ پر ہو چکے ہیں ان کا شکر ادا کرتا ہے اور آئندہ نیک عمل کرنے کی توفیق بھی خدا سے مانگتا ہے اور اپنی اولاد کے حق میں بھی نیکی کی دعا مانگتا ہے اور جو کوتاہی حقوق اللہ یا حقوق العباد میں رہ گئی اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر کے معافی مانگتا ہے اور از راہ

تواضع وبندگی اپنی مخلصانہ عبدیت وفرمانبرداری کا اعتراف کرتا ہے غرض کہ جو بندہ سعید ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق تو براہ راست ادا کرتا ہی ہے اور ساتھ ہی بندوں کے حقوق کو بھی پہچانتا ہے اور انہی بندوں کے حقوق میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں بھی لگا رہتا ہے۔

یہاں آیت میں جو اربعین سنۃ فرمایا یعنی جب ۴۰ سال کو پہنچتا ہے تو علما نے لکھا ہے کہ ۴۰ برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ۴۰ برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔ تو یہاں یہ تاکید مقصود ہے کہ ۴۰ برس کے بعد پھر غفلت نہ ہونی چاہئے کیونکہ جوانی میں قوت عقلیہ مغلوب ہوتی ہے اور ۴۰ سال پر قوت عقلیہ کامل غالب ہوتی ہے تو اس وقت توجہ الی اللہ بہت ضرور ہے اور ۴۰ سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو پختہ دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہئے اور نئے سرے سے خدا کی طرف رغبت اور رجوع کر کے اس پر جم جانا چاہئے بعض مفسرین سے منقول ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور آپ نے یہ بات چالیس سال کی عمر میں کہی تھی اور وہ اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مع اپنی اولاد کے پہلے ہی اسلام لائے ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ کے والد ابوقحافہ بھی مسلمان ہو گئے تھے اور آپ کی والدہ ام الخیر بھی مسلمان تھیں۔ گویا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خود ان کو ان کے ماں باپ کو اور اولاد کو ایمان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی۔ صحابہ کرام میں یہ خصوصیت سوائے آپ کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ مگر اکثر مفسرین ان آیات کو عموم پر محمول کرتے ہیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بندوں کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں اور ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے موافق جنت میں ہے۔ قرآن مجید میں یہ حقیقت دسیوں جگہ آ چکی ہے اور یہاں پھر اسی کا اعادہ ہے کہ بڑے بڑے کاملین اور مقبولین سے بھی تقصیرات اور خطائیں ہو جاتی ہیں لیکن ان کی خطاؤں سے درگزر کر دیا جاتا ہے۔

عام حکم ان آیات سے سب مسلمانوں کے لئے یہ نکلتا ہے اور جملہ اہل اسلام کو یہ ہدایت کرنا مقصود ہے کہ آدمی کی عمر جب ۴۰ سال کے قریب ہو جائے تو اس کو آخرت کی فکر غالب ہو جانا چاہئے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ کی تجدید کرے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا پورا اہتمام کرے کیونکہ ۴۰ سال کی عمر میں جو اخلاق و عادات کسی شخص کے ہو جاتے ہیں پھر ان کا بدلنا مشکل ہوتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مومن جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسان فرما دیتے ہیں اور جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو اس کو اپنی طرف رجوع وانابت نصیب فرما دیتے ہیں اور جب ستر سال کی عمر کو پہنچ جائے تو تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسنات کو قائم فرما دیتے ہیں اور اس کے سیأت کو مٹا دیتے ہیں اور جب نوے سال کی عمر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت کے متعلق شفاعت کرنے کا حق دے دیتے ہیں اور آسمان میں اس کے نام کے ساتھ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اسیر اللہ فی الارض ہے یعنی زمین میں اللہ کی طرف سے قیدی ہے (ابن کثیر) اور یہ ظاہر ہے کہ مراد اس سے وہی بندہ مومن ہے جس نے اپنی زندگی احکام شرع کے تابع ہو کر تقویٰ کے ساتھ گزاری ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد ہفتم ص ۸۰۸)

الغرض یہاں تک تو اہل سعادت اور نیکوکار مومنین کا بیان ہوا آگے ان کے مقابلہ میں اہل شقاوت وظالمین کا ذکر ہے جو کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ضائع کرتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی سچی توحید نصیب فرمائیں اور تازندگی اسی پر قائم رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ وَهُمَا

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ وعدہ (یعنی خبر) دیتے ہو کہ میں (دوبارہ زندہ ہوکر) قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکیں

يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾

اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو یہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آرہی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہوکر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہوگذرے ہیں،

وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ

بے شک یہ خسارہ میں رہے۔ اور ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے اور تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کردے اور ان پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

ظلم نہ ہوگا۔ اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کرچکے

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے،

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع

اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

وَالَّذِيْ اور وہ جس	قَالَ اس نے کہا	لِوَالِدَيْهِ اپنے ماں باپ کیلئے	اُفٍّ تف	لَّكُمَا تمہارے لئے۔ پر	اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ کیا تم مجھے وعدہ (خبر) دیتے ہو کہ				
اُخْرَجَ میں نکالا جاؤں گا	وَقَدْ خَلَتِ حالانکہ گزر چکے	الْقُرُوْنُ (بہت سے) گروہ	مِنْ قَبْلِيْ مجھ سے پہلے	وَهُمَا اور وہ دونوں	يَسْتَغِيْثٰنِ فریاد کرتے ہیں				
اللّٰهَ اللہ	وَيْلَكَ تیرا برا ہو	اٰمِنْ تو ایمان لے آ	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا	فَيَقُوْلُ تو وہ کہتا ہے	مَا نہیں	هٰذَآ یہ	اِلَّآ مگر۔صرف
اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلوں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	الَّذِيْنَ وہ جو	حَقَّ ثابت ہوگئی	عَلَيْهِمُ ان پر	الْقَوْلُ بات (عذاب)			
فِيْٓ اُمَمٍ امتوں میں	قَدْ خَلَتْ گزر چکیں	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	مِنَ سے	الْجِنِّ وَالْاِنْسِ جنات اور انسان (جمع)	اِنَّهُمْ بیشک وہ				
كَانُوْا تھے	خٰسِرِيْنَ خسارہ پانیوالے	وَلِكُلٍّ اور ہر ایک کیلئے	دَرَجٰتٌ درجے	مِّمَّا عَمِلُوْا اس سے جو انہوں نے کیا	وَلِيُوَفِّيَهُمْ اور تاکہ وہ پورا دے انکو				
اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	وَهُمْ اور وہ۔ اُن	لَا يُظْلَمُوْنَ ان پر ظلم نہ کیا جائے گا	وَيَوْمَ اور جس دن	يُعْرَضُ لائے جائیں گے					
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	عَلَى النَّارِ آگ کے سامنے	اَذْهَبْتُمْ تم لے گئے حاصل کرچکے	طَيِّبٰتِكُمْ اپنی نعمتیں	فِيْ میں					
حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا اپنی دنیا کی زندگی	وَاسْتَمْتَعْتُمْ اور تم فائدہ اٹھا چکے	بِهَا ان کا	فَالْيَوْمَ پس آج	تُجْزَوْنَ تمہیں بدلہ دیا جائے گا					

2

عَذَابَ الْهُوْنِ رسوائی کا عذاب	بِمَا اس لئے کہ	كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ تم تکبر کرتے تھے	فِي الْاَرْضِ زمین میں	بِغَيْرِ الْحَقِّ ناحق	
وَبِمَا اور اس لئے کہ	كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ تم نافرمانیاں کرتے تھے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسان اگر چاہتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہو اور اس دنیا کے بعد آنے والی زندگی میں ناگوار باتوں اور خوف وغم کے پیش آنے سے نجات پا جائے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وہ دنیا میں دو باتیں اختیار کرلے۔ ایک تو سچے دل سے اقرار کرے کہ میرا رب اللہ ہے دوسرے اس قول پر مرتے وقت تک ثابت قدم رہے۔ ایسے لوگوں کو بشارت دی گئی تھی کہ انہیں آخرت میں جنت ملے گی۔ اس کے بعد بتلایا گیا تھا کہ اچھے اور نیک لوگ وہ ہوتے ہیں جو بالغ ہو جانے پر خاص کر جب کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو وہ اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے اور اللہ کے فرمانبردار ہونے کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں ماں باپ کا ادب بجا لاتے ہیں اور اللہ سے نیکیوں کی توفیق مانگتے ہیں۔ اپنی تقصیرات پر توبہ کرتے رہتے ہیں ایسے سعادت مند لوگ جو کہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے پر کمر بستہ رہتے ہیں ان کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو قبول فرما لیتا ہے اور یہی لوگ اللہ کی رضا کے مقام جنت میں جانے والے ہیں۔ ایسے سعادت مند انسانوں کے مقابلہ میں اب آگے ان آیات میں بے ادب نافرمان اور نالائق انسانوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور اس کا انجام بتلایا جاتا ہے کہ جو نہ ماں باپ کے احسانات کا خیال کرتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے بلکہ ماں باپ کے ساتھ سخت کلامی اور بدتہذیبی سے پیش آتا ہے چنانچہ ان آیات میں ایسے ہی اہل شقاوت اور ظالمین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ضائع کیا۔ اس طرح کہ اس نے اپنے مسلمان ماں باپ سے کہا کہ میں تمہارے طریقے پر دین کو پسند نہیں کرتا تم مجھے یہ کیا سکھاتے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر قبر سے نکلوں گا میں ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے گزر چکی ہیں کوئی شخص بھی ان میں سے اب تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا؟ لوگ ہمیشہ سے یونہی سنتے چلے آتے ہیں اور ہر زمانے میں پیغمبر یونہی وعدہ دیتے چلے آئے مگر آج تک کسی وعدہ کا ظہور نہ ہوا اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں تو میں اس پر کیونکر اعتبار کرلوں۔ اس کے غریب ماں باپ اس کے اس انکار سے کہ کفر عظیم ہے گھبرا کر اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور اس کو سمجھاتے ہیں کہ کمبخت تیرا ستیاناس اب بھی باز آجا۔ دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ قیامت کی اور مرکر دوبارہ زندہ ہونے کی جو خبر دی گئی ہے وہ ضرور اپنے وقت میں پوری ہو کر رہے گی اس وقت تیرا یہ انکار رنگ لائے گا۔ اس پر وہ گستاخ کہتا ہے کہ ایسی کہانیاں میں نے بہت سنی ہیں۔ پرانے وقتوں کے قصہ اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں اور واقعہ میں ان کا مصداق کچھ نہیں ہوتا۔ ایسا شقی شخص کہ جو اللہ سے کفر کرتا ہے۔ اور اپنے ماں باپ سے بھی مخالفت کے ساتھ پیش آتا ہے اور اپنے کلام میں بھی بدتمیزی اور درشتی کرتا ہے۔ اس کا انجام حق تعالیٰ آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح بہت سی جماعتیں کافر جنات اور کافر انسانوں کی پہلے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں۔ یہ بدبخت بھی انہیں میں شامل ہے۔ اور یقیناً ایسے لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے اور ان کے لئے آئندہ سوائے آفتوں اور مصیبتوں کے کچھ نہیں یہاں تک پہلے سعادت مند اور نیکوکار اور پھر شقی بدبخت نافرمان دونوں کا تذکرہ اور انجام ظاہر کرنے کے بعد بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں ہر شخص کے اور ہر قوم کے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہوں گے کسی کو جنت کے اور کسی کو دوزخ کے درجے ملیں گے اور یہ مختلف درجے اس لئے ملیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کے اعمال کی جزا پوری کردے اور ہر ایک کو اپنے کئے کا پورا پورا پھل مل جائے اور کسی پر ظلم زیادتی نہ ہو۔ نہ کسی کی نیکی کا ثواب کم کیا جائے اور نہ کسی کے جرم کی سزا حد سے زائد دی جائے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کافر کے کسی نیک کام میں چونکہ ایمان کی روح نہیں ہوتی محض

صورت اور ڈھانچہ نیکی کا ہوتا ہے تو ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی ہے جو اسی دنیا کی زندگی میں مال و دولت حکومت اولاد تندرستی عزت شہرت وغیرہ کی شکل میں مل جاتا ہے چنانچہ کافروں سے قیامت کے دن جب وہ جہنم کے پاس لا کر کھڑے کر دیئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے آخرت چھوڑ کر دنیا اختیار کی تھی۔ تم جو کچھ کرتے تھے وہ اس لئے کہ اس کا فائدہ دنیا میں ہی مل جائے۔ نام ہو شہرت ہو دولت ہو اور عیش و راحت ہو تو یہ لذت کی چیزیں تم اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اب آخرت کے عیش میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ آج تمہاری جھوٹی شیخی اور نافرمانیوں کی سزا میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ بس یہی ایک چیز تمہارے لئے یہاں باقی ہے پس تمہاری سزا کے لئے اب جہنم ہے اور ذلت میں یہ ملامت اور پھٹکار ہے۔ اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے لہٰذا اب اپنے کئے کی سزا بھگتو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ناحق تکبر اور احکام الٰہیہ کی نافرمانی یہ کفار کی خاص خصلتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تکبر اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچاویں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان آیات میں کفار سے جو آخرت میں خطاب فرمایا جائے گا کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں خوب برت چکے تو معلوم ہوا کہ دنیا میں لذات میں پڑنا یہ کفار کی خصلت ہے نہ کہ مومنین صالحین کی۔ چونکہ یہاں آیت میں کفار کو ان کے دنیوی لذات میں منہمک رہنے کی بنا پر عتاب کیا گیا اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے لذائذ دنیا کو ترک کرنے کی عادت اختیار فرمائی جیسا کہ ان حضرات کی سیرت اس پر شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے اتباع کی توفیق نصیب فرمائیں۔ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑا رزق لینے پر راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا اس پر پورا عمل تھا کہ خود بھی آپ تکلف اور لذت و راحت کے کھانے پینے اور سامان سے پرہیز کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس قسم کی نصیحت فرماتے تھے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں حضرت عمرؓ کو دنیا کی راحت کی چیزوں سے اس قدر پرہیز نہ تھا چنانچہ صحیحین میں خود حضرت عمرؓ سے جو روایت ہے۔ اس میں آپ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا تھا کہ فارس اور روم کے لوگ باوجود مشرک ہونے کے چین اور مزے اڑاتے ہیں۔ اور آپؐ اور آپ کی امت پر تنگ دستی غالب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی فارغ البالی کی دعا فرمایئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی اس بات کے جواب میں نصیحت فرمائی کہ اے عمر تم کو اس بات پر قناعت کرنی چاہئے کہ مشرک لوگوں کے لئے دنیا کا چین ہے اور ہم لوگوں کے لئے عقبیٰ کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا حضرت عمرؓ کے دل پر یہ اثر ہوا کہ اس دن سے آپ کے دل سے دنیا کی راحت کا خیال بالکل اٹھ گیا۔ لیکن آج آپ کے نام لیواؤں کا کیا حال ہے کہ دن و رات، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے بس دنیا کی ترقی اس کے عیش و آرام یہاں کی لذتیں و راحتیں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ اور بے دین دہریئے اور نیچریوں کی سی معیشت اور طور طریق اور مغرب کی اندھی تقلید و نقالی کے دلدادہ بنے ہوئے ہیں اور زندگی کا معیار ہی یورپ کے دہریوں کا سا عیش آرام اور رہن سہن نصیب ہو جانا سمجھ رکھا ہے۔ الا ماشآء اللہ ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی کی حقیقت کو ہمارے دلوں پر بھی کھول دیں اور یہاں کے عیش و آرام لذات و راحتوں کے پیچھے پڑنے سے بچا لیں اور آخرت کی فکر نصیب فرمائیں۔ آمین اب یہاں جو کفر اور انہماک فی الدنیا کی برائی اور مذمت فرمائی گئی تو اسی کی تاکید اور مضمون بالا کی تاکید میں عرب کی قوم عاد کا قصہ آگے بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ کفار مکہ کو تنبیہ ہو جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

اور آپ قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے، جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریگ کے مستطیل خمدار تودے تھے اس پر ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت کرو

خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا

اور ان سے پہلے اور ان سے پیچھے، بہت سے ڈرانے والے (پیغمبر اب تک) گذر چکے ہیں، مجھ کو تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو

عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ

کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو، سو اگر تم سچے ہو تو جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اس کو ہم پر واقع کر دو۔ انہوں نے فرمایا کہ پورا علم تو خدا ہی کو ہے،

وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ

اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا

قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ

تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا، نہیں نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے

كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْ اور یاد کر	أَخَا عَادٍ عاد کے بھائی	إِذْ جب	أَنذَرَ اسنے ڈرایا	قَوْمَهُ اپنی قوم	بِالْأَحْقَافِ احقاف میں	وَقَدْ خَلَتِ اور گزر چکے	النُّذُرُ ڈرانیوالے
مِن بَيْنِ يَدَيْهِ اس سے پہلے	وَمِنْ خَلْفِهِ اور اس کے بعد	أَلَّا تَعْبُدُوا کہ تم عبادت نہ کرو	إِلَّا اللَّهَ اللہ کے سوا	إِنِّي أَخَافُ بیشک میں ڈرتا ہوں			
عَلَيْكُمْ تم پر	عَذَابَ عذاب	يَوْمٍ عَظِيمٍ ایک بڑا دن	قَالُوا وہ بولے	أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا کیا تو ہمارے پاس آیا کہ تو پھیر دے ہمیں	عَنْ سے		
آلِهَتِنَا ہمارے معبود	فَأْتِنَا پس لے آ ہم پر	بِمَا تَعِدُنَا جو کچھ تو وعدہ کرتا ہے ہم سے	إِن اگر	كُنتَ تو ہے	مِنَ سے	الصَّادِقِينَ سچے (جمع)	
قَالَ اسنے کہا	إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	الْعِلْمُ علم	عِندَ اللَّهِ اللہ کے پاس	وَأُبَلِّغُكُمْ اور میں پہنچاتا ہوں تمہیں	مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ جو میں بھیجا گیا ہوں اس کیساتھ		
وَلَٰكِنِّي اور لیکن میں	أَرَاكُمْ دیکھتا ہوں تمہیں	قَوْمًا گروہ۔لوگ	تَجْهَلُونَ تم جہالت کرتے ہو	فَلَمَّا رَأَوْهُ پھر جب دیکھا انہوں نے اسکو	عَارِضًا ایک ابر		
مُّسْتَقْبِلَ سامنے (چلا) آرہا ہے	أَوْدِيَتِهِمْ ان کی وادیاں	قَالُوا وہ بولے	هَٰذَا یہ	عَارِضٌ ایک بادل	مُّمْطِرُنَا ہم پر بارش برسانے والا		
بَلْ هُوَ بلکہ وہ	مَا جس	اسْتَعْجَلْتُم تم جلدی کرتے تھے	بِهِ اس کی	رِيحٌ ایک ہوا۔آندھی	فِيهَا اس میں	عَذَابٌ أَلِيمٌ دردناک عذاب	
تُدَمِّرُ وہ تہس نہس کر دیگی	كُلَّ ہر	شَيْءٍ شے	بِأَمْرِ حکم سے	رَبِّهَا اپنا رب	فَأَصْبَحُوا پس رہ ہوگئے	لَا يُرَىٰ نہ دکھائی دیتا تھا	إِلَّا سوائے
مَسَاكِنُهُمْ ان کے مکان	كَذَٰلِكَ اسی طرح	نَجْزِي ہم بدلہ دیتے ہیں	الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ مجرم (جمع) لوگ				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ کے نافرمان انسانوں کو ان کے انجام بد سے ڈرایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے دن یہ اللہ کا انکار کرنے والے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ضائع کرنے والے جب جہنم کے کنارے لا کھڑے کئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے

گا کہ تم نے دنیا میں بہت مزے اڑا لئے دنیا کے عیش و آرام میں ایسے محو تھے کہ آخرت کو بالکل بھول گئے تھے اور اس کے لئے کوئی فکر نہ کی اب اپنے تکبر اور نافرمانی کی وجہ سے ذلت کا عذاب اٹھاؤ۔ کفار مکہ بھی باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و دعوت کے دنیوی شہوات ولذات میں پڑے ہوئے تھے اور ہدایت و آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اس لئے ان کو قوم عاد کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ جو لذات اور دنیا پرستی میں ایسے غرق تھے کہ دار آخرت کی طرف مطلق متوجہ نہ ہوئے اور اپنے ہادی اور پیغمبر کا کہنا نہ مانا اس لئے ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا جس سے وہ پوری قوم تباہ و برباد ہوئی۔ قوم عاد ایک قدیم عرب قوم تھی جو جنوبی عرب میں کبھی آباد تھی اور اپنے زمانہ کے ایک بڑے زبردست تمدن کی مالک تھی حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم عاد میں سے تھے اور اسی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ وہ اپنی قوم کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قوم عاد کے بھائی یعنی حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ان اہل مکہ سے کیجئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر مقرر کیا تھا تاکہ وہ اپنی سرکش قوم کو ڈرا دیں کہ اگر تم نے اللہ عزوجل کی عبادت و بندگی سے منہ موڑ کر اوروں کی بندگی اختیار کی تو تمہارا انجام برا ہو گا اور تمہارے کفر و سرکشی کی وجہ سے تم پر ایک ہولناک عذاب نازل ہوگا قوم عاد جو اپنی شوکت وقوت میں مست تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت و توحید و نصیحت کفر و شرک سے باز رہنے کی سن کر کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہم کو اپنے آبائی مذہب سے دور کر دو اور ان بتوں کی بندگی و پرستش چھڑا دو تو ہم اپنے آبائی طریقہ سے ہٹنے والے نہیں اور تم جو توحید کے قبول نہ کرنے پر عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو تو تم اگر اپنی دھمکیوں میں سچے ہو تو دیر کیا ہے۔ جو زبان سے کہتے ہو کر کے دکھلا دو اور وہ عذاب ہم پر واقع کر دو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو جواب دیا کہ اس قسم کا مطالبہ کرنا تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں جو پیغام مجھے بھیجا جاتا ہے وہ پہنچا دیتا ہوں اس سے زائد کا نہ مجھے علم نہ اختیار۔ یہ علم خدا ہی کو ہے کہ سرکش اور منکر قوم کس وقت دنیوی سزا کی مستوجب ہوتی ہے اور کس وقت تک اسے مہلت ملنی چاہئے اللہ کا عذاب کب اور کس وقت آئے گا۔ یہ تو صرف حق تعالیٰ کے ہی علم میں ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت پر اتر آئے ہو اور بڑی نادانی کر رہے ہو ایک تو اللہ کی توحید کو قبول نہیں کرتے پھر اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب کسی طرح انہوں نے حق کو قبول نہ کیا تو عذاب کا اس طرح سامان شروع ہوا کہ قوم عاد نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ اس وقت خشک سالی تھی اور گرمی سخت تھی یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور گہری گھٹا اٹھی ہے اور اسی طرف رخ ہے۔ اب بارش خوب برسے گی اور ہمارے سب ندی نالے پانی سے بھر جائیں گے۔ اور پانی کا کال نہ رہے گا۔ اس پر ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ نادانو یہ برسنے والا بادل نہیں بلکہ عذاب الٰہی کی آندھی ہے۔ اور یہ وہی عذاب ہے کہ جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ اور جس میں بڑا دکھ بھرا عذاب پوشیدہ ہے اور اس کی سخت طوفانی ہوا ہر چیز کو تباہ کر کے چھوڑے گی کیونکہ اللہ نے ایسا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضبناک طوفان چلا کہ جس کے سامنے درخت آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی۔ ہوا آدمیوں کو اور مویشیوں کو اٹھا اٹھا کر پٹک دیتی تھی۔ ہر چیز ہوا نے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہوگئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی یہ واقعہ سنا کر منکرین کو جتلایا جاتا ہے کہ دیکھ لو اللہ کے مجرموں کا حال ایسا ہوتا ہے تم کو چاہئے کہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آ جاؤ ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہوسکتا ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا تدمر کل شیء بامر ربھا وہ (یعنی آندھی ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے ہلاک کر دے گی)

ن حضرتؐ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آندھی میں خود کوئی اختیار نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ بھی ہلاکت پیش آئی تمام تر پروردگار عالم کے ہی حکم سے پیش آئی۔ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو کبھی کھل کھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آئیں آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرۂ مبارک سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو۔ کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی۔ اس قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے۔ جو ہم پر بارش برسائے گا ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب شدت سے ہوا چلتی تو آپ کہتے یا اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتا ہوں اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے اور بھلائی اس کی جس کے واسطے یہ ہوا بھیجی ہے اور پناہ مانگتا ہوں تیری اس کی برائی سے اور جو کچھ اس میں ہے۔ اس کی برائی سے اور جس کے واسطے یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے اور جب آسمان پر بادل ہوتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور گھر سے باہر اندر آتے جاتے اور پھر جب مینہ برسنے لگتا تو آپ کا خوف واضطراب جاتا رہتا حضرت عائشہؓ نے اس کا آپ سے سبب پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید یہ بادل ایسا ہی ہو جیسا قوم عاد کا کہ جب انہوں نے دیکھا تو کہا کہ یہ بادل ہے مینہ برسانے والا۔ علماء کرام نے ان روایات کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بڑے رتبے والے جو خدا کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں وہ ہر وقت اس سے حالت خوف و امید میں رہتے ہیں۔ مگر نافرمان اور لاابالی لوگ کچھ پروانہیں کرتے۔ دنیا میں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ بادشاہ کے مقرب لوگ اس کے قانون کی عزت کرتے اور حالت خوف اور امید میں رہتے ہیں مگر چور ڈاکو کچھ پروانہیں کرتے۔

یا اللہ ہمارے دلوں میں بھی اپنی وہ عظمت عطا فرما کہ ہم کسی حال میں بےخوف اور آپ کی کبریائی سے لاتعلق ہو کر نہ رہیں۔ آمین۔

اب آگے کفار مکہ کو خطاب فرما کر تنبیہ کی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نافرمان قوموں کے واقعات سے ہمیں بھی عبرت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں اور اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی کامل توفیق عطا فرمائیں۔

حق تعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرمائیں جو ہم کو ہر طرح کی نافرمانی سے روک دے۔

یا اللہ اپنے غصہ اور عذاب سے دنیا میں بھی ہماری حفاظت فرمایئے اور آخرت میں بھی بچایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى

اور ہم نے اُن لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی، اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل دیئے تھے، سو چونکہ وہ لوگ

عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے اس لئے نہ اُن کے کان اُن کے ذرا کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دِل اور جس کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٢٦ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا

اُسی نے اُن کو آگھیرا۔ اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی غارت کی ہیں اور ہم نے بار بار

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٢٧ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ

اپنی نشانیاں بتلادی تھیں تاکہ وہ باز آئیں۔ سو خدا تعالیٰ کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی،

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٢٨

بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے، اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ اور البتہ ہم نے انکو قدرت دی تھی	فِيْمَآ اس میں	اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ نہیں ہم نے قدرت دی تمہیں	فِيْهِ اس میں۔ پر			
وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنائے۔ دیئے	لَهُمْ انہیں	سَمْعًا کان	وَّاَبْصَارًا اور آنکھیں	وَّاَفْـِٕدَةً اور دل (جمع)	فَمَآ تو نہ	اَغْنٰى عَنْهُمْ کام آئے انکے
سَمْعُهُمْ ان کے کان	وَلَآ اَبْصَارُهُمْ اور نہ ان کی آنکھیں	وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ اور نہ دل ان کے	مِّنْ شَيْءٍ کچھ بھی	اِذْ جب		
كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ وہ انکار کرتے تھے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات کا	وَحَاقَ اور اس نے گھیر لیا	بِهِمْ ان کو	مَّا كَانُوْا جو وہ تھے	بِهٖ اس کا	
يَسْتَهْزِءُوْنَ وہ مذاق اڑاتے	وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اور تحقیق ہم نے ہلاک کردیا	مَا حَوْلَكُمْ جو تمہارے اِرد گرد	مِّنَ سے	الْقُرٰى بستیاں		
وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ اور ہم نے بار بار دکھائیں اپنی نشانیاں	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَرْجِعُوْنَ لوٹ آئیں	فَلَوْ پھر کیوں	لَا نَصَرَهُمْ نہ مدد کی انکی		
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا جنہیں بنالیا انہوں نے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	قُرْبَانًا قرب حاصل کرنیکو	اٰلِهَةً معبود	بَلْ بلکہ		
ضَلُّوْا عَنْهُمْ وہ گم (غائب) ہوگئے اُن سے	وَذٰلِكَ اور یہ	اِفْكُهُمْ ان کا بہتان	وَمَا اور جو	كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ وہ افترا کرتے تھے		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیت میں کفار مکہ اور نافرمان انسانوں کو عرب کی قوم عاد کا حال سنایا گیا تھا جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا تاکہ وہ بت پرستی اور غیر اللہ کی پرستش و بندگی سے باز آئیں اور اللہ کی بندگی و عبادت اختیار کریں۔

مگر قوم عاد جو اپنی قوت و طاقت اور سامان عیش و راحت میں مست تھے انہوں نے اپنے پیغمبر کا کہنا نہ مانا اور سرکشی و کفر پر برابر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور سخت ہوا کا طوفان ان پر ایسا مسلط ہوا کہ آدمی درخت اور جانور سب تنکوں کی طرح اڑ کر اور گر گر کر مرے اور ان کے مکانات کے کھنڈرات کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اب آگے ان آیات میں کفار مکہ کو خطاب کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو قوم عاد کیسی زبردست قوم تھی۔ اس کے پاس جسمانی طاقت، مال و دولت اور جتھے اور مددگار اور راحت و آرام کے سامان اس قدر تھے کہ تمہارے پاس ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں مگر جب ان پر عذاب آیا تو کوئی چیز کام نہ آئی پھر تم اے اہل مکہ کس برتے پر

مغرور ہو جو اللہ اور اس کے رسول سے تکبر اور مخالفت برت رہے ہو۔ دیکھو قوم عاد کو نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل و دماغ دیئے تھے پر وہ کسی قوت کو صحیح کام میں نہ لائے۔ اندھے بہرے اور پاگل بن کر پیغمبر کے مقابل ہو گئے آخر انجام یہ ہوا کہ عذاب الٰہی نے آ گھیرا۔ کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت اس کو دفع نہ کر سکی اور وہی سزا جس سے اللہ کے پیغمبر انہیں ڈراتے تھے اور جسے سن کر وہ ہنسی اور ٹھٹھوں میں اڑا دیتے تھے ان کو مل کر رہی اور عذاب نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے سے عذاب تم پر بھی آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر مزید سمجھایا جاتا ہے کہ اے اہل مکہ تم اپنے آس پاس ہی کی بستیوں پر ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ علاوہ ''عاد'' کے قوم ثمود اور قوم لوط اور اصحاب مدین اور اہل یمن اور قوم سبا وغیرہ کی بستیاں تھیں اور وہ سب اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا طریقہ اختیار کیا۔ تم تو اکثر تجارت وغیرہ کے سفر میں آتے جاتے رہتے ہو اور وہ تباہ شدہ بستیاں تمہارے راستہ ہی میں پڑتی ہیں پھر ان سے ہی عبرت حاصل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے سے پہلے ان کی فہمائش کے لئے بار بار اپنی نشانیاں ان کو بتلا دی تھیں اور واضح طور پر ظاہر کر دیا تھا تا کہ وہ کفر و شرک سے باز آ جائیں مگر اتنا سمجھانے پر بھی وہ کسی طرح باز نہ آئے اور اللہ کے رسولوں کی ایک نہ مانی۔ اللہ کے سوا دوسروں سے مرادیں مانگتے رہے اور بت پرستی کا ایک بہانہ یہ تراشا کہ خدا کی درگاہ تو بہت بلند ہے ہماری اس تک پہنچ کہاں۔ یہی ہمارے بت خدا کے قریب ہمیں پہنچاتے ہیں اور ہمیں بڑے بڑے درجے دلواتے ہیں تو عذاب الٰہی کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی تو اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے؟ انہیں چاہئے تھا کہ ان کو مدد کے لئے پکارتے کہ اس مشکل وقت میں ہمیں بچاؤ۔ وہ ان کو عذاب میں گرفتار دیکھ کر کہاں چل دیئے جو ایسی مصیبت میں بھی کام نہ آ سکے؟ معلوم ہوا کہ بتوں کو خدا بنانا اور ان سے امیدیں قائم رکھنا اور ان کی پوجا پاٹ کرنا محض جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں اور صاف افترا اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے۔ پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکے اور نقصان ہی میں رہے۔

اب آگے بعض جنات کے اسلام لانے کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جنات جو کہ تکبر و سرکشی میں انسان سے بھی زیادہ ہوتے ہیں وہ تو تکبر چھوڑ کر کفر سے دست بردار ہو گئے مگر تم اے اہل مکہ انسان ہو کر کفر و تکبر سے باز نہیں آئے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جو ہم کو یہ آنکھ کان اور دل و دماغ عطا فرمائے ہیں تو ان کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور دین کو سمجھنے اور حق کو دیکھنے اور باطل کو جاننے میں یہ ہمارے مددگار ہوں۔ یا اللہ ہمیں اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی وہ عظمت و وقعت نصیب فرما کہ ہم سے کسی معاملہ میں آپ کے احکام کی نافرمانی نہ ہو اور ہم ان کو ہلکا سمجھ کر ان سے لاپروائی نہ برتیں۔ یا اللہ آپ نے دنیا میں نافرمان قوموں کی ہلاکت و تباہی کی جو خبریں دی ہیں وہ ہماری عبرت کے لئے کافی ہوں تا کہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں اور آپ کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا

اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے، غرض جب وہ قرآن کے پاس آ پہنچے، کہنے لگے کہ خاموش رہو، پھر جب

قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ

قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے۔ کہنے لگے کہ اے بھائیو ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ

جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنْ

اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو شخص

لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۚ اُولٰٓئِكَ

اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا، اور خدا کے سوا اس کا کوئی حامی بھی نہ ہوگا۔ ایسے لوگ

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

صریح گمراہی میں ہیں۔

وَ اِذْ اور جب	صَرَفْنَآ ہم پھیر لائے	اِلَيْكَ آپ کی طرف	نَفَرًا ایک جماعت	مِّنَ الْجِنِّ جنات کی	يَسْتَمِعُوْنَ وہ سنتے تھے	الْقُرْاٰنَ قرآن	
فَلَمَّا پس جب	حَضَرُوْهُ وہ حاضر ہوئے انکے پاس	قَالُوْٓا انہوں نے کہا	اَنْصِتُوْا چپ رہو	فَلَمَّا پھر جب	قُضِيَ (پڑھنا) تمام ہوا	وَلَّوْا وہ لوٹے	
اِلٰى طرف	قَوْمِهِمْ اپنی قوم	مُّنْذِرِيْنَ ڈرساتے ہوئے	قَالُوْا انہوں نے کہا	يٰقَوْمَنَآ اے ہماری قوم	اِنَّا سَمِعْنَا بیشک ہم نے سنی	كِتٰبًا ایک کتاب	
اُنْزِلَ نازل کی گئی	مِنْۢ بَعْدِ بعد	مُوْسٰى موسیٰ	مُصَدِّقًا تصدیق کرنیوالی	لِّمَا اسکی جو	بَيْنَ يَدَيْهِ اس سے (اپنے سے)	يَهْدِيْٓ وہ رہنمائی کرتی ہے	
اِلَى الْحَقِّ حق کی طرف	وَ اِلٰى اور طرف	طَرِيْقٍ راہ	مُّسْتَقِيْمٍ راست	يٰقَوْمَنَآ اے ہماری قوم	اَجِيْبُوْا قبول کرلو	دَاعِيَ اللّٰهِ اللہ کی طرف بلانے والا	
وَ اٰمِنُوْا اور ایمان لے آ	بِهٖ اس پر	يَغْفِرْ لَكُمْ بخش دیگا تمہیں	مِّنْ سے	ذُنُوْبِكُمْ تمہارے گناہ	وَ اور	يُجِرْكُمْ وہ پناہ دے گا تمہیں	مِّنْ سے
عَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب	وَ مَنْ اور جو	لَّا يُجِبْ نہ قبول کریگا	دَاعِيَ اللّٰهِ اللہ کیطرف بلانے والا	فَلَيْسَ تو نہیں	بِمُعْجِزٍ عاجز کرنے والا		
فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَ لَيْسَ اور نہیں	لَهٗ اس کیلئے	مِنْ دُوْنِهٖٓ اس کے سوا	اَوْلِيَآءُ حمایتی	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	فِيْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ گمراہی کھلی

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں انسانوں کے تکبر اور سرکشی و نافرمانی کا بیان ہوا تھا اور اہل مکہ کو سمجھایا گیا تھا کہ اللہ کو نہ ماننے اور اس کے رسول کی نافرمانی کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اب آگے ان آیات میں نافرمان و سرکش انسانوں کے مقابل جنات کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال سنایا جاتا ہے جس سے کفار مکہ کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ جنات جو طبعی طور پر تکبر و سرکشی میں انسان سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اس کے بعض افراد کس طرح اللہ کا کلام سن کر موم ہو جاتے ہیں اور تکبر چھوڑ کر کفر سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں انسان وحیوان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق جنات بھی ہے جس طرح انسان کی ابتدائی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے جنات کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔ انسانوں کی طرح یہ بھی آسمانی شریعت اور احکام شرعیہ کے مکلّف ہیں اور انسانوں کی طرح جنات میں بھی توالد وتناسل کا سلسلہ جاری ہے ان میں بھی نیک وبد کافر ومسلم ہوتے ہیں لفظ جن کے معنیٰ پوشیدہ کے ہیں چونکہ یہ عام طور پر نظروں سے غائب رہتے ہیں اس لئے ان کا نام جن ہوا۔ یہ اپنی اصلی شکل میں انسانوں کو نظر نہیں آتے اور جب اور جہاں جو شکل چاہیں اختیار کر لیتے اور ادھر ادھر دنیا میں جہاں چاہیں پھرتے رہتے ہیں تمام ارباب مذاہب جو کسی آسمانی مذہب کے قائل ہیں وہ ''جن'' کا وجود تسلیم کرتے ہیں لیکن دنیا میں انسان افراط وتفریط سے بھی کم ہی محفوظ رہتے ہیں چنانچہ بعض عقل کے دشمنوں نے ان کے وجود کو ماننے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ عقلاً کوئی وجہ انکار کی نہیں سوائے اس کے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں اور ہمیں دکھائی نہیں دیتے لیکن کسی چیز کا ہم کو نظر نہ آنا یا اس کی کیفیت کا ہمیں معلوم نہ ہونا اس کے وجود میں نہ ہونے کی دلیل کب ہے۔ قرآن مجید اور احادیث متواترہ کے نصوص جب صراحت کے ساتھ ''جن'' کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں اور بہت سی احادیث میں تو رویت جن کا بھی ذکر ہے تو پھر کسی مسلمان کا ان کو ماننے سے انکار کرنا کیا معنیٰ خصوصاً جبکہ ہر زمانہ میں ایسے سچے لوگ بھی گزرے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنات کو مختلف صورتوں میں دیکھا ہے مگر یورپ کے دہریئے ہوں یا روس کے کمیونسٹ ہوں یا بے دین نیچری ہوں یا بعض محض نام کے مسلمان ان بے دینوں کے مقلد ہوں ایسی چیزوں کا صفحہ عالم پر وجود ہی نہیں سمجھتے اور جو چیز محسوس نہ ہو اس کو لاشے محض کہتے ہیں۔ وہ نہ جنات ملائکہ اور شیاطین کے جداگانہ وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ نہ کسی رسول پیغمبر نبی کے معجزہ کو حق مانتے ہیں نہ اولیاء کی کرامت کے قائل ہوتے ہیں نہ خدا اور رسول کے مقر ہوتے ہیں۔ نہ خدائے قدیر کی بے انتہا قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ایسے ملحدوں اور بے دینوں سے تو یہاں خطاب ہی نہیں باقی جو اللہ کے کلام اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو صادق تسلیم کرتے ہیں ان کو جنات کے وجود میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل جنات کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہب یعنی آگ کے شعلوں کی مار جنات پر پڑنے لگی۔ جنات کو خیال ہوا کہ ضرور دنیا میں کوئی نیا اور خاص واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھلا دیئے گئے ہیں۔ اسی کی جستجو میں جنات کے مختلف گروہ مشرق ومغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت ''بطن نخلہ'' جو طائف اور مکہ کے درمیان ایک جگہ ہے وہاں گزری وہاں اتفاق سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر ادا فرما رہے تھے اور قرآن پاک کی بآواز بلند تلاوت فرما رہے تھے جنات کی جو جماعت ادھر آ گئی تو قرآن انہیں بہت عجیب موثر اور دلکش معلوم ہوا اور قرآن کی عظمت وہیبت ان کے دلوں پر چھا گئی وہ آپس میں کہنے لگے کہ خاموشی کے ساتھ کلام پاک سنو۔ آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا اور وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ نئی چیز ہے جس نے جنات کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہرحال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے تو یہ جنات اپنے دلوں میں ایمان ویقین لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ جنات کی حاضری کا اس وقت کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے بڑی خستہ حالی کے ساتھ واپس مکہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں آپ نے نخلہ میں قیام کیا اور یہاں آپ نماز میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے کہ جنات کا ایک گروہ جس کا ادھر سے گزر ہوا آپ کی قرأت سننے کے لئے ٹھہر گیا۔ بہرحال تمام اکابر مفسرین ومحدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ جنات کی پہلی حاضری کا واقعہ ہے جو یہاں ان آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے اور اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ اس موقع پر جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں آئے تھے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو ان کے آنے جانے اور قرآن سننے سنانے کا پتہ لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کے آنے اور قرآن سننے کی تفصیلاً خبر دی اور سورۂ جن نازل فرمائی۔ اس کے بعد پے در پے جنات کے وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور بہت بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کے لئے رو در رو ملاقاتیں ہونے لگیں۔ اس بارے میں جو روایات کتب احادیث میں منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے کم از کم چھ وفود جنات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان ہی میں سے ایک وفد کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رات بھر غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گزرتا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکہ دے دیا اور خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا کی طرف سے واپس آرہے ہیں تو ہم نے رات کی ساری کیفیت بیان کر دی۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا جس کے ساتھ جا کر انہیں میں نے قرآن سنایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات تم میں سے کون میرے ساتھ جنوں کی ملاقات کے لئے چلتا ہے میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا مکہ کے بالائی حصہ میں ایک جگہ لکیر کھینچ کر حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اس سے آگے نہ بڑھنا پھر آپؐ آگے تشریف لے گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے اشخاص ہیں کہ جنہوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے اور وہ میرے اور آپ کے درمیان میں حائل ہیں۔

الغرض کفار مکہ کے تکبر اور کفر کی مذمت میں یہ واقعہ سنایا جا رہا ہے کہ جنات جو کہ تکبر میں انسان سے زیادہ ہوتے ہیں وہ تو تکبر چھوڑ کے کفر سے دست بردار ہو گئے مگر تم اے اہل مکہ گو انسان ہو مگر کفر و تکبر سے باز نہیں آتے۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار سے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ اللہ تعالیٰ جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آیا اور وہ قرآن کی آواز سن کر اس کے سننے کی طرف متوجہ ہوئے اور جب وہ آپ کے پاس آ پہنچے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ اور اس کلام کو سنو کہ کیا پڑھا جا رہا ہے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن پڑھ چکے تو وہ جنات اس پر ایمان لے آئے اور چپ چاپ اپنی قوم کے پاس یہ خبر پہنچانے واپس گئے اور جا کر اپنی قوم جنات سے انہوں نے کہا کہ ہم ایک عجیب کلام سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کیا گیا ہے اور جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور جس میں سچے عقیدہ اور عمل کا صحیح راستہ بتلایا گیا ہے تو اے قوم جنات تم اس اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اور ان کی رسالت پر یقین کر لو اور جو گناہ حالت کفر میں کر چکے ہو۔ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو جائیں گے اور جو کہنا نہ مانے گا تو وہ کہیں بھاگ کر خدا کی مار سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی اسے بچا سکتا ہے اور ایسے لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں کہ باوجود داعی الی اللہ کے حق ہونے پر ان کی بات نہیں مانتے۔

یہاں آیت میں جنات نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب انجیل کا ذکر چھوڑ دیا تو اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ انجیل اکثر شرائع میں توراۃ کے تابع تھی اور وہ دراصل توراۃ کو پورا کرنے والی تھی۔ اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے حرام و حلال کے مسائل بہت کم تھے۔ پس اصل چیز یعنی مستقبل کتاب توراۃ ہی رہی اسی لئے ان جنات نے اسی کا ذکر کیا۔

اب خاتمہ کی آیات میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور کفار و منکرین کو اپنے کفر کی بنا پر سزا پانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایذائیں پہنچا رہے تھے ان پر آپ کو صبر و تحمل کرنے کی تلقین فرمائی گئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يُحْيِ

کیا اُن لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے،

الْمَوْتٰى ۚ بَلٰى إِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَلَيْسَ

کیوں نہ ہو بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز وہ کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جاویں گے (ان سے پوچھا جاوے گا) کیا یہ دوزخ

هٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلٰى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ فَاصْبِرْ كَمَا

امرِ واقعی نہیں ہے وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے، ارشاد ہوگا تو اپنے [illegible] میں اس کا عذاب چکھو۔ تو آپ صبر کیجئے، جیسے

صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ

اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا، اور ان لوگوں کیلئے انتقام (الٰہی) کی جلدی نہ کیجئے، اور جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے

لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُونَ ۝

جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے، تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں، یہ پہنچا دینا ہے، سو وہی برباد ہوں گے جو نافرمانی کریں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا کیا نہیں دیکھا انہوں نے	اَنَّ کہ	اللّٰہَ اللہ	الَّذِیْ وہ جس نے	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ پیدا کیا آسمانوں کو	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَلَمْ یَعْیَ اور وہ تھکا نہیں	
بِخَلْقِهِنَّ ان کے پیدا کرنے سے	بِقٰدِرٍ وہ قادر ہے	عَلٰی پر	اَنْ یُّحْیِ کہ وہ زندہ کرے	الْمَوْتٰی مُردے	بَلٰی ہاں	اِنَّہٗ بیشک وہ	عَلٰی پر
کُلِّ شَیْءٍ ہر شے	قَدِیْرٌ قدرت رکھنے والا	وَیَوْمَ اور جس دن	یُعْرَضُ پیش کئے جائیں گے	الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا (کافر)			
عَلَی النَّارِ آگ کے سامنے	اَلَیْسَ کیا نہیں	ھٰذَا یہ	بِالْحَقِّ حق	قَالُوْا وہ کہیں گے	بَلٰی ہاں	وَرَبِّنَا ہمارے رب کی قسم	قَالَ وہ فرمائے گا
فَذُوْقُوْا پس تم چکھو	الْعَذَابَ عذاب	بِمَا وہ جس	کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ تم انکار کرتے تھے	فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	کَمَا جیسے	صَبَرَ صبر کیا	
اُولُو الْعَزْمِ اولو العزم	مِنَ سے	الرُّسُلِ رسولوں	وَلَا تَسْتَعْجِلْ اور جلدی نہ کریں	لَهُمْ ان کیلئے	کَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ		
یَوْمَ یَرَوْنَ جس دن دیکھیں گے وہ	مَا یُوْعَدُوْنَ جس کا وعدہ کیا جاتا ہے ان سے	لَمْ یَلْبَثُوْا وہ نہیں ٹھہرے	اِلَّا مگر۔صرف	سَاعَۃً ایک گھڑی			
مِنْ نَّهَارٍ دن کی	بَلٰغٌ پہنچانا	فَهَلْ یُهْلَكُ پس نہیں ہلاک ہوں گے	اِلَّا مگر	الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ نافرمان لوگ			

تفسیر وتشریح: یہ سورۂ احقاف کی خاتمہ کی آیات ہیں گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنات کی ایک جماعت نے قرآن کریم سن کر بڑا اثر لیا اور انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم جنات کو سمجھایا کہ ہم ایک عجیب کلام سن کر آئے ہیں جو دین حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لئے تم سب اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اگر ایسا کرو گے تو جیسا اس کلام میں وعدہ کیا گیا ہے تمہارے گذشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور آخرت میں تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا ورنہ قیامت کے دن نافرمانی کی سخت سزا بھگتنی ہوگی تو جنات کے قرآن کریم سے متاثر ہو کر ایمان لانے اور قیامت وجزا وسزا پر یقین لے آنے کا واقعہ سنا کر سورۃ کے اخیر میں پھر کفار ومنکرین قیامت وحشر ونشر کو وقوع قیامت کا یقین دلایا جاتا ہے اور ایسے منکرین کو جو قیامت میں سزا ہوگی وہ یاد دلائی جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو جنہیں کفار ومشرکین ہر طرح کی شرارتوں اور ایذاؤں سے اس وقت ستا رہے تھے ہمت کے ساتھ صبر وسہار کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں یہ نہیں

دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آسمان وزمین جیسی عظیم الشان چیزوں کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور بنا کر کھڑا کر دیا اور اس آسمان وزمین کے بنانے میں حق تعالیٰ کو کوئی محنت ومشقت نہیں اٹھانی پڑی کہ اسے تکان ہو جاتی بلکہ صرف اس کے حکم ''کن'' سے موجود ہو گئے۔ تو جو اتنی کامل قدرت اور قوت والا ہو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے اور زندہ کر کے ان کے دنیا کے اعمال کا حساب لے اور اچھوں کو اچھائی کی جزا اور بروں کو برائی کی سزا دے؟ اس کا جواب حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تو ہر شے پر قادر ہے اور اسی میں موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا بھی شامل ہے۔ آگے وقوع قیامت اور یوم حشر ونشر کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب یہ منکرین جہنم میں ڈالے جانے سے پہلے جہنم کے کنارہ پر لا کر کھڑے کئے جائیں گے تو ایک مرتبہ پھر لاجواب اور بے حجت کیا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں اللہ کے وعدے اور دوزخ کا عذاب اب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک وشبہ اور انکار وتکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں؟ تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں؟ جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا درحقیقت صحیح نہیں؟ جہنم کا عذاب اور اس کا وجود واقعی چیز ہے یا نہیں؟ اس وقت یہ دنیا کے منکرین اور متکبرین سے سوائے اقرار کے کچھ بن نہ پڑے گا اور سب ذلیل ہو کر اقرار کریں گے کہ بے شک سب واقعی ہے جو دنیا میں کہا گیا تھا وہ سب حق نکلا۔ ہم غلطی پر تھے جو اس کا انکار کیا کرتے تھے خدا کی قسم اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں۔ اس وقت کہا جائے گا کہ اچھا اب اس انکار وتکذیب کا مزہ چکھو تو یہاں سے صاف سمجھ میں آیا کہ انسان کو دنیا میں جتنی سمجھ بوجھ اور عقل ودانائی دی گئی ہے وہ اگر اس سے صحیح طور پر اور ٹھیک طریقہ سے کام لے تو تین باتیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

(۱) ایک آسمان وزمین کو دیکھ کر وہ ضرور پہچان لے گا کہ اس کا بنانے والا کوئی ایک قادر مطلق ضرور ہے پھر کائنات کے اس باقاعدہ نظام کو دیکھ کر وہ سمجھ لے گا کہ اس کا قائم رکھنے والا بھی وہی ایک ہے اور اس کا مقابل ومزاحم کوئی دوسرا نہیں اور وہ اللہ کی ذات عالی ہے۔

(۲) دوسرے انسان کو دنیا میں غلط راستہ سے بچانے اور صحیح راستہ پر ڈالنے کے لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنے رسول ہادی اور پیغمبر بھیجے اور ان کو ہدایت نامہ دے چنانچہ دنیا میں رسولوں کا سلسلہ اور ان کو کتابوں کا ملنا برحق ہے جس کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو آخری کتاب قرآن کریم عطا ہوئی۔

(۳) تیسرے انسان کی اس دنیا کی زندگی کے عمل اور کارنامہ کی جزا وسزا از روئے عدل وانصاف لازمی اور ضروری ہونی چاہئے اور اس کے لئے ایک دوسری زندگی ہونی چاہئے جس میں وہ جزا وسزا پوری ہوں اور اسی کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے۔

سورۃ کے اخیر میں بطور تسلی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا آپ کی قدر ووقعت نہ کی آپ کی مخالفت اور ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو یہ کوئی آپ کے ساتھ نئی بات نہیں ہے۔ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کیجئے کہ کیسی کیسی ایذائیں اور مصیبتیں اور تکلیفیں سہیں؟ اور کن کن مخالفوں کی مخالفت کو برداشت کیا؟ تو جب آپ کو معلوم ہو چکا کہ ان منکرین کو سزا ملنی ضرور ہے آخرت میں ملے یا دنیا میں بھی۔ تو آپ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں بلکہ میعاد معین تک صبر کرتے رہیں جیسا اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے۔ بعض علمائے سلف نے لکھا ہے کہ یوں تو سبھی پیغمبر اولوالعزم یعنی ہمت والے ہوتے ہیں لیکن عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین کو ہمت دلائی گئی کہ ان کافروں کی شرارت وایذاؤں سے نہ گھبرائیں اور ان کے معاملہ میں انتقام الٰہی کی جلدی نہ کریں اور معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ جب ان کو آخرت میں سزا ملے گی اور جب یہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس وقت غایت شدت عذاب سے انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا یہ لوگ دنیا میں صرف ایک گھڑی رہے ہیں یعنی دنیا کی طویل مدت اتنی قصیر اور چھوٹی معلوم ہوگی سورۃ کے آخری جملہ میں تمام باتوں کا لب لباب اور خلاصہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کو نصیحت کی بات پہنچا دی اور سب نیک وبد سمجھا دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اتمام حجت ہو چکا کہ اب تبلیغ کے بعد کسی کو کوئی عذر نہیں رہا۔ اب جو نہ مانیں گے اور نافرمانی کریں گے وہی برباد ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی کو بے قصور نہیں پکڑتے اس کی طرف سے حجت تمام ہو چکی اور تمام انسانوں کو ایک پیغام پہنچا دیا اب جو اس پیغام کو نہ مانیں گے اور اس کے نافرمان ہو کر رہیں گے انہی کی شامت آئے گی۔

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا خدا نے اُن کے عمل کالعدم کر دیئے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ

اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے امر واقعی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا، اور ان کی حالت

بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ

درست رکھے گا یہ اسی وجہ سے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور اہلِ ایمان صحیح راستہ پر چلے۔ جو ان کے رب کی طرف سے ہے،

رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کیلئے اُن کے حالات بیان فرماتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ جو لوگ	كَفَرُوْا کافر ہوئے	وَصَدُّوْا اور انہوں نے روکا	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	اَضَلَّ اکارت کر دیئے		
اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	وَاٰمَنُوْا اور وہ ایمان لائے		
بِمَا نُزِّلَ اس پر جو نازل کیا گیا	عَلٰى مُحَمَّدٍ محمدؐ پر	وَهُوَ اور وہ	الْحَقُّ حق	مِنْ سے	رَّبِّهِمْ ان کا رب	كَفَّرَ اس نے دُور کر دیئے	عَنْهُمْ ان سے
سَيِّاٰتِهِمْ انکی بُرائیاں (گناہ)	وَاَصْلَحَ اور درست کر دیا	بَالَهُمْ ان کا حال	ذٰلِكَ بِاَنَّ یہ اس لئے کہ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا			
اتَّبَعُوْا انہوں نے پیروی کی	الْبَاطِلَ باطل	وَاَنَّ اور یہ کہ	الَّذِيْنَ جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	اتَّبَعُوْا انہوں نے پیروی کی	الْحَقَّ حق	
مِنْ رَّبِّهِمْ اپنے رب (کی طرف) سے	كَذٰلِكَ اسی طرح	يَضْرِبُ اللّٰهُ اللہ بیان کرتا ہے	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	اَمْثَالَهُمْ ان کی مثالیں			

تفسیر و تشریح: الحمدللہ ۲۶ ویں پارہ کی سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان شروع ہو رہا ہے اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام و زمانہ نزول خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتداء ہی میں ایمان والوں کے متعلق بتلایا گیا وامنوا بما نزل علیٰ محمد (اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے) اس سورۃ کا نام محمد اسی جملہ سے ماخوذ ہے یہ سورۃ مدنی ہے اور مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۴۷ ویں سورۃ ہے۔ مگر بحساب نزول اس کا شمار ۹۶ لکھا ہے یعنی ۹۵ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۱۸ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۳۸ آیات ۴ رکوعات ۵۵۸ کلمات اور ۲۴۷۵ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں اس سورۃ کے مرکزی مضامین حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام کی مخالفت کرنے والے اور دین الٰہی کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنے والے دشمنان حق سے جہاد و قتال کی اجازت دی جاتی ہے۔

(۲) جہاد و قتال سے متعلق اصولی ہدایت و احکام دیئے جاتے ہیں۔

(۳) منافقین اوران کی ریشہ دوانیوں کی نشان دہی فرمائی جاتی ہے۔

(۴) اطاعت الٰہی اوراتباع رسول کی تاکید فرمائی جاتی ہے۔

(۵) دنیا کی زندگی کی حقیقت بتلائی جاتی ہے کہ یہ ایک زمانہ مہلت ہےاورآزمائش کادور ہے۔

(۶) بخل کی مذمت فرما کراللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کاحکم دیاجاتا ہے۔

(۷) کفار ومشرکین کی دنیااورآخرت میں نامرادیوں کی پیشین گوئی فرمائی جاتی ہےاورمسلمانوں کوانجام کارکامیابی کی بشارت دی جاتی ہے۔

یہ تو ہیں خاص مضامین اس سورت کے لیکن خلاصہ پوری سورت کا یہ ہے کہ سورت کی ابتدا میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اوراس کے رسول اوراس کی کتاب اوراس کے دین کا دنیا میں انکار کر دیا وہ اپنے گمان میں چاہے جتنے نیک کام کریں لیکن اللہ کے ہاں آخرت میں وہ سب بیکار ہیں۔اوران سے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ہاں جولوگ اللہ کو مان کراور قرآن کوسچا جان کر نیک کام کریں گےاورقرآن کواپنا رہنما قرار دیں گے ان کی دنیا اورآخرت دونوں سنور جائیں گے پھر اہل اسلام کوحکم دیا جاتا ہے کہ اگر کافراپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور ان سےلڑنا ہی پڑ جائے تو ہمت اور بہادری سے کام لواوران کی گردنیں اڑاؤ اوران کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرو کیونکہ دنیا سے فسادکااورفسادیوں کا مٹانا امن وامان کا قائم کرنا ضروری ہے جب فسادی پست ہو جائیں اورلڑائی رک جائے تو باقی ماندہ فسادیوں کو قید کرلواس کے بعد جیسی مصلحت ہوان کے ساتھ سلوک کرواگر چھوڑ دینے میں مصلحت ہو یوں ہی چھوڑ دوورنہ ان سے کچھ معاوضہ لے لو۔اللہ تعالیٰ فسادیوں کو یوں بھی ہلاک وتباہ کرسکتا تھا لیکن چونکہ بندوں کی آزمائش مقصود ہےاس لئے ان سےلڑنے کاحکم دیا گیا تاکہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کوانعام واکرام سے مالا مال کیا جائے۔اور جواللہ کے لئے لڑتا ہوا مارا جائے اس کواس کی قربانی کی پوری پوری جزادی جائے۔پھرایمان والوں کونصیحت کی جاتی ہے کہ اے ایمان والواگرتم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا پھر کافروں کوتنبیہ کی جاتی ہے کہ ان کو پہلے زمانہ کے کافروں کے حالات دیکھ کراورسن کران سے عبرت لینی چاہئے وہ لوگ ان منکرین سے بہت زیادہ زبردست تھے لیکن ان کے اعمال کی شامت سے اللہ نے انہیں تباہ کر دیا۔جب وہی نہیں بچے تو یہ کیا بچیں گے اورآخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔پھر منافقوں کی قلعی کھولی گئی ہے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے لیکن جب دشمنوں سےلڑنے کا حکم دیا گیا تو لگے بزدلی دکھانے اور جان چرانے ایسے منافقوں کے متعلق بتایا گیا کہ یہ سب اپنی خواہشوں کے غلام ہیں اور سیدھی راہ سے بہت دور ہیں ان کی آنکھیں قیامت ہی کوکھلیں گی لیکن اس وقت کی بیداری سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔اخیر میں اہل اسلام کو ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ تم توحید کومضبوط پکڑواوراپنے لئے اور ایمان والوں کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہو اسلام کا سیدھا راستہ سچے دل سے اختیار کرواللہ کی اوراس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرواورتمام ارکان اسلام مثل زکوۃ وغیرہ ادا کرو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرواورایسا کرنے میں تمہارا ہی بھلا ہے دین کا بھی اور دنیا کا بھی اوراگر بخل کرو گے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے جان چراؤ گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔اللہ کو تو تمہارے مال کی ضرورت نہیں وہ تواحتیاج سے پاک ہے البتہ تم ہر طرح اللہ کے محتاج ہواس لئے اگرتم حکم ماننے سے جی چراؤ گے تو اللہ تمہارے بدلہ کوئی اور قوم کھڑی کر دے گا جو تمہاری طرح نافرمانی نہ کرے گی یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاءاللہ بیان ہوں گی۔

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔سورۃ کی ابتدا کافراورمومن کے درمیان جوامتیاز ہےاس کے بیان سےفرمائی جاتی ہےاور بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کا ارتکاب کیا یعنی اللہ کی وحدانیت اوراس کی الوہیت کوتسلیم نہ کیا اللہ کے رسول کا کہنا نہ مانا۔اللہ کی کتاب کے احکام وقوانین کے مطابق اپنی زندگی نہ گزاری اور

اس کے بتلائے ہوئے عقیدوں کے خلاف عقیدہ رکھے اور پھر یہ سب کچھ صرف اپنی ذات ہی سے نہ کیا بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکا اور اسلام دشمنی میں ہر طرح سے کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور ان کی نیکیاں جو انہوں نے اپنے زعم میں کی تھیں سب آخرت میں بیکار ہوگئیں بوجہ عدم ایمان کے اس لئے آخرت میں ان کو ان کا کوئی بہتر نتیجہ نہیں مل سکتا اور برخلاف ان کے جو لوگ دنیا میں دل سے ایمان لائے اور جسم سے مطابق شرع کام کئے یعنی ظاہر و باطن دونوں خدا کی طرف جھکا دیئے اور احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری اختیار کی اور اس وحی الٰہی کو بھی مان لیا جو پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے یعنی اس کتاب کو مانا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات اور گناہوں کو معاف فرما دے گا اور دونوں جہاں میں ان کی حالت درست رکھے گا دنیا میں تو اس طرح کی ان کو اعمال صالحہ کی توفیق بڑھتی جائے گی اور آخرت میں اس طرح کہ ان کو مغفرت ونجات حاصل ہوگی یہاں جو مومنین کی خوشحالی اور کفار کی بدحالی بیان فرمائی گئی آگے اس کی وجہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ کفار کے اعمال آخرت میں غارت کردینے اور مومنوں کی برائیاں معاف فرمادینے اور ان کی شان سنوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح راستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ اس طرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے تا کہ باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت ان کے پوری طرح ذہن نشین ہوجائے۔

یہاں آیت والذین اٰمنوا و عملواالصٰلحٰت واٰمنوا بما نزل علیٰ محمد میں یہ لائق غور ہے کہ یہاں دومرتبہ اٰمنوا کا لفظ استعمال کیا گیا حالانکہ پہلے اٰمنوا میں یعنی جولوگ ایمان لائے اس میں اللہ پر ایمان لانا رسول اللہؐ پر ایمان لانا قرآن پر ایمان لانا سب شامل ہے مگر قرآن کی بزرگی اور بلندی مرتبہ کے اظہار میں پہلے اٰمنوا کے ساتھ پھر تخصیص سے فرمایا واٰمنوا بما نزل علیٰ محمد وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ تو یہاں صاف اس بات کی خبر ہے کہ ایمان جب پورا ہوتا ہے کہ جب قرآن پر پورا یقین ہو اور بڑا رکن ایمان کا یہی ہے اب یہاں ایک صحیح حدیث بخاری شریف کی سنئے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔ اس حدیث شریف پر محدثین نے لکھا ہے کہ انکار دو قسم پر ہے ایک یہ صاف زبان سے انکار کرے ایسا منکر تو کھلا ہوا کافر ہے اور وہ کبھی جنت میں نہیں داخل ہوسکتا دوسرا یہ کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرز عمل میں کھلے منکر کے مشابہ یہ گویا اقرار تو کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں گویا یہ بھی منکر ہے لہذا اسے بھی ان منکرین کے ساتھ کچھ عرصہ رہنا ہوگا گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر نجات ہوجائے تو معلوم ہوا کہ رسول کا یا قرآن کا محض زبان سے اقرار کرنا کافی نہیں جبکہ طرز عمل سے اس زبانی اقرار کے خلاف کرے کیونکہ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہیں تو زبانی دعویٰ تو آج ہر ایک مسلمان قرآن پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا کرتا ہے مگر اس حدیث سے اور واٰمنوا بما نزل علیٰ محمد یعنی اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ صاف معلوم ہوا کہ حقیقت ایمان کی اطاعت کے ساتھ ہے اور ایمان کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کریم کی تمام تعلیمات کو صدق دل سے قبول کیا جائے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی ایمان نصیب فرمائیں۔

الغرض یہاں کفار کا مفسد اور اللہ کے راستہ سے روکنے والا اور غلط راستہ پر چلنے والا بیان فرمایا گیا آگے ان مفسدین کے فساد دفع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے یعنی بعض احکام متعلقہ جہاد بیان فرمائے جاتے ہیں جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا

سوتمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خوں ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو، پھر اس کے بعد

مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ

یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں، یہ حکم بجالانا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

لیکن تاکہ تم میں ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

اللہ تعالیٰ اُن کو مقصود تک پہنچادے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی اُن کو پہچان کرادے گا۔ اے ایمان والو اگر تم

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔

فَاِذَا پھر جب تم	لَقِيْتُمُ بھڑ جاؤ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	فَضَرْبَ تو مارو تم	الرِّقَابِ گردنیں	حَتّٰى یہاںتک	اِذَا جب
اَثْخَنْتُمُوْهُمْ خوب خونریزی کرچکو انکی	فَشُدُّوا تو مضبوط کرلو	الْوَثَاقَ قید	فَاِمَّا پس یا	مَنًّا احسان کرو	بَعْدُ اس کے بعد	وَاِمَّا اور یا
فِدَآءً معاوضہ	حَتّٰى یہاںتک	تَضَعَ الْحَرْبُ رکھ دے لڑائی (لڑنے والے)	اَوْزَارَهَا اپنے ہتھیار	ذٰلِكَ یہ	وَلَوْ اور اگر	يَشَآءُ اللّٰهُ اللہ چاہتا
لَانْتَصَرَ ضرور انتقام لیتا	مِنْهُمْ ان سے	وَلٰكِنْ اور لیکن	لِيَبْلُوَا تاکہ آزمائے	بَعْضَكُمْ تم سے بعض کو	بِبَعْضٍ بعض (دوسرے) سے	
وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	قُتِلُوْا مارے گئے	فِيْ میں	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	فَلَنْ يُّضِلَّ تو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا	اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	
سَيَهْدِيْهِمْ وہ جلد ان کو ہدایت دے گا	وَيُصْلِحُ اور سنوارے گا	بَالَهُمْ ان کا حال	وَيُدْخِلُهُمُ اور داخل کرے گا انہیں	الْجَنَّةَ جنت		
عَرَّفَهَا لَهُمْ اسنے جس سے شناسا کردیا ہے انہیں	يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا جو لوگ ایمان لائے (مومن)	اِنْ اگر	تَنْصُرُوا اللّٰهَ تم مدد کروگے اللہ کی		
	يَنْصُرْكُمْ وہ مدد کریگا تمہاری	وَيُثَبِّتْ اور جمادے گا	اَقْدَامَكُمْ تمہارے قدم			

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں مومن اور کافر کے اعمال میں امتیاز وفرق بتلایا گیا تھا کہ اللہ کے دین کو قبول کر لینے کے باعث مومن کی نیکیاں ثابت اور برائیاں معاف فرمادی جاتی ہیں اور کافر کے نہ ماننے کے باعث یہ سزا ہے کہ نیکی برباد اور گناہ لازم تو مومن اور کافر کے اعمال کا آخرت میں فرق بتلا کر جتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کھول کھول کر لوگوں کو ان کے برے بھلے اعمال پر متنبہ کرتا ہے تاکہ وہ باطل پرستی کی نحوست اور شامت سے بچیں اور حق پرستی کی برکت کو حاصل کریں اور کفار کے متعلق یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ خود تو کافر ہوئے لیکن اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور اسلام دشمنی میں ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب کفار ایسے مفسد ہیں تو اللہ تعالیٰ اب اہل ایمان کو ان کے فساد دفع کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ سو جب حق و باطل کا مقابلہ ہو جائے اور اہل ایمان اور کفار میں جنگ چھڑ جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہئے باطل کا

زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے مفسد اور شریر مارے جائیں اور ان کے جتھے توڑ دیئے جائیں اس لئے ہنگامہ کارزار میں کسل وسستی بزدلی اور توقف وتردد کو ذرا راہ نہ دو اور دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو۔ جب ان کی کافی خون ریزی کے بعد اہل ایمان کی دھاک بیٹھ جائے اور ان مفسدین کا زور ٹوٹ جائے اس وقت ان کو قیدی بھی بنا سکتے ہو۔ یہ قید وبند ان کے لئے ممکن ہے تازیانہ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اپنی اور اہل اسلام کی حالت جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع ملے اور شدہ شدہ وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کرلیں یا اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو بدوں کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کردیں اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے کہ مسلمانوں کے احسان اور خوبی اخلاق سے متاثر ہوکر اسلام کی طرف راغب ہوں اور مسلمانوں کے دین سے محبت کرنے لگیں اور مسلمان یہ بھی کرسکتے ہیں کہ زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان کفار قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ اس میں کئی طرح کے فائدے ہیں۔ بہرحال حکم یہ ہے کہ اگر ان اسران جنگ کو ان کے وطن کی طرف مسلمان واپس کریں تو دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت بھی امام المسلمین کے نزدیک اصلح ہو اختیار کرسکتا ہے۔ ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنالینا یا قتل کردینا۔ احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہوسکتی تھی۔ البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور یہ قید وقتل اس وقت تک ہے جب تک کہ یہ حرب ضرب کا سلسلہ جاری ہے اگر لڑنے والے دشمن اپنے ہتھیار رکھ دیں اور جنگ موقوف ہوجائے یا مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلیں یا مصلحت کرلیں تو یہ سلسلہ قید وبند بھی موقوف ہوجائے گا۔

یہاں ان قرآنی احکام سے متعلق ان آیات کے تحت حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں ایک اہم بات یہ بھی لکھی ہے کہ "یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے۔ ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہوا اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہوجائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے۔ لہذا جو اسلامی ممالک اس معاہدہ میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے"۔ (معارف القرآن جلد ۸ ص ۲۷)

آگے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب میں اس کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو یہ قدرت ہے کہ ان کافروں اور دشمنان اسلام کو کوئی آسمانی عذاب بھیج کر "عاد" و "ثمود" وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے لیکن جہاد وقتال مشروع کر کے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا امتحان لینا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان ومال نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور کفار میں سے کتنے لوگ ان تنبیہی کارروائیوں سے بیدار ہوتے اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو اللہ نے دے رکھی ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستہ میں اس جہاد وقتال میں شہید ہوئے خواہ بظاہر یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں لیکن حقیقۃً وہ کامیاب ہیں اللہ ان کے کام ضائع نہ کرے گا بلکہ انجام کار ان کی محنت ٹھکانے لگائے گا ان کو جنت کی طرف راہ دے گا اور آخرت کے تمام منازل واحوال میں ان کا حال درست رکھے گا اور جس جنت کا حال ان کو انبیاء علیہم السلام کی زبان سے معلوم ہوچکا تھا وہ اس میں داخل کئے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اس کے دل کی کشش ادھر ہی ہوگی جہاں اس کو رہنا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہوگا کہ

جنتیوں کے دلوں میں خود بخود جنت کے اپنے اپنے مقام اور اس میں ملنے والی نعمتوں حور وقصور سے ایسی واقفیت کر دیجائے گی جیسے وہ ہمیشہ انہی میں رہتے اور ان سے مانوس تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنت ایک نیا عالم ہونے کی بنا پر اس میں ایک جنتی کو اپنا مقام تلاش کرنے میں اور وہاں کی چیزوں سے مناسبت اور تعلق قائم ہونے میں وقت لگتا اور ایک مدت تک اجنبیت کے احساس سے قلب مطمئن نہ ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے کہ تم دنیا میں جس طرح اپنی بیبیوں اور گھروں سے واقف اور مانوس ہو اس سے بھی زیادہ اپنے جنت کے مقام اور وہاں کی بیبیوں سے واقف اور مانوس ہو جاؤ گے۔ (مظہری، معارف القرآن جلد۹)

اور شہداء یعنی اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینے والوں کی خصوصیت میں حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس چھ باتیں ہیں۔ اول خون ٹپکنے میں اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں دوسرے بہشت میں جو اس کی جگہ ہے وہ دکھائی جاتی ہے۔ تیسرے وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور بڑی گھبراہٹ سے بے خوف رہتا ہے۔ چوتھے عزت کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے کہ ایک یاقوت اس میں کا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے بہتر ہے اور پانچویں ۷۲ حوروں سے اس کا نکاح ہوتا ہے اور چھٹے اس کے قرابت داروں میں سے ستر آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول ہوتی ہے۔ اخیر میں ایمان والوں کو خطاب ہوتا ہے کہ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو گے اور اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھے گا اور دشمنوں کے مقابلہ میں تمہارے قدم جما دے گا۔

یہاں یہ آیت بڑی قابل غور ہے یآیہا الذین امنوآ ان تنصروا االله ینصرکم و یثبت اقدامکم اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ تو اللہ کی مدد سے مراد ہے اللہ کے دین کی مدد یہاں صاف فرمایا گیا کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور جب اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں تو پھر کامیابی میں کیا شک؟ تو گویا اللہ کی مدد مشروط ہے اللہ کے دین کی مدد کے ساتھ اسی سے اس کی ضد بھی سمجھ لی جائے کہ اگر اللہ کے دین کی مدد نہیں کی جائے گی تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال نہ ہوگی اور پھر جب اللہ کی مدد شامل نہ ہوگی تو پھر جو درگت مسلمانوں کی بنے اور جو سزا ملے اور جو ناکامی پیش آئے وہ تھوڑی ہے مسلمانوں سے یہ خطاب صاف ظاہر فرما رہا ہے کہ اے مسلمانو اگر تم اللہ کی مدد کو اپنے شامل حال رکھنا چاہتے ہو تو پھر اللہ کے دین کی مدد کی شرط پوری کرنا بھی لازمی ہے اور اللہ کے دین کی مدد کیا ہے؟ یہی کہ زندگی کے ہر شعبہ میں دین کو قائم کیا جائے احکام شریعت جاری وساری ہوں تو انین خداوندی کی پابندی ہو۔ شعائر اسلام کا قیام ہو ان کی عظمت و بلندی ہو۔ قرآنی اوامر ونواہی کا نفاذ ہو جن باتوں کے کرنے کا اللہ و رسول نے حکم دیا ہے ان کا اتباع اور فرمانبرداری ہو اور جن باتوں سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے ان سے کامل اجتناب اور دوری اور پرہیز ہو حکومت ہو تو قرآن وسنت کے موافق عدالت وانصاف ہو تو قرآن و حدیث کے مطابق تعزیرات اور سزائیں ہوں تو اسلامی قوانین کے ماتحت الغرض قرآن میں ایک دو جگہ نہیں دسیوں جگہ یہ صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی حمایت و نصرت بندوں کے ساتھ ان کے ایمان واسلام کے ساتھ ہے اس لئے اللہ کی حمایت اور نصرت اور تائید حاصل جبھی ہو سکتی ہے جب ایمان و اسلام کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے اللہ تعالیٰ دین و اسلام کی سچی محبت و اطاعت ہم سب کو ہماری قوم کو ہمارے ملک کو اور تمام عالم کے مسلمانوں کو نصیب فرمائیں آمین۔ غرض کہ یہاں تک تو خطاب اور بیان اہل ایمان کے متعلق ہوا آگے کفار کے متعلق بیان ہے کہ دین و دنیا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا جو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ

اور جولوگ کافر ہیں اُن کیلئے تباہی ہے اوراُن کے اعمال کوخدا تعالیٰ کالعدم کردے گا۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کوناپسند کیا، سواللہ تعالیٰ نے ان کے

اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ

اعمال کواکارت کردیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں، اورانہوں نے دیکھا نہیں کہ جولوگ ان سے پہلے ہوگذرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا، کہ خدا تعالیٰ نے اُن پر

عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ

کیسی تباہی ڈالی، اوران کافروں کیلئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی

لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ

کارساز نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

نہریں بہتی ہوں گی، اور جولوگ کافر ہیں وہ عیش کررہے ہیں اوراس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے۔

وَ اور	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	فَتَعْسًا تو تباہی ہے	لَّهُمْ ان کیلئے	وَاَضَلَّ اور اس نے ضائع کردیئے	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل		
ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا اس لئے انہوں نے ناپسند کیا	مَآ جو	اَنْزَلَ اللّٰهُ نازل کیا اللہ نے	فَاَحْبَطَ تو اکارت کردیئے	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل		
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا کیا وہ چلے پھرے نہیں؟	فِى الْاَرْضِ زمین میں	فَيَنْظُرُوْا تو وہ دیکھ لیتے	كَيْفَ کیسا	كَانَ ہوا	عَاقِبَةُ انجام	الَّذِيْنَ ان لوگوں کا جو	
مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	دَمَّرَ تباہی ڈال دی	اللّٰهُ اللہ	عَلَيْهِمْ ان پر	وَلِلْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کیلئے	اَمْثَالُهَا ان کی مانند	ذٰلِكَ یہ	
بِاَنَّ اللّٰهَ اسلئے کہ اللہ	مَوْلَى کارساز	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کا جو ایمان لائے	وَاَنَّ اور یہ کہ	الْكٰفِرِيْنَ کافروں	لَا مَوْلٰى کوئی کارساز نہیں		
لَهُمْ ان کیلئے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	يُدْخِلُ داخل کرتا ہے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے نیک عمل کئے			
جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِىْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَالَّذِيْنَ اور جن لوگوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	يَتَمَتَّعُوْنَ وہ فائدہ اٹھاتے ہیں	
وَ اور	يَاْكُلُوْنَ وہ کھاتے ہیں	كَمَا جیسے	تَاْكُلُ کھاتے ہیں	الْاَنْعَامُ چوپائے	وَالنَّارُ اور آگ	مَثْوًى ٹھکانا	لَهُمْ ان کیلئے

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل اسلام کو جہاد وقتال کا حکم اور اس کی فرضیت کی حکمت بتلائی گئی تھی اوراس کی ترغیب میں کہا گیا تھا کہ جواہل ایمان اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مارے جاویں گے اور شہید ہوجائیں گے تو گوان کی جان جاوے گی مگران کواس جانبازی کا یہ نتیجہ ملے گا کہ وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے اس لئے اہل ایمان کو ترغیب دی گئی تھی کہ وہ جہاد میں قتل وقتال سے نہ ڈریں اور جی کھول کر بہادری سے کفار سے لڑیں۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی سنا دیا گیا تھا کہ اللہ کا حکم بجالانے والوں اوراس کا بول بالا کرنے والوں اوراس کے دین کی خاطر جان و مال قربان کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نصرت و مدد فرمائے گا اور دشمنوں کے مقابلہ میں اہل ایمان کے قدم جمادے گا۔ یہ تو حال اہل ایمان کا بیان فرمایا گیا تھا اب ان کے مقابلہ میں منکر چھپا ہے ان آیات میں کفار کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ جس طرح مومنین کے قدم جمادیئے جاتے ہیں اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرادیا جاتا ہے اور جیسے خدا کی طرف سے مومنین کی مدد کی جاتی

ہے اس کے خلاف کافروں کے کام برباد کر دیئے جاتے ہیں جب ان کافروں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ ان کے کام کیوں پسند کرے گا اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت ہے۔ دنیا ہی میں دیکھ لو منکروں کی کیسی گت بنی اور کس طرح ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے۔ تو کیا آج کے کافروں کو ایسی سزائیں نہیں مل سکتیں۔ چنانچہ کفار مکہ کو ایمان والوں کے ہاتھوں دنیا میں بھی سزا ہوئی اور آخرت میں تو ظاہر ہی ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ مومنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر ان کی مدد کرتا ہے۔ کافروں کا ایسا رفیق کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آ سکے۔ لکھا ہے کہ غزوۂ احد میں ابوسفیان جو اس وقت کافروں کے سردار تھے انہوں نے رجزیہ اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے اور کہا **اعلی ھبل اعلی ھبل** یعنی ھبل بت کا بول بالا ہو۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے۔ **اللہ اعلیٰ واجل** یعنی سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت اور اکرام والا اللہ ہی ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا **لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم** ہمارا عزیٰ بت ہے تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں بفرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ نے کہا **اللہ مولانا ولا مولالکم** اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایماندار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے خواہ دنیا میں کچھ ہی مزہ اڑا لیں لیکن ان کا اصلی ٹھکانہ جہنم ہے۔ دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور پیٹ بھرنا ہے۔ جسے یہ جانوروں کی طرح اناپ شناپ سے بھر رہے ہیں۔ نہ حلال حرام کی تمیز نہ جائز ناجائز کا امتیاز۔ بس پیٹ بھرنے سے مقصود۔ نتیجہ کی خبر نہیں کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا۔ اچھا چند روزہ دنیا کے مزے اڑا لیں آگے آگ کا گھر ان کے لئے تیار ہے۔

اب یہاں ان آیات میں خالص کافروں کی دنیا اور آخرت کی تباہی کا سبب یہ بتلایا گیا کہ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا۔ اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکامات کو ناپسند کرنا یہ خالص کفار کی صفت بیان کی گئی اور کس درجہ کا شدید جرم ہے مگر آج اسلام کا لیبل لگا کر ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکامات کو ناپسند کرتے ہیں۔ مثلاً پانچ وقت کی جماعت سے مسجد میں آ کر نماز پڑھنا ان کے لئے تضیع اوقات ہے۔ مہینہ بھر کے روزہ رکھنا یہ ایک ان کے لئے صریح جبر ہے۔ مالداروں پر حج کا فرض ہونا اور قومی دولت کو غیر ملک میں جا کر خرچ کر دینا یہ ایک ناگوار امر ہے۔ شراب کو کیسے بند کیا جا سکتا ہے جبکہ غیر ملکیوں کی مہمانی کا یہ لازمی جزو ہے۔ چور کا ہاتھ کیونکر کاٹا جا سکتا ہے کیونکہ یورپ والے اسے غیر مہذب سزا کہتے ہیں۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیسے کیا جائے کہ یہ بے رحمی کی سزا ہے۔ سود کو بند کیسے کیا جائے کہ بغیر اس کے لئے دیئے تجارت اور معاشرہ میں ترقی کیسے ہو سکتی ہے۔ غرض اللہ کے نازل کئے ہوئے احکامات کو ناپسند کرنے والا ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے کہ جو شریعت اسلامیہ کے قوانین اور احکام انہیں ایک نظر نہیں بھاتے اور پھر بوالعجبی یہ کہ ساتھ ہی اسلام اور ایمان کا دعویٰ ہے۔ اے کاش کوئی ان کو یہ آیات ہی سنا دے۔ اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صحیح حدیث سنا دے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ بن جائے جو میں لایا ہوں۔ اب تو وہ وقت ہے کہ اپنی خواہشات کو دین کے تابع بنانا تو درکنار اب تو مظلوم دین کو اپنی خواہشات کا تابع بنایا جا رہا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر بس رحم ہی فرمائیں۔ اور ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرما دیں۔ آمین۔ الغرض دین ایمان و اسلام اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور تعلق یہ دونوں جہان میں کامیابی کا باعث ہے۔ اور ان سے دوری اور بیزاری اور علیحدگی دین و دنیا دونوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہے خواہ دیر ہو یا سویر۔ اسی کی کچھ مزید تشریح اور تائید اگلی آیات میں فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا سو اُن کا کوئی مددگار نہ ہوا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾ مَثَلُ

تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں گے کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی اُن کو مستحسن معلوم ہوتی ہے اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا، اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا،

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ

اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا، اور اُن کیلئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے

الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿١٥﴾

اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی، کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پینے کو دیا جاوے گا سو وہ اُن کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

وَكَاَيِّنْ اور بہت سی	مِّنْ قَرْيَةٍ بستیاں	هِيَ وہ	اَشَدُّ بہت ہی سخت	قُوَّةً قوت میں	مِّنْ قَرْيَتِكَ آپ کی بستی سے	الَّتِيْٓ وہ جس		
اَخْرَجَتْكَ آپ کو نکال دیا	اَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے ہلاک کر دیا انہیں	فَلَا نَاصِرَ تو کوئی نہ مدد کرنیوالا	لَهُمْ ان کیلئے	اَفَمَنْ پس کیا جو	كَانَ ہے	عَلٰى پر		
بَيِّنَةٍ روشن راستہ	مِّنْ رَّبِّهٖ اپنے رب سے۔کے	كَمَنْ اس کی طرح	زُيِّنَ لَهٗ آراستہ دکھائے گئے اس کو	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ اس کے برے عمل				
وَاتَّبَعُوْٓا اور انہوں نے پیروی کی	اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	مَثَلُ مثال (کیفیت)	الْجَنَّةِ جنت	الَّتِيْ وُعِدَ وہ جو وعدہ کی گئی	الْمُتَّقُوْنَ پرہیزگاروں			
فِيْهَآ اس میں	اَنْهٰرٌ نہریں	مِّنْ سے۔کی	مَّآءٍ پانی	غَيْرِ اٰسِنٍ بدبو نہ کرنیوالا	وَاَنْهٰرٌ اور نہریں	مِّنْ لَّبَنٍ دودھ کی	لَّمْ نہ	يَتَغَيَّرْ متغیر ہونے والا
طَعْمُهٗ اس کا ذائقہ	وَاَنْهٰرٌ اور نہریں	مِّنْ خَمْرٍ شراب کی	لَّذَّةٍ سراسر لذت	لِّلشّٰرِبِيْنَ پینے والوں کیلئے	وَاَنْهٰرٌ اور نہریں	مِّنْ عَسَلٍ شہد کی		
مُّصَفًّى مصفّٰی	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	فِيْهَا اس میں	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے پھل	وَمَغْفِرَةٌ اور بخشش	مِّنْ رَّبِّهِمْ انکے رب سے	كَمَنْ اسکی طرح جو		
هُوَ وہ	خَالِدٌ فِي النَّارِ ہمیشہ رہنے والا آگ میں	وَ اور	سُقُوْا انہیں پلایا جائے گا	مَآءً حَمِيْمًا پانی گرم	فَقَطَّعَ ٹکڑے ٹکڑے ڈالیگا	اَمْعَآءَهُمْ انکی انتڑیاں		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان اور کفار دونوں کا حال وانجام بیان فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جو دنیا میں ایمان لائے اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بھی کئے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کی۔ دنیا میں جن اعمال کے کرنے کو کہا ان کو کیا اور جن اعمال سے منع کیا گیا ان سے باز رہے تو ایسے لوگوں کو آخرت میں بہشت کے باغات میں داخل کیا جائے گا جہاں وہ ہر طرح عیش و آرام سے رہیں گے اور جنہوں نے کہ دنیا میں کفر کو اختیار کیا اور اللہ و رسول کی نافرمانی کی تو وہ اس دنیا کی چندروزہ زندگی میں دنیا کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوں گے اور یوں کھائیں گے کہ جیسے جانور کھاتے ہیں کہ ان کو صرف کھانے سے غرض ہے اور نہ اس سے بحث کہ اسے کھانا چاہئے یا نہیں اور نہ اس سے غرض کہ یہ کس نے دیا ہے اور کیوں دیا ہے اور کھا کر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال چندروزہ عیش دنیا کا اڑا لیں پھر انجام کار آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ پھر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ساتھی اور کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز

نہیں تو کفار جب یہ وعدہ و وعید سنتے تو طعن کرتے کہ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے تو اس کی حمایت کہاں گئی؟ ہم نے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکہ سے نکال دیا تو اس پر کچھ تعجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ترک وطن کرنے کا رنج ہوا ہو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہجرت کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے جانے لگے تو آپ نے مکہ کی طرف مڑ کر دیکھا اور مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو مجھے دنیا بھر کے شہروں میں زیادہ پیارا اور عزیز شہر ہے اگر قریش زبردستی مجھے اس شہر سے جانے میں مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز تجھ کو نہ چھوڑتا۔ بہر حال کفار کے طعن کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے بہت سی بستیاں جو تمہاری اس بستی سے یعنی مکہ سے جو تم سے چھڑایا گیا طاقت اور زور میں بڑھ کر تھے مگر ان کی نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور کوئی انکا یار و مددگار نہ اٹھا جو ان کو بچا لیتا پھر یہ اہل مکہ کیا گھمنڈ کرتے ہیں یونہی اس بستی کے مجرموں کو بھی ہلاک کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ان کا مددگار نہ ہو۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بدر کے معرکہ اور پھر فتح مکہ نے ان متکبروں کا فیصلہ کر دیا اس کے بعد کفر اور ایمان کا ایک فرق اور واضح کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ایک شخص جو اللہ کو اپنا رب مان چکا اور اس کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر قائم ہے اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے اور دوسرا جو اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے جس کو سیاہ سفید یا نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں حتیٰ کہ اپنی بے تمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کے منافی ہے۔ انصاف تو یہی چاہتا ہے کہ بھلوں کو انعام اور بروں کو سزا ملے چنانچہ ایسا ہی ہوگا کہ اللہ کے فرمانبردار مومن متقی بندے جنت میں داخل کئے جائیں گے اور بدکار نافرمان جہنم میں جھونکے جائیں گے اور اس جنت کا جس کا متقی بندوں سے وعدہ کیا جاتا ہے یہ حال ہے کہ اس میں صاف شفاف پانی کی نہریں ہوں گی جو دنیوی پانی کے خلاف کبھی خراب گدلا یا ناقص نہ ہوگا۔ پھر اس میں دودھ کی نہریں ہوں گی مگر دنیوی دودھ کے خلاف وہ کبھی بگڑے گا نہیں۔ پھر وہاں شراب کی نہریں ہوں گی مگر دنیوی شراب کے خلاف ہر تلخی سے پاک اور ہر نشہ اور خمار سے بری نہ اس میں نشہ ہے نہ گرانی نہ کوئی اور عیب و نقصان پھر وہاں صاف اور شفاف شہد کی نہریں ہوں گی مگر دنیوی شہد کے خلاف ہر آمیزش اور میل کچیل سے پاک تو یہاں جنت کی چار قسم کی نہروں کا ذکر ہوا پانی کی دودھ کی شراب کی اور شہد کی دنیا میں بھی یہ چیزیں انسان استعمال کرتے ہیں پانی تو ایسی چیز ہے کہ انسان کی زندگی اس سے ہے اور دودھ غذائے لطیف کا کام دیتا ہے اور شراب سرور اور نشاط کی چیز ہے اور شہد مقوی اور بیماریوں کا دفع کرنے والا ہے مگر دراصل جنت کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا مثل دنیا میں کبھی دستیاب ہو سکے پھر وہاں کی نعمتوں کا حال بندوں کو سمجھایا کس طرح جاوے؟ اس لئے دنیا کی جن چیزوں کو وہاں کی چیزوں سے ذرا بھی مناسبت ہے ان کے پیرایہ میں سمجھایا گیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں یہ خیال نہ کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں۔ نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں۔ ان کی مٹی مشک خالص ہے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ایسی صاف شراب کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں۔ دماغ کشادہ کر دیں جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی ہے نہ بدمنظر ہے بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت لذیذ نہایت خوشبودار جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئے نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں کی کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا اور یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں بلکہ قدرتی ہے۔ الغرض مشروبات کے بعد آیت میں ماکولات کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جنت میں کھانے کو ہر طرح کے میوے اور پھل ہیں اور ان تمام مادی نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب

کریم خوش ہے وہ اپنی مغفرت وخوشنودی سے انہیں نواز چکا ہے۔ ان کی سب خطائیں معاف ہو چکی ہیں اور پھر وہاں جنت میں پہنچ کر بھی خطاؤں کا ذکر بھی نہ آئے گا جوان کی کلفت کا سبب بنے۔ اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت ہوگی۔ سبحان اللہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو بھی ان نعمتوں سے نوازے۔ آمین۔

یہ تو متقی پرہیزگار ایمانداروں کا مقام تھا آگے بدکار نافرمان کفار کا مقام بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جاوے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقام سے اپنی پناہ میں رکھیں۔ اس کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ کیا دونوں برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں بھلا کہاں جنتی اور کہاں جہنمی؟ کہاں نعمت کہاں زحمت؟ یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ جو ذرا بھی طبیعت سلیمہ رکھتا ہے اس کے لئے یہ فرق سمجھنا آسان ہے۔

غرض یہ کہ جب مومن صالح اور کافر بدکار کے اعمال میں تفاوت ہے تو ان کے انجام میں بھی لازمی تفاوت ہوگا۔ تو یہاں تک کفار اور مومنین کے احوال واعمال اور ان کے لئے وعدے وعید مذکور تھے اب آگے کفار کی ایک قسم منافقین تھے ان کی حالت اور مذمت اور ان کے لئے وعید بیان کی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی دنیا میں اپنا متقی اور اطاعت گزار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اپنی رحمت سے وہ جنت ہم کو بھی نصیب فرمائیں اور اپنی مغفرت سے ہم سب کو نوازیں اور عذاب جہنم سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

یا اللہ کفار و مشرکین نے آج بھی آپ کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امتیوں کو گھر سے بے گھر کر رکھا ہے اور وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

یا اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ان مہاجر امتیوں کی مدد اور نصرت فرما اور ان کے ستانے والوں کو ہلاک تباہ و برباد فرما۔

یا اللہ ہم کو اپنے واضح راستہ صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ قائم رکھئے اور نفسانی خواہشات پر چلنے سے بچا لیجئے۔

یا اللہ بدعملی اور خلاف شرع امور سے ہم کو نفرت وکراہت عطا فرما تا کہ بدعملی ہم کو بھلی اور مستحسن نہ معلوم ہو۔

یا اللہ اس دور فتن میں جبکہ ممنوعات اور منکرات وبا کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں ہمیں ہر ظاہری و باطنی فتنہ سے اپنی پناہ میں رکھئے اور شریعت مطہرہ پر ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہماری لغزشوں اور تقصیرات سے درگزر فرمایئے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی

آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مُہر کردی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ اور جو لوگ راہ پر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے

وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ

اور اُن کو اُن کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔ سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اُن پر دفعتہً آپڑے، سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں تو جب قیامت اُن کے سامنے آ کھڑی ہوئی

لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ

اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا۔ تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے، اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کیلئے بھی

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿۱۹﴾ ع

اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَنْ جو	يَسْتَمِعُ سنتا ہے	إِلَيْكَ آپ کی طرف	حَتَّىٰ یہاںتک کہ	إِذَا جب	خَرَجُوا وہ نکلتے ہیں	مِنْ عِندِكَ آپ کے پاس سے
قَالُوا وہ کہتے ہیں	لِلَّذِينَ ان لوگوں سے جنہیں	أُوتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا (اہل علم)	مَاذَا کیا	قَالَ اس نے کہا	آنِفًا ابھی	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	الَّذِينَ وہ جو
طَبَعَ اللَّهُ مہر کردی اللہ نے	عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ انکے دلوں پر	وَاتَّبَعُوا اور انہوں نے پیروی کی	أَهْوَاءَهُمْ اپنی خواہشات	وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی			
زَادَهُمْ اور زیادہ دی انہیں	هُدًى ہدایت	وَآتَاهُمْ اور انہیں عطا کی	تَقْوَاهُمْ انکی پرہیزگاری	فَهَلْ پس نہیں وہ	يَنظُرُونَ منتظر	إِلَّا مگر	
السَّاعَةَ قیامت	أَن کہ	تَأْتِيَهُم آجائے ان پر	بَغْتَةً اچانک	فَقَدْ جَاءَ سو آچکی ہیں	أَشْرَاطُهَا اس کی علامات	فَأَنَّىٰ تو کہاں	لَهُمْ ان کیلئے۔کو
إِذَا جب	جَاءَتْهُمْ وہ آگئی ان کے پاس	ذِكْرَاهُمْ ان کا نصیحت قبول کرنا	فَاعْلَمْ سو جان لو	أَنَّهُ یہ کہ	لَا نہیں	إِلَٰهَ کوئی معبود	إِلَّا اللَّهُ اللہ کے سوا
وَاسْتَغْفِرْ اور بخشش مانگیں آپ	لِذَنبِكَ اپنے ذنب اپنے اوپر لگائے گئے الزام (کیلئے)	وَلِلْمُؤْمِنِينَ اور مومن مردوں کیلئے	وَالْمُؤْمِنَاتِ اور مومن عورتوں				
	وَاللَّهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مُتَقَلَّبَكُمْ تمہارا چلنا پھرنا	وَمَثْوَاكُمْ اور تمہارے رہنے سہنے کا مقام			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں مومنوں اور کافروں کے انجام کے تسلسل میں بتلایا گیا تھا کہ متقی اور پرہیزگار اہل ایمان تو اہل جنت میں سے ہوں گے اور اس جنت میں انہیں ہر قسم کی مادی اور روحانی نعمت نصیب ہوں۔ دنیا کی تو ہر مادی نعمت فنا پذیر ہوتی ہے پانی سڑ جاتا ہے دودھ بگڑ جاتا ہے شراب میں نشہ وتلخی ہوتی ہے۔ شہد میں گدلا پن اور میل کچیل شامل رہتا ہے مگر جنت کی کسی مادی نعمت میں بھی کوئی خرابی نہ پیدا ہونے پائے گی۔ مشروبات میں اہل جنت کے لئے صاف پانی کی نہریں دودھ کی نہریں اور شراب کی نہریں جس میں پینے والوں کے لئے لذت ہی لذت ہوگی اور صاف شہد کی نہریں اور ماکولات میں ہر قسم کے میوے اور پھل ہوں گے۔ یہ تو ہوئیں مادی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ورحمت کی روحانی نعمتیں بھی میسر ہوں گی ان کے مقابل کفار ومشرکین کی یہ حالت بتلائی گئی تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہوں گے اور طرح طرح کے عذاب جہنم بھگتیں گے۔ سخت پیاس کی حالت میں پینے کو ایسا کھولتا اور گرم پانی پینے کو دیا جائے گا کہ جو ان کی

انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ انہی کافروں اور اشقیا کے گروہ میں سے ایک گروہ منافقین کا زمان نبوت میں موجود تھا کہ جو ظاہر میں تو اسلام کا دعویٰ کرتا تھا اور باطن میں اس سے انحراف تھا۔ ان آیات میں ایسے ہی لوگ یعنی منافقین کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان کی شرارت اور محرومی کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کافروں کا اوپر ذکر ہوا جو کہ دائمی جہنمی ہوں گے وہ تو ایسے کافر ہیں کہ جو آپ کی باتوں سے متوحش ہیں۔ آپ کی بات کو سننا ہی گوارا نہیں کرتے لیکن اس شقی گروہ میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو بظاہر آپ کی بات کو سنتے ہیں مگر نہ دلی توجہ ہے نہ سمجھ نہ اعتقاد و یقین۔ یہ گو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں وعظ و نصیحت سننے کو بیٹھتے ہیں مگر ان کے دلوں میں عزت و عظمت نہیں۔ چہرہ اور بشرہ سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی گفتگو کو غور اور توجہ سے سن رہے ہیں مگر حقیقت یہ نہیں چنانچہ جب یہ مجلس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اٹھ کر جاتے ہیں تو باہر نکل کر اہل علم صحابہ کرام سے کہتے ہیں کہ ابھی ابھی حضرت نے کیا بیان کیا تھا؟ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منجملہ ان اہل علم کے کہ جن سے وہ باہر نکل کر پوچھتے تھے ایک میں بھی تھا اور میں اس وقت کم سن لڑکا تھا۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ منافقین کا یہ پوچھنا اس اعنوان اور طرز سے تھا کہ جس سے مومنین تو سمجھتے کہ انہوں نے سنا نہیں اور یہ صرف دریافت کرنا چاہتے ہیں لیکن ان منافقین کا مطلب آپؐ کی باتوں کی تحقیر اور توہین ہوتی تھی اور مطلب ان کا یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ کہا گیا (معاذ اللہ) وہ قابل توجہ ہی نہ تھا اور اس لائق نہ تھا کہ دھیان اور توجہ سے سنا جائے۔ علما نے یہاں لکھا ہے کہ دیکھئے یہ مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر بھی کورے ہی رہتے ہیں جس کی وجہ یہ تھی قصد ہی ان کا افادہ کا نہ تھا۔ اسی سے علما نے یہ بھی نتیجہ نکالا ہے کہ بڑے سے بڑے مرشد کی صحبت و ہمنشینی بھی بے اثر رہتی ہے۔ جب تک کہ بیٹھنے والے کے دل میں اعتقاد اور قصد استفادہ نہ ہو۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا قرآن کی یا دین کی باتوں کو ارادی بے توجہی سے سننا کس درجہ مذموم ہے اور یہ خاص منافقین کی خصلتوں میں سے ہے۔ تو منافقین کی اس حرکت پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ پھر نیکی اور بھلائی کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ بس محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔ حق کا اتباع نہیں ہوتا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں ایسے ایمانداروں کو ہمارے رسول کی باتوں سے اور وعظ و نصیحت سے اور زیادہ ہدایت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی انہیں توفیق دیتا ہے وہ اپنی ہدایت میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کی سوجھ بوجھ اور تقویٰ و پرہیز گاری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ تو یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ راہ ہدایت پر چلنے اور احکام پر عمل کرتے رہنے سے ایک خاص برکت یہ پیدا ہوتی ہے کہ رشد و ہدایت اور بڑھتی رہتی ہے اور عمل کی توفیق اور زیادہ نصیب ہوتی رہتی ہے۔ آگے منافقین کو وعید سنائی جاتی ہے کہ جب ہمارے رسول کی باتیں بھی ان کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئیں قرآن کریم کی ہدایتیں بھی یہ سن چکے مگر راستی اور سچائی کے ساتھ انہیں بھی قبول نہ کیا۔ گذشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور نافرمانوں کے انجام بھی سن چکے مگر یہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ جنت و دوزخ کے وعدہ اور وعید سب سن چکے مگر کان پر جوں تک نہ رینگی تو اب ان منکرین و منافقین کو ماننے کے لئے کس وقت کا انتظار ہے؟ کیا یہ لوگ اسی کی راہ دیکھ رہے ہیں کہ قیامت ان کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو اور وہ ان کو اچھی طرح سمجھا دے سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں اور جب خود قیامت آ کھڑی ہو گی تو اس وقت ان کے لئے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا؟ یعنی اس وقت سمجھنا اور ماننا بیکار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ یہاں جو آیت میں فرمایا گیا فقد جآء اشراطھا (سو اس کی یعنی قیامت کی علامتیں تو آ چکی ہیں) تو علما نے لکھا ہے کہ بروئے حدیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا علامات قیامت میں سے ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا مبعوث ہونا اور قیامت کا آنا اس طرح سے ہیں اور آپ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر دکھایا۔ محدثین نے اس حدیث کا مطلب لکھا ہے کہ جس طرح بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی میں تھوڑا سا فرق ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ

وسلم اور قیامت کے درمیان تھوڑا فرق ہے گویا جیسے بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے ذرا آگے نکلی ہوئی ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت سے ذرا آگے مبعوث ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ معجزۂ شق القمر یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اس کو بھی حدیث میں علامات قیامت میں سے کہا گیا ہے نیز لوگوں کا جھوٹا دعویٰ نبوت کرنا بھی علامات قیامت سے فرمایا گیا ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب نے زمانہ نبوت ہی میں دعویٰ نبوت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہو کر دنیا میں آنا یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک خاص اور بڑی نشانی ہے اس لئے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور رسولوں کی آمد دنیا میں ختم کرنے والے ہیں۔ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کر دیا اور اپنی حجت اپنی مخلوق پر پوری کر دی اور مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا۔ اب قیامت ہی کا آنا باقی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتیں اس طرح بیان فرما دیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی نے اس قدر وضاحت نہیں فرمائی تھی۔ الغرض کفار و منافقین کو جتلایا جاتا ہے کہ قیامت قائم ہو جانے پر نصیحت و عبرت کیا سودمند ہوگی؟ اور اس وقت سمجھنے کا موقع کہاں ملے گا؟ اب یہاں تک مومنین کافرین و منافقین کے احوال اور ان کے انجام اور ان کے ساتھ وعدہ و وعید بیان فرمانے کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ سب کچھ بتلانے اور سمجھانے پر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں تو انہیں جما رہنے دیجئے اور آپ مثل ماضی کے مستقبل میں بھی اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرتے رہئے یعنی پورے طور پر اس کی اطاعت کرتے رہئے۔ جمیع اوامر ونواہی کے امتثال پر مداومت رکھئے اور اگر کبھی احیاناً کوئی اجتہادی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگئے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی معافی مانگئے کیونکہ وہ بھی انسان ہیں اور ان سے بھی دانستہ یا نادانستہ قصور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارا چلنا اور پھرنا اور رہنا وسہنا گویا ہر حال ہمہ وقت خوب معلوم ہے اس پر تمہاری کوئی بات مخفی نہیں۔ پس اس کو پیش نظر رکھو اور اس کو حاضر ناظر سمجھ کر کوئی کام کسی حال میں ایسا نہ کرو جس سے تم کو حق تعالیٰ کے

سامنے ندامت ہو اور اس کے وعدوں کے امیدوار اور اس کی وعیدوں سے خائف رہو۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت **فاعلم انه لا الٰه الا الله و استغفر لذنبک وللمومنین والمومنٰت** جس میں اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر تمام انسانوں کو سنایا گیا ہے کہ اسی دنیا میں قیامت کی مصیبتوں اور پکڑ سے بچنے کی فکر کر لو جس کے لئے سب سے اول یہ سمجھ لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے بعد اپنی خطاؤں اور گناہوں کی معافی مانگو۔ پھر دوسرے اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے بھی استغفار کرو۔

یہاں ان آیات سے متعلق ایک مفید تنبیہ بھی علماء نے لکھی ہے کہ لفظ ذنب (جس کے لفظی معنیٰ ہیں۔ خطا قصور گناہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی **و استغفر لذنبک** فرمایا ہے۔ یعنی آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے۔ تو ایسے تمام مواقع میں لفظ ذنب سے مراد ذنب مجازی ہے یعنی اجتہادی لغزش اور ایسے ذنب یعنی اجتہادی لغزش کی مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ کی خدمت میں ایک بار ابن ام مکتوم صحابیؓ نابینا آئے اور آپ اس وقت بعض سرداران قریش مکہ کو اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے حضرت ابن ام مکتوم نے آپ کو بیچ میں ٹوک دیا اور خود کچھ پوچھنے لگے اس وقت آپ کو کچھ ناگوار ہوا جس کا ذکر تیسویں پارہ سورۂ عبس وتولیٰ میں فرمایا گیا جس کا بیان تفصیلاً انشاء اللہ اسی موقع پر ہوگا بہر حال حق تعالیٰ کو آپ کی ناگواری حضرت ابن ام مکتوم سے پسند نہ آئی جس پر سورۂ عبس کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو اس قسم کی اجتہادی لغزشوں پر آپ کو استغفار کا حکم فرمایا گیا اور اگلی سورۂ فتح میں ایسی ہی تمام لغزشوں کی معافی کی بشارت بھی آپ کو دی گئی ہے۔ تاہم احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دن میں ستر بار اور بعض روایات میں ہے کہ سو بار سے بھی زیادہ استغفار فرماتے ہیں۔

ابھی انہی منافقین کے متعلق مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ نازل ہوئی، سو جس وقت کوئی صاف صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے

رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَىٰ

تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، سو عنقریب

لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ

ان کی کمبختی آنے والی ہے۔ ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے، پس جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے، تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو اُن کیلئے بہت ہی بہتر ہوتا۔ سو اگر

عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دُنیا میں فساد مچا دو، اور آپس میں قطع قرابت کر دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا

فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

پھر اُن کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

وَ اور	يَقُولُ وہ کہتے ہیں	الَّذِينَ آمَنُوا وہ جو لوگ ایمان لائے	لَوْ کیوں	لَا نُزِّلَتْ نہ اتاری گئی	سُورَةٌ ایک سورۃ	فَإِذَا سو جب	أُنْزِلَتْ اتاری جاتی ہے
سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ صاف معانی والی سورۃ	وَذُكِرَ اور ذکر کیا جاتا ہے	فِيهَا اس میں	الْقِتَالُ جنگ	رَأَيْتَ تم دیکھو گے	الَّذِينَ وہ لوگ		
فِي قُلُوبِهِمْ انکے دلوں میں	مَرَضٌ بیماری	يَنْظُرُونَ وہ دیکھتے ہیں	إِلَيْكَ آپ کی طرف	نَظَرَ دیکھنا	الْمَغْشِيِّ بے ہوشی طاری ہوگئی	عَلَيْهِ اس پر	
مِنَ الْمَوْتِ موت کی	فَأَوْلَىٰ لَهُمْ سو خرابی اُن کیلئے	طَاعَةٌ اطاعت	وَقَوْلٌ اور بات	مَعْرُوفٌ معقول	فَإِذَا پھر جب	عَزَمَ الْأَمْرُ پختہ ہو جائے کام	
فَلَوْ صَدَقُوا تو اگر وہ سچے ہوتے	اللَّهَ اللہ	لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ البتہ ہوتا بہتر ان کیلئے	فَهَلْ عَسَيْتُمْ سو تم اسکے نزدیک	إِنْ اگر			
تَوَلَّيْتُمْ تم والی (حاکم) ہو جاؤ	أَنْ تُفْسِدُوا کہ تم فساد مچاؤ	فِي الْأَرْضِ زمین میں	وَتُقَطِّعُوا اور تم کاٹو (توڑ ڈالو)	أَرْحَامَكُمْ اپنے رشتے			
أُولَٰئِكَ یہی ہیں	الَّذِينَ وہ لوگ جن	لَعَنَهُمُ اللَّهُ اللہ نے لعنت کی	فَأَصَمَّهُمْ پھر انکو بہرا کردیا	وَأَعْمَىٰ اور اندھا کردیا	أَبْصَارَهُمْ ان کی آنکھیں		
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ تو کیا وہ غور نہیں کرتے؟	الْقُرْآنَ قرآن	أَمْ کیا	عَلَىٰ قُلُوبٍ دلوں پر	أَقْفَالُهَا ان کے تالے			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منافقوں کی شرارت اور ان کا حال بیان کیا گیا تھا۔ ہجرت سے پہلے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ میں تھا تو اسلام کا چنداں زور نہ تھا اس واسطے مکہ میں جن لوگوں کے دلوں میں اللہ نے اسلام کی خوبیاں جمائیں اور وہ اسلام لائے تو ان کا اسلام خالص دل سے تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ ان کا ظاہر کچھ اور ہو باطن کچھ اور لیکن ہجرت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اسلام کا دن بدن زور اور غلبہ شروع ہوا تو مدینہ کے بہت سے لوگ خصوصاً یہود مدینہ اپنی عزت اور جان و مال بچانے کی غرض سے اس طرح داخل اسلام ہوگئے تھے کہ بظاہر تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ لیکن دل سے مسلمان نہ تھے اور جب موقع پاتے در پردہ مسلمانوں کی بدخواہی کی باتیں کرتے تا کہ تمام مسلمانوں کو ان کی بدخواہی کی باتوں کی خبر نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادہ ہیں۔ جو بات بھی منافق بناوٹ کے طور پر یا در پردہ اسلام اور مسلمانوں کی

بدخواہی کی کرتے تو اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی آیات نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیتے۔ اس لئے قرآن پاک میں منافقوں کی پوشیدہ باتوں ان کی دلی خواہشوں اور بدنیتوں کا جا بجا مدنی آیات میں ذکر ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا ذکر فرما کر ان کو ذلیل و رسوا فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی تادیب و تنبیہ بھی فرمائی گئی ہے۔ گذشتہ آیات میں انہی منافقین کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جب قرآن کی ہدایتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں بھی ان کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئیں تو کیا اب ان کو قیامت کا انتظار ہے کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جاوے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دے؟ مگر جب قیامت آ جائے گی اور اس کو دیکھ کر ایمان بھی لے آویں گے مگر اس وقت کا ایمان لانا محض بے نتیجہ ہوگا اور انہیں بجز پچھتانے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ انہی منافقین کے بعض احوال کی تفصیل ان آیات میں ظاہر فرمائی گئی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ سچے ایمان والے ہیں جن سے یہاں صحابہ کرامؓ مراد ہیں وہ تو ہمیشہ اس بات کے مشتاق رہتے ہیں کہ کلام الٰہی اور نازل ہوتا کہ ایمان تازہ ہو اور احکام جدید آویں تو ان پر عمل کر کے ثواب حاصل کریں اور احکام سابقہ کی تاکید ہو تو اور زیادہ ثبات حاصل ہو چنانچہ وہ اس اشتیاق میں کہتے رہتے ہیں کہ کوئی نئی سورۃ کیوں نہ نازل ہوئی اور اگر نازل ہو تو تمنا پوری ہو سو جس وقت کوئی صاف صاف مضمون کی سورۃ نازل ہوتی ہے اور اتفاق سے اس میں جہاد کا بھی صاف صاف ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ تو ان آیات کو سن کر گویا نیم مردہ ہو جاتے ہیں اور ان آیات کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بھیانک نگاہوں سے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو یعنی جہاد کا حکم سن کر ان پر خوف اور بزدلی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس خیال سے کہ اب اپنے اسلام کو نبھانے کے لئے جہاد میں جانا پڑے گا اور ایک یہ مصیبت آئی۔ حق تعالیٰ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو اس طرح خدا کے حکم سے جی چراتے ہیں تو دراصل بات یہ ہے کہ عنقریب ان کی کمبختی آنے والی ہے خواہ دنیا میں بھی کہ کسی وبال میں گرفتار ہوں ورنہ بعد موت تو ضرور ہی ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ظاہر میں تو یہ لوگ یعنی منافقین اپنی فرمانبرداری کا اظہار اور زبان سے اسلام اور احکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً خدا اور رسول کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں پھر جب جہاد وغیرہ میں اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت ان کی بہتری اور بھلائی کی ہوگی۔ آگے جہاد کے ترک پر منافقین کو براہ راست خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ تم جو جہاد سے کراہت کرتے ہو اور جان چراتے ہو تو اس میں دین کے علاوہ دنیا کا بھی نقصان ہے چنانچہ اگر تمہاری طرح سب جہاد سے کنارہ کش ہو جائیں تو دنیا میں لوگوں میں فساد جھگڑے اور آپس کی کشمکش اور غرض پرستی کے جھگڑے کھڑے ہو جائیں جن کا آخری نتیجہ عام فتنہ و فساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے کہ دنیا میں امن و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جب دنیا میں امن و انصاف نہ رہے گا تو ظاہر ہے کہ فساد بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا یہاں سے معلوم ہوا کہ جہاد سے بڑا فائدہ اقامت عدل اور اصلاح و امن کا ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے جس سے فتنہ و فساد اور اضاعت حقوق لازمی ہے پس جہاد سے دنیوی فائدہ بھی ہوا آگے انہی منافقین مذکورین کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا اس لئے اس کے احکام پر عمل کی توفیق نہ رہی پھر رحمت سے بعید کر دینے پر یہ اثر مرتب ہوا کہ ان کو احکام الٰہیہ سے سننے سے بہرہ کر دیا اور راہ حق کے دیکھنے سے ان کی باطنی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور یہ سب کچھ انہی کے سوء اختیار اور قصور استعداد سے ہوا۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو بآسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیاوی و اخروی فوائد ہیں۔

ابھی آگے بھی انہی منافقین کے بارے میں مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰی

جو لوگ پشت پھیر کر ہٹ گئے، بعد اس کے کہ سیدھا راستہ ان کو صاف معلوم ہوگیا، شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے، اور ان کو دُور دُور کی سوجھائی ہے

لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ

یہ اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے خفیہ باتیں کرنے کو

اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا

خوب جانتا ہے۔ سو ان کا کیا حال ہوگا جب کہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے، اور ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔ یہ اس سبب سے کہ جو طریقہ

مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اُسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کیا کئے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال کالعدم کر دیئے۔ جن لوگوں کے دل میں مرض ہے

اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ

کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا، اور ہم اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے، اور آپ ان کو طرز کلام

فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

سے ضرور پہچان لیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے۔

اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ جو لوگ	ارْتَدُّوْا پلٹ گئے	عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ اپنی پشت پر	مِّنْۢ بَعْدِ اسکے بعد	مَا تَبَیَّنَ جب واضح ہوگئی	لَهُمُ ان کیلئے	الْهُدٰی ہدایت
الشَّیْطٰنُ شیطان	سَوَّلَ آراستہ کر دکھایا	لَهُمْ ان کیلئے	وَاَمْلٰی اور ڈھیل دی	لَهُمْ ان کو	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	قَالُوْا انہوں نے کہا
لِلَّذِیْنَ ان لوگوں سے جنہوں	كَرِهُوْا انہوں نے ناپسند کیا	مَا نَزَّلَ جو نازل کیا	اللّٰهُ اللہ	سَنُطِیْعُكُمْ عنقریب ہم تمہارا کہنا مان لیں گے			
فِیْ میں	بَعْضِ بعض	الْاَمْرِ کام	وَاللّٰهُ اور اللہ	یَعْلَمُ جانتا ہے	اِسْرَارَهُمْ انکی خفیہ باتیں	فَكَیْفَ پس کیسا	اِذَا تَوَفَّتْهُمُ جب انکی روح قبض کرینگے
الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	یَضْرِبُوْنَ وہ مارتے ہوں گے	وُجُوْهَهُمْ ان کے چہروں	وَاَدْبَارَهُمْ اور ان کی پیٹھوں	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ یہ اس لئے کہ انہوں نے			
اتَّبَعُوْا پیروی کی	مَا جو۔جس	اَسْخَطَ اللّٰهَ اللہ کو ناراض کیا	وَكَرِهُوْا اور انہوں نے پسند نہ کیا	رِضْوَانَهٗ اس کی رضا	فَاَحْبَطَ تو اس نے اکارت کر دیئے		
اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال	اَمْ حَسِبَ کیا گمان کرتے ہیں؟	الَّذِیْنَ وہ لوگ (جن)	فِیْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں	مَّرَضٌ مرض۔روگ			
اَنْ کہ	لَّنْ یُّخْرِجَ ہرگز ظاہر نہ کرے گا	اللّٰهُ اللہ	اَضْغَانَهُمْ ان کے دل کی عداوتیں	وَلَوْ نَشَآءُ اور اگر ہم چاہیں	لَاَرَیْنٰكَهُمْ تو تمہیں دکھا دیں وہ لوگ		
فَلَعَرَفْتَهُمْ سو البتہ تم انہیں پہچان لو	بِسِیْمٰهُمْ ان کے چہرے سے	وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ اور تم ضرور پہچان لو گے انہیں	فِیْ میں۔سے				
لَحْنِ الْقَوْلِ طرزِ کلام	وَاللّٰهُ اور اللہ	یَعْلَمُ جانتا ہے	اَعْمَالَكُمْ تمہارے اعمال				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات سے منافقین کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے جو بظاہر تو مسلمان بنے ہوئے تھے مگر دل سے انہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سچے مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے سے جان چراتے تھے جس پر ان کو گذشتہ آیات میں تنبیہ کی گئی تھی اور وعید سنائی گئی

تھی۔ انہی منافقین کی مذمت ان آیات میں بھی فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اس کی سچائی ظاہر ہو جانے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول وقرار سے پھرے جاتے ہیں اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے۔ یہ شیطان کے بہکاوے میں آ گئے ہیں اور اس نے ان کو یہ بات سجھادی ہے کہ بھلا لڑ کر جان دینے سے کیا فائدہ۔ لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے۔ خواہ مخواہ جہاد میں جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔ اسی طرح شیطان گمراہی کی باتیں سجھاتا ہے اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے کہ ابھی تو تمہیں بہت دن زندہ رہنا ہے اور بہت کچھ کام کرنے ہیں۔ خواہ مخواہ لڑ کر جان دینے میں کیا دھرا ہے تو شیطان کا یہ قابو ان منافقین پر اس وجہ سے چل گیا کہ سچے دل سے ایمان نہیں لائے۔ فقط مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے کلمہ پڑھ لیا ہے اور انہوں نے یہود وغیرہ سے کہہ رکھا ہے کہ بعض باتوں میں ہم تمہارے طرف دار ہیں۔ گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتوں سے خوب واقف ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافق لوگ یہ نہیں سوچتے کہ آخر ایک دن تو انہیں مرنا ہے اور فرشتے جب ان کی جان نکالنے آئیں گے اور ان کے منہ اور پیٹھ پر ضرب لگائیں گے اور کوڑے برسائیں گے تو اس وقت ان کا کیا حال ہو گا اور اس وقت موت سے اور فرشتوں کی مار سے کیونکر بچیں گے اور یہ گت ان کی اس لئے بنے گی کہ انہوں نے وہی باتیں اختیار کیں جو اللہ کو ناراض کرتی ہیں اور ان باتوں سے بھاگتے رہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے موت کے وقت یہ بھیانک سماں دیکھنا پڑے گا اور اللہ نے ان کے کفر وطغیان کی بدولت ان کے سب عمل بیکار کر دیئے کوئی عمل ان کو دوسری زندگی میں فائدہ بخش نہ ہو گا۔ تو یہاں سے معلوم ہوا کہ بدکار نافرمان کفار ومنافقین وغیرہ کی پٹائی موت کے وقت ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ پٹائی روح کی ہوتی ہے اس لئے ہم کو نظر نہیں آتی اور موت کے وقت سے یہ پٹائی گویا ابتدا ہے۔ اس کے بعد قبر میں یعنی عالم برزخ میں بھی پٹائی کوٹائی ہو گی اور پھر جہنم میں تو اچھی طرح اور پوری طرح جسمانی بھی اور روحانی بھی کوٹائی پٹائی ہو گی (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور اس ساری عقوبت اور کوٹائی اور پٹائی کی وجہ بھی صاف ظاہر فرما دی کہ یہ اس وجہ سے ہو گی کہ دنیا میں جو طریقہ خدا کی ناراضگی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور جو اس کی رضا اور خوشنودی کے اعمال تھے ان سے نفرت ہی کیا کئے اس لئے دنیا کی زندگی کے ختم ہوتے ہی سزا کے مستحق ہوئے اور چونکہ اس دنیا کی زندگی کے بعد آنے والی زندگی ابدی اور دائمی ہے اس لئے ان کی سزا بھی ابدی ودائمی ہو گی عالم برزخ میں روحانی اور عالم آخرت میں روحانی اور جسمانی دونوں طرح سزا ہو گی اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی زندگی میں اپنی رضا والے راستہ پر چلائے اور اپنی ناراضگی والے راستہ سے بچائے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حاسدانہ عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں تو کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کا کینہ اور دشمنی یوں ہی چھپا رہے گا اور اللہ اس کو تشت از بام نہ کرے گا؟ اور مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا اور یہ ایسے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا کھرا بالکل الگ ہو جائے گا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام منافقین کو معین کر کے آپ کو دکھلا دے اور نام بنام مطلع کر دے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہے مگر اس کی حکمت بالفعل اس دوٹوک اظہار کو مقتضی نہیں۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ ان کے چہرے اور بشرے سے آپ پہچان لیتے ہیں اور آگے چل کر ان لوگوں کے طرز گفتگو سے آپ کو مزید شناخت ہو جائے گی کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔ جو زور، شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے منافق کتنی ہی کوشش کرے وہ رنگ اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔ آگے سب مومنین ومنافقین کو خطاب میں جمع کر کے بطور ترغیب اور ترہیب کے فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے پس مسلمانوں کو ان کے اخلاص پر جزا اور منافقین کو ان کے نفاق پر سزا دے گا۔

اب آگے جہاد وقتال کے احکام کی حکمت بیان فرمائی جاتی ہے اور مومنین کو جہاد کے متعلق نصیحت فرمائی گئی اور بشارت دی گئی کہ تم ہی غالب رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور کفار کو جنہوں نے مرتے وقت تک توبہ نہ کی کبھی نہ بخشے جانے کی وعید سنائی گئی جس کا بیان اگلی آیات میں آئندہ درس میں انشاء اللہ ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ۝۳۱ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

اور ہم ضرور تم سب کے اعمال کی آزمائش کریں گے تا کہ ہم ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تا کہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرلیں۔ بے شک جو لوگ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو راستہ نظر آچکا تھا، یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے،

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳

اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مٹا دے گا۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝۳۴ فَلَا

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مرگئے خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا سو تم

تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۵

ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں	حَتّٰى یہانتک کہ	نَعْلَمَ ہم معلوم کریں	الْمُجٰهِدِيْنَ مجاہدوں	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالصّٰبِرِيْنَ اور صبر کرنیوالے		
وَنَبْلُوَا اور ہم جانچ لیں	اَخْبَارَكُمْ تمہاری خبریں (حالات)	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَصَدُّوْا اور انہوں نے روکا	عَنْ سے		
سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	وَشَآقُّوا اور انہوں نے مخالفت کی	الرَّسُوْلَ رسول	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَا تَبَيَّنَ جب واضح ہوگئی	لَهُمُ ان پر		
الْهُدٰى ہدایت	لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ وہ ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا	شَيْـًٔا کچھ بھی	وَسَيُحْبِطُ اور وہ جلد اکارت کردیے گئے	اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال			
يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا جو لوگ ایمان لائے (مومنو)	اَطِيْعُوا اللّٰهَ اطاعت کرو اللہ کی	وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور اطاعت کرو رسول کی	وَلَا تُبْطِلُوْۤا اور باطل نہ کرو			
اَعْمَالَكُمْ اپنے اعمال	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	وَصَدُّوْا اور انہوں نے روکا	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	ثُمَّ پھر	
مَاتُوْا وہ مرگئے	وَهُمْ اور وہ	كُفَّارٌ کافر ہی	فَلَنْ يَّغْفِرَ تو ہرگز نہیں بخشے گا	اللّٰهُ اللہ	لَهُمْ ان کو	فَلَا تَهِنُوْا پس تم سستی نہ کرو	وَتَدْعُوْۤا اور نہ بلاؤ
اِلَى طرف	السَّلْمِ صلح	وَاَنْتُمُ اور تم ہی	الْاَعْلَوْنَ غالب	وَاللّٰهُ اور اللہ	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اور وہ ہرگز کمی نہ کریگا	اَعْمَالَكُمْ تمہارے اعمال

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے منافقین کا ذکر ہوتا چلا آیا ہے اور وہ اپنے نفاق کی وجہ سے جہاد سے جان چراتے تھے اس پر ان کی مذمت فرمائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جہاد وغیرہ کے احکام سے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی آزمائش مقصود ہے اور اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون اللہ کے راستہ میں لڑنے والے اور جان و مال لگانے والے اور ایسے سخت وقت میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں ہیں تا کہ ہر ایک کے ایمان واطاعت اور دعوئے اسلام و ایمان کا وزن معلوم ہوجائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں ظاہر ہوجائیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ بھی اللہ ورسول کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور راہ خدا کی بندش کرنے والے ہیں اور رسول کی مخالفت کرنے والے ہیں اور ہدایت کے موجود ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے ہیں تو یہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کیا نقصان ہے۔ یہ مخالفت وانکار سے نہ اس کے دین کو دنیا میں پھیلنے سے روک سکتے ہیں نہ پیغمبر کی مخالفت کر کے کچھ ان کا بگاڑ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ تو ایسی قدرت والا ہے کہ وہ ان کے سارے منصوبے غلط اور ان کی ساری چالیں اور تدبیریں بیکار اور ان کے تمام کام اکارت کردے گا اور

ان کی سب کوششیں خاک میں ملادے گا۔ یہ تو منافقین کے متعلق بتلایا گیا آگے اہل ایمان کو نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ جہاد یا اللہ کے راہ میں اور کوئی محنت و ریاضت اسی وقت مقبول ہے جب اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہو۔ محض اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر وہ کام نہ ہو ورنہ ایسا عمل یونہی بیکار ضائع جائے گا اور مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک عمل کر چکا ہے یا کر رہا ہے اس کو کسی صورت سے ضائع ہونے دے۔ اسی میں ریا عجب نام ونمود اور غرور وتکبر وغیرہ سب آ گئے کہ جو مومن کے اعمال کو ضائع کرنے والے ہیں اور نہ صرف ضائع ہوتے ہیں بلکہ نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہوتے ہیں احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی بتلایا ہے کہ تمام اچھے اعمال واخلاق کی روح و جان ''اخلاص'' اور ''للّٰہیت'' ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام ونمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک ہو تو اللہ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں بلکہ بجائے ثواب کے خدا کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ جب الحزن غم کے کنویں یا غم کی خندق سے پناہ مانگا کرو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں ایک وادی یا خندق ہے جس کا حال اتنا برا ہے کہ خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس میں کون لوگ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا وہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لئے اعمال کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ دیکھئے قرآن کا پڑھنا کتنے اعلیٰ درجہ کا اور دینداری کا کام ہے مگر ریا کی بدولت اور اخلاص وللّٰہیت نہ ہونے کی وجہ سے کتنی سخت سزا اس کی بیان فرمائی گئی اور مسلم شریف کی وہ حدیث بھی مشہور ہے کہ قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریا کار عالم وعابد ریا کار مجاہد وشہید اور ریا کار سخی کے بارہ میں کیا جائے گا۔ کس قدر لرزا دینے والی ہیں یہ احادیث روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ ان احادیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ یہ حدیث ان کے سامنے بیان کی گئی تو وہ بہت روئے اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔ اب غور کیجئے کہ جب ایسے اعلیٰ اعمال کا انجام بھی ریا اور نام ونمود اور طلب شہرت کے باعث ایسا عبرتناک ہو سکتا ہے تو دوسرے اعمال کا تو کہنا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہماری حفاظت فرمائیں اور ہم کو اخلاص اور للّٰہیت کی توفیق عطا فرمائے ورنہ آج تو معاشرہ کی جان ہی نام ونمود بڑائی شہرت اور ریا بن رہی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) الغرض یہاں آیت میں ایمان والوں کو نصیحت فرمائی گئی کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ ورسول کے احکام کے خلاف کر کے اعمال کو برباد مت کرو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کسی کافر کی یعنی اللہ ورسول کا انکار کرنے والے کی اور خصوصاً ان کافروں کی جو دوسروں کو بھی خدا کے راستہ سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں اور انہی اعمال واحوال میں مر گئے یعنی ساری زندگی اس کفر پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسوں کی بخشش ہرگز نہیں۔ چونکہ مضمون جہاد کے متعلق بیان ہو رہا تھا اس لئے پھر اہل ایمان کو خطاب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب اور رسوا ہونا پڑے گا ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ اگلی سورۃ فتح میں آیا ہے۔ بہرحال صلح کی بنا اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونا چاہئے آگے تسلی بھی دی جاتی ہے اور بشارت بھی دی جاتی ہے کہ گھبرانے کی کچھ بات نہیں اگر صبر واستقلال سے جمے رہو گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اس کی نصرت وحمایت تمہاری مددگار ہے۔ وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا اور کسی حالت میں تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں جو آیت میں فرمایا گیا ہے۔ **وانتم الاعلون** اور تم ہی غالب رہو گے تو یہ بشارت مقید ہے کامل الایمانی کے ساتھ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمایا گیا **انتم الاعلون ان کنتم مومنین** تم ہی سربلند رہو گے اگر تم پورے ایمان والے ہو گے۔ یا جیسے چھٹے پارہ سورۃ مائدہ میں فرمایا گیا **من یتول اللہ و رسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون** اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی و رفاقت رکھے گا سو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ یہاں غلبہ کی بشارت اللہ اور رسول اور مومنین سے رفاقت اور دوستی پر فرمائی گئی ہے۔ قرآن نے محض نام کے مسلمان اور گوشت کھانے کے مسلمان کو غلبہ کی بشارت کہیں نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اور اپنے رسول پاک ﷺ کی سچی رفاقت اور دوستی نصیب فرمائیں اور ایمان واسلام کے ساتھ اعمال صالحہ کی دولت عطا فرمائیں۔

 4

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ

دنیوی زندگی تو محض ایک لہو ولعب ہے، اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا، اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا۔

اِنْ يَّسْـَٔــلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا

اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کردے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ

بلایا جاتا ہے، سو بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے، اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں،

وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝

اور تم سب محتاج ہو، اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اِنَّمَا اسکے سوانہیں	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	لَعِبٌ کھیل	وَّلَهْوٌ اور کود	وَاِنْ اور اگر	تُؤْمِنُوْا ایمان لے آؤ تم	وَتَتَّقُوْا اور تقویٰ اختیار کرو
يُؤْتِكُمْ وہ تمہیں دیگا	اُجُوْرَكُمْ تمہارے اجر (جمع)	وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ اور نہ طلب کریگا تم سے	اَمْوَالَكُمْ تمہارے مال	اِنْ اگر		
يَسْـَٔــلْكُمُوْهَا وہ تم سے (مال) طلب کرے	فَيُحْفِكُمْ پھر تم سے چمٹ جائے	تَبْخَلُوْا تم بخل کرو	وَيُخْرِجْ اور ظاہر ہو جائیں	اَضْغَانَكُمْ تمہاری عداوتیں		
هٰٓاَنْتُمْ وہ تم ہو	هٰٓؤُلَاۗءِ ہاں! وہ لوگ	تُدْعَوْنَ تمہیں پکارا جاتا ہے	لِتُنْفِقُوْا کہ تم خرچ کرو	فِيْ میں	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	فَمِنْكُمْ پھر تم میں سے
مَّنْ يَّبْخَلُ کوئی ایسا ہے کہ بخل کرتا ہے	وَمَنْ اور جو	يَّبْخَلْ بخل کرتا ہے	فَاِنَّمَا يَبْخَلُ تو اسکے سوانہیں وہ بخل کرتا ہے	عَنْ نَّفْسِهٖ اپنے آپ سے		
وَاللّٰهُ اور اللہ	الْغَنِيُّ بے نیاز	وَاَنْتُمُ اور تم	الْفُقَرَاۗءُ محتاج (جمع)	وَاِنْ اور اگر	تَتَوَلَّوْا تم روگردانی کرو گے	يَسْتَبْدِلْ وہ بدل دے گا
قَوْمًا غَيْرَكُمْ دوسری قوم تمہارے سوا	ثُمَّ پھر	لَا يَكُوْنُوْٓا وہ نہ ہوں گے	اَمْثَالَكُمْ تمہارے جیسے			

تفسیر و تشریح: یہ اس سورۃ کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا گیا تھا کہ تم کفار کے مقابلہ میں ہمت مت ہارو اور ہمت ہار کر ان کو صلح کی طرف مت بلاؤ۔ پھر ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور تم ہی غالب رہو گے۔ یہ تو تھی دنیا کی کامیابی اور آخرت میں یہ کامیابی ہوگی کہ اللہ تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اس میں ہرگز ذرا کمی نہ کی جائے گی۔ اب دین کے لئے اللہ کے راستہ میں جان کے علاوہ مال کا بھی خرچ ہوتا ہے اس لئے جہاد و قتال کے بعد اب ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور ترغیب دی جاتی ہے اور چونکہ جان و مال کو اللہ کے راستہ میں لگانے میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیوی زندگی کی لالچ اور تمتع کی ہے اس لئے بتلایا جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشہ جیسی ہے قرآن کریم نے دنیوی زندگی کو لہو و لعب جہاں بھی قرار دیا ہے ہمیشہ آخرت کے مقابلہ میں ایسا کہا ہے اور ظاہر ہے کہ لامحدود کا محدود سے اور نامتناہی کا متناہی سے مقابلہ ہی کیا؟ آگے سمجھایا جاتا ہے کہ اگر تم اس دنیوی زندگی میں ایمان و تقویٰ اختیار کرو گے یعنی اللہ سے ڈر اور خوف والی زندگی بسر کرو گے اور اس دنیا کے کھیل تماشا سے بچ کر چلو گے تو اللہ تم کو اس کا پورا بدلہ دے گا اور حق تعالیٰ تم سے کسی نفع کا طالب نہ ہوگا۔ اسے کیا حاجت ہے وہ تو خود سب کو دینے والا ہے اور اگر تمہارا مال تم سے طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہی ہے۔ تمام مال اسی کا عطیہ ہے۔ مگر اس کے باوجود دین کے معاملہ میں جب مالک حقیقی خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے کے سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدہ کو۔ تمہیں جو زکوٰۃ یا خیر خیرات کا حکم دیا

ہے اس میں تمہارے ہی غربا وفقرا کی پرورش ہے اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو گے اگر اللہ تعالیٰ کا تمہیں یہ حکم ہوتا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب اللہ کے لئے خرچ کردو اور پھر اس کی تاکید کی جاتی اور اس پر اصرار کیا جاتا تو پھر کتنے مردان خدا ہیں جو کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہتے؟ اکثر تو وہی ہوتے جو بخل اور تنگدلی کا ثبوت دیتے اور کنجوسی پر کمر باندھ لیتے اور کھلم کھلا ناراضی اور خفگی کا اظہار کرنے لگتے۔

یہاں سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ انسان مال و دولت کو یہ نہ سمجھے کہ میں اس کا مالک ہوں اور یہ میری کمائی ہوئی ہے۔ اور اس لئے اس پر اترانے لگے اور جہاں اور جس طرح چاہے اس کو خرچ کرنے کا اپنے کو مختار سمجھے۔ نہیں بلکہ اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس مال و دولت کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس نے اپنی مہربانی سے یہ مال و دولت مجھے دے رکھا ہے۔ آگے سمجھایا جاتا ہے کہ تمہارا یہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا خود اپنے فائدہ کے لئے ہے اور نہ خرچ کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اللہ کو تمہارے دینے یا نہ دینے کی کیا پرواہ وہ تمہاری دولت کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ جس حکمت اور مصلحت سے بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا حاصل ہونا کچھ تم پر منحصر نہیں۔ فرض کرو تم اگر بخل اور کنجوسی کرو اور اس کے حکم سے روگردانی کرو تو وہ یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کھڑی کردے جو مال کے خرچ کرنے میں بخیل اور کنجوس نہ ہو بلکہ نہایت فراخدلی سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی راہ میں خرچ کرے۔ بہرحال اللہ کی حکمت اور مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی ہاں تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آخری آیت تلاوت فرمائی۔ **وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم** اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے تو یہ آیت سن کر صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ کون لوگ ہیں کہ جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے؟ اس پر حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''اس کی قوم'' اور فرمایا خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس حدیث کو ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ''الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ صحابہ کرامؓ نے اس بے نظیر ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم اہل فارس نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق یہی قوم تھی جو بوقت ضرورت اہل عرب کی جگہ پر کر سکتی تھی۔ ہزاروں علما اور ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابوحنیفہؒ اللہ ان کی قبر پر اپنے رحمتوں کی بارش فرمائے کا وجود ہی اہل فارس میں اس پیشین گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے''۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جن کے فقہ کے ہم مقلد ہیں آپ فارسی تھے اور بڑے بڑے ائمہ کا اتفاق ہے کہ حدیث کی اس بشارت عظمیٰ کے کامل اور اولین مصداق امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہل اسلام کو اللہ کے راستہ میں جان مال کھول کر لگانے کی ترغیب دی جارہی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ ایسا کرنے میں خود اپنا ہی فائدہ ہے۔ باقی اگر کوئی قوم اللہ کے احکام سے روگردانی کرے گی تو اسلام کسی قوم کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو اسلام کی توفیق دے کر اس سے اسلام کی خدمت لے سکتے ہیں۔

یہاں حق تعالیٰ نے صاف واضح فرما دیا کہ اللہ کو تمہارے اموال کی تو کیا خود تمہارے وجود کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر سب کے سب اہل اسلام بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی تعمیل چھوڑ دیں تو جب تک اللہ تعالیٰ کو دنیا کو اور اس میں اسلام کو باقی رکھنا ہے تو وہ اپنے دین حق کی حفاظت اور اپنے احکام کی تعمیل کے لئے کوئی دوسری قوم ایسی پیدا فرمادے گا جو حق تعالیٰ کی پوری اطاعت گزار ہوگی تو اس سورۃ کا یہ آخری جملہ **و ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم** (یعنی اگر تم ہمارے احکام سے روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا اور پھر وہ تم جیسے روگردانی کرنے والے نہ ہوں گے)۔ ہم پاکستانیوں کے لئے بھی بڑا خوف کھانے کے لائق ہے اگر ہم من حیث القوم احکام الٰہیہ سے روگردانی میں بڑھتے گئے تو پھر اس اسلام ناقدری کے وبال میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قدرت خداوندی ہم ناقدروں سے اسلام کی دولت چھین لے اور کسی دوسری قوم کو اسلام کے قدردانی اور عظمت واتباع کی دولت عطا فرما دے اور وہ اس کے احکام گزار بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو اور ہماری قوم اور ملک کو اسلام سے سچی محبت عطا فرمائیں اور ہمیں اسلام حقیقی سے وابستہ رکھیں اور ایمان و اسلام کی حقیقت نصیب فرمائیں اور اسی پر جینا اور مرنا نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ①

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

اِنَّا فَتَحْنَا بیشک ہم نے فتح دی	لَكَ آپ کو	فَتْحًا فتح	مُّبِيْنًا کھلی	

تفسیر وتشریح: الحمد للہ اب ۲۶ ویں پارہ کی سورۃ الفتح کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کا بیان مقصود ہے جس کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام و زمانہ نزول تاریخی پس منظر خلاصہ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے انا فتحنالک فتحاً مبیناً بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔ گویا اس سورۃ کی ابتداء ہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فتح کی بشارت دی گئی اس لئے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ الفتح مقرر ہوا یہ سورۃ مدنی ہے اور ۶ ھ میں آپ صلح حدیبیہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۸ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۱۰۸ لکھا ہے یعنی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۱۰۷ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور صرف ۶ سورتیں مزید مدینہ منورہ میں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۲۹ آیات ۴ رکوعات ۵۶۸ کلمات اور ۲۵۵۵ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس سورۃ کو سمجھنے کے لئے ان واقعات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے جو مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

واقعہ اول:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ امن وامان کے ساتھ گئے اور عمرہ کر کے حلق وقصر کیا یعنی سر کے بال منڈوائے اور کتروائے۔ آپ نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین مدت کی نہ فرمائی تھی مگر شدت اشتیاق سے اکثر صحابہ کرام کا خیال اس طرف گیا کہ اسی سال عمرہ میسر ہوگا اور اتفاقاً آپ کا قصد بھی اسی سال یعنی ۶ ھ میں عمرہ کا ہو گیا۔

واقعہ دوم:۔ آپ ۶ ھ میں بقصد عمرہ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو قریش اور کفار مکہ نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے چنانچہ آپ نے حدیبیہ میں جو مکہ سے قریب تین میل ہے قیام فرمایا۔

واقعہ سوم:۔ آپ نے مکہ میں ایک قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں ہم کو مکہ میں داخل ہونے دو صرف عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے مگر اس کا کچھ جواب نہ ملا یہاں تک کہ اس کام کے لئے آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا اور ان کی زبانی بھی قریش کو یہی پیغام کہلا بھیجا اور بعضے مسلمان مرد اور عورت جو مکہ میں مغلوب اور مظلوم تھے ان کو بشارت کہلا بھیجی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جاوے گا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے مکہ میں روک لیا۔ ان کی واپسی میں جو دیر لگی تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دئے گئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید اب لڑائی کا موقع ہو جاوے تمام صحابہ کرام سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جو اسلامی تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی تو ڈر گئے اور حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا۔

واقعہ چہارم:۔ پھر مکہ کے چند رؤسا بغرض صلح حدیبیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا جس پر اول بسم اللہ

لکھنے ہی میں قریش نے جھک جھک کی کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھنے دیں گے اور وہی پرانا کلمہ باسمک اللّٰھم لکھا جائے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر تکرار کی کہ صرف ابن عبداللہ لکھا جائے۔ اس پر گفتگو ہوتی رہی اور صحابہ کرام کو جوش اور غصہ بھی آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخران دونوں باتوں کو منظور فرمایا اور مسلمانوں نے بھی ضبط کیا اور صلح نامہ لکھا گیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیے اور سال آئندہ آ کر عمرہ کر لیجئے اور ایک شرط یہ تھی کہ دس سال تک قریش سے لڑائی نہ ہوگی چنانچہ آپ نے حدیبیہ ہی میں قربانی کی اور حلق وقصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کو واپس تشریف لے چلے۔

واقعہ پنجم:۔ حدیبیہ میں قبل صلح ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک جماعت مسلح اہل مکہ میں سے خفیہ حدیبیہ اس ارادہ سے آئی کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دیں لیکن صحابہ نے ان کو پکڑ لیا مگر آپ نے ان کو رہا کر دیا۔

واقعہ ششم:۔ جب آپ مدینہ منورہ سے مکہ کو بغرض عمرہ چلے تھے تو آپ کو بھی قریش کی طرف سے لڑائی کا شبہ تھا۔ اس لئے آپ نے زیادہ مجمع کے ساتھ عمرہ کو جانا مصلحت سمجھا چنانچہ آپ نے اطراف مدینہ اہل دیہات میں بھی اس کا اعلان کرا دیا کہ تم کو بھی چلنا چاہئے مگر بعض لوگ بوجہ نفاق کے نہیں گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ مکہ میں بڑا مجمع ہوا ہے، ہم تو ان کے مقابلہ میں نہیں جاتے اور آپ کی اور مومنین صادقین کی نسبت کہا کہ یہ لوگ بچ کر نہیں آویں گے اور جب آپ واپس تشریف لائے تو ان منافقین نے حاضر ہو کر جھوٹے جھوٹے عذر کر دیئے۔

واقعہ ہفتم:۔ آپ حدیبیہ سے مدینہ کو واپس تشریف لاتے تھے کہ راہ میں یہ سورۂ فتح نازل ہوئی اور یہ سب واقعات ذیقعدہ ۶ ھ میں ہوئے۔

واقعہ ہشتم:۔ آپ حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر محرم ۷ ھ میں فتح خیبر کے لئے جو مدینہ سے شمال میں چار منزل پر شام کی سمت میں یہود کا ایک شہر تھا تشریف لے چلے اور وہ فتح ہو گیا۔

واقعہ نہم:۔ سال آئندہ یعنی ذیقعدہ ۷ ھ میں آپ حسب معاہدہ گذشتہ سال کے فوت شدہ عمرہ کی بجائے پھر عمرہ کے لئے تشریف لے چلے چنانچہ آپ نے مکہ پہنچ کر امن وامان سے عمرہ ادا فرمایا۔

واقعہ دہم:۔ صلح نامہ حدیبیہ میں جو دس سال تک قریش سے لڑائی موقوف رہنے کا معاہدہ لکھا گیا تھا اس کے خلاف قریش نے نقض عہد کیا جس پر آپ نے رمضان ۸ ھ میں مکہ پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

یہ ہیں مختصراً وہ متعدد واقعات کہ جن کی طرف اس سورۃ میں مختلف آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے جن کو ذہن میں رکھنے سے آئندہ تفسیر وتشریح کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

الغرض خلاصہ اس سورۃ کا یہ ہے کہ صلح حدیبیہ ایک بڑی فتح بتلائی گئی اور مستقبل میں فتح ونصرت کی بشارت کے علاوہ مومنین کے لئے جنت کی بشارت اور منافقین کے لئے اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کی خبر دی گئی۔ اور منافقین کی بدکرداریوں کا ذکر فرمایا گیا۔ بیعت رضوان اور اس میں شریک صحابہ کرامؓ کے لئے رضائے الٰہی کی بشارت دی گئی پھر صلح حدیبیہ کی ان حکمتوں میں اور مصلحتوں میں سے چند کا تذکرہ فرمایا گیا جن کو نہ جاننے سے مسلمان آزردہ خاطر تھے اور جن کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ رسالت وہاں تک پہنچی ہوگی۔ حضورؐ کے مدینے کے خواب کا تذکرہ فرمایا گیا کہ وہ بالکل صحیح تھا اور اس کی تعبیر جلد ہی سامنے آئے گی۔ اخیر میں صحابہ کرام کی چند عظمتوں کا بیان فرمایا گیا اور ان کی عادتوں اور باتوں کو سراہا گیا اور ان کو باقی مسلمانوں کے لئے دنیا کے ختم ہونے تک نمونہ قرار دیا گیا اور بتلایا گیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے قدم بقدم چلیں اور وہی عادتیں اور باتیں اختیار کریں جو صحابہؓ نے کی تھیں۔ ایمان والوں کو آپس میں ملاپ محبت اور اخلاص سے رہنے کی تلقین فرمائی گئی اور بشارت سنائی گئی کہ جو لوگ اللہ کو مان کر نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سے اللہ نے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی خطائیں بخش دی جائیں گی اور ان کو آخرت میں مغفرت اور اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ یہ ہے خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔ اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کردے اور آپ کو سیدھے راستہ

مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ‏ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَـصۡرًا عَزِيۡزًا ‏۝۳

پر چلائے۔ اور اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو۔

لِيَغْفِرَ تاکہ بخشدے	لَكَ آپ کیلئے	اللّٰهُ اللہ	مَا تَقَدَّمَ جو پہلے گزرے	مِنْ سے	ذَنْۢبِكَ آپ کے ذنب (الزام)	وَمَا تَاَخَّرَ اور جو پیچھے ہوئے	
وَ اور	يُتِمَّ وہ مکمل کردے	نِعْمَتَهٗ اپنی نعمت	عَلَيْكَ آپ پر	وَيَهْدِيَكَ اور آپ کی رہنمائی کرے	صِرَاطًا راستہ	مُّسْتَقِيْمًا سیدھا	
وَّيَنْصُرَكَ اور آپ کو نصرت دے	اللّٰهُ اللہ	نَصْرًا نصرت	عَزِيْزًا زبردست				

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ نے اس صلح حدیبیہ سے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔ یعنی اس صلح حدیبیہ سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ سبب ہوگئی فتح عظیم یعنی فتح مکہ اور نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور جڑ بنیاد کے تھی اور اس تحمل اور توکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں آپ سے ظاہر ہوئی اور جن خصوصی انعامات و احسانات اور اعزاز و اکرام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے نوازا اس کی طرف آگے ان آیات میں اشارہ فرمایا جاتا ہے۔ دنیا کے بھی بادشاہوں کا قاعدہ اور دستور ہے کہ وہ اپنے بہت بڑے فاتح جنرل اور امیر لشکر کو خصوصی انعام واعزاز سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے بھی اس ''فتح مبین'' کے صلہ میں آپ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جو ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں جن میں بتلایا جاتا ہے کہ پہلی چیز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا گیا وہ غفران ذنوب ہے۔ یعنی اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کی معافی۔ یہاں جیسے پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے یہ سمجھ لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے نبی اور پیغمبر ہونے کے باعث معصوم تھے اور تمام گناہوں سے پاک و مبرا۔ پھر آپ کے حق میں غفران ذنوب یعنی گناہوں سے معافی کی بشارت کے کیا معنیٰ؟ یہ تو مسلم ہے کہ مسئلہ ''عظمت انبیاء'' اسلامی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے یعنی ''نبی'' ہر قسم کے عملی اور ارادی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں تو پھر ذنب کا لفظ جس کے لفظی معنیٰ خطا و گناہ کے ہوتے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی قرآن کریم میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے اس کی کیا حقیقت ہے اور یہ لفظ کس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اس کی تشریح ضروری ہے اس لئے پہلے ''عصمت انبیاء'' کا مفہوم مختصر الفاظ میں سمجھ لیجئے تا کہ قرآن کریم کے ایسے مقامات سمجھنے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

عصمت نبی کے معنیٰ

خالق کائنات نے انسان کی تخلیق متضاد قوتوں کے ساتھ فرمائی ہے یعنی اس کو نیک و بد دونوں قسم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ اس لئے انسان گناہ بھی کرسکتا ہے اور نیکی بھی۔ وہ ارادہ بد کا بھی حامل ہے اور ارادۂ خیر کا بھی اور یہی اس کے انسانی شرف کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان متضاد قوتوں کے حامل جنس انسان میں سے حضرت حق تعالیٰ انسانی رشد و ہدایت اور وصول الی اللہ کے لئے کبھی کبھی کسی ذات کو چن لیتے اور اس کو اپنا رسول نبی اور پیغمبر بنا لیتے اور اس سلسلہ کی آخری کڑی ذات اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو جب کوئی ہستی نبوت کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے چن لی جاتی ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عمل اور ارادہ کی زندگی میں ہر قسم کی نافرمانیوں سے منزہ ہو تا کہ پیغام الٰہی کے منصب میں خدا کی صحیح نیابت ادا کر

یک۔ س طرح اللہ کے نبی جہاں انسان ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں سوتے ہیں اور اہل وعیال کی زندگی سے بھی وابستہ رہتے ہیں اور خوشی اور غم کے مواقع سے خوش اور غمگین بھی ہوتے رہتے ہیں تاہم وہ ہر قسم کے عملی اورارادی گناہوں سے پاک بھی ہیں کیونکہ وہ ہر قسم کی نیکی کے لئے ہادی ومرشد اور خدا کے نائب وخلیفہ ہیں اگر چہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح متضاد قوتوں کے حامل ضرور ہیں لیکن عمل اور ارادہ میں ان سے ہر قسم کی بدی کے ظہور کو ناممکن اور محال کر دیا گیا ہے تاکہ ان کا ہر ارادہ اور ہر عمل اور ہر قول۔غرض ہر حرکت وسکون کائنات کے لئے اسوہ نمونہ بن سکے۔البتہ بشریت وانسانیت سے متصف ہونے کی بنا پر سہو۔نسیان اور لغزش کا امکان باقی رہتا اور کبھی کبھی عملی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔جس پر فوراً ہی حق تعالیٰ کی طرف سے متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ایسی لغزش اور بھول چوک کا اطلاق ایسی حقیقت پر ہوتا ہے جہاں نہ عمل میں اور نہ کردار میں تمرد اور سرکشی کا دخل ہو اور نہ قصد وارادہ کے ساتھ حکم کی خلاف ورزی کا اور ساتھ ہی وہ عمل اپنی حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے قبیح بد اور شر بھی نہ ہو بلکہ اپنی ذات میں اباحت اور جواز کا درجہ رکھتا ہو مگر کرنے والے کی ہستی کے شایان شان نہ ہو چونکہ نبی پر حق تعالیٰ کی مستقل حفاظت ونگرانی رہتی ہے اس لئے فوراً ہی ان کو متنبہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ عمل تمہاری جلالت قدر اور عظمت مرتبہ کے شایان شان نہیں ہے۔یہ ہے مختصراً تحقیق عصمت انبیاء کی اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود معصوم ہونے کے لفظ ذنب یا اس کا مرادف جہاں بھی استعمال ہوا ہے وہاں وہی اجتہادی لغزش مراد ہے جو آپ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے بارگاہ خداوندی میں کوتاہی سمجھی جائے جس کی کہ ایک مثال وہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بار ایک نابینا صحابی حضرت ابن مکتوم آئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سرداران کفار قریش کو سمجھا رہے تھے اور ان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ ان نابینا صحابی نے بیچ میں آ کر ٹوک دیا اور خود پوچھنے لگے۔اس وقت یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار خاطر ہوا جس کا ذکر ۳۰ ویں پارہ

کی سورۂ عبس وتولیٰ کی ابتدا میں فرمایا گیا ہے اب ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف مسلمان ہو اور ایک طرف ایک کافر تو اس وقت مسلمان کے فرعی سوال کو ملتوی کر کے اس کافر کو اصل دین کی طرف متوجہ کرنا کون نہیں جانتا کہ عبادت ہے اور آپ نے اجتہاد سے اس کو مقدم رکھا مگر آپ کا یہ اجتہاد حق تعالیٰ کو پسند نہ آیا جیسا کہ سورۂ عبس میں حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا اور ناپسندیدگی کی وجہ بھی ظاہر فرمادی کہ وہ اندھے صحابی طالب صادق تھے اور آپ کے فیض توجہ سے ان کا حال سنور جاتا اور ان کا نفس مزکی ہو جاتا اور آپ کی بات ان کے کان میں پڑتی تو وہ اخلاص سے اس کو سوچتے اور سمجھتے اور ان کے کام آتی اور یہ کفار قریش جو اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ ورسول کے آگے جھکیں آپ ان کے درپے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے؟ آپ کا فرض دعوت وتبلیغ کا تھا وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں آگے ان لاپروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں غرض کہ ایسے امور میں آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا اور یہاں آیت میں اس بات کی بشارت دی گئی کہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب لغزشیں جو آپ کے مرتبہ اعلیٰ کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں۔یہ بشارت حق تعالیٰ نے اور کسی بندے کے لئے نہیں فرمائی مگر باوجود اس بشارت کے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس آیت مبارک کے نزول کے بعد حضور اقدسؐ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور صحابہ اور اہل بیت کو دیکھ کر رحم آتا تھا صحابہ عرض کرتے یارسول اللہؐ آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا تو آپ ارشاد فرماتے افلا اکون عبداً شکوراً تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اللہ اکبر یوم محشر میں شفاعت کی ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت آدمؑ سے لے کر یکے بعد دیگرے

حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچے گی اور شفاعت کی درخواست کرے گی تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ مجھ میں اس کام کی ہمت نہیں میری امت نے مجھ کو کبھی تو خدا کا بیٹا قرار دیا اور کبھی عین خدا اور ان اقوال کی تعلیم کو میری طرف منسوب کیا۔ پس میں ان اقوال کی تحقیقات کے مواخذہ سے ڈرتا ہوں اور تاب شفاعت نہیں رکھتا البتہ تم حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پاس جاؤ کہ آپ محبوب خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اگلے پچھلے تمام گناہوں کی معافی کی خوشخبری دی ہے۔ وہ خاتم النبیین ہیں اور بجز ان کے یہ شفاعت اور کسی کا کام نہیں تو معلوم ہوا کہ حضور اقدسؐ کی یہ خصوصیت کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا ہے حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام اور تمام مخلوق جو یوم محشر میں جمع ہوگی سب پر ظاہر ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے مقدس و معظم رسول کے طفیل سے ہم گناہ گار امتیوں کی خطاؤں اور گناہوں کو بھی معاف فرمادیں۔

الغرض ان چار چیزوں میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو سرفراز فرمایا پہلی چیز یہ تھی کہ اگلی اور پچھلی تمام کوتاہیاں آپ کی معاف فرمادی گئیں۔

دوسرا اعزاز واکرام یہ بیان فرمایا کہ صرف تقصیرات سے درگزر نہیں کیا گیا بلکہ جو کچھ ظاہری اور باطنی اور جسمانی وروحانی انعامات و احسانات اب تک ہو چکے ہیں ان کی پوری تکمیل اور تتمیم کی جائے گی۔

تیسرا اعزاز واکرام بیان فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی آپ کو عبدیت اور استقامت کی سیدھی راہ پر اللہ تعالیٰ قائم رکھے گا اور معرفت الٰہی کے غیر محدود مراتب پر فائز فرمائے گا۔ لوگ جوق در جوق آپ کی ہدایت سے اسلام کے سیدھے راستہ پر آئیں گے اور اس طرح آپ کے اجر وحسنات کے ذخیرہ میں بے شمار اضافہ ہوگا۔

چوتھا اعزاز واکرام جس سے آپ کو نوازا گیا یہ بیان فرمایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ایسی مدد آپ کے لئے آئے گی جسے نہ کوئی روک سکے گا نہ دبا سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا غلبہ عنایت فرمائے گا کہ جس میں عزت ہی عزت ہوگی۔ اے اللہ اپنے اس عزت والے رسول کے صدقہ اور طفیل میں آپ کی امت اور آپ کے دین کو بھی عزت مرحمت فرما۔ آمین۔

یہاں ان آیات میں ان نعمتوں کا ذکر تھا جو اس واقعہ صلح حدیبیہ میں حضورؐ کے متعلق تھیں آگے ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اس واقعہ میں آپ کے ہمراہی مومنین یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق تھیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جو ہم کو سیدنا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اشرف الانبیاء والمرسلین کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

اے اللہ ایسے نبی معظم۔ اور رسول مکرم کی مخالفت اور نافرمانی سے آپ امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو بچا لیجئے۔ اور اس امت کو پھر بھولا ہوا سبق یاد کر لینے کی توفیق مرحمت فرما دیجئے۔ اور اسلام اور مسلمین کو وہ غلبہ عطا فرما دیجئے کہ جس میں عزت ہی عزت ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو، اور آسمان وزمین کا سب لشکر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

اللہ ہی کا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشت میں داخل کرے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ﴿۵﴾

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ کو رہیں گے اور تا کہ ان کے گناہ دور کردے، اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

هُوَ وہی	اَلَّذِیْ وہ جس	اَنْزَلَ اتاری	السَّكِیْنَةَ سکینہ (تسلی)	فِیْ میں	قُلُوْبِ (جمع) دل	الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں	لِیَزْدَادُوْا تاکہ وہ بڑھائے
اِیْمَانًا ایمان	مَعَ ساتھ	اِیْمَانِهِمْ ان کا ایمان	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	جُنُوْدُ لشکر (جمع)	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَكَانَ اور ہے
اللّٰهُ اللہ	عَلِیْمًا جاننے والا	حَكِیْمًا حکمت والا	لِیُدْخِلَ تاکہ وہ داخل کرے	الْمُؤْمِنِیْنَ مومن مردوں	وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتیں	جَنّٰتٍ جنت	
تَجْرِیْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِهَا انکے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِیْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَا ان میں	وَیُكَفِّرَ اور دور کردے گا	عَنْهُمْ ان سے	
	سَیِّاٰتِهِمْ ان کی برائیاں	وَكَانَ اور ہے	ذٰلِكَ یہ	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	فَوْزًا عَظِیْمًا بڑی کامیابی		

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس "صلح حدیبیہ" کو ایک شاندار فتح بتایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صلح میں صبر وتحمل سے کام لینے میں بطور اعزاز و اکرام کے چار چیزوں سے نوازا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ساری اگلی پچھلی خطاؤں اور بھول چوک کی معافی کی بشارت دی۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال انعامات آپ پر پورے کر کے رہیں گے۔ تیسرے یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سیدھے راستہ سے کبھی ہٹنے نہ دیں گے اور چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی زبردست نصرت و مدد آپ کے شامل حال رہے گی چنانچہ الحمد للہ یہ سب کچھ پورا ہوا۔ اسلام میں بے روک ٹوک لوگوں کے جتھے کے جتھے داخل ہونے لگے۔ تمام جزیرۃ العرب میں اسلام ہر طرف پھیل گیا اور دشمنوں کے دلوں پر اسلام اور مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا اور بڑی بڑی شاندار لڑائیاں آسانی سے فتح ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ سارے جزیرۃ العرب میں کوئی مخالف اسلام سر اٹھانے کے لائق نہ رہا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب گذشتہ آیات انا فتحنالک فتحاً مبیناً سے نصراً عزیزاً تک نازل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو پڑھ کر سنائیں تو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور کہا یا رسول اللہ یہ تو آپ کے لئے ہوا۔ ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ان نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جو اس واقعہ صلح حدیبیہ میں صحابہ کرام سے متعلق ہیں چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور سکینہ اتار کر مومنین کا ایمان بڑھایا۔ یعنی صحابہ کرام باوجود یہ صلح خلاف طبع ہونے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مطمئن ہو گئے اور ضدی کافروں کے ساتھ ضد نہیں کرنے لگے۔ اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا۔ عرفان ویقین میں ترقی ہوئی اول بیعت جہاد کر کے صحابہ کرام نے ثابت کر دیا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے اور اپنی جان کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایمان کا ایک رنگ تھا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو ان کے ایمان کا یہ دوسرا رنگ تھا کہ اپنے پر جوش جذبات کو زور

سے دبا کر اللہ و رسول کے فیصلہ کے آگے گردن جھکا دیں۔ تو صحابہ کرامؓ پر اس موقع صلح حدیبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ مومنین کے دلوں میں تحمل پیدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت اختیار کی اور آپ کی اطاعت سے ان کا نور ایمان اور بڑھا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس وقت قتال کا حکم دینا تمہارے لئے مصلحت ہے اور کس موقع پر قتال سے باز رکھنا اور صلح کرنا حکمت ہے۔ تم کو اگر قتال کا حکم ہو تو کبھی کفار کی کثرت کا خیال کر کے پس و پیش نہ کرنا کیونکہ آسمان و زمین کے لشکروں کا مالک اللہ ہی ہے۔ جو تمہاری قلت کے باوجود اپنے غیبی لشکروں سے تمہاری مدد کر سکتا ہے اور اگر صلح کرنے اور قتال سے رکنے کا حکم اللہ دے تو اس کی تعمیل کرو اور یہ خیال نہ کرنا کہ افسوس صلح ہوگئی اور کفار بچ نکلے اور ان کو سزا نہ ملی۔ اگر قتال کا حکم مل جاتا تو ہم ان کافروں کو ہلاک کر ڈالتے تو سمجھ لو کہ ان کا ہلاک ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے دوسرے لشکروں سے کافروں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ اب یہاں یہ بات تو انہی کی سمجھ میں آ سکتی ہے جن کا ایمان کامل اور یقین صادق قرآن پر ہو۔ اور جن کے نزدیک قرآن میں ان کے مسائل کا حل ہی موجود نہیں وہ اللہ کے غیبی لشکروں کو کیا سمجھیں گے۔

بہر حال یہاں بتلایا گیا کہ زمین اور آسمان کے لشکروں کا مالک جو حکم دے گا تو ضرور اسی میں بہتری اور حکمت ہوگی۔ مومنین کا کام تعمیل حکم ہے۔ آگے اطاعت اور تعمیل حکم کا ثمرہ بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس اطاعت کی بدولت اہل ایمان کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں جنت میں داخل فرمائے اور تاکہ اس اطاعت کی بدولت اہل ایمان خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں جنت میں داخل فرمائے اور تاکہ اس اطاعت کی بدولت ان کے گناہوں کو دور کردے اور ان کی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف فرمادے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کی بڑی کامیابی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جن اصحاب نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ان میں سے ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

دیکھئے یہاں بھی آخرت میں گناہوں کی معافی اور جنت میں داخلہ اس کو فوز عظیم یعنی بڑی زبردست کامیابی فرمایا گیا ہے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس جگہ لکھا ہے کہ بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال کہہ دیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا تو ناقصوں کا کام ہے لیکن یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کا بڑا کمال یہی ہے کہ آخرت میں خدائے ذوالجلال والاکرام کی ناراضگی کی جگہ یعنی جہنم سے بچ جائے اور اس کی رضا کے مقام یعنی جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔ **اللّٰھم انا نسئلک رضاک والجنة ونعوذبک من غضبک والنار آمین**

الغرض ان آیات میں مومنین و مومنات کا ذکر خیر فرمایا گیا۔ آگے ان کے مقابل یعنی مشرکین و مشرکات اور منافقین و منافقات کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آخرت کی سرخروئی اور کامیابی ہم سب کو نصیب فرمائیں اور اپنی دائمی و ابدی جنتوں میں ہمارا داخلہ مقدر فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں ہر حال میں اپنے احکام کی ظاہری و باطنی اطاعت نصیب فرمایئے اور اس کے ثمرہ میں ہمارے دلوں میں نور ایمان زیادہ سے زیادہ فرمایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ

اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں، ان پر

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾ وَلِلّٰهِ

بُرا وقت پڑنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوگا، اور ان کو رحمت سے دُور کردے گا اور اُن کیلئے اُس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾

اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا کر کے بھیجا ہے۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾

تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔

وَيُعَذِّبَ اور وہ عذاب دے گا	الْمُنٰفِقِيْنَ منافق مردوں	وَالْمُنٰفِقٰتِ اور منافق عورتوں	وَالْمُشْرِكِيْنَ اور مشرک مردوں	وَالْمُشْرِكٰتِ اور مشرک عورتوں		
الظَّآنِّيْنَ گمان کرنیوالے	بِاللّٰهِ اللہ کیساتھ	ظَنَّ السَّوْءِ گمان بُرے	عَلَيْهِمْ ان پر	دَآئِرَةُ دائرہ (گردش)	السَّوْءِ بری	وَغَضِبَ اللّٰهُ اور اللہ نے غضب کیا
عَلَيْهِمْ ان پر	وَلَعَنَهُمْ اور ان پر لعنت کی	وَاَعَدَّ لَهُمْ اور تیار کیا ان کیلئے	جَهَنَّمَ جہنم	وَسَآءَتْ اور بُرا ہے	مَصِيْرًا ٹھکانا	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے
جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ لشکر (جمع) آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَكَانَ اللّٰهُ اور ہے اللہ	عَزِيْزًا غالب	حَكِيْمًا حکمت والا	اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بیشک ہم نے آپ کو بھیجا	
شَاهِدًا گواہی دینے والا	وَّمُبَشِّرًا اور خوشخبری دینے والا	وَّنَذِيْرًا اور ڈرانے والا	لِّتُؤْمِنُوْا تا کہ تم ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اسکا رسول	
وَتُعَزِّرُوْهُ اور اسکی مدد کرو	وَتُوَقِّرُوْهُ اور اسکی تعظیم کرو	وَتُسَبِّحُوْهُ اور اس (اللہ) کی تسبیح کرو	بُكْرَةً صبح	وَّاَصِيْلًا اور شام		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ذکر ہوا تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صحابہ کرامؓ نے بیعت رضوان کے سلسلہ میں جس بہادری اور جان نثاری کا بے مثال ثبوت دیا اور پھر اپنی مرضی اور جذبات کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر جو سر تسلیم خم کر دیا اس کی مثال صحابہ کرام کے علاوہ تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ پھر اس اطاعت اور فرمانبرداری کا نتیجہ بھی بیان فرما دیا گیا تھا کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو جنت کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنے کو جگہ دی جائے گی اور انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی بڑی کامیابی ہے کہ اس کی خطا وقصور معاف فرما کر اس کو اللہ تعالیٰ اپنے رضا کے مقام جنت میں داخل فرما دے گا۔ تو جہاں اس صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مومنین کے دلوں میں صلح کی طرف سے اطمینان پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور اسلامی فتوحات وترقیات کا دروازہ کھول دیا اسی طرح یہ صلح حدیبیہ کافروں اور منافقوں پر مصیبت ٹوٹنے اور انجام کار ان کو پوری طرح سزا ملنے کا ذریعہ بن گئی۔ جیسا اس سورۃ کے ابتدائی درس میں بتلایا جا چکا ہے کہ ذیقعدہ ۶ ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ہمراہی تخمیناً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ بغرض عمرہ روانہ ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قریش کی طرف سے لڑائی کا خطرہ اور شبہ تھا اس لئے آپؐ نے زیادہ مجمع کے ساتھ جانا مصلحت سمجھا اس لئے آپ نے اطراف مدینہ اہل دیہات میں بھی اس کا اعلان کرا دیا کہ تم کو بھی عمرہ میں چلنا چاہئے مگر جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور درحقیقت منافقین

تھے وہ اس ایمان کے ساتھ مکہ نہیں آئے اور بہانہ بنا کر بیٹھ رہے اور اپس میں کہنے لگے کہ مکہ میں قریش کا بڑا مجمع ہوا ہے۔ مڈبھیڑ ضرور ہوکر رہے گی اور یہ مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے اور ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔ کیونکہ وطن سے دور دشمن کا دیس ہوگا ان کے پاس نہ فوج ہے نہ ہتھیار ہم کیوں ان کے ساتھ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں اور ہمراہ جا کر تباہی مول لیں چنانچہ مدینہ سے چلتے وقت بجز ایک شخص جد بن قیس کے کوئی منافق عمرے کے لئے نہ نکلا۔ ادھر مشرکین مکہ نے سوچا کہ مسلمان عمرہ کے نام سے آ رہے ہیں لیکن فریب و دغا سے چاہتے ہیں کہ مکہ معظمہ ہم سے چھین لیں اور مکہ پر قبضہ جمالیں تو یہاں ان دونوں یعنی مشرکین اور منافقین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان دونوں نے اللہ کے ساتھ برا گمان کیا۔ منافقین نے سوچا کہ ان مسلمانوں کی مدد نہ ہوگی اور یہ ہلاکت میں پڑیں گے اور مشرکین نے اللہ کے ماننے والوں کو دغا باز سمجھا ان دونوں گروہوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی شامت ان کو گھیرنے ہی والی ہے۔ یہ مصیبت کے چکر میں پھنس کر رہیں گے۔ یہ کہاں تک احتیاطیں اور پیش بندیاں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہے اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ یہ جہنم میں جائیں گے جو برا ٹھکانہ ہے اور جب خدا سزا دینا چاہے تو کون ہے جو بچا سکتا ہے۔ خدائی لشکر ایک لمحہ میں چاہے تو پیس کر رکھ دے مگر اللہ تعالیٰ زبردست ہونے کے ساتھ حکمت والا بھی ہے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ فوراً ہاتھوں ہاتھ ان کا استیصال کیا جائے آگے اللہ و رسول کے حقوق کا اور ان حقوق کے بجالانے والوں کی فضیلت اور نہ بجالانے والوں کی مذمت کا بیان ہے اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اعمال امت پر قیامت کے دن گواہی دینے والا اور دنیا میں اہل ایمان کے لئے بشارت و خوشخبری دینے والا کہ آخرت میں ایمان و عمل صالح کے عمدہ نتائج ملیں گے اور کفار و مشرکین کو خوف دلانے والا اور ان کو آخرت کی بربادی سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ اے بنی آدم تم اللہ کی اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ ایمان لاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی عزت و توقیر کرو۔

علما نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب و فرض ہے۔ ذرا بھی کوئی توہین کرے گا وہ فیض رسالت سے محروم رہے گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ **تعزروہ و توقروہ** یعنی اللہ کے رسول کی مدد کرو اور آپ کی تعظیم کرو۔ تو یہاں آپ کی مدد کرنے سے آپ کے دین کی مدد کرنا مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی مدد آپ کے دین ہی کی مدد ہے پھر آپ کی توقیر و عزت میں آپ کے سنت کی اتباع اور اجراء اور اس کے قیام اور تبلیغ میں اعانت اور جان و مال سے شریک ہونا یہی آپ کی سچی توقیر و عزت ہے۔ قرآن کریم کے اس ایک جملہ **وتعزروہ و توقروہ** اور اس رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اس میں اجمالاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل اور تفسیر میں علما نے بہت کچھ وضاحت اور طویل تقریریں تحریر فرمائی ہیں جس کے بیان کی اس درس میں گنجائش نہیں۔ مختصراً آپ کے سارے حقوق ان تین الفاظ میں آ جاتے ہیں۔ آپ کی محبت' آپ کی عظمت اور آپ کا اتباع۔ اگر ان تین میں سے ایک چیز بھی نہ ہوگی تو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔

اخیر میں فرمایا جاتا ہے کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔

اب آگے صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں جو واقعہ بیعت رضوان واقع ہوا تھا اس کے متعلق اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ

جولوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کررہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پھر جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا

عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۰

وبال اُسی پر پڑے گا، اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر خدا سے عہد کیا ہے سو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ بیشک جولوگ	يُبَايِعُونَكَ آپ سے بیعت کررہے ہیں	إِنَّمَا اسکے سوانہیں کہ	يُبَايِعُونَ اللَّهَ وہ اللہ سے بیعت کررہے ہیں	يَدُ اللَّهِ اللہ کا ہاتھ
فَوْقَ أَيْدِيهِمْ انکے ہاتھوں کے اوپر	فَمَن نَّكَثَ پھر جس نے توڑ دیا عہد	فَإِنَّمَا تو اس کے سوانہیں	يَنكُثُ اس نے توڑ دیا	عَلَىٰ نَفْسِهِ اپنی ذات پر
وَمَنْ اور جس	أَوْفَىٰ پورا کیا	بِمَا عَاهَدَ جو اس نے عہد کیا	عَلَيْهُ اللَّهَ اللہ پر۔ سے	فَسَيُؤْتِيهِ تو وہ عنقریب اسے دیگا	أَجْرًا عَظِيمًا اجر عظیم

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے ابتدائی درس میں یہ بتلایا جاچکا ہے۔اس سورۃ کا نزول صلح حدیبیہ ۶ھ سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہوا تھا۔اس سورۃ میں جن متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے وہ ابتدائی درس میں مختصراً بیان کئے جاچکے ہیں۔اس آیت میں بھی ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو تاریخ اسلام میں ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور ہے۔اسی سورۃ میں آگے تیسرے رکوع کی ابتدا میں اسی بیعت رضوان کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔جب قریش مکہ کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ آ رہے ہیں تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کرلیا کہ آپ کو مکہ میں ہرگز نہ آنے دیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد ایک صحابی حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کردیں کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کے لئے نہیں آئے۔اہل مکہ نے اسلام دشمنی میں ان کے اونٹ کو ذبح کرڈالا اور ارادہ کیا کہ ان صحابی کو بھی قتل کرڈالیں مگر آپس ہی کے بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر ان کو بچادیا۔حضرت خراشؓ اپنی جان بچا کر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔تب آپ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عمرؓ کو پیام دے کر اہل مکہ کے پاس بھیجیں تو حضرت عمرؓ نے معذرت کی اور عرض کیا یارسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم ہیں اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں جو مجھے بچا سکے۔اگر آپ حضرت عثمانؓ کو بھیجیں جن کی مکہ میں قرابتیں ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔آپؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ابوسفیان اور روسائے مکہ کو ہمارا پیام پہنچا دو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں۔ہم تو آنے دو۔عمرہ کر کے چلے جائیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ جو کمزور مسلمان مکہ میں مغلوب اور مظلوم تھے ان کو یہ بشارت سنادو کہ گھبرائیں نہیں۔عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا۔حضرت عثمانؓ اپنے ایک عزیز کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچایا اور ضعفاء مسلمین کو بشارت سنائی۔ابوسفیان وغیرہ نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دوسرے رفقاء کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔تم اگر تنہا طواف بیت اللہ کرنا چاہو تو کرسکتے ہو۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ تو میں ہرگز نہیں کرسکتا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف اور عمرہ کو تنہا ادا کرلوں۔قریش نے جب حضرت عثمانؓ کا یہ اصرار دیکھا تو ان کو واپس جانے سے روک لیا۔ادھر مسلمانوں میں یہ خبر اس طرح پہنچی کہ حضرت عثمانؓ قتل کردیئے گئے۔مسلمانوں کے لئے یہ خبر ایک بہت بڑا سانحہ تھا جس سے ہر شخص مضطرب اور بے قابو ہوا جارہا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا کہ جب تک میں ان سے بدلہ نہ لے لوں گا۔یہاں سے حرکت نہ کروں گا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام سے اس بات پر بیعت لی کہ

جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد وقتال کریں گے۔ مر جائیں گے مگر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے تمام صحابہ کرام نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور احادیث صحیحہ میں ان حضرات صحابہ کی بڑی فضیلت آئی ہے جو اس بیعت میں شریک تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت عثمان غنیؓ چونکہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اور اس بیعت کے وقت حاضر نہ تھے اس لئے ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔ یہ خصوصی فضیلت حضرت عثمانؓ کو نصیب ہوئی کہ آپ نے اپنے ہی دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کر لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں سے بیعت لے چکے تو ہر ایک مسلمان کے دل میں ایک والہانہ جوش وخروش پیدا ہو گیا۔ جس کی خبر مکہ میں بھی پہنچی مشرکین مکہ اس سے گھبرائے اور خوف زدہ ہو کر مسلمانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ قتل عثمان کی خبر غلط ہے اور ہم ان کو صحیح سلامت آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان صحیح سلامت حدیبیہ واپس تشریف لے آئے۔ چونکہ جہاد کی یہ بیعت بہت ہی نازک اور اہم موقع پر لی گئی اور حضرات صحابہ نے پورے ولولہ اور جذبہ ایثار کے ساتھ اس بیعت کو کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس جانبازی اور فداکاری کی قدر منزلت فرمائی اور اپنی رضا اور خوشنودی کا پروانہ مرحمت فرما کر ان کے اس کارنامہ کو زندہ جاوید بنا دیا اور اسی حقیقت کے پیش نظر اسلامی تاریخ میں اس کا نام ''بیعت رضوان'' قرار پایا جس کا ذکر اس آیت میں بھی فرمایا گیا اور آگے تیسرے رکوع کی ابتدا میں بھی فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل وتاکید بیعت کے ذریعہ سے کراتا ہے جب بیعت نبوی کی یہ حقیقت ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست شفقت وحمایت ان کے ہاتھ کے اوپر ہوگا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے۔ مشائخ طریقت کی بیعت جن کا سلسلہ حضورؐ سے لے کر آج تک جاری ہے اگر بطریق مشروع ہو تو اس کی اصل بھی یہی بیعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ بیعت کے وقت جو قول وقرار کیا جاتا ہے اگر کوئی اس کو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ ورسول کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی اور جس نے استقامت دکھلائی اور اپنے عہد وپیمان کو مضبوطی سے پورا کیا تو اس کا بدلہ بھی بہت پورا حق تعالیٰ کی طرف سے ملے گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں بیعت کا لفظ چونکہ عام ہے اس لئے جس عہد واجب الایفاء کو توڑے گا سو اس کے لئے یہی وعید ہے جو یہاں آیت میں ظاہر فرمائی گئی یعنی جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اب یہاں ہر کلمہ گو اپنے ذہن میں اس بات کو تازہ کر لے کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر کیا اقرار و عہد کرتا ہے اور اپنے اس عہد کو کہاں تک پورا کرتا ہے۔ ایک کلمہ گو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اس بات کا عہد واقرار کرتا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو خدائے برحق معبود واحد اور یکتا مالک مانتا ہوں اور صرف اسی کی عبادت وبندگی کروں گا۔ اور بندے کو جس طرح اپنے مولا وآقا کے حکموں پر چلنا چاہئے اسی طرح میں اس کے حکموں پر چلوں گا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں خدا کا برحق رسول تسلیم کرتا ہوں میں ایک امتی کی طرح آپ کی اطاعت وپیروی کروں گا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرتا رہوں گا۔ اسی عہد واقرار کا نام دراصل ایمان ہے اور توحید ورسالت کی شہادت دینے کا بھی یہی مقصد ومطلب ہے لہٰذا ہر کلمہ پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے کو اس عہد وشہادت کا پابند سمجھے اور اس کی زندگی اسی اصول کے مطابق گزرے اس صورت میں وہ بے شک اللہ کے نزدیک ایک سچا مسلم ومومن ہوگا ورنہ زبان سے کلمہ پڑھنا اور عملاً کلمہ میں کئے ہوئے اقرار کے خلاف اپنا طرز عمل رکھنا یہ عہد وپیمان اور قول وقرار کو توڑنا اور عہد شکنی کرنا ہے جس کی عام وعید یہاں سنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نقض عہد سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ

جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال وعیال نے فرصت نہ لینے دی سو ہمارے لئے معافی کی دعا مانگئے یہ لوگ

بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو

أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (١١) بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ

اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، بلکہ اللہ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے۔ بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول

وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ

اور مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آویں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوئی تھی اور تم نے بُرے بُرے گمان کیے، اور تم

قَوْمًا بُورًا (١٢) وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا (١٣) وَلِلَّهِ مُلْكُ

برباد ہونے والے لوگ ہوگئے۔ اور جو شخص اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لاوے گا سو ہم نے کافروں کیلئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ اور تمام

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (١٤)

آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہے بخش دے، اور جس کو چاہے سزا دے، اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔

سَيَقُولُ اب کہیں گے	لَكَ آپ سے	الْمُخَلَّفُونَ پیچھے رہ جانے والے	مِنَ سے	الْأَعْرَابِ دیہاتی	شَغَلَتْنَا ہمیں مشغول رکھا	أَمْوَالُنَا ہمارے مالوں	
وَأَهْلُونَا اور ہمارے گھر والے	فَاسْتَغْفِرْ لَنَا اور بخشش مانگئے ہمارے لئے	يَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	بِأَلْسِنَتِهِمْ اپنی زبانوں سے	مَا لَيْسَ جو نہیں			
فِي قُلُوبِهِمْ انکے دلوں میں	قُلْ فرمادیں	فَمَنْ تو کون	يَمْلِكُ اختیار رکھتا ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنَ اللَّهِ اللہ کے سامنے شَيْئًا کس چیز کا		
إِنْ أَرَادَ اگر وہ چاہے	بِكُمْ تمہیں	ضَرًّا کوئی نقصان	أَوْ یا	أَرَادَ بِكُمْ چاہے تمہیں	نَفْعًا کوئی فائدہ	بَلْ بلکہ	كَانَ اللَّهُ ہے اللہ
بِمَا تَعْمَلُونَ اس سے جو تم کرتے ہو	خَبِيرًا خبردار	بَلْ بلکہ	ظَنَنْتُمْ تم نے گمان کیا	أَنْ کہ	لَنْ يَنْقَلِبَ ہرگز واپس نہ لوٹیں گے	الرَّسُولُ رسول	
وَالْمُؤْمِنُونَ اور مومن (جمع)	إِلَىٰ طرف	أَهْلِيهِمْ اپنے اہل خانہ	أَبَدًا کبھی	وَزُيِّنَ اور بھلی لگی	ذَٰلِكَ یہ	فِي قُلُوبِكُمْ تمہارے دلوں میں۔کو	
وَظَنَنْتُمْ اور تم نے گمان کیا	ظَنَّ السَّوْءِ برا گمان	وَكُنْتُمْ اور تم تھے۔ہوگئے	قَوْمًا بُورًا ہلاک ہونے والی قوم	وَمَنْ اور جو	لَمْ يُؤْمِنْ ایمان نہیں لاتا		
بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اسکا رسول	فَإِنَّا أَعْتَدْنَا تو بیشک ہم نے تیار کی	لِلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے	سَعِيرًا دہکتی آگ	وَلِلَّهِ اور اللہ کیلئے		
مُلْكُ السَّمَاوَاتِ آسمانوں کی بادشاہت	وَالْأَرْضِ اور زمین	يَغْفِرُ وہ بخش دے	لِمَنْ يَشَاءُ جس کو وہ چاہے	وَيُعَذِّبُ اور عذاب دے			
مَنْ يَشَاءُ جس کو وہ چاہے	وَكَانَ اور ہے	اللَّهُ اللہ	غَفُورًا بخشنے والا	رَحِيمًا مہربان			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے جس جانبازی کے جذبے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جہاد وقتال کے لئے بیعت کی اس کی تعریف فرمائی گئی تھی اس کے بعد اب ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جو مدینہ کے قرب وجوار میں

رہنے والے بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے تھے مگر دل سے ایمان نہ لائے تھے ۔ ۶ ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے عمرہ کے لئے روانہ ہونے کا قصد فرمایا تو اس وقت آپ نے اپنی روانگی کا عام اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی شاید قرائن سے آپ کو بھی قریش کے ساتھ لڑائی کا احتمال ہوا ہو اس پر مدینہ کے قرب وجوار کے دیہاتی جنہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ جان چرا کر بیٹھے رہے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان اس سفر سے واپس آنے والے نہیں سب وہیں ختم ہوویں گے۔ انہیں منافقین کا راز ان آیات میں اور اگلی آیات میں فاش کیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل راستہ میں بذریعہ وحی بتلا دیا جاتا ہے کہ آپ کے مدینہ صحیح وسالم پہنچ جانے پر وہ لوگ اپنی غیر حاضری کے جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کرتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے کہ کیا ہم کو گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی۔ کوئی ہمارے پیچھے اہل وعیال کی خبر لینے والا نہ تھا بہر حال ہم سے کوتاہی ضرور ہوئی۔ اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کرا دیجئے۔ اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ دل میں یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے۔ اور استغفار کی درخواست کرنا بھی محض ظاہر داری کے لئے ہے۔ سچے دل سے نہیں وہ دل میں نہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور نہ آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ ان سے جو عذر ومعذرت کرنے آئیں اس طرح کہہ دیجئے کہ ہر طرح کا نفع ونقصان اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جس کی مشیت وارادہ کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا۔ تم جو کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے سفر میں نہ جا سکے تو خدا اگر تمہارے مال واولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا تم گھر میں رہ کر اسے روک دو گے یا فرض کرو اللہ تم کو کچھ فائدہ مال وعیال میں پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو تو کیا کوئی اسے روک سکتا ہے۔ جب نفع ونقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے مقابلے میں ان چیزوں کی پروا کرنا محض حماقت وضلالت ہے ان حیلوں بہانوں سے مت سمجھو کہ ہم اللہ کو خوش کر لیں گے بلکہ یاد رکھو اللہ تمہارے سب کھلے چھپے اعمال اور احوال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ واقع میں تمہارے نہ جانے کا سبب یہ نہیں کہ جو تم بیان کر رہے ہو بلکہ تمہارا خیال یہ تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اس سفر سے بچ کر واپس نہ آئیں گے یہی تمہاری آرزو تھی اور یہ غلط اٹکل اور تخمینہ تمہارے دلوں میں خوب جم گیا تھا۔ اس لئے اپنی حفاظت اور نفع کی صورت تم نے علیحدہ رہنے میں سمجھی حالانکہ یہ صورت تمہارے خسران اور تباہی کی تھی اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نہ بخشنا چاہے اس کی بخشش کیسے ممکن ہے ہاں اس کی مہربانی ہو تو تم کو توبہ کی توفیق مل جائے اور بخشش ہو جائے اس کی رحمت بہت بڑی ہے اور وہ معافی چاہنے والے کے لئے غفور الرحیم بھی ہے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ان میں سے کچھ تائب ومخلص ہو گئے تھے اور بعض پھر بھی در پردہ منافقین رہے۔ ابھی انہی منافقین کے متعلق مضمون اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو حقیقی اور سچا و پکا ایمان واسلام نصیب فرمائیں اور شکوک وشبہات سے ہمارے دلوں کو پاک رکھیں ہم کو ہر حال میں اپنی ذات پاک سے نیک گمان رکھنے اور برے گمان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو اسلام اور ایمان کی پکار پر ہمہ وقت لبیک کہنے کی توفیق عطا فرمایئے اور دین کی خدمت میں جان چرانے کی منافقانہ خصلت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے۔

یا اللہ اپنی رحمت سے ہمارے تمام ظاہری وباطنی گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور اپنی شان غفور الرحیمی سے ہماری ہر چھوٹی بڑی ظاہری وباطنی تقصیر وکوتاہی سے درگزر فرمایئے۔ اعدائے دین اسلام جو دن رات اپنی تدبیروں سے اہل اسلام کی بدحالی دیکھنا چاہتے ہیں۔

یا اللہ ان اعدائے دین کو تباہ و برباد فرمایئے اور ان کی چالوں کو ملیامیٹ فرمایئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا

جولوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں، وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں

كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، خدا تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے، تو وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو،

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ

بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں کی طرف

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ

بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع ہو جائیں، سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض دے گا، اور اگر تم

تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى

روگردانی کرو گے جیسا اس کے قبل روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے

الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اُس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۷﴾

جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جو شخص روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

سَيَقُولُ عنقریب کہیں گے	الْمُخَلَّفُونَ پیچھے بیٹھ رہنے والے	إِذَا جب	انْطَلَقْتُمْ تم چلو گے	إِلَىٰ مَغَانِمَ غنیموں کی طرف	لِتَأْخُذُوهَا کہ تم انہیں لے لو		
ذَرُونَا ہمیں چھوڑ دو (اجازت دو)	نَتَّبِعْكُمْ ہم تمہارے پیچھے چلیں	يُرِيدُونَ وہ چاہتے ہیں	أَنْ يُبَدِّلُوا کہ وہ بدل ڈالیں	كَلَامَ اللَّهِ اللہ کا فرمان			
قُلْ فرمادیں	لَنْ تَتَّبِعُونَا تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ آؤ	كَذَٰلِكُمْ اسی طرح	قَالَ اللَّهُ کہا اللہ نے	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	فَسَيَقُولُونَ پھر اب وہ کہیں گے		
بَلْ بلکہ	تَحْسُدُونَنَا تم حسد کرتے ہو ہم سے	بَلْ بلکہ۔ جبکہ	كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ وہ سمجھتے نہیں ہیں	إِلَّا قَلِيلًا مگر تھوڑا	قُلْ فرمادیں		
لِلْمُخَلَّفِينَ پیچھے بیٹھ رہنے والوں کو	مِنَ سے	الْأَعْرَابِ دیہاتیوں	سَتُدْعَوْنَ عنقریب تم بلائے جاؤ گے	إِلَىٰ قَوْمٍ اسی قوم کی طرف			
أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ سخت لڑنے والی (جنگجو)	تُقَاتِلُونَهُمْ تم ان سے لڑتے رہو	أَوْ يُسْلِمُونَ یا وہ اسلام قبول کرلیں	فَإِنْ اگر	تُطِيعُوا تم اطاعت کرو گے			
يُؤْتِكُمُ تمہیں دے گا	اللَّهُ اللہ	أَجْرًا اجر	حَسَنًا اچھا	وَإِنْ اور اگر	تَتَوَلَّوْا تم پھر گئے	كَمَا تَوَلَّيْتُمْ جیسے تم پھر گئے تھے	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل
يُعَذِّبْكُمْ وہ تمہیں عذاب دیگا	عَذَابًا عذاب	أَلِيمًا درد ناک	لَيْسَ نہیں	عَلَى الْأَعْمَىٰ اندھے پر	حَرَجٌ کوئی تنگی گناہ	وَلَا اور نہیں	
عَلَى الْأَعْرَجِ لنگڑے پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَلَا اور نہ	عَلَى الْمَرِيضِ مریض پر	حَرَجٌ کوئی گناہ	وَمَنْ اور جو	يُطِعِ اللَّهَ اطاعت کریگا اللہ کی	

5

وَرَسُوْلَهٗ اور اسکے رسول کی	يُدْخِلْهُ وہ داخل کریگا اسے	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	وَمَنْ اور جو
يَتَوَلَّ پھر جائے گا	يُعَذِّبْهُ وہ عذاب دے گا اسے	عَذَابًا اَلِيْمًا عذاب دردناک				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر ہوا تھا جو مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عمرہ کے لئے مکہ نہ گئے تھے اور جان چرا کر پیچھے بیٹھ رہے تھے۔ اس خیال سے کہ مسلمان مکہ میں مشرکین مکہ کے ہاتھوں مار کھائیں گے۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ ہی میں یہ سورۃ نازل ہوئی تھی جس میں منافقین کا راز فاش کیا گیا تھا کہ یہ واپسی پر جھوٹے حیلہ بہانہ اور عذر پیش کریں گے۔ اب آگے ان آیات میں انہی منافقین کا ایک دوسرا راز فاش کیا جاتا ہے۔ حدیبیہ سے واپس ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا جہاں غدار یہود آباد تھے اور جو معاہدہ کے خلاف جوانہوں نے مسلمانوں سے کر رکھا تھا بدعہدی کر کے جنگ احزاب میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے جس کا تفصیلی تذکرہ سورۂ احزاب ۲۱ ویں پارہ میں ہو چکا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضور صلی اللہ عیہ وسلم کو خبر دی ہے کہ وہ منافقین جو حدیبیہ نہیں گئے اب خیبر کے معرکہ میں آپ کے ساتھ چلنے کو کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے تو آپ ان سے فرما دیں کہ تمہاری استدعا سے پیشتر اللہ تعالیٰ ہم کو بتلا چکا ہے کہ تم اس سفر میں ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے۔ اس صورت میں کیا تم ہمارے ساتھ جا سکتے ہو اگر جاؤ گے تو یہ معنی ہوں گے کہ گویا اللہ کا کہا بدل دیا گیا جو کسی طرح ممکن نہیں۔ آگے حق تعالیٰ نے بتلایا کہ جب آپ ان سے یہ کہیں گے جو اوپر ذکر ہوا تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے تو کچھ بھی نہیں فرمایا۔ محض یہ چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو۔ سب مال غنیمت بلا شرکت غیرے تمہارے ہی ہاتھ آ جائے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں بہت تھوڑی سمجھ ہے۔ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے زہد وقناعت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ مال کے حریص ہیں جو تم پر حسد کریں گے اور کیا پیغمبر از راہ حسد خدا پر جھوٹ بول دیں گے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ ان منافقین سے کہہ دیں کہ اگر تم لڑنے کے ایسے ہی شوقین ہو تو ذرا صبر کرو اس لڑائی یعنی جنگ خیبر میں تو تم جا نہیں سکتے لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے ہیں۔ بڑی جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلہ ہوں گے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دے کر اسلام کی مطیع ہو جائیں۔ اگر واقعی تم کو شوق جہاد ہے تو اس وقت میدان میں آ کر داد شجاعت دینا اس موقع پر خدا کا حکم مانو گے تو اللہ بہترین بدلہ دے گا۔ اور اگر جیسے پہلے حدیبیہ جانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اگر آئندہ ان معرکوں سے پیچھے ہٹے تو اللہ تعالیٰ سخت دردناک سزا دے گا اور وہ سزا شاید آخرت سے پہلے دنیا ہی میں مل جائے۔ آگے ارشاد ہے کہ جہاد معذور لوگوں پر فرض نہیں یعنی اندھے لنگڑے اور بیماروں پر اس میں شامل ہونا فرض نہیں وہ جتنا کر سکتے ہیں کر سکیں۔ ان پر کوئی تنگی نہیں اس کے بعد عام ضابطہ اور قاعدہ تمام لوگوں کے لئے بیان کیا جاتا ہے کہ ہر معاملہ میں اور ہر کام جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرے گا اسے اللہ تعالیٰ بہشت کے باغوں میں داخل کرے گا جن میں ہر طرف نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو اللہ کی طرف سے منہ پھیر لے گا اسے ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جس میں دکھ ہی دکھ ہے۔

اب منافقین کا ذکر کرنے کے بعد پھر ان اہل ایمان کا جنہوں نے برضا ورغبت حدیبیہ میں مشرکین سے جنگ کرنے پر بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر کی تھی ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ

السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۱۹﴾

نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دے دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ تحقیق راضی ہوا	اللّٰہُ اللہ	عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنوں سے	اِذْ جب	یُبَایِعُوْنَکَ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے	تَحْتَ نیچے	الشَّجَرَۃِ درخت
فَعَلِمَ سو اس نے معلوم کرلیا	مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ جو انکے دلوں میں	فَاَنْزَلَ تو اس نے اتاری	السَّکِیْنَۃَ سکینہ (تسلی)	عَلَیْھِمْ ان پر		
وَاَثَابَھُمْ اور بدلہ میں دی انہیں	فَتْحًا قَرِیْبًا ایک فتح قریب	وَمَغَانِمَ اور غنیمتیں	کَثِیْرَۃً بہت سی	یَاْخُذُوْنَھَا انہوں نے وہ حاصل کیں		
وَکَانَ اللّٰہُ اور ہے اللہ	عَزِیْزًا غالب	حَکِیْمًا حکمت والا				

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کو مکہ معظمہ میں عمرہ کے لئے داخل ہونے سے روکا تو آپ نے حدیبیہ میں قیام کر کے مکہ والوں کے پاس حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں فقط عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے۔ مکہ والوں نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور افواہ اڑ گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام سے عہد لیا کہ اگر لڑائی ہوگئی تو دل و جان سے جنگ کریں گے اور راہ فرار کبھی اختیار نہ کریں گے۔ اسی کو اسلامی تاریخ میں ''بیعت رضوان'' کہا جاتا ہے اور اس کو بیعت رضوان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیعت کرنے والے صحابہ کرامؓ سے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی اس بیعت میں شریک ہونے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے یہ بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا اور بھی احادیث میں ان کے جنتی ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور اصحاب بدر کے بعد ان ہی حضرات کا درجہ ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

یہاں اس موقع پر مفسر حضرت علامہ عبدالحق صاحب حقانی دہلویؒ نے اپنی تفسیر حقانی میں لکھا ہے کہ یہ بات باتفاق مورخین ثابت ہے کہ اس بیعت رضوان میں خلفائے اربعہ شریک تھے اور حضرت عثمانؓ اگرچہ موقع پر موجود نہ تھے مگر ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی۔ محدثین نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ عثمان اللہ اور رسول کے کام میں ہے ان کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ رکھ کر اس پر دوسرا ہاتھ رکھا اور بیعت کی اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو چکا تو خلفائے اربعہ کے قطعی جنتی ہونے میں اور اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور یہ حضرات مومن مخلص تھے کوئی شک نہیں رہا۔ ان حضرات کے لئے یہ دستاویز آسمانی اور تمسک قرآنی یعنی آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین کافی ہے۔ حضرت علامہ شیخ آگے لکھتے ہیں کہ ہم افسوس کرتے ہیں ان لوگوں پر (مراد اس سے اہل شیعہ ہیں) جو رطب و یابس روایات سے جن میں محض تعصب و طرفداری ہے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن بتا کر نامناسب الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ان حضرات کی شان میں بدگوئی کرتے ہیں اور پھر اس بدگوئی اور بدزبانی کو محبت اہل بیت قرار دے کر اس کو نجات کا باعث کہتے ہیں تو ان حضرات کے محامد تو قرآن سے ثابت ہوں اور برائیاں ایرے غیرے متعصب راویوں کے بیان سے ثابت کر کے اس آسمانی تمسک کو چاک کیا جائے تو جس کو ذرا بھی عقل سلیم ہوگی وہ اس بات کو کبھی جائز اور روا نہ رکھے گا۔ یہ مضمون بیچ میں اضطراراً آ گیا تھا۔

الغرض ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے جو آپ کے ہم سفر ہیں خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے جہاد میں ثابت قدم رہنے پر بیعت کر رہے تھے اور اس وقت ان کے دلوں میں جو عزم و توکل حسن نیت صدق و اخلاص اور حب اسلام وغیرہ تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کے دلوں میں ایسا اطمینان پیدا کر دیا جس سے ان کو خدا کا حکم ماننے میں ذرا پس و پیش نہ ہوا اور اس کے ساتھ ان کو ایک فتح دی جس سے مراد فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آتے ہی مسلمانوں کو نصیب ہوئی اور جس میں مسلمانوں کو بہت کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگا۔ خیبر مدینہ سے شام کی جانب تین منزل پر ایک مقام کا نام ہے۔ یہ یہودیوں کی خالص آبادی کا قصبہ تھا اور آبادی کے گرداگرد مستحکم قلعے بنائے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر حدیبیہ سے مدینہ پہنچے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ سننے میں آیا کہ خیبر کے یہودی پھر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور جنگ احزاب کی ناکامی کا بدلہ لینے اور اپنی کھوئی ہوئی جنگی عزت و قوت کو ملک بھر میں بحال کرنے کے لئے ایک خونخوار جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔ مسلمان محاصرہ کی سختی کو جو ایک سال پہلے انہیں جنگ احزاب میں اٹھانی پڑی تھی ہنوز نہیں بھولے تھے۔ اس لئے سب مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ اس حملہ آور دشمن کو آگے بڑھ کر لینا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں صرف انہی صحابہ کرام کو ہمرکاب چلنے کی اجازت دی جو ان آیات لقد رضی اللہ عن المؤمنین کی بشارت سے ممتاز تھے اور جن کو واثابھم فتحاً قریباً و مغانم کثیرۃً کا مژدہ مل چکا تھا۔ قصبہ خیبر کے قلعے جو آبادی کے گرداگرد واقع تھے شمار میں دس تھے جن کے اندر دس ہزار جنگی مرد رہتے تھے۔ قتل و قتال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور یہود کے تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے اس جہاد میں ۱۵ اصحابہ کرام شہید ہوئے اس جہاد میں حضرت علیؓ نے نمایاں حصہ لیا اور باب خیبر کو ہاتھ سے تنہا اکھاڑ دیا حالانکہ ۷۰ آدمی اس کے ہلانے سے عاجز تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس دروازہ کو آپ نے بجائے ڈھال کے استعمال کیا۔ فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند روز خیبر میں ٹھہرے اگرچہ یہود کے ساتھ بعد فتح پوری مراعات برتی گئی تھیں اور ان کو ہر طرح امن و امان بخشا گیا تھا مگر پھر بھی ان کی فطری بدنیتی نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی اور آپ کے ساتھ کچھ ہمراہیوں کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے لقمہ منہ میں رکھ کر کھانے سے ہاتھ روک لیا اور فرمایا کہ اس کھانے میں زہر ملایا گیا ہے لیکن ایک صحابی نے کچھ کھانا کھا لیا۔ آپ نے اس یہودی عورت کو بلا کر پوچھا تو اس نے جرم کا اقرار کیا اس پر بھی آپ نے اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیا اور اس کو چھوڑ دیا لیکن جب ان صحابی نے اس زہریلے کھانے سے وفات پائی تو قصاص میں یہ یہودن قتل کی گئی۔

الغرض فتح خیبر سے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فوراً مل گئی مال غنیمت بہت ہاتھ آیا جس سے صحابہ آسودہ حال ہو گئے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے زور اور حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی۔ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور تمام مصلحتوں سے واقف ہے۔

یہاں فتح خیبر کی بشارت اور اس فتح خیبر میں مسلمانوں کو کثرت سے مال غنیمت ملنے کی پیشگوئی فرما کر آگے بتلایا جاتا ہے کہ کچھ اسی فتح خیبر پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی اور بھی بہت سی فتوحات اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جو تم کو ملیں گی جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ان صحابہ کرام کے طفیل میں جن کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی ان آیات میں بشارت سنائی گئی اور جنہیں مژدہ فتح سنایا گیا اور جن کے ہم بھی نام لیوا ہیں یا اللہ ہمیں بھی اپنی رضا کی دولت سے نواز دیجئے اور ہر حال میں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے، اور تاکہ یہ (واقعہ)

اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا

اہل ایمان کیلئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے۔ اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے،

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا

يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

اور نہ مددگار۔ اللہ تعالیٰ نے (کفار کیلئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور آپ خدا کے دستور میں

اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ

ردوبدل نہ پاویں گے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اُس نے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے عین مکہ میں روک دیئے بعد اس کے

اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾

کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

وَعَدَكُمْ وعدہ کیا تم سے	اللّٰهُ اللہ	مَغَانِمَ غنیمتیں	كَثِيْرَةً کثرت سے	تَأْخُذُوْنَهَا تم لوگے انہیں	فَعَجَّلَ تو جلد دیدی اس نے	لَكُمْ تمہیں		
هٰذِهٖ یہ	وَكَفَّ اور روک دیئے	اَيْدِيَ ہاتھ	النَّاسِ لوگ	عَنْكُمْ تم سے	وَلِتَكُوْنَ اور تاکہ ہو	اٰيَةً ایک نشانی	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیلئے	
وَيَهْدِيَكُمْ اور وہ ہدایت دے تمہیں	صِرَاطًا ایک راستہ	مُّسْتَقِيْمًا سیدھا	وَّاُخْرٰى اور ایک اور (فتح)	لَمْ تَقْدِرُوْا تم نے قابو نہیں پایا	عَلَيْهَا اس پر			
قَدْ اَحَاطَ گھیر رکھا ہے	اللّٰهُ اللہ	بِهَا اس کو	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرًا قدرت رکھنے والا	وَلَوْ اور اگر
قٰتَلَكُمْ تم سے لڑتے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جنہوں نے کفر کیا (کافر)	لَوَلَّوُا البتہ وہ پھرتے	الْاَدْبَارَ پیٹھ (جمع)	ثُمَّ پھر	لَا يَجِدُوْنَ وہ نہ پاتے			
وَلِيًّا کوئی دوست	وَّلَا نَصِيْرًا اور نہ کوئی مددگار	سُنَّةَ اللّٰهِ اللہ کا دستور	الَّتِيْ وہ جو	قَدْ خَلَتْ گزر چکا	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل			
وَلَنْ تَجِدَ اور تم ہرگز نہ پاؤ گے	لِسُنَّةِ اللّٰهِ اللہ کے دستور میں	تَبْدِيْلًا کوئی تبدیلی	وَهُوَ اور وہ	الَّذِيْ كَفَّ جس نے روکا	اَيْدِيَهُمْ ان کے ہاتھ			
عَنْكُمْ تم سے	وَاَيْدِيَكُمْ اور تمہارے ہاتھ	عَنْهُمْ ان سے	بِبَطْنِ مَكَّةَ درمیان (وادی) مکہ میں	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد				
اَنْ اَظْفَرَكُمْ کہ فتح مند کیا تمہیں	عَلَيْهِمْ ان پر	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ تم جو کچھ کرتے ہوا سے	بَصِيْرًا دیکھنے والا			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرامؓ کو اپنی رضامندی کی بشارت سے ممتاز فرمایا تھا جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت فرمائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جہاد میں ثابت قدم رہنے پر بیعت کی تھی۔ ساتھ ہی اس بشارت کے یہ مژدہ بھی سنایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو فتح خیبر نصیب فرمائیں گے جس میں کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگے گا۔ اسی سلسلہ میں

آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کچھ اسی فتح خیبر پر بس نہیں۔ آگے چل کر اور بھی بہت سی فتوحات اور بے شمار غنیمتیں ملنے والی ہیں۔ سردست اللہ تعالیٰ نے یہ فتح خیبر دے دی ہے پھر اس کا یہ احسان بھی ہے کہ کفار کے بداراددوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا۔ نہ مکے کے کافروں کے اور نہ ان منافقین کے جو پیچھے مدینہ میں رہ گئے تھے۔ مسلمانوں کی غیر حاضری میں ان کے اہل وعیال پر ان کو دراز دستی کی ہمت نہ ہوئی۔ نیز اس احسان سے یہ بھی مقصود تھا کہ مسلمان عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے اور سمجھ لیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے اور یہ کہ اسی طرح آئندہ کے وعدے بھی پورے ہو کر رہیں گے اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیر سمجھیں گو وہ فرمان بظاہر خلاف طبع ہی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔ پھر اس احسان سے مسلمانوں کو اللہ کے وعدوں پر وثوق اور اس کی لامحدود قدرت پر بھروسہ ہوگا جس سے اور زیادہ طاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب ہوگی اور یہی سیدھی راہ ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس بیعت رضوان کے صلہ میں فی الحال فتح خیبر دی اور ایک فتح اور بھی موعود ہے جو اس وقت تک تمہارے قابو میں نہیں آئی۔ مراد اس سے فتح مکہ ہے جو اب تک واقع نہ ہوئی تھی مگر سمجھ لو کہ وہ بھی گویا مل ہی چکی ہے کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ کر لیا۔ جب چاہے گا تم کو عطا فرما دے گا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد جب مصلحت ہوئی تو مکہ بھی فتح ہو گیا۔ آگے مسلمانوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ اگر تم سے یہ صلح اس وقت نہ ہوتی بلکہ یہ کافر تم سے لڑتے تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ اور کوئی مدد کر کے ان کو آفت و شکست سے نہ بچا سکتا۔ مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور اس کی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے یہی دستور کر رکھا ہے کہ جب اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب و مقہور کئے جاتے ہیں۔ یہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ اہل حق بحیثیت مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں آگے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مشرکین کی کچھ ٹولیاں ''حدیبیہ'' پہنچی تھیں کہ موقع پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں یا اکیلے دکیلے مسلمانوں کو ستائیں چنانچہ انہوں نے کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی بلکہ ایک مسلمان کو قتل بھی کر ڈالا اور اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو زندہ گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا۔ آپ نے ان کو معاف فرما دیا اور کچھ انتقام نہیں لیا انہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو بھی نہ بھولو کہ جس نے مشرکوں کے ہاتھ مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیئے اور مسلمانوں کے ہاتھ بھی کفار کے قتل و قتال سے عین مکہ کے قریب میں یعنی حدیبیہ میں روک دیئے اور تم میں اور ان میں صلح کرا دی جو در اصل تمہارے حق میں سراسر بہتری تھی کیا دنیا کے اعتبار سے کیا آخرت کے اعتبار سے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی شرارتیں اور تمہارا عفو و تحمل سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

ابھی آگے مزید وہ مصلحتیں اور حکمتیں بیان فرمائی جاتی ہیں کہ جن کی بنا پر صلح حدیبیہ عمل میں لائی گئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور حضرات صحابہ کرام کے نام لیوا جہاں جہاں مخالفین اسلام اور کفار و مشرکین سے مقابلہ و مقاتلہ میں لگے ہوئے ہیں یا اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طفیل سے اہل ایمان کو نصرت و غلبہ عطا فرما اور مخالفین کے دلوں میں اہل ایمان کا رعب ڈال دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ

یہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ

اور اگر (مکہ میں) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی اُن کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی

مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا

بے خبری سے ضرر پہنچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے، اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے

مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ

ہم ان کو درد ناک سزا دیتے۔ جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی، اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے

اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا

اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں

وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

اور وہ اس کے اہل ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

هُمْ وہ۔یہ	الَّذِينَ كَفَرُوا جنھوں نے کفر کیا	وَصَدُّوكُمْ اور تمہیں روکا	عَنِ سے	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام	وَالْهَدْيَ اور قربانی کے جانور		
مَعْكُوفًا رکے ہوئے	أَنْ يَبْلُغَ کہ وہ پہنچے	مَحِلَّهُ اپنا مقام	وَلَوْلَا اور اگر نہ	رِجَالٌ کچھ مرد	مُؤْمِنُونَ مومن	وَنِسَاءٌ اور عورتیں	مُؤْمِنَاتٌ مومن
لَمْ تَعْلَمُوهُمْ تم نہیں جانتے انہیں	أَنْ کہ	تَطَئُوهُمْ تم انکو پامال کردیتے	فَتُصِيبَكُمْ پس تمہیں پہنچ جاتا	مِنْهُمْ ان سے			
مَعَرَّةٌ صدمہ۔نقصان	بِغَيْرِ عِلْمٍ نادانستہ	لِيُدْخِلَ تاکہ داخل کرے	اللَّهُ اللہ	فِي رَحْمَتِهِ اپنی رحمت میں	مَنْ يَشَاءُ جسے وہ چاہے		
لَوْ تَزَيَّلُوا اگر وہ جدا ہوجاتے	لَعَذَّبْنَا البتہ ہم عذاب دیتے	الَّذِينَ ان لوگوں کو	كَفَرُوا جو کافر ہوئے	مِنْهُمْ ان میں سے	عَذَابًا عذاب		
أَلِيمًا درد ناک	إِذْ جَعَلَ جب کی	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر (کافر)	فِي قُلُوبِهِمْ اپنے دلوں میں	الْحَمِيَّةَ ضد	حَمِيَّةَ ضد		
الْجَاهِلِيَّةِ زمانہ جاہلیت	فَأَنْزَلَ اللَّهُ تو اللہ نے اتاری	سَكِينَتَهُ اپنی تسلی	عَلَىٰ رَسُولِهِ اپنے رسول پر	وَ اور	عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مومنوں پر		
وَأَلْزَمَهُمْ اور ان پر لازم فرمادیا	كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ تقویٰ کے بات	وَكَانُوا اور وہ تھے	أَحَقَّ بِهَا زیادہ حقدار اس کے	وَأَهْلَهَا اور اس کے اہل			
وَكَانَ اور وہ تھے	اللَّهُ اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کو	عَلِيمًا جاننے والا				

تفسیر وتشریح: صلح حدیبیہ کے متعلق یہ گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس کی شرائط حسب ذیل تھیں جن پر اہل اسلام اور کفار قریش میں عہد نامہ لکھا گیا تھا: (۱) دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی۔ (۲) قریش میں کا جو شخص بغیر اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا اگر چہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔ (۳) اور جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آ جائے تو اس کو واپس نہ دیا جائے گا۔

(۴) اس درمیان میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

(۵) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) امسال بغیر عمرہ کئے مدینہ واپس ہو جائیں مکہ میں داخل نہ ہوں۔ سال آئندہ صرف تین دن مکہ میں رہیں اور عمرہ کر کے واپس ہو جائیں سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہوں اور تلواریں بھی نیام یا غلاف میں ہوں۔

(۶) قربانی کے جانور جہاں ہیں وہیں ذبح کئے جائیں۔ مکہ لے جانے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام شرائط اگرچہ مسلمانوں کے خلاف تھیں اور یہ صلح بظاہر مغلوبانہ صلح تھی اس لئے صحابہ کرامؓ کو اس طرح کفار سے دب کر صلح کرنا سخت ناگوار تھا۔ اور یہ شرائط مسلمانوں پر شاق گزر رہی تھیں۔ روایات میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا پھر یہ ذلت کیوں گوارا کریں آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ وہ میرا معین و مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے فرمایا یہ میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس گئے اور جا کر ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور [illegible] رکھے۔ اور صدقہ وخیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کئے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس شرط پر کیسے صلح کی جائے کہ ہم میں سے جو ان کی طرف چلا جائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں جو شخص ہم میں کا ان سے جا ملے ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان میں کا جو شخص ہماری طرف مسلمان ہو کر آئے گا تو اگرچہ ازروئے معاہدہ وہ واپس کر دیا جائے لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہی میں اس کے لئے نجات کی صورت ضرور پیدا فرمائے گا۔ مگر الحمدللہ ایسی صورت پیش نہیں آئی کہ کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ گیا ہو۔ الغرض ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مسلمان جوش میں بھرے ہوئے تھے اس لئے کچھ مسلمانوں کو ان شرائط کے ماننے میں تامل ہو رہا تھا مگر جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شرائط کو مان چکے تھے تو پھر کس کو انکار کی جرأت ہو سکتی تھی۔ مگر صحابہ کرام ان شرائط صلح سے اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد تکمیل صلح کے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا مگر ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ جب آپ نے یہ دیکھا تو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور بطور شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں اس وجہ سے فوراً تعمیل ارشاد نہ کر سکے۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں باہر تشریف لے جایئے اور آپ قربانی کر کے سر منڈایئے۔ دوسرے خود بخود آپ کی اتباع کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی۔ مقصد ان روایات کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ اس صلح کو صحابہ کرام اپنی شکست اور ذلت و ناکامی سمجھے ہوئے تھے لیکن تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے مابین پہنچے تو یہ سورۂ فتح نازل ہوئی جس کی ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا فتحنا لک فتحاً مبیناً اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔ غرض جس صلح کو صحابہ کرام اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین فرمایا پھر جیسا کہ گذشتہ درسوں میں بیان ہو چکا اللہ تعالیٰ نے اس صلح کے سلسلہ میں اہل ایمان کے صبر، ضبط و تحمل کی مدح فرمائی اور ساتھ ہی فتح خیبر کی

بشارت سنائی گئی اور کثرت سے مال غنیمت اس میں ہاتھ لگنے کی پیشنگوئی فرمائی گئی اور مزید فتوحات اور غنیمتوں اور مصلحتوں کا اظہار فرمایا گیا تا کہ اہل ایمان کے قلوب کو کامل تسلی وسکون حاصل ہو اور اللہ کی مشیت وحکمت کو جان کر اور زیادہ ایمان میں تقویت پیدا ہو۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مکہ والوں نے کفر پر کمر باندھی اور اے مسلمانوں تمہیں مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ تک پہنچنے سے روک دیا اور قربانی کے جانور حرم کے اس حصہ تک پہنچنے نہ دیئے جہاں لے جا کر ذبح کرنے کا عام دستور اور معمول ہے یعنی منیٰ تک۔ ان قربانی کے جانوروں کو بھی انہوں نے حدیبیہ ہی میں روک دیا یہ سب ان کی شرارتیں تھیں اور اگر ان شرارتوں پر اللہ تعالیٰ اجازت دے دیتے کہ جاؤ ان کافروں سے لڑو اور ان کو تباہ و برباد کر دو تو کچھ بعید نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ قدیر ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں۔ اس لئے اپنی حکمت سے اس موقع پر قتال کا حکم نہیں دیا اور ایک حکمت اس میں یہ بھی تھی کہ کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مکہ میں ایسے مظلوم اور مستور الحال تھے کہ ان کو پوری طرح مسلمان بھی نہ جانتے تھے۔ تو اگر لڑائی اور قتال کا حکم دیا جاتا تو بے خبری میں یہ مستور الحال غریب مظلوم مسلمان بھی تمہارے ہاتھ سے مارے جاتے اور پھر تمہیں افسوس ہوتا کہ ہائے لاعلمی میں یہ کیسی غلطی ہوئی کہ اپنے ہی بھائیوں کو مار ڈالا اس لئے اللہ تعالیٰ نے لڑائی کا حکم نہیں دیا اور حدیبیہ پر باہم صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ جس سے ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ ایک طرف تو اللہ کی طرف سے مکہ کے مظلوم مسلمان قتل ہونے سے بچ گئے اور دوسری طرف ان کافروں میں سے بھی جن کا اسلام لانا مقدر تھا ان کو بھی جنگ کے قتل وقتال سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر دینا منظور تھا کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس طرح اللہ کی خاص رحمت کا حصہ ان کو بھی مل جائے۔ آگے بتلایا گیا کہ اگر مکہ کے مسلمان وہاں کے کافروں کے ساتھ رلے ملے نہ رہتے ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ تم کو اجازت دے دیتے کہ جاؤ اور کافروں کو تباہ کر دو اور ان پر بڑی دکھ درد بھری آفتیں نازل ہو جائیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان کو درد ناک سزا دلواتے کیونکہ ان کفار نے تو ایسا اندھیر مچایا اور ایسی جہالت کی ضد پر اتر آئے کہ امسال عمرہ نہ کرنے دیا اور یہ شرط لگائی کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائے اسے پھر واپس بھیج دو اور اگلے سال عمرہ کو آؤ تو تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرو اور ہتھیار کھلے نہ لاؤ اور صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھو اور بجائے محمد رسول اللہ کے صرف محمد بن عبداللہ تحریر کرو یہ سب باتیں مسلمانوں کو غضبناک کرنے والی تھیں اور مسلمانوں نے سخت انقباض و اضطراب کے باوجود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے سر جھکا دیا اور بالآخر اس فیصلہ پر ان کے قلوب مطمئن ہو گئے اور اللہ سے ڈر کر نافرمانی کی راہ سے بچے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہے اور کیوں نہ رہتے وہ دنیا میں خدائے واحد کے سچے پرستار اور کلمہ لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے زبردست حامل وعامل تھے۔ ایک پکا موحد اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطیع و وفادار ہی اپنے جذبات ورجحانات کو عین جوش وخروش کے وقت اللہ کی خوشنودی پر قربان کر سکتا ہے حقیقی توحید یہی ہے کہ آدمی اس اکیلے مالک کا حکم سن کر اپنی ذلت وعزت کے سب خیالات بالائے طاق رکھ دے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا تھا اور بلاشبہ وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بستی یا شہر یا آبادی کے بعض نفوس کی وجہ سے ساری آبادی اور شہر کسی مصیبت اور وبال سے جو اس بستی کے اکثریت کے شامت اعمال سے ان پر آنے والا ہوتا ہے وہ اس بستی کے بعض لوگوں کی وجہ سے ٹال دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ بعض اوقات اپنے بعض مقبولین کے طفیل میں ساری بستی عذاب کی لپیٹ میں آ جانے سے بچالی جاتی ہے۔

اب آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ میں خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ گئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے اور سر کے بالوں کو کسی نے منڈایا اور کسی نے کتروایا تو حدیبیہ میں رک جانے اور وہاں سے مدینہ بغیر عمرہ کے واپس ہونے پر بعض صحابہ نے تعبیر خواب کے متعلق حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ تعبیر خواب تو پوری نہ ہوئی اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے خواب کی تصدیق وتحقیق فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے، کہ تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کتراتا ہوگا، تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا، سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں، پھر اس سے پہلے ایک فتح

فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۲۷ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸

دے دی، وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت دی، اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ یقیناً سچا دکھایا	اللّٰهُ اللہ	رَسُوْلَهُ اپنے رسول کو	الرُّءْيَا خواب	بِالْحَقِّ حقیقت کے مطابق	لَتَدْخُلُنَّ البتہ تم ضرور داخل ہوگے			
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ مسجد حرام	اِنْ اگر	شَآءَ اللّٰهُ اللہ نے چاہا	اٰمِنِيْنَ امن و امان کے ساتھ	مُحَلِّقِيْنَ منڈاتے ہوئے	رُءُوْسَكُمْ اپنے سر			
وَمُقَصِّرِيْنَ اور کتراتے ہوئے	لَا تَخَافُوْنَ تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا	فَعَلِمَ پس اس نے معلوم کرلیا	مَا لَمْ تَعْلَمُوْا جو تم نہیں جانتے	فَجَعَلَ پس کردی اس نے				
مِنْ دُوْنِ اس سے ورے (پہلے)	ذٰلِكَ اس	فَتْحًا قَرِيْبًا ایک قریبی فتح	هُوَ وہ	الَّذِيْٓ اَرْسَلَ جس نے بھیجا	رَسُوْلَهٗ اپنا رسول	بِالْهُدٰى ہدایت کے ساتھ		
وَدِيْنِ اور دین	الْحَقِّ حق	لِيُظْهِرَهٗ تا کہ اسے غالب کردے	عَلَى پر	الدِّيْنِ دین	كُلِّهٖ تمام	وَكَفٰى اور کافی ہے	بِاللّٰهِ اللہ	شَهِيْدًا گواہ

تفسیر و تشریح: ابتدائے سورۃ میں ذکر ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال مدینہ منورہ میں خواب دیکھا تھا کہ ہم مسجد حرام یعنی حرم کعبہ میں امن سے گئے ہیں۔ ارکان حج و عمرہ باطمینان بجا لا رہے ہیں اور سر منڈا کر اور بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ حج یا عمرہ میں کیا کرتے ہیں۔ اس خواب کو آپ نے بعض اصحاب سے بیان بھی فرما دیا تھا اتفاق سے آپ کا قصد اسی سال عمرہ کا ہو گیا۔ صحابہ نے یہ خیال عموماً دل میں جما لیا کہ اسی سال ہم مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے چنانچہ جب صلح مکمل ہو کر حدیبیہ سے واپسی ہوئی تو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن و امان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے آپ نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امسال ایسا ہوگا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بیشک یونہی ہو کر رہے گا۔ تم امن و امان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈوا کر اور کوئی بال کتروا کر احرام کھولے گا اور وہاں جانے کے بعد کسی طرح کا کھٹکا نہ ہوگا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے اگلے سال یعنی ۷ھ میں ایسا ہی ہوا۔ اسی خواب کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خواب میں دکھایا تھا وہ بالکل سچا تھا اور واقع میں یونہی ہو کر رہے گا لیکن اس سال اس کو ملتوی کر دینے میں بہت سی مصلحتیں تھیں جنہیں تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ ان مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں مکہ میں فی الحال جنگ و قتال ہونا مناسب نہ تھا اس لئے اس وقت وہاں صلح ہو گئی اب انشاء اللہ ایک سال بعد خواب کی تعبیر پوری ہوگی اور تم اطمینان کے ساتھ بے خوف و خطر مکہ آؤ گے مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ عمرہ کے ارکان ادا کرو گے اور سر منڈا کر یا بال تراشوا کر احرام کھولو گے۔ اس وقت مکہ پر لڑائی روک کر اس کے بدلہ ایک اور فتح تمہارے لئے مقرر کی اور تم عنقریب خیبر پر چڑھائی کر کے اسے فتح کرو گے اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے گا آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ ہی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ اور اصول و فروع عقائد و احکام ہر اعتبار سے یہ ہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور اسی دین کو وہ سب دینوں پر غالب بھی کرے گا۔ چنانچہ الحمد للہ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اور

آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جیسا کہ احادیث میں پیشگوئی فرمائی گئی ہے جبکہ دنیا میں ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہوگی۔ باقی حجت اور دلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا کیا اور رہے گا۔ اللہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور اس کی گواہی سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں ہوسکتی۔

یہاں اس آیت کے ماتحت **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** علما نے دین اسلام کی حقانیت اور دوسرے مذاہب پر اس کی برتری اور اس کی صداقت کے دلائل اجمالاً وتفصیلاً کثرت سے بیان فرمائے ہیں اور بلا مبالغہ سینکڑوں مصنفین نے حقانیت وصداقت اسلام پر مستقل کتابیں لکھی ہیں یہاں اس مختصر درس میں اس کی تو گنجائش نہیں کہ کوئی طول طویل مضمون اس موضوع پر نقل کیا جائے تاہم وہ ۲۱ خصوصیات دین اسلام جو سیرت نبوی ''رحمۃ للعالمین'' کے مصنف علامہ قاضی محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں لکھی ہیں ان کے صرف عنوانات بیان کئے جاتے ہیں ہر عنوان پر تفصیلی اور مدلل مضمون خود کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے وہ ۲۱ عنوان خصائص اسلام کے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام ہی دین التوحید ہے
(۲) اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے۔
(۳) اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے۔
(۴) اسلام ہی نے رحم وعدل کے مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔
(۵) اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے۔
(۶) اسلام ہی دین العمل ہے۔
(۷) اسلام ہی مذہب اخوت ہے۔
(۸) اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا ہے۔
(۹) اسلام ہی غیر متعصب دین ہے۔
(۱۰) اسلام ہی دین المحبت ہے۔
(۱۱) اسلام ہی مساوات کا بانی ہے۔
۱۲) اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا ہے۔
(۱۳) اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے۔
(۱۴) اسلام ہی اپنے مہد وگہوارہ میں آج تک قائم ہے۔
(۱۵) اسلام ہی دین تمدن ہے۔
(۱۶) اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض بھی حاصل کئے۔
(۱۷) اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لئے عام بنایا۔
(۱۸) اسلام ہی دین البر یعنی نیکی کا مذہب ہے۔
(۱۹) اسلام ہی دین التقویٰ یعنی پارسائی کا مذہب ہے۔
(۲۰) اسلام ہی دین الصدق یعنی سچائی کا مذہب ہے۔
(۲۱) اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے۔

علامہ موصوف نے ہر عنوان پر قرآن وحدیث کی تعلیمات کے ساتھ غیر مذاہب کی روایات وتعلیمات بھی پیش کر کے عقلاً ونقلاً اسلام کی برتری وصداقت کو بیان کیا ہے جو غیر مسلموں کے لئے بھی قابل دید ہے۔

یہاں آیت میں **لتدخلن المسجد الحرام ان شآء اللہ اٰمنین** جو فرمایا گیا یعنی صحابہ کرامؓ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم لوگ مسجد حرام میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے تو یہاں حق تعالیٰ نے آئندہ ہونے والے داخلہ مسجد حرام کے ساتھ انشاء اللہ کا لفظ استعمال فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مشیت کے عالم اور مالک ہیں۔ حق تعالیٰ کو انشاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت تھی لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سب بندوں کو تعلیم دینے کے لئے اس جگہ لفظ انشاء اللہ حق تعالیٰ نے بھی استعمال فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے کاموں کے لئے انشاء اللہ کہنے کی تاکید ہے اور کہنا چاہئے۔

الغرض یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق فرمائی گئی اور بشارت سنائی گئی کہ انشاء اللہ خواب کے مطابق مسلمان مکہ میں امن وامان سے عمرہ ادا کریں گے۔ آگے مشرکین مکہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق فرماتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ محمد	رَّسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کے رسول		

تفسیر وتشریح: یہ سورۂ فتح کی آخری آیت کا ایک جملہ ہے یہ درس اسی ایک جملہ کی تشریح وتفسیر سے متعلق ہے۔ گذشتہ آیت کے خاتمہ پر فرمایا گیا تھا۔ وَكَفىٰ بالله شهيداً (اور اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت پر کافی گواہ ہے) جس سے یہ جتلایا گیا تھا کہ وہ منکرین و مشرکین جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں تو ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کی تصدیق فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت پر کافی گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی یہی ہے کہ اس نے آپ کی رسالت پر ناقابل تردید دلائل قائم کئے۔ پس دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں جس سلسلہ میں کہ اس سورۃ کا نزول ہوا یعنی صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں تو اس مناسبت سے اس جملہ محمد رسول اللہ میں اثبات رسالت کے ساتھ آپ کے لئے ایک تسلی بھی ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ قریش کے قاصد جب حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کی غرض سے حاضر ہوئے تو دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ چنانچہ جب شرائط صلح طے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو تحریر معاہدہ کا حکم دیا اور سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا حکم دیا۔ قریش کے قاصد نے اس پر اعتراض کیا کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں جانتا۔ قدیم دستور کے موافق صرف باسمک اللّٰھم لکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھو۔ پھر فرمایا کہ یہ لکھو" یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول نے صلح کی ہے"۔ قاصد نے کہا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو پھر نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑتے۔ بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھا جائے آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگرچہ تم میری تکذیب کرو اور حضرت علیؓ سے فرمایا یہ الفاظ مٹا کر ان کی خواہش کے مطابق خالی میرا نام لکھ دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ جگہ دکھلاؤ جہاں تم نے لفظ رسول اللہ لکھا ہے۔ حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتلائی آپ نے خود اپنے دست مبارک سے لفظ رسول اللہ کو مٹایا اور حضرت علیؓ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔ تو اس جملہ محمد رسول اللہ میں اثبات رسالت کے ساتھ آپ کی تسلی بھی ہے کہ اگر ان منکرین نے صلح نامہ میں آپ کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تو حق تعالیٰ اپنے قرآن میں آپ کے نام کے ساتھ یہ لفظ قیامت تک باقی رہنے کے لئے لکھ دیتے ہیں۔ تو اس قرآنی جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بھی بتا دیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد اور احمد لائے گئے ہیں۔ باقی متعدد اسمائے صفات والقاب ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد جو آپ کا پیدائشی نام تھا۔ قرآن پاک میں چار جگہ آیا ہے۔ ایک چوتھے پارہ سورۂ آل عمران میں دوسرے ۲۲ ویں پارہ سورۂ احزاب میں۔ تیسرے ۲۶ ویں پارہ سورۂ محمد میں اور چوتھے اس سورۂ فتح میں اور دوسرا ذاتی نام احمد صرف ایک جگہ ۲۸ ویں پارہ سورۂ صف میں آیا ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو ناموں کی قدرے مزید تشریح کر دی جائے جو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب محدث مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ترجمان السنۃ میں ایک حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو اسمائے اعلام کے متعلق لکھا ہے کہ قاضی عیاضؒ جو مشہور مشائخ طریقت میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بے نظیر تھی اس طرح آپ کے یہ اسماء یعنی محمد احمد بھی بے مثل تھے۔ آپ سے پہلے کسی کے ذہن میں ان اسماء کا تصور بھی نہ

آیا تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ نزدیک آ گیا۔ کاہنوں، منجموں اور اہل کتاب نے نام لے کر آپ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس نبی منتظر کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد و احمد رکھنا شروع کر دیا۔ جہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے جن کے نام عرب میں آپ سے قبل محمد و احمد رکھے گئے تھے ان کی کل تعداد چھ تک ہے۔ ساتواں کوئی شخص ثابت نہیں ہوتا۔ حافظ ابن قیم اسم محمد کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں اور جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے اس کو محمد کہتے ہیں اسی لئے تورات میں آپ کا نام محمد ہی ذکر کیا گیا کیونکہ آپ کے اوصاف حمیدہ۔ آپ کی امت اور آپ کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر تھا کہ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم رسول کو بھی آپ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔ صلی اللہ علیہ وسلم احمد یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنے میں مستعمل ہو سکتا ہے پہلی صورت میں اس کے معنیٰ ہیں ''تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا''۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنیٰ ہیں۔ ''تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثناء کا مستحق' ان دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے خلق و خصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔ اس تحقیق کے بعد ان دونوں مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ کی ذات مبارک کے ساتھ چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں۔ خالق سے مخلوق تک۔ انبیاء علیہم السلام سے لے کر جن و ملک تک حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح اور ہر غیر ذی روح سب ہی نے آپ کی تعریفیں کی ہیں اور آج بھی کروڑوں انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپ کی تعریف کے لئے متحرک رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ کفار میں بھی ایک معقول طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ کا دین تسلیم نہیں کرتا مگر آپ کی دیانت و امانت عدل و انصاف صداقت و راست بازی، فراست اور عقلمندی کا ثناخواں ہے اس لئے اگر آپ ازل سے ابد تک دنیا کی طرف کان لگائیں تو جس کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف آپ کے کان سنیں گے وہ مبارک ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہوگی۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حمد کو ہر پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر سورۃ الحمد خاص کر آپ کو ہی مرحمت ہوئی۔ آپ کی ہی امت کا لقب حمادون یعنی خدا کی بڑی تعریف کرنے والی امت ہے اور محشر میں لواء الحمد یعنی حمد کا جھنڈا بھی آپ ہی کے ہاتھوں میں ہوگا اور آپ ہی کے مخصوص مقام کا نام مقام محمود ہے۔ آپ کی شریعت میں بھی کھانے کے بعد پینے کے بعد دعا کے بعد سفر سے واپسی کے بعد چھینک کے بعد غرض بہت سے مختلف مواضع پر خدا کی حمد سکھائی گئی ان تمام تعریفوں کو بجا طور پر آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے کیونکہ مختلف تعریفیں ہر زمانہ میں بے شمار انسانوں کی زبانوں سے جو ہوتی ہیں وہ درحقیقت آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔ اس کے بعد غور کیجئے کہ جتنی خدا کی تعریف فضاء عالم میں آپ کے ذریعہ سے گونج کیا کبھی کسی اور کے ذریعہ سے گونجی ہے اور اسی کے ساتھ جتنی کثرت کے ساتھ خدا کی غیر متناہی مخلوق نے آپ کی تعریفیں کیں اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں؟ پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیت آپ کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اتنی کسی اور ذات کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے احمد و محمد نام پانے کے لئے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہئے اس لئے آپ سے پہلے بھی جس نے یہ نام رکھا آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں جس نے اس نام کو اختیار کیا آپ ہی کے اتباع میں کیا۔ **اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ** شیخ اکبرؒ ایک عجیب اور نکتہ لکھ گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے جب کھا پی کر فارغ ہو لیتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں جب سفر ختم کر کے گھر واپس آتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں اسی طرح جب دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو خدا کی حمد کریں گے اور کہیں گے **واخر دعونآ ان الحمد للہ رب العلمین** اس دستور کے موافق مناسب ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی آخر میں خدا کی حمد ہو اس لئے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد رکھا گیا ہے۔

بے شک جوذات پاک کہ حسن وخوبی کی تمام رعنائیوں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہواس کے اسماء بھی حسن وخوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں۔

الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع اور بہتیرے فضائل کا خلاصہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اب یہاں کچھ اس نام محمد یا احمد رکھنے کی عام فضیلت بھی سن لیجئے۔ رفاہ المسلمین فی شرح مسائل اربعین میں حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب دہلویؒ جو نواسے اور جانشین تھے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے وہ ایک سوال کے جواب میں کہ جب فرزند تولد ہوتو اس لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھنا کیسا ہے اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھنا مستحب ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکوں کا نام میرے نام پر رکھو اور سنن ابی داؤد میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکوں کا نام پیغمبروں کے نام پر رکھا کرو اور طبرانیؒ نے جامع کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کے تین لڑکے ہوں پھر اس نے ان میں سے ایک کا نام بھی محمد نہ رکھا تو بڑی نادانی کی یعنی بسبب اپنی نادانی کے ایسی بڑی نعمت و برکت سے محروم رہا۔ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبداللہ اور عبدالرحمٰن سب ناموں سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ سب ناموں میں بہتر وہ نام ہے جو مشتق حمد سے ہو۔ جیسے محمدؐ احمدؐ حامدؐ محمود وغیرہ اور وہ نام جو منسوب بعبدیت ہو۔ جیسے عبداللہؐ عبدالرحمٰنؐ اور عبدالرحیمؐ عبدالکریم وغیرہ مگر ہم اپنی دینی بدحالی کے کس کس پہلو کو روئیں۔ اگر چہ عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم وغیرہ بہترین ناموں میں سے ہیں مگر اب دین کی کمی اور ادب کی قلت کی وجہ سے علماء ان ناموں کو رکھنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے چنانچہ اب انگریزی دانوں میں فیشن ہو گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کو اے رحمٰن A. RAHMAN لکھتے ہیں اور اپنے دکانوں کے نام رحمٰن اینڈ کو RAHMAN&Co یا رحمٰن اینڈ سنز RAHMAN&Sons یا رحمٰن برادرس RAHMAN BROS رکھتے ہیں یہ بالکل ناجائز اور گناہ ہے۔ احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جس لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم کیا کرو اور اخبار و روایات میں وارد ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس کی شفاعت فرما کر بہشت میں لاویں گے اور اشرف الوسائل شرح الشمائل میں لکھا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی اولاد کا نام قصداً وتاکیداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے رکھے اس واسطے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے رسول قسم کھاتا ہوں میں اپنی عزت اور جلال کی کہ جس شخص کا نام تیرے نام سے موسوم ہوگا میں اس کو ہرگز آتش دوزخ سے عذاب نہ دوں گا اور ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر عہد کر لیا ہے کہ جس کسی کا نام محمد یا احمد ہوگا میں اس کو ہرگز دوزخ میں نہ ڈالوں گا۔ سبحان اللہ۔ پاک ہے وہ ذات اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے نوازا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دعا کیجئے

اے اللہ ہم بھی لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی اور شہادت دیتے ہیں اے اللہ آپ ہماری اس گواہی لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو قبول فرما کر اس شہادت کو ہماری مغفرت ونجات کا ذریعہ بنادیجئے اور ہمیں اس کلمہ کے مطالبہ اور حقوق کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمادیجئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ

اور جولوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں،

اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ اُن کے اوصاف توریت میں ہیں، اور انجیل میں اُن کا

فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

یہ وصف ہے، کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگے،

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے، اللہ تعالیٰ نے اُن صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اور جولوگ	مَعَهٗۤ ان کے ساتھ	اَشِدَّآءُ بڑے سخت	عَلَى الْكُفَّارِ کافروں پر	رُحَمَآءُ رحم دل	بَيْنَهُمْ آپس میں	تَرٰىهُمْ تو انہیں دیکھے گا
رُكَّعًا رکوع کرتے	سُجَّدًا سجدہ ریز ہوتے	يَّبْتَغُوْنَ وہ تلاش کرتے ہیں	فَضْلًا فضل	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے۔کا	وَرِضْوَانًا اور رضامندی	
سِيْمَاهُمْ ان کی علامت	فِيْ وُجُوْهِهِمْ ان کے چہروں میں۔پر	مِّنْ سے	اَثَرِ السُّجُوْدِ سجدوں کا اثر	ذٰلِكَ یہ	مَثَلُهُمْ انکی مثال (صفت)	
فِي التَّوْرٰىةِ توریت میں	وَمَثَلُهُمْ اوران کی مثال (صفت)	فِي الْاِنْجِيْلِ انجیل میں	كَزَرْعٍ جیسے ایک کھیتی	اَخْرَجَ اس نے نکالی	شَطْاَهٗ اپنی سوئی	
فَاٰزَرَهٗ پھر اسے قوی کیا	فَاسْتَغْلَظَ پھر وہ موٹی ہوئی	فَاسْتَوٰى پھر وہ کھڑی ہوگئی	عَلٰى سُوْقِهٖ اپنی جڑ (نال) پر	يُعْجِبُ وہ بھلی لگتی ہے	الزُّرَّاعَ کسان (جمع)	
لِيَغِيْظَ تاکہ غصہ میں لائے	بِهِمُ ان سے	الْكُفَّارَ کافروں	وَعَدَ اللّٰهُ وعدہ کیا اللہ نے	الَّذِيْنَ ان سے جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	
	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اورانہوں نے اعمال کئے اچھے	مِنْهُمْ ان میں سے	مَّغْفِرَةً مغفرت	وَّاَجْرًا اوراجر	عَظِيْمًا عظیم	

تفسیر وتشریح: یہ اس سورۂ فتح کی آخری آیت ہے۔گذشتہ درس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہو چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات فرمایا گیا تھا۔کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں۔اب اس کے آگے آیت میں آپ کے صحابہ کرام کی صفت وثنا بیان فرمائی جاتی ہے یہ گذشتہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اور صلح حدیبیہ بظاہر صحابہ کرام کی نظر میں مغلوبانہ صلح تھی جس سے ان حضرات کے دل بے چین ہو گئے تھے لہذا اس پوری سورۃ میں شروع سے آخر تک عجیب عجیب طریقہ سے صحابہ کرام کی دلداری اور دلدہی فرمائی گئی ہے کہیں فتح ونصرت کے وعدے دیئے گئے کہیں دشمنوں کو ان کے ہاتھوں ذلیل کرنے کی خوشخبری سنائی گئی کہیں جنہوں نے سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر نہ کیا تھا ان کو تہدید وتنبیہ کی گئی۔اور جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت فرمائی ان کو حق تعالیٰ کی رضامندی کی بشارت سنائی گئی پھر کہیں اس موقع پر جنگ نہ ہونے اور صلح ہو جانے کی مصلحت وحکمت بیان فرمائی گئی کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق فرما کر صحابہ کرام کے قلوب کو تسکین عنایت کی گئی۔پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر آپ کی صفت رسالت کو ظاہر فرمایا تھا اور اس کے بعد اس آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کے فضائل بیان فرمائے جاتے ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سورۃ کے شان نزول سے ظاہر ہے کہ یہ فضائل جو یہاں بیان

فرمائے گئے ہیں ان صحابہ کرامؓ کے ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے جن میں خلفائے اربعہ بھی شامل ہیں۔ تو یہاں صحابہ کرامؓ کے چار صفات ومضامین اس آیت میں بیان فرمائے گئے:۔

پہلی صفت بیان فرمائی گئی اشدآء علی الکفار یعنی خدا کے دشمنوں کفار ومشرکین پر سخت ہیں جس سے کافروں پر رعب پڑتا ہے اور کفر سے نفرت وبیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کفار کے مقابلہ میں ڈھیلے نہیں پڑتے اور کسی طرح پر ان سے مرعوب نہیں ہوتے بغض فی اللہ کے یہی معنیٰ ہیں۔ اشدآء علی الکفار سے مراد یہ نہیں ہے کہ کافروں پر ظلم کرتے ہیں بلکہ شدت سے مراد یہی ہے کہ کفار کو مرعوب ومقہور رکھتے ہیں۔

دوسری صفت بیان فرمائی رحمآء بینهم یعنی آپس میں مسلمانوں کے ساتھ مہربان ہیں۔ یعنی ان کا برتاؤ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ شفقت محبت وہمدردی کا رہتا ہے اور حب فی اللہ کے یہی معنیٰ ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص اپنی محبت اور بغض وعداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ دونوں صفات اور خصوصیات ہر مسلمان سے مطلوب ہیں اور ہر مسلمان میں یہ صفات ہونا چاہئیں لیکن اب اس دور کے مسلمان اس آیت کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے حال پر غور کریں کہ کفر و بے دینی کے مقابلہ میں کتنی سختی اور ایمان اور مسلمانوں کے معاملہ میں کتنی نرمی شفقت وہمدردی ہم میں پائی جاتی ہے۔ اب تو یہ حال ہے الا ماشآء اللہ کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مخالف اور وہ بھی محض دنیا کے لئے تو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی شفقت اور ہمدردی تواضع اور انکساری کا تو کیا ذکر بلکہ ایک دوسرے کی جان مال عزت آبرو ہر چیز کو مٹانے کے درپے ہو جاتا ہے اور بے دینوں کفار ومشرکین اور اعدائے اسلام جن کے مقابلہ میں سختی ہونا چاہئے ان سے دبتے ہیں اور مرعوب ہیں اور ان کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتائیں۔

الغرض یہ دو صفات صحابہ کرامؓ کی جو اوپر بیان ہوئیں یہ تو ان کے معاملات بنی نوع انسان کے ساتھ جو تھے اس کے متعلق بیان ہوئیں۔ اب آگے ان کے وہ معاملات جو اپنے خدا کے ساتھ تھے وہ بیان فرمائے جاتے ہیں۔

چنانچہ تیسری صفت یہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ ہر وقت عبادات الٰہی میں لگے رہتے ہیں یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو رکوع و سجود میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ وظیفۂ عبودیت ادا کر رہے ہیں اور پھر ریا اور نمود کا شائبہ نہیں بس اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش ہے۔ یہ صحابہ کرامؓ کے کمال اخلاص کا بیان ہے کہ ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور وہ بڑے عبادت گزار اور باخدا لوگ تھے۔ علما نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کو بری باتوں سے متصف کرنا اور ان میں سے کسی کے متعلق بدزبانی یا بدگمانی کرنا یہ بڑی خباثت اور بدباطنی کی بات ہے اور اس آیت کی مخالفت کرنی ہے۔ احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں۔ میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا (معارف القرآن جلد ۸)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی سچی محبت ہم کو نصیب فرمائے اور ان کے نقش قدم پہ چلنا نصیب فرمائے آمین۔

آ گے صحابہ کرام کی چوتھی صفت بیان فرمائی گئی کہ ان کی بزرگی اور نیکی کے آثار وانوار ان کے چہروں سے ظاہر ہیں۔ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے گویا خشیت وخشوع اور حسن نیت واخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔

اس کے بعد آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان برگزیدہ بندوں یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل توریت اور انجیل میں بیان کئے تھے۔مقصود یہ کہ یہ لوگ آج سے ہمارے محبوب نہیں ہوئے بلکہ روز ازل سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ہم ان کے دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے توریت وانجیل میں ان کا تذکرہ کر چکے ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی شان پہلی کتابوں میں بھی بیان ہو چکی ہیں پھر صحابہ کرام کے بتدریج ترقی کرنے کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی۔کھیتی کی چار حالتیں بیان کی گئیں:۔

پہلی حالت دانہ سے پھوٹ کر کھونٹی کا نکلنا۔یہ حالت آغاز وجود کی ہے اور نہایت کمزوری حالت ہے۔یہی حالت صحابہ کرام کی قبل ہجرت تھی۔

دوسری حالت کہ وہ کھونٹی جو نکلی تھی یا ڈنٹھل جو پھوٹا تھا اس کا مضبوط ہونا جس سے امید پیدا ہوتی ہے کہ یہ کونپل جو پھوٹی ہے ضائع نہ ہوگی بلکہ درخت بنے گا۔یہ حالت بعد ہجرت پیدا ہوئی۔ہجرت کرنے سے ظالموں کے ظلم سے رہائی ملی اور آئندہ امیدوں کے اسباب پیدا ہوئے۔

تیسری حالت کھیتی کے پودوں کا موٹا ہو جانا ہے یہ حالت حضرات شیخینؓ کی خلافت میں حاصل ہوئی کہ کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں اور بڑے بڑے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

چوتھی حالت اس کھیتی کے پودوں کا اپنے تنوں پر سیدھا کھڑا ہو جانا ہے اور یہ انتہائی کمال کی حالت ہے جو حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں حاصل ہوا کہ اطراف وجوانب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر بھی اسلام کا قبضہ ہو گیا اور ہر جگہ باقاعدہ معلم وقاضی مقرر ہو گئے۔غرض کہ کوئی حالت منتظرہ کمال کی باقی نہ رہی تو اس کھیتی کی مثال بیان فرمانے سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ترقی بتدریج ہوگی۔

دوسرے یہ کہ ترقی انتہائے کمال تک پہنچنے کے بغیر نہ رکے گی۔

چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔اس مثال کے بعد فرمایا کہ کسان اپنی کھیتی کو اس طرح ترقی کرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے تو اسی طرح خدا اور رسول جو اس دین اسلام کی کھیتی کے بونے والے ہیں وہ اپنی اس کھیتی کو سرسبز دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اس اسلامی کھیتی کی یہ بہار رونق اور تازگی دیکھ کر کافروں اور بدخواہوں کے دل غیظ وحسد سے جلتے ہیں۔یہ ترقی چونکہ دنیاوی ترقی تھی اس لئے ضروری ہوا کہ صحابہ کرام کے اخروی انعامات بھی بیان فرما دیئے جائیں لہٰذا ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دو چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے:۔

ایک مغفرت کا یعنی اگر ان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے گی تو وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دیں گے۔

دوسرے اجر عظیم کا کہ آخرت میں بڑے بلند مراتب عطا ہوں گے۔

اسی مغفرت واجر عظیم کی بشارت پر سورۃ کو ختم فرمایا۔الحمدللہ سورۂ فتح کا بیان اس درس پر ختم ہوا۔اس کے بعد انشاءاللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

یااللہ دین اسلام کی کھیتی کو پھر از سرنو سرسبز شاداب فرما دیجئے اور بے دینی کی فضاؤں کو ختم فرما دیجئے۔یااللہ صحابہ کرام کے طفیل میں ہم کو آخرت میں اپنی مغفرت اور اجرِ عظیم نصیب فرما دیجئے۔یااللہ اپنے دین برحق کو آپ ہی سنبھالیں اور اس کو اجاگر کرنے کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمائیں۔آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

6

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اے ایمان والو، اللہ اور رسول سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے (مومن)	لَا تُقَدِّمُوْا نہ آگے بڑھوتم	بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ اللہ کے سامنے۔آگے	وَرَسُوْلِهٖ اوراس کا رسولؐ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اورڈرواللہ سے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	عَلِيْمٌ جاننے والا	

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب ۲۶ ویں پارہ کی سورۂ حجرات کا بیان شروع ہورہا ہے۔اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت کی تشریح کی جائے گی جس سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ مقام وزمانہ نزول خلاصۂ مضامین تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔اس سورۃ کے پہلے رکوع کی چوتھی آیت میں لفظ حجرات استعمال ہوا ہے جو حجرہ کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں وہ بند جگہ جو سونے والے کی حفاظت کرے اور کسی کو باہر سے نہ گھسنے دے۔یعنی کوٹھڑی خلوت خانہ'پردہ کا مکان' یہاں حجرات سے مراد ازواج مطہرات کے مکانات ہیں۔چونکہ آگے اس سورۃ میں ایک ادب سکھلایا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ یعنی مکان کے اندر تشریف فرما ہوں۔تو حجرہ کے باہر سے آپ کو پکارا نہ جائے کہ یہ گستاخانہ انداز ہے بلکہ صبر کے ساتھ باہر انتظار کیا جائے۔جب آپ حجرہ سے باہر تشریف لائیں تو اس وقت ملاقات کی جائے۔اسی بناء پر نشان کے طور پر اس سورۃ کا نام حجرات مقرر ہوا یہ سورۃ مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے نویں سال نازل ہوئی۔موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۴۹ ویں سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۱۱۲ لکھا ہے۔یعنی ۱۱۱ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور صرف دو سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔اس سورۃ میں ۱۸ آیات ۲ رکوعات ۳۵۰ کلمات ۱۵۷۳ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

ہجرت کے نویں سال عرب کے قبائل جوق در جوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اعلان کیا اس لئے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وعزت کے احکام اور آپس کے میل جول کے ادب وقاعدے اور اصلاح معاشرت اور حسن معاشرت کے اہم احکام بتلائے گئے گویا یہ سورۃ اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہے اس سورۃ میں سب سے پہلے خوف خدا کی تاکید فرمائی گئی اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وادب سکھلایا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی رائے مت چلاؤ۔تمہاری اپنی رائے اللہ ورسول کے حکم کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہیں سر جھکا کر سنو اور خلوص کے ساتھ اس پر عمل کرو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے مت بولو۔اندر حجرہ میں تشریف رکھتے ہوں تو پکار کر مت بلاؤ بلکہ صبر سے انتظار کرو۔جب آپ خود باہر تشریف لائیں تو ادب کے ساتھ آپ سے ملاقات کرو۔ہر کسی کی بات سن کر بے تحقیق مت مان لیا کرو تا کہ بیکار الجھنوں اور بعد کی پشیمانی سے بچے رہو۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تعلیم دی گئی کہ جب تمہارے اندر اللہ کے رسول موجود ہیں تو تمہیں آپ کی قدر ومنزلت پہنچانی چاہئے اور یاد رکھو کہ ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر زیادتی نہ کرنا چاہئے اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں آپس میں اختلاف ہو جائے تو ان کے آپس میں صلح کرادو اور اگر کوئی مصالحت پر آمادہ نہ ہو تو جو زیادتی کرے اس سے لڑ کر اس کو سیدھا کردو اور دیکھو آپس میں بدمزگی تلخی اور جھگڑے ذرا ذرا سی باتوں سے پیدا ہو سکتے ہیں مثلاً کسی سے تمسخر کرنا کسی کو برے نام اور

برے القاب سے پکارنا۔ کسی کے عیب ظاہر کرنا پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا غیبت کرنا چغلی کھانا کسی کی طرف سے بدگمانی کرنا کسی کے کچے چھٹے اور بھید معلوم کرنے کی کوشش کرنا یہ سب بری باتیں ہیں۔ ان سب سے بچو تمام انسان حضرت آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ ذات پات' خاندان' قوم' کنبہ' برادری یہ محض ایک دوسرے کی شناخت کے لئے ہیں ایک دوسرے پر بڑائی اور فوقیت جتانے کے لئے نہیں۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے نزدیک زیادہ مرتبہ والا وہی شخص ہوگا جو اس سے زیادہ ڈرے گا اور اس کے ڈر سے تمام گناہوں اور بری باتوں سے بچے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے حتیٰ کہ وہ تمہارے دلوں تک کی باتوں سے واقف ہے۔ جس نے کفر و شرک سے تائب ہو کر کلمہ پڑھ لیا وہ مسلمان ہے اب اسے چاہئے کہ اسلام کے مقرر کئے ہوئے طریقہ پر چلے۔ نیک کام کرے برے کاموں سے بچے تا کہ اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہو۔ اسلام میں داخل ہو کر کسی پر اپنا احسان مت جتاؤ۔ ایمان کی دولت تو ایک احسان خداوندی ہے اور اللہ کی نعمت ہے اور یہ مت سمجھو کہ جیسے انسان کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے اسی طرح اللہ کو بھی دھوکہ دے لو گے۔ اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں وہ آسمان اور زمین کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ خوب سمجھ لو کہ وہ تمہارے سب کام دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا۔ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اب اس آیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا ہی سے ایمان والوں کو خطاب کر کے آداب و احکام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسلام میں سب سے اول اور اہم مسئلہ اللہ و رسول کی تعظیم و عظمت کا ہے کیونکہ حب اللہ اور رسول کی عظمت و عزت دل میں ہوگی تو ان کے احکام کی تعمیل بھی ہوگی۔ اس آیت میں سب سے پہلا حکم ایمان والوں کو یہ دیا جاتا ہے کہ جس معاملہ میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو اور جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ آپ کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرات نہ کرو جو حکم ادھر سے ملے اس پر بے چون و چرا اور بلا پس و پیش عامل بن جاؤ۔ اپنی غرض اور رائے کو آپ کے احکام پر مقدم نہ رکھو بلکہ اپنی خواہشات و جذبات کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع بناؤ۔ یہ تو ہے اس قرآنی آیت کا مفہوم اور اسی کے مطابق ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس یعنی اس کی خواہشات اور نفسی میلانات میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں۔ پس قرآن کریم کی اس آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے جو اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں جب کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر احکام الٰہیہ اور ہدایات و ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع و ماتحت ہو جائیں۔ تجربہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں بیشتر نزاعات و مناقشات خود رائی اور غرض پرستی ہی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں اور ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد سے بلند کوئی معیار مومن کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا کرنے میں ہو سکتا ہے کہ وقتی اور عارضی طور پر کسی تکلیف یا نقصان کو اٹھانا پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دین دنیا کی سرخروئی اور کامیابی ہے اور اسی سے اس کی ضد کو بھی سمجھ لیا جائے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات و ارشادات چھوڑ کر دوسری باتوں میں خواہ وقتی اور عارضی کیسی ہی دلربائی نظر آتی ہو لیکن اس کا آخری انجام مسلمان کے لئے یقینی طور پر دین دنیا کے خسارہ اور نقصان کے علاوہ ہرگز کچھ نہیں۔ تو گویا پہلا حکم یہاں اہل ایمان کو آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ اللہ اور رسول سے کسی معاملہ میں پیش قدمی نہ کی جائے بلکہ سچی فرمانبرداری اور تعظیم اختیار کی جائے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اس وقت میسر ہو سکتی ہے جب خدا کا خوف دل میں ہو۔ اگر دل میں خوف خداوندی نہیں تو بظاہر دعوائے اسلام کو نباہنے کے لئے اللہ و رسول کا نام بار بار زبان پر لائے گا اور بظاہر اللہ و رسول

کے احکام کو سامنے رکھے گا لیکن فی الحقیقت اپنی اندرونی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک حیلہ اور آلہ کار بنائے گا۔ اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے پھر اس کے سامنے یہ فریب کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ کیسے چل سکے گا اس لئے آدمی کو چاہئے کہ حق تعالیٰ سے سچا خوف وڈر دل میں رکھ کر کام کرے۔

الغرض اس سورۃ میں یہ پہلا حکم ایمان والوں کے لئے بیان ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پہلے تم کسی قول یا فعل میں سبقت مت کیا کرو اور اس آیت کے تحت بعض علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ علمائے دین اور مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں اور دلیل میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ کسی موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابودرداءؓ جو ایک صحابی ہیں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آگے چل رہے ہیں تو یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابودرداءؓ کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے بہتر وافضل ہو۔ (ماخذ معارف القرآن جلد ۸) اسی لئے علماء نے فرمایا کہ اپنے استاد اور مرشد کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس ادب پر عمل پیرا ہونے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں۔

یہ تو تھا اس ابتدائی آیت میں پہلا حکم۔ اب آگے دوسرا اور تیسرا حکم اگلی آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی سچی توقیر واحترام عطا فرمائیں۔ تاکہ ہر معاملہ میں ہم کو قرآن اور سنت کی ہدایت کا اتباع نصیب ہو۔

یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت وعظمت وعزت اتار دے اور ہمارے لئے اپنے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر چلنا آسان فرما دے کہ اسی میں ہماری دین ودنیا کی بہتری اور بھلائی ہے۔

یا اللہ! ہمیں علمائے ربانی وحقانی کے ادب واحترام کی توفیق نصیب فرما کہ جن کے واسطے ہم کو قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل ہوا۔ یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرما کہ ہم آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز آجائیں اور آپ کے اطاعت گذار اور فرمانبردار بندے بن کر زندہ رہیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳

رسُول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خاص کردیا ہے، ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

يَاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مومنو	لَا تَرْفَعُوْٓا نہ اونچی کرو	اَصْوَاتَكُمْ اپنی آوازیں	فَوْقَ اوپر۔پر	صَوْتِ النَّبِيِّ نبی کی آواز	وَلَا تَجْهَرُوْا اور نہ زور سے بولو	
لَهٗ اس کے سامنے	بِالْقَوْلِ گفتگو میں	كَجَهْرِ جیسے بلند آواز	بَعْضِكُمْ تمہارے بعض (ایک)	لِبَعْضٍ بعض (دوسرے) سے	اَنْ کہیں		
تَحْبَطَ اکارت ہوجائیں	اَعْمَالُكُمْ تمہارے عمل	وَاَنْتُمْ اور تم	لَا تَشْعُرُوْنَ نہ جانتے (خبر بھی نہ ہو)	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ		
يَغُضُّوْنَ پست رکھتے ہیں	اَصْوَاتَهُمْ اپنی آوازیں	عِنْدَ نزدیک	رَسُوْلِ اللّٰهِ اللہ کا رسول	اُولٰٓئِكَ یہ وہ لوگ	الَّذِيْنَ جو۔جن	امْتَحَنَ آزمایا ہے	
	اللّٰهُ اللہ	قُلُوْبَهُمْ ان کے دل	لِلتَّقْوٰى پرہیزگاری کیلئے	لَهُمْ ان کیلئے	مَّغْفِرَةٌ مغفرت	وَّاَجْرٌ اور اجر	عَظِيْمٌ عظیم

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں سب سے پہلا حکم جو مسلمانوں کوخطاب کر کے ارشادفرمایا گیا وہ یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اپنی رائے مت چلاؤ اور کسی قول یا فعل میں اللہ اور رسول کی اجازت سے پہلے سبقت مت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو وہ تمہاری ساری باتیں سنتا اور تمہاری ساری حالتیں جانتا ہے اب آگے دوسرا و تیسرا حکم ان آیات میں دیا جاتا ہے اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہ شوروشغب کیا جائے اور نہ چیخ کر بات کی جائے اور جیسے آپس میں بے تکلفی سے بات چیت کرتے ہو اس طرح آپ سے بات چیت نہ کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم واحترام کے لہجہ میں ادب وشائستگی کے ساتھ۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے ایسا نہ ہو کہ تمہارا اونچا بولنا آپ کو ناگوار خاطر ہو اور آپ کو تکدر و اذیت پیش آئے اگر ایسا ہوا تو تم کہیں کے نہ رہو گے اور تمہارا سارا کیا کرایا اکارت ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں۔ تو بلند آوازی اور بے تکلفی سے حضورؐ سے گفتگو کرنے سے منع فرمایا گیا اور یہ اس لئے کہ کہیں کسی وقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور ایذا کا باعث نہ ہو جائے۔ اور آپ کو ایذا دہی موجب حبط عمل ہے تو ایسا کرنے سے خدشہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ تمام اعمال حبط کر لے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے علاوہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یوں بھی زبان سے بات نکالنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضامندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی انسان خدا کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا تعالیٰ اسے اس کلمہ کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں پہنچا دیتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو ان آیات میں اللہ رب العزت نے جو آداب نبوت تعلیم فرمائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان آداب کی درجہ کمال میں تعمیل فرمائی صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے تھے۔ سامنے مجلس نبوی میں بیٹھتے تو معلوم ہوتا کہ ان کے سروں

پر پرندہ بیٹھے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو خاموشی چھا جاتی ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو محبت اور ادب میں صحابہ وضو کا پانی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اپنے چہرہ اور بدنوں پر مل لیتے۔

جب یہ آیات نازل ہوئی ہیں تو جن صحابہ کرام کی آواز قدرۃً بلند تھی وہ بہت گھبرائے اور پریشان خاطر ہوئے کہ کہیں بلند آوازی سے گفتگو کرنے پر اعمال حبط ہو جانے کی وعید کے مرتکب نہ ہو جائیں۔حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسا کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو اور حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا اور تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیسؓ راستہ ہی میں بیٹھ گئے اور رونے لگے۔حضرت عاصم بن عدیؓ جب وہاں سے گزرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو۔میری آواز بلند ہے۔حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے اور حضرت ثابتؓ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ سے کہا کہ میں اپنے گھوڑے کے طویلہ میں جا رہا ہوں تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو۔خدا کی قسم میں اس میں سے نہ نکلوں گا۔یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مجھ سے رضامند کر دے۔یہاں تو یہ ہوا وہاں جب دربار رسالت میں حضرت عاصمؓ نے حضرت ثابتؓ کی یہ حالت بیان کی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابت کو میرے پاس بلا لاؤ لیکن حضرت عاصم اس جگہ آئے جہاں حضرت ثابت بیٹھے رو رہے تھے تو ان کو نہ پایا مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ گھوڑے کے طویلے میں ہیں۔یہاں آ کر کہا کہ ثابت چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔حضرت ثابت نے کہا کہ بہت اچھا۔ کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو۔پھر باہر نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی جس کا سچا جواب حضرت ثابت نے عرض کیا۔آپ نے سن کر فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔اس پر حضرت ثابتؓ کا سارا رنج کافور ہو گیا اور خوش ہو گئے اور فرمانے لگے یا رسول اللہ میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحیح بخاری میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کئی دن تک حضورؐ کی مجلس میں نظر نہ آئے اور ایک روایت (مسند احمد) میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے دریافت فرمایا تھا کہ ثابت کہاں ہیں نظر نہیں آتے۔ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان کی بابت معلوم کر کے بتلاؤں گا۔وہ حضرت ثابت کے مکان پر آئے۔دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں پوچھا کیا حال ہے جواب ملا کہ برا حال ہے۔میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتا تھا۔میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں تو جہنمی ہو گیا۔یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور سارا واقعہ آپ سے کہہ سنایا تو حضورؐ کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابت کے ہاں گئے حضورؐ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان سے کہو کہ تم جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہو۔ایک روایت میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے بعد ہم انہیں زندہ چلتے پھرتے دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہل جنت ہیں۔یمامہ کی جنگ میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے حضرت ثابت بن قیسؓ شہید ہوئے تھے۔مقصود ان روایات کے سنانے سے یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا سی بھی ناراضگی برداشت نہ کر سکتے تھے۔پھر جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں آپ کے سامنے یا آپ کی مجلس میں بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا۔علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنی حیات مبارکہ میں قابل احترام وعزت تھے اسی طرح اب بھی آپ اپنی قبر شریف میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم روایات میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سن کر وہاں آ کر ان سے دریافت فرمایا تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ طائف کے۔آپ نے فرمایا کہ اگر مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں بری سزا دیتا۔الغرض ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو آداب نبوت تعلیم فرمائے۔آگے ان آداب کی بجا آوری کی رغبت میں فرمایا کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تواضع اور ادب اور تعظیم وتکریم سے بولتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے سامنے اپنی آواز پست اور دھیمی رکھتے ہیں یہ وہ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے خالص تقویٰ وطہارت کے

واسطے تیار کردیا ہے اور اس اخلاص اور حق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری اجر وثواب ملے گا۔

ان آیات سے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ لکھا ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہئے اور قبر شریف کے پاس جو حاضر ہو وہاں بھی ان اداب کو ملحوظ رکھے۔ نیز آپ کے خلفاء علمائے ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہئے تاکہ جماعتی نظام قائم رہے۔ فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔''

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام وارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا جرم وگناہ ہوگا جو کہ ہمارے معاشرہ میں ایک طبقہ کا محبوب مشغلہ بنا ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اس پرفتن دور میں ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائیں آمین۔

یہاں جو فرمایا گیا **ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون** یعنی اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو بسبب اس خطرہ اور خوف کے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو اس کے متعلق ایک اشکال اور اس کا جواب حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے وہ بھی سمجھ لینے کے قابل ہے:۔

لکھتے ہیں کہ اس جگہ کلیات شرعیہ اور اصول مسلمہ کے اعتبار سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ حبط اعمال یعنی اعمال صالحہ کو ضائع کردینے والی چیز تو باتفاق اہل سنت والجماعت صرف کفر ہے۔ کسی ایک معصیت اور گناہ سے دوسرے اعمال صالحہ ضائع نہیں ہوتے اور یہاں خطاب مومنین اور صحابہ کرامؓ کو ہے اور لفظ **یآیها الذین امنوا** کے ساتھ ہے جس سے اس فعل کا کفر نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو حبط اعمال کیسے ہوا؟ دوسرے یہ کہ جس طرح ایمان ایک فعل اختیاری ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنے اختیار سے ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوتا اسی طرح کفر بھی امر اختیاری ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنے قصد سے کفر کو اختیار نہ کرے وہ کافر نہیں ہوسکتا اور یہاں آیت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ **انتم لاتشعرون** یعنی تمہیں خبر بھی نہ ہو تو حبط اعمال جو خالص کفر کی سزا ہے وہ کیسے جاری ہوئی۔

سیدی حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کی توجیہ ایسی فرمائی ہے جس سے یہ سب اشکالات اور سوالات ختم ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ معنیٰ آیت کے یہ ہیں کہ مسلمانو تم رسول اللہ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے اور بے محابا جہر کرنے سے بچو کیونکہ ایسا کرنے میں خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال حبط اور ضائع ہوجائیں اور وہ خطرہ اس لئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی یا آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرکے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو سبب ہے ایذائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگرچہ صحابہ کرام سے یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام کریں جو آپ کی ایذاء کا سبب بنے لیکن بعض اعمال وافعال جیسے تقدم اور رفع صوت اگرچہ بقصد ایذاء نہ ہوں پھر بھی ان سے ایذاء کا احتمال ہے اسی لئے ان کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیا ہے اور بعض معصیتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے والے سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوجاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہوکر انجام کار کفر تک پہنچ جاتا ہے جو سبب ہے حبط اعمال کا۔ کسی اپنے دینی مقتداء استاد یا مرشد کی ایذا رسانی ایسی ہی معصیت ہے جس سے سلب توفیق کا خطرہ ہوتا ہے اسی طرح یہ افعال یعنی تقدم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہوجائے اور یہ خذلان آخر کار کفر تک پہنچا دے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہوجاتے ہیں اور کرنے والے نے چونکہ قصد ایذا کا نہ کیا تھا اس لئے اس کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی کہ اس ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا اصل سبب کیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح بزرگ کو کسی نے اپنا مرشد بنایا ہو اس کے ساتھ گستاخی و بے ادبی کا بھی یہی حال ہے کہ بعض اوقات وہ سلب توفیق اور خذلان کا سبب بن جاتی ہے جو انجام کار متاع ایمان کو بھی ضائع کردیتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

ابھی آگے مزید آداب نبوت کی تعلیم وہدایات فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (٤) وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى

جولوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں اُن میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ

تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (٥) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ

آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کیلئے بہتر ہوتا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے

بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (٦) وَاعْلَمُوْۤا

تو خوب تحقیق کرلیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ اور جان رکھو کہ

اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ

تم میں رسول اللہ ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی

وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (٧)

اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کردیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (٨)

اور انعام سے راہ راست پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اِنَّ بیشک	الَّذِیْنَ جولوگ	یُنَادُوْنَكَ آپ کو پکارتے ہیں	مِنْ وَّرَآءِ باہر سے	الْحُجُرٰتِ حجروں	اَكْثَرُهُمْ ان میں سے اکثر	لَا یَعْقِلُوْنَ عقل نہیں رکھتے		
وَلَوْ اوراگر	اَنَّهُمْ البتہ وہ	صَبَرُوْا صبر کرتے	حَتّٰى یہانتک کہ	تَخْرُجَ آپ نکل آتے	اِلَیْهِمْ ان کے پاس	لَكَانَ البتہ ہوتا	خَیْرًا بہتر	لَّهُمْ ان کیلئے
وَاللّٰهُ اور اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِیْمٌ مہربان	یٰۤاَیُّهَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا جولوگ ایمان لائے (مومن)	اِنْ اگر	جَآءَكُمْ آئے تمہارے پاس		
فَاسِقٌ کوئی فاسق بدکردار	بِنَبَاٍ خبر لے کر	فَتَبَیَّنُوْۤا تو خوب تحقیق کرلیا کرو	اَنْ کہیں	تُصِیْبُوْا تم ضرر پہنچاؤ	قَوْمًا کسی قوم کو	بِجَهَالَةٍ نادانی سے		
فَتُصْبِحُوْا پھر ہو تم	عَلٰى پر	مَا فَعَلْتُمْ جو تم نے کیا (اپنا کیا)	نٰدِمِیْنَ نادم (جمع)	وَاعْلَمُوْۤا اور جان رکھو	اَنَّ کہ	فِیْكُمْ تمہارے درمیان		
رَسُوْلَ اللّٰهِ اللہ کا رسول	لَوْ یُطِیْعُكُمْ اگر وہ تمہارا کہا مانیں	فِیْ میں	كَثِیْرٍ اکثر	مِّنَ الْاَمْرِ کاموں سے۔ میں	لَعَنِتُّمْ البتہ تم ایذا میں پڑو	وَلٰكِنَّ اور لیکن		
اللّٰهَ اللہ	حَبَّبَ محبت دی	اِلَیْكُمُ تمہیں	الْاِیْمَانَ ایمان کی	وَزَیَّنَهٗ اور اُسے آراستہ کردیا	فِیْ قُلُوْبِكُمْ تمہارے دلوں میں	وَكَرَّهَ اور ناپسند کردیا		
اِلَیْكُمُ تمہارے سامنے	الْكُفْرَ کفر	وَالْفُسُوْقَ اور گناہ	وَالْعِصْیَانَ اور نافرمانی	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الرّٰشِدُوْنَ ہدایت پانیوالے		
	فَضْلًا فضل	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے۔ کے	وَنِعْمَةً اور نعمت	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِیْمٌ جاننے والے	حَكِیْمٌ حکمت والا		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے ہدایت دی گئی تھی کہ تم اپنی آوازیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند نہ کیا کرو اور اس طرح نہ بولو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو ایسا نہ ہو کہ یہ زور سے بولنا بیباکی کی صورت اختیار کرلے جو ترک ادب ہے اور اذیت نبیؐ کا باعث ہوسکتا ہے اور اذیت نبیؐ حرام ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس اذیت نبیؐ کے باعث تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں

اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

اب آگے ان آیات میں بعض دوسری ہدایات آداب نبوت کی دی جاتی ہیں۔شان نزول کی روایت میں آتا ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا۔آپ مکان کے اندر تشریف فرما تھے۔ان آنے والے لوگوں نے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تعلیم و ہدایت دی گئی کہ اس طرح باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینا بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات ہے۔کیا معلوم کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہوں۔پھر اللہ کے رسول کا ادب و احترام بھی کوئی چیز ہے۔چاہئے یہ تھا کہ یہ آنے والے کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ کے باہر تشریف لانے تک صبر و انتظار کرتے۔جب آپ باہر تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت خطاب کرنا چاہئے تھا۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایسا کیا جاتا تو ان آنے والوں کے حق میں بہتر اور قابل ستائش ہوتا۔تاہم بے عقلی اور نادانستگی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے۔اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے چاہئے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہو کر آئندہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔

آگے ایک دوسری ہدایت دی جاتی ہے اکثر نزاعات و مناقشات اور لڑائی جھگڑوں کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اسلئے اس اختلاف اور تفریق کے سرچشمہ ہی کو بند کرنے کی تعلیم دی گئی یعنی کسی خبر کو یونہی بے تحقیق قبول نہ کرنا چاہئے۔اس دوسری آیت کے شان نزول کے متعلق کئی روایات آئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قاصد کو ایک نو مسلم آبادی کے قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔زمانہ جاہلیت میں ان قاصد سے اور ان قبیلہ والوں سے کچھ عداوت تھی اس آبادی کے لوگ اس قاصد کی پیشوائی کے لئے نکلے۔قاصد نے یہ جانا کہ یہ پرانی دشمنی کی بنا پر شاید مجھ کو قتل کرنے آ رہے ہیں۔اس لئے یہ مدینہ واپس ہو گئے اور اس بات کی وہاں خبر کر دی جس پر مسلمان جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔اللہ رب العزت نے بذریعہ وحی اصل حقیقت کو آشکارا کیا اور آئندہ کے لئے اس قسم کی باتوں کو روک دیا اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری کسی خبر یا رائے پر عمل نہ کریں تو برا نہ مانو حق لوگوں کی خواہش یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ایسا ہو تو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔الغرض خبروں کی تحقیق کر لیا کرو اور حق کو اپنی خواہش یا رائے کے تابع نہ بناؤ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ کٹ جائے گی اگر تم یہ چاہتے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری ہر بات مانا کریں تو بڑی مشکل ہوتی لیکن اللہ کا شکر کرو کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے مومنین کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا اور کفر و معصیت کی نفرت ڈال دی۔جس سے وہ ایسی بیہودگی کے پاس بھی نہیں جا سکتے جس مجمع میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں وہاں کسی کی رائے اور خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے؟ علماء نے یہاں لکھا ہے کہ آج گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں بظاہر موجود نہیں۔مگر آپ کی تعلیم اور آپ کے وارث نائب یقیناً موجود ہیں۔اور رہیں گے اس لئے قرآن پاک کا یہ حکم اب بھی مسلمانوں کے لئے موجب عمل ہے۔آگے **واللہ علیمٌ حکیمٌ** فرما کر یہ جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور وہ بڑی حکمت والا ہے اس لئے وہ افعال کی راستی و ناراستی سے واقف ہے اور صحیح افعال کا حکم اور انہی کی ترغیب دیتا ہے۔

اس قرآنی حکم کہ خبروں کی تحقیق کر لیا کرو کہ آیا یہ صحیح ہے یا غلط کے نہ برتنے سے نہ معلوم کتنے فتنے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے گھر و خاندان جنگ و جدل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔آج کل یہ بڑی مصیبت ہے کہ جہاں کسی نے کوئی بات خواہ کیسی جھوٹی اور لغو ہو کہہ دی بس فوراً اس کو مان لیا۔جس سے نہ کسی عزت والے کی عزت محفوظ ہے اور نہ کسی شریف کا شرف بچا ہوا ہے۔اس لئے قرآن کریم نے حکم دیا کہ جب بھی کسی کے متعلق کوئی بات سنے پہلے اس کی جانچ پڑتال اور تحقیق ہونی چاہئے۔پھر اس پر یقین کرنا چاہئے اب یہ مسئلہ مستقل ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ

تحقیق کہاں واجب ہے کہاں جائز ہے کہاں ممنوع ہے سو اس میں قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے مثلاً سلطان کسی کے ارتداد کی خبر سنے تو چونکہ ارتداد کی صورت میں اس پر واجب کہ اس کو توبہ کرادے ورنہ قتل کرے اس لئے تحقیق واجب ہوگی یا مثلاً سلطان نے سنا کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ بوجہ سلطان ہونے کے حفاظت رعایا کی اس کے ذمہ واجب ہے اس لئے اس خبر کی تحقیق اور انتظام واجب ہے اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق نہ کرنے سے اس دوسرے شخص کا بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا تو وہاں تحقیق جائز ہے مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھے جسمانی یا مالی ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو اپنے دفع مضرت کے لئے ایسے موقع پر تحقیق جائز ہے اور اگر تحقیق کرنے سے اپنی کوئی دفع مضرت نہیں اور اس دوسرے کو ناگواری ہے تو تحقیق حرام ہے مثلاً کسی نے سنا کہ فلاں شخص خفیہ شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے اس شخص کی رسوائی اور فضیحت ہوتی ہے تو یہ تحقیق جائز نہیں۔'' اس کا پوشیدہ رکھنا اور چھپانا ضروری ہے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر کسی میں کوئی عیب ہے تو خود مجھ میں اس سے کئی گنا زیادہ عیب موجود ہیں۔ لہٰذا اکرام مسلم کا خیال ضروری ہے اور جھٹ کسی کے کہہ دینے سے کسی کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرلینا یا غلط اقدام کردینا قرآنی تعلیم کے بھی خلاف ہے اور عقل سلیم کے بھی منافی ہے۔ مگر افسوس کہ آج کثرت سے مسلمان اس مرض میں گرفتار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنا فضل فرمادیں اور ہماری اصلاح کی صورتیں پیدا فرمادیں۔ آمین۔

ابھی مزید ہدایات اگلی آیات میں جاری ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ جملہ قرآنی ہدایات وتعلیمات پر ہم کو عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ہم تک پہنچیں ان پر دل و جان سے ہم کو عمل کرنا محبوب بنادیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف کرنے سے ہمیں کراہت و نفرت نصیب فرمائیں اور ہماری رائے وخواہش کو شریعت مطہرہ کا پابند بنادیں۔ اور اب تک جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہیاں سرزد ہوئیں ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کردو، پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے

الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

تو اس گروہ سے لڑو، جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جاوے، پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو

وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۞ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ

اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو،

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۞

اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

وَإِنْ اور اگر	طَائِفَتَانِ دو گروہ	مِنَ سے۔ کے	الْمُؤْمِنِينَ (جمع) مومن	اقْتَتَلُوا باہم لڑ پڑیں	فَأَصْلِحُوا تو صلح کرادو تم
بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	فَإِنْ بَغَتْ پھر اگر زیادتی کرے	إِحْدَاهُمَا ان دونوں میں سے ایک	عَلَى الْأُخْرَىٰ دوسرے پر	فَقَاتِلُوا تو تم لڑو	
الَّتِي اس سے جو	تَبْغِي زیادتی کرتا ہے	حَتَّىٰ یہاںتک کہ	تَفِيءَ رجوع کرے	إِلَىٰ طرف	أَمْرِ اللَّهِ حکم الٰہی
فَإِنْ فَاءَتْ پھر اگر جب وہ رجوع کرے					
فَأَصْلِحُوا تو صلح کرادو تم	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	بِالْعَدْلِ عدل کے ساتھ	وَأَقْسِطُوا اور تم انصاف کیا کرو	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	
يُحِبُّ دوست رکھتا ہے	الْمُقْسِطِينَ انصاف کرنے والے	إِنَّمَا اس کے سوانہیں	الْمُؤْمِنُونَ مومن (جمع)	إِخْوَةٌ بھائی	فَأَصْلِحُوا پس صلح کرادو
بَيْنَ درمیان	أَخَوَيْكُمْ اپنے بھائی	وَاتَّقُوا اللَّهَ اور ڈرو اللہ سے	لَعَلَّكُمْ تا کہ تم پر	تُرْحَمُونَ رحم کیا جائے	

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب کر کے ہدایت دی گئی تھی کہ ہر کس و ناکس کی بات سن کر اس پر فوراً اعتماد مت کر لیا کرو۔ اگر کوئی قانون اسلام سے بے پروا شخص کوئی خبر آ کر سنائے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو اور اس سے پہلے اس کی بات پر یقین مت کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کی خبر پر یقین کر کے جلدی سے کسی کے خلاف قدم اٹھا لو اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ کام غلط ہوا تو پھر پچھتانا پڑے۔ تو یہ ہدایت دے کر اور یہ نصیحت کر کے قرآن کریم نے بہت سے آپس کے اختلافات اور جھگڑے جو غلط افواہوں کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں ان کا خاتمہ کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہو جاتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوۃ کا نظام قائم ہے اس لئے اوپر کی ہدایت کے ساتھ ہی اہل ایمان کو یہ بھی بتلایا گیا کہ دیکھو تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں تو تمہیں آپ کی قدر پہچاننی چاہئے۔ آپ کے مشورہ اور حکم کو قبول کرنا چاہئے اور اپنی خواہش اور رائے کو آپ کے حکم کے تابع بنانا چاہئے۔ پھر یہ بھی جتلایا گیا تھا کہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ جو مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا فرما دی اور کفر و فسق و عصیان سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا کر دی اس لئے دل سے اطاعت رسول کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ الغرض مسلمانوں میں نزاع اور اختلاف کو روکنے اور پیدا ہی نہ ہونے کی پیش بندیاں بیان فرمائی گئیں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ باوجود ان تمام پیش بندیوں کے اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہو جائے اور وہ آپس میں لڑ پڑیں تو پھر دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ پوری کوشش کریں کہ اختلاف رفع ہو جائے اور اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو بلکہ جسکی زیادتی ہو سب

مسلمان مل کر اس سے لڑائی کریں یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے۔ پھر اس وقت چاہئے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات اور انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرادیں کسی ایک کی طرف داری میں جادہ حق سے ادھر ادھر نہ جھکیں۔ پوری طرح عدل وانصاف کو ملحوظ رکھیں اور صلح و جنگ ہر حالت میں یہ خیال رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت ہے۔ دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے اس لئے جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یونہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ ان کے درمیان اصلاح کی پوری کوشش کرو اور ایسی کوشش کرتے وقت خدا سے ڈرتے رہو۔ کسی کی بیجا طرفداری یا انتقامی جذبہ سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ یہاں آیت میں جو یہ فرمایا انما المؤ منون اخوۃ بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اخوۃ کا لفظ قابل غور ہے جو حقیقی بھائیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ رشتے ناتے کے بھائیوں کے لئے لفظ اخوان آتا ہے تو قرآن پاک نے یہاں اخوۃ کا لفظ لاکر بتلادیا کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رشتہ بالکل سگے بھائیوں کا سا ہے جو انتہائی محبت کا رشتہ ہے یہ تو ہوئی قرآنی تصریح۔ اب احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس لئے اس پر ظلم وستم نہ کرنا چاہئے ایک دوسری صحیح حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر مسلمان بھائی کے لئے اس کی پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین۔ اور تجھے بھی خدا ایسا ہی دے ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت رحمدلی۔ میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی نیند نہ آنے کی تکلیف ہوتی ہے ایک اور صحیح حدیث میں ہے مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ مومن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے۔ مومن اہل ایمان کے لئے وہی دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے پھر آپس میں عدل وانصاف کرنے کے متعلق ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جو عدل وانصاف کرتے رہے وہ موتیوں کے منبروں پر رحمٰن عزوجل کے سامنے ہوں گے اور یہ بدلہ ہوگا ان کے عدل و انصاف کا۔ اوپر شروع سورۃ سے حقوق نبویہ ذکر کرنے کے بعد اب بعض باہمی حقوق اور آداب معاشرت بیان فرمائے جاتے ہیں جن میں پہلا حکم ان آیات میں بیان فرمایا گیا کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں یا دو شخصوں میں لڑائی ہو جائے تو باہم صلح صفائی اور میل ملاپ کرادو اور عدل وانصاف ملحوظ رکھو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی وحدت قائم رکھنے کے لئے اور ایک سطح پر مرکوز کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت موجود رہے جو اختلافات کا جائزہ لیتی رہے اور جب مسلمانوں کے دو فریق میں کوئی نزاع اختلاف یا مناقشہ پیدا ہو تو بیچ میں پڑ کر صلح صفائی کرادے اور جو فریق نہ مانے تو اس کے خلاف قوت وطاقت کا استعمال کریں حتیٰ کہ وہ فریق سرکشی سے باز آ جائے اور خدا کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم کردے۔

دوسری بات جو ان آیات نے بتائی وہ یہ ہے کہ دین کا اشتراک ہر مادی۔ مالی۔ ملکی۔ نسلی نسبی تفریق وامتیاز سے بالاتر ہے اور بڑے چھوٹے امیر غریب۔ سب کو اخوت دینی کے رشتہ میں پرو کر اسلام دین فطرت نے مسلم قومیت کی بنیاد صرف وحدت کلمہ پر رکھی ہے نہ کہ ملک قوم وطن زبان وغیرہ پر۔ آج جو مسلمان نت نئے ہمہ گیر فتنوں میں گرفتار ہو رہے ہیں اور خصوصاً جو افتاد پاکستان پر پڑی ہوئی ہیں اس کی وجہ صرف اور محض یہی ہے کہ اللہ ورسول۔ قرآن وحدیث کتاب وسنت نے جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں ان کو تو خیر باد کہہ دیا اور کہیں قوم پرستی کہیں وطن پرستی کہیں صوبہ پرستی کہیں زبان پرستی وغیرہ کے بت بنا کر کھڑے کر لئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اپنے مسائل کا حل غیروں کی نقالی میں منحصر سمجھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور قرآن وسنت کو اپنانے کی سعادت نصیب فرمائیں۔

ابھی آگے مزید بعض ہدایات مسلمانوں کو دی جارہی ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے سے آپس میں نفرت وعداوت اور اختلاف اور افتراق کے جذبات ہی پیدا نہ ہوں اور آپس کے بھائی چارہ میں فرق ہی نہ آنے پائے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ

اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو

نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ

عورتوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد

الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

گناہ کا نام لگنا (ہی) بُرا ہے، اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے (مومن)	لَا یَسْخَرْ نہ مذاق اڑائے	قَوْمٌ ایک گروہ	مِنْ قَوْمٍ (دوسرے) گروہ کا		
عَسٰٓی کیا عجب	اَنْ یَّکُوْنُوْا کہ وہ ہوں	خَیْرًا بہتر	مِنْهُمْ ان سے	وَلَا نِسَآءٌ اور نہ عورتیں	مِنْ نِّسَآءٍ عورتوں سے۔کا	عَسٰٓی کیا عجب
اَنْ یَّکُنَّ کہ وہ ہوں	خَیْرًا بہتر مِنْهُنَّ ان سے	وَلَا تَلْمِزُوْٓا اور نہ عیب لگاؤ	اَنْفُسَكُمْ باہم (ایک دوسرے)	وَ اور	لَا تَنَابَزُوْا باہم نہ چڑاؤ	
بِالْاَلْقَابِ برے القاب سے	بِئْسَ الِاسْمُ برا نام	الْفُسُوْقُ گناہ	بَعْدَ الْاِیْمَانِ ایمان کے بعد	وَمَنْ اور جو۔جس		
	لَمْ یَتُبْ توبہ نہ کی (باز نہ آیا)	فَاُولٰٓئِكَ تو یہی لوگ	هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ ظالم (جمع)			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں مسلمانوں میں نزاع اور اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی گئی تھیں پھر بتلایا گیا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پرزور اور مؤثر طریقہ سے اس نزاع کو ختم کرایا جائے اور عدل انصاف کے ساتھ میل ملاپ اور صلح صفائی کرادی جائے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا تو ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزا کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور مخالفت میں ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ شاید اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا تھا مگر ضد اور نفسانیت میں آدمی کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے۔ اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس طرح جذبات منافرت ومخالفت اور زیادہ مشتعل ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور قلوب میں بعد بڑھتا جاتا ہے اس لئے خداوند قدوس نے دین اسلام کے ماننے والوں کو اس قسم کی باتوں سے منع فرمایا تا کہ جذبات مخالفت تیز نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ اس آیت میں ایمان والوں کو خطاب کر کے ہدایت دی جاتی ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخرا پن کرے۔ نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں۔ نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے اور فتنہ وفساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! یہ کیسی بیش بہا قرآنی ہدایات ہیں آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔

اس آیت میں پہلی چیز جس سے مسلمانوں کو ممانعت فرمائی گئی وہ تمسخر ہے تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر اور دل شکنی اور دل آزاری ہو اور یہ حرام ہے اور وہ ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے اور ایسی ہنسی جائز ہے اور بلکہ بہت سے حالات میں مستحب ہے۔ تمسخر یعنی ہنسی اور ٹھٹھہ میں کسی کو بے عزت کرنا یہ باہمی عداوت کی جڑ ہے پھر کسی کا مذاق اڑانا اس بات کی دلیل ہے کہ خود تو عیوب سے پاک صاف ہے اور دوسرا قابل مذمت اور لائق تمسخر ہے یہ رعونت اور تکبر کی شاخ ہے جو اسلام میں قطعاً ممنوع ہے۔

دوسری چیز جس کی آیت میں ممانعت کی گئی وہ طعنہ ہے۔ طعنہ

زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق ومحبت میں نہ صرف فرق آجاتا ہے بلکہ اس کی جڑیں ہل جاتی ہیں۔

تیسری چیز جس سے یہاں ممانعت فرمائی گئی وہ ولاتنابزوا ہے یعنی کسی کو چڑانے والے ناموں سے نہ پکارو مثلاً اندھا کانا لنگڑا لولا ایسے القاب سے یاد کرنا خواہ کسی میں وہ باتیں موجود ہوں اس سے منع فرمایا گیا۔ اسی طرح کسی کو جاہلیت کے نام اور صفات سے یاد کرنا یا فسق اور برائی کے ناموں سے یاد کرنا یہ سب ممنوع ہے اور یہ سب اتنے بڑے گناہ ہیں کہ اگر اس کا مرتکب توبہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ظالم ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کے لئے اور اس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خودغرضی سے پاک ہو اور اس کے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے اتنی خیر خواہی ہو کہ جو نعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے وہی دوسرے بھائیوں کے لئے بھی چاہے اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند نہ کرے اس کو کسی دوسرے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں کہ اگر اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت ومودت ہو اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات و ثمرات سے محروم ہیں ایک دوسری مشہور حدیث ہے حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے "مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطر نہ ہو"۔ اس حدیث شریف میں زبان اور ہاتھ سے ایذارسانی کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق انہیں دونوں سے ہوتا ہے ورنہ مقصد ومطلب یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے لیکن یہ بھی واضح رہے کہ قرآن اور حدیث میں جس ایذارسانی کو منافی اسلام فرمایا گیا ہے۔ وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو۔ ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا اور ظالموں کی زیاتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا امن وراحت سے محروم ہو جائے۔ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی کے عیب کو ظاہر نہ کر شاید اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردے اور تجھ کو مبتلا کردے اسی طرح فرمایا گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور یہ کسی کو خبر نہیں کہ کس نے کب توبہ کی ہو سکتا ہے جس کو تم برا کہتے ہو اس نے توبہ کرلی ہو اور جس کو تم تکبر اور غرور میں قابل مذاق سمجھتے ہو وہ تو اپنے عجز وانکسار کی وجہ سے معزز ومکرم ہو جائے۔ اور تم اپنی بلندی وپاکی کے زور میں اللہ کے مجرم ٹھہرو۔ خلاصہ یہ کہ قرآن اور حدیث میں واضح ہو رہا ہے کہ شریعت کو معاشری اصلاح کے باب میں کس درجہ اہتمام ہے اور جو معاشرہ ان ہدایات وقوانین پر عامل ہو جائے کیا اس میں باہمی رنجشیں اور دلی عداوتیں اور ایک دوسرے سے بغض ومنافرت رخنہ انداز ہو سکتی ہیں؟ مگر افسوس اور رونا تو یہی ہے کہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات کو پیش در پیش اور مقدم رکھنا تو درکنار اب تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ملاناپن یعنی قرآن وحدیث کا سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا یہ تو ہماری ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے اب تو سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے جس قوم اور معاشرہ کا یہ حال ہو اس کو اپنی صلاح اور فلاح قرآن حدیث میں کہاں نظر آنے لگی۔ بس اس کو تو اپنی صلاح وفلاح سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہی نظر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم فرمائیں اور قرآن اور حدیث کی طرف سے ہماری آنکھیں کھول دیں۔

ابھی مزید ہدایات کا سلسلہ اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی

يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا

کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیاتم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کوتو تم ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

يٰاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے (مومن)	اجْتَنِبُوْا بچو	كَثِيْرًا بہت سے	مِّنَ الظَّنِّ گمانوں سے	اِنَّ بیشک
بَعْضَ الظَّنِّ بعض گمان	اِثْمٌ گناہ	وَّلَا تَجَسَّسُوْا اور ٹٹول میں نہ رہا کرو ایکدوسرے کی	وَلَا يَغْتَبْ اور غیبت نہ کرے	بَّعْضُكُمْ تم میں سے (ایک)	
بَعْضًا بعض (دوسرے) کی	اَيُحِبُّ کیا پسند کرتا ہے؟	اَحَدُكُمْ تم میں سے کوئی	اَنْ يَّاْكُلَ کہ وہ کھائے	لَحْمَ اَخِيْهِ اپنے بھائی کا گوشت	
مَيْتًا مُردہ کا	فَكَرِهْتُمُوْهُ تو اس سے تم گھن کرو گے	وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو تم	اِنَّ اللّٰهَ بیشک	تَوَّابٌ توبہ قبول کرنیوالا	رَّحِيْمٌ نہایت مہربان

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے وہ ہدایات بیان ہو رہی ہیں کہ اول تو مسلمانوں میں نزاع واختلاف پیدا ہی نہ ہوں۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس کو ختم کرنے کی ہدایت دی گئی اور ایسی باتوں سے منع فرمایا گیا جس سے اختلاف بڑھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں گذشتہ آیات میں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت دوسری جماعت سے یا ایک فرد دوسرے فرد سے تمسخر نہ کرے۔ نہ کھوج کرید کر ایک دوسرے کے عیب نکالے جاویں۔ نہ برے ناموں اور برے القاب سے مقابل کو یاد کیا جاوے کیونکہ ان سب باتوں سے عداوت ونفرت میں ترقی ہی ہوتی ہے۔

اب آگے اس آیت میں مزید ان باتوں سے منع کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو روکا جاتا ہے جن سے اختلاف اور تفریق باہمی بڑھتی ہے:۔

پہلی چیز جس سے اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی وہ بدگمانی ہے۔ بدگمانی بھی فساد کی جڑ ہے۔ جب ایک فریق دوسرے فریق سے بد گمان ہو جاتا ہے اور حسن ظن کی گنجائش نہیں چھوڑتا تو مخالف کی کوئی بات ہو۔ اس کا محل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو تو ہمیشہ بدگمانی کرنے والے کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی اور اس برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر الزام اور تہمتیں لگانا شروع کر دے گا اور پھر یہی نہیں کہ صرف بدگمانی پر اکتفا ہو۔ نہیں بلکہ اس جستجو میں بھی رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں جس پر خوب حاشئے چڑھائیں اور پھر اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں۔ اس آیت میں قرآن کریم نے ان تینوں باتوں سے منع فرمایا۔ اگر مسلمان اسی زیر تفسیر ایک آیت پر عامل ہو جائیں تو آپس میں جو اختلافات پیش آ جاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور چند روز میں نفسانی اختلافات کے نام و نشان باقی نہ رہیں۔ پہلی چیز جس کی یہاں اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی ہے وہ سوء ظن یا بدگمانی ہے۔ یہ بدگمانی ایسی بری چیز ہے کہ اس سے دلوں کے اندر کینے کے اژدھے پلتے ہیں اور جماعت میں افتراق وتشتت پیدا ہوتا ہے۔ اس بدگمانی کی بدولت اچھے اچھے دوست اور رشتہ دار بھی جدا ہو جایا کرتے ہیں اور برخلاف اس خراب عادت کے نیک گمانی ایسی اچھی صفت ہے کہ برے تعلقات کو بھی الفت ومحبت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ احادیث میں بھی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک گمانی کی بڑی تاکید اور بدگمانی سے بچنے کی سخت ضرورت واہمیت بیان فرمائی ہے۔ ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے۔ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے۔ تو کس قدر عظمت والا ہے اور کیسی بڑی حرمت والا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ مومن کی حرمت۔ اس کے مال اور اس کے جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بدگمانیوں کی عام عادت بطور وبا کے ہم لوگوں میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ بات بات پر بلاوجہ بھائیوں سے بدگمانی۔ بیوی بچوں سے بدگمانی۔ پڑوسیوں سے بدگمانی۔ دوستوں اور ساتھیوں سے بدگمانی۔ نوکروں اور خادموں سے بدگمانی۔ گویا بدگمانی کو ہم لوگوں نے اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ جس کی اس آیت میں قطعاً ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یہ بدگمانی کی خلش اگر دل سے دور ہو جائے تو ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کتنی راحت سے بسر ہونے لگے۔

دوسری چیز جس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی وہ کسی کے عیبوں اور کمزوریوں کی تفتیش اور جستجو میں نہ پڑنے کی ہے۔ یہ تجسس اور دوسروں کے عیبوں کی دریافت اور ٹٹول بھی کمینہ حرکات ہیں تاوقتیکہ کوئی شرعی مصلحت یا ضرورت ہی اس کی نہ آپڑے۔ ایک شخص کو حضرت ابن مسعودؓ کے پاس لایا گیا کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے اور عیبوں کی تفتیش سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں جو بات ظاہر ہو گی ہم اس پر مواخذہ کریں گے۔ ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اگر تو مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہو گا تو کام خراب ہو جائے گا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی کسی کی پردہ پوشی دنیا میں کرے گا خدا اس کی پردہ پوشی آخرت میں کرے گا۔

تیسری چیز جس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ کوئی کسی کی غیبت اور بدگوئی نہ کرے۔ غیبت یعنی کسی کی غیر حاضری میں اس کے عیوب بیان کرنا ایک تو بزدلی ہے دوسرے اس کے ساتھ چھپی دشمنی ہے اور تیسرے اس کی تذلیل ہے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا کے کسی کی پس پشت ایسی بات کرنی جو اسے ناگوار ہو۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر اس میں دراصل وہ بات موجود ہو تو پھر کیا؟ فرمایا یہی تو غیبت ہے۔ اگر واقعتاً وہ بات موجود نہ ہو تب تو بہتان ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔ ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے دوسرے کو پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الغیبت اشد من الزنا۔ یعنی غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لے جایا گیا تو میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل امین نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے۔ الامان والحفیظ۔

ایک بار کسی بزرگ کی کسی نے غیبت کی ان کو جب اس کا علم ہوا تو

انہوں نے بہت سا حلوہ پکوا کر اس غیبت کرنے والے شخص کے پاس بھجوا دیا اور کہلایا کہ یہ حقیر سا تحفہ ہے اس کرم کے عوض میں جو آپ نے مجھ پر فرمایا۔ جب یہ حلوہ اس کے پاس پہنچا تو بہت تعجب کیا۔ حلوہ بھیجنے والے بزرگ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس کی غیبت کی جاتی ہے خدا اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو عطا کر دیتا ہے پس اس احسان کے عوض میں نے یہ تحفہ حاضر کیا تھا۔

اللہ اللہ غیبت میں آج مسلمان کیسے مشغول اور مبتلا ہیں۔ ایسی حرام اور ناپاک شے جو زنا سے بھی بدتر ہو جو اپنی نیکی کے زوال کا باعث ہو وہ مسلمانوں کی مجلسوں کی رونق اور مسلمانوں کا محبوب مشغلہ ہو۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ عوام کا ذکر نہیں خواص اس میں مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیا دار کہلاتے ہیں دین داروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ غضب کہ اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ آگے آیت میں اس غیبت کی برائی کو ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ بھلا کوئی بھائی کا مردہ گوشت کھانا پسند کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی کو پسند نہیں ہو سکتا تو جس کی غیبت ہوتی ہے۔ وہ غائب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مردہ سے تشبیہ دی۔ یعنی وہ مردہ کے مانند بے خبر ہے اور یہ اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ انسان اور وہ بھی بھائی اس کا زندہ گوشت کوئی کھانا پسند نہیں کرتا ہے چہ جائیکہ مردار گوشت۔ احادیث میں بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کی غیبت کی تھی۔ احادیث میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابل برداشت بن گئی۔ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضورؐ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا۔ دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔

الغرض یہاں آیت میں بتایا گیا کہ مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ اخیر میں فرمایا جاتا ہے کہ ان نصیحتوں پر کاربند وہی ہوگا۔ جس کے دل میں خدا کا ڈر ہے تو ایمان اور اسلام کا دعویٰ رکھنے والوں کو واقعی طور پر اس خداوند قدوس کے غضب سے ڈر کر ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب بھی نہ جانا چاہئے۔ اور اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہیں تو اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کرے وہ اپنی مہربانی سے معاف فرماوے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ تواب الرحیم ہے۔

قرآن مجید کی ان اخلاقی اور معاشری ہدایتوں پر عمل کرنا اگر ہم سیکھ لیں تو آج دنیا میں بھی ایک حد تک جنت کا مزہ آنے لگے۔ آج جبکہ مسلمانوں میں باہم نظم اور اتحاد اور اتفاق کی شدید ضرورت ہے۔ تو یہ چیزیں یعنی بدگمانی۔ جاسوسی۔ غیبت اس اتفاق اور اتحاد کے لئے سم قاتل اور زہر ہلاہل سے کم نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے اسلام اور ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ اور ہماری زبانوں کو غیبت کے گناہ سے خصوصاً محفوظ رکھیں۔

یہاں چند فقہی مسائل غیبت سے متعلق ملاحظہ ہوں:۔

مسئلہ نمبر۱: غیبت کا بقصد و اختیار سننا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔ (معارف القرآن جلد ۸)

مسئلہ نمبر۲: بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذاء بھی حرام ہے۔ اور جو کافر حربی ہیں اگرچہ ان کی ایذاء حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے (۔ایضاً۔)

7

مسئلہ نمبر۳: غیبت جیسے قول وکلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے۔(ایضاً)

مسئلہ نمبر۴: بعض صورتوں میں غیبت کی اجازت ہے مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں۔ بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص سے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے۔ یا کسی کی اولاد یا بیوی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا۔ یا کسی معاملہ کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اس کا حال ذکر کرنا۔ یا جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا ہے اس کے اعمال بد کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں مگر بلا ضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بنا پر مکروہ ہے۔(معارف القرآن جلد ۸)

مسئلہ نمبر۵: کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت اور مجبوری سے ذکر کیا گیا ہو۔(معارف القرآن جلد ۸)

ابھی اسی سلسلہ میں مزید ہدایات اگلی آیات میں جاری ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ان قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں اور ہماری زبانوں کو اور اعضاو جوارح کو تمام گناہوں سے عموماً اور غیبت و بدگمانی و تجسس کے گناہوں سے خصوصاً محفوظ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا حقیقی خوف و ڈر ہمارے دلوں کو نصیب فرمائیں تاکہ ہم کو تمام گناہوں سے توبہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری گذشتہ تقصیرات کو معاف فرمادیں۔ اور ان پر سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمادیں اور اپنی رحمت سے ہماری توبہ کو قبول فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو

اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا

اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے، یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا

آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا مان لو تو

يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کرے گا، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو!	اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں	مِّنْ ذَكَرٍ ایک مرد سے	وَّاُنْثٰى اور ایک عورت	وَجَعَلْنٰكُمْ اور بنایا تمہیں	
شُعُوْبًا ذاتیں	وَّقَبَآئِلَ اور قبیلے	لِتَعَارَفُوْا تاکہ تم ایکدوسرے کی شناخت کرو	اِنَّ اَكْرَمَكُمْ بیشک تم میں سب سے زیادہ عزت والا	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	
اَتْقٰىكُمْ تم میں سب سے بڑا پرہیزگار	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	خَبِيْرٌ باخبر	قَالَتِ کہتے ہیں	الْاَعْرَابُ دیہاتی / اٰمَنَّا ہم ایمان لائے
قُلْ فرمادیں	لَّمْ تُؤْمِنُوْا تم ایمان نہیں لائے	وَلٰكِنْ اور لیکن	قُوْلُوْٓا تم کہو / اَسْلَمْنَا ہم اسلام لائے ہیں	وَلَمَّا اور ابھی نہیں	يَدْخُلِ داخل ہوا
الْاِيْمَانُ ایمان	فِيْ قُلُوْبِكُمْ تمہارے دلوں میں	وَاِنْ اور اگر	تُطِيْعُوا تم اطاعت کرو گے	اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اسکا رسول
لَا يَلِتْكُمْ تمہیں کمی نہ کریگا	مِّنْ سے	اَعْمَالِكُمْ تمہارے اعمال	شَيْـًٔا کچھ بھی	اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا / رَّحِيْمٌ مہربان

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے ایک دوسرے سے بدگمانی، کسی کے عیوب کی تفتیش اور کسی کی غیبت یعنی بدگوئی کرنے کی ممانعت فرمائی گئی تھی۔ اب چونکہ کسی کی غیبت عیب جوئی۔ اور طعن وتشنیع کا منشا محض کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اس لئے آگے ان آیات میں قرآن پاک نے اس کبر کی بھی جڑ کاٹ دی اور بتلایا کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز وحقیر ہونا کچھ ذات پات۔ خاندان ونسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت متقی پرہیزگار ہو اور اللہ سے ڈرنے والا ہو اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ومکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے انسان ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی۔ انصاری سب کا سلسلہ حضرت آدمؑ اور حواؑ پر منتہی ہوتا ہے۔ یہ ذاتیں قومیت اور خاندانی تقسیم یہ تو اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت اور پہچان کے لئے مقرر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف۔ فضیلت۔ اور مقبولیت تمام تر ذاتی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے گویا فضیلت کے لحاظ سے اسلام نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے۔ متقی اور غیر متقی اس کے علاوہ اسلام میں حقیقی تقسیم نہ امیر وغریب کی ہے۔ نہ نسلی شریف اور نہ نسلی رذیل کی ہے۔ نہ کالے گورے کی ہے بلکہ صرف متقی اور غیر متقی کی ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور معزز اور بزرگ گھرانے میں پیدا کر دے وہ ایک موہوب شرف ہے اور غیر اختیاری فضل جیسے کسی کو حسین وخوبصورت بنا دیا جائے لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے

لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرالیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے ہاں جس کو یہ نسبی شرف حاصل ہو اس کو شکر کرنا چاہئے کہ اللہ نے بلا اختیار وکسب کے یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ اور شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور اور فخر سے باز رہے اور اس نعمت کو برے اخلاق اور بدخصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف فرمایا تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں اور طواف سے فارغ ہو کر آپ نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا۔

"شکر ہے اللہ کا جس نے فخر جاہلیت کو اور اس کے تکبر کو تم سے دور کر دیا۔ اب تمام مسلمانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک اور متقی جو اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہے دوسرا فاجر شقی جو اللہ کے نزدیک ذلیل وحقیر ہے"۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ **یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبآئل لتعارفوا ط ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ط ان اللہ علیم خبیرo**

الغرض انسان کی فضیلت۔ شرف اور عزت کا اصلی معیار نسب نہیں بلکہ تقویٰ وطہارت ہے اور متقی آدمی دوسرے کو حقیر کب سمجھے گا۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ ظاہری تقویٰ بھی دنیا میں کسی کی شیخی۔ تعلّی اور تفاخر کی بنیاد نہیں بن سکتا کیونکہ تقویٰ اصل میں دل سے ہے اور دل کا حال اللہ تعالیٰ ہی پر روشن ہے کہ کون واقعی کس حد تک متقی ہے اور جو ظاہر میں متقی نظر آتا ہے وہ باطن میں کیسا ہے اور آئندہ کیسا رہے گا؟ تو یہاں دعوے تقدس وتقویٰ سے ممانعت کی طرف اشارہ ہے آگے ایک ایسی ہی خاص جماعت کا ذکر فرمایا گیا جنہوں نے بطور ریا کے اس کا اظہار بھی اور دعویٰ کیا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں اعراب سے مراد قبیلہ بنو اسد کے دیہاتی ہیں کہ قحط شدید کے ایام میں صدقہ لینے کی غرض سے مدینہ طیبہ آئے اور اظہار کیا کہ ہم ایمان لائے مگر در اصل دل میں ایمان اور اللہ و رسول کی اطاعت مقصود نہ تھی۔ لیکن بعض مفسرین نے اعراب سے یہاں عام دیہاتی لوگ مراد لئے ہیں جو اسلام میں داخل ہوتے ہی ایمان کا بڑھا چڑھا دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ در اصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دعوے سے روکا۔ یہ اعرابی دعویٰ کرتے کہ ہم ایمان لائے اس پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیہاتی جو آپ کے پاس آ کر ایمان لانے کے مدعی ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے یعنی امنا کے بجائے اسلمنا کہو اور باقی ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اس لئے ایمان کا دعویٰ مت کرو۔ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا سب باتوں میں کہنا مان لو جس میں یہ بھی داخل ہے کہ دل سے ایمان لے آؤ تو اللہ تمہارے اعمال میں سے جو کہ بعد ایمان کے ہوں گے ذرا بھی کم نہ کرے گا بلکہ سب کا پورا پورا ثواب دے گا کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ کامل مومن کون ہیں اور اگر کامل مومن بنا جائے تو کیسا بنا جائے یہ اگلی خاتمہ کی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

اللہ تعالیٰ ہمیں حسب ونسب پر فخر کرنے سے بچائیں اور تقویٰ اور پرہیز گاری جو اصل دولت ہے وہ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ تقویٰ پر ثابت قدم رکھیں اور حقیقی ایمان سے ہمارے قلوب کو منور فرمائیں۔ اسلام کے ساتھ ہمیں ایمان کامل بھی نصیب فرمائیں اور اپنی شان غفور الرحیمی سے ہمارے ناقص اعمال قبول فرما کر ثواب کامل عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا، اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

میں جہاد کیا، یہ لوگ ہیں سچے۔ آپ فرما دیجئے کہ کیا خدائے تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو، حالانکہ اللہ کو تو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے،

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ

اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو،

إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ

بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

آسمان اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے، اور اللہ تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے۔

إِنَّمَا اسکے سوا نہیں	الْمُؤْمِنُونَ مومن (جمع)	الَّذِينَ وہ لوگ جو	آمَنُوا ایمان لائے	بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اس کا رسول	ثُمَّ پھر		
لَمْ يَرْتَابُوا نہ پڑے شک میں وہ	وَجَاهَدُوا اور انہوں نے جہاد کیا	بِأَمْوَالِهِمْ اپنے مالوں سے	وَأَنفُسِهِمْ اور اپنی جانوں سے	فِي میں				
سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کی راہ	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الصَّادِقُونَ سچے	قُلْ فرمادیں	أَتُعَلِّمُونَ کیا تم جتلاتے ہو؟	اللَّهَ اللہ	بِدِينِكُمْ اپنا دین	
وَاللَّهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا جو	فِي السَّمَاوَاتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْأَرْضِ زمین میں	وَاللَّهُ اور اللہ	بِكُلِّ ہر ایک	شَيْءٍ چیز
عَلِيمٌ جاننے والا	يَمُنُّونَ وہ احسان رکھتے ہیں	عَلَيْكَ آپ پر	أَنْ کہ	أَسْلَمُوا وہ اسلام لائے	قُلْ فرمادیں	لَا تَمُنُّوا نہ احسان رکھو تم		
عَلَيَّ مجھ پر	إِسْلَامَكُمْ اپنے اسلام لانے کا	بَلِ اللَّهُ بلکہ اللہ	يَمُنُّ احسان رکھتا ہے	عَلَيْكُمْ تم پر	أَنْ هَدَاكُمْ کہ اس نے ہدایت دی تمہیں			
لِلْإِيمَانِ ایمان کی طرف	إِنْ اگر	كُنتُمْ تم ہو	صَادِقِينَ سچے	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	غَيْبَ السَّمَاوَاتِ پوشیدہ باتیں آسمانوں کی		
	وَالْأَرْضِ اور زمین	وَاللَّهُ اور اللہ	بَصِيرٌ دیکھنے والا	بِمَا وہ جو	تَعْمَلُونَ تم کرتے ہو			

تفسیر وتشریح: یہ سورہ حجرات کی آخری اور خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ حسب ونسب کوئی فخر کرنے کی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے جاری کیا اور مختلف قومیں اور خاندان جو بنائے تو وہ محض باہم شناخت اور ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے بنائے نہ کہ فخر وتکبر کے لئے۔ پھر بتلایا گیا تھا کہ بڑائی اور بزرگی اللہ کے نزدیک تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے نہ کہ حسب ونسب پر۔ اور تقویٰ چونکہ دل سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اس لئے اس کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون واقعی متقی ہے اور کس درجہ کا۔ اس لئے تقویٰ بھی ایسی چیز نہیں کہ کوئی اس پر فخر کرے اور دعویٰ اپنے متقی اور مقدس ہونے کا کرے۔ اسی سلسلہ میں قبیلہ بنی اسد کے بعض دیہاتیوں کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قحط کے زمانہ میں آئے اور کہا کہ ہم مومن ہیں اور دیکھئے دوسرے قبائل کی طرح ہم نے آپ کی مخالفت نہیں کی۔ ہمارے ساتھ ہمارے

اہل وعیال بھی ہیں۔ غرض ان کی یہ تھی کہ آپ ہمارے ممنون ہو کر ہماری مدد کریں۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے ان دیہاتیوں کو کہا گیا تھا کہ تم آمنا کہہ کر دعوے ایمان مت کرو بلکہ اسلمنا کہہ سکتے ہو کہ مخالفت چھوڑ کر آپ کے مطیع ہو گئے۔ انہی بنی اسد کے دیہاتیوں کو ان کے دعوے ایمان کرنے پر ان آیات میں جتلایا جاتا ہے کہ کامل مومن کون ہیں اور اگر تم کو کامل مومن بننا ہے تو کیسے بنو۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ سچے اور پکے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ اور رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے یعنی اپنے مالوں کو بھی اور اپنی جانوں کو بھی راہ خدا میں جس میں جہاد بھی شامل ہے خرچ کرتے ہیں یہ سچے لوگ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان ہی سے ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ تو یہاں مومنوں یعنی کامل ایمان والوں کی تین صفات بتلائی گئیں ایک یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس خالص تصدیق اور کامل یقین پر پوری طرح جم جاتے ہیں اور جے ہی رہتے ہیں اور اس میں شک وتردد میں نہیں پڑتے اور تیسرے یہ کہ اللہ کے دین کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اگر یہ تینوں باتیں کسی میں موجود نہ ہوں تو وہ کامل الایمان نہیں کہلایا جا سکتا گو وہ زبانی کیسے ہی اسلام اور ایمان کے بلند دعوے کرتا ہو۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر واقعی سچا دین وایمان اور کامل یقین تم کو حاصل ہے تو اپنے کہنے اور جتلانے سے کیا ہوگا؟ جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔ اور ایسا جاننے والا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیہاتی جو اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان مت رکھو۔ تم جو اسلام قبول کرو گے میری اطاعت وفرمانبرداری کرو گے اور میری دین میں مدد کرو گے تو اس کا نفع تمہیں کو ملے گا تمہارے اسلام نہ لانے سے میرا کیا ضرر ہے اور اگر واقعی تم دعوے ایمان واسلام میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا۔ گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کر دیا گیا کہ اگر تم کو قرآنی ہدایات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق نصیب ہو تو اس کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کا شکر ادا کرو جس نے تم کو ایسی توفیق عطا فرمائی۔ سورۃ کے خاتمہ پر فرمایا کہ دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا خوب جانتا ہے اور اسی کے موافق تم کو جزا اور بدلہ دے گا پھر اس کے سامنے دعوے اور باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ خالی خولی زبانی ایمان و اسلام کے دعوے اور لن ترانی نہ مطلوب ہے نہ محمود ہے بلکہ حقیقت ایمان کی یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے جس کی پہچان اور شناخت یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہو اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے قطعاً گریز ہو۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تو کہے کہ شراب قطعاً حرام ہے۔ ہم کہیں کہ غیر ملکیوں کی مہمانداری کرنی بھی تو ضروری ہے اللہ اور اس کا رسول تو کہے کہ سود یکسر حرام ہے ہم کہیں کہ سودی لین دین چھوڑ کر پھر ''ترقی'' کیسے ہوگی اور یورپ وامریکہ کے بے دین ملکوں میں ہماری عزت اور ساکھ کیسے بنے گی۔ اللہ اور اس کا رسول تو کہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو۔ زانی کو کوڑے اور رجم یعنی سنگساری کی سزا دو۔ ہم کہیں کہ اس ترقی اور تہذیب کے زمانہ میں یہ سزائیں کیسے دی جا سکتی ہیں۔ یورپ والے ہم کو ظالم اور بے رحم کہیں گے۔ اللہ اور رسول تو کہیں کہ مالدار پر حج فرض ہے اگر استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کیا تو اس کو اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مگر ہم کہیں کہ حج کی عام اجازت کیسے دی جا سکتی ہے جبکہ ملک کی دولت غیر ملک میں خرچ کرنے سے زرمبادلہ کی مشکلات پیش آتی ہیں تو یہ ایمان اور اسلام خوب ہے کہ ایک ایک بات میں اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف اور ضد پر عمل ہو اور دعویٰ ہو کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ درس اب سے قریب ۱۷ سال پہلے یعنی ۱۹۶۹ کا

لکھا ہوا ہے جس وقت ملک میں یہی حالت تھی۔ تو جیسا کہ ان آیات سے صاف معلوم ہوا حقیقت ایمان کی یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ اور رسول پر ایمان و یقین ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ اس ایمان و یقین میں شک و شبہ اور تردد نہ ہو اور تیسری بات حقیقت ایمان کے لئے یہ فرمائی کہ دین کی بلندی کے لئے اللہ کے نام کی بڑائی اور عظمت کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی کرنا۔ اپنی چاہت کے حال کو اللہ کے راستہ میں قربان کرنا اور اپنی عزیز جان کو اللہ کی رضا میں لگانا اور فدا کرنا تو کھرے کھوٹے ایمان کی کسوٹی ہے

یہ آیت انما المؤ منون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یر تابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ط اولئک ھم الصدقون. ایمان والے تو وہی ہیں کہ جو:

۱- اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے

۲- پھر انہوں نے کسی طرح شک وشبہ نہیں کیا

۳- اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے رہے وہی سچے بھی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو بھی اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں۔ آمین۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں بھی حقیقی ایمان و اسلام نصیب فرمائیں اور ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک کی سچی اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور ہمارے دلوں کو شکوک و شبہات سے پاک فرمائیں۔

یا اللہ اپنے دین کے لئے اور اپنی رضا کے لئے ہمیں اپنا جان مال خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

اے اللہ آپ نے ہم کو اسلام عطا فرما کر ہم پر بڑا احسان و انعام فرمایا۔

اے اللہ ہم کو اس نعمت کی قدر و عظمت عطا فرما اور ہم کو اسی اسلام پر تا زیست قائم رکھ اور اسی پر موت نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

ق قسم ہے قرآن مجید کی۔ بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ڈرانے والا آ گیا سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ

شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ

عجیب بات ہے۔ جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے۔ ہم اُن کے اُن اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی کم کرتی ہے،

مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤

اور ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے۔ بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں۔

قٓ قاف	وَالْقُرْاٰنِ قسم ہے قرآن	الْمَجِيْدِ مجید	بَلْ بلکہ	عَجِبُوْٓا انہوں نے تعجب کیا	اَنْ کہ	جَآءَهُمْ انکے پاس آیا	مُنْذِرٌ ایک ڈرسنانے والا
مِنْهُمْ ان میں سے	فَقَالَ تو کہا	الْكٰفِرُوْنَ کافروں	هٰذَا یہ	شَيْءٌ شے	عَجِيْبٌ عجیب	ءَاِذَا مِتْنَا کیا جب ہم مرگئے	وَكُنَّا اور ہوگئے
تُرَابًا مٹی	ذٰلِكَ یہ	رَجْعٌ دوبارہ لوٹنا	بَعِيْدٌ دور	قَدْ عَلِمْنَا تحقیق ہم جانتے ہیں	مَا تَنْقُصُ جو کچھ کم کرتی ہے	الْاَرْضُ زمین	
مِنْهُمْ ان میں سے	وَعِنْدَنَا اور ہمارے پاس	كِتٰبٌ حَفِيْظٌ محفوظ رکھنے والی کتاب	بَلْ كَذَّبُوْا بلکہ انہوں نے جھٹلایا	بِالْحَقِّ حق کو			
لَمَّا جَآءَهُمْ جب وہ آیا ان کے پاس	فَهُمْ پس وہ	فِيْٓ اَمْرٍ ایک بات میں	مَّرِيْجٍ اُلجھی ہوئی				

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب ۲۶ ویں پارہ کی سورہ ق کا بیان ہو رہا ہے اور یہیں سے قرآن پاک کی ساتویں منزل جو آخری منزل ہے شروع ہوتی ہے۔ اس وقت اس سورہ ق کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام وزمانہ نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

اس سورۃ کی ابتدا ہی حرف ق سے ہوئی ہے جو مقطعات قرآنی میں سے ہے۔ اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام ق مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مکی ہے اور مکی دور کے ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۵۰ ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۵۴ لکھا ہے یعنی ۵۳ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۶۰ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔

اس سورۃ میں ۴۵ آیات ۳ رکوعات۔ ۳۷۶ کلمات اور ۱۵۲۵ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے اس میں عقائد سے متعلق مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔ سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کے ذکر سے فرمائی گئی کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے اور جو کچھ اس میں قیامت۔ حشر نشر وغیرہ کے بارہ میں بتلایا گیا ہے وہ سراسر حق ہے لیکن مخالفین محض ہٹ دھرمی سے کام لے کر ان باتوں کا ناحق انکار کرتے ہیں چنانچہ کفار ومنکرین کہتے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہم دوبارہ کیونکر زندہ ہوں گے۔ کفار کے ان اشکالات کا جواب دیتے ہوئے بتلایا گیا کہ یہ ماننا کہ انسان مر کر مٹی ہو جائے گا اور اس کے اجزا زمین میں بکھر جائیں

گے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اس کے بدن کا ذرہ ذرہ کہاں ہے اس لئے ہر جگہ سے سمیٹ کر ان اجزاء کو پھر اکٹھا کر کے انسان کو دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کیا جاوے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوگا اور اس کی قدرت کی نشانیاں اب بھی دنیا میں ظاہر ہیں آسمان کی طرف دیکھو اتنی بڑی چھت بغیر کسی ستون اور سہارے کے کس طرح کھڑی ہے اور کس طرح ستارے جگمگاتے ہیں پھر اس آسمان میں نہ کوئی سوراخ نظر آتا ہے نہ کوئی دراڑ نظر آتی ہے۔ پھر زمین کو دیکھو کہ کس طرح دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور وزنی پہاڑ اس پر جمے ہوئے ہیں اور قسم قسم کی چیزیں اس زمین سے اگ رہی ہیں۔ پھر آسمان سے بارش ہوتی ہے مردہ خشک زمین زندہ ہو کر ہری بھری ہو جاتی ہے اور اس میں جان پڑ جاتی ہے اسی طرح انسان بھی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہو جائے گا۔ پھر بتلایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر کے کسی نے بھی اچھا پھل نہ پایا بلکہ انکار کرنے والے بری طرح ہلاک ہوئے چنانچہ پہلے قوم نوح۔ اصحاب الرس۔ عاد۔ ثمود۔ قوم فرعون۔ قوم لوط۔ اصحاب الایکہ۔ اور قوم تبع ہر ایک نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تکذیب کرنے والے ہلاک کر دیئے گئے۔ اس لئے لوگوں کو گذشتہ قوموں کے حالات سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ پھر خود انسان کی پیدائش اور اس کے متعلق خدائی قدرت کا اظہار کیا گیا کہ یہ انسان آپ ہی آپ نہیں بن گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ارادہ سے پیدا کیا ہے اور اس کے قول وفعل کے نگران دو فرشتہ اس کے ساتھ لگا دیئے ہیں جو اس کی نیکی اور بدی فوراً لکھتے رہتے ہیں اور آخر ایک وقت اس انسان پر ایسا آتا ہے کہ جب اس پر موت کی بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور موت کا آنا یقینی ہے پھر جب انسان کو موت آ گئی اور اس کی دنیا کی زندگی ختم ہو گئی تو اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ جب صور میں پھونک ماری جائے گی اس وقت تمام انسان جہاں بھی ہوں گے پھر زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ ہولناک دن شروع ہو جائے گا جس سے تمام اللہ کے نبی اور رسول ڈراتے چلے آئے ہیں قیامت میں انسان اپنے اعمال کے مطابق دوزخ میں جائے گا یا جنت میں۔ پھر جنت و جہنم کی کچھ کیفیت بیان کی گئی اور بتلایا گیا کہ انسان اللہ سے منہ موڑ کر دنیا میں جن کو اپنا ساتھی بنا رہا ہے۔ وہ قیامت کے دن اس کے کچھ کام نہ آئیں گے وہاں تو اسی کی نجات ہوگی جو دنیا میں بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہے گا اور دل سے اللہ کی طرف رجوع کرتا رہے گا اور اس سے غافل نہ ہوگا۔ سورۃ کے خاتمہ پر فرمایا گیا کہ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتے ہیں اور وہی موت دیتے ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہوگا اور گو یہ منکرین ان باتوں کو نہ مانیں مگر حقیقت یہ ہے کہ سب کو ایسا ہی جمع ہونا ہے اور یہ اللہ کے نزدیک کچھ مشکل بات نہیں بلکہ بڑی آسان بات ہے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا کہ آپ کو ان منکرین سے زبردستی بات منوانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے آپ کا کام اچھی طرح سمجھا کر کہہ دینا ہے آگے کوئی مانے یا نہ مانے۔ پس آپ قرآن پڑھ پڑھ کر اچھی طرح سمجھا دیں گو نصیحت وہی حاصل کرے گا جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہو یہ ہے خلاصہ اس تمام سورۃ کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اب ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو سورۃ کی ابتدا ق جو حروف مقطعات میں سے ہے فرمائی گئی جس کے حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ پھر قرآن کریم کی عظمت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لئے اس کی قسم کھا کر بتلایا گیا کہ اس قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا لیکن اس کے باوجود منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے اور یہ اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت و برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل وحماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان۔ قبیلہ اور نسل کا ایک آدمی ان کی طرف رسول ہو کر آیا اور رہبر ابن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے۔ بھلا جب ہم مر کر مٹی ہو گئے کیا پھر زندگی کی طرف واپس کئے جائیں گے۔ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور ہماری سمجھ سے بعید ہے کفار کے ان اشکالات کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے علم میں ہے کہ بدن کے اجزا

تحلیل ہوکر جہاں کہیں منتشر ہوگئے ہیں اس کو قدرت ہے کہ ہر جگہ سے اجزاء اصلیہ کو جمع کر کے ڈھانچہ کھڑا کر دے اور دوبارہ جان اس میں ڈال دے اور یہی نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ اللہ کا علم قدیم ہے اور قبل وقوع ہی سب اشیاء کے حالات ایک کتاب میں جو لوح محفوظ کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے اور اب تک وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس موجود چلی آتی ہے جس میں ذرا کمی بیشی نہیں ہوسکتی تو یہ منکرین بلاوجہ تعجب میں ہیں اور یہ تعجب ہی نہیں بلکہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ اللہ کے رسول کا انکار۔ قرآن کا انکار۔ مرکر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار۔ غرض ہر چیز کو جھٹلاتے ہیں اور عجیب الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں۔ بے شک جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے اسی طرح شک واضطراب کی الجھنوں میں پڑا رہتا ہے۔

یہاں آیت میں جو فرمایا گیا ہے **وعندنا کتب حفیظ**o اور ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے تو اس کتاب سے مفسرین نے لکھا ہے کہ لوح محفوظ مراد ہے لوح محفوظ جس کو ام الکتٰب بھی کہا گیا ہے کیا ہے؟ کیسی ہے؟ درحقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ بس مراد اللہ تعالیٰ کی علمی کتاب ہے جسمیں ہر چیز موجود ہے سابق ولاحق۔ حاضر و غائب کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔ جسطرح لوح اپنی تحریر کو ظاہر کر دیتی ہے واقعات گزر جاتے ہیں لوح پر تحریر باقی رہتی ہے اور اپنے مضمون کو ظاہر کرتی رہتی ہے۔ (لغات القرآن جلد ۵)

آگے ذکر ہے قدرت الٰہی کا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو جو یہ عظمت والی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی ہے ہم کو اس نعمت کی قدردانی اور شکرگذاری کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس کے احکام وقوانین پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ہمیں اپنی عظمت والی کتاب قرآن کریم کی حقیقی عظمت عطا فرمادے اور ہمیں اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لینے کی توفیق نصیب فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝٦ وَالْاَرْضَ

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ نہیں۔ اور زمین کو

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٧ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى

ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیزیں اُگائیں۔ جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝٨ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝٩

ہر رجوع ہونے والے بندے کیلئے۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اُگائے اور کھیتی کا غلہ

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝١٠ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝١١

اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بندوں کے رزق دینے کیلئے اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا تو کیا وہ نہیں دیکھتے؟	اِلَى السَّمَآءِ آسمان کی طرف	فَوْقَهُمْ ان کے اوپر	كَيْفَ کیسے	بَنَيْنٰهَا بنایا اسکو	وَزَيَّنّٰهَا اور اس کو آراستہ کیا			
وَمَا لَهَا اور اس میں نہیں	مِنْ کوئی	فُرُوْجٍ شگاف	وَالْاَرْضَ اور زمین	مَدَدْنٰهَا ہم نے پھیلایا	وَاَلْقَيْنَا اور ڈالے جمائے	فِيْهَا اس میں		
رَوَاسِيَ پہاڑ (جمع)	وَاَنْۢبَتْنَا اور اگائے	فِيْهَا اس میں	مِنْ سے۔ کے	كُلِّ زَوْجٍ ہر قسم	بَهِيْجٍ خوشنما	تَبْصِرَةً ذریعۂ بینائی	وَذِكْرٰى اور نصیحت	
لِكُلِّ لئے۔ ہر	عَبْدٍ مُّنِيْبٍ رجوع کرنیوالا بندہ	وَنَزَّلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	مُّبٰرَكًا بابرکت	فَاَنْۢبَتْنَا پھر ہم نے اگائے		
بِهٖ اس سے	جَنّٰتٍ باغات	وَحَبَّ اور دانہ (غلہ)	الْحَصِيْدِ کاٹے (کھیتی)	وَالنَّخْلَ اور کھجور کے درخت	بٰسِقٰتٍ بلند وبالا	لَّهَا جن کے	طَلْعٌ خوشے	
نَّضِيْدٌ تہ بہ تہ	رِّزْقًا رزق	لِّلْعِبَادِ بندوں کیلئے	وَاَحْيَيْنَا اور ہم نے زندہ کیا	بِهٖ اس سے	بَلْدَةً شہر (زمین)	مَّيْتًا مُردہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	الْخُرُوْجُ نکلنا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں کفار و منکرین کا قول نقل فرمایا گیا تھا کہ جو یہ کہتے تھے کہ بھلا مر جانے کے بعد جب ہم مٹی ہو گئے تو پھر دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے یعنی وہ حشر نشر کو ناممکن سمجھتے تھے۔ تو اس کا ایک جواب وہاں دیا گیا تھا کہ بدن کے اجزا تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں اور اس کو قدرت حاصل ہے کہ وہ انسانی بدن کے ایک ایک ذرہ کو جہاں کہیں بھی وہ ہو انہیں جمع کر کے دوبارہ اس میں زندگی ڈال دے دوسرا جواب ان آیات میں دیا جاتا ہے کہ یہ منکرین جو مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اس کو ناممکن خیال کرتے ہیں دراصل ان منکرین نے اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں پروردگار عالم اس سے زیادہ بڑھے چڑھے

اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھ کر فرماتا ہے کہ ایک آسمان ہی کو دیکھ لو جو ان کے سر پر ہر طرف چھایا ہوا ہے نہ بظاہر اس میں کوئی کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون و سہارا تو اتنا بڑا عظیم الشان جسم کیسا مضبوط اور محکم کھڑا ہوا ہے اور رات کو جب اس پر ستاروں کی قندیل روشن ہوتی ہے تو یہ آسمان کس قدر پر رونق اور خوبصورت نظر آتا ہے پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گذر گئے نہ اس چھت میں کہیں سوراخ ہوا۔ نہ کوئی حصہ ٹوٹا پھٹا۔ نہ رنگ خراب ہوا آخر وہ کس کی قدرت ہے جس نے یہ مخلوق بنائی اور پھر بنا کر اس کی ایسی حفاظت کی۔ پھر آسمان کے بعد زمین کی صناعی کی طرف توجہ دلائی کیا یہ منکرین زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس قدر دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور کس طرح اس پر بڑے بڑے وزنی اور بھاری بھرکم پہاڑ جمے ہوئے ہیں اور اس

زمین میں سے کس طرح طرح کی خوشنما اور دلفریب چیزیں پھل پھلار۔میوے۔غلہ ترکاری سبزی وغیرہ اگتی ہیں۔یہ چیزیں ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور اس آسمان و زمین کی تخلیق و تنظیم میں دانائی اور بینائی کے کتنے سامان ہیں جن میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور ان باتوں کو یاد دلانے والی ہیں جنہیں انسان غفلت میں پڑ کر بھول گیا ہے۔پھر ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں بھی یہ منکرین کیونکر حق کو جھٹلانے کی جرأت کرتے ہیں۔پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس پر بھی غور کرو کہ اللہ نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر زمین سے باغات اگائے جن میں میوہ دار درخت پھولتے اور پھلتے ہیں اور کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور کھجور کے اونچے اونچے درخت اگا دیئے جو بھرپور میوے لاتے ہیں اور کھجوروں کے گچھوں سے لدے رہتے ہیں۔یہ سب سامان اللہ نے اپنے بندوں کے رزق کے لئے کیا ہے اور یہی پانی ہے کہ جب برستا ہے تو مردہ خشک زمین میں جان پڑ جاتی ہے اور خشک سوکھی ہوئی زمین پھر تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے اور سوکھے چٹیل میدان سرسبز ہو جاتے ہیں تو ان سب چیزوں پر غور کرنے سے اللہ کی قدرت صاف نظر آتی ہے خاص کر پانی سے مردہ زمین میں دوبارہ جان پڑتی دیکھ کر تو کسی عقلمند کو اس میں شبہ نہ رہنا چاہئے کہ اسی طرح انسان مردہ ہو کر پھر دوبارہ زندہ ہوگا جس طرح بارش ہونے پر خشک زمین کو از سر نو سرسبز شاداب ہوتے دیکھتے ہو اسی طرح حکمت الٰہی اور قدرت خداوندی مردہ انسانوں کو بھی زمین سے نکال کھڑا کرے گی۔اس کا ناممکن ہونا تو الگ رہا اس میں تعجب کی بھی کیا بات ہے۔کیا قدرت کی یہ نشانیاں نہیں بتلاتیں کہ بلاشک وشبہ وہ قادر تمام باتوں پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

صرف یہیں اس سورت میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں متعدد جگہ حق تعالیٰ نے اپنی لامحدود قدرت کو جاننے اور اس سے حق تعالیٰ کے وجود کو پہچاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے انسانوں کو اپنی مخلوقات اور مصنوعات میں غور وفکر کرنے کے لئے فرمایا۔اور اسی کو ذریعہ بتلایا تبصرة وذکریٰ لکل عبد منیب o یعنی ہر ایسے شخص کے لئے جو اللہ کی قدرت کی معرفت حاصل کرنا چاہے وہ اس غرض کے لئے اللہ کی مصنوعات میں فکر کرنے کی طرف متوجہ ہو یہی ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے۔تو یہاں حشر و نشر اور بعث بعد الموت یعنی مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر کفار و مشرکین مکہ کو یہ جواب دیا گیا کہ انسان اپنے محدود علم و قدرت و بصیرت پر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود اور غیر متناہی علم اور قدر کو قیاس کر کے اس گمراہی میں پڑتا ہے کہ قیامت اور حشر و نشر کا انکار کرتا ہے خلاصہ یہ کہ یہاں ثابت کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین جیسی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو ایک مردہ کو دوبارہ زندہ کر دینے پر اس کو قدرت کیوں نہ ہوگی۔ضرور ہوگی اور اس میں تعجب اور تکذیب کی کیا بات ہے۔

اب آگے منکرین و مکذبین کو وعید سنائی جاتی ہے اور گذشتہ بعض مشہور قوموں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جنہوں نے انکار قیامت سے اپنے رسولوں کی تکذیب کر کے اپنے سر عذاب مول لیا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ نے ہماری پرورش کیلئے دنیا میں طرح طرح کے سامان رزق عطا فرمائے ہیں۔اپنی ان نعمتوں کا شکر گذار اور قدردان بنا کر زندہ رکھئے اور ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

ان سے پہلے قوم نوح اور اصحب الرس اور ثمود۔ اور عاد اور فرعون اور قوم لوط

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۚ

اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں، سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید محقق ہوگئی۔ کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے،

بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ

بلکہ یہ لوگ از سرِ نو پیدا کرنے کی طرف سے شبہ میں ہیں۔ اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں،

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ

اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ۔ جب دو اخذ کرنے والے فرشتے اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ داہنی اور بائیں طرف

قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ

بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔ اور موت کی سختی حقیقۃً آپہنچی،

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

یہ وہ چیز ہے جس سے بدکتا تھا۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ نوح کی قوم	وَ اور	اَصْحٰبُ الرَّسِّ اہلِ رس	وَثَمُوْدُ اور ثمود	وَعَادٌ اور عاد	وَفِرْعَوْنُ اور فرعون
وَاِخْوَانُ اور بھائی (جمع)	لُوْطٍ لوط	وَاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ اور اہلِ ایکہ (بن کے رہنے والے)	وَقَوْمُ تُبَّعٍ اور قوم تبع	كُلٌّ كَذَّبَ سب نے جھٹلایا			
الرُّسُلَ رسولوں	فَحَقَّ پس ثابت ہوگیا	وَعِيْدِ وعدۂ عذاب	اَفَعَيِيْنَا تو کیا ہم تھک گئے	بِالْخَلْقِ پیدا کرنے سے	الْاَوَّلِ پہلی بار	بَلْ هُمْ بلکہ وہ	
فِيْ لَبْسٍ شک میں	مِنْ سے	خَلْقٍ جَدِيْدٍ پیدا کرنا از سرِ نو	وَلَقَدْ خَلَقْنَا اور تحقیق ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	وَنَعْلَمُ اور ہم جانتے ہیں		
مَا تُوَسْوِسُ جو وسوسے گزرتے ہیں	بِهٖ اس کے	نَفْسُهٗ اس کا جی	وَنَحْنُ اور ہم	اَقْرَبُ بہت قریب	اِلَيْهِ اس کے	مِنْ سے	
حَبْلِ الْوَرِيْدِ رگِ گردن (شہ رگ)	اِذْ يَتَلَقَّى جب لیتے (لکھ لیتے) ہیں	الْمُتَلَقِّيٰنِ دو لینے (لکھ لینے) والے	عَنِ الْيَمِيْنِ دائیں سے	وَ اور			
عَنِ الشِّمَالِ بائیں سے	قَعِيْدٌ بیٹھا ہوا	مَا يَلْفِظُ اور نہیں نکالتا	مِنْ قَوْلٍ کوئی بات	اِلَّا مگر	لَدَيْهِ اس کے پاس	رَقِيْبٌ ایک نگہبان	عَتِيْدٌ تیار بیٹھا ہوا
وَ اور	جَآءَتْ آگئی	سَكْرَةُ الْمَوْتِ موت کی بے ہوشی	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	ذٰلِكَ یہ	مَا كُنْتَ جس سے تو تھا	مِنْهُ اس سے	تَحِيْدُ بھاگتا (بدکتا)

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین کے قیامت وحشر ونشر کے بارہ میں اشکالات نقل فرما کران کے جوابات ارشاد فرمائے گئے تھے اور بتلایا گیا تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے پانی سے مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ اور سرسبز فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح مردہ انسان دوبارہ زندہ ہوکر زمین سے اٹھ کھڑے ہوں گے اس لئے قیامت میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر نہ تعجب ہونا چاہئے نہ انکار مگر ضدی وہٹ دھرم کفار مکہ کہاں ماننے والے تھے۔ اس لئے ان کو انکار وتکذیب پر وعید سنائی جاتی ہے کہ پہلے بھی بہت سی مشہور قومیں اور امتیں اپنے رسولوں کا انکار

اوران کی باتوں کی تکذیب کر چکی ہیں مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ ان پر عذاب خداوندی نازل ہوا اور وہ ہلاک کیئے گئے ۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ ان کفار مکہ سے پہلے قوم نوح نے اور اصحاب الرس نے اور قوم ثمود اور قوم عاد اور قوم فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع یہ سب بھی اپنے رسولوں کی اوران کی باتوں کی جو وہ قیامت وحشر ونشر کے بارہ میں بتلاتے تھے انکار وتکذیب کر چکی ہیں ۔ ان تمام اقوام کے قصہ سورہ حجر سورہ فرقان اور سورہ دخان وغیرہ میں گزر چکے ہیں ۔ تو ان تمام امتوں کو ان کی سرکشی وکفر اور مخالفت حق کا نتیجہ وہی ملا جس سے انہیں ڈرایا گیا تھا یعنی عذاب خداوندی سے ہلاک کر دیئے گئے تو اہل مکہ اور دیگر مخاطبین کو سمجھایا جاتا ہے کہ اس انکار وتکذیب کی بدخصلت سے پرہیز کرنا چاہئے اور باز آ جانا چاہئے ورنہ ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے ۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اول بار میں عدم محض سے تو تمام مخلوق اور چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ کا ہونا یہ بھی تسلیم کرتے ہیں تو پھر کیا ان منکرین کا یہ خیال ہے کہ اب اللہ کی قدرت تخلیق جواب دے گئی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اول بار مخلوق کو پیدا کر کے (معاذ اللہ) تھک گئے؟ نہیں ہرگز نہیں ۔ پھر وہ انسانوں کے دوسری بار پیدا کرنے میں شبہ کیوں کرتے ہیں جو ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ مٹا کر دوسری بار بھی پیدا کر سکتا ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے ارادہ سے پیدا کیا ہے یہ نہ آپ ہی آپ بن گیا اور نہ کسی دوسرے نے اسے پیدا کیا اور پھر اس کو پیدا کر کے یہ نہیں کہ چھوڑ دیا اور بے خبر ہو گئے ۔ نہیں بلکہ اس کے ہر قول وفعل سے اللہ تعالیٰ خبردار ہیں حتیٰ کہ جو وساوس وخطرات انسان کے دل میں گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی واقف ہیں اور وہ انسان سے اتنے قریب ہیں کہ اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں اور پھر یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے خطرات و وساوس کو جانتے ہیں اور انسان کی شہ رگ سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں بلکہ دو فرشتے بھی خدا کے حکم سے ہر وقت اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں اور جو لفظ انسان کے منہ سے نکلے وہ لکھ لیتے ہیں دائیں طرف والا نیکی لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بدی ۔ ادھر انسان نے کچھ کیا یا کہا ادھر ان میں سے کوئی ایک فوراً لکھ لیتا ہے اور وہ اس کے اعمال کی تاک میں تیار بیٹھا رہتا ہے کہ ادھر اس نے کچھ کیا یا کہا ادھر اس نے جھٹ لکھ لیا ۔ آخر ایک وقت انسان پر ایسا آتا ہے کہ وہ نہ کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ کر سکتا ہے اور اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور موت کی علامتیں شروع ہو جاتی ہیں اس وقت وہ سب سچی باتیں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں جن کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھیں ۔ یہ پیش آنا ہر انسان کے لئے قطعی یقینی ہے ۔ آگے انسان کو براہ راست خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے انسان یہی موت ہے جس سے تو بچتا تھا اور کتراتا تھا اور بہت کچھ تو نے اس کو ٹلانا چاہا اور اس وقت سے بہت کچھ بھاگتا رہا پر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی ۔ آخر سر پر آ کھڑی ہوئی کوئی تدبیر وحیلہ دفع الوقتی کا نہ چل سکا ۔

یہاں آیت میں جو فرمایا گیا نحن اقرب الیہ من حبل الورید o کہ ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اس کا جمہور مفسرین نے یہی مطلب لیا ہے کہ قرب سے مراد قرب علمی اور احاطہ علمی ہے ۔ قرب مسافت مراد نہیں ۔ اور شہ رگ ہر جاندار میں خون کی وہ رگیں ہیں جو جاندار کے دل سے نکلتی ہیں جن پر انسان وحیوان کی زندگی موقوف ہے یہ رگیں کاٹ دی جائیں تو جاندار کی روح نکل جاتی ہے خلاصہ مطلب اس جملہ کا یہی ہوا کہ جس چیز پر انسان کی زندگی موقوف ہے اللہ تعالیٰ اس چیز سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں یعنی اس کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں ۔

پھر ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتے محفوظ نہ کر لیتے ہوں اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

''انسان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے ۔ اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے

اپنی رضائے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں۔اسی طرح کوئی کلمہ انسان اللہ کی ناراضی کا معمولی سمجھ کر زبان سے نکال دیتا ہے اور اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ اور وبال کہاں تک پہنچے گا۔اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کے لئے لکھ دیتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زبانوں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رضامندی کے کلمات ہماری زبانوں سے نکلنا نصیب فرمائیں۔

اب آگے موت کے بعد جو قیامت اور حشر نشر واقع ہوگا اس کے بعض واقعات بیان فرمائے جاتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو انسان بنا کر پیدا فرمایا اور کفر و شرک سے بچا کر ہم کو ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ نافرمان قوموں کی خصلت و اعمال سے ہم کو بچایئے اور ہم کو کامل اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمایئے۔

یا اللہ ہمارے اقوال و اعمال میں حفاظت فرمایئے اور وہ اعمال و اقوال جو آپ کی رضا کے باعث ہوں ہمارے لئے آسان اور سہل فرما دیجئے اور وہ اعمال و اقوال جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں ہم سے محال و ناممکن کر دیجئے اور اُن سے کامل طور پر بچنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

یا اللہ موت کی سختی ہمارے لئے آسان فرمایئے گا اور ایمان و اسلام کی موت ہم سب کو نصیب فرمایئے گا۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾

اور صور پھونکا جاوے گا، یہی دن ہوگا وعید کا۔

وَنُفِخَ اور پھونکا گیا	فِي الصُّوْرِ صور میں	ذٰلِكَ یہ	يَوْمُ الْوَعِيْدِ وعید کا دن		

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اے انسان موت کی بے ہوشی تجھ پر یقیناً آ کر رہے گی اور آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس وقت سے بچنے کے لئے بھاگتا اور کترا تا رہا مگر یہ موت کی گھڑی انسان کے سر سے ٹلنے والی کہاں تھی۔ آخر سر پر آ کر کھڑی ہوتی ہے اور کسی کی کوئی تدبیر اور حیلہ موت سے بچنے کا نہ چل سکا۔ اب جب انسان کو موت آ گئی اور اس کی دنیا کی زندگی ختم ہوئی تو اب اس کو آگے کیا واقعات پیش آنے ہیں یہ اس آیت اور آئندہ آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت آئے گا تو صور میں پھونک ماری جائے گی اس وقت جہاں بھی جو انسان مرا ہوگا پھر زندہ ہو کر کھڑا ہوگا اور وہ ہولناک دن شروع ہو جائے گا جس سے اللہ کے نبی اور رسول اور اللہ کی سب کتابیں ڈراتی چلی آئی ہیں یہاں جس صور پھونکے جانے کا ذکر ہے وہ دوسری بار کا صور ہوگا جب کہ سب مردہ زندہ ہو جائیں گے اور پہلے بار کے صور پھونکے جانے پر سب کا دنیا میں خاتمہ ہو جائے گا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث مفسر دہلویؒ نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں احادیث کی روشنی میں جو صور پھونکے جانے کی کیفیت لکھی ہے وہ موقع کی مناسبت سے یہاں نقل کی جاتی ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"قرب قیامت کی آخری علامت کے بعد قیام قیامت کی اول علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے (یہاں لوگوں سے مراد بے دین اور کفار ہیں جو اخیر میں دنیا میں باقی رہیں گے اور قیامت انہی پر قائم ہوگی کیونکہ اہل ایمان تو اس جہان سے سب کوچ کر چکے ہوں گے حتیٰ کہ کوئی روئے زمین پر لفظ اللہ تک کہنے والا نہ ہوگا) دنیاوی نعمتیں۔ اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہو جائیں گی کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا صبح ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں گے کہ ناگاہ ایک باریک لمبی آواز آدمیوں کو سنائی دے گی۔ یہی نفخ صور اول ہوگا۔ تمام اطراف کے لوگ اس کے سننے میں یکساں ہوں گے اور حیران ہوں گے کہ یہ آواز کیسی ہے اور کہاں سے آتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ آواز مانند کڑک بجلی کے سخت و بلند ہوتی جائے گی۔ آدمیوں میں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی و بے قراری پھیل جاوے گی۔ جب وہ پوری سختی پر آ جائے گی تو لوگ خوف و ہیبت سے مرنے شروع ہو جائیں گے زمین میں زلزلہ آئے گا جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں میں بھاگیں گے اور وحشی جانور خائف ہو کر لوگوں کی طرف میل کریں گے۔ زمین جا بجا شق ہو جائے گی۔ سمندر ابل کر قرب و جوار کے مواضعات پر چڑھ جائیں گے۔ آگ بجھ جائے گی۔ نہایت محکم اور بلند پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہوا کے چلنے سے ریت کے موافق اڑیں گے۔ گرد و غبار کے اٹھنے اور آندھیوں کے آنے کے سبب جہاں تیرہ و تار ہو جائے گا۔ وہ آواز دم بدم سخت ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ جب تمام انسان مر جائیں گے تو ملک الموت ابلیس کی روح قبض کرنے کے لئے متوجہ ہوں گے یہ ملعون چاروں طرف دوڑتا پھرے گا ملائکہ گرز ہائے آتشیں سے مار مار کر لوٹا دیں گے اور اس کی روح قبض کر لیں گے سکرات موت کی جتنی تکالیف تمام افراد بنی آدم پر گذری ہیں اس پر تنہا گذریں گی۔ نفخ صور کے مسلسل چھ ماہ تک پھکنے کے بعد نہ آسمان رہے گا۔ نہ ستارے۔ نہ پہاڑ۔ نہ سمندر۔ نہ اور کوئی چیز سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں گے حتیٰ کہ ایک مرتبہ تو فرشتے بھی مر جائیں گے مگر لکھا ہے کہ آٹھ چیزیں فنا سے مستثنیٰ ہیں اول عرش۔ دوسرے

کرسی۔ تیسرے لوح۔ چوتھے قلم۔ پانچویں بہشت۔ چھٹے صور۔ ساتویں دوزخ۔ آٹھویں ارواح۔ لیکن ارواحوں کو بھی بے خودی و بیہوشی لاحق ہو جائے گی۔ بعضوں کا قول ہے کہ یہ آٹھ چیزیں بھی تھوڑی دیر کے لئے معدوم ہو جائیں گی۔ حاصل کلام جب سوائے ذات باری تعالیٰ کوئی اور باقی نہ رہے گا۔ تو خداوند رب العزت فرمائے گا **لمن الملک الیوم** کہاں ہیں بادشاہان و مدعیان سلطنت؟ کس کے لئے آج کی سلطنت ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمائے گا **لله الواحد القهار** (خدائے یکتا و قہار کے لئے ہے) پس ایک وقت تک ذات واحد ہی رہے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد جس کی مقدار سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا از سرنو سلسلہ پیدائش کی بنیاد قائم ہوگی۔ آسمان۔ زمین۔ فرشتوں کو پیدا کرے گا۔ زمین کی ہیئت اس وقت ایسی ہوگی کہ اس میں عمارتوں۔ درختوں۔ پہاڑوں اور سمندروں وغیرہ کا نشان نہ ہوگا اس کے بعد جس جس مقام سے لوگوں کو زندہ کرنا منظور ہوگا تو اسی جگہ پہلے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو پیدا کر کے رکھ دیا جائے گا اور ان کے دیگر اجزائے جسمانی کو اس ہڈی کے متصل رکھ دیں گے۔ ترتیب اجزا کے بعد ان اجزائے مرکبہ پر گوشت و پوست چڑھا کر جو جو صورت ان کے مناسب حال ہو عطا ہو جائے گی۔ قالب جسمانی کے تیار ہونے کے بعد تمام ارواحوں کو صور میں داخل کر کے حضرت اسرافیل کو حکم ہوگا کہ ان کو پوری طاقت سے پھوکیں اور خود خداوند کریم ارشاد فرمائے گا قسم ہے میرے عز وجلال کی کوئی روح اپنے قالب سے خطا نہ کرے۔ پس روحیں اپنے اپنے جسموں میں اس طرح آئیں گی جیسے گھونسلوں میں پرندے۔ صور اسرافیل میں تعداد ارواح کے موافق سوراخ ہیں جن میں سے روحیں پھونکے پر اپنے اپنے قالبوں میں داخل ہو جائیں گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا رابطہ جسموں سے قائم ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد صور دوم پھر پھونکا جائے گا جس کی وجہ سے زمین پھٹ کر تمام لوگ برآمد ہوں گے اور گرتے پڑتے آواز صور کی جانب دوڑیں گے یہ صور بیت المقدس کے اس مقام پر جہاں صخرہ معلق ہے پھونکا جائے گا۔ قبروں میں سے آدمی اسی شکل میں پیدا ہوں گے جیسے کہ بطن مادر سے یعنی برہنہ تن۔ بے ختنہ۔ بے ریش ہوں گے صرف سروں پر بال اور منہ میں دانت ہوں گے۔ سب سے پہلے زمین میں سے حضرت رسول مقبول محبوب رب العالمین۔ اشرف الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے۔ آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر جگہ جگہ سے انبیاء صدیقین شہداء۔ صالحین اٹھیں گے۔ بعد ازاں عام مومنین پھر فاسقین۔ پھر کفار تھوڑی تھوڑی دیر بعد یکے بعد دیگرے برآمد ہوں گے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوں گے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے پاس اور دیگر امتیں اپنے اپنے پیغمبر کے پاس مجتمع ہو جائیں گی........."؟

قیامت نامہ کی اس عبارت سے صور کے پھونکے جانے کی کچھ تفصیل آپ کے سامنے آ گئی۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں کیونکر آرام و سکون سے بیٹھوں جبکہ حالت یہ ہے کہ صور پھونکنے والا (یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام) صور کو منہ میں دبائے ہوئے ہیں۔ کان حکم سننے کے لئے لگائے ہوئے ہیں پیشانی جھکائے ہوئے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ملے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب یہ حالت ہے تو آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا **حسبنا الله و نعم الوکیل** پڑھا کرو۔ تو یہاں آیت میں **ونفخ فی الصور ذلک یوم الوعید** یعنی قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جاویں گے یہی دن ہوگا وعید کا جس سے لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا۔ تو یہاں دوسری مرتبہ کا صور پھونکا جانا مراد ہے۔ جس کی تشریح اوپر قیامت نامہ سے سنائی گئی۔

اب اس کے بعد آگے میدان قیامت و حشر کی حاضری کا حال اور کفار وغیرہ کے جہنم میں پھینکے جانے کا حکم ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا 8

اور ہر شخص اس طرح آوے گا کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لاوے گا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو اس دن سے بے خبر تھا سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹادیا

عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا

سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔ اور فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے۔ ہر ایسے شخص کو

فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ

جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا اور ضد رکھتا ہو۔ اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد سے باہر جانے والا ہو اور شبہ پیدا کرنے والا۔ جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سوایسے شخص کو

فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾

سخت عذاب میں ڈال دو۔ وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا

ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں بات نہیں بدلی جاوے گی

أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾ ع

اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

وَجَآءَتْ اور آئیگا (حاضر ہوگا)	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	مَّعَهَا اسکے ساتھ	سَآئِقٌ ایک چلانے والا	وَ اور	شَهِيدٌ گواہی دینے والا	لَقَدْ كُنتَ تحقیق تو تھا	
فِي غَفْلَةٍ غفلت میں	مِّنْ هَٰذَا اس سے	فَكَشَفْنَا تو ہم نے ہٹا دیا	عَنكَ تجھ سے	غِطَآءَكَ تیرا پردہ	فَبَصَرُكَ پس تیری نظر	الْيَوْمَ آج	
حَدِيدٌ بڑی تیز	وَقَالَ اور کہے گا	قَرِينُهُ اس کا ہم نشین	هَٰذَا یہ	مَا لَدَيَّ جو میرے پاس	عَتِيدٌ حاضر	أَلْقِيَا تم دونوں ڈالدو	فِي جَهَنَّمَ جہنم میں
كُلَّ كَفَّارٍ ہر ناشکرا	عَنِيدٍ سرکش	مَّنَّاعٍ منع کرنے والا	لِّلْخَيْرِ مال کیلئے	مُعْتَدٍ حد سے گزرنے والا	مُّرِيبٍ شبہات ڈالنے والا	الَّذِي وہ جس	
جَعَلَ ٹھہرایا	مَعَ اللَّهِ اللہ کے ساتھ	إِلَٰهًا معبود	آخَرَ دوسرا	فَأَلْقِيَاهُ پس اسے ڈالدو تم	فِي الْعَذَابِ عذاب میں	الشَّدِيدِ سخت	قَالَ کہے گا
قَرِينُهُ اسکا ہم نشین	رَبَّنَا اے ہمارے رب	مَا أَطْغَيْتُهُ میں نے اسے سرکش نہیں بنایا	وَلَٰكِن اور لیکن وہ	كَانَ تھا	فِي ضَلَالٍ گمراہی میں	بَعِيدٍ پرلے درجے کی	
قَالَ فرمائے گا	لَا تَخْتَصِمُوا تم نہ جھگڑو	لَدَيَّ میرے پاس۔ سامنے	وَقَدْ قَدَّمْتُ اور میں پہلے بھیج چکا ہوں	إِلَيْكُم تمہاری طرف			
بِالْوَعِيدِ وعدہ عذاب	مَا يُبَدَّلُ نہیں بدلی جاتی	الْقَوْلُ بات	لَدَيَّ میرے پاس ہاں	وَ اور	مَا أَنَا نہیں میں	بِظَلَّامٍ ظلم کرنیوالا	لِّلْعَبِيدِ بندوں پر

تفسیر وتشریح: گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب انسان کو موت آ گئی اور اس کی دنیا کی زندگی ختم ہوئی تو اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو اس وقت پھر سب مردہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ یوم جزا وسزا جس سے اللہ کے نبی انسانوں کو دنیا میں ڈراتے تھے شروع ہو جائے گا۔ اب آگے ان آیات میں محشر کی کیفیت بیان کی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ میدان حشر میں تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان کی طرف دھکیلتا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اعمالنامہ لئے ہوگا جس

میں اس کی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو کراماً کاتبین کہلاتے ہیں اور جو دنیا میں انسان کی نیکی و بدی لکھتے رہتے ہیں جب قیامت میں میدان حشر میں سب حاضر ہوں گے تو ان میں جو کافر ہوں گے ان سے خطاب ہوگا کہ دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط اس کے بعد فرشتہ کاتب اعمال جو اس کے ساتھ رہتا تھا اعمال نامہ سامنے کر کے کہے گا کہ یہ تیرا کچھا چٹھا ہے جو میرے پاس تیار اور موجود ہے۔ جب فرشتے اعمال نامہ سامنے رکھ دیں گے اور مجرم جرم کا اقبال کر لیں گے تو دو فرشتوں کو حکم ہوگا خواہ یہ کراماً کاتبین ہوں یا اور کوئی کہ ہر ایسے شخص کو جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا تھا اور حق سے ضد رکھتا تھا اور نیک کام سے روکتا تھا اور شرارت میں حد سے آگے بڑھا ہوا تھا اور دین کی باتوں میں شک و شبہ ڈالا کرتا تھا اور خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود ٹھراتا تھا ہر ایسے شخص کو جہنم میں جھونک دو۔ یہ کم بخت سخت عذاب کے قابل ہیں۔ جب ایسے کافر کو معلوم ہوگا کہ اب دائمی خسارہ اور عذاب میں پڑنے والا ہے اس وقت اپنے بچاؤ کے واسطے گمراہ کرنے والوں کے ذمہ الزام رکھے گا اور کہے گا کہ مجھے تو شیطان مردود نے بہکایا جو ہر دم میرے ساتھ لگا رہتا تھا۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے ساتھ جیسے دو فرشتے ساتھی بنائے گئے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں اسی طرح ایک شیطان بھی ہر انسان کا ساتھی رہتا ہے جو اس کو گمراہی اور گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور رغبت دلاتا ہے تو جب جہنم میں جانے والا یہ عذر کرے گا کہ مجھے تو اس شیطان نے بہکایا تھا ورنہ میں نیک کام کرتا۔ اس پر وہ شیطان جو اس کے ساتھ لگا رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے رب میں نے اس کو جبراً گمراہ نہیں کیا تھا نہ میں نے اس پر زبردستی کی تھی کہ برے کام کر اور شرارت کے لئے ہر وقت تیار رہ۔ یہ تو ایک اشارہ اور شہ میں خود ہی جھٹ پٹ گمراہی کے راستہ پر لگ گیا تھا اور نجات و فلاح کے راستہ سے دور جا پڑا تھا۔ اس پر ارشاد باری ہوگا کہ اب بک بک مت کرو دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اب ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا ملے گی جو گمراہ ہوا یا جس نے اغوا کیا سب اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے میں پہلے ہی دنیا میں اپنے رسول اور کتاب بھیج کر آج کے دن کے عذاب سے ڈرا چکا ہوں آج وہی ہوگا جو میں نے اپنی کتاب میں کہہ دیا تھا۔ میری بات بدلی نہیں جاتی جو کہہ دیا وہی ہو کر رہتا ہے اور ہمارے ہاں ظلم نہیں جو کچھ فیصلہ ہوگا عین حکمت اور انصاف سے ہوگا جیسا جس نے کیا ویسا ہی آج بھگتے گا۔

اب یہاں ان آیات سے **القیافی جھنم کل کفار عنید مناع للخیر معتد مریب ن الذی جعل مع اللہ الھا فالقیہ فی العذاب الشدید** جس میں فرشتوں کو حکم باری تعالیٰ ہوگا کہ ہر ایسے شخص کو جہنم میں سخت عذاب میں ڈال دو جو

(۱) کفر کرنے والا ہو۔ (۲) حق سے ضد رکھتا ہو۔ (۳) نیک کام سے رکتا ہو۔ (۴) حد سے باہر ہو جانے والا ہو۔ (۵) دین میں شبہ پیدا کرنے والا ہو۔ (۶) جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو۔

معلوم ہوا کہ یہ چھ صفات انسان میں خالص کافرانہ اور مشرکانہ صفات ہیں کہ جن پر جہنم میں جھونک دینے اور عذاب شدید میں ڈالے جانے کا حکم ہوگا۔ اب یہاں جو بات خوف کھانے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت کے مسلمان میں تو ان صفات میں سے کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیا اس وقت کا مسلمان نیک کام سے روکنے والا تو نہیں۔ حق سے ضد رکھنے والا تو نہیں۔ حد سے باہر ہو جانے والا تو نہیں۔ دین میں شبہ پیدا کرنے والا تو نہیں۔ اس کا فیصلہ عام حالات دیکھ کر خود کر لیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگئے کہ ہمیں ان کافرانہ صفات سے بچنا نصیب ہو۔

اب میدان حشر میں جزاوسزا کا انجام جہنم یا جنت ہوگا اس لئے آگے کچھ کیفیت جہنم اور جنت کی بیان کی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝٣٠ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

جس دن کہ ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے

غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝٣١ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝٣٢ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ

کہ کچھ دور نہ رہے گی، یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کیلئے ہے جو رجوع ہونے والا پابندی کرنے والا ہو جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝٣٣ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝٣٤ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا

اور رجوع ہونے والا دل لے کر آوے گا اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کو بہشت میں سب کچھ ملے گا جو چاہیں گے اور ہمارے پاس

مَزِيْدٌ ۝٣٥ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ

اور بھی زیادہ ہے۔ اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے زیادہ تھے اور تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے،

مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٣٦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝٣٧

کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہو۔

يَوْمَ جس دن	نَقُوْلُ ہم کہیں گے	لِجَهَنَّمَ جہنم سے	هَلِ امْتَلَأْتِ کیا تو بھر گئی؟	وَتَقُوْلُ اور وہ کہے گی	هَلْ کیا	مِنْ سے۔کچھ	مَزِيْدٍ مزید ہے		
وَأُزْلِفَتِ اور نزدیک کردی جائیگی	الْجَنَّةُ جنت	لِلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کیلئے	غَيْرَ بَعِيْدٍ نہ دور	هٰذَا یہ	مَا تُوْعَدُوْنَ جو تم سے وعدہ کیا جاتا تھا				
لِكُلِّ اَوَّابٍ ہر رجوع کرنے والے کیلئے	حَفِيْظٍ نگہداشت کرنے والے	مَنْ جو	خَشِيَ ڈرا	الرَّحْمٰنَ رحمٰن (اللہ)	بِالْغَيْبِ بن دیکھے				
وَجَآءَ اور آیا	بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ رجوع کرنیوالے دل کے ساتھ	ادْخُلُوْهَا تم اس میں داخل ہو جاؤ	بِسَلٰمٍ سلامتی کے ساتھ	ذٰلِكَ یہ					
يَوْمُ الْخُلُوْدِ ہمیشہ رہنے کا دن	لَهُمْ ان کیلئے	مَا يَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَلَدَيْنَا اور ہمارے پاس	مَزِيْدٌ اور بھی زیادہ				
وَكَمْ اَهْلَكْنَا اور کتنی ہلاک کیں ہم نے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	مِّنْ قَرْنٍ امتیں	هُمْ اَشَدُّ وہ زیادہ سخت	مِنْهُمْ ان سے	بَطْشًا پکڑ میں				
فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ پس گریدنے (گشت کرنے) لگے شہروں میں	هَلْ کیا	مِنْ سے (کہیں)	مَّحِيْصٍ بھاگنے کی جگہ	اِنَّ بیشک	فِيْ میں				
ذٰلِكَ اس	لَذِكْرٰى نصیحت	لِمَنْ اس کیلئے جو	كَانَ ہو	لَهٗ اس کا	قَلْبٌ دل	اَوْ یا	اَلْقَى السَّمْعَ ڈالے (لگائے) کان	وَهُوَ اور وہ	شَهِيْدٌ متوجہ

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قیامت میں فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو دنیا میں کفر کرنے والا تھا اور حق سے ضد اور بیر رکھتا تھا اور لوگوں کو نیک کام سے روکتا تھا اور حد عبدیت سے باہر ہو جانے والا تھا اور دین حق میں شک وشبہ پیدا کرتا تھا اور جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا تھا۔ ہر ایسے شخص کو سخت عذاب جہنم میں ڈال دو۔ اب آگے ان آیات میں اس جہنم کی کچھ کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ جس میں یہ کفار جھونکے جائیں گے۔ پھر آگے ان کفار کے مقابلے میں متقی اور پرہیزگار اہل ایمان جو جنت میں داخل کئے جائیں گے ان کا ذکر فرما کر جنت کی کچھ کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے اور جہنم سے خوف اور جنت کا شوق دلا کر منکرین کو پھر تنبیہ کی جاتی ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ وہ دن ان منکر لوگوں کو یاد دلائیے کہ جب کفار کو

جہنم میں داخل کر دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ جہنم سے خطاب فرمائیں گے کیا تو بھر چکی؟ تو جہنم جس کا پھیلاؤ اس قدر جن وانس سے بھی نہ بھرے گا۔ وہ شدت غیظ سے اور زیادہ کافروں اور نافرمانوں کو طلب کرے گی اور کہے گی کہ اور کچھ ہو جو میرے اندر ڈال دیا جائے۔ کفار اور جہنمی یہ سن کر اور بھی زیادہ خائف ہوں گے کہ ہم کیسے غضب کے ٹھکانے میں پھنسے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم هل من مزید ہی کہتی رہے گی۔ یعنی کچھ اور بھی ہو تو میرے اندر ڈالا جائے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے۔ اور وہ دب جائے گی اور سمٹ جاوے گی اور عرض کرے گی بس بس اب میں بھر گئی۔ اللہ تعالیٰ اس جہنم کے آزار سے اپنی رحمت سے ہم سب کو بچائیں۔ یہ تو جہنم کا حال ہوا کہ جو کفار و مشرکین کا ٹھکانہ ہوگا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ پرہیز گار متقی اہل ایمان کے لئے جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ اور وہ بہت نزدیک سے اس کی تر و تازگی اور بناؤ سنگھار دیکھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ لو دیکھو یہ ہے وہ جنت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور کہا گیا تھا کہ یہ ان لوگوں کے لئے تیار ہے۔ جنہوں نے دنیا میں خدا کو یاد رکھا اور گناہوں سے بچ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور بے دیکھے اس کے قہر و جلال سے ڈرتے رہے اور ایک پاک صاف رجوع ہونے والا دل لے کر دربار خداوندی میں حاضر ہوئے۔ اس جنت کا وعدہ ایسے ہی لوگوں سے کیا گیا تھا۔ وقت آ گیا ہے کہ سلامتی اور عافیت کے ساتھ اب جاؤ اور امن و چین کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ جسے یہ جنت مل گئی وہ اس میں ہمیشہ رہنے کا حقدار ہو گیا۔ جو اس میں گیا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ نہ کبھی اس میں سے نکالا جائے گا اور نہ اکتا کر خود نکلنا چاہے گا۔ کیونکہ اس میں ہر وہ چیز ملے گی جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ اور اس کے علاوہ وہ نعمتیں ملیں گی جو ان کے خیال میں بھی نہیں۔ مثلاً دیدار الٰہی کی لذت بے قیاس۔ غرض کہ جنت میں بہت کچھ ہے۔ جنتی کتنا ہی مانگے سب کچھ دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا دینے پر بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ آگے کفار منکرین کی تنبیہ کے لئے فرمایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو ان لوگوں کے حال سے سبق حاصل کرنا چاہئے جو ان سے پہلے گذرے اور سوچنا چاہئے کہ انہوں نے کیا کیا اور جو کچھ کیا اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے دنیا میں کتنی شریر اور سرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں۔ جو زور اور قوت میں ان موجودہ کفار منکرین سے بڑھ چڑھ کر تھیں اور جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے۔ پھر جب عذاب الٰہی آیا تو بھاگ جانے کو روئے زمین پر کہیں ٹھکانہ نہ ملا۔ اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ ان عبرت ناک واقعات میں غور فکر کر کے وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں کیونکہ یہ بھی ایک درجہ سمجھ کا ہے کہ آدمی متنبہ نہ ہو تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہوشیار ہو جائے۔ لیکن جو شخص نہ خود سمجھے نہ کسی کے کہنے پر توجہ کے ساتھ کان لگائے۔ ایسے بے حس کا درجہ تو اینٹ پتھر سے زیادہ نہیں۔

کفار اور مشرکین کی ان صفات و خصائل کے مقابلہ میں جن کا ذکر گذشتہ درس میں ہوا اور جن کی وجہ سے ان کو جہنم میں جھونکے جانے کا حکم ہوگا۔ متقین و مومنین جن کو سلامتی کے ساتھ بہشت کے باغات میں داخل ہونے کی بشارت سنائی جاتی ہے ان کی یہاں ان آیات میں چار صفات بیان کی گئی ہیں:۔

پہلی صفت **اواب** فرمائی۔ اواب کے معنیٰ حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے والے کے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اواب وہ شخص ہے جو تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے استغفار کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اواب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے۔

دوسری صفت **حفیظ** فرمائی۔ حفیظ کے معنیٰ حضرت ابن عباسؓ سے

یہ منقول ہیں کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تا کہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے اور ایک روایت میں آپ ہی سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد رکھے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعتیں اشراق کی پڑھ لے وہ اواب اور حفیظ ہے۔

تیسری صفت من خشی الرحمٰن بالغیب فرمائی یعنی جو خداوند ذوالجلال والاکرام سے بے دیکھے ڈرتا ہو۔

چوتھی صفت فرمائی وجآء بقلب منیب یعنی جو اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت میں قلب منیب لے کر آئے۔ منیب کے بھی لفظی معنیٰ رجوع کرنے اور تائب ہونے والے کے ہیں۔ اور مفسرین نے منیب کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ادب و احترام کو ہر وقت مستحضر رکھے اور اللہ جل شانہٗ کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی کسی درجہ میں یہ متقین کی صفات عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے خاتمہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے اور پھر وقوع قیامت کا مکرر ذکر فرمایا جاتا ہے اور آنحضرتؐ کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ اس قرآن کے ذریعہ سے تبلیغ و تذکیر کرتے رہیے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے والدین کو ہمارے متعلقین کو اہل وعیال کو ہمارے اکابر واصاغر کو ہمارے دوست اور احباب کو اور تمام امت مسلمہ کو جہنم کے عذاب سے دور رکھیں اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اس جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں۔ جس کا متقیوں سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔

یا اللہ اِس دنیا کی زندگی میں ہم کو وہ دل عطا فرمایئے جو ہر حال میں آپ کی طرف رجوع ہونے والا ہو اور ہم کو اپنی اطاعت کی پابندی نصیب فرمایئے اور ہم کو اپنی ذات کا وہ خوف عطا فرمایئے کہ جس کے باعث ہم ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے والے ہوں۔

یا اللہ نافرمان امتوں کے واقعات سے ہم کو عبرت اور نصیحت عطا فرمایئے تا کہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں۔

یا اللہ ہمیں ایمان واسلام کی سچی محبت نصیب فرمایئے تا کہ ہمارا جینا اور مرنا اسلام اور ایمان پر ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى

اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس سب کو چھ دن میں پیدا کیا، اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں۔ سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے

مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ

اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۗ

اور نمازوں کے بعد بھی۔ اور اے مخاطب سن رکھ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا۔ جس روز اس چیخنے کو بالیقین سب سُن لیں گے،

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ

یہ دن ہوگا نکلنے کا۔ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر کر آنا ہے۔ جس روز زمین ان پر سے کھل جائے گی جب وہ ڈرتے ہوں گے،

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ

یہ ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے۔ جو جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، تو آپ قرآن کے ذریعہ سے

مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

وَلَقَدْ اور تحقیق	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو ان دونوں کے درمیان	فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دن میں		
وَ اور	مَا مَسَّنَا نہیں چھوا ہمیں	مِنْ لُّغُوْبٍ کسی تکان نے	فَاصْبِرْ پس صبر کرو تم	عَلٰى پر	مَا يَقُوْلُوْنَ جو وہ کہتے ہیں	وَسَبِّحْ اور پاکیزگی بیان کرو	
بِحَمْدِ رَبِّكَ اپنے رب کی تعریف کیساتھ	قَبْلَ قبل	طُلُوْعِ الشَّمْسِ سورج کا طلوع	وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ اور غروب ہونے قبل	وَمِنَ الَّيْلِ اور رات میں			
فَسَبِّحْهُ پس اسکی پاکیزگی بیان کرو	وَاَدْبَارَ اور بعد	السُّجُوْدِ سجدوں (نماز)	وَاسْتَمِعْ اور سنو تم	يَوْمَ جس دن	يُنَادِ الْمُنَادِ پکارنے والا پکارے گا		
مِنْ سے	مَكَانٍ قَرِيْبٍ جگہ قریب	يَوْمَ جس دن	يَسْمَعُوْنَ وہ سُنیں گے	الصَّيْحَةَ چیخ	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	ذٰلِكَ یہ	يَوْمُ الْخُرُوْجِ باہر نکلنے کا دن
اِنَّا نَحْنُ بیشک ہم	نُحْيٖ زندگی دیتے ہیں	وَنُمِيْتُ اور مارتے ہیں	وَاِلَيْنَا اور ہماری طرف	الْمَصِيْرُ پھر لوٹ کر آنا ہے	يَوْمَ تَشَقَّقُ جس دن شق ہو جائے گی		
الْاَرْضُ زمین	عَنْهُمْ ان سے	سِرَاعًا جلدی کرتے ہوئے	ذٰلِكَ یہ	حَشْرٌ حشر	عَلَيْنَا ہمارے لئے	يَسِيْرٌ آسان	نَحْنُ اَعْلَمُ ہم خوب جانتے ہیں
بِمَا وہ جو	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	وَمَا اَنْتَ اور نہیں آپ	عَلَيْهِمْ ان پر	بِجَبَّارٍ جبر کرنیوالے	فَذَكِّرْ پس نصیحت کریں	بِالْقُرْاٰنِ قرآن سے	
مَنْ جو	يَّخَافُ وہ ڈرتا ہے	وَعِيْدِ میری وعید					

تفسیر وتشریح: یہ سورہ ق کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ شروع سورۃ سے مرکزی مضمون یہی بیان ہوتا چلا آ رہا ہے کہ تمام انسانوں کو اس دنیوی زندگی کے خاتمہ کے بعد پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور ان کو جزا و سزا دی جائے گی۔ کفار و مشرکین اپنے کفر و شرک کی وجہ سے جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور اہل ایمان متقی ایمان و عمل صالحہ کی بنا پر جنت میں داخل کئے جائیں گے جہاں دائمی اور ابدی راحت آرام کے سامان

ہوں گے۔منکرین قیامت وحشر ونشر کو مختلف دلائل و پہلو سے سمجھایا گیا تھا کہ قیامت واقع ہوگی۔اور تمام مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اسی سلسلہ میں اب خاتمہ کی آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر یہ منکرین دوبارہ زندہ ہونے اور جزا وسزا کے انکاری اس بنا پر ہیں کہ ایسا کرنا کسی کی قدرت میں نہیں تو ان کا یہ خیال باطل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تو ایسی قدرت ہے کہ اس نے آسمان وزمین جیسی عظیم مخلوق اور جو کچھ کہ ان کے درمیان میں ہے سب کو چھ دن کے مقدار کے موافق زمانہ میں پیدا کیا اور ایسا کرنے میں کوئی اللہ تعالیٰ کو تکان نہیں ہوئی تو انسان کو دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب یہ منکرین ایسی موٹی باتوں کو بھی نہ سمجھیں اور انکار ہی پر اصرار کرتے رہیں تو آپ غمگین نہ ہوں بلکہ ان کی بیہودہ بکواس پر صبر کریں۔اور اپنے پروردگار کی یاد میں دل لگائے رکھیں اور اس کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں اسی میں نماز بھی داخل ہے۔اور یہ اللہ کی عبادت اور یاد آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے چھپنے سے پہلے اور رات کے اوقات میں کرتے رہیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہی نمازیں فرض تھیں۔فجر اور عصر اور تہجد۔اس کے بعد معراج والی رات میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نماز جوں کی توں رہی اور تہجد آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔بہر حال اب بھی ان تین وقتوں کو طاعت وعبادت کے لحاظ سے خصوصی شرف وفضل حاصل ہے۔نماز اور ذکر ودعاء وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہئے۔اور فرض نمازوں کے بعد بھی کچھ تسبیح وتہلیل کرنی چاہئے۔احادیث میں بھی نمازوں کے بعد تسبیح کی بہت فضیلت آئی ہے۔بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مفلس مہاجر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال دار لوگ بلند درجے اور ہمیشگی والی نعمتیں حاصل کر چکے۔آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن جو وہ صدقہ دیتے ہیں وہ ہم نہیں دے سکتے۔وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔تم ہر نماز کے بعد ۳۳'۳۳ مرتبہ **سبحان اللہ' الحمد للہ ' اللہ اکبر'** پڑھ لیا کرو۔وہ پھر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس پر عمل کرنے لگے آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار۔الحمد للہ ۳۳ بار۔اللہ اکبر ۳۴ بار اور ایک بار یہ کلمہ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر** کہے تو اس کے تمام گناہ صغیرہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث ہے کہ جس شخص نے دن میں ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی موجوں سے بھی زیادہ ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت اور شام کے وقت سو ۱۰۰ اسو ۱۰۰ امرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرے تو قیامت کے روز کوئی آدمی اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا بجز اس کے کہ وہ بھی یہ تسبیح اتنی یا اس سے زیادہ پڑھتا ہو۔

ان تسبیحات کی اتنی فضیلت سن کر ہم میں سے ہر ایک کو نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے کا کوئی نہ کوئی معمول ضرور بنالینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے مخاطب اس بات کو توجہ سے سن رکھ کہ جس روز حضرت اسرافیل بذریعہ نفخ صور مردوں کو قبر سے نکلنے کے لئے پاس ہی سے پکاریں گے تو ان کی آواز تمام انسانوں کو یکساں سنائی دے گی۔روایات میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام جو صور

پھونکنے پر متعین ہیں۔ وہ موجودہ بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑے ہو کر ساری دنیا کے مردوں کو خطاب کر کے کہیں گے کہ اے گلی سڑی ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی کھالو اور بکھر جانے والے بالو سن لو تم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ۔ یہ نفخہ ثانیہ ہوگا جس سے دوبارہ عالم کو زندہ کیا جائے گا۔ اور یہاں آیت میں مکان قریب فرمایا ہے تو اس سے مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ اس وقت اس فرشتہ یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام کی آواز نزدیک اور دور کے سب لوگوں کو اس طرح پہنچے گی کہ گویا پاس ہی سے پکار رہے ہیں۔ باقی صور پھونکنے کے سوا اور بھی ندائیں حق تعالیٰ کی طرف سے اس روز ہوں گی آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور چونکہ موت و حیات سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر پھر کر آخر سب کو اسی طرف جانا ہے اس لئے بچ کر کوئی نکل نہیں سکتا۔ زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے۔ خدا تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا اور ایسا کرنا اس کو کچھ مشکل نہیں۔ احادیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب زمین پھٹ کر مردے نکل آویں گے اور میدان حشر کی طرف دوڑتے ہوں گے تو یہ انسانوں کا دوڑنا ملک شام کی طرف ہوگا جہاں صخرہ بیت المقدس پر حضرت اسرافیل علیہ السلام ندا کرتے ہوں گے۔ جو لوگ حشر کا انکار کرتے ہیں اور واہی تباہی کلمات بکتے ہیں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بکنے دیجئے اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ آپ کا یہ منصب نہیں کہ جبر اور زبردستی سے ہر ایک کو یہ باتیں منوا کر چھوڑیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قرآن سنا سنا کر بالخصوص ان کو نصیحت و فہمائش کرتے رہئے جو اللہ کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں۔ ان معاندین و منکرین کے پیچھے زیادہ نہ پڑیئے۔

یا اللہ ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمالیجئے جو آپ کی وعید سے ڈرتے ہیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر وفکر اور طاعت و بندگی کو توفیق دائمی ہم کو بھی عنایت فرمائیں۔ اور شب و روز اپنی طاعات میں مصروف رکھیں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں قیامت و آخرت کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنے کی توفیق نصیب کریں اور وہاں کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کی ہمت عطا فرمائیں۔ یا اللہ ان اعمال صالحہ کو ہمارے لئے آسان فرما دیجئے کہ جو ہمارے لئے آخرت میں کامیابی کا باعث ہوں اور ان عمال سے بچا لیجئے جو قیامت میں رسوائی کا باعث ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝١ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝٢ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝٣ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝٤ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں پھر ان بادلوں کی جو بوجھ کو اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔ تم سے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے

لَصَادِقٌ ۝٥ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝٦ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝٧ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝٨

وہ بالکل سچ ہے۔ اور جزا ضرور ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمانوں کی جس میں راستے ہیں۔ کہ تم لوگ مختلف گفتگو میں ہو۔

يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝٩ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝١١

اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے۔ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے۔ جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں۔

وَالذّٰرِيٰتِ قسم ہے پراگندہ کرنیوالی (ہواؤں)	ذَرْوًا اڑا کر	فَالْحٰمِلٰتِ پھر اٹھانے والی	وِقْرًا بوجھ	فَالْجٰرِيٰتِ لیکر چلنے والی	يُسْرًا نرمی سے	
فَالْمُقَسِّمٰتِ پھر تقسیم کرنیوالے	اَمْرًا حکم سے	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	لَصَادِقٌ البتہ سچ ہے	وَّاِنَّ اور بیشک	
الدِّيْنَ جزا وسزا	لَوَاقِعٌ البتہ واقع ہونیوالی	وَالسَّمَآءِ اور قسم ہے آسمان کی	ذَاتِ الْحُبُكِ راستوں والے	اِنَّكُمْ بیشک ہم	لَفِيْ البتہ میں	قَوْلٍ بات
مُّخْتَلِفٍ جھگڑنے والی	يُّؤْفَكُ پھیرا جاتا ہے	عَنْهُ اس سے	مَنْ اُفِكَ جو پھیرا جاتا ہے	قُتِلَ مارے گئے	الْخَرّٰصُوْنَ اٹکل دوڑانے والے	
الَّذِيْنَ وہ جو	هُمْ وہ	فِيْ غَمْرَةٍ غفلت میں	سَاهُوْنَ بھولے ہوئے ہیں			

تفسیر وتشریح: الحمدللہ ۲۶ویں پارہ کی آخری سورۃ الذّٰریٰت کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام وزمانہ نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات ورکوعات بیان کئے جاتے ہیں۔

اس سورۃ کے پہلے ہی فقرہ میں والذّٰریٰت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ذاریات ان ہواؤں کو کہتے ہیں جو غبار وغیرہ اڑاتی ہیں۔ اس سورۃ کا نام ذاریات اسی ابتدائی فقرہ سے ماخوذ ہے یہ سورۃ مکی ہے اور مکی دور کے ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۵۱ویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۴۳ لکھا ہے یعنی ۴۲ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور ۹۱ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں اس سورۃ میں ۶۰ آیات۔ ۳ رکوعات۔ ۳۶۰ کلمات اور ۱۵۵۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ سورۃ مکی ہے اس لئے اس میں عقائد یعنی توحید۔ رسالت۔ قیامت۔ آخرت۔ جزاوسزا۔ جنت وجہنم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورۃ کی ابتدا قیامت کے ذکر سے اس طرح فرمائی گئی کہ تم ہواؤں کو دیکھتے ہو کہ جب گرمی اور خشکی بڑھ جاتی ہے تو تیزی کے ساتھ گردوغبار اڑانے والی آندھیاں آتی ہیں پھر یہی ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھا لاتی ہیں اور پھر ان بادلوں کو جگہ جگہ لے جاتی ہیں اور ادھر ادھر اللہ کے حکم کے مطابق بارش برساتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہواؤں کے چلنے کا ایک مقصد ہے۔ اسی طرح انسان کی اس دنیا کی زندگی کا بھی

ایک مقصد ہے۔اس کے دنیا میں کئے ہوئے کاموں کے نتیجہ ایک دن نکلیں گے اور عدل وانصاف کے ساتھ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ یہ فیصلہ قیامت میں ہوگا جس کی طرف سے بہت لوگ غفلت میں پڑے ہیں حتیٰ کہ بعض اس کے وقوع ہی کا انکار کرتے ہیں مگر ان منکرین کے انکار سے کیا ہوتا ہے یہ تو اپنی انکل چلاتے ہیں اور رسول و قرآن کے کہنے کا یقین نہیں کرتے حالانکہ قیامت کا آنا لازمی ہے اور اس قیامت کے دن میں گمراہ بدکاروں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ انہی شرارتوں کی سزا ہے جو تم نے دنیا میں کیں اور جس کا تم دنیا میں مذاق اڑاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قیامت آنی ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔ان کے برخلاف جو دنیا میں ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کی وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر امکان قیامت پر بطور دلیل کے بتلایا گیا کہ آسمان اور زمین کی ساری نشانیاں اور خود انسان کے اندر نشانیاں یہی بتاتی ہیں کہ یہ کارخانہ ایک دن ختم ہوگا اور قیامت قائم ہوگی۔ اللہ کے تمام رسولوں نے یہی بتایا ہے جنہوں نے ان کی بات نہ مانی اور ان کو جھٹلایا وہ تباہ ہوئے اور اس بات کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم لوط اور قوم فرعون۔قوم عاد۔ وثمود اور قوم نوح کا ذکر فرمایا اور جتلایا گیا کہ دیکھو جنہوں نے اللہ اور رسول کا کہنا مانا ان پر اللہ کا کیسا فضل ہوا اور جنہوں نے نافرمانی کی ان کی کیسی گت دنیا ہی میں بنی اور دنیا میں ان پر کیا آفتیں آئیں۔ اس لئے اخیر میں سمجھایا گیا کہ اگر تمہیں آفتوں سے بچنا ہے تو اللہ کی ذات پر یقین کرو اور سمجھ لو کہ یہ زمین و آسمان ایک اللہ کے بنائے ہوئے ہیں تم اسی کی پناہ لو اور کسی کی طرف مت جھکو۔ شرک مت کرو۔ اللہ کا انکار مت کرو وہی تمہیں رزق دیتا ہے اور تمہاری پرورش کے سامان فرماتا ہے اور تم سے یہی چاہتا ہے کہ تم اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو اس کے حکموں پر چلو اور اس کے مقرر کئے ہوئے راستہ کو اختیار کرو۔اب جو اللہ کے حکم کو نہیں مانتا اور اپنی خواہش پر چلتا ہے وہ ظالم ہے اور قیامت آنے والی ہے۔اس دن ایسے لوگوں کی بری گت بنے گی اور وہ دن جب وعدہ کے مطابق آ جائے گا تو پھر ان منکرین کے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جن کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔سورۃ کی ابتدا کلام کو پرزور بنانے کے لئے قسم سے فرمائی گئی۔ جاہلیت کے اہل عرب میں گو صدہا عیوب تھے مگر ان میں کچھ ہنر بھی تھے ایک یہ ہنر بھی تھا کہ وہ جھوٹ بولنے کو خصوصاً قسم کھا کر بہت برا سمجھتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے برباد ہو جاتا ہے اس لئے قسم کھا کر بات کہنے سے ان کو یقین آ جاتا تھا اس لئے یہاں قیامت اور جزا وسزا کو قسم کھا کر حق ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں جن میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اور صرف ۷ مقام پر اپنی ذات پاک کی قسم کھائی ہے۔علما نے لکھا ہے کہ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔بعض علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں کا طریقہ تھا کہ کوئی کلام اور بیان اس وقت تک فصیح و بلیغ نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں قسمیں نہ ہوں اس لئے قرآن کریم میں بھی قسمیں کھائی گئیں تاکہ فصاحت عرب کی یہ قسم بھی کلام ربانی میں رہنے نہ پاوے۔اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی قسمیں کیوں کھائی ہیں تو علماء نے اس کے کئی وجوہ لکھے ہیں۔اوّل یہ کہ ایسی قسموں میں مضاف پوشیدہ ہے مثلاً جہاں قسم ہے آفتاب و ماہتاب کی وہاں آفتاب و ماہتاب کے رب کی قسم سمجھا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ عرب ایام جاہلیت میں ان اشیاء کی تعظیم کرتے تھے اس لئے قرآن نے قسمیں کھائی ہیں۔تیسرے اس وجہ سے قسمیں کھائی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے خالق وصانع کی عظمت کا اظہار کیا جا سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں ان آیات میں پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی گئی پہلی قسم ہے والذّٰریٰت ذروا یعنی قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں۔ دوسری قسم ہے فالحملت وقرا یعنی قسم ہے ان بادلوں کی جو بوجھ اٹھاتے ہیں۔ تیسری قسم ہے فالجریت یسرا یعنی قسم ہے ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں چوتھی قسم ہے فالمقسمت امرا یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو مخلوقات میں مادی وغیر مادی ہر طرح کی تقسیمات بامرالٰہی کرتے ہیں تو حق تعالیٰ ان چار چیزوں کی قسمیں کھا کر تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے انسانو تم سے جس قیامت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی جزا و سزا ضرور ہونے والی ہے۔ آگے پھر ایک قسم ہے یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں فرشتوں کے اترنے چڑھنے کے راستہ ہیں کہ تم لوگ یعنی جمیع انسان قیامت کے بارہ میں مختلف گفتگو میں ہو۔ کوئی تصدیق کرتا ہے کوئی تکذیب کرتا ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت و آخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں۔ اس کو وہی تسلیم کرے گا جس کو بارگاہ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو اور جو شخص راندہ درگاہ ہے اور خیر و سعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا حالانکہ انسان اگر صرف آسمان کے نظم و نسق میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے آگے قیامت کے منکرین کی مذمت ہے کہ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اب یہاں ہمارے غور کے لئے یہ بات ہے کہ حق تعالیٰ ان آیات میں ۵ بار قسم کھا کر آخرت و قیامت کی کہ جہاں دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی پوری جزا و سزا ملنی ہے یاددہانی کرا رہے ہیں کہ قیامت و آخرت جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی جزا و سزا ضرور ملنے والی ہے۔ تو مقصد اس قسمیہ کلام سے آخرت پر یقین لانے کی تاکید ہے۔ دیکھئے قرآن پاک کے شروع ہی میں سورہ بقرہ میں جہاں متقین یعنی خدا سے ڈرنے والے بندوں کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں وہاں یہ بھی فرمایا ہے وبالاٰخرۃ ھم یوقنون (اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔) تو آخرت کے ساتھ یوقنون فرمایا ہے یومنون نہیں فرمایا یعنی آخرت میں ایمان رکھنے کے لئے نہیں فرمایا بلکہ یقین رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی تو معلوم ہوا کہ ایمان اور یقین دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ آخرت کے لئے ایسا یقین ہونا چاہئے کہ جس میں ذرا شک و تردد نہ ہو اور دل و دماغ میں یہ ہمہ وقت مستحضر رہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب اور جزا و سزا دنیا کے اعمال کی ہوتی ہے۔ دیکھئے دنیا کے کاموں میں یقین کی ایک ظاہری مثال ہے کہ اگر ریل یا ہوائی جہاز سے سفر کرنا چاہتے ہیں تو روانگی کے دن اور وقت کو پہلے سے معلوم کرتے ہیں اور چونکہ یہ یقین ہوتا ہے کہ مقررہ وقت پر ریل یا جہاز روانہ ہو جائے گا اور اگر ہم نے کاہلی۔ سستی یا غفلت برتی تو ریل ہمارا انتظار نہ کرے گی تو ہم پہلے سے سب ضروری سامان سفر تیار کر لیتے ہیں اور عین وقت سے پہلے اسٹیشن پر سفر کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ تو آخرت کے متعلق بھی یقین کی ضرورت ہے کہ ضرور وہ آنی ہے اور جتنا یہ یقین پختہ اور کامل ہوگا اسی قدر آدمی آخرت کے لئے تیاری میں لگا رہے گا۔ اور جتنا یہ یقین کمزور ہوگا اسی قدر آخرت سے غفلت و بے پروائی ہوگی۔ اب آج مسلمانوں میں جو آخرت کی طرف سے عام غفلت طاری ہے اس کی وجہ یقین کی کمزوری ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔

ابھی انہیں منکرین کے متعلق جو آخرت و قیامت کے منکر تھے مضمون اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ
پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا۔ جس دن وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ
جلدی مچایا کرتے تھے۔ بے شک متقی لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے ان کو جو عطا کیا ہوگا،
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ
وہ اس کو لے رہے ہوں گے وہ لوگ اس کے قبل نیکوکار تھے۔ وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ اور اخیر شب میں
يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ
استغفار کیا کرتے تھے۔ اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا۔ اور یقین لانے والوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود
اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ
تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا۔ اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔ تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝
روز جزا برحق ہے اور ایسا یقینی جیسا تم باتیں کر رہے ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَ وہ پوچھتے ہیں	اَيَّانَ کب؟	يَوْمُ الدِّيْنِ جزا وسزا کا دن	يَوْمَ اس دن	هُمْ وہ	عَلَى النَّارِ آگ پر	يُفْتَنُوْنَ الٹے سیدھے پڑیں گے
ذُوْقُوْا تم چکھو	فِتْنَتَكُمْ اپنی شرارت	هٰذَا یہ	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ بِهٖ تم تھے اس کی	تَسْتَعْجِلُوْنَ جلدی کرتے	اِنَّ بیشک	الْمُتَّقِيْنَ متقی (جمع)
فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں	وَّعُيُوْنٍ اور چشمے	اٰخِذِيْنَ لینے والے	مَآ اٰتٰهُمْ جو دیا انہیں	رَبُّهُمْ ان کا رب	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا تھے	قَبْلَ قبل
ذٰلِكَ اس	مُحْسِنِيْنَ نیکوکار	كَانُوْا وہ تھے	قَلِيْلًا تھوڑا	مِّنَ الَّيْلِ رات سے۔ میں	مَا يَهْجَعُوْنَ وہ سوتے	وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ اور وقتِ صبح
هُمْ وہ	يَسْتَغْفِرُوْنَ استغفار کرتے	وَ اور	فِيْ میں	اَمْوَالِهِمْ انکے مال (جمع)	حَقٌّ حق	لِّلسَّآئِلِ سوالی کیلئے	وَالْمَحْرُوْمِ اور تنگدست (غیر سوالی)
وَفِي الْاَرْضِ اور زمین میں	اٰيٰتٌ نشانیاں	لِّلْمُوْقِنِيْنَ یقین کرنیوالوں کیلئے	وَ اور	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ تمہاری ذات میں	اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟
وَفِيْ اور میں	السَّمَآءِ آسمانوں	رِزْقُكُمْ تمہارا رزق	وَمَا تُوْعَدُوْنَ اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے	فَوَرَبِّ قسم ہے رب کی	السَّمَآءِ آسمانوں
وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّهٗ بیشک یہ	لَحَقٌّ حق ہے	مِّثْلَ جیسے	مَآ اَنَّكُمْ جو تم	تَنْطِقُوْنَ بولتے ہو

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ یہ فرمایا گیا تھا کہ قیامت ضرور آنی ہے اور جزاوسزا ضرور ہونے والی ہے۔ کفار مکہ جب کلام پاک کی ایسی آیات جس میں قیامت کا آنا اور ہر شخص کا دوبارہ زندہ ہو کر دنیا کے اعمال کی آخرت میں جزاوسزا پانا۔ اور نتیجہ میں جہنم کے عذاب یا جنت کی راحت کا ملنا سنتے تو وہ اعتراض کے طور پر تمسخر اور ہنسی سے کہتے کہ آخر وہ قیامت آئے گی کب؟ وہ جزاوسزا کا دن کب ہوگا؟ ہم تو انتظار ہی میں ہیں۔ اب تک تو آیا نہیں۔ پھر منکرین قیامت وآخرت یہ بھی کہتے کہ یہ جو قیامت میں عذاب کی دھمکیاں ہم کو سنائی جاتی ہیں تو اس قیامت کو لے آؤنا؟

ہم بھی تو دیکھیں وہ کیسا عذاب اور کیسی قیامت ہے جس سے ہم کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ اسی کو ان آیات میں جتلایا جاتا ہے کہ یہ قیامت کے منکرین انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف اور جزا کا دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ حق تعالیٰ کی طرف سے ان منکرین کو جواب دیا گیا کہ ذرا صبر کرو۔ وہ دن آیا چاہتا ہے کہ جب تم آگ میں الٹے سیدھے کئے جاؤ گے اور خوب جلا تپا کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور استہزا کا مزا چکھو! جس دن کی جلدی مچا رہے تھے وہ دن آ گیا۔ یہ جواب اسی طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے لئے پھانسی کا حکم ہو جاوے مگر وہ احمق محض اس وجہ سے کہ اس کو تاریخ نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کئے جاوے اور کہے کہ اچھا وہ دن کب آئے گا؟ اس لئے جواب میں بجائے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا نہایت مناسب ہوگا کہ وہ دن اس وقت آئے گا جب تم پھانسی پر لٹکا دیئے جاؤ گے تو اسی طرز کا جواب حق تعالیٰ نے منکرین قیامت کو دیا کہ وہ قیامت کا دن وہ ہوگا جب تم آگ پر تپائے جاؤ گے اور تم سے کہا جاوے گا کہ اپنی اس سزا کا مزہ چکھو۔ یہی وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے اور بے پروائی سے دنیا میں کہا کرتے تھے کہ ہر وقت عذاب کی دھمکیاں کہاں تک سنائی جائیں گی۔ عذاب آنا ہے تو کیوں نہیں آ جاتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ برخلاف ان کفار و منکرین کے محققین یعنی اہل ایمان پرہیز گار جنہوں نے دنیا میں اللہ کے آگے سر جھکایا اور جن باتوں سے منع کیا گیا ان کو اللہ کے ڈر سے چھوڑا تو ایسے لوگوں کو قیامت کے دن بڑا انعام و اکرام ملے گا۔ ان میں ہر ایک کو رہنے کے لئے بہشت کے باغات دیئے جائیں گے جن کے اندر جا بجا چشمے بہتے ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نعمتیں دے رہا ہوگا اور وہ ان نعمتوں کو شکر گذاری کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے لے رہے ہوں گے۔ دنیا سے جو نیکیاں سمیٹ کر لائے تھے ان کا نیک پھل مل رہا ہوگا۔ آگے ان کی نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے یعنی جنت میں رہنے والے متقیوں کی دنیا میں یہ حالت تھی کہ وہ ساری رات سو کر غفلت سے نہیں گذارتے تھے بلکہ نیند چھوڑ کر رات کا اکثر حصہ اللہ کی عبادت و بندگی میں گذارتے تھے اور پھر صبح کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی تو اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہو سکا۔ جو کوتاہی رہی وہ اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے یعنی کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خوف اور خشیت بڑھتا جاتا تھا۔ یہ تو عبادت بدنیہ میں ان کی حالت تھی اور عبادت مالیہ میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے مال دولت میں سوالی اور غیر سوالی سب کا حق تھا یعنی علاوہ فرض زکوٰۃ کے اپنے مال میں اپنی خوشی سے سائلوں اور محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا جو ایسے التزام اور اہتمام سے دیتے تھے جیسے کہ ان کے ذمہ ان کا کچھ آتا ہو۔ یہ متقین کی صفات کا مضمون توبیچ میں آ گیا تھا اصل مضمون یہ بیان ہو رہا تھا کہ قیامت ضرور آنے والی ہے۔ اور چونکہ کفار قیامت کی صحت کا انکار کرتے تھے اس لئے آگے اس کی دلیل کی طرف اشارہ ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ یقین لانے کی کوشش اور طلب کرنے والوں کے لئے امکان قیامت پر بہت سی نشانیاں اور دلیلیں ہیں اور انسان اگر خود اپنے اندر یا روئے زمین کے حالات میں غور کرے تو بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ہر نیک و بد کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مل کر رہے گی۔ جلد یا بدیر۔ مثلاً انسان ہر رات کا اپنا سونا اور پھر جاگنا ہی دیکھ لے یہ بھی ایک نمونہ اور دلیل ہے بعث بعد الموت کی۔ پس جبکہ انسانوں کی آنکھوں کے سامنے اتنے دلائل موجود ہیں تو آگے تو تو بیخاً فرمایا جاتا ہے کہ جب ایسے دلائل موجود ہیں تو کیا تم کو پھر بھی مطلوب دکھائی نہیں دیتا کہ تم اس کا انکار کرتے ہو۔ آگے ایک اور دلیل امکان قیامت پر دی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو کچھ زمین میں ہو رہا ہے اس کا حکم آسمان ہی سے اترا ہے یہاں تک کہ رزق کا دار و مدار بھی نرا تمہاری کمائی اور جدو جہد پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا انتظام بھی اوپر ہی سے ہوتا ہے۔ بس جس طرح تمہارا مقدر رزق تمہارے پاس پہنچتا ہے یونہی وہ قیامت بھی تمہارے پاس آ پہنچے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کیونکہ دونوں یعنی تمہارا رزق اور قیامت ایک وقت میں معدوم اور اس کے بعد خدا کی قدرت سے موجود ہونے میں دونوں برابر ہیں پھر ایک چیز کا اقرار کر کے دوسری کا انکار کرنا محض بے معنیٰ ہے۔ اور اب تو مادیت اور دہریت اور سائنسی ترقیات کا زمانہ ہے۔ آج **وفی السمآء رزقکم** اور

تمہارا رزق آسمان میں ہے کون یقین کرنے کو تیار ہے۔ یورپ کے دہریوں۔نیچریوں اور بے دینوں کو چھوڑ یئے۔اب تو وہ جو قرآن کو آسمانی کتاب بھی بظاہر تسلیم کرتے ہیں ان کی اکثریت کا بھی حقیقی اور پختہ عقیدہ اس پر نظر نہیں آتا کہ ہمارا اور تمام مخلوق کا رزق آسمان میں ہے۔اب تو دنیا والوں کی اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ امریکہ اور کناڈا اور آسٹریلیا وغیرہ جہاں غلہ ان کی ضروریات سے زیادہ پیدا ہوتا ہے وہ ہمیں اناج دے کر ہماری غذائی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں اور ہمیں قحط اور غذائی کال سے بچا سکتے ہیں۔اخبار بین حضرات جانتے ہیں کہ دنیا بھر کی قومیں صلاح و مشورہ کیلئے اور اپنے ملک کی غذائی ضروریات کو فراہم کرنے کیلئے یورپ کے شہر روم میں ۵ نومبر ۷۴ء سے جمع ہیں اور اس عالمی غذائی کانفرنس پر نظریں لگائے ہوئے ہیں اور اخبارات لکھ رہے ہیں کہ یہ غذائی عالمی کانفرنس اپنے بارہ روزہ اجلاس میں جو فیصلہ کرے گی وہ کروڑوں انسانوں کی موت و زیست کے فیصلہ ہوں گے (حریت اداریہ ۱۰ نومبر ۷۴ء) دنیا کے ملکوں کی ہنگامی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ایک عالمی ذخیرہ کے قیام کی تجویز پر غور ہو رہا ہے اور اقوام متحدہ کی خوراک و زراعت کی تنظیم نے عالمی ذخیرہ کیلئے ہر سال ۱۰ کروڑ ٹن غلہ کی مقدار مقرر کی ہے (حریت ۹ نومبر ۱۹۷۴ء) جس کے لئے ۱۰ لاکھ ٹن غلہ سالانہ تین سال تک۔کناڈا نے دینے کا وعدہ کیا اور اسی طرح آسٹریلیا نے ۱۰ لاکھ ٹن غلہ سالانہ تین سال تک دینے کا وعدہ کیا اور ایسے ہی وعدہ امریکہ اور دوسرے فاضل اناج پیدا کرنے والے ملکوں سے لینے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی اس لایعقل اور موہوم تجویز سے دنیا کے کروڑوں انسانوں کو بھوک سے نہ مرنے دینے کا حل تجویز کر رہے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا بالله۔ذرا غور تو کیجئے کہ یہ جوان داتا بننے کی کوشش کر رہے ہیں تو ان بے عقلوں کی عقل میں یہ نہیں آتا کہ جن اسباب و وجوہات اور قدرتی آفات کی وجہ سے دنیا کے بعض ملک جیسے ہندوستان اور بنگلہ دیش وغیرہ قحط کے شکار ہو رہے ہیں (یہ ۱۹۷۴ء کے واقعات کی طرف اشارہ ہے) کیا وہی آفات اور اسباب امریکہ۔اور کناڈا اور آسٹریلیا وغیرہ پر نہیں آ سکتے۔اور قدرت خداوندی تو دنیا والوں کو نمونہ دکھلاتی رہتی ہے۔ابھی

تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے کہ امریکہ ہی کے ایک حصہ میں ایسا سیلاب اور طوفان آیا اور اسی تباہی و بربادی ہوئی کہ اس ترقی یافتہ دنیا میں ایسی تباہی شاید دوسری جگہ نہ آئی ہو۔تو کیا امریکہ نے باوجود اپنی سائنسی ترقیات ان قدرتی آفات کو آنے سے روک دیا۔ جو مصیبت قحط کی ہندوستان یا بنگلہ دیش پر اس وقت یعنی ۱۹۷۴ء میں پڑی ہوئی ہے کیا وہی قدرتی آفات آئندہ امریکہ۔اور کناڈا وغیرہ پر نہیں پڑ سکتیں اور بنگلہ دیش و ہندوستان کی طرح بھوک سے سسک سسک کر لوگ وہاں نہیں مر سکتے اخبار بین حضرات کو معلوم ہوگا کہ بنگلہ دیش کی کیا صورت حال ہے (یعنی ۱۹۷۴ء میں) اخبارات کی خبر ہے کہ ڈھاکہ جیسے شہر اور دارالسلطنت میں ہر رات میں ۲۰ سے لے کر ۴۰ افراد بھوک سے سسک کر سڑکوں اور گلیوں میں مرے ہوئے پائے جاتے ہیں اور صبح سویرے مینوسپلٹی کی گاڑیاں ان لوگوں کی لاشیں اٹھا کر جن میں بچہ زیادہ ہوتے ہیں ایک اجتماعی گڑھے میں دفن کر دیتے ہیں۔اسی بنگلہ دیش کے ضلع رنگ پور کا حال لکھا ہے کہ رنگ پور کی پوری آبادی جو قریب ۱۵ لاکھ ہے اس کی تقریباً ۱۳ لاکھ کی آبادی کو سرکاری تنوروں سے روزانہ ایک روٹی فی کس کے حساب سے دی جاتی ہے۔سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اسی رنگ پور میں روزانہ تقریباً ۱۳۰ افراد موت کی نیند سو جاتے ہیں اور غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اب تک بھوک سے مرنے والوں کی تعداد صرف رنگ پور میں ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔اسی طرح دوسرے علاقوں میں بھی تباہ کن صورت حال ہے۔یہ سنا کر یہاں موقع کی مناسبت سے ایک بات یہ عرض کرنے کو دل چاہتا ہے کہ اب جب آپ کے سامنے کھانا آئے تو دل میں اس وقت یہ محسوس کیجئے کہ اس وقت روئے زمین پر اللہ کی کتنی مخلوق ہے کہ جو آسمانی رزق سے محروم ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوک سے جان دے رہی ہے اور ہمیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے کیسی سہولت اور عزت و عافیت اور راحت و چین و سکون سے رزق عطا فرما رکھا ہے۔ آخر ہمارے اعمال کون سے اچھے ہیں۔اور وہ کون سا گناہ نہیں ہے کہ جو اس ملک کی سرزمین پر نہ ہو رہا ہو۔بس اللہ کا ہی فضل ہے اور نہ معلوم کن مقبول بندوں کی بدولت ہم کو بھی باسانی رزق مل رہا ہے۔اس لئے

سامنے کھانا آجانے پر دل سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اللہ کے وہ سعادت مند اور نیک بندے جو دوسروں کو کھلا پلا کر کھاتے ہیں ان کو دوہرا شکر ادا کرنا چاہئے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ نے خود ان کو کھلایا پلایا بلکہ دوسروں کو بھی کھلانے پلانے کی سعادت نصیب فرمائی۔ اور اسی قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لئن شکرتم لا زیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور ساری مخلوق کا رزق آسمان میں ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا وفی السمآء رزقکم ۔تو مخلوق کو وہی رزق نصیب ہوگا جو آسمان سے ان کے لئے اترے گا۔ اس لئے اس پر اگر صحیح اور سچا یقین ہو تو اسی سے رزق طلب کرنا چاہئے جس کے پاس رزق کے حقیقی ذخیرہ موجود ہیں اور جو حقیقی رزاق اور روزی رساں ہے۔ کاش کہ کوئی ان محض مادی اسباب پر نظر رکھنے والوں کو سنا دے و فی السمآء رزقکم کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے۔ اس لئے اسی حقیقی رزاق سے رزق طلب کرو۔ وہ اگر رزق بند کر دے یا کم کر دے تو دنیا کی کون سی حکومت اور طاقت ہے کہ وہ بند کئے ہوئے رزق کو کھول سکے یا کم کو زیادہ کر سکے۔ اور اگر وہ رزق کھول دے تو وہ کون ہے کہ جو اس کو بند کر دے یا روک لے۔ مگر رونا تو یہی ہے کہ یہ بات تو دین کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ اور دین ہی سے بیر ہے۔ الا ما شآء اللہ۔

اس جملہ و فی السمآء رزقکم کے سلسلہ میں بات کہیں سے کہیں طویل ہوگئی۔ الغرض یہاں قیامت کے سلسلہ میں بتلایا گیا کہ جس طرح تمہارا رزق تمہارے پاس آسمان سے پہنچتا ہے۔ یونہی وہ قیامت بھی تمہارے پاس آپہنچے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔آگے منکرین کو یقین دلانے کے لئے قسم کھا کر ارشاد ہوتا ہے کہ قسم ہے آسمان و زمین کے پروردگار کی کہ وہ قیامت ایسی ہی برحق ہے اور واقعی اور یقینی ہے جیسے تمہارا بولنا یعنی جیسے تمہیں اپنے بولنے میں کچھ شک و شبہ نہیں ہوتا ایسے ہی قیامت میں بھی شک کی گنجائش نہیں۔

یہاں ان آیات میں متقین کی جو یہ صفات بیان کی گئی کہ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے تو احادیث میں بھی اس کی یعنی رات میں عبادت کرنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ مسند امام احمد میں ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانہ ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کن کے لئے ہیں؟ ارشاد فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نماز پڑھتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام لانے سے پہلے یہود میں سے تھے فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہؐ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ میں بھی اس مجمع میں تھا واللہ آپ کے مبارک چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے کان میں پڑی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو۔ صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوتے ہوئے ہوں نماز ادا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو بھی یہ سعادتیں نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اوپر کی اور ان آیات میں منکرین و مکذبین کی مذمت اور ساتھ ہی مصدقین و متقین کی تعریف فرمائی گئی۔ اسی کی تائید میں آگے بعض پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصہ بیان فرمائے جاتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ محسنین و متقین کے ساتھ کیا ہے اور مکذبین و منکرین کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ رہا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ اپنے متقین اور محسنین بندوں میں ہم کو بھی شامل ہونے کی سعادت نصیب فرمادیں اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمادیں۔ اور جس جنت کا ان سے وعدہ فرمایا گیا ہے ہمیں بھی اس میں داخلہ اپنی رحمت سے نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ

کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے۔ جب کہ وہ ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا، ابراہیمؑ نے بھی کہا سلام

مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝

انجان لوگ ہیں۔ پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لائے۔ اور اس کو ان کے پاس لا کر رکھا کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِىْ صَرَّةٍ

تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے، انہوں نے کہا کہ تم ڈرو مت، اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا، اتنے میں ان کی بی بی بولتی پکارتی آئیں

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝

پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا بانجھ۔ فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا جاننے والا ہے۔

هَلْ کیا	اَتٰىكَ آئی تمہارے پاس	حَدِيْثُ بات خبر	ضَيْفِ مہمان	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	الْمُكْرَمِيْنَ معزز	اِذْ جب	دَخَلُوْا وہ آئے	عَلَيْهِ اس کے پاس
فَقَالُوْا تو انہوں نے کہا	سَلٰمًا سلام	قَالَ اس نے کہا	سَلٰمٌ سلام	قَوْمٌ لوگ	مُنْكَرُوْنَ ناشناسا	فَرَاغَ پھر وہ متوجہ ہوا	اِلٰٓى اَهْلِهٖ اپنے اہل خانہ کی طرف	
فَجَآءَ پس لایا	بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فربہ بچھڑا	فَقَرَّبَهٗ پھر وہ سامنے رکھا	اِلَيْهِمْ ان کے	قَالَ کہا	اَلَا تَاْكُلُوْنَ کیا تم کھاتے نہیں؟	فَاَوْجَسَ تو اس نے محسوس کیا		
مِنْهُمْ ان سے	خِيْفَةً کچھ ڈر	قَالُوْا وہ بولے	لَا تَخَفْ تم ڈرو نہیں	وَبَشَّرُوْهُ اور انہوں نے بشارت دی	بِغُلٰمٍ ایک بیٹے کی	عَلِيْمٍ دانش مند		
فَاَقْبَلَتِ پھر آگے آئی	امْرَاَتُهٗ اس کی بیوی	فِىْ صَرَّةٍ حیرت سے بولتی ہوئی	فَصَكَّتْ اس نے ہاتھ مارا	وَجْهَهَا اپنا چہرہ	وَقَالَتْ اور بولی	عَجُوْزٌ بڑھیا		
عَقِيْمٌ بانجھ	قَالُوْا انہوں نے کہا	كَذٰلِكِ یونہی	قَالَ فرمایا	رَبُّكِ تیرا رب	اِنَّهٗ بیشک	هُوَ وہ	الْحَكِيْمُ حکمت والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا

تفسیر و تشریح: شروع سورۃ سے منکرین و مکذبین کو متعدد دلائل و براہین سے بتلایا گیا کہ قیامت اور یوم جزا و سزا یقیناً واقع ہونے والا ہے اور جو اس کے منکر ہیں ان کو عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی اور ان کے مقابل وہ متقی و پرہیزگار جو اللہ سے ڈر کر اس کے حکموں کی فرمانبرداری دنیا میں کرتے ہیں ان کو بہشت کے باغات اور وہاں کی دوسری نعمتوں کے ملنے کی بشارت سنائی گئی تھی۔ اب آگے منکرین کو مزید متنبہ کرنے کے لئے کچھ واقعات گذشتہ پیغمبروں کے سنائے جاتے ہیں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا ہی میں متقین و محسنین کے ساتھ کیا رہا اور مکذبین و منکرین کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جو قصہ ان آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے وہ سورہ ہود اور سورہ حجر میں بھی گذر چکا ہے۔ خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں آگئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ۸۶ برس کی عمر میں حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے مگر حضرت سارہ کے بطن سے آپ کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور وہ اسی امید میں بوڑھی ہوگئی تھیں اور کوئی اولاد نہ ہونے کا ان کو غم رہتا تھا۔ ایک روز جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کے وقت مہمانوں کی صورت میں کچھ نو وارد نظر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی عادت و مہمان نوازی کے موافق ان کو کھانا کھلانے کا انتظام فرمایا اور ایک بچھڑے کا تلا ہوا گوشت تیار

کرا کے مہمانوں کے سامنے لا کر رکھا مگر مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ تعجب بھی ہوا کہ کھانا کیوں نہیں کھاتے اور ساتھ ہی طبیعت میں کچھ خوف بھی آیا کہ کہیں یہ دشمن نہ ہوں کیونکہ اس زمانہ میں یہ مشہور دستور تھا کہ دشمن اپنے دشمن کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ جب فرشتوں نے جو بشکل انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان بنے ہوئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کھانا نہ کھانے پر کچھ متعجب اور ساتھ ہی فکرمند دیکھا تو فرشتوں نے ظاہر کر دیا کہ ہم فرشتے ہیں ہم کو کھانے پینے سے کیا غرض۔ ہم تو آپ کو ایک خوشخبری دینے آئے ہیں کہ آپ کے ایک فرزند یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے جو بڑا عالم ہوگا۔ حضرت سارہ پیچھے کھڑی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھیں۔ حضرت سارہ نے جو اولاد کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنی تو وہ بولتی پکارتی ہوئیں آئیں اور بڑے تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ اوّل تو میں بڑھیا اور پھر بانجھ تو اس وقت بچہ پیدا ہونا عجیب بات ہے۔ اس پر فرشتوں نے کہا کہ تم تعجب نہ کرو۔ تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کیونکہ الہ العالمین نے ایسا ہی فرمایا ہے اور وہ بڑی حکمت والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ چنانچہ جس وقت اس بشارت کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہؓ کی عمر ۹۹ سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی۔

ان آیات سے متعلق ایک مفید اور کارآمد تنبیہ بھی ملتی ہے اور وہ یہ کہ انبیاء کرام کلی عالم الغیب نہیں ہوتے۔ اس چودھویں صدی کے فتنوں میں سے ایک اہم فتنہ بعض اہل بدعت کا وہ عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء عالم الغیب ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات میں خدا کے پیغمبروں سے نہ کوئی فضیلت اور بزرگی میں بڑھ کر ہے اور نہ ہی علم وحکمت میں برتر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اپنی وحی سے سرفراز فرمایا۔ انہیں دین کا سارا اور کامل علم عطا فرمایا۔ اور تمام انسانوں میں علم ودانش۔ عقل وفہم۔ حکمت وفراست اور دیگر کمالات ایمانیہ میں بے مثل و یگانہ بنایا اور حسب ضرورت بعض تکوینی امور کا علم بھی فرمایا مگر پھر بھی انبیاء کا علم ''محیط کل'' نہیں کلی اور تفصیلی غیب وشہادت کا علم خاصہ خداوندی ہی ہے۔ یہ صفت حق تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمائی۔ قرآن کریم کی صدہا آیات اس پر شاہد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کلی غیب داں نہیں تھے۔ مگر افسوس کہ باوجود ایسی کھلی ہوئی صاف اور علانیہ تصریحات کے اس امت کے کچھ لوگ یہود ونصاریٰ کی طرح افراط و تفریط میں مبتلا ہوئے۔ عیسائیوں نے فرط محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے رتبہ سے بڑھا کر خدا بنا دیا یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں گستاخی کی اور بہتان لگائے۔ اس افراط و تفریط کی بنا پر دونوں یہود ونصاریٰ کو قرآن کریم میں مغضوب ملعون اور کافر قرار دیا گیا۔ اس وقت یہ افراط وتفریط کے فتنہ اس امت میں بھی پھیل رہے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے عقیدۃ ومحبت عین ایمان ہے مگر محبت وعقیدت اپنی حدود کے اندر ہی رہنی چاہئے۔ جب محبت حد اعتدال سے بڑھ کر غلو کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے تو اس سے شرک کا دروازہ کھل جاتا ہے جیسا کہ روافض نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر ائمہ اہل بیتؓ کی محبت میں انتہائی کی غلو کیا یہاں تک کہ ان کے لئے خدائی صفات ثابت کیں۔ انہیں عالم الغیب۔ حاجت روا اور متصرف امور سمجھا جیسا کہ ان کی نہایت معتبر کتابوں سے ثابت ہے۔ ان کے برعکس بعض فرقوں نے جیسے قادیانی۔ پرویزی۔ بہائی انہوں نے شان رسالت میں کوتاہی اور گستاخی کی اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کر کے جھوٹی نبوتیں کھڑی کر دیں۔ اسی طرح منکرین حدیث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور وجوب اطاعت کا انکار کیا اور آپ کے اسوہ حسنہ آپ کی سنت اور حدیث کے دین میں حجت ہونے کے اجماعی عقیدہ کو رد کر دیا۔ اس طرح یہ لوگ تفریط کے راستے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ افراط وتفریط کی گمراہیوں سے ہمارے دین وایمان کو محفوظ رکھیں۔

الغرض دیگر انبیاء کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی عالم

الغیب نہ تھے جیسا کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے فرستادوں کو نہیں پہچانا اور ان فرشتوں کو یہی سمجھے کہ یہ انسان ہیں کیونکہ وہ انسانی شکلوں میں آئے تھے اسی لئے آپ ان کے لئے بچھڑا تل کر لے آئے۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو فرشتوں کو انسان نہ سمجھتے اور نہ ہی ان کے لئے بچھڑا تل کر لاتے۔ دوسرے یہ کہ جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے رویہ سے دل ہی دل میں ڈرے کہ مبادا یہ دشمن ہوں۔ حالانکہ وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے لئے آئے تھے۔ بہر حال خوف کی وجہ صرف یہی تھی کہ آپ کو اصل حقیقت معلوم نہ تھی۔ جب فرشتوں کے بتانے سے اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ فرشتے ہیں اور خوشخبری دینے آئے ہیں تو آپ کا خوف جاتا رہا۔ الحاصل اس واقعہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء و رسل میں افضل تھے کلی علم غیب ان کو بھی عطا نہیں کیا گیا تھا۔ علم غیب کلی خاصہ خداوندی ہے اور صرف حق جل و علیٰ کی ذات عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اب حضرت ابراہیمؑ اور آنے والے فرشتوں میں جو مزید گفتگو ہوئی وہ اگلی آیات میں ظاہر کی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اور سچے اسلامی عقائد رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور افراط و تفریط سے ہمارے دین کو محفوظ رکھیں۔ اور حقیقی اسلام و ایمان پر ہم کو استقامت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس امت میں جو ظاہری و باطنی فتنہ پھیل رہے ہیں اُن سے ہماری حفاظت فرمایئے اور اپنے متقی و محسنین بندوں میں ہم کو شامل فرمایئے۔

یا اللہ اپنی قدرت کاملہ کا ہم کو یقین کامل نصیب فرمایئے آپ اپنی قدرت سے جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔ مخلوق کیلئے جو ناممکن اور محال ہو وہ آپ کیلئے بالکل آسان اور سہل ہے۔

یا اللہ ہم کو اپنی قدرت کاملہ پر توکل اور بھروسہ عطا فرمایئے اور ہماری ہر مشکل کو اپنے فضل و کرم سے آسان اور سہل فرمایئے۔

یا اللہ اپنی ذات پاک سے صحیح اور قوی تعلق ہم کو نصیب فرمایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پارہ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ

ابراہیمؑ کہنے لگے اچھا تو تم کو بڑی مہم کیا درپیش ہے اے فرشتو! فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تا کہ ہم ان پر

حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ

کنکر کے پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب کے پاس سے خاص نشان بھی ہے حد سے گذرنے والوں کیلئے۔ تو ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ

علیحدہ کردیا۔ سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر ہم نے نہیں پایا۔ اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کیلئے

يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

قَالَ اس نے کہا	فَمَا تو کیا	خَطْبُكُمْ مقصد تمہارا	أَيُّهَا اے	الْمُرْسَلُوْنَ بھیجے ہوئے (فرشتو) قَالُوْا انہوں نے جواب دیا	إِنَّآ أُرْسِلْنَآ بیشک ہم بھیجے گئے ہیں	
إِلٰى طرف	قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ مجرم قوم (مجرموں کی قوم) لِنُرْسِلَ تا کہ ہم بھیجیں (برسائیں)	عَلَيْهِمْ ان پر	حِجَارَةً پتھر	مِّنْ طِيْنٍ سنگ گل	مُّسَوَّمَةً نشان کئے ہوئے	
عِنْدَ رَبِّكَ تمہارے رب کے ہاں	لِلْمُسْرِفِيْنَ حد سے گزر جانیوالوں کیلئے	فَأَخْرَجْنَا پس ہم نے نکال لیا	مَنْ كَانَ جو تھا	فِيْهَا اس میں	مِنَ سے	
الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والے	فَمَا وَجَدْنَا پس ہم نے نہ پایا	فِيْهَا اس میں	غَيْرَ بَيْتٍ ایک گھر کے سوا	مِنَ سے۔ کا	الْمُسْلِمِيْنَ مسلمانوں	وَتَرَكْنَا اور ہم نے چھوڑ دی
فِيْهَا اس میں	اٰيَةً ایک نشانی	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے	يَخَافُوْنَ جو ڈرتے ہیں	الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ دردناک عذاب		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ اور کسی خاص مقصد سے آئے ہیں؟ اس پر ان فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم قوم لوط کی سزا دہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ ہم ان پر سنگساری اور پتھروں کی بارش برسا کر ہلاک کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پتھروں پر نشان کر دیئے گئے ہیں خدا کے حکم سے ہر ہر مجرم کے لئے الگ الگ پتھر مقرر کر دیئے گئے ہیں اور جو پتھر جس مجرم کے لئے خاص کر دیا گیا ہے اسی کے لگنے سے اس کی ہلاکت ہوگی۔ تو جیسا کہ سورہ ہودؑ سورہ حجر اور سورہ عنکبوت وغیرہ میں ذکر ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط پر عذاب کا حال سن کر فرمایا کہ وہاں تو لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں؟ کیا لوط علیہ السلام کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟۔

فرشتوں نے کہا کہ اس کا علم ہمیں بھی ہے کہ لوط علیہ السلام وہاں ہیں اور ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہمیں حکم مل چکا ہے کہ ہم لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے کے تمام ایمانداروں کو بچالیں ہاں ان کی بیوی نہیں بچ سکتی وہ بھی مجرموں کے ساتھ اپنے جرم کے بدلے ہلاک کر دی جائے گی۔ گویا تمام بستی میں صرف ایک حضرت لوط علیہ السلام کا گھرانہ مسلمانی گھرانہ ہے جو عذاب سے بچالیا جائے گا اور باقی سب کو تباہ کر دیا جائے گا۔ مذکورہ گذشتہ سورتوں میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح لوط علیہ السلام کی قوم تباہ و برباد کی گئی اور حضرت لوط

علیہ السلام اور آپ کے ساتھ آپ کے ایماندار گھر والوں کو بچالیا گیا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اب تک یعنی نزول قرآن کے زمانہ تک وہاں تباہی کے نشان موجود ہیں اور ان کی غیر معمولی ہلاکت کے قصہ میں ڈرنے والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

چنانچہ عذاب الٰہی سے خوف کھانے والے آج تک اس ناپاک قوم کی داستان ہلاکت سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بحر مردار یا بحر لوط اور آس پاس شہر سدوم کے کھنڈر آج تک ہر صاحب دل کو قوم لوط کی تباہی کی داستان عبرت سنا رہے ہیں۔

آگے دوسرا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا عبرت کے لئے بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ان نافرمان قوموں کے انجام سے ہمیں بھی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا دل ودماغ عطا فرمائیے۔ اور ہمیں اپنے احکام اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

یا اللہ ہم کو اور تمام امت مسلمہ کو ہر ظاہری و باطنی عذاب سے بچا لیجئے۔ اور ہماری کوتاہیوں اور تقصیرات سے درگذر فرمائیے۔ اور ان پر گرفت اپنی رحمت سے نہ فرمائیے۔ اس وقت ہمارا ملک جو اختلاف وافتراق کے عذاب میں مبتلا ہے۔

یا اللہ اسلام کی برکت سے اس وبال کو رفع فرما دیجئے۔ اور ہمیں اسلام و ایمان سے سچا تعلق اور لگاؤ نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَفِیْ مُوْسٰۤی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے اُن کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر بھیجا۔ سو اُس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرتابی کی اور کہنے لگا کہ یہ ساحر یا مجنون ہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ

سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا۔ اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان پر

الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ

نامبارک آندھی بھیجی۔ جس چیز پر گذرتی تھی اس کو ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اور ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے

تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

جبکہ ان سے کہا گیا اور تھوڑے دنوں چین کرلو۔ سو اُن لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی سو ان کو عذاب نے آلیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔ سو نہ تو کھڑے ہی ہو سکے

مِنْ قِیَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾

اور نہ بدلہ لے سکے۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کا یہی حال ہو چکا تھا، وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔

وَ اور	فِیْ مُوْسٰی موسیٰ میں	اِذْ اَرْسَلْنٰهُ جب ہم نے اسے بھیجا	اِلٰی فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف	بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ روشن دلیل (معجزہ) کیساتھ		
فَتَوَلّٰی تو اسنے سرتابی کی	بِرُكْنِهٖ اپنی قوت کیساتھ	وَقَالَ اور کہا	سٰحِرٌ جادوگر	اَوْ مَجْنُوْنٌ یا دیوانہ	فَاَخَذْنٰهُ پس ہم نے اسے پکڑا	وَجُنُوْدَهٗ اور اسکا لشکر
فَنَبَذْنٰهُمْ پھر ہم نے انہیں پھینک دیا	فِی الْیَمِّ دریا میں	وَهُوَ اور وہ	مُلِیْمٌ ملامت زدہ	وَفِیْ عَادٍ اور عاد میں	اِذْ اَرْسَلْنَا جب ہم نے بھیجی	
عَلَیْهِمُ ان پر	الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ نامبارک آندھی	مَا تَذَرُ وہ نہ چھوڑتی تھی	مِنْ شَیْءٍ کسی شے کو	اَتَتْ آتی	عَلَیْهِ جس پر	اِلَّا جَعَلَتْهُ مگر اُسے کردیتی
كَالرَّمِیْمِ گلی سڑی ہڈی کی طرح	وَفِیْ ثَمُوْدَ اور ثمود میں	اِذْ قِیْلَ جب کہا گیا	لَهُمْ اُن کو	تَمَتَّعُوْا فائدہ اٹھالو	حَتّٰی حِیْنٍ ایک رات تک	
فَعَتَوْا تو انہوں نے سرکشی کی	عَنْ سے	اَمْرِ رَبِّهِمْ اپنے رب کا حکم	فَاَخَذَتْهُمُ پس انہیں پکڑا	الصّٰعِقَةُ بجلی کی کڑک	وَهُمْ اور وہ	یَنْظُرُوْنَ دیکھتے تھے
فَمَا اسْتَطَاعُوْا پس ان میں سکت نہ رہی	مِنْ قِیَامٍ کھڑا ہونے کی	وَمَا كَانُوْا اور وہ نہ تھے	مُنْتَصِرِیْنَ بدلہ لینے والے	وَقَوْمَ نُوْحٍ اور نوح کی قوم		
مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا تھے	قَوْمًا فٰسِقِیْنَ لوگ نافرمان			

تفسیر وتشریح: منکرین قیامت وآخرت کی شروع سورۃ ہی میں مذمت فرمائی گئی تھی اور ان کو آخرت وجزاوسزا کے انکار پر جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ پھر اس بات کی تائید میں کہ منکرین ومکذبین کی دنیا میں بھی پکڑ ہوئی ہے آخرت میں تو لازماً ہونا ہی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا ذکر گذشتہ آیات میں ذکر فرمایا گیا تھا۔ اور عبرت دلائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ اور ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا قصہ اور حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا قصہ اور قوم نوح علیہ السلام کا انجام مختصراً ذکر فرما کر منکرین ومکذبین کو سرکشی ونافرمانی سے عبرت دلائی جاتی ہے اور جتلایا جاتا ہے کہ گذشتہ قومیں اسی کفر وانکار اور سرکشی نافرمانی کی بدولت ہلاک وتباہ کی جا چکی ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح قوم لوط کے انجام کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں اسی قسم کا فرعونیوں کا واقعہ ہے۔ موسیٰ علیہ

السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے سمجھانے کے لئے بھیجا کہ سرکشی کو چھوڑ اور اللہ کا بندہ بن کر رہ لیکن اسے اپنی قوت و سلطنت اور لاؤلشکر پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے اپنے زور و قوت پر مغرور ہو کر حق کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنی قوم اور ارکان سلطنت کو بھی ساتھ لے ڈوبا۔ اس نے اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام سے بے رخی برتی اور ان کی تکذیب کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے معجزے دکھلائے تو کہنے لگا (معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد) کہ موسیٰ یا تو چالاک جادوگر ہے اور یا دیوانہ ہے۔ ان دو حال سے خالی نہیں۔ پس انجام میں اللہ تعالیٰ نے اس کافر۔ معاند اور متکبر کو مع اس کے لاؤلشکر کے پکڑا اور سمندر میں غرق کر کے ہلاک کیا۔ ایسا کرنے میں اللہ نے اس پر زیادتی نہیں کی۔ الزام اسی پر ہے کہ اس نے کفر و سرکشی اختیار کی' سمجھانے پر بھی باز نہ آیا۔ آخر جو بویا تھا وہی کاٹا۔ اسی طرح قوم عاد جس کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تھے اس کے واقعات بھی عبرتناک ہیں جن کی سرکشی اور سیہ کاری کے وبال میں ان پر عذاب کی آندھی آئی جو خیر و برکت سے یکسر خالی تھی۔ اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس پر گزری اس کا چورا کر کے رکھ دیا آخر وہ سب بالکل دنیا سے مٹ گئے۔ ٹھیک اسی طرح قوم ثمود کا بھی برا انجام ہوا۔ ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرما دیا تھا کہ اچھا کچھ دن اور دنیا کے مزے اڑالو اور یہاں کا سامان برت لو آخر عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ گے بالآخر عذاب کی ہولناک چیخ نے ان کے پتے پانی کر دیئے اور کلیجے پھاڑ دیئے اور یہ صرف ان کی سرکشی' نافرمانی اور سیہ کاری کا بدلہ تھا ان کا سب زور و طاقت۔ متکبرانہ دعوے اور طنطنے خاک میں مل گئے کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ بھلا بدلہ تو کیا لے سکتے تھے اور اپنی مدد پر کسے بلاتے۔ اسی طرح ان اقوام سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اپنی بغاوت و سرکشی کی بدولت تباہ کی جا چکی تھی۔ وہ لوگ بھی نافرمانی میں حد سے نکل گئے تھے۔ ان تمام قوموں کے مفصل واقعات پہلی سورتوں میں گزر چکے ہیں۔

غرض کہ انجام کفر و شرک نافرمانی و سرکشی کا دنیا میں بھی اچھا نہ رہا اور آخرت میں تو دائمی مصیبت جہنم کی ہی ہے۔

اب یہ جو قرآنی واقعات نافرمان قوموں کی سزا کے بار بار قرآن کریم میں دہرائے گئے ہیں اب ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ یہ رہ گئی ہے کہ کسی مسجد میں کوئی ملا مولوی چند نمازیوں کے سامنے ان کو پڑھ لے اور سن لیں اور بس قصہ ختم۔ نہ قوم کے لئے یہ قرآنی واقعات عبرت کے باعث ہیں نہ نصیحت کا ذریعہ کیونکہ اب اس قوم اور ملک میں قرآن کی حیثیت دین و دنیا کی صلاح و فلاح اور دونوں عالم کے نجات دہندہ کی تو حقیقت میں سمجھی نہیں جاتی۔ اس میں ہمیں ہمارے مسائل کا حل نظر ہی نہیں آتا۔ تو اس کے اوپر کان دھرنا۔ اس سے عبرت حاصل کرنا اس سے نصیحت پکڑنا۔ اس کے احکام کی پابندی کرنا اس کی ممانعتوں سے بچنا اس کا کیا سوال۔

بقول اکبر الہ آبادی مرحوم

رقیبوں نے رپٹ لکھائی ہے جا جا کے تھانوں میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

بہرحال قرآن کا قرآن ہونا کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ کوئی قوم اور ملک اسے اپنائے یا نہ اپنائے۔ کوئی اسے اپنا نجات دہندہ سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآنی احکام اور خبریں اپنی جگہ اٹل ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نتائج احکام خداوندی سے نافرمانی کے بتلا دیئے ہیں وہ پیش آنا لازمی اور لابدی ہیں۔ اب دیر یا سویر یہ اللہ کی حکمت اور مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی حقیقی عظمت اور اس کی قدردانی اس ملک اور قوم کو بھی نصیب فرما دیں اور اس سے انحراف کے وبال کو ہم پر سے ٹال دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْ كُلِّ

اور ہم نے آسمان کو قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں۔ اور ہم نے زمین کو فرش بنایا سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کو

شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا

دو دو قسم کا بنایا تا کہ تم سمجھو۔ تو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو، میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥١﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

کوئی اور معبود مت قرار دو، میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا

اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾

جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو۔ کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے تھے بلکہ یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں۔ سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾

کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں۔ اور سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا ایمان (لانے) والوں کو (بھی) نفع دے گا۔

وَالسَّمَآءَ اور آسمان	بَنَيْنٰهَا ہم نے اسے بنایا	بِاَيْىدٍ ہاتھ (قوت) سے	وَاِنَّا اور بیشک ہم	لَمُوْسِعُوْنَ وسیع القدرت ہیں	وَالْاَرْضَ اور زمین		
فَرَشْنٰهَا ہم نے فرش بنایا اسے	فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ پس ہم کیسا اچھا بچھانوالے ہیں	وَمِنْ اور سے	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	خَلَقْنَا ہم نے پیدا کئے	زَوْجَيْنِ دو جوڑے (قسم)		
لَعَلَّكُمْ تا کہ تم	تَذَكَّرُوْنَ نصیحت پکڑو	فَفِرُّوْا پس تم دوڑو	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	اِنِّىْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْهُ اس سے	نَذِيْرٌ ڈرسنانے والا
مُبِيْنٌ واضح	وَلَا تَجْعَلُوْا اور تم نہ ٹھہراؤ	مَعَ اللّٰهِ اللہ کیساتھ	اِلٰهًا اٰخَرَ کوئی دوسرا معبود	اِنِّىْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْهُ اس سے	نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ واضح ڈرسنانیوالا
كَذٰلِكَ اسی طرح	مَآ اَتَى نہیں آیا	الَّذِيْنَ وہ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	مِّنْ رَّسُوْلٍ کوئی رسول	اِلَّا مگر	قَالُوْا انہوں نے کہا	سَاحِرٌ جادوگر
اَوْ مَجْنُوْنٌ یا دیوانہ	اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ کیا انہوں نے ایکدوسرے کو وصیت کی اسکی بلکہ وہ	قَوْمٌ لوگ	طَاغُوْنَ سرکش	فَتَوَلَّ عَنْهُمْ پس آپ منہ موڑلیں ان سے			
فَمَآ اَنْتَ تو نہیں آپ	بِمَلُوْمٍ کوئی الزام	وَذَكِّرْ آپ سمجھائیں	فَاِنَّ تو بیشک	الذِّكْرٰى سمجھانا	تَنْفَعُ نفع دیتا ہے	الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والے	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کی قدرت کا اندازہ کچھ اسی سے کرلو کہ اس نے آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی پھر زمین کو اپنی مخلوقات کے لئے مثل بچھونے کے بچھا دیا۔ پھر خالق کائنات نے اس جہان میں ہر چیز عجیب وغریب کاریگری سے بنائی اور پھر ہر چیز کو بنا کر اس کے مقابل کی چیز بھی بنائی گویا ہر چیز کو قدرت نے دو دو قسم کا بنایا مثلاً رات دن۔ گرمی سردی۔ سیاہی سفیدی۔ اندھیرا اجالا۔ خشکی تری۔ شیریں تلخ، چھوٹی بڑی، خوشنما بدنما۔ صحت مرض۔ کفرو ایمان۔ موت حیات۔ بدی ونیکی۔ نر مادہ وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ حیوانات ونباتات میں بھی جوڑے بنائے تو اس سے انسان کو سبق لینا چاہئے کہ جب زمین وآسمان اور تمام کائنات ایک اللہ کی عجیب صنعت اور کاریگری سے پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے زیر حکومت ہر چیز ہے تو بندہ کو چاہئے کہ اللہ کی توحید کی طرف دوڑے اس کا انکار نہ کرے۔ نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے ہر

طرف سے ہٹ کر اسی کی طرف رجوع کرے اور اگر ایسا نہ کیا اور بندہ اس کی طرف رجوع نہ ہوا یا کسی اور ہستی کی طرف رجوع ہو گیا تو یہ بہت ڈر کی بات ہے اور اس کا انجام برا ہونا ہے۔ ان دونوں صورتوں کے خوفناک انجام سے بندوں کو صاف صاف ڈرایا جاتا ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ ایسی صاف تنبیہ اور ڈرانے پر بھی اگر یہ منکرین و مکذبین کان نہ دھریں اور اللہ اور اس کے رسول کی بات نہ سنیں تو آپ غم نہ کیجئے اور صبر کیجئے کیونکہ جس طرح یہ منکرین و مکذبین آپ کو (نعوذ باللہ) کبھی ساحر اور کبھی مجنون کہتے ہیں اسی طرح ان سے پہلے جن کافر قوموں کی طرف اللہ کا کوئی پیغمبر آیا تو اسی طرح اس کو دیوانہ یا جادوگر کہہ کر اس کی نصیحتوں کو ہنسی میں اڑایا گیا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کے کافر ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر اور مجنون کہہ کر چھوڑ دینا یعنی شرارت اور ڈھٹائی اور سرکشی و نافرمانی میں یہ سب ایک ہی جیسے ہیں جیسے پہلوں نے سرکشی کی ایسے ہی موجودہ منکرین و مکذبین بھی سرکشی کر رہے ہیں۔ بہرحال اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنا فرض ادا کر چکے اور سمجھانے کا حق ادا کر چکے اب اگر یہ نہ مانیں تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ نہ ماننے کا جو کچھ الزام رہے گا ان ہی معاندین پر رہے گا۔ ہاں بتلانا اور سمجھانا آپ کا کام ہے سو یہ سلسلہ جاری رکھیئے جس کی قسمت میں ایمان لانا ہوگا اس کو یہ سمجھانا کام دے گا یا جو ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید نفع پہنچے گا اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہوگی بہرحال تذکیر و نصیحت میں عام فوائد اور حکمتیں سب کے اعتبار سے ہیں اس لئے اس کو جاری رکھیئے اور کسی کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کیجئے۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر مقصود اصلی یعنی بندوں سے عبادت کی مطلوبیت کی تاکید فرمائی جاتی ہے اور اسی کی ترغیب و ترہیب دی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا اور کفر و شرک سے بچایا۔

یا اللہ ہمیں اپنے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی پر موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ اپنی مصنوعات اور مخلوقات میں تدبر اور تفکر کی ہم کو توفیق و صلاحیت عطا فرما تا کہ ہماری توحید مضبوط اور قوی ہو اور ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار بندے بنے رہیں اور آپ کی اطاعت اور بندگی میں لگے رہیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچے رہیں۔ یا اللہ! اپنی ذات پاک کی عظمت اور بڑائی ہمارے دلوں میں اتار دے تا کہ ہم آپ کی توحید کی طرف دوڑنے والے بنے رہیں اور آپ کی معرفت حاصل کر کے آپ کی عبادت گذاری میں لگے رہیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا، اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ

اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔ تو ان ظالموں کیلئے (سزا کی) بھی باری (علم الٰہی میں) مقرر ہے جیسے ان کے (گذشتہ) ہم مشربوں کی باری (مقرر) تھی

فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں۔ غرض ان کافروں کیلئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ اور نہیں پیدا کیا میں نے	الْجِنَّ جن	وَالْإِنسَ اور انسان	إِلَّا مگر۔صرف	لِيَعْبُدُونِ اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں	
مَا أُرِيدُ میں نہیں مانگتا	مِنْهُم ان سے	مِّن رِّزْقٍ کوئی رزق	وَمَا أُرِيدُ اور میں نہیں چاہتا	أَن کہ	يُطْعِمُونِ وہ مجھے کھلائیں	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ
هُوَ وہ الرَّزَّاقُ رزاق	ذُو الْقُوَّةِ قوت والا	الْمَتِينُ نہایت قدرت والا	فَإِنَّ پس بیشک	لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ان لوگوں کیلئے جنھوں نے ظلم کیا	
ذَنُوبًا ڈول (پیانے)	مِّثْلَ جیسے	ذَنُوبِ پیانے	أَصْحَابِهِمْ ان کے ساتھی	فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ پس وہ جلدی نہ کریں	فَوَيْلٌ سو بربادی
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ان لوگوں کیلئے جنھوں نے انکار کیا	مِن سے۔کا	يَوْمِهِمُ ان کا دن	الَّذِي وہ جس	يُوعَدُونَ ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	

تفسیر و تشریح: یہ سورۃ الذّریٰت کی آخری آیات ہیں۔ خاتمہ سورت پر انسانوں کو زندگی کا اصل مقصد بتلایا جاتا ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے اور جو اس کے خلاف کریں اور کفر و شرک پر مصر ہیں ان کو تنبیہ کے ساتھ وعید سنائی جاتی ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات و انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں جنات اور انسان یہی دو مخلوق ایسی ہیں کہ جو پوری طرح ذمہ دار بنا کر دنیا میں بھیجی گئی ہیں اور ان کے اندر ابتلا اور اختیار دونوں کی صلاحیتیں جمع کر دی ہیں بخلاف فرشتوں کے جو ابتلا سے خالی رکھے گئے ہیں اور بخلاف حیوانات کے جنہیں اختیار کی پوری قوت نہیں دی گئی ہے۔ عقل اور ارادہ کی پوری قوت انہی دو مخلوق یعنی انسان اور جنات کو دی گئی ہے اس لئے ان ہی سے مطالبہ کیا گیا کہ عقل سے اللہ کو پہچانیں اور ارادہ کر کے اس کے حکم بجا لائیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو گویا انہوں نے اپنی عقل اور ارادہ سے ٹھیک کام نہیں لیا۔ عقل انسانوں کو اسی لئے دی ہے کہ اس سے سمجھیں کہ ہمارا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور اس نے ہماری رہنمائی کے لئے اپنے رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں جن میں آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آخری کتاب قرآن کریم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ اس کے مطابق عقیدہ اختیار کرو اور اس کے مطابق زندگی دنیا میں بسر کرو۔ اسی کا نام اللہ کی عبادت ہے اور جنات و انسان کا یہی فرض ہے اور ان کے پیدا کرنے کا یہی مقصد ہے کہ یہ اپنے عقل۔ ارادہ اور اختیار سے اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستے پر چلیں۔ اب جنہوں نے اپنی عقل نری دنیا ہی کے کاموں میں صرف کردی۔ اور سائنس اور ٹیکنالوجی ہی کے پیچھے پڑ گئے اور دنیا کے آرام اور مزے کے لئے نئی نئی ایجادات اور مشینیں بنالیں اور دنیا کی عیش و عشرت کے لئے

نئے نئے ذریعے دریافت کر لئے اور ایک دوسرے کو دبانے اور نیچا رکھنے کے لئے تباہ کن ہتھیار بنا لئے تو انہوں نے عقل کی اصلی غرض پوری نہیں کی۔ اگر اس عقل سے اللہ کو نہ پہچانا اور اس کی عبادت نہ کی تو کچھ بھی نہ کیا۔ یہاں آیت میں عبادت سے مراد صرف متعارف عبادات۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ نہیں ہیں بلکہ لفظ عبادت اپنے وسیع و عام مفہوم میں طلب رضائے الٰہی کے مرادف ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں ایک امر الٰہی کی تعظیم دوسرے خلق اللہ پر شفقت۔ گویا دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔ یہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جنات اور انسان کی عبادت و بندگی سے اللہ تعالیٰ کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ اس میں انہیں کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ مالک نہیں کہ جو غلاموں سے کہے کہ میرے لئے کمائی کر کے لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے اللہ تعالیٰ بندوں سے اپنے لئے کیا روزی طلب کرتا وہ تو خود بندوں کو روزی اپنے پاس سے پہنچاتا ہے اب جو جنات و انسان اس کی بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ وہ ظالم ہیں اور دوسرے ظالموں کی طرح ان کا پیمانہ بھی لبریز ہو جانے پر ڈوب کر رہے گا۔ جیسے دوسرے منکرین و مکذبین کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا ان کو بھی پہنچ کر رہے گا۔ یہ لوگ اگر کفر و شرک پر مصر رہیں گے تو سن رکھیں کہ ان ظالموں کو سزا کی بھی باری علم الٰہی میں مقرر ہے جیسے ان کے گذشتہ ہم مشربوں کی باری مقرر تھی یعنی ہر مجرم ظالم کے لئے اللہ کے علم میں خاص خاص وقت مقرر ہے۔ اس طرح نوبت بہ نوبت ہر مجرم ظالم کی باری آتی ہے تو وہ عذاب میں پکڑا جاتا ہے کبھی دنیا و آخرت دونوں میں اور کبھی صرف آخرت میں۔ اب یہ جو کفار و منکرین بطور تکذیب اور انکار کے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم واقعی مجرم ہیں اور مجرمین پر عذاب آنا آپ کے قول سے ثابت ہے تو پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب اپنے مقرر وقت پر اور اپنی باری پر آتا ہے تمہاری باری بھی آنے والی ہے جلد بازی نہ کرو۔ قیامت آنے والی ہے اور وہ دن وعدہ کے مطابق آ کر رہے گا اور جب سر پر آ جائے گا تو پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔

یہ سورۃ اس وعدہ سے شروع ہوئی تھی اور قسمیہ کلام کے ساتھ فرمایا گیا تھا کہ جس قیامت و آخرت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور اعمال کی جزا و سزا ضرور ہونے والی ہے اور اسی وعدہ پر اس کو ختم فرمایا گیا۔

الحمدللہ اب سورہ ذاریٰت کا بیان ختم ہوا۔

سورۃ الذاریات

۱......اگر مریض کے پاس سورۃ الذاریات پڑھی جائے تو وہ تندرست ہو جاتا ہے۔

۲......اگر بچہ جننے کے وقت سورۃ الذاریات لکھ کر عورت کو پہنا دی جائے تو بچہ کی پیدائش آسانی سے ہو جاتی ہے۔ (الدرالنظیم)

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ کی عبادت جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی خاطر خواہ ادائیگی کا نام ہے ہمیں زندگی کے ہر لحظہ میں اس کی توفیق کاملہ عطا فرما۔

یا اللہ! ہمیں اپنی زندگی کا مقصد وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کا مصداق بنا لینے کی توفیق نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾

قسم ہے طور (پہاڑ) کی۔اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے۔اور (قسم ہے) بیت المعمور کی۔اور (قسم ہے) اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے)

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾

اور (قسم ہے) دریائے شور کی جو (پانی سے) پر ہے۔کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہوکر رہے گا۔کوئی اُس کو ٹال نہیں سکتا۔

وَالطُّوْرِ قسم طور (سینا)	وَكِتٰبٍ اور کتاب	مَّسْطُوْرٍ لکھی ہوئی	فِیْ رَقٍّ اوراق میں	مَّنْشُوْرٍ کھلے	وَّ اور	الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ بیت معمور	وَالسَّقْفِ اور چھت	الْمَرْفُوْعِ بلند
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ اور دریا جوش مارتا	اِنَّ بیشک	عَذَابَ رَبِّكَ تیرے رب کا عذاب	لَوَاقِعٌ ضرور واقع ہونیوالا	مَا لَهٗ نہیں اسکو	مِنْ دَافِعٍ کوئی ٹالنے والا			

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتدا بھی قسمیہ کلام سے ہوتی ہے اور پانچ چیزوں کی قسم کھائی جاتی ہے۔

پہلی قسم ہے طور کی یعنی وہ کوہ طور جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا اور توراۃ عطا فرمائی گئی۔

دوسری قسم ہے اس کتاب کی جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہے یہاں کتاب سے کیا مراد ہے اس میں مفسرین کے کئی قول ہیں کسی نے لوح محفوظ مراد لیا ہے کسی نے لوگوں کے اعمال نامے۔کسی نے طور کی مناسبت سے توراۃ۔کسی نے قرآن کریم یا تمام آسمانی کتب۔یہ سب احتمالات ہیں۔

تیسری قسم ہے بیت معمور کی۔ بیت معمور ساتویں آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے اور دنیا کے خانہ کعبہ کے ٹھیک بالمقابل ساتویں آسمان میں ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ شب معراج میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ کو بیت معمور کی طرف لے جایا گیا جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت طواف کے لئے داخل ہوتے ہیں اور پھر کبھی ان کو دوبارہ وہاں پہنچنے کی نوبت نہیں آتی۔یعنی ہر روز ستر ہزار نئے فرشتوں کی باری ہوتی ہے۔

چوتھی قسم ہے سقف مرفوع کی یعنی اونچی چھت کی اس سے مراد یا تو آسمان ہے یا عرش عظیم مراد ہے جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے۔

پانچویں قسم ہے بحر مسجور کی یعنی ابلتے ہوئے سمندر کی۔بعض مفسرین نے بحر مسجور کے مطلب یہ لئے ہیں کہ قسم ہے سمندر کی کہ جو آگ بنا دیا جائے گا جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت کے روز سارا سمندر آگ بن جائے گا جیسا کہ سورۃ تکویر میں ہے واذا البحار سجرت جس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس وقمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جاوے گا جو پھر جہنم میں شامل ہو جاوے گا۔(معارف القرآن)

تو یہ پانچ قسمیں کھا کر فرمایا جاتا ہے ان عذاب ربک لواقع یعنی بیشک آپ کے رب کا عذاب منکرین ومکذبین کے لئے ضرور ہوکر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔یہ تمام چیزیں جن کی یہاں قسم کھائی گئی شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت اور عظمت والا ہے پھر اس کی نافرمانی کرنے والوں پر عذاب کیوں نہیں آئے گا اور کس کی طاقت ہے جو اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کردے تو گویا انسانوں کو یہاں سنایا گیا

کہ خوب کان کھول کر سن لو کہ اللہ کا عذاب منکرین و مکذبین کو پکڑ کر رہے گا اس کو آنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی تو تنبیہ اس میں یہ ہے کہ اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو اللہ پر ایمان لا کر اس کی باتوں کو سچ جانو اور ان کو مانو۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت لکھی ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروقؓ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی وہ یہی سورۃ والطّور پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے جب وہ اس آیت پر پہنچے ان عذاب ربک لواقع ماله من دافع تو آپ کی زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے پھر سواری سے اتر پڑے اور دیوار سے سہارا لگا کر بیٹھ گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن خدا کے کلام کی اس ڈراونی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی اس وقت ہچکی بندھ گئی اور اس قدر قلب پر اثر پڑا کہ بیمار ہو گئے چنانچہ ۲۰ دن تک آپ کی عیادت کی جاتی رہی۔ اللہ اکبر یہ تھا قرآن کی تاثیر کا عالم ان حضرات کے قلوب پر اور ایک ہم بھی ان ہی حضرات کے نام لیوا ہیں کہ جن کے نزدیک اب قرآن ۱۴ سو سال پرانی کتاب ہو گئی اب اس میں ہمارے مسائل کا حل کہاں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہی قرآن تھا کہ ہمارے سلف صالحین اس کے عامل ہو کر دین و دنیا کی عزت و کامرانی لے گئے اور اسی قرآن سے انحراف کر کے ہم دین و دنیا میں ناکامی و نامرادی مول لے رہے ہیں۔ مگر اب یہ کس سے کہا جائے اور کس کی سمجھ میں یہ بات آنے والی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے طفیل میں ہمارے قلوب کو بھی قرآنی اثرات سے جلوہ گر فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے جس روز یعنی قیامت میں عذاب ہوگا اس دن کی کچھ کیفیت بیان کی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا اور کفر و شرک سے بچایا۔

اللہ تعالیٰ اس اسلام اور ایمان کی برکت سے دین و دنیا دونوں جہاں میں اپنے عذاب سے ہم کو محفوظ رکھیں اور قیامت کی سختیوں سے بچائیں۔

اللہ تعالیٰ ہی ہمارے حال پر رحم فرما کر ہم کو دین اسلام کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق عطا فرما دیں اور دین اسلام کی برکت سے ہمارے مسائل حل فرمائیں اور ہماری مشکلات کو دور فرمائیں اور ہماری ذلت و ناکامی کو عزت و شوکت سے بدل دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ

(اور یہ اس روز واقع ہوگا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا۔ اور پہاڑ ہٹ جاویں گے۔ تو جو لوگ جھٹلانے والے ہیں (اور) جو (تکذیب کے) مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگ رہے ہیں۔

فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا

اُن کی اُس روز کم بختی آئے گی۔ جس روز کہ ان کو آتش دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر لاویں گے۔ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ

تو کیا یہ (بھی) سحر ہے (دیکھ کر بتلاؤ) یا یہ کہ تم کو (اب بھی) نظر نہیں آتا۔ اس میں داخل ہو پھر خواہ (اس کی) سہار کرنا یا سہار نہ کرنا، تمہارے حق میں

عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

دونوں برابر ہیں، جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائے گا۔

يَوْمَ تَمُوْرُ جس دن تھرتھرائے گا	السَّمَآءُ آسمان	مَوْرًا تھرتھرا کر	وَتَسِيْرُ اور چلیں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	سَيْرًا چلنے کی طرح	فَوَيْلٌ سو بربادی	يَوْمَئِذٍ اس دن
لِلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	الَّذِيْنَ وہ جو	هُمْ وہ	فِيْ خَوْضٍ مشغلہ میں	يَلْعَبُوْنَ کھیلتے ہیں	يَوْمَ جس دن	يُدَعُّوْنَ وہ دھکیلے جائیں گے	
اِلٰى طرف	نَارِ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ	دَعًّا دھکے دے کر	هٰذِهِ یہ ہے	النَّارُ الَّتِيْ وہ آگ جو	كُنْتُمْ تم تھے	بِهَا اس کو	تُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے
اَفَسِحْرٌ تو کیا جادو؟	هٰذَا یہ	اَمْ اَنْتُمْ یا تم	لَا تُبْصِرُوْنَ دکھائی نہیں دیتا تمہیں	اِصْلَوْهَا اس میں داخل ہو جاؤ	فَاصْبِرُوْا پھر تم صبر کرو	اَوْ یا	لَا تَصْبِرُوْا نہ صبر کرو
سَوَآءٌ برابر	عَلَيْكُمْ تم پر	اِنَّمَا تُجْزَوْنَ سوا اسکے نہیں تمہیں بدلہ دیا جائے گا	مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے تھے				

تفسیر و تشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ یہ فرمایا گیا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب قیامت میں منکرین و مکذبین پر آ کر رہے گا اور اس کو آنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ اب آگے اس قیامت کے دن کی کچھ کیفیت بیان کی جاتی ہے کہ وہ کیسا ہولناک دن ہو گا اور اس روز منکرین و مکذبین کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان جو کیسی عظیم مخلوق ہے وہ بھی لرز کر اور کانپ کر پھٹ پڑے گا۔ اور پہاڑ جو کتنے بھاری، مضبوط اور وزنی ہوتے ہیں قیامت کے دن اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اس دنیا کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ اس کی ہر چیز ایک دن بگڑ کر اور ختم ہو کر رہے گی۔ اور اس کے بعد نیا انتظام ہوگا اور انسان اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے میدان حشر میں حاضر کیا جائے گا۔ تو جب قیامت کا دن آئے گا تو لوگ دیکھ لیں گے کہ

قیامت کے متعلق جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتایا تھا وہ بالکل ٹھیک اور درست تھا لیکن جو لوگ آج دنیا کے مزوں میں پڑے ہوئے ہیں اور کھیل کود میں مشغول ہیں اور طرح طرح کی باتیں بناتے اور آخرت کی تکذیب کرتے ہیں ان کے لئے اس روز سخت خرابی اور تباہی ہے۔ فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہا جائے گا کہ یہ جہنم کی آگ حاضر ہے۔ جس کو تم دنیا میں جھوٹ جانتے تھے اور اللہ کے رسولوں کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے۔ ذرا اب بتلاؤ کہ یہ جہنم جس کی خبر انبیاء نے دنیا میں دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جیسے تم دنیا میں حق کی طرف سے اندھے تھے اور کچھ نہ سوجھتا تھا اسی طرح کیا اب بھی نہیں سوجھتا۔ اچھا اب اس جہنم میں جاؤ اور اس میں پڑ کر گھبراؤ اور چلاؤ گے تب بھی کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں اور بفرض محال صبر کر کے چپ رہو تب بھی تم پر کوئی رحم

کھانے والا نہیں۔ غرض دونوں حالتیں برابر ہیں۔ اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں اور جو کچھ تمہیں سزا ملی یہ کوئی ظلم نہیں۔ تم نے کرتوت ہی دنیا میں ایسے کئے تھے جس کی سزا یہی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔ اس سے اب تمہاری رہائی کی کوئی صورت نہیں۔

اب یہاں ان آیات میں احوال قیامت میں سے صرف دو چیزوں کا تذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک تو یوم تمور السمآء موراً. یعنی جس روز آسمان کانپنے اور تھرتھرانے لگے گا۔ دوسرے وتسیر الجبال سیراً. اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاویں گے۔ اسی طرح کے دوسرے ہولناک حوادث وواقعات کا ذکر قرآن کریم کی دوسری سورتوں میں آیا ہے۔ مثلاً تیسویں پارہ کی سورہ اذالشمس کورت میں اور اذالسمآء انفطرت میں۔ ایک حدیث صحیح میں وارد ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے روز کو دنیا میں آنکھوں سے دیکھ لے تو اس کو چاہئے کہ اذا الشمس کورت کو پڑھے۔ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر اتنی جلدی بڑھاپا کیوں آ گیا؟ یعنی آپ کے مزاج مبارک کی قوت سے یہ توقع نہ تھی کہ اتنی عمر میں آثار بڑھاپے کے آپ پر ظاہر ہوں گے۔ یہ بات ہمارے قیاس کے خلاف وقوع میں آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ سورہ ھود. سورہ واقعہ. سورہ والمرسلٰت. سورہ عمّ یتسآءلون. اور سورہ اذالشمس کورت. ان سورتوں میں احوال قیامت اور عذاب الٰہی جو دنیا و آخرت میں لوگوں پر گزرا اور گزرے گا مذکور ہے تو مجھ کو اس کے سننے سے اپنی امت کا غم نہایت غلبہ کرتا ہے۔ اور غم کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کو بوڑھا کر دیتا ہے۔ تو قرآن کریم کے آیات کی حیرت انگیز تاثیر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قلوب پر ہوتی تھی اس کا تو کیا ہی کہنا۔ مشرکین عرب اور کفار مکہ جنہوں نے قرآن کا نام جادو رکھا تھا وہ اس کی کلامی تاثیر سے بچنے کے لئے اس امر کی انتہائی کوشش کرتے تھے کہ ان کے اور ان کے اہل وعیال کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ پڑنے پائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو مکہ سے نکالنے کا عذر کفار نے یہی پیش کیا تھا کہ وہ قرآن بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور اس کی آیتیں سن کر ہمارے بال بچے متاثر ہوتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ وہ کہیں قرآن سے متاثر ہو کر مسلمان نہ ہو جائیں اور خود اسی قرآن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لوانزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ (اگر یہ قرآن پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خدا کے ڈر کی وجہ سے ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا) لیکن افسوس صد ہزار افسوس کہ آج اسی قرآن کی تلاوت مسلمانوں پر کی جاتی ہے اور بار بار کی جاتی ہے لیکن ان کے گوشت کے بنے ہوئے دل سخت پتھر والے پہاڑوں سے زیادہ سخت ثابت ہوتے ہیں کہ نہ اللہ جل جلالہ کا خوف وخشیت دل میں پیدا ہوتا ہے۔ نہ عذاب آخرت کا ڈر ان کو رلاتا ہے۔ نہ قیامت اور حشر کے ہولناک احوال سے ان کے دل پسیجتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آخر یہ کیا بدنصیبی ہے؟ یہ ہمارے قلوب کی شقاوت کس طرح دور ہو؟ بس اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد ہے کہ مولائے کریم اپنا رحم وکرم ہم پر فرما دیں اور ہمارے مردہ قلوب میں زندگی پیدا فرما دیں اور ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیں اور ہمارے دلوں میں سچا خوف آخرت پیدا فرما دیں کہ جو ہم اللہ جل شانہ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے اس دنیا میں بچ جائیں۔

غرض کہ ان آیات میں یہاں بیان ہوئے منکرین ومکذبین کے احوال ان کو قیامت میں پیش آئیں گے۔ آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان متقی بندوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ ان کے لئے قیامت میں کیا صورت حال ہوگی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿۱۷﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ

متقی لوگ بلاشبہ (بہشت کے) باغوں اور سامانِ عیش میں ہوں گے۔ (اور) ان کو جو چیزیں اُن کے پروردگار نے دی ہوں گی اس سے خوش دل ہوں گے، اور ان کا پروردگار

الْجَحِيمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ

اُن کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ خوب کھاؤ اور پیؤ مزہ کے ساتھ اپنے عملوں کے بدلے میں۔ تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں، اور ہم ان کا گوری گوری

بِحُورٍ عِينٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ

بڑی بڑی آنکھوں والیوں (یعنی حوروں) سے بیاہ کردیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا، ہم اُن کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کردیں گے،

مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿۲۱﴾ وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا

اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے، ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا۔ اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا اُن کو مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہیں گے۔

يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ

(اور) وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی کے) جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ بک بک لگے گی اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی۔ اور اُن کے پاس ایسے لڑکے آویں جاویں گے

كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَكْنُونٌ ﴿۲۴﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا

جو خالص اُنہی کیلئے ہوں گے گویا وہ حفاظت میں رکھے ہوئے موتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر

مُشْفِقِينَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾

(یعنی دنیا میں انجامِ کار سے) بہت ڈرا کرتے تھے۔ سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا۔ ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اُس سے دعائیں مانگا کرتے تھے، واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ بیشک متقی (جمع)	فِي جَنَّاتٍ باغوں میں	وَنَعِيمٍ اور نعمتوں	فَاكِهِينَ خوش ہوں گے	بِمَا آتَاهُمْ اسکے ساتھ جو دیا انہیں	رَبُّهُمْ انکے رب نے		
وَوَقَاهُمْ اور بچایا انہیں	رَبُّهُمْ انکے رب نے	عَذَابَ عذاب	الْجَحِيمِ دوزخ	كُلُوا تم کھاؤ	وَاشْرَبُوا اور تم پیؤ	هَنِيئًا رچتے پچتے	بِمَا اسکے بدلے میں
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ جو تم کرتے تھے	مُتَّكِئِينَ تکیہ لگاتے ہوئے	عَلَىٰ سُرُرٍ تختوں پر	مَصْفُوفَةٍ صف بستہ	وَزَوَّجْنَاهُمْ اور اُنکی زوجیت میں دیا ہم نے			
بِحُورٍ عِينٍ بڑی آنکھوں والی حوریں	وَالَّذِينَ اور جو لوگ	آمَنُوا ایمان لائے	وَاتَّبَعَتْهُمْ اور انہوں نے پیروی کی	ذُرِّيَّتُهُمْ اُن کی اولاد	بِإِيمَانٍ ایمان کیساتھ		
أَلْحَقْنَا ہم نے ملا دیا	بِهِمْ انکے ساتھ	ذُرِّيَّتَهُمْ اُن کی اولاد	وَمَا اور جو	أَلَتْنَاهُمْ کمی نہیں کی ہم نے	مِنْ عَمَلِهِمْ ان کے عمل سے	مِنْ شَيْءٍ کوئی چیز کچھ	
كُلُّ امْرِئٍ ہر آدمی	بِمَا اسمیں جو	كَسَبَ اس نے کمایا (اعمال)	رَهِينٌ رہن	وَأَمْدَدْنَاهُمْ اور ہم انکی مدد کریں گے	بِفَاكِهَةٍ پھلوں کیساتھ	وَلَحْمٍ اور گوشت	
مِمَّا اس سے	يَشْتَهُونَ جو انکا جی چاہیگا	يَتَنَازَعُونَ چھینا جھپٹی کریں گے	فِيهَا اس میں	كَأْسًا وہ پیالہ	لَا لَغْوٌ نہ بکواس	فِيهَا اس میں	وَلَا تَأْثِيمٌ اور نہ گناہ کی بات
وَيَطُوفُ اور ارد گرد پھریں گے عَلَيْهِمْ ان پر۔ کے غِلْمَانٌ خدمتگار لڑکے لَهُمْ ان کیلئے كَأَنَّهُمْ گویا وہ لُؤْلُؤٌ موتی مَكْنُونٌ چھپا کر رکھے ہوئے							
وَأَقْبَلَ اور متوجہ ہوگا	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض (ایک)	عَلَىٰ بَعْضٍ بعض پر (دوسرے کی طرف)	يَتَسَاءَلُونَ آپس میں پوچھتے ہوئے	قَالُوا وہ کہیں گے			

10

اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	قَبْلُ پہلے	فِىْٓ اَهْلِنَا اپنے اہل خانہ میں	مُشْفِقِيْنَ ڈرتے تھے	فَمَنَّ اللّٰهُ تو احسان کیا اللہ نے	عَلَيْنَا ہم پر	وَوَقٰنَا اور ہمیں بچالیا	عَذَابَ عذاب	
السَّمُوْمِ گرم ہوا(لو)	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	نَدْعُوْهُ ہم اسکو پکارتے	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	الْبَرُّ احسان کرنیوالا	الرَّحِيْمُ رحم کرنیوالا	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین ومکذبین کا حال جو قیامت میں ہوگا۔ بیان فرمایا گیا تھا۔

اب ان کے ضد اور مقابلہ میں قیامت میں اہل ایمان متقین کو کس طرح نوازا جائے گا اور ان کو وہاں کیا نعمتیں میسر ہوں گی یہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے تھے وہ وہاں بالکل مامون اور بے فکر ہوں گے اور انہیں جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا جہاں ہر قسم کے راحت و آرام کے سامان موجود ہوں گے اور وہ خوشی خوشی وہاں کی نعمتوں کو کھا پی رہے ہوں گے اور یہ نعمت کیا کم ہوگی کہ انہیں اللہ تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ خوب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ یعنی بے مشقت' بے رنج' بے کھٹکے' نہ مرض کا کھٹکا نہ کسی تکلیف کا ڈر۔ نہ پکانے اور کما کر لانے کا فکر۔ نہ کم ہو جانے کا اندیشہ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ بدلہ ہے ان نیک اعمال کا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جنتیوں کی مجلس اس طرح ہوگی کہ سب جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تخت پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آرام سے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور ان کی شادیاں گوری گوری بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دی جائے گی یہ حال تو سب اہل ایمان متقین کا ہوا۔ آگے ان خاص مومنین کا ذکر ہے جن کی اولاد بھی صاحب ایمان تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے متقین کی اولاد کو ان ہی کے درجہ اور مقام پر پہنچا دے گا اور جنت میں ان کے ساتھ کر دے گا گو اس اولاد کے اعمال واحوال اپنے بزرگوں کے رتبہ کے نہ ہوں گے۔ یہ متقین کے اکرام اور عزت افزائی کے لئے ہوگا کہ ان کی ایماندار اولاد کو بھی ان کے درجہ میں ان کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا اور یہ شامل کر دینا اور ساتھ رکھنا اس طرح نہ ہوگا کہ متقین کے اعمال میں سے کچھ لے کر ان کی اولاد کو دے دیا جائے اور کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ان کی ذریت کو دے دیا جائے۔ نہیں بلکہ اللہ کا یہ فضل واحسان ہوگا کہ کمتروں کو ابھار کر کاملین کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ کاملین اور ان کی ذریت کو جنت میں دونوں کو برابر کر دینے کی مثال ایسی سمجھی جائے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہوں اور ایک کے پاس چار سو اور دونوں کو برابر کرنا مقصود ہو تو اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ ۶۰۰ والے سے ۱۰۰ روپیہ لے کر اس ۴۰۰ والے کو دے دیئے جائیں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو گئے اور دوسری صورت جو کریموں کے شان کے لائق ہے یہ ہے کہ ۶۰۰ والے سے کچھ نہ لیا جائے بلکہ اس ۴۰۰ والے کو ۲۰۰ روپیہ اپنے پاس سے دیدیں اور دونوں کو برابر کر دیں تو جنت میں متقین کے ساتھ پہلی صورت واقع نہ ہوگی بلکہ دوسری صورت واقع ہو گی کہ کاملین اپنے درجہ عالیہ میں بدستور رہیں گے اور کم درجہ والی اولاد کو وہاں پہنچا دیا جاوے گا لیکن اس اولاد میں ایمان کی شرط ہونا ضروری ہے اگر وہ ذریت مومن نہیں تو مومنین آباء کے ساتھ الحاق نہیں ہو سکتا کیونکہ بغیر ایمان کے تو جنت ہی میں داخلہ نہیں اور کافروں میں سے ہر شخص اپنے اعمال کفریہ کی وجہ سے جہنم میں ماخوذ رہے گا اور کفر کی وجہ سے نجات کی کوئی صورت نہیں اس لئے مومنین متقین کے ساتھ ملا دینے میں اولاد میں ایمان کا ہونا شرط ہے آگے پھر مطلق اہل ایمان اور اہل جنت کا بیان ہے کہ ان کو جس قسم کا گوشت مرغوب ہو اور جس جس میوے و پھل پھلار کو دل چاہے بلا توقف لگاتار حاضر کئے جائیں گے اور جنتی وہاں آپس میں بطور خوش طبعی کے آپس میں شراب سے بھرے ہوئے پیالہ ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی بھی کریں گے جیسا کہ اکثر دنیا میں بے تکلف احباب کیا کرتے ہیں مگر

وہ جنت کی شراب دنیا جیسی شراب نہ ہوگی کہ جس میں نشہ اور فتور عقل ہو۔ وہ جنت کی شراب تمام گندگیوں سے دور۔ رنگ میں سفید۔ پینے میں خوش ذائقہ۔ نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں۔ نہ عقل زائل ہو۔ نہ درد سر ہو۔ نہ بک بک جھک جھک۔ نہ ہذیان نہ بے ہوشی نہ کوئی اور گناہ کی بات۔ پھر وہاں جنت میں جنتیوں کی خدمت کے لئے کمسن نوعمر خوبصورت خدمت گزار ہوں گے۔ جن کی صفائی اور پاکیزگی کا یہ حال ہوگا جیسے موتی اپنے غلاف کے اندر بالکل صاف شفاف رہتا ہے۔ گرد وغبار کچھ نہیں پہنچتا۔ جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر بات چیت بھی کریں گے اور اثنائے گفتگو میں یہ بھی کہیں گے کہ بھائی ہم تو دنیا میں انجام کار سے بہت ڈرا کرتے تھے کہ دیکھئے مرنے کے بعد کیا انجام ہو۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان دیکھو کہ آج اس نے کیسا مامون ومطمئن کر دیا کہ دوزخ کی بھاپ بھی ہم کو نہ لگی۔ ہم اپنے رب کو ڈر کر اور امید باندھ کر پکارا کرتے تھے۔ آج دیکھ لیا کہ اس نے اپنی عنایت ومہربانی سے ہماری پکار سنی اور ہمارے ساتھ کیسا اچھا کریمانہ سلوک کیا۔

ان آیات زیر تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

ا۔ ایک تو یہ کہ جنتیوں کو جنت میں پہنچ کر دنیا کا حال بھی سب یاد رہے گا اسی طرح جہنمیوں کو بھی دنیا کی سب باتیں یاد ہوں گی۔

۲۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں آخرت کو بکثرت یاد کرتے رہنا۔ اپنے انجام سے ڈرتے رہنا اور اپنے حسن انجام کی دعائیں دنیا میں کرتے رہنا یہ متقین مومنین کی علامات میں سے ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ بزرگوں اور دین داروں کے ساتھ نسبی تعلق آخرت میں باعث نفع ہوگا بشرط ایمان۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے جنت کے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو وہ اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد کے متعلق دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ ان سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے اس لئے ان کا جنت میں اپنا الگ مقام اور درجہ ہے یہ شخص حق تعالیٰ سے عرض کریگا کہ اے میرے پروردگار میں نے دنیا میں جو کچھ کیا تھا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجہ جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے۔ تو ان روایات سے بھی یہ ثابت ہوا کہ آباء صالحین کی برکت سے ان کی اولاد اور متعلقین کو آخرت میں فائدہ پہنچے گا۔

اب اوپر جو جنت ودوزخ اور جہنمیوں کے بعض عجیب احوال کا ذکر ہوا تو منکرین ومکذبین ان کو کب مانتے اور ایسی باتوں پر معاذ اللہ کبھی تو آنحضرتؐ کو دیوانہ کبھی کاہن وغیرہ بتاتے جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کو تکلیف ہوتی تھی اس لئے آگے آپ کی تسلی فرمائی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم سب کو انجام کی خیر وخوبی نصیب فرما اور اپنے کرم سے عذاب جہنم سے بچا کر جنت نعیم میں داخل ہونا نصیب فرما۔
یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے ہمارے اہل وعیال کو بھی اس دنیا کی زندگی میں عذاب جہنم سے پناہ مانگنے کی توفیق نصیب فرما۔
اور ہمارے اہل وعیال کو دنیا میں بھی ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنا اور آخرت میں ان کی نجات اور مغفرت سے ہم کو خوشی اور مسرت نصیب فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ

تو آپ سمجھاتے رہیئے کیونکہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں۔(جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہیں)۔ہاں کیا یہ لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں (اور) ہم

الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ

ان کے بارے میں حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔آپ فرما دیجئے کہ (بہتر) تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔کیا اُن کی عقلیں اُن کو ان باتوں کی تعلیم کرتی ہیں، یا یہ ہے کہ یہ شریر

طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

لوگ ہیں۔ہاں کیا یہ (بھی) کہتے ہیں کہ انہوں نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے۔تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام (بنا کر) لے آئیں اگر یہ (اس دعویٰ میں) سچے ہیں۔

فَذَكِّرْ پس آپ نصیحت کریں	فَمَآ اَنْتَ تو آپ نہیں	بِنِعْمَتِ فضل سے	رَبِّكَ اپنا رب	بِكَاهِنٍ کاہن	وَّلَا اور نہ	مَجْنُوْنٍ دیوانہ	اَمْ کیا
يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	شَاعِرٌ شاعر	نَّتَرَبَّصُ ہم منتظر ہیں	بِهٖ اس کے ساتھ	رَيْبَ حوادث	الْمَنُوْنِ زمانہ	قُلْ فرمادیں	تَرَبَّصُوْا تم انتظار کرو
فَاِنِّيْ بیشک میں	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	مِّنَ سے	الْمُتَرَبِّصِيْنَ انتظار کرنے والے	اَمْ تَاْمُرُهُمْ کیا حکم دیتی (سکھائی) ہیں انہیں	اَحْلَامُهُمْ ان کی عقلیں		
بِهٰذَآ یہی	اَمْ هُمْ یا وہ	قَوْمٌ طَاغُوْنَ سرکش لوگ	اَمْ يَقُوْلُوْنَ کیا وہ کہتے ہیں؟	تَقَوَّلَهٗ اس نے اسے گھڑ لیا ہے	بَلْ بلکہ	لَّا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لاتے	
فَلْيَاْتُوْا تو چاہیے کہ وہ لے آئیں	بِحَدِيْثٍ ایک بات	مِّثْلِهٖٓ اس جیسی	اِنْ كَانُوْا اگر وہ ہیں	صٰدِقِيْنَ سچے			

تفسیر و تشریح: منکرین و مکذبین ازراہ انکار و تکذیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) کبھی دیوانہ کہتے کبھی کاہن بتاتے یعنی جنات اور شیاطین سے خبریں لے کر بتاتے ہیں اور کبھی شاعر بتاتے۔کفار و منکرین کے ان الزامات کی تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین کے کہنے کی پرواہ نہ کیجئے۔اور ان کو بھلا برا سمجھاتے رہیئے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہیئے۔آپ ان کی بکواس سے دل گیر نہ ہوں۔جب اللہ کے فضل و رحمت سے نہ آپ کاہن ہیں۔نہ مجنون بلکہ اس کے مقدس رسول ہیں تو نصیحت کرتے رہنا آپ کا فرض منصبی ہے۔آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے رسول کو شاعر بتلاتے ہیں اور آپ کی باتوں اور نصیحتوں کو محض ایک شاعر کی سی باتیں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح قدیم زمانہ کے بہت سے شعراء گردش زمانہ سے یونہی مر مرا کر ختم ہو گئے ہیں۔یہ بھی اسی طرح معاذ اللہ ٹھنڈے ہو جائیں گے۔کوئی کامیاب مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔کفار کے ان خیالات کے تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب تلقین فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے کہ اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو۔میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں۔عنقریب کھل جائے گا کہ کون کامیاب ہے اور کون ناکام و خاسر؟ گویا اس میں اشارۃً پیشین گوئی فرما دی گئی کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام خسارہ اور ناکامی ہے۔اور الحمد للہ دنیا نے دیکھ لیا کہ یونہی ہوا۔آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ منکرین ہمارے پیغمبر کو مجنون کہہ کر گویا اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کرتے ہیں۔کیا ان کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں جو ان کو یہ سکھاتی ہے کہ ایک انتہائی صادق۔امین۔عاقل۔کامل اور فرزانہ اور سچے پیغمبر کو شاعر۔یا کاہن یا دیوانہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے۔اگر یہ شاعروں اور پیغمبر کے

کلام میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔تو کیسے عقلمند ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ دل میں سمجھتے سب کچھ ہیں محض شرارت اور ضد وعناد سے باتیں بناتے ہیں۔ان منکرین کا کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کچھ سنا رہے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لیا؟اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا؟ (معاذ اللہ) سو نہ ماننے کے تو ہزار بہانے ہیں۔جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بے سروپا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ انسان ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔اور قرآن تو بڑی چیز ہے اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورۃ بھی قیامت تک نہیں بنا سکتے۔جیسے خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں اس طرح اس کے قرآن جیسا قرآن بنالانا بھی محال اور ناممکن ہے۔تو گویا کفار کے قرآن کو کلام الٰہی نہ ماننے کے دوطور پر رد ہو گئے ایک تحقیقی جواب سے ایک الزامی جواب سے۔تحقیقی جواب تو یہ فرمایا گیا کہ یہ جو قرآن کو نہیں مانتے تو صرف اس وجہ سے کہ یہ لوگ بوجہ ضد وعناد کے اس کی تصدیق نہیں کرتے اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کی آدمی تصدیق نہیں کرتا ہزار وہ حق ہو مگر اس کی ہمیشہ نفی ہی کیا کرتا ہے اور دوسرا الزامی جواب یہ دیا گیا کہ اچھا اگر یہ قرآن کسی کا بنایا ہوا ہے تو یہ مشرکین عرب بھی عربی اور بڑے فصیح و بلیغ قادر الکلام ہیں اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔اور جب نہیں لا سکتے تو پھر اس کو اللہ کا کلام ماننا پڑے گا۔یہ قرآن کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے میں ایسا کھلا ہوا چیلنج تمام دنیا کے انسانوں کو دیا گیا ہے کہ جس کے سامنے آج تک سب عاجز رہے اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔

اب غور کیجئے کہ نبی کریم۔محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار مکہ اور مشرکین عرب کو کس دلسوزی کے ساتھ دین و دنیا کی سعادتوں اور نعمتوں کی طرف بلاتے ہیں اور اسلام اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور منکرین و مکذبین اس کے بدلہ میں آپ کی ابتدائے بعثت کے وقت ظاہری مجبوری اور بے بسی کو دیکھ کر آپ کی شان میں کیسی گستاخیاں کرتے اور کیسے کیسے نازیبا الزامات واتہامات آپ پر لگاتے۔کبھی آپ کو مجنون و دیوانہ کہا جاتا (معاذ اللہ) کبھی کاہن کہا جاتا جن کا تعلق شیاطین و جنات سے ہوتا تھا۔کبھی بے تکی خیالی اور فرضی مبالغہ آمیز باتیں کرنے والا شاعر کہا جاتا۔ظاہر ہے کہ ان بے جا الزامات واتہامات سے آپ کو کیسی قلبی اذیت پہنچتی ہو گی۔پھر معاندین اور منکرین و مکذبین نے محض زبانی گستاخی پر اکتفا نہ کیا بلکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی ایذائیں بھی پہنچانے کی سعی کرتے رہتے۔آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیئے جاتے۔آپ کے سر مبارک پر کیچڑ ڈالی جاتی۔آپ کے بدن مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال کر آلودہ کر دیا جاتا۔تین سال تک آپ کو اور آپ کے متبعین کو شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا اور کھانے پینے کی تمام چیزوں کا بائیکاٹ کر کے فاقہ کشی پر مجبور کیا گیا۔اور جب آپ طائف میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے تو ظالموں نے آپ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ زخمی ہو گئے اور آپ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔اور جب آپ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو مظالم آپ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لئے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔ایک حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا اور ایک دفعہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گذرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے

اس کے جو بلال نے اپنی بغل کے اندر چھپا رکھا تھا۔

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے الزامات اور اتہامات لگاتے اور کلمات گستاخی بکتے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کیا تلقین فرماتے ہیں؟ یہاں پہلی ہی آیت میں ارشاد ہے:-

فذکر فمآ انت بنعمت ربک بکاھن ولا مجنون

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں نہ مجنون ہیں۔ اس ارشاد خداوندی کی تعمیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔ اور امت کے لئے کوئی دقیقہ اور گوشہ ایسا نہیں چھوڑا کہ جہاں تذکیر یعنی سمجھانے بجھانے نصیحت و ہدایت کرنے۔ تعلیم و تلقین سے چھوڑا ہو۔ اب کفارؔ و مشرکین اور منکرین و مکذبین کا تو کیا ذکر۔ آج جو آپ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں وہ بھی اکثر آپ کی تذکیر یعنی سمجھانے بجھانے اور نصیحت و تعلیم و تلقین سے نہ صرف بے گانہ بلکہ روگرداں ہیں۔ جس نبی رحمتؐ نے کیسے شدائد اور سخت حالات میں بھی امت کی تذکیر کو نہ چھوڑا وہ امت آج آپ کی تذکیر کی کیسی قدر دانی کر رہی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد اور دعاء ہے کہ مولائے کریم اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل اور صدقہ میں ہم کو اپنے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تذکیر و تعلیم کا قدر دان بنا دے۔ اور کفار نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں ستایا۔ ہم آپ کے نام لیوا آپ کو اس دنیا سے ظاہری رحلت کے بعد تو اپنی بد عملی سے نہ ستاویں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

الغرض ان آیات میں مضامین رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان ہوئے آگے توحید باری تعالیٰ کے متعلق گفتگو ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی باتیں خود سمجھنے کی اور دوسروں کو بھی سمجھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ دشمنان دین نے جو جو الزامات و اتہامات اس دین حق پر تراشے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی شرارتوں سے بھرے ہوئے سروں کو نیچا کریں اور ان کو ناکام و خاسر بنائیں اور اسلام اور اس کے متبعین کو عزت و بلندی عطا فرمائیں۔ اور انجام کی کامیابی اور خیر و خوبی نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ کے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تو امت کو سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔ یا اللہ ہم کو آپ کی ہدایات و نصائح کا دل و جان سے عامل و حامل بنا دے اور ہمارے وجود کو آپ کی راحت و سرور کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا

کیا یہ لوگ بدوں کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ یا انہوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے، بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا)

يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ

یقین نہیں لاتے۔ کیا اِن لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ (اس محکمۂ نبوت کے) حاکم ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سُن لیا کرتے ہیں

فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا

تو اُن میں جو (وہاں کی باتیں سُن آتا ہو وہ (اس دعویٰ پر) کوئی صاف دلیل پیش کرے۔ کیا خدا کیلئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے (تجویز ہوں) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ

فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ

(تبلیغ احکام کا) مانگتے ہیں کہ وہ تاوان اُن کو گراں معلوم ہوتا ہے۔ کیا اُن کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ کچھ بُرائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، سو یہ کافر

كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾

خود ہی (اس) بُرائی میں گرفتار ہوں گے۔ کیا اُن کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا کیا وہ پیدا کئے گئے ہیں	مِنْ سے	غَيْرِ شَيْءٍ بغیر کسی شے	اَمْ هُمُ یا وہ	الْخَالِقُوْنَ پیدا کرنیوالے	اَمْ خَلَقُوْا کیا انہوں نے پیدا کئے؟			
السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	وَالْاَرْضَ اورزمین	بَلْ بلکہ	لَا يُوْقِنُوْنَ وہ یقین نہیں رکھتے	اَمْ عِنْدَهُمْ کیا ان کے پاس	خَزَآئِنُ خزانے	رَبِّكَ تیرارب		
اَمْ هُمْ یا وہ	الْمُصَيْطِرُوْنَ داروغے	اَمْ لَهُمْ کیا ان کیلئے۔ پاس	سُلَّمٌ کوئی سیڑھی	يَسْتَمِعُوْنَ وہ سنتے ہیں	فِيْهِ اس میں۔ پر	فَلْيَأْتِ تو چاہیے کہ لائے		
مُسْتَمِعُهُمْ انکا سننےوالا	بِسُلْطٰنٍ کوئی سند	مُّبِيْنٍ کھلی	اَمْ لَهُ کیااس کیلئے	الْبَنٰتُ بیٹیاں	وَلَكُمُ اورتمہارے لئے	الْبَنُوْنَ بیٹے	اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیاتم ان سے مانگتے ہو	
اَجْرًا کوئی اجر	فَهُمْ تو وہ	مِنْ مَّغْرَمٍ تاوان سے	مُّثْقَلُوْنَ دبے جاتے ہیں	اَمْ عِنْدَهُمُ کیاان کے پاس	الْغَيْبُ غیب	فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ پس وہ لکھ لیتے ہیں		
اَمْ يُرِيْدُوْنَ کیا وہ ارادہ رکھتے ہیں	كَيْدًا کسی داؤ	فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا تو جن لوگوں نے کفر کیا	هُمْ وہی	الْمَكِيْدُوْنَ داؤ میں گرفتار ہونگے				
اَمْ لَهُمْ کیاان کیلئے	اِلٰهٌ کوئی معبود	غَيْرُ اللّٰهِ اللہ کے سوا	سُبْحٰنَ اللّٰهِ پاک ہے اللہ	عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں				

تفسیر وتشریح: گذشتہ سے منکرین ومکذبین کے متعلق بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ اوران کے اس الزام کی تردید میں کہ نعوذ باللہ یہ قرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنالیا ہے جواب دیا گیا تھا کہ اگر یہ قرآن کسی کا بنایا ہوا ہے تو یہ مشرکین عرب بھی عربی زبان کے ماہر اور قادر الکلام ہیں یہ اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور جیسا کہ قرآن پاک میں دوسری جگہ فرمایا گیا کہ اگر تمام جن وانس مل کر بھی چاہیں کہ اس قرآن جیسی ایک سورۃ ہی بنالیں تو یہ قیامت تک بھی ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے۔ انہی منکرین و مکذبین کے متعلق مضمون ان آیات میں بھی جاری ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین اللہ کے پیغمبر کی بات کیوں نہیں مانتے؟ کیا ان کے اوپر کوئی خدا نہیں جس کی بات ماننا ان کے ذمہ لازم ہو؟ کیا یہ منکرین بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے آپ خالق ہیں؟ یا ان کا یہ خیال ہے کہ آسمان و زمین ان کے بنائے ہوئے ہیں لہذا اس قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں کوئی ان کو روکنے ٹوکنے کا اختیار نہیں رکھتا؟ منکرین کے یہ سب خیالات باطل اور مہمل ہیں۔ وہ بھی دلوں

میں جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے جس نے ان کو اور تمام زمین و آسمان کو نیست سے ہست کیا اور عدم سے وجود میں لایا مگر اس علم کے باوجود جو ایمان و یقین ان سے شرعاً مطلوب ہے اس سے منکر اور بے بہرہ ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان منکرین کا یہ خیال ہے کہ گو زمین و آسمان خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے یا اس کے ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلط اور قبضہ حاصل کر لیا ہے اور خود صاحب تصرف اقتدار ہو گئے ہیں کہ جو وہ کسی کے مطیع کیوں بنیں؟ کیا ان منکرین ومکذبین کا یہ دعوٰی ہے کہ وہ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں اور پھر جب ان کی رسائی براہ راست اس بارگاہ تک ہو تو انہیں کسی بشر کے اتباع کی کیا ضرورت رہی؟ اگر منکرین میں سے کسی کا یہ دعوٰی ہو تو آگے آئے اور اپنی سند اور حجت پیش کرے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کیا یہ منکرین (معاذ اللہ) خدا کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کی بیٹے اور بیٹیوں کی تقسیم سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ منکرین توحید فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور خود اپنے لئے بیٹوں کا ہونا پسند کرتے ہیں کیا اس لئے اس کے احکام وہدایات کے سامنے سرتسلیم خم کرنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ کیا یہ منکرین آپ کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ خدانہ کردہ آپ ان سے اس تبلیغ و دعوت پر کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جا رہے ہیں۔ کیا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا ہے اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے کیا اس لئے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں تو پھر کیا ان منکرین کا یہی ارادہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں اور مکروفریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر دیں۔ اگر ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ سب داؤ پیچ انہی پر الٹنے والے ہیں۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ کیا ان منکرین نے خدا کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑے ان کی مدد کریں گے؟ اور جن کی پرستش نے خدا کی طرف سے ان کو بے نیاز کر رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل یا مقابل ومزاحم ہو۔

بہر حال شرک کی مذمت اور تردید یہاں نہایت پرزور الفاظ میں فرمائی گئی۔ اب آگے مشرکین کو آخرت کی وعید سنائی جاتی ہے اور پھر خاتمہ کی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرما کر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے اللہ آپ ہمارے خالق ہیں۔ رازق ہیں۔ معبود ہیں۔ احکم الحاکمین ہیں۔ آپ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو کفر وشرک سے بچایا اور اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔

یا اللہ ہم کو اسی توحید کے راستہ پر قائم رکھئے اور ہر طرح کی کجروی اور گمراہی سے ہماری حفاظت فرمایئے اور صراط مستقیم پر ہم کو تا زیست قائم رکھئے۔ اے اللہ کفار نے ہمیشہ سے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف برائی کا ارادہ رکھا مگر آپ نے ان کی چالوں سے اہل ایمان کو بچایا۔ اے اللہ اب بھی تمام عالم کے کفار کی چالوں سے اور بدارادوں سے اہل اسلام کو بچا لیجئے اور اہل اسلام کے حامی و مددگار ہو جایئے۔ اے اللہ ہم کو اسلام کا وفادار اور متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسلام کی برکت سے ہمارے مسائل کو حل فرما دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَّقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ

اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آرہا ہے تو یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہ بتہ جما ہوا بادل ہے۔ تو ان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو

الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ

جس میں اُن کے ہوش اڑ جائیں گے۔ جس دن اُن کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہ آویں گی اور نہ (کہیں سے) اُن کو مدد ملے گی۔ اور ان ظالموں کیلئے

ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں۔ اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾

اور اُٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے۔ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

وَإِنْ اور اگر	يَرَوْا وہ دیکھیں	كِسْفًا کوئی ٹکڑا	مِّنَ السَّمَاءِ آسمان سے	سَاقِطًا گرتا ہوا	يَقُولُوا وہ کہتے ہیں	سَحَابٌ بادل	مَّرْكُومٌ تہ بہ تہ (جما ہوا)
فَذَرْهُمْ پس چھوڑ دو ان کو	حَتّٰى یہاںتک کہ	يُلٰقُوا وہ ملیں	يَوْمَهُمُ اپنا دن	الَّذِي وہ جو	فِيهِ اس میں	يُصْعَقُونَ بے ہوش کردیئے جائیں گے	
يَوْمَ جس دن	لَا يُغْنِي نہ کام آئے گا	عَنْهُمْ ان سے۔کے	كَيْدُهُمْ ان کا داؤ	شَيْئًا کچھ بھی	وَلَا هُمْ اور نہ وہ	يُنْصَرُونَ مدد کئے جائیں گے	
وَإِنَّ اور بیشک	لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا	عَذَابًا عذاب	دُونَ ذٰلِكَ ورے۔علاوہ اس	وَلٰكِنَّ اور لیکن	أَكْثَرَهُمْ ان میں سے اکثر		
لَا يَعْلَمُونَ نہیں جانتے	وَاصْبِرْ اور آپ صبر کریں	لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے حکم پر	فَإِنَّكَ بیشک آپ	بِأَعْيُنِنَا ہماری آنکھوں (حفاظت) میں			
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اور آپ پاکیزگی بیان کریں اپنے رب کی تعریف کیساتھ	حِينَ جس وقت	تَقُومُ آپ اٹھیں	وَمِنَ اور سے (میں)	الَّيْلِ رات			
	فَسَبِّحْهُ پس اس کی پاکیزگی بیان کریں	وَإِدْبَارَ اور پیٹھ پھیرنے	النُّجُومِ ستاروں				

تفسیر وتشریح: یہ سورہ طور کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں منکرین ومکذبین کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ ان کے خیالات کیسے باطل اور مہمل ہیں اور ان کی سرکشی۔ ضد اور عناد اور ہٹ دھرمی کا کیا حال ہے کہ یہ لوگ ہر سچی بات کے جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین ومکذبین کی سرکشی۔ ضد وعناد کا تو یہ حال ہے کہ اگر ان کو قائل کرنے کے لئے ان کا کہنا بھی کر دیا جائے تب بھی یہ نہ مانیں گے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ٹالنے اور نہ ماننے کے لئے اپنے خیال میں مشکل سے مشکل شرط لگاتے کہ اگر فلاں بات ہو جائے تو ہم مانیں کہ تم سچے ہو۔ چنانچہ یہ منکرین آپ کی نفی رسالت کے لئے ایک بات یہ بھی کہا کرتے کہ۔ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑے۔ ایسے منکرین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان کا تو یہ حال ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق فرض کیجئے کہ آسمان سے ایک ٹکڑا ان پر گرنے لگے اور یہ کھلی آنکھوں دیکھ لیں کہ ہاں سر پر آسمان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گر رہا ہے تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔ اس کی بھی یہ کوئی تاویل کر دیں گے اور اس وقت کہہ دیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں بلکہ بادل کا ایک حصہ گاڑھا اور منجمد ہو کر گر پڑا ہے جیسے بڑے بڑے اولے بھی گرتے ہیں۔ تو بھلا ایسے متعصب معاندوں سے ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ اسلئے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ انہیں انکے حال

پر چھوڑ دیجئے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنالیں آخر وہ دن آنا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش وحواس جاتے رہیں گے۔اس دن ان کی ساری فریب کاریاں رکھی کی رکھی رہ جائیں گی۔ کوئی مکاری حیلہ وتدبیر وہاں کام نہ دے گی اور ساری چوکڑی اور چالاکی بھول جائیں گے۔آج جن جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا حامی اور مددگار جانتے ہیں اس دن سب کے منہ تکیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا بھی مدد کر سکے یا ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے اور یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن عذاب ہو اور یہاں اطمینان اور آرام کے ساتھ زندگی گزار لیں بلکہ ان ناانصافوں اور ہٹ دھرموں کے لئے آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی ان کے لئے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی۔ جیسے قحط۔قید اور قتل وغیرہ۔ اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سزا کے لئے ایک وقت معین کر چکے ہیں تو آپ صبر واستقامت کے ساتھ اپنے رب کی تجویز کا انتظار کیجئے جو آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گی اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کوئی ضرر اور نقصان بھی نہ پہنچے گا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے اور اسکے زیر حفاظت ہیں اور اگر ان کے کفر کا غم دل پر آئے تو اس کا علاج یہ ہے کہ توجہ الی اللہ رکھا کیجئے مثلاً یہ کہ اٹھتے وقت یعنی مجلس سے یا سونے سے اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح تحمید اور عبادت گزاری میں لگے رہئے اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے حاصل یہ کہ اپنے دل کو ادھر مشغول رکھئے پھر فکر وغم کا غلبہ نہ ہوگا۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا **وسبح بحمد ربک حین تقوم** اور اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے تو اس کا ایک مطلب تو مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور دوسرا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ جب آپ رات کو جاگیں تو یہ دونوں ہی مطلب درست ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع کرتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ **سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولآ الہ غیرک** یعنی اے اللہ تو پاک ہے۔تمام تعریفوں کا مستحق ہے تیرا نام برکتوں والا ہے تیری بزرگی بہت بلند وبالا ہے۔تیرے سوا معبود برحق اور کوئی نہیں۔اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کو جاگے اور کہے **لآ الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر. سبحان اللہ والحمد للہ ولآ الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللہ** ط پھر خواہ اپنے لئے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ نماز قبول کی جاتی ہے۔ اب رہا مجلس سے اٹھنے کے وقت کی تسبیح تحمید تو ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی کہ جب کبھی کسی مجلس سے کھڑے ہوں تو **سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لآ الہ الا انت استغفرک واتوب الیک** پڑھیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں کسی مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے تو اس کے لئے یہ کفارہ ہو جاتے ہیں۔مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں پڑھنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں۔اسی تلقین وتعلیم پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

سورۃ الطّور کے خواص

۱......قیدی اگر سورۃ الطور کی تلاوت کی کثرت رکھے تو اس کی رہائی کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔۲......مسافر اگر سورۃ الطّور کی تلاوت کرتا رہے تو ہر تکلیف وپریشانی سے محفوظ رہے گا۔۳......اگر سورۃ الطّور پانی پر دم کر کے وہ پانی بچھو پر چھڑکا جائے تو بچھو مر جاتا ہے۔(الدرر النظیم)

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ضد اور ہٹ دھرمی کی کافرانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔اور دین کی بات سن کر ہمارے قلوب ایمان ویقین کے ساتھ مان لینے کے لئے تیار ہوں۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی ذلت اور رسوائیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور ہم کو ہمہ وقت اپنے ذکر وفکر اور تسبیح وتحمید کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا ثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہ تمہارے (ہمہ وقت) ساتھ کے رہنے والے نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہو لئے۔

اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

وَالنَّجْمِ ستارے کی قسم	اِذَا جب	هَوٰى وہ غائب ہونے لگے	مَا ضَلَّ نہ بہکے	صَاحِبُكُمْ تمہارے رفیق	وَمَا اور نہ	غَوٰى وہ بھٹکے	وَمَا يَنْطِقُ اور وہ نہیں بات کرتے			
عَنِ سے	الْهَوٰى خواہش	اِنْ نہیں	هُوَ وہ۔ یہ	اِلَّا مگر۔ صرف	وَحْيٌ وحی	يُّوْحٰى بھیجی جاتی ہے				

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتدا بھی قسمیہ کلام سے فرمائی گئی کہ قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہاں یہ بات پھر سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ کو جو خالق ہیں ہر چیز کا ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جس کی چاہیں قسم کھا سکتے ہیں چنانچہ قرآن پاک میں متعدد جگہ اللہ پاک نے اپنی مخلوق کی قسمیں کھائی ہیں لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے کسی اور کی قسم نہیں کھا سکتی اسی لئے شریعت اسلامیہ میں انسانوں کے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔ تو یہاں حق تعالیٰ ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے قسم کھا کر فرماتے ہیں اور تمام اہل مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہارے رفیق ہیں نہ آپ غلط فہمی کی بنا پر راہ حق سے بھٹکے نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر سیدھی راہ سے بے راہ ہو لئے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں۔ کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔ آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر ادھر پڑ جائے۔ انبیائے علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارہ ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہو جانے کے بعد آفتاب طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاء کے تشریف لے جانے کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط اور محکم ہونا چاہئے جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔ تو یہاں جس مضمون کے لئے قسم کھائی گئی وہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور جس راستہ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں وہ صراط مستقیم یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا صحیح اور سیدھا راستہ ہے نہ آپ راستہ بھولے ہیں نہ غلط راستہ پر چلے ہیں۔ یہاں آیت ماضل صاحبکم وما غویٰ (یعنی یہ تمہارے ہمہ وقت کے ساتھ رہنے والے نہ راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر ہو لئے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک یا لفظ رسول یا نبی ذکر کرنے کی بجائے لفظ صاحبکم فرمایا یعنی اہل مکہ کے ہمہ وقت کے ساتھ رہنے والے تو اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے اچانک نہیں آ گئے۔ مکہ میں کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں کہ جن کے حالات سے اہل مکہ کو آگاہی

نہ ہو۔ وہ تو اے اہل مکہ تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں۔ اسی سرزمین مکہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں بچپن گزارا۔ یہیں جوان ہوئے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تم اہل مکہ سے مخفی نہیں۔ تم نے تجربہ کرلیا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کسی غلط اور برے کام میں تم نے ان کو بچپن میں بھی نہیں دیکھا۔ ان کے اخلاق و عادات۔ ان کی امانت و دیانت پر تم سب کو اتنا اعتماد تھا کہ سارے مکہ والے آپ کو نبوت سے قبل امین کہا کرتے تھے۔

اب دعوائے نبوت کے بعد تم ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے لگے۔ تو جس ہستی نے انسانوں کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ خدا تعالیٰ کے معاملہ میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے آگے فرمایا ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یو حیٰ یعنی آپ نبی برحق ہیں آپ کی زبان مبارک سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ آپ کا کوئی قول اور کوئی فرمان اپنے نفس کی خواہش اور ذاتی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا آپ کو خدا تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے آپ اسے ہی زبان سے نکالتے ہیں جو وہاں سے کہا جائے وہی آپ کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں۔ ہرگز ایسا نہیں۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا اسے حفظ کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہیں کبھی کبھی غصہ اور غضب میں بھی کچھ فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا پھر میں نے اس کا ذکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا۔

اب آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کا جو واسطہ تھا اس کے متعلق اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کامل اور اسلام صادق نصیب فرماویں۔ تا کہ احکام الٰہیہ اور شریعت اسلامیہ کے سامنے ہماری گردن جھکی رہیں۔ یا اللہ یہود و نصاریٰ کی سی بے دینی اور غفلت سے ہم کو بچائیے۔ اور ہم کو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ ہمارے قلوب کو غفلت و قساوت سے محفوظ فرمائیے اور ہمارے مردہ قلوب کو اپنے نور ہدایت سے زندہ رکھیے۔

یا اللہ گذشتہ میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ندامت اور توبہ کی توفیق عطا فرما کر ہماری توبہ کو قبول فرما لیجئے۔ اور آئندہ ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کا عزم نصیب فرمائیے۔

یا اللہ ہر طرح کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائیے۔ اور ہمیں ایمان کامل اور اسلام صادق کے ساتھ اس جہان سے کوچ کرنا نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ

ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے پیدائشی طاقتور ہے۔ پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار ہوا۔ ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا۔ پھر وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا پھر

قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ

اور نزدیک آیا۔ سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی۔ قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔

عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ

تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو۔ اور انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورت اصلیہ میں) دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ

اس کے قریب جنۃ الماویٰ ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں۔ نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار

اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

(کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

عَلَّمَهٗ اس نے اسے سکھایا	شَدِيْدُ الْقُوٰى سخت قوتوں والا	ذُوْ مِرَّةٍ طاقتوں والا	فَاسْتَوٰى پھر اس نے قصد کیا	وَهُوَ اور وہ	بِالْاُفُقِ کنارے پر	الْاَعْلٰى سب سے بلند
ثُمَّ دَنَا پھر وہ نزدیک ہوا	فَتَدَلّٰى پھر اور نزدیک ہوا	فَكَانَ تو وہ تھا (رہ گئی)	قَابَ کمان	قَوْسَيْنِ دو کنارے	اَوْ اَدْنٰى یا اس سے کم	فَاَوْحٰى تو اس نے وحی کی
اِلٰى طرف	عَبْدِهٖ اپنا بندہ	مَاۤ اَوْحٰى جو اس نے وحی کی	مَا كَذَبَ نہ جھوٹ کہا	الْفُؤَادُ دل	مَا رَاٰى جو اس نے دیکھا	اَفَتُمٰرُوْنَهٗ تو کیا تم جھگڑتے ہو اس سے
عَلٰى پر	مَا يَرٰى جو اس نے دیکھا	وَلَقَدْ اور تحقیق	رَاٰهُ اس نے دیکھا اسے	نَزْلَةً اُخْرٰى دوسری مرتبہ	عِنْدَ نزدیک	سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى سدرۃ المنتہیٰ
عِنْدَهَا اس کے نزدیک	جَنَّةُ الْمَاْوٰى جنت الماویٰ	اِذْ يَغْشَى جب چھا رہا تھا	السِّدْرَةَ سدرہ	مَا يَغْشٰى جو چھا رہا تھا	مَا زَاغَ نہ کجی کی	الْبَصَرُ آنکھ
وَمَا طَغٰى اور نہ حد سے بڑھی	لَقَدْ رَاٰى تحقیق اس نے دیکھی	مِنْ سے	اٰيٰتِ رَبِّهٖ نشانیاں	الْكُبْرٰى بڑی		

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا اعلان فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ آپ نبی برحق ہیں اور کوئی دین کی بات آپ کی زبان سے ایسی نہیں نکلتی جو خواہش نفس اور ذاتی غرض پر مبنی ہو بلکہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتی ہے۔

اب آگے ان آیات میں وحی آنے کا واسطہ بتلایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے لیکن جس کے ذریعہ سے وہ وحی آپ تک پہنچتی ہے اور جو اس وحی کی منجانب اللہ تعلیم کرتے ہیں وہ ایک بڑا طاقتور فرشتہ ہے جسے "جبرئیل امین" کہتے ہیں۔ تیسویں پارہ سورہ تکویر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صفات کے متعلق فرمایا گیا ہے انه لقول رسول كريم. ذی قوة عند ذی العرش مكين. مطاع ثم امين۔ یعنی وہ کریم (عزت والے) ہیں۔ بڑی قوت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ الوہیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے۔ وہ مطاع ہیں یعنی آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور معتبر

ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اور ایک روایت میں خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب اس کو لیجا کر چھوڑ دیا۔

اب یہاں شبہ ہوسکتا تھا کہ اس وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبرئیل امین ہونا تو اس وقت معلوم ہوسکتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہچانتے ہوں اور پوری صحیح پہچان موقوف ہے اصلی صورت دیکھنے پر تو کیا آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے؟ اس کی نسبت فرمایا جاتا ہے کہ ہاں یہ بھی ہوا ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ چند بار تو دوسری صورت میں دیکھا پھر ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا ان کے ۶۰۰ بازو تھے۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی بار آپ نے دیکھا تھا تو حسب روایات حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر پڑے اس وقت جبرئیل علیہ السلام بصورت انسانی آپ کے پاس تسکین کے لئے اتر آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر نزدیک ہو گئے کہ دونوں کے درمیان دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ دو کمانوں کا مطلب محاورہ عرب میں کمال قرب سے ہوتا ہے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب دو عرب آپس میں باہم غایت درجہ کا اتفاق اور اتحاد کرنا چاہتے تو دونوں اپنی اپنی کمانوں کو لے کر انہیں باہم ملاتے تھے یہاں تک کہ دونوں کے چلے مل جاتے پھر دونوں کو اکٹھا کھینچتے اور دونوں سے ایک ہی تیر چلاتے۔ یہ گویا علامت تھی قرب واتحاد کی۔ غرض کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھنے سے جو گھبراہٹ پیدا ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام فوراً شکل انسانی میں تبدیل ہو کر آپ کے پاس آ گئے اور آپ کی تسکین فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی (غالباً اس سے مراد سورہ مدثر کی آیات ہیں) آگے بتلایا جاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو آپ نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ رہی ہے کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو اور ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں۔ آگے منکرین رسول ووحی سے خطاب ہوتا ہے کہ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نزاع اس چیز میں کر رہے ہو جو ان کو خوب اچھی طرح دیکھی بھالی ہو یعنی وحی بھیجنے والے اللہ تعالیٰ لانے والا فرشتہ جس کی تمام قوتیں کامل۔ پھر اتنا قریب ہو کر وحی پہنچائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آنکھ سے دیکھیں اور آپ کا روشن اور صاف دل اس کی تصدیق کرے تو ایسی دیکھی بھالی چیز میں منکرین کو کیا حق ہے کہ اس میں فضول بحث وتکرار کریں اور جھگڑے نکالیں۔

اوپر دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھنے کا ذکر تھا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیا کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتہ یعنی جبرئیل امین کو ایک دفعہ اور بھی عالم بالا میں دیکھا یعنی معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ سدرۃ کہتے بیری کے درخت کو۔ احادیث میں آیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے بیری کا ساتویں آسمان میں۔ عالم بالا سے جو احکام وغیرہ آتے ہیں وہ اول سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں اسی طرح یہاں دنیا سے جو اعمال چڑھا کر اوپر لیجائے جاتے ہیں وہ بھی پہلے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے اوپر اٹھا لئے جاتے ہیں۔ باقی جس طرح جنت کے پھل میوے اور دوسری نعمتوں کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے محض دونوں میں نام کی شرکت ہے اسی طرح سدرۃ المنتہیٰ یعنی بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہ کیا

جائے۔اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح کی ہوگی مجموعہ روایات احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور اس کا پھیلاؤ ساتویں آسمان میں۔اس عالم اور اس عالم کے درمیان ایک نقطہ اتصال ہے۔عالم بالا سے جتنے احکام وغیرہ صادر ہوتے ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہلے آتے ہیں پھر ملائکہ وہاں سے زمین پر لاتے ہیں۔تو دنیا کے علاوہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین کو ان کی اصلی شکل میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی دیکھا۔اب چونکہ یہاں سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر آ گیا تھا اس لئے کچھ اس کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کیسے شرف کی جگہ ہے کہ اس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے ماویٰ کے معنیٰ ہیں رہنے کی جگہ۔چونکہ جنت نیک بندوں کے رہنے کی جگہ ہے اس لئے جنت الماویٰ کہتے ہیں تو ایک شرف سدرۃ المنتہیٰ کا یہ بتلایا گیا کہ اس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے آگے بتلایا گیا کہ اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں۔یہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹنے والی چیزیں روایات کے مطابق یا تو فرشتے تھے جو مثل سونے کے پروانوں کی طرح لپٹے ہوئے تھے یا حق تعالیٰ کے انوار وتجلیات اس درخت پر چھائے ہوئے تھے اور فرشتوں کی کثرت وہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے تو ملائکہ نے حق تعالیٰ سے اجازت چاہی تھی کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں ان کو اجازت ہوگئی اور وہ سب اس سدرۃ پر جمع ہو گئے تھے۔آگے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جب آپ معراج کے لئے تشریف لے گئے اور یہ عجائبات قدرت جو دیکھیں تو ان عجائبات الٰہیہ کو بڑے استقلال سے دیکھا نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر دائیں بائیں ہٹی۔نہ دیکھنے والی چیز سے تجاوز کر کے آگے بڑھی۔بس اسی چیز پر جمی رہی جس کو دکھلانا مقصود تھا بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں۔تو وہاں عجائبات الٰہیہ دیکھنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عیوب سے پاک رہے اور ہر چیز کے دیکھنے میں آپ کی یہی شان رہی۔**مازاغ البصر وما طغیٰ** یعنی نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔وہ عجائبات جو آپ نے دیکھے احادیث معراج میں آئے ہیں۔مثلاً انبیآ علیہم السلام کو دیکھنا ارواح کو دیکھنا جنت وغیرہ کو دیکھنا۔

یہاں آیت **عندھا جنۃ الماویٰ** یعنی اس سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہے تو اس آیت نے بھی بتلادیا کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے جیسا کہ جمہور امت کا عقیدہ یہی ہے کہ جنت ودوزخ قیامت کے بعد پیدا نہیں کی جائیں گی بلکہ جنت و دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔اس آیت نے جنت کا محل وقوع بھی بتلادیا کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر اور عرش رحمٰن جل شانہ کے نیچے ہے گویا ساتواں آسمان جنت کی زمین اور عرش رحمٰن اس کی چھت ہے۔دوزخ کا محل وقوع کسی آیت قرآن یا روایت حدیث میں صراحۃً نہیں بتلایا۔(معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۲۰۰)

خلاصہ یہ کہ ان تمام آیات میں یہی بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔یہ اللہ کا کلام ہے جو آپ کو اس طرح دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس وتلبیس یا خطاء اور غلطی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان اعزاز واکرام بیان فرما کر آگے مشرکین اور منکرین کو خطاب ہوتا ہے اور شرک کی مذمت اور توحید کا مضمون سمجھایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿۲۰﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ إِذًا

بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے۔ کیا تمہارے لئے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کیلئے بیٹیاں۔ اس حالت میں تو یہ بہت

قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا

بے ڈھنگی تقسیم ہوئی۔ یہ (معبوداتِ مذکورہ) نرے نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھیرا لیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی

مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ

کوئی دلیل بھیجی نہیں، (بلکہ) یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اُن کے رب کی جانب سے

الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْآخِرَةُ وَالْأُوْلٰى ﴿۲۵﴾

ہدایت آچکی ہے۔ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے۔ سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (کی بھی)

أَفَرَءَيْتُمْ تو کیا تم نے دیکھا؟	اللّٰتَ لات	وَالْعُزّٰى اور عزیٰ	وَمَنٰوةَ اور منات	الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى تیسری آخری	أَلَكُمُ کیا تمہارے لئے	الذَّكَرُ مرد	
وَلَهُ اور اس کیلئے	الْأُنْثٰى عورتیں	تِلْكَ بڑی	إِذًا قِسْمَةٌ یہ بانٹ تقسیم	ضِيْزٰى بے ڈھنگی	إِنْ نہیں	هِيَ یہ	إِلَّا أَسْمَآءٌ مگر۔صرف نام
سَمَّيْتُمُوْهَا تم نے وہ نام رکھ لئے ہیں	أَنْتُمْ تم	وَآبَآؤُكُمْ اور تمہارے باپ دادا	مَّا أَنْزَلَ نہیں اتاری	اللّٰهُ اللہ	بِهَا اسکی	مِنْ کوئی	سُلْطٰنٍ سند
إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ وہ نہیں پیروی کرتے	إِلَّا مگر۔صرف	الظَّنَّ گمان	وَمَا تَهْوَى اور جو خواہش	الْأَنْفُسُ (جمع) نفس	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ اور (حالانکہ) پہنچ چکی انکے پاس		
مِنْ رَّبِّهِمْ انکے رب سے	الْهُدٰى ہدایت	أَمْ کیا	لِلْإِنْسَانِ انسان کیلئے	مَا تَمَنّٰى جسکی وہ تمنا کرے	فَلِلّٰهِ پس اللہ ہی کیلئے	الْآخِرَةُ آخرت	وَالْأُوْلٰى اور دنیا

تفسیر و تشریح: شروع سورۃ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کا بیان ہوتا چلا آیا ہے گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نشانیاں معراج کے موقع پر دیکھیں جن میں اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز و مکرم ہونے کی طرف بھی ہوگیا۔ اس طرح مضمون تحقیق رسالت بیان ہوا تھا اب اس کے بعد توحید کا مضمون ہے۔ جس میں شرک کی مذمت بھی آ گئی۔ اس لئے ان آیات میں مشرکین سے خطاب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اے مشرکو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت ثابت ہوگئی اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی وحی آنا بتلایا جا چکا اور آپ اس وحی کے مطابق توحید کا حکم دیتے ہیں جو کہ دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہے تو پھر تم بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو اور اس لامحدود عظمت۔ بزرگی اور جلال والے خدا کے مقابلہ میں لات اور عزیٰ اور منات کے نام کیوں لیتے ہو۔ لات۔ عزیٰ اور منات یہ مشرکین کی دیویاں تھیں جن کی عرب ایام جاہلیت میں پوجا کرتے تھے۔ لات طائف والوں کی دیوی تھی۔ قریش اور بنی کنانہ وغیرہ عزیٰ کے بت کو پوجتے تھے اور منات مدینہ کے اوس و خزرج قبیلہ کے بت تھے۔ ان میں سے مشرکین کے نزدیک لات اور عزیٰ مکہ کے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ مقبول تھے اور منات دور ہونے کی وجہ سے تیسرے درجہ کا بت تھا۔ تو یہ کفار و مشرکین ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اول تو یہی غضب کہ خدائے تعالیٰ لم یلد و لم یولد کے لئے اولاد کا نظریہ تسلیم کیا جائے اور پھر مشرکین کی یہ تقسیم کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں تجویز ہوں (العیاذ باللہ) یعنی جن لڑکیوں کو مشرکین اپنے لئے مکروہ و قابل نفرت سمجھتے وہ خدا کی طرف نسبت کی جائیں تو مشرکین کی یہ تقسیم کیسی بھونڈی اور مہمل ہوئی کہ

اچھی چیز تو اپنے حصہ میں اور بری چیز خدا تعالیٰ کے حصہ میں۔ (نعوذ باللہ منہ) آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان مشرکین نے جو یہ بتوں کے نام رکھ چھوڑے ہیں تو ان کی خدائی کی کوئی سند نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو مشرکین اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہہ لیں یا کچھ اور یہ محض ان کے کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ بھی نہیں آگے بتلایا جاتا ہے کہ باوجودیکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آ چکی اور وہ سیدھی راہ دکھا چکا مگر یہ کم عقل مشرکین ضلالت کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اٹکل پچو ذہن میں آ گیا اور دل نے سمجھایا وہی کر گزرے۔ تحقیق و بصیرت اور سمجھ بوجھ سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی بنیں گے اور جو کچھ دلائیں گے سفارشی بن کر دلائیں گے تو یہ خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے کہ جو تمنا کرے وہ مل جائے۔ سو ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا اور آخرت کی ہر تمنا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے پس وہ جس کو چاہیں پورا فرما دیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ نص قطعی میں بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کی یہ تمنائے باطل کہ بت ان کی شفاعت کریں گے پورا نہیں کریں گے نہ دنیا میں کہ حاجات میں شفاعت کریں نہ آخرت میں کہ نجات میں شفاعت کر سکیں۔

اب غور کیجئے حق تعالیٰ جل شانہ کی صفت ''حلم'' کو کہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخیاں کرتے تھے۔ علاوہ کفر و شرک کہیں حق تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کیں۔ کہیں کسی کو حق تعالیٰ کی اولاد بنایا۔ معاذ اللہ۔ اور رحمۃ للعالمین۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے مکہ میں کیسی کیسی ایذائیں قولاً اور فعلاً پہنچائیں مگر حق تعالیٰ نے منکرین کی گرفت فوراً نہیں فرمائی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ چشم زدن میں منکرین و معاندین کو قہر کی بجلی سے جلا کر خاک کر دیتے۔ یا زمین کو شق کر کے اس میں زندہ دھنسا دیتے مگر نہیں مکی دور کے قریب ۱۳ سال تک قرآن پاک کفار مکہ کو سمجھاتا رہا اور کیسے معقول اور دلنشین دلائل توحید کے بتلاتا رہا۔

یہاں ان آیات میں اخیر میں منکرین توحید و رسالت کے متعلق یہی بتلایا گیا **ان یتبعون الا الظن و ما تهوی الا نفس و لقد جاء هم من ربهم الهدیٰ** (یہ منکرین بے اصل خیالات اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آ چکی ہے)۔ آپ کفار و مشرکین کو تو چھوڑیئے۔ آج کتنے ایسے ہیں کہ جو اللہ پاک کی ذات عالی پر ایمان بھی رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خالق۔ رازق اور مالک بھی جانتے ہیں مگر قرآن و سنت کی ہدایت کے باوجود اپنے نفس کی خواہشات پر چل رہے ہیں۔ اور جس چیز کا الزام قرآن نے کافروں کو دیا تھا کہ تم اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہو حالانکہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ہدایت آ چکی ہے اس الزام کے مورد کتنے اسلام کے آج دعوے دار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واضح ہدایات کے باوجود شب و روز اللہ و رسول کی نافرمانی میں زندگی گذار رہے ہیں اور نفس کی خواہشات میں مگن اور مست ہیں۔ تو حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کا حلم ہے جو فوراً گرفت نہیں فرمائی جاتی اور ڈھیل پر ڈھیل دی جاتی ہے مگر تابکے۔ کیا یہ مسلمان کی شان ہے کہ وہ کافروں والی صفات اختیار کر کے اللہ اور رسول کو ناراض کرے اور قرآن و سنت کی ہدایات کے خلاف چلے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اپنی بھیجی ہوئی ہدایات یعنی قرآن و سنت اور اسلام و ایمان کی سچی پیروی نصیب فرمائیں اور نفسانی اور شیطانی خواہشات سے باز رہنے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔

ابھی سلسلہ مضمون توحید اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ 11

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں اُن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہیں اجازت دیں اور (اس کیلئے شفاعت کرنے سے)

يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ

راضی ہوں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو (خدا کی) بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے پاس

بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ

اس پر کوئی دلیل نہیں، صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں، اور یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔ تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے

تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دُنیوی زندگی کے اس کو کوئی (اخروی مطلب) مقصود نہ ہو۔ ان لوگوں کی فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے۔

وَكَمْ اور کتنے	مِّنْ مَّلَكٍ فرشتے	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	لَا تُغْنِيْ نفع نہیں دیتی	شَفَاعَتُهُمْ ان کی سفارش	شَيْـًٔا کچھ	اِلَّا مگر	مِنْۢ بَعْدِ اسکے بعد	
اَنْ کہ	يَّاْذَنَ اللّٰهُ اجازت دے اللہ	لِمَنْ يَّشَآءُ جس کیلئے چاہے وہ	وَيَرْضٰى اور وہ پسند فرمائے	اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں رکھتے		
بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر	لَيُسَمُّوْنَ البتہ وہ رکھتے ہیں نام	الْمَلٰٓئِكَةَ فرشتوں	تَسْمِيَةَ نام	الْاُنْثٰى عورتوں جیسا	وَمَا لَهُمْ اور نہیں انہیں	بِهٖ اس کا	مِنْ عِلْمٍ کوئی علم	
اِنْ نہیں	يَّتَّبِعُوْنَ وہ پیروی کرتے	اِلَّا الظَّنَّ مگر۔صرف گمان	وَاِنَّ اور بیشک	الظَّنَّ گمان	لَا يُغْنِيْ نفع نہیں دیتا	مِنَ الْحَقِّ یقین سے۔مقابلہ		
شَيْـًٔا کچھ	فَاَعْرِضْ پس منہ پھیر لیں	عَنْ سے	مَّنْ جو	تَوَلّٰى روگرداں ہوا	عَنْ ذِكْرِنَا ہماری یاد سے	وَلَمْ يُرِدْ اور وہ نہ چاہتا ہو	اِلَّا سوائے	
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	ذٰلِكَ یہ	مَبْلَغُهُمْ ان کی رسائی	مِّنَ الْعِلْمِ علم کی	اِنَّ بیشک	رَبَّكَ تیرا رب	هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَنْ اسے جو	
	ضَلَّ گمراہ ہوا	عَنْ سَبِيْلِهٖ اس کے راستے سے	وَهُوَ اور وہ	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَنِ اسے۔جس	اهْتَدٰى ہدایت پائی		

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں تعلیم توحید کے سلسلہ میں کفار و مشرکین کے عقائد کی مذمت اور تردید فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ اب تک جو یہ مشرکین اور ان کے باپ دادا غلط باتوں میں پھنسے رہے تو اس کی بنا محض جہالت و نادانی تھی۔

اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان بتوں کی جن کو مشرکین پوجتے ہیں اور جن سے شفاعت اور سفارش کی امید رکھتے ہیں ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ بیچارے بت تو کیا شفاعت کرتے کہ ان میں خود اہلیت ہی شفاعت کی نہیں۔ اس دربار میں تو جو لوگ اہل ہیں ان کی بھی بغیر اجازت کے کچھ نہیں چلتی چنانچہ آسمان کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی جس کے حق میں سفارش کرنے کا حکم دیں اور اس سے راضی ہوں تو وہاں سفارش بیشک کام دے گی۔ اور ظاہر ہے کہ نہ اس نے بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار و مشرکین جو آخرت کو نہیں مانتے اور اس کا یقین نہیں کرتے تو انہیں اس کا فکر تو ہوتا ہی نہیں کہ مرنے کے بعد ہماری ہر بات کی جانچ پڑتال کی جائے گی اور منہ سے کوئی غلط بات نکلے گی تو اس کی پکڑ ہوگی اس لئے وہ

سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دے کر خدا کی بیٹیاں کہہ دیا اور عورتوں جیسے ان کے نام رکھ دیئے۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد و عورت ہونے سے کیا واسطہ اور خدا کے لئے اولاد کیسی؟ لیکن اٹکل پچو جو ان کے منہ میں آیا بک دیا۔ بھلا حقیقت اور اصلی بات کہیں اٹل پچو باتوں سے حاصل ہوتی ہے؟ اور کیا تخمینے اور اٹکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں؟ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھلا جس کا اوڑھنا بچھونا یہی دنیا کی چندروزہ زندگی ہو کہ اس میں منہمک ہو کر کبھی خدا کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے تو ایسے شخص کی بکواس کو آپ دھیان میں نہ لائیں۔ وہ خدا سے منہ موڑتا ہے۔ آپ اس کی شرارت اور کجروی کی طرف سے منہ پھیر لیں۔ سمجھانا تھا سو سمجھا دیا۔ ایسے بدطینت اشخاص سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بے کار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے فوری نقصان تک پہنچتی ہے۔ اس سے آگے ان کی رسائی ہی نہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ ان کی تمام تر جدوجہد صرف جانوروں کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوات ولذات کو پورا کرنے کیلئے ہے۔ اس پر حق تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ جو گمراہی میں پڑا رہا اور جو راہ پر آیا۔ ان سب کو اور ان کے مخفی ارادوں اور نیتوں کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے اسی کے موافق ہو کر رہے گا۔ ہزار جتن کرو اس کے علم کے خلاف ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کریگا۔ لہٰذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔

اب غور کیجئے کہ یہاں اس شخص کی کیسی مذمت فرمائی گئی ہے کہ جس نے اپنی زندگی کا مقصد فقط دنیا ہی کی کامیابی اور عیش وعشرت کو سمجھ رکھا ہے اور جو دن رات بس اسی دنیوی زندگی کے ادھیڑ بن میں رہے کہ ہمیں یہاں کی زندگی کی خوب سہولتیں ملیں۔ اچھا کھانے کو ہو۔ اچھا پہننے کو ہو۔ اور اچھا رہنے کو ہو۔ ہم سامان عیش وعشرت میں خوب ترقی کریں۔ طرح طرح کی مشینیں ایجاد کر لیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہلاکت خیز اسلحہ تیار کر لیں تا کہ اللہ کی مخلوق کو دبا کر اپنا کام نکالیں اور اپنی بالا دستی قائم کر کے کسی کو اپنے آگے ابھرنے نہ دیں۔ کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ کا یہی مقصود زندگی ہے۔ مگر یہاں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب تو مسلمان نے بھی الا ماشاء اللہ اپنی معراج اسی میں سمجھ رکھی ہے کہ بس دنیا کی ترقی ہو۔ رہی آخرت کی کامیابی جو مسلمان کا اصل مقصود ہونا چاہئے۔ یہ تو اب ملانہ پن ہے۔ دقیانوسیت ہے۔ لکیر کا فقیر۔ ترقی کا دشمن۔ دو رکعت کا امام۔ اور نہ معلوم کیسے کیسے تحقیر آمیز خطابات اور طنز وطعن کا نشانہ بنتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب قرآن وسنت کے نظریات سے مسلمان من حیث القوم اتنا دور ہو جائے اور دنیا کی جگہ آخرت اور آخرت کی جگہ دنیا لے لے تو پھر ایسے مسلمان کی جو درگت دنیا ہی میں آج بن رہی ہے وہ ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ اور جو آخرت میں پیش آنا ہے وہ اللہ ہی کو خوب علم ہے۔

اس آیت **فاعرض عن من تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوٰة الدنیا** جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کو کوئی اور مقصود نہ ہو۔ اس کے تحت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک ضروری تنبیہ یہ لکھی ہے کہ قرآن کریم نے یہ ان کا حال بیان کیا ہے جو آخرت وقیامت کے منکر ہیں۔

افسوس ہے کہ انگریزوں کی تعلیم اور دنیا کی ہوا وہوس نے آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال بنا دیا ہے کہ ہمارے سارے علوم وفنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف معاشیات کے گرد گھومنے لگیں۔ معادیات یعنی معاملات آخرت کا بھول کر بھی دھیان نہیں آتا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں اور آپ کی شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہیں مگر حالت یہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت والوں سے رخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ وفہم عطا فرمائیں اور دین ودنیا میں مراتب فرق کو جاننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ الغرض توحید کے سلسلہ میں یہاں اللہ تعالیٰ کے علم کو ظاہر کیا گیا آگے اس کی قدرت اور اختیار کو بتلایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے، انجام کار یہ ہے کہ بُرا کام کرنیوالوں کو اُن کے (بُرے) کام کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دے گا اور نیک کام

بِالْحُسْنٰى ۝ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ

کرنیوالوں کو اُن کے نیک کاموں کے عوض میں جزا دیگا وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں، مگر ہلکے ہلکے گناہ، بلاشبہ آپکے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔

وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	مَا جو	فِي میں	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	لِيَجْزِيَ تا کہ وہ بدلہ دے	الَّذِيْنَ انہیں جنہوں نے	اَسَآءُوْا برائی کی
بِمَا عَمِلُوْا اسکی جو انہوں نے کئے (اعمال)	وَيَجْزِيَ اور جزا دے	الَّذِيْنَ ان لوگوں کو جنہوں نے	اَحْسَنُوْا نیکی کی	بِالْحُسْنٰى بھلائی کے ساتھ	الَّذِيْنَ جو لوگ		
يَجْتَنِبُوْنَ وہ بچتے ہیں	كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ کبیرہ (بڑے) گناہوں سے	وَالْفَوَاحِشَ اور بے حیائیوں	اِلَّا مگر۔سوائے	اللَّمَمَ چھوٹے گناہ	اِنَّ بیشک		
رَبَّكَ تمہارا رب	وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وسیع مغفرت والا						

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب ہر شخص کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور زمین آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ ہے پھر قیامت میں نیک وبد کو بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔ بلکہ غور سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ زمین وآسمان کا سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔ اب آگے جن لوگوں نے دنیا میں بھلے کام کئے اور جنہیں قیامت میں اچھا بدلہ ملے گا ان کی ایک صفت بیان کی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ نیک کار وہ لوگ ہیں جو دنیا میں کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں اور کاموں یعنی صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور جان بوجھ کر ان میں نہیں پھنستے۔ ایسے نیک اور اچھے لوگوں کے چھوٹے موٹے قصور سے اللہ تعالیٰ درگذر فرماتا ہے اور توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ اگر وہ ہر چھوٹی بڑی خطا پر گرفت کرنے اور پکڑنے لگے تو بندہ کا ٹھکانہ کہاں۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی تشریح اور ایسے گناہوں کی فہرست ۲۵ ویں پارہ سورہ شوریٰ کی آیت والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش کی تفسیر میں بیان ہوچکی ہے جہاں بتلایا گیا کہ اللہ کی آخرت کی نعمتیں جن لوگوں کے لئے ہیں ان کی ایک صفت یہ بھی ہے جو بڑے بڑے گناہوں سے اور فواحش یعنی بے حیائی کی باتوں سے دوسرے الفاظ میں کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ اسی طرح پانچویں پارہ سورہ نسآء میں فرمایا گیا ان تجتنبوا کبآئرما تنھون عنه نکفر عنکم سیاٰتکم و ند خلکم مد خلا کریما (اگر تم ان بڑے گناہوں سے جو تمہیں منع کئے گئے ہیں بچتے رہے تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی برائیاں دور کردیں گے اور تمہیں ایک عزت کے مقام یعنی جنت میں داخل کردیں گے)۔ اسی طرح یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ نیک کام کرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں مگر لمم جو کبھی کبھار ان سے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے کیونکہ وہ بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔ لمم کے معنیٰ اور اس سے مراد کیا ہے اس میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے

وہ لمم ہیں۔بعض نے صغیرہ گناہ مراد لئے ہیں۔بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کرلے وہ مراد ہیں۔

یہاں چونکہ نیکوکاروں کی صفت کبائر اور فواحش سے بچنا بتلائی ہے اور آج کل کبائر اور فواحش کا طوفان وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا ہے اور جس نے خشکی وتری اور مشرق ومغرب کو گھیر رکھا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ بعض مشہور کبائر کو یہاں پھر بیان کر دیا جائے تا کہ علم تو صحیح ہو جائے کہ مرض کو مرض اور گناہ کو گناہ سمجھا جائے اور جس کا ثمرہ یہ ہو کہ گناہوں پر ندامت اور افسوس ہو اور ندامت ہی توبہ کا اعلیٰ رکن ہے جس سے سب گناہ مٹ جاتے ہیں۔دوسرے یہ کہ جب کوئی گناہ کو گناہ سمجھے گا اور ان کو نظر میں رکھے گا تو ان شاء اللہ کسی نہ کسی وقت توبہ اور اجتناب کی بھی توفیق ہو جائے گی۔

اور ایک نہایت اہم مسئلہ یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ شریعت مطہرہ میں جس بات کو ''فرض'' کہا گیا ہے اگر کوئی اس کی فرضیت سے انکار کر دے تو وہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔مثلاً ایک شخص نماز نہیں پڑھتا یا رمضان کا روزہ نہیں رکھتا مگر سمجھتا ہے کہ میں تارک نماز فرض یا صوم فرض ہو کر گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں تو وہ مسلمان ضرور رہے گا اگرچہ گناہ گار ہے لیکن اگر کہیں اس نے یہ سمجھ لیا کہ فرض نماز کوئی ضروری چیز نہیں یعنی نماز کی فرضیت سے انکار کیا تو اسی وقت خارج از اسلام ہو گیا۔اب وہ اپنے کو مسلمان سمجھتا رہے مگر شریعت اسلامیہ اس کو مسلمان اس عقیدہ کی بنا پر نہیں سمجھتی۔اسی طرح جن چیزوں کو یا باتوں کو شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے تو ان کا مرتکب جب تک یہ سمجھتا ہے کہ میں حرام کا مرتکب ہو رہا ہوں اور اس طرح گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں اس وقت تک اس کا اسلام اور ایمان باقی ہے کہیں اگر کسی حرام کو حرام ہی کوئی نہ جانے یعنی اس کی حرمت کا منکر ہو تو پھر اس کا اسلام باقی نہیں رہتا۔اب یوں تو کبائر کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن بعض عام اور مشہور کبائر حسب ذیل ہیں:۔

کبائر

زنا۔ہم جنسیت' شراب خوری اسی طرح تاڑی' گانجہ بھنگ وغیرہ نشہ کی چیزیں پینا' چوری کرنا' پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا' ناحق کسی کو قتل کرنا' شہادت کو چھپانا' جھوٹی شہادت دینا' جھوٹی قسم کھانا' کسی کا مال غصب کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال ناحق کھانا رشوت لینا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' قطع رحمی کرنا' ناپ تول میں کمی کرنا' رمضان میں بلا عذر کے روزہ نہ رکھنا' زکوٰۃ یا روزہ کو اپنے وقت پر ادا نہ کرنا' فرض حج کئے بغیر مر جانا' کسی مسلمان کو ظلماً نقصان پہنچانا' کسی صحابی کو برا کہنا' علمائے حق اور اہل اللہ کو برا کہنا اور ان کو بدنام کرنے کے درپے ہونا' جادو سیکھنا یا سکھانا یا اس پر عمل کرنا' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا' اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بےخوف ہونا' مردار جانور کا گوشت کھانا' خنزیر کا گوشت کھانا' چغل خوری کرنا' جوا کھیلنا' کسی مسلمان یا غیر مسلم کی غیبت کرنا' مال میں اسراف یعنی ضرورت سے زائد خرچ کرنا' زمین میں فساد پھیلانا' ڈاکہ زنی کرنا' کسی صغیرہ گناہ پر مداومت کرنا' لوگوں کے سامنے بلا ضرورت شرعی ستر کھولنا' خودکشی کرنا' پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا' قضا وقدر یعنی تقدیر کا انکار کرنا' نجومی یا کاہن کی تصدیق کرنا' تہ بند یا پاجامہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا' لوگوں کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرنا اور ان کے درپے ہونا' چوسر کھیلنا' طبلہ سارنگی وغیرہ بجانا' مسلمان کا کسی

مسلمان کو کافر کہنا' ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے حقوق میں برابری نہ کرنا' حائضہ عورت سے جماع کرنا' گانے بجانے کے ساتھ رقص کرنا' دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا یا کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنا' ان کے علاوہ اور بھی بعض گناہوں کو کبیرہ کی فہرست میں علمانے شامل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ۔ظاہر و باطن گناہ سے بچنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں۔اور جو گناہ ہم سے سرزد ہو چکے ہیں عمداً وسہواً ان پر سچی توبہ کی توفیق نصیب فرمائیں۔اور اپنی وسیع رحمت ومغفرت سے معاف فرمائیں۔

اب چونکہ یہاں خدا کے خوف سے ہر چھوٹے بڑے صغیرہ۔کبیرہ گناہ سے بچنے کا ذکر آ گیا اور اسی کا دوسرا نام تقویٰ ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اگر کسی کو یہ اللہ کی توفیق سے میسر ہو جائے تو اس پر عجب و ناز نہ چاہئے کہ اپنے کو متقی پرہیزگار سمجھنے لگے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جو اپنے فضل وکرم سے ہم کو یہ دنیا کی فانی زندگی عطا فرمائی ہے تو اس زندگی کو اپنی رضا والی زندگی گذارنا نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رضا والے اعمال صالحہ کی ہمیں توفیق نصیب فرمائیں اور ہر چھوٹے بڑے صغیرہ کبیرہ گناہ سے بچنے کی ہمت وعزم نصیب فرمائیں۔اور گذشتہ میں جو تقصیرات اور گناہ ہم سے سرزد ہو چکے ہیں ان پر توبہ اور سچی ندامت نصیب فرمائیں اور اپنی رحمت سے اُن کو معاف فرمائیں۔

اے اللہ ہمیں ظاہر و باطن میں شریعت اسلامیہ کی پابندی نصیب فرما۔اور ہمارے ظاہر و باطن کو اپنی مرضیات پر قائم فرما۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا

وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، تو تم اپنے کو مقدس نہ سمجھا کرو

اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾

(بس) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

هُوَ اَعْلَمُ اور خوب جانتا ہے وہ	بِكُمْ تمہیں	اِذْ جب	اَنْشَاَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے	وَاِذْ اور جب	اَنْتُمْ تم	اَجِنَّةٌ بچے	فِىْ میں	
بُطُوْنِ پیٹ (جمع)	اُمَّهٰتِكُمْ اپنی مائیں	فَلَا تُزَكُّوْٓا پس پاکیزہ نہ سمجھو	اَنْفُسَكُمْ اپنے آپ	هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَنِ اسے جو۔جس	اتَّقٰى پرہیزگاری کی			

تفسیر وتشریح: اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر تقویٰ کی توفیق اللہ تعالیٰ نے کسی کو دے دی اور وہ کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے بچا تو یہ کوئی ناز کرنے اور شیخی مارنے اور اپنے کو بزرگ و برتر سمجھنے کی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ضعیف انسان کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جبکہ اس انسان نے اپنی ہستی کے دائرہ میں بھی قدم نہ رکھا اور جس کی ابتدا مٹی کے گارے سے ہوئی تھی (مراد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے) اور پھر دوسرے عام انسان اپنی ماں کے پیٹ میں ناپاک خون سے پرورش پاتے رہے۔ تو انسان کی اصل جب ایسی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے اور اپنی کمزوریوں کو سامنے رکھے اگر کسی کو اللہ نے اپنے فضل سے تقویٰ و پرہیزگاری کے بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس پر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے اور بزرگی جتانے کا حق نہیں۔ اسی لئے جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ باوجود تقویٰ کے پھر بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو ہی جاتی ہے۔

اس آیت میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ ”وہ تم کو اور تمہارے احوال کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب تم کو یعنی تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام کو زمین کی خاک سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے اور ان دونوں حالتوں میں تم کو اپنا علم نہ تھا تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو۔ بس تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے کہ فلاں متقی ہے فلاں نہیں گو صورۃً افعال تقویٰ کے دونوں سے صادر ہوتے ہوں“۔

یہاں اس آیت میں فلا تزکوآ انفسکم تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو فرما کر اہل ایمان کو خود پسندی اور عجب سے منع فرمایا گیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام ان کے والدین نے برہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکو کار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ نام سنا تو یہی آیت فلا تزکوآ انفسکم تلاوت فرما کر اس نام سے منع کیا کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے اور نام بدل کر زینب رکھ دیا۔

بزرگان دین۔ اور سلف صالحین اس قرآنی حکم فلا تزکوا انفسکم کے کس درجہ عامل تھے وہ ان کے اقوال وملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت حمدون جن کی وفات ۲۷۱ھ میں ہوئی ہے فرماتے ہیں جو شخص یہ خیال کرے کہ میرا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے اس نے اپنا تکبر ظاہر کر دیا۔ اس ملفوظ کی شرح میں حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس کی عام فہم توجیہ یہ ہے کہ جب تک اس عالم سے گذر نہ جائے اس کا اطمینان نہیں ہو سکتا کہ وہ

فرعون سے بہتر ہے کیونکہ انجام کا حال معلوم نہیں تو بلا دلیل اپنے کو اس سے بہتر سمجھنا تکبر ہے اور اہل حال حضرات اس امر کو وجدانا محسوس کرتے ہیں انہیں توجیہ کی حاجت نہیں۔ باقی نفس کے بدتر ہونے سے افعال کا بدتر ہونا لازم نہیں چنانچہ اس کے ساتھ ہی اپنے اعمال ایمانیہ کو فرعون کے اعمال کفریہ سے یقیناً بہتر سمجھا جائے گا۔ خود حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ کا اپنا ایک ملفوظ ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کونسی تعریف کی بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے۔ اس کو دھوکہ ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے اس لئے مجھے کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت دس عیب مجھے پیش نظر ہو جاتے ہیں"۔ (کمالات اشرفیہ حصہ دوم ملفوظ نمبر ۱۹۹)

سبحان اللہ! یہ ہوتے ہیں قرآنی احکام کے اثرات اہل اللہ کے طبائع پر۔ اس کے مقابل اب ہم اپنی حالت میں غور کریں تو عجب۔ رعونت۔ خود پسندی۔ تکبر گویا کوٹ کوٹ کر ہم میں بھرا ہوا ہے۔ اور غضب یہ کہ ان مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کا فکر بھی دامن گیر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اس آیت میں تعلیم دی گئی کہ محسنین کو عجب نہ کرنا چاہئے اور خود پسندی سے بچنا چاہئے کیونکہ مدار محسنیت کا خاتمہ پر ہے اور اپنے خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ جس طرح کہ انسان اپنی ابتدا کو نہیں جانتا وہ اللہ ہی کو معلوم ہے اسی طرح یہ خاتمہ کی حالت کو نہیں جانتا۔ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے پھر شیخی۔ عجب۔ ناز کیا کوئی اپنی بزرگی اور تقویٰ پر کر سکتا ہے۔

الغرض یہاں محسنین یعنی نیکوں کی نیکی کی کچھ توضیح فرمائی اب آگے بدوں کی برائی کی کچھ توضیح فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے نفوس کو عجب وخود پسندی وغیرہ مہلک امراض سے نجات بخشیں اور تواضع وعبدیت نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی کمزوریاں اور عیوب رکھنے اور دوسروں کی بھلائیاں پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے تقویٰ وطہارت کی دولت دنیا میں نصیب فرمائیں اور اس کی برکت سے حُسن خاتمہ اور انجام کی خیر خوبی عطا فرمائیں۔ یا اللہ! ہمیں اپنا وہ خوف وخشیت اس دنیا میں عطا فرما دے کہ جو ہم ہر چھوٹے بڑے گناہ اور نافرمانی سے بچتے رہیں۔ اور یہ آپ ہی کی توفیق اور دستگیری واعانت سے ممکن ہے۔

یا اللہ! ہم سے جو شب وروز تقصیرات سرزد ہوتی رہتی ہیں ان کا احساس ہم کو عطا فرما دے تا کہ ہم توبہ واستغفار سے آپ کی طرف رجوع رہیں اور آپ اپنی شان کریمی ورحیمی سے ہماری خطاؤں سے درگذر فرماتے رہیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ

تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے (دین حق سے) روگردانی کی۔ اور تھوڑا مال دیا اور (پھر) بند کر دیا۔ کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ کیا اس کو

لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾

اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔ اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی (اور وہ مضمون) یہ (ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔ اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی۔ پھر اُس کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اَفَرَءَيْتَ تو کیا تو نے دیکھا	الَّذِيْ تَوَلّٰى جس نے روگردانی کی	وَاَعْطٰى اور اس نے دیا	قَلِيْلًا تھوڑا سا	وَّاَكْدٰى اور اس نے بند کر دیا	اَعِنْدَهٗ کیا اسکے پاس		
عِلْمُ الْغَيْبِ علم غیب	فَهُوَ يَرٰى تو وہ دیکھ رہا ہے	اَمْ کیا	لَمْ يُنَبَّاْ وہ خبر نہیں دیا گیا	بِمَا وہ جو	فِيْ میں	صُحُفِ صحیفے	مُوْسٰى موسیٰ
وَاِبْرٰهِيْمَ اور ابراہیم	الَّذِيْ وہ جو۔جس	وَفّٰى پورا کیا	اَلَّا تَزِرُ کہ نہیں اٹھاتا	وَازِرَةٌ کوئی بوجھ اٹھانے والا	وِّزْرَ اُخْرٰى کسی دوسرے کا بوجھ		
وَاَنْ اور یہ کہ	لَيْسَ نہیں	لِلْاِنْسَانِ کسی انسان کیلئے	اِلَّا مگر	مَا سَعٰى جو اس نے سعی کی	وَاَنَّ اور یہ کہ	سَعْيَهٗ اس کی سعی	
سَوْفَ يُرٰى عنقریب دیکھی جائے گی	ثُمَّ پھر	يُجْزٰىهُ اسے بدلہ دیا جائے گا	الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى بدلہ پورا پورا				

تفسیر و تشریح: گزشتہ آیات میں نیکوکاروں یعنی محسنین و متقین کا ذکر فرمایا گیا تھا اور نصیحت فرمائی گئی تھی کہ اپنی نیکی اور تقویٰ پر ناز اور عجب نہ کریں۔

اب آگے نیکوکاروں کے مقابلہ میں بروں اور بدکاروں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ آپ نے نیکوں کی صفت تو سن لی اب آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا کہ جو دین حق سے روگردانی کرتا ہے اور اللہ کی یاد سے منہ پھیرتا ہے اور جس نے اپنی اصل کو بھول کر خالق اور مالک حقیقی کی طرف سے منہ پھیر لیا اور سچائی سے اعراض کیا۔ اور کبھی کچھ کہنا مان لیا تو پھر رسی کاٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ کچھ تھوڑا سا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور پھر دل سکیڑ لیا۔

یہاں آیت میں افرءیت الذی تولی فرمایا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے منہ پھیر لیا اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا۔ تو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات ایک مشرک ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جائے تو ایک دوسرے کافر نے کہا کہ ایسا مت کر۔ میں تیرے سب جرائم اپنے اوپر لئے لیتا ہوں۔ تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا بشرطیکہ اس قدر مال مجھ کو دیا جائے۔ ولید بن مغیرہ نے وعدہ کر لیا اور مقررہ رقم کی کچھ قسط ادا کر کے باقی سے انکار کر دیا تو یہاں آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن قرآن کریم کا طریقہ یہی ہے اور وعظ و نصیحت میں مناسب بھی یہی ہے کہ تعمیم کی جائے کہ جس شخص کی ایسی حالت ہو آیت سب کو شامل ہے۔ تو ولید بن مغیرہ نے اگرچہ مال دینے کا وعدہ اپنے مطلب کے واسطے کیا تھا لیکن وہ بھی پورا نہ دیا جس سے مفہوم ہوا کہ ایسا شخص دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کیا خرچ کرے گا جب اپنے ہی مطلب کے لئے پورا خرچ نہ کر سکا اور مال کی محبت میں ہاتھ روک لیا۔ اسی شخص کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے کہ کیا یہ شخص غیب کی

بات دیکھ آیا ہے یا اس کو کسی صحیح ذریعہ سے یہ غیب کی بات معلوم ہوگئی کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور دوسرے کو اپنی جگہ پیش کر کے چھوٹ جائے گا اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے عذاب کا متحمل ہو جائے گا۔ یہ اس شخص نے کیسے یقین کر لیا کہ اس کی طرف سے دوسرا عذاب بھگت لے گا۔ لہٰذا اس سے کہہ دیا جائے کہ کیا تو نے وہ باتیں نہیں سنی جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں لکھی ہوئی تھی کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے مجرم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جواب دہی بذات خود کرنا ہوگی۔ تو جب کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر ایسے طور سے نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ اس کا سارا گناہ دوسرا اپنے سر لے گا۔ پھر ان صحیفوں میں یہ بھی مضمون تھا کہ انسان کو ایمان کے بارہ میں صرف اپنی ہی کمائی ملے گی یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو کرے گا سو بھرے گا۔ ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہوگا جس کا اسے قیامت میں پورا بدلہ ملے گا جو وہ دنیا میں کر جائے گا۔ اور یہ مضمون بھی ان صحیفوں میں آ چکا ہے کہ سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے اور وہیں سے اس کو پورا بدلہ ملنا ہے تو جتلانا نتیجہ میں یہ مقصود ہے کہ ہر شخص کو ایمان لانا اور اسلام کا فرمانبردار ہونا چاہئے خدا تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں کو چھوڑنا چاہئے اور نیکی کمانے میں اپنی کوشش کرنی چاہئے۔ مشرکین میں ایام جاہلیت میں تو یہ عقیدہ تھا ہی کہ بتوں کی سفارش اور شفاعت سے ہمارے سب کام بن جائیں گے لیکن یہود اہل کتاب کے ہاں بھی یہ عقیدہ پختہ طور پر قائم ہو گیا تھا کہ بزرگوں کا مقبولین اور انبیاء میں سے ہونا ان کی اولاد کے لئے بالکل کافی ہے جو لوگ پیغمبروں کی نسل میں سے ہیں ان کو ان کے بزرگ نجات دلا دیں گے اور عیسائیوں نے تو نجات کے سارے مسئلہ کا دار مدار ہی کفارہ اور شفاعت کے عقیدہ پر ٹھہرا دیا۔ ان کے عقیدہ کے موافق عیسیٰ مسیح سولی پر چڑھ کر سب کی طرف سے کفارہ ادا کر گئے۔ قرآن پاک نے اس کے برخلاف سارا زور ہر فرد کی ذمہ داری اور اس سے حساب کتاب پر دیا ہے اور نجات کا دار مدار بعد فضل خداوندی کے اپنے ذاتی ایمان اور عمل پر رکھا ہے یہ نہیں کہ ایک کا ایمان اور دوسرے کی نجات' یہاں اسی مسئلہ کو ثابت فرمایا گیا ہے رہا ایصال ثواب کا مسئلہ کہ کوئی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کو منظور کر لے تو یہ الگ بات ہے جو احادیث متعددہ کی بنا پر اپنی جگہ پر بالکل ثابت ہے اس لئے مسئلہ ایصال ثواب اس آیت کے ہرگز منافی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آخرت میں کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر اس طور پر نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے۔ یہاں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کے بعض مضمون عقائد سے متعلق ذکر فرمائے گئے ابھی اگلی آیات میں انہی صحیفوں کے بعض دیگر مضامین متعلق عقائد ذکر فرمائے گئے ہیں۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو تمام اسلامی عقائد پر ایمان و یقین کامل نصیب فرما۔ اور اپنے فضل و کرم سے ہمارے ایمان و سعی کو قبول فرما کر ہماری نجات کا ذریعہ بنا۔ حق تعالیٰ ہم کو ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہم کو آخرت کی کمائی کی فکر نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! امت مسلمہ میں سے آخرت سے غفلت کے مرض کو دور فرما دے۔ ایمان و اسلام کی صحیح قدر دانی ان کو نصیب فرما دے۔ نجات آخرت کا صحیح فکر اور اس کے لئے سعی کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ

اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔ اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی دونوں قسم

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ

یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے۔ جب (رحم میں ڈالا) جاتا ہے۔ اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا اُس کے ذمہ ہے۔ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ

اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَآ

(دیکر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے۔ اور یہ کہ وہی مالک ہے ستارہ شعریٰ کا بھی۔ اور یہ کہ اُس نے قدیم قوم عاد کو (اُس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا۔ اور ثمود کو بھی کہ (ان میں سے)

اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾

کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوحؑ کو (ہلاک کیا)، بے شک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے۔ اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا۔

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ

پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا۔ سو اپنے رب کی کونسی نعمت میں شک (وانکار) کرتا رہے گا۔ یہ (پیغمبر) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں۔ (ان کو مان لو کیونکہ) وہ جلدی

الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَ

آنے والی چیز قریب آ پہنچی ہے کوئی غیر اللہ اس کا ہٹانے والا نہیں۔ سو کیا (ایسے خوف کی باتیں سُن کر بھی) تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب کرتے ہو۔ اور ہنستے ہو

لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو۔ اور تم تکبر کرتے ہو۔ سو اللہ کی اطاعت کرو (اس کی بلا شرکت) عبادت کرو۔

وَاَنَّ اور یہ کہ	اِلٰى طرف	رَبِّكَ تمہارا رب	الْمُنْتَهٰى انتہا	وَاَنَّهٗ اور بیشک	هُوَ اَضْحَكَ وہی ہنساتا ہے	وَاَبْكٰى اور وہ رلاتا ہے	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ
هُوَ اَمَاتَ وہی مارتا ہے	وَاَحْيَا اور جلاتا ہے	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ	خَلَقَ اس نے پیدا کئے	الزَّوْجَيْنِ جوڑے	الذَّكَرَ مرد	وَالْاُنْثٰى اور عورت	
مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے	اِذَا تُمْنٰى جب وہ ڈالا جاتا	وَاَنَّ اور یہ کہ	عَلَيْهِ اسی پر	النَّشْاَةَ (جی) اٹھانا	الْاُخْرٰى دوبارہ	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ	هُوَ وہی
اَغْنٰى اس نے غنی کیا	وَاَقْنٰى اور سرمایہ دار کیا	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ	هُوَ وہی	رَبُّ الشِّعْرٰى شعریٰ (ستارے) کا رب	وَاَنَّهٗ اور بیشک وہ		
اَهْلَكَ اس نے ہلاک کیا	عَادَا ۨالْاُوْلٰى عاد پہلی (قدیم)	وَثَمُوْدَا اور ثمود	فَمَآ اَبْقٰى پس اس نے باقی نہ چھوڑا	وَقَوْمَ اور قوم	نُوْحٍ نوحؑ	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	
اِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوْا وہ تھے	هُمْ وہ	اَظْلَمَ بڑے ظالم	وَاَطْغٰى اور بہت سرکش	وَالْمُؤْتَفِكَةَ اور الٹنے والی بستیاں	اَهْوٰى دے مارا	
فَغَشّٰىهَا تو اسکو ڈھانپ لیا	مَا غَشّٰى جس نے ڈھانپ لیا	فَبِاَيِّ پس کس	اٰلَآءِ نعمت	رَبِّكَ اپنا رب	تَتَمَارٰى تو شک کرے گا	هٰذَا یہ	نَذِيْرٌ ایک ڈرانیوالا
مِنَ سے	النُّذُرِ الْاُوْلٰى پہلے ڈرانے والے	اَزِفَتِ قریب آ گئی	الْاٰزِفَةُ قریب آنے والی	لَيْسَ نہیں	لَهَا اس کیلئے اس کا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	
كَاشِفَةٌ کوئی کھولنے والا	اَفَمِنْ تو کیا۔ سے	هٰذَا الْحَدِيْثِ اس بات	تَعْجَبُوْنَ تم تعجب کرتے ہو	وَتَضْحَكُوْنَ اور تم ہنستے ہو	وَلَا تَبْكُوْنَ اور تم نہیں روتے		
	وَاَنْتُمْ اور تم	سٰمِدُوْنَ غفلت کرتے (غافل) ہو	فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ پس تم سجدہ کرو اللہ کے آگے	وَاعْبُدُوْا اور اس کی عبادت کرو			

تفسیر وتشریح: حضرت موسیٰ وحضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں جو خاص ہدایات یا تعلیمات تھیں ان میں چند کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا۔ انہی صحیفوں کے مزید مضامین کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ باتیں بھی حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں بیان ہو چکی ہیں۔

(۵) سب کو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنا ہے۔

(۶) خوشی اور غم خدا کی طرف سے ہے۔

(۷) مارنا اور جلانا بھی اسی کے قدرت میں ہے۔

(۸) ایک قطرہ منی سے وہی نر و مادہ بناتا ہے۔

(۹) مرنے کے بعد وہی بار دیگر حشر میں زندہ کرے گا۔

(۱۰) غنیٰ اور تنگدستی وہی دیتا ہے۔

(۱۱) ستارہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔ جاہلیت میں مشرکین اس ستارہ کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے ستارہ پرستی کا شرک اس وقت نہ صرف عربوں بلکہ دوسری مشرک قوموں یعنی مصریوں، یونانیوں، رومیوں، ہندیوں وغیرہ میں بھی پایا جاتا تھا۔

(۱۲) ان صحیفوں میں یہ بھی بتایا گیا تھا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بداعمالی اور سرکشی و نافرمانی کا دنیا میں ثمرہ نہیں ملتا۔ قوم عاد کو اسی نے ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا۔ اور ثمود کو بھی اور قوم نوحؑ کو بھی جو سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے کہ ساڑھے نو سو برس کی دعوت میں بھی راہ پر نہ آئے اور قوم لوطؑ کی بستیوں کو بھی الٹ کر ہلاک کر دیا گیا تھا اور اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے برگزیدہ اور جلیل القدر انبیاء کے یہ مضامین بیان فرما کر حق تعالیٰ عام انسانوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے انسان جب ایسے ایسے مضامین سے تجھ کو آگاہ کیا جاتا ہے جو بوجہ ذریعہ ہدایت ہونے کے ہر ہر مضمون بجائے خود ایک نعمت ربانی ہے تو اے انسان تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت میں شک وانکار کرتا رہے گا اور ان مضامین کی تصدیق کر کے ان سے نفع حاصل نہ کرے گا۔ اس کے بعد خاتمہ کی آیات میں تمام نصیحت کا لب لباب بیان فرمایا جاتا ہے اور منکرین کو سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ پیغمبر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں اور مجرموں کو اسی طرح برے انجام سے ڈرانے والے ہیں جیسا ان سے پیشتر دوسرے انبیاء ڈرا چکے ہیں۔ تو ان کو مان لو کیونکہ قیامت قریب ہی آ لگی ہے جس کا ٹھیک وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا اور جب وقت معین آ جائے گا تو کوئی طاقت اس کو دفع نہیں کر سکتی تو اے منکرین قیامت تم کو اس کے قرب کا ذکر سن کر چاہئے تھا کہ خوف خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے مگر تم اس کے برخلاف قیامت سے تعجب کرتے ہو اور ہنس کر اسے ٹال دیتے ہو اور غافل و بےفکر ہو کر تم تکبر کرتے ہو۔ دیکھو عاقل کو زیبا نہیں کہ انجام سے غافل ہو کر نصیحت وفہمائش کی باتوں پر ہنسے اور مذاق اڑائے بلکہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی راہ اختیار کرے اور مطیع فرمانبردار ہو کر سر نیاز خداوند قہار کے سامنے جھکا دے۔

عام تعلیمات جو ان خاتمہ کی آیات میں دی گئی ہیں وہ یہی ہیں کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ رہی دنیا میں خوشی یا غمی یا امیری وفقیری تو یہ سب بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ کسی دوسرے کے قبضہ میں نہیں وہی اسباب کو پیدا کرتا ہے اور پھر اسباب میں تاثیر دیتا ہے۔ وہی ستاروں، آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور مالک ہے۔ اس کی نافرمانی پر قوموں پر دنیا ہی میں ہلاکت و بربادی کے عذاب آئے۔ اس لئے غور وفکر کرنے

والے انسان کو جو عبرت و نصیحت کا سبق یہ خاتمہ کی آیات دیتی ہیں اس کا مقتضا یہی ہے کہ اے انسانو تم سب اللہ تبارک تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آؤ۔ اس کی طاعت و عبادت کو لازم سمجھو اور اسی ایک اللہ کے سامنے جھکو اور صرف اسی کو سجدہ کرو۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور اخیر میں سجدہ تلاوت ادا کیا اور آپ کے ساتھ سب حاضرین مجلس جس میں مومنین و مشرکین اس وقت دونوں شامل تھے سب نے سجدہ کیا بجز ایک بوڑھے قریشی کے جس نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی سے لگالی اور کہا کہ مجھے یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ پھر میں نے اس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مسلمانوں کو تو سجدہ کرنا تھا ہی۔ لیکن جو مشرکین اس وقت حاضر تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی کچھ ایسی حالت غالب کر دی کہ سب سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ گو اس وقت ان کا سجدہ بوجہ کفر کے کچھ ثواب نہ رکھتا تھا مگر وہ بھی اپنا ایک اثر یہ چھوڑ گیا کہ بعد میں ان سب کو اسلام و ایمان کی توفیق ہو گئی صرف ایک آدمی کفر پر مرا جس نے سجدہ سے گریز کیا تھا۔ (معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۲۲۲)

الحمدللہ اس درس پر سورہ نجم کا بیان پورا ہو گیا۔

سورۃ النجم کے خواص

۱.....اگر کوئی آدمی ناکامیوں کا سامنا کر رہا ہو تو وہ ہرن کے چمڑے کے ٹکڑے پر سورۃ النجم لکھ کر گلے میں یا بازو میں لٹکائے تو وہ جس سے بحث کرے گا اس پر غالب آئے گا جہاں بھی جائے گا کامیاب و کامران ہو گا۔

والنجم اذھوی ...... الکبری

اگر کسی آدمی کو حافظہ کی کمزوری' دل کی کمزوری وغیرہ کی شکایت ہو' بھول جاتا ہو' قرآن کریم حفظ کرنے میں مشکل ہے تو وہ مذکورہ آیات کو شیشہ کے برتن میں عرق گلاب اور کستوری سے لکھے' آب زمزم سے دھوئے اور سات دن مسلسل نہار منہ پیئے تو اس کا دل و دماغ تر و تازہ اور حافظہ مضبوط ہو جائے گا۔

(الدرر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو زندگی دنیا میں عطا فرمائی ہے اس میں آخرت کا فکر نصیب فرمائیں اور اپنے رضا والے اعمال کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ گذشتہ قوموں کے واقعات و حالات سے ہم کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت ہو اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو بچنا نصیب ہو۔

یا اللہ گذشتہ زندگی میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ندامت قلب کے ساتھ توبہ کی توفیق نصیب ہو اور آئندہ میں اپنے احکام کی فرمانبرداری و اطاعت کے ساتھ زندہ رہنا اور مرنا نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہوگیا۔ اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ قریب آگئی	السَّاعَةُ قیامت	وَانْشَقَّ اور شق ہوگیا	الْقَمَرُ چاند	وَاِنْ يَّرَوْا اور اگر وہ دیکھتے ہیں	اٰيَةً کوئی نشانی	يُّعْرِضُوْا وہ منہ پھیر لیتے ہیں
وَيَقُوْلُوْا اور وہ کہتے ہیں	سِحْرٌ جادو	مُّسْتَمِرٌّ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا				

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں، وانشق القمر کا جملہ آیا ہے یعنی چاند پھٹ گیا جس میں اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر کی طرف اس لئے علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام قمر مقرر رہا۔

ان آیات کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً ۵ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر آئے اور آپ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ خدا کے سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلائیں۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ کفار نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی صداقت کا نشان کیا طلب کرنا چاہئے؟۔ انہوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دیں۔ امید ہے کہ وہ ایسا نہ دکھلا سکیں گے۔ انہیں یہود کے سکھلا وے سے کفار مکہ نے آپ سے شق قمر کا سوال کیا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ چودھویں شب کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان لے آؤ گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ایمان لے آئیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے دعاء کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر تھا دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر۔ لوگوں نے حیرت سے دیکھا اور ان کے حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور پھر چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فرما رہے تھے۔ اشھدوا اشھدوا یعنی اے لوگو گواہ رہو۔ اے لوگو گواہ رہو۔ کچھ دیر تک چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر جڑ کر ویسا ہی ہوگیا۔ مشرکین نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کر دیں تو سچ ہے اور وہ اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر سحر کیا ہے۔ چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا۔ ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر یعنی چاند کو پھٹ کر دو ٹکڑے ہونا دیکھا ہے مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ قیامت نزدیک آ گئی اور ان مشرکین کی

درخواست پر چاند ٹکڑے ہو گیا جو کہ رسول کے صدق کی ایک نشانی اور قرب قیامت کی ایک علامت ہے اور باوجود اس کے یہ لوگ اپنی ضد پر قائم ہیں چنانچہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو کہ ابھی ختم ہوا چاہتا ہے۔

معجزہ شق القمر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواتر اور اسانید صحیحہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف و خلف کا اجماع ہے۔ مخالفین اسلام خصوصاً عیسائی اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اوّل تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں۔ علمائے کرام نے اس اعتراض کے متعدد جوابات لکھے ہیں لیکن جو جواب شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ بڑا جامع اور مختصر ہے جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔ مولانا لکھتے ہیں:۔ ''جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون و فساد محال نہیں خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان و زمین۔ شمس وقمر۔ شجر وحجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس وقمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں۔ ہاں مستبعد ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لئے مستبعد ہونا ضروری ہے (کیونکہ معجزہ تو نام ہی اس فعل کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج حیرت انگیز ہو) رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صد ہا اور ہزاروں ایسے عجیب وغریب واقعات ہیں کہ جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں۔ توریت اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں۔ نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے اور جو صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا ہو تو تعجب نہیں۔ بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت مقامات پر اس وقت دن ہو گا اور کسی جگہ آدھی رات ہو گی عموماً لوگ سوتے ہوں گے۔ نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت قائم کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ تمام عالم کو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا۔ نیز کسی شے کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی۔ (سیرۃ المصطفٰے جلد اوّل'')۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی بایں ہمہ ہندوستان کی مشہور و مستند'' تاریخ فرشتہ'' وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں کہ مہاراجہ مالیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور اپنے روز نامچہ میں لکھوایا۔

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث ومفسر دہلویؒ اپنی تفسیر حقانی میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے راجہ بھوج کی متواتر نقل وہاں کے باشندوں میں مشہور ہے اور غالباً کسی ہندو کی تاریخ میں بھی ہو جو راجہ بھوج کے عہد میں ان کی حکومت کے حالات میں لکھی گئی ہو کہ راجہ نے جو اس وقت اپنے بام کی چھت پر بیٹھا تھا یہ واقعہ شق قمر دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر اپنے علما وفضلا سے پوچھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ سے یہ معجزہ سرزد ہونا

بحوالہ اپنے علوم متوارث کے بیان کیا جس سے وہ راجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔

الغرض اس زمانہ میں آج کل کی طرح رصدگاہیں وغیرہ اس حدتک ترقی یافتہ نہ تھیں کہ آسمان میں پیش آنے والے ہر واقعہ کا نوٹس لیتیں اور اس کو ریکارڈ پر محفوظ کر لیتیں۔ بہر حال اس معجزہ کی توثیق قرآن کریم سے ہوتی ہے اور صحیح احادیث سے بھی بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ اہل مکہ (کفار) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھلایا۔ اس کے دو ٹکڑے تھے کوہ حرا ان دونوں کے درمیان تھا۔ اجلہ صحابہ میں سے تین بزرگوں یعنی حضرت علیؓ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کی شہادت شق قمر کی چشم دید ہے۔

الغرض یہاں اللہ تعالیٰ دنیا کے خاتمہ کی اور قیامت کے قرب کی اطلاع دیتے ہیں۔ اور حقیقۃً قیامت کے نزدیک ہونے میں شبہ بھی کیا ہے۔ اول تو جب ایک انسان مرا اس کی انفرادی قیامت تو اسی وقت سے شروع ہوگئی۔ رہی اجتماعی قیامت تو جب وہ یقینی ہے اور لازمی ہے تو پھر اس کی دوری کو بھی نزدیک ہی سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرب قیامت کا یقین کامل عطا فرمائیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرا آنا اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں اور بھی چند روایات حدیث میں آپ کا قیامت کے قریب ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک بڑی علامت قیامت کی یہ بھی ہے کہ آپ کے معجزہ کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو جاویں گے پھر باہم جڑ جاویں گے۔

آگے منکرین کے متعلق مضمون ہے کہ جو اس معجزہ شق القمر کو بھی دیکھ کر تکذیب پر جمے رہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! قرآن و حدیث کی تمام بتلائی ہوئی باتوں پر ہمیں یقین کامل اور ایمان صادق نصیب فرما۔ اور دین کی باتوں سے منہ پھیر لینا اور مکر جانا اور ان کو ٹال دینا جو کافرانہ خصلت ہیں اس سے ہمیں محفوظ فرما۔

یا اللہ! آپ نے تو اپنے کلام پاک میں فرما دیا کہ قیامت نزدیک آ پہنچی مگر ہم کفار و مشرکین اور منکرین کو کیا کہیں ہمیں تو رونا اپنے اہل اسلام کے لئے ہے جو قیامت و آخرت سے بالکل غافل اور نڈر ہو کر دنیا میں زندگی گذار رہے ہیں۔ اور شب و روز معاصی اور منکرات میں مشغول ہیں۔ یا اللہ! قرب قیامت کا ہم کو وہ خوف و خشیت عطا فرما جو ہمارے دلوں سے آخرت کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی کو دور کر دے اور ہمہ وقت آخرت کا فکر ہم کو نصیب ہو جائے۔

یا اللہ! اولیاء اللہ کی کرامات اور انبیائے کرام کے معجزات جو حق ہیں ان پر ہمیں یقین صادق عطا فرما اور ان کی طرف سے کوئی شک و شبہ و خطرہ ہمارے دلوں میں نہ آنے دے۔ یا اللہ! موجودہ زمانہ جو منکرات اور ممنوعات سے لبریز ہے ہمیں اسلام حقیقی پر استقامت کاملہ نصیب فرما۔ اور ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنہ سے ہماری حفاظت فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ

ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آجاتا ہے۔ اور اُن لوگوں کے پاس (تو امم ماضیہ کی بھی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں (کافی) عبرت ہو

مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶

یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی (حاصل ہوسکتی) ہے۔ سو خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ ہی نہیں دیتیں۔ تو آپ ان کی طرف سے خیال نہ کیجئے جس روز ایک بُلانے والا فرشتہ

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ

(ان کو) ایک ناگوار چیز کی طرف بلاوے گا۔ اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی (اور) قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے۔ (اور پھر نکل کر)

اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے، کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔

وَكَذَّبُوْا اور انہوں نے جھٹلایا	وَاتَّبَعُوْا اور پیروی کی	اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات	وَكُلُّ اَمْرٍ اور ہر کام	مُسْتَقِرٌّ وقت مقرر	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ اور تحقیق آ گئی ان کے پاس		
مِنَ سے	الْاَنْۢبَآءِ (جمع) خبریں	مَا فِيْهِ جس میں	مُزْدَجَرٌ ڈانٹ (عبرت)	حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ حکمت بالغہ (کامل دانشمندی)	فَمَا تُغْنِ تو نہ فائدہ دیا		
النُّذُرُ ڈرانیوالے	فَتَوَلَّ سو تم منہ پھیرلو	عَنْهُمْ ان سے	يَوْمَ جس دن	يَدْعُ بلائے گا	الدَّاعِ ایک بلانے والا	اِلٰى طرف	شَيْءٍ نُّكُرٍ شے ناگوار
خُشَّعًا جھکی ہوئی	اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں	يَخْرُجُوْنَ وہ نکلیں گے	مِنَ الْاَجْدَاثِ قبروں سے	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ	جَرَادٌ ٹڈیاں	مُنْتَشِرٌ پراگندہ	
مُهْطِعِيْنَ لپکتے ہوئے	اِلَى الدَّاعِ پکارنے والے کی طرف	يَقُوْلُ کہیں گے	الْكٰفِرُوْنَ کافر (جمع)	هٰذَا یہ	يَوْمٌ عَسِرٌ بڑا سخت دن		

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیات میں سورۃ کی ابتدا قیامت کے ذکر سے فرمائی گئی تھی کہ قیامت کو بس آیا ہی سمجھو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند کا پھٹ جانا یہ ایک نمونہ اور نشانی ہے قیامت کی کہ آگے سب کچھ یونہی پھٹے گا اور مٹے گا۔ منکرین و کفار کو چاہئے تو یہ تھا کہ ایسا عظیم الشان معجزہ دیکھ کر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آتے مگر ان کفار کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو یہ کہہ کر کہ یہ جادو ہے اس کو ٹال دیتے ہیں۔ اب آگے ان آیات میں انہی منکرین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے ہر قسم کے احوال اور تباہ شدہ قوموں کے واقعات ان منکرین کو بتلائے جا چکے ہیں جن میں اگر غور وفکر کریں تو ان سے اعلیٰ درجہ کی دانشمندی اور کافی عبرت حاصل ہوسکتی ہے قرآن کریم پوری حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی ذرا نیک نیتی سے توجہ کرے تو دل میں اس کی نصیحتیں اترتی چلی جائیں مگر افسوس کہ اتنے سامان ہدایت کی موجودگی میں بھی ان منکرین پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور کوئی نصیحت وفہمائش ان کو کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ کان پر جوں تک نہیں رینگتی لہٰذا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سنگدل بدبختوں کو منہ نہ لگایئے۔ آپ فرض تبلیغ ودعوت پوری طرح ادا کر چکے۔ اب زیادہ ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس وقت ماننے والے نہیں۔ یہ تو قیامت کو دیکھ کر ہی مانیں گے جس روز ایک پکارنے والا فرشتہ مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں پکاریں گے کہ چلو میدان حشر کی طرف اس وقت خوف اور ہیبت کے مارے ذلت وندامت کے ساتھ یہ منکرین آنکھیں جھکائے ہوں گے کیونکہ قبروں سے نکلتے ہی انہیں محسوس ہو جائے گا کہ یہ وہی دوسری زندگی ہے جس کا ہم انکار کرتے تھے اور جس کے لئے ہم کوئی تیاری کر کے نہیں آئے اور اب ہم کو مجرم کی حیثیت سے پیش ہونا ہے چنانچہ تمام اگلے پچھلے قبروں سے نکل کر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑیں گے اور خداوند قدوس کی عدالت میں حاضری دینے کے لئے تیزی

12

کے ساتھ دوڑتے ہوں گے۔ یہاں انسانوں کے قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف جانے کی مثال ٹڈی دل سے دی گئی ہے۔ انسانوں کے اس انبوہ عظیم کی قریب ترین مثال جو اس دنیا میں دی جا سکتی ہے وہ ٹڈی دل ہی کی ہے۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ ٹڈی دل جب کبھی اپنی پوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے تو ساری فضائے آسمانی پر میلوں بلکہ منزلوں تک ٹڈیوں کے دل کے بادل تہ بتہ چھا جاتے ہیں اور دن کی روشنی ماند ہو کر تاریکی پھیل جاتی ہے۔ مبصرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مشرقی افریقہ میں جب ٹڈی دل پوری قوت کے ساتھ آیا ہے تو عرض میں تین میل اور طول میں ساٹھ میل تک تھا اور ٹڈیوں کی تعداد کا تخمینہ اس وقت سو کھرب یا ایک نیل (1,.........,.........) کا کیا گیا اور بعض دل اس سے بھی بڑے بڑے مشاہدہ میں آچکے ہیں (تفسیر ماجدی۔سورہ قمر)

پھر یہاں جو آیت میں قبروں سے نکلنا فرمایا گیا ہے تو اس سے مراد زمین میں کھود کر جو قبر بنائی جاتی ہے وہ قبر مراد نہیں ہے بلکہ عالم قبر مراد ہے اور جو مرنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے جس کو عالم برزخ یا عالم مثال بھی کہتے ہیں اور جو عالم آخرت شروع ہونے تک قائم رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص جہاں بھی مرا ہوگا اور جس جگہ اس کی خاک پڑی ہوگی وہیں سے وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا۔ تو کفار منکرین اس دن یعنی یوم حشر کے ہولناک احوال اور اپنے جرائم کا تصور کر کے کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھو اب کیا گزرے گی۔

اب یہاں یہ غور کیجئے کہ منکرین و مکذبین کی بدخصلت جو اس جگہ ظاہر فرمائی گئی وہ واتبعوا اھواءھم فرمائی گئی یعنی انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی تو معلوم ہوا کہ نفسانی خواہشات کی پیروی کتنا شدید جرم ہے کہ ایک کافر مشرک کا کفر وشرک پر جمے رہنا۔ اسی اتباع ہویٰ کی بدولت ہوا۔ ھویٰ یعنی خواہشات نفس اور اس کے مقابل ھدیٰ یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر وشر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے اور جس سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ھویٰ کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح ہر خیر و نیکی اتباع ھدیٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ تو جہاں کافروں کے لئے اتباع ھویٰ مہلک ہے وہیں اہل اسلام کے لئے اتباع ہویٰ ایمان کو پامال کرنے والی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل کر سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبویؐ کے تابع و ماتحت ہو جائیں۔ تو اتباع ہوٰی ایسی بری چیز ہے کہ نہ صرف کافر و مشرک کو کفر و شرک کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ بلکہ ایک مومن کو بھی حقیقی ایمان سے محروم رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم فرمائے اور ہمیں بھی اپنی حالتوں پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ آیا ہماری اکثریت اتباع ہوٰی کا شکار ہے اور نفسانی خواہشات کے جال میں پھنسی ہوئی ہے یا اتباع ھدیٰ پر گامزن ہے اور ہدایات نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تابع و ماتحت اپنا شب و روز گزار رہی ہے۔ ملک اور قوم کی حالت سے ہر فرد خوب واقف ہے۔ خود ہی فیصلہ کر لے۔ تفصیل عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب بتائیے اتباع تو ہو ھوٰی کا اور انجام و نتیجہ ہم چاہیں اتباع ھدیٰ کا تو اس کم عقلی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ہی اس ملک اور قوم کو اتباع ہوٰی کی دلدل سے نکالنے والے ہیں۔

اب آگے بتلایا جاتا ہے کہ اتباع ہوٰی میں پھنس کر جو کفر و شرک اور نافرمانی و سرکشی میں گرفتار رہتے ہیں وہ آخرت میں تو اس کا نتیجہ بھگتیں گے ہی لیکن ایسی نافرمان و سرکش قوم کو دنیا میں بھی سخت حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر چند گذشتہ نافرمان اقوام کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ

ان لوگوں سے پہلے قوم نوحؑ نے تکذیب کی۔یعنی ہمارے بندے (خاص نوحؑ) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہے اور نوحؑ کو دھمکی دی گئی۔تو نوحؑ نے اپنے رب سے دعاء کی کہ میں درماندہ ہوں

فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ

سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجئے۔پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے۔اور زمین سے چشمے جاری کردیئے پھر (آسمان اور زمین کا) پانی

عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ

اس کام کے (پورا ہونے کے) لئے مل گیا جو (علم الٰہی میں) تجویز ہو چکا تھا۔اور ہم نے نوحؑ کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں رواں تھی (مع مومنین کے) سوار کیا۔

كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ

یہ سب کچھ اس شخص کا بدلہ لینے کیلئے کیا جس کی بے قدری کی گئی تھی۔اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے رہنے دیا، کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔پھر (دیکھو) میرا عذاب

يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

اور میرا ڈرانا کیسا ہوا۔اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	قَوْمُ نُوْحٍ قوم نوح	فَكَذَّبُوْا تو انہوں نے جھٹلایا	عَبْدَنَا ہمارے بندے	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	مَجْنُوْنٌ دیوانہ
وَازْدُجِرَ اور ڈرایا دھمکایا گیا	فَدَعَا پس اس نے پکارا	رَبَّهٗ اپنا رب	اَنِّىْ کہ میں	مَغْلُوْبٌ مغلوب	فَانْتَصِرْ پس میرا انتقام لے	فَفَتَحْنَا تو ہم نے کھولدیئے
اَبْوَابَ السَّمَآءِ آسمان کے دروازے	بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ کثرت سے برسنے والے پانی سے	وَفَجَّرْنَا اور ہم نے جاری کردیئے	الْاَرْضَ زمین	عُيُوْنًا چشمے		
فَالْتَقَى پس مل گیا	الْمَآءُ پانی	عَلٰٓى اَمْرٍ اس کام پر	قَدْ قُدِرَ (جو) مقرر ہو چکا تھا	وَحَمَلْنٰهُ اور ہم نے سوار کیا اسے	عَلٰى پر	ذَاتِ اَلْوَاحٍ تختوں والی
وَّدُسُرٍ اور کیلوں والی	تَجْرِىْ چلتی تھی	بِاَعْيُنِنَا اپنی آنکھوں کے سامنے	جَزَآءً بدلہ	لِّمَنْ اس کیلئے جس	كَانَ كُفِرَ ناقدری کی گئی	
وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اور تحقیق ہم نے اسے رہنے دیا	اٰيَةً ایک نشانی	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت پکڑنے والا	فَكَيْفَ كَانَ پس کیسا ہوا		
عَذَابِىْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا اور تحقیق ہم نے آسان کیا	الْقُرْاٰنَ قرآن	لِلذِّكْرِ نصیحت کیلئے	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت پکڑنے والا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین ومکذبین کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے دن ہولناک احوال اور اپنے جرائم کا تصور کر کے منکرین کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھئے اب کیا گزرے گی؟ اسی سلسلہ میں آگے بتلایا جاتا ہے کہ منکرین کے لئے قیامت اور آخرت کا عذاب تو اپنے وقت پر ضرور آئے گا لیکن بہت سے منکرین ومکذبین کے لئے عذاب آخرت سے قبل دنیا ہی میں ایک سخت دن آچکا ہے چنانچہ مثال کے طور پر پچھلی قوموں میں سے قوم نوح، عاد، ثمود۔قوم لوط اور آل فرعون کا حال مختصراً الفاظ میں بیان کر کے جتلایا گیا کہ خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تعلیمات کو جھٹلا کر یہ قومیں کس دردناک عذاب سے دوچار ہوئیں اور ہر قوم کے قصہ اور انجام کو بیان کرنے کے بعد یہ بات دہرائی گئی ہے کہ یہ قرآن نصیحت کا آسان ذریعہ ہے جس سے اگر کوئی سبق لے کر راہ راست پر آجائے اور اس کی تعلیمات واحکام کو مان لے تو ان عذابوں کی نوبت نہیں آسکتی جو ان قوموں پر نازل ہوئے اس طرح پچھلی قوموں کی عبرتناک تاریخی مثالیں دینے کے بعد کفار مکہ کو اخیر

میں خطاب کر کے فرمایا گیا کہ جس طرز عمل پر دوسری قومیں سزا پا چکی ہیں اور دنیا میں تباہ ہو چکی ہیں وہی طرز عمل یعنی انکار و تکذیب اگر تم نے اختیار کیا تو تم کو بھی وہی سزا ملے گی۔ یہاں پہلے قوم نوح کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ان کفار مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم انکار و تکذیب کر چکی ہے اور قیامت و آخرت کو جھٹلا چکی ہے اور اپنے نبی اور ان کی تعلیم کو ماننے سے انکار کر چکی ہے اور محض نبی اور اس کی تعلیم سے انکار و تکذیب ہی نہیں برتا بلکہ الٹا نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے منکرین نے دیوانہ قرار دیا۔ دھمکیاں دیں۔ لعنت ملامت کی۔ برا بھلا کہا اور نوح علیہ السلام کو تبلیغ دین سے باز رکھنے کی کوشش کی اور ان کا جینا دوبھر کر دیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگ جب حضرت نوح علیہ السلام کو کہیں پاتے تو بعض اوقات ان کا گلا گھونٹ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو جاتے پھر جب افاقہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے۔ یا اللہ میری قوم کو معاف کر دے وہ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ساڑھے نو سو برس قوم کی ایسی ایذاؤں کا جواب دعاؤں سے دے کر اور سینکڑوں برس ہر طرح سمجھانے بجھانے پر بھی جب قوم کے منکرین نہ سمجھے تو نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں ان سے عاجز آ چکا ہوں۔ ہدایت اور فہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اب آپ ہی اپنے دین کا اور پیغمبر کا بدلہ لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔ حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور اس قدر پانی ٹوٹ کر برسا کہ گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور نیچے سے زمین کے پردے پھٹ پڑے اور اتنا پانی ابلا کہ گویا ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی پھر اوپر اور نیچے کا یہ سب پانی مل کر اس کام کے لئے اکٹھا ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے سے مقدر ہو چکا تھا یعنی قوم نوح کے کفار منکرین کی ہلاکت و غرقابی۔ ادھر اس ہولناک طوفان کے وقت نوح علیہ السلام کی کشتی جو طوفان آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے موافق نوح علیہ السلام نے بنائی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن چین سے چلتی رہی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کفار و منکرین نے حضرت نوح علیہ السلام کی بے قدری کی اور اللہ کی باتوں کا انکار کیا یہ غرقابی اور ہلاکت اس کی سزا ملی۔ اب اس واقعہ پر نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ سوچنے اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ منکرین نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کیسا ہولناک اور اس کا ڈرانا کس قدر سچا ہے۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ اس قرآن پاک سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے کیونکہ جو مضامین ترغیب و ترہیب اور وعظ و تلقین کے اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل صاف۔ سہل اور موثر ہیں پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔

اب یہاں قوم نوحؑ پر دنیا میں غرقابی کی ہلاکت کا عذاب بیان فرما کر جو اخیر میں **فھل من مدکر** o فرمایا یعنی ہے کوئی اس واقعہ سے نصیحت حاصل کرنے والا؟ مطلب یہ کہ اس واقعہ سے ہر ایک کو نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ اب کفار و مشرکین اور منکرین و مکذبین کے لئے تو ایک نصیحت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی مخالفت نافرمانی اور تکذیب اور انکار سے باز آ جاؤ۔ اور دیکھو نوح علیہ السلام کی قوم باز نہ آئی تو نتیجہ میں دنیا ہی میں ہلاک تباہ و برباد ہوئی۔ اور ایک دوسری نصیحت **جزآء لمن کان کفر** o کے جملہ سے دی جاتی ہے کہ یہ سب کچھ یعنی قوم نوح کی تباہی بربادی اور ہلاکت اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا گیا جس کی بے قدری کی گئی تھی جس کا انکار کیا گیا تھا یعنی نوح علیہ السلام کے لئے انتقام اور بدلہ لیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین کے لئے انتقام لیتے ہیں لہٰذا ان کی نافرمانی اور مخالفت کر کے ان کو ایذاء ہرگز نہ دینا چاہئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے انتقام اور غضب کو دعوت دینا ہے۔ اب یہ تو کفار و مشرکین اور منکرین و مکذبین کے لئے نصیحتیں ہیں۔ مگر کیا اس میں کوئی نصیحت ان کے لئے بھی ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول

اللہ کہہ کر قرآنی احکام سے نہ صرف انحراف اور اعراض ہے بلکہ بغاوت اور کھلم کھلا مخالفت ہے؟ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ رکھنے کے باوجود خدائی احکام کو دن رات ٹھکرا رہے ہیں؟ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے آپ کی شریعت۔ آپ کی ہدایت آپ کی تعلیم سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح اللہ کے رسول کی بے قدری کر کے ایک درجہ میں آپ کی ایذا دہی کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں۔ کیا خداوند قدوس کا فرمان فکیف کان عذابی ونذر ہ (پھر دیکھو میرا عذاب اور ڈرانا اور مجرم قوم سے انتقام لینا کیسا ہوا؟) آج اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی کتاب کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے کوئی ڈر اور خوف پیدا کرنے کی چیز نہیں؟ مولائے کریم ہماری حالتوں پر رحم فرما دیں۔ اور نافرمان قوموں کے عبرتناک انجام سے ہمیں سبق و نصیحت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائیں۔

دیکھئے یہاں ایک عبارت بہت ہی ڈرتے ہوئے اور کانپتے ہوئے دل سے حضرت اقدس حکیم الامتہ۔ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مشہور تفسیر بیان القرآن سے نقل کرتا ہوں جو آٹھویں پارہ سورہ اعراف کی ایک آیت کے تحت حضرت رحمتہ اللہ نے لکھی ہے۔ ذرا غور سے ملاحظہ ہو۔ حضرت والا لکھتے ہیں۔

''جیسے قلب سے تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں مخالفت و عداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے خوب سمجھ لو''۔ (بیان القرآن سورہ اعراف صفحہ ۳۲۱)

اللہ تعالیٰ ہی ہمارے قلب اور زبان اور برتاؤ و طرز عمل کی حفاظت فرمائیں اور ہمیں اسلام صادق نصیب فرمائیں۔

اب آگے دوسری نافرمان انکار و تکذیب کرنے والی قوم عاد کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جب ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی اور ہم کو خاتم الانبیاء سردار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا ہے تو ہمیں ان نعمتوں کی سچی قدر دانی کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور نافرمان قوموں کی طرح اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کی بے قدری سے بچنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ نافرمان قوموں کے واقعات سے ہم کو نصیحت و عبرت عطا فرما اور اپنی اور اپنے رسول پاک ؐ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنا نصیب فرما۔

یا اللہ ہمیں اپنے عذاب سے دنیا و آخرت دونوں جہان میں پناہ بخشئے اور ہم کو اپنی رضا والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ

عاد نے (بھی اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک تند ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں۔

نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي

وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اُکھاڑ اُکھاڑ پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ ثمود نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اور کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے۔

مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور (بلکہ) جنون میں پڑ جاویں۔ کیا ہم سب میں سے (منتخب ہو کر) اسی پر وحی نازل ہوئی ہے (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا

أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ

اور بڑا شیخی باز ہے۔ ان کو عنقریب (مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا (اور) شیخی باز کون تھا۔ ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں ان کی آزمائش کیلئے سو ان کو دیکھتے بھالتے رہنا

وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى

اور صبر سے بیٹھے رہنا۔ اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی (کنویں کا) ان میں بانٹ دیا گیا ہے، ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے گا۔ سو انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا سو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا

فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ

اور مار ڈالا۔ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ (فرشتہ کا) مسلط کیا سو وہ (اس سے) ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے (کی باڑ) کا چورا۔

الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ جھٹلایا	عَادٌ عاد	فَكَيْفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	عَذَابِي میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	إِنَّا أَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجی	عَلَيْهِمْ ان پر	رِيحًا ہوا
صَرْصَرًا تیز	فِي میں	يَوْمِ نَحْسٍ نحوست کے دن	مُّسْتَمِرٍّ چلتی گئی	تَنْزِعُ وہ اکھاڑ دیتی (پھینکتی)	النَّاسَ لوگ	كَأَنَّهُمْ گویا کہ وہ	أَعْجَازُ تنے	
نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ جڑ سے اُکھڑی ہوئی کھجور	فَكَيْفَ سو کیسا	كَانَ ہوا	عَذَابِي میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ اور البتہ تحقیق			
يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ ہم نے آسان کردیا قرآن	لِلذِّكْرِ نصیحت کیلئے	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا	كَذَّبَتْ ثَمُودُ جھٹلایا ثمود نے				
بِالنُّذُرِ ڈرانیوالوں کو	فَقَالُوا پس انہوں نے کہا	أَبَشَرًا کیا ایک بشر	مِّنَّا اپنے میں سے	وَاحِدًا ایک	نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا ہم پیروی کریں اسکی بیشک ہم اس صورت میں			
لَّفِي ضَلَالٍ البتہ گمراہی میں	وَسُعُرٍ اور دیوانگی	أَأُلْقِيَ کیا ڈالا (نازل) کیا گیا	الذِّكْرُ ذکر (وحی)	عَلَيْهِ اس پر	مِنْ بَيْنِنَا ہمارے درمیان (ہم میں سے)			
بَلْ هُوَ بلکہ وہ	كَذَّابٌ بڑا جھوٹا	أَشِرٌ خود پسند	سَيَعْلَمُونَ وہ جلد جان لیں گے	غَدًا کل	مَّنِ کون	الْكَذَّابُ بڑا جھوٹا	الْأَشِرُ خود پسند	إِنَّا بیشک ہم

مُرۡسِلُوا بھیجنے والے	النَّاقَةِ اونٹنی	فِتۡنَةً آزمائش	لَّهُمۡ ان کیلئے	فَارۡتَقِبۡهُمۡ سوتو انتظار کر ان کا	وَاصۡطَبِرۡ اور صبر کر	وَنَبِّئۡهُمۡ اور انہیں خبر دے	
اَنَّ الۡمَآءَ کہ پانی	قِسۡمَةٌ تقسیم کردیا گیا	بَيۡنَهُمۡ ان کے درمیان	كُلُّ ہر	شِرۡبٍ پینے کی باری	مُّحۡتَضَرٌ حاضر کیا گیا (حاضر ہونا)	فَنَادَوۡا توانہوں نے پکارا	
صَاحِبَهُمۡ اپنے ساتھی کو	فَتَعَاطٰى سواس نے دست درازی کی	فَعَقَرَ اور کونچیں کاٹ دیں	فَكَيۡفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	عَذَابِىۡ میرا عذاب	وَ اور	نُذُرِ میرا ڈرانا
اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا بیشک ہم نے بھیجی	عَلَيۡهِمۡ ان پر	صَيۡحَةً چنگھاڑ	وَّاحِدَةً ایک	فَكَانُوۡا سووہ ہوگئے	كَهَشِيۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ طرح سوکھی روندی ہوئی باڑ باڑ لگانے والا		
وَلَقَدۡ اور البتہ تحقیق	يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ ہم نے آسان کیا قرآن	لِلذِّكۡرِ نصیحت کیلئے	فَهَلۡ تو کیا ہے	مِنۡ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ اس قوم نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی اور ان کا کہنا ماننے سے انکار کیا۔

اب آگے دوسرا اور تیسرا واقعہ قوم عاد اور قوم ثمود کی نافرمانی اور اس کا انجام سنا کر منکرین کو ڈرایا اور سمجھایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو عاد نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کی باتوں کو جھٹلایا پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا کا عذاب بھیجا اور ایسا سخت آندھی کا طوفان آیا کہ ہوا نے آدمیوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹکا اور قوم عاد کے لحیم شحیم۔ موٹے تازے اور لمبے تڑنگے ایسے نظر آتے تھے جیسے کھجور کا تنہ جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔ سورہ الحاقہ ۲۹ ویں پارہ میں فرمایا گیا کہ ہوا کا یہ طوفان مسلسل سات رات اور آٹھ دن جاری رہا جس نے عاد کو نیست نابود کر کے رکھ دیا۔ اس واقعہ کو بیان کر کے جتلایا جاتا ہے کہ دیکھ لو کیسا تھا اللہ تعالیٰ کا عذاب اور کیسا تھا اس کا ڈرانا۔ اس سے عبرت حاصل کرو اور قرآن سے نصیحت حاصل کرو۔ اور قرآن سے نصیحت حاصل کرنا آسان ہے بشرطیکہ کوئی نصیحت سننے اور ماننے کے لئے تیار ہو۔ قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ اس قوم نے بھی سرکشی کی اور اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان کی باتوں کو جھٹلایا اور جب حضرت صالح علیہ السلام نے سمجھایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کو مانو اور میرا کہنا سنو تو قوم کے لوگ کہنے لگے کہ کیا خوب ہمارے ہی جیسا آدمی اور وہ بھی بے یار و مددگار۔ نہ کوئی اس کے ساتھ جتھا۔ نہ لاؤ لشکر۔ ایسے بے حیثیت آدمی کی بات مانیں تو کیا ہماری عقل ماری گئی ہے۔ کوئی آسمان کا فرشتہ ہوتا۔ یا سردار مالدار یا بادشاہ ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔ کیا ہم میں بس ایک یہی رہ گیا تھا کہ جس کو ہمارا سمجھانے والا مقرر کیا گیا۔ کیا پیغمبری کے لئے بس یہی رہ گیا تھا؟ کچھ نہیں سب جھوٹ ہے۔ خوامخواہ کی بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے اپنا رسول بنا دیا اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے۔ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) منکرین و مکذبین کے ان اقوال پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ دونوں فریق میں جھوٹا اور بڑائی مارنے والا کون ہے۔ پھر قوم کے لوگوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ پتھر کی چٹان سے اونٹنی پیدا ہو۔ اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان کی فرمائش کے مطابق پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں اس کے ذریعہ سے جانچا جائے گا کہ کون اللہ و رسول کی بات مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ پس اے پیغمبر یعنی حضرت صالح علیہ السلام آپ صبر سے ان کی حالت دیکھتے رہیں کہ ان کی نافرمانی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اور ان کی گت بننے والی ہے اور ان لوگوں کو جب اونٹنی پیدا ہو بتلا دینا کہ پانی پلانے کی باری مقرر کر لو۔ ایک دن قوم کے مویشی پئیں گے دوسرے دن یہ اونٹنی پئے گی۔ پھر باری کا خیال رکھا جائے۔ الغرض قوم ثمود کے مالداروں کو یہ بات ناگوار گزری اور سازش ہوئی کہ یہ باری کا جھگڑا اور پابندی ختم کی جائے۔ آخر ایک شخص ان میں سے آمادہ ہو گیا کہ اونٹنی کو ختم کیا جائے چنانچہ اس کمبخت نے اونٹنی پر وار کیا اور اس کو مار ڈالا۔ جس پر عذاب خداوندی ان پر نازل ہوا اور ایک زور کی چنگھاڑ ہوئی

اور سارے ثمودی جو ایمان نہ لائے تھے سب اس آواز سے ہلاک ہو گئے۔ قوم ثمود کے واقعہ کو سنا کر اخیر میں پھر وہی تنبیہ و نصیحت ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اور قرآن سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے اور اس سے نصیحت حاصل کرنا آسان ہے بشرطیکہ کوئی سوچنا سمجھنا چاہے۔

الغرض یہ عاد و ثمود کے قصے بھی اسی لئے سنائے گئے کہ اپنے پیغمبر کی نافرمانی کر کے اور سرکشی برت کے گذشتہ قومیں کس طرح ہلاکت۔ تباہی و بربادی سے دنیا ہی میں دوچار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ اس امت مسلمہ کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا اور نافرمانی اطاعت کی ضد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا خاصہ ہی انسان کے لئے تباہ کن ہے۔ اور آج جو یہ امت باوجود اللہ اور اس کے رسول نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمانی کے دنیا میں قائم ہے یہ محض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے امت کے ساتھ شفقت اور دعا کا صدقہ ہے کیونکہ احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ میری ساری امت کسی عذاب عام سے ہلاک نہ فرمائی جائے گذشتہ امتوں کی طرح اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بھی سنادی کہ میرے خدا نے میری یہ دعا قبول فرمالی۔ اس بنا پر یہ امت عذاب عام سے دنیا میں بچی ہوئی ہے اور آئندہ بچی رہے گی۔ مگر آخرت کا معاملہ جدا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے۔ صحابہ نے دریافت فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔

حضرت علامہ مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''ترجمان السنۃ'' میں اس حدیث شریف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ انکار دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ زبان سے انکار کرے۔ ایسا منکر تو کافر ہے اور کبھی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ دوسرا یہ کہ زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرز عمل میں کھلے منکر کے مشابہ ہے یہ گو اقرار کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں یہ بھی گویا منکر ہے۔ لہٰذا اسے بھی ان منکرین کے ساتھ کچھ دن رہنا ہوگا گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر نجات ہو جائے۔ رسول کے لائے ہوئے دین کو ماننا ایمان ہے اور اس کی اطاعت کرنا قلبی ایمان کی علامت ہے۔ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہیں'' (ترجمان السنۃ۔ جلد اول صفحہ ۳۴۷)

اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اطاعت نصیب فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی نافرمانی سے قول میں۔ فعل میں۔ ظاہر میں باطن میں کامل طور پر بچائیں۔

اب قوم عاد و ثمود کے بعد چوتھا قصہ لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نافرمان قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچائیں۔ قرآن پاک کی نصیحتوں کو دل و جان سے اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝٣٣ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً

قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن پر پتھروں کا مینہ برسایا، بجز متعلقین لوطؑ کے (یعنی بجز مومنین کے) کہ ان کو اخیر شب میں بچالیا۔ اپنی جا ب ـــــ

مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝٣٥ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝٣٦ وَلَقَدْ

فضل کر کے جو شکر کرتا ہے ہم اُسے ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور (قبل عذاب آنے کے) لوطؑ نے اُن کو ہمارے دارو گیر سے ڈرایا تھا انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے۔

رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝٣٧ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً

اوران لوگوں نے لوطؑ سے ان کے مہمانوں کو با ارادہ بد لینا چاہا، سو ہم نے اُن کی آنکھیں چوپٹ کردیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور (پھر) صبح سویرے ان پر

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣٨ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝٣٩ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝٤٠

عذاب دائمی آپہنچا۔ کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے

كَذَّبَتْ جھٹلایا	قَوْمُ لُوْطٍ لوط کی قوم نے	بِالنُّذُرِ ڈرانیوالے (رسول)	اِنَّا بیشک ہم	اَرْسَلْنَا ہم نے بھیجی	عَلَيْهِمْ ان پر	حَاصِبًا پتھر برسانے والی آندھی
اِلَّا سوائے	اٰلَ لُوْطٍ لوط کے اہل خانہ	نَجَّيْنٰهُمْ ہم نے بچالیا انہیں	بِسَحَرٍ صبح سویرے	نِعْمَةً فضل فرما کر	مِنْ عِنْدِنَا اپنی طرف سے	كَذٰلِكَ اسی طرح
نَجْزِيْ ہم جزا دیتے ہیں	مَنْ شَكَرَ جو شکر کرے	وَ اور	لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ تحقیق (لوطؑ نے) انہیں ڈرایا	بَطْشَتَنَا ہماری پکڑ سے	فَتَمَارَوْا تو وہ جھگڑنے لگے	
بِالنُّذُرِ ڈرانے میں	وَلَقَدْ اور البتہ تحقیق	رَاوَدُوْهُ انہوں نے (لوطؑ سے) لینا چاہا	عَنْ سے	ضَيْفِهٖ اس کے مہمان	فَطَمَسْنَا تو ہم نے مٹا دیں	
اَعْيُنَهُمْ انکی آنکھیں	فَذُوْقُوْا پس چکھو تم	عَذَابِيْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ اور تحقیق	صَبَّحَهُمْ صبح آن پڑا ان پر	بُكْرَةً سویرے
عَذَابٌ عذاب	مُسْتَقِرٌّ ٹھہرنے والا (دائمی)	فَذُوْقُوْا پس چکھو تم	عَذَابِيْ میرا عذاب	وَنُذُرِ اور میرا ڈرانا	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کیا	
الْقُرْاٰنَ قرآن	لِلذِّكْرِ نصیحت کیلئے	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا			

تفسیر و تشریح: کفار مکہ اور مشرکین عرب کی عبرت و نصیحت کے لئے گذشتہ آیات میں قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود کا حال بیان کیا گیا۔

اسی سلسلہ میں اب چوتھا قصہ مختصراً قوم لوط کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔ لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کے واقعات تفصیلاً سورہ ہود بارہویں پارہ میں اور سورہ حجر چودھویں پارہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور شب و روز کی پند و نصائح کا قوم پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بد اخلاقیوں اور بد کرداریوں پر اسی طرح مصر رہی تو پھر اس قوم کو بھی وہی پیش آیا جو خدا کے بنائے ہوئے قانون جزا کا یقینی فیصلہ ہے۔ یعنی بد کرداریوں پر اصرار کی سزا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو نہایت حسین و خوبصورت جوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمانوں کے طور پر بھیج دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، انسانی صورتوں میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان مہمانوں کو جو اپنی شکل و صورت میں حسین و خوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی حیثیت میں دیکھا تو گھبرا گئے اور

خوف کیا کہ نہ معلوم بد بخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے کیونکہ ابھی تک آپ کو یہ نہ بتایا گیا تھا کہ وہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔قوم کے بدکردار لوگوں کو جب خبر لگی کہ حضرت لوط کے ہاں ایسے خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ آپ کے گھر پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ ان مہمانوں کو ان کے حوالہ کر دیں حضرت لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو انسانیت کو برتے اور حق کو سمجھے۔ ان کو اس ذلیل حرکت سے باز رہنے کے لئے ہر طرح سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں کو نکال لینے کی کوشش کی۔ اس مرحلہ پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیر دیا جس سے وہ بالکل اندھے ہو گئے اور ٹٹولتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں ہم ملائکہ ہیں اور بغرض عذاب آئے ہیں خدا کا فیصلہ ان کے حق میں ہو چکا ہے اور اب عذاب الٰہی ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں۔ آپ اور آپ کے گھر والے رات ہوتے ہی اس بستی سے رخصت ہو جائیں کیونکہ صبح ہونے سے پہلے ہی ان پر عذاب نازل ہوگا۔ آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا مگر آپ کی بیوی ان ہی بدکرداروں کی رفاقت میں رہے گی۔ ملائکہ کے اشارہ پر حضرت لوط علیہ السلام مع اپنے گھرانے کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ اخیر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اس بستی والوں کو تہ و بالا کر دیا پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

ان تمام نافرمان قوموں کے قصوں کو بیان کر کے گو منکرین و مکذبین کو مخاطب کر کے قرآن فہمی کی دعوت دی گئی ہے اور اس قرآن پر ایمان لانے اور اس کا اتباع کرنے کو بار بار کہا گیا ہے۔ مگر اس میں اس قرآن پر ایمان رکھ کر پھر اس سے انحراف اور اس کی عدول حکمی اور نافرمانی اور سرکشی اور اس کے احکام سے بغاوت کرنے والوں کے لئے بھی تنبیہ ہے۔ مسلمان خدارا اپنی حالتوں پر غور کریں اور ان قرآنی واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

اسی سلسلہ میں آگے فرعون اور اس کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کے بعد کفار مکہ کو خطاب کر کے تنبیہ فرمائی گئی اور خاتمہ میں مجرمین و متقین کے انجام کو بیان کر کے سورۃ کو ختم فرمایا گیا جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنے فرمانبردار بندوں میں شامل فرماویں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کی توفیق و ہمت عطا کریں۔

یا اللہ! ہمیں سچی توبہ اور ندامت کے ساتھ اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرما دے اور اپنی نصرت و حمایت کو ہمارے شامل حال فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ اَكُفَّارُكُمْ

اور (فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں۔ان لوگوں نے ہماری (ان) تمام نشانیوں کو جھٹلایا،سو ہم نے اُن کو زبردست قدرت کا پکڑنا پکڑا۔کیا تم میں جو کافر ہیں

خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ

اُن میں اُن (مذکور) لوگوں سے کچھ فضیلت ہے، یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی ہے۔یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے۔عنقریب

الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ

(ان کی) یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کا (اصل) وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔ یہ مجرمین (یعنی کفار)

ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ اِنَّا كُلَّ

بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں۔جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو۔ہم نے ہر چیز کو

شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ

اندازے سے پیدا کیا۔ اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جاوے گا جیسے آنکھوں کا جھپکانا۔ اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں،

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾

سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمال ناموں میں (بھی مندرج) ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

پرہیزگار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

وَلَقَدْ جَآءَ اور تحقیق آئے	اٰلَ فِرْعَوْنَ فرعون والے	النُّذُرُ ڈرانیوالے (رسول)	كَذَّبُوْا انہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کو	كُلِّهَا تمام		
فَاَخَذْنٰهُمْ پس ہم نے انہیں آ پکڑا	اَخْذَ پکڑ	عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ غالب صاحب قدرت	اَكُفَّارُكُمْ کیا تمہارے کافر	خَيْرٌ بہتر	مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ ان سے		
اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ یا تمہارے لئے نجات (معافی نامہ)	فِي الزُّبُرِ صحیفوں میں	اَمْ کیا	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	نَحْنُ ہم	جَمِيْعٌ جماعت	مُّنْتَصِرٌ بدلہ لینے والے	
سَيُهْزَمُ عنقریب شکست کھائے گی	الْجَمْعُ جماعت	وَيُوَلُّوْنَ اور وہ پھیر لینگے (بھاگیں گے)	الدُّبُرَ پیٹھ	بَلِ السَّاعَةُ بلکہ قیامت	مَوْعِدُهُمْ وعدہ گاہ انکی		
وَالسَّاعَةُ اور قیامت	اَدْهٰى وہ سخت	وَاَمَرُّ اور بڑی تلخ	اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ بیشک مجرم (جمع)	فِيْ ضَلٰلٍ گمراہی میں	وَّسُعُرٍ اور جہالت	يَوْمَ جس دن	
يُسْحَبُوْنَ وہ گھسیٹے جائینگے	فِي النَّارِ جہنم میں	عَلٰى پر۔بل	وُجُوْهِهِمْ اپنے منہ (جمع)	ذُوْقُوْا تم چکھو	مَسَّ لگنا	سَقَرَ جہنم	اِنَّا كُلَّ بیشک ہم ہر
شَيْءٍ شے							
خَلَقْنٰهُ ہم نے اسے پیدا کیا	بِقَدَرٍ پاک اندازہ کے مطابق	وَمَآ اَمْرُنَآ اور نہیں ہمارا حکم	اِلَّا مگر۔صرف	وَاحِدَةٌ ایک	كَلَمْحٍ جیسے جھپکنا	بِالْبَصَرِ آنکھ کا	
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اور البتہ ہم ہلاک کر چکے ہیں	اَشْيَاعَكُمْ تمہارے ہم مشرب	فَهَلْ تو کیا ہے	مِنْ مُّدَّكِرٍ کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا	وَكُلُّ شَيْءٍ اور ہر بات			
فَعَلُوْهُ جو انہوں نے کی	فِي الزُّبُرِ صحیفوں میں	وَكُلُّ اور ہر	صَغِيْرٍ چھوٹی	وَّكَبِيْرٍ اور بڑی	مُّسْتَطَرٌ لکھی ہوئی	اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ بے شک متقی (جمع)	
فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں	وَّنَهَرٍ اور نہریں	فِيْ میں	مَقْعَدِ صِدْقٍ مقام سچائی	عِنْدَ نزدیک	مَلِيْكٍ بادشاہ	مُّقْتَدِرٍ صاحب قدرت	

تفسیر وتشریح: یہ سورہ قمر کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں کفار مکہ اور مشرکین عرب کی عبرت وتنبیہ کے لئے چار اقوام یعنی قوم لوحؑ، قوم عادؑ قوم ثمود اور قوم لوط کا ذکر فرمایا گیا

اسی سلسلہ میں اب پانچواں قصہ قوم فرعون کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح مصر کے فرعونیوں نے بھی سرکشی اختیار کی اور غلط راستہ پر چلے ان کے پاس ڈرانے والے بھی آئے یعنی حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام اور ان کی یعنی قوم فرعون کی ہدایت کے لئے ان حضرات نے بہت سی نشانیاں اور معجزات بھی دکھلائے لیکن انہوں نے سب کو جھوٹا اور سحر کہہ کر ٹال دیا۔ آخر خدا کی پکڑ جو بڑے زبردست کی پکڑ تھی اس سے کوئی نکل کر بھاگ نہ سکا۔ دیکھ لو تمام فرعونیوں کا بیڑہ کس طرح بحر قلزم میں غرق ہوا کہ ایک بچ کر نہ نکل سکا۔ گذشتہ اقوام کے واقعات سنا کر کفار مکہ کو خطاب ہے کہ تم میں کے کافر کیا پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر و طغیان کی سزا میں تباہ نہیں کئے جاویں گے؟ یا خدا کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو سزا نہیں ملے گی؟ یا یہ سمجھے ہوئے ہو کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آ جائیں گے تو کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے؟ اگر تم اپنی جمعیت میں پھولے ہوئے ہو تو سن لو عنقریب تمہاری یہ جمعیت شکست کھا کر بھاگتی نظر آئے گی۔ یہ قرآن پاک کی ایک صریح پیشین گوئی تھی جو ہجرت سے قریب ۵ سال پہلے کر دی گئی تھی کہ کفار مکہ جن کو اس سورۃ کے نزول کے وقت اپنی جمعیت وطاقت پر بڑا زعم تھا عنقریب یہ شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔ تو اس وقت یہ تصور بھی مشکل تھا کہ عنقریب یہ انقلاب کیسے ہوگا اس وقت مسلمانوں کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر سرزمین عرب کو چھوڑ کر ملک حبش میں پناہ گزین ہو چکا تھا۔ مکہ میں رہنے والے اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے جنہیں قریش کے بائیکاٹ اور محاصرہ نے کھانے پینے کا سامان تک بند کر رکھا تھا۔ اور یہ محاصرہ اور بائیکاٹ کی سختی دو چار دن یا دو چار ہفتہ یا دو چار ماہ کی نہیں تھی بلکہ مسلسل تین سال کا عرصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء نے اس حصار میں سخت تکالیف کے ساتھ گزارا۔ یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز گھاٹی کے باہر سنائی دینے لگی جس کو سنگدل قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ اس محاصرہ اور بائیکاٹ میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی اور شدت بھوک کے عالم میں جو کچھ بھی کسی کو مل گیا وہ کھا لینے کی نوبت آ گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں فرماتے ہیں کہ میں بھوکا تھا اور بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اتفاق سے میرا پیر شب میں کسی تر چیز پر پڑا۔ فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا شے تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ شب کو پیشاب کے لئے نکلا راستہ میں ایک اونٹ کی کھال کا سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ لگا۔ پانی سے دھو کر اس کو جلایا اور کوٹ کر اس کا سفوف بنایا اور پانی سے اس کو پی لیا۔ اور تین راتیں اسی سہارے پر بسر کیں۔

الغرض ایسی سختیاں مسلمان جھیل رہے تھے ان حالات میں کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ چند برس کے اندر ہی یہ نقشہ بدل جانے والا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب سورہ قمر کی یہ آیت سیهزم الجمع ویولون الدبر یعنی عنقریب یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھر کر بھاگیں گے نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کون سی جمعیت ہے جو

شکست کھائے گی مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری ہے **سیھزم الجمع ویولون الدبر** تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ پیشین گوئی جس کی خبر اس آیت میں دی گئی تھی۔ آگے فرمایا جاتا ہے کہ یہی نہیں کہ ان منکرین و مکذبین کو دنیا میں شکست اور سزا ہو کر معاملہ ختم ہو جائے۔ ان کی اصل شکست اور سزا کا وقت تو وہ ہوگا جب قیامت سر پر آ کھڑی ہوگی وہ بہت سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔ یہ منکرین تو اس وقت غفلت کے نشہ میں پاگل بن رہے ہیں لیکن یہ سودا دماغ سے اس وقت نکلے گا جب اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب ذرا اس کا مزہ چکھو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ہر چیز جو پیش آنے والی ہے اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے۔ دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔ جو وقت اس دنیا کے خاتمہ کا مقرر کر دیا گیا ہے نہ اس سے ایک گھڑی پہلے یہ ختم ہوگی نہ اس کے ایک گھڑی بعد یہ باقی رہے گی اور اللہ تعالیٰ چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ان کو دیر نہیں لگتی نہ کچھ مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ بس ایک حکم صادر کرنے کی دیر ہے پھر کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اے کفار مکہ تمہاری طرح کے بہت سے کافروں کو پہلے تباہ کیا جا چکا ہے پھر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں کہ گذشتہ کافروں کے حال سے عبرت حاصل کرے اور یہ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ان کا کیا دھرا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ نہیں ہر شخص۔ ہر گروہ۔ ہر قوم کی ہر ایک نیکی و بدی عمل کے بعد ان کے اعمال ناموں میں لکھی گئی ہے۔ وقت پر ساری مسل سامنے کر دی جائے گی۔ یہ نہیں کہ کچھ لکھ لیا گیا ہو اور کچھ رہ گیا ہو بلکہ ہر چھوٹی اور بڑی بات اس میں لکھی ہوئی ہے پس منکرین کے لئے وقوع عذاب میں کوئی شبہ نہ رہا۔ یہ تو کفار کا حال ہوا اور جو متقی پرہیزگار لوگ ہیں وہ اپنی سچائی کی بدولت اللہ و رسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہوگا یعنی جنت کے ساتھ قرب الٰہی بھی حاصل ہوگا۔

اس سورہ قمر کو قرب قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا تھا تا کہ کفار و مشرکین جو دنیا کی ہوا اور ہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آئیں پھر آخرت میں میدان حشر میں جمع ہونے کا نقشہ دکھلا کر ڈرایا گیا۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی اور مخالفت کے انجام بد کو ذہن نشین کرنے کے لئے نزول قرآن سے پہلے کی پانچ مشہور اقوام عالم کے حالات اور انکار و تکذیب کی بدولت ان کا دنیا ہی میں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا کیونکہ یہی سب سے پہلے دنیا کی قوم ہے جو عذاب الٰہی میں پکڑی گئی۔ پھر عاد۔ ثمود۔ قوم لوط اور قوم فرعون کا اجمالی ذکر فرما کر ان پر نافرمانی انکار و تکذیب کی بدولت اللہ کا عذاب آنا بتلایا گیا۔ یہ پانچوں اقوام دنیا میں اپنے اپنے وقت کی قوی ترین قومیں تھیں جن کو کسی طاقت سے مغلوب کرنا کسی کے لئے آسان نہ تھا مگر جب ایسی قوی اور بھاری تعداد والی قوم پر اللہ کا عذاب آیا تو وہ کس طرح بے بسی اور بے کسی کی ذلت کی موت مارے گئے۔ ساتھ ہی ہر قوم کے ذکر کے بعد مومنین اور کفار کی عام نصیحت کے لئے اس جملے کو بار بار دھرایا گیا **ولقد یسرنا القراٰن للذکر فھل من مدکر**۔ یعنی اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب عظیم سے بچنے کا راستہ اب قرآن کریم ہے اور قرآن کو نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت آسان

کر دیا ہے۔ پس بڑا بدنصیب اور محروم ہے جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے اور دین و دنیا دونوں جہان میں نقصان و خسارہ سے نہ بچے۔ اب کفار و مشرکین اور منکرین و مکذبین قرآن کو تو کیا کہا جائے۔ ہمیں رونا تو یہی ہے کہ مدعیان اسلام اور قرآن پر ایمان کے دعوے داروں ہی نے قرآن کی کماحقہ اطاعت سے منہ موڑ رکھا ہے۔ الا ما شآء اللہ اور اطیعو االلہ اور اطیعوا الرسول کے سبق کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ قرآن سے غفلت اور شریعت اسلامیہ سے بیزاری ہے بلکہ قرآن کی بتلائی ہوئی مغضوب اور ملعون اقوام یہود و نصاریٰ ہی کے اتباع و تقلید کو مایہ ناز اور قابل فخر سمجھنے لگے ہیں۔ اور افسوس صد افسوس کہ یہاں تک تو کہا گیا کہ اب یہ قرآن ۱۴۰۰ سال پرانی کتاب ہوگئی اس میں ہمارے مسائل کا حل اس زمانہ میں کہاں ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

بہر حال اس سورہ قمر کی ان خاتمہ کی آیات میں حق تعالیٰ نے دنیا والوں کو فیصلہ کن انجام سنا دیا کہ ان المجرمین فی ضلل و سعر ہ یوم یسحبون فی النار علیٰ وجوھھم ذوقوا مس سقر ہ بلا شبہ یہ مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں۔ جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جاویں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو اور ان المتقین فی جنٰت و نھر ہ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر بلا شبہ متقی پرہیزگار بہشت کے باغوں اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس یعنی جنت کے ساتھ قرب الٰہی بھی نصیب ہوگا۔

مولائے کریم محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنے متقی بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیں اور انجام میں اپنی دائمی جنتوں میں اپنا قرب نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ سورہ قمر مکیہ کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ اگلی سورہ رحمٰن کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ القمر کے خواص

۱......جو آدمی کسی مشکل میں مبتلا ہو وہ جمعہ کے دن سورۃ القمر لکھ کر اپنے سر پر لٹکائے تو اس کی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔

۲......جو آدمی سورۃ القمر جمعہ کے دن لکھ کر اپنے سر پر لٹکائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مرتبہ پائے گا۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم اور شکر و احسان ہے کہ ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا اور کفر و شرک کی ضلالت سے بچایا۔ یا اللہ میدان حشر میں مجرمین کے گروہ میں شامل ہونے سے ہمیں بچا لیجئے اور اپنے متقی بندوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب فرما دیجئے۔ یا اللہ آخرت کی طرف سے ہماری غفلت اور بے فکری کو دور فرما دیجئے۔ اور ہمیں ہمہ تن اپنی رضا والی زندگی گزارنا اس دنیا میں نصیب فرما دیجئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّثَلٰثُ رُکُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔

اَلرَّحْمٰنُ رحمٰن (اللہ)	عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اس نے سکھایا قرآن	

تفسیر وتشریح: الحمدللہ اب سورۃ الرحمٰن کا بیان شروع ہورہا ہے سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے عطیہ اور سب سے اونچی نعمت کے ذکر سے فرمائی گئی اور ان آیات میں فرمایا گیا کہ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی یعنی قرآن نازل کیا جو اس کے عطایا میں سے سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سے سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے۔ بھلا انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس بحر ذخار کو دیکھو۔ بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمٰن جل شانہ ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ ورنہ کہاں۔ بشر اور کہاں خدائے ذوالجلال والاکرام کا کلام۔ تو معلوم ہوا کہ بندوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم کا نازل کیا جانا سراسر اللہ کی رحمت ہے اور وہ چونکہ اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے اس لئے اس کی رحمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ یہ قرآن کریم بھیج کر وہ علم عطا فرمائے جس سے مخلوق کو ہدایت اور نجات کا راستہ ملے اور اس کے قرب ورضا کو حاصل کرسکے۔

اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو نزول قرآن اور اس کی تعلیم کو سب سے بڑا عطیہ اور سب سے اونچی رحمت ونعمت فرماویں تاکہ بندے اس پر ایمان لاکر اس کا علم حاصل کریں اور اس پر عمل کر کے دنیا وآخرت کا نفع اٹھائیں۔ اور اس نعمت کی قدردانی کریں۔ مگر افسوس اس روشن دماغی کے زمانہ میں بچوں کو اس کی تعلیم دلانا ان کی عمر ضائع کرنا سمجھا جاتا ہے اور جب اس کا ناظرہ پڑھنا پڑھانا ہی روشن دماغوں کے خیال میں تضیع اوقات ہے تو اس کا حافظہ۔ اس کے مطالب معانی۔ اس کی تفسیر وتشریح۔ اس کی دعوت وتبلیغ اس کے احکام و ہدایات اس کے اوامر ونواہی کی اشاعت کا کیا سوال۔ اس قرآن پاک سے من حیث القوم انحراف۔ اس کے احکام سے لاپروائی۔ اس کی ہدایات سے غفلت۔ اللہ تبارک ذوالجلال والاکرام کی سب سے بڑی نعمت کی ناقدری اور ناشکری ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ جس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس نعمت کی برکتوں کو چھین لیتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دینار و درہم کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی۔ اسلام کی وقعت وہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو برکت وحی یعنی فہم قرآن سے محروم ہو جاوے گی۔ آج اس حدیث کی صداقت کو آپ کھلی آنکھوں دیکھ لیجئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی اس نعمت عظمیٰ کی قدردانی کے لئے ہمارے دل کی آنکھیں کھول دیں۔ آمین۔

آگے اللہ تعالیٰ کی بعض دوسری اہم نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو اس قرآن پاک سے عشق ومحبت نصیب فرمائیں۔ اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خَلَقَ الْإِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿۶﴾

اُس نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اُس کو گویائی سکھائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں۔ اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت (اللہ کے) مطیع ہیں۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿۷﴾ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿۸﴾ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ

اور اُسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اُسی نے (دُنیا میں) ترازو رکھ دی۔ تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو

وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿۹﴾ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿۱۱﴾

اور تول کو گھٹاؤ مت۔ اور اُسی نے خلقت کے واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ کہ اس میں میوے ہیں، اور کھجور کے درخت ہیں جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۳﴾

اور (اس میں) غلہ ہے جس میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور (اس میں غذا کی چیز (بھی) ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ اس نے پیدا کیا انسان	عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس نے سکھایا۔ بات کرنا	الشَّمْسُ سورج	وَالْقَمَرُ اور چاند	بِحُسْبَانٍ ایک حساب سے		
وَالنَّجْمُ اور جھاڑیاں۔ ستارے	وَالشَّجَرُ اور درخت	يَسْجُدَانِ وہ سجدہ میں (سربسجود ہیں)	وَالسَّمَاءَ اور آسمان	رَفَعَهَا اس نے اسے بلند کیا		
وَوَضَعَ اور رکھی	الْمِيزَانَ ترازو	أَلَّا کہ نہ	تَطْغَوْا حد سے تجاوز کرو	فِي الْمِيزَانِ ترازو (تول) میں	وَأَقِيمُوا اور قائم کرو	الْوَزْنَ وزن (تول)
بِالْقِسْطِ انصاف سے	وَلَا تُخْسِرُوا اور نہ گھٹاؤ	الْمِيزَانَ تول	وَالْأَرْضَ اور زمین	وَضَعَهَا اس نے اسکو رکھا (بچھایا)	لِلْأَنَامِ مخلوق کیلئے	
فِيهَا اس میں	فَاكِهَةٌ میوے	وَالنَّخْلُ اور کھجوریں	ذَاتُ الْأَكْمَامِ غلاف والے	وَالْحَبُّ اور غلہ	ذُو الْعَصْفِ بھوسے والا	
وَالرَّيْحَانُ اور خوشبو کے پھول	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں مزید نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کی ذات کو پیدا کیا اور اس کو گویائی کی قوت عطا کی تاکہ یہ اپنے مافی الضمیر کو حسن خوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ انسان قرآن کو سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ یہاں علمہ البیان فرمایا گیا یعنی انسان کو گویائی کی طاقت دی اور بولنا سکھلایا۔ تو یہ قوت گویائی محض ایک اکیلا ہی انعام نہیں ہے بلکہ غور کیا جائے تو اس ایک قوت گویائی کے پیچھے متعدد دوسری قوتیں بھی کارفرما ہوتی ہیں۔ مثلاً عقل وشعور فہم وادراک۔ تمیز وارادہ وغیرہ کہ جن کے بغیر انسان کی قوت ناطقہ کام نہیں کر سکتی تو انسان کو یہ نعمت جتلائی جاتی ہے کہ انسان کو اللہ ہی نے پیدا کیا اور پھر اس کو گویائی سکھلائی جس سے ہزاروں کیا لاکھوں منافع مرتب ہوتے ہیں۔ آگے دوسری نعمتوں کا ذکر ہے۔ یعنی چاند وسورج اس کے حکم سے ایک مقررہ نظام اور حساب کے ساتھ چلتے ہیں۔ ان کے طلوع غروب اور گھٹنے بڑھنے سے دن رات مہینہ سال اور موسمی اثرات یعنی گرمی سردی مرتب ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے مجال نہیں کہ چاند سورج اپنے راستہ اور دائرہ کار سے ذرا باہر قدم رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو خدمات ان دونوں یعنی چاند و سورج کے ذمہ سپرد کر دی ہیں ان میں کوتاہی نہیں کر سکتے اور ہمہ وقت انسان کی خدمت میں مشغول ہیں۔ پھر دوسری نعمت کا ذکر ہے کہ بے تنہ کے درخت جیسے پودے۔ بیل بوٹے۔ ترکاریاں سبزیاں اور خربوزہ وتربوز وغیرہ کی بیلیں اور تنہ دار درخت دونوں

اللہ کے حکم کے مطیع ہیں۔ انسان ان کو اپنے کام میں لائیں تو وہ انکار نہیں کر سکتے۔ آگے ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا **والسمآء رفعها** اور آسمان کو اسی نے اونچا کیا اور کتنا اونچا کیا کہ انسانی عمارتیں۔ اونچے سے اونچے مینار گنبد اور اونچے سے اونچے پہاڑ اور بلند سے بلند تر ہوائی جہازوں کی پرواز اس میں بآسانی اور بفراغت سما جاتے ہیں۔ آگے ایک نعمت یہ بیان فرمائی کہ اسی نے دنیا میں ترازو رکھ دی یعنی ایسی کارآمد چیز ایجاد کر دی تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اب اگر غور کیا جائے کہ انسان کے پاس بڑی اور چھوٹی۔ بھاری اور ہلکی چیزوں کے وزن کرنے کا آلہ موجود نہ ہوتا تو تجارت۔ خرید۔ فروخت۔ لین دین۔ سارے کاروباری دھندے کیسے وجود میں آتے۔ چونکہ اس میزان یعنی ترازو کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی۔ اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی اس لئے آگے ہدایت فرما دی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو۔ نہ دیتے وقت کم۔ اوزان باٹ وغیرہ میں کمی بیشی نہ ہو۔ نہ تو تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے۔ بلکہ بدون کمی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔ آگے ایک نعمت یہ ذکر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے خلقت کے فائدہ کے واسطے زمین کو رکھ دیا کہ اس پر آرام سے چلیں پھریں اور کاروبار جاری رکھیں۔ اور زمین کی پیداوار یعنی ہر قسم کے نباتات' میوہ جات' پھل پھلار' سبزیاں۔ ترکاریاں اور کھجور کے درخت یہ سب نعمتیں انسان ہی کے کام آنے کے لئے ہیں۔ اور جس طرح غلہ انسان کے لئے ضروری ہے بھوسا۔ گھاس وغیرہ جانوروں کی غذائیں ہیں۔ اور بعض چیزیں زمین سے وہ پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام میں نہیں آتیں لیکن ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اب ان متعدد نعمتوں کو گنا کر جنات و انسان دونوں کو خطاب فرمایا۔ **فبای الاء ربكما تكذبٰن** یعنی اوپر کی آیات میں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے۔ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جا سکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بنا پر جس کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت **فبای الاء ربكما تكذبٰن** سنے تو جواب میں کہے اے ہمارے رب ہم آپ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اور سب حمد و ثنا آپ ہی کیلئے سزاوار ہے۔

اب یہاں یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے دنیا میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے جس کے ذکر سے سورۃ کی ابتدا کی گئی اور سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر فرمانے کے بعد انسان کی تخلیق اور پیدائش کا ذکر کیا گیا جس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ تخلیق انسان کا اصل مقصد ہی تعلیم قرآن اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے جیسا کہ ۲۷ ویں پارہ سورہ الذریات میں فرمایا گیا **وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون** یعنی ہم نے جن وانس کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں اور ظاہر ہے کہ عبادت بغیر تعلیم قرآن کے نہیں ہو سکتی۔ الغرض معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد و مدعا اسلام و قرآن کے نزدیک اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت و عبدیت میں لگا رہے۔ اور عبادت صرف نماز روزہ ہی کا نام نہیں بلکہ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر لمحہ میں اور ہر گوشہ میں اور ہر وقت میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کو اس طرح بجالانا جیسا کہ اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم فرمایا اور ہدایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقصد پیدائش کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آج کا ایسا انسان جس کا مقصد زندگی روٹی کپڑا اور مکان ہی ہو بننے سے بچائیں۔ اور زندگی کے ہر لمحہ میں اپنی عبادت اور بندگی کی توفیق نصیب فرمائیں۔

تخلیق انسان کے بعد جو نعمتیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں وہ بے حد و بیشمار ہیں جن میں سے چند کا ذکر ان آیات میں فرمایا گیا اور یہی سلسلہ مضامین ابھی جاری ہے اور مزید نعمتوں کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

یا اللہ کفران نعمت سے ہم سب کو بچا لیجئے اور ہمیں جو زندگی آپ نے عطا فرمائی ہے اس میں حقیقی زندگی کو پورا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ﴿١٥﴾ فَبِأَيِّ 13

اسی نے انسان (کی اصل یعنی آدمؑ) کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا۔ اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا۔ سوائے جن وانس

آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٨﴾

تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا مالک ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ﴿٢٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ

اُسی نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں (اور حقیقۃً) ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں سے

مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ

موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اسی کے (اختیار اور ملک میں) ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے

كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ النصف فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾ ع

(نظر آتے) ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ اس نے پیدا کیا انسان	مِنْ سے	صَلْصَالٍ کھنکھناتی مٹی	كَالْفَخَّارِ ٹھیکری جیسی	وَخَلَقَ اور اس نے پیدا کیا	الْجَانَّ جنات	
مِنْ مَارِجٍ شعلہ مارنے والی	مِنْ نَارٍ آگ سے	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	رَبُّ رب	
الْمَشْرِقَيْنِ دونوں مشرقوں	وَرَبُّ اور رب	الْمَغْرِبَيْنِ دونوں مغرب	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	
مَرَجَ اس نے بہائے	الْبَحْرَيْنِ دو دریا	يَلْتَقِيَانِ ایکدوسرے سے ملے ہوئے	بَيْنَهُمَا ان دونوں کے درمیان	بَرْزَخٌ ایک آڑ		
لَا يَبْغِيَانِ وہ زیادتی نہیں کرتے (نہیں ملتے)	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	يَخْرُجُ نکلتے ہیں	مِنْهُمَا ان دونوں کے	
اللُّؤْلُؤُ موتی	وَالْمَرْجَانُ اور مونگے	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	وَلَهُ اور اس کیلئے	الْجَوَارِ کشتیاں
الْمُنْشَآتُ چلنے والی	فِي الْبَحْرِ دریا میں	كَالْأَعْلَامِ پہاڑوں کی طرح	فَبِأَيِّ آلَاءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبَانِ تم جھٹلاؤ گے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی بعض عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی تھیں

اب آگے ان آیات میں مزید نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ایک نعمت اور یہ ہے کہ تمام انسانوں کی اصل اوّل آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور جنات کی اصل اوّل کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا اور پھر دونوں نوع میں پیدائش کے ذریعہ نسل چلی تو انسان وجنات کو جتلایا گیا کہ تمہاری خلقت یہ حق تعالیٰ کا تصرف عجیب اور کمال قدرت ہے اور انسان وجنات کے حق میں اس کا نعمت ہونا بھی ظاہر ہے۔ تو اس نعمت کی طرف اشارہ کر کے جن وانس سے پوچھا جاتا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے ایک دوسری نعمت کا ذکر فرمایا کہ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔ دو مشرقوں اور دو مغربوں سے مراد مفسرین نے جاڑے کے چھوٹے سے چھوٹے دن

اور گرمی کے بڑے سے بڑے دن کے مشرق و مغرب لئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی میں جس جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ دو مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دو مغرب ہوئے۔ جاڑے کے سب سے چھوٹے دن میں سورج ایک نہایت تنگ زاویہ بنا کر طلوع و غروب ہوتا ہے اور اس کے برعکس گرمی کے سب سے بڑے دن میں وہ انتہائی وسیع زاویہ بناتے ہوئے نکلتا اور ڈوبتا ہے اور ان دونوں کے درمیان ہر روز سورج کا نکلنا اور ڈوبنا مختلف نقطہ سے ہوتا رہتا ہے اس طرح بہت سے مشارق و مغارب بھی ہوئے جس کے لئے ۲۹ویں پارہ سورہ معارج میں رب المشارق والمغرب فرمایا یعنی جمع کا صیغہ اور یہاں سورہ رحمٰن میں تثنیہ کا صیغہ رب المشرقین و رب المغربین فرمایا اور سورہ مزمل ۲۹ پارہ میں واحد کا صیغہ یعنی رب المشرق ورب المغرب فرمایا۔ تو مشرقین و مغربین کے تغیر و تبدل سے موسم اور فصلیں بدلتی ہیں اور گرمی۔ جاڑا۔ بہار۔ برسات کے طرح طرح کے انقلابات ہوتے ہیں۔ اور زمین والوں کے ہزار ہا فوائد و مصالح ان تغیرات سے وابستہ ہیں تو ان کا ادل بدل بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی قدرت عظیمہ کی نشانی ہوئی۔ اور اس کو یاد دلا کر تمام جن و انس سے پوچھا جاتا ہے کہ اے جن و انس باوجود اس کثرت نعمت کے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے ایک اور نعمت ظاہر کی جاتی ہے کہ اسی نے دو دریاؤں کو صورۃً ملایا کہ ظاہر میں باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقتاً ان دونوں کے درمیان ایک قدرتی حجاب ہے کہ اس کی وجہ سے دونوں اپنے موقع سے بڑھ نہیں سکتے۔ دنیا میں پانی کے دو مستقل نظام جاری ہیں۔ ایک سلسلہ شور اور کھارا ہے جو عموماً سمندروں سے ظاہر ہوتا ہے دوسرا سلسلہ آب شیریں کا ہے جو عموماً کنویں چشمہ دریاؤں سے نکلتا ہے۔ کائنات انسانی کے لئے دونوں اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں تاکہ دونوں سے مختلف قسم کے فائدہ حاصل ہوں۔ تو یہ اللہ کی حکمت وصنعت ہے کہ دونوں نظام پوری طرح قائم بھی ہیں اور ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے اور اس آیت کا مصداق کہ دو دریا آپس میں ملے ہوئے ہیں اور پھر بھی ان دونوں کے درمیان ایک قدرتی حجاب ہے۔ احقر مؤلف نے اپنی آنکھوں سے اپنی جائے پیدائش ہندوستان کے شہر الہ آباد میں دریائے جمنا اور گنگا کے سنگم کو دیکھا کہ دونوں دریا مل جاتے ہیں مگر ملنے کے باوجود فرق قائم رہتا ہے۔ گنگا کا پانی سفیدی مائل اور جمنا کا پانی نیلگوں صاف علیحدہ علیحدہ نظر آتا ہے مل جانے کے بعد بھی۔ تو آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ میٹھے اور کھاری۔ پانی کے دونوں نظام قائم ہیں اور دونوں کے منافع بھی ظاہر ہیں۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے اور اس نعمت کو یاد دلا کر پوچھا جاتا ہے کہ اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ اب پانی سے متعلق دو نعمتیں آگے یاد دلائی جاتی ہیں ایک یہ نعمت ہے کہ ان سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔ موتی اور مونگے دونوں کے تجارتی۔ تمدنی۔ معاشی اور طبی فوائد کے وجود کا نعمت میں سے ہونا بالکل ظاہر ہے۔ تو پانی سے نکلے ہوئے موتی اور مونگے کی نعمت کو یاد دلا کر پوچھا جاتا ہے کہ اے جن و انس باوجود اس کثرت نعمت کے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے پانی کی ایک دوسری نعمت کا ذکر فرمایا گیا کہ بڑے بڑے جہاز جو سمندروں میں پہاڑوں کی طرح اونچے نظر آتے ہیں تو یہ اسی نے انسان کو صلاحیت بخشی کہ جو سمندروں کے پار کرنے کے لئے جہاز بنائے۔ اور جہازوں کے سیاسی۔ تجارتی۔ تمدنی و معاشرتی منافع و فوائد انسانوں کے لئے بالکل ظاہر ہیں۔ یہاں آیت وله الجوار المنشئٰت فی البحر کالاعلام یعنی اسی کے ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں یہ ظاہر فرما دیا کہ جہاز گو بظاہر تمہارے بنائے ہوئے ہیں مگر خود تم کو اللہ نے بنایا اور اسی نے وہ قوتیں اور سامان عطا کئے جن سے جہاز تیار کرتے ہو۔ لہٰذا اے انسانو تم اور تمہاری مصنوعات سب کا مالک و خالق حقیقی وہی خدا ہے اور یہ سب اسی کی نعمتیں ہوئیں۔ اس لئے یہ بتلا کر پھر جن و انس سے پوچھا جاتا ہے کہ باوجود اس کثرت نعمتوں کے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

اب جو مقصود ان نعمتوں کے جتلانے سے ہے یعنی توحید باری تعالیٰ اور اطاعت پروردگار اور اس کی نعمتوں کا شکر اس کو اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

جتنے (ذی روح) روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے۔ اور (صرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اُسی سے (اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں، وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ سوائے جن وانس ہم عنقریب تمہارے (حساب وکتاب کے) لئے خالی ہو جاتے ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اے گروہ جن اور انسان کے

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾

اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

كُلُّ ہر کوئی	مَنْ عَلَيْهَا جو اس (زمین) پر	فَانٍ فنا ہونے والا	وَ اور	يَبْقٰى باقی رہے گا	وَجْهُ چہرہ (ذات)	رَبِّكَ تیرا رب
ذُو الْجَلٰلِ صاحب عظمت	وَالْاِكْرَامِ احسان کرنیوالا	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
يَسْـَٔلُهٗ اس سے مانگتا ہے	مَنْ جو کوئی	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین میں	كُلَّ يَوْمٍ ہر روز	هُوَ وہ	فِيْ شَاْنٍ کسی نہ کسی کام میں
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	سَنَفْرُغُ ہم جلد فارغ (متوجہ ہوتے ہیں)	لَكُمْ تمہاری طرف		
اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ اے جن وانس	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	يٰمَعْشَرَ اے گروہ	الْجِنِّ جن	وَالْاِنْسِ اور انس
اِنِ اگر	اسْتَطَعْتُمْ تم سے ہوسکے	اَنْ کہ	تَنْفُذُوْا تم نکل بھاگو	مِنْ سے	اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کے کناروں	وَالْاَرْضِ اور زمین
فَانْفُذُوْا تو نکل بھاگو	لَا تَنْفُذُوْنَ تم نہیں نکل سکو گے	اِلَّا بِسُلْطٰنٍ زور کے سوا	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ روئے زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے۔ ایک دن ہوگا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا ساری مخلوق کو موت آجائے گی اور فقط اللہ تعالیٰ کی ذات عالی جو عظمت اور بڑائی والی ہے باقی رہ جائے گی اور یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ صرف حق تعالیٰ ہی معبود ہونے کے لائق ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی بقا ایک نعمت ہے کیونکہ وہی منشا ہے تمام انعامات کا۔ اسی طرح اس عالم کا فنا ہونا بھی ایک نعمت ہے کیونکہ وہ مبنی ہے ظہور آخرت کا۔ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد عالم باقی میں جانا میسر ہوگا جو بڑی نعمت ہے اس لئے اس پر بھی مثل دوسری نعمتوں کے جن وانس سے فرمایا جاتا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ یہاں چونکہ حق تعالیٰ کے ذوالجلال والاکرام ہونے کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے ایک خاص طور پر اس کی عظمت و

اکرام کے متعلق مضمون ہے یعنی وہ ایسا باعظمت ہے کہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق زبان حال وقال سے اپنی حاجات اسی خدا سے طلب کرتی ہیں۔ کسی کو ایک لمحہ کے لئے اس سے استغنا نہیں۔ زمین والوں کی حاجتیں تو ظاہر ہیں اور آسمان والے گو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوں لیکن رحمت وعنایت کے تو محتاج ہیں۔ اور حق تعالیٰ ہی سب کی حاجت روائی اپنی حکمت سے موافق کرتے ہیں اور ہر وقت اور ہر آن کائنات میں ان کے تصرفات جاری رہتے ہیں۔ کسی کو بڑھانا کسی کو گھٹانا۔ کسی کو دینا کسی سے لینا کسی کو عزت بخشنا کسی کو ذلت دینا۔ غرض کہ ہر آن اس کی ایک شان ہے اور باوجود عظمت کے ایسا احسان فرمانا یہ بھی ایک نعمت عظیمہ ہے اس لئے پھر فرمایا جاتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیا کے یہ کام ودھندے عنقریب ختم ہونے والے ہیں اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوگا جبکہ اے جن و انس تمہارا حساب کتاب ہوگا۔ مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی اور وفاداروں کو پورا صلہ دیا جائے گا۔ تو اس حساب کتاب کی خبر دینا بھی ایک نعمت عظیمہ ہے تاکہ انسان اس کے لئے پہلے سے تیاری کی فکر وکوشش میں لگا رہے اور ایسے کام کرتا رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو اور ایسے امور سے بچتا رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔ اس لئے اس کے بعد پھر جن وانس سے خطاب کیا جاتا ہے کہ اے جن وانس باوجود اس کثرت نعمتوں کے تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے یا معشر الجن والانس فرما کر یعنی اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے دونوں کو براہ راست خطاب فرمایا جاتا ہے کہ خدا کی خدائی سے اور اللہ کی حکومت سے بچ نکلنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ وقت آنے پر خواہ تم کسی جگہ بھی ہو۔ بہر حال پکڑ کر لائے جاؤ گے۔ خدا سے بھاگ کر اور نکل کر کوئی جائے گا کہاں؟ دوسری قلمرو کونسی ہے جہاں وہ پناہ لے گا؟ اس طرح کھول کھول کر سمجھانا اور تمام نشیب و فراز پر متنبہ کر دینا کتنی بڑی نعمت ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

قرآن پاک کی یہی ایک ایسی سورت ہے کہ جس میں انسانوں کے ساتھ زمین کی دوسری مخلوق جنات کو بھی براہ راست خطاب کیا گیا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی ایک جواب دہ مخلوق ہیں اور ان میں بھی انسانوں کی طرح کافر و مومن۔ مطیع وسرکش ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سورۃ اس امر کی قطعی صراحت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کی دعوت روئے زمین کے جن وانس دونوں کے لئے ہے۔ اور ان دونوں گروہوں کو یہاں خبردار کیا گیا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم سے باز پرس کی جائے گی اور اس باز پرس سے بچ کر تم کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ خدا کی خدائی تمہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے نکل کر بھاگ جانا انسان اور جنات کسی کے بس میں نہیں۔ اب یہ باز پرس جس روز یعنی یوم قیامت میں ہونے والی ہے اس روز مجرم جنات وانسانوں کا کیا حال ہوگا اور کس انجام سے ان کو واسطہ پڑے گا یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو دین ودنیا کی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں ان کی حقیقی قدردانی اور شکرگذاری کی توفیق بھی ہم کو عطا فرمائیں۔ اور یوم قیامت کی فکر اور وہاں کی تیاری اور نجات کے سامان ہمارے لئے مہیا فرمائیں۔

اے اللہ کریم رب ہمارا حساب کتاب آسان فرمائے گا۔ اور قیامت کی ذلت اور رسوائیوں اور وہاں کی سختیوں سے اپنی پناہ میں رکھے گا۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾

تم دونوں پر (قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم (اس کو) ہٹانہ سکو گے۔سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ

غرض جب (قیامت آئے گی جس میں) آسمان پھٹ جاوے گا اور ایسا سُرخ ہو جاویگا جیسے سُرخ نری (یعنی چمڑا) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔تو اس روز

عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ

(اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے کیلئے) کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا۔سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جاویں گے۔

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ

سو (ان کے) سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ

بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾

جھٹلاتے تھے۔وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے۔سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

يُرْسَلُ بھیج دیا جائے گا	عَلَيْكُمَا تم پر	شُوَاظٌ ایک شعلہ	مِّنْ نَّارٍ آگ سے	وَّنُحَاسٌ اور دھواں	فَلَا تَنْتَصِرَانِ تو مقابلہ نہ کرسکو گے		
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فَاِذَا پھر جب	انْشَقَّتِ پھٹ جائے گا	السَّمَاۗءُ آسمان	فَكَانَتْ تو وہ ہوگا	
وَرْدَةً گلابی	كَالدِّهَانِ جیسے سُرخ چمڑا	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فَيَوْمَىِٕذٍ پس اس دن	لَا يُسْـَٔلُ نہ پوچھا جائیگا	
عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اس کے گناہوں کے متعلق	اِنْسٌ کسی انسان	وَّلَا جَاۗنٌّ اور نہ جن	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
يُعْرَفُ پہچانے جائیں گے	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم (جمع)	بِسِيْمٰهُمْ اپنی پیشانی سے	فَيُؤْخَذُ پھر وہ پکڑے جائیں گے	بِالنَّوَاصِيْ پیشانیوں سے			
وَالْاَقْدَامِ اور قدموں	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ اور کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	هٰذِهٖ یہ	جَهَنَّمُ جہنم	الَّتِيْ وہ جسے	
يُكَذِّبُ بِهَا اسے جھٹلاتے ہیں	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم (جمع) گنہگار	يَطُوْفُوْنَ وہ پھریں گے	بَيْنَهَا اسکے درمیان	وَبَيْنَ اور درمیان	حَمِيْمٍ گرم پانی		
اٰنٍ کھولتے ہوئے	فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں جنات و انسانوں دونوں گروہوں کوخبر دار کیا گیا تھا کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم سے دنیا میں کیئے ہوئے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔اور یہ باز پرسی قیامت کے دن ہونے والی ہے جس سے کہ بچ کر کوئی کہیں بھاگ کرنہیں جاسکتا۔اب اس باز پرسی کے نتیجہ میں کوئی تو اللہ کا مجرم ثابت ہوگا اور کوئی مومن متقی خدا سے ڈرنے والا ثابت ہوگا۔اس لئے آگے دونوں کا انجام اور ان کے ساتھ کیا معاملہ قیامت میں کیا جائے گا وہ بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلے ان آیات میں مجرمین کے متعلق بیان ہے اور آئندہ آیات میں مومنین متقین کے متعلق احوال ہے۔ چنانچہ مجرمین جنت وانسان سے ان آیات میں خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے مجرمین جنات وانسان تم پر قیامت کے دن آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا اور کوئی اس کو دفع نہ کر سکے گا اور نہ کوئی اس

سزا کا کچھ بدلہ دے سکے گا۔ تو مجرموں کو اپنے جرائم کی پاداش سے قبل از وقت مطلع کر دینا اور آگاہ و خبردار کر دینا بھی ایک نعمت ہے کہ توبہ اور کفارہ کا موقع ابھی باقی ہے اور ان سزاؤں کی خبریں کر ان سے بچنے کا سامان ابھی دنیا میں کیا جا سکتا ہے اس لئے پھر جن وانس سے خطاب ہوتا ہے کہ اے جن وانس باوجود اس کثرت نعم کے تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے قیامت کا حال بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور رنگ میں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ شاید یہ سرخ رنگ اس لئے ہو کہ علامت غضب کی ہے جیسا کہ غضب میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ تو یہ خبر قبل از وقت دینا بھی ایک نعمت ہے اس لئے پھر فرمایا جاتا ہے کہ اے جنّ وإنس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن کسی جن وانس سے اس کے گناہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم کرنے کے لئے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو پہلے سے سب معلوم ہے۔ ہاں بطور الزام اور توبیخ ضابطہ کا سوال کیا جائے گا جیسا کہ سورہ حجر چودھویں پارہ میں فرمایا گیا فور بک لنسئلنھم اجمعین سو آپ کے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔ تو خود مجرمین کو معلوم کرانے اور جتلانے کے لئے سوال اور حساب ہوگا۔ اور یہ خبر قبل از وقوع دے دینا بھی ایک نعمت ہے اس لئے پھر خطاب ہوتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ مجرم لوگ قیامت میں اپنے حلیہ سے پہچانے جاویں گے کہ ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی اور فرشتے ان کے سر کے بال اور کسی کو ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ خبر دنیا میں پہلے سے دے دینا بھی اللہ کی ایک نعمت ہے کہ جس کو ان احوال سے بچنا ہے وہ اسی دنیا میں ابھی بچنے کا انتظام کر لے اس لئے پھر خطاب فرمایا گیا کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ پھر جب مجرمون کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا

تو اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو یہ وہی جہنم ہے جس کا تم دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان مجرمین کا جہنم میں پیاس کے مارے برا حال ہوگا۔ بھاگ بھاگ کر پانی کے چشموں کی طرف جائیں گے۔ مگر کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جس کے پینے سے پیاس بجھنا تو درکنار آنتیں بھی کٹ کر باہر آ جائیں گی۔ اس طرح جہنم کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان یہ مجرمین دورہ کرتے ہوں گے یعنی کبھی جہنم کا عذاب بھگتیں گے اور کبھی گرم کھولتے ہوئے پانی کا۔ اور یہ خبر دنیا میں دے دینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ ان سزاؤں کی خبر سن کر ان سے بچنے کا اہتمام اور فکر کرنا ابھی ممکن ہے۔ اس لئے پھر خطاب ہوتا ہے کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

یہاں ان آیات میں مجرمین کی بعض ایسی سخت سزاؤں کا ذکر ہے کہ جن سے ان کو آخرت میں بوجہ اللہ کا مجرم ہونے کا واسطہ پڑے گا۔ اب اللہ تعالیٰ کا مجرم ہونے میں کفر و شرک تو سب سے بڑا جرم ہے اور اگر اس جرم سے دنیا میں سچی توبہ نہ کی گئی تو عذاب جہنم سے کبھی نجات نصیب نہ ہوگی جیسا کہ قرآن و حدیث میں سیکڑوں صریح تصریحات موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے جرائم میں کیا صرف کفر و شرک ہی باعث عذاب جہنم ہیں اور قیامت میں میدان حشر میں کیا صرف کفار و مشرکین ہی مجرموں کے کٹہرے میں ہوں گے؟ اور کیا مردم شماری میں مسلمان کہلانے والے اور مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو کر مسلمانوں کے سے نام رکھ لینے والے اور گائے کا گوشت کھانے والے۔ یا صرف کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر شریعت اور دین سے آزاد رہنے والے بلکہ دین کا مذاق اڑانے اور اس کا تمسخر کرنے والے کیا ایسے مسلمان آخرت میں اللہ کے مجرم نہ ٹھہرائے جائیں گے؟ اور کیا ان کو عذاب جہنم سے واسطہ نہ پڑے گا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ جہنم کے سات طبقہ ہیں جس میں اوّل طبقے گناہگار

مسلمانوں کیلئے اوران کفار کے لئے مخصوص ہے جو باوجود شرک پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے اور دیگر طبقات مشرکین۔ آتش پرست۔ دہریے یہود ونصاریٰ اور منافقین کیلئے مقرر ہیں۔ کیا احادیث میں میدان حشر کے احوال میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ مسلمانوں کی حالت حسب مراتب گونا گوں ہوگی۔ اور یہ مختلف گروہوں پر تقسیم کردئے جائیں گے جہاں اللہ کے مطیع۔ تابعدار۔ نیک۔ متقی پرہیزگار اور ایماندار بندوں کے گروہ حسب مراتب ہوں گے وہیں مجرمین کے گروہ بھی ہوں گے۔ مثلاً ظالم حکام خونی قاتل زانی۔ چور۔ رہزن۔ ڈاکو۔ ماں باپ کو ستانے اور تکلیف دینے والے۔ سودخور۔ رشوت خوار۔ حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ شراب خوار۔ یتیموں اور بے کسوں کے مال کھانے والے زکوٰۃ نہ دینے والے۔ امانت میں خیانت کرنے والے۔ عہد کے توڑنے والے وغیرہ وغیرہ مختلف گروہوں میں منقسم ہوکر اپنی جنس میں جاملیں گے؟ کیا یہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا کہ مویشیوں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو میدان حشر میں پشت کے بل لٹا کر جانوروں کو حکم ہوگا کہ ان پر سے گذر کر پائمال کرو پس وہ جانور بار بار ان پر گذر کر ان کو روندتے رہیں گے؟ کیا سودخواروں کے پیٹوں کو پھلا کر ان میں سانپ اور بچھو بھردئے جانے کی خبر حدیث میں نہیں دی گئی؟ کیا مصوروں کو یہ عذاب نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح ڈالیں؟ کیا چغلخوروں کے کانوں میں سیسا پگلا کر نہ ڈالا جائے گا؟ کیا احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام اور حفاظت نہ کرے اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا۔ نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ اور اس کا حشر فرعون۔ ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ میرے عزیزو اور دوستو! اللہ تعالیٰ کے مجرم ہونے کی فہرست تو بڑی طویل ہے۔ بس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو مجرموں میں شامل ہونے سے بچائیں۔ اور ہم سے جو تقصیرات اور جرائم اب تک سرزد ہوچکے ہیں ان پر سچی توبہ و استغفار اور ان کا تدارک ابھی اسی دنیا اور اس زندگی میں نصیب فرما کر ہماری مغفرت کاملہ فرمادیں۔ اور آخرت کے مواخذہ سے بری فرمادیں۔ میدان حشر کی ذلت اور رسوائیوں سے بچالیں۔ اور عذاب جہنم کے دھویں سے بھی دور رکھیں۔

اب ان آیات میں تو مجرمین کے متعلق بیان تھا آگے خدا سے ڈرنے والے مومنین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے کرم سے اسلام اور ایمان سے نوازا ہے تم ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور ہم کو اس دنیا سے ایمان ویقین کے ساتھ کوچ کرنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ اس زندگی میں ہم کو اپنی آخرت سنوارنے کی فکر عطا فرمادے۔ اور اپنی رضا والے اعمال ہمارے لئے آسان فرمادے اور اپنی ناراضگی والے اعمال سے ہمیں بچالے۔

یا اللہ جہنم اور اس کے آزار سے ہمیں دور رکھے گا اور قیامت کی ذلت ورسوائیوں سے اپنی پناہ بخشئے گا۔

یا اللہ میدان حشر میں ہم کو اپنے نیک اور صالح بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمایئے گا اور مجرموں میں شامل ہونے سے بچالیجئے گا۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہے اُس کیلئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (اور وہ) دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے۔ سوائے جن و انس تم اپنے

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ

رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جاویں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی

فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ

دو دو قسمیں ہوں گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے،

وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ

اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی

یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ

کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ گویا وہ یاقوت

وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ

اور مرجان ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز عنایت کے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ سو

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

وَلِمَنْ اور اس کیلئے	خَافَ جو ڈرا	مَقَامَ رَبِّهٖ اپنے رب کے حضور کھڑا ہونا	جَنَّتٰنِ دو باغ	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	
تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ بہت سی شاخوں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِمَا ان دونوں میں	
عَیْنٰنِ دو چشمے	تَجْرِیٰنِ جاری ہیں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِمَا ان دونوں میں	مِنْ سے کی
كُلِّ ہر	فَاكِهَةٍ میوے	زَوْجٰنِ دو قسمیں	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتیں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	مُتَّكِـِٕیْنَ تکیہ لگائے ہوئے
عَلٰى فُرُشٍ فرشوں پر	بَطَآىِٕنُهَا ان کے استر	مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ریشم کے	وَجَنَا اور میوے	الْجَنَّتَیْنِ دونوں باغ	دَانٍ نزدیک	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں
رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِیْهِنَّ ان میں	قٰصِرٰتُ بند (نیچے) رکھنے والی	الطَّرْفِ نگاہیں	لَمْ یَطْمِثْهُنَّ انہیں ہاتھ نہیں لگایا کسی	
اِنْسٌ انسان نے	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	وَلَا جَآنٌّ اور نہ کسی جن	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	

كَاَنَّهُنَّ گویا کہ وہ	الْيَاقُوْتُ یاقوت	وَالْمَرْجَانُ اور مونگے	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
هَلْ جَزَآءُ نہیں بدلہ	الْاِحْسَانِ احسان	اِلَّا سوا	الْاِحْسَانُ احسان	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں مجرمین جنات وانسان کا انجام قیامت میں جو ہوگا بیان فرمایا گیا تھا کہ کسی کے پیشانی کے بال اور کسی کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو یہ ہے وہ جہنم جسے دنیا میں تم جھٹلاتے تھے اور جسے ایک خیال اور فرضی چیز سمجھتے تھے پھر وہ کبھی جہنم کی آگ میں جلیں گے اور کبھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے جائیں گے۔ اب آگے ان مجرمین کے مقابلہ میں ان اہل ایمان کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان کا انجام قیامت میں بتلایا جاتا ہے جو دنیا میں اللہ کے ڈر اور خوف سے برے کاموں سے بچتے رہے اور اللہ کی رضا کے لئے نیک کام کرتے رہے۔ یہ اہل ایمان دو قسم کے ہوں گے ایک تو خواص۔ دوسرے عوام۔ تو پہلے ان آیات میں خواص اہل جنت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ اہل سعادت جنہیں دنیا میں ڈر لگا رہا کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نا فرمانی سے بچتے رہے۔ نفس کی بے جا خواہشات سے رکے رہے۔ دنیوی زندگی کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غافل نہ ہوئے بلکہ آخرت کی فکر زیادہ رکھتے رہے اور پوری طرح تقویٰ و پرہیز گاری کے راستہ پر چلا کیے تو ان کے لئے جنت میں دو عالیشان باغ ہوں گے اور یہ بشارت جنات وانسان دونوں کے لئے ہے اس لئے آگے فرمایا کہ اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اب جنت کے ان عالیشان باغات کی صفات بیان فرمائی جاتی ہیں۔ جنت کی یہ نعمتیں بتلا کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلا غایت اطاعت وفرمانبرداری کا بدلہ بجز عنایت ومہربانی کے کچھ اور ہو سکتا ہے؟ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر دنیا میں اپنے نفس پر پابندیاں لگائے ہوئے ہوں۔ حرام سے بچتے اور حلال پر اکتفا کرتے رہے ہوں۔ فرض کو فرض جان کر اپنے فرائض بجالاتے رہے ہوں۔ حق کو حق مان کر تمام حق داروں کے حقوق ادا کرتے رہے ہوں اور شر کے مقابلہ میں خیر کی ہر طرح حمایت وطرفداری کرتے رہے ہوں ہر طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر کے دین پر ثابت قدم رہنے والے ہوں تو ایسی نیک زندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ہر ہر مذکورہ نعمت جتلا کر ہر بار جن وانس سے خطاب کر کے پوچھا گیا کہ اے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

یہ تو خواص اہل جنت کے باغوں کی صفات مذکور ہوئیں آگے عام مومنین اہل جنت کے باغوں کا بیان ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! آپ ہی سے آپ کے انعامات واحسانات پر شکر کی توفیق کے طالب ہیں۔ یا اللہ! ہم آپ کی کسی ایک نعمت کے بھی منکر نہیں ہیں ہمیں اپنے شکر گذار بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اوران دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں میوے

وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی (یعنی حوریں) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ عورتیں گوری رنگت کی ہونگی (اور) خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) اُن (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا

قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ

اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرشوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا اور ان دونوں کے علاوہ	جَنَّتٰنِ دو باغ	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
مُدْهَآمَّتٰنِ نہایت گہرے سبز رنگ کے	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِيْهِمَا ان دونوں میں		
عَيْنٰنِ دو چشمے	نَضَّاخَتٰنِ بشدت جوش مارنے والے	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب کی	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے		
فِيْهِمَا ان دونوں میں	فَاكِهَةٌ میوے	وَّنَخْلٌ کھجور کے درخت	وَّرُمَّانٌ اور انار	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	
تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	فِيْهِنَّ ان میں	خَيْرٰتٌ خوب سیرت	حِسَانٌ خوبصورت	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتیں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے
حُوْرٌ حوریں	مَّقْصُوْرٰتٌ رُکی رہنے والی پردہ نشین	فِي الْخِيَامِ خیموں میں	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتیں	رَبِّكُمَا اپنے رب کی	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	
لَمْ يَطْمِثْهُنَّ انہیں ہاتھ نہیں لگایا	اِنْسٌ کسی انسان	قَبْلَهُمْ ان سے قبل	وَلَا جَآنٌّ اور نہ کسی جن	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کون سی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	
تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	مُتَّكِـِٕيْنَ تکیہ لگائے ہوئے	عَلٰى رَفْرَفٍ مسندوں پر	خُضْرٍ سبز	وَّعَبْقَرِيٍّ اور خوبصورت	حِسَانٍ نفیس	
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ تو کونسی نعمتوں	رَبِّكُمَا اپنے رب	تُكَذِّبٰنِ تم جھٹلاؤ گے	تَبٰرَكَ برکت والا	اسْمُ نام	رَبِّكَ تمہارا رب	
ذِي الْجَلٰلِ صاحب جلال	وَالْاِكْرَامِ اور احسان کرنے والا					

تفسیر وتشریح: یہ سورہ رحمٰن کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں مقربین اور خواص اہل جنت کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ ان کو آخرت

میں بہشت کے عالی شان باغات عطا ہوں گے جن میں ہر طرح کی جسمانی و روحانی راحت و آرام کے سامان ہوں گے ۔اب آگے ان آیات میں عام مومنین اہل جنت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان کو آخرت میں جو انعامات ملیں گے اس کو بیان فرمایا جاتا ہے۔

چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بہشت کے ان دو باغوں کا جس کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا اور جو مقربین اور خواص اہل جنت کے لئے ہوں گے ۔ان کے علاوہ ان باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں جو ہر ہر مومن کی جنت میں ملیں گے ۔اہل جنت کی تقسیم دو قسموں میں اگلی سورہ واقعہ میں صاف صاف بیان فرمائی گئی ہے ایک تو سابقین جن کو مقربین بھی کہا گیا ہے جو جنت میں اعلیٰ درجہ کے اور خاص قرب رکھنے والے حضرات ہوں گے ۔جیسے انبیاء اولیاء ۔صدیقین ۔شہداء وغیرہ ۔دوسری قسم اصحاب الیمین جن کو اصحاب المیمنہ بھی کہا گیا ہے بتلائی گئی جو سابقین یعنی پہلی قسم سے کم درجہ کے ہوں گے جس میں عام مومنین و صالحین شامل ہوں گے چنانچہ بخاری شریف کی ایک صحیح حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو باغ ہیں جن کے برتن اور وہاں کی تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دو باغ ایسے ہیں کہ ان کے برتن اور وہاں کی تمام چیزیں سونے کی ہوں گی ۔تو گذشتہ آیات میں جنت کے جن دو باغوں کا ذکر ہوا وہ تو مقربین کے لئے تھے اور ان آیات میں جن دو باغوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یہ اصحاب یمین یعنی عام مومنین صالحین کے لئے ہیں ۔آگے ان باغوں کی صفات بیان کی جاتی ہیں:۔

پہلی صفت فرمائی مدھامتٰن یعنی وہ باغ گہرے سبز ہوں گے۔

دوسری صفت فرمائی **فیھما عینٰن نضاختٰن** یعنی ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو جوش مارتے ہوں گے۔

تیسری صفت فرمائی **فیھما فاکھة و نخل و رمان** ۔ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے ۔مگر جنت کے میوے اور کھجور اور انار کو دنیا کے انار اور کھجوروں پر قیاس نہ کیا جائے ۔ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کیونکہ وہاں کی نعمتوں کو نہ کسی نے دیکھا ہے نہ کسی دماغ میں آسکتی ہیں۔

چوتھی صفت فرمائی **فیھن خیرٰت حسان** ان میں خوب سیرت اور خوبصورت عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں)۔

آگے حوروں کے متعلق بتلایا کہ وہ نہایت خوبصورت گوری رنگت کی ہوں گی ۔حدیث میں آتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان یعنی جنت سے لے کر زمین تک روشنی ہی روشنی ہو جائے اور مہک و خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔آگے دوسری صفت حوروں کی بتلائی گئی **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جآن**. یعنی ان جنتیوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا نہ کسی جن نے ۔آگے جنتیوں کی شاہانہ نشست کا ذکر ہے کہ یہ جنتی سبز رنگ کے اعلیٰ فرشوں اور غالیچوں پر تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے ۔ہر ہر نعمت کے بعد پوچھا گیا کہ اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

سورۃ کے خاتمہ پر حق تعالیٰ کی ثنا و صفت بیان فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کا نام بڑا بابرکت ہے جو بڑی عظمت والا اور احسان والا ہے یعنی اسی کی ذات اس لائق ہے کہ اس کا جلال و بزرگی مانا جائے اور اس کی بڑائی اور عظمت کا پاس کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

دیکھئے قرآن پاک میں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مومنین کو جو جنت اور وہاں کی نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے وہ دو چیزوں کے ساتھ دی گئی ہے ایک ایمان اور دوسرے اعمال صالحہ۔مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی یہ وسوسہ تک دل میں نہ لائے کہ کوئی اپنے اعمال پر ناز اور گھمنڈ کرنے لگے اور یہ سمجھنے لگے کہ ان نیک اعمال کی بدولت میں جنت کا اور اس کی نعمتوں کا حق دار بن جاؤں گا۔مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہ لے جائے گا اور نہ اس کو دوزخ سے بچائے گا اور نہ میرا عمل مگر اللہ کی رحمت و کرم سے اور بخاری اور مسلم میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو جنت میں اس کا عمل داخل نہیں کرے گا تو اصحاب نے عرض کیا کہ آپ کو بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو بھی میرا عمل جنت میں نہ لے جائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل و رحمت میں ڈھانپ لے۔ تو ان روایت حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانا اور جہنم سے بچ جانا صرف رحمت الٰہی اور فضل خداوندی کے باعث ہوگا۔ مگر اس سے یہ بھی نہ خیال کیا جائے کہ پھر اعمال صالحہ کچھ کام نہ آئے۔ تو یہ بات نہیں۔ مطلب ان احادیث کا یہ ہے کہ کوئی اپنے اعمال صالحہ پر ناز اور گھمنڈ نہ کرے اور اعمال صالحہ بھی خالص نیت سے بدون توفیق و تائید خداوندی کے نہیں ہو سکتا تو اعمال صالحہ میں بھی اصل خدا کی رحمت ہی ٹھہری یعنی اصل سبب جنت میں جانے اور جہنم سے بچ جانے کا خدا کی رحمت ہوئی اور نیک عمل اس کا اثر اور نشان ہوا جیسا کہ ۲۱ ویں پارہ سورہ روم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ومن عمل صالحاً فلانفسهم يمهدون ليجزى الذين اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من فضله** (اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں تا کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح بھی کئے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے جزا دے گا) معلوم ہوا کہ باوجود ایمان اور عمل صالح کے جنت کی نعمتوں کی امید حق تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے رکھنا چاہئے اور اس کے فضل عظیم کو طلب کرنا چاہئے۔ **اللهم انا نسئلك من فضلك العظيم**۔ آمین۔

الحمد للہ اس درس پر سورہ رحمٰن کا بیان پورا ہو گیا جس میں تین رکوع تھے۔ اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ الرحمٰن کے خواص

۱- اگر کسی کو آشوب چشم ہو تو وہ سورۃ الرحمٰن لکھ کر گلے میں پہنے، تندرست ہو جائے گا۔ ۲- اگر کسی کو تلی کا مرض ہو تو سورۃ الرحمٰن لکھ کر پاک پانی سے دھولے اور وہ پانی پی لے۔

۳- اگر کسی مکان میں کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض تنگ کرتے ہوں تو جس دیوار کی طرف زیادہ ہوں اس پر سورۃ الرحمٰن لکھ دی جائے تو سب بھاگ جائیں گے۔

يامعشر الجن والانس ...... من نار و نحاس

جو آدمی مذکورہ آیات کو لکھ کر اپنے دائیں بازو پر باندھے وہ ہر خطرہ سے محفوظ رہے گا۔ (الدرر النظیم)

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی اہل جنت میں شامل فرمالیں اور جنت کی دائمی اور ابدی نعمتیں میسر فرمائیں۔

یا اللہ اپنی ہر ایک نعمت کی ہم کو قدر دانی اور شکر گذاری کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور ہر حال میں اپنی حمد و ثنا اور بڑائی و عظمت بیان کرنے اور اپنے ذکر و فکر کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ جنت جو آپ کی رضا کا مقام ہے اُس کا مل جانا اور جہنم جو آپ کے قہر و غضب کا مقام ہے اس سے بچ جانا یہ محض آپ کے فضل و کرم و رحم ہی سے ممکن ہے۔ جب اشرف الانبیاء والمرسلین آپ کے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ میرا عمل بھی مجھ کو جنت میں نہ لے جائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل و رحمت میں ڈھانپ لے تو اور کون ہے جو اپنے اعمال پر نظر کر کے جنت کی امید کر سکے۔ یا اللہ! اس دنیا میں ہم پر فضل فرما اور اپنی رضا کے اعمال کی توفیق نصیب فرما۔ اور آخرت میں بھی اپنے فضل و کرم ہی سے ہمارا بیڑہ پار لگا اور اپنی رضا کے مقام جنت میں ہمارا ابدی ٹھکانا ہونا نصیب فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾

جب قیامت واقع ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ تو وہ (بعض کو) پست کردے گی (اور بعض کو) بلند کردے گی۔ جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾

اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے۔

اِذَا جب	وَقَعَتِ واقع ہوجائیگی	الْوَاقِعَةُ واقع ہونے والی	لَيْسَ نہیں	لِوَقْعَتِهَا اسکے واقع ہونے میں	كَاذِبَةٌ کچھ جھوٹ
خَافِضَةٌ پست کرنیوالی	رَافِعَةٌ بلند کرنیوالی	اِذَا جب	رُجَّتِ لرزنے لگے گی	الْاَرْضُ زمین	رَجًّا سخت زلزلہ
وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا اور ریزہ ریزہ ہوجائیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر		فَكَانَتْ پھر ہوجائیں گے	هَبَآءً غبار	مُّنْۢبَثًّا پراگندہ	

تفسیر و تشریح: یہ پوری سورۃ قیامت کے واقع ہونے کی خبر اور قیامت کے لرزہ خیز حالات و کیفیات پر مشتمل ہے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یارسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا "ہاں" مجھے سورہ ہود نے اور سورہ واقعہ نے اور سورہ والمرسلٰت نے اور سورہ عم یتسآء لون نے اور سورہ اذالشمس کورت نے بوڑھا کر دیا"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر رات پڑھ لیا کرے اسے ہرگز ہرگز فاقہ نہ پہنچے گا۔

سورہ واقعہ کے فضائل متعدد روایات میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سورہ حدید اور سورہ واقعہ اور سورہ رحمٰن پڑھتا ہے وہ جنت الفردوس کے رہنے والوں میں پکارا جاتا ہے (یہ تینوں سورتیں یعنی سورہ رحمٰن، سورہ واقعہ، سورہ حدید لگاتار یکے بعد دیگرے ہیں) ایک روایت میں ہے کہ سورہ واقعہ سورہ الغنیٰ ہے۔ اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو اپنی بیبیوں کو سکھلاؤ اور حضرت عائشہؓ سے بھی اس کے پڑھنے کی تاکید منقول ہے۔

اب ان تلاوت کردہ آیات کی تشریح ملاحظہ ہو سورۃ کی ابتدا قیامت اور اس کے اثرات کے بیان سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی اس وقت کھل جائے گا کہ یہ کوئی جھوٹی اور غلط بات نہ تھی۔ نہ اسے کوئی ٹلا سکے گا۔ نہ واپس کر سکے گا۔ یہ آغاز کلام بدراصل ان باتوں کا جواب ہے جو اس وقت کفار مکہ قیامت و آخرت کے متعلق کہتے تھے اور اس کو ناقابل یقین قرار دیتے تھے۔ انہیں یہ بعید از عقل و امکان نظر آتا تھا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا نظام کیا درہم برہم ہو جائے گا اور پھر ایک دوسرا عالم برپا ہوگا جس میں سب اگلے پچھلے مرے ہوئے انسان دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اور ان کا رتی رتی حساب کتاب کیا جائے گا اور دنیا کے اعمال و عقائد کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ اور کچھ بہشت کے باغات میں رہیں گے اور کچھ جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ یہ سب کفار کے نزدیک خواب و خیال کی باتیں تھیں اور جن کو ماننے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ اس

لئے انہیں سنایا جاتا ہے کہ جب وہ ہونے والا واقعہ یعنی قیامت و آخرت پیش آ جائے گی تو اس وقت کوئی اسے جھٹلانے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی ٹال سکے گا۔ نہ ہٹا سکے گا وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گی اور جب وہ دن آ جائے گا تو ایک گروہ کو پست کرنے والا ہوگا اور ایک گروہ کو اوپر اٹھانے والا ہوگا۔ بڑے بڑے متکبرین کو جو دنیا میں بہت معزز اور سربلند سمجھے جاتے تھے۔ اسفل السافلین کی طرف دھکیل کر جہنم میں پہنچا دیا جائے گا اور بہت سے کمزور۔ ضعیف اور متواضع جو دنیا میں پست اور حقیر نظر آتے تھے جنت میں جائیں گے دشمنان خدا ذلیل ہو کر جہنمی بن جائیں گے اور مقبولین مومنین عزیز ہو کر اکرام کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور جب وہ دن یعنی یوم قیامت آئے گا تو یہ زمین ساری کی ساری لرزنے لگے گی۔ چپہ چپہ کپکپانے لگے گا۔ طول وعرض زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا۔ پہاڑ اس دن ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور غبار کی طرح اڑتے پھریں گے۔

دیکھئے بلا مبالغہ قرآن پاک کا ایک بڑا حصہ قیامت و آخرت ہی کے بیان پر مشتمل ہے اور قرآن پاک کی ابتدائی سورۃ یعنی سورہ بقرہ کے شروع ہی میں متقین یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں ایک صفت و بالاٰخرۃ ھم یوقنون فرمائی گئی ہے یعنی وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اور دوسری باتوں کے متعلق یؤمنون فرمایا کہ وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ایمان رکھنا کسی امر پر اور بات ہے اور یقین رکھنا کسی امر پر اور بات ہے۔ تو قیامت و آخرت کے متعلق یقین رکھنے کا حکم ہے اور کسی بات پر یقین رکھنے کا اثر جو طبیعت پر ہوتا ہے وہ دنیا ہی کی ایک عام مثال سے سمجھ لیجئے مثلاً آپ کو ریل یا ہوائی جہاز سے کہیں کا سفر کرنا ہے اور آپ کو یہ یقین ہوتا ہے کہ ریل یا جہاز کی روانگی کا جو وقت مقرر ہے وہ بالکل اٹل ہے۔ ریل یا جہاز ٹھیک اپنے مقرر کردہ وقت پر روانہ ہو جائے گا۔ تو اس یقین کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آپ ہفتوں اور کئی دنوں پہلے سے ہمہ وقت اس سفر کی تیاری میں لگے رہتے ہیں اور روانگی کے مقررہ وقت سے پہلے ریل یا جہاز پر پہنچ جاتے ہیں اس میں غفلت۔ ٹال مٹول۔ سستی۔ کاہلی یا شک وشبہ کا گزر نہیں ہوتا اسی طرح قیامت و آخرت کے متعلق اگر یقین پختہ ہوگا تو پھر وہاں کی تیاری میں بھی انسان لگا رہے گا۔ اب ہم ذرا غور کریں کہ آخرت پر ہمارا یقین کتنا پختہ ہے؟ کیا آخرت کا یقین ہم کو ہمہ وقت وہاں کی تیاری میں لگائے ہوئے ہے؟ اگر ہم کو یہ یقین ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ دربار خداوندی میں حاضر ہونا ہے اور ہم سے ہمارے اعمال کی باز پرس ہونے والی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی خداوند ذوالجلال والاکرام کے غصہ اور ناراضگی کا سبب بننے والی ہے تو پھر اس یقین کے ساتھ جرات اور دیدہ دلیری سے عمداً اور دانستہ اللہ کی معصیت اور گناہوں پر اصرار کیوں ہے؟ ہم میں سے اکثر کا مسلک یوں کیوں بنا ہوا ہے کہ

اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھئے سورہ تکاثر ۳۰ ویں پارہ میں خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیوی سازوسامان پر فخر کرنا تم کو آخرت سے غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو یعنی مر جاتے ہو۔ ہرگز نہیں یعنی نہ دنیوی سامان قابل فخر ہے اور نہ آخرت قابل غفلت۔ اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی غور وتوجہ سے کام لیتے اور اس کا یقین آ جاتا تو کبھی آخرت سے غفلت میں نہ پڑتے۔ (بیان القرآن) اللہ تعالیٰ قیامت و آخرت کی طرف سے غفلت ہمارے دلوں سے دور فرمائیں اور ہم کو آخرت کا ایسا یقین کامل نصیب فرمائیں کہ ہم ہمہ وقت وہاں کی تیاری میں لگے رہیں۔ چنانچہ آگے بتلایا گیا ہے کہ تمام انسان اگلے اور پچھلے قیامت و آخرت میں تین گروہوں میں تقسیم ہو جاویں گے اور ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے گا یہ ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝٧ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝٨ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ

اور تم تین قسم کے ہوجاؤ گے۔ سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں۔ اور جو بائیں والے ہیں،

مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢

وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں۔ اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں۔ (اور) وہ (خدا تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝١٤

ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں ہوں گے۔

وَكُنْتُمْ اور تم ہوجاؤ گے	اَزْوَاجًا جوڑے (قسم)	ثَلٰثَةً تین	فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ تو دائیں ہاتھ والے	مَا کیا	اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ دائیں ہاتھ والے		
وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ اور بائیں ہاتھ والے	مَا کیا	اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ بائیں ہاتھ والے	وَالسّٰبِقُوْنَ اور سبقت لے جانے والے				
السّٰبِقُوْنَ سبقت لے جانیوالے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی ہیں	الْمُقَرَّبُوْنَ مقرب (جمع)	فِىْ میں	جَنّٰتِ باغات	النَّعِيْمِ نعمت	ثُلَّةٌ بڑی جماعت	
مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ پہلوں سے۔ میں	وَقَلِيْلٌ اور تھوڑے	مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ پچھلوں سے۔ میں					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں وقوع قیامت کے بعد یعنی آخرت میں تمام نوع انسانی کا تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے اور پھر ان تینوں گروہوں کے احوال کی تفصیل بیان فرمائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان آیات میں تمام نوع انسانی کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے انسانو! بلحاظ اپنے انجام وثمرات عمل کے آخرت میں تمام نسل انسانی شروع دنیا سے جو قیامت تک پیدا ہوں گے تین طبقوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ ایک عام مومنین اہل جنت۔ دوسرے خواص مقربین جو جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔ تیسرے کفار ومنکرین جو اہل جہنم ہوں گے گذشتہ سورہ رحمٰن میں بھی یہی تین قسمیں ذکر فرمائی گئی تھیں۔ اس سورۃ میں خواص اہل جنت کو مقربین اور سابقین کہا گیا ہے اور عوام مومنین اہل جنت کو اصحاب الیمین یا اصحاب المیمنۃ اور کفار ومنکرین کو اصحاب المشئمۃ یا اصحاب الشمال کہا گیا ہے۔ آگے ان تینوں قسموں کا حال بیان فرمایا گیا ہے پہلے اجمالاً اور پھر تفصیلاً۔ اجمالاً پہلے اصحاب المیمنۃ یعنی داہنے والوں کا ذکر فرمایا۔ مراد اس سے وہ مومنین ہیں جو عرش عظیم کے داہنی طرف ہوں گے اور جن کا اعمالنامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور جن کی ارواح کو عہد لینے کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی نسبت دیکھا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی داہنی طرف نظر کر کے ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ تو ایک قسم جو اصحاب المیمنہ یعنی داہنے والے ہیں ان کے متعلق اجمالاً فرمایا کہ یہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں۔ مراد اس سے عوام مومنین اہل جنت ہوں گے جن کے حال کی تفصیل آگے بیان فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم کو بھی اس داہنے والے گروہ میں شامل فرمالیں۔

دوسرا گروہ اصحاب المشئمة یعنی بائیں والوں کا ذکر فرمایا۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے۔ عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتہ بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ تو یہ دوسری قسم جو اصحاب المشئمة یعنی بائیں والے ہیں ان کے متعلق اجمالاً فرمایا گیا کہ ان کی بدبختی اور نحوست کا کیا ٹھکانہ۔ یہ کیسے برے ہیں کہ سب اہل جہنم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم سب کو اس گروہ میں شامل ہونے سے بچالیں۔ آمین۔

تیسرا گروہ جو عرش کے سامنے ہوگا۔ یہ خاص الخاص جماعت ہوگی جو اصحاب یمین سے بھی زیادہ باوقعت اور خاص مقربین الٰہی میں سے ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ کی رحمتوں۔ قرب ووجاہت میں سب سے آگے ہوں گے اور یہ جماعت انبیاء کرام۔ صدیقین۔ شہداء اور اولیاء اللہ متقین کاملین کی ہوگی۔ ان حضرات سابقین کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص قرب رکھنے والے ہیں اور یہ مقربین آرام اور نعمتوں سے بھرے ہوئے باغات بہشت میں ہوں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان مقربین خاص کا ایک بڑا گروہ تو اولین یعنی اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے آخرین یعنی پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ اب یہاں آیت میں اوّلین وآخرین سے کون مراد ہیں اس میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ اوّلین یعنی اگلوں سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جتنی امتیں گذری ہیں وہ اولین ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لوگ آخرین یعنی پچھلے لوگ ہیں۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بعثت محمدی سے پہلے ہزار ہا برس کے دوران جتنے انبیاء اور پیغمبر اور رسول گذرے ہیں ان میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے قیامت تک آنے والے انسانوں میں سابقین کی تعداد کم ہوگی۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ کہ اوّلین میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی یہ فرمائی ہے کہ اوّلین یعنی آدم علیہ السلام سے زمانہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ بہت طویل ہے بہ نسبت امت محمدیہ کے جو قرب قیامت میں پیدا ہوئی ہے تو باقتضاء عادت زمانہ اس طویل زمانہ کے خواص بہ نسبت امت محمدیہ کے مختصر زمانہ کے خواص کے تعداد میں ان سے کم ہوں گے کیونکہ اس طویل زمانہ میں ایک دولاکھ کے درمیان تو انبیاء ہی ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی اور نبی نہیں اس لئے خواص مقربین کا بڑا گروہ اولین کا ہوگا اور آخرین یعنی امت محمدیہ میں ان کی تعداد کم ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں اولین وآخرین سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین وآخرین مراد ہیں یعنی آپ کی امت میں ابتدائی دور کے لوگ اوّلین ہیں۔ یعنی صحابہ تابعین۔ تبع تابعین وغیرہ۔ جن میں سابقین مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین مقربین کی تعداد کم ہوگی۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

یہ تو ہوا اجمالاً بیان تینوں قسموں کا۔ اب آگے ان تینوں قسموں کا تفصیلی بیان ہے۔ پہلے سابقین یعنی مقربین خاص کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝۱۶ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝۱۷ بِاَكْوَابٍ

(وہ لوگ) سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ان کے آس پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت کیا کریں گے

وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۱۸ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝۲۰

آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو دردِ سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۱ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝۲۲ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝۲۳ جَزَآءًۢ

اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہوگا۔اور (اُن کیلئے) گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں ہونگی۔(مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۴ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝۲۵ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝۲۶

یہ اُن کے اعمال کے صلہ میں ملے گا۔(اور) وہاں نہ بک بک سُنیں گے اور نہ کوئی (اور) بیہودہ بات بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

عَلٰى سُرُرٍ تختوں پر	مَّوْضُوْنَةٍ سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے	مُّتَّكِـِٕيْنَ تکیہ لگائے ہوئے	عَلَيْهَا اس پر	مُتَقٰبِلِيْنَ آمنے سامنے	
يَطُوْفُ ارد گرد پھریں گے	عَلَيْهِمْ ان کے	وِلْدَانٌ لڑکے	مُّخَلَّدُوْنَ ہمیشہ رہنے والے	بِاَكْوَابٍ آبخوروں کے ساتھ	وَّاَبَارِيْقَ اور آفتابے
وَكَاْسٍ اور پیالے	مِّنْ سے۔کے	مَّعِيْنٍ صاف شراب	لَّا يُصَدَّعُوْنَ نہ انہیں دردسر ہوگا	عَنْهَا اس سے	وَلَا يُنْزِفُوْنَ اور نہ ان کی عقل میں فتور آئیگا
وَفَاكِهَةٍ اور میوے	مِّمَّا اس سے جو	يَتَخَيَّرُوْنَ وہ پسند کریں گے	وَلَحْمِ طَيْرٍ اور پرندوں کا گوشت	مِّمَّا وہ جو	يَشْتَهُوْنَ وہ چاہیں گے
وَ اور	حُوْرٌ عِيْنٌ بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں	كَاَمْثَالِ جیسے	اللُّؤْلُؤِ موتی	الْمَكْنُوْنِ (سیپی میں) چھپے ہوئے	جَزَآءً جزا
بِمَا اس کی	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جو وہ کرتے ہیں	لَا يَسْمَعُوْنَ وہ نہ سُنیں گے	فِيْهَا اس میں	لَغْوًا بے ہودہ بات	وَّلَا تَاْثِيْمًا اور نہ گناہ کی بات
اِلَّا مگر	قِيْلًا کلام	سَلٰمًا سَلٰمًا سلام سلام			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں تمام نسل انسانی جو دنیا میں پہلے گذر چکے یا جواب موجود ہیں اور یا جو آئندہ قیامت تک پیدا ہوں گے بلحاظ اپنے انجام کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ایک تو سابقین یعنی اللہ تعالیٰ کے مخصوص مقبول بندے اور خاص قرب الٰہی رکھنے والے۔دوسرے اصحاب یمین یعنی داہنے والے اور تیسرے اصحاب الشمال یعنی بائیں والے۔ان تینوں قسموں کے لوگوں کا اجمالاً حال گذشتہ آیات میں بیان فرمایا گیا تھا۔اب قدرے تفصیلاً ان تینوں گروں کا حال جو آخرت میں ہوگا بیان فرمایا جاتا ہے۔پہلے

ان آیات میں سابقون یعنی اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور خاص قرب رکھنے والے بندے جیسے انبیاء۔صدیقین۔شہدا اور اولیاء اللہ۔ان کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ آخرت میں ان کے کیا درجات ہوں گے۔اس کے بعد اگلی آیات میں اصحاب یمین اور اصحاب الشمال کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ ان کا آخرت میں کیا حال ہو گا۔چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ سابقین جو بہشت کے باغات میں ہوں گے ان کے بیٹھنے کے لئے سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تخت ہوں گے جن پر یہ تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔یعنی نشست ایسی ہوگی کہ کسی ایک کی پیٹھ

دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔ ان کی خدمت کے لئے لڑکے ہوں گے جن کی عمر ہمیشہ ایک حالت میں رہے گی۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اہل جنت کے خدام تین قسم کے ہوں گے:۔

ایک ملائکہ جو خدائے قدوس اور اہل جنت کے مابین بطور قاصد ہوں گے۔

دوسرے غلمان جو حوروں کی طرح جنت میں ایک جدا مخلوق ہیں جو جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ اور وہ ہمیشہ ایک عمر کے رہیں گے اور مثل بکھرے ہوئے موتیوں کے چاروں طرف خدمت کرتے پھریں گے۔ روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ایک جنتی کے پاس ہزاروں خادم ہوں گے۔

تیسرے اولاد مشرکین جو بچپن میں قبل از بلوغ انتقال کر چکی ہوگی۔ یہ بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ مگر محدثین میں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ غیر مسلموں کی اولاد صغیر یعنی نابالغ اولاد جنت میں جائے گی یا دوزخ میں۔ کیونکہ ایسے بچوں کے بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے مر جاتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض حضرات محدثین کے نزدیک ان کا حشر اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوگا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کے بچے اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ بعض محدثین و علمائے کرام کا قول ہے کہ وہ جنتی ہیں کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے گرد بچے ہی بچے جمع ہیں اور جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد مشرکین کے بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ بھی وہیں موجود ہیں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ کچھ علماء کی رائے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کرنے کی ہے کیونکہ بعض روایات کے پیش نظر اس مسئلہ میں توقف ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دیگر بعض علما نے اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔ محدث امام نوویؒ نے نزدیک تمام احادیث میں تطبیق دینے کے بعد قول راجح یہی ہے کہ غیر مسلموں کے نابالغ بچے مرنے کے بعد آخرت میں جنت ہی میں جائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض ذکر سابقین مقربین کا ہو رہا تھا۔ جن کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان کے پینے کے لئے صاف ستھری شراب ہوگی جس کے قدرتی چشمے جاری ہوں گے۔ قرآن پاک کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کے لئے مشروب یعنی پینے کی چیزیں چار قسم کی ہوں گی اور ان کی نہریں جاری ہوں گی:۔

ایک وہ نہریں جن کا پانی نہایت شیریں وٹھنڈا ہے۔

دوسری وہ نہریں جو ایسے قدرتی دودھ سے لبریز ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بگڑتا۔

تیسری وہ نہریں جو ایسی شراب کی ہیں جو نہایت فرحت افزا اور خوش رنگ اور خوش مزہ ہے۔

چوتھی وہ نہریں جو نہایت صاف وشفاف شہد کی ہیں۔

علاوہ ان نہروں کے تین قسم کے چشمے ہیں:۔

ایک کا نام کافور ہے جس کی خاصیت خنکی ہے۔

دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثل چاء وقہوہ۔

تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے۔ ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن اصحاب یمین کو بھی جو مقربین سے کم درجہ کے جنتی ہیں ان چشموں میں سے سربمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے اس میں تھوڑا تھوڑا املا کر پیا کریں گے۔

اب چونکہ یہاں آیت میں جنت کی شراب طہورہ کا ذکر آ گیا تھا اس لئے ہوسکتا تھا۔ کہ کوئی دنیا کی شراب پر جنت کی شراب کو قیاس کرے اس لئے آگے فرمایا **لا یصدعون عنھا ولا ینزفون** ۔ نہ اس کے پینے سے ان اہل جنت کو دردسر ہوگا ۔ اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا یعنی اس جنت کی پاک شراب میں سرور ہی سرور ہوگا باقی جتنے نقصانات اور خرابیاں اس دنیا کی شراب میں ہوتے ہیں وہ کوئی بھی اس میں نہ ہوں گے ۔ سبحان اللہ کیا قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے کہ چند لفظوں میں جنت کی شراب کی ساری ہی خرابیوں کی نفی کر دی ۔ آگے ارشاد ہے کہ ان مقربین کو جس وقت جو میوہ یا پھل پسند ہو اسی وقت وہ بدوں تعب یا مشقت کے پہنچے گا ۔ روایات میں ہے کہ جنت کے درخت باوجود نہایت بلند اور بزرگ ہونے کے اس قدر باشعور ہیں کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ یا پھل کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کرے گا اور جنت کے بعض بڑے بڑے میوے ایسے ہوں گے کہ جس وقت جنتی اس کو توڑے گا اس میں سے نہایت خوبصورت پاکیزہ عورت مع لباس فاخرہ و زیور برآمد ہوگی اور اپنے مالک کی ہمنشین و خدمت گذار ہوگی ۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے میوے بھی ہمیشگی والے ہیں نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے ۔ یہ نہیں کہ جاڑے میں ہیں تو گرمیوں میں نہیں ۔ یا گرمیوں میں ہیں تو جاڑے میں نہیں ۔ بلکہ یہ میوے ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ خدا کی قدرت سے ہر وقت وہ موجود رہیں گے اور ادھر پھل توڑا ادھر اس کے قائم مقام دوسرا پھل لگ گیا ۔ ایک حدیث میں ذکر ہے کہ انگور کا ایک دانہ جنت میں ایک بکرے کی کھال کے ڈول کے برابر ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث میں جس میں آپ نے سورج کے گہن ہونے کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج گہن کا نماز ادا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے یہ بھی ہے کہ بعد فراغت نماز آپ کے ساتھ کے نمازیوں نے آپ سے پوچھا ۔ یارسول اللہ ہم نے آپ کو اس جگہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی اور جنت کے میوے کا خوشہ لینا چاہا ۔ اگر میں لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے ۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے پھر آپ نے کوئی چیز لینی چاہی پھر پیچھے ہٹ آئے ۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا یا رسول اللہ آج تو آپ نے ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی ۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اس میں تروتازگی اور سرسبزی ہے میں نے اس میں سے انگور کا خوشہ توڑنا چاہا تا کہ لاکر تمہیں دوں ۔ پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا اور اگر میں اسے تمہارے درمیان لے آتا تو زمین اور آسمان کے درمیان کی مخلوق اسے کھاتی رہتی تب بھی اس میں ذرا سی بھی کمی نہ آتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں رہ کر جنت و آخرت کی نعمتوں کا خواہ وہ میوے یا پھل پھلا رہوں یا دوسری نعمتیں اندازہ ہی نہیں لگا سکتے اور اصل حقیقت کو ہم یہاں دنیا میں پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتے ۔ بس ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا ۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اب جنت کے شوق و طلب کا تو کیا سوال اب تو اس کا ذکر اذکار بھی معیوب معلوم ہونے لگا ۔

سابقین کے لئے جنت کی جو نعمتیں بیان ہو رہی ہیں اس سلسلہ میں آگے ارشاد ہے ولحم طیر مما یشتھون اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہو ملے گا۔ ویسے تو پرند کا گوشت ہی مزیدار ہوتا ہے پھر ان میں سے بھی وہ کہ جو مرغوب ہو۔ احادیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنتی کا دل جس پرندے کے گوشت کو کھانے کا چاہے گا وہ اس کے سامنے آ جائے گا۔ جو جتنا چاہے گا اور جس پہلو کا گوشت پسند کرے گا کھائے گا پھر وہ پرند اڑ جائے گا اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جاوے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت کے جس پرند کو تو چاہے گا وہ بھنا بھنایا تیرے سامنے آ جاوے گا۔ آگے فرمایا کہ ان سابقین کے لئے حوریں ہوں گی جو رنگت میں ایسی صاف شفاف ہوں گی جیسے حفاظت سے پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ پھر فرمایا کہ یہ ساری نعمتیں ان اعمال کے جزا کے طور پر انہیں ملیں گی جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ یہ مقربین جنت میں کوئی لغو اور واہیات باتیں نہیں سنیں گے۔ یعنی وہاں بیہودگی۔ جھوٹ۔ غیبت۔ بہتان۔ طنز و تمسخر۔ طعن و تشنیع کچھ نہ ہوگا۔ بس ہر طرف سے سلام۔ سلام کی آوازیں آئیں گی یعنی جنتی ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ اور فرشتے جنتیوں کو سلام کریں گے اور رب کریم کا سلام جنتیوں کو پہنچے گا اور سلام کی اس کثرت کا اس طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تمام آفات و مصائب سے محفوظ و مامون ہو گئے۔ اب نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا۔ نہ موت آئے گی نہ فنا ہوگی۔

یہاں تک تو جزائے سابقین اور مقربین کا بیان ہوا۔ آگے اصحاب الیمین یعنی داہنے والوں کی جزا کی تفصیل کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے سابقین مقبولین و مقربین کے طفیل میں ہم کو بھی ان کا کفش بردار ہو کر جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں۔ اور جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں اس دنیا میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما دیجئے جن سے آپ راضی ہو جائیں اور آخرت کی کامیابی و کامرانی ہم کو نصیب فرما دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ؕ﴿۲۷﴾ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۲۹﴾

اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی۔ اور تہ بتہ کیلے ہوں گے۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ

اور لمبا لمبا سایہ ہوگا۔ اور چلتا ہوا پانی ہوگا۔ اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی روک ٹوک ہوگی۔ اور اونچے اونچے

مَّرْفُوْعَةٍ ؕ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ

فرش ہوں گے۔ ہم نے (وہاں کی) اُن عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے۔ یعنی ہم نے اُن کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں۔ محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں۔ یہ سب چیزیں

الْیَمِیْنِ ؕ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۙ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ؕ﴿۴۰﴾

داہنے والوں کیلئے ہیں ان (اصحاب الیمین) کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا۔ اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں ہوگا۔

وَ اور	اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ دائیں ہاتھ والے	مَا کیا	اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ دائیں ہاتھ والے	فِیْ سِدْرٍ بیریوں میں	مَّخْضُوْدٍ بے خار والی		
وَطَلْحٍ اور کیلے	مَّنْضُوْدٍ تہہ در تہہ	وَظِلٍّ اور سایہ	مَّمْدُوْدٍ لمبا۔دراز	وَّمَآءٍ اور پانی	مَّسْكُوْبٍ گرتا ہوا	وَّفَاكِهَةٍ اور میوے	
كَثِیْرَةٍ کثیر	لَّا مَقْطُوْعَةٍ نہ ختم ہونے والا	وَ لَا مَمْنُوْعَةٍ اور نہ کوئی روک ٹوک	وَّفُرُشٍ اور فرش (جمع)	مَّرْفُوْعَةٍ اونچے	اِنَّآ بیشک ہم		
اَنْشَاْنٰهُنَّ انہیں اُٹھان دی	اِنْشَآءً خوب اُٹھان	فَجَعَلْنٰهُنَّ پس ہم نے انہیں بنایا	اَبْكَارًا کنواری (جمع)	عُرُبًا اَتْرَابًا محبوب ہم عمر			
لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ دائیں ہاتھ والوں کیلئے	ثُلَّةٌ بہت سے	مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ اگلوں میں سے	وَ اور	ثُلَّةٌ بہت سے	مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ پچھلوں میں سے		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اصحاب یمین کے جزا کی تفصیل ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ اصحاب بھی بہت ہی خوب لوگ ہیں۔ ان کی خوش قسمتی کا کیا کہنا۔ ان کے لئے بھی جنت میں خوب خوب نعمتیں ہیں۔ وہ بہشت کے ان باغات میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی یعنی ایسی بیریاں جن کے درختوں میں کانٹے نہ ہوں گے۔ اب کوئی اس پر تعجب نہ کرے کہ بیر کونسا نفیس اور اعلیٰ پھل ہے کہ جس کے جنت میں ہونے کی خوشخبری سنائی گئی۔ تو واقعہ یہ ہے کہ جنت کے بیروں کا تو کیا کہنا خود اس دنیا کے بعض علاقوں میں یہ پھل اتنا لذیذ۔ خوشبودار اور میٹھا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ منہ کو لگنے کے بعد اس کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بیر جتنے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں ان کے درختوں میں کانٹے اتنے ہی کم ہوتے ہیں۔ اس لئے جنت کے بیروں کی یہ تعریف کی گئی کہ ان کے درخت جنت میں بالکل ہی کانٹوں سے خالی ہوں گے یعنی ایسی بہترین قسم کے ہوں گے کہ جو دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ احادیث میں ایک روایت ہے۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ اعرابیوں یعنی دیہاتیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنا اور آپ سے مسائل پوچھنا ہمیں بہت نفع دیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آ کر کہا۔ یارسول اللہ میں سمجھتا ہوں کہ جنت میں کوئی تکلیف دینے والا درخت نہیں اور قرآن میں ایسے درخت کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کونسا؟ اس نے کہا سدر یعنی بیری کا درخت۔ آپ نے فرمایا پھر تو نے اس کے ساتھ ہی لفظ مخضود نہیں پڑھا؟ اس کے کانٹے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیئے ہیں اور ان کے بدلہ پھل پیدا کر دیئے۔ ہر

ہر بیری میں ۷۲ قسم کے ذائقہ ہوں گے جن کا رنگ و مزہ مختلف ہوگا۔ آگے فرمایا اور تہ بتہ کیلے ہوں گے یعنی قسم قسم کے مزیدار پھلوں سے لدے ہوں گے۔ اور بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کے درخت کے سایہ تلے تیز سوار سو (۱۰۰) سال تک چلتا رہے لیکن سایہ ختم نہ ہوگا اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو وظل ممدود اور لمبا لمبا سایہ ہوگا۔ اس آیت وظل ممدود کی تشریح علماء نے اس طرح بھی کی ہے کہ نہ دھوپ ہوگی۔ نہ گرمی سردی۔ نہ اندھیرا ہوگا۔ صبح صادق کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے ایسا معتدل سایہ سمجھو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنت میں ہمیشہ وہ وقت رہے گا جو صبح صادق کے بعد سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے کے درمیان درمیان رہتا ہے۔ پھر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں روشنی چاند و سورج کی نہ ہوگی بلکہ عرش کے نور کی ہوگی۔ آگے فرمایا وماء مسکوب اور چلتا ہوا جاری پانی ہوگا مگر یہ نہریں کھدی ہوئی زمین میں نہ ہوں گی بلکہ ہوا میں معلق ہو ں گی۔ آگے فرمایا کہ کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے جیسے دنیا کے میوے کہ فصل ختم ہونے سے پھل بھی ختم ہو جاتے ہیں اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی جیسے دنیا میں باغ والے اس کی روک تھا م کرتے ہیں۔ یہ پھلوں کے توڑنے اور کھانے میں کوئی امر مانع ہوگا نہ درختوں کی بلندی کی وجہ سے کوئی زحمت پیش آئے گی۔ آگے فرمایا اور اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ یعنی بلند تختوں پر نرم اور گدگدے راحت و آرام دینے والے شاندار فرش ہوں گے جن پر وہ بیٹھیں گے۔ تو چونکہ یہ مقام خوش عیشی کے ذکر کا ہے اور خوش عیشی بدون عورتوں کے کامل نہیں ہوتی اس لئے بہشتی عورتوں کا بھی ذکر فرمایا جاتا ہے اور آگے بتلایا جاتا ہے کہ خواہ جنت کی حوریں ہوں یا دنیا کی بیویاں جو اپنے ایمان اور عمل صالح کی بنا پر جنت میں جائیں گی وہاں خدا کی قدرت سے وہ ہمیشہ جوان اور خوبصورت بنی رہیں گی خواہ وہ دنیا میں کتنی ہی بوڑھی ہو کر مری ہوں۔ احادیث میں ایک

روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتی ہیں یا رسول اللہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا اے ام فلاں! جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ روتی ہوئی واپس ہوئیں تو آپ نے فرمایا۔ جاؤ انہیں سمجھا دو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں داخل جنت نہ ہوں گی یعنی جن جنت میں جائیں گی تو جوان ہوں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انا انشاء نهن انشآء فجعلنهن ابکارا ہم نے ان بیبیوں کو خاص طور پر بنایا ہے اور ہم نے انہیں کنواریاں کر دی ہیں۔ یعنی دنیا کی نیک ایمان دار خواتین خواہ دنیا میں کنواری مری ہوں یا بال بچوں والی ہو کر۔ ان بیبیوں کو جنت میں نو عمر کنواریاں کر کے جنت میں رکھا جائے گا اور وہ بوجہ اپنے حسن صورت کے اور جسامت کے اور خوش خلقی اور حلاوت کے اپنے جنتی شوہروں کو بڑی پیاری ہوں گی۔ ایک صفت جنت کی عورتوں کی اور بیان فرمائی گئی کہ وہ اہل جنت شوہروں کی ہم عمر ہوں گی۔ یعنی یہ عورتیں بھی جوان ہوں گی اور ان کے شوہر بھی جوان ہوں گے چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ اہل جنت کے قد و قامت مانند حضرت آدم علیہ السلام کے ساٹھ ساٹھ ہاتھ ہوں گے اور دیگر اعضا بھی انہی قد و قامت کے مناسب ہوں گے بلحاظ صورت نہایت حسین و جمیل ہوں گے اور ہر ایک عین شباب کی حالت میں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے صاف ہوں گے بے ریش گورے چٹے رنگ کے خوش خلق اور خوبصورت سرمگین آنکھوں والے ۳۳ برس کی عمر کے ۶۰ ہاتھ لمبے اور ۷ ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے۔ تو یہاں جنت کی عورتوں کے متعلق جس میں حوریں بھی داخل ہیں اور اس دنیا کی جنتی بیویاں بھی بتلایا گیا کہ جنت میں ان کی بناوٹ ایک خاص قسم کی ہوگی۔ ان کا شباب ان کا حسن و جمال۔ اہل جنت کے ساتھ ان کی ہم عمری یہ سب چیزیں مستقل۔ پائیدار۔ اور دائمی ہوں گی۔ اس دنیا کی نعمتوں کی طرح فنا

پذیر نہ ہوں گی اور یہ سب مذکورہ نعمتیں اصحاب یمین یعنی داہنے والوں کے لئے ہوں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی۔ ہمارے والدین کو ہمارے اولادوں کو۔ ہماری بیویوں کو۔ ہمارے اعزاو اقارب کو۔ ہمارے احباب کو سب کو اصحاب یمین میں شامل فرمادیں۔ آمین۔ اخیر میں فرمایا گیا ثلة من الا ولین وثلة من الأخرین یعنی ان اصحاب یمین کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس موقع پر ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے بیان فرمایا کہ میرے سامنے انبیاء مع اپنے تابعدار امتیوں کے پیش ہوئے۔ یہ نبی گذرتے تھے اور بعض نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی تھی۔ اور بعض نبی کے ساتھ صرف تین آدمی ہوتے تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ بن عمران گذرے جو بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت ساتھ لئے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا پروردگار یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ تمہارے بھائی موسیٰ بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والی امت ہے۔ میں نے پوچھا خدایا پھر میری امت کہاں ہے۔ ارشاد ہوا اپنی داہنی جانب نیچے کی طرف دیکھئے۔ میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت نظر آئی۔ لوگوں کے بکثرت چہرے دمک رہے تھے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہو اب تو خوش ہو؟ میں نے کہا ہاں خدایا خوش ہوں۔ مجھ سے پھر فرمایا اب اپنی بائیں جانب کناروں کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو وہاں بھی بے شمار لوگ تھے۔ پھر مجھ سے پوچھا اب تو راضی ہو گئے۔ میں نے کہا ہاں میرے رب میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سنو۔ ان کے ساتھ ستر ہزار اور لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ سن کر حضرت عکاشہؓ جو بدری صحابی ہیں کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان ہی میں شامل فرمادے۔ آپ نے دعاء کی۔ پھر ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور کہا اے نبی اللہ میرے لئے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا عکاشہ تم پر سبقت کر گئے پھر آپ نے فرمایا لوگو اگر تم سے ہو سکے تو تم ان ہزار میں سے بنو جو بے حساب جنت میں جائیں گے۔ ورنہ کم از کم داہنی جانب والوں میں سے ہو جاؤ۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کنارے والوں میں سے بن جاؤ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم تمام جنت کی تہائی والے ہو گے۔ حضرت قتادہؓ راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ فرمایا اور سنو تم آدھوں آدھ اہل جنت کے ہو گے۔ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیات ثلة من الا ولین و ثلة من الأخرین تلاوت کیں۔ اب ہم میں آپس میں مذاکرہ ہوا کہ یہ ستر ۷۰ ہزار کون لوگ ہیں پھر ہم نے کہا وہ لوگ جو اسلام ہی میں پیدا ہوئے اور شرک نہ کیا ہوگا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے اور فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اب اصحاب یمین کا ذکر فرمانے کے بعد تیسرے گروہ اصحاب الشمال یعنی بائیں والوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی اصحاب یمین میں شامل ہونا نصیب فرمائیں۔ اور ان کے ساتھ جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کو اور ہماری نسلوں کو اور ہماری بیویوں کو اور تمام امت مسلمہ کے مومنین کو اہل جنت ہونا مقدر فرمائیں۔ اے اللہ اپنے کرم سے ہمیں اُن اعمال کی توفیق عطا فرمادے کہ آخرت میں ہمیں اصحاب یمین میں شامل فرمالیا جائے اور ان کے ساتھ جنت میں جانا نصیب ہوجائے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ

اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں۔ وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں۔ اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں۔ جو نہ ٹھنڈا ہوگا

وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾

اور نہ فرحت بخش ہوگا۔ وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوشحالی میں رہتے تھے۔ اور بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک وکفر) پر اصرار کیا کرتے تھے۔

وَ كَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا

اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں (ہوکر) رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی

الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ۬ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ

(زندہ کیے جاویں گے)۔ آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے۔ جمع کیے جاویں گے، ایک معین تاریخ کے وقت پر۔ پھر (جمع ہونے کے بعد) تم کو

اَیُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوۡنَ

اے گمراہو جھٹلانے والو۔ درختِ زقوم سے کھانا ہوگا۔ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی ہوگا۔

عَلَیۡهِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِیۡمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۵۶﴾

پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا۔ (غرض) اُن لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔

وَ اور	اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ بائیں ہاتھ والے	مَا کیا	اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ بائیں ہاتھ والے	فِیۡ میں	سَمُوۡمٍ گرم ہوا	وَّحَمِیۡمٍ اور کھولتا ہوا پانی	وَ اور
ظِلٍّ سایہ	مِّنۡ سے۔کے	یَّحۡمُوۡمٍ دھواں	لَّا بَارِدٍ نہ کوئی ٹھنڈی	وَّلَا کَرِیۡمٍ اور نہ فرحت	اِنَّهُمۡ بیشک وہ	كَانُوۡا تھے	قَبۡلَ ذٰلِكَ اس سے قبل
مُتۡرَفِیۡنَ نعمت میں پلے ہوئے	وَكَانُوۡا اور وہ تھے	یُصِرُّوۡنَ اڑے ہوئے	عَلَی پر	الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ گناہ بھاری	وَكَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ اور وہ کہتے تھے		
اَئِذَا کیا جب	مِتۡنَا ہم مرگئے	وَكُنَّا اور ہوگئے	تُرَابًا مٹی	وَّعِظَامًا اور ہڈیاں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ضرور دوبارہ اٹھائے جائیں گے	
اَوَ کیا	اٰبَآؤُنَا ہمارے باپ دادا	الۡاَوَّلُوۡنَ پہلے	قُلۡ آپ کہہ دیں	اِنَّ بیشک	الۡاَوَّلِیۡنَ پہلے	وَالۡاٰخِرِیۡنَ اور پچھلے	لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ضرور جمع کیے جائیں گے
اِلٰی طرف۔پر	مِیۡقَاتِ وقت	یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ایک مقررہ دن	ثُمَّ پھر	اِنَّكُمۡ بیشک تم	اَیُّهَا اے	الضَّآلُّوۡنَ گمراہ لوگو	الۡمُكَذِّبُوۡنَ جھٹلانے والے
لَاٰكِلُوۡنَ البتہ کھانے والے	مِنۡ سے	شَجَرٍ درخت	مِّنۡ زَقُّوۡمٍ تھوہر	فَمَالِـُٔوۡنَ پس بھرنا ہوگا	مِنۡهَا اس سے	الۡبُطُوۡنَ پیٹ (جمع)	
فَشٰرِبُوۡنَ سو پینا ہوگا	عَلَیۡهِ اس پر	مِنَ سے	الۡحَمِیۡمِ کھولتا ہوا پانی	فَشٰرِبُوۡنَ سو پینا ہوگا	شُرۡبَ الۡهِیۡمِ پیاسے اونٹ کی طرح پینا		
هٰذَا یہ	نُزُلُهُمۡ ان کی مہمانی	یَوۡمَ الدِّیۡنِ روز جزا					

تفسیر وتشریح: اب ان آیات میں اصحاب والشمال کا جو حال آخرت میں ہوگا وہ بیان فرمایا جاتا ہے۔ یہ اصحاب والشمال یعنی بائیں طرف والے کفار ومشرکین کا گروہ ہوگا جو میدان حشر میں عرش کے بائیں جانب کھڑے کیے جائیں گے۔ اور اعمال نامے ان

کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔اس وجہ سے ان کا لقب اصحاب الشمال ہو گا یعنی بائیں طرف والے اور یہ گروہ اہل جہنم میں سے ہوگا۔ان کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ آخرت میں یہ بائیں طرف والے کیسے برے حال میں ہوں گے۔آگے ان کے حال کی تفصیل ہے کہ جہنم کی آگ سے کالا دھواں اٹھے گا اس کے سایہ میں یہ لوگ رکھے جائیں گے جس میں کوئی جسمانی یا روحانی آرام نہ ملے گا۔نہ اس سایہ سے ٹھنڈک پہنچے گی اور نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا۔ذلیل وخوار ہو کر اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے ہوئے کہ دنیا میں جو خدا کی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں یہ مست ہو گئے اور دنیوی خوشحالی کے غرور کے نشہ میں اللہ اور رسول سے ضد باندھی تھی۔یہ اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتے نہ تھے اور خوشحالی کے غرہ میں بڑے بھاری گناہ یعنی کفر وشرک اور تکذیب کرتے تھے اور عقلی دلیلیں پیش کرتے کہ مرنے کے بعد مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی زندہ ہوسکتا ہے؟ جب ہڈیاں بھی گل سڑ گئیں تو ان میں دوبارہ جان کیسے پڑ جائے گی؟ ہمارے باپ دادا مدتوں سے مرے پڑے ہیں آج تک تو ان میں سے کوئی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا تو ہم کیسے زندہ ہو جائیں گے؟ تو یہ منکرین قیامت جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے انہیں جواب مل رہا ہے کہ اگلے اور پچھلے جتنے دنیا میں پیدا ہو کر مریں گے سب دوبارہ زندہ ہو کر قیامت کے مقررہ دن ٹھیک وقت پر سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور اس میں منکرین ومکذبین بھی شامل ہوں گے لیکن یہ اچھی طرح کان کھول کر سن لیں اور آگاہ ہو جائیں کہ قیامت کے دن جس کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے جب یہ بھوک سے مضطر اور پریشان ہوں گے تو انہیں زقوم کھانے کو ملے گا اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا۔پھر اس کے اوپر سے جب پیاس سے تڑپیں گے تو کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور وہ ایسے پیاسے اونٹوں کی طرح پئیں گے کیونکہ بھوک و پیاس دونوں شدت کی ہوں گی۔اخیر میں فرمایا جاتا ہے کہ یہ منکرین ومکذبین کیا دنیا میں اکڑتے پھر رہے ہیں۔انہیں ایک دن آخر مرنا ہے اور مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونا ہے اور انصاف کا دن آنا ہے۔اس دن ان کی مہمانی یہی ہوگی کہ زقوم کھانے کو ملے گا اور حمیم پینے کو ملے گا۔زقوم ایک درخت ہے جو عرب میں اپنی تلخی کے لئے مشہور تھا۔فارسی میں اسے حنظل اور اردو میں تھوہر کہتے ہیں۔یہ زہریلا اور تلخ ہونے کی وجہ سے انسانی غذا کے قابل نہیں ہوتا اور پھر جہنم کا زقوم جو جہنم کی آگ سے پیدا ہوگا۔الاماں الحفیظ۔ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی **اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون**۔اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مرو گے مگر اس حال میں کہ تم مسلم یعنی اللہ کے فرمانبردار بندے ہو گے اور آپ نے فرمایا کہ زقوم جس کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے اور وہ دوزخیوں کی خوارک بنے گا۔اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کردے۔ پس کیا گذرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔تو اصحاب الشمال یعنی اہل جہنم کی غذا تو زقوم ہوگا اور پینے کو حمیم ملے گا۔جہنم میں ایک تالاب ہے جس کا نام حمیم ہے پانی اس کا اتنا گرم ہے کہ لبوں تک پہنچنے سے اوپر کا ہونٹ اس قدر سوج جائے

گا کہ ناک اور آنکھیں تک ڈھک جائیں گی اور نیچے کا ہونٹ سوج کر سینے و ناف تک پہنچے گا۔ حمیم حلق سے نیچے اترتے ہی پھیپھڑے۔ معدے اور انتڑیوں کو پھاڑ دے گا قرآن پاک کی دوسری آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جہنم کو علاوہ دیگر عذابوں کے بھوک کا عذاب اس قدر سخت کر دیا جائے گا جو تمام عذابوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا۔

جہنمی بھوک سے بے قرار اور بے چین ہو کر غذا طلب کریں گے۔ ارشاد باری ہوگا کہ درخت زقوم کے پھل جو نہایت تلخ۔ خاردار اور سخت ہے اور جو جہیم کی تہ میں پیدا ہوتا ہے ان کو کھانے کو دو۔ جب اس کو کھانا شروع کریں گے تو گلے میں پھنس جائے گا۔ اس پر اہل جہنم کہیں گے کہ دنیا میں جب ہمارے گلوں میں لقمہ اٹک جاتا تھا تو پانی سے نگل لیا کرتے تھے لہٰذا طالب آب ہوں گے۔ حکم ہوگا کہ حمیم میں سے پانی پلا دو۔ پانی کے ہونٹ تک پہنچتے ہی ہونٹ جل کر اتنے سوج جائیں گے کہ پیشانی اور سینے تک پہنچ جائیں گے۔ زبان سکڑ جائے گی۔ حلق ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ انتڑیاں پھٹ کر پاخانہ کے راستہ سے نکل پڑیں گی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تو ان مجرموں یعنی اہل جہنم کی ضیافت اور مہمانی قیامت میں اس زقوم اور حمیم سے ہوگی۔

یہاں اس تلخ حقیقت کا ذکر کرنا بھی ناموزوں نہ ہوگا کہ اب تو اس زمانہ میں جنت اور دوزخ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور بطور طعن اور تشنیع کے کہا جاتا ہے کہ ان ملانوں کو تو بس جنت اور جہنم کا سبق یاد ہے۔ دنیا والے تو پرواز کر کے خلا میں پہنچ رہے ہیں چاند اور ستاروں میں اتر چکے ہیں یہ جنت اور جہنم ہی کے قصوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ تو ایسے بے دین کان کھول کر سُن لیں کہ عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کیلئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں ہوسکتا انہی میں سے جنت اور جہنم بھی ہیں اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانہ ہیں۔ جس طرح قرآن کریم میں جنت اور اس کی نعمتوں کا اور جہنم کی تکلیفوں کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے اسی طرح رسول اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ میں بھی کثرت سے ان کا ذکر ہے اور مقصد اس سے یہ نہیں ہے کہ جنت و جہنم کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ سامنے آ جائے بلکہ اس کثرت ذکر کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسانوں میں جہنم اور اس کے عذابوں کا خوف پیدا ہو اور وہ اللہ کی نافرمانیوں اور ان برائیوں سے بچیں جو جہنم میں لے جانے والی ہیں اور جنت اور اس کی نعمتوں کا شوق ابھرے تا کہ وہ اچھے اعمال و عقائد اختیار کریں جو اللہ کی رضا کا باعث اور جنت میں پہنچانے والے ہوں۔ اور ایسی قرآنی آیات اور احادیث کا حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی یہ کیفیتیں پیدا ہوں۔

الغرض انسانوں کے انجام کو بیان فرما کر اب آگے اصل مضمون یعنی توحید و آخرت کی صداقت کو بیان کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمارا آخری ٹھکانا اپنی رضا اور خوشنودی کے مقام جنت میں بنایئے اور جہنم اور وہاں کے آزاروں سے اپنی پناہ میں رکھیئے اور بچایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ

ہم نے تم کو (اوّل بار) پیدا کیا ہے (جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو (عورتوں کے رحم میں) منی پہنچاتے ہو۔ اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم

الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ

بنانے والے ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔ کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے اور (آدمی)

اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے ہی نہیں۔ اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ ہم نے پیدا کیا تمہیں	فَلَوْ سو کیوں	لَا تُصَدِّقُوْنَ تم تصدیق نہیں کرتے	اَفَرَءَيْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	مَا تُمْنُوْنَ جو تم ڈالتے ہو		
ءَاَنْتُمْ کیا تم	تَخْلُقُوْنَهٗ تم اسے پیدا کرتے ہو	اَمْ یا	نَحْنُ ہم	الْخٰلِقُوْنَ پیدا کرنیوالے	نَحْنُ ہم	قَدَّرْنَا ہم نے مقرر کیا
بَيْنَكُمُ تمہارے درمیان	الْمَوْتَ موت	وَمَا نَحْنُ اور نہیں ہم	بِمَسْبُوْقِيْنَ اس سے عاجز	عَلٰٓى پر	اَنْ نُّبَدِّلَ کہ ہم بدل دیں	
اَمْثَالَكُمْ تم جیسے	وَ اور	نُنْشِئَكُمْ ہم پیدا کردیں تمہیں	فِيْ میں	مَا جو	لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے	وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ یقیناً تم جان چکے ہو
النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى پیدائش پہلی	فَلَوْ تو کیوں	لَا تَذَكَّرُوْنَ تم غور نہیں کرتے				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں منکرین سے خطاب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس بات کو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے تو پھر اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ جیسے اس نے پہلے پیدا کیا وہی دوبارہ بھی پیدا کردے گا۔ آگے ان منکرین کو اپنی پیدائش یاد دلا کر ایک سوال کیا جاتا ہے کہ رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے؟ کیا اس قطرہ ناچیز کو جیتا جاگتا انسان بنا کر پیدا کرنا ایک خدا کے سوا کسی اور کا بھی کام ہے؟ اور کیا کسی اور کا اس میں ذرہ برابر بھی کوئی دخل ہے؟ کیا یہ کام ماں باپ خود کرتے ہیں؟ یا کوئی حکیم ڈاکٹر اور دیوی دیوتا کرتا ہے؟ کیا یہ کسی مرد یا عورت یا دنیا کی کسی طاقت کے اختیار میں ہے کہ اس نطفہ ناچیز سے حمل قرار پائے اور پھر ماں کے پیٹ میں درجہ بدرجہ تخلیق و پرورش ہو اور جیتا جاگتا بچہ بنے۔ اس کے اندر مختلف ذہنی اور جسمانی قوتوں کا تناسب ہو؟ کیا یہ سب کچھ ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا کر سکتا ہے؟ پھر کیا یہ فیصلہ کرنا بھی خدا کے سوا کسی اور کے اختیار میں ہے کہ بچہ لڑکی ہو یا لڑکا؟ خوبصورت ہو یا بدصورت؟ کالا ہو یا گورا ہو؟ طاقتور ہو یا کمزور۔ صحیح سالم ہو یا ناقص ہو؟ اندھا۔ بہرا۔ لولا۔ لنگڑا ہو یا تمام اعضا کا صحیح سالم؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور یہ طے کرتا ہے؟ مشرک یا دہریہ ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکتا۔ ان سب سوالوں کا معقول جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ یہ انسان ہر لحاظ سے پورا کا پورا خدا ہی کا بنایا اور پیدا کیا ہوا ہے۔ تو جب یہ حقیقت سامنے آگئی کہ یہ انسان خدا ہی کا بنایا اور پیدا کیا ہوا ہے تو پھر اس انسان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ یہ اپنے خالق کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی پرستش کرے اور اسکی بندگی بجا لائے۔ کیا خدا کے وجود اور اسکی توحید اور اس کے معبود ہونے کیلئے یہ دلیل فیصلہ کن نہیں۔

پھر تمام انسان اس دنیا میں شب و روز اپنے ہی جیسے انسانوں

کی پیدائش کا یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ جو خدا آج نیست سے ہست اور عدم سے وجود میں لا کر اور انسان بنا کر پیدا کر رہا ہے کیا وہ آئندہ اپنے ہی پیدا کئے ہوئے انسان کو دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا؟ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ خدا ہی نے تمہارے درمیان میں موت کو معین وقت پر ٹھیرا رکھا ہے۔ یعنی یہ خدا ہی کے اختیار میں ہے اور وہی یہ طے کرتا ہے کہ کس کو ماں کے پیٹ ہی میں مر جانا ہے اور کسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر مر جانا ہے۔ اور کسے کس عمر تک بچپن۔ یا جوانی یا بڑھاپے کو پہنچ کر مرنا ہے۔ جس کی موت کا جو وقت اس ایک خدا نے مقدر کر دیا ہے اس سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت اسے مار کر ختم نہیں کر سکتی اور اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہیں رکھ سکتی پھر نہ کوئی موت کے وقت کو جان سکا ہے۔ نہ آئی ہوئی موت کو روک سکا ہے نہ یہ معلوم کر سکا ہے کہ کس کی موت کس ذریعہ سے کس مقام پر کس طرح واقع ہونے والی ہے۔ تو جس طرح انسان کو بنایا اور پیدا کرنا ایک خدائے ذوالجلال کا کام ہے اسی طرح اس انسان کو ایک خاص وقت تک دنیا میں باقی رکھنا یہ بھی اسی خدائے ذوالجلال کا کام ہے۔ تو گویا انسان کی تخلیق اس کی بقا اور اس کی فنا یہ سب خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بھی خدا کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ اس سے عاجز نہیں ہے کہ اے منکرین ومکذبین تمہاری جگہ تم جیسے اور آدمی پیدا فرما دے اور تم کو ایسی صورت میں بنا دے کہ جس کو تم جانتے بھی نہیں مثلاً انسان سے جانور کی صورت میں مسخ کر دے جس کا گمان بھی نہ ہو۔ اخیر میں تنبیہ کے طور پر فرمایا گیا کہ اے انسانو تم جانتے ہو اور اب بتانے سے بھی تمہیں معلوم ہو گیا کہ خدا ہی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اب اس سے تم یہ کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ جیسے خدا نے پہلی بار بنایا ایسے ہی دوبارہ بھی بنا سکتا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر یعنی قیامت وآخرت پر تعجب ہو یا اس کا انکار کیا جائے۔ غرض یہ کہ اللہ کو اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پہچانو اور یقین کرو کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور جزا وسزا قیامت میں دیئے جاؤ گے۔

اب یہاں قرآنی فصاحت و بلاغت اور دلائل کی خوبی قابل غور ہے کہ چند الفاظ میں حق تعالیٰ نے اس غفلت شعار انسان کو جس کی ظاہر بین نظریں سلسلہ اسباب میں الجھ کر رہ جاتی ہیں یہ سمجھایا کہ اس عالم کائنات میں اے انسان خود تیرا وجود یا جو کچھ موجود ہے یا وجود میں آ رہا ہے یا آئندہ آنے والا ہے یہ سب درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے کرشمے ہیں۔ یہاں غافل انسان کو خود انسان کی اپنی پیدائش جس کو کہ وہ روزمرہ مشاہدہ کرتا رہتا ہے یاد دلا کر حق تعالیٰ کی قدرت اور توحید پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی فرمائی گئی۔

ابھی مزید دلائل توحید وآخرت اگلی آیات میں پیش کئے گئے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا پھر اپنی ذات کی معرفت عطا فرمائی اور ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا۔ اے اللہ بے شک ہماری حیاۃ آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور ہم کو مر کر پھر دوبارہ زندہ ہونا اور آپ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اے اللہ اب بھی آپ ہی ہماری دستگیری فرما رہے ہیں اور قیامت میں بھی آپ ہی دستگیری فرمائیں اور آخرت کی کامیابی وکامرانی اور سرخروئی نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا

اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو۔ اُس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چُورا چُورا کر دیں

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ

پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے۔ کہ (اب کے تو) ہم پر تاوان ہی پڑ گیا۔ بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ گیا گذرا) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو

تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا

تم پیتے ہو۔ اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اُس کو کڑوا کر ڈالیں

فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ

سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو۔ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے۔ سو آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

اَفَرَءَیْتُمْ بھلا تم دیکھو تو	مَا تَحْرُثُوْنَ جو تم بوتے ہو	ءَاَنْتُمْ کیا تم	تَزْرَعُوْنَهٗ اس کی کاشت کرتے ہو	اَمْ یا	نَحْنُ ہم	الزّٰرِعُوْنَ کاشت کرنیوالے	
لَوْ نَشَآءُ اگر ہم چاہیں	لَجَعَلْنٰهُ البتہ ہم اسے کردیں	حُطَامًا ریزہ ریزہ	فَظَلْتُمْ پھر تم ہوجاؤ	تَفَكَّهُوْنَ باتیں بناتے	اِنَّا بیشک ہم		
لَمُغْرَمُوْنَ تاوان پڑجانے والے	بَلْ بلکہ	نَحْنُ ہم	مَحْرُوْمُوْنَ محروم رہ جانیوالے	اَفَرَءَیْتُمُ بھلا تم دیکھو تو	الْمَآءَ پانی	الَّذِیْ جو	
تَشْرَبُوْنَ تم پیتے ہو	ءَاَنْتُمْ کیا تم	اَنْزَلْتُمُوْهُ تم نے اسے اتارا	مِنَ سے	الْمُزْنِ بادل	اَمْ نَحْنُ یا ہم	الْمُنْزِلُوْنَ اُتارنے والے	لَوْ اگر
نَشَآءُ ہم چاہیں	جَعَلْنٰهُ ہم کردیں اسے	اُجَاجًا کڑوا	فَلَوْ تو کیوں	لَا تَشْكُرُوْنَ تم شکر نہیں کرتے	اَفَرَءَیْتُمُ بھلا تم دیکھو تو	النَّارَ آگ	
الَّتِیْ جو	تُوْرُوْنَ تم سُلگاتے ہو	ءَاَنْتُمْ کیا تم	اَنْشَاْتُمْ تم نے پیدا کئے	شَجَرَتَهَا اس کے درخت	اَمْ نَحْنُ یا ہم	الْمُنْشِـُٔوْنَ پیدا کرنے والے	
نَحْنُ ہم	جَعَلْنٰهَا ہم نے بنایا اسے	تَذْكِرَةً نصیحت	وَّمَتَاعًا اور منفعت	لِّلْمُقْوِیْنَ مسافروں کیلئے	فَسَبِّحْ پس تو پاکیزگی بیان کر		
بِاسْمِ نام سے۔کی	رَبِّكَ اپنے رب	الْعَظِیْمِ عظمت والے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید وآخرت کی صداقت پر انسان کی پیدائش اور موت سے استدلال فرمایا گیا تھا۔ اسی سلسلہ میں مزید دلائل ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور منکرین توحید وآخرت کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ رحم مادر کے اندر بچہ کو بنانے اور پیدا کرنے کی کیفیت تو اوپر کی دلیل میں تم نے سن لی اب دوسری دلیل توحید وآخرت کی صداقت میں تم اپنی کھیتی میں دیکھو کہ تم زمین میں بیج ڈالتے ہو لیکن زمین کے اندر اس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے؟ منکرین سے یہ سوال کر کے ایک اہم حقیقت کی طرف ان کی توجہ دلائی جاتی ہے کہ جس رزق پر تم پلتے ہو وہ بھی اللہ ہی تمہارے لئے پیدا کرتا ہے۔ انسان کی ظاہری کوشش کا دخل اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ وہ کھیتی کے لئے زمین میں بیج ڈال دے آگے زمین جس میں کھیتی بوئی جاتی ہے یہ

تمہاری بنائی ہوئی نہیں۔ اس زمین میں اگانے کی طاقت تم نے نہیں بخشی۔ اس زمین میں جو بیج ڈالا جاتا ہے اس میں یہ صلاحیت کہ ہر بیج سے اسی نوع کا درخت پھوٹے جس کا وہ بیج ہے کسی انسان کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ پھر اس بیج سے پودا اگانے میں ہوا۔ روشنی۔ گرمی۔ سردی اور موسمی کیفیت کی جو ضرورت ہے وہ سب قدرت کی عطا کردہ ہے۔ جب یہ سب اللہ کی قدرت اور اسی کی پروردگاری کا کرشمہ ہے اور تم اسی کے پیدا کئے ہوئے رزق سے پل رہے ہو تو اس کے سوا کسی اور کی بندگی کا حق تمہیں کہاں سے پہنچتا ہے۔ پھر ایک بیج جو مثل مردہ کے زمین میں ڈالا جاتا ہے اس سے زندگی کے آثار جس طرح ثابت ہوتے ہیں اور کونپل پھوٹ کر پودا اگتا ہے اسی طرح زمین میں دفن کئے ہوئے انسان ایک دن زندہ ہو کر زمین میں سے نکلیں گے جیسا کہ یہ قرآن خبر دے رہا ہے۔ پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کھیتی پیدا کرنے کے بعد اس کا محفوظ اور باقی رکھنا یہ بھی خدا ہی کا کام ہے۔ اگر خدا چاہے تو کوئی آفت بھیج دے جس سے ساری کھیتی ایکدم میں تہس نہس ہو کر رہ جائے پھر تم سر پکڑ کر روؤ اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا بھاری نقصان ہو گیا اور سب کچھ کیا کرایا ختم ہو گیا اور اور ہم تو بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔

آگے توحید کی تیسری دلیل دی جاتی ہے کہ بارش کے پانی کو دیکھو کہ بارش بھی خدا کے حکم سے آتی ہے اور بادلوں سے پانی برستا ہے اور پھر وہ پانی زمین کے خزانوں میں جمع ہو کر چشموں اور کنوؤں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ پانی جو تمہاری زندگی کے لئے روٹی سے بھی زیادہ ضروری ہے تمہارا فراہم کیا ہوا نہیں بلکہ یہ بھی خدا ہی کا فراہم کیا ہوا ہے ۔تو تمہاری پرورش کے یہ سارے انتظامات جن کے بغیر تم دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے یہ ایک خدا ہی فرما رہے ہیں پھر اسی کا رزق کھا کر اور اسی کا پانی پی کر تمہیں یہ حق کہاں سے پہنچ گیا کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی بجا لاؤ۔ پھر اگر خدا چاہے تو میٹھے پانی کو بدل کر کھاری اور کڑوا بنا دے جو نہ پینے کے کام آسکے۔ نہ کھیتی کے کام آسکے۔ یہ خدا ہی کا احسان ہے کہ اس نے میٹھے پانی کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔

آگے چوتھی دلیل دی جاتی ہے کہ اس آگ کو دیکھو جس کو سبز درختوں میں سے لے کر سفر میں سلگایا کرتے ہو۔ عرب میں ایک قسم کا درخت ہوتا تھا جب اس کی شاخوں کو باہم رگڑا جاتا یا از خود ہوا سے رگڑ کھاتیں تو آگ پیدا ہوتی۔ جیسا کہ سورہ یٰسین شریف ۲۳ ویں پارہ میں فرمایا گیا **الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارًا فاذآ انتم منہ توقدون**۔ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ بعض ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو۔ منکرین سے سوال کیا جاتا ہے کہ ان ہرے درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے؟ یہ کسی انسان کا کام ہے یا خدا کا کام ہے؟ آگے تنبیہ فرمائی جاتی ہے کہ یہ آگ دیکھ کر دوزخ کی آگ کو یاد کرو کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ اور ادنیٰ نمونہ ہے اور سوچنے والے کو یہ بات بھی یاد آسکتی ہے کہ جو خدا سبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ یقیناً مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا۔ جنگل والوں اور مسافروں کو آگ سے بہت کام پڑتا ہے خصوصاً جاڑے کے موسم میں اور یوں تو اکثر کا کام اس آگ سے چلتا ہے کہ اس آگ ہی کی بدولت کچی غذائیں کھانے کے بجائے ان کو پکا کر کھایا جاتا ہے۔ جس خدا نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں۔ اور محض اپنے فضل و احسان سے انسانوں کو ان چیزوں سے نفع اٹھانا آسان کیا تو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور بڑا شکر عقیدہ توحید کو اختیار کرنا اور کفر و شرک کو ترک کرنا ہے۔ آخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس خدا کی ایسی قدرت ہے اپنے اس عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس کا مبارک نام لے کر یہ اعلان کر دیجئے کہ وہ ان تمام عیوب نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے جو یہ کفار و مشرکین اور منکرین و مکذبین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اب یہاں تک جو توحید و آخرت کی صداقت کے دلائل بیان ہوئے یہ سب عقلیہ تھے۔ آگے قرآن کریم کی حقانیت بیان کر کے گویا دلیل نقلیہ بھی دی جاتی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ

سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی۔ اور اگر غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔ کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں

مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ

درج ہے۔ کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ سو کیا تم لوگ اس کلام کو

اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾

سرسری بات سمجھتے ہو۔ اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔ سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے۔

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ

اور تم اس وقت تکا کرتے ہو۔ اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے لیکن تم سمجھتے نہیں ہو۔ تو (فی الواقع) اگر تمہارا

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾

حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے۔ تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹا تے اگر تم سچے ہو۔ پھر (جب قیامت واقع ہوگی تو) جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کیلئے تو راحت ہے۔

فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ

اور (فراغت کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے۔ اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا۔ تو اس سے کہا جاوے گا کہ تیرے لئے

اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾

امن وامان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔ اور جو شخص جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہوگا۔ تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی۔

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ بیشک یہ (جو کچھ مذکور ہوا) تحقیقی یقینی بات ہے۔ سو اپنے (اُس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

فَلَآ اُقْسِمُ سو میں قسم کھاتا ہوں	بِمَوٰقِعِ گرنے کی	النُّجُوْمِ ستارے (جمع)	وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ	لَقَسَمٌ ایک قسم ہے	لَوْ اگر	تَعْلَمُوْنَ تم جانو غور کرو	
عَظِيْمٌ بڑی	اِنَّهٗ بیشک یہ	لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ قرآن ہے گرامی قدر	فِيْ میں	كِتٰبٍ ایک کتاب	مَّكْنُوْنٍ پوشیدہ	لَا يَمَسُّهٗ اُسے ہاتھ نہیں لگاتے	
اِلَّا سوائے	الْمُطَهَّرُوْنَ پاک لوگ	تَنْزِيْلٌ اتارا ہوا	مِّنْ سے	رَّبِّ رب	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں	اَفَبِهٰذَا تو کیا اس	الْحَدِيْثِ بات
اَنْتُمْ تم	مُّدْهِنُوْنَ سستی کرنیوالے (منکر)	وَتَجْعَلُوْنَ اور تم بناتے ہو	رِزْقَكُمْ اپنا رزق (وظیفہ)	اَنَّكُمْ کہ تم	تُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے ہو		
فَلَوْلَا پھر کیوں نہیں	اِذَا جب	بَلَغَتِ پہنچتی ہے	الْحُلْقُوْمَ حلق کو	وَاَنْتُمْ اور تم	حِيْنَئِذٍ اس وقت	تَنْظُرُوْنَ تکتے ہو	وَنَحْنُ اور ہم
اَقْرَبُ زیادہ قریب	اِلَيْهِ اس کے	مِنْكُمْ تم سے	وَلٰكِنْ اور لیکن	لَا تُبْصِرُوْنَ تم نہیں دیکھتے	فَلَوْلَا تو کیوں نہیں	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم	

غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ کسی کے قہر میں آنیوالے (خود مختار)	تَرْجِعُوْنَهَا تم اسے لوٹا لو	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم	صٰدِقِیْنَ سچے (جمع)	فَاَمَّآ پس جو			
اِنْ كَانَ اگر ہو	مِنَ سے	الْمُقَرَّبِیْنَ مقرب لوگوں	فَرَوْحٌ تو راحت	وَّرَیْحَانٌ اور خوشبودار پھول	وَّجَنَّتُ اور باغ	نَعِیْمٍ نعمتوں کے	
وَاَمَّآ اور البتہ	اِنْ كَانَ اگر وہ ہو	مِنْ سے	اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ دائیں ہاتھ والے	فَسَلٰمٌ سو سلامتی	لَّكَ تیرے لئے	مِنْ سے	
اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ دائیں ہاتھ والوں	وَاَمَّآ اور البتہ	اِنْ كَانَ اگر وہ ہو	مِنَ سے	الْمُكَذِّبِیْنَ جھٹلانے والوں	الضَّآلِّیْنَ گمراہ (جمع)		
فَنُزُلٌ تو مہمانی	مِنْ سے	حَمِیْمٍ کھولتا ہوا پانی	وَّتَصْلِیَةُ اور اسے ڈالدیا	جَحِیْمٍ دوزخ	اِنَّ بیشک	هٰذَا یہ	لَهُوَ البتہ یہ
حَقُّ الْیَقِیْنِ یقینی بات	فَسَبِّحْ پس آپ پاکیزگی بیان کریں	بِاسْمِ نام کی	رَبِّكَ اپنے رب	الْعَظِیْمِ عظمت والے			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں کلام کو پرزور بنانے کے لئے پہلے ستاروں کے چھپنے کی قسم کھائی جاتی ہے اور پھر قسم کے بعد تاکیداً فرمایا جاتا ہے کہ یہ بڑی مکرم اور بلند پایہ کتاب ہے جو لوح محفوظ میں پہلے سے درج ہے اور وہ لوح محفوظ ایسی کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی شیطان وغیرہ ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔ جس کو کہ رب العٰلمین نے عالم کی ہدایت وتربیت کے لئے نازل فرمایا ہے یعنی یہ کوئی جادو نہیں۔ نہ کاہنوں کی بے سروپا باتیں ہیں۔ نہ شاعرانہ تک بندی ہے جیسا کہ کفار الزام لگاتے تھے بلکہ بڑی مقدس ومعزز کتاب ہے جو تمام جہانوں کے پالنے والے نے نازل فرمائی ہے یہاں جو ستاروں کے غروب ہونے اور چھپنے کی قسم کھائی ہے تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ جو ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام قائم ہے اور یہ ستارے ایک اٹل قانون کے ماتحت اپنے روزانہ غروب سے اسی کی عظمت و وحدانیت اور تصرف واقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ اور برتر ہستی کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہی اکیلا اس کائنات کے ذرہ ذرہ کا مالک و خالق ہے اور کیا ایک عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھ سکتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا۔ وہی پاک خدا ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے کسی کی مجال ہے جو اس کو بدل سکے یا اس کو غائب کردے۔

الغرض آگے اسی صداقت قرآن کے سلسلہ میں منکرین و مکذبین کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آ گیا تھا اس سے بارش ہوگئی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس باران رحمت کی قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں۔ سخت بدبختی اور حرمان نصیبی ہے۔ کیا اس نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلاتے رہو؟ تم اپنے بے خوفی اور بے فکری سے اللہ کی باتیں جھٹلاتے ہو گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار ہی میں نہیں۔ یا کبھی مرنا اور خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ آگے انہی منکرین ومکذبین سے پوچھا جاتا ہے کہ اچھا جس وقت تمہارے کسی عزیز اور محبوب کی جان نکلنے والی ہو۔ سانس حلق میں اٹک

15 جائے۔ موت کی سختیاں گزر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور بے کسی کا تماشہ دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے۔ اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل ناخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو؟ دنیا کی طرف واپس لا کر اسے آنے والی سزا سے کیوں نہیں بچا لیتے؟ اے منکرین اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ایسا کر کے دکھاؤ لیکن یاد رکھو تم ایک منٹ کے لئے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے۔ اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہوگا تو اعلیٰ درجہ کی جسمانی و روحانی راحت وعیش و آرام کے سامانوں میں پہنچ جائے گا اور اصحاب یمین میں سے ہوا تب بھی کچھ کھٹکا نہیں اس کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے اور اگر وہ جھٹلانے اور گمراہ رہنے والوں میں سے ہوا تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے اس کو سابقہ پڑے گا۔ اور اے منکرین ومکذبین اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہاری تکذیب سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس سورۃ میں یا اس قرآن میں مومنین ومجرمین کی خبر دی گئی ہے وہ بالکل یقینی ہے اور اسی طرح ہو کر رہیگا۔ تو خواہ مخواہ شبہ کر کے اپنے نفس کو دھوکہ مت دو بلکہ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔ اور اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو جاؤ کہ وہاں کی یہی بڑی تیاری ہے۔

احادیث میں روایت ہے کہ قرآن مجید کی آیت **فسبح باسم ربک العظیم** جب نازل ہوئی یعنی اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو یعنی آیت کے حکم کی تعمیل میں **سبحان ربی العظیم** نماز میں رکوع میں کہا کرو پھر جب آیت **سبح اسم ربک الاعلیٰ** کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی اس کی تعمیل میں **سبحان ربی الاعلیٰ** سجدے میں کہا کرو۔ (معارف الحدیث جلد سوم)

خلاصہ یہ کہ اس خاتمہ کے رکوع میں کئی باتیں ثابت کی گئیں۔

اول یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ رب العزت کا کلام ہے اس میں کسی شیطان وجن وغیرہ کا کوئی تصرف نہیں ہو سکتا۔ اور جو کچھ اس میں بتلایا گیا ہے وہ یقینی ہے اور بالکل حق ہے۔

دوسری بات جو قرآنی مسائل میں خاص اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کا آنا اور سب مردوں کا زندہ ہونا اور اللہ جل شانہ کے سامنے حساب کے لئے پیش ہونا اور حساب کے بعد جزا وسزا ہونا یقینی ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

تیسرے یہ کہ جزا وسزا کے نتیجہ میں کل مخلوق کا تین گروہوں میں تقسیم ہو جانا لازمی ہے اگر یہ شخص مقربین یعنی سابقین کے گروہ میں سے ہے تو راحت ہی راحت' آرام ہی آرام۔ عزت ہی عزت ہے۔ اور اگر اصحاب الیمین یعنی عام مومنین صالحین میں سے ہے تو بھی جنت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور اگر تیسرے گروہ یعنی اصحاب الشمال میں سے ہے تو جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے سابقہ اس کو پڑنا ہے۔

چوتھے یہ کہ قیامت اور آخرت کے حساب کتاب اور جزا سزاء سے انکار گویا منکرین کی طرف سے اس بات کا دعویٰ ہے کہ ان کی جان اور روح خود ان کے قبضہ میں ہے۔ تو ان کے اس خیال باطل کی تردید میں ایک قریب الرگ انسان کی مثال سے بتلایا گیا کہ جب مرنے والے کی روح حلق میں پہنچتی ہے اور تم سب یعنی مرنے والے کے اعزا واقارب' دوست احباب سب یہ چاہتے ہیں کہ اس کی روح نہ نکلے اور یہ زندہ رہے مگر اس وقت سب کو اپنی عاجزی اور بیچارگی کا احساس ہوتا ہے اور کوئی اس

مرنے والے کی جان بچا نہیں سکتا اور جس لمحہ اللہ تعالیٰ اس کی روح نکالنا طے فرما چکے ہیں اس کو کوئی روک نہیں سکتا تو اگر منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد قیامت میں ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ اتنے بہادر ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ اور سزا سے باہر رہیں گے تو اپنی قدرت اور قوت کا امتحان اسی مرنے والے انسان کے ساتھ کر دیکھو کہ اس مرنے والے کی روح کو نکلنے سے بچالو یا روح نکلنے کے بعد اس مردے میں لوٹا دو اور جب تم اس سے عاجز ہو اور یہ نہیں کر سکتے تو پھر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی گرفت سے باہر سمجھنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا کس قدر جہل اور بے عقلی کی علامت ہے۔

اب اس قدر واضح اور اٹل دلائل قرآنی کے سامنے بھی کوئی اپنے جہل و تعصب وعناد و بے عقلی پر اصرار کرتا ہے اور کفر و شرک کی دلدل میں پھنسا رہنا چاہتا ہے تو رہے اور عذاب جہنم کے لئے اپنے کو تیار رکھے۔ سمجھانے بجھانے کا جو حق تھا وہ خداوند کریم نے بطریق احسن پورا فرما دیا۔

سورۃ الواقعہ کے خواص

۱- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی ہر رات کو سورۃ الواقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ نہیں ہوگا اور جو ہر صبح کو سورۃ الواقعہ پڑھے اسے فقر و تنگدستی کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

۲- اگر کسی میت پر سورۃ واقعہ پڑھی جائے تو اس پر آسانی ہو جاتی ہے۔

۳- اگر مریض بے چین ہو تو اس پر سورۃ واقعہ پڑھنے سے اسے راحت پہنچتی ہے۔

۴- جسے سکرات لگی ہوئی ہو اس پر اگر سورۃ الواقعہ پڑھی جائے تو موت آسان ہو جاتی ہے۔

۵- جو آدمی صبح شام باوضو ہو کر سورۃ واقعہ پڑھنے کا معمول رکھے وہ بھوکا پیاسا نہ رہے گا اور نہ اسے کوئی سختی و خطرہ پیش آئے گا نہ غربت ستائے گی۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت و آخرت پر یقین صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور قیامت میں اپنے فضل و کرم سے ہم کو اہل جنت میں شامل فرمائیں اور آخرت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔ اور جہنم کے عذاب اور قیامت کی ذلت اور رسوائیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

اے اللہ اپنے ذکر فکر کی توفیق دائمی ہم کو نصیب فرما اور اس قرآن کریم پر جو آپ کا نازل کیا ہوا ہے ایمان کے ساتھ اس کا اتباع کامل بھی نصیب فرما۔

یا اللہ جو اس قرآن پر ایمان رکھ کر اس کے احکام اور اتباع سے گریز کر رہے ہیں ان کو ہدایت اور دین کی سمجھ عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوۡرَةُ الۡحَدِيۡدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسۡعٌ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً وَّاَرۡبَعُ رُكُوۡعَاتٍ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

سَبَّحَ پاکیزگی سے یاد کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کو	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالۡاَرۡضِ اور زمین	وَهُوَ اور وہ	الۡعَزِيۡزُ غالب	الۡحَكِيۡمُ حکمت والا

تفسیر و تشریح: سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات کے بیان سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی کائنات کی ہر چیز بیان کرتی ہے خواہ قالاً خواہ حالاً۔ یہاں ابتدائی آیت میں لفظ سبح بصیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے لفظی معنے یہ ہوئے کہ اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے دوسری سورتوں میں یسبح بصیغہ مضارع فرمایا جس میں حال و مستقبل دونوں کا مفہوم شامل ہے اور کہیں بصیغہ امر سبح فرمایا تو مطلب یہ ہوئے کہ اس کی تسبیح و تقدیس، پاکی و بزرگی۔ کسی وقت اور کسی حال میں منقطع نہیں۔ ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے۔ ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ پھر اس ابتدائی آیت سبح للہ مافی السمٰوٰت والارض میں اشارہ ہے کہ اے بنی آدم کچھ تمہیں پر اس کی تسبیح و تقدیس موقوف نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز نے اس حقیقت کا اظہار اور اعلان کیا ہے کہ اس کا خالق و پروردگار۔ ہر عیب اور نقص اور کمزوری اور خطا سے پاک ہے آسمانوں کے فرشتے۔ زمین کے رہنے والے انسان۔ دریا اور سمندر کے جانور۔ جنگلوں اور بیابانوں کے چرند درند و پرند۔ نباتات۔ جمادات۔ غرضیکہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ غرض اس ارشاد سے کہ اسی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے خصوصاً شروع سورۃ میں یہ بھی ہے کہ اے مشرکو اور کافرو! تم نے جو اپنے اوہام باطلہ۔ اور قیاسات فاسدہ سے خدا تعالیٰ کی ذات پاک میں عیوب تجویز کر رکھے ہیں کہ کسی نے اس کے لئے (معاذ اللہ) بیٹیاں تجویز کیں۔ کسی نے بیٹا۔ کسی نے اس کے کارخانہ قضاوقدر میں شریک سمجھ رکھے ہیں۔ کسی نے نعوذ باللہ انسان کو خدا کا ہم شکل قرار دیا۔ کسی نے انسانوں یا حیوانات کی شکل میں اس کا متشکل ہو کر ظاہر ہونا مانا۔ کسی نے آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے کے بعد اس کے لئے تکان ثابت کیا۔ کسی نے اس کو بعض امور کی نسبت عاجز تصور کیا۔ وہ ان سب باتوں سے بالکل پاک ہے اور اس کی پاکی زمین و آسمان کی ہر چیز بیان کر رہی ہے اس کے بعد اپنی قدرت اور کمال کے ثبوت میں جو تسبیح و تقدیس کے اسباب ہیں چند دلائل بیان فرمائے جاتے ہیں۔ پہلی دلیل فرمائی وھو العزیز الحکیم۔ عزیز کے معنیٰ ہیں ایسا زبردست اور قادر اور قاہر جس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ جس کی مزاحمت کوئی نہیں کرسکتا۔ جس کی اطاعت ہر ایک کو لازمی ہے خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے جس کی نافرمانی کرنے والا اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ حکیم کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی تخلیق۔ اس کی تدبیر اس کی فرمانروائی۔ اس کے احکام۔ اس کی ہدایات سب حکمت پر مبنی ہیں اس کے کسی کام میں نادانی کا شائبہ تک نہیں۔

ابھی مزید دلائل اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کمال کے ثبوت میں اگلی آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں۔

جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے

وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ

اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے، اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا

اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ

پھر عرش پر قائم ہوا، وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز

مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ

اس میں چڑھتی ہے، اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو، اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ

اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف سے امور لوٹ جاویں گے۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں

فِی الَّیْلِ وَهُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

داخل کرتا ہے، اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے۔

لَهٗ اس کیلئے	مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	یُحْیٖ وہ زندگی دیتا ہے	وَیُمِیْتُ وہ موت دیتا ہے	وَهُوَ اور وہ	عَلٰی پر	
كُلِّ شَیْءٍ ہر شے	قَدِیْرٌ قدرت رکھنے والا	هُوَ وہی	الْاَوَّلُ اول	وَالْاٰخِرُ اور آخر	وَ اور	الظَّاهِرُ ظاہر	وَالْبَاطِنُ اور باطن	وَهُوَ اور وہ
بِكُلِّ شَیْءٍ ہر شے کو	عَلِیْمٌ خوب جاننے والا	هُوَ وہی	الَّذِیْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَ اور	الْاَرْضَ زمین	فِیْ میں
سِتَّةِ اَیَّامٍ چھ دن	ثُمَّ پھر	اسْتَوٰی اس نے قرار پکڑا	عَلَی الْعَرْشِ عرش پر	یَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا یَلِجُ جو داخل ہوتا ہے	فِی الْاَرْضِ زمین میں		
وَ اور	مَا یَخْرُجُ جو نکلتا ہے	مِنْهَا اس سے	وَمَا یَنْزِلُ اور جو اترتا ہے	مِنَ السَّمَآءِ آسمانوں سے	وَمَا یَعْرُجُ اور جو چڑھتا ہے	فِیْهَا اس میں		
وَهُوَ اور وہ	مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	اَیْنَ مَا جہاں کہیں	كُنْتُمْ تم ہو	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا اسے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	بَصِیْرٌ دیکھنے والا ہے	
لَهٗ اسی کیلئے	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ بادشاہت آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَاِلَی اللّٰهِ اور اللہ کی طرف	تُرْجَعُ بازگشت	الْاُمُوْرُ تمام کاموں			
یُوْلِجُ وہ داخل کرتا ہے	الَّیْلَ رات	فِی النَّهَارِ دن میں	وَیُوْلِجُ اور داخل کرتا ہے	النَّهَارَ دن	فِی الَّیْلِ رات میں	وَهُوَ اور وہ		
عَلِیْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں کی بات کو							

تفسیر وتشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی زمین وآسمانوں کی ہر چیز بیان کرتی ہے اس کے بعد اپنی توحید۔ قدرت اور کمال کے ثبوت میں جو تسبیح وتقدیس کے اسباب ہیں پہلی دلیل وھو العزیز الحکیم فرمائی گئی تھی یعنی وہ زبردست قدرت اور حکمت والا ہے۔ مزید دلائل اپنی قدرت وکمال کے ثبوت میں ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جن میں بتلایا جاتا ہے کہ آسمانوں و زمین

میں سب جگہ اسی کا حکم اور اختیار چلتا ہے۔ حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں زمین وآسمان ہیں وہی ہے پھر خلق میں متصرف وہی ہے۔ زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہیں۔ وہی پیدا کرتا ہے وہی فنا کرتا ہے گو اس عالم اسباب میں انسان وحیوان اور جملہ موجودات کا وجود وعدم جس کو حیات وموت سے تعبیر کیا جاتا ہے بظاہر اسباب کی طرف منسوب ہے مگر جب کوئی عقل کی گہرائی سے دیکھے گا تو ان جملہ اسباب کا سلسلہ اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہوا معلوم ہوگا اس لئے آخر میں یہی کہنا پڑے گا کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ پھر ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے کوئی طاقت اس کے تصرف کو روک نہیں سکتی۔ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہوسکتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی نہ تھا وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا وہ موجود رہے گا۔ پھر ہر چیز کا وجود وظہور اس کے وجود سے ہے عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی ذات اور حقائق صفات تک عقل وادراک کی رسائی نہیں اس ذات پاک کی کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کرسکتا۔ نہ اپنی رائے اور قیاس سے کچھ اس کی کیفیت بیان کرسکتا ہے بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ تو جہاں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی حقیقت کے اعتبار سے نہایت مخفی ہے کہ کسی عقل وخیال کی وہاں تک رسائی نہیں مگر اس عالم میں اس سے زیادہ کوئی چیز ظاہر بھی نہیں کہ اس کی حکمت وقدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ہر ذرہ میں نمایاں ہیں۔ اس طرح وہ ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی ہے اور کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال کا جاننے والا ہے آگے اپنی قدرت وکمال کے ثبوت میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو چھ روز کی مقدار میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح قائم وجلوہ فرما ہوا جو کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اس سورۃ میں اور قرآن پاک میں ۶ دوسری سورتوں میں یعنی سات مواقع میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا اب چھ دن سے دنیا کے چھ دن مراد ہیں۔ یا عالم غیب کے چھ دن اس میں مفسرین کا اختلاف ہے اور واضح ہو کہ عالم غیب یا عالم آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے جیسا کہ سورہ حج سترھویں پارہ میں ارشاد ہے **وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون**o اور آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق۔ بہر حال مقصود ستۃ ایام سے یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کو دفعتہً بنا کر نہیں کھڑا کردیا گیا بلکہ بتدریج یہ موجودہ شکل میں مع تمام متعلقات کے مرتب ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آج تک اس دنیا میں بھی انسان وحیوان اور نباتات وغیرہ کی پیدائش کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ آسمانوں وزمین یعنی کل عالم کو پیدا فرما چکا تو خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فرما ہوا یا عرش پر ٹھہرا۔ یہ جملہ **ثم استوی علی العرش** ط پھر عرش پر قائم ہوا متشابہات میں سے ہے اور یہ جملہ بھی قرآن پاک میں سات جگہ آیا ہے چھ جگہ پہلے آچکا ہے اور ساتویں بار اس سورہ حدید میں آیا ہے۔ جس کے حقیقی مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور اسپر ایمان اسی طرح بغیر تفتیش کیفیت کے رکھنا چاہئے۔ اس جملہ **ثم استوی علی العرش** کی مکمل تشریح سورہ اعراف (درس نمبر ۴۶۷) جلد چہارم میں ہوچکی ہے اس لئے یہاں اس کا اعادہ نہیں کیا جاتا۔ مختصراً یہ سمجھ لیا جائے کہ عرش پر اس کے ٹھہرنے کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں وہ اسی طرح ہوگا جیسا اس کی شان کو سزاوار ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

(۱) جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے مثلاً بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے اور کھیتی و درخت باہر اس سے نکلتے ہیں۔ (۲) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز اس زمین میں سے نکلتی

ہے مثلاً نباتات۔(۳) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیزیں آسمان سے اترتی ہیں۔ مثلاً فرشتے واحکام قضاوقدر کے فیصلہ اور بارش وغیرہ۔ (۴) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز آسمان میں چڑھتی ہیں۔ مثلاً ملائکہ کا چڑھنا۔ بندوں کے اعمال کا چڑھنا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ کسی وقت وہ تم سے غائب نہیں بلکہ جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں ہو وہ خوب جانتا ہے اور تمام کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے تم کسی جگہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتے۔ پھر بتلایا جاتا ہے کہ اس کی قلمرو سے نکل کر کوئی کہیں جا نہیں سکتا۔ تمام آسمان وزمین میں اسی ایک اکیلے کی حکومت ہے ور آخر کار سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہوگا۔ یہ اسی کی شان ہے کہ وہ کبھی دن کو گھٹا کر رات بڑی کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس رات کو گھٹا کر دن بڑا کر دیتا ہے۔ اور قدرت کے ساتھ علم اس کا ایسا ہے کہ وہ دلوں میں جو نیتیں اور ارادے پیدا ہوں یا خطرات و وساوس آویں وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

یہ سورہ حدید اور چار آگے آنے والی سورتیں یعنی سورہ حشر۔ سورہ صف۔ سورہ جمعہ اور سورہ تغابن یعنی یہ پانچ سورتیں جن کے شروع میں لفظ سبح یا یسبح آیا ہے ان کو حدیث میں مسبحات فرمایا گیا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان مسبحات میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہ حدیث نقل کر کے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ افضل آیت سورہ حدید کی یہ آیت ہے **ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم**o جس کا ابھی درس میں بیان ہوا۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملہ میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو یعنی **ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم**o اللہ تعالیٰ ہی ہمارے قلوب کو شیطانی وساوس سے محفوظ فرمائیں۔

ان آیات میں یہ جملہ جو فرمایا گیا **وھو معکم این ما کنتم** یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ تو اس معیت کی حقیقت اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطہ علم میں نہیں آ سکتی مگر اس معیت کا وجود یقینی ہے اس کے بغیر نہ انسان کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔ نہ کوئی کام اس سے ہوسکتا ہے اس کی مشیت اور قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے جو ہر حال اور ہر جگہ میں ہر انسان کے ساتھ ہے۔ (معارف القرآن جلد ہشتم)

اللہ تعالیٰ اپنی معیت کی ہمیں ایسی معرفت عطا فرمائیں کہ جو ہم کسی آن اور کسی حال میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت کی جرات نہ کر سکیں۔

اب جب گزشتہ اور ان آیات میں توحید الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و کمال کو اچھی طرح ظاہر فرما دیا تو آگے اس توحید کے قبول کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کی معرفت کاملہ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اپنی بے انتہا اور لازوال قدرت کا ہم کو یقین کامل نصیب فرما کہ ہم آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں اور خوف کھائیں اور شب وروز یا اللہ آپ کے ذکر وفکر اور تسبیح تقدیس میں لگے رہیں۔

یا اللہ اپنے اس ارشاد وھو معکم این ما کنتم (یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو) ہم کو ایسا ایمان اور یقین کامل نصیب فرما کہ جو کسی آن اور کسی حال میں آپ کی نافرمانی کی جرات نہ کر سکیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں تم کو اس نے دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اسمیں سے خرچ کرو سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آویں اور خرچ کریں

لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ

اُن کو بڑا ثواب ہوگا۔ اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور خود خدا نے

مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

تم سے عہد لیا تھا اگر تم کو ایمان لانا ہو۔

اٰمِنُوْا تم ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول	وَاَنْفِقُوْا اور خرچ کرو	مِمَّا اس سے جو	جَعَلَكُمْ اس نے تمہیں بنایا	مُّسْتَخْلَفِيْنَ جانشین
فِيْهِ اس میں	فَالَّذِيْنَ پس جو لوگ	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَاَنْفَقُوْا اور انہوں نے خرچ کیا	لَهُمْ ان کیلئے	اَجْرٌ كَبِيْرٌ بڑا اجر
وَمَا لَكُمْ اور کیا (ہوگیا ہے) تمہیں	لَا تُؤْمِنُوْنَ تم ایمان نہیں لاتے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَالرَّسُوْلُ اور رسول	يَدْعُوْكُمْ وہ تمہیں بلاتے ہیں		
لِتُؤْمِنُوْا کہ تم ایمان لاؤ	بِرَبِّكُمْ اپنے رب پر	وَقَدْ اَخَذَ اور یقینا وہ لے چکا ہے	مِيْثَاقَكُمْ تم سے عہد	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	مُّؤْمِنِيْنَ ایمان والے	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں شروع سورۃ سے توحید باری تعالیٰ۔ قدرت وصفات وکمالات الٰہیہ کا مضمون بیان فرمایا گیا تھا اب جب توحید الٰہی کو اچھی طرح ظاہر فرما دیا گیا تو اب آگے اس توحید کو قبول کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب تم کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرت اور کمالات معلوم ہو چکے تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نجات اور حیاۃ ابدی کا ذریعہ ہے اور دوسری زندگانی کی روح ہے۔ مگر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ ایمان کے بعد عمل صالح کی بھی ضرورت ہے اور اعمال میں خلق خدا کے ساتھ سلوک کرنا اور صدقات۔ خیرات وغیرہ سے ان کی اعانت کرنا بڑا عمدہ کام ہے۔ خصوصاً ابتدائے اسلام میں جبکہ اہل اسلام کے لئے سخت بے سروسامانی کا زمانہ تھا اور اس دور میں کفار اور اعدائے دین سے سخت کشمکش کا معرکہ جاری تھا تو اس وقت دین اور اہل اسلام کے لئے اپنا مال خرچ کرنا بڑی سعادت اور بڑا زبردست خیر اور ثواب کا عمل تھا اس لئے ایمان لانے کے حکم کے بعد مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے تم صرف امین اور خزانچی کی حیثیت میں ہو۔ لہٰذا جہاں مالک حقیقی بتلائے وہاں اس کے نائب کی حیثیت سے خرچ کرو۔ اب چونکہ مال کا خرچ کرنا آسان کام نہیں۔ طبیعت کا بخل مانع آیا کرتا ہے اس لئے مختلف دلائل اور طریقوں سے انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین وتاکید فرمائی جاتی ہے پہلے بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ مال پہلے دوسروں کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے جانشین تم بنے یعنی باپ دادا کی میراث میں۔ یا کسی کے عطیہ سے یا کسی اور سبب مثل تجارت، حرفت وصنعت وغیرہ سے مال تمہیں حاصل ہوا اور ظاہر ہے کہ تمہارا جانشین کوئی اور بنایا جائے گا یعنی تمہارے بعد کسی اور کے ہاتھ میں چلا جاوے گا۔ پھر جب معلوم ہے کہ یہ چیز نہ پہلوں کے پاس رہی۔ نہ تمہارے پاس رہے گی تو ایسی زائل اور فانی چیز

سے دل لگانا اور محبت کرنا اچھا نہیں اور اس کو اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا کہ ضروری مصرف میں بھی خرچ نہ کیا جاوے محض حماقت اور کم عقلی ہے کہ ضروری اور مناسب مواقع میں بھی آدمی خرچ کرنے سے کترائے۔ آگے دوسری طرح پر انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جن لوگوں میں یہ خصلت اور صفت موجود نہیں۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے وہ اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں اور ایمان واسلام کے مقتضی پر عمل رکھیں اور سمجھ لیں کہ جو ایمان لا کر اللہ کے راستہ میں خرچ کریں گے ان کے لئے بڑا عمدہ بدلہ ملے گا اور ان کا اجر و ثواب ضائع نہ جائے گا۔ کبھی تو اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی ملے گا۔ اسی لئے اللہ کے نیک بندوں نے جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں تمہارا کچھ مال واسباب دکھائی نہیں دیتا۔ کیا کرتے ہو انہوں نے کہا کہ بھائی یہ میرا گھر نہیں ہے۔ مسافر خانہ ہے۔ چند روز مہمان ہوں مجھے جو ملتا ہے اس کو اپنے اصل گھر میں بھیج دیتا ہوں جس کو نہ کوئی چور لے سکے نہ ظالم چھین سکے۔ یہ جواب سن کر سائل پھوٹ پھوٹ کر اپنی غفلت اور حب مال پر رونے لگا۔ آگے کفار کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ تم کس لئے ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کے رسول تم کو ایمان لانے کے لئے برابر کہہ رہے ہیں۔ تو اے منکر و اللہ پر ایمان لانے یا یقین ومعرفت کے راستوں پر چلنے سے تم کو کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اور اس معاملہ میں سستی اور انکار کیوں ہو جبکہ خدا کا رسول اے منکر و تم کو کسی اجنبی اور غیر معقول چیز کی طرف نہیں بلکہ تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہے ہیں جس کی ربوبیت والٰہیت کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں کر چکے ہو۔ پھر دلائل و براہین۔ اور رسولوں کے ذریعہ سے اس ازلی عہد و پیمان کی یاد دہانی اور تجدید بھی کی گئی اور انبیائے سابقین نے اپنی اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو ان مبادی کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ نہ مانیں اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے۔

ابھی مزید ترغیبات اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کے لئے اگلی آیات میں دی گئی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے ہم کو ایمان کی دولت سے نوازا اور ہم کو اپنا اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا بنایا۔

اے اللہ جو مال دولت آپ نے ہم کو دنیا میں عطا فرمایا ہے اس کو اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ اس تمام مال کے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے حقیقی مالک آپ ہی ہیں آپ اپنے حکم کے موافق اس مال کو اپنے راستہ میں اپنی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا ہمارے لئے آسان فرما دیں۔ اور جو کچھ آپ کی توفیق سے آپ کے راستہ میں خرچ ہو جائے اسے اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے اور ہمارے لئے باعث اجر و ثواب آخرت بنا دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ

وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاوے، اور بے شک اللہ تعالیٰ

بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹﴾ وَ مَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

تمہارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے۔اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان اور زمین اللہ ہی کا رہ جاوے گا،

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کرچکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا

مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾

اور لڑے اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

هُوَ الَّذِیْ وہی ہے جو	یُنَزِّلُ نازل فرماتا ہے	عَلٰی پر	عَبْدِہٖۤ اپنا بندہ	اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ واضح آیات	لِّیُخْرِجَکُمْ تاکہ وہ تمہیں نکالے	مِّنَ سے	
الظُّلُمٰتِ اندھیروں سے	اِلَی النُّوْرِ روشنی کی طرف	وَ اِنَّ اور بیشک	اللّٰہَ اللہ	بِکُمْ تم پر	لَرَءُوْفٌ شفقت کرنیوالا	رَّحِیْمٌ نہایت مہربان	
وَ مَا لَکُمْ اور کیا (ہوگیا ہے) تمہیں	اَلَّا تُنْفِقُوْا تم خرچ نہیں کرتے	فِیْ سَبِیْلِ راستہ میں	اللّٰہِ اللہ	وَ لِلّٰہِ اور اللہ کیلئے	مِیْرَاثُ میراث		
السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَ الْاَرْضِ اور زمین	لَا یَسْتَوِیْ برابر نہیں	مِنْکُمْ تم میں سے	مَّنْ اَنْفَقَ جس نے خرچ کیا	مِنْ قَبْلِ پہلے	الْفَتْحِ فتح	وَ قٰتَلَ اور قتال
اُولٰٓئِکَ یہ لوگ	اَعْظَمُ بڑے	دَرَجَۃً درجہ میں	مِّنَ سے	الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا جنہوں نے خرچ کیا	مِنْۢ بَعْدُ بعد میں	وَ قٰتَلُوْا اور انہوں نے قتال کیا	
وَ کُلًّا اور ہر ایک	وَّعَدَ وعدہ کیا	اللّٰہُ اللہ نے	الْحُسْنٰی اچھا	وَ اللّٰہُ اور اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو تم کرتے ہو	خَبِیْرٌ باخبر	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں توحید کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بیان فرما کر دو باتوں کا حکم دیا گیا تھا۔ایک تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا۔

آگے ان آیات میں بھی انہی دو باتوں کے متعلق مزید مضمون ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا۔چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنا رسول بھیج کر اور قرآن اتار کر صداقت وہدایت کے نشان دیئے تاکہ ان کے ذریعہ سے انسانوں کو کفر وجہل کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان اور عمل کے اجالے میں لے آئے۔یہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر بہت بڑی شفقت اور مہربانی ہے۔اگر وہ سختی کرتا تو انہی اندھیریوں میں پڑا ہوا چھوڑ کر ہلاک ہونے دیتا مگر نہیں اللہ تعالیٰ رؤف ہے اور ساتھ ہی رحیم ہے یہ اس کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے کتاب اتاری اور رسول بھیجا۔اس طرح ایمان کی رغبت دلا کر پھر انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب آسمان وزمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جاوے گا (جب سب فنا ہو کر ختم ہو جاویں گے) اور وہی رہ جاوے گا پس جب سب مال ایک روز چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں اللہ کے راستہ میں نہ خرچ کیا جائے۔اس کے مال میں سے اس کے حکم کے موافق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہو؟ جب سب مال ایک روز چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں نہ دیا جائے کہ ثواب بھی ہو۔اگر خوشی اور اختیار سے مال تم

اللہ کے راستہ میں نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا بندگی کا اقتضا تو یہ ہے کہ خوش دلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر وافلاس سے نہ ڈرے کیونکہ اللہ تو زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔ کیا اس کے راستہ میں خوش دلی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہے گا؟ اب آگے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے مراتب بیان فرمائے جاتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ اگرچہ ہر حال میں بہتر ہے مگر بعض اوقات کہ جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں فتح مکہ ہونے سے پہلے فقرائے اسلام پر بڑی تنگدستی اور سختی کا دور تھا اس لئے اس وقت کا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا باعث زیادہ اجر وثواب تھا۔ یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے۔ خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا و آخرت میں دے گا لیکن جن خوش قسمت ہستیوں نے "فتح مکہ" سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ بڑے درجے حاصل کرنے والے تھے۔ بعد والے مسلمان ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے اور دنیائے عرب کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی و مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اس وقت مال غنیمت وغیرہ کی توقعات بھی کم تھیں۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام تھا فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا اور مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہو گئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی۔ ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا۔ ابتدا کا دیا ہوا مال اور لگائی ہوئی جان بعد میں جان و مال لگانے سے بڑھ کر تھی گو جس نے بعد میں بھی ایسا کیا ثواب اور نیک وعدہ اس کے لئے بھی ہے۔ آگے بتلایا گیا کہ اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں اخلاص کا وزن کتنا ہے۔ اپنے اسی علم کے موافق اللہ تعالیٰ معاملہ فرمائے گا۔

ان آیات کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:۔

"آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے دو طبقے قرار دیئے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام لا کر اسلامی خدمات میں حصہ لیا۔ دوسرے وہ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ کام کیا۔ پہلے حضرات کا مقام بہ نسبت دوسرے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند ہونے کا اعلان یہاں فرمایا گیا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے جو ایمان لائے ان کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اس کی وجہ سے مشرکین کی ایذاؤں کا سلسلہ تھا۔ خصوصاً ابتدائے اسلام کے وقت اسلام اور ایمان کا اظہار کرنا اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھربار کو ہلاکت کے لئے پیش کر دینے کے مرادف تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جنہوں نے اسلام قبول کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور دین کی خدمت میں اپنے جان و مال کو لگایا ان کی قوت ایمان اور اخلاص عمل کو دوسرے نہیں پہنچ سکتے۔ رفتہ رفتہ حالات بدلتے گئے۔ مسلمانوں کو قوت حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر پورے عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس وقت جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے یدخلون فی دین اللہ افواجا یعنی لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج ہو کر داخل ہوں گے اس کا ظہور ہوا کیونکہ بہت سے لوگ اسلام کی حقانیت پر تو یقین رکھتے تھے مگر اپنے ضعف اور مخالفین اسلام کی قوت وشوکت اور ان کی ایذاؤں کے خوف سے اسلام اور ایمان کا اظہار کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ ان کی راہ سے یہ رکاوٹ دور ہو گئی تو فوج در فوج ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ قرآن کریم کے ارشاد و کلاً وعداللہ الحسنیٰ (اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے خوبی اور بھلائی کا (یعنی ثواب آخرت کا) سب سے ان کا بھی اکرام واحترام کیا ہے اور ان کے لئے بھی مغفرت ورحمت کا وعدہ دیا ہے لیکن یہ بتلا دیا کہ ان لوگوں کا درجہ اور مقام ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتا جن اولین سابقین نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی اور قوت ایمان کے سبب مخالفوں اور ایذاؤں کے خوف وخطر سے بالاتر ہو کر اسلام کا اعلان کیا اور آڑے وقت میں اسلام کے کام آئے۔۔۔ اگرچہ صحابہ کرام

میں باہمی درجات کا تفاضل یہاں ذکر کیا گیا ہے لیکن آخر میں فرمایا وکلاً وعداللہ الحسنیٰ یعنی باوجود باہمی فرق مراتب کے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ یعنی جنت اور مغفرت کا وعدہ سب ہی کے حق میں کر لیا ہے۔ یہ وعدہ صحابہ کرام کے ان دونوں طبقوں کے لئے ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے یا بعد میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کیا۔ اس میں تقریباً صحابہ کرام کی پوری جماعت شامل ہو جاتی ہے۔ پھر صرف ان حضرات کی خطاؤں کی مغفرت کا عام اعلان ہی نہیں فرمایا بلکہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ فرما کر اپنی رضا کی بھی سند دے دی۔ اس لئے صحابہ کرام کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کی وجہ سے ان میں سے کسی کو برا کہنا یا طعن و تشنیع کرنا قطعاً حرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق موجب لعنت اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ آج کل تاریخ کی جھوٹی سچی قوی ضعیف روایات کی بنا پر جو بعض لوگوں نے بعض حضرات صحابہ کو مورد طعن والزام بنایا ہے۔ اول تو اس کی بنیاد جو تاریخی روایات پر ہے وہ بنیاد ہی متزلزل ہے اور اگر کسی درجہ میں ان روایات کو قابل التفات مان بھی لیا جائے تو قرآن و حدیث کے کھلے ہوئے ارشادات کے خلاف ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم۔ ان سے محبت رکھنا۔ ان کی مدح وثنا کرنا واجب ہے اور ان حضرات کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کے معاملہ میں سکوت کرنا۔ کسی کو مورد الزام نہ بنانا لازم ہے۔ عقائد اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں''۔ (معارف القرآن جلد ہشتم بہ اختصار)

یہ تحقیق اور تفصیل حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس لئے نقل کی گئی کہ اس پر فتن دور میں ایک عظیم فتنہ یہ بھی پیدا کیا گیا اور پھیلایا گیا کہ تمام صحابہ کرام کے عادل وثقہ ہونے پر پوری امت کے اجماعی عقیدہ کو زخمی کیا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھلا دیا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔ (معارف القرآن جلد ہشتم صفحہ ۹۶ رواہ الترمذی از جمع الفوائد)

اور صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو (ان کی قوت ایمانی کی وجہ سے ان کا حال یہ ہے کہ) اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو وہ ان کے (یعنی صحابہؓ کے) خرچ کئے ہوئے کے ایک مد جو کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ نصف مد کے برابر (مد عرب کا ایک پیمانہ ہے جس میں تقریباً ہمارے حساب سے ایک سیر جو آتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی پوری پوری عظمت ومحبت ہم کو نصیب فرمائیں اور صحابہ کرام میں عیب چینی اور تنقیص وتنقید کے ایمان سوز فتنہ سے ہم کو محفوظ فرمائیں آمین۔

الغرض اللہ کے راستہ میں جان و مال خرچ کرنے والوں کی یہاں مدح فرمائی گئی اور ابھی یہی سلسلہ مضمون اگلی آیات میں جاری ہے اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی مزید ترغیب دلائی گئی ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو قرآن پاک کی دولت عطا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نعمتوں کی قدر دانی اور انکی صحیح گذاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَی

کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر خدا تعالیٰ اس کو اس شخص کیلئے بڑھاتا چلا جاوے اور اس کیلئے اجر پسندیدہ ہے۔ جس دن آپ

الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ

مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ کون ہے جو	یُقْرِضُ اللّٰهَ قرض دے اللہ کو	قَرْضًا حَسَنًا قرض حسنا	فَیُضٰعِفَهٗ پھر وہ اس کا دو چند دے	لَهٗ اس کو	
وَ لَهٗ اور اس کیلئے	اَجْرٌ كَرِیْمٌ اجر بڑا عمدہ	یَوْمَ جس دن	تَرَی تم دیکھو گے	الْمُؤْمِنِیْنَ مومن مردوں	وَ الْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتوں
یَسْعٰی دوڑتا ہوگا	نُوْرُهُمْ ان کا نور	بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ان کے سامنے	وَ بِاَیْمَانِهِمْ اور ان کے دائیں	بُشْرٰىكُمُ خوشخبری ہے تمہیں	الْیَوْمَ آج
جَنّٰتٌ باغات	تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِیْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَا اس میں	ذٰلِكَ یہ
هُوَ وہ۔ یہ	الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ کامیابی بڑی				

تفسیر و تشریح: ان آیات میں ایک اور طریقہ سے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہو وہ گویا اللہ کو قرض دیتے ہو جو بڑا غنی اور دگنا کر کے واپس کرنے والا ہے پھر اس کا اجر و ثواب بھی عطا کرنے والا ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ حق تعالیٰ کو کسی کے مال کی کوئی حاجت نہیں۔ معاذ اللہ نہ وہ محتاج ہے۔ نہ اس کو قرض لینے کی ضرورت ہے اور حق تعالیٰ کو قرض دے ہی کون سکتا ہے۔ لیکن یہ اس کی کریمی اور رحیمی ہے کہ جو کوئی اس کے راستہ میں اس کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرتا ہے یا کسی حاجتمند کو اللہ کی رضا کے لئے دیتا ہے تو اس پر حق تعالیٰ اپنی ضمانت دیتے ہیں کہ یہ مال خرچ کرنے والے نے گویا اللہ کو قرض دیا یعنی اس کا اجر اس قدر قطعی اور یقینی ہے کہ گویا وہ اللہ پر قرض ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بندے میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ الٰہی تو ان باتوں سے پاک تھا۔ باری تعالیٰ فرماویں گے تیرے پاس میرا بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کرتا گویا میری عیادت کرتا۔ اور میرا بندہ تیرے پاس بھوکا تھا اس کو کھانا کھلاتا گویا مجھ کو کھانا کھلاتا کیونکہ یہ سب کام میرے ہی واسطے ہوتے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسکین پر اس کے الطاف کی تجلی ہوتی ہے اور اسی طرح ہر دردمند پر۔ تو یہاں تک اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی کس قدر بلیغ تاکید فرمائی گئی۔ اول یہ کہ مسکین کو دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے دگنا کر دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اس پر آخرت میں اجر بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اب چونکہ آخرت میں اجر و ثواب کا ذکر آ گیا اس لئے آگے بتلایا جاتا ہے کہ آخرت میں مومنین صالحین کا کیا حال ہوگا اور جس اجر و ثواب کا وعدہ کیا جا رہا ہے اس کے ایفاء کا کونسا وقت ہوگا۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ اس دن ہوگا جس روز ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے نور دوڑتا ہوا چلے گا اور ان کو جنت کا مژدہ دیا جاوے گا۔ اب یہاں مومنین و مومنات کے آگے نور دوڑنے کا جو ذکر فرمایا گیا تو اس سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کس موقع پر ہوگا؟ تو جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں کہ یہ نور دوڑنے کا قصہ پل صراط کا واقعہ ہے جو جہنم کے اوپر قائم ہوگی اور جس پر سے گزر کر جنت میں

پہنچنا ہوگا۔ پل صراط اور اس کے اوپر سے گزرنے کے واقعہ کو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں اپنی کتاب قیامت نامہ میں اس طرح لکھا ہے۔

"قبل اس کے کہ میدان حشر سے پل صراط پر گزرنے کا حکم ہو تمام میدان محشر میں اندھیرا چھا جائے گا پس ہر امت کو اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ چلنے کا حکم ہوگا۔ اہل ایمان کو نور کی دو دو مشعلیں عنایت ہوں گی۔ ایک آگے چلے گی دوسری دائیں جانب اور جو ان سے کمتر ہوں گے ان کو ایک ایک مشعل دی جائے گی اور جو ان سے کمتر ہوں گے ان کے صرف پاؤں کے انگوٹھے کے پاس خفیف روشنی ہوگی۔ اور جو ان سے بھی گئے گزرے ہوں گے ان کو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح روشنی دی جائے گی جو کبھی بجھے گی اور کبھی روشن ہوگی۔ اور جو منافق ہوں گے وہ ذاتی نور سے بالکل خالی ہوں گے۔ بلکہ دوسروں کے نور کی مدد سے چلیں گے یہاں تک کہ جس وقت یہ سب لوگ دوزخ کے کنارے کے قریب جا پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دوزخ کے اوپر پل صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ حکم ہوگا کہ اس پر سے ہو کر جنت میں چلو۔ وہ پل صراط ۱۵ ہزار سال کی مسافت میں ہے جن میں سے ۵ ہزار سال تو اوپر چڑھنے کے اور ۵ ہزار سال بیچ میں چلنے کے اور ۵ ہزار سال اترنے کے ہیں۔ الغرض جب میدان حشر سے پل صراط پر پہنچیں گے تو آواز ہوگی کہ اے لوگو اپنی آنکھوں کو بند کر لو تا کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پل سے گزر جائیں۔ اس کے بعد بعض لوگ تو بجلی کی چمک کی طرح۔ بعض ہوا، بعض گھوڑے۔ بعض اونٹ، بعض معمولی رفتار کی مانند پل صراط سے گزر جائیں گے۔ بعض لوگ نہایت محنت و مشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے۔ اس وقت دوزخ میں سے بڑے بڑے آنکس نکلیں گے جو ان میں سے بعض کو تو چھوڑ دیں گے۔ بعض کو کچھ کچھ کاٹیں گے اور بعض کو کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اس وقت اعمال صالحہ مثلاً نماز۔ روزہ۔ درود۔ وظائف وغیرہ لوگوں کے دستگیر ہوں گے۔ اور خیرات آگ کے اور ان کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ قربانی سواری کا کام دے گی اور اس مقام کے ہول کی وجہ سے کسی کی آواز تک نہ نکلے گی۔ مگر پیغمبر اپنی امتوں کے حق میں رب سلم سلم کہیں گے۔ وہ مسلمان جو بجلی و ہوا کی رفتار کے موافق پل صراط پر سے گزریں گے وہ پل کو عبور کر کے کہیں گے کہ ہم نے تو سنا تھا کہ راستہ میں دوزخ آئے گی لیکن ہم نے تو دیکھا بھی نہیں اور وہ لوگ جو سلامتی کے ساتھ گزریں گے وہ بھی پل صراط سے اتر کر میدان میں ان سے جا ملیں گے دنیا میں جو ایک دوسرے سے شکایت رکھتے تھے وہ سب ایک ہو جائیں گے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جنت کا قفل کھول کر لوگوں کو داخل فرمائیں گے"۔

الغرض یہاں تو اہل ایمان کا ذکر ہوا اب آگے منافقین کا کہ جو حقیقی ایمان سے محروم ہوں گے ان کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان کو پل صراط پر چلنے میں کیا گزرے گی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے یہ جان اور مال ہم کو دنیا میں جو عطا فرمایا ہے اس کو اپنے راستہ میں لگانے اور خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ آپ کے راستہ میں آپ ہی کی توفیق سے ہم سے جو جان و مال لگ جائے اس کو اپنی رحمت سے قبول فرما کر ہمارے لئے باعث اجر آخرت بنا دیجئے۔

یا اللہ پل صراط پر سے گزرنے کے لئے ہم کو بھی نور عطا فرمایئے اور پل صراط سے بآسانی گزار کر اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمایئے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا

جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، ان کو جواب دیا جاوے گا

وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ

کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان میں ایک دیوار قائم کردی جاوے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی

مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا۔ یہ اُن کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۱۴

اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور تم شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ

غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے، وہی تمہاری رفیق ہے،

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ جس دن کہیں گے	الْمُنٰفِقُوْنَ منافق مرد (جمع)	وَ اور	الْمُنٰفِقٰتُ منافق عورتیں	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کو جو	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے		
انْظُرُوْنَا ہماری طرف نگاہ کرو	نَقْتَبِسْ ہم حاصل کرلیں	مِنْ سے	نُّوْرِكُمْ تمہارا نور	قِيْلَ کہا جائے گا	ارْجِعُوْا لوٹ جاؤ تم	وَرَآءَكُمْ اپنے پیچھے	
فَالْتَمِسُوْا پھر تم تلاش کرو	نُوْرًا نور	فَضُرِبَ پھر ماری (کھڑی کردی) جائیگی	بَيْنَهُمْ انکے درمیان	بِسُوْرٍ ایک دیوار	لَّهٗ اس کا	بَابٌ ایک دروازہ	
بَاطِنُهٗ اسکے اندر	فِيْهِ اس میں	الرَّحْمَةُ رحمت	وَ اور	ظَاهِرُهٗ اس کے باہر	مِنْ قِبَلِهِ اس کی طرف سے	الْعَذَابُ عذاب	
يُنَادُوْنَهُمْ وہ انہیں پکاریں گے	اَلَمْ نَكُنْ کیا ہم نہ تھے	مَّعَكُمْ تمہارے ساتھ	قَالُوْا وہ کہیں گے	بَلٰى ہاں	وَلٰكِنَّكُمْ اور لیکن تم		
فَتَنْتُمْ تم نے فتنہ میں ڈالا	اَنْفُسَكُمْ اپنی جانوں کو	وَتَرَبَّصْتُمْ اور تم انتظار کرتے	وَارْتَبْتُمْ اور تم شک کرتے تھے	وَغَرَّتْكُمُ اور تمہیں دھوکے میں ڈالا			
الْاَمَانِيُّ تمہاری جھوٹی آرزوئیں حَتّٰى یہاںتک کہ جَآءَ آگیا اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا حکم وَغَرَّكُمْ اور تمہیں دھوکے میں ڈالا بِاللّٰهِ اللہ کے بارے میں							
الْغَرُوْرُ دھوکہ دینے والے	فَالْيَوْمَ سو آج	لَا يُؤْخَذُ نہ لیا جائے گا	مِنْكُمْ تم سے	فِدْيَةٌ کوئی فدیہ	وَّلَا اور نہ	مِنَ سے	
الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	مَاْوٰىكُمُ تمہارا ٹھکانہ	النَّارُ جہنم	هِيَ یہ	مَوْلٰىكُمْ تمہارا رفیق	وَبِئْسَ اور بری	الْمَصِيْرُ جائے بازگشت

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جولوگ دنیا میں منافق تھے یعنی ظاہر میں مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے مگر دل میں ان کے خلاف دکھلانے کو اسلام کے دعوے مگر محض زبانی خرچ۔ دل میں اسلام کی طرف سے شک شبہ اور شریعت کے احکام کے خلاف نفرت اور

بغض وعناد تو ایسے منافق مرد ہوں یا عورتیں ان کو بھی پل صراط پر سے گذرنے کا حکم ہوگا اس وقت ایمان والوں کے پاس تو اپنے اعمال اور ایمان کی برکت سے روشنی ساتھ ہوگی جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان فرمایا گیا اور وہ اس سخت اندھیرے میں اپنے نور کی روشنی میں پل صراط سے گذرنا شروع ہو جائیں گے تو اس وقت یہ منافقین بھی جن کے ساتھ اپنی کوئی روشنی نہ ہوگی مسلمانوں کے ساتھ ان کی روشنی میں پیچھے چلنا چاہیں گے لیکن مومن تو جلد آگے بڑھ جائیں گے اس لئے اُن کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ مسلمانوں سے ٹھہرنے کو کہیں گے اور پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہرو۔ ہم کو اندھیرے میں پیچھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تھوڑا انتظار کرو کہ ہم بھی تم سے مل جائیں اور تمہاری روشنی سے استفادہ کریں۔ آخر ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی بظاہر مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اب اس مصیبت کے وقت ہم کو اندھیرے میں پڑے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا رفاقت کا حق یہی ہے تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو۔ اگر مل سکے تو وہاں سے لے آؤ۔ پیچھے سے وہ جگہ مراد ہے جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ سن کر منافق مرد اور عورتیں پیچھے ہٹیں گے اتنے میں ایک دیوار دونوں فریق کے درمیان حائل ہو جائے گی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا اور اس دیوار کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس کے اندرونی جانب تو رحمت ہوگی یعنی مومنین کی طرف والی جانب میں اور بیرونی جانب کی طرف یعنی منافقین کی طرف سخت عذاب ہوگا غرض جب ان منافقین میں اور اہل ایمان میں دیوار حائل ہو جائے گی اور یہ خود تاریکی میں رہ جاویں گے اور جب یہ منافقین مسلمانوں کو پکاریں گے اور دنیا میں اپنا ساتھ ہونا یاد دلائیں گے تو ان منافقین کو جواب دیا جائے گا وہ مسلمان کہیں گے کہ بے شک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات اور شہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکہ دے کر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک اور شبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہی دھوکہ رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا کچھ خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکالیں کہ چند روز میں اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ختم ہو جائے گا آخر ہم ہی غالب ہوں گے۔ رہا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔ انہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور موت نے آدبایا اور اس بڑے دغاباز شیطان نے تم کو دھوکہ میں رکھ کر ایسا بہکایا کہ اب تمہارے لئے چھٹکارے کی سبیل نہ رہی۔ اس لئے آج ہماری روشنی تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ تم کچھ دے دلا کر جان چھڑا سکو گے۔ کافروں کا اور تمہارا اس بارہ میں ایک سا حال ہے اور تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہی ہمیشہ کے لئے تمہاری رفیق ہے اور وہ واقعی برا ٹھکانہ ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جواب یا مومنین کا ہو یا حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔

میدان حشر میں پل صراط پار کرنے کے معاملے میں جس نور کا ذکر یہاں اور گذشتہ آیات میں ہوا اس میں کفار و مشرکین کا ذکر نہیں فرمایا گیا کیونکہ ان میں کفر و شرک کی وجہ سے نور کا کوئی احتمال ہی نہیں صرف مومنین اور منافقین کا ذکر فرمایا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ پل صراط کے ذریعہ جہنم کو پار کرنا یہ صرف مومنین کے لئے ہوگا۔ کفار و مشرکین پل صراط پر نہیں چڑھیں گے۔ وہ جہنم کے دروازوں کے راستہ جہنم میں پہنچا دیئے جائیں گے اور مومنین چڑھیں گے۔ مومنین پل صراط کے راستہ سے گذریں گے۔ پھر گناہ گار مسلم جن کے لئے ان کے بداعمالی کی سزا میں کچھ وقت تک جہنم میں رہنا ہے وہ اس پل پر سے گر کر جہنم میں جا پہنچیں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ امن و سلامتی کے ساتھ تیز رفتاری سے پل صراط پار کرنا ہمیں نصیب فرمائیں۔ رہے منافقین جو ابتداء حشر میں مومنین کے ساتھ ہوں گے مگر جب مومنین پل صراط پر چڑھ جائیں گے تو منافقین اندھیرے میں گرفتار ہو کر

مومنین سے فریاد کریں گے مگر پل صراط کے سرے پر ایک دیوار قائم کر دی جائے گی اور اسی اثناء میں آگ کے شعلے ان کو گھیر کر جہنم کے سب سے نیچے کے درجہ میں پہنچا دیں گے (العیاذ باللہ)

ان آیات کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ اصل منافقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ان کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا (جن کے متعلق سورہ توبہ دسویں پارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی تھی ولا تصل علیٰ احد منهم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبره انهم كفروا بالله ورسوله و ما تو و هم فاسقون ان میں کوئی مر جائے تو آپ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فسق کی حالت میں مرے ہیں۔ مگر وہ منافقین جو اس امت میں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں گے جن کو منافقین کا نام تو اس لئے نہیں دیا جا سکے گا کہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا اور کسی کے بارہ میں بغیر وحی قطعی کے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ دل سے مومن نہیں صرف زبان کا ظاہری اقرار ہے اس لئے امت میں اب کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی کو قطعی منافق ٹھہرائے لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے کس کے دل میں نہیں تو ان میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں منافق ہیں گو ظاہر میں ان کی منافقت نہیں کھلی ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ شروع میں ان کو بھی کچھ نور دے دیا جائے گا مگر بعد میں سلب کر لیا جائے گا۔ اس قسم کے منافقین امت کے وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث میں تحریف کر کے ان کے معانی کو بگاڑتے اور اپنے مطلب کے موافق بناتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے نفاق سے اور منافقین کی خصلتوں سے ہمارے قلوب کو محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

الغرض پہلے گذشتہ آیات میں اہل ایمان کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں ان آیات میں منافقین کا ذکر ہوا۔ اب آگے ان مسلمانوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو طاعات ضروریہ میں نہیں لگتے اور باوجود اسلام کے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں ان کو نصیحت فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی اسلام اور سچا ایمان نصیب فرماویں۔ اور ہر طرح کی منافقانہ خصلت و عادت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں اور شیطان کے دھوکہ سے ہمیں بچاویں۔

یا اللہ ہمیں آخرت کی فکر اس دنیا میں نصیب فرما اور وہاں کا سامان آج اس زندگی میں جمع کرنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ مومنین مخلصین کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائے اور ان کے ساتھ ہمیں اپنی جنت کی نعمتیں عطا فرمائے اور ہر طرح کے عذاب آخرت سے محفوظ رکھیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا 16

کیا ایمان والوں کیلئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں، اور اُن لوگوں کی طرح

كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾

نہ ہو جاویں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر ایک زمانہ دراز گذر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے، اور بہت سے آدمی ان میں کافر ہیں۔

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾

یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے، ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں تا کہ تم سمجھو۔

أَلَمْ يَأْنِ کیا نزدیک (وقت) نہیں آیا	لِلَّذِينَ آمَنُوا اُن لوگوں کیلئے جو ایمان لائے (مومن)	أَنْ کہ	تَخْشَعَ جھک جائیں	قُلُوبُهُمْ ان کے دل		
لِذِكْرِ اللَّهِ اللہ کی یاد کیلئے	وَمَا نَزَلَ اور جو نازل ہوا	مِنَ سے	الْحَقِّ حق	وَلَا يَكُونُوا اور وہ نہ ہو جائیں	كَالَّذِينَ ان لوگوں کی طرح	
أُوتُوا الْكِتَابَ جنہیں کتاب دی گئی	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	فَطَالَ تو دراز ہو گئی	عَلَيْهِمُ ان پر	الْأَمَدُ مدت	فَقَسَتْ پھر سخت ہو گئے	قُلُوبُهُمْ ان کے دل
وَكَثِيرٌ اور اکثر	مِنْهُمْ ان میں سے	فَاسِقُونَ (جمع) فاسق (نافرمان)	اعْلَمُوا تم جان لو	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	يُحْيِي زندہ کرتا ہے	الْأَرْضَ زمین
بَعْدَ مَوْتِهَا اس کے مرنے کے بعد	قَدْ بَيَّنَّا تحقیق ہم نے بیان کر دی	لَكُمْ تمہارے لئے	الْآيَاتِ نشانیاں	لَعَلَّكُمْ تا کہ تم	تَعْقِلُونَ سمجھو	

تفسیر و تشریح: آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ کیا مومنوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا' وعظ و نصیحت' آیات قرآنی' اور احادیث نبوی سن کر ان کے دل موم ہو جائیں دین کی باتیں سنیں احکام بجالائیں اور ممنوعات سے پرہیز کریں۔ یعنی مسلمان کو دل سے عزم کر لینا چاہئے۔ کہ طاعات ضرور یہ کا پابند ہو اور معاصی کو ترک کر دے اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکے اور دین حق کی سچی باتوں کو دل سے مانے۔ آگے نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ اے مسلمانو! تم کو ان پہلے لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہونا چاہیئے کہ جن کے پاس اللہ کے رسول کتاب لے کر آئے اور ان کو اچھی اچھی باتیں تعلیم کیں لیکن انہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا۔ تھوڑے تھوڑے مول پر اسے فروخت کر دیا۔ یہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے اور قیاس کے پیچھے پڑ گئے اور از خود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگے۔ اپنے علما کی بے سند باتیں دین میں داخل کر دیں تو پھر ان بداعمالیوں کی سزا میں خدا نے انکے دل سخت کر دیئے۔ کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر نہیں کرتا۔ کوئی وعدہ و وعید ان کے دل خدا کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ ان میں کے اکثر و بیشتر فاسق اور کھلے بدکار بن گئے۔ اے مسلمانو دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ معصیت احیاناً ہو جائے تو جلدی توبہ کر لینا چاہئے کیونکہ بعض اوقات توبہ میں دیر کرنے سے پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی اور بعض وقت کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ آگے مزید نصیحت کی جاتی ہے کہ اگر تم لوگوں کے دلوں میں معاصی سے کوئی خرابی کم و بیش پیدا ہو گئی ہو تو یہ وہم دل میں نہ لاؤ کہ اب توبہ سے کیا اصلاح ہو گی بلکہ یہ یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ تروتازہ اور جاندار کر دیتا ہے۔ اسی طرح توبہ کرنے پر اپنی رحمت سے قلب مردہ کو زندہ اور درست کر دیتا ہے پس مسلمان کیلئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں سچی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ پھر اسکے قلب میں روح حیاۃ پھونک دے گا بس شرط یہی ہے کہ ہو سچی توبہ۔

اب ان آیات میں کئی باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱) معلوم ہوا کہ ایمان وہ اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے جو کامل ہو یعنی اس میں اقرار کے ساتھ تصدیق بھی ہو اور اعمال صالحہ بھی ہوں۔ اور جو بشارات آخرت قرآن و حدیث میں دی گئی ہیں وہ مومنین کاملین ہی کے لئے دی گئی ہیں۔ (۲) ایمان ناقص رکھنے والے مومنین کو

ہدایت اور نصیحت کی جا رہی ہے اور ترغیب دی جا رہی ہے کہ ترک معاصی اور طاعت ضروریہ کی پابندی کا عزم دل سے کرلیں اور اس توبہ اور رجوع میں جلدی کریں ورنہ بعض اوقات رفتہ رفتہ توفیق ہی جاتی رہتی ہے اور بعض حالات میں العیاذ باللہ نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ (۳) یہود و نصاریٰ کا اتباع نہ ہو کہ ان میں بے دینی اور کفر اپنی آسمانی کتاب کی ہدایات سے غفلت اور معاصی کے انہماک ہی کی وجہ سے آیا۔ (۴) غفلت پر قائم رہنے سے دل سخت ہو جاتا ہے کہ پھر نصیحت اثر نہیں کرتی اور پھر نوبت کفر تک پہنچ سکتی ہے۔ (۵) کثرت معاصی سے قلوب مردہ ہو جاتے ہیں۔ پھر خیر و شر۔ نیکی و بدی۔ ہدایت و ضلالت کی حس باقی نہیں رہتی۔ (۶) مسلمان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ سچی توبہ کرنے میں مومن کو دیر نہ کرنی چاہئے۔ توبہ میں ٹال مٹول اور غفلت میں پڑا رہنا مسلمان کے لئے ہرگز مناسب نہیں۔ (۷) سچی توبہ سے قلب درست اور پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

اب غور کیجئے کہ کیسے دلکش عنوان سے حق تعالیٰ نصیحت فرما رہے ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ نہ معلوم غفلت کی کیسی کائی ہمارے دلوں پر جمی ہوئی ہے۔ کہ بہت سے ایسے گناہ ہیں کہ جن کے متعلق ہم اکثر قرآن و حدیث کے احکام سنتے رہتے ہیں اور علمائے کرام بھی ان سے آگاہ کرتے رہتے ہیں مگر ہم ان گناہوں کو چھوڑنے اور ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور ان سے توبہ کرنے میں غفلت اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب ہمارے غفلت زدہ دلوں پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں کا اثر نہ ہو تو غریب علماء تو کس شمار میں ہیں کہ ان کے وعظ و نصیحت سے ہم گناہوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔

بہر حال اس تنبیہ کا ماحصل جو ان آیات میں فرمایا گیا یہی ہے کہ مومنین کو مکمل اطاعت اور عمل صالح کے لئے مستعد رہنا چاہئے۔

اب ان آیات میں ارشاد خداوندی کے جواب میں کہ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے جھک جائیں۔ ہم دل سے اقرار کریں کہ اے خداوند قدوس ہم نے آپ کی نصیحت سن لی اور ہمارے دل آپ کی نصیحت کے سامنے جھک گئے اب اپنے کرم سے آپ ہی ہم کو اپنا مطیع بندہ بننے اور دین پر مستقیم رہنے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائیں۔

الغرض شروع سورۃ میں توحید اور کمالات و صفات الٰہیہ بیان کرنے کے بعد دو باتوں کا حکم دیا گیا تھا ایک تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا اور دوسرے انفاق فی سبیل اللہ کا یعنی اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے کا۔ اور ایسے ہی مومنین کو آخرت میں نور اور روشنی حاصل ہونے اور جنت ملنے کی بشارت دی گئی تھی اور ان دونوں امور کی کئی طرح سے ترغیب دی گئی تھی۔ ان میں جو کمی اور نقص ہو سکتا تھا اس کی خرابی بھی منافقین اور غافل مسلمین کی حالت بیان کر کے ترغیب و نصیحت کی گئی۔ اور تکمیل ایمان کی ہدایت فرمائی گئی۔ اب آگے پھر انہی دو امور یعنی کمال ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور انجام اور اس کے خلاف پر وعید سنائی گئی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمارے قلوب کو غفلت و قساوت سے محفوظ فرمایئے اور ہمارے مردہ قلوب کو اپنے نور ہدایت سے زندہ رکھیئے۔

یا اللہ گذشتہ میں جو ہم سے تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ندامت اور توبہ کی توفیق عطا فرما کر ہماری توبہ کو قبول فرمالیجئے۔ اور آئندہ ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کا عزم نصیب فرمایئے۔

یا اللہ ہر طرح کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرمایئے۔ اور ہمیں ایمان کامل اور اسلام صادق کے ساتھ اس جہان سے کوچ کرنا نصیب فرمایئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور یہ اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ ان کیلئے بڑھا دیا جاوے گا اور ان کیلئے اجر پسندیدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کیلئے

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

ان کا اجر اور ان کا نور ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔

اِنَّ بیشک	الْمُصَّدِّقِيْنَ خیرات کرنے والے مرد	وَالْمُصَّدِّقٰتِ اور خیرات کرنے والی عورتیں	وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ اور جنہوں نے قرض دیا اللہ				
قَرْضًا قرض	حَسَنًا حسن (اچھا)	يُّضٰعَفُ وہ دوچند کردیا جائے گا	لَهُمْ ان کیلئے	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	اَجْرٌ اجر	كَرِيْمٌ باعمدہ	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ
اٰمَنُوْا ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسول (جمع)	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہی	الصِّدِّيْقُوْنَ (جمع) صدیق		
وَالشُّهَدَآءُ اور (جمع) شہید	عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے نزدیک	لَهُمْ ان کیلئے	اَجْرُهُمْ ان کا اجر	وَ اور	نُوْرُهُمْ ان کا نور	وَالَّذِيْنَ اور جنہوں نے	
كَفَرُوْا کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَآ ہماری آیتوں کو	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ دوزخ والے			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اہل ایمان میں سے صدقہ دینے والے مرد ہوں یا عورتیں ہوں وہ حقیقت میں اللہ جل شانہ کو قرض دیتے ہیں اس لئے کہ یہ بھی قرض کی طرح ہے کہ صدقہ دینے والوں کو واپس ملتا ہے اور یہ بہت زیادہ معاوضہ اور بدلہ لے کر ایسے وقت میں واپس ہوگا جو وقت صدقہ کرنے والے کی سخت حاجت اور سخت ضرورت اور سخت مجبوری کا ہوگا۔ دنیاوی ضرورتوں کے واسطے تھوڑا تھوڑا آدمی جمع کر کے رکھتا ہے کہ فلاں ضرورت کا وقت آ رہا ہے۔ اولاد کی شادی کرنی ہے یا فلاں سفر اختیار کرنا ہے۔ اس کے لئے ہر وقت فکر میں لگا رہتا ہے کہ جو گنجائش ملے جمع کر کے رکھے تا کہ ضرورت کے وقت دقت نہ ہو۔ آخرت کا وقت تو ایسی سخت حاجت اور ضرورت کا ہے کہ اس وقت نہ کسی سے کچھ خریدا جا سکتا ہے۔ نہ قرض لیا جا سکتا ہے۔ نہ بھیک مانگی جا سکتی ہے ایسے اہم اور کٹھن وقت کے واسطے تو جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ممکن ہو جمع کرتے رہنا نہایت ہی دوراندیشی اور کارآمد بات ہے۔ تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنا تو یہاں دنیا میں معلوم بھی نہ ہوگا اور آخرت میں پہاڑوں کے برابر ملے گا۔ ایک بات یہاں یہ بھی سمجھ لی جائے کہ صدقہ کے لئے مال ہی دینا ضروری نہیں ہے اور صدقہ اسی میں منحصر نہیں بلکہ جو بھلائی کسی کے ساتھ کی جائے یا جو نیکی اللہ کو خوش کرنے کے لئے کی جائے وہ ثواب کے اعتبار سے صدقہ ہے جیسا کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے ایک روایت میں ہے کہ آدمی کے اندر ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کیا کرے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی طاقت کس کو ہے؟ کہ ۳۶۰ صدقہ روزانہ کیا کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوک پڑا ہو اس کو ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اس کو ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے اور کچھ نہ ملے تو چاشت کی دو رکعت نفل سب کے قائم مقام ہو جاتی ہے اس لئے

کہ نماز میں ہر جوڑ کو اللہ کی عبادت میں حرکت کرنا پڑتی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو آدمی پر ہر جوڑ کے بدلے میں ایک صدقہ ہے دو آدمیوں کے درمیان انصاف کردو یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کردو یہ بھی صدقہ ہے۔اس کا سامان اٹھا کر دیدو یہ بھی صدقہ ہے۔کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ پڑھنا بھی صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو نماز کے لئے چلے صدقہ ہے کسی کو راستہ بتادو یہ بھی صدقہ ہے راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹادو یہ بھی صدقہ ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ آدمی کے ہر جوڑ کے بدلہ میں اس پر صدقہ ضروری ہے۔ ہر نماز صدقہ ہے ہر روزہ صدقہ ہے۔ حج صدقہ ہے۔سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ الحمد للہ کہنا صدقہ ہے۔ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی راستہ میں مل جائے اس کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے۔ برائی سے منع کرنا صدقہ ہے اور بھی اس قسم کی متعدد روایات وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بھلائی ۔ ہر نیکی ۔ ہر احسان صدقہ ہے بشرطیکہ اللہ کے واسطے ہو یعنی مقصد اس بھلائی اور نیکی کے عمل سے اللہ پاک کو خوش اور راضی کرنا مقصود ہو۔تو یہاں مصدقین اور مصدقات یعنی صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتوں کی فضیلت بیان کی گئی کہ اللہ کو خوش کرنے اور خدا کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے راہ خدا میں صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلہ بہت کچھ بڑھا چڑھا کر خدا تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ آگے ایمان کامل کی فضیلت میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں جس کا مطلوب ہونا اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے تو ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں یعنی یہ مراتب کمال۔ ایمان کامل ہی کی بدولت نصیب ہوتے ہیں۔ آخرت میں ان سچے ایمانداروں کو اپنے اپنے عمل اور درجہ ایمان کے موافق اجر و ثواب اور نور عطا ہوگا۔ یہاں آیت میں لفظ صدیق اس معنیٰ میں ہے جس معنیٰ میں اردو میں ''ولی'' بولتے ہیں لفظی معنیٰ صدیق کے اس شخص کے ہیں جو بڑی کثرت سے صدق سے کام لیتا ہو یا جو اپنی زبان سے۔ قلب سے۔عمل سے سب سے تصدیق کرتا ہو۔ شہدا۔ شہید کی جمع یہاں لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی حق کے گواہ۔ باقی اگر شہید سے یہاں مراد اصطلاحی شہید یا قتیل فی سبیل اللہ ہو جیسا کہ بعض اکابر مفسرین کا قول ہے تو پھر یہ معنیٰ کئے جائیں گے کہ مومن کامل اپنی جان اور مال دونوں کو اپنی جگہ پر اللہ کی راہ میں وقف اور خدمت دین کے نذر کر ہی دیتا ہے رہا یہ کہ اس کے بعد بھی جان گئی یا رہی تو یہ تو اس کے اختیار کی چیز نہیں۔ آگے ان کامل الایمان لوگوں کے مقابلہ اور ضد میں کفر و انکار و تکذیب کرنے والوں کا حال بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اصحاب الجحیم یعنی جہنمی اور دوزخی ہیں۔

اب آخرت کے ثواب و عقاب کے ذکر کے بعد آگے آخرت کا واجب الاہتمام اور باقی ہونا اور دنیا کہ جو مانع ہوتی ہے اہتمام آخرت سے اس کا ناقابل التفات اور فانی ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے مصدقین بندوں میں شامل فرماویں اور اس زندگی میں صدقہ ۔ بھلائی ۔ نیکی اور احسان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو صدقہ اور نیکی و بھلائی اللہ کی توفیق سے ہو جائے اس کو اپنے کرم سے قبول فرمالیں آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّ زِیْنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ

تم خوب جان لو کہ دنیوی حیات محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے

وَالْاَوْلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ؕ

جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاری کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہوجاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے،

وَ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ

اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیوی زندگانی محض دھوکہ کا اسباب ہے۔

الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کے وسعت کی برابر ہے

لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾

وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

اِعْلَمُوْٓا تم جان لو	اَنَّمَا اس کے سوانہیں	الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی	لَعِبٌ کھیل	وَّلَھْوٌ اور کود	وَّ زِیْنَۃٌ اور زینت	وَّ تَفَاخُرٌ اور فخر کرنا
بَیْنَکُمْ باہم	وَتَکَاثُرٌ اور کثرت کی خواہش	فِی الْاَمْوَالِ مالوں میں	وَالْاَوْلَادِ اور اولاد	کَمَثَلِ غَیْثٍ بارش کی طرح	اَعْجَبَ بھلی لگی	
الْکُفَّارَ کاشتکار	نَبَاتُہٗ اسکی پیداوار	ثُمَّ یَھِیْجُ پھر وہ زور پکڑتی ہے	فَتَرٰىہُ سو تو اس کو دیکھتا ہے	مُصْفَرًّا زرد	ثُمَّ پھر	یَکُوْنُ وہ ہوجاتی ہے
حُطَامًا چورا چورا	وَ فِی الْاٰخِرَۃِ اور آخرت میں	عَذَابٌ شَدِیْدٌ سخت عذاب	وَّمَغْفِرَۃٌ اور مغفرت	مِّنَ سے	اللّٰہِ اللہ	وَ رِضْوَانٌ اور رضا مندی
وَ مَا اور نہیں	الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی	اِلَّا مگر۔صرف	مَتَاعُ الْغُرُوْرِ دھوکے کا سامان	سَابِقُوْٓا تم دوڑو	اِلٰی طرف	مَغْفِرَۃٍ مغفرت
مِّنْ رَّبِّکُمْ اپنے رب کی طرف سے	وَجَنَّۃٍ اور جنت	عَرْضُھَا اسکی چوڑائی (وسعت)	کَعَرْضِ السَّمَآءِ جیسی آسمان کی چوڑائی وسعت			
وَالْاَرْضِ اور زمین	اُعِدَّتْ وہ تیار کی گئی	لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کیلئے جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	بِاللّٰہِ اللہ پر	وَ رُسُلِہٖ اور اس کے رسولوں	ذٰلِکَ یہ
فَضْلُ اللّٰہِ اللہ کا فضل	یُؤْتِیْہِ وہ اسکو دیتا ہے	مَنْ یَّشَآءُ جسے وہ چاہے	وَاللّٰہُ اور اللہ	ذُو الْفَضْلِ فضل والا	الْعَظِیْمِ بڑے	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں دنیا اور اس کی زندگی کا نقشہ پیش کر کے آخرت کے مقابلہ میں اس دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو ظاہر فرمایا گیا اور سمجھایا گیا کہ دنیا کی زندگی محض چندروز کی بہار اور ایک متاع غرور ہے۔ یہاں کا کھیل کود یہاں کی آرائش وزیبائش۔ یہاں کی بڑائیوں پر فخر، یہاں کے مال ودولت کے کثرت کی فکر یہ سب کچھ فانی اور ناپائیدار ہے۔ اس

دنیا کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو پہلے سرسبز ہوتی ہے۔ پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آخرکار کاٹ کر چورا چورا ہو جاتی ہے تو دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ناپائیدار ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے اور اس کے لئے سعی وکوشش کرنی چاہئے۔ چنانچہ ان آیات میں یہی بتلایا جاتا ہے کہ دنیا کی زندگی کی حقیقت سن لو۔ کھیل کود۔ تماشا۔ بناؤ سنگھار۔ آپس

میں ایک دوسرے پر فوقیت جتانا۔ ہر ایک کا اس کوشش میں لگے رہنا کہ کس طرح میرے پاس سب سے زیادہ مال و دولت جمع ہو جائے اور اولاد کی بھی کثرت ہوتا کہ میں اوروں سے ہر بات میں زیادہ رہوں یعنی اہل دنیا عمر کے ہر دور میں انہی کے الٹ پھیر میں رہتے ہیں۔ بچپن کا زمانہ کھیل کود کی نظر ہو جاتا ہے جوانی آئی تو حسن و عشق کے جھمیلے میں پڑ گئے یا تجارت و ملازمت وغیرہ زرکشی کے پیشوں میں لگ گئے۔ بڑھاپا آیا تو مال و اولاد کی فکر کہ میرے پیچھے گھر بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے۔ بس یہ اہل دنیا کی زندگی کی کائنات ہے اب آپ اس قرآنی بیان کو سامنے رکھئے اور دنیا داروں کی زندگی کو دیکھ لیجئے خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں۔ یا روسی و امریکی ہوں۔ یا چینی و جاپانی ہوں۔ ان ساری آخرت فراموش دنیا پرست قوموں اور حکومتوں کا مقصد زندگی سوائے لہولعب و زینت تفاخر اور تکاثر فی الماں والاولاد کے سوا اور کیا ہے؟ مگر آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی زوال پذیر ہیں جیسے کھیتی کی رونق اور بہار چندروزہ ہوتی ہے۔ پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اس کو روند کر چورا چورا کر دیتے ہیں۔ اس کی شادابی اور خوبصورتی کا نام و نشان نہیں رہتا۔ یہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اس کی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا یعنی ایمان اور عمل صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ کما کر لے گیا۔ سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اس کے لئے خدائے ذوالجلال کی خوشنودی و رضا مندی ہے اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر و عصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لئے سخت عذاب ہے اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال صالحہ میں کوتاہی کی اور گناہوں میں جری رہا تو اس کے لئے جلد یا بدیر۔ چھوٹی یا موٹی سزا اٹھا کر معافی ہے پھر آگے حکم ہوتا ہے کہ موت سے پہلے زندگی میں وہ سامان کر لو جس سے آخرت میں کوتاہیاں معاف ہوں۔ اللہ کی مغفرت نصیب ہو اور جنت کی لازوال نعمتیں حاصل ہوں۔

یہاں جو سابقوآ الیٰ مغفرة من ربکم فرمایا یعنی مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔ تو مسابقت کرنے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ صحت و تندرستی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ نیک اعمال میں سستی اور ٹال مٹول نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بیماری یا عذر آ کر تمہیں کسی کام کے لائق نہ چھوڑے۔ یا موت ہی آ جائے تو حاصل مسابقت کا یہی ہوا کہ کمزوری' بیماری وغیرہ آنے سے پہلے پہلے ایسے اعمال کا ذخیرہ کرو جو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔ اور مسابقت کے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جیسا کہ حضرت علیؓ نے اپنی نصائح میں فرمایا کہ تم مسجد میں سب سے پہلے جانے والے اور سب سے اخیر میں نکلنے والے بنو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جہاد کی صفوف میں سے پہلی صف میں رہنے کے لئے بڑھو۔ اور حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جماعت نماز میں پہلی تکبیر میں حاضر رہنے کی کوشش کرو۔ (معارف القرآن)

آگے جنت کی وسعت کا حال بتلایا جاتا ہے کہ آسمان اور زمین دونوں کو اگر ملا کر رکھا جائے تو اس کے برابر جنت کا عرض ہوگا۔

سورہ آل عمران چوتھے پارہ میں بھی جنت کی وسعت کے مضمون کی یہ آیت آ چکی ہے۔ وسارعوآ الیٰ مغفرة من ربکم وجنة عرضها السمٰوٰت والارض اعدت

للمتقین ○ یعنی اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو اور وہ جنت ایسی وسیع ہے جیسے سب آسمان اور زمین اور وہ تیار کی گئی ہے متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ساتوں آسمان اور زمین کی وسعت کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو وہ جنت کا عرض یعنی چوڑائی ہوگی اور جب اتنا عرض ہوگا تو طول کتنا ہوگا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانے۔ ایسی وسیع جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ آگے یہ بھی بتلا دیا کہ بے شک ایمان وعمل صالحہ حصول جنت کے اسباب ہیں لیکن حقیقت میں جنت ملتی ہے اللہ کے فضل سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو سزا سے چھوٹنا ہی مشکل ہے جنت ملنے کا تو کیا ذکر۔ گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر کوئی نازاں اور مغرور نہ ہو اور اپنے اعمال پر استحقاق جنت کا مدعی نہ ہو۔ بزرگان دین نے لکھا ہے کہ انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اس کو مل چکی ہیں تو ہمارے یہ اعمال جنت کی دائمی ابدی اور لازوال نعمتوں کی قیمت کیا بن سکتے ہیں۔ جنت میں جو بھی داخل ہوگا وہ اللہ کے فضل واحسان ہی سے داخل ہوگا۔

اب یہاں غور کیجئے اللہ تعالیٰ تو فرمادیں کہ تم اپنے پروردگار کی جنت کی طرف دوڑو یعنی اس کے حصول کی حد درجہ کوشش کرو۔

اب دنیا کی دو حالتیں ہیں ایک مسرت اور ایک مضرت اور یہ دونوں حالتیں مختلف صورتوں سے حصول آخرت میں مانع اور رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہاں ان آیات میں مسرت یعنی لہو ولعب، زینت وتفاخر وتکاثر کا ذکر فرمایا گیا۔ آگے مصیبت ومضرت کا ذکر ہے کہ اس کو بھی تقدیر الٰہی سمجھ کر مانع آخرت نہ بنانا چاہئے جس کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور جس دنیا کی قرآن اور حدیث نے مذمت فرمائی ہے اس دنیا سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائیں۔ اس دنیوی زندگی میں یا اللہ ہمیں ان عقائد اور اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جو آخرت میں آپ کی مغفرت اور رضا مندی ہمیں نصیب ہو اور آپ کی رضا کے مقام جنت میں ہمارا دائمی اور ابدی ٹھکانہ ہو جائے۔

اے اللہ اے مولائے کریم آپ اپنے فضل عظیم کو ہمارے لئے مقدر فرمادیں اور دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں آپ کا فضل عظیم ہمارے شامل حال ہو اور اس فانی دنیا میں باقی اور دائمی آخرت سنوارنے اور بنانے کی توفیق ہم کو نصیب ہو جائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہیں قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں

نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ جو ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں، اور جو شخص اعراض کرے گا

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں سزاوار حمد ہیں۔

مَآ اَصَابَ نہیں پہنچتی	مِنْ مُّصِيْبَةٍ کوئی مصیبت	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَلَا اور نہ	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ تمہاری جانوں میں	اِلَّا مگر	
فِيْ كِتٰبٍ کتاب میں	مِّنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ نَّبْرَاَهَا کہ ہم پیدا کریں اس کو	اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرٌ آسان
لِّكَيْلَا تَاْسَوْا تا کہ تم غم نہ کھاؤ	عَلٰي پر	مَا فَاتَكُمْ جو تم سے جاتی رہے	وَلَا تَفْرَحُوْا اور نہ تم خوش ہو	بِمَآ اٰتٰىكُمْ اس پر جو اس نے تمہیں دیا	وَاللّٰهُ اور اللہ	
لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	كُلَّ ہر ایک (کسی)	مُخْتَالٍ اترانے والا	فَخُوْرٍ فخر کرنیوالا	الَّذِيْنَ جو لوگ	يَبْخَلُوْنَ بخل کرتے ہیں	وَيَاْمُرُوْنَ اور حکم (ترغیب) دیتے ہیں
النَّاسَ لوگ	بِالْبُخْلِ بخل کا	وَمَنْ اور جو	يَّتَوَلَّ منہ پھیر	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	هُوَ الْغَنِيُّ وہ بے نیاز	الْحَمِيْدُ سزاوار حمد

تفسیر وتشریح: ان آیات میں سمجھایا جاتا ہے کہ دنیا میں راحت و مصیبت جو بھی آتی ہے وہ تقدیر الٰہی اور اللہ کے پہلے سے لکھے ہوئے فیصلے کے مطابق آتی ہے۔ لہٰذا مومن کی حالت یہ ہونا چاہئے کہ مصیبت یا تکلیف آئے تو بھی گھبرا کر ہمت نہ ہار بیٹھے اور احکام الٰہیہ کے خلاف کوئی کام یا کوئی بات کر کے اپنی آخرت کا نقصان نہ کرلے اور اگر حکم الٰہی سے راحت آئے تو اترا نہ جائے اور فخر وغرور نہ کرنے لگے بلکہ اُس نعمت وراحت کو اللہ کا عطیہ سمجھے اور اللہ کی طرف سے جانے۔ بڑائی اور شیخی نہ مارے اور نہ اُس نعمت کو نعمت دینے والے خدا کے کام میں خرچ کرنے سے تنگدل ہو یا بخیلی برتے اور اس طرح اپنی آخرت کا نقصان کرے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے جیسا کہ قحط۔ وبا۔ طوفان۔ زلزلہ۔ بدامنی۔ خونریزی وغیرہ وغیرہ یا خود کوئی مصیبت انسانوں کی ذات پر پڑتی ہے جیسے مرض۔ تنگدستی۔ اولاد واحباب کا مرنا۔ بے عزتی۔ ذلت وناکامی وغیرہ کا ہونا تو یہ مصیبت تم پر یا زمین پر آنے سے پہلے اللہ کے دفتر قضا وقدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہے چنانچہ مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں۔ یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ اس آیت میں اور حدیث شریف میں جو اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے کا ذکر فرمایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کر کاغذ یا تختی پر کچھ لکھ لیتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو۔ ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شان اقدس سے ناواقفی ہے دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں اور چونکہ اس کے لئے الگ کوئی زبان یا لغت نہیں ہے اس لئے ہم مجبوراً انہیں الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات کی تعبیر کرتے ہیں جو دراصل ہمارے افعال وصفات کے لئے وضع کئے گئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے اور ہمارے افعال وصفات

کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری مجبور ذات میں فرق ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں جس کتاب تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنیٰ کے اعتبار سے روزہ کی فرضیت کو کتب علیکم الصیام سے اور قصاص کے حکم کو کتب علیکم القصاص سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس یہاں بھی اگر کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب حدیث شریف کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں اور جو کچھ ہونا ہے اس کو مقرر فرمایا۔ مسئلہ قضاء و قدر یعنی تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات دین اور شرط ایمان میں سے ہے مگر قضا و قدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل اور نازک مسئلہ ہے لہذا مومن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے تو بحث اور حجت نہ کرے بلکہ اپنے دل دماغ کو اس پر مطمئن کر لے کہ اللہ کے صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو جس طرح بیان کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔ تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے پس جب اللہ کے سچے پیغمبر نے ایک حقیقت بیان فرما دی تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے ان کے لئے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اس کے بارہ میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں بلکہ اپنی عقل و ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔ مسئلہ تقدیر کی اہمیت کی بنا پر یہاں یہ ضروری باتیں عرض کر دی گئی ہیں۔ الغرض یہاں فرمایا گیا کہ کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص انسانوں کی جانوں میں مگر وہ سب ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اُسی کے موافق دنیا میں ظہور ہو کر رہے گا۔ ایک ذرّہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا کرنا کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے اس لئے اپنے علم محیط کے موافق تمام واقعات و حوادث کو قبل از وقوع کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج کر دینا اس کے لئے کیا مشکل ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس حقیقت پر اس لئے مطلع کر دیا کہ تم خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جو بھلائی تمہارے لئے مقدر ہے ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ٹھہر چکا ہے ویسا ہی ہو کر رہے گا لہٰذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین اور مضطرب ہو کر پریشان نہ ہو اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں بلکہ مصیبت اور ناکامی کے وقت صبر و تسلیم اور راحت و کامیابی کے وقت شکر اور تحمید سے کام ہو۔ یہاں آیت میں کسی چیز کے جاتے رہنے پر جو رنج نہ کرنے کا حکم ہے تو اس سے طبعی رنج مراد نہیں بلکہ وہ رنج و غم مراد ہے کہ جو حد سے زیادہ ہو جو طاعات الٰہیہ میں حائل ہو جائے اور اشتغال آخرت سے مانع ہو جائے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی نعمت یا مال و دولت عطا فرما دے تو اس پر اپنی بڑائی مارنا اور اترانا کہ میں بڑا مالدار ہوں۔ پیسہ والا ہوں یہ نہ چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسا شخص پسند نہیں جو اپنے مال و دولت پر اتراتا ہو اور لوگوں کے سامنے اپنی بڑائیاں مارتا ہو۔ ایسے ہی متکبر مالدار ہوتے ہیں جو خود بھی بخیل اور کنجوس ہوتے ہیں اور دوسروں سے بھی کہتے رہتے ہیں کہ پیسہ لٹانے کی چیز نہیں۔ اسے جوڑ کر جمع کر کے رکھو۔ آگے ارشاد ہے کہ ہم نے تو حکم دے دیا کہ پیسہ مال و دولت ہو۔ تو اللہ کی راہ میں جیسے اس نے بتایا خرچ کرو۔ اب اگر کوئی ہمارے حکم سے منہ موڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ کو تو کسی چیز کی حاجت نہیں وہ تو بے نیاز اور بے پروا ذات ہے اور تمام خوبیاں علی وجہ الکمال اس کی ذات میں جمع ہیں۔ تمہارے کسی فعل سے اس کی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا جو کچھ نفع نقصان ہے تمہارا اپنا ہے۔ خرچ کرو گے فائدہ اٹھاؤ گے نہ کرو گے گھاٹے میں رہو گے نقصان اٹھاؤ گے۔

اب یہاں تک دنیا کا غیر مہتم بالشان ہونا اور آخرت کا مہتم بالشان ہونا ارشاد فرمایا گیا۔ آگے اسی آخرت کی درستگی اور اصلاح کے متعلق انبیاء اور رسولوں کو دنیا میں بھیجنا ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ

اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾

اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا تحقیق ہم نے بھیجا	رُسُلَنَا اپنے رسولوں	بِالْبَیِّنٰتِ واضح دلائل کے ساتھ	وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتاری	مَعَهُمْ ان کے ساتھ		
الْکِتٰبَ کتاب	وَالْمِیْزَانَ اور میزان (عدل)	لِیَقُوْمَ النَّاسُ تا کہ لوگ قائم رہیں	بِالْقِسْطِ انصاف پر	وَ اور	اَنْزَلْنَا ہم نے اتارا	الْحَدِیْدَ لوہا
فِیْهِ اس میں	بَاْسٌ شَدِیْدٌ لڑائی (خطرہ) سخت	وَّمَنَافِعُ اور منافع	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	وَلِیَعْلَمَ اور تا کہ معلوم کرے	اللّٰهُ اللہ	
مَنْ یَّنْصُرُهٗ کون مدد کرتا ہے اسکی	وَ اور	رُسُلَهٗ اور اس کے رسول	بِالْغَیْبِ بن دیکھے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	قَوِیٌّ قوی	عَزِیْزٌ غالب

تفسیر وتشریح: اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے آخرت کے نفع کے لئے ہدایت کا پورا پورا سامان اور بندوبست کر دیا ہے چنانچہ دنیا میں اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ انہیں کتاب دی تا کہ لوگ عقائد اور اخلاق اور اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں۔ افراط وتفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور اس کتاب میں بالخصوص انصاف کرنے کے حکم کو نازل کیا تا کہ لوگ اخلاق اور معاملات میں افراط وتفریط کو چھوڑ کر اعتدال کی راہ پر قائم رہیں یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری رعایت کریں اور اس میں ساری شریعت آ گئی آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو پیدا کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ اب یہاں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ذکر کے ساتھ معاً یہ فرمانا کہ ہم نے لوہا نازل کیا جس میں بڑا زور اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو آسمانی کتاب اور اس کی تعلیمات وہدایات سے راہ راست پر نہ آئیں اور عدل وانصاف کو دنیا میں قائم نہ رکھیں تو ضرورت پڑے گی کہ ان کی گوشمالی کی جائے اور ظالم اور کجرو معاندین پر اللہ اور رسول کے احکام وقار اور اقتدار قائم رکھا جائے۔ اس وقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور خالص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہوگا۔ عموماً تمام آلات جنگ و حرب میں لوہا استعمال ہوتا ہے۔ تلوار۔ بندوق۔ نیزہ۔ تیر۔ گرز۔ توپ۔ زرہ وغیرہ تمام آلات جس سے سرکشوں کی گردن توڑی جاتی ہے لوہے کے ہوتے ہیں۔ کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی جس میں انصاف اور عدل کو بالخصوص قائم رکھنے کا حکم دیا اس کتاب کی ہدایات کو عملاً نافذ کرنے اور فی الواقع عدل کو قائم رکھنے میں اگر ضرورت ہو تو مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جائے اور آسمانی ہدایات کو درہم برہم کرنے والوں کو تنبیہ وسزا دی جا سکے گویا اس میں جہاد کی ضرورت اور ترغیب کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں لوہے کا استعمال لازمی ہے یہاں حدید یعنی لوہے کو پیدا کرنے کی دو حکمتیں آیت میں بیان فرمائی

گئیں۔ایک تو یہ کہ مخالفین پر اس کا رعب پڑتا ہے اور سرکشوں کو اس کے ذریعہ احکام الٰہیہ اور عدل و انصاف کے احکام کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔دوسرے یہ کہ اس میں لوگوں کے حق تعالیٰ نے بہت سے منافع رکھے ہیں کہ جس قدر صنعتیں اور ایجادات و مصنوعات دنیا میں ہوئی یا ہو رہی ہیں ان سب میں لوہے کی ضرورت ہے لوہے کے بغیر کوئی صنعت نہیں چل سکتی۔اب آگے لوہے کے استعمال یعنی تیر۔تلوار تفنگ۔توپ کو جہاد میں کام لانے اور طاقت سے کام لینے کی حکمت کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ جہاد کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے اور اس کو مدد کی ضرورت ہے۔نہیں اللہ تعالیٰ تو قوی زبردست ہے اور ہر وقت یہ قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے ایک اشارہ سے تمام کافروں اور اعدائے دین کو مغلوب کر دے اور اپنے رسولوں کو ان پر غلبہ اور تسلط عطا فرما دے جہاد کی تعلیم و ترغیب اس لئے نہیں دی گئی کہ اللہ کچھ تمہاری امداد و اعانت کا محتاج ہے بلکہ اس میں بندوں کی وفاداری کا امتحان مقصود ہے یہ کھل جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سے خدا کے وفادار بندے ہیں جو خدا کو بن دیکھے خدا کی محبت میں اور خدا کے دین کی محبت میں۔اور آخرت کے غائبانہ اجر و ثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں اور اعدائے دین سے جنگ و جہاد کرتے ہیں اور جو خدا کی خاطر دنیا میں حق کو غالب کرنے کے لئے جان مال کی بازی لگا دیتے ہیں دراصل اس جہاد میں بندوں کی وفاداری کا امتحان مقصود ہے تا کہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں ان کو اعلیٰ مقامات پر پہنچایا جائے۔

اس آیت سے بھی اور قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات اور بکثرت احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ جہاد اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ الجھاد ماض الیٰ یوم القیٰمۃ یعنی جہاد جاری رہے گا قیامت تک۔تو قرآن وسنت کی بے شمار نصوص اور اجماع امت جہاد کی فرضیت کا اعلان کرتے ہیں۔اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور نہ تمنا کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا''۔یعنی ایسی زندگی جس میں دعوئے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اس کا شوق اور اس کی تمنا ہو تو یہ منافقوں کی زندگی ہے اور جو اسی حال میں اس دنیا سے جائے گا تو وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔تو معلوم ہوا کہ مسلمان کے دل میں ہمیشہ جہاد کا عزم اور تمنا ہونی چاہئے۔مگر افسوس صد افسوس کہ اب جیسے تمام ارکان اسلامیہ اور فرائض دینیہ کی حقیقت اور روح عنقا ہے۔اگر تھوڑا بہت کچھ باقی ہے تو صرف ظاہری شکل اور ظاہری رسم باقی ہے اور وہ بھی غنیمت ہے۔کیونکہ اگر یہی تنزل چلتا رہا تو خوف ہے کہ خدانخواستہ یہ ظاہری شعائر اور رسوم اسلامیہ بھی عنقا نہ ہو جائیں۔آج تمام عالم میں مسلمانوں کے ساتھ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا جو معاملہ ہو رہا ہے اس کا سبب اگر غور کیا جائے تو درحقیقت عام اہل اسلام کا حقیقی جذبہ جہاد سے دلوں کا خالی ہو جانا ہے۔جہاد کے حکم سے خداوند قدوس کا مقصود ہی یہ ہے کہ اللہ کا دین اسلام دنیا میں حاکم بن کر رہے اور اہل اسلام عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امن و عافیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر سکیں۔کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ اُن کے دین میں خلل انداز ہو سکیں۔(سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم)

اب یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اصطلاح شریعت میں جہاد کس چیز کا نام ہے اور کیا اس کی تعریف ہے؟ علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ اپنی طاقت اور قوت کو مال دولت کے لئے نہیں۔عصبیت اور

قومیت اور وطنیت اور اظہار مردانگی وشجاعت اور توسیع سلطنت و مملکت کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہا دینا اس کو اصطلاح شریعت میں جہاد کہتے ہیں۔اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ کا بول بالا کرنا اگر مقصود نہ ہو بلکہ فقط مال وزر مطلوب ہو۔یا قطع نظر حق و باطل سے وطن اور قوم کی حمایت مقصود ہو یا اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار منظور ہو تو اللہ جل اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک وہ جہاد نہیں بلکہ ایک قسم کی جنگ ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان کبھی اظہار شجاعت کے لئے جنگ کرتا ہے اور کبھی قومی غیرت وحمیت کی بنا پر اور کبھی دنیاوی نام ونمود اور شہرت کے لئے۔ان میں سے کون سی جنگ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔"جو شخص فقط اس لئے لڑے اور جنگ کرے تا کہ اللہ ہی کا بول بالا رہے بس وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے"۔تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے وفاداروں کا خدا تعالیٰ کے باغیوں سے محض خدا کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جانبازی اور سرفروشی کا نام جہاد ہے بشرطیکہ وہ جانبازی اور سرفروشی محض اس لئے ہو کہ اللہ کا بول بالا ہو۔اس کے احکام بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور دنیا کا کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو ایسی جانبازی اور سرفروشی کو شریعت اسلام میں جہاد کہتے ہیں۔چونکہ بنی نوع انسان کی طبائع یکساں نہیں تو کسی کے لئے خداوند قدوس نے کتاب اتاری اور انبیاء کو مبعوث فرمایا اور کسی کے لئے لوہا اتارا۔خداوند ذوالجلال کی یہ قدیم سنت ہے کہ وہ اپنے مخلصین کو جہاد کا حکم دیتا رہا تا کہ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے شر اور فساد کو دفع فرمائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسلام حقیقی کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صادقہ عطا فرمائیں اور اسی جذبہ کے ساتھ اس جہان سے کوچ کرنا نصیب فرمائیں۔آمین۔

اب ان آیات میں عام انبیاء ورسل کا اجمالی ذکر تھا۔اس کے بعد بعض خاص پیغمبروں کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔اور قرآن کریم جیسی کتاب عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن کریم کی ہدایات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی اور ہر حال میں ہم کو انصاف وحق پر قائم رکھیں۔

یا اللہ اپنے دین حق کی ہم کو بھی کسی درجہ میں خدمت کی توفیق عطا فرما دے۔اور اپنے فضل سے ہمارے دین ودنیا کے تمام معاملات کو درست وراست فرما دے۔ یا اللہ مفسد کفار ومشرکین کے ساتھ ہم کو اسلام کا بول بالا کرنے کیلئے جہاد کی توفیق عطا فرما اور اپنی تائید اور نصرت کو ہمارے شامل حال فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی سو ان لوگوں میں بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے، اور بہت سے

مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ

ان میں نافرمان تھے۔ پھر ان کے بعد اور رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی،

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا

اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کیا، اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے اُن پر اس کو واجب نہ کیا تھا

عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی، سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر دیا،

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور تحقیق ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوح	وَ اور	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	وَجَعَلْنَا اور ہم نے رکھی	فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا ان کی اولاد میں	النُّبُوَّةَ نبوت	
وَالْكِتٰبَ اور کتاب	فَمِنْهُمْ سو ان میں سے کچھ	مُّهْتَدٍ ہدایت یافتہ	وَكَثِيْرٌ اور اکثر	مِّنْهُمْ ان میں سے	فٰسِقُوْنَ نافرمان	ثُمَّ پھر	قَفَّيْنَا ہم انکے پیچھے لائے
عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ انکے قدموں کے نشانات پر	بِرُسُلِنَا اپنے رسول	وَقَفَّيْنَا اور ہم انکے پیچھے لائے	بِعِيْسَى عیسیٰ	ابْنِ مَرْيَمَ ابن مریم	وَاٰتَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دی		
الْاِنْجِيْلَ انجیل	وَجَعَلْنَا اور ہم نے ڈال دی	فِيْ قُلُوْبِ دلوں میں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہوں نے	اتَّبَعُوْهُ اسکی پیروی کی	رَاْفَةً نرمی	وَّرَحْمَةً اور رحمت	
وَرَهْبَانِيَّةَ اور ترکِ دنیا	ابْتَدَعُوْهَا جو انہوں نے خود نکالی	مَا كَتَبْنٰهَا ہم نے وہ واجب نہیں کی	عَلَيْهِمْ ان پر	اِلَّا مگر	ابْتِغَاۗءَ چاہنا		
رِضْوَانِ اللّٰهِ اللہ کی رضا	فَمَا تو نہ	رَعَوْهَا اس کو نباہا	حَقَّ رِعَايَتِهَا اس کو نباہنے کا حق	فَاٰتَيْنَا تو ہم نے دیا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کو جو ایمان لائے		
مِنْهُمْ ان میں سے	اَجْرَهُمْ ان کا اجر	وَكَثِيْرٌ اور اکثر	مِّنْهُمْ ان میں سے	فٰسِقُوْنَ نافرمان			

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی اصلاح آخرت خلق کے لئے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ اور یہ دونوں پیغمبر اس شان کے تھے کہ دنیا میں پیغمبری اور کتاب آسمانی جاری رکھنے کے لئے ان ہی دو پیغمبروں کی نسلوں کو چن لیا گیا کہ ان کے بعد یہ دولت پیغمبری ان کی نسل سے باہر نہ جائے۔ چنانچہ دنیا میں جو رسول بھی اللہ کی کتاب لے کر آئے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اور ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور ان پیغمبروں میں کچھ تو صاحب کتاب تھے جیسے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور کچھ صاحب کتاب نہ تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تابع تورات بہت سے پیغمبر آئے۔ تو جن جن لوگوں کے پاس یہ پیغمبر آئے ان لوگوں میں سے بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی ہدایت کو قبول کیا اور بہت سے ان میں سے نافرمان ثابت ہوئے کہ جنہوں نے اپنے

پیغمبروں کی تکذیب کی اور اُن کا کہنا نہ مانا اور ان کی ہدایات وتعلیمات کو قبول نہ کیا۔ اور پچھلے رسول اپنے پہلے رسولوں کے نقش قدم پر تھے یعنی اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی حتیٰ کہ آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین جو واقعی ان کے طریقہ پر چلنے والے تھے ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ خلق خدا کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ آگے چل کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں میں سے کچھ تارک الدنیا ہو جاتے اور دنیوی زندگی سے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں رہ کر عبادت اور سخت مجاہدے کرتے۔ نہ ایسے لوگ شادی بیاہ کرتے۔ نہ عمدہ لباس پہنتے۔ نہ عمدہ کھانا کھاتے۔ ایسے لوگوں کا نام راہب ہوتا تھا۔ تو ان کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اس رہبانیت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا۔ مگر نیت ان کی یہی تھی کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ یعنی رہبانیت اللہ تعالیٰ کی فرض کی ہوئی نہ تھی بلکہ انہوں نے از خود اپنے اوپر یہ فرض کر لیا تھا اللہ کی خوشنودی کی طلب میں مگر پھر اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے عیسائی راہبوں میں بہت سی بری باتیں شرمناک پیدا ہو گئی تھیں جن کا ذکر مورخین نے بہت کچھ کیا ہے قرآن کریم نے اپنے اخلاق کریمانہ سے ان کا صراحۃً ذکر کرنا مناسب نہ جانا۔ اور اشارۃً فرمایا فما رعوھا حق رعایتھا سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔ یعنے جن پابندیوں کو اپنے نزدیک اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ کر خود اپنے اوپر عائد کر بیٹھے تھے ان کا حق ادا نہ کیا اور وہ حرکتیں کیں کہ جن سے اللہ کی خوشنودی کے بجائے اس کا غصہ اور غضب مول لے بیٹھے۔ اسی لئے شریعت اسلامیہ نے اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی کیونکہ یہ غیر فطری چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں۔ ایک اور حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ وتعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے رستہ میں نکلتا ہے۔

بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے کہا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔

دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔

تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہ کروں گا اور عورت سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں۔ مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ راتوں کی نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے رغبت نہ کی یعنے میرا طریقہ پسند نہ کیا تو وہ مجھ سے نہیں یعنی اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر سختی کرے۔ ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی پھر اسے سخت پکڑا۔ دیکھ لو وہ ان کے بقایا راہب خانوں اور کنیسوں میں موجود ہیں''۔ الغرض نصرانیوں کی بدعت رہبانیت کا ذکر فرمایا گیا کہ جو ان کی شریعت میں تو نہ تھی لیکن انہوں نے

خود اپنی طرف سے اسے ایجاد کر لیا تھا مگر یہ اسے بھی نبھا نہ سکے اور جیسا چاہئے تھا اس طرح اس پر جم نہ سکے پس ان کے لئے دوہری خرابی آئی۔ ایک اپنی طرف سے نئی بات دین خدا میں ایجاد کرنے کی۔ دوسرے اس پر بھی قائم نہ رہنے کی۔ یہاں نصرانیوں کا دین میں نئی بات یعنی بدعت رہبانیت ایجاد کرنے کو جو ذکر فرمایا گیا۔ تو یہ سمجھ لیا جائے کہ بدعت اسلام شریعت میں بھی نہایت ایجاد کرنے کو جو ذکر فرمایا گیا۔ تو یہ سمجھ لیا جائے کہ بدعت اسلامی شریعت میں بھی نہایت درجہ مذموم اور ممنوع سمجھی گئی ہے۔ جو امر کہ شریعت کی کسی دلیل یعنی قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ قیاس سے ثابت نہ ہو اور اس کو دین میں داخل کیا جائے تو شریعت کی اصطلاح میں ایسے امر کو بدعت کہتے ہیں اور یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے وہ گویا حق تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اس لئے کہ شریعت حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے اس میں کمی بیشی کا کسی کو حق حاصل نہیں پس جس نے اس شریعت میں کسی ایسی بات کو شامل کیا جو اس دین سے خارج ہے تو اس نے اس شریعت الٰہیہ کو ناکافی سمجھا پھر اور باتیں جو داخل کیں تو ایک نئی شریعت خود گھڑی یہ دوسرا جرم ہوا۔ پھر چونکہ بدعت عبادت کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہے یعنی بدعت کا مرتکب اس کو عبادت سمجھتا ہے اور ذریعہ قرب خداوندی خیال کرتا ہے اس لئے ایسے شخص کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ توبہ تو گنہگار کیا کرتا ہے اور بدعتی اپنے کو گناہ گار نہیں سمجھتا بلکہ وہ اپنے کو تابعدار سمجھتا ہے تو پھر وہ توبہ کیوں کرے۔ حق تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی بدعت سے ہم کو بچاویں اور سیدھی راہ دکھاویں اور اس پر استقامت عطا فرمائیں۔ اخیر میں بتلایا گیا کہ ان اہل کتاب نصاریٰ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے حق تعالیٰ نے ان کو اجر عطا فرمایا مگر ایسے نصاریٰ کم ہی تھے اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں کہ آپ پر ایمان نہ لائے۔

یہاں تک تو اہل کتاب عیسائیوں میں سے آپ پر ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں کو خبر دی گئی تھی آگے ایمان لانے کا صریح امر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار اور متبع بنا کر زندہ رکھیں اور آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچاویں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور سچی محبت کے ساتھ سچی عظمت اور اس کے ساتھ سچا اتباع بھی نصیب فرماویں اور ظاہر میں اور باطن میں ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرماویں۔

اللہ تعالیٰ اس پرفتن زمانہ میں ہر چھوٹی بڑی بدعت سے ہم کو بچائیں۔ اور سیدھی راہ ہدایت پر ہم کو مستقیم رکھیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ

اے ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور

لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا

عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ تا کہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ

يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے،

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوا جو لوگ ایمان لائے	اتَّقُوا اللّٰهَ ڈرو اللہ سے تم	وَ اٰمِنُوْا اور ایمان لاؤ	بِرَسُوْلِهٖ اسکے رسولوں پر	يُؤْتِكُمْ وہ تمہیں عطا کریگا
كِفْلَيْنِ دو حصے	مِنْ سے	رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت	وَيَجْعَلْ اور کردے گا	لَّكُمْ تمہارے لئے	نُوْرًا ایسا نور	تَمْشُوْنَ تم چلوگے	بِهٖ اسکے ساتھ
وَيَغْفِرْ اور وہ بخش دے گا	لَكُمْ تمہیں	وَاللّٰهُ اور اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ مہربان	لِّئَلَّا يَعْلَمَ تا کہ نہ جانیں جان لیں
اَهْلُ الْكِتٰبِ اہل کتاب	اَلَّا يَقْدِرُوْنَ کہ وہ قدرت نہیں رکھتے	عَلٰى شَيْءٍ کسی شے پر	مِّنْ سے	فَضْلِ اللّٰهِ اللہ کا فضل	وَاَنَّ اور یہ کہ
الْفَضْلَ فضل	بِيَدِ اللّٰهِ اللہ کے ہاتھ میں	يُؤْتِيْهِ وہ دیتا ہے اسے	مَنْ يَّشَآءُ جس کو وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ اور اللہ	ذُو الْفَضْلِ فضل والا	الْعَظِيْمِ بڑا

تفسیر وتشریح: ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں کو عام خطاب فرمایا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین اور آپ پر ایمان رکھنے والو! تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی مان چکے ہو اب اللہ سے ڈرو نفسانیت اور تعصب کو چھوڑ دو اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاؤ اور آپ کو اللہ کا رسول مانو تا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا ثواب دے۔ ایک عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ اہل کتاب کو اسلام قبول کرنے پر دوہرے ثواب عطا کئے جانے کی تصریح بیسویں پارہ سورہ قصص میں بھی ہو چکی ہے جہاں فرمایا گیا تھا اولٰئک یوتون اجرھم مرتین ان لوگوں کو یعنی اہل کتاب کو دوہرا ثواب ملے گا۔ تو اہل کتاب نصاریٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے پر ایک بشارت تو یہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا اجر وثواب عنایت فرمائے گا۔ دوسری بشارت یہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ جو ہر حال میں تمہارا رفیق رہے گا دنیا میں بھی۔ مرنے کے بعد بھی اور آخرت میں بھی اور تیسری بشارت یہ دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گذشتہ گناہوں کو بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور یہ دولتیں تم کو اس لئے عنایت کرے گا تا کہ قیامت میں جس وقت ان عطایا کا ظہور ہو اس وقت ان اہل کتاب کو جو دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے ان کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ عدم ایمان محمدی کی حالت میں فضل خداوندی سے ذرا بھی مستفید نہ ہو سکیں گے۔ یہ اہل کتاب کے اس زعم باطل کی تردید میں

1 ارشاد فرمایا گیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم موسیٰ اور عیسیٰ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں ہمیں کیا غم و اندیشہ ہے۔ انہیں جتلایا گیا کہ اب خاتم الانبیاء کی بعثت کے بعد محض انبیاء قدیم حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان ظاہر کرنا اور جتلانا انہیں مومن رہنے کے لئے کافی نہیں اس لئے قیامت میں وہ اللہ کے فضل سے محروم رہیں گے اور جو اہل کتاب میں سے خاتم الانبیاء پر ایمان لائے ان پر یہ فضل ہوا کہ ان کو دوگنا اجر ملا۔ گذشتہ خطاؤں کی معافی اور نور ایمان مرحمت ہوا اور جو ایمان نہ لائے وہ ان انعامات سے محروم رہے۔

یہاں اہل کتاب یعنی نصاریٰ کو سمجھایا گیا کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں تو اس حالت میں وہ اللہ کے کسی فضل کے آخرت میں مستحق نہیں جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء پر ایمان نہ لے آئیں۔ اب دیکھئے کہ ضد۔ تعصب۔ عناد۔ ہٹ دھرمی کا تو دنیا میں کوئی علاج نہیں باقی کسی کلام یا کسی بات کو معقول طریقہ سے سمجھانے اور بتلانے کے دو ہی طریقے مسلم ہیں یا اس بات کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جائے اور یا نقلی یعنی کتابی دلائل سے۔ اب یہاں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین یعنی نصاریٰ سے کہا گیا تو نقلی یعنی کتابی دلائل سے قطع نظر کر کے اگر عقلی دلائل سے سمجھا جائے جس کا آج کل دنیا میں بڑا زور ہے تو بھی خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کسی صاحب فہم و عقل سے ممکن نہیں۔ اگر آج آپ کسی عیسائی یا یہودی اہل کتاب سے دریافت کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا دوسرے انبیاء جن کو یہود و نصاریٰ بھی اللہ کا نبی تسلیم کرتے ہیں ان کے نبی ہونے کی کیا عقلی دلیل ہے۔ تو ایک عیسائی یا یہودی جن عقلی دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر اور نبی ہونا ثابت کرے گا انہی دلائل سے خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کا نبی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول ماننے کے لئے دلیل دے گا کہ ان سے بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوئے۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات بروایات صحیحہ ثابت ہیں ان کی تعداد ہر نبی کی تعداد سے زیادہ اور ان کی شان بھی اعلیٰ ہے۔ اگر ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت میں ان پر اللہ کی وحی کا آنا اور انجیل کا ان پر نازل ہونا بیان کرے تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وحی کا آنا اور قرآن کا نازل ہونا ثابت ہے اور قرآن نے جو دعوے کئے یا پیشین گوئیاں کی ان کا صادق ہونا آج تک ثابت ہوا۔ اگر ایک عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت میں آپ کی پاکیزہ زندگی۔ اعلیٰ اخلاق۔ بلند کردار صداقت و امانت کو پیش کرے تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ومحاسن۔ صفات ومحامد۔ آپ کی سچائی اور دیانت نبوت سے پہلے ہی اتنی مشہور تھی کہ نبوت سے پہلے ہی لوگوں نے ''امین'' کا لقب آپ کو دے رکھا تھا۔ دشمنان اسلام نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وکرادار اور حضور کی پاکیزہ اور مطہر زندگی کی مدح وستائش کی ہے۔ منصف مزاج غیر مسلم مورخین اور مصنفین نے بھی کی ہے۔ اگر ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت میں آپ کی دینی تعلیم و تبلیغ اور امت کی تربیت کو پیش کرے تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی امت کو ایسی شریعت کی تعلیم دی کہ جو قیامت تک کے لئے کافی وشافی ہے اور جس میں کسی ترمیم وتنسیخ کی احتیاج

نہیں۔ آپ کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت سے قلیل مدت میں ہی کایا پلٹ گئی اور صحابہ کرام کے اخلاق وکردار انتہائی پستی کی حالت سے ایسے اعلیٰ ہو گئے کہ جس کو غیر مسلم محققین وفضلا بھی تسلیم کرتے ہیں اور اسے ایک حیرت انگیز واقعہ بلکہ حضور کا معجزہ سمجھتے ہیں۔

الغرض انبیائے سابقین علیہم السلام کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے اہل کتاب جو عقلی دلیل بھی پیش کرے گا انہی دلائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا جا سکتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء والرسل پر ایمان نہ لانے اور آپ کو اللہ کا رسول نہ ماننے کی کیا وجہ؟

اور اگر آپ کتابی دلائل کی طرف آئیں تو قرآن مجید۔ انجیل۔ تورات۔ زبور جس کا بھی مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر نبی نے اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی تصدیق کی ہے اور اپنے بعد آنے والے نبی کی پیشین گوئی اور اپنی امت کو ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ ہمارے نبی کریم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیشتر ابنیائے کرام کی تصدیق فرمائی لیکن اپنے بعد کسی نبی کی پیشین گوئی نہیں فرمائی جس کی وجہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔ اگر کوئی نبی آنے والا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ضرور اس کی آمد سے آگاہ فرماتے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے۔ ہاں آپ نے اطلاع دی تو یہ دی کہ آئندہ میری امت میں ۳۰ سخت جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (رواہ مسلم)

الغرض انبیاء کرام کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اس سلسلہ نبوت کی انتہا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی ہے۔ اس لئے متبعین عیسیٰ علیہ السلام کو نجات آخرت حاصل کرنے کے لئے یہاں خاتمہ سورۃ پر اللہ سے ڈرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس پر بشارت سنائی جاتی ہے۔ اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ حدید کا بیان پورا ہو گیا۔

سورۃ الحدید کے خواص

۱..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ اسم اعظم سورۃ حدید کی چھ آیات میں ہے۔

۲..... اگر جنگ میں جانے والا سورۃ الحدید لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اسے دشمن کا کوئی ہتھیار نقصان نہ پہنچائے گا۔

۳..... جسے بخار ہو اس پر سورۃ الحدید پڑھی جائے۔

۴..... جسے ورم ہو اس پر سورۃ الحدید پڑھ کر دم کیا جائے۔

(الدرر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا یہ فضل عظیم ہے کہ جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے اور تمام اپنے پیغمبروں پر ایمان رکھنے کا شرف عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا اور سچا امتی ہونا نصیب فرمائیں۔ اور آپ کی محبت وعظمت کے ساتھ آپ کا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔ اور قیامت میں اپنا فضل عظیم ہمارے لئے مقدر فرمائیں اور اپنی شان غفور رحیمی سے ہماری مغفرت فرمائیں اور ہم پر رحمت فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سُن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں

تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

کی گفتگو سن رہا تھا، اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ یقیناً سن لی	اللّٰهُ اللہ	قَوْلَ بات	الَّتِيْ وہ عورت جو	تُجَادِلُكَ آپ سے بحث کرتی تھی	فِيْ زَوْجِهَا اپنے خاوند کے بارہ میں
وَتَشْتَكِيْٓ اور شکایت کرتی تھی	اِلَى طرف۔کی	اللّٰهِ اللہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَسْمَعُ سنتا تھا	تَحَاوُرَكُمَا تم دونوں کی گفتگو ‖ اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
سَمِيْعٌ سُننے والا	بَصِيْرٌ دیکھنے والا				

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتدائی آیات کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ یہ آیات حضرت حولہ بنت ثعلبہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں جن کے شوہر حضرت اوس بن صامت انصاریؓ نے غصہ میں ایک بار اپنی بی بی حولہ کو یوں کہہ دیا انت علی کظہر امی یعنی تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت اور چونکہ جاہلیت میں ان الفاظ سے ہمیشگی کی علیحدگی طلاق سے بڑھ کر سمجھی جاتی تھی تو حضرت حولہ اس بارہ میں حکم دریافت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنا پر کہ ابھی تک اس قول مشہور کے خلاف وحی نازل نہیں ہوئی تھی اس قول کو قابل عمل خیال کر کے فرما دیا کہ میری رائے میں تم حرام ہوگئیں۔ وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ پھر میرا اور میرے بچوں کا کیسے گذر ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حولہ نے کہا کہ میرے شوہر نے طلاق کو تو کہا نہیں پھر طلاق کیسے ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور فریاد کرنے لگیں کہ یا اللہ میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں۔ ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے اور شوہر کے پاس چھوڑ دوں تو یونہی کسمپرسی کی حالت میں ضائع ہو جائیں گے۔ اے اللہ تو اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل کو حل کر۔ اس پر یہ ابتدائی آیات اس سورۃ کی نازل ہوئیں اور ''ظہار'' کا حکم ارشاد فرمایا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان صحابیہ کی فریاد کا بارگاہ الٰہی میں قبول ہونا اور فوراً ہی وہاں سے ان کی فریاد رسی کے لئے فرمان مبارک نازل ہو جانا ایک ایسا واقعہ تھا جس کی وجہ سے حضرت حولہ کو صحابہ کرام میں ایک خاص قدرو منزلت حاصل ہوگئی۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کچھ اصحاب کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک عورت ملیں۔ انہوں نے آواز دے کر آپ کو ٹھہرالیا۔ اور حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس جا کر توجہ اور

ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے۔ جب وہ اپنی باتیں پوری کر چکیں اور خود لوٹ گئیں تب امیر المومنین حضرت عمرؓ بھی واپس ہوئے۔ ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ امیر المومنین آپ ایک بڑھیا کے کہنے سے رک گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا۔ آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ یہ وہ عورت ہیں کہ جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی۔ یہ حضرت حولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ خدا کی قسم اگر یہ رات تک مجھے کھڑا رکھتیں تو میں کھڑا رہتا بس نمازوں کے اوقات پر نماز ادا کر لیتا اور میں ان کی خدمت سے نہ ٹلتا۔ اللہ اکبر! تو اس آیت میں حضرت حولہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی مثلاً یہ کہتی تھی کہ شوہر نے طلاق کا صیغہ تو ذکر کیا نہیں پھر حرمت کیسے ہوگئی اور کبھی اللہ کے آگے رونے اور فریاد کرنے لگتی اور اپنے رنج وغم کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تو اللہ تعالیٰ آپ کی اور اس عورت کی گفتگو سن رہا تھا اور اللہ تعالیٰ تو سب ہی کچھ سنتا اور دیکھتا ہے جو گفتگو آپ کے اور اس عورت کے درمیان ہوئی وہ کیوں نہ سنتا بے شک وہ مصیبت زدہ عورت کی فریاد کو پہنچا اور ہمیشہ کے لئے اس قسم کے حوادث سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتا دیا۔

اب آگے حکم ہے ظہار کا جس سے حضرت حولہ کی دادرسی فرمائی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سننے والے آقا! اور اے رنج وغم کے دور فرمانے والے مالک! تیرے ہی کرم و رحم کا ہم گناہ گاروں کو بھی آسرا ہے آپ ہی ہماری فریاد رسی فرمانے والے ہیں۔

اے اللہ ہماری ہر چھوٹی بڑی۔ دینی و دنیاوی مشکل کو آسان فرما اور ہمارے تمام معاملات کو اپنی رحمت سے درست و راست فرما۔

یا اللہ ہم کو اپنی ہر مشکل میں اپنی ہی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـىِٔىْ

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ وہ اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو

وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ

جنا ہے، اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے بخش دینے والے ہیں۔ اور جو لوگ

يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں

يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پیاپے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ

دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، پھر جس سے یہ بھی نہ ہوسکیں تو اسی کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے،

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

وہ حکم اس لئے ہے تاکہ اللہ اور اور رسول پر ایمان لے آؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کیلئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ جو لوگ	يُظٰهِرُوْنَ ظہار کرتے ہیں	مِنْكُمْ تم میں سے	مِنْ نِّسَآئِهِمْ اپنی بیویوں سے	مَا هُنَّ وہ نہیں	اُمَّهٰتِهِمْ ان کی مائیں
اِنْ نہیں	اُمَّهٰتُهُمْ ان کی مائیں	اِلَّا مگر صرف	الّٰٓـىِٔىْ وہ عورتیں	وَلَدْنَهُمْ جنھوں نے جنا ہے انہیں	وَاِنَّهُمْ اور بیشک وہ / لَيَقُوْلُوْنَ البتہ کہتے ہیں
مُنْكَرًا نامعقول	مِنَ الْقَوْلِ بات سے	وَزُوْرًا اور جھوٹ	وَاِنَّ اور بیشک / اللّٰهَ اللہ	لَعَفُوٌّ البتہ معاف کرنیوالا	غَفُوْرٌ بخشنے والا / وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ
يُظٰهِرُوْنَ ظہار کرتے ہیں	مِنْ نِّسَآئِهِمْ اپنی بیویوں سے	ثُمَّ پھر	يَعُوْدُوْنَ وہ رجوع کرلیں	لِمَا قَالُوْا اس سے جو انہوں نے کہا (قول)	
فَتَحْرِيْرُ تو آزاد کرنا لازم ہے	رَقَبَةٍ ایک غلام	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ يَّتَمَآسَّا کہ ایکدوسرے کو ہاتھ لگائیں	ذٰلِكُمْ یہ	
تُوْعَظُوْنَ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے	بِهٖ اس سے۔کی	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو تم کرتے ہو	خَبِيْرٌ باخبر ہے	فَمَنْ تو جو کوئی
لَّمْ يَجِدْ نہ پائے	فَصِيَامُ تو روزے	شَهْرَيْنِ دو مہینے	مُتَتَابِعَيْنِ لگاتار	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ يَّتَمَآسَّا کہ وہ ایکدوسرے کو ہاتھ لگائیں
فَمَنْ پھر جس	لَّمْ يَسْتَطِعْ اسے مقدور نہ ہو	فَاِطْعَامُ تو کھانا کھلائے	سِتِّيْنَ ساٹھ	مِسْكِيْنًا مساکین کو / ذٰلِكَ یہ	لِتُؤْمِنُوْا اسلئے کہ تم ایمان رکھو
بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اسکا رسول	وَتِلْكَ اور یہ / حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ کی حدیں	وَ اور	لِلْكٰفِرِيْنَ نہ ماننے والوں کیلئے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تم میں سے جو ظہار کر بیٹھتے ہیں یعنی مثلاً بیوی کو یوں کہہ دیا کہ تو میری ماں کے مثل ہے تو اس کہنے سے بیوی واقعی ماں تو نہیں بن جاتی کہ محض اتنے لفظ پر ہمیشہ کے لئے حقیقی ماں کی طرح حرام ہوجائے۔ ماں تو دراصل وہ

ہے کہ جس نے اولاد کو جنا ہے۔ تو بیوی جس نے اس کو جنا نہیں وہ کیونکر ماں بن سکتی ہے۔ ہاں آدمی جب اپنی بدتمیزی سے ایک جھوٹی نامعقول اور بیہودہ بات کہہ دے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ کفارہ دے تب بیوی کے پاس جائے پر عورت اسی کی رہی۔ محض ظہار سے طلاق نہیں پڑ گئی۔ آگے بتلایا گیا کہ جاہلیت میں جو ایسی حرکت کر چکے وہ معاف ہے اب ہدایت آچکنے کے بعد ایسا مت کرو۔ اگر غلطی سے کر گذرے تو توبہ کر کے اللہ سے معاف کراؤ اور عورت کے پاس جانے سے پہلے کفارہ ادا کرو۔ اور کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا قبل اس کے کہ میاں بیوی اختلاط کریں۔ آگے بتلایا گیا کہ یہ کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز آئیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے اور خبر رکھتا ہے کہ تم کس حد تک ان پر عمل کرتے ہو۔ آگے کفارہ کی مزید تشریح فرمائی جاتی ہے کہ اگر کسی کو غلام لونڈی آزاد کرنے کے لئے میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار پے درپے دو مہینہ کے روزہ ہیں۔ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے یعنی نہ غلام آزاد کرنے کا مقدور ہو۔ اور روزہ رکھنے سے بھی مجبور ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

فقہاء نے کتب فقہ میں ان کفاروں کی مزید تفصیلات اور قیود و حدود بیان کی ہیں۔ مثلاً کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک صدقہ فطر کی مقدار گندم یا اُس کی قیمت دے دے۔ فطرہ کی مقدار ہمارے وزن کے اعتبار سے آدھی چھٹانک اوپر پونے دو سیر گندم ہیں یعنی احتیاطاً پورے دو سیر گندم فی کس ۶۰ مسکینوں کو دے دے۔ یا اتنے گندم کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ اخیر میں ہدایت فرمائی ہے کہ جاہلیت کی باتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کے احکام پر چلو جو مومن کامل کی شان ہے۔ مومنین کا یہ کام نہیں کہ اللہ کی مقررہ کردہ اور باندھی ہوئی حدود سے تجاوز کریں۔ باقی کافر جو حدود اللہ کی پروا نہیں کرتے اور اپنی رائے اور خواہش پر چلتے ہیں تو ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ حدیث کی روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا ہے جیسا کہ نزول وحی کی حالت میں ہوتا تھا تو حضرت عائشہؓ نے ان صحابیہ سے کہا کہ دور ہٹ کر بیٹھو۔ یہ دور کھسک کر بیٹھ گئیں ادھر وحی نازل ہونا شروع ہوئی۔ جب وحی نازل ہو چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورت کہاں ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انہیں آواز دے کر بلایا آپ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے خاوند کو لے آؤ۔ یہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اپنے شوہر کو بلا لائیں۔ آپ نے اعوذ و بسم اللہ پڑھ کر اس سورۃ کی یہ آیات سنائیں اور فرمایا کہ کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ لگاتار دو مہینہ کے روزہ رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر دو تین دفعہ دن میں نہ کھاؤں تو بینائی بالکل جاتی رہتی ہے۔ فرمایا کیا ۶۰ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ لیکن آپ میری امداد فرمائیں تو اور بات ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اعانت فرمائی اور ان کو کچھ غلہ عطا فرمایا اور کچھ دوسرے صحابہ نے جمع کر دیا اس طرح ۶۰ مسکینوں کو فطرے کی مقدار دے کر کفارہ ادا ہو گیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم طلاق کو ہٹا کر اسے شرعی ظہار مقرر فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ظہار کے شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ اہل اسلام کو پوری سختی کے ساتھ متنبہ فرمایا گیا ہے کہ اسلام کے بعد بھی جاہلیت کے طریقوں پر قائم رہنا اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑنا یہ ایمان کے منافی حرکت ہے۔

آگے اللہ و رسول کے عام احکامات کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ و ہدایت فرمائی گئی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ان کے اصلاح کی صورتیں ظاہر فرمادے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے کی توفیق ہم کو نصیب فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ

جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے کھلے کھلے

أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

احکام نازل کئے ہیں، اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا۔جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا

فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾

پھر ان کا سب کیا ہوا اُن کو بتلادے گا، اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کررکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ

کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے،کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی

إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ

جس میں چوتھا وہ نہ ہو اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ

إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ

مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ لوگ کہیں بھی ہوں، پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام بتلادے گا، بے شک

اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾

اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جو لوگ	يُحَادُّونَ وہ مخالفت کرتے ہیں	اللَّهَ اللہ	وَرَسُولَهُ اور اس کا رسول	كُبِتُوا وہ ذلیل کئے جائیں گے			
كَمَا كُبِتَ جیسے ذلیل کئے گئے	الَّذِينَ وہ لوگ جو	مِن قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	وَقَدْ أَنزَلْنَا اور یقیناً ہم نے نازل کی	آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ واضح آیتیں				
وَلِلْكَافِرِينَ اور کافروں کیلئے	عَذَابٌ عذاب	مُّهِينٌ ذلت	يَوْمَ جس دن	يَبْعَثُهُمُ وہ انہیں اٹھائے گا	اللَّهُ اللہ	جَمِيعًا سب		
فَيُنَبِّئُهُم تو وہ انہیں آگاہ کرے گا	بِمَا عَمِلُوا وہ جو انہوں نے کیا	أَحْصَاهُ اس نے اسے گِن رکھا تھا	اللَّهُ اللہ	وَنَسُوهُ اور وہ اسے بھول گئے تھے				
وَاللَّهُ اور اللہ	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ ہر شے پر	شَهِيدٌ نگران	أَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو		
فِي السَّمَاوَاتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْأَرْضِ زمین میں	مَا يَكُونُ نہیں ہوتی	مِن کوئی	نَّجْوَىٰ سرگوشی	ثَلَاثَةٍ تین لوگوں میں	إِلَّا مگر	
هُوَ وہ	رَابِعُهُمْ ان میں چوتھا	وَلَا اور نہ	خَمْسَةٍ پانچ کی	إِلَّا هُوَ مگر وہ	سَادِسُهُمْ ان میں چھٹا	وَلَا اور نہ (خواہ)	أَدْنَىٰ کم	مِن ذَٰلِكَ اس سے
وَلَا أَكْثَرَ اور نہ زیادہ	إِلَّا هُوَ مگر وہ	مَعَهُمْ انکے ساتھ	أَيْنَ مَا جہاں کہیں	كَانُوا وہ ہوں	ثُمَّ پھر	يُنَبِّئُهُم وہ انہیں بتلائے گا		
بِمَا عَمِلُوا جو کچھ انہوں نے کیا	يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	بِكُلِّ تمام۔ہر	شَيْءٍ شے کا	عَلِيمٌ جاننے والا			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کچھ ظہار ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ کوئی حکم بھی ہو اس میں اللہ اور رسول کی خلاف ورزی اچھی بات نہیں۔ ایسے لوگ یعنی حدود اللہ کی پروا نہ کرنے والے یا اپنی رائے وخواہش سے حدیں مقرر کرنے والے پہلے زمانہ میں بھی ذلیل وخوار ہوئے ہیں۔ اللہ کی روشن اور صاف صاف آیتیں سن لینے کے بعد انکار پر جمے رہنا اور خدائی احکام کی عزت واحترام نہ کرنا اپنے کو ذلت کے عذاب میں پھنسانا ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا ان الذین یحآ دون اللہ ورسولہ کبتوا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے رہتے ہیں یہ ذلیل وخوار ہوں گے تو بعض مفسرین نے اس آیت کو وسیع مفہوم میں لیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمان بادشاہ یا حاکم کہ جو بھی شریعت اسلامی سے الگ ہو کر قانون نکالے وہ سب اس وعید کبتوا میں داخل ہیں۔ یعنی ذلیل وخوار ہوں گے۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت کے تحت کفار مکہ اور مشرکین و یہود عرب مراد لئے ہیں کہ جن کے حقیر و ذلیل ہونے کی پیشین گوئی جلد ہی پوری ہو کر رہی۔ الغرض یہاں صاف فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہوں گے اور یہ ذلت کی سزا تو دنیا میں ہوگی رہا کافروں کو تو ان کو آخرت میں بھی ذلت کا عذاب ہوگا۔ آگے اس عذات کا وقت بتلایا جاتا ہے کہ یہ اس روز ہوگا جس روز کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھادے گا اور جو جو کام جس نے دنیا میں کئے تھے ان سب کا نتیجہ سامنے آجائے گا اور کوئی ایک عمل بھی غائب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ سارا زندگی کا ریکارڈ محفوظ کر رکھا ہے گو ان لوگوں کو یعنی مخالفت کرنے والوں کو اپنی زندگی کے بہت سے کام یاد بھی نہ رہے ہوں گے یا ان کی طرف توجہ نہ رہی ہوگی لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ سارا دفتر اس دن کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے۔

اللہ کے علم میں تو آسمان وزمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس، کوئی سرگوشی، کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہو مثلاً جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا۔ اور پانچ کی کمیٹی یہ خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ تو خوب سمجھ لو کہ تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ اور پھر کہیں ہوں۔ کسی حالت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط کے ساتھ وہاں موجود ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔ پھر ان سب کو ان کے کئے ہوئے کام قیامت میں بتلا دیئے جائیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی جس معیت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اللہ جل شانہ کے علیم وخبیر۔ سمیع وبصیر ہونے کے لحاظ سے ہے اور اس ارشاد سے دراصل یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ کوئی خواہ کیسے ہی محفوظ مقام پر خفیہ مشورہ کرے تو اس کی بات دنیا بھر سے چھپ سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتی۔

الغرض چونکہ یہاں سرگوشیوں اور خفیہ باتوں کا ذکر آ گیا کہ آدمیوں کی کوئی سرگوشی اور خفیہ مشورہ ایسا نہیں ہوتا کہ جہاں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نہ ہو اس لئے آگے منافقین کی سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں پر جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ منافقین کی یہ سرگوشیاں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا مطیع وفرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہمارے حکام اور امرا کے بھی یہ دل میں ڈال دے کہ اللہ کے احکام کی مخالفت دنیا میں بھی ذلت لاتی ہے اور آخرت میں تو باز پرس ہونی ہی ہے تا کہ وہ خلاف شرع قوانین کو ختم کریں۔ یا اللہ ہم کو جملہ قرآنی واسلامی احکام پر چلنا نصیب فرما اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا پھر وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ اور زیادتی

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ

اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں، اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ

جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا۔ اُن کے لئے جہنم کافی ہے، اس میں یہ لوگ داخل ہوں گے

فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

سو وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اے ایمان والو جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا

ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے ہے تاکہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے اور وہ بدون خدا کے ارادہ کے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا،

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اِلَى طرف۔کو	الَّذِيْنَ وہ جنہیں	نُهُوْا منع کیا گیا	عَنِ النَّجْوٰى سرگوشی سے	ثُمَّ پھر	يَعُوْدُوْنَ وہ (وہی) کرتے ہیں
لِمَا نُهُوْا جس سے منع کیا گیا انہیں	عَنْهُ اس سے	وَيَتَنٰجَوْنَ وہ باہم سرگوشی کرتے ہیں	بِالْاِثْمِ گناہ سے۔کی	وَالْعُدْوَانِ اور سرکشی		
وَمَعْصِيَتِ اور نافرمانی	الرَّسُوْلِ رسول	وَاِذَا اور جب	جَآءُوْكَ وہ آتے ہیں آپ کے پاس	حَيَّوْكَ آپکو سلام دعا دیتے ہیں	بِمَا جس سے	
لَمْ يُحَيِّكَ آپ کو دعا نہیں دی	بِهِ لفظ (اس سے)	اللّٰهُ اللہ	وَيَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اپنے دل (جمع) میں		
لَوْلَا يُعَذِّبُنَا کیوں ہمیں عذاب نہیں دیتا	اللّٰهُ اللہ	بِمَا نَقُوْلُ اس کی جو ہم کہتے ہیں	حَسْبُهُمْ ان کیلئے کافی ہے	جَهَنَّمُ جہنم		
يَصْلَوْنَهَا وہ ڈالے جائینگے اس میں	فَبِئْسَ سو بُرا	الْمَصِيْرُ ٹھکانا	يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ایمان والو	اِذَا جب	تَنَاجَيْتُمْ تم باہم سرگوشی کرو
فَلَا تَتَنَاجَوْا تو سرگوشی نہ کرو	بِالْاِثْمِ گناہ کی	وَالْعُدْوَانِ اور سرکشی	وَمَعْصِيَتِ اور نافرمانی	الرَّسُوْلِ رسول	وَتَنَاجَوْا اور سرگوشی کرو	
بِالْبِرِّ نیکی میں	وَالتَّقْوٰى اور پرہیزگاری	وَ اور	اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرو	الَّذِيْٓ وہ جو	اِلَيْهِ اسکی طرف۔پاس	تُحْشَرُوْنَ تم جمع کیے جاؤ گے
اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	النَّجْوٰى سرگوشی	مِنَ الشَّيْطٰنِ شیطان سے	لِيَحْزُنَ تاکہ وہ غمگین کرے	الَّذِيْنَ ان لوگوں کو جو	اٰمَنُوْا ایمان لائے	
وَلَيْسَ اور نہیں	بِضَاۗرِّهِمْ وہ ان کا بگاڑ سکتا	شَيْـــًٔا کچھ	اِلَّا بغیر	بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ کے حکم کے	وَ اور	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ	تو بھروسہ کرنا چاہیئے	الْمُؤْمِنُوْنَ	مومن (جمع)

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں زمین وآسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس۔ کوئی میٹنگ۔ کوئی خفیہ سرگوشی اور کوئی مشورہ گو کتنے ہی راز میں کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ اپنے محیط کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔ تو مقصد یہ جتلانا تھا کہ یہ باطل سرگوشی کرنے والے اور چھپ کر اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کی مخالفت کرنے والے ان کو خدا سے ڈرنا چاہیئے اس لئے کہ خدا کو ان کی سب باتوں کی خبر ہے اور وہ ان کو سزا دے گا۔ اسی سلسلہ میں بعض جزئیات وواقعات کا ذکر فرمایا جاتا ہے جن کو مفسرین نے ان آیات کے اسباب نزول میں ذکر کیا ہے۔ منافقین مدینہ جو عموماً یہودی تھے مگر بظاہر مسلمانوں کا بڑھتا ہوا اثر دیکھ کر مسلمان بن گئے تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرتے۔ کانا پھوسی کر کے مجلس والوں کا مذاق اڑاتے۔ ان پر عیب پکڑتے ایک دوسرے کے کان میں اس طرح بات کہتا اور آنکھوں سے اشارہ کرتا جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ اس پر ان آیات کا نزول ہوا جن میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا کہ جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا مگر وہ پھر بھی وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور سرگوشی بھی ایسی کرتے ہیں جس میں گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں ہوں۔ تو ایک گستاخی اور شرارت ان منافقین کی یہ بیان ہوئی۔ دوسری شرارت ان منافقین کی جو عموماً یہود تھے یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو براہ شرارت بجائے السلام علیکم کے دبی زبان سے السام علیکم کہتے۔ اس کے متعلق آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے تو آپ کو دوسرے انبیاء کے ساتھ یہ دعائیں دی ہیں جیسے سلام علی المرسلین اور سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰے اور مومنین کی زبانوں سے کہلوایا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مگر بعض یہودی جب آپ کے پاس آتے تو بجائے السلام علیکم کے دبی زبان سے السام علیک کہتے جو ایک بددعا ہے جس کے معنیٰ ہوئے۔ (نعوذ باللہ) تمہیں موت آئے۔ گویا اللہ نے جو سلامتی کی دعا آپ کو دی تھی یہ اس کے خلاف بددعا دیتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو اس کہنے سے ہم پر فوراً عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب دیا گیا حسبھم جھنم یعنی جلدی نہ کرو ایسا کافی عذاب جہنم کا آئے گا کہ جس کے سامنے دوسرے عذاب کی ضرورت نہ رہے گی۔ احادیث میں یہود کے متعلق آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی یہودی السام علیکم کہتا تو آپ صرف وعلیک فرما دیتے اور اس طرح السام علیکم کی بددعا انہی پر الٹ کر پڑتی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ سچے مسلمانوں کو منافقین کی خو سے بچنا چاہیئے اور ان کو بھی ان منافقین کی سی حرکت نہ کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کے مشورہ اور سرگوشیاں۔ ظلم وعدوان۔ اور اللہ ورسول کی نافرمانی کے لئے نہیں بلکہ نیکی وتقویٰ۔ اور معقول باتوں کی اشاعت کے لئے ہونی چاہئیں۔ تو اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم کبھی ان منافقین کی سی حرکتیں نہ کرنا۔ جب کبھی خفیہ باتیں کرو تو وہ گناہ۔ بے ادبی اور نافرمانی کی نہیں بلکہ نیکی۔ بھلائی۔ تقویٰ اور احسان کی باتیں ہونی چاہئیں اور دیکھو ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ تم سب کو ایک دن اللہ کے دربار میں جمع ہونا ہے ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے اس سے کسی کا ظاہر وباطن پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا اس سے ڈر کر نیکی اور پرہیزگاری کی بات چیت کرو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کانا پھوسی اور سرگوشی شیطانی حرکت ہے اور یہ کانا پھوسی منافقین کی اس غرض سے تھی کہ مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں کہ نہ معلوم ہماری نسبت یہ لوگ کیا منصوبے سوچ رہے ہوں گے۔ یہ کام شیطان ان سے کرا رہا تھا مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا ہے؟ نفع نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو کتنے ہی مشورہ کر لیں اور منصوبے گانٹھ لیں تمہارا بال بیکا نہ ہوگا لہٰذا تم کو غمگین و دلگیر ہونے کی بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ تو یہاں آیت میں سرگوشی یعنی کانا پھوسی کو شیطانی حرکت بتلایا گیا ہے اسی لئے حدیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں کانا پھوسی کرنے لگیں کیونکہ اس سے وہ تیسرا شخص غمگین ہوگا اور فکرمند ہوگا کہ یہ شاید میرے ہی متعلق میری کسی حرکت پر کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ تو اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

اب آگے اہل ایمان کو مجلسی تہذیب کے کچھ آداب بتلائے گئے ہیں اور بعض معاشرتی عیوب کے دور کرنے کی ہدایات دی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ

اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں۔جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ کو کھلی جگہ دے گا،

لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اور جب یہ کہا جاوے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کردے گا،اور اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

يَاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا مومنو!	اِذَا قِيْلَ جب کہا جائے	لَكُمْ تمہیں	تَفَسَّحُوْا تم کھل کر بیٹھو	فِي الْمَجٰلِسِ مجلسوں میں
فَافْسَحُوْا تو تم کھل کر بیٹھ جایا کرو	يَفْسَحِ اللّٰهُ کشادگی بخشے گا اللہ	لَكُمْ تمہیں	وَ اور	اِذَا قِيْلَ جب کہا جائے	انْشُزُوْا تم اٹھ کھڑے ہو
فَانْشُزُوْا تو اٹھ جایا کرو تم	يَرْفَعِ اللّٰهُ بلند کردے گا اللہ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالَّذِيْنَ اور جن لوگوں کو	
اُوْتُوا الْعِلْمَ علم عطا کیا گیا	دَرَجٰتٍ درجے	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا اس سے جو کچھ	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	خَبِيْرٌ باخبر

تفسیر وتشریح: ان آیات کا نزول بھی ایک واقعہ سے متعلق ہے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے چھپر کے نیچے تشریف رکھتے تھے۔مجلس میں مجمع زیادہ تھا اور جگہ تنگ تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصارؓ بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے آپ ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے۔اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہ ذرا دیر سے مجلس میں آئے اور بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ ملی۔وہ حضرات اس امید پر کھڑے رہے کہ ذرا مجلس میں کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن اہل مجلس میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا جوان بدری صحابہ کے لئے جگہ ہو جاتی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو نام لے لے کر بعض اہل مجلس کو اٹھنے کے لئے فرمادیا اور ان کی جگہ بدری صحابیوں کو بیٹھنے کے لئے فرمایا۔جو اہل مجلس کھڑے کرائے گئے تھے ان کو کچھ گراں گزرا اور منافقین کے ہاتھ ایک شغلہ لگ گیا۔لگے طعن کرنے کہ یہ کون سی انصاف کی بات ہے کہ جو لوگ شوق سے پہلے آئے۔اپنے نبی کے قریب جگہ لی۔اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔انہیں تو اپنی جگہ سے کھڑا کر دیا گیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوادی۔یہ کیا عدل وانصاف ہے ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تا کہ کھڑے ہونے والوں کے دل میلے نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے بھائی کے لئے مجلس میں جگہ کھول دے۔اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتے ہی صحابہ نے فوراً خود بخود اپنی جگہ سے ہٹنا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دیا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اہل ایمان کو کچھ مجلس کے آداب تعلیم فرمائے گئے۔بعض مفسرین نے اس آیت کے حکم کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس تک محدود سمجھا ہے لیکن بعض مفسرین نے اس حکم کو عام فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں کی مجالس کے لئے یہ ایک عام ہدایت ہے کہ اگر کسی مجلس میں پہلے سے لوگ بیٹھے ہوں اور بعد میں مزید کچھ لوگ آئیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو چاہئے کہ وہ خود نئے آنے والوں کو جگہ دیں اور حتی الامکان کچھ سکڑ اور سمٹ کر ان

کے لئے کشادگی پیدا کریں۔ یہ حکم تو آیت میں پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیا گیا اور بعد میں آنے والوں کو رسول اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہ ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کے لئے جگہ کشادہ کر دو۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس جائے۔ اس میں ہدایت آنے والوں کے لئے ہے کہ وہ زبردستی مجلس کے اندر نہ گھسیں اور کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کریں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہئے۔ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھلاتا بلکہ انتہائی نظم اور شائستگی سکھلاتا ہے اور جب عام مجالس میں یہ حکم ہے تو میدان جہاد اور صفوف نماز اور صفوف جنگ میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی صفوں کی درستی کے وقت ہمارے مونڈھے خود پکڑ پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرتے اور زبانی بھی فرماتے جاتے۔ سیدھے رہو اور ٹیڑھے ترچھے نہ کھڑے ہوا کرو۔ دانائی اور عقلمندی والے مجھ سے بالکل قریب رہیں پھر درجہ بہ درجہ۔

الغرض آیت میں ایک ہدایت تو ایمان والوں کو مخاطب کر کے یہ دی گئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اولی الامر یا واجب الاطاعت لوگوں میں سے کوئی کہے کہ مجلس میں جگہ کھول دو جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جائے تو تم جگہ کھول دیا کرو اور آنے والے کو جگہ دے دیا کرو۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ جب کسی ضرورت سے یہ کہا جاوے کہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ آگے بتلایا گیا کہ سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب و تہذیب سکھلاتا اور متواضع بناتا ہے اہل علم و اہل ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کے درجہ اور زیادہ بلند کرتا ہے یہ متکبر یا جاہل گنوار کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر لڑے کہ مجھے یہاں سے کیوں اٹھا دیا اور وہاں کیوں بٹھا دیا۔ یا مجلس سے اٹھ جانے کو کیوں کہا؟ اس میں منافقین کے طرز عمل اور ان کے طعن کا جواب بھی ہو گیا۔

آگے ایمان والوں کو خطاب کر کے بعض دوسرے احکام دیئے جا رہے ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پورا پورا متبع اور فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں۔ اور آپ کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی دل و جان سے اطاعت کرنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ یا اللہ دین کی صحیح فہم اور دین کا علم ہم کو عطا فرما اور منافقانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرما۔ اور جو منافقین اور اعدائے دین اس وقت بھی اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یا اللہ انکی شرارتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ یا اللہ شریعت اسلامیہ نے جو ہر معاملہ مین ہم کو نظم اور انتظام کی تعلیم دی ہے اس سے ہم اب بے بہرہ ہوتے جا رہے ہیں اسی وجہ سے ہمارے معاملات میں بدنظمی اور ابتری نے جگہ لے لی ہے یا اللہ ہماری دین دنیا کی صلاح و فلاح کیلئے جو تعلیمات و آداب زندگی شریعت مطہرہ نے تعلیم فرمائے ہیں ہمیں ان کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما اور پھر ان پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرما۔ یا اللہ یہود و نصاریٰ کے اور مغربیت کے جو اطوار ہم میں گھستے آرہے ہیں ان سے ہمیں کراہت اور نفرت عطا فرما۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو

صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے، پھر اگر تم کو مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ

کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو جب تم نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی

عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرواور اللہ اور رسول کا کہنا مانا کرو، اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬

پوری خبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا مومنو!	اِذَا جب	نَاجَيْتُمُ تم کان میں بات کرو	الرَّسُوْلَ رسول	فَقَدِّمُوْا تو تم دے دو	بَيْنَ يَدَيْ پہلے	
نَجْوٰىكُمْ اپنی سرگوشی	صَدَقَةً کچھ صدقہ	ذٰلِكَ یہ	خَيْرٌ لَّكُمْ بہتر تمہارے لئے	وَاَطْهَرُ اور زیادہ پاکیزہ	فَاِنْ پھر اگر		
لَّمْ تَجِدُوْا تم نہ پاؤ	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِيْمٌ رحم کرنے والا	ءَاَشْفَقْتُمْ کیا تم ڈر گئے	اَنْ تُقَدِّمُوْا کہ تم دے دو		
بَيْنَ يَدَيْ پہلے	نَجْوٰىكُمْ اپنی سرگوشی	صَدَقٰتٍ صدقات	فَاِذْ سو جب	لَمْ تَفْعَلُوْا تم نہ کر سکے	وَتَابَ اور درگزر فرمایا	اللّٰهُ اللہ	
عَلَيْكُمْ تم پر	فَاَقِيْمُوا تو قائم کرو تم	الصَّلٰوةَ نماز	وَ اور	اٰتُوا الزَّكٰوةَ ادا کرو زکوٰۃ	وَاَطِيْعُوا اور تم اطاعت کرو	اللّٰهَ اللہ	
وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسول	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو تم کرتے ہو				

تفسیر وتشریح: منافقین مدینہ جوعموماً یہودی تھے مسلمانوں اور اسلام کا بڑھتا ہوا زور اور شوکت دیکھ کر بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل سے انہوں نے اسلام کو قبول نہ کیا تھا اس لئے در پردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہل ایمان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ انہی منافقین کی شرارتوں کے واقعات گزشتہ سے بیان ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ منجملہ ان کی ایذارسانیوں کے ایک امر یہ بھی تھا کہ منافقین وقت بے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے لئے آ جایا کرتے تھے۔ منافقین بے فائدہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں۔ دیکھا دیکھی بعض مسلمانوں میں سے غیر مہم باتوں میں سرگوشی کر کے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا۔ یا کسی وقت آپ خلوت چاہتے تو اس میں بھی تنگی ہوتی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مروت اور اپنے اخلاق کریمانہ کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے اگرچہ آپ کو تکلیف ہی ہوتی۔ اللہ رب العزت نے اس کی بندش یوں فرمائی کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ یا راز کی باتیں کرنے آئیں۔ وہ فقرا اور مساکین کے لئے صدقہ بھی

کچھ لائیں۔ چنانچہ ان آیات میں حکم ہوا کہ جو صاحب مقدرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے۔ تو اس صدقہ کے حکم میں کئی مصلحتیں اور فائدے تھے۔ اوّل تو یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے۔ دوسرے یہ کہ مخلصین اور غیر مخلصین کا امتحان ہو جائے۔ تیسرے غربا اور فقرا کو فائدہ پہنچانا چوتھے صدقہ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ اور پانچویں سب سے بڑھ کر مصلحت سرگوشیوں کا انسداد تھا۔ ہاں جس کے پاس خیرات وصدقہ کرنے کو کچھ بھی نہ ہو اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا تو منافقین نے مارے بخل و کنجوسی کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اسی لئے یہ قید صدقہ کرنے کی لگائی گئی ہے چنانچہ اس لطیف تدبیر کے ساتھ سرگوشی بہت کم ہو گئی۔ روایات میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کتنا صدقہ مقرر کیا جائے؟ کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ کی مقدرت سے زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا نصف دینار؟ میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔ فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا ایک جو برابر سونا۔ آپؐ نے فرمایا تم تو بڑے ہی زاہد ہو یعنی تم نے اتنی کم مقدار کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی۔ اس صدقہ کے حکم کے بعد دوسرا حکم بعد میں نازل ہو گیا جس نے صدقہ کے وجوب کو منسوخ کر دیا چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا حاصل ہو گیا اب یہ وقتی حکم اٹھا لیا گیا اور اس کا وجوب منسوخ ہو گیا لیکن اب چاہئے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں مثلاً مقررہ نمازیں با قاعدہ ادا کرتے رہو۔ زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری پر کمر باندھ لو اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے کاموں کی خبر ہے۔

اب یہاں اہل ایمان کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ایک فاقیموا الصلٰوۃ. دوسرے واٰتوا الزکوٰۃ اور تیسرے واطیعو اللہ ورسولہ. یعنی نماز کے قائم کرنے کا۔ زکوٰۃ کے ادا کرنے کا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا۔ اب یہ تینوں چیزیں جس میں تمام ایمان و اسلام کا خلاصہ آ گیا عمل سے تعلق رکھتی ہیں اور عمل کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے اگر عمل کا صحیح علم نہ ہوگا تو وہ عمل خاطر خواہ طریقہ پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر نماز کے متعلق صحیح علم نہ ہوگا کہ کیا اس کے فرائض ہیں۔ کیا واجبات ہیں۔ کیا سنن و مستحبات ہیں۔ کیا ظاہری آداب اور کیا باطنی آداب ہیں تو وہ خاطر خواہ نماز کیسے ادا کر سکتا ہے۔ الغرض ہر عمل سے پہلے اس کے متعلق ضروری علم حاصل ہونا لازمی ہے۔ اب یہاں جانی عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز کا ذکر فرمایا گیا۔ اور مالی عبادات میں نہایت اہم زکوٰۃ ادا کرنے کو فرمایا گیا اور دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں ہر وقت اور ہر آن کے عمل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اب ۲۴ گھنٹہ دن رات میں اللہ رسول کی اطاعت جب ہی ہو سکے گی جبکہ ہر عمل کے وقت اللہ اور رسول کے حکم کا علم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ مسلمان بننے اور مومن ہونے کے لئے ضروری دین کا علم پہلے ہونا چاہئے اور اس کے بعد عمل۔ یہ تو قرآنی حکم ہے اللہ جل شانہ کا اب اس حکم کی تکمیل کے لئے ہم اپنی حالت پر غور کریں اور اپنے علم و عمل کو ان تینوں امور کے متعلق ذرا جانچ لیں۔ یعنی اقیموا الصلٰوۃ اور اٰتوا الزکوٰۃ کے متعلق اور ۲۴ گھنٹہ کی زندگی میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے متعلق اور اس ۲۴ گھنٹہ کی زندگی میں آپ کے تمام امور زندگی آ گئے۔ خواہ تجارت ہو۔ خواہ صنعت و حرفت ہو۔ خواہ لین دین ہو۔ خواہ کھانا پینا ہو۔ خواہ سونا جاگنا۔ آرام کرنا ہو۔ خواہ تفریح ہو۔ بہر حال اگر آپ کو یآ یھا الذین اٰمنوا کے لقب سے پکارا جانا منظور ہے تو ۲۴ گھنٹہ کی دن رات کی زندگی کے ہر آن اور ہر ساعت میں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا ہوگی ورنہ اس کے خلاف کرنے پر پھر یآ یھا الذین اٰمنوا کے خلاف اور کوئی لقب اپنے لئے تجویز کرنا ہوگا۔ اب فیصلہ ہر ایک کو کرنا ہے کہ وہ اپنے لئے کیا لقب پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو یآ یھا الذین اٰمنوا ہی کے لقب کو پسند کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے اور عمل سے پہلے ضروری علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب اس کے بعد منافقین کو جو سچے دل سے اسلام نہیں لائے تھے اور در پردہ مخالفین اسلام یعنی یہود سے ملے ہوئے تھے ان کو وعید سنائی جاتی ہے اور اس منافقت کا انجام بتلایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے، یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں اور نہ ان ہی میں ہیں،

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۭ إِنَّهُمْ سَاءَ

اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بے شک وہ بُرے بُرے

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ

کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں سو ان کیلئے

عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٦﴾ لَّن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۭ أُولَٰئِكَ

ذلت کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے اموال اور اولاد اللہ سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے، یہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا

دوزخی ہیں وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اس کے روبرو بھی قسمیں کھا جاویں گے جس طرح

يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۭ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ

تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں اور یوں خیال کریں گے، کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں خوب سُن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے

عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۭ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۭ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ

پورا تسلط کرلیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہے، خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ

هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾

ضرور برباد ہونے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	اِلَى طرف۔کو	الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا جو لوگ دوستی کرتے ہیں	قَوْمًا ان لوگوں سے	غَضِبَ اللّٰهُ اللہ نے غضب کیا			
عَلَيْهِمْ ان پر	مَا هُمْ نہ وہ	مِّنْكُمْ تم میں سے	وَلَا اور نہ	مِنْهُمْ ان میں سے	وَيَحْلِفُوْنَ اور وہ قسم کھا جاتے ہیں	عَلَى الْكَذِبِ جھوٹ پر	
وَهُمْ حالانکہ وہ	يَعْلَمُوْنَ جانتے ہیں	اَعَدَّ اللّٰهُ تیار کیا اللہ نے	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابًا عذاب	شَدِيْدًا سخت	اِنَّهُمْ بیشک وہ	سَآءَ برا
مَا جو کچھ	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے	اِتَّخَذُوْا انہوں نے بنالیا	اَيْمَانَهُمْ اپنی قسمیں	جُنَّةً ڈھال	فَصَدُّوْا پس انہوں نے روک دیا		
عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	فَلَهُمْ تو ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	مُّهِيْنٌ ذلت کا	لَنْ تُغْنِيَ ہرگز نہ بچا سکیں گے	عَنْهُمْ ان سے۔کو	
اَمْوَالُهُمْ انکے مال	وَلَا اور نہ	اَوْلَادُهُمْ ان کی اولاد	مِّنَ اللّٰهِ اللہ سے	شَيْئًا کچھ۔ذرا	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے۔جہنمی	
هُمْ وہ	فِيْهَا اس میں	خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہینگے	يَوْمَ جس دن	يَبْعَثُهُمُ انہیں اٹھائے گا	اللّٰهُ اللہ	جَمِيْعًا سب	فَيَحْلِفُوْنَ تو وہ قسمیں کھائیں گے

14

لَہٗ اس کیلئے	کَمَا جیسے	یَحْلِفُوْنَ وہ قسمیں کھاتے ہیں	لَکُمْ تمہارے لئے۔ سامنے	وَیَحْسَبُوْنَ اور وہ گمان کرتے ہیں	اَنَّھُمْ کہ وہ		
عَلٰی شَیْءٍ کسی شے پر	اَلَآ یادرکھو	اِنَّھُمْ بیشک وہ	ھُمُ وہی	الْکٰذِبُوْنَ جھوٹے	اِسْتَحْوَذَ غالب آگیا	عَلَیْھِمُ ان پر	الشَّیْطٰنُ شیطان
فَاَنْسٰھُمْ تو اس نے انہیں بھلا دی	ذِکْرَ اللّٰہِ اللہ کی یاد	اُولٰٓئِکَ یہی لوگ	حِزْبُ الشَّیْطٰنِ شیطان کا گروہ	اَلَآ یادرکھو	اِنَّ بیشک		
حِزْبَ الشَّیْطٰنِ شیطان کا گروہ	ھُمُ وہی	الْخٰسِرُوْنَ گھاٹا پانے والے					

تفسیر وتشریح: گذشتہ ایک رکوع میں برابر منافقین سے متعلق بعض واقعات بتائے گئے کہ یہ کس طرح باہم مسلمانوں کیخلاف سرگوشیاں کیا کرتے تھے۔ آگے منافقین کا انجام جو آخرت میں منافقت کی وجہ سے ہوگا وہ سنایا جاتا ہے اوران کو شیطان کا گروہ قرار دیا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منافقین نے ایسے لوگوں سے دوستی اور میل جول کر رکھا ہے جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل کیا ہے مراد اس سے مدینے کے یہودی ہیں۔ منافقین چونکہ پہلے یہودی تھے اس لئے ان کی دوستی بھی یہود سے تھی کیونکہ یہ دل سے تو ایمان لائے نہ تھے محض ظاہر میں پالیسی کے ماتحت مسلمان بن گئے تھے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافق نہ پوری طرح مسلمانوں میں شامل ہیں کیونکہ دل سے کافر ہیں اور نہ پوری طرح یہود میں شامل ہیں کیونکہ بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یعنی مخلصانہ اور سچا تعلق ان منافقین کا نہ اہل ایمان سے ہے اور نہ یہود سے انہوں نے دونوں طرف رشتہ محض اپنی اغراض کے لئے جوڑ رکھا ہے۔ آگے ان منافقین کے متعلق مزید بتلایا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے آگے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ سچے ایماندار ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا اور ہادی مانتے ہیں اور اسلام اور اہل اسلام کے ہم وفادار ہیں اور پھر ستم یہ کہ بے خبری اور غفلت سے ایسی قسمیں نہیں کھاتے بلکہ جان بوجھ کر دیدہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں آگے ان کو وعید سنائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ سورہ نسآء پانچویں پارہ میں ارشاد ہوا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یقیناً منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ لکھا ہے کہ جہنم کے سات طبقہ ہیں اول طبقہ گناہ گار مسلمانوں اوران کفار کے لئے جو باوجود شرک پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے مخصوص ہے۔ دیگر طبقات مشرکین۔ آتش پرست' دھریئے' یہود۔ نصاریٰ اور منافقین کے لئے مقرر ہیں۔ الغرض مناقوں کے لئے جہنم کا سب سے نیچا طبقہ مقرر ہے جس میں سب طبقوں سے زیادہ شدید عذاب ہوگا۔ یہ ہے سزا نفاق کی کیونکہ نفاق سے بدتر کام کونسا ہوگا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنے جان ومال کو بچاتے ہیں اوراپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرایہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پا سکتے بلکہ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہوکر رہیں گے اور جب سزا کا وقت آئے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچا سکے گا نہ مال کام آئے گا نہ اولاد جن کی حفاظت کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔ آگے ان کے نفاق کی سزا کو صراحت وتعین کے ساتھ فرمادیا کہ یہ لوگ جہنمی ہیں اور جہنم میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کو رہنے والے کہ کبھی بھی وہاں سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ اور پھر ان منافقین کی یہاں دنیا میں پڑی ہوئی جھوٹی قسمیں کھانے کی عادت آخرت میں بھی نہ جائے گی۔ جس طرح آج مسلمانوں کے سامنے جھوٹ بول کر بچ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں

اور بڑی اچھی چال چل رہے ہیں اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے کو تیار ہو جاویں گے کہ پروردگار ہم تو ایسے نہ تھے تو خوب سن لو کہ یہ منافقین بڑے ہی جھوٹے ہیں کہ جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے نہ چوکیں گے اور یہ جتنی حرکات منافقین کی اوپر مذکور ہوئیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان پر شیطان نے پورا تسلط کرلیا ہے اور شیطان جس پر پوری طرح قابو کرلے اس کا دل دماغ اسی طرح مسخ ہو جاتا ہے اور اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی ہے۔ واقعی یہ لوگ یعنی منافقین شیطان کا گروہ ہے اور یہ سمجھ لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ آخرت میں عذاب شدید سے نجات پانے کی کوئی سبیل ہے۔

یہاں ان آیات میں منافقین کی جن کو شیطانی گروہ قرار دیا گیا چند مخصوص خصلتیں اور عادتیں ظاہر فرمائی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ منافقین کی دوستی اللہ کے دشمنوں اور مغضوب بندوں اور بیدینوں سے بھی رہتی ہے۔

دوسرے یہ کہ منافقین قسمیں بہت کھاتے ہیں حتیٰ کہ جھوٹ بات پر بھی قسمیں کھالیتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ وہ حقیقی دین سے اور خدائی احکام سے دوسروں کو روکتے اور بہکاتے رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتلا دیا کہ یہ لوگ خواہ کتنی ہی قسمیں کھا کھا کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلائیں لیکن درحقیقت یہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں اور انجام کار تباہ و برباد ہو کر رہیں گے۔

اب آگے سورۃ کے خاتمہ پر ان منافقین کے مقابلہ میں سچے اہل ایمان کی صفات اور شناخت بتائی گئی اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل باطل کی دوستی سے بچائیں اور بے دینوں کی رفاقت سے علیحدہ رکھیں اور ہم کو اہل اسلام اور اہل ایمان سے سچی دوستی و محبت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں شیطانی گروہ سے علحدہ رکھئے۔ اور ان میں شامل ہونے سے بچایئے۔

یا اللہ نفاق کی خصلتوں اور عادتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے اور منافق قسم کے لوگوں کی شرارتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں

وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں

يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ

آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گویا وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ

یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ

کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے،

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سُن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ جو لوگ	يُحَادُّونَ اللَّهَ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی	وَرَسُولَهُ اور اسکے رسول	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	فِي میں	الْأَذَلِّينَ ذلیل لوگ
كَتَبَ اللَّهُ لکھ دیا (فیصلہ کردیا) اللہ	لَأَغْلِبَنَّ میں ضرور غالب آؤں	أَنَا میں	وَرُسُلِي اور میرے رسول	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	قَوِيٌّ قوی	
عَزِيزٌ غالب	لَا تَجِدُ تم نہ پاؤ گے	قَوْمًا وہ قوم (لوگ)	يُؤْمِنُونَ وہ ایمان رکھتے ہیں	بِاللَّهِ اللہ پر	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اور آخرت کا دن	
يُوَادُّونَ وہ دوستی رکھتے ہوں	مَنْ جو۔جس	حَادَّ اللَّهَ مخالفت کی اللہ کی	وَرَسُولَهُ اور اس کے رسول کی	وَلَوْ خواہ	كَانُوا وہ ہوں	
آبَاءَهُمْ انکے باپ دادا	أَوْ یا	أَبْنَاءَهُمْ انکے بیٹے	أَوْ یا	إِخْوَانَهُمْ ان کے بھائی	أَوْ یا	عَشِيرَتَهُمْ ان کا کنبہ	أُولَٰئِكَ یہی لوگ
كَتَبَ لکھ دیا (ثبت کردیا)	فِي قُلُوبِهِمُ ان کے دلوں میں	الْإِيمَانَ ایمان	وَأَيَّدَهُمْ اور ان کی مدد کی	بِرُوحٍ رُوح (غیبی فیض) سے		
مِنْهُ اپنے سے	وَيُدْخِلُهُمْ اور وہ داخل کریگا انہیں	جَنَّاتٍ باغات	تَجْرِي بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْأَنْهَارُ نہریں	
خَالِدِينَ ہمیشہ رہیں گے	فِيهَا ان میں	رَضِيَ راضی ہوا	اللَّهُ اللہ	عَنْهُمْ ان سے	وَرَضُوا اور وہ راضی	عَنْهُ اُس سے	أُولَٰئِكَ یہی لوگ
حِزْبُ اللَّهِ اللہ کا گروہ	أَلَا إِنَّ خوب یاد رکھو بیشک	حِزْبَ اللَّهِ اللہ کا گروہ	هُمُ وہی	الْمُفْلِحُونَ کامیاب ہونیوالے		

تفسیر وتشریح: یہ سورہ مجادلہ کی آخری آیات ہیں۔ اوپر منافقین جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے مگر دل سے کافر تھے۔ ان کے متعلق بتلا دیا گیا تھا آگے سچے اہل ایمان کی شناخت بتلائی جاتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لائے اور انہوں نے قیامت و

آخرت پر یقین کر لیا ناممکن ہے کہ وہ دشمنان خدا سے دلی محبت رکھیں اگر چہ رشتہ ناطہ میں وہ ان کے باپ بیٹے بھائی اور کنبہ برادری ہی والے کیوں نہ ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے پختہ ایمان جما دیا ہے اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا ہے اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دے کر قوی بنا دیا ہے اور ان کو جنت کے ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جہاں سے کبھی نہ نکالے جائیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور یہ خدا سے خوش ہوں گے۔ ایسے پکے اور سچے ایمان والے لوگ اللہ کے گروہ میں شامل ہوں گے اور یہی کامیاب گروہ ہے۔

ان آیات کے صحیح مصداق اور ان مذکورہ صفات کے حامل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے ان کی شان یہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں انہوں نے کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی روایات میں آتا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کفار قیدیوں کی نسبت صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تا کہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہو جائیں اور مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے آلات حرب جمع کر لیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل اسلام کی طرف پھیر دے اور پھر یہ ہمارے مددگار اور معین ثابت ہوں لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی رائے اس کے خلاف پیش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالہ کر دیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ وہ اسے قتل کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی کوئی محبت نہیں۔ مجھے میرا فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے۔ اور حضرت علی کے حوالہ عقیل کو کر دیجئے اور فلاں صحابی کو فلاں کا فرد دیجئے۔ مگر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پسند فرمائی۔ اسی جنگ بدر میں حضرت مصعب بن عمیر کے حقیقی بھائی ابوعزیز بن عمیر کو ایک انصاری پکڑ کر باندھ رہے تھے۔ حضرت مصعب نے جو دیکھا تو پکار کر کہا کہ ذرا مضبوط باندھنا۔ اس کی ماں بڑی مالدار ہے اس کی رہائی کے لئے وہ تمہیں بہت سا فدیہ دے گی۔ ابوعزیز قیدی نے کہا کہ تم بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو؟ حضرت مصعب نے جواب دیا۔ اس وقت تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں گرفتار کئے ہوئے ہے۔ جنگ احد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث نے اپنے اپنے اقارب عتبہ۔ شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہؓ نے جو مخلص مسلمان تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں۔ آپ نے منع فرمایا دیا الغرض صحابہ کرام نے ہر موقع پر اپنے مشرک اقربا سے دل کھول کر جنگ کی اور ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاۃ طیبہ میں بھی اور بعد میں بھی دین پر ایسے ہی ثابت قدم رہے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا گیا۔ یہ جملہ صفات اور خوبیاں جو ان آیات میں بیان فرمائی گئیں حضرات صحابہ کو نصیب ہوئیں۔ یہاں آیت میں رضی اللہ عنہم جو فرمایا تو اسی لئے صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے اور لکھنے کا دستور اہل سنت والجماعت میں قدیم سے ہو گیا۔ جواب بھی جاری ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

سورۃ المجادلۃ کے خواص

۱- مریض اگر بے چین ہو تو اس کے پاس سورۃ المجادلہ پڑھنے سے اسے تسکین ملے گی اور سو جائے گا اگر تکلیف و درد ہے تو جاتا رہے گا۔

۲...... جو آدمی دن رات کو سورۃ المجادلہ پڑھے تو وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ (الدرر النظیم)

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا

ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کرکے نکال دیا، تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا

اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے سو ان پر خدا ایسی جگہ سے پہنچا کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا،

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ

اور اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

سو اے دانش مندو! عبرت حاصل کرو۔

سَبَّحَ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کی	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب
الْحَكِيْمُ حکمت والا	هُوَ الَّذِيْ وہی ہے جس نے	اَخْرَجَ نکالا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافر)	مِنْ سے۔کے			
اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	مِنْ سے	دِيَارِهِمْ انکے گھروں	لِاَوَّلِ الْحَشْرِ پہلے اجتماع (لشکر) پر	مَا ظَنَنْتُمْ تمہیں گمان نہ تھا			
اَنْ يَّخْرُجُوْا کہ وہ نکلیں گے	وَظَنُّوْا اور وہ خیال کرتے تھے	اَنَّهُمْ کہ وہ	مَانِعَتُهُمْ انہیں بچالیں	حُصُوْنُهُمْ ان کے قلعے	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے		
فَاَتٰهُمُ تو ان پر آیا	اللّٰهُ اللہ	مِنْ حَيْثُ جہاں سے	لَمْ يَحْتَسِبُوْا انہیں گمان نہ تھا	وَقَذَفَ اور اس نے ڈالا	فِيْ قُلُوْبِهِمُ انکے دلوں میں		
الرُّعْبَ رعب	يُخْرِبُوْنَ وہ برباد کرنے لگے	بُيُوْتَهُمْ اپنے گھر	بِاَيْدِيْهِمْ اپنے ہاتھوں سے	وَاَيْدِي اور ہاتھوں	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں		
فَاعْتَبِرُوْا تو تم عبرت پکڑو	يٰاُولِي الْاَبْصَارِ اے آنکھوں والو						

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی دوسری آیت میں حشر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ حشر کے لفظی معنی ہیں لوگوں کو اکٹھا کرنا۔ ان کو گھیرنا۔ اس میں یہود کے اکٹھا کرنے اور ان کو گھیرنے اور گھروں سے نکالنے کا ذکر ہے۔ اس لئے اس سورۃ کا علامتی نام سورہ حشر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس سورۃ کا نام سورہ بنی نضیر کہا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ پوری سورۃ غزوہ بنی نضیر ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

بنی نضیر جو یہود کا ایک بڑا قبیلہ تھا اور جو مدینہ سے مشرق کی طرف قریب دو میل کے فاصلہ پر آباد تھا اور بڑی بڑی جائدادوں۔ باغات اور سرسبز زمینوں اور مضبوط قلعوں کا مالک تھا۔ ہجرت کے چوتھے سال ان پر مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت حملہ کیا جو غزوہ بنی نضیر کے نام سے مشہور ہے۔ اس لئے اس سورۃ کے مضامین کو سمجھنے کے لئے غزوہ بنی نضیر کے متعلق معلوم ہونا ضروری ہے جس کا مختصراً حال اس طرح ہے کہ مدینہ سے مشرقی جانب پر ایک قبیلہ یہود آباد تھا جس کو "بنی نضیر" کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے اور اپنے مضبوط قلعوں پر ان کو بڑا ناز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو شروع میں یہود سے معاہدہ صلح ہو گیا۔ منجملہ ان کے یہ قبیلہ بنی نضیر بھی تھا اور ان سے بھی صلح کا معاہدہ تھا۔ معاہدہ کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ قبیلہ بنی نضیر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگا حتیٰ کہ ان کے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر خانہ کعبہ کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ اور بنی نضیر کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ شروع ہونے لگا۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ ایک خونبہا کے سلسلہ میں ان کی بستی میں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ بنونضیر نے بظاہر خندہ پیشانی سے ملاقات کی اور خونبہا میں شرکت کا وعدہ کیا لیکن اندرونی طور پر خفیہ یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا دے تاکہ آپ کا کام تمام ہو جائے چنانچہ کچھ دیر نہ گزری کہ جبرئیل امین وحی لے کر نازل ہوئے اور آپ کو ان کے مشورہ سے مطلع کر دیا۔ آپ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے اور بنو نضیر کو کہلا بھیجا کہ تم نے نقض عہد کیا ہے۔ دس روز کی تم کو مہلت ہے اس مدت کے اندر اندر جہاں چاہو چلے جاؤ ورنہ جو شخص اس مدت کے بعد نظر آئے گا اس کی گردن ماری جاوے گی۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے ان سے کہلا بھیجا کہ تم اپنی بستی سے کہیں مت جاؤ۔ میرے ساتھ دو ہزار آدمیوں کی جمعیت ہے وہ اپنی جان دے دیں گے اور تم پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ کچھ اور بھی اعدائے اسلام نے بنونضیر کی مدد کا وعدہ کیا چنانچہ وہ لوگ ان کے کہنے میں آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جاتے۔ جو آپ سے ہو سکے کر لیجئے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کیا اور بنونضیر کی متعدد غداریوں اور عیاریوں کی وجہ سے آپ نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ آپ صحابہ کے ساتھ چلے۔ وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ رہے آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے باغات کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا وہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے۔ عام لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ انہوں نے آخر گھبرا کر صلح کی التجا کی اور امن کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے فرمایا دس دن کی مہلت ہے۔ مدینہ خالی کر دو۔ اہل و عیال بچوں اور عورتوں کو جہاں چاہو لے جاؤ اور جتنا اسباب و سامان اونٹ اور سواریوں پر ساتھ لیجا سکو لے جاؤ سوائے ہتھیاروں کے۔ غرض کہ بنی نضیر کے یہود کچھ شام کچھ خیبر کو نکل گئے اور مال کی حرص و طمع میں مکانوں کے دروازے اور چوکھٹ تک اکھاڑ کر لے گئے اس غزوہ میں بنی نضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے ان کے مال و اسباب سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اپنی املاک پر قابض رہے۔ باقی مکان۔ زمین باغات وغیرہ پر مسلمان قابض ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال اسباب جائیداد زمین وغیرہ کو مہاجرین پر تقسیم فرمایا تاکہ انصار مدینہ سے ان کا بوجھ ہلکا ہو اگرچہ انصار اپنے اخلاص اور ایثار کی بنا پر مہاجرین کو بار نہیں بلکہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی بہار سمجھتے تھے۔

یہ قصہ بدر کے بعد ربیع الاول ۴ھ میں ہوا پھر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں ان جلاوطن یہود کو ملک شام کی طرف نکال دیا۔ یہود کی یہ دونوں جلاوطنی حشر اول اور حشر ثانی کہلاتی ہیں۔ اس

سورۃ میں انہی واقعات کا بیان ہے
سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی پاکی کے ذکر سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی مخلوقات ہیں سب خواہ قالاً خواہ حالاً اپنی اپنی زبان اور اپنے اپنے طریقہ پر اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے چنانچہ اس کے زبردست غلبہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک واقعہ یہ ہے جو پہلے بیان ہو چکا۔
آگے فرمایا کہ اہل بصیرت کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ کفر وظلم وشرارت اور بدعہدی کا انجام کیسا ہوتا ہے اور یہ کہ محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غافل ہو جانا عقلمند کا کام نہیں۔
یہاں آخری جملہ میں حق تعالیٰ حکم دے رہے ہیں۔
فاعتبروا یآ اولی الابصار۔ یعنی کفار اہل کتاب یہود مدینہ کی اس سزا اور جلاوطنی کو خیال کرو اور عبرت حاصل کرو۔
خدارا مسلمان بھی اپنی حالت پر غور کریں۔ اور اپنے ماضی پر نظر ڈال کر اپنے موجودہ حال پر عبرت حاصل کریں۔
الغرض یہاں بتلایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا انجام دنیا میں بھی برا ہوتا ہے اور پھر آخرت کی جو بربادی آنے والی ہے اس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے تو اس کی قدردانی کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور ہم کو اسلام پر سچی استقامت نصیب فرمائیں اور اعدائے دین پر فتح ونصرت عطا فرمائیں روئے زمین پر جہاں جہاں اہل اسلام کا مقابلہ اہل باطل سے ہو رہا ہے۔ یا اللہ دشمنان دین کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دے اور مسلمانوں کی غیب سے امداد کی صورتیں ظاہر فرما دے۔
یا اللہ ہمیں اپنی بدحالی ہی دیکھ کر عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے اور ہم اپنا بھولا ہوا سبق اَطِیْعُوا اللہ اور اَطِیْعُوا الرَّسُول پھر یاد کرلیں۔ اور آپ کے فرمانبردار بندے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار امتی بن جائیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچ جائیں۔
یا اللہ اس امت مسلمہ پر نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اپنے کرم ورحم کی نظر فرما دے اور اپنی ہدایت کے دروازے ان پر کھول دے۔
یا اللہ آپ مقلب القلوب ہیں۔ ہمارے دلوں کو راستی کی طرف مائل کر دے اور پھر صداقت۔ دیانت اور امانت کی راہ پر چلنا نصیب فرما دے۔ آمین
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ
اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا، اور ان کیلئے آخرت میں
عَذَابُ النَّارِ ۞۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ
دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا
سخت سزا دینے والا ہے۔ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم کے موافق ہیں
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۞۵ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ
اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے۔ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا سو تم نے اس پر
عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞۶
ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

وَلَوْ لَا اور اگر نہ	اَنْ یہ کہ	كَتَبَ اللّٰهُ اللہ نے لکھ رکھا ہوتا	عَلَيْهِمُ ان پر	الْجَلَآءَ جلاوطن ہونا	لَعَذَّبَهُمْ تو وہ انہیں عذاب دیتا
فِى الدُّنْيَا دنیا میں	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	فِى الْاٰخِرَةِ آخرت میں	عَذَابُ النَّارِ جہنم کا عذاب	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ
شَآقُّوا انہوں نے مخالفت کی	اللّٰهَ اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اسکا رسول	وَمَنْ اور جو	يُّشَآقِّ اللّٰهَ مخالفت کرے اللہ کی	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ
شَدِيْدُ سخت	الْعِقَابِ سزا دینے والا	مَا قَطَعْتُمْ جو تم نے کاٹ ڈالے	مِّنْ سے	لِّيْنَةٍ درخت کے تنے	اَوْ یا / تَرَكْتُمُوْهَا تم نے اسکو چھوڑ دیا
قَآئِمَةً کھڑا	عَلٰٓى اُصُوْلِهَا اس کی جڑوں پر	فَبِاِذْنِ اللّٰهِ تو اللہ کے حکم سے	وَلِيُخْزِيَ اور تاکہ وہ رسوا کرے	الْفٰسِقِيْنَ نافرمانوں	وَمَا اور جو
اَفَآءَ اللّٰهُ دلوایا اللہ نے	عَلٰى رَسُوْلِهٖ اپنے رسول کو	مِنْهُمْ ان سے	فَمَآ تو نہ	اَوْجَفْتُمْ تم نے دوڑائے تھے	عَلَيْهِ ان پر / مِنْ خَيْلٍ گھوڑے
وَلَا اور نہ	رِكَابٍ اونٹ	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اور لیکن (بلکہ) اللہ	يُسَلِّطُ مسلط فرماتا ہے	رُسُلَهٗ اپنے رسولوں	عَلٰى پر / مَنْ يَّشَآءُ جس پر وہ چاہتا ہے
وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھتا ہے		

تفسیر و تشریح: انہی بنی نضیر کے یہود کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے جلاوطنی کی سزا لکھی تھی سو انہیں پہنچی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی قتل وغیرہ۔ غرض سزا سے بچ نہیں سکتے تھے۔ یہ خدا کی حکمت ہے کہ قتل کی بجائے محض جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی سزا میں ہے۔ آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی اور یہ جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے اور یہ سزا ان

کو دنیا و آخرت میں اسی لئے ملی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی۔ اور مخالفوں کو ایسی ہی سخت سزا ملتی ہے آگے یہود کے ایک طعن کا جواب ہے کہ جو درختوں کے کاٹنے اور جلانے کے باب میں انہوں نے کیا تھا۔ جب بنونضیر قلعہ بند ہوگئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ان غداروں اور عیاروں کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تا کہ اس کے درد سے قلعوں سے باہر نکلنے اور لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں گے تو یہود نے طعن کرنا شروع کیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں اور کیا یہ درختوں کا کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ اس کا جواب دیا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے دیا تا کہ مسلمانوں کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے۔ چنانچہ جو درخت چھوڑ دیئے گئے ہیں اس میں مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان اس کو برتیں گے اور نفع اٹھائیں گے اور جو کاٹے یا جلائے گئے اس میں مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ وغضب میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں لہٰذا دونوں امر جائز اور حکمت پر مشتمل ہیں۔ آگے مسلمانوں کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان یہود بنی نضیر سے دلوادیا اس میں تم کو کوئی خاص مشقت جنگ کرنے اور سفر کرنے کی نہیں پڑی اس لئے اس میں تمہارا استحقاق تقسیم وتملیک کا نہیں جسطرح کہ مال غنیمت میں ہوتا ہے کہ اس میں چار حصہ لشکر کو تقسیم کئے جاتے ہیں اور پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کیلئے ہوتا ہے اور یہی فرق ہے مال غنیمت کا جو کفار سے جنگ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور فئے کا جو بغیر جنگ کے ہاتھ آتا ہے جیسا کہ یہود بنی نضیر سے مال حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے چونکہ محض رعب سے اپنے رسول کو کفار پر مسلط فرما دیا اور انہیں مغلوب کر دیا اس لئے اے مسلمانو اس مال میں تمہارا کوئی حق نہیں مثل مال غنیمت کے بلکہ اس میں مالکانہ تصرف کرنا رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم کی رائے پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے پس وہ جس طرح چاہے دشمنوں کو مغلوب کرے اور جس طرح چاہے اپنے رسول کو اختیار اور تصرف دے۔

چنانچہ جیسا کہ گذشتہ درس میں بتلایا گیا تھا یہ مال وزمین اور جائیداد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کی رضامندی سے مہاجرین مکہ پر تقسیم فرما دیا۔

اب یوں تو سارا ہی قرآن اور ذخیرہ حدیث شریف اس بات سے پُر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت دین ودنیا دونوں کو تباہ کرنے والی ہے یہاں ان آیات میں یہود مدینہ کو جو جلاوطنی کی دنیا میں سزا دی گئی اور ساتھ ہی آخرت میں عذاب نار کی وعید سنائی گئی۔ تو اس کی وجہ بتلائی گئی۔ **ذلک بانھم شآقو االلّٰہ ورسولہ**۔ یعنی یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے یعنی یہود نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اب کوئی یہ سمجھنے لگے کہ یہ صرف یہود بے بہبود ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ تھا اور دوسرے مخالفت کرتے رہیں تو انہیں کوئی دنیا یا دین میں نقصان نہ پہنچے گا تو اس خام خیالی کو بھی دفع کر دیا گیا۔ اور یہود کی سزا کی وجہ بیان کر کے آگے عام قانون بیان فرما دیا **و من یشآق اللّٰہ فان اللّٰہ شدید العقاب** اور جو شخص بھی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس وقت ملک میں اور قوم میں جو اللہ اور رسول کی مخالفت عام وبا کی طرح پھیلتی جا رہی ہے تو اس کا انجام ملک اور قوم کیلئے دیر یا سویر آخر کیا ہونا ہے؟ اس کا جواب ہر شخص جس میں ادنیٰ عقل و فہم بھی باقی ہے تو خود سوچ لے اور اگر اللہ ورسول کی مخالفت کے وبال میں عقل ہی مسخ ہوگئی اور نیک و بد کی تمیز ہی اٹھ گئی تو یہ تو اور بھی زیادہ خطرناک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنا فضل وکرم فرمائیں۔

الغرض قبیلہ بنی نضیر جلاوطن کئے جانے پر اس کے اموال وزمین وجائیداد وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار اور تصرف کے موافق مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اسی سلسلہ میں دوسرے کافروں سے حاصل ہونے والے مال کے احکام آگے بیان فرمائے جاتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوا دے وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ

اور مسافروں کا، تاکہ وہ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجاوے اور رسول تم کو

اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

سخت سزا دینے والا ہے۔

مَآ اَفَآءَ جو دلوا دے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰى رَسُوْلِهٖ اپنے رسول کو	مِنْ سے	اَهْلِ الْقُرٰى بستیوں والے	فَلِلّٰهِ تو اللہ کیلئے	وَلِلرَّسُوْلِ اور رسول کیلئے	
وَلِذِى الْقُرْبٰى اور قرابت داروں کیلئے	وَالْيَتٰمٰى اور یتیموں	وَالْمَسٰكِيْنِ اور مسکینوں	وَابْنِ السَّبِيْلِ اور مسافروں	كَىْ تاکہ			
لَا يَكُوْنَ نہ رہے	دُوْلَةً (ہاتھوں ہاتھ لینا گردش)	بَيْنَ درمیان	الْاَغْنِيَآءِ مال داروں	مِنْكُمْ تم میں سے۔تمہارے	وَمَآ اور جو		
اٰتٰىكُمُ تمہیں عطا فرمائے	الرَّسُوْلُ رسول	فَخُذُوْهُ تو وہ لے لو	وَمَا اور جس	نَهٰىكُمْ تمہیں منع کرے	عَنْهُ اس سے		
فَانْتَهُوْا تو تم باز رہو	وَاتَّقُوْا اور تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	شَدِيْدُ الْعِقَابِ سخت سزا دینے والا			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل اسلام کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اس غزوہ بنی نضیر میں تم کو کوئی خاص مشقت نہیں پڑی۔ نہ سفر کی نہ جنگ وقتال کی۔ کیونکہ بنی نضیر کی بستی مدینہ سے دو میل پر تھی اور چونکہ یہود بنی نضیر مرعوب ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے بغیر جنگ کئے اور بغیر مقابلہ کے مغلوب ہونا تسلیم کر لیا اور مدینہ سے جلاوطن ہو گئے۔ تو چونکہ اس فتح میں اللہ نے اپنی قدرت سے یہود بنی نضیر کے اموال و املاک و باغات وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوائے اس لئے حکم ہوا تھا کہ اموال بنی نضیر میں مثل مال غنیمت کے تقسیم نہیں ہو گی بلکہ اس پر محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مالکانہ اختیار وتصرف ہو گا۔ دسویں پارہ کی ابتدا سورہ انفال میں مال غنیمت جو کفار سے جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے اس کے احکام بیان ہوئے تھے کہ کل حاصل شدہ مال غنیمت کا 4/5 حصہ تو غازیوں اور مجاہدوں میں تقسیم ہو گا اور 1/5 اللہ کی نذر ہو گا جس کو آج کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہو گا اور بیت المال یعنی مسلمانوں کے خزانہ میں جمع ہو گا جس کے مصارف بھی بتلا دیئے گئے تھے۔ اور جو مال اہل حرب سے بلا قتال حاصل ہوا اس کو شرعی اصطلاح میں فئی کہا جاتا ہے جیسا کہ بنی نضیر کے یہود سے اموال حاصل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال فئی خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرف میں ہوتے تھے۔ پہلی گذشتہ آیات میں یہ بتلا دیا کہ اموال بنی نضیر "فئی" کی طرح ہوں گے اور مثل مال غنیمت کے تقسیم نہ ہوں گے۔

اب ان آیات میں پہلے اموال فئی یعنی جو خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرف میں ہو گا اس کے متعلق عام ضابطہ بتلایا

جاتا ہے کہ وہ اللہ ورسول کا حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یتیموں غریبوں اور مسافروں کا حق ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ مصارف اس لئے بتلائے کہ ہمیشہ یتیموں محتاجوں۔ بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے۔ اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں اور یہ اموال محض دولت مندوں کی الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔ احکام الٰہیہ اور قوانین ربانی کی خبر آج عام مسلمانوں کو تو ہے نہیں اور نہ وہ قرآن وحدیث کے احکام اور اس کے مطابق طرز زندگی گزارنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اس لئے کہیں سوشلزم کا نعرہ لگ رہا ہے۔ کہیں کمونزم کا خیر مقدم ہو رہا ہے۔ قرآن حدیث نے مال دولت کے مصارف جس طرح بتلائے ہیں اس سے بڑھ کر کہیں انسانی تجاویز اور انسانی قوانین ہو سکتے ہیں مگر جب ہم قرآن وحدیث کو ہی نظر انداز کر دیں اور اس کے قوانین اپنانے کو تیار نہ ہوں تو لامحالہ کافروں اور مشرکوں کے بنائے ہوئے قوانین کے چکر میں پھنسیں گے اور جو اس کے نتائج فساد در فساد کے رونما ہوں گے وہ بھگت رہے ہیں اور بھگتیں گے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اوپر اموال فئی کے مصارف بتلا کر آگے ان احکام کو بخوشی قبول کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے اور اہل ایمان سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ مال جائیداد وغیرہ جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے تقسیم کریں اسے بخوشی ورغبت قبول کرو۔ جو ملے لے لو۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتلائے ہوئے تمام احکام اور اوامر ونواہی کی پابندی رکھو۔ آگے یہ بھی سمجھا دیا کہ دیکھو رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ ڈرتے رہو کہ کہیں رسول کی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کوئی سخت عذاب مسلط نہ کر دے کیونکہ وہ **شدید العقاب** بھی ہے یعنی سخت سزا دینے والا ہے۔

یہاں آیت میں **وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا** جو فرمایا یعنی (اور رسول جو کچھ تم کو دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں رک جایا کرو) تو اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ یہاں حکم کے الفاظ عام ہیں اس لئے یہ صرف اموال فئی کی تقسیم تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں اہل اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔ اور یہی بات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائی۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو اور جس بات سے روک دوں اس سے اجتناب کرو۔

ابھی اسی مال فئی کی تقسیم اور مصرف کے بارہ میں مزید ہدایت اگلی آیات میں دی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام امت مسلمہ کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو بچائیں۔

یا اللہ! ہمیں ہدایت فرما دے کہ ہم اس قرآنی حکم کے دل وجان سے پابند ہو جائیں تاکہ ہمارے سب بگڑے ہوئے کام درست وراست ہو جائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ

ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کردیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾

اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ

اور ان لوگوں کا جو دارالاسلام میں اور ایمان میں ان سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں

فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر

خَصَاصَةٌ ؕ وقف وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ

فاقہ ہی ہو، اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کا جو اُن کے بعد آئے

بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا

جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور

تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ محتاجوں کیلئے	الْمُهٰجِرِيْنَ مہاجروں	الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا وہ جو نکالے گئے	مِنْ دِيَارِهِمْ اپنے گھروں سے	وَ اَمْوَالِهِمْ اور اپنے مالوں				
يَبْتَغُوْنَ وہ چاہتے ہیں	فَضْلًا فضل	مِّنَ اللّٰهِ اللہ کا سے	وَ رِضْوَانًا اور رضا	وَّيَنْصُرُوْنَ اور وہ مدد کرتے ہیں	اللّٰهَ اللہ	وَ رَسُوْلَهٗ اور اسکا رسول		
اُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ	هُمْ وہ	الصّٰدِقُوْنَ سچے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	تَبَوَّؤُ مقیم رہے	الدَّارَ اس گھر	وَالْاِيْمَانَ اور ایمان		
مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	يُحِبُّوْنَ وہ محبت کرتے ہیں	مَنْ جس	هَاجَرَ ہجرت کی	اِلَيْهِمْ انکی طرف	وَلَا يَجِدُوْنَ اور وہ نہیں پاتے			
فِيْ میں	صُدُوْرِهِمْ اپنے سینوں (دلوں)	حَاجَةً کوئی حاجت	مِّمَّآ اس کی	اُوْتُوْا دیا گیا انہیں	وَيُؤْثِرُوْنَ اور وہ اختیار کرتے ہیں			
عَلٰٓى پر	اَنْفُسِهِمْ اپنی جانوں	وَلَوْ كَانَ اور خواہ ہو	بِهِمْ انہیں	خَصَاصَةٌ تنگی	وَمَنْ اور جو۔جس	يُّوْقَ بچایا	شُحَّ بخل	نَفْسِهٖ اپنی ذات
فَاُولٰٓئِكَ تو یہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانیوالے	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	جَآءُوْ وہ آئے	مِنْ بَعْدِهِمْ انکے بعد	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں		
رَبَّنَا اے ہمارے رب	اغْفِرْ لَنَا ہمیں بخشدے	وَلِاِخْوَانِنَا اور ہمارے بھائیوں کو	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	سَبَقُوْنَا ہم سے سبقت کی				
بِالْاِيْمَانِ ایمان میں	وَلَا تَجْعَلْ اور نہ ہونے دے	فِيْ قُلُوْبِنَا ہمارے دلوں میں	غِلًّا کوئی کینہ	لِّلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو	اٰمَنُوْا وہ ایمان لائے			
رَبَّنَآ اے ہمارے رب	اِنَّكَ بیشک تو	رَءُوْفٌ شفقت کرنیوالا	رَّحِيْمٌ رحم کرنیوالا					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بھی مال فیئے کے مزید مستحقین کا ذکر فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس مال فیئے میں ان جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا بھی حق ہے جنہوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت واطاعت میں دین کے لئے اپنے گھربار اور مال دولت سب کو خیر باد کہا اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے تاکہ اللہ اور رسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کر سکیں۔ یہاں فقرائے مہاجرین سے مراد وہ حضرات صحابہ ہیں جو اس وقت مکہ معظمہ اور عرب کے دوسرے علاقوں سے محض اس بنا پر اپنا وطن اور گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ دین کی خاطر دارالاسلام مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ بنی نضیر کے اموال واملاک حاصل ہونے سے قبل ان فقرائے مہاجرین کے لئے گزر بسر کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک مہاجر اور ایک انصار کا آپس میں بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ اور ہر انصار اپنے مہاجر بھائی کا خرچ برداشت کرتا تھا تو اس مال فیئے میں عام مساکین۔ یتامیٰ اور مسافروں کے علاوہ فقرائے مہاجرین کا حق بھی بتلایا گیا۔ ساتھ ہی ان حضرات کی تعریف بھی کی گئی کہ یہ غریب مہاجر وہ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھوں کا کمایا ہوا مال سب چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ اللہ کے دین کی اور اس کے رسول کی مدد میں برابر مشغول ہیں۔ خدا کے فضل وخوشنودی کے متلاشی ہیں۔ ان حضرات مہاجر صحابہ کے متعلق فرمایا گیا **اولئک هم الصدقون** یہی لوگ قول وعمل کے سچے ہیں۔ یعنی کلمہ اسلام پڑھ کر جو عہد اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اس میں بالکل سچے اور پورے اترے۔ اس ارشاد خداوندی **اولئک هم الصدقون** نے تمام صحابہ مہاجرین رضی اللہ عنہم کے صادق ہونے کا عام اعلان فرما دیا۔ فقرائے مہاجرین کے بعد فقرائے انصار کو بھی اس مال فیئے کا حق دار قرار دیا گیا۔ انصار سے مراد وہ ساکنان مدینہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے قبل مدینہ میں رہتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ پھر ان حضرات انصار صحابہ کی مدح فرمائی گئی اور ان کی فضیلت، شرافت اور بزرگی کا اظہار فرمایا گیا۔ ان کی کشادہ دلی۔ نیک نفسی۔ ایثار وسخاوت کا ذکر فرمایا گیا کہ انہوں نے مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی مدینہ میں بود وباش رکھی اور ایمان کو دل میں جگہ دی اور اسلام پر مستقیم رہے۔ یہ انصار محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے اموال میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لئے تیار ہیں اور جو بھی راہ خدا میں ہجرت کر کے ان کے پاس پہنچے یہ اسے اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔ اور اپنا جان ومال ان پر نثار کرنے میں اپنا فخر جانتے ہیں اور مہاجرین کو اللہ تعالیٰ جو فضل وشرف عطا فرمائے یا اموال فیئے میں سے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ عنایت فرمائیں اسے دیکھ کر ان انصار کے دل تنگ نہیں ہوتے۔ نہ حسد کرتے ہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود سختیاں اور فاقہ اٹھا کر بھی اگر مہاجر بھائی کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے۔ یہ ایثار بڑی اولوالعزمی کی بات ہے۔ ہر ایک کو نصیب نہیں کہ آپ بھوکا رہے اور اپنے بھائی کو کھلائے۔ حضرات انصار کے اس ایثار کا کیا ٹھکانا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر اور مال بانٹ دیئے تھے جس کے پاس ایک مکان یا باغ تھا تو آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا۔ دو کپڑے تھے تو ایک مہاجر کو دے دیا تھا اور اسی طرح سب چیزوں میں کیا تھا۔ یہاں انصارؓ کی مدح میں جو یہ فرمایا گیا **ویؤ ثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة** ط (اور اپنی ذات سے دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو) تو اس کے شان نزول کے متعلق ایک روایت یہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ

سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے ان کو مہمان بنایا۔ آپ نے کسی کو اپنے گھر بھیجا کہ پوچھو کھانے کو کچھ موجود ہے؟ ازواج مطہراتؓ نے عرض کیا کہ بجز پانی کے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو ان کو مہمان بنائے۔ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ میں مہمان بناتا ہوں پھر ان کو وہ...... اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا کہ رسول اللہ کے مہمان کی خاطر کر۔ بیوی نے عرض کیا کہ لڑکوں کے کھانے کے سوا اور کوئی چیز ہمارے ہاں نہیں۔ صحابی نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب وہ سو جاویں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے اور تم چراغ کو درست کرنے کے بہانہ سے اٹھ کر اسے بجھا دینا چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اندھیرے میں مہمان کو بھی معلوم ہوا کہ میرے ساتھ میزبان بھی کھانا کھا رہے ہیں مگر اس صحابی نے کچھ نہ کھایا کہ کھانا تھوڑا تھا مہمان نے کھانا کھا لیا اور ان دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گزاری صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری رات کی بات سے خدا تعالیٰ نہایت خوش ہوا اور یہ آیت **یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ** نازل ہوئی۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے۔ تھوڑے میں تھوڑا اور بہت میں بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرہ پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے۔ کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو نہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا

نہیں۔ نہیں۔ جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے تم کو بھی اجر ملتا رہے گا۔ انصار صحابہؓ کے ایثار کے واقعات سے سیرت کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ تو حق تعالیٰ نے ان انصار صحابہ کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی توفیق و دستگیری نے ان کے دل کو لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔ لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لئے کہاں ایثار کر سکتا ہے۔ الغرض مال فئی میں سے فقرائے انصار کا بھی حق ٹھہرا۔ بنی نضیر کے چھوڑے ہوئے مال میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رضا مندی سے مہاجرین ہی میں تقسیم کئے اور انصار میں سے صرف حضرت ابودوجانہؓ۔ حضرت سہلؓ بن حنیف کو بھی حصہ دیا گیا۔ آگے فرمایا جاتا ہے کہ اس مال فئی میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان مہاجرین وانصار کے بعد عالم وجود میں آئے یا ان کے بعد حلقہ اسلام میں آئے یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کر کے آئے یا آویں گے اور وہ سابقین کے لئے دعا مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں بیر اور بغض وعناد نہیں رکھتے۔ امام مالکؒ نے یہیں سے فرمایا ہے کہ جو شخص حضرات صحابہ سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لئے مال فئی میں سے کوئی حصہ نہیں۔ تو یہاں تک جو احکام ارشاد ہوئے ان میں یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ مال فئی میں اللہ اور رسول اور اقربائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یتامیٰ و مساکین اور مسافروں اور مہاجرین و انصار اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کے حقوق ہیں۔

یہاں اہل ایمان کی جو دعا نقل فرمائی گئی کہ وہ اپنی دعا میں حق تعالیٰ سے یہ عرض کرتے ہیں **ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا** یعنی اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے تو کسی مسلمان کے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ نہ ہونا یہ اتنی

بڑی خوبی اور سعادت کی علامت ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ نے مسند احمد کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ دیکھو ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے جن کی داڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی انصاری اسی طرح آئے۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا اور وہی انصاری آئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ دیکھتے بھالتے رہے اور یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے (اس غرض سے کہ ان کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان انصاری سے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا۔ اگر آپ مہربانی فرما کر اجازت دے دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گزار دوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گزاریں تو دیکھا کہ رات کو وہ تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھیں۔ ہاں یہ ضروری بات تھی کہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہلکا سا معلوم ہونے لگا تو اب میں نے اپنا راز ان پر کھول دیا کہ حضرت دراصل نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جنتی ہونے کی خبر ہم تک پہنچ گئی چنانچہ میں نے یہ بہانا کیا اور تین رات تک آپ کی خدمت میں رہا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی شروع کر دوں۔ لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا۔ نہ عبادت ہی میں اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا۔ اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتلایئے کہ آخر وہ کونسا عمل ہے جس کی وجہ سے آپ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی بتایا۔ انہوں نے کہا کہ بس تم میرے اعمال کو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں۔ چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا۔ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے کینہ۔ حسد یا بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا۔ میں کبھی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس یہی وہ صفت ہے کہ جس نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ اعلیٰ صفت ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں''۔ (ابن کثیرؒ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کینہ اور حسد سے دل کا پاک ہونا یہ کتنی بڑی نیکی اور سعادت ہے اور جنتی ہونے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بھی مسلمانوں کی طرف سے کینہ وحسد سے پاک رکھیں۔

الغرض ذکر غزوہ بنی نضیر کا ہو رہا تھا اور اسی سلسلہ میں فئی یعنی اموال بنی نضیر کے احکام اور مصرف بتلائے گئے۔ اب آگے منافقین نے جو طرز عمل اس غزوہ بنی نضیر میں ظاہر کیا اس کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ

کیا آپ نے ان منافقین کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم

أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ

نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جاویں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے،

وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١١﴾ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا

اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی

لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٢﴾ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي

مدد نہ کریں گے، اور اگر ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ بے شک تم لوگوں کا خوف

صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي

ان کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے، یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر

قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا

حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں، ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے، اے مخاطب تو ان کو متفق خیال کرتا ہے

وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾

حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں، یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔

أَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا	إِلَى طرف۔کو	الَّذِينَ نَافَقُوا وہ لوگ جنہوں نے نفاق کیا۔منافق	يَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	لِإِخْوَانِهِمْ اپنے بھائیوں کو		
الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا۔کافر	مِنْ سے	أَهْلِ الْكِتَابِ اہل کتاب	لَئِنْ البتہ اگر	أُخْرِجْتُمْ تم نکالے گئے	لَنَخْرُجَنَّ تو ہم ضرور نکل جائینگے	
مَعَكُمْ تمہارے ساتھ	وَلَا نُطِيعُ اور نہ مانیں گے ہم	فِيكُمْ تمہارے بارے میں	أَحَدًا کسی کا	أَبَدًا کبھی	وَإِنْ اور اگر	قُوتِلْتُمْ تم سے لڑائی ہوئی
لَنَنْصُرَنَّكُمْ تو ہم ضرور تمہاری مدد کرینگے	وَاللَّهُ اور اللہ	يَشْهَدُ گواہی دیتا ہے	إِنَّهُمْ بیشک وہ	لَكَاذِبُونَ البتہ جھوٹے ہیں	لَئِنْ اگر	
أُخْرِجُوا وہ جلاوطن کیے گئے	لَا يَخْرُجُونَ وہ نہ نکلیں گے	مَعَهُمْ ان کے ساتھ	وَلَئِنْ اور اگر	قُوتِلُوا ان سے لڑائی ہوئی		
لَا يَنْصُرُونَهُمْ وہ انکی مدد نہ کرینگے	وَلَئِنْ اور اگر	نَصَرُوهُمْ وہ اُنکی مدد کرینگے	لَيُوَلُّنَّ تو وہ یقینا پھیرینگے	الْأَدْبَارَ پیٹھ (جمع)	ثُمَّ پھر	
لَا يُنْصَرُونَ وہ مدد نہ کیے جائیں گے	لَأَنْتُمْ یقینا تم۔تمہارا	أَشَدُّ بہت زیادہ	رَهْبَةً ڈر	فِي صُدُورِهِمْ انکے سینوں (دلوں) میں		
مِنَ اللَّهِ اللہ سے	ذَٰلِكَ یہ	بِأَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	قَوْمٌ ایسے لوگ	لَا يَفْقَهُونَ کہ وہ سمجھتے نہیں	لَا يُقَاتِلُونَكُمْ وہ تم سے نہ لڑیں گے	
جَمِيعًا اکٹھے سب مل کر	إِلَّا مگر	فِي قُرًى بستیوں میں	مُحَصَّنَةٍ قلعہ بند	أَوْ یا	مِنْ وَرَاءِ پیچھے سے	جُدُرٍ دیواریں
بَأْسُهُمْ ان کی لڑائی						

19

بَيْنَهُمْ انکے آپس میں	شَدِيْدٌ بہت سخت	تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا تم گمان کرتے ہو انہیں۔ اکٹھے	وَقُلُوْبُهُمْ حالانکہ ان کے دل	
شَتّٰى الگ الگ	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	قَوْمٌ ایسے لوگ	لَا يَعْقِلُوْنَ وہ عقل نہیں رکھتے

تفسیر وتشریح: گذشتہ واقعات کی روشنی میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ منافقین نے یہود بنی نضیر کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلے مت سمجھنا اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ ہمارا یہ بالکل اٹل اور قطعی فیصلہ ہے۔ اس کے خلاف ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بات ماننے والے اور پروا کرنے والے نہیں۔ اس پر حق تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ منافقین یہ باتیں دل سے نہیں کر رہے۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے کو ایسی باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے وعدہ وعید کر رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے۔ چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی اسی طرح ثابت ہوئی اور جب بنی نضیر محصور ہو گئے تو ایسی نازک صورت حال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب بنی نضیر نکالے گئے تو یہ منافقین آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔ آگے پیشین گوئی فرمائی جاتی ہے کہ اگر بفرض محال منافقین ان کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ کیا ہوگا۔ بجز اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر بنی نضیر کی مدد تو کیا کر سکتے خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچے گا۔ آگے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ یہ منافقین اگر اللہ کی عظمت کو سمجھتے اور ان کے دل میں خدا کا خوف ہوتا تو کفر ونفاق ہی کیوں اختیار کرتے۔ ہاں مسلمانوں کی شجاعت اور دلیری اور جانبازی سے خوف کھاتے ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ آگے بتلایا گیا چونکہ ان منافقین کے دل مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں اس لئے یہ منافقین کھلے میدان میں جنگ ہرگز نہیں لڑ سکتے۔ ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ نشین ہو کر یا دیواروں اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر لڑ سکتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ آپس کی لڑائی میں بڑے تیز اور سخت ہیں جیسا کہ اسلام سے پہلے ''اوس'' اور ''خزرج'' کی جنگ میں تجربہ ہو چکا ہے مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی ساری بہادری اور شیخی کرکری ہو جاتی ہے تو تم اے اہل ایمان ان منافقین و یہود وغیرہ کے ظاہری اتفاق سے دھوکہ مت کھاؤ ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں۔ ہر ایک ان میں اپنی غرض وخواہش کا بندہ ہے اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے پھر حقیقی یکجہتی انہیں کہاں میسر آ سکتی ہے۔ اگر عقل ہو تو سمجھیں کہ یہ نمائشی اتحاد کس کام کا۔ اتحاد تو اسے کہتے ہیں جو مومنین صادقین مہاجرین وانصار میں پایا جاتا ہے کہ تمام اغراض و خواہشات سے یکسو ہو کر سب نے اللہ کی رسی کو تھام رکھا ہے اور ان سب کا مرنا جینا اسی خدائے واحد کے لئے ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کفار میں حقیقی اتحاد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عقائد و نظریئے ان کے جدا جدا ہیں اور سچے اور پکے اہل اسلام ہی میں حقیقی اتحاد اور اتفاق ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے اتفاق اور اتحاد کی بنیاد اللہ اور رسول اور دین اسلام ہے۔ اب جو مسلمانوں میں آپ اگر اس کے خلاف دیکھیں تو قرآنی صداقت پر ذرہ برابر حرف نہیں آ سکتا بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ اتفاق اور اتحاد کی جڑ بنیاد یعنی حقیقی ایمان واسلام ہی مسلمانوں میں مفقود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور اللہ اور رسول کے لئے جینے اور مرنے کا جذبہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی اگلی آیات میں یہی مضمون منافقین کی مذمت کا جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۚ (۱۵)

اُن لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں، اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ

شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہوجا پھر جب وہ کافر ہوجاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں

اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۶) فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ؕ

میں تو اللہ ربُّ العالمین سے ڈرتا ہوں۔ سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۧ (۱۷)

اور ظالموں کی یہ ہی سزا ہے۔

كَمَثَلِ حال جیسا	الَّذِیْنَ جو لوگ	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل	قَرِیْبًا قریبی زمانہ	ذَاقُوْا انہوں نے چکھ لیا	وَبَالَ وبال	اَمْرِهِمْ اپنے کام	
وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ عذاب	اَلِیْمٌ دردناک	كَمَثَلِ حال جیسا	الشَّیْطٰنِ شیطان	اِذْ جب	قَالَ اس نے کہا	لِلْاِنْسَانِ انسان سے
اكْفُرْ تو کفر اختیار کر	فَلَمَّا كَفَرَ تو جب اس نے کفر کیا	قَالَ اس نے کہا	اِنِّیْ بیشک میں	بَرِیْٓءٌ لاتعلق	مِنْكَ تجھ سے	اِنِّیْٓ اَخَافُ تحقیق میں ڈرتا ہوں	
اللّٰهَ اللہ	رَبَّ رب	الْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں	فَكَانَ پس ہوا	عَاقِبَتَهُمَآ ان دونوں کا انجام	اَنَّهُمَا بیشک وہ دونوں	فِی النَّارِ آگ میں	
خَالِدَیْنِ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَا اس میں	وَذٰلِكَ اور یہ	جَزٰٓؤُا جزا۔سزا	الظّٰلِمِیْنَ ظالموں			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں یہود بنی نضیر اور منافقین کی بدحالتوں کے متعلق دو مثالیں دی جاتی ہیں۔ ایک مثال خاص بنی نضیر کی اور دوسری منافقین کی۔ بنی نضیر کے متعلق پہلے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کی مثال تو ان لوگوں کی مانند ہے جو ان سے کچھ ہی مدت پہلے اپنے کیے کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں اشارہ یہود قینقاع اور کفار قریش کی طرف ہے۔ یہود بنی قینقاع کا واقعہ بدر کے واقعہ کے بعد ۲ھ میں یہ ہوا کہ انہوں نے نقض عہد کر کے جنگ مسلمانوں سے کی مگر اہل اسلام سے شکست ہوئی۔ اور مدینہ سے نکالے گئے اور ان کے اموال مال غنیمت کی طرح تقسیم ہوئے تو جس طرح یہود بنی قینقاع اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے اور ذلت کے ساتھ مدینہ سے جلاوطن ہو چکے اور اس سے پیشتر کفار قریش جنگ بدر میں سزا پا چکے ہیں تو وہی انجام بنی نضیر کا ہوا کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملی اور آخرت کا عذاب جوں کا توں الگ رہا۔ دوسری مثال منافقین کے متعلق دی گئی یعنی منافقین کے جھوٹے وعدوں پر یہود بنی نضیر کا شرارت پر آمادہ ہونا اور پھر منافقین کا موقع پر ان کے کام نہ آنا۔ نہ محاصرہ کے وقت مدد پہنچانا۔ نہ جلاوطنی میں ساتھ دینا۔ تو ان منافقین کی مثال شیطان ابلیس کی سی ہے جیسے شیطان اول انسان کو کفر و معصیت پر ابھارتا ہے اور جب انسان دام اغوا میں پھنس جاتا ہے اور کفر کر چکتا ہے تو خود بھی شیطان اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بھی بیزار۔ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ شیطان ہر کافر سے کرتا ہے اور ایسا

ہی معاملہ اس نے کفار قریش کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا جس کا تذکرہ دسویں پارہ سورہ انفال میں آیا ہے کہ پہلے تو ابلیس لعین کفار قریش کو بڑھاوے چڑھاوے دے کر بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آیا اور وعدہ کیا کہ آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور میں تمہاری پشت پر ہوں مگر جب کفار کا اہل اسلام سے مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو شیطان الٹا پھر گیا اور کفار سے کہنے لگا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میں تم سے بری الذمہ ہوں مجھے وہ کچھ نظر آ رہا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا یعنی خدا کے فرشتوں کے ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی جہنم کا کندہ بنا اور اس انسان کو بھی بنایا۔

اب جب کفر و نافرمانی کا انجام سنا دیا تو اب ایمان والوں سے خطاب ہوتا ہے اور ان کو نصیحت کی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہ اور گمراہ لوگوں سے علیحدہ رکھیں اور شیطان کے دام فریب اور وساوس میں پھنسنے سے بچائیں۔

یا اللہ ہمیں اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل فرمانبرداری ظاہراً و باطناً نصیب فرما اور تا دم مرگ ایمان اور اسلام پر استقامت عطا فرما اور حُسن خاتمہ اور انجام کی خیر خوبی نصیب فرما۔

یا اللہ قرآن کریم نے تو صاف صاف کھول کر شیطان لعین کے مکر و فریب سے دنیا والوں کو آگاہ کر دیا ہے مگر افسوس ہے کہ ہم دنیاوی لذات کے پیچھے پڑ کر شیطان لعین کے مکر و فریب میں پھنستے جا رہے ہیں اور آپ کی اور آپ کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نافرمانیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں یا اللہ امت مسلمہ پر کرم و رحم کی نظر فرما دے اور ان کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما دے۔ ان کے قلوب کو نور ہدایت سے مزین فرما دے تا کہ یہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ حق کو اختیار کریں۔ باطل سے گریز کریں۔ اور شیطان کے مکر و فریب سے بچ کر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کریں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ

اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ سے بے پروائی کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے انکو بے پروا بنا دیا

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

وہ کامیاب لوگ ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا،

اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	اتَّقُوا اللّٰهَ تم اللہ سے ڈرو	وَلْتَنْظُرْ اور چاہیے کہ دیکھے	نَفْسٌ ہر شخص	مَا قَدَّمَتْ کیا اس نے آگے بھیجا	
لِغَدٍ کل کیلئے	وَاتَّقُوْا اور تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	خَبِيْرٌ باخبر	بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس سے جو تم کرتے ہو	وَلَا تَكُوْنُوْا اور نہ ہو جاؤ تم
كَالَّذِيْنَ ان لوگوں کی طرح	نَسُوا اللّٰهَ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا	فَاَنْسٰىهُمْ تو اللہ نے بھلا دیا انہیں	اَنْفُسَهُمْ خود انہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ		
هُمْ وہ	الْفٰسِقُوْنَ نافرمان (جمع)	لَا يَسْتَوِيْ برابر نہیں	اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے	وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اور جنت والے	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ جنت والے	
هُمْ وہی ہیں	الْفَآئِزُوْنَ مراد کو پہنچنے والے	لَوْ اَنْزَلْنَا اگر ہم نازل کرتے	هٰذَا یہ	الْقُرْاٰنَ قرآن	عَلٰى جَبَلٍ پہاڑ پر	لَرَاَيْتَهٗ تو تم دیکھتے اس کو
خَاشِعًا دبا ہوا	مُتَصَدِّعًا ٹکڑے ٹکڑے ہوا	مِنْ سے	خَشْيَةِ اللّٰهِ اللہ کا خوف	وَتِلْكَ اور یہ	الْاَمْثَالُ مثالیں	نَضْرِبُهَا ہم وہ بیان کرتے ہیں
لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	لَعَلَّهُمْ تا کہ وہ	يَتَفَكَّرُوْنَ غور وفکر کریں				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو خطاب کر کے نصیحت فرمائی جاتی ہے کہ اے ایمان والو تم نے نافرمانوں کا انجام تو اوپر سن لیا تو اب تم اللہ سے ڈر کر طاعات اور نیکیوں کا ذخیرہ جمع کرو اور سوچو کہ کل کے لئے یعنی قیامت کے لئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد وہاں پہنچ کر تمہارے کام آئے۔ اور جس طرح اللہ سے ڈر کر اعمال صالحہ میں کوشش کرنا اور ذخیرہ آخرت کو جمع کرنا لازم ہے اسی طرح اللہ سے ڈر کر تمام سیئات اور معاصی سے بچنے کا تم کو حکم ہے اور سمجھ لو کہ اللہ سے تمہارا کوئی کام پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور معاصی سے پرہیز رکھو۔ آگے ان احکام کی مزید تاکید کے لئے بتلایا جاتا ہے کہ تم ایمان لا کر ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی کہ اللہ کے حقوق کو بھلا دیا۔ اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی۔ اس کے اوامر کے خلاف کیا اور

نواہی کا ارتکاب کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا اور آنے والی آفات سے بچاؤ کی فکر نہ کی اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارہ اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔ اور ایسے نافرمان اپنی نافرمانی کی سزا بھگتیں گے۔ تو اوپر دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا۔ ایک وہ جو اہل تقویٰ ہوں یعنی اللہ سے ڈر کر طاعات و اعمال صالحہ بجا لاتے ہوں اور گناہوں و معاصی سے بچتے ہوں اور دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ سے لاپرواہوں۔ تارک احکام ہوں اور نافرمان ہوں۔ ان میں ایک اہل جنت ہیں اور دوسرے اہل نار اور یہ دونوں قسمیں یعنی اہل جنت اور اہل نار برابر نہیں بلکہ جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب اور بامراد لوگ ہیں اور اہل نار ناکام اور نامراد ہیں۔ تو تم کو اہل جنت میں سے ہونا چاہئے جس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ قرآن کریم کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے اور اس کی ہدایات کے سامنے سر جھکا دے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ لیکن مقام حسرت اور افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز اور عظیم الشان مخلوق پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ ان مضامین عجیبہ کو اللہ تعالیٰ انسانوں کے نفع کے لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ سوچیں۔ غور و فکر کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

اب غور کیجئے کس حکیمانہ انداز میں یہ نصائح فرمائی گئی ہیں کہ ترغیب و ترہیب کے دونوں پہلو سامنے رکھ دیئے گئے اور نفع و ضرر دونوں کو سمجھا دیا گیا۔ اب اس پر بھی کوئی اپنے انجام کی فکر نہ کرے اور خدا کا خوف و خشیت اپنے قلب میں نہ پیدا کرے اور تقویٰ کی راہ نہ اختیار کرے اور فسق و نافرمانی میں پڑا رہے۔ اور اہل جنت میں سے نہ بننا چاہے بلکہ اہل نار میں شامل ہونا پسند کرے تو وہ جانے اور سمجھ لے کہ اہل سعادت اور بدکار برابر کے نہ ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اہل اسلام کو قیامت اور آخرت کی بے فکری سے متنبہ کر دیا گیا کہ قیامت کو کچھ دور نہ سمجھو۔ وہ یوم جزاو سزا یقینی اور قریب ہی آنے والا ہے۔ اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے جب زمین و آسمان اور تمام کائنات سب فنا ہو جائیں گے اور ایک قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت ہی کے وقت آ جاتی ہے کیونکہ قبر ہی سے عالم آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی موت کا وقت اور حال یقینی طور پر انسان مقرر نہیں کر سکتا۔ ہر آن انسان اس خطرے سے باہر نہیں کہ شاید اگلا دن کیا اگلا گھنٹہ بھی زندگی کی حالت میں نہ آئے۔ اور اب تو ہارٹ (دل) فیل ہونے کے واقعات نے اس کو ایک عام بات بنا دیا ہے تو زندگی میں دین سے غفلت اور لاپروائی جو آخرت سے غفلت و لاپروائی ہوئی مسلمان کے لئے تو کسی طرح زیبا نہیں۔ اور یہ قرآن جو اللہ رب العزت خالق کائنات کا کلام ہے اس سے کسی مسلمان کا اعراض و انحراف اور اس کی نصائح سے متاثر نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے فطری شعور کو کھو بیٹھا ہے اور نفس و شیطان کے جال میں پھنس گیا ہے کہ جو اس کا دل قرآن سے متاثر نہیں ہوتا۔ ارے یہ قرآن تو ایسی عظمت والا ہے کہ پہاڑ جیسی سخت اور ثقیل چیز پر بھی اگر یہ نازل کیا جاتا تو پہاڑ بھی اس کی عظمت و بزرگی کے بار سے دب جاتا بلکہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ تو افسوس اور صد افسوس ہے ایسے مسلمان پر کہ جن کا دل قرآن سے متاثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آخرت کی فکر اور قرآن کی عظمت نصیب فرمائیں۔

الغرض یہاں تو قرآن کی عظمت کا ذکر ہوا آگے جس خداوند قدوس کا یہ کلام ہے اس کی عظمت و رفعت اور صفات کمال بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان آئندہ خاتمہ کی آیات میں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا، وہی بڑا مہربان رحم والا ہے وہ ایسا

اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ

معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

خرابی کا درست کرنے والا ہے بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔ وہ معبود ہے پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اسکے اچھے اچھے نام ہیں

یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ وہ اللہ	الَّذِیْ وہ جس	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	عٰلِمُ الْغَیْبِ جاننے والا پوشیدہ کا	وَالشَّهَادَةِ اور آشکارا		
هُوَ الرَّحْمٰنُ وہ بڑا مہربان	الرَّحِیْمُ رحم کرنیوالا	هُوَ اللّٰهُ وہ اللہ	الَّذِیْ وہ جس	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	اَلْمَلِكُ بادشاہ	
الْقُدُّوْسُ نہایت پاک	السَّلٰمُ سلامتی والا	الْمُؤْمِنُ امن دینے والا	الْمُهَیْمِنُ نگہبان	الْعَزِیْزُ غالب	الْجَبَّارُ جبار	الْمُتَكَبِّرُ بڑائی والا	
سُبْحٰنَ پاک	اللّٰهِ اللہ	عَمَّا اس سے جو	یُشْرِكُوْنَ وہ شریک کرتے ہیں	هُوَ اللّٰهُ وہ اللہ	الْخَالِقُ خالق	الْبَارِئُ ایجاد کرنیوالا	الْمُصَوِّرُ صورتیں بنانیوالا
لَهٗ اس کیلئے	الْاَسْمَآءُ نام (جمع)	الْحُسْنٰى اچھے	یُسَبِّحُ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لَهٗ اسکی	مَا جو	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَهُوَ اور وہ	الْعَزِیْزُ غالب	الْحَكِیْمُ حکمت والا					

تفسیر وتشریح: یہ سورہ حشر کی آخری آیات ہیں گذشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب کر کے نصیحت و ہدایت فرمائی گئی تھی کہ تقویٰ اختیار کریں۔ طاعات اور اعمال صالحہ بجا لائیں۔ اور سیئات و معاصی سے بچیں اور ان غافلوں کی طرح نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور اس سے لاپروا ہو گئے۔ پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ ہدایات اور مفید نصائح جس قرآن کے ذریعہ سے انسانوں کو سنائے جاتے ہیں وہ ایسا باعظمت کلام ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قرآن کریم کو پہاڑ جیسی مضبوط اور عظیم چیز پر نازل کرتے اور پہاڑ میں فہم کا مادہ رکھ دیتے تو وہ بھی خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا مگر ایک غافل انسان ہے کہ یہ پتھر سے بھی گیا گذرا ہوا کہ جو یہ مواعظ قرآنیہ سے اثر نہیں لیتا اور اپنے معبود حقیقی کو نہیں پہچانتا اور اس کے احکام کی اطاعت نہیں بجا لاتا۔ اب آگے خاتمہ سورۃ پر بتلایا جاتا ہے کہ وہ معبود حقیقی کیسا ہے؟ کیا اس کی صفات کمال ہیں؟ اور مقصد ان صفات کے بیان سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب پر نقش ہوتا کہ انسان کو اس کے احکام کی بجا آوری آسان ہو۔ اگرچہ قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا بیان ہوا ہے لیکن تمام قرآن کریم میں دو مقامات ایسے ہیں جہاں صفات کمالیہ کا بیان ہوا ہے۔ ایک سورہ بقرہ میں آیت الکرسی اور دوسرے اس سورہ حشر کی یہ آخری آیات۔ مسند احمد و ترمذی کی

حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم پڑھ کر سورہ حشر کے آخر کی تین آیات پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ۷۰ ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو شام تک اس کے لئے دعا خیر کرتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ مومن کو چاہئے کہ صبح و شام ان آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان آیات کے ورد کی صبح و شام توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

الغرض ان آیات میں بتایا گیا کہ وہ معبود حقیقی جس کی طرف سے یہ باعظمت قرآن تمہاری طرف بھیجا گیا اور تم کو یہ نصائح و احکام و ہدایات دی گئیں وہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود بننے کے لائق نہیں اور اس کے سوا کسی کی یہ حیثیت اور مقام اور مرتبہ نہیں کہ اس کی بندگی و پرستش کی جائے۔ اب آگے اس معبود حقیقی کی متعدد صفات بیان فرمائی گئی ہیں:۔

پہلی صفت بیان فرمائی گئی علم الغیب والشھادۃ۔ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا یعنی جو کچھ مخلوقات سے پوشیدہ ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان پر ظاہر ہے اس کا بھی اس کو علم ہے۔ اس کے علم سے اس کائنات میں کوئی شے بھی پوشیدہ نہیں۔ ماضی یعنی گذشتہ میں جو کچھ ہو چکا۔ یا حال میں موجود ہے یا مستقبل میں جو کچھ ہوگا۔ ہر چیز اور ہر بات اس کو براہ راست معلوم ہے۔

دوسری صفت بیان فرمائی ھو الرحمٰن الرحیم۔ وہی بڑا مہربان اور رحم والا ہے یعنی وہی ایک ہستی ہے جس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اور تمام کائنات پر پھیلی ہوئی ہے۔ سارے جہانوں میں کوئی دوسرا اس ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا حامل نہیں۔

تیسری صفت بیان فرمائی گئی الملک وہ بادشاہ ہے۔ یعنی اصل بادشاہی اسی کی ہے کہ سارے جہان اور پوری کائنات پر اس کی فرمانروائی محیط ہے۔ ہر چیز کا وہ مالک ہے۔ ہر شے اس کے تصرف اور حکم کے تابع ہے۔ جو کچھ وہ کرے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں کہ ایسا کیوں کیا۔ اور جو فیصلہ کر دے تو کوئی اس کے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے والا نہیں وہ جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرما دیتا ہے جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ اس کی حقیقی بادشاہی اور حاکمیت میں کوئی اس کا شریک۔ ساجھی اور ساتھی نہیں۔

چوتھی صفت بیان فرمائی گئی القدوس وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔ یعنی تمام بری صفات سے اس کی ذات پاکیزہ۔ منزہ اور مبرا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی نقص یا عیب نہیں اور وہ ایک ایسی پاکیزہ ترین ہستی ہے کہ تمام نقائص۔ کمزوریوں اور عیوب سے بالکل پاک ہے۔

پانچویں صفت فرمائی گئی السلام وہ سب عیبوں سے سالم ہے۔ اس کی ذات سراسر سلامتی ہے۔ اس کی ذات اس سے بالا تر ہے کہ کوئی خامی۔ کوئی کمزوری کوئی آفت اس کو لاحق ہو یا کبھی اس کے کمال پر زوال آئے۔

چھٹی صفت فرمائی گئی المومن۔ امن دینے والا ہے۔ امن کے معنیٰ ہیں خوف سے محفوظ ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس خوف سے بالکل محفوظ ہے کہ وہ کبھی اس پر ظلم کرے گا یا اس کا حق مارے گا یا اس کا اجر ضائع کرے گا۔ یا اس کے ساتھ اپنے کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا۔ اور اس کا امن ساری کائنات اور اس کی ہر چیز کے لئے ہے۔

ساتویں صفت فرمائی گئی المھیمن نگہبانی کرنے والا ہے۔ حفاظت کرنے والا ہے یعنی تمام مخلوقات کی نگہبانی و حفاظت

فرماتا ہے۔

آٹھویں صفت فرمائی گئی العزیز زبردست ہے یعنی وہ ایسی زبردست ہستی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی سر نہ اٹھا سکتا ہو۔ جس کے آگے سب بے بس اور بے زور ہوں۔

نویں صفت فرمائی گئی الجبار خرابی کا درست کردینے والا ہے۔ جبر کے معنیٰ ہیں کسی شے کو طاقت سے درست کرنا۔ کسی چیز کی بزور اصلاح کرنا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کا نظم بزور درست رکھنے والا ہے۔

دسویں صفت بیان فرمائی گئی المتکبر بڑی عظمت والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ وہی حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لئے ہے۔

گیارھویں صفت فرمائی سبحٰن اللہ عما یشرکون۔ وہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے یعنی اس کی شان عظمت ۔ ربوبیت ۔حکومت ۔قدرت ۔صفات میں جو بھی کسی مخلوق کو اس کا شریک وساجھی قرار دے رہے ہیں وہ بہت بڑا جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کسی معنیٰ میں بھی کوئی اس کا شریک ہو۔ اس کی ذات ۔صفات اور اعمال میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

بارھویں صفت فرمائی گئی ھو اللہ الخالق وہ پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی پوری دنیا اور دنیا کی ہر ہر چیز خود بخود وجود میں نہیں آ گئی اور نہ اتفاقاً پیدا ہوگئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔

تیرھویں صفت فرمائی گئی الباریٔ ۔ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے۔ یعنی ہر چیز کو حکمت کے موافق بناتا ہے۔

چودھویں صفت فرمائی گئی المصور صورت شکل بنانے والا ہے۔ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔ ہر جنس۔ ہر نوع۔ ہر فرد کی صورت لاجواب بنائی۔

پندرھویں صفت فرمائی گئی لہ الاسمآء الحسنیٰ۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی صفات کمالیہ کا اظہار کرتے ہیں۔

سولھویں صفت بیان فرمائی گئی یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض ۔سب چیزیں اسی کی تسبیح وتقدیس کرتی ہیں حالاً یا قالاً جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ یعنی زبان قال یا زبان حال سے یہ بیان کررہی ہیں کہ ان کا خالق ہر عیب۔ نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔

سترھویں صفت فرمائی وھو العزیز الحکیم۔ وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اور سورۃ کو اسی جملہ پر ختم فرمایا گیا۔ جس سے مقصود یہ جتلانا ہے کہ جو معبود ایسی صفات کمالیہ کا مالک ہو اور جو ایسا باعظمت ہو اس کے احکام کی بجا آوری ضروری اور نہایت ضروری ہے اور اس کے احکام سے غفلت ولاپروائی اور ان سے انحراف اور ان کی نافرمانی کیسا شدید جرم ہے۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورہ حشر کا بیان پورا ہوگیا جس میں ۳ رکوع تھے۔ آئندہ بتوفیق الٰہی ہر رکوع کا خلاصہ عرض کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سورۃ الحشر

۱......جو آدمی سورۃ الحشر پڑھے اسے دنیا وآخرت کا امن حاصل ہوگا۔

۲......سورۃ فاتحہ، سورۃ حشر کی آخری چار آیات اور قل ھو اللہ احد تین مرتبہ، معوذتین تین تین مرتبہ لکھے پھر یہ لکھے

اللھم رب الناس الہ الناس اذھب الباس واشف حامل کتابی ھذا شفاء لا یغادر ہ سقم بحولک وقوتک و قدرتک انک علیٰ کل شیء قدیر وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ الہ و صحبہ وسلم

یہ سب چیزیں لکھ کر مریض کو پہنائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی

قدرت سے تندرست ہو جائے گا۔

۳......حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی صبح کے وقت یہ پڑھے

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم

پھر سورہ حشر کی پہلی تین آیات پڑھے

تو اللہ تعالیٰ ستر فرشتے مقرر فرماتے ہیں جو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اگر وہ آدمی اسی دن مر جائے تو شہادت کی موت مرے گا۔

اور جو شام کے وقت پڑھے تو اس کے لئے بھی یہی انعام ہے اور اگر اسی رات کو فوت ہو جائے تو اس پر شہداء کی مہر لگائی جاتی ہے۔

۴......حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھجوروں کا ایک ڈھیر رکھا تھا' آپؓ نے محسوس کیا کہ کھجوریں کسی نے چرائی ہیں' جب رات ہوئی تو آپ تاک میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک آیا' آپؓ نے اس سے پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا نصیبین میں رہنے والے جنوں میں سے ہوں' ہم اس بیت اللہ کی زیارت کے ارادہ سے آئے تھے ہم نے اپنے ساتھیوں کو آگے بھیجا تو وہ ہم سے بچھڑ گئے اور ہم تمہاری کھجوریں کھاتے رہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر تم سچے ہو تو مجھے اپنا ہاتھ دو' تو اس کا ہاتھ کتے کے ہاتھ کی طرح تھا۔ آپؓ نے اس سے فرمایا میری کھجوروں سے تم نے جو کھایا وہ تمہارے لئے حلال ہے اور بھی جو حاجت ہے وہ تجھے ملے گی کیا تم مجھے وہ چیز نہیں بتاتے جس کے سبب ہم سرکش جنوں سے بچ سکیں۔

تو اس نے سورۃ الحشر کے آخر کے کلمات لوانزلنا ہذا القرآن سے لے کر آخر سورۃ تک بتلائے۔

۵......جو آدمی اچھی طرح وضو کر کے چار رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے پھر رکوع میں سورۃ الحشر پڑھے تو جس حاجت کی وہ نیت کرے گا اس کا پورا ہونا اس کے لئے آسان ہو جائے گا۔

۶......جو آدمی ذہن کا کمزور اور سست ہو اور بھول جاتا ہو تو وہ شیشہ کے گلاس میں سورۃ الحشر لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر پی لے تو اس کا ذہن قوی اور چست ہو جائے گا' بھولنے کی بیماری ختم ہو جائے گی۔

۷......اگر کسی عضو میں درد ہو تو سورۃ الحشر کے خاتمہ کی آیات پڑھ کر دم کر دے' اللہ تعالیٰ کے حکم سے درد جاتا رہے گا۔

(الدرر النظیم)

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی ذات پاک وصفات کی معرفت کاملہ ہم سب کو نصیب فرمائیں اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے شرک سے ہم کو کامل طور پر بچائیں۔ یا اللہ اپنی عبادت و بندگی کی توفیق کاملہ نصیب فرما۔ اور اپنے جملہ احکام کی فرمانبرداری کے ساتھ ہم کو زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمائے۔

یا اللہ اپنے احکام سے غفلت ولا پروائی ہم سے دور فرما کر اپنا مطیع اور فرمانبردار بندہ ہونے کی سعادت عطا فرمائے۔ اور صبح وشام ان آیات مبارکہ کے ورد کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

اے ایمان والوتم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ اُن سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے

وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے

رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ

شہر بدر کرچکے ہیں۔ اگر تم میرے رستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈھنے کی غرض سے نکلے ہو

اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ

تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور جو شخص تم میں سے ایسا کریگا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝١

وہ راہ راست سے بہک گیا۔

یٰۤاَیُّهَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لَا تَتَّخِذُوْا تم نہ بناؤ	عَدُوِّیْ میرا دشمن	وَعَدُوَّكُمْ اور اپنے دشمن	اَوْلِیَآءَ دوست	تُلْقُوْنَ تم پیغام بھیجتے ہو
اِلَیْهِمْ ان کی طرف	بِالْمَوَدَّةِ دوستی سے۔کا	وَقَدْ كَفَرُوْا اور وہ منکر ہو چکے ہیں	بِمَا جَآءَكُمْ اس کے جو تمہارے پاس آیا	مِّنَ الْحَقِّ حق سے		
یُخْرِجُوْنَ وہ نکالتے (جلا وطن) کرتے ہیں	الرَّسُوْلَ رسول	وَاِیَّاكُمْ اور تمہیں بھی	اَنْ کہ	تُؤْمِنُوْا تم ایمان لاتے ہو	بِاللّٰهِ اللہ پر	
رَبِّكُمْ تمہارا رب	اِنْ اگر	كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ تم نکلتے ہو	جِهَادًا جہاد کیلئے	فِیْ سَبِیْلِیْ میرے راستے میں	وَابْتِغَآءَ اور چاہنے کیلئے	
مَرْضَاتِیْ میری رضا	تُسِرُّوْنَ تم چھپا کر بھیجتے ہو	اِلَیْهِمْ ان کی طرف	بِالْمَوَدَّةِ دوستی کا پیغام	وَاَنَا اَعْلَمُ اور میں خوب جانتا ہوں		
بِمَا وہ جو	اَخْفَیْتُمْ تم چھپاتے ہو	وَمَا اور جو	اَعْلَنْتُمْ تم ظاہر کرتے ہو	وَمَنْ اور جو	یَّفْعَلْهُ یہ کرے گا	مِنْكُمْ تم میں سے
فَقَدْ تو تحقیق	ضَلَّ وہ بھٹک گیا	سَوَآءَ سیدھا	السَّبِیْلِ راستہ			

تفسیر وتشریح: اس سورۃ میں مسلمان کے کفار کے ساتھ تعلقات سے متعلق اصولی طور پر یہ ہدایت دی گئی کہ وہ کفار جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں ان سے ہر طرح پر ترک تعلقات ضروری ہے۔ لیکن جو غیر مسلم جنگ نہیں کررہے ہیں ان سے احسان کرنے اور انصاف کرنے کا حکم ہے۔ اب اس آیت کی تشریح کے سلسلہ میں پہلے اس سورۃ کے شان نزول کے متعلق ایک واقعہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن

ابی بلتعہ کا جاننا ضروری ہے۔ اکابرین مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سورۃ کا نزول اس وقت ہوا تھا جب مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب کا ایک خط پکڑا گیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ جب قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کا معاملہ توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور خاموشی کے ساتھ فوج جمع کر کے مکہ کو فتح کر لینے کا ارادہ ہوا اور خبروں کی بندش کر دی گئی تا کہ کفار مکہ کو اس بات کا علم نہ ہو ورنہ وہ آپ کی تیاریوں کا حال سن کر لڑائی کا سامان شروع کر دیتے۔ اور بڑے کشت وخون کی نوبت آتی اور مکہ کو پر امن طریقہ سے فتح کرنے کے تمام فوائد ضائع ہو جاتے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جو کہ اہل بدر میں سے ہیں یعنی غزوہ بدر میں کفار مکہ سے جنگ میں شامل تھے اور جو یمن کے رہنے والے تھے وہ مکہ میں آ گئے تھے اور پھر ہجرت کر کے تنہا مدینہ منورہ آ گئے ان کے بھائی والدہ۔ اور اولاد اور ان کے اموال ابھی سب مکہ ہی میں تھے۔ حضرت حاطب نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں اور یہ خط ایک عورت کو دے دیا کہ مکہ والوں کو پہنچا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہو گئی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت فلاں مقام تک پہنچ چکی ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ اور چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ فلاں جگہ مکہ کے راستہ میں وہ عورت ملے گی اس سے وہ خط لے آؤ۔ یہ حضرات تیزی سے روانہ ہوئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا۔ اور اس عورت سے خط مانگا اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ان حضرات نے تلاشی لی مگر کوئی خط نہ ملا۔ آخر کو ان حضرات نے اس عورت سے کہا کہ خط ہمارے حوالہ کر دے ورنہ ہم برہنہ کر کے تلاشی لیں گے جب اس نے دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔ ان حضرات نے خط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ خط کھول کر پڑھا گیا تو اس میں قریش کے لوگوں کو اطلاع دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کی

تیاری کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ واقعی خط میرا ہی لکھا ہوا ہے لیکن یہ خط میں نے مخالفت اسلام کے سبب نہیں لکھا اور نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ اسلام سے پھرا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں اور وہاں ان کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل وعیال کو کچھ نہ کہیں اور ان سے اچھا سلوک کریں میں نے اس سے سمجھا کہ اس میں میرا کچھ فائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ فتح ونصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتے۔ آپ کو تو ضرور فتح ہو گی اور میرا نفع ہو جاوے گا کہ اہل مکہ اس کا احسان مان کر میرے اہل وعیال اور اموال کی حفاظت کریں گے اور ان کو ایذا اور ضرر نہ پہنچائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا اور اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اہل بدر میں سے ہیں۔ انہوں نے سچ کہا ہے۔ ان کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں اور ان کے لئے وعدہ جنت کا اعلان فرما دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ رو دیئے اور کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر یہ اور اگلی آیات نازل ہوئیں اور اس سورۃ کا بڑا حصہ اسی قصہ کے متعلق ہے چنانچہ اس آیت میں اہل ایمان سے خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی دشمن ہیں ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام ان کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیبا نہیں۔ تمہارے پاس جو دین حق آ چکا ہے وہ اس کے منکر ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا۔ محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا رب ہے کیوں مانتے ہو۔ اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہو گا۔ تعجب ہے کہ تم ایسوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے

ہو۔ تمہارا گھر اور وطن سے نکلنا اگر اللہ کی خوشنودی اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص اس کی رضا کے واسطے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

آگے بتلایا گیا کہ آدمی کوئی کام دنیا سے چھپا کر کرنا چاہے تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپا لے گا؟ دیکھو لاکھ چاہا اور کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع کر دیا اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔ مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔

حضرت حاطب پر بدری صحابی ہونے کے باوجود جو اتنی سخت گرفت ہوئی تو اس سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی میں دشمن حربی سے خط و کتابت رکھنا یا تعلقات دوستانہ قائم رکھنا کیسا شدید جرم ہے۔

ان آیات میں گو نزول کا موقع حضرت حاطبؓ کا واقعہ ہے لیکن حکم عام ہے اور اہل ایمان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ تعلیم دی گئی کہ کفر و اسلام کا جہاں مقابلہ ہو اور جہاں لوگ اہل ایمان سے محض ان کے مسلمان ہونے کی بنا پر دشمنی کر رہے ہوں تو کسی مسلمان کا کسی غرض اور کسی مصلحت سے بھی کوئی ایسا کام کرنا جس سے اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہو ہرگز کسی مومن کے لئے روا نہیں۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے فضائل اصحاب بدریین کا بھی علم ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا جیسا کہ بخاری و دیگر کتب احادیث میں روایت ہے کہ ''تحقیق اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو۔ جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے''۔

معلوم ہوا کہ اصحاب بدر کی اس عظیم الشان نیکی کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو ان کی اس نیکی شرکت غزوہ بدر کو محو کر سکے بلکہ یہ عظیم الشان نیکی ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حاطب کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے ان پر نفاق کا حکم لگایا اور ان کے قتل کی اجازت چاہی مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمر! حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے۔ یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہو گئی۔ روحانی مزاج اس کا صحیح ہے۔ بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہو گئی۔ صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ زکام کی شکایت پیش آ جاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حاطب کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا ما ھذا یا حاطب؟ اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کی عارضی شکایت کے لئے یہی کافی جوشاندہ تھا۔ سنتے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا دور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی پیش نہ آئی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حضرت حاطب کو سفیر بنا کر بھیجا۔

الغرض اسی حضرت حاطب کے واقعہ میں یہ اور اگلی آیات اس سورۃ کی نازل ہوئیں اور کفار و مشرکین سے موالات اور دوستانہ تعلقات رکھنے کی حرمت و ممانعت اور دیگر احکام بیان فرمائے گئے۔ آگے مزید اسی کا بیان ہے کہ یہ کفار تو دینی و دنیوی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے دشمن اور بدخواہ ہیں تو اعدائے دین کے ساتھ دوستی کا تعلق کیسا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ

اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور وہ اس بات کے متمنی ہیں

وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝٢ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ

کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن کام نہ آویں گے خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا،

بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٣ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ابراہیم میں اوران لوگوں میں جو کہ ان کے شریک حال تھے

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

ایک عمدہ نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں

اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا

ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کیلئے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ

بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ

لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں،

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝٤ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٥

کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے، بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

اِنْ اگر	يَّثْقَفُوْكُمْ وہ تمہیں پائیں	يَكُوْنُوْا وہ ہوجائیں	لَكُمْ تمہارے	اَعْدَآءً دشمن	وَيَبْسُطُوْٓا اور وہ کھولیں	اِلَيْكُمْ تم پر	اَيْدِيَهُمْ اپنے ہاتھ
وَاَلْسِنَتَهُمْ اور اپنی زبانیں	بِالسُّوْٓءِ برائی کے ساتھ	وَوَدُّوْا اور وہ چاہتے ہیں	لَوْ تَكْفُرُوْنَ کاش تم کافر ہوجاؤ	لَنْ تَنْفَعَكُمْ تمہیں ہرگز نفع نہ دیں گے			
اَرْحَامُكُمْ تمہارے رشتے	وَ اور	لَا نہ	اَوْلَادُكُمْ تمہاری اولاد	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن	يَفْصِلُ وہ (اللہ) فیصلہ کردے گا		
بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	بَصِيْرٌ دیکھتا ہے	قَدْ كَانَتْ بیشک ہے	لَكُمْ تمہارے لئے		
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ چال (نمونہ) بہترین	فِيْ میں	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	وَالَّذِيْنَ اور جو	مَعَهٗ اسکے ساتھ	اِذْ قَالُوْا جب انہوں نے کہا	لِقَوْمِهِمْ اپنی قوم کو	
اِنَّا بُرَءٰۗؤُا بیشک ہم لاتعلق	مِنْكُمْ تم سے	وَ اور	مِمَّا ان سے جن کی	تَعْبُدُوْنَ تم بندگی کرتے ہو	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	كَفَرْنَا ہم منکر ہیں	
بِكُمْ تمہارے	وَبَدَا اور ظاہر ہوگئی	بَيْنَنَا ہمارے درمیان	وَ اور	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	الْعَدَاوَةُ عداوت	وَ اور	الْبَغْضَاۗءُ بغض (دشمنی)

اَبَدًا ہمیشہ کیلئے	حَتّٰی یہانتک کہ	تُؤْمِنُوْا تم ایمان لے آؤ	بِاللّٰہِ اللہ پر	وَحْدَہٗ واحد	اِلَّا قَوْلَ مگر کہنا	اِبْرٰھِیْمَ ابراہیم	لِاَبِیْہِ اپنے باپ سے
لَاَسْتَغْفِرَنَّ البتہ میں ضرور مغفرت مانگوں گا	لَکَ تمہارے لئے	وَمَا اور نہیں	اَمْلِکُ میں اختیار رکھتا	لَکَ تمہارے لئے	مِنَ اللّٰہِ اللہ سے آگے		
مِنْ شَیْءٍ کچھ بھی	رَبَّنَا اے ہمارے رب	عَلَیْکَ تجھ پر	تَوَکَّلْنَا ہم نے بھروسہ کیا	وَاِلَیْکَ اور تیری طرف	اَنَبْنَا ہم نے رجوع کیا	وَاِلَیْکَ اور تیری طرف	
الْمَصِیْرُ بازگشت	رَبَّنَا اے ہمارے رب	لَا تَجْعَلْنَا ہمیں نہ بنا	فِتْنَۃً آزمائش (تختۂ مشق)	لِلَّذِیْنَ اُن کیلئے جنہوں نے	کَفَرُوْا کفر کیا۔ کافر		
وَاغْفِرْ اور بخش دے	لَنَا ہمیں	رَبَّنَا اے ہمارے رب	اِنَّکَ بیشک تو	اَنْتَ تو ہی	الْعَزِیْزُ غالب	الْحَکِیْمُ حکمت والا	

تفسیر وتشریح: گذشتہ درس میں اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان آیات کا تعلق حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے ہے جنہوں نے اہل مکہ کو خفیہ طور پر ایک خط لکھا تھا۔

اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تم ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے گریز نہ کریں۔ زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذائیں پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر اور بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔ پھر حضرت حاطبؓ نے وہ خط اپنے اہل وعیال کی خاطر لکھا تھا اس پر تنبیہ فرمائی گئی کہ اولاد اور رشتہ دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے اللہ تعالیٰ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے اسی کے موافق فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا۔ پوتا۔ بیوی بچہ۔ بھائی بہن۔ عزیز واقارب ہٹا نہیں سکیں گے پھر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ ایک مسلمان اہل وعیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے۔ یاد رکھو ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضا مندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔ غرض کہ یہاں سے یہ سمجھایا گیا یہ کافر تو دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے دشمن اور بدخواہ ہیں اور کافروں اور بے دینوں سے تعلقات بڑھانے اور دوستی کرنے کا محرک اکثر دنیا کا نفع اور اپنے اہل وعیال کی فلاح کا خیال ہوتا ہے تو یہاں اس خیال کی جڑ کاٹ دی گئی کہ جن اہل و عیال اور عزیز واقارب کی خاطر آج تم اللہ کی ناراضگی مول لے رہے ہو۔ آخرت میں جو مستقل فیصلہ کا وقت ہوگا یہ تمہیں اللہ کی عقوبت سے ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔

اس کی نظیر میں آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ اس بارہ میں کفار سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے متبعین نے کیا کہ اپنے اپنے وقت میں سب ہی نے کفار ومشرکین سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا اور اپنی بت پرست قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ تم اللہ سے منکر ہو اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور ذرا برابر تمہاری پروا نہیں کرتے اور ہمارے اور تمہارے درمیان یہ دشمنی اور بیر اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب تم شرک کو چھوڑ کر اسی ایک آقا و مالک کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں۔ غرض ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کفار سے صاف قطع تعلق کر دیا۔ ہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اتنا ضرور کہا تھا کہ میں اللہ سے تیرے لئے استغفار کروں گا اور تمہارے لئے استغفار سے زیادہ مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ دعا کو قبول ہی کرا لوں یا ایمان نہ لانے کے باعث تم کو عذاب سے بچا لوں یہ کہہ کر وہ اپنی قوم اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے اور پھر ان کی طرف منہ نہیں کیا اور ہجرت کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم اس اظہار عداوت مع الکفار میں آپ پر توکل کرتے ہیں اور سب کو چھوڑ کر آپ کی ذات پر

بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر آپ کی طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر آپ ہی کی طرف آنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار آپ ہمیں کفار کا ذریعہ امتحان و آزمائش نہ بنائیے کہ وہ ہمیں جس طرح چاہیں ستائیں اور اے رب ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور تقصیرات سے درگزر کر۔ آپ بڑے زبردست اور حکمت والے ہیں اور اس لئے آپ جو کرنا چاہیں نہ اس میں کوئی مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ الغرض یہ کام تھے اور یہ دعا تھی حضرت ابراہیم السلام اور ان کے متبعین کی پس تم کو یہی کام کرنے چاہئے تھے نہ کہ ان سے دوستی کرنا۔

یہاں ان آیات سے عام تعلیم جو ملتی ہے وہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی ہے۔ یعنی صرف اللہ کے واسطے کی محبت اور صرف اللہ کے واسطے کی دشمنی۔ بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ایمان کے بعد حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہی کا مرتبہ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا بتلاؤ ایمان کی کونسی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا۔ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا موالات فی اللہ۔ والحب فی اللہ والبغض فی اللہ یعنی اللہ کے لئے باہم تعلق و تعاون۔ اور اللہ کے واسطے کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض وعداوت۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو خواہ موالات ہو یا ترک موالات۔ محبت ہو یا عداوت۔ وہ اپنے نفس کے تقاضہ۔ یا کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لئے اور اس کے حکم کے ماتحت ہو۔ (معارف الحدیث) ایک حدیث میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے ایک سوال کے جواب میں کہ ایمان کا افضل اور اعلیٰ درجہ کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لئے دوستی اور دشمنی۔ دوسرے زبان کا یاد الٰہی میں مشغول رکھنا۔ تیسرے بندگان خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسرے لوگوں کے لئے بھی چاہے اور جو اپنے لئے پسند نہ کرے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی صفت محمودہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے اسی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے معاملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تقلید کی ترغیب مزید دی گئی ہے اور اس کے خلاف پر وعید سنائی گئی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی صفات ہم کو بھی عطا فرمائیں اور اپنے دوستوں سے دوستی اور اپنے دشمنوں کی دشمنی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں ہم کو دنیا کے تعلقات سے بے نیاز رکھیں۔

یا اللہ ہم کو اور پوری امت مسلمہ کو دعا ابراہیمی مانگنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن

بے شک اُن لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کیلئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہو، اور جو شخص

يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝٦ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ

روگردانی کرے گا سو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے

عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٧ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ

تمہاری عداوت ہے دوستی کردے، اور اللہ کو بڑی قدرت ہے، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان

لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا

اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا،

إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝٨ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ

اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارہ میں لڑے ہوں

وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ

اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝٩

سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

لَقَدْ كَانَ تحقیق (یقیناً) ہے	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيهِمْ ان میں	أُسْوَةٌ چال (نمونہ)	حَسَنَةٌ بہترین	لِّمَن اس کیلئے جو		
كَانَ يَرْجُوا امید رکھتا ہے	اللَّهَ اللہ	وَالْيَوْمَ الْآخِرَ اور آخرت کا دن	وَمَن اور جو۔جس	يَتَوَلَّ روگردانی کریگا	فَإِنَّ اللَّهَ تو بیشک اللہ		
هُوَ الْغَنِيُّ وہ بے نیاز	الْحَمِيدُ ستودہ صفات	عَسَى اللَّهُ قریب ہے کہ اللہ	أَن کہ	يَجْعَلَ وہ کردے	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان		
وَبَيْنَ اور درمیان	الَّذِينَ ان لوگوں کے	عَادَيْتُم تم عداوت رکھتے ہو	مِّنْهُم ان سے	مَّوَدَّةً دوستی	وَاللَّهُ اور اللہ	قَدِيرٌ قدرت رکھنے والا	
وَاللَّهُ اوراللہ	غَفُورٌ بخشنے والا	رَّحِيمٌ رحم کرنیوالا	لَا يَنْهَاكُمُ تحقیق منع نہیں کرتا	اللَّهُ اللہ	عَنِ سے	الَّذِينَ جولوگ	لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ تم سے نہیں لڑتے
فِي الدِّينِ دین میں	وَلَمْ يُخْرِجُوكُم اورانہوں نے تمہیں نہیں نکالا	مِّن سے	دِيَارِكُمْ تمہارے گھر (جمع)	أَن تَبَرُّوهُمْ کہ تم دوستی کروان سے			
وَتُقْسِطُوا اورتم انصاف کرو	إِلَيْهِمْ ان سے	إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	يُحِبُّ محبوب رکھتا ہے	الْمُقْسِطِينَ انصاف کرنیوالے	إِنَّمَا اس کے سوانہیں		
يَنْهَاكُمُ تمہیں منع کرتا ہے	اللَّهُ اللہ	عَنِ سے	الَّذِينَ جولوگ	قَاتَلُوكُمْ تم سے لڑے	فِي الدِّينِ دین میں	وَأَخْرَجُوكُم اورانہوں نے تمہیں نکالا	
مِّن سے	دِيَارِكُمْ تمہارے گھر	وَ اور	ظَاهَرُوا انہوں نے مدد کی	عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ تمہارے نکالنے پر	أَن تَوَلَّوْهُمْ کہ تم دوستی کروان سے		
وَمَن اور	يَتَوَلَّهُمْ ان سے دوستی رکھے گا	فَأُولَٰئِكَ تو وہی لوگ	هُمُ وہ	الظَّالِمُونَ ظالم (جمع)			

تفسیر و تشریح: اوپر شروع سورۃ سے مضمون حضرت حاطبؓ کے کفار مکہ کو پیغام بھیجنے اور ان سے دوستی کے تعلق کو ظاہر کرنے کے متعلق بیان ہوتا چلا آرہا ہے

اسی امر کی تاکید اور مزید ترغیب کے لئے ان آیات میں فرمایا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے متبعین کی چال اختیار کرنی چاہئے۔ دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور تنگدل کہے تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو جو دنیا کے موحد اعظم حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا۔ مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے اگر اس کے خلاف چلو گے اور خدا کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پروا ہے۔ وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ اب چونکہ کچھ کفار کی عداوت سن کر مسلمانوں کو فکر ہوسکتی تھی۔ کچھ رشتہ ناطہ کے قطع سے طبعاً رنج ہوسکتا تھا۔ اس لئے بطور بشارت کے آگے پیشین گوئی فرمائی جاتی ہے کہ اللہ کی قدرت و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں کل انہیں مسلمان کر دے اور اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا کہ ان آیات کے نازل ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد تقریباً سب مکہ والے فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے اب ایک دوسرے کے رفیق غمگسار بن گئے۔ تو یہاں آیت میں یہ پیشین گوئی فرما کر کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کرا دے مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ مکہ والوں کے مقابلہ میں یہ ترک موالات کا جہاد صرف چند روز کے لئے ہے پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی اس لئے تم کو چاہئے کہ بحالت موجودہ تم مضبوطی سے ترک موالات پر قائم رہو اور جس کسی سے اس باب میں بے اعتدالی ہوگئی ہو اللہ سے اپنی خطا معاف کرائے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔ اب یہاں تک تو کفار سے دوستانہ تعلق کی نسبت حکم فرمایا گیا تھا کہ ان سے قطع تعلق واجب ہے آگے کفار سے محسنانہ تعلقات کے حکم کی تفصیل بیان فرمائی جاتی ہے۔ مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خود تو مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھتے تھے۔ نہ دین کے معاملہ میں مسلمانوں سے لڑے نہ ان کو ستانے اور وطن سے نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو تمام کافروں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں ایسا کرنا حکمت اور انصاف کے خلاف ہوگا۔ کفار کے ساتھ ان کے حالات کے فرق کے اعتبار سے معاملہ کرنے کی تفصیل سورہ مائدہ اور آل عمران میں گزر چکی ہے اس لئے پھر اخیر میں فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع فرماتے ہیں جو تم سے دین کے بارہ میں لڑے ہوں یا لڑنے کا عزم رکھتے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو یعنی ہجرت پر مجبور کیا ہو یا تمہارے نکالنے میں ظالموں کی مدد کی ہو۔ ایسے لوگوں سے یعنی اہل حرب کفار سے جو دوستی کا برتاؤ کرے گا تو پھر وہ گناہ گار ہوگا۔

اب آگے ایسی عورتوں کا حکم بیان فرمایا گیا ہے جو ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آویں تو تم اُن کا امتحان کرلیا کرو، اُن کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ

پس اگر ان کو مسلمان سمجھوتو اُن کو کفار کی طرف واپس مت کرو نہ تو وہ عورتیں اُن کافروں کے لئے

وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ

حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کیلئے حلال ہیں۔اوران کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ اُن کوادا کردواور تم کوان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔـلُوْا

جب کہ تم اُن کے مہران کودیدو، اور تم کافرعورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھواور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لواور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو

مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ

وہ مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے

شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ

کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آوے پھر تمہاری نوبت آوے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں

اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اس کے برابر تم ان کو دیدو، اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	اِذَا جَآءَكُمُ جب تمہارے پاس آئیں	الْمُؤْمِنٰتُ مومن عورتیں	مُهٰجِرٰتٍ مہاجر عورتیں		
فَامْتَحِنُوْهُنَّ تو ان کا امتحان کرلیا کرو	اَللّٰهُ اَعْلَمُ اللہ خوب جانتا ہے	بِاِيْمَانِهِنَّ انکے ایمان کو	فَاِنْ پس اگر	عَلِمْتُمُوْهُنَّ تم انہیں جان لو		
مُؤْمِنٰتٍ مومن عورتیں	فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ تو تم انہیں واپس نہ کرو	اِلَى طرف	الْكُفَّارِ کافروں	لَا هُنَّ وہ عورتیں نہیں	حِلٌّ حلال	
لَّهُمْ اُن کیلئے	وَلَا هُمْ اور نہ وہ مرد	يَحِلُّوْنَ وہ حلال ہیں	لَهُنَّ ان عورتوں کیلئے	وَاٰتُوْهُمْ اور تم انکو دیدو	مَّآ اَنْفَقُوْا جو انہوں نے خرچ کیا	
وَلَا جُنَاحَ اور کوئی گناہ نہیں	عَلَيْكُمْ تم پر	اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو	اِذَا جب	اٰتَيْتُمُوْهُنَّ تم انہیں دے دو		
اُجُوْرَهُنَّ ان کے مہر	وَلَا تُمْسِكُوْا اور تم نہ قبضہ رکھو	بِعِصَمِ ناموس	الْكَوَافِرِ کافرعورتیں	وَسْـَٔـلُوْا اور تم مانگ لو	مَآ اَنْفَقْتُمْ جو تم نے خرچ کیا	
وَ اور	لْيَسْـَٔـلُوْا چاہیے کہ وہ مانگ لیں	مَآ اَنْفَقُوْا جو انہوں نے خرچ کیا	ذٰلِكُمْ یہ	حُكْمُ اللّٰهِ اللہ کا حکم	يَحْكُمُ وہ فیصلہ کرتا ہے	
بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	حَكِيْمٌ حکمت والا	وَ اور	اِنْ اگر	فَاتَكُمْ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے
شَيْءٌ کوئی	مِّنْ سے	اَزْوَاجِكُمْ تمہاری بیویاں	اِلَى الْكُفَّارِ کفار کی طرف	فَعَاقَبْتُمْ تو ان (کفار) کو سزا دو	فَاٰتُوْا پس دو	الَّذِيْنَ انکو جن کی

ذَهَبَتْ جاتی رہیں	اَزْوَاجُهُمْ ان کی عورتیں	مِثْلَ اس قدر	مَآ اَنْفَقُوْا جو انہوں نے خرچ کیا	وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور ڈرو	الَّذِیْٓ وہ جس	اَنْتُمْ تم	
	بِهٖ اس پر	مُؤْمِنُوْنَ ایمان رکھتے ہو					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں احکام بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے جو دارالحرب سے دارالاسلام میں آئیں یا دارالحرب میں مقیم رہیں۔ ۲۶ ویں پارہ سورہ فتح میں صلح حدیبیہ کا مفصل تذکرہ بیان ہو چکا ہے۔ اس صلح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص قریش کا مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے اور جو مدینہ سے مکہ آ جائے گا وہ واپس نہ کیا جائے گا۔ اول اول تو مسلمان مرد مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ جاتے تو اس معاہدہ کی شرائط کے موافق کفار کے مطالبہ پر انہیں واپس کیا جاتا رہا۔ پھر مسلمان عورتوں کے مکہ سے نکل کر مدینہ آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے ام کلثوم بنت عقبہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تو کفار نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا اور ام کلثوم کے دو بھائی انہیں واپس لے جانے کے لئے مدینہ پہنچ گئے۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا صلح حدیبیہ کے معاہدہ کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسی صورت حال کے متعلق یہ آیات نازل فرما کر یہ صاف حکم دے دیا کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ ایمان اور اسلام ہی کی خاطر ہجرت کر کے آئی ہیں تو انہیں واپس نہ کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ام کلثوم بنت عقبہ کی واپسی کا مطالبہ لے کر ان کے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ شرط مردوں کے بارہ میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارہ میں۔ اس وقت تک قریش کے لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ معاہدے کا اطلاق ہر طرح کے مہاجرین پر ہوتا ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے معاہدہ کے الفاظ کی طرف توجہ دلائی تو ان کو بھی خاموش ہونا پڑا کیونکہ (حسب روایت بخاری شریف) معاہدہ میں لفظ رجل استعمال ہوا تھا اور عربی زبان میں رجل مرد ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ معاہدہ کی اس شرط کے لحاظ سے مسلمانوں کو حق تھا کہ جو عورت بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ آتی خواہ وہ کسی غرض سے آئے تو اسے واپس کرنے سے انکار کر دیتے لیکن اسلام کو صرف مومن عورتوں کی حفاظت سے تعلق تھا۔ ہر طرح کی بھاگ کر پہنچ جانے والی عورت کے لئے مدینہ طیبہ کو پناہ گاہ بنانا مقصود نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حکم فرمایا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے مدینہ آئیں اور اپنے مومن ہونے کا اظہار کریں تو دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن ظاہری طور سے ان عورتوں کو جانچ کر لیا کرو کہ آیا وہ واقعی مسلمان ہیں اور محض اسلام اور ایمان کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں بنا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ ان کا امتحان کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے بیعت لیتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بیعت لیا کرتے تھے۔

آگے حکم ہوا کہ زوجین میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اس اختلاف دین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے تو جو

مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے اور اب جو عورت کا مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے تب نکاح میں لا سکتا ہے۔ دوسری طرف دارالاسلام میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو یعنی جو تمہاری بیویاں دارالکفر میں کفر کی حالت میں رہ گئیں ان کا نکاح تم سے زائل ہو گیا۔ آغاز اسلام میں بہت سے ایسے مرد تھے کہ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا مگر ان کی بیویاں مسلمان نہ ہوئیں اور بہت سی ایسی عورتیں تھیں جو مسلمان ہو گئیں مگر ان کے شوہروں نے اسلام قبول نہ کیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص غیر مسلم تھے اور کئی سال تک غیر مسلم رہے تو ابتدائی دور میں ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ مسلمان عورت کے لئے اس کا کافر شوہر اور مسلمان مرد کے لئے اس کی کافر بیوی حلال نہیں۔ اس لئے ان کے درمیان ازدواجی رشتے برقرار رہے۔ ہجرت کے بعد بھی کئی سال تک یہ صورت حال رہی۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیات نازل ہوئیں تو ان کی رو سے مسلمانوں اور کفار و مشرکین کے درمیان سابق ازدواجی رشتوں کو ختم کر دیا اور آئندہ کے لئے ایک قطعی اور واضح قانون کا حکم فرما دیا گیا۔ تو پہلا حکم یہاں ہجرت کر کے آنے والی مومن عورتوں کے بارہ میں یہ دیا گیا کہ وہ اپنے کافر شوہروں کے لئے حلال نہیں رہیں۔ جنہیں وہ دارالکفر میں چھوڑ آئی ہیں۔ دوسری طرف مہاجر مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی ان کافر بیویوں کو جو دارالکفر میں رہ گئی ہیں ان کو چھوڑ دیں اور ان سے تعلق نکاح ختم کر دیں۔ پھر جو کافر اس عورت سے نکاح کرے اس مسلمان مہاجر کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے۔ جب یہ احکام نازل ہوئے تو مسلمان ان احکام کے مطابق مہر کی رقم دینے کو بھی اور لینے کو بھی تیار ہو گئے لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا اس کے متعلق حکم دیا گیا کہ جس مسلمان کی کافر عورت رہ گئی اور کافر اس مسلمان کا کیا ہوا خرچ واپس نہیں کرتے تو جس کافر کی عورت مسلمانوں کے ہاں آئے اس کو جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے ہاں اس مسلمان کا حق دے کر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں بعض علما نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان۔ کافر کو خرچ کیا ہوا واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال میں سے دیا جائے۔ اللہ اکبر! کس قدر عدل انصاف کی تعلیم ہے لیکن اس پر کاربند وہی ہوگا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتا ہو۔

اب آگے خاتمہ کی آیات میں مومن عورتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور شروع سورۃ میں جو مضمون بیان فرمایا گیا تھا خاتمہ پر پھر وہی یاد دلایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری عورتوں کو سب کو سچا اور پکا اسلام اور ایمان نصیب فرمائیں اور شریعت اسلامیہ کے قوانین کے موافق ہم کو اپنی زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ آپ نے اپنی حکمت سے جو احکام ہم پر مقرر فرمائے ہیں ان کی دل و جان سے اطاعت کرنا ہم کو نصیب فرمائیے۔ اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو بچائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آویں کہ آپ سے بیعت کریں اِس پر کہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی

وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ

اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں

وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور پاؤں کے درمیان بنالیویں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے، بیشک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا

غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ آخرت سے

مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝۱۳ ع

ایسے نا اُمید ہوگئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں نا اُمید ہوں گے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی	اِذَا جب	جَآءَكَ آپکے پاس آئیں	الْمُؤْمِنٰتُ مومن عورتیں	يُبَايِعْنَكَ آپ سے بیعت کرنے کیلئے	عَلٰٓى اَنْ اس پر کہ		
لَا يُشْرِكْنَ وہ شریک نہ کریں گی	بِاللّٰهِ اللہ کے ساتھ	شَيْئًا کسی شے کو	وَلَا يَسْرِقْنَ اور نہ وہ چوری کریں گی	وَلَا يَزْنِيْنَ اور نہ زنا کریں گی			
وَلَا يَقْتُلْنَ اور نہ وہ قتل کریں گی	اَوْلَادَهُنَّ اپنی اولاد	وَلَا يَاْتِيْنَ اور نہ لائیں گی	بِبُهْتَانٍ بہتان سے	يَفْتَرِيْنَهٗ جو انہوں نے باندھا ہو			
بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ اپنے ہاتھوں کے درمیان	وَاَرْجُلِهِنَّ اور اپنے پاؤں	وَلَا يَعْصِيْنَكَ اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی	فِيْ مَعْرُوْفٍ نیک کاموں میں				
فَبَايِعْهُنَّ تو آپ ان سے بیعت لے لیں	وَاسْتَغْفِرْ اور مغفرت مانگیں	لَهُنَّ ان کیلئے	اللّٰهَ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَحِيْمٌ رحم کرنیوالا	
يَاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لَا تَتَوَلَّوْا تم دوستی نہ رکھو	قَوْمًا وہ لوگ	غَضِبَ اللّٰهُ اللہ نے غضب کیا	عَلَيْهِمْ ان پر	قَدْ يَئِسُوْا وہ ناامید ہوچکے	
مِنَ سے	الْاٰخِرَةِ آخرت	كَمَا جیسے	يَئِسَ مایوس ہیں	الْكُفَّارُ کافر (جمع)	مِنْ سے	اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ قبروں والوں (مردے)	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں ایمان والوں کو خطاب کرکے یہ حکم بیان ہوا تھا کہ جب مسلمان عورتیں ہجرت کرکے مدینہ آئیں تو ان کا امتحان اور ان کے مومن ہونے کی جانچ پڑتال کرلیا کرو اور جب معلوم ہوجائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کیا جائے ۔ صحیح بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کرکے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت یاایھا النبی سے ہوتا تھا۔ جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کرلیتی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کہ میں نے بیعت کرلی ہے۔ آپ صرف گفتگو کے ذریعہ بیعت کرتے اور خدا کی قسم بیعت میں کبھی آپ کے ہاتھ نے کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ یہ ''آیت بیعت'' کہلاتی ہے۔

اب یہاں موقع کی مناسبت سے بیعت کی حقیقت اور اس کی فضیلت کے متعلق بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی فروخت کرنے کے ہیں اصطلاح شریعت میں اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اپنے جان اور مال کو خداوند ذوالجلال کے ہاتھ بمعاوضہ جنت فروخت کر دینے کا نام ''بیعت'' ہے۔ تو گویا اس معاملہ بیعت میں انسان بائع یعنی

فروخت کرنے والا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مشتری یعنی خرید کرنے والے ہیں جو چیز کہ فروخت کی جاتی ہے وہ انسان کی اپنی جان ہے اور جس قیمت اور معاوضہ پر یہ خرید فروخت کی جاتی ہے وہ جنت ہے۔ تمام عقلا کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ بیع ہو جانے کے بعد جو چیز فروخت کی جاتی ہے وہ بائع یعنی بیچنے والے کی ملک سے نکل کر مشتری یعنی خریدار کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے اور مشتری ہی تمام تصرفات کا مالک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن بیعت کر لینے کے بعد اپنے نفس کا مالک نہیں رہتا اس لئے مومن کو چاہئے کہ اب نفس میں اپنی رائے سے اور اپنی خواہش سے کوئی تصرف نہ کرے۔ مگر یہ معاملہ بیعت حق جل وعلا سے براہ راست نہیں ہوتا۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے وارثین کے توسط سے ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ نے جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دست مبارک پر بیعت کی اصل بیعت اللہ تبارک وتعالیٰ سے تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں وکیل اور کفیل تھے۔

اسی لئے یہ عمل بیعت سلف سے لے کر خلف تک اہل اللہ اور بزرگان میں جاری وساری ہے۔ تو یہ آیت جو ''آیت بیعت'' کے نام سے مشہور ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس ہجرت کر کے آویں تو اگر وہ ان شرطوں کو قبول کر لیں تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اب وہ شرائط بیان فرمائے جاتے ہیں۔

1- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ عرب میں طرح طرح کے شرک عام تھے اور عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا تھیں اس لئے سب سے اول اس اہم شرط کو پیش کیا گیا۔

2- چوری نہ کریں گی۔ چوری اگرچہ مردوں کے لئے بھی سخت عیب اور بدنما دھبہ ہے لیکن عورت کے حق میں اور بھی زیادہ عیب ہے خصوصاً خانہ داری میں خاوند سے چوری۔ اس لئے شرک باللہ کے بعد اس کو منع کیا گیا۔

3- زنا نہ کریں گی۔ زنا مردوں کے لئے بھی برا کام ہے مگر معاذ اللہ عورت کے لئے تو اور بھی شرمناک دھبہ ہے جو اس کی اولاد اور خاندان سے بھی دور نہیں ہوتا۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ زنا جس طرح ممنوع ہے اسی طرح اس کے دواعی بھی ممنوع ہیں یعنی وہ باتیں جو زنا کا باعث اور سبب بنیں مثلاً غیر محرم کا گھر میں آنا جانا۔ اس سے بے ضرورت باتیں کرنا۔ غیروں کے ساتھ سیر وتفریح میں جانا یا فحش اور شہوت انگیز قصہ کہانی یا ناولوں کا پڑھنا یا ناچ رنگ کی محفلوں میں شریک ہونا۔ لوگوں کو اپنے کپڑے زیور کی جھلکیاں دکھلانا۔ شراب یا نشہ آور چیزوں کا استعمال کرنا یہ ساری باتیں زنا کاری کے دروازے ہیں۔

4- اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ عرب میں ایام جاہلیت میں دستور تھا کہ دامادی کی عار وننگ سے بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے۔

5- نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی۔ جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور تھا کہ کسی غیر کا بچہ اٹھا لائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے اور یا کسی سے بدکاری کی اور اس نطفہ حرام کو اپنے خاوند کا بتلا دیا۔

6- مشروع باتوں میں وہ آپؐ کے خلاف نہ کریں گی۔ اس میں سب احکام شرعیہ آ گئے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر عورتیں ان چھ باتوں پر عہد کر لیں اور اس پر بیعت کریں تو آپ ان کی بیعت قبول کر لیں اور ان کے پہلے گناہوں پر اللہ سے مغفرت ان کے لئے طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

آج اگر ہم غور کریں تو نہ صرف اس ملک میں بلکہ تمام عالم اسلام میں تشبہ بالاغیار والیہود والنصاریٰ کی بیماری وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم حقیقی اسلام سے دن بدن دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور قرآن وسنت کے اتباع کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

الحمد للہ اس درس پر سورہ ممتحنہ کا بیان ختم ہو گیا۔

سورۃ الممتحنۃ کے خواص

جس آدمی کی تلی کی کوئی بیماری ہو وہ سورۃ الممتحنۃ لکھ کر اس کا پانی پیئے تین دن مسلسل ایسا کرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جائے گا۔ (الدر النظیم)

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔

سَبَّحَ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کی	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَهُوَ اور وہ	
الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	يٰاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لِمَ کیوں	تَقُوْلُوْنَ تم کہتے ہو	مَا جو	لَا تَفْعَلُوْنَ تم کرتے نہیں
كَبُرَ بڑی	مَقْتًا ناپسندیدہ	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک	اَنْ کہ	تَقُوْلُوْا تم کہو	مَا جو	لَا تَفْعَلُوْنَ تم کرتے نہیں	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
يُحِبُّ دوست رکھتا ہے	الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ جو لوگ لڑتے ہیں	فِيْ سَبِيْلِهٖ اس کے راستہ میں	صَفًّا صف بستہ ہوکر	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ			
بُنْيَانٌ ایک عمارت	مَرْصُوْصٌ سیسہ پلائی ہوئی						

تفسیر وتشریح: مثل گذشتہ سورۃ کے اس سورۃ کو بھی اللہ کے تسبیح کے ذکر سے شروع فرمایا گیا کہ تمام مخلوقات جو کچھ آسمانوں میں ہیں یا زمین میں ہیں سب قالاً یا حالاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکی اور بڑائی اور تسبیح وتقدیس بیان کرتی ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ زبان سے ایک بات کہہ دینا تو آسان ہے لیکن اسکا نباہنا اور عملاً پورا کرنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے کہے تو بہت کچھ مگر کرے کچھ نہیں۔ تو اہل ایمان نے کہا تھا کہ ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کونسا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم وہی اختیار کریں اس پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں کہ دیکھو دعوے کی بات سے ڈرنا چاہئے اور سنبھل کر کوئی دعویٰ کرنا چاہئے۔ لو ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔ جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ تو مقصود یہ بتلانا ہے کہ محض زبان سے دعوے مت کرو بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو۔

ان آیات سے کئی اہم امور معلوم ہوئے ایک یہ کہ ایک سچے اور پکے مومن و مسلم کے قول وعمل میں مطابقت ہونی چاہئے۔ جو زبان سے کہے اسے کر کے دکھائے اور اگر کرنے کی نیت وہمت

نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے۔ کہنا کچھ اور کرنا کچھ اس طرح لاف زنی اور زبان سے تعلّی و تفاخر کی باتیں یہ انسان کی ایسی بری صفات میں سے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگرچہ کسی کے دل میں عزم وارادہ بھی کسی کام کے کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے۔ یہ شان عبدیت کے خلاف ہے۔ اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ جب موقع ملے کر گذرنا چاہئے اور اگر کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو اس کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کر دے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔ (معارف القرآن ۸)

تیسری بات ان آیات کے تحت علماء نے یہ لکھی ہے کہ ان آیات کا تعلق دعوے سے ہے کہ جو کام آدمی کو کرنا نہیں اس کا دعویٰ کرنا اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔ رہا معاملہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا تو اس کی نصیحت دوسروں کو کرے وہ ان آیات کے مفہوم میں شامل نہیں۔ اس بات کے احکام دوسری آیات واحادیث میں مذکور ہیں مثلاً قرآن کریم میں فرمایا اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم یعنی تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ اس آیت نے وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو۔ تنبیہ یہ کرنا ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے اور جس کام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہو خود بھی اس پر عمل کرو۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کرنے کی خود ہمت و توفیق نہیں ہے اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے۔ (معارف القرآن جلد ہشتم)

چوتھی بات جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اہمیت میں یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجاہدین اسلام کی وہ صف قتال بڑی محبوب ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم و ہمت کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ ان کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے۔ اسی وجہ سے ہر مسلمان کے دل میں ہمیشہ جہاد کا عزم اور تمنا ہونی چاہئے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی دشمنان دین سے جہاد فی سبیل اللہ کا سچا جذبہ عطا فرمائیں۔

اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جو زبان سے تو بہت بڑھ چڑھ کر دعوے کرتے تھے لیکن عمل کے میدان میں صفر تھے۔ جہاں کوئی موقع کام کا آیا تو پھسل گئے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ اپنی تسبیح و تقدیس کی ہم کو بھی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری زبانوں کو ہمہ وقت اپنے ذکر سے تر رکھیں۔

یا اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم جو زبان سے کہیں وہ عملاً پورا کرنے والے بھی ہوں۔ یا اللہ اپنے دین کیلئے ہمیں بھی جان و مال کی قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صادقہ عطا فرما۔ یا اللہ اس وقت جو یہود و نصاریٰ اور کفار مشرکین اہل اسلام پر غالب نظر آرہے ہیں حتیٰ کہ اسلام کا قبلہ اوّل بیت المقدس پر بھی یہود نے قبضہ کر رکھا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اہل اسلام کے دلوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ سرد ہو گیا ہے۔

یا اللہ ہمیں اس بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لینے اور صدق دل سے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے جذبۂ جہاد عطا فرما دے اور اہل اسلام کو اعدائے دین کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کی توفیق مرحمت فرما دے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ

اور جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں،

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۵﴾ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی

پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کردیا اور اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور جبکہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا

ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ

کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے جو پہلے توراۃ ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں

التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ

اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت دینے والا ہوں۔ پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ یُدْعٰٓی

تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام

اِلَی الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷﴾

کی طرف بلایا جاتا ہو، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وَاِذْ اور جب	قَالَ کہا	مُوْسٰی موسیٰ	لِقَوْمِهٖ اپنی قوم سے	یٰقَوْمِ اے میری قوم	لِمَ کیوں	تُؤْذُوْنَنِیْ تم مجھے ایذا پہنچاتے ہو
وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اور یقیناً تم جان چکے ہو	اَنِّیْ کہ میں	رَسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کا رسول	اِلَیْكُمْ تمہاری طرف	فَلَمَّا پس جب	زَاغُوْٓا انہوں نے کج روی کی	
اَزَاغَ اللّٰهُ اللہ نے کج کردیے	قُلُوْبَهُمْ ان کے دل	وَاللّٰهُ اور اللہ	لَا یَهْدِی ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ لوگ	الْفٰسِقِیْنَ نافرمان (جمع)	وَاِذْ اور جب
قَالَ کہا	عِیْسَی عیسیٰ	ابْنُ مَرْیَمَ مریم کا بیٹا	یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اے بنی اسرائیل	اِنِّیْ بیشک میں	رَسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کا رسول	اِلَیْكُمْ تمہاری طرف
مُصَدِّقًا تصدیق کرنیوالا	لِّمَا اس کی جو	بَیْنَ یَدَیَّ مجھ سے پہلے	مِنَ سے	التَّوْرٰىةِ توریت	وَمُبَشِّرًا اور خوشخبری دینے والا	
بِرَسُوْلٍ ایک رسول کی	یَّاْتِیْ وہ آئے گا	مِنْۢ بَعْدِی میرے بعد	اسْمُهٗٓ اس کا نام	اَحْمَدُ احمد	فَلَمَّا پھر جب	جَآءَهُمْ وہ آئے ان کے پاس
بِالْبَیِّنٰتِ واضح دلائل کے ساتھ	قَالُوْا انہوں نے کہا	هٰذَا یہ	سِحْرٌ مُّبِیْنٌ کھلا جادو	وَمَنْ اور کون	اَظْلَمُ بڑا ظالم	مِمَّنِ اس سے جو
افْتَرٰی وہ بہتان باندھے	عَلَی اللّٰهِ اللہ پر	الْكَذِبَ جھوٹ	وَهُوَ بلکہ وہ	یُدْعٰٓی بلایا جاتا ہے	اِلَی الْاِسْلَامِ اسلام کی طرف	
وَاللّٰهُ اور اللہ	لَا یَهْدِی ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ظالم لوگوں				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اسی بات کی تائید میں کہ یہ خصلت اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے کہ زبانی دعوے تو بہت لمبے چوڑے کرے اور باتیں بڑھ چڑھ کر بنائے لیکن عمل اس کے مطابق نہ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر مذمت کے ساتھ فرمایا جاتا ہے کہ زبانی دعوے تو بہت بڑھ چڑھ کر بناتے تھے لیکن جب موقع عمل اور کام کا آیا تو فوراً پھسل گئے اور

نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل سے فرمایا کہ روشن دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں پھر سخت نازیبا اور نہایت تکلیف دہ باتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو۔ یہ معاملہ تو کسی معمولی ناصح اور خیر خواہ کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہئے۔ چہ جائیکہ ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو۔ کیا میرے دل کو تمہاری ان حرکات اور نازیبا کلمات سے دکھ نہیں پہنچتا؟

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو آپ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں اللہ کا پیغمبر ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں اور موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی اصل توریت کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام واخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت انہی اصول کے ماتحت ہے جو توراۃ میں بتلائے گئے تھے۔ میں پچھلے انبیاء کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے نبی کی بشارت سناتا ہوں یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں لیکن جس صراحت ووضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ شاید قرب عہد کی بنا پر یہ خصوصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حصہ میں آئی ہو کیونکہ آپ کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور متعمدانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل توریت وانجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیاء سابقین خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام نے ''خاتم الانبیاء'' صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی مگر یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے محرفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اللہ کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشینگوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں کہ ان کا نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیسوں مواقع میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے اور عقل وانصاف والوں کے لئے اس میں تاویل وانکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔ چنانچہ بعض علمائے اہل کتاب کو بھی اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا۔ علمائے اسلام نے بحمد اللہ تعالیٰ ایسی بشارات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

اب یہاں ان آیات سے ایک بات یہ نہایت اہم معلوم ہوئی کہ کسی قوم کا اپنے نبی کو ستانا اور ایذا دینا خواہ وہ قولاً ہو یا فعلاً اور اس سے باز نہ آنا اس کا وبال ایسا سخت ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اس قوم سے ہدایت وسعادت کے آثار اٹھالیتا ہے۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے متعلق جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی فرمایا گیا **فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم** (پھر جب وہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) یعنی ان کے دلوں میں مادہ مخالفت اور اس مخالفت کی وجہ سے جو ایذا نبی کو پہنچی اس کا وبال اور دنیا ہی میں اس کی سزا نافرمان قوم کو یہ دی گئی کہ ان کے قلوب ٹیڑھے ہو گئے اور ہدایت سے بعد اور دوری ہوتی گئی جس کی پوری سزا آخرت میں بھگتنا ہوگی۔ اور پھر یہ معاملہ صرف بنی اسرائیل ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نہیں تھا بلکہ آگے عام قانون اور عام معمول بیان فرما دیا **والله لا يهدى القوم الفاسقين** اور اللہ تعالیٰ کا معمول ہے کہ وہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

اب یہاں توجہ جس بات کی طرف دلائی مقصود ہے وہ یہ کہ ذرا ہم بھی اس امر کی طرف غور کر لیں کہ کہیں ہم تو (العیاذ باللہ تعالیٰ) اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ایذادہی کا باعث نہیں بن رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے عام قانون **والله لا يهدى القوم الفاسقين** کے مصداق تو نہیں ٹھہر رہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ سن لیجئے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

ہے اور تمام اہل سنت والجماعت عرب اور عجم کے حضرات متکلمین اور محدثین اور مفسرین اور اولیاء و عارفین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مطہرہ تغیرات ارضی سے بالکل محفوظ ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیاۃ اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیاۃ حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی حیاۃ تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیاۃ انبیاء کے بارہ میں احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہیں اور فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ اپنی قبر مطہر میں اور تمام انبیاء کرام کی حیاۃ اپنی اپنی قبر میں علم قطعی اور یقینی سے معلوم ہے۔ اس لئے کہ حیاۃ انبیاء دلائل سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ اس پر شاید ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ جلد ۴) پھر احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اعمال امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور آپ امت کے احوال سے خوش یا رنجیدہ بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ احادیث سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہفتہ اولاد کے اعمال اُن کے والدین کے سامنے عالم برزخ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال سے ان کو خوشی اور برے اعمال سے رنج ہوتا ہے۔ (ماثر حکیم الامت صفحہ ۳۸۳) علمائے محققین و محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے۔ ''تحقیق تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں ایذا پہنچائی''۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی کے متصل مکانات میں دیوار میں کسی کیل اور میخ ٹھونکنے کی آواز حجرہ نبوی تک پہنچتی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ فوراً اس کے پاس یہ کہلا کر بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیل اور میخ ٹھونکنے کی آواز سے اذیت اور تکلیف مت پہنچاؤ اور بھی بے شمار روایات ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ احوال امت سے آپؐ متاثر ہوتے ہیں مثل حیاۃ مبارکہ کے جس سے ثابت ہوا کہ ہمارے افعال و اعمال و احوال اب بھی یا تو آپ کی خوشی۔ راحت اور سرور کا ذریعہ ہوتے ہیں یا العیاذ باللہ آپ کے رنج و غم اور اذیت کا سبب بنتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ کفار مشرکین اور دشمنان دین نے جو آپ کو اذیتیں اور تکلیفیں حیاۃ مبارک میں پہنچائیں ان کا تو کیا ذکر۔ اب یہ بات کیا رونے کی نہیں ہے کہ آپ کا کوئی امتی کہلا کر اور آپ کا کلمہ پڑھ کر پھر آپ کو قبر مبارک میں بھی چین وسکون سے نہ آرام فرمانے دے بلکہ آپ کو اپنی بداعمالی اور بداحوالی سے صدمہ اور رنج پہنچا کر آپ کی اذیت کا سبب بنے۔ تو ایسے امتی جو اپنے نبی کو اذیت اور تکلیف پہنچانے والے ہوں تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے عام قانون اور ارشاد واللہ لا یھدی القوم الفاسقین کے مصداق نہ ٹھہریں گے؟ جس قوم سے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بیزار ہوں اس کا پھر ٹھکانہ کہاں؟ بہت ہی ڈرنے اور اللہ سے پناہ مانگنے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اپنی موجودہ بداحوالی اور بداعمالی پر خون کے آنسو رونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو فسق و فجور کی ظلمت سے نکل کر نور ہدایت کی روشنی میں آجانے کی سعادت و توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الغرض یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کیسے بے انصاف نافرمان اور ظالم تھے کہ جنہوں نے اپنے نبی کا کہنا نہ مان کر ان کو ایذا پہنچائی اور گمراہی کا شکار ہوئے۔ انہی ظالم۔ نافرمان اور بے انصاف لوگوں کے متعلق اگلی آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کی خواہش اور ارادے اسلام کے متعلق کیا ہیں اور یہ کیا چاہتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ

یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہو۔ وہ ایسا ہے

الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ

جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے گو

الْمُشْرِكُوْنَ ۠ ⑨

مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

يُرِيْدُوْنَ وہ چاہتے ہیں	لِيُطْفِـُٔوْا کہ بجھادیں	نُوْرَ اللّٰهِ اللہ کا نور	بِاَفْوَاهِهِمْ اپنے مونہوں سے	وَ اللّٰهُ اور اللہ	مُتِمُّ پورا کرنیوالا	نُوْرِهٖ اپنا نور
وَ لَوْ خواہ	كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ کافر ناخوش ہوں	هُوَ الَّذِيْٓ وہی جس نے	اَرْسَلَ اس نے بھیجا	رَسُوْلَهٗ اپنا رسول	بِالْهُدٰى ہدایت کیساتھ	
وَ دِيْنِ الْحَقِّ اور دین حق	لِيُظْهِرَهٗ تاکہ وہ اسے غالب کردے	عَلَى الدِّيْنِ دین پر	كُلِّهٖ تمام	وَ لَوْ كَرِهَ اور خواہ ناخوش ہوں	الْمُشْرِكُوْنَ مشرک (جمع)	

تفسیر و تشریح: منکرین اور اعدائے دین کے متعلق ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار مشرکین تو یہ چاہتے ہیں کہ دین حق کو باطل سے مٹا دیں۔ ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ تو جس طرح یہ محال اور ناممکن ہے کہ کسی احمق کی پھونک سے سورج کی روشنی بجھ جائے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ کا دین ان کفار کی کوششوں سے مٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنے نور یعنی دین حق کو پورا کر کے ہی رہے گا۔ یہ کفار مشرکین برا مانیں تو مانتے رہیں۔ یہ قرآنی پیشینگوئی جو بحمد اللہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اس وقت فرمائی گئی جبکہ اسلام کی ابتدا ایک چراغ کی روشنی کی طرح تھی جسے بجھا دینے کے لئے ہر طرف سے زور کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ اور جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھا دیا جاتا ہے مخالفین اور معاندین اسلام چاہتے تھے کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔ مگر قرآن میں پیشینگوئی فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں اور اسی اتمام نور کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن اور سچا دین اسلام دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین کو بقیہ تمام دینوں پر غالب کردے۔

ابو داؤد کی ایک حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ وہ ضرور آسمان سے اتریں گے۔ جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد سرخ و سفید رنگ کے اور دو زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ ان پر وہ شگفتگی و تازگی ہوگی اور یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے اب ٹپکے اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے۔ سور کو قتل کریں گے۔ جزیہ کی رسم اٹھا دیں گے ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذاہب ختم کردے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا۔ چالیس سال تک وہ زمین پر زندہ رہیں گے اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے (ترجمان السنۃ) صحیح مسلم شریف کی متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دجال کا

تذکرہ فرمایا اور اس کے فتنہ فساد کی بعض تفصیل بیان فرمائی ہیں وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق کی جامع مسجد میں دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہونا اور پھر دجال کا قتل کرنا۔ اور یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے دشمن تھے ان سب کا موت کے گھاٹ اتار دیا جانا۔ پھر یا جوج و ماجوج کا خروج اور ان کا فتنہ فساد دنیا میں پھیلانا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یاجوج ماجوج کا ایک ہی رات میں تباہ و ہلاک ہو جانا۔ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی برکات اور اس وقت صرف تمام روئے زمین پر اہل اسلام کا باقی رہنا۔ اور صرف ایک خدا کی توحید اور ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت و بندگی کا نہ ہونا۔ یہ سب صراحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

الغرض ایک زمانہ دنیا پر ایسا بھی آنے والا ہے کہ جب حق اسلام کا ایسا غلبہ ہوگا کہ تمام باطل ادیان مغلوب ہو کر دنیا سے مٹ جائیں گے۔ اس کے بعد جیسا کہ قرب قیامت کی احادیث سے ثابت ہے پھر کچھ زمانہ کے بعد جہل و غفلت بڑھے گی۔ علم بہت کم ہو جائے گا۔ اہل ایمان دنیا سے کوچ کر جائیں گے اور پھر خدا ترسی۔ حق شناسی۔ خوف آخرت معدوم ہو جائے گا۔ شرم و حیا جاتی رہے گی۔ ظلم و جہل رفتہ رفتہ بڑھ جائے گا حتیٰ کہ خانہ کعبہ کو مسمار کر دیا جائے گا۔ حج موقوف ہو جائے گا۔ قرآن کریم دلوں۔ اور کاغذوں سے اٹھا لیا جائے گا۔ اور جہالت یہاں تک بڑھے گی کہ کوئی اللہ کا نام تک لینے والا نہ ہوگا اور ایسے ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی اور نفخ صور ہوگا۔

موجودہ دور میں بھی جبکہ مسلمانوں کی اپنی ایمانی اور عملی قوت بہت کچھ گری ہوئی حالت میں ہے اور یہود۔ نصاریٰ۔ مشرکین۔ دہریے۔ غرض ہر مخالف و معاند مکر و حیلہ زور و جبر۔ طمع و لالچ کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک نہ ہوگا جہاں مسلمان موجود نہ ہوں۔ افریقہ کے ممالک میں اسلام جس سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے عیسائی مشنریوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے باوجود۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔ اللھم اعز الا سلام والمسلمین۔ اللھم انصر الاسلام والمسلمین۔ اللھم اید الاسلام والمسلمین۔

اب یہاں یہ صاف فرما دیا گیا کہ اس دین اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے لیکن ایمان والوں کا فرض بھی اس سلسلہ میں کچھ ہے جو اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل کرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امّتی ہونا اور قرآن پاک پر ایمان رکھنا اور دین اسلام کو اپنا دین بنانا نصیب فرمایا۔

یا اللہ ہم کو اسلام سے سچی محبت عطا فرما دے اور اسلام کیلئے اپنی جان و مال کی قربانیاں پیش کرنے والا بنا دے۔

یا اللہ اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ و شوکت عطا فرما اور اعدائے دین اور مخالفین اسلام کو پست و ذلیل و خوار فرما۔

یا اللہ بے شک آپ کا دین تو تمام دنیا میں تمام ادیان پر غالب ہوا۔ اے اللہ اپنے دین کی خدمت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرما دے۔ اور دین کے خدمت گذاروں میں ہمارا شمار فرمالے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُونَ

اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے۔ تم لوگ اللہ

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے

إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ

اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور بھی ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو۔

نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی۔ اور آپ مؤمنین کو بشارت دے دیجئے۔

يَا أَيُّهَا اے	الَّذِينَ آمَنُوا ایمان والو	هَلْ کیا	أَدُلُّكُمْ میں تمہیں بتلاؤں	عَلَىٰ تِجَارَةٍ تجارت پر	تُنجِيكُم تمہیں نجات دے	مِّنْ سے	
عَذَابٍ أَلِيمٍ دردناک عذاب	تُؤْمِنُونَ تم ایمان لاؤ	بِاللَّهِ اللہ پر	وَرَسُولِهِ اور اس کا رسول	وَتُجَاهِدُونَ اور تم جہاد کرو	فِي میں		
سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کا راستہ	بِأَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں سے	وَأَنفُسِكُمْ اور اپنی جانوں	ذَٰلِكُمْ یہ	خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لئے بہتر	إِن اگر		
كُنتُمْ تَعْلَمُونَ تم جانتے ہو	يَغْفِرْ وہ بخش دیگا	لَكُمْ تمہیں	ذُنُوبَكُمْ تمہارے گناہ	وَيُدْخِلْكُمْ اور وہ تمہیں داخل کریگا	جَنَّاتٍ باغات		
تَجْرِي جاری ہیں	مِن تَحْتِهَا ان کے نیچے سے	الْأَنْهَارُ نہریں	وَمَسَاكِنَ اور مکانات	طَيِّبَةً پاکیزہ	فِي میں	جَنَّاتِ باغات	عَدْنٍ ہمیشہ
ذَٰلِكَ یہ	الْفَوْزُ کامیابی	الْعَظِيمُ بڑی	وَأُخْرَىٰ اور ایک اور	تُحِبُّونَهَا تم اسے بہت چاہتے ہو	نَصْرٌ مدد	مِّنَ اللَّهِ اللہ سے	
وَفَتْحٌ اور فتح	قَرِيبٌ قریب	وَبَشِّرِ اور خوشخبری دیں	الْمُؤْمِنِينَ مومنوں				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے سنایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اللہ کے رستہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ ساتھ ہی جان و مال سے جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بتلائی جاتی ہے کہ یہ وہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں۔ دنیا میں لوگ سیکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ تجارت میں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ اس سے نفع حاصل ہوگا اور اس طرح اصل مال بھی گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائے گا پھر وہ بذات خود اور اس کے اہل وعیال تنگدستی اور افلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن حق تعالیٰ مومنین کو یہاں ایک اعلیٰ درجہ کی تجارت کی تعلیم و تلقین فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ مومنین اپنے جان و مال کا سرمایہ جہاد فی سبیل اللہ

کی اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں گے۔ اب اس تجارت پر مسلمان اور اہل ایمان کو کیا ملے گا وہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی اور ابدی جنت کی صورت میں ملے گا جس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ ستھرے مکانات ان باغوں کے اندر ہوں گے جن میں مومنین کو آباد ہونا ہے۔ یہ تو آخرت کی کامیابی رہی۔ آگے دنیا کی اعلیٰ اور انتہائی کامیابی کا ذکر ہے کہ اصل اور بڑی کامیابی اس تجارت کی وہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی اہل ایمان کو ایک چیز جسے وہ طبعاً محبوب رکھتے ہیں دی جائے گی۔ وہ کیا ہے؟ نصر من اللہ وفتح قریب (اللہ کی طرف سے ایک مخصوص امداد اور جلد حاصل ہونے والی فتح وظفر) اور اس کا خاص طور پر محبوب ہونا اس لئے ہے کہ انسان طبعاً فوری ثمرہ بھی چاہتا ہے۔ اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان تمام امور کی مومنین کو بشارت دے دیجئے۔ چنانچہ جس صفائی کے ساتھ پورا ہوا وہ دنیا نے دیکھ لیا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنیٰ میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہی قرآنی وعدہ اور بشارت اب بھی ہے۔

ایمان والوں کو خطاب کر کے تین باتوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ایک ایمان باللہ کا۔ دوسرے ایمان بالرسول کا اور تیسرے جہاد فی سبیل اللہ کا۔ اور ان تین امور پر دین و دنیا دونوں میں کامیابی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی آخرت میں مغفرت و جنت اور دنیا میں نصرت۔ غیبی امداد اور تائید الٰہی۔ اب پہلی بات تو یہاں یہ قابل غور ہے کہ ایمان والوں ہی سے یہاں خطاب ہوا

ہے یعنی وہ اللہ اور رسول اور قیامت و آخرت و جنت دوزخ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور انہی سے فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے بعد کہا گیا کہ اپنی جان مال سے اللہ کے رستہ میں جہاد کرو۔ تو اس کو یوں سمجھئے کہ اگر آپ ایک مسلمان سے یوں کہیں کہ میاں مسلمان ہو جاؤ تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ صحیح معنیٰ میں پورے پورے مسلمان بن جاؤ۔ خالی نام کے مسلمان ہونا کافی نہیں۔ بلکہ کام کے مسلمان بن جاؤ۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا ایمان والوں سے فرمانا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول پوری پوری طرح دل میں رکھو اور پھر اللہ کے رستہ میں جان مال سے جہاد کرو۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ تو ایمان باللہ جس پر اسلام کا دارومدار ہے اور جو دین کی جڑ بنیاد ہے اور جس میں توحید کا اقرار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا یعنی یگانہ اور یکتا سمجھنا اور یہ یقین رکھنا کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات یا ان کی صفات میں ان کا جیسا نہ کوئی ہے اور نہ ہوسکتا ہے اور جو صفات کمال ان میں موجود ہیں ان میں سے کوئی صفت بھی کسی دوسرے میں نہیں پائی جاسکتی اس لئے صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ہستی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔

اس کے بعد دوسرا مطالبہ ایمان بالرسول کا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ اس لئے ایمان بالرسول کا مطلب سمجھئے۔ رسول عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص کہیں بھیجے۔ تو رسول اللہ کے معنیٰ ہوئے اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہم رسول اللہ کہتے ہیں تو اس کے مطلب یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپ پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے وحی اترتی تھی اس لئے جو احکام وہدایات وتعلیمات آپؐ نے

دنیا کو بتلائیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خاص اور یقینی علم حاصل کر کے بتلائیں اس لئے وہ سب بالکل حق اور صحیح ہیں جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی کوئی بات ہماری عقل میں نہیں آتی تو ہمیں اپنی عقل کو الزام دینا چاہئے اور اپنی عقل کی کوتاہی کا اعتراف کرنا چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو صحیح اور حق ہی سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح آپ کو رسول اللہ ماننے سے یہ خود بخود لازم ہو جاتا ہے کہ آپ کی ہر ہدایت اور ہر حکم کو دل وجان سے مانا جائے اور تسلیم کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول اسی واسطے ہی بناتے ہیں کہ اس کی پوری اطاعت کی جائے۔

اب ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں نفس کی ناجائز خواہشات اور شیطانی خیالات کا مقابلہ اور دین کے کھلے دشمن سے مقابلہ اور جنگ وقتال یہ سب شامل ہیں۔ اور ایک حدیث میں زبان کے جہاد کو بھی جہاد قرار دیا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے مالوں سے۔ اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے اور قلم چونکہ ادائے مضمون میں زبان ہی کے حکم میں ہے اس لیے علمائے امت نے قلمی دفاع اور مقابلہ کو بھی جہاد قرار دیا ہے۔ مال کا جہاد تو یہ ہے کہ جہاد کے کاموں میں مال صرف کیا جائے اور زبان کا جہاد یہ ہے کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر اس پر آمادہ کرنا اور جہاد کے احکام بتلانا اور اپنی گفتگو اور تقریر سے دشمن کو مرعوب کرنا۔ اور جان سے جہاد اللہ کے رستہ میں دشمن سے جنگ کرتے ہوئے اپنی جان دے کر شہید ہو جانا ہے اور شہید فی سبیل اللہ کا کیا مقام ہے اور کیا درجہ ہے؟ اس کا اندازہ بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے لگایئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کر دیا جائے۔ پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کر دیا جائے۔ پھر قتل کیا جاؤں''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور قرآن و سنت کی تعلیمات و ہدایات کو دل و جان سے اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا قصہ یاد دلا کر دین اسلام کی مدد اور نصرت کی ترغیب اہل ایمان کو دی جاتی ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایمان کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی بھی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔ اور اس کے اخروی و دنیوی ثمرات نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو آخرت کی کامیابی کے ساتھ دنیوی کامرانی بھی اپنی نصرت اور تائید سے عطا فرما۔ اور جو بشارات ان آیات میں مومنین کو دی گئی ہیں ان کا مصداق ہم کو بھی بنا دے۔

یا اللہ نفس وشیطان کی خباثت سے ہم کو بچالے۔ اور ہماری جان اور مال کو اپنے رستہ میں کھپانے کی توفیق مرحمت فرمادے۔

یا اللہ روئے زمین پر جہاں جہاں اہل اسلام کفار ومشرکین سے جہاد فی سبیل اللہ میں لگے ہوئے ہیں۔

یا اللہ ان کی تائید اور نصرت فرما۔ ان کو فتح وظفر عطا فرما۔ ان کے دشمنوں کو مغلوب۔ خوار اور ذلیل فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

2 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ

اے ایمان والو تم اللہ کے مدد گار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریین سے فرمایا کہ مددگار ہیں

اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ

اللہ کے واسطے میرا کون مدد گار ہوتا ہے وہ حواریین بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں سو بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے

اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا

اور کچھ لوگ منکر رہے، س ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ

ظٰهِرِيْنَ ۝۱۴

غالب ہوگئے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	كُوْنُوْٓا تم ہو جاؤ	اَنْصَارَ اللّٰهِ اللہ کے مددگار	كَمَا جیسے	قَالَ کہا	عِيْسَى عیسیٰ
ابْنُ مَرْيَمَ مریم کا بیٹا	لِلْحَوَارِيّٖنَ حواریوں کو	مَنْ کون	اَنْصَارِيْٓ میرا مددگار	اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف	قَالَ کہا	الْحَوَارِيُّوْنَ حواریوں نَحْنُ ہم
اَنْصَارُ اللّٰهِ اللہ کے مددگار	فَاٰمَنَتْ تو ایمان لایا	طَّاۗىِٕفَةٌ ایک گروہ	مِّنْ سے۔ کا	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ بنی اسرائیل	وَكَفَرَتْ اور کفر کیا	طَّاۗىِٕفَةٌ ایک گروہ
فَاَيَّدْنَا تو ہم نے مدد کی	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والے	عَلٰي پر	عَدُوِّهِمْ انکے دشمنوں	فَاَصْبَحُوْا سو وہ ہوگئے	ظٰهِرِيْنَ غالب	

تفسیر وتشریح: یہ سورۃ الصف کی آخری آیت ہے۔ اس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو اللہ کے مددگار رہو جاؤ۔ اب اللہ پاک تو بے نیاز ہے اسے کسی کی مدد کی کیا حاجت؟ تو یہاں اللہ کے مددگار ہونے سے مراد اللہ کے دین کے مددگار ہونے سے ہے یعنی دین الٰہی کے عامل اس کے پھیلانے اور اس کی دعوت وتبلیغ میں سرگرم اور آمادہ ہو جاؤ اور اس کام کے لئے کمر باندھ کر تیار رہو۔ اسی بات کی تائید اور تاکید کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی مثال دی جاتی ہے کہ اے ایمان والو تم دین کے لئے ایسے ہی سرگرم اور مستعد ہو جاؤ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سرگرم اور مستعد ہو گئے تھے۔ حواری کون لوگ تھے اور یہ لقب ان کا کس وجہ سے ہوا اس میں علمائے مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اسے صاف اور اجلا کر دینے کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو سب سے پہلے تابع ہوئے قول مشہور کے موافق وہ دھوبی تھے اور کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو آؤ میں تم کو دل کا دھونا سکھا دوں وہ ساتھ ہو لئے پھر ایسے ہی سب ساتھیوں کا لقب حواری پڑ گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی مرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے۔ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو سب سے پہلے قبول کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی و محبت میں نہایت سرگرم مستعد اور مخلص تھے۔ یہ بستی بستی میں پہنچے اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی منادی کیلئے سفر کیا اور لوگوں کی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ ان کا طرز معاشرت درویشانہ تھا کسی سے کچھ لیتے دیتے نہ تھے۔ ان کے خلوص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو کرامت بھی دی تھی کہ ان کی دعاء سے بیمار تندرست ہو جاتے۔ ان حواریوں کی کوشش اور جانکاہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بنی اسرائیل ایمان

لے آئے لیکن بہت سے منکر بھی رہے اور اس عرصہ میں گھر گھر لڑائی اور جنگ بھی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں۔ اور یہ حواری بھی مخالفین کے ہاتھوں سے قتل ہوئے مگر آخر کار خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو منکروں پر غلبہ دیا۔ تو اس آیت میں امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص حواریوں جیسے ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں کہ تم بھی اشاعت اسلام کے لئے ویسے ہی کوشش دل و جان سے کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری بن جاؤ چنانچہ اس حکم کی تعمیل خدا کے فضل و توفیق سے صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین نے ایسی کی کہ سرزمین عرب کے علاوہ ایک طرف اسپین۔ یورپ اور افریقہ کے ممالک تک دوسری طرف ہند۔ چین۔ ایران۔ ترکستان تک اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مقصد یہ کہ اے ایمان والو اسی طرح تم دین محمدی کے لئے کوشش اور جہاد کرو تو تم کو بھی اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے گا۔

اس آیت کا آخری جملہ ہے **فاید نا الذین اٰمنوا علیٰ عدو ھم فاصبحوا ظٰھرین** سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو اپنے دشمنوں پر غلبہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تائید ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ۱۴۰۰ سالہ اسلامی تاریخ بھی اس پر شاہد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تائید الٰہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کو خوش کرنے اور راضی رکھنے سے ملے گی یا اللہ اور ان کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی اور مخالفت۔ اور قرآن و سنت سے غفلت اور نہ صرف غفلت بلکہ انحراف و اعراض اور بغاوت سے ملے گی؟ اس کو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل و علم رکھنے والا مسلمان بھی جانتا ہے۔ اب کام تو ہم کریں اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور غصہ و غضب کے تو تائید الٰہی ہم کو کیسے حاصل ہو؟ اور جب تائید الٰہی شامل حال نہ ہو تو دشمنوں پر غلبہ کیسے نصیب ہو؟ بلکہ ہمارے دشمنوں کا ہم پر غلبہ تو یہی ظاہر کرتا ہے کہ شاید ہم تائید الٰہی سے محروم ہیں۔ اور ہمارے دشمن ہم پر مسلط کئے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عقل حیران ہے کہ اس وقت کے مسلمانوں کو کس طرح بتلایا اور سمجھایا جائے۔

غرض اس آخری آیت کے آخری جملہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں پر غلبہ اللہ کی تائید سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس کے خلاف کا حال بھی قرآن و حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم میں تو متعدد آیات ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندوں کی بداعمالیوں کی سزا ہے کہ جو دنیا میں خرابی پھیلتی ہے مثلاً سورہ روم میں ارشاد ہے **ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون** خشکی اور تری میں یعنی تمام دنیا میں لوگوں کے برے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ ان کو چکھادے تا کہ وہ اپنے ان اعمال سے باز آجاویں۔

خلاصہ مقصود یہی ہے کہ اہل اسلام کو اللہ کے دین کی مدد کرنے پر اللہ کی تائید و مدد و نصرت کا وعدہ ہے اور دشمنوں پر غلبہ کی بشارت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا نہ کرنے پر کسی تائید الٰہی کا وعدہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد یہی ہے کہ خود بھی قرآن و سنت کے احکام و ہدایات پر عمل کرے اور دین محمدی کے پھیلانے اور دوسروں کو پہنچانے کی حتی الوسع کوشش و سعی کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور اس دین اسلام کی عظمت اور قدر ہمارے دلوں میں عطا فرمائیں۔ اور اس دین پر سچائی کے ساتھ ہم کو عمل پیرا ہونے اور اس کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ اس درس پر سورۃ الصف کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد اگلی سورۃ کا بیان ان شاء اللہ شروع ہوگا۔

سورۃ الصّف کے خواص

جو آدمی سفر میں سورۃ الصّف کی تلاوت کا معمول رکھے تو وہ اپنے سفر کے دوران ہر قسم کے خطرات و نقصانات سے محفوظ رہے گا۔

یریدون لیطفؤ انور اللہ بافواھھم ...... قریب

جو آدمی ان آیات کو سفید ریشم میں کستوری، زعفران اور چنبیلی کے پانی سے لکھ کر اپنی قمیص کے گھیرے میں رکھے، وہ جہاں جائے گا اس کا احترام ہوگا، عزت اور غلبہ حاصل ہوگا۔ (الدر النظیم)

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَحَدَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

يُسَبِّحُ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کی	مَا جو کچھ	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	الْمَلِكِ بادشاہ حقیقی	
الْقُدُّوْسِ کمال پاک	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَكِيْمِ حکمت والا					

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتدا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کے ذکر سے فرمائی گئی کہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اس خدا کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ تمام عالم کا بادشاہ۔ اور تمام عیوب ونقائص سے پاک اور نہایت زبردست اور بڑا حکمت والا ہے۔ اس تمہیدی مضمون میں مسئلہ توحید کا بیان عجیب لطیف پیرایہ میں فرمادیا گیا۔ یہ فرمانا کہ تمام کائنات اسی کی تسبیح کر رہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی کے مسخر اور زیر حکم ہیں۔ زمین کے حالات اور آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں اور سیاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی طاقت ہے جس کے زیر حکم یہ سب ایک خاص نظام کے ماتحت حرکت کرنے پر مجبور ہیں۔ پھر یہ آفتاب اور دیگر یہ سیارات جو زمین سے ہزاروں حصہ بڑے اور کروڑوں میل دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دورہ کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزار ہا میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں۔ پھر یہ بے شمار ہونے میں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرانے نہیں پاتے تو ان کی یہ حالت اپنے خالق۔ مالک اور مدبر کی تسبیح ہی تو ہے۔ پھر احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ملائکہ حق تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل نہ کرتے ہوں اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ انسان کیوں باطل معبودوں کی پرستش میں گرفتار ہے اس کو بھی اسی کی تسبیح کرنی چاہئے جس کی تسبیح کائنات کی ہر چیز کر رہی ہے اور جو ملک ہے یعنی زمین وآسمان کا بادشاہ۔ حاکم مطلق اور تمام کائنات پر پورا تصرف اور اٹل حکم جاری کرنے والا۔ پھر وہ قدوس بھی ہے یعنی تمام نقصانات سے پاک اور تمام عیوب سے مبرا۔ اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف۔ پھر وہ عزیز یعنی زبردست بھی ہے یعنی تمام عزت اور غلبہ اسی کو ہے۔ اس سے لڑ کر کوئی جیت نہیں سکتا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ پھر یہ کہ وہ حکیم بھی ہے یعنی جو کچھ کرتا ہے وہ عین مقتضائے حکمت و دانش ہوتا ہے۔ اس کی تدبیریں ایسی محکم ہوتی ہیں کہ دنیا میں ان کا کوئی توڑ نہیں کرسکتا۔ اس صفت حکیم میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انتظام دنیاوی جس طرح اس کی حکمت بالغہ کا مقتضی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا۔ کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی آخرت درست کرنے کے لئے اسی حکیم کی حکمت کاملہ کا مقتضی ہے۔

اب یہاں توحید کا بیان فرما کر اس کے بعد اگلی آیات میں مسئلہ نبوت ورسالت کو بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور اُن کو

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ

کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور دوسروں کیلئے بھی جو ان میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہنوز اُن میں شامل نہیں ہوئے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ وہی جس نے	بَعَثَ اٹھایا بھیجا	فِى الْاُمِّيّٖنَ ان پڑھوں میں	رَسُوْلًا ایک رسول	مِّنْهُمْ ان میں سے	يَتْلُوْا پڑھ کر سناتا ہے	عَلَيْهِمْ انہیں
اٰيٰتِهٖ اسکی آیتیں	وَيُزَكِّيْهِمْ اور وہ انہیں پاک کرتا ہے	وَيُعَلِّمُهُمُ اور سکھاتا ہے	الْكِتٰبَ کتاب	وَالْحِكْمَةَ اور حکمت (دانشمندی کی باتیں)		
وَاِنْ كَانُوْا اور تحقیق وہ تھے	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	لَفِىْ ضَلٰلٍ البتہ گمراہی میں	مُّبِيْنٍ کھلی	وَّاٰخَرِيْنَ اور علاوہ	مِنْهُمْ ان کے	لَمَّا يَلْحَقُوْا کہ وہ ابھی نہیں ملے
بِهِمْ ان سے	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	ذٰلِكَ یہ	فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل	يُؤْتِيْهِ وہ دیتا ہے اسے
مَنْ جس کو	يَّشَآءُ وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ اور اللہ	ذُو الْفَضْلِ فضل والا	الْعَظِيْمِ بڑے		

تفسیر و تشریح: گذشتہ ابتدائی آیت میں مضمون توحید سے سورۃ کی ابتدا فرمائی گئی تھی توحید کے بعد مسئلہ نبوت و رسالت کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں سے یعنی ان کی قوم سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ پھر آپ کی بعثت کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟ آپ کو رسول کس کام کے لئے بنا کر بھیجا گیا؟ اس کے جواب میں چار چیزوں کا صراحتہً ذکر فرمایا گیا:۔

پہلی چیز بعثت نبوی کے مقاصد میں فرمائی گئی یتلوا علیھم ایٰتہ جو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں یعنی تلاوت قرآن کے ذریعہ اللہ کا کلام پہنچانا۔

دوسری غرض فرمائی گئی ویزکیھم یعنی جو دلوں کو پاک کرتے ہیں عقائد باطلہ سے اور اخلاق ذمیمہ سے یعنی لوگوں کے اخلاق۔ عادات۔ اور معاملات کو ہر طرح کی برائیوں اور گندگیوں سے پاک فرما کر ان کو اعلیٰ درجہ کے اخلاقی فضائل سے آراستہ کرتے ہیں۔

تیسری غرض فرمائی گئی ویعلمھم الکتٰب۔ اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں یعنی صرف آیات الٰہیہ سنانے ہی پر اکتفا نہیں فرماتے بلکہ ہر وقت اپنے قول و عمل سے اپنی تعلیمات اور ارشادات سے اور اپنی زندگی کے نمونہ سے لوگوں کو کتاب الٰہی کا منشا۔ اس کے احکام اور اسرار و معانی بھی سمجھاتے ہیں۔

چوتھی چیز فرمائی والحکمۃ یعنی حکمت اور دانائی کی باتیں بھی آپ سکھاتے ہیں۔ اس میں تمام امور و قوانین عدل و انصاف۔ سیاست و اخلاق و طہارت ظاہری و باطنی یعنی جملہ احکام و مسائل شرعیہ ان کے اسرار و مصالح سب حکمت میں داخل ہیں۔

اہل عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جس گمراہی میں بتلا تھے اس کے متعلق مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے اسی قوم عرب میں سے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر بنا کر اٹھایا اور ایک عظیم الشان شریعت اور کامل و مکمل دین دے کر دنیا والوں کی طرف بھیجا کہ اس فساد کی اصلاح کریں۔ اہل دنیا کو اصل احکام الٰہیہ پہنچائیں۔ خدا کی مرضی اور نا مرضی کے احکام لوگوں کو معلوم کرا دیں۔ ساری مخلوق کے ہادی

بنیں۔ اصول و فروع سب سکھائیں۔ کوئی چھوٹی یا بڑی بات ہدایت کی نہ چھوڑیں۔ تمام جہل وضلالت کے شک وشبہ سب دور کردیں اور ایسے دین پر لوگوں کو ڈال دیں جس میں ہر بھلائی اور بہتری موجود ہو۔ اس بلند و بالا خدمت کے لئے آپ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام بزرگیاں اور برتریاں جمع کردیں جو نہ آپ سے پہلے کسی میں تھیں اور نہ آپ کے بعد کسی میں ہوسکیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پھر یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور یہ آفتاب ہدایت صرف عرب قوم تک محدود ہو۔ نہیں بلکہ دنیا بھر کی ان دوسری قوموں اور نسلوں کے لئے بھی ہے جو قیامت تک آنے والی ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت وحکمت کا کرشمہ ہے کہ ایسی جہالت وضلالت میں ڈوبی ہوئی قوم میں اللہ نے ایسا عظیم الشان نبی پیدا کیا جس کی تعلیم وہدایت سے تمام نوع انسانی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنمائی حاصل کرسکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور اس کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضل خاص اور بڑائی و بزرگی عنایت فرمائی گئی وہ جتلا کر مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس انعام و اکرام کی قدر پہچاننی چاہئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتزکیہ سے مستفید اور منتفع ہونے میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور کھلے ہوئے احکام نہ بیان فرمادئے ہوں اور ان کے نفع ونقصان نہ بتادئیے ہوں۔ اور پھر یہ سب کچھ محض زبانی تعلیم وتلقین نہیں بلکہ اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور آپ کی عاشق اور فریفتہ جماعت صحابہ کرامؓ نے ان سب کو عملی جامہ پہنا کر اور ان پر عمل کرکے تجربہ بھی کرادیا۔ مگر واہ رے ہماری اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدردانی! کیا خوب آپ کی تعلیمات وہدایات کا اتباع کیا! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ہدایت۔ تعلیم وتلقین اور ایک ایک حرکت وسکون حضرات صحابہ کرام ومحدثین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طفیل آج کتابوں میں محفوظ ہے۔ اگر ایک طرف ان کو سامنے رکھا جائے اور دوسری طرف ہم اپنے حالات کو سامنے رکھیں تو بلا شک وتردد یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم کس ظلم عظیم کے مرتکب ہورہے ہیں۔ الامان والحفیظ! جتنی ہدایات واحکام کرنے کے ملیں گے ان میں نہ صرف تغافل وتساہل بلکہ انکار تک ملے گا اور جتنی ہدایات اور امور نہ کرنے کے ہوں گے ان میں نہ صرف کھلم کھلا ابتلا ملے گا بلکہ جرأت وبے باکی بھی ہوگی۔ الامان والحفیظ! یہ ہے ہماری اس نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدردانی کہ جن کی تمام رات امت کے درد میں روتے گذر جاتی تھی۔ اور جن کی مقبول دعاؤں کی برکت ہے کہ باوجود ہر طرح کے معاصی وطغیان کے سب کے سب ہلاک نہیں ہوجاتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بصیرت عطا فرمائیں کہ ہم اپنے نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدردان بن کر آپ کے سچے پکے اور وفادار امتی بن کر زندہ رہیں۔ آمین۔

اب آگے اہل اسلام کی عبرت ونصیحت کے لئے یہود کی مثال بیان فرمائی جاتی ہے جنہوں نے اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب کی حق شناسی میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

یا اللہ ہمیں اس نعمت عظمیٰ کی سچی قدر اور حقیقی شکر گذاری کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ ہمارے دلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ونور ہدایت سے منور فرما۔ اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کی عظمت اور آپ کا اتباع ظاہراً وباطناً نصیب فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ

جن لوگوں کو توارۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے

الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

ان لوگوں کی بُری حالت ہے جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو!

هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلا شرکت غیرے اللہ کے مقبول ہوتو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

صٰدِقِیْنَ ۝۶ وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۷

اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ

آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے کے پاس لیجائے جاؤ گے

فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع

پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا۔

مَثَلُ مثال	الَّذِیْنَ جن لوگوں پر	حُمِّلُوا ان پر لادی گئی	التَّوْرٰىةَ توریت	ثُمَّ پھر	لَمْ یَحْمِلُوْهَا انہوں نے نہ اٹھایا اسے	كَمَثَلِ مثال کی طرح	
الْحِمَارِ گدھا	یَحْمِلُ وہ لادے ہوئے	اَسْفَارًا کتابیں	بِئْسَ بُری	مَثَلُ مثال (حالت)	الْقَوْمِ وہ لوگ	الَّذِیْنَ جنہوں نے	كَذَّبُوْا انہوں نے جھٹلایا
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتوں کو	وَ اللّٰهُ اور اللہ	لَا یَهْدِی ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ظالم لوگوں	قُلْ آپ فرمادیں	یٰۤاَیُّهَا اے	الَّذِیْنَ هَادُوْا یہودیو	
اِنْ اگر	زَعَمْتُمْ تمہیں زعم (گھمنڈ) ہے	اَنَّكُمْ کہ تم	اَوْلِیَآءُ دوست	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	مِنْ سے	دُوْنِ النَّاسِ دوسرے لوگوں کے علاوہ	
فَتَمَنَّوُا تو تم تمنا کرو	الْمَوْتَ موت	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِیْنَ سچے	وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اور وہ اسکی تمنا نہ کریں گے	اَبَدًا کبھی بھی	
بِمَا اسکے سبب جو	قَدَّمَتْ بھیجا آگے	اَیْدِیْهِمْ ان کے ہاتھوں	وَ اللّٰهُ اور اللہ	عَلِیْمٌ خوب جانتا ہے	بِالظّٰلِمِیْنَ ظالموں کو		
قُلْ آپ فرمادیں	اِنَّ الْمَوْتَ بیشک موت	الَّذِیْ جس سے	تَفِرُّوْنَ تم بھاگتے ہو	مِنْهُ اس سے	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	مُلٰقِیْكُمْ تمہیں ملنے والی	
ثُمَّ پھر	تُرَدُّوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے	اِلٰى طرف۔سامنے	عٰلِمِ الْغَیْبِ جاننے والا پوشیدہ	وَ الشَّهَادَةِ اور ظاہر	فَیُنَبِّئُكُمْ پھر وہ تمہیں آگاہ کردیگا		
بِمَا اس سے جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے						

تفسیر وتشریح: ان آیات میں عبرت کے لئے یہود کی مثال بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہود پر آسمانی کتاب توراۃ کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات وہدایات کی کچھ پروانہ کی۔ نہ اس کو محفوظ رکھا۔ نہ دل میں جگہ

دی۔ نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل واحسان سے بہرہ ور ہوئے۔ بلا شبہ یہ توراۃ جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے حکمت وہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا مگر جب اس سے وہ منتفع نہ ہوئے تو ان کی مثال اس گدھے جیسی ہوگئی کہ جس پر علم وحکمت کی پچاسوں کتابیں لاددو مگر اس گدھے کو سوائے بوجھ میں دبنے کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ اس گدھے کو اس بات سے کچھ سروکار نہیں کہ اس کی پیٹھ پر کیا لعل وجواہر لدے ہوئے ہیں اور اگر وہ گدھا اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں تو یہ اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔ اس مثال کو بیان فرما کر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بری قوم ہے وہ جس کی یہ مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس برائی سے امت مسلمہ کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ وغیرہ میں جو بشارت نبی آخر الزمان کی دی تھی اور جو دلائل وبراہین آپ کی رسالت پر قائم کیں ان کو جھٹلانا آیات اللہ کو جھٹلانا ہے۔ ایسے معاند۔ ہٹ دھرم اور بے انصاف لوگوں کو (اشارہ یہود کی طرف ہے) اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ یہود جو کتابوں سے لدے ہوئے گدھے کے مشابہ ہیں اپنے جہل وحماقت کے باوجود دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کے باعث ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی اور تنہا جنت کے حقدار ہیں۔ پس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے۔ یہود کے اس باطل دعوے پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر واقعی یہ دل میں یہی یقین رکھتے ہیں اور اپنے دعوے میں سچے ہیں تو انہیں دنیا کے عیش سے دل برداشتہ ہوکر جنت کے شوق اور تمنا میں مرنے کی آرزو کرنا چاہئے۔ جس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں وہ بے شک مرنے سے خوش ہوگا اور جنت کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرے گا لیکن ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں۔ وہ مرنے کا نام سن کر گھبراتے ہیں اور موت سے بھاگتے ہیں اور اسلئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ نہیں بلکہ دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت دنیا میں کیئے ہیں یہاں سے چھوٹتے ہی انکی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ غرض کہ ان کے اطوار وافعال سے یہ بالکل ظاہر ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے موت کی آرزو نہیں کر سکتے بلکہ موت سے ڈر کر بھاگتے ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہو۔ ہزار کوشش کرو۔ مضبوط قلعوں میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہو وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں اور موت کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہے اور تم ہو۔ اس عالم الغیب کو تمہاری ہر کھلی چھپی حالت اور بات کا علم ہے اس وقت جو جو دنیا میں کیا کرتے تھے سب جتلا دیا جائیگا۔

الغرض یہاں تو یہود کی حالت عبرت کے لئے سنائی گئی۔ جہاں تک ان کا اپنی آسمانی کتاب یعنی توراۃ پر عمل کا تعلق تھا۔ اب آگے انہی یہود کی ایک دوسری حالت ان کے متبرک دن یوم سبت کے متعلق بتلا کر اس پر اہل اسلام کو خطاب کر کے عبرت دلائی جاتی ہے کہ وہ اپنے متبرک دن یوم جمعہ کی عظمت اور احترام بجالائیں اور جمعہ کی نماز کے بعض احکام تلقین فرمائے گئے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا اور ہم کو قرآن کریم جیسی کتاب عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے رسول اور اپنی کتاب قرآن کریم کا وفادار اور اطاعت گذار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ اور اس وقت امت مسلمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق وعظمت میں جو کوتاہی ہو رہی ہے اور جو قرآن کریم کے احکامات سے غفلت اور اعراض برتا جا رہا ہے ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرمادیں اور ہماری ہدایت کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمادیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کیلئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو اور خرید فروخت چھوڑ دیا کرو،

ٱلْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾

یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو۔

يَٰٓأَيُّهَا اے	ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ ایمان والو	إِذَا جب	نُودِىَ پکارا جائے	لِلصَّلَوٰةِ نماز کیلئے	مِن سے۔کی	يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ جمعہ کا دن	
فَٱسْعَوْاْ تو تم لپکو	إِلَىٰ طرف	ذِكْرِ ٱللَّهِ اللہ کی یاد	وَذَرُواْ اور تم چھوڑ دو	ٱلْبَيْعَ خرید و فروخت	ذَٰلِكُمْ یہ	خَيْرٌ بہتر	لَّكُمْ تمہارے لئے
إِن اگر	كُنتُمْ تَعْلَمُونَ تم جانتے ہو						

تفسیر و تشریح: یہاں اس آیت میں نماز جمعہ اذان جمعہ۔ اذان کے بعد خرید فروخت کا ترک کر دینا اور نماز کے لئے سعی کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ یہاں موقع کی مناسبت سے ان جملہ امور کے متعلق جو آیت میں مذکور ہیں قدرے تفصیلی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے سب سے پہلے یوم الجمعۃ یعنی جمعہ کے دن کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔

فضیلت یوم الجمعۃ:۔ صحیح مسلم شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور پھر اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت کا وقوع بھی اسی دن ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی دن صور پھونکا جائیگا۔ اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہفتہ کا ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کرنے اور اس کو شعار ملت قرار دینے کا رواج اہل کتاب یہود میں موجود تھا۔ یہود نے اس غرض کے لئے سبت یعنی سنیچر کا دن مقرر کیا تھا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی۔ نصاریٰ نے اپنی ملت کو یہود سے علیحدہ رکھنے کے لئے اپنا شعار ملت اور عبادت کا دن اتوار کو قرار دیا۔ اس خیال سے کہ یہ دن ابتدائے آفرینش کا ہے یا اس خیال سے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ (معاذ اللہ) صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰ اسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے۔ بہرحال عیسائیوں نے اتوار کو اپنی عبادت کا دن مقرر کیا۔ شریعت اسلامیہ نے ان دونوں ملتوں سے اپنی ملت کو جدا رکھنے کے لئے جمعہ کو اجتماعی عبادت کے لئے اختیار کیا۔ احادیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی فرضیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے قبل مکہ معظمہ ہی میں معلوم ہوگئی تھی مگر غلبہ کفر کے سبب سے اس کے ادا کرنے کا موقع نہ ملتا۔ بعد ہجرت کے مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی آپ نے نماز جمعہ شروع کر دی۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آپ پیر کے روز قبا پہنچے۔ چار دن وہاں قیام فرمایا۔ پانچویں دن جمعہ کے روز وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں نماز جمعہ کا وقت آ گیا اور آپ نے پہلا جمعہ ادا فرمایا۔ نماز جمعہ شریعت اسلامیہ میں فرض عین ہے۔ قرآن مجید اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اعظم شعائر اسلام سے ہے۔ منکر اس کا کافر ہے اور بے عذر اس کا تارک فاسق گناہ گار ہے۔ نماز جمعہ کی فضیلت اور تاکید اور اس کے ترک پر وعید بہت سی احادیث صحیحہ میں آئی ہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل و

طہارت بقدر امکان کرے بعد اس کے اپنے بالوں میں تیل لگائے اور خوشبو کا استعمال کرے اس کے بعد نماز کے لئے چلے اور جب مسجد میں آئے تو کسی آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے۔ پھر جس قدر نوافل اس کی قسمت میں ہوں۔ پڑھے جب امام خطبہ پڑھنے لگے تو سکوت کرے تو گزشتہ جمعہ سے اس وقت تک کے گناہ اس شخص کے معاف ہو جائیں گے۔

اب اس جمعہ کے آداب جو احادیث میں فرمائے گئے ہیں اور جو سلف برتتے تھے وہ بھی مختصراً ملاحظہ ہوں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ جمعہ کا اہتمام جمعرات سے کرے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے جمعرات کے دن بعد عصر کے استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور اپنے پہننے کے کپڑے صاف کر رکھے اور خوشبو گھر میں نہ ہو اور ممکن ہو تو اسی دن لا کر رکھ لے تاکہ پھر جمعہ کے دن اس کو ان کاموں میں مشغول ہونا نہ پڑے۔ بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام جمعرات سے کرتا ہو اور سب سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ جمعہ کب ہے حتیٰ کہ صبح کو لوگوں سے پوچھے کہ آج کون دن ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ جامع مسجد میں بہت سویرے جائے جو شخص جتنا سویرے جائے گا اسی قدر اس کو ثواب ملے گا۔

آگے امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں شرم نہیں آتی یہود و نصاریٰ سے کہ وہ لوگ اپنی عبادت کے دن یعنی یہود سنیچر کو اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں کیسے سویرے جاتے ہیں اور طالبان دنیا کتنے سویرے بازاروں میں خرید فروخت کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ پس طالبان دین کیوں پیش قدمی نہیں کرتے۔

الغرض یہاں اس آیت میں اہل اسلام کو براہ راست خطاب کر کے حکم دیا گیا کہ جب جمعہ کی اذان ہو تم ذکر اللہ کی طرف دوڑو۔ فاسعوا کے لفظی معنیٰ دوڑنے کے ہیں۔ لیکن دوڑنے سے یہاں مراد بھاگنے کے نہیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو تو اس کی طرف سکون و وقار کے ساتھ چل کر آؤ۔ بھاگتے ہوئے نہ آؤ پھر جتنی نماز بھی مل جائے اس میں شامل ہو جاؤ اور جتنی چھوٹ جائے اسے بعد میں پورا کر لو۔ تو مفسرین نے بالاتفاق یہاں فاسعوا سے مراد اہتمام اور مستعدی کے لئے ہیں یعنی اذان کی آواز سن کر فوراً مسجد پہنچنے کی فکر میں لگ جائے۔ یہاں مفسرین نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ جس اذان کا یہاں ذکر ہے وہ وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے۔ حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمعہ کی صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی اور وہ آپ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جب آبادی بڑھ گئی تو آپ نے پہلے ایک اذان اور دلوانی شروع کر دی اور تمام صحابہ کے اجماع سے مقرر ہوئی۔ چنانچہ اب تک ملت اسلامیہ میں جمعہ کی دو اذانیں رائج ہیں۔ اور آیت کے اس حکم کے ماتحت کہ جب جمعہ کے روز نماز کی اذان کہی جائے تو خرید فروخت چھوڑ دیا کرو فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد بیع یعنی خرید فروخت اور ہر قسم کا کاروبار حرام ہے۔ اور حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ حرمت بیع میں پہلی اذان کا حکم بھی مثل دوسری اذان کے ہے باتفاق فقہائے امت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں۔ بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف اذان جمعہ کے بعد جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے۔ اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا۔ سونا۔ کسی سے بات کرنا یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں۔ صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جا سکتے ہیں۔

یہ احکام تو آیت میں نماز و خطبہ سے متعلق نماز جمعہ سے پہلے کے تھے اب جب نماز جمعہ سے فارغ ہو چکے تو اس کے بعد کے احکام اگلی آیت میں ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَ اذْکُرُوا

پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو

اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا ۨ انْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا وَ تَرَکُوْکَ

تاکہ تم کو فلاح ہو۔ اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کیلئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو

قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَ مِنَ التِّجَارَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱﴾

کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو چیز خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدر جہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔

فَاِذَا پھر جب	قُضِیَتِ پوری ہو چکے	الصَّلٰوۃُ نماز	فَانْتَشِرُوْا تو تم پھیل جاؤ	فِی الْاَرْضِ زمین میں	وَ ابْتَغُوْا اور تم تلاش کرو	مِنْ سے			
فَضْلِ اللّٰہِ اللہ کا فضل	وَ اذْکُرُوا اور تم یاد کرو	اللّٰہَ اللہ	کَثِیْرًا بکثرت	لَعَلَّکُمْ تاکہ تم	تُفْلِحُوْنَ فلاح پاؤ	وَ اِذَا اور جب			
رَاَوْا وہ دیکھتے ہیں	تِجَارَۃً تجارت	اَوْ یا	لَھْوَا کھیل تماشہ	اِنْفَضُّوْٓا وہ دوڑے جاتے ہیں	اِلَیْھَا اس کی طرف	وَ تَرَکُوْکَ اور آپ کو چھوڑ جاتے ہیں			
قَآئِمًا کھڑا	قُلْ فرمادیں	مَا جو	عِنْدَ اللّٰہِ اللہ کے پاس	خَیْرٌ بہتر	مِنَ سے	اللَّھْوِ کھیل تماشہ	وَ اور	مِنَ سے	التِّجَارَۃِ تجارت
وَ اللّٰہُ اور اللہ	خَیْرُ بہتر	الرّٰزِقِیْنَ رزق دینے والا							

تفسیر و تشریح: اس آیت میں فرمایا کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو چکو تو تمہیں اجازت ہے کہ اپنے کاروبار اور رزق و روزی کی تلاش میں چلو پھرو لیکن اپنے کاروبار میں لگ کر بھی اللہ کو نہ بھولو بلکہ ہر حال میں کو یاد رکھو۔ تسبیح و تحمید۔ استغفار۔ ذکر قلبی۔ ذکر لسانی سے ہر حال میں اللہ کو یاد رکھو گویا دست بکار اور دل بیار کے مصداق بنے رہو۔ اسی لئے سنت ہے کہ جب کوئی بازار جائے تو یہ کلمہ پڑھے لاالٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو علیٰ کل شیء قدیر. حدیث شریف میں اس کے بڑے فوائد مذکور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہونے کے وقت یہ کلمہ مبارک پڑھے اس کے لئے ایک لاکھ ثواب لکھے جاتے ہیں اور ایک لاکھ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور ایک لاکھ درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے اور بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ وہ کبھی صرف اس کلمہ کو پڑھنے

اور اس کا ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے ہی بازار جایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ ان حضرات کے تقویٰ اور ذکر کرنے بازاروں کو بھی ان کے لئے گویا مساجد بنا دیا تھا اور وہ دنیا کے بازاروں میں سے بھی آخرت کا سامان اور عظیم الشان نفع ڈھونڈھ لیتے تھے۔ لیکن افسوس آج ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ ہم نے مساجد کو بھی بازار بنا رکھا ہے۔ الا ماشآء اللہ۔ بہر حال مسجد سے فارغ ہو کر بھی ہر حال میں کثرت ذکر کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی بغرض ترغیب اس کا نفع بھی بتلا دیا لعلکم تفلحون تاکہ تمہارا دین دنیا کا بھلا ہو۔ تم کو دونوں جہان کی فلاح حاصل ہو۔ خاتمہ کی آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرما کر ہدایت و تنبیہ کی جاتی ہے جس کا ذکر سورۃ کے ابتدائی درس میں کیا گیا تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے۔ اسی وقت ایک تجارتی قافلہ شام سے غلہ لے کر آ پہنچا۔ قافلہ کے ساتھ اعلان کی غرض سے ڈھول و تاشہ و نقارہ وغیرہ بجتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی۔ لوگ دوڑے کہ اس کو

ٹھہرائیں۔ چونکہ اس وقت تک خطبہ کے احکام معلوم نہ تھے اس لئے اکثر لوگ حاضرین میں سے قافلہ کی ٹھہرنے کی جگہ چلے گئے ۔صرف ۱۲ انفوس جن میں حضرات خلفائے راشدینؓ بھی شامل تھے باقی رہ گئے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ آخری آیت نازل ہوئی۔ حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا جواب لکھا کہ جو صحابہ اٹھ کر چلے گئے تھے وہ ان کی ابتدائی حالت تھی۔ خطبہ کے احکام معلوم نہ تھے پھر بعض روایت کے مطابق زمانہ قحط اور بھوک کا تھا۔ پھر کبرائے صحابہ سے اس کا صدور نہیں ہوا۔ پھر جانے والے حضرات کی یہ اجتہادی غلطی تھی۔ بعض روایات احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ابتدا میں خطبہ بعد نماز کے ہوا کرتا تھا جیسے اب بھی عیدین میں ہوتا ہے تو یہ حضرات یوں سمجھے کہ نماز جو اصل مقصود ہے وہ ہو ہی چکی ہے خطبہ اگر نہ سنا جائے تو کچھ حرج نہیں اور خیال کیا کہ خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے اس لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اسی واقعہ کے متعلق آیت میں اشارہ فرما کر تادیب وتنبیہ فرمائی جاتی ہے کہ سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشہ کیا چیز ہے۔ وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجالس ذکر میں ملتی ہے باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بنا پر تم اٹھ کر چلے گئے سو یاد رکھو کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے وہ طاعات ضرور یہ میں مشغول رہنے پر بھی رزق مقدر پہنچاتا ہے جب یہ آخری آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے معاملہ میں اپنا طرز عمل بدل دیا اور نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا اور یہی اب سنت ہے

خلاصہ یہ کہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنے دوسرے رزق حاصل کرنے کے ذرائع کا اہتمام سب کر سکتے ہیں بلکہ بزرگان دین اور سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ۷۰ مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ ہاں بعد نماز جمعہ اور کسب معاش وتجارت وغیرہ میں یہ تاکید ضرور فرمائی گئی ہے کہ خداوند قدوس کے ذکر وفکر سے پھر بھی غافل نہ رہو۔ کفار کی طرح غافل ہو کر تجارت یا کسب میں نہ لگو بلکہ مشغلہ تجارت اور خرید وفروخت اور مزدوری وغیرہ کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔ ایک صحابی حضرت عراک بن مالکؓ کا یہ عمل لکھا ہے کہ وہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر یہ دعاء کرتے:۔

''یا اللہ میں نے آپ کے حکم کی اطاعت کی اور آپ کا فرض ادا کیا اور جیسا کہ آپ نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر باہر جاتا ہوں۔ آپ اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرمائے اور آپ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں''۔

الحمد للہ سورہ جمعہ کا بیان ختم ہوا۔ اب آئندہ درس میں سورہ منافقون کا بیان شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سورۃ الجمعہ کے خواص

جو آدمی سورۃ الجمعہ کی تلاوت ہمیشہ کرتا رہے وہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔

ذلک فضل اللہ ...... مکمل آیت

اس آیت کو کسی سیپ میں جمعہ کے دن لکھ کر اپنے مال وغیرہ میں رکھ دے تو اس میں برکت ہوگی اور اللہ کے حکم سے وہ محفوظ رہے گا۔ (الدرر النظیم)

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یوم جمعہ اور نماز جمعہ کے حقوق بجالانے کی سعادت نصیب فرمائیں۔ اور ہم کو ظاہراً وباطناً شریعت مطہرہ کی پابندی ہر حال میں نصیب فرمائیں۔ اور اپنے ہمہ وقت ذکر وفکر کی توفیق حسن عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو درست کرنے میں ہماری امداد فرمائیں اور کوئی دنیوی مشغلہ اور تجارت ہم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر سے مانع نہ بنے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ط

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں،

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ①

اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔

اِذَا جَآءَكَ جب آپکے پاس آتے ہیں	الْمُنٰفِقُوْنَ منافق	قَالُوْا وہ کہتے ہیں	نَشْهَدُ ہم گواہی دیتے ہیں	اِنَّكَ بیشک آپ	لَرَسُوْلُ اللّٰهِ البتہ اللہ کے رسول	
وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	اِنَّكَ یقیناً آپ	لَرَسُوْلُهٗ البتہ اس کے رسول	وَاللّٰهُ جبکہ اللہ	يَشْهَدُ گواہی دیتا ہے	اِنَّ بیشک
الْمُنٰفِقِيْنَ (جمع) منافق	لَكٰذِبُوْنَ البتہ جھوٹے					

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے پہلے ہی فقرہ میں اذا جاءک المنفقون کے الفاظ آئے ہیں (یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں) چونکہ اس سورۃ میں منافقین کے اقوال اور طرز عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام ہی منافقون مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور ایک خاص واقعہ اس سورۃ کا سبب نزول ہے

جس خاص واقعہ کے بارہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس کو بیان کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ مدینہ کے منافقین کے بارہ میں کچھ تاریخی معلومات بیان کردی جائے مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے اور مدینہ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینہ میں دو مشہور قبیلے آباد تھے اوس اور خزرج۔ اور یہ دونوں قبیلہ ایک عرصہ تک آپس کی خانہ جنگی میں مبتلا رہے آخر کو تھک کر یہ دونوں قبیلہ اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ یہ اپنا کسی کو بادشاہ بنا کر اس کے ماتحت رہیں۔ چنانچہ انہوں نے قبیلے خزرج کے رئیس عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانا طے کر لیا تھا۔ تاج بھی اس کے لئے بنالیا گیا تھا اور تاج پوشی کی رسم کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اسی درمیان میں اسلام کا چرچا بھی مدینہ میں پہنچ چکا تھا اور دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے بعض با اثر لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تھے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ پہنچے ہیں تو اوس وخزرج کے اکثر گھرانوں میں اسلام پھیل چکا تھا اور وہ انصار مدینہ بن چکے تھے۔ عبداللہ بن ابی بے بس سا ہو گیا اور اس کی تاجپوشی کھٹائی میں پڑ گئی اب اس کو اپنی سرداری بچانے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ وہ بھی مسلمانوں میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی جو بعد میں اسلامی تاریخ میں رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور ہوا یہ بھی اپنے بہت سے حامیوں کے ساتھ جن میں اوسی اور خزرجی دونوں شامل تھے بظاہر داخل اسلام ہو گیا حالانکہ دل ان سب کے جل رہے تھے اور خاص کر عبداللہ بن ابی کو تو اس کا بڑا غم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے اس کی بادشاہی چھن گئی۔

اب اس واقعہ کو مختصراً سنیئے کہ جب اس سورۃ کا نزول ہوا۔ ایک غزوہ سے واپسی کے سفر میں دو مسلمانوں میں کچھ ترش کلامی کی نوبت

آ گئی۔ایک مہاجرین میں سے تھے ایک انصار کے۔دونوں نے اپنی حمایت کے لئے اپنی جماعت کو پکارا قریب تھا کہ بات بڑھ جاتی لیکن یہ شور سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں؟ اسے چھوڑو یہ بڑی گندی چیز ہے۔اس پر دونوں طرف کے صالح لوگوں نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کرادیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھی پہنچی جو اتفاق سے مسلمانوں کے اس سفر میں ہمراہ تھا۔تو اپنے پارٹی والوں سے کہنے لگا کہ اگر ہم ان مہاجرین کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے۔تم انصار ہی ان کی خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول کے ساتھ جمع رہتے ہیں۔ان کی خبر گیری چھوڑ دو ابھی خرچ سے تنگ آ کر متفرق ہو جائیں اور سب مجمع ان کا بچھڑ جائے اور یہ بھی کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور اور اقتدار ہے چاہئے ذلیل بے قدروں کو نکال دے یعنی ہم جو معزز لوگ ہیں ان ذلیل مہاجر مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ایک صحابی حضرت زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن لیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نقل کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہہ دیا ہے۔ لوگ حضرت زیدؓ پر آوازے کسنے لگے۔آپ رنجیدہ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ رہے یہ تھی وہ صورت حال کہ جب اس سورۃ کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کا جھوٹ بولنا ظاہر فرمایا۔اور اس سورۃ میں منافقوں کی بابت بتلایا گیا کہ یہ منہ پر تو کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں لیکن دل میں اس کا انکار کرتے ہیں اور یہ لوگ پرلے درجہ کے جھوٹے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے کام چل جائے گا اور مسلمان انہیں سچا سمجھ کر ان کی بات مان لیں گے۔ان کی زبان پر ایمان اور دل میں کفر ہے۔ان کا ڈیل ڈول تو خاصہ ہے مگر دل بڑا بودا کمزور ہے۔یہ بزدل اور ڈرپوک لوگ ہیں اور اس پر شیخیاں مارتے پھرتے ہیں کہ ہمارے برابر کوئی نہیں۔یہی منافق تو ہیں جن کا سردار کہتا پھرتا ہے کہ ان مہاجرین کو مالی امداد مت دو۔یہ تنگ آ کر خود ہی بھاگ جائیں گے اور ایک سفر میں اس نے یہ بھی کہا کہ اب کے مدینہ پہنچتے ہی ہم سارے معزز لوگ ان ذلیل اور پست مہاجر مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔اس کے اس قول پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان منافقین کا جہل محض ہے کہ جو یہ ایسا کہتے ہیں بلکہ عزت ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔عزت والے اللہ۔اس کے رسول اور مومنین ہی ہیں۔اخیر میں اہل ایمان کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ دیکھو ان بے وقوفوں کی طرح تم دنیا کے مال اور اولاد ہی میں جی لگا کر مت بیٹھو جانا۔ایسا نہ ہو کہ تم مال اور اولاد کی محبت میں پھنس کر اللہ کی یاد چھوڑ بیٹھو اور جو مال اللہ نے دیا ہے یہ جمع کرنے کے لئے نہیں دیا جاتا بلکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے اس لئے حسب مقدور مال خرچ کرتے رہا کرو ورنہ مرتے وقت پچھتانا پڑے گا کہ خرچ کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کا سارا موقع جاتا رہا۔اس وقت خرچ کرنے کی تمنا پھر غیر مفید ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی میعاد عمر ختم ہونے پر آ جاتی ہے تو پھر مہلت نہیں دیتے۔باقی اللہ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے جیسا کرو گے ویسے ہی جزا کے مستحق ہو گے۔یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کا جس کی تفصیلات آئندہ درسوں میں انشاء اللہ سامنے آئیں گی۔

اب اس آیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے رسول ہونے پر دل سے اعتقاد رکھتے ہیں۔اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کو دل سے آپ کی رسالت پر اعتقاد ہے۔واقع میں وہ آپ کی رسالت کے قائل نہیں محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان

سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں تو جھوٹ بولنا ان کی امتیازی خصلت اور شعار بن چکا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کی سب سے زیادہ نمایاں خصلت جھوٹ بولنے کی ہے۔ اور جھوٹ بولنے کی عادت اور ایمان میں کیسی منافات ہے یہ ایک حدیث سے اندازہ لگائیے:۔

حضرت صفوان بن سلیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں (یعنی مسلمان میں یہ کمزوری ہوسکتی ہے)۔ پھر عرض کیا گیا۔ کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں (یعنی مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہوسکتی ہے۔ پھر عرض کیا گیا۔ کیا مسلمان کذاب ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہوسکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ (معارف الحدیث جلد اول) مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ بخیل اور بزدلی اگرچہ بری عادتیں ہیں لیکن یہ دونوں انسانوں کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہوسکتی ہیں لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ اور کیسے جمع ہوسکتے ہیں جب کہ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے لعنت الله علی الکذبین (پارہ۳ رکوع ۱۴) تو معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت او رمنافقانہ اعمال واخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہماری زبانوں کو اور ہمارے دلوں کو جھوٹ کی ناپاکی سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

ابھی آگے انہی منافقین کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں پکا اور سچا مومن بننے کی توفیق عطا فرمائیں اور منافقانہ خصلتوں اور عادتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔

یا اللہ ہم نے جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ پڑھا ہے تو ہمیں اس شہادت میں مخلص اور صادق بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی شہادت لَآ اِلٰهَ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله پر دل وزبان سے قائم رہتے ہوئے موت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ اِس اسلامی ملک میں کچھ ایسے بھی نظر آتے ہیں جو بظاہر اسلام کا لبادہ پہنے ہوئے ہیں اور مردم شماری میں مسلمان کہلاتے ہیں مگر ان کے قال وحال سے یہی ظاہر ہے کہ ان کو نہ حقیقی اسلام سے محبت ہے نہ اسکی عظمت ہے اور در پردہ اسلام اور ملک کیلئے مارِ آستین بنے ہوئے ہیں۔ یا اللہ ایسے منافقین کو ہدایت نصیب فرمادے اگر ان کیلئے ہدایت مقدر ہے ورنہ ایسے مار آستینوں سے اس سرزمین کو پاک فرمادے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بے شک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ

بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ

یہ لوگ ایمان لے آئے پھر کافر ہوگئے سو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو یہ نہیں سمجھتے۔ اور جب آپ اُن کو دیکھیں تو ان کے قدوقامت

اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ

آپ کو خوشنما معلوم ہوں، اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سن لیں، گویا یہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے لگائی ہوئی ہیں، ہر غل پکار کو

كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴

اپنے ہی اوپر خیال کرنے لگتے ہیں، یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیئے، خدا اُن کو غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْا انہوں نے پکڑا (بنالیا)	اَيْمَانَهُمْ اپنی قسموں کو	جُنَّةً ڈھال	فَصَدُّوْا پس وہ روکتے ہیں	عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	اِنَّهُمْ بیشک وہ
سَآءَ مَا برا جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے ہیں	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهُمْ اس لئے کہ وہ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	ثُمَّ كَفَرُوْا پھر انہوں نے کفر کیا	فَطُبِعَ تو مہر لگادی گئی
عَلٰى پر	قُلُوْبِهِمْ انکے دل	فَهُمْ پس وہ	لَا يَفْقَهُوْنَ نہیں سمجھتے	وَاِذَا اور جب	رَاَيْتَهُمْ آپ انہیں دیکھیں	تُعْجِبُكَ تو آپکو خوشنما معلوم ہوں
اَجْسَامُهُمْ ان کے جسم	وَ اور	اِنْ يَّقُوْلُوْا اگر وہ بات کریں	تَسْمَعْ آپ سنیں	لِقَوْلِهِمْ ان کی باتوں کو	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ	خُشُبٌ لکڑیاں
مُّسَنَّدَةٌ دیوار سے لگائی ہوئی	يَحْسَبُوْنَ وہ گمان کرتے ہیں	كُلَّ صَيْحَةٍ ہر بلند آواز	عَلَيْهِمْ اپنے اوپر	هُمُ وہ	الْعَدُوُّ دشمن	
فَاحْذَرْهُمْ پس آپ اُن سے بچیں	قٰتَلَهُمُ انہیں مارے (غارت کرے)	اللّٰهُ اللہ	اَنّٰى کہاں	يُؤْفَكُوْنَ وہ پھرے جاتے ہیں		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹی قسمیں کھالیتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا تو فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہوگئے۔ ان قسموں سے مراد وہ قسمیں بھی ہوسکتی ہیں جو وہ اپنے مسلمان اور مومن ہونے کا یقین دلانے کے لئے قسمیں کھایا کرتے تھے اور وہ قسمیں بھی ہوسکتی ہیں جو کسی منافقانہ حرکت کے پکڑے جانے پر وہ کھاتے تھے تاکہ مسلمانوں کو یہ یقین دلائیں کہ وہ حرکت انہوں نے نہیں کی۔ اور وہ قسمیں بھی مراد ہوسکتی ہیں جو عبداللہ بن ابی نے حضرت زید بن ارقمؓ کی دی ہوئی خبر کو جھٹلانے کے لئے کھائی تھیں۔ الغرض جھوٹی قسمیں کھانے میں ان منافقین کو ذرا باک نہ تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال عزت آبرو محفوظ رکھنے کے لئے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے تھے۔

تو پہلی خصلت ان منافقین کی جھوٹ بولنے کی بتلائی گئی دوسری خصلت جھوٹی قسمیں کھانے کی بتلائی گئی۔ آگے تیسری خصلت بتلائی جاتی ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن، تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام سے بدظن کرتے ہیں اور اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان جان کر دھوکہ کھا جاتے ہیں تو اس سے بڑھ کر اور برا کام کیا ہوگا کہ خود بھی اللہ کے رستے سے رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اور یہ واضح رہے کہ ایک شخص جب تک بظاہر توحید و

رسالت کے ساتھ ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے خواہ جھوٹ اور فریب ہی سے کیوں نہ ہو اسلام اس کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ آگے انہی منافقین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ یہ ایمان کا زبانی اقرار کر کے مسلمانوں میں شامل ہوئے مگر دل سے ایمان نہ لائے اور دل میں منکر ہی رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کئے۔ اس بے ایمانی اور انتہائی دغا وفریب کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اور ایمان وخیر اور حق وصداقت کے سرایت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے تو پھر حق و باطل اور نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان کے دل تو مسخ ہو چکے ہیں لیکن جسم دیکھو تو بہت ڈیل ڈول کے۔ باتیں کریں تو بہت چکنی چپڑی۔ چرب زبانی سے لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا ادھر متوجہ ہو۔ حضرت عبدا للہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی بڑے ڈیل ڈول کا تندرست۔ خوش شکل اور چرب زبان آدمی تھا اور یہی شان اس کے بہت سے ساتھیوں کی تھی۔ یہ سب مدینہ کے رئیس لوگ تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آتے تو دیواروں سے سہارا اور تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ اس پر تشبیہ دی گئی کہ یہ مثل اس خشک اور بیکار لکڑی کے ہیں کہ جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے جو محض بے جان اور لایعقل۔ دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آ سکتی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ ان کے موٹے اور فربہ جسم اور تن وتوش سب ظاہری خول ہیں اندر سے جوہر انسانیت سے خالی اور بے جان۔ محض جہنم کا ایندھن بننے کے لائق ہیں۔ آگے ان منافقین کے مجرم ضمیر کی حالت بیان فرمائی گئی کہ یہ نہایت بزدل اور ڈرپوک۔ ذرا کہیں شور وغل ہو تو سہم جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم ہی پر کوئی بلا آئی۔ سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہر وقت ان کے دل میں دغدغہ لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری دغابازیوں کا پردہ تو چاک نہیں ہو گیا۔ یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔ پھر بتلایا گیا کہ کھلے ہوئے دشمنوں کی بہ نسبت یہ چھپے ہوئے دشمن زیادہ خطرناک ہیں لہٰذا ان کی چالوں سے ہوشیار رہا جائے۔ عرب کے محاورہ کے مطابق ان پر لعنت اور پھٹکار کی جاتی ہے کہ خدا کی مار ہو ان پر کہ ایمان کا اظہار کر کے یہ بے ایمانی۔ اور حق و صداقت کی روشنی آ چکنے کے بعد یہ ظلمت پسندی اور ہدایت کا چشمہ پاس ہوتے ہوئے اس سے محروم اور پیاسا رہنا۔

یہاں ان آیات میں منافقین کی ایک دوسری نمایاں خصلت جھوٹی قسمیں کھانے کی بتلائی گئی۔ اول تو بے ضرورت بات بات میں قسم کھانا ہی بہت بری عادت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بڑی بے تعظیمی اور بے حرمتی ہوتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے سچی بات پر بھی قسم نہ کھانا چاہئے (بہشتی زیور حصہ سوم) اور جھوٹی بات پر جان بوجھ کر قسم کھانا تو گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ احادیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے اب قسم کھانے کے متعلق چند ضروری مسائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ نمبر ا۔ اگر غلطی اور دھوکہ میں جھوٹی قسم کھائی مثلاً کسی نے کہا کہ خدا کی قسم ابھی فلانا آدمی نہیں آیا اور اپنے دل میں یقین کے ساتھ یہی سمجھتا ہے کہ سچی قسم کھا رہا ہوں۔ پھر معلوم ہوا کہ اس وقت وہ آدمی آ گیا تھا تو یہ معاف ہے اس میں گناہ نہ ہوگا اور کچھ کفارہ بھی نہیں (بہشتی زیور حصہ سوم)

مسئلہ نمبر۲۔ جو بات ہو چکی ہے یا گزر گئی ہے اس پر جھوٹی قسم کھانا بڑا سخت گناہ ہے مثلاً کسی نے نماز نہیں پڑھی اور جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ خدا کی قسم میں نماز پڑھ چکا ہوں۔ یا مثلاً کسی سے گلاس ٹوٹ گیا اور جب پوچھا گیا تو کہہ دیا کہ خدا کی قسم میں نے نہیں توڑا۔ جان بوجھ کر اس طرح جھوٹی قسم کھائی تو اس کے گناہ کی کوئی حد نہیں اور اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں۔ بس دن رات اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کر کے اپنا گناہ معاف کرائے۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ نمبر ۳۔ اگر ایسی بات پر قسم کھائی جو ابھی نہیں ہوئی بلکہ آئندہ ہوگی جیسے کوئی کہے کہ خدا کی قسم آج میرا بھائی آوے گا اور وہ نہیں آیا تو کفارہ دینا پڑے گا اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو دووقتہ کھانا دے یا کچا اناج دیدے اور ہر محتاج کو آدھی چھٹانک اوپر پونے دو سیر گیہوں۔ احتیاطاً پورے دو سیر گیہوں دے یا دس فقیروں کو کپڑا دے جس سے بدن کا زیادہ حصہ ڈھک جاوے اور اگر فقیر عورت کو کپڑا دیا تو اتنا کپڑا ہونا چاہئے کہ سارا دن ڈھک جائے اور وہ غریب عورت اس کپڑے سے نماز پڑھ سکے۔

مسئلہ نمبر ۴۔ کفارے میں ان ہی مساکین کو کپڑا یا کھانا دینا درست ہے جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

مسئلہ نمبر ۵۔ کسی نے گناہ کی بات پر قسم کھالی مثلاً کہا کہ خدا کی قسم میں ماں باپ سے کبھی نہ بولوں گا یا یہ کہا کہ میں خدا کی قسم فلاں کی یہ چیز چرالاؤں گا تو ایسے گناہ کی بات پر قسم کو توڑ دینا واجب ہے۔ قسم توڑ کر کفارہ دیدے۔

مسئلہ نمبر ۶۔ اگر کوئی ایسا غریب ہے کہ نہ کپڑا دے سکتا ہے کفارہ میں نہ کھانا کھلا سکتا ہے تو لگاتار تین روزہ رکھے۔ اگر کسی عذر سے بیچ میں کوئی روزہ چھوٹ گیا تو پھر سے لگاتار تین روزہ رکھے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم) یہ چند ضروری مسائل تھے جو اس ضمن میں بیان کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے اور جھوٹی قسم سے ہم کو بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ابھی مضمون آگے بھی انہیں منافقین کے متعلق جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر اور باطن کو یکساں رکھیں اور منافقانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔ منافقین جو اسوقت بھی اسلام اور ایمان کے دعوے بلند کرتے ہیں اور در پردہ دین کے دشمن ہیں۔

یا اللہ ان کی پوشیدہ چالوں سے اہل ایمان کو محفوظ رکھئے۔ اور ان کی منافقانہ سرگرمیوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرمایئے۔ یا اللہ ہمیں اسلام سے سچا تعلق اور لگاؤ نصیب فرمایئے اور دل وجان سے ہم کو اسلام اور ایمان کا قدردان بنادیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ اُنکو دیکھیں گے

وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝٥ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ

کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔ ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کیلئے استغفار کریں یا اُن کیلئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ۝٦

اُن کو ہرگز نہ بخشے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَاِذَا اور جب	قِيلَ لَهُمْ کہا جائے ان سے (تم آؤ)	يَسْتَغْفِرْ بخشش کی دعا کریں	لَكُمْ تمہارے لئے	رَسُولُ اللّٰهِ رسول اللہ	لَوَّوْا وہ پھیر لیتے ہیں	
رُءُوسَهُمْ اپنے سروں کو	وَرَاَيْتَهُمْ اور آپ اُنہیں دیکھیں	يَصُدُّونَ وہ منہ پھیر لیتے ہیں	وَهُمْ اور وہ	مُسْتَكْبِرُونَ بڑا ہی تکبر کرنیوالے ہیں		
سَوَآءٌ برابر	عَلَيْهِمْ ان پر	اَسْتَغْفَرْتَ آپ بخشش مانگیں	لَهُمْ ان کیلئے	اَمْ یا	لَمْ تَسْتَغْفِرْ آپ نہ بخشش مانگیں	لَهُمْ ان کیلئے
لَنْ يَغْفِرَ ہرگز نہیں بخشے گا	اللّٰهُ اللہ	لَهُمْ ان کو	اِنَّ بیشک	اللّٰهَ اللہ	لَا يَهْدِي ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ نافرمان لوگوں

تفسیر وتشریح: عبداللہ بن ابی اپنے قوم کا رئیس اور سردار تھا۔ اور بظاہر مسلمانوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اپنی خیر خواہی جتانے کے لئے اس کا معمول تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ کے لئے ممبر پر تشریف لاتے تو یہ عبداللہ بن ابی کھڑا ہو جاتا اور کہتا لوگو یہ اللہ کے رسول ہیں جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو۔ اور آپ کی عزت وتکریم کرو۔ آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجالاؤ۔ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ جنگ احد میں اس کا نفاق کھل گیا تھا یہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی نافرمانی کر کے عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان جنگ سے الٹا واپس آ گیا جبکہ قریش کے لوگ قریب ۳ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلہ کے لئے صرف ایک ہزار نفوس ساتھ لے کر مدافعت کے لئے نکلے تھے ان ایک ہزار میں سے بھی یہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ۳۰۰ آدمی توڑ لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ۷۰۰ مجاہدین کی جمعیت سے کفار کا مقابلہ کرنا پڑا۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے فارغ ہوئے اور مع الخیر مدینہ منورہ تشریف لائے اور جمعہ کا دن آیا اور خطبہ کے لئے آپ ممبر پر تشریف لائے تو حسب عادت یہ عبداللہ بن ابی آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا ہی چاہتا تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے کہ دشمن خدا بیٹھ جا۔ تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا۔ تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے کہے۔ یہ عبداللہ بن ابی کو سخت ناگوار گزرا اور ناراض ہو کر گردنیں پھلانگتا ہوا مسجد سے باہر چلا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ میں تو ان کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ چند انصاریوں نے اس سے مسجد کے دروازہ پر

کہا یہ کیا بات ہے؟ تو کہا کہ میں تو ان کا کام مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں۔ انہوں نے کہا کہ خیر اب تم واپس چلو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے خدا سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ اسی کی طرف آیت میں اشارہ کر کے فرمایا گیا کہ ان منافقین کے تکبر اور شرارت کی یہ کیفیت ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آؤ اور آپ سے اپنے لئے استغفار کراؤ تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں جو اشارہ اس امر کی طرف ہوا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ غایت رحمت و شفقت سے ممکن ہے ان کے لئے بحالت موجودہ معافی طلب کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ کسی صورت سے ان کو معاف کرنے والا نہیں اور نہ ایسے نافرمانوں کو اس کے ہاں سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے یہی بات سورہ توبہ میں جو اس سورہ کے قریب تین سال بعد نازل ہوئی اور زیادہ تاکید کے ساتھ فرما دی گئی اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے منافقین کے متعلق صاف فرما دیا گیا کہ آپ چاہے ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہ کریگا اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے اس آیت کے بعد وہیں سورہ توبہ میں فرمایا گیا۔ ''کہ اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے اور یہ فاسق ہونے کی حالت میں مرے ہیں''۔ تو یہاں آیت **سوآء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفرلھم ط لن یغفراللہ لھم ط ان اللہ لایھدی القوم الفٰسقین o** (ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا) اور سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیات میں دو باتیں بیان کی گئیں۔ ایک یہ کہ دعائے مغفرت صرف اہل ایمان ہی کے حق میں مفید ہو سکتی ہے جس نے ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا (اور نفاق بھی کفر کی ایک بدترین شکل ہے) تو اس کے لئے کسی کی دعاء مغفرت حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دعائے مغفرت کارآمد اور نفع بخش نہیں ہو سکتی اور اس کو بخشا نہیں جا سکتا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ یہاں سے گناہ گار اور بداعتقاد کا فرق بھی معلوم ہو گیا۔ گناہ ایسا کون ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے۔ سورہ نسآء پانچویں پارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ط** (اور اگر وہ لوگ جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھتے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے) لیکن بداعتقاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر مرتبہ استغفار کرنا بھی فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ بداعتقادی سے ہم کو بچائیں۔

اور ہمارے قلوب کو اس مرض سے پاک رکھیں۔آمین۔

دوسری بات یہاں آیت میں یہ فرمائی گئی کہ ایسے لوگوں کو ہدایت بخشنا اللہ کا طریقہ نہیں کہ جو اس کی ہدایت کے طالب نہ ہوں۔ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑ رہا ہو۔ بلکہ ہدایت کی طرف اسے بلایا جائے تو سر جھٹک کر غرور کے ساتھ اس دعوت کو رد کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہدایت ربانی اس کے پیچھے پیچھے پھرے اور اسے راہ راست پر لائے۔

یہاں ان آیات میں منافقین کی خصلت تکبر کی مذمت فرمائی گئی۔ اور تکبر ایسی بدخصلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

اس لئے ہمیں بھی تمام امراض باطنی خصوصاً تکبر کے ازالہ کے لئے فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں اور اپنی توفیق و ہدایت ہمارے شامل حال رکھیں اور اس مہلک مرض سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔

ابھی اگلی آیات میں بھی مضمون انہی منافقین کے متعلق جاری ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ منافقانہ خصلتوں اور عادتوں سے ہم کو بچائیں اور ہم کو صحیح اور سچا و پکا اسلام و ایمان نصیب فرمائیں۔

اے اللہ پہلے بھی منافقین نے اسلام دشمنی برتی اور قاتلھم اللّٰہ کی پھٹکار اور لعنت ان پر پڑی۔

اے اللہ اب بھی جو منافق اسلام دشمنی میں درپردہ پڑے ہوئے ہیں اس اسلامی سلطنت کو ان کے شر سے محفوظ فرما۔ اور ان کے ناپاک وجود سے پاکستان کو پاک فرما۔

اے اللہ تو سچے اور محب اسلام حاکم ہم کو عطا فرما جو اس ملک میں اسلام کو فروغ دین اور اسلامی قوانین جاری کریں اور اسلامی فضا پیدا کریں۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ

یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جولوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہوجاویں گے اور اللہ ہی کے ہیں سب خزانے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ

آسمانوں اور زمین کے، ولیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب

اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ

مدینہ میں لوٹ کر جاویں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا، اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی

لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞

ولیکن منافقین جانتے نہیں۔

هُمْ وہی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	لَا تُنْفِقُوْا نہ تم خرچ کرو	عَلٰى پر	مَنْ جو	عِنْدَ پاس	رَسُوْلِ رسول	اللّٰهِ اللہ
حَتّٰى یہاں تک کہ	يَنْفَضُّوْا وہ منتشر ہوجائیں	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	خَزَآئِنُ خزانے	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَلٰكِنَّ اور لیکن		
الْمُنٰفِقِيْنَ منافق (جمع)	لَا يَفْقَهُوْنَ وہ نہیں سمجھتے	يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	لَئِنْ رَّجَعْنَآ اگر ہم لوٹ کر گئے	اِلَى الْمَدِيْنَةِ مدینہ کی طرف				
لَيُخْرِجَنَّ ضرور نکال دیگا	الْاَعَزُّ معززترین	مِنْهَا وہاں سے	الْاَذَلَّ نہایت ذلیل	وَلِلّٰهِ اور اللہ کیلئے	الْعِزَّةُ عزت	وَلِرَسُوْلِهٖ اور اسکے رسول کیلئے		
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور مومنوں کیلئے	وَلٰكِنَّ اور لیکن	الْمُنٰفِقِيْنَ منافق (جمع)	لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے					

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے ابتدائی درس میں سبب نزول کے سلسلہ میں یہ تفصیل کیساتھ بتایا جاچکا ہے کہ ایک غزوہ سے مدینہ کو واپسی میں راستہ میں دو مجاہدین میں کچھ ناگوار واقعہ پیش آ گیا تھا۔

ان آیات میں اسی عبداللہ بن ابی کے اقوال کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے یہ کہا تھا کہ ان مہاجر مسلمانوں پر جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہوجاویں گے اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے۔ کیا جولوگ خالص اس کی رضا جوئی کے لئے اس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں وہ ان کو رزق سے محروم کر کے کیا بھوکوں مار دے گا۔ اور لوگ اگر ان کی امداد بند کرلیں گے تو وہ بھی کیا اپنی روزی کے سب دروازہ بند کرلے گا اور سچ تو یہ ہے کہ جو بندے ان اللہ والوں پر خرچ کررہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہوتو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کرسکے۔ پھر اسی عبداللہ بن ابی نے یہ بھی کہا تھا کہ اب ہم مدینہ لوٹ کر جاویں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا یعنی ان مہاجرین مسافر پردیسیوں کو نکال باہر کردیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ منافق نہیں جانتے کہ زوردار اور عزت والا کون ہے؟ یاد رکھو کہ اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے اس کے بعد اسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ بدرجہ رسول کی اور ایمان والوں کی ہے یعنی تمام عزت اللہ کے لئے بالذات مخصوص ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بربنائے رسالت اور مومنین کے لئے بربنائے ایمان۔ رہے کفار وفساق اور منافقین تو یہ حقیقی عزت سے محروم ہی ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ جو

پکے اور سچے مسلمان تھے اس مذکورہ واقعہ کے بعد دوران سفر ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس کی ہے اس کے بدلے آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ کیونکہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ مجھے اس کی اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں تو عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر یوں ہی ہے تو آپ اس کے قتل کا حکم کسی اور کو نہ دیجئے۔ میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں میں لا ڈالتا ہوں۔ قسم خدا کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان وسلوک اور محبت وعزت کرنے والا نہیں لیکن میں فرمان رسول پر اپنے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں۔ آپ میرے باپ کے قتل کا حکم مجھے دیجئے۔ اللہ اکبر! صحابہ کرام کے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا یہ عالم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل میں ان کی اس ایمانی صفت کا کوئی حصہ ہم ناکاروں کو بھی عطا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا نہیں میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا۔ ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سمیت مدینہ پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ مدینہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور تلوار کھینچ لی۔ لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا باپ عبداللہ بن ابی آیا تو یہ فرمانے لگے کہ خبردار مدینہ میں داخل مت ہو۔ عبداللہ بن ابی نے کہا کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روک رہا ہے؟ بیٹے حضرت عبداللہؓ نے فرمایا تو مدینہ میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول تیرے لئے اجازت نہ دیں۔ عزت والے آپ ہی ہیں اور تو ذلیل ہے۔ عبداللہ بن ابی رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ لشکر کے آخری حصہ میں ہوتے تھے۔ آپ کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی نے بیٹے کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے خدا کی جب تک آپ کی اجازت نہ ہو یہ اندر مدینہ میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ اب حضرت عبداللہؓ نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کو شہر میں داخل ہونے دیا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا کہ جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں اور میں ذلیل تب تک تو مدینہ میں نہیں جا سکتا۔ یہ گویا جواب تھا عبداللہ بن ابی کے اس قول کا کہ جو اس نے سفر میں کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔

الغرض شروع سورۃ سے یہاں تک منافقین کی مذمت۔ ان کی تقبیح و توبیخ فرمائی گئی۔ اب اس کے بعد آگے خاتمہ کی آیات میں مومنین مخلصین کو خطاب فرما کر چند ہدایات دی گئی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو دین اسلام اور رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت نصیب فرمائیں اور آپ کی محبت کے ساتھ آپ کی عظمت اور اور اتباع بھی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آپ نے منافقین اور اعدائے دین واسلام کو جیسے پہلے ذلیل وخوار کیا اور مومنین کو عزت ورفعت بخشی اسی طرح اب بھی دشمنان دین کو خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ذلیل وخوار فرما اور ان کے شر سے اہل اسلام کو محفوظ و مامون فرما۔ یا اللہ اہل اسلام میں آپس میں سچا اور پکا اتحاد نصیب فرما۔ اور وطنی اور قومی اور زبان اور رنگ ونسل کی تفرقہ آمیز لعنتوں سے ان کو محفوظ فرما۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں، اور جو ایسا

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ

کہ تم میں سے کسی کی موت آکھڑی ہو پھر وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی، کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام

الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١١﴾

کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس کی میعاد آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا، اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	لَا تُلْهِكُمْ تمہیں غافل نہ کردیں	اَمْوَالُكُمْ تمہارے مال	وَلَآ اَوْلَادُكُمْ اور نہ تمہاری اولاد	
عَنْ سے	ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ کی یاد	وَمَنْ اور جو	يَّفْعَلْ کرے گا	ذٰلِكَ یہ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ تو وہی لوگ وہ / الْخٰسِرُوْنَ خسارہ پانے والے
وَاَنْفِقُوْا اور تم خرچ کرو	مِنْ سے	مَّا رَزَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں دیا	مِّنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ يَّاْتِيَ کہ آجائے	اَحَدَكُمُ تم میں سے کسی کو
الْمَوْتُ موت	فَيَقُوْلَ تو وہ کہے	رَبِّ اے میرے رب	لَوْلَآ کیوں نہ	اَخَّرْتَنِيْٓ تو نے مجھے مہلت دی	اِلٰٓى تک / اَجَلٍ قَرِيْبٍ ایک قریب کی مدت
فَاَصَّدَّقَ تو میں صدقہ کرتا ہوں	وَ اور	اَكُنْ میں ہوتا	مِّنَ سے	الصّٰلِحِيْنَ نیکوکاروں	وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اور ہرگز ڈھیل نہ دے گا
اللّٰهُ اللہ	نَفْسًا کسی کو	اِذَا جَآءَ جب آگئی	اَجَلُهَا اس کی اجل	وَاللّٰهُ اور اللہ	خَبِيْرٌ باخبر / بِمَا اس سے جو / تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو

تفسیر وتشریح: ان آیات میں اہل ایمان کو خطاب کرکے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو آدمی کے لئے بڑے خسارے اور ٹوٹے کی بات یہ ہے کہ باقی کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو جائے اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنیٰ میں پھنس جائے۔ مال اور اولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل نہ کرے اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں بھی قلبی سکون واطمینان نصیب نہ ہوا۔ تو جو لوگ دنیا ہی میں پھنسے ہوئے ہیں اور مال اور اولاد ہی کی محبت میں گرفتار ہیں اور اللہ کو بھول گئے تو وہ بڑے سخت گھاٹے میں رہنے والے لوگ ہیں۔ یہاں آیت میں مال اور اولاد ہی کا ذکر خاص طور پر فرمایا ہے کیونکہ انسان زیادہ تر انہی کی خاطر دین وایمان سے منہ موڑ کر نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے ورنہ درحقیقت مراد دنیا کی ہر وہ چیز ہے جو انسان کو یاد خدا سے غافل کردے۔ اور یہ خدا کی یاد سے غفلت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ اگر انسان کو یہ یاد رہے اور وہ اس تصور کو اپنے ذہن میں قائم رکھے کہ وہ ایک خدا کا بندہ ہے اور وہ خدا اس کے تمام اعمال وافعال سے باخبر ہے اور ایک دن اس کے سامنے جا کر اپنے زندگی بھر کے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو پھر وہ حتی الامکان کسی گمراہی اور بدعملی میں مبتلا نہ ہوگا اور اگر بشری کمزوری سے کبھی اس سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے گا تو فوراً اس کو تنبیہ ہو کر ہوش آجائے گا اور توبہ سے اس کی تلافی کی کوشش کرے گا۔ پھر منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اپنا مال ان پر مت خرچ کرو جو رسول اللہ کے ساتھ رہتے ہیں تو اس کے متعلق ایک جواب تو گزشتہ آیات میں منافقین کو دیا گیا تھا کہ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان وزمین کے

خزانوں کا مالک تو اللہ ہے اسی سے متعلق ایک ہدایت اہل ایمان کو دی جاتی ہے کہ دیکھو مال جوڑ کر اور جمع کر کے رکھنے کے لئے نہیں بلکہ یہ نیک کاموں میں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے اور اس طرح خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرلو ورنہ موت سر پر آ پہنچے گی تو پھر پچھتاؤ گے کہ کیوں ہم نے خدا کے رستہ میں مال خرچ نہ کیا۔ اس وقت یعنی موت کے وقت بخیل تمنا کریگا کہ اے میرے پروردگار چند روز اور میری موت کو ملتوی کر دیجئے کہ میں خوب صدقہ خیرات کر کے اور نیک و صالح بن کر حاضر ہوں لیکن وہاں التوا کیسا؟ جس شخص کی جس قدر عمر لکھ دی گئی ہے اور جو میعاد زندگی مقرر کر دی گئی ہے اس کے پورا ہو جانے پر ایک لمحہ کی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہو سکتی۔

اخیر میں واللہ خبیر بما تعملون اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو فرما کر یہ جتلا دیا کہ اللہ کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری تمنا کے موافق تمہاری موت ملتوی کر دی جائے اور دنیا کی طرف تمہیں لوٹا دیا جائے تب تم کیسے عمل کرو گے وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کے ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبردار ہے اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

اس لئے تمام اہل اسلام کو نصیحت کی گئی کہ موت کے آثار سامنے آنے سے پہلے پہلے صحت اور قوت کی حالت میں اپنے اموال اللہ کی رضا میں خرچ کر کے آخرت کے درجات حاصل کر لو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ سب سے زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جبکہ انسان تندرست ہو اور اپنی آئندہ ضروریات کے پیش نظر یہ خوف بھی ہو کہ مال خرچ کر ڈالا تو کہیں بعد میں خود محتاج نہ ہو جاؤں اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس وقت تک نہ ٹلاؤ جب تک کہ روح تمہارے حلق میں آ جائے اور مرنے لگو تو اس وقت بھی کہو کہ اتنا مال فلاں کو دیدو اتنا فلاں کام میں خرچ کردو یعنی انفاق فی سبیل اللہ دنیا کی زندگی میں آخری وقت تک جاری رکھو۔ پھر پچھتانے اور یہ آرزو و تمنا کرنے کی نوبت نہ آئے گی کہ موت میں کچھ تاخیر ہو جائے اور مہلت مل جائے تو اعمال صالحہ کرلو اور صالحین میں داخل ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ ہماری غفلت کو دور فرمائیں۔ اور ابھی ہمیں زندگی۔ صحت اور قوت میں اعمال صالحہ اور اپنے ذکر فکر کی توفیق نصیب فرمائیں۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ منفقون کا بیان ختم ہو گیا۔ اب اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ المنافقون کے خواص

ا......اگر کسی کو آشوب چشم ہو اس پر سوۃ المنافقون پڑھ کر دم کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

۲......اگر کسی کو پھوڑے ہوں تو اس پر سورۃ المنافقون دم کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

۳......کسی قسم کا درد ہو اس پر سورۃ المنافقون دم کرنے سے صحت ہو جاتی ہے۔

واذا رایتھم ...... انی یؤ فکون

اگر کسی ظالم دشمن کا خوف ہو تو مذکورہ آیت پاک مٹی پر پڑھ کر اس کے چہرے کی طرف چھڑکے بشرطیکہ اسے معلوم نہ ہو تو وہ ظالم اپنے ارادہ سے باز آ جائے گا۔ (الدرر النظیم)

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمیں آخری وقت پر پچھتانے اور ندامت کرنے سے بچائیں اور ہمیں زندگی میں اپنی مرضیات والے اعمال کی توفیق نصیب فرماویں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے، اور وہ ہر شے پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

قادر ہے۔وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا سو تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

يُسَبِّحُ وہ پاکیزگی بیان کرتا ہے	لِلّٰهِ اللہ کی	مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	لَهُ اسی کیلئے
الْمُلْكُ بادشاہی	وَلَهُ اور اسی کیلئے	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	هُوَ الَّذِيْ وہی جس نے
خَلَقَكُمْ تمہیں پیدا کیا	فَمِنْكُمْ تو تم میں سے	كَافِرٌ کوئی کافر	وَمِنْكُمْ اور تم میں سے	مُّؤْمِنٌ کوئی مومن	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِمَا اس کو جو
تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	بَصِيْرٌ دیکھنے والا					

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے پہلے رکوع میں قیامت کو یوم التغابن یعنی تغابن کا دن کہا گیا ہے۔ تغابن ہار جیت کو کہتے ہیں۔ زندگی کی بازی کی ہار جیت کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ اس مناسبت سے قیامت کو یوم التغابن کہا گیا ہے اور اسی سے سورۃ کا نام تغابن ماخوذ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز بے جان ہو یا جاندار۔ آسمان میں ہو یا زمین میں اپنی حالت سے ظاہر کر رہی ہے اور اگر زبان رکھتی ہے تو منہ سے بھی کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک۔ منزہ اور مبرا ہے۔ پھر یہ پوری کائنات تنہا اسی کی سلطنت ہے اور عملاً وہ ہر آن اس پر حکومت کر رہا ہے۔ اس حکومت اور فرمانبروائی میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ دوسروں کو اگر عارضی طور پر یا محدود پیمانہ پر کسی جگہ تصرف۔ یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ ان کے ذاتی اختیارات نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے انہیں حاصل رہتے ہیں اور جب وہ چاہے انہیں چھین لے یا سلب کر سکتا ہے۔ پھر تمام تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دوسری جس ہستی میں بھی کوئی قابل تعریف خوبی پائی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ پھر وہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اللہ کی ذات قادر مطلق ہے۔ جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی طاقت اس کی قدرت کو محدود کرنے یا روکنے والی نہیں۔ پھر اسی نے سب انسانوں کو بنایا اور پیدا کیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سب اس پر ایمان لاتے اور اس منعم حقیقی کی اطاعت کرتے مگر ہوا یہ کہ بعض منکرین بن گئے اور بعض ایماندار۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان میں دونوں طرف جانے کی استعداد اور قوت رکھی تھی مگر اولاً سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا تھا پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی۔ اسی مضمون کو ۲۱ویں پارہ سورہ روم میں فرمایا گیا ہے:۔ ''تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ

نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے۔ پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔ اسی مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس طرح فرمایا ہے کہ ہر انسان صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور بعد میں خارج سے کفر و شرک اور گمراہی اس پر عارض ہوتی ہے۔ اخیر میں ارشاد ہے واللہ بما تعملون بصیر۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ تو یہاں دیکھنے کا مطلب محض دیکھنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مفہوم بھی خود بخود نکلتا ہے کہ جیسے تمہارے اعمال و افعال ہیں انہی کے مطابق تم کو جزا یا سزا دی جائے گی۔

یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے خلقکم فمنکم کافرو منکم مومن۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں بعض کافر ہو گئے بعض مومن رہے۔ تو اس جملہ کی تشریح کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے لکھا ہے کہ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ اول تخلیق و آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں اس کسب و اختیار کے تابع ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشا ہے اور اسی کسب و اختیار کی وجہ سے اس پر گناہ و ثواب عائد ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس جگہ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے کافر و مومن۔ جس سے معلوم ہوا کہ اولاد آدم علیہ السلام سب ایک برادری ہے اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے۔ جو شخص کافر ہو گیا۔ اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا۔ اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ رنگ اور زبان نسب و خاندان۔ وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے۔ اختلاف رنگ و زبان اور وطن و ملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں۔ کوئی سمجھ دار انسان ان کو مختلف گروہ نہیں قرار دے سکتا۔

زمانہ جاہلیت میں نسب اور قبائل کی تفریق کو قومیت اور گروہ بندی کی بنیاد بنا دیا گیا۔ اسی طرح ملک و وطن کی بنیاد پر کچھ گروہ بندی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب بتوں کو توڑا اور مومن مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو۔ کسی رنگ اور خاندان کا ہو۔ کوئی زبان بولتا ہو ان سب کو ایک برادری قرار دیا بنص قرآن کریم انما المومنون اخوۃ (مومنین سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ اسی طرح کفار کسی ملک اور قوم کے ہوں وہ اسلام کی نظر میں ملت واحدہ یعنی ایک قوم ہیں۔ قرآن کریم کا یہ جملہ فمنکم کافرو منکم مومن (تم میں بعض کافر ہو گئے اور بعض مومن رہے) اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل بنی آدم کو صرف کافر و مومن دو گروہوں میں تقسیم فرمایا۔ اختلاف رنگ و زبان کو قرآن نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بہت سے معاشی فوائد پر مشتمل ہونے کی بنا پر ایک عظیم نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم کی گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔

اور ایمان و کفر کی بنا پر دو قوموں کی تقسیم یہ ایک امر اختیاری پر مبنی ہے۔ کیونکہ ایمان بھی اختیاری امر ہے اور کفر بھی اختیاری امر ہے۔ اگر کوئی شخص ایک قومیت چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونا چاہے تو آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسرے میں شامل ہو سکتا ہے۔ بخلاف نسب و خاندان اور رنگ و زبان اور ملک و وطن کے یہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا نسب بدل دے۔ یا رنگ

بدل دے۔ زبان اور وطن اگر چہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عادۃً اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتیں خواہ ان کی زبان بولنے لگے اور ان کے وطن میں آباد ہو جائے۔ یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مشرق و مغرب کے اور شمال وجنوب کے اور عرب وعجم کے اور کالے اور گورے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرودیا تھا جس کی قوت وطاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں۔ جب انہوں نے پھران بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے پاش پاش کر دیا تھا تو مسلمانوں کی عظیم ترین ملت واحدہ کو ملک و وطن اور زبان اور رنگ اور نسب وخاندان کے مختلف ٹکڑوں میں اور گروہ بندیوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم ٹکرادا۔ اس طرح دشمنان اسلام کی یلغار کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ جس کا نتیجہ آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں کہ مشرق ومغرب کے مسلمان جو ایک قوم اور ایک دل تھے اب چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منحصر ہو کر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں اور ان کے مقابلہ پر کفر کی طاغوتی طاقتیں باہمی اختلاف رکھنے کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہی معلوم ہوتی ہیں''۔ (معارف القرآن۔جلد ہشتم)

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اسلام جیسی نعمت عظمیٰ کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لینے کی سعادت نصیب فرمائیں۔

الغرض سورۃ کی ابتدا مضمون توحید سے فرمائی گئی اور ابھی یہی مضمون توحید اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا اور پھر ایمان واسلام کی دولت سے نوازا۔ اور اشرف الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ یا اللہ ہم کو اس زندگی کے آخری سانس تک اسلام دین فطرت پر قائم رکھئے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمایئے۔

یا اللہ اپنے ذکر وفکر اور اپنی تسبیح وتحمید کی ہم کو بھی دائمی توفیق عطا فرمایئے اپنے ذاکر اور تسبیح خواں بندوں میں ہمارا شمار فرمالیجئے۔

یا اللہ بے شک آپ ہر شے پر قادر ہیں آپ اپنی رحمت سے ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق ایمانی پھر یاد کر لینے کی توفیق عطا فرمادیجئے اور امت مسلمہ کو پھر ملت واحدہ بن جانے اور آپس میں شیر وشکر ہو جانے کی توفیق نصیب فرمادیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾ يَعْلَمُ مَا فِى

اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ سب چیزوں کو جانتا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤﴾

جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

خَلَقَ اس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	بِالْحَقِّ حق کے ساتھ	وَصَوَّرَكُمْ اور تمہیں صورتیں دیں	فَاَحْسَنَ تو بہت اچھی	
صُوَرَكُمْ تمہیں صورتیں دیں	وَاِلَيْهِ اور اسی کی طرف	الْمَصِيْرُ بازگشت	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	مَا جو	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین
وَيَعْلَمُ اور جانتا ہے	مَا تُسِرُّوْنَ جو تم چھپاتے ہو	وَمَا تُعْلِنُوْنَ اور جو تم ظاہر کرتے ہو	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں کے بھید	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس۔ پاکی وبزرگی کا ذکر فرما کر تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو تم کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا تھا جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم سب ایمان کی راہ اختیار کرتے مگر اس صحیح فطرت پر پیدا ہونے کے بعد تم میں سے بعض لوگوں نے کفر اختیار کیا اور بعض نے ایمان کی راہ اختیار کی۔ اب آگے ان آیات میں اسی سلسلہ خطاب میں انسانوں کو بتلایا جاتا ہے کہ کچھ تم ہی کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیمہ پر پیدا نہیں کیا بلکہ یہ کائنات بھی اللہ تعالیٰ نے برحق پیدا کی ہے۔ یعنی یہ زمین و آسمان اور یہ کائنات یونہی بلا مقصد نہیں بنادی گئی بلکہ ہر چیز کی تخلیق ایک مقصد رکھتی ہے اور معقول حکمت پر مبنی ہے۔ آج سائنس کی جتنی بھی ترقیاں ہورہی ہیں وہ سب اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اس خالق حکیم نے کیسی مقررہ حکمت اور کیسے منظم اصول اور اٹل ضوابط کے ساتھ پیدا فرمائی ہے۔ آج جتنی بھی حیرت انگیز ایجادات جاری ہورہی ہیں وہ ہرگز ممکن نہ ہوتیں اگر یہ کائنات اور اس کی ہر چیز با حکمت اور بااصول طور پر ایک مقررہ ضابطہ پر پیدا نہ فرمائی گئی ہوتی۔ مثلاً ہوا۔ پانی۔ آگ۔ مٹی یہ چار عناصر ہیں۔ ہر ایک کی ماہیت وخاصیت اور خواص قدرت نے علیحدہ علیحدہ رکھے ہیں۔ اب اگر یہ نظام نہ ہوتا۔ اور پانی کے خواص کبھی آگ سے ظاہر ہو جاتے۔ اور مٹی کے خواص کبھی ہوا سے ظاہر ہو جاتے۔ اور ہوا کے خواص کبھی پانی سے ظاہر ہونے لگتے تو سائنس کی ایجادات اور ترقیاں

تو در کنار انسان کی زیست اس دنیا میں محال ہو جاتی۔ پھر اس کائنات کی پیدائش میں انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے آگے فرمایا گیا کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت اور نقشہ پر پیدا کیا۔ یہاں آیت میں صورت سے مراد محض انسان کا چہرہ نہیں بلکہ اس سے مراد انسان کی پوری جسمانی ساخت ہے اور وہ قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں جو اس دنیا میں کام کرنے کے لئے انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ تو یہاں آیت میں جو فرمایا گیا کہ اے انسانو تمہارا نقشہ خدا نے بنایا اور کیسا عمدہ نقشہ بنایا کہ تمہارے چلنے کے لئے مناسب ترین پاؤں دیئے۔ تمہارے کام کرنے کے لئے موزوں ترین ہاتھ دیئے گئے۔ تمہارے دیکھنے کو کیسی عجیب آنکھیں دی گئیں۔ تمہارے سننے کو کیا خوب کان دیئے گئے۔ تمہارے سونگھنے کو ناک دی گئی۔ پھر سوچنے سمجھنے کے لئے کیسے حواس اور آلات ادراک وعلم دیئے گئے۔ پھر حق تعالیٰ خالق کائنات کی یہ کیسی حیرت انگیز صنعت اور صورت گری ہے کہ انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود یعنی سب یکساں دو آنکھیں۔ ایک ناک۔ دو کان۔ ایک منہ۔ ایک سر رکھتے ہیں مگر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ ایک انسان کی صورت بالکلیہ دوسرے انسان کی صورت سے ایسی نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے تو ایک فرد کی شکل وصورت کا دوسرے سب سے علیحدہ اور ممتاز ہونا یہ حق تعالیٰ ہی کی صناعی اور صورت گری ہے اور اس کی مخصوص صفت ہے۔ حق تعالیٰ کے مشہور ۹۹ اسمائے حسنہ ہیں

ان میں ایک المصور بھی ہے یعنی تصویر بنانے والا۔ تو انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر جو اللہ تعالیٰ نے بہترین صورت اور نقشہ پر پیدا کیا اور بہترین صلاحیتیں اور قوتیں اس کو عطا فرمائیں۔ تو یہ سب کیوں اور کس لئے دی گئیں؟ اس کا منشا اگلے فقرہ والیه المصیر سے ظاہر ہے کہ آخر کار اسی کی طرف تم کو پلٹنا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جب ایسے بامقصد اور حکیمانہ نظام کائنات میں ایک انسان جیسی بہترین مخلوق پیدا کی گئی تو حکمت کا تقاضہ یہی ہونا چاہئے کہ اس انسان کو دنیا میں شتر بے مہار کی طرح غیر ذمہ دار بنا کر نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ لازماً اس کی باحکمت تخلیق کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مخلوق اس ہستی کے سامنے جواب دہ ہو جس نے اپنی کائنات میں اسے یہ مقام و درجہ عنایت فرمایا ہے۔ تو یہاں آیت اسی کے پاس لوٹنا ہے اس سے مراد محض لوٹنا نہیں بلکہ جواب دہی کے لئے لوٹنا مراد ہے اور کس کے پاس لوٹنا ہے اس کی کیا صفات ہیں یہ اگلی آیت میں بتلایا جاتا ہے یعنی جس کے پاس اے انسانوں تمہیں لوٹ کر جانا ہے وہ ایسا علیم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور تمہارے تمام اعمال و افعال کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو یا علانیہ کرتے ہو اور پھر یہی نہیں کہ وہ ظاہری اعمال و افعال کو جانتا ہے بلکہ وہ ایسا علیم ہے کہ انسانوں کے دلوں میں جو بھید اور راز چھپے ہوئے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔

تو خلاصہ یہ کہ ابتدائے سورۃ سے یہاں تک تمام انسانوں کو خطاب کر کے چار بنیادی حقیقتوں سے آگاہ کیا گیا۔

اول یہ کہ یہ کائنات جس میں تم بستے ہو بے خدا نہیں ہے بلکہ اس کا خالق و مالک اور فرمانروا ایک ایسا قادر مطلق ہے جس کے کامل اور بے عیب ہونے کی شہادت ہر چیز دے رہی ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ کائنات بے مقصد اور بے حکمت نہیں ہے بلکہ اس کے خالق نے اسے سراسر برحق پیدا کیا ہے۔

تیسرے یہ کہ انسانوں کو جس بہترین صورت اور نقشہ کے ساتھ خدا نے پیدا کیا ہے اس کے باعث یہ ایک ذمہ دار اور جواب دہ مخلوق ہے۔

چوتھے یہ کہ آخر کار انسانوں کو اپنے خالق کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور اس ہستی سے سابقہ پیش آنا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے جس سے انسانوں کی کوئی بات پوشیدہ نہیں اور جو دلوں کے چھپے ہوئے راز تک سے واقف ہے۔

اب یہاں جو یہ فرمایا گیا وصورکم فاحسن صورکم (اس نے تمہاری صورت اور نقشہ بنایا سو کیسا عمدہ نقشہ بنایا) تو علماء نے لکھا ہے کہ تصویر کشی درحقیقت خلاق عالم کا وہ امتیازی وصف ہے کہ جو اس کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں کوئی جن و انس اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے تصویر کشی کو جو ایک طرح سے خلاق عالم کی نقل اتارنا ہے اور جس میں مشابہت خلق اللہ لازم آتی ہے حرام اور سخت کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سخت ترین عذاب قیامت کے دن ان لوگوں کو ہوگا جو خداوند عالم کے فعل خلق کی مشابہت کرنا چاہتے ہیں۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث ہے جو حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز عذاب دیئے جائیں گے۔ ان کو عاجز کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ جو صورت تم نے بنائی ہے اس میں جان بھی ڈالو۔ یعنی جب خالق کے ساتھ مشابہت کا دم بھرا تھا تو اس کو پورا کر کے دکھلاؤ اور اپنی بنائی ہوئی ذی روح کی تصویر میں روح بھی ڈالو۔ جس کا جواب ان مصوروں کے پاس کچھ نہ ہوگا اور اپنے کئے ہوئے کے عذاب کو بھگتیں گے۔ (التصویر لاحکام التصویر از حضرت مفتی صاحبؒ)

اس لئے جن حضرات کو دینی احکام پر چلنے کی فکر ہو وہ اس تصویر کے مسئلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب تصویر کے شرعی احکام کو ملاحظہ کر لیں جس میں شرعی مسائل کے ساتھ جس قدر شرعی سہولتیں تصاویر کے متعلق ممکن ہیں ان کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الغرض ان آیات میں تو حق تعالیٰ کا عام انسانوں کو خطاب تھا۔ اب آگے ان لوگوں سے خطاب فرمایا گیا کہ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اعمال کا وبال چکھا اور ان کیلئے عذاب دردناک ہونے والا ہے۔

اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا

یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر دلائل واضحہ لے کر آئے تو ان لوگوں نے کہا کہ کیا بشر یعنی آدمی ہم کو ہدایت کریں گے، غرض انہوں نے کفر کیا

وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ

اور اعراض کیا اور خدا نے پروانہ کی، اور اللہ بے نیاز ستودہ صفات ہے۔ یہ کافر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہ زندہ کئے جاویں گے

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾

آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، پھر جو جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو سب جتلا دیا جاویگا، اور یہ اللہ کو بالکل آسان ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ کیا نہیں آئی تمہارے پاس	نَبَؤُا خبر	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	مِنْ قَبْلُ اس سے قبل	فَذَاقُوْا تو انہوں نے چکھ لیا		
وَبَالَ وبال	اَمْرِهِمْ اپنے کام	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ عذاب دردناک	ذٰلِكَ یہ	بِاَنَّهٗ اسلئے کہ وہ	كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ آتے تھے انکے پاس
رُسُلُهُمْ انکے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ واضح نشانیوں کیساتھ	فَقَالُوْٓا تو وہ کہتے	اَبَشَرٌ کیا بشر	يَّهْدُوْنَنَا وہ ہدایت دیتے ہیں	فَكَفَرُوْا تو انہوں نے کفر کیا	
وَتَوَلَّوْا اور وہ پھر گئے	وَّاسْتَغْنَى اور بے نیازی فرمائی	اللّٰهُ اللہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	غَنِيٌّ بے نیاز	حَمِيْدٌ ستودہ صفات	زَعَمَ دعویٰ کیا
الَّذِيْنَ ان لوگوں نے جو	كَفَرُوْا وہ کافر ہوئے	اَنْ کہ	لَّنْ يُّبْعَثُوْا وہ ہرگز نہ اٹھائے جائینگے	قُلْ فرمادیں	بَلٰى ہاں	وَرَبِّيْ میرے رب کی قسم
لَتُبْعَثُنَّ البتہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے	ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ پھر البتہ تمہیں ضرور جتلایا جائیگا	بِمَا عَمِلْتُمْ جو تم کرتے تھے	وَذٰلِكَ اور یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرٌ آسان	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں لوگوں سے جو دنیا کی حقیقتوں کے منکر ہیں خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے منکر انسانو کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے اسی دنیا میں رہتے تھے اور اللہ کا انکار کرتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا ان کے سامنے آیا اور اپنے بداعمالی کا خمیازہ بھگتا اور ان کے کرتوت دنیا ہی میں رنگ لائے۔

اصلی اور پوری سزا تو انہیں ابھی آخرت میں بھگتنی ہے۔ جو بہت ہی دکھ دینے والا عذاب ہے تو غور و کرو کہ ان کی یہ گت کیوں بنی؟ اس کا جواب آگے خود حق تعالیٰ دیتے ہیں کہ ایسے منکر انسانوں کی تباہی کے بنیادی اسباب دو تھے۔

ایک تو یہ کہ انہوں نے جن رسولوں کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا ان کی بات ماننے سے انکار کیا۔

دوسری بنیادی وجہ ان منکرین کی تباہی کی یہ بتلائی گئی کہ انہوں نے آخرت کے عقیدہ کو بھی رد کر دیا اور اپنے زعم میں یہ سمجھ لیا کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد کوئی اور زندگی نہیں جس میں ہمیں اپنے خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ یہی گمراہی بالآخر ان کی تباہی کا موجب ہوئی۔

اب یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں اور انبیاء کے منکرین کا قول یہ نقل فرمایا گیا ہے "فقالوآ ابشر یهدوننا۔ یعنی ان منکرین نے رسولوں کے متعلق یوں کہا کہ کیا بشر یعنی آدمی ہم کو ہدایت کریں گے (یعنی بشر کہیں پیغمبر اور ہادی ہوسکتا ہے) اب خوب یاد رکھئے اور غور کیجئے کہ یہ کفار اور منکرین کا قول ہے

جو انبیاء اور رسل کی نسبت نقل فرمایا گیا ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کفار کے اس قول **ابشر یھدوننا** کے متعلق اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ "بشریت کو نبوت و رسالت کے منافی سمجھنا سبھی کفار کا خیال باطل تھا۔ جس پر قرآن میں جابجا رد کیا گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب مسلمانوں میں بھی بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر پائے جاتے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ وہ کدھر جارہے ہیں؟ بشر ہونا نہ نبوت کے منافی ہے۔ نہ رسالت کے بلند مقام کے منافی ہے۔ نہ رسول کے نور ہونے کے منافی ہے۔ وہ نور بھی ہیں۔ بشر بھی ہیں۔ ان کے نور کو چراغ اور آفتاب اور ماہتاب کے نور پر قیاس کرنا غلطی ہے"۔

تمام علمائے اسلام اور فقہائے ملت جن میں صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین اور علمائے سلف و خلف سب شامل ہیں اس کی صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر یعنی انسان ہونے کا عقیدہ و اقرار ضروریات دین میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے بشر ہونے کا انکار تو کیا لاعلمی کا اظہار بھی کرے تب بھی وہ کافر ہے کہ اس نے ایک ضروری اور بنیادی عقیدہ کو معلوم نہیں کیا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اقرار ایک بنیادی عقیدہ ہے اور وہ شخص اس سے بے خبر ہے اور تمام علمائے اسلام اور فقہائے ملت اس بات پر متفق ہیں کہ سب حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام بشر تھے جس کو صاف اور صریح الفاظ میں اپنی کتابوں میں وہ بلاخوف تردید اظہار اور اعلان کرتے رہے ہیں۔ علامہ استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ترجمان السنۃ میں "اسلام میں رسول کا تصور" کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے اختصار کر کے نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت علامہؒ لکھتے ہیں۔

"...... رسول ایک انسان ہوتا ہے اور عام انسانوں پر اس کی برتری سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا پیغمبر ہے۔ اس کی جانب سے منصب اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے اور اس لئے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو کیونکہ اصلاح کے لئے صرف علم کافی نہیں۔ احساس کی بھی ضرورت ہے جو غم نہیں کھا سکتا وہ ایک غمزدہ کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا۔ جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دلسوزی کرنا بھی نہیں جانتا۔ جو فطرت انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان کمزوریوں پر اغماض بھی نہیں کر سکتا اسی لئے قرآن کریم نے جابجا بعثت کے ساتھ رسولوں کا انسان ہونا ایک مستقل انجام قرار دیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق چوتھے پارہ سورہ ال عمران میں ارشاد فرمایا۔ **لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم**۔ (حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک پیغمبر کو بھیجا) یعنی اس رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو انسانوں میں تو بھیجا ہی تھا مگر انسانوں میں عرب۔ اور عربوں میں قریش اور قریش میں ہاشمی بنایا مگر ان چند در چند خصوصیات کے باوجود پھر بھی آپ ایک انسان ہی رہے اور یہی وہ عقیدہ تھا جو ابتدا میں اولاد آدم کو بنیادی طور پر بتا دیا گیا تھا چنانچہ آٹھویں پارہ سورہ اعراف میں ارشاد ہے **یبنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایٰتی فمن اتقیٰ واصلح فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون**۔ یعنی ہم نے عالم ارواح ہی میں کہہ دیا تھا کہ اے اولاد آدم کی اگر تمہارے پاس رسول آویں جو تم ہی میں سے ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو ان کے آنے پر جو تقویٰ کی راہ اختیار کرے اور نیک رہے سو ان پر آخرت میں نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن باتوں کی اولاد آدم کو بنیادی طور پر تعلیم دی گئی تھی ان میں ایک بعثت رسول۔ دوم رسولوں کے انسان ہونے کا عقیدہ تھا اسی عقیدہ کے مطابق دنیا میں خدا کے بہت سے رسول آء جن کی صحیح تعداد خدا ہی کو معلوم ہے اس درمیان میں دنیا کی مقرر عمر آخر جب ہونے لگی ادھر رسولوں کی مقرر تعداد بھی پوری ہو گئی اس لئے آخری رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ اس تمام سلسلہ میں جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع

ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے کوئی رسول ایسا نہ تھا جو انسان نہ ہوتا۔ علاوہ اس کے کہ رسول اگر انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے اور نسل انسانی پر یہ ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کا مصلح و مربی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے اس لئے خود رسول اور نوع انسانی کا شرف و کمال یہی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا۔ (ترجمان السنۃ جلد اول)

اب یہاں ایک ممکن غلط فہمی جو ہو سکتی ہے اس کا رفع کر دینا بھی ضروری ہے وہ یہ جیسا کہ حضرت علامہ بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ نے ترجمان السنۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بشر ضرور ہوتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز بھی ہوتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علٰیحدہ علٰیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نفس بشریہ میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ تمام نوع بشر سے ممتاز بھی ہوتے ہیں اور صرف اپنی سیرت میں نہیں۔ بلکہ اپنے جسم اور جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم مبارک کی امتیازی خصوصیت میں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے یا مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ جو انبیاء ہوتے ہیں ہماری صرف آنکھیں ہی آنکھیں سوتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے یعنی عام بشر پر جن حالات میں پوری غفلت طاری ہوتی ہے انبیاء کرام ان حالات میں بھی پورے ہشیار رہتے ہیں یا جیسا کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی کی وفات نہیں ہوتی جب تک کہ جنت میں اس کا مقام اس کو دکھا نہیں دیا جاتا اور پھر اس کے بعد یہ اس کو اختیار بھی دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے پسند کرے یعنی خواہ اور جینا پسند کرے یا وفات کو پسند کرے یعنی انبیاء کی روح ان کی اجازت کے بعد قبض کی جاتی ہے پھر انبیاء علیہم السلام کا گو خاکی قالب وہی ہوتا ہے جو عام انسانوں کا مگر ان کا جوہر فطرت خلقۃً اور پیدائشی ایسا پاکیزہ اور منور بنایا جاتا ہے کہ ان کی معصومیت پر فرشتوں کی معصومیت بھی رشک کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر نفس مطمئنہ رکھتے ہیں جو فطرۃً ہر معصیت سے نفور اور نشہ عبودیت سے چور ہوتا ہے۔ (ماخذ ترجمان السنۃ)

اب اس بحث کے خاتمہ پر ہم وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ شیخ التفسیر والحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے اپنی تالیف ''تنقید متین'' میں تحریر کئے ہیں کہ ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ امام الرسل خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ آپ کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی کفر و شرک کی تاریکی کافور ہوئی اور نور ایمان و توحید کی شعاعوں سے سطح ارضی منور ہوئی جو لوگ خواہشات نفسانی کی تاریکیوں اور باہمی شقاق و خلاف کے گہرے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے تھے آپ کی وساطت سے وہ سلامتی کی کھلی اور روشن راہوں پر گامزن ہو گئے۔ کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں۔ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی نور سمجھا کہ معاذ اللہ آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے تو یہ نصوص صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں۔ (تنقید متین)

یہ احقر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بزرگی اور بڑائی کے بارہ میں بس اس مصرع کا اعتقاد رکھتا ہے

ع کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

غرضکہ ان آیات میں منکرین کو خطاب کر کے حقائق بیان کئے گئے اور منکرین کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ہوش میں آئیں اور اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر صحیح اور سچے طریقہ سے ایمان لائیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ

سوتم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ جس دن کہ تم سب کو

لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

اس جمع ہونے کے دن میں جمع کرے گا وہ یہی دن ہے نفع اور نقصان کا اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ ع

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا یہ لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

فَاٰمِنُوْا پس تم ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَرَسُوْلِهٖ اور اسکے رسول	وَالنُّوْرِ اور نور	الَّذِيْٓ وہ جو	اَنْزَلْنَا ہم نے نازل کیا	وَاللّٰهُ اور اللہ		
بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو تم کرتے ہو اس سے	خَبِيْرٌ باخبر	يَوْمَ جس دن	يَجْمَعُكُمْ وہ جمع کریگا تمہیں	لِيَوْمِ الْجَمْعِ جمع ہونے (قیامت) کے دن				
ذٰلِكَ یہ	يَوْمُ التَّغَابُنِ نقصان اٹھانے (ہار جیت) کا دن	وَمَنْ اور جو	يُّؤْمِنْ وہ ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَ اور	يَعْمَلْ وہ کام	صَالِحًا ()	
يُّكَفِّرْ وہ دور کردیگا	عَنْهُ اس سے	سَيِّاٰتِهٖ اس کی برائیاں	وَيُدْخِلْهُ اور وہ اسے داخل کریگا	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِيْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِهَا انکے نیچے		
الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہینگے	فِيْهَآ ان میں	اَبَدًا ہمیشہ	ذٰلِكَ یہ	الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ بڑی کامیابی	وَ اور	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	
وَكَذَّبُوْا اور انہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَآ ہماری آیتوں کو	اُولٰۗىِٕكَ یہی لوگ	اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں			
وَبِئْسَ اور بری	الْمَصِيْرُ جائے بازگشت (ٹھکانا)							

تفسیر وتشریح: ان آیات میں ان منکرین حق کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم اللہ کے رسول کی بات نہ مان کر اور آخرت کا انکار کر کے گزشتہ منکرین کی طرح اپنی ہلاکت اور تباہی کو دعوت مت دو اور تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اللہ پر۔ اس کے رسول پر اور اللہ کی نورانی کتاب یعنی قرآن کریم پر سچے دل سے ایمان لے آؤ۔ اور یہ سمجھ لو کہ جو کچھ بھی تم دنیا میں کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور تمہیں اس حقیقت کا پتہ اس روز معلوم ہو جائے گا جو سب کے جمع ہونے کا دن ہے۔ مراد اس سے قیامت کا دن ہے جب کہ تمام انسانوں کو بیک وقت زندہ کر کے میدان حشر میں اکٹھا کیا جائے گا۔ اس دن کوئی گھاٹے اور نقصان میں رہے گا اور کوئی فائدہ اور نفع میں رہے گا۔ اسی کو آیت میں یوم التغابن فرمایا ہے۔ اب کون نفع میں رہے گا اور کون نقصان میں رہے گا یہ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جس نے دنیا میں اللہ پر ایمان لا کر عمل صالح کئے ہوں گے وہ فائدہ اٹھائیں گے اور نفع میں رہیں گے۔

یہاں آیت میں آخرت میں نفع اور فائدہ اٹھانے کے لئے صاف دو باتیں فرمائی گئی ہیں۔ من یو من باللہ ویعمل صالحاً جو دنیا میں اللہ پر ایمان لایا اور اس کے ساتھ عمل صالح یعنی نیک کام بھی کئے۔ اور اللہ پر ایمان لانے

سے مراد محض یہ مان لینا نہیں ہے کہ اللہ موجود ہے بلکہ اس طریقہ سے اوران شرائط سے ماننا اورایمان لانا مراد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے بتایا ہے اس طرح اللہ پر ایمان لانے سے مراد اللہ کی وحدانیت وصفات وکمالات اس کے تمام احکام وقوانین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان ویقین لانے میں شامل ہے اسی طرح عمل صالح یعنی نیک کام سے مراد ہر وہ عمل نہیں ہے جسے انسان نے خود نیک سمجھ کر اختیار کیا ہو بلکہ مراد وہ عمل صالح ہے جو خدا کے بھیجے ہوئے قانون واحکام کے مطابق ہو۔اور جس کام کو اللہ اوراس کے رسول نے عمل صالح بتلایا ہو۔تو دنیا میں ایمان باللہ اور ساتھ ہی عمل صالح کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ ایسے شخص سے جو تقصیرات دنیا میں سرزد ہوئی ہوں گی وہ ایمان باللہ اور عمل صالح کی برکت سے معاف کر دی جائیں گی اور انہیں بہشت کے باغات میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل کر دیا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا اس کو ساری کامیابیاں حاصل ہوگئیں۔اللہ کی رضا اوراس کے دیدار کا مقام یہی ہے۔

یہ تو ہوئے آخرت میں نفع اور فائدہ اٹھانے والے اور نقصان اور گھاٹے والے وہ ہوں گے کہ جنھوں نے دنیا میں کفر کیا اور اللہ کی آیتوں کو جھوٹا بتلایا اوراس کے رسول کی تکذیب کی ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونکا جائے گا جہاں ان کو ہمیشہ رہنا پڑے گا اور جو بہت برا ٹھکانا ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس برے ٹھکانہ سے اوراس کی ہوا سے بھی ہم سب کو بچائیں۔آمین۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے قیامت کے خسارہ اور حسرت وندامت سے بچالیں۔اور یوم تغابن میں ہمیں کامیابی اور کامرانی سے سرفراز فرمائیں۔

الغرض یہاں تک سورۃ میں پہلے عام انسانوں سے خطاب فرمایا گیا اس کے بعد کفر کی راہ اختیار کرنے والوں سے خطاب فرمایا گیا اب اس کے بعد ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کو مخاطب کر کے بعض اہم ہدایات دی جاتی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ ہم کو اس جہان سے حقوق العباد سے سبکدوش ہوکر کوچ کرنا نصیب فرما اور قیامت جو یَوۡمُ التَّغَابُنِ ہے وہاں سرخ روئی اور کامیابی وکامرانی نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو راہ دکھا دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو

شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۱) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

خوب جانتا ہے۔ اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

الْمُبِيْنُ (۱۲) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۳)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے۔

مَآ اَصَابَ نہیں پہنچی	مِنْ مُّصِيْبَةٍ کوئی مصیبت	اِلَّا مگر	بِاِذْنِ اللّٰهِ اذن سے اللہ	وَمَنْ اور جو	يُّؤْمِنْ وہ ایمان لاتا ہے	بِاللّٰهِ اللہ پر
يَهْدِ ہدایت دیتا ہے	قَلْبَهٗ اس کا دل	وَاللّٰهُ اور اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر شے کا	عَلِيْمٌ جاننے والا	وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ اور تم اطاعت کرو اللہ کی	وَاَطِيْعُوا اور اطاعت کرو
الرَّسُوْلَ رسول کی	فَاِنْ پھر اگر	تَوَلَّيْتُمْ پھر گئے تم	فَاِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں	عَلٰى رَسُوْلِنَا ہمارے رسول پر۔ ذمے	الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ صاف صاف پہنچا دینا	
اَللّٰهُ اللہ	لَآ اِلٰهَ نہیں کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا	وَعَلَى اللّٰهِ اور اللہ پر	فَلْيَتَوَكَّلِ پس بھروسہ کرنا چاہیے	الْمُؤْمِنُوْنَ ایمان والے	

تفسیر وتشریح: اس رکوع میں خطاب اہل ایمان سے ہے اوران کو چند اہم ہدایات دی جاتی ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس سورۃ کا نزول مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے مکہ سے ہجرت کے بعد ہوا ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے بڑی سختی اور مصائب کا زمانہ تھا۔ مکہ سے برسوں ظلم وستم کفار کے سہنے کے بعد اہل ایمان اپنا وطن۔ گھر بار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ ادھر مدینہ میں انصار پر ایسا وقت آ پڑا کہ ایک طرف تو سیکڑوں مہاجرین کو سہارا دینا تھا دوسری طرف پورے عرب کے اعدائے اسلام ان کے دشمن اور در پے آزاد ہو گئے تھے۔ تو ان آیات میں اہل ایمان کو تسلی دی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو تکلیف ومصیبت بھی آتی ہے اللہ کے حکم سے آتی ہے

یہ تو سراسر مشیت الٰہی اور حکم خداوندی پر موقوف ہے کہ کسی پر کوئی مصیبت نازل ہونے دے یا نہ ہونے دے اور اللہ کا حکم بہر حال کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے جسے انسان نہ سمجھ سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔ تو مومن کو یہاں یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ جب ان کو اس بات کا یقین ہے کہ مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر نہیں پہنچتی تو مومن کو بددل اور غمگین و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہرصورت میں مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے اور صبر وسہار سے برداشت کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے۔ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ہے۔

اسی بات کو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے حق میں جو فیصلہ بھی کرتے ہیں وہ اس کے لئے اچھا ہی ہوتا ہے۔ مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے اچھا ہوتا ہے اور اگر کوئی خیر پہنچے تو شکر کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لئے اچھا ہی ہوتا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو

نصیب نہیں ہوتی'' آگے واللہ بکل شئی علیم (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے) فرما کر جتلا دیا کہ جو تکلیف و مصیبت اس نے بھیجی عین علم و حکمت سے بھیجی اور وہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلا اور کس کا دل کن احوال و کیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے ۔ اسی سلسلۂ کلام میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اچھے حالات ہوں یا برے حالات ۔ نرمی ہو یا سختی ۔ تکلیف ہو یا راحت غرض ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت پر قائم رہو ۔ اور ان کے حکم کو مانو ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر دیا ۔ اللہ کو تمہاری طاعت یا معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا ۔ خدائی کے سارے اختیارات تنہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ۔ معبود و مستعان تنہا اسی کی ذات ہے ۔ اچھا وقت آ سکتا ہے تو اسی کے لانے سے آ سکتا ہے اور برا وقت ٹل سکتا ہے تو اسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے ۔ لہٰذا جو شخص سچے دل سے اللہ کو خدائے واحد مانتا ہو اس کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ اللہ کی ذات عالی پر بھروسہ رکھے اور یقین کرے کہ اللہ ہی کی مدد ۔ تائید اور توفیق سے کام بنتا ہے اور مشکلات ۔ مصائب و خطرات سے وہی بچانے والا ہے ۔ دوسرا کوئی بچانے والا نہیں ۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم مؤمنین مسلمین ہیں ۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں ۔ راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا بخدا تم سچے مومن ہو ۔ اللہ تعالیٰ انہی صفات کا مومن و مسلم بنا کر ہمیں زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں ۔ آمین ۔

الحاصل ان آیات سے یہی معلوم ہوا کہ ایمان کی شان یہی ہے کہ ہر کام میں اور ہر حال میں مسلمان کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہو اور اسباب کو صرف اسباب ہی سمجھے اور اسباب ترک کر کے بیٹھ رہنے کا نام توکل نہیں ۔ یہ تو تعطل ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اسباب بھی اختیار فرماتے تھے اور تدابیر بھی عمل میں لاتے تھے مگر کام کے ہونے نہ ہونے یا بننے ۔ نہ بننے کا یقین اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر ہوتا تھا اور یہی ان آیات کی تعلیم ہے ۔

ابھی بعض مزید ہدایات اہل ایمان کو اگلی آیات میں دی گئی ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا ۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنی ذات پاک پر ہر حال میں بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری ہر حال میں ہم کو نصیب فرمائیں ۔ یا اللہ آپ ہم کو راحت اور خوشی عطا فرمائیں تو ہم کو شکر کی توفیق نصیب ہو اور رنج و غم پہنچے تو صبر اور رضا بالقضا کی کیفیت نصیب ہو ۔

یا اللہ ہمیں وہ ایمان صادق نصیب فرمائیے کہ ہم آپ کے ہر فیصلہ پر دل و جان سے راضی ہوں اور ہر حال میں آپ کے فضل کے امیدوار رہوں ۔ آمین ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا

اے ایمان والو تمہاری بعضی بیبیاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف کردو

وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ

اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے، اور اللہ

عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا

کے پاس بڑا اجر ہے۔ تو جہاں تک تم سے ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور مانو اور خرچ کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا،

لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے

یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾

بڑھاتا چلا جاوے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدردان ہے بڑا بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا اے	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ایمان والو	اِنَّ بیشک	مِنْ سے (بعض)	اَزْوَاجِكُمْ تمہاری بیویاں	وَ اَوْلَادِكُمْ اور تمہاری اولاد	عَدُوًّا دشمن		
لَّكُمْ تمہارے لئے	فَاحْذَرُوْهُمْ پس تم ان سے بچو	وَ اِنْ اور اگر	تَعْفُوْا تم معاف کردو	وَ تَصْفَحُوْا اور تم درگزر کرو	وَ اور	تَغْفِرُوْا تم بخش دو		
فَاِنَّ اللّٰهَ تو بے شک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِیْمٌ مہربان	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	اَمْوَالُكُمْ تمہارے مال	وَ اَوْلَادُكُمْ اور تمہاری اولاد			
فِتْنَةٌ آزمائش	وَ اللّٰهُ اور اللہ	عِنْدَهٗ اس کے پاس	اَجْرٌ عَظِیْمٌ بڑا اجر	فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس تم ڈرو اللہ سے	مَا اسْتَطَعْتُمْ جہاں تک تم سے ہوسکے			
وَ اسْمَعُوْا اور تم سنو	وَ اَطِیْعُوْا اور تم اطاعت کرو	وَ اَنْفِقُوْا اور تم خرچ کرو	خَیْرًا بہتر	لِّاَنْفُسِكُمْ تمہارے حق میں	وَ مَنْ اور جو	یُّوْقَ بچالیا گیا		
شُحَّ بخیلی	نَفْسِهٖ اپنی جان	فَاُولٰٓىِٕكَ تو یہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانیوالے	اِنْ اگر	تُقْرِضُوا تم قرض دو گے	اللّٰهَ اللہ	قَرْضًا قرض
حَسَنًا حسنہ	یُّضٰعِفْهُ وہ اسے دو چند کردیگا	لَكُمْ تمہارے لئے	وَ یَغْفِرْ لَكُمْ اور وہ تمہیں بخش دیگا	وَ اللّٰهُ اور اللہ	شَكُوْرٌ قدر شناس			
حَلِیْمٌ بردبار	عٰلِمُ الْغَیْبِ جاننے والا۔ پوشیدہ	وَ الشَّهَادَةِ اور ظاہر	الْعَزِیْزُ غالب	الْحَكِیْمُ حکمت والا				

تفسیر وتشریح: یہ سورہ تغابن کی خاتمہ کی آیات ہیں اور اہل ایمان کی طرف مخاطب ہو کر بتلایا گیا تھا کہ دنیا میں جو تکلیف یا مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم اور مشیت سے آتی ہے۔ ایسے حالات میں جو شخص ایمان پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت بخشتے ہیں اور اس کو صبر وتسلیم کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا کیسے ہی حالات ہوں مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگا رہے اگر مصائب سے گھبرا کر اور پریشان ہو کر اس نے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے روگردانی کی تو وہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب نیک وبد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر چکے اس لئے مومن کو ہر حال میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر کمربستہ رہنا چاہئے۔ اب اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بیوی بچوں کی

محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی ہی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور کتنی ہی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتی۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو اہل وعیال اتنے بڑے دینی خسارہ اور دینی نقصان کا باعث بنیں وہ حقیقۃً اس کے دوست نہیں کہلائے جا سکتے بلکہ نتیجہ کے لحاظ سے بدترین دشمن ہیں۔ اور جس دشمن کا احساس بھی بسا اوقات آدمی کو نہیں ہوتا اس لئے حق تعالیٰ ان آیات میں اہل ایمان کو متنبہ فرماتے ہیں کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ اہل وعیال کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین ایمان برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو۔ لیکن یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں ساری بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی نہیں ہوتی ہیں۔ بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی ہیں اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات صالحات بنتی ہے پھر جن مخصوص حالات میں ان آیات کا نزول ہوا ہے اس وقت بکثرت مسلمانوں کو یہ حالات درپیش تھے کہ ایک مرد ایمان لے آیا ہے تو بیوی بچے نہ صرف اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ خود اس مرد کو اسلام سے پھیر دینے کے لئے کوشاں ہوتے۔ اس لئے اہل ایمان کو خطاب کر کے ان آیات میں ہدایات دی جاتی ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولاد اپنے ماں باپ کو یاد خدا اور نیک اعمال سے روک دیتے ہیں جو درحقیقت دشمنی ہے۔ اس لئے ہدایت دی گئی کہ ایسے بیوی بچوں سے ہوشیار رہو اور اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی بچوں کی محبت میں پھنس کر احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض اہل مکہ

اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن وفرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا۔ (حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا) پھر جب اسلام خوب پھیل گیا تب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت دیکھا کہ ان سے پہلے کے مہاجرین نے بہت کچھ علم دین حاصل کر لیا ہے اس پر ان دیر سے آنے والے مہاجرین کے دل میں آیا کہ اپنے بال بچوں کو سزا دیں۔ اس پر یہ ہدایت دی گئی کہ اب درگزر کرو آئندہ کے لئے ہوشیار رہو۔ اگر ان بیوی بچوں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی اور تم کو کوئی دینی یا دنیوی نقصان پہنچ گیا تو اس کا اثر یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایمان والے انتقام کے درپے ہو جائیں اور ان پر نامناسب سختی شروع کر دیں اور تشدد و بے رحمی کا معاملہ ان سے کرنے لگیں ایسا کرنے سے دنیوی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک عقلاً وشرعاً گنجائش ہو۔ ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں کو معاف کرو اور عفو ودرگزر سے کام لو۔ ان مکارم اخلاق پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کرے گا۔ یہیں سے علما نے یہ مسئلہ استدلال کیا ہے کہ اہل وعیال سے کوئی کام خلاف شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا اور ان سے بغض رکھنا یا ان کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں۔ آگے ایمان والوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر جانچتا ہے کہ کون ان فانی اور زائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی ودائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اور کون وہاں کے اجر عظیم کو دنیا کے وقتی فائدوں اور حظوظ پر ترجیح دیتا ہے۔ اس لئے اے ایمان والو اللہ سے ڈر کر جہاں تک ہو سکے اس جانچ وآزمائش میں ثابت قدم رہو اور اللہ کی بات سنو اور مانو۔ یہ تو حکم ہوا بیوی بچوں کے متعلق اور مال کے متعلق یہ ہے کہ اس کو بھلائی کے لئے خرچ کرو اس لئے کہ جو دے دو گے وہ تمہارے ساتھ چلے گا جس کا اجر یقیناً ملے گا اور جو چھوڑ گئے وہ تمہارے پاس سے جاتا رہا۔ اس لئے مال کو اللہ کے

راستہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا اور سمجھ لو کہ جس کو اللہ تعالیٰ حرص و بخل سے محفوظ رکھے اور دل کے لالچ سے بچاوے تو یہ اس کی بڑی کامیابی ہے اور ایسا ہی شخص مراد کو پہنچتا ہے۔ آگے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے طیب مال خرچ کرو تو اللہ اس سے کہیں زیادہ دے گا۔ اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمادے گا اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان بڑا برد بار اور تمام چھپی کھلی چیزوں کو جاننے والا ہے اور نہایت زبردست اور حکمت والا ہے لہٰذا اس کے احکام تمہیں ماننا چاہئیں اور اس کی مخالفت نہ کرنی چاہئے۔

یہاں جو فرمایا گیا انمآ اموالکم واولادکم فتنة ط تو فتنہ کے معنیٰ ابتلا اور امتحان کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتے رہتے ہیں کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر احکام و فرائض سے غفلت کرتا ہے۔ ناجائز اور حرام میں مبتلا ہوتا ہے یا محبت کو اپنی حد میں رکھ کر اپنے فرائض دینیہ اور احکام الٰہیہ سے غافل نہیں ہوتا اور اللہ کے ذکر و فکر کو نہیں بھلاتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مال و اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ اور آزمائش ہیں۔ اکثر گناہوں میں خصوصاً حرام کمائی، رشوت اور ناجائز امور میں انسان اہل و عیال کی بے جا محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا تو اس کو دیکھ کر لوگ یعنی اہل محشر کہیں گے اکل عیاله حسناته یعنی اس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھالیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اہل و عیال کے حقوق دین کے تحت پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کو ہمارے لئے دین میں معاون اور مددگار بنائیں۔ آمین۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ تغابن کا بیان پورا ہوگیا۔ اب ان شاءاللہ اگلی سورہ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ التغابن کے خواص

اگر کسی ظالم و جابر حکمران وغیرہ کا خوف ہو تو اس کے پاس جانے سے پہلے سورۃ التغابن پڑھ لے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے شر سے اسے کافی ہو جائیں گے۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہماری بیبیوں اور اولادوں کو ہمارے لئے دین میں معاون اور مددگار بنائیں۔

یا اللہ ہم کو اور ہمارے بیوی بچوں کو سب کو اسلام اور ایمان کی سچی محبت نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے مال و اولاد کو اپنی مرضیات کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایئے اور ہر حال میں ہم کو اپنے احکام کا پابند رکھیے۔ مال دولت کی حرص سے ہمارے قلوب کو پاک فرمایئے اور جو کچھ ہم کو عطا کیا ہے اسے اپنے رستہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ وَّهِیَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اثْنَتَا عَشْرَۃَ اٰیَۃً فِیْهَا رُکُوْعَانِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

اے پیغمبر آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کو عدت سے پہلے طلاق دو

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اے نبیؐ	اِذَا جب	طَلَّقْتُمُ تم طلاق دو	النِّسَآءَ عورتوں	فَطَلِّقُوْهُنَّ تو انہیں طلاق دو	لِعِدَّتِهِنَّ انکی عدت کے وقت		

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بی بی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ناراض ہوئے اور حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ حیض میں طلاق دینی ناجائز ہے۔ رجعت کرلو۔ اسی سلسلہ میں سورۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور طلاق کا طریقہ تعلیم فرمایا گیا۔

نکاح وطلاق کی شرعی حیثیت اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے نکاح کو اسلام نے صرف ایک معاملہ اور معاہدہ ہی نہیں رکھا ہے بلکہ اس کو ایک گونہ عبادت کی حیثیت بخشی ہے اور چونکہ معاملہ ازدواج کی درستی پر عام نسل انسانی کی درستی موقوف ہے اس لئے قرآن کریم میں ان عائلی مسائل کو تمام دوسرے دنیوی مسائل ومعاملات سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو بغور پڑھنے والا یہ عجیب مشاہدہ کرے گا کہ دنیا کے تمام معاشی مسائل میں سب سے اہم تجارت، شرکت اجارہ وغیرہ ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے تو صرف اصول بتلانے پر اکتفا فرمایا ہے۔ ان کے فروعی مسائل قرآن کریم میں شاذونادر ہیں۔ بخلاف نکاح وطلاق کے کہ ان میں صرف اصول بتلانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کے بیشتر فروع اور جزئیات کو بھی براہ راست حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا ہے۔ یہ مسائل قرآن کی اکثر سورتوں میں متفرق اور سورہ نسآء میں کچھ زیادہ تفصیل سے آئے ہیں۔ یہ سورۃ جو سورہ طلاق کے نام سے موسوم ہے اس میں خصوصیت سے طلاق وعدت وغیرہ کے احکام کا ذکر ہے۔ (معارف القرآن)

یہاں خطاب یٰایھا النبی کے الفاظ سے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر خطاب ساری امت سے ہے۔ اب خطاب فرما کر حکم عام دیا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی ضرورت اور مجبوری سے اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ زمانہ عدت یعنی حیض سے پہلے طہر یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دے۔ حیض کی حالت میں طلاق نہ دے۔ طلاق سے متعلق یہ اس سورۃ کا پہلا حکم ہے اور حکمت اس حکم کی علماء نے یہ لکھی ہے کہ حیض میں عورت کی طرف دل راغب نہیں ہوتا اور وہ گندگی سے ملوث رہتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس نفرت طبعی نے کسی رنجش وغیرہ کو طلاق دینے پر ابھارا دیا ہو اس لئے حکم ہوا کہ طہر یعنی عورت کے پاکی کے زمانہ میں طلاق دینی چاہئے تاکہ اصلی مصلحت کا تقاضا معلوم ہو۔

اب یہاں جو یہ فرمایا گیا اذا طلقتم النسآء جب تم عورتوں کو طلاق دے دو۔ شریعت اسلامیہ نے طلاق کو مجبوری کی حالت میں روا رکھا ہے اور بجز قوی سبب کے اس کی اجازت نہیں دی اور عورتوں کی کج خلقی پر صبر و برداشت کی تاکید فرمائی۔ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حلال چیزوں میں زیادہ مبغوض اور زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ مطلب یہ کہ طلاق سخت حاجت کے وقت رکھی گئی ہے اور حلال ہے مگر بلا حاجت بہت بری

بات ہے اس لئے کہ نکاح تو باہم الفت و محبت اور زوج وزوجہ کی راحت کے واسطے ہوتا ہے اور طلاق سے یہ سب باتیں جاتی رہتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو کلفت ہوتی ہے۔ باہم عداوت ہوتی ہے۔ نیز اس کی وجہ سے بیوی کے رشتہ داروں سے بھی عداوت ہوتی ہے اس لئے اسلام نے طلاق کو اسی وقت جائز رکھا ہے جبکہ نباہ کی کوئی صورت نہ ہو۔ اس وقت ایک دوسرے سے علیحدگی کے لئے طلاق میں مضائقہ نہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نکاح کرو اور طلاق نہ دو اس لئے کہ طلاق دینے سے عرش ہلتا ہے۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)۔ قرآن وحدیث کے احکام کے ماتحت فقہا نے لکھا ہے کہ طلاق دینے کے جب کسی ضرورت سے طلاق دی جائے تین طریقے ہیں۔ ایک بہت اچھا۔ دوسرا اچھا۔ تیسرا بدعت وحرام۔ تشریح ان تینوں طریقوں کی یہ ہے کہ بہت اچھا طریقہ تو یہ ہے کہ مرد بیوی کو پاکی کے زمانہ میں یعنی ایسے وقت جس میں حیض وغیرہ سے عورت پاک ہو ایک طلاق دے مگر یہ بھی شرط ہے کہ اس تمام پاکی کے زمانہ میں صحبت نہ کی ہو اور عدت گذرنے تک پھر کوئی طلاق نہ دے۔ عدت گذرنے سے خود ہی نکاح جاتا رہے گا۔ ایک سے زیادہ طلاق دینے کی حاجت نہیں اس لئے کہ طلاق سخت مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے لہٰذا بقدر ضرورت کافی ہے۔ بہت سی طلاقوں کی کیا حاجت ہے۔ یہ تو ہوا بہت اچھا طریقہ اور دوسرے نمبر پر اچھا طریقہ یہ ہے کہ عورت کو تین پاکی کے زمانوں میں تین طلاق دے۔ دو حیضوں کے درمیان جو پاکی رہتی ہے اس کو ایک زمانہ پاکی کا کہتے ہیں سو ہر پاکی کے زمانہ میں ایک طلاق دے اور ان پاکی کے زمانوں میں بھی صحبت نہ کرے۔ اور بدعت ناجائز اور حرام طریقہ وہ ہے جو ان دونوں صورتوں کے خلاف ہو مثلاً تین طلاق یکبارگی دے دے یا حیض کی حالت میں طلاق دے۔ یا جس پاکی میں صحبت کی تھی اس میں طلاق دے تو اس تیسری قسم کی سب صورتوں میں گو طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر آدمی گناہ گار ہوگا۔

یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حکم جو دیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے کہ عورت سے قربت اور خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور جس سے ایسا اتفاق نہ ہوا ہو مثلاً کسی عورت سے نکاح کر لیا مگر رخصتی کی نوبت نہ آئی یعنی خلوت یا صحبت نہیں کی ایسی عورت کو خواہ حیض کے زمانہ میں طلاق دے یا پاکی کے زمانہ میں ہر طرح درست ہے مگر ایک طلاق دے۔ (بہشتی زیور حصہ ۴)

چونکہ یہاں طلاق کا ذکر آ گیا ہے اور طلاق کا مسئلہ جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔ اس لئے اگر کسی کو ایسا موقع درپیش ہو تو کسی حنفی محقق عالم اور مفتی سے رجوع کر کے حکم معلوم کر لیا جائے۔ طلاق سے متعلق بعض اہم اور ضروری مسائل کہ

(۱) طلاق کتنی قسم کی ہوتی ہیں۔ (۲) طلاق دینے کا اختیار کس کو ہے (۳) کن الفاظ سے طلاق پڑ جاتی ہے اور کن الفاظ سے طلاق نہیں پڑتی۔ (۴) کسی شرط پر طلاق دینے کے احکام۔

(۵) رخصتی سے پہلے طلاق ہو جانے کے احکام۔

(۶) بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کے احکام وغیرہ وغیرہ بہشتی زیور حصہ چہارم میں یا کسی مستند فقہ کی کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

الغرض طلاق سے متعلق اس ابتدائی آیت کے حصہ میں پہلا حکم بیان ہوا۔ اس سلسلہ میں مزید احکام آیت کے اگلے حصہ میں بیان کئے گئے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ قرآنی احکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں شریعت کے احکام کی پابندی نصیب ہو۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔

یا اللہ ہمارے ملک میں بھی شرعی قوانین کے نفاذ کی صورت غیب سے ظاہر فرما دے اور غیر شرعی خصوصاً عائلی قوانین جو رائج ہیں ان کے ختم ہو جانے اور مٹ جانے کی صورت فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ

اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے ان عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں

يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ

کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے، اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا

نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس کے کوئی نئی بات پیدا کردے۔ پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جاویں

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ

تو ان کو قاعدہ کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق اُن کو رہائی دو اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو

يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۥ

اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو،

وَاَحْصُوا اور تم شمار رکھو	الْعِدَّةَ عدت	وَاتَّقُوا اور تم ڈرو	اللّٰهَ اللہ	رَبَّكُمْ تمہارا رب	لَا تُخْرِجُوْهُنَّ تم نہ نکالو انہیں	مِنْ سے
بُيُوْتِهِنَّ ان کے گھروں	وَلَا يَخْرُجْنَ اور نہ وہ (خود) نکلیں	اِلَّا مگر	اَنْ يَّاْتِيْنَ یہ کہ وہ کریں	بِفَاحِشَةٍ بے حیائی	مُّبَيِّنَةٍ کھلی	وَتِلْكَ اور یہ
حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ کی حدود	وَمَنْ اور جو	يَّتَعَدَّ آگے نکلے گا	حُدُوْدَ اللّٰهِ اللہ کی حدود	فَقَدْ ظَلَمَ تحقیق اس نے ظلم کیا	نَفْسَهٗ اپنی جان	
لَا تَدْرِيْ تمہیں خبر نہیں	لَعَلَّ اللّٰهَ ممکن ہے اللہ	يُحْدِثُ وہ پیدا کردے	بَعْدَ ذٰلِكَ اسکے بعد	اَمْرًا کوئی اور بات	فَاِذَا پھر جب	بَلَغْنَ وہ پہنچ جائیں
اَجَلَهُنَّ اپنی میعاد	فَاَمْسِكُوْهُنَّ تو ان کو روک لو	بِمَعْرُوْفٍ اچھے طریقے سے	اَوْ یا	فَارِقُوْهُنَّ تم انہیں جدا کردو	بِمَعْرُوْفٍ اچھے طریقے سے	
وَاَشْهِدُوْا اور تم گواہ کرلو	ذَوَيْ عَدْلٍ دو انصاف پسند	مِّنْكُمْ اپنے میں سے	وَاَقِيْمُوا اور تم قائم کرو (دو)	الشَّهَادَةَ گواہی	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	
ذٰلِكُمْ یہی ہے	يُوْعَظُ بِهٖ جس کی نصیحت کی جاتی ہے	مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ جو ایمان رکھتا ہے	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کا دن		

تفسیر و تشریح: ان آیات میں طلاق کے بارہ میں مزید احکام دیئے جاتے ہیں چنانچہ دوسرا حکم یہ دیا جاتا ہے کہ عدت کا شمار کرتے رہو۔ عدت یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر طلاق دے دے یا کسی اور طرح سے نکاح ٹوٹ جائے یا شوہر مر جائے تو ان سب صورتوں میں تھوڑی مدت تک عورت کو ایک گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ جب تک یہ مدت ختم نہ ہو چکے اس وقت تک وہ عورت کہیں دوسری جگہ نہیں جا سکتی نہ کسی اور مرد سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ عورت کے اس مقررہ مدت گذارنے کو ''عدت'' کہتے ہیں۔ اگر شوہر نے طلاق دے دی تو عورت تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر جس میں طلاق ملی ہے عدت گذارے۔ اور کسی کا شوہر مر گیا تو عدت کا زمانہ چار ۴ مہینہ دس دن ہے۔ تو یہاں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مرد عورت دونوں کو چاہئے کہ عدت کو یاد رکھیں کہیں غفلت اور سہو کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی اور گڑبڑ نہ ہو جائے۔ اس حکم کے بعد فرمایا واتقوا اللّٰہ ربکم اور اللہ سے

ڈرو جو تمہارا پرورش کرنے والا ہے یعنی اللہ سے ڈر کر احکام شرعیہ کی پابندی رکھنی چاہئے۔ اس کے بعد تیسرا حکم ذکر فرمایا گیا کہ ان مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں ان کے رہنے کے گھروں سے نہ نکالا جائے اور عورتیں خود بھی اپنی مرضی سے نہ نکلیں۔ ہاں کوئی کھلی ہوئی بدکاری۔ یا چوری یا بقول بعض مفسرین زبان درازی اور ہر وقت کا رنج و تکرار کریں تو گھر سے نکالنا جائز ہے۔ ایسے موقع پر ایک دوسرے سے رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے اور اس سے مزید فسادات کے اندیشے ہیں جس میں ایک دوسرے پر بلا وجہ ظلم و زیادتی بھی ہوسکتی ہے اس لئے ان احکام کے استحکام کے لئے آگے فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں اور ان احکام میں صدہا مصلحتیں اللہ تعالیٰ نے ودیعت رکھی ہیں۔ تو جس نے اللہ کے حدود سے تجاوز کیا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ گنہگار ہوگا اور اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ٹھہرے گا۔ کسی کو کیا معلوم کہ ان احکام کی پابندی کے بعد خدائے تعالیٰ کیا نتیجہ دکھلاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس طلاق رجعی کے بعد اللہ کوئی اور بات پیدا کردے اور دوبارہ میل ملاپ کی شکل پیدا ہو جائے اس لئے عدت کے اندر عورت کو گھر سے علیحدہ نہ کرنا ہی مصلحت ہے۔

آگے چوتھا حکم بیان فرمایا جاتا ہے کہ طلاق رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو مرد کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رہنے دے اور یا عدت ختم ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کردے۔ مطلب یہ کہ رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب ہر حالت میں انسانیت اور شرافت کا برتاؤ کرے۔ یہ بات نہ کرے کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو اور خواہ مخواہ عدت لمبا کرنے کے لئے رجعت کرلیا کرے یا رکھنے کی صورت میں عورت کو ایذا پہنچانا اور طعن و تشنیع کرنا مقصد ہو۔ اس کے بعد پانچواں حکم دیا جاتا ہے کہ طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے اگر نکاح میں رکھنا چاہے تو رجعت پر دو گواہ کرلے تا کہ لوگ تہمت یا کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور آئندہ کوئی جھگڑا ہو تو اس کے فیصلہ میں سہولت ہو۔ یعنی زبان سے کہہ دے میں نے اپنی طلاق سے رجوع کرلیا اور اس پر دو گواہ بھی بنالے۔

اس موقع پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے تحریر فرمایا ہے کہ آج کل دین سے بے پروائی اور اس کے احکام سے غفلت بری طرح عام ہوتی جارہی ہے جاہلوں کا تو کہنا ہی کیا ہے لکھے پڑھے بھی تین طلاق سے کم کو گویا طلاق ہی نہیں سمجھتے۔ اور رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے والے بعد میں پچھتاتے ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح بیوی ہاتھ سے نہ جائے۔ حدیث صحیحہ میں تین طلاق بیک وقت دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت غضبناک ہونا نقل کیا ہے اس لئے بیک وقت تین طلاق دینا باجماع امت حرام و ناجائز ہے.........مگر جس طرح تین طلاق بیک وقت دینے کے حرام ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ حرام ہونے کے باوجود کوئی شخص ایسا کر گذرے تو تینوں طلاق واقع ہو کر آئندہ آپس میں نکاح جدید بھی حلال نہیں ہوگا۔ پوری امت میں بعض غیر مقلد (جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں) اور اہل تشیع کے سوا تمام اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ تین طلاق بیک وقت بھی دے دی گئیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی کیونکہ کسی فعل کے حرام ہونے سے اس کے آثار کا وقوع متاثر نہیں ہوا کرتا۔ جیسے کوئی کسی کو بے گناہ قتل کردے تو یہ فعل حرام ہونے کے باوجود مقتول تو بہر حال مر ہی جائے گا۔ اسی طرح تین طلاق بیک وقت حرام ہونے کے باوجود تینوں کا وقوع لازمی امر ہے اور صرف مذاہب اربعہ ہی کا نہیں بلکہ اس پر صحابہ کرام کا بھی اجماع حضرت فاروق اعظمؓ کے

زمانہ میں منقول ومعروف ہے''۔(معارف القرآن)

چھٹا حکم آگے گواہوں کے لئے ہے کہ گواہی کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں سچی اور سیدھی بات کہنی چاہئے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب میں عورتوں پر بہت ظلم ہوتا تھا ان کو گائے بھینس جانوروں کی طرح یا نہایت مجبور اور ذلیل قیدیوں کی طرح سمجھتے تھے حتیٰ کہ جاہلیت میں بعض لوگ عورت کو سو۱۰۰۔سو۱۰۰ مرتبہ طلاق دیتے تھے اور اس کے بعد بھی عورت کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔قرآن نے جا بجا ان وحشیانہ مظالم اور بے رحمیوں کے خلاف آواز بلند کی اور نکاح وطلاق کے حقوق وحدود پر نہایت صاف روشنی ڈالی اور حکیمانہ ہدایات ونصائح فرمائیں لیکن ان زرین نصیحتوں سے نفع وہی شخص اٹھا سکتا ہے جس کو خدا پر اور یوم آخرت پر یقین ہو کیونکہ یہی یقین انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرتا ہے اور اسی ڈر سے آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح ایک عورت ہمارے قبضہ اور اقتدار میں آ گئی ہے۔ہم سب بھی کسی قہار ہستی کے قبضہ اقتدار میں ہیں۔یہی ایک خیال ہے جو آدمی کو ظلم وتعدی سے ہر حال میں روک سکتا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ابھارتا ہے۔اسی لئے اس سورۃ میں خصوصی طور پر تقویٰ یعنی خدا سے ڈرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔

اب چونکہ یہاں تقویٰ یعنی خوف خداوندی کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے تقویٰ کی متعدد فضیلتیں ذکر فرمائی گئی ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ شریعت کے احکام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے تمام احکام کی تقویٰ اور خوف خداوندی کے باعث ہم کو پابندی نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو زندگی کے ہر معاملہ میں حدود اللہ کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے اور تقویٰ وپرہیزگاری کی دولت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ آپ نے اپنے کلام میں صاف فرما دیا ہے کہ جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے۔

یا اللہ اس میں کیا شک وشبہ ہے کہ اس وقت ہم نے احکام خداوندی سے نہ صرف تجاوز بلکہ انحراف اور بغاوت تک برت رکھی ہے اور اس طرح ہم نے اپنے اوپر ظلم عظیم کر رکھا ہے۔

یا اللہ! ہماری آنکھیں اب دین کی طرف سے کھول دے اور ہمیں اپنے اوپر ظلم کرنے کا احساس عطا فرما کر اپنی طرف رجوع ہونے کی ہدایت اور توفیق نصیب فرما دے۔اور ظاہر میں وباطن میں شریعت اسلامیہ کی پابندی ہر معاملہ میں نصیب فرما دے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓئِیْ

توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے۔ اور تمہاری بیبیوں

يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ

میں سے جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہوچکی ہیں اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح جن عورتوں کو حیض نہیں آیا۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ

اور حاملہ عورتوں کی عدت اُن کے اس حمل کا پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کردے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے

يُسْرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾

جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کردے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

وَمَنْ اور جو	يَتَّقِ اللّٰهَ وہ اللہ سے ڈرتا ہے	يَجْعَلْ لَّهٗ وہ اس کیلئے نکال دیتا ہے	مَخْرَجًا نجات کی راہ	وَيَرْزُقْهُ اور وہ اسے رزق دیتا ہے			
مِنْ حَيْثُ جہاں سے	لَا يَحْتَسِبُ اسے گمان نہیں ہوتا	وَمَنْ اور جو	يَتَوَكَّلْ وہ بھروسہ کرتا ہے	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	فَهُوَ تو وہ	حَسْبُهٗ اس کیلئے کافی ہے	
اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	بَالِغُ پہنچنے (پورا کرنے) والا	اَمْرِهٖ اپنا کام	قَدْ جَعَلَ بیشک کر رکھا ہے	اللّٰهُ اللہ	لِكُلِّ شَيْءٍ ہر بات کیلئے	قَدْرًا اندازہ	
وَالّٰٓئِیْ اور جو عورتیں	يَئِسْنَ ناامید ہوگئی ہوں	مِنَ سے	الْمَحِيْضِ حیض	مِنْ سے	نِّسَآئِكُمْ تمہاری بیبیاں	اِنِ ارْتَبْتُمْ اگر تمہیں شبہ ہو	
فَعِدَّتُهُنَّ تو ان کی عدت	ثَلٰثَةُ تین	اَشْهُرٍ مہینے	وَّالّٰٓئِیْ اور جو	لَمْ يَحِضْنَ انہیں حیض نہیں آیا	وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اور حمل والیاں		
اَجَلُهُنَّ ان کی عدت	اَنْ يَّضَعْنَ کہ وضع ہوجائیں	حَمْلَهُنَّ ان کے حمل	وَمَنْ اور جو	يَّتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈریگا	يَجْعَلْ وہ کردے گا		
لَّهٗ اس کیلئے	مِنْ اَمْرِهٖ اس کے کام میں	يُسْرًا آسانی	ذٰلِكَ یہ	اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کے حکم	اَنْزَلَهٗ اس نے یہ اتارا ہے	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	
وَمَنْ اور جو	يَّتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈرے گا	يُكَفِّرْ وہ دور کردے گا	عَنْهُ اس سے	سَيِّاٰتِهٖ اسکی برائیاں	وَيُعْظِمْ اور بڑا دے گا	لَهٗ اس کو	اَجْرًا اجر

تفسیر وتشریح: اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ بے قیاس وگمان روزی ملتی ہے۔ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جنت ہاتھ آتی ہے۔ اجر بڑھتا ہے۔ اور ایک عجیب قلبی اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے جس کے بعد کوئی سختی سختی نہیں رہتی اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہو جاتی ہیں۔ نیز بتلایا گیا کہ ایک شعبہ اس تقویٰ کا توکل یعنی اللہ پر بھروسہ رکھنا ہے لہٰذا اللہ پر بھروسہ رکھو۔ محض اسباب پر تکیہ مت کرو۔ اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں۔ جو کام اسے کرنا منظور ہوتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اسباب بھی اسی کی مشیت کے تابع ہیں۔ ہاں ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے اس لئے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہئے۔

توکل کی فضیلت اور برکت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ اس کا حق ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس طرح رزق دیتا جیسے پرندے جانوروں کو دیتا ہے کہ صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس ہوتے ہیں۔ توکل کے معنیٰ یہ نہیں کہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اسباب و آلات کو چھوڑ دے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسباب عادیہ اختیار یہ کو ضرور اختیار کرے مگر بھروسہ اور اعتماد اسباب پر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ پر کرے کہ جب تک اس کی مشیت اور ارادہ نہ ہو جائے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ الغرض تقوی و توکل کے فضائل و برکات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون یعنی احکام بسلسلہ طلاق کی طرف عود فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ مطلقہ کی عدت قرآن نے جیسا سورہ بقرہ میں فرمایا گیا تین حیض بتلائی۔ لیکن اگر کسی عورت کو کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آیا یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض آنا موقوف ہو گیا تو اس صورت میں عدت تین ماہ کی ہوگی۔ اور اگر عورت حاملہ ہے تو ایسی عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔ خواہ ایک منٹ کے بعد ہی وضع حمل ہو جائے یا کتنی ہی طویل مدت کے بعد ہو۔ اور وضع حمل خواہ کامل ہو یا ناقص بشرطیکہ کوئی عضو بن گیا ہو گو ایک انگلی ہی سہی۔ تو حاملہ کی عدت خواہ طلاق کی وجہ سے ہو یا شوہر کی موت کی وجہ سے ہو ہر حالت میں وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے تک ہے۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو عدت ختم ہوگئی۔ اس حکم کے بعد پھر تقویٰ کا مضمون دہرایا گیا ہے تا کہ پڑھنے والا بار بار متنبہ ہو اور ان احکام کی تاکید بھی ظاہر ہو چنانچہ بتلایا گیا کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کر دے گا۔ پھر تاکید امتثال احکام کے لئے ارشاد ہے کہ یہ جو کچھ حکم ہوا یہ اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا ہے لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اس پر عمل کرو اور جو شخص ان معاملات میں بھی اور دوسرے امور میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس سے دور کر دے گا اور اس کو اجر عظیم عنایت فرمائے گا۔

ان آیات مبارکہ کے نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے ایک روایت یہ لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی عوف بن مالک اشجعیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکے سالم کو دشمن گرفتار کر کے لئے گئے۔ اس کی والدہ سخت پریشان ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اور لڑکے کی والدہ کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت کے ساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان صحابی اور ان کی بیوی کو جب لڑکے کی مفارقت نے زیادہ بے چین کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ الغرض دونوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور کثرت سے کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اثر یہ دکھلایا کہ جن دشمنوں نے لڑکے کو قید کر رکھا تھا وہ کسی روز ذرا غافل ہوئے اور لڑکا کسی طرح ان کی قید سے نکل گیا اور ان کی کچھ بکریاں ہنکا کر ساتھ لے کر اپنے والد کے پاس پہنچ گیا اور بعض روایت میں ہے کہ ان کا ایک اونٹ لڑکے کو مل گیا اس پر سوار ہو کر دوسرے اونٹوں کو ساتھ لگایا اور سب کو لے کر والد کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے والد یہ خبر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سوال بھی کیا کہ یہ اونٹ بکریاں جو میرا لڑکا ساتھ لے آیا ہے۔ یہ ہمارے لئے جائز و حلال ہیں یا نہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ فقہا نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا کہ کوئی مسلمان کفار کی قید میں آ جائے اور وہ ان کا کچھ مال لے کر واپس ان کی قید سے آ جائے تو یہ مال بحکم مال غنیمت حلال ہے اور مال غنیمت کے تمام قاعدہ کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا بھی اس کے ذمہ نہیں جیسا کہ واقعہ حدیث میں اس مال میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔

اس واقعہ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عوف بن مالکؓ کو اس لڑکے کو قید کی مصیبت سے نجات اور حصول مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی تھی کہ کثرت کے ساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کریں۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دینی اور دنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجدد صاحبؒ نے یہ بتلائی ہے کہ روزانہ ۵۰۰ مرتبہ یہ کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے اور سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعاء کیا کرے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کلمہ مبارکہ کے ورد کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب آگے مزید احکام مطلقہ کے نان نفقہ کے متعلق بتلائے گئے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ

تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کیلئے تکلیف مت پہنچاؤ

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ

اور اگر وہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لئے دودھ پلاویں

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ ۝۶

تو تم ان کو اجرت دو، اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم باہم کش مکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلاوے گی۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ

وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیئے، اور جس کی آمدنی کم ہو تو اس کو چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے،

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝۷

خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے، خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ تم انہیں رکھو	مِنْ حَيْثُ جہاں	سَكَنْتُمْ تم رہتے ہو	مِنْ وُّجْدِكُمْ اپنی استطاعت کے مطابق	وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ اور تم انہیں ضرر نہ پہنچاؤ
لِتُضَيِّقُوْا کہ تم تنگی کرو	عَلَيْهِنَّ انہیں	وَاِنْ اور اگر	كُنَّ وہ ہوں	اُولَاتِ حَمْلٍ حمل والیاں (حمل سے)
فَاَنْفِقُوْا تو خرچ کرو تم	عَلَيْهِنَّ ان پر	حَتّٰى يَضَعْنَ یہاں تک کہ وضع ہو جائیں	حَمْلَهُنَّ ان کے حمل	فَاِنْ پھر اگر
اَرْضَعْنَ وہ دودھ پلائیں	لَكُمْ تمہارے لئے	فَاٰتُوْهُنَّ تو تم انہیں دو	اُجُوْرَهُنَّ ان کی اجرت	وَاْتَمِرُوْا اور تم باہم مشورہ کرلیا کرو
بَيْنَكُمْ آپس	بِمَعْرُوْفٍ معقول طریقے سے	وَاِنْ اور اگر	تَعَاسَرْتُمْ تم باہم کشمکش کرو گے	فَسَتُرْضِعُ تو دودھ پلادے گی
لَهٗ اس کو	اُخْرٰى کوئی دوسری	لِيُنْفِقْ چاہیے کہ خرچ کرے	ذُوْ سَعَةٍ وسعت والا	مِنْ سے۔ مطابق
سَعَتِهٖ اپنی وسعت	وَمَنْ اور جو	قُدِرَ تنگ کردیا گیا	عَلَيْهِ اس پر	رِزْقُهٗ اس کا رزق
فَلْيُنْفِقْ تو اسے خرچ کرنا چاہیے	مِمَّا اس میں سے جو	اٰتٰىهُ اللّٰهُ اسے اللہ نے دیا	لَا يُكَلِّفُ وہ تکلیف نہیں دیتا	اللّٰهُ اللہ
نَفْسًا کسی کو	اِلَّا مگر	مَاۤ اٰتٰىهَا جس قدر اس نے اسے دیا	سَيَجْعَلُ وہ جلد کریگا	اللّٰهُ اللہ
بَعْدَ عُسْرٍ تنگی کے بدلہ	يُسْرًا آسانی			

تفسیر و تشریح: ان آیات میں مطلقہ کے عدت کے زمانہ کے نان نفقہ کا بیان فرمایا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے۔ اور جب مکان رہنے کے لئے دینا واجب ہے تو نفقہ یعنی کھانا کپڑا بھی اس زمانہ کا مرد کے ذمہ ہونا چاہیئے کیونکہ عورت اتنے دنوں تک یعنی عدت کے معینہ زمانہ میں مرد ہی کی وجہ سے مقید اور محبوس رہے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خواہ طلاق رجعی عدت کے زمانہ میں مکان کے ساتھ مطلقہ کے لئے نفقہ بھی ضروری ہے۔ الغرض یہاں مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان عدت کے زمانہ تک کے لئے دینا واجب ٹھہرا اس میں تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ بعض احادیث کی بنا پر حنفیہ کے ہاں مکان کے ساتھ نفقہ بھی ہر

قسم کی مطلقہ کو عدت کے زمانہ کا واجب اور ضروری ہے تو شروع سورۃ میں حکم ہوا تھا کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ یہاں اسی حکم کا ایجابی پہلو ذکر فرمایا گیا کہ مطلقہ عورتوں کو عدت پوری ہونے تک اپنی وسعت وقدرت کے مطابق رہنے کا مکان دو یعنی جہاں تم خود رہتے ہو اسی مکان کے کسی حصہ میں مطلقہ کو رہنے دو۔ یہاں فقہا نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ اگر مطلقہ کو طلاق رجعی دی گئی ہے جس میں مرد کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے جب تو میاں بیوی میں باہم کسی پردہ کی بھی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر طلاق بائن دی ہے یا تین طلاق دے دی ہیں تو اب رشتہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ وہ عورت اب اس مرد کے لئے حرام ہوگئی اس صورت میں سابق شوہر سے پردہ کرنا چاہئے۔ اس لئے ایسی مطلقہ کے لئے پردہ کے ساتھ اسی مکان میں رہنے کا انتظام کیا جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مطلقہ پر تنگی کر کے ضرر پہنچانے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ مطلقہ عورت کو تکلیف پہنچا کر اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مجبور ہو کر مکان سے نکلنے پر آمادہ ہو جائے اور اگر مطلقہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک گو وہ کیسی ہی طویل مدت ہو اس کو نفقہ دینا ہوگا۔ یہ احکام تو عدت کے متعلق تھے پھر اگر عدت کے بعد وہ مطلقہ عورتیں جبکہ پہلے سے بچہ والی ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو تو اگر مرد کی خاطر بچہ کو دودھ پلائے تو جو اجرت کسی دوسری انا کو دیتے وہ اس مطلقہ عورت کو دی جائے اور معقول طریقہ سے دستور کے موافق باہم مشورہ کر کے مقرر کر لیں۔ خواہ مخواہ ضد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ یہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے۔ یہ مرد اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پلوائے۔ اور اگر آپس کی ضد اور تکرار سے عورت دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو کچھ اس پر موقوف نہیں کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی مل جائے گی اور اگر مرد خواہ مخواہ بچہ کو اس کی ماں سے دودھ پلوانا نہیں چاہتا تو بہر حال کوئی دوسری عورت دودھ پلانے کو آئے گی آخر اس کو

بھی کچھ دینا پڑے گا۔ پھر وہ بچہ کی ماں ہی کو کیوں نہ دے۔ تو جب تک شوہر کے نکاح میں ہے اس وقت تک تو بچوں کو دودھ پلانا خود ماں کے ذمہ بحکم قرآن واجب ہے لیکن جب مطلقہ کی عدت وضع حمل سے ختم ہوگئی اور عورت آزاد ہوگئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہ رہا۔ اب اگر یہ عورت اس بچہ کو دودھ پلائے تو اس کا تو یہاں آیت میں معاوضہ یا اجرت لینے دینے کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت زوجین کو دی گئی کہ بچہ کو دودھ پلانے کے معاملہ میں کسی نزاع او جھگڑے کی نوبت نہ آنے دیں۔ یہ مطلقہ بیوی عام اجرت سے زیادہ مانگے۔ اور نہ شوہر عام اجرت کے مطابق دینے سے انکار کرے۔ ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا معاملہ کریں۔

آگے بتلایا گیا کہ ایسے بچہ کی تربیت و پرورش کا خرچ باپ پر ہے۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے موافق خرچ کرنا چاہئے۔ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو تو وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دے گا۔

اب غور کیجئے کہ یہ خدائی احکام ہیں اور ان میں کس طرح ہر حالت کی رعایت فرمائی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرنے والی قوم کی بدنصیبی کیا ہوگی کہ ان خدائی احکام کے مقابلہ میں یہود و نصاریٰ بے دینوں کے وضع کردہ عائلی قوانین کو اپنایا جائے اور ان احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا جائے

اس لئے اہل ایمان کو ڈرایا گیا کہ عقلمند ایمانداروں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ ہم سے کوئی ایسی بے اعتدالی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آ جائیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

2

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا

اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی سو ہم نے اُن کا سخت حساب کیا، اور ہم نے اُن کو

عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

بڑی بھاری سزا دی۔غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے

عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ

ایک سخت عذاب تیار کررکھا ہے، تو اے سمجھ دارو جو کہ ایمان لائے ہو تم خدا سے ڈرو خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا۔

ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ایک ایسے رسول جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں

مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ ۚ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تاریکیوں سے نور کی طرف لے آویں، اور جو شخص اللہ پر ایمان لاوے گا اور اچھے عمل کریگا خدا اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿١١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے، بے شک اللہ نے اچھی روزی دی۔ اللہ ایسا ہے جس نے سات

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۖ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی ان سب میں احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہوجاوے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے

وَّأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

وَكَأَيِّنْ اور کئی	مِّنْ قَرْيَةٍ بستیاں	عَتَتْ انہوں نے سرکشی کی	عَنْ سے	أَمْرِ رَبِّهَا اپنے رب کے حکم	وَرُسُلِهِ اور اس کے رسولوں	
فَحَاسَبْنٰهَا تو ہم نے ان کا حساب لیا	حِسَابًا حساب	شَدِيْدًا سختی سے	وَّعَذَّبْنٰهَا اور ہم نے انہیں عذاب دیا	عَذَابًا عذاب	نُّكْرًا بہت بڑا	
فَذَاقَتْ پھر انہوں نے چکھا	وَبَالَ وبال	أَمْرِهَا اپنا کام	وَكَانَ اور رہا	عَاقِبَةُ انجام أَمْرِهَا ان کا کام	خُسْرًا خسارا	أَعَدَّ اللّٰهُ اللہ نے تیار کیا ہے
لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابًا عذاب	شَدِيْدًا سخت	فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس تم ڈرو اللہ سے	يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ اے عقل والو	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	
قَدْ أَنْزَلَ تحقیق نازل کی	اللّٰهُ اللہ	إِلَيْكُمْ تمہاری طرف	ذِكْرًا نصیحت (کتاب)	رَّسُوْلًا اور رسول	يَّتْلُوْا وہ پڑھتا ہے	عَلَيْكُمْ تم پر
اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتیں	مُبَيِّنٰتٍ روشن	لِّيُخْرِجَ تاکہ وہ نکالے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے عمل کئے		
مِنَ الظُّلُمٰتِ تاریکیوں سے	إِلَى النُّوْرِ نور کی طرف	وَمَنْ اور جو	يُّؤْمِنْ ایمان لائے گا	بِاللّٰهِ اللہ پر	وَيَعْمَلْ اور وہ عمل کریگا	صَالِحًا اچھے

يُدْخِلْهُ وہ اسے داخل کریگا	جَنّٰتٍ باغات	تَجْرِیْ بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے	الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِیْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِیْهَآ ان میں	
اَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ	قَدْ اَحْسَنَ بیشک بہت اچھی رکھی	اللّٰهُ اللہ	لَهٗ اس کیلئے	رِزْقًا روزی	اَللّٰهُ الَّذِیْ اللہ وہ جس نے	خَلَقَ پیدا کئے	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان
وَ اور	مِنَ الْاَرْضِ زمین سے بھی	مِثْلَهُنَّ ان کی طرح	یَتَنَزَّلُ اُترتا ہے	الْاَمْرُ حکم	بَیْنَهُنَّ ان کے درمیان	لِتَعْلَمُوْٓا تاکہ وہ جان لیں	
اَنَّ اللّٰهَ کہ اللہ	عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ ہر شے پر	قَدِیْرٌ قدرت رکھتا ہے	وَاَنَّ اور یہ کہ	اللّٰهَ اللہ	قَدْ اَحَاطَ احاطہ کیا ہوا ہے	بِكُلِّ شَیْءٍ ہر شے	عِلْمًا علم سے

تفسیر و تشریح: سابقہ آیات احکام بیان فرما کر ان جملہ احکام الٰہیہ و نیز دوسرے احکام شرعیہ کی پوری پابندی کی تاکید اس طرح فرمائی جاتی ہے کہ اگر تم ان احکام کی خلاف ورزی کرو گے یا ان سے تجاوز کرو گے یا ان کی نافرمانی کرو گے تو یاد رکھو کہ پہلے کتنی ہی قومیں اور بستیاں اللہ و رسول کی نافرمانی کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ جس وقت انہوں نے احکام خداوندی سے تکبر برتا اور حد سے نکل گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سختی کے ساتھ پکڑ لیا اور ان کو ایسی آفت و سزا میں پھنسایا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ آخر انہوں نے اپنی بداعمالیوں کی سزا چکھی اور عمر بھر جو سودا کیا تھا اس میں سخت خسارہ اٹھایا اور جو پونجی تھی سب کھو کر رہے۔ اللہ کے احکام سے انحراف اور اس کے قوانین سے سرتابی کر کے مجرموں نے یہ نتیجہ تباہی و خسران تو دنیا میں دیکھا اور اس کے علاوہ آخرت کا عذاب اور وہاں کی سزا بھی ان کے لئے تیار ہے تو گویا دونوں جہان میں اللہ کی نافرمانی کا وبال نافرمانی کرنے والوں نے دنیا میں بھی چکھا۔ اور آخرت میں اور بھگتیں گے یہ جتلا کر عقلمند ایمانداروں کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو تمہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ہم سے کوئی نافرمانی یا کوئی بے اعتدالی ایسی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آ جائیں۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ یعنی قرآن کریم بھیجا اور ایک ایسے رسول کے ذریعہ بھیجا کہ جو اللہ کے صاف صاف احکام سناتے ہیں تاکہ لوگ کفر و جہل کی اندھیریوں سے نکل کر ایمان اور علم و عمل کے اجالے میں آ ویں۔

آگے ایمان اور عمل صالح پر وعدہ ہے کہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے گا اور اس کی ذات و صفات کے متعلق عقیدہ درست کرے گا اور پھر اچھے کام بھی کرے گا جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے تو عالم آخرت میں اس کو ایسے جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا۔ تو ایسے لوگوں کے نصیب کھل گئے اور اللہ نے انہیں بہت اچھا انعام دیا یعنی بہشت کی روزی اور راحتیں۔ آگے خاتمہ کی آیت میں اللہ تعالیٰ کا واجب الاطاعت ہونا بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اسی طرح سات زمینیں پیدا کیں۔ اور ان آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں اور یہ سب اس لئے بتلایا گیا تاکہ تم کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ ہر چیز کو اپنے علم سے گھیرے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی اور مخالفت سے ڈرو۔

اب غور کیجئے کہ اس سے زیادہ واضح اور صاف ہدایات اللہ تعالیٰ کی ہر طرح کی نافرمانی سے بچنے اور ایمان و عمل صالح اختیار کرنے کی اور کیا ہو سکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی' اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور اللہ کی کتاب کی اطاعت کی ترغیب اور اس سے بڑھ کر کس طرح دی جا سکتی ہے؟ اب اس پر بھی اسلام و ایمان کا دعویٰ کرنے والے اگر جان بوجھ کر قصداً احکام الٰہیہ سے انحراف اور روگردانی کریں اور نہ صرف انحراف و روگردانی بلکہ تحقیر و استہزا کے ساتھ پیش آئیں اور پھر ان کا حساب سخت ہو اور دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی ان کے حصہ میں ان کے اعمال کے وبال میں ان کو دیکھنا نصیب ہو تو ان قرآنی آیات کے مطابق

اس میں کیا تعجب ہے؟

نیز ان آیات میں اور قرآن کریم میں جہاں کہیں ایمان والوں کو بشارت اور نعمائے آخرت اور دخول جنت کی خوشخبری دی گئی ہے وہاں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی شرط ضرور لگی ہوئی ہے۔ اور درحقیقت ایمان کامل بغیر اعمال صالحہ کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق بھی ہم کو عطا فرمائیں۔

یہاں آخری آیت الله الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الا رض مثلهن اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور آسمانوں کی طرح زمین بھی سات پیدا کیں تو اس سے اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں ایسی ہی زمینیں بھی سات ہیں۔ باقی یہ بات کہ یہ سات زمینیں کہاں کہاں ہیں۔ کس وضع اور صورت میں ہیں ان میں کوئی مخلوق آباد ہے یا نہیں تو قرآن کریم نے اس کی کوئی خبر نہیں دی نہ ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس کی تحقیق پر موقوف ہے نہ ہم سے قبر میں یا حشر میں اس کا سوال ہوگا اس لئے علمائے محققین نے لکھا ہے کہ سلامتی کی صورت بس یہی ہے کہ اس پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔ حضرات سلف صالحین کا ایسی صورت میں یہی طرز عمل رہا ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اسے مبہم رہنے دو جبکہ اس میں تمہارے لئے کوئی عملی حکم نہیں اور تمہاری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس سے متعلق نہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ان سات زمینوں میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں اور اس دنیا والے ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ مریخ کی نسبت بعض کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ دریا وغیرہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

الحمدللہ اس درس پر سورہ طلاق مدنی کا بیان ختم ہو گیا۔ آئندہ درس میں ان شاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ الطلاق کے خواص

۱......اگر سورۃ الطلاق لکھ کر پانی سے دھولیا جائے اور کسی آباد گھر کے دروازے پر وہ پانی چھڑک دیا جائے تو اس گھر میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ طلاق و فراق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

۲......اور اگر سورۃ الطلاق لکھ کر پانی سے دھولیا جائے اور وہ پانی کسی جگہ میں چھڑک دیا جائے تو وہ جگہ کبھی آباد نہیں ہوگی ہمیشہ ویران ہی رہے گی۔

ومن قدر علیه رزقه ...... مکمل آیت

جس آدمی پر روزی تنگ ہو گئی ہو تو وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلے اور نیکی و فرمانبرداری کا پختہ ارادہ کرلے اور پھر جمعہ کی رات میں سحری کے وقت اٹھ کر سو بار استغفار پڑھے اور یہی آیت پڑھتا ہوا سو جائے تو اسے اس تنگی سے نکلنے کا راستہ معلوم ہو جائے گا اور رزق کا دروازہ کھل جائے گا۔ الدرر النظیم

دعا کیجئے: یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے ہم کو ایمان و اسلام عطا فرمایا۔ قرآن کریم جیسی نصیحت کی کتاب عطا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی عطا فرمائے۔

اے اللہ! ہمیں اپنی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچا لیجئے اور جو گذشتہ زندگی میں ہم سے تقصیرات ہو چکی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے اور دین دنیا دونوں جہاں میں ہم کو کامیابی و کامرانی نصیب فرمایئے اور ذلت و ناکامی اور خسران سے بچا لیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِثْنَتَا عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا رُکُوْعَانِ

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ①

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا ہے آپ اُس کو کیوں حرام فرماتے ہیں۔اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے۔اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ②

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کیلئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے،اور اللہ تمہارا کارساز ہے۔اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی	لِمَ تُحَرِّمُ تم کیوں حرام ٹھہراتے ہو!	مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ جو اللہ نے حلال کیا	لَکَ تمہارے لئے	تَبْتَغِیْ چاہتے ہوئے			
مَرْضَاتَ خوشنودی	اَزْوَاجِکَ اپنی بیبیوں	وَاللّٰہُ اور اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَحِیْمٌ مہربان	قَدْ فَرَضَ تحقیق مقرر کردیا	اللّٰہُ اللہ	لَکُمْ تمہارے لئے
تَحِلَّۃَ کھولنا (کفارہ)	اَیْمَانِکُمْ تمہاری قسمیں	وَاللّٰہُ اور اللہ	مَوْلٰکُمْ تمہارا کارساز	وَھُوَ اور وہ	الْعَلِیْمُ جاننے والا	الْحَکِیْمُ حکمت والا	

تفسیر و تشریح: اس سورۃ کی ابتدا ہی میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز کے استعمال سے قسم کھا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام فرمالیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام تحریم معین ہوا۔ تحریم کے لفظی معنیٰ ہیں حرام کر دینا۔ یہ سورۃ بھی مدنی ہے اور اس کے شان نزول کے سلسلہ میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں۔ چنانچہ سب سے مشہور روایت جو اکثر مفسرین نے اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ بعد نماز عصر کھڑے کھڑے ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے ہاں معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا۔ پھر کئی روز یہ معمول رہا تو مجھ کو رشک آیا۔ میں نے حفصہ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ کیا آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک گوند کی قسم سے ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے تو شہد پیا ہے۔ اس پر کہا گیا کہ شاید کوئی شہد کی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھ گئی ہوگی اور اس کا عرق چوس لیا ہوگا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو سے بڑی کراہت اور نفرت تھی۔ آپ نے بقسم فرمایا کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ رنجیدہ و دلگیر ہوں گی اس لئے حضرت حفصہ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ مگر حضرت حفصہ نے اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمادیا۔ آپ نے حضرت حفصہ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا گیا تھا وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی۔ اور ابھی کئی روایات شان نزول کے سلسلہ میں روایت کی گئی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شے کو جس کو آپ کے لئے خدا نے حلال کیا ہے آپ قسم کھا کر اس کو اپنے لئے کیوں حرام فرماتے ہیں

اور وہ بھی اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔ اب یا تو اس میں شہد والے مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے یا اور کسی واقعہ کی طرف الحاصل ہدایت یہ فرمائی گئی کہ آپ ایسا نہ کیجئے کہ حلال شے کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا جائے۔ اور یہاں حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۃً حلال ومباح سمجھتے ہوئے آپ نے جو عہد کرلیا تھا کہ آئندہ اس کو استعمال نہ کروں گا۔ ایسا کرنا اگر کسی مصلحت صحیحہ کی بنا پر ہو تو شرعاً جائز تو ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کے لئے اس کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو۔ اس لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے مگر اس حد تک ضروری نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔ آگے واللہ غفور رحیم فرما کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ یہ خلاف اولیٰ بات بھی آپ کی معاف کر دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ میں تو قسم کھا چکا ہوں پھر میں کیسے اس کام کو کروں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے اپنی قسموں کو توڑنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے اور وہ کفارہ کی ادائیگی ہے پس اس طریق سے اپنی قسم کو توڑ ڈالیں اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔ اس مالک نے اپنے علم وحکمت سے اپنے بندوں کے لئے مناسب احکام وہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی نامناسب بات پر قسم کھا لے تو کفارہ دے کر اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔ قسم کے کفارہ کا ذکر ساتویں پارہ سورہ مائدہ میں آ چکا ہے۔

اب آگے دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زوجہ مطہرہ سے کوئی راز کی بات کہی تھی اور وہ انہوں نے کسی دوسری زوجہ مطہرہ سے ظاہر کر دی تھی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ظاہر میں و باطن میں شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نصیب فرما دیں۔ اور جملہ احکام قرآنیہ کی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور اس میں جو کوتاہی ہم سے اس وقت تک ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی شان غفور الرحیمی سے معاف فرما دیں۔ اور ہم کو اپنے نبی پاکؐ کے اسوہ حسنہ پر چلنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ آپ نے اپنی رحمت سے ہمارے لئے جو احکام وہدایات دی ہیں ان ہی کے اتباع میں ہماری دین دنیا کی بہتری اور صلاح وفلاح ہے۔

یا اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کر ہم آپ کے احکام کے مطیع وفرمانبردار بن جائیں۔ اور اس طرح آپ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرسکیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور جب کہ پیغمبرؐ نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات بتلادی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کردی

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ

تو پیغمبرؐ نے تھوڑی سی بات تو جتلادی اور تھوڑی بات کو ٹال گئے، سو جب پیغمبرؐ نے اس بی بی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگیں کہ آپ کو کس نے خبر کردی آپ نے فرمایا

نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا

مجھ کو بڑے جاننے والے بڑی خبر رکھنے والے نے خبر کردی۔ اے دونوں بیبیو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو بہتر ہے ورنہ تمہارے دل تو مائل ہی ہوگئے، اور اگر پیغمبرؐ کے مقابلہ میں

عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ

تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو پیغمبرؐ کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں، اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔

ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ

اگر پیغمبرؐ تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دیگا جو اسلام والیاں ایمان والیاں

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾

فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی۔ کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

وَاِذْ اور جب	اَسَرَّ النَّبِيُّ نبیؐ نے راز کی بات کہی	اِلٰى تک - سے	بَعْضِ بعض ایک	اَزْوَاجِهٖ اپنی بی بی	حَدِيْثًا ایک بات	فَلَمَّا پھر جب
نَبَّاَتْ اس نے خبر کردی	وَاَظْهَرَهُ اور اسکو ظاہر کردیا	اللّٰهُ اللہ	عَلَيْهِ اس پر	عَرَّفَ اس (نبی) نے خبر دی	بَعْضَهٗ اس کی کچھ	وَاَعْرَضَ اور اعراض کیا
عَنْۢ بَعْضٍ بعض سے	فَلَمَّا پھر جب	نَبَّاَهَا اس (عورت) کو جتلائی	بِهٖ وہ بات	قَالَتْ وہ بولی	مَنْ اَنْۢبَاَكَ کس نے آپ کو خبر دی	
هٰذَا اس	قَالَ فرمایا	نَبَّاَنِيَ مجھے خبر دی	الْعَلِيْمُ علم والا	الْخَبِيْرُ خبر رکھنے والا	اِنْ تَتُوْبَآ اگر تم دونوں توبہ کرو	اِلَى اللّٰهِ اللہ کے سامنے
فَقَدْ صَغَتْ تو یقیناً کج ہوگئے	قُلُوْبُكُمَا تمہارے دل	وَاِنْ اور اگر	تَظٰهَرَا تم ایکدوسری کی مدد کروگی	عَلَيْهِ اس پر	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	
هُوَ وہ	مَوْلٰىهُ اس کا رفیق	وَجِبْرِيْلُ اور جبریل	وَصَالِحُ اور نیک	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن (جمع)	وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے	بَعْدَ ذٰلِكَ اسکے بعد (انکے علاوہ)
ظَهِيْرٌ مددگار	عَسٰى قریب ہے	رَبُّهٗٓ ان کا رب	اِنْ طَلَّقَكُنَّ اگر وہ تمہیں طلاق دیدیں	اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ کہ وہ ان کیلئے بدل دے	اَزْوَاجًا بیبیاں	
خَيْرًا بہتر	مِّنْكُنَّ تم سے	مُسْلِمٰتٍ اطاعت گزار	مُؤْمِنٰتٍ ایمان والیاں	قٰنِتٰتٍ فرمانبرداری کرنے والیاں	تٰٓئِبٰتٍ توبہ کرنیوالیاں	
عٰبِدٰتٍ عبادت گزار	سٰٓئِحٰتٍ روزہ دار	ثَيِّبٰتٍ شوہر دیدہ	وَ اور	اَبْكَارًا کنواریاں		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں گذشتہ بیان کردہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ سے ایک بات چپکے سے فرمائی (اور جیسا کہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوا وہ بات یہی تھی کہ میں اب شہد نہ پیوں گا مگر کسی

سے یہ بات کہنا نہیں) پھر جب انہوں نے وہ بات کسی دوسری زوجہ مطہرہ سے کہہ دی۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات کہی تھی۔تو چونکہ اس معاملہ میں ان ازواج مطہرات کی طرف سے کچھ بے اعتدالی ہوئی تھی جس پر حق تعالیٰ کو تنبیہ کرنا مقصود تھا اس لئے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی ظاہر فرما دیا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کو ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ آپ خلاف طبع کارروائیوں پر کس قدر تسامح فرماتے اور کس طرح از راہ عفو و کرم بعض باتوں کو ٹلا جاتے۔ گویا شکایت کے موقع پر بھی آپ پورا الزام نہ دیتے تھے۔ اسی کو آیت میں فرمایا گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کی بات کو ظاہر کر دینے والی زوجہ مطہرہ کو تھوڑی سی بات تو جتلا دی یعنی یہ کہ آپ نے فرمایا کہ تم نے ہماری یہ بات دوسری زوجہ مطہرہ سے کہہ دی اور تھوڑی بات کو ٹلا دیا یعنی آپ کا کرم اس غایت تک ہے کہ اپنے حکم کے خلاف کرنے پر جو شکایت فرمائی تو اس کہی ہوئی بات کے پورے اجزا کا اعادہ نہیں فرمایا کہ تم نے میری یہ بات بھی کہہ دی اور یہ بات بھی کہہ دی کہ اس سے مخاطبہ کو شرمندگی و ندامت زیادہ ہوگی۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو وہ بات جتلائی۔ اب چونکہ اس معاملہ میں رشک و رقابت سے کام لیا گیا تھا اس لئے حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کو براہ راست خطاب فرما کر تنبیہ فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیبیو! اگر تم اللہ کے سامنے دونوں توبہ کر لو تو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل جادہ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف جھک گئے ہیں۔ تمہارے دل ضرور مائل تھے کہ آپ زینبؓ سے یہ خصوصیت ترک کر دیں۔ خبردار ایسے رشک و رقابت کی بے اعتدالیوں سے باز آؤ اور اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو ایسی باتوں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں تو اس کے خلاف مزاج کارروائیاں کرنے کا انجام ظاہر ہے کہ برا ہی برا ہے۔ تمہاری ان کارروائیوں سے آپ کا تو کوئی ضرر نہیں بلکہ تمہارا ہی ضرر ہے۔ یہ خطاب تنبیہ تو تثنیہ کے صیغہ میں صرف دو ازواج مطہرات سے عام خطاب ہے کیونکہ بعض روایات اسباب نزول سے یہ بھی ظاہر ہے کہ علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے دوسری ازواج مطہرات بھی شامل تھیں۔ اس لئے تمام ازواج کو خطاب ہے کہ تم یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے لامحالہ ہماری سب باتیں سہی جاویں گی۔ تو یاد رکھو اللہ چاہے تو تم سے بھی بہتر بیبیاں اپنے نبی کے لئے پیدا کر دے اس کے ہاں کس چیز کی کمی ہے؟ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تم بیبیوں سے ناراض ہو کر طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلہ تم سے اچھی بیبیاں عطا فرما دے گا جو ان صفات کی ہوں گی:۔

(۱) مسلمٰت یعنی ان کا ظاہر بھی اسلام ہوگا۔ (۲) مؤمنٰت یعنی دل سے بھی ایماندار ہوں گی۔ (۳) قانتات عبادت کرنے والیاں یعنی نماز پڑھنے والیاں۔ دعائیں مانگنے والیاں۔ (۴) تائبات توبہ کرنے والیاں یعنی از روئے بشریت جو غلطی ہو جائے تو اس پر ضد و اصرار نہ ہو بلکہ اللہ کی طرف رجوع ہو کر توبہ کر لی جائے۔ (۵) عبدٰت۔ ہر قسم کی عبادت کرنے والیاں۔ اس میں صدقہ خیرات۔ حج و زکوٰۃ۔ خدمت شوہر۔ پرورش اولاد۔ عزت و مال کی حفاظت۔ صلہ رحمی خاوند کی اطاعت اور اس کے ساتھ ہمدردی۔ خوش خلقی۔ نرم مزاجی وغیرہ سب شامل ہیں اور عورت کے حق میں عبادت ہیں۔

(۶) سٰئحٰت۔ روزہ رکھنے والیاں۔

(۷) ثیبٰت و ابکارًا۔ بیوہ اور کنواریاں۔

غرض کہ سیرۃ کے اعتبار سے ہر طرح کامل و مکمل ہوں گی تو جب یہ سب ممکن ہے تو تم کو حد کے اندر رہنا چاہئے اور اس قسم کی کارروائیوں سے باز آنا چاہئے۔

شروع سورۃ میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا گیا۔ اس کے بعد ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا گیا اب اس کے بعد اگلی آیات میں تمام اہل ایمان کو خطاب فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا

اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھروالوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندخو مضبوط

مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا

فرشتے ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں۔ اے کافرو!

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾

آج تم عذر مت کرو بس تم کو تو اسی کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والو	قُوْا تم بچاؤ	اَنْفُسَكُمْ اپنے آپ کو	وَاَهْلِيْكُمْ اور اپنے گھروالوں	نَارًا آگ	وَقُوْدُهَا اور اس کا ایندھن		
النَّاسُ آدمی	وَ اور	الْحِجَارَةُ پتھر	عَلَيْهَا اس پر	مَلٰٓئِكَةٌ فرشتے	غِلَاظٌ درشت خو	شِدَادٌ زورآور	لَا يَعْصُوْنَ وہ نافرمانی نہیں کرتے	اللّٰهَ اللہ
مَا جو	اَمَرَهُمْ وہ حکم دیتا ہے انہیں	وَيَفْعَلُوْنَ اور وہ کرتے ہیں	مَا جو	يُؤْمَرُوْنَ انہیں حکم دیا جاتا ہے	يٰٓاَيُّهَا اے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا (کافرو)		
لَا تَعْتَذِرُوا تم عذر نہ کرو	الْيَوْمَ آج	اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا اسکے سوا نہیں کہ تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں تمام اہل ایمان کو خطاب کر کے ہدایت دی جارہی ہے کہ ایمان والوں کو چاہئے کہ خود بھی فرائض و واجبات کی تعمیل کریں اور ایسے کام نہ کریں کہ جن کے باعث جہنم کی آگ میں جانا پڑے اور ساتھ ہی اپنے گھر والوں کو بھی شریعت کے موافق چلنا سکھائیں۔ دین کی اور قرآن وسنت کی تعلیم ان کو بھی دیں۔ فرائض وواجبات کی تاکید کریں۔ یہاں آیت میں اہل کا لفظ آیا ہے جس کا عام ترجمہ تو گھر والے ہیں مگر اہل کے لفظ میں بڑی وسعت ہے اور انسان کے سارے ہی متعلقین ومتوسلین اس کے تحت آجاتے ہیں۔ بیوی۔ بچے۔ ملازم۔ رعایا۔ شاگرد۔ مرید وغیرہ سب اہل کے تحت میں آجاتے ہیں تو احکام الٰہی کی تعمیل خود کرنا اور اپنے متعلقین میں بقدر امکان ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا واجب ہے اور یہی دوزخ کی آگ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔ اب وہ جہنم کی آگ کیسی ہے اس کے متعلق بتلایا گیا کہ معمولی آگ نہیں بلکہ ایسی تیز آگ ہے کہ جس کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں۔ اور پتھر سے یا تو عام پتھر مراد ہیں یا تو وہ پتھر ہیں جن کی دنیا میں پرستش اور پوجا پاٹ ہوتی تھی یا گندھک کے نہایت بدبودار پتھر مراد ہیں اور وہ آگ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس دنیا کی آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخ کو ہزار برس تک دھونکایا یہاں تک کہ اس کا رنگ سرخ ہوگیا۔ پھر ہزار برس تک دھونکایا یہاں تک کہ سفید ہوگئی۔ پھر ہزار برس تک اور دھونکایا یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ بالکل سیاہ تاریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نار سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں۔ آمین۔ آگے اس نار کی دوسری کیفیت بتلائی جاتی ہے کہ اس کے داروغہ یا محافظ فرشتے ہیں جو نہایت سخت دل اور سخت مزاج اور تندخو ہیں اور بڑے قدآور اور طاقت والے کہ جن پر نہ کوئی مجرم زور سے غالب آسکے نہ وہ فرشتے کسی پر رحم ومہربانی کریں۔ یہ فرشتے نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور نہ اس کے احکام بجالانے میں کوئی سستی یا دیر کرتے ہیں۔ جو ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو فوراً بجالاتے ہیں۔ غرض کہ اس جہنم پر ایسے فرشتے

مقرر ہیں اور وہ کافروں کو دوزخ میں داخل کریں گے اور اس وقت کافروں سے کہا جائے گا کہ اب تم عذر معذرت اور حیلہ بہانہ مت بناؤ۔ آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں بلکہ جو کچھ دنیا میں کرتے تھے آج اس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے اور اس عذاب کے دیئے جانے میں تم پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں۔ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ تم کو ناحق عذاب دیا جاتا ہے۔ جو بویا تھا اسی کو کاٹ رہے ہو۔ یہاں آیت میں نار جہنم کے ذکر کے بعد جو کفار کو مخاطب بنایا گیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ جہنم کی اصل غرض و غایت کافروں کی تعذیب ہے۔ اسی کو سورہ بقرۃ میں اس طرح صاف فرمایا گیا **فاتقو النار التی وقود ھا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین.** پس اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے) ۔ تو معلوم ہوا کہ جہنم کی اصل غذا تو اہل کفر و شرک ہی ہوں گے۔ اہل اسلام میں سے اہل فسق و عصیان عارضی طور پر تادیب اور تزکیہ کے لئے اس میں داخل کر دیئے جائیں گے اور ایمان و اسلام کی برکت سے بعد تادیب اور گناہوں کی نجاست سے پاک صاف ہونے کے بعد وہاں سے نکال لئے جاویں گے۔ اور دائمی طور پر صرف کفار و مشرکین ہی جہنم میں پڑے رہیں گے۔

اب غور کیجئے کہ حق تعالیٰ تو کس شفقت اور رحمت سے نصیحت فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور اس کے مقابل ہم ایمان والوں کی حالت کیا ہے ؟ ذرا اس کا اندازہ بھی کر لیجئے۔ ایمان کے بعد سب سے اوّل اور پہلی چیز جس کا قیامت میں ایک مسلمان سے محاسبہ ہوگا وہ "نماز" ہے۔ اگر اس میں کامیاب ہو گیا تو پھر دوسرے فرائض اور واجبات کا حساب ہو گا۔ اور اگر نماز ہی کے معاملہ میں پکڑ ہو گئی تو لکھا ہے کہ وہیں جہنم کے مؤکلوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا وہ بھی جب ہی کہ اور کوئی وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ الامان الحفیظ۔

حضرت ابواللیث سمرقندیؒ نے قرۃ العیون میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔ تو نماز چھوڑ کر اور اس سے غفلت برت کر ایسے مسلمان نار جہنم سے بچنے کے سامان کر رہے ہیں یا معاذ اللہ معاذ اللہ اس میں جانے کے سامان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور اپنے کریم رب کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

اب چونکہ یہاں کفار کے لئے نار جہنم کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے اس نار جہنم سے بچنے کا طریقہ مسلمانوں کو بتلایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں اس زندگی میں اپنے مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں اور ظاہراً و باطناً ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اہل و عیال و متعلقین کو بھی نیک ہدایت اور نیک سیرۃ عطا فرمائیں۔ اور ہم سب کو اور ہمارے اہل کو نار جہنم سے بچائیں۔

یا اللہ ہمیں ایمان و اسلام اور ایسے اعمال صالحہ کے ساتھ اس دنیا سے جانا نصیب فرما کہ جو آخرت میں ہمیں نجات اور مغفرت نصیب ہو اور عذاب جہنم سے ہم کو دور رکھا جائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کردے گا

وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا

اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں

مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا

ان کو رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھیئے

إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور ہماری مغفرت فرما دیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں۔

يَا أَيُّهَا اے	الَّذِينَ آمَنُوا ایمان والو	تُوبُوا تم توبہ کرو	إِلَى اللَّهِ اللہ کے آگے	تَوْبَةً توبہ	نَّصُوحًا خالص	عَسَىٰ امید ہے	رَبُّكُمْ تمہارا رب	
أَن يُكَفِّرَ کہ وہ دور کردیگا	عَنكُمْ تم سے	سَيِّئَاتِكُمْ تمہاری برائیاں (گناہ)	وَيُدْخِلَكُمْ اور وہ داخل کریگا تمہیں	جَنَّاتٍ باغات	تَجْرِي جاری ہیں			
مِن تَحْتِهَا انکے نیچے	الْأَنْهَارُ نہریں	يَوْمَ اس دن	لَا يُخْزِي وہ رسوا نہ کریگا	اللَّهُ اللہ	النَّبِيَّ نبی	وَالَّذِينَ آمَنُوا اور جو لوگ ایمان لائے	مَعَهُ اس کیساتھ	
نُورُهُمْ انکا نور	يَسْعَىٰ دوڑتا ہوگا	بَيْنَ أَيْدِيهِمْ انکے سامنے	وَبِأَيْمَانِهِمْ اور انکے داہنے	يَقُولُونَ وہ کہتے (دعا کرتے) ہونگے	رَبَّنَا اے ہمارے رب			
أَتْمِمْ لَنَا پورا کردے ہمارے لئے	نُورَنَا ہمارا نور	وَاغْفِرْ لَنَا اور ہماری مغفرت فرمادے	إِنَّكَ بیشک تو	عَلَىٰ پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيرٌ قدرت رکھنے والا		

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے ایمان والو! ابھی دنیا میں توبہ کا وقت ہے۔ بشریت سے جو گناہ سرزد ہو جائے اور جو غلطی نادانی سے کر بیٹھو تو اس سے توبہ کرلو۔ لیکن توبہ ہو "توبة النصوح" یعنی سچی توبہ۔ دل میں اپنی معصیت پر کامل ندامت ہو۔ آئندہ کے لئے اس کے ترک کا مصمم عزم ہو۔ پھر آگے ایسی سچی توبہ کے نتائج وثمرات بتلائے جاتے ہیں۔ پہلا نتیجہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ سچی توبہ کر لینے سے تمہارے گناہ مٹادے گا۔ توبہ سے گناہوں کا معاف ہو جانا یا ان کا مٹایا جانا قرآن و حدیث سے ثابت ہے مگر یہ سمجھ لیا جائے کہ توبہ سے حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے۔ مثلاً کسی کا مال ناحق دبا لیا یا چوری کرلی تو اس حالت میں توبہ کی تکمیل جب ہی ہوگی جب حق العباد بھی ادا کردے یعنی یا تو چرایا ہوا مال واپس کرے یا صاحب حق سے معاف کرائے اس ارشاد کے تحت یایھا الذین اٰمنو ا توبوآ الی اللہ توبہ نصوحا توبہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تو یہاں پہلا ثمرۃ توبۃ النصوح کا یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ دوسرا ثمرہ یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ اس روز ہوگا یعنی قیامت کے دن جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو اہل ایمان دین کی رو سے آپ کے ساتھ ہیں ان کو رسوا اور شرمندہ نہ کرے گا۔ اس میں ترغیب ہے کہ قیامت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے سوا منکرین ومکذبین سب رسوا و ذلیل ہوں گے اور ظلمت میں گھرے ہوں گے۔ روشنی اور نور

بس ایمان والوں کے پاس ہوگا جو ایمان۔توبہ اور عمل صالح کی روشنی ہوگی اور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف دوڑتی ہوئی چلے گی اور وہ ظلماتی راہ کو طے کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ میدان قیامت میں پل صراط سے پہلے ہوگا تو جب اہل ایمان پل صراط پر گذرنے سے پہلے دیکھیں گے کہ منافقوں کی روشنی چمک کر بجھ گئی تو دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ہماری روشنی آخر تک قائم رہے۔ بجھنے نہ پائے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔آپ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت اور توفیق نصیب فرمائیں۔اور توبہ کی طرف سے ہماری غفلت کو دور فرمائیں۔آمین۔

الغرض یہاں اہل ایمان کو مخاطب کر کے توبہ کا حکم اور ترغیب دی گئی۔اب اہل ایمان کے ذکر کے بعد کفار و منافقین کا ذکر فرمایا گیا اور ان کا انجام بد بتلایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی دائمی توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرمائیں اور اس توبہ کی برکت سے حق تعالیٰ ہمارے تمام صغیرہ کبیرہ۔ظاہر و باطن۔چھوٹے اور بڑے۔عمداً وسہواً تمام گناہوں کو معاف فرمادیں اور اپنے فضل سے قیامت میں ہماری مغفرت فرما کر جنت کی دائمی نعمتیں عطا فرمائیں۔

یااللہ قیامت وحشر کی ذلت ورسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھئے اور اپنی رحمت ومغفرت سے ہم سب کو نواز دیجئے۔

یااللہ آپ کا وعدہ ہے کہ جو اہل ایمان آپ کے نبی مکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونگے ان کو آپ میدان حشر میں رسوا نہ فرمائیں گے اور ان کو وہ نور عطا فرمائیں گے کہ وہ سلامتی کے ساتھ آپ کی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

یااللہ اس دنیا کی زندگی میں ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اتباع۔محبت اور عظمت نصیب فرما کہ میدان حشر میں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا نصیب ہو جائے اور ہم آپ کے مقام رضا یعنی جنت میں پہنچ جائیں۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ

اے نبیؐ کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے

الْمَصِيرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا

اللہ تعالیٰ کافروں کیلئے نوحؑ کی بی بی اور لوطؑ کی بی بی کا حال بیان فرماتا ہے، وہ دونوں ہمارے

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں سو ان عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے

وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ

اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے اور حکم ہو گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کیلئے فرعون کی بی بی

فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ

کا حال بیان کرتا ہے، جب کہ ان بی بی نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنایئے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل سے محفوظ رکھیے

وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١١﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے محفوظ رکھیے۔ اور عمرانؑ کی بیٹی مریمؑ کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا سو ہم نے ان کے چاک گریبان

فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ﴿١٢﴾

میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی	جَاهِدِ جہاد کیجئے	الْكُفَّارَ کافروں	وَالْمُنَافِقِينَ اور منافقوں	وَاغْلُظْ اور سختی کیجئے	عَلَيْهِمْ اُن پر	وَمَأْوَاهُمْ اور انکا ٹھکانا	
جَهَنَّمُ جہنم	وَبِئْسَ اور بری	الْمَصِيرُ جگہ	ضَرَبَ بیان کی	اللَّهُ اللہ	مَثَلًا مثال	لِلَّذِينَ كَفَرُوا کافروں کیلئے	امْرَأَتَ نُوحٍ نوح کی بیوی
وَامْرَأَتَ لُوطٍ اور لوط کی بیوی	كَانَتَا وہ دونوں تھیں	تَحْتَ نیچے گھروں میں	عَبْدَيْنِ دو بندے	مِنْ سے	عِبَادِنَا ہمارے بندے		
صَالِحَيْنِ دو صالح	فَخَانَتَاهُمَا سوانہوں نے ان دونوں کی خیانت کی	فَلَمْ يُغْنِيَا تو ان دونوں کے کام نہ آیا	عَنْهُمَا اُن کے	مِنَ اللَّهِ اللہ سے۔ آگے			
شَيْئًا کچھ	وَقِيلَ اور کہا گیا	ادْخُلَا النَّارَ تم دونوں داخل ہو جاؤ جہنم	مَعَ ساتھ	الدَّاخِلِينَ داخل ہونیوالے	وَضَرَبَ اور بیان کی	اللَّهُ اللہ	
مَثَلًا مثال	لِلَّذِينَ آمَنُوا مومنوں کیلئے	امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ فرعون کی بیوی	إِذْ جب	قَالَتْ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب		
ابْنِ لِي میرے لئے بنادے	عِنْدَكَ اپنے پاس	بَيْتًا ایک گھر	فِي الْجَنَّةِ جنت میں	وَنَجِّنِي اور مجھے بچالے	مِنْ سے	فِرْعَوْنَ فرعون	
وَعَمَلِهِ اور اسکا عمل اور	نَجِّنِي مجھے بچالے	مِنَ سے	الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ظالموں کی قوم	وَمَرْيَمَ اور مریم	ابْنَتَ عِمْرَانَ عمران کی بیٹی		
الَّتِي وہ جس نے	أَحْصَنَتْ حفاظت کی	فَرْجَهَا اپنی شرمگاہ	فَنَفَخْنَا سو ہم نے پھونکی	فِيهِ اس میں	مِنْ رُوحِنَا اپنی روح سے		
وَصَدَّقَتْ اور اس نے تصدیق کی	بِكَلِمَاتِ باتوں کی	رَبِّهَا اپنا رب	وَكُتُبِهِ اور اسکی کتابوں	وَكَانَتْ اور وہ تھی	مِنَ سے	الْقَانِتِينَ فرمانبرداری کرنیوالیاں	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ دنیا میں فساد مچانا چاہتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو کھلم کھلا کہتے ہیں کہ ہم اللہ و رسول کو نہیں مانتے۔ بس ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں۔ کوئی ہم سے باز پرس کرنے والا نہیں تو یہ لوگ امن و امان اور سلامتی اور راستی کے کھلے دشمن ہیں۔ یہ اگر سیدھی طرح نہ مانیں تو ان سے جنگ و جہاد کر کے ان کا قلع قمع کیا جائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو مسلمانوں میں ملے جلے ہیں لیکن دل سے وہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر کمر بستہ ہیں تو ایسے لوگ جن کی منافقت علانیہ ظاہر ہو جائے اور ان کا قصور قانوناً ثابت ہو جائے تو اس وقت ان کے ساتھ بھی سختی کی جائے اور ان کو سخت سزا دی جائے۔ دنیا میں تو یہ دونوں گروہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان سے جہاد کیا جائے اور ان پر سختی کی جائے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔

اب آگے کافروں کی عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا حال بیان فرماتے ہیں کہ کفر ایسی بری چیز ہے کہ انبیاء کی بیویوں کو بھی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے کیسے خاص اور نیک بندے اور اللہ کے پیغمبر تھے مگر دونوں کے گھر میں ان کی بیویاں بظاہر ان کے ساتھ تھیں لیکن دل سے کافروں کے شریک حال تھیں جن کا انجام یہ ہوا کہ عام دوزخیوں کے ساتھ اس دونوں بیبیوں کو بھی اللہ نے جہنم میں داخل کر دیا۔ پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی کام نہ آیا اور انہیں عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا۔ یہاں آیت میں ان دونوں عورتوں کا جرم یہ بتلایا گیا کہ باوجود پیغمبروں کی بیبیاں ہونے کے ان عورتوں نے ان دونوں صالح بندوں کا حق ضائع کیا۔ یعنی بوجہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کے نبی ہونے کے ان کا یہ بھی حق تھا کہ دین میں ان کی اطاعت کی جاتی۔ ان عورتوں نے دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی اور ان کا ساتھ نہ دیا۔

نوح علیہ السلام کی بیوی طوفان میں غرق ہوئی اور لوط علیہ السلام کی بیوی نافرمان قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ تو کافروں اور منافقوں کی عبرت کے لئے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا ذکر مثال کے طور پر فرمایا گیا۔ آگے ان کے مقابلہ میں اہل ایمان اور اہل اسلام کیلئے دو نیک عورتوں کی مثال بیان فرمائی جاتی ہے جو دنیاداروں کے پنجہ اور ظلم میں مبتلا تھیں مگر اپنی ایمانداری اور نیکی سے نہ ہٹیں۔ ان میں سے ایک تو حضرت آسیہ فرعون کی بیوی کا ذکر فرمایا جو پکی ایماندار اور ولیہ کاملہ تھیں جبکہ ان کا شوہر فرعون۔ خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا باغی تھا۔ لکھا ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھیں۔ جب کافروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کھلم کھلا مقابلہ ہوا تو فرعون کو اس بیوی پر غصہ آیا کہ اس نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی تھی۔ جب فرعون کو ان کے ایمان کا حال کھلا تو طرح طرح سے سخت اذیتیں دیتا تھا۔

حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل الایمان ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور حضرت مریم کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی ہزار ہار حمتیں ہوں ان کی پاک روح پر۔ مسلمانوں کی تسلی کے لئے دوسری مثال عمران کی بیٹی حضرت مریم علیہا السلام کی ذکر فرمائی کہ جو نہایت پاک دامن تھیں اور جنہوں نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا۔ قرآن کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں یہ شہادت اس وجہ سے دی کہ ملعون یہود ان پر معاذ اللہ معاذ اللہ زنا کی تہمت لگاتے تھے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی وجہ سے۔ اس لئے آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا راز ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ فرشتے کے ذریعے سے حضرت مریم علیہا السلام کے اندر ایک روح پھونک دی گئی جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ پھر حضرت مریم کی تعریف فرمائی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی جو ان کو ملائکہ کے ذریعہ سے پہنچے تصدیق کی اور اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں یعنی تورۃ وانجیل پر ایمان لائیں۔ یہ تو بیان تھا حضرت مریم کے عقائد کا اور اعمال کا یہ حال تھا کہ وہ پوری فرمانبردار تھیں اور کامل مردوں کی طرح بندگی اور طاعت پر ثابت قدم تھیں۔

ان آیات کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ ان چار عورتوں کی مثال میں بہت سے فوائد ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ اس میں تنبیہ ہے صلحا کے اہل کو کہ وہ بزرگان دین یا اولیا اللہ کی قرابت کے غرور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں ورنہ یہ قرابت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔

دوسرے یہ کہ دین پر اگر کوئی سختی سے قائم رہے اور اپنا دینی تعلق اللہ اور اس کے رسول سے مضبوطی سے قائم کر لے تو بد سے بد کی صحبت بھی ان کو مضرت نہیں پہنچاتی۔

تیسرے یہ کہ صلحا کا بدوں کو حتیٰ کہ اولاد۔ بیوی۔ خاندان۔ قبیلہ کو رشد وہدایت ان کے دلوں میں زبردستی ڈال دینا اور ان کے قلوب کو پلٹ دینا ممکن نہیں۔ نبی اور پیغمبر کا کام رشد وہدایت کا پیغام پہنچا دینا ہے نہ کہ زبردستی عائد کرنا۔

چوتھے یہ کہ ہر بلا ومصیبت سے نجات دنیوی واخروی کے لئے حق تعالیٰ کی طرف تضرع ورجوع کرنا سیرت صالحین میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمد للہ کہ اس درس پر سورہ تحریم کا بیان جو ۲۸ویں پارہ کی آخری سورۃ تھی ختم ہوا۔

سورۃ التحریم کے خواص

۱......اگر کوئی بیمار ہو تو سورۃ التحریم پڑھنے سے شفاء ہوگی۔

۲......اگر کسی کو بے خوابی کا مرض ہو تو وہ سورۃ التحریم پڑھے اس کی یہ تکلیف جاتی رہے گی۔

۳......اگر کوئی مقروض ہے تو وہ سورۃ التحریم پڑھے اس کا قرضہ اترنے کے راستے پیدا ہو جائیں گے۔ (الدر النظیم)

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کفار ومنافقین سے ہم کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کرنے کا عزم وجذبہ عطا فرمائیں۔ اور ہم کو دین پر سختی سے ہر حال میں قائم رہنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا اور اپنے رسول پاک کا وہ تعلق نصیب فرمائیں کہ جو بے دینی کے ماحول اور فضا میں ہم اپنے دین کو بچا سکیں اور ہدایت پر قائم رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں ہم کو اپنی طرف رجوع ہونے اور تضرع کرنے کی توفیق فرمائیں اور اپنی نصرت واعانت ہمارے شامل حال رکھیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

تَبٰرَكَ الَّذِىْ

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ (۱)

وہ (خدا) بڑا عالی شان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تَبٰرَكَ بڑی برکت والا	الَّذِيْ وہ جس	بِيَدِهِ اس کے ہاتھ میں	الْمُلْكُ بادشاہی	وَهُوَ اور وہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرُ قدرت رکھنے والا

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات باری تعالیٰ کے ذکر سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ سارے جہان کی بادشاہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ سارا زور اور قوت اسی کے قبضہ میں ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اسی نے تم کو زندگی بخشی ہے اور وہی تم کو موت دے گا اور اس مرنے اور جینے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ اس عارضی زندگی میں کون اچھے کام کرتا ہے اور کون برے کام۔ پھر بتایا گیا ہے کہ یقین کرو کہ سارے جہان میں حکم اللہ ہی کا چلتا ہے۔ ہر طرف اسی کی قدرت کا ظہور ہے۔ ساتوں آسمان اسی نے پیدا کئے جو ایک دوسرے کے اوپر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ان میں ہر بات ایک مضبوط نظام اور قاعدے کے موافق چل رہی ہے جس میں کوئی خلل یا خلا نہیں ہے۔ ہر چیز کو اس نے قاعدہ اور طریقہ سے بنایا ہے اور ہر چیز اپنی اپنی مناسب جگہ موجود ہے اور اپنا کام پورا کر رہی ہے۔ پھر بتایا گیا کہ جتنا اس کی مخلوقات کو غور سے دیکھو گے تمہاری حیرت بڑھتی جائے گی۔ دیکھتے دیکھتے تم تھک جاؤ گے لیکن اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ دیکھو تمہارے قریب کے آسمان میں ستارے روشن چراغوں کی طرح روشن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے جو اوپر چڑھ کر غیب کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ شیاطین انسانوں کو سوائے غلط اور گمراہی کی باتوں کے اور کچھ بھی نہیں بتاتے۔ اب جو لوگ ان کی پیروی کریں گے وہ ان ہی کے ساتھ آخرت میں جہنم رسید ہوں گے اور جب یہ منکرین گروہ در گروہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے تو جہنم کا جوش وخروش دیکھ کر ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ جہنم کے نگہبان فرشتے ان سے کہیں گے کہ کیا دنیا میں تمہیں اس آگ سے ڈرانے والے نہیں آئے تھے۔ اس کا جواب وہ نہایت حسرت وندامت سے دیں گے کہ ڈرانے والے آئے تو ضرور تھے مگر ہم ان کا کہنا خاطر میں نہ لائے۔ ان کو جھوٹا سمجھا۔ اگر ہم سمجھ سے کام لیتے اور رسولوں کی بات مان لیتے تو آج جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں نہ جھونکے جاتے۔ برخلاف ان کے اللہ سے ڈرنے والے بندے اس دن چین اور آرام سے ہوں گے اور ان کو بڑا اجر ملے گا کیونکہ وہ دنیا میں اپنے رب کو دیکھے بغیر اس پر ایمان لائے اور اس سے ڈرتے رہے۔ آگے انسان کو نصیحت کی گئی کہ ہر حال میں اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نہ ماننے والوں کو دنیا میں بڑی بڑی سزائیں دی ہیں۔ پھر تمام انسانوں کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ تم خود ہی سوچو کہ ایک شخص منہ اٹھائے ہوئے سیدھے راستہ پر چل رہا ہے اور دوسرا منہ اوندھائے گرتا پڑتا ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہے تو کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے اللہ کی اور اسکے رسول کی بات مانو۔ قیامت پر یقین کرو۔ وہ ضرور آئے گی۔ رہا اس کا وقت تو وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کب آئیگی۔ لیکن جب آ گئی تو پھر منکروں کی خیر نہیں۔ مارے ہول کے ان کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ آخر میں منکروں کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کی فکر چھوڑو اپنی فکر کرو کہ اللہ کے عذاب سے کیسے بچو گے۔ مسلمانوں کا تو والی وارث اللہ ہی ہے۔ وہی ان کے سارے کام بنائے گا۔ تم اپنی سوچو کہ تمہیں اسکے عذاب سے کون بچائے گا۔ یہ ہے خلاصہ مضامین اس پوری سورۃ کا جسکی تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ درسوں میں بیان ہونگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْ

جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔ جس نے

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ ھَلْ

سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو

تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ ﴿۴﴾

خلل نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخر کار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی۔

الَّذِیْ وہ جس	خَلَقَ پیدا کیا	الْمَوْتَ موت	وَ اور	الْحَیٰوۃَ زندگی	لِیَبْلُوَکُمْ تا کہ وہ آزمائے تمہیں	اَیُّکُمْ تم میں سے کون	اَحْسَنُ سب سے بہتر
عَمَلًا عمل میں	وَھُوَ اور وہ	الْعَزِیْزُ غالب	الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الَّذِیْ خَلَقَ جس نے بنائے	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان	طِبَاقًا تہہ در تہہ	
مَا تَرٰی تو نہ دیکھے گا	فِیْ میں	خَلْقِ بنانا (تخلیق)	الرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ)	مِنْ تَفٰوُتٍ کوئی فرق	فَارْجِعِ پھر لوٹا	الْبَصَرَ نگاہ	ھَلْ تَرٰی کیا تو دیکھتا ہے
مِنْ فُطُوْرٍ کوئی شگاف	ثُمَّ پھر	ارْجِعِ تو دوبارہ لوٹا	الْبَصَرَ نگاہ	کَرَّتَیْنِ دوبارہ	یَنْقَلِبْ وہ لوٹ آئیگی	اِلَیْکَ تیری طرف	
الْبَصَرُ نگاہ	خَاسِئًا خوار ہو کر	وَھُوَ اور وہ	حَسِیْرٌ تھکی ماندہ				

تفسیر وتشریح: آیت میں جو یہ دعویٰ فرمایا گیا تھا کہ ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر شے پر اسی کا تصرف کامل ہے اور ہر چیز پر وہ قدرت رکھتا ہے۔ تو اس دعوے کی صداقت اور ثبوت میں اب کچھ نشانیاں اور ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی قدرت اور صفات کاملہ کی کچھ نشانیاں تو خود انسانوں میں موجود ہیں۔ یعنی موت وحیات کی پیدائش۔ کچھ آسمانوں میں موجود ہیں۔ کچھ زمین میں موجود ہیں۔ کچھ زمین وآسمان کے درمیان میں موجود ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا قدرت والا ہے کہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا یعنی مرنے اور جینے کا سلسلہ اسی نے قائم کیا۔ ہم پہلے کچھ نہ تھے اسے موت ہی سمجھا جائے پھر پیدا کیا اور زندگی دی اس کے بعد پھر موت ہے اور پھر اس موت کے بعد آخرت کی زندگی ہے۔ تو یہاں پہلی نشانی قدرت الٰہی کی یہ بتلائی گئی کہ اسی نے موت وحیات کا سلسلہ قائم کیا۔ اب یہ موت وحیات کا سارا سلسلہ کس لئے قائم کیا گیا اس کی علت اور وجہ بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ موت وحیات کا سارا سلسلہ اس لئے ہے کہ اے انسانو تمہارے اعمال کی جانچ وامتحان ہو کہ کون اس عارضی زندگی میں برے کام کرتا ہے۔ کون اچھے کام کرتا ہے اور کون اچھے سے اچھے کام کرتا ہے اور کون اوامر ونواہی کا پابند ہو کر زندگی گذارنے والا ہے۔ تو تخلیق موت وحیات کی حکمت یہ فرمائی گئی کہ فرمانبردار اور نافرمان کا جدا جدا ظہور ہو جائے۔ تو اس دنیا کی پہلی زندگی میں یہ امتحان ہوا اور آخرت کی دوسری زندگی میں اس امتحان کا مکمل نتیجہ دکھلا دیا جائے گا۔ اب اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا اور موت نہ آتی تو آخرت سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوسری زندگی نہ ہوتی تو پہلی زندگی کے بھلے اور برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ اب چونکہ بندوں کے اعمال اس زندگی میں دو قسم کے ہیں۔ بد یا نیک۔ اور ان کے وقوع ہونے کے بعد اس قادر مطلق کی طرف سے دو ہی باتیں پیش آتی ہیں یا تو پوری سزا وجزا یا درگذر وبخشش اس لئے آگے فرما دیا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ یعنی وہ زبردست ہے۔ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے نیک کاموں کا بدلہ بھی دے سکتا ہے۔ برے کاموں کی سزا بھی دے سکتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور باوجود

عزیز یعنی زبردست غالب اور قادر ہونے کے وہ غفور بھی ہے یعنی معاف کرنے والا ۔ عیب ڈھانکنے والا اور درگذر کرنے والا بھی ہے۔ اگر بندے اس کی طرف رجوع کریں اور سچی توبہ کریں ۔ تو معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔ آگے آسمان کا استحکام بیان فرمایا جاتا ہے کہ اے دیکھنے والے تو اوپر نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ کہیں کوئی عیب ٹوٹ پھوٹ اونچ نیچ یا دراڑ وشگاف دکھائی دیتا ہے؟ قدرت کے نظام اور کاریگری میں کوئی کمی اور عیب نہیں پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ صاف ہموار متصل اور مربوط ہے اور باوجود اتنا طویل زمانہ گذر جانے کے آج تک کوئی فرق نہیں آیا اور ممکن ہے کہ ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے اس لئے اے مخاطب! کوشش کر بار بار دیکھ کہ کہیں کوئی رخنہ تو دکھائی نہیں دیتا؟ خوب غور وفکر اور نظر ثانی کر کہ قدرت کے نظام اور کاریگری میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں؟ یاد رکھ تیری نگاہ تھک جائے گی اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائے گی لیکن خدائی صنعت میں کوئی قصور اور عیب نہ نکال سکے گی۔

یہاں انسان کی آزمائش اور حسن عمل میں موت کا پہلے ذکر فرمایا گیا اور حیات کا بعد میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی آزمائش حسن عمل میں بہ نسبت حیات کے موت میں زیادہ ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جس انسان کو موت کی فکر ہوگی اور اپنی موت کا استحضار رکھے گا وہ اچھے اعمال کی پابندی زیادہ سے زیادہ کر سکے گا اور موت سے جتنی غفلت ہوگی اتنی ہی اصلاح عمل اور حسن عمل سے بےفکری ہوگی۔ اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ موت وعظ ونصیحت کے لئے کافی ہے یعنی موت انسان کو دنیا سے بیزار کرنے اور آخرت کی طرف رغبت وشوق دلانے کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی موت کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہاں لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا میں یہ بھی قابل غور ہے کہ انسان کی اس آزمائش میں جو اس کی موت وحیات سے وابستہ ہے حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کی مقدار کا زیادہ ہونا قابل توجہ نہیں بلکہ عمل کا اچھا صحیح اور مقبول ہونا معتبر ہے۔ اسی لئے قیامت میں انسان کے اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا جائے گا جس میں بعض ایک ہی عمل کا وزن ہزاروں اعمال سے بڑھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اخلاص نیت کے ساتھ اپنی محبت ورضا کے لئے ہم کو ہر نیک عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے وجود اسکی قدرت اور صفات کاملہ اور حکمت بالغہ کے ثبوت میں ان آیات میں دو دلیلیں پیش کی گئیں ایک تو موت و حیات کی پیدائش دوسرے آسمانوں کی تخلیق۔ آگے قدرت الٰہیہ کی ایک تیسری دلیل بیان فرمائی گئی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ نے ہم کو جو زندگی عطا فرمائی ہے اس کو اپنی مرضیات کے موافق گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جو اس زندگی کا مقصد ہے اس کو پورا کر کے اس جہان سے جانا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو اپنی زندگی میں اپنی موت کو یاد رکھنے کی توفیق نصیب ہو۔

یا اللہ اپنی شان غفاری کا معاملہ ہمارے ساتھ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فرمایئے۔ ہماری کوتاہیوں اور تقصیرات سے در گذر فرمایئے۔ اور ہمیں اپنی ہی طرف رجوع اور سچی توبہ اور ایمان واسلام کی موت نصیب فرمایئے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ

اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے اور ہم نے ان (شیاطین) کیلئے

عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶

دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے رب کا انکار کرتے ہیں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور وہ بُری جگہ ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا اور یقیناً ہم نے آراستہ کیا	السَّمَآءَ الدُّنْيَا آسمانِ دنیا	بِمَصَابِيْحَ چراغوں سے	وَجَعَلْنٰهَا اور ہم نے اسے بنایا	رُجُوْمًا مارنے کا آلہ
لِلشَّيٰطِيْنِ شیطانوں کیلئے	وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار کیا	لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابَ السَّعِيْرِ دہکتی آگ (جہنم) کا عذاب	وَلِلَّذِيْنَ اور ان لوگوں کیلئے
كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا	بِرَبِّهِمْ انکے رب کی طرف سے	عَذَابُ جَهَنَّمَ جہنم کا عذاب	وَبِئْسَ اور بُری	الْمَصِيْرُ لوٹنے کی جگہ

تفسیر وتشریح: اب ان آیات میں تیسری نشانی بیان فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ آسمان دنیا یعنی سب سے نچلا آسمان جو زمین سے بہ نسبت دوسرے آسمانوں کے قریب ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے۔ چنانچہ رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے کیسی رونق اور شاندار معلوم ہوتی ہے گویا یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔ تو ان بے شمار ستاروں کا آسمان پر مثل قندیلوں کے روشن ہونا یہ بھی ایک قوی دلیل آثار قدرت اور حکمت الٰہیہ کی ہے۔ اہل ہیئت یعنی ماہر فلکیات سائنس دانوں نے ثابت کیا ہے کہ آسمان کے تارے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو ایک جگہ قائم ہیں اور حرکت نہیں کرتے ان کو ثوابت کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو حرکت کرتے ہوئے گردش میں رہتے ہیں ان کو سیارات کہتے ہیں۔ اندھیری رات میں جب ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بے شمار چمکتے ہوئے ستارے اور سیارے نظر آتے ہیں اور ان میں سے کچھ چھوٹے نظر آتے ہیں کچھ بڑے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو ہم کو چھوٹے نظر آتے ہیں وہ درحقیقت چھوٹے ہی ہوں کیونکہ ان کی ظاہری چھوٹائی اور بڑائی کا دارومدار تو ان کے فاصلہ پر ہے۔ اور جن کا فاصلہ بہت ہی زیادہ ہے وہ ہمیں نظر بھی نہیں آتے تو جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ چھوٹے نظر آئیں گے گو وہ فی نفسہ اس کرہ زمین سے لاکھوں اور ہزاروں گنا بڑے ہیں ہمارا کرہ زمین سورج کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہے۔ ماہرین فلکیات و ہیئت کہتے ہیں کہ "اگر ہم یہ کہیں کہ ان کی تعداد اتنی ہے جتنے روئے زمین پر ریت کے ذرات یا دنیا بھر کے سمندروں میں پانی کے قطرات تو یہ مبالغہ نہ ہوگا"۔ قدیم ماہرین فلکیات و ہیئت میں سے تو بہت سے محققین نے تمام عمر کی کاوشوں کے بعد کھلے لفظوں میں یہ اقرار کیا ہی تھا کہ ان معاملات میں جو کچھ غور و تحقیق کی گئی اور لکھا گیا وہ سب تخمینی قیاس آرائی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور یہ میدان اتنا وسیع ہے کہ ہمارے قیاس اور وہم و گمان کی بھی رسائی اس کی انتہا تک نہیں ہو سکتی۔ تو یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت کے اثبات میں فرماتے ہیں کہ اس آسمانی دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں اور سیاروں سے بارونق بنا رکھا ہے۔ پھر ان ستاروں کا ایک فائدہ اور غرض آگے بیان فرمایا گیا کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے یعنی ان ستاروں میں سے آگ کے شعلہ ان شیاطین پر گرتے ہیں کہ جو آسمان میں ملائکہ کی باتیں چوری سے سننا چاہتے ہیں۔ اور غیب کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ان شیاطین کی دنیا میں ایک رسوائی اور عذاب یہ ہوا کہ جب یہ ملائکہ کی باتیں چوری چھپے آسمان میں سننا چاہتے ہیں تو آگ کے گولے اور مجسم شعلے ان ستاروں سے ٹوٹ کر ان شیاطین پر گرتے ہیں۔ یہ تو ہوا دنیا کا عذاب اور آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے اور جھلسانے والا عذاب یعنی نار جہنم تیار اور موجود

ہے۔اب چونکہ یہاں کلام میں شیاطین کے عذاب کا ذکر آ گیا تھا اس لئے اس سے متصل عام کافروں کے عذاب کا ذکر فرمایا جاتا ہے کیونکہ شیاطین بھی کافروں کے گروہ میں شامل ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ جو بھی دنیا میں اللہ کی توحید کا اقرار نہیں کرتے بلکہ اس کے انکار پر تلے ہوئے ہیں وہ سن رکھیں کہ ان کے لئے بھی وہی نار جہنم ہے اور ان کا ٹھکانا بھی وہی دوزخ ہے جو شیاطین کے لئے ہے اور وہ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔ کہ وہاں عذاب ہی عذاب ہے۔ چنانچہ آگ کی سوزش۔ زمہریر کی سردی۔ سانپ اور بچھوؤں کا کاٹنا۔ زنجیر اور طوقوں کا پہننا۔ زقوم اور زخموں کی پیپ کا کھانا اور کھولتا ہوا گرم پانی پینا وغیرہ وغیرہ جس کی قدرے تفصیل متعدد جگہ قرآن پاک میں بتلائی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) حق تعالیٰ اپنے کرم سے ہم سب کو عذاب جہنم سے محفوظ و مامون فرمائیں۔ آمین

اب جس جہنم میں یہ منکرین ڈالے جائیں گے آگے اس کی کچھ کیفیت بیان کی گئی ہے اور جہنم کے نگران اور محافظ فرشتوں سے ان کفار کی جو گفتگو ہوگی اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو کفر وشرک سے بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان پر استقامت نصیب فرمائیں۔ اور عذاب جہنم جو کفار کے لئے تیار کیا گیا ہے اس سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ یا اللہ! اپنی قدرت کاملہ کا ہم کو یقین کامل نصیب فرما کہ جس سے ہماری توحید درست ہو اور آپ کی ذات عالی سے قوی اور صحیح تعلق نصیب ہو۔ یا اللہ! اس نظام کائنات کا ذرہ ذرہ اور چپہ چپہ آپ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر شاہد ہے جس کی معرفت کی ہم کو وہ بصیرت عطا فرما کہ ہم آپ کے اطاعت گذار اور فرمانبردار بندے بنے رہیں اور آپ کی نافرمانی سے بچے رہیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

إِذَآ أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ﴿٧﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ أُلْقِيَ

جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آوازیں سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی۔ جیسے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائیگا

فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا

تو اسکے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانیوالا (پیغمبر) آیا تھا۔ سو ہم نے (اسکو) جھٹلا دیا

وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ

اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا۔ تم بڑی غلطی میں پڑے ہو۔ اور کہیں گے کہ ہم اگر سنتے

أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾

یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے۔ سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔

إِذَآ أُلْقُوا جب وہ ڈالے جائیں گے	فِيهَا اس میں	سَمِعُوا وہ سُنیں گے	لَهَا وہاں	شَهِيقًا چیخنا چلانا	وَهِيَ اور وہ	تَفُورُ جوش مار رہی ہوگی
تَكَادُ تَمَيَّزُ قریب ہے کہ پھٹ پڑے	مِنَ الْغَيْظِ غضب سے	كُلَّمَا جب بھی	أُلْقِيَ فِيهَا ڈالا جائیگا اس میں	فَوْجٌ کوئی گروہ		
سَأَلَهُمْ وہ ان سے پوچھیں گے	خَزَنَتُهَآ اسکے داروغہ	أَلَمْ يَأْتِكُمْ کیا نہیں آیا تمہارے پاس	نَذِيرٌ کوئی ڈرانے والا	قَالُوا وہ کہیں گے		
بَلَىٰ ہاں	قَدْ جَآءَنَا ضرور آیا ہمارے پاس	نَذِيرٌ ڈرانے والا	فَكَذَّبْنَا سو ہم نے جھٹلایا	وَقُلْنَا اور ہم نے کہا	مَا نَزَّلَ نہیں نازل کی	
اللَّهُ اللہ	مِن شَيْءٍ کچھ	إِنْ أَنتُمْ نہیں تم	إِلَّا مگر (صرف)	فِي ضَلَٰلٍ گمراہی میں	كَبِيرٍ بڑی	وَقَالُوا اور وہ کہیں گے	لَوْ اگر
كُنَّا نَسْمَعُ ہم سنتے	أَوْ نَعْقِلُ یا ہم سمجھتے	مَا كُنَّا ہم نہ ہوتے	فِيٓ میں	أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ دوزخیوں	فَاعْتَرَفُوا سو انہوں نے اعتراف کرلیا	
بِذَنۢبِهِمْ اپنے گناہوں کا	فَسُحْقًا تو دوری (لعنت)	لِّأَصْحَٰبِ السَّعِيرِ دوزخیوں کے لئے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں شیاطین کا ذکر آیا تھا کہ آخرت میں ان کے لئے عذاب جہنم تیار ہے اور انہی کے ساتھ وہ سب انسان بھی جو اللہ کی توحید سے انکار کریں گے وہ بھی جہنم میں داخل کئے جائیں گے ۔اب چونکہ جہنم کا ذکر آ گیا تھا اس لئے آگے کچھ اس کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ کفار گروہ در گروہ بنا کر جہنم میں داخل کرنے کے لئے اس کے سامنے لائے جائیں گے تو جہنم کے اندر سے نہایت سخت زوردار اور ڈراؤنی آوازیں نکلتی ہوئی سنیں گے اوراس قدر جوش وخروش میں جہنم ہوگی کہ گویا غیض وغضب میں آپے سے باہر ہوا چاہتی ہے کہ عنقریب پھٹ پڑے گی۔ العیاذ باللہ

میرے عزیز دوستو۔ اور بھائیو اللہ تعالےٰ کا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو دنیا میں اسلام وایمان سے نوازا اور کفر وشرک سے بچایا اور اس طرح اس خطاب فَسُحْقًا لِّأَصْحَٰبِ السَّعِيرِ کو قیامت میں سننے سے بچالیا۔ مگر اس موقع پر بخاری ومسلم کی ایک صحیح حدیث یاد آتی ہے کہ قیامت کے دن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو حوض کوثر سے سیراب کرنے کے لئے ابتدائی انتظامات میں مصروف اور اپنی امت کے لوگوں کی آمد کے منتظر ہوں گے تو اس وقت کچھ لوگوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا اور حوض کوثر کی سیرابی سے محروم کرکے

جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! یہ لوگ تو میرے امتی ہیں۔ اور مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب ملے گا کہ ہیں تو بے شک یہ آپ کے امتی ہی۔ لیکن آپ کو ان کے کرتوتوں کی خبر نہیں۔ یہ لوگ دین میں طرح طرح کی بدعات نکالتے رہے ہیں۔ دین میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ اس لئے حوض کوثر سے ان کو پانی نہیں ملے گا۔

اور بھی متعدد احادیث ایسی ہی بخاری شریف اور مسلم شریف میں دوسرے راویوں سے منقول ہیں۔ تو آج کی آیات کے سلسلہ میں اس حدیث شریف کو سنانے سے مقصود یہ ہے کہ کفار کو تو قیامت میں حق تعالیٰ کی طرف سے فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ سننا پڑے گا یعنی اہل جہنم دفع ہو جائیں! ان پر لعنت ہو! ان کو اللہ تعالیٰ سے دوری ہو!! لیکن اسلام کا کلمہ پڑھ لینے کے بعد اگر ہم حوض کوثر پر شافع محشر نبی الرحمۃ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں۔ اور آپ کی نظر عنایت وکرم کے محتاج ہیں اور میدان حشر میں آفتاب کی گرمی سے پیاس کی شدت بجھانے کے لئے آب کوثر سے سیراب ہونا چاہتے ہیں تو سچائی سے اور مضبوطی سے ہم کو اس دین پر قائم رہنا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے لائے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور ردوبدل کرنے اور بدعات سے دین کو ملوث کرنے کی ہرگز جرأت نہ کرنی چاہیے اور اگر ایسی حرکات ہو چکی ہیں تو اس سے تائب ہو جانا چاہیے۔ ورنہ آج جو دین میں نئی نئی باتیں اور طرح طرح کی بدعات نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اور بتلائے ہوئے دین میں پیوندکاری اور کاٹ چھانٹ کر رہے ہیں اور حقیقی اسلام کو ماڈرن اسلام میں تبدیل کرنے کے درپے اور کوشاں ہیں ان کو اس حدیث شریف میں **سحقا سحقا لمن غير بعدی** کے الفاظ ہوش کے کانوں سے سن لینا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ یعنی ''دوری ہو دوری ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا'' اور دین میں نئی نئی باتیں نکالیں۔ الامان والحفیظ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کی سچی محبت، عظمت، اطاعت اور خدمت نصیب فرمائیں۔ اور چھوٹی بڑی بدعت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الغرض یہاں ان آیات میں تو انجام بیان ہوا اس شقی گروہ کا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر والحاد کا برتاؤ رکھے گا۔ آگے ان کے مقابلہ میں ان اہل سعادت کو بشارت اور خوش خبری دی گئی ہے جو دنیا میں بغیر دیکھے ہوئے اپنے رب پر ایمان لائے اور اس سے ڈرتے رہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دین کی حقیقی سمجھ عطا فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں ہم کو اپنا تابعدار بندہ بنا کر اور اسلام کا وفادار رکھ کر زندہ رکھیں۔

یا اللہ آپ اپنے کرم ورحم سے ہم کو عذاب جہنم سے دور رکھئے اور آخرت کی ندامت وشرمندگی سے بچا لیجئے۔

یا اللہ! اس دنیا میں ہم کو دین وآخرت کا فکر اور اس کی سوچ وسمجھ عطا فرما اور آخرت میں ہمارا حشر ونشر اپنے اطاعت گذار بندوں میں فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا

بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو

بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِيْ

وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین پُورا باخبر ہے وہ ایسا ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿١٥﴾ ءَاَمِنْتُمْ

تمہارے لئے زمین کو مسخر کردیا سو تم اس کے راستوں میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ (پیئو) اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہوکر جانا ہے۔ کیا تم لوگ

مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ

اِس سے بےخوف ہوگئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے۔ پھر وہ زمین تھرتھرا (کر الٹ پلٹ ہو) نے لگے۔ یا تم لوگ اس سے بےخوف ہوگئے ہو جو آسمان میں (بھی اپنا حکم وتصرف رکھتا) ہے

يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہ وہ تم پر ایک ہوائے تند بھیج دے سو عنقریب (مرتے ہی) تم کو معلوم ہوجاوے گا کہ میرا ڈرانا (عذاب سے) کیسا (صحیح) تھا۔ اور ان سے پہلے جو لوگ ہوگزرے ہیں

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿١٨﴾

اُنہوں نے (دینِ حق کو) جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو اُن پر) میرا عذاب کیسا (واقع) ہوا

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ جو لوگ ڈرتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنا رب	بِالْغَيْبِ بن دیکھے	لَهُمْ ان کیلئے	مَغْفِرَةٌ بخشش	وَاَجْرٌ اور اجر	كَبِيْرٌ بڑا	
وَاَسِرُّوْا اور تم چھپاؤ	قَوْلَكُمْ اپنی بات	اَوِ اجْهَرُوْا یا بلند آواز سے کہو	بِهٖ اس کو	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سینوں (دلوں) کے بھید		
اَلَا يَعْلَمُ کیا وہ نہیں جانتا	مَنْ خَلَقَ جس نے پیدا کیا	وَهُوَ اور وہ	اللَّطِيْفُ باریک بین	الْخَبِيْرُ بڑا باخبر	هُوَ وہی	الَّذِيْ جَعَلَ وہ جس نے کیا		
لَكُمْ تمہارے لئے	الْاَرْضَ زمین	ذَلُوْلًا مسخر	فَامْشُوْا تاکہ تم چلو	فِيْ مَنَاكِبِهَا اسکے راستوں میں	وَكُلُوْا سو تم کھاؤ	مِنْ رِّزْقِهٖ اس کے رزق سے		
وَاِلَيْهِ اور اسی کی طرف	النُّشُوْرُ جی اُٹھ کر جانا	ءَاَمِنْتُمْ کیا تم بےخوف ہو	مَنْ جو	فِي السَّمَآءِ آسمان میں	اَنْ يَّخْسِفَ کہ وہ دھنسا دے			
بِكُمُ تمہیں	الْاَرْضَ زمین	فَاِذَا تو ناگہاں	هِيَ تَمُوْرُ وہ جنبش کرے	اَمْ اَمِنْتُمْ کیا تم بےخوف ہو	مَنْ جو	فِي السَّمَآءِ آسمان میں		
اَنْ کہ	يُّرْسِلَ وہ بھیجے	عَلَيْكُمْ تم پر	حَاصِبًا پتھروں کی بارش	فَسَتَعْلَمُوْنَ سو تم جلد جان لوگے	كَيْفَ کیسا	نَذِيْرِ میرا ڈرانا		
وَلَقَدْ كَذَّبَ اور بالتحقیق جھٹلایا	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	مِنْ سے	قَبْلِهِمْ ان سے قبل	فَكَيْفَ تو کیسا	كَانَ ہوا	نَكِيْرِ میرا عذاب		

تفسیر وتشریح: اب اہل جہنم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری سنا رہے ہیں کہ جو دنیا میں اپنے پروردگار سے بغیر اسے دیکھے ہوئے ڈرتے ہیں اور خوف خدا سے اس کی نافرمانی کے کام نہیں کرتے اور اگر از روئے بشریت کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو عذاب الٰہی سے ڈر کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلیتے ہیں۔ تو ایسے مومنین کو بشارت دی گئی کہ آخرت میں ان کو مغفرت اور بہترین اجر وثواب عنایت فرمایا جائے گا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا

جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر اس کی ذات پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے کانپتے ہیں اور لرزاں وترساں رہتے ہیں تو ایسے مؤمنین کے لئے آخرت میں دو چیزوں کا وعدہ فرمایا جاتا ہے۔ ایک مغفرت یعنی دنیا میں ان سے جو کوتاہیاں اور تقصیرات سرزد ہوئی ہوں گی ان کو آخرت میں معاف کر دیا جائے گا اور ان کے گناہوں کی مغفرت فرما دی جائے گی۔ اور دوسرے اَجْرٌ كَبِيْرٌ یعنی ان کو اللہ سے ڈرنے اور اعمال صالحہ بجا لانے پر زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمایا جائے گا یعنی جنت کے باغات میں ہمیشہ کے لئے داخل کر دیا جائے گا جہاں ہر طرح کے انعامات ان پر دائما اور ابداً ہوتے رہیں گے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ گو تم اللہ کی ذات عالی کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات۔ خلوت میں ہو یا جلوت میں تنہائی میں ہو یا مجمع میں سب کو جانتا ہے بلکہ تمہارے دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گذرتے ہیں ان تک کی بھی وہ خبر رکھتا ہے۔ غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں وہ تمہارے دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ اور کیوں نہ واقف ہو بھلا جس نے تم کو پیدا کیا اور جو تمہارا خالق و مختار ہے تو یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے تم کو بنایا اور پیدا کیا وہی تمہارے اندرونی اور بیرونی حال سے واقف نہ ہو۔ وہ تو لطیف اور خبیر ہے یعنی بہت باریک بین ہے اور بڑا خبردار ہے۔ اس لئے کوئی چیز اور کوئی بات اور کوئی حال اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا اس لئے علی الاعلان تو درکنار تم کوئی بات چھپا کر بھی اس کے خلاف نہ کہو اور کہنا تو درکنار اس کو اپنے دل میں بھی نہ رکھو۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ہی ایسا منعم حقیقی ہے کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ جو چاہے اس میں تصرفات کرو۔ تمہارے لئے زمین کو ایسا بنا دیا کہ تم آسانی کے ساتھ اس میں چل پھر سکتے ہو۔ پھر قسم قسم کے فائدے اس میں تمہارے لئے رکھ دیئے ہیں۔ پھل پھلار۔ غلہ۔ میوہ۔ اناج سب اسی زمین سے نکل رہا ہے۔ طرح طرح کے تمہارے روزی کے سامان اسی زمین سے پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ نعمتیں تم کو دیں تا کہ تم ان نعمتوں کو کھاؤ پیو مگر اتنا یاد رکھو کہ دنیا میں چلنا، پھرنا، کھانا پینا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ چند روزہ منزل ہے پہنچنا اور جمع ہونا سب کو اسی کے پاس ہے۔ تو دنیا اور اس کی نعمتوں پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہئے کہ منزل مقصود ہی کو بھول جاؤ اور کفر وشرک بدکاری اور نفس وشہوت پرستی میں پڑ جاؤ۔ اس کے بعد دنیا اور اس کے لذائذ کے متوالوں اور خدا کی زمین پر رہ کر اس سے بغاوت کرنے والوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اے بے خبر! زمین بے شک تمہارے لئے مسخر کر دی گئی مگر یاد رہے کہ اس پر حکومت اسی آسمان والے کی ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے اور زمین زلزلہ سے لرزنے لگے اور پھٹ جائے اور تم اس کے اندر اترتے چلے جاؤ لہٰذا آدمی کو یہ نہ چاہئے کہ اس مالک مختار سے نڈر ہو کر شرارتیں کرنے لگے اور اس کے ڈھیل دینے پر مغرور ہو جائے۔ پھر وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیج دے یا پتھروں کا مینہ برسا دے۔ پھر تم کیا کرو گے۔ ساری دوڑ دھوپ رکھی رہ جائے گی۔ الغرض اگر اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو گیا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔ تم پر دنیا ہی میں عذاب آ سکتا ہے ورنہ آخرت میں تو سزا مل کر ہی رہے گی اور ان باتوں کا یقین کرو ورنہ وہ وقت قریب ہے جب یہ باتیں جن سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے تمہارے سامنے آ جائیں گی اور پھر تم کچھ نہ کر سکو گے۔ اس کے بعد گذشتہ واقعات سے عبرت دلائی جاتی ہے کہ ان کفار مکہ سے پہلے بھی لوگ اللہ کے رسولوں کو جھوٹا کہہ چکے ہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ وہ انکار وتکذیب کر کے تباہ ہو گئے تو ان کفار مکہ کو ان گذشتہ لوگوں کے حال سے سبق لینا چاہئے کہ انہوں نے دین حق کو جھٹلایا تھا سو ان پر کیسا عذاب ہوا۔

اللہ تعالیٰ اپنا وہ خوف وخشیت جو وہ اپنے مقبولین اور خاص بندوں کو عطا فرمایا کرتے ہیں ہم کو بھی وہ عطا فرمائیں کہ جو ہماری سعادت اور نیک بختی اور خوش انجامی کا سبب بن جائے۔ آمین۔

ابھی آگے مزید قدرت الٰہیہ کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جو ایک طرح توحید کے بھی دلائل ہیں۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؔ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی۔ کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور (کبھی اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں۔ بجز (خدائے) رحمٰن انکو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔ بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

ہاں رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر تمہاری حفاظت کرسکے۔ کافر تو نرے دھوکے میں ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا

ہاں (یہ بھی بتلاؤ کہ) وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچادے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کرلے بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت (عن الحق) پر جم رہے ہیں۔ سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو

عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو۔

اَوَلَمْ یَرَوْا کیا نہیں دیکھا انہوں نے	اِلَی الطَّیْرِ پرندوں کو	فَوْقَهُمْ اپنے اوپر	صٰٓفّٰتٍ پر پھیلائے	وَیَقْبِضْنَ اور سکوڑتے	مَا یُمْسِكُهُنَّ نہیں تھام سکتا انہیں			
اِلَّا سوا	الرَّحْمٰنُ رحمٰن (اللہ)	اِنَّهٗ بیشک وہ	بِكُلِّ شَیْءٍ ہر شے کو	بَصِیْرٌ دیکھنے والا	اَمَّنْ هٰذَا بھلا کون ہے وہ	الَّذِیْ جو	هُوَ وہ	جُنْدٌ لشکر
لَّكُمْ تمہارا	یَنْصُرُكُمْ وہ مدد کرے تمہاری	مِّنْ سے	دُوْنِ الرَّحْمٰنِ رحمٰن (اللہ) کے سوا	اِنِ نہیں	الْكٰفِرُوْنَ کافر (جمع)	اِلَّا مگر	فِیْ غُرُوْرٍ دھوکے میں	
اَمَّنْ هٰذَا بھلا کون ہے	الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ وہ جو رزق دے تمہیں	اِنْ اگر	اَمْسَكَ وہ روک لے	رِزْقَهٗ اپنا رزق	بَلْ لَّجُّوْا بلکہ جمے (ڈھیٹ بنے) ہوئے			
فِیْ عُتُوٍّ سرکشی	وَّنُفُوْرٍ اور بھاگنے میں	اَفَمَنْ پس کیا جو	یَّمْشِیْ وہ چلتا ہے	مُكِبًّا گرتا ہوا	عَلٰی وَجْهِهٖ اپنے منہ کے بل	اَهْدٰی زیادہ ہدایت یافتہ		
اَمَّنْ یا وہ جو	یَّمْشِیْ چلتا ہے	سَوِیًّا برابر (سیدھا)	عَلٰی پر	صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ سیدھا راستہ				

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کی ابتداء توحید کے مضمون سے فرمائی گئی تھی اور اب آگے زمین وآسمان کے درمیان فضا میں قدرت خداوندی کی نشانی کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ہستی۔ اس کی قدرت اور صفات کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ گذشتہ آیات میں منکرین کو پہلے تو اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات یاد دلائے گئے تھے کہ کس طرح اللہ نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کردیا اور طرح طرح کے روزی کے سامان اس زمین سے پیدا فرمائے۔ پھر اپنی شان قہر اور انتقام کو یاد دلا کر ڈرایا گیا تھا کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی سخت ہوا کا طوفان بھیج دے یا اوپر سے پتھروں کا مینہ برسا دے پھر عبرت کے لئے گذشتہ منکرین کے ساتھ جو معاملہ ہو چکا ہے وہ جتلایا گیا تھا۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ زمین وآسمان میں تو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا تصرف چلتا ہی ہے۔ ان کی درمیانی فضا میں بھی وہی حکمران ہے اور اپنی قدرت کاملہ کا تصرف زمین وآسمان کے درمیان فضا میں اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ خدا کی قدرت یہاں بھی دیکھو کہ پرندے زمین وآسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اڑتے رہتے ہیں۔ اور باوجود جسم ثقیل کے اور زمین کی کشش کے نیچے نہیں گرتے۔ تو وہ کس کی قدرت ہے اور کس کا ہاتھ ہے کہ جس نے ان پرندوں کو فضا میں تھام رکھا ہے؟ یہ اس رحمٰن ہی کی ذات ہے کہ اس نے اپنی رحمت و حکمت سے ان پرندوں کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی

جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھیر سکیں اور اڑتے رہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پرندوں کی مثال بیان کرنے میں شاید اس طرف بھی اشارہ ہو کہ جیسا اوپر بیان ہوا اللہ تعالے آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور منکرین ومکذبین اپنے کفروشرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے۔ عذاب بھی اسی کی رحمت سے رکا ہوا ہے تو پرندوں کی قوت پرواز۔ ان کا ہوائی موجوں کو چیرتے ہوئے اڑنا اور اتنی بلندیوں پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا۔ یہ حیرت انگیز مشاہدات ہیں جن سے ہر انسان حق تعالیٰ کی قدرت وصنائی کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ تو پھر وہ خدا کو کیوں نہیں مانتا؟ کیوں اس کی قدرت کا منکر ہوتا ہے؟ کیوں اس کی اطاعت اور فرما نبرداری اختیار کرنے میں عار کرتا ہے؟ کیوں اس کے رسول کا منکر ہوتا ہے؟ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ منکر سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب۔ اس کی گرفت اور آنے والی آفت سے بچالے گی تو خوب سن لو اور سمجھ لو کہ خدائے رحمٰن سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچے گا۔ دفع مضرت پر بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں اور اسی طرح نفع پہنچانے پر بھی بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں۔ مثلاً بتلایا جاتا ہے کہ اللہ اگر رزق و روزی کے سامان بند کردے تو کس کی طاقت ہے کہ جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے۔ اسباب رزق مثلاً بارش کا برسنا' ہوا چلنا۔ سورج کی گرمی' چاند کی سہانی ٹھنڈک۔ اگر ایک بھی سبب ان اسباب میں سے بند ہو جائے تو ان منکروں کے بت اور معبودان کی فریادرسی نہیں کر سکتے اور ان کی مصیبت میں کام نہیں آسکتے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دل میں یہ منکرین بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے مگر محض شرارت اور سر کشی ہے کہ توحید واسلام کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں۔ آخر میں ایک موحد اور ایک مشرک کے فرق کو ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ منزل مقصود تک ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی پہنچ سکتا ہے کہ جو سیدھے راستہ پر سیدھا منہ اٹھائے ہوئے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا ہو اور جو اوندھے منہ کے بل ناہموار اور ٹیڑھے راستہ پر چلے وہ کیسے کامیابی کا منہ دیکھے گا اور اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور دونوں کو برابر کوئی نہیں کہے گا۔ تو اس مثال سے یہ سمجھایا گیا کہ جو کوئی آسمانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر سیدھا اور صاف چلا جاتا ہے وہ مومن ہے اور ضرور منزل مقصود کو پہنچے گا اور یہ کافر سرکش اسلام سے نفرت کرنے والا نفس وشہوت اور جہالت اور رسم آبائی کے راستہ پر چلتا ہے جو بڑا خاردار اور خطرناک راستہ ہے جس میں بڑے بڑے گہرے گڑھے اور غار ہیں اور یہ ٹھوکر کھا کر کسی گڑھے یا غار میں گر کر ہلاک ہوگا اور منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا۔

سبحان اللہ! منکرین کے لئے یہاں تک کیسے واضح دلائل حق تعالیٰ کے وجود اور توحید اور بے نظیر علم وقدرت کے بیان فرمائے گئے اور کیسے پر حکمت طریقہ سے ان کو راہ حق سمجھائی گئی لیکن اگر وہ اس پر بھی راہ پر نہ آئیں اور اپنی کج فہمی سے اصل مطلب کو نہ سمجھیں تو آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ آپ دوسری طرح دوسرے دلائل سے ان کو سمجھائیں۔ اور پھر سورت کے خاتمہ پر کفار و فجار' منکرین اور بدعمل لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾

آپ (اُن سے) کہئے کہ وہی (ایسا قادر ومنعم) ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے۔ (مگر) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو

قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

(آپ) کہیئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا اور تم اُسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

اگر تم سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب اس (عذاب موعود) کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے

سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

تو کافروں کے منہ بگڑ جاویں گے اور (اُن سے) کہا جاوے گا یہی ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے۔ آپ کہئے کہ تم یہ بتلاؤ

اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾

کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحمت فرماوے تو کافروں کو عذاب دردناک سے کون بچا لے گا۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٩﴾

آپ (اُن سے یہ بھی) کہیئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں۔ سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ ﴿٣٠﴾ ع

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (جو کنوؤں میں ہے) نیچے کو اُتر کر غائب ہو جائے۔ سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے

قُلْ هُوَ فرمادیں	اَلَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وہ جس نے پیدا کیا تمہیں	وَجَعَلَ اور اس نے بنائے	لَكُمُ تمہارے لئے	السَّمْعَ کان	وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں			
وَالْاَفْـِٕدَةَ اور دل (جمع)	قَلِيْلًا بہت کم	مَّا تَشْكُرُوْنَ جو تم شکر کرتے ہو	قُلْ فرمادیں	هُوَ وہی	الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ وہ جس نے پھیلایا تمہیں			
فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَاِلَيْهِ اور اسی کی طرف	تُحْشَرُوْنَ تم اٹھائے جاؤ گے	وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں	مَتٰى کب	هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ	اِنْ اگر		
كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلْ فرمادیں	اِنَّمَا اسکے سوانہیں	الْعِلْمُ علم	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	وَاِنَّمَا اور اسکے سوانہیں	اَنَا میں	نَذِيْرٌ ڈرانیوالا
مُّبِيْنٌ صاف صاف	فَلَمَّا پھر جب	رَاَوْهُ وہ اُسے دیکھیں گے	زُلْفَةً نزدیک آتا	سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ بُرے (سیاہ) ہو جائیں گے چہرے				
الَّذِيْنَ ان لوگوں کے جو	كَفَرُوْا انہوں نے کفر کیا	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	هٰذَا یہ	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ تم تھے	بِهٖ اس کو	تَدَّعُوْنَ تم مانگتے	
قُلْ آپ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا (بھلا دیکھو)	اِنْ اگر	اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ مجھے ہلاک کردے اللہ	وَمَنْ اور جو	مَّعِيَ میرے ساتھ			
اَوْ رَحِمَنَا یا وہ رحم فرمائے ہم پر	فَمَنْ تو کون	يُّجِيْرُ پناہ دے گا	الْكٰفِرِيْنَ کافروں	مِنْ سے	عَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب	قُلْ فرمادیں		
هُوَ الرَّحْمٰنُ وہی رحمٰن	اٰمَنَّا ہم ایمان لائے	بِهٖ اس پر	وَعَلَيْهِ اور اسی پر	تَوَكَّلْنَا ہم نے بھروسہ کیا	فَسَتَعْلَمُوْنَ سو تم جلد جان لوگے			

مَنْ هُوَ کون وہ؟	فِيْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کھلی گمراہی	قُلْ فرمادیں	اَرَءَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا (بھلا دیکھو)	اِنْ اَصْبَحَ اگر ہو جائے		
مَآؤُكُمْ تمہارا پانی	غَوْرًا نیچے اترا ہوا	فَمَنْ تو کون؟	يَّاْتِيْكُمْ لے آئیگا تمہارے پاس	بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ رواں پانی			

تفسیر وتشریح: یہ اس سورت کی آخری آیات ہیں۔ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ مزید ان کے آگے دلائل پیش کریں اور ان سے کہیں کہ نادانو وہ خدا جس کی توحید ماننے۔ جس کی اطاعت اور جس کا دین حق قبول کرنے کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وہ وہی خدا ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ نیست سے ہست میں لایا۔ پھر تمہیں سننے کے لئے کان۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل یعنی عقل' ہوش وحواس تم کو دیئے تا کہ تم اللہ کو پہچان کر اس کا حق مانتے اور اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گزار اور احسان ماننے والے بندے بہت ہی کم ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے کہئے کہ وہ خدا جس پر ایمان لانے کے لئے تمہیں کہا جاتا ہے وہ وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین پر پھیلا دیا۔ کوئی ملک اور چپہ ایسا نہیں کہ جہاں اولاد آدم نہ ہو۔ پھر تمہاری زبانیں جدا گانہ۔ تمہارے رنگ روپ جدا گانہ۔ تمہاری شکلوں' صورتوں میں اختلاف پھر اس پراگندگی اور پھیلا دینے کے بعد ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ تم سب کو جس نے پھیلایا ہے وہی سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرلے گا تا کہ ہر کوئی اپنے اپنے کئے کے عوض پائے تو گویا ابتداء بھی اسی سے ہوئی اور انتہا بھی اسی پر ہوگی جہاں سے آئے تھے وہیں سب کو جانا ہے تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس ذات پاک سے ایک دم بھر غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اس کی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر یہ کفار و منکرین تو مرکر دوبارہ زندہ ہونے کے قائل ہی نہیں۔ وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اور اعتراضاً کہتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دیتے ہو؟ ہم کب اکٹھا کئے جائیں گے اور قیامت کب آئے گی؟ اگر تم سچے ہو تو اس دن کا تعین کرو۔ اس پر حق تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں اس کا جواب دے دیجئے اور کہئے کہ میں قیامت کا تعین بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف علام الغیوب جانتا ہے۔ ہاں مجھے اتنا کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور اور جو چیز یقیناً آنے والی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ڈرا دینا یہ میرا فرض تھا جسے میں ادا کر چکا۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اس وقت تو یہ کفار منکرین قیامت قائم ہونے کی جلدی مچارہے ہیں' لیکن جس وقت وہ وعدہ قریب آئے گا اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور معلوم کرلیں گے کہ اب قیامت آگئی تو بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی اور قیامت کی ہولناکیاں انہیں بدحواس کئے ہوئے ہوں گی اسوقت اس سے بطور زجر وتوبیخ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ وقت جس کی تم جلدی کررہے تھے اور جس کے جلدی لانے کا دنیا میں تقاضا کرتے تھے۔ آگے پھر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار و منکرین جو خدا تعالیٰ کی توحید کا انکار کررہے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ یہ توحید کے داعی مسلمان کہیں جلد مرمرا کر ان کا قصہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ)۔ اہل باطل ہمیشہ اہل حق کے لئے یہی منتظر رہتے ہیں اور پھر سوچتے ہیں کہ یہ مریں تو قصہ ختم ہو۔ کفار مکہ بھی یہی تمنا کرتے تھے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مرمرا کر ختم ہوں تو قصہ پاک ہو۔ حق تعالیٰ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیئے جائیں یا ہمارے عقیدہ کے موافق مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامراد کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورۃ بھی ہو مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو بہرحال آخرت میں بہتری ہے کہ ہم دین حق' ایمان اور

اسلام کے داعی ہیں اور کوشاں ہیں لیکن اے منکرین تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے تم کو اس سے کون بچائے گا۔ ہماری موت اور ہمارا نقصان چاہنے سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت تو یہ نہیں؟ تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش اور نجات کی صورت تلاش کرو اور اپنی فکر کرو کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔ پھر آگے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے کہہ دیجئے کہ ہم رب العالمین۔ رحمٰن و رحیم پر ایمان لا چکے اور اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی ذات پاک پر ہے۔ اور جب ہمارا ایمان اس پر ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور جب ہم صحیح معنوں میں اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو مقاصد میں کامیابی یقینی ہے لیکن تم میں تو دونوں چیزیں نہیں۔ نہ ایمان۔ نہ توکل۔ پھر تم عذاب الٰہی سے کیسے بے فکر ہو؟ تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور خدا کا غضب کس پر ہے؟ ہدایت پر کون ہے؟ اور گمراہی پر کون ہے؟ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منکرین سے کہہ دیجئے کہ زندگی اور ہلاکت کے اسباب سب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو جس سے انسانوں کی زندگی قائم ہے۔ اگر فرض کرو کہ چشموں، کنوؤں، دریاؤں وغیرہ کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آجاتا ہے تو کس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر تعداد میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقا کے لئے کافی ہو۔

گویا اس سورت کے خاتمہ کی آیت میں تمام انسانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم جو کنواں کھود کر پینے کا پانی اور کھیتی وغیرہ سینچنے کے لئے پانی وافر مقدار میں حاصل کرتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ یہ بھی حق تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے اور غور کرو کہ چند فٹ یا چند گز زمین کھود کر باآسانی پانی کس طرح مل جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش نازل فرماتے ہیں اور مینہ برستا ہے پھر روئے زمین کے بعض حصوں پر یعنی بلند اور اونچے پہاڑوں پر وہ پانی برف کی شکل میں جما کر اسطرح اسٹور کر دیا جاتا ہے کہ نہ وہ سڑے نہ گلے اور نہ خراب و گندہ ہو سکے۔ پھر اس برف کو آہستہ آہستہ پگھلا کر پہاڑوں کی رگوں میں سے گزار کر زمین کے اندر پہنچا دیا اور بغیر کسی پائپ لائن کے پوری زمین میں اس کا ایسا جال پھیلا دیا کہ جہاں چاہو زمین کھود کر صاف شفاف پانی نکال لو۔ تو یہاں جتلایا یہ گیا کہ اے انسانو! تم جو پانی باآسانی کنوؤں سے نکال کر پی رہے ہو اگر وہ پانی زمین کی گہرائی میں اتر جائے اور زمین کی اتنی نیچی سطح پر چلا جائے کہ جہاں تک انسان کی رسائی ممکن نہ ہو تو وہ کون سی طاقت ہے کہ پھر اس جاری پانی کو حاصل کر سکے۔

اس آخری آیت قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۞ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے ہی غائب ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے گا۔ اس آیت سے متعلق بعض تفاسیر میں یہ حکایت منقول ہے کہ کسی متکبر نے یہ آیت سن کر کہا کہ اگر ایسا اتفاق ہووے تو ہم پھاوڑے اور کدال کے زور پانی زمین سے کھود کر نکال لاویں گے۔ یہ بات اس کے منہ سے نکلتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کا پانی خشک کر دیا اور اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں اور روشنی جاتی رہی اور غیب سے ایک آواز آئی کہ پہلے یہ پانی اپنی آنکھ میں تو لے آ پھر زمین سے کنواں یا چشمہ کھود کر پانی نکالنا۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی سے ڈرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس اخیر کی آیت کو پڑھے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد یہ کلمہ کہے۔

اَللّٰهُ يَاْتِيْنَا بِهٖ وَهُوَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

یعنی اللہ تعالیٰ پانی لاوے گا اور وہ رب العالمین ہے

سورۃ الملک کے خواص

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

کہ قرآن کریم میں تیس آیات کی ایک سورۃ ہے جو آدمی کی شفاعت کرتی رہے گی۔ حتیٰ کہ اس کی بخشش ہو جائے گی اور وہ سورۃ تبارک الذی (سورۃ الملک) ہے۔

۲۔ جس کی آنکھوں میں آشوب ہو اس پر تین دن مسلسل اس سورۃ کو پڑھا جائے تو اسے صحت ہو جائے گی۔

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝

ن ۔ قسم ہے قلم کی اور ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کہ کاتب اعمال ہیں) کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔

نٓ وَالْقَلَمِ ن قسم ہے قلم کی	وَمَا اور جو	يَسْطُرُوْنَ وہ لکھتے ہیں	مَآ اَنْتَ نہیں آپ	بِنِعْمَةِ نعمت (فضل) سے	رَبِّكَ اپنا رب	بِمَجْنُوْنٍ مجنون

تفسیر و تشریح: سورت کی ابتداء حرف ن سے فرمائی گئی جو حروف مقطعات میں سے ہے۔ حروف مقطعات کے متعلق پہلے تشریح ہو چکی ہے کہ ان کے حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ ان پر اسی طرح اعتقاد رکھنا چاہئے۔ امت کو ان کی تحقیق میں پڑنے سے روک دیا گیا ہے۔ اس کے بعد قسمیہ کلام سے ابتدا فرمائی گئی کہ قسم ہے قلم کی جس سے لوح محفوظ کی تحریر لکھی گئی ہے اور قسم ہے ان فرشتوں کے لکھنے کی جو کہ کاتب اعمال ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں اس کے متعلق پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے متعدد جگہ قسمیں کھائی ہیں جس میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اور صرف سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے تو حق تعالیٰ نے یہ قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار کیا جا سکے۔ یہاں دو قسمیں کھائی گئیں ایک تو قلم کی۔ اس قلم سے مراد مفسرین نے وہ نور کا قلم لیا ہے جس سے تمام خلق کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ لکھ قلم نے عرض کیا کہ کیا لکھوں۔ ارشاد فرمایا تقدیر کو لکھ چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی جو گزر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔ باقی نور محمدی کا اول الخلق ہونا بھی اپنی جگہ درست اور صحیح ہے اور جس کے متعلق حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی مشہور روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا اے جابر۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم اور نہ بہشت تھی نہ دوزخ اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا نہ انسان تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے۔ اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش آگے طویل حدیث ہے (فی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ) اس حدیث کو نقل کر کے حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آسمان اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں تو یہاں پہلی قسم قلم کی کھائی گئی جس سے تمام خلق کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔

دوسری قسم فرمائی گئی وَمَا يَسْطُرُوْنَ یعنی اس چیز کی قسم جس کو

وہ لکھتے ہیں۔اکثر مفسرین نے یہاں اعمال نامے لکھنے والے فرشتے مراد لئے ہیں۔تو یہاں دو قسمیں کھا کر فرمایا گیا۔ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں جیسا کہ آپ کی قوم کے جاہل منکرین کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت سے پہلے آپ کی دانائی، عقلمندی فراست، دیانت اور امانت کے نہ صرف قریش بلکہ اطراف و جوانب کے لوگ بھی قائل تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ فرمایا اور مکہ کے لوگوں سے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ بت جنہیں تم پوجتے ہو یہ پتھر کی بے جان مورتیاں ہیں۔ یہ سب اور ان کے پجاری جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ کفار مکہ جو اپنی پرانی رسموں پر جمے ہوئے تھے ان کے خلاف یہ نئی باتیں سن کر کوئی کہتا کہ بیٹھے بٹھائے قوم کی مخالفت مول لی۔اور ایسی حالت میں کہ نہ آپ مالدار ہیں نہ مالدار ساتھی ہیں سب لوگوں کی مخالفت مول لے کر ایسا دعویٰ کرنا یہ دیوانہ ہی کا کام ہے۔کوئی کہتا معاذ اللہ آپ پر شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا۔حق تعالیٰ نے ان منکرین کے خیال باطل کی تردید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی کہ جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل و انعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت اور دانائی کی باتیں۔ اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق و اطوار۔ انہیں دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل ہے یہاں پہلی آیت میں قلم اور فرشتوں کے لکھنے کی جو قسم کھا کر یہ فرمایا کہ آپ مجنون نہیں ہیں تو علماء نے لکھا ہے کہ اس قسم میں اور جواب قسم میں مناسبت یہ ہے کہ قلم کے ذریعہ سے تحریر لکھی جاتی ہے تو آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کو تحریریں ہمیشہ کے لئے روشن رکھیں گی اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا اور ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت اور دانائی کی معترف ہوگی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کے عقیدے کو تسلیم کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت اور برتری کو ازل میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا کس کی طاقت ہے کہ اس کے ایک شوشے کو مٹا سکے آپ کو مجنون کہنے والا خود پرلے درجے کا مجنون یا جاہل ہے۔

آپ کی رسالت کی صداقت و عظمت کا بیان ابھی اگلی آیات میں جاری ہے۔جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا یہ بے انتہا فضل و احسان ہے کہ جس نے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کا پکا امتی ہونے کے حق کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کی سچی محبت و عظمت ہم کو نصیب فرمائیں اور محبت و عظمت کے ساتھ آپ کا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔ظاہراً و باطناً۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾

اور بے شک آپ کیلئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے

بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾

کہ تم میں کس کو جنون تھا۔ آپ کا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور وہ راہ (راست) پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

وَاِنَّ لَكَ اور بیشک آپ کیلئے	لَاَجْرًا البتہ اجر	غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ختم نہ ہونے والا	وَاِنَّكَ اور بیشک آپ	لَعَلٰى یقیناً۔ پر	خُلُقٍ خُلق	عَظِيْمٍ عظیم
فَسَتُبْصِرُ پس آپ جلد دیکھ لیں گے	وَيُبْصِرُوْنَ اور وہ بھی دیکھ لیں گے	بِاَيِّكُمُ تم میں سے کون؟	الْمَفْتُوْنُ دیوانہ	اِنَّ رَبَّكَ بیشک آپ کا رب		
هُوَ اَعْلَمُ وہ خوب جانتا ہے	بِمَنْ اس کو جو	ضَلَّ وہ گمراہوا	عَنْ سَبِيْلِهٖ اس کی راہ سے	وَهُوَ اَعْلَمُ اور وہ خوب جانتا ہے	بِالْمُهْتَدِيْنَ ہدایت یافتہ لوگوں کو	

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیت میں فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فضل سے آپ دیوانہ یا مجنون نہیں ہیں جیسا کہ یہ کفار مکہ کہتے ہیں بلکہ آپ نبی برحق ہیں۔ اسی سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور آپ کی رسالت کی صداقت وعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے اور کفار مکہ کی اس تہمت جنون کی مکمل اور پرزور تردید کے لئے ان آیات میں فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے جاہلانہ قول سے غمگین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے۔ ان کی باتیں برداشت کرنے اور احکام رسالت پہنچانے کا آپ کے لئے بڑا اجر۔ اور ثواب بے پایاں ہے۔ پھر جو فیض بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہا اجر و ثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے۔ پھر جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہئے۔ پھر اس ارشاد سے اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ کہ آپ کے لئے بے انتہا اجر ہے کفار کے آپ پر دیوانہ ہونے کی تہمت کی بھی مزید تردید اس طرح ہوگئی کہ دیوانہ کی کوئی بات قابل مدح اور سبب اجر نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کوئی کام عقل و ہوش سے نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے آپ کو اجر ہے ان تمام مساعیٔ جمیلہ کا اور اجر بھی کیسا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ یعنی بے انتہا جو کبھی منقطع نہ ہو۔ اس لئے کہ دنیا میں توحید، خدا پرستی اور مکارم اخلاق قریب قریب مٹ چکے تھے۔ ان کے مٹ جانے کے بعد آپ ہی ان کے مروج ومعلم ہیں تو جب تک دنیا میں یہ باتیں جاری رہیں گی آپ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ ہر نبی کو اس کی امت کے ایمان والوں کے نیک عملوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس واسطے کہ امتی جو نیک کام بھی کرتا ہے وہ اس نبی کی دلالت اور ارشاد سے کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الدال علی الخیر کفاعلہ یعنی نیک بات بتلانے والے کا ثواب مثل اس کے کرنے والے کے ہوتا ہے۔

یہاں موقع کی مناسبت سے چند روایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں:-

۱۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور اس تمام عرصہ میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہ کیا اور یہ کام کیوں کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو کوئی چیز نہیں ماری۔ نہ کسی خادم کو مارا نہ عورت کو۔ اور نہ کسی حق تلفی کرنے والے سے انتقام لیتے تھے۔ ہاں اگر کوئی حدود اللہ اور ضوابط الٰہیہ کی خلاف ورزی کرتا تھا تو اس کو اللہ کے واسطے حضور سزا دیتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

2

احادیث اور سیرۃ کی کتابیں تو آپ کے اخلاق حمیدہ سے پر ہیں۔

الغرض خداوند قدوس نے آپ کی سرشت اور جبلت ہی میں پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھی وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور اتنا بلند ہو جو عقل کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اس کی طرف دیوانگی کی نسبت کرنا سراسر حماقت اور جہل نہیں تو اور کیا ہے۔

کفار کے اس طعن اور تہمت کا جواب دے کر آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان کی بکواس کا غم نہ کیجئے۔ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ دونوں میں سے کون ہوشیار اور عقل والا تھا اور کس کی عقل ماری گئی تھی اور چونکہ آپ کے پروردگار کو پورا علم ہے اور وہ بخوبی واقف ہے کہ کون اس کے راستہ سے بہکا ہوا ہے یعنی حقیقت میں کافر ہی دیوانے ہیں جو راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور راہ حق سے بھٹک جانا دیوانگی کی نشانی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے بھی خوب واقف ہے جو کمال عقل کی وجہ سے کامیاب ہیں۔ اور ہدایت کے راستہ پر ہونے کی وجہ سے اللہ تک پہنچے ہوئے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ابھی آگے کفار کی مذمت کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا کوئی عکس اور ذرہ ہم کو بھی حق تعالےٰ نصیب فرمائیں۔ اور آپ کی ظاہراً و باطناً اتباع کا جذبہ اور شوق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! اپنی ہدایت کے راستہ پر ہم کو قائم رکھئے اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمایئے۔

یا اللہ! کفار و مشرکین ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں اور اب بھی دشمن بنے ہوئے ہیں۔

یا اللہ! ان دشمنان دین کو آپ ہی سمجھ لیں۔ اپنی شان قہاری سے ان کی قوتوں کو پاش پاش فرما دیں۔

یا اللہ! ان ظالم و دشمنان دین نے اہل اسلام کو جو اذیت اور جان و مال کی تکالیف پہنچائی ہیں یا پہنچا رہے ہیں اس کا انتقام آپ لے لیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿١٠﴾

تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانیئے یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے ہوجائیں تو یہ لوگ بھی ڈھیلے ہوجائیں۔ اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾ اَنْ كَانَ

بے وقعت ہو طعنے دینے والا ہو۔ چغلیاں لگاتا پھرتا ہو نیک کام سے روکنے والا ہو حدِ (اعتدال) سے گذرنے والا ہو گناہوں کا کرنیوالا ہو اور سخت مزاج ہو ان (سب) کے علاوہ ولد الزنا (بھی) ہو

ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾

اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو۔ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگادیں گے۔

فَلَا تُطِعِ پس آپ کہا نہ مانیں	الْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں	وَدُّوْا وہ چاہتے ہیں	لَوْ تُدْهِنُ کاش آپ نرمی کریں	فَيُدْهِنُوْنَ تو وہ نرمی کریں
وَلَا تُطِعْ اور آپ کہا نہ مانیں	كُلَّ حَلَّافٍ ہر بڑی قسمیں کھانے والا	مَّهِيْنٍ بے وقعت	هَمَّازٍ عیب نکالنے والا	مَّشَّآءٍ پھرنے والا / بِنَمِيْمٍ چغلی لئے
مَّنَّاعٍ روکنے (بخل کرنیوالا)	لِّلْخَيْرِ مال میں	مُعْتَدٍ حد سے بڑھنے والا	اَثِيْمٍ گنہگار	عُتُلٍّ سخت خو / بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد / زَنِيْمٍ بد اصل
اَنْ اس لئے کہ	كَانَ وہ ہے	ذَا مَالٍ مال والا	وَبَنِيْنَ اور اولاد	اِذَا جب / تُتْلٰى عَلَيْهِ پڑھ کر سناتی ہیں اسے / اٰيٰتُنَا ہماری آیتیں
قَالَ وہ کہتا ہے	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ اگلے لوگ	سَنَسِمُهٗ ہم جلد داغ دیں گے اس کو	عَلَى الْخُرْطُوْمِ سونڈ (ناک) پر

تفسیر وتشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ راہ پر آنے والے یا نہ آنے والے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں لہٰذا دعوت حق وتبلیغ دین کے معاملہ میں آپ کو کسی رو رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو راہ پر آنا ہوگا وہ آ جائے گا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی نرمی۔ مروت اور پاس ولحاظ سے بھی ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی برائی اور تردید نہ کریں تو ہم بھی آپ کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں گے اور آپ کے مسلک اور مشرب سے معترض نہ ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل وغیرہ مکے کے چند سردار ورئیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر اس پند ونصیحت سے آپ کی یہ غرض ہے کہ دنیا کی عیش وعشرت میسر آئے تو فرمائیے۔ اگر عورتوں سے رغبت ہے تو اچھی سے اچھی کنواری لڑکیاں آپ کے لئے حاضر کریں اور آپ جس سے کہیں نکاح کرا دیں۔ اگر دولت مقصود ہو تو ہم مال و دولت جمع کر دیں۔ اگر سرداری مقصود ہے تو ہم آپ کو سردار بنا لیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان باتوں میں سے کوئی بات مطلوب نہیں مجھے تو صرف تمہاری بھلائی مقصود ہے کہ تم ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس پر ان کفار سرداروں نے کہا کہ اچھا آپ اپنی عبادت کیا کریں مگر ہمارے بتوں کی مذمت اور ان کی پرستش سے منع نہ کریں تو ہم بھی آپ پر طعن وتشنیع نہ کریں گے۔ تو ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو خلق عظیم پر پیدا کیا گیا ہو نیک نیتی سے یہ خیال آ جائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چند نرم روش اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرما دیا کہ آپ ان مکذبین کا کہنا نہ مانئے۔ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کرنا ہے اور آپ کے بعثت کی اصل غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ ہر طرف سے قطع نظر کر کے اپنا فرض پورا کرتے رہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان

آیات سے معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں ایسی نرمی کہ جس سے مداہنت ہو ممنوع ہے۔ اس لئے کفار و فجار سے یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم ہمیں کچھ نہ کہو یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے یعنی بلا کسی اضطرار اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔ تو پہلے ان کفار روسائے مکہ کی بات سننے اور ماننے سے عمومی مخالفت فرمائی گئی۔ مگر ان سب کفار سرداروں میں ولید بن مغیرہ بڑا بد ذات تھا اور اس کی بد ذاتی یہ تھی کہ بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانے والا تھا۔ طعنہ دینے والا تھا اور چغلخوری کرتا تھا۔ نیک کاموں سے روکنے والا بد مزاج سرکش ولد الزنا یعنی حرام زادہ بھی تھا۔ مال اور اولاد کا اس کو بڑا گھمنڈ تھا اور اپنی امارت اور ریاست کے نشہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں۔ اس لئے بالخصوص اس کا کہنا ماننے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت فرمائی گئی۔ اور فرمایا گیا کہ ایک شخص اگر دنیا میں مال و دولت اور اولاد کی کثرت رکھتا ہے اور بظاہر بڑا خوش قسمت معلوم ہوتا ہے تو محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے جبکہ اس کی یہ عادت ہو کہ جب اللہ کی آیتیں اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہوں تو بجائے اپنے اخلاق درست کرنے اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کے وہ منکر کہتا ہے کہ یہ سب بے سند باتیں ہیں جو اگلے لوگوں سے منقول چلی آتی ہیں تو ایسے ناشکرے منکر کے لئے دنیا ہی میں ایسی سزا دی جائے گی کہ جو اس کے کبر و غرور کو مٹا دے اور وہ سزا فرمائی گئی سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ یعنی ہم عنقریب اس کی ناک پر جو بڑی اور بے ڈول ہونے کے سبب ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے داغ اور نشان لگا دیں گے۔ یہ ناک پر داغ لگانے کی تشریح مفسرین نے دو طرح کی ہے ایک تو یہ کہ قیامت میں اس کے چہرہ اور ناک پر اس کے کفر کی وجہ سے کوئی علامت ذلت اور پہچان کی لگا دی جائے گی جس سے وہ خوب رسوا ہو۔ دوسری تشریح ناک پر داغ لگانے کی یہ کی ہے کہ دنیا میں ایسا ہی ہوا۔ بدر کی لڑائی میں کسی انصاری کی تلوار سے اس کی ناک پر زخم لگا۔ مکہ میں بھاگ کر آیا اور بہت کچھ اس زخم کی دوا کی مگر وہ اچھا نہ ہوا اور اس مرض میں سخت تکلیف اٹھا کر واصل بہ جہنم ہوا۔

یہاں ان آیات میں اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کہ ایسے منکرین و مکذبین کا کہنا نہ مانا جائے لیکن حکم عام ہے کہ ایسے لوگوں کی بات نہ مانی جائے۔ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تالیف ''زاد السعید'' میں لکھا ہے کہ جس طرح حدیث شریف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع میں ایک گستاخی کرنے سے (نعوذ باللہ منہا) اس شخص پر منجانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں' جیسا کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بسزائے استہزاء یہ دس کلمات ارشاد فرمائے:۔ **حلاف . مھین . ھماز . مشآء . بنمیم . مناع للخیر . معتد . اثیم . عتل . زنیم.**

آگے ان کفار کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے اور خدا کی ایک نعمت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ناشکری کر رہے تھے ان کی عبرت کے لئے ایک قصہ باغ والوں کا اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو جو نعمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی عطا فرمائی ہے تو اس نعمت عظمیٰ کی قدردانی اور شکرگذاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور ہم کو اپنے رسول پاک کی سچی محبت و عظمت کے ساتھ آپ کا اتباع کامل بھی نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا

ہم نے اُن کی آزمائش کر رکھی ہے جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لینگے۔اور انہوں نے

يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾

ان شاء اللہ بھی نہیں کہا۔سواس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا۔اور وہ سو رہے تھے۔پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ

سو صبح کے وقت ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے

يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے۔اور اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْآ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

پھر جب اس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم بیشک راستہ بھول گئے بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ان میں جو کسی قدر اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا

لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

اب تسبیح کیوں نہیں کرتے۔سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔بیشک ہم قصور وار ہیں پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم

يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى

الزام دینے لگے۔کہنے لگے بیشک ہم حد سے گذرنے والے تھے۔شاید ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ اس کے بدلہ میں دے دے ہم اپنے رب کی

رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

طرف رجوع ہوتے ہیں۔اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے۔اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جان لیتے

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ بیشک ہم نے آزمایا انہیں	كَمَا جیسے	بَلَوْنَا ہم نے آزمایا	اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ باغ والوں کو	اِذْ اَقْسَمُوْا جب انہوں نے قسم کھائی	
لَيَصْرِمُنَّهَا ہم ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل	مُصْبِحِيْنَ صبح ہوتے	وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ اور انہوں نے استثناء نہ کہا (ان شاء اللہ نہ کہا)	فَطَافَ پس پھر گیا		
عَلَيْهَا ان پر	طَآئِفٌ ایک پھرنے والا عذاب	مِّنْ رَّبِّكَ تیرے رب سے	وَهُمْ اور وہ	نَآئِمُوْنَ سوئے ہوئے تھے	فَاَصْبَحَتْ تو وہ صبح کو رہ گیا
كَالصَّرِيْمِ جیسے کٹا ہوا کھیت	فَتَنَادَوْا تو وہ ایکدوسرے کو پکارنے لگے	مُصْبِحِيْنَ صبح ہوتے	اَنِ اغْدُوْا کہ صبح سویرے چلو	عَلٰى پر	
حَرْثِكُمْ اپنے کھیت	اِنْ كُنْتُمْ اگر تم ہو	صَارِمِيْنَ کاٹنے والے	فَانْطَلَقُوْا پھر وہ چلے	وَهُمْ اور وہ	يَتَخَافَتُوْنَ آپس میں چپکے چپکے کہتے تھے
اَنْ کہ	لَا يَدْخُلَنَّهَا وہاں داخل نہ ہونے پائے	الْيَوْمَ آج	عَلَيْكُمْ تم پر	مِّسْكِيْنٌ کوئی مسکین	وَّغَدَوْا اور وہ صبح سویرے چلے
عَلٰى حَرْدٍ بخیلی پر	قٰدِرِيْنَ وہ قادر ہیں	فَلَمَّا پھر جب	رَاَوْهَا انہوں نے اسے دیکھا	قَالُوْا وہ بولے	اِنَّا لَضَآلُّوْنَ بیشک ہم راہ بھول گئے ہیں

بَلْ نَحْنُ بلکہ ہم	مَحْرُوْمُوْنَ محروم ہوگئے ہیں	قَالَ کہا	اَوْسَطُهُمْ انکے بہترین۔اوسط	اَلَمْ اَقُلْ کیا میں نے نہیں کہا تھا	لَّكُمْ تم سے	
لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے	قَالُوْا وہ بولے	سُبْحٰنَ پاک ہے	رَبِّنَا ہمارا رب	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	ظٰلِمِيْنَ ظالم (جمع)	
فَاَقْبَلَ پس متوجہ ہوا	بَعْضُهُمْ ان کا بعض ایک	عَلٰى بَعْضٍ بعض (دوسرے) پر	يَّتَلَاوَمُوْنَ ایکدوسرے کوملامت کرتے ہوئے	قَالُوْا وہ بولے		
يٰوَيْلَنَا ہائے ہماری خرابی	اِنَّا كُنَّا بیشک ہم تھے	طٰغِيْنَ سرکش (جمع)	عَسٰى امید ہے	رَبُّنَا ہمارارب	اَنْ کہ	يُّبْدِلَنَا ہمیں بدلے میں دے
خَيْرًا بہتر	مِّنْهَا اس سے	اِنَّا بیشک ہم	اِلٰى رَبِّنَا اپنے رب کی طرف	رٰغِبُوْنَ راغب (رجوع کرنیوالے) ہیں	كَذٰلِكَ یوں ہوتا ہے	
الْعَذَابُ عذاب	وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اور البتہ آخرت کا عذاب	اَكْبَرُ سب سے بڑا	لَوْ کاش	كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہوتے		

تفسیر وتشریح: مکہ کے روساء اور سرداروں کا اور ان میں خصوصاً ولید بن مغیرہ کا ذکر مذمت کے ساتھ فرمایا گیا تھا کہ جو اپنی دولت وثروت اور سامان عیش پر مغرور اور نازاں تھے اور اپنی سرداری اور دولت پر گھمنڈ کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرکشی کرتے تھے اور فقرائے اسلام سے بے رحمی برتتے تھے اور اسلام وایمان کی ناشکری اور بے قدری کر کے کفر وانکار کرتے تھے تو ان مغرور اور سرکش اہل مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ یہ مال ودولت کی کثرت نازاں ومغرور ہونے اور اس پر اترانے کی چیز نہیں بلکہ یہ تو دنیا میں انسان کی آزمائش اور امتحان کا ایک ذریعہ ہے کہ کون ان کی وجہ سے غفلت اور گمراہی اور سرکشی میں مبتلا ہوتا ہے اور کون ان نعمتوں کی صحیح قدردانی اور سچی شکر گذاری بجالا کر ایمان پر قائم رہتا ہے تو اہل مکہ کو متنبہ فرمایا جاتا ہے کہ وہ اپنی اس سرداری اور مال و دولت پر مغرور نہ ہوں یہ تو اللہ کی طرف سے ان کی ایک جانچ ہے جیسے پہلے لوگوں کی بھی ایسی جانچ وآزمائش ہو چکی ہے۔ اسی سلسلہ میں عبرت ونصیحت کے لئے اصحاب الجنتہ یعنی باغ والوں کا ایک قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔ اہل مکہ اس قصہ کو بخوبی جانتے تھے اس لئے کہ یہ باغ کا قصہ جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔ ملک یمن میں واقع ہوا تھا اور اہل مکہ تجارت کے سلسلہ میں یمن آتے جاتے رہتے تھے۔ کفار مکہ گو مشرک تھے مگر دہریئے نہ تھے۔ خدا کی ذات کو اور اس کی قدرت اور اس کے خالق ورازق ہونے کو مانتے تھے مگر اپنے خیال فاسد میں شرک میں گرفتار تھے اور خدائی امور میں اپنے دیوی دیوتاؤں کو شریک سمجھتے تھے۔ اور وہ اس کو تسلیم بھی کرتے تھے کہ مال و دولت کو نیک کاموں میں خرچ کرنا اچھا پھل لاتا ہے اور بخل وکنجوسی برے نتائج دکھاتا ہے۔ عرب میں حاتم طائی جو ایام جاہلیت کے زمانہ میں تھا اس کی سخاوت آج تک مشہور اور ضرب المثل ہے۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان روسائے مکہ کو جو مال ودولت یا سامان عیش دے رکھا ہے اور جس پر یہ مغرور ہو کر کفر وشرک پر جمے ہوئے ہیں تو اس مال ودولت سے اللہ تعالیٰ کو ان کی آزمائش منظور ہے کہ دیکھیں یہ نعمتوں کے شکر میں ایمان لاتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرتے ہیں یا ناشکری اور بے قدری کر کے کفر وانکار کرتے ہیں۔ اور یہ آزمائش ایسی ہی ہے۔ جیسا کہ ان کفار مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ اب یہ باغ والے کون تھے؟ کس زمانہ میں تھے؟ اور ان کی کیا آزمائش تھی؟ اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے اور ملک یمن میں شہر صنعا کے قریب یہ باغ واقع تھا جس کا مالک ایک بڑا باخدا شخص تھا۔ باغ کی آمدنی میں سے فقرا اور مساکین کے حصے مقرر کر رکھے تھے اور باغ کی پیداوار اور پھل اور میووں میں بھی حصے مقرر تھے اور باغ کے اندر جو کھیتی ہوتی تھی اس میں سے بھی فقراء ومساکین کے خیرات کے لئے حصے تھے۔ جب اس مرد خدا کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے اس باغ کے وارث ہوئے اور ان کی نیت میں فرق آ گیا اور کہنے لگے کہ ہم عیالدار ہیں اگر باپ کی طرح فقراء اور مساکین پر لٹائیں گے تو ہمارا کیسے پورا پڑے گا۔ جس قدر باپ خیر خیرات کر دیتا تھا اگر یہ سب گھر میں آوے تو کس قدر فراغت ہو۔ الغرض یہ سب شیطانی وساوس ان کے دلوں میں گھس آئے اور تجویز یہ قرار پائی کہ صبح سویرے ہی تڑکے میں اٹھ کر باغ چلو اور ساری پیداوار اور پھل توڑ کر گھر میں لے آو۔ فقیر مسکین جائیں گے تو وہاں کچھ نہ پائیں گے اور اپنی اس تدبیر پر ایسا یقین چھایا کہ لفظ انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ مگر ان بھائیوں میں ایک بھائی خدا ترس بھی تھا اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ فقرا ومساکین کو للہ دینے سے خیر وبرکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے۔ اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو اپنی تدابیر پر ناز نہ کرو۔ وہی تدابیر کو درست کر دیتا ہے اور وہی بگاڑ دیتا ہے مگر بقول آج کل کے عقلمندوں اور ترقی یافتوں کے اس ملانے کی بات نہ سنی اور بڑے صبح سویرے اٹھ کر چلے۔ ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر آفت آ گئی

۔رات کو بگولا اٹھا آگ لگی جس نے سب کھیت اور باغ کو جلا کر برباد کر دیا۔ جب یہ صبح سویرے باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا اور جلا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہے ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس برباد باغ پر آنکلے ہیں۔ ہمارا باغ تو سرسبز وشاداب اور پھلوں سے بھرپور تیار تھا۔ یعنی اس کی حیثیت ایسی بگڑ گئی تھی کہ یکا یک پہچان بھی نہ سکے مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے اس پر آسمانی مصیبت آپڑی اور ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔ اب لگے باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے کہ تو نے یہ صلاح دی تھی۔ دوسرا کہنے لگا کہ تو نے ہی تو کہا تھا۔ اس پر اس خداترس بھائی نے انہیں متنبہ کیا کہ کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو مت بھولو۔ یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور فقرا محتاجوں کی خدمت سے دریغ مت کرو۔ جب اس بھائی نے انہیں پہلی کہی ہوئی باتیں یاد دلائیں تو اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے سب مل کر کہنے لگے کہ واقعی ہماری سب کی زیادتی تھی کہ جو ہم نے فقیروں اور محتاجوں کا حق مارنا چاہا اور حرص اور طمع میں آکر اصل بھی کھو بیٹھے۔ یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں۔ مگر خیر ہم اب بھی اپنے رب سے ناامید نہیں کیا عجب ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بہتر باغ ہم کو عطا کر دے۔ یہ قصہ بیان فرما کر آگے اس قصہ کی غرض کو اہل مکہ کے لئے ظاہر کیا گیا کہ یہ تو دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کوئی ٹال نہ سکا بھلا آخرت کی اس بڑی آفت کو کون ٹال سکتا ہے۔ کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے اور ایمان لے آتے۔

ان آیات کریمہ سے اور اس قصہ سے کئی باتیں بطور نصیحت معلوم ہوئیں:۔

ایک یہ کہ جو اہل غفلت اپنی تدبیروں پر نازاں ہیں اور اہل حقوق کی حق تلفی میں لگے رہتے ہیں وہ آخر خود ہی خسارہ اور نقصان میں پڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو گناہوں سے بچو۔ گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بسبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے محروم ہو گئے۔

دوسرے یہ کہ ناگہانی زمینی یا آسمانی آفت باغوں۔ کھیتوں اور فصلوں پر جو برابر آتی رہتی ہیں مثلاً کبھی گرم اور تیز لو نے سبزہ زار کو جھلسا دیا۔ کبھی تند ہوا اور آندھی نے درختوں کا ناس مار دیا۔ کبھی پالا پڑ گیا تو کھیتی برباد ہو گئی۔ کہیں آسمان سے اولے برسے تو پتیاں تک باقی نہ رہیں۔ کبھی ٹڈی دل نے آکر باغات اور کھیتوں کا صفایا کر دیا۔ کبھی سیلاب اور طوفانوں نے کھڑی فصلیں برباد کر دیں۔ یہ سب دنیوی عذاب کے نمونے ہیں جو خدا کی نافرمانیوں اور خلاف حکم عمل کرنے کی بدولت آتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر مصیبت آپڑنے کے بعد بھی آدمی سمجھ جائے اور توبہ و استغفار سے اپنی غلطی کا تدارک کرے اور غلطیوں سے تہ دل سے تائب ہو جائے اور اللہ سے اس کے فضل کی امید رکھے اور ہر مصیبت کے وقت اللہ ہی کی طرف رجوع کرے تو اس مصیبت یا تلف شدہ چیز کا بدل اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہئے تاکہ دنیا اور آخرت میں اس کا بدلہ ملے۔

چوتھے یہ معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی غلط کام اور گناہ سے لوگوں کو نصیحت کرے اور روکے مگر لوگ اس کی بات نہ مانیں اور اس گناہ سے نہ رکیں پھر اگر وہ نصیحت کرنے والا خود بھی ان غلط کام کرنے والوں کے ساتھ لگا رہے اور گناہ میں شریک رہے۔ تو یہ بھی انہیں گناہ اور غلط کام کرنے والوں کے حکم میں ہوتا ہے اس کو چاہئے کہ دوسرے لوگ اگر گناہ سے نہ رکیں تو خود اپنے آپ کو وہ نصیحت کرتے والا گناہ سے بچائے اور دوسروں سے علیحدہ رہے۔ جیسے اس باغ والے واقعہ میں وہ درمیانہ بھائی جس نے اپنے دوسرے بھائیوں کو نصیحت کی تھی کہ غربا اور مساکین کو نہ دینے کی خراب نیت مت کرو۔ مگر جب دوسرے سب بھائی نہ مانے تو یہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا جس نے نصیحت کی تھی اور صحیح بات کہی تھی۔ تو اگرچہ یہ بھائی دوسروں سے بہتر تھا مگر بہرحال اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہو لیا اور انہیں کی غلط رائے پر عمل کے لئے تیار ہو گیا تھا اس لئے نتیجہ اس کو بھی بھگتنا پڑا اور تمام باغ جس میں اس ناصح کا بھی حصہ تھا سب برباد ہو گیا۔

اب یہاں ان آیات میں چونکہ دنیوی باغات کا ذکر آ گیا تھا جن پر خدا کی نافرمانی اور خلاف حکم کرنے سے بلا اور مصیبت آجاتی ہے۔ آگے جنت کے باغات جو آخرت میں متقی پرہیزگاروں کو ملیں گے اور جن کی نعمتیں نہ کبھی فنا ہوں گی۔ نہ گھٹیں گی۔ نہ ختم ہوں گی اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾

بیشک پرہیزگاروں کیلئے اُن کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ

تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی) ہو جو تم پسند کرتے ہو

لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُم

کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر سے کھائی گئی ہوں اور قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی ہوں کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کررہے ہو۔ ان سے پوچھئے کہ ان میں

بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۚ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٤١﴾

اس کا کون ذمہ دار ہے۔ کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں۔ سو ان کو چاہیئے کہ یہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں۔

إِنَّ بیشک	لِلْمُتَّقِينَ پرہیزگاروں کیلئے	عِندَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے پاس	جَنَّاتِ النَّعِيمِ نعمتوں کے باغات	أَفَنَجْعَلُ تو کیا ہم کردیں گے		
الْمُسْلِمِينَ مسلمانوں	كَالْمُجْرِمِينَ مجرموں کی طرح	مَا لَكُمْ کیا ہوا تمہیں	كَيْفَ کیسا	تَحْكُمُونَ تم فیصلہ کرتے ہو	أَمْ لَكُمْ کیا تمہارے پاس	
كِتَابٌ کوئی کتاب	فِيهِ اس میں	تَدْرُسُونَ تم پڑھتے ہو	إِنَّ بیشک	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيهِ اس میں	لَمَا تَخَيَّرُونَ البتہ جو تم پسند کرتے ہو
أَمْ لَكُمْ کیا تمہارے لئے	أَيْمَانٌ کوئی پختہ عہد	عَلَيْنَا ہم پر (ہمارے ذمے)	بَالِغَةٌ پہنچنے والا	إِلَىٰ تک	يَوْمِ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن	إِنَّ بیشک
لَكُمْ تمہارے لئے	لَمَا البتہ جو	تَحْكُمُونَ تم فیصلہ کرتے ہو	سَلْهُمْ تو ان سے پوچھ	أَيُّهُم ان میں سے کون	بِذَٰلِكَ اس کا	زَعِيمٌ ضامن (ذمہ دار)
أَمْ لَهُمْ یا ان کے	شُرَكَاءُ شریک (جمع)	فَلْيَأْتُوا تو چاہیے کہ وہ لائیں	بِشُرَكَائِهِمْ اپنے شریکوں	إِن اگر	كَانُوا وہ ہیں	صَادِقِينَ سچے

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اہل مکہ کی عبرت ونصیحت کے لئے اصحاب الجنۃ یعنی باغ والوں کا قصہ ذکر فرمایا گیا تھا آگے اس کے مقابلہ میں آخرت کے باغ کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ دنیا کے باغ وبہار کو کیا لئے پھرتے ہو۔ جنت کے باغات ان سے کہیں بہتر ہیں جن میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ پھر وہ نعمتیں نہ کبھی فنا ہوں گی۔ نہ گھٹیں گی۔ نہ ختم ہوں گی۔ نہ ان میں کوئی خرابی نقصان اور زوال کبھی واقع ہوگا۔ تو یہ جنت کے باغات جو اللہ تعالےٰ کے پاس ہیں اور جن میں ہر طرح کی دائمی اور ابدی نعمتیں ہیں۔ وہ متقی پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والے بندوں یعنی مؤمنین کے لئے ہیں۔ آگے کفار مکہ کے ایک خیال کی تردید فرمائی جاتی ہے۔ کفار مکہ جب اہل ایمان سے یہ سنتے کہ ہم کو اللہ کے ہاں آخرت میں بڑے درجے ملیں گے تو کفار وغیرہ غرور وتکبر سے کہتے کہ اگر قیامت وآخرت کے دن مسلمان پر عنایت وبخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بڑھ کر اور بہتر عنایت ہوگی اور ہم کو ان سے بھی بڑھ کر درجے ملیں گے کیونکہ ہمیں ان سے دنیا میں بڑھ کر درجہ حاصل ہے۔ پھر آگے چل کر کیوں نہ حاصل ہوگا۔ جس طرح دنیا میں ہم کو عیش وسرداری میں رکھا گیا ہے تو آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ کفار کے اس خیال کی تردید فرمائی جاتی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ اپنے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو برابر کردے گا۔ اگر ایسا ہوتو یہ مطلب ہوگا کہ ایک وفادار غلام جو ہمیشہ اپنے آقا کی حکم برداری کے لئے تیار رہتا ہے وہ اور ایک جرائم پیشہ باغی دونوں کا انجام یکساں ہوجائے۔ بلکہ مجرم باغی وفاداروں سے بھی اچھا رہے۔ یہ تو وہ بات ہے کہ جس کو عقل سلیم اور

فطرت صحیحہ بھی تسلیم نہیں کرتی۔ یہ بات کہ فرمانبردار اور نافرمان دونوں برابر کردیئے جائیں ظاہر ہے عقل وفطرت کے خلاف ہے۔ اب دنیا میں تو یہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں تو عموماً فساق۔ فجار۔ ظالم۔ چور۔ ڈاکو۔ بدکار۔ رشوت خوار۔ مزے اڑاتے پھرتے ہیں اور نیک' شریف' حیادار' غیرتمند اکثر ناکام نظر آتے ہیں۔ اب اگر آگے بھی کوئی وقت ایسا نہ آئے کہ جس میں حق وناحق کا صحیح انصاف ہو۔ نیک کو نیکی کرنے کا اچھا بدلہ ملے اور بد کو برائی کی سزا ملے تو پھر عدل وانصاف کے کوئی معنیٰ ہی باقی نہیں رہتے اور جو لوگ خدا کی ذات عالی کے وجود کے قائل ہیں وہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ خدا تعالیٰ کا انصاف کہاں گیا۔ تو قرآن کریم نے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ فرما کر یعنی کیا اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے؟ یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں کیا فرق و امتیاز نتیجہ کے لحاظ سے رہ جاوے گا جس سے فرمانبرداروں کی افضلیت اور برتری ثابت ہو۔ اس لئے ایسا کوئی وقت آنا ضروری ہوا کہ جہاں سب کا حساب ہو اور انصاف ہی انصاف ہو اور نیک و بد کا کھل کر امتیاز ظاہر ہو۔ اور قیامت وآخرت کی یہ عقلی دلیل ہے کہ جہاں جزا وسزا عقلاً ضروری ہوا ورنہ تو پھر دنیا میں کوئی برا کام برا نہیں اور کوئی جرم جرم نہیں پھر خدائی عدل وانصاف کے کوئی معنیٰ نہیں رہتے۔ آگے مشرکین جو یہ دعویٰ کرتے تھے ان کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ عقلی دلیل سے تو تمہاری یہ بات خلاف عقل ہے۔ پھر کیا کوئی نقلی یعنی کتابی دلیل تمہارے پاس اپنے اس قول کی تائید میں موجود ہے کہ مسلم اور مجرم۔ فرمانبردار اور نافرمان دونوں برابر کردیئے جائیں گے؟ کیا تم کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لئے پسند کرلو گے آگے چل کر وہی تم کو ملے گا اور تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی۔ یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے کوئی قسم کھالی ہے اور عہد وپیمان کرلیا ہے کہ تم جو کچھ اپنے دل سے من گھڑت ٹھہرالو گے وہی دیا جائے اور جس طرح آج عیش وسرداری میں ہو قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے؟ جو شخص ان مشرکین میں سے ایسا دعویٰ کرے اور اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے تو اے مشرکین لاؤ اسے سامنے پیش کرو۔ معلوم تو ہو کہ وہ کون سی دلیل سے اور کہاں سے ایسی بات کہتا ہے۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ جب عقلی یا نقلی کوئی دلیل ان مشرکین کے پاس اپنے قول کی تائید وثبوت میں نہیں۔ محض جھوٹے اور وہمی دیوی دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعویٰ کئے جا رہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کردیں گے۔ اور یوں مرتبے دلادیں گے اور یوں ہماری سفارش کریں گے کیونکہ وہ خدائی کے شریک اور حصہ دار ہیں تو اس دعوے میں ان کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جب وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ پر بلالائیں اور اپنی من مانی کارروائی کرادیں۔ لیکن یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔ اے مشرکین! وہ تمہاری کیا مدد کریں گے وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ غرض جب یہ بات کہ فرمانبردار اور نافرمان دونوں قیامت میں برابر ہوجائیں گے نہ کسی آسمانی کتاب میں موجود ہے نہ علاوہ کتاب کے اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ ہے اور نہ کوئی شخص یا اس کا باطل معبود اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے تو پھر یہ مشرکین کس بنا پر دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اللہ کے ہاں بڑے درجات ملیں گے تو ہم کو بھی ان سے بڑھ کر بڑے درجات ملیں گے۔ مطلب یہ کہ ان مشرکین کا یہ قول محض باطل اور خلاف عقل و نقل ہے۔ اور ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ایک فرمانبردار اور ایک نافرمان برابر کردیئے جائیں۔

اور ان کی آنکھیں دہشت وشرمندگی سے نیچی ہوجائیں گی جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بُلایا جائے گا۔ سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِیْ وَمَنْ

نیز اُن پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے تو مجھ کو اور جو اس

یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ

کلام کو جھٹلاتے ہیں اُن کو رہنے دیجئے۔ ہم ان کو بتدریج (جہنم کی طرف) لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ اُن کو خبر بھی نہیں۔ اور ان کو مہلت دیتا ہوں

اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ

بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دبے جاتے ہیں۔ یا ان کے پاس غیب (کا علم ہے)

فَهُمْ یَکْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

کہ یہ (اسکو) لکھ لیا کرتے ہیں۔

یَوْمَ جس دن	یُکْشَفُ کھول دیا جائے گا	عَنْ سے	سَاقٍ پنڈلی	وَیُدْعَوْنَ اور وہ بلائے جائیں گے	اِلَی السُّجُوْدِ سجدوں کیلئے
فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تو وہ نہ کرسکیں گے	خَاشِعَةً جھکی ہوئی	اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں	تَرْهَقُهُمْ ان پر چھائی ہوئی	ذِلَّةٌ ذلت	وَقَدْ اور تحقیق
کَانُوْا یُدْعَوْنَ بلائے جاتے ہیں	اِلَی السُّجُوْدِ سجدوں کیلئے	وَهُمْ جبکہ وہ	سٰلِمُوْنَ (صحیح) سالم (جمع)	فَذَرْنِیْ پس مجھے چھوڑ دو تم	
وَمَنْ یُّکَذِّبُ اور وہ جو جھٹلاتا ہے	بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اس بات کو	سَنَسْتَدْرِجُهُمْ جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ کھینچیں گے	مِنْ حَیْثُ اس طرح		
لَا یَعْلَمُوْنَ وہ جانتے نہ ہوں گے	وَاُمْلِیْ اور میں ڈھیل دیتا ہوں	لَهُمْ ان کو	اِنَّ بیشک	کَیْدِیْ میری خفیہ تدبیر	مَتِیْنٌ بڑی قوی
اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیا آپ مانگتے ہیں ان سے	اَجْرًا کوئی اجر	فَهُمْ کہ وہ	مِنْ سے	مَغْرَمٍ تاوان	مُّثْقَلُوْنَ بوجھل (دبے جاتے) ہیں
اَمْ یا	عِنْدَهُمُ ان کے پاس	الْغَیْبُ (علم) غیب	فَهُمْ کہ وہ	یَکْتُبُوْنَ لکھ لیتے ہیں	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت میں ان کے افترا اور خیالی ڈھکوسلہ کی حقیقت کھلے گی کہ جب میدان حشر میں مومن وکافر مخلص ومنافق صاف طور پر کھل جائیں گے اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسی اور ظاہری طور پر مشاہدہ ہو جائے گی اور قیامت میں یہ اس وقت ہوگا جبکہ ''ساق'' کی تجلی فرمائی جائے گی۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا ہے:۔ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ یعنی جس دن کھول دی جائے گی ساق۔ ''ساق'' کے لفظی معنیٰ ہیں پنڈلی کے۔

محققین علمائے مفسرین کا قول ہے کہ صفات باری تعالےٰ میں سے یہ کوئی مخصوص صفت ہے جس کی تجلی اس وقت ہوگی اور اس کو کسی خاص مناسبت سے ''ساق'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کے لئے ید یعنی ہاتھ اور وجہ یعنی چہرہ اور حدیث میں رجل اور قدم یعنی پیر کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یہ سب کلمات متشابہات کہلاتے ہیں اور ان کی متعدد توجیہات اور تاویلات ہوسکتی ہیں۔ ان پر اسی طرح بلا کیف ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ اس کا

وجود۔ اس کی حیات۔ اس کے سمع اور بصر یعنی سننے اور دیکھنے کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں بغیر اس کی حقیقت کو جانے اور سمجھے ہوئے۔ پھر محاورہ عرب میں کشف ساق سے مراد کسی عظیم الشان اور دشوار امر سے ہوتی ہے۔ اور اکثر ائمہ تفسیر بلکہ صحابہ اور تابعین سے یہی معنیٰ مراد ہیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس کشف ساق (یعنی پنڈلی کھل جانے) سے مراد ہے کہ وہ دن تکلیف دکھ درد اور شدت کا دن ہوگا۔ بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہمارا پروردگار اپنی پنڈلی کھولے گا پس ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدہ میں گر پڑے گی لیکن دنیا میں جو لوگ دکھانے یا سنانے یعنی منافقانہ سجدہ کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی یعنی وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

الحاصل قیامت میں حق تعالیٰ کی اس تجلی ساق کی ایک یہ تاثیر طبعی ہوگی کہ تمام انسان یعنی کافر و مومن سب ہی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن مومن تو اس وقت اس پر با آسانی قادر ہو جائیں گے اور سجدہ میں چلے جائیں گے لیکن کافر و منافق باوجود سجدہ کے ارادہ اس پر قادر نہ ہوں گے۔ اور اس وقت ندامت اور شرمندگی کے مارے آنکھیں اوپر نہ اٹھ سکیں گی اور نہایت ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش کبر و غرور والے تھے۔ دنیا میں صحت و سلامتی کی حالت میں جب انہیں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اور باختیار خود سجدہ کرسکتے تھے۔ مگر وہاں کبھی اخلاص سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کیا جس کی سزا یہ ملی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اب اگر سجدہ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کرسکتے۔ یہاں آیت میں کفار کے لئے خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ فرمایا گیا یعنی ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی شرمندگی و ذلت کے باعث۔ قرآن کریم میں کبھی ذکر نگاہوں کے اوپر اٹھے رہنے کا بھی آیا ہے۔ تو ان دونوں باتوں میں کوئی معارضہ نہیں کیونکہ حشر میں شدید ہولناکی کے مختلف احوال پیدا ہوں گے اور انہی کے لحاظ سے کفار و مشرکین کے تاثرات بھی بدلتے رہیں گے۔ کبھی غلبہ انتہائی ندامت و شرمندگی کا ہوگا اس وقت نظریں نیچی ہو جائیں گی۔ کبھی غلبہ حیرت اور استعجاب کا ہوگا اس وقت نظریں اوپر کو اٹھ جائیں گی۔ الغرض قیامت میں خداوند تعالیٰ کی تجلی ساق دیکھ کر مومن تو سب سجدہ میں گر جائیں گے اور کفار و منافق سجدہ نہ کرسکیں گے۔ کمر تختہ ہو جائے گی اور بجائے سجدہ کے پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے۔ گویا جیسے دنیا میں ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی وہاں قیامت میں بھی خلاف ہی رہے گی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان کفار کو عذاب ہونا تو یقینی ہے لیکن چندے عذاب کے توقف سے آپ ان کی باتوں پر رنج نہ کیجئے اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے۔ وہ خود ان سے نبٹ لے گا اور اس طرح بتدریج آہستہ آہستہ جہنم کی طرف لے جائے گا اس طرح کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ لیکن اندر ہی اندر ان کی جڑیں کٹتی چلی جائیں گی اس کی خفیہ اور لطیف تدابیر ایسی ہیں جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ بھلا اس کا توڑ تو کیا کرسکتے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار نبوت پر تعجب ہے کہ یہ لوگ اس طرح تباہی کی طرف چلے جارہے ہیں لیکن آپ کی باتیں نہیں مانتے۔ آپ ان سے کوئی مالی یا جاہی معاوضہ بھی طلب نہیں کرتے کہ جس کے بوجھ میں یہ دبے جارہے ہوں اور اس لئے آپ کی اطاعت سے نفرت ہو۔ یا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں اور اسے وہ لکھ لیتے ہیں اس لئے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اگر یہ بات بھی نہیں تو یہ لوگ صرف اپنی جہالت' عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔ جس پر آپ صبر کریں۔

اب ان کفار کی تکذیب نبوت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دکھ اور رنج ہوتا تھا آگے اس پر آپ کی مزید تسلی فرمائی جاتی ہے اور اسی پر سورت کو ختم فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ

تو آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیئے اور (تنگدلی میں) مچھلی والے پیغمبر یونس کی طرح نہ ہو جایئے جبکہ یونس نے دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے۔ اگر

تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ

خداوندی احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے۔ پھر اُن کے رب نے اُن کو اور برگزیدہ کرلیا اور ان کو صالحین

الصّٰلِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

میں سے کردیا اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے

وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ﴿٥٢﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے۔ حالانکہ یہ تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے۔

فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	لِحُكْمِ حکم کیلئے	رَبِّكَ اپنا رب	وَلَا تَكُنْ اور نہ ہوں آپ	كَصَاحِبِ الْحُوتِ مچھلی والے (یونس) کی طرح	
إِذْ نَادَىٰ جب اس نے پکارا	وَهُوَ اور وہ	مَكْظُومٌ غم سے بھرا ہوا	لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ اگر نہ اسکو پایا (سنبھالا) ہوتا	نِعْمَةٌ نعمت	مِّنْ رَّبِّهِ اسکے رب کا
لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ البتہ وہ ڈالا جاتا چٹیل میدان میں	وَهُوَ اور وہ	مَذْمُومٌ ملامت زدہ (ابتر حال)	فَاجْتَبَاهُ پس اسکو برگزیدہ کیا	رَبُّهُ اس کا رب	
فَجَعَلَهُ پس اسکو کرلیا	مِنَ سے	الصّٰلِحِينَ نیکو کاروں	وَإِنْ يَكَادُ اور تحقیق قریب ہے	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا کافر	
لَيُزْلِقُونَكَ کہ وہ آپ کو پھسلا دیں گے	بِأَبْصَارِهِمْ اپنی نگاہوں سے	لَمَّا جب	سَمِعُوا وہ سنتے ہیں	الذِّكْرَ کتاب نصیحت	وَيَقُولُونَ اور وہ کہتے ہیں
إِنَّهُ بیشک یہ	لَمَجْنُونٌ البتہ دیوانہ	وَمَا هُوَ حالانکہ یہ نہیں	إِلَّا مگر	ذِكْرٌ نصیحت	لِّلْعٰلَمِينَ تمام جہانوں کیلئے

تفسیر وتشریح: یہ سورہ نٓ کی آخری آیات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صبر وتحمل سے کام لیتے رہئے اور ان کی ایذا رسانیوں سے ہراساں نہ ہوں اور اللہ نے فی الحال جو ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس فیصلہ خداوندی پر صبر رکھیں اور بے صبری اور عجلت پسندی سے مچھلی کے پیٹ میں جانے والے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جایئے کہ جس طرح وہ منکرین ومکذبین سے تنگدل ہوئے اور بددل اور ملول خاطر ہو کر بلا اجازت خداوندی قوم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ پہلے سورہ یونس گیارہویں پارہ اور سورہ انبیاء سترھویں پارہ اور والصّٰفّٰت تیئسویں پارہ میں بیان ہو چکا ہے مختصراً حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ آیات قرآنی کی روشنی میں اس طرح ہے کہ حضرت یونسؑ کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا اور عراق کے مشہور مقام نینوا کے باشندوں کی رشد وہدایت کے لئے مامور فرمایا یونس علیہ السلام ایک عرصہ تک ان کو تبلیغ فرماتے رہے اور توحید کی دعوت دیتے رہے مگر انہوں نے اعلان حق پر کان نہ دھرے اور کفر وشرک پر اصرار کرتے رہے اور خدا کے سچے پیغمبر کی دعوت کا تمسخر اور مذاق اڑاتے رہے۔ قوم کی مسلسل مخالفت سے متاثر ہو کر یونس علیہ السلام قوم سے دل برداشتہ ہو کر ان کے لئے عذاب الٰہی کی بددعا کر کے ان کے درمیان سے غصہ سے بھرے ہوئے روانہ ہو گئے۔ جب دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی مسافروں سے لدی ہوئی تیار کھڑی تھی۔ حضرت یونسؑ کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ راہ میں طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آ گھیرا۔ جب کشتی ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق

ہونے کا یقین ہونے لگا تو اپنے عقیدہ کے موافق وہ کہنے لگے:۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا بیٹھا ہے جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائے گا کشتی کا کنارے لگنا مشکل ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ کو تنبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نینوا سے وحی کا انتظار کئے بغیر اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں یہ سوچ کر آپ نے اہل کشتی سے فرمایا کہ وہ غلام میں ہوں کہ جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ مجھ کو کشتی سے باہر پھینک دو۔ مگر ملاح جو آپ کی پاکبازی سے متاثر تھے انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر یہ طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کے نام پر قرعہ نکلا۔ تب مجبور ہو کر انہوں نے یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا یا خود یونس علیہ السلام دریا میں کود گئے۔ اسی وقت خدائے تعالیٰ کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں زندہ پہنچ گئے تو درگاہ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ کیوں وہ وحی الٰہی کا انتظار کئے بغیر اور اللہ تعالیٰ سے اجازت لئے بغیر قوم سے ناراض ہو کر نینوا سے نکل آئے اور عفو تقصیر کے لئے اس طرح دعا گو ہوئے:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

"الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی یکتا ہے، میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، بلاشبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی دردبھری معذرت کو سنا اور قبول فرمایا چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ دریا کے کنارے جا کر یونسؑ کو اگل دے۔ چنانچہ مچھلی نے یونسؑ کو ساحل پر اگل دیا۔ اس وقت آپ نہایت کمزور اور ناتوان ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک بیل دار درخت اگا دیا کہ جس کے سایہ میں آپ رہ سکیں۔ اور بذریعہ وحی مخاطب فرمایا کہ آپ جو وحی کا انتظار کئے بغیر قوم کو بددعا دے کر ان کے درمیان سے نکل آئے تو ایک نبی کی شان کے شایاں نہ تھا کہ قوم کے حق میں عذاب کی بددعا کر کے اور ان سے نفرت کر کے جدا ہو جانے میں عجلت پسندی سے کام لے اور وحی الٰہی کا بھی انتظار نہ کرے۔ ادھر یونس علیہ السلام کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا ادھر اہل نینوا نے یونسؑ کے بستی چھوڑنے پر آپ کی بددعا کے آثار محسوس کئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور خدا کے سچے پیغمبر تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے تب ہی تو یونس علیہ السلام ہم سے جدا ہو گئے یہ سوچ کر تمام اہل نینوا کے دل خوف و دہشت سے کانپ اٹھے اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے ساتھ ہی سب آبادی سے باہر نکل کر میدان میں آئے اور خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ واستغفار کرنے لگے اور گریہ وزاری کے ساتھ متفقہ آواز سے یہ اقرار کرتے رہے کہ پروردگار یونس علیہ السلام تیرا جو پیغام ہمارے پاس لے کر آئے تھے ہم اس کی تصدیق کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو دولت ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب سے محفوظ کر دیا۔ ادھر یونسؑ کو دوبارہ حکم ہوا کہ نینوا جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ یونسؑ نے اس حکم کا امتثال کیا اور نینوا میں واپس تشریف لائے۔ قوم نے جب آپ کو دیکھا تو بے حد مسرت وخوشی کا اظہار کیا اور آپ کی رہنمائی میں دین ودنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی۔

حضرت یونس علیہ السلام کے انہی واقعات کی طرف ان آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جب یونس علیہ السلام قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے عذاب کی بددعا بلکہ پیشین گوئی کر کے سب کو چھوڑ کر چلے گئے تو وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا پھر بلا اجازت خداوندی شہر چھوڑ کر چلے آنے کا۔ پھر مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔ اس وقت اللہ کو پکارا اور دعا کی اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔ آگے بتلایا گیا کہ اگر قبول توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا مزید فضل واحسان دستگیری نہ کرتا تو اسی چٹیل میدان میں جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے الزام کھائے ہوئے پڑے رہتے اور وہ کمالات باقی نہ رہنے دیئے جاتے

جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس ابتلا کے وقت بھی باقی رہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اور زیادہ ان کا رتبہ بڑھایا اور ان کو اور زیادہ برگزیدہ کر لیا اور اعلیٰ درجہ کے صالحین میں داخل رکھا تو یہ قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر تلقین فرمائی گئی کہ آپ اپنی رائے سے کفار کے عذاب کے بارہ میں عجلت نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور اس کی تجویز پر مطمئن رہئے۔ خاتمہ پر پھر کفار کے اس قول کا بطلان فرمایا گیا جس کا شروع سورت میں بطلان تھا کہ جب یہ کفار آپ سے قرآن سنتے ہیں تو غیظ وغضب سے بھر جاتے ہیں اور شدت عداوت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے۔ یہ ایک محاورہ ہے جیسا ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے کھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت سے کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن جس کو آپ سناتے ہیں وہ تمام عالم کے لئے اعلیٰ ترین پند و نصیحت کا ذخیرہ ہے۔ اسی سے نبی نوع انسان کی اصلاح اور دنیا کی کایا پلٹ ہوگی۔

''اس سورت کی خاتمہ کی آخری دو آیات یہ ہیں۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۞ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ یعنی جب یہ کافر قرآن سنتے ہیں تو شدت عداوت سے ایسے معلوم ہوتے کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت سے آپ کی نسبت کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن تمام جہان والوں کے واسطے نصیحت ہے۔ تو ان آیات سے متعلق بعض مفسرین نے ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے کہ انسان کی نظر بد لگ جانا اور اس سے کسی کو نقصان یا بیماری پہنچ جانا اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ملتا ہے چنانچہ مکہ میں ایک شخص اس معاملہ میں بڑا مشہور تھا اور اس کی نظر کسی جانور یا اونٹ وغیرہ کو لگ جاتی تو وہ بیمار ہو کر مر جاتا۔ کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح سے آپ کو ایذا اور تکلیف پہنچانے کی وہ کوشش کیا کرتے تھے چنانچہ ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بد لگواؤ اور اس غرض سے اس کو بلا کر لائے اور اس نے اپنی نظر بد لگانے کی پوری کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور اس کی نظر بد کا کوئی اثر آپ پر نہ ہوا۔ تو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں اور ان میں اسی نگاہ بد لگانے کو بیان فرمایا گیا ہے حضرت امام حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی انسان کی لگ گئی ہو اس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دینا نظر بد کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔

الحمدللہ سورہ قلم کا بیان اس درس پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ اگلی سورت کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ ن کے خواص

۱- ظالموں کے گھر ویران کرنے ہوں اور ان کے حالات خراب کرنے ہوں تو سورۃ ن لکھ کر ان کے گھروں میں چھپا دو۔

وان یکادالذین کفرو...... آخیر سورۃ تک

جس آدمی کو بدنظری کا خطرہ ہو یا حاسدوں کے حسد کا ڈر ہو تو وہ ایک کاغذ پر پہلے ۲۵ مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے پھر ایک دفعہ مذکورہ آیات لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حسد اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آخرت میں ہم کو اپنے متقی بندوں میں شامل فرمائیں اور جو جنت کی نعمتیں اپنے متقی بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں وہ ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثِنْتَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا

وہ ہونیوالی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کی تکذیب کی

ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ

سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کردیئے گئے۔ اور عاد جو تھے سو وہ ایک تیز وتند ہوا سے ہلاک کئے گئے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ

سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کردیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا) تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے

خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸

تنے (پڑے) ہیں سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ سچ مچ ہونیوالی (قیامت)	مَا الْحَآقَّةُ کیا ہے قیامت؟	وَمَآ اور کیا	اَدْرٰىكَ تم سمجھے	مَا الْحَآقَّةُ کیا ہے قیامت؟	كَذَّبَتْ جھٹلایا		
ثَمُوْدُ ثمود	وَعَادٌ اور عاد	بِالْقَارِعَةِ کھڑکھڑانے والی کو	فَاَمَّا پس جو	ثَمُوْدُ ثمود	فَاُهْلِكُوْا تو وہ ہلاک کئے گئے	بِالطَّاغِيَةِ بڑی دور کی آواز سے	
وَاَمَّا اور جو	عَادٌ عاد	فَاُهْلِكُوْا تو وہ ہلاک کئے گئے	بِرِيْحٍ ہوا سے	صَرْصَرٍ تند و تیز	عَاتِيَةٍ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی	سَخَّرَهَا اس نے اس کو مسخر کیا	
عَلَيْهِمْ ان پر	سَبْعَ لَيَالٍ سات رات	وَثَمٰنِيَةَ اور آٹھ	اَيَّامٍ دن	حُسُوْمًا لگاتار	فَتَرَى الْقَوْمَ پھر تو دیکھتا اس قوم کو	فِيْهَا اس میں	
صَرْعٰى گری ہوئی	كَاَنَّهُمْ گویا وہ	اَعْجَازُ تنے	نَخْلٍ کھجور	خَاوِيَةٍ کھوکھلے	فَهَلْ تَرٰى تو کیا تو دیکھتا ہے	لَهُمْ ان کا	مِّنْ بَاقِيَةٍ کوئی بقیہ

تفسیر وتشریح: سورت کی ابتدا قیامت کے ذکر سے فرمائی جاتی ہے۔ قیامت چونکہ حق ہے اور امر واقع ہے اور اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں اس لئے اس کو حاقہ کہا گیا اور بتلایا گیا کہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے۔ جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال و کیفیات اپنے اندر رکھتی ہے؟ یہاں جو یہ جملہ استفہامیہ لایا گیا تو یہ قیامت کی ہولناکی کو ظاہر کر رہا ہے۔ یعنی قیامت بڑی ہولناک چیز ہے اور اس کی حقیقت تم کو معلوم نہیں۔ اور کوئی بھی اس دنیا میں اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی کتنا ہی سوچے اور فکر کرے اس دن کی شدت اور ہولناکی کو پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد قوم ثمود و عاد کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس آنے والی گھڑی یعنی قیامت کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین وآسمان۔ چاند۔ سورج اور ستارے اور پہاڑوں و انسانوں کو کوٹ کر رکھ دے گی اس تکذیب کی بدولت دونوں قوموں کا انجام دنیا ہی میں کیا ہوا؟ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا نام تھا اور عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ عاد و ثمود کی ہلاکت کے قصے اہل عرب میں اتنے مشہور تھے جس کا کوئی عرب انکار نہیں کرسکتا ہے۔ دونوں قومیں ایک جرم میں شریک تھیں اور چند ان کے انبیاء نے سمجھایا جب وہ کسی

طرح نہ مانے تو انتقام الٰہی کا وقت آ گیا۔ ثمود کا واقعہ عاد کی بہ نسبت قریبی زمانہ کا تھا اور قریب زمانہ کی بات زیادہ مؤثر ہوا کرتی ہے اس لئے پہلے ثمود کا ذکر فرمایا گیا۔ گذشتہ سورتوں میں ان دونوں قوموں کی ہلاکت کے تفصیلی واقعات متعدد جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں اجمالاً ذکر فرمایا گیا کہ ثمود نے قیامت کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے انکار کیا اس لئے تباہ کر دیئے گئے ایک سخت زلزلہ سے جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا سب تہ و بالا کر دیئے گے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک اتنی بلند چیخ ماری کہ سب مر کر رہ گئے اور سینوں کے اندر دل و جگر پارہ پارہ ہو گئے۔ یہ تو تکذیب قیامت کی وجہ سے انجام ہوا دنیا میں قوم ثمود کا۔ اور ان سے پہلے جو قوم عاد گذری تھی وہ اس تکذیب کی بدولت ایک بہت ہی تند و تیز ہوا سے ہلاک ہوئے اور وہ ہوا اس قدر تند و تیز تھی کہ جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا حتیٰ کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں ان کے ہاتھوں سے بھی نکلی جاتی تھی۔ یہ ہوا ان پر سات رات آٹھ دن پے در پے مسلط رہی جس نے نہ کوئی درخت چھوڑا نہ مکان اور وہ قوم جو دعویٰ کرتی تھی کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے وہ ہوا کا مقابلہ بھی نہ کر سکے۔ اور ایسے قد و قامت اور قوت و طاقت والے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے اور مرے کہ جیسے کھجور کے بڑے بڑے درخت کٹے پڑے ہوں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے مخاطب کیا کوئی ان میں کا باقی اب دکھائی دیتا ہے یعنی ان قوموں کا بیج بھی باقی نہ رہا اور اس طرح صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔

اب یہاں ذکر اور انجام قیامت اور آخرت کی تکذیب کرنے والی اقوام کا بیان ہوا۔ جس سے قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو بھی متنبہ ہونے کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید جن حقیقتوں کو ماننے۔ قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کی پرزور دعوت دیتا ہے اور ان کو دنیوی زندگی کی بنیاد بنانے پر پوری شدت کے ساتھ اصرار کرتا ہے۔ اور جن کی بار بار یاد دہانی کراتا ہے ان میں توحید و رسالت کے بعد آخرت و قیامت ہی کا مسئلہ ہے۔ یہ عالم تو عالم دار العمل ہے۔ اور یہاں کی زندگی کے بعد دوسرا عالم دار الجزاء ہے جس کا سلسلہ موت کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور جنت یا جہنم میں پہنچ جانے تک ابدالآباد کی سرمدی اور ابدی زندگی پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور قیامت و آخرت کا عقیدہ ہی انسان کو دنیوی زندگی میں صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے۔ اس عقیدہ سے جتنی دُنیوی زندگی میں غفلت ہوگی اتنا ہی آخرت و قیامت کے استحضار میں کمی ہوگی۔ جس کے نتیجہ میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں پر جری اور بے باک ہوگا۔ اور خوف خدا سے دل خالی ہوگا۔ اس لئے ہم کو بھی قیامت و آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ اس پر یقین کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی ابتداء ہی میں سورہ بقرہ میں جہاں متقین مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں وہاں آخرت کے متعلق وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ فرمایا گیا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ایمان و یقین دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ ایمان کا مقابل تو تکذیب و انکار ہے۔ اور یقین کا مقابل شک و تردد ہے۔ الغرض یہاں قیامت و آخرت کی تکذیب و انکار کرنے والی اقوام کا بیان ہوا جس سے ہمارے دلوں میں بھی خوف خدا پیدا ہونا چاہئے تاکہ آخرت کا یقین مستحضر کر کے ہم اپنی بداعمالیوں سے باز رہیں اور تقویٰ و طہارت اور آخرت کو سنوارنے والی زندگی اختیار کریں۔ اللہ پاک ہمارے دلوں سے آخرت و قیامت کی غفلت کو دور فرمائیں اور ہمہ وقت آخرت کو متحضر رکھنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اب آگے بعض دوسری اقوام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کہ اس عقیدہ آخرت و قیامت کی تکذیب کی بدولت ان کا دنیا ہی میں کیا انجام ہوا جس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ

اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے اور اُلٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کیے سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو

اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ

بہت سخت پکڑا ہم نے جبکہ پانی کی طغیانی ہوئی تم کو کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اس معاملہ کو تمہارے لئے ایک یادگار بنائیں

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں۔ پھر جب صُور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اُٹھالئے جاویں گے۔

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ

پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔ تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ اس روز

وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾

بالکل بودا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر آجائیں گے۔ اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

جس روز تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔

وَجَآءَ اور آیا	فِرْعَوْنُ فرعون	وَمَنْ قَبْلَهٗ اور اس کے پہلے لوگ	وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اور اُلٹی ہوئی بستیوں والے	بِالْخَاطِئَةِ خطاؤں کے ساتھ		
فَعَصَوْا سو انہوں نے نافرمانی کی	رَسُوْلَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے رسول کی	فَاَخَذَهُمْ تو انہیں پکڑا	اَخْذَةً گرفت	رَّابِيَةً سخت	اِنَّا لَمَّا بیشک جب	
طَغَا طغیانی پر آیا	الْمَآءُ پانی	حَمَلْنٰكُمْ ہم نے تمہیں سوار کیا	فِی الْجَارِيَةِ کشتی میں	لِنَجْعَلَهَا تاکہ ہم اسکو بنائیں	لَكُمْ تمہارے لئے	تَذْكِرَةً یادگار
وَتَعِيَهَآ اور اسے یاد رکھے	اُذُنٌ کان	وَّاعِيَةٌ یاد رکھنے والا	فَاِذَا نُفِخَ پس جب پھونکی جائیگی	فِی الصُّوْرِ صور میں	نَفْخَةٌ پھونک	
وَّاحِدَةٌ یکبارگی	وَّحُمِلَتِ اور اٹھائی جائیگی	الْاَرْضُ زمین	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	فَدُكَّتَا پس ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے	دَكَّةً ریزہ ریزہ	
وَّاحِدَةً یکبارگی	فَيَوْمَئِذٍ پس اس دن	وَّقَعَتِ ہو پڑے گی	الْوَاقِعَةُ وہ ہونے والی	وَانْشَقَّتِ اور پھٹ جائے گا	السَّمَآءُ آسمان	فَهِيَ تو وہ
يَوْمَئِذٍ اُس دن	وَّاهِيَةٌ بالکل کمزور	وَّالْمَلَكُ اور فرشتے	عَلٰى پر	اَرْجَآئِهَا اس کے کناروں	وَيَحْمِلُ اور وہ اٹھائیں گے	
عَرْشَ رَبِّكَ تمہارے رب کا عرش	فَوْقَهُمْ اپنے اوپر	يَوْمَئِذٍ اُس دن	ثَمٰنِيَةٌ آٹھ	يَوْمَئِذٍ جس دن	تُعْرَضُوْنَ تم پیش کئے جاؤ گے	
	لَا تَخْفٰى نہ پوشیدہ رہے گی	مِنْكُمْ تم سے تمہاری	خَافِيَةٌ (کوئی چیز) پوشیدہ			

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں عاد وثمود کا حال بیان فرمایا گیا تھا۔ اسی سلسلہ میں اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ عاد وثمود کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں انکار وتکذیب کا گناہ وجرم سمیٹتی ہوئی آئیں مثلاً قوم نوحؑ اور قوم شعیبؑ اور قوم لوطؑ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں' ان سبھوں نے قیامت وآخرت کا انکار کر کے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی تھی اور خدا

کے حکم کو ٹھکرایا اور خدا سے مقابلے باندھے آخر ان سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا اور پھر کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ تمام انسانوں پر اپنا ایک احسان جتلاتے ہیں کہ دیکھو جب نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا تھا۔ یہ ہماری ہی قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوح علیہ السلام کو مع ان کے ساتھیوں کے بچا لیا۔ بھلا ایسے ہولناک اور خطرناک طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی لیکن ہم نے اپنی قدرت و حکمت کا کرشمہ دکھلایا تا کہ لوگ رہتی دنیا تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کے ہنگاموں میں فرمانبرداروں کو نافرمانوں اور مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ یہی حال قیامت کے ہولناک حادثہ میں ہوگا۔

کفار مکہ اور دوسرے منکرین و مکذبین کو پہلے تو گذشتہ قوموں کا حال جو دنیا میں ہوا قیامت پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے وہ سنایا گیا۔ اب اس کے بعد آخرت کا حال سنایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ صور میں ایک پھونک ماری جائے گی جس سے کہ زمین میں زلزلہ آئے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ بس یہی وقت ہے قیامت کے شروع ہونے کا اس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔ آج جو آسمان اس قدر مضبوط اور محکم ہے کہ لاکھوں برس گذرنے پر بھی کہیں ذرا سا شگاف نہیں پڑا اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور جس وقت درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائیں گے۔ اس کے بعد جب کہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی الا ماشاء اللہ۔ تو پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا جس کی کیفیت ۲۴ ویں پارہ سورہ زمر میں بیان ہوئی کہ تمام چیزیں دوبارہ پیدا ہوں گی مردے زندہ ہوں گے۔ عدالت کے لئے تخت رب العلمین لا کر رکھا جائے گا جس کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے ملائکہ اب تو چار ہیں۔ قیامت کے دن ان کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ چار فرشتے اور مقرر فرمائیں گے۔

باقی عرش رحمٰن کے متعلق کہ وہ کیا چیز ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شکل و صورت کیسی ہے؟ فرشتوں کا اس کو اٹھائے رکھنا کس صورت سے ہے؟ یہ سب وہ امور ہیں کہ نہ عقل انسانی ان کا احاطہ کر سکتی ہے۔ نہ ان مباحث میں غور و فکر کرنے اور سوالات کرنے کی اجازت ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ تابعین۔ تبع تابعین اور سلف صالحین کا مسلک ان جیسے تمام معاملات میں یہی رہا ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ اس سے جو کچھ اللہ جل شانہٗ کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس کی حقیقت ہم کو نا معلوم ہے (معارف القرآن جلد ہشتم) آگے تمام انسانوں کو خطاب کیا جاتا ہے کہ اس دن تم سب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر کئے جاؤ گے اور کسی کی کوئی نیکی یا بدی مخفی نہ رہے گی اور سب نیکی و بدی آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور تمہارا کوئی بھید اس روز اللہ سے چھپ نہ سکے گا۔

یہاں ان آیات میں ہمارے لئے قابل غور یہ آیت ہے:۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً سو انہوں نے یعنی گذشتہ نافرمان قوموں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت پکڑا۔ اب یہ تو ہماری انتہائی خوش نصیبی تھی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء۔ رحمۃ للعلمین۔ اشرف الانبیاء والمرسلین۔ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت میں پیدا فرمایا اور آپ کا امتی ہونا نصیب فرمایا جس کے لئے بعض انبیاء تک نے بھی تمنا کی تھی مگر اس بدنصیبی کا کیا کہنا کہ باوجود اس شرف و عزت کے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی امتی نے کہنا نہ مانا اور جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ آپ کی نافرمانی پر کمر بستہ رہا۔ تو کیا گذشتہ نافرمان قوموں کے خلاف اللہ تعالیٰ آج کے ایسے امتی کو نظر انداز فرمائیں گے اور اس کی پکڑ نہ فرمائیں گے؟ ارے یہ بھی نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا طفیل ہے کہ جو آج اس امت کے نافرمان بن کر بھی روئے زمین پر موجود ہیں۔ اور گذشتہ نافرمان امتوں کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا نہیں دیئے جاتے۔ ورنہ وہ کونسا گناہ ہے کہ جو آج اس امت کے افراد سے سرزد نہیں ہو رہا العیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ خدائے قدوس کے سامنے پیش کئے جائیں گے پہلی اور دوسری بار تو عذر و معذرت اور جھگڑا ٹنٹا کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہوگی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ چنانچہ آگے اسی کا بیان ہے کہ جن خوش نصیب لوگوں کو ان کے اعمالنامے داہنے ہاتھ میں ملیں گے ان کا کیا احوال ہوگا جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ

پھر جس شخص کا نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو خوشی سے کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو۔ میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا

مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾

حساب پیش آنے والا ہے غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے جھکے ہوں گے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام میں کئے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ پس جس کو	اُوْتِيَ دیا گیا	كِتٰبَهٗ اسکی کتاب (اعمالنامہ)	بِيَمِيْنِهٖ اسکے دائیں ہاتھ میں	فَيَقُوْلُ تو وہ کہے گا	هَآؤُمُ اقْرَءُوْا لو پڑھو		
كِتٰبِيَهْ میرا اعمالنامہ	اِنِّيْ ظَنَنْتُ میں بیشک یقین رکھتا تھا	اَنِّيْ مُلٰقٍ کہ میں ملوں گا	حِسَابِيَهْ اپنے حساب سے	فَهُوَ پس وہ			
فِيْ میں	عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ پسندیدہ زندگی	فِيْ میں	جَنَّةٍ عَالِيَةٍ بہشت بریں	قُطُوْفُهَا جس کے میوے	دَانِيَةٌ قریب	كُلُوْا تم کھاؤ	
وَاشْرَبُوْا اور تم پیو	هَنِيْٓـًٔا مزے سے	بِمَآ اَسْلَفْتُمْ اسکے بدلے جو تم نے بھیجا	فِي میں	الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ گزرے ہوئے ایام			

تفسیر و تشریح: الغرض ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جن خوش نصیب لوگوں کو قیامت کے دن ان کے اعمالنامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے کیونکہ یہ ناجی اور مقبول ہونے کی علامت ہوگی اور وہ جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ لو دیکھو یہ میرا اعمالنامہ پڑھو۔ اس کی مثال بالکل ایسی سمجھئے کہ جو طالب علم امتحان کے نتیجہ میں کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتا ہے وہ خوشی کے مارے ہر ایک کو اپنا نتیجہ کارڈ دکھلاتا پھرتا ہے۔ اسی طرح داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیئے جانے والے بڑے سرور اور خوشی سے اپنا اعمالنامہ دکھاتے ہوں گے اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بمقتضائے بشریت ان سے دنیا میں ہوگئے تھے وہ بھی ان کی توبہ کی وجہ سے ان کے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں۔ نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کی بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں۔ پس یہ سراسر نیکیوں کا اعمال نامہ پا کر فرط مسرت میں پکار اٹھے گا۔ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کس طرح

مومنوں کے گناہوں کا معاملہ پردہ ہی پردہ میں ختم فرما دیں گے اور اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمالنامہ آئے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو اپنی رحمت سے قریب کرے گا اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کر لے گا پھر اس سے پوچھے گا کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ۔ فلاں گناہ یعنی کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے یہ گناہ کئے تھے؟ وہ عرض کرے گا۔ ہاں اے پروردگار مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرا لیں گے اور وہ بندہ اپنے دل میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا۔ یعنی اس کو خیال ہوگا کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں تو اب میں کیسے چھٹکارا پا سکوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معاف دیتا ہوں۔ پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا یعنی مومنوں کے گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں

ختم فرما دیں گے اور اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں سے بھرا ہوا اس کا اعمال نامہ آئے گا۔ سبحان اللہ۔ حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے ساتھ کیسا کرم اور پردہ پوشی کا معاملہ فرمائیں گے! آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ ملنے والا قیامت میں کہے گا کہ میں نے تو دنیا میں خیال کر رکھا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہوگا۔ اس خیال سے میں ڈرتا رہا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا۔ آج اس کا دل خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا کے فضل سے میرا حساب بالکل صاف ہے۔ ایسے شخص کی جزا ارشاد فرمائی جاتی ہے کہ اس شخص کو راحت و آرام کی زندگی اس کی مرضی کے موافق ملے گی۔ وہ بلند و بالا بہشت میں رہے گا جس کے اونچے اونچے محلات ہوں گے۔ جس کی حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی۔ جہاں نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ختم ہونے والی نہ کم ہونے والی نہ ٹلنے والی ہوں گی۔ اور منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک نعمت یہ ہوگی کہ جنت کے درخت باوجود نہایت بلند و بزرگ اور سایہ دار ہونے کے اس قدر باشعور ہوں گے کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ یا پھل کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لے گا اور کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حال میں خواہش ہوگی نہایت سہولت سے حاصل ہو جائیں گے۔ اور جنتیوں سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی بے جا خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ اب اس جنت میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ جتنا دل چاہے خوب کھاؤ پیو۔ نہ کمی کا ڈر نہ زوال کا کھٹکا نہ بیماری اور نقصان کا اندیشہ، نہ بدہضمی اور گرانی شکم کا خوف۔ مسلم شریف کی حدیث حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی لیکن نہ تو انہیں تھوک آئے گا۔ اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا۔ نہ ان کی ناک سے ریزش آئے گی۔ بعض صحابہ نے عرض کیا تو کھانے کا کیا ہوگا؟ یعنی جب پیشاب پاخانہ کچھ بھی نہ ہوگا تو جو کچھ کھایا جائے گا اس کا فضلہ آخر کہاں جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: کہ ڈکار اور پسینہ یعنی غذاؤں کا فضلہ خوشبودار ڈکاروں اور معطر پسینہ سے نکل جایا کرے گا۔ اور ان اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اس طرح جاری ہوگی جس طرح تمہارا سانس جاری رہتا ہے۔

یہ تو انجام قیامت پر ایمان رکھنے والوں کا بیان ہوا جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ اب آگے قیامت کے منکرین جن کو ان کے اعمال نامہ پیچھے سے اور بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے ان کا احوال بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اعمال نامہ دیکھ کر کیا کہیں گے اور کیا ان کے ساتھ معاملہ ہوگا جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمارے اعمال نامے ہمارے داہنے ہاتھوں میں دیا جانا مقدر فرمائیں۔ مولائے کریم ہمارا حساب کتاب آسان فرمائیں۔ اور ہمارے گناہوں اور عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں۔ اور اپنی مغفرت و رحمت سے نوازیں اور بہشت بریں میں ہمارا داخلہ عطا فرمائیں اور وہاں کی لازوال اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔ یا اللہ! آج اس دنیا میں ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جو آپ کی رضا والے ہوں اور جن کے صلہ میں آپ اپنے کرم سے ہماری نجات و مغفرت فرمائیں اور ہمیں اپنی دائمی اور ابدی جنتوں میں داخلہ نصیب فرما دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا

اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا۔ اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی

حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾

کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی خاتمہ کر چکتی میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

اس شخص کو پکڑلو اور اس کو طوق پہنادو۔ پھر دوزخ میں اس کو داخل کردو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ

یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ اور خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو (بھی) غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ سو آج اس شخص کا

هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾

نہ کوئی دوستدار ہے۔ اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے۔ جس کو بجز بڑے گنہگاروں کے کوئی نہ کھاوے گا۔

وَاَمَّا اور رہا	مَنْ جو۔ جس	اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ اس کا اعمالنامہ دیا گیا	بِشِمَالِهٖ اس کے بائیں ہاتھ میں	فَيَقُوْلُ تو وہ کہے گا	يٰلَيْتَنِيْ اے کاش				
لَمْ اُوْتَ مجھے نہ دیا جاتا	كِتٰبِيَهْ میرا اعمالنامہ	وَلَمْ اَدْرِ اور میں نہ جانتا	مَا حِسَابِيَهْ کیا ہے میرا حساب؟	يٰلَيْتَهَا اے کاش	كَانَتِ (موت) ہوتی				
الْقَاضِيَةَ قصہ چکا دینے والی	مَآ اَغْنٰى کام نہ آیا	عَنِّيْ میرے	مَالِيَهْ میرا مال	هَلَكَ جاتی رہی	عَنِّيْ مجھ سے	سُلْطٰنِيَهْ میری بادشاہی			
خُذُوْهُ تم اس کو پکڑو	فَغُلُّوْهُ پس اسے طوق پہناؤ	ثُمَّ پھر	الْجَحِيْمَ جہنم	صَلُّوْهُ اسے ڈالدو	ثُمَّ پھر	فِيْ سِلْسِلَةٍ ایک زنجیر میں	ذَرْعُهَا جسکی پیمائش		
سَبْعُوْنَ ستر	ذِرَاعًا ہاتھ	فَاسْلُكُوْهُ پس تم اس کو جکڑ دو	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ لَا يُؤْمِنُ ایمان نہیں لاتا تھا	بِاللّٰهِ اللہ پر	الْعَظِيْمِ بزرگ و برتر			
وَ اور	لَا يَحُضُّ وہ رغبت نہ دلاتا تھا	عَلٰى پر	طَعَامِ کھلانا	الْمِسْكِيْنِ محتاج	فَلَيْسَ لَهُ پس نہیں اس کا	الْيَوْمَ آج	هٰهُنَا یہاں	حَمِيْمٌ کوئی دوست	
وَلَا طَعَامٌ اور نہ کھانا	اِلَّا مگر۔ سوا	مِنْ سے	غِسْلِيْنٍ پیپ	لَا يَاْكُلُهٗ اسے نہ کھائے گا	اِلَّا سوا	الْخَاطِئُوْنَ خطا کاروں			

تفسیر وتشریح: قیامت میں اعمالنامہ جس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ جو علامت ہوگی مجرم ہونے کی۔ ایسے ہی لوگوں کا حال ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ میری کم بختی آئی اور نہایت حسرت وافسوس سے کہے گا کہ کاش میرے ہاتھ میں اعمالنامہ نہ دیا جاتا۔ اور کاش کہ مجھے اپنے حساب کتاب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ کاش کہ وہی موت جو مجھے دنیا میں آئی تھی میرا قصہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتی اور مرنے کے بعد میں دوبارہ زندہ ہی نہ ہوا ہوتا اور مجھے اٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ یہ شخص اسی طرح حسرت وافسوس کے ساتھ پریشان وپشیمان ہو گا کہ بارگاہ الٰہی سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے پکڑو۔ طوق گلے میں ڈالو اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دو اور اس زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اسے جکڑ دو تا کہ ہل جل نہ سکے اور بے بس ہو کر پڑا رہے اور جلا کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب آزار جہنم سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ آمین۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہاں روایات نقل کی

ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے ایک فرشتہ کو بھی اس طرح اللہ حکم کرے تو ایک چھوڑ ستر ستر ۷۰ ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔ (العیاذ باللہ) تو فرشتے اس کی طرف غصہ سے دوڑیں گے جن میں کا ہر ایک سبقت کر کے چاہے گا کہ میں اسے طوق پہناؤں اور زنجیر میں جکڑوں اور جہنم کی آگ میں غوطہ دوں۔ یہاں آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کو ستر ۷۰ گز کی زنجیر میں جکڑ دو تو اس سے دنیا کا گز جو ۳۶ انچ یا تین فٹ کا ہوتا ہے وہ مراد نہیں بلکہ آخرت کا گز جو فرشتوں کے عرف میں رائج اور مشہور ہے وہ مراد ہے جس کی لمبائی چوڑائی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ۷۰ گز سے تعداد مقصود نہیں۔ بلکہ کثرت طول مراد ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ یہ زنجیر اس کے جسم میں پرودی جائے گی۔ پاخانہ کے راستہ سے ڈالی جائے گی اور منہ کے راستہ سے نکالی جائے گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب (العیاذ باللہ تعالیٰ) آگے ان جہنمیوں کا اصل جرم بیان کیا جاتا ہے کہ جس کے سبب وہ ان مصائب میں گرفتار ہوئے اور وہ یہ کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر نہ اللہ کو جانا اور نہ بندوں کے حقوق پہچانے۔ خدا کا حق تو مخلوق پر یہ ہے کہ اس کی توحید کو مانیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس کی اطاعت وفرمانبرداری بجالائیں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان وسلوک سے پیش آئیں۔ بھلے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے کو امداد پہنچائے۔ تو ایک جرم تو اس جہنمی کا یہ تھا کہ اس خدائے بزرگ وبرتر پر جس طرح ایمان لانا چاہئے تھا اس طرح ایمان نہ لایا۔ توحید وایمان کی روشنی نصیب نہ ہوئی۔ نہ خدا کی اطاعت وعبادت کی' دوسرا جرم نہ مخلوق خدا کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچایا۔ کسی غریب مسکین کی خدمت خود تو کیا کرتا دوسروں کو بھی اس کی صلاح وترغیب نہ دی۔ خلاصہ یہ کہ دنیا میں اللہ کے حق اور بندوں کے حق دونوں کو بھولا ہوا تھا اور دونوں یعنی حقوق اللہ وحقوق العباد کا تارک ومنکر تھا۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ جب اس نے دنیا میں اللہ کو دوست نہ بنایا تو آج اس کا دوست کون بن سکتا ہے جو حمایت کر کے عذاب سے بچائے یا کوئی تسلی کی بات کرے یا سفارش کر کے عذاب میں کمی اور تخفیف کرائے۔ اگر دنیا میں اللہ بزرگ وبرتر کو مانتا تو آج وہ اس پر رحم فرماتا اور اگر دنیا میں اس نے کسی محتاج کو کھانا کھلایا پلایا ہوتا تو آج اسے کھانے پینے کی نعمتیں ملتیں۔ اب اس کے کھانے کو کچھ نہیں بجز غسلین کے۔ غسلین کے کئی معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ غسلین جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے اسی کا دوسرا نام زقوم ہو۔ ایک معنی یہ لئے ہیں کہ جہنمیوں کے زخم سے جو پیپ ولہو بہے گا وہ غسلین ہے۔ بہر حال ان کافروں ومجرموں کو جہنم میں غذا ملے گی تو وہ بھی اتنی نفرت انگیز اور گندی کہ جس کو بجز بڑے گناہگاروں کے کوئی نہ کھاوے گا۔

یہاں ان آیات میں اہل جہنم کے جو دو جرم بتائے گئے لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ اور وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ یعنی خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور مسکین یعنی غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا اس سے متعلق حضرت ابودرداءؓ انصاریوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جلیل القدر اور محبوب صحابی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ ابو درداءؓ میری امت کا حکیم ہے۔ تو حضرت ابودرداءؓ سے منقول ہے کہ آپ اپنی بی بی سے کہا کرتے کہ شوربا سالن میں زیادہ کیا کرو تا کہ غرباء مساکین کے کام آوے۔ ان کی بی بی نے پوچھا کہ شوربے کے زیادہ کرنے میں کیا فائدہ ہے اس واسطے کہ کھانے میں لذت نہیں رہتی۔ تو آپ نے کہا کہ تم نے نہیں سنا کہ ایمان نہ لانے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلانے کے سبب سے کافروں کو آگ کی زنجیروں میں جکڑ کے عذاب کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایمان لانے کے سبب سے ہم نے آدھی اس زنجیر کو اپنے سے کاٹ ڈالا ہے اور آدھی جو باقی ہے وہ بھی مسکینوں کو کھلانے کے سبب سے اپنے سے دور کئے دیتے ہیں۔

الغرض اوپر جو کچھ اصول قیامت' حساب کتاب' جزا وسزا' جنت وجہنم عذاب وثواب قرآن کریم نے بتلایا آگے اس کی صداقت اور قرآن کی حقانیت ارشاد فرمائی جاتی ہے۔ تا کہ اس کے یقین کرنے میں کسی کو شک وشبہ نہ رہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ

پھر میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو۔ اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ کہ یہ قرآن (اللہ) کا کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا۔ اور یہ

بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ تَنزِيلٌ

کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ تم بہت کم سمجھتے ہو۔

مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾

رب العلمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِنَّهُۥ لَتَذْكِرَةٌ

پھر ہم اُن کی رگِ دل کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔ اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کیلئے

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّهُۥ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنَّهُۥ

نصیحت ہے۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے تکذیب کرنے والے بھی ہیں۔ اور یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے۔ اور یہ قرآن تحقیق

لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٥٢﴾

یقینی بات ہے سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

فَلَآ أُقْسِمُ پس میں قسم کھاتا ہوں	بِمَا تُبْصِرُونَ اس کی جو تم دیکھتے ہو	وَمَا اور جو	لَا تُبْصِرُونَ تم نہیں دیکھتے	إِنَّهُۥ بیشک یہ	لَقَوْلُ البتہ کلام			
رَسُولٍ كَرِيمٍ ایک بزرگ پہنچانے والے (فرشتہ) کا	وَمَا هُوَ اور یہ نہیں	بِقَوْلِ شَاعِرٍ کسی شاعر کا کلام	قَلِيلًا بہت کم	مَّا تُؤْمِنُونَ تم ایمان لاتے ہو				
وَلَا بِقَوْلِ اور نہ قول ہے	كَاهِنٍ کسی کاہن	قَلِيلًا بہت کم	مَّا تَذَكَّرُونَ تم نصیحت پکڑتے ہو	تَنزِيلٌ اُتارا ہوا	مِّن سے			
رَبِّ الْعَالَمِينَ تمام جہانوں کا رب	وَلَوْ اور اگر	تَقَوَّلَ بنا کر لاتا	عَلَيْنَا ہم پر	بَعْضَ بعض۔ کچھ	الْأَقَاوِيلِ باتیں (جمع قول)	لَأَخَذْنَا تو یقیناً ہم پکڑ لیتے		
مِنْهُ اس کا	بِالْيَمِينِ دایاں ہاتھ	ثُمَّ پھر	لَقَطَعْنَا ہم البتہ کاٹ دیتے	مِنْهُ اس کی	الْوَتِينَ رگِ (گردن)	فَمَا سو نہیں	مِنكُم تم میں سے	مِّنْ أَحَدٍ کوئی
عَنْهُ اس سے	حَاجِزِينَ روکنے والا	وَإِنَّهُۥ اور بیشک یہ	لَتَذْكِرَةٌ البتہ ایک نصیحت	لِّلْمُتَّقِينَ پرہیزگاروں کیلئے	وَإِنَّا لَنَعْلَمُ اور بیشک ہم البتہ جانتے ہیں			
أَنَّ کہ	مِنكُم تم میں سے	مُّكَذِّبِينَ جھٹلانے والے	وَإِنَّهُۥ اور بیشک یہ	لَحَسْرَةٌ حسرت	عَلَى الْكَافِرِينَ کافروں پر	وَإِنَّهُۥ اور بیشک یہ		
لَحَقُّ الْيَقِينِ یقینی حق	فَسَبِّحْ پس تم پاکیزگی بیان کرو	بِاسْمِ نام کے ساتھ۔ کی	رَبِّكَ اپنے رب	الْعَظِيمِ عظمت والے				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ جو کچھ قیامت میں جزا و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا یہ کوئی شاعری نہیں۔ نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے۔ اللہ کا کلام ہے جس کو ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ پیغمبر پر اترا۔ جو آسمان سے لایا وہ اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا دونوں رسول کریم ہیں۔ ایک کو تم دیکھتے ہو ایک کو نہیں دیکھتے اور کلام کو پرزور بنانے کے لئے حق تعالیٰ نے یہ قسم کھا کر فرمایا کہ

میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے یعنی تمام مخلوق کی قسم ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس قسم کو یہاں مضمون سے ایک خاص مناسبت ہے کہ قرآن کریم کے لانے والے یعنی حضرت جبرئیل نظر نہ آتے تھے اور جن پر قرآن آتا تھا یعنی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نظر آتے تھے۔ کفار مکہ قرآن کریم کی زبان اور اس کی فصاحت و بلاغت۔ اور اس کے مضامین پر متعجب ہو کر کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر الزام لگاتے کہ معاذ اللہ یہ شاعر ہیں اور کبھی واقعات گذشتہ اور آئندہ کی خبریں سن کر کہتے کہ معاذ اللہ آپ کاہن ہیں۔ کاہن عرب میں وہ لوگ تھے جو جنات وشیاطین سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے۔ اور وہ ان لوگوں کو غیب کی بعض جزئی باتیں اور آئندہ کی خبریں بتاتے تھے۔ تو کفار کے ان الزامات کی تردید میں فرمایا گیا کہ یہ قرآن کسی شاعر کا کلام نہیں۔ بھلا شاعری کو قرآن سے کیا نسبت۔ شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض فرضی اور وہمی اور خیالی ہوتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پھر یہ کسی کاہن کا بھی کلام نہیں۔ کاہنوں کے کلام بے کار اور بے فائدہ ہوتے ہیں اور اس کلام ربانی میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بے کار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں چند مبہم جزئی اور معمولی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں بخلاف قرآن کریم کے جو علوم حقائق پر مطلع کرتا ہے۔ دین و شریعت کے اصول وقوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین بتاتا ہے اور فرشتوں اور آسمانوں پر چھپے ہوئے بھیدوں پر آگاہی دیتا ہے اور گذشتہ و آئندہ کے واقعات کو تحقیق کے ساتھ بیان کرتا ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اسی لئے سارے جہان کی تربیت کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے پاس کیا دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں پہنچ گئے ہیں۔ میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورہ حاقہ پڑھنا شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۚۙ‏ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَۙ‏ یعنی یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو تو میں نے یہ سن کر خیال کیا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہیں۔ اس پر آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ کہ یہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے تم بہت کم سمجھتے ہو۔ آپ پڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی سما گئی۔ تو یہ واقعہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے۔ آگے کفار کے اس الزام کی تردید میں کہ یہ کلام معاذ اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ذمہ کچھ جھوٹی باتیں لگا دیتے مثلاً جو ہمارا کلام نہ ہوتا اس کو ہمارا کلام کہتے یا جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرتے تو یقیناً ہم انہیں سزا دیتے اور ان کی زندگی کی رگ دل کاٹ دیتے اور کوئی ہمارے اور ان کے درمیان بھی نہ آسکتا تھا کہ سزا سے بچالے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب ایسا نہیں ہوا تو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سچے پاکباز رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زبردست تبلیغی فریضہ آپ کو سونپ رکھا ہے اور آپ کے صدق کی بہت سی نشانیاں آپ کو عطا کر رکھی ہیں۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ خدا سے ڈرنے والے اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کریں گے اور جن کے دل میں ڈر ہی نہیں وہ جھٹلائیں گے لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ یہی کلام اور منکرین کا یہ جھٹلانا ان کے لئے سخت حسرت و پشیمانی کا موجب ہوگا۔ اس وقت پچھتائیں گے کہ افسوس ہم نے کیوں اس سچے کلام کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی تو حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام تو ایسی چیز ہے۔ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین سرتاپا صدق اور ہر طرح کے شک

وشبہ سے بالاتر ہیں۔ سورت کے خاتمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی بڑی دولت دی ہے تو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح وتحمید کیجئے۔

حدیث میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت:۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو یعنی اس حکم کی تعمیل میں **سبحان ربی العظیم** رکوع میں کہا کرو پھر جب آیت **سبح اسم ربک الا علیٰ** کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی اس کی تعمیل میں سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** کہا کرو۔

اب غور کیجئے کہ یہاں قسمیہ کلام کیساتھ حق تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ کہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ گویا اس کے پندونصائح' اوامرونواہی' جزاوسزا' عذاب وثواب جو کچھ اس قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وہ ارشادخداوندی ہے۔ اور چونکہ حق تعالیٰ عالم الغیب بھی ہیں اس لئے نزول قرآن کیساتھ ہی دنیا والوں پر اس قرآن کا جو نتیجہ اور اثر ہوگا وہ بھی بتا دیا گیا یعنی وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کیلئے نصیحت ہے۔ یعنی اس قرآن سے فائدہ اور اس سے نصیحت حاصل کرنیوالے متقین ہی ہوں گے اور فرمایا وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَٰفِرِينَ اور یہ قرآن کافروں یعنی منکروں کے حق میں موجب حسرت ہے۔ یعنی دنیا میں ایک گروہ اس قرآن کا منکر بھی رہے گا جس کی وجہ سے ان کو آخرت میں حسرت و افسوس نصیب ہوگا۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک دنیا میں قرآن موجود ہے اس سے نصیحت حاصل کرنے والے بھی موجود رہیں گے اور اس کے منکر بھی موجود رہیں گے۔ اب یہاں ہر شخص فیصلہ کرلے کہ مجھے کس گروہ میں شامل ہونا منظور ہے۔ اگر متقین کے گروہ میں شامل ہونا ہے تو متقین کے عقائد واعمال اختیار کرنا ہوں گے اور سارا قرآن عقائد واعمال ہی کی درستی ورہنمائی کے لئے ہے۔ پس جو رب العالمین کی چاہت اور محبت چاہتا ہو اس کو رب العالمین کے کلام قرآن کریم پر حقیقی طور سے ایمان لاکر اس کا سچا وفادار۔ اس کے احکام پر عامل اور اس کے نواہی سے باز رہنے والا اور اس کی تعلیمات وہدایات کو پھیلانے اور رائج کرنے والا بننا ہوگا اور اسی طرح اور صرف اسی طرح متقین کے گروہ میں شامل ہوا جاسکتا ہے۔ اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے ہمارے حق میں متقین کے گروہ میں شامل ہونا مقدر فرمائیں۔

الحمدللہ کہ اس درس پر سورہ الحآقۃ کا بیان پورا ہوگیا۔ اگلی سورت کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں شروع ہوگا۔

سورۃ الحاقہ

۱- اگر کسی خاتون کا حمل ساقط ہو جاتا ہو تو حمل کے دوران سورۃ الحاقہ لکھ کر اس کو پہنائی جائے' اس کا حمل محفوظ رہے گا۔

۲- بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اسے سورۃ الحاقہ سے دم کیا ہوا پانی پلا دیا جائے تو وہ بچہ بہت ذہین ہوگا اور بچوں کو پہنچنے والی ہر تکلیف وبیماری سے محفوظ رہے گا۔

۳- اگر بچہ کے بارے میں حشرات الارض کے تکلیف پہنچانے کا خطرہ ہو تو زیتون کے تیل پر سورۃ الحاقہ پڑھ کر اس تیل سے بچہ کی مالش کی جائے' اللہ کے فضل سے کوئی کیڑا مکوڑہ وغیرہ بچہ کے پاس نہیں آئے گا۔

۴- بچہ کے جسم میں درد کی شکایت ہو تو زیتون کے تیل پر سورۃ الحاقہ پڑھ کر اس تیل سے بچہ کے جسم کی مالش کی جائے۔

دعا کیجئے: یا اللہ! آپ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو یہ قرآن عطا فرمایا۔ اور اس پر ہم کو ایمان کی توفیق نصیب فرمائی۔ یا اللہ! اس سرچشمہ ہدایت سے ہم کو نصیحت حاصل کرنے والا بنادیجئے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائیے۔ یا اللہ! قرآن پاک کی عزت وعظمت کی طرف سے ہماری آنکھیں کھول دے اور اس کا متبع بن کر زندہ رہنا نصیب فرما دے۔ اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ونافرمانی سے عملی طور پر بچالے۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ

سُوْرَۃُ الْمَعَارِجِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا رُکُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾

ایک درخواست کرنے والا اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کافروں پر واقع ہونیوالا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔اور جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں (یعنی آسمانوں کا)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾

مالک ہے۔(جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور روحیں اسکے پاس چڑھ کر جاتی ہیں۔(اور وہ عذاب) ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال کی (برابر) ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾

سو آپ صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو۔

سَاَلَ مانگا	سَآئِلٌ ایک مانگنے والا	بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ عذاب واقع ہونے والا	لِّلْکٰفِرِیْنَ کافروں کیلئے	لَیْسَ لَهٗ نہیں اس کیلئے	دَافِعٌ کوئی دفع کرنیوالا
مِّنَ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے	ذِی الْمَعَارِجِ سیڑھیوں (درجات) کا مالک	تَعْرُجُ چڑھتے ہیں	الْمَلٰٓئِکَةُ فرشتے	وَالرُّوْحُ اور روح الامین	اِلَیْهِ اسکی طرف
فِیْ یَوْمٍ ایک دن میں	کَانَ مِقْدَارُهٗ جس کی مقدار ہے	خَمْسِیْنَ اَلْفَ پچاس ہزار	سَنَةٍ سال	فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	صَبْرًا جَمِیْلًا صبر جمیل

تفسیر و تشریح: کفار مکہ کو جب قرآنی آیات سنائی جاتیں اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہ تمسخر اور طنز کہتے کہ عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ نضر بن حارث جو مکہ کا ایک کافر تھا اس نے یہی سوال کیا تھا۔جس کو یہاں آیت میں سائل کہا گیا ہے اس کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ قرآن کریم کی عادت نہیں کہ عیوب اور برائی بیان کرنے میں کسی کا نام لیا جائے اور اس میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ نام لینے میں ایک شخص کا تعین ہو جاتا اور اب تعیم ہے کہ جو بھی اپنی حماقت سے ایسی بات کا خواستگار ہو وہ اس آیت کا مصداق سمجھا جائے گا۔تو اس کافر نضر بن حارث نے اپنی انتہائی حماقت یا شوخ چشمی سے مطالبہ کیا کہ جس عذاب کا وعدہ ہے وہ جلد کیوں نہیں آتا۔اس پر فرمایا گیا کہ یہ منکرین عذاب مانگنے والے ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے۔کسی کے ٹالے اور روکے رک نہیں سکتی۔وہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا یعنی آسمانوں کا مالک ہے۔جن سیڑھیوں سے فرشتے اور اہل ایمان کی روحیں عالم بالا میں چڑھ کر جاتی ہیں اور وہ عذاب ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔مراد قیامت کا دن ہے۔قیامت کے دن کی اتنی طویل مدت دنیا کے مقدار کے حساب سے کافروں ہی کو معلوم ہوگی۔رہے اہل ایمان جن کی شان میں بار بار لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کی بشارت قرآن کریم میں دی گئی ہے۔حسب تصریح احادیث یوم حشر ان کے لئے بالکل ہلکا پھلکا ہو جائے گا۔ایک صحیح حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے اس آیت کے سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دن تو بہت بڑا ہوگا۔اتنی مدت خوف اور بے چینی اور بے قراری میں گزارنا اور بغیر ٹھکانے کے رہنا نہایت مشکل ہوگا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ ایماندار آدمی کو وہ دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک فرض نماز کی ادائیگی دنیا میں کرتا ہے۔اور حضرت ابوہریرہؓ

سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ وہ دن مومنین کے لئے اتنا ہلکا ہوگا جتنا وقت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے تو ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دن کا طول کفار کو پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا مومنین کے لئے کتنا مختصر ہوگا۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد تفسیر یہ میں لکھتے ہیں کہ پچاس ہزار برس کا دن جو قیامت کا ہے وہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار سال کی مدت ہوگی لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق ایماندار آدمی کو اتنا لمبا زمانہ ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کر لینا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب ان کفار پر عذاب کا آنا ثابت ہے تو آپ ان کی مخالفت پر اور ان کے عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں۔ آپ صبر وسہار کریں۔ اور صبر بھی ایسا کہ جس میں رنجیدگی، دل کی گھبراہٹ نہ پائی جائے یعنی ان کی تکذیب و مخالفت سے آپ ایسے تنگ نہ ہوں کہ شکایت زبان پر آ جائے بلکہ یہ سمجھ کر تحمل کیجئے کہ بالآخر ان کو سزا ہونے والی ہے۔

اب غور کیجئے کہ حدیث شریف کی بشارت کے موافق جو دن اور زمانہ کہ کفار کیلئے شدت تکلیف اور بے چینی سے پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا وہ مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کتنا ہلکا پھلکا بنا دینگے کہ جسطرح پل صراط کہ جو دوزخ کے اوپر ہے کہ جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور جس پر گزر کر جنت میں جانا ہوگا تو یہ پل صراط پندرہ ہزار سال کی مسافت میں ہے جن میں پانچ ہزار سال تو اوپر چڑھنے کے ہیں اور پانچ ہزار سال بیچ میں چلنے کے اور پانچ ہزار سال اترنے کے ہیں۔ لیکن پندرہ ہزار سال کی پل صراط کی مسافت کو بعض مومنین کاملین تو بجلی کی چمک کی طرح۔ بعض ان سے کم درجہ کے مؤمنین ہوا کی طرح۔ اور ان سے بھی کم درجہ کے مومنین گھوڑے کی رفتار کی طرح۔ اور بعض ان سے بھی کم درجہ کے مومنین اونٹ کی رفتار کی طرح۔ اور بعض معمولی رفتار کے ساتھ پل صراط سے گزر جائیں گے اور بعض نہایت محنت ومشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے اور بعض اس پل صراط کو پار کرتے ہوئے دوزخ میں جا گریں گے۔ تو حقیقت میں جتنا قوی، خالص اور پختہ ایمان کسی کا ہوگا اسی قدر عالم برزخ میں موت کے بعد۔ اور پھر عالم آخرت میں دوبارہ زندہ ہونے کے بعد راحت، چین، سکون نصیب ہوگا۔ اور جیسا ایمان کمزور ناقص اور خراب ہوگا اسی قدر عالم برزخ میں اور عالم آخرت میں شدائد سامنے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ایمان صادق و اسلام کامل اس دنیا میں عطا فرمائیں تاکہ اس جہان سے کوچ کرتے ہی ہمیں چین وسکون۔ راحت و آرام ہی نصیب ہو۔ اور آخرت کی تمام منزلیں جنت کے پہنچنے تک ہمارے لئے آسان اور ہلکی پھلکی ہوں۔

اب آگے اس قیامت کے دن کا کچھ احوال بیان فرمایا جاتا ہے کہ وہ کیسا سخت دن ہوگا اور مجرم اس روز کیا تمنا کرے گا۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

حق تعالیٰ ہمارے لئے یوم قیامت کو آسان اور ہلکا پھلکا بنا دیں اور وہاں کی ذلت ورسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیں۔ اور وہاں کی سختیوں اور عذابوں سے اور اپنی ناراضگی سے ہم کو بچا لیں۔

یا اللہ! آپ ہم سے اس دنیا میں بھی راضی رہیں اور آخرت میں بھی آپ کی رضا ہم کو نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝٦ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝٧ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝٨ وَتَكُونُ الْجِبَالُ

یہ لوگ اُس دن کو بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں جس دن کہ آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جاوے گا۔ اور پہاڑ رنگین اُون کی طرح

كَالْعِهْنِ ۝٩ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝١٠ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ

ہو جاویں گے۔ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جاوینگے۔ مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ

عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۝١١ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝١٢ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝١٣ وَمَنْ فِي

اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کیلئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا۔ اور تمام اہل زمین کو

الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝١٤ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ۝١٥ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ۝١٦ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ

اپنے فدیہ میں دے دے پھر یہ اسکو بچالے یہ ہرگز نہ ہوگا (بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہوگی جو کھال (تک) اُتار دے گی وہ اس شخص کو (خود) بلاویگی جس نے (دنیا میں حق سے)

وَتَوَلَّىٰ ۝١٧ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝١٨ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝١٩ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝٢٠

پیٹھ پھیری ہوگی اور (اطاعت سے) بیرخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اسکو اُٹھا رکھا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اسکو تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝٢١

اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔

إِنَّهُمْ بیشک وہ	يَرَوْنَهُ اسے دیکھ رہے ہیں	بَعِيدًا دُور	وَنَرَاهُ اور ہم اسے دیکھتے ہیں	قَرِيبًا قریب	يَوْمَ تَكُونُ جس دن ہوگا	السَّمَاءُ آسمان
كَالْمُهْلِ پگھلے ہوئے تانبے کیطرح	وَتَكُونُ اور ہونگے	الْجِبَالُ پہاڑ	كَالْعِهْنِ جیسے رنگین اُون	وَلَا يَسْأَلُ اور نہ پوچھے گا	حَمِيمٌ کوئی دوست	
حَمِيمًا کسی دوست	يُبَصَّرُونَهُمْ وہ دیکھ رہے ہونگے انہیں	يَوَدُّ خواہش کریگا	الْمُجْرِمُ مجرم	لَوْ يَفْتَدِي کاش وہ فدیہ میں دے دے		
مِنْ عَذَابِ عذاب سے	يَوْمِئِذٍ اس دن	بِبَنِيهِ اپنے بیٹوں کو	وَصَاحِبَتِهِ اور اپنی بیوی کو	وَأَخِيهِ اور اپنے بھائی کو	وَفَصِيلَتِهِ اور اپنے کنبے کو	
الَّتِي وہ جو	تُؤْوِيهِ اس کو جگہ دیتا ہے	وَمَنْ اور جو	فِي الْأَرْضِ زمین میں	جَمِيعًا سب کو	ثُمَّ پھر	يُنْجِيهِ یہ اسے بچالے
كَلَّا ہرگز نہیں	إِنَّهَا بیشک یہ	لَظَىٰ بھڑکتی ہوئی آگ	نَزَّاعَةً اُدھیڑنے والی	لِلشَّوَىٰ کھال کو	تَدْعُو وہ بلاتی ہے	مَنْ جس نے
أَدْبَرَ پیٹھ پھیری	وَتَوَلَّىٰ اور منہ پھیرلیا	وَجَمَعَ اور (مال) جمع کیا	فَأَوْعَىٰ پھر اسے بند رکھا	إِنَّ الْإِنْسَانَ بے شک انسان	خُلِقَ پیدا کیا گیا	هَلُوعًا بڑا بے صبرا
إِذَا جب	مَسَّهُ الشَّرُّ اُسے بُرائی پہنچے	جَزُوعًا گھبرا اُٹھنے والا	وَإِذَا اور جب	مَسَّهُ الْخَيْرُ اسے خیر (آرائش) پہنچے	مَنُوعًا بخل کرنیوالا	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کافر اپنے خیال میں قیامت کے آنے کو بعید از امکان اور بعید از عقل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ بھلا قیامت کہاں رکھی ہے؟ لیکن حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بوجہ اپنے علم کے اس کے وقوع کو اس قدر قریب دیکھ رہے ہیں کہ گویا آئی رکھی ہے آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو اس وقت یہ حال ہوگا کہ یہ آسمان ایسا ہو جائے گا جیسے تیل کی تلچھٹ یعنی آسمان سیاہ ہو جاوے گا اور پھٹ بھی جاوے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے۔ چونکہ پہاڑوں

کے رنگ مختلف ہیں جب ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ رنگین اون ہوا میں اڑ رہی ہے یہ تو پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے پر حال ہوگا۔ پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور سب از سر نو زندہ اور پیدا کئے جائیں گے تو دوست اپنے گہرے دوست کو بھی نہیں پوچھے گا۔ ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور سب نظروں کے سامنے ہوں گے مگر اپنی مصیبت میں ایسا مشغول ہوگا کہ دوسرے کو پوچھ نہ سکے گا۔ اور یہ بات مجرموں یعنی کفار و مشرکین کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ رہے مومن وہ تو اپنے دوستوں کی خبر گیری کریں گے اور ان کے لئے شفاعت بھی کرینگے جیسا کہ بکثرت احادیث یہ ثابت کرتی ہیں۔ اور مجرموں کا ایک دوسرے کو پوچھنا تو درکنار اس روز تو ہر مجرم یعنی مشرک و کافر اس بات کی تمنا اور آرزو کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنی اولاد اور بیوی اور بھائی اور کنبہ' قبیلہ بلکہ ساری دنیا کو بدلہ میں دے کر اپنی جان عذاب سے بچا لے مگر یہ ممکن نہ ہوگا اور اسے عذاب سے نجات نہ ملے گی اور وہ آگ کے تیز شعلوں میں پھینکا جائے گا جو جلا کر کھال تک اتار دے گی اور اس روز جہنم کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ خود آواز دے کر اس شخص کو بلاوے گی جس نے دنیا میں حق کی طرف سے منہ موڑ رکھا تھا اور اطاعت و عمل صالح سے بے رخی کی تھی اور دوسروں کا حق مار مار کر براہ حرص مال کے جمع کرنے اور سمیٹنے میں لگا رہتا تھا۔ اور وہ سب جہنم کی طرف کھنچے چلے آویں گے۔ بعض آثار میں ہے کہ جہنم اول زبان قال سے پکارے گی کہ او کافر۔ او منافق۔ او مال سمیٹ کر رکھنے والے ادھر آ۔ لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے لیکن ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح اٹھا لے گی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھا لیتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) آخر میں اس کافر انسان کی سرشت بتلائی جاتی ہے کہ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو سخت گھبرا جانے اور ہائے واویلا کرنے والا ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ اس سے مانگو سب کچھ دینے کو تیار ہوتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے کہ کسی کو کوڑی نہ دے جیسا کہ مجرم مذکور کی حالت سے معلوم ہو چکا کہ وہ دنیا میں کسی کو کچھ دینا پسند نہ کرتا تھا اور آخرت میں عذاب دیکھ کر سب کچھ دینے کو تیار ہو جائے گا۔

اب یہاں منکرین قیامت یعنی کفار و مشرکین کی بعض صفات بتلائی گئی ہیں جو عذاب جہنم میں گرفتار ہوں گے اور جن کو جہنم خود بلاوے گی اور چن چن کر اپنے اندر کھینچ لے گی۔ کفار و منکرین کی وہ صفات بد یہ بتلائی گئی ہیں۔ مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰی (یعنی دنیا میں جس نے حق سے پیٹھ پھیری ہوگی اور اطاعت خداوندی سے بے رخی کی ہوگی اور دوسروں کا حق مار مار کر براہ حرص مال جمع کیا ہوگا' پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا)

تو معلوم ہوا کہ یہ صفات موجب عذاب جہنم ہیں۔ اب یہ کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ اگر یہ صفات منکرین کی کسی مسلمان میں پائی جائیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

یہاں جس مال کے جمع کرنے اور روک کر رکھنے کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے اس سے مراد وہ مال ہے کہ جو خلاف شرع ناجائز طریقوں سے جمع کیا جائے اور روکنے سے مراد یہ ہے کہ مال پر عائد ہونے والے حقوق و فرائض اور واجبات ادا نہ کرے۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ آج ان صفات بد میں کتنے مسلمان کہے جانے والے افراد گرفتار ہیں۔ اور پھر غضب بالائے غضب یہ کہ نہایت بے فکری سے بقول کسی شاعر کے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

انا للہ وانآ الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان صفات بد سے ہم کو اور جملہ مسلمانوں کو بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور مؤمنین' مخلصین' کاملین کی صفات اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں' آمین۔

الغرض یہ تو کیفیت اور حالات ہوں گے منکرین قیامت یعنی کفار و مشرکین کے قیامت کے دن لیکن مؤمنین ان احوال سے مستثنیٰ ہوں گے جن کو جنت کے باغات میں اکرام و عزت کے ساتھ داخل کیا جاوے گا۔ مگر وہ مومنین کیسے ہیں اور ان کی کیا صفات ہیں یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝٢٢ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝٢٣ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں اورجن کے مالوں میں سوالی

مَّعْلُومٌ ۝٢٤ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝٢٥ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝٢٦ وَالَّذِينَ هُم

اور بے سوالی سب کا حق ہے۔ اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو

مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝٢٧ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝٢٨ وَالَّذِينَ

اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو

هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝٢٩ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ

اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں۔

مَلُومِينَ ۝٣٠ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝٣١ وَالَّذِينَ هُمْ

ہاں جو اس کے علاوہ طلبگار ہو ایسے لوگ حدِ (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی

لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝٣٢ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝٣٣ وَالَّذِينَ هُمْ

امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی

عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝٣٤ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۝٣٥

نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ایسے لوگ بہشتوں میں عزت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

إِلَّا سوائے	الْمُصَلِّينَ نمازیوں	الَّذِينَ وہ جو	هُمْ وہ	عَلَىٰ پر	صَلَاتِهِمْ اپنی نماز	دَائِمُونَ ہمیشہ (پابندی) کرتے ہیں	وَالَّذِينَ اور وہ جو
فِي أَمْوَالِهِمْ ان کے مالوں میں	حَقٌّ حق	مَّعْلُومٌ ایک معلوم (مقرر)	لِّلسَّائِلِ مانگنے والے	وَالْمَحْرُومِ اور محروم (نہ مانگنے والے)			
وَالَّذِينَ اور وہ جو	يُصَدِّقُونَ سچ مانتے ہیں	بِيَوْمِ الدِّينِ روزِ جزا کو	وَالَّذِينَ اور وہ جو	هُم وہ	مِّنْ سے	عَذَابِ رَبِّهِمْ اپنے رب کا عذاب	
مُّشْفِقُونَ ڈرنے والا	إِنَّ بیشک	عَذَابَ رَبِّهِمْ انکے رب کا عذاب	غَيْرُ مَأْمُونٍ نڈر ہونے کی بات نہیں	وَالَّذِينَ اور وہ جو			
هُمْ وہ	لِفُرُوجِهِمْ اپنی شرمگاہوں کی	حَافِظُونَ حفاظت کرنیوالے	إِلَّا سوائے	عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ اپنی بیویوں سے	أَوْ یا	مَا جو	
مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ انکے دائیں ہاتھ کی مِلک باندیاں	فَإِنَّهُمْ پس وہ بیشک	غَيْرُ مَلُومِينَ کوئی ملامت نہیں	فَمَنِ ابْتَغَىٰ پھر جو جی چاہے				
وَرَاءَ ذَٰلِكَ اس کے سوا	فَأُولَٰئِكَ تو وہی لوگ	هُمُ وہ	الْعَادُونَ حد سے بڑھنے والے	وَالَّذِينَ اور وہ جو	هُمْ وہ	لِأَمَانَاتِهِمْ اپنی امانتوں	
وَعَهْدِهِمْ اور اپنے عہد	رَاعُونَ رعایت (حفاظت) کرنیوالے	وَالَّذِينَ اور وہ جو	هُم بِشَهَادَاتِهِمْ وہ اپنی گواہیوں پر	قَائِمُونَ قائم رہنے والے			
وَالَّذِينَ اور وہ جو	هُمْ وہ	عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ اپنی نماز کی	يُحَافِظُونَ حفاظت کرنیوالے	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	فِي جَنَّاتٍ باغات میں	مُّكْرَمُونَ مکرم ومعزز	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مجرمین قیامت کے گروہ سے وہ لوگ علیحدہ اور مستثنیٰ ہوں گے کہ جو دنیا میں نمازی ہیں۔ مگر کیسے نمازی؟ کبھی کبھار جمعہ یا عید کی نماز پڑھنے والے؟ نہیں۔ بلکہ اَلَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ دَآٮِٕمُوۡنَ فرمایا جو ہمیشہ اپنی نمازوں میں لگے ہوئے ہیں یعنی اپنی نمازیں برابر ادا کرتے رہتے ہیں کبھی ترک نہیں کرتے۔ یہاں حق تعالیٰ نے اہل جنت کی صفات میں سے سب سے اول اور پہلی صفت نمازی ہونے کی بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر مہتم بالشان عبادت ہے۔

اہل جنت کی یہ پہلی صفت ارشاد ہوئی۔ آگے دوسری صفت ارشاد ہے کہ جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے۔ یہاں آیت میں اموالھم جمع کا صیغہ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ سب قسم کے مالوں میں صدقات واجبہ اور خیر خیرات میں۔ خواہ وہ مال نقدی یا سونے چاندی کی شکل میں ہو۔ یا زراعت اور کھیتی باڑی کی شکل میں ہو۔ یا تجارت اور سوداگری کی صورت میں ہو۔ پھر یہ نہیں کہ کبھی دیا کبھی نہ دیا۔ یا جس قدر چاہا دیا اور جتنا نہ چاہا نہ دیا۔ نہیں بلکہ حق معلوم فرمایا یعنی وہ حق جو شرعاً معین ہے جیسے زکوٰۃ۔ صدقہ فطر اور دوسرے نفقات واجبہ۔ پھر یہ حق مال میں کن لوگوں کا ہے اس کے لئے فرمایا لِّلسَّآٮِٕلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ کا حق ہے۔ سائل یعنی سوال کرنے والے کے واسطے جس کو کہ شریعت کی طرف سے سوال کرنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کی اجازت ہو جیسے بیوی' بچے' لونڈی' غلام' رشتہ دار' قرض خواہ' مسافر' مہمان وغیرہ کہ ان سب کو اپنے اپنے حق کا مطالبہ پہنچتا ہے۔ دوسرے محروم۔ محروم کے معنی میں علماء کے کئی قول ہیں ایک تو وہ لوگ جو حق مانگنے سے محروم ہیں اور شریعت کی راہ سے ان کو مطالبہ درست نہیں۔ جیسے غریب' مسکین' یتیم محتاج بعض نے کہا کہ محروم وہ محتاج اور مصیبت زدہ ہے جو اپنے گھر میں بیٹھا ہو اور کسی سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کرتا ہو۔

تیسری صفت یہ بتلائی گئی کہ جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں یعنی یوم جزا پر یقین رکھتے ہیں۔ اس میں تمام نیکیوں کے حصول اور تمام برائیوں سے بچنے کے لئے اشارہ ہے اس لئے کہ جو شخص جزا کے دن کا معتقد ہوگا وہ نیکیاں دل کھول کر کرے گا اس یقینی امید پر کہ اس کا بدلہ ملے گا اور ہر طرح کے ظلم وزیادتی اور ناحق شناسی سے بچے گا اس خیال سے کہ اس پر پکڑ ہوگی۔ آگے چوتھی صفت بتلائی گئی کہ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں یعنی ان کو یہ خوف لگا رہتا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا میں کبھی برے کاموں کی سزا مل جاتی ہے اس لئے ان کو عذاب الٰہی سے ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کب اور کس وقت نازل ہو جائے۔ چوتھی صفت بیان فرما کر بطور جملہ معترضہ کے ارشاد ہوتا ہے کہ واقعی اللہ کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس کی طرف سے مامون اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ آگے پانچویں صفت بیان کی گئی کہ جو اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں۔ جہاں خدا کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں۔ ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی شرعی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔ سو اس پر ان کو کوئی ملامت اور الزام نہیں لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح شہوت رانی کا طلب گار ہوگا اور قضائے شہوت کے لئے کوئی اور راستہ ڈھونڈھے تو وہ حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالتا ہے اور وہ یقیناً حدود خداوندی سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اب چونکہ شرعی باندیوں اور لونڈیوں کا وجود قریب قریب ساری دنیا میں کہیں نہیں جو کہ بوقت نزول قرآن موجود تھا اس لئے جنسی خواہش صرف اپنی منکوحہ بیوی سے پوری کی جاسکتی ہے اور سب طریقے ممنوع ہیں۔ آگے چھٹی صفت ارشاد فرمائی گئی کہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ امانت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حق تعالیٰ کے حق کے ساتھ متعلق ہیں۔ مثلاً انسان کو عطا کردہ قویٰ اور اموال اللہ تعالےٰ کی امانت ہیں۔ ان کو بے جا اور اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرنا چاہئے۔ دوسری قسم امانت کی وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے مثلاً علماء کے پاس علم امانت ہے کہ اس کو نہ چھپائیں۔ حاکموں کے ذمہ انصاف کرنا یہ رعیت کی امانت ہے۔

اسی طرح آقا کی امانت خادم اور نوکر کے ذمہ ہے۔ایک ہمسایہ کی امانت دوسرے ہمسایہ کے ذمہ ہے۔اسی طرح عہد بھی دو قسم ہے۔ ایک وہ قول وقرار جو حق تعالیٰ سے کیا ہو۔دوسرا وہ عہد اور قول اقرار جو بندوں کے ساتھ کیا ہو۔

آگے ساتویں صفت بیان فرمائی گئی کہ جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں یعنی ضرورت پڑے تو بلا کم و کاست اور بلا رو رعایت سچی اور واقعی گواہی دیتے ہیں۔حق پوشی نہیں کرتے۔چاہے اس سچی گواہی دینے میں دوستی جاتی ہو۔چاہے قرابت کے چھوٹنے کا ڈر ہو۔چاہے مخالف اور دشمن کو نفع پہنچتا ہو۔گواہی کا چھپانا شریعت میں گناہ کبیرہ ہے اور اس کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جان بوجھ کر گواہی دینے سے انکار کرے۔یا کسی حیلے بہانے سے ٹالے۔یا جھوٹی گواہی دے۔اخیر میں آٹھویں صفت فرمائی ہے کہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔یعنی نمازوں کے اوقات۔اس کے شرائط وارکان وآداب کی خبر رکھتے ہیں اور اس کے ثواب کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان اہل جنت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا۔اور ختم بھی اسی پر کیا۔اور یہ تکرار نہیں ہے۔شروع میں مداومت نماز کی صفت بیان فرمائی گئی تھی۔اخیر میں محافظت نماز کی صفت فرمائی گئی اور ان دونوں میں فرق ہے۔مداومت تو یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز ہمیشہ ادا کرتا رہے۔ایک وقت بھی نماز کو جان بوجھ کر نہ چھوڑے۔محافظت یہ ہے کہ شرائط وارکان کی بجا آوری۔مفسدات اور مکروہات سے بچنے کا اہتمام کرنا۔حضور قلب اور خشوع وخضوع سے ادا کرنا۔تو جنتیوں کی یہ آٹھ صفتیں ہوئیں جن کو نماز سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرف اور فضیلت والی چیز بھی ہے۔تو یہ آٹھ صفات کا بیان فرما کر بتلایا گیا اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے یعنی مرنے کے بعد دوسرے جہان میں عزت واکرام کے ساتھ جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

اللھم اجعلنا منھم۔اب یہاں ان آیات میں آٹھ صفات بیان فرما کر بتلایا گیا کہ ایسی صفات والے لوگ جنت میں عزت کے ساتھ داخل کئے جائیں گے اور جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔اس سے اس بات کی ضد بھی سمجھی جاسکتی ہے اور جو ان صفات کو دنیا میں اختیار نہیں کریں گے وہ جنت کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں یہ صفات اختیار کرنے اور ان پر عامل ہونے کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔اب یہ موجبات سعادت و شقاوت بیان ہو جانے کے بعد بھی کفار مکہ اپنی حماقت وجہالت سے اپنے ہی کو حق پر سمجھتے۔جس پر ان کی مذمت اگلی آیات میں فرمائی جاتی ہے۔جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو اپنی نمازوں کی پابندی اور حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں۔اور جو مال ہم کو دنیا میں عطا فرمایا ہے اس میں سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو قیامت کے دن کا ایسا یقین نصیب فرمایئے کہ جو ہم اس سے کسی آن غافل نہ ہوں

یا اللہ! ہمیں شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب فرمایئے اور اپنے فضل سے ہم کو قیامت میں اہل جنت کے گروہ میں داخل فرمایئے اور جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمایئے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿٣٧﴾ اَیَطْمَعُ

تو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جماعتیں بن بنکر دوڑے آرہے ہیں۔ کیا ان میں

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ

ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جاوے گا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ پھر میں

اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ وَمَا

قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں۔ کہ اُن کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم

نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿٤٢﴾

عاجز نہیں ہیں۔ تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ اُن کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جسکا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً

جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں

اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿٤٤﴾

نیچے کو جھکی ہوں گی اُن پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

فَمَالِ تو کیا ہوا	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جو لوگوں نے کفر کیا (کافر)	قِبَلَكَ آپ کی طرف	مُهْطِعِیْنَ دوڑتے آرہے ہیں	عَنِ الْیَمِیْنِ دائیں سے		
وَعَنِ الشِّمَالِ اور بائیں سے	عِزِیْنَ گروہ در گروہ	اَیَطْمَعُ کیا طمع (توقع) رکھتا ہے	كُلُّ امْرِئٍ ہر کوئی	مِّنْهُمْ ان میں سے	اَنْ یُّدْخَلَ کہ وہ داخل کیا جائیگا	
جَنَّةَ باغ	نَعِیْمٍ نعمتوں والا	كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ بیشک ہم نے پیدا کیا انہیں	مِّمَّا اس سے جو	یَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہیں	فَلَآ اُقْسِمُ پس میں قسم کھاتا ہوں
بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ مشرقوں کے رب کی	وَالْمَغٰرِبِ اور مغربوں	اِنَّا بیشک ہم	لَقٰدِرُوْنَ البتہ قادر ہیں	عَلٰٓی پر	اَنْ نُّبَدِّلَ کہ ہم بدل دیں	
خَیْرًا بہتر	مِّنْهُمْ اُن سے	وَمَا نَحْنُ اور نہیں ہم	بِمَسْبُوْقِیْنَ عاجز کیے جانیوالے	فَذَرْهُمْ پس انہیں چھوڑ دیں	یَخُوْضُوْا بیہودگیوں میں پڑے رہیں	
وَیَلْعَبُوْا اور وہ کھیلیں	حَتّٰی یُلٰقُوْا یہاں تک کہ وہ ملیں	یَوْمَهُمُ اپنے دن سے	الَّذِیْ وہ جس کا	یُوْعَدُوْنَ ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ جس دن وہ نکلیں گے	
مِنَ الْاَجْدَاثِ قبروں سے	سِرَاعًا جلدی جلدی	كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ	اِلٰی نُصُبٍ نشانہ کی طرف	یُّوْفِضُوْنَ لپک رہے ہیں	خَاشِعَةً جھکی ہوئی	
اَبْصَارُهُمْ اُن کی آنکھیں	تَرْهَقُهُمْ اُن پر چھا رہی ہوگی	ذِلَّةٌ ذلت	ذٰلِكَ الْیَوْمُ یہ ہے وہ دن	الَّذِیْ وہ جس کا	كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ان سے وعدہ کیا جاتا ہے	

تفسیر و تشریح: یہ سورہ معارج کی خاتمہ کی آیات ہیں ان آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں بعض مفسرین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ کفار مکہ جب قرآنی آیات میں جنت کی عظیم الشان نعمتوں اور اہل جنت کے اعزاز و اکرام کو سنتے تو ہنسی اور تمسخر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو ہو کر آتے اور ارد گرد بیٹھ کر تمسخر کی راہ سے کہتے کہ اگر یہ تمہارا قول سچ ہے کہ قیامت کا ہونا ضرور ہے اور دار

2 آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی تو ان غریب اور کم حیثیت اور بے مایہ لوگوں سے جنہوں نے تمہاری تابعداری اختیار کی ہے ہم ان نعمتوں کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ اس واسطے کہ ہم دنیا میں ان سے عزت وشوکت میں زیادہ ہیں۔ جب دنیا میں ہم کو عزت بڑائی اور طرح طرح کی نعمتیں ملی ہیں اور مال ورتبہ اور سرداری وریاست ہم کو ملی ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی آخرت میں بھی ہم کو بڑائی اور سرداری ملے گی اور یہ تمہارے تابعدار لوگ جو کہ غریب ومحتاج ہیں اور غلام اور کم حیثیت ہیں وہ ہرگز ان نعمتوں کے لائق نہیں۔ کافروں کے ان خیالات باطلہ کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتلایا جاتا ہے کہ آخرت کی سعادت وشقاوت کے اسباب جہنم کے آزار اور جنت کی نعمتوں کا حال ان کو معلوم ہو چکا لیکن اس کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی پھر ان کافروں کو کیا ہوا کہ ان مضامین کی تکذیب کے لئے آپ کے پاس جمع ہو ہو کر آتے ہیں یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان مضامین کی تصدیق کرتے لیکن یہ لوگ متفق ہو ہو کر آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ان مضامین کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزا کریں اور پھر اس کے باوجود بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ جنت کے باغوں میں داخل کئے جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اس خداوند عادل حکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہوسکتا۔ یہ انسان جو منی کے قطرہ ناپاک اور گندی اور گھناؤنی چیز سے پیدا ہوا ہے وہ کہاں لائق ہے بہشت کے جب تک کہ ایمان کی بدولت پاک صاف اور مکرم ومعظم نہ ہو۔ اسی کی تائید میں حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے۔ فرماتے ہیں سچ ہے انسان گندہ ہے جب تک ایمان اور عمل صالح سے نورانیت اور پاکیزگی حاصل نہ کرلے۔ محض مال ودولت اور دنیا کی حشمت وشوکت کی وجہ سے اس عالم قدس تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ پاک جگہ ناپاکوں کے قابل نہیں۔ پھر کفار مکہ حشر ونشر کے منکر تھے اس لئے ان کو سنایا جاتا ہے کہ مشارق ومغارب کے رب کی قسم۔ مشارق مشرق کی جمع ہے یعنی آفتاب نکلنے کی جگہ اور مغارب مغرب کی جمع ہے یعنی آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ آفتاب کے طلوع اور غروب کی جگہ ہر روز بدلتی رہتی ہے اس لئے مشارق ومغارب کہے جاتے ہیں تو رَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ یعنی اپنی ذات کی قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس پر قادر ہے کہ ان کفار سے بہتر لوگ پیدا کردے اور خدا جب ان کی جگہ ان سے بہتر لاسکتا ہے تو خود ان کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کرسکتا۔ کیا یہ خدا کے قابو سے نکل کر کہیں باہر جاسکتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں مشارق ومغارب کی قسم شاید اس لئے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق ومغرب کو بدلتا رہتا ہے تو اس کو ان کافروں کا بدل دینا کیا مشکل ہے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان سرکشوں اور غفلت میں پڑے رہنے والے بدمستوں کے حق میں زیادہ فکر وتردد نہ کیجئے ان کو تھوڑے دنوں کی ڈھیل ہے پھر سزا ملنی یقینی ہے اور اس دن سے سامنا ہونا لازمی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس دن یعنی قیامت میں یہ اپنی قبروں سے زندہ ہو کر تخت رب العٰلمین کی طرف ایسے دوڑتے چلے آئیں گے کہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں اور خیالی معبودوں کی طرف دوڑتے ہیں اور اس روز آنکھیں شرمندگی کے مارے نیچے ہوں گی اور مونہوں پر لعنت کی سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی اور ان سے کہا جائے گا یہی وہ دن ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔

الحمدللہ کہ سورہ معارج کا بیان ختم ہوگیا۔ اب انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

سورۃ المعارج

جو آدمی کثرت سے احتلام ہو جانے اور برے خواب وخیالات آنے کا مریض ہو تو وہ رات کو سونے سے پہلے سورۃ المعارج پڑھ لے تو وہ اس مرض سے محفوظ ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ

ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آوے۔

اَلِيْمٌ ﴿۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾

انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ

تو وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو وقت مقرر تک مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاوے گا تو ٹلے گا نہیں

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

کیا خوب ہوتا اگر تم سمجھتے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا بیشک ہم نے بھیجا	نُوْحًا نوح	اِلٰى قَوْمِهٖ اسکی قوم کی طرف	اَنْ اَنْذِرْ کہ ڈراؤ	قَوْمَكَ اپنی قوم کو	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ کہ ان پر آئے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب	قَالَ اس نے کہا	يٰقَوْمِ اے میری قوم	اِنِّيْ بیشک میں	لَكُمْ تمہارے لئے
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ صاف صاف ڈرانے والا	اَنِ کہ	اعْبُدُوا اللّٰهَ تم اللہ کی عبادت کرو	وَاتَّقُوْهُ اور اس سے ڈرو	وَاَطِيْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو	
يَغْفِرْ وہ بخش دے گا	لَكُمْ تمہیں	مِنْ ذُنُوْبِكُمْ تمہارے گناہ	وَيُؤَخِّرْكُمْ اور تمہیں مہلت دیگا	اِلٰى تک	اَجَلٍ مُّسَمًّى وقت مقرر
اِنَّ بیشک	اَجَلَ اللّٰهِ اللہ کا مقرر کردہ وقت	اِذَا جَاۗءَ جب آجائے گا	لَا يُؤَخَّرُ موخر نہ ہوگا (ٹلے گا نہیں)	لَوْ کاش	كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے

تفسیر وتشریح: حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک سے پہلے بھی مختلف سورتوں میں آچکا ہے اور آپ کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان ۱۲۰۰ برس کا فاصلہ مورخین نے لکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی تو ہوئے مگر پہلے نبی جن کو رسالت سے نوازا گیا حضرت نوح علیہ السلام ہی تھے۔

نبی اور رسول میں فرق یہی ہے کہ نبی ہر صاحب وحی کو کہتے ہیں لیکن رسول کے لئے صاحب وحی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ انبیاء اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے ناآشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں کی پرستش ان کا شعار ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کردو۔ اگر وہ توبہ کرلیں گے۔ اور کفر وشرک کا راستہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی طرف جھکنے لگیں گے اور عبادت کا راستہ اختیار کرلیں گے تو اس سے پہلے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف کئے ہیں وہ معاف ہو

جائیں گے اور کفر وشرارت پر جو عذاب آنا مقصود ہے ایمان لانے کی صورت میں وہ نہ آئے گا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے یہ خدائی پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ خدا کی عبادت۔ اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں۔ میں جو کچھ کہوں بجا لاؤ اور جس بات سے منع کروں اس سے رک جاؤ۔ میری رسالت کی تصدیق کرو۔ خدائے تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا اور ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا۔ نہ ایک منٹ کی ڈھیل دی جائے گی۔ اگر تم کو سمجھ ہے تو یہ باتیں سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔ سمجھ لو اور ان پر عمل کرو اور میری بات مان لو۔

اب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی اصولی تعلیمات ایک ہی رہی ہیں ان میں سے ایک اہم تعلیم تمام پیغمبروں کی یہی رہی ہے جو نوح علیہ السلام نے قوم کو فرمائی۔ یعنی اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ یعنی تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ یہی تعلیم ہمارے آقا نبی الرحمتہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تو گویا اس طرح خلاصہ تمام تعلیمات و ہدایات دین حق کا بس یہی ہوا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔ اور اپنی اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب حضرت نوح علیہ السلام ایک مدت دراز تک اپنی قوم کو سمجھاتے رہے لیکن آپ کے نصائح کا قوم پر کچھ اثر نہ ہوا اور آپ کی بات مان کر نہ دی آخر جب آپ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے اور قوم پر سمجھانے کا کوئی اثر نہ دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں نوح علیہ السلام نے دعاء کی۔

وہ دعا کیا تھی یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مطیع و تابعدار امتی بنا کر زندہ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا وہ ڈر اور خوف عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رک جائیں اور گذشتہ تقصیرات پر ہم کو ندامت وتوبہ کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری خطاؤں و گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیں۔

یا اللہ اس امت مسلمہ پر رحم و کرم فرما اور اسے اپنے پیغمبر اشرف الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرما تا کہ اسے دین ودنیا کی کامرانی نصیب ہو اور ذلت وخواری اس سے دور ہو۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا

نوح نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی بلایا۔ سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے۔ اور میں نے جب بھی

دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا

ان کو بلایا تاکہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے لپیٹ لئے اور اصرار کیا

وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ

اور غایت درجہ کا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو بآواز بلند بلایا۔ پھر میں نے ان کو علانیہ بھی سمجھایا اور ان کو

لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ

بالکل خفیہ بھی سمجھایا۔ اور میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا۔

مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾

اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

قَالَ اس نے کہا	رَبِّ اے میرے رب	اِنِّیْ دَعَوْتُ بیشک میں نے بلایا	قَوْمِیْ اپنی قوم کو	لَیْلًا رات	وَّنَهَارًا اور دن	فَلَمْ یَزِدْهُمْ تو ان میں زیادہ نہ کیا
دُعَآءِیْ میرا بلانا	اِلَّا فِرَارًا بھاگنے کے سوا	وَاِنِّیْ اور بیشک میں	كُلَّمَا جب بھی	دَعَوْتُهُمْ میں نے ان کو بلایا	لِتَغْفِرَ تاکہ تو بخش دے	لَهُمْ انہیں
جَعَلُوْۤا انہوں نے دے لیں	اَصَابِعَهُمْ اپنی انگلیاں	فِیْۤ اٰذَانِهِمْ اپنے کانوں میں	وَ اور	اسْتَغْشَوْا انہوں نے لپیٹ لئے		
ثِیَابَهُمْ اپنے کپڑے	وَاَصَرُّوْا اور اڑ گئے وہ	وَ اور	اسْتَكْبَرُوا انہوں نے تکبر کیا	اسْتِكْبَارًا بڑا تکبر	ثُمَّ پھر	اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ بیشک میں نے بلایا انہیں
جِهَارًا بآواز بلند	ثُمَّ پھر	اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ بیشک میں نے اعلانیہ سمجھایا	لَهُمْ انہیں	وَاَسْرَرْتُ اور میں نے پوشیدہ سمجھایا	لَهُمْ انہیں	اِسْرَارًا چھپا کر
فَقُلْتُ پس میں نے کہا	اسْتَغْفِرُوْا تم بخشش مانگو	رَبَّكُمْ اپنا رب	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ غَفَّارًا وہ ہے بڑا بخشنے والا	یُّرْسِلِ وہ بھیجے گا	السَّمَآءَ آسمان
عَلَیْكُمْ تم پر	مِّدْرَارًا مسلسل بارش	وَّیُمْدِدْكُمْ اور مدد دیگا تمہیں	بِاَمْوَالٍ مالوں کیساتھ	وَّبَنِیْنَ اور بیٹے	وَیَجْعَلْ اور وہ بنائیگا	لَّكُمْ تمہارے لئے
جَنّٰتٍ باغات	وَّیَجْعَلْ اور وہ بنائیگا	لَّكُمْ تمہارے لئے	اَنْهٰرًا نہریں			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے بطور شکایت کے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی اور میں نے اپنی طرف سے دعوت وتبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ دھن باندھے ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن اسے کیا کروں کہ جس دلسوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے۔ جس قدر میری طرف سے شفقت اور ہمدردی کا اظہار ہوا ان کی جانب سے نفرت اور بیزاری ہی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ میں نے ان سے کہا کہ آؤ رب کی بات سنو تا کہ رب بھی تمہارے قصور بخش دے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا۔ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں کہ میری بات سننے میں نہ آوے اور اسی پر بس نہ کیا بلکہ اپنے اوپر کپڑا ڈال

لیا منہ چھپا لئے کہ میری صورت بھی نہ دیکھیں۔ اپنے کفر و شرک پر ضد کے ساتھ اڑ گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اسے حقیر جان کر تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔ اس پر بھی میں نے بس نہ کیا ان کے مجمعوں میں خطاب کیا اور مجلسوں میں جا کر سمجھایا اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ غرض کہ تمام جتن کر لئے اور نصیحت کا کوئی عنوان اور کوئی رنگ نہیں چھوڑا کہ کسی طرح یہ راہ راست پر آ جائیں۔ پھر میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ باوجود سینکڑوں برس سمجھانے کے اب بھی اگر میری بات مان کر اپنے مالک اور خالق رب کی طرف جھکو گے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کراؤ گے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ پچھلے سب قصور یکدم معاف فرما دے گا۔ پھر میں نے ان سے یہ بھی کہہ کر دیکھ لیا کہ علاوہ نفع اخروی کے تمہیں خدا سے استغفار کر لینے پر دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں گے اور ایمان و استغفار کی برکت سے قحط و خشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا جس سے کھیت اور باغ خوب سیراب ہوں گے۔ غلہ پھل اور میوہ کی افراط ہوگی مویشی وغیرہ فربہ ہو جائیں گے۔ ان کا دودھ بڑھ جائے گا اور عورتیں جو کفر و معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں بچے جننے لگیں گی۔ آخرت کے ساتھ دنیا کے عیش و بہار سے بھی وافر حصہ دیا جائے گا۔ غرض کہ ان کو رغبت بھی دلائی اور خوف بھی دلایا مگر یہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے۔

حضرت حسن بصری کی روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور قحط کا شکوہ کیا آپ نے اس سے کہا کہ استغفار کیا کرو۔ پھر دوسرا شخص آیا اس نے اپنے فقر و افلاس کا گلا کیا۔ آپ نے اس کو بھی یہی فرمایا کہ استغفار کیا کرو۔ پھر تیسرا شخص آیا۔ اس نے کہا کہ میرے لڑکا نہیں ہوتا آپ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ مجھ کو لڑکا عنایت کرے آپ نے اس کو بھی فرمایا کہ استغفار کیا کرو۔ پھر چوتھا ایک شخص آیا اس نے اپنی کھیتی باڑی کے متعلق شکایت کی کہ کچھ پیدا نہیں ہوتا آپ نے اس کو بھی استغفار کرنے کی نصیحت کی۔ آپ کی مجلس کے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے ان چاروں کو ایک ہی امر کی نصیحت کی حالانکہ ہر ایک کا مطلب جدا جدا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ان چاروں آفتوں کا دفعیہ استغفار ہے اور پھر سورہ نوح کی ان آیات کو آپ نے پڑھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ ان آیات کی دلیل سے فرماتے ہیں کہ استسقا حقیقت میں دعاء اور استغفار کرنا ہے۔ نماز اور خطبہ اور اس کے دوسرے لوازمات اگر ہوں تو بہتر ہے اور نہیں تو کچھ حرج نہیں۔ اصل مقصود اس میں دعاء اور استغفار سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اب بھی استغفار کی یہ خاصیت ہے کہ جو کوئی سچے دل سے اور عجز و نیاز سے اپنے رب سے معافی مانگتا رہے اور استغفار کرتا رہے تو اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی قحط سالی رفع ہوگی۔ زمین کی پیداوار اور زیادہ ہوگی۔ احادیث صحیحہ میں استغفار کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ امام احمد۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابن عباسؓ نقل فرمایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استغفار کا التزام کرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی و مصیبت سے فراخی و راحت اور ہر غم سے نجات عطا فرمائیں گے اور بے گمان روزی عطا فرمائیں گے۔ مگر یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ علمائے کرام فرماتے ہیں صرف زبان سے استغفر اللہ کہنا کافی نہیں بلکہ گناہوں سے باز آوے اور دل و زبان کو پاک رکھے اور عجز و نیاز اور خلوص دل سے استغفار کرے (تفسیر حقانی) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سچی استغفار کی توفیق عطا فرمائیں۔

غرض کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا اور فریاد میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں نے اپنی قوم کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی اور ان کو اپنے گناہوں پر استغفار کرنے کی دینی اور دنیوی فضیلتیں بتلائیں اور سمجھائیں مگر انہوں نے میری کوئی بات مان کر نہ دی۔ ابھی نوح علیہ السلام کی دعاء و فریاد اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ

تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو۔ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات

سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ

آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔ اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔ اور اللہ نے تم کو

اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ

زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا۔ پھر تم کو پھر زمین ہی میں لے جاوے گا اور تم کو باہر لے آوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے

الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا

تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔ تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو۔ نوحؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں

مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

کی پیروی کی کہ جن کے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا۔ اور جنہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں۔ اور جنہوں نے کہا

اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا

کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَد کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا۔ اور اُن لوگوں نے

كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

بہتوں کو گمراہ کر دیا اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے۔

مَا لَكُمْ کیا ہوا تمہیں	لَا تَرْجُوْنَ تم اعتقاد نہیں رکھتے	لِلّٰهِ اللہ کیلئے	وَقَارًا وقار	وَ اور	قَدْ خَلَقَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	اَطْوَارًا طرح طرح	
اَلَمْ تَرَوْا کیا تم نہیں دیکھتے	كَيْفَ کیسے	خَلَقَ اللّٰهُ اللہ نے پیدا کئے	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان	طِبَاقًا اوپر تلے	وَجَعَلَ اور اس نے بنایا		
الْقَمَرَ چاند	فِيْهِنَّ ان میں	نُوْرًا ایک نور	وَجَعَلَ اور اس نے بنایا	الشَّمْسَ سورج	سِرَاجًا چراغ	وَاللّٰهُ اور اللہ	اَنْۢبَتَكُمْ اس نے اگایا تمہیں
مِنَ الْاَرْضِ زمین سے	نَبَاتًا سبزے کی طرح	ثُمَّ پھر	يُعِيْدُكُمْ وہ لوٹائے گا تمہیں	فِيْهَا اس میں	وَيُخْرِجُكُمْ اور پھر تمہیں نکالے گا		
اِخْرَاجًا نکالنا دوبارہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	جَعَلَ اس نے بنایا	لَكُمْ تمہارے لئے	الْاَرْضَ زمین	بِسَاطًا فرش	لِتَسْلُكُوْا تا کہ تم چلو	مِنْهَا اس کے
سُبُلًا راستے	فِجَاجًا کشادہ	قَالَ کہا	نُوْحٌ نوحؑ	رَبِّ اے میرے رب	اِنَّهُمْ بیشک انہوں نے	عَصَوْنِيْ میری نافرمانی کی	وَاتَّبَعُوْا اور انہوں نے پیروی کی
مَنْ جو۔ جس	لَمْ يَزِدْهُ نہیں زیادہ کیا	مَالُهٗ اس کا مال	وَوَلَدُهٗ اور اسکی اولاد	اِلَّا خَسَارًا سوائے خسارہ	وَمَكَرُوْا اور انہوں نے چالیں چلیں		
مَكْرًا چالیں	كُبَّارًا بڑی بڑی	وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	لَا تَذَرُنَّ تم ہرگز نہ چھوڑنا	اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبود	وَلَا تَذَرُنَّ اور ہرگز نہ چھوڑنا		
وَدًّا ود	وَلَا سُوَاعًا اور نہ سواع	وَلَا يَغُوْثَ اور نہ یغوث	وَيَعُوْقَ اور یعوق	وَنَسْرًا اور نسر	وَقَدْ اَضَلُّوْا اور تحقیق انہوں نے گمراہ کیا		
كَثِيْرًا بہت	وَلَا تَزِدِ اور نہ زیادہ کر	الظّٰلِمِيْنَ ظالموں	اِلَّا ضَلٰلًا گمراہی کے سوا				

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بھی نوح علیہ السلام کا دعائیہ مضمون جاری ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ آپ نے بطور فریاد کے حق تعالیٰ سے یہ بھی عرض کیا کہ بارالہٰا میں نے اپنی قوم کو یوں بھی سمجھایا کہ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت اور بڑائی کے قائل نہیں ہوتے اور اس کے آگے جھک کر دنیا اور آخرت کی نعمتیں نہیں لیتے۔ تمہیں اسی نے تو پیدا کیا ہے اور کن کن حالات اور کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا۔ پہلے ناپاک قطرہ یعنی نطفہ۔ پھر جما ہوا خون۔ پھر گوشت کا لوتھڑا۔ پھر اور صورت اور پھر اور حالت۔ پھر میں نے ان کو یوں بھی سمجھایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت اور حکمت سے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے پھر چاند و سورج کو پیدا کیا۔ دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ بنایا کہ دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے۔ پھر ان کو میں نے یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا یعنی انسانوں کے باپ حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے اور پھر مرنے کے بعد تم کو اسی زمین میں لے جاتا ہے اور پھر قیامت میں اسی زمین سے تم کو زندہ کر کے باہر لے آئے گا۔ پھر میں نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو مثل فرش کے بنایا کہ اس پر لیٹتے۔ بیٹھتے چلتے پھرتے رہتے سہتے ہو۔ ادھر سے ادھر آتے جاتے ہو۔ زمین کے کشادہ راستوں پر چلتے پھرتے ہو غرض کہ میں نے قدرت خداوندی کے نمونہ بھی اپنی قوم کے سامنے رکھے اور توحید کی دعوت دی کہ اس عالیشان قدرت کے رکھنے والے کی طاعت و بندگی اختیار کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو اور اس جیسا اس کا شریک اس کا ساجھی اور اس کا مثیل کسی کو نہ جانو۔ مگر انہوں نے میری کوئی بات مان کر نہ دی۔ پھر نوح علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا تو نہ مانا جو ان کے لئے سراسر نفع بخش تھا اور اپنے رئیسوں۔ سرداروں اور مالداروں کا کہنا مانا جن کے مال و اولاد میں کوئی خوبی اور بہتری نہیں کہ وہ اسی سبب سے دین سے محروم رہے اور اوروں کو بھی محروم رکھا اور اس قوم نے ایسے لوگوں کا اتباع کیا جنہوں نے حق کے مٹانے میں بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے اپنے تابعین سے یہی کہا اور ان کو یہی سمجھایا کہ میری بات ہرگز نہ ماننا اور اپنے بتوں کو جن کو تم پوجتے رہے ہو ہرگز نہ چھوڑنا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت حق اور تبلیغ دین کا کام مسلسل ۹۵۰ سال تک قوم میں کیا اور پیغام حق پہنچایا اور عذاب الٰہی سے خوف دلایا لیکن آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی رہی اور آپ کا کہنا نہ مانا یہاں تک کہ لوگوں کی کئی پشتیں گذر گئیں۔ جو شخص اس قوم میں مرنے کے قریب ہوتا تو وہ اپنی اولاد کو تاکید اور تنبیہ کر جاتا کہ خبردار اس شخص یعنی حضرت نوح علیہ السلام سے بچے رہنا اور ہرگز اس کی بات مت سننا اور اپنے باپ دادوں کے طریقہ کو مت چھوڑنا اس واسطے کہ یہ بوڑھا دیوانہ ہو گیا ہے (معاذ اللہ! معاذ اللہ!) واہی تباہی باتیں کہا کرتا ہے۔ ہماری عمریں گذر گئیں کہ ہم کو جھوٹے وعدوں سے ڈرایا گیا اور آج تک تو کوئی عذاب وذاب آیا نہیں۔ غرض کہ اس قدر آپ کی ذلت و حقارت کے درپے رہتے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کرتے تاکہ ہنسی اور مسخری آپ کی کریں اور آپ کو پتھر ماریں اور جب حضرت نوح علیہ السلام عذاب خداوندی سے زیادہ ڈراتے اور خوف دلاتے تو وہ بد بخت آپ کو اس قدر مارتے کہ آپ کے بدن اور چہرہ سے خون بہنے لگتا لیکن حضرت نوح علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اس قدر حلم اور بردباری عطا کی تھی کہ باوجود اس ظلم و تعدی کے آپ ان کی خیر خواہانہ نصیحت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے الغرض حضرت نوح علیہ السلام تو قوم کو شرک و بت پرستی سے منع کرتے اور اس کے جواب میں قوم کے بڑے اپنے لوگوں سے کہتے کہ خبردار اپنے معبودوں کو اس شخص کے

کہنے سے نہ چھوڑنا اور خصوصاً اپنے ان پانچ بڑے معبودوں کو یعنی ود ۔سواع ۔ یغوث ۔ یعوق اور نسر کو تو ہر گز نہ چھوڑنا اور ان کی پرستش و بندگی کبھی ترک نہ کرنا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح میں ان ناموں کے صالح و بزرگ اولیاء اللہ تھے۔ جب ان صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام ود ۔سواع ۔ یغوث ۔ یعوق اور نسر تھے لوگوں نے ان کی تصاویر بنالیں تا کہ ان کے احوال اور عبادات وغیرہ کی یاد تازہ رہے ۔کچھ مدت کے بعد ان کے مجسمے تیار کر لئے گئے حتی کہ کچھ دنوں بعد ان کی پرستش ہونے لگی اور یہ بت ان ہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے ۔صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو آخر میں کفار عرب نے لے لیا۔ کوئی قبیلہ ود کو پوجتا تھا۔کوئی قبیلہ سواع کا پرستار تھا۔کوئی قبیلہ یغوث کی پوجا کرتا تھا۔کوئی قبیلہ یعوق کا پجاری تھا اور کوئی نسر بت کا ماننے والا تھا۔حضرت ابن عباسؓ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ طوفان میں یہ مورتیاں ڈوب گئی تھیں اور مٹی کے اندر دب گئی تھیں مدتوں تک دفن رہیں آخر مکہ کے مشرکوں کے لئے شیطان نے ان کو برآمد کیا اور مشرکین عرب کو ان کی پرستش پر لگا دیا۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں یہ بھی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ میری بات تو مانتے نہیں اور اپنے رئیسوں اور سرداروں کی بات سنتے اور مانتے ہیں جو اپنے مال پر مغرور اور کثرت اولاد پر نازاں ہیں اور وہ مال و اولاد ان کی تباہی کا باعث بنے ہوئے ہیں اور جنہوں نے دین حق کے مٹانے میں بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے اپنے تابعین کو یہی سمجھایا کہ تم اپنے معبودوں کی پوجا ہرگز مت چھوڑنا اور بالخصوص اپنے بڑے پانچ معبودوں کی پرستش ہرگز نہ ترک کرنا۔اور ان سرداروں نے بہکا بہکا کر بہتوں کو گمراہ کیا۔اے اللہ میں ان کی ہدایت سے اب بالکل مایوس ہو گیا ہوں اس لئے دعاء کرتا ہوں کہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے تا کہ ان کا پیمانہ شقاوت لبریز ہو کر یہ عذاب الٰہی کے مورد بنیں اور مستحق ہلاکت ہو جاویں۔مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بد دعا ان کی ہدایت سے مایوس ہو کر کی خواہ مایوسی صد ہا سال کے تجربہ کی بنا پر ہو یا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سن چکے ہوں گے جو سورہ ہود بارھویں پارہ میں ذکر فرمایا گیا أُوْحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا بجز ان کے جو اب تک ایمان لا چکے) تو ایسی مایوسی کی حالت میں بددل ہو کر ایسی بد دعا کرنا مستبعد نہیں ۔اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم فرعون کے لئے بد دعا فرمائی تھی جیسا کہ گیارھویں پارہ سورہ یونس میں بتلایا گیا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (اے ہمارے پروردگار انکے مالوں کو نیست نابود کر دے اور ان کے دلوں کو اور زیادہ سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب دردناک کو دیکھ لیں)

حضرت نوح علیہ السلام کا بیان یہ دعا کرنا **ولا تزد الظلمین الا ضللاً** (اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے) اس سے مقصود گمراہی کی زیادتی نہیں بلکہ استحقاق ہلاکت کی دعاء ہے کہ انکا کفر و شرک بڑھ کر ان کیلئے موجب ہلاکت اور عذاب الیم ہو جاوے۔

اب آگے اس قوم کا جو انجام ہوا وہ بیان فرما کر حضرت نوح علیہ السلام کی بقیہ فریاد اور دعا کا مضمون بیان کیا گیا ہے جسکا بیان ان شاء اللہ اگلی خاتمہ کی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

مِمَّا خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۙ۬ فَلَمۡ يَجِدُوۡا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡصَارًا ﴿۲۵﴾

اپنے ان ہی گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے۔

وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ

اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ۔ اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو

يُضِلُّوۡا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَىَّ وَ

گمراہ کریں گے اور ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔ اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو

لِمَنۡ دَخَلَ بَيۡتِىَ مُؤۡمِنًا وَّلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں ان کو اور تمام مسلمانوں مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دیجئے۔

مِمَّا بسبب	خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ اپنی خطائیں	اُغۡرِقُوۡا وہ غرق کئے گئے	فَاُدۡخِلُوۡا پھر وہ داخل کئے گئے	نَارًا آگ	فَلَمۡ يَجِدُوۡا تو انہوں نے نہ پایا
لَهُمۡ اپنے لئے	مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	اَنۡصَارًا کوئی مددگار	وَقَالَ اور کہا	نُوۡحٌ نوح	رَّبِّ اے میرے رب / لَا تَذَرۡ تو نہ چھوڑ
عَلَى الۡاَرۡضِ زمین پر	مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ کافروں میں سے	دَيَّارًا کوئی بسنے والا	اِنَّكَ بیشک تو	اِنۡ اگر	تَذَرۡهُمۡ انہیں چھوڑ دیا
يُضِلُّوۡا وہ گمراہ کرینگے	عِبَادَكَ تیرے بندے	وَلَا يَلِدُوۡۤا اور نہ جنیں گے	اِلَّا سوائے	فَاجِرًا بدکار	كَفَّارًا ناشکرے / رَبِّ اے میرے رب
اغۡفِرۡ لِىۡ مجھے بخشدے	وَلِـوَالِدَىَّ اور میرے ماں باپ	وَلِمَنۡ اور اُسے جو	دَخَلَ داخل ہو	بَيۡتِىَ میرے گھر	مُؤۡمِنًا ایمان لاکر
وَّلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اور مومن مردوں کو	وَالۡمُؤۡمِنٰتِ اور مومن عورتوں	وَلَا تَزِدِ اور نہ بڑھا	الظّٰلِمِيۡنَ ظالموں	اِلَّا تَبَارًا ہلاکت کے سوا	

تفسیر و تشریح: یہ سورہ نوح کی آخری آیات ہیں۔ شروع سورۃ سے چند ابتدائی آیات چھوڑ کر حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد و التجا نقل فرمائی گئی۔

ان آیات میں اس دعا اور شکایت کا اثر ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ آخر کار انجام اس نافرمان قوم کا یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام کی نافرمانی اور اپنے کفر و شرک پر اصرار اور اپنے پیغمبر کی مخالفت اور طرح طرح سے ان کو ایذا رسانی کے گناہوں کے سبب وہ غرق آب کئے گئے۔ بظاہر طوفان آیا اور وہ پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ اور ان کو پانی میں غرق کر دینے سے صرف ان کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دینا مقصود نہ تھا کہ جو اس ڈبونے پر کفایت کی جاتی بلکہ برزخ کا عذاب چکھانا بھی ان کو منظور تھا اس لئے بتلایا گیا کہ غرق ہونے کے بعد وہ نار میں داخل کئے گئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں نار سے برزخ کی نار مراد ہے کیونکہ جہنم کی نار میں تو حشر نشر کے بعد داخلہ ہوگا۔ مرنے کے فوراً ہی بعد روح عالم دنیا سے برزخ جس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد اعمال کا بدلہ ملتا ہے۔ اس آیت سے عالم برزخ یعنی عالم قبر کا عذاب ثابت ہے۔ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ حشر سے پہلے بھی مومن و کافر کو ثواب و عذاب اس کے اعمال و ایمان کے باعث ملتا ہے اس لئے کہ مرنے سے روح نہیں مرجاتی بلکہ ایک دوسرے عالم یعنی عالم برزخ یا عالم قبر میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد کا بدلہ ملتا ہے۔

ہمارے علما نے لکھا ہے کہ یہ آیت بھی عذاب قبر و وجود برزخ میں ایک صریح دلیل ہے اور احادیث سے تو عذاب قبر کا ثبوت کثرت سے ملتا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو۔ قبر میں فرشتوں کا سوال کرنا اور صحیح صحیح جوابات دینے پر جنت کا فرش ہونا اور جنت کا لباس ملنا اور جنت کی خوشبو دار ہوائیں آنا

اور جنت کے نظارے دیکھنا۔ اور صحیح جوابات نہ دینے پر دوزخ کا فرش اور دوزخ کا لباس اور دوزخ کی گرمی اور لپٹیں اور جھلسانے والی ہوائیں آنا متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے۔ نیز کافر کی قبر میں ہتھوڑوں سے کٹائی اور سانپوں واژدہوں کا مسلط ہونا اور ان کا کاٹنا اور ڈسنا متعدد احادیث میں ارشاد ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا حضرت آپ جنت دوزخ کے ذکر کے وقت تو نہیں روتے اور اس پر روتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پالی تو بعد والی منزلیں اس سے آسان ہیں اور اس سے نجات نہ ملی تو بعد کی منزلیں اس سے سخت ہوں گی۔

الغرض یہاں آیت میں فَاُدْخِلُوْا نَارًا سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوح عالم برزخ میں عذاب قبر میں مبتلا کر دی گئی آگے ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس قوم نے اپنے واسطے اپنے ان معبودوں کو جن کو پوجتے تھے اس امید سے کہ وقت پڑنے پر کام آئیں گے اور مصیبت میں مدد کریں گے کوئی بھی ان کا حمایتی نہ ہوا۔ نہ ود نے ان سے محبت کی۔ نہ سواع نے ان کو بچایا۔ نہ یغوث ان کی فریاد کو پہنچا۔ نہ یعوق نے حمایت کی نہ نسر نے ان کو کچھ قوت دی کہ دنیا کے عذاب سے یعنی طوفان میں غرق ہونے سے ان کو بچاتے یا برزخ کے عذاب کو ان سے دفع کرتے۔ الغرض جب طوفان کے پانی کی زیادتی ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام مع اپنے متبعین کے کشتی میں سوار ہو لئے اور کافر ڈوبنے لگے تو حضرت نوح علیہ السلام نے بعض کافروں کو دیکھا کہ پہاڑ کی چوٹیوں پر اور اونچے مکانوں پر بھاگ کر جا بیٹھے ہیں اور بعضوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے طوفان کا حال سنا تھا تو اس خوف سے شیشہ کے مکانات پہاڑوں پر احتیاط کے واسطے بنا لئے تھے اور کئی مہینوں کا کھانا پانی بھی اس میں رکھ لیا تھا تو طوفان آنے پر ان مکانوں میں بے خوف ہو کر جا بیٹھے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر اندیشہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ بعضے کافر اس عذاب سے اس حکمت سے بچ جاویں اور پھر ان کافروں کا تخم اس جہاں میں باقی رہے۔ یہ خیال کر کے آپ پھر درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوئے کہ اے خدایا اب تو ان کافروں میں سے ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ۔ ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ باقی رکھا جائے۔ جو کوئی زندہ رہے گا میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس سے بے حیا۔ ڈھیٹھ۔ منکر حق اور ناشکرے ہی پیدا ہوں گے اور جب تک ان میں سے کوئی موجود رہے گا خود تو راہ راست پر کیا آتا دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا اور ان سے جو نسل بھی پھیلے گی وہ بھی انہی جیسے بدکار کافر ہوں گے غرض ہر طرح سے یہ لوگ ہلاکی اور تباہی کے سزاوار ہیں۔ پھر یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے کافر غرقاب کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جو باپ سے الگ تھا وہ بھی نہ بچ سکا کیونکہ وہ پانی کا طوفان نہ تھا بلکہ عذاب الٰہی اور غضب خداوندی تھا۔ اب جب نوح علیہ السلام نے قہر الٰہی کے شعلہ بلند ہوتے دیکھے تو اس کی شان کبریائی اور بے نیازی سے ڈرے اور ڈرنا چاہئے بھی اور یہی کمال ایمان بھی ہے تو اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے اور تمام اہل ایمان کے لئے درگاہ الٰہی میں اس طرح دعا مانگنے لگے کہ الٰہی مجھے بخش دے اور میرے مرتبہ کے موافق مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو اپنے فضل سے معاف کیجئے اور میرے والدین اور جو میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں مومن ہو کر آئے ان سب کی خطاؤں سے درگذر فرمایئے بلکہ آئندہ قیامت تک جس قدر مرد اور عورتیں مومن ہوں سب کی مغفرت فرما دیجئے مگر ان ظالموں کو تو ہلاک ہی کر ڈال۔ یہ بدبخت نہ بچیں۔

اس دعاء سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے والد اور والدہ مومن تھے چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے آباء واجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی کافر نہ تھا سب مومن اور موحد تھے اور آپ کی والدہ بھی مومنہ تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعاء مغفرت میں بڑی خوشخبری ہے تمام ایمانداروں کے واسطے جو قیامت تک ہوتے جاویں گے اس واسطے کہ کافروں کے حق میں جو بددعا آپ نے کی تھی وہ درگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور اس کی قبولیت کے آثار بھی ظاہر ہوئے یعنی سب کافر ہلاک ہوئے۔ تو ایمانداروں کے حق میں مغفرت کی دعا جو آپ نے کی وہ بھی بلاشبہ مقبول ہوئی ہو گی لیکن مومن ہونا شرط ہے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء سے حصہ ملے۔

الحمدللہ اس درس میں سورہ نوح کا بیان ختم ہو گیا۔

سورۃ نوح

۱- جو آدمی سورۃ نوح کی تلاوت کو اپنا معمول بنا لے تو وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ ضرور دیکھے گا۔

۲- کسی آدمی کو سخت حاجت درپیش ہو تو وہ اپنی حاجت روائی کی نیت سے سورۃ نوح پڑھے‘ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔ ۳- اگر کسی کو کسی ظالم کا سامنا ہو تو سورۃ نوح پڑھ لے‘ ظالم کے شر سے محفوظ رہیگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى

آپ کہیئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سُنا پھر (اپنی قوم میں واپس جاکر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے۔ جو راہ راست

الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

قُلْ آپ فرمادیں	اُوْحِيَ مجھے وحی کی گئی	اِلَيَّ میری طرف	اَنَّهُ اسْتَمَعَ کہ اُسے سُنا	نَفَرٌ ایک جماعت	مِنَ الْجِنِّ جنات سے (کی)
فَقَالُوْٓا تو انہوں نے کہا	اِنَّا سَمِعْنَا بیشک ہم نے سنا	قُرْاٰنًا قرآن	عَجَبًا ایک عجیب	يَهْدِيْ وہ رہنمائی کرتا ہے	اِلَى الرُّشْدِ ہدایت کی طرف
فَاٰمَنَّا تو ہم ایمان لائے	بِهٖ اس پر	وَ اور	لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ ہم ہرگز شریک نہ ٹھہرائیں گے اپنے رب کے ساتھ	اَحَدًا کسی کو	

تفسیر وتشریح: جن'' جس کے لغت میں معنی پوشیدہ کے ہیں یہ بھی اور مخلوقات کی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل مخلوق ہیں۔ ان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے جیسا کہ اوّل انسان حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ لیکن ان جنات کی تخلیق کی تفصیلی کیفیت سے ہم کو آگاہی نہیں ہے، بہر حال دنیا میں حضرت آدمؑ کی آمد اور انسانوں کی پیدائش سے پہلے جنات موجود تھے۔ انسانوں کی طرح اب یہ بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں۔ چونکہ عام طور سے یہ انسانوں کی نظروں سے غائب رہتے ہیں اس لئے اکثر فلسفیوں اور نیچریوں اور دہریوں نے ان کے وجود کا انکار کیا حالانکہ عقلاً بھی کوئی وجہ انکار کی نہیں سوائے اس کے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں اور عام طور سے ہر کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔ لیکن کسی چیز کا ہم کو نظر نہ آنا یا اس کی کیفیت کا ہمیں معلوم نہ ہونا۔ اس کے نہ ہونے کی دلیل کب ہے۔ تمام ارباب مذاہب کے نزدیک جو کسی آسمانی مذہب کے قائل ہیں'' جنات'' کا وجود مسلم ہے۔ اور قرآن کریم واحادیث متواترہ کے نصوص جب صراحت کے ساتھ'' جنات'' کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں اور بہت سی حدیثوں میں جن کو دیکھنے کا ذکر بھی ہے تو پھر کسی مسلمان کو ان کا وجود ماننے سے انکار کرنا ہرگز زیبا نہیں۔ خصوصاً جبکہ ہر زمانہ میں بکثرت ایسے سچے لوگ بھی ہوئے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنات کو مختلف صورتوں میں دیکھا ہے ایسی صورت میں ان کے وجود سے وہی شخص انکار کرے گا جو دیدہ ودانستہ ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ قادیانیوں نے قرآن میں جہاں جہاں '' جن'' کا ذکر ہے۔ اس سے انسان ہی مراد لئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو جگہ جگہ گمراہ کن اور مضحکہ خیز تاویلات کرنی پڑیں۔

الغرض انسانوں کی طرح جنات میں بھی پیدائش اور موت اور مذکر ومؤنث اور نیک و بد۔ اور کافر ومسلم کا سلسلہ جاری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن وانس سب کے لئے تھی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کی بعثت جن وانس دونوں کے لئے نہیں ہوئی۔

چنانچہ جنات کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی گئی جب وہ ایک جگہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج رات کو جنات کو قرآن سناؤں۔ تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا۔ سب نے سن کر سر جھکا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ساتھ لے جانے کی خواہش کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ساتھ ہو لئے۔ حضرت عبد

اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میرے سوا اور کوئی ساتھ نہیں گیا۔ ہم چل دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل ہو گئے اور میرے گرداگرد ہاتھ سے ایک لکیر یعنی حصار کر کے حکم دیا کہ اس کے اندر بیٹھے رہنا۔ جب تک میں نہ بلاؤں باہر نہ نکلنا۔ یہ حکم دے کر آپ چلد یئے اور کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ گدھوں کی طرح کچھ جانور تیزی کے ساتھ اترتے آ رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ مجھے بہت سخت شور وغل بھی سنائی دیا۔

مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فکر ہوئی پھر بکثرت پرچھائیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس چھا گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری آڑ ہو گئی کہ آپ کی آواز بھی مجھے سنائی نہ دیتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد بادل کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑیاں بنا کر جانا شروع ہو گئے اور فجر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کیا تم سو گئے۔ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں نہیں سویا۔ کئی مرتبہ میرا ارادہ ہوا کہ لوگوں کو مدد کے لئے پکاروں مگر لاٹھی کھٹکھٹا کر میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ بیٹھ جاؤ تو مجھے کچھ اطمینان ہوا اور فرمایا اگر تم حصار سے باہر نکل آتے تو ڈر تھا کہ ان میں سے کوئی تم کو چھپٹا مار دیتا۔ اور بھی روایات ہیں کہ جنات کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اور امر و نہی فرمایا۔

سورۃ کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے ہوتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے وحی سے بتایا گیا کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا اور اپنی قوم میں واپس جا کر انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب غریب کلام سنا ہے جو معرفت ربانی اور رشد و فلاح کی طرف رہبری کرتا ہے اور طالب خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اس لئے ہم سنتے ہی بلا توقف اس پر یقین لائے اور ہم کو کچھ شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم اس کی تعلیم و ہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

اب آگے مزید مضمون جو ان ایمان لانے والے جنات نے اپنی قوم میں جا کر بیان کیا نقل فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جو ہم کو اپنے کلام پاک پر ایمان رکھنے والا بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ایمان پر استقامت اور مضبوطی نصیب فرمائیں اور ایمان کے ساتھ اس کلام پاک کا علم اور اس پر عمل اور اتباع بھی نصیب فرمائیں اور اس کے ذریعہ رشد و ہدایت پر بھی خود چلنا اور دوسروں کو بھی چلانا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم ایسے انسانوں کی بدحالی پر کس سے فریاد کریں سوائے آپ کی ذات عالی سے۔ یا اللہ اپنے اس کلام پاک قرآن کریم کی سچی عظمت و محبت ہمارے دلوں میں اتار دے تاکہ ہم اس کے عاشق ہو کر زندہ رہیں اور اس کے اتباع کی دولت سے سرفراز ہو کر دین و دنیا کی کامرانی و کامیابی پھر حاصل کریں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝٣ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى

اور (انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ) ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اُس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد۔ اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں

اللّٰهِ شَطَطًا ۝٤ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝٥ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ

حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے۔ اور ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے۔ اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے

مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝٦ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ

کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے جنات کی بد دماغی اور بڑھا دی۔ اور جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی

اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝٧ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝٨

آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔ اور ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہا سو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝٩ وَّاَنَّا

(اور اس کے قبل) ہم آسمان (کی خبریں سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کیلئے جا بیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے

لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝١٠

اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا اُن کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے۔

وَاَنَّهٗ اور یہ کہ	تَعٰلٰى برتر	جَدُّ شان	رَبِّنَا ہمارا رب	مَا اتَّخَذَ اس نے نہیں بنایا	صَاحِبَةً بیوی	وَّلَا وَلَدًا اور نہ اولاد	وَاَنَّهٗ اور یہ کہ
كَانَ يَقُوْلُ کہتے تھے	سَفِيْهُنَا ہم میں سے بیوقوف	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	شَطَطًا بڑھا کر باتیں	وَاَنَّا ظَنَنَّا اور یہ کہ ہم نے گمان کیا	اَنْ کہ		
لَنْ تَقُوْلَ ہرگز نہ کہیں گے	الْاِنْسُ انسان	وَالْجِنُّ اور جن	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	كَذِبًا جھوٹ	وَاَنَّهٗ اور یہ کہ	كَانَ تھے	رِجَالٌ کچھ آدمی
مِنَ الْاِنْسِ انسانوں میں سے	يَعُوْذُوْنَ پناہ لیتے (تھے)	بِرِجَالٍ لوگوں سے	مِنَ الْجِنِّ جنات سے	فَزَادُوْهُمْ تو انہوں نے (جنات) کو بڑھا دیا			
رَهَقًا تکبر میں	وَاَنَّهُمْ اور یہ کہ وہ	ظَنُّوْا انہوں نے گمان کیا	كَمَا ظَنَنْتُمْ جیسے تم نے گمان کیا تھا	اَنْ لَّنْ کہ ہرگز نہ	يَبْعَثَ اللّٰهُ رسول بنا کر بھیجے گا اللہ		
اَحَدًا کسی کو	وَاَنَّا لَمَسْنَا اور یہ کہ ہم نے چھوا (ٹٹولا)	السَّمَآءَ آسمان	فَوَجَدْنٰهَا تو ہم نے اسے پایا	مُلِئَتْ بھرا ہوا	حَرَسًا پہریدار	شَدِيْدًا سخت	
وَّشُهُبًا اور شعلے	وَاَنَّا اور یہ کہ ہم	كُنَّا نَقْعُدُ ہم بیٹھا کرتے تھے	مِنْهَا اس کے	مَقَاعِدَ ٹھکانے	لِلسَّمْعِ سننے کیلئے	فَمَنْ پس جو	يَسْتَمِعِ سنتا ہے
الْاٰنَ اب	يَجِدْ لَهٗ وہ اپنے لئے پاتا ہے	شِهَابًا شعلہ	رَّصَدًا گھات لگایا ہوا	وَاَنَّا اور یہ کہ ہم	لَا نَدْرِيْ نہیں جانتے	اَشَرٌّ آیا برائی	اُرِيْدَ ارادہ کیا گیا
بِمَنْ انکے ساتھ	فِي الْاَرْضِ جو زمین میں	اَمْ اَرَادَ یا ارادہ فرمایا ہے	بِهِمْ ان سے	رَبُّهُمْ ان کا رب	رَشَدًا ہدایت		

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان ایمان لے آنے والے جنات نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے۔ اس کی عظمت و بزرگی انتہا درجہ کی ہے کہ کوئی اس کا شریک نہ ہو سکے اور یہی وجہ ہے کہ نہ اس کے کوئی بیوی ہے نہ اولاد اور یہ سب باتیں ہمارے احمقوں نے گھڑی ہیں۔ یعنی ان ایمان لانے والے جنات نے اپنے اعتقادات سابقہ کی جو سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے اس کی لغویت بیان کی کہ جن کو ہم پہلے

عقلمند اور دانا سمجھ کر ان کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ وہ حق سبحانہ کی نسبت زن و فرزند ہونے کی روایت کرتے تھے اور ہم اس کو برحق جانتے تھے اب معلوم ہوا کہ وہ احمق اور نادان خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولتے تھے اور غلط باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم نے ان کی باتوں کو کسی دلیل و برہان سے برحق نہیں سمجھ رکھا تھا بلکہ محض تقلید باطل سے یہ غلط خیال قائم کر لیا تھا اور ہم کو پہلے یہ خیال تھا کہ اس قدر کثیر التعداد جن وانس مل کر جن میں بڑے بڑے عاقل و دانا بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ اب قرآن سن کر معلوم ہوا کہ بہت سے جن وانس اللہ تعالیٰ کی بابت جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور اپنی عاقبت برباد کر کے اوروں کی عقبیٰ بھی تباہ کر رہے ہیں پھر ان ایمان لے آنے والے جنات نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے انسان جنات کو اپنا محافظ اور مددگار مان لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان جنات کا دماغ اور بھی بگڑ جاتا ہے کہ او ہو ہم اتنے بڑے ہیں کہ انسان ہماری پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ یہاں عربوں کی ایام جاہلیت کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جنات سے غیب کی خبریں پوچھتے۔ ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے۔ چڑھاوے چڑھاتے اور جب کسی قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک جنگل یا وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ وہ اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کرے۔ جنات نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ لکھا ہے کہ پہلے جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے اور جس جنگل بیابان میں انسان پہنچ جاتا تھا تو وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار "جن" کی ہم پناہ میں آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو ضرر پہنچے تو اب جنات نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرأت بڑھ گئی اور انہوں نے انسانوں کو طرح طرح سے ڈرانا۔ ستانا اور چھیڑنا شروع کر دیا اور طغیانی و سرکشی میں اور بڑھ گئے۔ اسی امر کی طرف ان مسلمان جنات نے اپنی گفتگو میں جو وہ اپنی قوم سے کر رہے تھے اشارہ کیا کہ بہت سے مشرک انسانوں نے جنات کی مدد اور ان کی پناہ مانگ کر ان جنات کی بد دماغی اور سرکشی اور بڑھا دی اور کفر و عناد پر اور زیادہ مصر ہو گئے۔ یہاں تک تو ان مسلمان جنات نے توحید کے متعلق اپنی قوم میں مضمون بیان کیا آگے بعث بعد الموت یعنی مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق کہا کہ اے قوم جنات جیسا تمہارا خیال ہے بہت سے انسانوں کا بھی یہی خیال ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہ اٹھائے گا۔ اس لئے جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے آگے کچھ نہیں۔ لیکن اب قرآن سے معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کو بتاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور دنیا کی زندگی کا رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔ اس کے بعد ان مسلمان جنات نے رسالت کے متعلق مضمون بیان کیا اور قوم سے کہا کہ ہم نے اڑ کر آسمان کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ آج کل بہت جنگی پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی کو غیب کی خبر سننے نہیں دیتے اور جو ایسا ارادہ کرتا ہے تو اس پر آگ کے انگارے برستے ہیں۔ اس سے پیشتر اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی۔ جن اور شیاطین آسمان کے قریب گھات میں بیٹھ کر ادھر کی کچھ خبریں سن آیا کرتے تھے مگر اب اس قدر سخت ناکہ بندی اور انتظام ہے کہ جو سننے کا ارادہ کرے تو فوراً شہاب ثاقب کے آتشیں گولے سے اس کا تعاقب کیا جاتا ہے اور یہ جدید انتظامات اور ناکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں۔ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآن کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس کا علم اس علام الغیوب ہی کو ہے کہ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر الطاف خصوصی مبذول فرمائے گا یا یہ ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ لوگ قرآنی ہدایات سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کئے جائیں اس کا ہم کو علم نہیں۔ یہاں ان مسلمان جنات کا نتیجہ کی لاعلمی ظاہر کرنے سے یہ ظاہر کرنا بھی شاید مقصود ہو کہ بعض لوگ جو جنات کی طرف غیب دانی کو منسوب کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہم کو خبر نہیں کہ ان جدید پیغمبر کے مبعوث فرمانے سے اللہ تعالیٰ کو زمین والوں کے ساتھ کیا معاملہ مقصود ہے؟ معلوم نہیں کہ اس قرآن کو رسول سے سن کر سارے لوگ ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی رحمت و ہدایت کے مستحق ہوتے ہیں یا اس کا انکار اور مخالفت کر کے عذاب کمئیں گے۔ مسلمان جنات کے اس مضمون کے بیان کرنے میں اشارہ قوم کو اس طرف بھی ہے کہ انکار د مخالفت رسول اور قرآن میں عقوبت اور سزا ہے اور ان پر ایمان لے آنے اور اتباع کرنے سے رشد و ہدایت ہے۔ ابھی ان ایمان لانے والے جنات کا خطاب قوم سے جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ

اور ہم میں بعضے نیک ہیں اور بعضے اور طرح کے ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے۔ اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو

نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ

ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں۔اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو ہم نے تو اس کا یقین کر لیا۔سو جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آوے گا

بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ

تو اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا۔اور ہم میں بعضے تو مُسلمان (ہوگئے) ہیں اور بعضے ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو شخص مسلمان ہوگیا

فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

انہوں نے تو بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا۔اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں۔

وَّ اَنَّا اور یہ کہ	مِنَّا ہم میں سے	الصّٰلِحُوْنَ نیکوکار (جمع)	وَ مِنَّا اور ہم میں سے	دُوْنَ ذٰلِكَ اس کے علاوہ	كُنَّا ہم تھے	طَرَآئِقَ راہیں	قِدَدًا مختلف
وَّ اَنَّا اور یہ کہ	ظَنَنَّاۤ ہم نے گمان کیا	اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ کہ ہم ہرگز نہ ہرا سکیں گے	اللّٰهَ اللہ	فِي الْاَرْضِ زمین میں	وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ اور ہم اس کو ہرگز نہ ہرا سکیں گے		
هَرَبًا بھاگ کر	وَّ اَنَّا اور یہ کہ	لَمَّا سَمِعْنَا جب ہم نے سُنی	الْهُدٰۤى ہدایت	اٰمَنَّا بِهٖ ہم ایمان لے آئے اس پر	فَمَنْ سو جو	يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ اپنے رب پر ایمان لائے	
فَلَا يَخَافُ تو اسے خوف نہ ہوگا	بَخْسًا کسی نقصان	وَّ لَا رَهَقًا اور نہ کسی ظلم	وَّ اَنَّا اور یہ کہ	مِنَّا ہم میں سے	الْمُسْلِمُوْنَ مسلمان (جمع)		
وَ مِنَّا اور ہم میں سے	الْقٰسِطُوْنَ گنہگار	فَمَنْ اَسْلَمَ پس جو اسلام لایا	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی ہیں	تَحَرَّوْا انہوں نے قصد کیا	رَشَدًا بھلائی	وَ اَمَّا اور رہے	
الْقٰسِطُوْنَ گنہگار (جمع)	فَكَانُوْا تو وہ ہوئے	لِجَهَنَّمَ جہنم کا	حَطَبًا ایندھن				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان جنات نے قوم سے یہ بھی کہا کہ ہمارے اندر پہلے ہی نیک و بد دونوں قسم کے جنات ہیں اور مختلف طریقوں پر ہیں۔حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جس طرح مذہبوں کا اختلاف آدمیوں میں پایا جاتا ہے ایسا ہی اختلافات جنات بھی رکھتے ہیں چنانچہ بعضے ان میں یہودی ہیں بعضے نصرانی۔بعضے مجوسی۔بعضے مشرک۔بعضے رافضی اور بعضے خارجی اور بعض نہایت صحیح العقیدہ مومن ومسلم بھی ہیں۔تو ان اہل ایمان جنات نے بھی یہی کہا کہ ہم میں سے بعضے نیک ہوتے آئے ہیں اور بعضے بد۔غرض ہم لوگ مختلف طریقوں پر تھے پھر اس کا فیصلہ کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔بجز نبوت اور وحی الٰہی کے کون کرسکتا ہے۔ہم کو تو یقین ہو گیا ہے کہ اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر۔نہ ادھر ادھر بھاگ کر۔نہ ہوا میں اڑ کر۔گو جنات نہایت قوی اور زبردست ہیں مگر خدا تعالیٰ کے آگے کچھ حقیقت اور زور نہیں رکھتے۔صرف آسمانی راز ہی بند کرنے پر دیکھ لیا کہ کسی کی تدبیر اور زور کارگر نہ ہوا۔اوپر چڑھتے ہیں تو انگارے برستے ہیں پھر اگر ہم نے آسمانی ہدایات کے خلاف کیا اور اللہ کا قہر نازل ہوا تو ہم کہیں نکل کر نہ بھاگ سکیں گے۔نہ پناہ گزین ہوسکیں گے۔اس لئے اس قرآن اور نبی آخرالزمان کا ماننا ضروری ہوا اور اب اے قوم تم مانو یا نہ مانو لیکن ہم نے جب ہدایت یعنی قرآن سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ہمارے لئے فخر کا موقع ہے کہ جنات میں سب سے پہلے ہم نے

قرآن سن کر بلاتوقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔ اس طرح گویا قوم کو بھی بلا تاخیر ایمان لانے کی ترغیب دی اور اسی ترغیب کے لئے مزید یہ کہا کہ سچے ایماندار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائیگاں چلی جائے نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیئے جائیں۔ غرض کہ ایمان والا نقصان۔ تکلیف۔ ذلت اور رسوائی سب سے مامون و محفوظ ہے۔ اپنے خطاب کے اخیر میں ان اہل ایمان جنات نے یہ کہا کہ نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنھوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی۔ یہی ہیں جو تلاش حق میں کامیاب ہوئے اور نیکی کے راستہ پر پہنچ گئے دوسرا گروہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی اور بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے اور یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کندہ اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہیئے۔ یہاں تک ان اہل ایمان جنات کا کلام نقل فرمایا گیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا اور جس میں تبلیغ، ترغیب اور ترہیب کے سب پہلو آ گئے۔

قرآن کریم میں یہ واقعہ سنا کر کفار مکہ کو اس سے یہ جتلایا گیا کہ دیکھو وہ جنات جن کی تم پوجا کرتے ہو اور ان سے مدد مانگتے ہو اور ان سے غیب کی باتیں پوچھتے ہو ان کا تو یہ حال کہ وہ ایک بار ہی کے قرآن سننے پر ایمان لے آئے اور اپنے عیوب کا اقرار کر لیا اور کفر و شرک چھوڑ دیا اور پھر اپنی قوم میں بھی جا کر اسلام کی تبلیغ و تلقین کی حالانکہ وہ جنات نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جنس تھے۔ نہ ہم وطن نہ ہم قوم نہ ہم زبان اور نہ آپ کی پہلے صحبت اٹھائی تھی اور ایک تم ہو کہ باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جنس، ہم قوم، ہم وطن، ہم زبان، ہم صحبت ہو کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور کفر و شرک پر اصرار ہے۔

اس کے بعد یہاں قرآن مجید میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان ایماندار جنات کے اس خطاب پر ان کے اہل قوم ایمان لائے یا نہیں مگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان لائے۔ اور بہت سے جنات صحابی کے درجہ کو پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ ایمان ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں بہت سے واقعات صحابہ کرام اور محدثین سے جنات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لانے کے نقل فرمائے ہیں۔ ان روایت میں ایک عجیب و غریب روایت جو ابلیس کے پڑپوتے کی ہے وہ یہاں نقل کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "عقیلی اور بیہقی اور ابونعیم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہامہ کے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ یکایک ایک پیر مرد ہاتھ میں عصا لئے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس کی آواز جن کی سی ہے۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرا نام ہامہ ہے میں ہیم کا بیٹا ہوں اور ہیم لاقیس کا بیٹا ہے اور لاقیس ابلیس کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابلیس کے اور تیرے درمیان میں دو ہی پشتیں ہیں۔ بتلا تو کہ تیری عمر کتنی ہوگی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جتنی دنیا کی عمر ہے اس سے کچھ تھوڑی ہی سی میری عمر کم ہے اس واسطے کہ جن دنوں میں قابیل نے ہابیل کو مارا تھا اس وقت میں بچہ تھا کئی برس کا لیکن بات سمجھتا تھا اور پہاڑوں پر دوڑتا پھرتا تھا اور لوگوں کا غلہ اور کھانا چرالاتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اپنے خویش و اقربا سے بدسلوکی کرنے کو وسوسے ڈالا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تیرے بڑھاپے کے عمل تو ایسے ہیں اور جوانی اور بچپن کے کام ویسے۔ تو بہت برا شخص ہے اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب مجھ کو کچھ ملامت نہ کیجئے اس واسطے کہ میں اب توبہ کرنے کو آیا ہوں اور میں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور ان کی مسجد میں ان کی صحبت میں رہا ہوں۔ پہلے میں نے ان کے ہاتھ

2 پرتوبہ کی تھی اور ایک سال ان کی مسجد میں رہا ہوں۔اور حضرت ہوداور حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی صحبتوں میں رہا ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میں نے ملاقات کی ہے اور ان سے توریت سیکھی تھی اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا تو میرا سلام ان کو پہنچانا۔سواب اس امانت کے بار کے ادا کرنے کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور یہ بھی میری آرزو ہے کہ آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے مجھ کو کچھ قرآن شریف تعلیم فرمائیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سورتیں جیسے سورہ واقعہ اور سورہ مرسلات اور عم یتسآء لون اور اذ الشمس کورت اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ بورب الفلق اور قل اعوذ بورب الناس اس کو تعلیم فرمائیں اور یہ بھی آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اے ہامہ جس وقت تجھ کو کسی چیز کی احتیاج ہو تو میرے پاس آنا اور ہم سے ملاقات نہ چھوڑنا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وفات پائی اور اس کی موت کی خبر ہم کو نہیں دی اب معلوم نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا"۔ کتنی عجیب وغریب اور عبرتناک حکایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی کیسی قدرت وشان ظاہر کرتی ہے۔شیطان کا پڑپوتا تو ایمان واسلام لاکر جنتی بن گیا اور آج کتنے انبیاء کی نسل اور اولادوں میں سے ایمان واسلام سے بے بہرہ ہو کر اپنے کو جہنم کا ایندھن بنارہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک ایمان واسلام پر استقامت نصیب فرمائیں۔

الغرض سورۃ میں یہاں تک مسلمان جنات کا کلام جوانہوں نے اپنی قوم جنات کو خطاب کر کے کہا تھا نقل فرمایا گیا۔آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرماتے ہیں جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکرواحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایمان اور اسلام پر استقامت نصیب فرمائیں اور اسلام وایمان کی برکت سے دونوں جہاں میں اپنی رحمتوں سے نوازیں۔ یااللہ نفس وشیطان کی گمراہیوں سے ہماری حفاظت فرمائیے اور انجام کی خیروخوبی اور حسن خاتمہ کی دولت ہم سب کو عطا فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ

(اور مجھ کو ان مضامین کی بھی وحی ہوئی کہ) اگر یہ (مکہ والے) لوگ (سیدھے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے۔ تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں۔

ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

وَّاَنْ اور یہ کہ	لَّوِ اگر	اسْتَقَامُوْا وہ قائم رہتے	عَلَى الطَّرِيْقَةِ (سیدھے) راستے پر	لَاَسْقَيْنٰهُمْ تو البتہ ہم انہیں پلاتے	مَّآءً پانی	غَدَقًا وافر
لِّنَفْتِنَهُمْ تاکہ ہم انہیں آزمائیں	فِيْهِ اس میں	وَمَنْ اور جو	يُّعْرِضْ روگردانی کریگا	عَنْ سے	ذِكْرِ رَبِّهٖ اپنے رب کی یاد	يَسْلُكْهُ وہ اسے داخل کریگا
عَذَابًا عذاب	صَعَدًا سخت					

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر جن و انس حق کی سیدھی راہ اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام پر چلتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان و اطاعت کی بدولت ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجالاتے اور طاعت میں اور ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم و شرارت کی سزا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے کئی سال کا قحط پڑا تھا۔ لوگ خشک سالی سے پریشان و تباہ حال ہو رہے تھے اس لئے متنبہ فرما دیا کہ اگر سب لوگ ظلم و شرارت سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے اہل ایمان جنات نے طریقہ اختیار کیا تو قحط دور ہو اور باران رحمت سے ملک سرسبز و شاداب کر دیا جائے۔ اور اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہی چڑھا چلا آتا ہے۔

یہاں آیت وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا) میں ایک عام قانون الٰہی بتلایا گیا کہ ذکر سے روگردانی کرنے والوں کے لئے عذاب کو لازم قرار دیا ہے اب اسی سے اس کے تقابل اور ضد کو سمجھ لیا جائے یعنی ظاہری و باطنی جو اعراض کرنے والے نہیں ہیں یعنی شریعت الٰہیہ پر استقامت رکھنے والے ہیں ان کو حسن زندگانی عطا کیا جائے گا۔ جیسا کہ چودھویں پارہ سورہ نحل میں فرمایا۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (جو عمل صالح کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس کو حیٰوۃ طیبہ یعنی بالطف زندگی عطا کریں گے)۔

یہاں آیت میں **عذاباً صعداً** یعنی سخت عذاب اونچے درجہ کا عذاب فرمایا گیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عذاب سے مراد عذاب دنیا ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عذاب آخرت مراد ہے۔ محققین علماء نے لکھا ہے کہ بظاہر اس جگہ عذاب دنیا مراد ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں۔ ''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مال تھوڑا ہو یا بہت اگر تقویٰ نہ ہو تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں۔ یہی زندگی کی تنگی ہے جو لوگ حق سے روگرداں ہوتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی مالدار اور کیسے ہی فراخ دست ہوں لیکن ان کی زندگی تنگ ہی ہوتی ہے کیونکہ ان کو خیال ہوتا ہے کہ موجودہ مال صرف ہو گیا تو اس کی جگہ ان کو دوسرا مال نہیں ملے گا۔ اللہ کے متعلق اس بدگمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں تنگ ہی گزرتی ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ قناعت ان سے چھین لی جاتی ہے اس لئے ان کو سیری حاصل ہی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد حضرت علامہ قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ دنیا داروں سے قناعت

چھین لی جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کمائی کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ کماتے ہیں اور مال کا چوکیدارا کرتے ہیں اور ہر وقت مال کے ضائع ہونے کا ان کو اندیشہ لگا رہتا ہے۔ باہمی بغض وحسد کی یہی بنیاد ہے۔ دشمنوں اور حاسدوں کی کثرت ان کو چین نہیں لینے دیتی یہی عذاب الیم اور تنگی حیات ہے وہ نہیں جانتے کہ اہل اللہ کی زندگی کیسی خوشگوار گزرتی ہے۔ ذکر الٰہی سے اطمینان قلب اور کشائش صدر کا حصول، تھوڑے پر قناعت، دنیا سے استغنا، مخلوق پر رحم و مہربانی، ان کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں۔ مصائب سے بھی راضی رہتے ہیں اور شکر کرتے ہیں کیونکہ ان کو تکالیف سے گناہوں کا کفارہ اور حسن ثواب کے حصول کی امید ہوتی ہے۔ فراخئی حال اور آسائش کا تو ذکر ہی کیا۔ اللہ جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت کی راحت عطا فرماتا ہے۔''

قرآن پاک کا بیان کردہ یہ آسمانی قانون وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا) اگر بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو اس آیت کی صداقت آج بھی ظاہر ہے اور قیامت تک دنیا میں ظاہر رہے گی اور پھر دنیا کے بعد آخرت میں بھی ایسا ہی ہونا ہے مگر جن کے دل دماغ یورپ وامریکہ کی تہذیب سے موثر ہیں اور مغربیت کا بھوت ان میں سرایت کر گیا ہے اور بے دینی کا رنگ جن کے دلوں پر جم گیا ہے ان کو شاید اس آیت کی صداقت میں کچھ تردد ہو۔ اور ان کی مسخ شدہ ذہنیت میں ذکر اللہ سے اعراض کا نتیجہ عذاب دنیا میں گرفتار ہونا سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ جو ذکر اللہ یعنی ایمان واطاعت سے اعراض کرے گا اس کو دنیا ہی میں عذاب دیکھنا ہو گا۔ آج مغربی تہذیب وتمدن کے پرستار یورپ اور امریکہ کی سی ترقی۔ ان کا جیسا تمدن اور ان کی جیسی تہذیب اور معاشرت کے ظاہر کو دیکھ کر ان کے تمدن وتہذیب اور معاشرت کے دلدادہ بنے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے مزے اور آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اگر ذرا گہری نظر سے خود یورپ اور امریکہ کے محققین اور مفکرین کی تحقیقات جو خود انہوں نے اپنے ملکوں اور اپنی معاشرت اور تہذیب کے بارہ میں لکھی ہیں پڑھیں تو شاید اس آیت کی صداقت ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

ابھی آگے مزید نصائح کا بیان اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت کی سیدھی اسلامی راہ پر چلنا نصیب فرمائیں اور ایمان واسلام کی برکات و ثمرات سے دونوں جہاں میں نوازیں۔

یا اللہ! کون ہماری حالت کو بدل سکتا ہے سوائے آپ کی ذات مقلب القلوب کے۔ یا اللہ! امت مسلمہ پر رحم وکرم فرما دے۔ ہمیں اپنا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانبردار بنا لے۔ ہمیں اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ

اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔ اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر

عَلَیْہِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا

بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا

رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا

اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ (اگر خدانخواستہ میں ایسا کروں تو) مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا، اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ پا سکتا ہوں۔ لیکن خدا کی

مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کیلئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

(لیکن یہ کفار اس جہالت سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے۔

وَاَنَّ اور یہ کہ	الْمَسٰجِدَ مسجدیں	لِلّٰہِ اللہ کیلئے	فَلَا تَدْعُوْا تو تم نہ پکارو (بندگی نہ کرو)	مَعَ اللّٰہِ اللہ کے ساتھ	اَحَدًا کسی کی	وَاَنَّہٗ اور یہ کہ	
لَمَّا قَامَ جب کھڑا ہوا	عَبْدُ اللّٰہِ اللہ کا بندہ	یَدْعُوْہُ کہ وہ اسکی عبادت کرے	کَادُوْا قریب تھا	یَکُوْنُوْنَ وہ ہوجائیں	عَلَیْہِ اس پر	لِبَدًا حلقہ در حلقہ	
قُلْ فرمادیں	اِنَّمَا اس کے سوا نہیں	اَدْعُوْا رَبِّیْ صرف میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں	وَلَآ اُشْرِکُ اور میں شریک نہیں کرتا	بِہٖ اس کے ساتھ			
اَحَدًا کسی کو	قُلْ فرمادیں	اِنِّیْ بیشک میں	لَآ اَمْلِکُ اختیار نہیں رکھتا	لَکُمْ تمہارے لئے	ضَرًّا کسی ضرر	وَلَا رَشَدًا اور نہ کسی بھلائی	قُلْ فرمادیں
اِنِّیْ بیشک مجھے	لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مجھے ہرگز پناہ نہ دیگا	مِنَ اللّٰہِ اللہ سے	اَحَدٌ کوئی	وَلَنْ اَجِدَ اور میں ہرگز نہ پاؤں گا	مِنْ دُوْنِہٖ اس کے سوا		
مُلْتَحَدًا کوئی جائے پناہ	اِلَّا بَلٰغًا مگر (پیغام) پہنچانا	مِنَ اللّٰہِ اللہ کی طرف سے	وَرِسٰلٰتِہٖ اور اسکے پیغام (جمع)	وَمَنْ اور جو	یَعْصِ اللّٰہَ نافرمانی کرے اللہ کی		
وَرَسُوْلَہٗ اور اسکے رسول کی	فَاِنَّ لَہٗ تو بیشک اس کیلئے	نَارَ جَہَنَّمَ جہنم کی آگ	خٰلِدِیْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِیْہَآ اس میں	اَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ	حَتّٰٓی یہانتک کہ	
اِذَا رَاَوْا جب وہ دیکھیں گے	مَا یُوْعَدُوْنَ جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے	فَسَیَعْلَمُوْنَ تو وہ عنقریب جان لینگے	مَنْ کس	اَضْعَفُ کمزور ترین			
نَاصِرًا مددگار	وَاَقَلُّ اور کم تر	عَدَدًا تعداد میں					

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں جنات کے کلام کے خاتمہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے طور پر بتلایا گیا تھا حق تعالیٰ کا ایک ارشاد یہ ہوا تھا کہ اگر جن وانس اس دنیا میں حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان واطاعت کی برکت سے ظاہری وباطنی نعمتوں سے سیراب کر دیتے۔ دوسرا ارشاد یہ ہوا تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد اور ایمان واطاعت سے روگردانی کرے گا اس کو سخت عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ آگے تیسرا ارشاد ان آیات میں یہ ہوتا ہے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے واسطے بنائی جاتی ہیں۔ اللہ کے سوا ان میں کوئی اور پکارے جانے اور عبادت کئے جانے کا مستحق نہیں۔ یہاں آیت میں لفظ مساجد کے مفسرین نے کئی معنی

بیان کیئے ہیں۔ایک معنیٰ تو مسجد کے عبادتگاہوں کے لئے ہیں جو گر جا کنسیہ اور اہل اسلام کی مسجد سب کو شامل ہے اس صورت میں وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ کے یہ معنیٰ ہوئے کہ دنیا میں کوئی عبادت خانہ اللہ کی عبادت کے سوا اور کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ (۲) بعض مفسرین نے مساجد سے مراد سجدے لئے ہیں کہ سجدہ اللہ کے سوا اور کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ (۳) بعض نے مساجد سے مراد وہ اعضا لئے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں یعنی ہاتھ۔ پاؤں۔ گھٹنے۔ پیشانی۔ ناک یعنی یہ خدا کے دیئے ہوئے اور بنائے ہوئے اعضا ہیں ان کو اس مالک اور خالق کے سوا کسی دوسرے کے آگے جھکانا جائز نہیں۔ (۴) بعض نے یہ معنیٰ مراد لئے ہیں کہ مساجد خاص عبادت کے لئے ہیں اور دنیوی کام وہاں نہ ہونے چاہئیں جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی مسجد میں گمشدہ چیز کو ڈھونڈنے آوے تو کہدو کہ خدا کرے نہ ملے اس لئے کہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد میں خرید وفروخت اور دوسرے جتنے معاملات دنیاوی ہیں کسی کو نہ کرنا چاہئے حتیٰ کہ مسجد میں چلانا۔زور سے بولنا اور دنیا کی گفتگو بھی نہ کرنا چاہئے اور مسجد کو گھر نہ بنانا چاہئے کہ کھانا پینا۔سونا سب وہیں کرے۔ ہاں معتکف اور مسافر شرعی کے لئے البتہ جائز ہے کہ وہ مسجد میں کھاپی اور سوسکتا ہے۔اور نا سمجھ بچوں اور دیوانوں کو مسجد میں نہ آنے دینا چاہئے اس واسطے کہ نادانی اور بے عقلی سے کہیں مسجد کو نجاست سے آلودہ نہ کریں (۵) ایک معنیٰ و مراد مساجد کے تمام مقامات کے لئے ہیں کیونکہ اس امت کے لئے تمام روئے زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوئے کہ یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لئے مسجد بنادی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الٰہی کے لئے بنائے جاتے ہیں ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے

وہاں جاکر اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ان میں سے ہر ایک معنیٰ مراد لئے جاسکتے ہیں۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہدایت فرمارہے ہیں کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں نہ کسی اور کو خدا کی عبادت واطاعت میں شریک کریں۔ اس میں کفار مکہ کے لئے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مشرکین نے خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھ چھوڑے تھے وہ خانہ کعبہ کی حرمت کے خلاف ہے کیونکہ مساجد تو صرف اللہ کی عبادت کے لئے ہیں۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب اللہ کے خاص بندہ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خدا کی توحید کا اعلان کرتے ہیں یا قرآن پڑھ کر جب آپ ایمان واسلام کی دعوت دیتے ہیں تو یہ کفار جن کے کان دعوت حق اور توحید کی آواز سے مدتوں سے غیر مانوس ہوچکے تھے عداوت سے آپ پر ہجوم کرلیتے اور بھیڑ لگا لیتے ہیں یعنی تعجب اور عداوت سے ہر شخص آپ کو اس طرح دیکھتا ہے کہ جیسے اب حملہ کرنے لئے بھیڑ لگا چاہتی ہے۔ آگے مشرکین کے اس تعجب اور عداوت کے متعلق جواب دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہد یجئے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو۔کونسی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا۔صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کونسی بات ہے۔اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکت سے پاک اور بے نیاز ہے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بھی ان کفار مخالفین سے کہ دیجئے کہ میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو ہدایت بخش دوں اور راہ پر لے آؤں اور نہ آؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں۔سب نفع نقصان اور برائی بھلائی پہنچانا اسی

خدائے واحد کے قبضہ میں ہے اور تم کو نفع نقصان پہنچانا تو کجا اپنا نفع وضرر بھی میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں کہ جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کرسکوں۔ اللہ کی طرف سے پیغام کا آنا اور اس کو اس کے بندوں کو پہنچا دینا یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔ تمہارے نفع نقصان اور ہدایت و ضلالت اور خیر وشر کا مالک میں نہیں۔ ہاں تبلیغ احکام اور پیام رسانی کا فرض خدا کی طرف سے مجھ پر ہے اگر میں اللہ کا حکم اور پیام نہ پہنچاؤں تو اس کے عذاب سے مجھے کوئی نہیں بچائے گا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ توحید کے معاملہ میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو ایسے نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی نارِ جہنم ہے جس میں سے نہ وہ کبھی نکل سکیں گے نہ بھاگ سکیں گے۔

اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار اس وقت ان نصائح و دلائل سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ الٹا مسلمانوں کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی تھوڑی جماعت پر نظر کر کے اپنی قوت وشوکت کا گھمنڈ کر کے اللہ کے رسول کی توہین اور ان کے گرد جاہلانہ ہجوم کرنے سے باز نہیں آتے اور ایمانداروں کو ایذائیں دیتے ہیں تو یہ اس جہالت سے باز نہ آویں گے جب تک کہ یہ عذاب کو نہ دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ مرنے کے بعد کا عذاب اور قیامت کے مصائب دیکھ لیں گے اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے یعنی یہ کافر ہی ایسے ہوں گے کہ کوئی ان کے کام نہ آوے گا۔

اب کفار کو جب عذاب قیامت کی وعید سنائی جاتی تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تو بتاؤ کہ آخر وہ قیامت کب ہوگی؟ اس کا جواب اگلی آیات میں دیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو توحید کامل اور خالص اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے شرک سے ہم کو بچائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے مطیع اور فرمانبردار بندوں میں شامل فرمائیں اور اپنی اطاعت اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو ماننے والا بنائیں۔ اور قیامت میں اپنے فرمانبردار بندوں کے ساتھ ہمارا حشر ونشر فرمائیں۔ ہر طرح کی کجی اور گمراہی اور شرک کی باتوں سے ہماری حفاظت فرمائیں اللہ تعالیٰ ان مساجد کے حقوق کی ادائیگی کی ہم کو توفیق عطا فرمائیں اور ان کے ادب واحترام کے خلاف باتوں سے ہم کو بچائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کیلئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔ (اور) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے

عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ

غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے، (اور یہ

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ

انتظام اس لئے کیا جاتا ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جاوے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کا

شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔

قُلْ فرمادیں	اِنْ نہیں	اَدْرِیْٓ میں جانتا	اَقَرِیْبٌ آیا قریب ہے	مَّا تُوْعَدُوْنَ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	اَمْ یَجْعَلُ یا کردے گا	لَهٗ اس کیلئے	رَبِّیْٓ میرا رب
اَمَدًا امدت	عٰلِمُ الْغَیْبِ غیب کا جاننے والا	فَلَا یُظْهِرُ وہ مطلع نہیں کرتا	عَلٰی غَیْبِهٖٓ اپنے غیب پر	اَحَدًا کسی کو	اِلَّا سوائے	مَنِ جس کو	
ارْتَضٰی وہ پسند کرتا ہے	مِنْ رَّسُوْلٍ رسولوں میں سے	فَاِنَّهٗ تو بیشک وہ	یَسْلُكُ چلاتا ہے	مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ اس کے آگے سے	وَمِنْ خَلْفِهٖ اور اسکے پیچھے سے		
رَصَدًا محافظ (فرشتے)	لِّیَعْلَمَ تاکہ وہ معلوم کرلے	اَنْ کہ	قَدْ اَبْلَغُوْا انہوں نے تحقیق پہنچا دیئے	رِسٰلٰتِ پیغام (جمع)	رَبِّهِمْ اپنے رب کے		
وَاَحَاطَ اور اس نے احاطہ کیا ہوا ہے	بِمَا لَدَیْهِمْ جو ان کے پاس	وَاَحْصٰی اور اس نے شمار کر رکھی ہے	كُلَّ شَیْءٍ ہر شے	عَدَدًا گنتی میں			

تفسیر و تشریح: ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم مجھے نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ جلد آنے والی ہے یا دیر میں کیونکہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غیوب میں سے ہے جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا آگے بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان و منصب کے لائق اور ضروری ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے اور اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں تا کہ کسی طرف سے شیاطین کا گذر نہ ہو اور شیاطین اس وحی میں دخل کرنے نہ پائیں یا وحی کو فرشتہ سے سن کر اور کسی سے نہ جا کہیں یا کسی وسوسہ وغیرہ کا القا نہ کر سکیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کو اپنے علوم و اخبار میں عصمت حاصل ہوتی ہے اور ان کی معلومات بذریعہ وحی میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ انتظام محافظت اس غرض سے کئے جاتے ہیں تا کہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بغیر کمی بیشی کے پہنچا دیئے ہیں اور اس میں کسی کا دخل و تصرف نہیں ہوا۔ اخیر میں خاتمہ سورۃ پر بتلایا گیا کہ ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الٰہی میں تغیر و تبدل یا کاٹ چھانٹ۔ کمی بیشی کر سکے اور یہ فرشتوں کے پہرہ اور چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لئے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں ورنہ جس کا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں اور یہ حق تعالیٰ کے علم کا محیط ہونا کچھ رسولوں اور وحی کے محافظ فرشتوں کے احوال کے ساتھ مخصوص نہیں

بلکہ عام ہے۔ تمام موجودات و مخلوقات کو شامل ہے اور کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی سب کا حساب وہاں موجود ہے حتیٰ کہ دریا کے قطرے۔ ریگستان کے ذرے اور درختوں کے پتے سب کی گنتی اور شمار اس کو معلوم ہے۔

ان آیات سے بھی معلوم ہوا اور قرآن پاک کی متعدد آیات اس بات کی شاہد ہیں اور اس بات پر پوری امت محمدیہ کا اتفاق بھی ہے کہ قیام قیامت کی مخصوص گھڑی کا علم خزائن غیب میں سے ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے نہ کسی مقرب فرشتے کو عطا فرمایا ہے اور نہ ہی کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اسی کی مقتضی ہے کہ قیام قیامت کا علم ساری مخلوق سے مخفی رکھا جائے۔ مفسرین نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن عزیز سے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں بھی علم قیامت کو پوشیدہ ہی رکھا ہے مگر افسوس ہے کہ باوجود قرآنی نصوص قطعیہ و صریحہ کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واضحہ صحیحہ کے اور باوجود اجماع صحابہ کرام۔ اقوال مجتہدین وائمہ دین۔ وتصریحات علمائے مفسرین کے بعض مدعیان اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہہ کر آپ کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کے کمال کا اعتراف سمجھتے ہیں۔ اور اس عقیدہ "علم غیب کلی یا علم جمیع ما کان و ما یکون" کو انہوں نے بارگاہ رسالت کے تقرب خصوصی کا ذریعہ سمجھا ہے ایسے ہی گرفتاران باطل عقیدہ کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ محدثین حنفیہ میں مشہور و معروف شخصیت ہیں اپنی مشہور کتاب "موضوعات کبیر" (عربی) میں ایک جگہ لکھتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔

"اور بے شک ان لوگوں کو اس گمراہی پر ان کے اس خیال نے مجبور کیا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ان کے لئے کفارہ سیئات بن جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ جنت میں پہنچ جائیں گے اور جس قدر بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھائیں گے اس قدر آپ کا تقرب حاصل ہوگا۔ درحقیقت یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ نافرمان ہیں اور آپ کی سنت کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ ان میں نصاریٰ کی ظاہر باہر مشابہت ہے۔ انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں بڑے غلو سے کام لیا اور ان کی شریعت اور ان کے دین کے بالکل خلاف عقیدہ قائم کر لئے"

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعد کمال علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو علوم و معارف آپؐ کو عطا فرمائے وہ بحیثیت مجموعی کسی دوسرے رسول اور کسی مقرب ترین فرشتے کو بھی عطا نہیں ہوئے لیکن بایں ہمہ کلی اور تفصیلی غیب و شہادت کا علم خاصہ خداوندی ہے۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو کامل علم نبوت اور حسب ضرورت بعض تکوینی اور امور غیبیہ کا جب چاہا علم بھی عطا فرمایا پھر بھی انبیاء علیہم السلام کا علم محیط کل نہیں تھا اور وہ قرآنی اصطلاح میں عالم الغیب نہ تھے۔ چونکہ اس زمانہ کے بعض مبتدعین نے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا اور ما کان و ما یکون ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو کلام الٰہی کی صریح تحریف ہے اس لئے یہاں مختصری تشریح اس مسئلہ کی کر دی گئی ہے ورنہ علمائے محققین نے اس باب میں بڑی عالمانہ اور فاضلانہ بحث فرمائی ہے اور سلف سے خلف تک امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ ہی عالم الغیب والشہادہ ہیں اور علم غیب کلی و تفصیلی خاص حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

سورۃ الجن

۱......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی سورۃ الجن پڑھے اسے ہر ایک جن و شیطان کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

۲......اگر کسی آدمی کو بادشاہ، حاکم یا افسر کا خوف ہو تو سورۃ الجن پڑھ لے وہ اس پر کوئی زیادتی نہ کر سکے گا۔

۳......کوئی چیز اگر رکھی ہے اور چوری وغیرہ سے حفاظت کی فکر ہے تو اس کی حفاظت کی نیت سے سورۃ جن پڑھ لیں ان شاء اللہ محفوظ رہے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔ رات کو کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو۔ یا نصف سے کچھ بڑھا دو

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾

اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے کپڑوں میں لپٹنے والے (محمدؐ)	قُمِ الَّيْلَ رات میں قیام کریں	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا تھوڑا	نِّصْفَهٗٓ اس کا نصف	اَوِ یا	انْقُصْ کم کرلیں
مِنْهُ اس میں سے	قَلِيْلًا تھوڑا	اَوْ زِدْ یا زیادہ کرلیں	عَلَيْهِ اس پر سے	وَرَتِّلِ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں	الْقُرْاٰنَ قرآن	تَرْتِيْلًا ترتیل کے ساتھ

تفسیر وتشریح: اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ابتدائے نبوت میں قریش مکہ نے ''دارالندوہ'' میں جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے موافق کوئی لقب آپ کے لئے تجویز کرنا چاہئے کہ سب اس پر متفق رہیں اور اسی نام کو لے کر مکہ کے باہر نکلیں اور وہ نام اطراف ملک میں مشہور ہو جائے کسی نے کہا کہ آپ کاہن ہیں۔ پھر رائے قرار پائی کہ کاہن نہیں ہیں کسی نے مجنون کہا پھر اس کو بھی آپس میں غلط قرار دیا۔ پھر ساحر کہا اس کو بھی رد کیا اور بعض کہنے لگے کہ ساحر اس لئے ہیں کہ دوست کو دوست سے جدا کر دیتے ہیں (معاذ اللہ! معاذ اللہ!) آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو رنج ہوا اور رنج کی حالت میں کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے جیسا کہ اکثر سوچ وغم میں مغموم آدمی ایسا کر لیتا ہے اس پر حق تعالیٰ نے آپ کو يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ سے خطاب فرمایا اور آپ کی تسلی فرمائی کہ آپ ان کفار کی باتوں پر رنج نہ کریں اور حکم دیا کہ آپ رات میں اٹھ کر اللہ کی یاد کیجئے اور تقریباً آدھی رات یا اس سے کچھ کم وبیش نماز پڑھئے اور نماز میں جتنا قرآن کریم نازل ہو چکا ہے خوب ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھئے۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سب سے یکسو ہو کر اللہ کی طرف متوجہ رہا کریں کیونکہ اس کے سوا آپ کا اور اس سارے جہان کا پالنے والا کوئی نہیں اس لئے اپنے سب کام اسی کے سپرد کیجئے۔ اور یہ کفار و مشرکین جو باتیں آپ کی نسبت کہتے ہیں آپ ان پر صبر وتحمل کریں۔

سورۃ کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے فرمائی جاتی ہے اور يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے لقب سے مخاطب فرمایا جاتا ہے یعنی اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔ وجہ اس عنوان کے خطاب کرنے کی شان نزول کی اوپر بیان کردہ روایت سے ظاہر ہے کہ کفار کے ناحق و بے جا الزامات سے آپ رنجیدہ خاطر ہوئے اور حالت غم میں کمبل یا چادر اوڑھ کر لیٹ رہے۔ حق تعالیٰ کو یہ ادا ایسی پسند آئی کہ مزمل کے لفظ سے خطاب فرمایا اور پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام قرار پایا۔ غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا کہ آپ ان کفار ومشرکین کی باتوں کا رنج وغم نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ کی طرف ہمیشہ توجہ رکھیں اور اس کے لئے آپ رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہیں۔ ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا آرام کرلیں تو مضائقہ نہیں۔ پھر قیام لیل کے مقدار کی مزید تشریح فرمائی کہ آدھی رات یا آدھی رات سے کچھ کم یا آدھی رات سے کچھ زائد۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اس سورۃ کی ان ابتدائی آیات کے حکم کے تحت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر ابتدائے اسلام میں پنجگانہ نماز فرض ہونے سے پہلے رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا۔ چنانچہ احادیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے اوّل میں قیام لیل فرض کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ایک برس تک تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پیروں پر ورم آ گیا۔ پھر ایک برس کے بعد اس سورۃ کا آخری حصہ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ نازل ہوا اس سے تخفیف کی گئی اور امت کے لئے یہ حکم فرض نہ رہا۔ نفل رہ گیا۔ آگے فرمایا گیا کہ اس قیام لیل میں یعنی تہجد کی نماز میں قرآن ترتیل کے ساتھ پڑھئے یعنی ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھئے کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آ جائے۔ اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور ذوق شوق بڑھتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم غیر نماز میں بھی ہے۔ اب یہاں قدرے ترتیل کی تشریح بھی سمجھ لی جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ ترتیل لغت میں تو واضح اور صاف پڑھنے کو کہتے ہیں مگر شریعت میں قرآن شریف کے پڑھنے میں کئی چیزوں کی رعایت کو ترتیل کہا جاتا ہے:-

۱۔ اوّل حرفوں کو صحیح نکالنا یعنی حروف کو اپنے مخارج اور صفات کے ساتھ ادا کرنا۔

۲۔ دوسرے وقف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تا کہ وصل سے کلام بے موقع نہ ہونے پائے۔

۳۔ تیسرے حرکات یعنی زبر۔ زیر۔ پیش کو امتیاز دینا تا کہ ایک دوسرے سے ملنے اور مشتبہ ہونے نہ پائے۔

۴۔ چوتھے آواز کو تھوڑا بلند کرنا تا کہ قرآن شریف کے الفاظ زبان سے کان تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ اور ذوق شوق۔ خوف و امید وغیرہ کی کیفیات پیدا کریں۔

۵۔ پانچویں اپنی آواز کو اچھا کرنا اس طور سے کہ اس میں درد مندی پائی جائے تا کہ دل پر جلدی تاثیر کرے۔

۶۔ چھٹے تشدید و مد کا جس جگہ پر ہیں۔ وہاں لحاظ رکھے اس واسطے کہ شد و مد کی رعایت سے کلام الٰہی میں عظمت پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ ساتویں اگر قرآن شریف میں کوئی خوف کا مضمون ہے تو وہاں تھوڑا ٹھہر جائے اور حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرے۔ اگر کوئی مضمون کسی نعمت کا ہے تو وہاں اس چیز کو اپنے واسطے حق تعالیٰ سے طلب کرے۔ اگر کوئی دعا یا ذکر پڑھنے کے واسطے حکم ہو تو وہاں ٹھہر کر کم از کم ایک مرتبہ وہ دعا یا ذکر پڑھ لے۔

یہ سات چیزیں ہیں جن کی رعایت کرنا ترتیل میں ضروری ہے۔ الغرض قیام لیل اور قرأت قرآن کا حکم ان آیات میں دیا گیا اب آگے ان احکام کی علت اور ان کے بعض فوائد کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی نماز تہجد اور رات میں اپنے ذکر و تلاوت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور قرآن پاک کی تلاوت ترتیل کے ساتھ نصیب فرمائیں قرآن پاک کا ذوق شوق اور اس کا علم اور اس پر عمل نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اب ہم اپنی اس بدحالی پر کتنا تاسف اور رنج ظاہر کریں کہ قرآن شریف کا نماز اور غیر نماز میں تو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر اب تو قرآن کریم ناظرہ پڑھنے پڑھانے ہی کے لالے پڑ گئے ہیں۔ ترتیل، تجوید۔ تعلیم۔ تفسیر و تبلیغ قرآن سے نئی نسل تو محروم ہی ہوتی جا رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ۶ اِنَّ لَکَ

ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔ (مراد قرآن مجید ہے)۔ بے شک رات کا اُٹھنا خوب مؤثر ہے (نفس کے کچلنے میں) اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بیشک تم کو دن میں

فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۷ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ

بہت کام رہتا ہے۔ اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کرکے اُسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق

وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَکِیْلًا ۹

اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اُسی کو اپنے کام سپرد کردینے کیلئے قرار دیئے رہو۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ بیشک ہم عنقریب ڈالدیں گے	عَلَیْکَ آپ پر	قَوْلًا ثَقِیْلًا ایک بھاری کلام	اِنَّ بیشک	نَاشِئَةَ اُٹھنا	الَّیْلِ رات
هِیَ اَشَدُّ وَطْاً یہ سخت (نفس کو) روندنے والا	وَّاَقْوَمُ اور زیادہ درست	قِیْلًا الفاظ کے تلفظ میں	اِنَّ لَکَ بیشک آپ کیلئے	فِی النَّهَارِ دن میں	
سَبْحًا شغل	طَوِیْلًا طویل	وَاذْکُرِ اور آپ یاد کریں	اسْمَ رَبِّکَ اپنے رب کا نام	وَتَبَتَّلْ اور چھوٹ جائیں	اِلَیْهِ اسکی طرف
تَبْتِیْلًا (سب سے) چھوٹ کر	رَبُّ الْمَشْرِقِ رب مشرق کا	وَالْمَغْرِبِ اور مغرب کا	لَآ نہیں	اِلٰهَ کوئی معبود	اِلَّا هُوَ اس کے سوا
فَاتَّخِذْهُ وَکِیْلًا پس پکڑلو (بنالو) اس کو کارساز					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں یعنی پے درپے پورا قرآن آپ پر نازل کریں گے جو اپنی قدر ومنزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات کے اعتبار سے بہت بھاری اور گرانبار ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گرانی اور سختی گذرتی تھی سخت جاڑے کے موسم میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے۔ اگر نزول وحی کے وقت آپ کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری جھک جاتی اور اپنی گردن گرادیتی اور جب تک وحی ختم نہ ہولیتی سواری سے قدم نہ اٹھایا جاتا اور حرکت نہ کرسکتی۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری اس وقت آپ کی ران مبارک میری ران پر رکھی ہوئی تھی۔ وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں میری ران بوجھ سے نہ پھٹ جائے۔ غرضکہ وحی کا اترنا خود ایک بوجھ تھا پھر اس کا محفوظ رکھنا پھر دوسروں تک پہنچانے میں کلفتیں برداشت کرنا۔ اس ماحول میں قرآن کی دعوت وتبلیغ اور اس کے حقوق کا پوری طرح ادا کرنا سخت مشکل اور دشوار کام تھا۔ غرضکہ ان تمام وجوہ کا خیال کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ہم آپ پر ایک بھاری کلام یعنی قرآن کریم نازل کرنے والے ہیں اس لئے آپ رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کرکے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔ آگے قیام لیل یعنی رات کی عبادت کے بعض فوائد بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ بیشک رات کا اٹھنا اور اللہ کی عبادت میں لگنا کچھ آسان کام نہیں بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس خوب روندا اور کچلا جاتا ہے اور نیندوآرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعاء اور ذکر سیدھے دل سے ادا ہوتا ہے۔ زبان اور دل موافق ہوتے ہیں جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے کیونکہ اس وقت ہر قسم کے شوروغل اور چیخ وپکار سے یکسوہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون وقرار اور لذت واشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔ بخاری شریف کی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا رب نچلے آسمان پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے کہ مجھ سے دعاء کرے اور میں قبول کروں کوئی ہے کہ مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں۔ کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت کا طالب ہو اور میں اس کے گناہ معاف کر دوں۔ نماز شب کے فضائل میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نماز شب کا التزام کرو۔ یہ تم سے پہلے گذرے ہوئے صالحین کا طریقہ ہے رب کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ گناہوں کو ساقط کرنے والا اور خطاؤں سے روکنے والا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ بندہ سے رب کا قرب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے۔ اگر تم سے ہو سکے کہ اس وقت اللہ کی یاد کرنے والوں میں سے ہو جاؤ تو ہو جاؤ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کے حکم کی ایک اور علت بیان فرمائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے دنیوی بھی جیسے امور خانہ داری اور ضروری کاموں کی تکمیل اور دینی بھی جیسے تبلیغ اور دعوت دین۔ تو اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے مشاغل بھی آپ کے حق میں بالواسطہ عبادت ہی تھے تاہم بلا واسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص فرمایا گیا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ علاوہ رات کی عبادت کے دن میں بھی جبکہ بظاہر مخلوق سے معاملات اور علاقے رکھنے پڑتے ہیں آپ دل سے اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھئے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہمہ وقت اسی کی یاد میں مشغول رہئے۔ غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لئے ادھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلق کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے۔ اب اس تعلیم و تلقین سے کسی دماغ میں وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ ہر انسان دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ تمدن کے بغیر معاشیات اور ضروریات حیاۃ کی فراہمی کا نظام ابتر ہو جائے گا۔ پھر مخلوق سے قطع تعلق کی صورت میں نظام معاشی کیسے چلے گا اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے آگے فرمایا

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۔ یعنی سارے جہان کا مالک و حاکم اللہ ہے۔ تمام دنیا اور اس کے جمیع اسباب اور سارے سلسلے سب اسی کے دست قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اس کے سوا نہ کوئی حاکم اعلیٰ ہے نہ معبود برحق نہ اس کی اجازت اور مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے لہٰذا اسی کے سپرد اپنے تمام معاملات کر دیجئے۔ اسی کو اپنا کارساز بنا لیجئے۔ وہی سب سے اچھا کارساز ہے اس کی کارسازی کے بعد آپ کو کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ کی تفسیر میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ مشرق دن کا نشان ہے اور مغرب رات کا نشان گویا اشارہ کر دیا کہ دن و رات دونوں کو اسی مالک مشرق و مغرب کی یاد اور رضا جوئی میں لگانا چاہئے اس لئے بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہئے جب وہ وکیل و کارساز ہو تو دوسروں سے کٹ جانے اور الگ ہونے کی کیا پروا۔

یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالذات اور آپ کے متبعین کو طبعاً چار باتوں کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی۔

۱- ایک قیام شب برائے نماز و قرأت قرآن۔

۲- دوسرے ہر وقت اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھنا۔

۳- تیسرے سب علائق کو توڑ کر اللہ کی طرف متوجہ رہنا۔

۴- چوتھے اسی پر توکل کرنا کیونکہ تمام دنیا کا وہی کارساز ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ان احکام میں عجیب ترتیب طبعی ملحوظ ہے اس لئے کہ شب بیدار کو از خود ذکر میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ دن میں بھی اس محبوب حقیقی کو نہیں بھولتا اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو خود بخود دل سے قطع تعلقات بھی ہو جاتے ہیں اور پھر اس کی آنکھ میں کوئی اور دکھائی نہیں دیتا کہ جس پر وہ توکل کرے یا اس کو کارساز سمجھے سوائے محبوب حقیقی کے۔ خلاصہ یہ کہ آغاز سورۃ سے یہاں تک مختلف مقامات سلوک کی طرف اشارہ ہے یعنی رات کی خلوت۔ تلاوت ذکر۔ نفیٔ ماسوا اور توکل علی اللہ۔ لیکن مقامات سلوک میں سب سے اونچا درجہ اعداء کی جفا پر صبر رکھنے کا ہے اس لئے آگے اس کی تعلیم دی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي

اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو، اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو نازونعمت میں

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝

رہنے والوں کو چھوڑ دو اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دے دو ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے۔ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔

وَاصْبِرْ اور آپ صبر کریں	عَلٰى پر	مَا يَقُوْلُوْنَ جو وہ کہتے ہیں	وَاهْجُرْهُمْ اور انہیں چھوڑ دیں	هَجْرًا کنارہ کش ہوکر	جَمِيْلًا اچھی طرح
وَذَرْنِيْ اور مجھے چھوڑ دو	وَالْمُكَذِّبِيْنَ اور جھٹلانے والوں	اُولِي النَّعْمَةِ خوشحال لوگوں	وَمَهِّلْهُمْ اور ان کو مہلت دیدیں	قَلِيْلًا تھوڑی	اِنَّ بیشک
لَدَيْنَآ ہمارے ہاں	اَنْكَالًا عذاب	وَّجَحِيْمًا اور دہکتی آگ	وَّطَعَامًا اور کھانا	ذَا غُصَّةٍ گلے میں اٹک جانیوالا	وَّعَذَابًا اور عذاب اَلِيْمًا دردناک

تفسیر و تشریح: عارفین کاملین کو جن میں انبیائے کرام کا درجہ سب سے ارفع و بلند ہوتا ہے ان کو دو امور سے واسطہ پڑتا ہے ایک وہ کہ جن کا تعلق اپنی ذات اور اپنے خالق اللہ رب العالمین سے ہے۔ دوسرے وہ کہ جن کا تعلق اوروں سے ہے۔ گذشتہ آیات میں قسم اوّل کی تعلیم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین کو قیام لیل۔ تلاوت۔ وذکر۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ اور توکل علی اللہ کا حکم فرمایا گیا تھا۔ اب آگے قسم دوم کے متعلق احکام دیئے جاتے ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار آپ کو شاعر۔ کاہن۔ ساحر اور مجنون و مسحور وغیرہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں سو ان کی باتوں کو صبر و استقلال سے برداشت کرتے رہیئے اور ان کے ظلم و زیادتی پر تحمل اور بردباری سے کام لیجئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار و مشرکین کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زبانی ایذا دی جاتی تھی ان کی تین قسمیں تھیں۔ اول یہ کہ آپ کے معبود حقیقی خداوند ذوالجلال والاکرام اللہ جل شانہ کے شان میں بے ادبی اور گستاخی کی باتیں کہتے مثلاً یہ کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ وہ فقیر ہے ہم غنی ہیں۔ اور اسی طرح کے کلمات کفر بکتے تھے۔ دوسری قسم کی ایذائیں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے متعلق تھیں مثلاً آپ کو معاذ اللہ ساحر اور شاعر اور دیوانہ بتلاتے۔ آپ کی ہجو کرتے۔ اگر کبھی وحی آنے میں وقفہ ہوتا تو آپ کو طعنہ دینا شروع کر دیتے اور تیسری قسم کی ایذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتیں وہ آپ کے اہل و عیال سے متعلق تھیں۔ آپ کے عزیز و اقربا اور اصحاب کے حق میں بے ادبی اور گستاخیاں کرتے اور طعن و تشنیع دیتے کہ معاذ اللہ تم سب نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہو کر بے دینی اختیار کر لی۔

تو پہلی ہدایت یہاں یہ دی گئی کہ مخالفین و معاندین جو جو ایذا دہ باتیں کہتے ہیں ان پر صبر کیجئے۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ ان معاندین سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جایئے یعنی نہ ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے ہو۔ نہ انتقام لینے کی فکر ہو۔ نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار ہو اور باوجود ان سے جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں کوئی کمی نہ کیجئے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت و رہنمائی میں سعی کرتے رہیئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھئے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اور آیات قتال و جہاد کا نزول بعد میں مدینہ میں ہوا۔ اس لئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کا حکم آیات قتال سے منسوخ ہے۔ آگے ان منکرین و معاندین کے گرفت اور عذاب کی خبر دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی جاتی ہے اور آپ کو تقویت دی جاتی ہے کہ یہ حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش و آرام کر رہے ہیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے۔ وہ خود ان سے نبٹ لے گا اور وہ آپ کی طرف سے ان کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ رنجیدہ نہ ہوں اور ان لوگوں کو تھوڑے دن اور مہلت دے دیجئے۔ اوّل تو ایسے گمراہ منکرین و معاندین کو جو

اپنے خداداد مال و جاہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ اس کو الٹا خدا کے مقابلہ میں صرف کرتے ہیں دنیا ہی میں سزامل جایا کرتی ہے۔ اور اگر کسی مصلحت سے دنیا میں سزا نہ بھی ملی تو آخرت و قیامت میں تو ضرور ہی ملے گی اور انجام کار یہ سخت عذابوں میں مبتلا ہوں گے اور عذاب بھی کونسے؟۔ اوّل اسخت قید و بند کے یعنی ان کی گرفتاری کے لئے بیڑیاں تیار ہیں جو ان کے پیروں میں مثل قیدیوں کے پہنائی جائیں گی اور زنجیریں تیار ہیں جن میں یہ جکڑ کر باندھے جائیں گے۔ دوسرے دہکتی ہوئی اور بھڑکتی ہوئی نار جہنم۔ احادیث میں آتا ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۷۰ حصہ زیادہ گرم ہے اور اس کی آگ کو ہزار برس دھکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار برس جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار برس اور جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ سیاہ و تاریک ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تیسرے گلے میں پھنس جانے والے کھانے کا عذاب کہ وہ کھانا حلق میں جا کر اٹک جائے گا نہ اندر اترے گا نہ باہر نکلے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس کھانے سے زقوم یعنی تھوہر کا درخت مراد ہے کہ جو جہنم میں پیدا ہونے والا ایک خاردار درخت ہے جو جہنمیوں کی خوراک بنے گا اور اس قدر زہریلی تلخ اور گندی چیز ہوگی حدیث میں آتا ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کر دے تو جس کی بد بو۔ گندگی اور زہریلے پن کا یہ عالم ہو تو اس پر کیا گذرے گی جس کو زقوم کھانا پڑے گا۔ (الامان والحفیظ) چوتھے اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے مثلاً غساق یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی انتہائی بھوک میں بطور غذا دیا جانا۔ حمیم یعنی کھولتا ہوا گرم پانی پینے کو دیا جانا۔ بڑے بڑے پہاڑوں پر چڑھا کر نیچے پھینکا جانا۔ آگ کے کنوؤں میں گرایا جانا۔ آہنی صندوقوں میں بند کر کے آگ میں ڈالا جانا۔ آہنی چکیوں میں پیسا جانا۔ کانٹوں کا چبھونا۔ کھال کا چیرنا۔ مکھیوں کو زخم پر بٹھانا۔ سانپوں اور بچھوؤں کا کاٹنا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میں سانپ ہیں جو اپنی جسامت میں اونٹوں کے برابر ہیں اور اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک مرتبہ ڈسے گا تو چالیس سال کی مدت تک وہ اس کے زہر کا اثر پائے گا اور تڑپے گا اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں جو اپنی جسامت میں خچروں کے مانند ہیں اور وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا تو چالیس ۴۰ سال تک وہ اس کے زہر کی تکلیف پاوے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

گویا طرح طرح کے دردناک عذاب ان منکرین کے لئے ہیں۔

اور یہ سزا ان کو قیامت کے دن دی جائے گی اور وہ قیامت کا دن کیسا ہوگا اس کو اگلی آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو حق پر قائم رکھیں اور باطل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ اس دنیا میں ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے جو آخرت میں ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ بنیں اور ہمیں ان اعمال سے بچا لیجئے جو کہ آخرت میں عذاب کا سبب بنیں۔ یا اللہ عذاب نار سے ہم کو اپنے فضل سے بچنا نصیب فرما۔

یا اللہ آپ نے تو رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے متبعین اسلام کو دشمنان دین اور اعدائے اسلام کی باتوں پر ان کے طعن و تشنیع پر اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حکم کی تعمیل کا حق ادا کر کے اور صبر کر کے دکھلا دیا۔ یا اللہ ایک ہم انہی حضرات کے نام لیوا ہیں ہم اب اپنے کلمہ گو اہل اسلام بھائیوں ہی کی طرف سے پہنچنے والی کسی تکلیف پر صبر تو کیا کرتے الٹا انتقام کے درپے ہو جاتے ہیں اور انتقام میں بھی ظلم و زیادتی سے گریز نہیں کرتے۔ یا اللہ! صحابہ کرامؓ کے صبر و سہار کے طفیل میں ہمیں بھی اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ صبر و سہار کا معاملہ کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اور ایک دوسرے سے درگزر کرنے کی خصلت مرحمت فرما دے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ

جس روز کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے، اور پہاڑ ریگ رواں ہوجاویں گے۔ بیشک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے

شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ

جو تم پر گواہی دیں گے جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑنا پکڑا۔

اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ

سو اگر تم کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا۔ جس میں آسمان پھٹ جاوے گا

بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

بے شک اس کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا۔ یہ تمام مضمون ایک نصیحت ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے۔

يَوْمَ جس دن	تَرْجُفُ کانپے گی	الْاَرْضُ زمین	وَالْجِبَالُ اور پہاڑ	وَكَانَتِ اور ہوجائیں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	كَثِيْبًا ریت کے تودے	مَّهِيْلًا ریزہ ریزہ
اِنَّآ اَرْسَلْنَآ بیشک ہم نے بھیجا	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	رَسُوْلًا ایک رسول	شَاهِدًا گواہی دینے والا	عَلَيْكُمْ تم پر	كَمَآ اَرْسَلْنَآ جیسے ہم نے بھیجا		
اِلٰى فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف	رَسُوْلًا ایک رسول	فَعَصٰى پس کہنا نہ مانا	فِرْعَوْنُ فرعون	الرَّسُوْلَ رسول	فَاَخَذْنٰهُ تو ہم نے اسے پکڑلیا	اَخْذًا پکڑ	
وَّبِيْلًا بڑے وبال	فَكَيْفَ تو کیسے	تَتَّقُوْنَ تم بچو گے	اِنْ كَفَرْتُمْ اگر تم نے کفر کیا	يَوْمًا اس دن	يَّجْعَلُ کردے گا	الْوِلْدَانَ بچوں کو	شِيْبًا بوڑھا
السَّمَآءُ آسمان	مُنْفَطِرٌ پھٹ جائے گا	بِهٖ اس سے	كَانَ ہے	وَعْدُهٗ اس کا وعدہ	مَفْعُوْلًا پورا ہوکر رہنے والا	اِنَّ هٰذِهٖ بیشک یہ	تَذْكِرَةٌ نصیحت
فَمَنْ تو جو	شَآءَ چاہے	اتَّخَذَ اختیار کرلے	اِلٰى رَبِّهٖ اپنے رب کی طرف	سَبِيْلًا راہ			

تفسیر و تشریح: ان آیات میں ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اس مذکورہ سزا اور عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب زمین اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوگا پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ لرز لرز کر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہوکر اڑتے پھریں گے یعنی قیامت کے دن۔ آگے اہل مکہ کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے تمہاری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے جو تم پر قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ لوگوں نے تبلیغ دین کے بعد کیا برتاؤ کیا۔ کس نے کہنا مانا اور کس نے کہنا نہیں مانا۔ کفار مکہ جو اپنے تکبر اور سرکشی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے تھے اور ان کو فرعون بادشاہ مصر اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم تھا اس لئے بطور وعید وتنبیہ کے ان کو جتلایا گیا کہ اللہ نے تمہارے پاس بھی ویسا ہی رسول بھیجا جیسا کہ فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا تو جب فرعون نے سرکشی کی اور اپنے رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے سختی کے ساتھ پکڑ لیا اور بری طرح برباد کیا کہ اس کو مع اس کے لاؤ لشکر کے سب کو سمندر میں غرق کرکے ہلاک کردیا گیا تو کفار مکہ کو پکڑ و ہلاکت کا واقعہ سنانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم نے بھی اپنے رسول کی نافرمانی کی اور ان کی بات نہ مانی تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جاوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اہل مکہ سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے۔ بڑے بڑے سرکش اور نافرمان قریش بدر میں قتل وقید ہوئے اور پھر فتح مکہ کے دن کفار مکہ ہمیشہ کے لئے مغلوب اور ختم ہوئے اور در پردہ فرعون اور موسیٰ کے واقعہ میں اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جس طرح

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کی تو قید فرعون سے نجات پائی شام کی سرزمین نصیب ہوئی۔ وہاں کی سرداری اور حکومت حاصل ہوئی اسی طرح اس نبی کے فرمانبردار اور مطیع کفار کے غلبہ اور تسلط سے نجات پائیں گے دین دنیا کے سردار اور بادشاہت کے مالک ہوں گے چنانچہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔ اخیر میں کفار مکہ کو پھر متنبہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا اور اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کے عذاب سے کیسے بچو گے اور اگر بالفرض تم نبی الرحمۃ کے کمال حلم اور بردباری کے سبب دنیا کے عذاب سے بچ بھی گئے تو اس دن کیونکر بچو گے جس دن کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی یعنی قیامت کے دن تو نہیں بچ سکتے اور وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ آسمان پھٹ جائے گا اور یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ اٹل ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ تم اس کو کتنا ہی دور اور بعید از امکان سمجھو۔ بہر حال ہم نے یہ قرآن سمجھانے اور یاد دلانے کے لئے بھیج دیا ہے جس میں محض تمہاری نصیحت اور خیر خواہی سے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ اس میں تمہاری بھلائی کی ساری باتیں سمجھا دی گئی ہیں۔ اب جو اپنا فائدہ چاہے اس نصیحت پر عمل کر کے اپنے رب کا تقرب اور رضامندی حاصل کرے راستہ کھلا ہوا ہے کوئی روک ٹوک نہیں ورنہ دوسرے راستہ کا انجام جہنم اور مصیبت دائمی ہے۔

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ دن قیامت کا ہوگا اور یہ کیفیت اس وقت ہوگی جبکہ اللہ رب العزت میدان حشر میں حضرت آدمؑ کو فرمائے گا کہ اے آدم اپنی ذریت میں جہنم کا ایندھن نکال لو۔ یعنی جو جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ تو حضرت آدمؑ پوچھیں گے کتنے عدد میں کتنے جہنم کے لئے نکالوں۔ تو فرمایا جائے گا ہر ہزار میں سے ۹۹۹ تو یہ سن کر سب اہل محشر گھبرا جائیں گے کہ ہر ہزار کی تعداد میں صرف ایک آدمی نجات پائے گا باقی جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جب یہ گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا اے مسلمانو! تمہیں بشارت ہو۔ ہر ہزار میں کا ایک تم میں سے ہوگا اور باقی یاجوج ماجوج سے پورے کر دیئے جائیں گے اور دیگر امتوں کے کفار سے۔ نتیجہ جس کا الحمدللہ یہ ہوگا کہ امت محمدیہ حق تعالیٰ کے فضل سے سب کی سب ہی کسی نہ کسی طرح نجات پالے گی اور جہنم کا ایندھن یاجوج ماجوج اور دیگر ملتوں کے کفار سے پورا کر دیا جائے گا۔ اور اگر دیکھا جائے تو کل انسانوں کی تعداد کے لحاظ سے امت محمدیہ کا عدد شاید اتنا ہی نکلے۔ یعنی ایک فی ہزار تو اس اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وضاحت ایک عظیم بشارت ہوگی۔ فللہ الحمد حمداً کثیراً۔

(معارف القرآن۔ جلد ہفتم از حضرت مالک کاندھلوی مدظلہٗ)

اس سورۃ کا رکوع اوّل ان آیات پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس رکوع میں ابتدائے سورۃ میں جو قیام لیل کا حکم دیا گیا تھا وہ ایک سال تک قائم رہا۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سال بھر تک رات کو قیام کرتے رہے یہاں تک کہ پاؤں سوج گئے۔ سورۃ کے دوسرے رکوع کو اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے تک آسمان پر روکے رکھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر قیام لیل کے حکم میں تخفیف فرما دی اور سال بھر کے بعد دوسرا رکوع نازل فرمایا جس کے بعد قیام شب نفل ہو گیا اور امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض رہی نہ وقت کی یا مقدار تلاوت کی کوئی قید رہی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں دوسرے رکوع کی ابتدا سے آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دین اسلام سے نوازا۔ اور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ 3

آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعضے آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں)

الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

کھڑے رہتے ہیں، اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کرسکتا ہے، اُس کو معلوم ہے کہ تم اس کو ضبط نہیں کرسکتے تو اُس نے تمہارے حال پر عنایت کی

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ

سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو، اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کیلئے

فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا

ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے سو تم لوگوں سے جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے

مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا

پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو، اور جو

تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا

نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دوگے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے، اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو،

اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ بیشک آپ کا رب	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	أَنَّكَ کہ آپ	تَقُومُ قیام کرتے ہیں	أَدْنَىٰ قریب ہے	مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ دو تہائی رات کے	
وَنِصْفَهُ اور آدھی رات	وَثُلُثَهُ اور اس کا تہائی	وَطَائِفَةٌ اور ایک جماعت	مِّنَ سے	الَّذِينَ مَعَكَ جو آپ کے ساتھ	وَاللَّهُ اور اللہ	يُقَدِّرُ اندازہ فرماتا ہے
اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن	عَلِمَ اس نے جانا	أَن لَّن تُحْصُوهُ کہ تم ہرگز نباہ نہ کرسکو گے	فَتَابَ عَلَيْكُمْ تو اس نے تم پر عنایت کی			
فَاقْرَءُوا تو تم پڑھا کرو	مَا تَيَسَّرَ جس قدر آسانی سے ہوسکے	مِنَ الْقُرْآنِ قرآن سے	عَلِمَ اس نے جانا	أَن سَيَكُونُ کہ البتہ ہوں گے		
مِنكُمْ تم میں سے	مَّرْضَىٰ کوئی بیمار	وَآخَرُونَ اور کوئی اور	يَضْرِبُونَ وہ سفر کریں گے	فِي الْأَرْضِ زمین میں	يَبْتَغُونَ تلاش کرتے ہوئے	
مِن سے	فَضْلِ اللَّهِ اللہ کا فضل روزی	وَآخَرُونَ اور کئی دوسرے	يُقَاتِلُونَ وہ جہاد کریں گے	سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کی راہ	فَاقْرَءُوا پس پڑھ لیا کرو	
مَا تَيَسَّرَ جس قدر آسانی سے ہوسکے	مِنْهُ اس سے	وَأَقِيمُوا اور تم قائم کرو	الصَّلَاةَ نماز	وَآتُوا الزَّكَاةَ اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ		
وَأَقْرِضُوا اللَّهَ اور اللہ کو قرض دو	قَرْضًا حَسَنًا قرض حسنہ اخلاص سے	وَمَا اور جو	تُقَدِّمُوا تم آگے بھیجو گے	لِأَنفُسِكُم اپنے لئے		
مِنْ خَيْرٍ اسے کوئی نیکی	تَجِدُوهُ تم اسے پاؤ گے	عِندَ اللَّهِ اللہ کے ہاں	هُوَ خَيْرًا وہ بہتر	وَأَعْظَمَ اور عظیم تر	أَجْرًا اجر میں	

وَاسْتَغْفِرُوا اور تم بخشش مانگو	اللّٰہَ اللہ	اِنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ	غَفُوْرٌ بخشنے والا	رَّحِیْمٌ نہایت رحم کرنے والا		

تفسیر و تشریح: جیسا کہ گذشتہ درس میں بتلایا گیا تھا کہ اس سورۃ کا صرف پہلا رکوع اوّل نازل ہوا جس میں قیام لیل کا وجوبی حکم دیا گیا تھا اس کے ایک سال کے بعد یہ دوسرا رکوع نازل ہوا۔ ایک سال تک برابر صحابہ کرام رات کو قیام کرتے رہے حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آ گیا تھا۔ تقریباً ایک سال بعد قیام لیل کے حکم میں تخفیف ہوئی جس کا حکم ان آیات میں ظاہر فرمایا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس کے حکم کی پوری تعمیل کی کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گذاری چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاؤں رات میں کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے بلکہ بعض صحابہ تو اپنے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ نیند آئے تو جھٹکا لگ کر تکلیف سے آنکھ کھل جائے۔ پھر اس زمانہ میں گھڑی اور گھنٹوں کا سامان نہ تھا۔ روزانہ آدھی۔ تہائی اور دو تہائی رات کی پوری حفاظت کرنا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے بعض صحابہ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند کی غفلت میں ایک تہائی رات بھی جاگنا نصیب نہ ہو۔ اس پر آگے فرمایا گیا کہ رات دن کا صحیح اندازہ اور اس کی پوری پیمائش تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ وہی ایک خاص اندازہ سے کبھی رات کو دن سے گھٹاتا کبھی بڑھاتا اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس مقدار وقت کی پابندی میں تم کو سخت محنت لاحق ہوئی ہے۔ ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معافی بھیج دی اور پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا اب جس کو رات میں جب اٹھنے کی توفیق ہو اور وہ جتنی نماز اور اس میں جتنا قرآن چاہے پڑھ لے یہاں قرآن پڑھنے سے مراد تہجد کی نماز پڑھنا ہے کہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے تو اب امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے۔ نہ وقت کی یا مقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔ آگے حکم سابق کے نسخ کی دوسری علت بیان فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور روزی کمانے کے لئے یا علم دین وغیرہ حاصل کرنے کے لئے ملک میں سفر کریں گے۔ پھر بعضے وہ مرد مجاہد بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور ان حالتوں میں پابندی تہجد کی اور اوقات کی مشکل تھی اور شب بیداری کے حکم پر عمل کرنا سخت دشوار ہوگا اس لئے بھی تم پر تخفیف کر دی اور اب تم کو اجازت ہے کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو وہ پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ فرض نمازیں نہایت اہتمام سے پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتے رہو کہ انہی باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد اور ترقیات حاصل ہو سکتی ہیں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ اولین صحابہؓ سے ایک سال تک بہت تاکید کے ساتھ یہ ریاضت شاقہ اس لئے کرائی کہ وہ آئندہ تمام امت کے ہادی و معلم بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ وہ اس قدر منجھ جائیں اور روحانیت کے رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ تمام دنیا ان کے آئینہ میں کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کر سکے اور یہ نفوس قدسیہ ساری امت کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں آیت میں جو اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ یعنی نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو فرمایا گیا تو اس کے متعلق بعض محققین علماء نے لکھا ہے کہ پنجگانہ نماز کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی اور یہ سورۃ شب معراج سے کئی برس پہلے نازل ہوئی اور نیز اس سورۃ کے نزول کے وقت زکوٰۃ مفروضہ بھی نہ تھی کیونکہ زکوٰۃ مدینہ آ کر فرض ہوئی ہے پھر آیت میں وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ گو پنجگانہ نماز اور زکوٰۃ موجود تھی اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ رکوع سجود قیام و قعود میں تسبیح و دعا کرنا فرض تھا اور اسی کو نماز کہتے تھے اور خیرات کرنا بھی اس وقت فرض تھا گو کوئی تعداد خیرات کی معین نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی۔ سو اٰتوا الزکوٰۃ سے وہی خیرات مطلقہ مراد ہے۔ آگے اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستہ

میں خرچ کرنے کی ترغیب میں بتلایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اس کے احکام کے موافق اخلاص سے خرچ کرنا گویا اللہ کو قرض دینا ہے بایں معنیٰ کہ خدا اس کا بدلہ نفع کے ساتھ تم کو دنیا و آخرت میں دے گا۔ گویا وہ تمہارے اس دیئے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے تا کہ تم کو اطمینان ہو ورنہ وہ ذات عالی قرض لینے سے پاک ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ آگے خاتمہ سورۃ پر بتلایا گیا کہ جو نیکی بھی یہاں کرو گے اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں وہ یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں وہ سب سامان اللہ کے ہاں تم سے آگے پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا اور پھر تمام احکام بجالا کر۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ خیرات کر کے اللہ سے معافی مانگو کیونکہ کوئی کتنا ہی محتاط ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق کما حقہ پوری طرح ادا کر دیا۔ تو تمام کاموں میں استغفار کرنے اور اللہ سے گناہ معاف کرانے کے حکم کے بعد بشارت دی گئی کہ بے شک اللہ تعالےٰ غفور الرحیم ہے۔ تمہارے قصوروں کو معاف کرنے والا اور تم پر رحم فرمانے والا ہے۔ اے غفور الرحیم تو اپنے فضل سے ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما دے۔

اس سورۃ کی ابتدا میں قم الیل یعنی رات کو عبادت کا حکم دیا گیا تھا مگر انسان اپنی فطری کمزوریوں کے باعث حق تعالیٰ کے شایان شان عبادت اور اس کی اطاعت کا حق پورا پورا ادا نہیں کر سکتا اس لئے سورۃ کے خاتمہ پر حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کوتاہیوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک سہل اور آسان نسخہ اپنے بندوں کو عطا فرما دیا اور وہ نسخہ استغفار ہے اس لئے وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ فرمایا جس کے ساتھ ہی غفور رحیم فرما کر مغفرت اور رحمت کی بشارت بھی سنا دی۔

استغفار کی فضیلت متعدد احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ استغفار پڑھے **استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه** ۔ اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اگر چہ اس نے میدان جہاد سے بھاگنے کا گناہ عظیم کیا ہو۔ مگر یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ استغفار کی حقیقت اپنی گذشتہ تقصیرات اور غلطیوں پر دل سے ندامت اور شرمندگی اور آئندہ کے لئے پھر ایسی غلطی نہ کرنے کا پختہ قصد اور ارادہ اور اگر اس تقصیر کا تدارک مشروع ہو تو اس کو بجالائے ایسی استغفار پر مغفرت و رحمت کا وعدہ ہے۔

سورۃ المزمل کے خواص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی سورۃ المزمل پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے دنیا و آخرت کی تنگی دور کر دیں گے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی ہر حال میں اپنی طرف رجوع ہونے اور استغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی مغفرت و رحمت سے نوازیں۔ حق تعالیٰ ہمیں اپنے جملہ احکام کی اطاعت نصیب فرمائیں اور اپنے فضل سے رات کو کسی درجہ میں ہم کو بھی اپنی عبادت و بندگی کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ اور ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادت کو اپنی رحمت سے قبول فرمائیں۔ اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا رُکُوْعَانِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۙ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ۙ وَلَا

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو پھر (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو اور کسی کو

تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ۙ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ۙ

اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو۔ اور (پھر انذار میں جو ایذا پیش آئے اس پر) اپنے رب کی خوشنودی کے واسطے صبر کیجئے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اے کپڑے میں لپٹے ہوئے (محمدؐ)	قُمْ کھڑے ہو جاؤ	فَاَنْذِرْ پھر ڈراؤ	وَرَبَّکَ اور اپنا رب	فَکَبِّرْ بڑائی بیان کرو	وَثِیَابَکَ اور اپنے کپڑے
فَطَھِّرْ سو پاک کرو	وَالرُّجْزَ اور پلیدی	فَاھْجُرْ سو دور رہو	وَلَا تَمْنُنْ اور احسان نہ رکھو	تَسْتَکْثِرُ زیادہ لینے (کی غرض سے)	
وَلِرَبِّکَ اور اپنے رب کیلئے	فَاصْبِرْ صبر کرو				

تفسیر و تشریح: سورۃ کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کے خطاب سے فرمائی جاتی ہے یعنی اے کپڑا اوڑھنے والے چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھ کر کچھ ہیبت ہوئی تھی اور اس سے سردی معلوم ہوئی تھی اس لئے آپؐ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے کہ اسی حالت پر مخاطب کر کے فرمایا کہ اے کپڑا اوڑھنے والے آپ اپنی جگہ سے اٹھئے اور مستعد ہو کر لوگوں کو ڈرایئے۔ یعنی فرشتہ کی ہیبت سے آپ کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہئے۔ آپ کا کام تو یہ ہے کہ سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو خدا کا خوف دلائیں اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرائیں جو کہ مقتضا منصب نبوت کا ہے۔ علماء نے یہاں لکھا ہے جیسے آپ نذیر تھے یعنی ڈرانے والے ویسے ہی آپ بشیر بھی تھے یعنی خوشخبری اور بشارت دینے والے مگر ابتدائی حالت میں بشارت کا موقع نہ تھا اس لئے کہ دنیا بدکاری اور بت پرستی کے گرداب میں پڑی ہوئی تھی اس لئے مقدم یہی بات تھی کہ ان کو ہلاکت کے کاموں سے ڈرایا اور بچایا جائے اس کے بعد اصول حسنات پر قائم ہونے سے بشارت کا موقع آئے گا اس لئے ابتدائے نبوت میں یہاں صرف انذار یعنی ڈرانے کا حکم دیا گیا۔ اب چونکہ لوگوں کو خدا تعالےٰ کی طرف سے ڈرانا اور عذاب آخرت کی خبر دینا بغیر اس کے مخاطبین کے ذہن نشین نہیں ہوتا کہ خداوند عالم کی بزرگی و عظمت کو بیان کیا جائے اس لئے آگے حکم وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ دیا گیا کہ اپنے رب کی بڑائی و بزرگی کا اظہار کیجئے کیونکہ رب کی بولنے اور اس کی بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے تاکہ مشرکوں کے دلوں سے خدا کی قدرت و یکتائی سن کر بتوں اور خیالی معبودوں کی وقعت کم ہو اور وہ توحید کی طرف مائل ہوں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ کفر و انکار پر جو بلا و مصیبت ان پر آئے گی وہ ان کے فرضی معبود دفع نہ کر سکیں گے۔ الغرض عقیدہ تکبیر یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس اور اس کی بڑائی و بزرگی ہر شخص پر سب سے اول لازم ہے اور تمام فرائض سے زیادہ اہم ہے اور تمام اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہئے۔ اس کی خلاف ورزی قابل معافی ہے۔ نہ کسی سے واجب ساقط ہو سکتا ہے اس لئے یہاں اور کسی فرض کو بیان کرنے سے پہلے خداوند عالم کی عظمت و جبروت بڑائی و بزرگی بیان کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب چونکہ تکبیر کا اثر طہارت کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کے بعد

وثیابک فطھر کا حکم دیا جاتا ہے یعنی اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے۔علماء کے اس کی تفصیل میں دو قول ہیں۔ پہلا قول تو یہ ہے کہ یہاں ظاہری کپڑوں کا ظاہری نجاست سے پاک رکھنے کا حکم ہے۔اور جب کپڑوں کو ظاہری نجاسات سے پاک رکھنا مراد ہو گا اس لئے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مشرکین اپنے کپڑے اور بدن کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور ظاہری طہارت و پاکی کو باطنی طہارت و پاکی میں بڑا اثر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں کپڑوں کے پاک رکھنے سے نفس کا برے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے آگے فرمایا گیا والرجز فاھجر یعنی گندگی سے دور رہئے۔اس کی تفسیر میں بھی مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے رجز سے مراد بت لئے ہیں یعنی بتوں سے دور رہئے ان کے قریب بھی نہ جائیے جیسے اب تک دور رہے ہیں۔اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ ایسے عقائد اور اعمال ترک کر دیجئے جو موجب عذاب ہیں۔اور بعض نے لغوی نجاستیں مراد لی ہیں جو آدمی کی روح کو گندہ کرتی ہیں۔غرض کہ اس آیت میں ہر طرح کی طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے آگے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی تلقین فرمائی گئی کہ جو کچھ آپ کسی کو دیں یا کسی پر احسان کریں۔اس میں روپیہ پیسہ یا علم و ہدایت اور دعوت و تبلیغ وغیرہ سب شامل ہیں اس سے بدلا یا معاوضہ نہ چاہئے۔یعنی نہ کسی کو کوئی چیز اس نیت سے دیجئے۔ کہ وہ عوض میں زیادہ کر کے دے۔آپ محض اپنے رب کے دیئے ہوئے پر شاکر و صابر رہئے اور جو شدائد دعوت و تبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں ان کو اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کریں اور اسی کے حکم کی راہ دیکھیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ ان ابتدائی آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطے سے امت کے اہل علم اور اہل فضل لوگوں کو تبلیغ دین اور دعوت اسلامی کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچانے کے لئے پانچ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی ہدایت و تعلیم دی گئی:۔

اول اپنے قول و فعل یعنی زبان اور عمل سے ظاہر کریں کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا بزرگ و برتر ہے۔اس کے سوا نہ کسی سے ڈرنا اور نہ کسی سے اپنی حاجت براری اور کارسازی کی امید رکھنا۔نہ کسی سے نفع کی امید ورنہ نقصان کا خوف رکھنا۔

دوسرے کپڑوں کو بدن کو اور اپنے نفس اور قلب اور اخلاق کو صاف رکھنا یعنی ظاہر اور باطن دونوں کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنا۔

تیسرے ناپاک اور گندی باتوں اور کاموں سے دور رہیں۔اور سب سے بڑھ کر ناپاک اور گندہ عقیدہ شرک کا ہے اس لئے سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر اس سے بچیں۔

چوتھے ہر معاملہ میں ہمت اور اولوالعزمی سے کام لیں۔کسی پر کوئی احسان اس توقع سے نہ کریں کہ آگے چل کر وہ ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر احسان کرے یعنی دوسروں کو دینی یا دنیوی فائدہ کسی اپنی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لئے پہنچائیں۔

پانچویں اللہ کے احکام پر چلنے میں اور اس کی فرماں برداری میں اور دعوت و تبلیغ کے راستہ میں جو مشقتیں اور مشکلیں پیش آئیں انہیں اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کریں اور حوصلہ مندی اور صبر و استقلال سے اپنا کام برابر انجام دیتے رہیں۔

الغرض جب ان آداب کے ساتھ دعوت دین اسلام لوگوں کو پہنچا دی جائے اور پھر وہ لوگ از راہ تکبر و عنا د توحید و رسالت اور قرآن و آخرت کے منکر بنے رہیں تو پھر ان لوگوں کو قیامت میں سخت سزا دی جائے گی۔جہنم میں داخل کیا جائے گا اور وہاں کے عذاب کیسے سخت ہوں گے یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾

پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا۔ جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدْتُ

مجھ کو اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو جسکو میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اور اس کو کثرت سے مال دیا۔ اور پاس رہنے والے بیٹے دیئے۔ اور سب طرح کا سامان

لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾

اس کیلئے مہیا کر دیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ (اس کو) اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ اس کو عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا۔

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾

اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی۔ سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ (اور) پھر (مکرر) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر (حاضرین کے چہروں کو) دیکھا۔ پھر منہ بنایا

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾

اور زیادہ منہ بنایا۔ اور پھر منہ پھیرا اور تکبر کیا۔ پھر بولا کہ بس یہ جادو ہے (جو اوروں سے) منقول ہے۔ بس یہ تو آدمی کا کلام ہے۔ میں اس کو جلدی دوزخ میں داخل کروں گا۔

فَإِذَا نُقِرَ پھر جب پھونکا جائیگا	فِي النَّاقُورِ صور میں	فَذَٰلِكَ تو وہ	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَوْمٌ دن	عَسِيرٌ بڑا دشوار	عَلَى الْكَافِرِينَ کافروں پر	
غَيْرُ يَسِيرٍ نہ آسان	ذَرْنِي مجھے چھوڑ دو	وَمَنْ اور جسے	خَلَقْتُ میں نے پیدا کیا	وَحِيدًا اکیلا	وَجَعَلْتُ اور میں نے دیا	لَهُ اسے	مَالًا مَمْدُودًا مال کثیر
وَبَنِينَ اور بیٹے	شُهُودًا سامنے حاضر رہنے والے	وَمَهَّدْتُ اور بچھایا (مہیا کیا)	لَهُ اس کیلئے	تَمْهِيدًا بچھونا (سامان)	ثُمَّ پھر	يَطْمَعُ وہ طمع کرتا ہے	
أَنْ أَزِيدَ کہ (اور) زیادہ دوں	كَلَّا ہرگز نہیں	إِنَّهُ بیشک وہ	كَانَ ہے	لِآيَاتِنَا ہماری آیات کا	عَنِيدًا عناد رکھنے والا (مخالف)	سَأُرْهِقُهُ اب اس سے چڑھواؤں گا	
صَعُودًا بڑی چڑھائی	إِنَّهُ بیشک اس نے	فَكَّرَ سوچا	وَقَدَّرَ اور اپنے اندازہ کیا	فَقُتِلَ سو وہ مارا جائے	كَيْفَ کیسا	قَدَّرَ اس نے اندازہ کیا	
ثُمَّ قُتِلَ پھر وہ مارا جائے	كَيْفَ کیسا	قَدَّرَ اس نے اندازہ کیا	ثُمَّ پھر	نَظَرَ اس نے دیکھا	ثُمَّ عَبَسَ پھر اس نے تیوری چڑھائی	وَبَسَرَ اور منہ بگاڑ لیا	
ثُمَّ أَدْبَرَ پھر اس نے پیٹھ پھیر لی	وَاسْتَكْبَرَ اور اس نے تکبر کیا	فَقَالَ تو اس نے کہا	إِنْ هَٰذَا نہیں یہ	إِلَّا سِحْرٌ مگر (صرف) جادو	يُؤْثَرُ اگلوں سے نقل کیا جاتا ہے		
إِنْ هَٰذَا نہیں یہ	إِلَّا مگر (صرف)	قَوْلُ الْبَشَرِ آدمی کا کلام	سَأُصْلِيهِ عنقریب اسے ڈالدوں گا	سَقَرَ سقر (جہنم)			

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت آئے گی اور صور پھونکا جائے گا تو وہ دن سراسر مشکلات اور سختیوں سے بھرا ہوگا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دنیا میں اللہ کی توحید کا انکار کیا ہوگا اور اللہ کے رسول کو نہ مانا ہوگا۔ اس دن ایسے منکرین کے لئے ذرا آسانی اور سہولت نہ ہوگی بلکہ اس دن کی سختی دم بدم ان پر بڑھتی جائے گی بخلاف مومنین کے کہ اگر وہ سختی بھی دیکھیں گے تو پھر کچھ مدت کے بعد آسانی کردی جائے گی۔

احادیث اور قرآنی آیات کی روشنی میں نفخ صور کے متعلق لکھا ہے کہ قیام قیامت کی اول علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے اور دنیاوی نعمتیں اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہوجائیں گی اور یہ دنیا صرف بدکرداروں اور خدا فراموشوں کی دنیا رہ جائے گی کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا یعنی محرم کا مہینہ صبح

ہوتے ہی جب کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں گے کہ ناگاہ ایک باریک لمبی آواز لوگوں کو سنائی دے گی۔ یہی نفخ صور ہوگا۔ تمام اطراف کے لوگ اس کے سننے میں یکساں ہوں گے اور حیران ہوں گے کہ یہ آواز کیسی ہے اور کہاں سے آتی ہے پس رفتہ رفتہ یہ آواز مانند کڑک بجلی کے سخت و بلند ہوتی جائے گی آدمیوں میں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی و بے قراری پھیل جائے گی جب وہ آواز پوری سختی پر آجائے گی تو لوگ خوف وہیبت کی وجہ سے مرنے شروع ہو جائیں گے زمین میں زلزلہ آئے گا جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں میں بھاگیں گے اور وحشی جانور خائف ہو کر لوگوں کی آبادی میں آجائیں گے۔ زمین جابجا شق ہو جائے گی۔ سمندر ابل کر قرب و جوار کے مواضعات پر چڑھ جائیں گے۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہواؤں کے چلنے سے ریت کے موافق اڑیں گے۔ گرد وغبار کے اٹھنے اور آندھیوں کے آنے کے سبب جہاں تیرہ و تار ہو جائے گا اور وہ آواز دم بدم سخت ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے اور چاند و سورج ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر اور آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے حتی کہ آسمانوں کے فرشتے بھی یکے بعد دیگرے سب فنا ہو جائیں گے اور بجز ذات ذوالجلال والا کرام کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صور والا فرشتہ (یعنی اسرافیل علیہ السلام) صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے اور اپنا کان اس نے لگا رکھا ہے اور اس کی پیشانی جھکی ہوئی ہے۔ وہ انتظار میں ہے کہ کب اس کو صور پھونکنے کا حکم ہو اور وہ پھونک دے یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان اور خوشی سے رہ سکتا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے۔ ہماری رہنمائی فرمایئے کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کے لئے ہم کیا کریں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھتے رہا کرو۔

الغرض یہاں وعید سنائی گئی کہ وہ دن کافروں پر نہایت سخت ہوگا اور ان کے لئے مطلق کوئی آسانی اور سہولت نہ ہوگی۔ یہ تو تھی عام وعید تمام کفار و منکرین کے لئے آگے کفار میں سے بعض خاص کا ذکر ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا اور اگلی آیات مکہ کے ایک کافر رئیس و سردار ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ولید بن مغیرہ کافر اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیوی مال و جاہ اور ثروت ولیاقت کے اعتبار سے عرب میں فرد واحد اور یکتا سمجھا جاتا تھا۔ اس کے دس ۱۰ بیٹے تھے جو اس کے پاس رہتے تھے اور بوجہ فراغت معاش کے ان کو تلاش معاش کے لئے کہیں جانا نہ پڑتا تھا۔ وہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے قرآن پڑھ کر سنایا جس سے وہ کسی قدر متاثر ہوا مگر ابوجہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہوگی۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ کے بارہ میں گفتگو ہوئی۔ کسی نے کہا شاعر ہیں۔ کسی نے کاہن بتلایا۔ ولید نے کہا میں شعر و شاعری میں خود بڑا ماہر ہوں۔ اور کاہنوں کی باتیں بھی بہت سنی ہیں۔ قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں۔ آخر تیوری بدل کر اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں مجھ کو جادو معلوم ہوتا ہے جو جادوگروں سے نقل ہوتا چلا آتا ہے حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں اور مجنونانہ کلام بھی نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لئے اب یہ بات بنادی۔ اس کافر ولید بن مغیرہ جس کے بارے میں بتلایا گیا کہ اس کو اللہ نے پیدا کیا تو یہ تنہا تھا۔ اپنے ساتھ دھن دولت مال اولاد کچھ نہ لایا تھا۔ اللہ ہی نے اسے مال و دولت حکومت سرداری۔ اولاد عزت سب کچھ عطا کیا۔ ہمہ وقت پاس رہنے والے

دس بیٹے دیئے۔ تجارتی کاروبار اور دوسرے کام کاج کے لئے نوکر چاکر دیئے تو چاہئے یہ تھا کہ اس مال و دولت اس اولاد کا شکر بجا لاتا اور اللہ پر ایمان لے آتا مگر الٹا یہ اللہ کی آیتیں اور کلام سن کر ان کا منکر ہوا اور مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اور کفر و شرک پر جما رہا اور زیادہ مال دولت جمع کرنے کی غرض میں منہمک رہا۔ اس کافر ولید بن مغیرہ کے سامنے اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس پر آیت میں فرمایا گیا کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی امید اور توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں اور زیادہ دے گا۔ ہرگز نہیں جب وہ منعم حقیقی کی آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے اور خیالی پلاؤ پکائے۔ لکھا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد پے در پے اس کے مال دولت میں نقصان ہونا شروع ہوا آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مر گیا۔ مگر خدا کی قدرت اور اسلام کی حقانیت کا کرشمہ کہ اسی ولید بن مغیرہ کی اولاد میں سے بعد میں چار دولت ایمان سے مشرف ہوئے یعنی ولید بن ولید خالد بن ولید اور عمارہ اور ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت خالدؓ ہیں جنہوں نے اس قدر جہاد کیا اور کفار کو اس قدر مارا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی امیر الامرائی کا منصب ان کو ملا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیف اللہ کا خطاب دیا۔ اور ملک شام و عراق انہی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ آگے اس کافر ولید بن مغیرہ جس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں بتلایا جاتا ہے کہ یہ جھوٹی توقع رکھتا ہے کہ جنت و آخرت کی نعمتیں بھی اسی کو زیادہ ملیں گی تو وہ سن لے اور یاد رکھے کہ آخرت میں اسے سخت ترین مصائب میں گرفتار ہونا ہے اور وہ جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جائے گا۔ حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ صعود دوزخ میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جس پر کافر ستر ۷۰ برس تک چڑھایا جائے گا اور پھر وہاں سے گرایا جائے گا اور ہمیشہ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوتا رہے گا۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صعود دوزخ میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر زبردستی کافر کو چڑھایا جائے گا اور اس کی سوزش کا یہ حال ہے کہ جب کافر اس پر ہاتھ رکھے گا تو رکھتے ہی جل کر بھسم ہو جائے گا اور پھر اسی وقت نیا بنے گا اور پھر جلے گا اور اسی طرح اس کے پاؤں کا حال ہو گا کہ اس پر رکھتے ہی جل جائیں گے اور پھر نئے بنیں گے اور اسی تکلیف اور مشقت سے اس کو زنجیروں سے فرشتے کھینچیں گے پھر جب اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے گا تو اس کو اوپر سے نیچے گرا دیں گے پھر اس کو مار مار کر اوپر چڑھائیں گے اور پھر گرا دیں گے اور اسی عذاب میں ابدالآباد تک رہے گا۔ تو اس وَلید بن مُغیرہ کافر کے متعلق بتلایا گیا کہ اس کو جہنم کے آتشی پہاڑ صَعُود پر چڑھایا جائے گا اور یہ سزا اس بدبخت کو اسی وجہ سے ہو گی کہ اس نے دل میں سوچ کر ایک بات تجویز کی کہ قرآن جادو ہے۔ خدا غارت کرے کیسی مہمل تجویز کی۔ پھر خدا غارت کرے اس کو کہ اپنی قوم کے جذبات کے لحاظ سے کیسی برمحل تجویز نکالی کہ کلام اللہ کو جادو بتلا کر ان کو خوش کیا۔ یہ ولید بن مغیرہ کی اسی گفتگو کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر ہوا یعنی قریش کے مجمع پر نگاہ ڈالی پھر خوب منہ بنایا کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور انقباض ہے۔ پھر پیٹھ پھیر لی گویا بہت ہی قابل نفرت چیز کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل اس کی حقانیت کا اقرار کر چکا تھا اب برادری کی خوشنودی کے لئے اس سے پھر گیا اور نہایت غرور و تکبر کے انداز میں کہنے لگا کہ بس اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور یقیناً یہ آدمی کا کلام ہے جو جادو بن کر باپ کو بیٹے سے اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے۔ اس پر اسے وعید سنائی جاتی ہے کہ اس تکبر اور عناد کا مزہ اس کو جہنم میں ڈال کر چکھایا جائے گا۔

یہاں ان آیات میں کافر سردار ولید بن مغیرہ پر اللہ تعالیٰ نے جو دنیوی انعامات فرمائے تھے ان میں یہ بھی فرمایا وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا یعنی اس کے پاس رہنے والے بیٹے دیئے۔ اس دنیوی انعام کے متعلق حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:۔

وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا یعنی اولاد پاس حاضر اور موجود۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسا اولاد کا پیدا ہونا اور اس کا باقی رہنا اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں اسی طرح اولاد کا اپنے پاس حاضر اور موجود ہونا بھی ایک بڑا انعام ہے جو والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے سکون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ان کی حاضری سے اپنی خدمت اور کاروبار میں امداد کا فائدہ مزید برآں ہے۔ اس (نام نہاد) معکوس ترقی نے جو یہ زمانہ کر رہا ہے صرف سونے چاندی کے سکوں بلکہ ان سکوں کے اب تو اقرار ناموں یعنی نوٹوں کا نام عیش و آرام رکھ لیا ہے۔ جس کے لئے والدین بڑے فخر سے اولاد کو دوسرے ملکوں میں پھینک دیتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ اگرچہ سالہا سال بلکہ عمر بھر اولاد کی صورت بھی نہ دیکھیں مگر ان کی بڑی تنخواہ اور آمدنی کی خبر ان کے کانوں تک پہنچتی رہے اور یہ اس خبر کے ذریعہ اپنی برادری میں برتری ثابت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آرام وراحت کے مفہوم سے بھی بے خبر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کو بھلانے کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے کہ وہ خود اپنے آپ کو یعنی اپنی اصلی آرام وراحت کو بھی بھول جائے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا۔ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ (سورہ حشر) (جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دنیوی انعامات واحسانات کی کماحقہ قدر عطا فرمائیں اور ان کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

الغرض یہاں ولید بن مغیرہ کو وعید عذاب آخرت کی سنائی گئی کہ وہ جہنم رسید ہوگا۔ اب وہ جہنم اور اس کی سزا کا کیا حال ہوگا۔ یہ آخری آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور وہاں کی ذلت اور رسوائیوں سے ہمیں بچالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو مال و دولت اور اہل وعیال ہم کو عطا فرمائے ہیں اس پر ہم کو حقیقی شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں اور کفران نعمت سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم کو جو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اس پر استقامت نصیب کریں اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا

اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے۔ نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی۔ (اور) وہ (جلا کر) بدن کی حیثیت بگاڑ دیگی۔ اس پر انیس فرشتے ہوں گے۔ اور ہم نے

جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ

دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جوان کی تعداد (ذکر میں) ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو۔ تو اس لئے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں۔ اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے۔ اور اہل کتاب

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا

اور مؤمنین شک نہ کریں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے۔

مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ

اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کردیتا ہے۔ اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾

کوئی نہیں جانتا اور دوزخ (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیحت کیلئے ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ اور تم کیا سمجھے؟	مَا سَقَرُ سقر کیا ہے	لَا تُبْقِيْ وہ نہ باقی رکھے گی	وَلَا تَذَرُ اور نہ چھوڑے گی	لَوَّاحَةٌ جھلس دینے والی	لِّلْبَشَرِ آدمی کو			
عَلَيْهَا اس پر ہیں	تِسْعَةَ عَشَرَ انیس (داروغہ)	وَمَا جَعَلْنَا اور ہم نے نہیں بنائے	اَصْحٰبَ النَّارِ دوزخ کے داروغہ	اِلَّا مگر (صرف)				
مَلٰٓئِكَةً فرشتے	وَمَا جَعَلْنَا اور ہم نے نہیں رکھی	عِدَّتَهُمْ ان کی تعداد	اِلَّا فِتْنَةً مگر (صرف) آزمائش کو	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں کیلئے جو کافر ہوئے				
لِيَسْتَيْقِنَ تاکہ وہ یقین کرلیں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْكِتٰبَ کتاب دی گئی (اہل کتاب)	وَيَزْدَادَ اور زیادہ ہو	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا جو لوگ ایمان لائے				
اِيْمَانًا ایمان	وَلَا يَرْتَابَ اور شک نہ کریں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْكِتٰبَ کتاب دی گئی	وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور مومن (جمع)	وَلِيَقُوْلَ اور تاکہ وہ کہیں			
الَّذِيْنَ وہ لوگ	فِيْ قُلُوْبِهِمْ جن کے دلوں میں	مَّرَضٌ روگ	وَالْكٰفِرُوْنَ اور کافر (جمع)	مَاذَا کیا	اَرَادَ اللّٰهُ ارادہ کیا اللہ نے	بِهٰذَا اس		
مَثَلًا مثال	كَذٰلِكَ اسی طرح	يُضِلُّ اللّٰهُ اللہ گمراہ کرتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ جس وہ چاہتا ہے	وَيَهْدِيْ اور ہدایت دیتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ جسے وہ چاہتا ہے			
وَمَا يَعْلَمُ اور نہیں جانتا	جُنُوْدَ لشکروں	رَبِّكَ تیرے رب کے	اِلَّا هُوَ سوائے وہ (خود)	وَمَا هِيَ اور نہیں یہ	اِلَّا ذِكْرٰى مگر نصیحت	لِلْبَشَرِ آدمی کیلئے		

تفسیر و تشریح: ان آیات میں کچھ جہنم اور اس کے آزار کا حال بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کچھ خبر ہے کہ وہ دوزخ کیسی چیز ہے۔ وہ ایسی ہولناک ہے کہ دوزخیوں کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دے گی جو جلنے سے بچ جائے یعنی ہڈی۔ گوشت۔ پوست کوئی چیز جلنے سے نہ چھوٹے گی اور پھر جلانے کے بعد اسی حالت پر بھی نہ چھوڑے گی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹائے جائیں گے۔ اور نیا جسم تیار ہوگا اور پھر جلیں گے اور یہ سلسلہ

ہمیشہ ابداً لآباد تک ہوتا رہے گا اور وہ آگ جلا کر بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی۔اور اس دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسر ۱۹ فرشتے ہوں گے جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام ''مالک'' ہے۔یہاں آیت میں جو عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ فرمایا یعنی اس پر ۱۹ فرشتے مقرر ہوں گے تو مفسرین نے ۱۹ کے عدد کی حکمتیں تفصیل سے لکھی ہیں اور اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر اس سلسلہ میں جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے وہ دل کو سب سے زیادہ لگتا ہے اس لئے یہاں اسی تفصیل کو نقل کیا جاتا ہے۔حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۱۹ فرشتوں کے مقرر ہونے سے ظاہر ہے کہ عذاب کا بہت ہی اہتمام ہوگا اور نکتہ خاص ۱۹ کے عدد میں حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے لیکن اوروں نے جو ذکر کیا ہے ان سب میں اقرب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس حقیر کے قلب میں القا فرمایا ہے وہ یہ کہ اصل تعذیب کفار کی عقائد حقہ کی مخالفت پر ہے اور عقائد قطعیہ جو عمل سے متعلق نہیں نو ۹ ہیں:۔

۱-ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر ۲-اعتقاد رکھنا کہ عالم حادث ہے۔
۳-ایمان لانا فرشتوں پر ۴-ایمان لانا اللہ کی سب کتابوں پر
۵-ایمان لانا تمام پیغمبروں پر ۶-ایمان لانا تقدیر پر
۷-ایمان لانا قیامت کے دن پر۔ ۸-جنت کا یقین کرنا
۹-دوزخ کا یقین کرنا۔

اور عقائد قطعیہ جو عملیات کے متعلق ہیں دس ہیں:۔

پانچ مامورات کے متعلق ہیں ان کے متعلق وجوب کا اعتقاد اور پانچ منہیات کے متعلق ہیں ان کی تحریم کا اعتقاد۔

وہ پانچ مامورات جو شعائر اسلام ہیں یہ ہیں:۔

۱-تلفظ بالشہادتین ۲-اقامت صلوٰۃ ۳-ایتاء زکوٰۃ
۴-صوم رمضان ۵-حج بیت اللہ

اور پانچ منہیات کے متعلق یہ ہیں:

۱-سرقہ ۲-زنا ۳-قتل ۴-بہتان
۵-عصیان فی المعروف جس میں غیبت۔ظلم یتیموں کا مال کھانا وغیرہ سب آ گیا۔

پس یہ سب عقائد مل کر ۱۹ ہوئے شاید ایک ایک عقیدہ کے مقابلہ میں ایک ایک فرشتہ معین ہوا اور چونکہ ان سب میں ایک عقیدہ سب سے بڑا ہے یعنی توحید اس لئے ان فرشتوں میں بھی ایک فرشتہ سب سے بڑا مقرر رہوا ہو یعنی ''مالک''۔واللہ اعلم باسرارہ۔

بہر حال جب قرآن پاک میں یہ خبر دی گئی کہ دوزخ پر ۱۹ فرشتے مقرر ہیں جو اس کے خازن ہیں تو ہمارا تو اس پر ایمان ہے۔اب جب یہ آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی تو ۱۹ کا عدد سن کر مشرکین مکہ ٹھٹھ کرنے لگے ایک کافر جو ابولاشد کے لقب سے مشہور تھا اور وہ بڑا قوی تھا اس نے کہا کہ اے قریش تم اس سے مت ڈرنا میں دس فرشتوں کو تو داہنے شانہ سے اور ۹ کو بائیں شانہ سے ہٹا دوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ وہ فرشتے تو ۱۹ ہی ہیں اور تم بہت سے ہو کیا دس دس آدمی بھی ایک ایک کو کافی نہ ہوں گے۔ ایک پہلوان کافر بولا کہ سترہ ۱۷ کو تو میں اکیلا کافی ہوں دو کا تم مل کر تیا پانچا کر لینا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک ایک فرشتہ کی قوت کا تمام جن و انس مقابلہ نہیں کر سکتے۔قوم لوط کی ساری بستی کو ایک فرشتہ نے ایک بار اوپر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب دینے کے لئے انیس فرشتوں کی گنتی خاص حکمت سے رکھی ہے اور اس تعداد کے بیان کرنے میں منکروں کی جانچ ہے کہ کون اس تعداد کو سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو ۱۹ کی تعداد کی اطلاع اس غرض سے دی کہ اہل کتاب آپ کی نبوت اور قرآن کا یقین کر لیں کیونکہ یہ تعداد ملائکہ اس تعداد کے موافق ہے جس کی صراحت توریت و انجیل میں کی گئی ہے اور اہل ایمان کے ایمان کیفیت میں اضافہ ہو اس وجہ سے بھی کہ ان کا اس تعداد پر ایمان

ہوگا اور اس لئے بھی کہ اہل کتاب اس کی تصدیق کریں گے اور اس تصدیق سے مومنوں کے ایمان ویقین میں اور زیادتی ہوگی۔ غرضکہ اس ۱۹ کی تعداد کے بیان سے اہل کتاب کے دلوں میں قرآن کی حقیقت کا یقین پیدا ہوگا اور یہ دیکھ کر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو قرآن کے بیان میں کوئی شک وتردد نہ رہے گا۔ نہ مشرکین کے استہزاء وتمسخر سے وہ کچھ دھوکہ کھائیں گے۔ ہاں جن لوگوں کے دلوں میں شک کا مرض ہے یا کھلے ہوئے منکر ہیں وہ کہیں گے کہ اس ۱۹ کے شمار کے بیان سے کیا غرض تھی۔ بھلا ایسی بے تکی اور غیر موزوں بات کو کون مان سکتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ اس پر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک ہی بات اور ایک ہی باب یعنی جہنم پر ۱۹ فرشتوں کا مقرر ہونا اس سے بد استعداد آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور سلیم الطبع راہ پالیتا ہے۔ جسے ماننا مقصود نہ ہو وہ کام کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں خوف خدا اور نور توفیق ہو اس کے ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے۔ پھر آگے بتلایا گیا کہ یہ ۱۹ کی تعداد تو صرف کارکنان یا جہنم کے افسران کو بتلائی گئی ہے ورنہ اللہ کے بے شمار لشکروں اور لاتعداد فرشتوں کی کثرت اس قدر ہے کہ اس کو بجز باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر وہ چاہتے تو بے انتہا فرشتوں کو جہنم پر خازن بنا دیتے اور اب بھی گو خازن اور افسر کی حیثیت سے ۱۹ ہی ہیں مگر ان کے ماتحت ان کے مددگار بہت کثرت سے ہیں چنانچہ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جہنم اس حال میں حاضر کی جاوے گی کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے۔ اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اصل مقصود جو جہنم کا ذکر کرنے سے ہے وہ عدد کی قلت یا کثرت کا تعین یا انکشاف حکمت تخصیص یا عدم انکشاف پر موقوف نہیں اصل مقصود یہ ہے کہ دوزخ کا حال بیان کرنا صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے تاکہ وہاں کے عذاب کو سن کر ڈریں اور ایمان لائیں۔

ابھی جہنم کی عقوبت اور اس میں گرفتار ہونے والوں کا حال اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ جہنم کے آزار ومصائب سے ہمیں اور تمام امت مسلمہ کو بچائیں۔ قرآن پاک نے جو غیب کی خبریں بتائی ہیں اس پر ہم کو ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ہدایت کے راستہ پر ہم کو مستقیم رکھیں۔

اے اللہ آپ نے جو قرآن کریم میں جہنم وجنت کی خبریں دی ہیں وہ حق ہیں ان پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ہم آپ سے جنت کا سوال اور جہنم کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں۔ یا اللہ ہمارے دلوں میں اپنا وہ خوف وخشیت اور نور توفیق وہدایت عطا فرما کہ ہم غیبی امور پر یقین کامل رکھ کر اپنے ایمان میں ترقی کرتے رہیں اور شک وشبہ کے مرض سے محفوظ رہیں۔

آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾

بالتحقیق قسم ہے چاند کی۔اور رات کی جب جانے لگے۔اور صبح کی جب روشن ہو جائے۔کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے۔جو انسان کیلئے بڑا ڈراوا ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾

(یعنی تم میں جو آگے کی طرف) کو بڑھے اس کیلئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے کو ہٹے اس کیلئے بھی۔ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہوگا۔مگر وہ داہنے والے کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾

(اور) مجرموں (یعنی کفار) کا حال (خود ان کفار ہی سے) پوچھتے ہوں گے۔کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا۔وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾

اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے۔اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔

حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾

یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی۔سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

كَلَّا نہیں نہیں	وَالْقَمَرِ قسم ہے چاند کی	وَالَّيْلِ اور رات	اِذْ اَدْبَرَ جب وہ پیٹھ پھیرے	وَالصُّبْحِ اور صبح	اِذَآ اَسْفَرَ جب وہ روشن ہو	اِنَّهَا بیشک یہ
لَاِحْدَى ایک ہے	الْكُبَرِ بڑی (آفت)	نَذِيْرًا ڈرانے والی	لِّلْبَشَرِ لوگوں کو	لِمَنْ شَآءَ اور جو کوئی چاہے	مِنْكُمْ تم میں سے	اَنْ يَّتَقَدَّمَ کہ وہ آگے بڑھے
اَوْ يَتَاَخَّرَ یا پیچھے رہے	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	بِمَا اسکے بدلے جو	كَسَبَتْ اس نے کمایا (اعمال)	رَهِيْنَةٌ گروی	اِلَّآ مگر	اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ داہنی طرف والے
فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں	يَتَسَآءَلُوْنَ وہ پوچھیں گے	عَنِ سے	الْمُجْرِمِيْنَ گنہگاروں	مَا سَلَكَكُمْ کیا (چیز) تمہیں لے گئی	فِيْ سَقَرَ جہنم میں	
قَالُوْا وہ کہیں گے	لَمْ نَكُ ہم نہ تھے	مِنَ سے	الْمُصَلِّيْنَ نماز پڑھنے والے	وَلَمْ نَكُ اور نہ تھے ہم	نُطْعِمُ ہم کھانا کھلاتے	الْمِسْكِيْنَ محتاجوں
وَكُنَّا نَخُوْضُ اور ہم تھے (بیہودہ باتوں میں) دھنستے رہتے تھے	مَعَ ساتھ	الْخَآئِضِيْنَ بیہودہ باتوں میں لگے رہنے والے	وَكُنَّا نُكَذِّبُ اور ہم جھٹلاتے تھے			
بِيَوْمِ الدِّيْنِ روزِ جزاوسزا کو	حَتّٰى یہانتک کہ	اَتٰىنَا ہمیں آگئی	الْيَقِيْنُ موت	فَمَا تَنْفَعُهُمْ اور انہیں نفع نہ دیا	شَفَاعَةُ سفارش	الشّٰفِعِيْنَ سفارش کرنیوالوں

تفسیر وتشریح: ان آیات میں قسم کھا کر بتلایا جاتا ہے کہ قیامت و آخرت میں جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونے والی ہیں جہنم ان میں کی ایک چیز ہے۔عرب میں ایام جاہلیت میں بھی قسم کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اس لئے کہ وہ قسم کھا کر جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے۔تو یہاں چاند کی قسم۔اور رات کی قسم اور صبح کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ وہ جہنم بڑی بھاری چیز ہے جو ہر انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور خوف دلانے والی ہے اس کے لئے بھی جو خیر وطاعت میں آگے بڑھنا چاہتا ہے اور اس کے لئے بھی جو شر و گناہ میں پڑا رہنا چاہتا ہے یعنی جمیع مکلفین کے لئے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب ونتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی۔یعنی چاند کی اور رخصت ہوتی ہوئی رات کی اور روشن ہوتی ہوئی صبح کی کہ یہ تینوں چیزیں خاص مناسبت واقعہ قیامت سے رکھتی ہیں۔چاند کا اول بڑھنا پھر گھٹنا یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو جانا ایک نمونہ اور مثال ہے اس دنیا کے

وجود۔نشوونما اور پھر انحطاط کا حتیٰ کہ فنا کا۔اسی طرح اس عالم کو عالم آخرت سے وہی نسبت ہے جو رات کو دن کے ساتھ ہوتی ہے۔اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ رات کے گزر جانے کے ہے اور آخرت کا ظہور مشابہ طلوع صبح کے ہے۔آگے اس جہنم اور اہل جہنم کے بعض احوال کا بیان ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کفریہ میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہوگا۔اور ان کی بندش سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔البتہ وہ لوگ جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس سیدھے راستہ پر چلے۔جو اللہ نے ان کے لئے اپنے رسول کی معرفت مقرر کیا تھا وہ کسی بندش میں جکڑے ہوئے نہ ہوں گے اور وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے رہیں گے۔یہاں آیت میں ان کو اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ فرمایا گیا یعنی داہنے والے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ ان داہنے طرف والوں سے وہ گروہ مراد ہے جو قیامت میں عرش رب العالمین کے داہنی طرف کھڑا ہوگا جدھر بہشت ہے اور ان کے نامہ اعمال بھی داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور یہ لوگ عالم ارواح میں یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے۔تو یہ اصحاب یمین یعنی داہنی طرف والے آخرت میں بندش میں پھنسے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ جنت کے باغوں میں آزاد ہوں گے اور نہایت بےفکر اور فارغ البال ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے مجرموں کا حال پوچھیں گے کہ وہ کہاں گئے جو نظر نہیں پڑے؟ جب انہیں معلوم ہوگا کہ مجرموں کو جہنم میں داخل کیا گیا ہے تب یہ جنتی ان جہنمیوں کی طرف متوجہ ہو کر خطاب کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ تم باوجود عقل و ہوشیاری کے اس جہنم کی آگ میں کیسے آ پڑے؟ اور کس بات نے تم کو اس آفت میں پھنسایا؟ واضح رہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم باوجود ایک دوسرے سے دور اور علیحدہ ہونے کے ایک دوسرے سے گفتگو کر سکیں گے جبکہ درمیانی حجاب وقتی طور پر اٹھا دیا جائے گا جیسا آٹھویں پارہ سورہ اعراف میں ذکر فرمایا گیا ہے۔تو اہل جنت کے اس سوال پر کہ کس چیز نے تم کو جہنم میں پہنچایا؟۔اہل جہنم جواب دیں گے کہ ہم نے دنیا میں رہ کر نہ تو اللہ کا حق پہچانا اور نہ اس کی عبادت کی اور نہ بندوں ہی کے ساتھ احسان کیا اور نہ ان کی خبر لی۔بس اپنے عیش و عشرت میں پڑے رہے اور اپنے مال سے گلچھرے اڑاتے رہے۔کبھی غریبوں اور محتاجوں کی کوئی مالی خدمت نہ کی البتہ جو لوگ دین حق کے جھٹلانے میں لگے رہتے تھے ہم بھی ان کے ساتھ مل کر شب و روز حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بد صحبتوں میں رہ کر شکوک و شبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہوا کہ قیامت اور انصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور پھر آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔مگر موت کے بعد خبردار ہونا اور پچھتانا ہمارے کام نہ آیا اس لئے کہ عمل اور توبہ کا وقت نہ رہا۔اہل جہنم کا یہ جواب نقل فرما کر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے نہ اپنی خلاصی کی فکر آپ کی نہ کہیں دوسری طرف سے ان کو امداد و اعانت مل سکی اور نہ ان کو کسی کی شفاعت اور سفارش کام دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں کام دیتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں۔

اب یہاں اہل جنت جو مجرموں یعنی جہنم میں جانے والوں سے پوچھیں گے مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ کہ تم کو جہنم میں کس بات نے داخل کیا؟ تو مجرمین اس کے جواب میں ایک بات یہ کہیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ یعنی ہم نماز پڑھنے والے نہ تھے۔اب یہاں سوال یہ ہے کہ کفار و مشرکین اوامر شرعیہ کے تو مکلف ہی نہیں یعنی ایک اسلامی حکومت میں بھی کافر سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تو نماز پڑھ۔روزہ رکھ۔یا زکوٰۃ ادا کر تو کافر کا نماز نہ پڑھنا کوئی قابل گرفت بات نہیں۔ہاں کفر کے باعث اس کی گرفت ضرور ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ مجرمین میں سے یہ جواب کہ ہم نماز پڑھنے والے نہ تھے ان گناہ گار مسلمانوں کا ہو کہ جو نماز

دنیا میں نہ پڑھتے تھے۔ کیونکہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے پر بڑی سخت وعیدیں اور بہت سخت عذاب حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں۔

جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑنے پر بڑے سخت عذاب کی وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں تو یہ بھی قابل قیاس ہے کہ یہ جواب لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ان گناہ گار مسلمانوں ہی کا ہو جو دنیا میں تارک نماز تھے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اگر یہ جواب کفار و مشرکین ہی کا سمجھا جائے تو ان کے اس جواب کا کہ نماز نہ پڑھنے سے ہم جہنم میں داخل ہوئے یہ مطلب ہوگا کہ دنیا میں ہم نے اسلام و ایمان قبول نہ کیا تھا۔ کیونکہ دنیا میں اسلام و ایمان قبول کرنے والوں کی سب سے بڑی اور خاص پہچان اور شناخت نماز پڑھنا ہی ہے۔ تو یہاں تنبیہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے کہ نماز نہ پڑھ کر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور حمیت اسلامی کے لمبے چوڑے وعدے کرتے ہیں۔

الغرض خلاصہ یہ کہ ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ دار آخرت میں کام آنے والی چیزیں یہی ہیں (۱) ایمان اور اطاعت خدا اور رسول۔ (۲) غرباء اور اہل حاجات کی ضروریات پر مال خرچ کرنا۔ (۳) دین کی باتوں میں شک وشبہ نہ کرنا اور معاصی وفواحش سے بے زار اور علیحدہ رہنا اور (۴) قیامت اور جزا وسزا کا یقین صادق رکھنا۔ ان کی وجہ سے جہنم سے بچ جانا نصیب ہوگا ورنہ ان کے خلاف کرنے سے دوزخ میں داخلہ یقینی ہے۔

اب جب کہ قیامت کے مصائب کا حال بیان فرما دیا اور یہ بھی بتلا دیا گیا کہ ان کفار کو کسی کی سفارش بھی کام نہ آئے گی اور وہ دن بھی آنے والا یقینی ہے جس کا پہلا دروازہ موت ہے تو پھر کفار کی حالت پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا جو اس روز کے لئے کار آمد نصیحتوں سے منہ پھیرتے ہیں اور بدک کر بھاگتے ہیں جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جو آپ نے ہم کو ایمان و اسلام کی دولت عطا فرمائی اور کفر و شرک سے بچایا۔

اے اللہ قیامت کے دن ہم کو اپنے فضل وکرم سے اصحاب یمین میں شامل فرمائیے۔

اور اپنے کرم و احسان سے جنت میں داخل فرمائیے گا۔

اے اللہ ہم کو اس زندگی میں ان اعمال و افعال کی توفیق عطا فرمائیے کہ قیامت میں آپ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہوں اور ہم کو ان اعمال و افعال سے بچا لیجئے۔ جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾

تو ان کو کیا ہوا کہ اس نصیحت (قرآنی) سے روگردانی کرتے ہیں۔ کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں۔ جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾

بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیئے جائیں۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے۔

كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ

(پس یہ) ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن (ہی) نصیحت کیلئے کافی ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اور بدوں خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے۔

وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیئے اور وہی ہے جو گناہ معاف کرتا ہے۔

فَمَا لَهُمْ تو انہیں کیا ہوا	عَنِ سے	التَّذْكِرَةِ نصیحت	مُعْرِضِينَ منہ پھیرتے ہیں	كَأَنَّهُمْ گویا کہ وہ	حُمُرٌ گدھے	مُّسْتَنفِرَةٌ بھاگے ہوئے	
فَرَّتْ بھاگے جاتے ہیں	مِن قَسْوَرَةٍ شیر سے	بَلْ بلکہ	يُرِيدُ چاہتا ہے	كُلُّ امْرِئٍ ہر آدمی	مِّنْهُمْ ان میں سے	أَن يُؤْتَىٰ کہ وہ دیئے جائیں	
صُحُفًا صحیفے	مُّنَشَّرَةً کھلے ہوئے	كَلَّا ہرگز نہیں	بَلْ بلکہ	لَا يَخَافُونَ وہ نہیں ڈرتے	الْآخِرَةَ آخرت	كَلَّا ہرگز نہیں	إِنَّهُ بیشک یہ
تَذْكِرَةٌ نصیحت	فَمَن شَاءَ سو جو چاہے	ذَكَرَهُ اسے یاد رکھے	وَمَا يَذْكُرُونَ اور وہ یاد نہ رکھیں گے	إِلَّا مگر	أَن یہ	يَشَاءَ اللَّهُ اللہ چاہے	
هُوَ وہی	أَهْلُ التَّقْوَىٰ ڈرنے کے لائق	وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ مغفرت کے لائق					

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بطور تعجب کے فرمایا جاتا ہے کہ ان کفار ومنکرین کو کیا ہوا کہ یہ مصیبتیں سامنے ہیں لیکن کار آمد نصیحتیں سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ سننا بھی نہیں چاہتے اور حق کی باتوں سے ایسا منہ پھیر کر بدکتے اور بھاگتے ہیں جیسا کہ وحشی گدھے جنگل میں شیر کو دیکھ کر یا اس کی آواز سن کر بھاگتے ہیں۔ یہاں جو کفار ومنکرین کو وحشی گدھے سے تشبیہ دی گئی تو اس میں کئی امر کی رعایت ہے۔ اول تو گدھا حماقت اور بے وقوفی میں مشہور ہے پھر جنگلی گدھا اور زیادہ بدکتا اور بھاگتا ہے۔ پھر شیر سے اس کا ڈرنا اس صورت میں اس کا بھاگنا انتہاء درجہ کا ہوگا۔ گویا خدائی شیر یعنی اللہ کے پیغمبر کی آواز سن کر یہ کفار جنگلی گدھوں کی طرح بھاگتے ہیں کہ پیغمبر کی بات سننا اور ماننا پسند نہیں کرتے اور اس بھاگنے اور اعراض کرنے کے سبب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کا یعنی کفار ومنکرین کا تکبر اور غرور اجازت نہیں دیتا کہ وہ قرآن یا پیغمبر کی باتوں سے مستفید ہوں بلکہ ہر ایک ان میں سے یہ بھی چاہتا ہے کہ خود اس پر آسمان سے فرامین شاہی کے طور پر کھلی ہوئی کتاب اترے یعنی ہر ایک بغیر وسیلہ نبی مرسل خدائے پاک سے ہم کلام اور مخاطب ہونے کی ہوس رکھتا ہے یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس براہ راست ایک نوشتہ خدا کی طرف سے آئے کہ جس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع کا حکم دیا گیا ہو۔ روایت میں ہے کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا اتباع کریں تو خاص ہمارے نام آسمان سے ایسا نوشتہ آئے کہ یہ فرمان رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا مانو۔ اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ اس کی ضرورت اور نہ ان لوگوں کو اس کی لیاقت اور ان کی بیہودہ

درخواستیں بھی کچھ اس لئے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو واقعی یہ مان جائیں گے اور ایمان لے آئیں گے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لئے حق کی طلب نہیں اور یہ درخواستیں محض حیلہ اور بہانہ ہیں اگر بالفرض یہ درخواستیں پوری بھی کر دی جائیں تب بھی یہ لوگ اتباع نہ کریں۔ آگے نتیجہ کے طور پر اس کا رد اور اس پر زجر ہے کہ جب ان کی درخواست کا بیہودہ ہونا ثابت ہو گیا پس یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہر ایک کو الگ الگ کتاب دی جائے۔ یہ کتاب قرآن کریم ہی نصیحت کو کافی ہے۔ سو اس حالت میں جس کا جی چاہے قرآن سے نصیحت حاصل کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے اور جہنم میں جائے اور قرآن کے نصیحت کامل اور تذکرہ ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ بعض لوگوں کو اس سے نصیحت نہیں ہوتی تو بات یہ ہے کہ قرآن گو فی نفسہ تذکرہ ہے لیکن بدوں خدا کے چاہے یہ لوگ یعنی منکرین نصیحت قبول نہیں کریں گے۔ اور اللہ کا چاہنا نہ چاہنا یہ اس کی حکمتوں پر مبنی ہے جن کا احاطہ کوئی بشر نہیں کرسکتا وہی ہر شخص کی حالت۔ استعداد اور لیاقت کو کما حقہ جانتا ہے اور اس کے موافق معاملہ فرماتا ہے۔ اخیر میں خاتمہ سورۃ پر ارشاد ہوا کہ انسان کتنا ہی گناہ کرلے لیکن پھر جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور خدا سے ڈرے گا تو وہ اس کے سب گناہ بخش دے گا اور اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا۔

سورۃ کی ابتدا میں فرمایا گیا تھا کہ اے مدثر یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کھڑے ہوں اور لوگوں کو ڈرائیں اور اخیر میں کلام کو تمام اس پر کیا گیا کہ خدا ہی سے ڈرنا چاہئے اور انجام پوری سورۃ کا ''تقویٰ'' ہے جس کا پہلا مرتبہ شرک سے بچنا اور بعد اس کے اور مراتب ہیں جس کا انجام مغفرت ہے۔

سورۃ المدثر کے خواص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی سورۃ المدثر پڑھے اللہ تعالیٰ اسے مکہ میں رہنے والے تمام مومنین کی تعداد کے برابر اجر عطا فرمائیں گے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو قرآن پاک کی دولت عطا فرمائی ہے تو اس نعمت عظمیٰ کی حق شناسی اور قدردانی کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو تمام قرآنی احکام کا ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّ ھِیَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً فِیْھَا رُکُوْعٌ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ ﴿۲﴾ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ ﴿۳﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔

بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾

ہم ضرور جمع کریں گے کیوں کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کر دیں۔

لَآ اُقْسِمُ میں قسم کھاتا ہوں	بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ قیامت کے دن کی	وَلَآ اُقْسِمُ اور میں قسم کھاتا ہوں	بِالنَّفْسِ دل کی	اللَّوَّامَۃِ اپنے اوپر ملامت کرنیوالے
اَیَحْسَبُ کیا گمان کرتا ہے	الْاِنْسَانُ انسان	اَلَّنْ نَّجْمَعَ کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے	عِظَامَہٗ اس کی ہڈیاں	بَلٰی قٰدِرِیْنَ کیوں نہیں ہم قادر ہیں
عَلٰی پر	اَنْ نُّسَوِّیَ کہ ہم درست کریں	بَنَانَہٗ اسکے پورے پورے		

تفسیر وتشریح: سورۃ کی ابتداء قسمیہ کلام سے فرمائی جاتی ہے اور دو چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے ایک تو قیامت کے دن کی۔ دوسرے نفس لوامہ کی۔ یہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ قسمیں کھائی ہیں جن میں صرف سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے اور باقی جگہ اپنے مخلوقات کی۔ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے تو حق تعالیٰ نے قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔ نیز قرآن کا نزول عرب کی زبان میں ہوا ہے اور اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ جس وقت کسی امر کی تاکید کا ارادہ کرتے تو اس وقت قسم کھا کر بات کرتے۔ باقی یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھا سکتے ہیں مگر کسی انسان کے لئے یہ بات کبھی درست نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز کی قسم کھائے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کی سخت ممانعت ہے۔ بعض جہلا کہہ دیا کرتے ہیں فلانے سر کی قسم یا اپنی جان کی قسم۔ یا اپنے رزق کی قسم یا اس طرح قسم کھانا کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو یا ایمان پر خاتمہ نہ ہو۔ یہ سب صورتیں قسم کھانے کی سخت ممنوع ہیں اور ایسا کرنے یا کہنے سے بڑا شدید گناہ ہوتا ہے۔

تو یہاں حق تعالیٰ نے دو چیزوں کی قسم کھائی۔ ایک تو قیامت کے دن کی یعنی جس کا وقوع یقینی ہے اور جس کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ تم مرنے کے بعد یقیناً ایک دن زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہوگا اور جزا و سزا ہوگی۔ دوسرے نفس لوامہ کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ اگر آدمی کی فطرت اور اندرونی ضمیر صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے۔ اب یہاں نفس کی قسمیں اور نفس لوامہ کی تشریح ملاحظہ ہو۔ نفس جس سے مراد جان یا روح انسانی ہے ایک چیز ہے اور اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ذکر فرمایا گیا ہے اور تین حالتوں کے اعتبار سے نفس کے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری کی طرف پوری طرح مائل ہو کہ اللہ کی اطاعت میں اس کو خوشی حاصل ہوتی ہو اور شریعت کی پیروی میں چین و سکون محسوس کرتا ہو تو اس نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ گویا نفس مطمئنہ نہ تخیلات شیطانی سے متزلزل ہوتا ہے نہ تحریکات نفسانی سے منتشر ہوتا ہے اور یہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء مقبولین اور مومنین کاملین کے ساتھ مخصوص ہے۔ نفس مطمئنہ کا ذکر سورہ فجر تیسویں پارہ میں اس طرح آیا ہے یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ؁ یعنی اے نفس مطمئنہ یعنی اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش۔ پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ دوسری قسم کا نام نفس امارہ ہے جو پہلی قسم یعنی نفس مطمئنہ کی بالکل ضد ہے کہ جو دنیا کی ناجائز لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف راغب ہو اور شریعت کی پیروی اور پابندی سے بھاگے اور انسان کو برائی کا حکم دے۔ ایسا نفس سرکشوں اور مجرموں اور خود سروں و نافرمانوں فاسقوں اور کافروں کا ہوتا ہے۔ نفس امارہ کا ذکر سورہ یوسف تیرہویں پارہ میں فرمایا گیا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ بے شک نفس یعنی نفس امارہ تو بری بات ہی کا بتلانے والا ہے۔ تیسری قسم جس کی یہاں سورہ قیامہ میں قسم کھائی گئی نفس لوامہ ہے کہ یہاں غفلت ہوئی اور کوئی لغزش یا گناہ صادر ہو گیا تو نفس نے فوراً اپنے کئے پر پچھتانا اور ملامت کرنا شروع کیا اور اپنی برائی یا کوتاہی پر شرمندہ ہو کر توبہ واستغفار کی طرف مائل ہو گیا۔ ایسا نفس مومنین صالحین کا ہوتا ہے کہ جو اپنے اوپر ملامت کرے یعنی نیکی اور خیر صادر ہو تو اس میں جرح کر کے اس میں عیب نکالا کرے مثلاً یہ کہے کہ میں نے کیا کیا۔ اس میں پوری طرح اخلاص نہ تھا۔ اس میں فلاں خرابی رہ گئی اور اس میں یہ کمی ہو گئی اور اگر کوئی معصیت۔ قصور یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم اور شرمسار ہو۔ صوفیہ حضرات کہتے ہیں کہ نفس امارہ بدی کا حکم دیتا ہے لیکن انسان اگر کوشش کر کے ذکر اور فکر الٰہی میں لگ جائے اور اللہ کی طرف سے کشش اور توفیق بھی اس کی مددگار ہو تو اپنے نفس کی برائیاں اس پر کھل جاتی ہیں اس وقت وہ خود اپنے کو ملامت کرتا ہے اس مرتبہ میں پہنچ کر نفس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے لیکن جب اس کو فنافی اللہ اور بقا باللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ماسوائے اللہ کے تعلق سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور ذکر الٰہی ہی سے اس کو چین واطمینان نصیب ہوتا ہے تو اس مرتبہ پر اس کے نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے نفس مطمئنہ قیامت کے ہولناک واقعات سے بالکل اطمینان میں ہوگا اور نفس امارہ ہر طرح کی سختیوں میں گرفتار ہو گا۔ البتہ نفس لوامہ متوسط ہے اور زیادہ قیامت کے معاملات سے خوف ورجاء میں اسی کو تعلق ہے اس لئے قیامت کی قسم کے بعد اسی نفس لوامہ کی قسم کھائی گئی جس میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے تو ان دونوں قسموں سے جو بات کہنی ہے وہ یہی ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور اس دن انسان اپنی تقصیرات پر حسرت کرے گا اور سخت نادم ہوگا کیونکہ اس روز اس کی آنکھیں کھل جائیں گی مگر اس روز کی ندامت سے کیا فائدہ۔ ندامت تو اگر آج دنیا میں ہو تو فائدہ ہے۔ آگے منکرین قیامت پر رد ہے کہ یہ کافر انسان یوں خیال کرتا ہے کہ جب ہم دنیا میں مر گئے اور ہڈیوں تک کا چورہ ہو گیا اور ان کے ریزہ ریزہ مٹی کے ذرات میں جا ملے تو اب بھلا کس طرح ہمارے ذرات جمع کر کے جوڑ دیئے جائیں گے؟ منکرین قیامت کے اس قول کے جواب میں فرمایا جاتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ضرور جمع کریں گے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے اور یہ جمع کرنا اور زندہ کر کے اٹھانا اللہ تعالیٰ کو دشوار نہیں اللہ تعالیٰ اس انسان کی انگلیوں کی پور پور درست کرنے پر قادر ہیں۔ تو جو اس تک پر قادر ہے اس کے لئے ہڈیوں کو جمع کر کے اور ان میں جان ڈال دینا کیا مشکل ہے۔ یہاں انگلیوں کے پوروں کی تخصیص شاید اس لئے فرمائی کہ انسان کے بدن میں سب بدن تیار ہونے کے بعد اخیر میں انگلیوں کی کھال تیار ہوتی ہے۔ یہ اس کی تعمیر بدن کا خاتمہ ہے اور اسی پر انسان کی خلقت تمام ہوتی ہے تو صنعت کے لحاظ سے یہ نسبتاً زیادہ باریک اور دشوار کام ہے تو جو اس پر قادر ہوگا وہ آسان پر بطریق اولیٰ قادر ہوگا۔

اب آگے منکرین جو بطور انکار کے دریافت کیا کرتے تھے کہ قیامت کب آوے گی اس کا جواب اگلی آیات میں دیا جاتا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝٥ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝٦ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝٧

بلکہ بعضا آدمی یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق و فجور کرتا رہے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔ سو جس وقت آنکھیں خیرہ ہو جاویں گی

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝٨ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝٩ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝١٠ كَلَّا

اور چاند بے نور ہو جاوے گا۔ اور سورج اور چاند ایک حالت کے ہو جاویں گے۔ اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں۔ ہرگز نہیں

لَا وَزَرَ ۝١١ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ۝١٢ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝١٣ بَلِ

کہیں پناہ کی جگہ نہیں۔ اس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانہ ہے اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جاوے گا۔ بلکہ انسان

الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝١٥

خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا۔ گو اپنے حیلے پیش لاوے۔

بَلْ يُرِيْدُ بلکہ چاہتا ہے	الْاِنْسَانُ انسان	لِيَفْجُرَ کہ گناہ کرتا رہے	اَمَامَهٗ اپنے آگے کو بھی	يَسْئَلُ اور پوچھتا ہے	اَيَّانَ کب؟
يَوْمُ الْقِيٰمَةِ روزِ قیامت	فَاِذَا پس جب	بَرِقَ الْبَصَرُ چندھیا جائیں گی آنکھیں	وَخَسَفَ اور گرہن لگ جائے گا	الْقَمَرُ چاند	
وَجُمِعَ اور جمع کر دیئے جائیں گے	الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ سورج و چاند	يَقُوْلُ کہے گا	الْاِنْسَانُ انسان	يَوْمَئِذٍ آج کے دن	اَيْنَ کہاں
الْمَفَرُّ بھاگنے کی جگہ	كَلَّا ہرگز نہیں	لَا وَزَرَ نہیں کوئی بچاؤ	اِلٰى رَبِّكَ تیرے رب کی طرف	يَوْمَئِذٍ آج کے دن	الْمُسْتَقَرُّ ٹھکانا
يُنَبَّؤُا وہ جتلا دیا جائے گا	الْاِنْسَانُ انسان	يَوْمَئِذٍ آج کے دن	بِمَا قَدَّمَ وہ جو اس نے آگے بھیجا	وَاَخَّرَ اور اس نے پیچھے چھوڑا	
بَلِ الْاِنْسَانُ بلکہ انسان	عَلٰى نَفْسِهٖ اپنی جان (حالت پر)	بَصِيْرَةٌ باخبر	وَّلَوْ اَلْقٰى اگرچہ لا ڈالے	مَعَاذِيْرَهٗ اپنے عذر	

تفسیر و تشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب ہونے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل و نشانات غیر واضح ہیں بلکہ یہ منکر انسان قیامت کا منکر ہو کر یہ چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی میں بے خوف ہو کر فسق و فجور کرتا رہے اور لذات و شہوات میں پڑا رہے کیونکہ اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اور ڈھٹائی اس سے نہ ہو سکے گی اس لئے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا کہ جس سے اس کی لذت میں خلل پڑے اور اس کا عیش کرکرا ہو بلکہ استہزاء و طعن کی راہ سے سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت جس کی شب و روز دھمکیاں دی جاتی ہیں کب آئے گی؟ اگر وہ واقعی آنے والی ہے تو اس کی تاریخ مہینہ اور سنہ تو بتلایئے؟ یہی ذہنیت آج کل کے مادہ پرست نیچریوں، دہریوں اور بے دینوں کی ہے چونکہ یہ اپنے کو باز پرس سے دور رکھنا چاہتے ہیں اس لئے وہ ایسے عقائد کے قائل ہی نہیں ہوتے کہ جس سے ان کی لذتوں میں فرق آئے اور پابندیوں کی مشقت اٹھانی پڑے۔ تو چونکہ کفار و منکرین کے اس سوال سے کہ قیامت کا دن کب آئے گا انکی غرض جستجوئے حق نہ تھی بلکہ محض طنز و استہزا کی راہ سے تھا اس لئے جواب میں ادھر توجہ ہی نہیں دی گئی کہ وقوع قیامت کی تاریخ، وقت اور ماہ و سنہ کا تعین کیا جائے بلکہ جواب میں اس یوم قیامت کی کیفیت کی تصویر پیش کر دی اور اس کے بعد علامات و حالات کو بتلایا گیا کہ قیامت اس وقت آئے گی

جب یہ نظام کائنات بالکل درہم و برہم کر دیا جائے گا اور حق تعالیٰ کی تجلیات قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی۔ سورج بھی سر کے قریب آ جائے گا اور انتہائی ہیبت ناک منظروں سے آنکھوں پر چکا چوند کی کیفیت طاری ہوگی اور مارے ہیبت و دہشت کے آنکھیں اوپر کو چڑھ جائیں گی اور وہ نشہ جس سے انکار قیامت کرتا تھا سب ہرن ہو جائے گا۔ یہ چاند جو آج چمکتا دمکتا ہے بے نور ہو جائے گا اور چاند ہی نہیں سورج کی روشنی بھی زائل ہو جائے گی اور دونوں چاند و سورج بے نور ہو جائیں گے۔ اس وقت تو منکر کہتا ہے کہ وہ دن کہاں ہے اور اس وقت بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں۔ اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ آج نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ سوال کرنے کا۔ آج کوئی طاقت تیرا بچاؤ نہیں کر سکتی۔ نہ پناہ دے سکتی ہے۔ آج کے دن سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اسی کی پیشی میں ٹھہرنا ہے پھر وہ جس کے حق میں جو کچھ فیصلہ کرے۔ اس وقت سب اگلے پچھلے اعمال نیک ہوں یا بد جتلا دیئے جائیں گے اور انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا بلکہ انسان اپنی حالت پر بوجہ انکشاف ضروری کے خود خوب مطلع ہوگا گو کفار مشرکین اس وقت بھی بہانے پیش کریں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ کفار کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں۔ غرض انسان اپنے سب حال کو خوب جانتا ہوگا۔ اور وہ کتنے ہی حیلے بہانے بنائے جھوٹی دلیلیں دے اور بے کار عذر پیش کرے ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا غرض کوئی عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کام نہ دیگا۔

شروع سورۃ سے مضمون قیامت کے متعلق چل رہا ہے۔ آگے بھی منکرین قیامت کو مخاطب کر کے قیامت کی حقانیت بیان فرمائی گئی ہے مگر درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے ایک تعلیم و ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی تلاوت کے متعلق دی جاتی ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت کا یقین کامل نصیب فرمائیں اور اس زندگی میں قیامت کے بعد والی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

اے پیغمبر آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اسکو جلدی لیں۔ ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کردینا اور اس کا پڑھوا دینا۔ تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾

پھر اس کا بیان کرادینا ہمارے ذمہ ہے۔ اے منکرو ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ آپ حرکت نہ دیں اس (قرآن) کیساتھ اپنی زبان کو	لِتَعْجَلَ بِهٖ کہ جلد (یاد کرلیں) اس کو	اِنَّ عَلَيْنَا بیشک ہم پر (ہمارے ذمے)		
جَمْعَهٗ اس کا جمع کرنا	وَقُرْاٰنَهٗ اور اس کا پڑھنا	فَاِذَا قَرَاْنٰهُ پس جب ہم اسے پڑھیں	فَاتَّبِعْ تو آپ پیروی کریں	قُرْاٰنَهٗ اس کے پڑھنے کی
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا پھر بیشک ہم پر (ہمارے ذمے)	بَيَانَهٗ اس کا بیان	كَلَّا بَلْ ہرگز نہیں بلکہ	تُحِبُّوْنَ تم محبت رکھتے ہو	اَلْعَاجِلَةَ جلدی کو (دنیا)
وَتَذَرُوْنَ اور تم چھوڑ دیتے ہو	اَلْاٰخِرَةَ آخرت			

تفسیر و تشریح: ایک مضمون ضمناً بطور جملہ معترضہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے وحی الٰہی کے متعلق بیان فرمایا جاتا ہے آپ کو تعلیم دی جاتی ہے کہ آپ فرشتے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی کس طرح لیں۔ شروع میں جب وحی الٰہی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قرآن لاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اندیشہ سے کہ کہیں کوئی لفظ یاد کرنے سے رہ نہ جائے اور مبادا جبرئیل علیہ السلام چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے آپ فرشتے کی تلاوت کے ساتھ ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے تھے جس کی وجہ سے بیک وقت آپکو دو کام کرنا پڑتے تھے ایک فرشتے کی تلاوت کو سننا دوسرے خود اپنی تلاوت کو ادا کرنا۔ اور اس صورت میں آپ کو بڑی مشقت ہوتی تھی۔ حق تعالیٰ کو آپ کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی اور اس سلسلہ میں یہ ہدایت نازل ہوئی۔ سورہ طٰہٰ سولھویں پارہ میں ارشاد ہوا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ اور آپ قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کیجئے قبل اس کے کہ آپ پر وحی پوری نازل ہو چکے۔ اسی طرح ان آیات میں ہدایت دی گئی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت آپ بس سکون و خاموشی کے ساتھ سنتے ہی رہا کیجئے اور یہ اندیشہ بھی دل میں نہ لایئے کہ وحی کا کوئی لفظ یا خفیف سا جزو بھی قلب سے نکل جائے گا۔ اس کی محفوظیت کے ذمہ دار خود ہم ہیں۔ اس قرآن کا آپ کے سینے میں حرف بحرف جمع کردینا اور آپ کی زبان سے پڑھوانا اور اس کے علوم و معارف کا آپ کے اوپر کھولنا اور آپ کی زبان سے دوسروں تک پہنچانا ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ بوقت نزول وحی پڑھنا ترک کر دیا اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ آپ بوقت نزول وحی ساری وحی سنتے اور اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دہراتے لیکن حضرت جبرئیل کے چلے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بلفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدوں ایک زبر زیر کی تبدیلی کے فرفر سنا دیتے۔ تو یہاں صاف تین باتوں کی ذمہ داری حق تعالےٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔ ایک وحی کا آپ کے قلب میں جمع کردینا۔ دوسرے آپ کی زبان سے اس کا پڑھوا دینا۔ تیسرے اس کا بیان بھی کرا دینا یعنی تفسیر مضمون اور توضیح مطالب کرانا ان تینوں امور کی کفایت حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی اور حق تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا۔ قرآن کریم اگرچہ تھوڑا تھوڑا ہو کر نازل ہوا لیکن باترتیب پورا قرآن کریم آپ کے سینہ میں جمع کرا دیا اسی ترتیب سے جس ترتیب سے لوح محفوظ میں تھا اور جو ترتیب آج قرآن حکیم کی ہے اور

آپ پورے قرآن کریم کے حافظ تھے۔ جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے یعنی آپ کے آخری رمضان ۱۰ھ میں دوبار پورا قرآن شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو سنایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتوں میں صحابہ کرام کو سنادیا حتیٰ کہ مسجد نبوی میں اندر باہر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی (ابوداؤد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت ایک اچھی خاصی جماعت حفاظ قرآن کی موجود تھی جن کو پورے کا پورا قرآن شریف اپنی موجودہ ترتیب الحمد سے والناس تک حفظ تھا۔ بعد میں امت میں بھی آج تک ہزاروں لاکھوں حفاظ قرآن موجود رہے ہیں جو ایک ایک حرف اور زبر اور زیر پر حاوی ہیں اور ان شاء اللہ قرب قیامت تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا یہاں تک کہ جب اہل ایمان اس جہان سے کوچ کر جائیں گے قرآن کریم دلوں' زبانوں اور کاغذوں سے اٹھالیا جائے گا۔ اور یہ ایک عظیم الشان انعام اور مخصوص امتیاز صرف اس امت مرحومہ کے لئے ہے اور بوجہ ایک زبردست پیش گوئی ہونے کے ایک معجزہ بھی ہے اور حق تعالیٰ نے جو صورت اپنے وعدہ کے پورا کرنے کے لئے اختیار کی وہ بھی ایک معجزہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس کتاب مبین سرچشمہ ہدایت اور آسمانی رحمت اور خزینہ سعادت کی حقیقی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحاصل جب قیامت و آخرت کے متعلق یقین دلایا گیا کہ قیامت و آخرت ضرور آنی ہے تو اب آگے اس آخرت میں جزا و سزا کی کچھ تفصیل بتلائی جاتی ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ جب تک آپ ہمیں اس دنیا میں زندہ رکھیں ہمیں غفلت اور انہماک فی الدنیا سے بچا کر رکھیں۔ آخرت کا فکر اور وہاں کی تیاری کرنے اور توشہ جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمایئے گا اور اس دن کی ذلت اور رسوائیوں سے اپنی پناہ میں رکھیئے گا۔

یا اللہ یہ قرآن کریم جو آپ کی عظیم الشان نعمت ہم کو عطا ہوئی ہے اور جس کی حفاظت کا خود آپ نے ذمہ لیا ہے اس کی محبت و عظمت ہم کو نصیب فرما۔ اس کا علم ہم کو عطا فرما۔ اس پر عمل ہم کو نصیب فرما اس کی تبلیغ و خدمت کا شرف عطا فرما۔ اور اس کا متبع بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی کی اتباع میں موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ اس دنیا میں اس طرح مشغول اور منہمک ہو جانا کہ جس سے آخرت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے غفلت ہو اس کو قرآن کریم نے کفار کی خصلت بتلائی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج امت مسلمہ میں بھی یہ مرض پیدا ہو گیا ہے۔ اِلَّا مَاشَآءَ الله۔ آج ہم دین سے۔ قرآن و سنت سے اسی انہماک فی الدینا کے باعث دور ہوتے جارہے ہیں جس کے نتیجہ میں خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق بنتے جارہے ہیں۔

یا اللہ امت مسلمہ پر کرم و رحم فرما اور ان کی اصلاح کی صورتیں غیب سے ظاہر فرما اور ان کو دین کی طرف مائل ہو جانے کی سعادت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَنْ يُّفْعَلَ

بہت سے چہرے تو اس دن بارونق ہوں گے۔ اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق ہوں گے خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ

بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ

کمر توڑنے والا معاملہ کیا جاوے گا۔ ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے۔ اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت کا وقت ہے۔

السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾

اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے۔

وُجُوْهٌ بہت سے چہرے	يَوْمَئِذٍ اس دن	نَاضِرَةٌ تازہ (بارونق)	إِلَىٰ رَبِّهَا اپنے رب کی طرف	نَاظِرَةٌ دیکھتے	وَوُجُوْهٌ اور بہت سے چہرے	
يَوْمَئِذٍ اس دن	بَاسِرَةٌ بگڑے ہوئے	تَظُنُّ خیال کرتے ہونگے	أَنْ کہ	يُّفْعَلَ بِهَا ان سے کہا جائے گا	فَاقِرَةٌ کمر توڑنے والا	كَلَّا ہاں ہاں
إِذَا جب	بَلَغَتِ پہنچ جائے	التَّرَاقِيَ ہنسلی تک	وَقِيْلَ اور کہا جائے	مَنْ رَاقٍ کون جھاڑ پھونک کرنیوالا	وَظَنَّ اور وہ گمان کرے	أَنَّهُ کہ یہ
الْفِرَاقُ جدائی	وَالْتَفَّتِ اور لپٹ جائے	السَّاقُ ایک پنڈلی	بِالسَّاقِ دوسری پنڈلی سے	إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف	يَوْمَئِذٍ اس دن	الْمَسَاقُ چلنا

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں منکرین قیامت کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ قیامت تو آنی ضرور ہے اور اے منکرو تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ نہ قیامت ہو گی اور نہ جزا و سزا تو یہ تمہاری نادانی اور غلطی ہے اور تم جو ایسا کہہ رہے ہو یہ صرف اس وجہ سے کہ تم دنیا کی محبت میں فریفتہ ہو گئے ہو اور اسی حب دنیا میں منہمک ہو کر آخرت و قیامت سے غافل ہوئے بیٹھے ہو حالانکہ قیامت ضرور بالضرور ہو گی اور ہر شخص کو اس کے اعمال مطلع کر کے ان اعمال کے مناسب جزا یا سزا ملے گی اور اس جزا و سزا کی ایک شکل یہ ہو گی جیسا کہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ مومنین کے چہرے اس روز تر و تازہ ہشاش بشاش ہوں گے جو دنیا میں آخرت کی تیاری میں دن رات مصروف رہتے تھے فرحت و سرور کی وجہ سے اور دیدار الٰہی کی وجہ سے ان کے چہرہ روشن اور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے اور اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا وہ بھی آخرت میں دیکھنا اپنی نوعیت جدا رکھتا ہے۔ وہاں عالم آخرت میں اور طرح کی آنکھیں عطا ہوں گی۔ بہت سی صحیح احادیث میں متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں ان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایمان والے آخرت میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم آفتاب کے دیکھنے میں جب کہ بادل نہ ہو کچھ شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے۔ عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ۔ پھر فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں جب کہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بحمد اللہ اس مسئلہ میں صحابہ۔ تابعین اور سلف امت کا اتفاق اور اجماع ہے اور تمام آئمہ اسلام اس پر متفق ہیں البتہ اس رویت و زیارت میں اہل جنت کے مختلف درجات ہوں گے۔ بعض کو یہ زیارت ہفتہ وار جمعہ کو حاصل ہو گی بعض کو روز صبح اور

بعض کے لئے یہ ہروقت ہر حال میں رہے گی (مظہری)۔ یا اللہ اپنے دیدار کی نعمت سے ہم کو بھی محروم نہ فرمایئے گا۔ آمین۔

ان آیات میں بتلایا گیا کہ اس دن یعنی آخرت میں بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے یعنی مومنین جن کے چہرے ہشاش بشاش، تر و تازہ، خوش وخرم ہونگے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے یعنی کفار و مشرکین وفساق و فجار کے چہرے پریشان اور بے رونق ہوں گے اور ان کے منہ بگڑے ہوئے سیاہ رنگ کے ہوں گے آخرت کی دہشت اور سخت سزاؤں کے خوف سے اور ان کو یہ یقین ہو گا کہ اب وہ معاملہ ہونے والا ہے اور وہ عذاب بھگتنا ہے جو بالکل ہی کمر توڑ دے گا اس لئے کہ آنکھوں کے سامنے جہنم جوش مارتی ہوگی اور فرشتے طوق وزنجیر لئے ہوئے اس قید خانہ میں داخل کرنے کے لئے تیار کھڑے ہوں گے اس لئے منکرین کو خطاب ہوتا ہے کہ اے منکرو تم قیامت وآخرت کو ہرگز دور مت سمجھو۔ اس سفر آخرت کی پہلی منزل تو موت ہے جو بالکل قریب ہے یہیں سے باقی منزلیں طے کرتے ہوئے آخری ٹھکانے پر پہنچو گے گویا ہر آدمی کی موت اس کے حق میں بڑی قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے جبکہ مریض کی روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور سانس حلق میں رکنے لگتی ہے ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی۔ جب لوگ ظاہری علاج وتدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور جنتر منتر کی سوجھتی ہے اور کہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہے کہ جھاڑ پھونک کر کے اس کو مرنے سے بچالے۔ ایام جاہلیت میں عرب ٹوٹکے۔ جھاڑ پھونک اور جنتر منتر کے بڑے قائل تھے اس لئے یہاں آیت میں انہی کے خیال اور حال کا ذکر کیا گیا کہ قریب المرگ بیمار کو اس کے وارث بچانے کے لئے کسی جھاڑنے والے کی تلاش میں پھرتے ہیں کوکوئی جھاڑ سے اور منتر سے اس کو ٹھیک کر دے لیکن وہ بیمار قریب المرگ یہ سمجھ رہا ہے کہ اب فراق ہے۔ پیارے فرزند۔ اور محبوبہ بیوی اور یہ گھر کہ جس کی تعمیر میں سرگرم رہا کرتا تھا۔ اور یہ املاک و جائیداد اور مال وخزانے اور ہاتھی گھوڑے اور یہ احباب اور جانی دوست اور یہ مادر مہربان اور شفیق باپ اور یہ بھائی بہن سب آج مجھ سے چھوٹتے ہیں اور میرے کوچ کا وقت آ گیا اور شدت سکرات موت سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے نیز نیچے کے بدن سے روح کا تعلق منقطع ہو جانے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا مرنے والے کے اختیار میں نہیں رہتا اس لئے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ ساق جس کے لفظی معنیٰ پنڈلی کے ہیں یہاں بعض علماء نے عرب محاورہ کے مطابق اس کے معنی سختی کے لئے ہیں اور وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "ملی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ" کیونکہ مرنے والے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ پہلی سختی تو دنیا سے جانا۔ مال و دولت اہل وعیال، گھر بار جاہ وحشم، نوکر چاکر سب کو بڑی حسرت کے ساتھ چھوڑنا۔ دوسرے وہاں کی باز پرس اور گوناگوں عذاب میں مبتلا ہونا۔ جب یہ سامان موت سب مہیا ہو چکتے ہیں اور ملائکہ روح قبض کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں آج تجھ کو تیرے رب کی طرف جانا ہے یعنی سفر آخرت کی ابتداء یہاں سے ہے گویا بندہ اب اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوا مگر افسوس اس پر جس نے اپنی غفلت و حماقت سے کوئی سامان سفر کا پہلے سے درست نہ کیا۔ نہ اتنے بڑے سفر کے لئے کوئی توشہ ساتھ لیا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ سمجھایا گیا کہ جب دنیا کو چھوڑنا اور آخرت کو جانا لازمی ہے تو پھر دنیا کی محبت میں منہمک ہو کر آخرت سے غافل ہونا اور اس کو چھوڑ بیٹھنا کس درجہ حماقت و نادانی ہے۔ قرآن کریم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے ساتھ غور وفکر کرنے والے انسانوں کو بار بار جتلاتا ہے کہ آخرت کیوں ضروری ہے اور اس کا انکار کتنی سنگین گمراہی ہے اور اس کے کیا نتائج ہیں۔ چنانچہ اگلی آیات میں دنیا میں کفر وانکار کے نتیجہ کو ظاہر فرما کر اصل مضمون یعنی قیامت کے وقوع کا اثبات فرمایا جاتا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰى أَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ أَوْلٰى

تو اس (یعنی منکرین قیامت) نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن تکذیب کی تھی اور منہ موڑا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔ تیری کم بختی

لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۵﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً

پر کم بختی آنے والی ہے۔ پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جاوے گا۔ کیا یہ شخص ایک قطرہ منی نہ تھا

مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

جو ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنایا پھر اعضاء درست کئے۔ پھر اس کی دو قسمیں کردیں مرد

وَالْأُنْثٰى ﴿۳۹﴾ أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

اور عورت۔ کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کردے۔

فَلَا صَدَّقَ نہ اس نے تصدیق کی	وَلَا صَلّٰى اور نہ اس نے نماز پڑھی	وَلٰكِنْ اور لیکن (بلکہ)	كَذَّبَ جھٹلایا	وَتَوَلّٰى اور منہ موڑا	ثُمَّ ذَهَبَ پھر چلا گیا وہ	
إِلٰى أَهْلِهٖ اپنے گھر والوں کی طرف	يَتَمَطّٰى اکڑتا	أَوْلٰى لَكَ افسوس تجھ پر	فَأَوْلٰى پس افسوس	ثُمَّ پھر	أَوْلٰى لَكَ افسوس تجھ پر	فَأَوْلٰى پھر افسوس
أَيَحْسَبُ کیا وہ گمان کرتا ہے؟	الْإِنْسَانُ انسان	أَنْ يُّتْرَكَ کہ وہ چھوڑ دیا جائے گا	سُدًى مہمل (یونہی)	أَلَمْ يَكُ کیا نہ تھا؟	نُطْفَةً نُطفہ	
مِنْ سے۔کا	مَنِيٍّ منی	يُّمْنٰى ٹپکایا گیا	ثُمَّ كَانَ پھر وہ ہوا	عَلَقَةً جما ہوا خون	فَخَلَقَ پھر اس نے اسے پیدا کیا	فَسَوّٰى پھر اسے درست کیا
فَجَعَلَ پھر بنائے	مِنْهُ اس سے	الزَّوْجَيْنِ دو جوڑے (قسمیں)	الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى مرد اور عورت	أَلَيْسَ کیا نہیں	ذٰلِكَ وہ	بِقٰدِرٍ قادر
عَلٰى پر	أَنْ يُّحْيِۦَ کہ وہ زندہ کرے	الْمَوْتٰى مردے (جمع)				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ چاہئے تو انسان کو یہ تھا کہ اتنے بڑے اور اہم سفر کے لئے پہلے سے سفر کا سامان درست کرتا اور توشہ ساتھ لے جاتا مگر افسوس کہ یہ اپنی غفلت اور حماقت سے قیامت ہی کا منکر ہے اور بجائے اس کے کہ ایمان لاتا۔ حق تعالیٰ کے کلام کو برحق مانتا۔ اللہ کے رسولوں کو سچا جانتا۔ الٹا بجائے سچا سمجھنے اور یقین لانے کے پیغمبروں کو جھوٹا بتلاتا رہا اور بجائے اللہ کی عبادت اور بندگی کے اور اپنے مالک کی طرف متوجہ ہونے کے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑ کر چلا اور نہ صرف یہی بلکہ اپنی اس سرکشی اور بدبختی پر اتراتا اور اکڑتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا گویا کوئی بڑی بہادری کا کام کرکے آرہا ہے تو بجائے اس کے کفر وعصیان پر ندامت ہو الٹا اس پر فخر کرتا ہے کہ ہم نے اس طرح حق کو رد کیا اور باطل پر جمے رہے تو ایسے منکر قیامت کافر کی بدحالی کا آگے بیان ہے کہ اس وقت ایسے شخص سے کہا جاوے گا کہ او بدبخت اب تیری کم بختی آئی اور اب تیرے لئے خرابی پر خرابی اور تباہی پر تباہی ہے تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا مستحق اور کون ہوگا۔ آگے خاتمہ سورۃ پر قیامت کے قائم ہونے پر ایک دلیل دی جاتی ہے اس انداز سے کہ معمولی فہم کا انسان بھی اس کو سمجھ سکے چنانچہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ اور امر ونہی کی کوئی قید اس پر نہ ہو گی؟ یا مرے پیچھے پھر یہ اٹھایا نہ جائے گا؟ اور اس سے نیک و بد کا حساب نہ لیا جائے گا؟ کیا انسان کا اس جہان میں آنا۔ عقل وحواس پانا

طرح طرح کے اسباب دیئے جانا بس اس لئے ہے کہ چند روز رہ کر دنیا سے غائب ہو جائے اور اس دنیا میں شتر بے مہار ہو کر رہے؟ جائز نا جائز مزے اڑایا کرے اور جانوروں کی طرح سونے، کھانے پینے کے سوا اس کو کچھ کام نہ ہو؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے قدرت۔ اسباب اور عقل وفہم کا عطا کیا جانا اس بات کا مقتضیٰ ہے کہ اس کو چند نامناسب باتوں سے منع کیا جائے۔ اور چند ضروری باتوں کا حکم دیا جائے۔ اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جن کاموں سے منع کیا گیا ان کے کرنے پر اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ان کے نہ کرنے پر باز پرس اور سزا ہو اور اسی طرح جن کاموں سے منع کیا گیا ان سے باز رہنے پر اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ان کے بجالانے پر انعام وجزا ہو جس کا محل دار آخرت ہے۔

حاصل یہ کہ انسان مہمل نہیں مکلّف پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے حساب کتاب بھی یقینی ہے اور اس پر جزا و سزا بھی لازمی ہے۔ پھر جو یہ منکر انسان مر کر دوبارہ زندہ ہونے کو امر محال سمجھتا ہے تو یہ اس کی نادانی اور حماقت ہے۔ یہ انسان اپنی ہی ہستی پر نظر اور غور کرے کہ یہ ابتدا میں نطفہ کی شکل میں بے جان اور بے بنیاد ایک ذلیل ناپاک قطرہ تھا جو مرد کی پشت سے عورت کے رحم میں آیا اور پھر خون کی پھٹکی اور گوشت کا لوتھڑا بنا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کے مراحل پورے کر کے ایسی شکل وصورت دے کر اور ظاہری اعضا اور باطنی قوتیں ٹھیک کر کے۔ ایک نطفہ بے جان سے انسان عاقل بنا کر پیدا کیا پھر خدا کی قدرت۔ صنعت وکاریگری کہ اسی نطفہ سے عورت ومرد دو قسم کے انسان پیدا کئے جن میں سے ہر ایک قسم کی ظاہری وباطنی خصوصیات جداگانہ ہیں تو کیا وہ خدا قادر مطلق جس نے ابتدا میں سب کو اپنی حکمت اور قدرت سے بنایا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ ضرور قادر ہے۔

الغرض یہاں قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد فرمایا گیا۔ یہاں ان آیات میں ایسے انسان کے لئے جس نے کفر وتکذیب کو اپنا شعار زندگی بنائے رکھا اور دنیا کے عیش وعشرت اور مال دولت میں مست رہا اور پھر اسی حال پر مر گیا اس کے لئے

اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی فرمایا گیا یعنی چار مرتبہ لفظ اولی استعمال فرمایا گیا جو ویل سے ہے جس کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں چار مرتبہ لفظ بربادی وتباہی استعمال کرنے میں اشارہ ہے کہ ایسے شخص کو اولیٰ پہلی مرتبہ مرتے وقت تباہی وبربادی سے واسطہ پڑے گا۔ دوسری مرتبہ پھر مرنے کے بعد عالم برزخ یا عالم قبر میں تباہی وبربادی کا سامنا ہوگا۔ تیسری مرتبہ حشر ونشر کے وقت اپنی تباہی کا سامان دیکھے گا۔ پھر اخیر میں چوتھی مرتبہ جہنم میں داخل ہو کر مصیبت پر مصیبت اور عذاب پر۔ عذاب یعنی کامل تباہی وبربادی کو اپنے حصہ میں پائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ تو یہ سزا اس شخص کے لئے بتلائی گئی جس کا حال دنیا میں یہ تھا فَلَا صَدَّقَ یعنی آخرت پر یقین نہ لایا وَلَا صَلّٰی۔ یعنی ایمان لا کر نماز نہ پڑھی۔ وَلٰکِنْ کَذَّبَ یعنی قرآن کی آیات کو اور پیغمبروں کو سچا نہ جانا اور جھٹلایا وتولیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی یعنی داعی حق سے منہ موڑ کر اینٹھتا اور اکڑتا ہوا اپنے گھر کو چل دیتا تھا۔ اب یہ ٹھیٹھ کافر یعنی خالص منکر قیامت وآخرت کی صفات ہیں جس کا عکس بھی کسی مسلم ومومن پر نہ پڑنا چاہئے چہ جائیکہ ان میں سے کسی صفت کا حامل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے ہم کو ایمان صادق اور اسلام کامل اور یقین واثق نصیب فرمائیں۔

سورۃ القیامۃ کے خواص

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ القیامۃ پڑھے وہ قیامت کے دن روشن چہرے کے ساتھ اٹھے گا۔

۲...... اگر کوئی آدمی گناہ میں پھنس چکا ہو اور اسے گناہ چھوڑنا مشکل لگتا ہو تو وہ سورۃ القیامۃ پڑھے اس سے وہ گناہ سے ہٹ کر توبہ تائب ہو جائے گا۔

الحمد للہ اس درس پر سورہ قیامہ کا بیان ختم ہوا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً فِیْھَا رُکُوْعَانِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿١﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا۔ ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا

نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿٢﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿٣﴾

اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو ہم نے اُس کو سُنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اس کو راستہ بتلایا یا تو وہ شکر گزار ہوگیا یا ناشکرا ہوگیا۔

هَلْ اَتٰى یقیناً آیا (گزرا)	عَلَى الْاِنْسَانِ انسان پر	حِيْنٌ ایک وقت	مِّنَ الدَّهْرِ زمانہ سے (میں)	لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا اور نہ تھا کچھ	مَّذْكُوْرًا قابلِ ذکر	
اِنَّا خَلَقْنَا بیشک ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ	اَمْشَاجٍ مخلوط	نَّبْتَلِيْهِ ہم اسے آزمائیں	فَجَعَلْنٰهُ تو ہم نے اسے بنایا	
سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا سنتا دیکھتا	اِنَّا هَدَيْنٰهُ بیشک ہم نے اسے دکھائی	السَّبِيْلَ راہ	اِمَّا شَاكِرًا خواہ شکر کرنے والا	وَاِمَّا اور خواہ	كَفُوْرًا ناشکرا	

تفسیر وتشریح: ان آیات میں پہلے انسان کی حقیقت کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ انسان پہلے کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود کو جسم دیا۔ انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر دنیا میں آتا ہے لیکن اپنی پیدائش سے قبل اس انسان پر زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے کہ جب اس کا کچھ نام ونشان نہ تھا یعنی نہ یہ دنیا میں موجود تھا۔ نہ اہل دنیا میں اس کا تذکرہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا اور مرد وعورت کے مخلوط نطفہ سے اللہ نے اسے ماں کے پیٹ سے پیدا کیا۔ انسانوں کے جدامجد اور سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا حال تو قرآن پاک میں متعدد جگہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا گیا۔ یہاں عام نسل انسانی کی خلقت کا ذکر ہے اور اس پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ثبوت اور دہریوں کے عقائد کا رد ہے اور وہ اس طرح کہ در پردہ یہاں انسان سے خطاب ہے کہ تو جو زمین وآسمان کے قلابے ملاتا ہے اور خدا کا انکار کر کے کہیں دہر کو کہیں مادہ کو خالق کہتا ہے تو اے انسان تجھ کو علم و شعور ہی کیا ہے؟ پہلے تو اپنی اصل تو بیان کر کہ وہ مخلوط مرد وعورت کا نطفہ جو رحم مادر میں آیا وہ کون کون سی غذاؤں کے کھانے سے بنا تھا۔ اور رحم مادر میں اس پر کس کس وقت کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے تھے اور اس سے پہلے اے انسان تو کیا تھا؟۔ تیرا نام ونشان بھی نہ تھا۔ جب تجھے اے انسان ان باتوں کا علم نہیں تو تو کس اعتماد پہ دہر اور مادہ کو خالق کہتا ہے۔ اگر تیرا کوئی بنانے والا اور پیدا کرنے والا نہیں تو پھر آپ ہی خود بخود تو بتدریج کیسے بن گیا؟۔ فعل بغیر فاعل کیسے ہو گیا؟ پھر وہی نطفہ تو تھا جس میں انسان کی تمام قوتیں اور اعضاء ودیعت اور پنہاں تھے تو اب کوئی بتلا تو دے کہ نطفہ کے کونسے جزو میں کون سی قوت اور کونسا عضو ودیعت رکھا گیا تھا۔ تو جو اے انسان ایسے حقیر اور ناپاک چیز سے بنا ہو کہ جو کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو دھویا جائے اس کو یہ غرور کی باتیں کب زیبا ہیں؟ آگے اس دنیا میں انسان کو پیدا کرنے اور پھیلانے کا راز بتلایا جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کو اس کا امتحان منظور ہے تا کہ اس کو آزمایا جائے کہ یہ دنیا میں کیا کرتا ہے۔ اور اپنے خالق مالک اور رازق کو پہچانتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا دنیا کے لذات وشہوات ہی پر فریفتہ رہتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو انسان کی دنیا میں آزمائش منظور تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو سننے اور دیکھنے والا بھی کر دیا تا کہ اس کو احکام کا مکلف

اور امر و نہی کا مخاطب بنا کر امتحان لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کے احکام کی تعمیل میں وفاداری دکھلاتا ہے اسی لئے اس کو سننے ۔ دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں دی گئیں ۔ جن پر تکلیف شرعی کا مدار ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی باتیں سن کر ایمان لائے ۔ اگلے کفار و مشرکین کے حالات سن کر اوران کی آفات سن کر عبرت لے اوران بیہودہ عقائد اور افعال سے بچے اور اچھے برے میں امتیاز کرے ۔ لوگوں کے غلط افسانوں پر ہی نہ اڑا رہے اور دنیا کی بے ثباتی اور روا روی کو دیکھ کر اپنے چلنے اور ٹھکانے کی بھی فکر کرے ۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اوّلاً تو اصل فطرت اور پیدائشی عقل وفہم سے پھر دلائل عقلیہ ونقلیہ سے نیکی کی راہ سمجھائی اور برے بھلے سب سے آگاہ کردیا جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر چلتے لیکن گردوپیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے ۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا اور بعض نے ناشکری اور ناحق شناسی پر کمر باندھ لی اور کفر وشرک اختیار کیا۔

گویا انسان کے سامنے ہدایت اور گمراہی کے دونوں راستے واضح کردیئے گئے ۔ اب خواہ انسان اللہ کے بتلائے ہوئے راستہ کی قدر کرے اور اس پر چلے خواہ ناقدری کرے اور اس پر نہ چلے مگر ہر فریق اپنی جزا سن لے کہ نہ ماننے والے کے لئے کیا سزا ہونی ہے اور ماننے والوں کو کیا جزا ملنی ہے ۔ یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا۔ اور پھر ہم کو اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی اور کفر وشرک سے بچایا۔

یا اللہ ہمیں اسلام کی سچی قدردانی کی توفیق عطا فرما اور اپنے احکام کا پورا ظاہراً وباطناً متبع بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ ہمیں اپنے شاکر اور مومن بندوں میں شامل رکھئے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر ونشر فرمایئے ۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ۝٤ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ

ہم نے کافروں کیلئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار رکھی ہے۔ جو نیک ہیں وہ ایسے جام پیویں گے جس میں

مِزَاجُھَا کَافُوْرًا ۝٥ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا ۝٦ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ

کافور کی آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے سے جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے۔ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں

یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ۝٧ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝٨ اِنَّمَا

جس کی سختی عام ہوگی۔ اور وہ لوگ خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم کو

نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ۝٩ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا

محض خدا کی رضامندی کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ۔ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

قَمْطَرِیْرًا ۝١٠ فَوَقٰھُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَلَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّسُرُوْرًا ۝١١

سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرماوے گا۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا بیشک ہم نے تیار کیا	لِلْکٰفِرِیْنَ کافروں کیلئے	سَلٰسِلَا۟ زنجیریں	وَاَغْلٰلًا اور طوق	وَسَعِیْرًا اور دہکتی آگ	اِنَّ بیشک	الْاَبْرَارَ نیک بندے
یَشْرَبُوْنَ پئیں گے	مِنْ کَاْسٍ پیالے سے	کَانَ مِزَاجُھَا اسمیں آمیزش ہوگی	کَافُوْرًا کافور کی	عَیْنًا ایک چشمہ	یَشْرَبُ بِھَا اس سے پیتے ہیں	
عِبَادُ اللّٰہِ اللہ کے بندے	یُفَجِّرُوْنَھَا اس سے رواں کرتے ہیں	تَفْجِیْرًا نالیاں	یُوْفُوْنَ وہ پوری کرتے ہیں	بِالنَّذْرِ (اپنی) نذریں		
وَیَخَافُوْنَ اور وہ ڈرتے ہیں	یَوْمًا اس دن سے	کَانَ ہوگی	شَرُّہٗ اسکی برائی	مُسْتَطِیْرًا پھیلی ہوئی	وَیُطْعِمُوْنَ اور وہ کھلاتے ہیں	الطَّعَامَ کھانا
عَلٰی حُبِّہٖ اسکی محبت پر	مِسْکِیْنًا محتاج-مسکین	وَّیَتِیْمًا اور یتیم	وَّاَسِیْرًا اور قیدی	اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	نُطْعِمُکُمْ ہم تمہیں کھلاتے ہیں	
لِوَجْہِ اللّٰہِ رضائے الٰہی کیلئے	لَا نُرِیْدُ ہم نہیں چاہتے	مِنْکُمْ تم سے	جَزَآءً کوئی جزا	وَّلَا شُکُوْرًا اور نہ شکریہ	اِنَّا نَخَافُ بیشک ہم ڈرتے ہیں	
مِنْ رَّبِّنَا اپنے رب سے	یَوْمًا اس دن کا	عَبُوْسًا منہ بگاڑنے والا	قَمْطَرِیْرًا نہایت سخت	فَوَقٰھُمُ اللّٰہُ پس انہیں بچا لیا اللہ نے		
شَرَّ برائی	ذٰلِکَ الْیَوْمِ اس دن	وَلَقّٰھُمْ اور انہیں عطا کی	نَضْرَۃً تازگی	وَّسُرُوْرًا اور خوش دلی		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اندھا دھند اپنی خواہشات کے پورا کرنے میں لگ گئے اور جو رسم ورواج اور اوہام وظنوں کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور غیر اللہ کی اطاعت کے طوق اپنے گلوں سے نہ نکال سکے بلکہ حق اور قائلین حق کے خلاف دشمنی اور لڑائی کی آگ بھڑکانے میں عمریں گذار دیں۔ کبھی بھول کر اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا۔ نہ اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جہنم کے طوق اور زنجیریں اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے کہ لوہے کی زنجیروں میں باندھ کر اور گلے میں لوہے کے وزنی طوق ڈال کر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سیسہ کے ایک گول ٹکڑے کو جو کھوپڑی کے مانند ہو آسمان سے زمین کی طرف ڈالا جائے جس کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کا ہے تو وہ

ایک رات گزرنے سے پہلے زمین پر پہنچ جائے۔لیکن اگر اس سیسہ کے ٹکڑے کے اس زنجیر کے کنارہ سے چھوڑا جائے جس میں دو زخمیوں کو باندھا جائے گا تو چالیس برس تک لڑھکتے رہنے کے باوجود اس زنجیر کی انتہا یا جڑ تک نہ پہنچے گا۔اس سے اس زنجیر کی لمبائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر طویل ہوگی۔

آگے دوسرے گروہ ابرار یعنی اللہ کے نیک بندے جنہوں نے دنیا میں اپنے منعم حقیقی کو پہچانا اور اس کے احکام کے موافق اپنی زندگی دنیا میں گذاری اور خالق کی عبادت و بندگی کے ساتھ مخلوق خدا کے ساتھ بھی بھلائی و ہمدردی کی ان کو آخرت میں یہ جزا ملے گی کہ وہ جنت کے پانی کے ایسے جام پیویں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا ایک خاص چشمہ ہے جو خاص طور پر اللہ کے مخصوص اور مقرب بندوں کو ملے گا۔جیسا کہ قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر ذکر کیا گیا ہے جنت میں چار قسم کی نہریں ہوں گی یعنی ایک شیریں اور خنک پانی کی نہریں۔دوسرے دودھ کی نہریں۔تیسرے نہایت فرحت افزا اور خوش رنگ شراب طہور کی نہریں۔اور چوتھے صاف و شفاف شہد کی نہریں۔ان کے علاوہ تین قسم کے چشمہ ہیں ایک کا نام کافور ہے۔جس کی خاصیت خنکی ہے دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثل چاء وقہوہ کے۔اور تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے لیکن دوسرے اصحاب جنت کو بھی جو ان سے کمتر ہیں ان میں سے سربمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے اس میں سے تھوڑا تھوڑا ملا کر پیا کریں گے۔ پھر اس چشمہ کافور کی جو مقربین کے لئے مخصوص ہوگا یہ کیفیت ہوگی کہ مقربین اہل جنت جدھر اشارہ کریں گے اسی طرف اس کی نالی بہنے لگے گی۔بعض کہتے ہیں کہ اس چشمہ کافور کا اصل منبع حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصر میں ہوگا وہاں سے انبیاء اور مقربین کے محلات تک اس کی نالیاں پہنچائی جائیں گی۔واللہ اعلم بالصواب۔یہ تو جزا ہوگی آخرت میں ابرار یعنی اللہ کے نیک بندوں کی۔

اب آگے ان ابرار کی کچھ خصلتیں اور صفات بتلائی جاتی ہیں کہ وہ لوگ واجبات یا جو منت مان کر واجب کر لی ہو اسے پورا کرتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کریں گے تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔تو ابرار کی پہلی صفت یہ بیان ہوئی کہ جو عبادتیں خدا کی طرف سے ان کے ذمہ تھیں وہ تو بجا ہی لاتے ہیں بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں یعنی نذر وہ بھی پوری کرتے ہیں۔دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ اور سختی عام طور پر سب کو گھیر لے گی۔مگر جس پر خدا کا کرم و رحم ہو وہی محفوظ رہ سکے گا۔تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ یہ ابرار اللہ کی محبت میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق او رخلوص سے مسکینوں۔یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں گویا اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت و وسعت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے ہیں اور پھر اس حسن سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں۔اور نہ شکریہ یعنی نہ کوئی فعلی بدلہ چاہتے ہیں نہ قولی۔ بلکہ اپنے زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ یہ حسن سلوک محض لوجہ اللہ یعنی صرف خدا کی رضا مندی کے لئے کرتے ہیں۔روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ خیرات کسی کے گھر بھیجتی تھیں۔پھر واپسی کے بعد قاصد سے پوچھتی تھیں کہ ان گھر والوں نے کیا کہا۔اگر قاصد کہتا کہ آپ کے لئے دعا کی تھی تو ام المومنین بھی ان کو ویسی ہی دعا دیتی تھیں۔تاکہ خیرات خالص اللہ واسطے باقی رہے یعنی اجر آخرت کے لئے باقی رہے۔دنیوی کوئی اجر اس سے حاصل نہ ہو یہاں تک کہ اس کے عوض کلمہ دعائیہ بھی نہ ملے۔اللہ اکبر! یہ تھا ان حضرات کا اخلاص اور وہ ابرار یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کے عذاب سے جو نہایت سخت اور دشوار گزار ہوگا۔اس دن کے عذاب اور ہولناکیوں سے بچنے کیلئے یہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔آیت یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ سے لے

کر اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا يَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِيۡرًا تک کے متعلق بعض مفسرین نے جنہوں نے ان کو مدنی آیات مانا ہے ان کے شان نزول کے متعلق ایک روایت یہ لکھی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر تشریف لائے تو حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو بیمار پایا تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ کچھ اللہ کی منت مان لو کہ حسنین کو شفا ہو جائے۔ دونوں نے تین روزوں کی منت مان لی۔ شافی مطلق نے حضرات سبطینؓ کو صحت کلی عطا فرمائی۔ ایفائے نذر کی نیت سے روزے رکھے۔ شام کے وقت کچھ قرض لے کر پیسے اور روٹی پکا کر روزہ افطار کرنے بیٹھے ہی تھے کہ دروازہ پر ایک مسکین نے آ کر سوال کیا کہ اے اہل بیت نبوت اللہ کے واسطے مجھ محتاج کا پیٹ بھرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً اپنے حصہ کی روٹی لا حاضر کی اس پر سارے گھر والوں نے اپنے اپنے حصہ کی روٹی فقیر کو لا کر دے دی۔ صرف پانی سے روزہ کھول کر اللہ کے نام پر سو رہے۔ دوسرا روز ہوا شام کو روٹی لے کر بیٹھے ہی تھے کہ دروازہ پر ایک یتیم نے صدا دی کہ بے ماں باپ کا بچہ ہوں روٹی کھلا دو۔ حضرت علیؓ نے پھر اپنا حصہ اس کو جا کھلایا اور تمام گھر والوں نے روز گزشتہ کی طرح اپنا اپنا کھانا یتیم کے حوالہ کیا۔ پھر پانی سے روزہ کھول کر سو رہے۔ تیسرے دن شام کے وقت ایک قیدی آ کھڑا ہوا۔ اس روز بھی گزشتہ دونوں دنوں کی طرح سب نے تمام کھانا اس اسیر کے حوالہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت نبوت کی مدح میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ بعض محدثین نے اس روایت کی صحت میں کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض اول ابرار کے اوصاف بیان فرمائے گئے تھے اب آگے ان کی جزائے خیر کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جب وہ آخرت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں اس دن کے شر اور برائی سے محفوظ رکھے گا اور ان پر کوئی مصیبت اور آفت اس روز نہ آئے گی بلکہ ان کو فرحت اور خوشی عطا کی جائے گی اور ان کے چہرے خوشی سے تر و تازہ اور خوش و خرم ہوں گے۔

ان آیات میں اخلاص کی ترغیب اور تعلیم دی گئی ہے اور اخلاص یعنی للّٰہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس لئے اور اس نیت سے کیا جائے۔ کہ ہمارا مولا اور پروردگار ہم سے راضی ہو۔ ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضگی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات و تعلیمات میں یہی بتلایا ہے کہ تمام اچھے اعمال اور اخلاق کی روح اور جان یہی اخلاص نیت ہے۔

اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام و نمود۔ فخر و ریا یا کوئی اور جذبہ ان کا محرک ہو تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں بلکہ الٹا مواخذہ اور سزا کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مخلص بندوں کے طفیل میں اخلاص کی دولت عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے مزید انعامات و احسانات اور جنت کی اعلیٰ نعمتیں جو کہ ابرار کو حاصل ہوں گی اُن کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا یقین کامل ہم کو نصیب فرمائیں اور اس زندگی میں آخرت کے سفر کی ہمہ وقت تیاری کا فکر عطا فرمائیں۔ یا اللہ اپنی رحمت سے ہم سے اس زندگی میں وہ کام کرا لیجئے جو آخرت میں آپ کی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنیں اور ان کاموں سے بچا لیجئے جو آپ کی ناراضگی کا سبب بنیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا

اوران کی پختگی کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا۔اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔وہاں نہ تپش پائیں گے

وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ

اور نہ جاڑا۔اور یہ حالت ہوگی کہ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اوران کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے۔اوران کے پاس چاندی کے برتن

مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ

لائے جاویں گے اورآبخورے جوشیشے کے ہوں گے وہ شیشے چاندی کے ہوں گے۔جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا۔اوروہاں ان کو

فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

ایسا جام پلایا جاوے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا اوران کے پاس ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے

مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾

جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔اے مخاطب اگر تو ان کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔

وَجَزٰىهُمْ اور انہیں بدلہ دیا	بِمَا صَبَرُوْا انکے صبر پر	جَنَّةً جنت	وَّحَرِيْرًا اور ریشمی لباس	مُّتَّكِـِٕيْنَ تکیہ لگائے ہوں گے	فِيْهَا اس میں	
عَلَى الْاَرَآئِكِ تختوں پر	لَا يَرَوْنَ وہ نہ دیکھیں گے	فِيْهَا اس میں	شَمْسًا دھوپ	وَّلَا زَمْهَرِيْرًا اور نہ سردی	وَدَانِيَةً اور نزدیک ہو رہے ہونگے	
عَلَيْهِمْ ان پر	ظِلٰلُهَا انکے سائے	وَذُلِّلَتْ اور نزدیک کردیئے گئے ہوں گے	قُطُوْفُهَا اس کے گچھے	تَذْلِيْلًا جھکا کر	وَيُطَافُ اور دور ہوگا	
عَلَيْهِمْ ان پر	بِاٰنِيَةٍ برتنوں کا	مِّنْ فِضَّةٍ چاندی کے	وَّاَكْوَابٍ اور آبخورے	كَانَتْ ہوں گے	قَوَارِيْرَا شیشے کے	قَوَارِيْرَا شیشے
مِنْ فِضَّةٍ چاندی کے	قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا انہوں نے انکا اندازہ کیا ہوگا مناسب اندازہ	وَ اور	يُسْقَوْنَ انہیں پلایا جائے گا	فِيْهَا اس میں		
كَاْسًا ایسا جام	كَانَ ہوگی	مِزَاجُهَا اسکی آمیزش	زَنْجَبِيْلًا سونٹھ	عَيْنًا ایک چشمہ	فِيْهَا اس میں	تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا موسوم کیا جاتا ہے سلسبیل
وَيَطُوْفُ اور گردش کریں گے	عَلَيْهِمْ ان پر	وِلْدَانٌ لڑکے	مُّخَلَّدُوْنَ ہمیشہ (نو عمر) رہنے والے	اِذَا رَاَيْتَهُمْ جب تو انہیں دیکھے		
حَسِبْتَهُمْ تو انہیں سمجھے	لُؤْلُؤًا موتی	مَّنْثُوْرًا بکھرے ہوئے				

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بھی ابرار کے متعلق بیان جاری ہے کہ آخرت میں ان کو کیا کیا نعمتیں ملیں گی چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ابرار دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کرکے معاصی سے رکے رہے تھے اور اللہ کی اطاعت پر جمے رہے تھے۔اپنی نذر کو پورا کرنے اور مسکینوں یتیموں اور محتاجوں کے کھلانے پلانے میں تکالیف برداشت کرتے تھے۔ دنیا میں شرعی پابندیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے تھے۔پھٹے پرانے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے تھے اور خالص ریشمی کپڑوں سے دنیا میں ممنوع ہونے کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے تو اس صبر کے عوض میں اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں جنت کے باغ رہنے کو اور ریشمی لباس فاخرہ پہننے کو عطا فرمائے گا۔روایات میں آتا ہے کہ ادنیٰ جنتی کو ہر صبح وشام ستر جوڑے حریر کے جن کے رنگ مختلف ہوں گے اور نہایت نفیس اور منقش اس کے خادم اس کے سامنے لایا کریں گے تاکہ ان میں سے جو مرغوب اور خوش معلوم ہو وہ اس کو پہنے اور باریکی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے پھول کی پتی۔ اور بعض ایسے باریک اور نازک ہوں گے کہ ستر تہوں میں سے بدن نظر

آ جائے گا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر وہاں کا لباس اور زیور زمین پر لایا جائے تو وہ اپنی چمک دمک سے جہان کو اس قدر روشن کر دے کہ آفتاب کی روشنی اس کے سامنے ماند ہو جائے اور نہ صرف یہ کہ انہیں ایسے قیمتی اور لباس فاخرہ ملیں گے بلکہ ان کے لیٹنے بیٹھنے کے لئے بہشت میں طلائی پلنگ اور سایہ دار تخت ہوں گے جیسے دنیا میں بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں جن پر گدے اور ریشمین توشکیں بچھی ہوں گی اور یہ ان پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ پھر جنت کا موسم نہایت معتدل اور خوشگوار ہوگا نہ گرمی کی تکلیف نہ سردی کی۔ نہ آفتاب کی شعاعیں نہ تاریکی۔ بلکہ ایسی حالت ہوگی جیسے طلوع آفتاب سے کچھ دیر پیشتر ہوتی ہے۔ وہاں عرش کے نور کی روشنی ہوگی نہ کہ چاند و سورج کی۔ اور جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے یہ چاند اور سورج تو جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس جنت کے درخت باوجود نہایت بلند و بزرگ و سایہ دار ہونے کے بڑے باشعور ہوں گے۔ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کریگا۔

درختوں کی شاخیں مع اپنے پھول اور پھلوں کے جنتیوں پر جھکی پڑتی ہوں گی اور پھلوں کے خوشے اس طرح لٹکے ہوں گے کہ جنتی کھڑے بیٹھے لیٹے جس حالت میں چاہیں گے بے تکلف لے سکیں گے۔ پھر جنت میں جنتیوں کے لئے قسم قسم کے میووں اور پھلوں ہی پر بس نہ ہوگی بلکہ اور بھی کھانے پینے کا شاہانہ سامان ہوگا۔ برتن اور آبخورے اور ظروف چاندی کے ہوں گے اور ایسے صاف شفاف اور چمکدار کہ شیشے کی طرح معلوم ہوں گے ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئے گی۔ پھر وہ آبخورے ایک عجیب صنعت اور اندازہ سے بنائے گئے ہوں گے ہر ایک برتن میں وقت حاجت کی رعایت ہوگی۔ جنتی کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی ٹھیک اسی اندازے کے موافق بھرے ہوئے ہوں گے کہ نہ کمی رہے اور نہ بچے۔ یہاں چاندی کے برتن اور آبخوروں کا ذکر ہے لیکن سونے کے برتن بھی جنت میں ہوں گے جیسا کہ سورہ زخرف ۲۵ویں پارہ میں فرمایا گیا **يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ** (ان کے پاس سونے کی رکابیاں لائی جائیں گی اور گلاس بھی۔ گویا موقع اور محل کے مناسب کہیں سونے کے اور کہیں چاندی کے برتن ہوں گے۔ الغرض کہ جنتیوں کو چاندی و سونے کے گلاسوں میں مشروب پلایا جائے گا۔ گذشتہ درس میں ذکر ہوا تھا **اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا** (ابرار جنت میں ایسے جام پئیں گے جس میں آمیزش کافور کی ہوگی) اور کافور جنت کا ایک چشمہ ہے جس کی خاصیت خنکی اور ٹھنڈک ہے۔ یہاں آیت میں بتلایا گیا کہ ان اہل جنت کو ایسا عمدہ مشروب پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی اور زنجبیل ایک چشمہ ہے جنت میں جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں جس کی خاصیت گرم ہے۔ تو یہ اختلاف پینے والوں کی طبعی خواہش کے پیش نظر ہوگا۔ گرم مزاج والوں کو مشروب کی خنکی پسند ہوتی ہے ان کو ایسا مشروب مرغوب ہوگا جس میں کافور کی آمیزش ہو اور سرد مزاج والوں کو گرم مشروب پسند ہوتا ہے اس لئے ان کو وہ مشروب مرغوب ہوگا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہو۔ گویا ہر جنتی کی رغبت خاطر جدا جدا ہوگی ویسے ہی اس کی رغبت کا سامان ہوگا۔ اب ان مشروبات اور لذائذ اور نعمتوں کو ہر وقت اہل جنت کے پاس لانے اور لے جانے کے لئے خدام ہوں گے جن کو غلمان کہا جاتا ہے۔ یہ جنت میں ایک جدا مخلوق ہے جو حسین و خوبصورت بچوں کی شکل میں ہوگی۔ یہ جنت میں ہمیشہ ایک عمر کے رہیں گے اور مثل بکھرے ہوئے موتیوں کے چاروں طرف خدمت کرتے ہوئے پھریں گے۔ غلمان جن کا لڑکپن ہمیشہ باقی رہے گا کبھی جوان یا بوڑھے نہ ہوں گے چونکہ لڑکوں میں ایک شوخی۔ شرارت۔ ترت۔ پھرت۔ اور بھولا پن ہوتا ہے اس لئے عیش و نشاط کی مجلسوں میں ان کے کھلانے پلانے میں کام کرنا ایک عجیب لطف دیتا ہے۔ یہ غلمان ہمہ وقت اہل جنت کے پاس کھانے اور پینے کی چیزیں لاتے اور لے جاتے رہیں گے اور ایسے حسین اور خوبصورت اور پرنور ہوں گے کہ ان کو خدمت میں ادھر ادھر آتے جاتے جو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ گویا موتی ہیں جو بکھرے ہوئے ہیں۔ گویا ان کے حسن اور ادھر ادھر چلنے پھرنے کو بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ابھی اہل جنت کے انعامات اور جنت کی نعمتوں کا مزید حال اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ

اور اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے۔ ان جنتیوں پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے

وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً

بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جاویں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا۔ یہ تمہارا صلہ ہے

وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾

اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔

وَاِذَا رَاَيْتَ اور جب تو دیکھے گا	ثَمَّ وہاں	رَاَيْتَ تو دیکھے گا	نَعِيْمًا بڑی نعمت	وَّمُلْكًا كَبِيْرًا اور بڑی سلطنت	عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ اُن کے اوپر کی پوشاک
سُنْدُسٍ باریک ریشم	خُضْرٌ سبز	وَّ اِسْتَبْرَقٌ اور دبیز ریشم (اطلس)	وَّحُلُّوْٓا اور انہیں پہنائیں جائیں گے	اَسَاوِرَ کنگن	مِنْ فِضَّةٍ چاندی کے
وَسَقٰىهُمْ اور انہیں پلائیگا	رَبُّهُمْ ان کا رب	شَرَابًا ایک شراب (مشروب)	طَهُوْرًا نہایت پاک	اِنَّ هٰذَا بیشک یہ	كَانَ ہے · لَكُمْ تمہاری
جَزَآءً جزا	وَّكَانَ اور ہوئی	سَعْيُكُمْ تمہاری سعی	مَّشْكُوْرًا مشکور (مقبول)		

تفسیر وتشریح: ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو کچھ نعمتیں جنت کی بیان ہوئیں کچھ اس پر موقوف نہیں۔ جنت کا کیا حال کہا جائے۔ کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ کیسی عظیم الشان نعمت اور کتنی بھاری بادشاہت ہے جو ادنیٰ ترین جنتی کو نصیب ہوگی۔ دیکھنے والا جنت میں نظر کرے گا تو ایسی عظیم الشان نعمتیں اور ایسی زبردست سلطنت اور ایسے شاہانہ تجملات وتکلفات دیکھے گا کہ جو دنیا میں بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھی وہاں کا لاکھواں حصہ بھی نصیب نہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ کمترین مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات کو بیویوں اور خادموں کو اور اپنے سامان عیش وعشرت کو ہزار برس اور ایک روایت میں دو ہزار برس ہے کی راہ مسافت سے دیکھے گا اور اس کو اپنی سلطنت کی حدود کا آخری کنارہ اس طرح نظر آئے گا جس طرح قریب ترین حصہ نظر آئے گا یعنی دور ونزدیک یکساں معلوم ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تعالیٰ فرمائیں گے جا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصہ زیادہ دیا۔ اللہ اکبر! یہ حال تو ہے ادنیٰ ترین جنتی کا پھر اعلیٰ ترین جنتی کا کیا درجہ ہوگا! اے کریم رب! اپنے کرم سے ہم کو بھی اپنی جنتوں کی نعمتوں سے سرفراز فرمایئے گا۔ گو ہمارے اعمال ایسے نہ ہوں مگر ہمارا ایمان ہے کہ آپ کی رحمت اعمال ہی پر موقوف نہیں۔ آمین۔

آیت وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا کے شان نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ سرور کائنات فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے تمام نشانات پڑ گئے ہیں۔ جسم کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پڑی تو آپ نے پوچھا کہ یکا یک اس طرح رونے اور رنج کرنے کی کیا وجہ ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ شاہ فارس اور شاہ روم کی طرف خیال چلا گیا تھا کہ وہ دنیاوی بادشاہ ہو کر کیسی کیسی نعمتوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ حبیب خدا اور اشرف الانبیاء ہو کر چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی کپڑا تک بھی نہیں اس کے جواب میں آپ نے فرمایا اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کی فانی نعمتیں

دنیا ہی کے لئے ہوں اور ہماری دائمی نعمتیں اللہ تعالیٰ آخرت کے لئے ذخیرہ فرمائے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَإِذَا رَأَيْتَ نازل فرمائی یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی۔تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت ونور سے جنت کا چپہ چپہ معمور ہے۔اہل جنت کی سیر وتفریح کے واسطے ہوائی سواریاں اور تخت ہوں گے جو ایک ساعت میں ایک ماہ کا راستہ طے کرتے ہوں گے۔جنت میں ایسے قبے۔برج اور بنگلے ہوں گے جو ایک ہی یاقوت یا موتی یا زمرد یا دیگر جواہرات سے رنگ برنگ بنے ہوں گے۔جنت کی سب سے افضل و بہتر نعمت دیدار الٰہی ہے۔دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کی حیثیت سے اہل جنت چار قسم کے ہوں گے۔ایک تو وہ جو سال بھر میں ایک مرتبہ۔دوسرے وہ جو ہر جمعہ کو۔تیسرے وہ جو دن میں دو دفعہ مشرف ہوں گے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صبح اور عصر کی نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھنے سے اس دیدار میں بڑی مدد ملتی ہے۔چوتھی جماعت اخص الخاص ہر وقت بارگاہ الٰہی میں حاضر رہیں گے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم وفضل سے اپنے دیدار کی نعمت عظمیٰ سے ہم کو بھی مشرف فرمائیں۔آمین۔آگے اہل جنت کی پوشاک کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کا چمکدار ریشم ہوگا اور بیش بہا اور گرانقدر دبیز ریشم کا بھی ہوگا گویا جنتی کو جولباس مرغوب ہوں گے اسی قسم کے شاہانہ لباس ان کو ملیں گے۔ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے۔یہاں آیت میں فرمایا گیا وَحُلُّوٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (اور ان کو پہنائے جائیں گے چاندی کے کنگن) اور سورہ کہف پندرھویں پارہ میں فرمایا گیا یحلون فیھا من اساور من ذھب (پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے)۔تو دراصل کنگن یا ریشمی کپڑے اور اسی طرح جنت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت اور اصل حقیقت ہم دنیا میں سمجھ نہیں سکتے کیونکہ ہماری محسوسات کی دنیا میں اس عالم آخرت کی کوئی پوری مثال موجود نہیں رہا یہ کہ یہاں چاندی کے کنگن فرمائے اور سورہ کہف میں سونے کے تو علما نے لکھا ہے کہ کسی کو چاندی کے ملیں گے اور کسی کو سونے کے مثلاً ابرار کو چاندی کے اور مقربین کو سونے کے یا کبھی چاندی کے ملیں اور کبھی سونے کے یا کسی کو ایک وقت چاندی کے پہنائے جائیں دوسرے وقت سونے کے۔اب یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ زیور عورتوں کے لئے زینت ہے۔مردوں کے لئے معیوب ہے پھر جنت میں کنگن پہنانے کی کیا وجہ؟ اس کے جواب میں علما کے چند اقوال ہیں۔ایک یہ کہ ہر وطن کا مقتضا جدا ہے۔دنیا میں کسی امر کا عیب ہونا آخرت میں عیب ہونے کو لازم نہیں۔دوسرے یہ کہ مشرقی ممالک میں قدیم رواج ہے کہ سردار کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کا کڑا یا کنگن ڈالا جاتا ہے کہ چاندی سونا اس کے ہاتھ میں ہے گویا یہ سرداری کی علامت ہے جیسا کہ موجودہ مغربی ملکوں میں تمغہ اور میڈل۔پس اسی قسم کا یہ بھی جنت میں ان کی سرداری و بادشاہی کا تمغہ ہوگا۔تیسرے یہ کہ دراصل یہ چاندی اور سونے کا زیور جنت کی عورتوں اور خادموں کو پہنایا جائے گا مگر لفظ میں جانب تذکیر کو غلبہ دے کر مذکر کے صیغے اس لئے لائے گئے کہ ان کی عورتوں اور خادموں کو پہنانا انہیں کی خوشنودی کا باعث ہے تو گویا ان کو ہی پہنایا گیا۔چوتھے یہ کہ یہ کنایہ ہے ان کے ان انوار و برکات سے جو دنیا میں انہوں نے ان متبرک ہاتھوں سے نیک اعمال کئے تھے۔یہ ان کی روشنی اور نور ہوگا جو ہاتھ میں کنگن معلوم ہوگا۔واللہ اعلم بالصواب۔

ابرار کی دنیا میں ایک ایک نیک صفت آخرت میں ایک ایک نعمت بن کر ان کے سامنے آئے گی۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنت کی ان دائمی نعمتوں سے ہم سب کو بھی نوازیں۔آمین۔اب آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حق تعالیٰ اپنا خاص کرم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمایا یعنی یہ قرآن کریم بتدریج تھوڑا تھوڑا نازل کر کے آپ پر بھیجا اس کو یاد دلاتے ہیں اور اس اکرام کی شکر گذاری کی ہدایت فرماتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾

ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مستقل رہئیے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئیے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ

اور اپنے پروردگار کا صبح وشام نام لیا کیجئے۔ اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے۔ یہ لوگ

هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا

دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے

أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ

اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں۔ یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ

اور بدوں خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔ وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔

فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

اور ظالموں کیلئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ بیشک ہم	نَزَّلْنَا ہم نے نازل کیا	عَلَيْكَ آپ پر	الْقُرْآنَ قرآن	تَنْزِيلًا بتدریج	فَاصْبِرْ پس صبر کریں	لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے حکم کیلئے
وَلَا تُطِعْ اور آپ کہا نہ مانیں	مِنْهُمْ ان میں سے	آثِمًا کسی گنہگار	أَوْ كَفُورًا یا ناشکرے کا	وَاذْكُرِ اور آپ یاد کریں	اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کا نام	
بُكْرَةً صبح	وَأَصِيلًا اور شام	وَمِنَ اور سے (کسی حصہ میں)	اللَّيْلِ رات	فَاسْجُدْ پس آپ سجدہ کریں	لَهُ اس کو	وَسَبِّحْهُ اور اسکی پاکیزگی بیان کریں
لَيْلًا طَوِيلًا رات کا بڑا حصہ	إِنَّ هَٰؤُلَاءِ بیشک یہ (منکر) لوگ	يُحِبُّونَ وہ دوست رکھتے ہیں	الْعَاجِلَةَ دنیا	وَيَذَرُونَ اور چھوڑ دیتے ہیں		
وَرَاءَهُمْ اپنے پیچھے	يَوْمًا ایک دن	ثَقِيلًا بھاری	نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ ہم نے انہیں پیدا کیا	وَشَدَدْنَا اور ہم نے مضبوط کئے	أَسْرَهُمْ انکے جوڑے	
وَإِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں	بَدَّلْنَا ہم بدل دیں	أَمْثَالَهُمْ ان جیسے لوگ	تَبْدِيلًا بدل کر	إِنَّ هَٰذِهِ بیشک یہ	تَذْكِرَةٌ نصیحت	فَمَنْ شَاءَ پس جو چاہے
اتَّخَذَ اختیار کرے	إِلَىٰ رَبِّهِ اپنے رب کی طرف	سَبِيلًا راہ	وَمَا تَشَاءُونَ اور تم نہیں چاہو گے	إِلَّا سوائے	أَنْ جو	يَشَاءَ اللَّهُ اللہ چاہے
إِنَّ اللَّهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	عَلِيمًا جاننے والا	حَكِيمًا حکمت والا	يُدْخِلُ وہ داخل کرتا ہے	مَنْ يَشَاءُ وہ جسے چاہے	فِي رَحْمَتِهِ اپنی رحمت میں
وَالظَّالِمِينَ اور (رہے) ظالم	أَعَدَّ لَهُمْ اس نے تیار کیا ہے ان کیلئے	عَذَابًا أَلِيمًا دردناک عذاب				

تفسیر وتشریح: قرآن کریم میں جو جنت کی نعمتیں بیان ہوئیں اور وہاں کے عیش ونشاط اور حیات جاودانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور اہل مکہ کو ان آیات کا سنانا شروع کیا تو کفار مکہ جنت کی عیش وعشرت کا مضمون سن کر آپس میں یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس شخص کو

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمت و راحت وعیش کی لذت پیدا ہوئی ہے اسی واسطے بار بار انہی جنت کی لذتوں کا ذکر کرتے ہیں اور لوگوں کو انہی لذتوں اور راحتوں کا وعدہ دلا کر آبائی دین سے پھیرتے ہیں تو آؤ انہی لذتوں اور راحتوں کی طمع اور لالچ دے کر ان کو اس کام سے باز رکھیں اور دنیوی لالچ دے کر دعوت وتبلیغ کے کام سے روکیں۔ یہ مشورہ اور تدبیر آپس میں طے کر کے، دو سرداروں کو منتخب کیا ایک عتبہ بن ربیعہ اور دوسرا ولید بن مغیرہ اور وہ دونوں سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سے بہت نزدیکی قرابت رکھتے ہیں اور ہمارا تمہارا گوشت پوست سب ملا ہوا ہے کسی طرح کی جدائی ہماری تمہاری نہیں ہے لیکن خدا کے واسطے ہم تم سے ایک بات کہتے ہیں کہ اگر تم کو خوبصورت عورتوں کا اور دنیا کی نعمتوں کا شوق ہو جیسے عمدہ کھانے۔ پاکیزہ لباس۔ چاندی وسونا اور کم عمر لڑکے خدمت کے واسطے جن کا ذکر بار بار کیا کرتے ہو اور ان چیزوں کی طرف تمہارے دل نے رغبت کی ہو تو بے تکلف ہم سے کہہ دو کہ ہم یہ سب چیزیں مہیا کر دیں چنانچہ عتبہ نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے کہ حسن و جمال میں اس کا ثانی اس شہر میں نہیں وہ لڑکی مع جہیز اور اسباب بے شمار تم کو میں دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ اس کا نکاح کئے دیتا ہوں۔ اور ولید نے کہا کہ میری مالداری کا حال تم کو خوب معلوم ہے کہ مکہ سے طائف تک تمام باغات اور زراعت اور مویشی میرے ہیں۔ اس کے علاوہ موتیوں کی تجارت بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ غوطہ خور میرے نوکر ہیں سو وہ دریا اور سمندر سے عمدہ موتی نکالتے ہیں اور میں شام و مصر کی طرف ان کو بھیجتا ہوں اور اس میں بے انتہا نفع حاصل ہوتا ہے سو میں آدھا اپنا مال اور زر وجواہر تم کو دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ بت پرستی سے لوگوں کو منع مت کرو اور ہمارے بتوں کی مذمت اور ہمارے بڑوں کی برائی ہر جگہ مت کیا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کلام سن کر نہایت متحیر ہوئے کہ ان لوگوں نے آیات قرآنی کی تبلیغ کو کس چیز پر محمول کیا جو ایسا سوال مجھ سے کرتے ہیں۔ اب ابھی اس سوچ ہی میں تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے آپ پر یہ قرآن بتدریج تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے تا کہ آپ کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں اور معلوم کر لیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جنت کی نعمتوں اور وہاں کی لذت و راحتوں کا بیان قرآن میں کیا ہے اس کی تبلیغ میں آپ کو کوئی عار محسوس نہ ہو۔ اس واسطے کہ آپ تو اپنے پروردگار کا کلام بیان کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے کہ اس کے بیان کرنے میں کچھ آپ کی طمع ان چیزوں میں سمجھی جائے اور اگر یہ کافر آپ پر اس بات کی تہمت رکھتے ہیں تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جمے رہئے اور عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ کو دنیوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے ہیں کہ آپ کو فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ آپ ان میں سے ہرگز کسی کی بات نہ مانیں کیونکہ کسی گناہ گار فاسق یا ناشکرا کافر کا کہنا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ آپ ایسے شریر بدبختوں کی بات پر کان نہ دھریں اور آپ پر جو حرص وطمع کی تہمت رکھتے ہیں اس کو دفع کرنے کے لئے آپ ایک دوسرا کام کریں تا کہ اس کے سبب سے یہ تہمت آپ سے بالکل دور ہو جائے اور ان لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ دنیا اور اس کی لذتوں اور راحتوں کی طرف ہرگز میل وخواہش نہیں رکھتے اور ان نعمتوں کا ذکر محض تبلیغ قرآن کے لئے کرتے ہیں۔ اور وہ کام یہ ہے کہ صبح و شام یعنی ہمہ وقت اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ سب خرخشوں کا علاج یہی ذکر خدا ہے۔ اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے یعنی نماز پڑھا کیجئے اور شب کو تہجد کے علاوہ بہت زیادہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہئے۔ گویا ان تعلیمات میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ

یہ تمام دن رات سونے اور عیش ونشاط کے لئے نہیں ہیں بلکہ دن رات کا بڑا حصہ یادا ور ذکر الٰہی میں گزرنا چاہیئے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نصیحت اور ہدایت قبول نہیں کرتے اس کا سبب حب دنیا ہے۔ یہ تو دنیا اور اس کے لذات و شہوات پر فریفتہ ہیں۔ شب وروز مال وزر زن وفرزند واسباب دنیا کے جمع کرنے میں مصروف ہیں اور انہی چیزوں میں کامیابی حاصل کرنے کی خوش نصیبی اور فوز عظیم جانتے ہیں اور دار آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دنیا چونکہ جلد ہاتھ آنے والی چیز ہے اسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے دن سے غفلت میں ہیں۔ اس کی کچھ فکر نہیں بلکہ اس کے آنے کا یقین بھی سمجھتے ہیں کہ مرکر جب گل سڑ گئے پھر دوبارہ کون ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دے گا؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ اول بار بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور سب جوڑ و بند درست کئے اور اب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سلب نہیں ہوگئی وہ جب چاہیں ان کی موجودہ ہستی کو ختم کر کے دوبارہ ایسی ہی ہستی بنا کر کھڑا کر دیں۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ کسی پر جبر وزور نہیں۔ قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دی گئی۔ آگے ہر ایک کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی خوشنودی تک پہنچنے کا رستہ بنالے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اے انسانو تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہے بدوں نہیں ہوسکتا۔ جب تک خدا ہی نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت نہ ہوگی کیونکہ بندہ کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے وہ جانتا ہے کہ کس کی استعداد وقابلیت کس قسم کی ہے اسی کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے پھر وہ جس کو اپنی مشیت سے راہ راست پر لائے اور جس کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دے عین صواب وحکمت ہے۔ جن کی استعداد اچھی ہوگی ان کو نیکی پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے گا۔ مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو مستحق ضلالت بنالیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے۔

الغرض وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے تو اس کی گمراہی کو کوئی راستی وہدایت سے بدل نہ سکے گا۔ اور اس کے عذاب گناہ گاروں ظالموں اور ناانصافوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔

اگر انسان اسی سورۃ مبارکہ کو بغور وتامل دیکھے تو انسان کی ہدایت کے لئے اعتقادیات سے لے کر عملیات تک کامل رہبر ہے جس میں دار آخرت کی ترغیب اور اس جہان کی نعمتیں بیان فرما کر کامل شوق اور بدکاروں اور سرکشوں اور منکروں کو وہاں کے مصائب یاد دلا کر خوف دلایا گیا ہے اور اصول حسنات بھی تعلیم فرمائے گئے۔ انسان اگر اپنے عقل وحواس سے کام لے اور اپنی ابتدا وانتہا کو سوچے اور راہ راست اختیار کرے تو وہ آخرت میں حیات جاودانی اور سلطنت عظیم کا مالک بنے گا اور جس نے اپنی عقل وحواس سے کام نہ لیا اور دنیا کی لذات وشہوات اور لہو ولعب میں غرق رہا اور انبیاء علیہم السلام کا مخالف اور مقابل رہا تو اس کے لئے عذاب الیم تیار رکھا ہے۔

اب ہر شخص خود اپنے متعلق فیصلہ کرلے۔ نیک وبد سب کو سمجھا دیا گیا ہے۔

الحمد للہ کہ سورہ دھر کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان ہوگا۔

سورۃ الدھر کے خواص

۱- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

جو آدمی سورۃ الدھر پڑھے تو اللہ تعالیٰ پر اس کی جزا جنت وریشم کی شکل میں دینا لازم ہے۔

۲- ہر قسم کی آفات سے حفاظت کے لئے سورۃ الدھر کو قربانی کے مینڈھے کے چمڑے کے ٹکڑے میں کسی عالم کی قلم دوات سے لکھ لے اور اس پر موم چڑھا دے جو آدمی اسے اپنے پاس رکھے گا وہ ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿١﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿٢﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿٣﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کیلئے بھیجی جاتی ہیں۔ پھر اُن ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں۔ اور اُن ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں۔

ذِكْرًا ﴿٥﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿٦﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾

پھر ان ہواؤں کی جو اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتی ہیں۔ کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ ہواؤں کی قسم	عُرْفًا دل کو خوش کرنیوالی	فَالْعٰصِفٰتِ پھر تند و تیز چلنے والی ہواؤں کی قسم	عَصْفًا شدت سے	وَّالنّٰشِرٰتِ بادل اٹھا کر لانیوالی ہواؤں کی قسم			
نَشْرًا پھیلانیوالی	فَالْفٰرِقٰتِ پھر پھاڑنیوالی ہواؤں کی قسم	فَرْقًا بانٹ کر	فَالْمُلْقِيٰتِ پھر اُلٹا کرنیوالے فرشتوں کی قسم	ذِكْرًا ذکر وحی	عُذْرًا حجت تمام کرنے کو		
اَوْ نُذْرًا یا ڈرانے کو	اِنَّمَا بیشک جو	تُوْعَدُوْنَ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے	لَوَاقِعٌ ضرور ہونے والا				

تفسیر و تشریح: سورۃ کی ابتدا قسمیہ کلام سے فرمائی گئی اور یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔ مراد قیامت و آخرت ہے۔ یہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قسم سے تاکید مقصود ہوتی ہے۔ اہل عرب کا دستور تھا اور اب بھی ہے کہ جس وقت کسی امر کی تاکید کا ارادہ کرتے ہیں تو اس وقت قسم کھایا کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن کا نزول اہل عرب کی زبان میں ہوا ہے اس لئے قرآن میں بھی قسمیں کھائی گئیں تاکہ اہل عرب کی فصاحت و بلاغت کی کوئی قسم قرآن پاک میں رہنے نہ پائے۔ تو حق تعالیٰ نے یہاں روز جزا کے واقع ہونے پر پانچ قسمیں کھائیں تاکہ حد درجہ کی تاکید ثابت ہو کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔ پہلی قسم یہ کھائی گئی وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں دوسری قسم کھائی گئی فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا پھر قسم ہے ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں جس سے مراد آندھیاں۔ طوفان۔ اور سخت ہوائیں ہیں جن سے انقلاب عظیم پیدا ہوتے ہیں مثلاً دریا میں طوفان ہوتا ہے۔ کشتیاں و جہاز ڈوب جاتے ہیں۔ درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ گھر کی چھتیں اڑ جاتی ہیں۔ تو ان دونوں قسموں میں جواب قسم یعنی قیامت و آخرت سے نہایت مناسبت ہے اور وہ اس طرح اول ہوا نرم و خوشگوار چلتی ہے جس سے مخلوق کی بہت سی توقعات اور منافع وابستہ ہوتے ہیں پھر بعد میں وہی ہوا ایک تند آندھی اور طوفانی جھکڑ کی شکل اختیار کر کے وہ خرابی اور غضب ڈھاتی ہے کہ لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ یہی مثال دنیا و آخرت کی سمجھو۔ کتنے ہی کام ہیں جن کو لوگ فی الحال مفید اور نافع تصور کرتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی امیدیں باندھتے ہیں لیکن وہی کام جب قیامت کے دن اپنی اصلی اور سخت ترین صورت میں ظاہر ہوں گے تو لوگ پناہ مانگنے لگیں گے۔ آگے تیسری قسم یہ کھائی گئی وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا اور قسم ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں جس کے بعد بارش ہونے لگتی ہے۔ چوتھی قسم یہ کھائی گئی فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا پھر قسم ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں جیسا بارش کے بعد ہوتا ہے کہ ہوائیں بادلوں کو پھاڑ کر ادھر ادھر متفرق کر دیتی ہیں۔ ہوا کی عام خاصیت یہ ہے کہ اشیاء کی کیفیات مثلاً خوشبو۔ بدبو وغیرہ کو پھیلائے۔ ان کے لطیف اجزا کو جدا کر کے لے اڑے اور ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز سے جا ملائے۔ غرض یہ جمع و تفریق جو ہوا کا خاصہ ہے ایک نمونہ ہے آخرت کا جہاں حشر و نشر کے بعد لوگ جدا کئے

دی میں گے اور ایک جگہ جمع ہونے کے بعد الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ پانچویں قسم یہ کھائی فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا پھر قسم ان ہواؤں کی جو دل میں اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القا کرتی ہیں یعنی یہ ہوائیں اللہ کی طرف متوجہ ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہیں اور وہ توجہ دو طور سے ہوتی ہے ایک خوف سے جب کہ ان ہواؤں سے آثار خوف کے نمایاں ہوں اور دوسرا توبہ و معذرت سے کہ اگر ہوائیں نفع بخش ہوں تب تو خدا کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر اور اپنی تقصیرات سے عذر کرتے ہیں اور اگر وہ ہوائیں خوفناک ہوں تو خدا کے غضب سے ڈر کر اپنے معاصی سے توبہ کرتے ہیں۔

یہاں اس تشریح میں جمہور مفسرین کے اقوال کے مطابق المرسلٰت . العصفٰت . النشرٰت. الفرقٰت. الملقیٰت. پانچوں کا مصداق ہواؤں کو ٹھہرایا ہے۔ بعض مفسرین نے فرشتوں کو اور بعض مفسرین نے پیغمبروں کو اور بعض مفسرین نے پہلی چار سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے۔ ان پانچوں قسموں کی تشریح میں اور بھی مفسرین کے اقوال ہیں۔ لیکن جمہور مفسرین کا قول جو یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوائیں ہیں۔ آگے جو بات کہ ان مذکورہ پانچ قسموں کے بعد کہی جاتی ہے وہ یہ کہ اے انسانو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے یعنی قیامت کا آخرت کے حساب کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے۔

اب آگے اس قیامت کے دن کے بعض احوال اور کیفیات ظاہر فرمائی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قیامت و آخرت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔ اور اس دنیا کی زندگی میں آخرت کا سامان جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ آج زندگی میں ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جو آخرت میں آپ کی رضا کا باعث ہوں اور ان اعمال سے ہمیں بچا لیجئے کہ جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔

یا اللہ آخرت کی طرف سے غفلت ہمارے دلوں سے دور فرما دیجئے اور ہم کو ہمہ وقت اور ہمہ آن آخرت کا فکر نصیب فرمایئے۔

یا اللہ! نجات آخرت اور حصول جنت تو محض آپ کے فضل و کرم ہی سے نصیب ہوگی نہ کہ اعمال کے بل بوتہ پر۔ اور اعمال صالحہ کی توفیق بھی یا اللہ آپ ہی کی تائید سے حاصل ہوگی

یا اللہ! ہمیں اپنے کرم و رحم سے اپنی گرفت اور عذاب سے بچالے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ہماری عیوب اور خطاؤں کی ستاری فرما کر ان سے درگذر فرمایئے اور آخرت میں اپنی رضا نصیب فرما کر ہماری نجات فرمایئے۔ اور اپنی دائمی جنت میں پہنچنا نصیب فرمایئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾

سو جب ستارے بے نور ہو جاویں گے۔ اور جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے۔ اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ

کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے۔ فیصلہ کے دن کیلئے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے۔ اس روز

لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۵﴾

جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

فَاِذَا پس جب	النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ستارے مٹائے جائیں دبے نور ہو جائیں	وَاِذَا اور جب	السَّمَآءُ آسمان	فُرِجَتْ پھٹ جائے	وَاِذَا الْجِبَالُ اور جب پہاڑ
نُسِفَتْ اڑتے پھریں	وَاِذَا الرُّسُلُ اور جب رسول (جمع)	اُقِّتَتْ وقت پر جمع کئے جائیں گے	لِاَیِّ یَوْمٍ کس دن کیلئے	اُجِّلَتْ ملتوی رکھا گیا ہے	
لِیَوْمِ الْفَصْلِ فیصلے کے دن کیلئے	وَمَآ اَدْرٰىكَ اور تم کیا سمجھے؟	مَا یَوْمُ الْفَصْلِ کیا ہے فیصلے کا دن؟	وَیْلٌ خرابی ہے		
یَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِیْنَ جھٹلانیوالوں کیلئے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں اس سورۃ کی ابتدا بغرض تاکید و یقین دہانی قسمیہ کلام سے فرمائی گئی تھی اور جواب قسم میں فرمایا گیا تھا کہ جس قیامت کا اے انسانو تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جس دن کہ تم سب کے سب اولین و آخرین دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے اور اپنے اپنے کئے کا پھل پاؤ گے۔ نیکی کی جزا بدی کی سزا۔ یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور وہ یوم قیامت ضرور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے۔

اب آگے اس یوم قیامت کی کچھ کیفیت اور بعض حالات بیان کئے جاتے ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب وہ یوم قیامت ہوگا اور اول مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اس کے اثر سے ستارے بے نور ہو جاویں گے اور جیسا کہ ۳۰ ویں پارہ سورہ تکویر میں فرمایا وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے یا جیسا کہ ۳۰ ویں پارہ سورہ انفطار میں فرمایا گیا واذا الکواکب انتثرت اور جب ستارے ٹوٹ کر جھڑ پڑیں گے۔ یہ تو قیامت کی ایک علامت تھی۔ دوسری علامت فرمائی کہ جب آسمان پھٹ جائے گا اور پھٹنے کی وجہ سے ان میں شگاف اور جھرو کے نظر آنے لگیں گے۔ تیسری علامت فرمائی اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے۔ قیامت کے دن جو دنیا کے پہاڑوں پر گذرے گا اس کا ذکر قرآن پاک میں متعدد جگہ متعدد الفاظ میں ہوا ہے اور ان سب کی مطابقت اس طور پر ہے کہ اول زلزلہ عظیم کے سبب پہاڑ آپس میں ٹکرا کر چورا چورا ہو جاویں گے۔ پھر اس چورا ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاویں گے۔ پھر ہوا کی شدت سے ان کا غبار بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا۔ اور اس اڑنے میں پہاڑوں کی رنگتوں کے سبب ایک رنگت سرخی نما معلوم ہوگی۔ پھر زمین پہاڑوں سے صاف ہو جاوے گی اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کے رہ جائے گی اور یہ سب اول مرتبہ کے صور پھونکے جانے کے بعد ہوگا یہاں تک کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا فرمائیں گے اور تمام اولین و آخرین بنی آدم زندہ کر کے حساب کتاب کے لئے میدان حشر میں جمع کیے جاویں گے۔ اس وقت کے حالات میں سے یہاں بتلایا جاتا ہے وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے تاکہ باری باری ہر ایک پیغمبر اپنے وقت مقررہ پر اپنی اپنی امت کے

ساتھ رب العزت کی سب سے بڑی پیشی میں حاضر ہوں اور اپنی اپنی امت کے متعلق شہادت پیش کریں لکھا ہے کہ میدان حشر میں کفارو مشرکین اول اپنے کفروشرک سے صاف انکار کردیں گے کہ ہم نے ہرگز شرک نہیں کیا۔ پھر طرح طرح کے عذر پیش کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم احکام الٰہی کے جاننے سے بالکل بے خبر تھے۔حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ میں نے اپنے پیغمبروں کو احکام دے کر بھیجا۔انہوں نے میرے احکام کونہایت امانت داری کے ساتھ پہنچایا۔تم نے کیوں غفلت کی اور احکام کو کیوں نہیں تسلیم کیا۔ جواب میں کفارومشرکین کہیں گے نہ تو ہمارے پاس کوئی پیغمبر آیا اور نہ کوئی حکم پہنچا۔پس اول نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے سامنے پیش کیا جائے گا آپ ارشاد فرمائیں گے کہ اے جھوٹو۔ اے حق سے منہ موڑنے والو۔کیا تم کو یاد نہیں کہ میں نے تم کو ساڑھے نوسو ۹۵۰ برس کی مدت دارز تک طرح طرح کے واعظ سنا کر عذاب الٰہی سے ڈرایا احکام الٰہی پہنچائے۔کتنی محنت وکوشش کی۔علانیہ و پوشیدہ ہر طرح پر خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کے اثبات میں کس قدر کوشش و جانفشانی کی۔کھلی دلیلوں اور معجزوں سے ان کو ثابت کیا۔کیا تمہیں یاد نہیں کہ فلاں مجلس میں میں نے تم سے اس طرح کہا تھا اور تم نے ایسا جواب دیا تھا۔اسی طرح اپنی تبلیغ اور ان کے انکار کے دیگر قصص یاد دلائیں گے مگر وہ صاف مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تمہیں جانتے بھی نہیں اور نہ کبھی تم سے کوئی خدائی حکم سنا۔اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا جائے گا کہ اے نوح اپنی تبلیغ رسالت کے گواہ پیش کرو۔آپ عرض کریں گے۔میرے گواہ امتیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس اس امت مسلمہ کے علماء صدیقین۔شہداء حاضر کردیئے جائیں گے۔وہ عرض کریں گے۔ہاں ہم ان کے گواہ ہیں بے شک آپ نے ان کو رسول بنا کر تبلیغ احکام کے لئے اس قوم کے پاس بھیجا تھا۔ ہماری دلیل یہ قرآنی ارشاد ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا امت نوح کے کافر کہیں گے کہ نہ تو تم ہمارے زمانہ میں تھے۔نہ تم نے ہماری حالت دیکھی۔نہ ہماری گفتگو سنی۔ پھر تمہاری شہادت ہمارے مقدمہ میں کیوں کر قابل سماعت ہوسکتا ہے۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے کہ جو کچھ میری امت نے کہا وہ بالکل سچا اور درست ہے کیوں کہ ان کو اس حقیقت حال کا ثبوت دنیا میں بذریعہ خبر الٰہی جو معائنہ ومشاہدے سے کہیں قوی ہے پہنچا ہے۔تب جا کر یہ کافر ساکت ہو کر ملزم قرار پائیں گے۔ان کے بعد اسی طرح حضرت ہودؑ۔حضرت صالحؑ۔حضرت ابراہیمؑ۔حضرت شعیبؑ۔حضرت موسیٰؑ۔حضرت عیسیٰؑ وغیرہ علیہم السلام کی امتیں بالترتیب مقابلہ ومباحثہ کر کے بالآخر قائل ہو جائیں گی اور ملزم قرار پائیں گی۔پھر کفار عذر ومعذرت کریں گے اور دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست کریں گے لیکن بارگاہ ایزدی سے جواباً ارشاد ہوگا کہ تمہارا عذر قابل سماعت نہیں۔جو سمجھانے کا حق تھا وہ ادا ہو چکا۔تم کو ہم نے مدت دراز تک فرصت دی تھی اب دنیا میں واپس جانا نا ممکن ہے۔اخیر میں حضرت آدم کو حکم ہوگا کہ اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کا گروہ علیحدہ کردو۔آپ عرض کریں گے کس حساب سے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ فی ہزار ایک آدمی جنت کے لئے اور ۹۹۹ دوزخ کے واسطے اس وقت میدان حشر میں ایسی ہل چل ہوگی کہ بیان سے باہر ہے۔بخاری اور مسلم کی صحیح حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کو دوزخیوں کو علیحدہ کرنے اور ایک ہزار میں سے ۹۹۹ دوزخ میں جانے والی حدیث بیان فرمائی تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ ایک جو ہزار میں سے جنت میں جائے گا ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ کہ ایک شخص تم میں سے ہوگا اور ہزار یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم میں جانے کی تعداد کا ذکر اور بھی مسلم کی ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔اس حدیث کی شرح میں بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ان ۹۹۹ فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی جو اگرچہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اول دوزخ کے قابل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعین کی سفارش سے بعد میں وہ نجات پا جائیں گے اور جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔اے اللہ اپنے کرم سے ہم کو اس ۹۹۹ کے گروہ میں شامل ہونے سے بچا لیجئے۔ آمین۔ یہ بیان آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے اور اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا) سے متعلق تھا۔ذکر یوم قیامت کا ہو رہا

تھا کہ جب ستارے بے نور ہو جاویں گے اور جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع ہو جاویں گے اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا اور جن لوگوں نے اپنے پیغمبر کے پیغام کو قبول کر کے اس کے موافق عمل کیا تھا وہ جدا ہو جاویں گے ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے رسول کے کہنے کو نہ مانا تھا اور نہ اس پر عمل کیا تھا۔ غرض کہ جو جس لائق ہے اور جس چیز کا مستحق ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے گا۔

اب آگے جیسا کہ ایک خطیب اپنی دوران تقریر میں جوش اور اثر کے موقع پر خطیبانہ سوال کر بیٹھتا ہے اسی طرح یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ جانتے ہو؟ ان امور کو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد ہوتا ہے اس دن کے لئے جس میں ہر بات کا بالکل آخری اور دوٹوک فیصلہ ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ چاہتے تو اسی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتے لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسا کیا جائے بلکہ معاملہ کو فیصلہ کے دن کے لئے ملتوی رکھا جائے اور وہ فیصلہ کا دن کیا چیز ہے؟ بس یہ سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا کیوں کہ جس چیز کی انہیں امید نہ تھی جب وہ یکا یک اپنی ہولناک صورت میں آ پہنچے گی تو ہوش پراگندہ ہو جائیں گے اور حیرت و ندامت سے حواس باختہ ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ اے منکرین و مکذبین قیامت تمہاری سمجھ میں آوے یا نہ آوے وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ جس میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ہے یعنی اس روز جھٹلانے والوں کو بڑی خرابی ہوگی۔

اس سورۃ میں یہ جملہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی) دس ۱۰ جگہ ارشاد ہوا ہے چونکہ ان منکرین قیامت کو دس ۱۰ وجہ سے اس روز مصیبت و سختی پیش آئے گی تو ہر ایک وجہ کے لئے اس کلام وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کا اعادہ کیا گیا۔ پہلی مصیبت اور سختی یہ ہوگی کہ جس چیز کی امید نہ تھی وہ یکا یک آن پہنچی اور اس کے آنے سے مدہوش اور متحیر ہو جاویں گے اور یہ پہلی سختی ہر ایک قیامت کے منکر کو قیامت آنے کے وقت لازمی ہے۔ اس کے بعد مزید ۹ سختیاں اور ان کے اسباب کی طرف اگلی آیات میں ختم سورۃ تک اشارہ ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں اور آئندہ درسوں میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرمائیں اور اس دن کے لئے اس دنیا کی زندگی میں تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع اور متبع گروہ میں شامل فرمائیں اور نافرمانوں کے گروہ سے علیحدہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کی جملہ سختیوں سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں اور اس دن ہر چھوٹی بڑی سختی سے ہم کو بچاویں۔

یا اللہ! یوم قیامت کی تکذیب تو عقیدۃً کفار و مشرکین ہی کرتے ہیں مگر اب امت مسلمہ کے بعض افراد سے بھی یہ جرم ثابت ہو رہا ہے۔ اور قیامت و آخرت سے بالکل بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر ان جرائم اور معاصی کے مرتکب ہو رہے ہیں جن کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے

یا اللہ! عذاب آخرت سے نڈر ہو کر گناہوں کی دیدہ دلیری سے جرأت کرنا یہ ایک مومن کا کام تو ہے نہیں۔ یا اللہ قیامت کے ذلت اور رسوائی سے ہر مسلمان کو بچالے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾

کیا ہم اگلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے۔ پھر پچھلوں کو بھی انہیں کے ساتھ ساتھ کر دیں گے۔ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ

اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔

مَّكِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۴﴾

غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا۔ سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

اَلَمْ نُهْلِكِ کیا ہم نے ہلاک نہیں کیا؟	الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگوں کو	ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ پھر ہم انکے پیچھے چلاتے ہیں	الْاٰخِرِیْنَ پچھلوں کو		
كَذٰلِكَ اسی طرح	نَفْعَلُ ہم کرتے ہیں	بِالْمُجْرِمِیْنَ مجرموں کیساتھ	وَیْلٌ خرابی	یَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِیْنَ جھٹلانے والوں کیلئے
اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ کیاہم نےنہیں پیدا کیاتمہیں؟	مِّنْ مَّآءٍ پانی سے	مَّهِیْنٍ حقیر	فَجَعَلْنٰهُ پھرہم نے اسے رکھا	فِیْ میں	قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ایک محفوظ جگہ
اِلٰى تک	قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ وقت معین	فَقَدَرْنَا پھر ہم نے اندازہ کیا	فَنِعْمَ تو کیا اچھا	الْقٰدِرُوْنَ اندازہ کرنیوالے	وَیْلٌ خرابی
یَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِیْنَ جھٹلانیوالوں کیلئے				

تفسیر و تشریح: اس سورۃ میں شروع ہی سے قیامت و آخرت کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلے قسمیہ کلام کے ساتھ فرمایا گیا کہ قیامت جس کا وعدہ انسانوں سے کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر اس یوم قیامت کے کچھ احوال بتلائے گئے کہ وہ کیسا سخت اور ہولناک دن ہوگا کہ چاند۔ سورج۔ ستارے۔ زمین۔ آسمان سب درہم برہم ہو کر ختم ہو جائیں گے۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا سب اوّلین و آخرین دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے اور میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے اور دنیا کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیئے جائیں گے۔ اور منکرین قیامت جو دنیا کی زندگی میں قیامت کو جھٹلاتے رہے اس دن ان کی پوری کمبختی آئے گی اور ان کو بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔

اب منکرین قیامت کو جب عذاب جہنم کی وعید اور آخرت میں طرح طرح کے عذاب بھگتنے کے احوال سنائے جاتے تو منکرین قیامت اس پر یقین نہ لاتے اور اپنی کج فہمی کے باعث یوں سمجھتے کہ بھلا اتنی بڑی دنیا کب ختم ہونے والی ہے؟ بھلا کون باور کرے گا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائیں گے اور نسل انسانی دنیا سے بالکل نابود ہو جائے گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ منکرین کے ان باطل خیالات کا جواب دیا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ و ہلاک کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب اللہ عزوجل کی قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کر دیا جائے گا۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔ اس کے بعد وہی جملہ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ فرمایا یعنی دوسری وجہ آخرت میں قیامت پر سختی کی یہ ہوگی کہ یہ لوگ دنیا میں حق تعالیٰ کو ایسا قادر نہ مانتے تھے کہ جو عام نوع انسان کو ایک وقت میں فنا کر دے اور تمام مجرموں کو بیک وقت گرفتار کر کے سزا دے۔ تو اس جواب میں

کفار قریش کے لئے اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اے کفار قریش تم جو اپنی قوت وثروت پر غرور کر کے آسمانی حکم کا مقابلہ کرتے ہو تو کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے بھی زیادہ قوت اور شوکت میں تھے۔ عاد کا حال تم کو معلوم ہے اور ان کے بعد میں اور پچھلوں کو ہلاک کیا گیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا اور قوم لوط کی بستیوں کو الٹ دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ تو پھر تم کیا ہو جو اس سرکشی اور مقابلہ کی سزا نہ بھگتو گے؟ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ (ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں) یہ بدکار مجرموں کے لئے ایک اعلان ہلاکت ہے۔ جس سے ہر عاقل کو لرزنا چاہئے۔ کوئی بدکار قوم دنیا میں ہلاکت کی سزا سے نہیں بچی اور اب بھی اس کا یہ قانون برابر جاری ہے۔ اب یہ حق تعالیٰ کی مصلحت اور مشیت پر ہے کہ خواہ یہ سزا جلد ہو یا بدیر۔ دارین میں ہو خواہ آخرت میں۔

منکرین قیامت وآخرت کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا کہ آخر انسان مر کر گل سڑ جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اجزائے بدن منتشر ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا باہم جمع کرنا اور پہلے کی طرح اس قالب میں سیکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد جان ڈالنا اور دنیوی زندگی کے تمام حالات افعال واقوال یاد کرانا جیسا کہ قرآن کہتا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ تو منکرین کے ان خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ کی تردید میں انسان کو اس کی ابتدائی حالت یاد دلائی جاتی ہے کیونکہ ہر انسان اپنی ابتدائی حالت پر تو یقین رکھتا ہی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلیل۔ بے قدر اور بدبودار پانی یعنی نطفہ سے نہیں بنایا۔ اس کو تو سب مانتے ہیں اور یہ مسلم الثبوت بات ہے کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس نطفہ کے ٹھہرنے کی جگہ کو رحم مادر یا عورت کے بچہ دان کو بنایا اور وہاں کیسی حکمت بالغہ سے اس نطفہ پر مختلف حالات اور کیفیات گذرے اور نئی نئی صورتیں پیدا ہوتی رہیں اور اسی میں اعضاء قوی اور دیگر چیزیں نمودار ہوتی رہیں۔ کتب طب وسائنس جدیدہ میں پیٹ کے اندر بچہ پیدا ہونے کے جو حالات اور کیفیات لکھی ہیں ان کے دیکھنے سے عقل دنگ اور حیران ہو جاتی ہے کہ ایک قطرہ منی سے کس طرح خداوند قدوس کی قدرت جیتا جاگتا بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا کرتی ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث ومفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے کہ کس طرح پیٹ کے اندر بچہ بنتا ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے کہ اس سے خدا کی قدرت کا اندازہ لگائیے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب رحم یا عورت کی بچہ دانی منی سے پر ہو جاتی ہے تب اس کا منہ بند ہو جاتی ہے پھر کوئی چیز اس کے اندر نہیں جا سکتی تاکہ اس منی کو فاسد نہ کر دیوے۔ پھر اس منی سے جو رحم یعنی بچہ دانی کے اندر جلد سے ملی ہوئی ہوتی ہے اس کو باریک جھلی کی صورت میں کر دیا جاتا ہے تاکہ اس میں رگیں پیدا ہو سکیں اور ان رگوں کے ذریعہ خون کا پہنچنا آسان ہو۔ اور اس جھلی کے اندر ناف سے مثانہ تک ایک پردہ دوسرا اسی طرح کا تن دیا جاتا ہے تاکہ فضلات کو دفع کرتا رہے اور پھر اس کے اندر ایک پردہ اور رطوبات کی محافظت کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اور سورہ زمر ۲۳ویں پارہ میں فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ یعنی تین اندھیریوں میں جو فرمایا اس سے یعنی مفسرین نے یہی تینوں پردے مراد لئے ہیں۔ اور جو اس منی کا خلاصہ یا جوہر ہوتا ہے وہ بچہ دانی کے اندر کے خانوں میں چپک جاتا ہے اور آہستہ آہستہ جمنا شروع ہوتا ہے اور اس جمنے کے وقت میں اس مکان کی حرارت کے سبب سے جوش بھی مارتا ہے اور اس جوش سے کف نکلتا ہے اور وہ کف اس کے بیچ میں ٹھہرتا ہے۔ وہی دل ہوتا ہے اور یہ کف منی کے رحم میں جانے کے تیسرے دن ظاہر ہوتا ہے پھر چوتھے روز ایک سیاہ نقطہ اس کے اوپر ظاہر ہوتا ہے وہ دماغ ہوتا ہے پھر چھٹے روز ایک نقطہ دوسرا پیدا ہوتا ہے داہنی طرف اس کف کے جس نے بیچ میں قرار پکڑا ہے اور یہ جگر ہوتا ہے سو اس مدت تک کہ اکثر ایک ہفتہ ہوتا ہے اس نطفہ منی کو رغوہ اور کف کہتے ہیں پھر اس ہفتہ کے گزر جانے کے بعد رگوں کے خط کھینچے جاتے ہیں اور اکثر دسویں روز یہ امر واقع ہوتا ہے اور رنگ منی کا اس وقت سرخی پر آتا ہے۔ غرض کہ پندرہویں دن خوب سرخ ہو جاتا ہے پھر اس وقت اس کو علقہ کہتے ہیں یعنی خون جما ہوا اس واسطے کہ سوائے ان تین جھلیوں کے باقی سب سرخ ہو جاتا ہے اور جب ۲۷واں دن آتا ہے تب وہ خون بستہ سخت ہونے لگتا ہے اور دماغ دونوں کاندھوں سے جدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اعضاء کا ڈول پڑنے لگتا ہے یہاں تک کہ ۴۱ویں دن مختلف اعضا کی صورتیں

نمودار ہو جاتی ہیں پھر اس وقت اعضائے رئیسہ سے اعضاء خادمہ جمتے ہیں اور شریانیں یعنی رگیں جانکی پیدا ہوتی ہیں اور یہ شرائیں رحم کی شرائیں میں چپک جاتی ہیں اور پھر ۶۵ دن گذر جانے کے بعد خون سے غذا لینا شروع کرتا ہے اور دموی اعضاء جیسے گوشت وغیرہ پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں اور اس کے اردوہ یعنی رگ جگر ماں کے اردوہ سے مل کر خون چوسنا شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ ۷۳ روز تمام ہونے کے بعد اس کا تمام بدن گوشت اور پوست کی پوشش سے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کا منہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے اور دونوں ہتھلیاں اس کے ہاتھ کی اس کے دونوں زانو پر اور دونوں طرف دونوں پاؤں اور دونوں پاؤں کے درمیان میں سر کو جھکا کے بیٹھتا ہے اور جس قدر روز بڑھتا جاتا ہے اسی قدر بچہ دان بھی کشادہ ہوتا جاتا ہے اور روح طبعی اور حرارت اس کے بڑھانے میں مشغول ہوتی ہے۔ پھر نطفہ کے وقوع سے ۹۰ دن گذرنے کے بعد حیوانی قوتیں اس میں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر جب ۱۰۰ دن پوری ہوتے ہیں تو اس کی حیوانی قوت دماغ کو پہنچتی ہے اور حرکت ارادی ضعیف سی اس میں پیدا ہوتی ہے جس طرح کوئی نقیح یا ضعیف کہ ہلنے ڈلنے کی قوت نہ رکھتا ہو اور پھر ۱۱۰ دن کے بعد اس شخص کے مانند ہوتا ہے جو کچھ جاگتا اور کچھ سوتا ہے یہاں تک کہ ۱۲۰ دن کے بعد قوت حیوانی اس میں کامل ہو جاتی ہے اور جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ تین چلہ گذرنے کے بعد بچہ میں روح آتی ہے اور جان پڑتی ہے سو اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ بعد گزرنے ۱۲۰ روز کے روح انسانی اس میں آتی ہے اس واسطے کہ حقیقت میں روح وہی ہے اور پہلے اس کے ایک حیوان تھا دوسرے حیوانوں کی طرح اور جب اس حد سے تجاوز کرتا ہے تو حرکت اس کی پیٹ کے اوپر سے معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ ۷ مہینے میں ہمیشہ اس کے ہلنے ڈلنے کے سبب سے اس کے اعضاء سخت ہو جاتے ہیں اور کچھ قوت پکڑتے ہیں گویا کہ اتنے دنوں اسی سے ورزش اور محنت لیتے تھے۔ پھر بعد اس کے جھلی کے تینوں پردے پھاڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اپنی رگوں کو ماں کی رگوں سے جدا کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے پھر چاہتا ہے کہ کسی طرح میں اس تنگ مکان سے نکلوں یہاں تک کہ نویں مہینے حق تعالیٰ کے حکم سے باہر آتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

الغرض انسان کی پیدائش حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک عجیب نمونہ ہے اسی کو آگے فرمایا گیا کہ اس کو اس رحم میں ایک وقت معین تک رکھا جس سے مراد مدت حمل ہے جو کم تر چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ ۲ برس اور بعض کے نزدیک ۴ برس ہے اور کثیر الوقوع نو مہینے ہیں تو انسان دیکھے اور سمجھے اور اللہ تعالیٰ کیسی قدرت والے ہیں کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں کامل ہو چکا تو اپنی قدرت کاملہ سے اس کو کشاں کشاں اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لایا گیا تو جب یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بڑی اور کمال قدرت والے ہیں کہ ایک قطرہ منی کو بتدریج پورا کر کے انسان عاقل بنا دیا تو کیا اس انسان کو دوبارہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتے اور کیا اس کے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے بار دیگر اس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہیں۔ تو اے منکر قیامت وحشر و نشر اپنی ابتدائی حالت پر انتہائی کا قیاس کیوں نہیں کرتے؟ پھر کس لئے حشر کا انکار کرتے ہو بلکہ یہ بھی انسانی تکمیل کا تتمہ ہے کہ جس طرح اس کو ماں کے پیٹ کی تنگ و تاریک کوٹھری سے باہر لائے اور وسیع جگہ میں رکھا اسی طرح یہ جہان اس دوسرے جہان کی نسبت سے ایسا ہی تنگ و تاریک ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دنیا کی بہ نسبت۔ تو اس جہان آخرت میں ان کم فہموں کی بڑی خرابی ہوگی جو اس جہان میں اس جہان کو جھٹلاتے رہے۔ اسی لئے پھر تیسری بار فرمایا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی بڑی خرابی ہوگی اس دن ان قدرت الٰہی کے منکروں کی کہ باوجود اس کی قدرت کے آثار رات دن دیکھنے کے کہ ہمیشہ لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں پھر بھی متنبہ اور خبردار نہیں ہوتے اور اس مالک الملک علی الا طلاق کو اپنی طرح اسباب وآلات کا مقید جانتے ہیں کہ جو یوں کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت ان لچر پوچ شبہات پر پچھتائیں گے اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔

یہ تو حمل مادری میں اس کی قدرت کا نمونہ تھا جو خاص انسان کی پیدائش ہی سے متعلق تھا اور ان دلائل کو دلائل النفس کہتے ہیں۔ اب آگے بعض دلائل آفاق کو بیان فرمایا جاتا ہے جن سے معلوم ہوگا کہ جو اللہ ایسی قدرت والا ہے وہ دنیا کو فنا کر کے دوسری بار کیوں نہیں قائم کر سکتا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا۔ اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے

وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ

اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ

ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ جس میں نہ سایہ ہے اور نہ گرمی سے

اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾

بچاتا ہے۔ وہ انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محل۔ جیسے کالے کالے اونٹ۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

اَلَمْ نَجْعَلْ کیا ہم نے نہیں بنایا	الْاَرْضَ زمین	كِفَاتًا سمیٹنے والی	اَحْيَآءً زندوں کو	وَّاَمْوَاتًا اور مُردوں کو	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے رکھے		
فِيْهَا اس میں	رَوَاسِيَ پہاڑ (جمع)	شٰمِخٰتٍ اونچے اونچے	وَّاَسْقَيْنٰكُمْ اور ہم نے پلایا تمہیں	مَآءً فُرَاتًا پانی میٹھا	وَيْلٌ خرابی		
يَّوْمَىِٕذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانیوالوں کیلئے	اِنْطَلِقُوْٓا تو تم چلو	اِلٰى طرف	مَا كُنْتُمْ بِهٖ جس کو تم تھے	تُكَذِّبُوْنَ تم جھٹلاتے		
اِنْطَلِقُوْٓا تم چلو	اِلٰى ظِلٍّ سایہ کی طرف	ذِيْ والا	ثَلٰثِ تین	شُعَبٍ شاخیں	لَّا ظَلِيْلٍ نہ گہرا سایہ	وَّلَا يُغْنِيْ اور نہ وہ بچائے	
مِنَ سے	اللَّهَبِ شعلہ (تپش)	اِنَّهَا بیشک وہ	تَرْمِيْ پھینکتی ہے	بِشَرَرٍ شعلے	كَالْقَصْرِ محل جیسے	كَاَنَّهٗ گویا کہ	جِمٰلَتٌ اونٹ (جمع)
صُفْرٌ زرد	وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَىِٕذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے				

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیات میں انسان کی اپنی پیدائش اور حمل مادری کے زمانہ میں خدا کی عجیب وغریب قدرت کا ظہور ہونا بیان ہوا تھا اور جس سے قیامت اور حشر ونشر کا ثابت کرنا مقصود تھا بایں طرح کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ ایک ناچیز قطرہ سے جیتا جاگتا انسان عاقل بنا دے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اسی انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کر دے۔ یہ تو قیامت کا ثبوت دلائل النفسی سے تھا یعنی انسان کی خود اپنی پیدائش سے متعلق اب آگے ایک دوسری دلیل جس کو دلائل آفاقی کہتے ہیں اس سے قیامت کا برپا ہونا ثابت فرمایا جاتا ہے۔ اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ زندہ مخلوق اسی زمین پر بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی کی ابتداء اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی زمین پر پہاڑ جیسی وزنی اور سخت چیز پیدا کر دی جو اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کھاتے اور اسی زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے جو نرم اور سیال ہونے کی وجہ سے برابر بہتے رہتے ہیں اور سہولت سے پینے والے کو سیراب کرتے ہیں پس جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلا سکتا ہے اور موت و حیات اور سختی ونرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی اور نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھا سکتا نیز جس کے قبضہ میں پیدا کرنا۔ ہلاک کرنا۔ حیات و بقا کے سامان فراہم کرنا یہ سب کام ہوں اس کی قدرت کو انسانوں کے دوبارہ پیدا کر کے کھڑا کر دینے میں جھٹلانا کیوں کر درست و جائز ہوگا جیسا کہ یہ منکرین قیامت وآخرت خیال کرتے ہیں۔ اب یہاں چوتھی مرتبہ وہی جملہ ویل یومئذ للمکذبین

3 فرمایا گیا یعنی اس روز منکرین کی بڑی کم بختی آئے گی جو دنیا میں سمجھتے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں تمام اولین وآخرین کو جمع کرنا اور ان کی جزا وسزا کے اس قدر مختلف اور متضاد کام سرانجام دینا کیوں کر ممکن ہوگا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو کفار ومنکرین قیامت کے دن کو اور جزا وسزا کو اور جنت وجہنم کو دنیا میں جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ چلو اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے یعنی حساب کتاب اور اعمال دنیا پر جزا وسزا اب چلو اس کو دیکھ لو۔ چونکہ میدان حشر میں جب سب جمع ہوں گے تو آفتاب سروں کے نزدیک کر دیا جائے گا اور آفتاب کی تپش اور گرمی کے مارے تمام کے بدنوں سے پسینہ جاری ہو جائیگا۔ انبیاء اور صلحاء کے تو صرف تلوے تر ہوں گے۔ عام مومنین کے ٹخنے، پنڈلی، گھٹنے، کمر، سینہ اور گردن تک حسب اعمال پسینہ چڑھ جائے گا کفار منہ اور کانوں تک پسینہ میں غرق ہو جائیں گے جس سے ان کو سخت تکلیف ہوگی۔ اور نہایت گریہ وزاری سے فریاد کریں گے کہ سردست ہم کو سایہ ملے کہ کچھ تو اس گرمی اور پسینہ کی بلا سے نجات پاویں۔ فرشتے ان کفار ومشرکین سے کہیں گے کہ چلو اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں نمودار ہیں وہ دور سے سایہ نمودار ہوگا۔ وہاں آویں گے تو کچھ اور ہی پاویں گے کہ دراصل نہ وہ سایہ ہے کہ جس میں ٹھنڈک ہو اور بیرونی تپش کے دفع کرنے میں کارآمد ہو۔ وہ دراصل جہنم کا دھواں ہوگا جو کافروں کے سائے کے لئے جہنم سے اٹھے گا اور جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائے گا۔ لکھا ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو وہ دھواں تین طرف سے گھیر لے گا۔ ایک ٹکڑا سر پر سائبان کی طرح ٹھہرے گا۔ دوسرا ٹکڑا داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائے گا حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی جہنم کے دھوئیں کے سایہ کے نیچے رہیں گے۔ اسی کو ۲۷ ویں پارہ سورہ واقعہ میں فرمایا گیا ہے **وظل من یحموم لابارد ولاکریم ٥** (وہ جہنم کے کالے دھوئیں کے سایہ میں رکھے جائیں گے جس میں کوئی ٹھنڈک یا جسمانی اور روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا)۔ ذلیل وخوار اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔

یہاں اس سورۃ میں تو ذکر نہیں فرمایا گیا کہ مومنین صالحین کو کیسا سایہ اس وقت نصیب ہوگا کیونکہ یہاں تو منکرین قیامت کا ذکر ہو رہا ہے مگر صحیح احادیث میں آتا ہے کہ ایمان دار اور نیک کردار یعنی مومنین صالحین عرش عظیم کے سایہ میں کھڑے ہوں گے۔ بموجب حدیث شریف عرش کے زیر سایہ سات گروہوں کو جگہ دی جائے گی۔ ۱- بادشاہ عادل ۲- نوجوان عابد ۳- وہ شخص جو محض ذکر الٰہی اور نماز کی غرض سے ہمیشہ مسجد سے دل لگا ؤ رکھے۔ ۴- وہ شخص جو خلوت وتنہائی میں شوق وخوف الٰہی کی وجہ سے گریہ زاری کرے۔ ۵- وہ دو شخص جو خالصاً لوجہ اللہ ایک دوسرے سے محبت کریں اور ظاہر و باطن میں یکساں ہوں۔ ۶- وہ شخص جو خیرات اس طرح چھپا کر کرے کہ سوائے خدا کے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ ۷- وہ شخص جس کو زن حسینہ وجمیلہ اور صاحب ثروت بغرض فعل بد طلب کرے اور وہ محض خوف الٰہی کی وجہ سے باز رہے۔ بعض روایتوں میں ان کے علاوہ کچھ اور گروہوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو بھی اس دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

تو یہاں ذکر منکرین قیامت وآخرت کا ہو رہا ہے کہ یہ کفار فراغ حساب کتاب تک اسی جہنم کے دھوئیں کے احاطہ میں رہیں گے کہ جس میں نہ ٹھنڈک ہوگی اور نہ گرمی سے بچنا۔ آگے اس دھوئیں کا کچھ حال مذکور ہے کہ وہ انگارے برساوے گا جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے اونٹ' قاعدہ ہے کہ جب چنگاری آگ سے جھڑتی ہے تو پہلے بڑی ہوتی ہے پھر بہت سے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے تو یہاں آیت میں پہلی تشبیہ كَالْقَصْرِ (جیسے بڑے بڑے محل) یہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسری تشبیہ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (جیسے کالے کالے اونٹ) یہ انتہائی حالت کے اعتبار سے ہے۔

آگے پانچویں مرتبہ وہی جملہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ فرمایا گیا یعنی جو منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی نہیں اور اگر آئی بھی تو ہم دنیا کی طرح وہاں بھی آرام سے رہیں گے۔ تو وہ سمجھ لیں کہ اس روز ان جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

ابھی آگے اسی یوم قیامت کا حال کفار سے متعلق اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

یہ وہ دن ہوگا جس میں لوگ نہ بول سکیں گے۔ اور نہ ان کو اجازت ہوگی سو عذر بھی نہ کرسکیں گے۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝ وَيْلٌ

یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تم کو اور اگلوں کو جمع کرلیا۔ سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلالو۔

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

هٰذَا يَوْمُ اس دن	لَا يَنْطِقُوْنَ وہ نہ بول سکیں گے	وَلَا يُؤْذَنُ اور نہ اجازت دی جائے گی	لَهُمْ انہیں	فَيَعْتَذِرُوْنَ کہ وہ عذر خواہی کریں	
وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	هٰذَا یہ	يَوْمُ الْفَصْلِ فیصلے کا دن	جَمَعْنٰكُمْ ہم نے جمع کیا تمہیں
وَ اور	الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگوں کو	فَاِنْ پھر اگر	كَانَ لَكُمْ ہے تمہارے پاس	كَيْدٌ کوئی داؤ	فَكِيْدُوْنِ تو تم مجھ پر داؤ کرلو
وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَئِذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے			

تفسیر وتشریح: شروع سورۃ سے اثبات قیامت اور منکرین قیامت کے متعلق بیان ہوتا چلا آ رہا ہے گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ یہ منکرین جو آج دنیا میں قیامت کو جھٹلا رہے ہیں جب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو گرمی کی تپش اور جلن سے سایہ کی درخواست کریں گے اس وقت بجائے ٹھنڈے سایہ اور گرمی سے بچانے والے سایہ کے جہنم کے دھویں کا سایہ ان کو دیا جائے گا جو انہیں تین طرف اوپر دائیں بائیں سے گھیرے ہوگا اور اس میں سے آگ کی چنگاریاں برسیں گی۔ تو یہ منکرین جو قیامت کو آج جھٹلا رہے ہیں اس روز ان کی بڑی خرابی آئے گی اور ان کو طرح طرح کے عذاب اور سختیاں برداشت کرنا ہوں گی۔ اسی سلسلہ میں آگے کفار کے متعلق بعض احوال قیامت ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایسا دن ہوگا جس میں یہ منکرین قیامت نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر ومعذرت کی اجازت دی جائے گی۔ قرآن کریم میں اس موقع پر کافروں کا ساکت رہنا اور عذر آوری کی اجازت نہ ملنا مذکور ہے مگر دوسری آیات میں ان کفار کا بولنا۔ مکرنا۔ حق کو چھپانا اور غلط بیانی کرنا اور عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے تو پھر ان آیتوں کے مختلف مضامین کی تطبیق کس طرح ہوسکتی ہے؟ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے دن مختلف مقامات میں متعدد مجلسیں درپیش ہوں گی۔ سو بعض جگہوں اور بعض مجلسوں میں کافروں کو بات کرنے کی ممانعت نہ ہوگی سو ان جگہوں میں یہ گفتگو اور بات چیت کرسکیں گے اور بعض جگہوں اور بعض مجلسوں میں ان کو بات کرنے کا حکم نہ ہوگا سو وہاں لب بھی نہ ہلاسکیں گے۔ تو ان مختلف آیات کے مضامین کا اختلاف محشر کے مختلف مواقع اور وقتوں کے اختلاف کے سبب ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس موقع پر لکھا ہے کہ منکرین اور مکذبین قیامت کا نہ بول سکنا اور انہیں عذر معذرت کی اجازت نہ ملنا اس وقت ہوگا جبکہ ان پر حجت قائم ہوچکی ہوگی اور ظالموں پر خدا کی بات ثابت ہوچکی ہوگی تو اب انہیں بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ حجت قائم ہونے سے پہلے یہ عذر ومعذرت پیش کریں گے۔ جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں قائم ہوجائیں گی تو اب بول چال عذر ومعذرت

سب ختم ہو جائے گی۔ الغرض میدان حشر کے یہاں اس موقع کا ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ یہ کافر ساکت ہو کر بالآخر مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد چھٹی مرتبہ پھر وہی جملہ دھرایا گیا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی جو لوگ آج اس واقعہ حقہ کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو گی۔ اور ان سے کہا جاوے گا کہ یہ ہے فیصلہ کا دن جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔ اب اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے اللہ تعالیٰ کے قبضہ سے نکل سکتے ہو تو اس کی پوری کوشش کرلو۔ دنیا میں حق کے دبانے کی بہت تدبیریں کی تھیں۔ اب وہ چلت پھرت اور بے باکی کیا ہوئی؟ اب حسب وعدہ تم سب کو جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے تم چھوٹ سکتے ہو تو کمی نہ کرو۔ اس کے بعد ساتویں مرتبہ پھر وہی جملہ دہرایا گیا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی یہ کفار اس واقعہ حقہ کی بھی تکذیب کرتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

یہاں تک تو منکرین و مکذبین قیامت کا ذکر تھا کہ قیامت میں اس تکذیب کی بدولت ان کو کیسی کیسی سختیاں اور دردناک عذاب و تکالیف پیش آئیں گی۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان۔ خدا سے ڈرنے والے۔ اللہ کے احکام دنیا میں بجا لانے والے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے والے۔ ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ان کو قیامت میں کیا حالات پیش آئیں گے اور ان کا کیا اعزاز و اکرام کیا جائے گا اور ان کو کیسی راحتیں اور آرام نصیب ہونگے۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اس دنیا کی زندگی میں آخرت کی زندگی بنانے اور سنوارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور آج جب ہم کو موقع حاصل ہے ہم کو ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیں کہ جو آخرت میں ہماری مغفرت کا ذریعہ بن جائیں۔

یا اللہ قیامت کی سختیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیئے اور مجرمین کے گروہ سے ہمیں علیحدہ رکھئے اور ہمارا حشر نشر اپنے مخلص مومن بندوں کے ساتھ فرما کر اپنی جنت میں ہمارا دائمی ٹھکانہ بنایئے۔

یا اللہ ان آیات میں مخاطبت تو کفار مشرکین اور منکرین قیامت و آخرت سے ہے کہ جس فیصلہ کے دن کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے دیکھو اب وہ دن آ پہنچا اور تم سب جمع کر لئے گئے۔ اب عذاب آخرت سے کسی تدبیر سے تم بچ سکتے ہو تو اپنے کو بچالو! تو کیا اس مخاطبت میں ان مسلمانوں کے لئے کوئی سبق اور عبرت نہیں جو اب اس دنیا میں قیامت و آخرت اور یوم حساب سے بالکل غافل ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔ یا اللہ ہماری آنکھیں اس یوم حساب کی طرف سے اس دنیا کی زندگی میں کھول دے اور اس فیصلہ کے دن کیلئے تیار ہو جانے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا

پرہیز گار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے۔ اپنے اعمال کے صلہ میں

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾

خوب مزہ سے کھاؤ پیو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ

تم تھوڑے دن اور کھالو برت لو تم بے شک مجرم ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

کہ جھکو تو نہیں جھکتے۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لاویں گے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ بیشک پرہیز گار (جمع)	فِي میں	ظِلَالٍ سایوں	وَعُيُونٍ اور چشموں	وَفَوَاكِهَ اور میوے	مِمَّا اس (قسم کے) جو	
يَشْتَهُونَ وہ چاہیں گے	كُلُوا تم کھاؤ	وَاشْرَبُوا اور تم پیو	هَنِيئًا مزے سے	بِمَا كُنْتُمْ اس کے بدلے جو تم	تَعْمَلُونَ کرتے تھے	
إِنَّا كَذَٰلِكَ بیشک ہم اسی طرح	نَجْزِي جزا دیتے ہیں	الْمُحْسِنِينَ نیکوکاروں کو	وَيْلٌ خرابی	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِلْمُكَذِّبِينَ جھٹلانے والوں کیلئے	
كُلُوا تم کھاؤ	وَتَمَتَّعُوا اور تم فائدہ اٹھالو	قَلِيلًا تھوڑا	إِنَّكُمْ بیشک تم	مُجْرِمُونَ مجرم (جمع)	وَيْلٌ خرابی	يَوْمَئِذٍ اس دن
لِلْمُكَذِّبِينَ جھٹلانے والوں کیلئے	وَإِذَا اور جب	قِيلَ کہا جائے	لَهُمُ ان سے	ارْكَعُوا تم رکوع کرو	لَا يَرْكَعُونَ وہ رکوع نہیں کرتے	
وَيْلٌ خرابی	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِلْمُكَذِّبِينَ جھٹلانے والوں کیلئے	فَبِأَيِّ تو کون سی	حَدِيثٍ بات	بَعْدَهُ اس کے بعد	يُؤْمِنُونَ وہ ایمان لائیں گے

تفسیر و تشریح: یہ سورہ مرسلت کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ شروع سورۃ میں پہلے قیامت کا حق ہونا بیان فرمایا گیا تھا اور پھر بتلایا گیا تھا کہ اس دن ہر انسان کے اعمال کی جو اس نے دنیا میں کئے تھے۔ جانچ پڑتال ہوگی اور جنہوں نے دنیا میں قیامت و آخرت کی تکذیب کی ہوگی۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو نہ مانا ہوگا ان کی وہاں بڑی خرابی ہوگی۔ ان کو میدان حشر میں جہنم کے دھویں کے سائباں میں رکھا جائے جس سے آگ کی چنگاریاں ان پر برسیں گی اور نہ انہیں سایہ کی ٹھنڈک ملے گی اور نہ تپش سے بچاؤ نصیب ہوگا اور وہاں کے سخت عذابوں سے بچ کر نکل سکنے کی بھی کوئی صورت نہ ہوگی۔

اب آگے ان منکرین قیامت اور مکذبین آخرت کے مقابلہ میں اہل ایمان۔ نیکوکار۔ متقی و پرہیز گار بندوں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق زندگی بسر کی ہوگی اور اس کے غضب سے ڈر کر گناہوں سے بچتے اور برے کاموں سے پرہیز کرتے رہے ہوں گے۔ خدا کے عبادت گزار تھے۔ فرائض و واجبات کے پابند تھے وہ قیامت کے دن محشر میں عرش کے سایہ میں اور جنت کے اندر پہنچ کر وہاں کے سرسبز شاداب درختوں کے سایہ میں ہوں گے جہاں ہر طرف ٹھنڈے پانی اور دوسری پینے کی خوش گوار اور مزے دار مشروبات کے چشمہ و نہریں بہہ رہے ہوں گے اور ان کے دل پسند میوے اور پھل موجود ہوں گے جسے جب جی چاہے کھائینگے۔ نہ روک ٹوک ہوگی نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا۔ نہ فنا ہونے اور ختم

ہونے کا خطرہ ہوگا اور پھر ان کے حوصلہ بڑھانے اور دل میں فرحت و خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمان ہوگا کہ اے میرے بندو۔ اے جنتیو! تم یہ خوشی اور بافراغت خوب راحت سے کھاؤ پیو اور یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں احتیاط کے ساتھ بچ بچ کر چلتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہو جاوے۔ ہمارے ہاں ایسے نیک کردار' پرہیز گار' مخلص صاحب ایمان لوگوں کے لئے ایسا ہی بھلا بدلہ اور نیک جزا ہے کہ آج انہیں عیش وعشرت کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ ہاں کفار جو نعماء جنت کی بھی تکذیب کرتے ہیں ان کی البتہ بڑی خرابی ہوگی اور بری طرح شامت آئے گی۔

یہاں ان آیات میں اہل سعادت متقین کا انجام و جزا بیان فرماتے ہوئے ظلل یعنی سائے اور عیون یعنی چشمے اور فواکہ یعنی میوے سب جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان متقین کے لئے متعدد سائے ہوں گے۔ اول میدان محشر میں عرش رب العالمین کا سایہ ہوگا۔ پھر پل صراط سے گزرنے کے وقت اعمال صالحہ وصدقات کا سایہ ہوگا۔ پھر جنت میں پہنچ کر طوبیٰ کا سایہ ہوگا اور پر بہار درختوں کا اور جب اپنے منازل اور مکانات میں آویں گے تو جنت کے عمدہ اور عالی شان محلوں اور چھت گیریوں کا سایہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا سایہ ہوگا جو ہزاروں سایہ سے بہتر ہوگا۔ اسی طرح عیون بھی جمع کا لفظ ہے یعنی بہت سے چشمے چنانچہ اہل جنت کے لئے چشمے اور نہریں بھی متعدد ہوں گی۔ کسی میں کافور کی آمیزش۔ کسی میں زنجبیل کی ملاوٹ۔ کسی میں شہد کی شیرینی۔ کسی میں دودھ کی خاصیت اور اسی طرح فواکہ جمع کا لفظ ہے یعنی طرح طرح اور قسم قسم کے میوے جیسی دل رغبت رکھتے ہوں یعنی سرد گرم۔ کھٹے میٹھے۔ بہار کے خزاں کے گدر اور پکے۔ سب وہاں موجود ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائیں کہ جن کو قیامت میں یہ نعمتیں عطا فرمائی جائیں گی۔ آمین۔

تو اہل ایمان متقین کا اجر بیان فرما کر کہ جس کو دیکھ کر کفار و منکرین کو اور زیادہ غم و رنج ہوگا کہ دنیا میں ہم جن کو کم مایہ اور بے حیثیت اور ذلیل وخوار سمجھتے تھے آج ان کا تو یہ اعزاز اور اکرام ہوا اور ہمارے لئے یہ خرابی اور ذلت اور طرح طرح کے عذاب پھر ان کو اس سے بھی رنج ہوگا کہ ہم نے دنیا میں ایسے کریم کی کیوں نافرمانی کی کہ جو آج ایسے صلہ عطا فرما رہا ہے۔ اسی کو آٹھویں مرتبہ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کے جملہ کو دہرایا گیا کہ اس روز حق کو جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ آگے مکذبین آخرت ومنکرین قیامت کو خطاب ہے کہ اے کافرو! تم جو قیامت کے منکر ہو اور دنیا ہی کی لذات پر دلدادہ ہو تو تھوڑے دنوں کھا پی لو اور مزے اڑا لو۔ آخر یہ کھایا پیا بری طرح نکلے گا کیونکہ تم اللہ کے مجرم ہو۔ جس دائمی اور سزائے ابدی میں گرفتار ہو گے اور جو لوگ سزائے جرم کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی کہ اس دن دنیا کے مزے یاد کریں گے اور حسرت کے آنسوؤں سے روئیں گے کہ ہائے چند روزہ عیش ونشاط کے سبب جواب خواب و خیال ہو گئے ہمیشہ کا عذاب دردناک اور دکھ بھری زندگانی خریدی جہاں موت بھی نہیں کہ مر کر ہی اس بلا سے چھوٹ جائیں۔ اور اسی کو نویں مرتبہ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کے جملہ کو دہرا کر بتلایا گیا جو دنیا کے عیش وبہار اور لذتوں پر ریجھ رہے تھے وہاں معلوم ہوگا کہ جس چیز کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں وہ کالا ناگ بن کر آخرت میں ڈسے گا۔ اخیر میں ان منکرین قیامت و مکذبین آخرت کی سرکشی کی حالت بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ ایسے سرکش اور حق کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں کہ جب دنیا میں ان سے رسول یا ان کے نائب کہتے ہیں کہ خدا کی طرف جھکو اس کے احکام مانو اس کی نافرمانی سے بچو یعنی ایمان اور عبدیت اختیار کرو تو اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اس کہنے کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں گویا مومن اور کافر کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ مومن مصیبت کا وقت ہو یا راحت کا۔ بیماری میں ہو یا تندرسی میں۔ افلاس

میں ہو یا تونگری میں ہر حال میں خدا کی طرف جھکنے والا ہوتا ہے برخلاف کافر کے تو اس سے زیادہ ان منکرین اور مکذبین کا کیا جرم ہو گا کہ یہ لوگ اس کے جرم ہونے کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ سو سمجھ رکھیں کہ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ اور دسویں مرتبہ پھر وہی جملہ دہرایا گیا وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ یعنی یہ منکرین اس دن پچھتائیں گے کہ دنیا میں احکام الٰہی کے سامنے کیوں نہ جھکے۔ وہاں سر جھکاتے تو آج یہاں سربلند ہوتے۔ اب جبکہ ان منکرین قیامت و مکذبین آخرت کو اس قدر صاف اور واضح قرآنی الفاظ اور آیات میں بتادیا گیا کہ منکرین کے لئے یہ خرابیاں اور یہ دردناک عذاب آخرت میں ہیں اور اہل ایمان کے لئے یہ انعامات واحسانات ہیں تو اس کو سن کر بھی اگر یہ مکذبین یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔ قرآن سے بڑھ کر کامل اور موثر بیان کس کا ہوگا۔ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں کہ جو آسمان سے اترے گی اور اس کی یہ بات مانیں گے؟ اب کوئی دوسری کتاب تو آسمان سے نازل ہونے والی نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اس سورۃ کی آخری آیت فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ۠ پڑھے اس کو لازم ہے کہ اس کے بعد کہے امنا باللّٰہ وحدہ یعنی ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر جو ایک ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔

اسی پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تعصب و عناد سے خالی الذہن ہو کر کوئی منکر و کافر قرآن کا مطالعہ کرے تو اسلام اور قرآن کی حقانیت سے اس کا دل ضرور متاثر ہوگا۔ الحمد للہ سورہ مرسلت کے خاتمہ پر ۲۹واں پارہ بھی ختم ہوا۔ حق تعالیٰ بقیہ کے تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سورۃ المرسلات کے خواص

۱......رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس نے سورۃ المرسلات پڑھی وہ شرک سے بری ہوگیا۔

۲......اگر کسی دشمن و مقابل سے مقابلہ چل رہا ہو تو سورۃ المرسلات کی تلاوت کرلے یا لکھ کر اپنے پاس رکھ لے تو دشمن مغلوب ہو جائے گا۔

۳......جس آدمی کو پھوڑے پھنسیاں نہ چھوڑتی ہوں وہ سورۃ المرسلات لکھ کر گلے میں لٹکائے ان شاء اللہ تندرست ہو جائے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی دنیا میں اپنے متقی اور پرہیزگار بندوں میں شامل فرمالیں اور ہم کو اپنے احکام کی پوری اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آخرت میں جو صلہ اپنے متقی بندوں کو آپ عطا فرمائیں ہم کو بھی اپنے کرم سے ان میں شامل فرمائیں۔ اور ہم کو بھی آخرت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔

یا اللہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر ایمان و اسلام کی دولت و نعمت عطا فرمائی ہے تو ہمیں اس نعمت عظمیٰ کے قدر کی توفیق عطا فرمایئے۔ اور ہم کو پکا اور سچا مسلمان بنا کر زندہ رکھیئے اور اسی حالت پر موت نصیب فرمایئے۔

یا اللہ اس قرآن پاک کا ہمیں متبع بنا کر اس کے احکام کی پیروی نصیب فرمایئے۔ یا اللہ یہ ملک جو اسلام کے نام پر بنا تھا اس ملک میں ہم کو قرآنی حکومت دیکھنا نصیب فرمایئے۔ جو اس میں کوشاں ہیں ان کو کامیاب و سرخرو فرمایئے اور جو مخالفین اس میں روڑے اٹکا رہے ہیں ان کو ہدایت نصیب فرمایئے اگر ہدایت ان کے لئے مقدر ہے ورنہ ان کی گردنیں توڑ دیجئے اور ان کے وجود سے اس سرزمین کو پاک کر دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پارہ

عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَکِّیَّةٌ وَّهِیَ اَرْبَعُوْنَ اٰیَةً وَّفِیْهَا رُکُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۝۲ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝۳ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۝۴

یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں۔اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں۔جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔

ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۝۵ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝۶ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸

پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّبَنَیْنَا فَوْقَكُمْ

اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا۔اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا۔اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا۔اور ہم ہی نے تمہارے

سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ

اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ بنایا۔اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا۔تاکہ ہم اس

حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝۱۵ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶

پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

عَمَّ کیا۔کس	یَتَسَآءَلُوْنَ آپس میں پوچھتے ہیں	عَنِ سے	النَّبَاِ الْعَظِیْمِ خبر بڑی	الَّذِیْ جو۔جس	هُمْ وہ	فِیْهِ اس میں	مُخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے ہیں
كَلَّا ہرگز نہیں	سَیَعْلَمُوْنَ عنقریب جان لینگے	ثُمَّ پھر	كَلَّا ہرگز نہیں	سَیَعْلَمُوْنَ عنقریب جان لینگے	اَلَمْ کیا نہیں	نَجْعَلِ ہم نے بنایا	الْاَرْضَ زمین
مِهٰدًا بچھونا	وَّالْجِبَالَ اور پہاڑ	اَوْتَادًا میخیں	وَّ اور	خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں پیدا کیا	اَزْوَاجًا جوڑے جوڑے	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	نَوْمَكُمْ تمہاری نیند
سُبَاتًا آرام	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	الَّیْلَ رات	لِبَاسًا اوڑھنا پردہ	وَّجَعَلْنَا اور بنایا ہم نے	النَّهَارَ دن	مَعَاشًا معاش کا وقت	وَّبَنَیْنَا اور ہمنے بنائے
فَوْقَكُمْ تمہارے اوپر	سَبْعًا سات	شِدَادًا مضبوط آسمان	وَّجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا	سِرَاجًا چراغ	وَّهَّاجًا چمکتا ہوا	وَّاَنْزَلْنَا اور ہم نے اُتاری	مِنَ سے
الْمُعْصِرٰتِ پانی بھری بدلیاں	مَآءً ثَجَّاجًا بارش موسلادھار	لِّنُخْرِجَ تاکہ ہم نکالیں	بِهٖ اس سے	حَبًّا دانہ	وَّنَبَاتًا اور سبزی	وَّ اور	جَنّٰتٍ اَلْفَافًا باغ پتوں میں لپٹے ہوئے

سورۃ کی وجہ تسمیہ: اس سورۃ کی ابتداہی میں فرمایا گیا عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ لفظ نبا کے معنی ہیں خبر اور نبا العظیم کے معنی بڑی خبر۔چونکہ اس سورۃ میں قیامت کے وقوع کی خبر اور واقعات جزاوسزا کا بیان فرمایا گیا ہے جو کہ خبر عظیم ہے اس مناسبت سے اس کا نام سورۃ النباء مقرر ہوا۔یہ سورۃ مکی ہے۔

شانِ نزول: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے اور اہل مکہ کو آپ نے قیامت و آخرت کی خبر دی کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جس میں یہ دنیا بالکل ختم اور فنا کردی جائے گی اور پھر تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔اور ان کے دنیا کے نیک وبداعمال کی ان کو جزاوسزا ملے گی۔نیک اعمال کی جزا میں لوگ جنت میں جائیں گے اور بُرے اعمال کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے اور جنت یا جہنم یہی دو تمام انسانوں کے آخری ٹھکانہ ہوں گے۔جنت میں ہر طرح کی راحت و آرام ہوگا اور جہنم میں طرح طرح کے مصائب

آزار اور عذاب و تکالیف ہوں گی تو ان باتوں کو کفار مکہ سن کر از راہ انکار و استہزا آپس میں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے سوال کرتے کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ اور اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ابھی کیوں نہیں آتی؟ یہ کیوں کر ہو گا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی؟ منکرین قیامت کے ان سوال اور تعجب پر اس سورۃ کا نزول ہوا اور ان کے عقائد کی تردید اور قیامت کے وقوع اور جزا و سزا کا یقینی ہونا اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

قیامت کا آنا یقینی ہے

اب ان آیات کی تشریح یہ ہے کہ سورۃ کی ابتداء ایک سوالیہ جملہ سے فرمائی جاتی ہے کہ یہ قیامت کا انکار کرنے والے لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ تو خدائے تعالیٰ کو تو معلوم تھا جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے مگر سوالیہ فقرہ سے خطابت کی ابتداء کرنا دوسری زبانوں کی طرح خطبات عرب میں حسن خطابت کا ایک بہترین نمونہ سمجھا گیا ہے اس لئے سوالیہ جملہ عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ فرمایا گیا یعنی یہ لوگ کس چیز کی بات دریافت کر رہے ہیں؟ اور پھر اس کا جواب خود حق تعالیٰ آگے دیتے ہیں۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں یعنی قیامت جو بہت عظیم الشان چیز ہے اور جس میں لوگوں کا اختلاف ہے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ کوئی اس کے آنے پر یقین رکھتا ہے کوئی منکر ہے کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں۔ کوئی شک میں پڑا ہے کوئی کہتا ہے بدن اٹھے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ سب عذاب ثواب روح پر گزرے گا۔ اس لئے آگے منکرین قیامت کے خیالات کی تردید کی جاتی ہے کہ تمہارے خیالات صحیح نہیں۔ قیامت ضرور آئے گی اور تم کو قیامت اور اس کی اصل کیفیت عنقریب معلوم ہو جائے گی اس لئے کہ دنیا آخر فانی اور چند روزہ ہے۔

قیامت آنے کے دلائل

قیامت کی خبر دے کر اس کے بعد چند دلائل فرمائے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو ثابت فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا یعنی اے انسانو! کیا ہم نے زمین کو تمہارے لئے فرش نہیں بنایا کہ جس پر سکون و اطمینان سے رہ سکو۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اس پر بس سکتے تھے؟ پھر جدید سائنس کے نزدیک کرۂ زمین حرکت کرتا ہے۔ تو یہ اس کی قدرت اور حکمت کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ زمین اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اس پر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں تو جس قادر مطلق نے کرۂ ارض کو ایسا بنایا کیا وہ اس کو فنا نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل: وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا یعنی کیا ہم نے پہاڑوں کو میخوں کے مانند نہیں بنایا کہ اپنے بوجھ اور بھاری پن سے زمین کو ہلنے نہیں دیتے۔ یعنی جیسا کسی چیز میں میخ لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی ایسے ہی ابتداء میں جو زمین کانپتی اور لرزتی تھی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے اس کے اضطراب اور کپکپی کو دور کر دیا گویا زمین کو ایک طرح کا سکون حاصل ہوا۔

تیسری دلیل: وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا یعنی اے بنی آدم ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا جوڑا مرد۔ ازواج کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کا مقابل دوسرا ہے۔ یعنی بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے۔ حسین ہے تو بدشکل بھی ہے۔ عقلمند ہے تو احمق بھی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ جس نے ایک ہی زمین پر ایک ہی مادہ سے کیسے مختلف انسان بنائے۔ پھر انسان کو اس کی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھا دی کہ انسان اپنی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کر سکتا اور ثابت کر دیا کہ انسان کو جو اللہ نے قدرت دی ہے وہ محدود ہے۔ پھر انسانوں کا اختلاف صاف بتلا رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال و عقائد کی جزا و سزا کا کوئی اور عالم ہے تو جو قادر مطلق کہ تم کو نر مادہ بنا کر پہلی مرتبہ پیدا کر سکتا ہے وہ تم کو فنا کر کے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لئے راحت بنا دیا۔ اگر انسان رات کو یا دن میں اچھی طرح نہ سوئے تو دیکھئے حضرت انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ تمام اعضائے جسم اور دماغی قوتیں بیداری میں بیرونی کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔ اس

مسلسل حرکت کی وجہ سے تمام اعصاب تھک جاتے ہیں اور انسان کی طاقت تحلیل ہوتی ہے۔ اس تحلیل کو روکنے اور تھکاوٹ کو دور کرنے اور اعضاء کو آرام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نیند مقرر کر دی ہے۔ نیند حق تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے۔ اور یہ نیند مخلوق کے لئے ایک عظیم الشان نعمت ہونے کے علاوہ موت کا ایک نمونہ بھی ہے کہ دنیا سے غفلت ہوگئی تو گویا مر گئے تو جو ہر روز تم کو مارتا ہے اور ہر روز جلاتا ہے پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کرے گا؟ ضرور کرے گا۔ اور اصل بیداری وہی ہوگی۔

پانچویں دلیل: وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا اور رات کو ہم نے پردہ کی چیز بنایا گو اس میں کوئی بھلائی کرتا ہے کوئی برائی۔ چور رات کو چوری کرتا ہے۔ عابد زاہد نماز تہجد اور مراقبہ ذکر میں بیٹھا رہتا ہے۔ رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر ہے یا رات میں۔ آپ نے فرمایا رات میں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے۔ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا اور نکاح والی عورتوں کو بھی لباس فرمایا ہے۔ هن لباس لکم اور ایک لباس کو دوسرے لباس کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔

چھٹی دلیل: وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لئے بنایا تا کہ تم دن کے اجالے میں کام دھندا کر سکو۔ کہیں آ جا سکو، سوداگری، تجارت لین دین کر سکو۔ اہل دنیا کی عمومی فطرت ہے کہ دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اگر ہمیشہ رات ہی رہتی یا دن ہی رہتا تو انسان کے لئے عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ جدید سائنس کا خیال ہے کہ اس نظام سے رات دن پیدا ہوتے ہیں تو یہ بھی اس کی قدرت وحکمت کی دلیل ہے کہ جو ان اجرام کو ایک خاص نظام پر حرکت دے رہا ہے تو جب تک اس کا حکم اور اس کی مشیت ہے وہ مقرر کردہ نظام میں بندھے ہوئے ہیں۔ جب اس کا حکم ہوگا یہ نظام ٹوٹ جائے گا اور چاند ستارے، سورج، زمین و آسمان سب فنا اور ختم ہو جائیں گے۔

ساتویں دلیل: وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے کہ جن میں آج تک باوجود اس مدت گزرنے کے کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

آٹھویں دلیل: وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنا دیا یعنی سورج کو بنایا جو تمام جہان کو روشن کر دیتا ہے اور دنیا کو منور کر دیتا ہے اور ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے۔

نویں دلیل: وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا یعنی ابر سے پانی بکثرت برستا ہے پھر اس پانی سے جو پاک صاف نفع بخش ہے کھیتیاں اگاتے ہیں جن سے اناج پیدا ہوتا ہے جو انسان حیوان سب کے کھانے میں آتا ہے اور سبزیاں اگاتے ہیں جو تروتازہ کھائی جاتی ہیں اور باغات اس پانی سے پھلتے اور پھولتے ہیں اور قسم قسم کے ذائقوں اور رنگوں والے میوے اور پھل ان سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ نو قدرت کی عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت وحکمت والا ہے کیا اسے اے انسانو! تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ دنیا کو یونہی خلط ملط بے نتیجہ چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہئے اور اسی کو آخرت کہا جاتا ہے۔ جس کا آنا یقینی ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قیامت و آخرت پر ایمان کے ساتھ یقین کامل بھی نصیب فرمائیں کہ جو ہم آخرت سے کسی لمحہ اور کسی آن غافل نہ ہوں۔ یا اللہ اس زندگی میں ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرما دیجئے کہ جو ہماری آخرت کو بنانے اور سنوارنے والے ہوں اور ان اعمال سے بچا لیجئے کہ جو آخرت کو بگاڑنے والے ہوں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۱۷ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۱۸ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ

بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے۔ یعنی جس دن صور پھونکا جاوے گا پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آ ؤ گے۔ اور آسمان کھل جاوے گا پھر اُس میں دروازے ہی

فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۱۹ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۲۰ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۲۱ لِلطَّاغِينَ

دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ ہٹا دیئے جاویں گے سو وہ ریت کی طرح ہو جاویں گے۔ بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے۔ سرکشوں کا

مَآبًا ۲۲ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۲۳ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۲۴ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۲۵

ٹھکانا۔ جس میں وہ بے انتہا زمانوں رہیں گے۔ اس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا بجز گرم پانی اور پیپ کے

جَزَاءً وِفَاقًا ۲۶ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۲۷ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۲۸ وَكُلَّ شَيْءٍ

یہ پورا بدلہ ملے گا۔ وہ لوگ حساب کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے۔ اور ہم نے ہر چیز کو

أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۲۹ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۳۰

لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ سو مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیں گے۔

إِنَّ بیشک	يَوْمَ الْفَصْلِ فیصلہ کا دن	كَانَ ہے	مِيقَاتًا مقررہ وقت	يَوْمَ دن	يُنْفَخُ پھونکا جائے گا	فِي الصُّورِ صور میں	فَتَأْتُونَ پھر تم چلے آؤ گے
أَفْوَاجًا گروہ در گروہ	وَفُتِحَتِ اور کھولا جائیگا	السَّمَاءُ آسمان	فَكَانَتْ تو ہو جائیں گے	أَبْوَابًا دروازے	وَسُيِّرَتِ اور چلائے جائیں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	
فَكَانَتْ پس ہو جائیں گے	سَرَابًا سراب	إِنَّ بیشک	جَهَنَّمَ جہنم	كَانَتْ ہے	مِرْصَادًا گھات میں	لِلطَّاغِينَ سرکشوں کیلئے	مَآبًا ٹھکانہ
لَابِثِينَ وہ رہیں گے	فِيهَا اس میں	أَحْقَابًا مدتوں	لَا يَذُوقُونَ نہ وہ چکھیں گے	فِيهَا اس میں	بَرْدًا ٹھنڈک	وَلَا اور نہ	شَرَابًا پینے کی چیز
إِلَّا مگر	حَمِيمًا گرم پانی	وَغَسَّاقًا اور پیپ بہتی	جَزَاءً بدلہ	وِفَاقًا پورا	إِنَّهُمْ بیشک وہ	كَانُوا لَا يَرْجُونَ توقع نہیں رکھتے تھے	حِسَابًا حساب
وَكَذَّبُوا اور جھٹلاتے تھے	بِآيَاتِنَا ہماری آیتیں	كِذَّابًا جھوٹ جان کر	وَكُلَّ شَيْءٍ اور چیز	أَحْصَيْنَاهُ ہم نے گن رکھی ہے	كِتَابًا لکھ کر		
فَذُوقُوا اب مزہ چکھو تم	فَلَنْ ہرگز نہیں	نَزِيدَكُمْ بڑھاتے جائیں گے	إِلَّا مگر	عَذَابًا عذاب			

قیام قیامت اور نفخۂ صور

اب قیامت کی کچھ تفصیل بیان فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کا دن جو فیصلہ کا دن ہوگا اس کا ایک وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے۔ نہ کسی کے انکار سے وہ ٹل سکتا ہے اور نہ کسی کے اصرار سے وہ وقت جلد آ سکتا ہے۔ بہرحال ایک نہ ایک روز یہ دنیا کا کارخانہ تمام ہونا ہے اور قیامت آنی ہے۔ اب کب آئے گی؟ اس کا صحیح علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں۔ پھر جب وہ دن آ جائے گا تو صور پھونکا جائے گا اور پہلا صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور جمعہ کے دن جو یوم عاشورہ بھی ہوگا صبح ہوتے ہی شروع ہوگا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ محدث دہلوی نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں لکھا ہے کہ ”قیام قیامت کی اول علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے اور دنیاوی نعمتیں،

اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہو جائیں گی کہ جمعہ کے دن جو یوم عاشور بھی ہو گا یعنی محرم کی ۱۰ تاریخ صبح ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں گے کہ ناگاہ ایک لمبی آواز آدمیوں کو سنائی دے گی یہی نفخ صور ہو گا۔لوگ خوف وہیبت کی وجہ سے مرنے شروع ہو جائیں گے۔زمین میں زلزلہ آئے گا جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدان میں بھاگیں گے اور وحشی جانور خائف ہو کر لوگوں کی طرف میل کریں گے۔سمندر ابل کر قرب و جوار کی جگہوں پر چڑھ جائیں گے۔آگ بجھ جائے گی۔پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہوا کے چلنے سے ریت کے موافق اڑیں گے۔وہ آواز دمبدم سخت ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے۔ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

نفخ صور کے مسلسل چھ ماہ تک رہنے کے بعد نہ آسمان رہے گا نہ ستارے نہ سمندر نہ اور کوئی چیز سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔فرشتے بھی مر جائیں گے۔مگر کہتے ہیں کہ آٹھ چیزیں فنا سے مستثنیٰ ہیں۔اول عرش' دوم کرسی' سوم لوح' چہارم قلم' پنجم بہشت' ششم صور' ہفتم دوزخ' ہشتم ارواح۔لیکن ارواح کو بھی بے خودی و بے ہوشی لاحق ہو جائے گی۔بعضوں کا خیال ہے کہ یہ آٹھ چیزیں بھی تھوڑی دیر کے لئے معدوم ہو جائیں گی۔حاصل کلام سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی باقی نہ رہے گا۔تو خداوند رب العزت فرمائے گا **لمن الملک الیوم** کس کے لئے آج کی سلطنت ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمائے گا۔**للہ الواحد القھار** خدائے یکتا وقہار کے لئے پس ایک وقت تک ذات واحد خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام ہی رہے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد کہ جس کی مقدار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا از سرنو سلسلہ پیدائش کی بنیاد قائم کرے گا۔ آسمان زمین اور فرشتوں کو پیدا کرے گا۔زمین کی ہیئت اس وقت ایسی ہو گی کہ اس میں عمارتوں' درختوں' پہاڑوں سمندروں وغیرہ کا نشان نہ ہو گا پھر حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا۔روحیں اپنے اپنے جسموں میں اس طرح آئیں گی جیسے گھونسلوں میں پرندے'ان کا رابطہ جسموں سے قائم ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔''

عقائد واعمال کے لحاظ سے لوگوں کی تقسیم

الغرض یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ نفخۂ ثانیہ یعنی دوسری مرتبہ جب صور پھونکا جائے گا تو پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر میدان حشر میں آؤ گے یعنی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بن کر جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد اور اعمال پر ہو گی۔میدان حشر میں جمع ہوں گی۔پس نیکوں کی جدا جماعت ہو گی۔ بدوں کی جدا۔ پھر نیکوں میں نمازیوں کی جدا۔ صدقات وخیرات دینے والوں کی جدا' صابروں کی جدا' شاکروں کی جدا' رات میں چھپ کر عبادت کرنیوالوں کی جدا' آفتاب پرستوں کی جدا' بت پرستوں کی جدا پھر زناکاروں کی جدا' ظالموں کی جدا' دغاباز جھوٹ بولنے والوں کی جدا' ہر ایک جماعت کا نشان ہو گا اور اس پر لکھا ہو گا کہ یہ فلاں جماعت ہے ہر ایک جماعت میدان قیامت میں حاضر ہو گی۔

آسمان و پہاڑ

آسمان کھل جائے گا کہ اس میں فرشتوں کے اترنے کے راستے اور دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے اور بالکل ریت کے ذرے بن جائیں گے۔

کفار ومشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے

کفار ومشرکین اور نافرمان باغی مجرمین کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جہنم ایسے سرکشوں' بدکاروں اور نافرمانوں کی تاک میں ہو گی اور منتظر ہو گی کہ یہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔آخر اسی جہنم میں یہ ڈالے جائیں گے اور یہی ان کا ٹھکانہ ہو گا اور ٹھکانہ بھی گھڑی دو گھڑی کے لئے نہیں بلکہ لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا سالہائے دراز اور قرنوں اور مدتوں اس میں جلیں گے۔کافر اور مشرک تو ابدالآباد وہاں رہیں گے البتہ وہ عاصی گنہگار جو ایمان رکھتے ہوں گے وہ کبھی نہ کبھی وہاں سے نکل آئیں گے۔ یہاں آیت میں احقاب کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں بے شمار قرن۔بے انتہا زمانے احقاب جمع ہے حقب کی اور حقب ایک مقرر مدت کا نام ہے۔

اکثر احادیث میں حقب کی مقدار ۸۰ برس کی آئی ہے اور ہر برس ۱۲ مہینہ کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن قیامت کا ایک ہزار برس کے برابر ہو گا۔اسی

حساب سے حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ۲۸۸۰۰۰۰۰ ہوئی۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ اب حیات دنیا تو ۵۰، ۶۰ یا ۱۰۰ سال یا حد سے حد ۱۵۰ سال کی ہوگی جہاں لذات وشہوات کے مزے اڑائے گئے اور نافرمانی وسرکشی حق تعالیٰ کے قانون سے کی لیکن اس کے عوض آخرت میں ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں برس مبتلائے عذاب ہونا پڑا تو یہ کیسا برا سودا کیا اور کیسی بری کمائی کر کے وہاں پہنچے۔

جہنمیوں کی حالت

لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِیۡمًا وَّ غَسَّاقًا یعنی نہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملے گی۔ ہاں ملے گا تو گرم پانی جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ پڑیں گی اور دوسری چیز پیپ پینے کو ملے گی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی۔ الامان الحفیظ! اے اللہ اپنے کرم سے دنیا اور آخرت دونوں جہان میں اپنے ہر طرح کے چھوٹے بڑے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھئے گا۔ آمین

تو جہنم میں جہنمیوں کو ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ نہ بدن کی ٹھنڈک نہ دل کی ٹھنڈک نہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ کانوں کی ٹھنڈک نہ ٹھنڈا پانی، نہ ٹھنڈی ہوا، نہ ٹھنڈا مکان، نہ ٹھنڈا لباس اور تو اور جو دنیا میں ایک ہلکی اور معمولی چیز پانی ہے جو دنیا میں قیدی اور خونی کو بھی پلایا جاتا ہے وہاں ان کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلہ حمیم یعنی کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلسا دے اور غساق یعنی جہنمیوں کے زخموں کی پیپ۔

جہنم کی سزا کا سبب

جَزَآءً وِّفَاقًا اِنَّهُمۡ کَانُوۡا لَا یَرۡجُوۡنَ حِسَابًا وَّکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا

جس بات کو دنیا میں جھٹلاتے تھے اور جس چیز کی ان کو امید نہ تھی وہی سامنے آئی اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور منکر تے ہیں۔ یہاں ان اہل جہنم کے کسی خاص گناہ کا نام نہیں لیا کہ جس کی وجہ سے ان کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا حالانکہ ان کے بہت سے گناہ تھے بلکہ ان کی عمومی قوت عملیہ اور قوت نظریہ کا فساد ظاہر فرمایا کہ یہ ان کی بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حساب کا کوئی دن آئے گا ہی نہیں اس لئے ہم نے جو جو دلیلیں اپنے نبی پر نازل فرمائیں یہ ان سب کو جھٹلاتے ہی رہے۔

ہر کسی کے تمام اعمال محفوظ ہیں

وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ کِتٰبًا ہم نے بندوں کے تمام افعال و اعمال کو گن رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علم محیط کے موافق وہ سب دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہیں۔ کوئی نیک و بدعمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں سب کا بدلہ ہمارے پاس تیار ہے اور رتی رتی کا بھگتان کیا جائے گا۔ جیسے تم دنیا میں تکذیب وانکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آ جاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے اب جہنم میں پڑے ہوئے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور ہم بھی عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے جس میں کبھی کمی نہ ہوگی۔

جہنم کے عذاب کا سب سے سخت پہلو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کفار ومشرکین اہل جہنم کے لئے اس آیت فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِیۡدَکُمۡ اِلَّا عَذَابًا سے زیادہ سخت اور مایوس کن کوئی اور آیت نہیں کہ ان کے عذاب ہر وقت بڑھتے ہی رہیں گے۔ حضرت ابو برزۃ الاسلمیؓ سے روایت ہے کہ حسن بصریؒ نے ان سے دریافت کیا کہ اہل جہنم کے لئے کون سی آیت سب سے زائد شدید ہے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا جب جہنمی تمنا کریں گے یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم یہ عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِیۡدَکُمۡ اِلَّا عَذَابًا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدید پریشانی کی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ فیصلہ کے دن ہم کو اپنے سعادت مند اور ابرار بندوں کیساتھ شامل ہو کر اٹھنا نصیب فرمائیں اور انہی کیساتھ ہمارا حشر فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

خدا سے ڈرنے والوں کیلئے بیشک کامیابی ہے۔یعنی باغ اورانگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں۔اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ یہ بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے۔ جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا

اوران چیزوں کا جوان دونوں کے درمیان میں رحمٰن ہے کسی کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا عرض معروض کر سکے۔جس روز تمام ذی ارواح اور فرشتے

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ

صف بستہ کھڑے ہوں گے۔کوئی بول نہ سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے۔یہ یقینی دن ہے سو جس کا جی چاہے

اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ

اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانا بنا رکھے۔ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے۔جس دن ہر شخص ان اعمال کو دیکھے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

إِنَّ بیشک	لِلْمُتَّقِينَ پرہیزگاروں کیلئے	مَفَازًا کامیابی	حَدَائِقَ باغات	وَأَعْنَابًا اور انگور	وَكَوَاعِبَ اور نوجوان عورتیں	أَتْرَابًا ہم عمر	
وَكَأْسًا اور پیالے	دِهَاقًا چھلکتے ہوئے	لَا يَسْمَعُونَ نہ سنیں گے وہ	فِيهَا اس میں	لَغْوًا بیہودہ	وَلَا كِذَّابًا اور نہ جھوٹ	جَزَاءً یہ بدلہ	مِنْ سے
رَبِّكَ تمہارا رب	عَطَاءً انعام	حِسَابًا حساب سے کافی	رَبِّ رب	السَّمَاوَاتِ آسمانوں	وَالْأَرْضِ اور زمین	وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو انکے درمیان	
الرَّحْمَٰنِ بہت مہربان	لَا يَمْلِكُونَ وہ قدرت نہیں رکھتے	مِنْهُ اس سے	خِطَابًا بات کرنا	يَقُومُ الرُّوحُ کھڑے ہونگے روح	وَالْمَلَائِكَةُ اور فرشتے		
صَفًّا صف باندھے	لَا يَتَكَلَّمُونَ نہ بول سکیں گے	إِلَّا مگر	مَنْ جو۔جس	أَذِنَ اجازت دی	لَهُ اسکو	الرَّحْمَٰنُ رحمٰن	وَقَالَ اور بولا
صَوَابًا ٹھیک بات	ذَٰلِكَ دن	الْيَوْمُ دن	الْحَقُّ برحق	فَمَنْ پس جو	شَاءَ چاہے	اتَّخَذَ وہ بنائے	إِلَىٰ رَبِّهِ اپنے رب کے پاس
مَآبًا ٹھکانا	إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ بیشک ہم نے ڈرایا تمہیں	عَذَابًا عذاب	قَرِيبًا قریب کے	يَوْمَ جس دن	يَنْظُرُ دیکھ لے گا	الْمَرْءُ آدمی	
مَا جو	قَدَّمَتْ يَدَاهُ آگے بھیجا اس کا ہاتھ	وَيَقُولُ اور کہے گا	يَا لَيْتَنِي کاش میں	كُنْتُ ہوتا	تُرَابًا مٹی		

متقین کے لئے ہمیشہ کی کامیابی ہوگی

گذشتہ آیات میں ان منکرین قیامت اور سرکش و باغی لوگوں کے احوال وانجام کو بیان فرمایا گیا تھا۔اب ان لوگوں کے مقابلہ میں ان بندوں کا ذکر ہے کہ جو دنیا میں اللہ کو مان کر اس کے حکموں کے مطابق چلتے تھے اور جو دنیا میں اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی اور بُرے کاموں سے

بچتے تھے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ متقین یعنی پرہیز گاروں کو ضرور بالضرور وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت حیات جاودانی اور کامرانی حاصل ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں متقی قرآن کی ایک اصطلاح ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا ہے اور اس کی ناخوشی اور ناراضی سے ڈرتا ہے اسے متقی کہتے ہیں۔ اسلام انسان کے اندر جو سب سے بڑی خوبی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ یہی تقویٰ کی صفت ہے۔ انسانی زندگی کی اصلاح کا سب سے بڑا مدار اسی صفت پر ہے جو شخص اپنے تمام کاموں میں اس بات کی فکر رکھے کہ وہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ کرے اور اسے اس بات کا ڈر رہے کہ اس سے کوئی حرکت ایسی نہ ہو جائے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو تو اس کی زندگی نہایت کامیاب ہے۔

متقین کے لئے راحت ولذت کا سامان

متقین کو سیر وتفریح اور پھل ومیوہ کھانے کے لئے باغات ہوں گے۔ حدیقة عربی زبان میں اس باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار ہو تو ایسا باغ زیادہ محفوظ اور پرلطف سمجھا جاتا ہے پھر باغات میں جو کچھ نعمتیں ہوتی ہیں عام لفظ باغ استعمال کرنے سے سب ہی نعمتیں آ گئیں مگران باغات میں جو چند دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہوں گے۔ جو غذا کا کام بھی دے سکتا ہے۔ نیز باغ میں انگور بیلوں پر ہوتا ہے اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔ پھر دل بہلانے کے لئے وہاں نوخاستہ ہم عمر عورتیں بھی ہوں گی اور پینے کو لبالب بھرے ہوئے شراب طہور کے جام چلیں گے جس سے ایک فرحت اور سرور تازہ ہوگا اور یہ شراب آخرت دنیا کی سی نہ ہوگی کہ جس میں بے ہوشی دردسر اہل مجلس کی بے ہودہ بکواس یا مار پیٹ گالی گلوچ ہو بلکہ وہاں ایذاء اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات بھی سننے میں نہ آئے گی۔ اور نہ کوئی جھوٹی بات اور نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلا وے اور رنج ہو۔ ایک پاکیزہ طبیعت اور خوش مذاق شخص کیلئے یہ بات سخت تکلیف دہ ہوتی ہے کہ اس کے کانوں میں گندی باتیں' بے ہودہ الفاظ' جھوٹ اور گالیاں پڑیں اس لئے جن لوگوں کی طبیعت پاکیزہ اور مذاق بلند ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جنت کی یہ کیسی بڑی نعمت ہوگی کہ وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات کانوں میں پڑے گی اور نہ جھوٹ سننے کو ملے گا نہ کوئی کسی سے جھگڑے گا کہ جھوٹ بولنے اور مکرنے کی ضرورت پیش آئے۔ سبحان اللہ۔

ایمان واعمال صالحہ کا ثمرہ

آگے فرمایا کہ متقین کیلئے یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں ان کے اعمال و عقائد اور معارف کا کہ رتی رتی کا حساب ہو کر تمام نیکیوں کا بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا۔ اور یہ بدلہ بھی محض اللہ رب العالمین کی بخشش اور رحمت سے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا فرض یا جبر نہیں انسان تو اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچ جائے یہ ہی مشکل ہے۔ رہی جنت وہ تو خالص اس کے فضل و کرم و رحمت سے ملتی ہے لیکن اس کو بندوں کے عمل کا بدلہ قرار دینا یہ رب العالمین کی دوسری بندہ نوازی اور عزت افزائی ہے اور آخرت کی نجات اور وہاں کی تمام راحتیں خداوند قدوس کی بخشش ہی بخشش ہے تو اس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا۔

عظمت الٰہی

آگے اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلال کی خبر دے رہے ہیں۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا کہ وہ رب جو متقی بندوں کو بدلہ دینے کا وعدہ فرمارہا ہے وہ ہے کہ جو اس پوری کائنات کا مالک ہے۔ جس کی بادشاہت آسمانوں سے لے کر زمین تک پھیلی ہوئی ہے اور کوئی ذرہ اس کی حکومت سے باہر نہیں۔ وہ سب کا رب ہے اور ساتھ ہی بڑا مہربان ہے۔ جس کی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ مگر باوجود اس قدر لطف ورحمت کے عظمت وجلال بھی اس کا ایسا ہے کہ کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا ہے جب تک کہ اس کی اجازت نہ ہو اور اس ہیبت و جلال و کبریائی کا اظہار اس دن ہوگا کہ جس روز تمام ذی روح اور فرشتے دربار خداوندی میں صف بستہ کھڑے ہوں گے اور اس کی ہیبت وجلال و کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا اور کوئی خوف وہیبت سے کلام نہ کر سکے

گا۔مگر ان میں سے وہی کلام کر سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی اجازت دیں گے۔اور اجازت پا کر بھی بات وہی کہے گا جو ٹھیک اور معقول ہو یعنی بولنا بھی محدود اور مقید ہوگا یہ نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے مثلاً کسی غیر مستحق کی سفارش نہ کرے گا اور کسی کی گواہی میں اجازت پا کر بولے گا تو کچھ رورعایت نہ کرے گا۔نہ کمی زیادتی کرے گا۔جو بات ٹھیک ہے اسی قدر کہہ سکے گا۔یہاں ان آیات میں لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا کسی کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا کہ عرض معروض کر سکے اور لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا کوئی بول نہ سکے گا بجز اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے ان آیات میں مشرکین عرب کے اس باطل عقیدہ کا ردفرمادیا گیا کہ جس کی بناء پر وہ ملائکہ اور انبیاء وصلحاء وغیرہ اور دیگر بتوں کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ ان کو خدا کے گھر کا مختار سمجھتے تھے۔دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبب کہتے تھے اور اسی لئے ان کی خوشنودی اور تقرب کے لئے ان کی نذر و نیاز کرتے تھے۔آڑے وقت میں ان کے نام کی دہائی دیتے تھے المدد المدد پکارتے تھے اور اول تو آخرت کے وہ قائل ہی نہ تھے اور جو کسی درجہ میں قائل بھی تھے تو ان بتوں کو آخرت میں اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے۔

سفارش: اجازت حق تعالیٰ سے انبیاء سفارش بھی کریں گے تو اسی کی جس نے دنیا میں حق بات کہی تھی اور سب سے بڑھ کر حق بات لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے نہ ان کی جنہوں نے کفر بکا اور خدا کی ذات وصفات میں شریک اور حصہ دار ٹھہرائے۔

جو چاہے آخرت کی تیاری کر لے

آگے فرمایا گیا ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا وہ دن برحق ہے اس دن کا آنا یقینی ہے تو اب جو اپنی بہتری چاہے اس دن کی تیاری کر رکھے اور تقویٰ اختیار کر کے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنائے۔ایمان و پرہیزگاری ہی کا سیدھا راستہ ہے جو حق سبحانہ تک پہنچتا ہے اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب و جوار رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔

قیامت نزدیک ہے کافر کو پچھتانا پڑے گا

اخیر میں بطور حجت کے تمام انسانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم ہم نے تو تمہیں نزدیک ہی آنے والی مصیبت سے خبردار کر دیا۔گو قیامت کا دن دور ہو مگر جو لازمی اور یقینی آنے والی چیز ہو گو دور ہو پر قریب ہی سمجھنا چاہئے۔عقلمند تو ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی تو بہت ہی بے ثبات ہے۔موت ہر ایک کے سر پر کھڑی ہے اور موت اس یوم قیامت کا دروازہ ہے اس لئے مرکر جو کچھ انسان کو پیش آنے والا ہے وہ بہت ہی قریب ہے۔اس روز یعنی یوم قیامت میں انسان وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو دنیا میں نیک و بد اس نے کیا تھا۔پھر جب وہ پردہ کھل جائے گا اور کافر اپنے کفر اور بداعمالی کو ہیبت ناک صورتوں میں دیکھے گا اور کوئی ٹھکانا اور پناہ کی جگہ اور صورت نظر نہ آئے گی تو کافر کہے گا۔يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا اے کاش کہ میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہو جاتا اور انسان نہ پیدا ہوا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت ہے کہ قیامت کے دن جانوروں سے حساب کتاب کے بعد ایک دوسرے سے بدلہ دلایا جائے گا جس جانور نے کسی دوسرے جانور کو سینگ یا کھر مارا ہوگا وہاں اس کا بدلہ دلا کر حکم ہوگا کہ سب کے سب خاک ہو جاؤ چنانچہ وہ سب خاک ہو جائیں گے۔یہ دیکھ کر اس وقت کافر آرزو اور تمنا کرے گا کہ اے کاش میں بھی خاک ہو جاتا اور اس انسانیت سے کہ جو میری خرابی کا سبب ہوئی دور رہتا۔

سورۃ النبا کا خلاصہ

اس سورت کا موضوع ''بعث بعد الموت'' ہے سورت کی ابتداء میں مشرکین کا وہ سوال مذکور ہے جو وہ انکار اور استہزاء کے طور پر قیامت کے بارے میں کرتے تھے'فرمایا''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں'اس بڑی خبر کے متعلق جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔کوئی اس کا اقرار کرتا ہے اور کوئی انکار'کوئی تذبذب کا شکار ہے اور کوئی اس کا اثبات کرتا ہے'حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ''نبا العظیم''(بڑی خبر) سے مراد قرآن عظیم لیا ہے'اس میں شک ہی کیا ہے کہ واقعی سب سے بڑی خبر اور سب سے بڑا کلام قرآن ہی ہے لیکن

سورت کے عمومی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ ''نبا العظیم'' سے مراد قیامت ہی ہے' اگلی آیات میں قدرتِ الٰہیہ کے دلائل اور قیامت کے مختلف مناظر اور جنت اور جہنم کا تذکرہ ہے' بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ جو زمین کو بچھونا' پہاڑوں کو میخیں' انسانوں کو جوڑا جوڑا' نیند کو ذریعۂ سکون' رات کو لباس' دن کو وقتِ معاش اور آسمان پر ساری دنیا کو روشن کرنے والا چراغ بنا سکتا ہے۔ وہ دوبارہ زندگی بھی عطا کر سکتا ہے اور ایسی عدالت بھی قائم کر سکتا ہے جس میں اولین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا اور ان کے درمیان عدل کیا جائے گا۔ عدل اور حساب کے بعد کسی کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور کسی کا جہنم۔ سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں' باوجود اللہ کے بے حد مہربان اور رحمٰن ہونے کے کسی کو اللہ کے سامنے تابِ گویائی نہ ہوگی' اس دن ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے سامنے کر دیا جائے گا اور اس کے بارے میں قطعی فیصلہ سنا دیا جائے گا' اس فیصلہ کو سن کر کافر یہ تمنا کرے گا اے کاش! میں مٹی ہوتا۔ مٹی ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا' دوسرا یہ کہ میں تکبر نہ کرتا اور مٹی کی طرح مسکینی اور عاجزی اختیار کرتا' تیسرا مطلب یہ کہ میں انسان نہیں' حیوان ہوتا اور مجھے بھی حیوانوں کی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے بعد مٹی بنا دیا جاتا' یوں میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاتا۔ یہ تمنا وہ اس وقت کرے گا جب وہ دیکھے گا کہ ویسے تو انسانوں کی طرح حیوانوں کو بھی زندہ کیا گیا لیکن انہیں زندہ کرنے کے بعد اور ان کے باہمی معاملات طے کرنے کے بعد انہیں مٹی بن جانے کا حکم دے دیا گیا۔

سورۃ النباء کے خواص

۱...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو سورۃ النباء پڑھتا رہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ٹھنڈا مشروب پلائیں گے۔

۲...... سورۃ النباء کی تلاوت کا معمول رکھنے سے آدمی چوری کے خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔

۳...... جہاں کسی بھی موذی کی ایذا کا خطرہ ہو وہاں سورۃ النباء کی تلاوت کرنے سے آدمی موذی کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہ یوم قیامت میں ہمیں سختیوں اور ہولناکیوں سے بچا لیجئے اور اپنی رضا کے مقام جنت میں ہمارا ٹھکانا بنا دیجئے۔ اے ہمارے رب آج عمل کا وقت ہے ہماری آنکھیں کھول دے۔ غفلت کو ہم سے دور فرما دے اور ہم سے وہ اعمال صالحہ کرا لے کہ جو آخرت میں آپ کی رضا کا سبب بنیں اور آپ کے انعامات کا ذریعہ بنیں۔

یَااللّٰہ میں ہر ایسے گناہ سے پناہ چاہتا ہوں جو گمراہی اور کفر کی طرف لے جائے' راہ سے بے راہ کر دے' لوگوں میں بے وقار کر دے' دنیا و آخرت میں رسوائی ہو جائے اور دیگر ایسے گناہ کر گزرا تو الٰہی مجھے معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّ فِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں۔ اور جو بند کھول دیتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿٥﴾

پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔

وَالنّٰزِعٰتِ قسم گھسیٹ کر کھینچنے والے	غَرْقًا غوطا لگا کر	وَالنّٰشِطٰتِ اور چھڑانے والے	نَشْطًا کھول کر	وَالسّٰبِحٰتِ اور تیرنے والے	سَبْحًا تیزی سے
فَالسّٰبِقٰتِ پھر آگے بڑھنے والے	سَبْقًا دوڑ کر	فَالْمُدَبِّرٰتِ پھر تدبیر کرنیوالے	اَمْرًا حکم کے مطابق		

سورۃ کی وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا پہلا لفظ "وَالنّٰزِعٰتِ" ہے جس کا مطلب ہے "قسم ہے کھینچنے والوں کی" جس سے اکثر مفسرین نے ان فرشتوں سے مراد لی ہے جو کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں۔ اسی ابتدائی لفظ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام النازعٰت رکھا گیا۔

شان نزول اور مرکزی مضمون

ہٹ دھرم، معاند اور ضدی کفار اپنی عقل کے آگے فرمودۂ خلاق عالم کو بھی کچھ خیال میں نہ لاتے تھے حالانکہ قیامت کا حادثہ بار باران کو قرآن سے سنایا جاتا تھا اور قدرت خداوندی کا اقتدار ان کو بتایا جاتا تھا لیکن وہ معاند کفار جب کہتے یہی کہتے کہ ہماری سمجھ میں تو قیامت کا آنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے اس سورۃ کو اللہ پاک نے نازل فرما کر بتاکید تمام اثبات قیامت فرمایا۔ یہ سورۃ اس مکی دور میں نازل ہوئی ہے جب کہ کفار مکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور آخرت کی عدالت میں پیش ہو کر اپنی پوری زندگی کے بارہ میں جواب دہی کرنا انہیں بہت ہی عجیب اور محال معلوم ہوتا تھا اور وہ اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس سورۃ میں قسمیہ کلام کے ساتھ فرمایا گیا کہ قیامت ضرور آئے گی اور جس روز آئے گی تو زمین پر لگاتار زلزلے آئیں گے اور سب نظام دنیا درہم برہم ہو جائے گا اور جب دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو قیامت کی ہولناکیوں سے دل لرز رہے ہوں گے اور آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ یہ منکرین آج یقین نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا بلکہ اس کو ہنسی اور تمسخر میں یہ کہہ کر اڑا دیتے ہیں کہ میاں مرجانے اور ہڈیاں گل سڑ جانے کے بعد بھی کوئی زندہ ہوا ہے اور دوبارہ پیدا ہوا ہے۔ یہ کوئی عقل میں آنے کی بات ہے کہ دنیا کے مزے اس لئے چھوڑے جائیں کہ دوبارہ پھر زندہ ہو کر عیش و راحت کی دائمی زندگی گزارنا ہے۔ ہم تو اس کو نہیں مانتے کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی آنی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے فرعون کا ذکر کیا گیا کہ پچھلی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ خدا کے باغیوں اور حق کی مخالفت کرنے والوں کو بڑی بڑی سزائیں بھگتنا پڑیں۔

روح کو زور سے کھینچنے والوں کی قسم

یہاں اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھائی ہیں اور ان پانچوں قسموں کے بعد فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی پہلی قسم ہے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا اس کا لفظی معنی ہیں قسم ہے زور سے اور سختی سے کھینچنے والوں کی لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہاں ان فرشتوں کی قسم مراد

ہے جو کافروں کی جان نہایت سختی سے نکالتے ہیں۔

روح کو آسانی سے نکالنے والوں کی قسم

دوسری قسم ہے وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا یعنی قسم ہے آسانی کے ساتھ کھول دینے والوں کی مراد اس سے وہ فرشتے ہیں کہ جو اہل ایمان کی روح آسانی سے نکالتے ہیں۔ گویا نیکوں کے روح کی جو گرہ جسم سے لگی ہوئی ہے وہ کھول دی جاتی ہے۔ اور ان کی روح کا جسم سے جدا ہونا ان کے لئے ایسا ہی آسان ہوتا ہے جیسے کہ کوئی گرہ کھل گئی۔

جانیں نکالتے وقت فرشتوں کا رویہ مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں اللہ سے بغاوت وسرکشی کرتے رہے جنہوں نے اس کے احسانات اور خالقیت اور ربوبیت کو نہیں پہچانا اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایات کو نہیں مانا اور اس کے احکام کی نافرمانی کرتے رہے اور زندگی بھر اپنے نفس یا اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی پیروی میں لگے رہے ان کی روح نکالتے وقت اللہ کے یہ کارندے یعنی فرشتے ان کے ساتھ نہایت سختی اور ذلت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

تیرنے والوں کی قسم

آگے تیسری قسم ہے وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا اور قسم ہے تیزی سے تیرنے والوں کی یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو ارواح لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس طرح جلدی اور سہولت سے چلتے ہیں گویا کہ وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ حضرت براء بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث ہے۔ اسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب فرشتے مومن کی قبض کی ہوئی روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے قریب سے وہ روح گزرتی ہے وہ جماعت یہ کہتی ہے کہ کون ہے یہ پاک روح وہ فرشتے جو اس کو لے جا رہے ہوتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں کا بیٹا ہے یعنی اس کے وہ بہترین نام ولقب بتاتے ہیں جو دنیا میں اس مومن کے ذکر کئے جاتے تھے یہاں تک کہ یہ فرشتے آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ اسی طرح ہر آسمان کے دروازہ پر ہوتا ہے اور دروازہ اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں یہاں تک کہ اس روح کو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کے نامہ اعمال کو مقام علیین میں رکھو اور اس کو زمین کی طرف واپس لے جاؤ۔ یعنی اس کے جسم میں جو مدفون ہے لوٹا دو۔ میں نے زمین ہی سے جسموں کو پیدا کیا ہے۔ زمین ہی میں ان کو واپس بھیجتا ہوں اور زمین ہی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روح کو پھر اس کے جسم میں ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر آگے حدیث میں سوال جواب وغیرہ کی تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں۔ پھر کافر کی روح کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے جب اس روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے قریب سے یہ روح گزرتی ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ کس کی ناپاک روح ہے، فرشتے جواب دیتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا یعنی اس کے تمام برے ناموں اور لقبوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے دنیا میں اس کو مخاطب کیا جاتا تھا یہاں تک کہ اس کو لے کر فرشتے آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور دروازہ کھولنے کے لئے کہتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ یعنی نہیں کھولے جاتے کافروں کے لئے دروازے آسمانوں کے اور نہ وہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک داخل نہ ہو اونٹ سوئی کے ناکہ میں یعنی ان کا جنت میں جانا ناممکن ہے پھر خداوند تعالیٰ حکم دے گا کہ اس کے نامہ اعمال کو سجین میں رکھو پھر اس کی روح پھینک دی جائے گی۔ پھر ڈالی جاتی ہے روح جسم میں اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور پھر سوال و جواب کی تفصیلات وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔

تیزی سے دوڑنے والوں کی قسم

چوتھی قسم فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فرمائی یعنی قسم ان فرشتوں کی جو تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں یہ اوپر ذکر کی ہوئی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ جب ارواح کو لے کر فرشتے اوپر پہنچتے ہیں تو ان ارواح کے باب میں جو حکم خداوندی ہوتا ہے اس کے بجالانے کے لئے فرشتے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ فرشتے چونکہ احکام خداوندی بجالانے میں بڑے مستعد ہیں

انہیں جو حکم ملتا ہے اسے تیزی اور مستعدی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

تدبیر کرنے والوں کی قسم

پانچویں قسم فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا فرمائی یعنی قسم ان فرشتوں کی جو ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں یہ اوپر حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ دنیا سے جو فرشتے ارواح قبض کر کے اوپر آسمان پر لے جاتے ہیں تو ان ارواح کے متعلق احکام خداوندی ہوتے ہیں یا تو ان کے ساتھ انعام واحسان کے اگر وہ مومنین کی ارواح تھیں یا عذاب وعقاب کے اگر وہ کفار کی تھیں۔ مثلاً مومنین کی ارواح جب قبر میں سوال و جواب کے لئے واپس لائی جاتی ہیں اور وہ ٹھیک ٹھیک جواب دیتی ہیں تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کا بستر بچھاؤ۔ اور جنت کا لباس اس کو پہناؤ اور جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دو جس سے اس کو قبر میں جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور پھر اس کی قبر کو حد نظر تک کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اس طرح کافر جب قبر میں فرشتوں کے سوال کے جواب صحیح نہیں دیتا تو اس کے لئے حکم ہوتا ہے کہ اس کے لئے آگ کا فرش کرو۔ ایک دروازہ جہنم کی جانب اس کے لئے کھول دو۔ چنانچہ جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اور جہنم کی گرم ہوا اور گرمی اس کو پہنچے گی اور اس کی قبر کو تنگ کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر نکل جائیں گی۔ الغرض ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عذاب کا ہر امر کی تدبیر فرشتے کرتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا میں فرمایا گیا تو یہ پانچوں قسم کھا کر فرمایا گیا کہ قیامت ضرور آئے گی۔

ان سب کی قسم کہ قیامت ضرور آئے گی۔

یہ پانچوں قسمیں بطور دلائل کے ہیں اور اس امر پر شاہد ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور مرنے کے بعد باردیگر سب زندہ کئے جائیں گے اور سب سے حساب لیا جائے گا۔ اگر موت امر یقینی ہے تو قیامت بھی ایسے ہی یقینی امر ہے اور یہ موت قیامت کا ایک دروازہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ **من مات قامت قیامۃ** جو شخص مر گیا اس کی قیامت برپا ہو گئی۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہ موت اور اس کے بعد والی تمام منازل کو ہمارے لئے آسان اور باعث راحت بنا دیجئے اور مرنے کے بعد ہمارے نامۂ اعمال کو علیین میں رکھا جانا نصیب فرمائیے۔

یَااللّٰہ موت آخرت کی پہلی منزل ہے اس منزل سے ہمیں کامیابی کے ساتھ گزارنا نصیب فرما حتیٰ کہ آخرت کی آخری منزل یعنی جنت تک ہمیں اپنے فضل وکرم سے پہنچا۔

یَااللّٰہ میں تو نافرمانی کرتا رہا لیکن آپ نے اپنے حلم سے مجھے ڈھیل دیدی، مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر بھی مجھے چھوڑے رکھا، اس بداعمالی کے ساتھ میں نے جو مانگا آپ نے دیا۔ آپ کا کہاں تک شکر ادا کروں، مجھ پر میرے دشمنوں نے خفیہ وعلانیہ حملے کئے مجھے ایذا پہنچانی چاہی لیکن آپ نے مجھے ان سے ان کے حملوں سے بچا لیا اور مجھے رسوا نہ ہونے دیا۔ آپ نے مجھ گنہگار وعاصی کی اس طرح مدد کی جیسے آپ اپنے اطاعت گزار بندوں کی مدد فرماتے ہیں۔ مجھے اس طرح رکھا جیسے اپنے پسندیدہ بندوں کو رکھا کرتے ہیں لیکن اے پروردگار! اس کرم کے ہوتے ہوئے بھی میں گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا اور باز نہ آیا، الٰہی! مجھے محض اپنے فضل وکرم سے بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾

جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی۔ جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجاوے گی۔ بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ

کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے۔ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجاویں گے پھر واپس ہوں گے۔ کہنے لگے کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے

خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

خسارہ کی ہوگی۔ تو وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی۔ جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے۔

يَوْمَ دن	تَرْجُفُ کانپے	الرَّاجِفَةُ کانپنے والی	تَتْبَعُهَا اسکے پیچھے آئے	الرَّادِفَةُ پیچھے آنے والی	قُلُوبٌ کتنے دل	يَوْمَئِذٍ اس دن	وَاجِفَةٌ دھڑکنے والے	
أَبْصَارُهَا ان کی نگاہیں	خَاشِعَةٌ جھکی ہوئی	يَقُولُونَ وہ کہتے ہیں	أَإِنَّا کیا ہم	لَمَرْدُودُونَ لوٹائے جائیں گے	فِي میں	الْحَافِرَةِ پہلی حالت	أَإِذَا کیا جب	
كُنَّا ہم ہونگے	عِظَامًا ہڈیاں	نَّخِرَةً کھوکھلی	قَالُوا وہ بولے	تِلْكَ یہ	إِذًا پھر	كَرَّةٌ واپسی	خَاسِرَةٌ خسارہ والی	فَإِنَّمَا پھر تو صرف
هِيَ وہ	زَجْرَةٌ ڈانٹ	وَّاحِدَةٌ ایک	فَإِذَا پھر اس وقت	هُم وہ	بِالسَّاهِرَةِ میدان میں			

قیامت کے ہولناک مناظر

ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کا آئے گا تو وہ کیسا ہولناک اور سخت وقت ہوگا۔ قرآن کریم میں قیامت کی ہولناکی کا منظر مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ کہیں سورج چاند کے ٹکرائے جانے کا ذکر ہے کہیں اجرام فلکی کے پھٹ جانے کا تذکرہ ہے۔ کہیں پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہوکر دھنی ہوئی اون کی طرح اڑ جانے کا بیان ہے۔ کہیں زمین کو بری طرح ہلا ڈالنے کا نقشہ سامنے رکھا گیا ہے۔ یہ دراصل انسانوں کو اس ہولناک منظر کا کچھ نہ کچھ تصور دینے کے لئے ہے ورنہ واقعۃً اس دن جو کچھ ہوگا اس کا پورا پورا تصور انسانی ذہن میں نہیں آسکتا۔ لیکن اس واقعہ کی شدت اور اہمیت سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہی الفاظ میں جو ہم دنیا میں رہ کر سمجھتے ہیں قیامت کا تذکرہ بار بار فرمایا ہے۔

سب نیست و نابود ہوجائیں گے

چنانچہ یہاں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا اور پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اس صور پھونکنے سے جس کی آواز رفتہ رفتہ بلند اور سخت ہوتی جائے گی حتیٰ کہ بجلی کی کڑک کے مانند سخت ہوجائے گی تو زمین اور پہاڑ وغیرہ جو اس میں ہیں سب لرزنے اور کانپنے لگیں گے اور شدید زلزلہ آئے گا اور یہ زمین و آسمان حیوان و انسان اور تمام کائنات سب نیست و نابود ہوجائیں گے۔

پھر سب زندہ ہوں گے

اس کے بعد جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو تمام انسان اولین و آخرین دوبارہ پیدا کر کے کھڑے کئے جاویں گے۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسان اسی شکل میں پیدا ہوں گے جیسے کہ بطن مادر سے برہنہ تن پیدا ہوئے تھے مگر شدت ہول و خوف کے سبب سب کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی اور کوئی شخص کسی کی شرمگاہ پر نظر نہ ڈال سکے گا اگر ڈالے بھی تو بچوں کی طرح اس وقت دواعی شہوت سے خالی ہوگا۔ سب کو حساب و کتاب کے لئے میدان حشر میں جمع کیا جائے گا۔ اس وقت جن لوگوں نے دنیا میں قیامت کا انکار کیا تھا اور وہاں کے لئے سامان نہ کیا تھا اور بداعمالیوں میں اپنی دنیاوی زندگی رائیگاں کردی تھی ان کے قلوب اس وقت عذاب الٰہی کے خوف سے دھڑک رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں ندامت اور شرمندگی سے نیچی ہوں گی۔

منکرین قیامت کی حماقت

یوم قیامت کا یہ حال بیان فرما کر آگے کفار ومنکرین قیامت کے اقوال کو نقل فرمایا گیا ہے کہ یہ منکرین آج دنیا میں قیامت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا میں مرجانے کے بعد پھر وہ دوبارہ کس طرح زندہ ہوجائیں گے کبھی تو وہ تعجب وحیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ کر مٹی ہوجائیں گی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دوبارہ زندگی مل جائے اور یہ جسم جو گل سڑ کر مٹی ہو جائے گا کس طرح دوبارہ پیدا ہوسکتا ہے۔ گویا ایسا ہونا بالکل محال اور ناممکن ہے اور کبھی یہ منکر موت کے بعد والی زندگی کا مذاق اڑاتا ہے اور اس طرح گویا وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی نظر میں وہ بات اس قابل نہیں کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کرے۔ اسی طرح قیامت کا انکار کرنے والے منکرین بطور مذاق کے کہتے ہیں کہ اگر ہمیں دوبارہ زندگی ملی تو یہ بڑے گھاٹے کی بات ہوگی۔ یہ منکرین کا کہنا بطور تمسخر تھا کیوں کہ وہ اہل حق کے عقیدہ پر ہنسی اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے عقیدہ کے موافق تو ہم بڑے خسارہ میں رہیں گے۔ یہ ان کا کہنا اسی طرح تھا کہ کوئی شخص کسی کو خیر خواہی سے ڈرائے کہ اس راہ مت جانا شیر ملے گا اور مخاطب تکذیب کے طور پر کسی سے کہے کہ بھائی ادھر مت جانا شیر کھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ وہاں شیر ویر کچھ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قیامت کو بعید اور ناممکن سمجھ رہے ہیں۔

سب ایک ڈانٹ سے میدان میں جمع ہوجائیں گے

حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب کام دم بھر میں ہوجائیں گے۔ جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا اسی وقت بلاتوقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔ یہاں آیت میں فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ فرمایا یعنی سب لوگ میدان میں آموجود ہوں گے۔

ساھرۃ اس چٹیل میدان کو کہتے ہیں جہاں دشمن کے حملہ سے بچنے کے لئے کوئی آڑ یا پناہ نہ ہو اور اس میدان میں انسان کو ڈر کے مارے نیند نہ آسکے اور وہ رات بھر بے چینی کے ساتھ جاگ کر گزارے۔ تو اس لفظ **ساھرۃ** میں قیامت کی ہولناکی کا منظر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ منکرین کی ان غلط آرزوؤں اور امیدوں کی تردید بھی کردی گئی کہ جو اس امید پر بے غم ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آئی بھی تو وہاں سفارش کردی جائے گی اور اللہ کے سوا انہوں نے جن کو اپنا سرپرست وحمایتی و مددگار ٹھہرا لیا ہے وہ انہیں وہاں بچالیں گے اگر کوئی سختی وہاں ہوئی تو انہیں بتایا جارہا ہے کہ ان کا خیال غلط ہے وہ قیامت میں اپنے آپ کو ایک میدان میں پائیں گے جہاں نہ ان کا کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔

دعا کیجئے

یا اللہ اس دنیا میں ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمادیجئے جو آخرت میں آپ کی رضا اور مغفرت کا سبب ہوں اور ان اعمال سے بچا لیجئے جو گرفت اور مواخذہ کا سبب ہوں۔

یا اللہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھئے اور وہاں کے خسارہ اور نقصانات سے بچالیجئے۔

یَااَللّٰہُ میں ہر اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی لذت سے میں نے ساری رات کالی کردی، اس کی فکر میں دماغ سوزی کرتا رہا، رات سیاہ کاری میں گزاری اور صبح نیک بن کر باہر آیا حالانکہ میرے دل میں بجائے نیکی کے وہی گناہ کی گندگی بھری رہی۔

یَااَللّٰہُ تیری ناراضگی کا کوئی خوف ہی نہ کیا، میرا کیا حال ہوگا۔ الٰہی! مجھے اپنی مہربانی سے معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ

کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے۔ جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوی میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ

اُس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے۔ سواس سے کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہوجائے۔ اور میں تجھ کو تیرے رب کی طرف سے رہنمائی کروں تو تو ڈرنے لگے

الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾

پھر اس کو بڑی نشانی دکھلائی۔ تو اس نے جھٹلایا اور کہنا نہ مانا۔ پھر جدا ہو کر کوشش کرنے لگا۔ اور جمع کیا پھر باآواز بلند تقریر کی۔ اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾

سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا۔ بے شک اس میں ایسے شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جو ڈرے۔

هَلْ کیا	اَتٰىكَ پہنچی تیرے پاس	حَدِيْثُ بات	مُوْسٰى موسیٰ	اِذْ نَادٰىهُ جب پکارا اسے	رَبُّهٗ اس کا رب	بِالْوَادِ میدان	الْمُقَدَّسِ مقدس			
طُوًى طوی	اِذْهَبْ جاؤ تم	اِلٰى طرف	فِرْعَوْنَ فرعون	اِنَّهٗ بیشک اس	طَغٰى سرکشی کی	فَقُلْ پس کہو تم	هَلْ کیا	لَكَ تجھ کو	اِلٰى طرف	اَنْ کہ
تَزَكّٰى تو سنور جائے	وَاَهْدِيَكَ اور تجھے راہ دکھاؤں	اِلٰى طرف	رَبِّكَ تیرا رب	فَتَخْشٰى پس تو ڈرے	فَاَرٰىهُ اس کو دکھائی	الْاٰيَةَ نشانی				
الْكُبْرٰى بڑی	فَكَذَّبَ اسنے جھٹلایا	وَعَصٰى اور نافرمانی کی	ثُمَّ اَدْبَرَ پھر پیٹھ پھیر کر چلا	يَسْعٰى دوڑتا ہوا	فَحَشَرَ پھر جمع کیا	فَنَادٰى پھر پکارا				
فَقَالَ پھر اس نے کہا	اَنَا میں	رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى تمہارا رب سب سے بڑا	فَاَخَذَهُ تو اس کو پکڑا	اللّٰهُ اللہ	نَكَالَ سزا	الْاٰخِرَةِ آخرت	وَالْاُوْلٰى اور دنیا			
اِنَّ بیشک	فِيْ میں	ذٰلِكَ اس	لَعِبْرَةً عبرت	لِّمَنْ اس کیلئے جو	يَّخْشٰى ڈرے					

فرعون کے واقعہ سے عبرت پکڑو: قیامت کا ذکر کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر فرمایا جاتا ہے تا کہ منکرین کو اس قصہ سے درس عبرت حاصل ہو کہ اگر کفار مکہ نے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی کیا جو فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا کہ نہ انکا کہنا مانا۔ نہ ان کے معجزات کو تسلیم کیا بلکہ اسے جادو قرار دیا تو پھر ان کے لئے بھی دنیا اور آخرت میں وہی سزا ہو گی۔ یعنی جس طرح فرعون دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوا اور سمندر میں ڈبو کر مارا گیا اور آخرت میں عذاب جہنم اس کے لئے تیار ہے اسی طرح ان مکذبین و منکرین کو بھی دنیا اور آخرت میں سوائے خواری کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے منکرین ہوش میں آئیں اور اگر انہیں اپنی دین و دنیا کی صلاح و فلاح مطلوب ہے تو ایمان لائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانیں۔

فرعون کا مختصر تذکرہ: قرآن پاک میں ایک ہی واقعہ کو بار بار مختلف جگہ بیان کیا گیا ہے مگر ہر جگہ اس واقعہ یا اس کے خبر کو بیان کرنے میں کوئی غرض و غایت اور خاص وجہ ہوتی ہے اور یہ بات قرآن کی آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر تفصیلاً و اجمالاً متعدد جگہ گذشتہ سورتوں میں بیان ہو چکا ہے یہاں اجمالاً بعض واقعات کی طرف اشارہ ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف واپس آ رہے تھے تو طوی کی مقدس وادی میں جہاں آپ آگ کی تلاش میں گئے تھے آپ کو اللہ رب العالمین

کی طرف سے منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ فرعون بادشاہ مصر کے پاس اللہ کے رسول کی حیثیت سے جائیں اور اسے سیدھے راستہ کی طرف بلائیں اور دین حق اور توحید کی تبلیغ کریں کیونکہ فرعون اپنی شرارتوں میں حد سے تجاوز کر گیا ہے حتیٰ کہ انسان اور مخلوق ہو کر خدائی کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ تو آپ فرعون کے پاس جا کر اس سے کہیں کہ دیکھ تیرا یہ رویہ نہایت ناپاک ہے کہ جو مصر کے لوگوں کا خدا بن بیٹھا ہے۔ اگر تجھے سنورنے کی خواہش ہو تو میں اللہ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں اور ایسی راہ بتا سکتا ہوں کہ جس پر چلنے سے تیری انسانیت کا سدھار ہو سکتا ہے اور تیرے اندر نفس کی شرارت و بغاوت سے جو گندگیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ دور ہو سکتی ہیں اور جس راہ پر چل کر تو اللہ کے نیک اور مقرب بندوں میں شامل ہو سکتا ہے اور اپنے حقیقی حاکم اور مالک کو راضی کر سکتا ہے اور جس راہ پر چل کر تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی کرنے کی سزا کا خوف پیدا ہو جائے اور اسی کے نتیجہ میں آئندہ سرکشی و نافرمانی سے باز آ جائے اور تو اللہ کی ذات و صفات کو سن کر اس سے ڈرنے لگے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تعمیل ارشاد خداوندی کرتے ہوئے فرعون کے پاس گئے اور اسے جا کر پیغام خداوندی پہنچایا اور رسالت کے ثبوت میں اپنے عصا اور ید بیضاء کے اعجازی نشانات بھی دکھائے لیکن وہ ضدی اور متکبر فرعون کب ماننے والا تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے دعوے کو افتراء اور جھوٹ قرار دیا۔ اور آپ کی ہدایات قبول کرنے اور بات ماننے سے انکار کر دیا اور آپ کے معجزات کو جادو ٹھہرایا اور اتنا ہی نہیں بلکہ وہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا اور اس بات کی کوشش اور فکر میں لگ گیا کہ اپنے ملک کے مشہور جادوگروں کو بلائے اور حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرا کر لوگوں کو یہ بتا دے کہ واقعی موسیٰ نے جو پیش کیا ہے وہ محض جادو ہے اور جادو کے ذریعہ سے آپ کو مغلوب کر کے آپ کے دعویٰ نبوت کو غلط ثابت کرے۔ اس غرض سے اس نے اپنی سلطنت کے مشہور جادوگروں کو جمع کیا اور یہ اعلان کرا دیا کہ موسیٰ جو کچھ کہہ رہے ہیں سب غلط ہے۔ حاکم اور مالک میں خود ہوں اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ دعویٰ کہ اصل مالک اور حاکم کوئی اور ہے اور اس نے انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے بالکل غلط ہے۔ میرے سوا کوئی مالک و مختار نہیں۔ اطاعت میرے ملک میں میری ہوگی میرے سوا یہاں کسی دوسرے کا حکم نہیں چل سکتا۔ مجھ سے بالاتر اور کوئی وجود نہیں ہے۔ الغرض جادوگروں سے مقابلہ کرایا گیا جادوگروں کو شکست ہوئی اور جادوگر ایمان لے آئے۔ لیکن فرعون اور زیادہ متکبر ہو گیا اور اپنی سرکشی و نافرمانی پر قائم رہا۔ ایک عرصہ تک فرعون اور اس کی قوم کو مہلت دی گئی کہ وہ بات سمجھ لیں اور حق کو مان لیں اور اپنی غلط روش کو چھوڑ کر سیدھے راستہ پر آ جائیں لیکن جب ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ حق کو کبھی مان کر نہیں چلنے والے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مہلت ختم کر دی اور ان کے لئے عذاب کا فیصلہ فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا و آخرت میں رسوا کیا۔

فرعون کے لئے دنیا و آخرت کی رسوائی

دنیا میں تو اس طرح رسوا کیا کہ جب فرعون موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے پر گرفتار کرنے کے لئے اپنے لاؤ لشکر سمیت گیا تو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بحر قلزم سے پار اتر گئے کیونکہ بحکم خداوندی ان کو سمندر نے راستہ دے دیا مگر جب فرعون اور اس کا لشکر آیا تو پھر پانی اللہ کے حکم سے مل گیا اور فرعون آن کی آن میں بمعہ اپنے لشکر کے سب ڈوب کر مر گئے۔ اور آخرت میں اس طرح رسوائی ہوگی کہ وہاں ان کے عذاب کے لئے جہنم تیار ہے جس میں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب بھگتیں گے۔ اخیر میں فرمایا گیا کہ یہ ہے انجام اللہ کے مقابلہ میں سر اٹھانے کا اور اس کی ہدایات سے منہ موڑنے کا۔ اس قصہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں لیکن اس کے لئے جس کے دل میں اللہ کا کچھ خوف ہو اور جو یہ مانتا ہو کہ واقعی اس جہان کا کوئی خالق و مالک ہے جو بڑا مہربان ہے کہ بندوں کی ہدایت کا بار بار انتظام فرماتا ہے اور نیکی کی راہ پر چلنے والوں کو اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازتا ہے اور غلط راہ پر چلنے والوں کو سزا دیتا ہے اور جو بڑی طاقت اور قدرت والا ہے کہ کوئی اس کی پکڑ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا

بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا۔اللہ نے اس کو بنایا۔اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا۔اور اس کی رات کو تاریک بنایا

وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾

اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔اُس سے اُس کا پانی اور چارہ نکالا

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

اور پہاڑوں کو قائم کر دیا۔تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدہ پہنچانے کیلئے۔

ءَاَنْتُمْ کیا تم	اَشَدُّ زیادہ مشکل	خَلْقًا بنانا	اَمِ یا	السَّمَآءُ آسمان	بَنٰىهَا اس کو بنایا	رَفَعَ بلند کیا	سَمْكَهَا اس کی چھت	فَسَوّٰىهَا پھر اس کو درست کیا
وَاَغْطَشَ تاریک کر دیا	لَيْلَهَا اس کی رات	وَاَخْرَجَ اور نکالی	ضُحٰىهَا دن کی روشنی	وَالْاَرْضَ اور زمین	بَعْدَ بعد	ذٰلِكَ اس	دَحٰىهَا اس کو بچھایا	
اَخْرَجَ نکالا	مِنْهَا اس سے	مَآءَهَا اس کا پانی	وَمَرْعٰىهَا اور اس کا چارہ	وَالْجِبَالَ اور پہاڑ	اَرْسٰىهَا قائم کیا اسکو	مَتَاعًا فائدہ	لَّكُمْ تمہارے لئے	
وَلِاَنْعَامِكُمْ اور تمہارے چوپایوں کیلئے								

قیامت کے واقع ہونے پر عقلی دلائل

گذشتہ آیات میں منکرین قیامت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سنا کر درس عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔اس طرح جو منکرین قیامت کے وقوع کے منکر تھے ان کو ڈرایا گیا تھا اور ان کے لئے اس واقعہ میں دلیل نقلی بیان فرمائی گئی کیونکہ تمام انبیاء ورسل نے قیامت کو حق بتلایا ہے اور اس سے ڈرایا ہے۔ اب آگے قیامت کے وقوع پر عقلی دلائل بیان فرمائے جاتے ہیں اور ان آیات میں منکرین قیامت سے خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ذرا سوچو اور بتاؤ تو سہی کہ تمہارا دوبارہ پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد آسمان وزمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق تم اس کو مانتے ہو تو پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں شک وتردد ہے۔آسمان کو خیال کرو کتنا عظیم الشان کس قدر اونچا' کتنا مضبوط' کیسا صاف وہموار اور کس درجہ مرتب ومنظم ہے۔کس قدر زبردست انتظام اور باقاعدگی کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات ودن کا سلسلہ قائم ہے۔رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں ایک دوسری شان نظر آتی ہے۔پھر جس نے بساط ارضی میں وسعت بخشی اور اس کا پھیلاؤ اس طرح سے کر دیا کہ تمہارے لئے موجب راحت ہو اور جس نے اسی زمین ہی سے تمہارے لئے جسمانی غذا کا سامان اس طرح کیا کہ اس میں سے پانی کے چشمے جاری کئے اور مختلف اقسام کے غلے' میوے' پھل سبزیاں پیدا کیں جن پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اور جس نے زمین پر بلند وبالا اور مضبوط پہاڑ قائم کئے کہ جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے اور زمین کو بھی بعض خاص قسم کے اضطرابات سے محفوظ رکھنے والے ہیں اور جن کی سردی سے ٹکرا کر بخارات آبی بادلوں اور پھر پانی کی صورت میں تبدیل ہو کر بارش برساتے ہیں جس سے لوگوں کے کھانے کے لئے اناج غلہ وغیرہ اور جانوروں کے لئے چارہ کی پیداوار ہوتی ہے تو جس قادر مطلق خالق ارض وسما نے یہ سب کچھ پیدا کیا اس کی قدرت لامتناہی کے بارہ میں تم کو کیوں شک ہے کہ تم کو تمہارے مر کھپ جانے کے بعد پھر دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا۔

تو ان آیات میں قیامت کے ثبوت کے سلسلہ میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا ممکن ہے۔ اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

(۲) اس ساری کائنات کا نظم انتہائی حسن تدبیر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کے ہر ہر کام سے انتہائی حکمت ظاہر ہوتی ہے تو ایک ایسا باحکمت نظام یونہی بے مقصد نہیں ہو سکتا۔ اس کا کوئی انجام اور مقصد ہونا چاہئے اور وہ انجام و مقصد ہی آخرت ہے۔

(۳) انسان پر اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات کئے ہیں اور جن سے وہ ہر آن دنیا میں فائدہ اٹھا رہا ہے تو ان انعامات کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ انعامات دینے والا یہ نہ دیکھے کہ کس نے انہیں پا کر شکر ادا کیا اور کس نے ناشکری کی حق و انصاف کا تقاضہ بھی ہے کہ ایک دن ایسا ضرور ہونا چاہئے جب یہ جانچا جائے کہ کس نے اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کیا اور اس کا شکر ادا کیا اور کون انہیں غلط طریقہ پر کام میں لایا اور اس کی ناشکری کی۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اس کائنات کے ذرہ ذرہ سے اپنی ذات عالی کی معرفت ہم کو نصیب فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں جو حق تعالیٰ نے اپنے بے شمار احسانات و انعامات ہم پر فرما رکھے ہیں ان کا احساس ہم کو نصیب فرمائیں اور ان پر حقیقی شکرگزاری کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

یَااللہ میں اس گناہ کی بھی معافی چاہتا ہوں جس کے سبب آپ کے کسی ولی پر ظلم کیا ہو یا آپ کے کسی دشمن کی مدد کی ہو یا تیری مخالفت میں چل کھڑا ہوا ہوں یا تیرے اوامر و نواہی کے خلاف تگ و دو میں لگا رہا ہوں ایسے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

یَااللہ اس گناہ سے بھی معافی دے کہ میں نے مسلمانوں میں بغض و عداوت اور منافرت پھیلا دی ہو یا میرے گناہوں کے باعث مسلمانوں پر آفت و مصیبت آ گئی ہو یا میرے گناہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو ہنسنے کا موقع ملا ہو یا دوسروں کی میرے گناہ کی وجہ سے پردہ دری ہوئی ہو یا میرے گناہ کے باعث مخلوق پر بارش برسانے سے روک لی گئی ہو۔ الٰہی! میرے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی ﴿۳۴﴾ یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ

سو جب وہ بڑا ہنگامہ آوے گا جس دن انسان اپنے کیئے کو یاد کرے گا۔اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جاوے گی۔

لِمَنْ یَّرٰی ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا

تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی۔اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی۔ سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا۔اور جو شخص

مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾

اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا۔سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا ﴿۴۲﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا ﴿۴۳﴾ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا ﴿۴۴﴾

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق اس کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا ﴿۴۵﴾ کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا ﴿۴۶﴾

آپ تو صرف اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا گویا (دنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں۔

فَاِذَا پھر جب	جَآءَتِ وہ آئے	الطَّآمَّۃُ ہنگامہ	الْکُبْرٰی بڑا	یَوْمَ دن	یَتَذَکَّرُ یاد کرے گا	الْاِنْسَانُ انسان	مَا جو	سَعٰی اس نے کمایا		
وَبُرِّزَتِ ظاہر کردی جائے گی	الْجَحِیْمُ جہنم	لِمَنْ اس کے لئے جو	یَرٰی وہ دیکھے گا	فَاَمَّا پس	مَنْ جو۔جس	طَغٰی سرکشی کی	وَاٰثَرَ ترجیح دی			
الْحَیٰوۃَ زندگی	الدُّنْیَا دنیا	فَاِنَّ تو یقیناً	الْجَحِیْمَ جہنم	ھِیَ وہ	الْمَاْوٰی ٹھکانہ	وَاَمَّا اور جو	مَنْ جو	خَافَ ڈرا	مَقَامَ کھڑا ہونا	رَبِّہٖ اپنے رب
وَنَھَی اور روکا	النَّفْسَ جی۔دل	عَنِ سے	الْھَوٰی خواہش	فَاِنَّ یقیناً	الْجَنَّۃَ جنت	ھِیَ وہ	الْمَاْوٰی ٹھکانہ	یَسْئَلُوْنَکَ وہ آپ سے پوچھتے ہیں		
عَنِ سے	السَّاعَۃِ قیامت	اَیَّانَ کب	مُرْسٰھَا اس کا ٹھہرنا	فِیْمَ کیا	اَنْتَ تو	مِنْ سے	ذِکْرٰھَا اس کا ذکر	اِلٰی طرف	رَبِّکَ تمہارا رب	
مُنْتَھٰھَا اس کی انتہا	اِنَّمَا صرف	اَنْتَ آپ	مُنْذِرُ ڈرانے والے	مَنْ جو	یَّخْشٰھَا اس سے ڈرے	کَاَنَّھُمْ گویا وہ	یَوْمَ دن	یَرَوْنَھَا دیکھیں گے اسکو		
لَمْ نہیں	یَلْبَثُوْا ٹھہرے وہ	اِلَّا مگر	عَشِیَّۃً ایک شام	اَوْ یا	ضُحٰھَا اسکی ایک صبح					

قیامت کی جزاء وسزا کا منظر

قیامت کے وقوع کے اثبات کے بعد قیامت کے جزاوسزا کا منظر بھی پیش کیا جاتا ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کا بڑا حادثہ وقوع پذیر ہوگا اس دن انسان کو اپنے نیک وبداعمال جو اس نے اس دنیا کی زندگی میں کئے تھے سب یاد آجائیں گے اور ان کی جزاوسزا اس کو ملے گی۔آج انسان نے دنیا کی زندگی ہی کو اہمیت دے رکھی ہے اور اسی زندگی کے منافع ولذات اس کے سامنے ہیں اور وہ یہ بھول گیا ہے کہ یہ زندگی دراصل ایک اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے سامان جمع کرنے کی مہلت ہے لیکن جب وہ وقت یعنی یوم قیامت آجائے گا جسے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک بہت بڑی آفت کہنا چاہئے۔تو اس وقت انسان اپنے ایک ایک کام کو یاد کرے گا۔اس وقت اس کا دنیا میں گزرا ہوا زمانہ اس کے سامنے ہوگا اور وہ یہ یاد کر کے پچھتا رہا ہوگا کہ اس نے اپنی قوتیں کن کاموں

میں لگادیں۔ اپنی صلاحیتوں کو کہاں خرچ کیا اور اپنے وقت کا کیا استعمال کیا؟ جو کچھ اس نے کیا ہوگا سب کا انجام نظروں کے سامنے ہوگا اور اپنی ہر کوشش کا پھل اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس روز جہنم ظاہر ہو جاوے گی ہر ایک دیکھنے والے کے لئے۔ آج تو اس کو صرف اہل ایمان اور اہل بصیرت انبیاء کے بتلانے سے دیکھتے ہیں اوروں کو دکھائی نہیں دیتی اور اس لئے شتر بے مہار ہو کر لذات وشہوات میں الجھے رہتے ہیں اور اس دن کی کچھ پروا نہیں کرتے اور محسوس نہ ہونے کے سبب منکرین انکار بھی کرتے ہیں لیکن اس روز یعنی قیامت میں یہ نہ ہوگا ہر ایک کھلم کھلا دیکھ لے گا۔

سرکشوں کے لئے دوزخ اور ڈرنے والوں کے لئے جنت

مگر اس قہر الٰہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہ ہوگا کہ تمام بنی آدم کو اس میں جھونک دیا جائے۔ نہیں بلکہ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی جس نے دنیا میں سرکشی کی ہوگی۔ حکم الٰہی سے سرتابی اور تجاوز کیا ہوگا۔ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا اور دنیوی زندگی کو سب کچھ سمجھ کر اسی پر ریجھ گیا ہوگا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا تو یہاں دنیا میں دو چیزیں یعنی طَغٰی اور وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا یعنی حکم الٰہی سے سرکشی اور دنیوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینا ان کا انجام ونتیجہ جہنم بتلایا گیا اور اس کے مقابل دنیا کی دو ہی چیزوں کا نتیجہ اور انجام آخرت میں جنت بتلایا گیا ایک وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی جس نے یہ سمجھا کہ مجھے اس جہان سے گزر کر ایک دن اللہ کے حضور میں کھڑا ہونا ہے اور اپنی زندگی کے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے لہٰذا اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز اور سرکشی نہ چاہئے نہ تو وہاں پر رسوائی حاصل ہوگی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دوسرے وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی اور اپنے نفس کو ناجائز اور حرام خواہش سے روکا ہوگا۔ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی تو اس کا ٹھکانہ بالتحقیق جنت ہوگا۔ تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ

(۱) تمام برائیاں شقاوت، فسادات اور تمام قباحتوں کی جڑ دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں۔ طَغٰی اور وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا یعنی سرکشی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اور اسی طرح

(۲) دنیا کی زندگی کی تمام حسنات اور تمام طاعات اور تمام نیک صفات اور تمام مکارم اخلاق کی کنجی اور بنیاد بھی دو ہی چیزیں ہیں یعنی خوف خداوندی اور نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنا اور باز رکھنا۔

کافروں کے بے جا اعتراضات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب انکار کرنے والے قیامت کے حالات سنتے اور انہیں بتایا جاتا کہ اس روز کیا کیا پیش آئے گا تو بجائے اس کے کہ وہ تصدیق کرتے اور ایمان لاتے اور کفر سے باز آتے الٹا قیامت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اڑانے کے لہجے میں پوچھتے کہ اچھا یہ تو بتلایئے کہ آخر وہ قیامت آئے گی کب؟ اور کس وقت واقع ہوگی؟ اس قسم کے سوالات سے فطری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا اور ان کے کمال نادانی سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کی اس قسم کی باتوں سے کیوں فکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قیامت کا ٹھیک وقت متعین کر کے بتلانا آپ کا کام نہیں۔ قیامت کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر ہے وہی جانتا ہے کہ کب واقع ہوگی۔ آپ کا کام تو قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرا دینا ہے۔ اب جس کے دل میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ خوف ہوگا وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر آخرت کی تیاری اور فکر کرے گا ورنہ نااہل تو انجام سے غافل ہو کر ایسے ہی فضول سوالات میں پڑے رہیں گے۔ کہ کس تاریخ کس مہینہ اور کس سال میں آرہی ہے؟۔

قیامت کے دن پتہ چل جائے گا

سورۃ کے خاتمہ پر بتلایا گیا کہ اس وقت تو یہ منکرین بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں کبھی کچھ پوچھتے ہیں اور کبھی کچھ لیکن جب قیامت کا

دن آ جائے گا اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور اس دنیا کی یہ زندگی جس کی لذتوں اور مصروفیتوں نے انہیں انجام سے غافل بنا رکھا ہے اس وقت بالکل بے حقیقت معلوم ہوگی اور اس وقت انہیں ایسا معلوم ہوگا اور یہ خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی رہے ہیں گویا قیامت کے مقابلہ میں اس جہان کی زندگی ایسی کم معلوم ہوگی تو جب دنیاوی زندگی اس قدر قلیل معلوم ہوگی تو سمجھ لو کہ قیامت دور نہیں۔

سورۃ النازعات کا خلاصہ

اس سورت میں بھی قیامت کے مختلف احوال اور ہولنا کیوں کا بیان ہے ابتداء میں اللہ نے مختلف کاموں پر مامور پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم کھائی ہے لیکن جواب قسم ذکر نہیں فرمایا' سیاق کلام کو دیکھ کر جو جوابِ قسم سمجھ میں آتا ہے وہ ہے ''لتبعثن'' (تمہیں قیامت کے دن ضرور زندہ کیا جائے گا)

سورۂ نازعات بتاتی ہے کہ قیامت کو جھٹلانے والوں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا کہ ان کے دل دھڑک رہے ہوں گے' دہشت' ذلت اور ندامت کی وجہ سے ان کی نظریں جھکی ہوں گی' لیکن آج دنیا میں وہ فرعون بنے بیٹھے ہیں اور اللہ کے نبی کی بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے لیکن شاید انہیں فرعون کا انجام معلوم نہیں۔ یہ عقل سے کورے اور احمق یہ نہیں سوچتے کہ جو اللہ مضبوط آسمان بنا سکتا ہے شب وروز کا نظام مقرر کرسکتا ہے' زمین کا فرش بچھا سکتا ہے' پہاڑوں کی میخیں گاڑ سکتا ہے کیا وہ انہیں دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا سورت کے اختتام پر مشرکین کا سوال مذکور ہے جو وہ وقوعِ قیامت کو محال سمجھ کر قیامت کے بارے میں کرتے تھے اور یہ سوال اس لیے کرتے تھے کہ وہ دنیا کی زندگی پر فریفتہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ دنیا ہی کی زندگی' حقیقی اور دائمی زندگی ہے' لیکن ''جس روز یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی وہ دنیا میں رہے ہیں۔

سورۃ النازعات کے خواص

۱- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو سورۃ النازعات پڑھتا رہے وہ جنت میں داخل ہوگا اس حال میں کہ اس کا چہرہ مسکراتا ہوگا۔

۲- اگر کسی کو دشمن کا سامنا ہو اور وہ دشمن کے سامنے اس سورۃ کو پڑھ کر اس پر دم کردے تو اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمارے دلوں سے آخرت کی طرف سے غفلت دور فرما دیجئے اور دنیا میں ہم کو ایمان اور عمل صالح پر استقامت نصیب فرمائیے۔ اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ اپنے مومنین مخلصین بندوں کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرما کر انہیں کے ساتھ اپنے فضل سے ہمارا آخری اور ابدی ٹھکانا جنت میں ہم کو نصیب فرمائیے۔

یَااَللّٰہُ آپ کی ہدایت آ جانے کے بعد اور دین کی بات کا علم ہو جانے کے بعد بھی میں نے اپنے آپ کو غافل بنائے رکھا۔ آپ نے حکم دیا' یا منع کیا' کسی عمل کی رغبت دلائی' اپنی رضا و محبت کی طرف بلایا اور اپنے قریب کرنے کے لئے اعمال خیر کی دعوت دی۔ آپ نے سب کچھ انعام کیا لیکن میں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ الٰہی! میری ہر ایسی خطا کو معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ كَذَا الخ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴

پیغمبر چیں بجبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ انکے پاس اندھا آیا۔ اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔ یا نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ

تو جو شخص بے پروائی کرتا ہے۔ آپ اس کی فکر میں پڑتے ہیں۔ حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا

يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲

ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے۔ آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے۔

عَبَسَ تیوری چڑھائی	وَتَوَلّٰى اور منہ موڑلیا	اَنْ کہ	جَآءَهُ آیا اسکے پاس	الْاَعْمٰى ایک نابینا	وَمَا اور کیا	يُدْرِيْكَ خبر آپ کو	لَعَلَّهٗ شاید وہ	يَزَّكّٰى سنور جاتا
اَوْ یا	يَذَّكَّرُ نصیحت مانتا	فَتَنْفَعَهُ اسے نفع پہنچاتا	الذِّكْرٰى نصیحت کرنا	اَمَّا اور۔ جو	مَنِ جس	اسْتَغْنٰى بے پروائی کی	فَاَنْتَ تو آپ	لَهٗ اس کیلئے
تَصَدّٰى فکر کرتے ہو	وَمَا اور نہیں	عَلَيْكَ آپ پر	اَلَّا اگر نہ	يَزَّكّٰى وہ سنورے	وَاَمَّا اور جو	مَنْ جو	جَآءَكَ آیا آپ کے پاس	يَسْعٰى دوڑتا
وَهُوَ اور وہ	يَخْشٰى ڈرتا ہے	فَاَنْتَ تو آپ	عَنْهُ اس سے	تَلَهّٰى تغافل کرتے ہو	كَلَّآ ہرگز نہیں	اِنَّهَا یہ تو	تَذْكِرَةٌ نصیحت	فَمَنْ سو جو
			شَآءَ چاہے	ذَكَرَهٗ اس سے نصیحت قبول کرے				

سورۃ کا نام "عبس" کیوں ہے؟

اس سورۃ کی ابتداء ہی لفظ عبس سے ہوئی ہے عبس کے معنیٰ ہیں اس نے تیوری چڑھائی۔ وہ ترش رو ہوا۔

چونکہ اس سورۃ کے نزول کا سبب ہی عبوس یعنی ترش روئی تھی جیسا کہ آگے شان نزول سے معلوم ہوگا اس لئے سورۃ کا نام ہی عبس مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔

سبب نزول

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد الحرام میں تشریف رکھے تھے اور آپ کے پاس سرداران قریش و روسائے مشرکین جیسے عتبہ بن شیبہ اور ربیعہ بن شیبۃ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف وغیرہ بیٹھے تھے اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دین اسلام کی خوبی اور شرک و بت پرستی کی برائی سمجھا رہے تھے اور کمال توجہ سے ان کے ساتھ باتوں میں مشغول تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن شریح بن مالک کہ ان کو ابن ام مکتوم بھی کہتے ہیں اس واسطے کہ مکتوم نابینا کو کہتے ہیں اور ان کی ماں کو ام مکتوم کہا کرتے تھے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور قطع کلام کر کے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے اور کہنے لگے کہ فلاں آیت کس طرح ہے؟ یارسول اللہ مجھے اس میں سے کچھ سکھلا یئے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بے وقت کا پوچھنا گراں خاطر ہوا اور آپ نے ان نابینا صحابی کی طرف التفات نہ فرمایا اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بجبیں

ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت یہ خیال ہوا ہوگا کہ میں ایک بڑے اہم کام میں مشغول ہوں۔ قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اسلام لے آئیں تو بہت لوگوں کے مسلمان ہو جانے کی توقع ہے اور ابن مکتوم تو بہرحال مسلمان ہیں ان کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے تو بہت سے مواقع حاصل ہیں۔ پھر ممکن ہے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا ہو کہ ان کو تو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس اس وقت کیسے بااثر اور بارسوخ روسائے مکہ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہو جائے تو ہزاروں اشخاص ہدایت پر آ سکتے ہیں۔ اب اگر میں ان لوگوں کی طرف سے ہٹ کر گوشہ التفات ان کی طرف کروں گا تو یہ ان سرداروں کو کس قدر شاق ہوگا۔ شاید پھر وہ میری بات سننا بھی پسند نہ کریں۔ غرض کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر آثار خفگی کے نظر آنے لگے اور آپ نے اپنا منہ ان نابینا کی طرف سے پھیر کر ان کی طرف متوجہ رہے۔ آپ جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے اور اس حال میں اس سورۃ کی یہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

بعد نزول ان آیات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے گھر تشریف فرما ہوئے اور عذر کیا اور ان کو ہمراہ لے کر دولت خانہ کو تشریف لائے اور آپ نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر ان کو بٹھایا۔ پھر جب کبھی وہ نابینا صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی خاطر فرماتے اور ارشاد فرماتے۔ **مرحبا بمن عاتبني فيه ربي** یعنی خوش آمدید تو وہ شخص ہے جس کے واسطے میرے پروردگار نے مجھ کو عتاب فرمایا اور روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو دوبارہ آپ غزوہ کے سفر کو مدینہ منورہ سے جہاد کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام امام نماز کا انہی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مقرر فرمایا تھا۔ اسی سے عوام کے اس قول کی بھی تردید ہوتی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ نابینا کی امامت مکروہ ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ ہاں اگر نابینا امام طہارت و پاکی وغیرہ کا اہتمام نہ کر سکتا ہو تو یہ کراہت کا باعث ہو سکتی ہے۔ نہ کہ بینائی کا نہ ہونا۔ اور حضرت انسؓ بن مالکؓ ایک عجیب احوال ان نابینا صحابی یعنی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کا روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان کو قادسیہ کی جنگ میں دیکھا زرہ پہنے اور ایک تازی گھوڑے پر سوار ان کے ہاتھ میں ایک سیاہ جھنڈا تھا اور باوجود اس نابینائی کے کافروں کی صفوں پر حملے کرتے تھے اور آخر اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

آپ کی توجہ کا مستحق کون ہے؟

الغرض سبب نزول ان آیات کا یہی واقعہ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ نابینا طالب صادق تھا آپ کو کیا معلوم کہ آپ کے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور آپ کی باتوں سے اس کو دل و جان کی پاکیزگی نصیب ہو جاتی۔ آپ کی کوئی بات یا قرآن کی کوئی آیت اس نابینا کے کان میں پڑتی اور وہ اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا تو اسے اس سے نفع پہنچتا آگے ارشاد ہوا کہ یہ رؤسائے مشرکین جو اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ طالب حق ہیں آپ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی دردسری اور عرقریزی کر رہے ہیں کہ یہ کسی طرح ایمان لے آئیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز متکبرین آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے۔ آپ کا فرض دعوت و تبلیغ کا تھا وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں آگے ان لاپرواہ متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچا طالب اور مخلص ایمان دار آپ کی توجہ سے محروم ہونے لگے جو دین کے شوق میں آپ کے پاس آیا اور جس کو خدا کا ڈر ہے۔ اس لئے آپ کو اس طالب ہدایت اور دین کا شوق رکھنے والے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تھا کیوں کہ یہ قرآن تو محض ایک نصیحت کی چیز ہے اور آپ کے ذمہ صرف اس کی تبلیغ ہے سو جس کا جی چاہے قبول کرے۔ اگر یہ متکبر اغنیاء قرآن کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو قرآن کو ان کی کچھ پرواہ

نہیں وہ اپنا ہی برا کریں گے آپ کا کیا ضرر پھر آپ ان کے لئے اسلام وایمان کے لئے اس قدر اہتمام اور فکر کیوں کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ تبلیغ

ان آیات کے تحت بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیات کے ظاہری الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہے ہیں کہ آپؐ نے ایک نابینا صحابی کی طرف توجہ نہیں فرمائی بلکہ اس کے مقابلہ میں آپ قریش کے سرداروں کی طرف متوجہ رہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو دراصل ان آیات میں آپ کے جوش تبلیغ و دعوت اور آپ کی اس بے انتہا شفقت کی تعریف کی گئی ہے کہ جو آپ کی خصوصیت تھی اور ساتھ ہی آپ کے نادار اور معذور صحابہ کی دلداری کی گئی جنہیں قریش کے سردار نیچا اور ذلیل سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کی اصلاح مقدم ہے

ان آیات کے تحت حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''اس موقع میں یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آ گئے ایک مسلمان کی تعلیم اور اس کی تکمیل اور دل جوئی۔ دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لئے ان کی طرف توجہ۔ قرآن کریم کے یہاں اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے''۔ (معارف القرآن جلد ۸)

دعا کیجئے

یَا اللّٰہ ہم کو قرآن کی حکومت نصیب فرما اور اس کے احکام کا نفاذ اس ملک میں جاری فرما۔

یَا اللّٰہ یہ پاکستان اسلامی ملک ہے مگر ہم جتنا اسلامی تعلیم و ہدایات سے دور ہوتے جاتے ہیں اتنا ہی بدحالی میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ اب ہم غیر مسلموں کو اسلامی تعلیم سے کیا آگاہ کریں جب ہم خود شریعت اسلامیہ سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ یا اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی تعلیم و اصلاح کی فکر نصیب فرما اور اس ملک اور قوم کو دین و دنیا کی اصلاح نصیب فرما۔ آمین۔

یَا اللّٰہ جس گناہ کو کر کے میں بھول گیا ہوں لیکن آپ کے یہاں وہ لکھا ہوا ہے میں نے اس کو ہلکا سمجھا لیکن نافرمانی پھر نافرمانی ہے وہ آپ کے یہاں موجود پاؤں گا۔ میں نے بارہا علانیہ گناہ کیا آپ نے چھپالیا' لوگوں نے دھیان نہ کیا اور ہر ایسا گناہ جس کو آپ نے اس لئے رکھ چھوڑا ہے کہ توبہ کرے گا تو معاف کریں گے الٰہی! میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں مجھے معاف فرما دیجئے اور میری توبہ قبول فرما لیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ 3

وہ ایسے صحیفوں میں ہے، جو مکرم ہیں۔ رفیع المکان ہیں مقدس ہیں۔ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ مکرم نیک ہیں۔ آدمی پر خدا کی مار

مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیْلَ

وہ کیسا ناشکرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا۔ نطفہ سے اس کی صورت بنائی پھر اس کو انداز سے بنایا۔ پھر اس کو راستہ

یَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

آسان کردیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کردے گا۔ ہرگز نہیں اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا۔

فِیْ میں	صُحُفٍ صحیفے	مُكَرَّمَةٍ باعزت	مَرْفُوْعَةٍ بلند مرتبہ	مُطَهَّرَةٍ انتہائی پاکیزہ	بِاَیْدِیْ ہاتھوں میں	سَفَرَةٍ لکھنے والے	كِرَامٍ بزرگ		
بَرَرَةٍ نیکوکار	قُتِلَ مارا جائے	الْاِنْسَانُ انسان	مَآ اَكْفَرَهٗ کیسا ناشکرا	مِنْ سے	اَیِّ کس	شَیْءٍ چیز	خَلَقَهٗ اسے پیدا کیا	مِنْ سے	نُطْفَةٍ نطفہ
خَلَقَهٗ اسکو پیدا کیا	فَقَدَّرَهٗ اسے اندازہ پر رکھا	ثُمَّ پھر	السَّبِیْلَ راہ	یَسَّرَهٗ اسکو آسان کردیا	ثُمَّ پھر	اَمَاتَهٗ اسے مردہ کیا	فَاَقْبَرَهٗ پھر اسے قبر میں رکھوایا		
ثُمَّ پھر	اِذَا جب	شَآءَ چاہا	اَنْشَرَهٗ اسے نکالا	كَلَّا ہرگز نہیں	لَمَّا ابھی تک	یَقْضِ پورا کیا	مَا جو	اَمَرَهٗ اسکو حکم دیا	

عظمت قرآن

اس سورۃ کی گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اگر یہ متکبر اغنیاء قرآن پر ایمان نہ لائیں اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کریں گے قرآن کو ان کی کچھ پروا نہیں۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں قرآن پاک کی کچھ اہم صفتوں کو بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ کیا ان مغرور و متکبر اغنیاء اور سر پھرے سرداران قریش کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ عالی مقام اور بلند شان ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ مراد لوح محفوظ ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر تحت العرش ہے اور وہیں سے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں نازل ہوا کرتا تھا۔ تو پہلی صفت قرآن پاک کی فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ فرمائی گئی یعنی لوح محفوظ کے صحیفے ایسے معزز اور بلند مرتبہ اور مقدس ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور شیاطین خبیثہ کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ دوسری صفت فرمائی بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ یعنی وہ صحیفے ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں کہ وہ مکرم اور نیک ہیں۔ یہاں فرشتوں کو لکھنے والا اس لئے کہا گیا کہ وہ لوح محفوظ سے بامر الٰہی نقل کرتے اور اسی کے موافق وحی اترتی تو یہاں قرآن کریم کے بلند مقام کو واضح کرنے کے لئے یہ دو صفات ظاہر فرمائی گئیں لیکن یہ واضح رہے کہ یہ صفات اس عالم غیب سے متعلق ہیں کہ جس کا ٹھیک ٹھیک پورا علم ہم کو اس دنیا میں نہیں ہوسکتا۔

ناشکرا انسان

تو اس گراں قدر نعمت یعنی قرآن کریم کی عظمت و بزرگی بیان فرما کر ایسے انسانوں کی مذمت کی جاتی ہے کہ جنہوں نے اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ کی اور اس کا حق نہ پہچانا۔ ایسے انسانوں کی اس روش پر غصہ اور نفرت کے اظہار کے لئے فرمایا گیا۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ مارا جائے یہ انسان کہ کس درجہ ناشکرا ہے کیسا ناقدرا اور کتنا بڑا احسان فراموش ہے کہ ایسی بڑی نعمت کی قدر نہیں پہچانتا اور اس کے احکام ماننے سے انکار کرتا ہے اور اس کے پیغام سے سرکشی کرتا ہے۔

انسان کی حقیقت ہی کیا ہے؟

اب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انسان کی سرکشی اور اس کی کتاب سے منہ موڑنے اور اس کے احکام سے انحراف کرنے کا ایک بڑا سبب

یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان اپنے آپ کو کچھ سے کچھ سمجھنے لگتا ہے اپنی حقیقت اس کے سامنے نہیں رہتی اپنی بڑائی اور تکبر کے احساس میں مست ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو اس غلطی سے نکالنے کے لئے اس کے سامنے یہ سوال رکھا گیا۔ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ یعنی اس نے ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ وہ بظاہر پیدا کس چیز سے ہوا ہے۔؟ پھر حق تعالیٰ خود ہی آگے جواب دیتے ہیں۔ مِنْ نُّطْفَةٍ ایک بوند یعنی منی کے ایک قطرہ ناپاک سے۔ تو اس سوال کے جواب سے انسان کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ جس وجود کی ابتدا اتنی حقیر چیز سے ہوئی ہوا سے کیا حق ہے کہ وہ اس ذات کے مقابلہ میں سر اٹھائے جس نے اسے وجود بخشا اور ایک قطرۂ ناپاک کو ایک انسان کی شکل دے دی۔ پھر جس حقیر بوند سے انسان کی آفرینش شروع ہوتی ہے اس میں اللہ نے کیسی کیسی قوتیں رکھ دیں۔ کس طرح اعضائے بدن مناسب طور پر بنائے۔ پھر ان میں جان ڈالی پھر رحم میں حیض مادر سے اس کو غذا پہنچائی۔ اور حس وشعور حسن و جمال اور عقل وادراک سب کچھ عطا فرمایا۔ پھر جب اپنے عمر طبعی کا ایک زمانہ ماں کے پیٹ کی تنگ وتاریک کوٹھڑی میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اس کی آئندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قدرت اس کو ایک تنگ راستہ سے باہر لاتی ہے اور اس تنگ راستہ کو اس سے نکلنے کے لئے اس پر سہل کر دیتی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ غور کیجئے کہ کہاں ایک اچھا خاصہ تنومند نو ماہ کا بچہ اور اس کا ایسے تنگ موقع سے صاف نکل آنا یہ قدرت الٰہی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ تو یہ ہے انسان جو ایک طرف اللہ کی قدرت اور حکمت کا بے مثال شاہکار ہے پھر جیسے اس کا پیدا ہونا بے اختیاری ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے۔ لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعف و پیری اور مرض وغیرہ نہ آنے دے تو ہرگز نہیں کرسکتا۔

جس نے پیدا کیا وہ موت دے گا

الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنے کے لئے انسان باہر آتا ہے اسی طرح اس دنیا کی منزل سے ترقی کرنے کے لئے یہاں سے جاتا ہے۔ یہ دنیا کی موت اس آئندہ عالم آخرت کی ولادت ہے۔ پھر بتلایا جاتا ہے کہ انسان کو موت دے کر نیست ونابود ہی نہیں کر ڈالتے بلکہ فَاَقْبَرَهٗ اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں عرف میں تو قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔ مگر اصطلاح شرع میں قبر عالم برزخ کا نام ہے۔ خواہ کوئی دریا میں ڈوب جائے یا آگ میں جل جاوے۔ یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہے یا درندوں پرندوں کے پیٹ میں چلی جائے بہرحال اس کی روح کو قبر یعنی عالم برزخ میں جانا ہوتا ہے۔ اور وہاں آخرت سے پہلے اس کو عذاب ثواب بھگتنا پڑتا ہے۔ تو جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا اور پھر موت دی اسی کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے کیونکہ اس کی قدرت اب کسی نے (معاذ اللہ) سلب نہیں کر لی۔ جو قدرت اس کی پہلے تھی وہ اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی تو انسان کا پیدا کر کے دنیا میں لانا پھر مار کر برزخ میں لے جانا پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا ان حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق و مالک کا حق پہچانتا۔ اپنے پیدا کرنے والے کا مطیع وفرمانبردار ہوتا۔ اس کے احکام کو مانتا اس کے اشاروں پر چلتا اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرتا لیکن کیا اس انسان نے ایسا کیا؟ ہرگز نہیں۔ اس نے اپنے مالک کا حق نہ پہچانا اور جو کچھ اسے حکم ملا تھا اس نے اسے پورا نہ کیا تو بھلا اس سے زیادہ کیا ناشکری اور ناقدری ہوگی۔

موت بھی نعمت ہے

یہاں انسان کی موت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات ہی کے سلسلہ میں ذکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت انسان کی موت کوئی مصیبت نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ بھی ایک نعمت ہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیث میں موت کو مومن کا تحفہ فرمایا ہے۔ تو یہاں ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (پھر اس کو موت دی اور اس کو قبر میں داخل کیا) تو قبر میں انسان کو داخل کرنا بھی ایک انعام واحسان فرمایا گیا۔ اور یہ انعام واحسان اس طرح ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مرگیا تو وہیں زمین پر سڑتا۔ پھولتا اور پھٹتا ہے بلکہ اس کا یہ اکرام کیا گیا کہ مرنے کے بعد اس کو نہلا دھلا کر پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے جو اسلام نے بدرجہ تاکید تعلیم فرمایا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾

سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا۔پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا۔

فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً

پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری۔اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے

وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

اور چارہ پیدا کیا۔تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کیلئے۔

فَلْيَنظُرِ پس چاہیے کہ دیکھے	الْإِنسَانُ انسان	إِلَىٰ طرف	طَعَامِهِ اپنا کھانا	أَنَّا کہ ہم	صَبَبْنَا اوپر سے ڈالا	الْمَاءَ پانی	صَبًّا گرتا ہوا	ثُمَّ پھر	شَقَقْنَا پھاڑا
الْأَرْضَ زمین	شَقًّا پھاڑ کر	فَأَنبَتْنَا پھر ہم نے اُگایا	فِيهَا اس میں	حَبًّا غلہ	وَعِنَبًا اور انگور	وَقَضْبًا اور ترکاری	وَزَيْتُونًا اور زیتون	وَنَخْلًا اور کھجور	
وَحَدَائِقَ اور باغات	غُلْبًا گھنے	وَفَاكِهَةً اور میوہ	وَأَبًّا اور چارہ	مَّتَاعًا فائدہ	لَّكُمْ تمہارے لئے	وَلِأَنْعَامِكُمْ اور تمہارے چوپایوں کیلئے			

انسانی زندگی کے بقاء کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی چند ایسی ظاہری نعمتوں کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ جن کی بدولت دنیا میں اس کی زندگی قائم ہے تاکہ وہ اپنے خالق ورازق کا حق شناس بنے اور اس پر ایمان لاکر اس کی اطاعت بجالائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان ذرا اپنے کھانے ہی کی طرف نظر کرے اور اس انتظام پر غور کرے جو اس کو روزی بہم پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں۔ آسمان سے پانی برستا ہے اور پانی ہی کی وجہ سے زمین اس قابل ہوتی ہے کہ کچھ اگا سکے۔ اب اس پانی برسنے کے پیچھے کائنات کا کتنا بڑا نظم کام کر رہا ہے۔

پھر آسمان سے بارش کے بعد زمین سے جو کچھ اگتا ہے اس پر انسان ذرا غور کرے۔ ایک گھاس کے تنکے کی کیا طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا۔ یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے ضعیف نباتات بآسانی برآمد ہوتی ہے۔ پھر ایک ہی زمین ایک ہی پانی ایک ہی ہوا ایک ہی سورج کی روشنی وگرمی۔ کہیں اس سے اناج کی کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں جیسے گیہوں، جو، جوار، چنا، باجرہ وغیرہ کہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں اور کہیں اس سے انگور کے باغات اگائے کہ اس میں غذائیت بھی ہے کہ صرف اس کو کھا کر انسان پیٹ بھر سکتا ہے اور لذت خوش ذائقگی میوہ پن بھی ہے پھر اس انگور کے شیرہ اور رس سے بیسیوں چیزیں بنتی ہیں۔ پھر کہیں اس سے ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں جیسے مولی، گاجر، شلغم، پیاز، کھیرا، ککڑی، خربوزہ، تربوز وغیرہ کہ جن کو بغیر پکائے یونہی توڑ کر کھاتے ہیں اور کہیں زیتون کے درخت اگائے اور زیتون پھل کو پیدا کیا کہ جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے اس کا تیل نکال کر اس سے مختلف فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کی لکڑی سے طرح طرح کی چیزیں بناتے ہیں اور کہیں کھجور کے باغات اگائے کہ جن سے کھجور جیسا پھل پیدا ہوتا ہے کہ جو مہینوں رہ سکے۔ دور دراز ملکوں تک جا سکے اور جس کو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے۔ جو تر بھی کھائی جاتی ہے خشک بھی کھائی جاتی ہے۔ جو گدری بھی کھائی جاتی ہے اور پکی بھی کھائی جاتی ہے۔ اس کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی اور کہیں اسی زمین سے گھنے خوب بھرے ہوئے گہرے سایہ والے بڑے درختوں والے باغات پیدا کئے جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور حاصل ہوتا ہے۔ جن میں طرح طرح کے خوش ذائقہ خوش رنگ اور کارآمد پھول و پھل اور میوے ہوتے ہیں پھر علاوہ پھل اور میوے دینے کے ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے اور آسائش وراحت کے سامان تیار ہوتے ہیں پھر کہیں اس زمین سے خودرو گھاس پات، چارہ، جھاڑ، صحرائی درخت پیدا کئے کہ جو جانور، چوپائے، گائے بیل، بھیڑ بکری،

گھوڑے اونٹ وغیرہ ان چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور انسان ان چوپایوں اور جانوروں سے فائدہ اٹھائیں۔ کسی کا دودھ پئیں۔ کسی کے بالوں کو کام میں لائیں اور عمدہ عمدہ شال دوشالے اور کمبل بنائیں۔ کسی کا گوشت کھائیں۔ کسی پر سواری کریں کسی پر بوجھ لادیں۔ غرض کہ انسان کو اس کی زندگی اور بقاء کے سامان یاد دلائے جاتے ہیں کہ تمہاری زندگی قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے اور تمہارے جانوروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے قدرت نے آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے سبزہ اگا کر کیا سلسلہ جاری فرمایا کہ جس سے تم فیضیاب ہو رہے ہو اور قیامت تک ہوتے رہو گے اور یہ وہ صورتحال ہے جسے ہر انسان جانتا ہے اور جس سے وہ مسلسل فائدہ اٹھا رہا ہے۔ قدرت کی یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے وہ کسی حال میں انکار نہیں کر سکتا اور نہ ان کے بغیر وہ زندہ رہ سکتا ہے تو پھر یہ کتنی بڑی بدبختی اور نالائقی کی بات ہے کہ جو ذات عالی اللہ تعالیٰ کی اس انسان کو روزی بہم پہنچانے کے یہ انتظام فرما رہی ہے اور جس خالق کے اتنے انعامات اور عنایات اس پر ہیں کہ جن کا یہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا اسی خالق، رازق، مالک اور منعم اور محسن کی یہ نافرمانی کرے اور اسی کی ناشکری بجالائے۔ اسی کا کفر اور انکار کرے اور اسی کے حکم سے منہ موڑے۔

دعا کیجئے

یَااَللّٰہُ ہم آپ ہی کا دیا ہوا رزق کھا کر اور آپ کی نعمتیں شب و روز برت کر آپ ہی کی نافرمانی کریں یہ تو ہماری انتہائی بدبختی اور نامرادی ہے۔

یَااَللّٰہُ ہمیں اس بدبختی اور نامرادی سے بچالیجئے اور اپنی ہر نعمت کا ہمیں احساس عطا فرما کر ہم کو اس پر ایسے شکر کی توفیق نصیب فرمائیے کہ جو آپ ہم سے راضی ہو جائیں اور اپنی نعمتوں میں اضافہ فرمائیں۔

یَااَللّٰہُ میں ہر ان گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جو آپ کی رحمت سے دور کر دیں اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہوں۔ عزت سے محروم کر دیں اور برائی کے لائق کر دیں۔ آپ کی نعمتوں کے زوال کا سبب ہوں۔

یَااَللّٰہُ میں ہر اس گناہ سے معافی چاہتا ہوں جس سے میں نے آپ کی کسی مخلوق کو عار دلائی ہو یا آپ کی مخلوق کو فعل قبیح میں مبتلا کر دیا ہو اور خود میں بھی اس میں لگ گیا ہوں اور جرأت کے ساتھ کر رہا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ

پھر جس وقت کانوں کا بہرہ کر دینے والا شور برپا ہوگا۔ جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے

وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾

بھاگے گا۔ ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ بہت سے چہرے اس روز روشن۔ خنداں شاداں ہوں گے۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾

اور بہت سے چہروں پر اس روز ظلمت ہوگی ان پر کدورت چھائی ہوگی۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔

فَإِذَا پھر جب	جَاءَتِ آئے	الصَّآخَّةُ کان پھوڑنے والی	يَوْمَ جس دن	يَفِرُّ بھاگے	الْمَرْءُ آدمی	مِنْ سے	أَخِيهِ اپنے بھائی	وَأُمِّهِ اور اپنی ماں	
وَأَبِيهِ اور اپنا باپ	وَصَاحِبَتِهِ اور اپنی بیوی	وَبَنِيهِ اور اپنے بیٹے	لِكُلِّ واسطے ہر ایک	امْرِئٍ آدمی	مِّنْهُمْ ان سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	شَأْنٌ حالت		
يُغْنِيهِ اسے کافی ہوگی	وُجُوهٌ بہت چہرے	يَوْمَئِذٍ اس دن	مُّسْفِرَةٌ چمکتے	ضَاحِكَةٌ ہنستے	مُّسْتَبْشِرَةٌ خوشیاں مناتے	وَوُجُوهٌ اور بہت چہرے			
يَوْمَئِذٍ اس دن	عَلَيْهَا ان پر	غَبَرَةٌ غبار	تَرْهَقُهَا چھائی ہوئی	قَتَرَةٌ سیاہی	أُولَٰئِكَ یہی لوگ	هُمُ وہ	الْكَفَرَةُ کافر	الْفَجَرَةُ گنہگار	

قیامت کے دن عزیز واقارب سب بھاگ جائیں گے

یہ سورۂ عبس کی آخری آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں انسان کو وہ ظاہری نعمتیں یاد دلائی گئی تھیں جو دنیا میں اس کی بقاء آرام و آسائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انسان بھی یہ نعمتیں حاصل کر کے اور ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے خالق۔ اپنے رازق اور مالک کا شکر گزار بندہ بنتا اور اس پر ایمان لا کر اس کے احکام بجالاتا۔ لیکن یہ اس کی انتہائی نالائقی ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کرتا ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دن یعنی قیامت و آخرت میں یہ اپنی ساری ناشکری کا مزہ چکھے اور انسانوں میں جو اپنے آقا کو پہچانتے ہیں اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری بجالاتے ہیں۔ ان کی شکر گزاری کا ایک دن انعام ملے۔ یہ دنیا کی زندگی تو انسان کے آزمائش و امتحان کا زمانہ ہے اور یہاں ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ چاہے شکر گزار ایماندار اور اطاعت گزار بندہ بن کر رہے چاہے کفر و انکار اور ناشکری اور احسان فراموشی کی روش اختیار کرے۔ انعام اور سزا کا وقت قیامت و آخرت میں آئے گا اور اس وقت انسان کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا اور اس دنیا میں شکر گزار ہونے یا منکر و نافرمان ہونے کا جو انجام آخرت میں ہوگا اس کو ان آیات میں مختصراً ظاہر فرمایا گیا ہے اور سب سے پہلے اس وقت کی ہولناکی اور اہمیت کو ظاہر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جس وقت کانوں کو بہرا کر دینے والا قیامت کا شور برپا ہوگا تو اس دن یہ حال ہوگا کہ نفسی نفسی ہوگی۔ اس دن انسان ان قریبی عزیزوں کو بھی بھول جائے گا جن کی خاطر وہ اس زندگی میں بڑی سے بڑی مصیبت جھیل لیتا ہے اور جن کے لئے وہ اپنا آرام و سکون سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس دن نہ بھائی بھائی کے کام آئے گا

اور نہ ماں باپ بیوی بچے یا کوئی دوسرے عزیز یا دوست اسے یاد رہیں گے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ ہر شخص اپنی فکر میں مبتلا ہوگا کہ کسی نہ کسی طرح وہ بچ جائے۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا اور وہ رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تمہیں کس چیز نے رلایا؟ عرض کیا مجھے دوزخ یاد آ گئی اور اسی کے خوف نے مجھے رلایا ہے تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا ایک وزن اعمال کے وقت جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری۔ اور دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ آیا داہنے ہاتھ میں یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں۔ اور تیسرے پل صراط پر جب کہ وہ رکھا جائے گا جہنم کے اوپر اور سب کو اس پر سے گزرنے کا حکم دیا جائے گا۔ تو گویا یہ تین وقت ایسے نفسی نفسی کے ہونگے کہ ہر ایک اپنی اپنی فکر میں ڈوبا ہوگا۔ اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے "قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور بے ختنہ جمع کیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں اور مردوں سب کو ان میں سے ایک دوسرے کو دیکھے گا آپؐ نے فرمایا عائشہ! موقع اس سے زیادہ ہولناک ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے پر نظر ڈالیں۔ یعنی کسی کو کسی کے دیکھنے کی فرصت کہاں ہوگی"۔

اقرباء کے بھاگ جانے کی وجہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث و مفسر دہلوی اس موقع پر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس دن اپنے اقربا سے بھاگنے کی کئی وجہ علماء نے لکھی ہیں بعض کہتے ہیں کہ حق کے طلب کرنے کے خوف سے بھاگے گا کہ مجھ سے جو کچھ اس کی حق تلفی ہوئی ہے کہیں یہ مجھ کو دیکھ کر اپنے حقوق نہ طلب کرنے لگے جیسے مفلس آدمی قرض خواہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مدد اور شفاعت کے خوف سے بھاگے گا ایسا نہ ہو کہ اس کے ملنے والے دوست آشنا کو جہنم کی طرف لے چلیں اور مجھ کو اس کو چھڑانے کے واسطے اپنی نیکیوں میں سے کچھ دینا پڑے یا اس کے گناہ اپنے ذمہ لینا پڑیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سبب سے بھاگے گا کہ تکلیف اور عذاب ان کا دیکھا نہ جاوے گا اور قدرت شفاعت کی اور نیکیاں دینے کی بھی نہ رکھتا ہوگا۔ ناچار ان کی نگاہوں سے چھپ جائے گا۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ ان سب وجوہات کے سبب بھاگے گا۔ کوئی تو ایک جہت سے کوئی دو جہت سے اور کوئی تینوں جہت سے۔ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار ہوگا۔ دوسرے کی طرف کچھ التفات نہ کرے گا۔ اسی کو یہاں آیت میں فرمایا گیا۔ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ تو یہ اس دن کی ہولناکی کا منظر ہے۔

کامیاب اور ناکام کی تقسیم

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس دن سارے انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک گروہ کامیاب لوگوں کا ہوگا اور دوسرا ناکام لوگوں کا۔ جن لوگوں نے اس دنیا کی زندگی میں اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا ہوگا اس کے احسانات کو مانا ہوگا اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری ہوگی وہ اہل ایمان اس دن کامیاب ہوں گے۔ کامیابی کی خوشی میں ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور خوشی اور مسرت کے آثار ان پر ظاہر ہوں گے اور ان کے خلاف جن لوگوں نے دنیا میں اپنی من مانی زندگی گزاری اور اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کے حقوق کو نہ پہچانا اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر نہ چلے تو ایسے نافرمان اور ناشکرے اس دن ناکام ہوں گے۔ ذلت اور ناکامی کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے۔ مایوسی کی سیاہی چھائی ہوئی ہوگی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کفر و انکار کی روش اختیار کی اور زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بسر کی۔

خلاصہ

یہاں سے اِس سورت کی ابتداء میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے جو طلبِ علم کیلئے ایسے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئے جب کہ آپ چند سردارانِ قریش کو دعوتِ اسلام دینے میں مصروف تھے' ایسی اہم مصروفیت کے وقت ان کے آنے سے آپ کو طبعی طور پر ناگواری ہوئی اور آپ نے ان کی بات کا جواب دینے سے اعراض کیا' اس پر سورۃ عبس کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ نے آپ کو تنبیہ فرمائی' اس کے بعد جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے یہ ہیں وہ جن کی وجہ سے اللہ نے مجھے تنبیہ فرمائی تھی اور ان سے دریافت فرماتے کہ ''کوئی کام ہے تو بتاؤ'' آپ نے نابینا ہونے کے باوجود دوغزوات کے موقع پر انہیں مدینہ پر والی مقرر فرمایا' یہ واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی گئی ہے' ان کا قرآن کریم میں مذکور ہونا اسکی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے' اگر معاذ اللہ! قرآن آپ کا خود تراشیدہ کلام ہوتا تو آپ ایسی آیات اس میں ہرگز ذکر نہ فرماتے جن میں خود آپ سے باز پرس کی گئی ہے' حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد یہ سورت انسان کے ناشکرا ہونے کو بتاتی ہے جو اپنی اصل کو بھول کر اللہ کے سامنے سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اگلی آیات میں رب تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے تکوینی دلائل ہیں اور اختتام پر قیامت کا وہ ہولناک منظر بیان کیا گیا ہے جب انسان خوفزدہ ہوکر قریب ترین رشتوں کو بھی بھول جائے گا' نفسا نفسی کا عالم ہوگا' کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوگی' ہر کسی کو اپنی ذات کا غم کھائے جارہا ہوگا' بہت سے چہروں پر کامیابی کی چمک ہوگی اور بے شمار چہروں پر ناکامی کی ذلت اور تاریکی چھائی ہوگی۔

سورۃ عبس کے خواص

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ عبس پڑھتا رہے تو وہ قیامت کے دن اس شان سے آئے گا کہ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو اس دنیا میں اپنا شکر گزار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اپنے اطاعت گزار اور فرمانبردار بندوں کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرمائیں۔ یا اللہ آخرت کی کامیابی وکامرانی ہم سب کو نصیب فرما۔ اور وہاں کی ناکامی ونامرادی سے ہم سب کو بچنا نصیب فرما۔

یَااَللہُ گناہ کرکے توبہ اور توبہ کرنے کے بعد پھر وہی کیا۔ اپنی توبہ کو جانتا رہا اور گناہ کرتا رہا۔ رات کو معافی مانگی دن کو پھر وہیں چلا گیا اور بار بار یہی حال رہا۔ الٰہی! میں اپنے گناہوں کا اقراری ہوں اور آپ کی نعمتوں کا بھی اقرار کرتا ہوں مجھے معاف فرمادے۔

یَااَللہُ میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا ہو یا نذر مان کر کوئی عبادت واجب کی ہو یا آپ کی کسی مخلوق سے وعدہ کرکے پھر گیا ہوں یا غرور میں آکر اس کو ذلیل وحقیر سمجھا ہو' اے اللہ! اس کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما اور مجھے معاف فرمادے۔

یَااَللہُ آپ نے نعمت پر نعمت عطا کی اس سے قوت آئی لیکن آپ کی دی ہوئی قوت کو میں نے آپ ہی کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ کتنا برا کیا' آپ نے تو کھلایا پلایا اور میں نے آپ ہی کی مخالفت کی آپ کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کیا' نادم ہوں برا کیا' اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْعِشَارُ

جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا۔اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے۔اور جب دس مہینے کی گابھن

عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾

اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔اور جب وحشی جانور سب جمع ہو جاویں گے۔اور جب سمندر بھڑکائے جاویں گے۔

اِذَا جب	الشَّمْسُ سورج	كُوِّرَتْ لپیٹ دیا جائے	وَاِذَا اور جب	النُّجُوْمُ ستارے	انْكَدَرَتْ ماند پڑ جائیں	وَاِذَا اور جب	الْجِبَالُ پہاڑ
سُيِّرَتْ چلائے جائیں	وَاِذَا اور جب	الْعِشَارُ دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں	عُطِّلَتْ چھٹی پھریں	وَاِذَا اور جب	الْوُحُوْشُ وحشی جانور		
حُشِرَتْ اکھٹے کیے جائیں	وَاِذَا اور جب	الْبِحَارُ سمندر	سُجِّرَتْ بھڑکائے جائیں				

وجہ تسمیہ اور مضمون

اس سورۃ کی ابتداء ہی اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ سے ہوئی ہے (جب سورج لپیٹ دیا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا) تکویر کسی چیز کے لپیٹ دینے کو کہتے ہیں۔ اسی سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے اور مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور قیامت و آخرت کے منظر کا نقشہ اس میں کھینچا گیا ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے روز کو دنیا میں آنکھوں سے دیکھ لے تو اس کو چاہیے کہ وہ یہ تین سورتیں پڑھے۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ' اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ' اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ایک روز امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر اس قدر جلد بڑھاپے کے آثار کیوں ظاہر ہونے لگے۔ آپ کے مزاج مبارک کی قوت سے یہ توقع نہ تھی کہ اتنی عمر میں آثار بڑھاپے کے ظاہر ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ سورۂ ہود' سورۂ واقعہ' سورۂ والمرسلات' سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کورت۔ ان سورتوں میں عذاب الٰہی جو کہ دنیا اور آخرت میں امتیوں پر بہ سبب مخالفت انبیاءؑ پر جو گزرا ہے اور گزرے گا مذکور ہے۔ مجھ کو اس کے سننے سے اپنی امت کا غم نہایت غلبہ کرتا ہے اور غم کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کو بوڑھا کر دیتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بوڑھا ہونے سے مراد آپ کے قویٰ اور بدن کا ضعف مراد ہے نہ کہ بالوں کا سفید ہونا۔ کیونکہ آخر عمر شریف تک موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے سفید نہیں ہوئے تھے کہ دیکھنے والوں پر ظاہر ہوں۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے اور آخرت پر یقین اسلام کی جان ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں بار بار مختلف انداز سے آخرت کا ذکر آتا ہے کہ مومن کے ذہن سے کسی وقت آخرت کا تصور اور اس کا یقین اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس سورۃ میں بھی قیامت و آخرت کے حالات و مناظر نہایت مؤثر انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور انسانوں کو غفلت کی نیند سے جگایا گیا ہے۔

قیام قیامت کے چھ حادثات

قرآن و حدیث میں یہ صاف بتلایا گیا ہے کہ یہ دنیا اور عالم کائنات اسی وقت تک قائم و آباد ہے جب تک کہ صور میں پھونک نہیں ماری جاتی۔ قیامت کی ابتداء اسی پہلے نفخ صور سے ہوگی۔ اور

ان آیات میں قیامت کے چھ واقعات یا حادثات کو بیان فرمایا گیا ہے جن کے بعد اس دنیا کا کوئی نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔

ان چھ واقعات کی تشریح کرنے سے پہلے ایک ضروری بات یہ ذہن میں رکھ لی جائے کہ ان قیامت کے چھ واقعات میں اللہ تعالیٰ نے ترتیب وقوع کو ظاہر نہیں فرمایا ہے کہ اول یہ ہوگا پھر یہ ہوگا۔ بلکہ محض ایک کے بعد دوسرے کو ذکر فرما دیا ہے اور جو حادثہ کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عظیم الشان ہوگا اس کا پہلے ذکر فرمایا۔

پہلا حادثہ: سب سے بڑا پہلا حادثہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ فرمایا یعنی یہ آفتاب بے نور ہو جائے گا۔ اس موجودہ روشن کرۂ آفتاب کی شعاعیں جو سارے عالم کو منور کرتی ہیں۔ لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی یعنی یہ آفتاب بے نور ہو جائے گا جس کی وجہ سے سارا عالم تیرہ وتار ہو جائے گا۔ اور جو کام اس وقت سورج کر رہا ہے وہ نہ کر سکے گا۔ اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے کرۂ زمین پر جو زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں اس کا مدار سورج پر ہے۔ اگر سورج ہی نہ ہو تو زمین پر کسی قسم کی زندگی ممکن نہیں۔ اس کا بے نور ہو جانا زندگی کے پورے نظام کے ختم ہو جانے کے برابر ہے۔

دوسرا حادثہ: وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ فرمایا گیا کہ یہ ستارے بھی جو آسمان کی زینت اور روشنی کی قندیلیں ہیں بے نور ہو کر جھڑ پڑیں گے اور ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ اس میں بھی اشارہ اسی طرف ہے کہ یہ نظام اپنی موجودہ شکل میں باقی نہ رہے گا بلکہ سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔

تیسرا حادثہ: وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ یعنی جب پہاڑ چلائے جائیں گے یعنی دنیا میں ان عظیم الشان بلند اور مضبوط پہاڑوں کا وجود جن کا اپنی جگہ سے ٹلنا انسان کے تصور میں نہیں آ سکتا قیامت میں جب توڑ پھوڑ کا عمل شروع ہوگا تو یہ پہاڑ بھی اپنے مقام سے ہٹا دیئے جائیں گے اور اکھڑ کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔ اور اس زمین کی موجودہ شکل بدل کر کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔

چوتھا حادثہ: وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ فرمایا یعنی جب کہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یونہی بے کار اور بے مہار ماری ماری پھریں گی۔ کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا۔ عربوں کا جو قرآن کے اولین مخاطب تھے ان کی زندگی میں اونٹ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ان کے نزدیک اونٹ بڑا قیمتی اور کارآمد مال تھا۔ خصوصاً حاملہ اونٹنی جو بچہ دینے کے قریب ہو۔ اس کی بڑی قدر اور حفاظت کرتے تھے اور اس کی انتہائی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ روز قیامت کی ہولناکی کا تصور ذہن میں بٹھانے کے لئے یہاں یہ کہا گیا کہ وہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ لوگ دس ماہ کی گابھن اونٹنیوں کی بھی پروانہ کریں گے جو ماری ماری پھریں گی اور لوگ انتہائی بدحواسی کے عالم میں انہیں بھول جائیں گے۔ اور مخلوق میں نفسی نفسی پڑی ہوگی۔

پانچواں حادثہ: وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ اور جب وحشی جانور گھبراہٹ کے مارے سب جمع ہو جاویں گے یعنی اس روز انسان تو کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش وحواس بجا نہ رہیں گے اور انتہائی اضطراب و اضطرار میں وحشی جانور تک ایک دوسرے کی دشمنیاں بھول بھال کر آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ وحشی جانوروں کا خاصہ ہے کہ انسان سے دور بھاگتے ہیں اور جن کی آپس میں بھی ایک جنس غیر جنس سے گریز کرتی ہے مثلاً ہرن شیر سے اور بکری بھیڑیئے سے لیکن اس دن وہ بھی دہشت کے مارے گھبرا کر جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل نکل آئیں گے اور آبادی میں پناہ لینے کے لئے آ جمع ہوں گے اس کا نمونہ آج بھی کبھی کبھی دیکھنے میں آ جاتا ہے۔ جب کوئی شدید طغیانی یا سیلاب آئے یا جنگل میں زبردست آگ لگے یا شدید آندھی وطوفان اٹھے تو پانی میں سانپ اور انسان کو بہتے ہوئے دیکھا گیا ہے اور شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جگہ دیکھا گیا ہے تو قیامت کی ہولناکی کا ایک اثر یہ بھی ہوگا کہ اس وقت کے حالات سے متاثر ہو کر جنگلی جانور اکٹھے ہو جائیں گے۔

چھٹا حادثہ: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ اور جب سارے سمندر جوش مارنے لگیں گے۔ نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا جو ذکر اوپر کیا گیا شاید اسی کا اثر یہ ہوگا کہ سمندر بھی جوش کھانے لگیں اور اس وقت سمندروں کا پانی انتہائی جوش کے ساتھ ادھر ادھر بہہ نکلے اور اس صورت حال کے بعد نہ معلوم زمین کا کیا نقشہ ہو۔ الغرض جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو اس کے نتیجہ میں تمام کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ نہ آسمان رہے گا نہ سورج اور ستارے رہیں گے۔ نہ پہاڑ نہ سمندر نہ انسان وحیوان دنیا اور تمام اہل دنیا سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الصُّحُفُ

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔ اور جب نامۂ اعمال

نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ

کھول دیئے جاویں گے۔ اور جب آسمان کھل جاوے گا۔ اور جب دوزخ دہکائی جاوے گی۔ اور جب جنت نزدیک کر دی جاوے گی

نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے۔

وَاِذَا اور جب	النُّفُوْسُ جانیں	زُوِّجَتْ جوڑے باندھے جائیں	وَاِذَا اور جب	الْمَوْءٗدَةُ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی	سُئِلَتْ پوچھا جائے	بِاَيِّ کس	
ذَنْۢبٍ گناہ	قُتِلَتْ ماری گئی	وَاِذَا اور جب	الصُّحُفُ اعمال نامے	نُشِرَتْ کھولے جائیں	وَاِذَا اور جب	السَّمَآءُ آسمان	كُشِطَتْ کھال کھینچ لی جائے
وَاِذَا اور جب	الْجَحِيْمُ جہنم	سُعِّرَتْ بھڑکائی جائے	وَاِذَا اور جب	الْجَنَّةُ جنت	اُزْلِفَتْ قریب لائی جائے	عَلِمَتْ جان لے گا	نَفْسٌ ہر شخص
مَّا جو کچھ	اَحْضَرَتْ وہ لایا						

دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کے حادثات

گذشتہ آیات میں قیامت کے جو چھ حادثات بیان فرمائے گئے تھے تو وہ تھے کہ جو اول بار حضرت اسرافیلؑ کے صور پھونکنے سے واقع ہونگے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے جس کے اثر سے تمام اولین و آخرین مرے ہوئے پھر سے زندہ ہو جائیں گے اور سب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے۔ تو دوسری بار صور پھونکنے پر میدان حشر میں جو حادثات وواقعات پیش آئیں گے وہ ان آیات میں ظاہر فرمائے گئے ہیں۔

پہلا حادثہ

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ہوگا یعنی میدان حشر میں ہر ہر قسم کے لوگ چھانٹ کر الگ الگ گروہ کر دیئے جائیں گے۔ اچھے اچھوں کے ساتھ ہوں گے اور برے بروں کے ساتھ۔ اس طرح ہر نوع اور جنس کے لوگ علیحدہ علیحدہ کھڑے ہوں گے۔ کافر الگ' مسلم الگ' پھر ان میں بھی ایک ایک طریقہ کے لوگ مثلاً مسلم میں نمازی اور غیر نمازی الگ۔ متقی اور غیر متقی الگ۔ گویا اس دنیا میں ہر قسم کا نیک یا بد عمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنے والوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور عقائد اعمال واخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ لگ جماعتیں بنا دی جائیں گی۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیشی کی تیاری ہوگی۔

دوسرا واقعہ

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ اس وقت ان لڑکیوں سے جنہیں زندہ زمین میں گاڑ دیا گیا تھا پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھیں؟ زمانہ جاہلیت کے عربوں میں رواج تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو وہ زمین میں گڑھا کھود کر زندہ دفن کر دیتے۔ بعض تو افلاس اور پرورش کے اخراجات کے ڈر سے ایسا کرتے تھے اور بعض کو یہ عار تھی کہ اگر بیٹی زندہ رہی تو اس کی شادی کر کے کسی کو اپنا داماد بنانا پڑے گا۔ یوں تو آخرت کی پوچھ گچھ زندگی کے تمام ہی کاموں کے بارہ میں ہوگی لیکن یہاں عربوں کے ایک انتہائی سنگ دلی اور بے رحمی کا فعل اور ایک غیر انسانی حرکت کا تذکرہ خاص طور پر فرمایا گیا جو انسانی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے یعنی لڑکیوں کا زندہ گاڑ دینا چنانچہ ان کے اس جرم کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اس دن

ان لڑکیوں سے جنہیں زندہ درگور کر دیا گیا تھا پوچھا جائے گا کہ انہیں کس جرم کی سزا میں اس طرح قتل کیا گیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لڑکیاں معصوم بے گناہ تھیں۔ نادانی اور جہالت کی وجہ سے انہیں زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایسا کرنے والے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے اور اس پوچھنے سے مقصود ان زندہ درگور کرنے والے ظالموں کا اظہار جرم مقصود ہوگا۔ یہاں ایک تاریخی بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایام جاہلیت میں جب کہ عربوں میں یہ قبیح رسم جاری تھی ان میں بعض ایسے سمجھ والے لوگ بھی تھے جو اس رسم کو برا سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے ایک چچازاد بھائی مکہ میں جہاں سنتے کہ فلاں کے گھر لڑکی پیدا ہوئی اور وہ جیتی گاڑی جاوے گی تو جھپٹ کر وہاں پہنچتے اور کہتے کہ میں نے اس کو اپنی بیٹی بنالیا اور جو کچھ اس کے کھانے پینے اور بیاہ شادی کا خرچ ہے وہ سب میرے ذمہ ہے تم کو کچھ اس کا بار نہیں اس طور سے انہوں نے بہت سی لڑکیاں بچا لیں اور اسی واسطے ان کو محی الاموات کہا جاتا تھا اور ان کے اس صالح طریقہ کی اتباع بعض اور عرب قبائل میں بھی کرتے تھے۔

جاہلیت کی یہ رسم بد یعنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی اسلام نے بالکلیہ مٹائی اور شریعت اسلامیہ میں بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے اور چار ماہ کے کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے مہینہ میں حمل میں روح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے۔ (معارف القرآن جلد ۸)

تیسرا حادثہ

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ فرمایا گیا۔ یعنی اوپر لڑکیوں کے زندہ درگور کر دینے میں تو صرف ایک بڑے جرم کی طرف اشارہ ہے ورنہ انسان نے اس زندگی میں جو کچھ کیا ہوگا ان میں سے ہر چھوٹے بڑے جرم کی پوچھ گچھ ہوگی اور ہر شخص کو وہاں وہی کچھ ملے گا جو اس نے یہاں دنیا میں کمایا ہوگا چنانچہ اس دن نامہ اعمال کھول دیئے جائیں گے تاکہ سب اپنے عمل دیکھ لیں۔

چوتھا حادثہ

وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ فرمایا یعنی جب کہ وہ آسمان جو دوسری بار صور پھونکنے کے بعد قائم ہوگا اس کو کھول دیا جائے گا۔ لفظی معنی وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ کے ہیں کہ جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے تو جیسے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتار لیتے ہیں اور اس کے اندر کے اعضاء اور گوشت رگ وریشے ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اوپر کی سب چیزیں نظر آنے لگیں گی اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں گے۔ جو عدالت حشر کے کارندے ہوں گے۔

پانچواں حادثہ

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ فرمایا یعنی جب جہنم اور زیادہ دہکائی جاوے گی۔ جہنم کی آگ جو دنیا کی آگ سے ستر حصے زیادہ گرم ہے اور حدیث میں تصریح آئی ہے کہ جہنم کی آگ کو ایک ہزار برس دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی اور پھر اس کو ایک ہزار برس اور دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی اور پھر ایک ہزار برس اور دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی اور اب وہ سیاہ و تاریک ہے۔

جہنم جس وقت حاضر کی جائے گی تو اس کی یہ حالت ہوگی کہ اس میں سے آگ کے شعلے اور چنگاریاں بڑے بڑے محلوں کی مقدار میں اونٹوں کی قطار کے مانند پے در پے اٹھتی ہوں گی اور جہنم نہایت مہیب آوازوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور جن وانس اور بتوں کو اپنے لئے بطور غذا طلب کرتی ہوگی۔ جن کو لوگ سن کر لرز جائیں گے اور ڈر کے مارے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ جہنم کی گرمی اور بدبو اس قدر ہوگی کہ ۷۰ سال کی مسافت تک پہنچے گی الامان والحفیظ۔

تو اس روز جہنم کے جوش وخروش کو دیکھ کر مجرموں کے تو بالخصوص حواس باختہ ہو جائیں گے۔

چھٹا حادثہ

میں فرمایا وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی یعنی جس طرح اہل محشر کے لئے جہنم حاضر کی جاوے گی اسی طرح

جنت بھی حاضر کی جائے گی کہ جو تجلیات الٰہی سے آراستہ پیراستہ ہوگی تاکہ مومنین متقین کو اس کی رونق اور بہار دیکھنے سے عجیب مسرت وفرحت حاصل ہو اور کفار ومشرکین و بدکاروں کو حسرت ہو اور اس سلطنت جاودانی سے محروم رہنے پر ان کو اور زیادہ رنج والم ہو۔

سب کچھ سامنے آجائے گا

اخیر میں فرمایا عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ اس وقت ہر شخص کو پتہ لگ جائے گا کہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ لے کر حاضر ہوا ہے۔ یعنی آج انسان آخرت وقیامت کی جن حقیقتوں کو ماننے سے انکار کر رہا ہے اس روز جب جہنم اور جنت کو اپنے سامنے دیکھے گا تو ساری حقیقت اس کے سامنے آجائے گی اور اس وقت اس کا دنیا میں سارا کرا دھرا اس کے سامنے ہوگا اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ اس زندگی کی مہلت میں جو کچھ اس نے کمایا تھا اسی سب کا نتیجہ اور جزا وسزا وہاں اس کو ملا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو دنیا میں ایمان کامل اور اسلام صادق کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں اور اپنے مومنین ومتقین بندوں کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارا ٹھکانہ آخرت میں جنت مقدر فرمائیں اور جہنم سے ہم کو بچائیں۔ آمین

یَا اللّٰہُ آپ نے نعمت پر نعمت عطا کی اس سے قوت آئی لیکن آپ کی دی ہوئی قوت کو میں نے آپ ہی کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ کتنا برا کیا' آپ نے تو کھلایا پلایا اور میں نے آپ ہی کی مخالفت کی آپ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کیا' نادم ہوں برا کیا' اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔

یَا اللّٰہُ کتنی بار ایسا ہوا کہ میں نیکی کے ارادے سے چلا مگر راستے ہی میں گناہ کی طرف چلا گیا اور جہاں تیرا غضب نازل ہوتا وہاں نفس کو راضی کیا اور آپ کی ناراضگی کی پروانہ کی۔ میں آپ کے غضب وعذاب کو بھی جانتا تھا مگر شہوت نے ایسا حجاب ڈال دیا یا کسی دوست نے ایسا ورغلایا کہ گناہ ہی اچھا معلوم ہوا۔ الٰہی! یہ سب کرتوت کر کے آیا ہوں اور اس امید میں آیا ہوں کہ آپ ضرور سب گناہ معاف فرما دیں گے' اب اس امیدوار کو ناامید نہ فرمانا' میرے سب گناہ معاف فرمادیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

تو میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں چلتے رہتے ہیں جا چھپتے ہیں۔اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے۔اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

کہ یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا جو قوت والا ہے مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے۔ وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ

اور یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے مجنون نہیں ہیں۔اور انہوں نے اس فرشتہ کو صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے۔اور یہ پیغمبر مخفی باتوں پر بخل کرنے والے بھی نہیں۔

بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے۔تو تم لوگ کدھر کو چلے جا رہے ہو۔بس یہ تو دنیا جہان والوں کیلئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

ایسے شخص کیلئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو۔

فَلَآ اُقْسِمُ سو میں قسم کھاتا ہوں	بِالْخُنَّسِ پیچھے ہٹ جانیوالے	الْجَوَارِ سیدھے چلنے والے	الْكُنَّسِ چھپ جانے والے	وَالَّيْلِ اور رات	اِذَا جب			
عَسْعَسَ پھیل جائے	وَالصُّبْحِ اور صبح	اِذَا جب	تَنَفَّسَ دم بھرے	اِنَّهٗ بیشک یہ	لَقَوْلُ کلام	رَسُوْلٍ قاصد	كَرِيْمٍ عزت والا	ذِيْ قُوَّةٍ قوت والا
عِنْدَ نزدیک	ذِي الْعَرْشِ عرش کے مالک	مَكِيْنٍ بلند مرتبہ	مُطَاعٍ سب کا مانا ہوا	ثَمَّ اَمِيْنٍ وہاں کا امانتدار	وَمَا نہیں	صَاحِبُكُمْ تمہارا رفیق		
بِمَجْنُوْنٍ دیوانہ	وَلَقَدْ رَاٰهُ اور اس نے اسکو دیکھا ہے	بِالْاُفُقِ کنارہ پر	الْمُبِيْنِ کھلا	وَمَا هُوَ اور نہیں وہ	عَلَى الْغَيْبِ غیب پر	بِضَنِيْنٍ بخل کرنیوالا		
وَمَا هُوَ اور نہیں	بِقَوْلِ کہا ہوا	شَيْطٰنٍ شیطان	رَجِيْمٍ مردود	فَاَيْنَ پھر کدھر	تَذْهَبُوْنَ تم جا رہے ہو	اِنْ هُوَ نہیں وہ	اِلَّا مگر	ذِكْرٌ نصیحت
لِلْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کیلئے	لِمَنْ جو	شَآءَ چاہے	مِنْكُمْ تم سے	اَنْ کہ	يَسْتَقِيْمَ وہ سیدھا چلے	وَمَا تَشَآءُوْنَ اور تم نہ چاہو گے		
اِلَّا مگر	اَنْ یہ کہ	يَشَآءَ چاہے	اللّٰهُ اللہ	رَبُّ رب	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہان			

سورۃ کا موضوع

گذشتہ آیات میں قیامت و آخرت کے متعلق متعدد حادثات و واقعات کا ذکر فرمایا گیا تھا جس سے یہ جتلانا مقصود تھا کہ قیامت و آخرت آنا یقینی ہے۔قرآن کریم کے اس دعویٰ کے مقابلہ میں منکرین آخرت و قیامت کا یہ خیال تھا کہ یہ سب باتیں محض خیالی وہمی اور غلط ہیں۔وہ کہتے کہ بھلا مر کر بھی کوئی زندہ ہوا ہے۔کیسی قیامت اور کیسی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب اور کیسی جزا و سزا؟ یہ سب باتیں غلط ہیں اور یہ رسول ہونے کا جو دعویٰ کرتے ہیں تو یا تو یہ دیوانے ہیں یا ان پر شیاطین کا کچھ اثر ہو گیا ہے۔معاذ اللہ۔اللہ تعالیٰ ان آیات میں ان منکرین کے خیالات باطلہ کا رد فرماتے ہیں اور قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو ظاہر فرماتے ہیں۔

تین چیزوں کی قسمیں

قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ کسی اہم بات کے لئے قسمیہ کلام سے

اسے بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کی قسم کھا کر قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو بیان فرمایا اور منکرین کے اقوال کی تردید فرمائی۔ یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ پہلے خنس' جوار اور کنس کی۔ ان سے مراد وہ پانچ ستارے ہیں جن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان کے نام زحل' مشتری' مریخ' زہرہ' اور عطارد ہیں۔ ان ستاروں کی عجیب چال ہے۔ یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں اس لحاظ سے ان کو جوار کہتے ہیں کبھی الٹے چلتے ہیں۔ جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آ جاتے ہیں اس لحاظ سے ان کو خنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے اس لحاظ سے ان کو کنس کہتے ہیں۔ تو خنس' جوار اور کنس ان ۵ ستاروں کی صفات ہیں اور پہلے ان کی قسم کھائی گئی۔ دوسری قسم وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ یعنی رات کی قسم کھائی گئی جب وہ تاریک ہو جاتی ہے۔ تیسری قسم کھائی گئی۔ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ یعنی صبح کی قسم جب وہ نمودار ہونے لگتی ہے اور ان تینوں قسموں کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور ایک معزز فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام کی معرفت امین اور صادق پیغمبر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا ہے۔

حقانیت کے دلائل

جن چیزوں کی یہاں قسمیں کھائی گئی ہیں وہ دراصل بطور دلیل کے ہیں اس دعوے کے ثبوت میں کہ جو بات قسم کھا کر کہی گئی ہے۔ ستاروں کا اس طرح ہیر پھیر کر چلنا اور ان کی یہ کیفیات کہ کبھی سیدھے چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کبھی پیچھے ہٹتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سورج کے چھپنے کے بعد رات آ جاتی ہے اور اس کی سیاہی پھیل جاتی ہے۔ پھر یہ صورت بھی باقی نہیں رہتی۔ صبح نمودار ہوتی ہے اور پھر روز روشن کا آغاز ہو جاتا ہے۔ تو ستاروں کی یہ گردشیں اور رات دن کا یہ الٹ پھیر کہ جس میں کبھی بال برابر فرق نہیں آتا اور جو بالکل ایک لگے بندھے اور منصوبے کے ماتحت قائم ہیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں اور اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ اس نظام کی ڈوری کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے اور یہ رات دن کے روزانہ تصرف اس کی قدرت کاملہ کے روشن اور بین دلائل ہیں۔ تو

وہ صاحب قدرت وعظمت اور مالک کون ومکان جب ایک بات قسم کھا کر کہے تو پھر اس میں شک وشبہ کی کیا گنجائش ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا' ٹھہرنا' لوٹنا' چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاءؑ پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق وباطل کی تمیز نہ رہی تھی اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے اس کے بعد صبح صادق کا ظاہر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہان میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے روشن کر دیا گویا اگلے انبیاؤں کا نور ستاروں کی طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہئے۔

وحی لانے والے فرشتے کی صفات

ان تینوں قسموں کے بعد فرمایا گیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور ایک معزز فرشتہ یعنی جبرئیل علیہ السلام کا لایا ہوا ہے۔ اب آگے حضرت جبرئیل علیہ السلام جو وحی کے لانے والے ہیں ان کی کچھ صفات بیان فرمائی گئی ہیں کہ وہ کریم یعنی عزت والے ہیں اور بڑی قوت والے ہیں یعنی حفظ وضبط اور بیان وحی کی قوت بھی کامل ہے اور جسمانی قوت کا بھی یہ عالم کہ قوم لوط کی بستیوں کو اپنے بازو پر اٹھا کر بلندی پر لے جا کر الٹ دیا اور قوم ثمود پر ایسی چیخ ماری کہ سب کے کلیجے پھٹ کر ہلاک ہو گئے۔ آن کی آن میں آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور پلک جھپکنے میں زمین سے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ خداوندی میں قرب اور رسائی حاصل ہے۔ آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی وحی کرنا چاہتے ہیں تو وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں جس سے آسمانوں میں ایک سخت لرزہ پیدا ہو جاتا ہے جب آسمانوں والے اس کو سنتے ہیں تو بے ہوش

ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ پھر ہوش میں سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے اپنی وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی طرف سے گزرتے ہیں اور جس آسمان کی طرف سے گزرتے ہیں اس کے فرشتے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں۔ جبرئیل! ہمارے آقا و مالک نے کیا فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں جو کچھ فرمایا حق ہی ہے۔ وہ بزرگ و برتر ہے۔ پھر سب ملائکہ ویسے ہی کہتے ہیں کہ جیسے جبرئیل علیہ السلام وحی کے متعلق حکم خداوندی کے موافق کہتے ہیں (تفسیر مظہری) تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے امیر ہیں۔ نیز شب معراج کے واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملا اعلیٰ یعنی عالم ملائکہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اطاعت کی جاتی ہے۔ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے ملائکہ نے آسمانوں کے دروازہ کھول دیئے تھے اور جنت کے دربانوں نے جنت کے دروازے۔ تو یہ صفات حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بیان ہوئیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لایا کرتے تھے۔

حضور علیہ ﷺ نے حضرت جبرئیل کو بارہا دیکھا

اب آگے پیغمبر عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتلایا جاتا ہے جن کے متعلق کفار مکہ نعوذ باللہ' نعوذ باللہ کبھی آپ کو دعوئے نبوت میں دیوانہ کہتے' کبھی آپ کی قیامت و آخرت کے متعلق باتوں کو جھوٹ اور غلط بتاتے۔ کبھی یہ الزام لگاتے کہ آپ جس کو وحی الٰہی کہتے ہیں وہ کسی ناپاک روح یا شیطان کے اثر سے ہے۔ کبھی آپ پر غیب کی خبریں سن کر کاہن ہونے کا الزام رکھتے۔ حق تعالیٰ ان تمام الزامات کے رد میں کفار مکہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ یہ رسول عربی دعوئے رسالت سے پہلے چالیس سال تک تمہارے درمیان رہے اور تم ان کے ساتھ رہے۔ اتنی طویل مدت تک ان کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا کبھی ایک مرتبہ بھی ان کے جھوٹ فریب یا دیوانہ پن کی کوئی بات تم نے نہ دیکھی اور ہمیشہ ان کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ کیا یہ وہی تمہارے رفیق نہیں ہیں جن کے تمام احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو۔

اب بلاوجہ انہیں جھوٹا یا دیوانہ کیسے کہہ سکتے ہو۔ اس کے بعد ان منکرین کو یہ شبہ بھی تھا کہ مان لیا کہ آپ سچے بھی ہیں دیوانہ بھی نہیں۔ مگر ممکن ہے کہ جبرئیل فرشتہ سے آپ نے یہ کلام سنا نہ ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہ ہو کوئی اور شیطان ان سے آ کر کہہ جاتا ہو اور وہ اس کو جبرئیل علیہ السلام سمجھتے ہوں اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتہ کو یعنی جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں آسمان کے صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ ہو گیا ہوگا۔ وہ ان کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ سورۂ نجم ۲۷ ویں پارہ میں بھی فرمایا گیا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افق اعلیٰ پر دیکھا یعنی آسمان کے بلند کنارہ پر اور یہاں افق مبین پر دیکھنا فرمایا یعنی آسمان کے صاف کنارہ پر۔ دونوں سے مراد ایک ہی ہے۔ الحاصل جب آپ پر حقیقت جبرئیلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالم شہود میں بھی آپ ان کو دیکھ چکے اور شب معراج میں بھی دیکھ چکے تو اب اشتباہ شبہ پیدا کرنا محض غلط اور احمق پن ہے۔

منکرین کے شبہات کا رد

اب ایک شبہ منکرین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ باقی رہ جاتا تھا کہ ممکن ہے یہ کاہن ہوں۔ عرب میں کاہن بھی غیب کی اور مخفی باتیں جنات سے سن کر بیان کیا کرتے تھے۔ اس الزام کو بھی رد فرمایا جاتا ہے اور اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ یعنی یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کی مخفی اور غیب کی خبریں جو وحی سے بتلائی جاتی ہیں دیتے ہیں۔ ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے۔ یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے۔ یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے یا قیامت و آخرت کے احوال سے۔ اور ان چیزوں کے بتلانے میں نہ بخل کرتے ہیں نہ اجرت مانگتے ہیں۔ نہ نذرانہ اور بخشش طلب کرتے ہیں جیسا کہ کاہنوں کی عادت تھی کہ رقم لے کر کوئی بات بتلاتے تھے اور وہ بھی ایک جزئی اور نامکمل بات جس میں سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے اور اس میں بھی اس قدر بخیل کہ بغیر نذرانہ یا مٹھائی کے وصول کئے ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالتے۔ پھر کاہن کا لقب آپ پر کیسے چسپاں ہو سکتا

ہے۔ کہاں پیغمبر کی سیرت اور کہاں کاہنوں کی پوزیشن۔

اخیر میں وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ فرما کر اس بحث کو ختم فرمایا جاتا ہے یعنی یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے جیسا کہ یہ منکرین خیال کرتے ہیں۔ بھلا شیطان مردود ایسی نیکی اور پرہیز گاری کیوں سکھلانے لگا جس میں سراسر بنی آدم کا فائدہ ہو اور خود اس ملعون کی قباحت و مذمت ہو۔ تم خود اس کلام میں غور کرو۔

قرآن مکمل دستور العمل

آخیر میں منکرین نبوت اور منکرین قرآن کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جب تمہارے الزامات سب غلط ثابت ہوئے تو بجز صدق وحق کے اور کیا باقی رہا پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بہکے چلے جا رہے ہو کہ آپ کی نبوت کے منکر ہو رہے ہو اور قرآن کی حقانیت سے انحراف کر رہے ہو۔ اگر تم اس قرآن کے مضامین اور ہدایت پر غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچا نصیحت نامہ اور مکمل دستور العمل ہے۔ جس سے انسانوں کی دارین کی صلاح و فلاح وابستہ ہے۔ بالخصوص ان کے لئے جو سیدھا چلنا چاہیں۔ ہدایت اور روشنی کے طالب ہوں اور ضد و عناد اور کج روی اختیار نہ کریں۔ کیونکہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت نامہ سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

توفیق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ملتی ہے

سورۃ کے اخیر میں وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ فرما کر اس حقیقت کا اظہار فرمایا جاتا ہے کہ بندہ کا ارادہ مطلق العنان اور مستقل بالذات نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت اور تابع ہوتا ہے یعنی فی نفسہ تو قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے متعلق نہیں ہوتی۔ تو جس کے لئے ہدایت اور سدھرنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کر سکتا ہے۔ یہ توفیق اس کی طرف سے ہے۔ انسان بہرحال قضاء و قدر کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے لیکن صرف بات اتنی ہے کہ جو کچھ قضا و قدر اس سے کراتی ہے وہ اس انسان کے ارادہ اور اختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ اور اختیار کے سبب بندہ ثواب و عقاب اور مدح و ذم اور جزاء و سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

خلاصہ

اس سورت کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں جو کہ ۱۴ آیات پر مشتمل ہے اس ہولناک کائناتی انقلاب کا ذکر ہے جسکے اثرات سے کائنات کی کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہے گی، سب کچھ بدل جائے گا، یہ سورج اور ستارے، پہاڑ اور سمندر ریت کے گھروندے ثابت ہوں گے اس دن ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور اپنے دامن میں کیا لے کر آیا ہے، گناہ یا نیکیاں یا گناہ ہی گناہ اللہ کی پناہ!

دوسرے حصے میں جو کہ ۱۵ آیات پر مشتمل ہے، باری تعالیٰ نے تین قسمیں کھا کر قرآن کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و صداقت کو بیان فرمایا ہے اور ان دیوانوں کو بڑی محبت سے سمجھایا ہے جو اللہ کے نبی کو معاذ اللہ ''دیوانہ'' قرار دیتے تھے فرمایا گیا ''تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے'' وہ تو بندوں تک اللہ کا کلام پہنچانے والا سچا نبی ہے۔ سورۃ اعراف اور سورۂ سبا میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تم غور و فکر کرو گے تو تمہارے ضمیر کا یہی فیصلہ ہوگا کہ تمہارے سامنے شب و روز گزارنے والا یہ عظیم انسان دیوانہ نہیں یہ تو دیوانوں کو فرزانگی سکھانے کیلئے آیا ہے اور قرآن کے بارے میں فرمایا کہ ''شیطان مردود کا کلام نہیں ہے یہ تو اہل جہاں کیلئے نصیحت ہے مگر اس کیلئے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک کہ رب العلمین نہ چاہے''۔

سورۃ التکویر کے خواص

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو سورۃ التکویر پڑھے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھیں گے۔

۲- جو آدمی بارش برستے وقت سورۃ التکویر پڑھ کر دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

۳- جو آدمی عرق گلاب پر سورۃ التکویر پڑھے اور اس عرق کو اپنی آنکھوں پر لگائے تو اس کی نظر تیز ہوگی اور آنکھوں کی صحت برقرار رہے گی۔

۴- ایسا گھر جس میں جادو کیا گیا ہو اور معلوم نہ ہو کہ جادو کی چیزیں کہاں دفن ہیں تو اس گھر میں سورۃ التکویر پڑھنے سے اللہ تعالیٰ وہ جگہ ذہن میں ڈال دیں گے اور وہ اثر ختم ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝١ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝٢ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝٣ وَاِذَا الْقُبُوْرُ

جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے جب سب سمندر بہہ پڑیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی

بُعْثِرَتْ ۝٤ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝٥

ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

اِذَا جب	السَّمَآءُ آسمان	انْفَطَرَتْ پھٹ جائے	وَاِذَا اور جب	الْكَوَاكِبُ ستارے	انْتَثَرَتْ جھڑ پڑیں	وَاِذَا اور جب	الْبِحَارُ سمندر	فُجِّرَتْ اُبل پڑیں
وَاِذَا اور جب	الْقُبُوْرُ قبریں	بُعْثِرَتْ اُکھیڑ دی جائیں	عَلِمَتْ جان لے	نَفْسٌ ہر شخص	مَا کیا	قَدَّمَتْ اس نے آگے بھیجا؟	وَاَخَّرَتْ اور پیچھے چھوڑا	

سورۃ کی وجہ تسمیہ' مرکزی مضمون

اس سورۃ کی ابتداء ہی اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ سے ہوئی ہے یعنی جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ انفطار پھٹ جانے کو کہتے ہیں۔ اسی سے یہ نام ماخوذ ہے اور مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اس سورۃ کا بھی مرکزی مضمون مثل گذشتہ سورۂ تکویر کے قیامت و آخرت اور وہاں کی جزاوسزا ہی سے متعلق ہے اور یہ سورۃ بھی ان چند سورتوں میں سے ایک ہے جن میں قیامت میں پیش آنے والے حالات کا ایسا منظر پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اگر غور کرے تو اسے ایسا محسوس ہوگا گویا وہ قیامت کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

اس دنیا میں انسان کی اصلاح کیلئے قیامت و آخرت پر ایمان لانے کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اسی لئے قرآن کریم کثرت سے قیامت و آخرت کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ اس حقیقت کا یقین انسان کو پورا پورا آجائے اس دن انسان نے زندگی میں جو کچھ کیا ہوگا اچھے برے اعمال سب اس کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے اور انہی کی جزا یا سزا اسے ملے گی۔ یہاں اس سورۃ میں بھی پہلے قیامت کے بعض حالات کی طرف اشارہ ہے اور پھر جتلایا گیا ہے کہ یہی وہ دن ہوگا جب ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا کیا انجام ہوا۔ پھر انسان کی غفلت پر اس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ دنیا میں آپ ہی آپ نہیں آ گیا ہے بلکہ اس کا ایک پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی اس کی پرورش کرتا ہے اور اس کے فرشتے اس کے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں اور اس کی زندگی کے ہر قول و فعل کا ایک تفصیلی ریکارڈ تیار کر رہے ہیں جو قیامت کے دن جانچا جائے گا اگر اس کے اعمال نامہ میں ایمان اور عمل صالح موجود ہے تو اس کا شمار نیکوں میں ہوگا اور وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ آرام و آسائش کے ساتھ رہے گا اور جو ایمان اور عمل صالح سے خالی ہوں گے اور اپنے رب کی نافرمانی اور سرکشی میں زندگی گزاری ہوگی وہ بدکار شمار ہوں گے۔ اور جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ طرح طرح کے عذاب جھیلتے رہیں گے۔ اس وقت ہر ایک کا فیصلہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہوگا اور وہاں صرف اللہ ہی کا حکم چلے گا۔

جب نقشہ بدل جائیگا

ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جب آسمان پھٹ جائے گا آسمان کے پھٹنے کا مضمون قرآن پاک کی متعدد آیات میں آیا ہے۔ یہاں اس سورۃ میں ارشاد ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ جب کہ آسمان پھٹ جائے گا۔

٢٩ ویں پارہ سورۂ مزمل میں فرمایا السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ جس میں آسمان پھٹ جائے گا۔ ٢٧ ویں پارہ سورۂ رحمٰن میں فرمایا مقصد بیان یہ ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ کائنات کا یہ نظم جو آج ہم دیکھ رہے ہیں یہ ختم

ہونے والا ہے۔ جب آسمان پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا تو یہ زمین بھی فنا اور ختم ہو جائے گی اور پورا نظام فلکی درہم برہم ہو جائے گا جیسا آگے فرمایا۔ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ اور جب ستارے ٹوٹ کر جھڑ پڑیں گے۔ یعنی یہ سارا نظم جو ستاروں کا آج ہماری نظروں کے سامنے ہے سب ٹوٹ کر ختم ہو جائے گا۔ گویا اتنا بڑا انقلاب ہوگا جو کائنات کے پورے نظام کو الٹ پلٹ کر رکھ دے گا۔ اور اس انقلاب کا زمین پر بھی زبردست اثر پڑے گا۔ سمندروں کی شکل بھی جو اس وقت زمین کے تین حصہ پر حاوی ہے اور ایک چوتھائی حصہ کے قریب کھلا ہوا ہے جس میں تمام ممالک' جنگل' پہاڑ' میدان بیابان ریگستان وغیرہ واقع ہیں اس وقت بدل جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ اور جب سمندر بہہ نکلیں گے۔ یعنی جوان کی حدود قائم ہیں اور ان کے مختلف حصے ایک دوسرے سے الگ ہیں سب گڈ مڈ ہو جائیں گے۔ اور رل مل جائیں گے یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ زمین کی خشکی پر جو زندگی کا ایک نقشہ قائم ہے وہ سب بگڑ جائے گا۔ اور کوئی باقی نہ رہے گا۔ اسی کا نام قیامت ہے اور جیسا کہ دوسرے مقامات پر بتایا گیا یہ کیفیت پہلا صور پھونکنے کے بعد پیدا ہو جائے گی۔ اور زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے گا گویا قیامت کی پہلی منزل ہوگی کہ سب کچھ درہم برہم ہو کر فنا ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس کی دوسری منزل آئے گی اور پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اس وقت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔

سب اپنے اعمال دیکھ لیں گے

ان قبروں سے مردے نکل کھڑے ہوں گے اور سب ایک میدان میں جمع کر دیئے جائیں گے اور یہی حشر کا میدان ہوگا۔ یہاں ہر شخص کے سامنے اس کی زندگی کے سارے کارنامے لائے جائیں گے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اس نے دنیا میں جو کچھ کیا تھا اس کا انجام کیا ہوا۔ اسی کی طرف عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اور وہاں ان اعمال کا نتیجہ دیکھے گا کہ دنیا کی زندگی میں جو اچھے کام کئے تھے ان کا اسے کیا پھل ملا اور دنیا میں جو برائیاں کی تھیں ان کی وجہ سے اسے کیا عذاب دیکھنا پڑا۔

دعا کیجئے:

یَااللّٰہ اس وقت امت مسلمہ میں جو بدحالی اور بداعمالی پھیلتی جا رہی ہے اس کا سبب واحد یہی ہے کہ ہم آخرت کی۔ جزا و سزا کی طرف سے غافل ہو گئے۔

یَااللّٰہ ہمیں موت سے پہلے پہلے آخرت کی تیاری کرنے اور اس کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین

ان گناہوں کی بھی معافی چاہتا ہوں جن کی وجہ سے دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو گیا' روزی کی برکت اور خیر نہ رہی۔ ان گناہوں کو بھی معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِۙ ۝۶ الَّذِىۡ خَلَقَكَ فَسَوّٰٮكَ فَعَدَلَـكَۙ ۝۷ فِىۡۤ

اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے۔ جس نے تجھ کو بنایا پھر تیرے اعضا کو درست کیا پھر تجھ کو اعتدال پر بنایا۔

اَىِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ ۝۸

جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔

يٰۤاَيُّهَا اے	الۡاِنۡسَانُ انسان	مَا غَرَّكَ کس چیز نے تجھے دھوکہ دیا	بِرَبِّكَ اپنے رب سے	الۡكَرِيۡمِ کریم	الَّذِىۡ جس نے	خَلَقَكَ تجھے پیدا کیا					
فَسَوّٰٮكَ پھر تجھے ٹھیک کیا	فَعَدَلَـكَ پھر برابر کیا	فِىۡۤ میں	اَىِّ صُوۡرَةٍ جس صورت	مَّا شَآءَ چاہا	رَكَّبَكَ تجھے جوڑ دیا						

اے انسان! تجھے کس چیز نے ورغلا رکھا ہے

گذشتہ آیات میں قیامت کے بعض واقعات بیان فرمائے گئے تھے۔ انسانوں کو چاہیے تو یہ تھا کہ قیامت کے ان واقعات وحالات کو سن کر خواب غفلت سے بیدار ہوتے اور اپنے خالق ومالک کی نافرمانی سے بچتے اور اس کی اطاعت وبندگی بجالاتے۔

چہ جائیکہ قیامت وآخرت کا ہی انکار کرنا اور اس دن سے غفلت اور بے پرواہ ہو کر رہنا اور یہ سمجھ بیٹھنا کہ اس سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی اور نہ کسی حساب کتاب سے واسطہ پڑے گا۔

یہاں ان آیات میں ایسے انسان کی غفلت پر سخت تنبیہ کی جاتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے بعض احسانات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ ایسے رب کریم اور منعم ومحسن کے احسان وانعام کی قدر وشکر گزاری کی بجائے انسان ایسا ناشکرا ہے کہ اپنے کریم رب سے غافل بلکہ اپنے محسن آقا سے تکبر اور غرور سے پیش آتا ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ انسان کو خطاب فرما کر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جو تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے؟ کیا وہ رب کریم اس کا حق دار تھا کہ تو اپنے جہل وحماقت سے اس کے حکم پر مغرور ہو کر اس کی نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اس کے لطف وکرم کا جواب ناشکری وسرکشی سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور اس حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہئے تھا نہ کہ اس کے ساتھ غرور اور تکبر برتنا بڑی محرومی کی بات ہے اور اس کی اس مہربانی سے کہ وہ نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا اور مہلت پر مہلت دیئے چلا جا رہا ہے دھوکہ میں رہنا۔

اللہ تعالیٰ کی کریمی

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِ میں غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں صاف اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی پرورش کرنے والے سے غرور انسانیت کا مقتضا نہیں جس کی طرف انسان کو حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو۔ ہر ہر بات میں اور قدم قدم پر کرم وفضل کرتا ہو۔ ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان ہی نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اس کو اتنی عقل بھی نہیں کہ جس کا ہر محتاج ہو اسی سے بگاڑ لے اور اسی کے ساتھ غرور برتے اور اس کے آگے سر نیاز نہ جھکائے کیسی نالائقی ہے مگر لفظ کریم میں حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اے نالائق انسان تیری اکڑ فون کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں اور حاجت روائی نہ کریں تو آن کی آن میں سارا غرور خاک میں مل جائے۔

خداوند قدس کا کرم بالائے کرم

آگے حق تعالیٰ اپنے رب کریم ہونے کی تفصیل سناتے ہیں تاکہ اس مغرور انسان کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں اور کس رب کریم کی نافرمانی اور کس محسن آقا ومالک کے حکم کی خلاف ورزی پر جرأت کر رہا ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَكَ وہ کہ جس نے اے انسان تجھے پیدا کیا۔ عدم سے تیری ہستی کو وجود میں لایا۔ ایک وقت تھا کہ تیرا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا پھر تیری پیدائش کی ابتدا ہوئی اور کس طرح ہوئی؟ کہ اس میں نہ تیرے یا کسی اور کے ارادہ کو دخل تھا نہ کسی اور کے فیصلہ اور منصوبے کا ہاتھ تھا۔ نہ تیری طرف سے کوئی سوال، دعا اور طلب تھی۔ اس کریم نے محض اپنے کرم سے تجھ کو پیدا کیا۔ پھر پیدا بھی یونہی بیڈول نہیں کر دیا بلکہ فَسَوّٰىكَ تیرے اعضاء کو درست کیا اور اعضاء جسم میں تناسب رکھا اور تیرے بدن کو ٹھیک بنایا۔ اور سب جوڑ بند برابر مناسبت سے پیدا کئے کہ کان کی جگہ کان، آنکھ کی جگہ آنکھ، ناک کی جگہ ناک رکھی۔ پھر ہاتھ برابر ہاتھ کے اور پاؤں برابر پاؤں کے۔ اور کان برابر کان کے اور آنکھ برابر آنکھ کے۔ غرض کہ یہ اسی کا کرم ہے کہ ایک قطرۂ ناپاک سے تجھ کو ایسا سڈول خوبصورت اور کارآمد بنا کر پیدا کیا۔ آگے فرمایا فَعَدَلَكَ یعنی اے انسان پھر اس پیدائش میں تجھ کو اعتدال پر بنایا یعنی تیرے قویٰ اور مزاج میں گرمی سردی خشکی تری کو مناسب اعتدال کے ساتھ رکھا۔ جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی۔ اور جس عضو کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا فرمائی۔ پھر ہر ایک عضو میں مناسبت سے قوت ودیعت کی گئی۔

انسان...خدائی کاریگری کا مظہر

پھر آگے فرمایا جاتا ہے۔ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ پھر جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔ خواہ مرد کی خواہ عورت کی۔ پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ صورت، شکل، رنگ، روپ کا عنایت کیا۔ اے مغرور انسان! ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اپنے اختیار کی نہیں۔ نہ تیرے سوال اور درخواست پر عطا ہوئی۔ یہ محض اسی کا کرم ہے کہ تجھ کو ایسی شکل وصورت اور حسن و جمال عطا کیا ورنہ اگر وہ چاہتا تو تجھے دوسری گھٹیا مخلوقات کی شکل وصورت میں ڈال دیتا اور دنیا میں اس کی مثالیں دیکھنے میں بھی آئی ہیں کہ ماں کے پیٹ سے بندر اور سانپ کے بچہ پیدا ہوئے تو باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل وارادہ سے انسانی صورت میں رکھا۔ یہ اس کا کتنا بڑا کرم واحسان ہے۔ تو جس خدا کی یہ قدرت ہو اور جس محسن کے یہ احسانات ہوں اور جس منعم کے یہ انعامات ہوں کیا اس کے ساتھ انسان کو یہی معاملہ کرنا چاہئے کہ اسی کی نافرمانی کرے اسی سے سرکشی کرے اسی کی ناشکری کرے اور اسی کے جزاء وسزا کا انکار کرے اور بے لگام ہو کر حصول لذات وشہوات میں غرق رہے اور جانے کہ بس میں اس دنیا میں مزے اڑانے ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ نہ مر کر پھر جینا ہے نہ حساب ہے نہ کتاب ہے نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا پھر بھی یہ انتہائی کرم ہے کہ اس نے انسان کو یونہی اندھیرے میں نہیں چھوڑ رکھا بلکہ اس نے اپنے رسول اور اپنی کتاب بھیج کر صحیح صحیح صورتحال انسان کے سامنے رکھ دی اور ہر طرح اسے سمجھا دیا کہ یہ حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند نہ کرے۔ اور غفلت کا شکار نہ ہو۔

دعا کیجئے

یَااللہ آج اس زندگی میں ہم کو توفیق عطا فرما دیجئے کہ ہم آپ کی مرضی اور احکام پر چلنے والے ہوں اور اپنی خواہشات کے غلام نہ ہوں۔ نفس اور شیطان کے دھوکہ سے حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں اور دنیا میں ہر ظاہری وباطنی نعمت جو حق تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے وہ اے رب کریم آپ کو راضی کرنے میں ہم دل وجان سے لگانے والے ہوں۔ آمین۔

یَااللہ جن گناہوں کے سبب لاغری آتی ہے اور نقاہت چھا جاتی ہے بروز قیامت حسرت وندامت ہوگی ان گناہوں کو بھی معاف فرما دے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝٩ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝١٠ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝١١ يَعْلَمُوْنَ

ہرگز نہیں بلکہ تم جزا وسزا کو جھٹلاتے ہو۔اور تم پر یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں۔جو تمہارے سب افعال

مَا تَفْعَلُوْنَ ۝١٢ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝١٣ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝١٤ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝١٥

جانتے ہیں نیک لوگ بے شک آسائش میں ہوں گے۔اور بدکار بے شک دوزخ میں ہوں گے۔روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝١٦ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٧ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٨ يَوْمَ

اور اس سے باہر نہ ہوں گے۔اور تمہیں کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے پھر تمہیں کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے۔وہ ایسا دن ہے

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝١٩

جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کیلئے کچھ بس نہ چلے گا۔اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

كَلَّا ہرگز نہیں	بَلْ بلکہ	تُكَذِّبُوْنَ تم جھٹلاتے ہو	بِالدِّيْنِ جزا وسزا کا دن	وَاِنَّ اور بیشک	عَلَيْكُمْ تم پر	لَحٰفِظِيْنَ نگہبان	
كِرَامًا عزت والے	كَاتِبِيْنَ لکھنے والے	يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہیں	مَا تَفْعَلُوْنَ جو تم کرتے ہو	اِنَّ بیشک	الْاَبْرَارَ نیک لوگ	لَفِيْ میں	
نَعِيْمٍ جنت	وَاِنَّ اور بیشک	الْفُجَّارَ گنہگار	لَفِيْ میں	جَحِيْمٍ جہنم	يَصْلَوْنَهَا ڈالے جائیں گے اس میں	يَوْمَ الدِّيْنِ روزِ جزاوسزا	
وَمَا هُمْ اور وہ نہیں	عَنْهَا اس سے	بِغَآئِبِيْنَ غائب	وَمَآ اَدْرٰىكَ اور تمہیں کیا خبر	مَا کیا	يَوْمُ الدِّيْنِ روزِ جزا وسزا	ثُمَّ پھر	مَا کیا
اَدْرٰىكَ تمہیں خبر	مَا کیا	يَوْمُ الدِّيْنِ روز جزا وسزا	يَوْمَ جس دن	لَا تَمْلِكُ مالک نہ ہوگا	نَفْسٌ کوئی شخص	لِنَفْسٍ کسی شخص کیلئے	شَيْـًٔا کچھ
وَالْاَمْرُ اور حکم	يَوْمَئِذٍ اس دن	لِلّٰهِ اللہ کیلئے					

تمہارے انکار کے باوجود

گزشتہ آیات میں غافل انسان کو اس کی غفلت پر تنبیہ کر کے بتلایا گیا تھا کہ عقل اور انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ محسن کے احسانات پر شکر گزاری اور اطاعت کی روش اختیار کی جائے لیکن بعض انسان ایسا ناشکرا ہے کہ وہ اپنے مالک وخالق کو بھولا ہوا ہے۔ایسے ہی ناشکرے انسانوں کو ان آیات میں خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم تم یوم آخرت کی جزاوسزا کا انکار کر رہے ہو اور شتر بے مہار کی طرح دنیا کے حصول لذات اور شہوات میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ بس ہم مزے اڑانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔نہ مر کر جینا ہے نہ حساب کتاب ہے نہ اعمال کی جزاوسزا ہے تو تمہارے بہکنے اور دھوکہ کھانے کی اور کوئی وجہ نہیں۔بات یہی ہے کہ تم انصاف اور فیصلہ کے دن پر یقین نہیں رکھتے ہو کہ جو چاہیں دنیا میں کرتے رہیں کوئی حساب اور باز پرس نہیں۔یہاں جو کچھ عمل ہم کرتے ہیں کون ان کو لکھتا اور محفوظ کرتا ہوگا۔بس مر گئے سب قصہ ختم ہوا۔تو سمجھ لو کہ انسان یہاں دنیا میں جو کچھ کر رہا ہے اس سب کا ریکارڈ محفوظ رکھا جا رہا ہے۔اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خفیہ کارندے یعنی فرشتے تعینات ہیں جو ہر آن دنیا میں انسان کہیں ہو اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ یہ انسان کرتا یا کہتا ہے وہ سب نوٹ کر لیا جاتا ہے اور یہ لکھنے والے بڑے معتبر اور عزت والے ہیں اور امانت ودیانت والے ہیں وہ نہ اپنی طرف سے کچھ بڑھاتے ہیں نہ گھٹاتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے وہی لکھتے ہیں اور انسان کا کوئی عمل ان سے پوشیدہ نہیں۔جب سب عمل ایک ایک کر کے اس اہتمام سے لکھے جا رہے ہیں تو کیا یہ سب دفتر یونہی بے کار چھوڑ دیا

جائے گا۔ ہرگز نہیں یقیناً ہر شخص کے اعمال آخرت میں اس کے سامنے آئیں گے اور اس کا اچھا یا برا انجام اسے چکھنا پڑے گا۔

یہی انصاف کا تقاضا ہے اور ایسا ہونا ہی چاہئے اور ایسا ضرور ہو گا۔ اور اس کے لئے انتظامات ابھی سے کر لئے گئے ہیں۔

نیک و بد کا انجام

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس جزا و سزا کے لئے آخرت میں تمام انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک ابرار، دوسرے فجار، ابرار تو وہ کہ جنہوں نے دنیا میں اپنے خالق و رازق اور سچے آقا و مالک کو پہچانا۔ اس کی اطاعت قبول کی۔ اس کے احکام کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کی۔ اور دنیا کی زندگی میں وہی کام کئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھے۔ فجار وہ جنہوں نے اس معبود حقیقی کے خلاف بغاوت و سرکشی کی اور اس کے احکام سے منہ موڑا اور اس دنیا میں یا تو اپنی خواہشات کے غلام بنے رہے یا دوسرے گمراہوں کی مرضی پر چلتے رہے۔ یہ دونوں گروہ آخرت میں الگ الگ انجام سے دوچار ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ بلاشبہ ابرار یعنی نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور فجار یعنی بدکار و نافرمان کافر یقیناً جہنم میں ہوں گے۔ پہلا گروہ یعنی ابرار جنت کی نعمتوں میں ہو گا اور جنت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے جہاں کھانے اور پینے اور مکان و لباس اور عیش و آرام اور چین و راحت اور تمام لذائذ کے سب دل پسند سامان موجود ہیں اور اس پر حیات ابدی بھی ہے اور اس پر کوئی مرض و غم، موت، بڑھاپا، وغیرہ بھی نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدار الٰہی بھی ہے جو جنت کی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے یہ تو ٹھکانا اور انجام کار ابرار یعنی نیکوں کا ہو گا اور دوسرا گروہ فجار یعنی بدکار جو ایمان و عمل صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے۔ اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر اور ایمان ہے مگر عمل صالح نہیں بلکہ گناہوں پر اصرار چوری، زنا، شراب خواری، سود خواری، ترک صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ ظلم و دغا دھوکہ اور فریب، ناچ، رنگ گانے بجانے میں مبتلا رہا تو بھی فاجر ہے۔ مگر اس درجہ کا نہیں کہ جس کے اندر ایمان ہی نہیں۔ کیوں کہ یہ کیسا ہی گنہگار سہی مگر ایمان کی بدولت آخر کار کبھی نہ کبھی اس کی نجات ہے اور جہنم سے چھٹکارا پا کر جنت میں پہنچ جائے گا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ انسانوں کی یہ تقسیم قیامت کے دن ہو گی اور وہ دن بدلہ کا دن ہو گا۔ ہر شخص کی کمائی اس کے سامنے ہو گی اور انصاف کے ساتھ یہ طے کر دیا جائے گا کہ کون کس بات کا مستحق ہے اور اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

کوئی بچ نہ سکے گا

پھر وہ وہاں سے کسی طرح بھاگ نہ سکیں گے نہ ان کے بس میں ہو گا کہ وہاں سے چھٹکارا پا کر کہیں اور نکل جائیں۔ یہاں آیت میں فجار کے بارہ میں جو یہ فرمایا گیا وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ اور وہ اس جہنم سے غائب بھی نہ ہو سکیں گے۔ یعنی جس طرح دنیا کے جیل خانہ سے حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے نکل جاتے ہیں۔ یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر یا خوشامد و منت کر کے بچ جاتے ہیں۔ یا قید خانہ سے خلاصی کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ مجرم قیدی مر جائے اور مر کر چھوٹ جائے اور یا کسی تدبیر سے قید خانہ کی دیوار وغیرہ پھاند کر نکل بھاگے۔ یا نگہبانوں سے چھپ کر یا زبردستی کر کے نکل جائے تو یہ کوئی صورت بھی وہاں نہ ہو گی۔ ان سب باتوں کی نفی ایک جملہ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ میں فرما دی۔

روز جزاء کیا ہے؟

اس کے بعد اس روز جزا و سزا کی شدت کے اظہار کے لئے حق تعالیٰ خود ہی پوچھتے ہیں

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ

کہ اے انسان تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن اور تمہیں کیا معلوم وہ جزا کا دن کیا ہے۔ یعنی تم کتنا ہی سوچو اور غور کرو پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ بس مختصراً اتنا سمجھ لو۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ کہ اس دن جتنے رشتے ناطے اور دوستی آشنائی کے تعلق ہیں سب نیست و نابود ہو جائیں گے

سب نفسی نفسی پکارتے ہوں گے۔کوئی کسی کے لئے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا۔اس دن حکم صرف اللہ ہی کا ہوگا اور کوئی بغیر حکم مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے کسی کی سفارش نہ کر سکے گا۔کوئی اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف دم نہ مار سکے گا اور لب نہ ہلا سکے گا۔

خلاصہ

اس سورت میں پہلے تو ان تبدیلیوں کا ذکر ہے جو وقوع قیامت کے وقت نظام کائنات میں رونما ہوں گی پھر محبت آمیز انداز میں انسان سے شکوہ کیا گیا ہے کہ اے انسان تجھے آخر کس چیز نے اپنے پروردگار کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ کہ اس کے احسانات کو بھلا کر تو معصیت اور ناشکرا پن پر اتر آیا ہے' اصل بات یہ ہے کہ تمہیں جزاء کے دن کا یقین نہیں ہے' حالانکہ وہ تو آکر رہے گا اور کراماً کاتبین تمہاری زندگی کا کچا چٹھا تمہارے سامنے پیش کر دیں گے پھر تمہیں ابرار اور فجار دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا' ابرار' نعمتوں کی جگہ یعنی جنت میں جائیں گے اور فجار' عذاب کی جگہ یعنی دوزخ میں ہوں گے۔

سورۃ الانفطار کے خواص

۱.....قیدی اگر اس سورۃ کی تلاوت کرتا رہے تو اسے قید سے رہائی مل جائے گی۔

۲.....اگر کسی کو بخار ہو تو وہ پانی پر اس آیت کو پڑھ کر دم کرے اور اسی پانی سے غسل کرلے تو بخار جاتا رہے گا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ...... مَا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ

اگر دشمن کو خوف زدہ کر کے بھگانا ہو تو مینڈھے کے چمڑے کا ایک ٹکڑا لے اور ایک ٹکڑا بوڑھی عورت کے کپڑے سے لے اور اس چمڑے اور کپڑے پر سو مرتبہ پڑھے اور ساتھ ہی ہر دفعہ دشمن کا نام اور اس کی ماں کا نام بھی لے۔

پھر چمڑے کو دشمن کے دروازے کی چوکھٹ کے نیچے دفن کرے اور کپڑے کو اس کے دروازے کے اوپر دفن کرے تو دشمن اس کا مقابلہ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

دعا کیجئے

یَا اللہ اپنے ابرار بندوں کے ساتھ ہمارا حشر ونشر فرمایئے اور انہی کے ساتھ اپنی جنت میں ہمارا ابدی ٹھکانا بنایئے۔

یَا اللہ اس وقت عالم اسلام کو جس بدحالی سے واسطہ پڑ رہا ہے یہ ہمارے ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج بجز آپ کی طرف جھکنے کے اور کچھ نہیں۔

یَا اللہ ہم آپ ہی کے کرم ورحم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی سے توفیق حسن وہدایت کے طالب ہیں۔

یا اللہ! امت مسلمہ پر رحم فرمادے اور دشمنان دین اسلام کے تسلط سے عالم اسلام کو بچالے۔ آمین۔

یَا اللہ بہت سے گناہ اس طرح کئے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ آپ کے سامنے ہوں مگر خیال کیا تو بہ کرلوں گا' معافی چاہ لوں گا۔ الہ العالمین! گناہ کرلیا اور نفس وشیطان نے توبہ واستغفار سے باز رکھا' گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا رہا۔ الٰہی! میری اس جرأت پر نظر نہ فرمانا' اپنی شان کریمی کے صدقے مجھے معاف فرمادے میں توبہ کرتا ہوں' معافی چاہتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے معاف کردے۔ آپ کے سوا اور کون معاف کرنے والا ہے۔

یَا اللہ ایسا بھی ہوا کہ گناہ کر کے میں نے آپ سے حسن ظن رکھا کہ آپ عذاب نہ دیں گے' آپ معاف کردیں گے اس وقت میرے نفس نے یہی پٹی پڑھائی کہ اللہ کا کرم ورحمت تو بہت وسیع ہے اور آپ پردہ ڈالتے رہے۔ بس میں سمجھا کہ جب وہ پردہ پوشی فرمارہے ہیں تو عذاب بھی نہ دیں گے۔ بس اسی خیال میں آکر بہت سے گناہ کرلئے' اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں پورا لے لیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کردیں تو گھٹا کردیں۔

يُخْسِرُوْنَ ۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۵ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۶

کیاان لوگوں کواس کایقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کرکے اٹھائے جاویں گے۔ جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

وَيْلٌ خرابی	لِلْمُطَفِّفِيْنَ کمی کرنیوالوں کیلئے	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	اِذَا اكْتَالُوْا جب ماپ کرلیں	عَلَى پر	النَّاسِ لوگ	يَسْتَوْفُوْنَ پورا بھرلیں	وَاِذَا اور جب
كَالُوْا ماپ کردیں	هُمْ وہ	اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یا تول کردیں	يُخْسِرُوْنَ گھٹا کردیں	اَلَا کیا نہیں	يَظُنُّ خیال کرتے	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	اَنَّهُمْ کہ وہ
مَّبْعُوْثُوْنَ اٹھائے جانے والے ہیں	لِيَوْمٍ ایک دن	عَظِيْمٍ بڑا	يَوْمَ دن	يَقُوْمُ کھڑے ہونگے	النَّاسُ لوگ	لِرَبِّ رب کے سامنے	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہان

وجہ تسمیہ اور نزول کا زمانہ

اس سورۃ کی ابتداہی وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ سے ہوئی ہے یعنی بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے۔ مطففین کے معنی ہیں ناپ تول میں کمی کرنے والے۔ اسی نسبت سے اس کا نام المطففین یا تطفیف رکھا گیا ہے۔ اس سورۃ کے زمانہ نزول میں اختلاف ہے بعض نے اس کو مکی سورۃ کہا ہے اور بعض نے مدنی، لیکن اکثر محققین ومفسرین کے نزدیک یہ مکی سورۃ ہے اور وجہ اختلاف یہ لکھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ مدینہ کے لوگ لین دین کے معاملات کے پیمانہ اور تول میں کمی بیشی کرتے ہیں تو سب سے اول جو آپ نے ایک مجلس میں ان کو قرآن سنایا تو اہل مدینہ کے حسب حال یہی سورۃ سنائی جس میں پیمانہ اور تول میں کمی کرنے کی سخت برائی فرمائی گئی ہے۔ اس سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی ہے مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اس روز کے بعد سے اہل مدینہ سے بڑھ کر پورا تو لنے اور پیمانہ بھرنے میں کوئی نہ تھا۔ ان آیات کو سنتے ہی یک لخت سب نے یہ کام چھوڑ دیا۔ ایک روایت نزول کے متعلق یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمار ہے تھے تو راستہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی جب کہ بعض نے اسے خالص مکی دور کی سورۃ کہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورۃ کا موضوع

اس سورۃ کا خاص مضمون بھی قیامت اور آخرت کا یقین اور وہاں کی جزاوسزا۔ بعض اعمال وحقوق العباد جو مقام کے مناسب تھے وہ بیان فرما کر بتلایا گیا کہ جو لوگ حقوق العباد تلف کرتے ہیں ان کے لئے سخت سزا ہے کیونکہ حقوق العباد کے متعلق زیادہ باز پرس ہوگی۔

دوسروں کی حق تلفی کرنے کی سزا

اب آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اسلام دنیا میں جس قسم کے انسان بنانا چاہتا ہے اس کے لئے وہ دو بنیادیں فراہم کرتا ہے ان میں سے ایک کا تعلق خالق سے ہے اور دوسری کا تعلق مخلوق سے ہے۔ جو شخص خالق کے حقوق پہچانے اور ان کے تقاضے پورے کرے اور جو مخلوق کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرے اور بندوں کے حقوق کی حفاظت کرے اسلام کی نظر میں وہی کامیاب ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں بندوں ہی کے حقوق کی حفاظت اور لین دین میں انصاف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ حقوق العباد میں دیدہ و دانستہ کمی زیادتی کرنا خصوصاً

لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے اس کو عربی میں تطفیف اور اس امر کے مرتکب کو مطفف کہتے ہیں۔ تو سورۃ کی ابتداء وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ سے فرمائی گئی۔ یعنی ناپ تول میں کمی کرنے والے اور حقوق العباد تلف کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے چونکہ لفظ تطفیف کے لغوی معنی ناپ تول اور پیمائش ووزن میں خیانت وکمی کرنے کے ہیں اس لئے اکثر مفسرین نے یہاں معاملات کی عام خرابی کی طرف اشارہ کر کے اسی خصوصیت کو ظاہر کیا ہے لیکن بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ تطفیف وسیع المعنیٰ ہے۔ پیمائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ ہر قسم کی خیانت کرنے والے۔

جو لوگ مطفف ہیں اور ان سب کے لئے ویل یعنی خرابی ہے اور یہ خرابی دنیا کی بھی ہے اور آخرت کی بھی۔ دنیاوی خرابی یہ کہ مطفف کا لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہونا اس کے کاموں میں برکت نہ ہونا۔ مرض وباء ودیگر دنیا کے شدائد ومصائب میں مبتلا ہونا۔ دنیا کی خرابیوں کی بابت حدیث میں ارشاد ہے کہ جس قوم میں خیانت کا غلبہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس قوم کے دلوں میں دشمن کا خوف ڈال دیں گے اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اس قوم میں اموات کی کثرت ہوگی اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی اس کی روزی میں کمی ہوگی اور جو جماعت حق کے خلاف فیصلہ کرے گی اس میں آپس میں قتل کی کثرت ہوگی۔ اور جو لوگ بدعہدی میں مبتلا ہوں گے ان پر اللہ جل شانہ کسی دشمن کو مسلط فرمائیں گے۔ اور آخرت کی خرابی تو ظاہر ہے اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے بھی جس کا حق مارا ہو وہ اسے دلا دیا جائے اور وہاں حقوق ادا کرنے کے لئے انسان کے پاس جو کچھ پونجی ہوگی وہ اس کی نیکیاں ہوں گی۔ اس وقت اس کا یہ قیمتی سرمایہ چھینا جائے گا اور اگر سرمایہ ناکافی ہوا تو پھر جس کا حق مارا ہوگا اس کی برائیاں اس پر لادی جائیں گی۔ اس وقت جب کہ انسان ایک ایک نیکی کا محتاج ہوگا اس سے بڑھ کر اور کیا خرابی اور بدنصیبی ہوگی۔ کہ اس وقت اس کی نیکیاں چھن جائیں اور اگر ان سے حقوق پورے نہ ہوں تو حق دار کی برائیاں اس پر لادی جائیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

حقوق تلف کرنے والوں کی حالت

آگے ایسے لوگوں کے بارہ میں فرمایا جاتا ہے کہ کیا ان کو گمان نہیں کہ قیامت کے دن حساب کے لئے ان کو اٹھایا جائے گا۔ یہاں آیت میں یقین کی بجائے ظن کو ذکر فرمایا گیا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس کو یوم آخرت میں حساب فہمی کا گمان بھی ہوگا وہ بھی ایسی حرکتیں نہیں کرے گا جو قیامت میں عذاب کا موجب ہوں۔ یقین رکھنے والا تو بدرجہ اولیٰ ایسی حرکتوں سے باز رہے گا۔

معلوم ہوا کہ معاملات میں خرابی اور لین دین میں بے انصافی کر کے دوسرے کے حقوق مار لینا یہ اس بات کی کھلی ہوئی پہچان ہے کہ یا تو اس شخص کو آخرت کی جواب دہی کا یقین ہی نہیں اور اسے یہ خیال ہی نہیں کہ ایک دن اللہ کے سامنے بھی حاضر ہونا ہے اور زندگی کے ایک ایک کام کی جواب دہی کرنا ہے یا پھر یہ عقیدہ اتنا کمزور ہے کہ زندگی پر عملاً اس کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا۔ تو یہاں حق تعالیٰ ڈرا رہے ہیں کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جس پر نہ تو کوئی چھپی ہوئی بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر بات اور وہ دن بھی نہایت ہولناک اور خطرناک ہوگا بڑی گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہوگا اور سخت تیز ہوگا۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہوگا۔ بعض کے ایڑیوں تک پسینہ ہوگا بعض کے گھٹنوں تک۔ بعض کی کمر تک۔ بعض کو ان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر نے اس سورۃ کو نماز میں شروع کیا جب اس آیت پر پہنچے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو کمال خوف سے رونے لگے یہاں تک کہ بے تاب ہو کر گر پڑے اور اس وقت کی نماز ادا نہ کر سکے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ

ہرگز نہیں بدکار لوگوں کا نامۂ اعمال سجین میں رہے گا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامۂ اعمال کیا چیز ہے۔ وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔ اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢

جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ جو کہ روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اسکو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا مجرم ہو۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝١٦

اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روک دیئے جاویں گے۔ پھر یہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝١٧

پھر کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّ بیشک	كِتٰبَ اعمال نامہ	الْفُجَّارِ بدکار	لَفِيْ البتہ میں	سِجِّيْنٍ سجین	وَمَا اور کیا	اَدْرٰىكَ خبر ہے تجھے	مَا سِجِّيْنٌ کیا ہے سجین
كِتٰبٌ ایک دفتر	مَّرْقُوْمٌ لکھا ہوا	وَيْلٌ خرابی	يَّوْمَىِٕذٍ اس دن	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کیلئے	الَّذِيْنَ جو لوگ	يُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے ہیں		
بِيَوْمِ الدِّيْنِ روز جزاوسزا	وَمَا يُكَذِّبُ اور نہیں جھٹلاتا	بِهٖ اس کو	اِلَّا مگر	كُلُّ ہر	مُعْتَدٍ حد سے بڑھ جانیوالا	اَثِيْمٍ گنہگار	اِذَا جب	تُتْلٰى پڑھی جائیں
عَلَيْهِ اس پر	اٰيٰتُنَا ہماری آیتیں	قَالَ کہے	اَسَاطِيْرُ کہانیاں	الْاَوَّلِيْنَ پہلے	كَلَّا ہرگز نہیں	بَلْ بلکہ	رَانَ زنگ پکڑلیا ہے	عَلٰى پر
قُلُوْبِهِمْ اُن کے دل	مَا جو	كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وہ کماتے تھے	كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّهُمْ بیشک وہ	عَنْ سے	رَّبِّهِمْ اپنا رب	يَوْمَىِٕذٍ اس دن	
لَّمَحْجُوْبُوْنَ روک دیئے جائیں گے	ثُمَّ پھر	اِنَّهُمْ بیشک وہ	لَصَالُوا داخل ہونیوالے	الْجَحِيْمِ جہنم	ثُمَّ پھر	يُقَالُ کہا جائیگا	هٰذَا یہ	
الَّذِيْ وہ جو کہ	كُنْتُمْ تم تھے	بِهٖ اسکو	تُكَذِّبُوْنَ تم جھوٹ جانتے					

کافروں اور فاجروں کا اعمالنامہ

ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے کرلیں آگے کچھ ہونے والا نہیں۔ مر کر خاک ہو جائیں گے۔ قصہ ختم۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کہ ان کے گمان کے موافق کوئی پوچھ گچھ نہ ہو۔ ضرور پوچھ گچھ ہونی ہے۔ حساب کتاب ہونا ہے اور جزاوسزا ملنی ہے۔ اور اسی لئے ہر شخص کا اعمالنامہ مرتب ہو رہا ہے۔

جو لوگ کافر و فاجر ہیں ان کے اعمال نامے ایک مخصوص دفتر میں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں جس کا نام سجین ہے اب سجین کیا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ یعنی وہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے جس میں مجرموں کے نام ونشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔ سجین جو سجن سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں قید خانہ۔ اس کی حقیقت اور تفصیلی نوعیت تو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں لیکن احادیث اور اقوال صحابہؓ وتابعین میں

سجین کی تشریح یوں آئی ہے کہ سجین ایک دفتر ہے جس میں ہر ایک مجرم کے نام ونشان درج ہیں اور بندوں کے عمل لکھنے والے فرشتے جن کا ذکر اس سے پہلی سورۃ میں آ چکا ہے ان مجرم کفار وفجار کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے بعد ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ اس دفتر میں داخل کرتے ہیں۔ نیز کفار وفجار کی ارواح بھی مرنے کے بعد اسی سجین کے قید خانہ میں جاتی ہیں۔ جو جہنم کا ایک طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے نیچے ہے جو نہایت تنگ وتاریک جگہ ہے جہاں درد وغم کے سوائے اور کچھ نہیں۔

تو سجین مجرموں کا قید خانہ عالم پستی میں ہے اور جیسا کہ جیل خانوں میں قیدیوں کے لئے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اس کا نام ونشان وغیرہ سب دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے اسی طرح مجرموں کے اعمال نامہ محفوظ رکھنے اور ان کے نام ونشان مندرج ہونے اور ان کی روح قیامت تک رہنے کے لئے سجین ہے جو جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے۔

آگے ان کے اعمال کی جزا کا بیان ہے کہ آج جو لوگ اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب کو جھٹلا رہے ہیں اور ان کی اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور آخرت کا انکار کر رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنی اس روش کا خمیازہ بھگتنا نہ پڑے گا تو ایسا ہرگز نہیں ان جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور وہ دن دور نہیں بس مرنے کی دیر ہے کہ منکرین سجین میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

منکرین کی جسارتیں

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص روز جزا کا منکر ہے فی الحقیقت وہ اللہ کی ربوبیت، اس کی قدرت، اس کے عدل وحکمت سب کا منکر ہے اور جو ان چیزوں کا منکر ہو وہ جس قدر حد سے نکلنے والا اور گناہوں میں دلیر ہو تھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی ہدایات آتی ہیں تو وہ سن کر مزاق میں اڑا دیتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ ایسی باتیں لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔ وہی پرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے۔ ایسی کہانیاں بہت سنی ہیں ان میں کیا دھرا ہے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور کہانیوں سے ڈرنے والے کہاں ہیں۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ انکار کرنے والے اور قرآن کو اگلوں کے قصے بتلانے والے اور گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے بڑھنے والے جو سمجھے ہوئے ہیں ویسا ہرگز نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات قرآنیہ تو ایسی ہی ہیں کہ ان میں کسی شک وشبہ کا موقع نہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی کثرت سے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے اس لئے صحیح حقیقت ان کے دل میں نہیں اترتی اور یہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔

انجام سے غافل نہ رہو

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس انکار وتکذیب کے انجام سے وہ بے فکر نہ ہوں وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب مومنین حق سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار پر انوار کی دولت سے مشرف ہوں گے جو آخرت میں تمام جسمانی وروحانی لذات ونعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہوگی اور بدبخت مجرم محروم رکھے جائیں گے۔ پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا کہ وہ اسی لائق ہیں اور پھر ان کو مزید شرمندہ کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے اب بھی یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔ اور اللہ کی کتاب میں دی ہوئی خبر بالکل سچ تھی۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہُ ہمارے قلوب کو اپنی معرفت اور ذکر وفکر سے منور فرما۔ اور ہمیشہ ہم کو توبہ واستغفار سے اپنے قلوب کو صاف وشفاف رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

یَااللّٰہُ بہت سے گناہ بڑے تھے لیکن میں نے ان کو چھوٹا سمجھا اور محض اس خیال سے کہ کرلوٗ دیکھا جائے گا میں کر گزرا۔ اب آئندہ ایسا نہ کروں گا آپ بچنے کی توفیق دیدینا اب میں معافی چاہتا ہوں ایسے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ

ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا۔اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ اعمال کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔جس کو

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ

مقرب فرشتے دیکھتے ہیں نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے۔مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے۔اے مخاطب تو اُن کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانے گا۔

نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

اُن کو پینے کے لئے شراب خالص سر بمہر جس پر مُشک کی مہر ہوگی ملے گی۔اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے۔

الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی۔یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

كَلَّا ہرگز نہیں	اِنَّ بیشک	كِتٰبَ اعمالنامہ	الْاَبْرَارِ نیک لوگ	لَفِيْ البتہ میں	عِلِّيِّيْنَ علیین	وَمَا اور کیا	اَدْرٰىكَ تجھ خبر	مَا عِلِّيُّوْنَ کیا علیین
كِتٰبٌ ایک دفتر	مَّرْقُوْمٌ لکھا ہوا	يَّشْهَدُهُ دیکھتے ہیں	الْمُقَرَّبُوْنَ نزدیک والے	اِنَّ بیشک	الْاَبْرَارَ نیک بندے	لَفِيْ نَعِيْمٍ البتہ نعمت آرام میں		
عَلَى پر	الْاَرَآئِكِ تخت	يَنْظُرُوْنَ دیکھتے ہوں گے	تَعْرِفُ تو پہچان لے گا	فِيْ میں	وُجُوْهِهِمْ ان کے چہرے	نَضْرَةَ تروتازگی	النَّعِيْمِ نعمت کی	
يُسْقَوْنَ انہیں پلائی جاتی ہے	مِنْ سے	رَّحِيْقٍ خالص شراب	مَّخْتُوْمٍ سربمہر	خِتٰمُهٗ اس کی مہر	مِسْكٌ مشک	وَفِيْ اور میں	ذٰلِكَ اس	
فَلْيَتَنَافَسِ چاہیے رغبت کریں	الْمُتَنَافِسُوْنَ رغبت کرنیوالے	وَمِزَاجُهٗ اس کی آمیزش	مِنْ سے	تَسْنِيْمٍ تسنیم	عَيْنًا ایک چشمہ			
يَشْرَبُ پیتے ہیں	بِهَا اس سے	الْمُقَرَّبُوْنَ مقرب						

نیک لوگوں کا نامۂ اعمال علیین میں ہے

ان آیات میں بتلایا گیا کہ ابرار یعنی نیک لوگوں کے نامۂ اعمال علیین میں ہوں گے۔ احادیث کی تشریح کے مطابق علیین ساتویں آسمان کے اوپر ہے جہاں ابرار کے اعمال نامے محفوظ دفتر میں رکھ دیئے جاتے ہیں اور جس کی نگرانی پر مقرب فرشتے مامور کئے گئے ہیں۔ اور مقربین کی ارواح اسی جگہ مقیم رہتی ہیں اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ جب ایمان دار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے روبرو آ بیٹھتے ہیں اور اس مومن کے قریب ہو کر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت و مغفرت اور باغ بہار اور عیش دل پسند کی طرف۔ تب اس کی روح فرحت و نشاط سے بدن سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لے کر عالم بالا کی طرف جاتے ہیں اور راستہ میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ یہ کون معطر اور روشن روح ہے وہ ملائکہ جو لئے جا رہے ہیں اس کا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں یہاں تک کہ اس کو وہاں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اس کی نورانیت و صفائی کی وجہ سے ہوتی ہے پھر کسی کو اول آسمان تک کسی کو دوسرے تک حتیٰ کہ کسی کو ساتویں آسمان تک پھر وہیں حکم خداوندی ہوتا ہے کہ میرے بندہ کا نام علیین کے دفتر میں لکھو تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں ان سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے آنے والے سے مل کر خوش ہوتے ہیں اس سے زیادہ اُن کو خوشی

ہوتی ہے تب وہاں کی روحیں اپنے دنیاوی اقارب کا حال اس سے دریافت کرتی ہیں کہ فلاں کیسا ہے فلاں کا کیا حال ہے۔ پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے کہ وہ مرگیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا تب وہ کہتے ہیں کہ افسوس وہ تو ہاویہ میں گرایا گیا۔ یہاں تک تو عالم برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابرار اور مقربین پر گزرتا ہے۔

نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے

آگے ان کے عالم آخرت کے متعلق بیان فرمایا جاتا ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ بلاشبہ ابرار یعنی نیک لوگ بڑی آسائش اور آرام میں ہوں گے۔ قرآن پاک میں اہل ایمان صالحین کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے ایک تو اصحاب یمین اور ان سے بڑھ کر السابقون۔ پھر بعض جگہ اصحاب یمین کو ابرار اور سابقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب یمین اور ابرار ایک ہی جماعت کا نام ہے اور سابقین ومقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ اصحاب یمین اور ابرار جماعت میں صلحاء اور شہداء امت داخل ہیں اور سابقین اور مقربین میں حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام ہیں جن کو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اس طرح اہل جنت چار قسم کے ہوگئے۔ نبیین، صدیقین، شہداء، والصالحین۔ تو یہاں بتلایا گیا کہ نیک لوگ نعیم یعنی نعمتوں میں ہوں گے۔ اب اس میں وہ تمام نعمتیں آگئیں کہ جن کو انسان کا دل چاہے۔ عمدہ مکان، باغ و بہار، نفیس کپڑے، حور وغلمان۔ ہر طرح کی سواریاں کھانے پینے کی دل پسند چیزیں، فرحت وسرور کے سب سامان کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے کان نے سنا اور نہ کسی کے ذہن میں آئے۔ یہ سب لفظ نعیم میں شامل ہیں۔

دیدار الٰہی

آگے فرمایا عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ مسہریوں یا تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کریں گے اور جنت کے عجائبات دیکھا کریں گے اور دیدار الٰہی سے آنکھیں شاد کریں گے اور جنت کے عیش وآرام سے ان کے چہرہ ایسے پررونق اور تروتازہ ہوں گے کہ ہر ایک دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے کہ یہ لوگ نہایت عیش وآرام میں ہیں۔ لکھا ہے کہ اہل جنت کا کوئی قرابت دار کافر ومشرک عذاب میں مبتلا نظر آئے گا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جائے گا اور ان کے عیش ونشاط میں ان قرابت دار کفار کے برے حال دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا اور ان کے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمتوں کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے نورانی چہرے جگمگا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ یہ شادمانی اور چہروں کی نورانیت وتازگی ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ آمین۔

شراب خالص پلائی جائے گی

آگے فرمایا گیا يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ یعنی ابرار اہل جنت کو شراب خالص پینے کو دی جائے گی جس میں نہ تلخی ہوگی نہ بدبو نہ نشہ ہوگا نہ خمار، نہ دردسر ہوگا نہ بے ہوشی وبدحواسی بلکہ وہ ایک ایسی نادر شراب ہوگی جو ان باتوں سے پاک ہوگی۔ سربمہر ہوگی اور مشک کی مہر لگی ہوگی۔

آگے فرمایا گیا وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے۔ یعنی دنیا کی ناپاک شراب اس لائق نہیں کہ بھلے آدمی اس کی طرف رغبت کریں ہاں یہ جنتی شراب طہور ہے جس کے لئے لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہئے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونا چاہئے۔ یعنی لائق تحصیل یہ نعمتیں ہیں نہ کہ نعماء دنیا اور ان کی تحصیل کا طریق ایمان اور نیک اعمال ہیں پس اس میں کوشش کرنا چاہئے۔ آگے بتلایا گیا ومزاجہ من تسنیم اس شراب طہور کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی۔ قاعدہ ہے کہ شراب میں پانی ملا کر پیتے ہیں تو اس شراب طہور کی آمیزش کے لئے تسنیم کا پانی ہوگا اور وہ تسنیم کیا ہے؟ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی ایک ایسا چشمہ ہے جس سے صرف مقرب بندے پئیں گے۔ یعنی مقربین جن کو قرآن میں سابقین بھی کہا گیا ہے جو انبیاء کرام اور اولیاء عظام ہوں گے ان کو تسنیم کا خالص پانی پینے کو ملے گا اور ابرار واصحاب الیمین میں مومنین صالحین ان کو اس تسنیم کا پانی ملا کر شراب طہور میں دیا جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾

جولوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے۔اور جب ان کے سامنے سے ہوکر گذرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾

اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ عَلَى

حالانکہ یہ اُن پر نگرانی کرنے والے کرکے نہیں بھیجے گئے۔سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے۔

الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

مسہریوں پر دیکھ رہے ہوں گے۔واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

اِنَّ بیشک	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	اَجْرَمُوْا جرم کیا انہوں نے	كَانُوْا وہ تھے	مِنَ سے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	يَضْحَكُوْنَ ہنستے	وَاِذَا اور جب
مَرُّوْا گزرتے	بِهِمْ اُن سے	يَتَغَامَزُوْنَ آنکھ مارتے	وَاِذَا اور جب	انْقَلَبُوْا وہ لوٹتے	اِلٰى طرف	اَهْلِهِمُ اپنے گھر والے	انْقَلَبُوْا لوٹتے
فَكِهِيْنَ ہنستے باتیں بناتے	وَاِذَا اور جب	رَاَوْهُمْ انہیں دیکھتے	قَالُوْا کہتے	اِنَّ بیشک	هٰٓؤُلَآءِ یہ لوگ	لَضَآلُّوْنَ گمراہ	وَمَآ اُرْسِلُوْا اور نہیں بھیجے گئے
عَلَيْهِمْ ان پر	حٰفِظِيْنَ نگہبان	فَالْيَوْمَ پس آج	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والے	مِنَ سے	الْكُفَّارِ کافر	يَضْحَكُوْنَ ہنستے ہیں	عَلَى پر
الْاَرَآئِكِ تخت	يَنْظُرُوْنَ دیکھتے ہیں	هَلْ کیا	ثُوِّبَ بدلہ دیا گیا	الْكُفَّارُ کافر	مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ جو وہ کرتے تھے		

کافروسرکش مومنوں پر ہنستے تھے

گذشتہ میں پہلے کفار وفجار کا ذکر ہوا تھا۔پھران کے مقابلہ میں مومنین صالحین کا ذکرفرمایا گیا اب ان خاتمہ کی آیات میں نیک وبد ہر دوفریق کا مجموعہ حال مذکور ہے۔واضح رہے کہ یہ مکی سورۃ ہے جب کہ کفار قریش اور مشرکین مکہ اپنے غلبہ اور سرداری اور دنیوی سامان عیش وعشرت کے باعث نادار اور مفلس، کم مایہ اور بے حیثیت مومنین جیسے حضرت عمارؓ حضرت خبابؓ حضرت بلالؓ وغیرہ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان پرآوازے کسے جاتے تھے اور معاذ اللہ ان غریب مسلمین کو باپ دادا کے دین کو چھوڑ دینے اور اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے گمراہ اور دین سے بھٹکا ہوا خیال کرتے تھے۔اور آخرت کی بات کے لئے دنیا کی لذتیں چھوڑ دینے پر ان حضرات صحابہ کرام کو کفار احمق بتلاتے کہ یہ کیسے بے عقل لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے کو جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد مزوں سے محروم کر رکھا ہے۔ نافرمانوں کی ایک عادت بد یہاں ان آیات میں یہ بتلائی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے تحقیراً ہنسا کرتے تھے۔اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے۔اس کی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروت انسانی سے بعید ہے پھر خود مجرم ہوکر جو خدا کے مطیع ہیں ان پر ہنسنا یہ تو نہایت ہی فعل بد ہے کیوں کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے اور یہ بھی ایک سخت عیب ہے۔ پھر جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے کہ جس پر ہنس رہا ہے محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا کہ مجھ سے بھی کوئی بالادست ہے جو ممکن ہے مجھے اس سے بھی بدتر کردے اور اس کو مجھ سے بہتر بنا

دے۔ تو ایسا شخص جو دوسرے کو کمتر جان کر ہنستا ہے حوادث دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانے والی بات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی کسی پر طعن کرے گا خود اسی میں مبتلا ہوگا۔ اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا وہ ہنسا جائے گا۔

کفار کی دوسری حرکت

آگے مجرموں کا دوسرا فعل بد یہ بیان فرمایا گیا وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ اور ایمان والے جب ان کافروں کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ یہ بھی ایک کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالائق طعن اور طنز کی راہ سے دوسروں کی طرف آنکھیں مارا کرتے ہیں اور منہ بنا کر اشارے کیا کرتے ہیں تو مشرکین مکہ ان خدا پرست صحابہ کے ساتھ یہی کیا کرتے تھے اور ان کی غرض اس سے ان کی تحقیر ہوتی تھی جو ان کی ظاہری شکستہ حالی پر اپنی ثروت و دولت کے زور میں ہنستے اور آنکھیں مارتے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث۔ حوروں کے شوہر جب ان کی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا ہوگا اور ہم جب یہاں دنیا میں عزت والے ہیں تو کیا وہاں ان سے بڑھ کر رتبہ نہ ملے گا۔ ان کو دیکھو جنہوں نے جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے اپنے کو محروم کر رکھا ہے۔ اس طرح کفار خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کستے۔

تیسری حرکت

آگے ان کفار کا تیسرا فعل بد بیان فرمایا جاتا ہے۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو وہاں بھی ایمان والوں کا تذکرہ کر کے دل لگیاں کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے غائبانہ اور حاضری ہر حالت میں ان کفار کا اہل ایمان کی تحقیر اور استہزاء کا مشغلہ رہتا تھا۔

چوتھی حرکت

آگے چوتھا فعل بد ان کفار کا بیان فرمایا گیا۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ اور جب کفار اہل اسلام کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں کہ خواہ مخواہ زہد و ریاضت کر کے اپنی جانیں کھپاتے اور ادھار لذتوں کو موجودہ لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور لاحاصل مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ کیا یہ کھلی ہوئی غلطی نہیں کہ سب گھر بار عیش و آرام چھوڑ کر ایک شخص کے پیچھے ہو لئے اور اپنے آبائی دین کو بھی ترک کر بیٹھے اور ہر وقت نماز روزہ وعظ نصیحت ہی میں پھنسے رہتے ہیں۔ کھیل، تماشہ، تفریح، ہنسی دل لگی، ناچنا، گانا حسینوں میں دل بہلانا سب کچھ چھوڑ دیا۔ بھلا دیکھو تو سہی جب دنیا میں بھی مزے چھوڑ بیٹھے تو اور کیا رکھا ہے جس کے لئے جینے کی تمنا کریں۔ ان وجوہات کی بناء پر کفار مکہ اہل اسلام کو کم عقل اور غلطی پر ہونے کا الزام لگاتے۔

جب آنکھیں کھلیں گی

آگے بتلایا جاتا ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

یعنی ان کافروں اور مجرموں کو ان حرکات کا پتہ قیامت کے دن معلوم ہوگا جب کہ اہل ایمان ان کافروں پر ہنستے ہوں گے اور وہاں وہی لوگ جن کو آج دنیا میں احمق بنایا جاتا ہے۔ عقلمند ثابت ہوں گے آج جن پر ہنسا جا رہا ہے کل قیامت میں وہی ان ہنسنے والوں پر ہنس رہے ہوں گے۔ مسہریوں پر آرام سے بیٹھے اپنی خوشحالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے کہ جو لوگ ان پر ہنسا کرتے تھے ان کو اپنے کرتوتوں کی پوری پوری سزا مل گئی کہ طوق اور زنجیروں میں کسے ہوئے جہنم کے اندر آگ میں جلتے بھنتے ہوں گے۔ روایات میں ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان کچھ دریچے اور کھڑکیاں ہوں گی جب مومن اہل جنت اپنے دین کے دشمن کافروں کو دیکھنا چاہے گا تو کھڑیوں سے دوزخ کے اندر جھانکے گا اور کافروں کو عذاب ہوتا دکھائی دے گا تو مومن ان کفار پر ہنسیں گے۔

خلاصہ

اس سورت میں بھی بنیادی عقائد سے بحث کی گئی ہے'یوم القیامۃ کے احوال اوراھوال اس میں خاص طور پر مذکور ہیں لیکن اس کی ابتدائی آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو''تطفیف'' جیسی اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہیں۔''تطفیف'' کا معنی ہے ناپ تول میں کمی کرنا'ارشاد ہوتا ہے''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں''بعض حضرات نے تطفیف کا دائرہ وسیع کر دیا ہے'امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تطفیف وزن اور کیل میں بھی ہوتی ہے عیب کے ظاہر کرنے اور چھپانے میں بھی 'انصاف کے لینے اور دینے میں بھی'جو شخص اپنے لیے تو پورا پورا انصاف چاہتا ہے مگر دوسروں کے ساتھ انصاف نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ''مطفف'' ہے۔یونہی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہ چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے'اسی طرح جو شخص لوگوں کے عیب دیکھتا ہے مگر اپنے عیب نہیں دیکھتا'اسی طرح جو لوگوں سے اپنے حقوق مانگتا ہے لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کرتا تو یہ سب لوگ اُس وعید کے مستحق ہیں جو وعید یہاں ''مطففین'' کیلئے بیان ہوئی ہے۔''مطففین'' کی مذمت کے بعد ان سیاہ دلوں اور بدکاروں کا انجام بتایا ہے جو اللہ کے نور کو بجھانے کیلئے سر توڑ کوشش کرتے ہیں پھر ان کے مقابلے میں ان صلحاء اور ابرار کا تذکرہ ہے جنہیں آخرت میں دائمی نعمتیں میسر آئیں گی۔سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ یہ سیاہ دل' دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن قیامت کے دن معاملہ الٹ ہو جائے گا اور نیک لوگ ان بدکاروں کا مذاق اڑائیں گے۔

سورۃ التطفیف کی خواص

۱......جو آدمی اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی شراب رحیق مختوم پلائیں گے۔

۲......اگر کسی سٹور کی ہوئی چیز کی حفاظت مقصود ہو تو اس سورۃ کو پڑھ کر اس چیز پر دم کر دیں'ان شاء اللہ آپ کا مال محفوظ رہے گا۔

فائدہ:۔لیکن یہ یاد رکھیں کہ جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور ناجائز منافع خوری کے لئے غلہ اور دیگر اشیائے ضرورت کا سٹاک کرتے ہیں۔ان کے لئے کوئی فائدہ نہ ہوگا جو کام شرعاً ممنوع ہے اس کی حفاظت کے لئے شرعی چیزوں کا سہارا لینا الٹا گناہ ہے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں اپنی مرضیات کے موافق گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔

یَااَللّٰہُ　میں آپ سے گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ کے غضب کے قریب ہو گیا ہوں یا کسی مخلوق کو گناہ کی طرف لے گیا یا ایسی خواہش دلائی ہو کہ وہ اطاعت وعبادت سے دور ہو گیا ہو۔

یَااَللّٰہُ　میں نے عجب کیا ہو' ریاکاری کی ہو' کوئی آخرت کا عمل شہوت کی نیت سے کیا ہو' کینہ' حسد' تکبر' اسراف' کذب' غیبت' خیانت' چوری' اپنے اوپر اترانا' دوسرے کو ذلیل کرنا یا اس کو حقیر سمجھ کر یا حمیت وعصبیت میں آ کر بے جا سخاوت' ظلم' لہو ولعب' چغلی یا اور کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو جس کے سبب میں ہلاکت میں آ گیا ہوں' الٰہی! مجھے معاف فرما دے۔

یَااَللّٰہُ　غیر اللہ سے عقلی طور پر ڈر گیا ہوں' تیرے کسی ولی سے دشمنی کی ہو الٰہی! تیرے دشمنوں سے دوستی کی ہو اور تیرے دوستوں کو رسوا کیا ہو یا تیرے غضب میں آ جانے کا کام کیا ہو تو الٰہی! مجھے معاف فرما دے' میری توبہ ہے۔

سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھِیَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا

جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ اور اپنے رب کا حکم سُن لے گا اور وہ اسی لائق ہے۔ اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جاوے گی۔ اور اپنے اندر کی چیزوں کو باہر

وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾

اُگل دے گی اور خالی ہو جاوے گی۔ اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔ اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر اس سے جا ملے گا۔

اِذَا جب	السَّمَآءُ آسمان	انْشَقَّتْ پھٹ جائے گا	وَاَذِنَتْ اور سُن لے گا	لِرَبِّهَا اپنے رب کا	وَحُقَّتْ اور اسی لائق ہے	وَاِذَا اور جب	الْاَرْضُ زمین
مُدَّتْ پھیلا دی جائیگی	وَاَلْقَتْ اور نکال ڈالیگی	مَا فِيْهَا جو اس میں	وَتَخَلَّتْ اور خالی ہو جائیگی	وَاَذِنَتْ اور سُن لیگا	لِرَبِّهَا اپنے رب کا	وَحُقَّتْ اور اسی لائق ہے	
يٰٓاَيُّهَا اے	الْاِنْسَانُ انسان	اِنَّكَ بیشک تو	كَادِحٌ تکلیف اٹھانے والا	اِلٰى طرف	رَبِّكَ اپنا رب	كَدْحًا خوب تکلیف	فَمُلٰقِيْهِ پھر اس کو ملنا ہے

وجہ تسمیہ ترتیب

اس سورۃ کی ابتدا ہی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ سے ہوئی ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا۔ انشقاق کے معنی ہیں پھٹ جانا۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام انشقاق ہوا۔ یہ بھی مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ یہ سورۃ بھی ان سورتوں میں سے ایک ہے جن کا اصل موضوع قیامت اور جزائے اعمال ہے۔

جب آسمان پھٹ جائے گا

اس سورۃ کی ابتداء بھی سابقہ سورۂ تکویر اور سورۂ انفطار کی طرح قیامت کے بعض واقعات کے بیان سے فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ یہ آسمان اور زمین باوجود اس قدر شاندار مضبوط اور محکم نظر آنے کے اللہ عزوجل کے حکم کے تابع ہیں اور اس کے فرمان کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں جب تک وہ انہیں اس شکل میں قائم رکھنا چاہتا ہے یہ قائم ہیں۔ جس وقت اس کا حکم ہوا کہ ختم ہو جائیں یہ ختم ہو جائیں گے۔ یہ اس کے حکم کے خلاف نہیں چل سکتے چنانچہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ جب کہ آسمان پھٹ جائے گا اور یہ بات کچھ محال اور ناممکن نہیں اس لئے کہ واذنت لربها وہ اپنے رب کا حکم سن لے گا یعنی جو کچھ امر تکوینی اس کی نسبت صادر ہوگا اس کو وہ فوراً قبول کرے گا۔ ادھر خدا کا حکم ہوا ادھر آسمان کا انشقاق فوراً وقوع پذیر ہو جائے گا۔ اور آسمان پر وہی حالت طاری ہو جائے گی جو خدا چاہے گا آگے فرمایا۔ وحقت یعنی آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ فوراً تعمیل حکم کرے کیونکہ آسمان اپنے وجود اور بقا میں اسی قدرت والے خدا کا محتاج ہے تو اس آسمان کا وجود و عدم دونوں اس خدا کے آگے یکساں ہیں جب تک چاہے قائم رکھے اور جب چاہے نیست و نابود کر دے۔

اور جب زمین کھینچ دی جائے گی

آگے بتلایا گیا وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جائیگی۔ اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ یعنی اس دن زمین اس طرح کھینچ کر پھیلا دی جائے گی جس طرح چمڑا یا ربڑ کھینچا جاتا ہے۔ تب یہ زمین فراخ اور وسیع ہو جائے گی اور اس کی سطح بالکل ہموار ہوگی تا کہ سب

اولین وآخرین اس پر سماسکیں اوراس دن زمین کے اندر جس قدر مردے ہوں گے خدا کے حکم سے زمین ان کو باہر ڈال دے گی اور اس کا پیٹ مردوں سے بالکل خالی ہوجائے گا۔اور یہ سب کچھ وہ اپنے رب کے حکم سے کرے گی۔ وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی اور زمین کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیل حکم کرے کیوں کہ اس کا وجود اور عدم وجود بھی اسی خداوند ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے۔

جزا کا دن

تو ان آیات کی ابتدا لفظ اذا سے ہوئی ہے جس کے معنی ہیں جب یعنی جب ایسا اور ایسا ہوگا۔تو پھر کیا ہوگا؟ یہ بات یہاں بیان نہیں کی گئی لیکن اس کی تفصیل قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے۔اور وہ یہ کہ جب ایسا ہوگا تو وہی جزا کا دن ہوگا۔اس دن انسانوں کو ان کے کاموں کا بدلہ ملے گا اور اس دن ہر شخص کا دنیا میں کیا دھرا سب سامنے آجائے گا۔

دعوت فکر

اس حقیقت کے اظہار کے بعد آگے تمام انسانوں کو براہ راست خطاب فرمایا جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدۡحًا فَمُلٰقِيۡهِ‌ ۚ اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک یعنی مرنے کے وقت تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر تو قیامت میں اس سے جا ملے گا۔اس میں تمام انسانوں کی طرف خطاب ہے۔نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر کہ تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی کام و جدوجہد میں لگا ہوا ہے اس کی قوتیں اور اس کی صلاحیتیں مختلف کاموں میں صرف ہو رہی ہیں۔کوئی نیکی اور حسنات میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے۔کوئی اپنے رب کی اطاعت اور اس کو راضی رکھنے کی فکر و کوشش میں لگا ہوا ہے۔کوئی طلب دنیا اور اس کے لذات وشہوات کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہے۔تو اے انسان تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے۔یونہی عبث نہیں چھوڑا جائے گا کہ مر کر خاک ہوگیا آگے کچھ نہیں۔یہ دنیا کی ساری محنتوں اور کوششوں کا بدلہ تجھے تیرے رب کے پاس سے مل کر رہے گا اور اسی غرض کے لئے تجھے اپنے حقیقی مالک اور آقا کے حضور پیش ہونا پڑے گا اور اچھے کاموں کا بدلہ بھی ملے گا اور برے کاموں کا بھی گویا اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ دنیا میں انسان جو بھی کرے آنکھ بند کر کے نہ کرے محض آبائی تقلید اور پابندی رسم ورواج میں اندھا بن کر نہ کرے بلکہ سوچ سمجھ کر کرے کہ کیا کر رہا ہے کیونکہ ایک روز یہی آج کا کرنا دھرنا سب سامنے آئیگا۔

فائدہ

یہاں ان آیات میں آسمان اور زمین دونوں کے متعلق وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ جو فرمایا یعنی آسمان و زمین دونوں اپنے رب کے حکم پر کان دھریں گے اور یہی ان کے لئے زیبا بھی ہے تو اس حقیقت کے اظہار میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور اس کے اقتدار کو سامنے لانا ہے اور انسان کو یہ بتانا ہے کہ جس خدا کی اطاعت سے اے غافل اور منکر انسان تو منہ موڑ رہا ہے اس کا حکم کس طرح اس پوری کائنات پر حاوی ہے اور دوسری طرف اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کی ایک دلیل پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ آسمان و زمین اس لئے اس کے حکم پر کان دھرتے ہیں کہ وہ ان کا رب ہے۔ان کا آقا خالق اور مالک ہے اور ان کے وجود اور بقا کا مدار اسی کے حکم اور اسی کے رحم پر ہے۔پھر جب انسان بھی اس کائنات کا ایک جزو ہے اور اس کا رب بھی وہی اللہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس کے احکام پر کان نہ دھرے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ قیامت وآخرت پر ایمان کے ساتھ ایسا یقین کامل ھی ہم کو نصیب فرمائیں کہ اس دنیا میں ہم آخرت سے کسی لمحہ غافل نہ ہوں۔یا اللہ ہمیں اس دنیا میں اپنا فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اسی حالت میں ہم کو موت نصیب فرمایئے۔اور انجام کی کامیابی اور کامرانی نصیب فرمایئے۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ﴿۸﴾ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾

تو جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا۔ سو اس سے آسان حساب لیا جاوے گا۔ اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ؕ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ

اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا۔ سو وہ موت کو پکارے گا۔ اور جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ شخص اپنے متعلقین میں

فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۚۛ﴿۱۴﴾ بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ؕ﴿۱۵﴾

خوش خوش رہا کرتا تھا۔ اُس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو لوٹنا نہیں ہے۔ کیوں نہ ہوتا اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔

فَاَمَّا پس	مَنْ جو	اُوْتِیَ دیا گیا	كِتٰبَهٗ اسکا اعمالنامہ	بِیَمِیْنِهٖ اسکے دائیں ہاتھ میں	فَسَوْفَ پس عنقریب	یُحَاسَبُ حساب لیا جائیگا	حِسَابًا حساب	یَّسِیْرًا آسان	
وَّیَنْقَلِبُ اور لوٹیگا	اِلٰی طرف	اَهْلِهٖ اپنے اہل	مَسْرُوْرًا خوش خوش	وَاَمَّا اور وہ	مَنْ جو	اُوْتِیَ دیا گیا	كِتٰبَهٗ اسکا اعمالنامہ	وَرَآءَ پیچھے	ظَهْرِهٖ اس کی پشت
فَسَوْفَ پس عنقریب	یَدْعُوْا مانگے گا	ثُبُوْرًا موت	وَّیَصْلٰی اور داخل ہوگا	سَعِیْرًا آگ	اِنَّهٗ بیشک وہ	كَانَ تھا	فِیْ میں	اَهْلِهٖ اپنے اہل	مَسْرُوْرًا خوش وخرم
اِنَّهٗ بیشک اس	ظَنَّ گمان کیا	اَنْ کہ	لَّنْ یَّحُوْرَ ہرگز نہ لوٹیگا	بَلٰی کیوں نہیں	اِنَّ رَبَّهٗ بیشک اسکا رب	كَانَ تھا	بِهٖ اس کو	بَصِیْرًا دیکھنے والا	

خوش نصیب لوگ

گذشتہ آیات میں قیامت کے بعض حالات کو بیان فرما کر بتلایا گیا تھا کہ انسان جو کچھ دنیا میں کر رہا ہے اسے ان کاموں کا بدلہ آخرت میں ضرور مل کر رہے گا۔ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمام انسان اپنے دنیا کے اعمال کے لحاظ سے آخرت میں دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک گروہ کامیاب اور خوش نصیب ہوگا دوسرا گروہ ناکام و نامراد ہوگا۔ کامیاب اور خوش نصیب لوگوں کی یہ علامت ہوگی کہ میدان حشر میں ان کا اعمال نامہ ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جانا خیر و برکت کی نشانی ہوگی اور اس کے لئے بشارت ہوگی کہ یہ اہل خیر میں سے ہے اور اس کے بعد جھٹ پٹ اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا اللھم حاسبنی حساباً یسیراً اے اللہ میرا حساب آسان فرما۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کیا جائے یعنی کوئی پوچھ گچھ اور جرح نہ کی جائے۔ بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی جائے گی اے عائشہ اس کی خیر نہیں وہ ہلاک ہو جائے گا۔ بخاری و مسلم کی ایک صحیح حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو اپنی رحمت سے قریب کرے گا اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کر لے گا پھر اس سے پوچھے گا کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ، فلاں گناہ وہ کہے گا ہاں اے پروردگار مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے سارے گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور وہ بندہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا اور آج میں ان کو بخشتا اور معافی دیتا ہوں پھر اس کو نیکیوں والا اعمال نامہ اس کے حوالہ کر دیا جائے گا یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کر دیں گے۔ لیکن اہل کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہوگا کہ ان کے متعلق برسر عام پکارا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹ

جھوٹی باتیں باندھیں یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین و مذہب بنایا خبردار اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔ غرض ان خوش نصیب لوگوں پر جن کے اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیئے گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی عنایات ہوں گی اور وہ بدون بحث و مناقشہ کے سستے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ ایسے خوش نصیب بندوں کو نہ سزا کا خوف پھر رہے گا نہ اللہ کے غصہ کا ڈر ہوگا۔ نہایت امن و اطمینان سے اپنے مومن دوست و احباب عزیز و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا جو حشر میں اس کے حساب کتاب کی اطلاع کے واسطے منتظر کھڑے ہوں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے ہمارا اعمال نامہ ہمارے داہنے ہاتھ میں دیا جانا مقدر فرمائیں اور ہماری بھی محشر میں پردہ پوشی فرمائیں اور ہمارا حساب آسان فرمائیں۔ آمین۔

بدنصیب گروہ

دوسرا گروہ جو بدنصیب اور شقی ہوگا اور ان کے بدنصیبی کی نشانی اور علامت یہ ہوگی کہ ان کا اعمال نامہ ان کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا اور وہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اللہ کے باغی اور نافرمان رہے اور جنہوں نے اس دنیا ہی کی لذتوں کو اپنا مقصود بنا لیا اور انہوں نے اپنا وقت غفلت میں گزارا یہ دنیا میں اپنے اہل وعیال اور اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ ایسے مگن رہے کہ انہوں نے آخرت کی بالکل پروا نہ کی۔ اور اس کا انکار کیا اور اسی انکار کی وجہ سے غفلت کا شکار رہے اور انجام سے بے پروا ہو کر زندگی گزارتے رہے۔ ایسے لوگوں کو ان کے اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ فرشتے سامنے سے ان کی صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے گویا غایت کراہت کا اظہار کیا جائے گا اور ممکن ہے کہ پیچھے کو ہاتھ بندھے ہوئے ہوں اس لئے اعمال نامہ پشت کی طرف سے دینے کی نوبت آئے۔

الغرض جس بدبخت کو پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ عذاب کے ڈر سے موت کو پکارے گا اور ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آ جائے تو میں مر کر اس مصیبت سے بچ جاؤں۔ مگر پھر وہاں موت کہاں وہ تو دہکتی ہوئی نار جہنم میں ڈالا جائے گا کہ پڑا وہیں جلا کرے۔ اور وہ کیوں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا اس کا سبب بھی بیان فرمایا کہ دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا۔ اپنے گھر اور اہل وعیال میں مگن تھا۔ شہوات ولذات کے گھوڑوں پر سوار تھا۔ آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا۔ رات دن طلب مال و زر میں مصروف ومنہمک رہا۔ نہ حلال و حرام کی کچھ پروا کی نہ جائز و ناجائز کا خیال کیا۔ بس شراب کباب' عیش وعشرت' زنا' ناچ گانا' تماشہ راگ رنگ میں مسرور تھا اور یہ بھی سمجھے ہوئے تھا کہ میں نے اللہ کے پاس جانا نہیں۔ حساب دینا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں جو من چاہا کیا اور گناہ اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔ اس کو تو یہی خیال تھا کہ اسے لوٹ کر خدا کے پاس جانا ہی نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ خیال غلط تھا اس کو لوٹ کر ضرور آنا تھا۔ اور بلاشبہ اس کا رب اس سے باخبر تھا۔ پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا تھا۔ کہ اس کی روح کہاں سے آئی۔ بدن کس طرح کس کس چیز سے بنا پھر دنیا میں اس نے کیا اعتقاد رکھا کیا عمل کیا دل میں کیا بات تھی زبان سے کیا نکلا اور ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور بدن کے اجزاء بکھر کر کہاں کہاں پہنچے تو جو خدا اس انسان کے احوال سے اس قدر واقف ہو اور اس کی ہر جزئی اور کلی حالت کو نگاہ میں رکھتا ہو تو کیا گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس کو یونہی مہمل اور معطل چھوڑ دے گا۔ نہیں بلکہ ضرور ہے کہ وہ اس کے اعمال پر ثمرات ونتائج مرتب کرے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے باغی اور ناشکرے اور فرمانبردار اور شکر گزار دونوں قسم کے لوگ بس زندگی گزار کر ختم ہو جائیں۔ باغیوں کو کوئی سزا نہ ملے اور وہ بظاہر عیش و آرام کے ساتھ دنیا میں من مانی زندگی گزارتے رہیں اور وفاداروں کو کوئی انعام نہ ملے بلکہ بظاہر وہ تکلیف اور مصیبت میں رہیں۔ یہ تو بڑی بے انصافی ہوگی۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ بدلہ کا ایک دن آئے اور سب کو بدلہ دیا جائے۔ رحمت کا تقاضا ہے کہ فرمانبرداروں کو نعمت سے نوازا جائے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ مجرموں کو جرم کی سزا بھگتنا پڑے اور حکمت کا تقاضا ہے کہ یہ عالم بے مقصد نہ ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾

سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی۔اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے۔اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے۔کہ تم لوگوں کو ضرور ایک

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔سو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے۔اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے۔بلکہ یہ کافر تکذیب

يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کرتے ہیں۔اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔لیکن جو لوگ ایمان لائے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾

اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کیلئے ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ سو میں قسم کھاتا ہوں	بِالشَّفَقِ شام کی سرخی	وَالَّيْلِ اور رات	وَمَا اور جو	وَسَقَ سمٹ آتی ہے	وَالْقَمَرِ اور چاند	اِذَا جب	اتَّسَقَ وہ مکمل ہوجائے
لَتَرْكَبُنَّ تم کو ضرور چڑھنا ہے	طَبَقًا ایک درجہ	عَنْ سے	طَبَقٍ درجہ	فَمَا سو کیا	لَهُمْ انہیں	لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لائے	وَاِذَا اور جب
قُرِئَ پڑھا جاتا ہے	عَلَيْهِمُ ان پر	الْقُرْاٰنُ قرآن	لَا يَسْجُدُوْنَ وہ سجدہ نہیں کرتے	بَلِ بلکہ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا	يُكَذِّبُوْنَ وہ جھٹلاتے ہیں	
وَاللّٰهُ اور اللہ	اَعْلَمُ خوب جانتا ہے	بِمَا جو	يُوْعُوْنَ بھر رکھتے ہیں	فَبَشِّرْهُمْ سو انہیں خوشخبری سنا	بِعَذَابٍ عذاب کی	اَلِيْمٍ دردناک	اِلَّا سوائے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور انہوں نے کام کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	اَجْرٌ اجر	غَيْرُ مَمْنُوْنٍ نہ ختم ہونیوالا		

ربط: گذشتہ آیات میں قیامت کے بعض واقعات اور جزاوسزا کا کچھ حال بیان کیا گیا تھا۔اب منکرین قرآن کا یہ حال تھا کہ مر کر مٹی ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونا ان کی سمجھ میں آتا تھا نہ مرنے کے بعد حساب کتاب اور جزاوسزا کے وہ قائل تھے اس لئے آگے ان آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ بطور اتمام حجت کے منکرین قرآن وقیامت سے فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔

شفق کی قسم:

یہاں تین چیزوں کی قسم کھائی گئی اور دراصل یہ تینوں چیزیں جن کی قسم کھائی گئی یہ دلائل ہیں جو بصورت قسم بیان کئے گئے۔پہلی قسم فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ہے یعنی میں شفق کی قسم کھا کر کہتا ہوں شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد جو سرخی ظاہر ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں تو یہاں مناسبت اور نکتہ اس کی قسم کھانے میں یہ ہے کہ جس طرح شفق سے رات شروع ہوتی ہے اسی طرح موت کے بعد سے عالم برزخ شروع ہوتا ہے اور دنیا سے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور مرنے والے اور دنیا کے درمیان ایک پردہ اندھیری رات کی طرح حائل ہو جاتا ہے۔

رات کی قسم

اس لئے شفق کے بعد دوسری قسم رات کی کھائی اور فرمایا وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ یعنی قسم ہے رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے۔دن کو اکثر انسان وحیوان باہر پھرا کرتے ہیں اپنے اپنے معاش اور کام کاج کی تلاش کرتے ہیں۔رات کو اپنے اپنے ٹھکانوں پر آجاتے ہیں اور سب آرام کرنے کے لئے سو جاتے ہیں۔تھوڑی دیر پہلے دنیا آباد تھی۔اب رات میں ہر طرف سناٹا چھا جاتا

ہے اور موت کا نمونہ طاری ہو جاتا ہے اور ایسی شان ہوتی ہے جو موت کو یاد دلاتی ہے۔اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے کے لئے لیٹتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرماتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا قصد فرماتے تو داہنی کروٹ پر اپنا ہاتھ داہنے رخسارہ کے نیچے رکھ کر یہ دعا فرماتے۔ **اللھم باسمک اموت و احییٰ** اے اللہ میں تیرے ہی نام سے مرتا ہوں اور جیتا ہوں اور آپ جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ **الحمد للہ الذی احیانی بعد ما اماتنی و الیہ النشور** سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اسی کے پاس سب کو جا کر جمع ہونا ہے۔ الغرض رات کی حالت دن سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور عالم برزخ کی زندگی رات کی نیند کے مشابہ ہے مگر جس طرح دن کی روشنی کو قیام نہیں تھا اسی طرح رات کے اندھیرے کو بھی بقا نہیں یہاں جو حالت ہے وہ برابر بدل رہی ہے چنانچہ اندھیرا چھا جانے کے بعد جب پورا چاند نکل آتا ہے تو پھر اجالا ہو جاتا ہے یہ مشابہت ہے کہ موت کے بعد پھر ایک نئی زندگی عطا ہو گی اور عالم فنا کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

انسانی حالات کی تبدیلیاں

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ اور قسم ہے چاند کی جب پورا ہو جائے۔تو ان تینوں حالات کے قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی۔ پہلے ماں کے پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی جب اس منزل کو طے کر کے دوسری منزل میں قدم رکھا یعنی بچے کی شکل میں پیدا ہو کر اس دنیا میں آیا پھر لڑکپن کی منزل کو طے کر کے جوانی کی منزل میں آیا۔ پھر اس منزل کو بھی طے کر کے بڑھاپے کی منزل میں آیا جس کے بعد موت آجاتی ہے تو یہیں بس نہیں۔سلسلہ آگے بھی چلتا ہے اس کے بعد عالم برزخ ہے۔ پھر قیامت ہوگی۔ پھر دوبارہ زندگی حاصل ہوگی۔ پھر حشر ہوگا اور اعمال کی جزا و سزا عمل میں آئے گی۔اور اخیر میں جنت یا جہنم میں ٹھکانا ہوگا۔تو تغیرات عالم خصوصاً انسان کا تغیر و تبدل با آواز بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ اے انسان تو کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار مسافر کی طرح کہیں جا رہا ہے۔ جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا۔

جو خدا یہ تمام تصرفات کر رہا ہے اور جس کی قدرت سے یہ ساری تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ دنیا کے اس نظام کو جب چاہے ختم کر دے اور پھر جب چاہے دوبارہ قائم کر دے۔

وہ اک سجدہ جسے تو سمجھتا ہے گراں

آگے فرمایا جاتا ہے کہ ان منکرین کو کیا ہو گیا کہ جو ان حقیقتوں کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن جو کہہ رہا ہے اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور آخرت کے لئے سامان کیوں نہیں کرتے۔کیا وجہ کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ان کی گردنیں اطاعت و فرمانبرداری کے لئے کیوں نہیں جھک جاتیں؟ اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کو دریافت نہیں کر سکتی ان کو تو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اٹھاتے لیکن اس کے برخلاف ان کا حال یہ ہے کہ قرآن کو سن کر بھی ذرا عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے۔حتیٰ کہ جب مسلمان خدا کی آیات سن کر سجدہ کرتے ہیں تو ان کو سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی اور فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سن کر عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان قرآنی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو تکذیب و انکار اور بغض و عناد اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے

اخیر میں فرمایا گیا کہ ایسے بد بخت لوگوں کے لئے آخرت میں کسی قسم کی بھی خوشخبری نہیں۔ہاں ان کے لئے اگر کوئی خوشخبری ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

ایمان و عمل صالح پر بہترین انعام

رہے وہ لوگ جو خدا کی بھیجی ہوئی کتاب کو اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کو سچا مانتے ہیں اور انہیں آخرت کا بھی یقین ہے اور وہ جس

کتاب پر ایمان لائے ہیں اس کے احکام پر چلتے ہیں اور انہوں نے جس رسول کی تصدیق کی ہے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بہترین انعام ہے۔ ایسا انعام جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ گو ان کا ایمان اور عمل ان کی عمر کے زمانہ تک محدود ہے مگر خدائے تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو ابدالآباد کے لئے نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اللھم اجعلنامنھم آمین.

سجدہ تلاوت

ان آیات میں ایک آیت سجدہ بھی ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت لازم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دعا کے بعد تمام حاضرین اور سامعین ایک سجدۂ تلاوت ادا کر لیں۔ جو اس بات کی عملی نشانی ہوگی کہ یہ سجدہ کرنے والے وہ ہیں جو قرآن کی بیان کی ہوئی حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور اپنے معبود حقیقی کو سجدہ کر کے اپنی بندگی و عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں سے الگ ہیں جو اس قرآن کو سن کر نہ اس کی حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کے احکام پر کان دھرتے ہیں۔

خلاصہ

سورۂ انشقاق کی ابتدائی آیات میں ان کائناتی تبدیلیوں کا ذکر ہے جو قیام قیامت کے وقت رونما ہوں گی۔ پھر جب قیامت قائم ہو جائے گی تو حساب کے مرحلہ سے گزر کر انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے، بعض وہ ہوں گے جن کا اعمال نامہ ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور بعض کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

اگلی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا "یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے" یعنی قیامت کے دن تمہیں مختلف مصائب اور مراحل کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہر اگلا مرحلہ پہلے مرحلہ سے شدید تر ہوگا البتہ وہ لوگ ان مصائب اور مختلف عذابوں سے محفوظ رہیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔

سورۃ الانشقاق کے خواص

۱...... جس عورت کو بچہ نہ ہوتا ہے تو یہ سورۃ لکھ کر اس کے گلے میں لٹکائی جائے تو اس کے بچے ہونے لگیں گے۔

۲...... جس آدمی کو زہریلے جانور نے کاٹ لیا ہو اور شدید درد ہو تو اس پر سورۃ الانشقاق پڑھ کر دم کریں۔

۳...... اس سورۃ کو لکھ کر گھر میں رکھنے سے کیڑے مکوڑوں اور دیگر حشرات الارض سے حفاظت رہے گی۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہُ اپنے فضل و کرم سے، ہمارا حشر و نشر اپنے مؤمنین صالحین بندوں کے ساتھ فرمایئے اور انہی کے ساتھ اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے ہم کو بھی نوازیں اور ہمارا آخری ٹھکانہ اپنی جنت میں بنائیں۔

یَااللّٰہُ آخرت سے غفلت ہی ایسا مرض ہے کہ جو آپ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت امت مسلمہ میں یہ مرض عام ہوتا جا رہا ہے۔ الاماشآء اللہ یَااللّٰہُ ہماری اس غفلت کو دور فرما۔

یَااللّٰہُ جس گناہ کے صغیرہ ہونے سے عذاب آئے، جس گناہ کے کبیرہ ہونے سے عذاب زیادہ ہو جائے اور ان کے وبال میں ابتلا ہو جائے اور ان پر اصرار کرنے سے نعمت زائل ہو جائے ایسے سب گناہ میرے معاف کر دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوۡرَةُ الۡبُرُوۡجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اِثۡنَتَانِ وَعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ﴿۱﴾ وَالۡيَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشۡهُوۡدٍ ﴿۳﴾

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی۔ اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس میں حاضری ہوتی ہے۔

وَالسَّمَآءِ قسم آسمان کی	ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ برجوں والا	وَالۡيَوۡمِ اور دن کی	الۡمَوۡعُوۡدِ وعدہ کئے ہوئے	وَشَاهِدٍ اور حاضر ہونیوالا	وَّمَشۡهُوۡدٍ اور جہاں حاضر ہوتے ہیں		

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کی ابتداء ہی وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ سے ہوئی ہے۔ (قسم ہے برجوں والے آسمان کی) اسی لفظ بروج کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام بروج مقرر ہوا۔ یہ بھی مکی سورۃ ہے

شانِ نزول: شان نزول اس سورۃ کا بھی یہی ہے کہ مکہ معظمہ میں جب آفتاب نبوت طلوع ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین عام لوگوں کو دینا شروع کی تو قریش مکہ کو یہ امر سخت ناگوار گزرا کیوں کہ دین اسلام کی دعوت ان کے قدیمی دین و دستور کے خلاف تھی۔ انہوں نے اپنے بتوں اور دیوتاؤں کی برائیاں سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنا شروع کیا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر دعوت اسلام قبول کر لیتے تھے ان پر بھی ظلم ڈھانا شروع کیا۔ مار پیٹ، سخت گوئی فحش کلامی تک ہی نوبت نہ رکھی بلکہ اس سے بھی گزر کر ظلم و تشدد میں حد سے تجاوز کرنے لگے۔ جلتی ہوئی ریت پر گرم دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر ملک عرب کی دھوپ الامان والحفیظ جہاں کہ ٹمپریچر ۱۲۰ ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر کوڑے برسانا، پتھروں سے مار مار کر خون میں نہلا دینا۔ دہکتے ہوئے آگ کے انگاروں پر لٹانا۔ پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا۔ عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا اسلام میں سب سے پہلی شہادت حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہ خاتونؓ کی ہوئی۔ ابوجہل نے ان کی پیشاب گاہ میں نیزہ مار کر ان کو شہید کیا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ الغرض بت پرست کفار مکہ نے اپنی بت پرستی اور مذہب کی حمایت میں کوئی ایسا ظلم و تشدد نہ چھوڑا ہوگا جو انہوں نے ابتدا میں مسلمانوں پر مکہ میں نہ کیا ہو۔ مظلوم غریب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر شکایت کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تسلی فرماتے کہ کچھ عرصہ صبر کرو۔ کفار کا زور ٹوٹ جائے گا اور یہ تمہارے آگے ذلیل و مغلوب ہو جائیں گے۔ یہ سن کر کفار مکہ اور بھی زیادہ تمسخر اور استہزاء کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے ظلم و ستم پر متنبہ کرنے اور اہل اسلام کو تسلی دینے کی خاطر یہ سورۃ نازل فرمائی۔ اس سورۃ میں منکرین کے لئے سخت تنبیہ اور ان کو برے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور ان کو دھمکی دی گئی ہے۔ جو اہل ایمان کو ستاتے ہیں ساتھ ہی مسلمانوں کو تسلی اور دلاسا دیا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھنے والے بندوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں آخر کار وہ خود ہلاکت اور بربادی سے دوچار ہوتے ہیں اور اس کے لئے تاریخی شہادت کے طور پر "اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ" کا ذکر فرمایا۔

پہلی قسم: یہاں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے اور وہ چاروں ہی چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت و سطوت پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام دنیا اس کے آگے مسخر ہے۔

پہلی قسم وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ہے یعنی قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ اس کے لئے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لئے ہیں آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں اب آسمان کے مجوزہ ۱۲ حصوں میں سے ہر حصہ کی اسی شکل سے نام و ذکر کیا۔ مثلاً کہیں ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت پیدا ہوگئی تو برج ثور نام رکھ دیا۔ مچھلی کی صورت پیدا ہوگئی تو برج حوت نام رکھ دیا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح سورج کے بعض برج میں رہنے سے دن رات برابر ہو جاتے ہیں اور بعض میں رہنے سے دن گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور بعض میں رہنے سے دن بڑھنے لگتا ہے۔ نزول قرآن سے پہلے بھی عرب آسمان

میں اس قسم کے برجوں کے قائل تھے جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار سے پتہ چلتا ہے۔ تو یہاں برجوں والے آسمان کی اس وجہ سے قسم کھائی ہے تا کہ اہل بصیرت پر روشن ہو جائے کہ کائنات کی کوئی شے اپنی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ ہر روز عالم کی اشیاء میں انقلابات وارد ہوتے رہتے ہیں کبھی گرمی ہے تو کبھی سردی۔ کبھی بہار ہے تو کبھی خزاں۔ کبھی دن بڑے ہیں تو کبھی رات چھوٹی ہیں۔ اسی طرح دنیا کے امور میں بھی انقلاب آتے ہیں۔ کبھی ظالموں اور جابروں کے غرور کو توڑ دیا جاتا ہے ان کے غرور و تکبر کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ یہ روزمرہ کے انقلابات ہیں جو دنیا میں جاری و ساری ہیں۔ تو اس اظہار سے جہاں کفار کو تنبیہ و تہدید ہے وہیں اہل ایمان کو تسلی اور بشارت ہے۔ آج جو اہل ایمان کمزور و ضعیف ہیں آگے یہی صاحب قوت و اقتدار ہوں گے اور کفار مکہ ان کے آگے ذلیل و رسوا ہوں گے اس طرح اہل اسلام کو اس میں تسلی بھی ہے اور بشارت بھی کہ چند روز کے مصائب سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں آخر فتح انہی کی ہوگی۔

دوسری قسم: وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ یعنی قسم ہے وعدہ کئے ہوئے دن کی۔ اس سے مراد یوم قیامت ہے کہ جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزا و جزا کے لئے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے تو اس وعدہ کے دن کی قسم کھانے سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی۔ اقبال مندی اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے۔ اس کی بقاء کا وقت مقرر ہے پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے۔ تو یہ قسم اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ قیامت ہو کر رہے گی اور اعمال کی جزا و سزا ضرور ملے گی۔ آج اگر خدا کے فرمانبردار' ایمان دار' نیک لوگ' مصیبتیں جھیلتے رہتے ہیں اور طرح طرح سے ستائے جاتے ہیں اور خدا کے باغی نافرمان بدکار دندناتے اور مزے اڑاتے پھرتے ہیں لیکن اس کائنات کا مالک بڑا منصف ہے اس نے وعدے کا ایک دن مقرر کر دیا ہے۔ جب وہ وعدہ کا دن آ جائے گا تو پھر سب کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے گا فرمانبرداروں کو ان کی وفاداری کا بدلہ دیا جائے گا اور نافرمانوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا دی جائے گی۔

تیسری قسم: وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ یعنی قسم ہے شاہد کی اور قسم ہے مشہود کی۔ اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا مراد ہے؟ لغت میں شاہد کے معنیٰ سامنے ہونے والے کے ہیں۔ اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے۔ مشہود کے معنیٰ ہیں حاضر کیا گیا۔ چونکہ یہ الفاظ بھی بڑے وسیع المعنیٰ ہیں اس لئے ان کی مراد میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ شاہد سے مراد لوگ ہیں جو قیامت کو حاضر ہوں گے اور مشہود سے مراد حالات قیامت ہیں جو مشاہدہ کئے جائیں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود یوم عرفہ۔ کیوں کہ جمعہ کا دن سب جگہ آ موجود ہوتا ہے اور عرفے کے دن حج میں سب لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ شاہد سے مراد خدا ہے اور مشہود سے بندے کہ وہ ان کے افعال و اعمال کا گواہ ہوگا۔ بعض نے کہا کہ شاہد پیغمبر ہیں اور مشہود ان کی امتیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ شاہد ملائکہ حفظ اور کاتب اعمال ہیں اور مشہود ابنائے آدم۔ غرض اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں مگر اکثر اکابر مفسرین نے شاہد سے مراد جمعہ کا دن اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن لیا ہے۔ اس طرح وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ کا ترجمہ کیا گیا ہے قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے تو یہاں شاہد یعنی یوم جمعہ کی قسم اس مناسبت سے کھائی گئی کہ اس روز عجیب انقلابات ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ لکھا ہے کہ اسی روز تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی روز آپ کو بہشت میں داخل کیا گیا پھر اسی روز شجر ممنوعہ کے کھانے سے جنت سے اتارے گئے۔ اسی روز آپ کی گریہ زاری اور آہ و بکا کی شنوائی درگاہ ایزدی میں ہوئی اور آپ کی توبہ قبول ہوئی۔ پھر اسی روز آپ کی وفات وقوع میں آئی تو گویا یوم جمعہ حضرت ابوالبشرؑ کی زندگی کی یاد دہانی کراتا ہے۔ جو جو انقلابات و تغیرات عظیمہ ان پر گزرے ان سب کو ہمارے پیش نظر رکھتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اسی روز وہ واقعہ عظیمہ بھی پیش آنے والا ہے جس سے لوگوں کے دل ہل جائیں گے یعنی قیامت کی ابتداء جو نفخ صور سے ہوگی وہ بھی اسی روز پیش آنے والا ہے۔ اسی طرح مشہود جس سے مراد یوم عرفہ ہے یعنی ۹ ذی الحجہ یوم الحج جس روز اطراف عالم سے لوگ بقصد حج مقام عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ جو میدان حشر کا عین نمونہ ہوتا ہے نفسی نفسی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ شاہ و گدا ایک رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ساکنان حضور و قصور اور خاک نشینان صحرا سب ایک حال میں دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ کیا ہی عجیب انقلاب ہے تو ان چاروں قسموں کے بعد جس سے سورۃ کی ابتدا فرمائی گئی۔ آگے جواب قسم ہے کہ اصحاب الاخدود یعنی خندق والے ملعون ہوئے ہلاک کر دیئے گئے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا

کہ خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔اور وہ جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے

يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

تھے اُس کو دیکھ رہے تھے۔اور ان کافروں نے ان ایمان والوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست سزاوار حمد ہے۔

الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ﴿۹﴾

ایسا کہ اُسی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

قُتِلَ ہلاک کردیئے گئے	اَصْحٰبُ والے	الْاُخْدُوْدِ خندق (جمع)	النَّارِ آگ	ذَاتِ والی	الْوَقُوْدِ ایندھن	اِذْ هُمْ جب وہ	عَلَيْهَا اس پر	
قُعُوْدٌ بیٹھے تھے	وَهُمْ اور وہ	عَلٰى پر	مَا جو	يَفْعَلُوْنَ وہ کرتے تھے	بِالْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیساتھ	شُهُوْدٌ دیکھتے	وَمَا نَقَمُوْا اور نہیں بدلہ لیا	
مِنْهُمْ ان سے	اِلَّا مگر	اَنْ کہ	يُّؤْمِنُوْا وہ ایمان لائے	بِاللّٰهِ اللہ پر	الْعَزِيْزِ غالب	الْحَمِيْدِ تعریفوں والا	الَّذِيْ وہ جو کہ	لَهٗ اس کے لے
مُلْكُ بادشاہت	السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَاللّٰهُ اور اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ ہر	شَيْءٍ چیز	شَهِيْدٌ سامنے باخبر	

خندقوں والے ہلاک ہوگئے

گذشتہ ابتدائی آیات میں قسمیہ کلام کے ساتھ سورۃ کی ابتدا فرمائی گئی تھی اور چار قسمیں کھائی گئی تھیں یعنی قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور قسم ہے وعدہ کئے ہوئے دن کی یعنی قیامت کے دن کی۔اور قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی یعنی یوم جمعہ کی اور قسم ہے اس دن کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے یعنی یوم عرفہ کی۔ان چاروں چیزوں کی قسم کھا کر آگے ان آیات میں جواب قسم ہے کہ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ یعنی خندق والے جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں اور بہت سے ایندھن ڈال کر ان کو دہکایا وہ مغضوب وملعون ہوئے۔ خد یا اخدود کے معنی گڑھے۔کھائی اور خندق کے ہیں۔

خندقوں والوں کا واقعہ

اب یہ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کہ جنہوں نے خندق کھود کر آگ دہکائی تھی اور ایمان داروں کو ایمان لانے کے جرم میں آگ میں ڈالا تھا کون لوگ تھے۔اس سلسلہ میں مفسرین نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں مگر صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد اور سنن نسائی میں جو قصہ مذکور ہے وہ زیادہ مشہور ہے اور وہی یہاں نقل کیا جاتا ہے۔وہ یہ کہ حضرت صہیب رومیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جادو سیکھنے کے لئے ایک لڑکے کا بادشاہی انتخاب

گذشتہ زمانہ میں ایک کافر بادشاہ تھا اس کے دربار میں ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بہت بوڑھا ہو گیا تو ایک روز اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور موت کا وقت قریب ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ ایک فہیم وسمجھدار لڑکا میرے حوالہ کردیں تا کہ میں اس کو اپنا فن ساحری سکھا کر اپنی زندگی ہی میں کامل کردوں چنانچہ بادشاہ نے ایک لڑکے کو اس کے سپرد کردیا اور اس نے ساحر سے سحر کی تعلیم شروع کردی۔

لڑکے کی راہب سے ملاقات

بادشاہ کے محل اور ساحر کے مکان کے درمیان ایک راہب یعنی حق پرست عیسائی عابد رہتا تھا اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا دین دین حق تھا۔اور یہ راہب اسی پر قائم تھا اور عبادت گزار تھا۔ایک مرتبہ لڑکا اس راہب کے پاس چلا گیا اور اس کی باتوں اور اس کے طریقوں کو دیکھ کر

بہت مسرور ہوا اور اس کے پاس آنے جانے لگا۔ تو اب ساحر اور بادشاہ کے ہاں مقررہ وقت میں آمد و رفت میں تاخیر ہونے پر وہ لڑکے پر برافروختہ اور ناراض ہوئے۔ لڑکے نے راہب سے اس کی شکایت کی۔ راہب نے کہا کہ اس معاملہ کے مخفی رکھنے کی صرف یہ صورت ہے کہ جب بادشاہ باز پرس کرے تو یہ عذر کر دینا کہ ساحر کے ہاں دیر ہوگئی اور جب ساحر ناراض ہو تو یہ کہہ دینا کہ بادشاہ کے پاس تاخیر ہوگئی۔

راہب کے سچے ہونے کا ثبوت

غرض یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک یونہی جاری رہا کہ ایک مرتبہ لڑکے نے دیکھا کہ راہ میں ایک بہت ہیبت ناک اور عظیم الجثہ درندہ لوگوں کی راہ روکے ہوئے ہے اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ وہ اس کے سامنے سے گزر جائے۔ لڑکے نے سوچا کہ یہ بہترین وقت ہے اس بات کا کہ میں جانچ کروں آیا ساحر کا مذہب سچا ہے یا راہب کا دین۔ یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہنے لگا خدایا اگر تیرے نزدیک ساحر کے مقابلہ میں راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے یہ کہہ کر اس نے جانور کو پتھر مارا۔ پتھر کا لگنا تھا کہ وہ وہیں ہلاک ہوگیا۔ لڑکا چل دیا اور راہب سے سارا ماجرا جا کر سنایا۔ راہب نے کہا مجھے ڈر ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ دیکھو وہ وقت آئے تو میرا ذکر نہ کرنا۔

لڑکے کی کرامات

لوگوں نے لڑکے کی اس جرأت کو دیکھ کر چرچا کیا اور کہنے لگے کہ اس کو عجیب غریب علم آتا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس اندھے اور کوڑھی آنے لگے اور انہوں نے کہا کہ اپنے علم کے زور سے ہم کو اچھا کر دو وہ خدا کے فضل سے اچھا کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک درباری مصاحب نابینا ہوگیا تھا اس نے جو لڑکے کا چرچا سنا تو تحفہ تحائف کا بہت بڑا سامان لے کر اس کے پاس آیا اور تحفے پیش کرتے ہوئے بینا کر دینے کی درخواست کی۔ لڑکے نے جواب دیا میں کچھ نہیں ہوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے بلکہ شافی مطلق تو خدائے واحد ہے پس اگر تو ایمان لے آئے اور اس واحد یکتا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے تو میں ضرور تیری سفارش کے لئے دعا کروں گا۔ درباری یہ سن کر خدائے واحد پر ایمان لے آیا اور بت پرستی سے تائب ہو کر دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی اور وہ بینا ہوگیا۔

لڑکے کے ایمان کی خبر بادشاہ تک پہنچ گئی

اگلے دن جب وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے نابینا کو بینا پایا۔ تب بادشاہ نے سوال کیا کہ اپنے بینا ہونے کی حقیقت بیان کر۔ اس نے جواب دیا میرے رب نے مجھ کو شفا بخش دی۔ کافر بادشاہ نے کہا تیرا رب تو میں ہوں۔ کیا میں نے تجھ کو اچھا کر دیا؟ درباری نے جواب دیا نہیں۔ تیرے اور میرے کل جہان کے پروردگار نے اچھا کر دیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آ کر کہا کیا میرے سوا بھی کوئی تیرا رب ہے؟۔ درباری نے کہا ہاں۔ اللہ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس درباری کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا۔ آخر اس درباری نے لڑکے کا ماجرا کہہ سنایا۔

لڑکے کی آزمائش اور کامیابی

بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سحر کے ذریعہ سے اندھوں کو بینا اور مبروص و جذامی کو شفا دیتا ہے۔ لڑکے نے کہا مجھ میں یہ طاقت کہاں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ رب العالمین کے شفا دینے سے شفایاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا اور کوئی رب ہے؟ لڑکے نے کہا وہ خدا جو واحد یکتا ہے۔ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس لڑکے کو عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا۔ آخر اس نے راہب سے متعلق تمام واقعہ کہہ سنایا۔ تب بادشاہ نے راہب کو بلایا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ دین حق سے پھر جائے۔ مگر راہب نے کسی طرح اس کو قبول نہیں کیا۔ تب بادشاہ نے راہب کے سر پر آرا چلوا دیا اور اس طرح اس کو شہید کر ڈالا۔

لڑکے کو قتل کرنے میں بادشاہ کی ناکامی

اب لڑکے سے کہا کہ تو راہب کے دین سے پھر جا۔ لڑکے نے بھی صاف انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرا دو کہ پاش پاش ہو جائے۔ جب سرکاری آدمی لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے تو لڑکے نے دعا کی۔ الٰہی تو ان لوگوں کے مقابلہ میں

میرے لئے کافی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت پہاڑ زلزلہ میں آ گیا اور سرکاری آدمی گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم بچ کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ تیرے ساتھ والے کہاں گئے۔ لڑکے نے کہا خدا نے ان کے مقابلہ میں میری مدد کی۔ تب بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اور دریا میں لے جا کر غرق کر دو۔ سرکاری آدمی اس کو دریا کے بیچ میں لے کر پہنچے تو لڑکے نے پھر وہی دعا کی۔ خدایا ان سے مجھ کو نجات دے۔ فوراً ہی دریا میں جوش آیا اور وہ سب غرق ہو گئے اور لڑکا بچ گیا اور صحیح سلامت بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا اور لڑکے نے پھر وہی جواب دیا۔

لڑکے کی شہادت اور پوری قوم کا مسلمان ہونا

اب لڑکے نے کہا کہ اے بادشاہ اس طرح تو مجھ پر ہرگز کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ جو ترکیب میں بتاؤں اگر اس کو اختیار کرے تو بے شک تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے لڑکے سے وہ تدبیر دریافت کی۔ لڑکے نے کہا تو شہر کی تمام مخلوق کو بلند جگہ پر جمع کر جب سب جمع ہو جاویں تو اس وقت مجھ کو درخت پر لٹکا دینا اور میرے ترکش سے تیر لے کر اور یہ پڑھ کر میرے سینہ پر تیر مارنا۔

بسم اللہ رب الغلام اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے تب میں مر سکتا ہوں۔ بادشاہ نے لڑکے کے قول پر عمل کیا اور جب تمام شہر جمع ہو گیا تو لڑکے کو سولی پر لٹکا کر اور لڑکے کی بتائی ہوئی عبارت پڑھ کر اس کے تیر مارا اور لڑکا تیر کھا کر جاں بحق ہو گیا۔ مخلوق نے جو یہ دیکھا تو سب نے ایک دم با آواز بلند نعرہ لگایا۔ امنا برب الغلام. امنا برب الغلام ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لے آئے اور سب نے دین عیسوی جو اس وقت دین حق تھا قبول کر لیا۔

قوم کو جلانے کے لئے خندقوں کا انتظام

بادشاہ پوری قوم کی یہ حالت دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ شہر کے ہر ایک محلّہ گلی کوچہ میں خندقیں کھودو اور ان میں خوب آگ دہکاؤ۔ پھر ہر محلّہ کے لوگوں کو جمع کر و اور ان سے کہو کہ اس دین سے باز آ جائیں۔ جو باز آ جائے اس کو چھوڑ دو اور جو انکار کرتا جائے اس کو دہکتی آگ میں ڈالتے جاؤ۔ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے تھے اور دین حق سے باز نہ رہنے کا اقرار کرتے اور بخوشی دہکتی آگ میں ڈالے جاتے تھے اور اس جان گسل اور ہولناک نظارہ کو بادشاہ اور اس کے مصاحبین مسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا۔ عورت بچہ کی محبت میں جھجکی۔ فوراً بچہ نے کہا اماں صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں کود جا اس لئے کہ بلاشبہ تو حق پر ہے اور یہ ظالم باطل پر ہیں۔

اس قصہ کا درس

علامہ ابن کثیرؒ نے بحیثیت ایک مؤرخ یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ اس نوعیت کے متعدد واقعات پیش آ چکے ہیں جو اپنے مفہوم، مراد اور مقصد کے لحاظ سے سب ہی اس سورۃ بروج کی آیات کے مصداق بن سکتے ہیں۔ اور تمام واقعات کا حاصل اگر تفصیلات اور جزئیات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ایک ہی نکلتا ہے اور وہ یہ کہ حق پرست جماعت کے حصہ میں ابدی کامرانی اور سرمدی فوز و فلاح اور ظالم اور باطل پرست جماعت دنیا میں بھی خائب و خاسر ہے اور آخرت میں ابدی جہنم نصیب ہے۔ تو نزول قرآن کے وقت اہل عرب ان میں سے بعض یا کسی ایک واقعہ سے ضرور آگاہ ہوں گے۔ اس لئے کفار مکہ کو یہ آیات سنائی گئیں۔ جب کہ وہ مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم توڑ رہے تھے اور مکہ کے مشرکین سردار اپنی آنکھوں کے سامنے مظلوم مسلمانوں پر ظلم کرا رہے تھے۔ اگر انہوں نے اصحاب اخدود کے گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل نہ کی اور اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاکت ولعنت خداوندی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

کافروں کی سنگدلی

آگے انہی اصحاب اخدود کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ (یعنی جس وقت وہ لوگ اس آگ کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ ایمان داروں کے ساتھ ظلم و ستم کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے) یعنی وہ ظالم اور کافر بادشاہ اور اس کے وزیر و مشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت سنگ دلی سے حق پرستوں اور ایمانداروں کے آگ میں ڈالے

جانے اور جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

اہل ایمان کی آزمائش

آگے ارشاد ہوا وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ یعنی ان اہل ایمان حق پرستوں کا قصور اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ کفر و شرک کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لے آئے تھے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے تو جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اس اکیلے خدا کو مانتے ہیں آگ میں جلایا جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا ظلم وستم یونہی خالی چلا جائے اور خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے۔ رہی یہ بات کہ وہ عزیز وحمید اور قہار و جبار اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت ظالموں اور کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچوا دے اور اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل اس کی خاص مصلحت و حکمت ہی کی بناء پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں اور آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے اور ہر چیز پر حاضر ناظر ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں اسلام اور ایمان پر استقامت نصیب فرمائیں اور اسلام و ایمان کی برکت سے اپنی نصرت و اعانت کو ہمارے شامل حال رکھیں۔ روئے زمین پر اس وقت جہاں بھی کفار کو غلبہ ہے اور اہل اسلام پر ظالم مسلط ہیں یا اللہ اپنی قدرت سے ظالموں کے غلبہ کو دور فرما آمین۔

یَااللہ جس گناہ کی وجہ سے نیکی زائل ہوگئی' گناہ پر گناہ بڑھے' تکالیف اتریں اور تیرے غضب کا باعث ہوں ان سب گناہوں کو معاف فرما دے۔

یَااللہ گناہ تو صرف آپ ہی معاف کر سکتے ہیں۔ آپ نے بہت سے گناہ اپنے علم میں چھپا لئے ہیں آپ ان کو معاف کر دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ

جنہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو تکلیف پہنچائی پھر توبہ نہیں کی تو ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کیلئے جلنے کا عذاب ہے

عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝١٠ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝١١

یہ بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ وہ جو	فَتَنُوْا تکلیفیں دیں	اَلْمُؤْمِنِیْنَ مومن (جمع) مرد	وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مومن عورتیں	ثُمَّ پھر	لَمْ یَتُوْبُوْا انہوں نے توبہ نہ کی	فَلَهُمْ تو ان کیلئے		
عَذَابُ عذاب	جَهَنَّمَ جہنم	وَلَهُمْ اور ان کیلئے	عَذَابُ عذاب	اَلْحَرِیْقِ جلنا	اِنَّ بیشک	اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے		
اَلصّٰلِحٰتِ اچھے	لَهُمْ ان کیلئے	جَنّٰتٌ باغات	تَجْرِیْ جاری ہیں	مِنْ سے	تَحْتِهَا انکے نیچے	اَلْاَنْهٰرُ نہریں	ذٰلِكَ یہ	اَلْفَوْزُ کامیابی	اَلْكَبِیْرُ بڑی

خندق والوں کا انجام

گذشتہ آیات میں اصحاب الاخدود کا ذکر ہوا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ جن مومنین کو ظالموں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچا دیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کر لی گئیں اس طرح گویا مردہ جسم آگ میں پڑے۔ پھر یہ آگ اتنی بھڑک اٹھی کہ خندق کی حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو ایمان والوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا صرف بادشاہ بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو اس نے دریا میں ڈال دیا اور اس میں غرق ہو کر مرا۔ تو اس واقعہ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کو سنا کر کفار مکہ کو جو غریب مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھا رہے تھے تنبیہ تھی کہ اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے تو تم بھی ملعون اور گرفتار عذاب ہو گے۔

اس کے بعد آگے حق تعالیٰ اپنا دائمی قانون سناتے ہیں کہ یہ کچھ اصحاب الاخدود ہی پر منحصر نہیں جو لوگ ایمان داروں کو اور حق پرستوں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے جیسے کہ کفار مکہ اس وقت کر رہے تھے پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہ ہوں گے تو ان سب کے لئے جہنم کا عذاب تیار ہے۔ جس میں بے شمار قسم کی تکلیفیں ہوں گی اور بڑی تکلیف آگ سے جلنے کی ہو گی جس میں جہنمی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔ اسی لئے اس کو خاص طور پر وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ فرمایا۔ جہنم کی آگ اول تو دنیا کی آگ سے ۷۰ حصہ زیادہ گرم ہے اس لئے بسبب شدت گرمی آگ کے پہنچتے ہی جسم جل کر بھسم ہو جایا کریں گے اور پھر نئے جسم پیدا ہو جایا کریں گے یہاں تک کہ ایک گھڑی میں سات سو جسم بدلتے رہیں گے۔ جسم کے اصلی اجزاء برقرار رہیں گے گوشت پوست جل کر دوبارہ پیدا ہوتا رہے گا۔ العیاذ باللہ۔

اللھم احفظنا من غضبک والنار

توبہ کا دروازہ کھلا ہے

اس سزا کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو توبہ نہیں کرتے اور اس لئے اس سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگر ایسے لوگ بھی سچی توبہ کر لیں یعنی اپنی خطا کا اقرار کر لیں۔ اپنے کئے پر نادم ہوں اور آئندہ ایسی خطا نہ کرنے کا عزم کر لیں اور اپنے خطا کی معافی چاہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا کرم واحسان ہے کہ اس نے بڑے سے بڑے سرکش اور مجرم کے لئے بھی معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

مومن صالح کا انعام

ظالم مجرموں کی سزا اور ان کا انجام بیان کرنے کے ساتھ ہی حق تعالیٰ اپنے فرمانبردار اور وفادار بندوں کے انجام کا بھی ذکر فرماتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں ایمان لے آئیں یعنی اللہ کی وحدانیت۔ اس کے رسولوں کی رسالت تسلیم کرلیں۔ اس کی کتاب کی حقانیت کو مان لیں اور اس کے موافق اپنا عقیدہ رکھیں اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بجالائیں۔ یعنی جن باتوں کے کرنے کا اللہ اور اس کے رسول حکم دیں ان کو بجالائیں اور جن باتوں اور کاموں کے کرنے کو منع کیا ان سے بچنے اور باز رہنے کی کوشش کریں۔ تو ایسے فرمانبردار ایمان والے بندوں کے لئے آخرت میں آرام ہی آرام ہے۔ وہاں انہیں ایسے سدا بہار باغات میں رکھا جائے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی اور جہاں ہر طرح کا لطف آرام انہیں میسر ہوگا۔ آرام و آسائش کا جو اونچے سے اونچا تصور کسی ذہن میں آسکتا ہے اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر نعمتیں انہیں وہاں ملیں گی۔ **اللھم اجعلنامنھم**

عمل صالح کونسا ہے؟

وہی کام ''عمل صالح'' ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اور صرف اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے ان دوشرطوں کے بغیر کوئی کام ''عمل صالح'' نہیں ہوسکتا۔ گو بظاہر دیکھنے میں وہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجئے نماز پڑھنا کتنا اچھا کام ہے لیکن اگر کوئی طلوع آفتاب کے وقت پڑھتا ہے تو وہ نماز پڑھنا ''عمل صالح'' نہیں بلکہ گناہ ہے۔ اسی طرح روزہ رکھنا کتنا اچھا عمل ہے مگر عید کے دن اگر کسی نے روزہ رکھا تو وہ عمل صالح نہیں بلکہ گناہ ہے۔

بڑی کامیابی

آگے فرمایا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ یعنی یہ ہے بڑی کامیابی کہ جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ابدی نعمتیں حاصل ہوجائیں نہ کہ دنیا کا عیش و آرام اور ملک و مال اور جاہ وجلال اور حشم وخدم جس کو اہل باطل نے کامیابی سمجھ رکھا ہے اگر دنیا میں کسی نے مال بے حساب اور ملک اور عمدہ مکان اور زر و جواہرات اور تمامی عیش کے سامان بہم بھی پہنچالئے اول تو سب چیزوں کا بہم ہونا مشکل ایک نہ ایک حسرت و آرزو باقی ہی رہ جاتی ہے اور اگر کسی کو تمام چیزیں میسر بھی ہوگئیں تو پھر ان چیزوں کو دوام اور بقا نہیں کہیں دشمن کا کھٹکا کہیں نقصان اور کمی کا خوف۔

دعا کیجئے

یَااللہ ہمیں ہدایت وبصیرت عطا فرما کہ ہم اپنی زندگی کے اصل مقصد کو سمجھیں اور جانیں اور اس کے حصول لئے کوشاں رہیں۔ اور زندگی کے ہر لمحہ میں آپ کی رضا کے متلاشی رہیں۔

یَااللہ میں نے تیری مخلوق پر کسی قسم کا ظلم کیا یا تیرے دوستوں کے خلاف چلا۔ تیرے دشمنوں کی امداد کی ہو' اہل اطاعت کے مخالف' اہل معصیت سے جاملا ہوں' ان کا ساتھ دیا ہو' الٰہی! ان گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (١٢) اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ (١٣) وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ (١٤) ذُو الْعَرْشِ

آپ کے رب کی دارو گیر بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پیدا کرے گا اور وہی بڑا بخشنے والا بڑی محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک

الْمَجِيْدُ (١٥) فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (١٦) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (١٧) فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ (١٨) بَلِ الَّذِيْنَ

عظمت والا ہے۔ وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے۔ یعنی فرعون اور ثمود کا۔ بلکہ یہ کافر

كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ (١٩) وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (٢٠) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ (٢١) فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (٢٢)

تکذیب میں ہیں۔ اور اللہ ان کو ادھر اُدھر سے گھیرے ہوئے ہے۔ بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

اِنَّ بیشک	بَطْشَ پکڑ	رَبِّكَ تمہارا رب	لَشَدِيْدٌ بڑی سخت	اِنَّهٗ بیشک وہ	هُوَ وہی	يُبْدِئُ پہلی بار پیدا کرتا ہے	وَيُعِيْدُ اور لوٹاتا ہے	وَهُوَ اور وہ	
الْغَفُوْرُ بخشنے والا	الْوَدُوْدُ محبت والا	ذُو الْعَرْشِ عرش والا	الْمَجِيْدُ بڑی بندگی والا	فَعَّالٌ کر ڈالنے والا	لِّمَا جو	يُرِيْدُ وہ چاہے	هَلْ کیا	اَتٰىكَ تجھ تک آئی (پہنچی)	
حَدِيْثُ بات	الْجُنُوْدِ لشکر	فِرْعَوْنَ فرعون	وَثَمُوْدَ اور ثمود	بَلْ بلکہ	الَّذِيْنَ وہ جو کہ	كَفَرُوْا انہوں نے کفر کیا	فِيْ میں	تَكْذِيْبٍ جھٹلانا	وَاللّٰهُ اور اللہ
مِنْ سے	وَّرَآئِهِمْ انکے ہر طرف	مُّحِيْطٌ گھیرے ہوئے	بَلْ بلکہ	هُوَ وہ	قُرْاٰنٌ قرآن	مَّجِيْدٌ بڑی بزرگی والا	فِيْ میں	لَوْحٍ لوح	مَّحْفُوْظٍ محفوظ

مجرموں کیلئے سخت پکڑ

گذشتہ آیات میں دو مضمون بیان فرمائے گئے تھے ایک تو یہ کہ دنیا میں ایمان داروں اور حق پرستوں کو ستانے والے آخرت میں جہنم کا عذاب بھگتیں گے دوسرے یہ کہ ایماندار نیک کرداروں کے لئے آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔ اب آگے انہی دو مضمونوں کی مناسبت سے اور انہی دو مضمونوں کو مؤکد کرنے کے لئے حق تعالیٰ اپنی دو قسم کی صفات بیان فرماتے ہیں۔ پہلے مضمون کے لئے یعنی نافرمانوں اور سرکشوں کو سزا دینے کے لئے اپنی صفت جباری و قہاری کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہ جب تک چاہتا ہے مہلت اور ڈھیل دیتا ہے لیکن جب وہ پکڑنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا اور جس کو پکڑتا ہے اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی ذلیل و خوار کر دیتا ہے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب کرتا ہے۔ نہ پھر کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔ وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے بڑے بڑے مال و دولت و جاہ والوں کو مفلس بنا دیتا ہے اور سارے جاہ و اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔

آگے فرمایا اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ بے شک پہلی مرتبہ بھی آدمی کو وہی پیدا کرتا ہے اور دوسری مرتبہ موت کے بعد بھی وہی پیدا کرے گا۔ پس مجرم اس دھوکہ میں نہ رہے کہ موت جب ہمارا نام و نشان مٹا دے گی پھر ہم کس طرح ہاتھ آئیں گے جزا و سزا کے لئے۔

توبہ کرنے والوں کیلئے مغفرت و رحمت

اس کے بعد دوسرے مضمون یعنی اہل ایمان خدا پرستوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اس کے متعلق اپنی صفت بیان فرمائی وَهُوَ الْغَفُوْرُ کہ وہ بخش دینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ و استغفار پر درگزر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے نیکوکار ہیں ان کے لئے الْوَدُوْدُ ہے یعنی پیار اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں۔ یعنی باوجود صفت قہاری اور سخت گیری کے اس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں۔ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا ان کے عیوب چھپاتا اور طرح طرح کے لطف و کرم اور شفقت و عنایات سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ کہ وہ عرش والا ہے جو عرش

تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے اور تمام خلائق کے اوپر ہے۔ وہ جس کام کا جب ارادہ کر لے کرنے پر قدرت رکھتا ہے یعنی اپنے علم و حکمت کے موافق جو کرنا چاہے کچھ دیر نہیں لگتی۔ نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے۔ امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ سے ان کی اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا۔ فرمایا ہاں پوچھا پھر کیا جواب دیا۔

فرمایا کہ جواب دیا۔ انی فعال لما یرید.

فرعون وثمود کے قصوں سے عبرت پکڑو

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

یعنی مثال کے طور پر فرعون ہی کو دیکھ لو۔ کیسا زبردست بادشاہ۔ کتنی طاقت والا اور اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بظاہر انتہائی کمزور اور بے سہارا لیکن انجام کیا ہوا؟ فرعون اپنے تمام ساز و سامان اور لاؤ لشکر سمیت ڈبو کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کی طاقت۔ حکومت و سلطنت اس کے کچھ کام نہ آئی۔ اور حضرت موسیٰؑ اور آپ کی قوم کو نجات دی گئی اور انہیں سربلندی اور کامیابی نصیب ہوئی۔ اسی طرح ثمود یعنی صالح علیہ السلام کی قوم کا حال دیکھو کیسی ترقی یافتہ اور کیسی طاقتور قوم اپنی طاقت کے گھمنڈ میں بالکل مست لیکن جب ان کی نافرمانیوں کی بدولت اللہ کی پکڑ کا وقت آ گیا تو نہ طاقت کام آئی اور نہ صنعتی کمال نے کچھ ساتھ دیا آن کی آن میں سب دھرا رہ گیا اور پوری بستی اس طرح اجڑ گئی جیسے وہاں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ ایک مدت تک ان پر انعام کا دروازہ کھلا رہا تھا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہنچتی تھیں پھر ان کے کفر وطغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا۔

کافر سزا سے نہیں بچ سکتے

تو چاہیے تو یہ تھا کہ کفار ان قصوں سے عبرت پکڑتے اور سبق لیتے مگر یہ کفار ان قصوں سے بھی کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عذاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے اور الٹا ان قصوں اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ حقیقت ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے اور انہیں یہ خیال ہی نہیں رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے بچ کر یہ کہیں نہیں جا سکتے۔ اس کی پکڑ سخت ہے اور اس کی پکڑ کے سامنے یہ انسان بالکل بے بس اور مجبور ہے باوجود اپنی اکڑفوں کے یہ انسان آئے دن طوفانوں، زلزلوں، قحطوں، بارشوں، سیلابوں، بیماریوں اور وباؤں وغیرہ کی شکلوں میں اپنی مجبوری کے تماشے دیکھتا رہتا ہے۔ ان واقعات سے اسے سبق لینا چاہئے تھا کہ یقیناً کوئی ہستی ایسی موجود ہے جو اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور جس کی پکڑ سے وہ نکل کر کہیں جا نہیں سکتا۔ تو منکرین جس انکار میں لگے ہوئے ہیں اس انکار تکذیب کی سزا ضرور بھگتنی ہے۔

قرآن خدائی حفاظت میں

آگے بتلایا جاتا ہے کہ ان منکرین کا قرآن کو جھٹلانا اور اس کی تکذیب کرنا محض حماقت ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو یا چند احمقوں کے جھٹلانے اور باطل بتلانے سے اس کی شان اور بزرگی کم ہو جائے۔ یہ کتاب تو اپنے درجے اور مقام کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ یہ لوح محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور جو شیاطین کی دسترس سے باہر ہے۔ اس میں نہ کوئی تبدیلی ممکن ہے اور نہ کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔

خلاصہ

اس سورت کی ابتداء میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا کہ ''خندقوں والے ہلاک کیے گئے'' صحیح مسلم میں ''خندقوں والے'' قصہ کی نسبت حمیر کے بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ ذونواس یہودی کی طرف کی گئی ہے جو مشرک تھا اور اس نے ایسے بیس ہزار افراد کو خندقوں میں ڈال کر زندہ جلا دیا تھا جو عیسائی بن گئے تھے اور انہوں نے خدا پرستی چھوڑ کر بت پرستی کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ میں ساحر، راہب اور غلام کا قصہ بھی منقول ہے، جب ایک نوجوان لڑکے کی استقامت دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان

قبول کرلیا اور بادشاہِ وقت کی دھمکیوں کے باوجود وہ ایمان سے باز نہ آئے تو ان سب کو خندقوں میں دہکتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے کئی واقعات کا پتہ چلتا ہے جب مذہبی اور نظریاتی اختلافات کی بناء پر مخالفین نے ایک دوسرے کو زندہ جلا دیا، آج کی دنیا جسے اپنے مہذب اور ترقی یافتہ ہونے پر بڑا ناز ہے، وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک بم مسلمانوں پر استعمال کر رہی ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے پوری پوری بستی اور شہر کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں، افغانستان اور عراق میں جو آگ جلائی گئی کیا یہ آگ ذونواس کی آگ سے کم درجہ کی تھی؟ جس کا نشانہ کلمہ پڑھنے والے نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں، مردوں اور عورتوں کو بنایا گیا یہ آگ ہی تو ہے جو مسلمانوں پر برسائی جارہی ہے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ کیسے بیس ہزار افراد کو زندہ جلا دیا گیا۔

ایسے لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے کہ ''جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ نہ کی تو ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔ سورت کے اختتام پر اللہ کی عظمت اور انتقام کی قدرت کا بیان ہے' اس کی پکڑ بڑی سخت ہے وہ جب کسی کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے تو اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ فرعون کا انجام اس دعویٰ کی دلیل اور اس پر گواہ ہے۔

سورۃ البروج کے خواص

۱...... جس بچہ کا دودھ چھڑانا ہو تو یہ سورۃ لکھ کر اس کے گلے میں لٹکائیں۔ وہ بچہ آسانی سے دودھ چھوڑ دے گا۔

۲...... رات کو بستر پر جا کر اس سورۃ کو پڑھ کر سوئیں تو رات بھر ہر قسم کی آفت سے حفاظت رہے گی۔ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ

مسافر سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے گھر کے دروازہ میں کھڑے ہو کر یہ آیات پڑھ لے تو وہ خود اور اس کا ساز و سامان سب محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

یَا اللّٰہ اپنا وہ خوف وخشیت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے کہ جو ہم آپ کی پکڑ سے ڈر کر ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز آجائیں اور آپ کے فرمانبردار بندے بن جائیں۔ آمین۔

یَا اللّٰہ بعض گناہ ایسے بھی کئے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ یہ گناہ کی بات ہے اور آپ میرے حال کو جانتے ہیں لیکن گناہ کو ہلکا خیال کیا اور تیری پکڑ کا خیال نہ کیا۔ اپنی رو میں کر گزرا الٰہی! ان کو بھی معاف فرما دیجئے

یَا اللّٰہ دن کی روشنی میں تیرے بندوں سے چھپ کر گناہ کیا اور رات کے اندھیرے میں تیرا حکم توڑا یہ صرف میری نادانی ہی تھی کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کے نزدیک ہر پوشیدہ ظاہر ہے۔ آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں آپ کے یہاں سوائے آپ کی رحمت کے نہ مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ وہ روشن ستارہ ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی یاد رکھنے والا مقرر نہ ہو۔

وَالسَّمَآءِ قسم آسمان کی	وَالطَّارِقِ اور رات کو آنیوالے کی	وَمَآ اَدْرٰىكَ اور تم نے کیا سمجھا	مَا الطَّارِقُ کیا ہے طارق	النَّجْمُ ستارا	الثَّاقِبُ چمکتا ہوا
اِنْ نہیں	كُلُّ کوئی	نَفْسٍ جان	لَّمَّا مگر	عَلَيْهَا اس پر	حَافِظٌ نگہبان

وجہ تسمیہ، موضوع وغیرہ: سورۃ کی ابتداہی میں وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ فرمایا گیا ہے یعنی قسم ہے آسمان کی اور طارق کی۔ طارق کے معنیٰ ہیں جو چیز رات کو نمودار ہو۔ مراد اس سے روشن ستارے ہیں اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام الطارق ہے۔ یہ بھی مکی سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں بتلایا گیا کہ دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ لکھ لیا جاتا ہے اور جب وہ وقت آئے گا کہ قیامت قائم ہوگی تو اس کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کر دیا جائے گا اور اگر اس کو قیامت میں شبہ ہو اور اس کی سمجھ میں نہ آئے کہ مرنے کے بعد انسان پھر دوبارہ کیسے زندہ کر کے کھڑا کر دیا جائے گا تو انسان اپنی پہلی پیدائش پر غور کرے کہ جس نے اسے ایک ناچیز قطرۂ منی سے انسان بنا کر پیدا کر دیا، یقیناً اسی طرح وہ خالق اسے دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

قیامت ضرور واقع ہوگی

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ آسمان کی اور طارق کی پھر خود ہی فرمایا کہ طارق ایک چمکتا ہوا تارا ہے۔ طارق کے معنیٰ ہیں رات میں آنے والا۔ یہ تو یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے کہ طارق سے کون سا تارا مراد ہے البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ روشن ستاروں میں سے یہ کوئی چمکدار ستارہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اپنی دوسری مخلوقات کی اکثر قسمیں کھائی ہیں۔ قرآن پاک کی بیشتر قسمیں دراصل اس معنیٰ میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو کسی نہ کسی بات کی دلیل اور ثبوت کے طور پر پیش فرماتا ہے اور انسان کو ان چیزوں کے بارہ میں غور کرنے کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ جن کی قسم کھائی جاتی ہے یہی صورت یہاں بھی ہے اللہ تعالیٰ آسمان اور کائنات کی طرف اور کسی خاص چمک دار تارہ کی طرف انسان کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ کائنات کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کی حکمت اور اس کی قدرت کے بارہ میں انسان کے اندر یقین پیدا کرنے کا بڑا ہی کامیاب ذریعہ ہے اور اسی غور و فکر کے نتیجہ میں انسان اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ بلا مقصد اور بے نتیجہ نہیں بنایا گیا ہے بلکہ اس کا ایک مقصد ہے اور اس سب کا کوئی انجام ضرور ہونا ہے۔ یہی مقصد ہے جس کے لئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ انسان کو کائنات زمین و آسمان اور ان کی چیزوں کی طرف غور کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ تو جب اس کائنات کا ایک مقصد ہے تو انسان کا وجود بھی اسی کائنات کا ایک جزو ہے جو بے مقصد نہیں ہو سکتا کہ انسان یونہی دنیا میں بے مقصد پیدا ہو گیا ہو اور اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہو۔ کوئی جواب دہی نہ ہو نعمتیں تو اسے بیشمار ملیں لیکن نعمتوں کا کوئی حساب نہ ہو کہ صحیح استعمال کیں یا غلط۔ عمل اور ارادے کی تو آزادی ہو لیکن یہ پوچھ گچھ نہ ہو کہ اس آزادی کا استعمال صحیح کیا یا بے جا۔ ٹھیک یا غلط۔ اسی حقیقت کو بتلانے اور انسان کی نظروں کے سامنے لانے کے لئے قسمیہ کلام کے بعد بطور جواب قسم فرمایا گیا کہ دنیا میں ہر ہر انسان کی باقاعدہ نگرانی ہو رہی ہے۔ جو کوئی جو کچھ نیک یا بد، اچھا یا برا، جائز یا ناجائز کر رہا ہے وہ سب محفوظ کیا جا رہا ہے اور سب کا باقاعدہ ایک ریکارڈ رکھا جا رہا ہے۔ اور یہ سارا انتظام اسی دن کے لئے کیا جا رہا ہے جب ہر ایک کو اپنے پیدا کرنے والے کے حضور حاضر ہونا پڑے گا اور اس کے سامنے زندگی کا پورا حساب پیش کرنا ہوگا۔ اور انجام و نتیجہ میں انعام و اکرام کا یا سزا و عذاب کا مستحق ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾

تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾

وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے۔ جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی پھر انسان کو نہ تو خود قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا۔

فَلْيَنْظُرِ چاہیے کہ دیکھے	الْاِنْسَانُ انسان	مِمَّ کس چیز سے	خُلِقَ پیدا کیا گیا	خُلِقَ وہ پیدا کیا گیا	مِنْ سے	مَآءٍ پانی	دَافِقٍ اُچھلتا ہوا	يَّخْرُجُ نکلتا ہے
مِنْ سے	بَيْنِ درمیان	الصُّلْبِ پیٹھ	وَالتَّرَآئِبِ اور سینہ	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلٰى پر	رَجْعِهٖ اسکو دوبارہ لوٹانا	لَقَادِرٌ قادر	يَوْمَ دن	تُبْلَى جانچے جائینگے
السَّرَآئِرُ راز	فَمَا تو نہ	لَهٗ اسکے لئے	مِنْ سے	قُوَّةٍ قوت	وَّلَا اور نہ	نَاصِرٍ مددگار		

وجود انسانی قیام قیامت کی نشانی

ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ انسان کو اگر قیامت میں دوبارہ پیدا کئے جانے اور زندہ کر کے کھڑا کئے جانے میں شک وشبہ ہو تو اس کو چاہیے کہ یہ خود اپنی اول پیدائش میں غور وفکر کرے کہ یہ کس چیز سے اور کس طرح اول بار پیدا کیا گیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی پیدائش کے بارے میں سوچنے اور غور کرنے کی طرف بار بار مختلف انداز میں توجہ دلائی ہے کیونکہ اس سے اللہ کی حکمت اور قدرت کا جو نمونہ سامنے آتا ہے وہ انتہائی حیرت میں ڈالنے والا ہے۔

دعوتِ فکر

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اور مادہ اس کی خلقت کا کہاں کہاں سے جمع کر کے لایا گیا ہے؟ پھر خود ہی حق تعالیٰ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ وہ اچھلتے ہوئے ایک پانی سے پیدا ہوا ہے جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یہاں پانی سے مراد منی ہے اور پشت وسینہ جو بدن کے دو طرفین ہیں اس سے مراد تمام بدن ہو سکتا ہے اور یہ اس لئے مراد لیا گیا کہ منی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر منفعل ہوتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ نطفہ یعنی منی یہ خلاصہ اور جوہر ہے خون کا۔ اور خون انسانی بدن میں غذا سے بنتا ہے اور غذا حاصل ہوتی ہے زمین سے اگنے والی چیزوں سے جیسے اناج، ساگ پات، ترکاری، پھل میوے وغیرہ یا غذا حیوانوں سے حاصل ہوتی ہے جیسے گوشت، دودھ چربی اور انڈا اور پھر دودھ سے گھی، مکھن، دہی، پنیر وغیرہ از روئے علم طب غذائے صالح کے معدہ میں جانے کے بعد جب ۲۷ گھنٹے گزرتے ہیں تو اس کھائی ہوئی غذا سے منی بنتی ہے۔

مادہ منوی دماغ سے نزول کرتا ہے اور ان رگوں میں سے جو دونوں کانوں کے پیچھے ہیں وہاں سے گزر کر نخاع یعنی حرام مغز میں آتا ہے۔ پھر مرد کا وہ مادہ پیٹھ کے منکوں کی راہ سے گزر کر گردوں میں آتا ہے وہاں سے خصیوں میں وہاں سے اعضائے تناسل کے نیچے کی رگ سے گزر کر رحم میں گرتا ہے۔

تو جس ذات کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ انسان کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور ایسے عجیب وغریب طریقہ سے پیدا کرتا ہے وہ یقیناً اس بات کی قدرت بھی رکھتا ہے کہ جب چاہے انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ اس کو اس کی صورت کی طرف لوٹا دے۔ تو جس نے انسان کو پہلی بار پیدا کیا اسی انسان کو دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کر دینا اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے۔ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ یقیناً یہ بات ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا کچھ بھی

مشکل کام نہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جو ہر اس شخص کی سمجھ میں آ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرے اور صحیح طریقہ پر عقل سے کام لے کر نتائج اخذ کرے۔ ان ہی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی خود انسان کی اپنی پیدائش بھی ہے۔

قیامت کے دن سب اعمال ظاہر ہو جائیں گے

آگے بتلایا جاتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ یعنی دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی اور اس کی سب مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں گی یا چھپ کر کی ہوں گی ظاہر ہو جاویں گی۔ اور کسی جرم کا اخفا ممکن نہ ہوگا۔ دنیا میں تو لوگ جرم کر کے چھپا بھی لیتے ہیں یا انکاری ہو جاتے ہیں مگر وہاں پر ایسا نہ ہو سکے گا کیونکہ سب مخفی باتیں خواہ عقیدہ کی ہوں یا نیت کی سب ظاہر ہو جائیں گی پھر اس وقت انسان اپنے اعمال بد اور عقائد باطلہ اور نیت فاسدہ کی وجہ سے پچھتائے گا مگر لاحاصل اس وقت وہ نہ اپنی ہمت سے اور نہ کسی حمایتی کی مدد سے عذاب سے بچ سکے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنی قدرت سے ہم کو انسانی جامہ پہنایا اور اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا۔ اور پھر اسلام اور ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔

یَا اللّٰہ جو گناہ عمر کو خراب کریں امید سے ناامید کر دیں۔ نیک اعمال کو برباد کر دیں الٰہی! ایسے گناہوں سے بچا کر رکھنا اگر کر لئے ہوں تو معاف فرمانا۔

یَا اللّٰہ آپ نے قلب کو پاک کیا، میں نے گناہوں سے ناپاک کر لیا، آپ نے پردہ رکھا میں نے خود اس کو چاک کر دیا اپنے برے اخلاق کو مزین کیا اور نیک بنا رہا ایسے گناہ بھی معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾

قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے۔ اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے۔ کہ یہ قرآن ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اور کوئی لغو چیز نہیں ہے

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں۔ تو آپ ان کافروں کو یونہی رہنے دیجئے انکو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے

وَالسَّمَآءِ قسم آسمان کے	ذَاتِ الرَّجْعِ بارش والا	وَالْاَرْضِ اور زمین کی	ذَاتِ الصَّدْعِ پھٹ جانے والی	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَقَوْلٌ کلام	فَصْلٌ فیصلہ کر دینے والا
وَمَا اور نہیں	هُوَ وہ	بِالْهَزْلِ بیہودہ بات	اِنَّهُمْ بیشک وہ	يَكِيْدُوْنَ تدبیر کرتے ہیں	كَيْدًا تدبیر	وَاَكِيْدُ اور میں تدبیر کرتا ہوں	كَيْدًا ایک تدبیر
فَمَهِّلِ پس ڈھیل دو	الْكٰفِرِيْنَ کافر	اَمْهِلْهُمْ ڈھیل دو انہیں	رُوَيْدًا تھوڑی			

قرآن کریم روحانی واخلاقی زندگی کا ضامن

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جس میں سے نباتات اگتی ہے۔ تو قسم کھا کر فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ یعنی قرآن کریم حق اور باطل میں فیصلہ کر دینے والا کلام ہے۔ اب یہاں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو بیج نکلتے وقت پھٹ جاتی ہے اور جواب قسم کہ یہ قرآن ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اس میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح آسمان سے بارش ہوتی ہے اور عمدہ زمین کو سرسبزی اور شادابی سے مالا مال کرتی ہے اسی طرح قرآن کریم بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور حق و باطل میں صاف صاف فیصلہ کر کے اپنی بہترین تعلیم اور زرین اصولوں سے صلاحیت اور قابلیت رکھنے والے انسانوں کو مالا مال کرتا ہے اور دین و دنیا میں کامیاب و بامراد بنا دیتا ہے۔ تو یہاں آیت میں اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ یہ قرآن تمہاری روحانی اور اخلاقی زندگی کا ضامن ہے۔ یہ ایک فیصلہ کن کلام ہے۔ غلط اور صحیح کو الگ الگ کر کے دکھاتا ہے۔ زندگی کی حقیقی کامیابی اور ناکامی کی راہیں کھول کھول کر بتاتا ہے اور اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب سنجیدہ حقیقتیں ہیں۔

آگے قرآن کی ایک دوسری حیثیت وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ فرما کر ظاہر کی گئی۔ یعنی قرآن کریم کوئی لغو اور معمولی چیز نہیں یہ کوئی ہنسی اور ٹھٹا نہیں۔ اس میں جو قیامت اور آخرت کی تفصیلات بتلائی جا رہی ہیں اسے دل لگی اور مذاق مت سمجھو۔ قرآن کی ہر بات بتلائی ہوئی اٹل ہے اور ہو کر رہے گی۔

مخالفین قرآن ہر دور میں ناکام

آگے بتلایا جاتا ہے اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا یعنی باوجود اثبات حق کے اور اس طرح کھول کھول کر بتا دینے کے پھر بھی جو لوگ قرآن کی دعوت پر کان نہیں رکھتے بلکہ اسے ناکام بنانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور جوڑ توڑ میں لگے ہوئے ہیں اور چھپ چھپ کر ایسے داؤں اور گھات کی فکر میں ہیں کہ جن سے قرآن کی دعوت اور اس کے ماننے والوں کو ناکام بنا دیا جائے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیریں ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مضبوط اور کامیاب ہیں۔ یہ منکرین حقانیت کو جھٹلانے کی تدبیریں کر رہے ہیں لیکن خدا تعالیٰ بھی ان کو ذلیل و ناکام کرنے اور عذاب میں گرفتار کرنے کے لئے تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور ان منکرین کی بربادی کے لئے مختلف سامان مہیا کر رہے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا کی تدبیر غالب آئے گی اور ان کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں یہ ہرگز کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

تاخیر عذاب کی حکمت

سورۃ کے آخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ کی تدبیر کرنا آپ نے سن لیا تو آپ ان کافروں کی مخالفت سے نہ گھبرایئے اور ان کے جلدی مبتلائے عذاب ہونے کی خواہش نہ کیجئے بلکہ تھوڑے دنوں کے لئے ان کو انکے حال پر چھوڑ دیجئے اور مہلت دے دیجئے تا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت ہو جائے پھر دیکھئے کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ الحمد للہ دنیا نے دیکھ لیا کہ سرزمین عرب میں کفار مکہ کی ہر طرح کی کید و تدابیر کے باوجود اسلام کو غلبہ اور کفار کو تباہی و بربادی نصیب ہوئی۔

خلاصہ

اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ نے آسمان کی اور رات کو چمکنے والے ستارے کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہر انسان پر اللہ کی طرف سے نگہبان فرشتہ مقرر ہے'' حافظ'' کا معنی نگران بھی ہے اور محافظ بھی' یہاں دونوں معنی کیے جاسکتے ہیں' ہر انسان کے ساتھ ایسے فرشتے لگے ہوئے ہیں جو اس کے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں پھر انسان کی پہلی تخلیق سے اس کی دوسری زندگی پر استدلال کیا گیا ہے اگلی آیات میں بنایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب انسان عدالت الٰہیہ کے روبرو کھڑا ہوگا تو اس کے پوشیدہ راز ظاہر کر دئے جائیں گے۔ سورت کے اختتام پر قرآن کی صداقت اور اس کے قول فیصل ہونے پر قسم کھائی گئی ہے اور کفار کو وعید سنائی گئی ہے۔

سورۃ الطارق کے خواص

۱...... پینے والی دوائیوں پر اگر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کر لیا جائے گا تو ان کی (جزوی) مضرتوں سے حفاظت ہو جائے گی۔

۲...... اگر کسی آدمی کو احتلام کی بیماری ہو تو وہ سونے سے پہلے اس سورۃ کو پڑھ لے، ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہمیں جس مقصد کیلئے پیدا فرمایا ہے اور دنیوی زندگی عطا فرمائی ہے اس میں اس مقصد کو خاطر خواہ پورا کرنے کے لئے توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس دنیا میں ایسی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو آخرت میں کامیابی و کامرانی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سرتاپا قرآن پاک کا متبع بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

یَا اَللّٰہُ وہ گناہ جن کے ارتکاب سے آپ کے وعدوں سے محروم ہو جاؤں اور آپ کے غصہ و عذاب میں آ جاؤں۔ الٰہی! مجھ پر رحمت رکھنا اور ایسے سب گناہ معاف فرما دیں۔

یَا اَللّٰہُ ایسے گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ کے ذکر سے غافل رہا ہوں اور آپ کی وعیدوں اور ڈرانے کی آیات سے لاپرواہ ہو گیا اور سرکشی کرتا رہا الٰہی! معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳ وَالَّذِيْ

آپ اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے۔جس نے بنایا پھر ٹھیک بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی اور جس نے

اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝۵

چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔

سَبِّحِ پاکیزگی بیان کر	اسْمَ نام	رَبِّكَ اپنا رب	الْاَعْلَى سب سے بلند	الَّذِيْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	فَسَوّٰى پھر ٹھیک کیا	وَالَّذِيْ اور جس نے
قَدَّرَ اندازہ ٹھہرایا	فَهَدٰى پھر راہ دکھائی	وَالَّذِيْ اور جس نے	اَخْرَجَ نکالا	الْمَرْعٰى چارا	فَجَعَلَهٗ پھر اسے کر دیا	غُثَآءً خشک	اَحْوٰى سیاہ

وجہ تسمیہ اور شان نزول وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى سے ہوئی ہے یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے۔لفظ اعلیٰ جس کے معنی ہیں سب سے اوپر۔غالب سب سے برتر۔عالی شان یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام اعلیٰ مقرر ہوا۔یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکی ہے اور مکی دور کے ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے سبب نزول اس سورۃ کا مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پے در پے قرآنی سورتیں نازل ہونا شروع ہوئیں اور غیب سے بیشمار علوم اور معارف کا فیضان شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود پڑھا لکھا نہیں ہوں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں۔اس لئے اس سورۃ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی کہ آپ نہیں بھولیں گے اور آپ کو بھولنے کا خطرہ ہرگز نہ کرنا چاہئے اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کو بہت محبوب رکھتے تھے اور وتر کی پہلی رکعت میں اور عیدین اور جمعہ میں اکثر پہلی رکعت میں یہ سورہ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورۂ غاشیہ تلاوت فرماتے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں انہی دو سورتوں کو پڑھتے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو یعنی اس حکم کی تعمیل میں رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کہا کرو۔پھر جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی اس کی تعمیل میں سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** کہا کرو۔

موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۸۷ ویں سورۃ ہے مگر اس کا شمار بحساب نزول ۲۵ لکھا ہے۔اس میں ۱۹ آیات ۷۲ کلمات اور ۲۹۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پاکی کا حکم اور اس کے دلائل

سورۃ کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے ہوتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کے متبعین مومنین اپنے عالی شان اور بزرگ برتر رب کے نام کی تسبیح وتقدیس بیان کریں۔تسبیح کے معنیٰ ہیں خدائے تعالیٰ کو تمام عیوب ونقصانات سے پاک ومبرا ومنزہ سمجھنا اور اس کی ذات وصفات اور افعال کو سب نقصانات سے بری اور پاک جان کر زبان سے اس کی پاکی بیان کرنا۔سورۃ کی ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ نے لفظ سبح فرما

کر اپنے نام کی تسبیح وتقدیس کا جو حکم فرمایا تو ساتھ ہی آگے وجہ اور دلیل کے طور پر یہ بھی بیان فرما دیا کہ دراصل اس کائنات میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے جو تسبیح کی مستحق ہے اور اسی کے لئے تسبیح روا ہے۔ اور یہ تسبیح صرف انسان ہی کا وظیفہ نہیں بلکہ چرند پرند اور کائنات کا ہر ذرہ اسی کی تسبیح میں لگا ہوا ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل پندرھویں پارہ میں ارشاد ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (اس کی پاکی تو ساتوں آسمانوں اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو) تو معلوم ہوا کہ تمام کائنات میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے جو تسبیح کی مستحق ہے اور کائنات کا ہر ذرہ اسی کی تسبیح میں لگا ہوا بھی ہے۔ اب آگے دلیل کے طور پر بتایا جاتا ہے کہ کیوں وہی ایک ذات تسبیح کے لائق ہے۔

پہلی دلیل:۔ وہ "رب" ہے۔ پرورش کے سارے انتظامات وہی کر رہا ہے۔ نطفہ سے لے کر اخیر زندگی تک وہی انسانوں کا حقیقی مربی اور محسن ہے۔ اس لئے اس کی پاکی بیان ہونا چاہئے۔ تعریف اور شکر کا مستحق صرف وہی ہے اسی کے احکام کو بجالانے کے لئے انسان کو سرگرمی دکھانا چاہئے۔ اور اسی کی خوشنودی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو بالکل اسی کے مرضی کے حوالہ کر دینا چاہئے۔

دوسری دلیل:۔ وہ اعلیٰ ہے سب سے بلند مرتبہ ہے۔ اس کی شان سب سے اونچی ہے وہ سب کا حاکم اور سب سے عالی شان ہے۔ کوئی دوسرا اس کے برابر نہیں۔ اس لئے تسبیح کا مستحق صرف وہی ہے۔ صرف وہی اس قابل ہے کہ بندہ اس کے حضور سر زمین پر رکھ دے۔ اور سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔

تیسری دلیل:۔ اَلَّذِيْ خَلَقَ کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ ہر چیز کو وجود میں لانا صرف اسی کا کام ہے۔ پیدا کرنے میں نہ اس کا کوئی ساتھی ہے نہ مددگار۔ اسی لئے ہر چیز اسی کی تسبیح کر رہی ہے۔ انسان کو بھی لازم ہے کہ وہ بھی اپنے خالق کی پاکی بیان کرے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے سرگرم عمل رہے۔

چوتھی دلیل:۔ فَسَوّٰى کہ اس خالق کا یہی کرم واحسان نہیں ہے کہ اس نے صرف پیدا کر دیا بلکہ ہر چیز کو اور خود انسان کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح بنایا جس طرح بنانا چاہیے تھا۔ یونہی پیدا کر کے بے ڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ٹھیک اور درست بھی کیا۔ جس کے لئے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی۔ انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ علویات تک جس میں چاند سورج اور ستارے تک شامل ہیں جس پر بھی نظر ڈالی جائے تو یہی اقرار کرنا پڑے گا کہ اس کی بناوٹ ایسی ہی ہونی چاہئے تھی۔ پرندوں کو پر دیئے درندوں کو ناخن اور کچلیاں عطا کیں۔ درختوں کو پوست کا لباس پہنایا۔ کسی چیز کو لے لو۔ ہر چیز انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ بنائی اور باعتبار خواص وصفات اور ان فائدوں کے جو اس چیز سے مقصود ہیں اس چیز کی پیدائش کو ایسا درجہ کمال تک پہنچایا اور ایسا مزاج و خواص عطا کیا کہ جس سے وہ منافع وفوائد اس پر مرتب ہو سکیں اور پھر انسان تو اللہ کی حکمت کا وہ نمونہ ہے کہ اس کی بناوٹ کی درستگی اور خوبیوں پر غور کرو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تو ایسے خالق کے سوا اور کون ہے کہ جس کی حمد وتعریف کی جائے۔

پانچویں دلیل:۔ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى میں فرمائی (جس نے اندازہ کیا اور راہ بتائی) یعنی جس رب کی تسبیح کرنے کی ہدایت دی جا رہی ہے اس کا یہ کرم بھی کتنا بڑا ہے کہ اس نے سب کچھ پیدا کر کے کائنات کو اندھے بہرے اور بے ضابطہ قوانین فطرت کے حوالہ نہیں کر دیا بلکہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو نظام قائم ہے ایک پہلے سے مقرر کئے ہوئے انداز سے اور تجویز کے ماتحت ہو رہا ہے۔ ہر کام کا ایک منصوبہ اور مقصد ہے اور اس سب کی تدبیر وہ خود کر رہا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور پھر اس نے اپنی ہر مخلوق کی رہنمائی کا بھی انتظام فرمایا۔ مثلاً انسان کو معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا کئے۔

ہر جاندار یہ جانتا ہے کہ اسے اپنی زندگی باقی رکھنے اور اپنی نسل کو بڑھانے کے لئے کیا کچھ کرنا ہے۔ پھر انسان اشرف المخلوقات کو تو

اور بھی واضح اور کھلے کھلے احکام کی ضرورت تھی۔ اس لئے انسانی ہدایت کے لئے فطری رہنمائی کے علاوہ وحی کا انتظام فرمایا۔ اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں نازل کیں اور انسان کی کامل رہنمائی کا انتظام فرمایا تو اسی خالق اور رب کی ذات قابل تسبیح ہوئی۔

چھٹی دلیل:۔ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحْوٰی

یعنی جس نے چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے لئے اول نہایت سبز خوشنما گھاس چارا زمین سے پیدا کیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کو زرد کر کے خشک کر ڈالا اور پھر وہ کٹ کر ٹوٹ جاتی ہے اور سیاہی مائل کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاتی ہے تا کہ ایک مدت تک جانوروں کے لئے ذخیرہ کیا جا سکے اور خشک کھیتی کٹ کر کام میں آئے۔ تو یہاں یہ دلائل دے کر انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی کہ اگر تم ان باتوں پر غور کرو تو تمہارے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ تم اپنی زبان اور اپنے عمل سے اس خالق، رازق اور مالک کی تسبیح کرنے لگو تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کے جذبہ سے بھر جائے اور تمہاری زبان پر اس کی حمد و تعریف جاری ہو جائے۔

دعا کیجئے

یَااللہ اپنے انعامات واحسانات کا ہم کو شکر گزار بندہ بنا کر رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمائیے۔

یَااللہ ہمیں اپنے تسبیح خواں اور شکر گزار بندوں میں شامل رکھئے اور اپنے پاک نام کی تسبیح اور تقدیس کی دائمی توفیق زندگی کے آخری لمحہ تک نصیب فرمائیے۔

یَااللہ ہمیں اپنی ذات وصفات کی وہ معرفت نصیب فرما کہ ہم آپ کی ربوبیت و وحدانیت کا خاطر خواہ حق ادا کر سکیں اور آپ کے انعامات واحسانات کی شکر گزاری کے جذبات دل میں رکھتے ہوئے اس دنیا سے دار آخرت کی طرف کوچ کریں۔ آمین۔

یَااللہ تکالیف میں مبتلا ہو کر کبھی میں نے شرک کر لیا ہو یا آپ کی شان میں گستاخی کر لی ہو۔ آپ کے بندوں سے آپ کی شکایت کی ہو بجائے آپ کے در پر آنے کے بندوں پر حاجت اتاری ہو یا آپ کی مخلوق کے سامنے اس طرح مسکینی کا اظہار کیا ہو یا چاپلوسی کی ہو کہ جیسے حاجت روائی اسی کے قبضے میں ہے۔ الٰہ العالمین ایسے گناہوں کی بھی معافی عطا فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿۶﴾ إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ إِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿۸﴾

ہم قرآن آپ کو پڑھا دیا کریں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔ مگر جس وقت اللہ کو منظور ہو وہ ہر ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے۔ اور ہم اس آسان شریعت کیلئے آپکو سہولت دیں گے۔

سَنُقْرِئُكَ ہم جلد پڑھائیں گے آپ کو	فَلَا تَنْسٰٓى پھر نہ بھولیں گے آپ	اِلَّا مگر	مَا شَآءَ اللّٰهُ اللہ چاہے	اِنَّهٗ بیشک وہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	الْجَهْرَ ظاہر		
وَمَا اور جو	يَخْفٰى پوشیدہ	وَنُيَسِّرُكَ اور ہم آپکو سہولت دینگے	لِلْيُسْرٰى آسان طریقہ					

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ قرآن کریم کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے

گذشتہ ابتدائی آیات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین کو اپنے عالی شان اور بالاتر پروردگار کی تسبیح وتقدیس کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو راہ ہدایت دکھلانے اور عتاب و عذاب الٰہی سے بچنے کی سبیل سے واقف بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

اسی سلسلہ میں سب سے آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ آپ اس ذمہ داری کو جو آپ پر ڈالی گئی اور اس امانت کو جو آپ کے سپرد کی گئی اس کا بار بہت محسوس فرماتے اور یہ احساس آپ کو مجبور کرتا کہ آپ وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی اچھی طرح یاد کر لینے اور اس کو پوری طرح ذہن نشین کر لینے کے لئے غیر معمولی توجہ سے کام لیں اور جلدی جلدی یاد کر لینے کی کوشش کریں۔ اس لئے آپ نزول وحی کے وقت اس کو دہراتے کہ کہیں کوئی بات یاد ہونے سے رہ نہ جائے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کوئی حرف یا جملہ بھول جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن پاک میں مخاطب فرما کر تسلی فرمائی۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو خطرہ آپ کے دل میں گزرتا ہے کہ آپ قرآن شریف میں سے کہیں کچھ بھول نہ جائیں اور اس طرح کہیں اس کی تبلیغ و اشاعت میں فرق نہ آ جائے تو اس کے متعلق ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ہم جتنا نازل کرتے جائیں گے اتنا آپ کو یاد کرا دیا کریں گے اور آپ اس سے کوئی حصہ نہیں بھولیں گے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی کو بھلانا منظور ہو تو وہ جس قدر چاہے بھلا سکتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھانا اور فراموش کرا دینا سب قرین مصلحت ہوگا کیونکہ إِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى یعنی اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور مخفی بات کو جانتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپ کی امت میں بھی ہر جگہ بکثرت حفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور عورتیں تک پورے قرآن کریم کی حافظ ہیں۔ اگر خدانخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا کتابی شکل میں نہ رہے تو کچھ پروا نہیں ایک حافظ لڑکا پورا قرآن لکھوا سکتا ہے کہ ایک لفظ حرف اور زیر زبر کا فرق نہ آنے پائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فَلَا تَنْسٰٓى پس آپ نہیں بھولیں گے کی جو بشارت دی گئی تھی وہ بحمد اللہ اب تک جلوہ گر ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھا دے۔ نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا۔ نہ توریت کا نہ زبور کا۔ الغرض یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی گئی آپ قرآن کریم سے کوئی حصہ بھولیں گے نہیں۔ إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بناء پر آپ کے قلب مبارک یا ذہن سے کچھ بھلا دینا اور محو کر دینا چاہیں تو وہ اور بات ہے۔

دوسری بشارت کہ شریعت کے احکام فطری ہیں

آگے ایک دوسری بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جاتی ہے کہ جیسا ہم آپ کو قرآن کا یاد ہونا آسان کر دیں گے اسی طرح ہم اس آسان شریعت کے ہر حکم پر چلنے کے لئے آپ کو سہولت دیں گے یعنی سمجھنا بھی آسان ہوگا اور عمل بھی آسان ہوگا۔ اس طرح نجات کے راستہ کو آسان کر دیں گے کہ کوئی حقیقی مشکل اور محال بات پر عمل کا حکم نہ ہوگا جیسا کہ مذاہب باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب مانتا' کوئی عمر بھر بھوکا پیاسا رہ کر مرنے کو' کوئی لنگوٹی باندھ کر فقیر بننے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔ یہاں و نیسرک للیسری اور ہم اس آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے فرما کر شریعت کے آسان ہونے کی تصریح فرما دی اور اس امر کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اسلام میں نجات کچھ مشکل امر نہیں اور وہ صرف خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے مل جاتی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے جیسا اس دین اور شریعت کو آسان رکھا ہے تو ہمارے لئے بھی اس پر چلنا آسان فرماویں اور ہر حال میں ہم کو شریعت پر استقامت نصیب فرماویں آمین۔

یَااَللّٰہُ ان معاصی کی مغفرت کا طلبگار ہوں کہ بوقت معصیت تیرے سوا کسی دوسرے کو پکارا ہو اور غیر اللہ سے امداد کی دعا کی ہو۔

یَااَللّٰہُ تیری عبادت میں جانی و مالی گناہ کا اختلاط کرلیا یا مال کی طمع میں شریعت کا خیال نہ کیا ہو یا کسی مخلوق کی اطاعت کی اور تیری نافرمانی کی' تیرے حکم کو ٹالا اور اس کے برخلاف مخلوق کے حکم کو سراہا ہو۔ محض دنیا کی خاطر ناجائز منت وسماجت کی ہو حالانکہ میں جانتا بھی ہوں کہ آپ کے سوا کوئی حاجت پورا کرنے والا نہیں۔ الٰہی! ان گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔

یَااَللّٰہُ گناہ تو بڑا تھا مگر نفس نے معمولی سمجھا اور اس کے کرتے ہوئے نہ ڈرا نہ رکا۔ الٰہی! ان کی بھی معافی دیدے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِىْ

تو آپ نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو ڈرتا ہے اور جو شخص بدنصیب ہو وہ اس سے گریز کرتا ہے۔ جو

يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾

بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر نہ اس میں مرہی جاوے گا اور نہ جئے گا۔ بامراد ہوا جو شخص پاک ہوگیا۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾

اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔

فَذَكِّرْ پس سمجھادیں	اِنْ اگر	نَفَعَتِ نفع دے	الذِّكْرٰى سمجھانا	سَيَذَّكَّرُ جلد سمجھ جائیگا	مَنْ جو	يَّخْشٰى ڈرتا ہے	وَيَتَجَنَّبُهَا اور پہلوتہی کریگا اس سے	
الْاَشْقَى بدبخت	الَّذِىْ جو	يَصْلَى داخل ہوگا	النَّارَ آگ	الْكُبْرٰى بہت بڑی	ثُمَّ پھر	لَا يَمُوْتُ نہ مریگا وہ	فِيْهَا اس میں	وَلَا يَحْيٰى اور نہ جئے گا
قَدْ اَفْلَحَ یقیناً اس نے فلاح پائی	مَنْ جو	تَزَكّٰى پاک ہوا	وَذَكَرَ اور یاد کیا	اسْمَ نام	رَبِّهٖ اپنا رب	فَصَلّٰى پھر نماز پڑھی	بَلْ بلکہ	
تُؤْثِرُوْنَ بڑھاتے ہو ترجیع	الْحَيٰوةَ زندگی	الدُّنْيَا دنیا	وَالْاٰخِرَةُ اور آخرت	خَيْرٌ بہتر	وَّاَبْقٰى اور باقی رہنے والی	اِنَّ بیشک	هٰذَا وہ	
لَفِى میں	الصُّحُفِ الْاُوْلٰى پہلے صحیفے	صُحُفِ صحیفے	اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم	وَمُوْسٰى اور موسیٰ				

دوسروں کو بھی فیض پہنچایئے

یہ سورۂ اعلیٰ کی خاتمہ کی آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی گئی تھی اور اطمینان دلایا گیا تھا کہ آپ کو قرآن کریم جتنا جتنا نازل ہوتا جائے گا یاد کرا دینا یہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔ آپ اپنے دل میں یہ خطرہ نہ لائیں کہ کہیں وحی الٰہی میں سے کچھ بھول نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی بشارت دی گئی تھی کہ جس طرح قرآن کا یاد رکھنا آپ کے لئے آسان ہوگا اسی طرح اس کا سمجھنا سمجھانا اور اس پر عمل کرنا بھی آسان ہوگا۔ نیز اس وقت دعوت حق کے کام میں جو مشکلات حائل ہو رہی ہیں وہ بھی آسان کر دی جائیں گی۔ اب آگے ان آیات میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید خطاب فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر ایسے ایسے انعامات فرمائے تو آپ دوسروں کو بھی فیض پہنچایئے اور دوسروں کی بھی تکمیل فرمایئے۔ اور دوسروں کو بھی نصیحت کیا کیجئے اگر آپ یہ سمجھیں کہ نصیحت کرنا نفع دے گا اور آپ کے خیال میں مفید معلوم ہوتا ہو۔

تبلیغ اور تذکیر کا فرق

تبلیغ اور چیز ہے اور تذکیر اور چیز ہے۔ تبلیغ یعنی حکم کا پہنچا دینا یہ عام ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے اور جو نہ مانے اس پر حجت تمام ہو جائے گی اور رہی تذکیر جس کے معنی ہیں یاد دلانا۔ سمجھانا، نصیحت کرنا یہ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا مظنون ہو۔ تو منصب وعظ و تذکیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر شخص کیلئے نہیں ہاں تبلیغ و انذار یعنی حکم الٰہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے

ڈرانا تا کہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور لازم و فرض ہے اور اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے بلکہ دعوت و تبلیغ کہتے ہیں۔ تو یہاں اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی تذکیر کے لئے شرط لگائی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم و قرائن سے جس کے لئے تذکیر مفید سمجھیں تو تذکیر فرمائیں ورنہ تبلیغ اور انذار تو سب ہی کے لئے ہے۔

نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے

آگے فرمایا سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی نصیحت تو وہی شخص مانتا ہے جو ڈرتا ہے یعنی سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو۔ واضح ہو کہ انسان تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دار آخرت اور اعمال کی جزا و سزا کے یقین کے ساتھ قائل ہیں۔ دوم وہ کہ جو نہ یقین کے ساتھ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ کبھی تردد اور کبھی شک میں پڑ جاتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ نصیحت سے ڈر جاتے ہیں اول قسم کے لوگ تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی ڈر جاتے ہیں جب ان کے سامنے عذاب آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے اور ان دونوں فریقوں کو سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی میں شامل کر لیا گیا ہے۔ تیسرا فریق وہ ہے جو سخت معاند اور منکر آخرت ہے۔ ایسا بدنصیب اور کم بخت تو نصیحت سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ ایسا بدبخت آخر کار جہنم کی آگ کا شکار ہوگا۔ بدن کا گوشت پوست آگ میں خوب جلے گا۔ مگر ارواح کی طرح ابدان بھی وہاں فنا نہ ہوں گے۔ جل کر پھر نئے بدن پیدا ہو جایا کریں گے۔ اور یہ زندگی موت سے بدتر ہوگی۔ نہ موت ہی آئے گی۔ کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے اور نہ آرام کی زندگی ہی نصیب ہوگی۔ بس ایسی زندگی ہوگی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا۔ العیاذ باللہ۔

کامیابی کیسے ملے گی؟

آگے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی فرمایا کہ بلاشبہ بامراد اور کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا اب یہ پاکی عام ہے۔ اول قسم کی پاکی نجاست ظاہرہ سے نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے کہ وہ حقیقتاً ناپاک ہوں کہ ان پر نجاست لگی ہو یا حکماً کہ مال حرام سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے لئے ریشم یا زری گوٹا یا فساق و فجار کی وضع و تراش ہو پھر جسم کو حکمی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو جیسے جنابت سے غسل اور حدث اصغر سے وضو پھر جسم کے ساتھ روح کو بھی پاک کیا ہو یعنی دل روحانی نجاستوں کفر و شرک اور عقائد باطلہ سے پاک ہو اور عقائد حقہ دل پر نقش ہوں۔ پھر برے اخلاق سے بھی پاک ہو جیسے زنا، چوری، جھوٹ، دغابازی، کینہ، حسد، حب شہوات فاسدہ وغیرہ سے پاکی حاصل کی ہو جس کے لئے توبہ ندامت استغفار اور آنکھوں کے آنسو اعلیٰ درجہ کے بمنزلہ صابون کے ہے۔ پھر اتلاف حقوق کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے۔ حقوق اللہ ہوں جیسے فرائض و واجبات یا حقوق العباد ہوں۔ الغرض جو شخص قرآن سن کر جملہ عقائد خبیثہ اور اخلاق شنیعہ اور افعال رذیلہ سے باز آ گیا اور اس کے ساتھ ہی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا یعنی صوم و صلوٰۃ کا پابند رہا تو ایسا شخص بلاشبہ کامیاب اور بامراد ہو گا۔ مگر منکرین کا تو یہ حال ہے کہ وہ قرآن سن کر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس کے موافق عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ دنیا کی لذات فانیہ کو آخرت کی لذات باقیہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے اس لئے منکرین کو خطاب ہوتا ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی کہ یہ کامیابی اور بھلائی جس کا اوپر ذکر ہوا تم کو کیسے حاصل ہو جب کہ تم کو آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش و آرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے کیوں کہ باقی اور دائمی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ جو چیز ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر گھٹیا کو اختیار کیا جائے۔

قرآنی دعوت ابدی حقیقت ہے

اخیر میں سورہ ختم کرتے ہوئے ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا کہ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی یعنی اس وقت قرآن کے مخاطب مکہ کے مشرکین اور عرب کے یہود

تھے۔ مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دینی پیشوا کہتے تھے اور یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا دم بھرتے تھے۔ ان منکرین قرآن سے کہا جا رہا ہے کہ تم آخر اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ قرآن جو کچھ پیش کر رہا ہے کیا وہ کوئی انوکھی اور نئی بات ہے؟ یہی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی اور اسی کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دیتے تھے۔ دونوں پر جو آسمانی کتابیں اتری تھیں ان میں توحید ہی کی دعوت دی گئی تھی اور دونوں کی دعوت یہی تھی کہ انسان شرک کی گندگی سے اپنے کو پاک کرے۔ تنہا ایک آقا، مالک اور خالق کی بندگی اختیار کرے، اسی راہ پر چل کر وہ آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ اسی توحید اور آخرت کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے۔ پھر آخر یہ کونسی ایسی بات ہے جس کو مان لینے میں تم مچر مچر کر رہے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ دنیا کی زندگی پر ریجھے ہوئے ہو اور فوری ملنے والے فائدوں سے تم ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اور اس وقت تم یہ بھول رہے ہو کہ اصل زندگی یہ نہیں ہے بلکہ اصل زندگی اس کے بعد آنے والی ہے۔

خلاصہ

اس سورت میں تین اہم مضامین بیان

ابتدائی آیات میں اللہ کی ذات وصفات کے اعتبار سے اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرنے کا حکم دیا گیا، اس نے انسان کو پیدا کیا، اسے پرکشش صورت سے نوازا اور سعادت وایمان کا راستہ دکھایا۔

یہ سورت قرآن کریم کا ذکر کرتی ہے اور اس کے حفظ کے آسان ہونے کی بشارت سناتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتی ہے کہ آپ نفوس کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کیلئے قرآن کے ذریعے نصیحت کیجئے، جن کے دل میں خوفِ خدا ہو گا وہ ضرور نصیحت قبول کریں گے۔

سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو گناہوں کی آلائش سے پاک کرلے گا، اسے اچھے جذبات وخیالات سے سنوار لے گا، اپنے دل میں اللہ کی عظمت اور جلال پیدا کرلے گا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دے گا وہ کامیاب ہو گا، یہ وہ اصول ہے جو تمام صحیفوں اور شریعتوں میں بیان ہو چکا ہے۔

سورۃ الاعلیٰ کے خواص

۱......جس آدمی کو بواسیر کا مرض ہو وہ اس سورۃ کی تلاوت کرتا رہے، ان شاء اللہ صحت یاب ہو جائے گا۔

۲......جمعہ کے دن اس سورۃ کو لکھ کر گلے میں لٹکانے سے آدمی ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے گا۔

۳......حاملہ عورت کے پہلو پر پہلے مہینہ میں یہ سورۃ لکھی جائے تو اس حمل سے جو بچہ ہو گا۔ وہ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہو گا۔

دعا کیجئے

جو کچھ اس سورۃ میں ہم نے پڑھا اور سنا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے دلوں میں جاں گزیں فرمائے اور اپنے تسبیح خواں بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں۔ اور اپنے احکام کی ہم کو پوری پوری اطاعت نصیب فرمائیں۔ اور جو نصائح ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچی ہیں ان پر ہم کو دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

یَا اللّٰہ آخری سانس تک جتنے گناہ ہو چکے ہوں گے سب بخش دیجئے۔ اول بھی، آخر کے بھی، بھولے سے کئے یا جان بوجھ کے کئے، خطا ہو گئی، قلیل وکثیر۔ صغیرہ وکبیرہ، باریک اور موٹے، پرانے اور نئے، پوشیدہ وظاہر اِلٰہ العالمین! ان سب گناہوں کو بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ؕ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾

آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے۔ بہت سے چہرے اس روز ذلیل مصیبت جھیلتے خستہ ہوں گے۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ؕ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ

آتش سوزاں میں داخل ہوں گے۔ کھولتے ہوئے چشمہ سے پانی پلائے جاویں گے۔ ان کو بجز ایک خار دار جھاڑ کے اور کوئی کھانا

ضَرِيْعٍ ۙ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ﴿۷﴾

نصیب نہ ہوگا۔ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک کو دفع کرے گا۔

هَلْ اَتٰىكَ کیا تمہارے پاس آئی	حَدِيْثُ بات	الْغَاشِيَةِ ڈھانپنے والی	وُجُوْهٌ کتنے منہ	يَوْمَئِذٍ اس دن	خَاشِعَةٌ ذلیل وعاجز	عَامِلَةٌ عمل کرنیوالے	
نَاصِبَةٌ مشقت اٹھانیوالے	تَصْلٰى داخل ہونگے	نَارًا آگ	حَامِيَةً دہکتی ہوئی	تُسْقٰى پلائے جائینگے	مِنْ سے	عَيْنٍ چشمہ	اٰنِيَةٍ کھولتا ہوا
لَيْسَ نہیں	لَهُمْ ان کیلئے	طَعَامٌ کھانا	اِلَّا مگر	مِنْ سے	ضَرِيْعٍ خاردار گھاس	لَا يُسْمِنُ نہ موٹا کریگی	وَلَا يُغْنِيْ اور نہ بے نیاز کریگی
مِنْ سے	جُوْعٍ بھوک						

وجہ تسمیہ' زمانہ نزول اور موضوع وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ایک سوالیہ جملہ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ سے ہوئی ہے کہ کیا آپ کو غاشیہ کی کچھ خبر پہنچی ہے۔ غاشیہ قیامت کو کہتے ہیں کیونکہ غاشیہ کا مفہوم ہے چھپا جانے والی۔ سب کو ڈھانپ لینے والی۔ ایک ایسی چیز جس کی پکڑ سے کوئی بھی نہ بچ سکے۔ تو اس لفظ غاشیہ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ الغاشیہ مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے اس سورۃ کا مرکزی مضمون بھی یہی ہے کہ قیامت و آخرت ضرور ہوگی اور اس دنیا میں انسان نے جو کچھ کمایا ہوگا اچھا یا برا اس کی جزا و سزا اس کو وہاں ضرور ملنی ہے۔ اس سورۃ میں پہلے قیامت کی ہولنا کی کا منظر ایک خاص انداز میں پیش کیا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ جب قیامت کی ہولنا کی اچانک پیش آ جائے گی۔ کسی کو اتنی مہلت نہ ملے گی کہ وہ کسی طرح بھی اپنے کو اس مصیبت سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر سکے۔ جب یہ گھڑی آ جائے گی تو انجام کے اعتبار سے تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے

ایک گروہ ان انسانوں کا ہوگا جن کے حصہ میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جہاں کی مصیبتوں اور عذابوں کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان اہل جہنم کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور کانٹے دار گھاس کھلائی جائے گی۔ جس سے نہ بھوک دور ہوگی نہ جسم کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔ دوسرا گروہ وہ ہوگا کہ جو اس دن خوش و خرم ہوں گے۔ ان کے چہرے خوشی اور بشاشت سے دمک رہے ہوں گے۔ انہوں نے دنیا میں اللہ کی خوشنودی کے لئے جو کیا تھا اس کے نتائج دیکھ کر انہیں خوشی ہو رہی ہوگی اور انہیں وہاں جنت کے وہ انعامات اور عیش و آرام نصیب ہوگا جس کا اس وقت تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد انسانوں کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اللہ کی مخلوقات کو دیکھ کر اس کی قدرت و حکمت کا اندازہ کریں اور اس کی معرفت حاصل کر کے اس کی بندگی و طاعت اختیار کریں۔ اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان منکرین کے انکار اور مخالفت پر غم نہ کریں۔ آپ کا کام بندوں کو سیدھی راہ کی طرف دعوت دینا ہے وہ آپ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں۔ ان کے انکار اور ان کی گمراہی کی ذمہ

داری آپ پر نہیں۔ وہ اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہوں گے اور اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے۔ ہر شخص کو آخر لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف آنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے لیں گے۔

قیامت کا آنا یقینی ہے

سورۃ کی ابتدا ایک سوالیہ جملہ سے ہو رہی ہے۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ یعنی اے نبی کیا آپ کو قیامت کے حادثہ عظیمہ کے متعلق کچھ خبر ہے؟ ایسے سوالیہ جملے سے خطابت عرب کے عین اسلوب بیان کے مطابق ہے۔ اس طرز خطاب سے مقصود سامعین کے دل میں مزید اشتیاق و جستجو پیدا کرنا نیز موضوع خطاب کی اہمیت جتلانا ہے تاکہ آئندہ کلام کو سامع پوری توجہ اور حضور دل سے سنے۔ یعنی آپ کو تو خوب معلوم ہے لوگوں کو بھی اس کے متعلق بتا دیجئے کہ اس حادثہ کا اثر تمام عالم کو محیط ہوگا۔ کوئی فرد اس سے خالی نہ رہے گا۔ کیوں کہ ہر چیز کو ہر طرف سے قیامت ڈھانک لے گی اور دفعۃً آئے گی۔ تمام عالم پر قیامت کی دہشت طاری ہوگی۔

قیامت میں رسوا ہونیوالے لوگ

اب اس قیامت کے آجانے کے بعد جو عالم آخرت ظہور پذیر ہوگا اس کا حال بیان فرمایا جاتا ہے۔ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ بہت سے چہرے اس روز ذلیل و خوار ہونگے۔ ان کے چہروں پر ذلت نمایاں ہو گی۔ اب یہ کون لوگ ہوں گے؟ یہ وہ ہوں گے جو دنیا میں خدا کے آگے سر نہیں جھکاتے تھے۔ کبر و غرور اور نخوت و بڑائی میں سرشار رہتے تھے۔ اللہ کی فرض کردہ عبادت اور بندگی سے جان چراتے تھے۔ اللہ کے احکام کے مطیع بندوں کے تو رمضان کے روزہ کی وجہ سے لب خشک ہوتے تھے اور بھوک و پیاس کے آثار نمایاں تھے اور یہ بے فکرے آزاد تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھ کر نعمتیں اڑاتے تھے اور روزہ داروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے مجاہدین تو میدان جہاد میں نکل کر شدائد کا سامنا کرتے اور یہ گھروں میں بے فکر بیٹھ کر عیش کرتے تھے لیکن آخرت میں ان کی یہ حالت ہوگی کہ ان کے چہروں سے ذلت و خواری ٹپکے گی اور ان کا یہ حال ہوگا عَامِلَةٌ مشقت و مصیبت اٹھائیں گے۔ چونکہ دنیا میں احکام خداوندی کی پابندی کی مشقت برداشت نہیں کی اس لئے اس کی سزا میں یوم قیامت عمل کی مشقت میں پڑیں گے۔ کسی کو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جائے گا۔ کوئی میدان قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ ہے آج کوئی جو میری دستگیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے خلاصی دلائے۔ کسی کے ملائکہ زنجیریں اور ہتھکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لئے جاتے ہوں گے اور گرزوں کی مار پڑتی ہوگی کسی کو جہنم میں اور کوئی سخت کام تجویز ہوگا جیسا کہ دنیا میں قیدیوں اور مجرموں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا نَاصِبَةٌ کہ تھکان ان کے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ وہ خستہ حال اور درماندہ ہوں گے۔ اور دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آجائے مگر وہاں ان پر کوئی رحم کرنے والا نہ ہوگا۔ اور ان کا یہ حال ہوگا۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِیَةً دہکتی آگ میں گرتے پڑتے ہوں گے اور آتش جہنم میں جلتے ہوں گے۔ اور یہی جہنم ان کا مکان ہوگا۔

جہنمیوں کا کھانا پینا

تُسْقٰى مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ان کو کھولتے پانی کے چشمہ سے پانی پلایا جاوے گا وہ بھی جب کہ مدتوں پیاس کی سختی سے تڑپیں گے اور منت و سماجت کریں گے جس کے پیتے ہی منہ جھلس جائے گا اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی۔ پھر فوراً درست ہو جائیں گی اور اسی طرح عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے۔ یہ تو رہی پانی کی حالت آگے ان کے کھانے کی حالت بتلائی جاتی ہے۔

لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ اول تو کھانا ہی نہیں ملے گا۔ سخت بھوک کا عذاب مدتوں برداشت کریں گے۔ یہ سزا ہوگی ان حرام و ناجائز لذات کی کہ جو بے فکری سے دنیا میں اڑاتے رہے اور خوب کھا کھا کر بدکاری کرتے رہے۔ بہت کچھ چیخنے چلانے پر جو کھانے کو ملے گا بھی تو ضریع ملے گا۔ ضریع ایک خاردار درخت ہے دوزخ میں جو نہایت تلخ، سخت بدبودار اور نہایت زہریلا اور اثر میں آگ سے بڑھ کر گرم۔ جب دوزخی بھوک کے عذاب سے چلائیں گے تو یہ چیز کھانے کو دی جائے گی۔ اب کھانے سے مقصود یا تو محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے یا بھوک کو رفع کرنا۔ یا بدن کو فربہ کرنا۔ ضریع کے کھانے سے یہ کوئی بات بھی حاصل نہ ہوگی۔ غرض کوئی لذیذ کھانا یا مرغوب میسر نہ ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾ لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۱۰﴾ لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً ؕ﴿۱۱﴾

بہت سے چہرے اس روز بارونق۔ اپنے کاموں کی بدولت خوش خوش ہوں گے۔ بہشت بریں میں ہوں گے جن میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے۔

فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فِيۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ

اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے۔ اور رکھے ہوئے آبخورے ہیں۔ اور برابر

مَصۡفُوۡفَةٌ ۙ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِىُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ؕ﴿۱۶﴾

لگے ہوئے گدے ہیں اور سب طرف قالین پھیلے پڑے ہیں۔

وُجُوۡهٌ کتنے منہ	يَوۡمَئِذٍ اس دن	نَاعِمَةٌ تروتازہ	لِسَعۡيِهَا اپنی کوشش سے	رَاضِيَةٌ خوش خوش	فِىۡ میں	جَنَّةٍ باغ	عَالِيَةٍ بلند	لَا تَسۡمَعُ وہ نہ سنیں گے
فِيۡهَا اس میں	لَاغِيَةً بیہودہ بکواس	فِيۡهَا اس میں	عَيۡنٌ چشمہ	جَارِيَةٌ بہتا ہوا	فِيۡهَا اس میں	سُرُرٌ تخت	مَرۡفُوۡعَةٌ اونچے اونچے	
وَاَكۡوَابٌ اور آبخورے	مَوۡضُوۡعَةٌ چنے ہوئے	وَنَمَارِقُ اور غالیچے	مَصۡفُوۡفَةٌ برابر بچھے ہوئے	وَزَرَابِىُّ اور گدے	مَبۡثُوۡثَةٌ بکھرے ہوئے			

نیک بخت لوگ

گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں ایک گروہ مجرموں کا ہوگا۔ اب ان کے مقابل دوسرے گروہ کا حال ان آیات میں بیان فرماتا ہے کہ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ یعنی نیک لوگ' ابرار صالحین مومنین جن کے چہرہ اس روز خوش و خرم' شاداں' بارونق اور تروتازہ ہوں گے۔ ان پر وہاں کی ہول اور سختی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے اعمال سے دنیا کی زندگی میں اللہ کی رضا کے لئے محنت و مشقت برداشت کی تھی۔ مثلاً روزوں میں روزہ کی بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھاتے تھے۔ راہ حق میں کوشش و جہاد کے واسطے سختیاں برداشت کرتے تھے۔ نیز راتوں کی راحت و آرام کو اللہ کی بندگی کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ ہر طرح کے حقوق اللہ و حقوق العباد کی حتیٰ الامکان ادائیگی کرنے کی پراخلاص کوشش کرتے تھے۔

باغ و بہشت کے انعامات

ایسے بندوں کے لئے فرمایا گیا لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ یعنی اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کی تھیں خوش و خرم ہوں گے کہ اللہ نے ان کی کوششوں کو قبول فرمایا اور ان کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور وہ نیک ثمرہ یہ ہوگا۔ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ کہ وہ بہشت بریں میں ہوں گے خوش فضا عالیشان باغات میں ہوں گے ایسے باغات کہ جن کی نعمتوں اور مسرتوں کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ وہ دنیا کے جیسے باغ نہیں کہ خزاں کو دسترس ہو ان کے آگے دنیا کے باغ ہیچ ہیں۔ وہاں کی ہر نعمت دائمی اور کوئی لذت و راحت فنا ہونے والی نہ ہوگی۔ تمام دوسری خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ ان کے لئے ایک بڑی مسرت کی بات یہ ہوگی۔ لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً یعنی اہل جنت' جنت میں کوئی ناگوار بات نہ سنیں گے۔ وہاں کوئی لغو اور بیہودہ بات ان کے کان میں نہ پڑے گی۔ نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا نہ وہاں کوئی خوف اور اندیشہ کی بات ہوگی۔ نہ کسی کے مرنے یا بیمار ہونے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہو جائے۔ نہ اپنی جوانی اور اس باغ و بہار کی فنا کی بات سننے میں آئے گی۔ الغرض کوئی رنج دہ بات کان میں نہ پڑے گی۔ بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی اور اس بہشت بریں میں کیا ہوگا۔ فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ ان باغوں میں نہریں و چشمے جاری ہوں گے جو وہاں کے لطف و نشاط کو دوبالا کریں گے۔

اور فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ یعنی ان جنت کے باغات میں بلند مرتبہ شاہانہ تخت ہوں گے جن پر بیٹھ کر جنت کا نظارہ کریں گے اور امیرانہ شاہانہ ٹھاٹھ سے اس پر بیٹھیں گے اور وہاں وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ یعنی نہایت خوش رنگ اور بیش بہا کوزے آبخورے گلاس اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے قرینے سے سامنے رکھے ہوں گے تاکہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے پی جاسکے۔ یہاں جنت کی نعمتوں میں سے جو اَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ فرمایا یعنی پینے کے برتن جیسے آبخورے پیالے گلاس وغیرہ تو ان کی صفت میں لفظ مَّوْضُوعَةٌ ارشاد فرمایا یعنی اپنی مقرر جگہ پر قرینے اور ٹھکانے سے رکھے ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے آداب معاشرت کے ایک اہم بات کی طرف تلقین ہوتی ہے کہ ایسے کھانے پینے کے برتن اور سامان مقررہ جگہ پر قرینے سے رہنے چاہئیں۔ ادھر ادھر بے موقع ہو جانے سے ضرورت کے وقت اُن کو تلاش کرنا یہ ایذاء اور تکلیف کی چیز ہے۔ اس لئے وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ سے تلقین یہ ملی کہ ہر شخص کو اس کا اہتمام چاہئے کہ گھر میں ایسی استعمالی چیزیں جو گھر والوں کے کام میں آتی ہیں ان کی جگہ مقرر رہنی چاہئے اور استعمال کرنے کے بعد ان کو وہیں رکھنا چاہئے تاکہ دوسرے وقت اپنے کو یا دوسرے گھر والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ اشارہ لفظ مَّوْضُوعَةٌ سے نکلا کیوں کہ حق تعالیٰ نے اہل جنت کی راحت و آسائش کے سلسلہ میں اس کا ذکر فرمایا۔ آگے جنت کی راحتوں اور نعمتوں میں فرمایا وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ہوں گے یعنی پرتکلف گاؤ تکیہ لگے ہوں گے اور نہایت اعلیٰ درجہ کے گدے و مسندیں بچھے ہوں گے کہ اہل جنت جہاں چاہیں آرام سے لیٹیں، بیٹھیں اور وہاں وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ہوں گے یعنی نہایت بے بہا قالین بچھے ہوں گے کہ جہاں جی چاہے آرام کریں۔ یہ تو ان جنت کی نعمتوں میں سے چند کا ذکر ہے جنہیں معلوم ہو کر اس زندگی کی ایک جھلک سامنے آتی ہے۔ ورنہ کوئی نعمت ایسی نہیں جو وہاں موجود نہ ہو۔ نہ کوئی ایسی راحت و آسائش ہے جو وہاں نہ ملے بلکہ وہاں تو اس گروہ کو جو کچھ ملے گا اس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو بھی اہل جنت میں شامل فرمائیں۔ اور جنت کی دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آخرت کی ذلت ورسوائیوں سے اپنی پناہ بخشیں اور آخرت میں ہمارے چہروں کو تروتازہ بارونق اور خوش وخرم بنائیں۔

یَا اللہ آج اس دنیا میں ہمیں اپنے اطاعت وفرمانبرداری کی وہ زندگی نصیب فرمادے کہ جو کل قیامت و آخرت میں ہمیں آپ کی رضا اور خوشنودی نصیب ہو اور آپ کی جنت عالیہ میں ہمارا دائمی ٹھکانا ہو۔ آمین۔

یَا اللہ کسی آپ کے بندے یا بندی کا مال ناحق لیا ہو، کسی کی آبرو خراب کر دی ہو، اس کے جسم کے کسی حصہ پر مارا ہو۔ اس پر ظلم کیا ہو۔ انہوں نے مطالبہ حق کیا لیکن میں نے طاقت نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیا ہو یا لاپروائی برتی ہو ان سے بھی معاف نہ کرا سکا ہوں آپ کے سب اختیار میں ہے میری معافی فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ

تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کو کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو کہ کس طرح

نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾

کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ کیا وہ نہیں دیکھتے؟	إِلَى طرف	الْإِبِلِ اونٹ	كَيْفَ کیسے	خُلِقَتْ وہ پیدا کیا گیا	وَ اور	إِلَى طرف	السَّمَاءِ آسمان	كَيْفَ کیسے	رُفِعَتْ بلند کیا گیا
وَإِلَى اور طرف	الْجِبَالِ پہاڑ (جمع)	كَيْفَ کیسے	نُصِبَتْ نصب کئے گئے	وَ اور	إِلَى طرف	الْأَرْضِ زمین	كَيْفَ کیسے	سُطِحَتْ بچھائی گئی	

منکرین آخرت کو دعوتِ فکر

اب مشرکین عرب اور کفار مکہ جو قیامت و آخرت کے اول تو منکر ہی تھے پھر جنت کی نعمتوں اور عالم آخرت کی دائمی راحت، عیش ونشاط کا ذکر سنتے تو کفار مکہ تعجب کرتے اور آخرت کے عجیب غریب انتظامات ان کی سمجھ میں نہ آتے اس لئے انکار کرتے کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے منکرین آخرت کو بتلایا جاتا ہے کہ اللہ رب العالمین کی قدرت کے سامنے سب کچھ ممکن ہے اور اس دنیا ہی میں اس کی قدرت کاملہ کے نمونہ موجود ہیں جن کی طرف اگر غور کیا جائے تو انسان کو اس حکیم وقادر کی قدرت عظیمہ کو مانے بغیر چارہ نہیں چنانچہ یہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنی قدرت کاملہ کے چار نمونوں کا ذکر فرمایا اور جن کی طرف منکرین کو غور و تامل کرنے کی دعوت دی گئی۔

اونٹ کی تخلیق میں غور کرنے کی دعوت

پہلا نمونہ اپنی قدرت کا فرمایا أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح عجیب طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اب جدید عرب تو اونٹ سے بے نیاز ہوتا جارہا ہے مگر قدیم عرب کی معاش کا تو دارومدار اونٹ ہی تھا۔ ان کے نزدیک اونٹ کی اہمیت اور قدر و قیمت بہت زیادہ تھی اور ہر وقت ان کے نظروں کے سامنے رہتا تھا۔ تو اس کی خلقت، جسم کی بناوٹ، اس کی خصلت وغیرہ پر اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت اور اس کی قدرت کا عجیب وغریب نمونہ یہ جانور ہے۔ مفسر علامہ شیخ عبدالحقؒ اپنی تفسیر حقانی میں لکھتے ہیں کہ اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب وغریب ہے۔ اس قدر اونچا مگر بٹھاؤ بیٹھ جائے۔ قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کردیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنادیئے کہ وہ تہ کرکے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اترنا آسان ہوجاتا ہے (معارف القرآن) اور جانوروں پر کھڑا کرکے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اس کو بٹھا کر اور پھر اپنا پورا بوجھ لے کر گردن کی لچک اور اس کے زور سے کھڑا ہوجاتا ہے۔ یہ کسی جانور میں خوبی نہیں۔ پھر باوجود اس قدر ڈیل ڈول کے اطاعت کا مادہ جس قدر اس میں ہے کسی دوسرے جانور میں نہیں۔ سینکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا مہار تھام کر جدھر چاہے لے جائے پھر باربردار ایسا کہ تمام گھربار اس پر لادلو گویا خشکی میں رواں کشتی ہے اور ریگستانی علاقوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیاء لے جانے میں چھکڑا یا ریل گاڑی ہے۔ پھر جلد چلنے اور اس پر آرام کے سامان ساتھ لے جانے میں گویا ڈاک گاڑی ہے جس کے لئے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ راستہ کا ہموار ہونا۔ سانڈنی جو سواری کی اونٹنی یا اونٹ ہوتا ہے دن میں سو کوس تک جاسکتی ہے اس پر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ و گرمی ہو کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ پھر کم خوراک اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گزر کرلیتا ہے جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کسیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے یہ کھالیتا ہے اس پر کئی کئی روز تک پانی نہ ملے تو پرواہ نہیں۔ سواری کا یہ آرام پھر دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر

کو کافی ہو اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لئے دوا بھی ہے۔اس کی پشم بھی کام آتی ہے جس سے کیسے کیسے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں۔ خصوصاً عرب کے لباس' کمبل اور جبے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔اس پر اس کا گوشت بھی حلال۔گھر بھر کیا محلّہ کو کافی ہوسکتا ہے۔اس پر اس کی نسل میں برکت۔ سرزمین عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور خشک وگرم وریگستانی علاقوں کی معاش تو اسی پر موقوف تھی۔یہ خصوصیات کسی اور جانور میں نہیں۔

آسمان کی رفعت میں غور کرو

دوسرا نمونہ قدرت خداوندی کا فرمایا گیا وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ یعنی آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اول تو بلندی اس قدر کہ جہاں پرندہ بھی اڑ کر نہیں جا سکتا پھر اس کی وسعت اور پھر بلا ظاہری ستون اور کھمبے کے قائم ہونا پھر آسمان کے ستارے اور چاند و سورج آفتاب کہ جو کرۂ زمین سے لاکھوں حصہ زیادہ بڑا ہے اگر نہ ہوتو دنیا والوں کی زندگی وبال ہوجائے۔غرض کہ اس چاند سورج کے ذریعہ دنیا والوں کو گونا گوں نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔

پہاڑوں کے قیام میں غور کرو

تیسرا نمونہ قدرت خداوندی کا فرمایا وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیئے گئے اور گاڑ دیئے گئے۔ پہاڑ بھی قدرت خداوندی کا ایک عجیب نمونہ ہے اول تو باوجود ے کہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جزو ہے پھر بھی زمین سے کس طرح ممتاز ہے۔ پھر ان کی بلندی قابل حیرت ہے اور بلندی کے ساتھ عرض و طول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔پھر ان کے رنگ مختلف ہیں۔کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ کوئی سرسبز ہے کوئی بنجر پھر ان پہاڑوں ہی میں سے یہ خوشگوار پانی کے دریا نکلے۔ پھر ان سے ملک شاداب ہوئے پھر بیش قیمت جڑی بوٹیاں اور گراں قدر دھاتیں ان میں موجود ہیں۔اور بھی سینکڑوں فوائد ہیں جن کے ذکر کے لئے ایک دفتر چاہئے۔

زمین کی سطح میں غور کرو

چوتھا نمونہ اپنی قدرت کا فرمایا۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ اور زمین کو دیکھو کیسی بچھائی گئی۔حالانکہ زمین کی شکل گول گیند کی طرح ہے اور گول چیز پر کوئی ٹھہر نہیں سکتا مگر اس قادر مطلق نے باوجود گول ہونے کے اس کو ایسا بچھایا کہ سینکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں۔لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں سینکڑوں ہزاروں میلوں تک سڑکیں ہیں۔ بیشار باغات' کھیتیاں ہیں اور کیسے کیسے وسیع شہر آباد ہیں۔اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں جن میں کرہ زمین کی گولائی سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا۔یہ سب اس کی قدرت اور کاری گری ہے تو جو قادر حکیم اور منعم دنیا والوں کے لئے جن میں نیک و بد کافر و مومن سب ہی شریک ہیں ایسی چیزیں پیدا کر سکتا ہے تو کیا وہ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے لئے طرح طرح کی جنت کی نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا اور برے بندوں کے لئے طرح طرح کے عذاب جہنم نہیں پیدا کر سکتا؟ کیوں نہیں ضرور پیدا کر سکتا ہے۔اس کے لئے کوئی امر مشکل نہیں۔

ان چار چیزوں کے ذکر کرنے کی وجہ

یہاں ان چار نمونوں کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا کہ عرب قرآن کے مخاطبین اول تھے اور ایک عرب مسافر جب اونٹ پر سوار ہو کر جنگل بیابان' ریگستان کا سفر طے کرتا تھا تو اس سنسان اور وحشت خیز عالم میں اس کو آسمان' زمین اور اپنے اونٹ اور پہاڑوں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔اس لئے ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت عظیمہ کو دیکھنے اور سمجھنے کی دعوت دی گئی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ان چار چیزوں کو بیان کرنے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان چاروں چیزوں سے جنت کی راحت کی شان اور جہنم کی تکلیف کا نمونہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔اونٹ کے منافع پر غور کرو تو بہشت کی شان نمایاں ہے اگر اس کی مشقت اور بارکشی کو دیکھو تو جہنم کا نمونہ ہے۔ سرسبز پہاڑ جنت کے مشابہ ہیں تو گرم آتش فشاں پہاڑوں میں جہنم کی آگ کی چنگاریاں نظر آتی ہیں۔ آسمان کی فضا' چاند سورج کی روشنی اور عمدہ خوشگوار موسم جنت کا نمونہ ہے تو اندھیری راتیں۔گرم لو کے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔ زمین کی شاداب جگہیں اگر جنت یاد دلاتے ہیں تو خشک گرم بدبودار عمیق گڑھے دوزخ سے کم نہیں۔

گویا یہ سب چیزیں اس امر کی شاہد ہیں کہ بہشت اور دوزخ برحق ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ

تو آپ نصیحت کر دیا کیجئے آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ اُن پر مسلط نہیں ہیں۔ ہاں مگر جو روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا۔ تو خدا اسکو

اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

بڑی سزا دے گا۔ ہمارے ہی پاس اُن کا آنا ہوگا پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے۔

فَذَكِّرْ پس سمجھاتے رہیں	إِنَّمَا صرف	أَنْتَ آپ	مُذَكِّرٌ سمجھانے والے	لَسْتَ نہیں آپ	عَلَيْهِمْ ان پر	بِمُصَيْطِرٍ داروغہ	إِلَّا مگر
مَنْ جو۔جس	تَوَلَّى وَكَفَرَ منہ موڑا اور کفر کیا	فَيُعَذِّبُهُ پھر اسے عذاب دیگا	اللَّهُ اللہ	الْعَذَابَ عذاب	الْأَكْبَرَ بہت بڑا	إِنَّ بیشک	
إِلَيْنَا ہماری طرف	إِيَابَهُمْ ان کا لوٹنا	ثُمَّ پھر	إِنَّ بیشک	عَلَيْنَا ہم پر	حِسَابَهُمْ ان کا حساب		

ہدایت اللہ کے اختیار میں

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ جب یہ منکرین باوجود قیام دلائل واضحہ غور نہیں کرتے اور آخرت پر ایمان لا کر وہاں کی فکر نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے اور بتلانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ آپ کی بات نہیں مانتے اور نہیں سمجھتے تو آپ ان پر کوئی داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے گئے ہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں۔ اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں۔ اور زبردستی ان کو راہ راست پر لائیں۔ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی ہے کیونکہ آپ جو قانون ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے وہ آپ پوری ہمدردی، بڑی دل سوزی اور پوری قوت کے ساتھ لوگوں کو پہنچاتے لیکن جو ضد وعناد میں ڈوبے ہوئے تھے اور نفس خواہشات کے بندے تھے وہ آپ کی بات کا اثر نہ لیتے اور اپنے کفر وشرک پر برابر جمے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ رہتے۔ اس سے آپ کو طبعاً رنج ہوتا تھا اور آپ اس رنج میں گھلا کرتے کہ اللہ کے یہ بندے کیوں اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا رہے ہیں اور کیوں خرابی اور بربادی کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ آپ کا یہ غم وفکر کبھی کبھی اتنا بڑھ جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آیتیں نازل ہوتیں جن میں یہ بتایا جاتا کہ آپ ان کے غم میں اپنی جان نہ گھلاویں۔ آپ کا کام سچی بات کا پہنچا دینا تھا سو آپ کر رہے ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ مانتے ہیں یا نہیں تو اس کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں جو بھی سرکشی اور نافرمانی کرے گا اور اللہ کی اطاعت وبندگی سے روگردانی کرے گا اور اس کی آیتوں کا انکار کرے گا اس کو خود خدائے تعالیٰ آخرت میں بڑی سخت سزا دے گا اور وہ اللہ کی سخت ترین پکڑ اور سزا سے بچ نہیں سکتا کیونکہ آخر ایک روز سب کو اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور اپنے افعال واعمال کا حساب دینا ہے۔ غرض اے نبی آپ اپنا فرض ادا کئے جایئے اور ان کا مستقبل اللہ کے سپرد کیجئے۔

خلاصہ آیات

یہاں ان آیات میں ایک طرف تو انکار کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کا کہنا نہ مانو گے تو اس کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی۔ رسول کا کام اور ان کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ پیغام خداوندی پہنچا دیں اس کے بعد ماننا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ آپ ان کی گمراہی پر اتنا نہ کڑھیں کہ جن پر بننے لگے۔ آپ کی بات سے منہ موڑنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انہیں سخت سزا دیں گے۔

ان آیات میں مومنین اور متبعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایک سبق وہدایت ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ منکرین کے انکار کے باوجود آپ دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہیے اور لوگوں کے انکار سے نہ مایوس ہوں اور نہ غمزدہ۔ تو جو لوگ امت میں دعوت وتبلیغ کا کام کریں انہیں لوگوں کی بے حسی یا اعراض کی وجہ سے کام چھوڑ کر بیٹھنے کا حق نہیں پہنچتا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی مانتا تو ہے نہیں اس لئے دعوت وتبلیغ کیسے کریں؟

سورۃ کے خاتمہ پر پھر اس حقیقت کو سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ انسانو تم سب کا آخری ٹھکانہ اللہ رب العالمین ہی کے پاس ہے۔ اور آخرکار تمام انسانوں کو اس دنیا سے لوٹ کر پھر اسی کے حضور جانا ہے۔ اپنے دنیا میں کیے دھرے کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ آیا اللہ کی دی ہوئی زندگی نعمتوں اور صلاحیتوں کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا یا ان کو اس منعم حقیقی کے احکام کی مخالفت میں خرچ کیا۔ یہی اس سورۃ کا خلاصہ اور اہم پیغام ہے کہ آخرت ضرور ہوگی اور ہر انسان کو وہاں وہی کچھ ملے گا جو اس نے دنیا کی زندگی میں کمایا ہوگا۔ آخرت ہی اصل فیصلے کا دن ہوگا جب کہ ہر انسان کو اصل کامیابی یا ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا الحمدللہ اب سورۃ غاشیہ کا بیان پورا ہو گیا۔

خلاصہ

قیامت کے ناموں میں سے ایک نام غاشیہ بھی ہے یعنی چھپا لینے والی، قیامت کو ''غاشیہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی ہولناکیاں ساری مخلوق کو ڈھانپ لیں گی، یہ سورت بتاتی ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے ذلیل ہوں گے، انہوں نے بڑی محنت کی ہوگی جس کی وجہ سے تھکے محسوس ہوں گے، علماء کہتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں بڑی عبادت و ریاضت کی ہوگی لیکن چونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں تھے اس لیے یہ عبادت ان کے کسی کام نہیں آئے گی، یہ چہرے دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنیں گے اور بعض چہرے ترو تازہ اور پُر رونق ہوں گے، یہ وہ چہرے ہوں گے جنہوں نے دنیا میں صحیح رخ پر محنت کی ہوگی اور ان کے عقائد میں بھی باطل کی آمیزش نہیں ہوگی، ان کا مسکن بلند و بالا جنتیں ہوں گی۔

دوسرا اہم مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ رب العالمین کی وحدانیت کے دلائل ہیں، ان میں سے اونٹ ہے جسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے، طویل قد و قامت کے باوجود ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاتا ہے، اس کے صبر کا یہ حال ہے کہ دس دس دن تک پیاس برداشت کر لیتا ہے، اس کی غذا بہت سادہ ہوتی ہے، ایسی جھاڑیوں سے پیٹ بھر لیتا ہے جنہیں کوئی بھی چوپایہ کھانا گوارا نہیں کرتا، ان دلائل میں بلند و بالا آسمان بھی ہے جو کسی ستون کے بغیر کھڑا ہے، زمین ہے جسے یوں بچھایا گیا ہے کہ اس پر چلنا بھی آسان اور کھیتی باڑی بھی آسان، پہاڑ ہیں جو زمین کو زلزلوں کی زد میں آنے سے بچاتے ہیں۔ منکرین توحید کو ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے بعد اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ کے ذمہ صرف نصیحت کر دینا ہے، آپ اپنی ذمہ داری ادا کر دیجئے پھر ان کا معاملہ اور حساب ہم پر چھوڑ دیجئے۔

سورۃ الغاشیۃ کے خواص

اگر کھانے کی کسی چیز سے کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو اس چیز پر پہلے سورۃ الغاشیۃ پڑھ لیں پھر کھائیں تو اس چیز کے کھانے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اس سورۃ کے پیغام کو ہمیں بھی دل میں بٹھا لینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس دنیا کی زندگی میں آخرت کی زندگی کو سنوارنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا میں اپنی رضا کے کاموں میں لگائے رکھیں تا کہ آخرت میں کامیابی نصیب ہو۔ اور ہم کو ہر طرح کی نافرمانی اور مخالفت احکام الٰہیہ سے بچالیں تا کہ آخرت میں ناکامی سے واسطہ نہ پڑے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝

قسم ہے فجر کی۔اور دس راتوں کی۔اور جفت اور طاق کی۔اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔کیوں اس میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے؟

وَالْفَجْرِ قسم فجر کی	وَلَيَالٍ اور راتوں کی	عَشْرٍ دس	وَالشَّفْعِ اور جفت کی	وَالْوَتْرِ اور طاق کی	وَالَّيْلِ اور رات کی	اِذَا جب	يَسْرِ چلے	هَلْ کیا	فِيْ میں		
ذٰلِكَ اس	قَسَمٌ قسم	لِّذِيْ حِجْرٍ ہر عقل مند کے نزدیک									

قیام قیامت پر پانچ قسمیں

یہاں سورتوں کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے اوران پانچ چیزوں کو جن کی قسم کھائی ہے بطور دلائل وشواہد بیان کیا ہے۔اوران پانچوں قسموں کے بعد جواب قسم یہ ہے کہ قیامت ضرور آنے والی ہےاوراس کے منکروں کو قیامت کے دن ضرور سزا ہوگی۔

فجر کی قسم

چنانچہ پہلی قسم ہے۔وَالْفَجْرِ قسم ہے فجر کے وقت کی فجر کے معنی صبح کے ہیں۔صبح کا وقت بھی قیامت کا ایک نمونہ ہے۔رات کو بالکل سناٹا ہوتا ہے۔انسان وحیوان سب پر نیند کا عالم طاری ہوتا ہے نہ کہیں شور و غوغا ہے نہ آفتاب کی روشنی۔ایسا معلوم ہوتا ہے گویا موت نے سب کو آدبایا ہے مگر ادھر صبح نمودار ہوئی ادھر سب کے سب خواب سے بیدار ہوئے۔چرند پرند فکر معاش میں چلنا پھرنا اڑنا شروع کرتے ہیں۔مسافر سفر کی تیاری میں لگتے ہیں۔کاروباری لوگ اپنے کاروبار کے لئے جاتے ہیں اس طرح ہرایک صبح ہوتے ہی کسی نہ کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہے۔الغرض صبح ہوتے ہی ایک شور قیامت برپا ہو جاتا ہےاور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے گئے ہیں۔

دس راتوں کی قسم

اس کے بعد دوسری قسم وَلَيَالٍ عَشْرٍ کھائی گئی یعنی قسم ہے دس راتوں کی۔جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں جن کو عالم بالا سے ایک خاص خصوصیت ہے ان میں اللہ کے بندے دور دراز مقامات سے خالصاً لوجہ اللہ ایک مقدس مقام پر جمع ہو کر عبادت ودعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ایام حج میں اس طرح لوگوں کا جمع ہونا حشر کے دن کے اجتماع کو یاد دلاتا ہے کہ امیر غریب چھوٹے بڑے سب حالت احرام میں۔مرد ننگے سر، جسم پر صرف ایک چادر اوڑھے اور ایک تہ بند باندھے دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔تو گویا ان ایام حج کی راتوں میں مجمع حشر کا نمونہ ہے۔

جفت اور طاق کی قسم

تیسری اور چوتھی قسم وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ فرمائی گئی یعنی قسم ہے جفت کی اور طاق کی۔شفع جفت کو کہتے ہیں اور وتر طاق کو کہتے ہیں۔

شفع اور وتر کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ شفع یعنی جفت سے مراد ہے مخلوق جیسا کہ۔سورۂ نبا ۳۰ ویں پارہ میں ارشاد ہے۔ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور وتر سے مراد خالق یکتا یا جیسا دوسری جگہ ارشاد ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ یعنی ہر مخلوق کا مقابل اور ضد موجود ہے۔کفر وایمان۔ہدایت وگمراہی نیک بختی اور بدبختی رات اور دن آسمان اور زمین بر اور بحر سورج اور چاند جن وانس نر اور مادہ لیکن وتر اکیلا اللہ ہے۔ایک قول یہ ہے کہ مخلوق کے احوال کا باہمی تضاد شفع ہے جیسے زندگی اور موت' عزت وذلت' عاجزی اور قدرت ضعف اور قوت' علم اور جہالت' بینائی اور نابینائی' شنوائی اور بہرا پن۔ بولنا اور خاموشی' غنا اور فقر گویا اس اختلاف وتقابل سے اشارہ فرما

دیا کہ آدمی کو عیش و آرام یا مصیبت اور تنگی یا فراخی کی جو حالت پیش آئے مطمئن نہ ہو جائے اور یوں نہ سمجھے کہ اب اس کے خلاف دوسری حالت پیش نہ آئے گی۔ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے۔ جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے ایسا ہی انسانوں کے احوال و کوائف کو بھی اپنی حکمت و مصلحت کے موافق تبدیل کر دیتا ہے۔ اس میں دنیا اور اہل دنیا کے حادث و فانی ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں آ کر ایک روز یہاں سے جانا بھی ہے اور صفات خداوندی کا انفراد وتر ہے جیسے حیات ہے بغیر موت کے۔ عزت ہے بغیر ذلت کے۔ قدرت ہے بغیر عاجزی کے۔ ایک قول یہ ہے کہ نفس عدد جفت و طاق کی قسم کھائی گئی ہے کہ جس کی حساب اور گنتی کے لئے لوگوں کو ضرورت لازمی ہے۔ دنیا کی عمر یا خود انسان اور حیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے اور وہ عدد طاق ہوگا یا جفت۔ ایک روایت میں ہے کہ نماز مراد ہے کوئی نماز جفت ہے کوئی طاق۔ ایک روایت میں ہے کہ دنیا کے دن و رات شفع ہیں اور قیامت کا دن وتر ہے جس کے بعد رات نہ ہوگی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جنت کے آٹھ درجات شفع ہیں اور دوزخ کے سات طبقات وتر ہیں گویا جنت اور دوزخ کی قسم کھائی گئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شفع یعنی جفت سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے یعنی یوم نحر۔ اور طاق سے مراد اسی ماہ کی نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ اور یہ دونوں حج کے موقعہ پر حشر و نشر کے دن کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

رات کی قسم

پانچویں قسم وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ فرمائی گئی یعنی قسم ہے رات کی جب وہ چلنے لگے یعنی گزرنے لگے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح رات کا اندھیرا گزر جانے کے بعد دن کا اجالا نکل آتا ہے اسی طرح روئے زمین کے خاتمہ کے بعد آخرت کا عالم شروع ہوگا اور اس حیات کے خاتمہ کے بعد ایک دوسری حیات شروع ہوگی۔

عقلمند کیلئے یہ ثبوت کافی ہے

الغرض ان پانچ قسموں کے ذریعہ اس دعوے کی دلیل پیش کی گئی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا جس کے حکم سے ہر دن فجر نمودار ہوتی ہے اور جس کے انتظام کے تحت کچھ مخصوص دس راتیں آتی ہیں اور جس نے چند دنوں کو جفت اور طاق پیدا کیا اور جس کے حکم سے رات آتی جاتی ہے وہ اس بات کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ انسان کو دوبارہ زندہ کرے اور اس سے اس کی پوری زندگی کا حساب لے اور اس کی جزا و سزا عطا کرے۔ ان چیزوں کی قسم کھانے کے بعد سوالیہ جملہ فرمایا۔ هَلْ فِىْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ یعنی کیا اس میں اہل عقل کے لئے کافی قسم ہے؟ یعنی صاحب فہم و فراست کے لئے یہ قسم ضرور کافی ہے۔ بلکہ قسم کے بغیر ہی صاحب عقل ان پانچ چیزوں پر فکر و تامل کرنے سے سمجھ سکتا ہے کہ قیامت ضرور آنے والی ہے اور اعمال کی جزا و سزا ضرور ملنے والی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام و ایمان سے نوازا۔ اور کفر و شرک سے بچایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قیامت و آخرت پر ایمان کے ساتھ یقین کامل بھی نصیب فرمائیں کہ دنیا کا ہر لمحہ ہمارا آخرت کے فکر و تیاری میں گزرے اور وہاں کی سرخروئی اور کامیابی ہمیں نصیب ہو۔ آمین

یَا اللہ آپ نے اپنی حکمت سے دنیا میں جن بعض دنوں اور راتوں کو شرف و عزت بخشا ہے ہمیں ان ایام کی قدر شناسی اور ان کے حقوق کی بجاآوری کی توفیق نصیب فرمایئے۔

یَا اللہ کل حساب کے وقت مجھ سے حساب نہ لینا بلاحساب جن بندوں کو آپ جنت میں بھیجیں گے مجھے بھی معاف فرما کر ان کے ساتھ کر دینا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ۝٨

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد و قامت ستون جیسے تھے۔ جن کی برابر شہروں میں کوئی شخص پیدا نہیں کیا گیا

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ ۝١١

اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادی القریٰ میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے۔ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔ جنہوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤

اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا۔ سو آپ کے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا بے شک آپ کا رب گھات میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	كَيْفَ کیسا	فَعَلَ معاملہ کیا	رَبُّكَ تمہارا رب	بِعَادٍ عاد کے ساتھ	اِرَمَ ارم	ذَاتِ الْعِمَادِ ستونوں والے	الَّتِىْ وہ جو
لَمْ يُخْلَقْ نہیں پیدا کیا گیا	مِثْلُهَا اس جیسا	فِى میں	الْبِلَادِ شہر (جمع)	وَثَمُوْدَ اور ثمود	الَّذِيْنَ جنہوں نے	جَابُوا الصَّخْرَ کاٹے تراشے سخت پتھر	
بِالْوَادِ وادی میں	وَ اور	فِرْعَوْنَ فرعون	ذِى الْاَوْتَادِ میخوں والا	الَّذِيْنَ وہ جنہوں نے	طَغَوْا سرکشی کی	فِى الْبِلَادِ شہروں میں	فَاَكْثَرُوْا بہت کیا
فِيْهَا اس میں	الْفَسَادَ فساد	فَصَبَّ پس ڈالا	عَلَيْهِمْ ان پر	رَبُّكَ تمہارا رب	سَوْطَ کوڑا	عَذَابٍ عذاب	اِنَّ بیشک
رَبَّكَ تمہارا رب	لَبِالْمِرْصَادِ گھات میں						

قوم عاد کا واقعہ

گذشتہ درس میں یہ ذکر ہوا تھا کہ اصل اور پوری جزا و سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے۔ ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ جب کوئی جماعت یا قوم سرکشی اور تکذیب حق میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اس کو دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے یہاں ان آیات میں تین قوموں کے مشہور واقعات یاد دلائے گئے ہیں جن پر دنیا ہی میں عذاب الٰہی نازل ہوا۔

پہلا واقعہ قوم عاد کا ہے۔ جس کو قوم ارم بھی کہتے ہیں۔ یہ ستونوں کی طرح بہت بلند قامت تھے۔ زور و قوت میں ان کے برابر دنیا میں کوئی قوم بھی پیدا نہیں کی گئی۔ دراصل عاد دو فرقوں کا نام ہے ایک کو عاد اولیٰ کہتے ہیں۔ یہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ انہی عاد اولیٰ کا نام عاد ارم بھی ہے کیونکہ ان کے جد اعلیٰ کا نام ارم تھا۔ اور دوسرے کو عاد اخریٰ کہتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ملک یمن میں آباد ہو گئے تھے۔ یہاں پر صرف عاد ارم کا ذکر ہے ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہود علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم اپنے وقت کی ترقی یافتہ قوم تھی اور اپنے مادی وسائل کے لحاظ سے اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اس وقت ان کے مقابلہ کی کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ دولت و ثروت کے گھمنڈ میں آ کر انہوں نے بدکاری اور عیاشی شروع کر دی اور ملک میں ظلم و ستم برپا کر دیا۔ پیغمبر وقت نے ان کو بہت کچھ سمجھایا اور انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر وہ اپنے افعال شنیعہ سے باز نہ آئے اور دن بدن معاصی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ آخر عذاب الٰہی کا کوڑا ان پر ایسا برسا کہ وہ ہلاک و برباد ہو گئے۔ سلطنت بھی جاتی رہی۔ دولت و ثروت بھی چھن گئی اور بدبختی نے قدم جما لئے حتیٰ کہ وہ دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ قوم ثمود کا ہے جو اس کے بعد گذرا ہے۔ یہ قوم وادی القریٰ میں آباد تھی اور ان کی بستیاں شمال عرب میں مقام حجر سے لے کر وادی القریٰ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ پہاڑ تراش تراش کر ان کے اندر نہایت خوبصورت اور مستحکم مکانات بنایا کرتے تھے۔ نہایت عیش اور مزے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بدکاری اور بت پرستی اس قوم میں بھی پھیلی۔ حضرت صالح علیہ السلام اللہ کے پیغمبر بن کر اس قوم کی طرف بھیجے گئے مگر انہوں نے اپنے پیغمبر کی بات نہ مانی۔ آخر

یکبارگی سب ہلاک کر دیئے گئے ان کے کھنڈرات اور آبادی کے آثار اب تک بھی علاقہ مذکورہ کے اندر ملتے ہیں۔

فرعون کا واقعہ

تیسرا واقعہ مصر کے مشہور بادشاہ فرعون کا ہے جس کی اصلاح و ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھیجے گئے تھے۔اس ظالم و جابر بادشاہ فرعون کو یہاں **ذی الاوتار** یعنی میخوں والا فرمایا ہے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کو میخوں والا اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس فرعون کا قاعدہ تھا کہ جسے سزا دینی منظور ہوتی تو اس کے چاروں ہاتھ پاؤں میخوں سے باندھ کر سزا دیتا تو چونکہ فرعون نے اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی مخالفت کی اور اپنی سرکشی و گمراہی پر جما رہا بالآخر اس پر اللہ کا عذاب ٹوٹا اور وہ فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے سمندر میں غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا۔تو ان تینوں واقعات کو بالاجمال بیان فرمانے کے بعد ان سب کے مشترکہ اعمال اور افعال بد کا اجمالی ذکر فرمایا گیا کہ جن کی وجہ سے ان پر قہر الٰہی ٹوٹا۔فرمایا کہ ان قوموں نے ملک میں سرکشی پھیلا رکھی تھی۔نخوت وتکبر، عیاشی و بے حیائی سرکشی و نافرمانی کی کوئی حد نہ رہی تھی۔عدل و انصاف صداقت و پارسائی رحم دلی اور خوش اخلاقی ان کے پاس نہ رہی۔اعتقادات بالکل گمراہانہ ہو گئے۔مختصر یہ کہ حکومت وسلطنت میں ایک فساد عظیم برپا کر رکھا تھا۔ان افعال بد کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا اور ان کو ہلاک کر ڈالا۔اس لئے سب کو خدائے تعالیٰ کے کوڑے سے ڈرنا چاہئے اور اس قسم کی حرکات قبیحہ سے باز رہنا چاہئے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات وحرکات وسکنات کو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں کہیں غضب الٰہی کی آگ مشتعل ہو گئی تو پھر بچاؤ کی صورت مشکل ہے۔

درس عبرت

یہاں کفار و منکرین کو سبق یہ دیا گیا ہے کہ اگر کچھ بھی عقل ہے تو ان واقعات سے سبق لینا چاہئے اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی کی روش چھوڑ دینا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس آقا اور مالک کی نظروں سے بچ کر کہیں چھپ نہیں سکتے اور ان کی تمام حرکتیں اس کی نظر میں ہیں۔وقت آنے پر لازماً ان کی پکڑ کرے گا۔

پھر یہاں ان آیات میں جن نافرمان اور باغی تاریخی قوموں کا ذکر اجمالاً فرمایا گیا تو ان کے واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کی غلط روش کا برا انجام دیر یا سویر بہر حال سامنے آ کر رہتا ہے تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ افراد کے غلط کاموں کا انجام ان کے سامنے لازماً کیوں نہ آئے؟ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسا ضرور ہونا چاہئے اور بھلوں کو بھلائی کا بدلہ اور بروں کو برائی کا بدلہ ضرور ملنا چاہئے۔اب آج جو لوگ اللہ کا انکار کر رہے ہیں۔اپنے حال یا قال سے اس کے احکام سے بغاوت برت رہے ہیں۔اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیوں میں مست ہیں۔اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں پر پلنے کے باوجود اس کے باغی بنے ہوئے ہیں۔اللہ ہی کی دی ہوئی قوت کے نشہ میں آپے سے باہر ہو رہے ہیں اور ظلم وستم اور جور و جفا پر کمر بستہ رہتے ہیں تو انہیں یہ جان لینا چاہئے اور دنیا میں معذب قوموں کے واقعات سے سبق لینا چاہئے کہ وہ احکم الحاکمین۔خداوند قدوس ذوالجلال والاکرام کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کی غیبی آنکھ ان کو دیکھتی ہے گو وہ اس کو نہیں دیکھتے۔لوگوں کی تمام حرکتیں اس آقا و مالک کی نظر میں ہیں اور وقت آنے پر وہ لازماً ان کی پکڑ فرمائے گا۔کفر ومعصیت سرکشی و نافرمانی کی سزا آخرت میں تو ملنا طے شدہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی ایسے لوگوں پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے اگر ایک انسان اشرف المخلوقات ہو کر کچھ بھی عقل رکھتا ہے تو اسے خدا کے باغیوں کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی کی روش کو چھوڑ دینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں وہ سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور اپنی گرفت اور پکڑ کا وہ خوف عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز آ جائیں اور اپنے آقا و مالک کے مطیع وفرماں بردار بندے بن کر زندگی گزاریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ وَاَمَّاۤ اِذَا

سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اُس کو اکرام انعام دیتا ہے۔تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی

مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۚ‏ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ۙ‏ ﴿۱۷﴾

اور جب اس کو آزماتا ہے یعنی اُس کی روزی اُس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو۔

وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِۙ‏ ﴿۱۸﴾ وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّـمًّا ۙ‏ ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ‏ ﴿۲۰﴾

اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے۔اور میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔

فَاَمَّا بس جو	الۡاِنۡسَانُ انسان	اِذَا جب	مَا ابۡتَلٰىهُ اس کو آزمائے	رَبُّهٗ اس کا رب	فَاَكۡرَمَهٗ اس کو عزت دے	وَنَعَّمَهٗ اور اسے نعمت دے	
فَيَقُوۡلُ تو وہ کہے	رَبِّىۡۤ میرا رب	اَكۡرَمَنِ مجھے عزت دی	وَاَمَّاۤ اِذَا اور جب	مَا ابۡتَلٰىهُ اُسے آزمائے	فَقَدَرَ اندازہ سے دیتا ہے	عَلَيۡهِ اس پر	
رِزۡقَهٗ اس کا رزق	فَيَقُوۡلُ تو وہ کہے	رَبِّىۡۤ میرا رب	اَهَانَنِ مجھے ذلیل کیا	كَلَّا ہرگز نہیں	بَلْ بلکہ	لَّا تُكۡرِمُوۡنَ عزت نہیں کرتے	
الۡيَتِيۡمَ یتیم	وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ اور رغبت نہیں دیتے	عَلٰى پر	طَعَامِ کھانا	الۡمِسۡكِيۡنِ مسکین	وَتَاۡكُلُوۡنَ اور تم کھاتے ہو	التُّرَاثَ مال میراث	
اَكۡلًا لَّـمًّا کھانا سمیٹ کر	وَّتُحِبُّوۡنَ اور محبت کرتے ہو	الۡمَالَ مال	حُبًّا محبت	جَمًّا بہت			

انسان کی غلط فہمی

گذشتہ آیات میں تاریخ کے واقعات میں سے قوم عادؔ قوم ثمود اور فرعون کے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ گویا اس میں تنبیہ تھی کفار مکہ اور عام انسانوں کے لئے کہ جو لوگ آج بھی سرکشی کررہے ہیں۔ انہیں یہ جان لینا چاہئے کہ وہ بھی اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں۔اور انہیں جو مہلت مل رہی ہے اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں بالکل چھوٹ دے دی گئی ہے۔ یا ان پر کوئی نگران نہیں ہے۔اس سلسلہ میں ایسے ہی غافل انسانوں کی ایک غلط فہمی کو ان آیات میں ظاہر فرما کر اس کی تردید فرمائی جاتی ہے تقریباً ہر زمانہ میں کم فہم اور ناسمجھ مالدار لوگوں کو یہ خیال رہا ہے کہ انہیں جو طاقت اور اقتدار مل گیا ہے اور ان کے پاس جو دولت اکٹھا ہوگئی ہے تو یہ ان کا اپنا حق ہے اور وہ اس کے مستحق ہیں اور کسی کو یہ بھی خیال ہوجاتا ہے کہ خدا مجھ سے راضی ہے اگر خدا راضی نہ ہوتا تو یہ ساری نعمتیں مجھے کیوں ملتیں۔اس غلط عقیدہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان لوگوں کو جن کے پاس مال دولت نہیں ہوتا حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے اور اسے غریبوں، یتیموں اور مسکینوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور اس کی دلچسپیاں

اپنے ہی مال دولت سے بڑھتی جاتی ہیں وہ دونوں ہاتھوں سے مال سمیٹتا ہے۔مردوں کی میراث بھی چاہئے اس کا حق ہو یا نہ ہو اور زندوں کی دولت بھی چاہئے جائز طریقے سے ہاتھ آئے یا ناجائز طریقے سے۔ ایسے انسان کے سامنے اصل سوال دنیا کے زیادہ سے زیادہ وسائل اور ذرائع پر قبضہ کرلینے کا ہے۔اس کی نظروں سے یہ حقیقت اوجھل ہوگئی ہے کہ اس دنیا میں انسان جس حالت میں بھی ہے اس حالت میں اس کا امتحان ہورہا ہے یہاں اسے بہت سا مال دے کر بھی آزمایا جاتا ہے اور مشکلات میں ڈال کر بھی اس کی جانچ ہوتی ہے۔

دنیا اور دنیاوی ساز وسامان کی حقیقت

ایسے ہی غافل انسان کے بارہ میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ اس انسان کو مال دولت جاہ وجلال آرام و راحت عنایت فرماتا ہے تاکہ معلوم کرے کہ وہ ان نعمتوں کی شکر گزاری بھی کرتا ہے یا نہیں تو اس وقت وہ بطور فخر کہنے لگتا ہے کہ میں خدا کا مقبول ہوں وہ مجھ سے خوش ہے تب ہی تو میری اس قدر عزت افزائی کی ہے۔وہ مجھ سے خوش نہ ہوتا تو مجھے کیوں اتنی نعمتوں سے

نوازتا لیکن اس کے برخلاف اگر اسے اس کا رب تنگ حالی میں مبتلا کرتا ہے اور مصائب و تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اس کے صبرو استقلال اور رضائے بقضائے الٰہی کا معائنہ کرے تو شکایت کرتے ہوئے کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا اور دنیوی نعمتوں کو کم کر دیا گویا یہ کم فہم دنیا کو مقصود بالذات سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کا اکرام واعزاز حصول دولت وراحت دنیا پر منحصر جانتا ہے اور دنیوی فقر و فاقہ اور مال کی کمی کو اس کی ناراضگی پر محمول کرتا ہے تو اس انسان کا یہ خیال بالکل باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا عیش و آرام جاہ وجلال اور اسی طرح افلاس وفقر بیماری اور تکلیف اس کی آزمائش ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ بندہ فراخ دستی کی حالت میں کس قدر شکرگزار ثابت ہوتا ہے اور مصیبت کی حالت میں کیوں کر صبر کرتا ہے لہذا حصول دنیا یا عدم حصول دنیا پر اس کی رضامندی اور ناراضگی کو محمول کرنا جہالت اور کم فہمی ہے۔

اس لئے آگے فرمایا گیا کلا ہرگز ایسا نہیں یعنی ان لوگوں کا خیال غلط ہے کیونکہ نہ تو دنیا مقصود بالذات ہے اور نہ ہی اس کا ہونا نہ ہونا مقبولیت ومحرومیت کی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی شخص اکرام واعزاز کے استحقاق کا دعویٰ کرسکتا ہے۔

مال مفت دل بے رحم

پھر آگے ایسے انسانوں کو بصیغہ خطاب فرمایا کہ تم میں تو مذکورہ بالا باطل خیالات کے علاوہ اور بھی مذموم خصلتیں موجود ہیں جو موجب عذاب ہیں۔تم یتیم یعنی بن باپ کے نابالغ بچہ کی خاطر وعزت نہیں کرتے بلکہ الٹا ان کی اہانت کرتے ہو۔ان پر ظلم وستم ڈھاتے ہو۔ان کا مال بے دریغ کھاتے ہو۔غریب ومساکین کو کھانا کھلانے اور ان کی امداد پر نہ تو خود آمادگی کا اظہار کرتے ہو اور نہ دوسروں ہی کو اس پر آمادہ کرتے ہو۔مردوں کا مال جو تمہیں بلا مشقت میراث میں ملتا ہے وہ خوب دل کھول کر کھاتے اور اڑاتے ہو۔مال مفت دل بے رحم اور اسی پر بس نہیں بلکہ تم مال کے اس قدر حریص ہو کہ دوسروں کا حق بھی کھا جاتے ہو۔تمہارے دل مال کی محبت سے بھرے ہیں۔حد درجہ کے لالچی اور حریص ہو۔حلال وحرام کی بھی پروا نہیں کرتے۔بس مال ہاتھ آنا چاہئے خواہ کیسے ہی ناجائز طریق پر کیوں نہ ہو۔تو یہی وہ اعمال وافعال ہیں کہ جن کی وجہ سے پہلی قوموں پر عذاب نازل ہوا اس لئے مخاطبین قرآن کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم درس عبرت حاصل کرو اور ایسی حرکات سے باز آؤ۔اور اگر تم نے آنکھیں نہ کھولیں تو پھر تم کو بھی سزا ملے گی۔

یتیم کی کفالت کی فضیلت

ایام جاہلیت میں عرب میں یہ بھی ایک عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہ کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں یتیم کی خبر گیری اور اس کی کفالت کے بڑے فضائل ارشاد فرمائے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا وہ گھر سب سے اچھا ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اکرام اور بھلائی کی جاتی ہو۔اور مسلمانوں کا وہ گھر بدترین ہے جس میں یتیم سے اچھا سلوک نہ کیا جاتا ہو۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔

دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبت دنیا اور مال و دولت کا لالچ اور طمع ہے۔یہی حق تلفی کراتی ہے۔یہی جھوٹ بلواتی ہے۔یہی فریب و دھوکہ دہی کراتی ہے۔یہی خون کراتی ہے۔اور یہی بے شرم و بے حیا بنا دیتی ہے۔یہ کفار کی خصلتیں ہمیشہ سے رہی ہیں کہ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ اسی کو مقصود زندگی ٹھہرا لے۔کفار اور ان جیسی مذموم خصلتیں رکھنے والے انسان کو یہاں حب مال پر تنبیہ ہے اور پھر ان بداعمالیوں کے ساتھ یہ بھی سمجھنا کہ کوئی ہم کو ان باتوں پر سزا دینے والا نہیں تو اس کے متعلق اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ ایسا ہرگز مت خیال کرنا اور ان سب کا پورا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ

ہرگز ایسا نہیں جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا۔اور آپ کا پروردگار اور جوق جوق فرشتے آویں گے۔اور اُس روز جہنم کو لایا جاوے گا۔

بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿٢٤﴾

اس روز انسان کو سمجھ آوے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا۔کہے گا کاش میں اس زندگی کیلئے کوئی عمل آگے بھیج لیتا۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾

پس اُس روز نہ تو خدا کے عذاب کی برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا۔اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا۔اے اطمینان والی جان۔

ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿٣٠﴾

تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

كَلَّآ اِذَا ہرگز نہیں جب	دُكَّتِ پست کردی جائیگی	الْاَرْضُ زمین	دَكًّا دَكًّا کوٹ کوٹ کر	وَّجَآءَ اور آئے گا	رَبُّكَ تمہارا رب	وَالْمَلَكُ اور آئیں فرشتے
صَفًّا صَفًّا قطار در قطار	وَجِایْٓءَ اور لائی جائے	یَوْمَئِذٍ اس دن	بِجَهَنَّمَ جہنم میں	یَوْمَئِذٍ اس دن	یَّتَذَكَّرُ سوچے گا	الْاِنْسَانُ انسان	وَاَنّٰى اور کہاں
لَهُ اس کیلئے	الذِّكْرٰى سوچنا	یَقُوْلُ وہ کہے گا	یٰلَیْتَنِیْ اے کاش	قَدَّمْتُ میں نے پہلے بھیجا ہوتا	لِحَیَاتِیْ اپنی زندگی کیلئے	فَیَوْمَئِذٍ پس اس دن
لَّا یُعَذِّبُ عذاب نہ دیگا	عَذَابَهٗٓ اس کا عذاب	اَحَدٌ کوئی	وَّلَا یُوْثِقُ اور نہ باندھ کر رکھے	وَثَاقَهٗٓ اس کا باندھنا	اَحَدٌ کوئی	یٰٓاَیَّتُهَا اے
النَّفْسُ نفس روح	الْمُطْمَئِنَّةُ اطمینان والی	ارْجِعِیْٓ لوٹ چل	اِلٰى طرف	رَبِّكِ اپنے رب	رَاضِیَةً راضی	مَّرْضِیَّةً وہ تجھ سے راضی
فَادْخُلِیْ پس داخل ہو	فِیْ میں	عِبٰدِیْ میرے بندے	وَادْخُلِیْ اور داخل ہو	جَنَّتِیْ میری جنت		

قیامت کا ہولناک منظر

گذشتہ آیات میں انسان کی اس غلط روش کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا کہ جو مال دولت کے بے جا ہوس اور طمع سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس غلط روش پر انجام سے بے پروا ہو جانا۔ آخرت سے نڈر بن جانا اور اس گمان میں مست رہنا کہ ہمارے اعمال کا کون دیکھنے والا اور بدلہ لینے والا ہے۔کون ہماری اس روش پر باز پرس کرنے والا ہے تو ایسے غافل اور گمراہ انسان کے خیالات کی تردید فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں فرمایا جاتا ہے۔ کلا یعنی اے غافل انسان تو ہرگز ایسا خیال نہ کر کہ کون نیک و بد کو دیکھ رہا ہے جو اس کا بدلہ دے گا۔نہیں اس سب کا بدلہ ضرور ملے گا اور پورا پورا بدلہ کب ملے گا؟ قیامت و آخرت میں ملے گا جب کہ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔سب ٹیلہ پہاڑ بلندی پستی ہموار ہو کر زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔ یہ پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے کے وقت ہو گا کہ جس کے بعد تمام عالم فنا ہو جائے گا پھر کچھ مدت کے بعد جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے دوسرا جہان پیدا ہو گا اور مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین و آخرین میدان حشر میں جمع کر دیئے جائیں گے۔ جہاں کی گرمی، تپش اور مصیبت سے عاجز ہو کر درخواست کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا جو کچھ بھی ہو فیصلہ فرمادیں تاکہ اس محشر کے عذاب سے نجات ملے۔ چنانچہ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا یعنی آپ کا پروردگار بندوں کی عدالت کے لئے صفت جلال و قہر میں تجلی فرمائے گا اور فرشتے گروہ در

گروہ میدان حشر میں آویں گے۔ اور صف باندھ کر تعمیل ارشاد باری تعالیٰ کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا میدان حشر میں آنا جیسا کہ وَجَآءَ رَبُّكَ میں فرمایا متشابہات میں سے ہے یعنی حق تعالیٰ کا یہ آنا اسی شان سے ہوگا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے جس کی کیفیت ہم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے اس لئے بلاتفتیش کیفیت اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ اور اس روز جہنم کو بھی لوگوں کی نظروں کے سامنے موجود کیا جائے گا۔ لاکھوں فرشتے جہنم کو اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے اس طرح لائیں گے کہ بڑی بڑی چنگاریاں اس پر اڑتی ہوں گی اور اس کے جوش وخروش کی ایک ہیبت ناک آواز لوگوں کے ہوش وحواس کو پریشان کرتی ہوگی اور ہر مجرم اپنا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لرز رہا ہوگا۔ اس وقت اصل حقیقت انسان پر واضح ہو جائے گی۔

جب غافل انسان کی آنکھیں کھلیں گی

یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اس روز انسان یاد کرے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا۔ آج جو باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں وہ سب اس دن سمجھ میں آ جائیں گی۔ آج جن باتوں کا انکار کیا جا رہا ہے وہ سب حقیقت بن کر اس دن آنکھوں کے سامنے آ جائیں گی۔ اس روز اس کا نشہ اتر جائے گا۔ اور یہ سمجھ لے گا کہ جو کچھ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے خبر دی تھی وہ سب حق تھی اور ہم اپنی کم عقلی اور بدبختی سے ان باتوں کو مذاق میں اڑا دیتے تھے۔ اور اس دن کے لئے ایمان صادق اور اعمال صالحہ کا سرمایہ جمع کرنے کی بجائے دنیاوی لذات و شہوات میں مستغرق رہے ہیں اس پر ارشاد ہوتا ہے۔ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى اور اس دن سمجھ میں آنے کا کیا فائدہ؟ یعنی اس وقت کا سمجھنا کہ میں دنیا میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا کس کام کا ہوگا۔ اس روز پچھتانا دانت پیسنا رونا اور سر پیٹنا کیا فائدہ دے گا۔ سوچنے اور سمجھنے کا موقع تو ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ دار العمل میں جو کام کرنا چاہئے تھا وہ دار الجزاء میں سودمند نہیں۔ وہ وقت بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا نہ ہوگا بلکہ وہ وقت تو فصل کاٹنے کا ہوگا۔ انسان نے اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ بویا ہوگا اس کے مطابق فصل اس کے سامنے ہوگی اور وہ مجبور ہوگا کہ اپنے دنیا کے کرتوتوں کے مطابق پھل کھائے۔

حسرت بے ثمر

اس وقت اس کی آنکھیں کھلیں گی اور افسوس کے ساتھ ہاتھ ملے گا۔ اور کہے گا یٰقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ کاش میں اس اخروی زندگی کیلئے کوئی عمل آگے بھیج لیتا۔ افسوس! میں نے دنیا کی زندگی میں وہ کام کئے ہوتے جو آج میرے کام آتے۔ کاش میں نے دنیا میں اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایات پر کان دھرا ہوتا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ بنایا ہوتا۔ ہائے افسوس میں تو یونہی خالی ہاتھ یہاں چلا آیا۔ کاش کہ ایمان اور عمل صالح کا ذخیرہ آگے روانہ کر دیتا جو آج یہاں کے لئے توشہ بنتا۔ ہائے میں بدنصیب تو جو کچھ کرتا رہا چند روزہ زندگانی کے لئے کرتا رہا۔ جو ایک خواب سا تھا۔ لیکن اس وقت اس افسوس اور پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اے اللہ اپنے کرم سے آج اس دنیا میں ہمیں دین کی فہم اور سمجھ عطا فرما دے اور قیامت میں ہم کو غفلت کے پچھتاوے سے بچا لے۔ آمین۔

احکم الحاکمین کی گرفت

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انتہائی کرم ہے کہ اس نے اس زندگی میں ہماری رہنمائی کے لئے پورا پورا انتظام فرما دیا ہے اور اس انجام کو کھول کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے جو مرتے ہی سامنے آنے والا ہے۔ اب اگر آج کسی کی سمجھ میں اللہ ورسول کی بات نہیں آتی۔ یا سمجھ میں تو آتی ہے مگر وہ اس کے مطابق زندگی کا رخ موڑنے کے لئے تیار نہیں ہے تو آج اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو راہ چاہے اختیار کرے۔ لیکن جب قیامت میں پوری حقیقت سامنے آ جائے گی اور قیامت میں کیا مرتے ہی بات سمجھ میں آ جاوے گی اور تمنا کرے گا کہ اب اسے اگر دوبارہ دنیا کی زندگی کا موقع مل جائے تو اپنی زندگی میں بال برابر بھی اللہ کی ہدایت سے ہٹ کر قدم نہ رکھے لیکن اس وقت نہ اس بات کے سمجھنے کا کوئی فائدہ ہوگا اور نہ اس کا موقع ملے گا اس وقت تو اللہ کے جزا وسزا اور اس کے انعام واحسان یا اس کی پکڑ اور عذاب کا وقت ہوگا

اور اس کا عذاب وہ سخت عذاب ہوگا کہ اس کے برابر کوئی دوسرا عذاب ممکن نہ ہوگا اور اس کی پکڑ وہ سخت پکڑ ہوگی کہ اس جیسی کسی دوسری پکڑ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکے گا۔ الامان والحفیظ۔ اسی کو فرمایا جاتا ہے فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا۔ یعنی ایسی سخت سزا اور قید کرے گا کہ دنیا میں کبھی کسی نے کسی کو نہ اتنی سخت سزا دی ہوگی نہ ایسی سخت قید کی ہوگی۔ الامان والحفیظ کیونکہ اول تو اس کا عذاب روحانی و جسمانی ہوگا دوم ایسا سخت ہوگا کہ ویسا دنیا میں ہو نہیں سکتا۔ سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو موت ہے جس کے آنے پر چھٹکارا ہو جاتا ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جائے۔ پھر وہاں کی جیل سے نہ کوئی نکل سکتا ہے نہ لے دے کر کوئی راحت حاصل کر سکتا ہے۔ ہمیشہ کی قید پھر وہاں کی مار اور دکھ۔ سانپ اور بچھو زنجیر اور بیڑیاں' غذاب روحانی وجسمانی الامان والحفیظ ایسی قید اور کون کر سکتا ہے۔

مومنین صالحین کے انعامات

یہاں تک تو اہل محشر کے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا جو ان پر قیامت میں طاری ہوگا اس کے بعد صالحین اور مومنین کا حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں اور ہدایت کے موافق گزاری ہوگی۔ جنہوں نے زندگی میں ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو اپنے سامنے رکھا ہوگا۔ جنہوں نے اللہ کی خوشنودی کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی رضامندی کا کوئی خیال نہ کیا ہوگا تو ان کے ساتھ اس روز کیا معاملہ پیش آئے گا۔ ان کا کیسا اکرام و اعزاز کیا جائے گا۔ ان کو کیسی تسلی و تشفی کا خطاب سننا نصیب ہوگا ان کو کیسے راحت و آرام کی جگہ بھیجا جائے گا؟ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي یعنی ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر ادھر چل کر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

سبحان اللہ اللھم اجعلنامنھم اللہ تعالیٰ میدان حشر میں یہ خطاب ہم کو بھی سننا نصیب فرمائیں۔ آمین۔ اس خطاب میں پہلے ہی صالحین و مومنین کو يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ یعنی اے اطمینان والی جان فرما کر تسلی و تشفی فرما دی کہ اس خوف و ہراس کے وقت وہ اس لفظ نفس مطمئنہ کو سنتے ہی عذاب وعتاب کی دہشت سے مطمئن ہو جائیں گویا یہ خطاب کا پہلا ہی لفظ بطور خوشخبری کے سنایا جائے گا کہ تجھے اطمینان ہے تو دنیا میں جس محبوب حقیقی سے لو لگائے ہوئے تھا اب ہر قسم کے جھگڑوں سے یکسو ہو کر راضی وخوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اور اس کی عالیشان جنت میں جو ہمیشہ کے لئے عیش و آرام کا گھر ہے قیام کر جہاں تم کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی تم خواہش کرو اور پھر وہاں کی نعمتیں ابدی ہیں کہ کبھی زائل نہ ہوں گی۔ کبھی کم نہ ہوں گی۔ کبھی چھینی نہیں جائیں گی۔ اللھم اجعلنامنھم امین

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے اور عارفین کا تجربہ تو یہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارت کا فی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی نفس مطمئنہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

نفس اَمَّارَہْ... لَوَّامَہْ... مُطْمَئِنَّہْ کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے نفس کی تین صفات ہیں۔ امارہ' لوامہ' مطمئنہ' امارہ کفار اور دنیا کی لذات وشہوات پر فریفتہ لوگوں کی صفت ہے اور یہ نفس امارہ ان کو بدکاری اور بدعملی پر بار بار حکم کرتا رہتا ہے اور وہ مانتے رہتے ہیں۔ نفس لوامہ یعنی ملامت کرنے والا جو اپنی برائیوں پر ملامت کرے۔ یہ عام مسلمانوں کی صفت ہے کہ ان میں حس و ادراک باقی ہے اور گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں اور دل میں گناہ کر کے رنج و افسوس ہوتا ہے۔ نفس مطمئنہ یعنی اطمینان والا نفس۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور صالحین کے نفس کی حالت ہے کہ ان کو عبادت و معرفت سے اطمینان وسکون نصیب ہو جاتا ہے۔ اور کاموں میں لگ کر ان کا دل بے قرار رہتا ہے اور ہر پھر کر اپنے مرکز اصلی ذکر الٰہی کی طرف آ رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارے نفوس

4 امارہ ولوامہ کو بھی مطمئنہ بنا دے کہ ہم دنیا سے رخصت ہوتے وقت نفس مطمئنہ کے ساتھ رخصت ہوں۔

صالحین کی صحبت کا فائدہ

یہاں آخری دو آیات فادخلي في عبادي وادخلي جنتي یعنی نفس مطمئنہ کو مخاطب کر کے حق تعالیٰ جل شانہ کا یہ حکم کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ان سے متعلق مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ کے مخلص اور صالح بندوں میں شامل ہونے کا حکم ہے۔ پھر اس کے بعد جنت میں داخل ہونے کا۔ اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے صالح و مخلص مومنین کے زمرہ میں شامل ہو۔ پھر ان سب کے ساتھ ہی جنت میں داخلہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا میں صالحین کی صحبت و معیت اختیار کرتا ہے یہ علامت اس کی ہے کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا۔ وادخلني برحمتك في عبادك الصالحين اور مجھے اپنی رحمت سے داخل کرا اپنے نیک بندوں میں (سورۂ نمل) اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا توفني مسلماً و الحقني بالصلحين موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو صالحین یعنی نیک بندوں میں (سورۂ یوسف) تو معلوم ہوا کہ صحبت صالحین وہ نعمت کبریٰ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کی دعا سے مستغنی نہیں۔ (معارف القرآن)

خلاصہ

اس سورت کی ابتداء میں اس پر چار قسمیں کھائی گئی ہیں کہ کفار پر اللہ کا عذاب واقع ہو کر رہے گا' اس کے بعد سورۂ فجر میں تین مضامین نمایاں طور پر مذکور ہوئے ہیں۔

قوم عاد' ثمود اور فرعون جیسے متکبروں اور فسادیوں کے قصے اجمالی طور پر ذکر کیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی اور جرائم کی وجہ سے اللہ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

اللہ کی سنت اور دستور یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں انسان کو خیر وشر' فقر و غنیٰ اور صحت و بیماری جیسی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے' انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ اپنے رب کے فضل و احسان کا شکر ادا نہیں کرتا اور اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ مال کی محبت میں بڑا حریص ہے' اس کا پیٹ بھرتا ہی نہیں۔

قیامت کے دن جو زلزلے اور ہولناک حالات پیش آئیں گے ان کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ انسان دو قسموں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ شقی لوگ اللہ کے غضب کے حقدار ہوں گے اور نفسِ مومن' جسے نفسِ مطمئنہ کہا گیا ہے اسے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کیلئے کہا جائے گا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جس حال میں رکھیں اپنی مرضیات پر چلنے اور اپنے احکام بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! آپ نے جو مال دولت ہم کو اس دنیا میں عطا فرمایا ہے اس کے حقوق بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے ذریعہ حاجتمندوں اور مسکینوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمادیں کہ جو ہم اس دنیا میں ایمان اور اعمال صالحہ کا ذخیرہ جمع کرلیں اور اپنی آخرت کو سنوارلیں۔

یا اللہ ہمیں نفس مطمئنہ نصیب فرما اور آخرت میں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائیں اور انہی کے ساتھ اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے اور قسم ہے باپ کی اولاد کی۔کہ ہم نے انسان

الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُس پر کسی کا بَس نہ چلے گا۔کہتا ہے کہ

مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾

میں نے اتنا مال وافر خرچ کرڈالا۔کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں۔

لَآ اُقْسِمُ نہیں، میں قسم کھاتا ہوں	بِهٰذَا اس	الْبَلَدِ شہر	وَاَنْتَ اور آپ	حِلٌّ اترے ہوئے	بِهٰذَا اس	الْبَلَدِ شہر	وَوَالِدٍ اور والد کی
وَمَا وَلَدَ اور اولاد	لَقَدْ خَلَقْنَا تحقیق ہم نے پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	فِيْ میں	كَبَدٍ مشقت	اَيَحْسَبُ کیا وہ گمان کرتا ہے	اَنْ کہ	
لَنْ يَّقْدِرَ ہرگز بس نہیں چلے گا	عَلَيْهِ اس پر	اَحَدٌ کسی	يَقُوْلُ وہ کہتا ہے	اَهْلَكْتُ خرچ کرڈالا	مَالًا مال	لُّبَدًا ڈھیروں	
اَيَحْسَبُ کیاوہ گمان کرتا ہے	اَنْ کہ	لَّمْ يَرَهٗ اس کونہیں دیکھا	اَحَدٌ کسی				

وجہ تسمیہ، مقام وشان نزول

اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں بلد کی قسم کھائی گئی ہے جس کے لفظی معنی شہر کے ہیں اور مراد شہر مکہ ہے اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام بلد مقرر ہوا یہ سورۃ بھی مکی ہے۔اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ قریش میں ایک کافر اسید بن کلدہ نہایت قوی ہیکل اور زور آور پہلوان تھا اس کو اپنی طاقت اور توانائی پر بڑا ناز تھا اور اس کی طاقت کا یہ حال تھا کہ اپنے پاؤں سے گائے بیل کا چمڑہ دبا لیتا اور لوگوں سے کہتا کہ میرے پاؤں کے نیچے سے چمڑہ کھینچ کر باہر کرو۔بہت سے لوگ مل کر زور آزمائی کرتے مگر چمڑہ کھینچنے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اس کے پاؤں تلے سے نہ نکلتا تھا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دعوت اسلام دی تو وہ کافر ایمان نہ لایا اور اس نے بہت سخت سست کلمات آپ کی شان میں استعمال کئے اور کہنے لگا کہ تم مجھے آتش دوزخ کے موکلوں سے کیا ڈرتے ہو۔میرا بایاں ہاتھ ان سب کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔ میرے مقابلہ کی کون تاب لاسکتا ہے اور مجھ پر کون غالب آسکتا ہے اور بہشت کی نعمتوں سے مجھے کیا پھسلاتے ہو۔ میں نے شادیوں اور خوشی کی تقریبات میں اتنا مال دولت خرچ کیا ہے کہ تمہاری بہشتی نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔اور تمہاری جنت کی قیمت تو میرے اس خرچ کئے ہوئے مال کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتی۔اس کی ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی اور بتایا کہ انسان کو اپنی قوت اور زور اور مال و دولت کی کثرت اور بڑائی پر مغرور و نازاں نہ ہونا چاہئے۔اور اگر یہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک کے واقعات وتغیرات پر غور کرے تو یہ خوب واضح ہو جاتا ہے کہ اسے کس قدر تکالیف اور شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس سورۃ کا خاص مضمون بھی یہی ہے کہ اس زندگی کے بعد جو ایک اور ہمیشہ رہنے والی زندگی آنے والی ہے اس میں انسان کے تمام اعمال کی جانچ کی جائے گی۔ہر شخص کے ساتھ انصاف ہوگا اور جس نے اس دنیا میں جیسی

گزاری ہوگی اسی کے لحاظ سے اسے اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا۔

شہر مکہ کی قسم اور فتح مکہ کی پیشین گوئی

ان آیات کی ابتداء بھی چند قسموں سے ہوئی ہے۔ پہلی قسم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہ ہم اس شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ شہر مکہ کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ افضل الرسل خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر مکہ میں کفار کے ہاتھوں اس وقت طرح طرح کے مصائب اور اذیتیں جھیل رہے تھے۔ مگر آپ کو اس مقدس شہر میں لڑنے کی خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ تھی اس لئے ساتھ ہی بطور جملہ معترضہ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرما دی کہ اگرچہ آج آپ کا احترام اس شہر کے جاہلوں میں نہیں ہے اور آپ کفار کے نرغہ میں ہیں اور ان کی طرف سے بلادریغ آپ اور آپ کے متبعین پر ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے اور گو اس مقدس شہر میں قتال حرام ہے یہاں تک کہ اس میں شکار کھیلنے یا گھاس وغیرہ تک کاٹنے کا حکم نہیں مگر آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک بار آپ کو کفار سے لڑنے اور قتل وقتال کرنے کی اجازت دے دیں گے اور آپ اس وقت ان پر غالب آئیں گے۔ اور آپ اس شہر میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔ چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ یہ پیشین گوئی ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی جب کہ فتح مکہ کے دن آپؐ کے لئے احکام حرم باقی نہ رہے اور آپ نے دشمنان دین پر غلبہ حاصل کیا اور اس مقام مقدس کی ابدی تطہیر و تقدیس کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی بھی آپ کو اجازت ہوئی۔ اور یہ صرف ایک دن فتح مکہ کے روز حرم میں خون بہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہوا تھا۔ فتح مکہ کے دوسرے ہی دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

(ترجمہ) "اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام و محترم پیدا کیا پس وہ قیامت تک حرام و محترم رہے گا۔ پس کسی شخص کے لئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ مکہ میں کوئی خون بہائے اور نہ کسی کے لئے کسی درخت کا کاٹنا جائز ہے۔ مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی صرف اسی ساعت اور اسی گھڑی کے لئے حلال کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی ہوگئی جیسا کہ پہلے تھی پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں۔ پس تم میں سے جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ میں قتال کیا تو تم اس سے یہ کہہ دینا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے مکہ کو کچھ وقت کے لئے حلال کر دیا تھا اور تمہارے لئے حلال نہیں کیا۔"

الغرض یہاں پہلی قسم اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ ہم اس شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس کے بعد بطور پیشین گوئی کے فرمایا کہ آپ کیلئے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔ یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا۔

نوع انسانیت کی قسم

آگے دوسری اور تیسری قسم فرمائی۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ کہ قسم ہے باپ کی اور اولاد کی۔ ساری اولاد کے باپ آدم علیہ السلام ہیں۔ اس لئے بعض مفسرین نے یہاں والد سے مراد حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام لئے ہیں اور اولاد سے مراد تمام بنی آدم لئے ہیں اور بعض مفسرین نے عام باپ اور اولاد مراد لئے ہیں۔

انسان کی ذمہ داریاں

ان قسموں کے بعد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں مشقت اور مصیبت کے لئے بنایا ہے چنانچہ اس کی ساری عمر تکالیف حیرانی اور پریشانی میں گزرتی ہے۔ عمر بھر کہیں مرض میں کہیں رنج میں کہیں فکر میں اکثر اوقات مبتلا رہتا ہے۔ یہاں جن چیزوں کی قسم کھائی ہے اس کو جواب قسم سے خاص مناسبت ہے چنانچہ بلد یعنی شہر جس کی قسم پہلے کھائی گئی مجمع خلائق ہوتا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی مشقت اور دھندے میں لگا ہوتا ہے اور انسانی دوڑ دھوپ اور رنج وغم کا ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ بالخصوص شہر مکہ میں تو بوقت نزول قرآن مشقت ومحنت ممتاز درجہ رکھتی تھی اول تو اس کی پہاڑی اور ریگستانی زمین کی وجہ سے مشقت جہاں

نہ سر سبز باغات تھے نہ کھیتی۔ نہ کنوؤں میں میٹھا پانی۔ نیز گرم جگہ جہاں بادسموم چلا کرتی اور جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دین داروں اور اسلام اختیار کرنے والوں کی اور بھی مصیبت اور مشقت بڑھ گئی۔ آئے دن کا ظلم و ستم مار پیٹ شروع ہو گیا تھا۔ دوسری قسم والد کی کھائی گئی جو اپنی اولاد کے لئے طرح طرح کی محنت و مشقت برداشت کرتا ہے۔ کبھی فکر معیشت اور تدبیر تربیت میں مبتلا ہوتا ہے تو کبھی بچوں کی بیماری اور موت کے صدمہ اٹھاتا ہے۔ پھر کسی کی اولاد نالائق اٹھی تو اس کا دکھ باپ ہی سے پوچھنا چاہئے۔ آپ دکھ اٹھا کر اولاد کو آرام پہنچانے کا حال ہر ایک صاحب اولاد پر ظاہر ہے۔ پھر صرف باپ ہی کو نہیں بچہ کو بھی دنیا میں مختلف مصائب اور آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نو ماہ شکم مادر میں محبوس رہنا اور رحم میں گندہ خون کھانا اور پھر تنگ راستہ سے نکل کر دنیا میں آنا۔ سردی گرمی بھوک پیاس کا دُکھ اٹھانا۔ پھر دانتوں کی تکلیف اور جسمانی حالت کمزور ہوئی تو صدہا تکالیف اور بیماریاں آدباتی ہیں۔ پھر جب ذرا سمجھ آئی تو مکتب و مدرسہ میں تعلیم و تربیت کی مصیبت۔ پھر جب جوان ہوا تو فکر معاش نے آگھیرا۔ چند پیسوں کے لئے کوئی دن بھر دوکان یا کارخانہ میں مقید رہتا ہے۔ کوئی فوج میں نوکر ہو کر کیا کیا مصائب دیکھ کر سر کٹواتا ہے۔ رعیت ہے تو بادشاہ کی اطاعت بلکہ غلامی اور کاروبے گارو خراج و ٹیکس کی مصیبت اور بادشاہ ہے تو اس کو جہاں داری اور حفظ سلطنت کی مصیبت۔ نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت۔ آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت کی مشقت' بیوی کو میاں کی اطاعت اور بچہ کشی کی مشقت' میاں کو بیوی کے جا بے جا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت' ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں ان کے درد غم کھانے کی مصیبت اولاد پر مادر و پدر کی خدمت و اطاعت کی مشقت پھر دوست احباب' ہم وطن و ہمسایوں کو خوش رکھنے کی مشقت' یہ تو جیتے جی دنیا کی مشقتیں تھیں پھر آگے نزع کی مشقت اور مفارقت مال و اولاد کی مشقت' پھر تنگی قبر اور عذاب قبر' عالم برزخ و حشر و نشر کی مصیبت' پھر اگر شقی ازلی ہے تو جہنم ابدی کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت ہے۔

ذمہ داریوں کا تقاضا

غرض کہ ہر طرف سے تکالیف ہی تکالیف نظر آتی ہیں کوئی ایک دو ہوں تو بیان بھی کی جائیں لہٰذا یہ سب چیزیں بتا رہی ہیں کہ انسان ہر وقت آلام و شدائد میں گھرا ہوا ہے۔ اور سدا کا دکھیا ہے۔ اسی کو فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ تو چاہیے تو اسے یہ تھا کہ عجز و انکساری اختیار کرتا اور مطیع و فرمانبردار رہتا مگر اس کی تو یہ حالت ہے کہ باوجود مصائب کا شکار ہونے کے پھر بھی غرور و نخوت سے باز نہیں آتا۔ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ اور سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اپنے آپ کو خارج سمجھتا ہے احکام خداوندی کے خلاف ورزی کرتا ہے اور یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال عیش و عشرت میں اڑا دیا۔ اور اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں تو کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ اس کے ہر ہر فعل کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ قلوب کے خطرات و وساوس بھی اس کے علم میں ہیں۔ پھر کیسے کوئی اس کی سزا سے بچ سکتا ہے۔

یہاں ان آیات میں انسان کو اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان کی دنیا میں جو یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ راحت ہی راحت اور چین میں رہے۔ کسی تکلیف رنج و مشقت سے کبھی واسطہ نہ پڑے تو یہ انسان کا خیال خام ہے جو کبھی حاصل نہ ہوگا۔ جب حق تعالیٰ جو انسان کے پیدا کرنے والے ہیں وہ فرمارہے ہیں **لقد خلقنا الانسان فی کبد** کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ مشقت کے لئے تیار رہے۔ اور جب دنیا میں محنت و مشقت اور کلفت پیش آنا ہی ہے تو عقلمند کا کام یہ ہے کہ محنت و مشقت اس چیز کے لئے کرے جو اس کے ہمیشہ کام آئے اور دائمی راحت کا سامان بنے اور وہ صرف ایمان اور طاعت حق میں منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین کی سمجھ اور فہم عطا فرماویں۔ اور آخرت کی دائمی راحت کے لئے دنیا میں عارضی اور وقتی مشقت و محنت برداشت کرنے کی قوت و صلاحیت عطا فرمائیں۔ آمین۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو انسان بنا کر پیدا فرمایا اور پھر انسان بنا کر ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾

کیا ہم نے اُس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔اور ہم نے اُس کو دونوں راستے بتلادیئے۔سو وہ شخص گھاٹی میں سے

وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيمًا

ہوکر نہ نکلا۔اورآپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے۔وہ کسی گردن کا چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی

ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾

رشتہ داریتیم کو۔یا کسی خاک نشین محتاج کو۔

اَلَمْ کیانہیں	نَجْعَلْ ہم نے بنایا	لَهٗ اس کیلئے	عَيْنَيْنِ دو آنکھیں	وَلِسَانًا اور زبان	وَشَفَتَيْنِ اور دو ہونٹ	وَهَدَيْنٰهُ اور ہم نے اسے دکھائے			
النَّجْدَيْنِ دو راستے	فَلَا اقْتَحَمَ پس نہ داخل ہوا وہ	الْعَقَبَةَ گھاٹی	وَمَآ اور کیا	أَدْرٰكَ تم سمجھے	مَا کیا	الْعَقَبَةُ عقبہ	فَكُّ چھڑانا	رَقَبَةٍ گردن اسیر	أَوْ یا
إِطْعٰمٌ کھانا کھلانا	فِي میں	يَوْمٍ دن	ذِي مَسْغَبَةٍ بھوک والے	يَتِيمًا یتیم	ذَا مَقْرَبَةٍ قرابت دار	أَوْ یا	مِسْكِينًا مسکین	ذَا مَتْرَبَةٍ خاک نشین	

انسان کی ناشکر گزاری

گذشتہ ابتدائی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ انسان اگر غور کرے تو صاف سمجھ سکتا ہے کہ یہ انسان ہر وقت آلام وشدائد میں گھرا ہوا ہے۔ تو چاہیے تو اسے یہ تھا کہ عجز وانکساری اختیار کرتا۔ مطیع اور فرمانبردار رہتا مگر اس کے غرور اور پندار کی یہ حالت ہے کہ سمجھتا ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں۔ اور احکام خداوندی کے خلاف ورزی کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تو اس انسان پر بہت احسان کئے ہیں لیکن پھر بھی یہ احسان مند بندہ ہونے کے بجائے احکام خداوندی کے سامنے اکڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دو آنکھیں دیں تا کہ انسان ان آنکھوں سے ہر طرف خدا کی نعمتوں کو دیکھے اور ان انتظامات کو دیکھے جو اس نے انسان کی پرورش کے لئے مہیا کر دیئے ہیں اس دیکھنے کے نتیجہ میں اسے اپنے رب کی صفات کو پہچاننا چاہیئے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اس کی توحید کا اقرار کرنا چاہیئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔ اس میں ایک دوسرے پہلو سے بھی چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً ایک کافر اور ناشکرا انسان اپنے کمائے ہوئے مال وزر اور دھن دولت کو اپنے دنیاوی تحفظ واستحکام اور اپنے قیام ودوام کا سبب جانتا ہے اور قادر حقیقی کی قدرت کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ مال حاصل کرنے کے آلات جن میں سے اعلیٰ چیزیں آنکھ اور وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ہیں یعنی زبان اور لب ہیں وہ تو اللہ ہی نے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر یہ اندھا اپاہج ہوتا تو کیا کماتا۔ پھر ایک کافر انسان کا یہ سمجھنا کہ نہ مجھے کوئی دیکھ رہا ہے نہ میرے حالات اور اسرار پر کوئی واقف ہے یہ بھی غلط ہے۔ جس نے انسانوں کو دیکھنے کو آنکھیں دیں کیا وہ خود دیکھتا نہ ہوگا۔ یقیناً جو سب کو بینائی دے وہ سب سے بڑھ کر بینا ہونا چاہیئے۔ پھر صرف دو آنکھیں ہی نہیں پیدا کر دیں بلکہ زبان اور دو ہونٹ بھی پیدا کر دیئے کہ اگر خود کسی میں نیک وبد کام میں تمیز کرنے کی عقل نہیں تو اس زبان کے ذریعہ کسی صاحب فہم وفراست سے ہی پوچھ لے۔ غرض کہ انسان کو چاہیئے کہ ان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو حصول سعادت کا آلہ بنائے اور کسی بری جگہ منعم حقیقی کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرے۔

انسان کی رہنمائی کا انتظام

پھر اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء ہی کے پیدا کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ انسان کو نیکی اور بدی کے دونوں راستوں سے بھی آگاہ کر دیا۔ مضر اور مفید میں امتیاز کرنے کی قوت بھی عطا کر

دی تا کہ مضر سے اجتناب کرے اور نافع پر کاربند ہو۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجنے کا بھی انتظام فرمایا۔ اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اپنی کتابیں نازل کیں جس میں انسانوں کو بتایا کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے۔ کون سے کام اچھے ہیں کون سے برے۔ کس بات سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض۔ ان سب باتوں کا مقتضا یہی تھا کہ انسان احکام الٰہی کے تابع ہوتا۔ محسن حقیقی کا شکر بجالاتا۔ اسراف سے باز آتا۔ اعمال صالحہ کرتا لیکن اس کافر انسان نے تو ایسا کرنے سے صریح انکار کر دیا۔ نیک و بد میں امتیاز کرنے کی قوت موجود ہونے کے باوجود دین کی گھاٹی میں نہ گھسا۔ اس کو تو دین حق کی پیروی پہاڑ کی طرح بوجھل معلوم ہوتی ہے۔ یہاں فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ میں دین کے کاموں کو گھاٹی یعنی دشوار گزار راستہ سے گزرنا اس لئے کہا گیا ہے کہ دین کے احکام پر چلنا نفس کو شاق گزرتا ہے کیونکہ وہ خواہشات نفسانی کے خلاف ہوتے ہیں اور برے راستہ پر چلنا آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ خواہشات کے موافق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اصلی اور حقیقی کامیابی کی منزل کی طرف چل رہے ہیں ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ آسان و ہموار راستہ پر ہی چلتے رہیں گے۔ نہیں بلکہ دین کے راستہ پر چلنے میں گھاٹیاں بھی آئیں گی۔ ناپسندیدہ حالات سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ مشکلات سے بھی واسطہ پڑے گا اور جب تک دشواریوں کی ان گھاٹیوں کو پار نہیں کیا جاوے گا منزل مقصود کی طرف بڑھنا ممکن نہ ہوگا۔

دو اعلیٰ قسم کی نیکیاں

اس کے بعد یہ سوال آیت میں کیا گیا وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ یعنی کامیابی کی اس منزل کی طرف بڑھنے میں جس دین کی گھاٹی کو پار کرنا ضروری ہے وہ ہے کیا؟ آگے خود ہی اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی دین کی گھاٹی سے مراد کسی کی گردن کو طوق غلامی سے چھڑانا ہے۔ یا اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ یعنی فقر و فاقہ کی حالت میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین فقیر مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے۔

گویا یہاں نیکی کی دو اعلیٰ اقسام بیان فرمائی گئیں۔ ایک فک رقبۃ یعنی گردن کا چھڑانا یہ الفاظ عام ہیں اور اس میں کئی صورتیں داخل ہیں۔ ایک غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے غلام کو آزاد کرا دینا۔ عرب میں ایام جاہلیت میں غلاموں پر بڑی سختی ہوتی تھی ان کو جانوروں کی طرح رکھ کر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس رسم غلامی میں بڑی اصلاح کی اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی مسلمان کے پاس غلام رہ جاوے تو اس کے ایسے حقوق قائم کئے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے۔ کوئی تکلیف سخت باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کسی نادار قرض دار کو قرضہ معاف کر کے خود آزادی دینا یا قرضہ ادا کر کے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا۔ تیسرے کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسی کو بیگار قید میں پکڑ لے اس کی خلاصی کرانا خواہ بقوت بازو خواہ مال دے کر۔ یہ سب صورتیں۔ فک رقبۃ یعنی گردن چھڑانے میں داخل ہیں۔

دوسری قسم نیکی کی اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ فرمایا یعنی فاقہ کے دن کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو کھانا کھلانا۔ یعنی احتیاج اور ضرورت کے وقت جیسا کہ ایام قحط ہوں یا کسی اور سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت میں بھوکے کو کھانا کھلانا خواہ وہ کوئی ہو مگر یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ اور یتیموں میں بھی اہل قرابت اگر ہو تو اور زیادہ ثواب و نیکی ہے یا کسی فقیر حاجتمند کو کہ فقر و فاقہ نے اسے خاک نشین بنا دیا ہو تو دین کی گھاٹی سے گزرنا یہاں دو چیزوں کو بتلایا گیا ایک تو کسی کی گردن کو طوق غلامی سے چھڑانا۔ جس میں غلام آزاد کرنا یا کرانا قرض دار کا قرض ادا کر کے مصیبت قرض سے نجات دلانا۔ ظالم کے ظلم سے مظلوم کو چھڑانا یہ سب صورتیں شامل ہیں دوسرے احتیاج کے وقت کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین فاقہ زدہ محتاج کو کھانا کھلانا۔ یعنی اصلی اور حقیقی کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لئے دین کی گھاٹی میں سے گزرنا لازمی ہے جس میں اہم گھاٹی یہ ہے کہ انسان

دوسرے انسانوں کی مصیبت کو دور کرے۔ بھوکوں کے لئے کھانے کا انتظام کرے بالخصوص اپنے قریبی رشتہ دار، لاوارث یتیم بچے اور ایسے خستہ حال مسکین جو دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں۔

اسلام اور مسئلہ غلامی

یہاں ان آیات میں کسی کو غلامی سے آزاد کرنے یا کرا دینے کو نیکی کے اعلیٰ کاموں میں سے ایک کام بتایا گیا۔ معاندین اور مخالفین اسلام جو اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھیں کہ اسلام میں مسئلہ غلامی کی حقیقت کیا ہے۔ اسلامی شریعت میں صرف ان جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ہے جو نہ تو فدیہ دے کر آزاد ہو سکیں اور نہ جن کو قیدیوں کے تبادلے کے اصول کے تحت آزاد کرنے کی گنجائش نکل سکے۔ ایسے قیدیوں کو اسلامی حکومت جیل خانوں یا کیمپوں میں رکھ کر ان سے ظالمانہ بیگار لینے کے بدلہ انہیں اسلامی حکومت لشکریوں اور مسلم سوسائٹی کے خاندانوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ایسے غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس طرح یہ توقع کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اسلامی ماحول میں رہ کر اسلام کو سمجھ سکیں گے اور وہ خوشی سے اسلام قبول کر کے مسلم سماج کا ایک جزو بن جائیں گے۔ ایسے قیدیوں یعنی غلاموں کو آزاد کرنا ایک بڑی نیکی کا کام بتایا گیا ہے۔ اور اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ ایسے غلاموں نے نہ صرف تخت و تاج پا کر حکومتیں کی ہیں بلکہ اپنے علم و فضل کی بدولت وہ مسلمانوں کی دینی پیشوائی کے اونچے مقام تک پہنچے ہیں۔

یہ سب باتیں ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں۔ پھر اس صورت میں غلام علمی و تمدنی ترقی بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب آقا و غلام میں اتحاد ہو جاتا ہے تو آقا خود چاہتا ہے کہ میرا غلام مہذب اور شائستہ ہو۔ وہ اس کو تعلیم بھی دلاتا ہے صنعت و حرفت بھی سکھلاتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں صدہا علماء و زہاد و عباد ایسے ہوئے ہیں جو اصل میں غلام تھے۔ غلاموں کے طبقہ نے تمام علوم میں ترقی حاصل کی بلکہ غلاموں کو بعض دفعہ بادشاہت بھی نصیب ہوئی ہے۔

سلطان محمود غزنویؒ کا واقعہ

سلطان محمود غزنویؒ کو مخالفین بہت بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے تلوار سے اسلام پھیلایا مگر تاریخ میں ان کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ اس سے ان کی رحم دلی اور شفقت کا اندازہ ہو جائے گا اور یہ کہ غلاموں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا۔ ایک بار سلطان محمودؒ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور بہت سے ہندو جنگ میں قید ہوئے جن کو وہ اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔ ان میں ایک غلام بہت ہونہار و ہوشیار تھا اس کو آزاد کر کے سلطان نے ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو اس کو حکومت کے عہدے دیئے گئے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کو ایک صوبہ کا مالک بنا دیا۔ صوبہ کی حیثیت اس وقت وہ تھی جو آج کل کسی بڑے والی ریاست کی حیثیت ہوتی ہے۔ جس وقت سلطان نے اس کو تخت پر بٹھلایا اور تاج سر پر رکھا تو وہ غلام رونے لگا۔ سلطان نے فرمایا کہ یہ وقت خوشی کا ہے یا غم کا۔ اس نے عرض کیا جہاں پناہ اس وقت مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آیا پھر اپنی یہ قدر و منزلت دیکھ کر رونا آ گیا۔ حضور جس وقت میں ہندوستان میں بچہ تھا تو آپ کے حملہ کی خبر سن کر ہندو کانپتے تھے اور ان کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لے کر ایسا ڈرایا کرتی تھیں جیسے ہوا سے ڈرایا کرتی ہیں میری ماں بھی مجھے اسی طرح آپ کے نام سے ڈرایا کرتی تھی۔ تو میں سمجھتا تھا کہ نہ معلوم محمود کیسا جابر و ظالم ہوگا۔ حتیٰ کہ آپ نے خود ہمارے ملک پر حملہ کیا اور اس فوج سے آپ کا مقابلہ ہوا جس میں یہ غلام موجود تھا۔ اس وقت میں آپ کے نام سے بھی ڈرتا تھا۔ پھر میں آپ کے ہاتھوں قید ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ بس اب خیر نہیں۔ مگر حضور نے دشمنوں کی روایات کے خلاف میرے ساتھ ایسا برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پر تاج سلطنت رکھا جا رہا ہے۔ تو اس وقت مجھے یہ خیال کر کے رونا آ گیا کہ کاش آج میری ماں ہوتی تو میں اس سے کہتا کہ دیکھ یہ وہی محمود ہے جس کو تو ہوا بتلایا کرتی تھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ

پھر اُن لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم کی فہمائش کی۔ یہی لوگ

اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

داہنے ہاتھ والے ہیں۔اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں وہ لوگ بائیں والے ہیں۔اُن پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کردیا جائے گا۔

ثُمَّ پھر	كَانَ ہو	مِنَ سے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے	وَتَوَاصَوْا اور باہم نصیحت کی	بِالصَّبْرِ صبر کی	وَتَوَاصَوْا اور باہم نصیحت کی
بِالْمَرْحَمَةِ رحم کھانے کی	اُولٰٓئِكَ وہ یہی لوگ	اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ برکت والے (خوش نصیب)	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جن لوگوں نے انکار کیا			
بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات	هُمْ وہ	اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ نحوست والے (بدبخت)	عَلَيْهِمْ ان پر	نَارٌ آگ	مُّؤْصَدَةٌ موندی کی ہوئی	

قبولیت اعمال کی شرط

یہ سورۃ بلد کی آخری آیات ہیں گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے ان احسانات وانعامات کا ذکر فرمایا گیا تھا۔اور پھر خیر وشر دونوں کی راہیں بتلادیں اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان سب اعمال کے مقبول ہونے کی جن کا ذکر پہلے ہوا سب سے بڑی شرط ایمان ہے یہ سارے نیک کام اسی وقت نیکی شمار ہوسکتے ہیں جب انسان پہلے توحید کا اقرار کرے اور اللہ کے سارے رسولوں کو سچا جان کر ان پر بھی ایمان لائے۔گویا اس توحید اور رسالت کا اقرار کئے بغیر کوئی نیکی نیکی نہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہر نیکی کے لئے ایمان شرط ہے ایمان کے بغیر کوئی نیکی مقبول نہیں ۔ جہاں ایمان کی بنیاد نہ ہوگی وہاں نیکی اور تقویٰ کی عمارت بن ہی نہیں سکتی پھر آگے بتلایا جاتا ہے کہ ایمان لاکر ایمان ہی پر بس کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم کی نیکی خود بھی کرے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتا رہے۔

آگے ارشاد ہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اور وہ ایک دوسرے کو باہم مہربانی' نرمی' رحم دلی اور حسن سلوک کی بھی نصیحت وتاکید کرتے رہے۔یتیموں پر شفقت چھوٹوں پر مہربانی' بے کسوں بیواؤں بے زبانوں کی چارہ سازی قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ بیماروں کی دوا کرنا۔ننگوں کو کپڑا پہنانا بھولوں کو راستہ بتلانا۔درماندوں کے کاموں میں مدد کرنا۔یہ سب صورتیں وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ میں شامل ہیں۔تو دراصل ایمان کے بعد تمام نیکیوں کی اصل دو ہی چیزیں ہیں ایک تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس لئے اس کو مقدم کیا۔دوسرے شفقت بر خلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر کیا۔

کامیاب اور ناکام کون؟

آگے بتلایا گیا کہ جو لوگ ان اوصاف حمیدہ سے موصوف ہیں یہی لوگ دراصل بڑے نصیب والے ہیں۔آخرت کی زندگی کی کامیابیاں ان ہی کے لئے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی حقیقی نعمتوں کا لطف اٹھائیں گے۔**اللھم جعلنا منھم** یہاں آیت میں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ فرمایا گیا جس کا ایک ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے نصیب والے ہیں دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ یہی لوگ داہنے ہاتھ والے ہیں۔یعنی یہی وہ خوش نصیب ومبارک لوگ ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور یہ جگہ اہل سعادت کی ہے اور جن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔جو اہل جنت میں سے ہونے کی نشانی ہے۔ان اہل کمال کے بعد ازلی بدبختوں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی حقیقتوں کا انکار کرتے ہیں۔ نہ اللہ اور اس کے رسول اور کتاب پر ایمان لاتے ہیں نہ ان کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں تو یہ لوگ بڑے ہی بدقسمت ہیں۔منحوس اور شامت زدہ ہیں جن کا

اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جو جہنمی ہونے کی نشانی ہے اور جو عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے جو مجرموں کے کھڑا ہونے کی جگہ ہوگی۔ انہیں اپنے کفر اور غلط روش کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جہنم میں ڈال کر اس کے سب دروازے نکلنے کے بند کر دیئے جائیں گے۔

اللهم لاتجعلنا منهم.

خلاصہ

اس سورت کا موضوع انسان کی سعادت اور شقاوت ہے' سورت کی ابتداء میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی اس کی زندگی محنت و مشقت اور جفاکشی سے عبارت ہے' کبھی فقر و فاقہ' کبھی بیماری اور دکھ' کبھی حوادث اور آلام' پھر بڑھاپا اور موت' قبر کی تاریکی اور منکر نکیر کے سوالات' قیامت اور اس کی ہولناکیاں غرضیکہ ابتداء سے انتہاء تک مشقت ہی مشقت۔

اس کے بعد ان کفار کا تذکرہ ہے جنہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا' وہ فخر و ریا کی نیت سے اموال خرچ کرتے تھے' ایسے لوگوں کو آنکھوں' ہونٹوں' زبان اور ہدایت جیسی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں۔ پھر قیامت کے شدائد و مصائب کا تذکرہ ہے جن سے ایمان اور عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز چھٹکارا نہیں دے سکتی' سورت کے اختتام پر انسانوں کو 'اونچی گھاٹی'' پر چڑھنے کا حکم دیا گیا ہے' اونچی گھاٹی سے مراد وہ اعمال ہیں جو نفس پر شاق گزرتے ہیں یعنی انسانوں کی گردنیں چھڑانا غلامی سے' قید و بند سے اور جہنم کی آگ سے یونہی یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا' اس کے ساتھ چند اور صفات کا ہونا بھی ضروری ہے یعنی ایمان باللہ' ایک دوسرے کو صبر کی اور آپس میں رحم کرنے کی وصیت۔

سورۃ البلد کے خواص

۱......بچہ جب پیدا ہو تو فوراً اس پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کرنے سے وہ بچہ ہر قسم کی مضرت رساں مخلوقات سے محفوظ ہو جائے گا۔

۲......وہ لوگ جو مالی مشکلات کا شکار ہوں اور اپنی گزران میں تنگ ہوں تو ان کے لیے یہ سورۃ کسی خزانہ سے کم نہیں ہے، صبح کی نماز سے پہلے اور بعد میں اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنالیں، ان شاء اللہ کبھی ان کی جیب پیسوں سے خالی نہ ہوگی۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا اور ہم کو ان گنت انعامات واحسانات سے نوازا۔ یا اللہ ہمیں اپنے شکر گزار اور احسان مند بندوں میں شامل فرمالیجئے اور ہم کو دوسروں کے ساتھ احسان کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمه کا مصداق بنادیجئے۔

یَااَللّٰہُ میں ہر اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں جس کی لذت سے میں نے ساری رات کالی کر دی' اس کی فکر میں دماغ سوزی کرتا رہا' رات سیاہ کاری میں گزاری اور صبح نیک بن کر باہر آیا حالانکہ میرے دل میں بجائے نیکی کے وہی گناہ کی گندگی بھری رہی۔

یَااَللّٰہُ تیری ناراضگی کا کوئی خوف ہی نہ کیا' میرا کیا حال ہوگا۔ الٰہی! مجھے اپنی مہربانی سے معاف فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ اور چاند کی جب سورج سے پیچھے آوے۔ اور دن کی جبکہ وہ اس کو خوب روشن کردے۔ اور رات کی جب وہ اس کو چھپالے۔ اور آسمان

وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸

کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا اور زمین کی اور اس کی جس نے اس کو بچھایا۔ اور جان کی اور اسکی جس نے اسکو درست بنایا۔ پھر سمجھ دی اسکو بدی کی اور پرہیزگاری کی

وَالشَّمْسِ سورج کی قسم	وَضُحٰهَا اور اس کی روشنی	وَالْقَمَرِ اور چاند کی	اِذَا جب	تَلٰهَا اسکے پیچھے نکلے	وَالنَّهَارِ اور دن کی	اِذَا جب	جَلّٰهَا وہ روشن کردے
وَالَّيْلِ اور رات کی	اِذَا جب	يَغْشٰهَا اسے ڈھانپ دے	وَالسَّمَآءِ اور آسمان کی	وَمَا اور جس	بَنٰهَا اُسے بنایا	وَالْاَرْضِ اور زمین کی	وَمَا اور جس
طَحٰهَا اسے پھیلایا	وَنَفْسٍ اور نفس کی	وَمَا اور جس	سَوّٰهَا اسے درست کیا	فَاَلْهَمَهَا اسکے دل میں ڈالی	فُجُوْرَهَا اسکا گناہ	وَتَقْوٰهَا اور اسکی پرہیزگاری	

سورۃ کی وجہ تسمیہ' زمانہ نزول اور موضوع

اس سورۃ کی ابتدا ہی وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا سے فرمائی گئی ہے یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ چونکہ اس سورۃ کی ابتداء ہی لفظ والشمس یعنی آفتاب یا سورج سے ہوئی ہے۔ اس لئے اس سورۃ کا نام ہی الشمس قرار پایا۔ یہ مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ یہ ایمان واسلام کے ابتدائی دور کی ایک سورۃ ہے جب کہ قریش اور اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کر رہے تھے۔ اللہ کے رسول کی باتوں کو جھٹلاتے تھے اور جن حقیقتوں کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے تھے وہ انہیں سچا نہ جانتے تھے۔ اس سورۃ میں اہل مکہ کو متنبہ کیا جارہا ہے اور گذشتہ واقعات میں سے قوم ثمود کے ایک مشہور واقعہ کی طرف جو اہل عرب میں مشہور تھا متوجہ کیا گیا کہ دیکھو اللہ کے رسول کی تکذیب اور اس سے سرکشی اور حق کے مقابلہ میں ڈھٹائی اختیار کرنے کی سزا اس سے پہلے قوم ثمود کو مل چکی ہے۔ اس سے تمہیں سبق لینا چاہئے اگر تم اپنی روش سے باز نہ آئے تو پھر اس جیسا انجام تمہارا بھی ہوگا۔ یہی ہے خلاصہ مفہوم اس سورۃ کا اور اگرچہ یہ سورۃ مختصر ہے لیکن توحید اور آخرت کی پوری دعوت اور اس کو نہ ماننے کے نتائج پوری طرح اس میں سمیٹ دیئے گئے ہیں۔

سورج اور اس کی روشنی کی قسم

اس سورۃ کی ابتدا بھی قسموں سے ہوئی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متعدد اشیاء کی قسم کھائی ہے۔

پہلی قسم ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ اب یہاں ہر قسم میں جن امور کی طرف اشارہ ہے اس کو مفسرین نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ آفتاب اور اس کی روشنی وحرارت دنیوی حیاۃ کے لئے ضروری ہے۔ سورج اور اس کی روشنی وگرمی کے بغیر نہ دنیا میں انسان وحیوان زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ نباتات نشوونما پا سکتے ہیں تو جس طرح دنیوی حیاۃ میں شمس یعنی آفتاب کے بغیر چارہ نہیں اسی طرح آفتاب نبوت کے بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت اور آپ کی روحانی روشنی وگرمی کے بغیر طالبان آخرت کے لئے چارہ نہیں۔

چاند کے طلوع ہونے کی قسم

دوسری قسم ہے وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (اور قسم ہے چاند کی) جب وہ سورج کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہو۔ انسانی زندگی کے لئے چاند میں بھی متعدد فوائد رکھے گئے ہیں۔ اس کی ٹھنڈی اور خوشگوار

روشنی سے پھلوں اور پھولوں میں رنگ خوشبو اور رس پڑتا ہے۔ سمندر میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے۔ اور رات کی تاریکی میں چاند آفتاب کا نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب نبوت کے بعد نائبان اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں اور جس طرح چاند کی روشنی نور آفتاب کا پرتو ہوتا ہے۔ اسی طرح نائبان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی بھی آپ ہی کا پرتو ہے۔

روشن دن کی قسم

تیسری قسم ہے وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا قسم ہے دن کی جب وہ آفتاب کو خوب روشن کر دے۔ دن میں لوگ کام کاج کرتے ہیں کیونکہ رات کی تاریکی جاتی رہتی ہے۔ اور اپنے لئے فائدہ حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اچھے برے میں تمیز کرتے ہیں۔ اسی طرح دین محمدی کی معرفت اور روشنی میں حق و باطل اور خیر وشر میں امتیاز ہوسکتا ہے۔

تاریک رات کی قسم

چوتھی قسم ہے۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپالے یعنی اس قدر تاریک ہو جائے کہ آفتاب کی روشنی کا کچھ اثر باقی نہ رہے۔ رات کو لوگ آرام کرتے ہیں اور دن کے مشاغل اور دنیاوی کاروبار چھوڑ کر راحت لیتے ہیں۔ اگر نفس انسانی کو یہ رات کا آرام نہ ملے تو انوار دائمیہ اس کو سست اور معطل کر دیں اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بڑے عابد زاہد صحابی سے فرمایا تھا کہ رات کو سوؤ بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھو اور یہ بھی فرمایا تھا کہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اس کو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو۔

آسمان اور اسکے بنانیوالے کی قسم

پانچویں قسم ہے۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا یعنی اس بنانے والے پر قربان جایئے جس کے حکم سے یہ رفیع الشان عمارت بنی۔ آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے۔ اور زمین کی نباتات کو ایک نئی زندگی بخشتی ہے ایسے ہی شریعت محمدی جو آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال واحوال عقائد و اعمال کو محیط ہے انسان کو کفر کی مردہ زندگی سے نکال کر حیات جاودانی کی راہ دکھاتی ہے۔

زمین اور اسکے بچھانے والے کی قسم

چھٹی قسم ہے وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا یعنی کیا کہنے اس ذات والا صفات کے جس نے عجیب پر حکمت زمین بنائی۔ جیسے زمین میں تخم ریزی کی جاتی ہے پھر جس قدر اس میں قابلیت ہوتی ہے اس قدر نباتات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اسی طرح نفس انسانی کی استعداد کے موافق اس میں تخم معرفت نشوونما پاتا ہے۔

انسان اور اس کے خالق کی قسم

ساتویں قسم ہے وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا یعنی جس نے ہر طرح اس کی صورت وشکل اور اعضاء و جوارح درست طور پر بنائے اور انسان کو بہترین شکل وصورت عطا کی۔ اگر انسان کے قوائد ظاہریہ و باطنیہ پر غور کیا جائے تو اس کی آراستگی حیرت انگیز ہے۔ اس نحیف سے خاکی پتلے میں کیا کچھ توتیں قدرت نے ودیعت فرمائی ہیں پہلی چھ قسمیں جن چیزوں کی کھائی گئی ہیں اس نفس انسانی ہی کے لئے بنائی گئی ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ انسان کو حواس ظاہری و باطنی دیئے اور اس کے ظاہری اعضاء کو درست کیا بلکہ اس کی روحانی درستی اور اصلاح کے لئے اس کو نیکی بدی اور بھلائی برائی کی پہچان بھی عطا کر دی گئی۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا نفوس حیوانیہ کی طرح یہ انسان نامکمل نہیں رکھا گیا کہ اپنی شقاوت وسعادت اخرویہ کو نہ جانتا ہو اور صرف کھانے پینے اور سونے اور شہوات کو پورا کرنے کا طریقہ جانتا ہو۔ انسان کو اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی برائی میں فرق کرنے کی قدرت نے سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء ورسل کی زبانی خوب کھول کھول بتلا دیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ راستہ نیکی و پرہیزگاری کا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾

یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کرلیا۔ اور نامراد ہا جس نے اُس کو دبا دیا۔

قَدْ اَفْلَحَ کامیاب ہوا	مَنْ جو	زَكّٰىهَا اس کو پاک کیا	وَ اور	قَدْ خَابَ تحقیق نامراد ہوا	مَنْ جو۔ جس	دَسّٰىهَا اسے خاک میں ملایا	

نفس کو سنوارنے والا کامیاب اور نہ سنوارنیوالا ناکام ہے

گذشتہ ابتدائی آیات میں چند مہتم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر جواب قسم میں جو ارشاد فرمایا گیا وہ یہی دو آیات ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

بلاشبہ وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اس نفس کو سنوارا اور بیشک وہ نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں ملایا۔ ان دو آیتوں میں قرآنی دعوت کا خلاصہ انتہائی مختصر الفاظ میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ نفس کے سنوارنے کا کیا مطلب ہے جس کے نتیجہ میں فلاح یعنی کامیابی میسر آ سکتی ہے اور قرآن پاک کی زبان میں فلاح یا کامیابی کا کیا مطلب ہے؟ اسی طرح نفس کو خاک میں ملا دینے اور اس کے نتیجہ میں نامراد رہنے سے کیا مراد ہے؟

وہ کونسی کامیابی ہے جو تزکیۂ نفس پر میسر آتی ہے اور وہ کون سی نامرادی ہے اور ناکامی ہے جو نفس کو نہ سنوارنے پر پیش آنی لازمی ہے؟۔ ان سوالات کے جواب میں پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ جو انسان میں خلقۃً رکھی گئی ہیں ان کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے تاکہ روح وقلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔ اور نفس کو خاک میں ملا چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ ڈور یکسر شہوت اور غضب کے ہاتھ میں دیدے عقل اور شرع سے کچھ سروکار نہ رکھے۔ گویا خواہش اور ہوا کا بندہ بن جائے۔ پہلی صورت میں نفس کو سنوارنے پر وعدہ اور بشارت ہے فلاح اور کامیابی کی اور دوسری صورت یعنی نفس سے غفلت برتنے اور اس کو نہ سنوارنے پر انسان کے لئے ناکامی ونامرادی بتلائی گئی۔

کامیابی کسے کہتے ہیں

اب یہ جاننا چاہئے کہ قرآن پاک کی زبان میں فلاح یا کامیابی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کم فہم تو کامیابی کا مطلب یہی سمجھتے ہیں کہ انسان کو ایک لمبی عمر تک دنیا میں رہنا نصیب ہو۔ اس کی صحت اچھی رہے قوت بحال رہے۔ دنیوی اعتبار سے وہ خوب خوشحال ہو۔ مال بھی ہو اولاد بھی ہو۔ ہر طرح کا چین وآرام نصیب ہو لوگوں میں عزت کا مقام بھی حاصل ہو۔ غرض ہر اعتبار سے وہ شخص پھول پھل رہا ہو۔ کم فہم ایسے ہی شخص کو سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا کامیاب ہے لیکن قرآن کریم میں ''کامیابی'' کا جو مفہوم جگہ جگہ پیش کیا گیا ہے اس کے اعتبار سے ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ قرآن میں فلاح کا لفظ صرف دنیوی کامیابی کے محدود معنیٰ میں نہیں آیا ہے بلکہ اس سے مراد وہ ہمیشہ رہنے والی کامیابی ہے جس کے بعد کبھی کسی ناکامی یا خسارہ کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ دنیا میں چاہے کسی کو مال دولت ملا ہو یا نہ ملا ہو۔ دنیا میں اس کی حالت جیسی رہی ہو انتہا یہ ہے کہ چاہے اس نے اس زندگی میں کبھی چین وسکھ نہ پایا ہو لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن کے بتائے ہوئے کامیابی کے مفہوم کے اعتبار سے انتہائی کامیاب شخص ہو اور اس کے برخلاف ایک ایسا شخص جس نے یہاں دنیا میں ہر طرح چین ہی چین دیکھا ہو اور دنیوی اعتبار سے لوگ اسے کتنا ہی کامیاب کیوں نہ جانتے ہوں لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ انتہائی ناکام اور نامراد شخص ہوسکتا ہے۔

کامیاب ہونے والوں کی خصوصیات

اس سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ فلاح پانے والوں کی کچھ خصوصیات اور علامات جو قرآن پاک نے جگہ جگہ بیان کی ہیں سامنے رکھی جائیں تاکہ انہیں دیکھ کر ہر شخص یہ کوشش کرسکتا ہے کہ اگر

وہ بھی اس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے جن کے نفس کا تزکیہ ہو چکا ہو اور جو ناکامی اور نامرادی سے بچا ہوا ہو تو اسے اپنے اندر کیا صفات اور کس قسم کی خوبیاں پیدا کرنی ہوں گی۔ اس سلسلہ میں مختلف سورتوں کی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

(۱) چوتھے پارہ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۰۴ میں ارشاد ہے:۔

''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں۔ بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔''

(۲) پھر اسی چوتھے پارہ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو! یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ فلاح پاؤ گے''۔

(۳) پھر اسی چوتھے پارہ سورۂ آل عمران کی آخری آیت ۲۰۰ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو خود صبر کرو۔ اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

(۴) چھٹے پارہ سورۂ مائدہ میں آیت ۳۵ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد و جدوجہد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

(۵) ساتویں پارہ سورۂ مائدہ آیت ۱۰۰ میں ارشاد ہے:۔

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے گو تجھے ناپاک کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو۔ سو اے عقل والو اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

(۶) اسی ساتویں پارہ سورۂ مائدہ آیت ۹۰ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو! شراب اور جوا، بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی''۔

(۷) نویں پارہ سورۂ اعراف آیت ۱۵۷ میں ارشاد ہے:۔

''لہذا جو لوگ ان پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور دین قائم کرنے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ان کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو ان کے ساتھ نازل کی گئی ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۸) دسویں پارہ سورۂ انفال آیت ۴۵ میں ارشاد ہے: ''اے ایمان والو جب (حق و باطل کی کشمکش کے میدان میں) کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

(۹) دسویں پارہ سورۂ توبہ آیت ۸۸-۸۹ میں ارشاد ہے:۔

''البتہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو لوگ ان کی ہمراہی میں ایمان لا چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں۔ اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں یعنی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

(۱۰) سترہویں پارہ سورۃ الحج آیت ۷۷ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور بھلائی کے کام کرتے رہو۔ امید ہے کہ اس طرح تم فلاح پاؤ گے''۔

(۱۱) اٹھارویں پارہ سورہ مومنون آیت ۱۱ میں ارشاد ہے:۔

''یقیناً فلاح پائی ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ جو لغو بات سے دور رہتے ہیں جو زکوٰۃ کے طریقہ پر عامل ہوتے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور اپنی باندیوں کے کہ ان پر وہ قابل ملامت نہیں البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہ زیادتی کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

(۱۲) اٹھارویں پارہ سورۂ نور آیات ۵۱-۵۲ میں ارشاد ہے:۔

''ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمہ کا فیصلہ کریں تو وہ کہیں

کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں''۔

(۱۳) بائیسویں پارہ سورۂ احزاب آیت ۷۱ میں ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا''۔

(۱۴) ۲۸ ویں پارہ سورۃ الجمعہ آیت ۱۰ میں ارشاد ہے:۔

''پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

(۱۵) ۲۸ ویں پارہ سورۂ تغابن آیت ۱۶ میں ارشاد ہے:۔

''سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو اور اپنے حق میں بھلائی کیلئے خرچ کرتے ہو اور جو کوئی محفوظ رہا حرص نفسانی سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو دائمی اور سچی کامیابی کی راہ پر چلنا نصیب فرمائیں اور ناکامی و نامرادی کی راہ سے بچنا مقدر فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو عزم و ہمت نصیب فرمایئے کہ ہم دنیا میں اپنے نفس کا تزکیہ کر لیں۔ اور ان صفات کو اپنا لیں کہ جو آخرت کی کامیابی دلانے والی ہیں۔

یا اللہ اپنے کامیاب بندوں میں ہم کو بھی شامل فرما لیجئے اور جس فلاح و کامیابی کی قرآن کریم نے نشاندہی فرمائی ہے اسی کامیابی کو ہمارے لئے مقدر فرمایئے۔ آمین۔

یَااَللّٰہُ میں نے کتنی بار توبہ کی، قسمیں کھائیں، واسطے دیئے کہ اب یہ گناہ نہ کروں گا لیکن جب شیطان نے اس گناہ کی طرف دعوت دی، مجھے میرے نفس نے اس کو مزین کر کے سامنے کیا تو میں نے بے دھڑک اس گناہ کا ارتکاب کیا۔ افسوس مجھے لوگوں سے تو حیا آئی لیکن آپ سے کبھی حیا نہ کی کہ آپ ہر وقت دیکھنے اور خبر رکھنے والے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ سے کہاں چھپ سکتا ہوں نہ کوئی مکان، نہ اندھیرا، نہ کوئی حیلہ و تدبیر آپ سے اوجھل کر سکتا ہے۔ افسوس میری اس جرأت پر کہ جس کام کو آپ نے منع کیا تھا میں نے جان کے بھی مخالفت کی پھر بھی آپ نے پردہ فاش نہ کیا بلکہ اپنے بندوں میں اس طرح شامل رکھا کہ گویا میں بھی آپ کا فرمانبردار بندہ ہوں۔ ان گناہوں سے شرمندہ ہوں کہ ان کو سوائے آپ کے اور کوئی نہیں جانتا اگر آپ چاہتے گناہ کرنے کے بعد کوئی نشان چہرے پر لگا دیتے لیکن اے اللہ! تو نے نیکوں کا سا چہرہ بنائے رکھا، لوگوں کی نگاہ میں باعزت رہا۔ لوگ مجھے اپنے نزدیک اچھا ہی سمجھتے رہے ورنہ میں تو جیسا تھا آپ کے علم میں ہے، یہ محض آپ ہی کا فضل و کرم تھا۔ الٰہی! ایسے سب گناہ میرے بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىهَآ ۞ ١١ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا ۞ ١٢ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ۞ ١٣

قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب تکذیب کی۔ جب کہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بد بخت تھا اٹھ کھڑا ہوا۔ تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ کی اونٹنی سے اور اسکے پانی پینے سے خبردار رہنا۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۙ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰىهَا ۙ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ۞ ١٥

سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اُس اونٹنی کو مار ڈالا۔ تو اُن کے پروردگار نے اُن کے گناہ کے سبب اُن پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس کو عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوا۔

كَذَّبَتۡ جھٹلایا	ثَمُوۡدُ ثمود	بِطَغۡوٰىهَا اپنی سرکشی	اِذِ جب	انۡۢبَعَثَ اُٹھ کھڑا ہوا	اَشۡقٰىهَا اس کا بدبخت	فَقَالَ تو کہا	لَهُمۡ ان سے	رَسُوۡلُ رسول
اللّٰهِ اللہ	نَاقَةَ اللّٰهِ اللہ کی اونٹنی	وَسُقۡيٰهَا اور اسکی پانی کی باری	فَكَذَّبُوۡهُ پھر اس کو جھٹلایا	فَعَقَرُوۡهَا پھر اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں	فَدَمۡدَمَ پھر ہلاکت ڈالی			
عَلَيۡهِمۡ اُن پر	رَبُّهُمۡ انکا رب	بِذَنۡۢبِهِمۡ انکے گناہ کے سبب	فَسَوّٰىهَا پھر انہیں برابر کردیا	وَلَا يَخَافُ اور وہ نہیں ڈرتا	عُقۡبٰهَا اُن کا انجام			

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات میں جو یہ فرمایا گیا تھا کہ جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی اور اسے پاک صاف بنالیا وہ یقیناً مراد کو پہنچا کہ زندگی کے اصل مقصد کے حصول میں کامیاب ہو گیا لیکن جس نے اپنے نفس کی اصلاح نہ کی اور جو ہر انسانی کو خاک میں ملا دیا وہ یقیناً نامراد و ناکام ہوا۔ اب اس کے ثبوت میں عبرت دلانے کیلئے قوم ثمود کے مشہور تاریخی واقعہ کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے۔

قوم ثمود کے تذکرہ کی حکمت

عرب کے لوگ خوب جانتے تھے کہ قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا۔ اور جب بد بخت قوم کی سرکشی اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا جسے اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے طلب کردہ نشانی کے موافق بطور معجزہ پتھر کی چٹان سے پیدا کیا تھا تو پھر ان کی مہلت ختم ہوگئی اور اللہ کے غضب نے انہیں آ دبوچا اور پوری قوم ثمود کے سرکش و نافرمان ہلاک کر ڈالے گئے۔ پھر قوم ثمود کا یہ واقعہ مکہ کے کفار قریش کے حال سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ مثلاً جس طرح قوم ثمود نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا تھا اسی طرح کفار مکہ بھی اللہ کے آخری برگزیدہ رسول کو جھٹلا رہے تھے۔ جس طرح ثمود نے اپنے نبی کے قتل کی سازش کی تھی اسی طرح کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی تھی۔ اس طرح اگرچہ ان آیات میں ایک پچھلے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن سننے والے یعنی مخاطبین اول اہل مکہ محسوس کر سکتے تھے کہ بات دراصل ان کی اپنی ہے مقصود اہل مکہ کو یہ بتلانا ہے کہ جن غلطیوں کی وجہ سے قوم ثمود پر عذاب آیا اس جیسی غلطیوں کی وجہ سے کفار قریش مکہ کی پکڑ نہ ہو جائے۔

بد بخت قوم کا ظلم اور ہلاکت

یہاں اس سورۃ میں قوم ثمود کے واقعہ کو مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور یہ کام انہوں نے اپنی طاقت وقوت اور زور وغلبہ کے گھمنڈ میں کیا تھا یہاں تک کہ اس قوم ثمود میں سے ایک بڑا بد بخت اس اونٹنی کو جو بطور معجزہ کے پیدا ہوئی تھی قتل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور اس کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہوئے۔ جب صالح علیہ السلام کو قوم کا یہ بدارادہ معلوم ہوا تو آپ نے قوم کو بتاکید فرمادیا کہ خبردار اللہ کی اونٹنی کو قتل نہ کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا۔ یہاں آیت میں نَاقَةَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی اونٹنی فرمایا گیا اور یہ اس لئے کہ یہ اونٹنی خدا کی طرف سے بطور معجزہ پیدا ہوئی تھی۔ یہ اضافت تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لئے جیسے خانہ کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا گھر ورنہ خدائے پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہتا ہو۔ یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک نشانی تھی اس کی قدرت کاملہ کی اور ایک خاص طرز سے پیدا ہوئی تھی بطور معجزہ کے اس لئے اس کو نَاقَةَ اللّٰهِ (یعنی اللہ کی اونٹنی) فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بتاکید قوم سے فرمادیا تھا کہ اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ سخت دردناک عذاب میں پھنس جاؤ گے۔ لیکن

بد بخت قوم نے اس بات کو جھوٹ سمجھا اپنے پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ آخر وہی ہوا جو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل بد کی وجہ سے سب کو غارت کر کے زمین کے ساتھ برابر کر دیا یعنی خاک میں ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

اخیر میں فرمایا گیا وَلَا یَخَافُ عُقْبٰہَا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوا یعنی جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کی سزا دہی کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے۔ یا انتظام ملکی میں خلل نہ پڑے۔ یا ملک میں عام بغاوت نہ ہو جائے کہ جس سے بادشاہ کی بدنامی ہو یا ذرائع آمدنی میں کمی آ جائے یا اس طرح کا کوئی اور اندیشہ ہو اور اسی لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومتیں اپنی منشاء کے خلاف کتنی ہی ایسی باتیں برداشت کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ جنہیں لوگ کثرت سے اختیار کر لیتے ہیں۔ بہت بڑی تعداد کو سزا دینا مصلحت کے خلاف سمجھا جاتا ہے لیکن خدا کی ذات ان تمام کمزوریوں سے کہیں بالاتر ہے۔ نہ اس کے مقابلہ میں کسی بغاوت کا امکان ہے نہ اس کی حکومت انسانوں کی اطاعت اور سہارے کے بل پر قائم ہے۔ اس کی طرف سے اگر باغیوں کو ڈھیل بھی دی جاتی ہے تو وہ کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت دی جاتی ہے۔ کسی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے نہیں۔ الغرض آیت ولایخاف عقبھا جس پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اس کی قدرت و حکمت کو ظاہر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا نہایت بلند و صحیح تصور پیش کرتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی دعوت سے انکار کے برے انجام سے ڈرانے کے لئے یہ سورہ باوجود مختصر ہونے کے انتہائی موثر ہے۔ اس میں وہ اصولی بات بتلائی گئی جو قرآنی دعوت کی جان ہے یعنی انسان کی اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو شرک و کفر اور اخلاقی گندگیوں سے پاک کرے جس نے اس میدان میں کامیابی حاصل کر لی وہی کامیاب و بامراد ہو گیا اور جو اس معاملہ میں ناکام رہا۔ اور اپنے نفس کو گندگیوں سے آلودہ کر لیا وہ انجام میں تباہ و نامراد رہا۔

خلاصہ

اس سورت کا اصل مقصود نیکیوں کی ترغیب اور معاصی سے بچاؤ اور تحذیر ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں تکوینی مخلوقات میں سے سات ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو سب کی سب اللہ کی قدرت اور وحدانیت کے آثار ہیں یعنی سورج چاند دن رات' آسمان' زمین اور نفس انسانی' ان چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنے رب سے ڈرے اور اپنے نفس کا تزکیہ کر لے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور اگر اس کی تربیت سے غفلت اختیار کرے اور اس کو گندگی میں پڑا رہنے دے تو ناکام ہو جاتا ہے۔

اللہ نے انسان کے اندر نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت رکھی ہے' اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کونسی صلاحیت کو بروئے کار لاتا ہے' اس تفصیل کے بعد یہ سورت ہمارے سامنے مثال اور نمونہ کے طور پر قوم ثمود کا قصہ بیان کرتی ہے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا بلکہ اسے معاصی کا عادی بنا دیا جس کی وجہ سے وہ ہلاکت کے مستحق ہو گئے۔

سورۃ الشمس کے خواص

۱- جو آدمی کثرت کے ساتھ اس سورۃ کی قراءت کرے تو وہ ہر جگہ اور ہر میدان میں کامیاب و کامران ہو گا۔

۲- جو آدمی سورۃ الشمس سے دم کیا ہوا یا سورۃ الشمس لکھ کر اسے پانی سے دھو کر وہ پانی پیئے اگر اس پر گھبراہٹ اور خوف ہو تو وہ جاتا رہے گا۔

۳......اگر دشمن کا گھر ویران کرنا مقصود ہو تو ایک ایسی ٹھیکری پر سورۃ الشمس لکھے جسے غیر شادی شدہ آدمی نے بنایا ہو، پھر اس ٹھیکری کو کوٹ لے اور دشمن کے مکان میں بکھیر دے۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہمارے نفوس کا بھی تزکیہ فرما دیں اور نفس کی گندگیوں سے ہمارے قلوب کو پاک فرمائیں اور نفس کی شرارتوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

41

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِحْدٰى وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳﴾

قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھپالے۔اور دن کی جب کہ وہ روشن ہوجاوے اور اُس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾

کہ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔

وَالَّيْلِ رات کی قسم	اِذَا جب	يَغْشٰى وہ ڈھانک لے	وَالنَّهَارِ اور دن کی	اِذَا تَجَلّٰى جب وہ روشن ہو	وَمَا خَلَقَ اور جو اس نے پیدا کیا	
الذَّكَرَ نر	وَالْاُنْثٰى اور مادہ	اِنَّ بیشک	سَعْيَكُمْ تمہاری کوشش	لَشَتّٰى مختلف		

وجہ تسمیہ زمانہ نزول

اس سورۃ کی ابتدا ہی لفظ وَالَّيْلِ سے ہوئی ہے لیل کے معنی رات کے ہیں۔اس لئے علامت کے طور پر اس کو سورۃ الیل کہا جاتا ہے یہ بھی مکی سورۃ ہے اور اس کا نزول مکہ میں دعوت اسلام کے ابتدائی دور میں ہوا ہے۔

شان نزول دو مختلف کردار

اس سورۃ کا مضمون اگر چہ عام ہے لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ اس سورۃ کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور کفار مکہ میں امیہ بن خلف کے متعلق ہوا۔حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سبب نزول اس سورۃ کا یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں دو شخص رئیسوں میں بڑے مالدار تھے۔ایک حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرا امیہ بن خلف اور ان دونوں کا معاملہ مال صرف کرنے میں مختلف تھا۔امیہ مال بہت رکھتا تھا اور متعدد غلاموں کو تربیت کر کے ہر ایک کو ایک ایک کام سپرد کیا تھا۔کوئی کھیتی کا نگران تھا۔کوئی میووں کے باغ کا۔کوئی قیمتی کپڑوں کی تجارت پر تعینات تھا۔کوئی مواشی اور جانوروں پر مقرر تھا تاکہ دودھ دہی اور نسل کی خبرداری کرے۔اس تدبیر سے بہت مال جمع کیا تھا مگر باوجود ثروت و مالداری کے ایک کوڑی غریب و فقیر کو نہیں دیتا تھا اور اگر کبھی کوئی غلام کسی محتاج کو کچھ دے دیتا تو اس پر خفا ہوتا اور اگر کوئی اس کم بخت کو بطور نصیحت کچھ سمجھاتا تھا کہ باوجود اس کثرت مال کے اللہ کی راہ پر محتاجوں اور مسکینوں کو کس واسطے نہیں دیتا اور آخرت کا ذخیرہ کیوں نہیں کرتا تو وہ بد بخت اس کے جواب میں کہتا کہ اول تو آخرت ہے کہاں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو اس قدر مال دولت اسباب اور اولاد میں نے جمع کیا ہے کہ مجھ کو کچھ احتیاج جنت کی نعمتوں کی نہیں ہے جن کی طمع اور لالچ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فقیروں اور محتاجوں کو دیتے ہیں اور اس سبب سے ان لوگوں کو اپنا گرویدہ کرتے ہیں۔مجھ کو کچھ پروا نہیں۔اس کے غلاموں میں ایک حضرت بلالؓ بھی تھے جو پوشیدہ طور پر اسلام لے آئے تھے۔جب اس کو آپ کے اسلام لانے کی خبر پہنچی تو اس ملعون نے کہا کہ اس دین کو چھوڑ دے نہیں تو میں بری طرح سے پیش آؤں گا۔اور مارتے مارتے مار ہی ڈالوں گا۔حضرت بلالؓ نے کہا کہ میں تو اس دین سے اب پھر نہیں سکتا تیرا جو جی چاہے سو کر۔اس شقی ازلی نے اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ دن چڑھتے ان کے بدن میں ببول کے کانٹے چبھویا کرو اور جب آفتاب خوب گرم ہو تب دھوپ میں ان کو چت لٹا کر سر سے پیر تک ان پر گرم پتھر رکھ دیا کرو

تا کہ ہل نہ سکیں اور ان کے گرد آگ جلا دیا کرو اور جب شام ہو تو ہاتھ پیر باندھ کے اندھیرے مکان میں قید رکھو اور باری باری سے رات بھر کوڑے مارا کرو اور صبح تک یہ مار موقوف نہ کرو۔ اللہ! اللہ! اسی طرح سے کتنے دنوں تک حضرت بلالؓ اس مصیبت میں گرفتار رہے۔ مگر اس پر بھی پکار پکار کر احد احد کہا کئے۔ یعنی معبود میرا ایک ہی ہے۔ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ رات کے وقت اس طرف سے گزرے اور اس ملعون امیہ بن خلف کے مکان سے آواز آہ وزاری کی آپ کے کان میں پڑی۔ آپ نے پوچھا کہ اس گھر میں کیا ہوتا ہے اور یہ آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بلال نامی ایک غلام ہے اس کو مارا جاتا ہے اور یہ آواز اس غلام کے رونے کی ہے۔ اے اللہ اپنے اس شیدائی اسلام اور عاشق رسول کے آنسوؤں اور آہ وبکا کے طفیل میں تو ہم کو بھی اسلام پر استقامت نصیب فرما اور اپنے سچے دین کی نہ مٹنے والی سچی محبت عطا فرما۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ معلوم ہو کر نہایت رنج وقلق ہوا اور صبح کے وقت اس کے گھر پر آپ پھر تشریف لے گئے اور اس مردود ظالم امیہ بن خلف کو نصیحت کرنا شروع کی کہ خدا سے ڈر اور اس غلام پر اتنا ظلم ناحق مت کر اس واسطے کہ اس نے سچے دین کو قبول کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی دوستی اور رضامندی کو اختیار کیا ہے تجھ کو چاہیے کہ اس غلام کو غنیمت جان اور اس کے ساتھ احسان کر کہ آخرت میں تیرے کام آوے گا۔ اس ملعون امیہ بن خلف نے کہا کہ آخرت ہے کہاں اور دین کہاں سے معلوم ہوا کہ سچا ہے۔ اور اگر بالفرض آخرت ہوئی بھی تو مجھ کو دنیا میں کس چیز کی کمی ہے کہ آخرت کی نعمتوں پر جو فقط وہم اور خیال ہے فریفتہ ہوں۔ میرے پاس دنیا میں بھی بہشت موجود ہے چنانچہ تم بھی جانتے ہو کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو میرے کارخانہ میں کثرت سے موجود نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پھر اسے سمجھایا اور نصیحت کی کہ میرا کہا مان۔ اس بے چارے مسکین پر ظلم کرنے سے باز آ۔ اس بد بخت نے کہا کہ اگر تمہارا دل اس پر ترس کھاتا ہے تو تم بھی مالدار ہو اور آخرت کا اعتقاد رکھتے ہو۔ تم ہی ثواب کماؤ اور اس غلام کو

مجھ سے خرید لو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو اس بات کی آرزو دل میں رکھتے تھے۔ اس سے کہا کہ بہتر ہے جو تو طلب کرے میں دوں گا اور اس کو خرید دوں گا۔ اس کافر نے کہا کہ اگر یونہی تمہیں منظور ہے اور تمہیں اس کے خریدنے کا بڑا شوق ہے تو اپنا غلام نسطاس رومی کہ وہ آپ کے غلاموں میں سب سے بڑی لیاقت اور قابلیت تجارت وغیرہ کی رکھتا تھا اور قریب دو ہزار دینار کے پونجی جمع کی تھی وہ مجھ کو دے دو اور اس غلام یعنی بلال کو مجھ سے لے لو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے جان تک دینے میں عذر نہ رکھتے تھے اس بات کو فوراً دل و جان سے قبول کیا بلکہ چالیس اوقیہ اور زیادہ کرنے کے اس کافر کو دیئے اور حضرت بلال کو قید خانہ سے باہر نکال کر اپنے ساتھ لے کر چلے۔ وہ کافر امیہ بن خلف آپ کو دیکھتا تھا اور ہنستا تھا اور اپنے مصاحبوں سے کہتا تھا کہ اس شخص نے باوجود اس عقل ودانائی کے اس معاملہ میں کس قدر دھوکہ کھایا ہے اور کتنا اپنا نقصان کیا اور ایسے غلام کو جو دو ہزار دینار کی پونجی بھی رکھتا تھا ایسے نکمے غلام کے عوض جو کسی کام کا نہیں ہے اور ایک کوڑی بھی پونجی نہیں رکھتا ہے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو یہ بات سنی تو فرمایا کہ اس غلام کا مرتبہ یعنی حضرت بلال کا اس قدر میرے نزدیک ہے کہ اگر تمام یمن کی بادشاہت کے عوض میں تو بیچتا تو بھی میں بغیر لئے نہ چھوڑتا۔ پھر بلالؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے جا کر حاضر کیا اور تمام احوال جو گزرا تھا عرض کیا کہ اس طرح میں نے ان کو خرید کیا ہے اور آپ گواہ رہیے کہ اللہ کی رضامندی کے واسطے ان کو میں نے آزاد کیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بہت خوش ہوئے اور حضرت بلالؓ آزاد ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں رہنے لگے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ابتدائے اسلام سے جو مسلمانوں کی نہایت ضعیفی اور عاجزی کا وقت تھا اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصارف اور حاجتوں میں اور کافروں کے پنجے سے مسلمانوں

کو چھڑا لینے میں بے دریغ خرچ کیا اور متعدد غلام اور لونڈی قریش کے کہ جنہوں نے دین اسلام دل سے قبول کیا تھا اور ان کے مالک اس سبب سے ان کو ایذا دیتے تھے خرید خرید کر اللہ کی رضامندی کے واسطے آزاد کر دیئے تھے۔ لکھا ہے کہ مسلمانوں پر تیرہ سال کے عرصہ میں آپ نے اپنی تمام دولت کو صرف کیا اور قریب چھ ہزار درہم کے باقی رہے تھے جو کچھ ہجرت کے سفر میں اور کچھ مسجد نبوی کی زمین کے خریدنے میں اور کچھ دوسرے نیک کاموں میں خرچ کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کلمہ کو ارشاد فرمایا ہے کہ کسی کے مال سے مجھ کو اس قدر فائدہ نہیں پہنچا جس قدر ابوبکرؓ کے مال سے مجھ کو فائدہ ہوا۔

الحاصل جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام مال اسلام کی نصرت اور شوکت کی زیادتی میں اور مسلمانوں کی خلاصی اور ضعیف مسلمانوں کی مدد اور دستگیری میں صرف ہو چکا اور اللہ کی راہ میں بالکل فقیر اور محتاج ہو گئے تو ایک روز ایک کمبل کو کرتے کی طرح گلے میں ڈال کر اس کو کانٹوں سے گونتھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر صدیق تو بڑے مالدار اور تونگر تھے یہ کیا ہوا کہ فقیروں کے سے کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سب مال مجھ پر اور میرے واسطے خرچ کر ڈالا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابوبکر کو سلام فرمایا ہے اور پوچھا ہے کہ کیا اس فقیری میں بھی مجھ سے راضی ہیں یا کچھ دل میں رنج و ملال ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کلام کے سننے سے عجیب حالت اور کیفیت پیدا ہوئی اور اصحاب حال کے مانند بے خود ہو گئے اور اس کلمہ کو بار بار اپنی زبان پر لاتے رہے۔ انا عن ربی راض' انا عن ربی راض میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں۔ میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں۔ تو اگرچہ اس سورۃ کے الفاظ عام ہیں مگر محدثین و مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سورۃ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امیہ بن خلف کے معاملات و حالات کا نقشہ کھینچ کر سعادت و شقاوت کے راستہ بتائے گئے ہیں۔

رات دن اور خالق کی قسم

اب ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی قسموں سے ہوئی ہے۔ پہلی قسم فرمائی۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی یعنی قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھا جائے یا آفتاب کے نور کو چھپا لے اور جہان کو تاریک کر دے۔ رات بھی اللہ کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی ہے اس لئے اس کی قسم کھائی گئی۔ رات دنیا میں ایک انقلاب عظیم بھی ہے اور موت و حیات کا ایک پورا نمونہ ہے۔ رات کو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے اور انسان و حیوان چرند و پرند سب آرام کرتے ہیں۔ لوگ باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں اور سب مردوں کی طرح بے خبر لیٹے ہوتے ہیں۔ نہ اس وقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی۔ نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی۔ اس کے بعد دوسری قسم وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی فرمائی یعنی قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو جائے رات کے مقابل دن بھی اس کے قدرت کاملہ کی دوسری نشانی ہے رات میں جو بے خبر پڑے سوتے تھے دن میں ہر ایک کسی نہ کسی امر کی دوڑ دھوپ میں لگا ہوتا ہے۔ پرند بھی چہچہانے لگے چرند جنگل کی طرف جانے لگے۔ کاروباری اپنے کار کی طرف چلنے لگے۔ گویا یہ حشر کا نمونہ ہے کہ سب سوتے سے جاگ اٹھے۔ تیسری قسم ہے وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی اور قسم ہے اس کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا۔ دنیا میں زندہ اجسام کی نسل کو باقی رکھنے اور اسے بڑھانے کیلئے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانی ہے کہ نر و مادہ کا ایک ہی مادہ ہے مگر قدرت خداوندی کسی کو نر بنا دیتی ہے اور کسی کو مادہ۔ اگر نر و مادہ نہ ہوتے یا سب مادہ ہوتے یا سب نر ہوتے تو کیا کیا مشکلات پیش آتیں۔ پھر نر و مادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے۔

تمہاری کوششیں مختلف ہیں

تو یہاں تین قسم کھا کر آگے جواب قسم ارشاد ہے۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن، نر و مادہ مختلف اور متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں اے بنی آدم تمہارے اعمال اور اشغال اور کوششیں بھی مختلف اور متضاد ہیں۔ یعنی کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے کہ برے کام کرتا ہے اور کسی کی کوشش دن کی طرح نورانی ہے کہ اچھے کاموں میں سرگرم رہتا ہے۔ پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے کہ سعادت کے مقامات طے کرنے کے درپے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے کہ لذائذ دنیا پر فریفتہ ہے۔ اور دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے کہ رات دن مال و زر کے جمع کرنے میں لگا ہوا ہے نہ اس کو دن میں چین نہ رات کو راحت۔ اور کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ایک روز مرنا ہے اور یہ ساری دنیا کی چیزیں یہیں چھوڑ جانا ہے۔ اور کوئی ہے کہ اس کی ہمت مردانہ کے نزدیک مال و زر تو کیا دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں وہ سمجھتا ہے کہ چند روز کا دنیا میں مہمان ہوں جہاں سدا رہنا ہے راحت و عزت تو وہاں کی ہے یہاں کیا عارضی زندگی ہے۔ راحت سے گزری تو کیا اور تکلیف سے گزری تو کیا۔ الغرض انسانوں کے اعمال و اشغال مختلف ہیں۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہُ یہ شب و روز کا انقلاب ہمارے لئے بھی اپنی معرفت کا ذریعہ بنا دیجئے اور دن رات کی ہماری کوششیں اپنی مرضیات کے حصول میں صرف کرنے کی توفیق نصیب فرمایئے۔

یا اللہ یہ دنیا کی عارضی زندگی ہمیں اس طرح گزارنا نصیب فرمایئے کہ ہم ہمہ وقت موت اور آخرت کو پیش نظر رکھیں اور آخرت کی زندگی کو سنوارنے کی فکر میں لگے رہیں۔

یَااللّٰہُ ہمارے اکابر سلف مال و دولت کو آپ کے راستہ میں آپ کی خوشنودی اور رضا کے لئے خرچ کرنے کا نمونہ پیش کر گئے وہ تو انہی حضرت کا حصہ تھا۔

یَااللّٰہُ اس گناہ سے بھی معافی دے کہ میں نے مسلمانوں میں بغض و عداوت اور منافرت پھیلا دی ہو یا میرے گناہوں کے باعث مسلمانوں پر آفت و مصیبت آ گئی ہو یا میرے گناہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو ہنسنے کا موقع ملا ہو یا دوسروں کی میرے گناہ کی وجہ سے پردہ دری ہوئی ہو یا میرے گناہ کے باعث مخلوق پر بارش برسانے سے روک لی گئی ہو۔ الٰہی! میرے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ﴿۷﴾ وَاَمَّا

سو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا۔ تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے۔

مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾

اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کیلئے سامان دے دیں گے۔

وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿۱۱﴾

اور اُس کا مال اس کے کچھ کام نہ آوے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا۔

فَاَمَّا سو جو	مَنْ جس	اَعْطٰی دیا	وَاتَّقٰی اور پرہیزگاری اختیار کی	وَصَدَّقَ اور سچ جانا	بِالْحُسْنٰی اچھی بات کو	فَسَنُیَسِّرُهٗ پس عنقریب اسے آسان کردیں گے	لِلْیُسْرٰی آسانی	
وَاَمَّا اور جو	مَنْ بَخِلَ جس نے بخل کیا	وَاسْتَغْنٰی اور بے پرواہ رہا	وَكَذَّبَ اور جھٹلایا	بِالْحُسْنٰی اچھی بات کو	فَسَنُیَسِّرُهٗ پس عنقریب اسے آسان کردیں گے			
لِلْعُسْرٰی دشواری	وَمَا یُغْنِیْ اور نہ فائدہ دیگا	عَنْهُ اس کو	مَالُهٗ اس کا مال	اِذَا تَرَدّٰی جب نیچے گریگا وہ				

اچھے کردار کی خصوصیات اور انجام

دنیا میں انسان کی زندگی کا ایک رخ تو وہ ہے جس کی طرف اللہ کے رسول بلاتے ہیں اور جس کی رہنمائی اللہ کے احکام و رسول کی تعلیمات کرتی ہیں اور اس کے علاوہ بیشمار رخ اور ہیں جن کی طرف لوگ اپنی اپنی خواہشات کی پیروی میں یا اپنے سرداروں لیڈروں کی رہنمائی میں چلتے رہتے ہیں لیکن انجام کے اعتبار سے ان دونوں قسم کی راہوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ پہلا گروہ وہ ہے جو کامیاب ہے اور جسے اپنی کوششوں کا اچھا پھل ملے گا اور دوسرا گروہ وہ ہے جو انجام کے لحاظ سے ناکام اور نامراد ہے اور جس کی تمام کوششیں ضائع ہو جائیں گی اور وہ آخرت میں برباد ہلاک اور جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اب ان دونوں گروہوں کی ان آیات میں کچھ صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلا گروہ جو انجام کے لحاظ سے کامیاب گروہ ہے اس کی پہلی صفت یہ فرمائی گئی۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا یعنی حتی المقدور سب طرح کے نیک کاموں میں خرچ کیا اور یہ خرچ کرنا زکوٰۃ وصدقات کو بھی شامل ہے۔ اور ہر قسم کی خیرات کو بھی۔ دوسری صفت فرمائی وَاتَّقٰی یعنی اللہ سے ڈرا اور برائیوں سے بچا اور پرہیزگاری اختیار کی۔ یعنی جانتے بوجھتے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جن سے ان کا خالق و مالک ناخوش ہوتا ہو۔ یہ ہر وقت اس کی ناخوشی سے ڈرتے ہیں۔ اور ہر اس بات سے بچتے ہیں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کی ہدایات ہر وقت ان کے سامنے رہتی ہیں۔ تیسری صفت فرمائی۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی اور اچھی بات کو سچا سمجھا۔ یعنی اس پیام اور تعلیم کو دل سے سچا مانتے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں یعنی توحید کا اقرار رسالت محمدیؐ کی تصدیق۔ آخرت پر یقین۔ جزا و سزا جنت وجہنم پر ایمان اور ان تمام باتوں کو سچ جاننا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں۔

تو ان تینوں مذکورہ صفات کا خلاصہ یہی ہے کہ ایک طرف آدمی کا ایمان درست ہوا سے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تمام باتوں کا پکا یقین ہو اور دوسری طرف اس کے اعمال و اخلاق درست ہوں اور اعمال واخلاق کا تعلق بندوں سے بھی ہے اور اللہ سے بھی اس طرح ان آیات میں بندوں کے ساتھ تعلق کی درستی اور ان کے حقوق واجبہ کی ادائیگی کی ہدایت بھی موجود ہے۔ اور ساتھ ہی حقوق اللہ کی ادائیگی کی ہدایت بھی موجود ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت اور اس کی بندگی وعبادت میں سرگرمی اور اس کی ہر قسم کی نافرمانی سے پرہیز ہو اور یہی تقویٰ کی جان ہے تو جس گروہ جماعت یا شخص میں یہ تینوں صفات وخوبیاں موجود ہوں گی اس

کے بارہ میں فرمایا گیا فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ہم اس کے لئے راحت و آرام تک پہنچنا آسان کردیں گے یعنی اس کو دنیا میں نیک اور اچھے کاموں کی توفیق دیں گے اور ان سب عبادتوں کی توفیق دیں گے جو آخرت میں اس کے کام آدیں تا کہ اس توفیق کے سبب سے اس پر عبادتوں کا کرنا آسان ہو جائے اور دل و جان سے اس میں مشغول رہے۔ اس واسطے کہ نیک کام کا خاصہ ہے کہ جو کوئی اس کو ہمیشہ کرتا ہے تو اس کے نفس میں ایک قوت نورانی پیدا ہوتی ہے کہ اس کے سبب سے اچھی راہ چلنا اور نیک بات کو اختیار کرنا اس پر آسان ہو جاتا ہے اور وہ ظاہر کی تکلیف بھی اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے کیونکہ جب کسی چیز کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے پھر جب موت اس کی آتی ہے اور اس عالم سے جدا ہونے کا وقت پہنچتا ہے تو اس کو بڑی آسانی نصیب ہوتی ہے گویا دنیا کے جیل خانہ سے چھوٹتا ہے۔ اور پھر بعد مرنے کے بھی منکر نکیر کا جواب اور حشر ونشر کا ہول اور حساب کتاب کا خوف اور میزان کا اندیشہ اور پل صراط سے اترنے کی سختی سب اس پر آسان ہو جاتی ہے اور انجام کار وہ انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دیا جاوے گا جس کا نام جنت ہے یہ تو اس گروہ کا بیان ہوا جو انجام کے لحاظ سے کامیاب ہے اور جسے اپنی کوششوں کا اچھا پھل ملے گا۔

بُرے کردار کی خصوصیات اور انجام

اس کے برخلاف دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو انجام کے لحاظ سے سراسر ناکام ونامراد ہے۔ اور ان کی بھی تین ہی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا یعنی وہ جو کچھ مال دولت کماتا اور حاصل کرتا ہے وہ صرف اپنے دست وبازو اپنے علم وہنر اور ذاتی سوجھ بوجھ کا نتیجہ سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنی کمائی کو یا تو ذاتی عیش وآرام پر اڑاتا ہے یا پھر جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے ضرورتمندوں کی مدد کے لئے اور محتاج۔ غرباء وفقرا کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ دوسری صفت فرمائی وَاسْتَغْنٰى اور جس نے بے پروائی اختیار کی یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پروائی اختیار کی۔ اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروا نہ کی۔ اسلام اور آخرت کی نعمتوں سے بے پروائی کی اور گناہوں اور برے کاموں کو بے پرواہو کر عمل میں لایا۔ تیسری صفت فرمائی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى اور اچھی بات کو جھٹلایا یعنی اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹا جانا۔ اس طرح نہ وہ توحید کا قائل ہوا نہ رسالت محمدی کی تصدیق کی۔ نہ صفات حمیدہ کا طالب ہوا نہ دار آخرت اور وہاں کی جزا وسزا کو سچ مانا۔ گویا جو تعلیمات وہدایات اللہ کے رسول نے دیں ان کو جھٹلاتا رہا۔ تو جس میں یہ تینوں صفات ہوں گی نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ اس کا ایمان درست ہوگا اور نہ عمل ٹھیک ہوگا۔ نہ بندوں کے حقوق پہچانے گا اور نہ ادا کرے گا نہ خدا کے حقوق۔ اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائے گا۔ نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائے گی۔ ایسے شخص کے لئے فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى فرمایا یعنی ہر عمل بدخواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور بالآخر آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی سختی کی جگہ یعنی جہنم میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا یعنی ایسا شخص جس میں مذکورہ تینوں صفات ہوں جب برباد وہلاک ہو کر جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا تو اس وقت اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آسکے گا اور جس مال دولت پر گھمنڈ کر کے آخرت کی طرف سے بے پرواہو رہا تھا وہ ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گا۔

اچھے اور برے کردار کی دو مثالی شخصیات

اگرچہ اس سورۃ کے الفاظ عام ہیں لیکن جیسا کہ گذشتہ درس میں سورت کے سبب نزول میں بتلایا گیا اس سورۃ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور مکہ کے کافر سردار امیہ بن خلف کے حالات ومعاملات کا نقشہ کھینچ کر سعادت وشقاوت کے دو راستے بتائے گئے۔ پہلی تین صفات کمالیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیان کی گئیں اور دوسری تین صفات بد کافر امیہ بن خلف کی ظاہر کی گئیں جو جنگ بدر میں مارا گیا اور جس دولت کی وجہ سے وہ بے پرواہو گیا وہ مال ودولت اس کے کچھ کام نہ آسکا اور ہلاکت ابدی سے نہ بچا سکا۔

اعمال کا مدار توفیق خداوندی ہے

ان آیات فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی سے متعلق بخاری شریف کی ایک روایت ہے اور حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبرستان غرقد میں ایک جنازہ میں شریک تھے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ اس کا جنتی یا جہنمی مقام (پہلے سے) مقرر نہ کر دیا گیا ہو۔صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر نوشتہ تقدیر پر اعتماد کیوں نہ کر لیا جائے؟ فرمایا عمل کئے جاؤ۔ ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں تو معلوم ہوا کہ اصل مدار اعمال کا توفیق خداوندی پر ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر سعادت کی توفیق نصیب فرمائیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دنیا میں مال و دولت عطا فرمایا ہے اسے اپنی رضا میں صرف کرنا ہمارے لئے آسان فرمائیں اور وہ اعمال جو آپ کی ناراضگی کا باعث ہوں ان کو ہمارے لئے محال بلکہ ناممکن بنا دیں۔ یا اللہ ہمیں وہ تقویٰ اور راستی عطا فرما کہ جو جنت کا راستہ ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ آمین۔

یَا اللہ آپ کی ہدایت آ جانے کے بعد اور دین کی بات کا علم ہو جانے کے بعد بھی میں نے اپنے آپ کو غافل بنائے رکھا۔ آپ نے حکم دیا' یا منع کیا' کسی عمل کی رغبت دلائی' اپنی رضا و محبت کی طرف بلایا اور اپنے قریب کرنے کے لئے اعمال خیر کی دعوت دی۔ آپ نے سب کچھ انعام کیا لیکن میں نے کوئی پروانہ کی۔ الٰہی! میری ہر ایسی خطا کو معاف فرما دے۔
یَا اللہ جس گناہ کو کر کے میں بھول گیا ہوں لیکن آپ کے یہاں وہ لکھا ہوا ہے میں نے اس کو ہلکا سمجھا لیکن نافرمانی پھر نافرمانی ہے وہ آپ کے یہاں موجود پاؤں گا۔ میں نے بار ہا علانیہ گناہ کیا آپ نے چھپا لیا' لوگوں نے دھیان نہ کیا اور ہر ایسا گناہ جس کو آپ نے اس لئے رکھ چھوڑا ہے کہ توبہ کرے گا تو معاف کریں گے الٰہی! میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں مجھے معاف فرما دیجئے اور میری توبہ قبول فرمالیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾

واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلادینا ہے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا۔تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں

لَا یَصْلٰھَآ اِلَّا الْاَشْقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۶﴾ وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ

اس میں وہ ہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جاوے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جواپنا

مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰی ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ

مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جاوے۔اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضاجوئی کے اس کے

رَبِّہِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿۲۱﴾

ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اتارنا ہو۔اور یہ شخص عنقریب خوش ہوجاوے گا۔

اِنَّ بیشک	عَلَیْنَا ہم پر ہمارا ذمہ	لَلْھُدٰی البتہ راہ دکھانا	وَاِنَّ اور بیشک	لَنَا ہمارے لئے	لَلْاٰخِرَۃَ آخرت	وَالْاُوْلٰی اور دنیا
فَاَنْذَرْتُکُمْ پس میں تمہیں ڈراتا ہوں	نَارًا آگ	تَلَظّٰی بھڑکتی ہوئی	لَا یَصْلٰھَا نہ داخل ہوگا اس میں	اِلَّا مگر	الْاَشْقَی انتہائی بدبخت	
الَّذِیْ کَذَّبَ جس نے جھٹلایا	وَتَوَلّٰی اور منہ موڑا	وَسَیُجَنَّبُھَا اور عنقریب اس سے بچالیا جائیگا	الْاَتْقَی بڑا پرہیزگار	الَّذِیْ جو	یُؤْتِیْ دیتا ہے	
مَالَہٗ اپنا مال	یَتَزَکّٰی پاک کرنے کو	وَمَا لِاَحَدٍ اور نہیں کسی کیلئے	عِنْدَہٗ اس پر	مِنْ سے	نِّعْمَۃٍ نعمت احسان	تُجْزٰی بدلہ دی جائے
اِلَّا مگر	ابْتِغَآءَ چاہیے کہ	وَجْہِ رضا	رَبِّہٖ اپنا رب	الْاَعْلٰی بلندوبرتر	وَلَسَوْفَ اور عنقریب	یَرْضٰی راضی ہوگا

ہرایک کے لئے ہدایت کا راستہ کھلا ہے

گذشتہ آیات میں آخرت کی کامیابی اور ناکامی کے لحاظ سے دو اشخاص یا دو گروہ کا ذکر ہوا تھا اور ہرایک کی تین صفات بیان فرمائی گئی تھیں۔اس طرح سعادت و شقاوت کے دو راستہ ظاہر فرمائے گئے تھے۔اب آگے اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور نعمت و رحمت کا ذکر فرما رہے ہیں۔اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے۔ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور مہربانی سے بندوں کی رہنمائی کرنا اپنے ذمہ لیا ہے اوراسی غرض سے ان کوحواس خمسہ ظاہری و باطنی عطا کئے ہیں۔عقل و ادراک دیا ہے کہ ان سے نیک و بد میں امتیاز کریں۔پھر اللہ نے دنیا میں اپنے رسول بھیجے ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں جن میں اچھائی و برائی' ہدایت و ضلالت' راستی و کجی' نیک و بد کو صاف صاف بیان فرمادیا۔پھر رسولوں کے جانشین مثلاً علمائے ربانی' آئمہ حقانی' اولیاء کرام و بزرگان دین پیدا کئے۔پھر حوادث دہر' تغیرات عالم اور عبرت انگیز نشانات قائم کئے تا کہ انسان اپنی عقل وفہم سے کام لے کر اپنے اختیار اور ارادہ سے نیک راہ اختیار کریں اور بری راہ کو چھوڑ دیں۔اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ کسی آدمی کو زبردستی نیک یا بد بننے پر مجبور کرے بلکہ نیک و بد دونوں راستے انسانوں کو بتا دیئے اور بھلائی و برائی کو خوب کھول کر بیان کردیا اوراس پر چلنا ان کے اختیار کو ارادہ اور فہم وادراک پر چھوڑ دیا۔اب جو شخص جو راہ اختیار کرے گا دنیا اور آخرت میں اس سے اسی کے موافق برتاؤ خداوندی ہوگا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو نیک و بد اور نافرمان و مطیع میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان شجر و حجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا۔

جیسا عمل ویسا انجام پیش آئے گا

اب جب کہ قدرت نے دونوں راستے انسانوں کے سامنے رکھ دیئے اور دونوں میں امتیاز کرنے کا مادہ بھی انسان میں پیدا کر دیا بلکہ اپنے انبیاء و

رسل اور کتب کے ذریعہ نیک وبد صاف صاف متعین کر دیا تو اس کے بعد جو جیسی راہ اختیار کرے گا ویسا ہی ثمرہ اس کو اللہ تعالیٰ دیں گے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى اور ہمارے ہی قبضہ میں آخرت اور دنیا ہے۔ یعنی اس کائنات کا اصل اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے اور دنیا اور اس کا نظم بھی اسی کے انتظام اور حکم سے قائم ہے اور آخرت میں بھی اسی کا حکم چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام دنیا میں جاری کر دیئے ہیں ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وہ آخرت میں سزا دیں گے اور ان پر عملدرآمد کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

بدبخت اپنی بدعملی سے جہنم میں جائے گا

اس حقیقت کو صاف صاف بیان کر دینے کے بعد فرمایا۔ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى پس ہم تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکے ہیں کہ اس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے دین حق کو جھٹلایا اور روگردانی کی یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نیک و بد کی رہنمائی صاف صاف فرما دی تو انسان کے لئے اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ اپنی تباہی کے لئے کوئی عذر پیش کر سکے۔ اب اگر وہ ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں گر کر تباہ و ہلاک ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول اور کتاب کے ذریعہ صاف صاف بتا دیا کہ انسان اگر کفر و شرک' عصیان و نافرمانی کی غلط راہ پر چلے گا تو اس کا انجام ایک شعلہ زن اور بھڑکتی ہوئی آگ کے سوا اور کچھ نہیں اور اس آگ میں وہی ڈالا جائے گا جو خود اپنی بدبختی سے اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا لے گا۔ جو اپنی خواہشات میں اندھا ہو کر رسول ﷺ کی بات اور دین حق کو جھٹلائے گا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑے گا۔ اور اپنی لگام اپنے نفس یا اپنے ہی دوسرے جیسے انسانوں کے ہاتھوں میں دے کر خود اپنی تباہی اور جہنم میں جانے کا انتظام کرے گا۔

خوش بخت و کامیاب شخص کی صفات

آگے ایسے بدبخت شخص کے مقابلہ میں اس نیک بخت شخص کو پیش کیا جا رہا ہے جو اس جہنم سے دور رکھا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى اور اس سے یعنی جہنم کی آگ سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے یعنی دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایات پر چلتا ہے اور ہر ہر قدم پر اللہ کی مرضی کے خلاف کاموں سے بچتا ہے اور اللہ کی ناخوشی سے ڈرتا ہے گویا ایسے نیک بخت لوگوں کی پہلی صفت تقویٰ ہوئی۔ دوسری صفت فرمائی گئی الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جائے یعنی اللہ کے دیئے ہوئے رزق و مال میں سے وہ اللہ کے بندوں کو دیتا ہے اور اس طرح مال خرچ کرنے سے اس کی نیت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ روحانی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ اور یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ مال کا خرچ چاہے اپنی جائز ضروریات کی تکمیل کے لئے ہو یا اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ہو یا اپنے اعزا و اقربا کی خبر گیری کے لئے ہو یا محتاجوں اور غریبوں کی امداد کے لئے ہو یا رفاہ عام کے کاموں کے لئے ہو یا دین کی اشاعت اور جہاد کے لئے ہو بہرحال اگر وہ خرچ اللہ تعالیٰ کے قوانین اور ہدایات کے مطابق ہو اور خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہو تو اس سے نفس کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى یعنی مال کے وہ صرف اور خرچ جن کا مقصد اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کچھ اور ہو۔ مثلاً لوگوں میں شہرت و نیک نامی حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا۔ یا دوسروں پر احسان رکھنے یا دوسروں کا احسان چکانے کے لئے خرچ کیا یا دکھاوے کے لئے مال خرچ کیا کہ لوگوں سے واہ واہ چاہتے ہیں یا کسی عہدہ دار کی نظر کرم کی امید میں خرچ کیا یا قوم اور ملک میں نام آوری کی خاطر خرچ کیا یا اپنے کسی شخصی رجحان یا ذوق کی تسکین کی خاطر مال لٹایا تو ان تمام حالات میں چونکہ مقصد اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کچھ اور ہے اس لئے اس پر اللہ سے کسی اجر کی امید نہ رکھنا چاہئے اور جب خالص رضائے مولیٰ کی طلب میں مال لٹا رہا ہے تو اس کے لئے وعدہ اور بشارت ہے۔ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى اور وہ عنقریب

خوش ہوجائے گا یعنی آخرت کی نعمتوں سے خوب مالا مال ہوکر بے انتہا مسرور وخوش ہوگا۔ تو اگرچہ اس سورۃ اوران آیات کا مضمون عام ہے لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں ہوا اور یہ بہت بڑی دلیل آپ کی فضیلت و بزرگی کی ہے۔ یہ آخری کلمہ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا یہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے ایک عظیم خوش خبری اور اعزاز ہے کہ ان کو حق تعالیٰ جل وعلیٰ نے دنیا ہی میں اپنی طرف سے راضی اور خوش کر دیئے جانے کی خوشخبری سنا دی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے درجات عالیہ اور قرب خاص میں اور ترقی عطا فرمائیں اور آپ کے نام لیوا ہونے کے باعث اور آپ سے محبت کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ ہماری بھی مغفرت فرماویں۔ آمین۔

خلاصہ

اس سورت کا موضوع انسانوں کے مختلف قسم کے اعمال اور جدو جہد ہے جب اعمال اور جہد وسعی کا رخ مختلف ہو تو اس کے نتائج بھی مختلف برآمد ہوتے ہیں' اس کی ابتدائی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا ہے کہ اے انسانو! تمہاری سعی مختلف ہے کوئی متقی ہے اور کوئی شقی ہے' کوئی مومن ہے اور کوئی کافر' کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور کوئی بخل کرتا ہے' کوئی اللہ سے ڈرنے والا ہے اور کسی نے بے نیازی اختیار کر رکھی ہے' کوئی بھلائی کی بات کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی تکذیب کرتا ہے' انسانوں میں سے جو کوئی اپنے لیے جس قسم کی راہ کا انتخاب کرتا ہے' ہم اس راہ پر چلنا اس کیلئے آسان کر دیتے ہیں۔

سورت کے اختتام پر بتایا گیا کہ اہل ایمان کو رب تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے بچالے گا اور اس کیلئے ایک مومن صالح کا قصہ بیان کیا ہے جو اپنا مال صرف رضاءِ الٰہی کی خاطر خرچ کرتا تھا' تمام تفاسیر میں ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کا مال جہاد کی تیاری' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں خرچ ہوتا تھا جو قبول اسلام کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

سورۃ اللیل کے خواص

۱- اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑ جائے تو اس سورۃ کو اس کے کان میں پڑھنے سے مرگی کا اثر ختم ہوجاتا ہے۔

۲- اگر کسی کو بخار ہو تو سورۃ اللیل پانی پر دم کر کے اس پانی کو پی لے، یا اسے لکھ کر اور پانی میں دھو کر پی لے۔ ان شاء اللہ بخار اتر جائے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر حال میں اپنی توفیق حسن کو ہمارے شامل حال رکھیں اور اپنے کرم وفضل سے ان تمام اعمال کو ہمارے لئے آسان وسہل فرماویں جو ان کی رضا کے باعث ہوں اور ان تمام اعمال کو دشوار اور محال بنادیں کہ جو ان کی ناراضگی کا باعث ہوں۔

یا اللہ آپ نے جو کچھ مال دولت ہم کو عطا فرمایا ہے اس کو اپنی راہ میں اپنی مرضیات کے لئے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ یا اللہ اپنے کرم سے ہم کو عذاب جہنم سے بچا لیجئے اور اپنے فضل سے اپنی جنت میں بے حساب داخل ہونا نصیب فرمائیے۔ اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیے۔ آمین۔

يَااَللهُ اس گناہ سے بھی معافی دے کہ میں نے مسلمانوں میں بغض وعداوت اور منافرت پھیلادی ہو یا میرے گناہوں کے باعث مسلمانوں پر آفت ومصیبت آگئی ہو یا میرے گناہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو ہنسنے کا موقع ملا ہو یا دوسروں کی میرے گناہ کی وجہ سے پردہ دری ہوئی ہو یا میرے گناہ کے باعث مخلوق پر بارش برسانے سے روک لی گئی ہو۔ الٰہی! میرے سب گناہ بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ

قسم ہے دن کی روشنی کی۔اور رات کو جب کہ وہ قرار پکڑے۔کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور آخرت آپ کیلئے دنیا سے بدر جہا بہتر ہے۔

الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥

اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہو جاویں گے۔

وَالضُّحٰى قسم ہے دھوپ چڑھنے کی آفتاب	وَالَّيْلِ اور رات کی	اِذَا جب	سَجٰى چھا جائے	مَا وَدَّعَكَ آپ کو نہیں چھوڑا	رَبُّكَ آپ کا رب	وَمَا اور نہ	
قَلٰى بیزار ہوا	وَلَلْاٰخِرَةُ اور آخرت	خَيْرٌ بہتر	لَّكَ آپ کیلئے	مِنَ سے	الْاُوْلٰى پہلی	وَلَسَوْفَ اور عنقریب	يُعْطِيْكَ آپ کو عطا کریگا
رَبُّكَ آپ کا رب	فَتَرْضٰى پس آپ راضی ہو جائیں گے						

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی لفظ الضُّحٰى سے ہوئی ہے ضحیٰ کے معنی دن چڑھے کا وقت اور آفتاب بلند ہونے کا وقت ہے۔تو اس سورۃ کی ابتدا میں اول ضحیٰ کی قسم کھائی گئی ہے۔اسی واسطے اس سورۃ کا نام الضحیٰ مقرر رہوا۔یہ مکی سورۃ ہے اور اس کا نزول بالکل ابتدائی دور میں روایت کیا گیا ہے اس سورۃ کا خاص مضمون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیسے انعام واحسان فرمائے اور ساتھ ہی مزید انعامات کے وعدے ہیں۔

شان نزول

اس سورۃ کے سبب نزول کے سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ روایات صحیحہ میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے یعنی وحی قرآنی بند رہی۔ مشرکین کہنے لگے کہ لیجئے محمد کو ان کے رب نے رخصت کر دیا۔اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔آگے حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یہ زمانہ فترۃ الوحی کا ہے۔جب سورۃ اقراء کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس فترۃ الوحی کے زمانہ میں سخت مغموم و مضطرب رہتے تھے تا آنکہ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاَیھا المدثر کا خطاب سنایا۔اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں چنانچہ مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ اس احتمال کی تاکید کرتے ہیں ممکن ہے اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے تو ایک خبیث کافرہ عورت کہنے لگی اے محمد معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ اللہ) اور یہ طعن کرنے والی عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔غرض ان سب خرافات کا جواب اس سورۃ الضحیٰ میں دیا گیا اور یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں کفار کی طعنہ زنی کا رد فرمایا گیا۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد بیان فرمائے اور آئندہ کے لئے تسلی اور قرب روز افزوں کا وعدہ اور بشارت سنائی گئی۔

پکی بات ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا

گذشتہ سورتوں کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی قسمیہ کلام سے

فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کھائی گئی۔ وَالضُّحٰی یعنی قسم ہے ضحیٰ کے وقت کی۔ ضحیٰ یعنی چاشت آفتاب بلند ہونے سے لے کر نصف النہار تک پہنچنے تک کا زمانہ ہے۔ یہ ضحیٰ کا وقت متعدد خصوصیتیں رکھتا ہے۔ایک یہ کہ روزی کی تلاش کا علم اور ہنر حاصل کرنے کا اکثر یہی وقت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ وقت فرض نماز سے تو خالی ہے اور نفلی عبادت کے لئے فراغت تیسرے یہ کہ اسی وقت ضحیٰ میں خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا چوتھے یہ کہ اسی وقت میں فرعون کے جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایمان لائے اور سجدہ کیا۔ پس یہ وقت نور حق کے کمال ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ پانچویں یہ کہ ضحیٰ کی نماز جس کی ادنیٰ چار رکعتیں اور اعلیٰ بارہ رکعتیں ہیں اور جس نماز کی بہت سی فضیلتیں حدیث شریف میں آئی ہیں۔ اسی وقت مقرر ہے۔علمائے ربانی اور اہل بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر وافلاس سے دور رہنا چاہے تو نماز ضحیٰ پڑھے اور اگر قبر کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نماز تہجد پڑھا کرے۔ پہلی قسم یہاں ضحیٰ یعنی دھوپ چڑھتے وقت کی کھائی۔ آگے دوسری قسم کھائی گئی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی اور قسم ہے رات کی جب وہ قرار پکڑے۔ یعنی اندھیرا چھا جائے۔تو یہاں دو چیزوں کی قسم کھائی ہے دن کی جب خوب روشن ہو جائے اور رات کی جب خوب اندھیرا ہو جائے اس کے بعد جواب قسم ہے۔ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے دشمنی ہی کی ہے۔یعنی دشمنوں کے الزامات اور خیالات سب غلط ہیں۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب نہ آپ سے ناخوش اور ناراض اور بیزار ہوا اور نہ آپ کو رخصت کیا جیسا کہ یہ معاندین کفار ومشرکین کہتے ہیں۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا ہے اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے یہی کیفیت باطنی حالات کی ہے۔اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضگی کی دلیل نہیں اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا تو کچھ عرصہ نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیوں کر سمجھ لیا جائے کہ آج کل خدا اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا۔ الغرض معاندین کفار کے احمقانہ خیالات اور الزامات کی تردید میں صاف فرما دیا گیا کہ آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ تو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے۔ کچھ ایام کے لئے مصلحت خداوندی کی وجہ سے وحی کا آنا بند ہو گیا تھا نہ آپ کے کسی قصور کی وجہ سے اب پھر وحی الٰہی کا آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ آپ کفار کی خرافات سے غمگین نہ ہوں آپ برابر نعمت وحی الٰہی سے مشرف ہوتے رہیں گے۔

آخرت کے انعامات دنیا سے کہیں زیادہ ہیں

اور یہ شرف وکرامت تو آپ کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی اور آخرت آپ کیلئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے یعنی آخرت کی شان وشکوہ جب کہ آدم علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بے شمار درجے بڑھ کر ہے۔ وہاں آپ کو اس دنیا سے کہیں زیادہ نعمتیں ملیں گی۔

آپ کو راضی کیا جائے گا

آگے ارشاد ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا تو کیسا ابھی تو آپ کا رب آپ کو دنیا وآخرت میں اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جاویں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میں کبھی ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک کہ اپنی امت سے ایک ایک کو جنت میں داخل نہ کرالوں گا۔ غرض وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی کہ آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ایک بڑا وسیع وعدہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے نہایت گراں بہا خلعت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

حق تعالیٰ کی جو بخششیں اور عنایتیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آپ کی روح مبارک پیدا ہونے کی ابتدا سے بہشت میں داخل ہونے تک عطا ہوئی ہیں اور ہوں گی وہ بیان کرنے کی حد سے باہر ہیں تاہم علمائے مفسرین نے اس آیت وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی کے

معنیٰ ذہن نشین ہونے کے لئے کچھ خصوصیات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رکھی تھیں بیان فرمائی ہیں۔
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ اس آیت مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خصوصیات جناب اقدس الٰہی سے حاصل ہوئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نعمت سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ دی گئی اور اس سبب سے تمام انبیاء و رسل سے آپ کو ممتاز فرمایا اور دوسری قسم خصوصیات کی وہ ہیں جو آپ ہی کو مخصوص ہیں۔

اس کے متعلق حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے چند چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔

(۱) میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

(۲) میں خاتم النبیین ہوں۔ میری ذات پر سلسلہ انبیاء ختم ہوا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۳) مجھ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے یعنی ایسے مختصر اور جامع کلمات کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں اور معانی بے شمار ہوں جیسا کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ اس کا شاہد ہے۔

(۴) مجھے رعب اور ہیبت کے ذریعہ فتح ونصرت عطا کی گئی۔ بلا اسباب ظاہری کے ایک مہینے کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوف زدہ رہتے ہیں۔

(۵) تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور مطہر بنا دی گئی یعنی میری امت کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے خواہ مسجد ہو یا غیر مسجد اور میرے لئے پاک مٹی سے تیمم کا حکم نازل ہوا کہ مجھے ہر جگہ تیمم کی اجازت ہے اور میرے لئے مٹی کو پانی کی طرح پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا۔

(۶) مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا۔

(۷) میرے پیروکار تمام انبیاء ومرسلین کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جنتیوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں ۸۰ صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی۔

(۸) مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین میری طرف رجوع کریں گے۔ اور میں ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔

(۹) سب انبیاء ومرسلین سے پہلے میں اپنی امت کو پل صراط سے لے کر گزروں گا۔

(۱۰) سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ میرے دائیں اور بائیں ہوں گے اور جنت میں ہر نبی کے لئے حوض ہوگی اور میری حوض سب سے زیادہ وسیع اور پر رونق ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

یَااَللّٰہُ میں ہر ان گناہوں سے معافی چاہتا ہوں جو آپ کی رحمت سے دور کر دیں اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہوں۔ عزت سے محروم کر دیں اور برائی کے لائق کر دیں۔ آپ کی نعمتوں کے زوال کا سبب ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانہ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنادیا

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ اور سائل کو مت جھڑ کئے۔ اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

اَلَمْ کیا نہیں	يَجِدْكَ آپ کو پایا	يَتِيْمًا یتیم	فَاٰوٰى پس ٹھکانہ دیا	وَوَجَدَكَ اور آپ کو پایا	ضَآلًّا بے خبر	فَهَدٰى تو ہدایت دی	وَوَجَدَكَ اور آپ کو پایا	
عَآئِلًا مفلس	فَاَغْنٰى تو غنی کر دیا	فَاَمَّا پس جو	الْيَتِيْمَ یتیم	فَلَا تَقْهَرْ تو قہر نہ کر	وَاَمَّا اور جو	السَّآئِلَ سوال کرنیوالا	فَلَا تَنْهَرْ تو نہ جھڑک	
	وَاَمَّا اور جو	بِنِعْمَةِ نعمت	رَبِّكَ اپنا رب	فَحَدِّثْ سو بیان کر				

یتیمی میں عظمتوں کا تاج پہنایا

گذشتہ ابتدائی آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ ہم آپ کو اس قدر نعمتیں دیں گے اور آپ پر اس قدر عنایات کریں گے کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں گے۔ اسی کی تائید میں اب آگے ان آیات میں چند گذشتہ واقعات کا اجمالاً ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جن میں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئیں اور ان گذشتہ مواقع میں کیا کیا عطایا فرمائے گئے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا۔ تفصیل اسکی یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب شکم مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ عین جوانی میں وفات پا گئے اور کوئی جائیداد یا مال نہ چھوڑا جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی۔ حق تعالیٰ سبحانہ نے آپ پر یہ انعام کیا کہ آپ کے دادا عبدالمطلب کو آپ پر مہربان کر دیا اور ان سے آپ کی پرورش کرائی۔ جب آپ کی عمر چھ سال کی تھی تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ اب نہ والد ہیں نہ والدہ مگر اللہ تعالیٰ نے دادا عبدالمطلب کو آپ پر ایسا فریفتہ اور مہربان کر رکھا تھا کہ وہ آپ کے پیچھے اپنی حقیقی اولاد کو بھی بھول گئے۔ آٹھ سال کی عمر تک آپ اپنے دادا کی کفالت میں رہے۔ جب دادا عبدالمطلب بھی چل بسے تو آپ کی ظاہری تربیت و پرورش کی سعادت آپ کے بے حد شفیق چچا ابو طالب حضرت علیؓ کے والد کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے اپنی زندگی بھر آپ کی نصرت و حمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ الغرض یتیمی کا زمانہ تو اس طرح گزرا۔

نبوت وشریعت سے سرفراز فرمایا

جب آپ بالغ ہوئے اور جوانی کے دور میں داخل ہوئے تو عمر کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم ورواج سے آپ سخت بیزار تھے۔ آپ شروع ہی سے رئیس الموحدین تھے۔ خدا پرستی اور مکارم اخلاق آپ کا شیوہ تھا۔ دیانت و امانت اور حسن اخلاق میں ساری قوم میں مشہور اور معروف تھے۔ آپ کے قلب مبارک میں خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت و بندگی کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موج زن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس مکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا۔ لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے آپ کے قلب مبارک کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بے قرار ہو کر غاروں اور پہاڑوں میں جا کر تنہائی میں اپنے مالک اور محبوب حقیقی کو یاد کرتے۔ اور حق تعالیٰ نے ''غار حرا'' میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں یعنی

دین حق نازل فرمایا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور شریعت اسلامیہ عطا فرمائی گئی اسی کو فرمایا گیا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلایا۔ اسی بات کو ۲۵ ویں پارہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا گیا۔ ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان اور آپ کو قبل نبوت نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے۔ یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ قرآن شریف آپ کو بتلائی گئیں یہ پہلے سے یعنی قبل نبوت آپ کو کہاں معلوم تھیں۔ آپ عبادت تو قبل نبوت بھی کرتے تھے مگر تعداد رکعات اور قوانین آداب کا علم تو اس وقت نہ تھا۔ آپ ہاتھ پاؤں دھولیا کرتے تھے مگر وضو و غسل کے شرعی آداب وطریقہ سے علم نہ تھا۔ آپ کے دل میں محبت الٰہی کا جذبہ تھا اور قلب میں آتش عشق الٰہی شعلہ زن تھی مگر آپ اس کی ترقی کے اسباب اور قوانین نبوت سے قبل نہ جانتے تھے۔ اسی حالت کو آیت میں ضلال سے تعبیر کیا گیا۔ لفظ ضلال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف' بے خبری کے بھی۔ یہاں بے خبری ہی کے معنی مراد ہیں۔ یہاں تک تو عمر مبارک کے دوسرے دور کا بیان ہے۔

شان استغناء عطا فرمائی

آگے عمر مبارک کی تیسری حالت کا بیان ہے کہ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا پھر غنی کر دیا۔ اور وہ اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں آپ شریک ہو گئے اس میں نفع ملا۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال و دولت آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ بڑی مالدار تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تابعدار اور جاں نثار بھی تھیں۔ روسائے قریش ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے کسی کی طرف رغبت نہ کی۔ یہ تو تھا ظاہری غنا جو آپ کو عطا ہوا باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا تو کیا کہنا۔ کوئی بشر اس کا اندازہ کیا کر سکتا ہے اور اصل غنا تو یہی قلبی غنا ہے کیوں کہ جس کو غناء نفس حاصل نہ ہو وہ گو کیسا ہی مالدار ہو مگر حقیقت میں محتاج ہے کہ مارا مارا پھرتا ہے۔ دل میں ہمہ وقت بے قراری مال بڑھانے کی رہتی ہے۔ برخلاف غناء نفس کے کہ اس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان انعامات وعنایات کے بیان فرمانے سے مراد یہی ہے کہ ابتداء ہی سے خدائے تعالیٰ آپ پر انعام واکرام کرتا رہا ہے۔ ایسے ہی آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ تو جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی کیا وہ خفا ہو کر یونہی درمیان میں چھوڑ دے گا۔ استغفر اللہ

یتیم پر سختی نہ کیجئے

آگے تینوں زمانوں کے انعامات واحسانات کے شکریہ ادا کرنے کے لئے حق تعالیٰ تین حکم صادر فرماتے ہیں۔ ایک فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ پس آپ اس کے شکریہ میں یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ بظاہر تو یہاں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا اس میں یتیم کو زبانی جھڑکنا' سخت کلامی کرنا' بری نگاہ سے دیکھنا یا اس کو مارنا پیٹنا یا اس کے مال کی خیانت کرنا دغا فریب سے لے لینا یہ سب صورتیں قہر میں داخل ہیں بلکہ اسکے ساتھ ہمدردی نہ کرنا۔ اس کے حال وزار پر رحم نہ کھانا یہ بھی یتیم پر قہر ہے۔ عرب اس مرض میں مبتلا تھے۔ عرب میں اسلام سے پہلے جہالت سخت دلی کی کوئی حد نہ تھی خصوصاً یتیموں' بیواؤں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کیلئے ان کا نقصان کر دینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے۔ اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنیکی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح سے رہیگا اور اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے۔ اسی طرح میرے ساتھ ہوگا۔

سائل کو نہ جھڑکئے

دوسرا حکم فرمایا وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اور سائل کو مت جھڑکئے یعنی اگر سائل کے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کر دیا جائے بشرطیکہ کسی امر ممنوع اور گناہ کا سوال نہ ہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دے دیا جائے تا کہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔ یہاں بھی خطاب بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم عام ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور مروت کی تو کچھ انتہا نہ تھی سائل کو انکار کرنا تو آپ جانتے ہی نہ تھے۔ اگر خود اپنے پاس یا ازواج مطہرات کے گھر میں نہ ہوا تو قرض

لے کر دیا یا کسی سے فرمائش کر کے دلوا دیا یا کسی دوسرے وقت کا وعدہ فرما لیا۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ سائل سے مراد وہی سائل مراد ہیں جو واقعی حاجتمند اور ضرور تمند ہو کر سوال کرتے تھے نہ کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے گداگری کو پیشہ ہی بنالیا ہے۔ ہٹے کٹے صحیح تندرست ہیں۔ محنت مزدوری کر سکتے ہیں ایسے شخص کو تو سوال کرنا حرام ہے۔ حضرت عمرؓ نے تندرست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا درے مارے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیے

آگے تیسرا حکم ارشاد ہوا وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔ نعمت کا لفظ عام ہے کوئی بھی نعمت ہو محسن و منعم حقیقی کے احسانات کا تذکرہ شکر گزاری کی نیت سے کرنا شرعاً محمود ہے نہ کہ بقصد فخر و مباہات اعلان کرنا۔

تحدیث نعمت کی ایک صورت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نعمت سے نوازے تو لازم ہے کہ وہ ہیئت اور لباس وغیرہ سے اپنی فقیری نمایاں نہ کرے اور مسکین نما نہ بنے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب خستہ حال بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تمہیں نعمت دی ہے تو اپنی دی ہوئی نعمت کا نشان تمہارے اوپر دیکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ (بیان السبحان)

تو اگرچہ اس سورۃ میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض خصوصی نعمتوں کو یاد دلا کر جو ہدایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہیں تو وہ اپنے حکم میں عام ہیں۔ جو شخص بھی اپنے حالات پر غور کرے گا وہ یہ محسوس کرے گا کہ اللہ کی نعمتوں میں سے اسے بھی یقینی حصہ ملا ہے تو اس طرح سورۃ کے خاتمہ پر آخری ہدایات کا مخاطب ہر امتی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا احساس ہم کو بھی عطا فرمائیں اور ان پر شکر گزاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔

ہر سورۃ کے ختم پر تکبیر کہنا

علمائے مفسرین نے ایک حدیث مرفوع بروایت حاکم و بیہقی نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سورۃ الضحیٰ کے آخر تک ہر سورۃ کے ختم پر اللہ اکبر کہو اور حکمت اس میں بعض علماء نے یہ ذکر کی ہے کہ کچھ عرصہ وحی رکنے کے بعد جب یہ سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی تو آپؐ نے خوش ہو کر اللہ اکبر فرمایا تھا اور پھر شاید مضمون کی مناسبت سے بقیہ سورتوں میں تکبیر فرمائی ہو۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ

اس سورت کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے اور اس میں چار مضامین بیان ہوئے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے۔ آپ کے مخالفین اگر حسد اور دشمنی کی بناء پر ایسی باتیں کرتے ہیں تو قطعاً جھوٹ بولتے ہیں۔

آپ کو دو عظیم بشارتیں سنائی گئی ہیں پہلی یہ کہ آپ کا مستقبل حالِ موجود سے بہتر ہوگا یا یہ کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہوگی اور یہ کہ اللہ آپ کو دنیا اور آخرت میں اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

پھر اللہ نے اپنے تین احسانات یاد دلائے ہیں' آپ یتیم تھے ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا' آپ دین سے بے خبر تھے ہم نے آپ کو اس کا راستہ دکھایا' آپ تنگدست تھے ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔

ان تین نعمتوں کے مقابلے میں آپ کو تین وصیتوں کی صورت میں' گویا شکر کی تلقین کی گئی ہے یعنی یتیم پر سختی نہ کیجئے' سائل کو جھڑکیے نہیں اور اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کریں۔

سورۃ الضحیٰ کی خاصیت

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس مبارک سورۃ کی ایک مجرب خاصیت یہ ہے کہ گم ہوئی چیز کے واسطے اس سورۃ کو سات بار پڑھے اور شہادت کی انگلی کے سرے کو اپنے سر کے ارد گرد پھراتا جاوے اور اس کے بعد اصبحت فی امان اللہ و امسیت فی جوار اللہ امسیت فی امان اللہ و اصبحت فی جوار اللہ پڑھ کر دستک دیوے تو گم شدہ چیز پھر مل جاوے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ الۡاِنۡشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَھِیَ ثَمَانِ اٰیَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ﴿۳﴾

کیا ہم نے آپکی خاطر آپکا سینہ کشادہ نہیں کردیا۔اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اُتار دیا۔جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔

وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ﴿۴﴾

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

اَلَمۡ کیا نہیں	نَشۡرَحۡ کھول دیا	لَکَ آپ کیلئے	صَدۡرَکَ آپ کا سینہ	وَ وَضَعۡنَا اور ہم نے اتار دیا	عَنۡکَ آپ سے	وِزۡرَکَ آپ کا بوجھ
الَّذِیۡ جو۔جس	اَنۡقَضَ توڑ دی	ظَہۡرَکَ آپ کی پشت	وَ رَفَعۡنَا اور ہم نے بلند کیا	لَکَ آپ کیلئے	ذِکۡرَکَ آپ کا ذکر	

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کی ابتدا یوں ہوئی ہے اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ کیا ہم نے آپ کا سینہ آپ کیلئے نہیں کھول دیا۔تو علامت کے طور پر جن الفاظ سے یہ سورۃ شروع ہوئی ہے یعنی الم نشرح وہی اس کا نام مقرر ہوا۔یہ سورۃ بھی مکی ہے اور سورۃ الضحیٰ جس کا بیان گذشتہ درسوں میں ہوا اُس کے بعد ہی نازل ہوئی ہے اور گذشتہ سورۃ سے اس کا خاص تعلق بھی ہے۔

سورۃ کا موضوع

اس سورۃ میں بھی اور گذشتہ سورۃ الضحیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمتیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھیں اُن کا ذکر فرمایا گیا۔اب جو نعمتیں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی ہیں وہ دو قسم ہیں۔ایک ظاہری یعنی وہ نعمتیں جو آپ میں ظاہر میں پائی جاتی تھیں اور سب عام وخاص ان کو جانتے تھے اور دیکھتے تھے۔دوسری قسم کی باطنی نعمتیں تھیں کہ جو عوام بلکہ خواص کی نظر سے بھی پوشیدہ تھیں۔یعنی پہلی قسم آپؐ کے ظاہر سے تعلق رکھتی تھیں جو سورۃ الضحیٰ میں بیان فرمائی گئیں اور دوسری قسم جو آپؐ کے باطن سے تعلق رکھتی تھیں وہ اس سورہ الم نشرح میں بیان فرمائی گئیں اس لئے اس کا نزول بھی سورۃ الضحیٰ کے بعد میں بیان فرمایا گیا ہے۔

سبب نزول

اس کے سبب نزول میں بعض مفسرین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خُلّت کا مرتبہ بخشا اور حضرت موسیٰؑ کو کلیم کی خِلعت سے نوازا اور حضرت داؤدؑ کو لوہا اور پہاڑوں کو تابع دار کر کے ممتاز کیا اور حضرت سلیمانؑ کو جنات و انسانوں پر سلطنت دے کر ہوا کو فرماں بردار کر کے سرفراز فرمایا۔میرے واسطے اے الٰہ العالمین آپ نے کیا چیز خاص کی؟ اس سوال کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔اس طرح یہ سورۃ بھی مکی دور کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تین خصوصی انعامات

ان آیات میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کمالات وانعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائے۔سب سے اول شرح صدر۔اس کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا۔سینہ کشادہ کر دینا۔یہ باطن میں نہایت بلند مرتبہ ہے۔اسی شرح صدر کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی نے بھی بارگاہ ایزدی میں التجا کی تھی رب اشرح لی صدری جیسا کہ سولھویں پارہ سورۂ طٰہٰ

میں بیان فرمایا گیا کہ اے میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ کردے۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کبریٰ کیلئے یہ مرتبہ اور کمال ضروری تھا۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کمال کے حاصل ہونیکی اطلاع دی گئی اور اسکا اظہار اسطرح فرمایا گیا اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ علم وحلم سے کشادہ نہیں کردیا؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ضرور ایسا کردیا۔علم بھی نہایت وسیع عطا فرمایا اور چونکہ تبلیغ احکام خداوندی میں طرح طرح کی تکالیف کا سامنا ہونا تھا اس لئے آپ کی طبیعت کو بھی نہایت متحمل اور بردبار بنادیا۔سینہ مبارک میں علوم ومعارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت اور احکام الٰہیہ کی تبلیغ کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بے شمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پاویں۔یہ تو ہوا شرح صدر معنوی۔

شرح صدر جسمانی اور اس کے اسرار

شرح صدر حسی کا ذکر احادیث صحیحہ اور کتب سیر میں یوں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک فرشتوں نے چاک کر کے قلب مبارک کو نورانی طشت میں آب قدس سے دھویا۔ یہ شق صدر کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عمر شریف میں چار مرتبہ پیش آیا۔اول بار زمانہ طفولیت میں پیش آیا جب کہ آپ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی پرورش میں تھے اور ایک روز آپ جنگل میں تھے جب کہ آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل بکریاں چرانے جانے لگے تھے کہ دو فرشتے حضرت جبرائیل ومیکائیل سفید پوش انسانوں کی شکل میں ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لے کر نمودار ہوئے اور آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلب مطہر کو نکالا۔ پھر قلب کو چاک کیا اور اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے پھر سینہ اور قلب کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا بعد ازاں قلب کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر لگادی۔ یہ پہلی مرتبہ کا شق صدر جس میں قلب چاک کر کے جو ایک سیاہ نقطہ نکالا گیا وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلب مطہر پاک کردیا گیا اور پھر قلب مبارک اس لئے دھویا گیا کہ مادہ معصیت کا کوئی نشان اور اثر بھی باقی نہ رہے اور برف سے اس لئے دھویا گیا کہ گناہوں کا مزاج گرم ہے اس لئے مادہ معصیت بجھانے کے لئے برف کا استعمال کیا گیا کہ حرارت عصیان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔دوسری بار شق صدر آپ کو دس سال کی عمر میں پیش آیا اور وہ اس لئے کیا گیا کہ قلب مبارک لہو ولعب سے پاک ہوجائے اس لئے کہ لہو ولعب خدا سے غافل بنادیتا ہے۔ تیسری بار یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا اور اس وقت سینہ مبارک جو چاک کیا گیا وہ اس لئے کہ قلب مبارک اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا تحمل کرسکے۔ چوتھی بار یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا اور اس وقت سینہ مبارک اس لئے چاک کیا گیا تاکہ قلب مبارک ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند ذوالجلال کی مناجات اور اس کے بے چوں وچگوں کلام کا تحمل کرسکے۔غرض یہ کہ بار بار شق صدر ہوا اور ہر مرتبہ کے شق صدر میں جداگانہ حکمت ہے اور مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر کی طہارت ونورانیت انتہا کو پہنچ جائے۔غرض کہ پہلا انعام الٰہیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سورۃ میں بیان فرمایا گیا وہ شرح صدر تھا۔اور یہ اسی ''شرح صدر'' نے علوم کے سمندر اور معرفت الٰہیہ کے خزائن آپ کے قلب میں اتار دیئے۔

ذمہ داری کی تکمیل کا انعام

اس کے بعد دوسرے انعام الٰہیہ کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ الَّذِيۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ اور ہم نے آپ پر سے آپ کا بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔اب یہ بوجھ گرانبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا جس کو اتار دیا گیا؟ اس کی تشریح مفسرین نے کئی طرح کی ہے۔مگر بظاہر وہ بار صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ قبل نبوت آپ کو اپنی قوم کی بگڑی ہوئی حالت پر تاسف اور حسرت اور ان کی اصلاح کی فکر اس کا توڑ تو یوں ہوا کہ آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ پر راہ ہدایت پوری تفصیلات کے ساتھ واضح کردی گئی اور آپ کے سپرد خلق کی رہنمائی

کر دی گئی۔ اور شریعت اسلامیہ سے نوازا گیا۔ اب بعد نبوت سب سے بڑی فکر آپ کو تبلیغ احکام الٰہیہ اور اس کے نتائج کی رہی لیکن قرآن کریم نے اس غم سے بھی آپ کو یہ کہہ کر سبکدوش کر دیا کہ آپ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی ذمہ داری نہیں۔ بس آپ کا کام تو احکام پہنچا دینا ہے۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

عظمت وشان کی رفعت کا انعام

آگے تیسرے انعام الٰہیہ کا ذکر فرمایا گیا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے ذکر کو کس طرح بلند کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے ذکر کو حق تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ کیا۔ اذان میں تکبیر میں' التحیات میں' خطبہ میں' کلمہ طیبہ میں اور کلمہ شہادت میں اور تابع داری کے کام میں جیسے ارشاد ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور گناہ کی حرمت میں جیسے فرمایا۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا تو حق تعالیٰ نے عالم بالا و پست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو وہ بلندی اور رفعت عطا فرمائی کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر چنانچہ دن رات میں پانچ وقت اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ کلمہ جو ایمان کی بنیاد ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے چنانچہ جب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ یعنی لآ الٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ آپ کی رسالت کا بھی اقرار کرتا ہے اور محمد رسول اللّٰہ بھی لازماً کہتا ہے۔ اسی طرح خطبہ۔ نماز' تشہد اور اقامت وغیرہ میں جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے وہیں آپ کا بھی ذکر ہے۔ اس سے بڑھ کر رفعت شان اور بلندی مراتب اور کیا ہوسکتی ہے۔ پھر دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جہاں آپ کا نام لیوا اور عزت واحترام کے ساتھ آپ پر پروانہ وار نثار ہونے والے موجود نہ ہوں۔ زمین پر بے شمار انسان آپ پر درود وسلام بھیجتے رہیں گے۔ اور آسمان میں فرشتوں کی مجلسوں میں آپ کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔ عالم غیب میں بھی آپ سلطان ہیں کوئی جگہ اور محل نہیں جہاں آپ کا ذکر خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی حشر میں بھی ملائکہ یہی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع تھا یا نافرمان آپ پر بھی ایمان لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازے اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ الغرض کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں آپ کا ذکر نہ ہو اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔

اب چونکہ شہر مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے متبعین مومنین طرح طرح کی تکالیف اور شدائد میں گرفتار تھے اس لئے آگے ان کے ازالہ کا وعدہ بھی فرمایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت دور کر دی اس طرح دنیوی راحت میں بھی اللہ کے فضل و کرام کا امیدوار رہنا چاہئے۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہر لحہ اور ہر آن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات عالیہ میں مزید ترقی اور رفعت عطا فرما اور ہم کو شب وروز اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی توفیق نصیب فرما۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿٧﴾

سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے تو آپ جب فارغ ہوجایا کریں تو محنت کیا کیجئے

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾

اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھیئے۔

فَاِنَّ پس بیشک	مَعَ ساتھ	الْعُسْرِ دشواری	يُسْرًا آسانی	اِنَّ بیشک	مَعَ الْعُسْرِ ساتھ دشواری	يُسْرًا آسانی	فَاِذَا پس جب
فَرَغْتَ آپ فارغ ہوں	فَانْصَبْ محنت کریں	وَاِلٰى اور طرف	رَبِّكَ اپنا رب	فَارْغَبْ رغبت کریں			

آسانی کا وعدہ اور اس کی تکمیل

گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین باطنی کمالات کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب چونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے متبعین اہل اسلام طرح طرح کی تکالیف اور شدائد میں گرفتار تھے۔اس لئے آگے ان آیات میں ان دنیوی تکالیف کے ازالہ کا وعدہ بھی فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ عنقریب آسانی ہونے والی ہے۔یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت دور کردی تو اس دنیوی محنت رنج ومشکل میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا امیدوار رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بے شک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونے والی ہے اور چونکہ یہ مشکلات مختلف انواع کی تھیں اور تعداد میں بھی کثیر تھیں اس لئے مکرر بطور تاکید فرمادیا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہوکر رہے گی۔اس لئے آپ اطمینان رکھیں چنانچہ کتب احادیث وسیر سے ثابت ہے کہ آخر کار تمام تکالیف کے بادل ایک ایک کرکے چھٹ گئے اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی کئی آسانیاں لے کر آئی۔اب بھی اللہ کی عادت یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے آس توڑ کر اسی سے لو لگائے اسی کے فضل ورحمت کا امیدوار رہے تو ضرور حق تعالیٰ اس کے حق میں آسانی فرمائیں گے ایک طرح کی نہیں بلکہ کئی طرح کی۔

امت مسلمہ کیلئے عظیم سبق

ان دو آیات فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں امت مسلمہ کے لئے عظیم الشان درس عبرت ہے۔ عارضی مصائب وشدائد کی وجہ سے پریشان خاطر نہ ہونا چاہئے خدائے تعالیٰ کا دائمی وعدہ ہے کہ ہر تکلیف کے بعد راحت کا آنا یقینی ہے۔ظلمت کے بعد نور۔اور تاریکی کے بعد طلوع سحر ہوا کرتا ہے۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ مومن آسانیوں اور مشکلات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی تائید یا ناپسندی کا فیصلہ نہ کرے۔ دنیا کی زندگی میں اگر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت پھر گئی ہے اور اگر آسانیاں ہی آسانیاں میسر آجائیں تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ کی تائید اور پسندیدگی کی علامت ہے۔اللہ تعالیٰ کی تائید ہمیشہ حق کے ساتھ رہتی ہے۔انسان کا کام یہ ہے کہ وہ پوری سمجھداری اور ہوش وفکر کے ساتھ حق اور ناحق کو پہچانے اور حق کا ساتھ دے۔ اور ناحق سے بچے اور علیحدہ رہے۔راہ حق کے مسافر کو مشکلات کے مقابلہ میں کبھی مایوس نہ ہونا چاہئے راہ حق پر جمنے اور صبر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کا پھل یہی ہے کہ دیر یا سویر اللہ کی مدد آتی ہے اور آسانیاں بھی ہوتی ہیں۔اور اس کی شہادت اکثر وبیشتر اہل اللہ کی زندگی کے حالات دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

اس موقع پر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ جن کا

زمانہ حیات ۴۷۱ھ تا ۵۶۱ھ ہے مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ حضرت غوث اعظم وہ مشہور و معروف بزرگ ہستی ہیں جن کا احترام تمام دنیائے اسلام متواتر کرتی چلی آرہی ہے مگر اب تھوڑے ہی ایسے ہوں گے کہ جو آپ کے زندگی مبارک کے طالب علمی کے دور سے اور زمانہ طالب علمی کے مصائب وشدائد سے واقف ہوں اور یہ زمانہ کچھ دو چار ماہ یا ایک آدھ سال کا نہیں پورے سات سالہ مدت کا زمانہ تھا۔ یعنی ۴۸۸ھ سے ۴۹۶ھ تک۔ اس سات سالہ مدت طالب علمی میں آپ نے بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں۔ آپ حصول علم کے لئے ۱۷ سال کی عمر میں ایک یتیم کی حیثیت سے اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر دور دراز شہر بغداد میں پہنچتے ہیں جہاں نہ اپنا کوئی عزیز و اقارب ہے اور نہ یگانہ اور رفیق۔ اس غریب الوطنی کے عالم میں وطن سے سینکڑوں میل دور آپ فاقہ کشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ کوئی ظاہری وسیلہ اور سہارا تو تھا ہی نہیں اور نہ آپ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتے تھے۔

جب بھوک بہت پریشان کرتی اور حالت غیر ہونے لگتی تو مجبوراً جنگل کی طرف نکل جاتے اور جو گھاس پات نظر آتی اسے کھا کر پیٹ کی آگ بجھاتے۔ برسوں آپ نے دریائے دجلہ کے کنارہ کی جڑی بوٹیوں اور پتوں پر زندگی بسر کی ہے۔ خود حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ پر اس طالب علمانہ زندگی میں وہ مصائب گزرے کہ اگر پہاڑ پر بھی پڑتے تو پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا۔ جب تکالیف اور مصائب کا ہجوم زیادہ ہو جاتا تو آپ زمین پر چت لیٹ جاتے اور قرآن کریم کی یہی آیات فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا وردزبان کرتے۔ بے شک مصائب و شدائد کے ساتھ سہولت اور آسانیاں بھی ہیں۔ اور بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ چنانچہ اس کے ورد سے تمام افکار دور ہو جاتے اور طبیعت میں گونہ شگفتگی پیدا ہو جاتی۔ افسوس کہ ہم اب اپنے اکابر سلف صالحین کے کارنامہ ان کے حالات زندگی ان کے مخصوص اوصاف و کمالات ان کی ریاضت اور مجاہدوں کے تفصیلی واقعات سے تو بے بہرہ اور لاعلم ہوتے جاتے ہیں کہ جن کے مطالعہ سے امت مسلمہ میں دینی بیداری اور جانی و مالی قربانی کے بلند جذبات پیدا ہوتے۔ دینی ترقی کا سبب اور دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہوتی۔ اب تو ہماری نوجوان نسل کو افسانے، ڈرامے، ٹی وی، ریڈیو، سینما، فلمیں وغیرہ جیسی تباہ کن چیزوں سے فرصت ہی نہیں۔ انہیں کیا خبر کہ ہمارے اسلاف کی زندگیاں ہمارے لئے کیا درس نصیحت ہیں۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ یہ مضمون۔

حق تعالیٰ کے ساتھ کمال محویت رکھنے کی تاکید

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی ایسی نعمتیں عطا کیں جن کا ذکر شروع سورۃ میں ہوا تو آپ جب رسالت کے کام مثلاً تبلیغ احکام، وعظ و نصیحت اور تدابیر امور وغیرہ سے فارغ ہو جایا کریں تو شکر کے طور پر دوسری عبادات جو خاص آپ کی ذات سے متعلق ہیں ان میں مشغول ہو جایا کریں۔ آخری آیات فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ میں اسی طرف ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب آپ خلق کے سمجھانے اور تبلیغ احکام کے پہنچانے سے فراغت پائیں تو خلوت میں اپنے رب کی طرف بلاواسطہ متوجہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کو سمجھانا اور دین کو پہنچانا اور نصیحت کرنا آپ کی اعلیٰ ترین عبادت ہی تھی لیکن اس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا اور مطلوب یہ تھا کہ بلاواسطہ بھی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے تاکہ ہر کار و ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوب حقیقی کی طرف نظر رہے۔ اسی کا شوق اور اسی کا جذبہ محبت آپ کے دل میں جوش زن رہے تاکہ کمال محویت حق تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہو۔

خلاصہ یہ کہ اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی کمالات اور باطنی انعامات کو بیان فرما کر تعلیم دی گئی کہ آپ جب نبوت کے فرائض یعنی تبلیغ و دعوت وغیرہ سے فراغت پایا کریں تو حق سبحانہ کی عبادت میں لگ جایا کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف توجہ فرمایا کریں۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس ارشاد ربانی فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ کا کیسا حق ادا فرمایا کہ رات کی تنہائی میں آپ اکثر نوافل میں مشغول رہتے اور کبھی اتنا لمبا قیام فرماتے کہ قدم مبارک ورم کر آتے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ نوافل پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں

مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ پر اگلی پچھلی سب خطاؤں کے معاف کی بشارت نازل ہو چکی ہے تو پھر آپ اس درجہ مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً یعنی جب حق تعالیٰ جل شانہٗ نے مجھ پر اتنے انعام فرمائے تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

دعوت اور تبلیغ کے ساتھ ذکر و دعا اور استغفار بھی ضروری ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان آیات فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور خلق خدا کو راستہ دکھانا۔ ان کی اصلاح و ہدایت کی فکر یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اور اس کی تدبیر کریں۔ ان آیات کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ جب اس سے فرصت ملے تو بلا واسطہ خلوت میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور نماز ذکر اللہ اور دعا و استغفار میں لگ جائیں کہ اصل مقصود جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ ذکر اللہ اور عبادت بلا واسطہ ہی ہے اور شاید اسی لئے پہلی قسم یعنی عبادت سے فراغت کا ذکر فرمایا کہ وہ کام ایک ضرورت کے لئے ہے اس سے فراغت ہو سکتی ہے اور دوسرا کام یعنی توجہ الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اس سے فراغت مومن کو کبھی نہیں ہو سکتی بلکہ اپنی ساری عمر اور توانائی کو اس میں صرف کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق کا کام کرنے والے ہیں ان کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہئے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لئے بھی مخصوص ہونا چاہئے جیسا کہ علمائے سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں۔ اس کے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی ان میں نور و برکت نہیں ہوتی۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ میں لفظ فانصب نصب سے مشتق ہے جس کے اصلی معنیٰ تعب اور تکان کے ہیں اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ مشقت اور تکان محسوس ہونے لگے۔ صرف نفس کی راحت اور خوشی ہی پر اس کا مدار نہ رہے اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب ہے خواہ کام مختصر ہی ہو"۔ (معارف القرآن جلد ۸)

خلاصہ

اس سورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت آپ کی عظمت اور مقام کا بیان ہے۔ اس سورت میں چار مضمون بیان ہوئے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے تین احسانات۔ شرح صدر یعنی اللہ نے آپ کے دل کو حکمت و نور سے بھر دیا اور ہر قسم کے گناہوں اور گندگی سے پاک کر دیا۔ آپ سے اس بوجھ کو ہٹا دیا جس نے آپ کی کمر کو بوجھل کر رکھا تھا یعنی نبوت اور رسالت کا بوجھ اور اس کے واجبات اور ذمہ داریوں کی ادائیگی۔ آپ کے ذکر کو بلند کر دیا کہ جہاں جہاں اللہ کا ذکر ہو ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چاہے اذان ہو یا اقامت تشہد ہو یا خطبہ

اللہ نے مشکلات کو آسان کرنے اور پریشانیوں کو دور کرنے کا وعدہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ تبلیغ و دعوت کی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے اس کی عبادت میں لگ جائیں اور اس میں اپنے آپ کو تھکا دیں۔ سب کچھ کرنے کے بعد اللہ پر توکل کریں اور تمام معاملات میں اسی کی طرف رغبت کریں۔

سورۃ الانشراح کے خواص

۱- اگر کسی کا دل تنگی اور گھٹن میں ہو تو اس کے سینہ پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کیا جائے، انشاء اللہ تکلیف جاتی رہے گی۔

۲- اگر کسی کے دل میں درد ہو تو بھی اس آدمی کے سینہ پر دل کی جانب میں یہ سورۃ پڑھ کر دم کرنے سے راحت ہو جائے گی۔

۳- اگر کسی کو پتھری ہو یا مثانے میں کوئی اور تکلیف ہو تو یہ سورۃ پانی پر دم کر کے وہ پانی پیئے یا کاغذ میں لکھے اور پانی میں دھو لے اور پھر وہ پانی پی جائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَّھِیَ ثَمَانِیْ اٰیٰتٍ

شروع کرتا ہو اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ﴿١﴾ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ﴿٢﴾ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ﴿٣﴾

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔اور طور سینین کی اور اِس امن والے شہر کی۔

وَالتِّیْنِ قسم ہے انجیر کی	وَالزَّیْتُوْنِ اور زیتون کی	وَطُوْرِ + سِیْنِیْنَ اور طور سینا کی	وَھٰذَا اور اس	الْبَلَدِ شہر	الْاَمِیْنِ امن والا		

سورۃ کی وجہ تسمیہ' زمانۂ نزول اور موضوع

اس سورۃ کی ابتدا ہی لفظ والتین سے ہوئی ہے۔تین عربی زبان میں انجیر کو کہتے ہیں۔اِسی سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔یہ بھی مکی سورۃ ہے اور ابتدائی دور میں مکہ میں اس کا نزول بیان کیا گیا ہے۔

انجیر' زیتون' طور سینا اور شہر مکہ کی قسم

اس سورۃ کی ابتدا بھی گذشتہ چند سورتوں کی طرح قسمیہ کلام سے فرمائی گئی ہے۔یہاں سورۃ کی ابتدا میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے پہلی قسم فرمائی گئی وَالتِّیْنِ یعنی قسم ہے انجیر کی۔دوسری قسم ہے وَالزَّیْتُوْنِ قسم ہے زیتون کی وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ قسم ہے اس شہر امین کی ان چاروں قسموں میں طور سینا اور بلد امین تو مفسرین کے نزدیک بالاتفاق دو متعین جگہ ہیں۔یعنی طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام باری تعالیٰ حاصل ہوا۔اور بلد امین یعنی محفوظ یا امانت دار شہر مکہ ہے جہاں سارے عالم کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور آخری امانت قرآن کریم اول اسی شہر میں اتاری گئی۔جاہلیت میں بھی یہ شہر امن کا شہر رہا ہے۔اسلام سے پہلے عرب میں باوجودیکہ ہر جگہ جنگ وجدل۔مار دھاڑ۔لوٹ کھسوٹ ہوتی رہتی تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن کے درپے نہ ہوتا تھا۔اور اسلام میں بھی اس کی یہی حرمت تا قیامت باقی رہی۔مگر تین اور زیتون میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں تاہم اکثر علمائے محققین کا قول یہی ہے کہ تین سے انجیر کا پھل اور زیتون سے یہی زیتون کا پھل مراد ہے۔

انجیر کی خصوصیات وفوائد

اب سوال ہوتا ہے کہ ان دو پھلوں میں کیا شرف ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اُن کی قسم کھائی؟ اس کے جواب میں علماء نے لکھا ہے کہ انجیر کا پھل بھی عجیب اور خصوصیات کا حامل ہے کہ جس میں نہ گٹھلی نہ پوست۔پھر غذا بھی ہے۔دوا بھی ہے اور میوہ بھی ہے۔حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے انجیر کے بہت سے فوائد تحریر فرمائے ہیں۔منجملہ اُن فوائد کے لکھا ہے کہ انجیر کو اور میووں سے ایک خصوصیت ظاہر اور ایک خصوصیت باطنی ہے جو ظاہری خصوصیات ہیں وہ یہ ہیں کہ سریع الہضم۔اور ملین طبع ہے۔گندے اور سڑے ہوئے مواد کو بدن کے اندر سے پسینہ کی راہ نکال دیتا ہے اسی واسطے باوجود حرارت کے تپ کو مفید پڑتا ہے۔بلغم کو تحلیل کرتا ہے اور گردہ اور مثانہ کو ریگ سے پاک کر دیتا ہے۔بدن کو فربہ کرتا ہے اور مسام کو کھول دیتا ہے اور کبد (جگر) اور طحال (تلی) کے مسامات کھولتا ہے اور ورم کو تحلیل کرتا ہے۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ ظاہر و باطن میں ان چاروں چیزوں کو فضیلت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن کو بھی درست فرما دے اور ظاہر کے ساتھ باطن کی نورانیت ہم کو عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٤﴾ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ﴿٥﴾ إِلَّا الَّذِينَ

کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے پھر ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کردیتے۔ لیکن جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٦﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ﴿٧﴾

ایمان لائے اوراچھے کام کئے تو ان کیلئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے

غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٦﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ﴿٧﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ﴿٨﴾

بارہ میں منکر بنارہی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا البتہ ہم نے پیدا کیا	الْإِنسَانَ انسان	فِي میں	أَحْسَنِ بہترین	تَقْوِيمٍ سانچہ	ثُمَّ پھر	رَدَدْنَاهُ ہم نے اسے لوٹا دیا	أَسْفَلَ سب سے نیچا
سَافِلِينَ نیچوں والا	إِلَّا سوائے	الَّذِينَ جو لوگ	آمَنُوا ایمان لائے	وَعَمِلُوا اور عمل کئے	الصَّالِحَاتِ نیک	فَلَهُمْ تو اُن کیلئے	أَجْرٌ اجر	غَيْرُ نہ
مَمْنُونٍ ختم ہونے والا	فَمَا يُكَذِّبُكَ پس کیوں تو جھٹلاتا ہے	بَعْدُ اسکے بعد	بِالدِّينِ دین (روز جزا)	أَلَيْسَ کیا نہیں	اللَّهُ اللہ		
بِأَحْكَمِ سب سے بڑا حاکم	الْحَاكِمِينَ تمام حاکم						

چار قسموں اور انکے جواب کے درمیان مناسبت

گذشتہ ابتدائی آیات میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی تھی۔ انجیر' زیتون' طور سینا اور امن والے شہر کی۔ ان چار چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا جاتا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک بہترین اور نہایت عمدہ حالت اور انداز پر پیدا کیا ہے۔ تو پہلی قسم جو انجیر کی کھائی گئی اُس سے مناسبت جواب قسم کو یہ ہے کہ جس طرح یہ پھل باوجود مختصر جسامت ہونے کے بے شمار فوائد کا مجموعہ ہے اِسی طرح وجود انسانی بھی جسم میں چھوٹا ہے لیکن مختلف قوتوں کا پُتلا ہے اور گوناگوں جذبات واسرار کا مخزن ہے۔ اسی طرح انسان مٹھی بھر ہڈیوں میں اللہ نے ایسی صلاحیت بھر دی ہے کہ جو پہاڑوں اور سمندروں کو مسخر کرسکتی ہے۔ دوسری قسم زیتون کی کھائی گئی۔ زیتون کا پھل بھی فوائد کا مجموعہ ہے اور جس طرح زیتون میں روغن موجود ہے اس طرح انسانی جسم میں روح پوشیدہ موجود ہے اور جس طرح زیتون کے تیل سے چراغ روشن کئے جاتے ہیں جو تاریکی میں اردگرد کی چیزوں کو منور کردیتے ہیں اِسی طرح اگر روح انسانی کو پاک صاف کرایا جائے تو اس سے بہت سے ظلماتی قلوب منور ہوسکتے ہیں۔ تیسری قسم طور سینا کی کھائی گئی جو وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی بخشا گیا۔ توراۃ عطا کی گئی اور تجلیٔ الٰہی سے سرفراز فرمایا گیا۔ گویا طور سینا کو بطور شاہد پیش کیا گیا کہ دیکھو انسان میں کس قدر ترقی کا مادہ رکھا ہے اور اس میں کیسی کچھ قوتیں اور ظاہری وباطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں کہ اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گوئے سبقت لے جائے۔ سب سے اخیر میں الْبَلَدِ الْأَمِينِ یعنی مکہ معظمہ کی قسم کھائی گئی جہاں سارے عالم کے سردار۔ اشرف الانبیاء والمرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ کی آخری امانت قرآن کریم ابتداً اسی شہر میں نازل کی گئی اور جہاں خانہ کعبہ کی تعمیر سے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام جیسی اولوالعزم اور برگزیدہ ہستیوں کا تعلق وابستہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا مرتبہ حاصل ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا لقب ملا کہ جنہوں نے قربانی کیلئے اپنے آپ کو حاضر کردیا۔ تو یہ مکہ کی سرزمین اور کعبۂ مکرمہ اس امر پر شاہد ہیں کہ انسانی روح جوش محبت اور عشق الٰہی میں کہاں تک ترقی کرسکتی ہے۔

انسانی حسن

الغرض ان چاروں قسموں کے بعد فرمایا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ بے شک ہم نے انسان کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی اور انسان کو بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری خوبصورتی بھی عطا کی اور باطنی محاسن سے بھی مالا مال کیا۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ تمام جانداروں میں انسان کو جو بہترین صلاحیتیں اور عقل وفہم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں وہ کسی کو نہیں دی گئیں۔ اللہ نے اپنی اس مخلوق انسان کو انتہائی اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ان صلاحیتوں سے کام لینے کیلئے انسان کو بہترین ساخت اور انتہائی موزونیت کا جسم عطا کیا گیا ہے۔ انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی ظاہری خوبیاں اور کمالات کیا کیا ہیں؟ اس کی تفصیلات تو اتنی زیادہ ہیں کہ باوجود انسانی علم نے جواب تک ترقی کی ہے۔ اور انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی ساخت کے بارہ میں اسے اب تک جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہی اتنا زیادہ ہے کہ اگر اُسے کوئی قلم بند کرنا چاہے تو دفتر کے دفتر سیاہ کردینے کے بعد بھی تشریح و تفصیل کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ موجودہ سائنسی ترقی نے جو انسانی جسم پر تحقیق اور ریسرچ جدید ترین آلات کی مدد سے کی ہے اور انسان کی آنکھ۔ کان۔ ناک۔ ہاتھ پیر۔ معدہ۔ دل۔ دماغ۔ جگر۔ گردہ۔ نس۔ پٹھے۔ اعصاب وغیرہ کی موزونیت اور ساخت پر جو کچھ انکشافات کئے ہیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔ تاہم اتنا کچھ جاننے کے بعد بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تشریح کا حق ادا نہیں ہوا۔

عجیب واقعہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلوی نے امام شافعیؒ کے زمانہ کی ایک حکایت نقل کی ہے کہ امام شافعیؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا تھا کہ **ان لم تکونی احسن من القمر فانت طلاق**۔ اگر تو چاند سے اچھی نہ ہوگی تو تجھ کو میں نے طلاق دی۔ اسپر سب علماء اس وقت کے حیران ہوئے اور طلاق پڑنے کا حکم دیا جب یہ استفتاء امام شافعیؒ کے پاس پہنچا تو فرمایا طلاق واقع نہیں ہوئی اس واسطے کہ اسکی عورت انسان ہے اور انسان کیلئے حق جل وعلا نے فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ اگر چاند کی صورت اس سے اچھی ہوتی تو احسن تقویم انسان کی تعریف میں کیوں فرماتا۔

معنوی انسان کی صلاحیتیں

اس بہترین ساخت کے جسم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین فطرت سے بھی نوازا ہے۔ اسے اچھائی برائی کی تمیز بخشی ہے۔ اسے اختیار اور ارادے کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اگر انسان نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے تو اونچا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔ قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دنیا میں ہر بچہ فطرت سلیمہ یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

گویا وہ نیکی کا مادہ لے کر دنیا میں آتا ہے اور گویا وہ نیکی ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اکیسویں پارہ سورۂ روم میں ارشاد ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فطرت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کرسکے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ نے ایسی ہی بنائی ہے لیکن گردوپیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر ہو کر فطرت الٰہیہ کو خراب اور ضائع کردیتا ہے۔ جس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اس کو تم اپنے اختیار اور ارادے سے بدل کر خراب نہ کرو۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی تصریح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعدہٗ ماں باپ اسے یہودی۔ نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو ''حُنَفَاءَ'' پیدا کیا پھر شیاطین نے پھسلا کر انہیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا۔ غرض کہ انسان کے جسم کی ظاہری بناوٹ کو دیکھئے یا اس کے اندر رکھی ہوئی صلاحیتوں پر نظر کیجئے ہر اعتبار

سے غور کرنے کے بعد یہی ماننا پڑتا ہے کہ واقعی انسان کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی گئی اور بہترین صلاحیتوں سے اسے نوازا گیا۔ اور اسی کی طرف لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ میں اشارہ فرمایا گیا۔

انسانی ذمہ داریوں کی نزاکت

اب اس بہترین جسمانی ساخت اور اندرونی صلاحیتوں سے کام لینے کی انسانوں کیلئے دو صورتیں ممکن ہیں اور انسانوں کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ ان صورتوں میں سے جسے چاہے اپنے ارادہ سے اختیار کرے۔ وہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے اور کوئی مخلوق اس کی ہم سری نہ کر سکے اور چاہے تو برائی کی طرف بھی بڑھ سکتا ہے اور نیچے سے نیچے درجہ تک گر کر بدترین نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ پھر ہم نے اس کے اعمال بد کی وجہ سے اس کو نیچے کے درجہ میں پھینک دیا۔ تو جس نے دنیا میں آ کر اپنی فطری نیکی کی حفاظت نہ کی اور خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں اور بہترین جسمانی ساخت کی قدر نہ کی اور اپنی قوتوں کو غلط راستوں پر لگایا جس کے نتیجہ میں وہ اتنا گرا کہ جانوروں کو بھی مات کر دیا۔ اور انتہائی پستی تک گرتا چلا گیا۔ البتہ انسانوں کے جس گروہ نے بھلائی کا رخ اختیار کیا۔ خدا کی دی ہوئی عقل وفہم سے کام لے کر کائنات کے خالق اور مالک کو پہچانا اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایات پر کان دھرا۔ اُس کے احکام کے پیروی کی اور قانون الٰہی کے آگے قولاً اور فعلاً سر تسلیم خم رکھا اور وہ تمام کام کئے جو اُس کے آقا اور مالک کو پسند تھے اور ان تمام کاموں سے بچا جو آقا کو ناپسند تھے تو ایسے ہی لوگ اپنی اصلی فطرت پر قائم رہے اور یہی گروہ انسانیت کا اصل سرمایہ ہے اور انہی کے بارہ میں یہ اعلان کیا گیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو اُن کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی ایسی عنایات سے آخرت میں نوازے گا جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

انکار آخرت کی گنجائش نہیں

یہ بیان فرما کر اب اخیر میں ایسے منکر انسان سے جو نہ آخرت کو مانتا ہے نہ جزا وسزا کا قائل ہے خطاب ہوتا ہے فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ اے انسان! پھر کونسی چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے یعنی اے انسان! ان دلائل و براہین کے ہوتے ہوئے وہ کونسی دلیل ہے جس کی بنا پر تو قیامت و آخرت کا انکار کر رہا ہے؟ غور تو کر کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور بہترین شکل وصورت۔ ساخت و بناوٹ میں پیدا کیا اور اس میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے۔ کوئی مخلوق اس کی ہم سری نہ کر سکے لیکن انسان خود اپنی بدتمیزی۔ بدعملی اور کج روی سے ذلت اور ہلاک کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔ کسی ایمان دار اور نیکوکار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزا وسزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے۔ ہاں ایک ہی صورت انکار و تکذیب کی ہو سکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کر لیا جائے جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین وقانون جاری ہو۔ نہ کسی بھلے بُرے پر کوئی گرفت کر سکے تو اس کا جواب یہ ہے اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں یعنی اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام اور مجرموں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی سرکار سے یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے۔ عقل کی رو سے انصاف کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اچھائی کا اچھا اور برائی کا برا بدلہ ملے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انسان آخرت میں ملنے والی جزا وسزا کی خبر سن کر انکار کرے؟ عدل وانصاف خدا کی صفت ہے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی یہ صفات ظاہر نہ ہوں؟ اور ایک ایسا وقت نہ آئے کہ جب وہ پورے حق وانصاف کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی سورۃ التین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ تو چاہیے کہ کہے بلی وانا علی ذلک من الشاھدین۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ

کر حاکم ہے اور ہم اس پر گواہ ہیں مگر یہاں یہ مسئلہ سمجھ لیا جائے کہ اگر نماز میں امام سے یہ سورت سنے تو یہ جملہ بلی وانا علی ذالک من الشاھدین زبان سے نہ کہے صرف دل میں کہے اور بیرون نماز سنے تو زبان سے کہے یہ احناف کے نزدیک مسئلہ ہے اور دوسرے ائمہ ہر جگہ نماز میں سنے یا غیر نماز میں جواب زبان سے دینے کا حکم دیتے ہیں۔

خلاصہ

اس میں تین امور بیان ہوئے ہیں جن کا انسان سے اور اس کے عقیدے سے تعلق ہے: نوع انسانی کی تکریم' اس کی تکریم کے مختلف پہلو ہیں' یہاں ان میں سے ایک پہلو کا بیان ہے' وہ یہ کہ انسان کو بہت خوبصورت پیدا کیا گیا ہے' یہ خوبصورتی جسمانی اور ظاہری شکل کے اعتبار سے بھی ہے اور عقلی وروحانی کمالات کے اعتبار سے بھی۔

جب انسان انسانیت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور ناشکرا پن کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے نیچوں سے بھی نیچے گرا دیا جاتا ہے' حیوانی اور شہوانی زندگی کو اپنا مقصد بنا کر وہ حیوانوں سے بھی زیادہ پستی میں جا گرتا ہے۔ البتہ ایمان وعمل صالح والے اس پستی سے بچے رہتے ہیں۔

وہ اللہ جو پانی کے ایک قطرے سے ایسا خوبصورت انسان پیدا کرسکتا ہے وہ انسان کو دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے' ویسے بھی دوبارہ پیدا کرنا اور حساب وجزا اس کے حاکم اور عادل ہونے کا تقاضا ہے۔

سورۃ التین کے خواص

۱......اگر مسافر سفر میں کوئی خطرہ محسوس کرتا ہو تو اپنے ساتھ سورۃ التین رکھے۔ سفر سے لوٹنے تک وہ ہر قسم کے امن میں رہے گا۔

۲......کھیتی اور باغ کے پھل پھول میں برکت اور حفاظت مطلوب ہو تو سفید شیشہ کے پاک برتن میں سورۃ التین لکھے اور اسے بارش کے پانی سے دھو کر کھیتی اور باغ میں چھڑکے، ان شاءاللہ کھیتی اور باغ خوب پھلے پھولے گا اور ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہاء شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو انسان بنا کر پیدا فرمایا اور پھر اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔

یَااللّٰہ ہمیں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور قیامت وآخرت کے یقین کے ساتھ اس کی تیاری کی بھی توفیق عطا فرما۔ اور اُس انصاف اور جزا وسزا کے دن میں یا اللہ اپنی رحمت سے ہم کو نواز دیجئے اور اپنے اُن بندوں کے ساتھ ہم کو شامل فرما دیجئے کہ جن کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ آمین

یَااللّٰہ آپ نے نعمت پر نعمت عطا کی اس سے قوت آئی لیکن آپ کی دی ہوئی قوت کو میں نے آپ ہی کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ کتنا برا کیا' آپ نے تو کھلایا پلایا اور میں نے آپ ہی کی مخالفت کی آپ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کیا' نادم ہوں برا کیا' اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔

یَااللّٰہ کتنی بار ایسا ہوا کہ میں نیکی کے ارادے سے چلا مگر راستے ہی میں گناہ کی طرف چلا گیا اور جہاں تیرا غضب نازل ہوتا وہاں نفس کو راضی کیا اور آپ کی ناراضگی کی پروا نہ کی۔ میں آپ کے غضب وعذاب کو بھی جانتا تھا مگر شہوت نے ایسا حجاب ڈال دیا یا کسی دوست نے ایسا ورغلایا کہ گناہ ہی اچھا معلوم ہوا۔ الٰہی! یہ سب کرتوت کر کے آیا ہوں اور اس امید میں آیا ہوں کہ آپ ضرور سب گناہ معاف فرما دیں گے' اب اس امیدوار کو ناامید نہ فرمانا' میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ

اے پیغمبر آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپکا رب بڑا کریم ہے۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ

جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

اِقْرَاْ آپ پڑھیے	بِاسْمِ نام سے	رَبِّكَ اپنا رب	الَّذِیْ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	خَلَقَ پیدا کیا	الْاِنْسَانَ انسان	مِنْ سے	عَلَقٍ جما ہوا خون
اِقْرَاْ پڑھیے	وَرَبُّكَ اور آپ کا رب	الْاَكْرَمُ بڑا کریم	الَّذِیْ وہ جس نے	عَلَّمَ سکھایا	بِالْقَلَمِ قلم سے	عَلَّمَ سکھایا		
الْاِنْسَانَ انسان	مَا لَمْ جو نہ	يَعْلَمْ وہ جانتا تھا						

وجہ تسمیہ: علق جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ کی دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اللہ نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اسی سے سورۃ کا نام علق ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کو سورۂ اقراء بھی کہتے ہیں جس لفظ سے کہ اس سورۃ کی ابتدا ہوئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول

اس سورۃ کی یہ ابتدائی پانچ آیات زیر تفسیر اکثر و بیشتر مفسرین کے نزدیک سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ گویا قرآن پاک کی وحی کی ابتداء انہی آیات سے شروع ہوئی۔ انبیاء و مرسلین اگرچہ نبوت و رسالت سے پہلے نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر ولی اور صدیق ضرور ہوتے ہیں اور ان کی ولایت ایسی کامل اور اتم ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے ولی اور صدیق کی ولایت کو انکی ولایت سے وہ نسبت بھی نہیں ہوتی جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتدا ہی سے شرک اور بت پرستی اور تمام مراسم شرک سے بالکل پاک اور منزہ رہے۔

ابتدا ہی سے ان حضرات کے قلب مطہر توحید وتفرید۔خشیت و معرفت سے لبریز ہوتے ہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جو حضرات عنقریب کفروشرک کے مٹانے کیلئے اور ہر فحشاء ومنکرات سے بچانے کیلئے اور خیر کی طرف دعوت دینے کیلئے منجانب اللہ مبعوث ہونے والے ہیں اور خدا کے مجتبیٰ اور مصطفیٰ برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ بننے والے ہیں وہ خود ہی معاذ اللہ منصب نبوت ورسالت کی سرفرازی سے پیشتر کفروشرک کی نجاست میں ملوث اور فواحش ومنکرات کی گندگی سے آلودہ ہوں۔حاشاثم حاشا۔مطلقاً ناممکن اور محال ہے۔

الغرض جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۴۰ سال ہوگئی تو آپ کو خلوت محبوب ہوگئی اور آپ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے جو مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اور اب اس پہاڑ کا نام جبل نُور ہے۔اور آپ وہاں کئی کئی روز رو کر عبادت الٰہی میں تنہا مستغرق رہتے اور نبوت سے چھ ماہ پہلے سے آپ سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے۔کہ ایک دفعہ اچانک دوشنبہ کے دن۔ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ دوشنبہ کے دن ۱۷ رمضان المبارک غارِ حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور پہلی وحی یعنی اسی سورۃ اِقراء کی ابتدائی ۵ آیات لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرف بہ نبوت ہوگئے۔فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور اُس نے کہا ''اقراء''یعنی پڑھیے۔آپ نے فرمایا ما انا بقاری ءِ میں تو پڑھا ہوانہیں ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس جواب پر فرشتہ نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگا کر زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا ''اقراء''یعنی پڑھیئے۔میں نے وہی جملہ اب بھی کہا کہ میں تو پڑھا ہوانہیں ہوں آپ فرماتے ہیں کہ اس جواب پر مجھے پھر اس نے پکڑا اور دوبارہ زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیئے میں نے پھر وہی کہا کہ میں تو پڑھا ہوانہیں ہوں تو اس نے اس دفعہ بھی پکڑا اور سہ بارہ زور سے دبایا پھر چھوڑ کر کہا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آپ کو تین بار خوب زور سے سینہ سے لگا کر دبانا بغرض تقویت استعداد تھا کہ وحی بار گراں آسان ہو جائے۔الغرض یہ پانچ آیتیں وہ ہیں کہ جن سے وحی کی ابتدا ہوئی۔بقیہ آیات مکہ ہی میں کسی دوسرے موقع پر نازل ہوئی ہیں جو اس سورۃ میں شامل کر دی گئیں۔

تلاوت سے پہلے تعوذ وتسمیہ کا حکم

جیسا کہ اوپر ان آیت کے شان نزول کے بارہ میں بتلایا گیا۔یہی وہ پانچ آیات ہیں جو بالکل پہلی وحی کی صورت میں اُس وقت اتریں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں عبادت خداوندی کیلئے تشریف فرما تھے کہ دفعۃً جبرئیل علیہ السلام یہ وحی لے کر آئے اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سے مَالَمْ يَعْلَمْ تک یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر جو قرآن نازل ہوا ہے یا آئندہ ہوا کرے گا وہ آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے یعنی جب پڑھنے لگیں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔کہہ لیا کریں۔بعض روایات میں اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہونا بھی آیا ہے۔اور پھر بعد میں قرآن پاک کی دوسری آیت فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (سورہ نحل) میں اعوذ پڑھنے کا بھی حکم آیا اور ان دونوں امر سے مقصود توکل اور استعانت باللہ ہے۔

جسمانی تربیت

لفظ میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جس رب نے ولادت سے لے کر اس وقت تک آپ کی ایک عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی وہی اب بھی آپ کی کمال روحانی تربیت فرمائے گا اور نبوت کے تمام اعلیٰ درجات تک آپ کو پہنچائے گا۔اس کے بعد رب کی صفت بیان کی کہ وہ رب ایسا ہے الَّذِيْ خَلَقَ کہ جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور سب کی تربیت فرمائی بالخصوص خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کر کے آسمان ترقی پر پہنچا دیا۔انسانی جوہر یعنی نطفہ جب عورت کے رحم میں پہنچتا ہے تو اللہ کے حکم سے اس میں تغیر اور تبدل شروع ہوتا ہے وہی نطفہ کچھ دنوں بعد خون بستہ ہو جاتا ہے اور پھر کچھ دنوں بعد ترقی کر کے خون کا لوتھڑا بن جاتا

ہے۔پھر کچھ عرصہ بعد اس میں مختلف اجزا ہاتھ۔ پاؤں۔سر۔دل و دماغ پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اسکے بعد اس میں جان ڈالی گئی پھر رحم کے اندر ہی غذا بھی مہیا کی۔ پھر جیتا جاگتا انسان ماں کے پیٹ سے باہر آیا تو خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ میں اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ کس طرح ایک خون بستہ کو تغیر و تبدل دے کر اس انسان کو پیدا کیا اور پھر اس کے پیدا ہونے بعد ربوبیت کا یہ سامان فرمایا کہ ماں کے پستانوں میں دودھ پیدا کیا اور بچہ کو دودھ پینا اور چوسنا سکھایا۔ پھر جب بچہ کے جسم میں دوسری غذا کے لئے قابلیت پیدا ہوگئی اور دانت نکل آئے معدہ میں قوت آگئی تو دوسری غذائیں کھانے کی قابلیت اور ان کے ہضم کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔ تو ربوبیت کا یہ سلسلہ دنیاوی ترقی ہی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے عالم تک چلا جاتا ہے جس کو عالم روحانی کہتے ہیں۔

تعلیم و تبلیغ کے وسائل

اس کے بعد دوبارہ بغرض تاکید فرمایا اقراء آپ قرآن پڑھا کیجئے کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ یہی قراءت قرآن ہے اور چوں کہ تبلیغ احکام خداوندی ایک اہم اور مشکل فریضہ ہے جس میں آپ کو غیبی امداد کی بھی ضرورت تھی اس لئے آگے تسلی کیلئے فرمایا وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ اور آپ کا رب بڑا کریم ہے اس لئے وہ آپ کے اس کام میں دستگیری فرمائے گا اور یہ اُس کریم کی کریمی ہی ہے کہ جو اس نے انسان کو قلم کے ذریعہ لکھنا پڑھنا سکھایا۔ تاکہ جو مطالب ذہن میں ہوں وہ کاغذ پر ثبت ہو سکیں۔ اس پر وہ خود بھی بھولی ہوئی بات کو یاد کر سکتا ہے اور آئندہ نسلوں کیلئے بھی وہ مضامین محفوظ ہو جاتے ہیں۔ قلم پر نہ صرف حکومت و سلطنت۔ تجارت۔ لین دین صنعت و حرفت ہی کا دارو مدار ہے بلکہ علوم دینیہ اور کتاب اللہ کی حفاظت اور آئندہ نسلوں تک انکو پہنچانا اسی پر منحصر ہے لہٰذا تعلیم و تعلم کا اہم ذریعہ یہی قلم ہے۔ تو انسانوں کو قلم کے ذریعہ سے لکھنا لکھانا اور اس کا پڑھنا پڑھانا یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان و کرم ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔ صدہا علوم سکھائے۔ دنیاوی انتظام کے قوانین سے واقف کار بنایا۔ مخلوقات کے ایسے ایسے اسرار و حکم پر متنبہ کیا جن کی بدولت ہزاروں حیرت انگیز ایجادات و اختراعات ظہور میں آئیں۔ الغرض تعلیم و تعلم صرف کتابت ہی میں منحصر نہیں دوسرے اسباب سے بھی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ اس لئے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گو آپ ظاہراً لکھنا پڑھنا نہیں جانتے مگر جب اللہ نے آپ کو قراءت کا امر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اور ذرائع سے آپ کو قراءت و حفظ علوم وحی پر قدرت عطا فرمائیں گے۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیم الٰہی کے دو طریقہ ہیں ایک تعلیم قلم یعنی کتابی تعلیم دوسرے تعلیم روحانی یا لدنی جو وحی و الہام کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیائے کاملین کو ہوتی ہے۔

زندگی کا سب سے اہم کام

ان آیات کے تحت بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس پہلی وحی میں سب سے پہلے جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ اِقرا ہے یعنی ''پڑھو'' اس پہلے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ انسان کیلئے اس زندگی کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ صحیح علم حاصل کرے۔ وہ علم جو اُس کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ کیونکہ پڑھنا ایک ایسا فعل ہے جس سے ایک شخص دوسرے کے خیالات کو جانتا ہے اور جو باتیں اُسے نہیں معلوم ہوتیں اُس فعل سے اُسے وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہمیں انسان بنا کر پیدا فرمایا اور پھر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ اور اسلام نصیب فرمایا اور قرآن پر ایمان عطا فرمایا اور اپنی بے شمار نعمتوں سے ہم کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا حقیقی شکر گزار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

كَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ﴿٦﴾ أَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾ إِنَّ إِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾

سچ مچ بے شک آدمی حد سے نکل جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے۔ اے مخاطب تیرے رب کی طرف سب کا لوٹنا ہوگا۔

كَلَّا ہرگز نہیں	إِنَّ بیشک	الْإِنْسَانَ انسان	لَيَطْغٰى سرکشی کرتا ہے	أَنْ رَّاٰهُ اگر اپنے تئیں دیکھے	اسْتَغْنٰى بے پروا	إِنَّ بیشک	إِلٰى طرف	رَبِّكَ اپنا رب	الرُّجْعٰى لوٹنا ہے

قرآن کریم کی ترتیب نزولی

گذشتہ درس میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اس سورۃ اقراء کی ابتدائی ۵ آیات پہلی وحی کی صورت میں مکہ معظمہ میں غار حرا میں نازل ہوئی تھیں۔ مزید یہ آیات بعد میں مکہ ہی میں نازل ہوئیں اور اس سورۃ میں شامل کر دی گئیں۔

انسان کی ناشکری وسرکشی

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خلاقیت اور ربوبیت کا ذکر فرمایا تھا اور انسانوں پر اپنے احسانات جتلائے تھے۔ تو ان احسانات کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا مرہون منت ہوتا اور اس کا شکر گزار اور تابعدار اور فرمانبردار بندہ بنتا مگر انسان جس سے یہاں مراد کافر انسان ہے کیسا ناشکرا ہے کہ بجائے مرہون منت ہونے کے الٹی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور حد انسانیت سے تجاوز کر جاتا ہے اسی کو فرمایا گیا كَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ سچ مچ بے شک انسان حد سے باہر نکل جاتا ہے یعنی اس انسان کی اصل تو اتنی ہے کہ جمے ہوئے خون سے بنا اور جاہل محض تھا۔ خدا نے علم دیا مگر وہ اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا۔ دنیا کی زندگی اور مال دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات میں اشارہ ابوجہل ملعون کی طرف ہے اور یہاں إِنَّ الْإِنْسَانَ سے مراد ابوجہل ہے۔ اور سبب نزول ان آیات کا یہ لکھا ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا میں تم کو بارہا منع کر چکا ہوں۔ آپؐ نے اس کو جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر اب کی بار نماز پڑھتے دیکھوں گا تو (نعوذ باللہ) آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ چنانچہ ایک بار وہ اسی قصد سے چلا مگر قریب جا کر رک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ مجھ کو ایک خندق آگ کی حائل معلوم ہوئی اور اس میں کچھ پردار چیزیں نظر آئیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے اگر اور آگے آتا تو فرشتے اس کو بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالتے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ابوجہل کفر میں اور اللہ کے مقابل غرور میں حد سے بڑھ رہا ہے۔

انسان کی سرکشی کا سبب

اس کی وجہ یہ ہے أَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى اس لئے کہ وہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے یعنی اپنے آپ کو منعم حقیقی کا دست نگر نہیں سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ اگر عام معنیٰ آیت کے لئے جائیں تو یہ ہوں گے کہ سرکش انسان اپنے آپ کو اس منعم کا محتاج نہیں سمجھتا اور خیال کرتا ہے کہ مجھے کیا پرواہ ہے۔ مجھ میں زور وقوت ہے میرے پاس مال دولت ہے۔ مجھے علم و ہنر حاصل ہے اور اگر اس چودھویں صدی کے سرکش دہریئے اور نیچری اور سائنسی انسان کو لیا جائے تو وہ تو علاوہ مال واسباب جاہ وحشمت تخت وتاج، لشکر وخدم کے یہ بھی سمجھتا ہے کہ عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی ہوا، مٹی۔ میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لا کر تار کے ذریعہ سے پل بھر میں سینکڑوں اور ہزاروں میل دور اپنا پیام بھیج سکتا ہوں میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ حیرت انگیز کام کر سکتا ہوں جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ بھاپ کو بس میں کر کے کیسی کیسی مشین چلا سکتا ہوں۔ بھاپ کے زور سے ہزاروں من کھینچنے والی تیز رفتار ریل بنا سکتا ہوں۔ سمندر کے سفر کے لئے میں نے اپنے علم وعقل سے وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہوگئی۔ اب میں دنیا کو چھوڑ کر چاند پر پہنچنے لگا ہوں۔ میں نے وہ دوربینیں ایجاد کی ہیں کہ لاکھوں کوس کے ستارے

میرے سامنے آ جاتے ہیں۔ میں نے معاش میں ایسی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں اور ایسے ایسے پرلطف مسکن بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا۔ الغرض جن جن نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا یہ انسان انہی پر اکڑنے لگا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و سرکشی کرنے لگا۔ کوئی زور وقوت پر کوئی حسن و جمال پر کوئی حسب ونسب پر کوئی مال وجاہ پر کوئی حکومت وسلطنت پر کوئی علم و ہنر پر کوئی اپنی ایجادات ومصنوعات پر کوئی اختراعات وتحقیقات پر یہاں یہ جتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مقتضی تو یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا احسان مند اور شکرگزار اور فرمانبردار بندہ بنتا نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا اور اس سے سرکشی برتتا اور اپنے کو منعم حقیقی کا محتاج اور دست نگر نہیں سمجھتا اور اس مالک حقیقی سے بے پروائی اور استغناء کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے انسان سے مراد ابوجہل بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا شان نزول سے معلوم ہوا۔ مکہ کے کافر اور مشرک بھی ہوسکتے ہیں اور ہر زمانہ اور آج کل کے دہریے۔ کافر ومشرک، نیچری، فلسفی اور سائنس دان بھی ہوسکتے ہیں۔ اور یہ سرکشی اور ناشکرگزاری علیٰ قدر مراتب ہمیشہ سے انسان میں چلی آتی ہے۔

انسانی سرکشی کا رد

اس اظہار کے بعد اس انسانی سرکشی کا رد فرمایا جاتا ہے اور آگے بتلایا جاتا ہے۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی یعنی اے انسان تجھ کو اول بھی اللہ ہی نے پیدا کیا اور آخر بھی اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور احسان فراموشی کی حقیقت کھلے گی کیوں کہ موت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ بڑے بڑے فلسفی حکیم و دانا اور سائنس دان بھی اپنی صحت و زندگی کی بقا کی کوئی تدبیر نہ کرسکے۔ آخر ایک روز یہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والا سرکش انسان بھی اس دنیا سے چل دیتا ہے اور بے حس وحرکت ہوکر گر پڑتا ہے۔ اب اس کی روح اس عالم دنیا سے دوسرے عالم کو منتقل ہو جاتی ہے۔ اور وہاں اس کی روح اپنے کئے کا بدلہ پاتی ہے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ نے ہم پر جو بے انتہا احسانات فرمائے ہیں ان کی شکرگزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

یَااللہ میرے گناہوں کو آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں، میں تو کر کے بھول بھی گیا ہوں مگر آپ کے علم میں سب ہیں۔ کل بروز قیامت آپ مجھ سے سوال کریں گے، سوائے اقرار کرنے کے اور کیا جواب دوں گا۔ اے اللہ! مواخذہ نہ فرمانا آج ہی وہ سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

4 أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾ أَرَءَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾

اے مخاطب بھلا اُس شخص کا حال تو بتلا جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾ أَرَءَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِنْ

یا وہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو۔ اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص جھٹلاتا ہو اور روگردانی کرتا ہو۔ کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں

لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾

اگر یہ شخص باز نہ آوے گا تو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پیشانی ہے گھسیٹیں گے۔ سو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلالے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ السجدة

ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے۔ ہرگز نہیں آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور آپ نماز پڑھتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے۔

أَرَءَيْتَ کیا آپ نے دیکھا	الَّذِي وہ جو	يَنْهَىٰ روکتا ہے	عَبْدًا ایک بندہ	إِذَا جب	صَلَّىٰ وہ نماز پڑھے	أَرَءَيْتَ بھلا دیکھو	إِنْ اگر
كَانَ ہوتا	عَلَى پر	الْهُدَىٰ ہدایت	أَوْ أَمَرَ یا حکم دیتا	بِالتَّقْوَىٰ پرہیزگاری کا	أَرَءَيْتَ بھلا دیکھیں	إِنْ اگر	كَذَّبَ اس نے جھٹلایا
وَتَوَلَّىٰ اور منہ موڑا	أَلَمْ يَعْلَمْ کیا نہ جانا	بِأَنَّ کہ	اللَّهَ اللہ	يَرَىٰ دیکھ رہا ہے	كَلَّا ہرگز نہیں	لَئِنْ اگر	لَمْ يَنْتَهِ نہ باز آیا
لَنَسْفَعًا ہم ضرور گھسیٹیں گے	بِالنَّاصِيَةِ پیشانی کے بالوں سے	نَاصِيَةٍ پیشانی	كَاذِبَةٍ جھوٹی	خَاطِئَةٍ گنہگار	فَلْيَدْعُ تو وہ بلالے		
نَادِيَهُ اپنی مجلس	سَنَدْعُ ہم بلاتے ہیں	الزَّبَانِيَةَ پیادے	كَلَّا نہیں نہیں	لَا تُطِعْهُ اسکی بات نہ مان	وَاسْجُدْ اور سجدہ کرتو	وَاقْتَرِبْ اور نزدیک ہو	

شان نزول: ان آیات میں ایسے سرکش و نافرمان کافر انسان کی سرکشی کی بعض مثالیں بیان فرمائی جاتی ہیں اور گو ان آیات کا مضمون عام ہے مگر ان آیات سے متعلق ایک خاص شان نزول اور واقعہ بھی متعلق ہے جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا گیا اور وہ یہ کہ ایک بار ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ میں نماز پڑھتے دیکھا اور کہنے لگا کہ میں تم کو بارہا اس سے منع کر چکا ہوں مگر تم اس سے باز نہیں آتے۔ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے۔ اگر پھر کبھی نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو تمہاری گردن پر پاؤں رکھ کر توڑ ڈالوں گا (نعوذ باللہ) چنانچہ ایک بار اس قصد سے چلا مگر قریب جا کر رک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ مجھ کو آگے آگ کی ایک خندق حائل معلوم ہوئی اور اس میں کچھ پردار چیزیں نظر آئیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اور آگے آتا تو فرشتے اس کے جسم کا گوشت نوچ کر پارہ پارہ کر ڈالتے۔ تو ان آیات میں اس ابوجہل کے واقعہ خاص کی طرف بھی اشارہ ہے اور عام مضمون بھی ہے۔

ایک سرکش انسان کا کردار

چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ وہ کیسا بدراہ آدمی ہے جو ہمارے بندہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو تو دیکھو کہ خود کو تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا اور نماز اور سجدہ سے منع کرتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل نہایت قبیح اور قابل ملامت و سرزنش ہے اور عبادت سے روکنا کس درجہ شقاوت و خباثت کا ثبوت دینا ہے۔ خصوصاً ارء یت ان کان علی الھدیٰ او امر بالتقویٰ یعنی جبکہ وہ عابد بندہ ہدایت اور حق پر ہو اور دوسروں کو تقویٰ اور

پرہیز گاری کا حکم دیتا ہوتو ایسی حالت میں روکنے کا نتیجہ کتنا سخت برا ہو گا۔تو یہاں بندہ سے اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہونا بالکل ظاہر ہے اور روکنے والے سے مراد ابوجہل سے لی گئی ہے۔

نماز سے روکنا ابوجہل کا کام ہے

اگر چہ یہ آیت اَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ اس لعین ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب بھی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے روکے اور نماز سے منع کرے وہ بھی اس وعید اور برائی میں شامل ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو مقتضائے شرعی کی وجہ سے نماز سے روکا جائے تو وہ اس وعید میں نہیں آتا۔ مثلاً کسی کو غصب کی زمین پر نماز پڑھنے سے منع کیا جائے یا مکروہ وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا جائے یا فرائض وسنن کے علاوہ زیادہ نوافل میں باندی غلام نوکر یا بیوی مصروف ہو کر کام کا حرج کرے تو بھی مالک یا شوہر روک سکتا ہے اور نماز سے ان قسموں کا روکنا اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ ان مواقع پر نماز سے روکنا کسی دوسری مصلحت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو یہ حقیقت میں نماز سے روکنا نہیں۔ یہاں جو وعید ہے وہ اسی روکنے پر ہے جو عبادت الٰہی اور رجوع الی اللہ کا مخالف بن کر روکے جیسا کہ ابوجہل کا فعل تھا۔

نماز سے روکنے والے کے لئے وعیدیں

ایسے بدبخت ملعون کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے۔ اَرَءَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ یعنی دیکھو تو سہی اس بدبخت نے ارشاد الٰہی کو یا دین حق کو یا پیغمبر داعی حق کو جو اس کی بہتری اور بھلائی کے لئے تھا ان کو بجائے تصدیق کرنے کے جھٹلایا اور سچی راہ چلنے سے منہ موڑ لیا تو کیا اس شخص کو خبر نہیں۔ اَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ کہ اللہ تعالیٰ اس ملعون کی سرکشی اور شرارتوں کو دیکھ رہا ہے آگے ارشاد ہے۔ کلا یعنی ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے اور اس کو وعید سنائی جاتی ہے۔ لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ یعنی اگر اس کا یہ رویہ رہا اور وہ ان حرکات بد سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ جس سر پر یہ بالوں کی چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا جھوٹ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔

ابوجہل ذلت کی موت مارا گیا

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بھی ابوجہل ذلت کی موت مارا گیا۔ جنگ بدر میں بری طرح زخمی ہو کر زمین پر گرا پڑا تھا لیکن جان ابھی باقی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہے کوئی ابوجہل کی خبر لائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں تلاش کیا تو دیکھا کہ ابھی اس میں جان باقی ہے۔ابن اسحاق اور حاکم کی روایت میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے ابوجہل کی گردن پر پیر رکھ کر یہ کہا اے اللہ کے دشمن تجھے اللہ نے ذلیل اور رسوا کیا اور بعد ازاں اس کا سر کاٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لا کر ڈال دیا اور یہ عرض کیا یہ سر ہے اللہ کے دشمن ابوجہل کا اور ایک روایت میں جو خود حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں ابوجہل کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے بکریوں کے چرانے والے تو بے شک بہت اونچے مقام پر چڑھ بیٹھا ہے میں نے کہا شکر اللہ کا کہ جس نے مجھ کو یہ قدرت دی۔ پھر ابوجہل نے پوچھا کس کو فتح اور غلبہ نصیب ہوا میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ پھر کہا کہ تیرا کیا ارادہ ہے۔ میں نے کہا تیرا سر قلم کرنے کا کہا اچھا یہ میری تلوار ہے اس سے میرا سر کاٹنا یہ بہت تیز ہے تیری مراد اور مدعا کو جلد پورا کرے گی اور دیکھو میرا سر شانوں کے پاس سے کاٹنا تا کہ دیکھنے والوں کی نظروں میں مہیب و ہیبت ناک معلوم ہو اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف واپس ہو تو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میرے دل میں بہ نسبت گذشتہ کے آج کے دن تمہاری عداوت اور بغض کہیں زیادہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے اس کا سر قلم کیا اور لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے اور اس کا

پیام پہنچایا۔ آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ میری امت کا فرعون تھا جس کا شراور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شراور فتنہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے مرتے وقت تو ایمان کا کلمہ پڑھا مگر اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر ہی کے کلمات کہے۔ اور ابو جہل کی تلوار حضرت ابن مسعودؓ کو عطا فرمائی۔ الغرض حضرت ابن مسعودؓ نے اس کے کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے اور ایک گڑھے میں لا کر ڈال دیا۔ دنیا میں بھی اس کی پر از نخوت جھوٹی اور خطا کار پیشانی کس ذلت سے میدان بدر میں گھسیٹی گئی باقی اصل وقت گھسیٹے جانے کا آخرت ہے جب جہنم کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کے ساتھ جہنم رسید کریں گے۔ یہی وعید اس کو كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ میں سنائی گئی تھی کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کو چوٹی سے پکڑ کر جو دروغ اور خطا میں آلودہ ہے گھسیٹیں گے۔

عذاب الٰہی سے کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا

پھر ابو جہل ملعون نے ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز سے روکنا چاہا اور آپؐ نے سختی سے جواب دیا تو کہنے لگا کہ جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے۔ اس کی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے فرمایا گیا فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ پس وہ اپنے ہم مجلس اور اعوان و انصار کو بلائے۔ دیکھیں کون آکر خدا کے مقابلہ میں اس کو بچاتا ہے۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے تاکہ اس کو پوری پوری سزا دیں جن کے مقابلہ کی کسی کو بھی طاقت نہیں۔ اور نہ وہ کسی کے ٹالے ٹل سکتے ہیں۔

سرکش کی پروانہ کریں عبادت میں لگے رہیں

اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے۔ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی اے نبی آپ اس نالائق کی ہرگز پروانہ کیجئے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریئے۔ جہاں چاہیں شوق سے اللہ کی عبادت کریں اور نماز پڑھیں اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش خدا کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ سجدہ افضل عبادت ہے اسی لئے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے (رواہ مسلم) اسی لئے غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہوگیا بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اس کو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

سجدۂ تلاوت

اس سورۃ کی آخری آیت پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ قرآن کے مواقع سجود میں آخری موقع ہے۔ اس لئے سب قارئین وسامعین دعا کے بعد ایک سجدۂ تلاوت کرلیں۔

خلاصہ

اہل علم کہتے ہیں کہ سورۂ علق سے لے کر آخر تک جو چھوٹی چھوٹی سورتیں آئی ہیں ان میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اس سورت کی پہلی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں' اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

انسان کی تخلیق میں اللہ کی حکمت' اس نے قراءت اور کتابت کے ذریعے سے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

مال و دولت کی وجہ سے اللہ کے حکموں کے سامنے سرکشی' اس کی نعمتوں کا انکار اور غفلت۔ انسان کے غرور اور سرکشی کی ایک اہم وجہ مال و دولت بھی ہے' جب پیٹ اور خزانہ بھرا ہوا ہو تو وہ نہ انسان کو انسان سمجھتا ہے اور نہ خدا کو معبود اور مسجود!

اس امت کے فرعون ابو جہل کا قصہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتا دھمکاتا تھا اور اللہ کی عبادت سے روکتا تھا اختتام پذیر ہوا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھِیَ خَمْسُ اٰیَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝

بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے۔شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اِنَّا بیشک	اَنْزَلْنٰهُ ہم نے یہ اتارا	فِيْ میں	لَيْلَةِ الْقَدْرِ لیلۃ القدر عزت والی رات	وَمَآ اور کیا	اَدْرٰىكَ آپ نے	مَا کیا	لَيْلَةُ الْقَدْرِ لیلۃ القدر	
خَيْرٌ بہتر	مِّنْ سے	اَلْفِ شَهْرٍ ہزار مہینے						

وجہ تسمیہ اور سبب نزول

چونکہ اس سورۃ میں شب قدر کا ذکر فرمایا گیا ہے اسی بناء پر اس سورۃ کا نام القدر مقرر ہوا۔ قدر کے معنی تعظیم کے ہیں چونکہ اس شب میں عظمت اور شرف ہے اس لئے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔ اس سورۃ کے سبب نزول میں کئی روایات مروی ہیں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت ہوئی ہیں اور آپ کی امت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں۔ اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا تو اس کی تلافی میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور یہ رات یعنی لیلۃ القدر مرحمت فرمائی گئی اور اس کی فضیلت اور بزرگی میں بتلایا گیا کہ ایک شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جو اجر وثواب ہوتا اس سے زیادہ ایک شب قدر میں عبادت کرنے کا اجر وثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کتنا زیادہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی خوش نصیب کو زندگی میں دس راتیں بھی میسر ہوگئیں اور ان کو عبادت میں گزار دیا تو گویا ۸۳۳ برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزار دیا۔ سبب نزول بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستہ میں عبادت کرتا رہا۔ صحابہ کو اس پر رشک آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کس طرح ایسے شخص کے ثواب کو پہنچ سکیں گے کہ ہماری عمریں ۶۰، ۷۰ برس ہیں اس میں بھی ایک تہائی تو سونے میں جاتی ہے اور کچھ معاش کی تلاش میں اور دوسری حاجتوں میں صرف ہوتی ہے اور کچھ اس میں سے مرض اور سستی میں ضائع ہوتی ہے۔ پھر عبادت کے واسطے کیا باقی رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بات کو سن کر کچھ دلگیر اور غمگین ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے دفع ملال کے لئے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار حضرات انبیاء کا ذکر فرمایا کہ ۸۰،۸۰ برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی اس پر صحابہ کرام کو حسرت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر خدمت ہوئے اور سورۃ القدر سنائی اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں اور اس قسم کے اختلافات روایات کی اکثر وجہ یہ ہوئی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی ہے تو سبب نزول کی ہر واقعہ کی طرف نسبت ہوسکتی ہے۔ بہرحال سبب نزول جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن امت محمدیہ کے لئے اللہ جل شانہ کا یہ بہت ہی بڑا انعام ہے اور یہ رات اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے۔ ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر حق تعالیٰ جل شانہ نے میری امت کو مرحمت فرمائی ہے۔ پہلی امتوں کو نہیں ملی۔ الغرض اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا عنایت کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کی فلاح وسعادت دارین کے لئے قرآن حکیم نازل کیا اور اس کو شب قدر میں نازل کیا جس کی یہ فضیلت و برکت ہے کہ ایک لیلۃ القدر اجر وثواب میں ہزار مہینوں کی عبادت کے اجر وثواب سے بھی بہتر ہے اس شب میں حضرت جبرائیل

علیہ السلام اور فرشتوں کا دنیا میں نزول ہوتا ہے اور صبح ہونے تک یہ شب سراپا سلامتی وامن ہوتی ہے۔

عظمت قرآن

سورۃ کی ابتداء قرآن کریم کی تعظیم اور عظمت شان کے اظہار سے فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ بے شک ہم نے اسکو یعنی قرآن کو اتارا گویا ایک تو اظہار عظمت کیلئے اتارنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ جس قرآن کا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں ہر خاص وعام میں غلغلہ مچا ہوا ہے اس کو کسی اور نے نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس کلام میں تاکید اور قوت پیدا کرنے کیلئے پہلے انا ذکر کر دیا یعنی بے شک بلا شبہ ہم ہی نے اس کو اتارا۔ پھر قرآن کی مزید عظمت ظاہر کرنے کیلئے فرمایا فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ یعنی قرآن کا وقت نزول بھی عظیم الشان ہے یہ کسی ایسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس کا نزول خاص وقت یعنی لیلۃ القدر میں ہوا۔

نزول قرآن کی تاریخ

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید بالاتفاق مورخین ومحدثین ومفسرین قریب ۲۳ برس میں تھوڑا تھوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے پھر یہ کس طرح صحیح ہوا کہ قرآن مجید کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا ہے؟ اس کا جواب مفسرین نے لکھا ہے کہ انزال اور تنزیل میں فرق ہے۔ انزال کے معنیٰ ایک بار نازل کرنا ہے اور تنزیل کے معنیٰ تھوڑا تھوڑا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا ہے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تنزیل یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا یہ ۲۳ برس میں ہوا مگر اس آیت اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ میں انزال کا ذکر ہے نہ کہ تنزیل کا چنانچہ پورا قرآن شریف اسی ترتیب سے جو آج موجود ہے عرش بریں پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر یک دم نازل فرمایا گیا اور پھر وہاں سے حسب حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بحکم الٰہی تھوڑا تھوڑا لاتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر کلام وحی کو اس کے اصلی موقع پر جمع کرا دیتے تھے۔ تو اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ سے مراد یہ ہوئی کہ پورا قرآن کریم ''لوح محفوظ'' سے آسمان دنیا پر شب قدر میں اتارا گیا۔

شب قدر کونسی رات ہے؟

اب یہ کہ شب قدر کونسی رات ہے؟ اس میں علمائے عظام کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ شب قدر سال میں ایک مرتبہ آتی ہے اور مہینہ کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ ماہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے پھر اکثر اس پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں بالخصوص طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ بعض نے خاص رمضان کی ۲۷ ویں شب پر زور دیا ہے۔ احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے بہرحال یقین کے ساتھ شب قدر کے تعین میں بہت اختلاف ہے اور حکمت اس اختلاف میں یہی ہے کہ اس کا طالب سال بھر عبادت میں گزارے اور گناہوں سے بچے ورنہ کم از کم رمضان شریف اور خصوصاً اس کے اخیر عشرہ میں تو ضرور ہی کوشش کرے۔ الغرض قرآن پاک جو رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو نازل کرنے کے لئے اسی بابرکت رات کو منتخب فرمایا۔

شب قدر کا مقام ومرتبہ

اب آگے حق سبحانہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی فضیلت اور مراتب بیان فرماتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے۔ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی اس کا جواب مرحمت فرمایا جاتا ہے۔ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اب اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا کیا معنیٰ؟ مرشدنا حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ اس رات میں نیکی کرنا ایسا ہے گویا ہزار مہینہ تک نیکی کرتا رہا بلکہ اس سے بھی زائد۔

یَااللہ جو گناہ باعث تنگی رزق ہوں باعث مانع خیر وبرکت ہوں باعث محرومی حلاوت عبادت ہوں سب معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

اس رات میں فرشتے اور رُوح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر اُترتے ہیں۔ سراپا سلام ہے وہ شب طلوع فجر تک رہتی ہے۔

تَنَزَّلُ اُترتے ہیں	اَلْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے	وَالرُّوْحُ اور روح	فِيْهَا اس میں	بِاِذْنِ حکم سے	رَبِّهِمْ ان کا رب	مِنْ سے	كُلِّ ہر	اَمْرٍ کام	سَلٰمٌ سلامتی	
هِيَ وہ	حَتّٰى جب تک	مَطْلَعِ طلوع ہونا	الْفَجْرِ فجر							

شب قدر میں برکات کا نزول

گذشتہ ابتدائی آیات میں شب قدر کی فضیلت بیان فرمائی گئی کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینے تک عبادت کرنے کا جتنا اجر وثواب ہے اس سے زیادہ اجر وثواب ایک شب قدر میں عبادت کرنے کا ہوتا ہے۔ اب آگے شب قدر کی دوسری فضیلتیں بیان فرمائیں جاتی ہیں اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ یعنی اس رات میں ملائکہ رحمت اور روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں تاکہ عظیم الشان خیر و برکت سے زمین والوں کو مستفیض کریں۔ اس طرح اس مبارک شب میں باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔ حدیث میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی فوج کے ساتھ اترتے ہیں اس وقت جو شخص کھڑا یا بیٹھا اللہ کی یاد کر رہا ہوتا ہے اس کے لئے دعا رحمت کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سلامتی کی دعاء کرتے ہیں علامہ ابن کثیرؒ نے اس سورۃ کی تفسیر کے تحت بعض آثار صحابہ سے ایک بڑی لمبی روایت نقل کی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام لَیْلَۃِ الْقَدْرِ میں سورج غروب ہوتے ہی سدرۃ المنتہٰی کے تمام فرشتوں کو لے کر زمین پر اترتے ہیں۔ یہ کل کے کل فرشتے رافت و رحمت والے ہیں جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لئے رحم کے جذبات موج زن ہیں۔ یہ ہر ہر جگہ پھیل جاتے ہیں اور مومن مردوں و عورتوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں البتہ گرجا گھر، مندر، آتشکدہ، بت خانہ جہاں خدا کے سوا اوروں کی پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے اور ان جگہوں میں بھی جہاں گندی چیزیں ڈالی جاتی ہیں نہیں جاتے اور اس گھر میں بھی جہاں نشہ والا ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا ہوا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں یا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے نہیں۔ باقی جگہ جگہ پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعائیں مانگنے میں گزارتے ہیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں۔ دل نرم پڑ جائے اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔ اس وقت مومن کو سمجھ لینا چاہئے کہ میرا ہاتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔ غرض کہ صبح ہونے تک فرشتے اس طرح دنیا میں رہتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام عالم بالا پر چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں بالخصوص دو سبز پروں کو جنہیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے۔ یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعاعیں جاتی رہتی ہیں۔ پھر ایک ایک فرشتہ کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں پس فرشتوں کا نور اور جبرئیل علیہ السلام کے پروں کا نور سورج کو ماند کر دیتا ہے۔

رحمت و برکت سے محروم رہنے والے گھر

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے فضائل رمضان میں شب قدر کے بیان میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے اس شب قدر میں متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی

ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مومن ہواور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لئے وہاں نہ جاتے ہوں لیکن اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا حرام کاری کی وجہ سے جنبی یا تصویر ہو۔ اس کو نقل کر کے شیخ الحدیث صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ کی اتنی بڑی نعمت ورحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں۔ تصویر لٹکانے والا کوئی ایک ہی ہوتا ہے مگر اس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم کرتا ہے۔ احقر کہتا ہے کہ افسوس اب تو اس قوم اور ملک ہی کی محرومی کی داستان اتنی طویل ہے کہ کس کس محرومی کو روکا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس ملک پر اس قوم پر رحم وکرم فرمائیں اور ہمارے اصلاح کی صورتیں غیب سے ظاہر فرمائیں۔

طلوع فجر تک رحمتوں اور برکتوں کا نزول رہتا ہے

آگے فرمایا جاتا ہے۔ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ یہ رات سراپا سلام ہے یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مومنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے دوسری جاتی ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے جس میں اللہ والے عجیب وغریب طمانیت چین وسکون اور لذت وحلاوت اپنی عبادت میں محسوس کرتے ہیں اور وہ رات ان ہی برکات کے ساتھ تمام رات طلوع فجر تک رہتی ہے یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو اور کسی حصہ میں نہ ہو بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اس نعمت عظمیٰ کی قدر دانی کی توفیق بخشیں اور اس رات کی برکات زندگی میں بار بار نصیب فرمائیں۔ آمین۔

تمام پچھلے گناہ معاف

(۱) بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت کے لئے کھڑا ہوا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

شب قدر کی علامات

ایک حدیث میں شب قدر کی کچھ علامات بیان کی گئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ اس رات کی منجملہ اور علامتوں کے یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمک دار ہوتی ہے صاف شفاف نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل گویا اس میں (انوار کی کثرت کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے۔ نیز اس کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے۔ ایسا کہ بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند۔ اللہ جل شانہٗ نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا۔ بخلاف اور دنوں کے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور ہوتا ہے۔

شب قدر کی دعا

حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے شب قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہو **اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی** یعنی اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو پس معاف فرما دے مجھے بھی۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل

ہم جیسے کم ہمتوں کے لئے ایک بڑے کام کا مسئلہ حدیث کی روشنی میں اس سورۃ کی تفسیر کے اخیر میں حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتیؒ نے اپنی تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ جس نے شب قدر کی عشاء اور فجر کی نماز مسجد میں جماعت سے پڑھ لی اس کو شب قدر کا ثواب مل گیا اور جو اس سے زیادہ عبادت کرے اللہ اس کے ثواب میں اضافہ کردے گا۔ حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اس نے گویا نصف شب کا قیام کیا اور جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔ (مسلم) یعنی باجماعت

عشاء کی نماز کے بعد باجماعت فجر کی نماز بھی پڑھی گئی تو گویا پوری رات نماز پڑھی۔ ہر نماز نصف شب کی عبادت کے قائم مقام ہوئی رات کی یہی دو فرض نمازیں ہیں ایک ابتدائی دوسری انتہائی۔

خلاصہ

اس سورت کی ابتداء میں انسانوں پر اللہ کے عظیم احسان کا ذکر ہے جو کہ کتاب مبین کو نازل کرنے کی صورت میں ہوا' اسی طرح اس سورت میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان ہوئی ہے' اس کی پہلی فضیلت یہ ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر ہے' دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس رات میں غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک فرشتے امن و سلامتی اور رحمت و برکت کا پیغام لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ لیلۃ القدر میں نزولِ قرآن کا معنٰی یہ ہے کہ اس رات میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔

سورۃ القدر کے خواص

ا.....نظر کی تیزی، آنکھوں میں نور اور دل میں یقین کی پختگی کے لئے اس سورۃ کو لکھے اور پانی سے دھولے، پھر وہی پانی پیئے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے امت مسلمہ کو شب قدر جیسی بے بہا دولت عطا فرمائی۔ حق تعالیٰ ہمیں اس نعمت کی قدر دانی اور اس کی سچی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیوں میں شب قدر کی برکات و فضائل بار بار نصیب فرمائیں اور ہم میں سے کسی کو اس نعمت عظمٰی سے محروم نہ فرمائیں۔ آمین۔

یَا اللّٰہُ جس گناہ کی میں نے تعریف کی ہو یا کینہ کی طرح دل میں چھپایا ہو یا دل میں عزم مصمم کرلیا ہو کہ یہ گناہ کروں گا یا زبان سے اظہار بھی کردیا ہو یا وہ گناہ جو میں نے اپنے قلم سے لکھا ہو یا اعضاء سے اس کا ارتکاب کرلیا ہو یا اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اس گناہ کے کرنے پر آمادہ کرلیا ہو ایسے سب گناہوں کو معاف فرمادیجئے۔

یَا اللّٰہُ میں نے گناہ رات کو بھی کیے دن کو بھی کیے۔ لیکن آپ نے اپنے حلم سے پردہ پوشی فرمائی کہ کسی مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے دیا' میں نے آپ کی اس ستاری فرمانے کا کچھ خیال نہ کیا۔ میرے نفس نے اس گناہ کو پھر مزین کر کے پیش کیا اور گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے پھر کر گزرا۔ میں بار بار ایسا ہی کرتا رہا۔ اللہ العالمین! میرے اس حال کو خوب جانتے ہیں آئندہ ایسا نہ کروں گا آپ سے توفیق مانگتا ہوں میں توبہ کرتا ہوں معافی چاہتا ہوں۔ الٰہی! معاف فرمادیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر تھے وہ باز آنے والے نہ تھے۔جب تک اُن کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔

الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ

ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنادے۔جن میں درست مضامین لکھے ہوں۔

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا

اور جو لوگ اہل کتاب تھے وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد مختلف ہو گئے۔حالانکہ اُن لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥

کو اُسی کیلئے خالص رکھیں۔یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے اُن درست مضامین کا۔

لَمْ يَكُنْ وہ نہ تھے	الَّذِيْنَ وہ جو	كَفَرُوْا کفر کیا	مِنْ سے	اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	وَالْمُشْرِكِيْنَ اور مشرک (جمع)	مُنْفَكِّيْنَ باز آنیوالے	
حَتّٰى یہاں تک کہ	تَاْتِيَهُمُ آئے انکے پاس	الْبَيِّنَةُ کھلی دلیل	رَسُوْلٌ رسول	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	يَتْلُوْا پڑھتا ہوا	صُحُفًا صحیفے	مُطَهَّرَةً پاکیزہ
فِيْهَا اس میں	كُتُبٌ قَيِّمَةٌ لکھے ہوئے مضبوط	وَمَا اور نہ	تَفَرَّقَ فرقہ فرقہ ہوئے	الَّذِيْنَ + اُوْتُوا الْكِتٰبَ وہ جو کہ کتاب دیئے گئے + اہل کتاب			
اِلَّا مگر	مِنْۢ بَعْدِ اس کے بعد	مَا جَآءَتْهُمُ جب انکے پاس آگئی	الْبَيِّنَةُ کھلی دلیل	وَمَا اور نہ	اُمِرُوْا حکم دیا گیا	اِلَّا مگر	
لِيَعْبُدُوا یہ کہ عبادت کریں	اللّٰهَ اللہ	مُخْلِصِيْنَ خاص کرتے ہوئے	لَهُ اس کیلئے	الدِّيْنَ دین	حُنَفَآءَ یک رخ	وَيُقِيْمُوْا اور قائم کریں	
	الصَّلٰوةَ نماز	وَيُؤْتُوا اور ادا کریں	الزَّكٰوةَ زکوۃ	وَذٰلِكَ اور یہ	دِيْنُ دین	الْقَيِّمَةِ نہایت مضبوط	

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول وغیرہ

اس سورۃ کی پہلی آیت میں لفظ البینۃ آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں کھلی ہوئی دلیل، روشن دلیل، جس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ جو بجائے خود رسالت کی ایک روشن اور واضح دلیل ہے۔ اسی لفظ الْبَيِّنَةُ کو سورۃ کا علامتی نام قرار دیا گیا۔ اس سورۃ کے مقام نزول کے متعلق بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ مکی سورۃ ہے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے اسے مدنی قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کا کچھ حصہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوا اور کچھ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔ جمہور مفسرین نے اس کو مدنی سورۃ کی فہرست میں رکھا ہے۔

نور ہدایت کا طلوع

ظہور اسلام سے پہلے دنیا اتنی شدید جہالت اور ضلالت اور کفر و شرک میں مبتلا تھی کہ بغیر اس کے کہ ایک مصلح اعظم آئے اور اپنے ہمراہ ایک مکمل ہدایت نامہ لائے کوئی صورت لوگوں کی اصلاح کی نہ تھی۔ چنانچہ مشیت الٰہی نے دنیا والوں پر اپنی حجت کو واضح طور پر پورا کرنے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ

مبعوث فرمایا۔ اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اقوام دنیا کو دو ہی گروہ میں تقسیم کیا جا سکتا تھا ایک ''اہل کتاب'' دوسرے ''مشرکین'' اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اگرچہ آسمانی ہدایت کے قائل تھے اور توحید و نبوت کے بنیادی خیالات سے واقف تھے۔ لیکن ایک عرصہ کے بگڑے ہوئے ماحول کے نتیجہ میں وہ بھی اپنے دین کی اصل تعلیمات سے بہت دور جا پڑے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سچے دین کی سیدھی اور صاف راہ سے بے خبر ہو چکے تھے۔ رہا دوسرا گروہ یعنی مشرکین کا تو وہ بت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھے۔ اور سرے سے کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس نہ تھی۔ یہ گروہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارہ میں انتہائی غلط فہمیوں کا شکار تھا۔ ایسی حالت میں دنیا والوں کو دین کی صحیح حقیقت سے باخبر کرنے اور راہ ہدایت پر لانے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی اور اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کا عظیم القدر رسول آئے اور کھلی ہوئی واضح دلیلوں کے ساتھ اپنی تعلیمات و ہدایات ان کے سامنے رکھے اور اپنی زبردست تعلیم و ہمت اور عزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دنیا سے کفر وشرک کے پھیلے ہوئے اندھیرے کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک واضح دلیل حضرت احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنی ہدایت کا نور اپنے بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب فرمالیا اور آپ پر اپنی کتاب قرآن کریم نازل فرمائی جس میں نہایت عمدہ درست و راست اور صحیح مضامین صاف صاف انداز میں بیان فرمائے گئے۔

اہل کتاب کا تعصب

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ذی شان رسول آئے جن کی زندگی میں دنیا والوں کے لئے بہترین دستور العمل اور نور ہدایت ملتا ہے۔ جن کا حلم، حسن معاشرت، اخلاق کریمانہ جن کی صداقت دیانت و امانت جن کی سیرت وصورت غرض کہ آپ کی زندگی کی ہر ساعت اور ہر گھڑی حقانیت کی ایک روشن دلیل ہے اور جب آپ ایسی روشن اور عظیم الشان کتاب لائے جو مادی و روحانی ترقی کی شاہ راہ پر لا کر کھڑا کر دینے والی ہے تو ان اہل کتاب کو چاہیے تھا ایسے رسول اور ایسی کتاب کے آنے پر کسی شک وشبہ میں نہ رہتے اور ان پر ایمان لے آتے اور ان کی ہدایات کو قبول کرتے۔ اپنے اختلافات کو ختم کر کے سب ایک راستہ پر پڑ لیتے مگر ان اہل کتاب نے جو علم وفہم کے مدعی تھے اور آسمانی ہدایت کے بھی معتقد تھے وہ بھی دلیل واضح آنے کے بعد مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور انہوں نے دین حق سے اختلاف کیا اور جب اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکوں کا تو پوچھنا کیا ان کے پاس پہلے سے بھی کوئی علم سماوی نہ تھا حالانکہ ان اہل کتاب کو کتب سابقہ میں یہی حکم ہوا تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کیا کریں۔ کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ ٹھہرائیں۔ نیت بھی خالص اطاعت الٰہی کی ہو۔ ریاکاری ہرگز مقصود نہ ہو۔ ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں۔ یہ چیزیں ہر دین میں پسندیدہ رہی ہیں اور یہ پیغمبر اور قرآن بھی ان ہی امور کی تعلیم کرتے ہیں پھر ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں اور قرآن کو نہیں مانتے جس سے ان کی اپنی کتب کی بھی مخالفت لازم آتی ہے۔ قرآن چونکہ کتب سابقہ کی تصدیق و تائید کرتا ہے اس لئے وہ طریق ہدایت اور صراط مستقیم جو یہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اس کے مستحکم و درست ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ واضح دلائل کے بعد بھی جو نہ مانے تو پھر وہ لازماً مستوجب سزا ہے۔

حاصل یہ کہ ان اہل کتاب کو ایمان بالقرآن اور بالرسول لے آنا چاہئے تھا۔ چنانچہ جو ایمان لے آئے وہ کس جزا اور انعام وصلہ کے مستحق بنے اور جو ایمان نہ لائے اور کفر وشرک پر قائم رہے وہ کس سزا کے مستحق بنے۔ یہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

دُعا کیجئے: یا اللہ دین حق میں اختلاف اور افتراق سے ہمیں کامل طور پر بچایئے اور دین حق اور صراط مستقیم پر پوری طرح استقامت نصیب فرمایئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا أُولٰئِكَ

بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۞ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۞

بدترین خلائق ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔

جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا

اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۞

اللہ تعالیٰ اُن سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ اُس شخص کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

إِنَّ بیشک	الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا	مِنْ سے	أَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	وَالْمُشْرِكِينَ اور مشرکین	فِي میں	نَارِ آگ	جَهَنَّمَ جہنم	
خٰلِدِينَ ہمیشہ رہیں گے	فِيهَا اس میں	أُولٰئِكَ یہی لوگ	هُمْ وہ	شَرُّ بدترین	الْبَرِيَّةِ مخلوق	إِنَّ بیشک	الَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ ایمان لائے	
وَعَمِلُوا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک	أُولٰئِكَ یہی لوگ	هُمْ وہ	خَيْرُ بہتر	الْبَرِيَّةِ مخلوق	جَزَاؤُهُمْ ان کی جزا	عِنْدَ پاس	
رَبِّهِمْ انکا رب	جَنّٰتُ باغ	عَدْنٍ ہمیشہ رہنے والے	تَجْرِي بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے سے	الْأَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِينَ ہمیشہ رہیں گے		
فِيهَا اس میں	أَبَدًا ہمیشہ ہمیشہ	رَضِيَ راضی ہوا	اللّٰهُ اللہ	عَنْهُمْ اُن سے	وَرَضُوا اور وہ راضی	عَنْهُ اس سے	ذٰلِكَ یہ	لِمَنْ اس کیلئے جو
خَشِيَ ڈرے	رَبَّهُ اپنا رب							

انکارِ حق کی سزا بھگتنی پڑے گی

گذشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی حقانیت بتلا کر فرمایا گیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بنا کر دنیا والوں کی طرف بھیجا گیا اور قرآن کریم آپؐ پر نازل فرمایا گیا۔

ان آیات میں پہلے یہی بتلایا گیا ہے کہ دین حق سے انکار کرنے والے خواہ اہل کتاب ہوں یا کفار مشرکین۔ جو کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں اس انکار کی سزا یقیناً بھگتنا پڑے گی۔ اور ان کی سزا یہ ہوگی کہ آخرت میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے والا آگ کا گھر' جسے جہنم کہتے ہیں ہوگا جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔ گویا آخرت میں کفر کی سزا دائمی جہنم کی آگ اور عذاب ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین دنیا میں جیتے جی ہمیشہ کفر پر قائم رہے اس لئے آخرت میں ان کی سزا بھی یہی ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ ہی کے لئے رہیں۔

غیر مسلم متعصبین کے اعتراض کا جواب

بعض غیر مسلم از روئے عناد و تعصب اسلام و قرآن پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کافر کو دائمی عذاب ایک طرح کا ظلم ہے۔ اس کے ہمارے علمائے محققین نے کئی نہایت کافی و شافی جواب دیئے ہیں۔

مرشدنا حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے اپنے مواعظ میں اس الزام اور شبہ کے نہایت مدلل جوابات بیان فرمائے ہیں۔ ایک جواب تو اپنے وعظ میں یہ فرمایا کہ کافر کو جو ابدی عذاب ہے اس میں کوئی ظلم نہیں کیونکہ کافر اللہ تعالیٰ کی ہر ہر صفت کے حقوق ضائع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات لامتناہی ہیں اور خود ہر صفت کے حقوق بھی غیر متناہی ہیں۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ ہر صفت کے انکار پر لامتناہی سزا ہوتی اور پھر

ہر صفت کے حقوق پر اسی طرح غیر متناہی سزا ہوتی۔ پھر زیادتی کہاں ہوئی۔ بلکہ ایک معنیٰ کے کمی ہے۔ بغاوت کی سزا قید دائمی ہی ہوتی ہے جس کا دوام حکام ظاہری کے اختیار میں ہے یعنی تاحیات وہ اپنے باغیوں کے لئے سزا مقرر کرتے ہیں اور جس قسم کا دوام احکم الحکمین کے اختیار میں ہے وہ اپنے باغیوں کے واسطے تجویز فرمائیں گے۔ اس میں ظلم وزیادتی کچھ بھی نہیں بلکہ عین عدل ہے۔ (مجادلات معدلت ۲)

بدترین مخلوق

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ معاملہ کفر میں خواہ اہل کتاب ہوں۔ یا مشرکین بت پرست وآتش پرست یا دوسرے لوگ سب برابر ہیں۔ اور ان کی سزا ہمیشہ کے لئے نار جہنم ہے۔ آگے ان کفار کے متعلق بتلایا گیا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ یعنی یہ لوگ اللہ کی نظر میں اس کی ساری مخلوقات میں بدترین مخلوق ہیں۔ یوں تو مخلوق ہونے کے اعتبار سے انسان کا درجہ بہت اونچا ہے لیکن اگر یہ انسان اس عقل وفہم اور سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی قوت سے کام نہ لے جو اس کو عطا کی گئی ہے اور اپنی آزادی اور اختیار کا غلط استعمال کر کے اللہ کے حکموں کو نہ مانے اور ان کے مقابلہ میں بغاوت، سرکشی اور انکار کی روش اختیار کرے اسی کا دیا ہوا کھائے اور اسی کے آگے اکڑے تو یقیناً اس کا مقام کیڑے مکوڑے اور بے سمجھ جانوروں سے بھی زیادہ نیچا ہونا چاہیے۔ ارے سور اور کتے بھی اپنے آقا و مالک کو پہچانتے ہیں اور اپنے آقاؤں کی نمک حرامی اور ان سے بے وفائی نہیں کرتے تو یہ کفار ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں کہ عقل وفہم اور ادراک کے باوجود اپنے خالق، رازق اور مالک کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس کے احکام کو نہیں مانتے۔

بہترین خلائق

یہ تو کفار انسانوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔ اب رہے ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جو اللہ کی دی ہوئی سمجھ بوجھ سے کام لیں اور احکام الٰہیہ پر ایمان لائیں اور رضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم رکھیں اور جن باتوں کے ماننے اور کرنے کا مطالبہ ان سے کیا گیا ہے انہیں مانیں اور کریں اور جن باتوں کے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے باز رہیں ان کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ یعنی یہ لوگ یقیناً بہترین مخلوقات ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اس آنے والی زندگی میں نعمتیں ہی نعمتیں ہیں۔ خدائے مہربان ان کو ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا بہترین صلہ عطا فرمائے گا۔ ان کو باغات عنایت ہوں گے جن میں وہ راحت ومسرت سے زندگی بسر کریں گے۔ ان باغات میں نہریں بھی جاری ہوں گی چونکہ وہ تازیست ایمان اور اعمال صالحہ پر قائم رہے اس لئے وہ بھی ان آخرت کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دنیا میں اطاعت وفرمانبرداری پر ان سے خوش ہوگا اور اپنے انعامات واکرامات سے اتنا نوازے گا کہ ان کی مسرت کی بھی انتہا نہ ہوگی۔ اخیر میں پھر یہ بتلا کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا کہ یہ آخرت کا عیش وآرام اور یہ کامیابی اور مسرت اور یہ انعامات واکرامات انہیں کو عنایت ہوں گے جو دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرتا ہوگا۔ اپنے رب کی ناخوشی سے بچتا ہوگا اور اپنے رب سے ڈر کر کوئی کام ایسا نہ کرتا ہوگا کہ جو اس کے رب کو ناپسند ہو۔

خشیت الٰہیہ اور اس کے ثمرات

یہاں سورۃ کے اخیر میں جو ذلک لمن خشی ربہ فرمایا یعنی آخرت میں جنت کی ابدالآباد والی نعمتیں اور راحتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اس شخص کیلئے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو۔ تو اس جملہ سے معلوم ہوا کہ تمام کمالات دینی اور آخرت کی نعمتوں کا دارومدار خشیت اللہ پر ہے۔ اور خشیت اس خوف وڈر کو نہیں کہا جاتا جو کسی دشمن یا درندے، شیر وبھیڑیئے یا موذی جانور سانپ، بچھو سے طبعاً ہوتا ہے بلکہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی انتہائی عظمت وجلال وبزرگی وبڑائی کی وجہ سے پیدا ہو جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کام ہر حال اور ہر آن میں اس کی خوشنودی اور رضا جوئی کی فکر کرتا ہے اور ناراضگی اور خفگی کے شبہ اور وہم وگمان سے بھی بچتا ہے۔ یہی خشیت وہ چیز ہے جو انسان کو حق تعالیٰ کا عبد کامل اور مقبول بنانے والی ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی اپنا وہ خوف وخشیت عطا فرمائیں کہ ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے باز رہیں اور

مولائے کریم کی رضا جوئی کی ہمیشہ فکر میں رہیں۔آمین۔

سورۃ البینۃ کی فضیلت

یہ سورۃ اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت ہی بلند پایہ ہے اور اس سورۃ سے متعلق امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم شریف میں ایک باب یہ قائم کیا ہے "افضل کا اپنے سے کم مرتبہ والے کے سامنے قرآن کریم پڑھنے کا استحباب" اور اس باب میں ایک حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا پڑھوں۔ حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔تو حضرت ابی بن کعبؓ یہ سن کر رونے لگے۔اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ پر بے قراری کے ساتھ گریہ طاری ہو گیا اور زبان سے یہ کلمات نکلے۔ وقد ذکرت عند رب العلمین (اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں) اس روایت سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ حق تعالیٰ جل وعلیٰ کی بارگاہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبوبیت اور مقبولیت کس درجہ تھی۔

خلاصہ

اس سورت میں تین امور سے بحث کی گئی ہے:

اہل کتاب کا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں موقف' یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کر رہے تھے لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا لیکن جب ایسا نہ ہوا تو انہوں نے آپ کی نبوت کو جھٹلا دیا' اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بینہ اور واضح حجت اور دلیل قرار دیا گیا ہے۔ اس میں شک ہی کیا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خود ایک بہت بڑا معجزہ اور حق وصداقت کی واضح دلیل تھی' زنا' شراب نوشی' قتل وغارت گری' بت پرستی اور ڈاکہ زنی کے ماحول میں چالیس سال گذارے' کسی جنگل اور خلوت خانہ میں نہیں' گلی کوچوں اور سوسائٹی میں فعال کردار ادا کرتے ہوئے گذارے لیکن سیرت کے دامن پر نجاست کا کوئی خفیف ترین دھبہ بھی نہ تھا' کسی بدترین دشمن کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کے کردار پر انگلی اٹھا سکتا۔

یہ سورت دین وایمان کی بنیاد کی نشاندہی کرتی ہے اور وہ ہے اخلاص' کوئی عمل بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اخلاص کے معتبر نہیں' ہر نبی نے اپنی امت کو اس بنیاد کی دعوت دی۔

یہ سورت اشقیاء اور سعداء یعنی کافروں اور مؤمنوں دونوں کا انجام بیان کرتی ہے۔

سورۃ البینہ کے خواص

۱......اگر کسی کو یرقان کا مرض ہو تو سورۃ البینہ لکھ کر گلے میں پہنے۔ان شاء اللہ صحت ہو جائے گی۔

۲......اگر کسی کا جسم پورا متورم ہو جائے یا کوئی ایک حصہ پر ورم ہو تو سورۃ البینہ لکھ کر گلے میں پہنے' ان شاء اللہ ورم اتر جائے گی۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو اس زندگی میں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما دے کہ آپ ہم سے راضی ہو جائیں اور اپنے کرم سے ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرما لے کہ جو آخرت میں آپ کے انعامات واکرامات سے نوازے جائیں گے۔

اور آپ کی رضا کے مقام جنت میں جن کا ٹھکانہ ہوگا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ﴿۳﴾

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی ۔اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ

اُس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی۔اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس ہوں گے

اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

تاکہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں۔سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔اور جو شخص

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔

اِذَا جب	زُلْزِلَتِ ہلا ڈالی جائے	الْاَرْضُ زمین	زِلْزَالَهَا اس کا زلزلہ	وَاَخْرَجَتِ اور باہر نکال ڈالے	الْاَرْضُ زمین	اَثْقَالَهَا اپنے بوجھ	
وَقَالَ اور کہے گا	الْاِنْسَانُ انسان	مَالَهَا اسے کیا ہوگیا؟	يَوْمَئِذٍ اُس دن	تُحَدِّثُ بیان کریگی	اَخْبَارَهَا اپنی خبریں حالات	بِاَنَّ کیونکہ	
رَبَّكَ تیرا رب	اَوْحٰى حکم بھیجا	لَهَا اسکو	يَوْمَئِذٍ اُس دن	يَصْدُرُ باہر نکلیں گے	النَّاسُ لوگ	اَشْتَاتًا گروہ در گروہ	لِيُرَوْا تا کہ دکھائے
اَعْمَالَهُمْ اُنکے عمل (جمع)	فَمَنْ پس۔جس	يَعْمَلْ کی ہوگی	مِثْقَالَ برابر	ذَرَّةٍ ایک ذرہ	خَيْرًا نیکی	يَّرَهٗ اسکو دیکھے گا	وَمَنْ اور جس
	يَعْمَلْ کی ہوگی	مِثْقَالَ برابر	ذَرَّةٍ ایک ذرہ	شَرًّا برائی	يَّرَهٗ اس کو دیکھے گا		

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

اس سورۃ کی ابتداء اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا سے ہوئی ہے یعنی جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاویگی۔اسی سے سورۃ کا نام زلزلت یا زلزال ہے۔جس میں قیامت کے دن میں زلزلہ عظیم واقع ہونے کی خبر ہے۔اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

سورۃ کی فضیلت

ترمذی کی ایک حدیث میں حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ نصف قرآن کے برابر ہے۔اور قل ھو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایھا الکفرون ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور ترمذی کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اذا زلزلت چوتھائی قرآن ہے۔امام جزریؒ نے لکھا ہے کہ چوتھائی قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں چار چیزیں ہیں یعنی چار چیزوں کا بیان ہے۔زندگی' موت' حشر حساب اور اس سورۃ میں صرف حساب کا بیان ہے اور اس کو نصف قرآن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں احوال دنیا کا بھی بیان ہے اور احوال آخرت کا بھی اور اس سورۃ میں صرف احوال آخرت کا بیان ہے۔لہذا یہ سورۃ ایک حیثیت سے نصف قرآن ہے اور دوسری حیثیت سے چہارم قرآن'ایک روایت میں ہے کہ منکرین قیامت پوچھتے تھے کہ قیامت آخر کب آئے گی۔

اس سوال کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اور ایک پہر رات گزری تھی کہ اس کا نزول ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کا انتظار نہ فرمایا اسی وقت گھر سے باہر تشریف لائے اور اس کی تعلیم فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کی آخری آیات گویا پورے کلام اللہ کا خلاصہ اور تمام احکام شریعت کی جامع ہیں۔

قیامت کا زلزلہ

اس سورۃ میں قیامت کے تہلکہ خیز زلزلہ کا ذکر فرما کر آخرت میں ملنے والی جزا و سزا کا حال بتلایا گیا ہے۔ قیامت کی اصل حقیقت کیا ہوگی؟ اس کا ٹھیک ٹھیک سمجھ لینا تو اس لئے ممکن نہیں کہ اب تک انسانی تجربہ میں ایسا کوئی واقعہ آیا ہی نہیں ہے، جس کو مثال بنا کر وہ اس ہونے والے واقعہ کو سمجھ سکے۔ اس لئے اس واقعہ کو سمجھانے کے لئے ان باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے انسان واقف ہے چنانچہ قیامت کے کتنے ہی مناظر قرآن پاک میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک شکل وہ بھی ہے جسے ہم ایک شدید زلزلہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ جس میں زمین اچانک ہلنے لگتی ہے اور اس کی وجہ سے طرح طرح کی تباہی آتی ہے۔ مکان گرتے ہیں۔ زمین پھٹ جاتی ہے پہاڑ گرنے لگتے ہیں اس سورۃ میں اسی شکل کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا جب زمین ایک سخت زلزلہ سے ہلا دی جائے گی یہ کیفیت پہلا صور پھونکنے کے وقت ہوگی۔ ہر جان دار ہلاک ہو جائے گا اور معلوم نہیں کب تک دنیا اسی حالت میں رہے گی۔ اس کے بعد پھر دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا حکم ہوگا جب کہ تمام انسان زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اسی کو فرمایا گیا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ یعنی زمین کے طبقات میں جس قدر بھی بوجھل چیزیں ہیں۔ مثلاً خزانے، سونے چاندی یا ہیرے جواہرات کی کانیں۔ اور مردے وغیرہ سب کچھ باہر نکل پڑے گا۔

انسان کی حیرت

اس وقت زندہ ہو کر کھڑا ہونے والا انسان متعجب اور متحیر ہو کر کہے گا۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا کہ زمین کو کیا ہو گیا؟ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں انسان سے کافر انسان مراد ہے چونکہ اس کو قبروں سے اٹھنے کی امید ہی نہ ہوگی اس لئے قبر سے اٹھنے کے وقت وہ یہ بات کہے گا اور مومن کہے گا یہ وہی ہے، جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ الغرض زندہ ہونے والا انسان حیرت زدہ ہو کر کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا کہ اس نے اپنے اندر کی تمام چیزیں یکدم باہر نکال پھینکیں۔

زمین سب حالات بیان کرے گی

آگے بتلایا گیا یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی جو اس پر گزرے ہوں گے۔ یعنی بنی آدم نے جو برے بھلے کام اس کے اوپر کئے تھے سب ظاہر کر دے گی۔ مثلاً زمین کہے گی کہ فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی فلاں نے چوری کی تھی۔ فلاں نے خون ناحق کیا تھا وغیر ذلک۔ گویا آج کل کی زبان میں یوں سمجھو کہ جس قدر اعمال زمین پر کئے جاتے ہیں زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں۔ اس طرح انسان کی تمام حرکتوں کا ایک مکمل ریکارڈ پیش کر دیا جائے گا۔

زمین کیسے بولے گی؟

رہی یہ بات کہ زمین یہ کام کس طرح کرے گی؟ تو اس کا جواب بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا میں دے دیا گیا۔ یعنی اس زمین کو اس کے رب کی طرف سے یہی حکم ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کا اس کو یہ حکم ہوگا کہ وہ اپنی سرگزشت بیان کرے تو یقیناً ایسا کرے گی۔ جو اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق اور سب کچھ کر سکنے والا تسلیم کرتے ہیں انہیں تو اس میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہو سکتا مگر جو عقل کے پجاری ہیں وہ سمجھیں کہ انسان کی زبان جو گویائی کا آلہ ہے ایک گوشت کا ٹکڑا ہے خدا تعالیٰ نے اس میں قوت گویائی رکھ دی جس کے لئے چاہا اور جس کے لئے نہ چاہا وہ باوجود زبان کے گونگا رہا۔ اسی طرح اگر خدا چاہے تو یہی قوت گویائی انسان کے کسی دوسرے حصہ میں رکھ دے تو وہ بھی اسی طرح بولنے لگے۔ دیکھنے کی قوت آنکھ میں رکھ دی ہے۔ سونگھنے کی ناک میں اور ٹٹولنے کی تمام جسم میں۔ اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھ دے یا تمام بدن کو کل قوتوں کا محل بنا دے اور ہر جگہ سے دیکھنے سننے اور ٹٹولنے لگے۔ چنانچہ قیامت کے دن جسم انسانی کے سب اعضاء کو قوت گویائی عطا ہوگی۔ اسی طرح قیامت میں زمین کو بھی قوت گویائی عطا

ہوگی۔ یہ کوئی مشکل یا عجیب یا خلاف عقل بات نہیں اور اب آج کل کے سائنسی دور میں جب کہ ایسی ایسی اختراعات اور ایجادات ہو رہی ہیں جن کا امکان کچھ عرصہ قبل بالکل خلاف عقل سمجھا جاتا تھا مگر اب وہ بالکل معمولی باتیں خیال کی جاتی ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ عقل انسانی نے ان کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ لہٰذا کسی شے کا عدم مشاہدہ اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرسکتا۔ آج کل کے سائنس دان یہ بات کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ بولتا ہے اور وہ جو کچھ حرکات کرتا ہے اس کا اثر لہروں کی شکل میں فضا میں باقی رہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہم کسی وقت ان لہروں کو پھر آواز کی شکل میں تبدیل کر لیں اور اپنے کانوں سے اسے سن سکیں۔

آگے اسی یوم قیامت کے بارہ میں بتلایا جاتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کے ثمرات کو دیکھ لیں یعنی اس روز لوگ مختلف حالات میں دربار عدالت خداوندی سے حساب و کتاب سے فارغ ہو کر لوٹیں گے۔ کوئی تو خوشی خوشی جنت کی راہ لیں گے اور ہمیشہ کے لئے آرام و راحت کے مزے لیں گے اور کوئی واصل جہنم ہوں گے تاکہ اپنے معاصی کی سزا بھگتیں۔

عمل کا ذرہ ذرہ سامنے آئے گا

اس حقیقت کو بیان کر دینے کے بعد آخر میں تنبیہ کے طور پر انسان کو یہ بات بتا دی گئی۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو وہاں بچشم خود دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ذرا برابر بھی بدی کرے گا وہ بھی اُس کو وہاں بچشم خود دیکھ لے گا یعنی اے انسان تو اس دھوکہ میں مت رہنا کہ تو اس دنیا میں جیسی چاہے من مانی زندگی گزارے اس کا کوئی اثر تمہاری آئندہ زندگی پر نہیں پڑنا ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے چھوٹے سے چھوٹے کام بھی تمہارے لئے اچھے یا برے نتیجوں کا سبب بنتے ہیں۔ ہر شخص کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس کا کوئی کام اکارت نہیں جائے گا۔ ذرہ برابر نیکی کا پھل بھی اس کے سامنے آئے گا اور ذرہ برابر برائی کا نتیجہ بھی اسے بھگتنا پڑے گا۔

خلاصہ: یہ سورت دو مقاصد پر مشتمل ہے۔

اس میں اس زلزلے کی خبر دی گئی ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہوگا اور سارے انسان اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور زمین انسان کے اعمال پر گواہی دے گی۔

لوگ حساب و کتاب کیلئے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے پھر ان کے اعمال کے مطابق انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا جائے گا، بعض شقی ہوں گے اور بعض سعید اور ان میں سے ہر ایک اپنے چھوٹے بڑے اعمال کی جزا دیکھ لے گا۔

سورۃ الزلزال کے خواص

١...... حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو اس سورۃ کو اپنی نماز میں سورۃ الزلزال کو کثرت سے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے زمین کے خزانوں کو کھول دیں گے۔

٢...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی اپنی نمازوں میں سورۃ الزلزال کو کثرت سے پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ ہر خوف سے امن عطا فرمائینگے۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ قیامت و آخرت پر ہم کو ایسا یقین کامل نصیب فرمائیں کہ جو ہم آخرت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی زندگی میں ان تمام نیکیوں کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو آخرت میں ہمارے کام آئیں۔ اور ان تمام برائیوں سے ہمیں بچالیں کہ جو آخرت میں پکڑ و سزا کا باعث ہوں۔ ہم سے جو برائیاں اب تک صادر ہو چکی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کر دیں اور ہمارے اعمالنامہ سے ان کو محو فرما دیں تاکہ ہم کو انہیں قیامت میں دیکھنا نہ پڑے اور جو نیکیاں ہم سے اللہ کی توفیق و تائید سے ہو گئی ہیں ان کو تا قیامت ہمارے اعمال نامہ میں ثبت فرما دیں۔ اور آخرت میں باعث اجر و ثواب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿٣﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج کرتے ہیں۔ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿٧﴾ وَاِنَّهٗ

پھر اس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں۔ بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اس کو خود بھی اِسکی خبر ہے۔ اور وہ

لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿٨﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾

مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔ کیا اُس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مُردے قبروں میں ہیں۔ اور آشکارا ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾

بے شک ان کا پروردگار ان کے حال سے اُس روز پورا آگاہ ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی	ضَبْحًا ہانپنے والے	فَالْمُوْرِيٰتِ چنگاریاں اڑانے والے	قَدْحًا سُم جھاڑ کر	فَالْمُغِيْرٰتِ غارت گری کرنیوالے					
صُبْحًا صبح کو	فَاَثَرْنَ پھر اڑائیں	بِهٖ اس سے	نَقْعًا گرد اڑاتے	فَوَسَطْنَ پھر جا گھسیں	بِهٖ اس وقت	جَمْعًا جماعت (فوج)	اِنَّ بیشک		
الْاِنْسَانَ انسان	لِرَبِّهٖ اپنے رب کا	لَكَنُوْدٌ ناشکرا	وَ اور	اِنَّهٗ بیشک وہ	عَلٰى پر	ذٰلِكَ اس	لَشَهِيْدٌ گواہ	وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ	لِحُبِّ محبت میں
الْخَيْرِ مال ودولت	لَشَدِيْدٌ البتہ سخت	اَفَلَا پس کیا نہیں	يَعْلَمُ وہ جانتا	اِذَا جب	بُعْثِرَ اٹھائے جائینگے	مَا جو	فِي میں	الْقُبُوْرِ قبروں	
وَحُصِّلَ اور سامنے آجائے گا	مَا جو	فِي میں	الصُّدُوْرِ سینے دل	اِنَّ بیشک	رَبَّهُمْ انکارب	بِهِمْ ان سے	يَوْمَئِذٍ اس دن	لَخَبِيْرٌ خوب باخبر	

وجہ تسمیہ، مقام نزول اور موضوع

اس سورۃ کی ابتداہی وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا سے ہوئی ہے۔ عدیت جمع ہے۔ عادیۃ کی جس کے معنیٰ ہیں تیز دوڑنے والے گھوڑے۔ چونکہ اس سورۃ میں عادیات یعنی جنگ کے تیز دوڑنے والے گھوڑے کی وفاداری اور جانثاری کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے اسی لفظ عادیات کو سورۃ کا نام قرار دیا گیا۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

مجاہدین کے گھوڑوں کی پانچ صفات کی قسمیں

اس سورۃ کی ابتداء بھی قسمیہ کلام سے فرمائی جاتی ہے۔ عرب چونکہ لڑائی اور جنگ کے دلدادہ تھے اس لئے عربوں کی زندگی میں نزول قرآن کے وقت گھوڑے کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے انہیں بات سمجھانے کے لئے جنگی گھوڑوں کی مثال سے کام لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جانوروں میں ایسی خصلت رکھ دی ہے جو انسان کے لئے بھی پسندیدہ خصلت مانی جاتی ہے۔ تو یہاں گھوڑے کی پانچ صفات کا ذکر کیا گیا اور ان کی قسم کھائی گئی۔

پہلی صفت فرمائی وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں یعنی گھوڑا اپنے مالک کا کیسا وفادار خادم ہوتا ہے کہ اس کے اشارہ پر بے تحاشا دوڑتا ہے اور دوڑتے ہوئے ان کے پیٹوں سے ہانپنے کی آواز آتی ہے۔

دوسری صفت فرمائی۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو

پتھروں پرٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ یعنی یہ گھوڑے اس قدر قوی اور تیز رو ہیں کہ جب پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو پتھروں پر ان کے ٹاپ اس زور سے پڑتے ہیں کہ ان سے آگ نکلتی ہے۔ گھوڑے کے سموں میں جو آہنی نعل لگے ہوتے ہیں تو پہاڑوں اور پتھریلی زمین میں دوڑنے سے ان کے نعل جو زمین میں لگتے ہیں تو شعلہ یا چنگاریاں نکلتی ہیں۔

تیسری صفت فرمائی فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا قسم ہے ان گھوڑوں کی کہ غارت کرتے ہیں صبح کے وقت۔ عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت حملہ کرنے کی تھی۔ رات کو چل کر صبح ہی صبح جبکہ اعداء خواب غفلت میں پڑے ہوتے دفعۃً حملہ کرتے اور مال واسباب ان کا لوٹ لیتے۔

چوتھی صفت فرمائی فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو اس وقت غبار اڑاتے ہیں یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جب کہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے گرد وغبار دبا رہتا ہے۔ ان کی ٹاپوں سے اس وقت بھی گرد وغبار اڑتا ہے اور وہ دشمنوں کی صفوں میں جا گھستے ہیں۔

پانچویں صفت فرمائی فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا قسم ہے ان گھوڑوں کی جو اس وقت دشمنوں کی جماعت میں جا گھستے ہیں۔ یعنی اس وقت بے خوف وخطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔

ناشکرا انسان اور اس کی صفات

ان پانچ قسموں کے بعد بطور جواب قسم جو بات فرمائی گئی وہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ہے (بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے) یہاں انسان سے مراد کافر انسان ہے جس کی توجہ ان گھوڑوں کی طرف دلائی جاتی ہے۔ جو اپنے مالک کے کس قدر مطیع ہوتے ہیں۔ خاص کر میدان جنگ میں تو اپنے آقا کی خاطر جان پر کھیل جاتے ہیں۔ اپنے مالک سوار کے اشارہ پر چلتا ہے۔ دوڑتا ہے ہانپتا ہوا۔ ٹاپیں مارتا اور غبار اڑاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ تلواروں اور نیزوں اور برچھوں کے سامنے پڑ کر منہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ ایک گھوڑا جس کا مالک گھاس وچارہ اور تھوڑا سا دانہ پانی کھلاتا پلاتا ہے وہ اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے اور کس قدر فرض شناسی سے کام لیتا ہے مگر یہ کافر انسان جس کو اس کے مالک حقیقی نے بے شمار نعمتوں سے مالا مال کیا۔ جو اس مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی دن رات کھاتا پیتا ہے۔ جس کی راحت وآرام کے لئے طرح طرح کے سامان اس کے منعم ومحسن حقیقی نے مہیا کئے۔ جس کو اس کے مالک حقیقی نے فہم وفراست علم وعقل اور نیک وبد میں تمیز کا مادہ عنایت فرمایا لیکن پھر بھی وہ اپنے مالک حقیقی کی اطاعت سے گریز کرتا ہے۔ اپنے فرض منصبی کو فراموش کئے ہوئے ہے۔ اپنے منعم حقیقی کی ناشکر گزاری کرتا ہے۔ بیشک یہ کافر انسان بڑا ناشکرا اور بڑا نالائق ہے۔ کہ ایک جانور گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ اس کی حالت تو حیوانوں سے بھی بدر جہا بدتر ہے۔

اسی کافر انسان کے متعلق آگے فرمایا گیا وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے یعنی انسان خود اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ اگر یہ اپنے ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سن لے کہ اندر سے خود اس کا دل کہہ رہا ہے کہ تو بڑا ناشکرا ہے۔ ایسے ناشکرے انسان کی حالت آگے بتلائی گئی۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے یعنی لالچ، حرص وطمع، بخل وامساک نے جو اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس کو اندھا بنا رکھا ہے۔ دنیا کے زر ومال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا اور نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

قبر وحشر کو سامنے رکھو

سورۃ کے اخیر میں ایسے احسان فراموش اور ناشکر گزار انسان کو جتلایا گیا اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ یعنی وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ جب قیامت کے دن سب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور مردہ جسم قبروں سے نکل کر زندہ کھڑے کئے جاویں گے اور دونوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اس وقت ان اعمال بد اور عقائد فاسدہ کی سزا دی جائے گی اس وقت دیکھیں یہ مال

کہاں تک کام دے گا اور نالائق ناشکرا انسان کہاں چھوٹ کر جائے گا اور ہر چند کہ اللہ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر و باطن پر محیط ہے اور بندہ کی ہر حرکت و سکون سے ہر وقت آگاہ ہے لیکن اس روز اس کا علم ہر شخص پر ظاہر ہو جائے گا اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی۔

خلاصہ

اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ انسان بڑا ناشکرا ہے اور اس کے ناشکرا ہونے پر خود اس کے اعمال گواہ ہیں۔ گھوڑا اپنے مالک کا وفادار ثابت ہوتا ہے، اسے خوش کرنے کیلئے تیروں کی بارش اور کوندتی تلواروں میں گھس جاتا ہے مگر ہائے رے انسان کہ یہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنے مالکِ حقیقی سے بے وفائی کرتا ہے۔

انسان کی فطرت اور طبیعت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے اس کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو دوسری تلاش کرتا ہے اور دوسری ہو تو تیسری تلاش کرتا ہے اور اس کے منہ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

انسان کو ان اعمالِ صالح پر برانگیختہ کیا گیا ہے جو اسے اس وقت فائدہ دیں گے جب اسے حساب و جزا کیلئے پیش کیا جائے گا اور بندوں کے سینوں میں جو راز ہیں، آشکارا کر دیئے جائیں گے۔

سورۃ العادیات کا خلاصہ

۱...... جو آدمی اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ ہر خوف سے محفوظ رہے گا۔

۲...... جو آدمی اس سورۃ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اس کے لئے رزق آسان ہو جائے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسان بنایا اور پھر انسان بنا کر اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ قیامت و آخرت کا یقین کامل ہی ہم کو معصیت اور گناہوں سے روک سکتا ہے آج ہم جو نافرمانی میں بے باک ہو گئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ آخرت کی جزا و سزا کا خیال دل سے نکل گیا ہے۔ یا اللہ ہمیں آخرت کی ایسی یاد اور دھیان عطا فرما دے جو ہمیں آپ کا فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھے اور ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ آمین۔

یَااللّٰہُ میں نے عجب کیا ہو، ریا کاری کی ہو، کوئی آخرت کا عمل شہوت کی نیت سے کیا ہو، کینہ، حسد، تکبر، اسراف، کذب، غیبت، خیانت، چوری، اپنے اوپر اترانا، دوسرے کو ذلیل کرنا یا اس کو حقیر سمجھ کر یا حمیت و عصبیت میں آ کر بے جا سخاوت، ظلم، لہو و لعب، چغلی یا اور کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو جس کے سبب میں ہلاکت میں آ گیا ہوں، الٰہی! مجھے معاف فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔اور آپکو کچھ معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔جس روز آدمی پریشان پروانوں

الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ

کی طرح ہوجاویں گے ۔اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہوجاویں گے ۔پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا۔وہ تو

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ

خاطر خواہ آرام میں رہیں گے ۔اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا۔ اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔اور آپ کو کچھ معلوم ہے

مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

کہ وہ کیا چیز ہے۔ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اَلْقَارِعَةُ کھڑکھڑانے والی	مَا الْقَارِعَةُ کیا ہے کھڑکھڑانے والی	وَمَا اور کیا	اَدْرٰىكَ تم سمجھے	مَا الْقَارِعَةُ کیا ہے کھڑکھڑانے والی	يَوْمَ جس دن		
يَكُوْنُ ہوں گے	النَّاسُ لوگ	كَالْفَرَاشِ پروانوں کی طرح	الْمَبْثُوْثِ بکھرے ہوئے	وَتَكُوْنُ اور ہوں گے	الْجِبَالُ پہاڑ	كَالْعِهْنِ رنگین اُون کی مانند	
الْمَنْفُوْشِ دھنکی ہوئی	فَاَمَّا پس جو	مَنْ جو	ثَقُلَتْ بھاری ہوئے	مَوَازِيْنُهٗ اس کے وزن	فَهُوَ سو وہ	فِيْ میں	عِيْشَةٍ عیش و آرام
رَّاضِيَةٍ پسندیدہ	وَاَمَّا اور جو	مَنْ جو	خَفَّتْ ہلکے ہوئے	مَوَازِيْنُهٗ ان کے وزن	فَاُمُّهٗ تو اس کا ٹھکانہ	هَاوِيَةٌ ہاویہ	وَمَا اَدْرٰىكَ اور تم کیا سمجھے
مَا هِيَهْ کیا ہے وہ؟	نَارٌ آگ	حَامِيَةٌ دہکتی ہوئی					

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول وغیرہ

اس سورۃ کی ابتداء ہی لفظ اَلْقَارِعَةُ سے ہوئی ہے۔قارعة کے معنی ہیں اچانک آ جانے والی مصیبت۔کھڑکھڑانے والا حادثہ۔ یہاں القارعة سے مراد حادثہ قیامت ہے چونکہ قیامت بھی اچانک اور ناگہاں آجانے والی مصیبت اور حادثہ عظیم ہے اسی لئے اس کو القارعة کہا گیا۔اور اسی لفظ سے سورۃ کو موسوم کیا گیا۔یہ سورۃ بھی مکی ہے۔

تمہیں معلوم ہے قیامت کیا ہے؟

قرآن کریم کا ایک انداز بیان یہ بھی ہے کہ جب کسی بات پر زور دینا ہوتا ہے تو اسے پہلے سوالیہ انداز میں سامنے رکھا جاتا ہے اور پھر خود ہی جواب دے دیا جاتا ہے۔اس طرح ایک سادہ جملہ کے مقابلہ میں بات کہیں زیادہ موثر ہو جاتی ہے۔اور پڑھنے والے یا سننے والے کے ذہن پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔قیامت جو ایک انتہائی ہولناک وقت ہوگا اس کے بارہ میں ابتدائی تین آیات اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ میں یہی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ وہ کھڑکھڑانے والی کیسی ہے اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز مراد قیامت ہے جو قلوب کو سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو نہایت ہولناک آوازوں سے کھڑکھڑا دے گی۔مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو بس اس کے بعض آثار آگے بیان کر دیئے

جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہوسکتا ہے۔

میدان حشر کا ایک منظر

آگے قیامت میں میدان حشر کا ایک منظر بتلایا گیا یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ جس دن لوگ میدان حشر میں پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ یعنی جیسے برسات کے دنوں میں پتنگے اور کیڑے مکوڑے ڈھیر کے ڈھیر نکل پڑتے ہیں اور دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سارے میدان میں یہی بکھرے ہوئے ہیں۔ بس اسی منظر سے ملتا جلتا وہ منظر ہوگا جب تمام انسان دوبارہ جی اٹھیں گے اور ہر طرف ان کے غول کے غول دکھائی دیں گے اور میدان حشر میں پروانوں اور پتنگوں کی طرح حیران و پریشان بکھرے پڑے ہوں گے۔ بے قراری اور بے تابی میں ادھر ادھر مارے پھریں گے۔ گویا پروانوں کے ساتھ تشبیہ ضعف، کثرت بے تابی اور حیرانی و پریشانی میں ہوئی۔

ایک دوسرا منظر

آگے قیامت کا ایک دوسرا منظر بیان فرمایا وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یعنی پہاڑ اپنے وزن اور اپنی جسامت کے لحاظ سے انسانی ذہن پر اپنی عظمت اور ہیبت کا ایک اثر ڈالتے ہیں تو یہ بھاری بھرکم وجود بھی قیامت کی ٹوٹ پھوٹ کے اثر سے فضا میں اس طرح اڑتے پھریں گے جیسے دھنی ہوئی اون یا جیسے روئی کو دھنک کر ایک ایک پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے۔ اور رنگین اون سے اس لئے تشبیہ دی کہ دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں جیسے سنگ مرمر کے پہاڑ سفید ہوتے ہیں اور سنگ سرخ کے پہاڑ سرخ اور سنگ سیاہ کے پہاڑ سیاہ۔ یہ پے در پے زلزلہ وغیرہ سے چورا چورا ہو کر فضا میں اڑتے پھریں گے۔ انسانوں کو یقیناً قیامت کی ہولناکی اور شدت کا اندازہ اس منظر سے بھی ہوسکتا ہے۔

آخرت کی راحت وعذاب کا مدار

قیامت کی ہولناکی اور آخرت کے انجام کا ذکر جو بار بار قرآن میں آتا ہے اس کی غرض یہی ہے کہ انسان کسی وقت یہ نہ بھولنے پائے کہ اس دنیا کی زندگی کا ایک انجام بھی ہے۔ اسے مرکر پھر ایک بار زندہ ہونا ہے اور پھر وہ زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔ اور اس زندگی کی کامیابی کا مدار صرف اس بات پر ہے کہ انسان دنیا کی زندگی میں کیا کما کر ساتھ لے گیا۔ یہی بات اخیر کی آیتوں میں دہرائی گئی ہے۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ یعنی جس نے دنیا کی زندگی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ گزاری ہوگی اور قانون خداوندی کو خضر راہ بنایا ہوگا تو پھر اس کی تول بھاری نکلے گی۔ اول تو ایمان کی تول ہی وزن میں بھاری ہوگی پھر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، خیرات کی گراں باری ہوگی۔ پھر شہوات ولذات سے صبر، اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت یہ حسنات کے پلے کو اور بھی بھاری بنادے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ دل پسند زندگانی حیات جاودانی اور ہر طرح کامرانی میں ہوں گے۔ یہ جملہ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ بڑا وسیع المعنی جملہ ہے۔ آخرت کی تمام نعمتیں جنت اور اس کی راحتیں اور وہاں کی خوشی و سرور اور دیدار الٰہی کی نعمت من مانے عیش اور خاطر خواہ آرام سب عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ میں شامل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو بھی ان بندوں میں شامل فرمالیں جن کو عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ نصیب ہوگا۔ آمین۔

تو یہ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ یعنی من مانا عیش ان کے لئے ہوگا جن کے اعمال ایمان واخلاص کی وجہ سے وزنی ہوں گے اور جن کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔ باقی رہے وہ جن کا ایمان کا پلہ ہلکا ہوگا۔ جنہوں نے اپنی دنیاوی زندگی اپنی خواہشات میں اور لذات وشہوات میں گزاری ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے قوانین سے بغاوت اور نافرمانی کی ہوگی۔ جو اپنے کفر و معاصی پر اڑے رہے اور دنیا پر فریفتہ رہے اور اسی عشق دنیا میں بڑی ثابت قدمی دکھلائی تو آخرت میں ان کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ ہاویہ کے لفظی معنی گڑھے کے ہیں یہاں مراد جہنم کا گڑھا ہے آگے ہاویہ کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِیَهْ نَارٌ حَامِیَةٌ اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے۔ وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ یعنی جو عذاب شدید اس طبقہ میں

ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا بس اتنا سمجھ لو کہ وہ ایک آگ ہے نہایت گرم دہکتی ہوئی جس کے مقابلہ میں گویا دوسری آگ کو گرم کہنا نہ چاہئے۔ اللھم اعاذنا الله منھا ۔ اے اللہ آپ اپنے کرم وفضل سے اس ہاویہ کے قرب ہونے سے بھی ہم سب کو بچائیے گا۔

اس سورۃ میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

''وہ کھڑ کھڑانے والی چیز۔کیسی ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز؟ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز مراد قیامت ہے۔جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جاویں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے پہاڑ اڑتے پھریں گے پھر وزن اعمال کے بعد جس شخص کا پلہ ایمان کا بھاری ہوگا یعنی وہ مومن ہوگا تو وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا۔یعنی ناجی ہوگا اور جس شخص کا پلہ ایمان کا ہلکا ہوگا یعنی وہ کافر ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

آخرت میں اعتقاد واعمال کے لحاظ سے تین گروہ

یہاں ان آیات فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا ان میں مومن اور کافر کا بیان فرمایا گیا ہے۔اور دونوں کا انجام بھی بتلایا گیا ہے قیامت میں پہلے کافر و مومن میں امتیاز کر دیا جائے گا۔کافر تو ابدالآباد کے لئے واصل جہنم ہوں گے پھر مومنین کے حسنات وسیئات کا وزن کیا جائے گا۔اگر حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو اس کا معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف ہوگا۔یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو سزا کے لئے دوزخ میں داخل کر دیں گے اور پھر سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی۔یا چاہیں گے تو بغیر سزا گناہ بخش دیں گے اور جنت میں بھیج دیں گے۔اپنی مخصوص رحمت کے سبب یا بوجہ شفاعت۔

یہاں پر ایک تیسرے فریق کا ذکر نہیں کیا گیا اور وہ وہ ہوں گے جن کے نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔یہ اعراف والوں میں سے ہوں گے اور بالآخر وہ بھی جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔اصحاب اعراف کا ذکر آٹھویں پارہ سورۂ اعراف میں بیان ہوا ہے۔

اعمال کا وزن ہوگا گنتی نہیں

ان آیات فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ کے تحت علمائے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان آیات میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آخرت میں انسانوں کے اعمال وزن کئے جائیں گے اور تولے جائیں گے۔ان اعمال کا شمار اور گنتی نہیں کی جائے گی اور نصیحت وہدایت یہاں یہ فرمائی ہے کہ اعمال کا وزن بقدر اخلاص اور مطابقت سنت کے بڑھتا ہے۔چنانچہ جس مومن کے عمل میں اخلاص بھی کامل ہو اور سنت کی مطابقت بھی ہو تو اگرچہ اس کے اعمال تعداد وشمار میں کم ہوں لیکن ان کا وزن اس شخص کے اعمال سے بڑھ جائے گا جس نے تعداد میں نماز' روزے' صدقہ خیرات' حج عمرے وغیرہ تو بہت کئے مگر اخلاص میں کمی رہی یا سنت کی مطابقت میں کمی رہی۔تو معلوم ہوا کہ اعمال میں وزن پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں ایک اخلاص یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کا ہونا اور دوسری چیز سنت کے موافق اور مطابق عمل کا ہونا۔اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے اعمال میں اخلاص اور سنت کی موافقت ومطابقت نصیب فرمائیں۔

خلاصہ

اس سورت میں قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے جب قیامت قائم ہوگی تو نظام کائنات میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوں گی جو انسان کو حیران اور ششدر کر دیں گی۔سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا' کسی کی حسنات زیادہ ہوں گی اور کسی کی سیئات اور انہیں کے اعتبار سے انسان کے انجام کا تعین ہوگا۔

سورۃ القارعۃ کے خواص

۱...جس آدمی کا روزگار تنگی کا شکار ہو تو وہ سورۃ القارعہ کو لکھ کر گلے میں پہنے، رزق فراخ ہو جائے گا۔

۲...جو آدمی روزانہ سورۃ القارعہ کی قرأت کا معمول رکھے وہ امن میں رہیگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَھِیَ ثَمَانِیْ اٰیَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

فخر کرنا تم کو غافل کئے رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ﴿۷﴾

ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر واللہ تم لوگ ضرور اُس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ﴿۸﴾

پھر اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔

اَلْھٰکُمُ تمہیں غفلت میں رکھا	التَّکَاثُرُ کثرت کی خواہش	حَتّٰی یہاں تک کہ	زُرْتُمُ تم نے زیارت کی	الْمَقَابِرَ قبریں	کَلَّا ہرگز نہیں	سَوْفَ عنقریب
تَعْلَمُوْنَ تم جان لوگے	ثُمَّ پھر	کَلَّا ہرگز نہیں	سَوْفَ جلد	تَعْلَمُوْنَ تم جان لوگے	کَلَّا ہرگز نہیں	لَوْ تَعْلَمُوْنَ کاش تم جانتے
عِلْمَ الْیَقِیْنِ علم یقین	لَتَرَوُنَّ تم ضرور دیکھو گے	الْجَحِیْمَ جہنم	ثُمَّ پھر	لَتَرَوُنَّھَا ضرور اسے دیکھو گے	عَیْنَ الْیَقِیْنِ یقین کی آنکھ	ثُمَّ پھر
لَتُسْئَلُنَّ تم ضرور پوچھے جاؤ گے	یَوْمَئِذٍ اس دن	عَنِ سے بابت	النَّعِیْمِ نعمتیں			

سورۃ کی وجہ تسمیہ اور فضیلت وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ سے ہوئی ہے۔ اسی سے سورۃ کا نام التکاثر ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کی فضیلت ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی میں طاقت نہیں کہ ہزار آیات روز پڑھ لیا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہزار آیات روز کون پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کیا تم میں سے کوئی روز اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ تنہا اس سورۃ کی تلاوت گویا ایک ہزار آیات کی تلاوت کے برابر ہے۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔

شان نزول

اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث ومفسر دہلویؒ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ قریش کے قبائل بنی عبدمناف اور بنی سہم میں سے ہر قبیلہ نے کہا کہ ہم میں سردار اور عزت مند آدمی تم سے زیادہ ہیں اور ہماری تعداد بھی تم سے زیادہ ہے لہٰذا سرداری ہمارا حق ہے۔ گنتی کی تو بنی عبدمناف زیادہ نکلے۔ پھر کہنے لگے کہ اب ہم اپنے مردوں کو شمار کریں گے چنانچہ قبرستان میں جا کر مردوں کو شمار کیا تو بنی سہم کی تعداد بڑھ گئی کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ غرض اس بیہودہ تفاخر کی برائی پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس میں متنبہ کیا گیا کہ کثرت مال و دولت، جاہ وحشمت، عزت ومرتبت پر نازاں نہ ہونا چاہئے۔ یہ چیزیں قابل فخر نہیں۔

دنیاوی حرص ہلاکت ہے

اس سورۃ کا مضمون ہر اس شخص کے بارہ میں ٹھیک ہو سکتا ہے جو دنیا کی طلب میں سرگرداں ہو اور ہر آن اسی دھن میں لگا ہو کہ دنیا کا ساز وسامان عزت وجاہت، مال و دولت زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے چنانچہ سورۃ کی ابتداء اس طرح فرمائی گئی اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ تکاثر یعنی دنیوی ساز وسامان پر فخر کرنا تم کو آخرت

سے غافل کئے رکھتا ہے۔ یعنی مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے۔ نہ اپنے مالک اور خالق کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر۔ بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو اور میرا کنبہ قبیلہ اور جتھا سب سے غالب رہے۔ اور یہ پردۂ غفلت نہیں اٹھتا یہاں تک کہ آدمی کو موت آ جاتی ہے۔ جب قبر میں پہنچتا ہے تو پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑا ہوا تھا۔ یہ دنیا کی چہل پہل محض چند روزہ تھی۔ موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ بلکہ وبال جان تھے۔ مسلم و ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن الشخیرؓ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے پھر فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال' تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا خیرات کر دی اور جاری کر دیا۔ اور دوسری روایت میں جاری کر دیا کے بجائے ذخیرہ کر لیا کے الفاظ ہیں۔

عنقریب حقیقت کھلنے والی ہے

سورۃ میں آگے فرمایا جاتا ہے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا۔ یعنی دیکھو بار بار تاکید کہا جاتا ہے کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں کہ مال دولت و اولاد اور دنیوی ساز و سامان کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے۔ عنقریب مرتے ہی اور قبر میں جاتے ہی تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل اور فانی دنیوی ساز و سامان ہرگز فخر و مباہات کے لائق نہ تھا۔ پھر سمجھ لو کہ تم کو قبر سے نکلتے ہی حشر میں معلوم ہو جاوے گا کہ آخرت ایسی چیز نہیں کہ جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ اور تم کو بہت جلد حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اصل زندگی اور عیش تو آخرت کا ہے اور دنیا اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائیگی۔

کاش تم یقین کر لیتے!

آگے فرمایا جاتا ہے۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے یعنی پھر تم کو اے لوگو متوجہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز یہ دنیا کے ساز و سامان اور چیزیں قابل فخر و توجہ کے اور آخرت قابل غفلت و انکار کے نہیں اگر تم یقینی طور پر دلائل صحیحہ سے اس بات کو جان لیتے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں تو ہرگز اس فخر و غفلت میں نہ پڑتے۔ اس غفلت و انکار کا نتیجہ دوزخ ہے وہ تم کو دیکھنا پڑے گا اول تو اس کا کچھ اثر مرنے کے بعد برزخ ہی میں نظر آ جائے گا پھر آخرت میں تو پوری طرح دیکھ کر عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔ اسی کو فرمایا گیا لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے۔

کسب مال کی حدود

مگر یہاں ایک ضروری بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ بقدر حاجت ضروریات دنیا کا مال حاصل کرنے کی کوشش کرنا نہ کوئی بری بات ہے اور نہ اس کی مذمت ہے بلکہ عین ثواب اور داخل عبادت ہے اگر نیت اور عمل صحیح ہو اور بہت سے کار خیر اور آخرت کی سعادتیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کسی دوسرے کا دست نگر رہنا' یا سوال کر کے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا یہ شریعت اسلامیہ میں نہایت ناپسندیدہ ہے ہاں حصول دنیا میں غرق ہو جانا آتش حرص کا ہر وقت شعلہ زن رہنا۔ بے کار اور لغو باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا۔ سعادت اخرویہ سے بالکل غافل یا منکر رہنا یہ سرتا پا حماقت و جہالت ہے اور ایسی ہی دنیا طلبی کی مذمت کی گئی ہے اس لئے دنیا کے کاموں کی مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکر آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا ہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں بلکہ وہ تو جنت تک پہنچنے کا زینہ ہے۔

نعمتوں کا جواب دینا ہوگا

آخیر میں فرمایا جاتا ہے۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ

پھر اس دن تم سے ساری نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔ یعنی آج جن نعمتوں پر پھولے ہوئے ہو اور ان کے ازدیاد کی حرص میں لگے ہوئے ہو آخرت سے غافل اور مالک حقیقی کے ناشکرے بنے ہوئے ہو قیامت میں ان نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ جو نعمتیں ظاہری و باطنی' جسمانی و روحانی دنیا میں عطا کی گئی تھیں ان کا حق تم نے کیا ادا کیا اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسی نعمتوں میں ہم ہیں جو کی روٹی وہ بھی آدھی بھوک ملتی ہے۔ پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ ان سے فرمائیں کیا تم جوتے نہیں پہنتے (جو گرمی کی تکلیف سے بچاتا ہے) ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔

عجیب واقعہ

اس آیت کی تفسیر کے تحت حضرت علامہ عبدالحق دہلویؒ نے اپنی تفسیر حقانی میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ کوئی مفلس شخص افلاس اور غربت سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کا شاکی ہوا اور سفر کو گیا وہاں ایک جگہ اس کو اس قدر مال و زر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر گھر کی طرف واپس چلا۔ راستہ میں کہیں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاکت کی نوبت پہنچی تب ایک شخص نمودار ہوا جس کے پاس ٹھنڈا پانی تھا۔ اس سے پانی کا سوال کیا۔ اس نے کہا کہ ایک خچر مال کا دے تو دیتا ہوں۔ ناچار ہو کر دینا پڑا ورنہ پیاس سے موت سامنے نظر آتی تھی۔ پانی پی کر جان بچائی اور دو خچر لے کر چلا۔ اب بھوک لگی اور سخت بے تابی ہوئی۔ ہلاکت کی نوبت آ گئی۔ تب ایک شخص ملا جس کے پاس کھانا تھا۔ اس سے سوال کیا اس نے کہا کہ اگر ان دو خچروں میں سے ایک دے تو دیتا ہوں ورنہ بھوک سے مرے گا اور دونوں خچر یہیں رہ جائیں گے۔ مجبوراً ایک خچر دے کر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا۔ آگے چل کر اس کے پیٹ میں پاخانہ پیشاب بند ہو جانے سے شدت کا درد ہوا کہ ہلاکت کی نوبت آ گئی۔ ایک شخص طبیب نمودار ہوا اور اس نے کہا کہ یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے۔ آخر جان عزیز تھی وہ بھی دے دیا تو درد سے نجات ملی۔ تب ہاتف غیب سے آواز آئی کہ روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اس قدر مال دے کر لی ہے۔ اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اس پر بھی تو اس کا شاکی ہوا۔ یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص بہت رویا اور تائب ہوا۔

خلاصہ

اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو صرف دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں اور دنیا کا ایندھن جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں' ان کے انہاک کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ انہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے لیکن پھر اچانک موت آ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انہیں قصر سے قبر کی طرف منتقل ہونا پڑتا ہے' ان لوگوں کو ڈرایا گیا کہ قیامت کے دن تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر تم جہنم کو ضرور دیکھو گے اور تم سے اللہ کی نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ امن' صحت' فراغت' اکل و شرب' مسکن' علم اور مال و دولت جیسی نعمتوں کو کہاں استعمال کیا؟

خواص سورۃ التکاثر

١- اگر کسی آدمی کو سر درد ہو، یا آدھے سر میں درد ہوتا ہو تو اس پر عصر کی نماز کے بعد یہ سورۃ پڑھ کر دم کیا جائے، ان شاء اللہ درد ختم ہو جائیگا۔

٢- جو آدمی بارش کا پانی اس سورۃ کو پڑھتے ہوئے جمع کرے اور پھر اس پانی کو کسی مشروب میں ملا لے تو اس مشروب کی افادیت اور نفع بہت بڑھ جائے گا۔

٣- جو آدمی روزانہ اس سورۃ کی تلاوت کا معمول رکھے وہ خوشحال ہو جائے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا

قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے

بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

وَالْعَصْرِ قسم زمانہ کی	اِنَّ بیشک	الْاِنْسَانَ انسان	لَفِيْ میں	خُسْرٍ خسارہ	اِلَّا سوائے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَ اور
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے عمل کئے نیک	وَتَوَاصَوْا اور انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی	بِالْحَقِّ حق کی	وَتَوَاصَوْا اور وصیت کی	بِالصَّبْرِ صبر کی			

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول وغیرہ

اس سورۃ کی ابتدا ہی وَالْعَصْرِ سے فرمائی گئی ہے یعنی قسم ہے زمانے کی۔ "عصر" عربی زبان میں زمانہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے سورۃ کا نام العصر ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

شان نزول

اس سورۃ کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ابوالاسد ایک کافر تھا اور زمانہ جاہلیت میں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دوست تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لے آئے تو یہ ابوالاسد کافران سے کہنے لگا کہ اے ابوبکر تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے۔ تم نے تو اپنی ہوشیاری اور ذکاوت سے تجارت میں بہتیرا مال پیدا کیا اور کبھی تم نے نقصان نہیں اٹھایا۔ اب یکلخت ایسے گھاٹے میں پڑے کہ آبائی دین چھوڑ کر لات وعزیٰ کی عبادت سے محروم اور ان کی شفاعت سے مایوس ہو گئے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اے بے وقوف جو اللہ اور اللہ کے رسول کا تابعدار بنتا ہے اور دین حق کو قبول کرتا ہے وہ کبھی نقصان میں نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں حضرت صدیقؓ کے کلام کا حسن ظاہر فرمایا اور اس کافر کے خیال باطل کی بدلائل وشواہد تردید فرمائی اور قسمیہ کلام کے ساتھ اس سورۃ میں فرمایا گیا کہ انسان آخر میں ٹوٹا اور خسارہ اٹھائے گا سوائے ان لوگوں کے کہ جو زندگی میں ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

سورۃ العصر کا مقام ومرتبہ

فی الحقیقت یہ اگرچہ ایک چھوٹی سی سورۃ ہے لیکن سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے۔ اس سورۃ کے بارہ میں امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر قرآن کریم میں سے صرف یہی سورۃ نازل کر دی جاتی تو سمجھدار بندوں کی ہدایت کے لئے کافی تھی۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کا دستور تھا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورۃ سنایا کرتے تھے۔ ایک پڑھتا تو دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

عصر کی قسم

اس سورۃ کی ابتداء بھی قسمیہ کلام سے فرمائی گئی ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے عصر کی قسم کھائی۔ وَالْعَصْرِ عصر زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی کہ جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے۔ دوسرے معنیٰ مفسرین نے والعصر سے مراد یہ لئے ہیں کہ قسم ہے نماز عصر کے وقت کی کہ جو

کاروباری دنیا میں خاص مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے۔ حتیٰ کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کی نماز عصر فوت ہو گئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا۔ تیسری مراد یہاں والعصر سے بعض مفسرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کو لیا ہے یعنی قسم ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے یعنی حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھائی کہ جس میں رنج و خسران واقع ہوتا ہے۔

انسان نقصان میں ہے

بطور جواب قسم کے فرمایا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے اور اس سے بڑھ کر ٹوٹا اور خسارہ کیا ہو گا کہ برف بیچنے والے دکان دار کی طرح ہر لحظہ اور ہر گھڑی اس کی عمر عزیز دم بدم کم ہوتی جا رہی ہے اور جو لمحہ گزر او ہ پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ اگر اس کی عمر رواروی میں کوئی ایسا کام نہ کر لیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کار آمد بن جائے تو پھر خسارہ اور نقصان کی کوئی انتہا نہیں۔ انسان گذشتہ کے حالات و تاریخ کو دیکھے اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرے تو ادنیٰ غور و فکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پروا ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ و برباد ہو کر رہے۔ انسان کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور اس عمر عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت یا شرارت یا لہو و لعب میں نہ گنوائے۔ اگر غفلت اور نسیان میں گزار دیئے گئے تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔

فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں فرمایا جاتا ہے۔ یعنی انسان کو خسارہ اور نقصان سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے اگر یہ چار باتیں دنیا میں اختیار نہ کیں تو ہرگز ہرگز خسارہ سے نہیں بچ سکتا اور اگر یہ چار اوصاف اختیار کر لئے تو پھر خسارہ نام کو بھی نہیں۔ اور وہ چار باتیں یہ ہیں۔

ایک اٰمَنُوْا دوسرے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تیسرے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ چوتھے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی اول خدا اور رسول پر ایمان لائے۔

جن کا عقیدہ درست ہو

یعنی اس کے تمام عقیدے درست ہوں۔ خدا تعالیٰ کے بارہ میں اس کی ذات و صفات کے بارہ میں۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کے بارہ میں۔ اللہ کی کتاب کے بارہ میں۔ آخرت، ملائکہ، تقدیر، قبر، حشر، نشر، جنت، دوزخ وغیرہ وغیرہ کے بارہ میں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے ان پر پورا یقین اور اعتماد رکھے۔

عمل صالح ہو

دوسری بات یہ کہ ایمان و یقین کا اثر محض ان کے قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو اور اس کی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو اور اللہ و رسول کے احکام اور اوامر پر عمل پیرا ہو اور منہیات سے مجتنب ہو۔ ہر وہ کام جو شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہو اس پر عامل ہو اور اس عمل سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ یہی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہے۔

اجتماعی صلاح و فلاح کا درد ہو

تیسرے تواصی بالحق کی صفت یعنی محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے اور اسے کافی نہ سمجھے کہ وہ خود سیدھے راستہ پر آ گیا ہے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے اور اپنے کو اس بات کا ذمہ دار سمجھے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بھی حق کی تلقین کرنا ہے اور انہیں سیدھے راستہ پر لانے کی کوشش کرتے رہنا ہے۔ گویا ایک مسلمان کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ تواصی بالحق یعنی حق پر قائم رہنے کی تاکید وسیع المعنیٰ الفاظ ہیں۔ تواصی بالحق دین پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے۔ راست بازی اور نفع خلائق کی ہدایت کو بھی شامل ہے۔ پھر دین میں عبادات

سے لے کر اعتقادات صحیحہ اور اخلاق کریمانہ اور خیرات وصدقات کی تعلیمات کو بھی شامل ہے۔ بنائے مساجد و مدارس اور اسلام کے قیام و استحکام تبلیغ و اشاعت اور اعلائے کلمۃ الحق کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیم علوم وغیرہ سب تواصی بالحق میں شامل ہیں۔

صبر واستقامت کا پیکر ہو

چوتھے تواصی بالصبر کی صفت ہے یعنی حق کی راہ چلنے میں چاہے جتنی مشکلات پیش آئیں انہیں خود بھی برداشت کرے اور دوسروں کو بھی تاکید ونصیحت کرتا رہے۔ کہ دیکھو سچائی اور دین حق کی راہ میں اگرچہ کیسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن تمہیں کسی حال میں سچائی اور دین حق کا دامن نہ چھوڑنا چاہئے پوری ہمت کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرتے رہو اور حق پر قائم رہو۔ تواصی بالصبر کا لفظ بھی بڑا جامع المعنیٰ ہے اس میں مخالفوں کی ایذا اور بدگوئی کی برداشت بھی صبر ہے۔ نفس بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے میں مشقتوں کی برداشت بھی صبر ہے مصائب ارضی وسماوی پر ی صبر ہے۔ خلاف طبع امور کا تحمل کرنا اور پورے استقامت ا بھی صبر ہے۔ نیکی کے راستہ پر جمے رہنا اور راہ حق سے قدم نہ ڈگ ی صبر ہے۔ اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میر ، قدمی بھی صبر ہے۔ اسی طرح صف جنگ میں دشمنان دین کا مقا ، مقابلہ میں استقلال وثابت قدمی بھی صبر ہے۔

غرض اس سورۂ مبارکہ میں چار چیزوں کی تعلیم ہے

(۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) تواصی بالحق (۴) تواصی بالصبر

یہ چار خوبیاں جن کا ذکر چھوٹے چھوٹے لفظوں میں اس سورۃ میں کیا گیا ہے اپنے معنیٰ اور تفصیل کے لحاظ سے اتنی بڑی خوبیاں ہیں کہ اس کے بعد کسی اور خوبی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ

سورۂ عصر مکی ہے اس میں ۳ آیات ہیں یہ مختصر سی سورت اسلام کے عظیم اصولوں اور انسانی زندگی کے دستور کی وضاحت کرتی ہے اس سورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اس سورت میں تدبر کرلیں تو یہ سورت ان کی نجات کیلئے کافی ہو سکتی ہے اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے زمانے کی قسم کھا کر فرمایا کہ سارے کے سارے انسان خسارے میں ہیں چاہے وہ مادی اور ظاہری اسباب سے مالا مال کیوں نہ ہوں البتہ جو چار صفات سے متصف ہوں گے وہ خسارے سے بچ جائیں گے یعنی ایمان، عملِ صالح ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین۔

سورۃ العصر کے خواص

۱- جسے بخار ہو اس پر سورۃ العصر پڑھ کر دم کیا جائے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تندرست ہو جائے گا۔

۲- چار ٹکڑوں میں سے ہر ایک پر سورۃ العصر لکھ کر جس مکان کے چاروں کونوں میں لٹکا دیا جائے تو وہ مکان چاروں طرف سے آنے والی آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو زندگی کی مہلت اور عمر کی نعمت عطا فرما رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمت کا قدرداں بنائیں اور ہم کو ایمان حقیقی کے ساتھ عمل صالح کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوۡرَةُ الۡهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِىَ تِسۡعُ اٰيَاتٍ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو جو مال جمع کرتا ہو اور اسکو بار بار گنتا ہو۔ وہ خیال کر رہا ہے کہ اُس کا مال اُس کے پاس سدا رہے گا۔

كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ

ہرگز نہیں واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جاویگا جسمیں جو کچھ پڑے وہ اسکو توڑ پھوڑ دے۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے۔ جو

عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ؕ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

دلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ ان پر بند کر دی جاوے گی۔ بڑے لمبے لمبے ستونوں میں۔

وَيۡلٌ خرابی	لِكُلِّ واسطے ہر	هُمَزَةٍ طعنہ زن	لُمَزَةِ عیب جو	الَّذِىۡ جس۔جو	جَمَعَ جمع کیا	مَالًا مال	وَّعَدَّدَهٗ اسے گن گن کر رکھا	يَحۡسَبُ وہ گمان کرتا ہے
اَنَّ کہ	مَالَهٗۤ اس کا مال	اَخۡلَدَهٗ اسے ہمیشہ رکھے گا	كَلَّا ہرگز نہیں	لَيُنۡۢبَذَنَّ ضرور ڈالا جائے گا	فِىۡ میں	الۡحُطَمَةِ "حطمہ"	وَمَاۤ اور کیا	اَدۡرٰٮكَ تم سمجھے
مَا الۡحُطَمَةُ "حطمہ" کیا ہے؟	نَارُ اللّٰهِ اللہ کی آگ	الۡمُوۡقَدَةُ بھڑکائی ہوئی	الَّتِىۡ جو کہ	تَطَّلِعُ جا پہنچے وہ	عَلَى پر	الۡاَفۡـِٕدَةِ دل (جمع)		
	اِنَّهَا بیشک وہ	عَلَيۡهِمۡ ان پر	مُّؤۡصَدَةٌ بند کی ہوئی	فِىۡ میں	عَمَدٍ ستون	مُّمَدَّدَةٍ لمبے لمبے		

وجہ تسمیہ، زمانۂ نزول

اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں ہمزۃ کا لفظ آیا ہے۔ اس لئے یہی لفظ ھمزۃ سورۃ کا نام مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

شانِ نزول

اس سورۃ کے شانِ نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ بعض کفار مکہ مثلاً خنس بن شریق امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ ہر ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی بدگوئی کیا کرتے۔ طعنہ زن رہتے اور عیب نکالا کرتے۔ یہ سورۃ انہی کفار کو متنبہ کرنے کے لئے نازل ہوئی۔

انسانی حقوق کی اہمیت

واضح ہو کہ ظلم و گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہیں جیسے اللہ کی عبادت نہ کرنا اس کے مقرر کردہ فرائض نہ بجالانا۔ اس کے منع کردہ گناہوں کا مرتکب ہونا۔ دوسرے وہ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں جیسے کسی کا حق ادا نہ کرنا یا بلاوجہ کسی کو تکلیف و ایذا پہنچانا۔ کسی کی آبروریزی کرنا۔ کسی کے دل کو رنج پہنچانا خصوصاً خاصانِ خدا کی دل آزاری کرنا۔ یہ دوسرے قسم کے گناہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں ایسے سخت ہیں کہ اگر ان کا مرتکب صاحب حق سے معاف نہ کرائے تو محض توبہ و استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ حقوق العباد میں سے ایک غیبت اور بدگوئی اور طعنہ زنی بھی ہے۔ قرآن کریم نے غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور حدیث میں اس کو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے۔

غیبت و بدگوئی کی برائی

مکہ کے قریش کافر غیبت و بدگوئی کی بلا میں سخت مبتلا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے اور غریب ایمان

داروں پر طعن و تشنیع کرتے ان کی نماز و عبادات کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے۔ اس سورۃ میں ان کے اس فعل شنیع کی سخت مذمت فرمائی گئی اور اس کے مرتکب کے لئے المناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ بڑی خرابی ہے دین و دنیا میں ہر ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور روبرو طعنہ دینے والا ہو کیونکہ غیبت کرنے والا مضحکہ اور تمسخر اڑانے والا اور طعن و تشنیع کرنے والا دنیا میں تو اپنے اخلاق رذیلہ کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں ذلیل رہتا ہے۔ عزت و آبرو سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور لوگوں کی عداوت مول لیتا ہے اور آخرت میں نار جہنم کی دردناک سزا بھگتنی ہوگی۔

یہاں سورۃ میں کفار کی جس خصلت کا ذکر ہو رہا ہے نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج کل مسلمانوں میں یہ عادت کثرت سے رواج پا گئی ہے۔ معاملہ فہمی، صلح جوئی، توصیہ حق، تحمل و بردباری، نصیحت و خیر خواہی، ایثار و ہمدردی کا خیال مٹتا جا رہا ہے اسی وجہ سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ اور اسلام کی مجموعی قوت کو ایک صدمہ عظیم پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس امت مسلمہ کی اصلاح کی صورتیں غیب سے ظاہر فرماویں آمین۔

ایک ہمارے بزرگان دین اور سلف صالحین وہ بھی تھے کہ عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی۔ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے غیبت کی بابت مواخذہ نہ ہوگا۔ میں نے کسی کی غیبت عمر بھر میں نہیں کی۔ جب کہ آج غیبت مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا اور محبوب مشغلہ بنا ہوا ہے۔ الا ماشآء اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو اپنی تعلیم میں سخت ترین گناہ قرار دیا ہے اور بہتان کا درجہ تو اس غیبت سے بھی آگے ہے۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اے لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن نہ طعنہ باز ہے نہ لعنت کرنے والا ہے۔ نہ فحش بکنے والا ہے۔ نہ بے حیائی کرنے والا ہے (رواہ الترمذی)

یعنی ایمان دار کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہے، فحش بکے، گالیاں دیا کرے، ننگا لچا بن جائے کہ جو منہ میں آئے بک دیا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس عیب جوئی طعنہ زنی اور بدگوئی جیسی کافرانہ خصلتوں سے ہماری زبانوں اور قلوب کو پاک رکھیں آمین۔

غیبت و بدگوئی کا مرض کیوں لگتا ہے

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس خبیث عادت یعنی طعنہ زنی، عیب جوئی، بدگوئی کا سبب کبر و تعلّی ہوتا ہے کہ جو اپنے آپ کو اس سے کہ جس کی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس کبر و غرور اور تعلّی کا بڑا سبب مال و دولت ہے کہ جس کا نشہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور جس مال و دولت کو مارے حرص کے انسان ہر طرف سے سمیٹتا اور مارے بخل کے گن گن کر رکھتا ہے کہ کوئی پیسہ کہیں خرچ نہ ہو جائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ اکثر بخیل مالداروں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ بار بار روپیہ شمار کرتے اور حساب نکالتے رہتے ہیں۔ اسی میں ان کو مزہ آتا ہے۔ اور جس بخیل مال دار سے پوچھا جائے کہ یہ مال دولت کس لئے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئے گا اسی کی طرف اشارہ ہے۔ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ جو غایت حرص سے مال جمع کرتا ہے اور غایت محبت و فرحت سے اس کو بار بار گنتا ہے اور خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا یعنی اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مال کبھی اس سے جدا نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ اس کو آفات ارضی و سماوی سے بچاتا رہے گا۔ اس کی تردید میں فرمایا جاتا ہے۔ **کلا** یہ خیال محض غلط ہے اور ایک سراسر باطل خیال ہے۔ ارے مال تو قبر تک بھی ساتھ نہ جائے گا۔ آگے تو کیا کام آتا سب دولت یونہی پڑی رہ جائے گی۔ زمانہ کے واقعات و حادثات پکار پکار کر نادان انسان کو بتا رہے ہیں کہ دولت ہمیشہ نہیں رہتی۔ مال دار اپنی موت کو ٹال نہیں سکتا۔ سب کو ایک دن خالی ہاتھ

اس دنیا سے کوچ کرنا پڑے گا۔ ادھر آنکھیں بند ہوئیں ادھر جھٹ دوسروں نے دولت پر آ کر قبضہ جمایا۔ پھر دولت آج ایک کے پاس ہے تو کل دوسرے گھر ہوگی یہ تو ہوا دنیا کا حال۔

آخرت میں ان اعمال بد کی سزا

اب رہا آخرت کا معاملہ تو جب دنیا میں دولت اڑے وقت میں کام نہ آئی تو آخرت میں کیسے افعال شنیعہ کی سزا سے بچا سکتی ہے۔ لہذا ایسا شخص لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ضرور وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے۔ یعنی وہ شخص جہنم رسید کیا جائے گا آگے اس جہنم کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ توڑ پھوڑ دینے والی آگ کیسی ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ وہ اللہ کی آگ ہے جو اللہ کے حکم سے سلگائی گئی ہے کہ جو بدن کو لگتے ہی دلوں تک جا پہنچے گی۔ یعنی وہ آگ بندوں کی نہیں اللہ کی سلگائی ہوئی ہے اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائے گی۔ اور باوجودے کہ جسم جان' روح وقلب سب جلیں گے۔ اس پر بھی مرنے نہ پائیں گے۔ دوزخی تمنا کرے گا کہ کاش موت آ کر اس کے عذاب کا خاتمہ کردے مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کی آگ ہزار برس دھونکی گئی یہاں تک کہ سرخ ہوگئی پھر ہزار برس دھونکی گئی تا آنکہ سفید ہوگئی۔ پھر ہزار برس دھونکی گئی حتیٰ کہ وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ سیاہ اندھیری ہے۔ اعاذنا اللہ منہا

عذاب جہنم کی سختی

اخیر میں اس عذاب جہنم کی کیفیت کو اس طرح بتلایا گیا کہ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہے گا۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے اور آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کے مانند بلند ہوں گے جو انہیں چاروں طرف سے مقید کرلیں گے کسی کی کیا مجال کہ آگ سے باہر آ جائے۔

خلاصہ

اس سورت میں انسان کی تین بیماریوں کی نشاندہی کی گئی ہے' پہلی بیماری ہے پس پشت کسی کے عیب بیان کرنا' اسے غیبت کہتے ہیں اور غیبت بدترین گناہ ہے۔

دوسری بیماری ہے کسی کو اس کے سامنے اس کے حسب ونسب' دین و مذہب اور شکل وصورت کا طعنہ دینا' اس کا مذاق اڑانا' یہ منافقین کی عادت تھی' وہ غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے' یوں ہی یہود ونصاریٰ دینِ حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تیسری بیماری ہے حب دنیا جس میں مبتلا ہو کر انسان حقوق اللہ بھی بھول جاتا ہے اور حقوق العباد بھی بھول جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت کیلئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ بقول حضرت میاں نور محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے

بھر رہا ہے دل میں حُبّ جاہ و مال
کب سماوے اس میں حُبّ ذوالجلال

سورت کے اختتام پر ان اشقیاء کا انجام بتلایا گیا ہے جو ان بیماریوں میں مبتلا ہوں گے۔

سورۃ الھمزہ کے خواص

مالی پریشانی اور رزق کی تنگی کے شکار لوگ اگر روزانہ نفل نماز پڑھ کر اس کے بعد سورۃ الھمزہ کا معمول رکھیں تو ان کی یہ پریشانی دور ہو جائے گی۔

دعا کیجئے: اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے قلوب کو جملہ اخلاق مذمومہ سے پاک فرماویں اور جملہ صفات محمودہ سے مزین ومنور فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو غیبت' بہتان' طعنہ زنی' بدگوئی' عیب جوئی جیسی کافرانہ خصلتوں سے بالکل دور رکھیں اور گذشتہ زندگی میں جو ہم سے ایسی تقصیرات ہو چکی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرماویں۔ اور ان کے تدارک کی اس زندگی میں توفیق مرحمت فرماویں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَھِیَ خَمْسُ اٰیٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴿۲﴾ وَّ اَرْسَلَ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا۔ کیا اُنکی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کردیا۔اور اُن پر

عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ﴿۵﴾

غول کے غول پرندے بھیجے۔جو اُن لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ سو اللہ تعالی نے ان کو کھائے بھوسہ کی طرح کردیا۔

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا	کَیْفَ کیسا	فَعَلَ کیا	رَبُّکَ تمہارا رب	بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ہاتھی والوں کیساتھ	اَلَمْ کیا نہیں	یَجْعَلْ کردیا اس نے	
کَیْدَھُمْ اُن کا داؤ	فِیْ تَضْلِیْلٍ گمراہی میں بے کار	وَّ اَرْسَلَ اور بھیجے	عَلَیْھِمْ اُن پر	طَیْرًا پرندے	اَبَابِیْلَ جھنڈ کے جھنڈ	تَرْمِیْھِمْ پھینکتے تھے	
بِحِجَارَۃٍ کنکریاں	مِّنْ سے	سِجِّیْلٍ سنگ گل	فَجَعَلَھُمْ پس ان کوکردیا	کَعَصْفٍ بھوسہ کی طرح	مَّاْکُوْلٍ کھائے ہوئے		

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورۃ کا نام سورۂ فیل۔فیل عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں۔یہ سورۃ مکی ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ

اس سورۃ میں ایک خاص واقعہ اصحاب فیل کا بیان فرمایا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے ۵۰ یا ۵۵ روز قبل سرزمین عرب میں پیش آیا جو کتب سیرت اور تاریخ عرب میں مشہور و معروف ہے۔ یہ واقعہ اصحاب فیل جن خصوصیات کا حامل تھا ان کے پیش نظر یہ عرب کے لئے عموماً اور اہل حجاز کے خصوصاً نہایت عجیب اور حیرت انگیز تھا اور اس لئے اہل عرب کبھی اس واقعہ کو فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کا نام ہی عام الفیل یعنی ہاتھیوں والا سال رکھ دیا تھا اور یہی عام الفیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا سال ہے۔ یہ واقعہ اصحاب فیل کا ماہ محرم کے اخیر میں پیش آیا تھا اور آپ کی ولادت شریفہ ربیع الاول میں ہوئی۔

یمن میں نقلی کعبہ کی تعمیر

عیسائی بادشاہ حبشہ کی طرف سے ''یمن'' میں ایک حاکم ابرہہ نامی بحیثیت گورنر یا صوبے دار تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ تمام عرب کے لوگ حج بیت اللہ کے لئے مکہ جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اس نے یہ چاہا کہ عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالی شان عمارت بناؤں جو نہایت مکلّف اور مرصع ہو تا کہ عرب کے لوگ سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مصنوعی پر تکلف عبادت گاہ کا طواف کرنے لگیں چنانچہ یمن کے دارالسلطنت مقام صنعا میں اس نے ایک کنیسہ یعنی گرجا بنوایا اور اس کا نام قلیس رکھا اور اس کے در و دیوار کو زر و جواہر سے مرصع اور مزین کیا اور گرداگرد اس کے مکانات بہت عمدہ مسافروں کے واسطے تیار کئے اور اپنے تمام ملکوں میں حکم کردیا کہ سب اس گھر کے طواف کے واسطے حاضر ہوا کریں۔عربوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ سے کعبہ کا حج کرنے کا دستور چلا آتا تھا۔

نقلی تعمیر کی توہین اور ابرہہ کی قسم

ابرہہ نے عربوں کو اس عبادت سے روکا اور حکم دیا کہ نئے کنیسہ کا حج کیا کریں جو اھلیان عرب خصوصاً قریش مکہ کو نہایت ناگوار گزرا اور انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر ابرہہ سخت غصہ میں ہوا۔ اسی اثناء میں عرب قبیلہ بنی کنانہ کا ایک شخص ملک یمن میں گیا اور اس نے کنیسہ کی خدمت کی درخواست کی۔ اسے اس کنیسہ کا جاروب کش مقرر کیا گیا۔ ایک دن اس نے اس کنیسہ کے اندر رفع حاجت کی

اور اس کو جابجا گندا کر دیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ جب ابرہہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ مکہ کے رہنے والے نے ایسا کیا ہے تو وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اور اس آگ کو مشتعل کرنے کا ایک اور سبب یہ بھی ہوا کہ اس کنیسہ میں کسی وجہ سے آگ لگ گئی اور وہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اس سے لوگوں کی نظروں میں اس کی رفعت بالکل جاتی رہی۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے عربوں نے ہی لگائی ہے۔

اب تو ابرہہ کے غصہ کی کوئی حد باقی نہ رہی اور اس نے غصہ میں آ کر قسم کھائی کہ خانہ کعبہ کو منہدم اور مسمار کر کے سانس لوں گا۔

حضرت عبدالمطلب سے مذاکرات

اس نے ایک لشکر عظیم تیار کیا اور اس لشکر کے ہمراہ بڑے بڑے ہاتھی بھی تھے اور سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ جو نہایت قد و قامت والا تھا جو سب سے آگے چلا کرتا تھا۔ ابرہہ یہ لشکر عظیم لے کر مکہ پر فوج کشی کے لئے خانہ کعبہ کے انہدام کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ راستہ میں جس عرب قبیلہ نے مزاحمت کی اس کو تہ تیغ کیا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کے قریب جا پہنچا اور ابرہہ کا لشکر وادی محسر میں جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان میں ہے فروکش ہوا۔ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب قریش مکہ کے سردار تھے اور خانہ کعبہ کے متولی اعظم تھے۔ یہ حال دیکھ کر قریش اور دیگر قبائل عرب نے آپس میں مشورہ کیا کہ ابرہہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ ہم میں طاقت مدافعت نہیں ہے اس لئے ہم کو مکہ چھوڑ کر قریب کے پہاڑوں پر چلے جانا چاہئے۔ ابھی یہ لوگ مکہ ہی میں تھے کہ ابرہہ کی جانب سے ایک سفیر پہنچا اور دریافت کیا کہ مکہ کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے عبدالمطلب بن ہاشم کی طرف اشارہ کیا۔ ایلچی نے کہا کہ میں ابرہہ کی جانب سے آیا ہوں۔ ہمارے بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ تم تک یہ پیغام پہنچا دوں کہ ہمارا ارادہ تم لوگوں کو نقصان پہنچانے کا نہیں ہے۔ ہم تو صرف اس گھر کو ڈھانے کے لئے آئے ہیں پس اگر تمہارا ارادہ مقابلہ اور مدافعت کا ہو تو تم جانو اور اگر تم ہمارے اس ارادہ میں حائل نہ ہو تو ہمارا بادشاہ تم سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا ہمارا قطعاً ارادہ نہیں کہ ہم تمہارے بادشاہ سے جنگ کریں اور نہ ہم میں یہ طاقت ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے برگزیدہ نبی ابراہیمؑ کی یادگار۔ پس اگر اللہ اس کی حفاظت کرنا چاہے گا تو وہ کر سکتا ہے اور اگر اس کو اس کی حفاظت مقصود نہیں ہے تو ہم مدافعت کے قابل قطعاً نہیں ہیں غرض اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب ابرہہ کے لشکر میں پہنچے اور ابرہہ کے سامنے پیش ہوئے۔ عبدالمطلب بہت بارعب، وجیہ و شکیل انسان تھے۔ ابرہہ نے دیکھا تو ان کے ساتھ عزت سے پیش آیا اور ان سے بات چیت شروع ہوئی۔ دوران گفتگو عبدالمطلب نے شکایت کی کہ آپ کے ایک سردار نے میرے اونٹ گرفتار کر لئے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کو میرے حوالہ کر دیجئے۔ ابرہہ نے یہ سن کر کہا کہ عبدالمطلب میں تو تم کو بہت فہیم و عقیل سمجھتا تھا لیکن تمہارے اس سوال پر سخت متعجب ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں جو تمہاری نگاہ میں سب سے زیادہ باعظمت اور مقدس ہے لیکن تم نے اس کے متعلق ایک جملہ بھی نہیں کہا اور ایسی چھوٹی اور حقیر بات کا ذکر کر رہے ہو۔ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ جناب یہ اونٹ چونکہ میری ملکیت ہیں اس لئے میں نے ان کے متعلق درخواست پیش کی۔ اور کعبہ میرا گھر نہیں۔ خدا کا مقدس گھر ہے وہ آپ اس کا محافظ ہے۔ میں کون ہوں جو اس کے لئے سفارش کروں۔

ابرہہ کی سرکشی اور حضرت عبدالمطلب کی دعا

ابرہہ کہنے لگا کہ اب اس کو میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا ''آپ جانیں اور رب البیت جانیں''۔ یہاں پہنچ کر سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا۔ ابرہہ نے اپنے لشکروں کو حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔ عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش اور دوسرے قبائل عرب کو جمع کیا اور ان کو تمام گفتگو سنا کر یہ مشورہ دیا کہ اب ہم سب کو قریب کی کسی پہاڑی پر پناہ گزین ہو جانا چاہئے تا کہ اس منظر کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکیں جب اہل مکہ پہاڑی پر جانے لگے تو عبدالمطلب کی قیادت میں کعبۃ اللہ میں حاضر ہوئے اور اس کی زنجیر پکڑ کر درگاہ الٰہی میں یہ دعا کی۔

''خدایا ہم اس بارہ میں غمگین نہیں ہیں کہ جب ہم اپنی متاع کی حفاظت کر سکتے ہیں تو اپنی متاع کعبہ کی تجھ کو بھی ضرور حفاظت کرنی ہے اور تیری تدبیر پر نہ صلیب کی طاقت غالب آ سکتی ہے اور نہ اہل صلیب کی کوئی تدبیر۔ ہاں اگر تو ہی یہ چاہتا ہے کہ ان کو اپنے مقدس گھر کو خراب کرنے دے تو پھر ہم کون، جو تیرا جی چاہے تو کر۔''

اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش مکہ کو خالی کر کے قریب کے پہاڑوں پر چلے گئے اور گھاٹیوں میں پناہ گزین ہو کر حالات کا انتظار کرنے لگے۔

ابرہہ کے لشکر کی پیش قدمی اور تباہی

اگلے دن صبح کو ابرہہ نے اپنا لشکر مکہ کی جانب بڑھایا اگلی قطاروں میں ہاتھی تھے اور ان کے پیچھے لشکر جرار۔ ابرہہ نے فوج کو حکم دیا کہ وہ مکہ کی جانب بڑھے جب وہ مکہ کے قریب پہنچی ہے تو ہاتھیوں کی قطار میں سے سب سے پہلے اس ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا جس پر ابرہہ سوار تھا۔ فیلبان اگرچہ اس کے آنکس پر آنکس لگا رہا تھا اور زبانی ڈپٹ رہا تھا مگر وہ کسی طرح آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ لیکن جب اس کو یمن کی جانب چلاتے تھے تو وہ تیزی کے ساتھ چلنے لگتا تھا۔ اسی کشمکش کے دوران شہر جدہ کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ واقع ہے سبز اور زرد رنگ کے پرندے کبوتر سے کچھ چھوٹے غول کے غول نمودار ہوئے اور لشکر کے سر پر فضا میں چھا گئے۔ اور ان کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی مسور اور چنے کے برابر کنکریاں تھیں جو دفعۃً لشکر پر برسنے لگیں خدا کی قدرت سے وہ پتھر کی کنکریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام آتی تھیں۔ جس کے لگتی ایک طرف سے بدن میں گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی اور فوراً ہی بدن گلنے اور سڑنے لگتا۔ بہت سے لشکری تو وہیں ہلاک ہوئے جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی دیر میں سارا لشکر زیروزبر ہو کر رہ گیا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب پرندوں کی سنگ ساری سے ابرہہ کا لشکر برباد ہو گیا تو اس میں سے بعض آدمی جو بدحالی کے ساتھ فرار ہو کر یمن پہنچے تھے ان میں سے ابرہہ بھی خود اس حالت میں پہنچا کہ اس کے تمام اعضاء گل سڑ کر گر چکے تھے اور وہ صرف ایک گوشت کا لوتھڑا نظر آتا تھا۔ بالآخر اس کا سینہ پھٹ پڑا اور دل باہر نکل آیا اور اس طرح ختم ہوا۔ غرض سب کے سب عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہو گئے۔

واقعۂ فیل بزبان قرآن

اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس سورۃ میں مجملاً یوں بیان فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ اے پیغمبر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا تھا۔ یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ آپ کے رب نے جو معاملہ کیا وہ ضرور آپ کو معلوم ہوگا کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے صرف ۵۰ یا ۵۵ روز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا آگے ارشاد ہے۔ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ کیا خدا نے ان کی تدبیر کو جو انہوں نے خانہ کعبہ کے منہدم کرنے کے بارہ میں کی تھی یکسر بے سود ثابت نہیں کر دیا؟ یعنی آپ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے ان کو ان کے ناپاک ارادہ اور قصد میں ناکام رکھا اور ان کے سب داؤ پیچ غلط کر دیئے جو کعبہ کی تباہی کے فکر میں آئے تھے۔ وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گئے اور ان کی ہلاکت اس طرح عمل میں آئی۔ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے اور جس کو وہ پتھری لگتی تھی۔ ہلاک ہو جاتا تھا۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ گویا ان کو ایسا پامال کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہوتا ہے۔ یعنی جیسے گائے بیل وغیرہ بھوسہ و چارہ کھا کر چھوڑ دیتے ہیں جو بچا کھچا ادھر ادھر پامال و پراگندہ گرا پڑا ہوتا ہے ایسے ہی پراگندہ، منتشر اور پامال اصحاب فیل ہو گئے۔

خلاصہ: اس سورت میں وہ مشہور قصہ بیان ہوا ہے جو اصحاب فیل کے قصہ کے نام سے مشہور ہے، جب صنعاء کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبہ پر چڑھائی کی تھی، اس کے ساتھ کم و بیش ساٹھ ہزار جنگجو تھے، قریش اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے، اللہ نے چھوٹے چھوٹے پرندے کنکریاں دے کر بھیج دیئے، ان کنکریوں نے جدید بموں کی طرح تباہی مچا دی، یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس سال حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی اور یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ عنقریب کعبہ کا حقیقی محافظ پیدا ہونے والا ہے۔

سورۃ الفیل کے خواص

۱......جنگی حالات میں دشمن سے جنگ کے دوران اگر سورۃ الفیل کی تلاوت کی جائے تو دشمن شکست کھا جائے گا۔

۲......اگر کسی کو دشمن کا سامنا ہو تو اس کے سامنے آتے ہی اس پر سورۃ الفیل پڑھ دے تو اس کا دشمن ناکام و رسوا ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

قریش عادی ہوگئے ہیں۔یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے عادی ہوگئے ہیں۔تو اُن کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں۔

الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا۔اور خوف سے اُن کو امن دیا۔

لِاِيْلٰفِ مانوس کرنے کے سبب	قُرَيْشٍ قریش	اٖلٰفِهِمْ ان کا مانوس کرنا	رِحْلَةَ سفر	الشِّتَآءِ سردی	وَالصَّيْفِ اور گرمی
فَلْيَعْبُدُوْا پس چاہیے وہ عبادت کریں	رَبَّ رب	هٰذَا اس	الْبَيْتِ گھر	الَّذِيْٓ جو۔جس	اَطْعَمَهُمْ انہیں کھانا دیا
مِّنْ سے	جُوْعٍ بھوک	وَّاٰمَنَهُمْ اور انہیں امن دیا	مِّنْ سے میں	خَوْفٍ خوف	

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

اس سورۃ میں قبیلہ قریش کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ مکہ معظمہ میں آباد تھے اور جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔اور ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی قبیلہ میں سے تھے۔اور بیت اللہ کی اور چاہ زم زم کی خدمت ہمیشہ سے اسی قبیلہ قریش کے سپرد تھی۔ اس لئے اس سورۃ کا نام قریش مقرر ہوا۔یہ سورۃ مکی ہے۔

قریش پر خصوصی انعامات

اس سورۃ میں حق تعالیٰ قریش کو اپنا احسان یاد دلاتے ہیں کہ عرب قبائل کے باہم بات بات پر جنگ وجدل اور معمولی معمولی معاملہ پر حرب وضرب کے باوجود حرم مکہ میں تم کس طرح ماموں اور محفوظ ہو اور نہ صرف یہ بلکہ خانہ کعبہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے حرم سے باہر بھی دوسرے ملکوں میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہو اور سردی وگرمی میں اپنے محبوب تجارتی سفروں میں شام ویمن تک بے خوف وخطر آتے جاتے ہو اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی تمہاری جانب نہیں دیکھتا تو اے قریش تم خدا کے اس احسان کے شکر گزار نہیں ہوتے اور حرم وکعبہ کی حقیقی عظمت کو سربلند کرنے کے لئے خدا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جس صداقت کی طرف بلاتے ہیں اس پر لبیک کہنے کو تیار کیوں نہیں ہوتے؟ بلکہ الٹا ان کی مخالفت کرتے ہو۔تم کو یہ بات ہرگز زیبا نہیں دیتی۔تم کو تو یہ چاہیے تھا کہ اس گھر کے پروردگار کی سچی پرستش کرتے جس نے تمہارے لئے مکہ میں سامان رزق پہنچایا اور تم کو خوف وخطر سے ماموں ومحفوظ کر دیا۔

تجارتی تحفظ وامن عامہ

اس سورۃ قریش میں اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ قریش عادی ہوگئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے عادی ہوگئے ہیں یعنی قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کیا کرتے تھے۔جاڑوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف اور لوگ ان کو اہل حرم اور خادم کعبہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام سے دیکھتے ان کی خدمت کرتے اور ان کو تجارت میں خاطر خواہ نفع ہوتا۔ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ تو ان کو چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔یعنی اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا۔حرم کے باہر چاروں طرف

لوٹ کھسوٹ چوری ڈکیتی جنگ و جدال کا بازار گرم رہتا لیکن کعبہ کے ادب سے حرم میں کوئی چوری ڈکیتی جنگ و جدل نہ کرتا تو یہ انعام قریش کو یاد دلا کر تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور اس کے رسول کو کیوں ستاتے ہیں؟ کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں؟ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا تو مشکل نہیں۔ اس طرح اس سورۃ میں قریش کے اندر شکر کے جذبہ کو پیدا کیا گیا ہے اور انسان جب یہ اچھی طرح محسوس کرلے کہ واقعی اس پر اللہ کے کتنے بڑے بڑے احسان و انعام ہیں تو پھر وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری کے لئے آمادہ ہوگا۔

نعمت کے حصول پر شکر کرو نہ کہ فخر

اس سورۃ قریش کے تحت مرشدنا حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے مسائل سلوک میں لکھا ہے کہ اس سورۃ سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو امر دینی کے سبب مال یا جاہ نصیب ہو جیسا کہ قریش کو بواسطہ تعلق بیت اللہ کے تھا جس کا اس سورۃ میں ذکر ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ بجائے تفاخر اور دعوئے استحقاق کے خدا تعالیٰ کا شکر اور اطاعت کا زیادہ اہتمام کرے۔

سورۂ قریش کی خاصیت

اس سورۃ کے متعلق بزرگان دین نے بیان کیا ہے کہ دشمن وغیرہ کا خوف ہو تو یہ سورۃ پڑھنے سے برائی سے امن مل جاتا ہے۔ امام جزریؒ اور علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے اور حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں اس سورۃ کے متعلق لکھا ہے کہ میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ ہر مصیبت کے دفع کے لئے تمام خوفناک واقعات میں یہ سورۃ پڑھا کروں۔ میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا اور صحیح پایا۔

خلاصہ

اس سورت میں اللہ نے اپنے دو بڑے احسانات بیان فرمائے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ بلا خوف و خطر گرمیوں میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور یہ تجارتی سفر ان کا بہت بڑا ذریعۂ معاش تھے۔ دوسرا احسان یہ کہ انہیں بلد حرام میں امن اطمینان اور تحفظ کی نعمت حاصل تھی۔ یہ دو نعمتیں ذکر فرما کر انہیں سمجھایا گیا ہے کہ خود فریبی خود پسندی اور قوم پرستی سے باز آ جاؤ اور بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

سورۃ قریش کے خواص

۱..... کھانے کے بارے میں اس کی کمی کا خوف ہو تو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دم کر دیں۔ ان شاء اللہ کھانا کم نہیں ہوگا۔ (شادیوں وغیرہ کے اجتماعات کے موقع پر اس طرح کا اندیشہ ہوتا ہے)

۲..... اگر کسی کے گردوں میں درد ہو تو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دم کیا جائے یا کھانے پر دم کر کے وہ کھانا اسے کھلایا جائے۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے جو دینی و دنیوی نعمتیں ہم کو عطا فرما رکھی ہیں۔ اس پر ہم کو شکر کی توفیق بھی عطا فرما دیں۔ اور دین دنیا کا امن چین سکون ہم کو نصیب فرمائیں۔ بیت اللہ کی زیارت اور وہاں کے عبادت اور بندگی کا شرف اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ اور اپنے اس گھر کا عز و شرف اور بلند فرمائیں۔ اور وہاں حاضر ہونے والے اور اس گھر کی عزت کرنے والوں کو بھی عزت اور بزرگی عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ سو وہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور محتاج کو کھانا دینے کی

الْمِسْكِيْنِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ

ترغیب نہیں دیتا۔ سو ایسے نمازیوں کیلئے بڑی خرابی ہے۔ جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ جو ایسے ہیں

هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝٦ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧

کہ ریاکاری کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔

اَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا	الَّذِيْ وہ جو	يُكَذِّبُ جھٹلاتا ہے	بِالدِّيْنِ روزِ جزا وسزا	فَذٰلِكَ یہی ہے وہ	الَّذِيْ وہ جو	يَدُعُّ دھکے دیتا ہے	الْيَتِيْمَ یتیم	وَلَا اور نہیں
يَحُضُّ رغبت دلاتا	عَلٰى پر	طَعَامِ کھانا	الْمِسْكِيْنِ مسکین	فَوَيْلٌ پس خرابی	لِّلْمُصَلِّيْنَ نمازیوں کیلئے	الَّذِيْنَ جو کہ	هُمْ وہ	عَنْ سے
صَلَاتِهِمْ اپنی نماز	سَاهُوْنَ غافل (جمع)	الَّذِيْنَ جو کہ	هُمْ وہ	يُرَآءُوْنَ دکھاوا کرتے ہیں	وَيَمْنَعُوْنَ روکتے ہیں نہیں دیتے	الْمَاعُوْنَ عام ضرورت کی چیز		

شان نزول

اس سورۃ کے سبب نزول کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابوجہل مردود کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی مالدار بیمار ہوتا تو اس کے پاس آ کر بیٹھتا اور کہتا کہ اپنے یتیموں کو میرے سپرد کر دے اور ان کا حصہ میرے پاس امانت رکھ دے کہ میں خبرگیری اور خدمت گزاری ان کی بخوبی کروں گا اور دوسرے وارث ایسا نہ کر سکیں گے۔ بالآخر جب ان کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا تو یتیموں کو اپنے دروازے سے ہانک دیتا پھر وہ بے چارے ننگے بھوکے دربدر گلی کوچوں میں روتے مارے مارے پھرتے۔ اسی طرح ایک یتیم ننگے سر ذلت کا مارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس ملعون ابوجہل کے خلاف فریاد کرنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس یتیم کی رعایت کے واسطے اس ملعون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو پرسش قیامت سے ڈرایا۔ اس ملعون نے آپ کی وعظ ونصیحت کے مقابلہ میں یوم جزا کو جھٹلانا اور انکار کرنا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہو کر دولت خانہ پر تشریف لائے اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ بعض مفسرین نے کچھ اور مشرکین کے نام لئے ہیں کہ ان کے متعلق یہ سورۃ نازل ہوئی بہرحال سبب خاص نزول کا کچھ ہو لیکن اس سورۃ سے مقصود یتیموں محتاجوں بے کس اور بے سہارا لوگوں کی امداد واعانت پر ابھارنا، انسانیت کی ہمدردی اور غم خواری کا صحیح جذبہ پیدا کرنا اور ارکان دین میں نماز یعنی خدا کی اطاعت وبندگی اور زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کی ادائیگی کی تاکید ہے۔ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاس داری کی تعلیم اور اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ جس راہ کی طرف یہ رسولؐ بلا رہے ہیں وہی انسانیت کی فلاح اور دین ودنیا کی صلاح کی راہ ہے۔

اس کے لئے اس سورۃ میں جو اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہاں بتلایا گیا کہ جو یتیم کی ہمدردی اور غم خواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی سے پیش آتا ہے اور جو غریب محتاج مسکین کی نہ خود خبر لے اور نہ دوسرں کو اس کی ترغیب دے وہ بھی کوئی انسان

ہے۔وہ تو جانور سے بھی بدتر ہے۔ بھلا ایسے شخص کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا لگاؤ۔وہ کیا جانے کہ نماز یعنی اللہ کی بندگی کس سے مناجات ہے اور اس سے مقصود کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے۔اور ایک نماز ہی کیا ایسے شخص کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود و نمائش سے ہوتے ہیں۔گویا اس کا مقصد خالق سے قطع نظر اور صرف مخلوق کو دکھانا سنانا مدنظر ہو تو ایسا شخص زکوٰۃ و خیرات وغیرہ تو کیا ادا کرتا معمولی روزمرہ کے برتنے کی چیز بھی کسی کو مانگنے پر نہیں دیتا۔دراصل ایسا شخص اللہ کے دین اور روز جزا پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتا یعنی اگر آخرت کا خوف ہوتا اور وہاں کی جزا و سزا کا ڈر ہوتا تو ایسی حرکتیں نہ کرتا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اس طرح تلف نہ کرتا۔اس طرح اس سورۃ میں دراصل کفار و مشرکین و منافقین کے بعض اعمال قبیحہ اور بعض خصائل خبیثہ کا ذکر فرما کر ان پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

اب اگر یہ افعال کسی مسلمان سے سرزد ہوں جو آخرت و روز جزا کی تکذیب تو نہیں کرتا پھر بھی یہ افعال و اعمال شرعاً مذموم اور سخت گناہ ہیں اور اگر کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ افعال بد سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے۔

آخرت پر ایمان ضروری ہے

سب سے اول اور اہم بات جو انسان کے لئے ضروری ہے وہ اعتقاد کو درست کرنا ہے۔خاص کر اس امر کو بالیقین تسلیم کر لینا ہے کہ انسان کے تمام نیک و بد اعمال جو وہ دنیا میں کرتا ہے ان کی جزا و سزا بالآخر ضرور ملنی ہے اور یہ جزا و سزا اور ثواب و عذاب پوری طرح ایک دوسرے عالم میں جا کر ملے گا جہاں انسان کو دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کیا جائے گا۔اور دربار خداوندی میں لے جا کر حاضر کر دیا جائے گا یہی اعتقاد تمام حکمت نظریہ اور عملیہ اور تہذیب و اخلاق کی جڑ ہے۔اگر یہ اعتقاد نہ ہو تو انسان کو بدکاری میں دل کھول کر حصہ لینے جور و تشدد کا بازار گرم کرنے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو تلف کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اعمال حسنہ، حسن سلوک، حسن معاملہ، حسن اخلاق اور حسن معاشرت پر کوئی چیز محرک ہو سکتی ہے لہذا یوم الدین یعنی یوم جزا و سزا پر اعتقاد تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی اصل اصول ہے۔اسی کی طرف سورۃ کے ابتداء میں اشارہ فرمایا گیا۔ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتا ہے۔یعنی اس جگہ روز جزا کی تکذیب سے نہایت موثر طرز بیان کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس دن کا انکار کرتے ہیں۔انہیں ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ اس امر کی تصدیق کرنی عین مقتضائے عقل ہے۔

آخرت کے انکار کا نتیجہ ظلم ہے

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ کہ روز جزا و سزا کے منکر کا یہ حال ہے کہ وہ نہایت سنگدلی سے یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین محتاجوں کو خود کھانا کھلانا تو درکنار دوسروں کو بھی کھانا دینے کی رغبت نہیں دلاتا۔یعنی یتیم کی ہمدردی اور غم خواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی کے ساتھ پیش آتا ہے اور غریب مسکین محتاج کی نہ خود خبر لے نہ دوسروں کو ان کی خبر گیری پر ترغیب دے۔ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر شفقت اور رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے۔اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو اور بندگان خدا پر رحم نہ کرتا ہو اور اس کی ذات سے کسی کو کچھ فائدہ نہ پہنچتا ہو تو وہ بھی کوئی انسان ہے اور وہ اس قسم کے افعال شنیعہ کا مرتکب اس لئے بے دھڑک ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں اس کے ان اعمال کی جزا و سزا ملنے والی نہیں۔

نماز اور زکوٰۃ سے غافلوں کا انجام

یہ تو بیان ہوا مکذب بالدین کا بندوں کے حقوق سے متعلق یعنی جب یتیم کی پروا نہ کرنا اور غریب مسکین کی خبر گیری نہ کرنا ضعف دین اور تکذیب دین کی علامت ہے اور موجب ذم اور زجر ہے تو پھر حقوق اللہ یعنی نماز کی طرف سے غافل ہونا جو دین کا ستون ہے اور ایک ایسا عمل

ہے کہ جو اسلام اور کفر میں فرق کرنے والا ہے اور ریا اور دکھاوٹ کرنا جو شرک کی ایک شاخ ہے اور اس زکوٰۃ کو روکے رکھنا جو اسلام کا پل ہے بدرجہ اولیٰ جب ذم اور مستحق تنبیہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ اوصاف بھی تباہی اور عذاب شدید کے موجب ہیں۔ تو جب کہ تکذیب جزا و سزا اور اس کے اثر سے بندوں کا حق ضائع کرنا برا اور قابل مذمت ہے تو خالق کا حق ضائع کرنا تو اور بھی زیادہ برا ہوا چنانچہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ سو اس سے ثابت ہوا کہ ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں یعنی ترک کر دیتے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کی تفسیر میں اکثر صحابہ و تابعین سے روایت ہے کہ ماعون زکوٰۃ ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ معمولی برتنے کی چیز مثلاً ڈول رسی' کلہاڑی' پھاوڑا' ہنڈیا' دیگچی' نمک' پانی آگ' سوئی تاگہ وغیرہ جن کے دے دینے کا دنیا میں عام رواج ہے وہ مانگنے والے سے اس کو بھی روکتے ہیں اور ایسی روزمرہ کے ضرورت کی چیز بھی اگر کوئی مانگنے آئے تو دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ بخل کی انتہا ہے کہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کو بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تو زکوٰۃ اور خیرات میں وہ خوش دلی کے ساتھ اپنا مال کیا خرچ کرے گا۔

نماز سے غفلت کے درجات

اب یہاں فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ جو فرمایا تو حضرت عطا بن دینارؒ جو ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ فرمان باری تعالیٰ میں عَنْ صَلَاتِهِمْ ہے یعنی جو نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فی صلاتھم نہیں فرمایا یعنی یہ نہیں فرمایا کہ جو نمازوں میں غفلت برتتے ہیں۔ اب نماز سے غفلت کے مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنے میں وقت کا لحاظ نہ کرے۔ آخری وقت میں ہمیشہ نماز پڑھے اور انتہا یہ کہ نماز قضا ہی کر دے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے۔ یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنی سینگ اس میں ملا لے تو یہ کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار لے۔ جس میں خدا کا ذکر بہت ہی کم کرے۔ تو یہاں ایک تو وعید سنائی گئی نماز یعنی عبادت خداوندی سے غفلت کرنے اور اس کے ترک کرنے پر۔ دوسرے وعید سنائی گئی يُرَآءُوْنَ یعنی جو ریا کاری کرتے ہیں۔ ریا کاری یعنی لوگوں کو دکھلانے کے لئے کوئی عمل کرنا یہ بھی ایک بڑی اہم ذہنی اور قلبی خرابی ہے۔ جب کسی کے دل و دماغ میں یہ مرض گھر کر لیتا ہے تو اس کا وہ عمل اگرچہ وہ کیسا ہی بظاہر نیکی کا ہو اس کے حق میں نہ صرف نیکی اور بھلائی کا عمل نہیں رہتا بلکہ الٹا نقصان دہ اور مضر ہو جاتا ہے۔ اسلام میں نیکی اور عبادت کا تصور یہ ہے کہ جو کچھ کیا جائے خلوص نیت کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ لوگوں کے نمائش یا دکھانے کیلئے یا اپنی عزت اور شہرت بڑھانے کے لئے یا اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے یا اپنی سرداری اور لیڈری چمکانے کے لئے یا عوام سے اپنی داد و تعریف کرانے کے لئے کیسا ہی نیکی کا کام ہو اسلام کی نظر میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ ریا یا دکھلاوے کو اسلام نے کس درجہ ناپسند کیا ہے اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من صلیٰ یرآی فقد اشرک جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ تو اس سورۃ میں ریا کاری کو بھی کفار و منافقین کے افعال قبیحہ میں ذکر فرمایا گویا مومن کی شان سے یہ بعید ہے اور کوئی منکر کافر ہی اس مرض میں گرفتار رہ سکتا ہے۔

خلاصہ

اس سورت میں اختصار کے ساتھ انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر ہے۔

وہ کافر جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے' یتیموں کے حقوق دبا لیتے ہیں اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے ہیں' غرباء اور مساکین کو نہ خود کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں گویا کہ نہ تو اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ صحیح ہے اور نہ اللہ کے بندوں کے ساتھ۔

دوسرا گروہ منافقین کا ہے ان کی تین صفاتِ قبیحہ یہاں بیان کی گئی ہیں: پہلی یہ کہ وہ نماز سے غافل ہیں' یہ غفلت دو اعتبار سے ہوسکتی ہے' ایک یہ کہ نماز ادا ہی نہ کی جائے۔ دوسری یہ کہ نماز تو پڑھی جائے مگر نہ وقت کی پابندی کا لحاظ ہو اور نہ خشوع و خضوع ہو۔ دوسری صفات یہ کہ وہ دکھاوے کیلئے اعمال کرتے ہیں۔ تیسری صفت یہ کہ وہ ایسے بخیل ہیں کہ عام ضرورت کی چیز دینے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔

سورۃ الماعون کے خواص

۱- جو آدمی کسی برتن پر اس سورۃ کو پڑھ کر دم کر دے وہ برتن ٹوٹنے سے محفوظ رہے گا۔

۲- جو آدمی (صبح کو) کسی سے بات کرنے سے پہلے اس سورۃ کی تلاوت کو روزانہ کا معمول بنالے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو ہر طرح کے حقوق العباد اور حقوق اللہ کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ظاہر میں اور باطن میں ہم کو شریعت مطہرہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت کا یقین کامل ہم کو نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کی فکر عطا فرمائیں۔ یا اللہ بخل و ریا جیسی کافرانہ و مشرکانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیئے اور اپنی خوشنودی کے لئے ہم کو جملہ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین۔

یَااللہ جس گناہ کی طرف میرے پیر چلے ہوں' میرے ہاتھ بڑھے ہوں' میری نگاہوں نے ایسا ویسا دیکھا ہو' زبان سے گناہ ہوئے ہوں' آپ کا رزق بے جا برباد کر دیا ہو لیکن آپ نے باوجود اس کے اپنا رزق مجھ سے نہیں روکا اور عطا کیا۔ میں نے پھر اس عطا کو تیری نافرمانی میں لگایا اس کے باوجود میں نے زیادہ رزق مانگا' آپ نے زیادہ دیا' میں نے گناہ علی الاعلان کیا لیکن آپ نے رسوا نہ ہونے دیا۔ میں گناہ پر اصرار کرتا رہا آپ برابر حلم فرماتے رہے۔ پس اے اکرم الاکرمین! میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

اِنَّآ بیشک ہم	اَعْطَيْنٰكَ ہم نے آپ کو عطا کیا	الْكَوْثَرَ کوثر	فَصَلِّ پس نماز پڑھ	لِرَبِّكَ اپنے رب کیلئے	وَانْحَرْ اور قربانی دے	اِنَّ بیشک
شَانِئَكَ آپ کا دشمن	هُوَ وہ	الْاَبْتَرُ دُم کٹا - نامراد - بے نسل				

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

سورۃ کی ابتداء اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے فرمائی گئی۔

سبب نزول

سبب نزول اس سورۃ کا یہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزند تھے قاسم اور عبداللہ جن کے لقب طیب اور طاہر تھے۔ دونوں صاحبزادوں کا ایک کے بعد ایک مکہ میں انتقال ہوگیا۔ تو مشرکین مکہ میں سے عاص بن وائل سہمی نے اور اس کے ساتھ دوسرے مشرکین نے یہ کہا کہ آپ کی نسل منقطع ہوگئی۔ پس آپ نعوذ باللہ ابتر یعنی بے نام ونشان ہیں۔ ابتر کے معنٰی ہیں کٹا ہوا۔ عرب میں ابتر اس شخص کو کہتے تھے جس کے بعد اس کی نسل کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو اور وہ بے اولاد ہو۔ مطلب مشرکین کا یہ تھا کہ آپ کے بعد آپ کا دین بھی جاتا رہے گا۔ اس کو قائم اور برقرار رکھنے والا کوئی نہ ہوگا گویا یہ دین کا چرچا چندروزہ ہے پھر یہ سب بکھیڑے پاک ہو جاویں گے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے یہ سورۃ نازل ہوئی۔ جس میں پہلے آپ کو بشارت دی گئی کہ اللہ نے اپنے رسول کو کوثر عطا فرمائی ہے اس لفظ کوثر میں دین ودنیا کی خیر کثیر اور آخرت کا حوض کوثر سب داخل ہیں۔ خیر دنیا میں بقاء دین ترقی اسلام۔ دشمن پر فتح وغلبہ اور قیامت تک آپ کے نام کی شہرت وعزت وغیرہ سب داخل ہیں اور خیر آخرت میں مراتب قرب ودرجات عالیہ حوض کوثر کی عطا' شفاعت کا مرتبہ مقام محمود کی عطا وغیرہ سب داخل ہیں اس طرح تسلی آپ کو یہ دی گئی کہ اگر اولاد نرینہ فوت ہونے پر مخالفین طعن وتشنیع دیتے ہیں تو آپ اس پر غم نہ کیجئے۔ آپ کے رب نے آپ کو تمام دین ودنیا کی بھلائیوں اور نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس تسلی اور بشارت کے بعد ہدایت آنحضرت کو دی جاتی ہے کہ ان نعمتوں کے شکر میں آپ اپنی جان اور مال سے اللہ کی عبادت میں لگ جائیں۔ اور پھر اس کے بعد مزید تسلی کے لئے ایک پیشین گوئی فرمائی گئی کہ بفضلہ تعالیٰ آپ ابتر یعنی بے نام ونشان نہیں رہیں گے۔ بلکہ بالیقین اور بلا شک وآپ کا دشمن جو آج آپ پر ہنس رہا ہے اور طعنہ دے رہا ہے وہی بے نام ونشان ہوگا اور کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے گا۔ یہ ہے خلاصہ ومفہوم اس سورۃ کا۔

کوثر کیا ہے؟

اس سورۃ میں تین آیات ہیں اور ہر آیت میں ایک مستقل مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت ہے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے۔ لفظ کوثر جس کے معنی خیر کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی لفظ ہے صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابوبشرؒ نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابوبشرؒ کہتے ہیں میں نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے۔ حضرت ابوسعیدؒ نے جواب دیا ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ تو اس

خیر کثیر کے تحت بہت سے امور کا ذکر کیا جاسکتا ہے اسی لئے مفسرین نے ہر ایک کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے جس کا ذکر امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں بڑے شرح وبسط سے نقل کیا ہے خلاصہ جس کا یہ ہے :۔

(۱) کوثر سے مراد وہ حوض کوثر ہے جس کی بابت بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ بے انتہا گرمی اور پیاس ہوگی اور کسی کو پانی نہ ملے گا العطش العطش لوگ پکاریں گے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا فرمائیں گے جس کی لمبائی اور چوڑائی سینکڑوں کوس کی ہوگی ۔اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔ جو ایک بار پیئے گا پھر اس کو پیاس نہ لگے گی۔ جو سعید ہیں اس سے فیضیاب ہوں گے اور شقی محروم کئے جائیں گے۔ بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل وعریض ہے کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اس کے زاویے یعنی گوشے بالکل برابر ہیں۔ (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے اس کا طول وعرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے۔ اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں۔ جو اس کا پانی پیئے گا وہ کبھی پیاس میں مبتلا نہیں ہوگا۔ یا ارحم الراحمین تو ہم گنہگاروں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب فرمایئے گا۔ آمین۔

بدعتی وگمراہ لوگ جام کوثر سے محروم ہوں گے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ابتدائی انتظامات کے لئے حوض پر تم سے پہلے پہنچوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر ان کو میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا اے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں جو نئی نئی باتیں نکالیں آپ اسے نہیں جانتے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے یہاں تک کہ جب میں ان کو پہچان لوں گا تو انہیں مجھ سے ایک طرف ہٹا دیا جائے گا۔ اس پر میں عرض کروں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ تو جواب میں ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں جو بگاڑ پیدا کیا اس کا آپ کو علم نہیں ہے۔

اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ یہ لوگ میری امت کے ہیں تو ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد جو کچھ ان لوگوں نے دین میں رخنے ڈالے آپ اسے نہیں جانتے تو اس وقت میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے ساتھ والوں کی ایک مختصر سی جماعت آئے گی پھر ان کو حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ اے اللہ یہ تو میرے ساتھی ہیں تو ارشاد ہوگا کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے جو دین میں کرتوت کئے آپ کو ان کا علم نہیں وہ الٹے پاؤں دین سے پھر گئے تھے۔

الغرض ان احادیث کا خاص سبق ہمارے لئے یہ ہے کہ اگر ہم حوض کوثر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے شاد وسیراب ہونا چاہتے ہیں تو مضبوطی سے اس دین متین پر قائم رہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے لائے تھے۔ اور اپنی طرف سے کوئی ایجاد یا ردوبدل نہ کریں۔

نہر کوثر

بعض نے کوثر سے وہ جنت کی نہر مراد لی ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جس کا بخاری کی ایک صحیح حدیث میں اس طرح ذکر ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اثناء میں (یعنی شب معراج میں) کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا میرا گزر ایک عجیب وغریب نہر پر ہوا۔ اس کے دونوں جانب موتیوں سے تیار کئے ہوئے قبے تھے۔ میں نے جبرئیل

علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ وہ کوثر ہے کہ جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی جو اس کی تہہ میں تھی وہ نہایت مہکنے والی مشک کی طرح خوشبودار تھی۔ بعض علماء نے حوض کوثر کا حشر کے میدان میں ہونا اور نہر کوثر کا جنت میں ہونے کو یوں تطبیق دی ہے کہ اصل نہر کوثر تو جنت میں ہوگی۔ اور اسی کا پانی میدان حشر میں لاکر حوض کوثر میں جمع کر دیا جائے گا۔ اور دونوں کو کوثر ہی کہتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اولاد میں برکت

بعض نے کوثر سے مراد اولاد کی کثرت لی ہے۔ سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے۔ جسمانی اور روحانی۔ بحمد اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی دختری اولاد بھی بکثرت ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور روحانی اولاد جو آپ کے تمام امتی ہیں ان سے دنیا پٹی پڑی ہے اور ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے کہ تمام دنیا میں آپ ہی کی ذریت ہوگی۔ اور تمام قومیں اور مذاہب والے یا تو مٹ جائیں گے یا اسلام لے آئیں گے اور روئے زمین پر اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہ ہوگا۔

علماء و اولیاء کی کثرت

بعض نے کہا کوثر سے جس کے لفظی معنیٰ خیر کثیر کے ہیں مراد ہیں اولیاء اور علماء و صلحاء اور اہل کمال جو اس امت میں گزرے۔ یا موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں اور کسی دوسری امت کو نصیب نہیں ہوئے۔

نبوت عظمیٰ

بعض نے کوثر سے مراد نبوت عظمیٰ لی ہے جو اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر ہے اور جو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ کوئی بھی بجز آپ کے تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا اور نہ کسی پر سلسلہ نبوت بجز آپ کے تمام و ختم ہوا۔

قرآن کریم اور اس کے علوم و فیوض وغیرہ

بعض نے کہا مراد قرآن کریم ہے سو یہ بھی خیر کثیر ہے جس کے برکات کا کچھ شمار نہیں۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد دین اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات و برکات اسی پر موقوف ہیں۔

بعض نے کہا مراد وہ فضائل و کمالات روحانیہ ہیں جو آپ کو حاصل ہوئے۔

بعض نے کہا آپ کی رفعت ذکر مراد ہے کہ آپ کی یاد نیک نامی اور محبت و عقیدت کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گی۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں آپ کا شہرہ ہوگا آپ کے ساتھ دیوانہ وار محبت اور اعتقاد رکھنے والے اور آپ کی ذات والا صفات پر پروانہ وار قربان ہونے والے تاقیامت موجود ہوں گے۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم ہیں جن کی نسبت آپ نے فرمایا کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم دیئے گئے۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد آپ کے خلق عظیم ہیں۔

بعض نے کہا کوثر سے مراد مقام محمود ہے جو آخرت میں آپ کو دیا جائیگا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔ مقام محمود وہ خاص الخاص مرتبہ اور عزت و امتیاز اور محمودیت و مقبولیت عامہ کا وہ بلند مقام ہے جس پر فائز ہونے والی ہستی ہر ایک کی نگاہ میں محمود و محترم اور سب اس کے ثنا خواں اور شکر گزار ہوں گے۔ اور اس مقام کے عطا کا وعدہ حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

الغرض عطیہ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور اس کے تحت میں دنیا اور عقبیٰ کی ساری نعمتیں اور سارے انعامات الٰہیہ آجاتے ہیں تو تسلی اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دی گئی کہ اگر آپ کے ایک یا دو فرزندوں کا انتقال ہوگیا اور مخالفین نے خوش ہو کر آپ کو معاذ اللہ ''ابتر'' کہا یعنی جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے تو آپ ہرگز کسی کا غم نہ کیجئے۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے وہ خیر کثیر عنایت فرمایا ہے جو ابدالآباد تک آپ کا نام روشن کرے گا۔

انعامات کا شکر عبادت و قربانی سے ادا کرو

آگے دوسری آیت میں ارشاد ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سو اس

کے شکریہ میں آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔ یعنی اتنے بڑے انعامات جو آپ کو عطا کئے گئے تو اس احسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے تو آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی روح، جسم اور مال سے برابر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں۔ بدنی اور روحی عبادت میں سب سے بڑی چیز نماز ہے۔ اور مالی عبادت میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت جان کا قربان کرنا تھا۔ جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے جان کی قربانی کے قائم مقام کر دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قصہ سے ظاہر ہے گویا اس میں مشرکین پر تعریض ہوئی کہ یہ کفار تو غیر اللہ کی پرستش کرتے اور بتوں کے نام پر قربانی دیتے ہیں۔ بغاوت و سرکشی انہوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ آپؐ ہر وقت اپنے رب کی عبادت کریں۔ اسی کی نماز پڑھیں اسی کے نام کی قربانی کریں۔

اسلام کے دشمن بے نام ونشان ہوں گے

تیسری آیت میں فرمایا گیا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا اس میں ایک پیشین گوئی فرمائی جس میں بھی ایک طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اور یہ پیشین گوئی اس وقت کی گئی تھی جس کا مخالفین تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حرف بحرف پوری ہو کر رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور آپ کی توہین کرنے والے کفار ومشرکین عرب حرف غلط کی طرح دنیا سے مٹ گئے اور کوئی ان کا نام لیوا نہیں اور ان کا نہ نام رہا نہ نشان۔ نہ آج بھلائی کے ساتھ انہیں کوئی یاد کرنے والا ہے۔ تو مشرکین مکہ میں سے عاص بن وائل سہمی نے جیسا کہ سبب نزول میں بیان ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں کے انتقال پر کہا تھا کہ آپ کی نسل قطع ہوگئی اور آپ معاذ اللہ ابتر یعنی بے نشان ہیں۔ تو حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا کہ دراصل وہی بے نام ونشان رہے گا اور اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ قرآن پاک کی یہ پیشین گوئی مشرکین مکہ کے حق میں کس طرح پوری ہوئی۔

گستاخ رسول ہر خیر سے خالی ہے

اس آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔ مرشدنا حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل السلوک میں لکھا ہے کہ اس میں دلالت ہے کہ آپ کا ہر مخالف ہر خیر سے منقطع ہے نہ اس کی حیات میں برکت ہے کہ زاد آخرت اس سے جمع کرے نہ اس کے قلب میں خیر ہے کہ حق بات کو سمجھے یا اس میں حق تعالیٰ کی محبت ومعرفت پیدا ہو۔ نہ اس کے اعمال میں برکت ہے کہ توفیق یا اخلاص ہو اور یہی حالت ہوتی ہے آپؐ کے ورثہ کے مخالف کی جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میرے ولی سے عداوت کرے میں اس کو اشتہار جنگ دیتا ہوں یا اللہ اپنے فضل سے ہم کو اپنے محبوب ومقبول بندوں سے محبت وانسیت اور دلی تعلق عطا فرمایئے اور ان کی مخالفت اور عداوت سے بچایئے۔ آمین۔

خلاصہ

اس سورت میں تین مقاصد بیان ہوئے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا فضل واحسان کہ اس نے آپ کو کوثر عطا کی' کوثر جنت کی وہ نہر ہے جہاں قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو جام بھر کر پلائیں گے چونکہ کوثر کا معنیٰ خیر کثیر ہے اس لیے نبوت' کتاب' حکمت' علم' حق شفاعت' مقام محمود' معجزات اور قرآن کریم کو بھی کوثر قرار دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کوثر جیسی عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے آپ نماز کی پابندی فرمائیں اور اللہ کے لیے قربانی دیں۔

آپ کو یہ بشارت سنائی گئی کہ آپ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں گے اور ان کا نام ونشان مٹ جائے گا چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

سورۃ الکوثر کے خواص

۱-..خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جمعہ کی رات کو سونے سے پہلے باوضو ہو کر سورۃ الکوثر کو سو دفعہ پڑھے اور سو مرتبہ درود شریف بھی پڑھے اور باوضو ہی سو جائے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔

۲-جو آدمی سورۃ الکوثر کو لکھ کر اپنے گلے میں باندھے تو وہ امن میں رہیگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦

اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا۔اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

قُلْ کہہ دیجئے	يٰٓاَيُّهَا اے	الْكٰفِرُوْنَ کافرو	لَآ اَعْبُدُ میں عبادت نہیں کرتا	مَا تَعْبُدُوْنَ جس کی تم عبادت کرتے ہو	وَلَآ اور نہ	اَنْتُمْ تم
عٰبِدُوْنَ عبادت کرنیوالے	مَآ اَعْبُدُ جسکی میں عبادت کرتا ہوں	وَلَآ اور نہ	اَنَا عَابِدٌ میں عبادت کرنیوالا	مَا عَبَدْتُّمْ جسکی تم عبادت کرتے ہو	وَلَآ اَنْتُمْ اور نہ تم	
عٰبِدُوْنَ عبادت کرنیوالے	مَآ اَعْبُدُ جسکی میں عبادت کرتا ہوں	لَكُمْ تمہارے لئے	دِيْنُكُمْ تمہارا دین	وَلِيَ اور میرے لئے	دِيْنِ میرا دین	

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورۃ میں پہلی ہی آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ہے۔اسی سے سورۃ کا نام کافرون ہے۔یہ سورۃ مکی ہے۔

سورۃ کے فضائل وخصوصیات

اس سورۃ کی فضیلت میں ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔یعنی ثواب میں۔ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں۔سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص یعنی قل هو الله احد متعدد صحابہ کرام سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور نماز مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہی دو سورتیں یعنی پہلی رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے سنا ہے۔ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث ہے۔حضرت فروہ بن نوفل کا بیان ہے کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں بستر پر جاتے وقت یعنی سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں۔آپ نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کرو۔یہ شرک سے بیزاری کا اظہار ہے۔یعنی اس کو پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے پاک ہو کر سوؤ گے اور اگر سونے ہی کی حالت میں موت آگئی تو توحید پر مرو گے۔حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال اور بامراد رہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے۔انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں ایسا چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں یعنی سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھا کرو اور ہر سورۃ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرو۔حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا یہ حال تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد اور خستہ حال تھا۔جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کیا میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ پر لگاتے جاتے تھے۔اور

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے جاتے تھے۔ یہ تو مختصراً اس سورۃ کے فضائل اور خواص کا ذکر ہوا۔

شانِ نزول

(۱) ایک روایت یہ ہے کہ کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی کہ آپ ان کافروں کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں۔

(۲) ایک روایت یہ ہے کہ روساء کفار مکہ نے آپ سے عرض کیا کہ آیئے ہم اور آپ اس پر صلح کر لیں کہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کیجئے اور آپ کے معبود کی ہم عبادت کیا کریں۔ جس میں ہم اور آپ طریق دین میں شریک رہیں۔ جونسا طریقہ ٹھیک ہوگا اس سے سب کو کچھ کچھ حصہ مل جاوے گا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

(۳) ایک روایت یہ ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول تو یہ دعوت دی اور مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ تم مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے اور جس عورت سے تم چاہو گے تمہارا نکاح بھی کر دیں گے۔ لیکن ہمارے معبودوں کو برا کہنا ترک کر دیں۔ اور اگر آپ یہ نہیں مانتے تو پھر ایسا کریں کہ ایک سال تم ہمارے معبودوں کی بندگی کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی بندگی کریں۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں تو ان میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا ہے کہ سب ہی واقعات پیش آئے ہوں اور ان سب کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

اصول اسلام میں کافروں سے سمجھوتہ ہرگز نہیں ہوسکتا

یہاں اس سورۃ میں اسلام کی صحیح حیثیت کا اعلان کر دیا گیا اور اہل کفر کو ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا گیا کہ وہ ایسی کوئی امید نہ رکھیں کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں میں آ کر ان کی کسی خواہش کے مطابق اپنی دعوت میں کوئی تبدیلی کر لیں گے۔ چنانچہ اس سورۃ میں حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر حکم دیا جاتا ہے۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کافروں سے صاف کہہ دیجئے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ یعنی اے کافرو میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا۔ نہ تو فی الحال اور نہ آئندہ کبھی مستقبل میں۔ خدائے واحد کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد و صمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو جس کی میں عبادت و بندگی کرتا ہوں۔ اور آئندہ کے لئے وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا۔ نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ نہ اب اور نہ آئندہ یعنی توحید اور شرک کبھی متحد نہیں ہو سکتے اور ان میں کبھی کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی۔ آگے توحید اور شرک کا انجام ارشاد ہے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ یعنی تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔ جو دین قیم اللہ نے مجھے مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم نہایت خوش ہیں اور تم نے اپنے لئے بدبختی سے جو روش پسند کی ہے وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر فریق کو اس کی راہ اور روش کا نتیجہ مل کر رہے گا۔ میرا فرض تبلیغ دین ہے اگر تمہیں اپنی بہتری منظور ہو تو اس ہدایت کو قبول کرو۔ ورنہ تم جانو تمہارا کام۔ تمہیں اپنے کئے کی خود سزا بھگتنی پڑے گی۔ میں تو نہایت پختگی سے اپنی بات پر قائم ہوں۔

الغرض اس سورۃ میں کفار کی طرف سے پیش کی ہوئی مصالحت کی صورتوں کو بالکلیہ رد کر کے اعلان براءت کیا گیا۔

کفار سے مصالحت کی حدود کا تعین

یہاں ایک خیال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ خود قرآن کریم میں دسویں پارہ سورۂ انفال میں ارشاد خداوندی ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جایئے یعنی معاہدہ صلح کر لیجئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے

مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ کا معاہدہ صلح مشہور و معروف ہے۔ اس اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے یہ جواب دیا کہ اس سورۂ کافرون کو منسوخ کہہ دیا اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ آیت لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کو قرار دیا کیونکہ بظاہر یہ احکام جہاد کے منافی ہے کہ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ مگر اس اشکال کے دفع کرنے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں جو تحقیق لکھی ہے۔ وہ یہ ہے فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس سورۃ میں لَكُمْ دِيْنُكُمْ کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے دی گئی بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو قرآن کریم کے ارشاد لنآ اعمالنا ولکم اعمالکم (پ۲رکوع۹) کا حاصل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے۔ اس لئے راجح اور صحیح جمہور مفسرین کے نزدیک یہی ہے کہ یہ سورۃ منسوخ نہیں۔ جس قسم کی مصالحت سورۂ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم میں آئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی وہ جیسے اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات صرف موقع اور محل کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمادیا ہے۔ جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثنا کا ارشاد ہے اور وہ یہ ہے۔ الا صلحاً احل حراماً او حرم حلالاً یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں ان سب میں کفر و اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو اصول اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ ایسی صلح سے سورۂ کافرون نے اعلان براءت کر دیا اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدہ یہود (یا صلح حدیبیہ سے) اس کی عملی صورت معلوم ہوئی اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو۔ یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری۔ حسن سلوک، صلح و مصالحت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے قانون اور اصول دین یا ضروریات دین میں کسی صلح یا مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔" (معارف القرآن جلد ۸)

خلاصہ

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی کہ آؤ! "کچھ لو اور کچھ دو" کی بنیاد پر ہم آپس میں مصالحت کر لیں، ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کر لیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کر لیا کریں گے، اس سورت نے ایمان و کفر، موحدین اور مشرکین کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دی اور بتا دیا کہ توحید اور شرک دو متصادم نظام ہیں، دونوں میں مصالحت کی کوئی صورت نہیں، یوں کفار کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور ہمیشہ کیلئے واضح کر دیا کہ ایمان میں کفر کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔

سورۃ الکافرون کے خواص

۱...... جو آدمی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے اوقات میں سورۃ الکافرون کی تلاوت کا معمول رکھے وہ شرک سے محفوظ رہے گا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی توحید خالص، دین کامل اور اسلام صادق نصیب فرمائیں اور مرتے دم تک اس پر قائم رکھیں۔

یا اللہ ہم میں وہ ایمانی قوت اور جوش و حرارت پیدا فرمادے کہ ہم باطل اور اعدائے دین سے کبھی مرعوب نہ ہوں۔

اور دین کے معاملہ میں ان سے کسی ناپاک اور گندی صلح پر کبھی راضی نہ ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ

جب خدا کی مدد اور فتح آ پہنچے۔ اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں۔ تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕؔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

کیجئے اور آپ سے مغفرت کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اِذَا جب	جَآءَ آجائے	نَصْرُ اللّٰهِ اللہ کی مدد	الْفَتْحُ فتح	وَ رَاَيْتَ اور آپ دیکھیں	النَّاسَ لوگ	يَدْخُلُوْنَ داخل ہو رہے ہیں	فِيْ میں / دِيْنِ اللّٰهِ اللہ کا دین
اَفْوَاجًا فوج درفوج	فَسَبِّحْ پس پاکی بیان کریں	بِحَمْدِ تعریف کے ساتھ	رَبِّكَ اپنا رب	وَ اسْتَغْفِرْهُ اور بخشش طلب کیجئے اس سے	اِنَّهٗ بیشک وہ		
كَانَ ہے	تَوَّابًا بڑا توبہ قبول کرنے والا						

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورۃ کی ابتداء اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ سے فرمائی گئی۔ اسی سے سورۃ کا نام النصر مقرر ہوا۔ اکثر محدثین و مفسرین کا قول یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ جو رمضان ۸ ہجری میں واقع ہوئی ہے اس سے قبل ہے اور اس سورۃ میں جس فتح کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے فتح مکہ مراد ہے۔

بہرحال یہ مدینہ کے آخری دور کی ایک سورت ہے۔ بقول اکثر مفسرین و محدثین اس میں جس فتح کا اشارہ دیا جاتا ہے وہ فتح مکہ کی طرف ہے جو ہجرت کے آٹھویں سال رمضان کے مہینہ میں حاصل ہوئی اور جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔

سورۃ کی خصوصیات و فضائل

احادیث میں اس سورۃ کی تفسیر یہ آئی ہے کہ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔ اس سورۃ کی فضیلت میں امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (ثواب میں) چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے (کہ اس سورۃ کے نزول کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ زیادہ پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے رب نے اطلاع دی تھی کہ عنقریب تم اپنی امت کے اندر ایک نشانی دیکھو گے جب تم وہ علامت دیکھو تو **سبحان اللہ و بحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ** بہت پڑھنا چنانچہ میں نے وہ نشانی دیکھ لی۔ وہ نشانی ہے۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا مفسر بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس سورۃ سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ بتارہی ہے کہ دعوت پوری ہوگئی اور دین کامل ہوگیا مزید یہ کہ استغفار کا حکم بتارہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔

فتح مکہ کا وعدہ اور اس کی تکمیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکی زندگی کے تیرہ سال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل اسلام کے لئے انتہائی سخت تھے جس کے نتیجہ میں اہل ایمان کو اپنا وطن مکہ اپنا کاروبار اور جائیداد وغیرہ سب چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی اور مدینہ میں پناہ لینی پڑی۔ یہاں بھی سات آٹھ سال کی مدت میں چین و سکون مسلمانوں کو نصیب

نہ ہوا۔ چاروں طرف سے مخالفین اسلام اور اعدائے دین کے حملوں اور آئے دن ان کی وجہ سے طرح طرح کی پریشانیوں کا مقابلہ ہی کرتے رہنا پڑا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اب وہ وقت قریب آ گیا جب اسلام کو عرب کی تمام طاقتوں پر غلبہ اور شوکت نصیب ہونا تھا اور مسلمان جس مکہ سے ستا ستا کر ہجرت پر مجبور کئے گئے تھے اسی مکہ میں انہیں فاتح کی حیثیت سے داخل ہونا تھا۔

اسلامی تاریخ میں یہ نہایت اہم واقعہ ہے اور اسی کا نام فتح مکہ ہے۔ جو رمضان المبارک ۸ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس سورۃ میں اسی فتح کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت سنائی گئی کہ عنقریب ایک دن ایسا آنے والا ہے جبکہ ملت اسلامیہ کو غلبہ اور شوکت نصیب ہوگا۔ کفر کی تاریکیوں کا خاتمہ ہو جائے گا کفار کے مرکزی شہر مکہ پر اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ بت پرستی کا خاتمہ اور اس کے حامی سب زیر وزبر ہو جائیں گے اور عرب کے عام لوگ جوق در جوق دین اسلام قبول کرلیں گے۔ اس بشارت سے قبل اگرچہ عرب کے بہت سے قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اسلام قبول کر چکے تھے لیکن کفار مکہ ابھی تک بت پرستی پر قائم تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر تلے ہوئے تھے گویا کہ یہ شہر مکہ کفار کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بہت سے عرب کے لوگ اسلام لانے کے لئے فتح مکہ کے منتظر تھے اور یہ بڑی فیصلہ کن چیز تھی کہ مکہ معظمہ فتح ہو جائے۔

چنانچہ جب قریش مکہ نے صلح نامہ حدیبیہ جو ۶ ہجری میں ہوا تھا اس کی عہد شکنی کی اور بالآخر حدیبیہ کا صلح نامہ ٹوٹ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی پوری تیاری شروع کر دی اور ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو دس ہزار صحابہ کرام کی جمعیت کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے مکہ پر چڑھائی کے قصد سے روانہ ہوئے۔ کفار مکہ کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور آپ سے امن کی درخواست کی جو آپ نے قبول فرمائی اور ۲۰ رمضان یوم جمعہ ۸ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور طواف خانہ کعبہ فرمایا۔ اس وقت تک کعبہ کے گرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے جو آپ کے حکم سے توڑ دیئے گئے اور خانہ کعبہ کو ان بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا۔ فتح مکہ کے بعد عام طور سے عرب اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا اور جو قریش مکہ کی شوکت کے ڈر سے اسلام اختیار کرنے میں توقف اور فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے وہ سب کے سب فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے باقی ماندہ عرب کی ہمت نہ رہی کہ اب اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہوں اس طرح مکہ معظمہ کی فتح اہل اسلام کے لئے ایک بڑی فیصلہ کن چیز تھی۔ اس سورۃ میں اسی فتح کی بشارت دی گئی۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے غلبہ سے گھبرائیے نہیں۔ عنقریب ہی خدائے تعالیٰ آپ کی اور آپ کے متبعین کی مدد فرمائے گا اور والفتح یعنی آپ کو کفار پر ایک عظیم الشان فتح حاصل ہوگی جس کے بعد کفار کی کمر ہمت ٹوٹ جائے گی اور مخالفت کی تاب نہ لاسکیں گے اور اس فتح ونصرت کا نتیجہ یہ ہوگا ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا یعنی لوگ گروہ در گروہ آپ کے دین میں داخل ہوں گے۔ اہل اسلام کو ملک عرب میں غلبہ اور شوکت نصیب ہوگا۔ چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ فتح مکہ کے بعد کفار کا زور ٹوٹ گیا۔ ان کا مرکز ختم ہو گیا۔ اور ان کا شیرازہ بکھر گیا لوگ اسلام کی حقانیت کے قائل ہو گئے اور قبائل کے قبائل اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کرنے لگے۔ معجم طبرانی میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ وہ ہے کہ جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور یہ سورۃ نصر تلاوت فرمائی (سیرت المصطفیٰ حصہ سوم ص ۱۷۱)

تکمیل دین اور سفر آخرت کی تیاری

یہاں تک تو فتح ونصرت کا ذکر تھا۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص پیغام ہے کہ جب آپ یہ فتح حاصل ہو چکے اور لوگ اس کثرت سے دین اسلام کو قبول کرنے لگیں جو مقصد آپ کی بعثت سے تھا وہ پورا ہوا تو آپ سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد رسالت پورا ہو چکا اور دین کی تکمیل ہوگئی اور اب سفر آخرت قریب ہے۔ اس لئے آپ اس وقت ہمہ تن ہماری طرف متوجہ ہو جائیں اور اس سفر کی تیاری میں مصروف ہو جائیں۔ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ اور پہلے سے بھی زیادہ کثرت سے اللہ کے ذکر اس کی تسبیح وتحمید میں لگ جائیں اور فتوحات وکامیابیوں پر اس کا شکر ادا کریں۔ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اپنے لئے اور امت کے لئے ہر وقت

مغفرت اور بخشش کی درخواست کرتے رہیں۔ انه کان توابا بے شک آپ کا پروردگار تو بہت ہی معاف کرنے والا ہے۔

کثرت استغفار ضروری ہے

انسان جس میں اولیاء اور انبیاء بھی شامل ہیں اللہ کی عبادت میں کتنی بھی کوشش کیوں نہ کریں پھر بھی کما حقہ یعنی حسب شان خداوندی ادا کرنے میں اپنے کو قاصر ہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے کمال عبودیت کے باوجود بھی اپنے عجز کا اعتراف کرنا اور اپنے کو عبادت کا حق ادا کرنے میں قصوروار سمجھنا اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ہر روز ستر بار سے زیادہ خدائے تعالیٰ سے طلب مغفرت کرتا ہوں۔ اور آپ اپنی امت کے لئے بھی مغفرت اور بخشش کی درخواست کیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی وجہ

یہاں ایک مختصر مگر نہایت جامع تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار فرمانے کے بارہ میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کاندھلوی خاتم مثنوی نے اپنے رسالہ شیم الحبیب میں تحریر فرمائی ہے۔ یہ رسالہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنی تصنیف نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب میں نقل فرمایا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ آپ دن بھر میں ستر بار یا سو بار استغفار فرماتے تھے تو یہ یا تو تعلیم امت کے لئے تھا یا خود امت کے لئے مغفرت طلب کرنا مقصود تھا یا یہ وجہ تھی کہ آپ دریائے قرب وعرفان میں مستغرق تھے اور لحظہ بہ لحظہ ترقی فرماتے رہتے تھے کیونکہ تجلیات متجدد ہوتی رہتی ہیں اور تجلی حسب استعداد محل تجلی کے ہوتی ہے اور آپ کی استعداد برابر متزائد ہوتی جاتی تھی۔ پس جب مرتبہ مابعد کو عالی دیکھتے تھے تو اپنے کو مرتبہ ماقبل کے اعتبار سے تقصیر کی طرف منسوب فرماتے تھے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ حسنات الابرار سیات المقربین یعنی نیکوں کے حسنات مقربین کی سیئات ہوتی ہیں۔

الغرض اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی مدد اور مکہ کی فتح مع اپنے آثار کے آپہنچے یعنی واقع ہو جائے اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اس وقت سمجھئے کہ مقصود دنیا میں رہنے کا اور بعثت کا کہ تکمیل دین ہے ختم ہوا اور اس وجہ سے سفر آخرت کا قریب ہے۔ پس اس کے لئے تیاری کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے کہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"۔

بڑھاپے کی عمر کا وظیفہ

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ کے تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے ہر وقت یہی دعا پڑھتے تھے۔ سبحان الله وبحمده استغفر الله و اتوب اليه اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم کیا گیا ہے۔ بزرگان دین نے اسی بناء پر روایت لکھی ہے کہ جب موت قریب محسوس ہو تو تسبیح واستغفار کی کثرت چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کو یاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

خلاصہ

یہ سورت فتح مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ سورت ۱۰ھ میں نازل ہوئی، اس کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ۷۰ ایام زندہ رہے، جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: "مجھے میری موت کی اطلاع دی گئی ہے"، اس لیے کہ حضور کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا، جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تھا تو اسے قبول کرنے والے اکا دکا تھے لیکن اب لوگ جماعت در جماعت اور قبیلہ در قبیلہ دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اس لیے اآپ کو حکم دیا گیا کہ ان فتوحات اور نعمتوں پر اللہ کا شکر اور اسکی تسبیح اور عظمت بیان کریں۔

سورۃ النصر کے خواص

۱- جنگ میں دشمن کے خلاف فتح حاصل کرنے کے لئے اپنے کسی ہتھیار پر سورۃ النصر کو نقش کر لیا جائے تو فتح حاصل ہوگی۔

۲- جو لوگ جال کے ساتھ مچھلی کا شکار کرتے ہوں اگر وہ کسی دھات پر سورۃ النصر نقش کر کے اس دھات کی ٹکڑی کو اپنے جال میں باندھ لیں تو جب جال کو شکار کے لئے پانی میں ڈالیں گے اس میں فوج در فوج مچھلیاں پھنسیں گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا

ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے۔ نہ اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ اُس کی کمائی۔ وہ عنقریب ایک شعلہ زن

ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

آگ میں داخل ہوگا وہ بھی اور اُس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

تَبَّتْ ٹوٹ گئے	يَدَا دونوں ہاتھ	اَبِيْ لَهَبٍ ابولہب	وَّتَبَّ اور وہ ہلاک ہوا	مَا نہ	اَغْنٰى کام آیا	عَنْهُ اس کے	مَالُهٗ اس کا مال	وَمَا اور جو	كَسَبَ اس نے کمایا
سَيَصْلٰى عنقریب داخل ہوگا	نَارًا آگ	ذَاتَ لَهَبٍ شعلے مارتی	وَّامْرَاَتُهٗ اور اس کی بیوی	حَمَّالَةَ لادنے والی	الْحَطَبِ لکڑی	فِيْ میں			
جِيْدِهَا اس کی گردن	حَبْلٌ رسی	مِّنْ سے	مَّسَدٍ کھجور						

وجہ تسمیہ اور زمانۂ نزول

اس سورۃ کی پہلی آیت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ہے۔ اس لئے نشانی کے طور پر سورۃ کا نام اللھب مقرر ہوا۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

سبب نزول

سبب نزول اس سورۃ کا احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وانذر عشیرتک الاقربین پ۱۹ (سورۂ شعراء) نازل ہوئی یعنی اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے تو آپ نے مکہ کے کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل قریش کے نام لے کر پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو اس امر کی خبر دوں کہ پہاڑ کے دوسری طرف دشمن موجود ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے؟ سب نے کہا کہ بے شک ہم یقیناً آپ کی بات کا اعتبار کریں گے۔ آپ ہم سب میں سے بڑھ کر سچے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا کہ لوگو میں تمہارے لئے ایک آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

تم نجات کا راستہ اختیار کرلو اور اپنے بچنے کی تدبیر کرلو۔ میں کھلم کھلا تم کو خبردار کرنے والا ہوں۔ ابولہب یہ سن کر آگ بگولہ ہوگیا اور انتہائی مخالفانہ انداز میں ہاتھ جھٹک کر کہنے لگا (نعوذ باللہ' نعوذ باللہ) تبالک سائر الیوم الھذا دعوتنا تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لئے جمع کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا عفو اور ہمہ تن حلم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا مگر غیرت الٰہیہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایسے الفاظ کیوں برداشت کرسکتی تھی اور فوراً یہ پوری سورۃ نازل ہوئی جس میں خود ابولہب کے الفاظ اسی پر لوٹا دیئے گئے اور اس کے حسرت ناک انجام کا اعلان بھی بطور پیشین گوئی کے فرما دیا گیا۔ ابولہب کی ایک بیوی تھی اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عداوت تھی۔ خود جنگل جاتی' کانٹے اکٹھا کرتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں بچھا دیتی تا کہ اندھیرے میں آپ کے کانٹے چبھیں اور آپ کو اذیت اور تکلیف ہو۔ تو اس سورۃ میں دونوں کا انجام بتلا کر ان کی مذمت فرمائی گئی اور ان ہی دونوں کی تباہی و بربادی کی پیشینگوئی فرمائی گئی

جس سے مخالفین رسول کو متنبہ کیا گیا کہ مرد ہو یا عورت۔ اپنا ہو یا بیگانہ۔ بڑا ہو یا چھوٹا۔ جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار ذلیل وتباہ وبرباد ہو کر رہے گا۔ یہ ہے خلاصہ مفہوم اس سورۃ کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی

جس طرح کہ تصدیق اور جان نثاری اور صداقت ومحبت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے اول رہے اسی طرح تکذیب اور ایذا اور استہزاء' بغض وعداوت رسول میں ابولہب سب سے آگے تھا۔ یہ عبدالمطلب کا بیٹا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتیلا چچا تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ لات' منات' اور عزیٰ یہ تین مشہور مشرکین عرب کی دیویاں تھیں جن کی پرستش وہ کرتے تھے۔ اور ان کے بت بنا رکھے تھے اسی نسبت سے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اور چونکہ اس کا چہرہ سرخ رنگ کا خوبصورت تھا تو اس کے چہرہ کی سرخی اور چمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہوگئی تھی کیونکہ لہب آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں۔ عبدالمطلب چونکہ اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تھے ان کی وفات کے بعد ان کی سرداری ان کے بیٹوں ابوطالب اور ابولہب کو ملی۔ ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی لیکن ابولہب خوب دولت اور پیسہ والا آدمی تھا لیکن اپنے کفر وشقاوت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن ہوگیا تھا جب آپ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بدبخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! ان کی بات مت سنو۔ کبھی کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی۔ ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا (معاذ اللہ معاذ اللہ) تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد بیان کرتے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابولہب چونکہ بہت مالدار تھا اس لئے جب اس کو اللہ سے ڈرایا جاتا تو یہ کہتا کہ اگر میرے بھتیجے کی بات حق ہے تو قیامت کے دن مال اور اولاد کا فدیہ دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اس کی بیوی ام جمیل کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ضد اور دشمنی تھی۔ شب کے وقت آپ کے راستہ میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دلوانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یعنی حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل ہی ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے منسوب ہو چکی تھیں۔ عتبہ بن ابی لہب کا نکاح حضرت رقیہؓ سے ہوا تھا اور عتیبہ بن ابی الہب کا نکاح حضرت ام کلثوم سے ہوا تھا۔ اور صرف نکاح دونوں صاحبزادیوں کا ہوا تھا رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد تبلیغ اسلام فرمائی اور بت پرستی اور شرک کی سخت مذمت فرمائی تو ابولہب اور اس کی بیوی عداوت میں تو پیش پیش ہی تھے اسی جذبہ کے ماتحت ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹوں سے کہا کہ اگر میری رضامندی چاہتے ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دیدو تاکہ آپ کو ان کے طلاق دیئے جانے سے صدمہ ہو۔ بڑا بیٹا جس کا نام عتبہ تھا یہ بات سن کر اس وقت چپ رہا مگر دوسرا بیٹا عتیبہ کمال بے حیائی سے اسی وقت اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آکر بولا کہ میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی اور کچھ دوسری نالائق نالائق باتیں بھی بکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا کہ خدایا اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرمادے۔ آخر کو اس کو شام کے سفر میں ایک شیر نے پھاڑ کھایا۔ الغرض ابولہب کے دونوں بیٹوں نے اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں رخصتی سے پہلے ہی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ (سیرت المصطفیٰ حصہ سوم)

بالآخر یہ دونوں صاحبزادیاں طلاق کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں آئیں اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ ذی النورین کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار حضرات انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے صحابہ کرام میں سے صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسے صحابی ہیں کہ جن کی زوجیت میں یکے بعد دیگرے پیغمبر کی دو صاحبزادیاں

آ ئیں۔اس طرح حقیقت میں اس واقعہ طلاق میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت پنہاں تھی جو حضرت عثمانؓ کے حصہ میں آئی تھی۔

سماجی مقاطعہ کروانا

الغرض عربوں میں ایام جاہلیت میں اگر چہ جہالت اور ضلالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی مگر پھر بھی اپنے قبیلہ کی حمایت اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرنا یہ اس وقت عربوں کی خصوصیت رہی ہے چنانچہ آپ کے چچا ابوطالب نے محض رشتہ داری کے تعلق سے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کی یہاں تک کہ تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر تحریری معاہدہ لکھا (یہ ہجرت نبوی سے ۶ سال قبل کا واقعہ ہے) کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بنی ہاشم اور ان کے تمام حامیوں سے یکلخت تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں کہ نہ کوئی شخص بنی ہاشم سے نکاح کرے نہ ان سے میل جول رکھے نہ ان کے ساتھ خرید وفروخت کرے، جب تک کہ بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ابو طالب نے مجبور ہو کر ایک گھاٹی میں پناہ لی اور بنو ہاشم اور بنو مطلب مومن اور کافر سب نے آپ کا ساتھ دیا۔مسلمانوں نے دین کی وجہ سے اور کافروں نے خاندانی اور نسبی تعلق کی وجہ سے لیکن بنو ہاشم میں سے ابولہب قریش مکہ کا شریک رہا۔اور محصور ہونے والوں نے اس گھاٹی میں جس کا نام شعب ابی طالب ہوا تین سال مسلسل سخت تکالیف کے ساتھ گزارے اور انتہائی فقر و فاقہ سے بسر کئے حتیٰ کہ باہر کا اگر کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو ابولہب اٹھتا اور یہ اعلان کرتا پھرتا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد کو کوئی چیز عام نرخوں پر نہ فروخت کرے بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ قیمت لے اور اس طرح اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ باہر کا قافلہ آیا ہوا دیکھ کر صحابہ کچھ خرید نے کو آتے مگر نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس ہو جاتے۔ہجرت سے تین سال قبل یعنی ۱۰ ہجری نبوی میں یہ ظالمانہ عہد نامہ ختم ہوا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم

اللہ اکبر! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا خلق عظیم فرمایا تھا۔ایک طرف تو ابولہب اور اس کے گھرانے کی دشمنی اور عداوت کا حال اوپر ذکر ہوا۔اب دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور کرم وعنایت کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ آپ کے بھتیجے ابولہب کے بیٹے کہاں ہیں۔کہیں نظر نہیں پڑتے۔ابولہب کے دو بیٹے تھے جو فتح مکہ کے وقت تک کفر پر قائم تھے۔حضرت عباسؓ نے عرض کا یا رسول اللہ بظاہر کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔آپ نے فرمایا ان کو ڈھونڈھ کر لاؤ۔تلاش ہوئی اور کھوج لگانے پر یہ دونوں عرفات کے میدان میں چھپے ہوئے ملے۔ حضرت عباس دونوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان دونوں پر اسلام پیش کیا۔انہوں نے فوراً اسلام قبول کیا۔اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے فرمایا میں نے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو اپنے پروردگار سے مانگا تھا اللہ نے مجھ کو یہ دونوں عطا فرمائے۔اللہ اکبر! ذرا غور تو کیجئے ابولہب کے گھرانے کی تکالیف کا جو آپ کو دی گئیں اور آپ کا دشمنوں سے یہ کرم وعنایت کا معاملہ

ام جمیل کی دشمنی وعداوت

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب ابولہب کی بیوی ام جمیل کو خبر ہوئی کہ میرے اور میرے شوہر کے بارہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی تو ایک پتھر لے کر آپ کو مارنے کے لئے چلی۔اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ام جمیل جس وقت وہاں پہنچی تو حق تعالیٰ نے اس کی آنکھ پر ایسا پردہ ڈالا کہ اس کو صرف حضرت ابوبکرؓ نظر آتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی نہ دیتے تھے۔ام جمیل نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ میری مذمت اور ہجو کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس وقت ان کو پاتی تو اس پتھر سے مارتی۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ام جمیل کو آپ کی طرف آتے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ام جمیل سامنے سے آ رہی ہے۔مجھے آپ کا ڈر ہے۔حضورؐ نے فرمایا انها لن ترانی (وہ مجھے ہرگز نہ دیکھے گی)

جب ام جمیل چلی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کے جانے تک ایک فرشتہ مجھ کو چھپائے رہا۔ الغرض یہ داستان تو بہت طویل ہے۔

دشمنان رسول پاک کا انجام

اب ان دونوں یعنی ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا انجام ملاحظہ ہو۔ غزوۂ بدر جو رمضان المبارک ۲ ہجری میں واقع ہوا اور جس میں قریش مکہ کے بڑے بڑے کافر سردار اور متمول لوگ شریک تھے۔ سب ایک ایک کر کے قتل یا قید ہوئے مگر ابولہب اس جنگ میں اپنی جان کے خوف سے شریک نہ ہوا تھا اور اپنی بجائے جنگ میں کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔ اس واقعہ بدر کے سات روز بعد ابولہب کے مکہ میں طاعون کا زہریلا دانہ نمودار ہوا۔ گھر والوں نے اس اندیشہ سے کہ اس کی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اس کو الگ ڈال دیا اور وہیں مر گیا۔ اور تین روز تک لاش یونہی پڑی رہی کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ جب لاش سڑنے لگی تو اس وقت چند حبشی مزدوروں کو بلا کر ان سے لاش دبوائی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر لاش کو اس گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی اور پتھروں سے اس گڑھے کو بھر دیا۔ یہ تو دنیا میں ذلت و رسوائی اس کو نصیب ہوئی۔ اور آخرت کی رسوائی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

ابولہب کی بیوی کا حشر

اس کی بیوی ام جمیل جو خود جنگل جاتی اور کانٹے اکٹھا کر کے گٹھڑ بنا کر لاتی اور رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور مسجد حرام کے راستہ میں بچھا دیتی تا کہ وہ کانٹے آپ کو چبھیں اور آپ کو تکلیف پہنچے۔ اس بدبخت کی موت اس طرح واقع ہوئی کہ سر پر کانٹوں اور لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود ستانے لگی۔ جب پھر چلنے کا ارادہ کیا تو اسی رسی کا جس سے گٹھڑ بندھا تھا پھندا گردن میں پڑ گیا اور گٹھا پیٹھ کی طرف جا لٹکا جس کے بوجھ سے وہ پھندا پھانسی بن گیا اور گلا ایسا گھٹا کہ یہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوگئی۔

ابولہب اور اس کی بیوی کا انجام

یہی ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا ذکر اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے اور جو الفاظ ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کئے تھے یعنی تبالک کہا تھا یعنی معاذ اللہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ تو خود اسی کے الفاظ کو اس پر لوٹا دیا گیا اور اس کے حسرت ناک انجام کا اعلان بطور پیشین گوئی فرما دیا گیا۔ چنانچہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور ارشاد ہوا تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ یعنی یہ ابولہب جو ہاتھ جھٹک جھٹک کر باتیں بناتا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس پیغمبر اور معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے تو سمجھ لے کہ خود اسی کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں۔ اس کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ گئی۔ اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ گیا۔ گویا یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے اور کفار کی آگاہی کے لئے یہ پیشین گوئی فرمائی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین حق کے خلاف ابولہب کی جملہ تدابیر بالآخر ناکام ہوں گی اور خود ابولہب تباہ و برباد ہوگا۔ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی اگرچہ اس وقت ابولہب کی شرارتیں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اور اس کی مخالفت بہت سخت معلوم ہو رہی تھی مگر اس سورۃ میں خبر دی گئی کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ ہاتھ ٹوٹ جانا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے زور ختم ہو جانا یعنی وہ وقت آنے والا ہے کہ جب ابولہب کا سارا زور ٹوٹ جائے گا اور اس کی طاقت سب ختم ہو جائے گی۔ یہ پیشینگوئی جملہ کفار و مسلمین سب کی آنکھوں کے سامنے نزول سورۃ کے کچھ عرصہ بعد پوری ہوئی اور سب نے ابولہب کی تباہی کو دیکھ لیا۔ آگے ارشاد فرمایا مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ نہ اس کا مال اس کے کام آیا نہ اس کی کمائی یعنی مال دولت عزت و جاہت' حسب و نسب کوئی چیز اس کو دنیا میں ہلاکت سے نہ بچا سکی اور نہ آخرت ہی میں اس کی وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ سکے گا۔ جب ابولہب کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو جواباً کہتا کہ اگر سچ مچ قیامت و آخرت ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے ان کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اسکے جواب میں آیت میں فرمایا گیا کہ نہ اس کا مال اس کے کچھ کام آئے گا اور نہ اس کی اولاد۔ دھن دولت' یہ گویا دوسری پیشینگوئی فرمائی گئی

کہ ابولہب کا مال واولا داسے کچھ نفع نہ دے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی بھی اسی طرح پوری ہوئی یہ تو ابولہب سے متعلق دنیا کی خبر دی گئی۔ آگے آخرت سے متعلق خبر دی گئی سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی یعنی مرنے کے بعد فوراً ہی جہنم کی شعلہ زن آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور نہ صرف وہ بلکہ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ آگ میں جھونک دی جائے گی کیونکہ اس کے دل میں بھی اللہ کے رسول کے خلاف عداوت وبغض کی آگ بھری ہوئی تھی اور اس نالائق عورت نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا تھا کہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ جو جنگل سے خاردار لکڑیاں لاد کر لاتی ہے اور رات کو آپ کے راستہ میں بچھا دیتی تا کہ آپ کو تکلیف پہنچے اس ایذا رسانی کے بدلہ میں قیامت کے دن فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی پڑی ہوگی یعنی اس کے گلے میں جہنم کے طوق وزنجیر پڑے ہوں گے اور عذاب کے فرشتے اس کو گھسیٹتے پھریں گے۔ یہ آخرت کے متعلق خبر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کا انتقام خود لیتا ہے

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اس سورۃ کے تحت مسائل السلوک میں لکھا ہے کہ اس سورۃ میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کے لئے جو نبی ہوں انتقام لیتا ہے اسی طرح اپنے مقبولین کے لئے جو ولی ہوں انتقام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبولین سے محبت و تعلق عطا فرمائیں اور ان کی مخالفت اور ایذا دہی سے بچائیں آمین۔

خلاصہ

یہ سورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مگر بدترین دشمن ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا انجام بتلاتی ہے' اس شخص کو اپنے مال اور اولاد پر بڑا غرور تھا لیکن مال واولاد اسے اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ یہ دونوں میاں بیوی ذلت آمیز اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔

سورۃ اللھب کے خواص

ایسا درد جو بڑھتا ہی جارہا ہو تو اس سے نجات کے لئے درد کی جگہ پر سورۃ اللھب لکھیں درد کم ہوتا ہوتا بالکل ختم ہو جائے گا۔

دعا کیجئے

یا اللہ دین واسلام کے مخالفین اور اعداء کو جیسے پہلے آپ نے زیروزبر فرمایا اور ان کی قوتوں کو پاش پاش فرمایا اور ان کی ساری تدبیروں اور کوششوں کو لاحاصل بنایا اسی طرح اے قدرت والے رب اب بھی اعدائے دین کو ذلیل وخوار فرما دے۔ ان کی مخالفانہ کوششوں کو نیست ونابود فرما دے۔ ان کی اعیارانہ چالوں کو ملیامیٹ فرما دے اور دین ودنیا دونوں جہاں میں ان کو ناکامی اور نامرادی نصیب فرما دے۔

یا اللہ اسلام ومسلمین کو عزت وغلبہ نصیب فرما۔ اور دین پر ہم کو ہر حال میں استقامت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا وسچا امتی بنا کر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ آمین

یَا اللّٰہُ بہت سے گناہ آپ کی مخلوق سے چھپا کر کر لئے لیکن آپ سے کہاں چھپا سکتا تھا۔ الٰہی! میں اپنا عذر پیش کرتا ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہوں معافی چاہنے کے بعد بھی گناہ ہو جائے تو اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے بخش دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اُس کے اولاد نہیں۔اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہے۔

قُلْ کہہ دیجئے	هُوَ وہ	اللّٰهُ اللہ	اَحَدٌ ایک	اَللّٰهُ اللہ	الصَّمَدُ بے نیاز	لَمْ يَلِدْ نہ اس نے جنا	وَ اور	لَمْ يُوْلَدْ نہ وہ جنا گیا	وَلَمْ اور نہیں	
يَكُنْ ہے	لَهٗ اس کا	كُفُوًا ہمسر	اَحَدٌ کوئی							

وجہ تسمیہ

اس سورۃ میں اگرچہ لفظ اخلاص نہیں آیا ہے مگر اس میں توحید باری تعالیٰ کو ہر قسم کے شرک سے خالص کر کے بیان کیا گیا ہے اس وجہ سے اس سورۃ کا نام ''اخلاص'' رکھا گیا۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنا سب کچھ اللہ کے لئے خالص کر دے۔ یعنی بندہ اگر اپنے اللہ سے محبت کرے تو سچائی کے ساتھ کرے اور پھر اس محبت پر جما رہے۔ وہ اس کی اطاعت و بندگی کرے تو سچے دل سے کرے اور ہمیشہ ہر حال میں کرتا رہے۔ وہ اس کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کرے تو خلوص کے ساتھ کرے۔ وہ اس کو اپنا خالق، رازق، مالک تسلیم کرے تو خالص اسی پر وہ اپنا سہارا بنائے صرف اسی کو یہ مقام دے۔ وہ بھروسہ کرے تو صرف اسی کی ذات پاک کو۔ غرض یہ کہ وہ اپنا سب کچھ اس کی ذات کو جانے اور پھر اسی پر جم جائے اسی کا نام اخلاص ہے۔

سورۃ کی فضیلت واہمیت

یہ سورۂ اخلاص ایک مختصر سی سورۃ ہے تھوڑے سے الفاظ ہیں مگر مطلب اور معنیٰ کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ اسے ایسا سمجھنا چاہئے کہ جیسے انسانی جسم میں آنکھ کی پتلی جو اگرچہ بہت چھوٹی ہے لیکن اس کی بدولت سارا عالم روشن معلوم ہوتا ہے یہ نہ ہو تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اس سورۃ میں توحید کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اسی سے سارا دین روشن ہے۔ اسی لئے اس سورۃ کی فضیلت احادیث میں بہت آئی ہے کیونکہ توحید اور حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات پاک کے متعلق جو عقائد رکھنے چاہئیں اور جس کو ایمان کی بنیاد سمجھنا چاہئے وہ سب اس سورۃ میں مذکور ہیں۔

احادیث میں امام بخاریؒ وغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے یعنی جس نے یہ سورۃ پڑھی اس نے ثواب تہائی قرآن پڑھنے کا حاصل کیا اور تہائی کے برابر ہونے کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ مضامین قرآن تین قسم کے ہیں۔ ایک توحید وصفات باری تعالیٰ، دوسرے بندوں کے اعمال وافعال کی کیفیت، تیسرے قیامت وآخرت اور وہاں کے حالات تو ان تین مضامین میں سے اس سورۃ میں توحید وصفات باری تعالیٰ کا نہایت جامع ذکر ہے۔

حضرت ابودرداءؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کیا تم ہر رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ سکتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہر شب میں ایک تہائی قرآن کیسے پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے یعنی ثواب میں ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک فوجی دستہ کے ساتھ ایک صاحب کو کہیں بھیجا۔ یہ ساتھیوں کو ہمیشہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے نماز پڑھاتے رہے جب وہ لوگ واپس آئے تو انہوں نے حضورؐ سے اس کا ذکر کیا ارشاد فرمایا ان سے پوچھو ایسا کیوں کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ (سراسر) رحمٰن کے اوصاف ہیں اس لئے میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں اور اس سورۃ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اطلاع دے دو کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔

سبب نزول اور زمانۂ نزول

اس سورۃ کے شان نزول کے متعلق روایت ہے کہ مشرکین مکہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی تو برائی کرتے ہیں۔ آپ اپنے رب کے تو اوصاف بیان کریں۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس میں حق تعالیٰ نے اپنی صفات بیان فرمائیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے اور اس کا زمانہ نزول مکی دور کا ابتدائی زمانہ لکھا ہے۔ اس طرح ترتیب قرآنی کے موافق اس سورۃ کا شمار ۱۱۲ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۰ لکھا ہے یعنی ۹ سورتیں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں۔ اور ۱۰۴ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس سورۃ میں ۴ آیات ۱۷ کلمات اور ۴۹ حروف ہیں۔ اس سورۃ میں ہر طرح کے شرک یعنی بت پرستی، عیسائیت یہودیت مجوسیت وغیرہ سب کی تردید کر کے خالص توحید کا سبق دیا گیا ہے کہ اللہ ایک ہے وہ صمد ہے وہ اولاد ماں باپ اور شریکوں سے پاک ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

توحید الٰہی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے اور کیا اس کی صفات ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اس کا کوئی مقابل و مشابہ اس میں اس وقت کے مجوس کے عقیدہ کا رد ہو گیا جو کہتے کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق ''یزدان'' اور شر کا ''اہرمن'' نیز ہنود بت پرستوں کے عقائد کی بھی تردید ہو گئی جو ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

اللہ الصمد

آگے فرمایا اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے لفظ صمد کا اردو میں ترجمہ بے نیاز کیا گیا ہے۔ لیکن مفسرین نے صمد کی تفسیر کئی طرح کی ہے اور چونکہ یہ لفظ صمد عرف عرب میں بہت سے معانی میں مشتمل ہے اس لئے مفسرین میں سے حسب ذیل ہر ایک نے ایک ایک معنیٰ اختیار کیا ہے۔

(۱) ایک مراد صمد سے یہ کہ اللہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کیونکہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے۔

(۲) دوسرے معنیٰ صمد کے سردار کے ہیں جو سب سے اعلیٰ سردار ہو۔

(۳) تیسرے صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں۔

(۴) چوتھے صمد اس کو کہتے ہیں جو ہر کام میں مقصود اصلی ہو اور اسکی طرف فریاد لے جاتے ہوں۔

پانچویں یہ کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے۔

(۶) چھٹے صمد فرد کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔

(۷) ساتویں معنیٰ صمد کے بے نیاز ہیں کہ جس کو کسی کی کسی بات میں کوئی حاجت نہ ہو اور سب سے بے پرواہ ہو اور اس کے سب محتاج ہوں۔

(۸) آٹھویں یہ کہ جس کے اوپر اور کوئی بالا دست نہ ہو۔

(۹) نویں یہ کہ صمد وہ ہے جو نہ کھاوے نہ پیوے۔

(۱۰) دسویں صمد وہ ہے کہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے۔ فنا نہ ہو جائے۔

(۱۱) گیارہویں صمد وہ کہ جس کو کبھی زوال نہ ہو۔ جیسا تھا ویسا ہمیشہ ہی رہے۔

(۱۲) بارہویں صمد وہ کہ جو کبھی نہ مرے اور نہ کوئی اس کا وارث بنے۔

(۱۳) تیرہویں صمد وہ کہ جو نہ کبھی سوئے نہ بھولے۔

(۱۴) چودھویں صمد وہ جو اور کوئی اس کے صفات سے موصوف نہ ہو۔

(۱۵) پندرہویں صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔

(۱۶) سولہویں صمد وہ کہ جس پر کوئی آفت نہ آئے۔

(۱۷) سترہویں صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔

وہ جو اپنے جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو۔

(۱۸) اٹھارویں وہ جو غالب رہے مغلوب نہ ہو۔

(۱۹) انیسویں صمد وہ جس کی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو۔

(۲۰) بیسویں صمد وہ ہے کہ جو کسی کو نظر نہ آ سکے۔

(۲۱) اکیسویں صمد وہ جو نہ کسی کو جنے نہ کسی نے اس کو جنا ہو۔

(۲۲) بائیسویں صمد وہ بڑا کہ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔

(۲۳) تیئسویں صمد وہ ہے جو زیادتی اور نقصان سے پاک ہو۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی تردید

آگے ارشاد ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اس کے اولاد نہیں۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اس میں ان مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا رد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے (معاذ اللہ) اور یہود کا جو حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور نصاریٰ جو حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے۔ نیز جو لوگ حضرت مسیحؑ کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید کر دی گئی۔ یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ نہ اس کو کسی نے جنا ہو اور نہ اس نے کسی کو جنا ہو۔

جس کے برابر کوئی نہیں

آگے ارشاد ہے وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے یعنی اس کا کوئی مثل نہیں نہ ذات میں نہ وجود و صفات میں نہ اس کے علم و قدرت میں۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو خدا سے بڑھ کر بعض صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں مثلاً یہود کی کتابیں اگر دیکھی جائیں تو ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی تھی اور یعقوب علیہ السلام خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایک حدیث قدسی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم کا بیٹا مجھے جھوٹا قرار دیتا ہے حالانکہ اس کے لئے یہ جائز نہیں اور مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے درست نہیں۔ میری تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے خدا نے مجھے جیسا پہلے پیدا کیا ایسا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے میرے لئے سہل نہیں تھا۔ اور گالی یہ دینا ہے کہ وہ کہتا ہے خدا نے اپنے لئے اولاد اختیار کی ہے حالانکہ میں واحد ہوں۔ صمد ہوں نہ والد ہوں نہ مولود ہوں نہ کوئی میرا مثل ہے۔

قرآن پاک کی لفظی و معنوی خوبیاں اس کی فصاحت و بلاغت کے کمالات' اس کے حسن انشاء کا بے مثل ہونا۔ اس کے اسلوب بیان کی بے نظیری۔ اس کے معجزانہ بیان کی دل آویزی اور دلربائی۔ اس کے لفظ لفظ میں جو عجائبات و نکات پنہاں ہیں۔ ان کو جاننا اور سمجھنا حقیقت میں کچھ انہیں کا حصہ ہے جن کو اللہ نے ظاہری علم اور عربی زبان میں مہارت کے ساتھ باطنی نور بھی عطا فرمایا ہے۔

اسرار و معارف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں اس سورۃ کی تفسیر اور تشریح کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "اس سورۃ میں اللّٰهُ اَحَدٌ کہنے کے بعد اَللّٰهُ الصَّمَدُ اور بعد والے جملہ یعنی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اللہ احد کے اندر ان مابعد کے جملوں کے تمام معانی موجود ہیں۔ ہاں ان جملوں کو مزید تاکید کی طرح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جس طرح عام کے بعد خاص کو خاص کی اہمیت بتانے کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ احد کے بعد باقی جملوں کو ذکر کیا تا کہ قوت کے ساتھ تنزیہ خداوندی کا اظہار ہو جائے اور جو لوگ توحید کے منکر تھے اور اللہ کی اولاد قرار دیئے تھے اور خدا ہی کو تنہا مقصود نہیں جانتے تھے بلکہ مقصودیت میں دوسروں کو خدا کا شریک بناتے تھے ان کی تردید واضح اور صریحی طور پر ہو جائے اسی لئے اَللّٰهُ الصَّمَدُ اور اس کے بعد والے جملہ میں حرف عطف ذکر نہیں کیا اور اللہ الصمد میں لفظ اللہ دوبارہ ذکر کیا اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے کہ جو صمدیت سے متصف نہ ہو وہ معبودیت کا مستحق نہیں۔ انسان کا مقصود صرف

باری تعالیٰ ہونا چاہئے۔اللہ کے علاوہ کوئی چیز مقصود نہیں ہونا چاہئے اسی لئے صوفیہ کرام نے لآالٰه الاالله کے معنیٰ لامقصود الا الله کہا ہے اور صراحت کی ہے کہ انسان کا جو اصلی مقصود ہے وہی اس کا معبود ہے کیونکہ عبادت کے معنی ہیں معبود کے سامنے انتہائی عاجزی اور فروتنی ظاہر کرنا اور انسان اپنے مقصود کے لئے انتہائی فروتنی اور انکساری کرتا ہے پس جس کے لئے انتہائی فروتنی کی جائے یعنی جو مقصود ہو وہی معبود ہوگا۔صوفیہ لآالٰه الاالله کا ذکر کرتے وقت غیر اللہ کی مقصودیت کی نفی کرتے ہیں اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کے مقصود ہونے کا خیال بھی ان کے دلوں سے دور ہو جائے۔

خلاصہ

یہ سورت اسلام کے بنیادی عقیدہ یعنی توحید سے بحث کرتی ہے۔ توحید کی تین قسمیں ہیں: توحیدِ ربوبیت یعنی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق اللہ ہے، اس کا اقرار کافر بھی کرتے ہیں۔توحید الوہیت یعنی بندہ جو بھی عبادت کرے خواہ دعا ہو یا نذر و قربانی تو وہ صرف اللہ کیلئے کرے۔مشرکین غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اگر چہ اس سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا تھا مگر ظاہر ہے کہ شرک ہی تھا۔توحیدِ ذات اور اسماء وصفات۔توحید کی یہ تیسری قسم ایسی ہے کہ انسان نے اکثر اس میں ٹھوکر کھائی ہے، وہ غیر اللہ کیلئے بھی وہی علم، وہی قدرت، وہی تصرف اور وہی سمع و بصر ثابت کر دیتا ہے جو حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔غور کیا جائے تو سورتِ اخلاص میں زیادہ زور توحید کی اسی قسم پر ہے۔

سورۃ الاخلاص کے خواص

۱......سورۃ الاخلاص ثواب میں تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۲......جو آدمی اس سورۃ کو اخلاص کے ساتھ پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتے ہیں۔

۳......جو آدمی قبرستان کے قریب سے گزرتے ہوئے گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب اس قبرستان کی اموات کو کرے تو اس قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملتا ہے۔

۴......اپنے دل میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے سورۃ اخلاص کو پڑھنا اور اس میں غور کرنا مفید ہے۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہ بے شک آپ احد ہیں۔صمد ہیں لم یلد ولم یولد ہیں ولم یکن له' کفواً احد ہیں۔اے اللہ جس طرح آپ اپنی ذات میں یکتا ہیں اسی طرح آپ اپنی صفات میں بھی یکتا ہیں۔اے اللہ آپ ہر طرح سے کسی کی شرکت سے پاک ومنزہ ہیں۔اے اللہ کوئی آپ کا مثل و ہمسر نہیں۔نہ ذات میں نہ وجود میں نہ صفات میں نہ علم وقدرت میں۔اے اللہ اپنی ذات پاک کی ہم کو صحیح معرفت اور توحید کی حقیقت نصیب فرما۔اور اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔اے اللہ اس سورۂ مبارکہ کے انوار و برکات سے ہمارے قلوب کو منور فرما۔اور شب و روز اس کے ورد کی ہمیں توفیق فرما۔آمین۔

یَااللّٰہ جس گناہ کی طرف میرے پیر چلے ہوں، میرے ہاتھ بڑھے ہوں، میری نگاہوں نے ایسا ویسا دیکھا ہو، زبان سے گناہ ہوئے ہوں، آپ کا رزق بے جا برباد کر دیا ہو لیکن آپ نے باوجود اس کے اپنا رزق مجھ سے نہیں روکا اور عطا کیا۔میں نے پھر اس عطا کو تیری نافرمانی میں لگایا اس کے باوجود میں نے زیادہ رزق مانگا، آپ نے زیادہ دیا، میں نے گناہ علی الاعلان کیا لیکن آپ نے رسوا نہ ہونے دیا۔میں گناہ پر اصرار کرتا رہا آپ برابر حلم فرماتے رہے۔پس اے اکرم الاکرمین! میرے سب گناہ معاف فرما دیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيٰتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

آپ کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔تمام مخلوقات کے شر سے۔ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجاوے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

قُلْ کہہ دیجئے	اَعُوْذُ میں پناہ میں آتا ہوں	بِرَبِّ رب کی	الْفَلَقِ صبح	مِنْ سے	شَرِّ شر	مَا خَلَقَ جو اس نے پیدا کیا	وَمِنْ اور سے		
شَرِّ شر	غَاسِقٍ اندھیرا	اِذَا جب	وَقَبَ چھا جائے	وَ اور	مِنْ سے	شَرِّ شر	النَّفّٰثٰتِ پھونکیں مارنے والیاں	فِی میں	الْعُقَدِ گرہیں
وَ اور	مِنْ شَرِّ شر سے	حَاسِدٍ حسد کرنے والا	اِذَا جب	حَسَدَ وہ حسد کرے					

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کی پہلی ہی آیت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ میں لفظ فلق آیا ہے۔اسی سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔فلق کے معنی پھاڑ کر یا چیر کر نکالنے کے ہیں۔ یہاں فلق سے مراد صبح ہے کیونکہ رات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔قرآن پاک کی یہ سورۃ الفلق اور اگلی سورۃ الناس آخری دو سورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کو معوذتین بھی کہتے ہیں یعنی وہ دو سورتیں جن میں استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ استعاذہ عربی زبان میں پناہ لینے حفاظت میں آنے کو کہتے ہیں۔اسی سے لفظ اعوذ نکلا ہے جس کے مطلب ہوئے کہ میں حفاظت میں آتا ہوں۔میں پناہ لیتا ہوں۔

اخلاص واستعاذہ میں ربط

گذشتہ سورۂ اخلاص میں عقائد توحید کو بیان فرمایا گیا تھا اور اخلاص کی تعلیم دی گئی تھی کہ بندہ سب کچھ اپنا اللہ کے لئے خالص کر دے۔ بندگی ہوتو اس کی۔اطاعت ہوتو اس کی محبت ہوتو اس سے۔ خوف ہوتو اس کا غرض کہ زندگی کے ہر حال میں اور دین و دنیا کے ہر معاملہ میں بندے کی نظر ہوتو اللہ پر۔ بندہ امید لگائے تو اس سے۔اسی سے مانگے اور اسی کو اپنا آخری سہارا سمجھے۔اب ان دو آخری سورتوں میں یعنی خاتمہ قرآن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعہ سے تمام امت مسلمہ کو استعاذہ کی تعلیم دی ہے۔یعنی ہر ایک قسم کے شر سے جو توحید اور عقائد حقہ میں فرق یا رخنہ ڈالنے والے شر ہیں ان سے استعاذہ اور تمام معاملات میں اور سب امور میں حق سبحانہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرنے کا اور اس کی حفاظت اور پناہ میں آ جانے کا حکم ہوا ہے۔اول سورۃ یعنی اس سورہ فلق میں مضرات اور شرور دنیویہ سے اور اگلی سورۃ الناس میں مضرات اور شرور دینیہ سے استعاذہ ہے اور یہی حاصل ہے دونوں سورتوں کا۔

انسان کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے کمزور ہو جاتا ہے یا انسان اس بارہ میں غلط روش اور باطل عقائد اختیار کر لیتا ہے تو وہ اللہ کے سوا دوسروں کی پناہ لیتا ہے اور مصیبتوں اور آفتوں۔شرور اور فتن سے بچنے کے لئے وہ دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے مگر ایک مومن اور مسلم جس کا ایمان یہ ہے کہ جو کچھ آتا ہے اللہ کی طرف سے آتا ہے اس کی منشاء اور ارادے کے بغیر یہاں کچھ نہیں ہوسکتا۔ وہ اگر نفع پہنچانا

چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر اس کے حکم سے کوئی مصیبت آئے تو سوائے اس کے کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ اس ایمان و یقین کا تقاضا یہ ہے کہ مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈتا ہے وہ صرف اس کی حفاظت کو کافی سمجھتا ہے اور ہر مصیبت کے وقت اس کا سہارا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہوتی ہے۔ خواہ یہ مصیبت دنیوی ہو یا آخرت کی۔ آخرت میں اللہ کے عذاب۔ اس کی گرفت اور پکڑ سے بچانے کے لئے کوئی سہارا اس کے سوا ممکن نہیں۔ اس لئے خواہ دنیا کا معاملہ ہو یا دین و آخرت کا۔ مومن ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کی حفاظت کا طالب ہوتا ہے۔ ہرحال میں اسی مالک الملک ذوالجلال والاکرام کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی کی پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اسی کی حفاظت میں اپنے آپ کو دے دینا چاہتا ہے اسی سے تعلق جوڑتا ہے اسی کے قدموں میں خود کو ڈال دیتا ہے۔ اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ اسی کے آگے گڑگڑاتا ہے اسی کی عظمت اور بڑائی کو دل میں جگہ دیتا ہے۔ اور صرف اسی سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے اور اسی سے امید اور سہارا رکھتا ہے یہ سب کیفیات استعاذہ میں آجاتی ہے جو ان دونوں سورتوں میں یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں بہترین اور جامع الفاظ میں تعلیم فرمائی گئی ہے۔

معوذتین کی اہمیت وفضائل

ان دونوں سورتوں کی اسی اہمیت اور ان کے مضامین کی اسی وسعت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان سورتوں کی مختلف فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔

ان سورتوں کے فضائل کے سلسلہ میں متعدد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوئی ہیں۔

(۱) حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ مقامات جحفہ اور ابواء کے درمیان ہم کو تیز تند ہوا اور تاریکی نے گھیر لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ پڑھ کر پناہ مانگنی شروع کی اور مجھے فرمایا عقبہ پناہ مانگو اور ان دونوں سورتوں کے ذریعہ سے کہ پناہ مانگنے کے معاملہ میں یہ دونوں سورتیں سب سے بہتر ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن خبیبؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک بارش کی رات میں جو نہایت تاریک تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ پس ہم نے آپ کو پالیا۔ آپ نے ہم کو دیکھ کر فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا پڑھو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ صبح و شام تین تین بار کافی ہوں گی تجھ کو ہر چیز سے یعنی ہر بلا کو دفع کریں گی۔ (مشکوٰۃ)

(۳) حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا میں پناہ حاصل کرنے کے لئے سورۂ ہود اور سورۂ یوسف کو پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے بہتر خدا کے نزدیک اس معاملہ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ)

ان تمام احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان سورتوں کا صبح و شام اور دن و رات میں پڑھتے رہنا کتنا ضروری اور فائدہ مند ہے۔ بالخصوص جب کوئی زحمت میں مبتلا ہو تو اس وقت ان کا ورد کرنا نہایت مفید ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور ذہن میں ان سورتوں کے مضمون کو متحضر رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ورد کی توفیق نصیب فرمائیں۔

شان نزول

ایک یہودی اور اس کی بیٹیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمنی میں سحر کر دیا تھا جس سے آپ کو مرض کی سی حالت عارض ہوگئی۔ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی اس پر جبرئیل امین یہ دونوں سورتیں لے کر حاضر ہوئے جن میں ایک کی پانچ آیتیں اور ایک کی چھ آیتیں۔ مجموعہ گیارہ آیتیں ہیں اور آپ کو وحی سے اس سحر کا موقع بھی معلوم کرا دیا گیا چنانچہ وہاں سے مختلف چیزیں نکلیں جن میں سحر کیا گیا تھا۔ اور اس میں ایک تانت کا ٹکڑا بھی تھا جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں حضرت جبرئیل علیہ السلام سورتیں پڑھنے لگے ایک ایک آیت پر ایک ایک گرہ کھلتی گئی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل شفا ہوگئی۔

زمانۂ نزول

اس مذکورہ واقعہ کی وجہ سے بعض مفسرین نے ان دونوں سورتوں کو

مدنی کہا ہے۔ مگر بعض مفسرین نے ان سورتوں کو مکی بتلایا ہے اور ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں ان کو شمار فرمایا ہے۔ اور اس اختلاف کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ابتداءً نزول تو ان سورتوں کا مکہ معظمہ ہی میں ہوا ہو لیکن اس خاص موقع پر جو اوپر ذکر ہوا یعنی دفع سحر کے لئے بطور علاج حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ سورتیں پڑھی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ورد کی تلقین بحکم خداوندی فرمائی ہو۔ اور مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں یا کسی خاص موقع اور احوال میں کسی آیت یا سورۃ کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح بعض مفسرین نے ان کو مدنی سورۃ قرار دیا ہے۔ الغرض جن مفسرین نے ان سورتوں کو مکی کہا ہے اس لحاظ سے یہ سورۂ فلق اگرچہ ترتیب میں اس کا شمار ۱۱۳ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۶ لکھا ہے۔ اس سورۃ میں ۵ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۳ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

صبح کے مالک اور خالق کی پناہ میں آؤ

حاصل اس سورۃ کا یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے دیگر مومنین و مومنات کو حکم ہے استعاذہ کا مختلف شرور سے اور تمام امور اور جملہ احوال میں حق تعالیٰ پر توکل کرنے کا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہئے کہ میں رب فلق یعنی صبح کے مالک کی اپنا لیتا ہوں۔ اب یوں تو تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یہاں رب فلق یعنی صبح کے مالک کا ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کر کے وہی نور نکالنے والا ہے فلق کے لغوی معنی ہیں پھاڑنا اسی نسبت سے صبح کو بھی فلق کہتے ہیں کیونکہ جب رات کی سیاہی پھٹتی ہے تو دن کی روشنی ظاہر ہوتی ہے بلکہ فلق کے لفظ سے تمام ہی مخلوقات مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ ہر چیز کی پیدائش میں کسی نہ کسی طرح پھٹنے کا عمل موجود ہے۔ دانہ بیج یا گٹھلی پھٹتی ہے تو زمین سے نباتات اگتی ہے۔ اسی طرح ہر جاندار حیوان ہو یا انسان انڈے کے پھٹنے یا رحم کے اندر مختلف جھلیوں اور پردوں کے پھٹنے سے پیدائش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں رب فلق کہہ کر یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ جس ذات کی پناہ لینے کی تعلیم دی جارہی ہے وہ وہ ذات ہے کہ جس کے حکم سے رات و دن ہو رہے ہیں اور رات و دن اس پورے نظام عالم کی ایک بہت نمایاں علامت ہے تو گویا اس ذات کی پناہ لینے کو کہا جارہا ہے جو اس پورے نظام کی مالک ہے اور جس کے حکم سے یہ پوری کائنات اور اس کا نظام قائم ہے۔ تو جو ذات ایسی ہو کہ اس کے قبضہ میں سب کچھ ہو اور جو سب کا پیدا کرنے والا ہو اس کی پناہ لے لینے کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ اس زمین اور آسمان کی کوئی چیز بھی اپنے طور پر کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتی ہو؟ اس طرح ایک چھوٹا سا جملہ رب فلق کہہ کر یہ بتایا گیا کہ سب کی طرف سے نظریں ہٹا کر اپنے کو صرف اللہ کی پناہ میں دے دیں۔

تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگو

تفسیر اس آیت کی یوں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار و معاندین آپ کو ہر ممکن طریقہ سے ایذا پہنچانے کے درپے ہیں آپ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ آپ کو جسمانی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ آپ کو قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ آپ پر جادو کرتے ہیں۔ غرض کہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کو اعلائے کلمۃ اللہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے آپ اپنی حفاظت کے لئے مالک ارض و سماء سے یوں کہا کریں کہ اے رب فلق تو ہی تاریکی کے عالم کو دور کر کے اجالا کرنے والا ہے۔ تو ہی کفر و عصیان کی ظلمتوں کو معدوم کر کے رشد و ہدایت کی روشنی سے عالم کو منور کرنے والا ہے۔ تو ہی دشمنان دین اور شیاطین جن وانس کی مکاریوں اور ایذا رسانیوں سے حفاظت کرنے والا ہے۔ اس لئے اے قادر مطلق مجھے جمیع مخلوقات کے شر سے تو ہی محفوظ رکھ۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ میں ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں اس سورۃ میں جن چیزوں کی شر یا برائی سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لینے کی تلقین فرمائی گئی ان میں سے سب سے پہلے ''شر ما خلق'' کا ذکر فرمایا گیا اور یہ ایک ایسا فقرہ ہے کہ اس میں

تمام چیزیں شامل ہیں کیونکہ اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے تو اس سے باہر کسی چیز کا امکان ہی نہیں۔ اس طرح شَرِّ مَا خَلَقَ میں حیوانوں کے شر' انسانوں کے شر' جنات کے شر' کیڑے مکوڑے اور دوسری اذیت دینے والی چیزوں کے شر' آندھی' بجلی' پانی' آگ و ہوا کے شر اور اسی طرح تمام بیماریاں آفات و حادثات آسمانی ہوں یا زمینی سب اس میں شامل ہیں اور سب کے شر سے اللہ کی پناہ لینے کی ضرورت ہے۔

اندھیری رات کے شر سے پناہ مانگو

اب آگے بمناسبت مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا گیا ہے جن کے شر سے پناہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی چنانچہ فرمایا وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات چھا جائے۔ غاسق اندھیری رات کو کہتے ہیں جب اندھیری رات اچھی طرح پھیل جاتی ہے تو اس کا شر بھی بڑھ جاتا ہے۔ رات کے شر کا تصور ہر زمانے اور ہر مقام کے لحاظ سے الگ الگ ہو سکتا ہے چور' ڈاکو' قاتل عموماً اندھیری رات ہی میں نکلتے ہیں۔ جنگلی جانور اور موذی درندے جیسے شیر' چیتا' تیندوا' بھیڑیا وغیرہ رات میں اکثر اذیت پہنچاتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق متعدد بیماریوں کے کیڑے اندھیرے ہی میں پرورش پاتے ہیں اور آفتاب کی روشنی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ حشرات الارض سانپ بچھو ان کے خطرات رات ہی میں بڑھ جاتے ہیں۔ اور تکلیف دہ کیڑوں مکوڑوں کھٹمل' مچھر' پسو وغیرہ کے رات ہی میں ستانے کا تجربہ تو قریب قریب ہر شخص کو ہے۔ پھر جنات و خبائث جن کا مادہ ظلماتی ہے اور نور سے جن کو نفرت ہے وہ رات ہی میں نکلتے ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب رات آئے بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دو۔ اس واسطے کہ اس وقت شیطان کا لشکر پھیلتا ہے۔ جادوگروں اور طلسم والوں کی قوت کا وقت بھی رات ہی ہے اس لئے کہ آفتاب کے قاہرہ کے سبب سے ان کے عمل دن کو تاثیر کم کرتے ہیں پھر اصحاب فسق و فجور کا گناہوں میں مشغول ہونے کا وقت بھی رات ہی ہے۔ الغرض رات کی ممکن شرانگیزیوں سے پناہ جوئی بشری زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔

جادوگروں سے پناہ مانگو

یہاں سورۃ میں تین اہم چیزوں کے شر سے پناہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔ پہلی چیز اندھیری رات جب کہ خوب پھیل جائے جس کا بیان اوپر وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ میں ہوا۔ دوسری چیز آگے فرمائی وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے) النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفوس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت یا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ منتر وغیرہ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ تو ایسے جادو کرنے والے مرد اور جادو کرنے والی عورتوں کے شر سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

جادو کی دو قسمیں اور ان کا شرعی حکم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں سحر (جادو) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سحر حرام۔ اور محاورات (یعنی اصطلاح میں اکثر اسی پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسرے سحر حلال جیسے عملیات اور عزائم اور تعویذ وغیرہ کہ لغۃً یہ بھی سحر کی قسم میں داخل ہے۔ اور ان کو سحر حلال کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعویذ وعزائم (عملیات) وغیرہ مطلقاً جائز نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس میں اسماء الٰہی سے استعانات (مدد حاصل کرنا ہو) اور مقصود بھی جائز ہو تو جائز ہے اور اگر مقصود ناجائز ہو تو حرام ہے۔

اور اگر شیاطین سے استعانت (مدد حاصل کرنا) ہو تو مطلقاً حرام ہے۔ خواہ مقصود اچھا ہو یا برا۔ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جب مقصود اچھا ہو تو شیاطین کے نام سے بھی استعانت (مدد حاصل کرنا) جائز ہے یہ بالکل غلط ہے۔ خوب سمجھ لو۔ (التبلیغ)

حاسدوں کے حسد سے پناہ مانگو

تیسری چیز جس کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی وہ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ہے (اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے) حسد دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس اللہ کی کسی نعمت کو دیکھے تو اس کا دل جلے

اور کڑھے اور یہ چاہے کہ یہ نعمت اس سے ضائع ہو جائے۔ چھن جائے اور جاتی رہے۔ اور اس کے بدلہ مجھے مل جائے اور اس کے لئے حیلے اور تدابیر عمل میں لائے شریعت اسلامیہ میں حسد بالکل ناجائز گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ ہاں دوسرے کی نعمت دیکھ کر اپنے لئے بھی آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی ہے تو یہ حسد میں داخل نہیں اور اس کو شریعت میں غبطہ کہتے ہیں۔ غبطہ جائز ہے حسد کی یہ بیماری دل کی بدترین بیماریوں میں سے ہے اور حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لئے اپنی خرابی و بربادی کی بھی پروا نہیں کرتا اس لئے یہ شر بہت ہی بڑا شر ہے۔ حکماء نے لکھا ہے کہ یہ مرض حسد وہ جہاں سوز ہے کہ جس کی آگ میں پہلے حاسد خود جلتا ہے پہلا گناہ جو آسمانوں کے اوپر ہوا ہے وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا جس کے نتیجہ میں اپنے آپ بھی برباد ہوا اور حضرت آدمؑ کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا۔ اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ حضرت آدمؑ کی اولاد قابیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عقبیٰ بھی بربادی اور بھائی مظلوم کو بھی قتل کیا۔ تو اکثر مفسرین کے نزدیک **من شر حاسد اذا حسد** کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے تو اس کی بدی اور اس کے حسد کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ قادر مطلق اس کی مضرت کے اسباب سے محفوظ رکھے اور اللہ ہی سے اس طرح استغاثہ اور فریاد کرے کہ جب اس نے ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے تو وہ ہمیں ان لوگوں کے شر سے بھی محفوظ رکھے جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دیکھ کر جلتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں۔ یہاں آیت وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفت بد سے دل کو محفوظ رکھے کہ یہ دل میں پیدا نہ ہونے پائے ورنہ پھر سعادت سے محرومی ہو جاتی ہے۔ یہود مدینہ باوجودے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے اور سعادت سے محروم رہ گئے۔

خلاصہ: اس سورت میں اللہ نے اپنی ایک صفت بیان فرما کر چار چیزوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ مخلوق کے شر سے۔ اندھیرے کے شر سے (عام طور پر چور، شیاطین، جنات، حشرات اور ساحر اندھیرے ہی میں اپنا کام دکھاتے ہیں)۔ پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے جو کہ جادو اور ٹونے کرتی ہیں۔ یہ کام اگرچہ مرد بھی کرتے ہیں لیکن عورتیں تعویذ گنڈے میں ہمیشہ پیش پیش دکھائی دیتی ہیں اس لیے قرآن نے عورتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ حاسد کے شر سے۔

سورۃ الفلق کے خواص

۱......رزق کی آسانی کے لئے سورۂ فلق کو روزانہ پڑھنا مفید ہے۔

۲......مخلوقات کے شر اور حسد سے بچنے کے لئے سورۂ فلق کو روزانہ پڑھیں ان شاء اللہ حفاظت ہوگی۔

جادو کی کاٹ کیلئے معوذتین کا عمل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

۱- **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** تین تین بار پانی پر دم کر کے مریض کو پلا دیں اور زیادہ پانی پر دم کر کے اس پانی میں نہلا دیں اور یہ دعا چالیس روز تک روزمرہ چینی کی تشتری پر لکھ کر پلایا کریں۔ يَاحَيُّ حِيْنَ لَا حَيَّ فِي دَيْمُوْمَةِ مُلْكِهٖ وَبَقَائِهٖ يَاحَيُّ انشاء اللہ تعالیٰ جادو کا اثر جاتا رہے گا اور یہ دعا ہر اس بیمار کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ جس کو حکیموں نے جواب دیدیا ہے۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہمیں ہر حال میں اپنی ذات پاک پر توکل اور بھروسہ کرنے کی نعمت و دولت عطا فرما۔ اور اپنے متوکل بندوں کی جیسے آپ مدد و نصرت اور حفاظت فرماتے ہیں ہماری بھی مدد و حفاظت فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝

آپ کہیئے کہ میں آدمیوں کے مالک آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے

الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا آدمی۔

قُلْ کہہ دیجئے	اَعُوْذُ میں پناہ میں آتا ہوں	بِرَبِّ رب کی	النَّاسِ لوگ	مَلِكِ بادشاہ	النَّاسِ لوگ	اِلٰهِ معبود	النَّاسِ لوگ	مِنْ سے
شَرِّ شر	الْوَسْوَاسِ وسوسہ ڈالنے والے	الْخَنَّاسِ چھپ کر حملہ کرنیوالے	الَّذِيْ جو	يُوَسْوِسُ وسوسہ ڈالتا ہے	فِيْ میں			
صُدُوْرِ سینے (دل)	النَّاسِ لوگ	مِنَ سے	الْجِنَّةِ جن (جمع)	وَالنَّاسِ اور انسان				

سورۂ فلق اور سورۂ الناس کے مضامین کا ربط

جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان کیا گیا یہ آخری دو سورتیں قرآن پاک کی یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ معوذتین کہلاتی ہیں۔ یعنی وہ دو سورتیں جن میں استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ گذشتہ سورۂ فلق میں مضرات اور شرور دنیویہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی اور اس سورۃ میں مضرات اور شرور دینیہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنے کی ہدایت دی جاتی ہے کیونکہ نعمتیں دو ہی طرح کی ہیں ایک دنیوی یا مادی نعمتیں جسے مال دولت، اولاد، منصب و اقتدار، حکومت سلطنت وغیرہ۔ دوسرے دینی یا معنوی جسے ایمان، اسلام، اخلاق حسنہ وغیرہ۔ تو گذشتہ سورۂ فلق میں جن چیزوں کے شر سے اللہ کی پناہ لینے کی تعلیم دی گئی تھی وہ سب خارج میں پائی جاتی تھیں مثلاً کسی دوسرے کا ظلم، کسی چیز سے پہنچنے والی تکلیف جادو یا حسد وغیرہ لیکن اس سورۃ میں جس چیز سے پناہ لینے کی تعلیم دی جارہی ہے وہ وہ شر ہیں کہ جو خاص انسان کے قلب پر پہنچتے اور اثر کرتے ہیں یعنی شیطانی خیالات اور وساوس جو قلب پر اثر کر کے ایمان کو زائل یا ناقص کر دیتے ہیں اور جب قوت ایمانی جاتی رہی تو پھر آدمی دین کا رہا اور نہ دنیا کا۔

اپنے رب مالک اور معبود کی پناہ میں آؤ

اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے تمام مومنین کو حکم ہے کہ شیطانی خیالات و وساوس سے ہر وقت اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہئے کہ میں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمام انسانوں کا رب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تمام انسانوں کا مالک اور بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ تمام انسانوں کا الٰہ یعنی معبود ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور بادشاہت اور معبودیت تمام مخلوقات کو شامل ہے لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا اسی لئے "رب" اور ملک اور الٰہ کی اضافت انسان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز شیطانی خیالات اور وساوس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوقات کی شان بھی نہیں۔ اس

لئے حکم ہوتا ہے کہ جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو وہ اس پاک اور برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آ جائے جو تمام انسانوں کا پالنے اور پرورش کرنے والا ہے۔ جو تمام انسانوں کا حقیقی مالک اور شہنشاہ بھی ہے اور جو معبود حقیقی اور لائق عبادت و بندگی بھی ہے۔ یہاں ان تین صفات کے ذکر سے یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ بندہ صرف اللہ کی پناہ لے جو ان صفات کا مالک ہے اور کوئی دوسری ہستی ان صفات کی مالک نہیں اس لئے اللہ کے سوا کوئی دوسری ذات پناہ طلب کرنے کے لائق نہیں۔

شیطان کی وسوسہ اندازی سے پناہ مانگو

اب آگے اس سورۃ میں جس چیز کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی جاتی ہے اس کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ یعنی مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے وسواس اسے کہتے ہیں جو وسوسہ ڈالے اور وسوسہ دل میں آنے والے برے خیال کو کہتے ہیں۔ شیطان کا کام یہی ہے کہ وہ انسان کے دل میں برے خیالات ڈالا کرتا ہے۔ اور انسان کی نظروں سے غائب رہ کر انسان کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ اس شیطان کی صفت یہاں خناس فرمائی گئی یعنی وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا یعنی چور اور داؤ گھات والا قزاق ہے جیسا چوروں بدمعاشوں اور قزاقوں کی عادت ہوتی ہے کہ کام کیا اور سٹک گئے۔ ایسے ہی شیطان ہے کہ خرمن ایمان میں چنگاری ڈالی اور چل دیا۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر چنگل مارے ہوئے ہے۔ جہاں انسان بھولا اور غفلت کی اس نے وسوسہ ڈالنے شروع کئے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا خناس کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے اور جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے۔ آگے اور توضیح فرمائی جاتی ہے کہ وہ وسواس کیا کرتا ہے۔ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ، بدخطرات اور ناپاک خیالات ڈالا کرتا ہے۔ اگر کوئی نیک کام کرنے لگے تو قسم قسم کے شبہات اس کے دل میں پیدا کرتا ہے اور اس کار خیر سے ہر ممکن طریقہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر شیطان خون کی طرح رگ و ریشہ میں پھرتا ہے۔ مگر یہ بھی ذہن نشین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ اختیار تو دیا ہے کہ وہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈال سکے لیکن اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ جبراً انسان سے کوئی غلط کام بھی کرالے۔ دل میں وسوسہ آنے کے بعد بندے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اس خیال کے مطابق برائی میں مبتلا ہو جائے اور چاہے تو وسوسہ کو رد کر دے اور برائی سے بچ جائے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں محض دل میں وسوسہ آنے پر کوئی گرفت نہیں۔ ہاں اس وسوسہ کے مطابق عمل کرنے پر گرفت ہوگی۔ الغرض ابلیس اور اس کی ذریت کو قلوب بنی آدم تک اس طرح رسائی ہے کہ وہ طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالا کرتا ہے۔

وسوسہ اندازی انسان بھی کرتے ہیں

آگے فرمایا جاتا ہے مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ خواہ وہ جن ہو یا آدمی یعنی شیطان جنات میں بھی ہیں اور انسانوں میں بھی۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے یعنی شیاطین الجن اور شیاطین الانس سے ہم کو ہر آن اپنی پناہ میں رکھیں۔ یعنی کچھ ابلیس اور اس کی ذریت پر ہی موقوف نہیں انسانوں میں بھی ایسے ہیں کہ جو ایمان یا نیک کام میں یا کار خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا کرتے ہیں کبھی اپنی سحر بیانی سے کبھی ملمع کار تقاریر سے کبھی مشفق و مہربان کی صورت میں کبھی مصلح و ہمدرد قوم کی شکل میں کبھی لیڈر و رہنما کے لباس میں اور کبھی فقیری کے لباس میں غرضکہ نہ معلوم کتنے بہروپ بدل کر انسانی شیطان وہ وہ کام کرتے ہیں کہ شیطان بھی ان پر رشک کھاتا ہے اور ان انسانی شیطانوں کا بھی ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور رہا ہے۔ اور خصوصاً اس آزادی کے دور میں تو ان انسانی خناسوں کی خوب بن آئی ہے۔ جو چاہیں کریں۔ جو چاہیں کہیں انہیں کوئی پوچھنے اور روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اسلام اور شعائر اسلام کی توہین کرتے ہیں۔ احکام شریعت پر قہقہہ اڑاتے ہیں۔ شیدائیان مغرب اور عاشقان یہودیت و نصرانیت اسلام کے لباس میں لوگوں کو الحاد و زندقہ کی دعوت دیتے

ہیں۔ یہ انسانی خناس عام بدکاری کے ایسے اسباب پیدا کر رہے ہیں کہ ایمان کا تھامنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ ہاتھ میں انگارے کا تھامنا۔ سینکڑوں تباہ کن رسم ورواج پیدا کر کے قانون شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ شراب خواری‘ زنا کاری‘ برہنہ تصاویر‘ طرح طرح کے لہو ولعب۔ گاجے باجے‘ تھیٹر سینما ایسے جاری ہو رہے ہیں کہ جن سے کوئی شہر خالی نہ ہوگا۔ سود اور اس کے معاملات کی ایسی وبا پھیلی کہ جس سے کوئی تجارت یا کوئی معاملہ نہ بچ سکے۔ ابلیس لعین بھی ان انسان نما شیاطین کی سیہ کاریوں کو دیکھ کر حیران و ششدرر رہ جاتا ہوگا کہ شاگرد رشید تو ایسے نکلے کہ استاد سے بھی کئی گناہ سبقت لے گئے۔ اب تو شیطان بھی بفراغت آرام کرتا ہوگا کہ اس کے چیلے چانٹوں نے کچھ کمی نہیں چھوڑی کہ جو اس کو تکلیف گوارا کرنی پڑے۔ الغرض انسانی خناس ہو یا جناتی خناس سب کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس پرفتن دور میں ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

ایک اہم نکتہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ومفسر دہلویؒ نے ان دونوں سورتوں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے تفسیر کے سلسلہ میں ایک عجیب اور نہایت لطیف نکتہ یہ لکھا ہے کہ سورۃ فلق میں اللہ تعالیٰ کی ایک ہی صفت سے یعنی جو رب فلق ہے تین چیزوں کی بڑائی سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ ایک تاریکی کے شر سے‘ دوسرے سحر کے شر سے‘ تیسرے حاسد کے حسد کے شر سے۔ اور سورۃ الناس میں ایک ہی چیز کی برائی سے یعنی شیطان کے وسوسہ سے حق تعالیٰ کی تین صفتوں سے جو رب الناس ہے ملک الناس ہے اور الٰہ الناس ہے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دین کی حفاظت مقدم اور زیادہ ضروری ہے۔ جان اور بدن کی حفاظت سے۔ اس واسطے کہ وسواس شیطانی دین کا خراب کرنے والا ہے اور وہ تینوں چیزیں یعنی تاریکی‘ سحر‘ اور حسد جان و بدن کو ضرر پہنچانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی جان سے زیادہ اپنے دین وایمان کو بچانے کی توفیق وہمت عطا فرمائیں۔

قرآن کریم کی ابتداء واختتام میں ربط وتوافق

اب اخیر میں ایک عجیب لطیفہ جس کو حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے یہاں خاتمہ پر بتغیر الفاظ نقل کیا جاتا ہے حضرتؒ لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں جس سے قرآن کا حسن آغاز وانجام بھی ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ خاتمہ قرآن پر اس سورۃ کے اور ابتدائے قرآن میں سورۂ فاتحہ کے مضامین میں غایت درجہ کا تقارب ہے اور دونوں سے توحید متحقق ہے چنانچہ یہاں سورۃ الناس میں رَبِّ النَّاسِ ہے اس کی مناسبت سے سورۂ فاتحہ میں رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ یہاں مَلِكِ النَّاسِ ہے اس کی مناسبت سے سورۂ فاتحہ میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے اور یہاں اِلٰهِ النَّاسِ ہے اس کی مناسبت سے سورۂ فاتحہ میں ایاک نعبد ہے اور یہاں استعاذہ کی تعلیم ہے اس کے مناسب وہاں سورۂ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ اور یہاں مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ہے اس کے مناسب سورۂ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہے اور ایک نکتہ مفسرین نے ابتداء واختتام قرآن کی مناسبت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائے قرآن کی اللہ تعالیٰ کے وصف ربوبیت سے تھی اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرمایا تھا۔ اور اختتام وصف الوہیت پر ہوا اور الٰہ الناس فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جاوے اور اسی کی شکر گزاری کے ساتھ عبادت واطاعت میں عمر گزار دی جائے۔

خلاصہ

یہ معوذتین میں سے دوسری سورت ہے اور ان دونوں سورتوں کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کے بارے میں فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج ایسی دو سورتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی کوئی مثال نہیں یعنی اللہ کی پناہ مانگنے میں یہ دونوں سورتیں بے مثال ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دو سورتوں سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں، یہ جسمانی اور روحانی آفات دور کرنے میں بے حد مؤثر ہیں۔

قرآن کے آخر میں ان دو سورتوں کے لانے اور سورۂ فاتحہ سے شروع کرنے میں بڑی گہری مناسبت ہے، سورۂ فاتحہ میں بھی اللہ کی مدد مانگی گئی تھی اور ان دونوں سورتوں میں بھی یہی مضمون ہے۔ گویا کہ اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ بندے کو ابتدا سے انتہاء تک اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اس سے مدد مانگتے رہنا چاہیے۔

سورۂ ناس میں اللہ کی تین صفات مذکور ہیں: ربوبیت، مالکیت اور الہیت۔ یہ تین صفات ذکر فرما کر ایک چیز کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے وسوسہ ڈالنے والے کا شر۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وسوسہ کتنی خطرناک اور مہلک بیماری ہے، وسوسہ شیطان بھی ڈالتا ہے اور انسان بھی، آج کا سارا مغربی میڈیا مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کے حوالے سے وسوسہ اندازی میں مصروف ہے اور وسوسے کی بیماری بہت عام ہو چکی ہے، اس لیے کثرت کے ساتھ ان دو سورتوں کو ورد زبان بنانے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سورۂ فلق میں ایک صفت ذکر فرما کر چار آفات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہاں چار صفات ذکر فرما کر ایک آفت کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ پہلی سورت میں نفس اور بدن کی سلامتی مطلوب ہے جبکہ دوسری سورت میں دین کے ضرر سے بچنا اور اس کی سلامتی مطلوب ہے اور دین کا چھوٹے سے چھوٹا نقصان دنیا کے بڑے سے بڑے نقصان سے زیادہ خطرناک ہے۔

اگر ہم نے قرآن سے سچا تعلق قائم کیے رکھا اور اسے پڑھنے، سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے سارے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کرتے رہے تو ان شاء اللہ ہمارا اور ہماری آنے والی نسلوں کا دین و ایمان محفوظ رہے گا۔

سورۃ الناس کے خواص

۱...... جو آدمی سورۃ الناس کی تلاوت کو اپنا معمول بنائے وہ امن و سلامتی میں رہے گا۔

۲...... جس آدمی کو یا جانور وغیرہ کو نظر بد کا اثر ہو تو سورۃ الناس پڑھ کر اس پر دم کریں اللہ کے فضل سے درست ہو جائے گا۔

۳...... مریض پر سورۂ ناس کا دم کرنے سے افاقہ ہوتا ہے۔

۴...... جو آدمی نزع کے عالم میں ہو اس پر سورۂ ناس پڑھنے سے اس کی موت آسان ہو جاتی ہے۔

۵...... جنوں اور انسانوں کے شر سے اور وہم و وسواس سے محفوظ رہنے کے لئے سوتے وقت سورۂ ناس پڑھ کر سوئے۔

۶...... بچوں کو جنوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے سورۃ الناس کو لکھ کر ان کے گلے میں لٹکانا مفید ہے۔

۷...... جس آدمی کو بادشاہ یا افسر وغیرہ کے ظلم کا خوف ہو وہ اس کے پاس داخل ہوتے وقت سورۃ الناس پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ان کے شر کے لئے اسے کافی ہو جائے گا اور یہ امن و امان میں رہے گا۔

دعا کیجئے

یَااللّٰہ اس پُر فتن دور میں ہم کو قرآن کو سینہ سے لگائے رکھنے اور اس کا سچا خادم اور متبع ہو کر زندہ رہنے اور اسی پر موت آ جانے کی سعادت مقدر فرما۔

یَااللّٰہ آپ ہی ہمارے دین و ایمان کی حفاظت فرمایئے اور تمام شرور و فتن ظاہری و باطنی سے عموماً اور شیاطین الجن والانس کے خطرات و وساوس سے خصوصاً ہم کو اپنی پناہ نصیب فرما دیجئے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ